تصوف

مجموعہ رسائلِ امام غزالیؒ

از: حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

بادشاہ بننا چاہتے ہو یا ولی

- ایّھا الولد
- تربیت اولاد کے زرّیں اصول
- شرح اسماء الحسنٰی
- مشکوٰۃ الانوار
- حقیقت السّماع
- آداب الاخلاق
- القسطاس المستقیم

دار الاشاعت

تصوف

مجموعہ

رسائل امام غزالیؒ اردو

از: حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد اوّل

بادشاہ بننا چاہتے ہو یا ولی

ایُّہا الولد	تربیت اولاد کے زرّیں اصول
شرح اسماء الحسنٰی	مشکوٰۃ الانوار
حقیقت السّماع	آداب الاخلاق

القسطاس المستقیم

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

Marfat.com

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی

ضخامت : 532 صفحات

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دار العلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی

بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

ادارہ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انار کلی لاہور

بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Copks Road, London E15 2PW

Marfat.com

فہرست مضامین

مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

جلداول مشتمل بر ہشت حصص

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
آغازِ کتاب	۱۵	نواں مقالہ	۳۱
پہلا مقالہ	؍	(نان پز اور باورچی اور قصاب کی	؍
دوسرا مقالہ طرز زندگانی کے بیان	۱۹	ترتیب کے بیان میں)	؍
میں	؍	دسواں مقالہ	۳۴
تیسرا مقالہ:	۲۰	گیارہواں مقالہ	۳۵
چوتھا مقالہ	۲۲	بارہواں مقالہ	۳۶
(ترتیب خلافت کے بیان میں)	؍	آداب سفر کے بیان میں	؍
پانچواں مقالہ	۲۳	تیرہواں مقالہ	۳۸
(امور سلطنت کی ترتیب وتدبیر میں)	؍	(قسم کے متعلق حیلوں کے بیان	؍
چھٹا مقالہ	۲۵	میں)	؍
(ترتیب حکام کے بیان میں)	؍	کتاب سر العالمین کا دوسرا حصہ	۵۴
ساتواں مقالہ	۲۷	چودھواں مقابلہ	۵۶
(حاشیۂ دولت کی ترتیب میں)	؍	(چند نصائح میں)	؍
آٹھواں مقالہ	۳۰	پندرہواں مقالہ	۵۸
(چوبداروں اوروزیروں اور	؍	دلیل مستدل کے قطع کرنے میں	؍
منشیوں کی ترتیب میں)	؍	سولہواں مقالہ	۵۹

Marfat.com

طہارت اور اس کے آداب	″	نبوت اور سعادات کے بیان میں	۹۷
واسباب کے بیان میں	″	ستائیسواں مقالہ	۱۰۰
سترھواں مقالہ	۶۱	اذکار کے بیان میں	″
کتاب الصلوٰۃ	۶۵	اٹھائیسواں مقالہ (۲۸)	۱۰۲
پہلا مقالہ	″	جہاد نفس اور اس کی تدبیر کے بیان	۱۰۳
اٹھارہواں مقالہ	۶۹	میں	″
خواص کے بیان اور تحقیق میں	″	انتیسواں مقالہ (۲۹)	۱۰۸
زعفران بنانے کی ترکیب	۷۲	فصل	۱۱۰
مشک بنانے کی ترکیب	۷۳	(شوق اور مکاشفہ کے بیان میں)	″
بیسواں مقالہ	۷۵	فصل	۱۱۲
علم عزائم وتسخیر کواکب کے بیان	″	(وعظ اور نصیحت کے بیان میں)	″
میں	″	تیسواں مقالہ	۱۱۳
اکیسواں مقالہ	۷۸	(علم وعمل کے بیان میں)	″
گفتگو کے بیان میں	″	فصل	۱۱۶
بائیسواں مقالہ	۸۲	(عجائب اسفار کے بیان میں)	″
(وجود عالم کے بیان میں)	″	فصل	۱۲۰
تئیسواں مقالہ	۸۵	(بلند ہمتی کے بیان میں)	″
شربتوں کے بیان میں	″	مقالہ ابن سیناء پر رد کے بیان میں	۱۲۲
مربوں کا بیان	″	فصل	۱۲۴
چوبیسواں مقالہ	۹۰	(زہد کے بیان میں)	″
(کھانے پینے کے آداب میں)	″	فصل	۱۳۰
پچیسواں مقالہ	۹۳	روح کے بیان میں	″
(تہذیب نفوس کے بیان میں)	″	فصل	۱۳۳
چھبیسواں مقالہ (۲۶)	۹۶	موت کے بیان میں	″

Marfat.com

فصل	۱۳۷
(قیامت صغریٰ اور کبریٰ کے بیان میں)	،،
فصل	،،
(اسرار نبوت کے بیان میں)	۱۴۰
فصل	۱۴۴
نصائح امام غزالیؒ	۱۴۶
یعنی	،،
ایھا الولد	،،
تعارف کتاب	۱۴۸
حاتم بن اصمؒ کے بیان کردہ فوائد	۱۶۲
شیخ کے اوصاف	۱۶۷
شیخ کی اطاعت	،،
ظاہری آداب	۱۶۸
باطنی آداب	،،
تصوف کی حقیقت	،،
بندگی کی حقیقت	۱۶۹
توکل کی حقیقت	،،
اخلاص کی حقیقت	،،
آٹھ نصیحتیں	۱۷۱
مناظرہ کا اصول	،،
مریض کی اقسام	۱۷۲
نصیحت بقدر ظرف	۱۷۳
نصیحت کے قابل شخص	،،
۲ وعظ کی حقیقت	۱۷۴
۳ امراء اور بادشاہوں سے دور رہنا	۱۷۶
۴ حاکموں کے تحفے قبول نہ کرنا	،،
عمل کے قابل چار باتیں	۱۷۷
اللہ تعالیٰ سے تعلق کا طریقہ	،،
اللہ کے بندوں سے تعلق کا طریقہ	،،
مطالعہ کی تلقین	۱۷۸
۴ خوراک کا ذخیرہ نہ کرنا	۱۷۹
تربیت اولاد کے زریں اصول	۱۸۲
از	
حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	،،
تربیت اولاد	۱۸۳
سخنہائے گفتنی	
اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داری	۱۸۴
موجودہ اسکولوں کی حالت	۱۸۵
پس چہ باید کرد اے اخوان دیں	۱۸۷
آخری گذارش	۱۸۸
ضروری عرضداشت	۱۸۹
حضرت امام غزالیؒ	۱۹۰
بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت	۱۹۰

Marfat.com

اور تحسین اخلاق کا بیان	،
تمہید	،
حلال غذا کی ضرورت واہمیت	۱۹۲
آداب طعام کا بیان	۱۹۳
آداب لباس کا بیان	۱۹۵
شعر وشاعری کی وباء	۱۹۶
نیکیوں پر ابھارنے اور برائیوں	۱۹۷
سے روکنے کا طریقہ	،
زیادہ جھڑکنے کے نقصانات	،
سونے کے آداب ولوازم	۱۹۸
تکبر اور غرور کی ممانعت	۱۹۹
آداب مجلس وآداب کلام	۲۰۰
صبر وتحمل	۲۰۱
ورزش کی اہمیت وفوائد	۲۰۲
بزرگوں کی تعظیم کے آداب	،
غذا کے متعلق عمدہ تخیل	۲۰۳
دنیا کی بے ثباتی	،
عقل مند کون ہے؟	
بچے کی فطرت اور والدین کا فرض	۲۰۴
عمدہ تربیت کے اعلیٰ نتیجہ پر ایک	،
تاریخی شہادت	،
حاصل کلام	۲۰۶
الحمد للہ والمنہ حجۃ الاسلام ابو حامد	۲۰۷
امام محمد الغزالیؒ کی کتاب	،

المقصد الاسنیٰ فی شرح	،
اسماء الحسنیٰ	،
مقدمہ	۲۰۹
(۱) پہلا فن	
(۲) دوسرا فن	،
(۳) تیسرا فن	،
فن اول	،
پہلا فن	۲۱۱
ابتدائی باتوں میں	
پہلی فصل	،
اسم، مسمیٰ اور تسمیہ کے معنی	،
پہلی صورت	۲۱۵
دوسری صورت	،
تیسری صورت	،
دوسری فصل	۲۲۷
اسماء قریب المعنیٰ کا بیان اور اس امر	،
کا ذکر کہ کیا	
ایسے اسماء کا مترادف ہونا جائز ہے	،
یا ان کے	
مفہومات مختلف ہونا لازم ہے	،
تیسری فصل	۲۲۹
مختلف معنوں والے اسم کا بیان	،
چوتھی فصل	۲۳۱

Marfat.com

اس امر کا بیان کہ بندہ کا کمال اور سعادت اس میں ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اخلاق الہیہ کا خوگر بنے اور اللہ کے اسماء وصفات کے معنی سے اپنا باطن آراستہ کرے۔	″
اول	۲۳۲
دوم	″
سوم	۲۳۳
اَسْمَاءُ الْحُسْنیٰ کے معانی کی تفصیل شروع کرتے ہیں۔	۲۴۵
دوسرا فن	″
مقاصد خاص میں	
پہلی فصل	
اللہ کے ننانوے نام کی شرح	″
(۱) اللہ	۲۴۶
(۲) الرحمن	۲۴۸
(۳) الرحیم	″
(۴) اَلْمَلِکُ	۲۵۲
(۵) اَلْقُدُّوْسُ	۲۵۳
(۶) اَلسَّلَامُ	۲۵۵
(۷) اَلْمُؤْمِنُ	۲۵۶
(۸) اَلْمُهَيْمِنُ	۲۵۸

(۹) اَلْعَزِيْزُ	۲۵۹
(۱۰) اَلْجَبَّارُ	۲۶۰
(۱۱) اَلْمُتَكَبِّرُ	۲۶۱
(۱۲) اَلْخَالِقُ	۲۶۲
(۱۳) اَلْبَارِئُ	″
(۱۴) اَلْمُصَوِّرُ	″
(۱۵) اَلْغَفَّارُ	۲۶۶
(۱۶) اَلْقَهَّارُ	۲۶۷
(۱۷) اَلْوَهَّابُ	۲۶۸
(۱۸) اَلرَّزَّاقُ	۲۷۱
(۱۹) اَلْفَتَّاحُ	۲۷۲
(۲۰) اَلْعَلِيْمُ	۲۷۳
(۲۱) القابض	۲۷۴
(۲۲) اَلْبَاسِطُ	″
(۲۳) اَلْخَافِضُ	۲۷۵
(۲۴) اَلرَّافِعُ	″
(۲۵) اَلْمُعِزُّ	۲۷۶
(۲۶) اَلْمُذِلُّ	″
(۲۷) اَلسَّمِيْعُ	۲۷۷
(۲۸) اَلْبَصِيْرُ	۲۷۸
(۲۹) اَلْحَكَمُ	۲۷۹
(۳۰) اَلْعَدْلُ	۲۸۵
(۳۱) اَللَّطِيْفُ	۲۸۹
(۳۲) اَلْخَبِيْرُ	۲۹۱

Marfat.com

(۳۳) اَلْحَلِیْمُ		(۵۷) اَلْحَمِیْدُ	۳۱۸
(۳۴) اَلْعَظِیْمُ		(۵۸) اَلْمُحْصِی	
(۳۵) اَلْغَفُوْرُ	۲۹۳	(۵۹) اَلْمُبْدِئُ	۳۱۹
(۳۶) اَلشَّکُوْرُ		(۶۰) اَلْمُعِیْدُ	
(۳۷) اَلْعَلِیُّ	۲۹۴	(۶۱) اَلْمُحْیِی	۳۲۰
(۳۸) اَلْکَبِیْرُ	۲۹۷	(۶۲) اَلْمُمِیْتُ	
(۳۹) اَلْحَفِیْظُ		(۶۳) اَلْحَیُّ	
(۴۰) اَلْمُقِیْتُ	۳۰۰	(۶۴) اَلْقَیُّوْمُ	
(۴۱) اَلْحَسِیْبُ	۳۰۱	(۶۵) اَلْوَاجِدُ	۳۲۱
(۴۲) اَلْجَلِیْلُ	۳۰۳	(۶۶) اَلْمَاجِدُ	
(۴۳) اَلْکَرِیْمُ	۳۰۴	(۶۷) اَلْوَاحِدُ	
(۴۴) اَلرَّقِیْبُ		(۶۸) اَلصَّمَدُ	۳۲۲
(۴۵) اَلْمُجِیْبُ	۳۰۵	(۶۹) اَلْقَادِرُ	
(۴۶) اَلْوَاسِعُ	۳۰۶	(۷۰) اَلْمُقْتَدِرُ	
(۴۷) اَلْحَکِیْمُ	۳۰۷	(۷۱) اَلْمُقَدِّمُ	۳۲۳
(۴۸) اَلْوَدُوْدُ	۳۰۹	(۷۲) اَلْمُؤَخِّرُ	
(۴۹) اَلْمَجِیْدُ	۳۱۰	(۷۳) اَلْاَوَّلُ	۳۲۴
(۵۰) الباعث	۳۱۱	(۷۴) اَلْآخِرُ	
(۵۱) اَلشَّہِیْدُ	۳۱۴	(۷۵) اَلظَّاہِرُ	۳۲۵
(۵۲) اَلْحَقُّ		(۷۶) اَلْبَاطِنُ	
(۵۳) اَلْوَکِیْلُ	۳۱۶	(۷۷) اَلْبَرُّ	۳۲۷
(۵۴) اَلْقَوِیُّ	۳۱۷	(۷۸) اَلتَّوَّابُ	۳۲۸
(۵۵) اَلْمَتِیْنُ		(۷۹) اَلْمُنْتَقِمُ	
(۵۶) اَلْوَلِیُّ		(۸۰) اَلْعَفُوُّ	۳۲۹

Marfat.com

(۸۱) اَلرَّؤُفُ	،	فلاسفہ متاضلین کے مذہب پر ان	۳۴۹
(۸۲) مَالِکُ الْمُلْکِ	،	تمام صفات کے ایک ذات کی	،
(۸۳) ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ	۳۳۰	طرف رجوع کرنے کا بیان	،
(۸۴) اَلْوَالِی	،	تیسرا فن لواحق اور تتمہ جات میں	۳۵۲
(۸۵) اَلْمُتَعَالِی	۳۳۱	پہلی فصل	،
(۸۶) اَلْمُقْسِطُ	،	اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نام	،
(۸۷) اَلْجَامِعُ	۳۳۲	صرف ننانوے نہیں ہیں	،
(۸۸) اَلْغَنِیُّ	۳۳۳	دوسری فصل	۳۵۴
(۸۹) اَلْمُغْنِیُّ	،	اسمائے باری تعالیٰ میں سے ننانویں	،
(۹۰) اَلْمَانِعُ	۳۳۴	کی تخصیص کا فائدہ	،
(۹۱) الضَّارُّ	،	تیسری فصل	۳۶۰
(۹۲) النَّافِعُ	،	اس امر کا بیان کہ اسمائے باری	،
(۹۳) اَلنُّوْرُ	۳۳۵	تعالیٰ توقیف پر موقوف ہیں یا	،
(۹۴) اَلْھَادِیُ	،	بطریق عقل جائز ہیں	،
(۹۵) اَلْبَدِیْعُ	۳۳۶	مشکوٰۃ الانوار	۳۶۴
(۹۶) اَلْبَاقِیُ	،	دیباچہ	۳۶۵
(۹۷) اَلْوَارِثُ	۳۳۷	باب اول	۳۶۶
(۹۸) اَلرَّشِیْدُ	۳۳۸	اقسام انوار	،
(۹۹) اَلصَّبُوْرُ	،	نور عامی	۳۶۷
خاتمہ	۳۳۹	بلحاظ حسن اشیاء	،
فصل اول	،	حقیقت	۳۶۸
فصل دوم	۳۴۷	فرق مراتب	۳۶۹
مقاصد اور غایات میں	،	عقل کی روایت یکساں نہیں	۳۷۲
فصل سوم	۳۴۹		

Marfat.com

نتیجہ	۳۷۳
نکتہ	۳۷۴
نکتہ	
حقیقت	۳۷۶
حقیقت حقائق	۳۷۸
خاتمہ	۳۸۰
باب دوم	۳۸۵
مشکوۃ و مصباح اور زجاجہ وغیرہ کی تشریح	،
قطب اوّل	۳۸۶
قطب دوم	،
قطب اول	،
تمثیل اور طرز تمثیل کا راز	،
خاتمہ او معذرت	۳۹۱
نکتہ:	۳۹۳
قطب دوم	۳۹۴
مراطب ارواح بشریہ نورانیہ آیت کی مثالوں کا بیان	۳۹۶
خاتمہ	۳۹۸
باب سوم	۳۹۹
قسم اول	۴۰۰
حقیقۃ السماع بوارق الالماع	۴۰۸
التماس	۴۰۹
آداب الاخلاق یعنی اخلاقِ محمدی ﷺ مصنفہ	۴۲۹
آداب واخلاق	۴۳۰
آنحضرت ﷺ کے اخلاق ومعجزات	
پہلا بیان	۴۳۱
اس امر میں کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آداب قرآنی سے مؤدب فرمایا	
دوسرا بیان	۴۳۶
حضور انور ﷺ کے ان اخلاق حمیدہ کے ذکر میں جو بعض علماء نے احادیث سے منتخب کیے ہیں	
تیسرا بیان	۴۴۲
سرور کائنات ﷺ کے ان اخلاق وآداب کے ذکر میں جو حضرت ابو البختری نے روایت کیے ہیں	
چوتھا بیان	۴۴۶

Marfat.com

حضور علیہ السلام کی گفتگو اور خندہ کے ذکر میں	〃
پانچواں بیان	۴۴۹
سرور عالم ﷺ کے کھانا کھانے کے آداب کے ذکر میں	〃
چھٹا بیان	۴۵۵
سید الکونین ﷺ کے اخلاق و آداب متعلقہ لباس کے ذکر میں	〃
ساتواں بیان	۴۵۹
اس ذکر میں کہ حضور اکرم ﷺ باوجود قدرت کے مجرموں کے قصور معاف فرما دیا کرتے تھے	〃
آٹھواں بیان	۴۶۲
اس ذکر میں کہ سید المرسلین ﷺ بری باتوں کو دیکھ کر بھی چشم پوشی فرمایا کرتے تھے۔	〃
نواں بیان	۴۶۳
سید العرب والعجم ﷺ کی جود و سخاوت کے ذکر میں	〃
دسواں بیان	۴۶۵
سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شجاعت کے ذکر میں	〃
گیارھواں بیان	۴۶۶
خاتم النبیین ﷺ کی تواضع کے ذکر میں	〃
بارھواں بیان	۴۶۷
حضور پر نور ﷺ کے حلیہ مبارک کے ذکر میں	〃
تیرھواں بیان	۴۷۰
حضور اکرم ﷺ کے معجزات کے ذکر میں جن سے حضور کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔	〃
قسطاس المستقیم	۴۸۰
مصنف علیہ الرحمۃ کی مختصر سوانح عمری	۴۸۲
مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل تصانیف ہیں	۴۸۵
موازین التعادل میں سے میزان اکبر کا بیان	۴۹۲
میزان اوسط کے بیان میں	۴۹۹

Marfat.com

میزان اصغر کے بیان میں	۵۰۱
میزان التلازم کے بیان میں	۵۰۳
میزان التعاند کا بیان	۵۰۵
شیطانی ترازوؤں سے اہل تعلیم کا وزن کرنا	۵۱۱
اس بارے میں جناب سرور کائنات ﷺ اور آنحضرت کی امت کے علماء کے ہوتے امام معصوم کی ضرورت نہیں اور یہ کہ معجزات کے لحاظ سے جو آنحضرت کی سچائی ظاہر ہوتی ہے اس سے زیادہ واضح اور واثق طریق سے آنحضرت نبی برحق ہیں اور یہ عارفوں کا طریقہ ہے	۵۱۶
اختلافات کی تاریکی سے خلقت کو نجات دلانے کے بیان میں	۵۲۱
رائے اور قیاس کی تصاویر اور ان کے اظہار کے حقیقت کے بیان میں	۵۳۰

Marfat.com

آغازِ کتاب

پہلا مقالہ

معلوم ہو کہ ملک ایک عظیم اور مقیم چیز ہے اور اسی کے واسطے ہر صالح اور طالع اور خاسر ورانج اور ادنیٰ واعلیٰ میں قصے قضیے اور جھگڑے فساد پیدا ہوتے ہیں اُسی کے سبب سے آپس میں حسد و بغض اور عداوت کی آتش مشتعل ہوتی ہے اور اس کام کے واسطے اصل اور مرتبہ اور تحصیل اور صبر اور علم اور تحمل بہت ضروری چیزیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اصل اصول اس کام کے لئے بلند ہمتی کا ہونا ہے۔ جیسا کہ معاویہ کا قول ہے۔ ھَمُّوا بِمَعَالِی الْاُمُوْرِ لِیْتَنَا وَکُوْھَا فَاِنِّی لَمْ اَکُنْ لِلْخِلَافَۃِ اَھْلًا فَھَمَمْتُ بِھَا فَنِلْتُھَا ترجمہ: بڑے بڑے کاموں کا قصد کرو تاکہ وہ تم کو حاصل ہوں کیونکہ میں خلافت کا اہل نہ تھا مگر میں نے اس کا قصد کیا لہذا وہ مجھ کو حاصل ہو گئی شاہان سلف کے واقعات بھی تم نے سنے ہونگے کہ ان میں کسی کو ماں باپ سے سلطنت نہیں پہنچی تھی، بلکہ ہر ایک نے اپنی کوشش سے حاصل کی تھی۔ شعر۔

وَکَمْ نُزِعَ الْمُلْکُ مِنْ یَدِ وَارِثٍ مُسْتَحِقٍ
مِثْلُ اَھْلِ بَیْتِ مُحَمَّدٍ وَّ سِوَاھُمْ

کتنی ہی سلطنتیں وارث مستحق کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ مثل اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کے۔ ہم ذوالقرنین کا مختصر قصہ تمھارے سامنے پیش کرتے ہیں اصلی نام ان کا صعب بن جبل ہے اور باپ ان کے جولا ہے تھے اور ان کی ماں کا نام میلانہ تھا۔ یمن کی قوم بنی حمیر میں بہ بحالت یتیمی گزران کرتے تھے ان کی ماں نے سنا کہ شہر قسطنطنیہ میں ایک کارخانہ ہے جس میں مختلف قسم کے کام لوگوں کو سکھائے جاتے ہیں وہ ان کو لیکر اس کارخانے میں پہنچی سکندر نے وہاں بادشاہ کی تصویر دیکھی۔ اور سب کاموں پر اس کو پسند کیا۔ پھر ان کی ماں نے ان سے پوچھا کہ بیٹا تم اس کارخانہ میں کونسا کام پسند کرتے ہو۔ سکندر نے شاہی تاج پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں تو اس کو پسند کرتا ہوں ان کی ماں نے کئی بار ان کو دھوکا دیا۔ مگر یہ وہی کہہ گئے۔ یونان نے ان کو

Marfat.com

غور سے دیکھا اور پھر ان کی ماں سے کہا کہ کیا تمہارا نام میلانہ ہے؟ اور یہ تمہارا بیٹا صعب بن جبل ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ تب یونان نے ذوالقرنین سے اس مضمون کا عہد و پیمان لیا کہ میں اور میری آل اور اولاد اور سلطنت سب تمہاری امان میں ہے۔ کیونکہ تمہاری سلطنت کا سایہ شرق و غرب پر محیط ہوگا۔ پھر ذوالقرنین کی ماں ان کو زمین بابل میں لائی اور کسی سے ان کا حال بیان نہ کرتی تھی۔ پھر ذوالقرنین نے تین خواب ایسے دیکھے جو خاص ان کے کام کی دلیل اور اُن کی سعادت کے گواہ تھے۔ پہلا خواب یہ دیکھا کہ زمین مثل روٹی کے ہے اور انہوں نے اس کو کھا لیا ہے۔ اور دوسرا خواب یہ دیکھا کہ سمندر کو انہوں نے پی لیا ہے اور اسکی کیچڑ تک کھا لی ہے۔ اور تیسرا خواب یہ دیکھا کہ آسمان میں چڑھے اور ستاروں کو توڑ کر زمین پر پھینک دیا ہے اور سورج پر سوار ہو کر چاند کی پیشانی پکڑ لی ہے۔ پھر جب ذوالقرنین کی حضرت خضرؑ سے ملاقات ہوئی اور یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے ان کو بڑی مبارک اور عظیم الشان سلطنت کے حاصل ہونے کی خوشخبری دی اور کہا کہ ایک نبی اور ایک حکیم ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گے، اسی طرح اگر تم خیال سے دیکھو تو بہت سی اسی قسم کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ اس واسطے تم کو لازم ہے کہ بلند ہمتی کے پرندے پر سوار ہو کر آلاتِ سلطنت حاصل کرو تا کہ اس کی کیمیا تمہارے پاس موجود ہو جائے اور ایسے سچے اور صاحب علم و فضل دوست تمہارے پاس مجتمع ہوں جو تمہارا راز کسی کے سامنے فاش نہ کریں، اور اس کتاب سر العالمین کے اسرار سے بخوبی واقف ہوں اور نیز کسی علم کیمیا کے واقف کو بھی اپنا دوست بناؤ جو سرخ و سفید رنگ بنا کر روپیہ کی امداد تم کو پہنچائے، اور اگر ایسے دوست مہیّا نہ ہوں اور ہر طرح سے تمہارا بازو کمزور ہو اور مال بھی پاس نہ رکھتے ہو، پس تم کو چاہیے کہ خوب علم و فضل حاصل کرو اور ایک گوشۂ خلوت اختیار کر کے زہد و تقویٰ کے راستہ پر چلو، اور شاگردوں کو سبق دینا اور مریدوں کو ارشاد و تلقین کرنا شروع کر دو اور جہاں تک ہو سکے ان کی تعداد بڑھانے میں کوشش کرو، اور وقتاً فوقتاً کرامتیں بھی ان پر ظاہر کرو، تا کہ سچے دل سے وہ تمہارے معتقد اور غلام بے زر خرید ہو جائیں، اور اصلاح و تقویٰ کا راستہ ان کو تعلیم کرو اور اپنی عظمت بطریق حکمت ان کے دل میں خوب بٹھا دو، پھر جب وہ لوگ اس سبق کو خوب یاد کر لیں تب لوگوں کی بداعتقادی اور فسق و فجور اور اپنے دشمن بادشاہ یا حکام کے ظلم و ستم پر اُن کی نظر دوڑانی شروع کر دو اور مختصر طور سے ایسا وقتاً فوقتاً سمجھاؤ کہ وہ کل منکرات سے متنفر ہو کر ان کے قلع و قمع پر آمادہ ہو جائیں۔ اور پھر ان شاگردوں کو یہ سبق پڑھاؤ کہ وہ ہر جگہ تم کو شہرت دیں اور بڑے بڑے لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت بٹھا کر ان کو

Marfat.com

تمھارے مطیع فرمان بنا دیں اور کچھ قوت پکڑ لو تب تم خاص لوگوں سے نرمی اور رفاقت اور نصیحت کا برتاؤ کرو، اور جو لوگ تمھارے اعتقاد اور مقصد کے برخلاف ہوں ان سے مباحثہ اور مجادلہ کرتے رہو اور جو سخت طبیعت اور حاسد ہوں ان سے سختی کے ساتھ پیش آؤ۔

دیکھو اسلام کی ابتداء کس طرح ہوئی ہے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پہل یہ حکم ہوا۔ قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ یعنی کہہ دو اے پیغمبر میں ان کی عبادت نہ کرونگا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو، اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، تمھارے واسطے تمھارا دین اور میرے واسطے میرا دین ہے، پھر جب اسلام کی ترقی ہوئی تب زبانِ شمشیر سے یہ آواز ظاہر ہوئی، فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ یعنی جب تم کافروں کے مقابل ہو تو ان کی گردنیں مارو اور کمزوری کے وقت صلح کر کے جزیہ لینے کا حکم ہوا وان جنحوا للسلم فاجنح یعنی اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تب تم بھی صلح کو اختیار کر لو۔ پھر جب اقبال اسلامی کی ہوا چلی اور ترقی کا خیمہ مسلمانوں پر سایہ فگن ہوا تو حکم پہونچا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ یعنی نبی کو یہ لائق نہیں ہے کہ اُن کے پاس قیدی ہوں اور وہ اُن کو فدیہ لے کر چھوڑ دیں، یہاں تک کہ زمین میں خوب خون بہا دیں۔ سلطنت کے طالب کو بھی یہی وطیرہ اختیار کرنا چاہیئے۔ ہر شخص سے اس کی عقل کے موافق گفتگو کرے اور عدل و انصاف میں کسی اپنے یا بیگانے کا پاس و لحاظ نہ کرے۔ لشکر کو وقت پر تنخواہ بانٹے اور ہر مشکل کام کے وقت انعام و اکرام کا امیدوار کرے اور وعدہ کا کسی ادنی شخص سے بھی خلاف نہ کرے، اہل فضل کی تعظیم و تکریم بجا لائے۔ مظلوم کے نقصان کی مکافات کرے اور انصاف میں اپنی ذات اور دوسرے کو برابر جانے اور اپنے ملازموں، حاکموں یا عالموں کی تنخواہیں اس قدر مقرر کرے کہ وہ خرچ کے محتاج نہ رہیں، ورنہ رشوت کا سلسلہ ان کے اندر جاری ہو جائیگا۔ اور تمھارا ظلم رعایا میں ظاہر ہوگا اور لوگ تم سے بددل ہو جائیں گے۔ اور ظاہر و باطن میں تمھارے خلاف کارروائیاں کریں گے۔ معلوم ہو کہ تمھارے اغراض کے برخلاف مظلوم کی ہمت اور اس کے دل کی بددعا بہت کافی وافی ہوتی ہے۔ جیسے کہ باران طلبی کے وقت اہل زمین کی دعا اور ان کی دلی خواہش کا اثر آسمان پر ہوتا ہے، اور مینہ برسنے لگتا ہے۔ سلطان

Marfat.com

محمود بن سبکتگین نے اپنا ایک ایلچی ہندوستان کے راجہ کے پاس یہ بات دریافت کرنے بھیجا کہ باوجود اس بات کے کہ تم لوگ منکر صانع اور رسولوں کی تکذیب کرنے والے ہو پھر تمھاری عمریں اس قدر دراز کیوں ہوتی ہیں، اور ہم لوگ باوجودیکہ خدا پر ایمان رکھنے والے اور رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہیں، اور ہماری عمریں چھوٹی ہوتی ہیں، اس کا کیا سبب ہے۔ راجہ نے سلطان کے ایلچی سے کہا کہ میں تم کو اس بات کا جواب اس وقت دونگا جب یہ پھل دار درخت جو تمھارے سامنے ہے، خود بخود گر پڑے گا۔ پھر ایلچی کو ایک مکان میں فروکش کر کے بہت اچھی طرح سے ان کی دعوت اور مہمانی کا حکم دیا، اب ایلچی صاحب اس فکر میں ہیں کہ دیکھنا چاہیئے کب یہ درخت گرتا ہے جو میں جواب لیکر واپس جاؤں، اور خدا کرے کہ یہ درخت جلدی گرے، پھر تھوڑے ہی دن گذرے تھے جو ایک روز اس درخت کے گرنے کی آواز آئی اور لوگ دوڑتے ہوئے اس درخت کے پاس گئے، راجہ صاحب بھی آئے اور ایلچی صاحب بھی تشریف لائے، جس وقت راجہ نے ایلچی کو دیکھا تو کہا بس اب تشریف لے جایئے آپ کا یہی جواب ہیکہ یہ درخت گر پڑا اپنے سلطان سے کہنا کہ جب ایک شخص کی ہمت نے پھل دار درخت کو گرا دیا تو پھر مظلوموں کی ایک جماعت کی ہمت ظالموں کے قلع قمع میں کیوں نہ اثر کریگی، اور نیز مظلوموں کی دعا ابر کے اوپر پہونچتی ہے۔

بعض قدیم کتابوں میں وارد ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ اگر میں ظالم سے بدلہ نہ لوں تو میں خود ظالم ہوں، اور بعض آثار میں وارد ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص کی بددعا سے ڈرو جس کا میرے سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اور اے طالب سلطنت تم کو معلوم ہو کہ عدل کرنا اور بوقت ضرورت لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت قائم کرنے کے واسطے دشمنوں کو قتل کرنا اور سولی دینا یا زخمی کرنا یا اور اقسام کی تکالیف سے ان کو ستانا ملک اور رعایا میں امن اور دلوں میں اطمینان پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بادشاہ زمین میں خدا کا سایہ ہے، ہر مظلوم اپنی دادرسی کے واسطے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور ہر چیز کو اس کے موقع پر کرنا نہایت موزوں اور مناسب بلکہ اکثر اوقات واجب ہوتا ہے، اور مفسدوں کے قتل وغارت کرنے سے غریبوں کی جانیں بچتی ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ یعنی اے اہل عقل تمھارے واسطے قصاص میں زندگی ہے کیونکہ اپنے قتل ہونے کے سبب سے کوئی شخص دوسرے کو قتل نہ کریگا۔ اور یہی باعث زندگی ہے، عمرو بن عاص جو بدری صحابی تھے معاویہ کو انہوں نے افعال قبیحہ پر اپنے عقائد لامیہ

Marfat.com

اور قونیہ میں بہت زور شور سے آمادہ کیا ہے چنانچہ ایک جگہ کہا ہے۔ مُعَاوِیَ فِي الْخَلْقِ لَا تَعْدِلُ یعنی اے معاویہ خلقت میں عدل سے کام نہ لو: اور دوسری جگہ کہا ہے۔ مُعَاوِیَ اِنِّیْ لَمْ اَبَا یِعْکَ قِلْتَۃً زمانہ میں دل کھول کر جس کام کو کرنا چاہتا ہے کر لے چاہے ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

اور حصول سلطنت کا ایک اور طریق مال کا بکثرت خرچ کرنا ہے اور ایک طریق یہ ہے کہ خوب شمشیر زنی کرے مگر اس کے واسطے اپنے لشکر کا دل ہاتھ میں رکھنا اور مظلوم کی دادرسی کرنی بہت ضروری ہے۔ اور جو چیزیں اوقاف کی قسم سے ہیں خواہ وہ کسی مذہب وملت کی ہوں ان سے معترض نہ ہونا چاہیئے، اور یہ بات بھی تم کو لازم ہے کہ ایک وقت رعایا کی نگرانی کا اور ایک وقت لشکر کے معائنہ کا مقرر کرو، کیونکہ تمھاری غفلت سے رعایا کے اندر ظلم پھیل جائیگا، اور سب حکام وعمال حرام خور ہو جائیں گے، اور بچشم خود دفتروں کو دیکھا کرو اگر دن کو فرصت نہ ہو تو عشاء کے وقت، منشیوں نے جو کچھ دن کو لکھا ہے اس کو دیکھ لیا کرو تا کہ وہ تمھارے خوف سے کچھ تغیر وتبدل نہ کر سکیں، کیونکہ بہت سے مظلوم بادشاہ کی غفلت کے باعث اپنے حق سے محروم ہو جاتے ہیں، اور اگر تم یہ چاہو کہ کوئی حال تم سے پوشیدہ نہ رہے تب تم اپنی زندگانی اس طریقہ سے گذارا کرو جو دوسرے مقالہ میں مذکور ہے۔

دوسرا مقالہ طرز زندگانی کے بیان میں

اے بادشاہ تم کو لازم ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو، اور پھر اشراق کی نماز کے بعد اپنے گھر کے لوگوں کو یا ملازموں کو جس جس کام کے واسطے کہنا سننا ہو کہہ سنکر گھوڑے پر ہتھیار لگا کر سوار ہو، اور خبر اور اخبار معلوم کرنے کے واسطے شہر میں گشت کرو تا کہ کوئی مظلوم یا پریشان حالت شخص تم کو ملے تو تم اس کی دادرسی کرو، اور ہتھیار لگانے کی ضرورت یہ ہے کہ کوئی دشمن تم پر حملہ نہ کر سکے۔ اور پھر اس گشت سے فارغ ہو کر اپنے دیوان عام میں بیٹھ کر مقدمات فیصل کرو۔ اور خط وخطوط کے جواب لکھوا اور ایلچیوں سے گفتگو کرو، اور دیوان عام میں اپنے سامنے لوگوں کی دو صفیں دائیں اور بائیں بٹھاؤ اور بیچ کا میدان کھلا رکھو تا کہ کوئی مظلوم یا دشمن وغیرہ تمھاری نظر سے پوشیدہ نہ رہے، اور جس شخص پر تم کو شبہ ہو اس کے حال کو خوب دریافت کرو اور ایسے شخص کو اپنی خدمت میں نہ رکھو جس کے حال سے تم واقف نہ ہو۔ بلکہ

Marfat.com

ایسے شخص سے خدمت لو جس کی نیک بختی تم کو معلوم ہو یا کوئی معتبر شخص اس کا ضامن ہو، یا وہ شخص تمھارا معتقد ہو، اور ایک گروہ اہل علم وفضل اور تجربہ کاروں اور متقی وزیروں اور اہل رائے کا تمھارے پاس رہنا چاہیے، نالائق اور خائن لوگوں سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ جو شخص اپنی جان پر امین نہ ہوگا وہ دوسرے کے حق میں کیا امانتداری کرے گا۔

پھر ظہر کے وقت سے پہلے دیوان عام سے اٹھ کر محل میں جاؤ اور لشکر کے واسطے کھانا تقسیم کرنے کا حکم کرو اور اپنے اقربا اور عزیزوں کو بلوا کر ان کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھاؤ، اور بادشاہوں کے واسطے باورچی بھی بہت امین ہونا چاہیے، اور سب سے پہلے اسی کو اس کھانے میں سے لقمہ کھلانا چاہیے، پھر جو لوگ کھانا لائے ہوں ان کو لقمے کھلانے چاہئیں۔ پھر جو شخص دسترخوان پر کھانا چنے وہ بھی لقمہ کھائے، جب سب طرح سے اطمینان ہو جائے اس وقت بادشاہ کو ہاتھ ڈالنا چاہیے، اور یہ احتیاط اس واسطے ہے کہ شہریار بن زاد آدھا سیب کھانے سے مر گیا تھا، اور ساسان نے شراب کا آدھا پیالہ پی کر جان دی۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کی دست میں زہر ملا کر کھلایا گیا، اور ابولولو نے چھری کو زہر آلود کر کے حضرت عمرؓ کو اس کے ساتھ شہید کیا، اور عبدالرحمٰن بن ملجم نے تلوار کو زہر آلود کر کے حضرت امیر المومنین علیؓ کے چہرہ مبارک کو زخمی کیا، اور اسی سے آپ کی شہادت ہوئی، اور حضاء بنت جوجو بن کعب غسانی نے اپنے خاوند حضرت امام حسنؓ کو زہر دے کر شہید کیا، اور یہ مکر زہر خورانی کا شامیوں کی طرف سے تھا، جو دانہائے انگور میں دھلے ہوئے نہ تھے آمیز کر کے دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ اور ہزاروں اس قسم کی مثالیں زمانہ میں موجود ہیں، لہذا بادشاہ کو لازم ہے کہ اپنے کھانے اور پینے اور پہننے اور سونے میں زہر کا بہت خیال اور احتیاط رکھے، یہاں تک کے اپنا رومال بھی بہت احتیاط سے رکھے اور اپنی سلطنت میں اور دنیا کے غیر ممالک میں بھی مخبروں کو مختلف لباسوں اور طرز وروش کے ساتھ روانہ کرے، تاکہ ہر قسم کی خبریں ہر ملک سے ان کو پہنچتی رہیں، مثلاً کوئی مخبر صوفی بنا ہوا ہے، کوئی فقیر ہے، کوئی دکاندار ہے، کوئی سوداگر ہے۔

مامون رشید عباسی کے پاس بہت سے مخبر تھے، جو تمام ممالک دنیا سے اس کو خبریں پہنچایا کرتے تھے اور کل بادشاہ ہونے کا یہی طریقہ ہے۔

تیسرا مقالہ:

بادشاہ کو چاہیے کہ پہلے نصف شب میں قضاء سے متعلق مہمات اور پوشیدہ واقعات

Marfat.com

سننے کے واسطے بیدار رہے اور قدرے دن کو دوپہر کے وقت سو رہے، کیونکہ اس سے رات کے جاگنے پر بہت بڑی مدد ملتی ہے، اور آخر رات میں سو رہنے سے پہلی رات میں جاگنے کی تھکان جاتی رہتی ہے۔ اور حمام سے جلد فارغ ہو جانا بہت بہتر ہے، اور موافق مزاج کے کسی شربت کا استعمال رکھنا بھی ضروری ہے۔ بادشاہ کو یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اپنے متعلق خطوط کے جواب یا فرمانات جو منشی سے لکھوائے ایک نظر خود بھی ان کو ملاحظہ کر لیا کرے۔ کیونکہ کاتب کی بعض غلطیوں سے سخت فساد پیدا ہو جاتے ہیں، دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ جو محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا، اسی قسم کی غلطی سے تھا، یہ واقعہ بہت مشہور اور کتب سیر میں موجود ہے۔

بادشاہ کو لازم ہے کہ کسی لونڈی یا حرم کو اپنی بیوی پر فضیلت نہ دے کیونکہ اس سے حسد کی آگ بھڑکتی ہے، اور نتیجہ بد ظاہر ہوتا ہے، اور نیز قیام امن میں کسی اپنے یا بیگانے کا پاس ولحاظ نہ کرے، بلکہ اپنی ذات کو بالکل تنہا سمجھے کہ کوئی اس کا نہیں ہے، جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔

فَلَمْ نَزَلْ فَلَمَّا الْاَنْصَافِ قَاطِعَةً بَيْنَ الْاَنَامِ وَاَوْكَانُوْا ذَوِیْ رَحِيْمٍ

اور جو اس کے باپ کے دوست آشنا ہیں ان کے واسطے تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آئے، اگرچہ غریب و فقیر ہوں اور اپنے اپنے ان دوستوں سے بھی جو سلطنت حاصل ہونے سے پہلے کے ہیں، تعظیم اور محبت کا برتاؤ رکھے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں ایک یہودیہ حاضر ہوتی تھی جب وہ آتی آپ اس کے واسطے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک روز عرض کیا کہ آپ ایک یہودی عورت کے واسطے کیوں کھڑے ہوتے ہیں، فرمایا یہ عورت خدیجہؓ کے وقت سے ہمارے پاس آتی ہے یعنی ظہور اسلام سے پہلے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لطافت اخلاق سے ہے، بادشاہ کو بھی اپنے اخلاق ایسے ہی رکھنے چاہئیں۔

[1] لَا تَلْقَ فِیْ بِئْرٍ شَرِبْتَ زُلَالَهَا اٰجُرَّةً فَيُقَالُ اِنَّکَ غَادِرٌ"

---

[1] جس کنوئیں کا تو نے پانی پیا ہے اس میں اینٹ نہ ڈال نہ تجھ...... کرنے والا کہا جائیگا۔

Marfat.com

چوتھا مقالہ

(ترتیب خلافت کے بیان میں)

خلافت نص کے ساتھ ثابت ہے اور دلیل اس کی یہ آیت ہے۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○

عرب کے ان لوگوں سے جو پیچھے رہنے والے ہیں کہہ دو کہ عنقریب تم ایک خوفناک قوم کے مقابلہ کی طرف بلائے جاؤ گے جن سے تم لڑو یا وہ صلح کر لیں، پس اگر تم نے اس حکم کے بجالانے میں اطاعت کی تو خدا تم کو اچھا ثواب دیگا۔ اور اگر تم نے اسی طرح پیٹھ پھیری جیسے کہ پہلے پھیر چکے ہو تب وہ تم کو سخت عذاب کریگا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیقؓ نے اطاعت کی طرف بلایا اور لوگوں نے ان کی اطاعت قبول کی اور بعض مفسرین اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا یعنی نبی نے اپنی ایک بیوی سے پوشیدہ بات کہی۔

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ اے حمیرا تمھارا باپ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ اور ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ جب ہم آپ کو نہ پاویں تو کس کے پاس جاویں، آپؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور نیز ابو بکرؓ نے حضورؐ کی حیات میں مسلمانوں کی امامت کی۔ اور امامت دین کا ستون ہے یہ تو اُن لوگوں کا بیان ہے جو نص سے اس کو ثابت کرتے ہیں، پھر یہ لوگ تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر حضرت علیؓ پہلے خلیفہ ہوتے تو ان تینوں خلفاء کو خلافت نصیب نہ ہوتی، اور نہ ان کو فتوحات اور مناقب نصیب ہوتے، اور حضرت علیؓ کے چوتھا خلیفہ ہونے سے اُن کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے سے آپ کی شان میں فرق نہیں آیا، اُن کے بعد بنی اُمیہ نے حکمت سے حکومت لے لی، اُن سے بزور بازو عباسیوں نے چھین لی۔

Marfat.com

پس اے سلطنت کے طالب اپنا سامان درست کر اور اپنی حالت کو آراستہ بنا، اور خوب مال خرچ کر، اور صبر کے ساتھ کام لے اور لوگوں کو اپنی طرف منجذب کر، اور جہاں تک ہو سکے صلاحیت سے کام لے۔

پانچواں مقالہ

(امور سلطنت کی ترتیب وتدبیر میں)

جب تم سلطنت پر قابض ہو جاؤ اور مال وخزانہ کثرت کے ساتھ تمھارے تصرف میں آئے تب تم لوگوں سے اپنی اطاعت پر بیعت اور عہد واثق لو۔ اور خوش بیان لوگوں کو مقرر کرو کہ لوگوں کے سامنے تمھاری اطاعت کے وعظ کہیں اور ان کے دلوں کو تمھاری طرف راغب بنائیں۔

شعر:[1] اِذَا هَبَّتْ رِيَاحك فاغتنمها فَاِنَّ لِكُلِّ خَافِقَةٍ سُكُوْن
وَلَا تَغْفَلْ عَنِ الْاِحْسَانِ يَوْمًا فَمَا تَدْرِیْ السُّكُوْنُ مَتٰى تَكُوْنُ

اور بہت جلد اپنی سلطنت میں رستے اور پل تیار کراؤ تاکہ ضرورت کے وقت تم کو اُن پر سے گذرنا آسان ہو، اور اگر تم کسی زوردار شخص کو دیکھو تو طرح طرح کے معالجوں کے ساتھ اُس کا علاج کرو، اور سب سے آخر وہ داغ دینا ہے، اور تم کو یہ بھی ضروری ہے کہ لشکر کی تعداد اور رعایا کی مردم شماری خوب معلوم رکھو اور آمد اور خرچ کا حساب سب تم کو معلوم رہنا چاہیے، اور سال میں تین بار لشکر سے قواعد کی مشق کرایا کرو اور چار سو سپاہی بڑے جانباز اور خیر خواہ اپنی اردلی میں رکھو۔ اور اگر جنگ کا ارادہ ہو تو اپنے لشکر کو خوب شکم سیر ہو کر کھانے کو دو، اور جب میدان جنگ میں دشمن کے مقابل جاؤ تو اپنے لشکر کی صفیں ایسی ترتیب سے باندھو کہ ایک صف کے پیچھے دوسری ہو، اور اپنے خاص خاص سپاہیوں کو حکم کرو کہ تمھارے لشکر کی جو صف شکست کھا کر بھاگے اس کو تلواروں سے قتل کریں، اور تم خود کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر جنگ کا معائنہ کرو، اور تم خاص اپنے واسطے نہایت عمدہ گھوڑے اور بہادر سپاہی تیار کرو۔ اور یہ یاد رکھو کہ جو شخص ابتداء میں تمھارے ساتھ دھوکا دیگا وہ آخر میں بھی دھوکا کریگا، اور تمھارا بگل یعنی بوق تمھارے ساتھ رہنا چاہیے، اور اگر مناسب سمجھو تو ایک بوق اپنے لشکر میں بھی رکھو، اور ایک لشکر

[1] جب تیرے اقبال کی ہوا چلے تو اسکو غنیمت سمجھ کیونکہ ہر ایک چلنے والے کی آخر کو سکون ہوتا ہے۔

Marfat.com

بہادر سپاہیوں کا کسی پوشیدہ جگہ کمین گاہ میں چھپا دو تا کہ جس وقت تمھارے لشکر میں کمزوری پیدا ہو تو دشمن کو اپنے پیچھے لگا کر اس موقع پر لاؤ جہاں تمھارا لشکر پوشیدہ ہو، اور اپنے لشکر کی ایک خاص علامت مقرر کرو تا کہ آپس میں ہر ایک دوسرے کو پہچان لے، اور کسی قلعہ کے محاصرہ کرنے سے بددل نہ ہو، اور یہ خیال کرو کہ لشکر کو تکلیف ہوگی بلکہ بغیر فتح کیے نہ چھوڑو، اور اپنے مقتولوں کا قصاص لینے میں کمی نہ کرو، جیسا کہ ذوالقرنین نے دارا کے ساتھ جنگ میں کیا تھا کہ ان کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ بزدل ہو کر ہمت ہار بیٹھے، پھر ان کو خوب قتل کیا، اور تم مال کے خرچ کرنے میں ہرگز کمی نہ کرو، اور آمدنی کے دفتر ون کو دیکھ کر جس میں مناسب سمجھو کمی یا زیادتی کرو، اور تم کو جنگ کرنے والوں کا تجربہ ہونا بھی ضروری ہے، جو سپاہی بہادری ظاہر کرے، اور بہت سے دشمنوں کو معرض قتل میں لائے، اس کو اس قدر انعام دینا چاہیے کہ وہ خوش ہو جائے، اور جو نامرد و بزدل ہو اس کو سزا دینی چاہیے، اور اپنے خزانوں کی حالت سے بھی تم کو واقف ہونا چاہیے کہ کس قدر رقم خزانے میں بڑھی اور کس قدر کم ہوئی، اور اگر تم کو شادی کی ضرورت ہو تو ایسی عورت تلاش کرو جو مال و جمال اور دین و نسب سب باتیں رکھتی ہو، اور شارعؑ علیہ السلام نے امر تزویج میں دین کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

جس بادشاہ کے مخبر نہیں ہیں وہ مثل جسم بلا روح کے ہے، اس بات کو یاد رکھو، اور قلعہ بندی کے جس قدر سامان کی ضرورت ہو اس کے مہیا کرنے میں بہت چستی سے کوشش کرو، کیونکہ تم کو کچھ خبر نہیں کہ تمھاری اس کامیابی کے بعد کیا صورت ظاہر ہو، اور خصوصاً لشکر میں ایسا انتظام کرو کہ سپاہ میں باہم جنگ و لڑائی نہ ہونے پائے، جو مولوی فتنے فسادوں اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازیوں کے وعظ کہتے ہیں ان کے منھوں میں خار دار لگامیں چڑھا دو تا کہ ایک حرف نہ بول سکیں، اور اپنے حکاموں سے کہہ دو کہ وہ تمھارے ملک میں جو غلہ ہے اس کا انتظام کریں اور کسی سوداگر کو اس کی بھرتی سے نہ روکیں، کیونکہ جو چیز تمھاری رعایا کے پاس ہے وہ بوقت ضرورت تمہارے ہی واسطے ہے، اور ان لوگوں کی حالت پر غور کرو جنھوں نے زراعت چھوڑ دی ہے، اگر انہوں نے مفلسی اور سامان زراعت نہ ہونے کے سبب سے چھوڑ دی ہے تب تم کو ان کی امداد کرنی چاہیے، اور اگر ان پر کسی نے ظلم کیا ہے تب ان کی دادرسی کرو، جیسا کہ ہندوستان کے ایک راجہ کا قول ہے کہ میں گاؤں میں زیادہ مرغیاں دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں، کیونکہ ان سے آبادی کی علامت معلوم ہوتی ہے، اور زیادہ کثرت کے ساتھ عورت کو پیغام دینے والوں کو دیکھ کر میں غمگین ہوتا ہوں کیونکہ اس سے فساد کا اندیشہ ہوتا ہے، ذوالقرنین اپنی

Marfat.com

تمام رعایا کی مردم شماری کیا کرتے تھے، اور جب کوئی عورت دودھ کی ہنڈیا اُن کے پاس سے لے گذرتی وہ اس کو دیکھتی اگر اس میں چکنائی پاتے تو خوش ہوتے، اور اگر نہ پاتے تو غمگین ہوتے، اور کہتے تھے کہ میں کاشتکاری کی مثال نہیں پاتا ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطنت کی بنیاد کاشتکاری پر ہے، اگر کاشتکار نہ رہینگے تو سلطنت کے خزانے میں کیا داخل ہوگا، اور لشکر اور اہلکاروں کی تنخواہیں کہاں سے تقسیم ہونگی، غرض کہ ساری سلطنت کاشتکاری پر منحصر ہے، اور جب متغیر طعام کو تبدیل کر سکتا ہو تو ضرور کردے۔

مامون عباسی ہتھیاروں اور دیگر آلات حرب، خیمہ اور خرگاہ و منجنیقیں وغیرہ کو تھوڑے عرصہ بعد تبدیل کرادیتا تھا، اور اپنے داروغہ اصطبل سے کہتا تھا کہ کل اصطبل کی چیزوں کو اسی طرح تبدیل کیا کرو جیسے کہ باسی گھاس تبدیل کرتے ہو۔

چھٹا مقالہ

(ترتیب حکام کے بیان میں)

حاکم ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو رعایا کے ساتھ شفیق، مہربان منتظم، باہیبت و باوقار ہو، اور اس قدر کام اس کے سپرد نہ کیے جائیں جو اس کی طاقت سے باہر ہوں، اور تنخواہ اس کی معقول مقرر کرنی چاہیے، ایسے اپنے لشکر کو بھی پیٹ بھر کر کھانا دے اور اگر کسی وقت قلعہ بند ہونے کا موقعہ ہو تو اپنے لشکر کو نہایت ترتیب کے ساتھ قلعہ کی حفاظت پر مقرر کرے اور قلعہ کی فصیل کو پہلے ہی سے درست کرے، اور پہرہ داروں کو بدلتا رہے تا کہ تھک نہ جائیں، اور پانی اور غلہ کی خوب حفاظت کرنے اور جس راہ سے یہ چیزیں قلعہ کے اندر آتی ہوں اس راہ کو بھی چوکی پہرہ سے محفوظ رکھنا چاہیے، اور خود بنفس نفیس تمام قلعہ اور بروج وفصائل پر بادشاہ کو گشت کرنا ضروری ہے، اور رات کے وقت اپنے لشکر سے پرخطر اور پرحذر رہنا چاہیے تا کہ کوئی ضرر نہ پہنچے، اور دشمنوں کے حالات بخوبی معلوم کرلے اور چھوٹے سے چھوٹے دشمن کو بھی حقیر نہ جانے کیونکہ مکھی اونٹ کو مار ڈالتی ہے اور بہت سے بچھو ایسے ہیں کہ جن کے کاٹنے سے انسان جاتا ہے، چنانچہ اس کا قول ہے:

ولا تحقرن اقربا صغیرا قربتا تموت الافاعی من سقوم العقارب

یعنی کسی چھوٹی سی بات کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے، کیونکہ اکثر مرتبہ افعی (سانپ) بچھوؤں

Marfat.com

کے زہر سے مرجاتے ہیں، اور دشمنوں کے مکر سے بھی ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیئے اور حاکم یا والی کو شراب نہ پینی چاہیئے، کیونکہ شراب میں بہت سی آفتیں ہیں، اور خصوصاً صاحب ملک سے بہت لوگ حسد کرتے ہیں۔

نجاشی حبش کے بادشاہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب سے سوال کیا کہ تمھارے نبی کا کھانے میں کیا طریقہ ہے جعفر نے فرمایا وہ زمین پر کھانا کھاتے ہیں، نجاشی نے کہا یہ بات ان کی تواضع کے سبب سے ہے، جس سے ان کے اصحاب کے دل ان کی طرف مائل اور منجذب ہوتے ہیں۔ پھر نجاشی نے کہا کہ اگر تمھارے نبی بادشاہ ہوتے تو خوان پر اپنے بھائیوں اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے، تنخواہ میں اگر کسی کو جاگیر دی ہو تو خیر اور اگر ماہوار از نقد مقرر ہو تو ہر مہینہ میں دینی چاہیئے، اور بادشاہ کو السلام علیکم کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے، اور جو سفیر غیر ممالک سے اُس کے پاس آویں تو ان کی خاطر و مدارات میں کمی نہ کرے، کیونکہ اس کے سبب بہت بڑی بدنامی ہوتی ہے، اور شعراء اور عوام الناس ہجو کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہفتہ کے دنوں کو تقسیم کر رکھا تھا، بعض دن لشکر کی نگہداشت کے واسطے اور بعض دن فیصلوں کے واسطے، اور بعض دن سفیروں سے ملاقات کے واسطے، بعض دن عبادت و ذکر کے واسطے، اور فرماتے تھے اے ارکان سلطنت اہل علم و اصلاح کی صحبت اختیار کرو کیونکہ جب تم گمراہ ہوگے تو وہ تم کو ہدایت کرینگے۔ اور جس بات سے تم جاہل ہوگے وہ تم کو بتلائیں گے، اور جب تم غضب میں ہوگے تو وہ تم کو مہربان کرلیں گے، اور جب تم محروم ہوگے تو وہ تم کو نفع دیں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

وَلَا تَصْحَبْ اَخَا الْجَهْلِ وَاِيَّاكَ وَاِيَّاهُ فَكَمْ مِنْ جَاهِلٍ اَرْدٰى حَلِيْمًا حِيْنَ اٰخَاهُ

یعنی جاہل کی صحبت میں نہ رہو، اور اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کیونکہ بہت سے جاہلوں نے حکیموں سے بھائی چارہ کرکے ان کو دھکا دے دیا ہے۔

بادشاہ کو چاہیئے کہ زیادہ لوگوں کو اپنا ہمنشین نہ بنائے، اور ہنسی مذاق بالکل چھوڑ دے، ہیبت اور وقار کی عادت ڈالے اور وزیر بھی نہایت قابل اور عالم تجربہ کار ہر شخص کے مرتبہ اور عزت سے واقف ہونا چاہیئے، جو ہر شخص کے ساتھ اس کی عزت اور قابلیت کے موافق سلوک کرے، اور جاہل شخص کی خوشی لبای کچھ عزت نہیں رکھتی نقل ہے کہ بہلول دانا ایک روز ہارون رشید کے دربار میں آئے اور جہاں لوگ جوتیاں اتارتے تھے وہاں بیٹھ گئے، ہارون رشید نے ان سے کہا کہ یہاں صدر مجلس میں تشریف رکھیئے بہلول نے کہا جو مجلس کرفنا ہونے والی ہے اس

Marfat.com

کا صدر کہاں ہے اور پھر یہ اشعار پڑھے:

كُنْ رَجُلاً وَّارْضَ بِصَفِّ النِّعَالِ وَلَا تَطْلُبِ الصَّدْرَ بِغَيْرِ الْكَمَالِ
فَإِنْ تَصَدَّرْتَ بِلَا اٰلَةٍ جَعَلْتَ ذَاكَ الصَّدْرَ صَفَّ النِّعَالِ

یعنی تجھ کو چاہیے کہ ایک معمولی شخص بنے اور جوتیوں کی صف میں بیٹھنے کے ساتھ راضی ہو جائے، اور بغیر کمال حاصل کیے صدر جگہ نہ تلاش کرے پھر اگر بغیر کمال کے صدر جگہ میں تو بیٹھا تو اس صدر جگہ کو تو نے جوتیوں کی صف بنا دیا، بادشاہی کے لوازمات میں سے یہ بھی ایک بات ہے کہ بادشاہ ایک خاص کھانا اپنے واسطے پسند کرے، جیسا کہ مامون عباسی نے اپنے واسطے ایک کھانا تجویز کیا تھا جس کا نام ماموینہ تھا، ایسے ہی مہلب عراق کے کھانے کا نام مہلبیہ تھا، اور بنی اُمیہ ہریسہ اور زلابیہ بکثرت کھاتے تھے، اور گوشت کو دھلواتے نہ تھے، بلکہ صرف کھال اتار کر پکوا لیتے تھے، ابو طالب ملکی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے جبرائیل علیہ السلام سے قوت جماعی کی ضعف کی شکایت کی انہوں نے ہریسہ کھانے کو کہا جس کے سبب سے میں اپنی پشت میں قوت پاتا ہوں، اور حضرت سکندر ذوالقرنین چوزہائے مرغ کا شوربا پسند کرتے تھے، کیونکہ یہ خلط صفراوی کو تسکین دیتا ہے ایک دفعہ بہ سبب غلبہ صفراء کے ذوالقرنین کی پیشانی میں درد ہوا تب انہوں نے سرکہ سکنجبین پی، پھر کہا اس سے میری پیشانی کو تسکین ہو گئی۔

بادشاہ کے واسطے درمیانی درجہ کے آٹے کی روٹی پکنی چاہیے کیونکہ میدہ کی روٹی دیر ہضم ہوتی ہے، اور کمزور معدہ کو نقصان پہنچاتی ہے، اور موٹے آٹے کی روٹی ضعیف معدہ اور بلغمی مزاج کو مفید ہے۔

ساتواں مقالہ

(حاشیہ دولت کی ترتیب میں)

فراش کے واسطے ضروری ہے کہ پاکیزہ اور صاف طبیعت ہر چیز کو ستھرا رکھنے والا اور قوی شخص ہو، اور کھانے اور میوہ جات اور ترکاریوں کی ترتیب اور دسترخوانوں پر لگانے سے خوب واقف ہو، اور یہی باتیں باورچی اور آبدار کے واسطے ضروری ہیں، اور آبدار خانے میں سرد پانی اور ہر قسم کے شربت وغیرہ موجود رہنے چاہئیں، اور سکنجبین کا نہار منہ پینا بہت نافع ہے، اور

Marfat.com

کھانا اس سے ہضم ہوتا ہے، اور معدہ کو قوت ہوتی ہے، مگر معدہ میں نفخ پیدا کرتی ہے۔

بادشاہوں کو کھانے پینے میں اہل تصوف کے آداب اختیار کرنے چاہئیں، حضرت ابراہیم بن ادہم نے بادشاہوں کے تکبرانہ طریقہ کو چھوڑ کر اہل تصوف کا طریقہ اختیار کیا تھا، اور کھٹی چیزوں کے ساتھ کھانا شروع کرتے تھے، کھانے کے وقت جو خدمتگار اور رکاب دار ہوں وہ نہایت چست اور چالاک اور جوان ہونے چاہئیں، اور لشکر کے سپاہی بھی ایسے ہی ہونے ضروری ہیں، بوڑھے لوگ بھی ہیبت اور وقار اور مشورہ کے واسطے ساتھ ہونا ضروری ہیں، اور لشکر کو دشمن کے مقابلے پر نیچی جگہ اتارنا چاہیے، اور قلعہ کا محاصرہ کرنے کے واسطے جاڑے کا موسم بہتر ہے، اور سامان سفر تیار کرنے اور جنگ پر جانے کے واسطے گرمی کا موسم ہونا چاہیے۔

بادشاہ کو سفر میں اس وقت جانا چاہیے جب شمس برج سرطان میں ہو، اور جب شمس برج قوس میں ہو اس وقت سفر کو نہ جائے کیونکہ سال کی چار فصلیں ہیں نصف خریان سے نصف ابلول تک گرمی ہے اور نصف کانون اول تک حریف ہے، پھر نصف ازار تک جاڑا ہے، اور نصف خریاں تک ربیع ہے، حدیث میں وارد ہے کہ جب مہینے آدھے ہوتے ہیں زمانہ کا حال بدلتا ہے پھر اگر سوار ہو تو عصر کی نماز کے بعد سوار ہو، ورنہ مقدمات طے کرنے یا کتابوں کا مطالعہ کرنے یا خبروں اور فیصلوں کے سننے میں وقت صرف کرنے، اور یہ سب باتیں بادشاہ کو خلوت میں کرنی چاہئیں، کیونکہ پہلے زمانہ کے بادشاہ جب سلام لینے کے لئے بیٹھتے تھے تو خلوت میں بیٹھتے تھے، اور چوبدار ایک ایک شخص کو سلام کے واسطے لاتا تھا، تاکہ زیادہ لوگ اکٹھے ہو کر بادشاہ کو کسی طرح کا صدمہ نہ پہنچائیں۔

اور مجربوں سے ہر قسم کی ادنیٰ ادنیٰ باتیں دریافت کرنی چاہئیں، اور کتب طب اور تواریخ خصوصاً شاہنامہ عجم اور سکندر نامہ اور مجموعہ واقدی وغیرہ کا ضرور مطالعہ جاری رکھے، اور بادشاہوں کے واقعات جیسا کہ شہر یار دیلمی اور رستم زاد میں ہوئے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام اس زمانہ میں نبی تھے، پھر جو قضیے ان میں واقع ہوئے اور ایک نے دوسرے کو ہلاک کیا ان سب باتوں کو یاد رکھے تاکہ وقت پر کام آئیں۔

بادشاہ کے مصاحبوں کو چاہیے کہ اس کی حفاظت میں بہت کوشش کریں، خصوصاً حمام میں، کیونکہ اکثر بادشاہ حمام میں ہلاک ہوئے ہیں، اور بادشاہ کے ہر ایک راز کو نہایت پوشیدہ رکھیں کہ کوئی دوسرا قائم مقام ہو جائے پھر اس کی بیعت کے استحکام کے بعد اس کی موت کی خبر شائع کریں۔

Marfat.com

اے بادشاہ جہاں تک تم سے ہو سکے ایسا کام کرو جن سے ہمیشہ تمھارا ذکر خیر کے ساتھ جاری رہے، اور ابن ابی الدنیا کی کتابوں اور تاریخ طبری کا ملاحظہ کرنا ضروری ہے، اور حنفی اور شافعی جو مذہب رکھتا ہو اس کی کتابیں بھی ضرور دیکھنی چاہئیں، اور کوئی فعل بدعت اختیار نہ کرے کیونکہ بنی بویہ وغیرہ کی سلطنت خواہش پرستی ہی کے سبب سے برباد ہوگئی، اور تم کو اپنے اور خدا کے درمیان میں صلاح اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

حکایت ہے کہ ایک ظالم بادشاہ گھوڑے پر سوار کسی ضرورت کے واسطے جارہا تھا ملک الموت نے گھوڑے ہی پر اس کی روح قبض کر لی، اور وہ اپنی خواہش کو پورا نہ کر سکا، اور ایک نیک بادشاہ کے پاس ملک الموت نے آ کر کان میں کہا کہ میں ملک الموت ہوں، بادشاہ نے جواب دیا کہ مرحبا تم خوب آئے اور بہت اچھے آئے، تمھارا مجھے بہت انتظار تھا اب تم جس کام کو آئے ہو اُس کو شروع کرو ملک الموت نے کہا کہ میں یوں تمھاری روح قبض نہ کرونگا بلکہ جس حالت کو تم اختیار کرو اس میں تمھاری روح قبض کرونگا، بادشاہ نے اسی وقت وضو کر کے سجدہ میں سر رکھا اور سجدہ ہی میں ملک الموت نے روح قبض کی، اور ایک لطیف حکایت یہ ہے کہ جب محمود بن بومیہ ملک عراق کا مالک ہوا تو اُس نے اپنے غلام کو ایک ہزار اشرفیاں دیکر کہا کہ تو اصفہان میں جا، اور وہاں شاہی سڑک کے قریب ایک مکان ہے اس میں ایک بوڑھا اور بڑھیا رہتے ہیں ،اُن کے پاس جا کر سلام کر کے یہ اشرفیاں ان کو دینا اور کہنا کہ تمھارے بیٹے نے پوچھا ہے کہ اس کے فراق میں تمھارا کیا حال ہے، جب یہ غلام وہاں پہنچا اور ان سے حال بیان کیا تو انہوں نے کہا یہ اشرفیاں تو واپس لے جا، اُس نے کہا کہ تم دونوں محتاج ہو بہتر ہے کہ یہ تمھارے کام آئینگی، انہوں نے کہا ہمارے دل کی تو تونگری باقی ہے پھر یہ شعر پڑھا:

لَا قبه وَزِینِیْ وَتَزْ دَرِیْ خَلْقِیْ فَاِنَّمَا الدُّرُ داخلُ الصَّدَفْ

مجھکو برا نہ کہہ بلکہ میرے اخلاق کو برا کہہ پس بے شک موتی سیپ کے اندر داخل ہوتا ہے، اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دو اشعار اسی مضمون میں ہیں۔

عَلَیَّ ثِیَابٌ "لَوْ تُبَاعُ جَمِیْعُهَا بِفَلْسٍ لَكَانَ الْفَلْسُ مِنْهُنَّ اَكْثَرَ
وَفِیْهِنَّ نَفْسٌ "لَوْ تُقَاسُ بِبَعْضِهَا نُفُوْسُ الْوَرٰی كَانَتْ اَجَلَّ وَاَكْبَرُ

یعنی میرے جسم پر ایسے کپڑے ہیں کہ وہ سب ایک پیسہ کو فروخت کیے جائیں، تو ایک پیسہ بھی ان سے بہت زیادہ ہے، اور ان کے اندر ایک ایسا نفس ہے کہ اگر مخلوق میں سے بہت سے نفوس کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے تو ان سے بزرگ اور بڑا ہے۔

Marfat.com

اور بادشاہوں کے واسطے ایک گانا سنانے والے شخص کی بھی ضرورت ہے، جو عالم موسیقی سے خوب واقف ہو، اور شاعر اور خوش آواز بھی ہو، اور کتاب موسیقی کا مطالعہ کرتا ہو، خصوصاً شیخ الرئیس ابو علی بن سینا کی کتابیں ضرور دیکھتا ہو، اور ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب سبیل الابناء السبیل میں بیان کی ہے، اور ایک نقطہ یہاں بھی بیان کرتے ہیں، نقطہ کہا گیا ہے کہ گردش افلاک سے ایسے نغمہائے خوش ظاہر ہوتے ہیں کہ اگر ان کو کوئی غافل سنے تو بے ہوش ہو جائے، اسی گردش افلاک سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نغموں کی ترجیعات مثل مربع اور مسدس اور مثمن کے جوڑ دوایا ہے، بطریق تلحین کے اخذ کی ہیں، اسی گردش سے زردست بنی مجوس نے زمزمہ مرتب کیا ہے، اور نصاریٰ نے بھی اس میں سے کچھ لیا ہے، چنانچہ الحان روم میں اور تجنیس عراق میں اور رزقائق عجم میں اور طبل زنی حبشہ میں اور بوق یہودیوں میں ہے۔

اور یہ کل ستر داستانیں ہیں، مثل داستان رجل کے اس کے ورن میں کہتے ہیں، اَلْکَسْبُ فَاَنْتَ الْمُظَفَّرُ اِذْ کَبَّ فَا اللّٰهُ اَکْبَر اور باقی لڑائی کے وقت اور منزل پر اترنے کے وقت وغیرہ کی داستانیں ہیں، سقراط کا قول ہے کہ آواز کے نغموں کا مشتبک ہونا عبادات کی صورتوں سے ہے، اور اصل اس کی گردش افلاک سے ہے، اور اس کی تاثیر ایسی ہے جیسے نظر بد اور جادو کی، ہم اس کو موقع پر بیان کریں گے۔

بادشاہوں کی خدمت میں حکماء کے اس قول کے مطابق رہنا چاہیے کہ جب تو بادشاہ کی خدمت میں ہے تو ہر وقت خوف کا لباس پہنے رہ، اور جب تو ان کے پاس جائے تو اندھا ہو کر جا یعنی ان کے کسی سبب پر نظر نہ کر، اور جب ان کے پاس سے آئے تو گونگا ہو کر آ یعنی ان کی بات کسی سے نہ کہہ۔

آٹھواں مقالہ

(چوبداروں اور وزیروں اور منشیوں کی ترتیب میں)

چوبدار پس پشت کھڑے ہوں اور وزیر دائیں ہاتھ کی طرف بیٹھے اور منشی بادشاہ کے تخت کے پاس زبردست بیٹھے اور تخت کے قریب کوئی شخص نہ بیٹھے اور دربار ہیبت و وقار سے پر ہو۔

بادشاہ کو جو کام ہو وہ چوبدار سے کرائے اور خطوط کے جواب منشی سے لکھوائے اور جو

Marfat.com

ت دریافت کرنی ہو وزیر سے دریافت کرے اور معاملات ملکی میں خود بادشاہ غور کرے اور زموں کی ترتیب و تادیب میں بادشاہ کے بعد وزیر خیال رکھے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ بادشاہ جمعہ کی نماز میں جائے تو ایک علیحدہ مسجد کے حجرہ میں نماز پڑھے جس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا ہو اور معتبر لوگ بادشاہ کے ساتھ اس حجرہ میں موجود ہوں اور بادشاہ سب لوگوں کے بعد اپنے خاص دروازے سے مسجد میں داخل ہو۔

ہفتہ میں دو روز بادشاہ کو قرآن خوانی اور لوگوں سے ملاقات کرنے اور اہل علم سے محبت رکھنے کے واسطے ہونے چاہئیں۔ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر بادشاہ قرآن شریف پڑھے۔ پھر قاری لوگ آ کر نوبت بنوبت قرآن سنائیں، پھر واعظ وعظ کہیں، پھر شاعر شعر سنائیں، پھر قل ھو اللہ احد اور معوذتین اور فاتحہ اور الٓمٓ مفلحون تک پڑھ کر امام ختم کرے اور بادشاہ اور مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کرے، اور ہفتہ میں ایک روز بادشاہ عبادت اور ذکر اور حساب کتاب دیکھنے میں صرف کرے۔

نواں مقالہ

(نان پز اور باورچی اور قصاب کی ترتیب کے بیان میں)

قصاب اور نان پز اور باورچی غیر مذہب نہ ہونا چاہئے کیونکہ غیر مذہب پاکی ناپاکی کی پرواہ نہیں کرتا ہے، اور طعام پزی کا کل سامان باورچی خانہ میں موجود رہنا چاہئے، اور گوشت کو زیادہ دھونا اور ہاتھوں میں ملنا اچھا نہیں ہے باورچی نہایت تجربہ کار اور ہوشیار، اپنے فن سے خوب واقف ہونا چاہئے، اور کشاجم کی کتابیں جو اس فن میں ہیں اس کے مطالعہ میں رہیں، اور شربت، مربے، روغن، مٹھائیاں، خوشبوعات اور عجیب و غریب رنگ بادشاہوں کے واسطے ہر وقت موجود رہنے چاہئیں۔

جو مرغ یا پرندے گھروں میں بند رہتے ہیں ان کا گوشت کھانا مفید نہیں ہے بلکہ عمدہ اور مفید گوشت آزاد جانوروں کا ہے، جن میں ترش پانی ڈال کر پکایا گیا ہو اور روٹی اُس کے شوربے میں بھگو کر کھائی جائے، اور میٹھائی عمدہ وہ ہے جس میں آٹا زیادہ اور مٹھاس بقدر ضرورت ہو۔ مفصل حال ان سب چیزوں کا ان فن کی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے مختصر طور پر ان کا بیان ہم نے اپنی کتاب سلسبیل میں کیا ہے۔

Marfat.com

اور اگر اعلیٰ درجہ کی باتیں معلوم کرنی ہوں تب کتاب شفاء شیخ اور نجات کو دیکھنا چاہیے ، اور اگر کتب اُصول دینیہ دیکھنی منظور ہوں تو شافعی مذہب میں امام الحرمین کی کتاب اور ارشاد اور ہماری کتابوں میں سے الاقتصاد فی علم الاعتقاد اور کتاب قواعد العقائد جو احیاء علوم الدین کا پہلا حصہ ہے، اور رسالہ قدسیہ وغیرہ کو دیکھو اور کتب طب کو بھی ضرور ملاحظہ کرو، اور علوم شرعیہ کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے تاکہ مولوی اور مفتی کی غلطی معلوم کرسکو، اور علم حساب سے بھی واقفیت ہونی چاہیے ، اور تحصیل دار بھی ایسے ہی لوگوں کو بناؤ جو حساب میں پوری مہارت رکھتے ہیں، اور جو مقابلہ اور مساحت سے خوب واقف ہیں اور امتحان میں پورے اترتے ہیں جیسے کہ منشیوں سے رسائل اور جواب لکھوا کر امتحان لیا جاتا ہے اور ان لوگوں کو کتب قوانین سے بھی آگاہ ہونا چاہیے اس کام کے واسطے صاحب بن عباد بن اسحاق صحابی کا رسالہ بہت مفید ہے اور منشی کو نہایت فاضل اور جلد لکھنے والا اور کتب دفاتر سے واقف ہونا چاہیے ۔

بادشاہ کو چاہیے کہ اپنے کل حکام اور عمال سے ان کے کاموں کا حساب لے، اور ہر شہر کے وکیلوں سے عدل یا ظلم کا حال دریافت کرے کہ وہاں کے حاکم نے کیا انتظام کر رکھا ہے اور بادشاہ کو بدمزاج یا کھلاڑی یا بدزبان نہ ہونا چاہیے ،بعض لوگ کہتے ہیں کہ شطرنج کھیلنا بادشاہ کو جائز ہے مگر نرد یعنی چوسر نہ کھیلے کیونکہ یہ قمار بازی سے مشابہت رکھتی ہے جب اردشیر نے نرد کو ایجاد کیا ہے تو کسی نے اُس سے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں، اردشیر نے کہا کہ میں اس کی طرف سے ہاتھ کاٹ لونگا یعنی اس کے ساتھ نہ کھیلونگا ایسے ہی حجاج بن یوسف نے اپنی مٹی کھانے کی شکایت کی کسی نے کہا اپنی ہمت اپنا عزم مٹی پر ڈالدے پس حجاج نے پھر کبھی مٹی نہ کھائی۔

بِقَدرِ الكَسْبِ يَكتَسَبَ الْمُعَالِيْ وَمَنْ طَلَبَ الْعَلٰي سَهَرَ اللَّيَالِيْ
تَـرُو مُـا لـعـزَّ ثُمَّ تَـنَـامُ لَيْلًا يَغُوْصُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِيْ
لَـنـوّ لُ الـصّـحـر مـن قـتـل الـجِـبَـالِ اَحَبُّ الَـىَّ مـن مَـنّ الـرِّجَـالِ
وَقَـالُـو مفتي فِـيْ لـكَـسْـبِ عَـارٌ نَـقَـلْـتُ الْـمَـامُ فِيْ ذِلّ السُّؤَالِ
اِذَا عَـاشَ امْرءٌ بِسِتِّيْنَ عَـامًـا فَـنِـصْـفُ الْـعُـمْـرِ تُـحْـفَـةُ اللَّيَـالِيْ
وَنِصْفُ النِّصْفِ يَمْضِيْ لَيْس يَدْرِيْ اَتَـقْـضِـيْ فِـيْ يَـمِـيْنٍ اَوْ شِـمَـالٍ
وَرُبْعُ الْـعُـمْـرِ اَمْـرَاضٌ وَشَـيْـبٌ وَشُـغْـلٌ بِـالتَّـفَـكُّـرِ وَالْـعِـيَـالِ
فَـحُـبُّ الْـمَـرْءِ طُوْلُ الْعُمْرِ قُبْحٌ وَقِسْمَتُهُ عَلٰى هٰذَا الْمِثَالِ

Marfat.com

تکلیف کے برابر بلند مرتبے حاصل کئے جاتے ہیں اور جو شخص بلند کا طالب ہوتا ہے وہ راتوں کو جاگتا ہے، تم عزت کا قصد کرتے ہو اور رات کو سوتے ہو جو موتیوں کا طالب ہوتا ہے وہ سمندر میں غوطہ لگاتا ہے، میرے نزدیک پہاڑی کی چوٹی سے پتھر ڈھونا کسی کا احسان لینے سے بہتر ہیں جوان سے لوگ کہتے ہیں کہ کما کر کھانے میں بدنامی ہے، میں کہتا ہوں کہ بدنامی اور ذلت سوال کرنے میں ہے، اگر کوئی شخص ساٹھ برس زندہ رہا تو آدھی عمر اس کی راتیں مٹا دیتی ہے۔

اور ایک چوتھائی عمر اس طرح گذر جاتی ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ دائیں طرف گئی یا بائیں طرف، اور ایک چوتھائی عمر بیماریوں اور بڑھاپے کا حصہ ہے، اور اہل وعیال کے فکر وکاروبار کا، پس انسان کی درازی عمر کی خواہش کرنا بہت برا ہے کیونکہ عمر کی تقسیم اس طرح ہے جو بیان ہوئی۔

دسواں مقالہ

اے بادشاہ اگر تمہارا ارادہ کسی بادشاہ سے جنگ کرنے کا ہو تو پہلے اپنے لشکر کو دیکھو کہ کس قدر ہے، اور کیسی طاقت رکھتا ہے اور اہل لشکر کے دلوں کو نفاق سے پاک وصاف کرو، پہلے اپنے دشمن کی قوت کو دیکھو کہ اگر وہ تم سے زبردست ہو تو اس کی طرف رخ نہ کرو بلکہ اس کے ساتھ محبت ودوستانے کی راہ ورسم اختیار کرو، اور اگر وہ تم سے خود چھیڑ چھاڑ شروع کرے اور تم اسکے مقابلے کی طاقت نہ رکھتے ہو تو جہاں تک ہوسکے صلح کرلو کیونکہ زمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے، اگر تم اس وقت کمزور ہو اور ہمت سے کام لوگے تو امید ہے کہ تھوڑے عرصہ میں زبردست ہو جاؤ گے، اور جہاں تک تم سے ممکن ہو اپنے دشمن کے مقربوں، مصاحبوں اور سرداروں کو اپنے سے ملا لو اگر چہ رشوت دینی پڑے، اور جس طرح ہوسکے دشمن کے لوگوں میں عداوت ڈالو، اور ایک کو دوسرے کی طرف سے بہکا دو اور خوب دھوکے دو مگر نہایت ہوشیاری اور عقلمندی سے کہ تمہارا راز فاش نہ ہو جائے، اور اگر تمہاری سلطنت میں کوئی ایسا شخص ہو جس سے تم اندیشہ رکھتے ہو اور اس کو سزا دینے کا موقع نہ ہو تو حکمت اور تواضع کے ساتھ اس کو اپنے سے ملاؤ تاکہ تمہارا راز کسی سے ظاہر نہ کرے اور تمہارے دشمن سے نہ مل جائے اور پھر اس کی تاک میں رہو، یقین ہے کہ تھوڑے عرصہ میں تمہارا قابو چل جائیگا اور تم بخوبی بدلہ لے لوگے، اور اگر تم کسی

Marfat.com

قلعہ کا محاصرہ کرو تو لازم ہے کہ ایسی ترکیب لڑاؤ جس سے قلعہ والوں میں اختلاف ہو جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب رستم زاد پر لشکر کشی کی اور وہ قلعہ بند ہوا تو سلیمان علیہ السلام نے رستم زاد کو لکھا کہ تمھارے ساتھی اور رفیق چاہتے ہیں کہ تم کو گرفتار کر کے تمھارے دشمنوں کے حوالہ کر دیں، اور ایک خط علیحدہ اس کے بڑے بڑے سرداروں کو اس مضمون کا لکھا کہ رستم تم لوگوں سے اندیشہ ناک ہے اور یہ خط اُس نے میرے پاس تمھارے مکروفریب کے متعلق بھیجا ہے، پس اگر یہ قلعہ شہریار کے قبضہ میں گیا تو تم سب لوگ قتل ہو جاؤ گے، پھر جب لڑائی ہوئی وہ سب لوگ بھاگ کر شہریار سے جا ملے اور رستم قتل ہو گیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہایت اطمینان سے دونوں کو منگوالیا، یعنی رستم کو بھی اور شہریار کو بھی اور عجمیوں کے قتل و غارتگری کی وہ حالت ہوئی جو بنی اسرائیل کی بخت نصر کے زمانہ میں ہوئی تھی، اور عورتوں کی حالت ایسی بیکسی کی تھی کہ جس کا جی چاہتا ان پر تصرف کرتا تھا۔

اور اے بادشاہ تم اس شخص کی طرح نہ بنو جس نے شہد کے قطروں کے چاٹنے پر اکتفا کر لیا تھا، اگر تم ایسا کرو گے تو تینوں شخصوں میں سے زیادہ بد نصیب ہو گے مظلوم کو ثواب ہوتا ہے اور ظالم اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے، اور تم پر صرف حساب کی سختی باقی رہیگی، اور حسرت سے یہ کہو گے کہ اے کوے یہ ویرانہ کب آباد ہو گا، اور جب تم قلعہ کا محاصرہ کرو تو قلعہ والوں کو پیغام بھیجو اگر آدمی کے ہاتھ نہ ہو تو لکھ کر تیر میں باندھو اور قلعہ پر پہنچا دو کہ جو کوئی اپنی سلامتی چاہتا ہو وہ ہمارے پاس آجائے پھر جب قلعہ فتح ہو جائے تو ہر طرف اس میں محافظ مقرر کرو کہ کوئی شخص اس میں آنے جانے نہ پائے، اور جو لوگ تمھارے مخالف ہوں جس طرح چاہو اُن سے سلوک کرو، اور شمشیر زنی شروع کر دو اور لوٹ اور قتل کا چاروں طرف قلعہ میں حکم دے دو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کا محاصرہ کیا ہے تو نکلنے والوں کو راستہ دے دیا تھا مگر کسی کو قلعہ میں جانے نہ دیتے تھے اور جو لوگ قلعہ سے نکلے تھے وہ بہت بھوکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھانا کھلایا پھر اگر تم کو نقب زنی یا منجنیق لگانے کی ضرورت ہو تو فوراً ان کاموں کو کرو، اور دشمن کو خوب خوف دلاؤ اور اپنا رعب ان پر بٹھاؤ اور اگر قلعہ کی رعایا کسی طرف کو بھاگ رہی ہو تو ان کو بھاگ جانے دو اور ان کی طرف سے اپنے دل میں برائی کو راہ نہ دو۔

Marfat.com

گیارہواں مقالہ

سفر میں جانے سے پہلے سامان سفر تیار کر لینا چاہیے، اور سفر میں جانے سے ایک مدت پہلے سے اپنے لشکر میں تیاری کا اعلان کر دو پھر جب تم سفر میں چلے جاؤ تو کسی ایسے شخص کو قائم مقام کرو جو تمھارے پیچھے فوجیں تیار کر کے تمھارے پاس بھیجتا رہے اور جس قدر جس کام کے کاریگروں کی ضرورت ہو وہ سب تمھارے پاس ہونے چاہئیں اور تمھارے لشکر کے بازار میں نہایت امن و انتظام ہونا چاہیے اور تمھارے وزیر کو کتب سیاست پر پورا عبور ہونا چاہیے مثلاً کتاب مسالک والممالک اور سیاسیات مغری جس کو شیخ الرئیس نے اپنی کتاب ادویہ قلبیہ کے آخر میں لگا دیا ہے اور کتاب قوانین الملک بن مرہ کی فن بیطرہ یعنی سلوتری کے فن کی کتابوں کو بھی دیکھنا ضروری ہے، مثلاً بیطرہ کشاجم اور بیطرہ ابن قتیبہ و کنبہل الرومی ان کتابوں میں چوپایوں کی بیماری اور اُن کے علاج و ادویات کا مفصل ذکر ہے اور ان کی کل اقسام کا بھی بیان ہے چنانچہ گھوڑے کی ساٹھ قسموں میں حضرت سکندر گھوڑے کو دیکھ کر اس کے مرض کو پہچان لیتے تھے۔ جانوروں کی طب نہایت مشکل ہے کیونکہ ان کے مرض کا حال کہنے سننے سے معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ حضرت سکندر ایک بلند جگہ خیمہ لگا کر اس میں بیٹھتے تھے۔ اور جانوروں کا معائنہ کرتے ہوئے کسی نے کہا کیا یہ کام آپ خود کرتے ہیں؟ کہا ہاں، کیونکہ یہ کام میری ذات کا ہے، ایک گھوڑا ان کے سامنے بیمار ہو گیا فوراً انہوں نے اشنان کا پانی اس کو پلایا وہ اچھا ہو گیا اور چوپایوں کے واسطے ایک مجرب علاج یہ ہے کہ کفاروں کے قبرستان میں ان کو لے جایا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا جانور ان کی قبروں سے عذاب کی آوازیں سنتے ہیں اور خوف زدہ ہو کر اُن کو آرام ہو جاتا ہے، حیوانات، نباتات اور جمادات کے بہت خواص اسی قسم کے ہیں جن میں سے مختصر ہم نے اس کتاب کے بعض مقالوں میں بیان کیے ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر بیت المقدس کو فتح کر کے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہاں کا امیر مقرر کیا تو میں ہجرت کر کے بیت المقدس پہنچا اور عبد اللہ کے پاس گیا تو میں نے اُن کے ہاں نہ کوئی چوب دار دیکھا نہ دربان دیکھا، میں نے اُن کا سبب ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا عنقریب

Marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کو حاصل کریں گے پھر تم سنو گے کہ اُن کے مکان میں کیا ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں پھر میں نے ابن مسعود کو دیکھا کہ اپنے گھوڑے کا دانہ اپنے ہاتھ سے درست اور صاف کررہے تھے، میں نے اس کا سبب پوچھا کہنے لگے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے جو شخص اپنے گھوڑے کا دانہ اپنے ہاتھ سے صاف کریگا ہر دانہ کے بدلے دس نیکیاں اُس کو ملیں گی، اب تم بتاؤ کہ میں اپنا یہ ثواب غیر کو کیوں دوں اور جو بات کہ تم کو نجات دے وہ تمہارے اس تکبر سے بہتر ہے جو تم کو سرکش بنادے۔

اور ایسے ہی ابو حازم سے منقول ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس گیا رات کا وقت تھا چراغ خاموش ہونے لگا عمر خود چراغ کو درست کرنے کھڑے ہوئے میں نے کہا میں تمہارے غلام کو جگا دیتا ہوں، کہا نہیں، میں نے کہا میں درست کردوں کہا نہیں، پھر خود ہی اس کو درست کیا اور کہا جب میں کھڑا ہوا تو میں عمر تھا اور جب میں بیٹھ گیا تو میں عمر تھا تکبر کرنے والوں کو خدا غارت کرے۔

[1] اِذَا عَظُمَ الْاِنْسَانُ زَادَ تَوَاضُعًا وَاِنْ لُؤْمَ الْاِنْسَانُ زَادَ تَرَفُّعًا

كَذَا الْغُصْنُ اِنْ تَقْوَى الثِّمَارُ تَنَالُهُ وَاِنْ يَعْرُعُرْ جُمْلِ الثِّمَارِ تَرَفُّعًا

بارہواں مقالہ
آداب سفر کے بیان میں

اے بادشاہ جب تم سفر میں جاؤ تو اپنے محافظ اور چوکیداروں کو خوب ہوشیار رکھو اور خود بھی ہر وقت ہوشیار رہا کرو، دن کو پیٹ بھر کر کھایا کرو اور رات کو بیدار رہا کرو، اِدھر اُدھر کی خبریں اور واقعات مخبروں سے سنا کرو، اور جب گھر پر ہو تب بھی دروازہ کی وہ چوکی خوب مضبوط رکھو، اور دربان نہایت خیر خواہ ہونا چاہیے اور محل میں ایک خاص کمرہ اپنے رہنے کے واسطے تیار کراؤ جس کی کنجی تمہارے ہی پاس رہے پھر اگر تم کو کسی وقت حرم کی ضرورت ہو تو سرد مزاج یعنی گوری عورت سے پرہیز کرو، حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ سیاہ رنگ کو سفید رنگ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں فرمایا ایک سرد مزاج ہے اور ایک گرم مزاج ہے۔ اور

[1] جب انسان بزرگ ہوتا ہے تب تواضع زیادہ کرتا ہے اور اگر نالائق ہوتا ہے تو اپنے آپ کو بلند سمجھتا ہے اسی طرح جو ٹہنی درخت کی پھل دار ہوتی ہے وہ جھکتی ہے اور جو خالی ہوتی ہے وہ اونچی رہتی ہے نہلا شاخ پر میوہ بر زمین۔

Marfat.com

مزاج کام کی نہیں ہے، کسی کا قول ہے کہ عمدہ جماع وہ ہے جو نہایت بے باکی کے ساتھ ہو ایک بادشاہ نے قوت جماعی کی ضعف کی شکایت کی اور یہ بادشاہ گرم دواؤں کے استعمال سے خوف کرتا تھا حکیموں نے اس کے واسطے ایک کتاب لکھی جس میں بطریق حکایت کے لکھا تھا کہ فلاں عورت نے فلاں شخص کے ساتھ یہ کیا اور فلاں شخص نے فلاں عورت کے ساتھ اس طرح کیا بادشاہ کو اس کتاب کے پڑھنے سے آرام ہو گیا اور قوت اس کی از حد تیز ہو گئی حجاج نے اسی مضمون میں شعر کہا ہے۔

اَکرِھُنَ النِّسَآءُ لِلشَّیْبِ اِلَّا اِنَّہٗ مُؤْذِنٌ بِنَوْمِ الذُّکُوْرِ

عورتیں بڑھاپے کو اسی سبب سے برا سمجھتی ہیں کہ مرد بوڑھے ہو کر سو جاتے ہیں اور عورتوں کے کام کے نہیں رہتے۔

مامون رشید کی دو لونڈیوں ایک سیاہ اور ایک سفید میں تکرار ہوئی سفید نے سفیدی کی تعریف کی اور کہا کہ برف دوا میں کام آتی ہے اور سورج کی سفیدی نہایت عجیب ہے، اور کپڑوں میں بہتر کپڑا سفید ہے، سیاہ لونڈی نے جواب دیا کہ عنبر اشہب اور عود قماری گردنوں کے ہار یں خوشبو میں لگائے جاتے ہیں، اور جاڑے میں کوئلے گرمی کے ٹھنڈے پانی سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں اور آنکھ میں سفیدی اندھا کر دیتی ہے، اور شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور جوانی کی سیاہی کو سب عورتیں تلاش کرتی ہیں بنی عباس کے قبوں کی سیاہی کیسی ہیبت ناک ہے پھر اس نے یہ شعر پڑھا۔

اُحِبُّ بُحِبِّھَا السُّوْدَانَ حَتّٰی اُحِبُّ لِحُبِّھَا سُوْدَ الْکِلَابِ

ایک معتبر شخص نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ منصور نے بہت سے سادات علویہ کو شہید کرایا چنانچہ بقیہ سادات یمن کی طرف ہجرت کر گئے، مامون خلیفہ ہوا تو اُس نے اہل بیعت سے محبت اختیار کی اور ان کو تلاش کرنا شروع کیا چنانچہ معلوم ہوا کہ بہت سے سادات بنی فاطمہ یمن میں ہیں مامون نے ان کے بلانے کو قاصد روانہ کیے جب ان سادات کو خبر ہوئی تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے یہ بات قرار دی کہ ہم لوگ بذات خود تو نہیں جاتے بلکہ ہمارے وہ غلام جو شکل وشمائل میں ہم سے مناسبت رکھتے ہیں اُن کو اپنے نام سے بھیج دیتے ہیں پھر انہوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ مامون کی طرف سے سادات موصوفین مطمئن نہ تھے الغرض جب یہ سادات جو دراصل غلام تھے مامون کے پاس پہنچے تو اُس نے ان کی بہت خاطر کی اور یہ لوگ سادات ہی مشہور رہے اور انہوں نے شادیاں کیں اور اولاد بھی اُن کی سادات کہلانے لگی اسی سبب سے

Marfat.com

جب تم کسی سید کو بد صورت بد خلق بد دماغ دیکھو تو جان لو کہ یہ انہیں غلام زادوں میں سے ہے، کیونکہ سادات کا خاندان عالیشان ایسا نہیں ہے جس میں کمینوں کی گنجائش ہو سکے اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا مطلب ہے کہ ہم پاک گھرانے کے لوگ ہیں نہ ہم خود فسق و فجور کرتے ہیں نہ ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے۔

تیرہواں مقالہ

(قسم کے متعلق حیلوں کے بیان میں)

شراب میں اگر لہسن ڈال کر جوش کریں تو قولنج بارد کے مریضوں کو نافع ہے اور ہمارے بہت سے اصحاب اس کو جائز کہتے ہیں جس اختلافی مسئلہ کی صحت کا حاکم حکم کر دے اس کا اختلاف زائل ہو جاتا ہے۔

قسم ایسے الفاظ کے ساتھ کھانی چاہیئے جن سے اس کے فسخ مین تاویل کر سکے اور قسم قسم کھانے والے کی نیت پر موقوف ہوتی ہے وکیل کی عقل سے پرہیز کرنا چاہیئے اور الفاظ قسم کے محدود نہ ہونے چاہئیں۔

اور اے بادشاہ تم حکماء کے قول اور اُن کے ساتھ فتویٰ دینے کی ممانعت نہ کرو اور اگر تم ان کو اختیار کرو تو پوشیدہ رکھنا چاہیئے، اور خدائے تعالیٰ اور اسکی صفات و افعال کے ساتھ قسم کھانے سے بہت خوف رکھو اور دیگر بزرگ چیزوں کی قسم کھانے میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور جھوٹی قسم کھانے سے شہر اجڑ جاتے ہیں اور جھوٹی قسم یہ ہے کہ جس بات کو جھوٹ جانتا ہو اُس کے صحیح ہونے کی قسم کھائے اے بادشاہ جب تم دربار میں بیٹھو تو نہایت ادب و وقار کے ساتھ بیٹھو اور کلام بہت کم کرو کیونکہ بادشاہوں اور زاہدوں کو جہت کلام کرنا برا ہے اور علماء کو بہت سے فوائد کلام کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں اور خود بحث و مباحثہ نہ کرو بلکہ مباحثہ کرنیوالوں میں باہم مقابلہ کرادو تم نے سنا ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ لوگ کچھ ہی فتویٰ دیں کیونکہ حلال اور حرام دونوں ظاہر میں اور ان کے درمیان مین امور متشابہات ہیں پس اس چیز کو چھوڑ دو جو تم کو شک میں ڈالے اور اس چیز کو اختیار کرو جو یقین سے پر ہو ایسے شخص کی دعا قبول ہوتی ہے اور مروت اُس کے اندر آتی ہے اور اندرون اسکا بہتر ہوتا ہے، اور نام اسکا بلند ہوتا ہے اور امید اسکی حاصل ہوتی ہے اور موت اسکی اچھی ہوتی ہے اور اولاد اسکی پاک ہوتی

Marfat.com

ہے اور نطفہ اسکا نورانی ہوتا ہے، اور آنسو اسکے رقیق ہوتے ہیں اور حکمت اُس کی ظاہر ہوتی ہے اور غصہ اسکا دور ہوتا ہے، اور قلب اسکا نرم ہوتا ہے اور گناہ اسکے ہلکے ہوتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے علی ایک درہم مال حرام کا نہ لینا خدا کے نزدیک چالیس ہزار مقبول حجوں سے افضل ہے، اے علی جس نے ناحق غصہ کیا اس پر غصہ کیا جائیگا، اور جس نے ظلم کیا اس پر ظلم کیا جائیگا، اور جس نے کثرت کے ساتھ صدقہ دیا اُس کی اولاد کی مدد کی جائے گی۔

حرام کے اندر راز یہ ہے کہ کُل نفوس کی معاد ایک ہے، اور کُل نفوس کا قبض ہونے کا مرجع اسی کی طرف ہے پس جب ایک شخص ظلم کرتا ہے وہ ظلم کُل نفوس کے اندر سرایت کر جاتا ہے۔ اور یہی اس کلام الٰہی کے معنی ہیں۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ ...... فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ...... یعنی جس نے کسی نفس کو بغیر قصاص کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اس کو زندہ کیا یعنی قتل ہونے سے بچایا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا، اور جب تم کسی نیکی یا صدقہ کا ثواب کسی روح کو بخشتے ہو تو اس کا اثر سب روحوں کو پہنچتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے تیرا بعض حصہ طلاق والا ہے تو کس طرح طلاق ساری عورت پر واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ طلاق ایسی چیز نہیں ہے جس کے حصے ہو سکیں۔ اے بادشاہ تمھارے واسطے ایک امام ضرور ہونا چاہیے، جو تم کو نماز پڑھایا کرے، اور امام بوڑھا یا اندھا ہو اور عالم دیندار ہو، اور تم اپنے غلاموں اور خدمتگاروں کو لکھنا پڑھنا اور رموز و ارشادات خوب تعلیم کرو اور ان کا معلم بھی بوڑھا شخص ہونا چاہیے اور عورتوں کے تعلیم دلوانے کو نیک بخت معلّمہ تلاش کرائے، بادشاہ زمانے کے لوگ بہت خراب ہیں مرد مردوں سے اور عورت عورتوں سے بدفعلی کرتی ہیں اور یہ بات نہایت غضب الٰہی کے نازل ہونے کی ہے اور ایسی ہی باتوں میں لوگوں نے غلو کر کے تحلیل و تحریم کو اُڑا دیا ہے اور عقلی و نقلی بیہودہ دلیلیں قائم کر لی ہیں مثلاً نقلی دلیل خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا یعنی خدا کی وہ ذات پاک ہے جس نے زمین کے اندر سب چیزیں تمھارے واسطے پیدا کی ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ کے لوگ اسی طریقہ پر تھے کہ نہ کسی چیز کو حلال جانتے تھے نہ حرام انبیاءؑ نے حلال و حرام کی تفریق کی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ یعنی خرابی ہے ان مشرکوں کے واسطے جو زکوۃ نہیں دیتے ہیں، اور یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

کے اموال بنی حنیفہ کو مباح کر لینے کی حجت لاتے ہیں، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب موجود کے واسطے ہوتا ہے یا معدوم کے، اگر معدوم کے واسطے ہے تو معدوم ایسی چیز نہیں ہے جس سے خطاب کیا جائے پس جو لوگ ان کے زمانوں میں موجود تھے وہی ان کے مخاطب تھے اور اسی شبہ کے ساتھ بصریہ وغیرہ فرقوں نے تمسک کیا ہے، عنقریب ہم ان کے دلائل اور مواقع بیان کریں گے۔

اے بادشاہ ہم تمھارے طریقہ کے متعلق تم سے پورا بیان کر چکے ہیں کہ تم کو اچھا اور نفیس کپڑا پہننا، کم گفتگو کرنا، اپنے دوستوں اور ملازموں کو مؤدب رکھنا چاہیئے، اور یہ بات ضرور ہے کہ وہ لوگ تم سے قریب ہوں یا دور ہوں مگر مطمئن ہوں، تمھاری طرف سے شک میں نہ ہوں جیسا کہ ایک حکیم کا قول ہے کہ تین شخص ہیں اگر تو ان پر ظلم نہ بھی کریگا تو وہ تیرے اوپر ظلم ضرور کریں گے، ایک اولاد، دوسری بیوی اور تیسرے بادشاہ، اور اے لوگو! تم کو بادشاہوں کے قرب سے دور رہنا چاہیئے کیونکہ اگر وہ تم کو اپنے پاس رکھیں گے تو ضرور کسی وقت فتنہ میں ڈالیں گے اور اگر کہیں دور پہنچیں گے تو غمگین کریں گے۔

یہ سب وصیتیں حصول سلطنت کے متعلق ہیں اگر تم اسکے حاصل کرنے کا قصد کرو گے تو امید ہے کہ خدا تمھاری مدد کریگا اور جب خدا کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اسکے اسباب مہیا کر دیتا ہے، اور ہر کام کے واسطے اسباب کا ہونا ضروری ہے، دیکھو خدا تعالیٰ نے حضرت مریم کے واسطے خشک کھجور میں پھل لگائے پھر حضرت مریم کو حکم کیا کہ اسکو اپنی طرف بلاؤ تو تازہ بتازہ کھجوریں جھڑیں گی حالاں کہ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ بغیر مریم کے ہلائے کھجوریں جھاڑ دیتا، اسی طرح ہر کام میں حرکت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ فِي الْحَرَكَةِ بَرَكَةٌ یعنی حرکت میں برکت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ قَالَ لِمَرْيَمَ وَهُزِّيْ اِلَيْكِ الْجِذْعَ تَسَاقَطَا الو قلبُ
وَلَوْ شَآءَ اَجْنَ الْجِذْعَ مِنْ خير هَزِّهَا وَالٰكِنَّمَا الْاَشْيَاءُ تَجْرِيْ لها سَبَبٌ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خداوند تعالیٰ نے مریم سے فرمایا کہ کھجور کو اپنی طرف بلاؤ تم پر تازہ کھجوریں جھڑیں گی، اور وہ چاہتا تو بغیر مریم کے ہلائے کھجوریں جھاڑ دیتا، مگر ہر چیز کے واسطے سبب ہونا ضروری ہے۔

اے طالب سلطنت اگر تم سے ہو سکے تو سرخ و سفید بنانے کی ترکیب حاصل کرو مگر یہ کام تم سے ہونا مشکل ہے مگر جب ہمت سے کام لو گے تو کچھ نہ کچھ راستہ تم پر کھل جائیگا، اور اگر

Marfat.com

کہو کہ کیمیا نہیں بن سکتی تو اگر یہ پہلے بنتی تھی تو اب بھی بننی ممکن ہے، کیا تم نے حضرت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رموز میں نہیں سنا کہ زیبق جراج میں شب مصور کے ساتھ بے انتہا مال ہے مگر کم ہمت لوگ تم کو تمھارے حصول مقصد سے باز رکھتے ہیں ورنہ جو شخص کوشش کے ساتھ تلاش کرتا ہو کہ ایک درویش ذی علم نے اس حدیث کو سن کر کہا کہ میں اس کا تجربہ کرتا ہوں کہ بادشاہت مجھ کو حاصل ہوتی ہے یا نہیں، اور یہ شخص لائق سلطنت بھی تھا کیونکہ ذی علم مہذب و مؤدب آدمی تھا بادشاہ کے ہاں جا کر فراشوں میں نوکر ہوا اور اپنی خوش خلاقی اور قابلیت سے تھوڑے عرصہ میں مشہور ہو گیا اور فراشوں کے سردار کے مرتے ہی اس کی جگہ قائم کیا گیا، پھر جب وہاں بھی اُس نے بڑی دیانت سے کام کیا تو اس کی اور ترقی ہوئی یہاں تک کہ وزیر نے اس کو اپنے خاص ہاتھ کے نیچے بلا لیا پھر یہ خود وزیر ہو گیا اور نہایت عدل انصاف سے کام کرنا شروع کیا ظلم کے دروازے بند کر دیئے۔ اور حساب و کتاب صاف کر دیا لوگوں کو نہایت راحت نصیب ہوئی، یہاں تک کہ بادشاہ بھی مر گیا اور بالاتفاق اس کو بادشاہ بنایا گیا اور اس نے اس بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔

پس اسی طرح تم کو اپنا عزم بالجزم حصول عزت کے واسطے رکھنا چاہیئے اور پہلے آلات سلطنت کے حاصل ہونے کا فکر کرو جن کو ہم تمھارے تیئں خوب بتلا چکے ہیں اور تم نے حسن بن صباح کا قصہ سنا ہوگا۔ جب کہ یہ الموت کے قلعہ کے نیچے زاہد بن کر رہا ہے اور اس قدر لوگوں کو اس نے اپنا گرویدہ بنایا تھا کہ تمام اہل قلعہ یہ چاہتے تھے کہ یہ قلعہ کے اندر آئے مگر یہ اُس میں نہ جاتا تھا اور رات دن لوگوں کے مرید کرنے میں مشغول تھا اور کچھ طریق ارادت اور عدل ان کو تعلیم کرتا تھا پھر اسکے بعد اپنے دل سے عجیب عجیب باتیں گھڑ کے ان کی عقلوں کے موافق ان کو سنا تا مثلاً کہتا لا الہ الا اللہ کہنے والے کے حق میں تم کیا کہتے ہو اگر تم نے کہا کہ وہ حق پر ہے تو وہ کہتا کہ یہ بات تو یہودیوں اور نصرانیوں کی ہے اور اگر تم نے کہا کہ وہ حق پر نہیں ہے تو وہ کہتا کہ پھر اس کو کیوں پڑھتے ہو پھر اُس نے مریدوں کو خوب اپنا مطیع فرمان کیا اور اُن سے کہنے لگا کہ دیکھو لوگوں نے کس طرح شریعت کو چھوڑ دیا ہے ان کی اصلاح کرنی ضروری ہے پھر جب مریدوں کی تعداد معقول ہو گئی تب یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واسطے اٹھ کھڑا ہوا تب بہت مخلوق اُس کے ساتھ جمع ہو گئی، پھر ایک روز بادشاہ قلعہ سے نکل کر شکار کے واسطے گیا اور اکثر اہل قلعہ اسی کے مرید تھے اُس نے جھٹ پٹ قلعہ پر قبضہ کر لیا اور

ل یعنی کیمیا کے ذریعے سونا چاندی بناؤ، کیمیا کی بحث کتاب کلید اسرار سے ملاحظہ فرمادیں ۱۲۔

Marfat.com

بادشاہ کو شکار گاہ ہی میں پہنچ کر قتل کیا پھر دن بدن اُس کے مذہب اور سلطنت کو ترقی ہونے لگی یہاں تک کے اس کے دور میں کتاب قواصم الباطینہ لکھی گئی اور ضرور ایسے ہی لوگ آخر زمانہ میں دین کے طریقے چھوڑ دیں گے اور محرمات کو اختیار کرینگے۔

اب تم ان سب باتوں کو خوب غور کرو ہم نے اشارہ کے طور پر سب کچھ تم کو بتا دیا ہے ،اور یہ ہمارا بیان تمھارے واسطے ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعہ سے تم اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حطیہ کو عیش اور دنیا کے قصے جمع کرنے کا حکم فرمایا تھا ایسی کتابوں کے جمع کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے بس تم کو ایسی ہی ہمت کرنی چاہئیے کہ تم کل مراتب سے اعلیٰ اور اولیٰ مرتبہ حاصل کرو اور اگر تم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں دیکھو تو یہ بھی تمھاری ہمت بڑھانے کے واسطے بہت کافی ہیں کیونکہ تم کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے تبلیغ احکام کے واسطے کس قدر مصائب سہے ہیں اور کیسی کیسی تکلیفیں اٹھا کر اپنے مطلب کو پہنچے ہیں اور تم نے داؤد بن ابشا حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد کا قصہ بھی سنا ہوگا کہ جب تائید غیبی ان کو مددگار ہوئی تو جالوت کو قتل کر کے انہوں نے طالوت بادشاہ وقت کی بیٹی سے شادی کی اور بادشاہ بن گئے اور اگر تم کو ضرورت ہو تو کتاب اسباب ید العارف تصنیف ابن قیتبہ کا ملاحظہ کرو اور سفر کے خیال کو چھوڑ دو، دیکھو حیوان جو بالکل بے زبان ہے مار پیٹ سے ادب، تہذیب، ناچنا اور کرتب دکھانا حاصل کر لیتا ہے، ہارون رشیدؒ کے مرنے کے بعد جب آمین خلیفہ ہوا تو مامون بھاگ کر شہر اصفہان میں پہنچا حسن بن سہل اس کے ساتھ تھا اور خود مامون ذی علم ادیب اور عقل مند شخص تھا، جامع مسجد میں جا بیٹھا اور ادنیٰ غالیچہ کا فرش اس میں بچھوا دیا لوگ علم تحصیل کرنے کے واسطے اس کے پاس دوڑنے لگے اور حسن بن سہل لوگوں سے کہتا تھا کہ کیا یہ خلیفہ حق نہیں ہیں ان کی بیعت کرو کیونکہ یہ بالکل اگلے بزرگوں کے طریق پر ہیں یہاں تک کہ اسی ہزار آدمیوں کا لشکر اس کے ساتھ جمع ہو گیا اور عجم کے جس قدر لوگ تھے وہ اس کی خراب حالت سن کر اُس سے بددل ہو گئے تھے سب بھاگ بھاگ کر مامون کے پاس جمع ہو گئے چنانچہ مامون نے طاہر بن حسین کو لشکر کا سردار کر کے امین کے مقابل روانہ کیا اور انہوں نے جاتے ہی اسکو قتل کر دیا پھر تو مامون کی سلطنت مستحکم ہو گئی۔

اسی قسم کی بہت سی حکایات منقول ہیں اور ہم نے تم کو یہ واقعات اس واسطے سنائے ہیں تا کہ تمھاری ہمت قوی ہو اور پہلی کتابیں مثل کلیلہ و دمنہ اور کتاب المغازی اور عبدالواہاب

Marfat.com

کا قصہ وغیرہ کو ملاحظہ کرو اور ان کے غلط یا صحیح ہونے سے غرض نہ رکھو بلکہ ان حکمتوں پر غور کرو جو ان کے اندر مذکور ہیں شافعی فرماتے ہیں سر کا گرنا انسان کا گرانے والا ہے یعنی بادشاہ کی تباہی رعیت کی بربادی ہے، اور تم کو عہد اور بات کا پورا ہونا چاہیے اور شہر میں ایک کوتوال مقرر کرو جو تمھارے محل اور تمام شہر کا انتظام کرے اور شہر کے راستوں اور ہر چیز کے نرخ مقرر کرنے کی ممانعت ہے مگر اس زمانہ میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ لوگوں کی حالت خراب ہوگئی ہے اور امانت جاتی رہی ہے، جیسا کہ کتب علائم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ منقول ہے اور اس میں حضورؐ نے آئندہ زمانہ کی حالت کا بیان فرمایا ہے، اقبال مندی کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔

منقول ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا تو کسی نے حکیم افلاطون سے کہا کہ تمھارا شاگرد موسیٰ علۃ العلل سے خطاب کرتا ہے افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں افلاطون نے کہا تم یہ بات کس دلیل سے کہتے ہو کہا مہم السعادت سے افلاطون نے کہا کس طرف سے تم اُس آواز کو سنتے ہو، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہر طرف سے، افلاطون نے کہا کہ ہر نبی کا ایک معجزہ ہوتا ہے تمھارے پاس کیا معجزہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا جو فوراً اژدہا بن گیا، ایک حاسد بولا کہ جزیرہ سراندیپ میں ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے کہ جب اس کو اس ملک میں لاتے ہیں تو وہ سانپ بن جایا کرتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو اُس لکڑی کو لے آ اگر تیرا کہنا سچ ہے تو تیرے ہاتھ میں بھی یہ عصا سانپ بن جائیگا اس بات کو سن کر وہ شخص حیران ہو گیا افلاطون نے کہا اے لوگو! موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرو کیونکہ یہ شخص معجزہ اور سعادت کلیہ فیض اول سے لیکر آیا ہے اور فیض اول علۃ اولیٰ سے بطریق فیض فہمی کے جس کی حقیقت کے ادراک سے عقول عاجز ہیں جاری ہوتا ہے اور جو فیض اول علۃ العلل سے صادر ہوتا ہے وہ عقل فعال ہے جو بالکلیہ اس سے صادر ہوتی ہے اور نفس کلیہ وہ ہے جو فیض کو اُس سے حاصل کرتا ہے اور مخلوق میں عقل کی تجلی کی مثل ایسی ہے جیسی سورج کی شعاع روشندانوں اور سوراخوں اور مکانوں میں پہنچتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اندر عقل کا ظہور ایسا ہے جیسے صاف چٹیل میدان میں دھوپ ہوتی ہے اور اس حدیث شریف کا بھی یہی مطلب ہے کہ فرمایا ہے خداوند تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر اُن پر اپنے نور میں سے نور ڈالا پس جس کو وہ نور پہنچا اُس نے ہدایت پائی اور جس کو نہیں پہنچا وہ کافر رہا اور یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ

Marfat.com

اور فرماتا ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔

اور یہی نور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ابتداء میں بقدر کواکب کے ظاہر ہوا تھا، پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے مجاہدات میں ترقی کی انوار قدسیہ اُن کے دل پر منکشف ہوئے اور شمس وقمر کا انہوں نے مشاہدہ فرمایا پھر جب علت صاف ہوئی تو خُلت خالص ہوگئی اور القیاس الخط کے ساتھ انہوں نے علت اولیٰ کی اصل کو جس کے اندر سعادت کا فیض ہے مشاہدہ فرمایا اور فہم سعادت کے ساتھ کہنے لگے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یعنی میں نے اپنے چہرہ کو متوجہ کیا ہے اُس ذاتِ پاک کی طرف جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے اور جب نورِ الٰہی کے اشتراق کو پایا تو مال اور اولاد کی طرف بالکل التفات چھوڑ دیا اور اس عالم ذوق وشوق میں اپنے کمال پر نظر کر کے کہنے لگے کہ میرا جسم آتش عشق کے واسطے ہے اور میری اولاد راہ خدا میں قربان ہیں اور میرا مال مہمانوں کے واسطے ہے۔

پس اے بادشاہ تم کو بھی طریق اور وظیفہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ باطن کا راز تم پر منکشف ہو اور تم تخت پر بیٹھ کر لوگوں کے احوال معلوم کرو اور اپنی فراست کے نور سے ظلم ومظلوم کو پہچان لو۔

معلوم ہو کہ مال واسباب حصول سلطنت دنیوی واخروی کا ذخیرہ ہیں پھر جب تم یہ طریقہ اختیار کرو گے تو فہم السعادت کے ذریعہ سے اپنے کُل مخالفوں پر غالب ہو جاؤ گے اور اسی سے تم کو ہمم علویہ کی تسخیر حاصل ہوگی یعنی فرشتے تمہارے مطیع ہونگے اور تم سے ملاقات کرنے آویں گے اور یہ بات اُس وقت ہوگی جب تم اپنی روح کو پاک کرو گے کیونکہ فرشتے ارواح مجردہ ہیں یعنی ان کی روح ہی ان کا جسم ہے خدا کی حمد وثناء کرنے سے اُن کی تالیف قلوب ہوتی ہے لطائف وحکایات میں وارد ہے کہ فرشتوں نے آپس میں کہا کہ ہمارے پروردگار نے ناپاک نطفہ سے اپنا دوست پیدا کیا ہے اور بہت بڑا ملک اس کو عنایت فرمایا ہے خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ تم اپنے میں سے ایک بہت بڑا زاہد اور سردار فرشتہ چھانٹ لو پس سب فرشتوں کا اتفاق حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام پر ہوا یہ دونوں فرشتے بصورت انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئے حضرت ابراہیمؑ نے اس روز اپنے تمام جانوروں اور مال واسباب کو جمع کیا تھا اور آپ کے پاس چار ہزار کتے تھے جن میں سے ہر ایک کے گلے میں طوق چاندی کا اور ایک سونے کا تھا اور چالیس ہزار بکریاں دودھ والی تھیں اور گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کا تو کچھ حساب ہی نہیں ہے یہ دونوں فرشتے راستہ کے

Marfat.com

دونوں طرف آکر کھڑے ہوئے اور ایک نے نہایت خوش آواز سے سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ کہا دوسرے نے رَبُّ الْمَلٰئِکَۃِ وَالرُّوحِ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں پھر یہی کہو میں اپنا نصف مال تم کو دے دونگا، انہوں نے دوبارہ کہا پھر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر اب کے کہو تو میرا تمام مال و اولاد اور میرا جسم تک تمھارا ہے پس اس وقت آسمان کے فرشتوں نے آواز دی کہ یہ بخشش ہے اس کو دیکھو اور ایک منادی نے عرش کے نیچے سے آواز دی کہ خلیل (دوست) اپنے خلیل دوست سے موافق ہے۔ اور اے بادشاہ تم کو مال کے ہونے کی خوشی اور نہ ہونے کا کچھ غم نہ کرنا چاہئیے اور جب پورے طور سے تم سلطنت پر قابض ہو جاؤ اس وقت کتاب سلسبیل اور احیاء علوم الدین میں سخاوت اور بخشش کے سبق پڑھو اور اگر تم پہلے بزرگان کے قدم بقدم چلنا چاہتے ہو تو دیکھو کتاب فتوح الدین کوفی میں لکھا ہے کہ جب بیت المقدس کے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حصار سے تنگ آئے تب انہوں نے کہا کہ ہم یہ شہر خاص امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حوالہ کریں گے صحابہ کرامؓ نے یہ حال حضرت عمرؓ کو لکھا حضرت عمرؓ جب اس سال سے واقف ہوئے تو ایک گھوڑا اور ایک گدھا آپ نے سواری کے واسطے تیار کیا اور ایک غلام ساتھ کیا۔

اہل مدینہ نے عرض کیا کہ اس طرح آپ کے تشریف لے جانے میں اسلامی سلطنت کی بدنامی ہے آپ نے فرمایا سلطنت کا دینے والا آسمان والا ہے تم اپنے دلوں کو صاف رکھو اور اپنی ہمتوں کو بلند کرو تا کہ سعادت کو تم نورانی عقل کے ساتھ افلاک کے اوپر سے دیکھ لو پھر آپ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور بحسب اتفاق ایسا موقعہ ہوا کہ جس روز آپ بیت المقدس پہنچے وہ دن آپؐ کے گدھے پر سوار ہونے اور غلام کے گھوڑے پر سوار ہونے کا تھا اور گدھا آپ کو لیکر ایک پانی کے گڑھے میں گر پڑا اور تمام کپڑے آپ کے کیچڑ میں تر ہو گئے ہر چند لوگوں نے آپ سے کہا کہ یہ کپڑے اتار دیجئے اور گھوڑے پر سوار ہو جائیے کیونکہ بیت المقدس کے سب لوگ آپ کو لینے اور دیکھنے آئے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان باتوں کی طرف کچھ التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ شامی لوگ اپنے تزک واحتشام کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا آپ عمرؓ ہیں ہم آپ کو شہر تسلیم کرتے ہیں اور آپ کے متبع ہوتے ہیں اور آپ کا دین اختیار کرتے ہیں جیسا کہ مسیح ہم کو فرما گئے ہیں کہ جب تمہارے پاس کیچڑ پانی میں تر کپڑے پہنے ہوئے امیر آئیں تو ملک ان کو تسلیم کر دینا پس یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار معارف کی ہے کہ آپ کا قلب کیسا صافی و دافی تھا خداوند تعالیٰ

Marfat.com

نے آپ کو تمام اسرار گزشتہ وآئندہ کے بتلا دیے تھے اور انھیں انوار نبوت سے لوگوں نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق روشنی حاصل کی ہے خصوصاً حضور کے بھر اور عزیز القدر حضرت علی مرتضی نے اسی نور سے کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں مثلاً حضرت جامع اور کتاب خطبہ البیان جس میں اکثر واقعات آئندہ کا بیان ہے۔

اے بادشاہ اگر کوئی بادشاہ تم سے صلح کرنا چاہے تو اگر وہ مسلمان ہو تو اس سے صلح کر لو اور اگر کافر ہو اور اس پر قدرت رکھتے ہو تو صلح نہ کرو کیونکہ پھر شاید فرصت کا موقع نہ ملے اور اگر اس نے قوت حاصل کر لی تو پھر ضرور تم کو نقصان پہنچائے گا اور صلح ایک مدت تک مقرر ہونی چاہیے۔ جس کی میعاد کم از کم چار ماہ ہے اور اگر صلح کرنے والوں میں سے ایک شخص مر جائے تو دوسرے کو فائدہ پہنچے گا پھر اگر تمہاری ہمت صاف ہے اور تمہاری روح ملکوت اعلیٰ سے مجاس رکھتی ہے پس تم اپنے ستارہ کی دعوت کرو جب کہ وہ تثلیث یا تسدیس کی تم سے نظر رکھتا ہو اور اس کا بخور روشن کرو اگر وہ تمہارا دوست ہو گیا تو گویا وہ تمہارا وزیر ہے اور ان اعمال کے واسطے بلند ہمتی اور تزکیہ نفس اور کم کھانا اور خلوت میں رہنا اور ہر وقت ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ ان باتوں سے غیب کا روزن کھل جاتا ہے اور عالم باطن سے کاشفہ کے انوار ظاہر ہوتے ہیں اور تم فرشتوں اور دف تک کی باتیں سننے لگتے ہو اور تمہارا لاہوت وناسوت پھر غالب ہو جاتا ہے پس تم مصباح مشکوۃ انوار الہیہ کے زینہ بن جاتے ہو چنانچہ کسی کا قول ہے۔

ثقلت ذجاجات اتتنا فرغا\
یحتی اذا ملئت بصرف الراح\
تخفت وکادت ان تطیر بما جوت\
وکذا الجسوم تخف بالارواح

جو شیشے ہمارے پاس خالی آئے وہ بھاری تھے یہاں تک کہ جب ان میں خاص شراب بھر گئی وہ اس قدر ہلکے ہوئے کہ قریب تھا کہ زور سے اڑ جائیں اور ایسے ہی جسم روحوں کے ساتھ ہلکے ہوتے ہیں اور جب سعادت کا خمیر تم کو اس علت سے حاصل ہو جائے تو کل علتوں کی میلاء ہے اور اس کے حاصل کرنے میں تم پورے مجاہدہ سے کام لو تب تم پر انوار محبت نازل ہوں گے اور تمام مخلوق تمہاری بغیر شمشیر زنی اور ہیبت بنانے کے مطیع ہو جائے گی اور اگر مجاہدہ تم سے نہ ہو سکے اور باب طلب کو مسدود پاؤ تب زہد اختیار کرو کیونکہ انسان دو قسم کے ہیں یا بادشاہ یا فقیر اور سب سے بدتر وہ ہیں جو ان دونوں کے درمیان ہیں حضرت علی تعالیٰ عنہ

Marfat.com

اتے ہیں۔

اذا مالم تکن ملکاً مطاعاً
کما ترضی مکن عبداً مطیعاً
فان لم تملک الدنیا جمیعاً
کما تختار فاترکھا جمیعاً
ھما شیئان من نسکٍ وملکٍ
ینیلان الفتیٰ شرفاً رفیعاً
اذا ما المرء عاش بکل شیءٍ
سویٰ ھذین عاش بہ وضیعاً

معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو لکھا کہ اگر ملک تجھ سے جاتا رہا ہے تو محراب ہرگز نہ چھوڑیو یعنی عبادت اختیار کیجیو لوگوں نے اپنے طریق سے اپنے مطالب حاصل کیے ہیں اور ہم نے ت سے بادشاہوں کو فقیروں کے در پر حاضر دیکھا ہے چنانچہ قشیری فرماتے ہیں۔

اذا ام الفقیر لباب الامیر
فبئس الامیر وبئس الفقیر
واما الامیر لباب الفقیر
فنعم الامیر ونعم الفقیر

معلوم ہو کہ جب دل صاف ہو جاتے ہیں اور نور جلال براہین باطنہ کے ساتھ ان پر منکشف ہوتا ہے اور تحلیہ اور تصفیہ پورے طور سے حاصل ہو جاتا ہے تب عالم سفلی وعلوی کے اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں اور کیمیا اکبر کی معارفت نصیب ہوتی ہے فرشتے خدمت گار بنتے ہیں اور جنت اور اس کی نعمتوں کو یہ شخص اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے حارث سے فرمایا اے حارث تم نے کس طرح صبح کی عرض کیا میں نے خدا کے ساتھ حق کے ایمان کی حالت میں صبح کی ہے حضور نے فرمایا ہر حق کی حقیقت ہے پس تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے عرض کیا حضور میں نے اپنے نفس کے آگے دنیا کو پیش کیا پس سونے اور مٹی کو

جب تک کہ تو بادشاہ نہ بن جائے اور لوگ تیری جس طرح تو چاہتا ہو اطاعت نہ کریں بس تو خدا کا عابد وزاہد بندہ بنا رہ یعنی اگر تو ساری دنیا کا مالک نہ ہو جیسا کہ تو چاہتا ہے پس اس کو بالکل دے یہ دونوں چیزیں یعنی عبادت اور سلطنت آدمی کو شرف اور بزرگی نصیب کرتی ہیں کہ سوا اور کسی چیز کے ساتھ زندگی بسر کرے تو زندگی اس کی ذلیل ہے۔

Marfat.com

یکساں پایا اور گویا کہ جتنے لوگ میرے سامنے باہم ملاقات کرر ہے ہیں۔ اور دوزخیوں کو دوزخ میں عذاب ہورہا ہے اور گویا خدائے تعالیٰ کا عرش میرے سامنے ہے حضور نے فرمایا شخص مومن ہے خدا اس کے دل کو منور کرتا ہے اے بادشاہ اب سب مراتب تم کو معلوم ہو گئے۔ پس تم ان کو لازم پکڑو اور اپنی عمر یعنی دونوں کے تین حصے کرو ایک حصہ اپنے نفس کے واسطے اور ایک حصہ اپنی رعایا کے واسطے اور ایک حصہ اپنے رب کے واسطے معلوم ہوا کہ سب لوگ تم سے اپنے منافع چاہتے ہیں۔ اور اسی واسطے تمہارے ساتھ ہوئے ہیں سوائے خداوند تعالیٰ کے کہ وہ تم سے تمہارا فائدہ چاہتا ہے۔ پس تم اسی کے ساتھ ہو اور اس کو لازم پکڑو کیونکہ سایہ کے واسطے زوال ضروری ہے۔ اگر چہ عمر نوح بھی تم کو نصیب ہو مگر آخر مرنا ہے استاد جوینی نے اپنے مشائخ سے روایت کی ہے کہ کسی نے محمود بن بویہ سے پوچھا کہ تم نے طلب مملکت کا کیسے قصد کیا حالانکہ تم اس کے اہل نہ تھے کہا میں نے ایک عورت سے سنا کہ دف بجا کر یہ شعر گا رہی ہے۔

من هاب خاب من جسر بلغ المنا

والدهر فيه عذوبة وعذاب

جس نے خوف کیا وہ نقصان میں رہا اور جس نے بلند ہمتی کی وہ اپنی امید کو پہنچ گیا زمانہ میں مٹھاس بھی ہے اور عذاب بھی ہے اور متنبی کہتا ہے۔

فثب واثقاً بالله وثبة حازم

يرى الموت في الهيجات جنا النحل في الفم

پس خدا پر بھروسہ کر کے ہوشیار و چالاک کی طرح سے اٹھ کھڑا ہو جو موت کو جنگ میں کھجور کا منہ میں آنا سمجھتا ہے اور منصور حلاج کی بلند ہمتی کو دیکھ کر حاسدوں نے ان کو کیا کچھ کہا یہاں تک کہ سنگسار کر دیا اور حلول کی تہمت لگائی مگر انھوں نے کچھ خوف نہ کیا اور وہی بات کہے گئے جس کی حقیقت سے جاہل لوگ ناواقف تھے چنانچہ شیخ ابو العباس بن شریح سے پوچھا گیا کہ آپ حلاج کے حق میں کیا کہتے ہیں فرمایا پس ایسے شخص کے حق میں کیا کہوں جو مجھ سے زیادہ علم فقہ سے واقف تھے اور در حقیقت میں نہیں سمجھا کہ وہ کیا کہتے تھے کسی نے کہا کہ اگر آپ نے ان سے کوئی بات سنی ہو تو بیان کیجئے کہا کہ میں نے ایک روز ان سے سنا کہ وہ ہم حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرماتے تھے جو لوگ حاضر ہوتے ہیں ان کی گواہی طلب کی جاتی ہے اور جو غائب ہوتے ہیں وہ اس جھگڑے سے محفوظ رہتے ہیں۔

اور اسی مطلب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے "حسنات الابرار سيئات

Marfat.com

للمقربین " یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربوں کے گناہ ہیں کیونکہ یہ لوگ تجلی کی صف میں کھڑے ہونے والے ہیں۔ پھر ان کو کسی بات کا کیا خوف ہے جہاد کرتے کرتے ان کے احوال صاف ہو گئے ہیں اور اپنے علوم مجموعہ کے پروں سے مجاہدہ اور تصفیہ اور تزکیہ میں انھوں نے خوب پرواز کی ہے اور حجاب ناسوتی کو توڑ کے مطلوب سے جانتے ہیں بندگی ان پر بہت تنگ ہوئی پس یہ چیز عالمین سے نکل گئی اور لاہوتیت صفات لاہوتیت کے ساتھ مل گئی اور نفوس طاہرہ اپنے معدن کی طرف رجوع کر گئے اور واجب الوجود کی رحمت کے جھونکے پر چلنے لگے پس یہ لوگ بعث کے بعد خیام راحت میں مقیم ہوئے فی مقعدصدقٍ عند مَلیكٍ مقتدر" جیسا کہ ایک عاشق مدہوش کا قول ہے

انما الحب فناء کله
رحم الله المتی قال به
ان من اضحی بقلبی سالماً
لم یذر منه الا قالبه
فی ظلال شوق قلبی واقد
من هجر الهجر قد قاله به

اور اگر تم بلند ہمت نہیں رکھتے اور نہ قوت وحشمت رکھتے ہو تب تمہاری یہ مثال ہے۔

اذا کنت لاترجٰی لدفع ملمتٍ
ولالذوی الحاجات عندک مطمع
ولاانت ذوجاہٍ یعاش بجاهه
ولاانت یوم الحسر ممن یشفع
فعیشک فی الدنیا وموتک
وعود خلالٍ من حیاتک انفع

جب تو ایسا شخص ہے کہ نہ کسی برائی کے دور کرنے کے وقت تجھ سے امید کی جاتی ہے اور نہ حاجتمندوں کی تجھ سے کچھ طمع ہے اور نہ تو ایسا مالدار ہے کہ جس کے مال سے گزارا کیا جائے اور نہ تو ان لوگوں میں سے ہے جو حشر کے روز شفاعت کریں گے پس ایسی حالت میں دنیا کے اندر تیری موت اور زندگی یکساں ہیں۔ اور تیری بنسبت خلال کا تنکہ نافع ہے اور تم کو چاہیے کہ لوگوں کے دل اپنے ہاتھ میں رکھو کسی کو خط لکھ کر اور کسی کو ہدیہ بھیج کر اور بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ رکھو اور علماء اور مشائخ کی خدمت گزاری کرو اور اگر ان سے کوئی خطا یا قصور سرزد ہو تو ایک حد تک

Marfat.com

طائر اور سعد بلع سر کے اوپر ہوتے تھے اسی سبب سے جو کچھ سعادت آپ کو حاصل ہوتی تھی وہ حاصل ہوئی جو کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی اور اسی کا سبب ہے کہ آپ کی حجت سارے عالم میں پہنچ گئی اور آپ کا نام ونشان بلند ہوا اور آپ کی دولت ہمیشہ کے واسطے قائم ہوئی اور امت کو آپ کی سعادت نصیب ہوئی اور شریعت آپ کی مستحکم ہوئی کہ ترکوں نے مشرق سے اس کی مدد کی اور اہل مغرب نے مغرب سے اور یہ سب لوگ بخوشی مسلمان ہوئے تلوار کا کچھ خوف ان کو نہیں تھا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جالینوس کا واقعہ بھی سننے کے قابل ہے جالینوس ممالک ساحل کا بادشاہ تھا جب عیسیٰ علیہ السلام کا شہرہ بلند ہوا تو اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو لکھا کہ مردہ کو زندہ نہیں کرانا نہیں چاہتے ہیں تم اس مریض کو جو مرض سل میں مبتلا ہے اسی مہینے میں آرام کرو اگر ایسا کرو گے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک تربوز لاؤ اور اس مریض کو کھلاؤ تربوز کھاتے ہی مریض نے قے کی اور ایک سیاہ چیز جیسے جلی ہوئی روئی ہوتی ہے اس کے پیٹ سے نکلی اور حکم الٰہی سے وہ بیمار بلکل تندرست ہو گیا پھر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جالینوس مجھ کو دھمکاتا ہے میں اس کا علاج کرتا ہوں یہ کہ آپ اپنے عبادت خانہ میں داخل ہوئے وہاں جالینوس کو نصف شب کے وقت اساطوزیا اور کمراثیہ کی بیماری شروع ہوئی اور صبح ہونے سے پہلے مر گیا مجھ سے شیخ یوسف بن علی نے اپنے ملک سرکاز کی ایک گھاس کے بہت خواص عجیبہ بتائے ہیں جن میں سے کچھ میں اس کتاب میں اور کچھ کتاب سلسبیل میں بیان کروں گا اور یہی شیخ یوسف مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں شہر معرکہ میں شیخ ماری کے زمانہ میں گیا اور ان دنوں میں شیخ معری کی طرف سے لوگوں نے محمود بن صالح بادشاہ کے وزیر کو بہکا کر دشمن بنا دیا تھا اور وزیر سے کہتے تھے کہ شیخ معرے ہند کے برہنوں میں سے ہے۔ تصویروں کو برا نہیں سمجھتا ہے اور نہ جانور کا گوشت کھاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ رسالت قلب کے صاف کرنے سے ہوتی ہے۔ اور وزیر نے بادشاہ کو بہکایا یہاں تک کہ بادشاہ نے شیخ معرے کے حاضر کرنے کے واسطے پچاس سوار روانہ کیے شیخ کے دوستوں میں سے دو شخصوں نے جا کر شیخ کو خبر کی شیخ تو مسجد میں چلے گئے اور شاہی سواروں کو دیوان خانہ میں ٹھہرا دیا پھر شیخ مصری کے چچا شیخ مسلم ان کے پاس آئے اور کہا اے فرزند تم کو اس حادثہ کی خبر ہے جو ہم پر نازل ہوا ہے یعنی بادشاہ نے تم کو طلب کرایا ہے اب اگر ہم تم کو جانے نہیں دیتے ہیں تو مخالفت شاہی کی ہم میں طاقت نہیں ہے اور اگر ہم کو شاہی سواروں کے حوالے کر دیتے ہیں تو یہ ہمارے واسطے بڑی عار کی بات ہے شیخ معرے نے جواب دیا کہ آپ اپنے رنج وفکر کو دور کیجیے اور ان سواروں کی مہمانی فرمایئے میرا ایک بادشاہ ہے جو میری حمایت وحفاظت کرے گا اور میرے دشمن سے بدلہ لے گا پھر شیخ معری نے اپنے

Marfat.com

غلام قنبر سے کہا کہ لاوہ پانی شیخ نے غسل کیا اور نصف شب تک نماز پڑھتے رہے پھر اپنے غلام سے پوچھا کہ مرغ کہاں ہے۔ اس نے کہا فلاں منزل میں ہے شیخ نے کہا تو اس کے نیچے گاڑ دے میخ کے متصل میرے ہاتھوں میں باندھ دے غلام نے ایسا ہی کیا پھر اس کے بعد ہم نے سنا کہ شیخ نے یہ دعا پڑھی۔ "یا علة یا قدیم الازل یا صانع العلل المصنوعات انال حماك الذی لایضانم"

پھر کہتے رہے وزیر وزیر یہاں تک کہ صبح کی سفیدی ظاہر ہوئی اور ایک بڑے غل وشور کی آواز ہمارے کان میں آئی ہم نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وزیر صاحب کا دیوان خانہ مع وزیر صاحب اڑتالیس آدمیوں پر گر پڑا اور طلوع آفتاب کے بعد شاہی پروازان سواروں کے پاس آیا کہ شیخ کو ہرگز نہ ستانا کیونکہ وزیر دب کر مر گیا ہے شیخ یوسف کہتے ہیں پھر شیخ معرے نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو تو میں نے کہا خدا کی زمین سے کہا تم زمین ہر کاز سے آئے ہو اور تمہارا نام یوسف ابن علی ہے تم کو لوگوں نے میرے قتل پر آمادہ کیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ میں زندیق (بے دین) ہوں۔

پس اے بادشاہ اگر تم یہ وصف رکھتے ہو مقاصد تمہارے حاصل ہو گئے اور بہت اعلیٰ مقام تم نے حاصل کیا۔ کل دشمن تمہارے زیر رہیں گے بے درد سر قلعے تم فتح کر لو گے اور ملک و مال وزراعت سب میں برکت ہو گی اور اگر تم نے کوشش کی تو ان ذرائع سے تم ان مقاصد کو حاصل کر دگے جو سکندر نے حاصل کیے کیونکہ جو بات ہو چکی ہے وہ پھر بھی ہو سکتی ہے اور خطبۃ البیان میں منقول ہے کہ ایک بادشاہ عادل وزاہد کا دنیا میں پیدا ہونا ضروری ہے جو خدا سے خوف کرنے والا ہو گا ملکوں میں انتظام کرے گا اور لوگوں کے ساتھ احسان فرمائے گا اور اس بادشاہ کا ظہور تہتر برس کے بعد ہو گا دیکھو کہ یہ غیبی خبریں کس طرح آئینہ دل میں منکشف ہوئی۔ جب دل کا حجاب رقیق ہوتا ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے اور لوح محفوظ پر نظر جا پہنچتی ہے اس میں جو کچھ غیب کی باتیں لکھی ہیں وہ یہ شخص لوگوں سے بیان کرتا ہے اور ان میں کچھ شک وشبہ نہیں ہوتا۔

بادشاہوں کو چاہیے کہ اپنا راز کسی سے بیان نہ کریں سوائے اس کے جس سے محبت اور سچا اخلاص رکھتے ہوں۔ سلطان محمود کی ایاز کے ساتھ تم نے حکایت سنی ہو گی پس اے بادشاہ ان نکتوں اور اشاروں کو معلوم کر کے جاگ اٹھو میں نے تم کو بہت اچھی نصیحت کی ہے اگر تم نصیحت کرنے والوں کو دوست رکھتے ہو بمقابلہ فساق وفجار کے سلطنت اہل علم کو زیادہ لائق ہے مگر خدائے تعالیٰ نے تقدیر میں جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے اور زمین کے واسطے وارث اور مالک ہونا ضروری ہے اور راہب وہی ہوتا ہے جس کو خدا اپنے بندوں میں سے سرفراز کرنا چاہے۔

Marfat.com

فلاموہ علی ما کان منہ
وقالوا لم منحت الکلب نیلاً
فقال ذروا ملامنکم فعینی
واتہ مرۃً فی باب لیلیٰ

اور اسی کی تائید میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص مر گیا حضور سے عرض کیا گیا کہ آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھا دیں فرمایا میں ایسے شخص کی نماز نہیں پڑھتا جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں نے اس کو عید کی دو رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں اس شخص پر کیونکر نماز پڑھوں جس نے سوائے نفل کے کوئی نماز نہیں پڑھی پس جبرائیل حضور کی خدمت میں آئے اور کہا اے محمد ﷺ خدا فرماتا ہے کہ کیا لوگوں نے اس کو ہمارے دروازے پر ایک بار بھی نہیں دیکھا ہے اور جب تم اس کو میرے دروازے سے ہٹا دو گے تو پھر یہ کس کے دروازے پر کھڑا ہوگا اے محمد ﷺ یعنی اس کو بخش دیا ہے اور میرے فرشتوں نے اس پر نماز پڑھی ہے اور بے شک خدا تمام عالم سے بے پردہ ہے۔

چودھواں مقالہ

(چند نصائح میں)

بادشاہوں کو چند ایسے اشخاص مہیا کرنے چاہئیں جو ان کی اطاعت کا لوگوں میں وعظ کہیں اور لوگ بخوشی ان کی فرمانبرداری کی طرف مائل ہوں ہم پہلے حصول سلطنت میں تین طریقے بیان کر چکے ہیں۔ اور جو شخص بطریق طنز کے یہ کہے کہ فلاں شخص کیا حیثیت رکھتا ہے جو سلطنت اس کو حاصل ہوگی کیا اس کے پاس مال ہے یا کثرت سے اولاد ہے یا ماں باپ اس کے صاحب ملک کے تو اس سے کہنا چاہیے کہ نمرود بن کنعان کون تھا اور شداد جس نے جنت بنائی کون تھا اور حضرت ادریس جو درزی کا کام کرتے تھے وہ کون تھے اور حضرت نوح نجاری کرتے تھے اور حضرت ابراہیم بھیڑ بکریاں چراتے تھے اور حضرت داؤد زرہ ساز تھے اور طالوت کھالوں کو دباغت دیا کرتے تھے اور حضرت صالح سوداگر تھے اور حضرت سلیمان غواص تھے اور حضرت عیسیٰ سراج تھے اور حضرت آدم کشت کاری کرتے تھے پھر ان لوگوں کو سلطنت اور عظمت کیونکر نصیب ہوئی کیا تم کو اس فرمان الٰہی سے نصیحت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ "تؤتی الملک من تشاء"۔

Marfat.com

معلوم ہو کہ لوگوں کے واسطے بادشاہ کی بہت بڑی ضرورت ہے تا کہ اس کی اطاعت کریں اور اس کی طرف مائل ہوں دیکھو جانوروں میں بھی ایک سردار ہوتا ہے اور شہد کی مکھیاں اور چیونٹیوں وغیرہ میں سلطنت کا دستور ہے اسی واسطے لوگوں کو بادشاہ کی اطاعت کرنی چاہیے ورنہ پھر ان کی گردن ہے اور تلوار ہے کیا تم نے حضور ﷺ کا فرمان نہیں سنا کہ اطاعت کرو اپنے امیر کی اگرچہ وہ حبشی غلام ہو اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور تم میں سے جو بادشاہ ہو اس کی پس ان نصیحتوں کو تم غور سے سمجھو اور اگر پھر یہی حالت باقی رہے تو باز اور عقاب کرگس اور مکھی کو خیال کرو اور جیسا کہ اہل عقل نے فرمایا۔

یا طالب الرزق السمنی بقوۃ

هیهات انت بباطل مشغوف

اے طلب کرنے والے عمدہ رزق کے قوت کے ساتھ افسوس کے تو بیکار کاموں کے درپے ہو رہا ہے۔

وعت الشور بقوہ جیف الفلا

ورعی الذباب الشهد وهو ضعیفاً

گدھ وغیرہ مردار جانور قوت کے ساتھ جنگل کے سرداروں کو کھاتے ہیں اور مکھی بھی قوت ہی کے ساتھ شہد کھاتی ہے حالانکہ نہایت ضعیف جانور ہے اور اے عقل مند تم کو زمانے کے اگلے قصوں سے کچھ بحث کرنی چاہیے اور جب اہل ریاضت تمہارے مخالف ہوں تو نہایت حکمت کے ساتھ ان پر ہاتھ ڈالو کیونکہ ریاضت کرنے والوں میں ایک مقناطیسی قوت جزب ہوتی ہے کیا تم نے نہیں سنا کہ جب سکندر کو ہندوستان کے چالیس برہمنوں کا حال معلوم ہوا جو سکندر کے نہایت مخالف اور بڑے ریاضت کرنے والے تھے سکندر نے حکمت کا ایسا پہلو اختیار کیا جس سے خود بخود وہ برہمن نہایت پریشان ہو گئے مساوی ہمتیں ان کی ٹوٹ گئیں اس وقت سکندر نے ان سب کو شکار کر لیا۔

جو جو معانی اور مطالب اس کتاب میں ہم نے بیان کیے ہیں ان میں غور کرو کیونکہ یہ کافی ہیں اور ان کی تکذیب نہ کرو کیونکہ یہ مثل معجزات کے ہیں معلوم ہو کہ جسم بغیر سر کے اور آسمان بغیر سورج کے اور زمین بغیر امارت اور تجارت اور زراعت اور زندگانی اور موت اور غناء اور فقر اور ملک و سیاست اور امارت و وزارت کے اچھی نہیں معلوم ہوتی ہے غرضیکہ کل امور ایک دوسرے سے وابستہ ہیں جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

Marfat.com

ہے اور تائید کے طور پر توحید کے قلم لوح تجرید پر جاری ہوتی ہے پس کوئی ان میں سے نیک بخت ہے اور کوئی بد بخت ہے جب یہ باطنی سلطنت تم کو حاصل ہو گی تو موت کی طرف تم کچھ التفات نہ کرو گے کیونکہ موت دوستوں کے جمع کرنے والی اور متنافر طبیعتوں کی متفرق کرنے والی ہے۔

جب مقام تخلیہ میں وصال کے پیالے تمہارے سامنے آویں گے اور صبح کی ٹھنڈی ہوا تم پر چلے گی منادی ندا کرے گا کہ اسی میں کوشش کرنے والوں کو چاہیے کہ کوشش کریں اور اس وقت تمہاری روح خوب روشن ہو جائے گی معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے حیوان کو پیدا کر کے اس کی تین قسمیں کی ہیں ایک قسم عقل مجرد ہیں بغیر شہوت کے یعنی فرشتہ اور ایک قسم شہوت مجرد ہیں بغیر عقل کے یعنی بہائم اور ایک قسم شہوت اور عقل سے مرکب ہیں یعنی انسان پس جس انسان کی عقل شہوت پر غالب ہوئی وہ ملائکہ سے مل جاتا ہے اور جس کی شہوت عقل پر غالب ہوتی ہے وہ بہائم سے مل جاتا ہے خداتعالیٰ فرماتا ہے "استقم کما امرت" یعنی جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے اس کے موافق قائم رہو۔

اب ہم طہارت ظاہری کا بیان کرتے ہیں برتن میں پانی لے کر وضو سے پہلے تین ہاتھ ڈالو اور قبلہ رخ بیٹھ کر وضو کرو اور یہ خیال رکھو کہ تمہارے کپڑوں پر چھینٹے نہ پڑیں اور پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر مسواک شروع کرو اور وضو کی نیت یہی کر وضو کے اندر فرض چھ یا تین ہیں ایک تو وضو کا فرض رکن یعنی منہ دھونے سے پہلے نیت کر لینا پھر منہ دھونا پھر کہنیوں تک ہاتھ دھونے پھر سر کے اگلے حصے کا مسح کرنا پھر دونوں پیروں کو دھونا مع ٹخنوں اور ترتیب اور موالات ہی دو قولوں میں سے صحیح قول کے موافق فرض ہے اور حیض اور جنابت کے غسل میں وضو کر کے تین تین بار تمام اعضاء کو دھونا چاہیے اور جنابت یا حیض کے غسل کی نیت جداگانہ کرنے وضو کے توڑنے والی یہ باتیں ہیں لیٹ کر آرام سے سو جانا یا عقل کا کسی سبب سے دور ہو جانا یا مرد عورت کو بغیر حائل کے ہاتھ لگائے اس سے ہاتھ لگانے والے کا وضو ٹوٹ جاتا ہے عورت کا نہیں ٹوٹتا اور فرج کو ہاتھ لگانے استنجے کو جب جائے تو قبلہ اور چاند اور سورج کی طرف منہ یا پشت نہ کرے مگر جب کے درمیان میں حائل ہو اور داخل ہونے وقت بایاں پاؤں اندر رکھے اور نکلنے کے وقت دایاں پاؤں باہر نکالے اور اس میں اسم الٰہی لکھے ہوئے کوئی چیز پاس ہو تو اس کو باہر رکھا جائے استنجا ہر ایک پاک چیز کے ساتھ جائز ہے مگر جس میں بزرگی ہے جیسے کھانے کی چیز وغیرہ اور ہڈی یا شیشہ یا ایسی چیز سے جو محل کو تکلیف پہنچانے والی ہو استنجا کرنا جائز نہیں ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے ہڈی کے ساتھ استنجا نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائی جناتوں کا کھانا ہے اور خداوند تعالیٰ ہڈی پر گوشت پیدا کرتا ہے جس کو وہ کھا لیتے ہیں اور افضل یہ ہے

Marfat.com

کر ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرے اور یہی اہل فنا کی طہارت ہے پاخانہ میں جانے کے وقت یہ کہے[۱] "اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث ومن الشیطان السحس النجس" اور جب پاخانہ سے باہر آئے یہ کہے[۲] "غفرانک الحمدللہ الذی خرج عن الاذیٰ وعافانی" بند پانی میں پیشاب نہ کرنا چاہیے اور نہ زمین کے سوراخ میں نہ راستہ کے درمیان میں نہ پھل دار درخت کے سائے میں یا ایسے درخت کے سائے میں جس میں لوگ آرام پاتے ہوں اور بیماری یا سخت سردی کے عذر سے تیمم کرنا جائز ہے مٹی غبار جو کچھ ہاتھ میں لگ جائے اور حیض جنابت سے بھی خوف ناک عذر کے وقت تیمم کے واسطے دو ضربیں لگائے ایک منہ پر ملے اور ایک دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک اور علماء کہتے ہیں کہ جو چیز زمین سے نکلے مثلاً پتھر وغیرہ اس کے ساتھ بھی تیمم جائز ہے مگر تیمم نماز کے وقت داخل ہونے کے بعد کرلے اور انگوٹھی اتار لے تیمم کرنے والے کو وضو کرنے والوں کی امامت کرنی جائز ہے اور صحابہ کرام نے ایسا کیا ہے زخم کے پٹیوں پر مسح کرنا جائز ہے بشرطیکہ پاک ہوں۔

سترھواں مقالہ

کم سے کم حیض کی مدت ایک شبانہ روز ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ روز ہیں پھر ان کے بعد جو خون آئے وہ استحاضہ ہے اور کم سے کم مدت طہر یعنی باقی کے جو حیضوں کے درمیان میں ہوتی ہے پندرہ دن ہیں حیض والی روزہ اور نماز کو چھوڑ دے پھر روزوں کی قضا رکھے اور نماز کی قضا نہ کرے معلوم ہو کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے پھر سرخی اور زردی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جب موقوف ہونے کو ہوتا ہے تب سفیدی ظاہر ہوتی ہے حیض یا نفاس والی پہلے نماز کے وضو کی طرح سے وضو کرے پھر تین بار تمام اعضاء کو دھولے اور حیض یا نفاس کے غسل کی نیت کرے نفاس کی مدت زیادہ سے زیادہ ساٹھ روز اور کم سے کم ایک ہی بار خون کا آنا ہے حضرت فاطمہ فرزند پیدا ہونے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دیتی تھیں اور اسی سبب سے بتول آپ کا نام ہوا ہے کیونکہ نفاس کا خون اور دنیا کی محبت آپ سے منقطع ہو گئے تھے۔

معلوم ہو کہ نجاست کی یہ چیزیں ہیں خون پیپ کچ لہو خنزیر کا گوشت اور اس کی چربی اور کتے کے منہ کا لعاب اور وہ کتا جس کا جسم تر ہو اور چوہا اور شراب اور پیشاب اور پاخانہ اور جو پاک چیز

۱ے اللہ میں تیرے ساتھ کل خبیث باتوں سے پناہ مانگتا ہوں اور شیطان نجس و ناپاک ہے

۲شکر ہے اس خدا کا جس نے اذیت کو میرے اندر نکالا اور مجھ کو عافیت دی۔

Marfat.com

کشف حاصل ہو جاتا ہے اس وقت مراقبوں کے چشموں سے محبت کی حلاوت ظاہر ہوتی ہے۔
جب علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ علم بالکل حماقت ہے اور ایسا عالم مغز کو چھوڑ کر چھلکے کے ساتھ راضی ہو گیا ہے ایسے لوگ بہت برے علماء ہیں ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس تلوار ہے مگر وہ لڑائی کا فن نہیں جانتا ہے ایسے شخص کو چاہیے کہ تلوار سے چاندی سونا اتار کر اس کا زیور بنا کر عورتوں کی طرح سے پہن لے کیا تم نے ایک طویل حدیث میں جو ابوذرؓ سے منقول ہے نہیں سنا کہ فرمایا ہے بے شک خداوند تعالیٰ برے علماء کو قبیح صورتوں میں مسخ کر دے گا اور ریشمی کپڑے جو وہ پہنتے ہیں وہ ان کی گردنوں میں سانپ بن جائیں گے یہ وہ علماء ہیں جنھوں نے علم نظر پر قناعت کر لی ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنی شہرت چاہتے ہیں ان لوگوں کے واسطے بہت بڑی خرابی ہے دنیا اور آخرت میں ان کے واسطے کوئی عذر نہیں ہے اور بہت سے حدیثیں ان ناپاک علماء کی شان میں وارد ہیں حضرت ابوسعید خدریؓ ایک جماعت کے پاس سے گزرے جن کے اندر بحث ہو رہی تھے حضرت ابوسعید نے فرمایا یہ کیا بدعت ہے اور کیا اشاعت اور نفاق کا فعل ہے پھر فرمایا آخر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو مجادلہ سیکھیں گے اور رشوت کھاویں گے اور لوگوں کے سامنے شیخی اور تکبر کریں گے اور باریک کپڑے پہنیں گے اور میدہ کی روٹی کھائیں گے اور بادشاہوں کی صحبت پسند کریں گے اور یہ سمجھیں گے کہ ہم علماء ہیں اور ان کا فتویٰ لیا جائے گا افسوس ہے اس امت پر جس کے علماء ایسے ہوں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں کس گناہ سے اس نے کہا زنا اور شراب سے آپ نے فرمایا جھوٹ اور مناظرہ سے پہلے توبہ کرے تاکہ تیرے اندر خلوص آ جائے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ مناظرہ کرنے والا اپنے ہاتھ پر حق کو ظاہر کرنا چاہتا ہے یا اپنے بھائی مقابل کے ہاتھ پر اگر وہ اپنے بھائی کے ہاتھ پر چاہتا ہے تب وہ سلف صالحین کے ساتھ پہلی صف میں جنتوں کے اندر خدا کے پاس رہے گا اور اگر اس مناظرہ کرنے والے نے غلبہ اور قہر اور جھگڑے کا ارادہ کیا ہے تب یہ دوزخی ہے۔ "وسیعلمُ الذین ظلموا ایَّ منقلب ینقلبو ن"[1]

---

[1] اور عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کون پہلو بدلتے ہیں۔

Marfat.com

کتاب الصلوٰۃ

اس کے اندر دو مقالہ ہیں ایک مقالہ احکام ظاہرہ میں اور دوسرا احکام باطنہ میں۔

پہلا مقالہ

معلوم ہو کہ فرض نمازیں پانچ ہیں اور ان کی کل سترہ رکعتیں ہیں اور کل سنتوں کی اٹھارہ رکعتیں ہیں اور نماز کے واسطے یہ احکام ظاہری ہیں جیسے پاک پانی سے وضو کرنا کپڑے اور بدن کا پاک ہونا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا اور صورہ فاتحہ پڑھنی اور رکوع و سجود اطمینان کے ساتھ کرنا اور دونوں سجدوں کے درمیان میں سیدھا بیٹھنا اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا اور رکوع میں تین بار

"سبحان ربی العظیم وبحمدہ" کہے اور سجدہ میں تین بار کہے "سبحان ربی الاعلی وبحمدہ" اور تین بار کہنا ادنیٰ درجہ ہے اور نمازوں کے وقتوں کا بیان یہ ہے کہ صبح کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر کا وقت سورج کے ڈھلنے سے عصر کے وقت تک ہے اور عصر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ کے علاوہ سایہ اصلی کے اس برابر ہو جائے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت سرخ شفق کے غائب ہونے سے طلوع فجر تک ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور مزنی کے نزدیک سفید شفق کے غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور یہ وقت نیک لوگوں کی نماز کا ہے نماز کے واسطے آذان کہنا شرط علی الکفایہ ہے فرض نہیں ہے اب نماز کے آداب بھی تم کو معلوم کرنے چاہئیں کم سے کم خدا سے اتنا تو خوف رکھو جیسا کہ اپنے بادشاہ سے ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدمی تو مجھ کو اپنی طرف ادنیٰ نظر کرنے والا نہ سمجھ اور فرماتا ہے "ایحسب ان لم یرہ احد"

یعنی کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا اور احکام الٰہی کی تم کو ان کے وقت میں پابندی کرنی چاہیے مگر جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو اور فجر کی نماز بھی روشن وقت میں پڑھو اور عصر کی نماز میں بھی دیر کرو اور نوافل کی پابندی بھی بجالاؤ جیسے نماز اشراق وچاشت میں اور عشاء کے بعد کی نفل اور نماز تہجد اور جمعہ کی دس سنتیں اور جمعہ کے آداب یہ ہیں کہ غسل کر کے پہلے پہنچنے کی کوشش کرے اور سورہ کہف پڑھے اور کثرت

Marfat.com

کے ساتھ حضور ﷺ پر درود و بھیجے اور زوال سے پہلے ورود سبعینہ پڑھے جو ہماری کتاب احیاء العلوم میں مرقوم ہے اور بارہ رکعتیں نماز حاجت کی پڑھے ہر رکعات میں بعد فاتحہ کے ”آیت الکرسی“ ایک بار اور ”قل ھو اللّٰہ احد“ تین بار پڑھے نماز سے فارغ ہو کر سجدے میں یہ دعا پڑھے ”سبحان الذی لبس العسھای لہ سبحان الذی لاینبغی التسبیح الالہ سبحان ذی العز والکرم سبحان ذی الطول والرحمۃ اسالک اللھم بمعاقد العزمن عرشک ومنتھی الرحمۃ من کتابک وباسمک الاعظم وجدک الاعلی وبکلماتک الذامات کلھا التی لا یجاوز ھن بر ولافاجرٌ ان نصلی علی سیدنا محمدٍ وال سیدنا محمدٍ“۔

پھر اس کے بعد اپنی حاجت مانگو۔

نجس اور غصب کی ہوئی زمین میں نماز نہ پڑھنی چاہیے نہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگوٹھی وغیرہ کے ساتھ نہایت عاجزی اور ذلت کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑے ہو اور جب لوگ جمع ہوں

تو یہ سمجھے کہ قیامت کے میدان میں جمع ہیں اور مؤذن کی اذان کو صور کی آواز تصور کرو پھر امام کے خطبہ پڑھنے کو حق تعالیٰ کی تجلی خیال کرو کہ نہایت عظمت اور جلال و ہیبت کے ساتھ موجود ہے اور جب لوگ نماز میں کھڑے ہوں تو اس کو خدا کے آگے حاضر ہونا سمجھو پھر مسجد سے باہر جانے کے وقت یہ خیال کرو کہ حساب و کتاب کے بعد لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں جا رہے ہیں۔

وضو کے اندر حکمت یہ ہے ایک تو اعضاء پاک ہوتے ہیں اور دوسرا ان کو تنبیہ ہوتی ہے انسان بھی مثل درختوں کے ایک درخت ہے اس کی خدمت بھی اس طرح کرنی چاہیے جیسا کہ درخت کی خدمت کی جاتی ہے یعنی جمعہ کے روز ناخن کترلے اور زیر ناف کے بال لے یہ درخت کو چھانٹنا ہے اور وضو غسل کرے یہ درخت کو پانی دینا ہے اور اس باغ میں دنیاوی گھاس پھوس کو نکال کر علوم کے پھل پھول لگائے اور خدمت کی نہروں سے پانی دے اور افعال قبیحہ سے باز رہے تاکہ فصل کا پانی عقل کی نہروں میں جاری ہو اور بلبل توحید و معرفت ہر شاخ درخت پر نغمہ سنجی کرے یقین کے انوار و برکات نازل ہوں اور صدق کی نسیم باغیں معرفت کی خوشبو لائے اور راز ازل کا منادی مریدوں کے دلوں میں آواز دے اور ایسے باغوں کی سیر کرو جہاں زیتون کا وہ مبارک درخت ہے جو شرقی ہے نہ غربی ہے روغن اس کا قریب ہے کہ بغیر آگ کے

Marfat.com

لگے روشن ہو جائے اور یہی مطلب اس حدیث قدسی ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ میرا مومن بندا نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور جب میں اس کو دوست بنالیتا ہوں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس وہ میرے ہی ساتھ سنتا ہے اور میرے ہی ساتھ دیکھتا ہے اور کم سے کم چیز جو میں اس کو عنایت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے اور اس کے درمیان میں ایک روزن کر دیتا ہوں جس میں سے وہ مجھ کو دیکھتا ہے اور مجھ کو بغیر مثال کے دیکھتا ہے اور میں اس کو ایک ایسا نور دیتا ہوں جس کے ساتھ وہ حقائق معلومات میں تفریق کرتا ہے۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ ان مقرب لوگوں کے دل میں نماز میں خطیرہ قدس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جلال ربوبیت کا دیمومیت سے مشاہدہ کرتے ہیں اور آسمانی دل کے صاف ہونے سے معرفت کا آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے آخرت کے حالات منکشف ہوتے ہیں میزان عقل اور صراط یقین سب ظاہر ہو جاتے ہیں یہی اس آیت کے معنی ہیں یہی اس آیت کے معنی ہیں "واسجدو اقترب" یعنی سجدہ کرو اور اس میں خدا کی قربت چاہو حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں جب عارف سجدہ کرتا ہے حجاب اٹھ جاتا ہے اور قلوب طاہرہ سدرۃ المنتہٰی کی طرف ترقی کرتے ہیں اور انوار قدس ان پر منجلی ہو جاتے ہیں حرم حق کی جنتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جو کچھ یہ چاہتا ہے اس کو دیا جاتا ہے جب نماز میں دل وسوسوں سے صاف ہوتے ہیں اس وقت تک افلاک واملاک کا مشاہدہ ان کو نصیب ہوتا ہے اور ایک اور مثال تمہارے سمجھانے کے واسطے بیان کرتا ہوں سنو دل ایک میدان ہے اور اس کے اندر ایک درخت ہے جس پر پرندے بسیرہ لیتے ہیں اور تم اس درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے ہو پرندے تم پر بیٹ کر رہے ہیں اور اڑانے سے نہیں اڑتے ہیں اب اگر تم آسائش سے نماز پڑھنی چاہتے ہیں تو اس درخت کو کٹوا ڈالو ایسا ہی تم نے اپنے دل میں جب دنیا کا درخت لگایا ہے اور تمہارے دنیاوی تفکرات کے پرندے اس پر بیٹھے ہیں اگر تم اس درخت کو کاٹ ڈالو گے تو حال تمہارا صاف ہوگا اور بزرگی تمہاری بڑھ جائے گی اور جلال الٰہی کی تم پر تجلی ہوگی جیسا کہ حضرت جنید نے فرمایا ہے

ترکت ھم الدنیا فصفی عیشی
وترکت ھم الاخرۃ فصفی قلبی

دنیا کا فکر میں نے چھوڑ دیا لہذا میری زندگانی صاف اور پاک ہوگئی اور آخرت کا فکر

Marfat.com

جو میں نے چھوڑ دیا تو میرا دل خراب ہو گیا۔

نماز میں راز یہ ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جیسے خادم کا اپنے مخدوم سے مقرب ہونے کا وقت ہوتا ہے اور جب مخدوم اپنے خادم کو اپنے عجز و انکساری کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس پر مہربان ہو جاتا ہے

بعض اہل نجوم بیان کرتے ہیں کہ پانچوں نمازیں پانچ ستاروں سے متعلق ہیں اور چھٹا ستارہ سے سنتیں اور ساتویں سے وتر متعلق ہیں۔ نماز ہی سے غرض حاصل ہوتی ہے اور اسی کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ''عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا'' اور یہی معنی سقراط کے اس قول کے ہیں کہ آوازوں کے نغمے عبادتوں کی صورت سے پیدا ہوئے ہیں اور ان سے وہ باتیں معلوم ہوتی ہیں جو گردش کرنے والے افلاک میں پوشیدہ ہیں اس لئے کہ خواص ادعیہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں خدا فرماتا ہے[1] ''الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ''۔

اور حضرت داود علیہ السلام کا مزامیر کے ساتھ شوق و ذوق حاصل ہونا مشہور ہے جب ان کو کوئی حاجت درپیش ہوتی تھی تمام زاہدوں کو مسجد میں کھڑا کر کے ہر زاہد کے پاس ایک باجہ بجانے والا مقرر کر دیتے تا کہ باجے کی آواز سے زاہد یکسو ہو کر حضرت داود کی حاجت کے واسطے دعا کرے چنانچہ اس ترکیب سے دعا بہت جلد قبول ہو جاتی۔

اور اسی طرح یکسوئی کے ہونے سے استسقاء اور سحر میں اثر ہوتا ہے معلوم ہو کہ اوزان قلبیہ بغیر طہارت محل کے پاک نہیں ہوتے ہیں پھر جب دل سے حجاب دور ہو جاتا ہے معرف اس کے اندر حاصل ہوتے ہیں اور حق کا راستہ ظاہر ہوتا ہے معرفت الٰہی کا دروازہ کھل جاتا ہے جب دنیا کی ناپاکی دور ہوتی ہے۔

جب تم یہ طریقہ اختیار کرو تو اپنی کل حاجات اپنے مولیٰ سے طلب کرو اور معرفت کی خوشبوئیں لگا کر ندامت کے کپڑے پہنو اور اپنا رخسار تواضع کی خاک پر رکھ دو اور جان لو کہ ہر چیز کا وزن ہوتا ہے شعر کا وزن عروض سے معلوم ہوتا ہے اور ضمیر کا نظر سے اور ماکول و مشروب کا ترازو اور سونے و جواہرات کا کانٹے سے اور صوفیہ دل کی اوقات کا وزن کرتے ہیں اور خطبوں کا وزن تعدیل کلام سے معلوم ہوتا ہے اور قیامت کا وزن قصاص افعال سے ایک پلہ میں تمہارے ظلم کی ظلمت ہوگی اور ایک پلہ میں تمہارے پاک اعمال کا نور ہوگا اب تم کو اختیار ہے کہ اپنے

[1] اسی کی طرف پاک کلمے جاتے ہیں اور عمل صالحہ کو وہ کر لیتا ہے ۱۲۔

Marfat.com

حال کو معلوم کرو اور ہدایت پر قائم رہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھو کہ جب ان کو حیران نظر سے ظاہر ہوا تو بطریق تشکیک کے کہنے لگے "ہذا ربی" یعنی کیا یہ ہے میرا رب پھر جب ترازو کے دونوں پلوں میں قائم ہوئے تو فرمایا "وجہت وجہی" یعنی میں نے اپنا منہ خدا کی طرف کر لیا۔

اٹھارہواں مقالہ

خواص کے بیان اور تحقیق میں

معلوم ہو کہ خواص غیر محصورہ ہیں اور ان کے اندر تاویل نہیں ہے لہذا وہ بذواتہا اخذ کیے جاتے ہیں مثلاً ایلوا اور سکونیہ مثل ہیں اور ہم یہ سوال نہیں کر سکتے ہیں یہ کیوں مسہل ہیں اور قبض کرنے والی چیزیں کیوں قبض کرتی ہیں پھر ہم طبیب شرع سے کیونکہ دریافت کر سکتے ہیں کہ یہ چیز حلال کیوں ہے اور یہ حرام کیوں ہے اور ہم کیسے خواص قرآن سے شفا حاصل ہونے میں شک کر سکتے ہیں اور میں بھی ہر سورہ اور آیت کے مختلف خواص ہیں مثلاً سورہ واقعہ حصول غنا اور مال کے واسطے ہے اور غم دور کرنے کے واسطے سورہ دخان ہے اور بلا کے دور کرنے اور اس کے محفوظ رہنے کے واسطے سورہ کہف ہے اور اس سورہ کے اندر جو یہ آیت ہے۔ فما اسطاعوا ان یظھروہ وما استطاعوا لہ نقبا اس آیت کو بغیر سورہ کے پڑھنا چاہیے جیسا کہ تم کہتے ہو مفرد دوا استعمال کرنی نہ چاہیے مسئلہ نجومی کے عاجز کرنے کے واسطے کیوں حکیم صاحب آپ کیا فرماتے ہیں ستارہ جو زمین پر پیدا ہونے والے آدمی پر تصرف کرتا ہے کہ تصرف اس کا بجنسہ ہے یا بطبیعہ ہے یا نجاسیت ہے اگر تم یہ کہو کہ بطبیعہ ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ طبائع مختلفہ ہیں پھر اگر تم یہ کہو کہ بجنسہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ سماوی ہے اور یہ عرضی ہے اور اگر تم یہ کہو کہ بالخاصیت ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خاصیت عرض ہے اس کے واسطے بقا نہیں ہے اور اگر ہم بالفرض بالخاصیت کو تسلیم بھی کر لیں تب تم یہ بتاؤ کہ خاصیت نفس ستارہ میں ہے یا نفس شخص میں ہے اس کو تمہارے تئیں ظاہر کرنا اور اس پر دلیل و حجت قائم کرنا لازم ہے۔

مسحر عمل اور کلام دونوں سے مرکب ہے جس کو اوقات معلومہ اور طوالع معنیہ میں طلسمات کیساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جب تم یہ چاہو کہ اپنے مطلب کے واسطے کوئی طلسم تیار کرو تو ہر تین حرفوں میں سے ایک حرف لینا شروع کرو پس جب محبت کے واسطے نو حرفوں میں سے تین

Marfat.com

حرف جمع کر لو تو یہ طلسم ہر ایک کام کے واسطے مفید ہے اور محبت کی ساعت کو اس طرلاب یا ساعت نامہ سے معلوم کرو کیونکہ یہ ساعت اس کام کے واسطے بہتر ہے مثال اس کی اب ت ث جیم کو لیلو اور جیم کے بدلہ ''ث'' کا لینا بہتر ہے ''ج ح خ'' سعد کو لو ''ص ط ظ عین'' کو لو پس تدویر کے حساب سے عنقریب ہوا اور اس کے طلسم کی یہ ترکیب ہے کہ جب قمر عقرب میں ہو تو ایک حروف انگوٹھی پر اس کی صورت بناؤ اور ہاتھ میں پہن لو اس کی خاصیت یہ ہے کہ عورتوں کی جانب سے کوئی مضرت تم کو نہ پہنچے گی اور اگر پانی میں دھو کر بچھو کے کاٹے ہوئے کو پلاؤ گے تو اس کو آرام ہو گا اور اگر یہ پانی دشمن کی چھت پر یا اس کے گھر میں چھڑک دو گے تو اسی سال میں اس کا گھر تباہ ہو گا جب ''قمر'' ''برج''

''اسد'' میں ہو تو انگوٹھی پر سیاہی سے شیر کی صورت اور یہ کلمہ نقش کرو ''اتینا طائعین

''پھر بادشاہ کے پاس جاؤ بادشاہ تمہارا مسخر ہو گا بادشاہوں کو تابعدار کرنے کے کلمات یہ ہیں ''الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل ذل البحر لبنی اسرائیل شاھتِ الوجوہ فھم لا یبصرون ولا یعقلون ولا یسمعون''. وہ کلمات جن کے کہنے سے وہ شخص امن میں رہتا ہے جو بادشاہ سے خوف رکھتا ہو جس وقت اس کے سامنے جائے یہ کہتا رہے یا قدیم الاحسن باحسان القدیم وہ کلمات جن کے پڑھنے سے بادشاہ کی زبان بری بات کہنے سے بند ہو جاتی ہے ''الیوم نختم علی افواھم ولا یؤذن لھم نیعتذرون صم بکم عمی فھم لا یرجعون ولا یعقلون'' وہ کلمات جن کے پڑھنے سے مفسدوں کی جماعت متفرق ہو جاتی ہے چند جو کے دانے لے کر چار بار یہ کلمات پڑھ کر دم کرے اور ان کے مکان میں ڈال دے ''ہا تا ش'' ''نا تا س''

''والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ'' پھر دیکھو کہ خدائے تعالیٰ کیا کرتا ہے

دو شخصوں کے درمیان عداوۃ ڈالنے کے واسطے ایک انڈے پر یہ کلمات لکھ کر بھون کر کھلا دو ''و مزقناھم کل ممزقٍ و حیلہ بینھم قطعاً بغضاً'' دیگر ایک انڈے پر سات حرف

''صاد'' لکھ کر ایک کپڑا لپیٹ کر سیدیں اور کوئلوں پر رکھیں انڈا بریان ہو گا اور کپڑا نہ جلے گا وہ انڈا بخار والے کو کھلائیں اس قسم کی بہت سے ترکیبیں ہیں جن کو ہم نے کتاب ''عین الحیات ''میں بیان کیا ہے اگر چہ چھوٹے حجم کی ہے مگر فوائد اس میں بہت ہیں اور اس کے ایک مقالہ

Marfat.com

میں اجساد اور ارواح کے جمع ہونے کا سبب بھی بیان کیا ہے اور یہی طریقہ اکسیر کا ہے۔

معلوم ہو کہ علم صناعت الٰہیہ یعنی علم کیمیا اگر پہلے تھا تو اب بھی ہو سکتا ہے اور سب لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ علم پہلے تھا لہٰذا اب بھی ہو سکتا ہے اور منقول کے دلائل بھی اس کے جواز پر ثابت ہیں منقولی دلائل یہ ہیں ''ومما توقدون علیه فی النار ابتغاء حلیة او متاع زبد مثله'' اور فرماتا ہے ''انما اوتیتهٗ علیٰ علم عندی'' اور معقود پر صابون کا عمل دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ اضداد سے درمیان میں جامع ہے یعنی دہنی اور مائی اور ناری طبیعتوں کو روکتا ہے۔ پس یہ منجمد ہو گیا تو اس کی تجمید نے کیمیا کی تجمید پر دلالت کی ہے اور اگر یہ صفات نہ ہوتی تو اس کثرت سے سونا دستیاب نہ ہوتا کیونکہ اس کی کانیں بہت کم اور دور ہیں اور یہ صنعت بھی مثل صنعتوں کے ہے بہت لوگ اس کے حاصل کرنے کے پیچھے گمراہ ہو گئے ہیں اور تمام مال اپنا برباد کر دیا ہے مگر یہ صنعت انھیں کو حاصل ہوتی ہے جو نباتات اور حیوانات سے خوب واقف ہیں مگر اے موسیٰ تمہارے واسطے ایک خضر کی صورت ہے جو کشتی کو توڑنے اور لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار کو سیدھا کرنے کا مطلب سمجھائے جس کے نیچے خزانہ تھا جب تم نے اس صنعت کی کشتی کو توڑا رفیق جو بھاگنے والا غلام ہے حل کر کے پانی بنا دیا پھر اس میں تصعید زرنیخ کی دیوار اضافہ کی تو بس اس کا توام درست ہو گیا اور تم اس اکسیر کے مالک ہو گئے یہ چاندی بنانے کی ترکیب ہوئی مگر اس اکسیر کو تانبے پر ڈال کر کشتہ کرو پھر ہم وزن تانبے کے ساتھ خوب گلا لو چاندی تیار ہو گی۔

معلوم ہو کہ زرنیخ ایک مرکب نام ہے زر سونے کو عجمی زبان میں کہتے ہیں اور زرنیخ سے یہ مراد ہے کہ تونگری حاصل کرنے کے واسطے اپنے استاد کے دروازہ پر حاضر ہو اور اپنی عقل کے ذوالقرنین کے ساتھ مغرب شمس کے پاس جو چشمہ حیوان کے پاس ہے جا پہنچو چشمہ حیوان سے بیضہ مرغ مراد ہے سفیدی اس کی سفید کام کے واسطے اور زردی زرد کام کے واسطے ہے پھر مطلعہ شمس حرارت زیبق کی سیر کرو اور اس کو قبضہ میں لاؤ اور پھر جب تم دونوں سیدوں کے درمیان میں پہونچو تو نرم آتش اس کے نیچے جلاؤ پس اگر یہ اکسیر تم سے صحیح ہو جائے تو بہت بہتر ہے ورنہ ابرک حل کرو یہ اکسیر بہت عمدہ اور نایاب ہے اور موجود ہے اور اس کا پورا عمل ہم نے کتاب عین الحیات میں لکھا ہے اس میں دیکھ لو۔

معلوم ہو کہ یہ صناعت ربانی ہے اور وہی لوگ اس پر مطلع ہوتے ہیں جن کے دلوں سے خدا نے شک کو دور کر دیا ہے اور ابدالوں کے مقام میں پہنچ گئے ہیں اور یہ کام اسی شخص سے

Marfat.com

ہوتا ہے جو اس کے ذریعہ سے آخرت کے کام کرنے چاہتا ہے یا فرض کا ادا کرنا یا کسی برائی کا دور کرنا۔

اس کام سے پہلے چالیس کام سیکھنے چاہئیں تاکہ یہ کام درست ہو مثلاً سرمہ بنانا اور براوہ کرنا اور دوائیں بنانی ہم یہاں چند عجیب وغریب صنعتیں بیان کریں گے مگر اصل صناعت کا مفصل بیان عین الحیات میں ہے اور اس صنعات نے سب سے بڑا کام ذریخ کی تصعید اور اس کے اجرھا اور معتدل وقت کا معلوم کرنا ہے کہ نہ زیادہ سردی ہو نہ گرمی۔

چاندی بنانے کو اس فن کے لوگ صنعت قمری کہتے ہیں اور اس کی اکسیر انڈے کی سفیدی اور ذرنیخ مصعد سے جو معتدل القوم اور ہم وزن ہو ابنتی ہے اس بات کو غور کرو اور معتدل زمانہ میں اس کام کو بجالاؤ نہ اس قدر گرمی پر پہنچاؤ کہ جلا دے نہ اس قدر سردی پہنچاؤ کہ اس کے اجزاء کو متفرق کردے اکسیر کی تربیت اسی طرح کی جاتی ہے جیسے بچوں کی سردی گرمی کا لحاظ رکھا جاتا ہے اب پہلے تم کو صنعت ابرار اور سرموں کا بنانا سیکھو جیسا کہ عزیزی صغیر اور کبیر اور جلا صدفی کے نسخے ہیں ترکیب اس کی یہ ہے کہ عرق سیب ومسرم وانار وعرق یا میروں وعرق ذبح وداودی جعفران وبہمنی سرد وعرق رازیانج وعرق حسق توتیہ لے اخضر رفیق ان سب کو ملا کر دھوپ یا سایہ میں رکھو تاکہ خشک ہو جائے پھر اس کے قرص بنالو یہ توتیا ہندی تیار ہو گیا ایک مثقال اس کی ایک مثقال کو کافی ہے اور اگر اس میں عرق مامیثہ اور عرق حی العالم ملاویں تو بہتر ہے کیونکہ یہی سردی جامع اور جلا نافع اور توتیا سے ہندی قاطع ہے اور یہی کیمیائی ابرار ہے اور اسی سے تم کو ایسا کسب حاصل ہو سکتا ہے جسے تم راحت کے ساتھ گزران کر سکتے ہو اور کوئی مشقت تم کو نہ پہنچے گی اور اگر تم لاون بنانا چاہو تو ایک تولا خالص لاذن لے کر تین تولا صاف موم اس میں ملا کر نرم آگ پر پگھلاؤ اور نیچے اتار لو اور ہر مصنوع چیز میں اصلی چیز ملانی ضروری ہے کیونکہ اس کی اکسیر وہی ہے۔

زعفران بنانے کی ترکیب

گائے کے گوشت کی بوٹیاں سرکے میں زعفران حل کر کے اس کے اندر جوش کر لے اور پھر دھو کر اس کے ریشے جدا جدا کر کے زعفران حل شدہ میں ملا کر خشک کرے ایک چوتھائی زعفران اس کے اندر ملانی چاہیے اور گوشت ران کا ہونا چاہیے۔

Marfat.com

مشک بنانے کی ترکیب

مشک اصلی میں ہم وزن اس کے کلیجی سوختہ ملائے مصنوعی مشک تیار ہو گی بہت سی صنائع پردے کے اندر پوشیدہ ہیں جب ان کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور اس قسم کے بہت سے عجائبات نسخے عین الحیات میں مذکور ہیں۔

معلوم ہو کہ مشک ہرن کا منجمد خون ہے اور یہ ہرن جنگل کے خوشبودار گھاس کھاتا ہے جس کے سبب سے یہ خوشبو اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور عنبر کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ شہر منصوریا کے ایک چشمے سے اس کو نکالتے ہیں اور کافور بھی ایک چشمے سے نکلتا ہے اور عنبر ورک اندر مختلف رنگ کے پتوں میں چپک جاتا ہے آسمان سے دس چیزیں نازل ہوتی ہیں جیسے شیر خشت ہے اور ترنج بین اور لاون وغیرہ اور بعض کا قول ہے کہ لاون شہر مرعش کے پہاڑ کے ایک چشمے سے نکلتا ہے اور میہ بھی آسمان سے برستا ہے اس میں تھوڑا زوائد سے ملا کر آب جو میں جوش کرے اور ان عورتوں کو پلائے جن کو دودھ یا حیض نہ آتا ہو فوراً جاری ہوگا اور کبھی آسمان سے سبز مینڈک گرتے ہیں یہ بواسیر کے واسطے بہت مفید ہیں اور کبھی ملک سقسین آسمان سے سرخ رنگ کے نرم اور ٹھنڈے گیہوں برستے ہیں مزا ان کا بھی اور شہد کا ہوتا ہے اور مصر برف کے ٹھنڈے ہوتے ہیں اگر ان کو حل کر کے عیب دار پر لگائیں تو عیب اس کا جاتا رہے گا اور کوئی شخص ان کی دھونی سے فرشتوں کو دیکھنے لگے اور انھیں گیہوں کے ساتھ عطارد کے عمل کے وقت دھونی روشن کی جاتی ہے انبیاء علیہ السلام بھی اس دھونی کی پابندی کرتے تھے چنانچہ حضرت کلیم اللہ نے زحل کے واسطے ہفتے کی روز دھونی روشن کی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام نے مشتری کے واسطے پنج شنبہ کے روز اور ابراہیم علیہ السلام نے شمس کے واسطے یک شنبہ کے روز اور آتش کے واسطے منگل کے روز دھونی روشن کی تھی اور زردشت نے مریخ اور عطارد کے واسطے اور ہمارے حضور ﷺ نے زہرا کے واسطے جمعہ کے روز دھونی روشن کی تھی اور اسی واسطے غار حراء میں خلوت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جبرائیل دحیہ کلبی کی صورت میں آپ پر ظاہر ہوئے جو شخص جنوں سے ملاقات کرنی اور ان سے کلام کرنا اور ان کا کلام سننا چاہے اس کو لازم ہے کہ ایک خالی مکان میں یک شنبہ یا چہار شنبہ کو بیٹھ کر لوبان کی دھونی روشن کرے اور عمل کے ختم ہونے تک برابر روشن کرتا

Marfat.com

رہے اور ایک کنڈل کھینچ کر اس کے اندر بیٹھ جائے اور چالیس بار سورہ جن پڑھے جنوں کا لشکر حاضر ہو گا ان میں
سے جس کو چاہے اپنی خدمت کے واسطے مخصوص کر لے اور ان سے کچھ خوف نہ کرے اور پھر اس جن سے تسخیر یا تلسم بنانے یا خزانہ نکالنے یا حب و بغض کا کام لے۔

معلوم ہو کہ خواص نباتیہ بہت کثرت سے ہیں ہم چند خواص ان میں سے بطور اختصار کے بیان کرتے ہیں جو شخص یہ چاہے کہ سب کو دیکھے اور کوئی اس کو نہ دیکھے اس کو لازم ہے کہ سیاہ بلی کی کھوپڑی میں ارنڈ کا بیج بوئے پھر جب اس درخت میں پھل آنے شروع ہوں تو اس پر ایک کپڑا لپیٹ دے تا کہ کوئی ارنڈی ظاہر نہ ہو پھر جب ارنڈیاں پختہ ہو جائیں سب پھلوں کو توڑ کر ایک ایک پھل منہ میں رکھے اور آئینہ میں صورت دیکھے جس پھل کے منہ میں رکھنے سے صورت نہ دکھائی دے وہی کام کا ہے۔

اور ایک بوٹی ہے جس کو ابھر کہتے ہیں یہ بوٹی انسان کی صورت ہوتی ہے جو شخص اس کو اپنے پاس رکھے اگر پتھر کی طرف اشارہ کرے وہ بھی اس کے ساتھ ہو لے۔

اور ایک بوٹی ہے جس کو راسین کہتے ہیں اس کے پتوں کی دھونی جس شخص کا نام لے کر روشن کرے گا وہ شخص اس کے پاس آجائے گا اور دھونی کے وقت یہ کلمات پڑھے "یاجامع یاجن اجمعوا وقدموا الاق لاق عاجلا عاجلا اشر وثاشرو ثاکبیبا اتصبی انیتیاطوعا او کرھا" اور یہ عمل اتوار یا بدھ کے روز کرنا چاہیے اس گھاس کی ایک شراب بھی بنتی ہے جس کو شراب ملائکہ کہتے ہیں سوداوی مزاج والوں کے واسطے مفید ہے اور عورتوں کے امراض حرارت کے واسطے بھی مفید ہے اور اگر اس کے پتوں کو خشک کر کے پیس کر آنکھ میں لگائیں تو پپوٹوں کے جھک جانے کو مفید ہے اور حلق میں کوے کے جھک جانے کو بھی اس کی دوا بنتی ہے اور بخار والے کو اس کی دھونی دینے سے بخار جاتا رہتا ہے اور جس عورت کے حمل میں بچے کی جھلی بوقت پیدائش رہ گئی ہو یا اور کچھ رہ گیا ہو اس کی دھونی دیں نکل جائے گی اور اس کے پتے زیتون کے پتوں کے ساتھ سرکے میں جوش دے کر پیس لیں اور درد والے دانت پر لیپ کریں تو بہت مفید ہو گا ایک گھاس ہے جس کی جڑ زمین پر نہیں ہوتی بلکہ درخت بطم و بلوط پر بکثرت ہوتی ہے اور حب العصفور اس کو کہتے ہیں کیونکہ چڑیا نہایت رغبت کے ساتھ اس کو کھاتی ہے اس کی دھونی گھروں میں شیطان اور جادو کا اثر دور کرنے کے واسطے حضور ﷺ نے فرمایا ہے اترتے ہوئے بالوں کو ضائع نہ کرو کیونکہ جادوگر اکثر انہیں

Marfat.com

پر جادو کرتے ہیں اور جادو باطل کرنے کے وقت سورہ رعد کے آخر کی دس آیتیں پڑھنی چاہیں اس بوٹی کے دانوں سے ندا سو جو ایک خوشبودار چیز سے بنتا ہے کنگی اور زعفران اور عود قماری کا برادہ پیس کر یہ دانے اس میں ملائیں اور عرق گلاب نہایت عمدہ ڈال کر جوش دیں جب خوب گاڑھا ہو جائے اتار لے اور ٹھنڈا ہونے کے بعد قرص تیار کریں تریاک نافع بندق مدقوق کو اخروٹ اور بادام اور تل اور پستہ کے ساتھ پیس کر شہد اور قدرے گلاب ملا کر رکھ لیں بچھو کے کاٹے کے واسطے بہت مفید ہے اور قوت جماعی کو بے حد زیادہ کرتا ہے اور مغز اخروٹ کا گیہوں کے آٹے کے ساتھ حریرہ بنا کر کھانا کمر کے درد اور قوت جماع کو مفید ہے اور ریاح باردہ کے مریض کو نفع کرتا ہے اور تریاک اکبر کا نسخہ جسکے اندر چالیس اجزاء ہیں عین الحیات میں مذکور ہے معلوم ہو کہ حیوان اور نباتات اور روغنوں میں اس قدر تاثیریں ہیں جن کا بیان بہت طویل ہے ہم صرف ایک روغن کے عمل کا ذکر کرتے ہیں اچھی ساعت دیکھ کر جس شخص پر عمل کرنا ہو اس کے نام کے ساتھ موصم ربیع کے بصاص لے لو اور اس کو ایک شیشی میں روغن زیت کے اندر ڈال دو اگر بغض کا عمل کرنا ہو تو طنبوب حبشی لو اور اگر محبت کا عمل کرنا ہو تو قرشی لو اور باشاہ کی تسخیر کرنی ہے تو فارسی لو اور بیماری یا نقصان سے نکلنے کے واسطے کرمانی لو اور دھوپ میں رکھدو اور جس قدر روغن کم ہو اسی قدر بڑھا دو اور روز اس کی خدمت کرتے رہو ہر روز دھونی دو اور یہ کلمات کہو "ایھا الظنبوث الطاھرۃ کونی لما ارید" اور پاک حالت میں دھونی دو یہ روغن چاند کی کمی میں کم ہوگا اور زیادتی میں زیادہ ہوگا اور اگر اس روغن کو جسم پر مل لیں تو آگ اثر نہ کرے گی بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا ہتھوڑا یا کلہاڑ ابنائیں اور اس سے کام لیں تو بالکل آواز نہیں ہوتی اور ایک پتھر ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو تنور میں ڈالدیں تو کوئی روٹی سالن نہ نکلے تنور میں گر پڑے گی اور مقناطیس کے خواص یہی تم کو معلوم ہیں اور حیوانات کے خواص کتاب الحیوان میں تلاش کرو۔

بیسواں مقالہ

علم عزائم و تسخیر کواکب کے بیان میں

ہفتے کے روز صبح کے وقت سیاہ یا نیلگوں لباس پہن کر مغرب کی طرف منہ کر کے یہ بخور روشن کر لو بان سیاہ دانا انار کے چھلکے لائی اور زحل کی تسخیر کے واسطے یہ عمل پڑھو مگر تسدلیس یا

Marfat.com

تثلیث کا وقت ہونا ضروری ہے عظیمت یہ ہے "ایھا الساخان الاعظم والملک العرمزم مالک الفلک النبعة له النجوم الخا سف المزلزل زحل انت اشرف الکواکب وسیدها ومؤیدها اسئلک ان لعطینی وان تمخنی ویصلح منک لی "[1]

اور یک شنبہ کے روز طلوع آفتاب کے وقت اس کی طرف منہ کر کے حضور قلب کے ساتھ یہ عزیمت پڑھو "ایتھا السیدة الرفیعة والملکة المطیعة والمتیرة الکبیرة التی جارت بفیضها علی الظلم فصارت انوار اذلنها طاهرة وسلطنتها قاهرة اسئلک ان تعطینی مایصلح منک لی واصرفی همتک الیّ وانت الملکة العزیزة والسلطانه الحهیرة بحق من سخرک وهو الملک العظیم"

اور پیر کے روز پہلی ساعت میں کمر کا یہ عمل پڑھو "ایها الکوکب الاظهر والقمر الایهر البارد الرطب الحال فی الفلک المعتدل البارد اللطیف اسئلک بحقک وبحق الملک المعطیک من نوره اسئلک ان تعطینی مایصلح منک لی" اور سہ شنبہ کے روز مریخ کے واسطے یہ عمل پڑھے "ایها السلطان الحار النوری الناری المزعج المذهش انت بهرام السلطان صاحب السیف والسفک ذو الحربة الدراية والفتن الارضية صاحب الحزب والصلاح والدم اسئلک بحق سلطنتک ودولتک وقهرک ان تعطینی مایصلح لی منک" اور چہار شنبہ کے روز عطارد کے واسطے یہ عمل پڑھو "ایها الکوکب النطف الشریف والکوکب الکاتب الحاسب العالم ممازج الفلک ووزیره وملاطفة ومشیره بلطافة اخلاقک وطیب عراقک وحسن سمتک وصفاتک الحمیدة واخلاقک المجیدة الحسنة الطیبة ان تعظمنی مایصلح لی منک"

---

[1] اے بڑے بادشاہ سخت لشکر والے آسمان کے مالک جس کے ستارے تابع ہیں اور وہی دھسان اور زلزلہ ڈالنے والا ہے کون یعنی زحل تو سب کواکب سے اشرف اور وہ سردار اور رہبر اور ان کی تائید کرنے والا ہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھ کو اپنے پاس سے ایسے چیز عنایت اور بخشش کر جو میرے واسطے درست ہو اسی طرح کل عزیموں کے معنی قیاس کر لینے چاہیں۔

Marfat.com

اس عمل کے وقت خوش طبیعت رہنا اور منشیوں کی حالت بنانا ضرور ہے۔

اور پنجشنبہ کے روز یہ دعا مشتری کے واسطے پڑھے "ایھا الکواکب الدین الصلح التقی الرفیع البدیع المطیع السمیع الضریع الذاکز الشاکر العاشر والحامد الباھر لخآئف المستغفر عندک اکثر احیاء الاموت والذی یبرء من کل دآءِ اسالک بحق دینک وامانتک وموذتک ومرواتک وطاعتک ان تعطینی مایصلح لی منک"۔

اور جمعہ کے روز زہرہ سے مخاطب ہو کر یہ وظیفہ پڑھو۔ "ایتھا النفس الطاھرۃ للزھدۃ الباھرۃ ذات اللھو والنطرب الرقض واللعبۃ الشرب والاکل الفرجۃ النزھۃ الناظرۃ المرینہ الطائعۃ لربھا الحرۃ الظاھرۃ اسالک ان تعطینی مایصلح منک لی"

اس فن کے علماء فرماتے ہیں کہ ہفتے کا روز حضرت موسیٰ کے واسطے مخصوص تھا اور اتوار حضرت سلمان کے واسطے اور بہت سے نبی بھی اس میں شریک تھے اور بہت سے بادشاہ بھی اس روز میں شمس کے واسطے بخور روشن کرتے تھے اور پیر کا روز قمر سے متعلق ہے اور وزیروں کے واسطے مناسب ہے اور اسی دن میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بھی دھونی روشن کی تھی اور بدھ کا روز عطارد سے متعلق ہے اس میں زردشت مجوسیوں کے نبیوں نے دھونی روشن کی تھی اور جمعرات کے روز عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے مخصوص تھا اور جمعے کا روز ہمارے حضور ﷺ کے واسطے مخصوص ہے زحل کی تسخیر سے اس قسم کے منافع پہنچ سکتے ہیں خزانوں کا نکالنا نہروں کا کھودنا درختوں کا لگانا وغیرہ اور اس شمس سے ملک وصنعت کے فوائد پہنچتے ہیں اور قمر سے وزارت کے اور مریخ سے لڑائی جھگڑے کے اور عطارد سے کتابت اور حساب اور نکاشی و ھندسہ وغیرہ کے اور اعمال۔

عزائم بھی اس سے متعلق ہیں اور مشتری زہد اور دیانت اور زحل طلسمات سماویہ کے واسطے ہے اور جمعہ زہرہ کے واسطے ہے علماء فن کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جو بات زوال کے لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اس میں حکمت ہے کہ اس وقت خواص حصول مطالب میں اثر کرتے ہیں "اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد"

معلوم ہو کہ لوگوں نے خاصیت کے اندر بہت اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم اول کتاب میں ذکر کر چکے ہیں حیوانات ونباتات کے خواص بہت ہیں جن کے متعلق ہم نے ایک طویل

Marfat.com

فصل حاجت سے زائد بیان کر دی ہے۔

اکیسواں مقالہ

گفتگو کے بیان میں

جبکہ کلام کی حد یہ ہے کہ سننے والے کو فائدہ پہنچائے لازم ہو کہ ہم تم ہی سے تمہارے عقائد کے موافق تمہارے قول کی حقیقت معلوم کریں تم جو کہتے ہو کہ کلام فی النفس قائم ہے اور پھر کہتے ہو کہ کلام کرنے والا یا حکم کرنے والا ہوتا ہے یا منع کرنے والا اور حکم یا منع ان کا فی نفسہ ہوتا ہے اب بتاؤ کہ جو بات اس کے نفس میں ہے اس کو وہ ہمارے تئیں کیسے سنا سکتا ہے اور کس طریق سے وہ ہم تک پہنچ سکتی ہے اگر تم کہو کہ الہام کے ذریعہ سے تو وہ ایک مخلوق ہے جس کو اس واسطے پیدا کیا ہے تا کہ تم اس بات کو سمجھو جس کو نہیں سمجھتے تھے اگر تم کہو کہ کتابت کے ذریعہ سے تو یہ ایک قسم کا مفاعلت ہے اور نیز تمہارے مقابل نے تم کو حرف اور آواز کے اقرار کرنے سے اور بھی تنگ کیا ہے اس کے متعلق اس قدر بیان کافی ہے۔

اور چونکہ علم توحید کا طلب کرنا فرض ہے ہم پر واجب ہوا کہ اس کی طرف بھی ہم اشارہ کریں اور جو بیان ہم نے اپنی کتابوں میں کیا ہے اس میں سے کچھ بیان بھی نقل کر دیں بس سب سے پہلے ہم صانع کا ذکر کرتے ہیں معلوم ہو کہ کوئی صانع بے خدا نہیں ہے اس صورت میں انسانیہ کو دیکھو جو الف کی شکل رکھتی ہے اس کے صانع نے اس کے اندر کیا کیا بدائع اور عجائب رکھے ہیں دیکھو اس کا سر اس کے جسم کا آسمان ہے اور دونوں آنکھیں ستارے ہیں اور چہرہ شمس و قمر ہے فرماتا ہے

”خلقنا الانسان فی احسن تقویم“ پھر پانی کو دیکھو کہ پانی کے مختلف رنگ اور مختلف مزے ہیں کوئی کڑوا ہے کوئی نمکین ہے اور کوئی میٹھا اور کوئی بدبودار ہے۔

زمین میں جو جو چیزیں ہیں وہ سب جسم انسانی میں موجود ہیں دونوں مونڈھے پہاڑ ہیں اور دونوں بازو اور کلایاں درخت ہیں اور انگلیاں شاخیں اور ناخن پھل ہیں اور بال گھاس ہیں اور دانت اور زبان اس کی بادشاہ کی ترجمان ہے اور معدہ اس کا باورچی ہے اور ایک قوت اس کے اندر ایسی ہے جو غذا کو رگوں اور پٹھوں اور بالوں اور کھال اور گوشت پر تقسیم کرتی ہے جو خون غلیظ ہوتا ہے اس کے ساتھ جسم کی تربیت ہوتی ہے اور جو رقیق ہوتا ہے وہ باریک مقاموں

Marfat.com

میں پہنچتا ہے پھر بھی خون پشت میں پہنچ کر حرارت عزیزی کے اثر سے پختہ ہو کر ایک گاڑھا سفید پانی بن جاتا ہے جسے فقہ بیان کرتے ہیں پھر وکیل حرارت اس کو خصیوں کے خزانہ میں پہنچاتا ہے اور خصیوں کی رگیں اس سے پھول کر مرد کے دل میں عورت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور ایک گرم بخار قضیب کی رگوں میں پہنچ کر اس کے اندر استادگی پیدا کرتا ہے اور شہوت کی قوت قضیب کے منہ سے خزانہ تصور میں جو اس کا محل قابل ہے اس پانی یعنی منی کو رحم میں داخل کرتی ہے اور پھر قدرت کا ہاتھ بواسطہ حرارت کے اس کی اس طرح پرورش کرتا ہے جیسے زمین میں دانہ کی پرورش ہوتی ہے اور یہ پرورش اس طرح کی ہے جو سونے یا چاندی کی اکسیر کے واسطے کی جاتی ہے اور سلطنت یا فقر کی سعادت یہ نحوست نطفہ کے رحم میں آنے کے وقت لکھدی جاتی ہے پھر یہ نطفہ علقہ یعنی خون منجمد ہو جاتا ہے پھر قدرت اس کو بواسطہ حرارت عزیزی کے تربیت کرتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک جسم پورا ہو جاتا ہے پھر اس میں خطوط مثل تصویر کے پیدا ہوتے ہیں اور اندر پیٹ وسینہ میں تجویف پیدا ہوتی ہے اور قلب وغیرہ اعضاء پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں پھر اس کے بعد روح کے انوار بطریق بخار صاعد کے کمشوت ہونے میں طبیبوں کے نزدیک یہی بخار روح ہے اور یہی بخار خون سے پیدا ہوتا ہے اس روح ہی کے ساتھ جسم حرکت کرتا ہے اور وہ نفس لطیفہ عزیزہ جو کلمہ کن سے پیدا ہوتا ہے وہ ان حجابات مذکورہ لطیفہ اور انجرہ مصورہ سے علاوہ ہے وہ نفس عالمہ محققہ مدرکہ لطیفہ زبانیہ حساسہ متکلمہ عالمہ موت کے بعد باقی رہنے والا ہے جیسا کہ جسم سے پہلے اپنے مبدء میں موجود تھا پھر جب یہ بچہ اپنے وقت مقررہ کو پورا کرتا ہے اپنی ماں کے پیٹ سے بغیر اختیار کے نکل آتا ہے جیسے اس کا مرنا اور پھر قیامت کو اٹھنا اس کے اختیار میں نہیں ہے مثل نیند اور بیداری کے یہی نفس ناطقہ جسم کے اندر بادشاہ ہے جو قلب کے تخت پر متمکن ہوتا ہے اور یہی امر و نہی کرنے والا ہے عقل اس کی حاجب ہے اور علم وزیر ہے اور نفس چراغ ہے اور تصدیق منہاج ہے اور قلب دریا اور حکمت موتی اور یاقوت ہیں اور جسم ایک شہد ہے اور اعضاء لشکر ہیں اور وسوسہ دشمن ہیں اور حسن اقوال و افعال فرشتے ہیں اور خیر سے روکنے والے خیالات شیاطین ہیں۔

عارفوں کے نزدیک قلب ہی عرش ہے سینہ لوح ہے اور امر و نہی کا الہام قلم ہے جو خیر وشر کو لوح پر لکھتا ہے اور زبان ترجمان ہے اور آٹھ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں وہ یہ چار حواس ظاہری سننا دیکھنا سونگھنا چکھنا اور چار باطنی علم اور عقل اور تصدیق اور یقین ہیں اور خوف رجا کے فرشتے اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

جب یہ قلب کا عرش جو خدا کا گھر ہے وسوسوں اور رذائل سے پاک ہوتا ہے اور ذکر کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے اور فکر کی خوشبو اس میں روشن ہوتی ہے اس وقت وہ تجلی الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور انوار کمال قلب پر نازل ہوتے ہیں اور محبت کا سائبان طہارت قلب کی کرسی پر قائم ہوتا ہے اور معشوق سدرہ وصال کی سرحد پر جلوہ فرماتا ہے اور مجاہد کرنے والا مجاہد کی حکمتوں کے درخت کے سائے میں آرام کرتا ہے اور تشریح صدر کے حوض سے توحید کا نور پیتا ہے اور خسال حمد کے خاص کپڑے ویمومیہ کے خزانے سے زیب بدن فرماتا ہے اور ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جن کا مشاہدہ غافل لوگ نہیں کرتے بیشک یہی بڑی کامیابی ہے اور اسی کے واسطے چاہیئے کہ عمل کرنے والے عمل کریں۔

پھر اے وہ شخص جو علم و عمل کے ساتھ کامل اور اخلاق حمیدہ کے ساتھ متصف اور اخلاق ذمیمہ سے منزہ ہے جب تم کرسی کمال پر متمکن ہوگے اعضاء کے فرشتے تمہارے مطیع ہو کر سجدہ کریں گے اور مہربانی کا ہاتھ تمہارے دل کی جنت کے دروازے کھول دیں گے اور تمہارے احسان کی خوب صورت حور جلوہ کرے گی اور محبت دنیا سے پیچھے رہنے اور ہٹ جانے کے محل تیار ہونگے اور اپنی ہمت کے موافق تم اپنی تمنا کو پہنچو گے۔

پھر تمہارے بدن کا آدم اور محبت حق میں رونے کا نوح اور تمہارے خلوص و عشق کا خلیل تمہارے حسن و جمال کے ساتھ جلوہ کرے گا اور یعقوب تمہارے عقوبت نفس اور دفع شہوات کا اور موسیٰ تمہارے سفائر حال کا اور داؤد تمہارے دوا کا اور سلیمان تمہاری سلامتی کا تمہارے بساط انبساط پر جلوہ فرمائے گا اور تمہارے اعضاء کے جنات اور تمہارے مجاہدہ کی خوشبو ہو تمہارے مسخر ہوگی پھر تمہارا خضر ایمان تمہارے چشمہ حیات کے قریب ابرار کے ساتھ ظاہر ہوگا اور تمہارے عقل کا ذوالقرنین تمہارے بلند ہمتی کی لگام پکڑ کر تمہیں شہوات کے دریا سے نکالے گا اور تمہارے مغرب شمس ایمان کے پاس پہنچا دیگا پھر وہاں سے مطلع شمس عقل کی طرف لے آئے گا پھر تمہاری غفلت اور شہوت کی دونوں سدوں کے درمیان میں کھڑا کریگا تم کو چاہیے کہ اپنی جہالت کے لوہے کو مجاہدہ بھٹی میں لگا لو اور اسی وقت تم اپنے اعضاء نفس اور قلب کو توحید میں ملا ہوا دیکھو گے اور عذاب وعقاب سے بخوف ہو کر قرب کی چھپر کھٹ میں بعیش بہ آرام ہو گے "ھذا ان المتقین احسن ماب"

یہ نصیحت ہے اور بیشک متقیوں کے واسطے اچھا ٹھکانا ہے پھر تمہاری لذت عیش و زندگانی کا عیسیٰ اور تمہارے لطائف اعمال کی حمد کا محمد ﷺ پر تجلی ہوگا اور یہی اس حدیث کے معنی ہیں کہ تم میں

Marfat.com

اپنے رب کا زیادہ پہچاننے والا وہی ہے جو اپنے نفس کو زیادہ پہچانتا ہے دیکھو کہ بزرگ دلوں پر روح کے اسرار کس طرح منکشف ہوتے ہیں جو اسرار کے جاہل اور عوام لوگوں سے پوشیدہ ہیں تم نہیں دیکھتے ہو کہ عاشقان خدا عشق الٰہی کو دوسروں کا نام لیکر کس طرح چھپاتے ہیں مجنون کو دیکھو کہ اس نے لیلیٰ کا نام لیکر کس طرح عشق الٰہی کو پوشیدہ کیا جس کی دلیل اس کے اشعار میں موجود ہے۔

لما رایت الحب سید ھغنی
ونمت علی شواھد الصب
اوقعت غیرک فی نھم
فسترت وجہ الحبیالحب

مجنون سے کسی نے پوچھا کہ تم کو کونسا وقت پسند ہے لیل یعنی رات پوچھا کہ قرآن میں سے تم کو کونسی آیت محبوب ہے کہا ﴿سبحان الذی اسری بعد﴾ مجنون کا قاعدہ تھا کہ ملاحوں کی خدمت کیا کرتے تھے کیونکہ ملاح جب رسی کو کھینچتے ہیں تو لیلا لیلا کہتے ہیں اے بھائی یہ اصول اسی خلعت کافیہ کے ہیں کیا، اس میں صانع قدیم کے وجود پر دلیل نہیں ہے اور پھر بھی اگر تم شک میں ہو تو شہد کی مکھی پر غور کرو کہ کس طرح پھولوں کو لا کر مسدس اور صحن خانے بناتی ہے اور موم سے شہد خانوں کے بیچ میں دیوار کھڑی کرتی ہے اور ان خانوں کے منہ کو اس ترکیب سے بند کرتی ہے کہ چاہے کس قدر بارش ہو مگر شہد تر نہیں ہوتا اب بتاؤ یہ الہام اس کو خدا کی طرف سے نہیں ہوا ہے تو کس کی طرف سے ہوا ہے اور اگر یہ کہو کہ یہ الہام اسی کے نفس کی طرف سے ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اور کسی کے نفس نے ایسا کیوں نہیں کیا اور چیونٹی کی عقل کو دیکھو کہ جب وہ غلہ جمع کرتی ہے تو دانوں کے بیچ میں سے کتر کر دو ٹکڑے کر دیتی ہے تا کہ بارش ہونے سے دانہ نہ آئے اور مکڑی کو دیکھو کہ شکار پکڑنے کے واسطے کیسے جال پھندے تیار کرتی ہے پس کیا جس نے ان سب کو یہ باتیں سکھائیں ہیں وہ صانع نہیں ہے بے تعجب کی بات ہے کہ معبود کی نافرمانی کی جائے کہ کوئی اس کا انکار کرے ہر ایک حرکت وسکون میں توحید خداوندی کی گواہی موجود ہے اور ہر شے میں اس بات کی نشانی ہے کہ وہ واحد اور یکتا ہے اے شخص سننے اور دیکھنے اور پڑھنے اور لکھنے وغیرہ میں وجود صانع کی نشانیاں ہیں اس کے متعلق اور سورہ نمل اور شروع سورہ ذرایات اور مراسلات اور سورہ نبا کی آیات دیکھو اور سورہ حشر اور حدید کی توحید ملاحظہ کرو پس پاکی ہے اور ذات کو جو قدیم باقی یکتا ہے اپنی کل مصنوعات میں اس کے ارادہ

Marfat.com

میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے زندہ ہے علم والا ہے غالب حکمتوں والا ہے سننے دیکھنے ارادہ کرنے والا ہے اپنے کلام قدیم کے ساتھ متکلم ہے جو کچھ ہوا یا ہوگا سب اسی کی لوح میں موجود ہے اور سب کو وہ جانتا ہے پس اے بھائی اسی کو اختیار کرو اور اسی کو کافی سمجھو تم کو راحت اور فلاحت نصیب ہوگی اور اس کے ساتھ تجارت کرنے سے تم کو بہت بڑا فائدہ ہوگا۔

بائیسواں مقالہ

(وجود عالم کے بیان میں)

معلوم ہو کہ عالم مخلوق ہے خدا نے اس کو بغیر کسی ضرورت کے واسطے پیدا کیا ہے کہ یہ اپنے خالق کو پہچانے اور خالق کی سلطنت اور قدرت ظاہر ہو پس سب سے پہلے جو چیز خدا نے پیدا کی وہ عرش ہے پھر آسمان پھر دوزخ و جنت پھر زمین اور کل کائنات کی اصل ایک جوہر سے ہے جس کو فلاسفہ عقل فعال اور نفس کا یہ کہتے ہیں پھر اس جوہر کے بخار سے آسمان اور اسکے جھاگوں سے زمین پیدا کی اور ہوا کے سبب سے زمین پانی پر منجمد ہوگئی فلاسفہ کہا کرتے ہیں یہ فیض اس چیز کو عقل فعل اور نفس کلیہ سے پہنچا ہے پس عقل ہمارے نزدیک عرش ہے اور نفس کلیہ لوح ہے اور نفس فیض مقاویہ کا جاری ہونا ہے سب عبارات اصطلاحات ہیں کیونکہ فیض کے اندر مرجع ایک ہے اور عبارات مثل روزہ کے کہ اس میں کھانے پینے سے رکنا ہوتا ہے بیکار نہیں ہے بلکہ انکے اندر بہت سے اسرار ہیں چنانچہ ہمارے سر کے اوپر کرہ نار و کرۂ ہوا ہیں جس شخص کو عبادت کی عادت ہوگی وہ اپنے صبر کے ساتھ ان کو طے کر جائے گا اور اس معتدل مکان میں جا پہنچے گا جہاں نہ سردی ہے نہ گرمی یعنی جنت میں فرشتوں کے ساتھ رہے گا اور اہل معارف سے نہایت خوشحالی کی حالت میں ملاقات کرے گا اس مکان یعنی جنت میں نہریں جاری ہیں ہوا یہاں کی معتدل و مفرح اور اس کے رہنے والوں کے واسطے ہمیشہ کی زندگی ہے اور خدا کا پڑوس ہے اور یہ سب نعمتیں ان لوگوں کے واسطے ہیں جنھوں نے اس دار غرور یعنی دنیا میں عبادت کی محنتیں کی ہیں اور دار بابت و سرور کی طرف راغب ہوئے ہیں جس شخص کا نفس مرتے وقت اپنے پس ماندہ مال و اسباب میں پھنسا ہوا ہوگا اس کی مثال پر قینچ پرندگی ہے یہ شخص حجاب شرک

Marfat.com

کے سبب سے آسمان پر نہ پہنچ سکے گا۔

اور جس نے دنیا کو اپنے پیر کے نیچے ڈال دیا اور کسی چیز میں دل نہ لگایا وہ معظم ومحترم رہے گا فرشتے اس کے استقبال کو بشارتیں لے کر آویں گے اور اپنے خالق کے دیدار سے مشرف ہوگا اور مشاہدہ کے ہوتے ہی اس دور دراز سفر کی تھکان بالکل جاتی رہے گی اور راحت کے سارے مقصد حاصل ہونگے اور اس کے گھر بار اہل وعیال کے بدلے نہایت عمدہ گھر بار اور نیک اہل وعیال اس کو ملیں گے اور اس کے دنیاوی دوستوں کے درمیان میں بھول کا پردہ ڈال دیا جائے گا یہ حالات ان لوگوں کے ہیں جو کھانے پینے کی خواہشوں سے بالکل منزہ ہیں اور نیند بھی ان کو نہیں آتی ہے یہ حالات ان پاک نفسوں کے ہیں جو مجاہدہ کی آگ میں پگھل چکے ہیں اور علوم واعمال کے ساتھ اغیاری قدورت سے صاف ہو چکے ہیں اور جو نفس کی خبیث اور جب دنیا میں مقید ہے وہ اس عالم سے جدا ہو کر اپنی طبیعت کی ظلمت میں گرفتار ہو جاتا ہے جو اس نے اعمال کیے ہیں ان کے سبب سے محجوب اور جو اس نے چھوڑا ہے اس کے خیال میں مقید رہتا ہے اور یہ قید اس کو عروج سے مانع ہوتی ہے کیونکہ وہ نفس اپنے مظالم کے ساتھ مرہون ہے۔

''کل امرء بما کسب رهين'' اور دونوں سرد وگرم کروں کے درمیان میں اس کو عذاب ہوتا ہے اور جس قدر زمانہ اس کو عزات میں گزارتا ہے اپنی رستگاری کے ذریعہ ڈھونڈتا رہتا ہے مگر ان کا ملنا دشوار ہے پس اس عزات سے بڑھ کر کوئی عزات نہیں ہے اس کے افعال ناپاک سے بچو اور اس کی جہالت کے افعی اس کو کاٹتے ہیں کیونکہ یہ جہالت کے سبب سے نور عقل سے محجوب تھا اور اس وقت رب الرباب کی طرف سے یہ خطاب سنتا ہے ''اذهبتم طيباتكم في حياتكم الدنيا واستمتعتم بها'' باوجود ان باتوں کے پھر تم دنیاوی عیش طرب میں مشغول ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کون مل گیا ہے جو تم اس قدر خوش ہوتے پھرتے ہو نصیحت سے تم کو کچھ اثر نہیں ہوتا ''ذالكم بما كنتم تفرحون في الارض بغير الحق وبما كنتم تمرحون ان الله لا يحب الفرحين'' لہذا تم کو اپنی خلاصی کے فکر میں مشغول رہنا چاہیے۔

اذا انت لم تمهد لنفسك موضعا

فانت عليه بالنجاة بخيلا

تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا عبادت میں مشغول ہونا بھی عین عبادت ہے ٹیڑھا راستہ تم چلتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ تم نیک ہو بے ہودہ باتوں میں مشغول ہو کر ان کو سچا سمجھتے اور اپنے نفس کے

اجب کہ تم نے اپنے نفس کے واسطے کوئی جگہ تیار نہیں کی پس تم اس پر نجات کے ساتھ قبول ہو۔

Marfat.com

خواص کی معرفت سے جاہل رہتے ہو تم کو خبر نہیں ہے کہ تمہارے بالوں پر جادو ہوتا ہے اور تمہارا اپنے دانت سے کاٹنا دیوانہ کتا کے کاٹنے سے بڑھ کر ہے اور تمہارے منہ کی بھاپ لڑائی پیدا کرتی ہے اور تمہارے کٹے ہوئے ناخن ہلاک کرتے ہیں اور اسی قسم کے بہت سے خواص حیوانات کے اندر ہیں جن کو تم نہیں جانتے ہو مثلاً ریچھ کا پتہ اور چربی فربہ کرتا ہے اور گوشت اس کا باوجود خراب ہونے کے ریاحوں کو دور کرتا ہے خرگوش کا جگر جگر کو فائدہ کرتا ہے اور اس کی آنکھیں آنکھوں کو مفید ہیں اور چربی اسکی ریاحوں کو فائدہ کرتی ہے خنزیر کی چربی جانوروں کے چارہ میں ملا کر دینی ان کو فائدہ کرتی ہے انڈے کا تیل بالوں کے واسطے مفید ہے اور کانٹوں اور گیہوں کا تیل مسوں کے واسطے نافع ہے۔

اور اسی کی چربی ریاحوں کو نافع ہے اور گنا طحال کو دفع کرتا ہے گدھے کا دماغ قاتل ہے اور ہدہد میں بہت سے منافع ہیں جن کو کتاب الحیوان کے مصنف نے وضاحت سے لکھا ہے اور جوز ہندی یعنی اخروٹ ہرلیسہ کے اندر جماع کے واسطے نافع ہے اور بہت سی معجونیں اور روغن ایستادگی کو فائدہ کرتے ہیں غالب سردی اور غالب گرمی دونوں قاتل ہیں کھانے کے بعد پانی پینا نقصان کرتا ہے اور پیشاب کا رکنا بہت ضرر پہنچاتا ہے فصد بہت اچھی ہے اور پچھنے لگانے اور بھی زیادہ مفید ہیں اور قے معدے کو پاک وصاف کر دیتی ہے قدرے ککڑی کو گودا نافع ہے اور مرغ کا شوربہ سرد مزاج والے کو فائدہ کرتا ہے گیہوں کے پراٹھے جماع کرنے والے کے واسطے بہتر غذا ہیں ہر قسم کا کھانا بہت افضل ہے شربت انار معدہ میں کمزوری کرتا ہے تربوز میں دس فائدے ہیں کھانا بھی ہے اور پینا بھی ہے اور ٹھنڈا خوشبودار بھی ہے پیشاب کو جاری کرتا ہے اور مثانہ کو دھوڈالتا ہے اور اس کو کھا کر قے کرنے سے غلط فاسد نکل جاتی ہے اور اس کے اندر چار مضرتیں ہیں حلق کو نقصان کرتا ہے صفرا کو زیادہ کرتا ہے اور کھجلی پیدا کرتا ہے اور سکنجبین اس کی مصلح ہے بہتر میوہ وہ ہے جو پختہ اور تازہ ہوتا ہے کھانے سے پہلے کھانا چاہیے سوا امرود کے کہ اس کو کھانے کے بعد تھوڑا سا کھالینا نافع ہے۔

خواہش سے کم کھانا آنکھوں کو مفید ہے کیونکہ بعض اوقات بدہضمی کا علاج مشکل ہو جاتا ہے کھانے کے بعد جلد پانی پینا نہ چاہیے اور نوالے کو چبا کر اور ہڈی کو چوس کر کھانا بہتر ہے اور بغیر چبانے کے نوالہ بہت برا ہے گرمی کے موسم میں ترش چیز نفع کرتی ہے اور جاڑے کے موسم میں میٹھی چیز مفید ہے کل میووں میں بہتر انجیر اور انگور ہے اور انار ملاسی قسم کا عمدہ ہوتا ہے کھانا کھانے کے بعد یا سونے کے وقت قدرے کھالینا چاہیے جماع کرنے والوں کو نقصان کرتا

Marfat.com

ہے خصوصاً ترش انار۔

تئیسواں مقالہ

شربتوں کے بیان میں

سکنجبین کو سب سے پہلے ذوالقرنین نے ایجاد کیا ہے صفرا اور بدہضمی کو مفید ہے شربت انار معدہ کو کمزور کرتا ہے اور جگر میں ٹھنڈک پیدا کرتا ہے شربت خشخاش و بنفشہ و نیلو فر سب سر کے واسطے مفید ہیں شربت وراسن خلط سوداوی کو دور کرتا ہے یہاں تک کہ ابونصر فاریابی کا قول ہے کہ اس کے شربت کے آگے مفرح صغیر کی ضرورت نہیں ہے شربت سیب میں قلب کے واسطے فوائد ہیں شربت گلاب خلط صفراسی کو دور کرتا ہے اور اگر پانچ ماشہ تربد اور سات ماشہ سورنجان کا سفوف بنا کر اس شربت سے پہلے یا اس کے بعد پھانک لیا کرو تو بہتر ہے۔

مربوں کا بیان

گھی کا مربہ گرم مزاجوں کو نفع کرتا ہے سیب کا مربع ضعف قلب کو جو گرمی سے ہو مفید ہے شہتوت کا مربہ حلق کے دکھنے کو آرام کرتا ہے کل شربت اور مربے اور دوائیں اس وقت فائدہ کرتی ہیں جبکہ پرہیز کیا جائے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ معدہ مکان دوا کا ہے اور پرہیز دواؤں کا سردار ہے جس بدن کو جس چیز کی عادت ہو وہ اس کو کھلاؤ جس شخص کو جس شربت کی عادت ہو اس کے واسطے کچھ حرج نہیں ہے کہ بوقت ضرورت اس کو پابندی کے ساتھ نوش کرے ابو طالب مکی فرماتے ہیں تندرستی کے وقت دوا کے پاس نہ جاؤ کیونکہ اس سے بھی

Marfat.com

بیماری پیدا ہوتی ہے۔

موسم خریف میں دوا کا استعمال بہ نسبت ربیع کے بہتر ہے کیونکہ اس میں کھانے کی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو سہولت پیدا کرتی ہیں ساگوں میں بہتر ساگ بلیون اور پالک کا ہے ابن قتیبہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ فرمایا کہ چار ساگ جنت کے ہیں اور شب میں ان پر ایک قطرہ جنت کے پانی کا برستا ہے پالک اور کاسنی اور بلیون اور کاہو کاستی میں تبرید ہے اور پالک اور بلیون میں ترتیب ہے اور کاہو خون صالح کو پیدا کرتا ہے بلیون کے ساگ کھانے کی بہتر ترکیب یہ ہے کہ زردہ بیضہ مرغ کے ساتھ کھایا جائے اور عمدہ ککڑی وہ ہے جس کے اندر خالی جگہ کم ہو کرفس کا قلیل استعمال سے سدے کھل جاتے ہیں اور بعض شہروں میں لوگ اس کو تبرک سمجھتے ہیں سداب کے استعمال جزام پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کی اصلی مکھیوں کے گوہ سے ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے انجیر تر کھایا جائے یا خشک جزام اور نقرص اور برص کو فائدہ کرتا ہے بعض اطباء کا قول ہے کہ انجیر میں ناسور کے آرام کرنے کی خاصیت ہے خون حیض کو یہ جاری کرتا ہے بہتر انجیر وہ ہے جو چھوٹا نیلگوں اور پختہ ہو نہار منہ اس کا نوش کرنا بہت مفید ہے اور آخر فصل کا انجیر شروع فصل کے انجیر سے زیادہ مفید ہوتا ہے اور تربوز شروع فصل کا آخر فصل کے تربوز سے بہتر ہوتا ہے موسم خریف میں ککڑی کا کھانا بخار ختم کرتا ہے اور تخم ریحان کے اس موسم میں پینے سے زکام ہوتا ہے عام گلاس میں پانی پینا طرح طرح کے دکھ پیدا کرتا ہے کیونکہ ایک شخص کے منہ انجیرے دوسرے کے منہ میں سرایت کرتے ہیں اور پیشاب کے روکنے سے سنگ مثانہ یعنی پتھری پیدا ہوتی ہے پیشاب کے تکلیف کے ساتھ آنے کو مغز تربوز کا پینا فائدہ کرتا ہے اور اس کو کوٹ کر مسور کے ساتھ استعمال کرنا بدن کو نرم اور عمدہ بناتا ہے اور اس کے عیب کو دور کرتا ہے مسور مل کر حمام میں نہانا نقصان کرتا ہے مگر کھلی جگہ نہانا نقصان نہیں کرتا اشنان کے ساتھ نہانے سے بدن کی رطوبت اور میل صاف ہو کر رنگ نکھرتا ہے معجون سمسم کے استعمال سے بالوں میں طرادت اور بدن میں قوت پیدا ہوتی ہے اور شقاق القدم میں جزام سے امان ہے دراز گھیا یعنی کدو خلط سوداوی کو فائدہ کرتا ہے اور اس کا حلوہ بھی بہت مفید اور دماغ کو نافع ہے اور بدن کے رنگ کو نکھارتا ہے بشرطیکہ خشخاش اور بادام کو بیدہ دار چینی وزعفران گلاب میں حل شدہ اس کے اندر اضافہ کی جائیں اور شہد ملا کر تربوز کے سر میں رکھ دیا جائے اور یہی ترکیب سکنجبین میں کی جاتی ہے عمدہ حلوہ وہ ہے جس کے اندر آٹا زیادہ ہو اور زیادہ تراوت والا حلوہ بیضائے مرغ کا ہے اور قطائف سب کھانوں کی سردار ہے اور سیر میدہ میں ثقیل ہے اور بہتر وہ

Marfat.com

حلوہ ہے جو جلد ہضم اور نرم ہو جیسے صابونیہ اور کافوریہ بادام کا حلوہ ثقیل ہے مگر وہ بہتر ہے جس میں بہت سے خشخاش ڈالی گئی ہو اور عمدہ ہریسہ تازہ اور خوب بھنا ہوا ہوتا ہے اور گوشت بکری اور بھیڑ کا عمدہ ہوتا ہے مرغ کا گوشت اطراف میں حرکت پیدا کرتا ہے یہ تھوڑا اشارہ ادویہ اور اطعمہ کے بیان میں کافی ہے یہ کھانے دولت مند لوگوں کے ہیں حضرت عثمان بن عفانؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں قطائف فند اور پستہ اور روغن کدو کے ساتھ بھیجے حضور کا چہرا اس کو دیکھ کر متغیر ہو گیا اور حضور نے دیکھ کر فرمایا آہ یہ کھانا دولت مند لوگوں کا ہے افسوس دولت مندوں کو بڑا حساب دینا ہوگا اور پھر ایک دودھ کا پیالہ اور کھجوریں حضور کی خدمت میں آئیں آپ نے فرمایا اے عائشہ اس کو نوش کرو کیونکہ تم عورتوں کو جسم کی فربہا زیادہ لائق ہے اور حضور اکثر اوقات صرف شہد سے روٹی نوش فرماتے تھے پس جس شخص نے باوجود قدرت کے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ دیا اس کو بے حساب ثواب ملے گا اور اس میں راز یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کا خلاف کیا اور نفس لزتوں اور شہوتوں کے ترک کرنے کا عادی ہو گیا پھر جب اس نفس نے دنیا سے جو نہایت ذلت کا ظلماتی قید خانہ ہے مفارقت کی تو ان حقیر چیزوں کی جدائی اور غم نہیں کرتا ہے بلکہ عالم آلہ کی طرف ترقی کرتا ہے اور جو علم کہ اس کے اندر منقش ہیں مثلاً علم توحید جو اس نے براہین عقلیہ ونقلیہ کے ساتھ حاصل کیا ہے اس کے سبب سے شرف حاصل کرتا ہے اور ایسے باز و اس کو حاصل ہوتے ہیں جن کے ساتھ یہ عالم ملکوت میں اڑتا ہے کیونکہ روحیں تین قسم کی ہیں ایک روح عارف کی ہے ایک ناسک کی اور ایک زاہد کی اور جس شخص میں یہ تینوں باتیں جمع ہونگی اس کو موت وفوت سے کچھ ضرر نہ پہنچے گا کیونکہ یہ روح کامل ہے عالم کمال کی طرف اس نے ترقی کی ہے پس یہ روح جنت میں مقامات علیہ اور انبار قدسیہ کے اندر حضور خداوندی میں پھرتی ہے روحانی فرشتے اس کے پاس آتے جاتے ہیں اور جو علوم کے اس کے پاس ہیں ان کو سنتے ہیں پس یہ روح اس عالم کون وفساد سے جدا ہو کر عالم بقا میں پہنچتی ہے جن کے واسطے فنا نہیں ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کے واسطے اپنی جنت میں وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی انسان کے اوپر اس کا قطرہ گزرا معلوم ہوا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنت کی نعمتوں کے علاوہ ایک اور نعمت ہے جس کو کوئی نفس ادراک نہیں کر سکتا ہے مگر مشاہدے کے ساتھ اور مشاہدے کی بات بیان نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ یہ لذت ذاتی ہے اس کا بیان اور تفسیر نہیں ہو سکتی ہے چنانچہ اگر مرد سے جماع کا بیان کیا جائے تو وہ ہرگز اس کو نہ سمجھ سکے گا اور جو شخص کسی لذت کا ادراک کرتا ہے اس کو بیان نہیں کر سکتا

Marfat.com

اسی طرح یہ مشاہدہ کی لذت ہے کہ مشاہدہ کرنے والے کے سوا کوئی اس کا ادراک نہیں کر سکتا اور اس مشاہدہ سے مراد خدا کریم کی طرف نظر کرنا ہے تم یہ چاہتے ہو کہ بغیر دیکھے مشاہدہ کی لذت معلوم کر و سو یہ معلوم نہیں ہو سکتی جیسے کے بزدل کو جنگ کا ذکر سننے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے جب تک کہ اپنی آنکھ سے مشاہدہ نہ کرے اس غفلت کے ساتھ تم کیسے حجاب کے اٹھنے کی طمع کرتے ہو میں نے سنا ہے کہ حضرت زین العابدین علیہ السلام جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے اور ان کے درمیان خدا کے اور ان کے درمیان کا حجاب اٹھ جاتا تھا اور وہ اپنے قلب کے ساتھ ملکوت اعلیٰ کا طواف کرتے تھے اور یہی مطلب حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اس فرمان کا ہے کہ آسمان کے راستے دریافت کرو میں تم کو بتاؤں گا اور تو اے غافل باطل پرست اپنے نفس کا غلام اور اپنے خواہش کا قیدی ہے اور پھر تو ابرار اور مقربین سے ملنا چاہتا ہے اور اپنی حجت اور جہالت سے صالحین کی کرامات میں طعن کرتا ہے پس تم کو چاہیے کہ مجاہدہ کرو اور انکار چھوڑ دو اور حسن ظن کے گھوڑے پر سوار ہو کر مسافت طے کرنی شروع کر و یہاں تک کہ تم ایک نشانی بن جاؤ اور اگر خدا سے ملنا چاہتے ہو شفا کے کپڑے پہن کر مختصر عیش کے ساتھ راضی ہو جاؤ اگر بزرگ عالم میں مقام ملکوت کے اندر ترقی کرنا چاہتے ہو حضور ﷺ نے فرمایا ہے زاہدوں نے دنیاوی عزت اور نعیم آخرت کے ساتھ کامیابی حاصل کی ہے ایک دفع مجنوں نے لیلیٰ کو سلام کیا لیلیٰ نے جواب نہ دیا مجنوں نے سبب پوچھا لیلیٰ نے کہا میں نے سنا ہے کہ تو رات کو ایک لحظہ بھر سویا تھا اگر مجھ کو سچا عشق ہوتا تو کیوں سوتا کیونکہ تمہاری ملاقات کی امید تک نہ تھی اس واسطے میں نے چاہا کہ خواب ہی میں تم کو دیکھ لوں اور میں سو رہا لیلیٰ نے کہا کہ معلوم ہوا کہ میری صورت مثالی تیرے دل سے زائل ہو گئی مجنوں نے کہا مثال تو میں خوب پہچانتا ہوں مگر تمثال کے دیدار کا بہت مشتاق ہوں لیلیٰ نے یہ شعر پڑھے

لم یکن المجنون فی حالۃ
الا وقد کنت کما کان
بل لی علیہ الفضل من اجل ما
باح وانی مت کتمانا [1]

مجنوں کسی حالت میں نہ تھا مگر کہ میں بھی اسی کے مثل اس حالت میں مبتلا تھی بلکہ مجھ کو

[1] مجنوں کسی حالت میں نہ تھا مگر کہ میں بھی اسی کے مثل اس حالت میں مبتلا تھی بلکہ مجھ کو اس سبب سے فضیلت ہے کہ اس نے اپنے عشق کو ظاہر کر دیا اور میں پوشیدہ کرنے ہی میں مر گئی۔

Marfat.com

ان سب سے فضیلت ہے کہ اس نے اپنے عشق کو ظاہر کر دیا اور میں پوشیدہ کرنے سے رہ گئی صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بشر اور ہند باہم محبت میں مر گئے ہیں فرمایا یہ دونوں محبت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز ہو کر مر گئے پھر فرمایا اے عائشہ میرے بعد تم کو مجھ سے ملنے کا شوق ہوگا عائشہ نے عرض کیا کیا میں آپ کے بعد باقی رہوں گی فرمایا ہاں تم باقی رہو گی مگر جب تک مجھ سے نہ ملو گی بے چین رہو گی حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ جب میاں بیوی مرتے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے کا اس طرح انتظار کرتا ہے جیسے سفر سے آنے والے کا انتظار کرتے ہیں جب حضرت صدیق کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو ان کی بیوی کہنے لگیں ہائے جدائی حضرت صدیق نے کہا نہیں بلکہ مجھ کو بہت خوشی ہے کیونکہ میں اپنے دوستوں سے ملوں گا اس واسطے تم کو بھی موت سے ڈرنا نہیں چاہیے اگر تم اپنے دوستوں سے ملنے کی مشتاق ہو اور ملاقات دار البقاء میں ضروری ہے پس تم ہاتھ میں اپنی لکڑی لے کر شاشب چالاکی کے ساتھ منزل پر جا پہنچو کیونکہ جو شخص راتوں رات چلتا ہے وہ جلد منزل پر پہنچ جاتا ہے اور جو رات کو آرام کرنا مقدم سمجھتا ہے اس کو دن کے وقت دھوپ میں ہولناک جنگل طے کرنا ہوتا ہے پس تم کو چاہیے کہ خدا پر بھروسہ کر کے جھٹ پٹ اٹھ کھڑے ہو حضرت جنید نے جب ایک بچہ کو یہ کہتے سنا اپنا گریبان چاک کیا وہ بچہ یہ کہتا تھا میں اپنے زمانہ کو دیکھتا ہوں کہ بے کاری اور مغالطہ میں گزرا جاتا ہے اور میرے زمانہ نے مجھ کو ایسے حال میں کر دیا کہ میرا کچھ حال نہ رہا جب اعمال درست اور اجسام پاک ہوتے ہیں اور عاشق شب بیداری کرتے ہیں اور کھانا اور سونا کم کر دیتے ہیں باغ ہائے اشتیاق کے دروازے کھل جاتے ہیں اور معرفت کے سورج طلوع کر دیتے ہیں اور قرب کے پھول پردوں کے پیچھے سے ظاہر ہو جاتے ہیں تمنائیں منقطع ہو جاتی ہیں اور انوار جمال کے ساتھ قلب روشن ہو جاتا ہے اور عاشق اپنے معشوق کو آواز دیتا ہے کائنات سب اس پر منکشف ہو جاتے ہیں حقائق موجودات مشاہدہ کرتا ہے اور انواع مکاشفات کے ساتھ محفوظ ہوتا ہے کرامات اس سے ظاہر ہوتی ہیں اور اعلیٰ مقامات کی ان کو بشارت ملتی ہے ابوالحسن نوری فرماتے ہیں ہم ابو یزید بسطامی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے پاس ہم نے کھجوریں رکھی ہوئی دیکھیں انھوں نے ہم سے فرمایا کہ ان کھجوروں کو کھاؤ یہ حضرت خضر علیہ السلام کا ہدیہ ہے جس کو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں لائے ہیں اور میں نے ان کو خاص خداوند تعالیٰ سے مانگا تھا خضر کے واسطے سے نہیں مانگا تھا اور خضر نے ان میں سے میرے سامنے کھائی ہیں ابوالحسن نوری فرماتے ہیں پھر ہم دوسرے جمعہ کو حضرت جنید کی خدمت میں گئے تو ایک سونے کے طباق میں ہم نے تر

Marfat.com

کھجوریں رکھی دیکھیں ہم نے کہا اس میں سے ہم کو نہیں کھلاتے ہو انھوں نے کہا نہ یہ میرے واسطے ہے نہ تمہارے واسطے ہے ہم نے کہا اس کا قصہ ہم سے بیان کیجیے فرمایا میں رات کو بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ میں نے سنا یہ ہمارا ہدیہ بغیر واسطہ خضر کے لوائے غافل جو لغت معرفت سے محجوب ہے تجھ کو معلوم ہو کہ خدا کے دوست خدا کے ساتھ ایسے انداز کرتے ہیں جیسے معشوق اپنے عاشق کے ساتھ انداز کرتا ہے چنانچہ ایک دفعہ حضرت رابع بصریہ نے دعا کی کہ اے خدا بطفیل اس معاملہ کے جو میرے اور تیرے درمیان میں ہے آج شب کو میرے پاس میرے مرشد یونس بن عبیدہ کو پہنچا دے یونس بن عبیدہ آئے اور کہا اے رابعہ تو نے ایسے کام کے واسطے اپنی دعا کو کیوں ضائع کیا جو ضروری ہونے والا تھا رابعہ نے کہا اے شیخ اس خیال کو چھوڑ و اگر یہ بات ہو تو دوستوں کے انداز کہاں رہیں اور تم سبب بغیر شے چاہتے ہو پس یہ ادباشوں کی خواہش ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ نے ایک شخص سے جو اجرت مفعولی بانٹ رہا تھا فرمایا کہ صاحب آپ ان کے ساتھ ہم کو کیوں نہیں دیتے ہیں اس شخص نے کہا اے احمق تیرے نفس کی یہ تمنا کرنا بالکل فضول ہے اگر تو بھی یہ کام کرتا تو اس کی اجرت لیتا شبلی ایک مکان میں جا کر رہے سنا کہ بیوی میاں سے کہہ رہی ہے تو اپنے کام سے زیادہ اور امید نہ رکھیو تو بغیر کسی چیز کے عناق اور زقاق چاہتا ہے خاوند نے کہا میری سستی اس سے زیادہ کام کرتی ہے پھر حسرت سے کہنے لگا کہ اگر میں کچھ کام کرتا تو میرے دوست مجھ سے راضی ہوتے۔

چوبیسواں مقالہ

(کھانے پینے کے آداب میں)

معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے آدمی کو پیدا کر کے اس کی زندگی کا سبب غذا کو بنایا ہے پھر اس غذا میں آدمیوں کی بہت قسمیں ہیں بعض ایسے ہیں جو تھوڑی غذا پر قناعت کرتے ہیں عابد لوگ ہیں جو اپنی خصائل و عادات کے ساتھ فرشتوں مشابہت رکھتے ہیں اور کھانا اور سونا ان کا بہت کم ہوتا ہے جس قدر غذا کم ہوگی اس قدر اہل آسمان سے مشابہت زیادہ ہوگی اور کم کھانے کا ظاہری ثمرہ یہ ہے کہ عافیت حاصل ہو کر طبیب کی ضرورت نہیں رہتی ہے اور کم کھانے سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور پاخانہ کم آتا ہے جو شخص اپنے ہمت کو اپنے پیٹ کے اندر

Marfat.com

داخل کرنے میں مصروف کرے گا اس کی قیمت وہی ہے جو پیٹ سے نکلنا زیادہ سالنوں اور میووں کا نہ کھانا سلامتی پیدا کرتا ہے۔

معلوم ہو کہ زیادہ کھانا وہی نقصان پہنچاتا ہے جو نقصان اونٹ کو اس رسی کے کس کر باندھنے سے پہنچتا ہے جو اس کی رفتار کم کرنے کو باندھتے ہیں تم نہیں دیکھتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ بھی دو طرح کے سالن نہیں کھاتے تھے اس بات میں زہد بھی ہے اور طب بھی ہے پیٹ کے اندر ایک آتشی قوت ہے جو غذا کو کھالیتی ہے دوزخ کے ساتھ دروازے ہیں اور پیٹ کے اندر بھی سات دروازے ہیں اور سب سے بڑھ کر گناہ مال حرام کھانا ہے اور ایسے ہی جہنم کے دروازوں کی مثل جسم کے اندر بھی دروازے ہیں کان، آنکھ، پیٹ، اور فرج اور دونوں ہاتھ اور دونوں پیر یہ سب دروازے قبائح کی طرف راہبری کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر برا پیٹ ہے اور افعال قبیحہ میں سب سے برا فعل بندوں پر ظلم کرنا ہے نبی ﷺ نے فرمایا ہے جس نے دو لقمے حرام کے کھائے چالیس روز تک اس کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے اور جس شخص نے اپنے پیٹ کو مال حرام سے بھر لیا وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے اور حرام مال غصب اور چوری اور ٹیکس لینے اور قزاقی اور رشوت وغیرہ کا ہے جس کی تفصیل ہم نے کتاب احیاء علوم الدین میں لکھدی ہے۔

اور حلال مال وہ ہے جو آدمی اپنی محنت مزدوری یا تجارت سے جس میں دھوکا نہ ہو حاصل کرے شکار کے متعلق علماء نے اختلاف کیا ہے لہذا اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے اور خصوصاً جو کام کے تم اپنے ہاتھ سے کرو وہ سب سے بہتر کسب ہے ایک دفع ابوالحسن نوری اور ابو یزید اور سفیان بن عیینا نے جمع ہو کر اپنی اجرتوں میں سے تھوڑی اجرت کی روٹی خریدی اور باقی اجرت کا صدقہ دیدیا پھر جب یہ لوگ کھانے بیٹھے تو سفیان بن عیینا نے کہا تم جانتے ہو کہ تم نے کھیت کاٹنے میں مالی کی کچھ خیر خواہی کی تھی سب نے کہا اس بات کا ہم کو کچھ خیال نہیں ہے پھر یہ سب روٹی کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے معلوم ہو کہ حرام کا راز نہایت باریک ہے ہم تھوڑا سا ظاہر کرتے ہیں کہ معلوم ہے کہ صانع ایک ہے اور کل مخلوق اس کے فیض سے ہے پس جب کوئی شخص ظلم کرتا ہے اس کے ظلم کا اثر ساری مخلوق میں سرایت کر جاتا ہے جیسا کہ خداوند تعالی نے فرمایا ہے فکانما قتل الناس جمیعاً و من احیاء ھا فکا نما احیاس جمیعاً "اور قیاسی دلیل یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا تیرے بالوں پر طلاق ہے پس اس کہنے سے تمام جسم پر طلاق ہو جائے گی اور جب تم صدقہ دو گے تو خالق اور مخلوق دونوں کو راضی کرو گے حلال روزی کا ایک نوالہ خدا کے نزدیک بڑے صدقوں سے افضل ہے جب کھانے بیٹھو تو اپنے آگے سے

Marfat.com

تین انگلیوں کے ساتھ کھاؤ بہت بھوک کے وقت کھانا چاہیے اور اتنا کھائے کہ پھر بھوک باقی رہے اور کھانے کے وقت اس طرح بیٹھو جیسے استاد کے سامنے سبق پڑھنے بیٹھتے ہو معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے حرام اور گرم کھانے سے برکت اٹھالی ہے اور گرم کھانے میں بارہ نقصان ہیں دانتوں کو گراتا ہے اور رنگ کو زرد کرتا ہے اور جگر کو بھی ضرر پہنچاتا ہے اور بعض اوقات اور خرابیاں بھی گرم کھانے سے پیدا ہو جاتی ہیں کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ ضرور دھونے چاہئیں اور بدبودار چیز کو میاں بی بی کے تئیں کھانا نہ چاہیے مگر جب ایک دوسرے کو اجازت دیدیں کیونکہ اس کے کھانے سے باہم نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور خوشبو کی چیزوں سے محبت ہوتی ہے کھانے کے بعد ہاتھ منہ نہ دھونے سے جوئیں اور بدبو پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی وارد ہے کہ جھوٹے ہاتھ کو شیطان چوس لیتا ہے اور ایسے آدمی سے محبت کرتا ہے اور چونکہ حلال روزی کھانے سے مقصود تصفیہ قلب اور تقلیل ذنوب ہے طلب کرنا فرض ہوا جیسے کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے کیونکہ علم جب تک کہ خیر کی طرف راہبری نہ کرے تو وہ علم نقصان دہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے ایک سال تک مال حلال کھایا اس پر عرش منکشف ہوتا ہے اور اس کی خواطر کے انوار صاف ہو جاتے ہیں حلال روزی کا کھانا کیمیا سعادت ہے سینا اس سے کھل جاتا ہے اور معرفت کے انوار صاف ہوتے ہیں اور قلب سے حکمت کی نہریں بہتی ہیں اور غفلت کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور غرور کی دیوار دور ہوتی ہے پھر آسمان توحید صاف ہو کر لوح مجید منکشف ہو جاتی ہے اور اپنی صفہ خاطر کے کان کے ساتھ ملائکہ مقربین کی تسبیح سنتا ہے۔

معلوم ہو کہ روحیں مرنے کے بعد کسی گناہ کے سبب سے رہن نہیں ہوتی ہیں مگر بندوں پر ظلم کرنے سے رہن ہو جاتی ہیں کیونکہ اس کا مطالبہ خدا کے سامنے ہوتا ہے جو نہایت عادل حاکم علیم باقی ہے اور اس کے بندوں میں برابری ہونی ضروری ہے ''الا من الی اللہ بقلب سلیم'' اور جو روح کے مظالم مذمت سے پاک ہوتی ہے وہ قید نفوس سے چھٹ جاتی ہے اور جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا روحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں اگر اپنے لوگوں کو بخیر و دیکھتی ہیں شکر کرتی ہیں ورنہ نفرت کرتی ہیں اور کہتی ہیں اے ہمارے لوگو دنیا سے بچو اور اس کے فریب میں نہ آؤ جیسا کہ ہم اس کے فریب میں آ گئے یہ ندامت کی خوشبو ہے اور جو روحیں کے گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف ہوتی ہیں وہ جہاں چاہتی ہیں اڑتی پھرتی ہیں اور روحیں جو ہر ہوں یا ہیئت ملکوتی یا جسم لطیف ہوں جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کچھ بھی ہوں اور ادراک کرنے والے احساس اور اپنے جسم کی مفارقت سے خبردار ہوتی ہیں اور

Marfat.com

والا جاہل پر ترقی کر جاتا ہے حدیث میں لکھا ہے کہ ظلم سے ایک درہم کو رد کرنا خدائے تعالیٰ کے نزدیک چار ہزار مقبول حج سے بہتر ہے پھر جب کہ تم حج اور جہاد گناہوں کے خوف سے کرتے ہو تو پہلے تم کو گناہوں کی جڑ قطع کرنی چاہیے۔

پچیسواں مقالہ

(تہذیب نفوس کے بیان میں)

معلوم ہو کہ تمہارا نفس تمہارا سخت دشمن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ تیرا نفس جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے تیرا سب دشمنوں سے بڑھ کر دشمن ہے وبالی کی طرف تجھ کو بلاتا ہے اور گمراہی کا راستہ تجھ کو دکھاتا ہے اور ذلت و ناپاکی میں تجھ کو گرا دیتا ہے اور نفس خواہش کو تیرے اوپر سوار کر کے تجھ کو طرح طرح کی طمع اور آرزو دلا کر ہلاک کرتا ہے پس لازم ہے کہ اس کی خصلتیں اور عادتیں ترک کرو اور اس کے شہ روز شرک کو چھوڑ دو اور اس کی طمع اور آرزو اور ہوا ہوس سے باز رہو۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب نفس کو پیدا کیا تو فرمایا کہ میں کون ہوں اس نے عرض کیا کہ اور میں کون ہوں پس خداوند تعالیٰ نے اس کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا اور پھر جب اس سے فرمایا کہ میں کون ہوں اس نے یہی کہا کہ اور میں کون ہوں اور یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو بھوک کے عذاب میں مبتلا کیا تب اسے کہا کہ تو وہ خدا ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تیرا نفس زنجی خصلت ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے تو یہ طمع کرتا ہے اور نافرمانی کر کے رقص کرتا ہے یہی بلاؤں میں پھنسانے والا اور کل برائیوں کا مخزن ہے اس کو ایک نہایت مکار بھیڑیا اور سخت دشمن سمجھو اس کی دوا قلیل اور مرض کثیر ہے۔

اذا صلبتک النفس یوما بفھوۃ
علیھا الھی آہ طریق
فخالف ھواھا ما استطعت فانھا
ھواھا عدو والخلاف صدیق[1]

---

[1] جب کسی روز نفس تجھ سے کوئی خواہش کرے اور نفس پر خواہش کا طریق ہو پس تو اس کی خواہش کی جہاں تک ہو سکے مخالفت کر کیونکہ نفس نفس کی خواہش تیری دشمن اور اس کا خلاف تیرا دوست۔

Marfat.com

جب تک مریض دوا کی تلخی پر صبر نہ کرے صحت کی خوبی نہ پا سکے گا پس نفس کو اس قدر تکلیف پہنچانی چاہیے کہ وہ مہذب ہو جائے اور اس کے اخلاق و آداب درست ہوں۔

اور جب تم اس کے مہذب بنانے کا پورا ارادہ کر لو تو ایسے تازیانے لگاؤ جن سے اس کو تکلیف پہنچے اور تواضع کے ساتھ اس کے متکبر کو نکال دو اور امتحان کی آگ پر اس کو خوب جوش کرو اور علم کو اس کا دوست اور عمل کو اس کا رفیق بناؤ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر اعمال صالح کی مشق کراؤ اور لطائف و ظرائف اور عقل و کیاست سے اس کو آراستہ کرو۔

معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ لطیف ہے اور لطیف کو یہ لائق نہیں ہے کہ لطیف کو خدا کر لے اور لطافت اس میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ مجاہدہ کی آگ میں عذاب کیا جاتا ہے اور یہی اس کی تہذیب ہے۔

معلوم ہو کہ شر سے بچا کر خیر کی عادت نفس کے اندر پیدا کرو اور نوافل کے ساتھ اس کی پرورش کر کے اپنے شیخ یعنی مرشد کے سامنے ان کی اطاعت کے ساتھ اس کو مہذب بناؤ۔

معلوم ہو کہ شیخ کی حرمت سے زیادہ ہے اور شیخ ہی حقیقی والد اور طریقت کا راہبر اور مرید کو جہالت کی تاریکی سے معرفت کے نور اور سعادت ابدی اور نجات سرمدی کی طرف نکالنے اور فرشتوں کے ساتھ ملا ہونے والا ہے کیونکہ شیخ ہی گناہوں کا طبیب ہے اور والدین صرف اپنی حاجت شہوانی کو پورا کر کے تیری پیدائش اور عدم سے وجود میں آنے کے سبب ہوئے اور ان کی اس نیت سے جو وہ تیرے ایجاد سے پہلے وطی یعنی صحبت کے وقت رکھتے تھے تو نے شہوت کے پھل چنے پس انھوں نے تجھ کو عدم سے وجود میں نقل کرنے کا تو اچھا کام کیا مگر شہوت کے سبب سے عقل میں قاصر رہ گئے اور تمہارے علم کی علامت یہ ہے کہ اگر لوگ تم سے تمسخر کریں تم کچھ پروانہ کرو اور اگر وہ تمہارے کام میں خلل ڈالیں تم ان کی طرف متوجہ نہ ہو غرض یہ کہ ان کے افعال و حرکات سے تمہارے دل میں اثر پڑنا موقوف ہو جائے اور جہاں تک ہو سکے تکبر سے پرہیز کرو اور جب تم تہذیب نفس کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنا چاہو تو لازم ہے کہ ایک تنگ و تاریک مکان میں چالیس شبانہ روز خلوت کرو اور اگر پورے چار مہینے خلوت میں رہو تو بہت بہتر ہے اور لوگوں سے ترک تعلق میں میت کی مثل ہو جاؤ اور مہینے کے لائق کھانے کا سامان اپنے پاس رکھو گویا کے کا سفر کر رہے ہو اور متابعت شریعت کو سواری بنا کر منزل مقصود کی راہ لو۔

اور نفس کشی کے جنگل و بیابان طے کرنے شروع کرو۔

Marfat.com

اس خلوت کے واسطے جاڑے کا موسم بہت مناسب ہے اور سوا فرض کے زیادہ نوافل پڑھو صرف یہ ذکر دل اور زبان سے جاری رکھو' لا الٰہ الا اللہ الحی القیوم ' اور بغیر نیند کے غلبہ کیے نہ سوؤ اور جب زبان ذکر سے تھک جائے تو فقط دل ہی سے جاری رکھو اور جس قدر بھوک ہو اس سے ایک تہائی کم کھانا کھاؤ اور جو صورتیں اثناء چلاکشی میں تم کو نظر آئیں ان سے تم خوف نہ کرو بعض جنات اور شیاطین تم کو دھوکے دیں گے ان کے دھوکے میں ہرگز نہ آنا کوئی کہے گا کہ میں کیمیا سکھاتا ہوں اور کوئی کہے گا میں خزانہ بتاتا ہوں اور کوئی ڈرائے گا اور کوئی خوشی کی باتیں سنائے گا ان سب کی طرف تم کو توجہ نہ ہونا چاہیے اور اسی اثناء میں تم پر عجائب علوم لدن منکشف ہونگے اور دل کی کثافت دور ہو کر قلب اور لوح محفوظ کے درمیان سے حجاب اٹھ جائے گا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے سب تم مشاہدہ کرلو گے اور لوگوں کے سامنے بیان کرسکو گے اور بیداری میں تم پر وہ حالات منکشف ہونگے جن کو تم خواب میں دیکھا کرتے تھے پس قلب تمہارا منور ہوگا اور سینہ انوار جمال کے ساتھ کشادہ ہو جائے گا کل کائنات اور موجودات تمہیں نظر آجائیں گے اور ایسی کرامتیں ظاہر ہونگی جو معجزات کی ہم پلہ ہیں اور صرف اظہار ون استتار اور تحدی کے اندر ان میں اور معجزات میں فرق ہے بلکہ جب یہ خلوت نشین مقام تمکین میں پہنچے گا کل اشیاء اس کے زیر حکم ہونگے جو کچھ یہ چاہے کرسکے گا خداوند تعالیٰ فرماتا ہے وامابنعمت ربک تحدث' اور جو بات خلوت میں تمہارے سامنے پیش یا شک وشبہ واقع ہو اس کو فوراً اپنے مرشد سے بیان کرو کیونکہ شیخ اپنی قوم میں مثل نبی کے ہے اپنی امت میں اور جس کا شیخ نہیں ہے اس کا شیخ شیطان ہے اور جو بغیر شیخ کے مراوہ جاہلیت کی موت مرا شیخ اس کو تعلیم وتلقین کرتا اور خدا کی معرفت کا راستہ بتاتا ہے۔

خلوت نشین پر قرب کی نسیم حجابات کے اندر سے چلتی ہے اور دلوں کے راز اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ابدال اس کی ملاقات کو تشریف لاتے ہیں پس تم اس کو ہمیشہ خوش وخرم دیکھتے ہو اخلاق ومعیشت اس کی نہایت پاکیزہ ہوتی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ اس کے قلب پر تجلی فرماتا ہے اور وہ کلام الٰہی کو سن کر اپنے مقصد کو پہنچ جاتا ہے مشاہدہ کے آفتاب کا مکاشفہ کرتا ہے اور مخفیات کو معلوم کرتا ہے اور کائنات پر مطلع ہوتا ہے وہ اصل بحق کی علامت یہ ہے کہ حسن خلق کثرت علم حلاوت کلام اور تواضع سے آراستہ ہو اور باوجود ان سب خوبیوں کے نہ اس کے اندر حسد اور نہ بخل ہو اور نہ تکبر ہو اور نہ وہ ظالم متحیر اور زیادہ کھانے پینے والا ہو اور نہ زیادہ نیند اس کو

کوئی معبود مگر اللہ جو زندہ اور قائم ہے۔

Marfat.com

آتی ہو نفس اس کا ملکوتی ہو جبرئیل علیہ السلام اس کی ہمت کو قوی کرتے ہیں اور اسرافیل اس کی ہمت کے صور میں سعادت کو پھونک دیتے ہیں پس وہ اسی ہمت کے ساتھ محبت کی راہ کو طے کرتا ہے اور معرفت کے میدان میں قدم اٹھاتا ہے یہاں تک کہ بیت الجلال کی اس پر تجلی ہوتی ہے اور پانی پر چلنے اور ہوا پر اڑنے کی خاصیت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے دور دراز کے راستہ اس کے لئے نزدیک ہوتے ہیں۔

اے لوگ ایسے شخص کو تلاش کر کے اس کی نزدیکی اختیار کرو اسکی خدمت سے تم کو وہی فیض پہونچے گا جو ماہتاب کو آفتاب سے پہنچتا ہے اور اکثر اوقات ابدال کے مریدوں اور شاگردوں کو حاصل ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انکے شاگرد یوشع بن نون کو نبوت مل گئی تھی اور معلوم ہوا کہ احوال ومقامات کی تصدیق وہی شخص کرے گا جو تھوڑا یا بہت ان کو جانتا ہو گا جیسا کہ علم کیمیا کی تصدیق وہی کرتا ہے جو اس کو معلوم کر چکا پس ہے جو شخص کہ جاننے والے کے سامنے بیان کریگا تو بیشک اس کو ہدایت ہوگی کیونکہ اندھا چاند وسورج کو نہیں دیکھتا ہے اور نہ لنگڑا شکار کے پیچھے دوڑ سکتا ہے اور نہ جب کہ تم اس علم سے واقف ہو نہ تم کو اس کا شوق ہو پس تم اس سے بے نصیب ہو پیٹ تمہارا پر ہے اور آنکھیں اور زبان گنگ اور علم اور قلیل اور امید طویل اور گناہ کثیر ہیں اور پروردگار دانا اور بینا ہے پس تم اپنے گمان کو نیک کرو کیونکہ تم نے گرایا پس تم گر گئے اور تم نے زخمی کیا پس تم زخمی ہوئے اور اگر تم میل جول کرتے تو ملجاتے اور خدمت بجالانے سے مخدوم بنتے مگر تم لالچی ہو طمع تمنے اختیار کی ہے جس کے تینوں حروف نقشہ سے خالی ہیں اسی سبب سے تم ہلاک ہوئے اور جو کچھ کمایا تھا سب کھو دیا اور آخری وقت بجز ندامت کے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

تم کو معلوم ہو کہ[۱] ''ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون'' یعنی خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں اور جو نیکی کار ہیں۔

چھبیسواں مقالہ (۲۶)

---

[۱] اور لیکن اپنے رب کی نعمت کو پس بیان کر ۱۲ [۲] خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں اور جو نیکوکار ہیں ۱۲۔

Marfat.com

نبوت اور سعادات کے بیان میں

علماء نے اس کے اندر اختلاف کیا ہے کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ سعادت اور نبوت کیسی چیز ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "[1]والذین جاھدوا فینا لنھدیھم سبلنا" یعنی جو لوگ ہماری راہ میں کوشش و مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے بتلاتے ہیں اس آیت میں خداوند تعالیٰ مجاہدہ کو ہدایت پر مقدم کیا ہے اور اس کو ابواب ہدایت کی کنجی گردانا ہے اور حرکات کو اسباب اکتساب قرار دیا ہے اور اس میں کسی مدافعت اور مشابکت نہیں ہے اور ایک شخص یہ کہتا ہے کہ افعال خدا کی طرف سے ہیں جس کام میں چاہتا ہے ان کو مسخر کرتا ہے اور ایک شخص کا یہ قول ہے کہ افعال بندوں کے ہیں اور اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ افعال بندوں کے ہیں اور اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ افعال مخلوقہ ہیں مگر بندہ کے ارادہ پر ان کو موقوف کیا گیا ہے اور بندہ کو ان میں تصرف اور اختیار اور اکتساب ہے "[2]واللہ خلقکم وما تعملون" چنانچہ کسی شخص نے اپنے ہاتھ کو حرکت دی اور کہا حرکت دینے والے کی بیوی کو طلاق ہے تو کل اہل فتاویٰ کے نزدیک اس کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی۔

معلوم ہو کہ ہر چیز علم الٰہی کے ساتھ ہے یعنی مخلوقات میں سے جو کچھ ہوا ہے اور ہوگا سب خدا کے علم اور اس کی تقدیر کے ساتھ ہے مگر یہاں گفتگو نفس کے کسب میں ہے کہ نفس جو برائی کا کسب یعنی برا فعل کرتا ہے جب وہ خدا کی طرف ہے تو پھر خدا اپنے فعل پر ہم کو کیوں عذاب کرتا ہے اور اگر یہ برا فعل ہماری اور ابلیس کی دونوں کی طرف سے ہے تب دونوں پر اس کی جنایت ہونی چاہیے اور اگر صرف ہم ہی سے وہ فعل صادر ہوتا ہے تب ہم ہی اس کی سزا کے مستحق ہیں کیا تم اس آیت کے معنوں میں غور نہیں کرتے "[3]ان النفس لامارۃ بالسوء" اور اس آیت میں "[4]ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جھنم" آیت میں بندہ کے فعل کو اس نے فاعل کی طرف اضافت کیا ہے اور لعنت اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی سزا کا اس کو سزاوار بنایا ہے جیسا کہ متقیوں سے خطاب فرمایا ہے "بما کنتم تعملون اور آسمانی امور مثل بجلیوں اور زلزلوں اور

[1] اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم ضرور ان کو اپنے راستے بتائیں گے۔۱۲

[2] اور خدا نے تم کو پیدا کیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اس کو بھی ۱۲۔

[3] بیشک خدا تعالیٰ برائی کا حکم کرنے والا ہے۔۱۲

[4] اور جو شخص مومن کو قصداً قتل کرے گا پس وہ سزا کا سزاوار ہے۔۱۲

Marfat.com

بارش اور ہوا اور برق اور موت وزندگی اور فقر وغنا اور مرض وصحت وغیرہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں کسی بندہ کا ان میں کچھ دخل نہیں ہے یہاں کلام صرف کسب نفس کے متعلق ہے جس کی شان میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے "لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت" اس آیت میں بھی فعل کو نفس ہی کی طرف اضافت کیا ہے جیسا کہ اس کی سزا کو نفس پر مقرر فرمایا ہے کیونکہ سزا عمل کے ساتھ ہے پس دیکھو کہ زنا کو زانی کی طرف اور چوری کو چور کی طرف کس طرح اضافت کیا ہے حالانکہ وہ ان دونوں کے فعل سے باخبر اور ان کا جاننے والا ہے تفصیل اس کی بہت طویل ہے مگر خلاصہ یہ ہے کہ مجاہدہ اختیار کر کے کسب معانی میں کوشش کرو حصول فوائد سے خالی نہ رہو گے دیکھو رسول خدا ﷺ نے غار حراء میں دس برس یا سات برس یا تین برس تک مجاہدہ کیا ہے حضرت ام المومنین خدیجہ کے پاس آن کر کھانے کا سامان کئی روز کے واسطے لے جایا کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ یہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ اپنے رب کے عاشق ہو گئے ہیں اور حضور نے اس قدر مجاہدہ کیا کہ جسم مبارک بالکل لطیف ہو گیا اور ذکر کے صیقل نے قلب مطاہرہ کے آئینہ کو روشن کر دیا یہاں تک کہ حضرت ربوبیت کی تجلی ہوئی اور غفلت کے پردے اٹھ گئے اور نفس مبارک اجرام فلک اعلیٰ اور ملائکہ سے متصل ہو گیا اور عالم غیب کی باتیں منکشف ہونے لگیں جب دنیا کی جوتی اتار ڈالی اور بیت الرب میں داخل ہوئے وسوسوں کا تمام کوڑا کرکٹ نکال کر پھینک دیا۔

چونکہ شریعت نے ان پردوں کے لٹکانے سے ممانعت کی ہے جن پر تصویریں بنی ہوئی ہوں اور کتے کے گھر میں رکھنے سے بھی منع کیا گیا ہے اور فرمایا ہے جس گھر میں یہ دونوں چیزیں ہونگی اس میں فرشتہ نہ داخل ہوگا پس ہم نے قلب کی طرف جو نظر کی تو اس کے اندر دس کتے دولت ایمان کے تخت کے پاس بیٹھے ہوئے ہم کو نظر آئے جو اس کے اور اس کے رب اور فرشتوں کے درمیان میں حائل ہیں کیونکہ جب کتا ایک وسیع مکان میں فرشتوں کے داخل ہونے کو منع ہوتا ہے تو پھر قلب جیسے تنگ مکان میں کیوں نہ مانع ہوگا حالانکہ اس کے اندر تو دس کتے ہیں ایک کتا حرص کا دوسرا کتا طمع کا اور ایک لالچ کا اور ایک چغل خوری کا اور ایک حسد کا اور ایک بخل کا اور ایک ریاء کا اور ایک نفاق کا اور ان کے سب کتوں کا باپ جب دنیا کا کتا ہے باقی یہ سب اس کے توابع ہیں پس جب قلب ان سب کتوں کی نجاست سے پاک اور وسوسوں سے صاف ہوتا ہے اس وقت اس کا غبار دور ہو کر اس کی روشنی ظاہر ہوتی ہے اور اس کا رب اس تجلی کرتا ہے کیونکہ قلب رب کا مقام ہے اور قلب فرشتوں سے متصل ہو کر ان کا خطاب بغیر واسطہ کے سنتا ہے اور غیب کے پراسرار پردہ غفلت کے پیچھے سے اس پر منکشف ہوتے ہیں۔ حضرت

Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام جب خدا تعالیٰ سے کلام کرنا چاہتے تو چار مہینے خلوت میں گزارتے تھے مگر قرآن شریف میں بغیر چار مہینے کے چالیس روز فرمائے ہیں "فتم میقات ربه اربعین لیلة" اور حدیث شریف بھی اسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ جس نے چالیس روز خدا کے واسطے خالص کیے اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان سے جاری ہوتے ہیں۔

امیر بن صلت کا قصہ تم نے سنا ہوگا ہم اس کو ذکر کر کے مقالہ میں بیان کریں گے پس حضور ﷺ کا فرمان فضول نہیں ہے کہ جو تلاش کوشش کے ساتھ کرتا ہے وہ ضرور پالیتا ہے اور اون اور ریشم کی قیمتوں میں کس قدر فرق ہو جاتا ہے وہی روئی ہے جو ارزاں بکتی ہے اور اسی روئی کا کپڑا کس قدر گراں بکتا ہے پس یہ سارے فرق خدمت سے ہوتے ہیں یعنی جس قدر خدمت زیادہ کی جاتی ہے اسی قدر قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ اور بغیر محنت کے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی سوا چند مخصوص آدمیوں کے بس اس کو کیمیا کی مثل سمجھنا چاہیے کیونکہ تمام لوگ کیمیا کے شوق میں اپنے کاروبار چھوڑ نہیں دیتے ہیں بلکے اپنے حرکات کے ذریعہ سے رزق کو تلاش کرتے ہیں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "فامشوفی منا کبھا وکلوا من رزقه" اور فرماتا ہے سیرو "سیروفی الارض فانظروا" اور کاشت کار کا رزق مثل متوکل کے رزق کے نہیں ہے جس نے محض خدا ہی پر بھروسہ کیا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر تم خدا پر پورا بھروسہ کرتے تو تم بھی پرندوں کے مثل ہوتے جو صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے سوتے ہیں لہذا تم کو خدمت اختیار کرنی چاہیے تاکہ بزرگوں کا درجہ تم کو نصیب ہو دیکھو ریشم جو ایک کیڑے کا جالا ہے خدمت کے بعد بادشاہ کا لباس بنتا ہے اور بلغار کے دریاؤں میں ایک جانور ہوتا ہے اور جس کی عادت یہ ہے کہ سب جانوروں سے بالکل علیحدہ رہتا ہے اس کی کھال کا خدمت کے بعد شاہی تاج بنایا جاتا ہے یہ اشارات تمہارے واسطے یہ اشارات تمہارے واسطے کافی ہیں اور انھیں سے تم ولایت اور نبوت میں ظہور معجزات کے ساتھ اندازہ کر سکتے ہو اور یہ دونوں طبعاً غالب اور اکثیر جاذب ہیں جو شخص معجزات اور کرامات کا انکار کرتا ہے ہم اس سے حجت نہیں کرتے کیونکہ اس کو حسن ظن نہیں ہے کاش وہ دریا سے مجاہدہ میں غوطہ لگاتا تو مشاہدہ کی صورتیں اس کے اندر مرتسم ہو جاتیں اور وہ سارا اکثیر ذہنی بن جاتا کسی ناظم نے کیا خوب کہا ہے۔

لاتیئس اذا سا کنت ذا ادب
مع الخمول بان ترقی الی الفلک
بینا تری الذهب الابریز مطرحا

Marfat.com

فی الارض اذصارا کلیلاًعلی الملک ۱؎

ہر شخص کے ارادہ کے موافق اس کی ہمت ہوتی ہے جو شخص ان نصائح پر عمل کرے گا ضرور یہ اس کے واسطے حصول مقصد کے سبب ہونگے کیونکہ مجاہدہ کے ذریعہ سے طبیعت اکثیر بن جاتی ہے اور بغیر مشقت کے مرتبہ حاصل نہیں ہوتا اور یہ جو ہم نے بیان کیا ہے اس عمل کا نسخہ جس کے ساتھ بلند منزلیں طے کی جاتی ہیں لہذا تم کو اعلیٰ مقامات کا شوق کرنا چاہیے اور اگر یہ شوق تمہارے اندر نہیں ہے تب تم ایک جسم مردار ہو تمہاری ناپاک اور سڑی ہوئی بدبو کے خوف سے تم کو زمین کے اندر پوشیدہ کر دیا جائے گا اور یہ بدبو تمہارے اندر تمہاری کمزور اور رذیل ہمت کی ہے پس تم خدا سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اگر تم اس راستہ کے اندر گئے تب تم کو دروازے پر ٹھہرنا چاہیے چنانچہ کسی کا قول ہے کہ میرے ذمہ میں آپ کے در پر حاضر ہونا ہے اور آپ سے ملنا میرے ذمہ میں نہیں ہے ملنے کا آپ کو اختیار ہے چاہے آپ ملیں یا نہ ملیں یہ آپ کا فعل ہے ہمارا کام یہی ہے کہ ہم حاضر ہو جائیں۔

خواب میں معصیت اور طاعت کے پھل کا مزا تم چکھ چکے ہو پس رات اور دن دو خزانے ہیں ان کو تم ایسی چیزوں سے پر کرو جو تم کو نفع پہنچائیں اور ایسی چیزوں سے پر نہ کرو جو تم کو نقصان پہنچائیں ضرور ہے کہ ایک روز تمہارا سارا سامان بادشاہ کے حضور میں پیش ہوگا پس یا تم انعام کے مستحق ہوئے اور یا تم کو سزا سخت ملی اس مقالہ کے متعلق یہ اشارات کافی ہیں۔

ستائیسواں مقالہ

اذکار کے بیان میں

معلوم ہو کہ ذکر کے متعلق بہت سی آیت واحادیث وارد ہیں چنانچہ آیت ۲؎ "فاذکرونی اذکرکم اور اذکروا اللہ ذکرا کثیرا اور ولذکر اللہ اکبر اور واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفة ودون الجھر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغافلین۔ آیات میں ذکر کے مراتب اور اوقات سب بیان کر دیے ہیں اور ذکر خفی بہت بہتر ہے کیونکہ اس کے ساتھ سننے والوں کو تکلیف نہیں ہوتی اور ریا

۱؎ جب کہ تم صاحب ادب ہو تو حالت گمنامی میں اپنی ترقی کو فلک پر پہنچانے سے ناامید نہ ہو سونے کو تم دیکھتے ہو کہ زمین میں پڑا رہتا ہے اور یکا یک تاج شاہی بن جاتا ہے۔ سید یٰسین علی مترجم۔

۲؎ پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

Marfat.com

نفاق سے بالکل خالص ہوتا ہے مثل پوشیدہ روزے اور پوشیدہ صدقے کے اور فضائل اس کے بے شمار ہیں حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص تو اپنے حلال طیب مال سے صدقہ دیتا ہے اور دوسرا صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک خدا کا ذکر کرتا ہے ان دونوں میں کون افضل ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا خدا کا ذکر بہت بڑا ہے اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص طلوع فجر سے طلوع شام تک خدا کا ذکر کرتا ہے اس کو سو سرخ اونٹنیاں صدقہ دینے کا ثواب ہوتا ہے جن پر سونا لدا ہوا ہو اور گویا اس نے آٹھ غلام بنی عبدالمطلب سے آزاد کیے پھر ذکر کی تین قسمیں ہیں ایک تو ذکر ظاہر یعنی ذکر جلی ہے اس کو عبادات اور تلاوت میں کرنا بہتر ہے اور ایک ذکر خفی ہے جو چپکے چپکے کیا جائے اس کو عبادات اور صدقات میں بجالانا بہتر ہے اور ایک ذکر قلب ہے اس کے ساتھ تمام عالم سے بے پرواہی اور محبوب کے ساتھ مشغولی پیدا ہوتی ہے فرماتا ہے میں اس کا ذکر کرتا ہوں جو میرا ذکر کرے اور میں اس کا ہم نشیں ہوں جو میرا ذکر کرے اور جو مجھ سے محبت کرے میں اس کا حبیب ہوں جو اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جو اپنی قول کے لوگوں میں میرا ذکر کرتا ہے میں اپنے فرشتوں میں اس کا ذکر کرتا ہوں پھر اس بے پرواہی کے بعد فنا حاصل ہوتی ہے یعنی حضرت قدس کے مشاہدہ کے باعث نفس کے سامنے سے غائب ہو جاتا ہے اور ذکر کی عادت ذاکر کو ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد اس ذکر کی بدولت ملائکہ ذاکرین میں اس کا شمار ہوتا ہے اور خطیرہ قدس کے گرد طواف کرنے مرتبہ اس کو حاصل ہوتا ہے اور جس کا اس نے ذکر کیا ہے اس کے قریب کی سرفرازی پاتا ہے جو بڑے اکرام واحتشام کا مرتبہ ہے۔

اور یہ ذکر قرآن شریف ہے پھر اس کے بعد تسبیح اس کے بعد درود شریف پھر استغفار اور دعا بس ان وضائف کی پابندی تم کو لازم کرنی چاہیے اگر ایسا کرو گے تو رابیت کا راز تم پر منکشف ہوگا اور ملائکہ تمہاری ملاقات کو آدیں گے اور مسلمان جنات تمہاری خدمت گزاری کریں گے جمادات کی تسبیح تم کو سنائی دے گی اوان " من شیء الا یسبح بحمدہ ولٰکن لا تفقھون تسبیحھم " اور ذکر کے ثمرے سے بعض وہ باتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جن کا تہذیب نفس میں بیان ہوا ہے اور بعض وہ باتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جو سیدنا حضرت زین العابدین علیہ السلام کو حاصل تھیں آپ ہر شبانہ روز میں ایک ہزار رکعات نماز پڑھا کرتے تھے اور جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو کل کائنات آپ کے سامنے ہوتی تھی اور خطیرہ قدس آپ کے پیش نظر ہوتا تھا ذکر ہی کی بدولت اصحاب مقامات درجات مکاشفات میں پہنچے

Marfat.com

ہیں اور پانی پر چلنے اور ہوا میں اڑنے کی قدرت پائی ہے اور ذکر ہی کی بدولت ملائکہ شرف کے اعلیٰ مقام پر پہنچے ہیں اور دوام بقا کے مستحق ہوئے ہیں کیونکہ وہ ذکر کی مداومت کے ساتھ کھانے پینے وغیرہ ضرورت سے بھی منزہ ہیں اور یہ ذکر ہی کا طفیل ہے کہ ملوک وسلاطین زاہدوں کے وزیر حاضر ہوتے ہیں اور ذکر ہی کی بدولت عاشقوں کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور جذب قلوب کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے اور ذکر کے سبب سے بعض اوقات ذاکر پر ایسا حال طاری ہوتا ہے کہ تمام وسوسے اس کے ایسے دور ہو جاتے ہیں اور جب دنیا سے نکل کر اپنے مقصد اصلی کو پہنچ جا ہے اور صفائے قلب کے طور پر کھڑے ہو کر اپنی پاکیزہ عقل کی وادی میں اپنے رب کا کلام سنتا ہے۔ ''انی انا اللہ رب العالمین '' اور امیہ بن صلت ثقفی کا یہ قصہ سن لینا تم کو کافی ہے اس شخص کو نبوت کی ازحد تمنا تھی اور اسی کے خیال میں ہر وقت گھٹا رہتا تھا ایک روز اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ میں تو سوتا ہوں تم میرے واسطے کھانا تیار کر لو اس کا بھائی کہتا ہے کہ جب یہ سو گیا تو میں نے دیکھا کہ دو پرند آسمان سے اترے ہیں اور ان میں سے ایک نے اس کا سینہ چاک کر کے ایک سیاہ نقطہ نکالا دوسرے نے کہا کہ کیا اس نے یاد کر لیا ہاں علوم اولین سب اس کو یاد ہو گئے پھر اس نے پوچھا کہ کیا یہ پاک بھی ہو گیا اس نے کہا پاک نہیں ہوا تب اس نے کہا کہ اس کے دل کو اس کی جگہ پر واپس کر دو کیونکہ یہ نبوت کے لائق نہیں ہے نبوت خلاصہ آل عبدالمطلب کے واسطے ہے امیہ کا بھائی کہتا ہے کہ جب امیہ بیدار ہوا اور یہ واقعہ میں نے اس سے بیان کیا تو وہ اس کے رنج وصدمہ سے بہت رویا اور آخر کار اسی حسرت وافسوس میں مر گیا اور اس کے شرک نے اس کے مقصد کو حاصل ہونے نہ دیا کیونکہ شہوات قطع کرنے والی اور لذت باز رکھنے والی ہیں جو شخص پانی کا قصد کرتا ہے وہ گدلے پانی پر بھی صبر کر لیتا ہے اور جو راتوں رات راستہ طے کرتا ہے وہ راستے کی دھوپ سے محفوظ رہتا ہے اور جو اپنے نفس کو سراپا شہوت بنا ہے آخر کار کسی نجاست کے کھڈے میں گر پڑتا ہے اور جو شخص مصائب ونوائب پر صبر کر کے مجاہدے کی ہمت کے ساتھ بلندی کو طے کرتا ہے وہ بلند مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص زیادہ کھاتا اور نفس کو پالتا ہے کبھی بری تدبیر سے خطا نہیں کرتا اور کبھی فلاحیت پاتا ہے۔

اٹھائیسواں مقالہ (۲۸)

جہاد نفس اور اس کی تدبیر کے بیان میں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کی صحابہ

Marfat.com

نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جہاد اکبر کیا ہے فرمایا نفس کا مجاہدہ اور فرمایا ہے کہ سب سے بڑا تیرا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے اور فرمایا میں بھیجا گیا ہوں تا کہ مکارم اخلاق کو پورا کروں معلوم ہو کہ نفس کے اخلاق ذمیمہ اور غیر مستقیم ہیں کیونکہ اس کے اندر باوجود اس کے حجم کے صغیر ہونے کے آسمان وزمین کی تمام چیزیں ہیں جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اور یہ نفس ''انار موصدۃ''[1] اور اسی کے اندر غنیت کے بھیڑیے اور شہوت کے کتے اور غصب کے درندے مخالفت کے چیتے اور حیلہ کی لومڑیاں اور لشکر شیاطین کی کمین گاہیں جو خواہش ہے اور منجلیق اور وساوس قبیحہ ارض کے سب قلعہ نفس کے گرداس کو گھیرے ہوئے ہیں معلوم ہو کہ قلب ایک شہر ہے اور نفس لطیف اس کا بادشاہ ہے جو ادراک کرنے والا اور عالم اور پاکیزہ اور باقی اور اس نفخہ کی صفت سے خارج ہے جس کے ساتھ روح کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور یہ نفس ان انجیروں کے ساتھ پوشیدہ ہے جو قلب کے خون سے پیدا ہوتے ہیں اور قلب صنوبری شکل گوشت سے مجوف بنا ہوا ہے اور یہ وہ قلب نہیں ہے جس کی طرف خطاب کیا جاتا ہے اور روح وہ چیز ہے جس کی طرف خطاب ہوتا ہے[2] ''فاتقون یا اولی الالباب'' اور فرماتا ہے[3] ''ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب'' اور یہی اس آیت کے معنی ہیں[4] ''اذن واعیۃ'' اور نفس جس کی طرف اشارہ کیا گیا یہی شہوتوں کا اسیر اور غفلتوں کا قیدی ہے مختلف خیالات میں پھنسا ہوا اور دنیا کا عاشق ہے اس کی نجاست اس نے نوش کی اور اس کے نشے ڈالنے میں خبط الحواس ہو گیا جسد خاکی خدمت میں مشغول ہے اور مزبلہ میں ڈالنے کے واسطے اس کو لیے پھرتا ہے اور ہمیشہ ترتیب اور تغذیہ میں مشغول ہے پھر جب موت کے ساتھ ان دونوں میں تفریق ہو گی اس وقت نفس افسوس کرے گا اور ایک عرصے کے بعد جسم کو

---

[1] یعنی چاروں طرف سے گھیرنے والی آگ۔

[2] اے اہل عقل مجھ سے ڈرو

[3] بیشک اس میں نصیحت اس شخص کے واسطے ہے جس کا دل ہو۔

[4] یعنی اس کی حفاظت کریں کان حفاظت کرنے والے جو غور سے سنتے ہیں۔

Marfat.com

بالکل بھول جائے گا جیسا کہ کبھی اس نے اس کو دیکھا ہی نہیں تھا اور پھر جب جسم میں قیامت کے روز دوبارہ داخل کیا جائے گا تو اس سے نفرت کرے گا یہاں تک کہ قدس کا اشارہ سنے گا ''یاایھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک'' یہ خطاب موجود کے واسطے ہے نہ مفقود کے واسطے کیونکہ معدوم کے واسطے خطاب کرنا صحیح نہیں ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کے اعمال میرے سامنے ہر دوشنبہ اور پنج شنبہ کو پیش کیے جاتے ہیں پس جو نیکی ہوتی ہے اس کو میں دیکھ کر خوش ہوتا ہوں اور جو برائی ہوتی ہے اس کے واسطے میں مغفرت مانگتا ہوں خدا کا غضب زنا کاروں پر سخت ہے اور فرماتا ہے کہ میرے اوپر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے پس ایک مکذب مذبذب غافل تاویل کرنے والے میں دیکھتا ہوں کہ تو صانع قادر کو عاجز سمجھتا ہے اور اے مسکین تو یہ کہتا ہے کہ اجسام وہ ارواح صانع قدیم قلوب کی طرف واپس نہیں ہوتے اور تو اس کو اس کی قدرت اور آیت اور نبوت میں عاجز سمجھتا ہے کیا جس ذات پاک نے تجھ کو تیری ماں کے پیٹ میں پرورش کیا ہے وہ تجھ کو تیری قبر پر پرورش نہیں کر سکتا پھر تو جو یہ کہتا ہے کہ ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل جاتی ہیں پھر وہ کیسے خالص ہو سکتی ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ دیکھو سونے چاندی و تانبے لوہے وغیرہ کے ذرے خاک میں ملے ہوئے ہوتے ہیں اور تمہارے نزدیک ان کا باہم متصل ہونا کس قدر دشوار معلوم ہوتا ہے مگر سنار کے نزدیک کچھ دشوار نہیں ہے وہ فوراً ان اجزاء کو مٹی سے بالکل پاک اور خالص کر لیتا ہے اور چونکہ تو خود عاجز ہے اس سبب سے تو قدرت والے کو بھی عاجز سمجھتا ہے اور ابو علی بن سینا کے مقالات کے فریب میں آ گیا ہے کی ابو علی سینا تیرے نزدیک حضور اکرم ﷺ سے بھی زیادہ راست گو ہے تجھ کو لازم ہے کہ ابو علی کے مقالات اور حضور ﷺ کے فرمان میں خوب غور سے نظر کر کے اپنی عقل سے فیصلہ کرے اور یہ نقل ہے تب ہم تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب تو بیمار ہو کر طبیب سے علاج کراتا ہے اور طبیب تیرے واسطے نسخہ لکھتا ہے تب تو اس سے یہ سوال کیوں نہیں کرتا کہ یہ دوا قبض کیوں کرتی ہے اور یہ اسہال کیوں کرتی ہے اگر تو اس طرح کہے گا تو تجھ کو یہ جواب دیں گے کہ تو مریض ہے یا معارض پس جب یہ بات ہے تو اب تو اپنی آخرت کے طبیب سے کیوں معارضہ کرتا ہے اور ان کے بتائے ہوئے نسخے پر کیوں حجت و برہان تلاش کرتا ہے اور تو نہیں جانتا کہ تجھ سے پہلے جو لوگ تھے وہ تجھ سے زیادہ عقل کی روشنی رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ اعتراض اور تعجیز کفر ہے پس وہ اس کفر کو چھوڑ کر اسلام لائے اور ایمان کو انھوں نے اختیار کیا پس تجھ کو لازم ہے کہ اپنے کتاب کی جو قرآن شریف ہے تعظیم

Marfat.com

تکریم بجالائے کیونکہ یہ کتاب تیری طرف خدا کا بھیجا ہوا ہدیہ ہے اور وہ شخص نہایت نالائق ہوتا ہے جو اپنے بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہدیے کی اہانت کرے اور تھوڑے ہی عرصے میں تو اس بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگا اور اس وقت تجھ کو شرمندہ ہونا پڑے گا اور اگر روح اپنے مبادی کی طرف اپنے خالق کے پاس رجوع کرنے والی ہے پس اگر شریعت کی تصدیق کی تو وہیں غلیظ و بیج ظاہر ہوگی اور جماہیز تجھے زیادہ ہیں کیونکہ تو تنہا لوگوں کے شمار میں ہے اور اجماع تیرے خلاف ہے تو نے اپنے نفس کی پیروی کی ہے اور اس نے تجھ کو بلاؤں اور مصیبتوں میں پھنسا دیا ہے تجھ کو رات اور دن اور گرمی اور جاڑے اور بیج اور خریف اور ان کے تغیر اور انقلاب احوال میں نظر کرنی چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور تیرا سونا اور جاگنا تیرے اختیار سے باہر ہے اور ان کے علاوہ اور بہت سی نشانیاں ایسی ہیں جس سے تو غافل ہے اگر تو اپنے نفس کا مجاہدہ اختیار کرے گا تو تیرے نفس کی کل صفات ذمیمہ دور ہو جائیں گی اور تو اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہوگا پس تجھ کو لازم ہے کہ غضب کو رضا کے ساتھ اور کبر کو تواضع کے ساتھ اور بخل کو سخاوت کے ساتھ اور امساک کو صدقے کے ساتھ اور خاموشی کو ذکر کے ساتھ اور مخالطت کو خلوت اور نیند کو بیداری اور کم سیری کو بھوک اور غفلت کو ہوشیاری اور شرکت کو عزلت اور مداہنت کو صدق وصفا کے ساتھ دور کرو اور شہوت اور باطل کو حق کے ساتھ نکال کر باہر کرو اور جب تم اپنی صفات نالائقہ کو دور کر کے نیک صفات سے آراستہ ہو جاؤ گے اس وقت غفلت کا پردہ تمہارے دل سے دور ہوگا اور تم دیکھ لو گے کہ کس طرح مردے زندہ ہو جاتے ہیں مگر افسوس اس بات کا ہے کہ تم سرکش شیطان بن کر یہ سمجھتے ہو کہ خدا کے مرید ہو پس اس کی توحید کی حلاوت کے آثار کہاں ہیں حضرت داؤد کے پاس وحی بھیجی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے کہ اور پھر میرے ذکر کے وقت سور ہے وہ جھوٹا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں آپ کے فرزند حضرت اسماعیل کے ذبح کرنے کا حکم ہوا کہ اے والد صاحب یہ اس شخص کی جزا ہے[1] جو اپنے دوست سے غافل ہو کر سور ہے اور آدم علیہ السلام جب سور ہے تو حوا علیہ السلام پیدا ہوئیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

عجباً المحب کیف ینام

کل نوم علی المحب حرام[2]

معلوم ہو کہ تیرا قلب وہی شہر ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں پس تیرے نفس

---

[1] یعنی آپ جو سو رہے اس کے بدلے میں آپ کو یہ حکم ہوا کہ اپنے فرزند کو ذبح کرو۔

[2] عاشق پر تعجب ہے کہ کیونکر سوئے کیونکہ عاشق پر نیند بالکل حرام ہے۔

Marfat.com

کا شیطان خواہشوں کے رسالے اور جب دنیا کی پلٹنیں اور وسوسوں کے نقاب اور بدگمانیوں کے متعلقہ چی اور مخالفت کی منجنیق اور تکبر کا بوق یعنی بگل اور سمعت کے نقارے اور لالچ کی شمشیر باز اور مکر کے نیزہ باز لے کر اس شہر پر حملہ کرتا ہے اور چاروں طرف سے اس کو محصور کر لیتا ہے پھر اگر اس شہر میں اخلاق حمیدہ کے بہادر اور صفات حسنا کا توشہ وغیرہ نہیں ہوتا تو یہ شہر ہلاک ہو جاتا ہے اور اس بادشاہ کی سلطنت چھین کر صدق کے برج منہدم ہوتے ہیں اور ذکر کا نگہبان سو جاتا ہے اور اصرار قلب کے تخت پر شیطان جلوس کرتا ہے اعمال کے خزانے اکھیڑے جاتے ہیں اور شکوک شبہات تمام شہر میں چکر لگاتے پھرتے ہیں معاملہ کے درخت کاٹے جاتے ہیں اور اعمال کے عموال لٹتے ہیں اور امیدوں کے پھل توڑ کر کھا لیے جاتے ہیں کتاب الٰہی میں شک واقعہ ہوتا ہے اور اصحاب کی مصاحبت سے نفوس نفرت کرتے ہیں اور ہر ایک اپنے آقا اور مولی کی نافرمانی کرتا ہے اور خواہش کا مطیع ہو جاتا ہے۔ پس اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ سب کے سب ناک کے بل دوزخ میں ڈالے جاتے ہیں اور اس وقت حسرت وافسوس کے ساتھ کہتے ہیں[۲] ''وما لنا لا نری رجالاً کنا نعدھم من الاشرار ٭ اتخذناھم سخریاً ام زاغت عنھم الابصار'' شبہ اور حرام سے پرہیز کر کے تم کو اپنا توشہ صاف اور پاکیزہ کرنا چاہیے اور پھر تم اپنے دل میں نور ایمان کو ملاحظہ کرو گے اور روز قیامت کا سامان تم پر منکشف ہوگا اور تم اپنے نفس کے ساتھ روحانی فرشتہ بن جاؤ گے اور خواہش اور غفلت کے ساتھ شیطان الرجیم بنو گے پس تم کو نفس عمارہ پر جہاد کرنا لازم ہے تاکہ اس کی صفات مضمومہ دور ہو کے وہ نفس لوامہ بنے اور پھر لوامہ سے ترقی کر کے مطمئنہ ہو جائے جیسا کہ بادشاہ اپنے فراش کو ترقی دے کر منشی بناتا ہے اور پھر وزیر کر لیتا ہے اور اس وقت یہ وزیر بادشاہ کی سلطنت میں ہر طرح کے تصرف کرتا ہے اور بادشاہ کے نزدیک اس کی نیکیاں بھی برائیاں ہوتی ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے'' حسنات الابرار سیئات المقربین '' اور خدا کی طرف راستہ انفاس خلائق کے شمار کے ساتھ ہے اور مقامات بھی انفاس کے ساتھ بلند ہوتے ہیں حضور ﷺ ہر سانس میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرتے تھے اور یہ مقامات کشف اور معارف کے ہیں اور اسی کی نسبت فرمایا ہے کہ جب تک میں روز و شب میں سو بار استغفار نہیں پڑھتا تو میرے قلب کو قریب رہتا ہے

---

[۲] یہ بات ہے کہ ہم جن لوگوں کو شریروں میں شمار کرتے تھے ان کو یہاں دوزخ میں نہیں۔ ان کا مزحقہ اڑایا تھا ہماری نظران پر نہیں جمتی ہے

Marfat.com

اور زین عین جاسے بھی سخت تر ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نظم سنو جو آپ نے نفس کے متعلق فرمائی ہے۔

صبرت لنفسي عن اللذات لما تولت
والزمت نفسي صبرها فا
وكانت على الايام نفسي عزيزة
فلما رات عزمي على الذل ذلت
لها يا غنس يؤتي تؤتي تويمة
فقد كانت الدنيا لشائم ولت
فلا مجرد فيهما اذهي اقبلت
ولا البخل يبقيها اذا ما تولت[1]

پس تم نفس کو مہذب بناؤ مجاہدہ کی تکلیف دے کر دروازے سے اس کو قریب کرو اور انبیاء و اولیاء کے مقام کو دیکھو اور ثواب و ثناء کو غنیمت سمجھ کر صادقین کا ذکر فاسقین کے ذکر کی مثل نہیں ہے اور اس کی خبر تم کو موت کے بعد معلوم ہوگی اور تم نے جو لغو مقالات سنے ہیں انھیں کے سبب سے یہ تم سستی کرتے ہو ورنہ میں تم کو بار ہا سمجھا چکا ہوں تھوڑے عرصے میں تم کو خود ہی معلوم ہو جائے گا دنیا میں لوگ سوتے ہیں مرنے کے بعد بیدار ہونگے اور تمہاری مثال اس درخت کی سی ہے جس میں نہ پھل آتا ہے اور نہ سایہ اس کا اس قابل ہوتا ہے کہ کوئی اس میں بیٹھ سکے یا تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جس کے سر میں گنج ہو اور مصنوعی بال لگا کر اصلی بال والی عورتوں پر فخر کرے اور جب اس کا سر کھول دیا جائے تو اپنے ہم نشینوں میں ذلیل اور شرمندہ ہوا اے شخص تو اپنے لباس کی آرائش پر پھولا ہوا ہے کل قافلہ کوچ کرے گا اور اے غافل تو راستہ پر پڑا رہ جائے گا اور بے سروسامان بیٹھا رہے گا اور قافلہ باشی سے کہے گا کہ مجھ کو واپس کر دو تاکہ میں نیک عمل کروں مگر پھر اس کی اجازت نہ ملے گی صحابہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ میت کے آنسو رخسار پر بہنے میں کیا حکمت ہے فرمایا چھوٹا بچہ تو اپنے والدین کا حال لوح محفوظ میں دیکھتا

---

[1] دنیاوی لذتیں جب کہ چلی گئیں تو ان کی طرف سے میں نے نفس کو صبر دیا اور ان کا صبر اپنے نفس پر ہمیشہ لازم رکھا اور میرا نفس زمانہ میں بڑا ذی عزت تھا مگر جب اس نے ذلت کی طرف میرا قصد دیکھا تو وہ بھی ذلیل ہو گیا اور میں نے اس سے کہا کہ اے نفس بزرگی کے ساتھ مر کیونکہ دنیا ہمارے پاس تھی مگر پھر بے وفائی کر کے چلی گئی جب دنیا آتی ہے تو عادت اس کو فنا نہیں کر سکتی اور جب وہ جاتی ہے تو بخل اس کو باقی نہیں رکھ سکتا۔

Marfat.com

ہے اور بڑا آدمی اپنے اعمال اور اپنی بیوی اور اپنے مال کے منتقل ہونے کو دیکھ کر روتا ہے پس اے شخص تو اسی حال میں ہے اور میں تجھ کو بلند کرنا چاہتا ہوں اور تیری ہمت تجھ کو پست کرتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ تیری ہمت ہی غالب ہے پس جس کی ہمت ان چیزوں کی طرف ہوگی جو اس کے پیٹ میں داخل ہوں تو اس کی قیمت وہ چیز نہ ہوگی جو اس کے پیٹ سے خارج ہوتی ہے اگر تم اس مطلب کو سمجھ گئے ہو تو ہوشیار ہو جاؤ ورنہ تم جانو اور تمہارا نفس جانے ہم نے نصیحت کر دی مگر تم نصیحت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے ہو۔

انتیسواں مقالہ (۲۹)

محبت اور شوق اور مشاہدہ اور مکاشفہ اور مواعظ وزواجر عقلیہ ونقلیہ کے بیان میں معلوم ہو کہ محبت جائز ہے اور سب سے پہلے محبت خدا اور اس کے اولیاء کے درمیان میں جاری ہے چنانچہ قرآن شریف اسی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے[1] والذین آمنو اشد حبا للہ' اور فرماتا ہے[2] اور اگر تمہارا نفس خبیث یہ وسوسہ پیدا کرے کہ اس ذات پاک سے کیسے محبت پیدا ہو سکتی ہے جس کو دیکھا نہیں ہے اور نہ وہ ہماری جنس سے ہے تو اس کی مصنوعات کو دیکھنا اور عجائب وغرائب اور حسن وجمال میں غور کرنے سے اس کی محبت پیدا ہوتی ہے کیونکہ وہی ان کا صانع ہے اور اسی کی قدرت وکمال سے یہ سب چیزیں پیدا ہوئی ہیں اور زمین کا فرش ہری گھاس کا سبز رنگ اور درختوں پھول بوٹے اور پھل اور دریاؤں کی لہریں اور آسمان اور رات دن اور چاند اور سورج اور چھوٹے بڑے ستارے یہ سب اس کی صنعت اور قدرت کی دلیلیں ہیں اور اس کے استمرار وجود پر گواہی دیتی ہیں پس پاکی ہے اس ذات کی جو کل مخلوقات کا خالق اور مصنوعات کا صانع ہے اے شخص اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو تمہارے نفس کی تربیت میں ان سب چیزوں سے بڑھ کر عجائب وغرائب ہیں جو تم نے دیکھی اور سنی ہیں اور ان سب دلائل سے بڑھ کر جو دلیل کہ تم کو اس کی طرف رہبری کرتی ہے اور اس کی محبت دلاتی ہے وہ اس کا کلام معجز نظام ہے پس اسی کے ساتھ اس کے متکلم کی محبت پر دلیل لی جاتی ہے اس کے متعلق بہت سی حدیثیں ہم نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں بیان کی ہیں اور یہاں صرف ان کی طرف اشارہ کافی ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے وہ شخص جھوٹا ہے جو میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور رات

[1] اور ایمان والے خدا سے سخت محبت رکھتے ہیں۔

[2] خدا ان سے محبت کرتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں۔

Marfat.com

کو سورہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا مومن بندہ میری طرف نوافل سے تقرب حاصل کیا کرتا ہے یہاں تک کہ مجھ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے پس جب مجھ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے آخر حدیث تک معلوم ہوا کہ محبت اور عشق دونوں ایک ہیں اور اصل عشق کی یہ ہے کہ پسندیدگی کی نظر سے شوق کے ساتھ کسی صورت کو دیکھے اور اسی شوق کا بخار جو نہایت گرم ہے تیز اور ذی خاطر سے مجاہدہ کی آتش کے سبب سے اٹھتا ہے اور اس آگ کے انجرے دماغ کے پیچھے سے ظاہر ہوتے ہیں اور فکر کی نمکین باتیں دماغ کے اگلے حصے میں پیدا ہوتی ہیں اور قلب کی خلوت کے دوازے لے جاتے ہیں یہ معشوق کا خیال عین یقین کے سامنے بیٹھ جاتا ہے اور نفس کا آئینہ مجاہدہ سے مصقل و مجلا ہو کر جمال محبوب کی نظر کے لائق بنتا ہے محبت کے اندر اصل بات سنادمہ اور الفت اور معشوق کے کلام کو بہتر اور خوب سمجھتا ہے جب یہ بات ہوتی ہے تب پھر معشوق کی تلاش میں ہمت ابھارتی ہے اور شوق کی آگ بھڑک اٹھتی ہے پس اس وقت عشق غالب ہوتا ہے اور عاشق راستوں میں مثل دیوانوں کے پھرتا ہے اور اسی آتش شوق سے بلغم وغیرہ اخلاط فاسدہ جل کر آسمان قلب صاف ہو جاتا ہے اور معشوق کا چاند اس میں تجلی کرتا ہے اور معشوق کی تجلی حلال سے عاشق والہ وشیدہ ہو کر از خود فرشتہ ہو جاتا ہے اور اس عالم بے خودی میں نہ نیند ہوتی ہے نہ قرار ہوتا ہے عشق کی آگ لحظہ بلحظہ تیز جو کہ شعلہ مارتی ہے اور بدن کی قوتوں کو کمزور کر کے نحیف وضعیف اور زار ونزار بنا دیتی ہے کسی شاعر کا قول ہے۔

میتواں داشت نہاں عشق زمردم لیکن
زردی رنگ رخ وخشکی لب راچہ علاج

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ہر شب کو ایک منادی ندا کرتا ہے اے لوگو خدائے تعالیٰ زیادہ کھانے والے اور زیادہ سونے والے کو لعنت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے ابن آدم اس واسطے تو پیدا کیا گیا ہے قناعت کرتا کہ تیرا جناب ہلکا ہو اور کم سویا کرتا کہ تجھ سے ذکر زیادہ ہو سکے۔

(اگر تو ایسا کرے گا) تو پس تیرا محبوب تجھ کو اپنی طرف کھینچ لے گا اور اپنی طاعت کی تجھ کو توفیق دے گا اور اپنے گناہ سے محفوظ رکھے گا پس نوافل زیادہ پڑھا کرو فصل۔

Marfat.com

فصل

(شوق اور مکاشفہ کے بیان میں)

معلوم ہو کہ شوق ہی سے مکاشفے کی حالت پیدا ہوتی ہے اور شوق یہ ہے کہ بقائے معشوق کی تمنا ہو اور معشوق کی ملاقات بغیر مکاشفہ کے حاصل نہیں ہوتی اور مکاشفہ یا تو عیاناً ہوتا ہے اور یا قلبی ہوتا ہے اور یہ معشوق کے ایسے حال کے ساتھ تجلی ہے جس کو عاشق کا دل تحمل کر لیتا ہے مگر عیانی مکاشفہ قلبی مکاشفہ سے افضل ہے اور جو مکاشفہ کہ عیانی و قلبی دونوں طور سے ہو وہ دونوں سے افضل ہے جیسا کہ حضور ﷺ کو شب معراج میں ہوا اور حضرت ام المؤمنین عائشہ اور حضرت امیر المؤمنین اور حضرت ابن عباس کی روایتوں کے جمع کرنے سے ثابت ہے اور معلوم ہو کہ حقیقت مکاشفہ کی یہ ہے کہ محبوب کی طرف نظر کرے اور پھر یہ نظر عاشقوں کے درجوں کے تناسب متفاوت ہوتی ہے کیونکہ کل مخلوق کی نظر یکساں نہیں ہے اور ادنیٰ درجہ اس کا قلب کی نظر ہے اور آنکھ کی نظر بعض لوگوں کے نزدیک عرض غیر ذاتی ہے اور سب سے بڑا مرتبہ بھی ہے کہ قلب اور آنکھ دونوں کی نظر سے مکاشفہ ہو پھر جس وقت غفلت کا پردہ دور ہو کر محبوب تجلی کرتا ہے تو محب بشری پردوں اور جسمانی حجاب سے نکل کر خطاب کو سنتا ہے اور حجاب کو دیکھتا ہے [1]"وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیاً او من وراء حجاب" اور اس وقت کل جہات سے خطاب اس کو سنائی دیتا ہے اور یہ شخص عیسوی حال ہو جاتا ہے[2]"وانبئکم بما تاکلون وماتدخرون فی بیوتکم" اور ملائکہ اور جنات مومنین اس کے مطیع حکم ہوتے ہیں اور خدا کے اور اسکے درمیان میں ایک روزن کھل جاتا ہے جس کے سبب سے کل کائنات کے اسرار اس کو معلوم ہو جاتے ہیں مگر اس مرتبہ کا حاصل ہونا علم و عمل پر موقوف ہے اور جب لطیف کی نسیم غفلت کا حجاب دور کرتی ہے تو کائنات میں یہ شخص جو کچھ تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے جو کچھ یہ چاہے گا وہی ہو جائے گا کیونکہ دونوں ارادے ایک ہو جاتے ہیں جیسا کہ احوال صوفیہ میں بیان کیا گیا ہے "فاذا ابصرتنا ابصرنا واذا ابصرته ابصرتنا" ناسوت

---

[1] اور کوئی انسان اس لائق نہیں ہے کہ خدا اس سے بالمشافہ ہم کلام ہو مگر بطور وحی کے یا پردے کے پیچھے۔

[2] اور میں تم کو ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو۔

Marfat.com

ایک لطیف معنی بن جاتا ہے اور غیب سے اس کو ایسی قوت بہم پہنچتی ہے کہ اس کے ساتھ وہ ان باتوں کو جو اس پر وارد ہوتی ہیں قبول کر لیتا ہے اور بھی کراموں کے ظہور اور غیب کی خبریں بیان کرنے کا باعث ہے اور نفس اغراض فاسدہ کے دور ہونے سے جوہر قدسی بن جاتا ہے اور غیبی ان پر پوشیدہ نہیں رہتے اور اگر تم یہ کہو کہ ان باتوں کے ساتھ ایک قسم کی انبیاء علیہ السلام سے مشارکت ہوتی ہے پھر ان کو اولیاء کیسے حاصل کر سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیب کی اصل خداوند تعالیٰ سے ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ وہ اپنے علم غیب میں سے کچھ ان پر ظاہر کر دیتا ہے تم نے اس کا یہ فرمان نہیں سنا اور من رسول کا لفظ صرف اس واسطے فرمایا ہے تا کہ عالم لوگ اس کو غیبی مشارکت نہ سمجھیں اور یہ بات یعنی غیبی سے مطلع ہونا کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ شاہی خزانوں سے شاہی غلام آگاہ ہوتے ہیں اور معشوق کی خوبصورتی کو دیکھ کر عاشق صادق اس کی بہت سی پوشیدہ باتوں کو اس کے حسن پر قیاس کر کے معلوم کر لیتا ہے اور حالانکہ اور لوگوں سے وہ باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں [1] ''وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون'' حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر ایک شخص خلاج تو ہے مگر خراج نہیں ہے اور ابو یزید بسطامی نے فرمایا ہے کہ جو شخص تمکین کے درجے میں پہنچا پس وہ طبیب سے اسرار خلق کے تخت پر بیٹھ کر اپنے مالک کے حکم سے بادشاہوں کے راز پر مطلع ہوتا ہے جیسا کہ تمہارا پیارا غلام تمہارے بہت سے پوشیدہ حالات سے واقف ہو جاتا ہے۔

فاطمہ سلماسیہ جو ایک بزرگ عورت تھیں اس وقت شہر سلماس سے نکلتیں جب مؤذن ظہر کی آذان کہہ دیتا تھا اور بسطام میں آن کر جماعت سے نماز پڑھتی تھیں پھر اگر تم کہو کہ یہ بات غیر ممکن ہے اور ایسی حالت انبیاء کی بھی نہیں ہوئی تو پھر اور کسی کی کب ہو سکتی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم تم خدا تعالیٰ پر لگاتے ہو یا اپنے نفس پر اگر اپنے نفس پر لگاتے ہو تو تم جانو اور تمہارا نفس جانے اور گر تم خدا تعالیٰ پر یہ حکم لگاتے ہو تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جب تم اپنے بدن کی رگیں اور پٹھے شمار نہیں کر سکتے اور تم کو اتنی خبر نہیں کہ تمہارے سر پر جو امامہ ہے اس پر کس قدر پیچ ہیں پھر ایسی بے خبری کے ساتھ تم خدا اور اس کے غلام کے درمیان میں کیوں دخل دیتے ہو اور پھر تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اپنے انبیاء کو کیا کیا اختیار اور مقام عنایت کیے تھے اور بعض علوم تم کو بطریق نقل کے معلوم ہو گئے تو پس معجزہ عقل کی تکذیب کرتا ہے اور جب کہ تمہارے خاص اسرار سے تمہارا بیٹا تک واقف نہیں ہوتا ہے تو پھر تم کیسے اپنے مالک اور خالق

---

[1] ان مثالوں کو ہم لوگوں کے واسطے بیان کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ہیں ان کو مگر عالم لوگ۔

Marfat.com

کے اسرار سے واقف ہو سکتے ہو جب تک کہ تم اس سے واصل نہیں ہوئے اور جب وصول کا
اٹھ جائے گا اس وقت تم پر وہ معاملہ منکشف ہوگا جو خدا اور رسول کے درمیان میں ہے اور
واسطے ہم تم سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ تم مجاہدہ کرو یا مجاہدہ نہ کرو مجاہدہ مشاہدہ کے ساتھ شکوک
غبار دور کر دیتا ہے اور تم نے جو اپنی آنکھ پر حب دنیا کی پٹی باندھ رکھی ہے اور ہمت تمہا
نہایت ضعیف اور خسیس ہے تو پھر ایسی ناپاکی کے ساتھ تم شریف مقام میں کب پہنچ سکتے ہو
ظن وہ اکسیر اعظم ہے جو تمہاری ہر ایک جہالت کو علم سے بدل دے سکتا ہے اور جو شخص اس
مضبوط کر لیتا ہے وہ راحت پاتا ہے محبت اور شوق و مکاشفہ کا یہ مختصر بیان تھا جو کیا گیا۔

فصل

(وعظ اور نصیحت کے بیان میں)

جن آیات واخبار میں وعدہ وعید کا مضمون ہے اور جو حکایات واشعار جاذب و مخوف ہیں ان کے ساتھ مبتدی کو خوف دلانا اور منتہی کا شوق بڑھانا چاہیے کیونکہ مبتدی کے گمراہ ہونے اور جہالت کی طرف میں کرنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے اس واسطے اس کو ڈرانا چاہیے تاکہ وہ راستہ پر قائم رہے اور منتہی نے چونکہ گناہوں کو ترک کر دیا ہے اور اس کا قلب رقیق ہو گیا ہے اور مجاہدہ کی مشقتیں اٹھا چکا ہے اس واسطے اس کو شوق دلانا چاہیے جب اونٹ کو گیت سنائے جاتے ہیں تو بھاری بوجھ کو لیکر وہ بہت سہولت سے منزل قطع کرتا ہے پس گویا مجاہدے کی مشقت نغمات کی بدولت اس پر آسان ہو جاتی ہے جیسا کہ خشک زمین پر جہاں مینہ برسا اور وہ ہری بھری ہو گئی اور یہی حال مرید کا ہوتا ہے ابو توحیدی فرماتے ہیں کہ اگر تو نغمات کے فوائد و منافع کا منکر ہے تو اونٹ کو دیکھ جو تجھ سے زیادہ غلیظ طبیعت رکھتا ہے اور گیت کو سنکر بے تکان منزل طے کرتا ہے پس اے طالب تجھ کو چالیس دن کا چلہ کرنا ضرور ہے اور اس چلہ میں ہر روز تم کو اپنی خوراک ایک لقمہ کم کرنی چاہیے یا پہلے روز ایک تر لکڑی سے اپنے کھانے کو وزن کر کے کھاؤ اور پھر اسی لکڑی سے روز وزن کیا کرو جس قدر وہ خشک ہو گی کھانا کم ہوگا اور اس ترکیب و ترتیب سے تم عالم ملکوت میں داخل ہو گے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اے لوگو تم میں جو شخص دنیا کے اندر بڑا

Marfat.com

شکم سیر ہے وہ قیامت کے روز سب سے زیادہ بھوکا ہوگا اور جب تم ایسا کرو گے تو تمہارا نفس قدسی ہو جائے گا اور عالم قدس کے ساتھ تم کو انس ہوگا پس تم دنیا کی محبت کی طرف مائل نہ ہو پس حالت محمدی ﷺ تمہاری طرف منتقل ہو گی جیسا کہ فرمایا ہے کہ میں تم جیسا نہیں میرا رب مجھ کو کھلا پلا دیتا ہے پس یہ حالت صادقین کی ہے اور یہ منزلیں متقیوں کی ہیں پس تم تکذیب کرنے والوں میں سے نہ بنو اور اگر تم مقربوں میں سے نہ بن سکو تو اصحاب الیمین ہی سے بن جاؤ۔

تیسواں مقالہ

(علم وعمل کے بیان میں)

معلوم ہو کہ مخلوق الٰہی میں سے تین شخص مخصوص ہیں عالم اور عارف اور ناسک عالم تو وہ شخص ہے جو علم ظاہری حاصل کر کے اس پر عمل کیا اور اس کے سبب سے خداوند تعالیٰ نے علم باطنی اس کو عنایت کیا جیسے کہ علم محبت اور علم شوق و رضا اور علم قدر اور علم مکاشفہ اور مراقبہ اور علم قبض و بسط وغیرہ ہیں اور یہی صوفیہ صافیہ کے علوم کہلاتے ہیں اور صوفیہ یہ لوگ ہیں جیسے حسن بصری سفیان ثوری ابو یزید بسطامی ابوالحسین نوری حبیب عجمی معروف کرخی شفیق بلخی محمد بن حنیف بشر بن سعید حافی احمد خوارضمی احمد وارانی حارث محاسبی سری سقطی ابوالحسین بن منصور حلاج جنید بغدادی ابوبکر شبلی ابونعیم قاضی پس یہ طائفہ الہیہ وہ لوگ تھے جن کا ذکر جاری ہے اور یہ ان لوگوں کی مثل نہ تھے جو علوم اور شہوات میں مشغول ہوتے ہیں اور دھوکہ بازی اور مکر و دغا کو انھوں نے اپنا پیشہ بنا رکھا ہے ان لوگوں نے تو واحد شاہد کو مضبوط پکڑا ہے اور یہ لوگ شاہد کی محبت میں مبتلا ہیں ان لوگوں نے تو مناسب کو چھوڑا اور ترک کیا ہے اور یہ لوگ ان کی فکر میں رہتے ہیں اکثر کلام ان کا یہ ہوتا ہے کہ مذہب کو بچاؤ یہاں تک کہ چلا جائے اور علم خلاف ان کے نزدیک مثل برد کے ہے اور علم اصول ان کے نزدیک بالکل فضول ہے اور نحو محو ہے پس کل علوم ان کے گانے بجانے اور رقص و سرود پر منحصر ہیں قرابت اور صحابت میں یہ لوگ تفریق نہیں کرتے ہیں پس ان

Marfat.com

کے عیوب کس قدر کثیر ہیں اپنے محبوب کو یہ لوگ بھول گئے ہیں اور اطاعت کی مدارج کو چھوڑ کر کھانے کے مشغلوں میں مصروف ہیں خلق کے واسطے سجاوے بچھائے ہیں اور خدا اور حق کو بالکل فراموش کیا ہے پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی شان میں یہ حدیث وارد ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کے کپڑوں کو اتار کر جنت کے دروازوں پر لٹکائے گا اور ان پر یہ لکھدیگا کہ یہ مکر و دروغ کپڑے ہیں پس یہ لوگ دنیا کے صوفی ہیں انھوں نے علم و عمل کو جمع کیا ہے اور اس قدر شب بیداری کی ہے کہ کامیاب ہو گئے ہیں اپنے قول کی بدولت انھوں نے پالیا اور صدق اختیار کیا پس تحقیق کو پہنچ گئے علم حاصل کیا پھر عمل کیا پس حال و قال کے جامع ہوئے اور یہی لوگ علم و معرفت اور نسک اور زہد والے ہیں اور ان کے کل حالات نے ان کے اندر قوت الٰہی پیدا کی جس کے سبب سے وہ اشتیاق کے پر وبازو کے ساتھ ریاض قدس کی طرف پرواز کر گئے اور علوم غیبی کے پھل و میوے چننے لگے پس یہ لوگ فقراء آخرت ہیں اور صوفی وہ لوگ ہیں جنھوں نے یہ جانا کہ نعمت منعم کی طرف سے ہے اور پھر انھوں نے اسباب کو ترک کر کے صرف منعم پر بھروسہ کیا۔

اور علماء آخرت یہ لوگ ہیں جیسے حسن بصری سفیان بن عیینہ سفیان ثوری داود طائی ظاہری ابوسعید بن مبارک مخزومی ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطا الکوفی مالک بن انس المدنی محمد بن ادریس الشافعی المطلبی۔ احمد بن حنبل الشیبانی۔ بذنی، ابن شریح، حداد، قفال، ابوالطیب ابو حامد اور ہمارے استاد امام الحرمین ابولمعالی الجوینی اور شیخ امام ابواسحٰق ابراہیم فروزآبادی المعروف بہ شیرازی ان کا ہمارے استاد امام الحرمین سے بادشاہ کے سامنے مناظرہ ہوا تھا اور میں بھی اس وقت موجود تھا میں نے دیکھا کہ اس مناظرہ میں ان کی غرض سوائے اظہار حق کے اور کچھ نہ تھی نہ اس میں کسی آیت کی باطل تاویل کرتے تھے اور نہ خبر نبویؐ میں نقص نکالتے تھے نہ کلام میں ان کے سختی تھی غرض یہ کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے پاس فتوے بھیجنے میں صحابہ کرام کے مشابہ تھے اور کہتے تھے کہ تمہارا اکبر تقلید کا زیادہ حقدار ہے اور ہم لوگ تو بڑے علماء ہیں دنیا کی آرائش و زینت اور ساز و سامان میں مشغول ہیں پس اب تم خود ان طائفوں میں فرق کو دیکھ لو حدیث میں آیا ہے کہ جس نے جھگڑے کو ترک کیا حالانکہ وہ حق پر ہے پس اسی کے واسطے جنت کے بلند حصے میں ایک محل سونے کا تیار ہوگا پس ہمارے واسطے نہ تو محل ہے نہ تخت ہے نہ حوریں ہیں شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا اور اس سے پہلے ابو یوسف کے ساتھ ایک مسئلہ میں ان کا جھگڑا ہو چکا تھا دیکھا کہ گویا یہ جنت میں داخل ہوئے ہیں اور وہاں ایک حور بیٹھی ہے جس کے چہرے کی روشنی سے تمام مکان روشن و منور ہو رہا ہے انھوں نے حور سے دریافت کیا کہ تم

Marfat.com

کس کے واسطے ہو اس نے کہا جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑ دے چاہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو اور پھر اس نے کہا اے شافعی قیل وقال اور گفتگو سے تم کو یہ لباس اور زیور حاصل نہ ہوگا اگر تم سچے ہو اور جنت کا مالک بننا چاہتے ہو تو مثل مالک کے علم وعمل اختیار کرو کیونکہ ملک سلطنت کا ارادہ کرنے والا ملکوں پر صبر کرتا ہے شافعی کہتے ہیں پھر جب میں بیدار ہوا تو میں نے یہ جان لیا کہ یہ لوگ خواہش کی طرف لیجانے والے ہیں اور آخرت خدا کے پاس متقیوں ہی کے واسطے ہے حدیث شریف میں ہے کہ علم عمل کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اگر عمل نہ ہو تو علم چلا جاتا ہے پس یہ لوگ دنیا و آخرت کے علماء اور دنیا اور آخرت کے فقراء ہیں اور تم ادنی چیزوں کے لالچ میں اعلیٰ مقامات سے محروم ہو گئے ہو تم مثل بھیڑیے کے ہو اور تشکیک و تکذیب میں تمہارا قصد ہے۔

افسوف تری اذا انکشف الغبار
افرس تحت رجلک حمار

اور علوم کثرت کے ساتھ ہیں مگر ان میں آخرت کو بتلانے والا علم شریعت کا ہے اور کتابیں اس کی مثل تفاسیر واحدی اور صحاح ستہ اور قرابۃ قرآن اور وہ اوراد اور وظائف جو کتاب احیاء میں مذکور ہیں اور اگر علم عقائد میں مختصر کتاب دیکھنی چاہو تو لوامع الادلہ ہمارے شیخ امام الحرمین کی دیکھو یا قواعد العقائد کو ملاحظہ کرو اور اگر سلف صالحین کا طریقہ تم کو اختیار کرنا ہے تو کتاب نجات الابرار کا ملاحظہ کرو جو اصول دین میں ہماری آخری تصنیف ہے اور اس کتاب کے اندر ہم بہت سی کتابیں تم کو بتلا چکے ہیں ان میں سے جو ممکن ہو پڑھو اور جو چاہو عمل کرو کیونکہ ملاقات عنقریب ہے۔

معلوم ہو کہ سال کے اندر چار فصلیں ہیں حمل سے جوزا تک ربیع اور سرطان سے آخر سنبلہ تک گرمی اور میزان سے آخر قوس تک خریف اور جدی سے آخر حوت تک جاڑا[۲] "وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین" اور امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہوا جب آوے تو اس کو بخوشی قبول کرو اور جب یہ جاوے تو اس سے پرہیز کرو کیونکہ یہ تمہارے جسم کے ساتھ وہی سلوک کرے گی جو تمہارے درختوں کے ساتھ کرتی ہے۔

اور بعض ایسے ہیں جو نقصان پہنچانے والے ہیں مثل علم سحر و کہانت و کیمیا کے تانبے کو صاف کر کے چاندی بنا کر فروخت کرتے ہیں حالانکہ وہ چاندی نہیں بنتا اور بعض مکاسب ایسے

---

[۱] عنقریب جب غبار صاف ہوگا تو تم دیکھو گے کہ تمہارے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا ہے۔
[۲] اور اس کی منزلیں بنائی ہیں تاکہ تم سالوں کا شمار اور حساب معلوم کرو۔

حسین ہیں کہ نفس ان کو قبول نہیں کرتا ہے مثلاً غسال اور حجام اور بھنگی و چمار وغیرہ کے کام پس جو صنائع ہم نے بیان کیے ہیں ان میں سے کسی صنعت کو اختیار کرو اور عالم و عامل بن کر اپنے مقصد کو حاصل کرو خدا ہی کے دار حسنیٰ میں تمہارے نفس کو قرار پہنچے گا اور وہیں تم جنتوں اور نہروں میں خدا کے پاس آرام سے رہو گے۔

فصل

(عجائب اسفار کے بیان میں)

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ قاف کے پیچھے مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے آفتاب اس کو چالیس برس میں قطع کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس زمین میں مخلوق رہتی ہے فرمایا ہاں مومن لوگ ہیں جو ایک پلک زدن بھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں اور آدم علیہ السلام اور ابلیس کو مطلق نہیں جانتے فرشتے ان کو ہماری شریعت کے موافق تعلیم دیتے ہیں اور قرآن شریف ان کو پڑھاتے اور ان کے باہم فیصلہ کرتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کچھ زیادہ بیان فرمایئے فرمایا مسلمان جنوں میں سے ایک عورت میری واقف ہے وہ کئی سال غائب رہی جب وہ آئی تو میں نے اس سے دریافت کیا کہ کہاں گئی تھی اس نے کہا میں اپنی بہن کے پاس اس سفید زمین میں تھی جو قاف کی پرلی طرف ہے میں نے کہا کیا وہ لوگ مومن ہیں اس نے کہا ہاں میں نے آپ کی کتاب ان کے سامنے پڑھی پس ہماری قوم کے سب لوگ ایمان لے آئے میں نے پوچھا کہ اس زمین کے پرلی طرف کیا چیز ہے اس نے کہا برف کے پہاڑ ہیں اور پانی اور ہوا اور اندھیرا ہے اور پھر اس کے پرلی طرف جہنم ہے میں نے کہا کہ کیا ان شہروں میں بھی سورج پہنچتا ہے اس نے کہا ہاں۔

اور تمیم بن حبیب داری کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے کہ جب ان کو جنات راستہ گم کرا کر ایک جزیرہ میں لے گئے اور وہاں انھوں نے وہ محل دیکھا جس میں دجال مقید ہے اور اس نے ان سے پوچھا کہ تم کس امت میں سے ہو انھوں نے کہا حضرت محمد ﷺ کی دجال نے کہا کیا وہ مبعوث ہو گئے تمیم نے کہا ہاں اس نے کہا تو اب میرے نکلنے کا وقت آ گیا اور لیلۃ الجن کا واقعہ بھی نہایت تعجب خیز ہے عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں میں اور علی بن طالب اندھیری رات میں حضور کے ساتھ چلے یہاں تک کہ حضور ایک سوراخ پر پہنچ کر کھڑے ہوئے اس سوراخ میں

Marfat.com

سے ایک شخص نکلا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اندر تشریف لایئے پس حضور اور علی تو اندر تشریف لے گئے اور مجھ کو اپنے زائد کپڑے دے کر وہیں بٹھا دیا اور جب صبح کی نمود شروع ہوئی تو حضور اور چند لوگ آپ کے ساتھ تشریف لائے اور حضور نے مجھ سے فرمایا کہ یہ تمہارے مسلمان بھائی جنات ہیں اور پھر میرے پاس بنیذ تھی اس کو آپ نے نوش فرمایا اور باقی سے وضو کیا پس بنیذ سے وضو کرنا بلانزاع صحیح ہے مگر بعض اہل خواہش نے اپنی مرضی کے موافق اس کی تاویل کی ہے جس کو اس کی تحقیق منظور ہو وہ ہماری کتاب مناقب المذاہب میں ملاحظہ کرے اور زعیم بن بلعام کا قصہ بھی نہایت عجیب ہے اس نے یہ چاہا تھا کہ دریائے نیل کا منبع دریافت کرے اور چلنا شروع کیا یہاں تک کہ حضرت خضر سے اس کی ملاقات ہوئی اور خضر نے اس سے کہا کہ اب عنقریب تم ایسے اور ایسے مقام میں پہنچو گے چنانچہ زہن ایک پہاڑ کے پاس پہنچا جس میں ایک برج چار ستونوں پر کھڑا تھا اور دریائے نیل اس برج کے اندر سے آ رہا تھا اور اس پہاڑ میں ایسے میوے تھے جو کبھی خراب نہ ہوتے تھے زعیم کہتے ہیں پھر میں اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اس کی برتی میں نے بڑے بڑے عالی شان محل اور باغ دیکھے اور کہتے ہیں میں ایک بوڑھا شخص تھا اور بال میرے سفید تھے پس ایک ہوا اس طرف سے ایسی آئی کہ میرے تمام بال سیاہ ہو گئے اور میں نئے سرے سے جوان ہو گیا پھر اس باغ میں سے آواز آئی کہ اے زعیم یہاں ہمارے پاس آ جاؤ کیونکہ یہ متقیوں کا مقام ہے کہتے ہیں میں نے اس آواز پر جانے کا قصد کیا مگر خضر نے مجھ کو پکڑ لیا اور جانے نہ دیا۔

اور یہ حضور ﷺ کے اس فرمان کا راز ہے کہ سات نہریں جنت میں سے ہیں جیحون اور سیحون، اور دجلہ، اور فراط، اور نیل، اور ایک چشمہ بروان میں اور مقدس میں چشمہ سلوان، کیونکہ ماسی سے زمزم کا پانی ہے۔

اور اس سے بھی تعجب خیز بلوقیا، اور عفان کا واقعہ ہے اور یہ بہت طول طویل واقعہ ہے ہم اس کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں، یہ دونوں سفر کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تابوت رکھا تھا پس اس کو دیکھتے ہی بلوقیہ نے دوڑ کر ہاتھ بڑھایا کہ حضرت سلیمان کے ہاتھ میں سے انگوٹھی اتار لے اور جو سانپ کہ اس انگوٹھی پر موکل تھا اس نے اس پر ایسی پھونک ماری کہ وہ جل کر راکھ ہو گیا عفان نے ایک قارورہ مار کر اس کو زندہ کیا اور اس نے تین بار اسی طرح کیا جب یہ ہاتھ بڑھائے تو سانپ پھونک مارے اور یہ جل کر راکھ ہو جائے یہاں تک کہ یہ چوتھی مرتبہ بھی راکھ ہو گیا تب عفان وہاں سے یہ کہتا ہوا نکلا کہ شیطان نے

Marfat.com

ہلاک کر دیا شیطان نے ہلاک کر دیا سانپ نے اس کو آواز دی اور کہا کہ تو یہاں آ اور تجربہ کرے یہ انگوٹھی سوا حضرت محمد ﷺ کے اور کسی کے ہاتھ میں نہ جاویگی اور ان سے تو کہد یجو کہ فرشتوں نے تمہاری اور تم پہلے انبیاء کی فضیلت میں اختلاف کیا تھا پس خدا نے تم کو اور انبیاء پر اختیار کیا پھر عفان نے کہا کہ اس سانپ نے مجھ کو حکم کیا اور میں وہ انگوٹھی اتار کر لے آیا اور آپ کی نذر کی حضور ﷺ نے وہ انگوٹھی لیکر حضرت علی کو دی حضرت علی نے اس کو اپنی کن انگلیوں میں پہنا اسی وقت پرندہ جنات اور آدمی سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دمرباط جنی بھی آئی اس کا قصہ بہت طویل ہے پھر جب نماز کا وقت ہوا اور لوگ نماز میں مشغول ہوئے تو جبرئیل سائل کی صورت بن کر صف کے اندر چلے گئے لوگ اس وقت رکوع میں تھے اور حضرت علی نے انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا وہ فوراً اڑ کر جبرئیل کے ہاتھ میں چلی گئی تمام فرشتوں میں حضرت علی کی اس سخاوت سے شور برپا ہو گیا اور جبرئیل نے آن کر مبارک باد دی اور کہا اہل بیت رسول خدا نے تم پر انعام کیا تم وہ لوگ ہو کہ خدا نے تم سے ناپاکی دور کر کے تم کو بالکل پاک کر دیا ہے حضور ﷺ نے حضرت علی کو دی انھوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہم اس دنیا کی فانی نعمت کو لیکر کیا کریں گے جس کے حلال کا حساب ہے اور حرام کا عذاب ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرلے کہ پھر حضرت علی معاویہ سے دنیا کے واسطے کیوں لڑے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی معاویہ سے حق پر لڑے جو آپ کے واسطے تھا اور لیکن تحکیم پس باطل اور غیر صحیح ہے کیونکہ تحکیم موجود اور محدود اور معروف اور معلوم غیر مجہول پر ہوتی ہے یہ فقہ اور شرع ہے پھر تم جو کچھ چاہو اور کہو اگر اس معاملہ کی تفصیل دیکھنی ہو تو ہماری کتاب نسیم التنعیم میں دیکھو اور قصص ذی القرنین کا دیکھنا بھی کافی ہے اور ابن ابی الدنیا کی کتاب ریاض الندیم بھی بہتر ہے اور کتاب ''الاقالیم'' اور کتاب ''مسالک'' ''والمما لک'' اور کتاب ''ماوری'' سب اچھی ہیں اور اگر تم کو افلاک کی وسعت اور ایک کا دوسرے سے تفاوت معلوم کرنا ہو تو جانو کہ زمین کی وسعت کو کب ایک شب میں قطع کرتا ہے اور فلک ہوائی قمر ایک مہینہ میں قطع کرتا ہے پس دیکھ لو کہ ایک مہینہ اور ایک شب میں کیا فرق ہے پھر اس کے اوپر فلک زحل ہے جس کو چھبیس سال میں قطع کرتا ہے پھر اس کے اوپر کرسی اور عرش ہے اور یہ آٹھوں جنتوں کی سقف ہے جن میں سے ہر ایک جنت کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے پس تم اپنی دلیل کو اس مساق مذکور سے حاصل کرو اور تیری ناقص ہمت کو کیا ہو گیا ہے کہ کسی طرح بلند ہی نہیں ہوتی اور نہ تو اس کو سعادت کا لباس پہناتا ہے بلکہ تو اپنے نفس کی پرورش میں ہمہ تن مشغول ہے پس تو

Marfat.com

اس شخص کی مثل ہے جو ایک گدھے کے عشق میں قافلہ سے پیچھے رہ گیا اور قزاقوں نے اس کو لوٹ لیا۔

یہ دنیا عالم خواب ہے اور انبیاء علیہ السلام اس خواب کی تعبیر دینے والے ہیں اور اس تعبیر کا راست و دروغ تم کو بیدار ہونے کے بعد معلوم ہوگا کیا تم نے یہ اشارہ نہیں سنا کہ لوگ سوتے ہیں پس جس وقت مریں گے تو بیدار ہونگے پھر جس وقت مرتے ہیں تو بیدار ہو جاتے ہیں اور دنیا میں تیری مثال ان دو بچوں کی سی ہے جو ایک پیٹ میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اب ہم عنقریب یہاں سے نکل کر ایک دوسرے عالم میں پہنچیں گے اور جب یہ تولد ہو جاتا ہے اور دنیا کی کشادگی کو دیکھتا ہے تو کیا یہ اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ پھر ماں کے پیٹ کی تنگی میں واپس جائے ہرگز نہیں اور اسی طرح جب تو آخرت کی کشادگی کی طرف نکلے گا تو پھر تجھ کو دنیا کی طرف واپس ہونا ناخوش معلوم ہوگا اور تیرے مولا کے دروازے میں تیری مثال اس شخص کی سی ہے جو بادشاہی خدمت میں جانا چاہتا ہے اور وہ بھوکا ہے پھر اس نے بادشاہ کے دروازے پر کتا اور روٹیاں دیکھیں اور کتا اس کو اندر جانے سے روکتا ہے پس اگر اس شخص کی ہمت بلند ہے یہ روٹی کا خیال چھوڑ کر بادشاہی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور جس وقت کتا روٹی کھانے میں مصروف ہوتا ہے فوراً یہ شخص اندر داخل ہو جاتا ہے اور اگر اس کی ہمت اپنے پیٹ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو یہ روٹی کھانے کی طرف سبقت کرتا ہے اور پھر کتا اس کو اندر داخل نہیں ہونے دیتا اور روٹی اس کے پیٹ میں متعفن ہو تو تجھ کو بادشاہ کی حضوری سے روکتا ہے پس تجھ کو لازم ہے کہ روٹی کتے کی طرف پھینکدے اور خود آرام سے بیٹھ کر اعلیٰ درجہ کے اعمال میں مصروف ہو تا کہ ان کا نیک بدلہ قیامت کے روز تم کو ملے اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے ایک جماعت ظلمات میں داخل ہوئی اور وہاں کے حال سے واقف شخص نے کہا یہاں کے کنکر پتھر لے لو تم کو فائدہ ہوگا پس جس شخص نے اس کی بات پر یقین کیا اس نے پتھر اٹھا لیے اور جس نے نہ کیا اس نے نہ اٹھائے یہاں تک کہ جب لوگ ظلمات سے باہر آئے اور ان کنکروں کو دیکھا تو سب کے سب جواہرات اور موتی تھے پس جنھوں نے لیے تھے وہ تو خوش ہوئے اور جنھوں نے نہیں لیے تھے وہ حسرت میں رہ گئے پس یہی صورت دنیا میں تیرے اعمال کی ہے کہ یا تو غفلت کرکے تو غلام ہو جائے گا اور یا عمل کرنے سے تجھ کو خدا کی طرف سے سلام ملے گا لازم ہے کہ تو اپنا تکبر چھوڑ دے اور کم کھانا اختیار کرے اور پیٹ کو پاک و صاف بنائے اور نیند سے آنکھوں کی حفاظت کرے امید ہے کہ جب تو ایسا کرے گا تو تیری برائی دور ہوگی اور تیرا دین

Marfat.com

تیرا پورا ہوگا اور قیامت کے روز ہر ایک نعمت کا تم سے حساب لیا جائے گا کیا تم نے سنا کہ نبی ﷺ سے خدا نے ایک بار جو کی روٹی اور کھجوروں کے پیٹ بھر کر کھانے کا حساب لیا ہے اور ان کو تنبیہ کی ہے چنانچہ اس نے فرمایا ہے ''ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم ''[1]

فصل

(بلند ہمتی کے بیان میں)

معلوم ہو کہ ہمت والے کا اپنے دل کو حصول مقصد کے واسطے جمع کرنا اور خاص اس کی طرف متوجہ ہونا ہے اور ہمت والا اپنے حصول مقصد میں اغراض متفرقہ کا ارادہ نہیں کرتا ہے اور جو ایسا کرتا بھی ہے سو اس سے ایک کام کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

ہمتیں نفس کی شاخیں ہیں جس کا نفس بلند ہوتا ہے اس کی ہمت بھی بلند ہوتی ہے اور جس کا نفس پست ہوتا ہے اس کی ہمت بھی پست ہوتی ہے دیکھ رذیل لوگوں کی ہمتیں جیسے بھنگی چمار وغیرہ ہیں ان کی حیثیت کے موافق ہوتی ہیں اور جو بات کہ ازل میں ان کے واسطے ہو مقدر ہو چکی اور ان کے خمیر میں پڑ چکی ہے اس سے تجاوز نہیں کرتی اور جبکہ تمہارا معشوق ملک ہے پس تم کو ہرگز خسیس اور ذلیل باتوں سے الفت نہ کرنی چاہیے کیونکہ ملک و سلطنت نام نسب پر موقوف نہیں ہے بلکہ بلند ہمتی پر موقوف ہے چنانچہ جو فیض کے سب سے پہلے نفس کلی سے صادر ہوا ہے وہ علماء اور بادشاہوں کی ہمتیں ہیں اور پھر جوں جوں فیض دور ہوتا گیا ہمتیں رذیل ہوتی گئیں جیسا کہ انسان کے بعد حیوانات رذالت میں ایک دوسرے سے بڑھتے چلے گئے ہیں اور ہر ایک نے اپنی ہمت کے موافق اپنا کھانا پینا اور طرز و روش پسند کیا ہے چنانچہ کوئی اناج و غلہ وغیرہ سے پیٹ بھرتا ہے اور کوئی گھاس کھاتا ہے اور کوئی نجاست پر قناعت کرتا ہے ذوالقرنین کے قصہ میں غور کرو کہ یہ ہیلانا کے بیٹے اور باپ ان کا جولاہا تھا اپنی بلند ہمتی سے یہ سلطنت کے فکر میں مصروف ہوئے اور صنعت وغیرہ کے کاموں کو پسند نہ کیا اور ان جیسے دنیا میں بہت لوگ ہوئے ہیں اور متقدمین نے اپنی بلند ہمتی سے علم موسیقی ایجاد کیا ہے کہتے ہیں کہ اس کا الحان افلاک کی گردش کے الحان سے لیا گیا ہے کیونکہ گردش افلاک سے عجیب و غریب نغمے اور اوزان پیدا ہوتے ہیں اور موسیٰ و ادریس اور دیگر لوگوں سے منقول ہے کہ عود باجہ اس پرندہ کی

---

[1] البتہ اس دن تم سے نعمتوں کی بابت سوال کیا جائے گا۔

Marfat.com

شبیہ بنایا گیا ہے جو پہاڑ میں معلق رہتا ہے اور اس کی ناک میں اس قدر سوراخ ہیں جیسے عود میں ہوتے ہیں اور یہ باتیں ہمت کی فروعات سے متعلق ہیں اور بغیر ہمت کے مقصد کا حاصل ہونا دشوار ہے علماء کے مقصد کا حاصل ہونا درس و تدریس کے مواظبت اور فاقہ و صبر کے ساتھ ہے اور سلطنت کے مقصد کا حاصل ہونا ان باتوں کے ساتھ ہے جو سلطنت کو جزب کریں اور اگر تم یہ کہو کہ یہ سب امور تقدیر سے متعلق ہیں جس کی تقدیر میں ہوتا ہے وہی پاتا ہے ورنہ ہزار کوشش کرے کچھ نہیں ہوتا بندہ کی پیشانی پر جو کچھ لکھا ہے وہ مٹ نہیں سکتا۔

بیشک یہ تمہاری بات سچی ہے کہ جو کچھ مقدر میں ہے وہی پیش آئے گا پس اس واسطے تم کو چاہیے کہ عزت کی تلاش میں جان و دولت کے ساتھ نہ مرو معاویہ کا قول تم نے سنا ہوگا کہتا ہے بلند کاموں کا ارادہ کرو تاکہ ان کو پاسکو دیکھو میں خلافت کے لائق نہ تھا مگر میں نے اس کی ہمت کی پس اس کو پالیا۔

ہم نے کتاب سطر خزانہ الہدیٰ میں ایک حکایت نقل کی ہے اور یہاں بھی اس کو بیان کرتے ہیں کہ کسی شہر کا بادشاہ مر گیا اس کے امیروں وزیروں نے شہر کو اندر سے بند کر لیا اور کہا ہم اس شخص کو بادشاہ بنائیں گے جس کی کلائی میں چمکدار نور کی علامت ہو چنانچہ ایک فقیر ان کے پاس آیا اور اس کی کلائی میں نور کی ویسی نشانی تھی جو پہلے بادشاہ کی کلائی میں تھی وزیر نے اس فقیر کو خوب غور سے دیکھا اور اس کو اپنا بادشاہ بنالیا پھر ایک روز وزیر اسی بادشاہ کے پاس عود قماری کی لکڑی کے برتن میں کچھ چیز رکھ کر لے گیا بادشاہ نے پوچھا کہ اے وزیر یہ لکڑی کہاں سے آئی ہے وزیر نے کہا حضور ایسی لکڑیاں بکثرت کے ساتھ ہمارے دریا میں کہیں سے بہہ کر آجاتی ہیں بادشاہ نے کہا تم جلد اس بات کی تحقیق کرو کہ یہ لکڑیاں کہاں سے آتی ہیں ورنہ تم کو وزارت سے معزول کیا جائے گا وزیر اسی وقت کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہوا اور پھر ایک پہاڑ پر چڑھ کر اس کے پرلی طرف اترا اور دیکھا کہ بہت سے لوگ اس پہاڑ میں گوشہ نشیں اور عبادت میں مصروف ہیں وزیر نے دریافت کیا کہ یہ لوگ کس واسطے اس قدر مجاہدہ دریافت کر رہے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ سب سلطنت کے طالب اور ایک سال کامل اس کے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں اور جوان میں سے ترقی کرتا ہے اس کی کلائی پر ایک نورانی داغ ہو جاتا ہے پس وہی سلطنت کا مستحق ہے وزیر اس حال کو دریافت کر کے بادشاہ کے پاس آیا اور سارا قصہ بیان کیا بادشاہ نے کہا اے وزیر کسی کو حقیر نہ سمجھو ورنہ تو خود حقیر ہوگا بلکہ تجھ کو سفر اور عمل کرنا چاہیے تاکہ تیرا ذکر خیر کیا جائے پس یہ مجاہدہ کرنا اور بھوکے رہنا بلند ہمتی کی بات ہے پھر کہا کہ تو جوش اور خود کو دیکھ کر خوش نہ ہو جو

Marfat.com

اس کے اندر لکڑیوں کے سے دل ہوتے ہیں اور خود تم نے اپنی آنکھ سے استقاء اور جادو اور کہانت میں بلند ہمتی کا کرشمہ دیکھ لیا ہوگا اور اگر تم کرامات کا ظاہر کرنا چاہو تو فاقہ اور علم اور خلوت اختیار کرو اسرار کائنات کی علامت تم پر منکشف ہونگی مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ مغرب میں ایسے لوگ ہیں جو مسلمان جنوں کو عزائم کے زور سے مسخر کر لیتے ہیں اور اس کے متعلق مفصل بیان ہم نے کتاب خزانہ سر الہدای میں کیا ہے اس میں تلاش کر کے حصول مقصد میں کوشش کرے۔

کتاب سر العالمین کا یہ حصہ ختم ہوا اور اب اس کے آگے دوسرا حصہ شروع ہوگا اور وہ بھی امام حجۃ الاسلام ابی حامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ کی تصنیف سے ہے۔

مقالہ ابن سیناء پر رد کے بیان میں

اور جب یہ خیال ابن سیناء کے دل میں سمایا بایں طور کہ اس نے کہا کہ شمس اور کل کواکب جماد میں اور ان کا فیاض ہے نہایت شوق سے اس خیال کو اس نے مضبوط پکڑا اور بغیر برہان کے اس کا کلام ہر گز نہ چلا اور عقلی اور نقلی دلائل اس کے خلاف میں واضح طور سے موجود ہیں چنانچہ نقلی دلائل یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے[1] ''الم تر ان اللہ یسجدو له من في السموٰت ومن في الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال'' اور خسوف قمر کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا ہے[2] ''اللهم فرج عنه'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمر اس وقت تنگی میں ہوتا ہے اور اس کے علم کو محسوس کرتا ہے اسی واسطے اس کے لئے کشادگی کی دعا فرمائی ہے۔

پھر ابن سیناء اس کی تعلیل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بیان شمس وقمر وغیرہ کے سجدہ کا ان سے زبان حال کے طور پر ہے اور یہ وجہ دلیل کی نہیں ہے کیونکہ سجدہ خلاف کلام کے ہے اور پہاڑ

---

[1] کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا کو سب سجدہ کرتے ہیں اور جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ

[2] یعنی اے اللہ اس کی سختی کو کھول دے۔

Marfat.com

کا سجدہ اس کا سایہ ہے۔
اور یہ آیت "فالمدبرات امرا" نہیں فرمایا ہے فاعل اور مفعول میں فرق کے واسطے اور اگر مفعول ہوتا تو مذکر یا محل قابل اس کے واسطے نہ ہوتا پھر خداوند تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے "والسماء ذات البروج" بروج مقامات ہیں جس میں فاعل واقع ہوتا ہے نہ مفعول کیونکہ فاعل وہ معنی ہے جن سے ان کے مفعول کی توجیہ ہوتی ہے صحیح اخبار احاد میں وارد ہے کہ فرشتے سورج کو برف کے پہاڑوں میں کھینچتے ہیں اور اس کی تقدیس اور تمجید سنتے ہیں۔

اور اگر سورج جماد ہوتا تو خداوند تعالیٰ قرآن شریف میں اس قدر اس کی قسمیں نہ کھاتا اب ہم عقلی دلائل بیان کرتے ہیں ارباب نقل اور اہل نجوم کا اس بات پر اجماع ہے کہ شمس فلک کا حاجب ہے کیونکہ اس کی امر و نہی مشاہدہ کی جاتی ہے اور یہ ذات فلک میں انخراق کرنے والا ہے اور پھر کرہ سفلی پر بھی اس کی حکومت ہے اور ہر ایک عارف و عالم اس کے آثار و افعال کو مشاہدہ کرتا ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ جاہل ہے اور دلیل و برہان حقیقت خوف پر قطعی حکم لگا چکی ہے پس نقص ایک چیز کا مستدل ہے اوپر جملہ کے اور جبکہ اعتراض واقعہ ہو روحانیات اور جسمانیات میں مجانست کہاں رہی یہاں تک کہ وہ اپنی طبیعتوں سے اہل کون و فساد کے عالم میں ذکر یں پس جواب کو اس کے ارباب کے واسطے ظاہر کیا ہے اور دوا اور اس کے پینے والے میں کیا مناسبت ہے جس کے سبب سے وہ تاثیر کرتی اور اسہال لاتی ہے کہتا ہے اس لئے کہ سب چار طبائع سے مرکب ہیں پس جواب صحیح ہوا کہ عناصر اصلیہ نے اثر کیا ہے حال میں بالکلیہ اور ایسے ہی نفس جو بدن سے خارج اور منفصل ہے اس کا نفس اس ہوا سے ماخوذ ہے جو دورہ فلاکیہ سے جرم متخلل کے ساتھ متصل تھی پس یہ نتیجہ دور کا ہے جیسا کہ پنکھے کے ساتھ ہوا جھلی جاتی ہے پس اگر ہوا پنکھے سے ہو تو یہ باطل ہے اور اگر تم سے ہو تو پھر جو چیز اس سے ہے وہ تمہارے ساتھ کیسے متصل ہو سکتی ہے بلکہ اس کے اندر راز یہ ہے کہ ٹھہری ہوتی ہے اور پنکھا اس کو ہلاتا اور جدا کرتا ہے اور جب ہوا تم سے جدا ہو کر ٹھنڈک پاتی ہے تو پھر اس کو تمہاری طرف پہنچاتی ہے اور اسی طرح کل مقامات اور حمام میں ہوتا ہے۔
پس جبکہ نسبت صحیح ہوئی تو بغض و محبت کا تصور ہوا جیسا کہ ایک قوم سے خیال کو قوی کیا پس وہ اس سے مخاطب ہوئے اور قرآن شریف سے اجسام روحانیہ کا مقابلہ مشاہدہ کیا گیا ہے اور برہان اس کی اہل خیر کے نزدیک موجود ہے اور اے مظفو تم یہ کہتے ہو کہ فلک اچھے اچھے

Marfat.com

نغموں کے ساتھ تسبیح پڑھتا ہے پس کواکب تمہارے نزدیک فلک کی روح ہیں پھر جب کہ زندگی بدن کے اندر موجود ہوئی تو روح کے بطریق اولی موجود ہونی چاہیے یہ تلویح کافی ہے جیسے کہ لطیف شربت خلط کے شروع میں عمل کرتا ہے اور جب خلط زیادہ ہوتی ہے دوا کی بھی زیادہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر جب کہ دونوں عالموں کے درمیان میں نسبت کا سبب ہوا کے ساتھ صحیح ہوا تو عشق اور بغض اور امر ونہی اور وصل مالک سے واسطے مخلوک کے صحیح ہوا کیونکہ اعلیٰ جانب اسفل سے زیادہ کشادہ ہوتی ہے اور اعلی جانب کے رہنے والے روحانی عالم اسفل کے حاکم ہیں کیونکہ بادشاہ کی نزدیکی کے سبب سے پہلے فیض نہیں کو پہنچتا ہے اور اس کے متعلق دفع دخل کے واسطے قرآن نے توضیح فرمائی ہے 'عند ملیک مقتدر' عند کا لفظ تو قریب کا ہے اور اہل لغت اس عندیت کے معنی انتہاء عقلوں کے لیتے ہیں پس جب یہ بات تمہارے نزدیک صحیح طور سے ثابت ہوگئی تو اب تم کو اس عالم اعلیٰ کی تمنا کرنی چاہیے اور مشغلات فاسدہ کو ترک کر کے مجاہدہ کے ذریعہ سے ترقی کرو اور جب تک کہ تم اسی عالم اسفل میں مقید ہو اپنے نفس کو کیسے عزت کی نظر سے دیکھ سکتے ہو پس تم کو لازم ہے کہ عالم بالا کی طرف توجہ کرو اور اپنی ہمت کے ساتھ جسم کے مرکب کو قطع کرو تا کہ روح اپنے عالم سے متصل ہو جائے بسبب اس قدیم عشق کے جو اس کے اندر موجود ہے۔

فصل

(زہد کے بیان میں)

کیونکہ لغت میں زہد کے معنی کسی چیز کے واسطے ترک کرنے کے ہیں اس نے تو آخرت کے واسطے زہد کیا اور ایک گروہ نے دنیا کے واسطے زہد کیا اور ایک گروہ نے نہ آخرت کے واسطے کیا نہ دنیا کے واسطے بلکہ ان دونوں کے مالک یعنی خداوند تعالی کے واسطے زہد کرتے ہیں اور یہ تیسرا طریقہ نہایت سخت و دشوار ہے کیونکہ نفس آخرت کا بیان سن کر خوش ہوتا ہے اور راحت پاتا ہے اور جس نے سب کو ترک کیا وہ یہ بھی نہ جانا کہ کس چیز میں اس نے رغبت کی ہے پس وہ زہنب ہوا اور یہ مرض بالکلیہ ہے اس کی دوا ضرور چاہیے اور دوا اس کی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جب نفوس نے اس بات کو جان لیا کہ زمین پر جو چیز ہے ضرور وہ زائل ہونے والی ہے پس پاکیزہ نفوس نے ان پاکیزہ چیزوں کو اپنے اختیار سے بغیر کسی مجبوری کے ترک کر دیا اور

Marfat.com

کو ترک کرنا ایسا ہے جیسے فقیر یا بوڑھا آدمی ایسے گناہوں کو ترک کرلے جن کو کر نہ سکتا ہو اور طلاق مکرہ سے مشابہ ہے اور جب عقلمند نے اس بات کی طرف نظر کی کہ جو عمر گزر گئی ہے اس میں کچھ مزا نہ رہا اور جو باقی ہے اس کو دوام اور ہیشگی نہیں ہے تب یہ لوگ بطریق منازعہ کلیہ کے ترک دنیا کی طرف رجوع ہوئے اور اس شخص کی مثل بن گئے جس نے دوا کی تلخی پر جلد صحت ہونے کی امید میں صبر کیا اور اس کی اغراض فاسدہ مثل اس مقام کے ہیں جس کے اوپر دھواں محیط ہو اور اس کی اغراض فاسدہ مثل اس مکان کے ہیں جس کے اوپر دھواں محیط ہو اور اس کے اندر موذی جانور اور گزمزہ بھری ہوئی ہوں پس اس کے مالک اس کی صفائی اور ستھرائی کرنے اور اس کے ضرور دور کرنے کی طرف متوجہ ہوئے چنانچہ آنکھ کا دھونا اور پاک کرنا اس کو جھکانے اور ادھر ادھر نہ ڈالنے اور رونے کے ساتھ ہے اور زبان کے اندر جو ناپاکی ہے اس کو ذکر اور استغفار اور ندامت اور اعتذار کے ساتھ دھونا اور پاک کرنا چاہیے اور جب کہ تم کو یہ بات معلوم ہے کہ لشکر بادشاہ کا مطیع حکم ہوتا ہے پس نفرت کے بعد فوراً ہی وہ واپس بھی آ جاتا ہے مگر سارا خوف اور اندیشہ بادشاہ کی طرف سے ہے کیونکہ جب فساد اس کے اندر پیدا ہو جاتا ہے تو پھر رعیت کا ٹھکانا نہیں رہتا اس کی خرابی سے ساری رعیت خراب و برباد ہو جاتی ہے اور جب تک عقیدہ سالم ہے تو اعضاء کا علاج نہایت قریب اور سہل ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ابن آدم کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو بدن درست رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہوتا ہے تو سارا بدن فاسد رہتا ہے پس سب سے بڑا تمہارا زہد یہ ہے کہ جب تم اس بزرگ طریقہ میں قدم رکھو تو نفس طاہرہ اور جسم کے درمیان میں شہوتوں اور لذتوں کا ترک واقع کرو اور جب نفس ان کو اپنے معشوق کی خاطر ترک کر دے گا تو ان سے جدا ہو کر ان کی طرف سے صبر کرے گا اور اپنے معشوق سے جدا نہ ہو سکے گا اور اگر پہلے اس نے مجاہدہ و ریاضت کا کچھ شوق کیا ہے تب اس کی طرف میل کرنے سے طبائع اربعہ پر یہ نفس فوقیت لیجا کر اعلیٰ مرتبہ میں مقرب فرشتوں سے متصل ہوگا اور پاک لوگوں کی ہم نشینی کے ساتھ انوار قرب کے فیض سے مستفیض ہوگا اور ان کی لذت اس کو کھانے پینے کی کل لذتوں سے افضل معلوم ہوگی جیسا کہ عاقل بادشاہ کی ہم نشینی اور قرب سے اپنا حصہ لیتا ہے اور عقلی لذتیں جو علم اور مطربات کے سننے سے حاصل ہوتی ہیں وہ کل و شرب کی لذتوں سے بدرجہا بڑھ کر ہوتی ہیں اور پھر انھیں انوار و فیوض و برکات کے ساتھ نفس نمی آسمان کو طے کر کے اس مقام انوار میں پہنچتا ہے جہاں نہ دن ہے نہ رات ہے کیونکہ دن رات کو خداوند تعالیٰ نے گردش فلک کے ساتھ

Marfat.com

وابستہ کیا ہے اور خیر و خبر کے قضیے انھیں پر مرتب ہوتے ہیں دوسرا فلک قمر کا مرکز ہے اور قمر اس ایک مہینہ کی مسافت میں قطع کرتا ہے جیسا کہ اول ایک شب و روز میں قطع کیا تھا اور اسی طرح چوتھا فلک شمس کا مرکز ہے جس کو شمس ایک سال میں قطع کرتا ہے اور پھر اسی طرح افلاک کو ان کے کواکب قطع کرتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں فلک کو زحل قطع کرتا ہے اور پھر اس کے آٹھواں اور نواں آسمان ہے اور اے غافل تو ادنیٰ اور تنگ ہی منزل میں منہمک ہو رہا ہے تجھ یہ خبر نہیں کہ اگر تو کوشش کرے تو یہ پاک روح تیری نویں آسمان جس کو اصطلاح شریعت کرسی کہتے ہیں فرشتوں کی ہم نشین ہوسکتی ہے اور وہ مقام عیوب اور امراض اور ہر ایک طرح علت اور زنا فعال سے بالکل پاک و منزہ ہے اور اس کا سبب ظاہر یہ ہے کہ ہم فنا کو دیکھتے ہیں کہ وہ سوا اس کرہ خاکی کے رہنے والوں کے اور کسی کے پاس نہیں جاتی ہے کیونکہ اسی کرہ میں رات اور دن کے احوال متغیر ہوتے ہیں اور پھر یہ برہان بھی اس دعویٰ پر موجود ہے کہ نیرین اور کواکب باوجود دائرہ سفلی سے قریب ہونے کے باقی ہیں پھر جو چیز کہ ان سے اوپر ہیں وہ تو اور بھی زیادہ قائم و دائم ہیں اور جب یہ بات جائز ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان میں میدان اور کشادگی و وسعت ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ نویں آسمان کے پرے بہت بڑی کشادگی اور وسعت ہے اور چونکہ انوار قدسیہ سے وہ مقام بہت نزدیک ہے اس سبب سے وہ بڑی بزرگی اور بخشش ہوتی ہے اور ارباب نقل کے نزدیک جب یہ بات مسلم ہوئی کہ جرم بازی غیر جرم شمس ہے کیونکہ جرم ناری کے واسطے اعراض فاسدہ مثل دھوئیں وغیرہ کے ہونے کی ضرورت ہے پس وہ ارواح خبیثہ کا مسکن ہوا کیونکہ جب دنیا نے ان کو بھاری کر دیا ہے اور جب وہ محل اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کا قصد کرتی ہیں جب ہی عالم سفل کا شوق ان پر غالب ہو کر ان کو نیچے دھکیل دیتا ہے اور یہی اس آیت کا مضمون ہے ''وامامن اوتی کتابه وراء ظهره'' اور جو روحیں جب دنیا سے پاک ہوتی ہیں وہ اپنے شوق کے ساتھ محل اعلیٰ میں ترقی کو جاتی ہیں اور یہی اس آیت کے معنی ہیں ''وامامن اوتی کتابه بیمینه'' پس سب ظلمتوں سے بڑھ کر نفس کی وہ ظلمتیں ہیں جن سے یہ تجاوز نہیں کرسکتا ہے اور اس کا وہ طائر ہے جس کو وہ چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتا و کل انسان الزمناه طائره فی عنقه''۔

اور جبکہ یہ براہین صحیح ہوگئیں تو یہ بات ثابت ہوئی کہ وہاں ایک نعمتوں کا گھر ہے جس میں خدا نے اپنے دوستوں کے واسطے نور اور حور و قصور اور قطوف دانیہ اور غرف عالیہ بے حد و نہایت مہیا کیا ہے پھر جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ دار القرار کا درہم اور دنیا کی محبت کے ساتھ

Marfat.com

مالک ہوگا تو یہ خیال اس کا باطل ہے زہد کا سب سے بڑا درجہ نفس کا جسم کے اندر زہد کرنا ہے تا کہ اس کی ظلمتوں کو قطع کر کے اس کی لذتوں اور خواہشوں کو ترک کر لے اور اس کے اندر جو مصائب وشدائد اس کو در پیش ہوں ان سب کو گوارا کرنے پس جب وہ ان خواہشوں کو چھوڑ دے گا تب اس کے اندر نیک باتوں کے آنے کی گنجائش ہوگی چنانچہ سب سے پہلے مرید جن اخلاق ضمیمہ سے اپنے نفس کو پاک کر لے وہ یہ ہیں طمع تکبیر بخل ریا اور حسد من اخلاق ناپاک کو نفس کے کتے اور درندے سانپ وبچھو سمجھا چاہیے جب بندہ مر جاتا ہے تو یہ سب درندے اپنے اپنے بھٹوں اور بلوں سے نکل کر نفس کو تکلیف اور عذاب پہنچاتے ہیں اور جہل کو بڑا اژدہا اور رسم قاتل سمجھنا چاہیے پس جب نفس ان اخلاق ضمیمہ سے پاک ہو کر اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہوتا ہو زہد کے ابتدائی درجہ میں پہنچتا ہے اور نور عقل کے بازو قوی ہوتے ہیں اور دریائے یقین میں یہ تیرنے لگتا ہے راستی کا قاصد اس کے دل سے غفلت کا پردہ اٹھا دیتا ہے پس دراصل روز آخرت کا یہی توشہ بھروسہ ہے اور نفس کو جس بات کی عادت ڈالو اسی سے اس کو الفت ہو جاتی ہے بلکہ اس کا عاشق وگردیدہ ہو جاتا ہے نفس کو طبائع اربع سے کیا نسبت کہ وہ ان کی طرف بالکل ہی مائل ہو جائے نفس سماوی ہے اور یہ ارضی ہیں جو الفت کے ان درمیان میں ہے یہ فقط ہم صحبتی کے سبب سے ہے پھر جس وقت سوار اپنی سواری سے جدا ہوتا ہے تو سواری کو آرام ملتا ہے پس بدن روح کا مرکب یعنی سواری ہے اور اگر تم اس کو روح کا محبوب بناؤ گے تو پھر یہ روح کے ساتھ رہے گا اور کبھی اس سے جدا نہ ہوگا اور سکرات موت میں جو سختی روح کو در پیش ہوتی ہے وہ صرف بدن کے ساتھ اس کے عشق ہی کے سبب سے ہوتی ہے کیونکہ روح اس کے سوا کسی کو اپنا محبوب نہیں جانتی لہذا اس کی مفارقت روح کو گوارا نہیں ہوتی اور روح کا بدن ہے اس درجہ عشق کرنا بالکل روح کی خطا ہے اور بادشاہ کا قرب ہر حال میں بہتر ہے پس تنہائی کی اشد ضرورت ہو تو اپنے اختیار سے اس کی عادت ڈالنی چاہیے دنیا میں زاہدوں کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ ان کے در پر حاضری دیا کریں جیسا کہ شارع علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ زاہدوں نے دنیا کی حرمت اور آخرت کی نعمت کے ساتھ کامیابی حاصل کی اگر تم شریعت کے قائل ہو تب تو تم کو طریق محمدی کا پابند ہونا چاہیے اور اگر تم اہل عقل کے طریق پر ہو تو افلاطون اور سقراط کا طریق اختیار کرو اور جبکہ تم کو یہ بات معلوم ہے کہ شہد مکھی کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اور بڑا قیمتی کپڑا جو حریر ہے کیڑے کے لگے ہوئے جالے سے بنتا ہے اور سب سے عمدہ پینے کی چیز دنیا میں پانی ہے اور پینے والے اس میں ایک طریقہ پر ہیں۔ پھر گھوڑا ہے اور سوار اس کا اور ہے پھر عورتیں ہیں ان

Marfat.com

کے ساتھ جو مشقت اور تکلیفیں ہیں وہ ظاہر میں پھر چاندی اور سونا ہیں جو ایک قسم کے پتھر ہیں اگر کل بادشاہ ان کے مسوخ کرنے پر متفق ہو جائیں تو ان کی کچھ قیمت نا رہے اور باوجود ان سب باتوں کے تم یہ سمجھتے ہو کہ ان ساتوں باتوں کے ترک کرنے سے تم کو زہد حاصل ہو جائے گا جو یہ ہیں[1] "من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذهب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث" اور تم کو یہ خبر نہیں کہ سات چیزیں پوشیدہ تمہارے اندر گھسی ہوئی بیٹھی ہیں ان کو بھی نکال کر باہر کرنا چاہیے اور وہ یہ ہیں عجب تکبر بدگمانی بخل، حسد، بغاوت حد سے زیادتی، پس ان باتوں میں زہد کرنا بہت بہتر ہے دیکھو بزرگان سلف بڑے مالدار تھے مگر اپنے مال کو وہ راہ مستقیم میں خرچ کرتے تھے اور دل ان کے مال کی محبت سے پاک وصاف تھے بخلاف تمہارے کہ تم لوگوں کے دل مال کی محبت میں پھنسے ہوئے ہیں جیسا کہ ظاہری طہارت ظاہری آداب کے ساتھ ضروری ہے ایسے ہی قلب کی طہارت باطنی آداب کے ساتھ فرض ہے بڑے افسوس کی بات ہے کہ بظاہر تو تم پروردگار کی نماز پڑھتے ہو اور دل میں خواہشوں کے متعلق فکر کر رہے ہو حالانکہ اس بات کو بھی جانتے ہو کہ تمہارا دل خدا کا گھر ہے اور اس کی رحمت کا محل اور علم کا سرچشمہ اور ملائکہ کا جائے وقوع اور ذکر کی جگہ اور روح کا میل اور حکم کی لوح اور عقل کا آئینہ اور یقین کا چراغ ہے مگر یہ سب باتیں تم سے تخلیط اور غفلت کے سبب سے پوشیدہ ہیں اور تم ایمان کے نور سے اپنی طبیعت کے اندھیرے کی طرف گناہ کے پردے کے پیچھے واپس ہو گئے ہو اور اسی سبب سے یہ انوار تم پر پوشیدہ ہیں جیسا کہ بادل کا پردہ آفتاب کے رخ روشن کو پوشیدہ کر لیتا ہے اور مٹی پانی کے چہرہ کو چھپائے ہوئے ہے جب تم اس کو دور کرو گے تو اس تک پہنچ جاؤ گے اور الہام کے ذریعہ سے مخفی اور لدنی علوم تم پر منکشف ہونگے لوح جب کہ اوپر ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کے سوا وہ کسی بات کی گنجائش نہیں رکھتی تو پس تم اپنے دل کو آفات ذمیمہ سے دھو کر صاف کر لو تا کہ وہ علوم جو خد و حصر سے باہر ہیں اس کے اندر منقش ہوں تم شرع کی رو سے اس بات کو جانتے ہو کہ گھر میں چھونے پر کتے کی تصویر کے ہونے سے فرشتہ اندر نہیں آتا ہے پھر باوجود اس کے تم نے اپنے دل کے اندر سات کتے بلکہ زیادہ مثل حرص وغرور وبخل وغیرہ کے باندھ رکھے ہیں پھر جس شخص کے دل میں یہ آفات بھرے ہوئے ہوں اس بات کی آرزو کیسے کرتا ہے کہ نسیم قرب ان کے اوپر چلے کیونکہ یہ آفات قلب کے کتے ہیں جب نفس دنیا میں زہد اختیار کرنے سے عاجز ہو اور شہوتوں کی طرف مائل ہو جائے تو

---

[1] سونے اور چاندی اور عمدہ گھوڑوں اور عورتوں اور فرزندوں اور مویشی اور کھیتی سے۔

Marfat.com

اس کو خطاب وسنت کے وعظ ونصائح سنا کر تنبیہ کرو اور اخلاق حمیدہ کی اس کو عادت ڈالو کیونکہ خیر سعادت ہے اور شر لجاجت ہے جو شخص یہ جانتا ہے کہ وہ آخرت کی طرف راستہ چل رہا ہے تو اس کے واسطے ضروری ہے کہ کچھ سامان بھی تیار کرے اگر تم نے دنیا کو طلاق دیدی تو بہتر ہے ورنہ پھر وہ خود تم کو طلاق دے دے گی اور تمہارے اور اس کے درمیان کا وصل فنا کی چھری سے کٹ جائے گا اور جب یہ طریق علم اخلاص کے ساتھ تمہارے واسطے درست ہو جائے تب تم ملائکہ مقربین کا حیات ابدی اور سرمدی لذتوں میں اختیار کرو اور فردوس اعلیٰ میں بادشاہ بزرگ کے زیر سایہ اعتدال کی جگہ میں رہو کیونکہ وہاں رات و دن نہیں ہوتا اور گردش افلاک سے ایسے نغمے سنائی دیتے ہیں جن کی لذت وسرور سے ہوش وحواس گم اور عقل زائل ہو جاتی ہے اور نفس اہل قدیم کے پڑوس میں اس عقل کے فعال کے پاس رہتا ہے جس کے پرلی طرف واسطہ عالم نفخہ ہے جو فیض الٰہی سے صادر ہوتا ہے پس کیسی خوشی اور مبارک باد ہے اس نفس کے لئے جو پاک اور پاکیزہ ہو گیا بے شک لوگ سوتے ہیں جب مریں گے تو اسی وقت بے دار ہونگے۔ کیونکہ اس وقت اجسام کثیفہ سے ان کی مفارقت ہو گی اور نیز نفس بدن کا خادم ہے اس کی اغراض حاصل کرنے کے واسطے اور وہ اس کا والی ہے پس جب وہ اس شہر کی حکومت سے معزول ہو جاتا ہے تب ہر چیز اپنے اصل محل کی طرف رجوع کرتی ہے اور جب معاد اور ارواح واجساد کے جمع ہونے کا وقت آوے گا قیامت کبریٰ اپنے معجزات کو ظاہر کر کے مستحق ہو جائے گی اور دردناک عذاب آنکھ سے دیکھا جائے گا معاذ اللہ کے متعلق کچھ اختلاف نہیں ہے صرف اختلاف اس بات میں ہے کہ وہ ارواح کے واسطے ہے اجساد کے واسطے نہیں ہے اور یہ بات قبیل تعجیز سے ہے کیونکہ جس قدرت والے نے پہلے جسم کو پیدا کیا تھا وہی اس کو دوبارہ پیدا کرنے کا بھی قادر ہے اور بدن روح کی طاعت اور معصیت دونوں میں شریک حال ہے جیسا کہ ایک اندھا اور ایک اپاہج مل کر کوئی جرم کریں تو اس کی سزا کے دونوں مستحق ہونگے یہ اشارہ سمجھنے والے کے واسطے کافی ہے اور جب کہ تم اس بات کو جانتے ہو کہ دنیا مثل تمہارے سایہ کے ہے اگر تم اس کو پکڑنا چاہو گے تو وہ تمہارے ہاتھ نہ آئے گی اور تم عاجز ہو گے اور اگر تم اس سے روگردان ہو کر چلے جاؤ گے تب وہ تمہارے پیچھے پیچھے ہو گی اور یہی حضور ﷺ نے اپنے پروردگار سے روایت فرمایا ہے کہ وہ فرماتا ہے اے دنیا جس نے میری خدمت کی ہے اس کی تو خدمت کیجیو اور جس نے تیری خدمت کی ہے اس سے تو خدمت لیجیو۔

اور جب تم نے جان لیا کہ دنیا کا یہ حال ہے اور اس کی نعمتیں ہمیشہ ایک قوم سے

Marfat.com

دوسری قوم کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہیں اور آدمی اپنے آئندہ و گزشتہ کے متعلق کچھ فکر نہیں کرتا ہے کہ کیا تھا اور کیا ہوگیا اور اگر کسی تکلیف سے اس کو راحت ملتی ہے تو اس تکلیف کو ہرگز یاد نہیں رکھتا اور جب روح جنتی ہوتی ہے تو موت کی تکلیف اس کو کچھ نہیں معلوم ہوتی۔

تم نہیں دیکھتے ہو کہ لوگ فانی ریاست کی تلاش میں کس طرح سے کوشش کرتے ہیں پس اسی طرح جو شخص دار بقاء کی قدر و قیمت کو جانتا ہے اس کے واسطے کیوں وہ کوشش نہ کرے گا حالانکہ دار البقاء کی وہ سلطنت ہے جو کبھی زائل نہیں ہوتی تم اس بات کو جان چکے ہو کہ زہد دنیا میں عزت اور آخرت میں نعمت اور بدن کی راحت اور لوگوں سے تونگری اور خدائے کریم کے ساتھ مشغولی کا موجب ہے میں نے حتی الوسع خوب نصیحت کر دی ہے مگر تم لوگ نصیحت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے۔

فصل

روح کے بیان میں

چونکہ موت اور روح اور ان دونوں کے اسرار کے متعلق کلام کرنا ضروری تھا اس سبب سے پہلے روح کے متعلق گفتگو شروع کی گئی ایک طائفہ اپنے گمان میں یہ سمجھتا ہے کہ روح ارض ہے اور ایک طائفہ یہ کہتا ہے کہ وہ جسم لطیف ہے فنا کو قبول نہیں کرتی اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ روح ایک جوہر بسیط روحانی مدرک حساس ہے جسم سے منتقل اور جدا ہونے کے وقت علوم کی صورتیں اس کے اندر منقش ہو جاتی ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت نے روح کی نسبت گفتگو کرنی منع کر دی ہے کیونکہ فرمایا ہے کہ "قل الروح من امر ربی" یہ خیال ان لوگوں کا غلط ہے کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ شارع نے روح کے اندر خوض کرنے کو منع فرمایا ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ خود شارع علیہ السلام نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ جو تم میں سب سے زیادہ اپنے نفس کو جانتا ہے وہی سب سے زیادہ اپنے رب کو جانتا ہے۔

شارع علیہ السلام اگر کامل تھے تو بیشک انھوں نے روح کو جانا تھا اور اگر ناقص تھے تب ان کو مبعوث ہونا جائز نہیں اور صرف عوام الناس اور جہلاء کو خوض کرنے سے منع فرمایا ہے صحیح بات یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح عقلی و نقلی دلائل کی رو سے باقی رہتی ہے نقلی دلائل یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند

Marfat.com

ربھم یرزقون فرحین بما اٰتاھم ۱؎ اور یہ حال ہے درست نہیں ہے کہ قدرت میں موت کے اندر تخصیص اور عموم ہو اور فرماتا ہے ۲؎ "النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا" اور فرماتا ہے "رزقھم منھا بکرۃ وعشیا" تمثیل مخاطب کے سمجھانے کے واسطے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جنت میں رات دن نہ ہونگے تو پھر صبح شام کہاں ہو گی اور حدیث میں وارد ہے کہ مومن کی روح جنت کے درختوں میں پھرے گی اور ان کے پھل کھاوے گی اور انکی نہروں کے پانی پیئے گی اور پھر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیل میں جا کر آرام سے جا کر قیامت تک رہے گی

اور برہان عقلی یہ ہے کہ ہمیت کو اس کی صورت میں بالکل کامل دیکھتے ہیں موت سے کوئی نقص اس کے اندر پیدا نہیں ہوتا صرف حرکتیں اور نطق اور عقل اور کل وہ صفات جن سے انسان اور بہائم میں فرق معلوم ہوتا ہے جاتی رہتی ہیں پس موت روح اور جسم کے درمیان میں فاصلے سے عبارت ہے جب یہ جسم روح سے جدا ہوتا ہے تو روح اپنے عالم اول کی طرف رجوع کرتی ہے جس کو ہم عرش اور یہ لوگ یعنی فلسفی عقل فعل کہتے ہیں ساتھ اپنے گھر کو واپس ہوتی ہے اور اگر شوق اس کا محل سفلی کی طرف غالب ہوتا ہے تب وہ گناہوں کے بھاری بوجھ کے سبب سے اوپر کو اڑ نہیں سکتی اور نہ نیک لوگوں میں جا کر شریک ہو سکتی ہے یہی بندہ کا بہت بڑا گناہ ہے اور اسی کے سبب اس کو دوزخ میں عذاب کیا جاتا ہے اور اس راز کو حضور ﷺ نے اس کلام میں ظاہر فرمایا ہے کہ نیک لوگوں کی روحین سبز پرندوں کے پوٹوں میں جنت کے اندر چرتی پھریں گی اور جب شوق جسم کی طرف غالب ہوگا تو روح اپنے گناہوں کے مواخذہ میں گرفتار ہوگی اور سب سے بڑا گناہ اس کا اپنے غیر جنس یعنی جسم سے محبت کرنا ہے اور جوں جوں جسم مضمحل اور فنا ہوتا جاتا ہے اسی قدر روح کا اشتیاق بھی اس کی طرف کم ہوتا جاتا ہے اور دوسرا شوق یعنی بلند مکان کا قوی ہوتا جاتا ہے اور اسی سبب سے حضور ﷺ نے فرمایا ہے جس قدر دیر تک بندہ کا جسم قبر میں رہتا ہے اس کے گناہوں میں تخفیف ہوتی ہے اور دلیل اس معنی کی یہ ہے کہ اہل میت کے دل اس کے اشتیاق میں ہوتے ہیں اور جس وقت سے اس کا جسم قبر کے اندر مضمحل ہونا شروع ہوتا ہے ان کے رنج و غم میں بھی کمی پڑ جاتی ہے اور یہی معنی کسی شاعر نے اس شعر میں نظم کیے ہیں

۱؎ ان لوگوں کو مردہ نہ سمجھو جو راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس خوشحال ہیں۔

۲؎ دوزخ پر صبح و شام لائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

الی الحول تم اسم السلام علیکما
ومن .. حولا کما فلا فقد اعتد

صرف راز جو ہے وہ اس روح کی وضع اور اس بدن کے ساتھ اس کی بلاہٹ میں ہے باطن اور ظاہر سے اور یہ جسم روح کا مرکب ہے تاکہ اس پر سوار ہو کر وہ ان علوم سے جو اس کی ذات میں مرتسم ہیں اپنے مقاصد کو حاصل کرے جب تم یہ چاہو کہ تمہارا نفس علوی اور رفیق اعلی کی طرف راغب ہو پس تم اس کی صفات وسمیہ کو دور کرنا اور صفات حمیدہ کے ساتھ اس کو آراستہ کرنا شروع کرو مثلاً بخل کے بدلہ سخاوت اور کنجوسی کے بدلہ بخشش اور جہالت کے بدلہ علم اور انکار کے بدلہ معرفت اور شر کے بدلہ خیر حاصل کرو اور شبہ کے اندھیروں سے نکال کر نور جلال کی طرف اس کی رہنمائی کرو اور تکذیب سے تصدیق میں اور بطالتہ سے خدا کے ساتھ مشغولی میں اور تزکیہ نفس کے واسطے خلوت اختیار کرو۔

ان سب باتوں کے بجالانے سے تمہارا نفس ربانی قوی ہو کر درجہ کمال کو پہنچے گا اور اس وقت تم سے اعلی علیین کی طرف منجذب ہونے میں جھگڑے گا اور تم اس وقت ملائکہ مقربین کے مرتبہ میں ہو گے اور عرش اور لوح کا جمال تمہارے سامنے ہو گا اور تم عقل فعل سے قوت الٰہی اور فیض الٰہی حاصل کرو گے اور اپنے جسم اور نفس کے درمیان میں قطع شہوت اور ہلاک لذت کے ساتھ ڈال لو گے پس جسم کے اندر نفس کا زہد پیدا ہو گا اور جسم سے جدا ہونے کی خواہش ظاہر ہو گی تاکہ دار ابدی میں لذت سرمدی حاصل ہو اور اگر نفس پر جسم کا عشق غالب ہوا تب نفس جسم سے جدا ہونا نہ چاہے گا اور نہ اس کو اوپر کی طرف ترقی کرنے دے گا "ان الذین کذبوا بایاتنا واستکبروا عنها لا تفتح لهم ابواب السماء ولا یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط"[۱] پس جب اس بات پر برہان قائم ہو گئی کہ پاک روح اعلی محل کی طرف ترقی کرتی ہے اور اپنے اختیار کے ساتھ آزاد ہوتی ہے بخلاف فلاسفہ اور اپنے لوگوں کے پاس آتی جاتی اور اپنے ابنائے جنس سے ملاقات کرتی ہے اور ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ روحیں ایک دوسری کے پاس آتی جاتی ہیں اور نئی آنے والی روح سے دنیا کے حالات دریافت کرتی ہیں وہ ان سے بیان کرتی ہیں اور فرمایا ہے کہ بعض روحیں گونگی ہوتی ہیں بول نہیں سکتیں اور یہ ان لوگوں کی روحیں ہیں جو بغیر وصیت کیے مر گئے ہیں

[۱] بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ تکبر کیا ان کے واسطے آسمان کے دروازے نہ کھلیں گے اور نہ وہ لوگ جنت میں داخل ہونگے یہاں تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے نکل جائے۔

Marfat.com

اور وجہ شرعی کے موافق پس روحیں جو صورت چاہیں پرندے وغیرہ کی اختیار کر سکتی ہیں ان فرشتوں پر قیاس کر کے جو انسانوں کی صورت بن کر پیغمبروں کے پاس آئے ہیں پس قرب ملائکہ سے ان کے استقرار کے سبب محل سے انھوں نے اس چیز کی استمداد لی ہے جو جو ہر خاصیت اکتساب ملائکہ سے انھوں نے کسب کیا ہے پس اگر طبعاً ہے تو وہ انھیں کی مثل ہے اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے باوجود اپنے علم اور فہم کثیر اور مشکوۃ انوار نبوت سے قریب ہونے کے فرمایا ہے اور حالانکہ آپ چراغ ہدایت کی بتی اور زیتون ابراہیمی کے روغن تھے کس طرح مصطفیٰ کے در پر کھڑے رہے پھر انھوں نے ان سے جو کچھ شکایت حال کہنا تھی وہ کہی۔

اور بے شک قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اور خاصیت مثل اتصال شمع کے ہے ساتھ مسموع کے اور تطر کے ساتھ منظور کے۔

الغرض کوئی نفس خواہ نیک ہو یا بد ہو موت اس کے واسطے راحت ہے اور خوف صرف روح کے جسم سے مفارقت کرنے کا ہوتا ہے اور موت کی مثال نشہ کی سی ہے پھر جب روح بدن سے نکل جاتی ہے تو اس کا خوف واپس آ جاتا ہے اور بھاری بوجھ اس پر سے دور ہو کر صفت کمال کی طرف روح رجوع کرتی ہے اور جو علوم یا اعمال اس نے کسب کیے تھے وہ سب اس کو یاد آ جاتے ہیں اور اسی سبب سے اشارہ کیا ہے کہ لوگ (دنیا میں) سوتے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہونگے بہر حال موت اہل عقل کے نزدیک بندہ کے واسطے زندگی سے بہتر ہے کیونکہ اس میں رب العالمین سے نزدیک رہنا ہوتا ہے۔

فصل

موت کے بیان میں

اور جبکہ موت سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑھ کر حادثہ ہے کیونکہ اس سے زیادہ اور کوئی ہولناک بات مخلوق نے نہیں دیکھی ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے کیونکہ برہان اس کی اجماع اور تصدیق ہے اور اسی شخص سے تعجب ہے جو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اور پھر دوسرے سے دلیل مانگتا ہے اور یہی قیامت صغریٰ ہے یعنی جب زندگی کا آفتاب جاوے

Marfat.com

اور صفات کے ستارے جھڑ پڑیں اور معانی کی اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جہل کے وحشی جانور عقل کی چراگاہ میں جمع ہو جائیں اور عافیت کے دریا بیماریوں کی آگ سے پاٹ دیے جائیں اور صاف نفوس کے دریا بیماریوں کی آگ سے پاٹ دیے جائیں اور صاف نفوس کے علم سے اور غیر صاف کے ظلم سے شادی کی جائے اور دیوان تطر کے سامنے اعمال نامے پیش کیے جائیں اور سرکشی کا دوزخ ظاہر کیا جائے اور ایمان کی جنت آراستہ کی جائے پس اس وقت ہر نفس جان لے گا کہ اس نے توحید سے کیا آگے بھیجا اور اس نشا کی سختی سے آسمان نفس انتشار کواکب عقل کے ساتھ پھٹ جاتا ہے اور بندہ دو منزلوں کے درمیان رہتا ہے کیونکہ اگر چہ اس سے دنیا کے وسوسے اور خیالات منقطع ہو گئے مگر آخرت کے اسرار پر منکشف نہیں ہوئے یہاں تک کہ جب اس نے فرشتے کی صورت دیکھی اس کا نفس اپنے مقناطیس کی تلاش میں اڑا کیونکہ اس میں یہی خاصیت ہے کہ جو اس کی صورت دیکھتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے یہ بات ایسی نہیں کہ کوئی شخص اس کا انکار کر سکے کیونکہ بعض سانپ اس قسم کے ہوتے ہیں جب کوئی شخص ان کی طرف نظر کرتا ہے تو فوراً مر جاتا ہے اور فرقہ دہریہ کے لوگ اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں یہ بات کیسے ہو سکتی ہے کہ ایک فرشتہ آسمان میں رہتا ہے اور زمین والوں کی روحیں قبض کرتا ہے۔ معتبر لوگوں نے بیان کیا اور دیکھا کہ ایک شخص نے سانپ کو مارا سانپ نے اس کے کاٹا اور وہ شخص اسی وقت مر گیا اور سانپوں کی ایک قسم ایسی ہے غرض یہ کہ خواص بہت ہیں جن کا یہ مختصر بیان کیا گیا ہے ۔ کہتے ہیں قبض روح کس طرح ہوتی ہے حالانکہ بندہ اپنے روح کے قبض کرنے والے کو نہیں دیکھتا ہے اور عقل کی آنکھ سے بار ہا ریکھا گیا ہے ۔ کہ جب لوگ سوتے ہیں اور خواب دیکھتے ہیں تو اس کا حال اس کے پاس والے کو بھی معلوم نہیں ہوتا ہے چاہے وہ سوتا ہو یا جاگتا ہو اور خواب ان کے نزدیک ایک عرض ہے جو کل عروق میں حلول کرتی ہے اور حرارت یا برودت کے ساتھ خشک ہو جاتی ہے انفاس متحرکہ کی خاموشی کے ساتھ پھر جب وہ بخار جو لحم صنوبری یعنی دل سے اٹھتا ہے اور خون سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے پرلی طرف لطیفہ آلہیہ ہے جس کے آگے یہ بخار مثل پردہ کے ہے اور یہ بات بھی قابل انکار نہیں ہے کہ وہ نفس موی اور روحانی ہے پس حرکت اور سکون اس کے اندر مویت کی وجہ سے ہے اور علم اور حقائق معلومات کے درمیان میں فرق صفات روحانیت سے ہے اور عقل بھی اس کے انوار میں سے ایک نور اور اس کے زیوروں میں سے ایک زیور ہے پھر جب نفس تمام بدن سے جمع ہو بر گون کے سور میں پھینکتا ہے تو لطیفہ عرش قلب کے نزدیک جمع ہو کر حلقوم سے نکلتا ہے اور پوشیدگی کے ساتھ منجذب ہو جاتا ہے

Marfat.com

کہتے ہیں کہ روح اگر جوہر بسیط یا جسم لطیف ہوتی تو آنکھ اس کو ضرور دیکھتی اور یہ غیر ممکن ہے کیونکہ دیکھنے والی روح اس جسم خاکی اور ناجاجیہ طینی کے اندر اس کو مشاہدہ نہیں کرسکتی ہے کیونکہ اپنی غیر جنس کے ساتھ محجوب ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے گھر میں بیٹھا ہوا آدمی نہیں دیکھ سکتا ہے کہ دیوار کے پیچھے کون ہے اور جب یہ روح بدن سے نکل کر اہل قرب و یقین کے مقام میں پہنچتی ہے تو اس کی علمی قیمت قوت اور اعمال کے موافق ملاء اعلیٰ کا مشاہدہ اس کو میسر ہوتا ہے اسی واسطے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اپنی میت کے سامنے قرآن پڑھا کرو کیونکہ قرآن کی خوش الحانی اور اس کی معانی کے سننے سے موت کی سختی آسان ہوتی ہے اور جیسا کہ گانا سننے سے اونٹ جا ساتی منزل طے کرتا ہے اسی طرح قرآن سننے سے دنیاوی امور سے دل منقطع ہو کر قلب خدا کی طرف مشغول ہوتا ہے اور سکرات موت اس پر آسان ہو جاتے ہیں اور وہ غم کے دریاؤں میں غوطہ کھانے لگتا ہے یہاں تک کہ سر الٰہی پر اس پر منکشف ہوتے ہیں پھر اس کے بعد روح جسم سے نکل کر ہر ایک رگ و پے سے صاف ہوتی ہے اور اس مصیبت سخت سے نجات پا کر آباد کرتی ہے اور نجات پانے کی مبارک باد اس طرح اس کو سنائی جاتی ہے[1] ''الذین تتوفھم الملئکة طیبین یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون'' یہ خطاب اس شخص کے واسطے ہے جس نے اپنے نفس کو پاک و صاف کیا ہے اور دنیا کے تعلقات کو ترک کر کے جہالت کے اندھیرے سے بالکل باہر نکل آیا ہے اور صرف ایک طرف اپنے خیال کو متوجہ رکھا ہے پس یہ نفس جو کچھ دیکھتا ہے وہ اس طرح دیکھتا ہے جیسے سونے والا خواب میں دیکھتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ سونے والے کی حالت جاگ اٹھنے سے جاتی رہتی ہے اور اس نفس کی حالت ہمیشہ اسی طرح قائم و دائم رہتی ہے اور جس قدر نفس کے اندر علم کی قوت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر نعمتوں میں اس کا حصہ زیادہ ہوتا ہے۔

[2] ''قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون'' پھر اس کے بعد معاد باقی رہتی ہے پس انھیں کے پاس ارواح صافیہ کا عقل فعل کے پاس رہنے کے واسطے اور ہر چیز کے اپنے عنصر کی طرف عود کرنے کے واسطے محشر ہے اور نفس اپنی پاکیزگی کو وطن کی طرف ہونے کے وقت پاتا ہے تم نے نہیں دیکھا کہ مسافر کا دل ہمیشہ اپنے وطن کے شوق میں لگا رہتا ہے اور اگر یہ

---

[1] وہ لوگ جن کے پاس فرشتے اخوت کرتے ہیں اور کہتے ہیں تم پر سلامتی ہے اپنے عملوں کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔

[2] کہہ دو کیا وہ لوگ برابر ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ہیں۔

Marfat.com

شخص مسافر فقیر ہوتا ہے تو دنیا کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کا فکر اس کو وطن کی محبت کے یاد دلانے سے باز رکھتی ہیں اور دنیا کا عنقریب زائل ہونا ایک بدیہی بات ہے اس کے واسطے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اپنے نشینوں کو روز یہاں سے سفر کرتے ہوتے دیکھتے ہیں۔

پھر تم کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ جو علم تمہارے کام آئے گا اور قبر میں تمہارے ساتھ جائے گا وہ کون سا علم ہے یہ بیع و سلم اور فرائض کا ہے یا احکام نکاح و طلاق یا مسائل جنایات کا علم ہی نہیں ان علموں کو شارع علیہ السلام نے انتظام و سیاست کے واسطے قائم کیا ہے ورنہ قبر میں نفع دینے والا علم وہ ہے جو نفس کی ذات میں مرتسم اور منتقش ہو گیا ہے۔ جس وقت بندہ کو قبر میں رکھتے ہیں خدانخواستہ یہ بندہ گناہ گار ہے تو اس پر انتقام کے افعی (سانپ) نکل پڑتے ہیں اور اس کی جہالت کی صورتیں اس کے افعال ناشائستہ کے سبب سے ان کو حرکت دیتے ہیں اور ندامت کے بچھو اس کو کاٹنا شروع کرتے ہیں اور اپنی ذلت کے واسطے یہ روتا ہے اپنے جسم کو یاد کر کے نہیں روتا اور وہیں یہ عقل کی میزان اور علم کی مثقال کو دیکھتا ہے اور وہ میزان عقل ہوتی ہے لکڑی کی نہیں ہوتی اور اس کو اس دلیل سے سمجھنا چاہیے کہ اندھے کے پاس اگر کوئی چیز وزن کی جائے تو وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا کا ہے کیونکہ اس کے پاس دیکھنے کا آلہ ہی ندارد ہے اور نظر ایک واسطہ ہے جو مشاہدہ کو قلب کی طرف منتقل کرتا ہے اور قلب فکر کے طریق پر صورتوں کو روح کی ذات میں جو نفس لطیفہ الہیہ ہے مرتسم کرتا ہے اور مقاصد ربانیہ کے موجود نہ ہونے کے وقت شارع علیہ السلام نے جاہل کے حق میں لوگوں سے فرمایا ہے کہ اس کے واسطے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جارہا ہے تیری صفات مذمومہ ہی کی آفتیں جب قبر کی تنگی میں تجھ پر ظاہر ہونگی تو منکر و نکیر وغیرہ سے تجھ کو کافی ہونگی اور اگر تیرے اوصاف ان مذمتوں سے پاک اور اوصاف حمیدہ سے آراستہ ہیں تو یقین صاف ہو کر قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ بن جائے گی اور اس کے حاصل کردہ علم توحید کے نور کے ساتھ عقل کا آفتاب چمکے گا اور یہی علم آخرت میں نفع دینے والا ہے "نورھم یسعیٰ بین ایدیھم"

قیامت صغریٰ یعنی موت کے بیان میں یہ فعل کافی ہے اس شخص کے واسطے جو اہل یقین میں سے کلام کو سمجھتا ہوا ان لوگوں کے واسطے ایسے درجے ہیں جو نور عقل اور صفاء علم ہی سے ادراک کیے جاتے ہیں پس موت اس جدائی سے عبارت ہے جو بدن اور روح کے درمیان میں واقع ہوتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ فکر اور وہم نفس کی ذات کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں دماغ

Marfat.com

کے اگلے حصہ میں ہیں پس جب روح اس کو معدوم کرتی ہے تو عالم ہو جاتی ہے اور غذا اس کی وہ معلوم ہوتے ہیں جو اس کے پاس ہیں اگر یہ روح جاہل ہوتی ہے تب نہایت رنج و غم کے ساتھ کہتی ہے[۱] "یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ" اور شرح شریف اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ روح گناہ اور صواب کی باتوں کو سمجھتی ہے اور اگر وہ گناہ گار ہے تو گناہوں کی قید میں اس طرح گرفتار ہوتی ہے جیسے اندھا آدمی چورا ہے میں پھنس جاتا ہے نہیں جانتا کہ اس کے مقصد کا کونسا راستہ ہے پس اسی طرح یہ روح قبر کی دیواروں میں ٹکراتی پھرتی ہے اور اگر یہ روح گناہوں سے پاک ہے تب یہ انبیاء کرام کے مقام میں ترقی کر جائے گی۔

معلوم ہو کہ سعادت اور شقاوت کی اصل دنیا کی محبت اور اس کا بغض ہے پس جو شخص چاہے اس کی محبت کمتر کرے اور جس کا جی چاہے اس کو بڑھائے۔

فصل

(قیامت صغریٰ اور کبریٰ کے بیان میں)

اما بعد پس تم موت سے بہت بڑے خطرہ میں ہو اور راز اسکا روح والوں میں زیادہ تر ہے اور پھر اسکے باوجود متعلق اختلاف کیا ہے۔ گرم ٹھنڈے اور تریا خشک مرض کے پیش آنے میں جو فساد صورت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ دو قیامتوں کا متضمن ہے ایک صغریٰ اور ایک کبریٰ پر کبریٰ کے احوال اور خوفناک باتیں تو تم کو معلوم ہیں مگر ہم اب تم سے صغریٰ کا حال بیان کرتے ہیں تا کہ تم کو اسرار اور معانی قرآن کا علم ہو جب تمہارے عقل کا سورج لپٹ جائے گا او تمہارے حواس کے ستارے جھڑ پڑیں گے اور تمہارے ذہن کی اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور تمہارے جہل کے وحشی جانور جمع ہونگے اور تمہارے علم و عمل سے تمہاری شادی ہو جائیگی اور تم کو اپنے اندرون کی خباثت معلوم ہوگی اور تم ملامت کے ساتھ اس پر افسوس کرو گے پھر تمہارے حواس اور عروق کے صحائف یعنی اعمال نامے پیش کیے جائیں گے اور تمہاری بلندی کا آسمان گر پڑے گا اور تم عدم سے جاملو گے اور اگر تم سے علم کا توشہ لینا فوت ہو جائے گا تب اپنے نفس کو تمہارے ملامت کرنے کی دوزخ مشتعل ہوگی اور اگر تیرا نفس کامل اور پاک ہوا اور ذلیل ورذیل اخلاق سے محفوظ رہا تب جمال قدسی اپنا حسن آراستہ کرے گا اور تیری جہالت کا آسمان

---

[۱] اے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے پاس خدا کے ملحوظ رکھنے میں نہیں کی۔

Marfat.com

تیرے عقل کے نور سے پھٹ جائے گا اور تیرے جسم کی حساسیت تیرے طمع کے ستارے بکھر جائیں گے پھر جب نفس اپنے علوم کاملہ عقلیہ شاملہ کے ساتھ خالص ہوگا تب عالم علوی سے نفس کے اپنے مقام کی طرف واپسی ہونے اور علم سے جگہ پکڑنے کے ساتھ فیض الٰہی کے دریا عالم علوی سے اس کے اوپر جاری ہونگے اور تیرے جسم کے پہاڑ اڑتے پھریں گے اور عدم بطریق تحلیل تیرے تمام اجزاء میں سرایت کرے گا اور تیرے افعال منکر و نکیر کی صورت بن کر تیرے سامنے آویں گے اور تیرے جہل اور ندامت کے سانپ بچھو تجھے کاٹیں گے۔

شارع علیہ السلام نے تم سے تمہاری عقل کے موافق گفتگو کی ہے اور جب کہ تم سلامت نہ رہے اور دوسرا سلامت رہا تو اس سے اسی کو کیا فائدہ ہے اور جس وقت تمہارے عقل کے صور میں پھونکا جائے گا اس وقت تمہاری کیا قدر رہے گی جب میعاد ارواح میں واپس آؤ گے تو اپنے جہل کے نشہ میں ہوگے قرآن شریف کے عکس کو دیکھو کہ پہلے تمہارے سامنے مثل کا خیال قائم کرکے پھر اس کا عکس کیا ہے[1] "وتری الناس سکاریٰ وماھم بسکاریٰ" صراط ہی راستہ ہے پھر جب نفس طریق کمال کے ساتھ نکالا جائے گا تو اس کی عقل کا نور اس کے آگے ہوگا اور اس کے عمل کا شرف اس کے دائیں طرف ہوگا اور یہ ہونا تقریب کے طور پر کیونکہ عند اور این اور کیف کا دخول مکان پر ہوتا ہے اور یہ روح اپنے مرکب سے جدا ہو کر ایسے عالم میں پہنچ گئی ہے اور کیف اور این سے منزہ ہے یہ سبب عقل فعال کے پڑوس میں ہونے کے جس کو ہم عرش کہتے ہیں کیونکہ وہ کل کائنات پر محیط ہے جب تم اپنے نفس پر یہ راستہ پیش کرو گے اور حالت تفریط کو اس کے سامنے کھول دو گے تو حق کا راستہ اس کے سامنے قائم ہوگا اور علم کی میزان کھڑی ہوگی اور قرب کے حوض پر وارد ہو کر ملاءِ اعلیٰ سے ملاقات کرے گا خداوند تعالیٰ سے بہت نزدیک ہوگا اور اس روح کو قرب الٰہی کے سبب سے کھانے پینے کی کچھ پرواہ نہ رہے گی اور بلندی اور بزرگ منزل میں فیض الٰہی اس کے علم اور توحید و معرفت کے موافق اس پر جاری ہوگا جسم مجاہدہ کے ساتھ صاف ہوتے ہیں اور عقل علم کی ریاضت کے ساتھ صاف ہوتی ہے اور یقین تصدیق کے ساتھ صاف ہوتا ہے اور دل کشف کے ساتھ صاف ہوتے ہیں اور صاف عقلیں غفلت کا پردہ اٹھنے کے ساتھ صاف ہوتی ہیں۔

نفوس کو دنیا فانی کی محبت سے پاک کرو اور طبائع کی کدورت سے ان کو خالص کر لو اور انبیاء علماء کے اخلاق کے ساتھ ان کو آراستہ کرو اس طریقہ سے یہ اس فانی کھانے پینے کی

[1] اور تم لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہونگے۔

Marfat.com

مردوں اور ذلیل حالت سے مستغنی ہوں گے اور علم کی جنتوں سے جو بلند اور بالا مقام خدائے کریم کے زیر سایہ ہے خوبصورت حوریں غیر کی طرف نظر نہ کرنے والیاں ان کے سامنے ظاہر ہوں گی معانی کی حور سے بڑھ کر اور کون سی حور اجسام حروف کے محل کے اندر ہے فکر کی پنڈلی کے سامنے کھولتی ہے جس کو دیکھ کر کوئی جنت کے میووں اور انگوروں اور نو جوان حوروں کی طرف مائل نہ ہوگا اور نہ جہالت کے مرتبوں سے قاصر رہنے کے برابر قصور ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے میں نے اپنے بندوں کے واسطے اپنی جنت میں وہ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا۔

اور معلوم ہو کہ انگور، کھجور، انار، سونا، چاندی، حوریں، محل، اور نہریں درخت، یہ سب الفاظ سمجھانے کے واسطے مرکب کیئے گئے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں وارد ہے[۱] ﴿فی سدر مخضود و طلح منضود و ظل ممدود و ماء مسکوب﴾ ورنہ صحابہ کرام میں سے خاص خاص لوگ عام لوگوں کے طور سے ان الفاظ کو نہ سمجھتے تھے بلکہ معرفت الٰہی میں ان میں سے ایک کا یہ بیان ہے[۲] "سبحان من لاسبیل الیٰ معرفتہ الا بالعجز عن معرفتہ" دوسرے فرماتے ہیں[۳] "ان کشف الغطاء ماذدت یقینا" ایک قاری نے یہ آیت پڑھی[۴] "جنات تجری من تحتہ الانھار" حضرت بی بی رابعہؒ نے فرمایا مشتاق ملاقات کھانے پینے کو لے کر کیا کرے گا بیشک بادشاہوں کے پاس رہنے میں باورچیوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے مگر یہ خطاب خاص بھی ہے اور عام بھی ہے اور وہ ہر نفس کے واسطے بعض اجرام میں جو کچھ کوئی تمنا کرے اسی کی شکل بنتا ہے کیونکہ وہ معانی ہیں جو نفوس کے اندر منتقش ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص کو دن کے تیئں کوئی خیال آیا اور رات کو اس نے خواب میں اس خیال کو دیکھا اور جب پاک اور علم والے نفوس نعمتوں میں ہونگے تو اور نفوس کی بدبختی سے ان کو نقصان نہ پہنچے گا پھر جب قیامت صغریٰ یعنی موت کی قیامت قائم ہوگی تو اس میں تم کو قیامت کبریٰ کے حالات کی خبر ہو جائے گی مگر فرق یہ ہے کہ قیامت کبریٰ میں کل کام اعلان کے ساتھ ہونگے سب کے سامنے حساب لیا جائے گا اور منہ پر مہر لگے گی اور ہاتھ پیر گواہی دیں گے اس علم و عمل

۱ بے کانٹے کی بیریوں اور لدے ہوئے کیلوں اور لمبے لمبے سایوں اور پانی کی جھرنوں میں جنتی لوگ ہوں گے
۲ پاکی ہے اس ذات کو جس کی معرفت کی طرف راستہ نہیں ہے مگر اس کی معرفت سے عاجز ہونے کے ساتھ۔
۳ اگر پردہ کھول دیا جائے تو میرا یقین کچھ زیادہ نہ ہو یعنی مجھ کو پہلے ہی یقین کا کمال حاصل ہے۔
۴ باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

Marfat.com

کی جو حاصل کیا ہے اور فاسق کو جو عذاب کیا جائے گا وہ اپنے جہل کے ساتھ خارج ہے جب دنیا نے اپنے طالبان ازت کو بندر اور خنزیر کی صورت میں مسخ کر دیا ہے کیا بات ہے کہ تم نہیں سمجھتے نہ آدم عقل سے بڑا ہے نہ خواہش سے بڑھ کر شیطان ہے اور نہ جہل سے زیادہ قاتل کوئی زہر ہے جو شخص اس مضمون میں غور کرے گا وہ اس کو سمجھ لے گا۔" قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا " کیا تم نے اسرار قرآن میں نظر نہیں کی[۱] " وانزلنا عليهم الكتاب والميزان " کہ یہ میزان دو پلڑوں والی ہے مگر جب تم صحیح علم کے ساتھ اخذ و جمع کرو گے تو اس سے وہی میزان عقل مراد ہوگی جس کے سبب سے تم کو ہلاک ہونے والے اور نجاست پانے والے کا حال معلوم ہو سکتا ہے اور جب تم سے علوم عقلیہ الہیہ کے مقاصد فوت ہو گئے تب تم اپنی جہالت کی ہتھیلی بڑے ندامت کے ساتھ کاٹو گے اور کہو گے، رب ارجعون لعلی اعمل صالحا' معرفت کرنے والے کے واسطے سب کچھ ظاہر اور منکشف اور بیان ہو گیا ہے اور اللہ ہی ہر طالب کو اس کے مطلوب کی توفیق دینے والا ہے بیشک وہ طالبوں پر لطف کرنے والا اور مومنوں پر مہربان ہے۔

فصل

(اسرار نبوت کے بیان میں)

معلوم ہو کہ بنا خبر سے ماخوذ ہے کہتے ہیں نبائی یعنی مجھ سے بیان کیا نبوت کے واسطے بہت سے اصرار ہیں جن میں سب سے پہلا ازل کی طرف سے سعادت کا خمیر ہے اور بعض اسرار یہ ہیں کہ دنیا سے سوا ضروریات عمل تعلقات کو قطع کرنا اور خلوت کے مکان میں گوشہ نشین ہونا جیسا کہ ہمارے حضور ﷺ غار حراء میں خلوت نشین ہوتے تھے اور ایک شخص کو اپنے دائیں طرف کھڑا ہوا دیکھتے تھے اور امیہ بن صلت کی بھی حالت ایسی ہی ہوئی تھی اور وحی مخفی طور پر خبردار کرنا ہے وہ ایک شخص معین کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے ہر چیز میں خاص خاصیتیں رکھی

---

[۱] کہہ دو کہ میں تم کو ایسے لوگ بتاؤں جن کے اعمال خسارے کے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششوں سے زندگی دنیا میں برباد ہو گئی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کرتے ہیں۔

[۲] اور اتاری ہم نے ان پر کتاب اور ترازو۔

Marfat.com

گی ہیں چنانچہ ہلیلہ میں قبض کرنے کی خاصیت ہے اور یہی خاصیت بازو اور بلوطا اور انار کے چھلکوں اور سنگ سماق میں ہے پھر ان سب کو جمع کرنا اس شخص میں اثر کرتا ہے جس کی طبیعت بطریق حرارت کے نرم ہو گئی ہو اور محمودہ کی خاصیت اسہال لانا ہے اور یہی خاصیت بنفشہ کے شربت اور گل قند اور تربد اصفر اور شربت گلاب میں بخلاف باقی شربتوں کے برف کی خاصیت ہے۔

اور خاصیت ہی کے متعلق دیکھو کہ مقناطیس کا پتھر لوہے کو جذب کرتا ہے اور سنگ رکھنے کے واسطے ہے اور نیند نہ آنے کے واسطے ایک طلسم بنایا جاتا ہے اور ایسے ہی طلسموں سے مردوں اور عورتوں کے دلوں کو جذب کیا جاتا ہے اور ایک پتھر میں یہ خاصیت ہے کہ اس کو ہلانے سے مینہ برستا ہے اور ایک پہاڑ میں یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اس پر جاتا ہے نیند اس پر غلبہ کرتی ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے اور توت کا پتھر آگ میں نہیں جلتا اور نیز روغن طلق بدن پر ملنے سے بدن بھی آگ میں نہیں جلتا ہے اور نہ برق کی بتی چراغ میں جل سکتی ہے اور چین کے خرگوش کی اون سے جو کپڑا بنایا جاتا ہے وہ بھی آگ میں نہیں جلتا۔

اور لولو دقع زہر میں عجیب خاصیت رکھی ہے اور تر اوند خالص جگر کی حرارت کو مفید ہے حالانکہ خود بھی گرم ہے اور کپڑے میں لپٹے ہوئے انڈے پر آگ اثر نہیں کرتی ہے اور ایک بوٹی میں محبت کی خاصیت ہے اور ایک میں بغض کی خاصیت ہے اور عورتوں میں جادو کی بھی خاصیت ہوتی ہے۔ اور ایک میں بغض کی خاصیت ہے اور عورتوں کے جادو میں بھی خاصیت ہوتی ہے اور جادو میں ایسی ہی تاثیر ہے جیسے نظر بد میں ہوتی ہے اگر تم ایسا کرنا چاہو تو ہر تین حرف کے بعد چوتھا حرف لو اب ت ، ث ، کے حروف میں سے اور پھر ان حروف سے کلام بنا کر جس کام میں چاہو لاؤ وقت عمل کے واسطے نیک ہونا چاہیے تربیع کا وقت نہ ہو۔

پس بلند ہمتی کے ساتھ ضرور اس عمل سے تاثیر پیدا ہو گی اور جادو سرمہ وغیرہ اشیائے منیت اور سیب وغیرہ میوہ جات کے منگانے اور جانور کی دم پر سوار ہونے اور دیگر بہت سی باتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بڑے منتر ایسے ہیں جن کے ذریعہ سے کنویں پر جنات سے گفتگو کی جاتی ہے اور لکڑی کے سانپ بچھو بن جاتے ہیں اور سداب جادو کا اثر ہونے نہیں دیتی اور رائی اور جو پر بھی منتر پڑھا جاتا ہے اور زعفران کا طلسم بنا کر جس کو ہنسانا منظور ہو کھلاتے ہیں غرضیکہ اسی طرح سے ہر چیز میں ایک ایسی خاصیت ہے جو دوسری چیز میں نہیں ہے پس قادر قدیم نے اسی طور سے نبوت کے اسرار خاص خاص لوگوں میں مرتب کیے ہیں اور وہی ایک شخص کے ساتھ

Marfat.com

مخصوص ہوتی ہے دوسرے کے ساتھ نہیں ہوتی جیسا کہ ہر شخص کی قوتوں میں بنسبت اور لوگوں کی قوتوں کے فرق ہوتا ہے دیکھو تم بعض چیزوں کو دیکھتے ہو اور تمہارے ساتھی کو نظر نہیں آتی اور ایسے ہی کوئی بات تم کو سنائی دیتی ہے اور تمہارے ساتھی کو سنائی نہیں دیتی اور اہل فراست کے قصے تم نے سنے ہوں گے اور بعض اوقات خیال پختہ ہو کر صورت بن جاتا ہے اور آنکھوں والا ان چیزوں کو دیکھتا ہے جو اندھے کو معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ دیکھنے کا آلہ یعنی آنکھ اس کے پاس نہیں ہے۔

پس تم لوگوں کے حالات سیدھے نہیں اور سب سے بڑا حجاب تمہارے واسطے دنیا کی محبت ہے ایک دفعہ بنی اسرائیل کے جنگل میں کثرت سے سانپ ظاہر ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تانبہ کا ایک عصا بنایا اور اس کے سر پر ایک صلیب لگا کر اس میں طلسم بنایا جس کے دیکھتے ہی کل سانپ مر گئے اور پھر اس ازدہے نے جا کر ان سب کو کھا لیا۔

اور خواصی کے متعلق یہ بات بھی ہے کہ ایک شخص نے سانپ کو پتھر مارا سانپ نے پتھر پر کاٹا اور وہ شخص مر گیا اور ایک سانپ دیکھنے سے مار ڈالتا ہے اور آب حیات سے خدائے تعالیٰ مردہ کو زندہ کر دیتا ہے ان نبی پر وحی کا نازل ہونا بھی مثل انہی کے خواص کے تصور کرنا چاہیے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں بھید یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام حکماء متقدمین کے راز و اسرار سے آگاہ تھے اور ان علوم کے سبب جو چاہتے تھے سو کرتے تھے یہ قول ہمارے نزدیک نہایت قبیح ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ قادر اور حکیم ہے اس کی سعادت کا فیض بطریق تحرک کے ارادہ کے ذریعہ سے اس شخص کی طرف پہنچتا ہے جس کو وہ مخلوق کی مصلحت کے واسطے قائم کرتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بستر کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ اس کے نیچے سحر مدفون تھا یہ بات بالکل غلط ہے۔

اور اب اس زمانہ میں ملک مغرب میں ایسے لوگ ہیں جو طلسمات اور عزائم کے زور سے جناتوں سے خدمت لیتے ہیں اور نجومی لوگ بخورات کے ذریعہ سے کواکب کا کلام سنتے ہیں اور ان سے گفتگو کرتے ہیں اور کوئی شخص اس بات کا انکار کرے کہ کواکب کسی سے بات نہیں کرتے تو اس کا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ کواکب و نجوم غیر جماد اور زندہ جاننے اور ارادہ کرنے والے ہیں اور ان نبی مخصوص کے واسطے قدرت نے وحی کے مبین اسرار منکشف کر دیئے تھے۔

یہ لوگ (یعنی فلاسفہ) کہتے ہیں کہ بطلیموس آسمان کے فرشتوں سے باتیں کرتا تھا

Marfat.com

پس جبکہ تمہارے اندر اس کے سوا اور کوئی شخص اس مرتبہ کا نہیں ہے تو ایسے ہی ہمارے ہاں حضرت محمد ﷺ کے مرتبہ کا اور کوئی شخص نہیں ہے ان کی خاصیت ایسی ہی سمجھنی چاہیے جیسے بطلیموس کی اور چونکہ رمزوں کو ان کے لوگ ہی سمجھتے ہیں اس واسطے یہ جملے بھی رمز ہی میں رکھے گئے تا کہ ان کے سمجھنے والے سمجھ لیں۔

اور جب تم اپنے نفس کو ان مقامات کی سیر کراؤ تو اس بات کی پا کی ضرور ہے کمال علوم اور مجاہدات کے ساتھ اس کو آراستہ کرو پھر دیکھو کہ اسی وقت اس کی عقل کا آدم اور اس کے فضل کا نوح صفایقین کے پہاڑ پر ظاہر ہوگا اور فضل کا موسیٰ پہاڑ کے اوپر سے خطاب سنے گا کہ جب دنیا کی جوتی دل سے نکال بیشک میں خدا ہوں پروردگار تمام عالموں کا۔

تیرے ہی اندر انبیاء ہیں اگر تجھ کو عقل ہے اور تجھ ہی سے فرشتے ہیں اگر تو سمجھتا ہے قلب پروردگار کا مکان ہے اور یہی عرش جلال ہے اور اسی میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور یہی رحمت کا جائز نزول ہے پس جس وقت اس میں سے تیری بیماری کا داؤ ظاہر ہو تو اس کو جبرئیل عقل کے واعظ کے ساتھ دفع کرتا کہ اس کے تخم سے تیری سلامتی کا سلیمان ظاہر ہو کر کسر نفس کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر شہوات کے دروازے بند کرے اور جنوں کو قید میں لائے اور بلقیس نفس کا تخت حاضر کرے اے شخص افسوس ہے کہ جب تو شہوات اور جب دنیا کے اندر پھنسا ہوا ہے تیری خواہش سے بڑھ کر کوئی شیطان نہیں ہے تیرے اطراف کے فرشتوں یعنی ہاتھوں پیروں وغیرہ کا سجدہ تیرے نفس کے آدم یعنی روح کے واسطے ہے جو مقام قرب سے تیرے جسم خاکی تنگ وکثیف میں قید ہوئی ہے۔

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بستر پر کتے کی تصویر کا ہونا مکان میں فرشتوں کے نزول کو مانع ہوتا ہے اور حالانکہ تیرے بدن کے مکان میں دس کتے موجود ہیں اس واسطے تجھ کو ان کے دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور وہ دس کتے یہ ہیں حرص، امید، جھوٹ، بخل، لالچ، ریا، نفاق، حقد، حسد، تہمت، چغلخوری پس یہ سب تیرے دشمن ہیں اور تو ان سے غافل ہے تو انبیاء علیہ السلام کے مناقب میں عیب لگانا چاہتا ہے کیا تو نے نہیں سنا کہ شارع علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے قیامت کے روز بہت لوگ خنزیروں اور بندروں اور کتوں کی صورت پر حشر کیے جائینگے اور صورت کا مسخ ہونا جہالت کے سبب سے ہے اور تجھ کو اختیار ہے کہ چاہے فرشتہ بنے یا شیطان بنے یہ سارا حصہ تیری ہمت پر موقوف ہے اور جب تو کشف اسرار کے ساتھ انتہا کمال چاہے تو جان لے کہ سراندیپ کا عصا سانپ بن جاتا ہے اور اگر تجھ کو طلسمات کی ترکیبیں معلوم کرنی ہیں تو جابر بن حیان کی کتب کا مطالعہ کر یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بہت بڑے خلیفہ تھے اور جعفر و کہانت میں انھوں نے کمال حاصل کیا تھا اور ان دو سانپوں کی حکایت بھی تو نے سن لی ہے جو

Marfat.com

تخت سلیمان کے محافظ تھے اور بلوقیا اور عفان سیر کرتے ہوئے وہاں پہونچے تھے اور جبکہ قرآن شریف نے تجھ سے بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین نے مطلع شمس سے مغرب تک سفر کیا تو بس چاہیے کہ تیری ہمت عالی بھی مقائس علم کے ساتھ طبیعت کے ظلمت میں سفر کرے تا کہ آفتاب یقین اس پر روشن وتاباں ہوا اور تو تمام زمین جسم کا مالک ہو جائے اور دریائے طبیعت میں غوطہ لگا کر جواہرات قدس حاصل کرے اور اگر تیرے قلب پر طبیعت کی ضد قائم ہے تو غفلت کے یاجوج وماجوج شہوتوں کے پھل سے ظاہر ہو کہف تیرا جسم ہے اور اصحاب اس کے تیرا ایمان ہے اور تیری حرص تیرا کتا ہے اور قلم ان سب باتوں کو لکھ کر خشک ہو گیا ہے جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔

فصل

ہمارے واسطے نبوت اور رسالت اور کرامت اور معجزات اور تارنجیات کے مرتبے ہیں وہ نبی جو اپنی ذات کے واسطے تھے مثل حضرت یحییٰ اور خضر علیہم السلام کے ہیں اور رسول وہ نبی ہیں احکام وحی کے ساتھ دوسروں کو حکم کراتے ہیں اور معجزات وہ باتیں ہیں انبیاء سے خلاف عادت ظہور میں آئیں اور دوسرا کوئی شخص ان کو نہ کر سکتا ہو مثلاً قمر کا شق کرنا اور بھیڑیے سے باتیں کرنی اور درخت اور جانوروں کا سجدہ کرنا وغیرہ ان کے اصول مقررہ اور اور اسرار ان کے پوشیدہ ہیں اور کرامات بھی مثل معجزات ہی کے ہیں بلکہ جس نبی کی امت سے کرامت ظاہر ہوئی ہے یہ کرامت ان نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ کے ظاہر کرنے اور کرامت کے پوشیدہ رکھنے کا حکم ہے اور کرامت اختیار اور بغیر اختیار دونوں حالتوں میں پیدا ہوتی ہے اور تیرنجات کا طریقہ مشہور ہے مثلاً پانی سے چراغ روشن کرنا اور بغیر کسی کے اس کو دروازوں میں کر دینا اور بعض لوگ ان میں ایسے ہیں جو ایک دن کے تین رات بنا دیتے ہیں اور جیسے بے موسم کے پھلوں کا موجود کرنا اور ہوا میں سونا چاندی دکھا دینا اور روغن طلق بدن پر مل کر آگ میں داخل ہونا ہندوستان میں بعض پتھر اور درخت ہیں کہ جب حیوان ان کو دیکھتا ہے تو بے اختیار سجدہ کرتا ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ جو شخص یہ حیلہ کرتا ہے کہ رائی کے پانی میں کندش ملا کر اس میں رومال تر کر کے خشک کر لیتا ہے اور پھر اس کو آنکھوں پر پھیر کر بغیر رونے کے آنسو نکالتا ہے تو ایسے شخص پر جانور سے سجدہ کرانے کا حیلہ بھی مشکل نہ ہوگا اور دفع کے زہر کے واسطے لوگ بہت سے حیلے کرتے ہیں چنانچہ قدرے شہد خام کے ساتھ بندق ملا کر کھانا بچھو کے زہر کو بہت جلد آرام کرتا ہے اور اسی طرح عقلی اور روغن زیت کو جوش دیکر لگائیں بغیر ہاتھ سے چھونے کے تو تمام زہر کا اثر چوس لے گا اور یاقوت کے اندر پیاس بجھانے کی عجیب خاصیت ہے اور جادوگر اپنے جادو کے زور سے مینہ برساتے ہیں اور اپنے مکان سے تھوڑی دیر بابل جا پہنچتے ہیں اور ہند میں ایسے لوگ ہیں جو آسمان پر منتر

Marfat.com

پڑھ کر پھونکتے ہیں اور برسنے لگتا ہے اور بعض لوگ گرمی میں منتر پڑھتے ہیں اور بادل ان کے سر پر سایہ کرتا ہے اور تنور پر منتر پڑھ کر دم کرتے ہیں تو وہ گرم نہیں ہوتا اور نہ ہنڈیا میں جوش آتا ہے اور نہ کشتی حرکت کرتی ہے اور کتا خاموش ہو جاتا ہے وادی حضر موت میں غار سرخ کے پاس ایک چبوترا پر بیری کا درخت ہے اور اسی کے سائے میں حضرت ہود علیہ السلام کا مزار ہے اس مزار کے پتھروں سے نگینے بنا کر انگوٹھی پر زہرا اور مشتری کے قران کے وقت جڑے جاتے ہیں اور پھر وہ وقت ضرورت جب اس انگوٹھی سے ہوا کی طرف تعرض کیا خداوند سبحانہ تعالیٰ نے نبوت اور سلطنت کے ساتھ ارائیت کی اصلاح کی ہے جیسے کہ بدن میں جب کوئی غلط فاسد ہو جاتی ہے تو اس کا ہیجان کم کرنے کے واسطے قصد لیا کرتے ہیں پس اسی طرح مصالح احوال کے واسطے رسول کی ضرورت ہے سب شہروں سے اشرف مکہ مکرمہ ہے کیونکہ اسی مؤید کا ظہور ہے اور اسی سبب سے اس میں جذب قلوب کی تاثیر ہے اور پھر رسول کا مقام سکونت بھی متبرک ہے کیونکہ ان کی سعادت کی برکت دونوں مقاموں کو شامل ہے جیسے کہ بادشاہوں کا سایہ حمایت ان سب پر شامل ہوتا ہے جو ان کے دائرہ کے اندر ہوتے ہیں پھر ان دونوں مقاموں کے بعد اور انبیاء کے آثار و مقامات متبرک ہیں مثلاً قدس اور خلیل اور انصا کیہ اور عبادان اور جودی جہاں آسمان سے وحی کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور امیدوار کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے اور دعا کی جو میں ایسی تاثیر ہے جیسے طلب باراں میں انفاس کی تاثیر اور نوح علیہ السلام کا مکان بھی مقام اجابت وحل مقاصد ہے نیک بخت آدمی کا کلمہ باقی رہتا ہے اور صالحین کی برکتیں ہمیشہ قائم ہیں اور اس کے اندر راز صرف ان کا صدق اور لوگوں کا ان کے واسطے دعا کرنا اور رسولوں کے آثار کی پیروی کرنا ہے اپنی بلند ہمتوں کے ساتھ انبیاء کے انوار سے انھوں نے فیض حاصل کیا ہے پس اپنے مطلب کو پہنچ گئے جن ظن دلوں کا مقناطیس ہے صفا باطن اور اگلے بزرگوں کے درجے اس کے ساتھ جذب کیے جاتے ہیں۔

الحمد للہ علیٰ ذالک کہ آج بتاریخ ہشتم ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو اس کتاب مستطاب کے ترجمہ سے فراغت ہوئی۔

الحمد للہ اختتام مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

جلد اول حصہ اول

Marfat.com

نصائح امام غزالیؒ

یعنی

ایہاالولد

Marfat.com

تعارف کتاب

معلوم ہو کہ حضرت امام محمد غزالیؒ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد جس نے امام غزالیؒ کے پاس رہ کر کئی سال علم حاصل کیا اور تمام علوم سے پورا فائدہ اٹھایا اس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا کہ میں نے کئی سال اپنے دل کو مار کر بہت علم حاصل کیا جس میں تقریباً ہر قسم کا علم شامل ہے اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان علوم میں سے کون سا علم میرا مددگار ہوگا میری قبر کو روشن کرے گا تاکہ میں ایسے علم سے کنارہ کشی کرلوں اس لئے آنحضرت محمد ﷺ نے ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور فرمایا ہے۔

"اعوذباللہ من علم لاینفع"

یعنی میں اللہ سے ایسے علم کی پناہ چاہتا ہوں جس سے کوئی فائدہ نہ ہو یہ شاگرد کچھ روز اس انداز سے سوچتا رہا اور آخر معلوم کرنے کی نیت سے تمام حقیقت اپنے استاد امام محمد غزالیؒ کو لکھ بھیجی اور مزید کچھ دوسرے مسائل بھی پوچھے اور ان سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت بھی فرمائیں اور یہ بھی عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا بتادیں جسے میں ہمیشہ پڑھتا رہوں اس نے اپنے خط میں یہ بھی بتایا کہ حالانکہ امام غزالیؒ نے اس سلسلہ میں کتنی ہی کتابیں لکھی ہیں مثلاً "احیاء العلوم" "کیمیائے سعادت" "جواہر القرآن" "اربعین" "مہناج العابدین" وغیرہ لیکن اس ناتواں کے تو ایسی چیز کی ضرورت ہے جو ہمیشہ پڑھے اور اس پر عمل کرے اس پر امام غزالیؒ نے یہ نصیحت لکھ کر جواباً شاگرد کو بھیجی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین"

اے پیارے بیٹے اور سچے دوست اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی

Marfat.com

اطاعت وبندگی کرنے کے لیے بڑی عمر عطا فرمائے اور محبوب بزرگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمام نصیحتوں کا سرچشمہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہے اس لئے تمام نصیحتوں کا منشور آپ کی احادیث اور سنت پر مشتمل ہے ہر وہ نصیحت جو حدیث اور سنت کے خلاف ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا بے شمار نصیحت نامے آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ اور سنت کی روشنی میں لکھے اور بیان کیے گئے ہیں ان سے اگر تجھے کچھ نصیحت پہنچی ہے تو پھر میری کسی نصیحت کی ضرورت نہیں لیکن اگر تجھے رسول اللہ ﷺ کی نصیحتوں میں سے کوئی نصیحت نہیں پہنچی تو مجھے بتا کے اتنے سال تک تو نے کونسا علم حاصل کیا؟ بیٹے آنحضرت ﷺ نے جو نصیحتیں کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

"علامته اعراض الله عن العبد أشتغاله بمالايعنيه وان امر أذهبت ساعته من عمره في غير مايخلق له لحرى ان يطول عليه حسرة"

ترجمہ: بندے کا غیر مفید کاموں میں مشغول ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے اپنی نظر عنایت پھیر لی ہے اور جس کام کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اگر اس کے سوا کسی اور کام میں ایک لمحہ بھی صرف ہوا تو یہ بڑی حسرت کی بات ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

من جاوز الاربعين سنة ولم يغلب خيره على شره فليتجهز الى النار"

ترجمہ: جس شخص کا حال چالیس سال کی عمر کے بعد بھی یہ ہو کہ اس کی برائیوں پر بھلائیاں غالب نہ ہوں تو اسے دوزخ میں جانے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

بیٹے: ساری دنیا کے لوگوں کو یہ نصیحت کرنا نہایت آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ جن لوگوں کے دلوں میں

Marfat.com

دنیا کی لذتیں اور نفسیاتی خواہشات گھیر لیتی ہیں ان کو نصیحت اور ہدایت کڑوی لگتی ہے ان لوگوں کے دل دنیاوی خواہشوں اور عیش میں گرفتار رہتے ہیں اس سلسلہ میں وہ شخص خاص طور پر قابل ذکر ہے جو حکمت فلسفہ اور اس طرح کے دوسرے دنیاوی علوم حاصل کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ علم اسے اس کی دنیا کی فانی شان اور مرتبہ کے علاوہ آخرت میں بھی چھٹکارے کا سبب بنے گا اس پر عمل کرنا ضروری نہیں اس طرح وہ خود کو عمل کرنے سے فارغ سمجھتا ہے یہ اعتقاد فلسفہ پڑھنے والوں کا ہے جو کہ غلط ہے سبحان اللہ العظیم یہ شخص اتنا نہیں جانتا کہ وہ جو علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا وہ علم اس کے لیئے آخرت کی پکڑ کا سبب ہوگا کیا اسے یہ خبر نہیں ہے کہ سرکار دو عالم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"ان اشد الناس عذاباً یوم القیامة عالم لم ینفعه الله بعلمه"

ترجمہ قیامت میں لوگوں میں سب سے زیادہ اس عالم کو ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے حاصل کیے ہوئے علم سے فائدہ نہ پہنچایا ہو۔

بزرگوں کے قصوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کو کسی بزرگ نے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اے ابوالقاسم (مرنے کے بعد کے حال کی) خبر دیں حضرت جنیدؒ نے جواب دیا:

"طاحت العبادات وفنیت الاشارات ومانفعنا الا رکعیات رکعنا فی جوف اللیل"

ترجمہ: عبادات اور اشارات سب بیکار گئے البتہ ان رکعتوں نے کچھ فائدہ پہنچایا جو تہجد کے وقت پڑھتا تھا۔

بیٹے: نیک اعمال سے محروم ظاہری علم سے خالی ہاتھ اور باطنی کمالات سے خالی نہ رہنا اور یقین کر کے (نیک اعمال کے سوا) صرف علم قیامت کے دن کچھ مدد نہیں کرے گا یہ بات اس مثال سمجھنی چاہیے کہ اگر کوئی جنگل و بیابان سے گزر رہا ہو ہاتھ میں دس تیز تلواریں ہوں اور اسی طرح عمدہ تیر کمان اور دوسرے ہتھیار بھی ہوں اور اس کے ساتھ ہتھیار

Marfat.com

چلانے اور جنگ کرنے کا طریقہ بھی آتا ہو ایسے میں اچانک سامنے شیر آجائے تو بتاؤ کہ کیا سب ہتھیار استعمال کیے بغیر وہ شیر سے بچ سکتا ہے؟

تو یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہرگز نہیں بچ سکتا اسی طرح تجھے علم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ایک لاکھ علمی مسئلہ جانتا ہو لیکن کسی پر عمل نہ کرتا ہو تو یہ عمل اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو اسے گرمی اور صفرا کی شکایت ہو اسے یہ علم ہو کہ اس بیماری کی شفاء سکنجبین اور کشکاب (جو کی آش) میں ہے لیکن وہ ان دواؤں کو استعمال نہیں کرتا تو کیا دوا کے اثرات اور استعمال کرنے کا یہ علم گرمی اور صفرا کی بیماری کو دفع کرے گا؟ تو بہتر سمجھ سکتا ہے کہ حکمت کا محض علم ہونے سے بیماری ختم نہیں کر سکتا ۔ع

گر مئے دو ہزار رطل از و پیمائی
تا مئے نخوری نباشدت شیدائی

یعنی اگر تو دو ہزار رطل شراب تولے تو بھی اس وقت تک نشہ نہیں ہوگا جب تک اسے پی نہ لے۔

بہت سا علم حاصل کرنا اور کتابوں کو الٹتے پلٹتے رہنا لیکن اس پر عمل نہ کرنا کوئی فائدہ نہیں پہچا سکتا جب تک نیک اعمال کے ذریعہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حقدار نہیں بناتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت تجھے نصیب نہیں ہوگی۔

سن: قرآن حکیم اس سلسلے میں فرماتا ہے۔

﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾

﴿ترجمہ: انسان کو کوشش کے بغیر کچھ نہیں مل سکتا﴾

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کوشش کر کے ہی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

بیٹے! مجھے علم ہے کہ تو نے پڑھا ہوگا کہ یہ آیت منسوخ ہے لیکن منسوخ وہ شخص ہے جس نے یہ بیان کی ہے اے بیٹے! میں نے فرض کیا کہ یہ آیت منسوخ ہے لیکن ان دو آیتوں کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟

Marfat.com

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾

ترجمہ: (پس جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہوگی (قیامت میں) اسے وہ دیکھے گا اور جس نے ذرہ بھر بھی گناہ کیا ہوگا (قیامت میں) اسے وہ دیکھے گا)

﴿فمن کان یرجو القآء ربه فلیعمل عملاً صالحا﴾

ترجمہ: (پس جو اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک کام کرے)

﴿ولا یشرك بعبادة ربه احدا﴾

ترجمہ: اور کسی دوسرے کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہیں کرتا۔

﴿ان الذین آمنو وعملوا الصالحات كانت لهم جنت الفردوس نزلاً خلدین فیها﴾

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اچھے کام کیے، ان کے لئے جنت الفردوس مہمانداری کے طور پر ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

پھر دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿الا من تاب واٰمن وعمل عملاً صالحا﴾

ترجمہ: سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ان احادیث مبارکہ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

﴿بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لآاله الا الله واقام الصلوة وایتآء الزکوة وصوم شهر رمضان وحج البیت من استطاع الیه سبیلا﴾

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اول شہادت دینا کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں دوسرے نماز قائم کرنا تیسرے مال کی زکوۃ دینا چوتھے ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور پانچواں استطاعت ہو تو حج کرنا۔

Marfat.com

﴿الایمان اقرار باللسان وتصدیق بالجنان وعمل بالارکان﴾

ترجمہ: ایمان زبان سے قبول کرنے اور دل سے ماننے اور ارکان پر عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

یہ حقیقت بیان کر کے اگر دل میں خیال پیدا ہو کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نہیں بلکہ اپنے اعمال کے ذریعہ جنت میں جائے گا تو یہ سمجھ لے کہ تو نے میری بات نہیں سمجھی تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں یہ نہیں کہہ رہا بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمت سے جنت میں جائے گا لیکن جب تک بندہ اپنی عبادت و بندگی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کے لائق نہیں بنے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب نہ ہوگی یہ حقیقت میں نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو تو پھر وہ جنت میں کیسے جائے گا میں بھی یہ بات دہراتا ہوں کہ (خدا کی رحمت کے بغیر) بندہ جنت میں کیسے جائے گا لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ بندہ ایمان کے ذریعہ جنت میں داخل ہوگا پھر تو سامنے مشکل وادیاں ہیں جن میں پہلا مشکل راستہ ہے ایمان کو بہ سلامت ساتھ لے جانا۔

اے بیٹے! تجھے یقین ہونا چاہیے کہ جب تک کام نہ کرے گا اس وقت تک مزدوری نہ ملے گی بنی اسرائیل کا ایک شخص اللہ کی بہت عبادت کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جس نے کہا کہ خداوند قدوس فرماتا ہے کہ تو یہ تکلیف بلا ضرورت کرتا ہے تیری عبادت قبول نہیں اور تو دوزخ میں جائے گا فرشتے کا پیغام سن کر اس نیک مرد نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور ہمارا کام اس کی بندگی کرنا ہے اور وہ مالک اور اختیار والا ہے پھر یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے پروردگار! تو اس کائنات کے راز و بھید سے واقف ہے اور تیرے عبادت گزار بندے نے جو جواب دیا ہے وہ بھی تو جانتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ بندہ ہماری بندگی سے منہ نہیں موڑتا تو ہم بھی اس سے منہ نہیں موڑیں گے۔

﴿اشھدوا یا ملائکتی انی قد غفرت لہ﴾

Marfat.com

اے میرے فرشتو: تم سب شاہد رہنا کہ میں نے اسے بخش دیا۔
اے بیٹا! سن کہ رسول اللہ ﷺ کیا فرماتے ہیں:

حاسبوا قبل ان تحاسبوا
وزنوا قبل ان توزنوا

ترجمہ: قیامت کے دن تم سے حساب لیا جائے اس سے پہلے تم اپنے آپ (نفس) سے حساب لے لو۔ تمہارے (ترازو میں) عمل تولے جائیں اس سے پہلے اپنے (اعمال کی) تول کرلو۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ:

من ظن انه بدون الجهد يصل فهو متمن ومن ظن انه ببذل الجهد يصل فهو متعب

ترجمہ: جو شخص یہ سمجھے کہ میں اعمال کے بغیر ہی جنت میں جاؤں گا۔ ایسا شخص گمراہ ہے۔ اور جس نے سمجھا کہ صرف کوشش سے ہی جنت میں جاؤں گا۔ تو وہ محض مشقت میں مشغول ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ:

طلب الجنة بلا عمل ذنب من الذنوب

ترجمہ: نیک اعمال کے بغیر بہشت کی خواہش کرنا گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

الحقيقة ترك ملاحظة العمل لا ترك العمل۔

ترجمہ: علم کی حقیقت یہ ہے کہ اس پر عمل کرے فریفتہ نہ ہو ایسا نہ کرے کہ سرے سے عمل کرنا چھوڑ دے۔

سرکار دوعالم آنحضرت ﷺ ان تمام اقوال سے زیادہ بہتر واضح پاکیزہ اور عمدہ طریقہ سے فرماتے ہیں کہ:

الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت
والاحمق من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله
الاماني وفي رواية على الله المغفرة

ترجمہ: عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے تابع کرلیا اور مرنے کے بعد

Marfat.com

آخرت کے لئے عمل کیا اور بے عقل و احمق وہ ہے جس نے اپنے نفس کو حرص وہوس لذات شہوات اور خواہشات) کا تابعہ کیا اور خیال یہ ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کی خواہش کرتا ہے۔

اے بیٹے! تو نے راتیں جاگ کر علم کا بار بار ورد کیا اور اس کے مطالعہ کے خاطر اپنے اوپر نیند حرام کی مجھے علم نہیں ہے کہ اس سے کیا مقصد تھا اگر تیری نیت دنیا کے فائدہ حاصل کرنا اور دنیوی شان و رتبہ حاصل کرنا تھا تو۔

"فویل لک ثم ویل لک"

یعنی: پس تیرے لیے افسوس ہے اور پھر تیرے لئے افسوس ہے۔

لیکن اگر تیرا مقصد دین محمدی ﷺ اور اسلام کو قائم رکھنا اور اخلاقی تہذیب اور کسر نفسی تھا تو۔

"فطوبیٰ لک ثم طوبیٰ لک"

تو پھر تیرے لئے خوشی اور آفرین ہے اور پھر تیرے لئے خوشی اور آفرین ہے۔

سھر العیون بغیر وجھک ضائع

وبکاؤھن بغیر فقدک باطل

ترجمہ: اے پروردگار! تیرے دیدار کے علاوہ آنکھوں کا جاگنا بیکار ہے اور تیری ذات کے علاوہ کسی کے لئے آنکھوں کا رونا باطل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

عش ماشئت فانک میت واحبب

ماشئت فانک مفارقة واعمل ماشئت

فانک تجزیٰ بہ

ترجمہ: (اے انسان) تو اپنی زندگی جیسے چاہے ویسے گزار (مگر یہ خیال رہے) کہ تجھے مرنا ہے اور جس سے چاہے محبت کر (مگر یہ خیال رکھ) کہ تجھے اس سے جدا ہونا ہے اور جیسا چاہے ویسا عمل کر۔ (مگر یہ خیال رکھ) کہ تجھے اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔

تجھے علم، علم الکلام، علم الاخلاق، علم طب، نجوم، عروض، صرف ونحو، غزلیات کے دیوان، اور فنون جنگ وغیرہ پڑھنے میں کیا فائدہ ہوا اور کیا حاصل کیا تو نے عمر ضائع کرنے اور دنیا کی شہرت حاصل کرنے کے سوا کونسا فائدہ حاصل کیا میں نے حضرت عیسیٰؑ کی انجیل میں

Marfat.com

پڑھا ہے کہ جس وقت میت کو کھٹولے میں رکھتے ہیں اور جب تک اسے قبر تک لاتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس میت سے چالیس سوال کرتا ہے۔

پہلے سوال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"عبدی قد طهرت منظرا الخلق سنین فهل طهرت منظری ساعة"

ترجمہ: اے میرے بندے! تو نے مخلوق کو دکھانے کی غرض سے کتنے سال اپنے آپ کو (ظاہری علم سے) سنگھارا لیکن کیا تو نے میری خاطر ایک ساعت کے لیے بھی اپنا دل صاف کیا؟

بیٹے! ہر روز تیرے دل میں اللہ کی آواز آتی ہے:

"عبدی ماتصنع بغیری و انت محفوفه ،بخیری"

ترجمہ: اے میرے بندے! تو دکھاوے اور ریاکاری کے لئے عبادت کیوں کرتا ہے جبکہ خیر اور شر دونوں میرے ہاتھ میں ہیں اس لئے تجھے چاہیے کہ تو سچی نیت سے میری بندگی کرے۔

اے بیٹے! عمل کے بغیر علم پاگل پن ہے اور علم کے بغیر عمل بیکار ہے وہ علم جو آج تک تجھے گناہ سے دور نہیں رکھتا اور اللہ کی اطاعت کا شوق پیدا کرتا ہے یاد رکھ یہ کل تجھے دوزخ کی آگ سے نہیں بچائے گا اگر تو آج نیک عمل نہ کرے گا اور گزرے ہوئے وقت کا تدارک نہ کرے گا تو قیامت کے دن تو کہے گا:

'فارجعنا نعمل صالحاً"

ترجمہ: ہمیں واپس (دنیا میں) لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کریں۔

پھر تجھے کہا جائے گا اے احمق! تو وہیں سے تو آ رہا ہے۔

اے بیٹے! تو ہمت پیدا کر اور جسم میں جدوجہد کے لئے حرکت پیدا کر نیک اعمال کے لئے کوشش کر کیونکہ پھر قبر میں جانا ہے جو لوگ کہ تجھ سے پہلے اس میں موجود ہیں وہ ہر لمحہ تیرے منتظر ہیں کہ تو کب ان کے پاس پہنچتا ہے۔

خبردار! ثمر (نیک اعمال) کے بغیر ہرگز ان کے پاس مت جانا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں:

"هذه الاجساد قفص الطیور او اصطبل الدواب"

ترجمہ: یہ جسم پرندوں کے پنجرے ہیں یا پھر جانوروں کے طویلے۔

Marfat.com

پس سوچ کہ تو کس میں سے ہے اگر گھونسلے والے پرندوں میں ہے اور ارجعی یعنی
میری طرف لوٹ آ، کی آواز سنے گا تو پرواز کر کے اونچی جگہ جا بیٹھے گا۔

"اھتز عرش الرحمن لموت سعد بن معاذ"

ترجمہ: سعد ابن معاذ کی موت سے عرش خداوندی لرز گیا۔
لیکن خدانخواستہ اگر تو جانوروں میں سے ہے جن کے لئے یہ کہا گیا ہے۔

"اولئک کالانعام بل هم اضل"

ترجمہ: یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یقین کر کے تو اپنا
سامان مقام زاویہ سے مقام ہاویہ کی طرف یعنی اس دنیا سے سیدھا دوزخ کی جانب لیکر پہنچے گا
ایک مرتبہ حضرت حسن بصری کو ٹھنڈا شربت دیا گیا پیالہ ہاتھ میں لیتے ہی ایک سرد آہ بھری اور
بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا آپ کو کیا ہو گیا تھا آپ نے جواب دیا۔

"ذکرت امنیة اھل النار حین یقولو لاھل الجنة ان افیضو اعلینا من الماءِ"

ترجمہ: میں نے دوزخیوں کی اس تمنا کو یاد کیا کہ جب وہ اہل جنت سے کہیں گے کہ ہمیں تھوڑا سا
پانی دیدو (اے عزیز) اگر تیرے پاس عمل کے بغیر علم کافی ہوتا اور عمل کی ضرورت ہوتی تو صبح
صادق کے وقت یہ کیوں فرماتا:

"ھل من تائب، ھل من سائل، ھل من مستغفر"

ترجمہ: ہے کوئی گناہوں سے توبہ کرنے والا کوئی سوال کرنے والا ہے کوئی مجھ سے
اپنی مغفرت کی دعا مانگنے والا۔

پھر تو اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان بیکار ہوتا دراصل صبح صادق کے وقت اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان تو
اس لئے ہے۔

"کانو قلیلاً من اللیل مایھجعون"

ترجمہ: (ایسے بندے) چند ہی ہیں جو رات کے آخری حصے میں تھوڑی سی نیند کرتے
ہیں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت رسول اکرم ﷺ کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تعریف
کر رہی تھی اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"نعم الرجل ھو لو کان یصلی باللیل"

ترجمہ: وہ ایک اچھا شخص ہے کاش کہ وہ تہجد کی نماز پڑھتا ہوا ایک روز نبی کریم ﷺ
نے صحابہ کرامؓ میں سے ایک صحابی سے فرمایا:

Marfat.com

''لاتکثر النوم باللیل فان کثرۃ النوم باللیل تدع صاحبہ فقیراً یوم القیامۃ''

ترجمہ: (اے فلاں) رات کو زیادہ نیند کر کیونکہ رات کو سونے والا قیامت کے روز خالی ہاتھ ہوگا۔

''ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک''

ترجمہ: (اے رسول ﷺ) اور رات کے حصے میں اس (اللہ تعالیٰ) کے لئے نماز تہجد ادا کیجئے، امر ہے۔

''وبالاسحار ھم یستغفرون''

ترجمہ: اور وہ (سچے بندے) صبح صادق کے وقت خدا تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں شکر ہے۔

''والمستغفرین بالاسحار''

ذکر ہے سرکار دو عالم آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو تین آوازیں بہت پسند ہیں، ایک مرغ سحر کی، دوسری قرآن پاک کی تلاوت کی، اور تیسری پچھلی رات میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور توبہ کرنے والوں کی۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں۔

ان اللہ تعالی خلق ریحاً تھبُ وقت الاسحار تحمل الاذکار والاستغفار الی الملک الجبار''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا پیدا کی ہے جو پچھلے پہر چلتی ہے اس وقت جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور خداوند قدوس سے معافی مانگتے ہیں ان کی آوازیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتی ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ:

اذا کان اول اللیل نادیٰ مناد من تحت العرش لیقم العٰبدون فیقد مون ویصلون ماشآء اللہ ثم ینادی مناد فی شطر اللیل الالیقم القانتون فیقومون ویصلون الی السحر فاذا کان السحر ینادی مناد الالیقم المستغفرون فیقومون ویستغفرون فاذاطلع الفجر ینا دی مناد الالیقم الغفلون فیقومون من مفر شھم کالموتیٰ نشروا من قبورھم

Marfat.com

ترجمہ: رات شروع ہونے پر ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے منادی دیتا ہے کہ عبادت گزاروں کو اٹھ جانا چاہیے تو جسے اللہ توفیق دیتا ہے وہ اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں پھر آدھی رات کو دوسرا فرشتہ منادی کرتا ہے کہ خدا کے باادب فرمابرداروں کو اٹھ جانا چاہیے پس وہ اٹھ کر سحر تک نماز پڑھتے ہیں جب سحر ہوتی ہے تو تیسرا فرشتہ آواز دیتا ہے کہ خدا کی مغفرت طلب کرنے والوں کو اٹھ جانا چاہیے پس وہ اٹھ کر اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے ہیں پھر جب پو پھٹنے کا وقت آتا ہے تو پھر چوتھا فرشتہ صدا لگاتا ہے کہ اے غافلو! اٹھو (دن نکل آیا ہے) پھر یہ لوگ اپنے بستروں سے اس طرح اٹھتے ہیں جیسے مردے قبروں سے اٹھیں گے۔

اے بیٹے: حضرت لقمان کی وصیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یا بنی لاتکونن الدیک اکیس
منک فانہ ینادی بالاسحار وانت نائم

ترجمہ: اے بیٹے! مرغے کو اپنے سے زیادہ عقل مند نہ ہونے دینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تورات کے پچھلے پہر اٹھ کر اذانیں دے (یعنی اپنے پرودگار کو یاد کرے) اور تو پڑا سوتا رہے یہ حقیقت اس شعر سے واضح ہو جاتی ہے۔

لقد ھتفت فی جنح اللیل حمامۃ
علی فنن وھنا وانی لنائم
کذبت وبیت اللہ لو کنت عاشقاً
لماسبقتنی بالبکاء الحمائم
وازعم انی ھائم ذو صبابۃ
لہ بی ولا ابکی وتبکی البھائم

شاخ پر بیٹھی پکار رہی ہے اور میں پڑا سو رہا ہوں عبادت کیا چیز ہے اطاعت اور عبادت آنحضرت ﷺ کی شریعت کی پیروی یا تابعداری کرنے کو کہتے ہیں پھر خواہ وہ نیکی کرنے یا بدی سے روکنے کے احکامات ہوں یا قول وفعل کی اتباع ہو یعنی جو کچھ کرے یا نہ کرے بولے یا نہ بولے یہ سب کچھ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات گرامی کے مطابق ہونا چاہیے اگر کچھ بولے تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق بول اگر خاموش رہے تو ان کے حکم کے مطابق خاموش رہے اگر کوئی کام کرے یا نہ کرے تو یہ سب کچھ پیغمبر علیہ السلام کے حکم کے مطابق کر اگر تو کوئی

Marfat.com

کام کرتا ہے اور وہ تجھے عبادت معلوم ہوتا ہے لیکن وہ کام آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کی خاطر نہیں کرتا تو یہ کام عبادت میں شمار نہ ہوگا بلکہ گناہ میں شمار ہوگا خواہ وہ نماز روزہ ہی کیوں نہ ہو تجھے معلوم نہیں کہ اگر کوئی شخص دونوں عیدوں اور ایام تشریق میں روزے رکھے گا تو گنہگار ہوگا حالانکہ روزہ دار کی صورت اختیار کرتا ہے لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق نہیں کرتا اس لئے گنہگار ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص مکروہ وقت میں یا پرائی قبضہ کی ہوئی جگہ پر نماز ادا کرے گا تو وہ عاصم یا فاسق یا گنہگار کہلائیگا حالانکہ یہ کام ظاہری طور پر عبادت نظر آتا ہے مگر یہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق نہیں ہے اس لئے درست نہیں کوئی شخص اپنی منکوحہ سے مباشرت کرتا ہے تو یہ گناہ نہیں حالانکہ ظاہری طور پر یہ کام خراب نظر آتا ہے لیکن چونکہ فرمان کے مطابق کیا جاتا ہے اس لئے حلال ہے لہذا معلوم ہوا کہ عبادت فرمانبرداری کا دوسرا نام ہے اسی طرح نماز اور روزے بھی اسی وقت عبادت میں شمار کیے جاتے ہیں جب وہ فرمان کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہذا اے بیٹے تیرے سارے قول و فعل آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق ہونے چاہییں یعنی جو کچھ عمل کرے یا گفتگو کرے وہ سب شریعت کے مطابق ہو کیونکہ مخلوق کا علم اور عمل جو بھی آنحضرت ﷺ کی شرح کے مطابق نہیں وہ قطعی گمراہی ہے اور حق سے دور رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے گزشتہ زمانہ کے تمام علوم منسوخ فرمائے پس تجھے چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا کچھ نہ کر اور یقین کر جو علوم تو نے حاصل کیے ہیں ان سے اللہ تعالی کے راستے پر نہیں چل سکتا البتہ یہ راستہ تجھے محنت اور مجاہدے سے طے کرنا ہوگا اور اپنی ذلت نفس اور خواہشات کو مجاہدہ کی تلوار سے کاٹنا ہوگا یہی نفسانی خواہشات صوفیوں کے ڈھونگ اور بیہودگیوں سے ختم نہیں کر سکتا اللہ تعالی کو باریک نقطے یعنی فلسفیانہ گہرائیاں اور تاریک اوقات یعنی گناہ آلود زندگی پسند نہیں زبان سے تو فصاحت و بلاغت کے کلمات ادا ہوں لیکن دل میں غفلت و نفس پرستی ہو تو یہ بڑی بدنصیبی کی نشانی ہے جب تک نفس کی خواہشات کو سچائی اور مجاہدے کی تلوار سے نہیں کاٹے گا اس وقت تک تیرے دل میں معرفت کی روشنی پیدا نہیں ہوگی اے بیٹے! تو نے کچھ مسئلے پوچھے ہیں جن میں سے کچھ تو تقریر و تحریر میں پوری طرح بیان نہیں ہو سکتے اس منزل تک تو پہنچ گیا تو خود بخود پتا چل جائے گا عشق کا سبق پڑھایا نہیں جاتا بلکہ خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ اگر تو اس منزل تک پہنچ گیا تو اس کا جاننا مستحیلات یعنی ایک حال سے دوسرے حال میں آنے کے برابر ہے۔ اس لئے عشق، محبت اور ذوق کا دوسرا نام ہے محبت

Marfat.com

اور ذوق کو نہ تقریر کے ذریعہ بیان کیا جا سکتا ہے نہ تحریر کے ذریعہ اس کی اصل روح کو پیش کیا جا سکتا ہے جس طرح مٹھاس، کھٹاس اور تلخی کو کوئی شخص تقریر اور تحریر کے ذریعہ بیان کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا لہٰذا معلوم ہو کہ اگر تو اس منزل پر پہنچ گیا تو خود بخود معلوم ہو جائے گا لیکن اس منزل تک اگر نہ پہنچ سکا تو پھر اس حقیقت کو تقریر و تحریر کے ذریعہ اچھی طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

اے بیٹے! تیرے کچھ سوال اسی قسم کے ہیں لیکن جس قدر بھی تحریر و تقریر میں آسکتے ہیں وہ سب میں نے اپنی تصنیف احیاء العلوم الدین اور دوسری کتابوں میں وضاحت سے بیان کیے ہیں جو کہ تو ان میں پڑھ سکتا ہے البتہ یہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ کچھ مختصراً بیان کیے جائیں گے۔

دوسرا تو نے پوچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے کے لئے کیا چیز واجب ہے تجھے علم ہونا چاہیے کہ پہلی بات یہ ہے کہ اس میں خوف خدا کا عقیدہ اس درجہ پر موجود ہو کہ اس میں کسی بھی قسم کی بدعت نہ ہو۔ دوسرے توبۃ النصوح اس طرح کی جانی چاہیے کہ دوبارہ ایسی ذلت کی طرف واپس نہ لوٹے تیسرے دشمن کو بھی اس حد تک راضی رکھے کہ کسی بھی مخلوق کا حق اس پر واجب نہ رہے۔ چوتھے شریعت کے علم میں سے اتنا علم حاصل کرنا چاہیے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور فرمانبرداری کر سکے شریعت کے علم کا اس سے زیادہ جاننا واجب نہیں دوسرے علوم میں سے بھی اتنا جاننا چاہیے جس سے اس کا چھٹکارا ہونا چاہیے، یہ حقیقت تیرے علم میں ہونی چاہیے کہ بزرگوں کی حکایات میں آتا ہے کہ شبلیؒ نے فرمایا کہ میں نے طریقت کے چار سو استادوں کی خدمت کی اور ان استادوں کی بیان کردہ چار ہزار احادیث میں سے صرف ایک حدیث اختیار کی اور باقی حدیثوں کو چھوڑ دیا اس لئے کہ ایک حدیث پر غور کیا تو اپنا چھٹکارا اس حدیث میں پایا مجھے اس حدیث میں علم اولین و آخرین بیان کیا اور نظر آیا وہ حدیث یہ ہے:۔

اعمل للدنیا بقدر مقامک فیھا
واعمل لاٰخرتک بقدر بقائک فیھا
واعمل للہ بقدر حاجتک الیہ واعمل
للنار بقدر صبرک علیھا

ترجمہ: دنیا کے لئے اتنا کام کر جتنا اس میں رہے اور آخرت کے لئے اتنا کام کر جتنا وہاں رہنا مقدر ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتنا کام کر جتنا تو اس کا محتاج ہے اور دوزخ کے لئے اتنا کام کر جتنا تو اس کی تکالیف پر صبر کر سکے۔

Marfat.com

اے بیٹے! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجھے زیادہ علم کی ضرورت نہیں کیونکہ زیادہ علم پڑھنا اور حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اس دوسری حکایت پر غور کرتا کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے۔

حکایت: کہتے ہیں کہ شقیق بلخی قدس اللہ روحہ کے شاگردوں اور مریدوں میں سے حاتم اصم بھی ایک شاگرد اور مرید تھے ایک دن شقیقؒ نے ان سے کہا کہ اے حاتم! تم کتنا عرصہ میری صحبت میں رہے اور میری باتیں سنتے رہے حاتم اصمؒ نے کہا کہ تینتیس سال (۳۳) شقیقؒ نے کہا کہ اس عرصہ میں تو نے مجھ سے کیا فائدہ حاصل کیا؟

حاتم بن اصمؒ نے جواب دیا کہ آٹھ فائدے حاصل کیے ہیں۔ شقیقؒ نے کہا:

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

اے حاتم! میں نے اپنی زندگی تعلیم و تربیت میں گزار دی اور تجھے میرے علم سے آٹھ فائدوں کے علاوہ کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا! حاتمؒ نے کہا اے استاد! اگر سچ پوچھیں تو یہ حقیقت ہے جو میں نے بیان کی مجھے ان سے زیادہ کوئی ضرورت نہیں اور علم سے اتنا ہی فائدہ کافی ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ دنیا و آخرت میں میرا چھٹکارا ان آٹھ فائدوں سے ہوگا شقیق بلخیؒ نے ان سے کہا کہ اے حاتم! اچھا تو بتاؤ کہ وہ آٹھ فائدے کونسے ہیں؟

حاتم بن اصمؒ کے بیان کردہ فوائد

اے استاد! پہلا فائدہ یہ ہے کہ میں نے اس دنیا کے لوگوں کو دیکھا کہ ہر ایک کا ایک محبوب ہے۔ لیکن لوگوں کے یہ محبوب ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی تو موت لانے والی بیماری تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ مرتے دم تک اور کچھ ایسے ہیں جو قبر تک ان کے ساتھ چلتے ہیں اور دفن کے بعد تمام محبوب وہاں سے واپس آ جاتے ہیں ان میں سے کوئی محبوب قبر میں ساتھ نہیں جاتا کہ وہاں اس شخص کی دل بستگی کی غرض سے اس کے ساتھ رہے میں نے غور کیا اور اپنے آپ سے کہا کہ محبوب تو وہی اچھا ہے جو قبر میں بھی ساتھ جائے اور محبّ کے ساتھ رہے۔ اس لئے باعث دلبستگی بنے، اس کی قبر کو روشن کرے اور قیامت اور اس کی منزلوں میں اس کا ساتھی ہو

Marfat.com

میں نے دیکھا کہ ان خوبیوں والا محبوب صرف میرے اچھے اعمال ہیں۔

اس کے بعد سے میں نے اپنے نیک اعمال کو اپنا محبوب بنالیا تا کہ یہ میرے ساتھ قبر تک جائے۔ میرے لئے سامان دل بستگی ثابت ہو میری قبر کی روشن قندیل بنے قیامت کی منزلوں میں میرے ساتھ ہو اور کبھی بھی مجھ سے الگ نہ ہو۔ شقیق بلخیؒ نے کہا کہ شاباش اے حاتم! تم نے بہت عمدہ بات بتائی ہے اب دوسرا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس دنیا کے لوگوں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ہر کوئی لذات وخواہشات نفس کے پیچھے چل رہا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہے یہ دیکھ کر میں نے اس آیت کریمہ پر غور کیا:

"وامامن خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هي المأوىٰ"

ترجمہ: جو شخص اپنے پرودگار کا خوف کرے گا وہ اپنے نفس کو حرص وہوا سے روکے گا تو اس کے ٹھہرنے کا مقام جنت ہے۔

مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن حکیم حق اور اللہ کا کلام سچا ہے پھر اپنے نفس کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوا۔ اسے ایسے سانچے میں ڈالا اور اس وقت تک اس کی کوئی خواہش پوری نہ کی جب تک کے اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سکون نہ آنے لگا، شقیق بلخیؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی برکتیں عطا فرمائے اچھا اب تیسرا فائدہ بیان کرو۔

اے استاد! تیسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو ہر شخص نہایت تکلیف اور محنت سے اس فانی دنیا کے مال کو جمع کرنے میں لگا ہوا ہے اور بڑا خوش ہے کہ اس کے پاس بہت سے مال ومتاع ہے لیکن جب میں نے قرآن کریمہ کی اس آیت پر غور کیا۔

﴿ماعندکم ینفدو ماعنداللہ باق﴾

ترجمہ: تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب فنا ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔

تو میں نے جو دنیا میں جمع کیا تھا وہ سب خدا کی راہ میں درویشوں اور فقیروں میں تقسیم کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس بطور امانت جمع رہے اور میرے لئے آخرت کا ثمرہ اور چھٹکارے کا سبب بنے۔

شقیق بلخیؒ نے کہا کہ اے حاتم! اللہ تعالیٰ تجھے اجر عطا فرمائے تو نے بہت اچھی بات کی اور بہت اچھا کام کیا ہے اچھا اب چوتھا فائدہ بیان کر۔

Marfat.com

اے استاد! چوتھا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دنیا کے لوگوں کو دیکھا کہ ان میں سے کچھ کا خیال ہے کہ شان وشوکت اور عزت وشرف زیادہ اور بڑے قوم قبیلے سے ہے اس لئے وہ اپنے قبیلہ پر فخر کر رہے ہیں کچھ ایسے ہیں کہ جو سوچتے ہیں کہ شان وشوکت کا دولت کی فراوانی، مال اور اہل وعیال سے حاصل ہوتی ہے اس لئے ایسے لوگ اپنی دولت اور اولاد پر فخر کر رہے ہیں کچھ ایسے ہیں جو اپنی عزت اور شان، غصہ دکھانے، مارنے، کوٹنے، اور قتل وغارت گری میں سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو اپنی فضول خرچی کو شان وشوکت سمجھتے ہیں اس لئے وہ فضول خرچی کو عزت سمجھ کر اس پر فخر کرتے ہیں لیکن میں نے اس آیت پر غور کیا جس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

"ان اکرمکم عنداللہ اتقکم"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ اور مرتبے والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

لہذا یہ حق اور سچ ہے اور مخلوق کے خیالات باطل اور گمان غلط ہیں اس لئے میں نے تقویٰ کو اختیار کیا تاکہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مرتبہ والا شمار کیا جاؤں شقیق بلخیؒ نے کہا کہ اے حاتمؒ! کاش اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو تو نے بڑی اچھی بات کی۔ اب پانچواں فائدہ بیان کر۔

اے استاد! پانچواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ ایک دوسرے کی شکایت کر رہے ہیں معلوم ہوا کہ یہ سب جلن، حسد، اور کینے کی وجہ سے کر رہے ہیں جس کا واحد سبب عظمت وشان، مال ودولت اور علم ہے میں نے قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر غور کیا جس میں فرمایا گیا کہ:

﴿نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا﴾

ترجمہ: ہم نے لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں رزق تقسیم کر دیا ہے۔

پھر سوچا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ازل سے ہی مال ومرتبہ کو مقرر فرمایا ہے۔ اور اس میں کسی کو کچھ اختیار نہیں اس لئے کسی سے بھی مقابلہ اور حسد نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور تقدیر پر راضی رہا اور ساری دنیا کے ساتھ بن گیا شقیقؒ نے فرمایا کہ اے حاتمؒ! سچ کہتے ہو اور ٹھیک کرتے ہو اب چھٹا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! چھٹا فائدہ یہ ہے کہ جب میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو میں نے دیکھا کہ

Marfat.com

ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے دوسرے سے دشمنی کر رہا ہے پھر میں نے اس آیت پر غور کیا۔

﴿ان الشیطن لکم عدوٌ فاتخذوہ عدوا﴾

ترجمہ: بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم اس کو دشمن سمجھو۔

اس کے بعد یقین کر لیا کہ اللہ کا قول سچا ہے شیطان اور اس کی پیروی کرنے والوں کے علاوہ کسی سے دشمنی نہ رکھنا چاہیے اس کے بعد سے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور اس کے کسی بھی حکم کو نہ مانا بلکہ اللہ تعالی کے احکامات کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کی اور اس کے بعد سے اسی کی عبادت اور بندگی اختیار کر لی سیدھا راستہ صراط مستقیم ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے خود فرمایا ہے۔

﴿الم اعھد الیکم یٰبنی اٰدم ان لا تعبدوا الشیطٰن انہ لکم عدوٌ مبین . وان اعبدونی ھذا صراطٌ مستقیم﴾

ترجمہ: کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لے لیا تھا اے ''اولاد آدم'' تو ہرگز شیطان کی اطاعت نہ کرنا۔ تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرو (کیونکہ) یہ سیدھا راستہ ہے

شقیق نے فرمایا اے حاتمؒ! بہت اچھا کام کیا اور بہت اچھی بات بتائی اچھا اب ساتواں فائدہ بیان کر۔

اے استاد! ساتواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ہر شخص اپنے سلسلہ میں حلال وحرام کی بھی تمیز نہیں کر رہا بلکہ مشکوک اور حرام کمائی کے حصول کے لئے ذلیل وخوار ہو رہا ہے۔ پھر میں نے اس آیت پر غور کیا۔

﴿ومامن دآبۃٍ فی الارض الا علی اللہ رزقھا﴾

ترجمہ: زمین پر ایسا کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالی پر نہیں ہے۔

پھر یقین کیا کہ قرآن حکیم حق اور سچ ہے اور میں بھی ان جانداروں میں سے ہوں جو کہ زمین پر موجود ہے بس پھر میں اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گیا اور یقین کر لیا کہ وہ مجھے روزی پہنچائے گا کیونکہ اس نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔

شقیقؒ نے کہا کہ بہت اچھا کیا اور بہت اچھی بات بتائی اچھا اب آٹھواں فائدہ بیان کر۔

حاتمؒ نے کہا آٹھواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ معلوم ہوا ہر آدمی کا بھروسہ کسی دوسرے پر یا کسی چیز پر ہے کسی کو اپنے مال پر بھروسہ ہے کسی کو لوگوں پر بھروسہ ہے لہذا میں

Marfat.com

نے اس آیت شریفہ پر غور کیا جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

﴿ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ﴾

ترجمہ: جس نے اللہ پر توکل کیا اس کے لئے اللہ کافی ہے۔

اس کے بعد سے میں نے خدائے تعالیٰ عزوجل پر توکل کیا۔

﴿وھو حسبی ونعم الوکیل﴾

ترجمہ: اور وہی میرے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔

جب شقیق بلخیؒ نے یہ فائدے سنے تو کہا کہ اے حاتم! اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق عطا فرمائے تم نے بہت عمدہ باتیں بتائیں میں نے توریت، انجیل، زبور، اور فرقان حمیدہ میں دیکھا کہ یہ چاروں کتابیں ان آٹھ فائدوں کا ذکر کرتی ہیں یعنی چاروں کتابوں نے اپنی تعلیم میں یہ آٹھ فائدے بتائے ہیں اور جس نے بھی ان پر عمل کیا گویا چاروں کتابوں پر عمل کیا۔

اے بیٹے! تجھے ان حکایتوں سے معلوم ہوا کہ تجھے زیادہ ان کی ضرورت نہیں ہے۔

اب واپس اپنے قصے کی طرف آتے ہیں اور، طالب، اور سالک، کے لئے اللہ کی راہ میں جو باطنی شرائط ہیں وہ تجھے بتاتا ہوں۔

پانچویں شرط جو کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے والے سالک کے لئے واجب یہ ہے کہ اس کا ایک شیخ کامل ہونا چاہیے جو اس کی رہنمائی کرے اور اس میں سے برے اخلاق نکال کر اچھے اخلاق پیدا کرے تربیت کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ جس طرح ایک کسان فصل کی دیکھ بھال کرتے وقت جو بھی گھاس پھوس فاضل اگ جاتا ہے اسے فصل سے باہر نکال دیتا ہے اسی طرح کھیت میں جو بھی خاروخس پیدا ہوتے ہیں انھیں وہ جڑ سے نکال کر باہر پھینکتا ہے پھر وہاں پانی اور کھاد دیتا ہے تاکہ فصل بڑھے اور عمدہ بھی ہو اسی طرح ہر حالت میں اللہ کی راہ پر چلنے والے مسافر کے لئے مرشد کامل کے سوا دوسرا کوئی بھی علاج یا حل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا تاکہ آپ ﷺ اللہ کی راہ کی روشن دلیل ثابت ہوں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر لائیں رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو اپنے نائبوں اور خلفاء کو اپنی جگہ مقرر فرمایا تاکہ وہ قیامت تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ کی دلیل ہو۔

لہذا سالک کے لئے ایسا شیخ کامل ہونا چاہیے جو کہ اللہ کے راستے پر چلنے کے لئے رسول اکرم ﷺ کے نائب کی حیثیت سے روشن دلیل ہو۔

Marfat.com

شیخ کے اوصاف

رسول اللہ ﷺ کا نائب جس کو اپنا شیخ بنایا جائے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عالم ہو لیکن ہر عالم بھی شیخ کامل نہیں ہو سکتا اس کلام کے لائق وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں چند مخصوص صفات ہوں یہاں ہم اجمالی طور پر چند اوصاف بیان کرتے ہیں تاکہ ہر سر پھرا یا گمراہ شخص شیخ بننے کا دعویٰ نہ کر سکے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ شیخ وہی ہو سکتا ہے جو دنیا کی محبت وعزت ومرتبے کی چاہت سے منہ موڑ کر ایسے کامل شخص سے بیعت کر چکا ہو جس کا سلسلہ آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہو اس شخص نے ہر قسم کی ریاضت کی ہو اور آنحضرت ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کی ہو وہ شخص تھوڑا کھانا کھاتا ہو تھوڑی نیند کرتا ہو زیادہ نمازیں پڑھتا ہو زیادہ روزے رکھتا ہو اور خوب صدقہ وخیرات کرتا ہو اس کی طبیعت میں تمام اچھے اخلاق ہونے چاہییں اور صبر، شکر، توکل، یقین، سخاوت، قناعت، امانت، حلم (سنجیدگی) انکساری، فرمانبرادی، سچائی، حیاء، وقار، سکون، اور اسی قسم کے اور فضائل اس کی سیرت وکردار کا حصہ ہوں اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے انوار سے ایسا نور اور روشنی حاصل کی ہو جس سے تمام بری خصلتیں مثلاً کنجوسی، حسد، کینہ، جلن، لالچ، دنیا سے امید، غصہ اور سرکشی وغیرہ، اس میں ختم ہو چکی ہوں اور علم کے سلسلہ میں کسی کا محتاج نہ ہو سوائے اس علم کے جو کہ ہمیں (مخصوص) آنحضرت ﷺ سے ملتا ہے۔

یہ مذکورہ اوصاف شیخ کامل پیران طریقت کی کچھ نشانیاں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے نائب ہونے کے لائق ہیں ایسے شیخوں کی پیروی کرنا صحیح طریقہ ہے۔

شیخ کی اطاعت

ایسے شخص بڑی مشکل سے ملتے ہیں اگر یہ دولت کسی کو حاصل ہوئی اور یہ توفیق نصیب ہوئی کہ ایسا کامل شیخ ملا اور وہ شیخ اسے اپنے مریدوں میں شامل کرلے تو اس مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کا ظاہری وباطنی ادب کرے۔

Marfat.com

ظاہری آداب

ظاہری ادب یہ کہ اس سے بحث مباحثہ نہ کرے اور اگر کوئی مسئلہ چھڑ جائے اور اگر کبھی سمجھے کہ شیخ سے بھول ہوگئی تو اس پر بھی اعتراض نہ کرے اسے چاہیے کہ ہر ایک کے ساتھ مصلے پر جا کر نہ کھڑا ہو بلکہ جب نماز کا وقت ہو تو پھر جا کر مصلے پر نماز ادا کرے جب نماز پڑھ کر فارغ ہو تو مصلے لپیٹ دے شیخ کے سامنے ہر نماز کے بعد زیادہ نفل نہ پڑھے اور شیخ کامل جو بھی حکم دے اسے اپنی استطاعت کے مطابق بجالائے۔

باطنی آداب

باطنی ادب یہ ہے کہ مرشد سے جو کچھ بظاہر سنے اس کے بارے میں یا شیخ کے قول وفعل کی بابت دل میں ذرا بھی شبہ نہ کرے ورنہ منافق کہلائے گا اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اسے چاہیے کہ شیخ کی صحبت سے کنارہ کش ہو جائے جب تک کہ اس کا باطن بھی ظاہر کی طرح نہ ہو جائے۔

چھٹی شرط یہ کہ مرید نفس کی چال بازیوں سے بچے یہ صرف اسی طرح ممکن ہے جب وہ بدکردار اور جاہل لوگوں کی مجلس چھوڑ دے اس طرح اس کے دل سے شیطان کا غلبہ ختم ہو جائے گا اور شیطانی اثرات جڑ سے ختم ہونگے پھر خواہ وہ شیطانی گروہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ ہر حال میں مسکینی اور درویشی کو خوشحالی پر ترجیح دے اور نیاز مندی اختیار کرے یہ سات باتیں اللہ تعالی کی راہ پر چلنے والے سالک اور طالب کے لئے ضروری ہیں۔

تصوف کی حقیقت

دوسرے تو نے یہ پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ تصوف دو خصلتوں کا نام ہے: پہلی یہ کہ (بندہ) اللہ کا وفادار ہو یعنی شریعت پر عمل کرتا ہو اور دوسری یہ کہ اللہ کی مخلوق سے ہمدردی و بھلائی

Marfat.com

کرنے والا ہو جس میں شریعت پر ثابت قدمی اور انسانیت کی فلاح کی خوبیاں ہیں وہ "صوفی" ہے اللہ سے وفاداری یہ ہے کہ اپنی خوشی کو اللہ کی خاطر قربان کر دے لوگوں سے بھلائی یہ ہے کہ لوگوں کی صرف اپنی غرض کی خاطر تعلقات نہ رکھے اور خود غرضی سے کنارہ کرے بلکہ اپنے آپ کو لوگوں کی بھلائی کے لئے وقف کرے بشرطیکہ یہ بھلائی شریعت کے مطابق ہو۔

بندگی کی حقیقت

دوسرے تو نے پوچھا کہ بندگی کیا ہے؟ عبودیت یا بندگی میں تین باتیں ہیں پہلی یہ کہ شریعت کے حکم کی حفاظت کرنا اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ قضا و قدر اور قسمت پر راضی رہنا تیسری یہ کہ خواہشات اور اختیار کو چھوڑ دینا اور اللہ تعالیٰ کے اختیار اور خواہش پر خوش رہنا۔

توکل کی حقیقت

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ توکل کیا ہے؟ تجھے معلوم ہو کہ توکل اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں ان پر پختہ یقین ہونا چاہیے یعنی اعتقاد ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیری قسمت میں لکھا ہے وہ تجھے ضرور ملے گا پھر چاہے پوری دنیا اس کو روکنے کی کوشش کرے تب بھی اس کو روکا نہیں جا سکتا لیکن جو کچھ تیری تقدیر میں نہیں لکھا اس کے لئے تو اور سارا جہاں کتنی بھی کوشش کرے وہ تجھے ہرگز نہیں ملے گا۔

اخلاص کی حقیقت

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ اخلاص کیا ہے؟ تجھے معلوم ہو کہ اخلاص یا خلوص یہ ہے کہ تیرے سارے کام صرف اللہ (کی رضا) کے لئے ہونے چاہییں جو کچھ بھی کرے وہ دکھاوے کے لئے نہ ہونا چاہیے اچھے کام کرتے وقت تیرا دل لوگوں کی طرف مائل نہ ہو تیرے دل کو نہ لوگوں کی تعریف پر خوش ہونا چاہیے نہ کسی سے شکایت پر رنجیدہ ہونا چاہیے تجھے معلوم ہو کہ ریاکاری لوگوں کی تعریف اور تعظیم سے پیدا ہوتی ہے اور ریاء کاری کا علاج یہ ہے کہ تو سارے جہاں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے طابع سمجھ اور ساری مخلوق کو کنکروں اور پتھروں کی مانند سمجھ تجھے یہ سمجھنا چاہیے کہ پتھروں کی یہ طاقت نہیں کہ وہ تجھے رنج و راحت پہنچا سکیں ساری مخلوق کو اگر ایسا سمجھے گا

Marfat.com

تو پھر تجھے ریاکاری سے نجات مل سکے گی جب تک یہ عقیدہ رکھے گا کہ مخلوق کو دکھ سکھ پہنچانے کی طاقت ہے تو پھر تیرے دل سے ریاکاری ہرگز نہیں نکل سکتی۔

اے بیٹے! تیرے باقی سوال ایسے ہیں کہ جن میں کچھ ہماری تصنیف کردہ کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں جو ان میں سے دیکھ لے اور کچھ سوال ایسے ہیں جن کا جواب لکھنا ممنوع ہے تو جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر عمل کرتا کہ وہ امور تجھ پر واضح ہو جائیں جو تو بھی نہیں جانتا۔

اے بیٹے! اس کے بعد جو تجھے مشکل لگے اور سمجھ نہ آئے تو زبانی طور پر دل کی زبان کے علاوہ مجھ سے نہ پوچھ۔

﴿ولو انھم صبروا حتیٰ تخرج الیھم لکان خیرا لھم﴾

ترجمہ: اگر وہ لوگ آپ ﷺ کے از خود باہر آنے تک صبر کرتے تو انھیں کے لئے بہتر تھا۔

حضرت خضرؑ کی نصیحت قبول کر۔

''فلاتسالنی عن شیء حتی احدث لک منه ذکرا''

ترجمہ: پھر تم مجھ سے کوئی بات مت پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی تم سے اس کا ذکر کروں۔

جلدی مت کر، جب وقت آئے گا تو خود ہی تجھے بتا دیا جائے گا اور دکھا دیا جائے گا۔

''ساریکم ایاتی فلا تستعجلون''

ترجمہ: ہم تجھے جلدی اپنی نشانیاں دکھائیں گے لہذا (اس سلسلہ میں) تم جلدی کی خواہش مت کرو۔

تو وقت سے پہلے مت پوچھ۔ جب اس کیفیت کو تو پہنچے گا تو خود نظر آ جائے گا تو یہ یقین کر کے جب تو اس منزل کی طرف نہ جائے گا۔ اس وقت تک نہ تو وہاں پہنچے گا نہ دیکھ سکے گا۔

(اولم یسیروا فی الارض فینظروا)

ترجمہ: کیا وہ زمین (ملک) میں گھومے پھرے نہیں ہے تاکہ وہ سب کچھ دیکھ لیتے۔

اے بیٹے! خدا کی قسم اگر تو اپنے دل کو روشن کر لے تو یقیناً عجیب غریب کیفیات نظر آئیں۔ تجھے چاہیے کہ ہر منزل پر جان کی بازی لگا دے۔ اس کے علاوہ مقصد حاصل نہیں ہوگا حضرت ذوالنون مصریؒ نے اپنے شاگردوں میں سے ایک شاگرد سے کتنی اچھی

Marfat.com

بات کہی ہے۔

"ان قدرت علی بذل الروح فتعال وان لاتشتغل بنزھات الصوفیۃ والقال"

ترجمہ: اگر (اس راہ میں) جان کی بازی لگانے کی ہمت ہے تو آ جا۔ (قدم رکھ) ورنہ محض صوفیوں کی خوش کن باتوں میں مت آ۔

اے بیٹے! میں اب آٹھ نصیحتوں پر اپنا قصہ ختم کرتا ہوں۔

آٹھ نصیحتیں

۱

تجھے ان سے چار باتیں کرنی ہیں اور چار باتیں نہیں کرنی ہیں تا کہ تیرا علم قیامت کے دن تیرا دشمن نہ بنے۔

پہلے تو وہ چار کام بیان کیے جاتے ہیں جو تجھے کرنے نہیں ہیں۔

مناظرہ کا اصول

اول یہ کہ جہاں تک ہو سکے ہر کسی سے مناظرہ نہ کر اور کسی بھی مسئلہ پر بحث نہ کر کیونکہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں اور فائدے سے زیادہ نقصان ہے یہ کام تمام بری باتوں مثلاً ریاء کاری، حسد، غرور، کینہ، دشمنی، فخر، اور ناز وغیرہ کا سرچشمہ ہے اگر تیرے اور دوسرے شخص کے درمیان کوئی مسئلہ چھڑ جائے اور تیری خواہش ہو کہ حق ظاہر ہو تو اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے تیری نیت کو ٹھیک کہا جائے گا۔ اس سلسلہ میں نیک نیتی کی دو علامات ہیں۔

اول یہ کہ اگر تیری زبان سے یا تیرے مخالف کی طرف سے حق ظاہر ہو تو اس میں کوئی فرق نہ کرے یعنی دونوں صورتوں میں راضی رہے کہ (بہر حال) حق ظاہر ہوا۔

دوسری علامت یہ ہے کہ تو تنہائی میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کو بہتر سمجھے لیکن اگر تو کسی مسئلہ پر بحث کرے اور تجھے یہ یقین ہو کہ تو حق پر اور مخالف صرف بحث کر رہا ہے تو تو خبردار ہو جا اور اس سے بحث نہ کر اور بات کو وہیں ختم کر دے ورنہ خوانخواہ رنجش پیدا ہو گی اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

یہاں میں ایک فائدہ بیان کرتا ہوں تجھے معلوم ہو کہ مسائل کے بارے میں سوال کرنا ایسا ہے کہ گویا دل کے طبیب کے سامنے دل کی بیماری اور اس کے اسباب بیان کرنا نیز اس

Marfat.com

طبیب کی طرف سے دل کی بیماری کی شفاء کے لئے کوشش کرنا ایسا ہے جیسا اس مسئلہ کا جواب دینا۔ تجھے یقین ہونا چاہیے کہ جاہل لوگ ایسے مریضوں کی مانند ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے اور عالم طبیبوں اور حکیموں کی مانند ہیں۔ ناقص عالم طبابت کے لائق نہیں اور کامل عالم بیماری کا علاج کرسکتا ہے نیز بیماری کے اسباب بھی معلوم کرسکتا ہے۔ لیکن بیماری اگر غالب آجائے اور اس کے اسباب بھی معلوم نہ ہوسکیں تو پھر کسی استاد طبیب سے مشورہ کیا جائے جو یہ بتاسکے کہ اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے اور یہ بیماری دوادارو سے ٹھیک نہ ہوگی۔ اس قسم کی لاعلاج بیماری کے علاج میں مشغول رہنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوگا اب تو سمجھ کہ:

مریض کی اقسام

جاہل مریض چار قسم کے ہوتے ہیں۔ اور ان چار میں سے ایک کا علاج ممکن ہے باقی تین لاعلاج ہیں۔

پہلا بیمار وہ ہے جو حسد کی وجہ سے سوال پوچھے یا اعتراض کرے۔ حسد ایک ایسی مہلک بیماری ہے جس کا علاج نہیں ہے یوں سمجھ لو کہ تو جو بھی جواب دے گا وہ خواہ کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو لیکن وہ تجھے اپنا دشمن شمار کرے گا اور اس کی جلن اور حسد کی آگ اور بھی بھڑکے گی۔ لہذا اچھا یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دے کسی شاعر نے اس سلسلہ میں اچھا کہا ہے

کل العداوة قد ترجیٰ ازا لتها
الا عداوة من عاداك من حسد

ترجمہ: ہر قسم کی دشمنی کا ازالہ ہوسکتا ہے مگر جو دشمنی حسد کی وجہ سے ہو اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔

لہذا اس کا مداویٰ یہ ہے کہ اس حاسد کو چھوڑ دے تاکہ وہ اس مرض میں مبتلا رہے۔

"فاعرض عن من تولیٰ عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوٰة الدنیا"

ترجمہ: تو ایسے شخص سے کنارہ کش اختیار کر جو (حسد کی وجہ سے) ہمارے ذکر سے منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی (کی آسائشوں) کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔

مریض کے دوسری قسم وہ ہے جس کی بیماری کا سبب اس کی حماقت یا بیوقوفی ہے۔ یہ بیماری لاعلاج ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں (بحکم خدا) مردوں کو زندہ کرنے میں عاجز

Marfat.com

نہیں ہوا لیکن احمق اور جاہلوں کا علاج کرنے سے عاجز آ گیا جاہل احمق وہ ہے جو علم حاصل کرنے میں بہت کم وقت گزارتا ہے اور علوم عقلیہ یا نقلیہ ابھی شروع ہی نہیں کیے ہیں لیکن ان بڑے عالموں پر اعتراض کرتا ہے۔ جن کی ساری زندگی علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل میں گزری ہے اس سے یہ علم نہیں ہے کہ اس کا اعتراض جو کہ خود اسے اور اپنے جیسے دوسرے لوگوں نیز علماء کو گراں گزرتا ہے۔ اسی طرح بلاشک یہ اعتراض اس بڑے عالم کو بھی گراں گزرتا ہوگا اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا یہ اعتراض جو اس عالم پر کر رہا ہے، بیکار اور فضول ہے اور اس بڑے عالم کی فکری گہرائی کو خود اس نے دوسرے عالم نے اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے سمجھا ہی نہیں ہے بھلا جب وہ اتنا بھی نہیں سوچ سکتا تو یہ اس کی حماقت اور نادانی ہے۔ ایسے شخص سے بھی الگ رہنا چاہیے اور اسے جواب نہیں دینا چاہیے۔

نصیحت بقدر ظرف

تیسرے قسم کا بیمار وہ ہے جو اپنی بے قراری و بے صبرے پن کی وجہ سے بزرگوں کی باتیں نہ سمجھے اور اپنی کم عقلی پر بھروسہ کیے رہے اور جو اپنے فائدے کی وجہ سے سمجھے ایسا شخص بھولا اور بے عقل ہوتا ہے اور اس کا ذہن حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو بھی جواب دینا ضروری نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"نحن معاشر الانبیآء امرنا ان نتکلم الناس علی قدرِ عقولهم"

ترجمہ: ہم گروہ انبیاء سے فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو ہم ایسی باتیں بتائیں جو ان کی عقل کے مطابق ہوں۔

نصیحت کے قابل شخص

چوتھی قسم کا بیمار وہ ہے جو صراط مستقیم کا طلب ہو، فرمانبردار ہو، ذکی، اور ذہین ہو اور اس میں غصہ، نفس پرستی، حسد اور دولت مجاہ کی خواہش نہ ہو۔ (لہذا) ایسا شخص جو کہ راہ حق اور صحیح طریقے کا متلاشی ہو اور جو سوال پوچھے یا اعتراض کرے وہ حسد کی وجہ سے یا عیب جوئی کے خاطر یا امتحان لینے کی غرض سے نہ کرے ایسا ہی شخص وہ مریض ہے جس کا علاج کیا جا سکتا ہے چنانچہ اگر اس شخص کے سوال کا جواب دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔

Marfat.com

۲ وعظ کی حقیقت

نصیحت یہ ہے کہ تو وعظ اور تقریر کرنے سے بچے کیونکہ اس میں بڑی آفتیں اور نقصان ہے۔ اگر سمجھتا ہو کہ تو جو کچھ وعظ کرتا ہے اس پر پہلے خود بھی عمل کر چکا تو یہ بات بھی خیال میں رہے کہ حضرت عیسیٰؑ سے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

"یا ابن مریم اعظ نفسک فان اتعظت فعظ الناس فاستحیی منی"

ترجمہ: اے فرزند مریم! تم اپنے نفس کو نصیحت کرو پھر اگر اس نے تمہاری نصیحت قبول کر لی تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے شرماؤ۔

اگر ایسے حالات پیدا ہوں کہ تجھے وعظ کرنا ہی پڑے تو پھر دو باتوں سے بچنا۔ اول یہ کہ اپنے وعظ میں رنگین بیانی، اشارہ و کنایہ، مقفیٰ، و مسجع، عبارات، دل خوشکن اشعار، وابیات اور خلاف شرع گفتگو (بعض نام نہاد) صوفیوں کے جھوٹ سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تصنع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا لیکن۔ (اگر کسی کا واعظ کا) تکلف یا نمائش حد سے تجاوز کر جائے تو سمجھ لے کہ اس کا وعظ کا باطن خراب اور دل غافل ہے کیونکہ وعظ کا مقصد اپنی قابلیت جتانا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا ذکر کیا جائے اللہ کی بندگی کے سلسلہ میں اپنی کوتاہیاں بیان کی جائیں اور فضول کاموں اور ضائع کردہ عمر پر افسوس کیا جائے آخرت کی دشوار گزار مرحلوں کا تذکرہ کیا جائے جو آگے ہمارے راستے میں حائل ہیں اسی طرح ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے گزرنے کا طریقہ، مرتے وقت ملک الموت کا منظر، قبر میں منکر و نکیر کے سوال و جواب اور قیامت کی منزلیں ان میں بیان کی جائیں۔ اس کے علاوہ حشر کے میدان میں حساب کتاب کا منظر میزان میں اعمال کے تولے جانے پل صراط سے گزرنے اور پار پہنچنے اور روز محشر کی دوسری ہولناکیوں کا نقشہ پیش کیا جائے واعظ کو چاہیے کہ خوف کی یہ تمام باتیں لوگوں کے سامنے پیش کرے اور ان تمام باتوں سے مطلع کرے۔ اس کے علاوہ مجلس میں بیٹھے لوگوں کو ان کے عیوب وکوتاہیوں کی یاد دلائے تاکہ ان کے دل میں عذاب آخرت کا خوف پیدا ہو اور جس قدر ہو سکے اپنے برباد شدہ وقت پر افسوس کریں اور اس کی تلافی کریں اور جو وقت عبادت کے بغیر گزرا ہو اس پر آنسو بہائیں یہ تمام باتیں جو میں نے اوپر بیان کی ہیں وعظ

Marfat.com

میں بیان کی جائیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی کے گھر کے دروازے پر سیلاب کا پانی پہنچ جائے اور نوبت یہ آ جائے کہ گھڑی بھر میں اس کے گھر کو اپنی لپیٹ میں لیکر اس کے بال بچوں کو بھگو دے گا۔ اس وقت گھر کا مالک اپنے گھر میں شور کرے گا اور کہے گا اے گھر والو! الحذر، الحذر یعنی افسوس افسوس، جلدی بھاگو سیلاب کا پانی پہنچ گیا ہے، ایسے خوف ناک وقت میں گھر کا مالک سیلاب کا ذکر ہر گز رنگین عبارات، اشارات، وکنایات، مقفی، مسجع، مرصع، اور ہم وزن کلام یا پر تکلف شاعرانہ رنگین بیانی سے نہیں کرے گا۔ اہل مجلس کے سامنے بھی وعظ کی مثالیں اسی طرح (یعنی خود ڈر کر اور دوسروں کو ڈراتے ہوئے) ہونی چاہییں۔ دوسرے وعظ کرتے وقت اپنے دل میں ایسے خیالات نہ آنے دے کہ لوگ تیرا وعظ سن کر واہ واہ کے نعرے لگائیں اور وجد میں آ کر جھومنے لگیں بدمست ہو جائیں یا کپڑے پھاڑیں اور ساری محفل میں شور برپا ہو جائے اور سامعین کہنے لگیں کہ مجلس بہت اچھی منعقد ہوئی اور فلاں نے بہت اچھا وعظ کیا اس قسم کے خیالات ریا کاری میں شامل ہیں اور ایسی بات پر خوش ہونا تیری کم عقلی ہے۔

دراصل تیری نیت یہ ہونی چاہیے کہ وعظ کے ذریعہ خدا کی مخلوق کو دنیا سے آخرت کی طرف بلائے گناہوں سے بندگی کی طرف لے آئے حرص کی زہد کی طرف کنجوسی سے سخاوت کی طرف ریاء کاری سے خلوص کی طرف، تکبر سے انکساری کی طرف غفلت سے بیداری کی طرف اور غرور سے پرہیز گاری کی طرف بلائے ان کے دلوں میں آخرت کی محبت پیدا کرتا کہ دنیا کو اپنا دشمن سمجھیں۔

اسی طرح لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور رحمت کے بارے میں اور غلط بیانی کے ذریعہ دھوکے میں نہ رکھ بلکہ انھیں پرہیز گاری اور خدا ترسی پیدا کر اور دیکھ کے ان کے دل میں وہ کونسی بات ہے جو اللہ کی رضا کے خلاف ہے اور ان کا جھکاؤ کس چیز کی طرف ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ ان کے اخلاق و اعمال پر نظر رکھ تا کہ ان کی بداعمالیاں ختم ہوں اور ان کی جگہ اچھے اخلاق و اعمال پیدا ہوں۔ جن لوگوں پر ڈر اور خوف کا غلبہ ہو ان میں اتنی امید پیدا کر کہ جب وہ تیری مجلس سے اٹھیں تو ان میں کچھ باطنی صفات پیدا ہو چکی ہوں اور ان کا ظاہر بھی تبدیل ہو چکا ہو جو لوگ اللہ کی عبادت میں سست تھے، وہ عبادت کی طرف مائل ہو جائیں اور دل میں شوق بندگی پیدا کریں اور جو لوگ گناہ کے کرنے میں نڈر اور دلیر ہوں ان میں خوف خداوندی پیدا ہو جائے جو وعظ ایسا نہ ہوگا اور واعظ ایسی باتیں نہ بیان کرے گا تو وہ واعظ پر اور سننے والوں کے لئے وبال کا باعث ہے ایسا شخص شیطان ہوتا ہے۔

Marfat.com

(جو کمین نفس کا غلام بن کر یہ خیال کرے کہ واعظ کے ذریعہ میں اپنی قابلیت ظاہر کروں اور دنیا کی جاہ و شان حاصل کرلوں) وہ شیطان مخلوق خدا کو راہ راست سے بھٹکاتا ہے ان کا خوف بہاتا ہے اور انھیں دائمی ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔ خلق خدا کو چاہیے کہ ایسے شخص سے دور رہیں۔ ایسے لوگ دین میں جو فساد پھیلاتے ہیں ایسا فساد شیطان بھی نہیں پھیلا سکتا جس شخص میں طاقت ہو کہ ایسے واعظ کو منبر سے اتار سکے اس پر واجب ہے کہ ایسے لوگوں کو منبر سے کھینچ کر نیچے اتارے وعظ کرنے سے روکدے تاکہ وہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بابت غلط بیانی سے کام نہ لے سکیں۔

۳ امراء اور بادشاہوں سے دور رہنا

تیسرے کسی بادشاہ، کسی امیر، اور حاکم کو سلام نہ کر، ان کی مجلس صحبت اور محفل سے دور رہ بلکہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ کیونکہ انھیں دیکھ کر اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں بڑی مصیبتیں پوشیدہ ہیں۔ لیکن اگر کبھی ان کی صحبت کا اتفاق ہو ان کی تعریف سے کنارہ کش رہنا۔

فان الله یغضب اذا مدح الفاسق و الظالم و اذا مدح
و من دعا لظالم بطول البقآء فقد احب ان یعصی الله فی
الارض .

ترجمہ: بیشک اللہ تعالی ناراض ہوتا ہے جب کسی فاسق اور ظالم کی تعریف کی جاتی ہے اور جو شخص کسی ظالم کے لئے درازی عمر کی دعا مانگتا ہے تو گویا اس دعا کرنے والے نے یہ پسند کیا کہ وہ اللہ کی زمین پر گنہگار ہو کر چلے

۴ حاکموں کے تحفے قبول نہ کرنا

چوتھا یہ کہ حاکموں کے تحائف قبول نہ کر چاہے تجھے معلوم ہو کہ جو دے رہے ہیں وہ حلال مال سے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے مال پر نیت رکھنے سے دین میں نقصان و فساد ہوتا ہے ان کی طرف سے جو انعام اور مراعات ملتا ہے، ان کے ظلم و ستم اور فسق و فجور کو جنم دیتا ہے جو دین کے لئے نقصان کا سبب ہوتا ہے۔ اس سے کم از کم جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ

Marfat.com

تو ان ظالموں سے محبت کرے گا اور جو بھی کسی شخص سے محبت کرتا ہے وہ اس کے لئے درازی عمر کی دعا کرتا ہے۔ اگر ظالم کی عمر بڑی ہوگی تو ظلم بھی زیادہ رہے گا اور دنیا میں فساد اور خرابی پیدا ہوگی جس سے زیادہ اور کیا بری بات ہو سکتی ہے؟ خبردار! خبردار! شیطان تجھے گمراہ کرے گا اور تیرے دل میں یہ خیال پیدا کرے گا پہلے تو یہ کر کے ان حاکموں سے روپے لے کر غریبوں میں تقسیم کر کے ان کو آرام پہنچا ان کی ضرورت پوری کر، خبردار! کسی بھی جن یا انسانی شیطان سے اس قسم کا مشورہ قبول نہ کرنا اور ان کے فریب میں آکر دھوکہ مت کھانا کیونکہ شیطان نے اس طریقہ سے کئی لوگوں کا خون بہایا ہے اور ابھی تک خون بہاتا چلا آ رہا ہے۔ اس حقیقت میں کتنی ہی آفتیں پوشیدہ ہیں جو ابھی ہم نے اپنی کتاب ''احیاء العلوم الدین'' میں بیان کی ہیں تو انھیں وہاں تلاش کر سکتا ہے۔

عمل کے قابل چار باتیں

اے بیٹے! (اوپر بیان شدہ) چار باتوں سے پرہیز کرنا لیکن جو کام کرنے ہیں وہ بھی چار ہیں اور مناسب ہوگا کہ ان کی پوری حفاظت کرے۔ (وہ یہ ہیں)

اللہ تعالیٰ سے تعلق کا طریقہ

پہلی بات یہ کہ ہر وہ معاملہ جو تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو اس طرح نبھا کہ اگر تیرا خریدا ہوا غلام تیرے لیے وہی کرے تو تو غم کرنے کے بجائے اسے پسند کرے اور داد دے اور اس پر کسی طرح غصہ نہ کرے گا۔ اسی طرح تو اپنے غلام یا نوکر کی جو بات اپنے لیے پسند کرے تو تو بھی اپنے پروردگار کی بندگی میں کوئی کوتاہی کرے گا تو تیرا خالق اسے پسند نہ کرے گا یہاں جو حقیقت بیان کرنی ہے وہ یہ ہے کہ تیرا غلام تیرا بندہ نہیں ہے بلکہ خریدا ہوا ہے لیکن تو اپنے اس حقیقی خالق اور مالک کا بندہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

اللہ کے بندوں سے تعلق کا طریقہ

دوسری بات یہ کہ جو معاملہ تیرے اور اللہ کے بندوں کے درمیان ہو اسے اس طرح نبھا کہ اگر وہ تجھ سے ویسا ہی کریں تو تو اسے پسند کرے۔ اور اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے۔

''فلا یکمل ایمان عبد حتی یحب لسائر الناس ما یحب لنفسہ''

Marfat.com

ترجمہ: میرے بندے کا ایمان ہرگز مکمل نہیں جب تک (وہ) تمام انسانوں کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو خود اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

مطالعہ کی تلقین

تیسرے یہ اگر تو اپنے علم کو بڑھانا چاہتا ہے اور کوئی علمی کتاب پڑھنا چاہتا ہے تو یہ سمجھ کہ اب تیری عمر ایک ہفتے سے زیادہ نہیں، اس حالت میں تجھے کس قسم کا علم فائدہ بخشے گا بس تو اس علم میں مشغول ہو اگر تجھے خبر ہو کہ، تیری زندگی ایک ہفتے سے زیادہ نہیں ہے تو تو اس ہفتے میں ایسی علمی کتابیں ہرگز نہ پڑھے گا جن میں تجھے مناظر، اصول و کمال مذہب و لغت صرف و نحو شعر و عروض طب و نجوم غزلوں کے دیوان اور مضمون نویسی یا اسی قسم کی دوسری معلومات حاصل ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ تو یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ علوم اب کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا اس لئے پورے ہفتے تو دل کے مراقبے اور اپنے نفس کی صفات پہچاننے میں مشغول ہو گا دنیا سے منہ موڑ کر اپنے دل کو بری عادتوں سے پاک کر کے اللہ کی محبت اور اخلاق حمیدہ سے سنوار کر اس کی عبادت اور بندگی میں مشغول ہو گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تو اس ہفتے دن یا رات کو کسی کے پاس نہ جائے حالانکہ یہ امکان بھی نہیں ہے کہ گویا تو اسی دن یا رات میں انتقال کرے۔

اے بیٹے! ایک بات سن اور یاد رکھ اور اسے حقیقت سمجھ اس پر غور کر اور اس پر عمل کر تو یقیناً تیری نجات ہو گی۔ اگر تجھے یہ خبر دی جائے اور کہا جائے کہ اگلے ہفتے بادشاہ تیرے گھر پر آئے گا تو پھر یقیناً تو یہ پورا ہفتہ سوائے اس کے کوئی کام کاج نہیں کرے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کی نگاہ فلاں جگہ یا چیز پر جائے تو کیوں نہ میں اسے پاک و صاف کر لوں اس طرح تو اپنے گھر کی ہر چیز کو صاف کرے گا سجائے گا اس میں تیرا جسم تیرا لباس، تیرے گھر کی در و دیوار اور فرش وغیرہ آ جاتے ہیں یہ سب پاک کرے گا۔

اب تو خود سوچ اور سمجھ میں بھلا اشارے سے کیا سمجھاؤں گا؟ تو خود عقل مند ہے اس لئے اشارہ کافی ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

ان اللہ لاینظر الی صورکم ولا الی اعمالکم
ولاکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا
اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور

Marfat.com

نیتوں کو دیکھتا ہے۔
جب احکم الحاکمین کی نگاہ تیرے دل پر ہے تو پھر تو اپنے دل کو صاف کیوں نہیں کرتا۔
اگر تیری تمنا ہے کہ قلب کے احوال کا علم حاصل کرنے تو پھر کتاب احیاء علوم الدین اور ہماری دوسری کتابوں کو دیکھ کیونکہ تمام مسلمانوں پر یہ علم حاصل کرنا ''فرض عین'' ہے اور دوسرا علم ''فرض کفایہ'' ہے مگر یہ علم اس قدر ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالی کے احکام کی بجا آوری اور تادیل کر سکے اگر اللہ تعالی تجھے توفیق عطا فرمائے تو تو یہ علم ضرور حاصل کرنا۔

۱۴۔خوراک کا ذخیرہ نہ کرنا

چوتھی بات یہ ہے کہ تو اپنے اہل وعیال کے لئے دنیا کے مال سے ایک سال سے زیادہ کی خوراک جمع کر کے نہ رکھ کیونکہ رسول کریم ﷺ بعض ازواج مطہرات کے لئے ایک سال کی خوراک جمع کی اور فرمایا۔

اللهم اجعل قوت ال محمد كفافاً

ترجمہ: اے میرے اللہ! محمد ﷺ کی اہل وعیال کی خوارک میں کفایت فرما۔
لیکن آنحضرت ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کے لئے خوراک جمع کر کے نہ رکھی تھی بلکہ ایک سال کے لئے صرف خوراک ان ازواج مطہرات کے لئے جمع فرمائی تھی جن کا توکل ضعیف تھا اور جن امہات المؤمنین کا یقین پختہ تھا اور توکل مضبوط تھا ان کے لئے آنحضرتؐ نے ایک دن کے لئے بھی خوراک جمع نہ فرمائی جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اوران جیسی دوسری امہات المؤمنین۔

اے بیٹے! اس رسالہ میں میں نے تیرے تمام سوالوں کے جواب دیے ہیں اب تجھے چاہیے کہ ہمت کر کے سب پر عمل کر اور مجھے دعا میں نہ بھلا تو نے یہ بھی چاہا کہ تجھے کوئی دعا لکھ بھیجوں تو دعائیں تو حدیثوں کی کتب ''صحاح سته'' میں تلاش کر اسی طرح اہل بیت علیہ السلام کے طریقوں میں بھی بہت سے دعائیں آئی ہیں وہاں تلاش کر درج ذیل نماز کے بعد خاص طور پر پڑھ۔

اللهم انی اسئلک من النعمة تما مها و من العصمة دوامها و من الرحمة شمولها و من العافية حصولها و من العيش ارغده و من العمر اسعده و من الاحسان اتمه و من الانعام اعمه و من الفضل اعذ به و من

Marfat.com

اللطف اقربه ومن العمل اصلحه ومن العلم انفعه ومن الرزق اوسعه اللهم كن لنا ولا تكن علينا اللهم اختم لنا بالسعادة اجالنا وحقق بالزيادة اعمالنا واقرن بالعافية غدونا واصالنا واجعل الى رحمتك مصيرنا ومآلنا واصبب سجال عفوك على ذنوبنا ومن علينا باصلاح عيوبنا واجعل التقوى زادنا وفي دينك اجتهادنا وعليك توكلنا واعتمادنا ثبتنا على نهج الاستقامة واعذنا (في الدنيا) من موجبات الندامة يوم القيامة وخفف عنا ثقل الاوزار وارزقنا عيشة الابرار واكفنا واصرف عنا شر الاشرار واعتق رقابنا ورقاب ابائنا وامهاتنا من النار والدين والمظالم يا عزيز يا غفار يا كريم ياستار يا حليم يا جبار يا عظيم يا قهار يا الله يا الله يا الله يارحمن الدنيا ويارحيم الأخرة برحمتك يا ارحم الراحمين صلى الله تعالى على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين ، والحمدلله رب العالمين .

ترجمہ: یاالٰہی میں تجھ سے تیری نعمتوں کا اہتمام (کثرت) چاہتا ہوں اور پاکیزگی میں سے اس کی ہمیشگی چاہتا ہوں اور رحمت میں سے اس کا شامل ہونا اور تندرستی میں سے اس کا حاصل ہونا اور رزق میں اس سے اس کی کشادگی اور زندگی میں سے اس خوشحالی اور عمر میں سے اس کی سعادت اور احسان میں سے اس کی تکمیل اور انعامات میں سے وہ انعام جو سب سے زیادہ عام ہوں اور فضل میں سے وہ فضل جو سب سے زیادہ شیریں ہو اور لطف میں سے وہ لطف جو سب سے زیادہ عنایت والا ہو اور اعمال میں سے وہ عمل جو سب سے زیادہ اچھا ہو اور علم میں سے سب سے زیادہ فائدے والا علم اور رزق میں سے سب سے زیادہ کشادگی والا رزق چاہتا ہوں۔

یا اللہ: تو ہمارا ہو جا (یعنی ہمیں فائدے عطا فرما) اور ہمارے اوپر بوجھ نہ ڈال (یعنی ہمیں نقصان کا منہ نہ دکھا) یا اللہ ہماری عاقبت سنوار دے اور ہمارے اعمال درست فرما دے ہمارے صبح شام کو خیر وعافیت سے ہمکنار فرما اور ہمارے گھر اور ہمارے مال واسباب

Marfat.com

کو اپنی رحمت سے ہمکنار فرما اور ہمارے گناہوں اور عیبوں کو اپنی عفو و درگزر کی چادر سے ڈھکدے اور ہمارے عیبوں کی اصلاح فرما کر ہم پر احسان فرما اے اللہ تیری ہستی پاک پر ہمارا اعتماد اور توکل قائم رکھ۔

اے ہمارے پروردگار تو ہمیں دین میں استقامت اور ثابت قدمی عطا فرما تو ہمیں دنیا میں ایسے کاموں سے اپنی پناہ میں رکھ جو قیامت میں شرمندگی اور ندامت کا سبب بنیں اور ہمارے گناہوں کا بوجھ (ہم پر) ہلکا کر اور ہمیں نیک لوگوں والی زندگی عطا فرما اور تو ہمارے لئے کافی ہو جا اور ہمیں بدکار و غلط کار لوگوں کے شر سے محفوظ فرما اور تو ہماری گردنیں اور ہمارے آباء واجداد کی گردنیں دوزخ کی آگ سے قرض سے اور ظلم و ستم سے آزاد فرما اے بڑی عزت والے اے بخشنے والے اے کرم کرنے والے اے عیبوں کو ڈھکنے والے اے بردبار اے زور والے اے عظمت و بزرگی والے اے قہار اے اللہ اے اللہ اے دنیا میں مہربانی کرنے والے اے آخرت میں رحم کرنے والے اے سب سے زیادہ رحم فرماتے والے تو اپنی رحمت کے طفیل زیادہ رحم کرنے والا ہے اور محمد مصطفی ﷺ پر جو کہ تمام مخلوق میں برگزیدہ ترین ہستی ہیں اور ان کی آل پر اور ان کے تمام صحابہ کرام پر ہمیشہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

تمام تعریف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

[illegible]

تمت الكتاب بعون الملك الوهاب

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (القرآن)

"اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے اہل وعیال کو (آتش دوزخ سے) بچاؤ"

تربیت اولاد

کے

زریں اصول

از

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

(مولوی) صدر الدین حسن صاحب امر تسری

Marfat.com

تربیت اولاد

گفتنی

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰے خصوصاً منھم علیٰ سیدنا ونبینا ومولانا محمد المصطفی وعلی الہ البررۃ النقی واصحابہ الذین ھم نجوم الاھتداء۔

برادران اسلام :۔ اسلامی احکام وہدایات کی رو سے بچوں کی صحیح دینی ودنیوی تعلیم وتربیت کا پورا پورا انتظام کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مذہبی لاعلمی وناواقفیت اور دوسو سال فرنگی حکومت کے تسلط اور اس کے قائم کردہ طاغوتی نظام تمدن کی وجہ سے پیدا شدہ سیاسی، معاشی واقتصادی مشکلات کی بدولت مسلمان جس طرح تمام دوسرے شعبۂ زندگی میں اسلامی تخیل اور طرز عمل سے بہت دور ہوگئے ہیں۔ ٹھیک اس طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعلیم وتربیت کے معاملہ میں اسلام کے بنیادی اصول اور طریقہ کار کو چھوڑ کر رفتہ رفتہ ان سے ناآشنا ہوتے چلے جارہے ہیں یہاں تک کہ نصاب تعلیم طرز تعلیم وتربیت، تعلیمی ماحول، مقاصد تعلیم، انتخاب معلمین، غرضیکہ اس سلسلہ کی کوئی کڑی بھی اس وقت پوری طرح اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق نہیں ہے۔

خلط غلط انشاء غلط، املا غلط
ہست ایں مضموں زسرتاپا غلط

Marfat.com

اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داری

معصوم امنگیں جھول رہی ہیں دلداری کے جھولوں میں
یہ کچی کلیاں کیا جانیں کب کھلنا کب مرجھانا ہے

آپ نے بہت سے والدین کو بچوں کی بداخلاقیوں، بدکرداریوں اور ناروا شوخیوں اور گستاخیوں کی شکایتیں کرتے سنا ہوگا لیکن کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ان کے فرائض اور ذمہ داریاں کیا کیا ہیں؟ اور انھیں کس طرح ان کی ادائیگی اور انجام دہی سے عہدہ برآ ہونا چاہیے؟

مگر افسوس ہے کہ عام طور پر والدین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے بچے کو مدرسہ میں داخل کر کے اپنی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔ اور وہ قدم جو انھوں نے بچہ کو معلمین کے سپرد کرنے کے لئے اٹھایا اس سلسلہ میں ان کا آخری قدم تھا اب یہ صرف معلمین کا فرض ہے کہ وہ اسے انسانیت کاملہ کے کسی سانچے میں ڈال کر مکمل کی حیثیت سے انھیں واپس کر دیں۔

حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے بچے کو معلمین کے سپرد کر کے صرف یہ نہیں کہ ان کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اور زیادہ ہو جاتی ہیں۔

معلمین بچہ کو ان کے فرائض کی زبانی اور کتابی تعلیم دیتے ہیں۔ والدین پر فرض ہے کہ وہ اسی تعلیم کو عملی طور پر دہرائیں۔ معلمین کا کام ہے کہ وہ بچوں کو تہذیب اخلاق کی شاہراہ بتائیں اور انھیں پوری پوری تاکید کر دیں کہ وہ اس راستہ سے منحرف نہ ہوں۔ لیکن چونکہ زندگی کے سفر میں بچوں کے ہر وقت کے رفیق والدین ہی ہیں اس لئے یہ فرض ان پر عائد ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو عملاً اس شاہراہ سے گزار بھی دیں مثلاً معلم بچوں کو تلقین کرتا ہے کہ بڑوں کا ادب کرنا چاہیے، چھوٹوں سے محبت کرنی چاہیے، ہمیشہ سچ بولنا چاہیے، ہر کام وقت پر کرنا چاہیے، چھوٹوں سے محبت کرنی چاہیے اور اپنی امکانی کوشش صرف کر دیتا ہے کہ بچوں کو ان امور کی خوبیاں ذہن نشین کرا دے۔

Marfat.com

اب والدین کا فرض ہے کہ وہ معلم کی ہدایتوں پر بچوں سے عمل کرائیں۔ اور ان کی کڑی نگرانی اور پوری پوری دیکھ بھال رکھیں کہ وہ گھر کے ماحول میں ماں باپ بڑے بھائی بہنوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کریں۔ کسی وقت کوئی کلمہ جھوٹ اپنی زبان سے نہ نکالیں۔ اس کے سوا ان کے سونے، جاگنے، لکھنے، پڑھنے، کھانے، پینے، کے اوقات بالکل مقرر اور منضبط ہوں اور حقیقت تو یہ ہے کہ انسان چونکہ فطرۃً نمونہ پسند واقعہ ہوا ہے اور بچوں کی طبیعت خاص طور پر اپنی صفائی اور پاکیزگی کی وجہ سے ہر حرکت سے فوری طور پر اثر قبول کرتی ہے۔

اس لئے والدین کو چاہیے کہ اگر وہ اپنے بچوں کو صحیح معنوں میں باایمان، خوش اخلاق اور نیک کردار، انسان کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو خود ان کے سامنے تمام دینی و دنیاوی کاموں میں صحیح عملی نمونہ بن کر رہیں، بچہ کو نیکیوں کی خوبیاں اور گناہوں کی برائیاں بتا کر زبانی تعلیم دینے سے کئی زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف ایسا پاکیزہ ماحول پیدا کر دیا جائے جس میں نیکیاں ہی نیکیاں ہوں اور وہاں برائیوں کا گزر بھی نہ ہوتا ہو تاکہ وہ نیکیاں اس لئے اختیار نہ کرے کہ انھیں اختیار کرنے میں اس کا یا اس کے ابنائے جنس کا فائدہ ہے بلکہ اس لئے کہ انھیں اختیار کرنا اس کی فطرت کا اور عین ایمانی فرض ہے۔

مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ عام طور پر ہمارے گھروں میں ماحول ان خوبیوں سے بالکل خالی ہے اور ان تمام برائیوں اور خرابیوں سے مکدر رہے جن سے بچوں کو محفوظ رکھنا ان کی صحیح تربیت کی جان ہے۔

موجودہ اسکولوں کی حالت

باقی رہی مروجہ اسکولوں کی حالت، سو آپ جانتے ہیں کہ ان میں کہاں تک ایمان و اسلام کی حقیقت اور ان کے لوازم و فرائض کی تعلیم دی جاتی ہے؟ اور وہ کون سے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ ہیں۔ جو بچوں کو ان اسکولوں کے نصاب تعلیم اور معلمین کی عملی زندگی سے حاصل ہوتے ہیں؟ اگر ایک طرف کتابیں سراسر اسلام کے حقیقی نظریات کے خلاف ہیں تو دوسری جانب معلمین کا طریق عمل طرز زندگی بھی کوئی اسلامی نمونہ پیش نہیں کرتا اور اگر رفقاء تعلیم یعنی ہم سبق ساتھیوں کو دیکھو تو وہ بھی ذہنی و عملی طور پر اسلامی اعتقادات و صالحات سے قطعاً عاری اور نابلد محض ہوتے ہیں۔

الغرض یہ ماحول بھی مجبوری کے طور پر دین فطرت کے خلاف اور مغربی جاہلیت کے

Marfat.com

رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ آپ خود غور کریں اور سوچیں کہ ایسے ماحول سے بچے بے دین، بداخلاق، بدکردار، تصنع باز، بے ادب و گستاخ، صاف روسیاہ دل، تن آساں اور بے عمل بن کر نہ نکلیں تو کیا بن کر نکلیں؟ یہ دنیا تو عالم اسباب ہے جیسا بیج بویا جائے گا ویسا ہی پھل آئے گا۔

جزآو سیئۃ سیئۃ مثلها (الآیۃ)

اور برائی کا نتیجہ بھی ویسا ہی برا (ظاہر ہو کر رہتا) ہے۔

اس تعلیم کا سب سے پہلا کرشمہ جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ بچہ اپنی عقلمندی اور ہوشیاری کے غرور اور گھمنڈ میں آکر اپنے باپ دادا کو بیوقوف اور غیر مہذب تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ اس تلخ نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اکبر مرحوم نے کہا تھا۔

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں۔

اسی غلط تعلیم نظام کی مغربی پالیسی اور اس سے پیدا ہونے والے افسوس ناک نتائج پر نظر کرتے ہوئے اقبال مرحوم نے حکومت کے نظریہ و مقصد کی کیا ہی اچھی وضاحت کی تھی۔

سینہ میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل عام کی فرعونی پالیسی بیشک ظلم کا ایک بدترین نمونہ تھی لیکن نتیجہ کے اعتبار سے اس قدر کامیاب کیسے ہو سکتی تھی۔ دشمن کا مر جانا بھی ایک گونہ ایک اطمینان کا ذریعہ صحیح لیکن اس کا زندہ رہنا ہاں دشمن کی بجائے دوست بن کر زندہ رہنا اور زندگی کی مشکلات میں دست و بازو کی طرح مدد کرنا اس سے ہزار گناہ مفید اور منفعت بخش ہے اور اس پے مزید طرفہ تر یہ کے بدنامی سے بالکل بچاؤ بلکہ نیک نامی کی شہرت کا فائدہ اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

Marfat.com

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

میرے بزرگو اور عزیزو! کہ اسی گہری تعلیمی پالیسی کا نتیجہ ہے جو آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان اس تیزابی تعلیم سے منہمک ہو کر رفتہ رفتہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی بجائے ان مغرب کے ذہنی تہمات واختراعات اور عملی تلبیسات وتسویلات کو اپنی تحقیق کا معیار اور زندگی کا شعار ٹھہرا کر اسلامی اخلاق واعمال اسلامی معاشرت اسلامی تہذیب وتمدن اسلامی روحانیات، اسلامی شعائر غرضیکہ پورے قانون الٰہی سے اس قدر بیگانہ ہو گئے ہیں کہ خدا کو بھلانے کے ساتھ ساتھ اپنی صحیح حیثیت اپنی زندگی اصل حقیقت اور اس کی غرض وغایت کو بھی فراموش کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

"نسو اللہ فانسٰھم انفسھم اولٰئک ھم الفسقون":

وہ خدا فراموشی کے مرتکب ہوئے تو خدا نے انھیں خود فراموشی (کے عذاب میں) مبتلا کر دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔

ایسے ہی مغربیت زدہ خود فراموش کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال مرحوم کہتے ہیں۔

تو ہم مثل من از خود درحجابی
خنک روزکہ خود را بازیابی
مرا کافر کند اندیشہ رزق
تیرا کافر کند علم کتابی

پس چہ باید کرد اے اخوان دین

ایسی نازک حالت میں نہایت ضروری ہے کہ مسلمان خدا کا نام لے کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، اور اپنی اولاد کی صحیح دینی ودنیاوی تعلیم وتربیت کے لئے ایسے اسلامی مدارس قائم کریں جو تمام غیر اسلامی سے اثرات سے کلیتہً پاک ہوں جہاں دل ودماغ پر پوری طرح صرف دین اسلام اور غلبہ ہو اسی طرح اپنی ذہنی واخلاقی درستی سے اپنے گھروں کے ماحول کو بھی پورے طور پر اسلامی رنگ میں رنگین اور مدارس کی فضا کو بھی ایسی خالص اسلامی فضا بنائیں کہ بچے جدھر بھی جائیں اور جو بھی پڑھیں اس سے انھیں خدا شناسی کا شہوت خود شناسی کا شعور حقائق کی فراست اور عملی قوت حاصل ہو تاکہ بڑے ہو کر ان کا کوئی کام اور کوئی نقل وحرکت چاہے وہ ذاتی شخصی ہو یا قومی انفرادی ہو یا اجتماعی اور کوئی معاملہ چاہے معاش وتجارت کا ہو یا سیاست و

Marfat.com

سیاست کا اسلام کی حدود قوانین سے باہر نہ ہو۔

ویکون الدین کلہ للہ

یہاں تک کہ قانون الٰہی بکمال وتمام نافذ ہو جائے۔

اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں صرف اجتماعی طور پر اپنے دل و دماغ کو ایمان سے زرین کر کے اعضاء و جوارہ کو حتی المقدر اسلامی اعمال صالح سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے منزل مقصود پر پہنچنا بالکل یقینی امر ہے۔ رب العزت مجدہ فرماتے ہیں۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم ترجمہ: اور وہ لوگ جنھوں نے پوری کوشش کی

سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین (الآیۃ)

ترجمہ: ہمارے (دین اسلام) کے راستے میں ہم ضرور بضرور (ان کی دستگیر کر کے) انھیں اپنے راستہ کی منزل مقصود پر پہنچا دیں گے اور اللہ تعالیٰ تو مخلص نیکو کاروں کے ساتھ ہیں۔

آخری گذارش

معزز ناظرین! اسی احساس ضرورت کے ماتحت ایک عرصہ سے میرا خیال تھا کہ اسلامی طریقہ تعلیم و تربیت کے، متعلق کتاب وسنت سے چند مختصر اصول و کلیات اور زمانہ حال کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے سلف صالحین بزرگان دین رحمہ اللہ اجمعین کی کتابوں سے انکے مفید علمی ہدایات اور عملی تجربات ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر کے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کروں، جو ان کے لئے تربیت اولاد کے سلسلہ میں بصیرت و منفعت کا ذریعہ لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے اب تک مجھے اس اہم خدمت کا موقعہ نہ مل سکا اس لئے اب اپنے اس ارادہ کو آئندہ کے لئے ملتوی کرتے ہوئے فی الحال حضرت امام غزالیؒ کے ایک مختصر مگر نہایت ہی مفید کار آمد مضمون سلیس اردو ترجمہ کر کے اس تمہید کے ساتھ "تربیت اولاد" کے نام سے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

تفہیم و وضاحت کی خاطر جا بجا مضامین کے عنوانات قائم کر دیئے ہیں نیز موقعہ بموقعہ مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے بعض نئی رواج یافتہ غلطیوں کا ذکر کر کے ان کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دلائی ہے اور اصل مضمون کی تائید و تشریح کے لئے صفحات کے ذیل میں مختلف کتابوں سے اخذ کر کے کچھ احادیث بھی معہ ترجمہ درج کر دی ہیں جس سے اس مضمون کی

Marfat.com

ت میں ایک معتد بہ اضافہ ہو گیا ہے۔

ضروری عرضداشت

خواہ مخواہ نکتہ چینی کو عقلمندی تصور کرتے ہوئے کسی مسئلہ پر اعتراض کرنا یا کسی نصیحت کو اس وجہ سے قبول نہ کرنا کہ اس کی وجہ سے نفس سرکش کو رنج ہوتا ہو یا اپنے موجودہ رواجی عمل میں کچھ اصلاح و ترمیم یا تبدیلی کرنی پڑتی ہو عقلمندی اور حق طلبی کے خلاف ہے۔ ت ہمیشہ حقیقت ہی رہتی ہے چاہے زمان مکان میں کتنی ہی تبدیلیاں آ جائیں اور نصیحت ال نصیحت ہی ہے چاہے نفس اسے خوشی سے قبول کرے یا نہ کرے اور وہ اپنے سابقہ تخیل ر عمل کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

امید ہے کہ ناظرین کرام سرسری نظر کے بجائے غور و فکر سے ان اصول و قواعد کا لد فرما کر اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں بہترین نتائج حاصل کر کے مستفید ہوں گے اور ے لئے بھی دعائے خیر کریں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو لفظی ہیر پھیر کی آفات سے فہم سلیم اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، فقط

عبدك وابن عبدك اللهم

صدرالدین حسن غفرلہ

Marfat.com

ترجمہ مضمون

حضرت امام غزالیؒ

بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور تحسین اخلاق کا بیان

تمہید

بچوں کی تربیت کے لئے مؤثر طریقہ اختیار کرنا نہایت اہم اور ضروری ہے، کیونکہ بچہ والدین کے پاس خدا کی امانت ہے اور اس کا دل ایک عمدہ صاف اور سادہ آئینہ کی مانند ہے جو بالفعل اگرچہ ہر قسم کے نقش و صورت سے خالی ہے لیکن ہر طرح کے نقش و اثر کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہے اور جس چیز کی طرف چاہو مائل کیا جا سکتا ہے چنانچہ اگر اس میں اچھی عادتیں پیدا کی جائیں اور اسے علم پڑھایا جائے تو وہ ایسی ہی عمدہ نشوونما پا کر دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر لیتا ہے اور اس کے ثواب میں اس کے والدین اور استاد وغیرہ بھی حصہ دار ہو جاتے

Marfat.com

ہیں اور اگر اس میں بری عادتیں پیدا کی جائیں اور جانوروں کی طرح بے قید چھوڑا جائے تو وہ بد اخلاق ہو کر تباہ ہو جاتا ہے جس کا وبال گناہ اس کے ولی اور سرپرست کی گردن پر پڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

یاایھاالذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا (الآیۃ)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔

اور جب کہ باپ اپنے بچہ کو دنیا کی آگ سے بچاتا ہے تو بطریق اولیٰ اس پر لازم ہے کہ اسے آخرت (جہنم کی آگ سے بچائے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اسے آداب اور تہذیب سکھائے اور محاسن اخلاق کی تعلیم دے، اور برے ساتھیوں اور ہمنشینوں سے اس کی حفاظت کرے۔ اور اس کے دل میں بناؤ سنگار، زیب وزینت، تن آسانی اور آرام طلبی کی رغبت نہ بیٹھنے دے ورنہ وہ بڑا ہو کر انہیں حقیر چیزوں کی طلب اور جستجو میں اپنی عمر عزیز کو ضائع کر کے ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیگا بلکہ لازم ہے کہ باپ ابتداء سے اس کی کڑی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا رہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ ان اللہ لایحب الفاحش المتفحش الصیاح فی الاسواق، الحدیث۔ اللہ تعالیٰ بے حیا بیہودہ اور بازاروں میں چیخنے چلانے اور شور مچانے والے آدمی کو پسند نہیں کرتے۔ (ابن ابی الدنیا وطبرانی، احیاء جلد ۳ صفحہ ۱۰۵)۔

تنبیہ: جن حضرات کے نونہال بچے رات کے دو دو بجے تک سینماؤں بے ہودہ تماشا گاہوں اور نامعلوم کیسے کیسے شریر اور بداخلاق خود ساختہ دوستوں کے ساتھ کن کن مقاموں میں طرح طرح کی بیہودگیوں میں مشغول رہتے ہیں یا بازاروں میں بھٹکتے اور شور وشغب برپا کیے رہتے ہیں اور وہ ان کی خبر تک بھی نہیں لیتے وہ اس حدیث شریف پر غور کر کے اپنے فرائض ونگہداشت کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوں اسی طرح بچہ کے صندوق اور جیب وغیرہ کو وقتاً فوقتاً دیکھتے رہنا چاہیے کہ اس میں کبھی کچھ پیسے ملیں تو تحقیق کرنا چاہیے کہ کہاں سے آئے؟ نیز یہ بھی معلوم کرتے رہنا چاہیے کہ اس کا میل جول اور نشست وبرخاست وغیرہ کیسے لڑکوں کے ساتھ ہے؟ اسی طرح کبھی کبھی اس کے جزدان اور الماری وغیرہ کا جائزہ بھی لیتے رہنا چاہیے کہ کہیں فحش افسانی اور عشقیہ غزلیں تو اس کے پاس موجود نہیں؟ لیکن یہ سارا کام نہایت بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

Marfat.com

حلال غذا کی ضرورت واہمیت

اور اس کی پرورش کرنے اور اسے دودھ پلانے کے لئے بھی کوئی نیک خو اور دیندار عورت مقرر کرے جو رزق حلال کھاتی ہو کیونکہ جو دودھ رزق حرام سے پیدا ہوتا ہے اس میں کوئی خیر و برکت نہیں ہوتی بلکہ جب حرام کے دودھ سے بچے کی پرورش ہوتی ہے تو اس کی آمیزش خمیر میں خباثت رہ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی طبیعت شیطانی کاموں کی طرف مائل ہو جاتی ہے[۱] اور جب بچہ میں نیکی و بدی کی تمیز کا شعور محسوس ہو تو اس کی نہایت ہی کامل نگہداشت شروع کر دیں اور اس کا اندازہ حیا کی ابتدائی علامات کے ظہور سے ہوتا ہے۔

کیونکہ جب وہ اپنی عزت و شرف کو محسوس کر کے شرمانے لگتا ہے اور حیا کی وجہ سے بعض کاموں کو وہ چھوڑنے لگتا ہے تو یہ صرف اس کی عقل ہی کی ضیاء اور روشنی کا نتیجہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بعض کاموں کو برا اور دوسرے کاموں کے خلاف سمجھ کر ایسے بعض کاموں سے شرماتا ہے اور دوسرے بعض کاموں سے شرم محسوس کرتا ہے اور یہی حیا[۲] کا احساس ہے جو اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور ایک بین علامت ہے جو اس کے اعتدال اخلاق اور دل کی صفائی پر دلالت کرتی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ........ احتیاط کے ساتھ ایسے غیر محسوس طریقہ سے کرنا چاہیے کہ وہ بدگمان نہ ہو بیٹھے، آج کل جہاں تک ہمارا شہری ماحول انگریزی تہذیب سے متاثر ہو رہا ہے اتنا ہی اس میں فواحش اور بے حیائی کے محرکات عام ہوتے چلے جا رہے ہیں، عام طور پر عورتوں کا بے پردہ پھرنا، عام دکانوں خصوصاً پنواڑیوں کی دکانوں، ہوٹلوں وغیرہ پر قدِ آدم آئینوں کے ساتھ عریاں حسین زنانہ تصویروں کا آویزاں ہونا گانے بجانے کی کثرت یہ چیزیں بلوغ تمیز سے پہلے ہی بچوں کی شہوانی حس کو بیدار کر کے ان کے اخلاق کی تہذیب اور جسم و جان کی صحت وصلاحیت کو نقصان پہنچانے کا باعث ہوتی ہیں اس لئے بچہ کو ایسے مقامات کی آمد و رفت اور نشست و برخاست سے محفوظ رکھنا چاہیے، فقط۔

[۱] جن لوگوں کی کمائی میں سود، رشوت، جھوٹے مقدمات کی وکالت، جوا وغیرہ کی آمدنی بھی شامل ہو ان کا اور ان کے بچوں کے اخلاق و اعمال کا کیا حال ہوگا؟ فقط حسن عفی عنہ

[۲] حدیث شریف میں حیاء کو ایمان کی شاخ اور گناہوں سے روکنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے، ارشاد ہے "الحیاء من الایمان، کنز العمال عن ابی عمر" نیز ارشاد ہے: "اذالم تستحی فاصنع ماشئت" جب تجھ کو شرم نہ رہے تو جو چاہے کر۔ (بخاری عن ابن مسعود)

Marfat.com

ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ بھلائی برائی کا احساس پیدا کرنے والا شعور قدرت کی طرف سے امر کی بشارت ہے کہ وہ بچہ بالغ ہو کر کامل عقل والا ہوگا۔ اس لئے حیادار بچہ کو ہرگز آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ اس کی حیا و تمیز سے مدد لیتے ہوئے اس کی خوب تربیت کرنی چاہیے۔

آداب طعام کا بیان

سب سے پہلے جو بری خواہش بچہ پر غلبہ کرتی ہے وہ زیادہ کھانے کی حرص ہے، اس لئے اس کو کھانا کھانے کے آداب سکھانا نہایت ضروری ا ہے۔

مثلاً یہ کہ وہ کھانا صرف داہنے ہاتھ سے کھائے شروع میں بسم اللہ ضرور پڑھے، اپنے سامنے سے ہی کھائے ۲ دوسروں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے کھانے کی طرف

---

۱ کھانے کے متعلق یہ بنیادی اصول ہمیشہ یاد رکھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

"نحن اقوام لا ناکل حتی نجوع واذا کلنا فلا نشبع" (الحدیث)

"ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے"۔

نیز فرمان نبوی ﷺ ہے:۔ "المعدة بیت الداء والحمیة رأس کل دواءٍ واصل کل داءٍ البردة" (الحدیث) معدہ امراض کا گھر ہے اور پرہیز تمام دواؤں کی اصل ہے اور ہر مرض کی جڑ غذا پر غذا استعمال کرنا ہے ظاہر ہے کہ عادۃً یا خرابی بچوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے ماں کو چاہیے کہ بچہ کو ٹھیک طریقہ سے مقرر اوقات پر ہی کھانا کھلائے۔ فقط حسن غفرلہ

۲ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "بسم اللہ وکل بیمینک وکل ممایلیک" (بخاری ومسلم) کہ جب کھانا کھانے لگو تو بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ"۔

عن ابی ھریرة ان رجلا کان یاکل اکلا کثیرا فاسلم وکان یاکل قلیلا فذکر ذلک للنبی ﷺ فقال ان المؤمن یاکل فی معاد واحد والکافر یاکل فی سبعته امعاء رواہ البخاری وروی مسلم عنہ ان رسول اللہ ﷺ ضافہ ضیف وھو کافر فامر رسول اللہ ﷺ بشاة فحلبت فشرب حلابھا ثم اخری فشربه، ثم اخری فشربه ثم اخری فشربه حتی شرب حلاب سبع شیاةٍ ثم انه اصبح فاسلم فامر له، رسول اللہ ﷺ بشاة فشرب حلابھا ثم باخری فلم یستقھا فقال رسول اللہ ﷺ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر.....

Marfat.com

دیکھنے ہی نہ لگ جائے اور نہ ہی کسی کھانے والے پر نظر جمائے کھانے میں حد سے زیادہ بھی جلدی نہ کرے۔ اچھی طرح چبا کر کھائے، لگاتار لقمے منہ میں نہ ڈالے سالن وغیرہ سے ہاتھ اور کپڑے خراب نہ کرے، بعض اوقات اسے خشک روٹی بھی کھلائی جائے تا کہ وہ سالن کو اس قدر ضروری نہ سمجھے کہ اس کے بغیر گذارا ہی نہ کر سکے۔

اسی طرح اس کے سامنے زیادہ کھانے کی برائی بیان کی جائے۔ مثلاً اس طرح کے زیادہ کھانے والوں کو جانوروں سے تشبیہ دی جائے اس کے سامنے زیادہ کھانے والے بچوں کی مزمت اور کم کھانے والے تربیت یافتہ بچوں کی تعریف کی جائے اسے کھانے میں ایثار کرنے یعنی اپنے ساتھیوں کی ضرورت کا خیال رکھنے کی طرف پوری توجہ دلائی جائے کھانے کی کم پرواہ کرتے اور ہر قسم کے سادہ کھانے پر قناعت کرنے کا خوگر بنایا جائے۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... المؤمن یشرب فی معا واحد والکافر یشرب فی سبعة امعاء (الحدیث)

ایک شخص بہت سارا کھانا کھایا کرتا تھا پھر اسلام لایا تو بہت کم کھاتا تھا، نبی ﷺ سے یہ بات عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ مؤمن صرف ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں (بخاری) اور (مسلم شریف) میں ہے کہ ایک شخص بحالت کفر آنحضرت ﷺ کا مہمان ہوا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے بکری کا دودھ پلاؤ چنانچہ اسے بکری کا دودھ پلایا گیا پھر دوسری کا پھر تیسری کا یہاں تک کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا پھر جب صبح ہوئی تو مسلمان ہوگیا، آپ نے پھر بکری دودھ پلانے کا حکم فرمایا تو اس نے ایک بکری کا دودھ پی لیا، آپ نے دوسری کا حکم فرمایا لیکن وہ اس کا تمام دودھ نہ پی سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا مومن صرف ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں، مطلب یہ ہے کہ مومن کافر سے بہت کم کھاتا پیتا ہے ورنہ آنتیں تو سب کی برابر ہیں، فقط

۱؎ اس زمانہ میں بچوں کی جسمانی صحت کو خراب کرنے کے ساتھ ان کے اخلاق کو تباہ کرنے اور بگاڑنے والی ایک غلطی عام ہوگئی ہے وہ یہ ہے کہ انھیں بازار سے ناشتہ کرنے یا چاٹ وغیرہ کھانے کے نقد پیسے دیئے جاتے ہیں اور وہ بیوقوف اور کی دیکھا دیکھی وقت بے وقت ایسی مضر چیزیں کھاتے ہیں جو انھیں ہر طرح سے نقصان پہنچاتی ہیں بلکہ انھیں پیسوں میں سے بچا کھچا کر نمائش بینی بھی کرتے ہیں اس لئے ماں باپ کا فرض ہے کہ حسب حیثیت وضرورت جو کچھ بھی بچوں کو کھلانا ہو اپنے گھر لا کر کھلا دیا کریں ورنہ جس قدر بچا کی دل چسپی بازار سے بڑھتی جائے گی وہ اتنا ہی گھر سے۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر......

Marfat.com

آداب لباس کا بیان

اس طرح رنگین[1] کپڑوں ریشمی لباس کے بجائے اس کے دل میں سفید کپڑوں کی محبت و رغبت پیدا کی جائے اور اچھی طرح اس کے ذہن نشین کیا جائے کہ ایسے کپڑے پہننا عورتوں اور ہجڑوں کا کام ہے اور شریف مردوں کو اس سے نہایت نفرت ہے، اور ایسی باتیں اسے وقتاً فوقتاً عام طور کہی جایا کریں اور ماں باپ کا فرض ہے کہ جب کبھی کسی بچہ کو ریشمی یا رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھیں تو اس کے سامنے اس کی خوب مزمت کرے اور اس کے دل میں اس کی نفرت بٹھائے اور اسے ان تمام بچوں کے میل جول سے محفوظ رکھیں جو خوشحالی اور آرام طلبی اور فاخرہ کپڑے پہننے کے عادی ہوں اور ہر اس شخص کی صحبت سے بھی اسے محفوظ رکھیں جو اسے ایسی مرغوب چیزوں کی باتیں سنائیں جو بچہ ابتدائی اٹھان کے وقت (ایسی باتوں میں) آزاد چھوڑا جاتا ہے وہ بڑا ہو کر عام طور پر بد اخلاق، جھوٹا، چور،[2] چغلخور[3] ضدی، بیہودہ گو، ہنسی مخول کرنے والا مکار، فریبی، اور بیوقوف ثابت ہوتا ہے اور ان تمام خرابیوں سے محفوظ رکھنے کا واحد

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... بے نیاز ہوتا جائے گا اور اس طرح رفتہ رفتہ اس کے اخلاق و اعمال میں نہایت فتور اور خرابی پیدا ہو جائے گی، اسی طرح چلتے پھرتے مٹھائی یا پھر وغیرہ کھانا یا کھڑے ہو کر پانی وغیرہ پینا خلاف تہذیب ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ فقط،

[1] خصوصاً سرخ رنگ کا لباس مردوں کے لئے خاص طور پر منع ہے، اسکے متعلق بخاری، مسلم، وترمذی، وابوداؤد، میں بہت سی احادیث موجود ہیں تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اس کے علاوہ یہ قاعدہ یہ کلیہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام جو سہولت اور آسانی کا دین ہے وجوب کے درجہ میں لباس کا کوئی رنگ اور کوئی وضع مقرر نہیں کی ہے اور مختلف ملکوں کے تمام رائج الوقت لباسوں کو جائز رکھا ہے بشرطیکہ غیر مسلموں سے ان کی امتیازی وضع میں مشابہ نہ ہوں، فقط

[2] دولت مندوں کی دیکھا دیکھی جب کوئی غریب آدمی ایک دو دفع اپنے بچوں کو سینما یا ایسی ہی کسی فحش تماشا گاہ میں لے جاتا ہے اور آئندہ ہمیشہ بوجہ غربت کی ان کی ضد پوری نہیں کر سکتا تو پھر وہ اپنے گھر اور محلہ سے چھوٹی موٹی چوریوں کے ذریعہ سے ہی اپنی خواہشات پوری کیا کرتے ہیں اور جب یہ خرابی بڑھتی ہے تو اسی بات کی عزت و آبرو کو لے ڈوبتی ہے مگر جہالت کا برا ہو وہ لوگوں کو اپنا دکھڑا تو سناتا پھرتا ہے لیکن یہ نہیں سمجھتا کہ میں نے ہی اسے یہ عادت بد سکھائی تھی۔

[3] جو بچہ ماں باپ کو بھی ایک دوسرے کی چغلیاں کھاتے اور سنتے دیکھتا ہو وہ۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

Marfat.com

ذریعہ صرف عمدہ تعلیم وتربیت ہی ہے اس کے بعد بچہ کو مکتب میں داخل کرنا چاہیے تاکہ وہ قرآن وحدیث پڑھے، اللہ کے نیک بندوں کے حالات اور سوانح وحکایات کا علم حاصل کرے تاکہ بچپن ہی سے اس کے دل میں اولیاء کرامؒ اجمعین کی محبت کی جڑ لگ جائے[۱]

شعر وشاعری کی وباء

نیز اس کو عشقیہ[۲] اشعار اور عاشق مزاج شاعروں سے بھی محفوظ رکھیے اور ایسے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... کیوں نہ چغلخور بنے؟ اس لئے اپنے گھر کو ایسی چیزوں سے بالکل پاک رکھنا چاہیے اور اگر بچہ گھر میں آ کر کسی کی چغلی کھائے تو ماں باپ کو چاہیے کہ اسے عمدہ طریقہ سے منع کر دے ورنہ رفتہ رفتہ اسے چغلخوری کا چسکا پڑ جائیگا۔ فقط حسن عفی لہ

[۱] کیا آج کل کے عام نصاب تعلیم میں اولیاء کرامؒ کے سوانح حیات اور سیرت کا کوئی حصہ رکھا گیا ہے؟ موجودہ کتابوں کا منتہائے نظر یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس طرح اپنے اسلاف کرام اور بزرگان دین سے غیر مانوس رکھ کر ان کے سامنے ان کی سیرت اس طرح بگاڑ کر پیش کریں گے یہ ان سے متنفر ہو جائیں، چنانچہ اودھم پور ریاست جموں کا واقعہ ہے کہ جب ممتحن نے ایک مسلمان لڑکے سے دریافت کیا کہ مغل بادشاہوں میں سب سے اچھا اور سب سے برا کون کون بادشاہ ہوا ہے؟ تو اس نے بے ساختہ کہہ دیا کہ سب سے اچھا اکبر اور سب سے برا اورنگزیب عالمگیر نعوذ باللہ جن بچوں کا ذہن اس قدر خراب کر دیا گیا ہو وہ اسلام کو کیا فائدہ پہنچائیں گے؟ افسوس گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا۔

[۲] شعر کی اچھائی برائی اس کے مضمون کی اچھائی برائی پر موقوف ہے۔ جس شعر میں یاد الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کی تعریف اولیائے کرام، بزرگان دین کے مناقب، توجہ آخرت بے ثباتی دنیا، علم وعقل اور تجربہ کار مضمون کو وہ اچھا ہے ورنہ فضول ہے اور اگر مخرب اخلاق، عشقیہ مضمون ہے جیسا کہ آج کل کے عام زبان زد اشعار کی حالت ہے تو نہایت برا ہے ایسے اشعار کے متعلق رسول اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ "الاشعر ومن ابلیس" کے شعر ابلیس کا حصہ ہے نیز ایسے اشعار سے نفرت دلانے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا ہے، عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لان تمتلی جوف رجل قیحا یریہ خیر امن ان یمتلی شعراً (متفق علیہ) بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر......

Marfat.com

ادیبوں سے بھی الگ تھلگ رہے جو یہ سمجھتے ہوں کہ ایسی شعر گوئی زندہ دلی اور لطافت طبعی کی علامت ہے، کیونکہ یہ بچوں کے دلوں میں فساد اور خرابی کا بیج بونے والی چیزیں ہیں۔

نیکیوں پر ابھارنے اور برائیوں سے روکنے کا طریقہ

پھر جب بچہ سے کوئی عمدہ خصلت یا قابل تعریف فعل ظاہر ہو تو باپ کو چاہیے اسے شاباش کہے اور ایسا انعام دے جس سے وہ خوش ہو جائے اور لوگوں میں اس کی تعریف کرے پھر اگر کبھی وہ اس کے خلاف کر بیٹھے تو مناسب ہے کہ اس سے بے خبری ظاہر کرے۔ نہ تو اس کی بے عزتی اور تذلیل کرے اور نہ ہی اس کی غلطی کو نمایاں کرے بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہونے دے کہ وہ اپنے سامنے اس کا ایسی جرأت کرنا ممکن بھی سمجھتا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ بچہ کو خود ہی اپنی غلطی کو ڈھانپنا اور چھپانے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ بسا اوقات کسی غلطی کا اظہار کرنا اس کے زیادہ بے باک ہو جانے کا باعث ہو جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اپنا عیب ظاہر ہونے کی بھی پرواہ نہیں کرتا اور اگر ایسی عاقلانہ احتیاط کے باوجود دوبارہ ویسی ہی حرکت کرے تو مناسب ہے کہ اسے تنہائی میں جھڑکا جائے اور اس فعل کی برائی اس پر خوب ظاہر کی جائے اور کہا جائے کہ خبردار! اس کے بعد ایسی بری حرکت ہرگز نہ کرنا خدانخواستہ اگر تیری غلطی کا کسی کو پتہ لگ گیا تو تو لوگوں میں رسوا اور بدنام ہو جائے گا (وغیرہ وغیرہ علی ہذا القیاس)

زیادہ جھڑکنے کے نقصانات

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسے زیادہ نہ جھڑکا جائے کیونکہ اس سے بچہ میں طعن

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... اگر کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے جس سے اس کے جینے اور پھیپھڑے کو سخت تکلیف ہو اس سے بہتر تکلیف ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی شخص کو فحش اشعار یاد ہوں اور یہ قباحت تو صرف ایسے اشعار کی ہے باقی رہا گانا اور غنا سرور وغیرہ وہ بالکل حرام ہے کیونکہ یہ فحش کاری اور بے حیائی کا بڑا محرک ہے اور اس کا زنا و بدکاری سے خاص تعلق ہے چنانچہ عیاش اور نفس پرست لوگ اس طوائف کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو گانا بھی سناتی ہو حدیث پاک میں ہے "الغناء رقیة الزناء" ترجمہ: کہ گانا زناء کا افسون اور منتر ہے۔ دیکھو مکتوبات شریف حضرت مجدد الف ثانی دفتر سوم مکتوب، (۴ ص ۹۸) فقط　حسن عفی عنہ

Marfat.com

و ملامت سننے کی عادت اور غلطیوں کا ارتکاب کرنے کی جرأت بڑھتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے دل سے پند و نصیحت کی وقعت بھی جاتی رہتی ہے۔

اسی طرح باپ پر لازم ہے کہ اس سے بات چیت کرنے میں اپنے رعب اور ہیبت کو قائم رکھے اور صرف کبھی کبھی ہی جھڑکا کرے اور ماں کو چاہیے کہ (کسی بات پر ضد کرنے) کے موقعہ پر اسے باپ سے ڈرائے[۱] اور بری باتوں سے سختی کے ساتھ روکے۔

سونے کے آداب و لوازم

اور دن کو سونے[۲] سے منع کرے کیونکہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے لیکن اسے رات کو سونے سے نہ روکا جائے لیکن نرم بستر سے بہر حال روکا جائے تاکہ اس کے اعضاء مضبوط[۳] ہوں اور بدن بھدا نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے آرام کے بغیر نہ رہ سکے بلکہ اسے

---

[۱] اس میں بچے کو برائی اور بے جا ضد سے روکنے کا مقصد حاصل ہونے کے بعد علاوہ یہ خوبی ہے کہ اس طرح اس کے دل میں باپ کا رعب بیٹھ جاتا ہے جس کی بناء پر اس کی نصیحت اس کے لئے کارگر ثابت ہوتی ہے نیز فرضی جن بھوت کے ہولناک اور جھوٹے خوف سے بھی اسے ڈرانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی فقط۔ حسن عفی لہ

[۲] صبح صادق کے وقت سے سورج بلند ہونے تک سونا نہایت برا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کی نحوست سے رزق میں تنگی آتی ہے اور خیر و برکت نہیں رہتی اور صبح سویرے اٹھنے والوں کیلئے آپ نے دعائے خیر فرمائی ہے کہ:

جو مسلمان حضرت رسول اکرم ﷺ کی اس دعاء سے فیضان رحمت و برکت حاصل کرنا چاہے وہ صبح سویرے اٹھا کرے۔ اور سونے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ شمال کی جانب سر اور قبلہ کی طرف منہ کر کے داہنی طرف کروٹ پر لیٹے گو ان کے علاوہ اور طرح لیٹنا بھی مباح ہے لیکن قبلہ کی جانب پاؤں پھیلانا ناجائز ہے اور پیٹ کے بل لیٹنا بھی بالکل منع ہے، حدیث شریف میں ہے،

''انها ضجعة يبغضها الله تعالى''

''کہ پیٹ کے بل لیٹنا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے''۔

[۳] کیونکہ مسلمان مجاہد اور سپاہی بن کر رہنا چاہیے عیاش اور تن آسان بن کر نہیں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ ''من لم يغز ولم يحدث به نفسه مات ميتة الجاهلية'' ''جس شخص نے جہاد نہیں کیا اور دل سے اس کے متعلق صلاح بھی نہیں لی وہ جاہلیت و کفر کی موت مرا''

Marfat.com

سخت بستر پر سونے موٹے چھوٹے کپڑے پہننے اور سادہ خوراک کھانے کی عادت ڈالی جائے اور جو کام وہ چھپا کر کرتا ہو اس سے روکا جائے کیونکہ وہ اس کام کو برا سمجھنے کی وجہ سے تو چھپاتا ہے اس لئے اگر اسے نظر انداز کیا گیا تو وہ اس برے کام کا عادی ہو جائے گا۔

اسی طرح دن کو چلنے پھرنے اور ورزش کرنے کی عادت بھی ڈالی جائے تاکہ وہ کاہل اور سست نہ ہو جائے لیکن اس امر کی نہایت احتیاط رکھی جائے کہ وہ اپنا سر پنڈلیاں، گھٹنے، رانیں وغیرہ ہرگز ننگی نہ کریں[۲] نا بہت جلدی چلے نہ ہی اپنے ہاتھوں کو ڈھیلا ڈھالا رکھے بلکہ انھیں اپنے سینے سے ملا کر چست رکھے۔

تکبر اور غرور کی ممانعت

اپنے ساتھیوں کے سامنے ماں باپ کی ملکیت میں سے کسی چیز پر فخر کرنے اپنے کھانے پینے کی چیزوں کپڑوں حتی کہ تختی اور دوات تک پر اترانے سے بھی منع کیا جائے[۳] بلکہ اپنے ہر ساتھی سے انکساری اور تعظیم و تکریم سے پیش آنے اور پاکیزہ گفتگو کرنے کا عادی بنایا جائے۔ اور اسے دوسرے بچوں سے کوئی چیز نہ لینی دی جائے اگر کسی مالدار کا لڑکا ہو تو اسے یوں سمجھایا جائے کہ عزت اور سربلندی دینے میں ہے لینے میں نہیں بلکہ لینا تو کمینا پن ذلت، اور فرومائیگی ہے اور اگر غریب کا لڑکا ہو تو اسے سکھایا جائے کہ لالچ کرنا اور کسی سے کچھ

---

[۱] امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ جب کسی کو صوبہ کا عامل (گورنر) مقرر فرماتے تھے تو پانچ شرطوں میں یہ شرطیں بھی ضبط تحریر میں لایا کرتے تھے کہ وہ کبھی باریک کپڑا نہ پہنے گا نرم بستر پر نہیں سوئے گا اور ہمیشہ بے چھنے آٹے کی روٹی نہ کھائے گا ایک دفعہ شام کے عامل (گورنر) کے متعلق معلوم ہوا کہ اس نے باریک کپڑا پہننا شروع کر دیا ہے تو اسے معزول کر دیا اور فرمایا کہ ایسا آرام طلب شخص کبھی اسلامی ہدایت کے مطابق بنی نوع کی پوری خدمت نہیں کر سکتا۔ حسن غفرلہ

[۲] کیونکہ اسے عموماً بچہ کے ذہن میں بے حیائی اور خواہش کی تحریکات پیدا ہوتی ہیں اور ایسا کرنا شرم گناہ ہے اس لئے وہ نیکر اور جانگیہ جس میں گھٹنے ننگے رہیں پہننا منع ہے۔ فقط حسن غفرلہ

[۳] کیونکہ اس سے بچوں میں منافرت پھیلتی ہے اور بعض اوقات لڑائی بھی ہو جاتی ہے جو نقصان وہ ہے اور اس سے بڑھ کر بری بات یہ ہے کہ اس طرح بچے مال و جائیداد کو باعث فضیلت سمجھ کر اخلاقی اور عملی فضیلت کے حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

Marfat.com

لینا اپنی توہین اور رسوائی کا باعث ہے اور کتے کی سی خصلت ہے کہ وہ لقمہ کے انتظار اور لالچ میں دم ہلاتا رہتا ہے۔[1]

اسی طرح بچہ کو سونے اور چاندی سے نفرت اور سانپوں اور بچھوؤں سے زیادہ ان کی محبت سے خوف دلاتا رہے کیونکہ سونے چاندی کی محبت اور طمع بچوں بلکہ بڑوں کو بھی زہروں کی آفت سے زیادہ نقصان پہنچانے والی ہے۔[2]

آداب مجلس و آداب کلام

نیز اسے سکھایا جائے کہ مجلس میں نہ تھوکے نہ ناک صاف کرے نہ کسی کے سامنے جمائی لے اور نہ کسی کی طرف پیٹھ کرے[3] نہ پیر پر پیر رکھے، اسی طرح اپنی ہتھیلی کو ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر یا اپنے سر کو بانہہ کا سہارا دے کر بھی نہ بیٹھے، کیوں کہ یہ سب کاہلی اور سستی کی علامتیں ہیں غرضیکہ اسے بیٹھنے کا طریقہ بھی سکھایا جائے اور زیادہ باتیں کرنے سے روکا جائے۔ اور اچھی طرح ذہن نشین کرایا جائے۔ کہ یہ بے شرمی کی باتیں ہیں۔ اور ذلیل لوگوں کے بچوں کے کام ہیں[4] نیز سچی ہو یا جھوٹی ہر قسم کی قسم کھانے سے بالکل منع کر دیا جائے تا کہ اسے بچپن ہی سے قسم

---

[1] جو لوگ سر بازار جلیبیوں کا ٹکڑا یا اسی طرح کوئی اور کھانے کی چیز دکھا کر چیلوں، کوؤں، کی طرح بچوں کو جمع کرے اور انھیں ادنی ادنی چیزوں کے لئے للچاتے، شور مچانے اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگنے کی بری عادت سکھاتے ہیں اور پھر اپنی مؤذب اخلاق حرکت شنیعہ کو سخاوت اور فیاضی تصور کرتے ہیں وہ ذرا اپنی ذہنیت پر غور کریں، فقط حسن غفرلہ

[2] زیور کی صورت میں استعمال کرنا چور کے خطرہ سے خالی نہیں، بلکہ بسا اوقات تو جان بھی تلف ہو جاتی ہے اور نقد سکوں کی محبت بھی بچوں کو بہت سی خرابیوں اور بے ہودیوں میں مبتلا کر کے رہتی ہے۔

[3] اس کی صورت یہ ہے کہ حلقہ کے درمیان کبھی نہ بیٹھے قطار میں بیٹھے، حضور پر نور ﷺ فرماتے ہیں:۔
"ملعون علی لسان محمد ﷺ من تعد وسط الحلقة رواه الترمذی و ابو داؤد"
جناب محمد ﷺ کی زبان اطہر پر وہ شخص ملعون ہے جو حلقہ مجلس کے درمیان بیٹھے۔

[4] اللہ رب العزت فرماتے ہیں ﴿ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم﴾ الآیۃ" کہ اللہ تعالی کے نام پاک کو اپنی قسموں کے لئے نشانہ مت بناؤ اس طرح خدا کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے بھی منع کر دیا جائے کہ یہ شرک ہے حدیث شریف میں ہے۔ "حلف بغیر اللہ فقد اشرک" جس نے اللہ تعالی کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

Marfat.com

کھانے کی عادت نہ پڑ جائے اسی طرح گفتگو میں پہل کرنے سے بھی روکا جائے اور اس امر کی عادت ڈالی جائے صرف جواب دینے کے لئے بولا کرے اور وہ بھی صرف بقدر سوال اور جب کوئی شخص اس سے باتیں کر رہا ہو تو اچھی طرح سنے اور اپنے سے بڑے کے لئے اٹھ کر جگہ کھلی کرے اور پھر ادب سے اس کے سامنے بیٹھ جائے اسی طرح بچہ کو بیہودہ گوئی، فحش کلامی، لعن طعن، دشنام دہی، گالی گلوچ، سے روکے اور ایسی باتیں کرنے والوں کے میل جول سے منع کرے کیونکہ برے ساتھیوں کے بری باتیں بچے پر ضرور اثر ڈال کر رہتی ہیں اور بچوں کی تربیت کے کا اصلی راز تو انھیں برے ساتھیوں سے محفوظ رکھنے ہی میں مضمر[۲] ہے۔

صبر و تحمّل

اور یہ بھی ضروری ہے کہ جب بچہ کو استاد مارے تو نہ چیخے چلائے اور نہ شور وشغب برپا کریں اور نہ ہی کسی کی سفارش[۳] کا سہارا ڈھونڈے بلکہ صبر و تحمل سے کام لے، یہ بات سمجھانے کے لئے بچے سے یوں کہا جائے کہ دیکھو صبر کرنا بہادر مردوں کا طریقہ ہے اور چیخنا چلانا، رونا پیٹنا، تو ادنی اور کمینے لوگوں اور عورتوں کا کام ہے۔

---

[۱] حدیث شریف میں ہے "البلاء موکل بالمنطق" کہ مصیبت بے جا بولنے کے ساتھ وابستہ ہے، کسی نے کیا خوب کہا:

زباں اپنی حد میں ہے بیشک زباں
بڑھے ایک نقطہ تو یہ زیاں
کہے ایک جب سن لے انسان دو
کہ حق نے زبان ایک دی کان دو

[۲] جو حضرات خود اپنے بچوں کو سینما یا دوسری تماشہ گاہوں میں لے جاتے ہوں یا ایسے لڑکوں کے ساتھ جانے دیتے ہوں وہ اپنی غفلت اور کوتاہ اندیشی پر غور کریں۔ فقط، حسن غفرلہٗ

[۳] اس طرح بچہ کی قوت برداشت کو ترقی دینا اور اس میں صبر و تحمل کے مردانہ اوصاف پیدا کرنا مقصود ہے نیز سفارش و حمایت کرنے سے استاد کی تنبیہ اور نصیحت کا فائدہ ضائع ہو جاتا ہے۔ فقط حسن غفرلہٗ

Marfat.com

ورزش کی اہمیت وفوائد

نیز اسے پڑھنے کے بعد کسی عمدہ کھیل کی اجازت بھی ضرور دی جائے جس سے وہ مکتب کی تکان دور کر کے راحت حاصل کر سکے لیکن اتنا نہ کھیلنے دیا جائے کہ کھیلنے ہی سے تھک جاوے کیونکہ بچے کو کھیل کود سے کلیۃً روک کر صرف پڑھنے پڑھانے میں دبائے رکھنا اس کے دل کو مردہ اس کی ذہانت کو باطل اور ناکارہ اور اسکی زندگی کو مکدر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ تعلیم سے بالکل ہی جان چھڑانے کے لئے حیلے اور بہانے تلاش کرنے لگ جاتا ہے۔

نہ تفریط بہتر نہ افراط اچھی
توسط کے درجہ میں ہر بات اچھی

بزرگوں کی تعظیم کے آداب

یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ بچے کو والدین اساتذہ اور ہر اس شخص کو جو عمر میں اس سے بڑا ہو چاہے اپنا رشتہ دار ہو یا نہ ہو سب کی فرمانبرداری کرنا سکھایا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ وہ ان کی طرف عزت کی نگاہوں سے دیکھیں، اور ان کے سامنے کھیل کود کو ترک کر دے اور جب سن بلوغ کو پہنچے تو اسے طہارت و پاکیزگی میں سستی نہ کرنے دی جائے اور نماز ختم کرنے پر چشم پوشی کا برتاؤ ہرگز نہ کیا جائے ۳ نیز رمضان کے بعد دنوں میں اسے روزہ بھی رکھوایا جائے

---

۱ اس سلسلہ میں ساتھیوں کی اخلاقی حالت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اگر صحیح تربیت یافتہ بچے نہ ملیں تو باپ خود اپنے ساتھ نے جائے تفریح اور ورزش کرائے ایک صحیح دماغ صرف تندرست جسم میں ہی نشونما پا سکتا ہے اس لئے بچے کی صحت جسمانی کے لئے مناسب ورزش کے ساتھ اس کے جسم اور کپڑے کی صفائی کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔

۲ حدیث شریف میں ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز پڑھاؤ اور نو ۹ برس کی عمر میں بھی نہ پڑھے تو مار کر پڑھاؤ۔

۳ حدیث شریف میں ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز پڑھاؤ اور نو ۹ برس کی عمر میں بھی نہ پڑھے تو مار کر پڑھاؤ۔

۴ بچہ اپنے ماحول اور خاندان کے طرز زندگی پر منحصر ہیں، جیسے گرد وپیش میں بچہ رہے گا ویسے ہی بری باتیں اس میں پیدا ہونگی۔

Marfat.com

اور دیباج وریشم، سونا، چاندی، پہننے سے بالکل الگ رکھا جائے اور حسب مناسب شریعت اسلامیہ کے حدود وتعزیرات سمجھائے جائیں اور چوری حرام خوری خیانت بددیہانتی، جھوٹ اور بے حیائی، اور نوخیزی کے دوران میں بچوں کی طبیعت میں پیدا ہونے والے تمام بری باتوں سے خوب اچھی طرح ڈرایا جائے جب کسی بچے کی بچپن سے ہی ایسی اٹھان ہوگی تو بلوغ کے قریب پہنچتے تک وہ ان امور کے اسرار وحقائق وخوبی سمجھ سکے گا۔

غذا کے متعلق عمدہ تخیل

پھر اس دور میں اسے سمجھایا جائے کہ جس قدر بھی حلال غذائیں ہیں یہ بھی ایک طرح کی دوائیں ہی ہیں اور ان سے صرف یہ مقصود ہے کہ انسان انھیں کھاپی کر اللہ تعالی کی فرمانبرداری کر سکے۔

دنیا کی بے ثباتی

اور یہ بات بھی بخوبی ذہن نشیں کرائی جائے کہ دنیا بذاتہ خود ایک غیر مقصود اور بے اصل، بے بقا، اور فنا ہو جانے والی چیز ہے موت اس کی نعمتوں کا خاتمہ کر دیتی ہے، اور یہ صرف ایک گزرگاہ ہے سکون وقرار کا مقام نہیں لیکن عالم آخرت حقیقی امن وسکون کا مکان اور قرار واطمینان کی جگہ ہے اور ہر وقت دنیا کی زندگی کو ختم کر دینے کی تاک میں لگی ہوئی ہے۔

عقل مند کون ہے؟

اور فی الحقیقت عقل مند وہ شخص ہے جو اس دنیائے فانی سے آخرت کے عالم باقی کے لئے زادرہ اور نیکیوں کا سرمایہ فراہم کرے تا کہ اللہ تعالی کے ہاں اسے قبولیت کا اونچا درجہ نصیب ہو اور جنتوں کی وسیع نعمتیں ملیں اگر بچے کی ابتدائی ذہنی نشوونما اچھی ہوئی ہوگی تو بالغ ہونے کے دوران میں یہ کلام اس کے لئے نہایت اوقع فی النفس مؤثر وخوش آئند کالنقش فی الحجر دل میں گھر کرنے والا ثابت ہوگا۔

اگر اس کے برعکس غلط طریقہ سے اس کی ذہنی نشوونما ہونے سے اس میں بیہودگی، بے حیائی، زیادہ کھانے کی خواہش، عمدہ لباس کی طمع، آرائش وزیبائش کی علت، نازو انداز تکبر وغرور کی خصلت پیدا ہو چکی ہوگی تو اس کا دل اس حقیقت کے قبول کرنے سے اسی طرح انکار کر دے

Marfat.com

گا جس طرح خشک دیوار سوکھی مٹی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے، غرضیکہ یہی ابتدائی امور ہیں جن کا پوری طرح خیال رکھنا چاہیے۔

بچے کی فطرت اور والدین کا فرض

کیونکہ بچے کا جوہر قلب ایسا ہی پیدا کیا گیا ہے کہ خیر و شر اور نیک و بد دونوں کا اثر لے سکتا ہے اور یہ ماں باپ کا کام ہے کہ اسے نیکی و بدی کے پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف مائل کر دیں حضرت رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

"کل مولو دیولد علی الفطرۃ و انما ابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ"

کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (الحدیث)

عمدہ تربیت کے اعلیٰ نتیجہ پر ایک تاریخی شہادت

حضرت سہیل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ میں تین برس کی عمر میں رات کو اٹھ کر اپنے ماموں حضرت محمد بن سوارؒ کی نماز تہجد کا روحانی منظر دیکھا کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے مجھے فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا؟ جس نے تجھے پیدا کیا، میں نے عرض کیا کہ میں اسے کس طرح یاد کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ رات کو بستر پر کروٹ بدلنے کے وقت زبان ہلائے بغیر صرف اپنے دل میں تین دفع یوں کہا کرو:

"اللّٰہ معی، اللّٰہ ناظرٌ الی اللّٰہ شاھدی"

اللہ میرے ساتھ ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ میرے سامنے ہے۔

میں نے چند راتوں تک یوں ہی کہا پھر انہیں اس کی اطلاع دی تو فرمایا کہ اب ہر رات میں سات دفعہ یوں ہی کہا کرو، میں نے ایسا ہی کیا اور پھر اس کی اطلاع بھی عرض کی تو فرمایا ہر رات گیارہ دفعہ کرو، میں نے ایسا ہی کیا جس کے نتیجہ میں مجھے اپنے دل میں اس کی لذت اور حلاوت محسوس ہونے لگی پھر جب اس پر عمل کرتے ہوئے ایک سال گزر گیا تو فرمایا جو ذکر میں نے تمہیں سکھایا ہے اسے خوب یاد رکھو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو، یہ تم کو دنیا و آخرت

لے ہر مرید حق کو چاہیے کہ وہ اپنے مرشد کو اپنی کیفیت کی ٹھیک ٹھیک اطلاع دیکر درجہ بدرجہ اصلاح لے اور راہ سلوک و معرفت کو طے کرے۔ بیعت کا مقصد یہی ہے۔

Marfat.com

میں نفع کا ذریعہ ہوگا۔ میں چند برسوں تک اسی طرح کرتا رہا، یہاں تک کہ میں اس کی لذت اپنے باطن کی گہرائی میں محسوس کرنے لگا۔

پھر ایک دن فرمایا کہ اے سہیل! اللہ جس کے ساتھ ہو جسے دیکھتا ہو جس کے سامنے ہو کیا وہ شخص اللہ تعالی کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ خبردار! کبھی خدا کی معصیت اور نافرمانی نہ کرنا چنانچہ میں تنہا رہنے لگ گیا۔ پھر انھوں نے مجھے مکتب میں بھیجنا چاہا تو میں نے کہا کہ مجھے اپنی توجہ بٹ جانے کا خطرہ ہے ہاں! اگر آپ استاد سے یہ شرط طے کر لیں کہ میں کچھ وقت اس کے پاس پڑھا کروں اور پھر جلدی سے پلٹ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو جایا کروں تو بہتر ہو۔

اس کے بعد میں استاد کے پاس گیا اور چھ سات برس کی عمر تک قرآن کریم پڑھ کر حفظ کر لیا میں ہمیشہ روزہ رکھا کرتا تھا اور بارہ برس تک جو کی روٹی میری خوراک رہی اسی اثناء میں تیرہ برس کی عمر میں مجھے ایک اہم مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو میں نے اپنے گھر والوں سے درخواست کی کہ وہ مجھے بصرہ جانے کی اجازت دیں تاکہ میں وہاں کے علماء سے وہ مسئلہ دریافت کروں چنانچہ میں نے بصرہ آکر وہاں کے علماء سے دریافت کیا لیکن ان میں سے کسی نے بھی میری تشفی نہ کی اس کے بعد میں حضرت حبیب حمزہ بن عبداللہ عبادانیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے عبادان گیا۔ اور ان سے وہی مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے مجھے تسلی بخش جواب دیا پھر میں ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر ان کے ملفوظات قدسیہ سے فیض حاصل کرتا تھا اور آداب سیکھتا رہا پھر تستر چلا آیا اور اپنی خوراک کا یہ اندازہ مقرر کیا کہ میرے لئے ایک درہم (تقریباً سوا چار آنہ) کے جو خرید کر پیس کر رکھے جاتے تھے اور اسی میں میرے لئے روٹی پکائی جاتی تھی اور میں ہر رات سحری کے وقت صرف ایک اوقیہ (ایک اونس تقریباً تین تولے) اس میں سے کھاتا اور وہ سالن کے بغیر، اس طرح میرے لئے سال بھر تک یہی ایک درہم کافی ہوتا۔

پھر میں نے یہاں تک ترقی کی کہ تین راتوں کے بعد افطار کرنے لگا، پھر پانچ راتوں کے بعد پھر سات راتوں کے بعد، اسی طرح تدریجاً پچیس راتوں تک پہنچ گیا پھر اسی حالت میں متواتر بیس سال تک قائم رہا پھر کئی برس تک دنیا کی سیاحت کی اور پھر پلٹ کر تستر چلا آیا میں تقریباً ساری ساری رات قیام کرتا تھا امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس امر کا ثبوت نہیں ملا کہ انھوں نے اپنے وصال تک کبھی سالن استعمال کیا ہو۔

Marfat.com

حاصل کلام

یہ واقعہ امام غزالیؒ نے اس لئے نقل نہیں کیا ہے کہ سب لوگ اپنے بچوں کو اسی طرح تیار کریں بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر ابتداء سے بچے کی تربیت کا مکمل انتظام کیا جائے تو وہ ایسے انسانی کمالات کی بلندیوں تک عروج کر سکتا ہے ورنہ ایسی ریاضت شاقہ اختیار کرنا ہر مسلمان کے ذمہ ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے قوانین و احکام اور اپنے نبی مکرم رسول اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور انبیاء و صدیقینؒ و شہداءؒ و صالحینؒ و جملہ بزرگان دینؒ و اولیاء کرام کی صحیح محبت ہمارے دلوں میں پیدا کرے اور انھیں کے راستہ پر چلائے اور یہی دین قویم ہے اور یہی صراط مستقیم۔

﴿ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین، اٰمین ﴾

آپ کا ادنیٰ خادم

(مولوی) صدر الدین حسن غفر لہ

Marfat.com

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

اور اللہ کے پیارے پیارے نام ہیں پس اس کے ساتھ اس کو پکارو

الحمد اللہ والمنتہ حجۃ الاسلام ابو حامد امام محمد الغزالیؒ کی کتاب

المقصد الاسنیٰ فی شرح

اسماء الحسنیٰ

کا اردو ترجمہ جس میں ننانوے نام
کے مفصل و مشرح معانی کے علاوہ اس میں
مشترک اور اسمائے مترادفہ کے متعلق موشگاف
بحث کی گئی ہے اور اسمائے باری تعالیٰ کا غیر متناہی
ہونا ثابت کیا ہے اور ساتھ ہی ننانوے کے عدد
میں شرعاً ان کے محصور ہونے کی حکمت پر روشنی
ڈالی ہے اور اسم و ذات کے اتحاد و تغایر کے متعلق
مشہور مذاہب کے اقوال پیش کر کے فیصلہ کن
بحث کی گئی ہے۔

ترجمہ محشاۃ

مولانا محمد نذیر عرشی "مولوی فاضل" و منشی فاضل

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللّٰہ المتفرد بکبریائہ وعظمتہ،المتوحد بتعالیہ وصمدیتہ الذی قص اجنحۃ العقول دون حمیٰ عزتہ ،ولم یجعل السبیل الی معرفتہ الا بالعجز عن معرفتہ،وقصر السنۃ الفصحاء عن الثناء علی جمال حضرتہ الابما اثنی بہ علی نفسہ،واحصی من اسمہ وصفتہ،والصلوٰۃ علی محمد خیر خلقہ،وعلی الہ واصحابہ وعترتہ۔

مجھ سے میرے ایک دینی بھائی نے فرمائش کی جس کی تعمیل شرعاً ضروری تھی کہ میں اسماء الحسنیٰ کی شرح لکھوں مگر میں اس کے متعلق اپنے ارادے کا ایک قدم آگے رکھتا تھا تو ہمت کے دو قدم پیچھے جا پڑتے تردد یہ تھا کہ میں اس کا حق اخوت ادا کرنے کے لئے اس کام کا بیڑا اٹھاؤں۔یا اس مشکل کام کا ذمہ اٹھانے سے بچتے ہوئے اور قوت بشری کو اس مقصد کے حصول کے لئے ناکافی سمجھتے ہوئے اس سے معافی چاہوں اور معافی کیوں نہ چاہتا جبکہ عاقل آدمی کو اس مشکل کام میں پڑنے سے دو باتیں مانع ہیں۔ایک تو یہ کہ یہ کام فی نفسہ بڑا کٹھن اور دشوار حصول ہے کیونکہ وہ اپنی شان کے لحاظ سے چوٹی کا کام ہے جس کے آگے عقل حیران ہے اور آخری منزل چھوڑ اس کی پہلی ہی منزل میں نگاہیں پست ہو جاتی ہیں انسانی طاقتوں کا یہ بل بوتہ کہاں ہے کہ خدائی صفات میں بحث و تحقیق کا سلسلہ چھیڑے اور چمگادڑوں کی نگاہوں میں یہ تاب کہاں کہ مہر تاباں کا دیدار کر

Marfat.com

سکیں۔

دوم یہ کہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق جو کچھ کہا جائے ممکن ہے کہ وہ جمہور کے خلاف واقعہ ہو۔ اور لوگوں کو ان کی عادات اور مذہبی مالوفات سے باز رکھنا مشکل ہے لیکن فرمائش کا پاس اور اس دوست کے شدت اصرار نے ان عذروں کی کوئی پیش نہ جانے دی۔

"فاسئل اللہ تعالی ان یسھل الصواب ،ویجزل الثواب ،بمنه ولطفه ،وسعة جوده ۔انه الکریم الجواد ،الرؤف بالعباد ۔

مقدمہ

مناسب ہے کہ اس کتاب کو تین فنون پر منقسم کیا جائے۔

(۱) پہلا فن ۔ ابتدائی باتوں میں۔

(۲) دوسرا فن ۔ مقاصد خاص میں۔

(۳) تیسرا فن ۔ لواحق اور تتمہ جات میں۔

پہلے فن کے مضامین گویا مقاصد خاص کی تمہید ہیں۔

اور تیسرے فن کے مضامین مقاصد خاص کا تکملہ ہیں۔

فن اول ۔ میں ان باتوں کا بیان ہے:۔

(۱) اسم ۔ مسمیٰ اور تسمیہ کے قول کی حقیقت ۔ اور اس میں جو اکثریت مذاہب کو غلط فہمی لاحق ہوئی ہے اس کا ازالہ۔

(۲) اللہ کے اسماء میں سے جو باہم قریب المعنی ہیں مثلاً عظیم ،جلیل ،کبیر ، کیا وہ ایک ہی معنی پر حمل کیے جا سکتے ہیں ۔ یعنی وہ اسماء مترادف ہیں یا ان کے معانی کا متفاوت ہونا لازم ہے۔

(۳) جس اسم کے دو معنی ہیں ، کیا وہ دونوں معنوں میں مشترک ہے اور ان دونوں معنوں

Marfat.com

پر اس طرح محمول ہوتا ہے جیسے عموم کا اس کی مسمیات میں حمل ہوتا ہے یا اسم کا حمل ان معنوں میں سے صرف ایک پر متعین ہے۔

(۷) کیا بندہ کو اسمائے باری تعالیٰ میں سے ہر اسم کے معنی سے حصہ ملا ہے۔

فن ثانی۔ میں یہ باتیں شامل ہیں۔

(۱) فرق ہے نام کے معانی۔

(۲) اس امر کا بیان کہ اہل سنت کے نزدیک یہ تمام اسماء صرف ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں۔

(۳) اس امر کا بیان معتزلہ اور فلاسفہ کے مذہب کی رو سے یہ اسماء صرف ایک ذات کی طرف جس میں کثرت کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکر راجع ہوتے ہیں۔

فن ثالث۔ ان باتوں پر مشتمل ہے:

(۱) اسمائے باری تعالیٰ ننانوے سے زائد ہیں جو موقوف ہیں۔

(۲) ایک کم سو اسماء کے شمار اور تخصیص کا فائدہ۔

(۳) اللہ تعالیٰ کو ان صفات مدح سے موصوف کرنا جائز ہے۔ جن سے وہ بالمعنی متصف ہے۔ اور ان صفات کے ساتھ بھی جن میں کوئی نقص کا معنی نہ پایا جائے جب کہ اس میں کوئی منع وارد نہ ہو وہ الفاظ جن میں نقص کا مفہوم شامل ہے ہرگز خدا کی شان میں نہیں بولے جاتے مگر جبکہ ان میں اجازت آئی ہو تو پھر ان کی اس طرح تاویل کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی شان مناسب ہو۔

(۴) بعض اوقات اللہ کی شان میں ایک لفظ کا اطلاق ممنوع ہوتا ہے مگر جب اس کے ساتھ اس کے جوڑ کا لفظ شامل کیا جائے تو اس کا اطلاق درست ہو جاتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء الحسنیٰ کے ساتھ پکارا جاتا ہے جیسا کہ اس نے حکم دیا ہے۔ اگر ہم ان اسماء سے تجاوز کریں۔ یہاں تک کہ اس کو اس کی اوصاف سے پکاریں تو صرف مدح وجلال کی صفتوں سے پکارا جائے گا۔

اور ہر صفت یا فعل جس کے ساتھ اس کا موصوف ہونا یا منسوب ہونا جائز ہے اس

Marfat.com

کے ساتھ جب ہی پکارا جائے گا کہ اس میں مدح وجلال کا مفہوم شامل ہو اس بات کو ہم جہاں اس کا موقعہ آئے گا صاف طور پر بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلا فن

ابتدائی باتوں میں

پہلی فصل

اسم مسمےٰ اور تسمیہ کے معنی

اسم و مسمیٰ کے متعلق بہت لوگوں نے غور کیا ہے اور سب نے جدا جدا مسلک اختیار کیے ہیں مگر اکثر نے دھوکا کھایا ہے ایک کہتا ہے کہ اسم ہی مسمیٰ ہے۔ مگر وہ تسمیہ سے علیحدہ ہے۔ ایک اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسم، مسمیٰ سے جدا ہے مگر وہ تسمیہ ہی ہے، اگر ایک تیسرا گروہ جو الٰہیات کا کیڑا اور بحث ومناظرہ میں نام آور ہے، کہتا ہے کہ اسم کبھی مسمیٰ ہوتا ہے جیسے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ذات ہے اور موجود ہے اور کبھی مسمیٰ کا غیر ہوتا ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ خالق ہے وہ رازق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لفظ خلق۔ (آفرینش) اور رزق روزی رسانی) پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں اس سے غیر ہیں کبھی اس کی ایسی حیثیت ہوتی ہے کہ نہ تو اس کو مسمیٰ کہا جا سکتا ہے اور اس نہ اس کا غیر، جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ عالم ہے اور قادر ہے یہ دونوں لفظ علم اور قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن کی نسبت نہ تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ ہی ہیں اور نہ یہ کہ اللہ کے غیر ہیں۔

یہ اختلاف دو باتوں سے پیدا ہوا ہے۔

Marfat.com

ایک تو یہ کہ اسم تسمیہ ہے یا نہیں؟

دوم یہ کہ اسم مسمّٰی ہے یا نہیں؟

حق یہ ہے کہ اسم نہ تسمیہ ہے اور نہ مسمّٰی ہے اور یہ تینوں اسماء متباین ہیں، مترادف نہیں اظہار حق کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان تینوں لفظوں کے جدا جدا معنی بتائے جائیں پھر اس قول کے معنی بتایا جائے کہ ''فلاں شے فلاں ہے''۔ اور اس قول کے معنی کہ ''فلاں شے فلاں کا غیر ہے''۔ حقائق کے معلوم کرنے کا یہی طریقہ ہے اور اس پر کاربند نہ ہونے والا ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ جو علم تصدیق ہے یعنی اس کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے اس کے الفاظ ایک قضیہ کے صورت میں ہوتے ہیں، اس قضیہ میں ایک موصوف ایک صفت، اور ایک ان دونوں کی باہمی نسبت ہوتی ہے یہ ضرور ہے کہ پہلے صرف موصوف کا علم اس کی حدوحقیقت کے تصور سے ہو۔ پھر صرف صفت کا علم اس کی حدوحقیقت کے تصور سے ہو، اور پھر اس نسبت پر نظر کی جائے جو صفت کو موصوف کے ساتھ ہے کہ وہ اس کے لئے ثابت ہے یا اس سے منفی ہے:

دیکھو جو شخص مثلاً یہ سمجھنا چاہے کہ ملک قدیم ہے یا حادث؟ تو اس کے لئے لازم ہے کہ پہلے لفظ ملک کے معنی سمجھے، پھر قدیم یا حادث کے پھر ان دونوں وصفوں میں ایک کو ملک کے لئے ثابت کرنے یا اس سے نفی کرنے پر نظر کرے۔

اسی طرح ضروری ہے کہ اسم کے معنی، مسمّٰی کے معنی اور تسمیہ کے معنی معلوم کیے جائیں، اور اس کے معنی بھی معلوم کیے جائیں کہ فلاں شے فلاں ہے۔ اور یہ کہ کسی شے کی ہویّت اور غیریت کیا ہے، تاکہ یہ امر سمجھ میں آسکے کہ فلاں شے فلاں ہے یا اس کی غیر ہے۔

ہر شے کا ایک وجود خارج میں ہوتا ہے ایک ذہن میں اور ایک زبان میں خارجی وجود اصلی اور حقیقی ہے، ذہنی وجود علمی اور صوری ہے۔ اور زبانی وجود لفظی ودلیلی ہے۔

مثلاً سماء (آسمان) کا ایک وجود فی نفسہ ہے۔ اور ایک وجود ہمارے ذہن اور نفس میں ہے، کیونکہ آسمان کی صورت ہماری نگاہوں کے ذریعہ سے ہمارے خیالوں میں منطبع ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض آسمان معدوم ہوجائے اور ہم سلامت ہوں، تو آسمان کی صورت پھر بھی ہمارے خیال میں موجود ہوگی، اسی صورت کو علم کہتے ہیں، اور وہ اس کی مثال ہوتی ہے جس کی نسبت علم ہوتا ہے کیونکہ وہ معلوم شے کی حالت کا پتہ دیتی ہے۔ وہ ایسی ہے جیسے آئینہ میں شکل دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی مقابل کی مقابل خارجی صورت کی حالت کا پتہ دیتی ہے اور زبانی وجود لفظ ہے۔ جو چار حصص پر تقسیم ہونے والی آوازوں سے مرکب ہے، پہلے

Marfat.com

حصے کو سین۔ دوسرے کو میم، تیسرے کو الف، اور چوتھے کو ہمزہ کہتے ہیں اور وہ لفظ سماء ہے۔ پس قول امر ذہنی کی دلیل ہے اور امر ذہنی امر موجود کی صورت ہے اگر خارجی وجود نہ ہوتا تو ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی۔ اور اگر ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی تو انسان اس سے مطلع نہ ہوتا اور اگر انسان اس سے مطلع نہ ہوتا تو زبان سے اس کا اظہار نہ کرتا غرض کہ لفظ علم اور معلوم یہ تینوں متبائن امور ہیں۔ لیکن تینوں متطابق و متوازی ہیں۔ اس لئے بسا اوقات کم فہم انسان ان میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اور فی الحقیقت ان میں امتیاز کیوں نہ ہو۔ جبکہ ہر ایک کے جدا جدا خواص ہیں۔ مثلاً انسان اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الخارج ہے۔ اس کو یہ امور لاحق ہیں۔ کہ وہ سوتا ہے۔ جاگتا ہے۔ زندہ ہے۔ مرجاتا ہے۔ چلتا ہے۔ بیٹھتا ہے۔ وغیر ذالک اور اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الذہن ہے۔ اس کو یہ باتیں لازم ہیں کہ وہ مبتدا۔ یا خبر اور عام یا خاص اور جزئی یا کلی یا قضیہ وغیرہ ذالک بنتا رہتا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ وجود فی اللسان ہے۔ اس کو یہ باتیں لاحق ہوتی ہیں۔ کہ وہ عربی۔ یا فارسی۔ یا ترکی۔ یا زنگی زبان سے ہے۔ اور کم حروف رکھتا ہے۔ یا زیادہ، اور وہ اسم یا فعل یا حرف یا کچھ اور ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ وجود حسب مرور ایام بدلتا رہے اور اہل بلاد کی عادات میں متفاوت ہو، خارجی اور ذہنی وجود کو تو جانے دو لفظی وجود کو لو۔ کیونکہ اسی کے متعلق بحث کرنا ہمارا مدعا ہے۔

الفاظ سے مراد حروف مقطعہ ہیں جو انسانی اختیار سے بنے ہیں تاکہ اشیاء کی ذات پر دلالت کریں یہ حروف مقطعہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو اولاً موضوع ہیں، دوسرے وہ جو ثانیاً موضوع ہیں۔

اولاً موضوع کی مثال آسمان، درخت انسان وغیر ذالک، اور ثانیاً موضوع جیسے اسم، فعل، حرف، امر، نہی، مضارع وغیرہ۔ یہ الفاظ موضوع بوضع ثانی اس لئے ہیں کہ وہ الفاظ جو مختلف اشیاء پر دلالت کرنے کے لئے موضوع ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو معنی فی غیرہ پر دلالت کرتے ہیں ان کا نام حرف ہے دوسرے وہ جو معنی فی نفسہ پر دلالت کرتے ہیں پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو اس معنی کے زمانہ وجود ہی پر دلالت کرتے ہیں، اس قسم کا نام فعل ہے جیسے ضرب (اس نے مارا) یضرب (وہ مارتا ہے) دوسرے وہ جو زمانہ پر دلالت نہیں کرتے۔ ان کو اسم کہتے ہیں۔ جیسے آسمان و زمین۔

پہلے تو اعیان خارجیہ پر دلالت کرنے کے لئے الفاظ وضع کیے گئے پھر اس کے بعد اسم فعل، حرف، وغیرہ اقسام الفاظ پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیے گئے کیونکہ الفاظ بھی وضع کیے

Marfat.com

جانے کے بعد موجود فی الاعیان بن گئے۔اوران کی صورتیں ذہن میں منقش ہوگئیں۔تووہ بھی اس قابل سمجھے گئے کہ حرکات زبان سے ان پر دلالت ہو،الفاظ کا موضوع بوضع ثالث ورابع ہونا بھی متصور ہوسکتا ہے حتی کہ اگر اسم کوئی اقسام پر منقسم کیا جائے،اور ہر قسم کا ایک خاص اسم مقرر کیا جائے۔تو یہ اسم درجہ ثالث میں ہوگا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اسم نکرہ اور معرفہ وغیرہ پر منقسم ہوتا ہے،

اس تمام بیان سے یہ معلوم کرانا مدعا ہے کہ اسم موضوع بوضع ثانی ہے،چنانچہ اگر سوال کیا جائے کہ اسم کی کیا تعریف ہے؟تو جواب یہ ہوگا کہ اسم وہ لفظ ہے جو دلالت کے لیے موضوع ہو اوراس میں ایسی شرائط بھی ہم اضافہ کرسکتے ہیں جو اس کو حرف اور فعل سے ممتاز کرتی ہیں مگر یہاں اس کی تعریف بیان کرنا ہمارا مدعا نہیں ہے۔صرف یہ غرض ہے کہ اسم سے مراد وہ معنی ہے جو تیسرے درجہ میں ہے اوراس کا وجود زبان میں ہے۔خارج میں یا ذہن میں نہیں۔

جب تم کو اتنا معلوم ہو چکا کہ اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو دلالت کے لیے وضع کیا گیا ہو تو پھر یہ سمجھنا چاہیے کہ جو لفظ دلالت کے لئے وضع کیا گیا ہو اس کے لئے واضع،وضع اور موضوع لہ کا ہونا لازم ہے۔

موضوع لہ کو مسمیٰ کہتے ہیں اور یہ وہ شے ہے جس پر لفظ دلالت کرتا ہے۔

واضع کو مسمی (نام رکھنے والا) کہتے ہیں اور وضع کو تسمیہ نام رکھنا جب کوئی شخص اپنے بیٹے کے لئے ایسا لفظ تجویز کرتا ہے جو اس پر دلالت کرے۔تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کا نام رکھا۔اوراس کے اس لفظ تجویز کرنے کو تسمیہ کہتے ہیں،کبھی نام لینے کو بھی تسمیہ کہہ دیتے ہیں۔جیسے کوئی شخص کسی کو پکارے اے زید!تو اس کی اس ندا کو تسمیہ کہیں گے گویا لفظ تسمیہ نام رکھنے اور نام لینے کے دونوں معنوں میں مشترک ہے۔کو بظاہر نام لینے کی نسبت نام رکھنے کے معنوں میں ہونا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

اسم،تسمیہ،مسمی اور مسمی بمنزلہ حرکت،تحریک،محرک،اور محرک،کے ہیں۔اور یہ چاروں مختلف اسم مختلف معنوں پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ حرکت ایک مکان سے دوسرے مکان میں نقل کرنے پر دال ہے۔تحریک اس حرکت کی ایجاد پر دال ہے۔محرک صادر ہوتی ہے یہ متحرک کی طرح نہیں ہے۔جو صرف فعل حرکت پر دال ہے اور فاعل پر دال نہیں جب ان الفاظ کے مفہومات ظاہر ہوگئے تو اب دیکھنا چاہیے کہ کیا ان کے متعلق یہ کہنا جائز ہوسکتا ہے کہ ان میں سے فلاں فلاں ہے یا اس کا غیر ہے مگر اس بات کے سمجھنے کے لئے کسی چیز کے فلاں ہونے،اور

Marfat.com

فلاں شے کے فلاں ہونے یا فلاں سے غیر ہونے کے معانی سمجھنے لازم ہیں۔
یہ جو ہم کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شے فلاں ہے اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت

کی نظیر یہ کہ کوئی کہے پانی جل ہے یا تیل شمشیر ہے، یہ صورت ان تمام اشیاء میں جاری ہوتی ہے، جو فی نفسہ واحد ہوں۔ مگر ان کے دو مترادف نام ہوں۔ جن کے مفہوم کچھ بھی تفاوت نہ رکھتے ہوں صرف حرفوں کا فرق ہو۔ ایسے اسماء کو مترادف کہتے ہیں۔

دوسری صورت

کی نظیر یہ کہ کوئی سانڈنی، اونٹنی ہے۔ یا کوئل، گھوڑا ہے یہ صورت پہلی سے جدا ہے اس کے اسماء مترادف نہیں مختلف مفہوم رکھتے ہیں کیونکہ سانڈنی اونٹنی کے ساتھ تیز رفتار کا مفہوم بھی مضاف ہے اور کوئل میں گھوڑے کے ساتھ سواری سے زائد ہونے یا آراستہ و پیراستہ ہونے کا مفہوم بھی شامل ہے، صرف اونٹنی یا گھوڑے میں کوئی اس قسم کا زائد مفہوم شامل نہیں ہے اس قسم کے اسماء کو متداخل کہنا چاہیے کیونکہ اونٹنی سانڈنی کے مفہوم میں گھوڑا کوئل کے مفہوم میں داخل ہے۔

تیسری صورت

کی نظیر یہ ہے کہ کوئی کہے کہ برف سفید اور ٹھنڈی ہے اس میں سفید اور ٹھنڈی ایک ہی چیز ہے، کیونکہ جو سفید ہے وہی ٹھنڈی ہے۔ یہ صورت نہایت بعید ہے اور اس کا نتیجہ موضوع کی وحدت ہے جو دو وصفوں سے موصوف ہے مطلب یہ کہ ایک ہی شے سفیدی اور ٹھنڈک سے موصوف ہے۔

غرض ہمارا یہ کہنا کہ فلاں شے فلاں ہے ایک کثرت پر دلالت کرتا ہے جس میں ایک طرح سے وحدت ہے کیونکہ اگر وحدت نہ ہو تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں اور فلاں ایک ہی چیز ہیں اور کثرت نہ ہو تو فلاں شے اور فلاں شے کیونکر کہا جا سکے۔ جو صاف دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

اب ہم اپنے اصل مطلب پر آتے ہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسم، مسمّی ہی ہے جس

Marfat.com

طرح اسمائے مترادف میں کہا جاتا ہے کہ شمشیر تیغ ہی ہے وہ بہت بڑی غلطی پر ہے، کیونکہ مسمی کا مفہوم اسم کے مفہوم سے جدا ہے، چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسم وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے اور مسمی وہ چیز ہے جس پر دلالت ہوتی ہے اور وہ چیز کبھی غیر ملفوظ ہوتی ہے۔ اور اس لئے اس میں عربی ترکی اور فارسی یعنی عرب ترک اور فارس کے لوگوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ وہ مسمی کبھی ایسا نہیں ہوتا۔

اسم کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ تو اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ کیا ہے، اور مسمی کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو عموماً کہتے ہیں یہ کون ہے یا کونسی چیز ہے۔ جیسے کوئی شخص آئے تو پوچھتے ہیں کہ اس کا اسم کیا ہے۔ جواب ملتا ہے کہ زید ہے اور جب مسمی کی نسبت پوچھنا ہو تو کہتے ہیں یہ کون ہے۔

اگر کسی خوبصورت ترک کا نام ہنود کا سا (مثلاً مرلی دھر یا کھڑک سنگھ) رکھ دیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ اسم خراب اور مسمی خوب ہے۔

اگر کسی کا لمبا اور ثقیل نام رکھ دیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ نام ثقیل اور مسمی خفیف ہے

اسم کبھی مجاز ہوتا ہے اور مسمی نہیں ہوتا۔ اسم تو کبھی تفاوتاً تبدیل کر لیا جاتا ہے اور مسمی تبدیل ہو نہیں سکتا۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسم مسمی سے علیحدہ ہے۔ اگر غور کرو تو ان کے سوا اور بھی دلائل مل سکتے ہیں لیکن دانا کو اشارہ ہی کافی ہے اور کم فہم کے لئے زیادہ دلائل بھی زیادتی حیرت کے موجب ہو جاتے ہیں۔

دوسری صورت کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اسم، مسمی ہی ہے۔ بایں معنی کہ مسمی، اسم سے مشتق ہے۔ پس وہ اس میں داخل ہے جس طرح اونٹنی، سانڈنی کے مفہوم میں داخل ہے۔

تو اگر یہ مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اسم تسمیہ، مسمی، اور مسمی، ایک ہی چیز ہوں۔ کیونکہ سب کے سب اسم سے مشتق ہیں۔ اور اسم پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ ایک لفظی مغالطہ ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ حرکت تحریک، محرک، اور متحرک سب ایک ہی ہیں۔ اس لیے کہ وہ حرکت سے مشتق ہیں، اور یہ بڑی غلطی ہے، کیونکہ حرکت محض جنبش پر دلالت کرتی ہے جس میں محل اور فعل پر کوئی دلالت نہیں محرک فاعل حرکت پر اور محرک محل حرکت پر دلالت کرتا ہے۔ بایں لحاظ کہ وہ مفعول ہے بخلاف متحرک کے کیونکہ وہ صرف محل حرکت پر دلالت کرتا ہے اور اپنے مفعول

Marfat.com

پر دال نہیں ہے۔اور تحریک فعل حرکت پر دلالت کرتی ہے، بلا فاعل اور محل کی دلالت کے۔پس یہ سب متبائن حقیقتیں ہیں اگر چہ ان سب سے حرکت خارج نہیں ہے لیکن حرکت فی نفسہا ایک خاص حقیقت رکھتی ہے جو عقل میں آسکتی ہے پھر اس کی جو نسبت فاعل کی طرف ہے وہ بھی سمجھ میں آتی ہے اور یہ اضافت ہے جو مضاف سے جدا ہے۔ کیونکہ اضافت دو چیزوں کے درمیان متعقل ہوتی ہے۔مضاف کبھی اکیلا بھی متعلق ہوتا ہے۔اور اس کی نسبت محل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔اور وہ اس نسبت سے جداگانہ ہے، جو فاعل کے ساتھ ہے۔

بات یہ ہے کہ حرکت کی نسبت اپنے محل کے ساتھ اور اس کی حاجت بدیہی بات ہے اور فاعل کی طرف اس کی نسبت نظری و کسبی ہے اس سے دونوں نسبتوں کے وجود کا حکم مراد ہے، نہ تصور تو اسی طرح اسم کی دلالت بھی ہے اور اس کا مدلول بھی ہے جس کو مسمی کہتے ہیں، اور اس کی وضع فاعل مختار کا فعل ہے وہ تسمیہ کہلاتی ہے اب یہ مداخلت ایسی ہے۔جیسے اونٹنی، سانڈنی کے مفہوم میں اور گھوڑا کوئل کے مفہوم میں داخل ہے۔کیونکہ سانڈنی، دراصل اونٹنی ہے جس کے ساتھ خاص صفت شامل ہے پس اونٹنی، سانڈنی میں داخل ہے اور مسمی کی یہ کیفیت نہیں کہ وہ اسم کسی صفت سمیت اور نہ تسمیہ ہی اسم صفت سمیت ہے پس اس میں تاویل درست نہیں۔

تیسری وجہ جس کا مطلب کئی صفتوں کا ایک محل میں موجود ہونا ہے۔وہ بھی دور قیاس ہونے کے علاوہ اسم و مسمی میں جاری نہیں ہوسکتی۔اور نہ اسم و تسمیہ میں جاری ہوسکتی ہے۔ حتی کہ یوں کہا جاسکے کہ ایک ہی چیز اسم اور تسمیہ کہلانے کے لئے موضوع ہے جیسا کہ برف کی مثال میں پایا جاتا ہے کہ ایک ہی چیز سرد اور سفید کہلاتی ہے ورنہ اس کی وہی مثال ہوگی جیسے کوئی کہے کہ صدیق وہ ہے جو ابو قحافہ[۱] کا بیٹا ہے کیونکہ اس کی تاویل یہ ہوگی کہ صدیق ہونا اس شخص کی صفت ہے جو ابو قحافہ کا بیٹا بننے سے منسوب ہے "تو فلاں شے فلاں ہے" کا مطلب یہ ہوگا کہ موضوع ایک ہی ہے حالانکہ دونوں صفتوں کا تبائن یقینی امر ہے چنانچہ صدیق کا مفہوم اور ہے ابو قحافہ کا بیٹا ہونے کا مفہوم اور ہے غرض وہ تاویلات اسم و مسمی اور اسم و تسمیہ میں حقیقتاً یا مجازاً ہرگز نہیں چل سکتیں جن میں یوں کہا جاسکے کہ "فلاں شے فلاں ہے" ان تاویلات میں حقیقی وہ ہے جو مترادف اسماء ہوتی ہے جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ تیغ، شمشیر ہے، بشرطیکہ لغت کی روح سے دونوں لفظوں کے مفہوم میں فرق نہ ہوا گر فرق ہو تو دوسری مثال تلاش کرنی چاہیے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک حقیقت کے کئی نام ہوں۔

[۱] ابو قحافہ حضرت ابوبکرؓ کے باپ کا نام ہے۔

Marfat.com

ہمارے اس قول میں کہ "فلاں شے فلاں ہے" ایک پہلو سے کثرت اور ایک پہلو سے وحدت ہونی چاہیے۔ اور تمام وجود میں سے زیادہ حقیقی وجہ یہ ہے کہ معنی میں وحدت اور صرف لفظ میں کثرت ہو۔

اس لمبے چوڑے اختلاف کے متعلق اسی قدر کافی ہے جو لکھا گیا اس سے تم کو معلوم ہو چکا کہ اسم، تسمیہ، مسمی یہ تینوں الفاظ متبائن مفہوم اور مختلف مقصود رکھتے ہیں ان کی یہ نسبت بجائے اس کے کہ "فلاں فلاں ہے" کہیں یہ کہنا صحیح ہے کہ "فلاں فلاں سے غیر ہے"

تیسرا مذہب جو اسم کو تین قسموں میں منقسم کرتا ہے یعنی ایک وہ جو مسمی ہی ہے اور دوسرا وہ جو مسمی کا غیر ہے، تیسرا وہ جو نہ مسمی ہے نہ مسمی کا غیر۔

یہ مذہب نہایت کج اور سب سے زیادہ مضطرب ہے ہاں یوں تاویل ہو سکتی ہے کہ جس اسم کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے اس سے مراد خود اسم نہیں ہے بلکہ اس کے مفہوم اس میں مراد ہیں اور اسم کا مفہوم اسم سے جدا ہے۔ کیونکہ مفہوم اسم مدلول ہے اور مدلول دلیل سے علیحدہ ہے اور یہ مذکورہ تقسیم مفہوم اسم پر جاری ہوئی ہے۔

پس یوں کہنا صحیح ہوگا کہ اسم کا مفہوم کبھی مسمی کی ذات و حقیقت اور اس کی ماہیت ہوتی ہے اور یہ وہ اسماء انواع ہیں جو مشتق نہیں ہیں۔ مثلاً انسان علم بیاض اور جو اسماء مشتق ہیں وہ حقیقت مسمی پر دلالت نہیں کرتے بلکہ ان میں حقیقت مبہم رہتی ہے۔ اور وہ مسمی کی کسی صفت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً عالم اور کاتب، پھر اس کے بعد مشتق کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو ایسی وصف پر دلالت کرے جو مسمی میں حال ہو جیسے عالم ابیض وغیرہ۔

دوسری قسم وہ جو کسی غیر اور علیحدہ چیز کے ساتھ اپنی نسبت پر دلالت کرے مثلاً خالق اور کاتب۔

پہلی قسم کی تعریف یہ ہے کہ وہ اسم جو "کیا ہے" کہ جواب میں بولا جاتا ہے۔

چنانچہ جب کسی شخص کی طرف اشارہ کر کے کہیں "یہ کیا ہے" اور یوں نہ کہیں کہ "کون ہے" تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ "انسان ہے" اگر کوئی یوں کہہ دے کہ "حیوان ہے" تو یہ ماہیت کے سوال کا جواب نہ ہوگا کیونکہ ماہیت صرف حیوانیت سے نہیں بنی بلکہ حیوان ناطق سے بنی ہے تو انسان حیوان ناطق کا اسم ہے۔

اگر اس سوال کے جواب میں انسان کی بجائے کہیں "سفید ہے" یا "طویل ہے" یا "عالم ہے" یا "کاتب ہے" تو یہ جواب ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ سفید کا مفہوم ایک مبہم شے ہے جس

Marfat.com

میں سفیدی کا وصف ہے کیا معلوم وہ کونسی شے ہے اور عالم کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جس میں علم کا وصف ہو اور کاتب کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جو کتابت کا فعل کرتی ہو ہاں بطور خود یوں سمجھ جائیں گے کہ کاتب انسان ہی ہوتا ہے مگر یہ امور خارجیہ کے ذریعہ سے سمجھیں گے (خاص لفظ کاتب میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے)

اس طرح جب رنگ کی طرف اشارہ کیا جائے اور پوچھا جائے یہ کیا ہے تو جواب ہوگا کہ سفیدی ہے اگر اسم مشتق اس کے جواب میں بولا جائے مثلاً سفید ہے یا چمکیلا ہے تو یہ جواب کافی نہ ہوگا کیونکہ کیا ہے کے سوال سے تو ذات کی حقیقت اور ماہیت مطلوب تھی اور سفید مبہم شے ہے جس میں سفیدی ہوتی ہے اسی طرح چمکیلی کوئی شے ہے جس میں چمک پائی جاتی ہے غرض یہ تقسیم اسماء کے مدلول و مفہوم میں درست ہے اس قسم کی تعبیر یوں بھی ہو سکتی ہے کہ اسم کبھی تو ذات پر دلالت کرتا ہے اور کبھی فہم کے غیر پر، اور یہ سرسری اطلاق کے طور پر ہوگا چنانچہ ہمارا یہ کہنا کہ کبھی ذات کے غیر پر دلالت کرتا ہے اگر اس کی اس طرح توضیح نہ کی جائے کہ اس سے ماہیت کا غیر مراد ہے؟ جو کیا ہے کہ جواب میں بولی جاتی ہے تو یہ کہنا ہرگز صحیح نہ ہوگا کیونکہ مثلاً عالم ایک ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو علم سے موصوف ہے اور لفظ علم صرف علم پر دال ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذہب مذکور کے اس قول میں کہ اسم کبھی مسمی کی ذات ہوتا ہے دو خرابیاں ہیں اور دونوں کی اصلاح لازم ہے ایک (۱) تو یہ کہ اسم کی جگہ مفہوم اسم کہنا چاہیے۔

دوم (۲) یہ کہ ذات کی جگہ ماہیت ذات کہنا ٹھیک ہے۔

اب عبارت یوں ہوئی مفہوم اسم کبھی ذات کی حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے اور کبھی حقیقت کا غیر ہوتی ہے مذکورہ مذہب والوں نے جو یہ کہا ہے خالق مسمی سے غیر ہے تو اگر اس میں خالق سے لفظ خالق مراد ہے (اور لفظ ہمیشہ مدلول لفظ سے غیر ہوتا ہے)۔

توضیح ہے اور اگر لفظ خالق کا مفہوم مسمی کا غیر مراد ہے تو یہ محال ہے کیونکہ خالق اسم ہے اور ہر اسم کا مفہوم اس کا مسمی ہے اگر اس سے مسمی سمجھ میں نہ آئے تو وہ اس کا اسم نہ ہوگا۔

اور خالق خلق (پیدا کرنا) کا اسم نہیں ہے اگرچہ خلق اس میں داخل ہے اور کاتب کتابت کا اسم نہیں ہے اور نہ مسمی کی تسمیہ کا اسم ہے بلکہ خالق ذات کا اسم ہے اس حیثیت سے کہ اس سے فعل خلق صادر ہوتا ہے اور خالق سے کبھی ذات مفہوم ہوتی ہے لیکن صرف حقیقت ذات مفہوم نہیں ہوتی بلکہ ذات اس حیثیت سے کہ اس میں صفت اضافی موجود ہے جیسے ہم باپ کا

Marfat.com

لفظ بولیں تو اس سے بیٹے کی ذات مفہوم نہیں ہوتی بلکہ باپ کی ذات مفہوم ہوتی ہے اس حیثیت سے کہ اس کو باپ کی طرف اضافت ہے۔

اوصاف دو قسم کے ہوتے ہیں ایک اضافی دوسرے غیر اضافی اور ان تمام کے ساتھ ذاتیں موصوف ہیں اگر کوئی سوال کرے کہ خالق وصف ہے اور ہر وصف میں اثبات ہوتا ہے اور اس لفظ کے مضمون میں اثبات نہیں ہے سوائے خلق کے اور خلق یا خالق سے غیر ہے اور خالق میں خلق کا کوئی وصف حقیقی نہیں ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مسمی کے غیر کی طرف رجوع کرتا ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ اسم سے مسمی کا غیر سمجھا جاتا ہے متناقض ہے جیسے کوئی کہے کہ دلیل سے مدلول کا غیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ مسمی سے مراد اسم کا مفہوم ہے تو پھر مفہوم مسمی کا غیر اور مسمی مفہوم کا غیر کیوں ہو سکتا ہے اور قائل کا یہ قول کہ خالق میں خلق کا کوئی وصف نہیں اور کاتب میں کتابت کا وصف ہے ٹھیک نہیں اس امر کی دلیل کہ وہ اس کا وصف رکھتا ہے یہ ہے کہ وہ کبھی اس سے موصوف کیا جاتا ہے اور کبھی اس سے اس وصف کی نفی کی جاتی ہے اور اضافت مضاف کا اس طرح وصف ہے جس طرح بیاض وصف ہے جو مضاف نہ ہو وصف اضافت کا بھی اثبات و نفی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ جو شخص زید اور بکر کو جانتا ہے پھر یہ معلوم کرتا ہے کہ زید بکر کا باپ ہے تو ضرور اس نے ایک نئی بات معلوم کی ہے اور یہ شئے یا تو وصف ہے یا موصوف ہے اور وہ شئے موصوف کی ذات نہیں بلکہ وصف ہے اور وہ وصف قائم بنفسہ نہیں بلکہ وہ زید کے ساتھ قائم ہے۔

پس اضافتیں اوصاف کے قبیل سے ہیں جن کے موصوف مضافات ہیں مگر ان کا مضمون اور چیزوں کے مابین قیاس کیے بدون سمجھ میں نہیں آتا اور یہ امر ان کو اوصاف ہونے سے منع نہیں کرتا۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ خالقیت کے ساتھ موصوف نہیں تو اس نے کلمہ کفر کہا جیسا کہ یوں کہنا کفر ہے وہ عالمیت کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔

سائل مذکورہ اس خبط میں بایں باعث پڑتا ہے کہ متکلمین کے نزدیک اضافت اعراض[1] کے زمرہ میں شمار نہیں کی گئی اگر ان سے سوال کیا جائے کہ عرض کے معنی کیا ہیں تو جواب دیں گے کہ یہ وہ چیز ہے جو محل میں موجود ہے اور قائم بنفسہ نہیں ہے۔

[1] حکما کے نزدیک موجودات عالم دس قسم پر منقسم ہیں جن میں سے ایک جوہر ہے جو قائم بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر......

Marfat.com

سوال۔ کیا اضافت قائم بنفسہ ہے؟

جواب۔ نہیں۔

سوال۔ کیا اضافت معدوم ہے؟

جواب۔ نہیں بلکہ موجود ہے۔

سوال۔ اس کی مثال؟

جواب۔ جیسے کسی کا باپ ہونا اضافت ہے اگر یہ اضافت معدوم ہوتی تو جہاں بھر میں کوئی باپ نہ ہوتا۔

سوال۔ کیا یہ اضافت یعنی باپ ہونا قائم بنفسہ ہے؟

جواب۔ نہیں

اب ان کو مجبوراً یہ ماننا پڑے گا کہ وہ محل میں موجود ہے۔ اور بنفسہ قائم نہیں بلکہ محل میں قائم ہوتی ہے۔ اور یہ پہلے ہی مانتے ہیں کہ عرض سے مراد وہی چیز ہے جو محل میں موجود ہوتی ہے مگر پھر مکر جائیں گے اور اضافت کو عرض تسلیم کرنے سے صاف انکار کریں گے۔

اس مذہب والوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ بعض اسم ایسے ہیں جن کو نہ مسمی کہہ سکتے ہیں اور نہ مسمی کا غیر کیونکہ وہ اس مثال میں عالم پیش کریں گے اور اس کی نسبت جب بھی عذر کیا جاتا ہے کہ شرع نے اللہ کے حق میں اس کے اطلاق کی اجازت نہیں دی تو کبھی تو یہ جواب ملتا ہے کہ حق وصدق کی تصریح خاص اذن پر موقوف نہیں اور کبھی سائل کو ذرہ رعایت دی جاتی ہے اور نگاہ تحقیق انسان کی طرف پھیری جاتی ہے جبکہ وہ علم کے ساتھ موصوف ہو تو ہم کہتے ہیں کہ علم انسان سے غیر ہے۔ چنانچہ ایک وقت انسان موجود تھا مگر اس کا علم نہ تھا اور علم کی تعریف انسان کی تعریف سے جدا ہے۔

سوال، علم انسان سے غیر ہے لیکن جب ایک شخص خاص کی نسبت کہیں کہ وہ عالم ہے اور انسان ہے تو عالم انسان نہ ہوگا۔ نہ اس سے غیر ہوگا۔ کیونکہ انسان اس سے موصوف ہے۔

جواب یہ ایک سوال کاتب اور نجار میں بھی لازم آتا ہے وہاں بھی کتابت اور نجارت

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... بالذات ہوتا ہے باقی نو اعراض ہیں جو قائم بالغیر ہوتے ہیں اور وہ یہ ہے (۱) کم (۲) کیف (۳) اضافت (۴) عین (۵) فعل (۶) انفعال (۷) مسمی (۸) وضع (۹) اور متکلمین کے نزدیک اضافت اعراض میں شامل نہیں (مترجم)

Marfat.com

سے انسان موصوف ہے۔ علاوہ ازیں یہ نقطہ تفصیل چاہتا ہے اور وہ یہ کہ لفظ انسان کا مفہوم لفظ عالم کے مفہوم سے جدا ہے، کیونکہ انسان کا مفہوم حیوان ناطق و عاقل ہے۔ اور عالم کا مفہوم ایک مبہم شے ہے جس کو علم ہے پس یہ دونوں لفظ ایک دوسرے سے جدا ہیں ایک کا مفہوم دوسرے سے جدا ہے پس اس جہت سے اس سے غیر ہے یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ شے فلاں شے ہے۔ دوسری جہت سے وہ شے فلاں فلاں ہے اور اس جہت سے یہ کہنا درست نہیں کہ وہ اس سے غیر ہے اور یہ یوں ہے کہ جب تم ایک خاص ذات پر نظر کرو جو انسان کے ساتھ موسوم ہو اور ساتھ ہی عالم اس کا وصف ہو تو بیشک جو ذات انسان سے موسوم ہے وہی عالم سے موصوف ہے جیسے کہ وہ شے جس کا نام برف ہے ٹھنڈی اور سفیدی سے موصوف ہے تو اس قیاس سے تو وہ وہی ہے اور پہلے اعتبار سے وہ اس سے غیر ہے۔ یہ امر از روئے عقل محال ہے کہ ایک ہی اعتبار میں نہ فلاں شے فلاں ہو اور نہ اس سے غیر ہو۔ جیسے کہ یہ امر محال ہے یہ فلاں شے فلاں ہو اور اسی فلاں سے غیر بھی ہو کیونکہ فلاں اور غیر فلاں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ اور یہ تقابل نفی و اثبات کا ہے پس ان کے درمیان واسطہ نہیں ہے۔

جو شخص مذکورہ تقریر جو سمجھ چکا اس کو معلوم ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کے لئے قدرت اور علم کے اوصاف ذات سے زائد ثابت ہو گئے تو ایک ایسی چیز ثابت ہو گئی جو ذات سے غیر ہے اور یہ غیریت لفظاً نہیں بولی جاتی تو معناً ثابت ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ علم کی تعریف بیان کی جاتی ہے تو اس میں اللہ کا علم داخل ہوتا ہے۔ اور اس کی قدرت اور ذات داخل نہیں ہوتی اور جو چیز تعریف سے خارج ہے وہ اس چیز سے غیر کیوں نہ ہو جو تعریف میں داخل ہے وہ اس امر سے جدا ہے جو تعریف سے خارج ہے اور اس مقام پر لفظ غیر کا اطلاق محال قرار دے وہ ان لوگوں میں سے ہے جو لفظ غیر کے معنی نہیں سمجھتے مگر مجھے یقین نہیں کہ وہ لفظ غیر کے معنیٰ نہ سمجھتا ہو کیونکہ اس کے معنی صاف ظاہر ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ ایسا دعویٰ صرف زبانی ہی زبانی کرتا ہو اور دل میں اس کو غلط سمجھتا ہو اور سچی اور حقیقی بحث سے یہ مدعا نہیں ہوتا کہ کسی کی زبان بند کی جائے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ اس کے دل کو راہ راست پر لا کر حق کا قائل کیا جائے پھر زبان خواہ حق کی قائل ہو یا نہ ہو۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسم ہی مسمیٰ ہے وہ بایں مجبوری اس کے قائل ہوئے ہیں کہ کہیں یہ کہنا نہ پڑے کہ اسم اصطلاح میں وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے جس سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم نہ تھا کیونکہ اس وقت نہ کوئی لفظ تھا

Marfat.com

نہ الفاظ ادا کرنے والا تھا اس لئے لفظ حادث ہے اور اللہ قدیم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کمزوری ضرورت ہے جس کا رفع کرنا آسان بات ہے یعنی کہا جاسکتا ہے کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معنی ازل میں ثابت تھے اور اسماء نہیں تھے کیونکہ اسماء عربی یا عجمی زبان سے ہیں اور تمام زبانیں حادث ہیں یہ قیاس ان تمام اسماء میں جاری ہو سکتا ہے جو معنی ذات یا صفت ذات کی طرف راجع ہوتے ہیں مثلاً قدوس کیونکہ خداوند تعالیٰ ازل میں قدس کی صفت سے موصوف تھا اور مثلاً عالم کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں عالم تھا۔

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وجود اشیاء کے تین مرتبے ہیں۔

(۱) ایک تو اعیان خارجیہ میں۔ اور خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کا یہ وجود قدامت سے موصوف تھا۔

(۲) دوسرا وجود ذہن میں ہے۔ اور یہ وجود حادث ہے کیونکہ خود ذہن ہی حادث ہے۔

(۳) تیسرا وجود زبان پر۔ اور یہ اسماء ہیں۔ یہ وجود بھی حادث ہے کیونکہ زبان حادث ہے۔

ہاں موجود ذہنی سے ہماری مراد علم ہے اور یہ بھی جب خدا کی طرف منسوب کیا جائے تو قدیم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے موجود اور عالم ہے اور ازل سے جانتا ہے کہ میں موجود اور عالم ہوں۔

اور اس کا وجود فی نفسہ بھی۔ اور اس کا علم بھی دونوں طرح ثابت ہے۔ اور جو اسماء آئندہ ایک وقت میں اپنے بندوں کو بتائے اور ان کی زبان پر چڑھانے اور ان کے ساتھ ان کے کانوں کو مانوس کرنے والا تھا وہ بھی اس کو ازل سے معلوم ہیں پس اس تاویل سے یہ کہنا جائز ہو جاتا ہے کہ ازل میں اس کے اسماء تھے۔

رہے وہ اسماء جو فعل کی طرف راجع ہوتے ہیں جیسے خالق، مصور، وھاب، سوائے ان کے متعلق محققین کے خیالات مختلف ہیں۔

(۱) ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ازل ہی سے خالق ہونا اس کی صفت ہے۔

(۲) دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ازل سے وہ اس کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔

مگر اس اختلاف کی کوئی اصلیت نہیں کیونکہ خالق کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی تو ازل میں قطعاً ثابت ہے اور دوسرا معنی یقیناً منفی ہے۔ اور اس میں اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

Marfat.com

دیکھو تلوار بہر حال تیغ براں کہلاتی ہے خواہ غلاف میں پڑی ہو یا میدان جنگ میں اپنا کام کر رہی ہو فرق اتنا ہے کہ غلاف میں وہ تیغ براں بالقوہ ہے اور میدان مقابلہ میں بالفعل اس صفت سے موصوف ہے۔

پیاس بجھانے والا پانی جب کوزہ میں ہوتا ہے۔ تو بھی پیاس بجھانے والا کہلاتا ہے لیکن اس وقت اس کی یہ صفت بالقوہ ہوتی ہے۔ اور میدہ میں بالفعل پیاس بجھانے والا ہوتا ہے کوزہ میں اس کے سراب کو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے جس کی وجہ سے وہ میدہ میں پہنچتے ہی پیاس بجھا دیتا ہے اور یہ صفت اس کی ماہیت ہے۔

اور تیغ کے غلاف میں براں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے کہ جس کی وجہ سے کسی جزو بدن پر پڑتی ہے اس کو کاٹ ڈالتی ہے اور یہ وصف اس کی تیزی ہے کیونکہ وہ اپنا کام کرنے کیلئے فی نفسہ کسی جدید وصف کی محتاج نہیں ہوتی۔

پس باری تعالیٰ ازل میں اسی طرح خالق ہے جس طرح وہ عالم وقدوس وغیرہ ہے اور اسی طرح عبد میں ہوگا خواہ کوئی ان اسماء سے اس کو موسوم کرے یا نہ کرے۔

بحث وجدل میں حصہ لینے والوں کو زیادہ تر اس وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ وہ اسماء مشترکہ کے معنوں میں تمیز نہیں کر سکتے۔

اگر وہ ان میں تمیز کریں تو اکثر اختلافات رفع ہو سکتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم و آباؤ کم" یعنی نہیں عبادت کرتے تم اسکے سوا مگر ناموں کی جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مقرر کیا ہے اور یہ معلوم ہی ہے کہ وہ لوگ الفاظ کی پرستش نہیں کرتے تھے جو حروف مقطعات ہیں بلکہ وہ مسمیات کی پرستش کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل کا پیش کرنے والا اس کی دلالت کی وجہ نہیں سمجھا سکتا تاوقتیکہ یہ نہ کہے کہ وہ مسمیات کی پرستش کرتے تھے تاکہ اسماء کی تو اس کے کلام میں اس امر کی تصریح کی گئی ہو کہ اسماء مسمیات سے جدا ہیں بلکہ مسمیات کو پوجتے تھے تو اس کا کلام متناقض ہوگا اور اگر یوں کہے کہ وہ لوگ مسمیات تو نہیں بلکہ اسماء کو پوجتے تھے تو اس قول کا مفہوم متناقض نہیں ہوگا تو اگر اسماء ہی مسمیات ہوں تو دوسرا قول پہلے قول کی طرح متناقض ہوتا۔

یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ معبودوں کے نام جو انھوں نے بتوں کے لئے مقرر کر رکھے تھے وہ اسماء بامسمیٰ تھے کیونکہ مسمیٰ وہ معنی ہے جو اعیان میں ثابت ہے اس

Marfat.com

حیثیت سے کہ اس لفظ پر دلالت کرتا ہے اور اعیان میں کوئی معبود موجود نہ تھا نہ ذہن میں معلوم تھا بلکہ صرف نام ہی نام زبان پر موجود تھے پس وہ ایسے اسماء تھے جن کے موضوع لغو اور معنی کچھ نہ تھے۔

جس کا نام حکیم پڑ جائے وہ فی الحقیقت حکیم نہ ہو اور وہ حکیم حکیم کہلا کر خوش ہوتا ہو تو طنزاً کہا کرتے ہیں کہ صرف اسم پر خوش ہو رہا ہے کیونکہ یہاں اسم کے کوئی معنی موجود نہیں ہیں۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسم مسمی سے جدا ہے کیونکہ اس نے اسماء کو تسمیہ سے ملایا ہے اور تسمیہ کو ان سے منسوب کیا ہے اور اس کو ان کا فعل قرار دیا ہے اور فرمایا اسمآء سمیتموها "یعنی وہ نام جو ان کے فعل اور ان کے نام رکھنے سے پیدا ہوا اور بتوں کے وجود تو ان کے نام رکھنے سے پیدا نہیں ہوئے تھے۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ نے فرمایا ہے "سبح اسم ربك الاعلیٰ "یعنی پاکی سے اپنے بزرگ کے نام کی اور پاکی کے ساتھ ذات ہی یاد کی جاتی ہے نہ کہ اسم جواب یہ ہے کہ اسم کا لفظ یہاں صفت کے طور پر بڑھایا گیا ہے اہل رب کے بعض محاورات اسی طرح واقعہ ہوئے ہیں اس کی مثال خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "لیس کمثله شیء "جیسے کہا جاتا ہے "لیس ولده احدٌ" جس میں ولد کا اثبات ہوتا ہے بلکہ اس میں کاف زائد ہے یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اسم کے ذریعہ سے مسمیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو جس سے مسمیٰ کی تعظیم مراد ہو جس طرح شریف جناب حضرت حضور درگاہ سے اشارہ کیا جاتا ہے اور کہا کرتے ہیں امیر کے حضور میں سلام عرض ہے پیر و مرشد کی جناب میں گیا تھا بندہ درگاہ کی یہ التماس ہے۔ جس سے امیر اور پیر و مرشد اور صاحب درگاہ مراد ہوتے ہیں۔ اور اظہار عظمت کے لئے ان امور کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن کا ان سے ایک قسم کا تعلق ہوتا ہے اور اس تعلق سے کسی صاحب بصیرت کو اصل وضع میں التباس ہونا چاہیے۔ اور کیونکہ التباس ہو جبکہ اسم کو مسمیٰ سے غیر کہنے والوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ "ولله الاسماء الحسنیٰ "یعنی اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ اور رسول ﷺ کا یہ قول ہے کہ "ان لله سبحانه تسعا وتسعين اسما مائة الا واحد من احصاها دخل الجنة "یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو۔ کوئی ان سب کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا اور کہتے ہیں اگر اسم، مسمیٰ ہی ہوتا تو مسمیٰ کی تعداد معاذ اللہ ننانوے ہوتی۔ اور وہ محال ہے کیونکہ مسمیٰ ایک ہی ہے پس ان لوگوں کو یہاں مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ اسم مسمیٰ کا غیر ہے۔

Marfat.com

یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اسم سے تسمیہ مراد ہونا جائز ہے۔ نہ کہ مسمّیٰ جیسے کہ دوسرے فریق نے تسلیم کیا ہے کہ اسم سے کبھی مسمّیٰ بھی مراد ہوتا ہے اگر چہ وہ دراصل مسمّیٰ سے غیر ہی ہو اور اس دعویٰ میں وہ آیت سبح اسم ربک الاعلی پیش کرتے ہیں مگر یہ فریق بخوبی استدلال نہیں کر سکتے۔

ان دونوں کا جواب یہ ہے کہ سبح اسم ربک الاعلی کا تمام مافیہ وماعلیہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں رہا مذکورہ بالا استدلال سو ان کا یہ جواب ہے کہ ''اسم و مسمّیٰ ایک ہی ہیں اور یہاں اسم سے مراد تسمیہ ہے'' غلط ہے''۔ جس کے دو سبب ہیں۔

ایک تو یہ کہ جو شخص اسم و مسمّیٰ کے ایک ہونے کا قائل ہے اس کو یہ کہنا دشوار نہیں کہ یہاں ننادے مسمّیٰ ہیں کیونکہ اس قائل کے نزدیک مسمّیٰ سے مراد مفہوم اسم ہے۔

اور علیم کا مفہوم قدیر کے مفہوم سے جدا ہے اسی طرح قدوس کا مفہوم خالق کے مفہوم کا غیر ہے۔ ''علیٰ ھذاالقیاس فانھم'' تمام اسماء میں سے ہر اسم کا مفہوم و معنی جداگانہ ہے ۔اگر چہ سب کا نتیجہ ایک ہی ذات کے وصف پر منتہی ہو جاتا ہے تو گویا یہ قائل یوں کہتا ہے کہ اسم سے مراد اس کا معنی ہے اور ''وللہ الاسماء الحسنیٰ'' کے معنی میں یوں کہنا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اچھے معنی ہیں۔ کیونکہ مسمیات معانی ہی ہیں جن میں لامحالہ کثرت ہے۔

دوسرا یہ کہ اسم سے مراد یہاں تسمیہ ہونا غلط ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تسمیہ کے معنی ذکر اسم یا ذکر وصف کے ہیں اور اسم خواہ ایک ہی ہو اسم کا ذکر کرنے والوں کی کثرت سے تسمیہ میں بھی کثرت آجاتی ہے جیسے ذاکروں اور عالموں کی کثرت سے ذکر اور علم میں کثرت آجاتی ہے خواہ مذکور اور معلوم ایک ہی ہو پس تسمیہ کی کثرت اسماء کی کثرت کی محتاج نہیں ہے کیونکہ وہ محض اسم کا ذکر کرنے والوں کے افعال ہیں لہذا کثرت اسماء سے مراد یہاں تسمیات نہیں بلکہ اسماء ہیں اور اسماء وہ الفاظ موضوعہ ہیں جو معانی مختلفہ پر دلالت کرتے ہیں تو اب تاویل میں کجروی اختیار کرنے کی ضرورت نہیں خواہ اسم کے مسمّیٰ ہونے کا اعتراف کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

اس مسئلہ کی تحقیق میں اسی قدر بحث کافی ہے۔ اگر چہ یہ بحث قلیل المنفعت ہونے کے باعث اس طول کی مستحق نہ تھی۔ لیکن ہمارا مدعا یہ تھا کہ اس قسم کی مباحث میں غور و خوض کرنے کا طریقہ سکھا دیا جائے تاکہ طالبان حق بعض ایسے مسائل میں جو اس سے بھی زیادہ اہم ہیں اس طریقہ سے کام لے سکیں۔

Marfat.com

دوسری فصل

اسماء قریب المعنی کا بیان اور اس امر کا ذکر کہ کیا ایسے اسماء کا مترادف ہونا جائز ہے یا ان کے مفہومات مختلف ہونا لازم ہے

واضح ہو کہ جن حضرات نے ان اسماء کی شرح کا بیڑا اٹھایا ہے۔ انھوں نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی اور اس بات کو بعید نہیں سمجھا کہ دو اسم صرف ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہوں مثلاً کبیرؔ اور عظیمؔ۔ قادر اور مقتدر، خالق اور باری، مگر میں اس امر کو نہایت بعید سمجھتا ہوں خصوصاً جبکہ ایسے دونوں اسم ننانوے اسماء میں سے ہوں۔ کیونکہ اسم سے حروف مقصود نہیں ہے۔ بلکہ معنی مقصود ہیں اور اسمائے مترادف کے محض حروف ہی مختلف ہوتے ہیں۔ اور ان اسماء کی فضیلت صرف ان معنوں کے لحاظ سے ہے جو ان میں مذکور ہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی اسم معنی سے خالی رہ جائے اور الفاظ ہی الفاظ رہ جائیں تو اس میں کوئی فضیلت نہ ہوگی ایک معنی پر اگر ہزار الفاظ دلالت کرتے ہوں تو اس معنی کو ایسے معانی پر جس پر صرف ایک اسم دال ہو کوئی فضیلت نہ ہوگی

غرض یہ بات نہایت نا درست معلوم ہو رہی ہے کہ محصور تعداد کو صرف الفاظ کے تکرار سے پورا کیا گیا ہو بلکہ قرین عقل یہ بات ہے کہ ہر لفظ کے تحت میں خاص معنی ہوں تو جب دو لفظ متقارب پائیں تو ان کے اندر دو امروں میں سے ایک امر ضرور ہوگا۔

ایک امر تو یہ کہ ان دونوں اسموں میں سے ایک اسم ننانوے کی تعداد سے خارج ہے مثلاً الاحد اور الواحد کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مشہور روایت میں الواحد آیا ہے اور دوسری روایت میں الواحد کے بجائے الاحد وارد ہوا ہے۔

تو اب اس تعداد کی تکمیل توحید کے معنی سے ہوگی جو خواہ لفظ واحد سے لیئے جائیں یا لفظ احد سے۔ یا ان دونوں اسموں کو تکمیل عدد کے لئے دو اسموں کے قائم مقام سمجھا جائے اور معنی ایک ہی ہوں یہ امر میرے نزدیک دور از عقل ہے۔

دوسرا امر یہ کہ ایک اسم کو دوسرے اسم پر کوئی نہ کوئی معنوی فوقیت ہے اور اس میں

Marfat.com

ایک ایسی دلالت ہے جو دوسرے اسم میں نہیں ہے، اس کی مثال ''الغافر'' اور ''الغفور'' اور ''الغفار'' ہیں۔

اگر ان کو تین اسم جدا جدا تسلیم کیا جائے تو کوئی بعید نہیں ہے کیونکہ غافر صرف اصل مغفرت پر دلالت کرتا ہے اور غفور گناہوں کی کثرت کے لحاظ سے کثرت مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جو ذات صرف ایک قسم کے گناہوں کی مغفرت کرے اس کو غفور نہیں کہہ سکتے۔ اور غفار تکرار کے طور پر کثرت غفران پر دال ہے یعنی وہ پے در پے گناہ مغفرت کرتا ہے حتیٰ کے جو ذات تمام گناہ بخشدے مگر پہلی ہی مرتبہ بخشے اور دوبارہ کیے ہوئے گناہ کو نہ بخشے وہ اسم غفار کے مستحق نہیں۔

یہی کیفیت ''غنی'' اور ''ملک'' کی ہے۔ کیونکہ غنی وہ جو کسی چیز کا محتاج نہ ہو ملک بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا لیکن ہر چیز اس کی محتاج ہوتی ہے۔ تو ''ملک'' میں ''غنی'' سے زائد معنی پائے گئے اسی طرح علیم اور خبیر میں امتیاز ہے کیونکہ علیم وہ اسم ہے جو صرف علم پر دلالت کرتا ہے۔ اور خبیر امور باطنہ کے متعلق جو علم ہو اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس اتنا سا تفاوت ہی اسماء کو مترادف نہیں ہونے دیتا۔ اور ان میں اونٹنی اور سانڈنی اور گھوڑے اور کوئل کا سا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس قسم کے بعض اسماء متقاربہ میں ہم ان دونوں مسلکوں پر چلنے سے عاجز آ جائیں تو چاہیے کہ کم از کم ان دو لفظوں کے معنوں میں کسی نہ کسی وجہ سے تفاوت ہونے کا ہم اعتقاد رکھیں۔ اگرچہ اُن کے مابہ الافتراق پر کوئی نص ہم کو نہ ملے۔ مثلاً ''عظیم'' اور ''کبیر'' اب ان میں جو معنوی فرق ہے خدا کے بارے میں ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن بعینہٖ کو اصل فرق میں کوئی شک نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری'' اس لحاظ سے ان میں ایک ایسا فرق ہے جو خاص تفاوت پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ ردا (چادر اور ازار، تہبند) دونوں انسان کے لئے زینت ہیں لیکن ازار سے اشرف ہے۔

اسی طرح اللہ اکبر کو نماز کی کلید بنایا گیا ہے اور جو لوگ افہام ناقہ رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ اعظم[1] ان الفاظ کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح اہل عرب اپنے استعمال میں بڑا فرق رکھتے تھے چنانچہ کبیر کو ایسے مقاموں

---

[1] اس فقرہ میں امام اعظمؒ کے مذہب پر جرح ہے جن کے نزدیک اللہ اعظم کے الفاظ سے بھی افتتاح نماز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ امام غزالیؒ شافعی المذہب ہیں۔ مترجم

Marfat.com

میں استعمال کرتے ہیں جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا ہے اگر یہ دونوں لفظ مترادف ہوتے تو یقیناً ہر مقام میں دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے۔

اہل عرب کہا کرتے ہیں فلاں اکبر سناً من فلاں یوں نہیں کہتے کہ اعظم سناً۔

اسی طرح جلیل بھی کبیر اور عظیم سے جدا ہے کیونکہ جلال میں صفات شرف کی طرف اشارہ ہے اس لیے یوں نہیں کہا جاتا کہ فلاں اجل سناً من فلاں اور اکبر سناً ہی کہا کرتے ہیں۔

اور کہا کرتے ہیں الفرس اعظم من الانسان یوں نہیں کہتے کہ اجل من الانسان۔

غرض یہ کہ اسماء معنی کی روح سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ لیکن مترادف نہیں ہیں۔

علی الجملہ جو اسماء ننانوے اسماء میں سے ہیں ان میں ترادف محض بعید ہے کیونکہ اسماء سے مراد حروف اور آوازوں کے مخارج نہیں ہیں بلکہ ان کے مفہومات اور معانی مراد ہیں پس یہ ایک اصولی امر ہے۔ جس کا اعتقاد ضروری ہے۔

تیسری فصل

مختلف معنوں والے اسم کا بیان

جو اسم چند مختلف معنوں میں مشترک ہے۔ جیسے المؤمن جس سے کبھی تصدیق مراد ہوتی ہے اور کبھی وہ امن سے مشتق ہوتا ہے اور اس سے امن و امان کا افادہ مراد ہوتا ہے تو کیا یہ جائز ہے کہ اس کو دونوں معنوں پر اسی طرح محمول بحمل عموم کیا جائے جس طرح علیم کو غیب و آشکارا اور ظاہر و باطن کے علم پر حمل کیا جاتا ہے۔

ایسے اسم کو جب لغت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ ایک اسم مشترک کو تمام مسمیات پر محمول بحمل عموم کیا جائے کیونکہ اہل عرب رجل کا اسم بول کر اس سے رجال کا تو ہر فرد مراد لیتے ہیں اور یہی عموم ہے مگر عین کا اسم بول کر اس سے سورج کا ، اور دنیا اور کفا میزان ، اور چشمہ اور آنکھ یکبارگی مراد نہیں لیتے اور یہ لفظ مشترک ہے بلکہ ایسا لفظ اپنے ایک معنی کے لئے بولا جاتا ہے اور اس معنی کی تمیز قرینے سے ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ سے اصول میں مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے اسم مشترک جب مطلقاً

Marfat.com

وارد ہوا ہو تو اپنے تمام مسمیات پر حمل کیا جاتا ہے جس طرح علیم علم پر حمل کیا جاتا ہے تاوقتیکہ کوئی قرینہ تخصیص پر دلالت نہ کرے۔

یہ روایت اگر صحیح ہے تو بعید ہے۔ بلکہ مطلق لفظ عین لغت کی جہت سے مبہم ہے۔ تاوقتیکہ کوئی خاص قرینہ تعین پر دلالت نہ کرے۔

تعمیمات کو زبان پر لانے سے شرع نے اکثر منع کیا ہے ایسے مقامات میں اسم کا معنی بیان کرنے میں شرع پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور ہر اسم کا وہی معنی لینا چاہیے جو زیادہ قریب ہو۔ باقی کو نظر انداز کر دینا چاہیے، ہاں جب شرع نے کسی نقطہ میں خاص تصرف کیا ہو اور اس کی وضع و تصرف کا یہ منشا ہو کہ مطلق لفظ سے اس کے تمام معنی مراد لیے جائیں چنانچہ اسم مؤمن شرع میں مصدق پر محمول اور لغت کی وضع سے نہیں۔ بلکہ شرع کی وضع سے امن کے معنی کا فائدہ بھی دے جیسے کہ اسم صلوٰۃ اور صوم شرع کے تصرف اور وضع سے بعض ایسے معنوں کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں جنکی مقتضی وضع لغت نہیں ہے اور یہ امر بعید نہیں ہے بشرطیکہ کوئی دلیل موجود ہو لیکن اس وقت ایسا نہیں ہو سکتا۔ جبکہ کوئی دلیل اس امر کی موجود نہ ہو کہ شرع نے وضع کو بدل ڈالا ہے اور میرا ظن غالب یہی ہے کہ شرع نے وضع کو متغیر نہیں کیا۔

مصنفین میں سے جو شخص کہتا ہے کہ اسمائے باری تعالیٰ میں سے کوئی خاص اسم جب کئی معنوں کا محتمل ہو۔ اور ان میں سے کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص ہونے کی عقلی دلیل موجود نہ ہو تو اس کو تمام معنوں پر بطریق عموم حمل کیا جائے گا۔ وہ نہایت دور از قیاس بات کا قائل ہے ہاں بعض متقارب معنی ایسے ہیں جن کا اختلاف اضافات کی طرف راجع ہوتا ہے ان کا تشابہ عموم سے ملتا جلتا ہے پس ایسے اسم میں تعمیم اقرب ہے۔ جیسے السلام کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ عیب و نقص سے سلامتی مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس اسم سے اس ذات کی بدولت اور اس کی طرف سے خلقت کی سلامتی مراد ہو پس یہ اور اس قسم کے اور اسماء عموم سے مشابہ ہیں جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زیادہ میلان منع تعمیم کی طرف ہے۔ اور بعض معنی کی تعمیم اجتہاد ہی کے ذریعہ سے پیدا کی جاتی ہے۔

اب واضح ہو کہ مجتہد کو تعین پر آمادہ یا تو یہ بات کرتی ہے کہ وہ معنی زیادہ مناسب ہوتے ہیں۔ جیسے مؤمن کے معنی "امان دینے والا" اور "ایمان لانے والا" کے معنی کی نسبت اللہ کے حق میں زیادہ مناسب ہے کیونکہ ایمان لانا خدا کے سوا دوسری موجودات کے لئے شایاں ہے بلکہ ان پر واجب ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے کلام کی تصدیق کریں اس لئے کہ

Marfat.com

اللہ کا رتبہ تصدیق کرنے والے کے رتبہ سے برتر ہے۔

یہ بات مجتہد کو تعین معنی پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنی دو اسموں کو مترادف نہ ہونے دے جیسے مھیمن کو نگہبان کے سوا دوسرے معنوں پر حمل کیا جاتا ہے کیونکہ نگہبان کے معنوں کے لئے اسم "رقیب" وارد ہو چکا ہے۔ اور ترادف بعید ہے۔

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

یا یہ بات مجتہد کو تعین معنی پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنی زیادہ ظاہر اور جلد سمجھ میں آ جانے والے اور کمال مدح پر زیادہ دلالت کرنے والے ہوتے ہیں،

اسمائے باری تعالیٰ کے بیان میں ہم کو مذکورہ اصول پر چلنا چاہیے اور ہر اسم سے صرف وہی جداگانہ معنی مراد لینا چاہیے جو زیادہ قریب ہو۔ اس کے سوا دوسرے معنوں کو نظر انداز کیا جائے گا ہاں ہم الفاظ مشترکہ کی تعمیم جائز نہیں سمجھتے۔ اور علاوہ اس کے کسی اسم میں مختلف اقوال کو ترقی دینا غیر مفید بھی ہے۔

چوتھی فصل

اس امر کا بیان کہ بندہ کا کمال اور سعادت اس میں ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اخلاق الٰہیہ کا خوگر بنے اور اللہ کے اسماء وصفات کے معنی سے اپنا باطن آراستہ کرے۔

واضح رہے کہ جو شخص اسمائے باری تعالیٰ کے معنی سے صرف اس قدر بہرایاب ہے کہ ان کو الفاظ کی حیثیت سے سنتا ہے، لغات کی کتابوں میں ان کی تفسیر پڑھتا ہے اور دل سے اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں انکے معانی موجود ہیں تو سمجھو کہ وہ نہایت ہی کم نصیب اور کم رتبہ کا شخص ہے جس کے اس سرمایہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس کی اصلی کامیابی کا باعث ہو سکے کیونکہ صرف الفاظ کا سننا زیادہ سے زیادہ قوت سامعہ کی سلامتی کا مستدعی ہے جس سے وہ آوازوں کو محسوس کرتا ہے اور یہ ایک ایسا رتبہ ہے جس میں چوپائے بھی اس کے ساتھ شریک ہیں اور اسماء کی لغوی وضع کو سمجھنا صرف عربیت جاننے کا مستدعی ہے اور یہ بھی ایک ایسا رتبہ ہے جس میں ایک ادیب لغت دان بلکہ ایک جاہل عرب اس کے ساتھ شامل ہے۔

Marfat.com

رہا یہ اعتقاد کہ ان اسمائے معنی اللہ کے لئے ثابت ہیں سو جب یہ اعتقاد وکشف کے بغیر ہو تو صرف ان الفاظ کے معنی سمجھنے اور ان کی تصدیق کرنے کا مستدعی ہے۔

یہ ایک ایسا رتبہ ہے جس میں عام لوگ بلکہ ایک بچہ بھی شریک ہے کیونکہ جب اس کو یہ الفاظ سنا کر ان کے معنی سمجھا دیے جائیں تو وہ سمجھ جائے گا اور ان پر دل سے یقین کرے گا۔

اور تو اور اکثر علماء کا درجہ بھی یہی ہے اس جماعت کو دوسرے لوگوں پر جو ان تینوں جون میں ان کے شریک ہیں جو فضیلت ہے اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اس میں شک نہیں کہ معراج کمال تک پہنچنے میں یہ ایک بھاری نقص ہے۔

کیونکہ حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی نیک لوگوں کی نیکیاں مقربوں کی شان کے لئے برائیاں ہیں۔

اسمائے باری تعالیٰ میں سے مقربین کا حصہ تین امور ہیں:۔

اول

ان اسماء کے معنی کو مکاشفہ اور مشاہدہ کے طور پر سمجھنا تا کہ ایسی دلیل کے ساتھ ان کے حقائق معلوم ہو جائیں جس میں خطا ممکن نہ ہو، اور ان صفات سے اللہ کا موصوف ہونا ان پر اس طرح منکشف ہو جائے جس طرح انسان کو اپنی صفات کے متعلق یقین ہو جاتا ہے جو اس کو احساس ظاہر سے نہیں بلکہ مشاہدہ باطن سے حاصل ہوتا ہے۔

اب دیکھو اس مذکورہ اعتقاد میں اور اس اعتقاد میں کس قدر فرق ہے جو والدین کی تربیت اور استادوں کی تعلیم سے بطور تقلید حاصل ہوتا ہے اگر چہ اس کے ساتھ مباحثانہ دلائل بھی شامل ہوتے ہیں۔

دوم

مقربین کا اس کی صفات جلال کو اس عظمت کی نگاہ سے دیکھنا جس سے ان کو خود ان صفات سے حتی الامکان متصف ہونے کا شوق پیدا ہو جائے تا کہ وہ اس ذریعہ سے نہ صرف بالامکان بلکہ بالصف خدا کے قریب ہو جائیں اور اس اتصاف کے ساتھ ملائکہ مقربین کے ساتھ مشابہت پیدا کرلیں اور جب کسی صفت کی عظمت دل میں سما جاتی ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اس صفت کا شوق اور اس جمال و جلال کا عشق اور اس وصف سے اپنے باطن کو

Marfat.com

آراستہ کرنے کی خواہش پیدا ہو اگر یہ سعادت کامل طور پر حاصل ہونی ممکن ہو تو کامل طور پر ورنہ بقدر امکان ضرور شوق پیدا ہو اور اس شوق سے خالی ہونے کے دو ہی باعث ہو سکتے ہیں یا تو اس وصف کے اوصاف جلال و کمال میں سے ہونے کا پورا پورا یقین نہ ہو یا دل کسی دوسرے شوق میں ڈوبا ہوا ہو چنانچہ شاگرد جب اپنے استاد کو علم میں کامل دیکھتا ہے تو اس کو شوق برانگیختہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ تشابہ پیدا کرے اور اس کے قدم بقدم چلے ہاں مثلاً جب اس کو سخت بھوک لگی ہو تو اس وقت ایسا شوق غالب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے باطن کا کھانے کے شوق میں مستغرق ہونا علم کے شوق کا معنی ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ صفات باری تعالیٰ کے مشاہدہ کرنے والے کا دل سوائے اللہ کے خیال سے بالکل خالی ہو۔ معرفت کا تخم شوق ہے۔ لیکن اسی وقت جب کہ ساخت دل خواہشات کے خار و خس سے پاک ہو ورنہ تخم بارآور نہیں ہوگا۔

سوم

مقربین کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ کسی ممکن حد تک ان صفات کو حاصل کریں اور ان کی خوبیوں سے اپنی باطنی حالت کو آراستہ کریں جس سے بندہ ربانی یعنی رب کا مقرب بن جاتا ہے کیونکہ ان صفات کی بدولت وہ فرشتگان ملائکہ اعلیٰ کا رفیق ہو جاتا ہے جو مقربان درگاہ الٰہی ہیں پس جو شخص ان کی صفات کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا کر لیتا ہے وہ اس مشابہت کی مقدار کے موافق حق تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

سوال:۔ صفات خدا کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کرنا ایک باریک بات ہے جس کو مانتے ہوئے دل کتراتا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ پر ذرا زیادہ روشنی ڈالیے۔

جواب:۔ غالباً یہ امر تم سے اور اوسط درجہ کے کسی عالم سے مخفی نہ ہوگا کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں ایک کامل دوسری ناقص کامل ناقص سے اشرف ہے اور چونکہ کمالات کے درجات متفاوت ہیں اور منتہائے کمال صرف ایک ذات پر موقوف ہے حتیٰ کہ کمال مطلق اس کے سوا اور کسی کا حصہ نہیں ہے بلکہ دوسری موجودات کے کمالات ایک دوسرے کی نسبت متفاوت ہیں جس کا کمال جتنا زیادہ ہے اتنا ہی زیادہ اس ذات کے قریب ہے۔ جس کو کمال مطلق حاصل ہے اور قرب سے مراد رتبہ اور درجہ مراد ہے نہ کہ مقام پھر موجودات ایک اور اعتبار سے دو قسموں میں منقسم ہیں ایک زندہ، دوسری بے جان، اور تم بخوبی جانتے ہو کہ زندہ بے جان کی نسبت اشرف و اکمل ہے اس کے بعد یاد رکھو کہ زندہ کے تین درجے ہیں ایک درجہ ملائکہ کا دوسرا انسان کا۔ تیسرا

Marfat.com

بہائم (چوپایوں) کا۔ زندگی کے صحیح مفہوم کا لحاظ کیا جائے تو اس میں بہائم کا درجہ نہایت گرا ہوا ہے۔

کیونکہ زندہ (ہی) وہ چیز ہے جو باہم ادراک اور فعل صادر کرنے والی ہو اور بہائم کے ادراک میں بھی نقص ہے۔ اور اثر و فعل میں بھی نقص ہے۔

بہائم کے ادراک کا نقصان یہ ہے کہ وہ صرف حواس میں مقصود ہے۔ اور حواس کا ادراک غیر مکمل ہوتا ہے کیونکہ وہ انھیں اشیاء کا ادراک کر سکتے ہیں، جو دیکھنے، یا سونگھنے، یا سننے، یا چکھنے، یا ٹٹولنے، سے محسوس ہو سکیں اور پھر ساتھ ہی قریب بھی ہوں اگر یہ اشیاء سامنے موجود نہ ہوں تو آلات حس بالکل معطل و بیکار رہتے ہیں۔

بہائم کا فعل اس لئے ناقص ہے کہ وہ صرف شہوت اور غضب کے مقتضاء میں محصور ہیں اور ان میں عقل بھی نہیں جو شہوت و غضب کو روکے۔

ملائکہ کا درجہ ان تینوں سے بالا ہے اور یہ وہ مخلوق ہے جس کے ادراک میں مدرکات کے قرب و بعد سے کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ انکا ادراک صرف ان اشیاء پر موقوف نہیں ہے جن میں قرب و بعد متصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اشیاء اجسام ہوتے ہیں اور اجسام تمام موجودات میں سے خسیس ہے نیز یہ مخلوق شہوت اور غضب کی مقتضیات سے پاک ہے پس اس کے افعال شہوت اور غضب کے تقاضے سے نہیں ہیں بلکہ ان افعال کا داعی ایک ایسا امر ہے جو شہوت و غضب سے برتر ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی طلب ہے۔

انسان کا درجہ ان دونوں مخلوقوں کے مابین ہے گویا وہ بہیمت (چوپایوں کی صفات) اور ملکیت (فرشتوں کی صفات) سے مرکب ہے اور ابتدائی حالت میں اس پر بہیمیت ہی غالب ہوتی ہے کیونکہ اس وقت اس کو محض حواس کے ساتھ ادراک حاصل ہوتا ہے جن کے ذریعہ سے ادراک کرنے کیلئے وہ اس بات کا محتاج ہے کہ وہ حس و حرکت سے امر محسوس کی طرف قرب طلب کرے۔ یہاں تک کہ بالآخر اس میں عقل کا نور درخشاں ہوتا ہے جو بدن کی حرکت کیے بغیر اور قرب طلب کیے بدون عالم بالا میں تصرف کرتا ہے بلکہ وہ ایسے ایسے امور کا ادراک کرنے لگتا ہے جو مکانی قرب و بعد کو قبول نہیں کرتے غرض کہ پہلے اس میں شہوت و غضب اپنے اپنے مقتضی کے موافق غلبہ دکھاتے ہیں پھر اس کو طلب کمال اور عاقبت بینی کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

پس جب وہ شہوت و غضب کو مغلوب کر لیتا ہے تو یہ دونوں طاقتیں کمزور ہو جاتی ہیں

Marfat.com

تو اس سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہوتی ہے اسی طرح اگر اس کا نفس خیالات اور محسوسات کو ترک کر کے ان امور کے ادراک سے مانوس ہو جائے جو حس اور خیال کی نسبت سے بالا ہیں تو اس کو فرشتوں کے ساتھ اور بھی مشابہت ہو جاتی ہے کیونکہ حیات کی خاصیت ادراک اور عقل ہے اور یہ دونوں کم اور متوسط اور کامل ہو سکتے ہیں انسان ان صفتوں میں جوں جوں فرشتوں کی پیروی کرتا جائے گا، توں توں درجہ بہیمت سے دور اور درجہ ملکیت سے قریب ہوتا جائے گا اور یہ درجہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہے اور قریب سے قریب ہونے والی چیز بھی قریب ہوتی ہے۔

سوال: اس کلام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اور بندوں کے درمیان نسبت قائم ہے کیونکہ جب وہ اس کے اخلاق اپنے وجود میں پیدا کرے گا تو اس کے مشابہ ہو جائے گا حالانکہ یہ امر عقلاً وشرعاً معلوم ہے کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں نہ وہ کسی شے کے مشابہ ہے نہ کوئی شے اس کی مشابہ ہے؟

جواب: جب تم اس مماثلت کا معنی سمجھتے ہو جو خدا کی ذات سے بعید ہے تو تم یہ بھی سمجھتے ہو گے کہ خدا کی کوئی مثل نہیں مگر یہ گمان ٹھیک نہیں کہ کسی وصف میں شریک ہونے سے مماثلت لازم آتی ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ ضدین باہم مماثل نہیں ہوتیں اور ان کے درمیان ایک ایسا بعد ہوتا ہے جس سے زیادہ بعد خیال میں بھی نہیں آ سکتا پھر بھی وہ دونوں بہت سی اوصاف میں مشارک ہوتی ہیں مثلاً سیاہی سفیدی کی ضد ہے اور یہ دونوں عرضیت میں اور رنگ میں اور آنکھوں سے محسوس ہونے میں اور اس کے سوا بہت سی باتوں میں باہم مشارک ہیں۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود لا فی مکان اور ''سمیع'' ''بصیر'' ''عالم'' ''مرید'' ''متکلم'' ''حی'' ''قادر'' اور ''فاعل'' ہے اور انسان میں بھی یہ صفات پائی جاتی ہیں تو کیا وہ خدا کو بندے سے مشابہ کر کے اس کی مثل قرار دیتا ہے حاشا وکلا۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام مخلوقات باہم مشابہ ہوتی کیونکہ سب کی سب کم از کم وجود میں تو باہم مشارک ہیں بلکہ مماثلت سے مراد نوع اور ماہیت کی مشارکت ہے پس گھوڑا اگرچہ سمجھ میں فائق ہے مگر انسان کی مثل نہیں بن سکتا کیونکہ نوع اس کے مخالف ہے جس میں وہ انسان کے ساتھ مشابہ ہے ایک عرض ہے جو انسان کی ماہیت سے خارج ہے۔

خاصیت الٰہی یہ ہے کہ وہ موجود واجب الوجود بذات ہے جو تمام ممکنات کو نہایت عمدگی سے موجود کرتا ہے اس خاصیت میں کسی چیز کا مشارک ہونا تصور میں بھی نہیں آ سکتا اور

Marfat.com

اگر بندہ کی بعض صفات حاصلہ جو خدا کی خاصیت کے نام ہیں تو اس سے مماثلت لازم نہیں آتی۔ مثلاً وہ، بصیر، عالم، قادر، حی، اور فاعل ہے۔ اور بندہ بھی سمع، بصر، علم، قدرت، زندگی اور فعل سے موصوف ہوتا ہے۔ بلکہ خاصیت الٰہی خاص اللہ کے لئے ہے اور اس کو اللہ ہی جانتا پہچانتا ہے۔

یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ اس کے سوا معاذ اللہ یا اس کی مثل کے سوا اور کوئی چیز اس خاصیت کو سمجھ اور پہچان سکے۔ اور جب اس کے مثل کوئی نہیں۔ تو صرف وہی ایک اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہے

حضرت جنید بغدادی نے سچ فرمایا ہے کہ **لا یعرف اللہ الا اللہ تعالٰی** یعنی خدا کو خداوند تعالٰی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت ذوالنون جب انتقال کرنے لگے تو کسی نے پوچھا۔ اب آپکا جی کیا چاہتا ہے۔ فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ مرنے سے پیشتر خدا کو پہچان لوں۔ خواہ ایک لحظہ بھر کے لئے۔

اس مقام پر اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کے دلوں میں تشویش انگیز خیالات اٹھا کرتے ہیں۔ اور انکو نفی و تعطیل کا وہم دامنگیر ہونے لگتا ہے۔ اس لئے کہ انکو اس قسم کے کلام کے سمجھنے کی قدرت نہیں ہوتی ہم اس بات کو سمجھاتے ہیں۔ سنو،

اگر کوئی کہے کہ، میں خدا کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا، تو اس کا یہ قول درست ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ، میں خدا کو نہیں پہچانتا، تو بھی درست ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نفی و اثبات اکٹھے صادق نہیں آتے۔ بلکہ ایک صادق آسکتا ہے۔ کیونکہ نفی کا صادق آنا، اثبات کا کاذب ہو جانا ہے۔ وبالعکس۔ لیکن جب کلام کی وجہ مختلف ہو۔ تو دونوں قسموں میں صدق متصور ہو سکتا ہے۔

جیسے کوئی کسی سے پوچھے۔ کیا تم ابو بکر صدیقؓ کو جانتے ہو۔ اور وہ یوں جواب دے کہ صدیقؓ ایسے نہیں ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا ہو۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو ایسے مشہور و معروف بزرگ کو نہ جانتا ہو۔ جن کا نام شہرہ آفاق ہے۔ ممبروں پر انہیں کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ مسجدوں میں انہیں کا ذکر ہو رہا ہے۔ زبانوں پر انہیں کی مدح جاری ہے۔ تو اسکا جواب درست ہوگا۔

اور اگر وہی سائل کسی دوسرے شخص سے پوچھے۔ کیا تم حضرت صدیقؓ کو جانتے ہو،، اور وہ یوں جواب دے کہ، آہ،، میں کون ہوں، جو حضرت صدیقؓ کو جان سکوں۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

Marfat.com

صدیق کو وہی جانے، جو صدیق کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہو۔ میرا یہ دل گردہ کہاں کہ ان کی تعریف کرنے یا ان کی تعریف کے خواہشمند ہونے کی ہمت کرسکوں مجھ جیسے ناچیز تو انکا نام ہی نام یا ان کی صفات سن سکتے ہیں۔ اگر ان کی معرفت کا دم ماریں تو یہ محال ہے،، اس شخص کا یہ کہنا بھی بجا سمجھا جائے گا۔ جس کی وجہ تعظیم واحترام ہے۔

اسی طرح اس شخص کا قول بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ میں خدا کو جانتا ہوں اور اس کا قول بھی جو کہتا ہے میں خدا کو نہیں جانتا۔

بلکہ اگر تم عاقل شخص کو ایک خط دکھا کر پوچھو کہ جس شخص نے اس کو لکھا ہے تم اس کو جانتے ہو اور وہ جواب دے کہ نہیں تو اس کا جواب درست ہے اور اگر یوں جواب دے کہ ہاں جانتا ہوں اس کا لکھنے والا انسان زندہ قادر ''سمیع بصیر'' تندرست ہاتھ والا اور لکھ سکنے والا ہے جب اس کی اتنی صفات مجھ کو معلوم ہیں تو میں اس کو کیوں نہ جانوں یہ جواب بھی بجا ہے لیکن زیادہ درست اور فی الواقع بجا جواب یہ ہے کہ نہیں میں اس کو نہیں جانتا کیونکہ وہ فی الحقیقت اس کو نہیں جانتا اور صرف اتنا اس کو معلوم ہے کہ ایسا خط وہی شخص لکھ سکتا ہے جس میں مذکورہ اوصاف ہوں اور خود کاتب کو نہیں جانتا۔

اسی طرح بندے صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ انتظام اور محکم عالم ایسے صانع کا محتاج ہے جو مدبر'' حی عالم اور قدیر ہو اور اس معرفت کے دو پہلو ہیں ایک پہلو عالم سے۔ عالم سے متعلق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عالم ایک مدبر حقیقی کا محتاج ہے دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے اس کا مطلب اسمائے باری تعالیٰ ہے جو ایسی صفات سے مشتق ہیں جو حقیقت ذات میں داخل نہیں ہیں۔

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو اسمائے مشتقہ اس کا جواب ہرگز نہیں بن سکتے چنانچہ کسی حیوانی وجود کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے اور جواب ملے کہ لمبا ہے سفید ہے یا کوتاہ قد ہے اور سیاہ ہے۔

یا مثلاً پانی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے اور جواب ملے کہ ٹھنڈا ٹھنڈا ہے یا مثلاً آگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے اور جواب ملے گرم گرم ہے یا مثلاً آگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے تو یہ سارے جوابات ماہیت کی رو کے جواب نہیں ہیں کسی چیز کی معرفت تبھی حاصل ہوسکتی ہے کہ اس کی حقیقت و ماہیت معلوم ہوجائے نہ کہ صرف اسم مشتقات چنانچہ ہمارا ایک چیز کو گرم کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک مبہم شے

Marfat.com

حرارت سے موصوف ہے اسی طرح ہمارے عالم وقادر کہنے کے یہ معنی ہیں کہ ایک مبہم شے کو علم وقدرت کا وصف حاصل ہے؟

سوال: تو ہمارے اس قول سے کہ وہ واجب الوجود ہے جس سے تمام ممکن وجود اشیاء ظاہرہ ہوئی ہیں اس کی حقیقت مراد ہے جواب تو یہ تو یہ؟

جواب: واجب الوجود سے تو صرف یہ مراد ہے کہ وہ علت اور فاعل سے مستغنی ہے جس کا مطلب سلم سبب ہے اور ان تمام ممکن وجود اشیاء کے ساتھ ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیا ہے۔ اور ہم جواب دیں گے وہ ''فاعل'' ہے۔ یا وہ ہے جسکی کوئی علت نہیں ہے تو یہ جواب نہیں بن سکتا پھر یہ جواب کیونکہ کافی ہوسکتا ہے کہ جس کی کوئی بھی علت نہیں کیونکہ یہ ساری تعریفیں اس کی ذات سے خارج ہیں اور ان کا مدعا، صرف کسی خارج الذات اضافت کا اثبات یا نفی ہے اور یہی اسماء صفات اور اضافت ہیں۔

سوال: تو پھر اس کی معرفت کا کونسا ذریعہ ہے؟

جواب: یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے کوئی بچہ یا پیدائشی نامرد پوچھے کہ جماع کی لذت معلوم کرنے کا کونسا ذریعہ ہے تو ہم اس کو یوں جواب دیں گے اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ تم کو اس کا وصف سنا دیا جائے دوسرے یہ کہ تم صبر کے ساتھ اس وقت کا انتظار کرو جب تم میں قوت شہوت پیدا ہوجائے اور تم خود اپنی بیوی کے ساتھ شہرانہ برتاؤ کر کے جماع کی لذت کا اندازہ لگاؤ۔

یہ دوسرا طریقہ ہی ایسا ہے جو پوری معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے پہلے طریقے میں بجزاء اس کے اور کوئی فائدہ نہیں کہ اس سے ایک تو ہم اور کسی دوسری لذت کے ساتھ تشبیہ کا خیال پیدا ہوجاتا ہے اور جب شہوت پیدا ہوجاتی ہے اور اس لذت کے چکھنے کا موقع ملتا ہے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ لذت شکر کی مٹھاس کے مشابہ نہیں ہے اور نہ وہ تو ہم جو اس کے متعلق تھا ٹھیک تھا ہاں اتنی بات مان لیتا ہے کہ اس کے متعلق جو یہ سنا کرتے تھے کہ وہ عجیب لذت اور بینظیر لطف ہے تو یہ تعریف شکر کی نسبت اس لذت کے حق میں زیادہ صادق اور صحیح تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دو طریق ہیں ایک تو قاصر ہے دوسرا مسدود ہے۔

قاصر یہ ہے کہ ہم اس کے اسماء وصفات کا ذکر کریں اور اپنے متعلق جو صفات ہم کو معلوم ہیں مثلاً ہم قادر ہیں عالم ہیں زندہ ہیں متکلم ہیں ان پر قیاس کر کے اسی نوع کی کامل

Marfat.com

صفات سے اس کو موصوف سمجھیں جس طرح پیدائشی نامرد کو شکر کے ذائقہ کی مثال سے جماع کی لذات سمجھائی جائے گو ہماری قدرت عمل حیات کلام وغیرہ اوصاف خدا کی قدرت وعمل وحیات وکلام وغیرہ سے بالکل بعید ہیں اور دونوں میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے اور ان اوصاف کے ساتھ اللہ کی تعریف کرنے کا فائدہ ایہام اور تشبیہ اور اسمی مشارکت ہے کیونکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ نامرد کے سامنے لذت جماع کی مثال کے لئے کوئی ایسی لذت پیش کریں جس کو وہ محسوس کرتا ہو جیسے کسی کو میٹھے کھانے کی لذت ہو اور اس کو کہیں کہ کیا تم جانتے ہو کہ شکر لذیز ہوتی ہے اور اس کو کھاتے وقت خاص مزا آتا ہے اور پرلطیف حالت کا احساس ہوتا ہے اس کے جواب میں وہ کہے گا ہاں پھر ہم اس کو کہیں گے کہ جماع کی لذت بھی ویسی ہی ہے تو کیا آپ کے نزدیک اس کی تعریف سے اس کو جماع کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو جائیگی جس طرح خود صاحب کیفیت کو معلوم ہوتی ہے حاشا کلا بلکہ اس وصف سے مدعا صرف ایہام اور تشبیہ اور اسمی مشارکت سمجھانا ہے ایہام اس لحاظ سے ہے کہ اس سے یہ تو ہم ہو سکتا ہے کہ یہ امر علی الجملہ پرلطف ہے تشبیہ اس لحاظ سے کہ اس کو شکر کی مٹھاس سے تشبیہ دی جاتی ہے لیکن تشبیہ کو ہم اس طرح قطع کر سکتے ہیں لیس کمثلہ شیء اس جیسی کوئی چیز نہیں پس وہ حی زندہ ہے مگر دوسرے احیاء زندوں کی طرح نہیں اور وہ قادر ہے مگر دوسرے قادروں کی مثل نہیں جیسے ہم کہتے ہیں کہ جماع شکر کی طرح لذیز ہے مگر اس کی لذت کو شکر کی لذت سے کچھ مشابہت نہیں ہے ہاں اسمی مشارکت ہے۔

چنانچہ جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ حی قادر اور عالم ہے تو ابتداء ان معنوں کو اپنے قرب پر قیاس کر کے سمجھتے ہیں اسی لئے پیدائشی بہرہ خدا کے سمیع ہونے کا معنی معلوم کر سکتا ہے اور اسی لیئے جب کوئی پوچھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا علم کیونکر ہو سکتا ہے تو ہم اس کو جواب دیتے ہیں کہ جس طرح تم کو اشیاء کا علم ہوتا ہے پھر اگر کوئی پوچھے کہ وہ قادر کیونکر ہے تو ہم جواب دیں گے جس طرح تجھ کو قدرت حاصل ہے۔

غرض جب کوئی شخص ایک نئی بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے جبکہ کوئی اس کے نفس میں اس کے مناسب کوئی بات موجود ہو پس پہلے وہ اپنے وصف کو معلوم کرتا ہے پھر اس پر قیاس کر کے دوسری چیز کے وصف کو سمجھ سکتا ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایک ایسا وصف وخاصیت ہو جس کے ساتھ ہمارے وصف کو کوئی مناسبت اور مشارکت نہ ہو اگر ہو تو صرف اسمی مشارکت ہو خواہ ایسی ہی

Marfat.com

مشارکت ہو جیسی شکر کی لذت اور جماع کی لذت میں ہے جس کا سمجھنا محال ہے۔

پس جو شخص اپنی صفات کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور انھیں پر خدا کی صفات کو قیاس کرتا ہے جس کی صفات مشابہت سے پاک ہے تو اس کی یہ معارفت بالکل قاصر ہے جس پر ایام وتشبیہ غالب ہے پس اس کے ساتھ وہ معرفت شامل ہونی چاہیے جس میں مشابہت اصل مناسبت اور مشارکت فی الاسم بالکل منفی ہوں۔

اللہ کی معرفت کا دوسرا مسدود طریقہ یہ ہے کہ بندہ اس امر کا منتظر رہے جس کو تمام صفات ربوبیت حاصل ہو جائیں حتی کہ وہ خود رب بن جائے جس طرح ایک بچہ منتظر ہوتا ہے کہ وہ بالغ ہو کر خود شباب کی لذت چکھ لے اور یہ طریقہ مسدود اور محال ہے کیونکہ خدا کے سوا ایسی حقیقت کا کسی کو حاصل ہونا محال ہے ورنہ پوری حقیقت دکھا دینے والا یہی طریقہ تھا اور وہ قطعاً مسدود ہے۔

عرض خدا کی حقیقی معرفت خدا کے سوا کسی کو دوسرے کو حاصل ہونا محال ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ نبی کی معرفت بھی نبی کے سوا اور حاصل نہیں ہو سکتی جو شخص نبی نہیں ہے نبی کا نام ہی نام جانتا ہے اس کی حقیقت سے مطلع نہیں ہے اس خاصہ سے مطلع خاص نبی ہی ہو سکتا ہے بلکہ میں اس پر بھی اضافہ کرتا ہوں کہ کوئی شخص موت کی حقیقت اور وحشت دوزخ کی حقیقت مرنے یا وحشت دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہی معلوم کرے گا کیونکہ جنت سے مراد اسباب لذت ہے اگر ہم ایک ایسا شخص فرض کریں جس نے کبھی بھی کوئی لذت نہ دیکھی ہو تو اس کو جنت کا مضمون اسی طرح سمجھا دینا غیر ممکن ہے کہ اس کو اس کی خواہش ہو جائے اور دوزخ سے مراد دردرساں امور ہیں تو اگر ہم کوئی ایسا انسان فرض کریں جس نے کبھی کسی قسم کا درد محسوس نہ کیا ہو تو اس کو دوزخ کا مضمون سمجھا دینا از حد مشکل ہے ہاں اگر اس نے کسی قسم کی تکلیف محسوس کی ہو تو ہم اس کو تکلیف سے کئی گناہ تکلیف بتا کر دوزخ متصور کرا سکتے ہیں اسی طرح اگر اس نے کھانے عیش منانے اور نظارہ کرنے کی لذتیں چکھی ہوں تو اس کو سمجھا سکتے ہیں کہ ان تمام لذتوں سے بڑی لذتوں کا نام جنت ہے اگر جنت کی لذت ان لذتوں کے مخالف ہو تو اس کے سمجھانے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ لذت شکر کی مثال سے لذت جماع کو ذہن نشین نہیں کر سکتے اور بہشت کی لذتیں تو ان تمام لذتوں سے جو دنیا میں حاصل ہوتی ہیں بالاتر ہیں بلکہ وہ ایسی لذتیں ہیں جن کو کسی نے آنکھ سے نہیں دیکھا کسی نے کان سے نہیں سنا اور کسی بشر کے دل میں ان کا خیال بھی تو نہیں گزرا اگر ہم ان کو مزید ار

Marfat.com

کھانوں سے تشبیہ دیتے ہیں تو بھی ساتھ ہی پڑتا ہے کہ ان لذتوں کو جنت کی لذت سے کوئی نسبت نہیں اگر ہم ان کو جماع کی لذت سے تشبیہ دیتے ہیں تو ساتھ ہی اقرار کرتے ہیں کہ وہ لذتیں کچھ اور ہیں اور یہ کچھ اور تو وہ لوگ ہمارے اس قول پر تعجب کیوں کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کی مخلوق نے اللہ کی صفات اور اسماء کے سوا اور کوئی معرفت اس کے متعلق حاصل نہیں کی حالانکہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کو جنت کے نام اور سنی سنائی تعریفوں کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے اور ہر چیز کا یہی حال ہے۔ جس کا انسان نے نام اور صفت ہی سنی ہو۔ اور اس کو چکھا یا محسوس نہ کیا ہو۔

سوال: عارفین کی معرفت کی غایت کیا ہے۔

جواب: عارفین کی انتہائے معرفت یہ ہے کہ وہ معرفت سے عاجز آ جاتے ہیں اور ان کی حقیقی معرفت یہ ہے وہ اس کو پہچان نہیں سکتے کیونکہ یہ بات محال ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور ذات خدا کو پوری معرفت کے ساتھ صفات ربوبیت کے حقیقی اسرار سمیت پہچان سکے پس جب یہ بات ان کو انکشاف برہانی کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے تو گویا انھوں نے خدا کو پہچان لیا یعنی وہ معرفت کی اس حد تک پہنچ گئے جو مخلوق کے لئے ممکن ہے۔ یہ وہ حد ہے جس کی طرف صدیق اکبرؓ نے ان الفاظوں میں اشارہ کیا ہے کہ ادراک کے ادراک سے عاجز آ جانا بھی ادرک ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے بھی یہی مراد ہے کہ لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک یعنی میں تیری پوری پوری تعریف نہیں کر سکتا جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کو خدا کے متعلق کوئی ایسی بات معلوم ہوئی اور میں وصیت الٰہیت کا احاطہ نہیں کر سکتا بلکہ ان کا احاطہ کرنے والا صرف تو ہی ہے اس لحاظ سے کسی مخلوق کو اس کی حقیقت ذات سے حصہ نہیں ملا اور اتساع معرفت صرف اس کی صفات اور اسماء کی معرفت میں ہے۔

سوال: تو پھر ملائکہ انبیاء اور اولیاء کے مدارج معرفت میں فرق کس بات کا ہے

جواب: ہم بتا چکے ہیں کے معرفت کے دو ہی طریقے ہیں ایک طریقہ حقیقی ہے جو اللہ کے سوا اور سب کے حق میں مسدود ہے جو کوئی اس کو حاصل کرنے کی جرأت کرتا ہے جلال ایزدی اس کو حیران کر دیتا ہے اور ہیبت الٰہی اس کی آنکھیں بند کر دیتی ہے۔

دوسرا طریقہ جس سے مراد اسماء وصفات کی معرفت ہے۔

یہ مخلوق کے لئے عام ہے اور اس میں مخلوق کے مدارج متفاوت ہیں۔ پس جو شخص

Marfat.com

صرف اتنا جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم وقادر ہے۔ وہ اس شخص کی حرص نہیں کرسکتا جو خدا کی ان صفتوں کو اپنی آنکھوں سے ان کے اپنے مظاہر میں ملاحظہ کرتا ہے۔ اور اس کے ملک کی یہ عجائبات اور اس کی حیرت انگیز صنعتوں پر نظر ڈالتا ہے۔

اس کی حکمت کی باریکیوں کو سمجھتا ہے۔ اور ان فرشتوں کے اوصاف اپنے اندر پیدا کرتا ہے جو خدا کے مقرب ہیں۔

بلکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے اس بات کو ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں وللہ المثل الاعلی" تم جانتے ہو کہ ایک عالم ومتقی کامل مثلاً امام شافعیؒ کو ان کا دربان بھی جانتا ہے اور ان کے شاگرد مزنیؒ بھی جانتے ہیں دربان تو صرف اس قدر جانتا ہے کہ وہ شرح کے عالم ہیں۔ اور لوگوں کو مسالک بتاتے ہیں اور مزنی اور تفصیلی صفات ومعلومات کے ساتھ ان کو جانتے ہیں۔ بلکہ جو عالم دس قسم کے علوم بخوبی جانتا ہے۔ اس کو اس کا وہ شاگرد بھی اچھی طرح جاننے کا دعویٰ کرسکتا ہے جو صرف ایک علم میں اس کا شاگرد ہے اور اس کا وہ خادم جس نے اس سے کچھ بھی علم نہیں پڑھا اس کو جانتا ہی نہیں بلکہ جو شاگرد ایک علم میں اس کا شاگرد ہے اس کو گویا اس کے اوصاف میں سے صرف دسواں حصہ معلوم ہے۔ بشرطیکہ اس ایک علم میں بھی اس کے برابر ہو ورنہ اگر اس میں کچھ بھی اس سے کم ہوا تو گویا وہ بھی اس کو بخوبی نہیں پہچانتا بلکہ صرف نام ہی نام جانتا ہے۔

اس طرح خدا کی معرفت میں مخلوق متفاوت ہے جس کو جس قدر زیادہ اس کی خدائی کے آثار اور کیفیات معلوم ہیں اس قدر زیادہ معرفت اس کو حاصل ہے اور اس کی معرفت اس قدر حقیقی معرفت کے قریب ہے۔

سوال: جب اس کی ذات کی حقیقی معرفت محال ہے تو کیا اسماء وصفات کی پوری پوری معرفت بھی حاصل ہے یا نہیں؟

جواب: یہ بھی نہایت بعید ہے، خدا کی صفات واسماء کا حقیقی اور کامل علم بھی خود اسی کو ہے۔ اس لئے کہ جب کسی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثلاً وہ ایک ذات عالم ہے تو ہم کو ایک مبہم شے کا علم ہو جاتا ہے جس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں لیکن اتنا جانتے ہیں کہ اس میں علم کی صفت موجود ہے اگر ہم اس کی صفت علم کی پوری حقیقت جانتے ہوتے تو پھر ہمیں اس بات کی نسبت کہ وہ عالم ہے پورا پورا علم حاصل ہوتا ورنہ نہیں۔ مگر اللہ کے علم کی حقیقت کو تو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا پس اس کے سوا کوئی بھی اس کی موصوفیت بالعلم کو نہیں سمجھ سکتا اور اگر کوئی سمجھتا ہے تو اپنے علم

Marfat.com

پر قیاس کر کے سمجھتا ہے جیسے کہ ہم شکر کی مثال میں بیان کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے علم سے کوئی نسبت نہیں رکھتا پس مخلوق کی معرفت اس کی ذات وصفات کے متعلق حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہے تو تشبیہی اور الہامی ہو سکتی ہے۔

اوپر کے بیان سے تم کو متعجب نہ ہونا چاہیے دیکھو ایک جادوگر کو خود اس کا دل ہی جانتا ہے یا کوئی دوسرا اس سے بڑھ کر یا برابر کا جادوگر جان سکتا ہے۔ بخلاف اس کے جس شخص کو جادو کا علم نہیں ہے اور نہ وہ اس کی حقیقت و ماہیت سے واقف ہے وہ تو جادوگر کا نام ہی نام جانتا ہے یا زیادہ سے زیادہ اتنا جانتا ہے کہ اس کو جادو کا علم آتا ہے اس سے آگے اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ علم کیسا ہے۔ کیونکہ اس کو اس علم کا موضوع ہی معلوم نہیں ہے اور نہ اس کی خاصیت معلوم ہے ہاں اتنا جانتا ہے کہ یہ خاصیت گو مبہم ہے مگر علوم کی قسم سے اور اس کا ثمرہ تغیر قلوب اور تبدیل اوصاف اور ظن و شر میں تفرقہ اندازی ہے مگر یہ باتیں اس کی حقیقی شناخت سے بالکل جدا ہیں۔ اور جس کو جادو کی حقیقت معلوم نہیں ہے وہ جادوگر کی حقیقت کیا سمجھے گا۔ کیونکہ ساحر (جادوگر) وہ ہے جس کو سحر جادو کی خاصیت حاصل ہوتی ہے اور اسم ساحر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ایسا اسم ہے جو اس صفت سے مشتق ہے اگر یہ صفت نامعلوم ہے تو یہ اسم بھی نامعلوم ہوگا اور اگر وہ معلوم ہے تو یہ بھی معلوم ہوگا اور عام لوگوں کو سحر کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک وصف ہے مگر یہ بات ماہیت سے بعید ہے۔ اسی طرح ہم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ایک وصف الٰہی ہے جس کا ثمرہ اور اثر اشیاء کا وجود ہے اور اسم قدرت اس پر منطبق ہے کیونکہ وہ ہماری قدرت کے ساتھ اسی طرح نسبت رکھتی ہے اور یہ بات اس قدرت کی حقیقت سے بالکل علیحدہ ہے ہاں بندہ جس قدر خدا کی مقدورات میں اپنی نظر وسیع کرتا جائے اسی قدر وہ صفت قدرت کے سمجھنے میں زیادہ بہرایاب ہوگا۔

جس طرح شاگرد کو اپنے استاد کے علم کی جس قدر تفاصیل اور تصانیف معلوم ہوں اسی قدر وہ اس کو زیادہ صحیح طور پر جانتا ہے اور یہی مطلب ہے عارفین کی معرفت کے تفاوت کا۔ کیونکہ بندہ کا ذہن خدا کی جن معلومات تک پہنچ نہیں سکتا ان کی کوئی انتہاء نہیں ہے اور جن تک پہنچ سکتا ہے ان کی بھی کوئی انتہاء نہیں اگرچہ موجودات متناہی ہیں لیکن آدمی کے علم کی کوئی انتہاء نہیں ہاں یہ علم جس درجہ تک حاصل ہوتا ہے اس کو متناہی کہہ سکتے ہیں۔ اور ایسے مدارج قلت وکثرت کے لحاظ سے متفاوت ہیں۔ اور اسی تفاوت سے لوگوں کی معرفت متفاوت ہے اور یہ تفاوت ایسا ہی ہے جیسے مال کی کثرت وقلت کے باعث غنا میں تفاوت ہوتا ہے چنانچہ

Marfat.com

ایک شخص کے پاس ایک پیسہ ہے اور دوسرے کے پاس ہزاروں روپے ہیں یہی حال علوم کا ہے بلکہ علوم کا تفاوت سب سے بڑا ہے کیونکہ معلومات کی انتہاء نہیں ہے اور اموال اجسام ہیں جن کی انتہاء مسلم ہے۔

اس بیان سے تم بخوبی سمجھ گئے ہو گے کہ مخلوق خدا کی معرفت میں کیونکر تفاوت ہے اور اس تفاوت کی کوئی انتہاء نہیں۔ اور یہ بھی سمجھ گئے ہونگے کہ یہ قول ''اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا'' بالکل درست ہے۔ اور یہ قول بھی صحیح ہے کہ ''میں اللہ کے سوا کسی کو نہیں جانتا'' کیونکہ اللہ اور اس کے افعال کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے پس جب اس کے افعال کو اس کے افعال کی حیثیت سے دیکھا جائے تو نظر اسی پر متصور رہے گی اور ان کو اس حیثیت سے دیکھے گی کہ وہ آسمان یا زمین یا درخت یا پہاڑ ہے۔

بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ چیزیں اس کی صنعت کا نمونہ ہیں پس اس کی معرفت دربار خداوندی سے باہر نہیں جاتی اور وہ کہہ سکتا ہے کہ ''میں خدا کے سوا کسی کو نہیں جانتا'' اور ''میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا''۔

فرض کرو ایک شخص دنیا بھر میں صرف سورج کو اور اس کے نور کو جو دنیا بھر میں پھیل رہا ہے دیکھتا ہے تو اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ''میں سورج کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھتا''۔ کیونکہ نور جو اس سے پھیلتا ہے وہ بھی اسی میں سے ہے۔ اس سے خارج نہیں ہے پس تمام موجودات قدرت ازلی کے انوار میں سے ایک نور ہیں اور جس طرح سورج تمام عالم میں پھیلنے والے نور کا سرچشمہ ہے۔

اسی طرح وہ معانی جس کو ادا کرنے سے عبارت قاصر ہے ضرورتاً قدرت ازلیہ سے موسوم کیا گیا اور وہ اس وجود کا سرچشمہ ہے جو ہر موجود پر فائز ہوا ہے لہذا در حقیقت خدا کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

پس عارف کہہ سکتا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ اور عجیب تر یہ کہ اگر کہے کہ ''خدا کے سوا کوئی شے جانی نہیں جاتی''۔ تو بھی صحیح ہے۔

لیکن پہلا قول اور وجہ سے ہے دوسرا اور وجہ سے ہے۔ اگر اختلاف وجوہ کی صورت میں دو متناقض قول غیر صحیح ہوتے تو معاذ اللہ! اللہ کا یہ قول صحیح نہ ہوتا کہ 'وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی'' حالانکہ وہ صحیح ہے کیونکہ رامی (پھینکنے والے کے) دو لحاظ ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ فعل بندہ سے منسوب ہے دوسرے لحاظ سے رب سے منسوب ہے اور اس میں کوئی تناقض نہیں

Marfat.com

ہے۔

اب ہم اپنے سمند بیان کی باگ روکتے ہیں۔ کیونکہ ہم ایسے میدان میں آپڑے جس کی انتہا نہیں ہے۔ اور اب

اَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

کے معانی کی تفصیل شروع کرتے ہیں۔

دوسرا فن

مقاصد خاص میں

پہلی فصل

اللہ کے نو دنہ نام کی شرح

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ کہ اللہ تعالیٰ کے ننادوے نام یعنی ایک کم سو ہیں کیونکہ وہ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے جو کوئی ان سارے اسماء کو پڑھے وہ جنت میں جائے گا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هو اللّٰه الذی لا اله الا هو

الرحمن الرحیم الملک القدوس السلام المؤمن المهیمن العزیز الجبار المتکبر الخالق البارئ المصور الغفار القهار الوهاب الرزاق الفتاح العلیم القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل السمیع البصیر الحکم العدل اللطیف الخبیر الحلیم العظیم الغفور الشکور العلی الکبیر الحفیظ المقیت الحسیب الجلیل الکریم الرقیب المجیب الواسع الحکیم الودود المجید الباعث الشهید الحق الوکیل القوی المتین الولی الحمید المحصی المبدی المعید المحیی الممیت الحی القیوم الواجد الماجد الاحد الصمد القادر المقتدر المقدم المؤخر الاول الآخر الظاهر الباطن الوالی المتعالی البر التواب المنتقم العفو الرؤف مالک الملک ذوالجلال والاکرام المقسط الجامع الغنی المغنی المانع الضار النافع النور الهادی الباقی الوارث الرشید الصبور

(۱) اللّٰہ

(خدا، معبود)

یہ اس موجودہ حق کا نام ہے جو صفات الٰہیت کا جامع ہے اور صاف ربوبیت سے موصوف، اور وجود حقیقی سے ممتاز ہے۔ اس کے سوا کوئی موجود وجود بذاتہ کا مستحق نہیں ہے اور ہر موجود نے اسی سے وجود حاصل کیا ہے۔ لہٰذا وہ بذاتہ ہالک ہے اور دوسری جہت سے موجود ہے۔ "فکل موجود هالک الا وجهه" نتیجہ یہ نکلا کہ ہر موجود خدا کی ذات کے سوا فانی ہے ٹھیک بات یہ ہے کہ یہ اسم اس معنی پر دلالت کرنے کے لئے اسمائے اعلام کا کام دے

Marfat.com

رہا ہے اور اس کے اشتقاق، او تعریف کے متعلق جو بعض نے لکھا ہے وہ محض تکلف و تعسف ۲ ہے

فائدہ یہ نام ننانوے ناموں سے بڑا ہے کیونکہ وہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو بلا استثناء تمام صفات الٰہیت کی جامع ہے۔ باقی تمام نام ایک ایک معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً علم، قدرت، اور فعل وغیرہ میں سے کسی ایک پر اور اس لئے وہ تمام اسماء کی بہ نسبت اس کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتا ہے کیونکہ وہ اس کے سوا اور کسی کے لئے حقیقتاً یا مجازاً استعمال نہیں کیا جاتا۔ باقی اسماء کے ساتھ اور کو بھی موسوم کر دیا جاتا ہے۔ جیسے قادر، علیم، رحیم، وغیرہ انہیں دو وجوہ سے ظن ہوتا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے۔

نکتہ: تمام اسماء کی معنیٰ کے نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ بندہ ان کے ثبوت سے متصف ہو سکتا ہے یہاں تک کہ اس پر رحیم، علیم، حلیم، صبور، اور شکور، کا اسم بولا جا سکے اگر چہ اس قسم کے اسماء کا اطلاق بندہ پر کسی اور وجہ سے ہو۔ اور اللہ پر ان کا اطلاق اور وجہ سے، مگر اللہ کا معنی اس قسم کا نہیں ہے، وہ خاص اللہ سے مخصوص ہے اس میں کوئی حقیقی یا مجازی شرکت نہیں پائی جاتی اور اسی خصوص کی وجہ سے تمام اسماء کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے نام ہیں، یوں نہیں کہتے کہ اللہ، صبور، یا شکور، کا نام ہے کیونکہ اسم اللہ من حیث ہو معانی الٰہیت پر سب سے زیادہ دلالت کرتا ہے اور سب کی بہ نسبت اللہ کے ساتھ زیادہ خاص ہے۔ لہذا سب سے زیادہ مشہورہ اور ظاہر بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس کی تعریف کے لئے دوسرے اسماء کی ضرورت نہیں اور دوسرے اسماء کی تعریف کے لئے اسکی نسبت لازم ہے۔

تنبیہ: بندہ کو اس اسم سے تالہ حاصل کرنا چاہئے۔ یعنی اس کا دل اور خیال اللہ تعالیٰ میں محو ہو۔ اسکے سوا وہ کسی طرف آنکھ نہ اٹھائے۔ نہ توجہ کرے۔ نہ کسی سے امیدوار ہو اور نہ کسی غیر سے ڈرے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ اس اسم کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ موجود حقیقی و برحق ہے، اور باقی سب اس کے سوا فانی اور ہالک اور باطل ہیں پس وہ اپنے آپ کو سب سے پہلے

---

۱ اس فقرہ میں امام اعظم کے مذہب پر جرح ہے جن کے نزدیک اللہ اعظم کے الفاظ سے بھی افتتاح نماز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ امام غزالی شافعی المذہب ہیں۔ مترجم

۲ اس میں علم جو محض کسی چیز کی ذات پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا جاتا ہے یہ ضرور نہیں کہ وہ کسی صفت کے معنی پر بھی دال ہو جیسے زید، عمر، بکر وغیرہ اس لئے اسمائے اعلام غیر مشتق بلکہ جامد الفاظ ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ہالک و باطل سمجھے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سمجھایا۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا، عرب کی شاعری میں سب سے زیادہ سچا شعر لبید کا ہے۔ ع

"الا کل شی ما خلا اللہ باطل"

یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے سوا تمام موجودات فانی ہیں۔

(۲) الرحمٰن

(نہایت رحم والا)

(۳) الرحیم

(بہت مہربان)

یہ دونوں اسم رحمت سے مشتق ہیں۔ اور رحمت مرحوم کی مستدعی ہے۔ اور جو مرحوم ہوگا وہ محتاج ہوگا اور اگر کسی سے کسی محتاج کی حاجت بلا ارادہ وقصد پوری ہو جائے تو اس کو رحیم نہ کہیں گے۔ اور جو کوئی اس کی حاجت پوری کرنے کا ارادہ تو کرے مگر پوری نہ کرے تو اگر وہ اس کے پورا کرنے پر قادر تھا۔ تو رحیم نہیں کہلائے گا کیونکہ اگر اس کا ارادہ کامل ہوتا تو اسے پورا کر دکھاتا اور اگر اس کو پورا کرنے سے عاجز ہو تو اس کو اس کی رقت قلب کے لحاظ سے رحیم کہیں گے لیکن وہ ناقص رحیم ہے۔

"رحمت تامہ" یہ ہے کہ محتاجوں سے بھلائی کی جائے اور ان کے حال پر توجہ مبذول رکھتے ہوئے ان کے حق میں نیکی کا ارادہ کیا جائے۔

"رحمت عامہ" یہ ہے کہ مستحق و غیر مستحق سب کو شامل ہو۔

اللہ کی رحمت تامہ بھی ہے اور عامہ بھی اس کی رحمت کا تامہ ہونا تو اس حیثیت سے ہے کہ وہ محتاجوں کی حاجت روائی کا ارادہ بھی کرتا ہے اور اس کو پورا بھی کر دیتا ہے۔ اور اس کا عامہ ہونا اس حیثیت سے ہے کہ وہ مستحق اور غیر مستحق سب کو شامل ہے۔ اور دنیا و آخرت میں عام ہے اور ضرورت و حاجات اور ان سے زائد امور پر مشتمل ہے غرض کہ وہ رحیم مطلق و برحق ہے۔

نکتہ: رحمت کے لئے ایک ایسی پر درد رقت لازم ہے جو رحیم کو محسوس ہو اور اسے محتاج کی حاجت پورا کرنے پر اکساتی ہو اور اللہ تعالیٰ اس (تاثر وانفعال) سے پاک ہے شاید تم

Marfat.com

خیال کرو کہ یہ رحمت کے معنی میں نقص ہے سو واضح ہو کہ یہ امر رحمت کے معنی کے لئے نقصان نہیں بلکہ کمال ہے۔

نقصان اس لئے نہیں ہے کہ کمال رحمت کمال ثمرہ پر موقوف ہے۔ اور جب کسی محتاج کی حاجت کو بکمالہا پورا کر دیا جائے تو محتاج کو راحم کے درد دل سے کوئی خاص نفع نہیں ملتا۔ راحم کا درد دل اس کے ضعف قلب اور کمزوری نفس کے باعث ہوتا ہے اور یہ ضعف محتاج کے مدعا میں کوئی اضافہ نہیں کر دیتا جبکہ اس کی حاجت پوری طرح مہیا ہو چکی ہو۔

کمال اس لئے ہے کہ جو رحیم رقت اور درد دل کے باعث رحم کر رہا ہے ممکن ہے اس کا فعل اپنے نفس سے رقت دور کرنے کی غرض سے ہو۔

تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ اپنے نفس کی رعایت کی اور نفس ہی کی غرض کے لئے سعی کی اور یہ امر کمال رحمت کے لئے نقص ہے کمال رحمت یہ ہے کہ راحم کی نظر مرحوم کی طرف مرحوم کی خاطر ہو۔ نہ کہ خود رقت کے درد سے آرام پانے کی غرض سے۔

فائدہ: الرحمٰن بنسبت الرحیم کے خاص ہے اسی لئے اللہ کے سوا اور کسی کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اور رحیم کا غیر اللہ پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے پس اس وجہ سے وہ اسم اللہ کے قریب ہے اور علم کا کام دے رہا ہے اگرچہ وہ رحمت سے مشتق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اسموں کو اس آیت میں جمع فرمایا ہے کہ "قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایاما تدعو فلہ الاسماء الحسنی" (یعنی کہہ دو اے محمد ﷺ کہ خواہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس کو پکارتے ہو (پکارو) بہر صورت یہ اسی کے نام اچھے ہیں)۔

پس اس وجہ سے بھی اور ہمارے اس بیان سے بھی کہ خدا کے شمار کردہ اسماء میں ترادف نہیں ہے لازم آتا ہے کہ ان دونوں اسموں کے معنوں میں فرق کیا جائے چنانچہ مناسب یہ ہے کہ رحمٰن سے ایک خاص رحمت مفہوم ہو۔ جو بندوں کی مقدورات سے بالکل بعید ہو۔ اور یہ وہ جو سعادت اخرویہ سے تعلق رکھتی ہے پس رحمٰن وہ ہے جو بندوں پر مہربانی کرتا ہے۔ اول تو ان کو پیدا کر کے۔ دوم ان کو ایمان اور اسباب سعادت کی طرف ہدایت کر کے۔ سوم آخرت میں انکی بہتری کے سامان کر کے۔ چہارم ان کو اپنے دیدار سے بہرہ ور کر کے۔

تنبیہ: اسم رحمٰن سے بندہ کا خاص حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے غافل بندوں پر رحم کر کے ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے نرمی کے ساتھ غفلت کے راستے سے پھیر کر خدا کی راہ دکھائے اور نافرمان لوگوں کو رحمت کی نظر سے دیکھے استحقار کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ اور جو برائی دنیا

Marfat.com

میں واقع ہو اس کو ایسا سمجھے کہ خود اسی کے نفس سے وقوع پذیر ہو رہی ہو۔

لہذا مقدور بھر اس کے ازالہ میں کوتاہی نہ کرے۔ محض اس عاصی کے حال پر ترس کھا کر کہ بیچارہ کہیں خدا کے غضب میں گرفتار نہ ہو جائے۔ اور اس کے قرب سے محروم نہ رہے۔

اسم رحیم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ حسب وسعت بھوکے کا پیٹ بھرے اپنے پڑوس یا شہر میں فقیر کی حاجت پوری کرے۔ اور اس کی محتاجی دور کرے خواہ اپنے مال سے یا اپنے رسوخ ووجاہت کے ذریعہ سے یا اس کے لئے دوسرے سے سفارش کر کے۔ اگر ان ساری باتوں سے عاجز ہو تو ایسی شفقت وعنایت کے ساتھ دعا اور اظہار ہمدردی سے اس کا ہاتھ بٹائے کہ گویا اس کی تکلیف ومصیبت میں شریک ہے۔

سوال: شاید تم پوچھو کہ جب وہ رحیم بلکہ ارحم الراحمین ہے اور رحیم جب کسی کو مبتلاء یا مصیبت زدہ یا سزا یاب، یا مریض پاتا ہے اور وہ اس کی حقیقت کو دور کرنے پر قادر ہوتا ہے تو فوراً دور کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ تو ہر بلا دور کرنے اور ہر محتاجی کے رفع کرنے اور ہر مرض کے شفا دینے اور ہر تکلیف کے نجات بخشنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور دنیا امراض، مصائب اور بلیات سے پر ہو رہی ہے جن کو تمام رفع کر دینے پر وہ قادر ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اس رحیم نے اپنے بندوں کو ان تکالیف ومصائب میں مبتلاء رہنے دیا ہے۔ اس کا:

جواب: یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی ماں اس کے پچھنے لگوانے سے گریز کرتی ہے مگر عقل مند باپ اس کو بزور پچھنے لگوانے پر مجبور کرتا ہے نادان آدمی گمان کرتا ہے کہ رحیم ماں ہے باپ نہیں مگر دانا سمجھتا ہے کہ باپ کا اپنے بچے کو پچھنوں کی تکلیف دینا پوری رحمت اور اعلیٰ درجہ کی شفقت وعنایت ہے ماں تو ایک دوست نما دشمن ہے اس میں شک نہیں کہ تھوڑی تکلیف جو بہت سے آرام کی موجب ہو، وہ بری نہیں بلکہ غنیمت ہوتی ہے رحیم اپنے مرحوم کے حق میں بحال بھلائی چاہتا ہے۔ ہر برائی کے ضمن میں کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور ہے اگر اس برائی کو رفع کر دیا جائے تو اس کے ضمن میں بھلائی بھی زائل ہو جائے گی جس سے وہ پہلے کی نسبت بڑی برائی بن جائے گی۔

چنانچہ گلے ہوئے ہاتھ کا کاٹا جانا بظاہر ایک برائی ہے۔ مگر اس کے ضمن میں ایک بہت بڑی بھلائی ہے۔ وہ کیا؟ بدن کی سلامتی اگر ہاتھ کاٹا نہ جائے تو سارے بدن کا ہلاک ہو جانا یقینی ہے۔ اس وقت یہ برائی بہت ہی بڑی ہوگی۔ غرض کہ ہاتھ کا کاٹا جانا سلامتی بدن کی غرض سے ایک ایسا شر ہے جو اپنے پہلو میں خیر لئے ہوئے ہے۔ لیکن کاٹنے والے کی اصلی مراد

Marfat.com

سلامتی بدن ہے جو ایک خالص بھلائی ہے پھر چونکہ یہ مراد ہاتھ کے کاٹنے ہی سے حاصل ہو سکتی تھی۔

لہذا اس نے ہاتھ کو کاٹنے کا ارادہ کیا تو چونکہ پہلے سلامتی مطلوب لذاتہا تھی اور پھر ہاتھ کاٹنا مطلوب بغیرہ لہذا یہ دونوں اس کے ارادہ کے تحت میں داخل ہیں مگر ایک مراد امر لذاتہ ہے اور دوسرا امر مراد بغیرہ۔

مراد لذاتہ کا درجہ مراد بغیرہ سے مقدم ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "سبقت رحمتی غضبی" یعنی میری رحمت میرے غضب سے مقدم ہے۔

پس اس کا غضب شر کا ارادہ ہے اور اس کی رحمت خیر کا قصد ہے۔ لیکن خیر کا ارادہ محض خیر ہی کے لئے ہے اور شر کا ارادہ محض شر کے لئے نہیں ہے بلکہ اس خیر کی خاطر ہے جو اس کے ضمن میں ہے۔ الغرض خیر مقتضی بالذات ہے اور شر مقتضی بالعرض اور ہر امر مقدر ہو چکا ہے اور اس میں ہرگز کوئی بات منافی رحمت نہیں ہے۔

اب اگر تمہارے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا کوئی ایسی شر ممکن نہیں ہے۔ جس کے تحت میں کوئی خیر نہ ہو یا تم خیال کرو کہ کیا اس خیر کا حاصل کرنا شر کے بغیر ممکن نہ تھا تو اپنی عقل کی کمزوری پر محمول کرو۔ یہ سمجھنا کہ فلاں شر کہ ضمن میں کوئی خیر نہیں عقل کے بس کا نہیں ممکن ہے کہ ایسی صورت میں تمہاری کیفیت اس بچے کی سی ہو جو پچھنے لگوانا محض شر سمجھتا ہے یا اس نادان شخص کی سی جو قتل قصاص کو شر محض خیال کرتا ہے کیونکہ وہ صرف مقتول کی خصوصیت کو مدنظر رکھتا ہے جس کے حق میں بیشک وہ قتل شر محض ہے مگر وہ اس خیر عام کو نہیں دیکھتا کہ شر خاص کے ذریعہ سے خیر عام پر فائز ہونا خود خیر محض ہے خیر محض اور خیر محض کو کسی صورت میں ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔

دوسرے خیال کی نسبت بھی اب تم اپنی عقل کو ہی قاصر سمجھو اور وہ یہ کہ خیر کا حاصل کرنا شر کے بغیر بھی ممکن ہے کیونکہ یہ معنی بھی نہایت باریک و دقیق ہیں کسی محال و ممکن کا استحالہ و امکان صاف طور پر یا معمولی غور سے سمجھ میں نہیں آسکتا بلکہ اس کے لئے اعلیٰ درجہ کی موشگاف قوت فکر یہ درکار ہے پھر بھی اکثر اہل فکر ان کے سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں ان دونوں باتوں میں تم اپنے ذہنوں تعقل کا قصور سمجھو۔

خدا کے ارحم الراحمین ہونے میں مطلق شک نہ کرو اور یقین رکھو کہ اس کی رحمت اسکے غضب پر مقدم ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو کوئی محض شر کے لئے شر کا قصد کرے خیر کے لئے

Marfat.com

نہ کرے وہ ہرگز رحیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

اس بیان کے ضمن میں ہم سربستہ راز کا پتہ بتا گئے ہیں جس کو صاف صاف بیان کرنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے "فالکنایة اولی من الصراحتہ" صاحب نظر ہوگا تو خود سمجھ جائے گا۔

لقد اسمعت لو نادیت حیا
ولکن لا حیاۃ لمن تنادی

یہ خطاب عام لوگوں سے تھا میرے دینی بھائی جن کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی ہے ان لوگوں سے مستثنیٰ ہیں، وہ خدا کے راز سے آشناء اور اس قسم کی تنبیہات سے مستغنی ہیں۔

(۴) اَلْمَلِکُ

(بادشاہ)

ملک وہ ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر موجود سے مستغنی ہے اور ہر موجود اس کا محتاج ہے بلکہ کوئی چیز اپنی ذات میں صفات میں وجود میں بقا میں غرض کہ کسی بات میں اس سے مستغنی نہیں موجود کا وجود اس سے ہے یا اس کے ساتھ منسوب ہونے والی کسی دوسری شئے سے ہے اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات وصفات میں اس کی مملوک ہے اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے الغرض ایسی ذات ملک مطلق ہے۔

تنبیہ: بندہ ملک مطلق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ہر چیز سے مستغنی نہیں ہے اگر باقی موجودات سے مستغنی ہے تو خدا کا ضرور ہمیشہ کے لیے محتاج ہے اور ہر چیز اس کی محتاج بھی نہیں بلکہ اکثر موجودات اس سے مستغنی ہیں جس صورت میں کہ وہ بعض سے تو نہیں بعض دیگر سے مستغنی ہو اس وقت وہ کسی نہ کسی حیثیت سے ملک کہلا سکتا ہے۔

الغرض بندوں میں سے ملک وہ ہے جس پر خدا کے سوا کسی کا تسلط نہ ہو بلکہ وہ خدا کے سوا سب سے مستغنی ہو اور وہ بعینہ اپنی سلطنت پر ایسا قابض ہو کہ اس کی فوج اور رعایہ اس کی اطاعت کا دم بھرتی ہوں۔

سچ پوچھو تو بندے کی خاص سلطنت اور اس کا قالب ہیں اور فوج اس کی شہوت اور غضب اور خواہشات ہیں اور اس کی رعیت اس کی زبان آنکھیں ہاتھ اور تمام جوارح ہیں جب وہ ان پر قابض ہو جاتا ہے اور وہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے عالم وجود میں بادشاہ

Marfat.com

بن جاتا ہے اگر اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں سے بھی مستغنی ہو جائے اور لوگ اپنی فانی اور باقی زندگی میں اس کے محتاج ہوں تو وہ روئے زمین کا بادشاہ ہے اور یہ رتبہ انبیاء علیہ السلام کا ہے وہ ابدی زندگی کی ہدایت پا گئے ہیں خدا کے سوا کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہیں اب دوسرے تمام لوگ ان کے محتاج ہیں۔

اس شاہی سلسلہ میں انبیاء علیہ السلام کے بعد علماء کا درجہ ہے جو انبیاء علیہ السلام کے وارث ہیں ان کی بادشاہی اسی قدر ہوتی ہے جس قدر وہ بندوں کو ہدایت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور جس قدر طلب اور ہدایت میں لوگوں سے مستغنی ہوتے ہیں ان صفات کی بدولت بندہ فرشتوں سے جاملتا ہے اور خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے یہ بادشاہی اس ملک برحق کی ہے جس کی بادشاہی میں مثل نظیر نہیں ہو سکتی بندے کے لئے بڑا عطیہ ہے کسی عارف کی یہ گفتگو کس قدر درست ہے جو اس نے ایک امیر کے ساتھ کی تھی۔

امیر مانگ جو چاہتا ہے۔

عارف تم کس برتے پر میرے معطی بننے کا دم مارتے ہو حالانکہ میرے دو غلام تمہارے آقا ہیں۔

امیر: "وہ کون"

عارف: حرص اور خواہش نفسانی، میں ان دونوں پر مسلط ہوں اور وہ دونوں تم پر مسلط ہوں، میں ان دونوں کا مالک ومختار ہوں، وہ دونوں تمہارے مالک ہیں۔

ایک شخص نے کسی بزرگ سے التماس کی کہ مجھے نصیحت کیجئے فرمایا "تم دنیا میں بادشاہ بنے رہو پھر آخرت میں بادشاہ ہو جاؤ گے" مطلب یہ تھا کہ تم دنیا کی حرص وخواہش چھوڑ دو کیونکہ آزادی اور استغناہی بادشاہی ہوتی ہے۔

(۵) اَلْقُدُّوْسُ

(تمام عیبوں سے پاک)

قُدُّوس کے معنی وہ ذات جو ان تمام اوصاف سے پاک ہے جن کو حس یا قوتِ خیال یا وہم یا عقل یا فکر، ادراک کر سکیں۔

قُدُّوس کی تعریف میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ذات جو عیوب ونقائص سے پاک ہے کیونکہ اس قسم کی تعریف ایک طرح سے ترک ادب ہے اس لئے اگر کہا جائے کہ حضور گونر دام

Marfat.com

اقبالہ، قوم کے جلاہے نہیں ہیں، نہ نائی ہیں تو خلاف ادب سمجھا جاتا ہے وجہ یہ کہ کسی صفت کی نفی سے اس کے امکان کا وہم ہوتا ہے اور اس ایہام ہی میں نقص ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ قدوس کے معنی ہیں وہ ذات جو اوصاف کمال میں سے اس وصف سے بھی پاک ہے جو اکثر لوگوں کے ظن میں ہے کیونکہ وہ لوگ پہلے اپنے آپ میں غور کرتے ہیں۔ اپنی صفات کو پہچانتے ہیں اور ان کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں۔

ایک وہ جو ان کے حق میں کمال ہے۔ مثلاً ان کا اپنا علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، ارادہ اختیار وغیرہ۔ اور ان کے معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں۔ اور ان ناموں کو اسمائے کمال کہتے ہیں۔

دوم وہ جو ان کے لیے نقص ہیں مثلاً ان کا جہل، عجز، کورچشمی، بہرا پن، گونگا پن، وغیرہ پس ان معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں وہ خدا کی زیادہ سے زیادہ تعریف یوں ہی کر سکتے ہیں کہ اس کو اپنے مذکورہ اوصاف کمال سے موصوف کریں اور اپنے مذکورہ نقص اس سے نفی کر دیں۔ حالانکہ وہ نہ صرف ان کے اوصاف نقص سے منزہ ہے بلکہ ان کے اوصاف کمال سے مبرّاء ہے۔ بلکہ جو بڑی سے بڑی صفت مخلوق کے تصور میں آسکتی ہے۔ وہ اس سے اور اس میں مشابہ و مماثل صفات سے پاک ہے۔ اگر ان صفات کی اطلاق کی اجازت نہ ہوتی تو ان میں سے اکثر کا اطلاق نہ درست ہوتا مقدمہ کی چوتھی فصل میں ہم یہ بات بخوبی سمجھا آئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تنبیہ: بندہ کا قدس یہ ہے کہ اپنے ارادہ اور علم کو منزہ کرے علم کو متخیلات محسوسات موہومات سے اور ان تمام ادراکات سے جن میں بہائم شریک ہیں پاک کرے۔

بلکہ اس کی جولانی نظر اور تگاپوئے علم ان ازلی والہی امور کے لئے ہو۔ جو نہ قریب ہیں کہ حس کے ساتھ محسوس ہوں نہ بعید ہیں کہ حس سے غائب ہوں۔ بلکہ وہ فی نفسہ محسوسات اور متخیلات سے پاک ہو جاتا ہے اور علوم سے اس طرح مستفید رہتا ہے کہ اگر اس کی حس و تخیل کا آلہ مفقود بھی ہو جائے تو پھر بھی وہ ان علوم شریفہ وکلیہ والہیہ سے سیراب ہو تا رہتا ہے جو ازلی وابدی معلومات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان شخصی حیثیات سے جدا ہیں جو سدا متغیر و متبدل ہوتی رہتی ہیں۔

اپنے ارادہ کو انسانی لذات کے ساتھ تعلق رکھنے سے پاک کرے جو شہوت اور غضب کی مقتضیات اور خوراک، جماع، لباس، نظارہ، کی لذائذ کہلاتی ہیں۔ اور ان لذتوں سے بھی

Marfat.com

پاک کرے جو صرف حس اور قلب کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ غرضکہ خدا کے سوا کوئی اس کے ارادہ کا مطمح نظر نہ ہو۔ خدا کی ذات کے سوا کسی چیز میں اس کو لذت نہ ملتی ہو۔ خدا کے دیدار کے سوا کسی چیز کا اس کو شوق نہ ہو۔ خدا کے قرب کے سوا کسی چیز سے اس کو مسرت نہ ہوتی ہو اگر اس کی بجائے اس کو جنت اور اس کی تمام نعمتیں بھی دلائی جائیں، تو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اور گھر والے کو چھوڑ کر خالی گھر پر کبھی راضی نہ ہو۔

الغرض حسی وخیالی ادراکات میں تو بہائم بھی اس کے شریک ہیں لہٰذا اس کو چاہیے کہ اس رتبہ کو چھوڑ کر اس درجہ پر ترقی کرے جو انسان سے مخصوص ہے۔ بشری شہوانی لذات میں بھی بہائم مقابلہ کرتے ہیں لہٰذا ان کو ترک کر دینا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صاحب ارادہ کی عظمت اس کی مراد کی عظمت کے موافق ہے۔

''فمن همته مايدخل في بطنه فقيمته مايخرج منه'' چنانچہ جس شخص کا منتہائے ہمت وہی ہے جو پیٹ میں ٹھونس لیا۔ تو اس کی قیمت بھی وہی ہو گی جو اس سے نکلتا ہے۔

اور جس شخص کا منتہائے ہمت خدا کے سوا کوئی نہ ہو تو اس کا درجہ بھی حسب ہمت ہے جس شخص کا علم محسوسات وتخیلات کے درجہ سے ترقی کر گیا اور ارادہ مقتضائے شہوات سے پاک ہو گیا وہ بارگاہ قدس میں باریاب ہوا۔

(۶) اَلسَّلَامُ

(تمام نقصانات سے محفوظ)

سلام وہ ہے جس کی ذات عیب سے، اور صفات نقص سے، اور افعال شر سے، محفوظ ہے اور جب ایسا ہے تو جو نسی بھی سلامتی موجود ہے۔ وہ اس کے ساتھ منسوب یا اس سے صادر شدہ ہے۔ اور تم اوپر یہ بات بخوبی سمجھ آئے ہو کہ خدائے تعالیٰ کے افعال شر سے محفوظ ہیں یعنی اس شر مطلق سے لذاتہ مراد ہو اور اس کے ضمن میں کوئی خیر اس سے بڑھ کر نہ ہو۔ اور کوئی شر اس قسم کی موجود نہیں ہے۔ ''كما سبق الايماء اليه''۔

تنبیہ جس بندہ کا دل بدظنی، کینہ، حسد، اور ارادہ شر سے محفوظ رہے اور اس کے اعضاء معصیات ومنہیات سے سلامت ہیں اور اس کے صفات کجی اور برگشتگی سے بچے رہیں وہ صحیح وسالم دل کے ساتھ خدا کو ملے گا اور یہ وہ بندہ ہے جو السلام کے خطاب کا مستحق اور اپنی

Marfat.com

صفات کے لحاظ سے اس السلام حقیقی کے اوصاف سے قریب ہے جس کی صفات کی مثل ونظیر نہیں ہوسکتی۔

صفات کی کجی سے ہماری یہ مراد تھی کہ عقل غضب وشہوت کے پنجہ میں گرفتار ہو۔ کیونکہ حق تو یہ تھا کہ اس کے برعکس ہوتا۔ یعنی شہوت وغضب دونوں عقل کے قابو میں ہوتے جب حالت اس کے برعکس ہوئی تو کجی وبرگشتگی لازم تھی جب بادشاہ رعیت بن جائے اور مالک غلام ہوجائے تو سلامتی کیسی؟

سلام سے وہ شخص متصف ہوسکتا ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے لوگ سلامت ہوں اور جو شخص خوداپنے آپ سے سلامت نہیں ہے وہ اس خطاب کا کیونکر مستحق ہوسکتا ہے۔

(۷) اَلْمُؤمِنُ

(اپنے وعدہ میں سچا یا اپنے عذاب سے امن دینے والا)

مؤمن سے مراد وہ ذات ہے جو اسباب امن مہیا کرنے اور خوف وخطر کی راہیں بند کرنے والا ہو اور اسی لیے امن وامان اس سے منسوب کیا جائے۔

امن، خوف ہی کے مقام میں متصور ہوسکتا ہے اور خوف ہمیشہ ہلاکت یا نقصان کے احتمال سے ہوتا ہے اور مومن مطلق وہ ذات ہے کہ جس قدر امن وامان تصور میں آسکتا ہے وہ اسی سے مستفاد ہو۔ وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے۔

اندھا، چونکہ کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے وہ ہلاکت کے پیش آجانے سے ڈرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اس کی آنکھیں ہلاکت سے امن دلاتی ہیں۔ کٹے ہوئے ہاتھوں والا بھی کسی ایسی آفت سے غیر مطمئن ہے جس کا دفعیہ ہاتھوں سے ہوسکتا ہے پس سالم ہاتھ بھی آفت سے امن دلانے والا ہوا۔ علیٰ ھذا تمام حواس اور اعضائے بدن اور المؤمن ان سب اعضاء کا خالق اور نقش بنانے والا اکمل کرنے والا اور طاقت بخشنے والا ہے۔

فرض کرو ایک کمزور آدمی دشمنوں سے بچنے کے لئے مارا مارا پھر رہا ہے۔ سخت مشکل میں گھر گیا ہے ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں رہی ہے اگر سکت ہے تو پاس کوئی ہتھیار نہیں اگر ہتھیار ہے تو اکیلا دشمنوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اگر اس کے پاس فوج ہے تو اس کے شکست پانے کا اندیشہ ہے، کوئی قلعہ بھی نہیں کہ اس میں پناہ گزیں ہو بیٹھے ایسی حالت میں اس کو ایک ایسا مددگار مل جاتا ہے۔ جو اس کی کمزور طاقت میں جان ڈال دیتا ہے اپنی غیبی فوج اور اسلحہ سے اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اس کے اردگرد ایک قلعہ بنا کھڑا کرتا ہے۔ یہ مددگار جس نے اسکو پورا امن وامان

Marfat.com

بخشتا ہے فی الواقع المومن کہلانے کا مستحق ہے۔

بندہ اپنی اصل فطرت میں کمزور ہے اور اس کے باطن کو دیکھو تو امراض اور بھوک پیاس وغیرہ آفات اس میں بھری پڑی ہیں ظاہر دیکھو تو وہ آگ میں جل جانے پانی میں ڈوب جانے اور زخم اور چوٹ وغیرہ آفات کا نشانہ بنا ہوا ہے اس کو ان تمام آفتوں سے بچانے والی وہی ذات پاک ہے جس نے مرض کو دور کرنے کے لئے دوائیں اور بھوک اور پیاس کو رفع کرنے کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بنائی ہیں۔ اور اعضاء دیے ہیں تاکہ بدنی نقصان پہنچانے والی چیزوں کو دفع کریں۔

حواس عطا کیے ہیں، تاکہ کسی آنے والے خطرہ کی اطلاع دیتے رہیں سب سے بڑا خوف آفت کی ہلاکت کا ہے۔ اور اس سے صرف کلمہ توحید نجات دلاتا ہے۔ اس کی طرف بھی اللہ ہی ہدایت بخشتا ہے۔

چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ لاالہ الا اللہ حصنی فمن دخل حصنی فقد امن من عذابی ''یعنی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے۔ جو شخص میرے قلعہ میں آ جاتا ہے اس کو عذاب کا کوئی اندیشہ نہیں۔

غرض کہ دنیا میں ہر قسم کا امن اسباب سے وابستہ ہے جن کو خاص وہی مہیہ کرتا ہے وہی ان کو کام میں لانے کی توفیق دیتا ہے۔ ''فھو الذی اعطی کل شیء خلقه ثم ھدی'' اس ذات پاک نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا کر کے اس پر چلنے کی ہدایت کی'' پس وہی مومن مطلق و برحق ہے۔

تنبیہ: اس وصف سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ تمام مخلوق کو اسکی طرف سے امن ہو بلکہ ہر خوف زدہ شخص دینی و دنیوی خطرات کے دفعیہ میں اس کی امداد کا امیدوار ہو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیامن جارہٗ بوائقه یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کا ہمسایہ اس کے ظلموں سے محفوظ ہونا چاہیے۔

مؤمن کے نام کا زیادہ مستحق شخص وہ ہے جو لوگوں کو راہ نجات دکھا کر۔ اور طریق خدا سمجھا کر عذاب الٰہی سے امن دلائے اور یہ انبیاء و اولیاء کا منصب ہے۔

اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''انکم تتھافتون فی النار تھافت الفراش وانا اخذ کم بحجز کم ''یعنی تم دوزخ میں پروانوں کی طرح گرو گے اور میں تم کو تمہارے

Marfat.com

اطراف بدن سے (پکڑ کر) تھاموں گا۔

سوال: شاید تم کہو کہ ہر خوف درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس خدا کے سوا کوئی چیز خوف دلانے والی نہیں ہے۔ وہی ہے جو بندوں کو ڈراتا ہے۔ وہی ہے جس نے خوف کے اسباب بنائے ہیں۔

تو اس کی طرف امن کو کیونکر منسوب کیا جائے؟

جواب: یہ ہے کہ خوف بھی اسی کی طرف سے ہے امن بھی اسی کی طرف سے ہے وہی خوف و امن کا سبب پیدا کرنے والا ہے اور اس کا مخوف ہونا اس کے مؤمن ہونے کا مانع نہیں ہے جس طرح اس کا مذل ہونا اس کے معز ہونے کا مانع نہیں ہے بلکہ وہی معز ہے وہی مزل بھی ہے اور اس کا خافض ہونا اس کے رافع ہونے کا مانع نہیں ہے۔

بلکہ وہی خافض بھی ہے رافع بھی۔ اسی طرح وہ مومن (امن دینے والا) بھی ہے۔ اور مخوف (ڈرانے والا) بھی لیکن مومن اس کا اسم مقرر ہے مخوف نہیں۔

(۸) اَلْمُهَيْمِنُ

(نگہبان یا گواہ)

اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے عملوں رزقوں اور عمروں کا انصرام کر رہا ہے اس کا انصران اپنی اطلاع اور غلبہ اور حفظ کے ساتھ ہے جو کوئی کسی امر کے تمام حالات سے واقف۔ اس پر قابض اور اس کا حافظ ہو۔ وہ اس کا مھیمن کہلاتا ہے۔

حالات کی واقفیت کا مطلب علم ہے قبضہ کمال قدرت کا نتیجہ ہے۔ اور حفظ عقل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جس میں یہ تینوں معنی جمع ہوں۔ وہ مھیمن ہے۔

یہ تینوں مطلقاً اور کامل طور پر صرف خداوند تعالیٰ میں جمع ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کو کتب قدیم میں خدا نام لکھا ہے۔

تنبیہ: جو شخص لگاتار اپنی اخلاقی حالت کے متعلق غور کرتا رہے یہاں تک کہ اس کے تمام نشیب و فراز اور اضطرار سے واقف ہو جائے اور ساتھ ہی اپنے دل کے احوال واوصاف کو درست رکھنے پر قادر ہو جائے۔ اور ہمیشہ ان کی درست حالت قائم رکھنے میں مصروف رہے۔ وہ اپنے دل کا مھیمن ہے اور اس کی واقفیت اور قدرت اور حفظ کا دائرہ وسیع ہو گیا یہاں تک کہ وہ دوسرے بندوں کے باطنی اسرار سے فراست استدلال کے ذریعہ سے

Marfat.com

واقف ہو کر ان کو راہ راست پر قائم رکھنے کے لئے کمر بستہ ہو جائے تو اس معنی سے ان کا حصہ اس سے اور بھی زیادہ اور مکمل ہو گا۔

(۹) اَلْعَزِیْزُ

(غالب، قوی، قاہر)

عزیز کے معنی وہ عالی قدر شے جس کی مثل شاذ و نادر مل سکتی ہو جس کی از حد حاجت ہو۔ اور جس کا حاصل ہونا بھی مشکل ہو کسی شے میں جب تک یہ تینوں معانی جمع نہ ہوں۔ اس پر اسم عزیز کا اطلاق نہیں ہو سکتا بہت سی اشیاء ایسی ہیں کہ ان کی نظیر تو کم ملتی ہے۔ لیکن چونکہ نہ ان کی شان بڑی ہے اور نہ ان سے چنداں زیادہ نفع ملتا ہے اس لئے وہ عزیز نہیں کہلاتیں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی شان بھی بڑی ہے فائدہ بھی ان سے بہت ہے اور ان کی نظیر بھی کوئی نہیں لیکن چونکہ ان کا حصول چنداں دشوار نہیں ہے۔ اس لئے ان کو عزیز نہیں کہا جاتا۔

مثلاً سورج اور زمین جن کی کوئی نظیر نہیں ہے، اور دونوں سے اپنی اپنی جگہ نفع بھی بہت ملتا ہے۔

اور ان کی حاجت بھی اشد ہے لیکن ان کو عزیز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کو دیکھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے غرض عزیز ہونے کے لئے ان تینوں اوصاف کا جمع ہونا لازم ہے۔

ان تینوں معنوں میں کمال و نقصان کے مراتب بھی پائے جاتے ہیں۔ عزیز کی قلت وجود کا کمال یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہو۔ کیونکہ ایک سے کم عدد کوئی نہیں ہو سکتا اور اس کی مثل کا وجود محال ہو۔

ایسی ذات خدا ہی کی ہے کیونکہ مثلاً سورج اگرچہ وجود میں ایک ہی ہے لیکن امکان میں ایک نہیں ہے۔ اس کی مثل کا وجود بھی ممکن ہے۔

عزیز کی شدت حاجت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز ہر بات میں اس کی محتاج ہو یہاں تک کہ اپنے وجود و بقا اور صفات میں بھی یہ کمال صرف خدائے تعالیٰ میں ہے۔ اور اس میں کوئی شے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

دشوار حصول ہونے کا کمال یہ ہے کہ تمام مخلوق اپنی استدلالی نظر اور قیاسی رائے کے ساتھ اس کی ذات و صفات کا پورا پورا پتہ لگانے سے بالکل عاجز ہو۔

Marfat.com

یہ بات بھی خدا ہی سے خاص ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ "خدا کی باتیں خدا ہی جانے"۔

الغرض وہ ایسا عزیز مطلق و برحق ہے کہ اس کی صفت میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا

تنبیہ: بندوں میں سے عزیز وہ ہے کہ بندگان خدا اپنی حیات اخروی اور سعادت ابدی کے لئے اس کے محتاج ہوں۔

ایسا رتبہ بلاشبہ بہت کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے۔ یہ رتبہ انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم کا ہے پھر ان کے بعد عزت میں مشارک وہ لوگ ہیں جو ان کے قرب زمانہ سے ممتاز ہیں جیسے خلفائے راشدین اور انبیاء علیہ السلام کے وارث یعنی علمائے کرام۔

(۱۰) اَلْجَبَّارُ

(بڑے دباؤ والا)

جبار وہ ہے جو ہر شخص پر بطور جبر اپنا حکم جاری کرے۔ اور اس پر کسی کا حکم جاری نہ ہو سکتا ہو۔ اور جس کے قبضہ قدرت سے کوئی نہ نکل سکے اور اس کی بارگاہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے ساری ہمتیں پست ہوں تو جبار مطلق صرف اللہ تعالی ہے کیونکہ وہ ہر ایک کو مجبور کر سکتا ہے اس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا اور ان دونوں باتوں میں اس کی مثل کوئی نہیں ہے۔

تنبیہ: بندوں میں سے جبار وہ ہے کہ اتباع کے درجہ سے ترقی کر کے دوسروں کو اپنا تابع بنائے۔ اور سب سے بڑا رتبہ حاصل کرے۔ حتی کہ لوگوں کو اپنی ہیئت وصورت سے اپنی عادت وسیرت کے مطابق چلنے پر مجبور کرے غرض وہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور خود چنداں فائدہ نہ اٹھائے لوگوں کا فائدہ مقدم سمجھے۔ اپنے فائدے کی حرص نہ کرے۔ لوگوں کو اپنا مطیع بنائے خود کسی کی اطاعت نہ کرے جو شخص اس کی زیارت کرے وہ اس کے دیدار میں ایسا محو ہو کہ اپنے آپ کو بھول جائے اس کا ایسا شوق ہو کہ خود اپنی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ اور کوئی شخص اس کو دھوکا دینے اور اپنا تابع بنانے کی جرأت نہ کر سکے، اس وصف سے خاص سید البشر ﷺ بہرہ ور ہوئے ہیں چنانچہ فرمایا "لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی وانا سید ولد ادم ولا فخر" یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو میرے ہوئے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

اور میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور میرے لئے یہ بات باعث فخر نہیں۔

Marfat.com

(۱۱) اَلْمُتَکَبِّرُ

(عظمت و بزرگی والا)

متکبر وہ ہے جو اپنے مقابلہ میں سب کو حقیر سمجھتا ہو اور بزرگی و عظمت کا حقدار صرف اپنے آپ کو جانتا ہو۔ اس لئے دوسروں کو غلاموں کی حیثیت سے دیکھتا ہو اگر یہ بات صحیح ہو تو وہ تکبر حق، اور اس کا فاعل متکبر برحق ہوگا۔ اور یہ بات علی الاطلاق خاص خدا کے لئے متصور ہے۔

اگر وہ تکبر اور استعظام باطل ہو اور اس متکبر کو فی الحقیقت امتیازی عظمت جو اس کے زعم میں ہے حاصل نہ ہو۔

تو اس کا تکبر بے جا اور مذموم ہوگا۔ خدا کے سوا جو شخص خاص اپنے آپ کو عظمت و بزرگی کا مستحق قرار دے اس کا قیاس غلط اور اس کی نظر باطل ہے۔

تنبیہ: بندوں میں سے متکبر وہ زاہد ہے جو عارف بھی ہو۔

عارف کے زاہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں سے جو چیز اس کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہو وہ اس سے کنارہ کش ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ہر چیز سے اپنے آپ کو بڑا سمجھے اس لئے وہ دنیا و آخرت سب کو حقیر سمجھے گا اور ان کو خدا کی یاد میں خلل انداز ہونے کے باعث اپنی نظروں سے گرا دے گا غیر عارف کا زہد ایک قسم کا معاملہ اور معارضہ ہے۔

کیونکہ وہ متاع دنیا کے عوض میں متاع آخرت کی خریدار کرتا ہے۔ ایک چند روزہ چیز سے اس لئے دست بردار ہوتا ہے کہ اس کے عوض میں دائمی نعمت کئی گناہ حاصل کرے۔

یہ بیع سلم نہیں تو اور کیا ہے۔ جس شخص کو نعمتیں کھانے اور عیش منانے کی خواہش اپنا غلام بنائے ہوئے ہو وہ حقیر ہے۔

متکبر وہی شخص ہے جو ہر نفسانی خواہش کو اس خیال سے حقیر سمجھتا ہو کہ ان میں چوپائے بھی شریک ہیں۔

Marfat.com

(۱۲) اَلْخَالِقُ
(ہر چیز کا پیدا کرنے والا)

(۱۳) اَلْبَارِئُ
(ہر چیز کا موجد)

(۱۴) اَلْمُصَوِّرُ
(مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانے والا)

لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ اسماء مترادف ہیں اور اور ہر اسم کے معنی، اسم کے معنی ہیں پیدا کرنا اور اختراع کرنا ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہے وہ پہلے تقدیر کی محتاج ہے پھر تقدیر کے موافق ایجاد کی اس کے بعد تصویر کی اور اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ وہ ایک شئے کی تقدیر کرتا ہے۔ اس کا خالق ہے اور اس حیثیت سے اس کا اختراع کرتا ہے اس کا باری اور اس حیثیت سے کہ وہ مخترعات کی صورتوں کو باہم عمدہ ترتیب دیتا ہے مصور ہے مثلاً ایک عمارت کا بنانا منظور ہو تو پہلے کام انجینیر کا ہوگا جو اس عمارت کی نوعیت وصورت تجویز کر کے ایک نقشہ تیار کرتا ہے اور اس پر اینٹ پتھر چونا لکڑی وغیرہ صرف ہونے والے مسالے کی مقدار کا اندازہ لگا کر اس کے اخراجات کا تخمینہ کرتا ہے۔

اس کے بعد تعمیر کا کام شروع ہوتا ہے۔ جو اس نقشے کے موافق عمارت کی بنیاد ڈالتا ہے اور مسالے کی تجویز کردہ مقدار کے اندر اندر پوری عمارت بنا کھڑی کرتا ہے ابھی تک وہ عمارت غیر مکمل اور نا قابل سکونت ہوتی ہے کہ ایک تیسرے صناع یعنی مصور کے ہاتھ سے وہ ایک شاندار قصر اور شاہی ایوان بن جاتی ہے۔

یہ تو انسانی کاموں کی مثال تھی خدا کا کام اس سے برتر ہے وہ خود ہی اندازہ قائم کرتا ہے خود ہی بناتا ہے، اور خود ہی اس کی ظاہری صورت کو آراستہ کرتا ہے، یا یوں کہو کہ وہی خالق ہے، وہی باری، اور وہی مصور ہے۔

مثال کے طور پر انسان کو لو جو اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اس وجود کے

Marfat.com

لئے سب سے پہلے ایک مجسمہ ضروری تھا جس کو انسانی صفات سے متصف کیا یہ مجسمہ مٹی اور پانی دونوں کی ترکیب سے تیار ہونا ضروری تھا کیونکہ صرف مٹی ایک خشک اور ٹھوس چیز ہے۔ جس میں نرمی اور لچک نہیں ہے اور صرف پانی ایک تر اور سیال شئے ہے جو قائم اور متماسک نہیں ہے، لہذا ان دونوں خشک اور تر چیزوں کا مرکب اور معتدل مادہ اس مجسمے کے لئے مناسب تھا اس کے بعد آگ کا جز بھی ان میں شامل ہونا تھا جس سے مٹی اور پانی کا قوام مستحکم ہو جائے اس کے بعد ضروری تھا کہ اس پانی مٹی کی خاص مقدار متعین ہو کیونکہ اگر تھوڑی سی مقدار ہو جائے تو اس مجسمہ سے انسانی افعال سرزد نہیں ہو سکتے اور ضعف و ہلاکت سے اس کا وہی حال ہو جو کیڑے مکوڑے کا ہوتا ہے اتنی بڑی مقدار بھی فضول تھی کی یہ مجسمہ پہاڑوں اور ٹیلوں کے برابر بن جاتا کیونکہ اتنے بڑے قد اور جسامت کی کوئی حاجت نہ تھی۔ یہ ساری باتیں اندازہ اور تجویز ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں تقدیر کہتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ ان امور کی تقدیر اور تقدیر کے موافق ایجاد کرنے کے لحاظ سے خالق ہے اور محض ایجاد کرنے اور عدم سے وجود میں لانے کے لحاظ سے باری ہے محض ایجاد اور چیز ہے۔ ایجاد کرنے اور عدم سے وجود میں لانے کے لحاظ سے باری ہے۔ محض ایجاد اور چیز ہے۔ اور ایجاد بوفق تقدیر اور چیز۔

اسم مصور خدا پر اس حیثیت سے صادق آتا ہے کہ اس نے تمام اشیاء کی صورتوں کو نہایت خوبی سے مرتب کیا ہے۔ اور ان کو اچھی صورت پر بنایا ہے۔ اور یہ اوصاف فعل سے ہے اس کی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے۔ جو تمام عالم صورت کو پہلے بالا جمال اور پھر بالتفصیل جانتا ہو کیونکہ تمام عالم ایک شخص کا حکم رکھتا ہے جو باہم ایک دوسرے کو کسی غرض مطلوب پر مدد دینے والے اعضاء سے مرکب ہو اس کے اعضاء و اجزاء آسمان اور ستارے اور زمین اور ان کے مابین کی اشیاء مثلاً پانی ہوا وغیرہ ہیں اس کے اجزاء ایسی محکم ترتیب سے مرتب ہیں کہ اگر اس ترتیب میں تغیر آ جائے تو نظام میں خلل آ جائے اس لئے جو جز اوپر رہنا چاہیے وہ بالائی سمت سے مخصوص ہے اور جو نیچے ہونا مناسب ہے وہ زیریں سمت سے خاص ہے جیسے کہ معمار دیواروں کی بنیاد میں پتھر اور ان کے بالائی حصے پر لکڑی رکھتا ہے نہ اتفاقاً بلکہ اس کے نزدیک یہ ترتیب مکان کی مضبوطی کے لئے ضروریات سے ہے اگر اس ترتیب کے خلاف پتھر کو اوپر اور لکڑی کو نیچے رکھا جائے تو عمارت ضرور منہدم ہو جاتی اور بنیاد ہرگز قائم نہ ہو سکتی اس پر ہم کرہ ارض و کرہ وغیرہ کا نیچے ہونا اور ستاروں کا اوپر ہونا قیاس کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

اگر تھوڑے سے جزءِ عالم کا ذکر اور ان کی ترتیب کی حکمت بیان کرنے لگیں تو ایک دفتر ہو جائے گا اس تفصیل کا جتنا کسی کو علم ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ مصور کے معنی سے واقف ہوگا یہ ترتیب و تصویر اجزائے عالم میں سے ہر جزء میں موجود ہے اگر چہ وہ چھوٹا ہی سا ہو یہاں تک کہ چیونٹی اور کیڑے میں بلکہ چیونٹی اور کیڑے کے ہر عضو میں موجود ہے ہر ایک جاندار کا ایک چھوٹا سا عضو آنکھ ہے اگر اس کی صورت کی تفصیل لکھیں کلام ختم نہ ہوگا، جو شخص آنکھ کے طبقات ان کی ہیئت شکل مقدار، رنگ اور ان کی وجہ حکمت سے واقف نہیں وہ ان کی صورت سے واقف نہیں اور نہ ان کے مصور سے واقف ہے صرف نام ہی نام جانتا ہے یہی حال ہر حیوان و نبات کی صورت بلکہ ان کے ہر جزء کی صورت کا کام ہے۔

تنبیہ: اسم مصور سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اس کے نفس میں تمام وجود کی صورت بہ ترتیبہ حاصل ہوتی کہ وہ تمام ہیئت عالم کو محیط ہو گویا کہ تمام عالم اس کے زیر نظر ہے پھر تمام پر تفصیلی غور کرے چنانچہ انسانی صورت کے بدن و اعضائے جسمانی کا حال معلوم کرے ان کے انواع و عدد ترکیب اور انسان کی آفرینش و ترکیب کی حکمت کو سمجھے پھر اس کی مصنوعی صفات اور معانی شریفہ کو معلوم کرے جن سے اس کے ادراکات اور ارادے وابستہ ہیں اور اسی طرح حیوانات اور نباتات کی صورتوں کو اپنے مقدور بھر ظاہر و باطن سے ملاحظہ کرے یہاں تک کہ تمام اشیاء کا نقش اور صورت اس کے ذہن میں منقش ہو جائے۔

یہ حال تو صور جسمانیہ کی معرفت کا تھا اور یہ سلسلہ روحانیت کی ترتیب کی بہ نسبت بہت مختصر ہے جن میں ملائکہ اور ان کے مراتب اور ان کے مقررہ تصرفات کی معرفت داخل ہے ملائکہ کے یہ تصرفات وہ ہیں جو وہ آسمانوں اور ستاروں میں کرتے ہیں پھر قلوب بشریہ میں ہدایت و ارشاد کا تصرف کرتے ہیں اور حیوانات میں ان کو اپنی حاجات کا احساس دلانے کا تصرف کرتے ہیں۔

غرض کہ اس اسم سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ وہ صور علمیہ کا جو صور وجودیہ کے مطابق ہوں اکتساب کرے کیونکہ علم اس صورت میں منقش فی النفس کا نام ہے جو صورت معلوم کے مطابق ہو اور صور کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم صور کے اعیان میں موجود ہونے کا سبب ہے اور وہ صور جو اعیان میں موجود ہو وہ انسان کے دل میں صور علمیہ کے حاصل ہونے کا سبب ہیں اور اس طرح بندہ خدا کے اسماء میں سے اسم مصور کے معنی سے علم حاصل کرتا ہے اور نیز وہ اپنے نفس میں صور حاصل کرنے کے باعث گویا کہ وہ مصور ہے اگر چہ بطور مجاز ہو کیونکہ یہ صورت اس میں بالتحقیق

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی ایجاد و اختراع سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ بندہ کے فعل سے لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فیضان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان اللہ لا یغیر مابقوم حتی یغیروا ما بانفسھم" یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی حالت کو متغیر نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ خود متغیر کریں۔

اور اسی لیئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات من رحمۃ الا فتعرضولھا" **الخالق** اور **البارئ**۔ میں بندہ کا کوئی حصہ نہیں ہے مگر بمجاز بعید جس کی توحید یہ ہے کہ خلق اور ایجاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی قدرت کو اپنے علم کے مطابق کلام میں لایا جائے اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لئے علم اور قدرت پیدا کی ہے اور اس کو اپنی تقدیر اور علم کے موافق مقدرات کے حاصل کرنے کا موقع میسر ہے اور امور موجودہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جن کا حصول ہر گز بندوں کی قدرت میں نہیں ہے جیسے آسمان ستارے زمین حیوانات اور نباتات وغیرہ دوسرے وہ جن کا حصول صرف بندوں کی قدرت سے وابستہ ہے اور یہ وہ ہیں جو اعمال عباد کہلاتے ہیں جیسے صناعات سیاسات عبادات اور مجاہدات چنانچہ جب بندہ ریاضتوں کے ساتھ اپنے نفس کے مجاہدہ میں اور اپنی مخلوق کی سیاست میں ایسے مدارج پر پہنچ جائے جن میں وہ ایسے امور کے استنباط کا امتیاز حاصل کر لے۔ جن کو پہلے کسی نے استنباط نہ کیا ہو۔ اور ساتھ ہی وہ ان کے کرنے اور ان کی ترغیب دینے پر قادر بھی ہو تو اس کو اس چیز کا مختراع کہا جائے گا جس کا پہلے وجود نہ ہو۔

چنانچہ شطرنج وضع کرنے واسطے کے حق میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کا واضع اور مختراع ہے کیونکہ اس نے ایک ایسی چیز وضع کی ہے جو کسی نے پہلے نہ کی تھی ہاں اتنی بات ہے کہ اگر اس نے کوئی ایسی چیز وضع کی جس میں کوئی نیکی نہیں ہے تو وہ مداح و ستائش کا مستحق نہ ہوگا اسی طرح ریاضات مجاہدات سیاسات اور صناعات میں جو نیکیوں کا سرچشمہ ہیں صور اور ترتیبات ملحوظ ہیں جن کو لوگ ایک دوسرے سے سیکھ لیتے ہیں اور پہلے استنباط کرنے والی کی طرف ترقی کرتے ہیں گویا یہ واضح ان صور کا مختراع اور خالق ہے حتی کہ اس پر یہ اسم مجازاً اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

اللہ کے اسماء میں سے کئی اسماء ایسے ہیں جن کو بندہ کی طرف مجازاً نقل کیا جائے گا اس قسم کے اسماء بہت ہیں اور بعض ایسے اسماء ہیں جو زندہ کے حق میں حقیقتاً ہوتے ہیں اور اللہ کے حق میں مجازاً جیسے اصبور الشکور۔

یہ مناسب نہیں ہے کہ اسم کی مشارکت تو دیکھ لی جائے مگر مذکورہ تفاوت پر غور نہ کیا

Marfat.com

جائے۔

(۱۵) اَلْغَفَّارُ

(بہت بخشنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے جو خوبی کو ظاہر کرتی ہے اور برائیوں اور گناہوں کو دنیا میں پردہ ڈال کر اور آخرت میں بخش کر رفت وگزشت کر دیتی ہے غفر کے معنی اللہ کا پہلا ستر اپنے بندے کے عیوب پر یہ ہے کہ اس کے بدن بدنما اور گھناؤنے حصے جو آنکھوں کو برے معلوم ہوتے ہیں اس کے باطن میں چھپا دیے جو اس کے جمال ظاہری رنگ روغن میں پنہاں ہیں سب جانتے ہیں کہ بندہ کے باطن اور ظاہر کی صفائی اور عدم صفائی اور خوبصورتی اور بدصورتی میں کس قدر فرق ہے غور کرنا چاہیے کہ خدا نے انسان کے جسم کا کونسا حصہ دکھایا ہے اور کونسا چھپایا ہے۔

دوسرا ستر یہ کہ اس کے برے خیالوں مزموم ارادوں اور مکروہ عقیدوں کو اس کے دل کی اندھیری کوٹھڑی میں بند کیا جائے تاکہ کوئی شخص ان شرمناک بھیدوں سے واقف نہ ہو اگر خلقت کو اس کے دل کا حال معلوم ہو جاتا اور اس کے وسوسوں اور دل کے کھوٹ اور خیانت اور بدظنی کا پتہ لگ جاتا تو لوگ اس کے دشمن بن جاتے بلکہ اس کو جان سے مار ڈالنے کی کوشش کرتے غور کرنا چاہیے کہ خدا نے اس کے اصرار اور مخفی امور کو کس طرح دوسرے لوگوں سے محفوظ رکھا ہے۔

تیسرا ستر یہ ہے کہ وہ بندہ کے ایسے گناہ بخش دیتا ہے جن سے وہ عام رسوا ہونے کا مستوجب ہوتا ہے اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر بندہ ایمان پر ثابت رہا تو اس کے چھوٹے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا تاکہ ان نیکیوں کے ثواب سے اس کے بڑے بڑے گناہ دب جائیں۔

تنبیہ: اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے متعلق جو بات مخفی رکھنی مناسب سمجھتا ہو وہ دوسرے کے متعلق بھی مخفی رکھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "من ستر علی مؤمن عورته ستر الله عورته یوم القیمة" یعنی جو شخص کسی مؤمن کی عیب پوشی کرے قیامت کے روز خدا اس کے عیب ڈھانکیگا۔

غیبت کرنے والا عیب جوئی کرنے والا دل میں کینہ رکھنے والا برائی کا بدلہ لینے والا یہ سب اس مبارک وصف سے محروم ہیں اس وصف سے متصف صرف وہی شخص ہے جو مخلوق خدا

Marfat.com

کی خوبیوں کے سوا کوئی بات ظاہر نہ کرے مخلوق میں کمال بھی ہے، نقص بھی، خرابی بھی ہے، خوبی بھی، جو شخص برائیوں سے چشم پوشی اور خوبیوں کا اظہار کرے وہ اس اسم سے پورا بہرا مند ہے جیسا کہ روایات ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں سمیت ایک مردہ کتے کے پاس سے گزرے جس کی بدبو پھیل رہی تھی لوگوں نے کہا یہ مُردار کس قدر سڑا ہوا ہے حضرت عیسیٰؑ نے اس کے دانتوں کی سفیدی کیسی چمکیلی ہے جس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ ہر چیز کے اچھے حصے کا ذکر کرنا چاہیے۔

(۱۶) اَلْقَهَّارُ

(زبردست یا غلبہ رکھنے والا)

قہار وہ ہے جو اپنے بڑے بڑے طاقتور دشمنوں کی کمر توڑ ڈالے ان کو ہلاک کرنے ذلیل بنا کر قہر رسیدہ کرے بلکہ قہار وہ ذات ہے جس کے قہر قدرت کے نیچے ہر موجود مسخر اور اس کے قبضہ میں عاجز ہو۔

تنبیہ: بندوں میں سے قہار وہ ہے جو اپنے دشمنوں کو مورد قہر بنائے انسان کا سب سے زیادہ سرکش دشمن نفس ہے جو اس کے پہلو میں موجود ہے جو شیطان سے بھی بڑھ کر اس کی دشمنی پر آمادہ ہے جو اس کو دھوکا دیا کرتا ہے جب بندہ اپنے نفس کی خواہشوں کو قابو میں کر لیتا ہے تو شیطان بھی دب جاتا ہے کیونکہ شیطان انھیں خواہشات کے ذریعہ سے انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے شیطان کا ایک جال عورتیں ہیں جس شخص میں شہوت کی قوت نہ ہو وہ اس پھندے میں نہیں پھنستا اس طرح جو شخص دین کی اطاعت اور عقل کی تابعداری سے اس خواہش کو روکے وہ اس سے امن میں رہتا ہے جب آدمی اپنے نفس کی شہوات پر قابض ہو جاتا ہے وہ تمام لوگوں کو قابو میں کر لیتا ہے پس اس پر کسی کا داؤ نہیں چل سکتا کیونکہ اس کے دشمنوں کا بڑے سے بڑا مدعا یہ ہوگا کہ اس کے جسم کو ہلاک کر دیں اور یہ گویا اس کی روح کو زندہ کرتا ہے کیونکہ جو شخص اپنی زندگی میں خواہشات کو مار لیتا ہے وہ موت کے بعد ابدی زندگی پاتا ہے خدا فرماتا ہے: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون، یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں کام آئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے اللہ کے پاس سے رزق پاتے ہیں۔

Marfat.com

(۱۷) اَلْوَھَّابُ

(بہت عطا کرنے والا)

ہبہ کے معنی عوض اور غرض کے بغیر بخشش، جب اس قسم کی بخششیں بکثرت ہوں تو ان کے فاعل کو جواد اور وہاب کہتے ہیں اور حقیقی جود و عطا اور ہبہ صرف اللہ تعالیٰ سے متصور ہو سکتا ہے کیونکہ وہی ہر محتاج کی حاجت بلا معاوضہ اور بلا کسی فوری یا بہ دیر حاصل ہونے والی غرض سے پوری کرتا ہے جو کوئی کسی غریب کے لئے کچھ عطا کرے جو فی الفور یا بدیر حاصل ہونے والی ہو اور وہ غرض یا محض مدح و ستائش ہو یا باہمی دوستی یا رفع الزام، یا حصول رتبہ و شہرت ہو تو وہ اپنی عطا کا عوض پا رہا ہے وھاب، یا جواد کے لقب کا کوئی حق دار نہیں کیونکہ عوض ہمیشہ عین ہی نہیں ہوتا بلکہ جو امر کہ ابھی حاصل نہیں اور عطا کرنے والے کا مدعا اس عطا سے وہی ہو وہ عوض ہے پس جس شخص نے اس لئے عطاء و بخشش کی کہ اس کی عزت ہو یا اس کی تعریف کی جائے یا اس لئے کہ اس کی بہ نسبت بدگوئی نہ کی جائے تو وہ شخص گویا ایک قسم کا لین دین کر رہا ہے حقیقی جواد وہ ہے جس سے طالب کو بلا معاوضہ فائدے حاصل ہوں بلکہ وہ جو کچھ کرتا ہے بخلوص نیت کرتا ہے اور وہ کام اس کی اصلی غرض اور وہی اس کا عوض ہے۔

تنبیہ: بندہ سے جود و بخشش متصور ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ تاوقتیکہ وہ اس کام کے کرنے کو اس کے ترک سے اولیٰ خیال نہیں کرتا اس وقت وہ اس کو ہاتھ نہیں لگاتا پس اس کا فعل کسی ذاتی غرض پر مبنی ہو گا لیکن جو شخص اپنا تمام مال حتی کہ اپنی جان بھی خاص اللہ کے لئے دے ڈالے نہ بہشتی نعمتوں کے حصول کے لئے نہ عذاب دوزخ کے خوف سے اور کسی فوراً یا بدیر حاصل ہونے والے مطلب کے لئے جو بشری مطالب میں سے ہو، البتہ یہ شخص ایک طرح سے وھاب اور جواد کے خطابات کا مستحق ہے اس سے کم رتبہ وہ شخص ہے جو اس غرض سے بخشش کرے کہ بہشت کی نعمتیں حاصل ہوں اور اس سے نیچے اس شخص کا درجہ ہے جو اپنے ذکر خیر کی خاطر سخاوت کرے۔

جو شخص اپنے وجود عطا کے عوض میں ایسی چیز کا طالب ہو جس کا دست بدست لین دین نہیں ہو سکتا تو وہی لوگ اس کو جواد کے لقب کا حقدار سمجھتے ہیں جن کے نزدیک صرف مادی چیزیں عوض ہو سکتی ہیں۔

سوال: جو شخص اپنا تمام مملوکہ مال بلا کسی حاصل و آجل غرض کہ خالصاً لوجہ اللہ دے

Marfat.com

الناہے اس کو کیوں اجواد نہیں کہا جاتا، حالانکہ وہ کوئی حظ نہیں پاتا۔

جواب: یہ ہے کہ اس کا حصہ خاص خدا کی ذات اس کی رضا اور اس کا دیدار اور اس کا وصال ہے اور یہ حصہ وہ سعادت عظمیٰ ہے جس کو انسان اپنے افعال اختیاریہ کی بدولت حاصل کرتا ہے اور یہ وہ حصہ ہے جس کے آگے سارے حصے ناچیز ہیں۔

سوال: یہ جو کہا کرتے ہیں کہ خدا کا عارف جو اس کی عبادت کرتا ہے تو خدا کی ذات کے سوا اور کوئی غرض اس کو مدنظر نہیں ہوتی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر بندہ کا فعل غرض سے خالی نہیں ہو سکتا تو خاص خدا کی طرف عبادت کرنے والے اور کسی دوسری غرض کے لئے عبادت کرنے والے میں کیا فرق ہے؟

جواب: جمہور کے نزدیک حظ (غرض) سے مراد لوگوں کے مشہور اغراض ہیں جو شخص ان سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس کا مقصد خدا کی ذات کے سوا اور کوئی شے نہیں رہتی تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اغراض کو ترک کر دیا۔

یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ غلام اپنے آقا کا لحاظ نہ خاص آقا کے لئے کرتا ہے بلکہ اس انعام و اکرام کے لئے کرتا ہے جو اس کو اپنے آقا سے حاصل ہوتا ہے اور آقا اپنے غلام کے ساتھ حسن سلوک کوئی خاص اس کی ذات کے لئے نہیں کرتا بلکہ اس خدمت گزاری کے خاطر کرتا ہے جو اپنے غلام سے مطلوب ہوتی ہے مگر باپ جو اپنے بیٹے کی پرورش اور اس کے ساتھ ہر طرح حسن سلوک کرتا ہے تو خاص اس کی ذات کے لئے کرتا ہے کسی غرض کے لئے نہیں جو بیٹے سے مطلوب ہو بلکہ اگر بالکل کوئی فائدہ بیٹے سے حاصل نہ بھی ہوتا ہو تو بھی اس کے مصالح میں برابر مدد دیتا رہے گا۔

اور جو شخص کوئی چیز طلب کرے جس سے خاص اس چیز کی ذات مطلوب نہ ہو بلکہ اس کے ذریعہ سے کوئی اور شے حاصل کرنا منظور ہو تو گویا وہ اس چیز کا طالب نہیں ہے کیونکہ اس کی طلب کا وہ اصلی مدعا نہیں ہے بلکہ اصلی مدعا اور شے ہے جیسے ایک شخص سونے کی جستجو میں ہے تو سونا اس کا مطلب لذاتہ ہے ان سے آگے اور کوئی شے حاصل کرنا مقصود نہیں ہے غرض سونا

۱۔ یہ سوال مذکورہ تنبیہ پر عائد ہوتا ہے جس کے آغاز میں کہا تھا کہ بندہ سے جود و بخشش متصور ہی نہیں ہوتی پھر آگے جو کہا تھا کہ بندہ اپنا مال و جان خدا کی نظر دے ڈالے وہ جواد کہلانے کا مستحق ہے تو یہ گویا ایک تجوز کی صورت نکالی تھی۔ **مترجم**

Marfat.com

طعام کا ذریعہ ہے اور طعام آرام کا وسیلہ ہے اور آرام ہی اصل مقصود ہے یہ آگے کسی اور چیز کا واسطہ نہیں ہے اسی طرح بیٹا والد کے حق میں واسطہ نہیں ہے، بلکہ باپ کو بیٹے کی سلامتی کا حصول بیٹے کے خاطر مطلوب ہے کیونکہ بیٹے کی ذات ہی اس کی ملحوظ خاطر ہے اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی خاطر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس اس کی عبادت کو طلب جنت کا واسطہ بنایا ہے اس کا آخری مقصد نہیں بنایا واسطہ کی علامت یہ ہے کہ اگر مطلوب اس کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو اس سے واسطہ کو طلب نہیں کیا جاتا جیسا کہ اگر مذکورہ مقاصد سونے کے بغیر حاصل ہو جائیں تو کوئی سونے کا نام ہی نہ لے کیونکہ اصلی غرض کا حاصل کرنا منظور ہے سونے کا حاصل کرنا منظور نہیں۔

اگر اس شخص کو جو جنت کی خاطر عبادت کرتا ہے یونہی جنت حاصل ہو سکتی ہے تو وہ کبھی خدا کی عبادت نہ کرتا کیونکہ اس کی محبوب و مطلوب صرف جنت ہے نہ کوئی اور شئے۔ لیکن جس کا اصل مطلوب محبوب خاص خدا کی ذات ہے اور کوئی نہیں بلکہ خدا کے دیدار اس کے قرب اور ملاء اعلیٰ کی مرافقت سے مسرور رہنا اس کی غرض ہے اس کی نسبت جو کہا جائیگا کہ وہ خدا کی عبادت خاص خدا ہی کے لئے کرتا ہے تو اس کا یہ معنی نہیں ہوگا کہ وہ کسی مدعا کا طالب نہیں ہے بلکہ اسکی یہ معنی ہوگی کہ اس کا مدعا خاص خدا کی ذات ہے اس کے سوا اور کوئی غرض اس کو مدنظر نہیں ہے اور جو شخص دیدار الٰہی اور اس کی معرفت اور مشاہدہ اور قرب کے سرور کی لذت ایمان نہیں رکھتا وہ اس کا شائق نہیں ہوسکتا اور جو اس کا شائق نہیں اس کی نسبت یہ تصور ہی نہیں ہوسکتا کہ ذات خداوند اس کی مقصود ہو لہذا اس کی عبادت وہی کیفیت ہوگی، جیسے کوئی مزدور اجرت کی طمع پر کام کرتا ہے اکثر لوگ اس لذت سے ناآشنا اور اس کے معنی سے ناواقف ہیں وہ نہیں سمجھتے کہ مشاہدہ ذات باری کی کیا لذت ہے وہ زبان ہی زبان سے اس پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دلوں کو میلان صرف بڑی آنکھوں والی پیاری پیاری روحوں کی طرف ہے۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ اگر خدا کی لذت یعنی اس کے دیدار اور قرب کو غرض مدعا کہا جا سکتا ہے تو اغراض و مقاصد سے بری ہونا محال ہے اور اگر غرض و مقصد سے وہ معنی مراد ہیں جو عموماً مشہور ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں تو وہ اغراض نہیں ہے اور اگر اس سے مراد وہ شئے ہو جس کا حصول بندہ کے حق میں عدم حصول سے بہتر ہو تو اس کو غرض میں شمار کیا جائے گا۔

Marfat.com

(۱۸) اَلرَّزَّاقُ

(روزی پہنچانے والا)

رزّاق سے مراد وہ ذات پاک ہے جس نے روزی کی محتاج مخلوقات کو پیدا کر کے اس کو روزی پہنچائی اور اس کے لئے روزی سے فائدہ اٹھانے کے اسباب پیدا کیے۔

رزق کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک ظاہری رزق جس سے مراد غذا وخوراک ہے جو اشیاء ظاہرہ کے لئے ہے اور یہ اشیاء بدن ہیں۔

(۲) دوسرا رزق باطن ہے اس سے مراد معرفت اور کشف ہے یہ قلب اور روح کے لئے ہے۔

دوسرا رزق زیادہ قابل عزت ہے کیونکہ اس کا ثمرہ ابدی زندگی ہے اور رزق ظاہری کا ثمرہ یہ کہ ایک خاص محدود مدت تک جسم کی قوت قائم رہتی ہے اللہ تعالیٰ یہ دونوں رزق پیدا کرتا ہے اور دونوں فریقوں کو ان سے بہرہ ور بناتا ہے[۱] "ولکنہ یبسط الرزق لمن یشآء ویقدر"

تنبیہ: اس وصف سے بندہ کا اصلی حصہ دو امر ہیں (۱) ایک تو یہ کہ اس وصف کی حقیقت سمجھے۔ اور یقین کرے کہ خدا کے سوا اور کوئی اس وصف کا مستحق نہیں ہے لہٰذا ہمیشہ خدا ہی کو روزی رساں سمجھے اور اس کے متعلق خدا ہی پر توکل کرے۔

جیسے کہ (**حاتم اصم**ؒ) کی نسبت روایت ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو؟

حاتم: اس کے خزانے سے۔

سائل: کیا وہ آسمان سے تمہاری طرف روٹی پھینک دیتا ہے؟

حاتم: اگر زمین اس کی اپنی نہ ہوتی تو بیشک اس کو آسمان ہی سے روٹی پھینکنی پڑتی۔

سائل: تم کلام کی تاویل کر لیتے ہو؟

حاتم: اس لئے کہ اس نے آسمان سے کلام ہی نازل فرمایا ہے۔

سائل: معاف کیجئے میں آپ سے بحث کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔

حاتم: اس لئے کہ حق کے آگے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔

---

[۱] خدا جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی فراخی کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔

Marfat.com

بندہ کے حصے میں دوسرا امر یہ ہے کہ خدا اس کو نیک ہدایت کرنے والا علم، اور نیکی کا راستہ دکھانے والی زبان اور صدقہ وخیرات دینے والا ہاتھ عطا کرے اور وہ اپنے نیک اقوال واعمال کی بدولت لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ قابل عزت رزق پہنچنے کا موجب ہو اور خدا جب اپنے بندے پر محبت کی نظر کرتا ہے تو اس کی طرف لوگوں کی حاجات بڑھا دیتا ہے اور جب وہ اللہ اور اللہ کے بندوں کے مابین وصول رزق کا ذریعہ بن جاتا ہے تو اس وصف سے بخوبی بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: **الخازن الامین الذی یعطی ما امر به طیبة به نفسه احد المتصدقین** ''یعنی دیانت دار خزانچی کہ جو کچھ اس کے مالک نے فرمایا ہو دل کی خوشی سے دیتا ہے وہ خیرات اور صدقہ دینے والا ہے۔

بندوں کے ہاتھ خدا کے خزانے ہیں پس خدا نے جس شخص کے ہاتھوں کو بدنوں کے رزق کا خزانہ اور اس کی زبان کو دلوں کے رزق کا خزانہ بنایا ہو اس نے اس وصف سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا ہے۔

(۱۹) اَلْفَتَّاحُ

(مشکل کشا، یا بندوں میں حکم کرنے والا)

فتاح وہ ہے جس کی عنایت سے ہر مغلق کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جس کی ہدایت سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے کبھی وہ اپنے انبیاء کے ہاتھ پر ممالک فتح کرتا ہے اور دشمنوں کے ہاتھ سے چھین لیتا ہے اور فرماتا ہے: ''**انا فتحنا لک فتحاً مبینا، لیغفر لک اللہ**'' (تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر، تا کہ بخشے واسطے تیرے خدا) اور کبھی اپنے اولیاء کے دلوں سے حجاب اٹھا کر ان کے لئے عالم ملکوت اور جمال کبریائی کی طرف دروازے کھول دیتا ہے اور فرماتا ہے ''**مایفتح اللہ للناس من رحمة فلاممسک لها**'' ''یعنی اللہ جو لوگوں پر رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے کوئی ان کو بند نہیں کر سکتا'' اور جس کے ہاتھ میں غیب کی کنجیاں اور رزق کی کنجیاں ہوں وہ فتاح کہلانے کا سب سے بڑا حق دار ہے۔

تنبیہ: بندے کو یہ درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی زبان کے ساتھ مشکلات الٰہیہ کے نکات حل ہوں اور اس کی معرفت سے وہ دینی و دنیوی امور آسان ہو جائیں جو لوگوں کے لئے مشکل ہو رہے ہیں تا کہ اس کو اسم الفتاح سے پورا حصہ مل سکے۔

Marfat.com

(۲۰) اَلْعَلِيْمُ

(بہت جاننے والا)

اس کے معنی ظاہر ہیں، اور اس کا کمال یہ ہے کہ وہ ظاہر و باطن اور دقیق و جلیل چیز کا علم اول سے آخر تک رکھتا ہو، اور یہ علم وضوح وکشف کے سب سے زیادہ مکمل طریقے سے ہو جس سے زیادہ ظاہر کوئی بھی مشاہدہ اور کشف تصور میں نہیں آ سکتا پھر یہ کہ وہ معلومات کے ذریعہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو بلکہ تمام معلومات اس کے ذریعہ سے کیے گئے ہوں۔

تنبیہ: بندہ کا علیم کے اسم سے جو حصہ ہے وہ مخفی نہیں لیکن اس کا علم خدا کے علم سے تین باتوں میں جدا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ بندہ کی معلومات گو کتنی ہی زیادہ ہوں، مگر وہ ایک محدود مقدار رکھتی ہیں، پس ان معلومات کے ساتھ ان کو کیا نسبت جو بے انتہاء ہیں۔

(۲) دوم یہ کہ بندہ کا کشف اگر چہ خوب روشن ہو مگر اس حد تک نہیں پہنچ سکتا جس کے بعض وضوح اور روشنی کا درجہ ممکن نہ ہو بلکہ اس کا مشاہدہ ایسا ہوگا جیسے ایک باریک پردہ سے دیکھ رہا ہو اور پھر درجات مشاہدہ میں جو فرق ہے اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ باطنی بصیرت کا حال ظاہری بصارت کا سا ہے اور طلوع فجر کے وقت کسی چیز کے دکھائی دینے اور سورج نکلنے کے بعد دکھائی دینے میں بڑا فرق ہے۔

(۳) سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم اشیاء کے علم سے حاصل نہیں ہے بلکہ اشیاء اس کے علم سے مستفاد ہیں اور بندہ کو جو اشیاء کا علم ہے وہ اشیاء کے تابع اور اشیاء ہی سے حاصل ہے۔

اگر اس کے فرق کے سمجھنے سے ابھی تمہارا ذہن قاصر ہو تو شطرنج کی بازی سیکھنے والے کے علم کو واضع شطرنج کے علم سے ملا کر دیکھو اور غور کرو کہ واضع کا علم شطرنج کے وجود کا سبب ہے اور شطرنج کا وجود شطرنج سیکھنے والے کے علم کا سبب ہے اور واضع کا علم شطرنج کے وجود سے مقدم ہے، اور سیکھنے والے کا علم مؤخر ہے اسی طرح اشیاء کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم سب سے مقدم اور ان سب کا سبب ہے اور ہمارا علم اس کے خلاف ہے۔

علم کی بدولت بندے کا شرف اس لئے ہے کہ وہ اللہ کی صفات سے ہے لیکن سب سے زیادہ شریف علم وہ ہے جس کا موضوع زیادہ شریف ہو اور سب سے زیادہ شریف اللہ تعالیٰ

Marfat.com

ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت سب معرفتوں سے زیادہ افضل ہے بلکہ تمام اشیاء کی معرفت کو جو شرف حاصل ہے وہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی معرفت ہے یا اس طریق کی معرفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی معرفت اور اسکے قرب کا حصول آسان ہو جاتا ہے جو معرفت اس سے خارج ہو اس میں زیادہ بھلائی نہیں ہے۔

(۲۱) اَلْقَابِضُ

(بندوں کی روزی محدود کرنے والا)

(۲۲) اَلْبَاسِطُ

(بندوں کی روزی فراخ کرنے والا)

یہ اس معبود برحق کے نام ہیں جو موت کے وقت جانوں کو جسموں سے قبض کرتا ہے۔ زندگی کے وقت جسموں میں جانیں ڈالتا ہے اور وہ اغنیاء سے خیراتیں بند کر لیتا ہے محتاج لوگوں کے لئے رزق وافر کر دیتا ہے اور اغنیاء کے لئے رزق کشادہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان کو کبھی فاقہ کرنے کا موقع نہیں پڑتا فقیروں کو تنگ دست بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بیچارے عاجز آ جاتے ہیں۔ وہ دلوں کو قبض کرتا ہے۔ اور اپنی بے پرواہی۔ بزرگی اور جلال کا پورا پورا احساس دلا کر ضیق میں ڈال دیتا ہے۔ اور پھر اپنے لطف واحسان اور جمال کے فیضان سے ان پر بسط کی حالت طاری کر دیتا ہے۔

تنبیہ: بندوں میں قابض وباسط وہ جس کو خدا کی طرف سے عجیب عجیب حکمتیں اور جامع کلمات عطا ہوئے ہوں۔ پس کبھی تو وہ خدا کی نعمتوں اور عنایتوں کا حال سنا کر لوگوں کے دل باغ باغ بنا دیتا ہے۔ اور کبھی اس کے جلال اور کبریا اور اس کے عذاب وبلا کے اقسام اور اپنے دشمنوں سے اس کے انتقام کا حال سنا کر ڈرائے اور ان کے دل میں سختی ڈال دے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا کہ ایک بار تو یہ بات سنا کر صحابہؓ کے دل عبادت سے تنگ کر دیئے کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو قیامت کے دن فرمائے گا (بعث بعث النار) دوزخی جماعت روانہ ہو حضرت آدمؑ پوچھیں گے کہ کتنے دوزخی ؟ تو خدا فرمائے گا ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ جس سے صحابہ کے دل ٹوٹ گئے اور وہ عبادت سے سست ہوئے۔

Marfat.com

جب صبح ہوئی اور آپ نے ان کی سستی اور قبض کی حالت ملاحظہ فرمائی تو ان کے دلوں کو تسلی دی۔ اطمینان دلایا اور یہ فرما کر ان پر بسط کی حالت طاری کر دی کہ وہ قیامت کے دن تمام سابقہ امتوں میں سے اس طرح ممتاز نظر آئے گی جس طرح ایک سفید رنگ کے بیل کے بدن پر سیاہ بال۔

(۲۳) اَلْخَافِضُ

(نافرمانوں کو پست کرنے والا)

(۲۴) اَلرَّافِعُ

(فرمانبرداروں کو بلند کرنے والا)

ان ناموں سے مراد وہ موجود برحق ہے جو کفار کو بدبختی میں مبتلا کر کے پست کر دیتا ہے اور مومنوں کو کامیابی بخش کر بلند کر دیتا ہے۔ اپنے اولیاء کو قرب کی بلندی بخش دیتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں کو دوری کے گڑھے میں ڈالتا ہے جو شخص محسوسات اور مخیلات سے اپنا مشاہدہ اور بری خواہشات سے اپنا ارادہ بلند کر لیتا ہے اس کو وہ موجود برحق ملائکہ مقربین کے مقام تک ترقی عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنا مشاہدہ محسوسات پر اور اپنی ہمت کو ان خواہشات نفسانی پر جن میں چوپائے بھی اس کے شریک ہیں مائل رکھتا ہے۔ تو اس کو وہ ''اسفل السافلین'' میں گرا دیتا ہے۔ اور یہ کام خاص خداوند تعالیٰ کے لئے ہیں لہذا وہ خافض اور رافع ہے۔

تنبیہ: ان اسموں سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ حق کو بلند اور باطل کو پست کرے۔ اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے حق بات کہنے والے کی تائید کرے اور غلط بات بیان کرنے والے کو دھمکائے خدا کے دشمنوں سے دشمنی کرے تا کہ ان کو پست کرے اور خدا کے دوستوں سے دوستی رکھے تا کہ ان کو عالی رتبہ ہونے میں مدد دے اسی لئے اللہ نے اپنے کسی ولی سے فرمایا ہے کہ:

''تم نے دنیا میں زہد کیا تھا اس کے عوض میں تم کو راحت مل گئی اور مجھ کو جو یاد کیا تو میرا دیدار بھی حاصل ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے کسی میرے دوست سے دوستی اور کسی دشمن سے دشمنی بھی کی''؟

Marfat.com

(۲۵) اَلْمُعِزُّ
(عزت دینے والا)

(۲۶) اَلْمُذِلُّ
(ذلیل کرنے والا)

یہ وہ ذات ہے جو جس کو چاہے بادشاہی دے جس سے چاہے چھینے سچی بادشاہی یہ ہے کہ محتاجی کی ذلت اور شمولیت کی مجبوری اور نادانی کے عیب سے نجات حاصل ہو پس اس نے جس کے دل سے پردہ اٹھادیا یہاں تک کہ اس نے اس ذات صفات کے جمال کا نظارہ کرلیا اور اس کو قناعت کی توفیق بخشی یہاں تک کہ وہ اس کی بدولت مخلوق سے بے پرواہ ہوگیا۔

اور اس کو قوت وطاقت بخشی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کی صفات پر غالب آ گیا۔ تو اس کو اس جہاں میں بھی عزت اور بادشاہی عطا کی۔ اور پھر آخرت میں بھی تقرب کی عزت بخشے گا اور فرمائے گا "یاایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک" یعنی اے نفس مطمئن ہو اپنے رب کی طرف جا۔

اور جو شخص مخلوق پر نظر رکھتا ہے حتی کہ اس کا محتاج بن جاتا ہے اور اس پر اس قدر حرص غالب ہو جاتی ہے کہ وہ کسی حد تک قناعت نہیں کرتا اور جہالت کے اندھیرے میں پڑا رہتا ہے اس کو خدا نے بالکل ذلیل کردیا۔ اور اس سے ملک چھین لیا۔ یہ خدا کے کام ہیں۔ جس طرح چاہے کرے۔ وہی عزت دینے والا ہے اور وہی ذلت دینے والا۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اور یہ ذلیل وہ ہے جس کو خدا ان الفاظ سے مخاطب کرتا ہے کہ:۔

ولکنکم فتنتم انفسکم وتربصتم وارتبتم وغرتکم

Marfat.com

الامانی حتی جآء امر اللہ وغرکم باللہ الغرور فالیوم لا یوخذ منکم فدیۃ"

(الآیۃ) یعنی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالا اور گھات میں بیٹھے اور شک کیا۔ اور تم کو آرزوؤں نے دھوکا دیا یہاں تک کہ خدا کا حکم آیا۔ اور غرور نے تم کو خدا کی نسبت غلط فہمی میں ڈال رکھا پس آج تم سے فدیہ منظور نہیں کیا جائے گا۔

(۲۷) اَلسَّمِیْعُ

(بہت سننے والا)

سمیع وہ ذات ہے جس کے ادراک سے کوئی سننے کی بات مخفی نہیں رہتی خواہ باریک سے باریک ہو وہ کالی رات کے وقت کالے پتھر پر چلنے والی کالی چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ بھی سنتا ہے۔ حمد کہنے والوں کی حمد سن کر جزائے خیر دیتا ہے۔ دعا کرنے والوں کی دعا سن کر قبول کرتا ہے۔ اسکی شنوائی کانوں اور کان کے پردوں کے بغیر ہی ہے۔ جس طرح کے اس کے دوسرے افعال بلا اعضاء کے اور کلام بے زبان کے ہے اور اس کی شنوائی حدوث وتجدد سے پاک ہے۔

جب تم کو یہ معلوم ہو چکا کہ اس کی شنوائی ایسے تغیرات سے پاک ہے۔ جو مسموعات کے تازہ وقوع کے وقت عارض ہو سکتے ہیں۔ اور تم نے اس کو اس امر سے منزہ سمجھ لیا ہے۔ کہ وہ کان یا کسی دوسرے آلے سے سنتا ہو تو تم خود بخود نتیجہ نکال سکتے ہو کہ اس کی شنوائی کیا ہے؟ ایک صفت ہے جس سے اشیاء کی صفات کی پوری کی پوری ماہیت اس پر منکشف ہو جاتی ہیں جو شخص اس امر پر غور نہیں کرتا وہ تشبیہ[1] کے خیال میں مبتلاء ہو جاتا ہے تم اس سے بچو اور ذرا غور وفکر سے کام لو۔

تنبیہ: بندہ کو حس کی حیثیت سے شنوائی کا جو حصہ حاصل ہے وہ ناقص ہے کیونکہ وہ تمام مصنوعات کو ادراک نہیں کر سکتا بلکہ صرف انھیں آوازوں کو محسوس کر سکتا ہے جو اس کے قریب ہوں پھر یہ کہ اس کا ادراک ایک عضو کے ذریعے سے ہے اور وہ ایک ایسا آلہ ہے جو مختلف آفات میں گھرا ہوا ہے اگر آواز دھیمی ہو تو وہ ادراک نہیں کر سکتا اگر دور ہو تو بھی سن نہیں سکتا اگر آواز بڑی ہو تو شنوائی کا پردہ ہی پھٹ جاتا ہے اور شنوائی باطل ہو جاتی ہے۔

[1] یعنی خدا کی شنوائی کو حیوانات کی شنوائی جیسی سمجھنے لگتا ہے۔

Marfat.com

شنوائی سے بندہ کا دینی حصہ دو امر ہیں (۱) تو یہ کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے لہذا اپنی زبان کو برے کلام اور بیہودہ گوئی سے محفوظ رکھے۔

(۲) یاد رکھے کہ اس کو سننے کی طاقت اس لئے دی گئی ہے کہ خدا کا کلام سنے جو اس نے نازل فرمایا ہے اور اس کے ذریعہ سے خدا کی راہ پر چلنے کی ہدایت حاصل کرے غرض اس کے سوا اور کسی بات میں اپنی شنوائی استعمال نہ کرے۔

(۲۸) اَلْبَصِیْرُ

(بہت دیکھنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے جو ہر چیز کو صاف صاف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ مٹی میں چھپی ہوئی چیزیں بھی اس کی نظر سے مخفی نہیں ہیں اس کا دیکھنا بھی پتلی ڈھیلے اور پپوٹے وغیرہ سے پاک ہے اور اس معنی سے بری ہے کہ اس کی ذات میں اشیاء کی صورتیں اور رنگ منطبع ہوتے ہوں جیسے انسان کی آنکھ میں منطبع ہوتے ہیں کیونکہ یہ امور تاثرات و تغیرات کی قبیل سے ہیں جو تجدد و حدوث کے مقتضی ہیں جب وہ ان امور سے پاک ہے تو اس کا دیکھنا ایک ایسی صفت ہے جس سے دیدنی اشیاء کی ٹھیک ٹھیک صفات منکشف ہو جاتی ہیں اور یہ بینائی اس بینائی سے زیادہ روشن اور تیز ہے جو آنکھوں کو حاصل ہے اور جو اکثر صاف اور ظاہر چیزوں کو محسوس کرنے سے بھی قاصر رہتی ہے۔

تنبیہ: وصف بصر میں حس کی حیثیت سے جو حصہ بندہ کو حاصل ہے وہ ظاہر ہے لیکن وہ ضعیف اور قاصر ہے کیونکہ اس کی طاقت دور تک کام نہیں کرتی اور نہ اشیاء میں جاتی ہے بلکہ صرف ظاہری اشیاء کو محسوس کرتی ہے یہ چھپی ڈھکی باتوں سے قاصر ہے۔

دینی حصہ دو چیزیں ہیں (۱) ایک تو یہ کہ وہ یقین رکھے کہ اس کو بینائی اس لئے دی گئی

---

[1] شاید تم اعتراض کرو کہ کیونکر ممکن ہے کہ سارا دن قرآن ہی سنتے رہیں اور دنیا کی کوئی بات درمیان نہ آئے نہیں نہیں تم اس کا مطلب نہیں سمجھے مصنف علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو شبانہ روزی کاروبار میں جو مختلف معاملات میں پیش آتے ہیں ان کے متعلق ہر وقت قرآنی احکام کا پابند رہے جو بات قرآن کے مطابق ہو اس کو ضرور قبول کر لے خواہ احکام الٰہی کے لباس میں اس کو سنائی گئی ہو یا سرکاری قانون کی صورت میں پیش کی گئی ہو یا دوستانہ مشورے کے رنگ میں جو بات اس کے خلاف ہو اس کو قبول کرنا جدا رہا سننا بھی گوارا نہ کرے۔

Marfat.com

ہے کہ وہ خدا کی نشانیوں اور عجائب ملکوت اور آسمانوں پر نظر کرے تا کہ اس کو عبرت حاصل ہو۔
کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق میں سے کوئی شخص آپ جیسا ہوگا؟ فرمایا ہاں جس شخص کی نظر عبرت کے لئے ہو اور خاموشی غور وفکر کے لیے اور کلام خدا کے ذکر کے لئے وہ مجھ جیسا ہے۔

دوم یاد رکھے کہ وہ ہر وقت خدا کی نظر میں ہے لہذا اس کی نظر سے بے پروائی نہ کرے جو شخص لوگوں سے ایسی باتیں چھپاتا ہے جو اللہ سے نہیں چھپاتا وہ گویا خدا کی نظر سے بے پروائی کر رہا ہے۔

اس صفت پر ایمان لانے کا ایک ثمرہ مراقبہ ہے پس جو شخص جانتا ہے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے اور پھر کسی گناہ کے قریب جاتا ہے وہ کیسا دلیر اور گستاخ ہے! اور اگر یہ گمان رکھتا ہے کہ خدا نہیں دیکھتا، تو وہ کتنا بڑا کافر ہے!!!

(۲۹) اَلْحَکَمُ

(مخلوقات کا حاکم)

حکم وہ حاکم ہے جو لوگوں کے فیصلے کرتا ہے اور جس کے آگے سب مخلوق سر تسلیم خم کرتی ہے جس کے حکم کو کوئی نامنظور نہیں کرتا اور نہ کوئی اس کے فیصلے کو واپس کر سکتا ہے جس کا بندوں کے حق میں یہ حکم ہے ”لیس للانسان الا ماسعیٰ، وان سعیه سوف یریٰ“ یعنی انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کمایا اور اس کی کمائی عنقریب دکھائی جائے گی ”ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم“ یعنی بھلے لوگ نعمتوں میں ہونگے اور برے لوگ دوزخ میں۔

بھلے اور برے لوگوں کے متعلق خوش قسمتی اور بدبختی کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے بھلائی اور برائی کو بھلے اور برے لوگوں کی سعادت وشقاوت کا سبب بنا دیا ہے جیسے کہ دواؤں اور زہروں کو ان کے کھانے والوں کے لئے شفا اور موت کا باعث بنا دیا ہے چونکہ حکمت کا معنی اسباب پر مسببات کو مترتب کرتا ہے لہذا خداوند تعالیٰ حکم مطلق ہے کیونکہ وہی تمام اسباب مہیا کرتا ہے۔

حکم سے قضا و قدر کے معنی پیدا ہوتے ہیں دیکھو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اسباب وضع کرتا ہے تا کہ وہ مسببات تک منتہی ہوں پھر ان کی کلی واصلی اور ثابت ومستقر اسباب کو جو زائل ہونے

Marfat.com

ہیں اور نہ متغیر ہوتے ہیں نصب کرنا قضا ہے جیسا کہ زمین آسمان ستارے اور ان کی حرکات جو متناسب اور دائم ہیں نہ ان میں تغیر آتا ہے اور نہ وہ آگے پیچھے ہوتی ہیں یہاں تک کہ اس کا تحریری حکم اپنی میعاد کو پہنچ جائے گا چنانچہ فرمایا: "فقضٰهن سبع سمٰوٰت فی یومین واوحیٰ فی کل سماءٍ امرھا"

یعنی پس کر دیا انھیں دو دن میں سات آسمان اور ہر آسمان کو اس کا امر وحی کیا پھر ان متناسب و محدود اور مقدر محسوب اسباب کو ان مسببات کی طرف متوجہ کرنا قدر ہے جو ان اسباب سے لحظہ بہ لحظہ حادث ہوتے ہیں۔

غرض حکم وہ پہلی اور کلی تدبیر اور چوٹی کا امر ہے جو آنکھ کے جھپکے سے بھی جلد وقوع پا جاتا ہے اور قضا اسباب کلیہ کا اصولی طور پر وضع کرنے کا نام ہے۔

اور قدر سے مراد ان اسباب کلیہ کو ایک متناسب و محسوب رفتار کے ساتھ محدود و معدود مسببات کی طرف ایسے اندازہ کے ساتھ تحریک دینا ہے جو کم و بیش نہ ہو اس لئے کوئی چیز اس کی قضا و قدر سے باہر نہیں نکل سکتی اور یہ بات ذیل کی مثال سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

تم نے کبھی نہ کبھی گھڑی کا صندوق دیکھا ہوگا جس سے اوقات نماز کا پتہ لگتا ہے اگر نہیں دیکھا تو ہم اس کی کیفیت بتا سکتے ہیں۔

ایک آلہ بشکل ستون ہوتا ہے جس میں معین اور خاص مقدار کا پانی ہوتا ہے اس کے اندر اور پانی کے اوپر ایک اور مجوف آلہ ہوتا ہے۔ جو ایک طرف سے دھاگے کے ساتھ بندھا ہوتا ہے اور دوسری طرف سے پانی پر تیرتا رہتا ہے اس دھاگے کا دوسرا سرا ایک چھوٹے سے ظرف کے نیچے پہنچا ہوا ہوتا ہے جو مذکورہ ستون نما آلہ کے اوپر دھرا رہتا ہے اسی ظرف میں ایک گیند اور اس کے نیچے ایک طشتری اس طرح رکھی ہوتی ہے کہ اگر گیند طشتری میں آ گرے تو اس کی آواز سنائی دے ستون نما آلہ کے نیچے ایک خاص مقدار کا سراخ ہوتا ہے۔ جس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی نیچے بہتا رہتا ہے۔ جب سارا پانی نیچے بھر جاتا ہے۔ تو پانی پر تیرنے والا نیچے لٹک جاتا ہے۔

ادھر اس کے لٹکنے سے دھاگے کی جو کشش ہوتی ہے تو اس کے دوسرے سرے کی تحریک سے گیند طشتری میں آ گرتا ہے اور اس کے گرنے کی آواز سن کر آس پاس کے لوگ خبر دار ہو جاتے ہیں۔

ایک گھنٹے کے ختم ہونے پر یہ گیند ایک بار گرتا ہے۔ گیند کے دوبارہ گرنے کا درمیانی

Marfat.com

عرصہ پانی کے نکلنے اور بہہ جانے کی مقدار سے ہوتا ہے۔ اور یہ بات سوراخ کے مقدار پر موقوف ہے جس سے پانی نکلتا ہے۔ اور یہ امر حساب کے طریقے سے معلوم کیا جاتا ہے۔

غرضکہ پانی کے مقدار معلوم نکلنے پر سوراخ کی کشادگی کا اندازہ موقوف ہے اور اس اندازے پر پانی کی بالائی سطح نیچے اترتی ہے جس پر مجوف آلہ کا معین عرصہ میں نیچے لٹک جانا اور دھاگے کا کچھ جانا اور گیند کا نیچے گر کر آواز پیدا کرنا منحصر ہے اور یہ تمام امور اپنے اپنے سبب کے مقدار اندازہ پر مقرر کیے جاتے ہیں۔ جو نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔ اور ممکن ہے گیند کا طشتری میں گرنا ایک دوسری حرکت کا سبب بنا دیا جائے اور یہ حرکت ایک تیسری حرکت کا سبب ہو۔ اسی طرح بہت سے مراتب تک یہ سلسلہ چلا جائے جس سے عجیب عجیب حرکات وقوع پائیں جو محدود مقرر ہوں اور جن کا سبب پانی کا بہنا ہو۔

جب تم اس صورت کو سمجھ گئے تو اب اس امر پر غور کرو کہ اس اعلیٰ کے واضع کو تین امور کی ضرورت ہوگی۔

(۱) تدبیر، وہ اس بات کا حکم ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کون کون سے آلات واسباب درکار ہونگے اور کس کس قسم کی حرکات سے کام لینا پڑے گا اسی کو حکم کہتے ہیں۔

(۲) ان آلات کو مہیا کرنا جو اس کام کے اصول پر ہیں۔ یعنی:

(ا) ستون نما آلہ۔ جو پانی پر کیا جائے۔

(ب) مجوف آلہ جو پانی پر رکھا جائے۔

(ج) دھاگا، جو اس کے ساتھ باندھا جائے۔

(د) جس میں گیند رکھا جائے۔

(ہ) طشتری میں گیند گر کر آواز پیدا کرے۔ یہ قضا ہے۔

(۳) وہ سبب قائم کرنا جو اس محدود و مقدر حرکت کے جاری ہونے کا موجب ہو اور وہ ستون نما آلہ کے نیچے کا سوراخ ہے۔ جو ایک خاص معین مقدار سے بنایا جائے جس میں پانی نکلنے سے پانی کی بالائی سطح نیچے اترے۔ اور اس پر تیرنے والا مجوف آلہ لٹک جائے پھر دھاگہ تن جائے اور گیند والے ظرف کو حرکت ہو اس کے ساتھ ہی گیند طشتری میں آگرے جس سے ایک آواز پیدا ہو۔

حاضرین کے کان کھڑے ہو جائیں اور وہ گھنٹا ختم ہوتا معلوم کر کے کوئی نماز کو

Marfat.com

دوڑے کوئی کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور یہ تمام امور ایک خاص مقدار پر قائم کیے جاتے ہیں۔ جو پہلی حرکت کے تابع ہوتی ہے اور یہ حرکت پانی کی ہوتی ہے۔

اب بخوبی سمجھ گئے ہونگے کہ یہ تمام آلات اصول ہیں جن کا ہونا مطلوبہ حرکت کے لئے لازمی ہے۔ اور حرکت کا خاص اندازہ ہونا چاہیے تاکہ اس سے پیدا ہونے والا نتیجہ خاص انداز سے اور مقدار پر ہو۔

اسی پر قیاس کر کے تم حوادث کے واقع ہونے کا حال سمجھ سکتے ہو جو اپنی میعاد کے پہنچنے پر یعنی اپنے سبب کے موجود ہونے پر اپنے وقت سے مقدم و مؤخر نہیں ہوتے اور یہ تمام حوادث اور ان کی میعاد ایک معین و محدود مقدار پر ہوتی ہے[1] "ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیء قدرا" (بیشک جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ اس کو پورا کر کے رہتا ہے اور اللہ نے تو ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھیرا ہی رکھا ہے) چنانچہ آسمان ستارے، زمین، سمندر، دریا، اور ہوا وغیرہ تمام بڑے بڑے اجسام جو عالم میں موجود ہیں وہ مذکورہ آلات کی مثل ہیں اور آسمان اور چاند وغیرہ کی حرکت کو زمین میں حوادث واقع ہونے کا موجب بنانا ایسا ہے جیسے پانی کی حرکت کو ان حرکات کا موجب بنایا جاتا ہے جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گیند گر پڑتا ہے جو انقضائے ساعت کی خبر دیتا ہے۔

آسمان کی مختلف حرکات زمین میں تغیرات اس طرح واقع کرتی ہیں کہ مثلاً سورج جب اپنی رفتار کے ساتھ مشرق میں پہنچتا ہے تو عالم میں روشنی پھیل جاتی ہے اور لوگوں کو اشیائے عالم کا دیکھنا اور محسوس کرنا میسر ہوتا ہے جس سے ان کو مختلف مشاغل میں مصروف ہونے اور کاروبار کرنے کا موقع ملتا ہے اور جب سورج مغرب میں جا چھپتا ہے تو لوگ کاروبار چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں جب سورج خاص موسم میں آسمان کے عین بیچ میں ہوتا ہے تو ہوا گرم ہو جاتی ہے۔

تپش بڑھ جاتی ہے۔ اور میوے پک جاتے ہیں۔ جب سورج دوسری فصل میں آسمان کے کنارے پر جا رہتا ہے تو سردی کا موسم آ جاتا ہے اور جاڑا پڑنے لگتا ہے جب سورج اوسط درجہ پر ہوتا ہے تو موسم معتدل ہو جاتا ہے۔ اور بہار کا موسم آ جاتا ہے۔

نباتات پیدا ہوتی ہیں۔ سبزیاں اگتی ہیں غرض ان مشہور باتوں سے جو تم کو پہلے ہی معلوم ہیں بہت سے غیر معلوم باتیں دریافت کر سکتے ہو۔

[1] سورۃ الطلاق

Marfat.com

فصلوں کا تمام اختلاف خاص تناسب پر قائم ہے کیونکہ وہ چاند سورج کی حرکات سے وابستہ ہے۔ خدا نے فرمایا ہے" والشمس والقمر بحسبان "یعنی سورج اور چاند کی حرکتیں حساب کے موافق ہیں۔ پس اس تناسب کا قائم کرنا اور اسباب کلیہ کا بنانا قضا ہے اور پہلی تدبیر جو چشمے زون میں انجام پاتی ہے حکم ہے۔ اللہ تعالی ان امور کے لحاظ سے باانصاف حکم ہے۔

جس طرح آلہ اور دھاگے اور گیند کی حرکت آلہ بنانے والے کے ارادہ سے خارج نہیں ہے بلکہ اس کی مقصود وہی ہے۔ اسی طرح دنیا میں جو اچھے یا برے مفید یا مضر حوادث واقع ہوتے ہیں وہ اللہ تعالی کے ارادہ سے خارج نہیں ہوتے وہ اللہ کی خواہش اور مرضی سے ہوتے ہیں۔

اور اسی لئے اس نے یہ اسباب مہیا کیے ہیں اور یہی معنی ہے اس کے قول کا کہ" ولذالک خلقہم " عام مثالوں کے ذریعہ سے امور الہیہ کا سمجھنا مشکل ہے لیکن اس قسم کی مثالوں سے مراد صرف تنبیہ ہوتی ہے۔

لہذا امثال کے زیادہ پیچھے نہ پڑو مطلب کی بات کا لحاظ رکھو اور تمثیل وتشبیہ سے بچو۔

تنبیہ: بندہ کے حصہ میں جو حکمت وتدبیر اور قضا وتقدیر ہے وہ تم مذکورہ مثال سے سمجھ گئے ہو گے۔ اور یہ ایک معمولی بات ہے بڑی بات جو بندہ کے حصہ میں ہے۔

وہ ریاضات ومجاہدات کی تدبیر اور سیاسیات کی تقدیر ہے۔ جس سے دین ودنیا کی عام بہبودی وابستہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا نے ہمیں دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا اور آباد کیا تاکہ وہ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں۔

دینی حصہ جو خدا کے اس وصف کے مشاہدہ سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے، یہ ہے کہ وہ یقین رکھے کہ ہر امر پہلے ہی سر انجام ہو چکا ہے اور اس سے گریز کی صورت نہیں" وقد جف القلم بماھو کائن "یعنی قلم (قدرت) ہونے والی بات کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ اور یہ سمجھے کہ اسباب اپنے مسببات کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں اور ان اسباب کا مسببات کو زندگی بخشنا اور میعاد مقررہ تک قائم ودائم رکھنا واجب اور اٹل ہے۔

پس جو چیز وجود میں داخل ہوتی ہے وہ وجوب میں داخل ہو جاتی ہے یعنی اس کا موجود ہونا واجب ہو جاتا ہے اگرچہ وہ واجب لذاتہ نہیں ہوتی لیکن قضائے ازلی کی روح سے

Marfat.com

جو پھر نہیں سکتی واجب ہے اس سے بندہ سمجھ جاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا گیا ہے وہ ضرور ہی ہونے والا ہے غم والم محض زائد ہے اور وہ طلب رزق میں مطمئن تسلی یافتہ اور غیر مضطرب ہوگا۔

سوال: اس بیان پر دو اعتراض لازم آتے ہیں:۔

(۱) ایک تو یہ کہ غم والم زائد کیونکر ہوسکتا ہے کیا وہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا نہیں ہے؟

اس کا بھی تو سبب ہے جب یہ سبب جاری ہوتا ہے تو غم والم کا عارض ہونا واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ کہ جب ہر امر پہلے ہی سرانجام کو پہنچ چکا ہے تو پھر فعل وعمل کس لئے کیا جاتا ہے۔ وہ سعادت یا شقاوت کے سبب سے فارغ ہو چکا ہے؟

جواب: پہلے اعتراض کا یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ ضرور ہو گا۔ اب غم زائد ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تقدیر پر زائد اور اس سے خارج ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فضول اور لغو ہے۔ کچھ فائدہ نہیں دیتا کیونکہ وہ تقدیر کو دفع نہیں کرسکتا جو امر ہونے والا ہے اس کا غم کرنا خالص جہل پر مبنی ہے کیونکہ اگر اس امر کا ہونا تقدیر میں لکھا ہے تو اس سے ڈرنا اور غم کرنا اس کو دفع نہیں کرسکتا۔ اور وہ ایک طرح مصیبت کے خوف سے قبل از وقت اپنے آپ پر مصیبت لازم کر لیتا ہے۔ اور اگر اس امر کا ہونا مقدر نہیں ہے تو غم کے کیا معنی غرض ان دونوں صورتوں سے غم زائد ہے۔

عمل وفعل، کے متعلق خود آنحضرت ﷺ کا یہ قول جواب ہے کہ ''اعملوا فکل میسر لما خلق لہ ''جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے لیے سعادت مقدر ہے وہ کسی سبب کے ساتھ مقدر ہے تو اس کا سبب اس کو میسر ہو جاتا ہے اور وہ طاعت ہے۔ اور جس شخص کے لئے بدبختی مقدر ہے، وہ بھی کسی نہ کسی سبب سے مقدر ہے اور وہ یہ کہ وہ اسباب سعادت پر کاربند ہونے میں سستی کرتا ہے اور کبھی اس سستی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ اگر میں خوش قسمت ہوں تو عمل کی ضرورت نہیں۔ اور اگر بد بخت ہوں تو عمل سے کوئی فائدہ نہیں اور یہ جہل ہے۔ کیونکہ وہ اتنا نہیں سمجھتا کہ اگر خوش قسمت ہوا تو اسی لئے خوش قسمت ہوگا کہ وہ خوش قسمتی کے اسباب یعنی علم وعمل پر چلتا ہے۔ اگر یہ اسباب اس کو میسر نہ ہوئے اور وہ ان پر نہ چلا تو یہ اس کی بدبختی کی نشانی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص فقیہ بننے کی تمنا کرتا ہے جو امامت کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو۔ تو یہ مشورہ دیا جائے گا کہ علم پڑھو۔ خوب کوشش اور لگاتار محنت کیے جاؤ اور وہ کہے کہ خدا نے ازل میں میری امامت کا درجہ لکھ دیا ہے۔ تو میں اس کوشش کا محتاج نہیں ہوں اگر اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے میرے لئے جہل کا فیصلہ کر دیا ہے تو میری کوشش سے کیا ہو سکتا ہے تو اس کو یہی کہنا پڑے گا کہ اگر تیرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا ہے تو یقیناً تیرے لئے ازل ہی سے جہل کا فیصلہ ہو چکا ہے کیونکہ جو ازل سے امام لکھا گیا ہے اس کے لئے اسباب بھی مہیا ہوتے ہیں۔ اور وہ ان اسباب کو کام میں لاتا ہے۔ اور وہ ایسے بیہودہ خیالات اور وساوس کو دور کرتا رہتا ہے جو اس کو سستی اور ناکارہ پن پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ جو شخص کوشش نہیں کرتا، وہ زنہا امامت کا درجہ نہیں پاتا۔ اور جو شخص کوشش کرتا ہے اور اس کے لئے کامیابی کے اسباب میسر ہو جاتے ہیں، اس کی حصول غرض کی امید سچی ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ برابر اپنی کوشش پر قائم رہے۔ اور کوئی مانع ایسا پیش نہ آئے۔ جو اس کی رفتار کو روک دے۔

اس لحاظ سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سعادت اس شخص کا حصہ ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے قلب سلیم عطا کیا ہے۔ اور سلامت قلب ایک ایسی صفت ہے۔ جو کوشش سے حاصل کی جاتی ہے۔ جس طرح فقہ نفس اور فقہ امامت کوشش سے حاصل کی جاتی ہے کچھ بھی فرق نہیں۔ ہاں مشاہدہ حکم میں بندوں کے مختلف درجے ہیں۔ بعض خاتمہ کو دیکھتے ہیں۔ کہ ان کا انجام کس حالت پر ہوتا ہے۔ اور بعض ابتداء کا لحاظ کرتے ہیں۔ کہ خدا نے ازل میں کیا لکھ دیا ہے۔ اور یہ لوگ اعلیٰ درجہ پر ہیں۔ کیونکہ خاتمہ ابتدا کے تابع ہے۔ بعض ماضی و مستقبل دونوں سے دست بردار ہوں وہ ابن الوقت ہیں یہ لوگ موجودہ حالت کا لحاظ کرتے ہیں اور خدا کی تقدیر کے مواقع پر راضی ہیں وہ پہلے سارے لوگوں سے افضل ہیں۔ بعض حال وہ ماضی و استقبال سب سے کنارہ کش ہیں ان کا دل حکم میں مستغرق اور شہود میں مصروف ہے۔ یہ درجہ سب سے بالاتر ہے۔

(۳۰) اَلْعَدْلُ

(منصف یعنی فیصلہ میں ظلم نہ کرنے والا)

عدل کے معنی عادل۔ اور یہ وہ ذات ہے جس سے عدل کا فعل صادر ہو جو ظلم و ستم کے خلاف ہے۔ وہ شخص عادل کو نہیں پہچان سکتا، اس کے عدل کو نہیں پہچانتا۔ لہٰذا جو شخص اس وصف کو معلوم کرنا چاہے اسکو چاہیے کہ حتیٰ المقدور اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کا (جو بالائے آسمان سے لے کر زیر زمین تک تعلق رکھتے ہیں) علم حاصل کرے۔ حتیٰ کہ جب وہ خدا کی

Marfat.com

آفرینش میں باوجود اپنے مکرر اور سہ کر غور وفکر کے کسی قسم کی کجی اور قصور نہ پائیگا۔ تو بارگاہ رب العزت کی شان وعظمت اسکو دم بخود بنادیگی اور اس کے کاموں کا اعتدال وانتظام اس کو حیران کردے گا۔ اس وقت عدل خداوندی کے معنی کا کوئی حصہ اس کے ذہن میں آسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی جسمانی وروحانی اور کامل وناقص موجودات بنائی ہیں۔ اور ہر شے کو اسکی آفرینش عطا کی ہے اس لحاظ سے وہ جواد (عالی حوصلہ) ہے اور اس نے ہر چیز کو مناسب ترتیب میں رکھا ہے۔ اس لحاظ سے وہ عدل ہے۔

چنانچہ عالم کے بڑے بڑے اجسام زمین، پانی، ہوا، آسمان اور ستارے ہیں۔ خدا نے ان کو پیدا کر کے ایک مناسب ترتیب دی ہے۔

زمین کو سب سے نیچے رکھا ہے اس پر پانی کو جگہ دی ہے پھر پانی پر ہوا کا مقام بنایا ہے اور ہوا پر آسمان قائم کیے ہیں۔ اگر اس ترتیب کو الٹ دیا جائے تو سارا نظام باطل ہو جائے شاید یہ عدل ونظام کے لئے اس ترتیب کے مناسب ہونے کی شرح اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے لہذا ہم عام لوگوں کی کے فہم وادراک کا لحاظ رکھتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے بدن کے متعلق غور کرے۔ جو مختلف اعضاء سے مرکب ہے جیسے کہ عالم کا بدن مختلف اجسام سے مرکب ہے انسانی بدن کو پہلے تو خدا نے ہڈی گوشت اور چمڑے سے مرکب کیا ہے ہڈیوں کو کھوکھلے ستون بنایا ہے اور گوشت کو ان کا غلاف بنایا ہے اور چمڑے کو گوشت کا غلاف قرار دیا ہے۔ اگر یہ ترتیب بالعکس ہو جائے اور اندر کی چیز باہر رکھی جائے تو سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔

اگر یہ بات بھی تمہارے نزدیک باریک ہے تو ایک اور مثل سنو اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، ناک، اور کان، پیدا کیے ہیں تو وہ ان اعضاء کے پیدا کرنے میں تو وہ جواد ہے۔ اور ان کو خاص مقامات پر رکھنے میں عادل ہے مثلاً آنکھ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے لئے بدن میں تمام مقامات کی بنسبت زیادہ مناسب ہے کیونکہ اگر اس کو گدی پر یا پاؤں پر، یا ہاتھ پر، کھوپڑی پر بنایا ہوتا تو جس قدر اس کے نقصانات کا اندیشہ تھا وہ مخفی نہیں اور اسی طرح اس نے ہاتھوں کو کندھوں سے متعلق کیا ہے۔ اگر ان کو سر کے بجائے یا کوکھوں میں یا گھٹنوں پر لگا دیتا تو اس سے جو خلل آتا وہ محتاج دلیل نہیں۔ اسی طرح اس نے تمام حواس سر میں جمع کیے ہیں کیونکہ وہ جاسوس ہیں۔ ان کو تمام بدن سے بلند مقام پر ہونا ضروری تھا۔ اگر ان کو پاؤں پر رکھا ہوتا تو قطعاً ان کا نظام خلل پذیر ہو جاتا۔ اس امر کی تفصیل ہر عضو کے متعلق کی جائے تو یہ بیان بہت لمبا ہو جائے گا۔ بالاجمال اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے

Marfat.com

جو چیز جس مقام پر پیدا کی ہے وہ اسی جگہ کے لئے مناسب ہے۔ اگر اس جگہ سے دائیں طرف یا بائیں طرف یا اوپر یا نیچے بنائی جاتی تو ناقص یا باطل یا خراب یا بدنما اور غیر متناسب ہوتی ناک کو چہرا کے وسط نے پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو ماتھے میں یا ایک رخسار میں بنایا ہوتا تو اس کے موجودہ فوائد میں ضرور کمی آجاتی اور تجھے اس کی حکمت کا بخوبی پتہ لگ جاتا۔

واضح ہو کہ سورج کو جو خدا نے چوتھے آسمان پر بنایا ہے تو یہ کوئی لغو بات نہیں ہے بلکہ اس نے بجا کیا ہے۔ اور اس کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے مقاصد حاصل ہونے کے لئے مناسب ہے۔

مگر تم اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہو کیونکہ تم کو عالم بالا اور عالم سفلی میں غور فکر کرنے کی کم استعداد ہے اگر تم ان میں نظر کرو تو ایسے عجائبات ملاحظہ کرو جن کے آگے تمہارے بدن کے عجائبات ہیچ ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں جب کہ آسمان وزمین کی آفرینش لوگوں کی آفرینش سے بڑی ہے۔ کاش کہ تم کو اتنی توفیق ہوتی کہ اپنے نفس کی عجائبات کو سمجھتے اور اس میں اور اس کے اردگرد کے اجسام میں غور کرنے سے فراغت پاتے۔ تاکہ اس زمرہ میں شریک ہوجاتے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "سنریھم اٰیتنا فی الافاق وفی انفسھم" یعنی عنقریب ہم ان کو اپنے نشان زمانے میں اور خود ان کے نفسوں میں دکھائیں گے۔

یہ مرتبہ تو تم کو کہاں نصیب ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں میں شامل ہو جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ "وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموٰت والارض ولیکون من المؤقنین" یعنی اس طرح ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کے عجائبات دکھاتے ہیں تاکہ وہ ارباب یقین میں شامل ہو جائیں۔ اور اس شخص کے لئے آسمانوں کے دروازے کیونکر کھولے جائیں گے جس کو دنیا کے فکر و تردد نے اپنے دھندوں میں غرق کر رکھا ہو اور حرص و ہوا نے اپنا غلام بنا لیا ہو۔

الغرض یہ بیان اس اکیلے اسم کی راہ معرفت کی پہلی منزل دکھانے کے لئے ایک اشارہ تھا اس کی پوری پوری شرح کے لیئے کئی بڑے دفتر درکار ہونگے اور اسی طرح ہر اسم کے معنی کی شرح کیونکہ تمام اسماء افعال سے مشتق ہیں جن کا سمجھنا افعال اور ان اشیاء کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے افعال سے موجود ہے۔ اور جو شخص ان کا مجمل مفصل علم نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے پاس ان کے متعلق محض تفسیر ولغت کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان کا مفصل علم تو حاصل

Marfat.com

ہو نہیں سکتا، کیونکہ اس کی کوئی انتہاء نہیں رہا بالاجمال علم سو وہ مقدور بھر حاصل ہو سکتا ہے اور اسی پیمانہ پر بندہ کو کئی اسماء کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اتنی معرفت بھی تمام علوم کو حاوی ہے۔ اس قسم کی کتاب سے مدعا یہ ہے کہ اس کی ابتدائی موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کیا جائے بس۔

تنبیہ: عدل سے بندہ کا جو حصہ ہے وہ مخفی نہیں اپنی صفات کو اعتدال پر لانے کا پہلا حق یہ ہے کہ شہوت اور غضب کو عقل و دین کے ارشاد کا پابند بنانے اور اگر اس نے عقل کو شہوت اور غضب کا خادم بنا دیا تو وہ ظلم کا مرتکب ہو گا یہ تو اپنے نفس کے متعلق عدل کا خلاصہ تھا اور اس کی تفصیل تمام حدود شرع کی رعایت ہے اور ہر عضو کے متعلق عدل یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں میں استعمال کرے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے اور اپنے عیال و اولاد کے متعلق اور اگر رئیس ہے تو اپنی رعیت کے متعلق جو عدل چاہیے وہ ظاہر ہے۔

لوگ خیال کرتے ہیں کہ ظلم ایذا ہے اور عدل لوگوں کے حق میں نفع رسانی ہے لیکن حقیقت میں یہ درست نہیں بلکہ اگر کوئی بادشاہ ہتھیاروں کتابوں اور اموال سے بھرا ہوا خزانہ کھولے اور اموال تو غنی لوگوں کو دے ڈالے اسلحہ اہل علم کے حوالہ کرے اور ان کو قلعوں کی کنجیاں دیدے کتابیں فوجی لوگوں کو بخشدے اور ساتھ ہی مسجدیں ان کے حوالے کر دے تو اس نے نفع تو پہنچایا لیکن اس نے ظلم بھی کیا اور عدل سے کنارہ کشی کی کیونکہ ہر ایک چیز کو اس کے غیر مناسب مقام میں استعمال کیا اور اگر مریض کو دوائیں پلانے پچھنے لگانے فیض کھولنے میں ایذا دی اور جبر کیا اور مجرموں کو مارنے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنے اور قتل کر ڈالنے کی سزا دی تو وہ عادل سمجھا جائے گا کیونکہ ہر امر کو اس کے مناسب مقام میں رکھا ہے۔

دین کی جہت سے اس وصف کے مشابہ میں بندہ کا حصہ اس بات کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اس کی تدبیر اور حکم اور تمام افعال کے متعلق اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ بندہ کی مراد کے موافق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ یہ ساری باتیں انصاف ہیں اور ویسی ہی ہیں جیسی چاہئیں اگر وہ اس کام کو نہ کرتا جو اس نے کیا ہے تو اس سے کوئی اور خرابی پیدا ہو جاتی جو اس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتی جیسے کہ اگر مریض کو پچھنے نہ لگوائے جائیں تو ایسا نقصان پہنچے جو پچھنوں کی رو سے زیادہ تکلیف دہ ہو اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ عادل ہے اور اس بات پر ایمان لانا تمام ظاہری و باطنی انکار و اعتراض کی جڑ کاٹ ڈالتا ہے۔

زمانہ کو برا بھلا نہ کہنا چاہیے اور نہ اشیاء کو فلک سے منسوب کرنا چاہیے اور نہ اس پر

Marfat.com

اعتراض کرنا چاہیے جیسے عام لوگوں کی عادت ہے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ تمام اسباب خدا کے حکم کے تابع ہیں اور سب کے سب ایک مناسب ترتیب سے اپنے مسبباب کے ساتھ مرتب ہیں اور ان کی ترتیب اعلیٰ درجہ کے عدل ولطف پر مبنی ہے۔

(۳۱) اَللَّطِيْفُ

(باریک بین)

اس اسم کی مستحق ذات وہ ہے جو مصلحتوں کی باریک باریک باتیں جانیں۔ اور ان کو ان کے مستحق کی طرف سختی سے نہیں بلکہ نرمی سے پہنچائے۔ جب فعل میں نرمی اور علم میں باریک بینی ہو جائے۔ تو لطف کے معنی پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا کمال علم وعمل میں خاص خدا کے لئے متصور ہے۔

خدا کا باریک اور دقیق باتوں پر جس قدر احاطہ ہے اس کی تفصیل ہو نہیں سکتی بلکہ ہر مخفی بات اس کے علم میں ویسی ہی ظاہر ہے۔ جیسے کھلی بات۔ کچھ بھی فرق نہیں افعال میں اس کی نرمی اور مہربانی بھی شمار میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ فعل کی مہربانی کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے تمام افعال کی تفصیل بھی جانتا ہو۔ اور اس میں مہربانی کے نکتے سمجھتا ہو جس قدر وہ ان کو جانتا ہو گا۔ اسی قدر وہ اسم لطیف کے معنی سمجھتا ہو گا۔ اس بات کی شرح بڑا طول چاہتی ہے۔ اور نہیں کہ کئی دفتر اس کے دسویں حصے کو بھی کافی ہوسکیں۔ ہاں ان کی بعض باتوں کا اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

خدا کے بے انتہا لطفوں میں سے ایک لطف یہ ہے کہ وہ جنین کو ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے۔ اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے یہاں تک کہ وہ متولد ہوتا ہے۔ تو منہ سے کھانے لگتا ہے۔ تولد کے وقت خدا اس کو سکھا دیتا ہے۔ کہ پستان کو منہ میں پکڑے اور چوسے خواہ رات کا اندھیرا ہو نہ اور کوئی اسکو سکھاتا ہے اور نہ وہ کسی کو اس طرح کرتے دیکھتا ہے بلکہ وہ انڈے کو توڑ کر چوزہ نکلتا ہے۔ اور اس کو دانے چگنے سکھاتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ اس کے پیدا ہونے کے دانت نہیں بناتا۔ کیونکہ ابھی دودھ پینے کی عمر دانتوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر جب اس کے بعد طعام چبانے کے لئے دانتوں کی ضرورت پڑتی ہے تو دانت اگاتا ہے وہ یہ کہ وہ کسی طرح کے دانت بناتا ہے۔ ایک ڈاڑھیں ہیں جو طعام کو پینے کے لئے ہیں۔ اور ایک کچلیاں ہیں جو توڑنے کی غرض سے ہیں۔ اور ایک سامنے کے دانت ہیں۔ جو کاٹنے کی خاطر ہیں۔ پھر یہ کہ وہ زبان کو جس سے ظاہری غرض کلام ہے طعام کو دانتوں کی چکی

Marfat.com

میں ڈالنے کے کام پر مامور کرتا ہے۔

ایک لقمہ کے میسر ہونے کے متعلق خدا کی مہربانی کا مفصل ذکر کیا جائے۔ جو بندہ کو بلامشقت ہاتھ آتا ہے۔ اور جس کی اصلاح اور تکمیل میں ایک مخلوق نے جس کا شمار نہیں ہو سکتا مدد دی ہے۔ کسی نے زمین کو درست کیا کسی نے بیج بویا کسی نے سینچا کسی نے فصل کو کاٹا کسی نے کھلیان سے غلہ نکالا کسی نے اس کو پیسا کسی نے گوندھا کسی نے پکایا وغیرہ وغیرہ ،تو اس کی تفصیل اختتام کو پہنچی۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اس حیثیت سے کہ اس نے امور کی تدبیر کی ہے حکم ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ایجاد کیا جواد ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ترتیب دی مصور ہے اور اس حیثیت سے کہ ہر چیز کو اس کے مقام مناسب میں رکھا عدل ہے اور اس حیثیت سے کہ اس میں نرمی کے وجوہ کی کوئی باریکی نہیں چھوڑی لطیف ہے اور جو شخص ان افعال کی حقیقت نہیں سمجھتا وہ ان اسماء کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا۔

بندوں کا اس پر ایک لطف یہ ہے کہ اس نے ان کو کفایت سے زیادہ توفیق دی ہے اور طاقت سے کم مجبور کیا ہے۔

ایک لطف یہ ہے کہ تھوڑی بہت یعنی دنیوی عمر میں خفیف کوشش کرنے پر ان کو ابدی سعادت حاصل کرنے کی توفیق دی ہے کیونکہ اس عمر کو ابد کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں۔

ایک لطف یہ ہے کہ وہ لید اور خون میں صاف دودھ اور سخت پتھروں سے نفیس جواہر اور مکھی سے شہد اور کیڑے سے ریشم اور ''سیپی'' سے موتی پیدا کرتا ہے ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ انسان کو گندے نطفے سے پیدا کر کے اس کو اپنی معرفت کا خزانہ اپنی امانت کا حامل اور آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ دیکھنے والا بناتا ہے اور یہ بھی وہ لطف ہے جو شمار میں نہیں آ سکتا۔

تنبیہ: اس وصف سے بندے کا خاص حصہ یہ کہ وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے خدا کی طرف بلانے اور سعادت آخرت کی ہدایت کرنے میں ان کے ساتھ ملامت کرے بلا اس کے کہ تحقیر سختی لڑائی اور تعصب کرے۔

سب سے اچھا لطف جس میں قبول حق کی ایک کشش موجود ہوتی ہے وہ پاک عادات اچھے خصائل اور نیک اعمال ہیں۔ کیونکہ چکنی چپڑی باتوں کی نسبت یہ امور زیادہ موثر اور پر لطف ہوتے ہیں۔

Marfat.com

(۳۲) اَلْخَبِیْرُ

(آ گاہ، دانا، عالم، عارف)

خبیر وہ ہے جس سے کوئی باطنی خبر مخفی نہیں عالم سفلی اور عالم بالا میں کوئی بات ہو کوئی ذرہ حرکت کرے یا ساکن ہو کوئی جان بیقرار ہو یا مطمئن ہو اس کو ہر بات کی خبر ہوتی ہے اور معنی کے رو سے علیم ہے لیکن علم کو جب باطنی بھیدوں سے منسوب کیا جائے تو وہ خبرۃ کہلاتا ہے خبرۃ والے کو خبیر کہتے ہیں۔

تنبیہ: اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ ہر بات سے جو اس کے اپنے بدن اور قلب کے عالم میں جاری ہوتی ہو خبر رکھتا ہو قلب جن چھپی ڈھکی برائیوں سے متصف ہو جاتا ہے مثلاً بد باطنی خیانت دنیائے دون کے لئے ہر وقت مارے مارے پھرنا برائی کی نیت رکھنا اور بھلائی ظاہر کرنا اخلاص ظاہر کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا اور اندر کچھ بھی نہ ہونا ان کو پوری خبر والا آدمی ہی معلوم کرتا ہے جو اپنے نفس کا خوب امتحان لیتا رہا ہو اور اس کے مکرو تلبیس اور غریب کو اچھی طرح تاڑتا رہا ہو اور اس کے مقابلہ اور مخالفت کے لئے کمربستہ ہو جائے اور اس کے بچنے لگے ایسا بندہ **خبیر** کہلانے کا پورا مستحق ہے۔

(۳۳) اَلْحَلِیْمُ

(بردبار)

حلیم وہ ذات ہے جو نافرمان لوگوں کی نافرمانی اور اپنے حکم کی مخالفت ہوتے دیکھے پھر بھی وہ غضب میں بیقرار نہ ہو نہ اس کو غصہ عارض ہو اور باوجود پورے اقتدار کے وہ بے حوصلگی کے ساتھ انتقام لینے میں جلدی نہ کرے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علی ظھرھا من دابۃ" یعنی اگر خدا لوگوں کی بداعمالیوں پر گرفت کرنے لگے تو روئے زمین پر کسی جان دار کو زندہ نہ چھوڑے۔

تنبیہ: حلیم کے وصف سے بندہ کا حصہ ظاہری ہے اتنا سمجھ لو کہ بندوں کے اچھے فضائل میں سے ہے جو شرح و تفصیل کا محتاج نہیں۔

(۳۴) اَلْعَظِیْمُ

Marfat.com

(بزرگ، بڑا)

واضح ہو کہ عظیم کا اسم اپنی وضع اول میں اجسام پر بولا جاتا ہے چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ یہ جسم عظیم ہے اور جب ایک جسم دوسرے جسم سے طول عرض اور عمق میں زیادہ بڑا ہو تو کہتے ہیں یہ جسم اس جسم سے اعظم ہے۔

یہ اسم عظیم دو قسم کی اشیاء پر بولا جاتا ہے ایک تو وہ شئے جو ساری کی ساری نظر آجاتی ہے دوسری وہ جس پر پورے طور سے نگاہ کا محیط اور حاوی ہونا متصور نہ ہو سکے جیسے زمین آسمان وغیرہ دیکھو ہاتھی ایک عظیم مخلوق ہے پہاڑ بھی ایک عظیم شئے ہے لیکن یہ چیز نگاہ میں پوری کی پوری سما سکتی ہے لہذا وہ اپنے نیچے کی اشیاء کے مقابلہ میں عظیم ہیں اور زمین کی نسبت یہ امر متصور ہی نہیں ہو سکتا کہ نگاہ ہر سمت سے اس پر حاوی ہو سکے یہی حال آسمان کا ہے پس یہ چیزیں مدرکات بصر میں مطلقاً عظیم ہے۔

مدرکات بصیرت (جو باتیں عقل میں آسکتی ہیں بڑا التفاوت ہے) بعض کی کنہ وحقیقت پر عقل محیط ہو سکتی ہے اور بعض پر محیط ہونے سے قاصر ہے جن اشیاء کی کنہ وحقیقت پر محیط ہونے سے عقل قاصر ہے ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن پر بعض عقول کا حاوی ہونا متصور ہو سکے اگرچہ اکثر عقول ان سے قاصر ہوں۔

دوم وہ جن کا عقل کے احاطہ میں آنا حقیقۃً کسی طرح متصور ہی نہ ہو سکے اور یہ وہ عظیم مطلق ہے جو تمام عقل کی حدود سے بڑھا ہوا ہے یہاں تک کہ اس کی حقیقت اور بھید کو پانا تصور میں آ ہی نہیں سکتا اور وہ اللہ تعالی ہے اس کا بیان فن اول میں گزر چکا ہے۔

تنبیہ: بندوں میں سے عظیم انبیاء علماء ہیں جن کی تھوڑی سی صفات کا بھی اگر کوئی عقل مند تصور کرتا ہے تو ہیبت و رعب سے اس کا سینہ بھر جاتا ہے اور دل میں ان کی عظمت کے خیال کے سوا اور کسی بات کی گنجائش نہیں رہتی اس لحاظ سے ہر نبی اپنی امت کے حق میں اور شیخ اپنے مرید کے حق میں اور استاد اپنے شاگرد کے حق میں عظیم ہے کیونکہ عقل اس کی صفات کے احاطہ سے قاصر ہے تو اگر وہ اس کے برابر ہو جائے یا اس سے بڑھ جائے تو بھی اس کی طرف اضافت کرنے سے عظیم نہیں کہلائیگا۔

جو عظیم خدا کے سوا کسی اور چیز کے لئے فرض کیا جائے وہ ناقص ہے ایسا عظیم، عظیم مطلق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی عظمت ایک شئے چھوڑ کر دوسری شئے کی طرف اضافت کرنے سے ظاہر ہوتی ہے بخلاف خدا کی عظمت کے کیونکہ عظیم مطلق ہے بطریق اضافت عظیم نہیں۔

Marfat.com

(۳۵) اَلْغَفُوْرُ

(بہت بخشنے والا)

یہ اسم غفار کا ہم معنی ہے لیکن اس میں ایک قسم کا مبالغہ پایا جاتا ہے جو غفار میں نہیں کیونکہ غفار کا مبالغہ منکر مغفرت کے لحاظ سے ہے چنانچہ فعال کا صیغہ کثرت فعل پر دال ہے اور فعول کا صیغہ فعل کی عمدگی اور کمال اور وسعت پر دلالت کرتا ہے پس وہ غفور ہے بایں معنی کہ وہ پوری اور مکمل غفران والا ہے حتی کہ وہ مغفرت کے انتہائی درجوں کو پہنچا ہوا ہے اس کے متعلق بھی پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔

(۳۶) اَلشَّکُوْرُ

شکور وہ ہے جو تھوڑی سے طاعات کے عوض میں بہت سے درجے عطا فرماتا ہے اور چند روزہ عملوں کے بدلے آخرت میں غیر محدود نعمتیں دیتا ہے اور جو کوئی نیکی کا کئی گنا عوض دے اس کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس نیکی کا شکر کیا اور جو کوئی محسن کی تعریف کرے اس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا۔

اگر عوض وجزا کی زیادتی کے معنی کا لحاظ کرو تو اللہ تعالی کے سوا شکور مطلق کوئی نہیں کیونکہ وہ عوض میں جس قدر زیادہ دیتا ہے اس کا شمار وحصر نہیں ہے دیکھو بہشت کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں اور اللہ تعالی فرماتا ہے "کلوا وشربوا هنيئاً بما اسلفتم فی الايام الخالية" یعنی خوب مزے کے ساتھ کھاؤ پیو بعوض ان عملوں کے جو تم نے گزشتہ دنوں میں کیے اور اگر تم تعریف کے معنی کا لحاظ کرو تو خدا کے سوا کسی چیز کی تعریف کرنے والے کی تعریف خدا ہی کی تعریف بن جاتی ہے اور پروردگار جب اپنے بندوں کے عملوں کی تعریف کرتا ہے تو اپنی ہی فضل کی تعریف کرتا ہے کیونکہ ان کے اعمال اسی کے پیدا کردہ ہیں اگر وہ شخص شکور کہلا سکتا ہے جس کو کچھ ملے اور شکر کرے تو وہ ذات جو بندہ کو عطا بھی کرے اور بندہ ہی کا شکر زیادہ عطا کرنے تو وہ شکور کہلانے کا نہایت ہی حقدار ہے اللہ تعالی اپنے بندوں کی جو تعریف کرتا ہے وہ اس قسم کی ہے جیسے "والذاکرین الله کثیرا والذاکرات" (اور یاد کرنے والے اللہ کو بہت اور یاد کرنے والیاں) اور جیسے "نعم العبد انه اواب" کیا اچھے بندے تھے (کہ بات بات میں خدا کی طرف رجوع کرتے تھے) وغیرہ اور یہ تمام خدا کا عطیہ ہے۔

Marfat.com

تنبیہ: بندہ دوسرے بندے کے حق میں شاکر یوں ہو سکتا ہے کہ کبھی اس کے احسان پر اس کی تعریف کرے اور کبھی اس کی نیکی کا کئی گنا عوض دے اور یہ بات اچھی خصلتوں میں سے ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" (جو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر کب ادا کرے گا)

خدا کے حق میں اس کا شکر بہر صورت مجاز اور توسع کی قسم سے ہو گا کیونکہ اگر وہ تعریف کرے گا تو اس کی پوری تعریف نہ ہو سکے گی اگر اس کی اطاعت کرے گا تو اس کی اطاعت خود اللہ کی ایک دوسری نعمت ہے بلکہ قابل شکر نعمت کے علاوہ عین اس کا شکر بھی ایک دوسری نعمت ہے۔

اللہ کی نعمتوں کے شکر کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ان کو اس کی نافرمانیوں میں استعمال نہ کرے بلکہ اس کی اطاعت کے کام میں لائے اور یہ بھی خدا کی توفیق اور رہنمائی کے ساتھ ہے۔

بندہ کے شاکر ہونے میں اور اس بات کے تصور میں ایک باریک نقطہ ہے جس کو ہم نے کتاب "احیاء العلوم الدین" کی "کتاب الشکر" میں بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کرو یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں۔

(۳۷) اَلْعَلِیُّ

(بہت اونچا)

علی وہ ہے جس کے رتبہ سے بڑا کوئی رتبہ نہیں اور اس کے مرتبہ سے تمام مراتب نیچے ہوں اور یہ اس لیئے ہے کہ علی، علو سے مشتق ہے۔ اور یہ اس علو (بلندی) سے ماخوذ ہے جو سفل (پستی) قابل ہے اور وہ یا تو محسوس درجوں میں ہوتا ہے سیڑیوں اور زینوں میں اور ان تمام اجسام میں جو ایک دوسرے سے نیچے اوپر ہوں اور یا موجودات کے عقلی مراتب میں ہوں جو ایک قسم کی عقلی ترتیب سے مرتب ہوں پس جس چیز کو مکان کی فوقیت ہو اس کو علو مکانی ہے اور جس کو رتبہ فوقیت ہے اس کو رتبہ کا علو ہے۔ اور عقلی درجات، حسی درجات، درجات عقلیہ، کی مثال وہ تفاوت ہے جو سبب و مسبب اور علت و معلول اور فاعل و مفعول اور قابل و مقبول اور کامل و ناقص، کے مابین ہوتا ہے۔

چنانچہ تم ایک سبب فرض کرو تو وہ دوسری شے کا سبب ہو اور دوسری شے تیسری کی

Marfat.com

سبب ہو۔ اور تیسری چوتھی کی۔ اور مثلاً یہ سلسلہ دس درجوں تک چلا جائے۔ تو دسویں شے آخری رتبہ میں واقع ہوگی۔ لہذا وہ سب سے اسفل ہے اور پہلا سبب پہلے درجہ میں واقع ہے لہذا وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور پہلا جو دوسرے سے اوپر ہوگا تو یہ فوقیت معنوی ہے مکانی نہیں۔ اور علو سے مراد فوقیت ہے۔

عقلی کی تقسیم کی مثال یہ ہے کہ موجودات سبب اور مسبب پر منقسم ہیں سبب مسبب سے ایک درجہ اوپر ہے۔

پس مطلق فوقیت صرف مسبب الاسباب کا حصہ ہے اسی طرح موجودات مردہ اور زندہ میں منقسم ہے اور زندہ مخلوقات کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن کو صرف حسی ادراک حاصل ہے اور وہ حیوان ہیں۔ دوسرے وہ جن کو حسی ادراک کے ساتھ عقلی ادراک بھی حاصل ہے اور ادراک عقلی والی موجودات کی پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے معلومات میں شہوت اور غضب رکاوٹ ڈالیں اور وہ انسان ہے دوسرے وہ جن کا ادراک مقدر ادراک کے معارضہ سے پاک ہے اس آخری قسم کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا ان مکدرات میں مبتلاء ہونا ممکن ہے لیکن ہمیشہ سلامتی ہی حاصل رہی ہو جیسے کہ ملائکہ دوسری قسم میں وہ ذات ہے جس کے حق میں ایسی باتیں محال ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اس تقسیم میں تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ فرشتہ انسان سے اوپر ہے۔ اور انسان حیوان سے اوپر۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے اوپر۔ پس وہ علی مطلق ہے کیونکہ وہ خود زندہ اور جہان کو زندہ کرنے والا ہے اور علماء کے علوم کو پیدا کرنے والا، اور پاک اور ہر قسم کے عیوب سے منزہ ہے ادھر بے جان چیز درجات کمال میں سب سے نیچے کے درجہ میں واقع ہوئی ہے انتہائی رتبہ میں خدا کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے غرض اس طرح اس کی فوقیت اور علو کو سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ نام پہلے ادراک بصر کے لحاظ سے مقرر کیے گئے ہیں۔ اور عوام کا درجہ ہے پھر جب خواص لوگ عقلی ادراکات سے بہرہ ور ہوئے۔ اور انکو آنکھ کے ادراک اور عقل کے ادراک میں موازنہ محسوس ہوا تو اس سے مطلق الفاظ بطور استعارہ اخذ کر لیے جن کو خواص نے سمجھ لیا۔ اور عوام نے نہیں سمجھا جن کا ادراک حواس ظاہری سے آگے ترقی نہیں کر سکتا جو جانوروں کا درجہ ہے چنانچہ وہ کسی عظمت کا تصور محض طول و عرض کی رو سے اور علو کا تصور ظرف مکانی کی رو سے اسی طرح فوقیت کا تصور بھی ظرف مکانی کی رو سے سمجھتے ہیں۔

اس بیان سے تم خدا کے عرش کے اوپر ہونے کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے کیونکہ وہ

Marfat.com

تمام اجسام سے بڑا ہے گویا وہ تمام اجسام کے اوپر ہے اور وہ ذات موجود جو اجسام کی حدود سے محدود ہونے اور مقادیر کے ساتھ متقدر ہونے سے منزہ ہے وہ رتبہ میں مسبب کے سبب اجسام کے اوپر ہے لیکن اس فوقیت کو عرش کے ساتھ جو ذکر کیا ہے تو اس کی وجہ یہ کہ عرش تمام اجسام سے بالا ہے۔ پس جو عرش سے بھی بالا ہوگا۔ وہ سب سے بالا ہوگا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ خلیفہ سلطان کے اوپر ہے جس سے بتانا مقصود ہو کہ جب وہ سلطان سے بالا ہے تو ان تمام لوگوں سے بھی بالا ہوگا جو سلطان سے نیچے میں یا وہ گو آدمی جو فوق کے معنی صرف ظرف مکان سمجھتا ہے واقعہ نفسی کے لائق ہے اور با اینہمہ اگر اس سے پوچھا جائے کہ فلاں دو معزز شخص مجلس میں کس کس درجہ پر بیٹھتے ہیں تو اس کو کہنا پڑے گا کہ یہ شخص اس شخص کے اوپر بیٹھتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس کے دائیں جانب بیٹھتا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس شخص کا اس شخص کے اوپر بیٹھنا یوں ہو سکتا تھا کہ اس کے سر پر بیٹھتا یا اس جگہ پر بیٹھتا جو اس کے سر پر بنی ہوئی ہوتی پھر اگر اس کو کہا جائے کہ تم جھوٹ بولتے ہو وہ نہ اس کے اوپر بیٹھتا ہے نہ اس کے نیچے بلکہ اس کے پہلو پر بیٹھتا ہوگا تو وہ اس اعتراض سے آگ بگولہ ہو کر کہے گا کہ تم بھی کیا آدمی ہو کہ کچھ کا کچھ سمجھ جاتے ہو جی اس فوقیت سے مراد رتبہ کی فوقیت اور صدر کا قرب تھا نہ کہ سر پر یا سر سے اونچے بیٹھنا دیکھو صدر مدارج مجلس کا منتہی ہوتا ہے جو شخص صدر سے قریب ہے وہ اس شخص کے اوپر ہے جو اس صدر سے دور ہے۔

اس بیان سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ جس ترتیب کی طرفیں ہوں اس میں بلا تعین ایک طرف کو فوق اور علو سے اور دوسری کو اس کے مقابل کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔

تنبیہ: بندہ کا علی ہونا ممکن نہیں کیونکہ وہ جو درجہ حاصل ہو سکتا ہے اس سے اوپر کوئی نہ کوئی درجہ ضرور ہوتا ہے اور یہ انبیاء ملائکہ کے درجے ہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بندہ کوئی ایسا درجہ حاصل کرے جو انسان کی جنس سے سب سے اونچا ہو اس کے اوپر کوئی درجہ نہ ہو یہ درجہ ہمارے نبی ﷺ کا ہے لیکن علو مطلق کے مقابلہ میں قاصر ہے کیونکہ ایک تو وہ صرف بعض موجودات کے لحاظ سے علو ہے نہ کہ کل کے لحاظ سے دوسرے وہ وجود اور واقعہ کے لحاظ سے علو ہے نہ کہ بطریق وجوب بلکہ یہ امکان اس کے مکارن ہے کہ کوئی ایسا انسان پایا جا سکے جو اس سے بھی بالا ہو۔

پس علی مطلق وہ ہے جس کو بحسب وجوب فوقیت حاصل ہو نہ کہ بالاضافت اور نہ کہ بحسب وجود جس کے ساتھ نقیض کا امکان مکارن ہو۔

Marfat.com

(۳۸) اَلْکَبِیْرُ

کبیر سے مراد صاحب کبریا اور کبریا سے مراد ذات کمال ہے اور کمال ذات کے معنی کمال وجود اور کمال وجود میں دو باتیں شامل ہیں۔

پہلی بات اس کا ازلی وابدی دام ہے پس جس وجود کے شروع میں عدم ہو یا آخر میں وہ ناقص ہے اور اسی لئے جب کسی انسان کی عمر دراز ہو جاتی ہے تو اس کو کبیر کہتے ہیں جس سے مراد کبیر السن یا لمبی عمر والا ہوتا ہے بخلاف اس کے اس کو عظیم السن نہیں کہتے کبیر اس مقام میں استعمال ہوتا ہے جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا پس جب وہ شخص کبیر کہلاتا ہے جس کے وجود کی مدت ایک محدود درجہ تک لمبی ہوتی ہے تو وہ ذات جو ازل سے ابد تک قائم ودائم ہے اور جس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے وہ تو بطریق والا کبیر ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس کا وجود وہ ہے جس سے ہر موجود کا وجود ہے پس جس شئے کا وجود فی نفسہ مکمل ہو جب وہ کامل اور کبیر ہو تو وہ ذات جس سے تمام موجودات کا وجود ہو سب سے پہلے کامل اور کبیر ہے۔

تنبیہ: بندوں میں کبیرہ کامل شخص وہ ہے جس کی صفات کمال صرف اس میں بند نہ ہوں بلکہ دوسروں پر بھی اثر کریں پس جس شخص کو اس کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے اس کو کچھ نہ کچھ اس کے کمال کا فیض پہنچے۔

بندہ کا کمال اس کی عقل پر ہیزگاری اور علم میں ہوتا ہے پس کبیر وہ عالم اور پرہیزگار شخص ہے جو لوگوں کو ہدایت کرے اور اس قابل ہو کہ لوگوں کو پیشوا ہے جس کے نور اور علم سے لوگ روشنی حاصل کریں اسی لئے حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صاحب علم ہو کر عمل بھی کرے تو عالم بالا میں عظیم کہلاتا ہے۔

(۳۹) اَلْحَفِیْظُ

(نگہبان)

حفیظ بہت بڑی نگہبانی کرنے والے کو کہتے ہیں یہ معنی حفظ کے معنی کو سمجھنے ہی سے سمجھ میں آسکتے ہیں اور حفظ دو طرح پر ہے۔

ایک تو موجودات کے وجود کو ہمیشہ قائم رکھنا اس کے مقابلہ میں اعدام ہے اور اللہ

Marfat.com

تعالیٰ آسمان زمین ملائکہ وغیرہ لمبی زندگی والی موجودات اور حیوانات ونباتات وغیرہ چھوٹی عمر والی موجودات کا حافظ ہے۔

دوم جو حفظ کے زیادہ ظاہر معنی ہے وہ متعدی اور متضاد چیزوں کو ایک دوسری سے بچانا ہے اور اس متعدی سے وہ متعدی مراد ہے جو پانی اور آگ کے درمیان ہے کیونکہ وہ دونوں طبعاً ایک دوسرے کے مخالف اور ایک دوسرے پر تعدی کرنے والے ہیں یا تو پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور یا آگ پانی کو بخار کی صورت میں بدل کر ہوا بنا دیتی ہے۔

اور حرارت وبرودت کا باہمی تضاد اور معاندت ظاہر ہے جو ایک دوسرے کو دباتی رہتی ہے اس طرح رطوبت اور یبوست میں جو مخالفت ہے ظاہر ہے اور تمام اجسام ارضی انھیں مخالف ارکان سے مرکب ہیں کیونکہ جاندار کے لئے حرارت غرزی کا ہونا ضروری ہے اگر وہ نہ رہے تو زندگی نہ رہے اور رطوبت بھی ضروری ہے جو اس کے بدن کی غذا ہوتی ہے جیسے خون وغیرہ اور یبوست لازم ہے جس کے ساتھ اس کے اعضاء منضبط اور باہم پیوستہ وچسپاں رہتے ہیں خصوصاً وہ اجزاء جو سخت ہیں جیسے ہڈی اور برودت بھی ضروری ہے جو حرارت کی تیزی کو کم کرے تاکہ وہ معتدل رہے اور باطنی رطوبتوں کو فوراً جلانے اور تحلیل کرنے نہ پائے۔

یہ چاروں ارکان باہم متعادی اور متنازع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان کے چمڑے اور جاندار کے بدن اور نباتات کے جسم میں اور تمام مرکبات میں جمع کر دیا ہے اگر وہ ان کی حفاظت نہ کرتا تو وہ باہم بگاڑ پیدا کر کے ایک دوسرے سے چھٹ جاتے اور ان کی باہمی ترتیب امتزاج باطل ہو جاتا اور وہ معنی باطل ہو جاتا جس کو ترکیب ومزاج کے ساتھ قبول کرنے کے لئے وہ مستعد ہوا تھا اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت پہلے تو تعدیل قوی سے اور پھر امداد مغلوب سے کرتا ہے۔

تعدیل یہ ہے کہ مثلاً قوت بارد کا درجہ قوت حار کے برابر ہو تاکہ جب وہ دونوں جمع ہوں تو ایک دوسری پر غالب نہ ہو سکیں بلکہ ایک دوسری کے مدافعت کریں کیونکہ جب ان میں سے کوئی غالب نہیں ہوتی مغلوب کون ہو پس وہ ایک دوسری کا مقابلہ کریں اور ان کے مقابلے اور برابری کے ساتھ ساتھ بدن کا قوام باقی رہے اسی سے مراد اعتدال مزاج ہے۔

دوم مغلوب کو اس چیز کے ساتھ امداد دینا جس سے وہ اپنی طاقت تازہ کر کے غالب کا مقابلہ کرے مثلاً حرارت برودت کو فنا کرتی اور سکھاتی ہے پس جب وہ غالب آتی ہے تو برودت اور رطوبت کمزور ہو جاتی ہے اور حرارت اور یبوست غالب آتی ہیں اور ضعیف کی امداد

Marfat.com

سرد تر جسم کے ساتھ ہو سکتی ہے اور وہ پانی ہے پیاس کا مطلب یہی ہے کہ سرد تر چیز کی ضرورت پیش آتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے سرد تر اشیاء برودت اور رطوبت کی مدد کے لئے بنائی ہیں کہ جب ایک ان میں سے غالب ہو تو اس کی مخالف چیز کو مقابلہ میں کھڑا کر دیا جائے جس سے وہ دب جائے اور یہ امداد ہے اور یہ غزا و دوا کے بنانے سے اور ایسے آلات و اوزار پیدا کرنے سے جو اس میں کام دیتے ہیں اور ان کو استعمال کی توفیق عطا فرمانے سے یہ امداد تکمیل کو پہنچی ہے اور یہ تمام امور حیوانات اور متضاد اجزاء کے مرکبات کے بدنوں کی حفاظت کے لیے ہیں اور یہی اسباب ہیں جن کی بدولت انسان اپنے جسم کی داخلی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے اور وہ بعض خارجی اسباب سے بھی ہلاکت کا نشانہ بنا رہتا ہے جیسے خونخوار درندے اور جانی دشمن پس ان سے محفوظ رکھنے کے لئے چند ایسے جاسوس پیدا کیے ہیں جو دشمن کے قریب آنے کی اطلاع دیتے ہیں اور وہ اس کے مقدمۃ الجیش ہیں جیسے آنکھ کان وغیرہ پھر اس کے لیے طاقت ور ہاتھ اور اسلحہ عطا کیئے ہیں جن میں سے بعض مدافعانہ کام دیتے ہیں جیسے زرہ اور ڈھال اور بعض خارجہ جیسی تلوار چھری بندوق وغیرہ پھر بسا اوقات انسان دفع آفت سے عاجز آ جاتا ہے اس کو اعلیٰ گریز سے مدد دی ہے اور پاؤں سے چلنے والے جانداروں کے لئے پاؤں ہیں اور پرندے کے لئے بازو ہیں۔

اسی طرح خدا جلت قدرۃ کی حفاظت عالم علوی و عالم سفلی کے ذرے ذرے اور پتے پتے پر حاوی ہے یہاں تک کہ میوے کے گودے کو سخت چھلکے اور پودے کی طراوت کو رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے اور جو میوہ صرف چھلکے سے محفوظ نہ رہے اس کی حفاظت کانٹوں کے ساتھ کرتا ہے جو اسی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں تا کہ ان سے بعض طلف کرنے والے جانداروں کا دفعیہ ہوتا رہے پس کانٹے نباتات کے ہتھیار ہیں جیسے حیوانات کے ہتھیار سینگ پنجے اور کچلیاں ہیں بلکہ پانی کے قطرہ قطرہ کے ساتھ حفاظت کے اسباب ہیں جو ان کو مخالف ہوا سے بچاتے ہیں

دیکھو اگر پانی کو کسی برتن میں مدت تک پڑا رہنے دیا جائے تو وہ بن جاتا ہے اور ہوا اس سے تری کی صفت دور کر دیتی ہے۔

اگر تم پانی کے کسی برتن میں انگلی ڈبو دو اور پھر اس کو نکال کر الٹی کرو تو اس سے ایک قطرہ نیچے کو ڈھلک آئے گا لیکن انگلی کے سرے پر آ کر رہ جائے گا انگلی سے جدا نہ ہو گا حالانکہ پستی کی طرف بہنا اس کا طبعی خاصہ ہے اگر وہ بہہ جائے تو چھوٹا ہونے کے باعث ہوا کے غلبہ

Marfat.com

سے فنا ہو جائے گا اس لئے وہ برابر جھکا رہتا ہے حتی کے اس کے ساتھ باقی تری بھی شامل ہو جاتی ہے جس سے وہ ایک بڑا قطرہ بن جاتا ہے اور فوراً ہوا کو چیرتا ہوا نیچے گر جاتا ہے ہوا اس کو اپنی جنس میں ملا لینے پر قادر نہیں ہو سکتی اور یہ اس کی حفاظت کی ایک صورت ہے جب کہ وہ کمزور اور اس کا مخالف (یعنی ہوا) طاقت ور ہوتا ہے اور اس کو باقی تری کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے یہ حفاظت ایک فرشتے کی طرف سے ہوتی ہے جو اس پر مامور ہے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ مینہ کی ہر بوند کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بوند زمین میں اپنی قرارگاہ پر جا پہنچتی ہے۔

اور حق یہ ہے ارباب بصائر کا باطنی مشاہدہ اس پر دلالت کرتا ہے غرض اس حدیث پر نہ صرف تقلید کی روح سے یقین کرنا چاہیے بلکہ از روئے عقل بھی اس کو درست ماننا چاہیے۔

خدا کا آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی اشیاء کو پیدا کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق بحث کا سلسلہ بڑا طویل ہے جیسے کہ باقی تمام افعال کے متعلق ہے اور اسی سے اس اسم کے معنی معلوم کیے جا سکتے ہیں نا صرف لغوی اشتقاق کے سمجھنے سے۔ اور مجمل طور پر حفظ کے معنی معلوم ہو چکے۔

تنبیہ: بندوں میں سے حفیظ وہ ہے جو اپنے اعضاء اور دل کی حفاظت کرتا ہے اور اپنے دین کو غضب کے حملے۔ شہوت کے فریب، نفس کے مکر اور شیطان کے دھوکے سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ وہ تباہی کے گڑھے کے قریب ہے اور ان بربادی بخش مہلکات نے اس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔

(۴۰) اَلْمُقِيْتُ

(مخلوق کو قوت یا روزی پہنچانے والا)

اسکے معنی ہیں غزاؤں کا پیدا کرنے والا، اور بدنوں کی غذا یعنی کھانے کی چیزیں بدنوں تک پہنچانے والا اور دلوں کی غذا یعنی معرفت دلوں تک پہنچانے والا۔ پس مقیط رازق کا ہم معنی ہے لیکن اس کی نسبت خاص ہے۔ کیونکہ رزق غذا اور غذا کے سوا دوسری چیزوں کو شامل ہے۔ اور غذا وہ چیز ہے جو صرف قوامیں بدن کو کافی ہو سکے۔

مقیت، مستولی (غالب) اور قادر کے معنوں میں بھی آتا ہے، استیلائے قدرت اور علم کے ساتھ پورا ہوتا ہے ان معنوں پر خداوند تعالی کا یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ: "وَكَانَ اللّٰهُ

Marfat.com

علیٰ کل شیءٍ مقیتاً"، یعنی اور اللہ ہر چیز پر مطلع اور قادر ہے۔

غرض اس لحاظ سے مقیت کے معنی میں قدرت اور علم کا مفہوم داخل ہے علم کا بیان تو گزر چکا قدرت کا بیان آگے آئے گا۔

اس معنی کی روح سے خدا کی صفت مقیت صرف صفت قادر کی نسبت اور صرف صفت عالم کی نسبت زیادہ مکمل ہے۔ کیونکہ وہ اکٹھے ان دونوں معنوں پر دال ہے اور اس جہت سے یہ اسم ترادف سے نکل گیا۔

(۴۱) اَلْحَسِیْبُ

(کافی)

حسیب سے مراد ہے کافی۔ اور یہ وہ ہے کہ جو کوئی اس کا ہو جائے وہ اس کے لئے کافی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کے لئے حسیب اور کافی ہے اس وصف کی حقیقت خدا کے سوا اور کسی کے لئے متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ کفایت کے محتاج کو جو اس کی حاجت ہو گی تو اپنے وجود اور دوام وجود اور کمال وجود کے لئے ہو گی اور خدا کے سوا ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جو تنہا کسی چیز کے لئے کافی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے لئے کافی ہے نہ کہ صرف اشیاء کے لئے یعنی وہ اکیلا ہی کافی ہے کہ اس کے ساتھ اشیاء کا وجود متصل ہو اور اس کے ساتھ ان کا وجود ہمیشہ رہے اور اس کے ساتھ ان کا وجود مکمل ہو اور تم کو یہ ظن بھی نہیں کرنا چاہیے کہ جب تم کو کھانے، پینے کی، اور زمین، اور آسمان اور سورج وغیرہ کی ضرورت ہوئی تو تم اس کے سوا کسی اور کے محتاج ہوئے اور وہ تمہارے لئے کافی نہ تھا کیونکہ اسی نے کھانے پینے کی چیزیں اور زمینوں آسمان اور سورج وغیرہ چیزیں بنائی ہیں وہی تمہارے لئے کافی ہے اور یہ بھی خیال تک نہ کرو کہ جو بچہ ماں تک کا محتاج ہے جو اس کو دودھ پلاتی ہے۔ اور پرورش کرتی ہے۔ اللہ اس کا حسیب اور کافی ہے بلکہ اللہ ہی اس کے لئے کافی ہے جس نے اس کی ماں کو پیدا کیا اور اس کے پستانوں میں دودھ بنایا اور بچے کو دودھ پینے کی ہدایت کی اور ماں کے دل میں شفقت اور محبت ڈال دی یہاں تک کہ اس نے بچے کو دودھ پینے دیا۔ پس انھیں اسباب سے کفایت حاصل ہوئی ہے اور اللہ اکیلا بچے کے لئے ماں کو پیدا کرنے والا ہے۔

اگر تم سے کہا جائے کہ اکیلی ماں بچے کے لئے کافی ہے تو تم فوراً ہاں میں ہاں ملا دو گے اتنا کہنے کی توفیق نہ ہو گی کہ ماں اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دودھ کا محتاج ہے۔

Marfat.com

اور جب دودھ نہ ہو تو ماں کہاں کافی ہوگی اگر یہ کہو گے کہ ہاں بچہ دودھ کا محتاج تو ہے مگر دودھ بھی تو ماں ہی سے پیدا ہوتا ہے پس وہ ماں کے سوا اور کسی کا محتاج نہ ہوا مگر تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ دودھ ماں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ کیا ماں اور کیا دودھ دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے ہیں پس وہ اکیلا ہر شخص کے لئے کافی ہے اور اس کے سوا کوئی ایسی شئے نہیں ہے جو تنہا کسی چیز کے لئے کافی ہو بلکہ اشیاء ایک دوسری سے متعلق ہوتی ہیں۔ اور سب کی سب خدا کی قدرت سے تعلق رکھتی ہیں۔

تنبیہ: بندہ کو اس وصف میں کوئی دخل نہیں ہے مگر بطریق مجاز بعید اور بلحاظ سرسری نظر اور ظن عام کے مجاز ہونا اس لحاظ سے ہے کہ گو وہ اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کے لئے ہے لیکن وہ فی الحقیقت کافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی فی الحقیقت کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بنفسہ تو خود اس کا اپنا وجود بھی قائم نہیں ہے اور نہ بنفسہ اپنے آپ کے لئے کافی ہے تو غیر کے لئے کب کافی ہو سکتا ہے۔

بندہ کا کافی ہونا خلق عام کا عام کے لحاظ سے اس لئے ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ مستقل بالکفایت ہے۔ تو بھی وہ اکیلا کافی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایسے محل کا محتاج ہے جو اس کے فعل اور کفایت کو قبول کر سکتا ہو کم از کم ایک کا محتاج ہوگا جو محل علم ہے۔ تاکہ وہ تعلیم میں کافی بن سکے اور ایک معدہ چاہیے۔ جو کھانا پہنچنے کی جگہ ہوتا ہے تاکہ وہ بدن میں کھانا پہنچانے کے لئے کافی ہو سکے علاوہ ان کے وہ اور اور بہت سے اشیاء کا محتاج ہوگا۔ جس کا کوئی شمار نہیں ہے اور ان میں سے کوئی شئے بھی اس کے اختیار نہیں میں نہیں ہے اور خدا کا کافی ہونا اس لئے صحیح ہے کہ وہ خالق فعل ہے اور خالق محل ہے، اور شرائط قبول کا خالق ہے۔

بندہ کا کافی کہلانا سرسری نظر سے اس لئے ہے کہ بسا اوقات ایک فاعل پر نظر پڑتی ہے اور اس کے سوا اور کسی کا خیال بھی دل میں نہیں گزرتا پس وہ دیکھتا ہے یہ فاعل ہی کافی ہے حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔

ہاں بندہ کا حصہ جو اس اسم سے ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ہمت و ارادہ میں خاص اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کافی ہو، یعنی اللہ کے سوا کسی کا ارادہ نہ کرے نہ جنت کی خواہش رکھے نہ اس کا دل دوزخ سے بچنے کی تدبیر کرنے میں مصروف رہے بلکہ خاص خدا کے خیال میں ڈوبا رہے اور جب اس کے جلال کا پرتو اس پر پڑے تو کہے بس یہی مجھے کافی ہے اس کے سوا مجھے اور کچھ درکار نہیں باقی اشیاء خواہ ہاتھ سے جائیں یا رہیں۔

Marfat.com

(۴۲) اَلْجَلِیْلُ
(بزرگ قدر)

جلیل کے معنی جلال کی صفتوں سے موصوف اور جلال کی صفتیں ہیں غنی ملک تقدس علم، قدرت، وغیرہ جو پیچھے مذکور ہو چکیں۔

پس ان سب صفات کا جامع جلیل مطلق ہے اور جو ان میں سے بعض کے ساتھ موصوف ہو اس کی جلالت اسی قدر ہے جتنی صفتوں سے وہ موصوف ہو۔

جلیل مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے گویا کبیر کا مطلب کمال ذات ہے اور جلیل کا کمال صفات ہے اور صفات سب کی سب ادراک بصیرت کی طرف منسوب ہیں بائیں ہیت کہ وہ بصیرت پر حاوی ہو جاتی ہیں اور بصیرت ان پر حاوی نہیں ہوتی صفات جلال جب اس بصیرت کی طرف منسوب کی جائیں جو اس کو ادراک کرتی ہے تو ان کو جمال کہتے ہیں اور ان سے متصف ہونے والا جمیل کہلاتا ہے۔

اسم جمیل اصل میں صورت ظاہری کے لئے موضوع ہے جو نظر سے محسوس ہوتی ہے جب کہ وہ اس طرز کی ہو کہ نگاہ پسند کرے پھر وہ صورت باطنی کے لئے منقول کیا گیا جو بصیرت (عقلی نگاہ) سے ادراک کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے فلاں شخص سیرت جمیلہ رکھتا ہے اس میں خلق جمیل ہے اور یہ صورت نظر عقلی سے ادراک کی جاتی ہے نہ کہ ظاہری نظر سے غرض کہ باطنی صورت جبکہ کامل متناسب اور ان تمام کمالات کی جامع ہو جو اس کے لائق ہوں اور جیسی چاہییں وہ صورت بصیرت باطنہ کے لئے جو ادراک کرتی ہیں پسندیدہ اور دلکش ہے جس کے نظارے سے ایک ایسی لذت لطف اور سرور حاصل ہوتا ہے جو بصارت ظاہری کے ذریعہ سے ظاہری صبیح و ملیح شکلوں کا نظارہ کرنے والے کو حاصل نہیں ہوتا۔

جمیل مطلق خاص اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ دنیا میں جو جمال و کمال اور حسن و دل ربائی ہے وہ اسی ذات کے انوار اور صفات کے آثار سے ہے اور ایسا موجود اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے جس کو کمال مطلق حاصل ہو اور اس کا کوئی ثانی وجود آیا امکاناً نہ ہو اس لئے اس کا عارف اور اس کے جمال کا مشاہدہ کرنے والا اس قسم کی لذت اور سرور محسوس کرتا ہے جس کے آگے جنت کی نعمتیں اور ظاہری صورتوں کی خوش نمائیاں ہیچ ہیں بلکہ صورت ظاہری کے جمال کو معانی باطنہ کے جمال سے جو کہ بصیرت کے ذریعہ سے ادراک میں آسکتا ہے کوئی مناسبت نہیں ہے اس

Marfat.com

امر کو احیاء العلوم الدین کی کتاب المحبۃ میں بیان کیا گیا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ وہ جلیل اور جمیل ہے۔ اور ہر جمیل دیدار کرنے والے کے لئے محبوب و معشوق ہوتا ہے تو اس کالازمی نتیجہ ہے کہ وہ محبوب ہو مگر ان لوگوں کے نزدیک جو اس کی معرفت سے بہرہ رکھتے ہیں جیسے ظاہری دل پسند صورتیں محبوب ہوتی ہیں مگر ان لوگوں کے نزدیک جو آنکھیں رکھتے ہیں نہ کہ اندھوں کے نزدیک۔

تنبیہ: بندوں میں سے جلیل اور جمیل وہ ہے جس کی باطنی صفات اچھی ہوں جن سے ارباب بصیرت کے دل لذت پائیں۔ رہا جمال ظاہری، سو وہ ایک کم قدر چیز ہے۔

(۴۳) اَلْکَرِیْمُ

(بزرگ)

کریم ، وہ ہے کہ جب قدرت پائے تو معاف کرے اور جب وعدہ کرے تو اس کو پورا کر دکھائے اور جب دینے لگے تو توقع سے بڑھ کر دے یہ نہ دیکھے کہ کس کو دیتا ہے اور کتنا دیتا ہے جب اس کو چھوڑ کر کسی اور کے سامنے حاجت پیش کی جائے تو اس کو منظور نہ کرے جو شخص اس سے التجا کرے اس کو یوں ہی نہ ٹالے بلکہ اس کو وسیلوں اور سفارشوں کا بھی محتاج نہ رکھے پس جس میں یہ تمام صفات سچ مچ جمع ہوں بناوٹی نہ ہوں، وہ کریم ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

تنبیہ: ان صفات سے مزین ہونے کا فخر کبھی کبھی بندہ بھی حاصل کر لیتا ہے لیکن صرف بعض امور میں اور ایک قسم کی تکلیف سے حاصل کرتا ہے اسی لیے کبھی وہ کریم کی صفت سے موصوف کیا جاتا ہے لیکن کریم مطلق کی نسبت سے وہ ناقص ہے اور بندہ اس صفت سے کیوں نہ موصوف ہو۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "انگور کی بیل کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم مسلمان آدمی ہو سکتا ہے"

کہتے ہیں کہ انگور کی بیل کو کرم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک پاکیزہ اور اچھے پھل والا درخت ہے جس کا پھل قریب ہی سے بآسانی ہاتھ آ جاتا ہے، نہ کانٹے ہیں اور نہ کوئی اور آزار ساں چیز ہے بخلاف کھجور کے۔

(۴۴) اَلرَّقِیْبُ

Marfat.com

(نگہبان)

رقیب کے معنی علیم وحفیظ یعنی ہر شئے کی حالت سے بخوبی واقف اور اس کا نگہبان پس جو ذات کسی شئے کی ایسی نگہبان ہو کہ اس سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو اور اس پر لازمی طور سے ہمیشہ نظر رکھے اس کو رقیب کہتے ہیں گویا اس صفت کے مفہوم میں علم اور حفظ داخل ہیں لیکن اس اعتبار سے کہ وہ لازم اور دائم ہیں اور اس شئے سے نسبت رکھتے ہیں، جس سے خدا آفات کو دفع کرتا ہے۔

تنبیہ: بندہ کے لئے مراقبہ کا وصف اس وقت محمود ہے جبکہ وہ خدا کے لئے اور اپنے دل کے لئے ہو اور یہ اس طرح ہے کہ مراقبہ کرنے والا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر امر میں اس کا رقیب اور شاہد ہے۔

اور یہ یقین رکھے کہ نفس بھی میرا دشمن ہے اور شیطان بھی۔ اور یہ دونوں موقع کے انتظار میں ہیں کہ اس کو غفلت اور دین کی مخالفت پر آمادہ کریں لہذا وہ ان سے بچنے کی تدبیر کرے کہ ان کی گھاتوں مکروں اور جست کرنے کے موقعوں کو تاڑتا رہے حتی کے ان کے تمام راستے اور سوراخ بند کر دے یہ مراقبہ ہے۔

(۴۵) اَلْمُجِیْبُ

(دعا قبول کرنے والا)

مجیب وہ ہے جو سائل کے سوال کو پورا کرے دعا کرنے والے کی دعا کو قبول فرمائے لاچار لوگوں کی ضرورت مہیا کرے۔ بلکہ التجا سے پہلے انعام دے اور دعا سے پیشتر بخشش کرے اور وہ صرف خداوند تعالیٰ ہے کیونکہ وہی حاجتمندوں کی حاجت کو ان کے سوال سے پہلے جانتا ہے بلکہ ازل ہی سے اس کو اس کا علم ہے مخلوق کی حاجت روائی کے لئے کھانے اور غذائیں بنائی ہیں اور تمام کے تہیا کے لئے اسباب وآلات میسر کر دیے ہیں۔

تنبیہ: بندہ کو چاہیے کہ سب سے پہلے خدا کے امر ونہی کے لئے مجیب بنے پھر بندوں کے لئے مجیب بنے یعنی خدا نے جو اس کو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے سائل کا سوال پورا کرے اپنے مقدور بھر سائل کی مدد کرے۔ یا اگر کچھ بھی مقدور نہ ہو تو نرمی سے جواب دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "واما السائل فلا تنھر" (اور سائل کو نہ جھڑکنا) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "لو دعیت الی کراع لاجبت ولو اھدی الی ذراع

Marfat.com

لقبلت'' یعنی اگر بکری کے پائے پکا کر بھی مجھے دعوت دی جائے تو میں قبول کرلوں اور اگر ایک ذراع (جانور کی پنڈلی) بھی مجھے ہدیہ میں دی جائے تو میں بخوشی لے لوں۔

آنحضرت ﷺ کا دعوتوں میں تشریف لے جانا اور ہدیے قبول فرمانا محض دلداری کی غرض سے تھا بعض کمینے اور متکبر لوگ جو ہر قسم کے ہدیے کے قبول کرنے اور دعوت کے منظور کرنے سے اپنی شان کو برتر سمجھتے ہیں اور اپنی شان وعظمت کو اس سے بچانا چاہتے ہیں اور التجاء کرنے والے کے دل کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ خواہ اس کو سخت صدمہ پہنچے ایسے لوگوں کا اس اسم کے معنی میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

(۴۶) اَلْوَاسِعُ
(وسیع المعلومات یا وسیع الغنا)

واسع، سعۃ (وسعت) سے مشتق ہے۔ اور وسعت کبھی علم میں ملحوظ ہوتی ہے۔ جب کہ علم وسیع ہو، اور صاحب علم معلومات کثیرہ پر حاوی ہو اور کبھی احسان اور عطائے نعمت سے منسوب کی جاتی ہے۔ خواہ کوئی لحاظ کرو، اور کسی تقدیر کو لو، بہر حال واسع مطلق اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ اگر اس کے علم کو لو۔ تو اسکی معلومات کے سمندر کا کوئی کنارہ ہی نہیں بلکہ اس کے کلمات لکھنے کے لئے سمندروں کو سیاہی کی جگہ استعمال کیا جائے تو سمندر ختم ہو جائینگے۔ اگر اس کے احسان اور نعمت کو دیکھا جائے۔ تو اس کی مقدورات کی کوئی انتہا نہیں ہر وسعت گو کیسی ہی بڑی ہو وہ ایک نہ ایک طرف تک ضرور اختتام کو پہنچے گی۔ اور جو ذات کسی طرف بھی اختتام پذیر نہیں ہے۔ وہ وسعت کے اسم کی زیادہ حقدار ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ ہی واسع مطلق ہے، کیونکہ ہر واسع اپنے سے زیادہ وہ واسع کے مقابلے میں غیر واسع یعنی تنگ ہے۔ اور جو وسعت نہ کسی طرف پر منتہی ہو جائے۔ ممکن ہے کوئی اور وسعت اس سے بھی زیادہ بڑی ہو۔ لیکن جس ذات کی نہ کوئی نہایت ہو۔ اور نہ کوئی طرف ہو،

Marfat.com

اس سے زیادہ وسعت تصور ہی میں نہیں آسکتی۔

تنبیہ: بندہ کی وسعت علوم اور اخلاق میں ہوتی ہے پس اگر اس کے علوم بکثرت ہوئے تو اپنے وسعت علم کے موافق وہ واسع ہے اور اگر اس کے اخلاق وسیع ہو گئے حتی کے نہ محتاجگی ومحتاجی کا خوف اس کو تنگ دل کر سکے نہ حاسد کا غصہ اور نہ حرص کا غلبہ تو وہ بھی واسع ہے مگر یہ سب وسعتیں کسی نہ کسی حد پر ختم ہو جاتی ہیں حقیقی واسع اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۴۷) اَلْحَکِیْمُ

(حقائق اشیاء کا عالم)

حکیم کے معنی صاحب حکمت اور حکمت سے مراد ہے افضل چیز کو افضل علم سے جاننا اور تمام اشیاء سے بزرگ اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ:۔

"خدا کی باتیں خدا ہی جانے"

لہذا وہ حقیقی حکیم ہے کیونکہ وہ سب سے بڑی شئے کو افضل علم کے ساتھ جانتا ہے یعنی سب سے بڑی ذات خدا کی ہے اور افضل علم وہی ہے جو ازلی اور دائم ہو اس کا زوال متصور نہ ہو واقع کے ایسا مطابق ہو کہ اس میں کسی قسم کے خفاء اور شبہ کا دخل نہ ہو ایسے علم کے ساتھ خاص خداوند تعالیٰ متصف ہے۔

اس شخص کو بھی حکیم کہہ دیا کرتے ہیں جو عجیب عجیب صنعتی اشیاء بنائے اور ان کی بناوٹ میں خوبیاں اور استحکام پیدا کرے اس صنعت کا کمال بھی خاص خدا کے لئے ہے لہذا وہ حکیم مطلق ہے۔

تنبیہ: جو شخص علم اشیاء کو جانتا ہو مگر خدا کو نہ جانتا ہو وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ وہ سب سے بڑی اور سب سے زیادہ افضل شئے کو نہیں جانتا اور حکمت کے تمام علوم سے زیادہ افضل علم ہے اور علم کی بزرگی اس چیز کی بزرگی پر موقوف ہے جس کی نسبت علم ہو اور خدا سے بڑھ کر کوئی شئے بزرگ نہیں ہے۔ لہذا جو شخص خدا کو پہچانتا ہے وہ حکیم ہے گو باقی تمام مروجہ علوم سے بے بہرہ ہو اور ان کے متعلق کچھ بیان کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

یاد رکھو کہ خدا کی حکمت اور بندے کی حکمت میں فرق ہے جو خدا کی نسبت بندے کے علم اور خود خدا کے علم میں فرق ہے خیال کر و ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے اور اس

Marfat.com

سے سمجھ سکتے ہو کہ ان دونوں حکمتوں میں کس قدر فرق ہے تاہم یہ علم تمام علوم سے زیادہ نفیس اور زیادہ معجب خیر ہے۔ "ومن اوتی الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً" یعنی جس شخص کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔

جو شخص خدا کو پہچان لیتا ہے تو اس کا طرز کلام دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ وہ جزیات اور گھٹیا باتوں میں بہت کم خوض کرتا ہے۔ بلکہ اس کا ہر کلام اور مجمل اور کلی اور معنی خیز ہوتا ہے وہ دنیوی فوائد کا کم خیال کرتا ہے جو کچھ کہتا ہے عاقبت میں فائدہ دینے والی بات کہتا ہے اور چونکہ اس کی یہ حالت لوگوں کے نزدیک اس کی معرفت الٰہی کی نسبت زیادہ ظاہر ہوتی ہے لہٰذا لوگ اس کے کلمات کلیہ کو اکثر حکمت کہا کرتے ہیں اور ان کے قائل کو حکیم کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کی مثال آنحضرت ﷺ کے یہ اقوال ہیں۔

(۱) رأس الحکمة مخافة الله

(۱) سب سے بڑی حکمت خدا کا خوف ہے۔

(۲) الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنیٰ علی الله الامانی۔

(۲) دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا اور آخرت کے لئے نیک کام کیے۔ عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کے تابع ہوا۔ اور اللہ سے بیہودہ التجائیں کرتا رہا۔

(۳) ما قلّ وکفی خیر مما کثر والهیٰ

(۳) تھوڑی اور کافی چیز اس چیز سے اچھی ہے جو زیادہ ہو اور بیہودگی میں ڈالے۔

(۴) من اصبح معافاً فی بدنه امنا فی سربه عنده قوت یومه فکانما حیزت له الدنیا بحذافیرها۔

(۴) جو شخص تندرست رہے اور اپنے گھر میں امن سے بسے اس کے پاس دن بھر کی خوراک ہو گویا

Marfat.com

دنیا ساری کی ساری اس کے کام آ رہی ہے۔

(۵) کن ورعاً تکن اعبدالناس ،و کن قنعا تکن اشکر الناس.

(۵) پرہیزگار بنو تاکہ سب سے بڑے عابد قرار پاؤ قناعت کرو تاکہ سب سے زیادہ شاکر بنو۔

(۶) البلاء مؤکّل بالمنطق ۔

(۶) مصیبت زبان کھولنے پر منحصر ہے۔

(۷) من حسنِ اسلام المرء ترکه مالا یعنیه

(۷) بندہ کی اچھی مسلمانی یہ ہے کہ جو امر مداس کا نہ ہواس کو چھوڑ دے۔

(۸) السعید من وعظ بغیرہٖ

(۸) نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت پکڑے۔

(۹) الصمت حکمةٌ وقلیلٌ فاعله .

(۹) خاموشی حکمت ہے جس پر چلنے والے کم ہیں

(۱۰) القناعة مالا ینفد

(۱۰) قناعت وہ مال ہے جو کم نہیں ہوتا۔

(۱۱) الصبر نصف الایمان والیقین الایمان کله

(۱۱) صبر نصف ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے۔

غرض اس قسم کے کلمات کو حکمت اور ان کو قائل کو حکیم کہتے ہیں۔

(۴۸) اَلْوَدُوْدُ

(نیک بندوں کو دوست رکھنے والا)

Marfat.com

ودود، وہ ہے جو تمام مخلوق کے لیے بہتری چاہتا ہو لہذا ان کے ساتھ بھلائی کرے اور ان کی تعریف بھی کر دیا کرے۔ یہ اسم رحیم کے معنی کے قریب قریب ہے لیکن رحمت کی نسبت مرحوم کی طرف ہوتی ہے اور مرحوم وہ ہوتا ہے جو محتاج اور لاچار ہو رحیم کے افعال تو مرحوم کو ضعیف چاہتے ہیں ودود کے افعال نہیں چاہتے بلکہ ود (دوستی) کا نتیجہ یہ ہے کہ بلاتحریک آپ سے آپ نعمت بخشی جائے پس جس طرح خدا کی رحمت کے معنی یہ ہیں کہ وہ مرحوم کے لئے بھلائی اور حاجت روائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اور رحم کے باعث درد دل عارض ہونے سے وہ منزہ ہے اس طرح اس کی مودت (دوستی) یہ ہے کہ وہ بخشش، نعمت، احسان، اور انعام کا ارادہ کرتا ہے اور وہ دوستی کے بے اختیاری سیلان سے مبرا ہے اس کی رحمت و مودت جو مرحوم و موّدود کے حق میں صادر ہوتی ہے تو رقت یا دوستی کے میلان کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس کے ثمرہ اور فائدہ کے لئے ہوتی ہے پس فائدہ ہی رحمت و مودت کا نچوڑ ہے اور یہ خاص خدا کا حق ہے مرحوم و موّدود کا نہیں۔

خدا فائدہ رسانی کا ذمہ دار نہیں ہے۔

تنبیہ: اللہ کے بندوں میں سے ودود وہ ہے جو مخلوق کے لئے وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اور اس سے بھی اعلیٰ وہ شخص ہے جو ان کو اپنے پر مقدم سمجھے چنانچہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ کاش میں دوزخ کا پل بن جاتا کہ لوگ مجھ پر سے صحیح و سلامت گزر جاتے اس صفت کا کمال یہ ہے کہ غصہ کینا اور جو تکلیف پہنچی ہو وہ اس ایثار و احسان کا مانع نہ ہو جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگ میں جب کہ کسی کور و باطن کافر کے پتھر مارنے سے آپ کا اگلا دانت ٹوٹ گیا تھا اور چہرہ مبارک خون آلودہ ہو گیا تھا۔ فرمایا تھا کہ ”اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون“ یعنی الٰہی میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ کچھ جانتے نہیں۔ پس ان لوگوں کی بدسلوکی آپ کو اس ارادہ سے بعض نہ رکھ سکی جو آپ ان کی فائدہ رسانی کے متعلق رکھتے تھے اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ کو ارشاد فرمایا تھا کہ ”اگر تم چاہو کہ مقربین سے بھی سبقت لے جاؤ تو بدسلوکی کرنے والے سے نیک سلوک کرو“ نہ دینے والے کو دے ظلم کرنے والے کو معاف کر۔

(۴۹) اَلْمَجِیْدُ

(شریف، بزرگ)

Marfat.com

مجید، وہ ہے جس کی ذات شریف، جس کے افعال پسندیدہ، اور جس کی عطا گراں قدر ہو غرض جس کے شرف ذات کے ساتھ حسن افعال شامل ہو، اس کو مجید کہتے ہیں، اور ماجد بھی اسی کو کہتے ہیں۔ مگر مقدم الذکر اسم مبالغہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور گویا وہ الجلیل اور الوھاب اور الکریم کے معنوں کا جامع ہے۔ ان دونوں کے متعلق پیچھے ذکر گذر چکا ہے۔

(۵۰) الباعث

(مردوں کو مرے پیچھے اٹھا کھڑا کرنے والا)

باعث، وہ ہے جو قیامت کے دن خلقت کو زندہ کرے گا۔ اور اہل قبور کو کھڑا کریگا۔ فی آخرت میں اٹھائے جانے کو کہتے ہیں۔ اور اس اسم کو سمجھنا بعث کی حقیقت کو سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور یہ علمی باتوں میں سب سے زیادہ باریک بات ہے۔ اکثر لوگ اس کے متعلق مجمل اوہامات اور مبہم تخیلات میں مبتلا ہیں۔ بڑا شک ان کو یہ ہے کہ موت تو ایک عدم ہے۔ اور بعث پھر نوا ایجاد ہے جو عدم کے بعد ہوتی ہے۔ اور ایجاد ویسے ہی ہے جیسے پہلی ایجاد تھی۔ مگر ان کا یہ خیال کہ موت عدم ہے، غلط ہے۔ اور اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ دوسری ایجاد پہلی ایجاد جیسی ہے۔ موت عدم عدم محض نہیں ہے۔ بلکہ موت کی قبر تو آگ کا گڑھا ہوتی ہے یا گلستان چمن کا ایک گڑھا ہوتی ہے۔ یا گلستان جنت کا ایک چمن ہوتی ہے۔ اور موت یا تو خوش قسمت اور نجات یافتہ ہوتے ہیں۔ یا بدنصیب اور زیر عذاب ہوتے ہیں۔

پہلا گروہ مرنے والا نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ''
یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں، ان کو موتے نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس عزت پاتے ہیں۔ خدا نے جو اپنا فضل ان پر کیا ہے اس سے خوش ہیں۔

دوسرا گروہ بھی زندہ ہے، اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے جنگ بدر میں کافر مقتولوں کو پکار کر فرمایا تھا ''خدا نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا، میں نے اس کو درست پایا، تم سے جو وعدہ خدا نے کیا تھا، کیا تم نے بھی اس کو درست پایا''۔

آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ ان لوگوں کو کیونکر پکار رہے ہیں جو مر چکے ہیں فرمایا تم میری بات کو ان کی نسبت کچھ زیادہ سننے والے نہیں ہوں، یہ بھی سنتے ہیں مگر جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے،

Marfat.com

باطنی مشاہدہ ارباب بصائر کو بتلا رہا ہے کہ انسان کو ہمیشہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے عدم اس پر طاری نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک بار اس کا تصرف جسم سے بند ہو جاتا ہے، تو دیکھنے والے کہتے ہیں مر گیا جب وہی تصرف پھر جاری ہو جاتا ہے، تو کہا جاتا ہے کہ زندہ ہو گیا اور اس بھید کی پوری تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

ان لوگوں کا یہ خیال بھی بے سروپا ہے کہ مردے کو زندہ کرنا دوسری ایجاد ہے جو پہلی ایجاد جیسی ہے۔ بلکہ مردہ کا زندہ ہونا ایک دوسری پیدائش ہے، جو پہلی پیدائش سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی۔ انسان کی صرف دو پیدائش نہیں ہیں، بلکہ بہت سی پیدائشیں ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''وننشئکم فیما لاتعلمون'' یعنی ہم تم کو ایسی حالت میں پیدا کریں گے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش میں خون بستہ اور مضغہ وغیرہ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے ''ثم انشانٰہ خلقاً اٰخر، فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین'' (پھر آخر کار) ہم ہی نے اس کو (گویا بالکل) دوسری ہی مخلوق (کی صورت میں) بنا کھڑا کیا تو (سبحان اللہ) خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو (سب) بنانے والوں میں (بہتر بنانے والا ہے) اور فرمایا: ''ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی'' یعنی تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ روح میرے پروردگار کا ایک امر ہے'' پھر اصلی روح کو پیدا کرنے کے بعد ادراکات حسینہ کا پیدا کرنا ایک علیحدہ پیدائش ہے پھر تمیز کا پیدا ہونا جو ساتویں سال کی عمر میں ظاہر ہوتی ہے ایک پیدائش ہے پھر پندرہ سال کی عمر یا اس سے کم وبیش کی عمر میں عقل کا پیدا ہونا ایک اور پیدائش ہے یہ ہر پیدائش ایک طور ہے ''وقد خلقکم اطوارا'' اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی طرز وطور میں بنایا ہے۔

پھر کسی شخص میں ولایت کی خاصیت کا ظاہر ہونا بھی ایک جدا پیدائش ہے اس کے بعد نبوت کی خاصیت کا ظاہر ہونا ایک اور جداگانہ پیدائش ہے اور وہ ایک طرح کا بعث ہے اللہ تعالیٰ باعث الرسل ہے جیسے کہ باعث یوم النشور بھی ہے اور جس طرح شیر خوار بچے کو تمیز حاصل کرنے سے پیشتر اس کی حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے اسی طرح تمیز والے کو عقل حاصل کرنے سے پہلے اس کی حقیقت اور اس کے عجائبات کا جاننا دشوار ہے اسی طرح عقل کی منزل میں ولایت اور نبوت کا سمجھنا مشکل ہے کیونکہ ولایت پیدائش عقل کے اوپر ایک خاص طور پر کمال ہے جس طرح عقل، پیدائش تمیز سے اوپر ایک جدا طور کمال ہے اور تمیز پیدائش جو اس سے اوپر ہی ایک علیحدہ طور کمال ہے۔

Marfat.com

چونکہ لوگوں کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو مرتبہ خود ان کو حاصل نہ ہو جائے وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے حتیٰ کہ ہر شخص کسی امر کو ماننے یا سچ سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس کو دیکھ نہ لے اور خود حاصل نہ کر لے اور کبھی چھپی اور غائب بات پر یقین نہیں کرتا اس لئے لوگ طبعاً ولایت و نبوت اور ان کے عجائبات بلکہ ان کی اصلیت سے منکر ہوتے ہیں اور دوسری پیدائش اور آخرت کی پیدائش کو نہیں مانتے کیونکہ انھوں نے اب تک ان امور کو دیکھا اور برتا نہیں ہے اگر صرف تمیز کے درجہ تک پہنچنے والے کے سامنے عالم عقل اور اس کے عجائبات کا نقشہ پیش کریں تو وہ اس کو ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہو گا پس جو شخص غیر حاصل شئے پر ایمان لائے وہ گویا غیب پر ایمان لایا اور یہی تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔

جب طور عقل اور اس کے ادراکات اور اس کی پیدائش سابقہ اور ادراکات سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے تو آخرت کی پیدائش تو نہایت ہی بعید ہے لہذا دوسری پیدائش کو پہلی پیدائش پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔

یہ تمام پیدائشیں ایک ہی ذات کے مختلف اطوار اور اس کے لئے مراتب کمال طے کرنے کے زینے ہیں حتیٰ کہ وہ اس بارگاہ احدیث کا قرب حاصل کرتا ہے جہاں تمام کمالات کی انتہاء ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالی کے نزدیک دو قبول اور حجاب وصول میں متردد رہتا ہے اگر مقبول ہو جائے تو اعلیٰ علیین پر ترقی کر جاتا ہے ورنہ اسفل السافلین میں گر جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ ان دونوں پیدائشوں میں لفظی مناسبت کے سوا اور کوئی تعلق نہیں ہے اور جو شخص نشاۃ (پیدائش) اور بعث کے معنی نہیں جانتا وہ اسم الباعث کے معنی نہیں سمجھ سکتا اور ان کی شرح طویل ہے جانے دیتے ہیں۔

تنبیہ: بعث کی حقیقت کا مطلب ہے مردوں کی دوسری پیدائش میں پیدا کر کے زندہ کرنا اور جہل سب سے بڑی موت ہے اور علم سب سے پاکیزہ زندگی ہے اللہ تعالی نے قرآن مجید میں علم و جہل کا ذکر کیا ہے اور ان کو حیات و موت سے موسوم کیا ہے۔

جو شخص کسی دوسرے انسان کو جہل سے علم تک ترقی دیتا ہے گویا وہ اس کو موت سے نئی پیدائش میں لاتا ہے اور ایک پاکیزہ زندگی بخشتا ہے پس اگر بندہ لوگوں کو علم پڑھائے اور سیدھی راہ دکھائے تو ان کو گویا ایک طرح سے زندہ کرتا ہے اور یہ انبیاء اور ان کے وارث علماء کا کام ہے۔

Marfat.com

(۵۱) اَلشَّهِيْدُ

(حاضر)

اس اسم کے معنی علیم کے معنوں سے ملتے ہیں اور ساتھ ہی اضافت کی خصوصیت بھی ملحوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ "عالم الغیب والشہادۃ" ہے یعنی غیب اور شہادت کو جانتا ہے غیب سے مراد چھپی ہوئی باتیں ہیں۔ اور شہادت سے مراد ظاہر باتیں ہیں پس اگر مطلق علم کا لحاظ کیا جائے تو وہ علیم ہے اور اگر غیب اور چھپی باتوں سے نسبت دی جائے تو وہ خبیر ہے۔ اور اگر امور ظاہرہ سے نسبت دی جائے تو وہ شہید ہے۔

کبھی اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کے کاموں کے متعلق شہادت دے گا جن کو وہ جانتا اور دیکھتا ہے اس اسم کی بحث علیم اور خبیر کی بحث کے قریب قریب ہے۔ اس کو ہم دوبارہ لکھنا نہیں چاہتے۔

(۵۲) اَلْحَقُّ

(ثابت)

یہ باطل کے مقابلہ میں ہے وہ تمام اشیاء اپنی اضداد کے مقابلے میں ظاہر ہوتی ہیں جس چیز کی نسبت خبر دی جاتی ہے وہ یا تو مطلقاً باطل ہوگی یا مطلقاً حق ہوگی۔ یا ایک وجہ سے حق اور ایک وجہ سے باطل ہوگی پس بذاتہ ممتنع وہی ہے جو مطلقاً باطل ہو۔ اور واجب بذاتہ وہی ہے جو مطلقاً حق ہو اور ممکن بذاتہ مگر واجب بغیرہ وہ ہے جو ایک وجہ سے باطل اور ایک وجہ سے حق ہو پس چونکہ اپنی ذات کی حیثیت سے اس کا وجود نہیں ہے اس لئے وہ باطل ہے اور غیر کی جہت سے وجود کا استفادہ کرتا ہے اس لئے وہ اس وجہ سے جو وجود افادہ کرنے والے سے متصل ہے، موجود ہے لہذا وہ اس وجہ سے حق ہے اور اپنے نفس وذات کی جہت سے باطل ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "کل شیء ھالک الا وجھہ" یعنی اس کی ذات کے سوا باقی ہر شئے ہلاک ہونے والی ہے۔ اور وہ اسی طرح ازلاً وابداً ایک ہی حال پر قائم ہے مختلف حالات قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کے سوا ہر شئے ازل سے ابد تک من حیث الذات وجود کی مستحق

Marfat.com

نہیں ہے اور اپنے غیر کی جہت سے مستحق ہے لہٰذا وہ بذاتہ باطل ہے اور بغیرہ حق ہے اب صاف ظاہر ہے کہ حق مطلق وہ ہے جو موجود حقیقی بذاتہ ہے اور جس سے ہر حق اپنی حقیقت اخذ کرتا ہے۔

حق کے ایک اور معنی بھی ہیں یعنی وہ امر معقول جس کی عقل تصدیق کرے اور وہ موجود ذہنی ہے جس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ وہ حق ہے پس وہ اپنی ذاتی حیثیت سے امر موجود کہلاتا ہے اور جب عقل سے اس کو نسبت دی جائے جس نے اس کی حالت معلوم کی ہے تو اس کو حق کہتے ہیں اس لحاظ سے بھی تمام موجودات میں سے حق کہلانے کا زیادہ حق دار اللہ تعالیٰ ہے اور معلومات میں سے حق کہلانے کی زیادہ حقدار خدا کی معرفت ہے کیونکہ وہ فی نفسہ حق ہے یعنی عدلاً و ابداً معلوم کے مطابق ہے اور اس کی مطابقت لذاتہ ہی ہے، بغیرہ نہیں ہے اس کا علم ایسا نہیں ہے جیسے اس کے غیر کے وجود کا علم کیونکہ غیر کے وجود کا علم اسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ غیر موجود رہتا ہے جب وہ معلوم ہو گیا تو اس کے وجود کا اعتقاد بھی باطل ہو گیا۔

اقوال کو بھی حق کہہ دیتے ہیں چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں قول حق ہے اور فلاں قول باطل ہے اس لحاظ سے تمام اقوال سے زیادہ حق ﴿لا الٰہ الا اللہ﴾ ہے کیونکہ وہ ازلاً اور ابداً لذاتہ صادق ہے نہ کہ بغیرہ۔

غرض کہ خارجی موجودات کو حق کہیں یا ذہنی موجودات کو جن کو معرفت کہتے ہیں خواہ زبانی موجود کو حق کہیں جس کو نطق کہتے ہیں بہر حال حق کہلانے کی زیادہ حقدار وہی شئے ہے جس کا وجود ازلاً و ابداً الذاتہ ثابت ہو اور اس کی معرفت ازلاً و ابداً الذاتہ حق ہو اور اس کی شہادت ازلاً و ابداً الذاتہ حق ہو اور تمام امور موجود حقیقی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، اور کسی سے نہیں۔

تنبیہ: اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو باطل سمجھے خدا کے سوا اور کسی کو حق نہ جانے بندہ اگر چہ حق ہے مگر بنفسہ حق نہیں ہے بلکہ خدا کے ساتھ حق ہے کیونکہ وہ اسی کے ساتھ موجود ہے بذاتہ موجود نہیں ہے بلکہ بذاتہ باطل ہے اگر حق تعالیٰ نے اس کو نہ بنایا ہوتا تو اس کو خود بخود بن جانے کا کوئی حق نہ تھا۔

اس لحاظ سے ان دو تاویلوں کے سوا جو شخص انا الحق (میں حق ہوں) کا دعویٰ کرتا ہے وہ سخت خطا پر ہے۔

پہلی تاویل یہ ہے کہ انا الحق سے مراد انا بالحق، یعنی میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہوں۔ یہ تاویل بعید ہے۔ اس لئے کہ لفظوں میں اس معنی کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور اس لئے یہ امر

Marfat.com

صرف اس قائل سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ حق کے سوا جو شئے ہے وہ باالحق ہے۔

دوسری تاویل یہ کہ وہ حق تعالیٰ میں مستغرق ہے حتی کے اس کے دل میں خدا کے سوا اور کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ اور جو چیز کسی چیز کی کلیت کو حاوی ہو اور اس میں مستغرق ہو۔ تو کہا جاتا ہے یہ چیز وہ ہے، جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے

انا من اھوی ومن اھوی انا

تو تن شدی تو شدم من تن شدم تو جاں شدی

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اس سے مراد استغراق ہے۔

چونکہ اہل تصوف پر من حیث الذات اپنے نفس کی فنا کا مشاہدہ غالب ہوتا ہے اس لئے ان کی زبان پر غلب احوال اسمائے باری تعالیٰ میں سے ھوالحق جاری رہتا ہے کیونکہ وہ حقیقی ذات کو ملحوظ رکھتے ہیں نہ کہ اس ذات کو جو فی نفسہ ہلاک ہونے والی ہے۔

اور اہل کلام چونکہ افعال کے ساتھ دلیل پکڑنے کے عادی ہیں اس لئے ان کے منہ پر اکثر اسم الباری جاری رہتا ہے جس کے معنٰی (خالق کے ہیں)۔ اور اکثر لوگ خدا کے سوا ہر چیز کو دیکھتے ہیں پس اپنے مشاہدات سے اس کے متعلق شہادت قائم کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مخاطب ہیں۔ "اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوٰت والارض وماخلق اللہ من شیءٍ"[۱] (کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی) صدیقین اس کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھتے لہذا وہ اس کے متعلق اسی سے دلیل قائم کرتے ہیں، اور وہ خدا کے اس قول سے مخاطب ہیں کہ "اولم یکف بربک انہ علیٰ کل شیءٍ شھید"[۲] (کیا تمہاری تسلی کو یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار شاہد (حال) ہے)۔

(۵۳) اَلْوَكِيْلُ

(کارساز)

وکیل وہ ہے جس کے سپرد امور کیے جائیں۔ لیکن اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس

---

۱ پ (۹) اعراف۔

۲ پ (۲۵) حٰم السجدہ۔

Marfat.com

کے سپرد بعض امور ہوں۔اور وہ ناقص ہے۔دوم جس کے سپرد تمام امور ہوں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔

ایک اور طریق سے بھی اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو بذاتہ موکول الیہ (جس کے سپرد کیا جائے) ہونے کا مستحق نہ ہو۔ بلکہ وہ موکول الیہ بنانے سے بنا ہو۔اور یہ ناقص ہے۔کیونکہ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ امور اس کے سپرد کیے جائیں اور اس کو مختار بنایا جائے۔

دوم وہ جو بذاتہ اس بات کا مستحق ہے کہ امور اس کے سپرد ہوں اور دل اس پر آسرا رکھتے ہوں کسی دوسرے کے اختیار دینے اور سپرد کرنے سے نہیں بلکہ وہ خود بخود اور بذاتہ وکیل ہو وہ وکیل مطلق ہے۔

ایک اور لحاظ سے وکیل کی دو قسمیں ہیں۔ایک تو وہ وکیل جو سپرد شدہ امور کو بلا کسی قسم کی کمی کے پورا کر دے۔

دوم وہ جو پورا نہ کرے۔

وکیل مطلق وہ ہے جس کے سپرد تمام اشیائیں اور وہ تمام کے اہتمام میں لگا ہوا ہے۔اور سب کو اپنی اپنی جگہ پورا کر رہا ہے۔اور وہ صرف اللہ تعالی ہے اور اس سے تم خود سمجھ سکتے ہو کہ بندہ کو اس اسم کے معنی میں کس قدر دخل حاصل ہے۔

(۵۴) اَلْقَوِیُّ

(توانا)

(۵۵) اَلْمَتِیْنُ

(استوار)

قوت پوری قدرت پر متانت سخت قوت پر دلالت کرتی ہے پس اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ حاوی اور پوری قدرت والا ہے قوی ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ سخت قوت والا ہے متین ہے اور یہ بیان قدرت کے معنی سمجھنے پر موقوف ہے جس کا ذکر آئندہ آئیگا۔

(۵۶) اَلْوَلِیُّ

Marfat.com

(محب، مددگار)

ولی محب مددگار ہے اس کی محبت و دوستی کے معنی بیان ہو چکے اس کی مددگاری کے معنی ظاہر ہیں وہ دین کے دشمنوں کو پامال کرتا ہے اور دین کے خیر و خواہ کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اللہ ولی الذین اٰمنو" یعنی اللہ مومنوں کا محب مددگار ہے اور فرمایا: "کذلک بانّ اللہ مولٰی الذین اٰمنو وان الکافرین لامولی لھم" یعنی ایسا اس لئے ہے کہ اللہ کے مومنوں کا مولیٰ یعنی ناصر مددگار ہے۔ اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے۔ اور فرمایا "کتب اللہ لاغلبنّ انا ورسلی" یعنی اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالباً آئیں گے۔

تنبیہ: بندوں میں سے ولی وہ ہے جو اللہ اور اس کے دوستوں سے پیار کرنے اور ان کو مدد دے۔ اور اللہ کے دشمنوں سے بغض رکھے اللہ کے دشمن نفس اور شیطان ہیں۔ پس جو شخص ان دونوں سے تعلق توڑ دے اور اللہ کے کام میں مدد دے اور اس کے اولیا کو دوست رکھے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے وہی بندوں میں سے ولی ہے۔

(۵۷) اَلْحَمِیْدُ

(مستحق)

حمید، وہ ہے جو تعریف کے لائق ہو۔ اور جس کی ثنا کی جائے اللہ تعالیٰ ازل سے خود اپنی تعریف کے ساتھ حمید ہے وہ اب تک اپنے بندوں کی تعریف کے ساتھ حمید رہے گا۔ اور یہ معنی جلال و کمال کی صفتوں سے ذکر کرنے والوں کے ذکر کے لحاظ سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ حمد اسی کو کہتے ہیں کہ اوصاف کمال کا اس حیثیت سے کہ وہ کمال ہیں ذکر کیا جائے۔

تنبیہ: بندوں میں سے حمید وہ ہے جس کے عقائد و اخلاق اور اعمال و اقوال ان کے سب بلا شائبہ قابل تعریف ہوں اور حضرت محمد ﷺ اور ان سے قریب کے انبیاء اور ان کے سوا اولیاء علماء ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے عقائد و اخلاق اور اعمال و اقوال کی خوبی کے موافق حمید ہے کیونکہ کوئی شخص کہ اس کے مجاہد کتنے ہی بکثرت ہوں مذمت اور نقص سے خالی نہیں ہے لہذا حمید مطلق خاص اللہ تعالیٰ ہے۔

(۵۸) اَلْمُحْصِی

(ہر چیز کو احاطہ علم میں کرنے والا)

Marfat.com

محصی کے معنی عالم کے ہیں لیکن جب علم کو معلومات کے ساتھ اس لحاظ سے منسوب کیا جائے کہ وہ معلومات کو محیط ہوتا ہے اور انکو گنتی اور شمار میں لاتا ہے تو اس کو احصا کہا جاتا ہے اور محصی مطلق وہ ہے جس کے علم میں ہر معلوم کی حد اور اس کی تعداد اور مبلغ ظاہر ہو بندہ اگرچہ ایسے علم سے بعض معلومات کا احصار کر سکتا ہے مگر وہ اکثر حصر سے عاجز آ جاتا ہے پس اس اسم میں اس کا دخل اسی طرح کم ہے۔ جس طرح علم کی اصل صفت میں کم ہے۔

(۵۹) اَلْمُبْدِئُ

(ابتداء پیدا کرنے والا)

(۶۰) اَلْمُعِیْدُ

(دوبارہ پیدا کرنے والا)

ان اسموں کا معنی ہے موجد لیکن اگر اس ایجاد سے پہلے ویسی ایجاد نہ گزر چکی ہو تو اس کو ابداء کہتے ہیں۔ اور اگر اس سے پہلے بھی ویسی ایجاد گزر چکی ہو تو اس کو اعادہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی نے ان لوگوں کو پیدا کیا ہے اور وہی ان کو دوبارہ پیدا کرے گا اور تمام اشیاء کا اسی سے آغاز ہوا اور اسی تک انجام ہوگا۔

(۶۱) اَلْمُحْیِیْ

(مخلوق کو زندہ کرنے والا)

(۶۲) اَلْمُمِیْتُ

(مارنے والا)

ان دونوں اسموں کا مطلب بھی ایجاد ہے لیکن موجود اگر حیات ہو تو اس کے فعل کو احیاء (زندہ رکھنا) کہتے ہیں۔ اور اگر موت ہو تو اس کے فعل کو اماتۃ (مار ڈالنا) کہتے ہیں۔ اور موت و حیات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی جب ہے۔ اس لئے سوائے اس کے اور کوئی محیی اور ممیت نہیں ہے۔ اسم الباعث کے بیان میں حیات کے معنی کی طرف اشارہ گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

(۶۳) اَلْحَیُّ

(زندہ)

حی وہ ہے جو فعل کی اعلیٰ طاقت رکھنے والا اور اعلیٰ درجہ کا صاحب ادراک ہو حتیٰ کہ جس میں بالکل فعل و ادراک نہیں ہے۔ وہ میت (مردہ) ہے اور ادراک کا ادنی درجہ یہ ہے کہ صاحب ادراک اپنے آپ کو جانتا ہو پس جو شئے اپنے آپ کو نہ جانتی ہو وہ جماد اور میت ہے حی کامل و مطلق وہ ہے جس کے ادراک کے تحت میں تمام مدرکات اور اس کے فعل کے تحت میں تمام موجودات درج ہوں یہاں تک کہ کوئی قابل ادراک شئے اس کے علم سے اور کوئی مفعول اس کے فعل سے نہ رہے۔ اور یہ ساری باتیں خاص اللہ کے لئے ہیں لہذا وہ حی مطلق ہے اور اس کے سوا جو شئے حی ہے اس کی حیات اس کے ادراک اور فعل کے موافق ہے اور ایسی تمام اشیاء قلت میں محصور ہیں واضح ہو کہ احیاء (زندہ چیزیں) متفاوت ہیں۔ پس ان کے مراتب ان کے تفاوت کے موافق ہیں۔ جیسے کہ ملائکہ، انسان اور چوپاؤں کے مراتب میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

(۶۴) اَلْقَیُّوْمُ

(کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا)

واضح ہو کہ تمام اشیاء کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو کسی محل کی محتاج ہیں جیسے اعراض اور اوصاف پس ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہ قائم نہیں ہیں۔

دوم وہ جو کسی محل کی محتاج نہیں ہے۔ پس کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہ قائم ہیں جیسے جوہر۔ لیکن جوہر گو قائم بنفسہ اور اپنے قیام کے محل سے مستغنی ہے تاہم ایسے امور سے مستغنی نہیں ہے جو اس کے وجود کے لئے لازم ہیں پس وہ قائم بنفسہ نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے قیام میں گو محل کی محتاج نہیں ہیں مگر کسی اور شئے کے وجود کی محتاج ہیں پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جاتا ہے جس کی ذات بذاتہ مستغنی ہے اور اس کا قیام کسی اور شئے کے ساتھ نہیں ہے اور نہ اس کے سوا کسی اور چیز کا وجود اس کے وجود کے دوام کے لئے شرط ہے وہ مطلقاً قائم بنفسہ ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہی تمام موجودات اس کے ساتھ قائم ہوں یہاں تک کہ تمام اشیاء کا وجود اور دوام وجود اسی کے ساتھ ہو تو قیوم ہے کیونکہ اس کا اپنا قیام بذاتہ ہے اور ہر شئے کا قیام اس کے ساتھ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے بندہ کا دخل اس وصف میں اتنا ہوتا ہے جتنا وہ غیر اللہ سے مستغنی ہے۔

Marfat.com

(۶۵) اَلْوَاجِدُ

(غنی)

واجد وہ ہے جس کے لئے کوئی شئے نایاب نہ ہو اور وہ فاقد (تنگ دست) کا مقابل ہے۔ اغلب یہ ہے کہ جس کو وہ شئے ہاتھ نہ آئی ہو جو اس کے وجود کے لئے ضروری نہیں اس کو فاقد نہیں کہا جاتا۔ اور جس کو وہ شئے حاصل ہو سکتی ہے جو اس کی ذات سے اور اس کی ذات کے کمال سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اس کو واجد (غنی) نہیں کہتے بلکہ واجد وہ ہے جس کے لئے کوئی بھی ضروری شئے نایاب نہ ہو۔ اور جو امر صفات الٰہیہ اور ان کے کمال کے لئے لازمی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے موجود ہے۔ پس وہ اس لحاظ سے واجد ہے۔ اور واجد مطلق ہے اور اس کے سوا دوسری موجودات اگر صفات کمال اور ان کے اسباب میں سے کسی شئے کے لحاظ سے واجد ہیں تو بہت سے اشیاء کے لحاظ سے فاقد ہیں۔ اس لئے وہ صرف اضافی طور پر واجد کہلا سکتی ہیں۔

(۶۶) اَلْمَاجِدُ

(بزرگی والا)

یہ اسم مجید کا ہم معنی ہے جیسے عالم علیم کے معنی میں آتا ہے لیکن فعیل کے صیغے میں مبالغہ پایا جاتا ہے اور مجید کے معنی بیان ہو چکے۔

(۶۷) اَلْوَاحِدُ

(تنہا، یگانہ، ایک)

یہ وہ ہے جو نہ تقسیم ہو نہ دو ہو سکے تقسیم نہ ہونے والی چیز کی مثال جیسے جوہر واحد (جزو لایتجزیٰ) اور جو تقسیم نہ ہو اس کو واحد کہتے ہیں جس کا مطلب یہ کہ اس کا کوئی جزو نہیں اسی طرح نقطہ کا کوئی جز نہیں اور اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی ذات کا انقسام محال ہے اور جو چیز دو نہ ہو سکے یہ وہ ہے جس کی نظیر نہیں ہے مثلاً سورج کیونکہ وہ اگرچہ جسم کی قبیل سے ہونے کے باعث وہما منقسم ہو سکتا ہے لیکن اس کی نظیر نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ اس کی نظیر ہو پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جائے جو اپنے وجود کی خصوصیت میں اس طرح منفرد ہو کہ کسی اور کا اس میں شریک ہونا متصور ہی نہ ہو سکے وہ ازلاً و ابداً واحد متعلق ہے۔

بندہ اس وقت واحد سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ابنائے جنس میں کسی خاص پسندیدہ

Marfat.com

خصلت کے اندر کوئی اس کی نظیر ہو۔ اور یہ یکتائی بھی صرف اس کے ابنائے جنس کے لحاظ سے ہو گی اور نیز خاص زمانہ کے لحاظ سے کیونکہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے زمانہ میں اس کی نظیر پیدا ہو جائے۔ نیز یہ یکتائی بعض خصائل کی رو سے ہو گی۔ تمام کی رو سے نہیں پس پوری وحدت یکتائی خاص خدا کے لئے ہے۔

(۶۸) اَلصَّمَدُ

(بے نیاز)

صمد وہ ہے جسکی طرف حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے اور ضروریات کے لئے جس کی درگاہ کا قصد کیا جاتا ہے کیونکہ پیشوائی کے مراتب اس پر ختم ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو دینی و دنیوی مہمات میں اپنے بندوں کا مرجع بنا دیتا ہے اور اس کی زبان اور ہاتھوں سے اپنے بندوں کی حاجتیں پوری کراتا ہے تو اس کو اسم کے معنی سے اس نے حصہ بخشا ہے لیکن صمد مطلق وہ ہے کہ تمام حوائج میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور وہ خاص اللہ تعالیٰ ہے۔

(۶۹) اَلْقَادِرُ

(قدرت والا)

(۷۰) اَلْمُقْتَدِرُ

(صاحب مقدرت)

ان دونوں اسموں کے معنی ہیں "صاحب قدرت" لیکن مقتدر میں زیادہ مبالغہ ہے قدرت سے مراد وہ معنی ہے جس سے کوئی چیز ارادہ اور علم کی تقدیر سے اور دونوں کے اقتضا کے موافق موجود کی جا سکے اور قادر وہ ہے جو اگر چاہے کرے اگر چاہے نہ کرے اور اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ ضرور کرنا ہی چاہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی وقت قیامت برپا کرنے پر قادر ہے اگر وہ چاہے ابھی برپا کر دے اگر برپا نہیں کرتا تو اس لئے کہ وہ برپا کرنا نہیں چاہتا کیونکہ پہلے ہی اس کے علم میں اس کی میعاد اور وقت مقدر ہو چکے ہیں پس اس سے قدرت میں کوئی نقص نہیں آتا

Marfat.com

اور قادر مطلق وہ ہے جو ہر موجود کو از سر نو بناتا ہے اور اس میں کسی دوسرے کی امداد سے مستغنی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

بندہ کو بھی کچھ نہ کچھ قدرت ہے لیکن وہ ناقص ہے کیونکہ وہ صرف بعض ممکنات کو حاوی ہوتی ہے اور کسی چیز کو پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے بلکہ بندہ کے مقدور میں جو امور ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے جبکہ اسکے مقدور کے تمام اسباب وجود مہیا ہو جاتے ہیں یہ مقام ایک باریک بحث چاہتا ہے جس کی گنجائش اس کتاب میں نہیں ہے۔

(۷۱) اَلْمُقَدِّمُ

(اپنے دوستوں کو بارگاہ عزت کی طرف بڑھانیوالا)

(۷۲) اَلْمُؤَخِّرُ

(اپنے دشمنوں کو اپنے لطف سے پیچھے ہٹانیوالا)

مقدم ومؤخر وہ ہے جو قریب وبعید کرتا ہے جس کو قریب کرتا ہے اس کو مقدم کرتا ہے جس کو دور کرتا ہے اس کو مؤخر کرتا ہے وہ انبیاء واولیاء کو قرب بخشنے اور راہ راست پر چلانے کے لئے مقدم کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو دور ہٹا کر اور اپنے اور ان کے درمیان پردہ ڈال کر مؤخر کر دیتا ہے۔

مثلاً جب ایک بادشاہ جب دو شخصوں کو اپنا قرب بخشے لیکن ان میں سے ایک کو اپنی طرف زیادہ قریب کرے تو کہا جاتا ہے اس کو مقدم کیا یعنی اس کو دوسرے شخص کے آگے رکھا۔

یہ تقدیم کبھی مکان میں ہوتی ہے اور کبھی رتبہ میں اور بہر حال پیچھے رہنے والے کے لحاظ سے ہوتی ہے اور ایک ایسے مقصد کا ہونا بھی لابدی ہے جو اصلی غرض وغایت ہو جو مقدم ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اور جو متاخر ہوتا ہے اس کی طرف سے۔

مقصد اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کی طرف اس کے مقرب ہیں چنانچہ اس نے پہلے ملائکہ کو تقدیم بخشی ہے پھر انبیاء کو پھر اولیاء کو پھر علماء کو اور ہر متاخر اپنے ماقبل کے لحاظ سے مؤخر ہوتا ہے اور اپنے مابعد کی نسبت سے مقدم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی یہ تقدیم وتاخیر دینے والا ہے کیونکہ اگر

Marfat.com

آپ ان کے تقدم وتاخر کو ان کے فضائل کی کثرت وقلت اور ان کی صفات کے کمال ونقصان پر موقوف سمجھو تو آخر وہ ذات بھی کوئی ہے جس نے ان کو علم وعبادت کی ترقی کے لئے اکسایا ہے یا جس نے صراط مستقیم کے برخلاف چلنے پر ان کو آمادہ کیا ہے اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے بس کی ہیں لہذا وہ مقدم اور مؤخر ہے اور اس میں رتبہ کی تقدیم وتاخیر مراد ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص علم وعمل میں سبقت کر جائے وہ صرف اس سے متقدم نہیں ہوسکتا بلکہ خدا اس کو تقدیم بخشے تو وہ متقدم ہوسکتا ہے یہی حال متاخر کا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہ دو قول اس امر کی کافی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱)''ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون''

یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری خیر خواہی نے قدم بڑھایا وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔

(۲)''ولو شئنا لأتینا کل نفسٍ ھداھا ولکن حقَّ القول منی لاملئنَّ جھنَّم''

یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت پر چلاتے مگر ان کی نسبت میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ضرور دوزخ کو پر کرونگا۔

تنبیہ: صفات افعال سے بندہ کا حصہ ظاہر ہے اس لئے ہم بخوف تطویل ہر اسم کے بیان میں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے کیونکہ بیانات سابقہ سے اس بات کا بخوبی پتہ مل سکتا ہے۔

(۷۳) اَلْاَوَّلُ

(سب سے پہلا)

(۷۴) اَلْاٰخِرُ

(سب سے پچھلا)

واضح ہو کہ اول کسی شے کی نسبت سے اول ہوتا ہے۔ اور آخر بھی کسی شے کی نسبت سے آخر ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متناقض ہیں۔ پس ایک ہی چیز ایک ہی جہت سے ایک ہی چیز کی نسبت سے اول اور آخر نہیں ہوسکتی۔ بلکہ جب تم وجود کی ترتیب پر نظر کرو

Marfat.com

اور موجودات کے باترتیب سلسلہ کو غور سے دیکھو۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے لحاظ سے اول ہے کیونکہ تمام موجودات نے اس سے وجود حاصل کیا ہے۔ اور وہ خود موجود بذاتہ ہے۔ اور اس نے کسی سے وجود حاصل نہیں کیا۔ اور جب ترتیب سلوک پر نظر کیا جائے۔ اور خدا کی طرف سے کرنے والوں کی منزلوں کو دکھایا جائے۔ تو وہ آخر ہے کیونکہ اس کی درگاہ عارفین کے مدارج ترقی کی سب سے آخری منزل ہے۔ اور اس کی معرفت سے جو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اس کی معرفت کا زینہ ہے۔ اور آخری منزل اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اس لئے وہ اولیا کے سیر و سلوک کے لحاظ سے آخر موجودات کے وجود کے لحاظ سے اول ہے۔ پس اول اسی کی طرف سے آغاز ہے۔ اور آخر اسی کی طرف انجام اور انتہا ہے۔

(۷۵) اَلظَّاهِرُ

(آشکارا بلحاظ قدرت)

(۷۶) اَلْبَاطِنُ

(پوشیدہ بلحاظ فراست)

یہ دونوں وصف بھی اضافی ہیں کیونکہ ظاہر ایک شے کے لئے ظاہر اور دوسری شے کے لیے باطن ہوتا ہے اور ایک ہی جہت سے ظاہر و باطن نہیں ہوتا بلکہ ادراک کی طرف نسبت کرنے سے ایک جہت سے ظاہر اور دوسری جہت سے باطن ہوتا ہے وجہ یہ کہ ظاہر و باطن ہونا اور اقات کی طرف نسبت کرنے سے ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اگر حواس کے ادراک سے طلب کیا جائے تو وہ باطن ہے اور اگر عقل سے بطریق استدلال معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ ظاہر ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا ادراک حواس کی نسبت سے باطن ہونا تو ظاہر ہے لیکن عقل کی جہت سے ظاہر ہونا ذرا باریک بات ہے کیونکہ ظاہر تو وہ بات ہوتی ہے جس کے ادراک میں لوگ اختلاف نہ کرتے ہوں بخلاف اس کے خدا کی ذات کو معلوم کرنے میں بہت سے لوگ شک میں گرفتار ہیں پس اس کو کیونکر ظاہر کہا جاتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا مخفی ہونا اس کے شدت کے ظہور کے باعث ہے اس کا ظہور اس کے باطن ہونے کا موجب ہے گویا اس کا نور ہی اس کے نور کا حجاب ہے شاید تم اس کلام سے

Marfat.com

تعجب ظاہر کرو لہذا ایک مثال سے تم کو سمجھاتے ہیں دیکھو اگر تم کسی حرف پر نظر ڈالو جو کسی کاتب نے لکھا ہو تو اس سے تم کو ایک ایسے کاتب کے وجود کا پتہ ملے گا جو عالم قادر سمیع اور بصیر ہے اور اس سے تم کو کاتب کی ان صفات کا یقین کامل ہو جائیگا اور جس طرح اس ایک حرف نے کاتب کے اوصاف کی فیصلہ کی شہادت دی ہے اسی طرح آسمان وزمین کی جو چیز سارے سورج چاند حیوان نباتات اور صفت وموصوف وغیرہ ہے وہ خود بخود اپنے ایک ایسے مدبر کا پتہ دے رہی ہے جس نے اس کا اہتمام کیا ہے اور اس کو خاص اندازے پر اور خاص صفات کے ساتھ بنایا ہے بلکہ انسان اپنے جس عضو اور جس ظاہر یہ باطن جزو بلکہ جس اختیاری یا جبری صفت وحالت کو دیکھتا ہے وہ چلا چلا کر اپنے خالق اپنے مالک مختار اور اپنے مدبر کا پتہ بتا رہی ہے اسی طرح ہر چیز اس کی شہادت دیتی ہے جس کو انسان اپنی ذات سے خارج دیکھتا ہے اگرچہ ان اشیاء کی شہادتوں میں اختلاف ہو بعض شہادت دے رہی ہوں اور بعض نہ دیتی ہوں تاہم سب کو ان شہادتوں سے یقین حاصل ہو سکتا ہے لیکن چونکہ یہ شہادتیں بکثرت ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں اس لئے وہ امر شدت ظہور کے باعث خفی اور باریک بن گیا ہے جس کی مثال یہ ہے کہ جو اشیاء حواس کے ذریعہ سے محسوس کی جاتی ہے ان میں سے زیادہ ظاہر وہ چیزیں ہیں جو آنکھ سے محسوس ہوں اور آنکھ کی محسوسات میں سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر سورج کا نور ہو جو تمام اشیاء پر منعکس ہو کر ان کو روشن کر رہا ہے اور جو شئے دوسری اشیاء کو روشن کر رہی ہے وہ خود کیوں نہ روشن ہوگی مگر اس کا روشن ہونا بہت سے لوگوں پر مخفی ہے حتی کے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ رنگ دار اشیاء میں صرف سرخ وسیاہ رنگ ہے اور کچھ نہیں وہ اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ رنگ کے ساتھ روشنی اور نور بھی شامل ہے اور یہ لوگ رنگین اشیاء کے ساتھ روشنی کا قائم ہونا اس وقت تسلیم کرتے ہیں جب ان کو سایہ اور اندھیرے اور روشنی میں اشیاء کی مختلف حالتوں کا فرق دکھا دیا جاتا ہے چنانچہ رات کے وقت جب سورج چھپ جاتا ہے اور اس کی روشنی رنگین چیزوں سے منقطع ہو جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت ان چیزوں کی کیا صورت ہے اور دن میں کیا تھی گویا نور کی غیر موجودگی میں نور کے وجود کا پتہ لگتا ہے اور نور کے وجود عدم میں صاف فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

فرض کرو کہ ایک شخص سورج کی روشنی تمام اشیائے عالم پر پڑتی دیکھتا ہے اور سورج اس کی زندگی کے اندر اندر کبھی غروب نہیں ہوتا حتی کے کبھی اس کو یہ موقع نہیں ملا کہ ان اشیاء کو اندھیرے میں دیکھے اور روشنی اور اندھیرے میں فرق سمجھے اس شخص کے لئے محال ہے کہ نور کو

Marfat.com

کوئی خاص چیز سمجھے جو موجودہ اشیاء کی رنگت سے زائد ہے تمام اشیاء سے زیادہ ظاہر وہی چیز ہے بلکہ وہی تمام اشیاء کو ظاہر کرتی ہے اور اگر خدا کا بعض امور کے لئے (معاذ اللہ) معدوم یا غائب ہونا فرض کیا جائے تو آسمان وزمین اور ہر چیز جس سے وہ بے تعلق ہے منہدم ہو جائے گی اور پھر ان دونوں حالتوں کا فرق بخوبی معلوم ہو جائے گا اور اس کا وجود قطعی طور پر معلوم ہو جائے گا لیکن چونکہ تمام اشیاء شہادت اور حالات میں متفق ہیں اور سب ایک ہی نظم ونسق پر اپنی آواز اٹھارہی ہیں اس لئے وہ عام نظروں سے مخفی ہے۔

قربان جایئے اس ذات پاک کے جو اپنے نور ہی کے باعث مخلوق کی نظروں سے نہاں اور اپنے شدت ظہور کے سبب سے مخفی ہے اور ایسا ظاہر ہے جس سے بڑھ کر کوئی شئے ظاہر نہیں وہ ایسا باطن ہے جس سے زیادہ کوئی چیز باطن نہیں ہوسکتی۔

تنبیہ: اوپر کی باتوں سے تم کو خدا کی صفات کے متعلق تعجب میں مبتلاء نہ ہو جانا چاہیے کیونکہ خود انسان جس امر کی بدولت انسان کہلاتا ہے وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی اگر اس کو انسان مناسب ومرتب افعال کے ذریعہ سے سمجھا جائے تو وہ ظاہر ہے اور اگر حس کے ادراک کے ذریعہ سے طلب سے کیا جائے تو وہ باطن ہے کیونکہ حس صرف اس کے ظاہری بشری کو محسوس کرسکتی ہے اور انسان صرف ظاہری بشرہ سے انسان نہیں کہلاتا بلکہ اگر یہ بشرہ بلکہ اس کے تمام اجزاء بدل جائیں تو بھی وہ وہی انسان رہے گا جو پہلے تھا اور تعجب نہیں کہ انسان کے بدنی اجزاء بچپن میں اور ہوتے ہوں اور پھر بڑھاپے میں اور ہوتے ہوں کیونکہ وہ طول زمان سے گھستے مٹتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے اجزاء جو غذا کے ذریعے سے پیدا کیے جاتے ہیں شامل ہوتے جاتے ہیں تاہم انسان کی سابقہ ہویت نہیں بدلتی پس یہ ہویت حواس سے باطن ہے اور عقل کے لئے ظاہر ہے جو اس کو اس کے آثار وافعال سے سمجھ لیتی ہے۔

(۷۷) اَلْبَرُّ

(اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا)

بر کے معنی محسن اور بر متعلق وہی ہے جس کی طرف سے تمام نیکیاں اور احسانات ظہور میں آتے ہیں اور بندہ اسی قدر بر ہے جس قدر کہ نیکی کرتا ہے خصوصاً اپنے والدین استاذ اور اپنے شیوخ کے ساتھ۔

روایت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام سے پروردگار نے بات چیت کی تو انھوں نے

Marfat.com

پایا عرش کے سامنے ایک شخص کو کھڑے ہوئے پایا موسیٰ علیہ السلام اس شخص کی بلندی منزلت سے تعجب ہوئے اور عرض کیا الٰہی یہ بندہ کونسے عمل کی بدولت اس درجہ تک ترقی کر گیا فرمایا یہ شخص میرے کسی بندے کے حق میں میری دی ہوئی نعمتوں پر حسد نہیں کرتا تھا اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا تھا۔

یہ تو بندہ کے نیکی تفصیل ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو احسان بے پایہ کرتا ہے اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیے اگر غور کرو تو ہمارے بعض گزشتہ بیانات میں اس کے متعلق اشارات پاؤ گے۔

(۷۸) اَلتَّوَّابُ

(گناہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا)

تواب وہ ہے جو بندوں کے لئے ایسے اسباب مہیا کرتا ہے کہ وہ نیکی نشانیاں دیکھ کر بار بار اس کی طرف رجوع اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور جوان کو طرح طرح کی تنبیہات سے خبردار کرتا اور ڈرا دھمکا کر اپنے راہ پر لاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کو پہچان کر اپنی تقصیرات اور گناہوں کا احساس کرتے ہیں تو دھمکی سے خوف کھاتے ہیں اور توبہ کرنے لگتے ہیں اور خدا اپنے فضل سے ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

تنبیہ: جو حاکم اپنے مجرم رعایا کی درخواست رحم کو منظور کرتا ہے اور جو دوست اپنی خطا کار رفیق کا عذر قبول کر لیتا ہے وہ اس اسم سے بہرہ یاب ہے۔

(۷۹) اَلْمُنْتَقِمُ

(نافرمانوں سے بدلہ لینے والا)

منتقم وہ ہے جو سرکشوں کی گردنیں توڑتا اور باغیوں کو عذاب میں مبتلاء کرتا ہے اور اسکی یہ سخت گیری اس وقت ہوتی ہے جب وہ اتمام حجت کر چکا ہوتا ہے اور نافرمانوں کے بعض آنے کے لئے مہلت وقدرت دے لیتا ہے ایسا انتقام فوری عذاب کی بنسبت زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ اگر فی الفور عذاب نازل کیا جائے تو نافرمان پورے طور پر گناہ میں غرق نہ ہوگا اور اس سے وہ انتہائی عذاب کا مستوجب قرار نہ پائے گا بندہ کا مبارک انتقام یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے انتقام لے اور تمام دشمنوں میں سے زیادہ سخت دشمن نفس ہے پس جب وہ کسی گناہ

Marfat.com

کے قریب جائے یا کسی عبادت کے کام میں سستی کرے تو اس کو سزا دینی چاہیے جیسے کہ ابو زید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ۔

ایک رات میرے نفس نے بعض اپنے مقررہ اور عدد و ظائف میں سستی کی تو میں نے اس کو یہ سزا دی کہ سال بھر اس کو پانی نہ پینے دیا اور پیاس سے مارا۔

(۸۰) اَلْعَفُوُّ

(گناہوں کو مٹانے والا)

عفو وہ ہے جو گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور تقصیرات سے درگزر کرتا ہے اور غفور کے قریب قریب ہے لیکن عفو میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ غفران میں پردہ ڈالنے کے معنی شامل ہیں اور عفو میں مٹا دینے کے معنی داخل ہیں اور مٹا دینا پردہ ڈالنے کی بنسبت ابلغ ہے۔

تنبیہ: اس اسم سے بندہ کا حصہ مخفی نہیں ہے اور وہ یہ کہ جو شخص اس پر ظلم کرے وہ اس کو معاف کرے بلکہ اس کے ساتھ احسان کرے جس طرح اللہ تعالی دنیا میں سرکشوں اور کافروں کے ساتھ احسان کر رہا ہے اور ان پر فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ کبھی ان کو توبہ پر اکساتا ہے اور جب وہ لوگ توبہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ مٹا دیتا ہے کیونکہ "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا اس نے گناہ کیا ہی نہیں اور گناہ معاف کرنے کا یہ انتہائی درجہ ہے۔

(۸۱) اَلرَّؤُفُ

(بہت شفقت کرنے والا)

رؤف کے معنی صاحب رافت اور رافت حد درجہ کی رحمت کو کہتے ہیں پس وہ رحیم کا ہم معنی ہیں مگر اس میں کسی قدر مبالغہ بھی شامل ہے اور رحیم کا ذکر گزر چکا۔

(۸۲) مَالِکُ الْمُلْکِ

(ملک کا مالک)

مالک الملک وہ ہے، جو اپنے ملک میں جس طرح چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے جسے

---

۱ غالبہ مطلب ہو گا طعام کے بعد معمولی چند گھونٹ پانی پینے کے علاوہ دوسرے وقتوں میں پانی نہ پیتے تھے۔ اور شدت کی پیاس جھیلتے رہے تھے۔ مترجم۔

Marfat.com

چاہتا ہے جلاتا ہے جسے چاہتا ہے مارتا ہے۔

اس اسم میں ملک کے معنی مملکت کے ہیں اور مالک کے معنی پوری قدرت والا اور تمام موجودات ایک مملکت ہیں جن کا وہ مالک اور سب پر قادر ہے موجودات سب کی سب ایک مملکت ہے کیونکہ وہ ایک دوسری کے ساتھ وابستہ ہیں گو ایک جہت سے وہ اشیاء بکثرت ہیں مگر دوسری جہت سے ان میں وحدت پائی جاتی ہے اور اس کی مثال بدن انسانی ہے جو انسان کی ایک مملکت ہے اور اس میں بہت سے اعضاء اور اجزاء پائے جاتے ہیں لیکن وہ سب کے سب صرف اپنے ایک مدبر کی غرض پوری کرنے میں ایک دوسرے کی مدد واعانت میں مصروف ہیں لہذا ان سب کا مجموعا گویا ایک مملکت ہے اسی طرح تمام عالم گویا ایک ہی وجود ہے اور عالم کے اجزاء اس کے اعضا ہیں جو ایک ہی مقصود پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ وجود الٰہی کے موافق جس خیر کا حاصل ہونا ممکن ہو وہ حاصل ہو جائے اور وہ ایک ہی مملکت اس لیے ہے کہ اس کے تمام کاروبار ایک ہی نظم ونسق کے سلسلے میں مرتبط رہیں اور صرف اللہ اس مملکت کا مالک ہے اور ہر بندہ کی مملکت اس کا وجود ہے اور چونکہ صفات قلب اور جوارح میں اس کا حکم جاری رہتا ہے اس لئے وہ اپنی قدرت حاصلہ کے موافق اس اپنی مملکت کا مالک ہے۔

(۸۳) ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

(بزرگی اور عزت والا)

یہ وہ ذات ہے جو تمام جلال وکمال کی واحد سزاوار ہو اور تمام کرامت ومکرمت اسی سے صادر ہو پس وہ جلال کی سزاوار فی ذاتہ ہے اور کرامت اس کی طرف سے خلقت کو پہنچتی ہے خلقت کے حق میں اس کی جو کرامت ہے وہ شمار نہیں کی جا سکتی اس کا یہ ارشاد اس کرامت پر دلالت کرتا ہے "ولقد کرمنا بنی اٰدم" یعنی اور ہم نے بنی آدم کو معزز کیا۔

(۸۴) اَلْوَالِیُ

(تمام امور کا متولی)

یہ وہ ہے جو تمام خلقت کے ہر قسم کے امور کا مدبر اور متولی ہے اور ولایت تدبیر اور قدرت اور فعل چاہتی ہے۔ اور جب تک اس کے لئے یہ تمام اوصاف جمع نہ ہوں اس پر اسم والی صادق نہیں آ سکتا۔ اور تمام امور کا والی خاص اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ پہلے وہ اکیلا تدبیر کرتا

Marfat.com

ہے اور پھر اکیلا ہی اس تدبیر کو جاری کرتا ہے اس کے بعد خود ہی اس کو جاری رکھتا ہے۔

(۸۵) اَلْمُتَعَالِیْ

(مخلوقات کی صفات سے منزہ)

یہ اسم علی کا ہم معنی ہے مگر اس میں ساتھ ہی کسی قدر مبالغہ شامل ہے۔

(۸۶) اَلْمُقْسِطُ

(عادل و منصف)

مقسط وہ ہے جو مظلوم کو ظالم سے داد دلاتا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی خوشنودی کے ساتھ ظالم کی خوشنودی بھی شامل کر دے اور یہ اعلیٰ درجہ کا عادل انصاف ہے جس پر خدا کے سوا اور کوئی قادر نہیں مثال اس کی یہ روایت ہے کہ:۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے پس حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ کے قربان ہوں آپ کس بات سے ہنسے فرمایا میری امت میں سے دو آدمی خدا کے سامنے دو زانو بیٹھے ہونگے ایک کہے گا یا رب اس شخص سے میرا بدلہ دلا دے (اللہ دوسرے) کو فرمائیگا اپنے بھائی کو بدلہ دے وہ عرض کرے گا اے رب العزت میری کوئی بھی نیکی نہ رہی خدا مدعی کو فرمائیگا اب تو اپنے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے اب تو اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ رہی وہ عرض کریگا یا رب میرے گناہ اس پر لاد دے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ دن بڑا خطرناک ہوگا جب کہ لوگ یہ بھی چاہنے لگیں گے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھالے۔

آپ نے فرمایا پھر خدا کہیگا یعنی مدعی سے آنکھ اٹھا کر دیکھ وہ کہیگا اور اے ورد گار میں چاندی کے شہر اور سونے کی عمارتیں دیکھ رہا ہوں جن پر موتیوں کے ہار پڑے ہیں۔ یہ کس ولی یا کس نبی یا کس شہید کے لئے ہے اللہ فرمائیگا جو اس کی قیمت ادا کرے وہ عرض کریگا اے پروردگار اتنی قیمت کس کے پاس ہوگی اللہ فرمائیگا تیرے پاس ہے وہ عرض کریگا اے پروردگار میں کس چیز کے عوض میں ان کو خرید سکتا ہوں اللہ فرمائیگا اپنے بھائی کو عفو کرنے کے عوض

Marfat.com

میں وہ عرض کریگا اے پرودگار میں نے معاف کیا اللہ کہیگا! اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اس کو جنت میں لیجا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خدا سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو کیونکہ اللہ تعالی قیامت کے روز مومنوں کے درمیان صلح کردیگا انصاف کا اصلی راستہ یہی ہے جس پر رب الارباب کے سوا کوئی قادر نہیں۔

اس اسم میں سے بندہ کا اعلی حصہ یہ ہے کہ پہلے اپنے نفس سے انصاف دلائے پھر کسی دوسرے شخص سے کسی اور شخص کو انصاف دلائے اور اپنے نفس کو کسی ذات سے انصاف نہ دلائے۔

(۸۷) اَلْجَامِعُ
(تمام مخلوقات کو جمع کرنے والا)

جامع وہ ہے جو ملتی جلتی چیزوں جدا جدا چیزوں اور ایک دوسرے کی مخالف چیزوں کو باہم ملادے۔

ملتی جلتی چیزوں کو جمع کرنے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بہت سے انسان زمین پر جمع کیے ہیں اور پھر سب کو حشر کے میدان میں جمع کرے گا۔

جدا جدا چیزوں کو جمع کرنے کی مثال جیسے کہ اس نے آسمانوں ستاروں ہوا زمین دریا، حیوانات، نباتات اور مختلف معادن کو جمع کیا ہے اور یہ تمام اشیاء شکل میں رنگ میں ذائقہ میں اور دیگر تمام اوصاف میں ایک دوسرے سے متباین ہیں اس طرح اس نے ہڈی پٹھے رگ عضلہ مغز جلد خون اور تمام اخلاط کو حیوان کے بدن میں جمع کیا ہے یہ چیزیں سب کی سب باہم متباین ہیں۔

ایک دوسرے کے مخالف اشیاء کو باہم ملانے کی مثال جیسے اس نے حرارت برودت رطوبت اور یبوست کو حیوانات کے مزاج میں جمع کیا ہے حالانکہ یہ اشیاء باہم متنافر اور ایک دوسری پر غلبہ کرنے والی ہیں، اور جمع کرنے کی صورتوں میں سے یہ اعلی درجہ کی صورت ہے خدا کے جمع کرنے کی تفصیل وہی شخص معلوم کرسکتا ہے جو اس کی پیدا کردہ اشیاء کی تفصیل جانتا ہو اور اس بات کی شرح طویل ہے۔

تنبیہ: بندوں میں سے جامع وہ ہے جو نشست و برخاست وغیرہ کے ظاہری

Marfat.com

آداب کے ساتھ قلب کے باطنی حقائق کو جمع کرے پس جس شخص کی معرفت کامل اور سیرت پسندیدہ ہو وہ جامع ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ کامل وہ ہے جس کا نورِ معرفت اس کے تقویٰ کے نور کو بجھا نہ دے۔

صبر اور بصیرت کو جمع کرنا تقریباً محال ہے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو زہد و تقویٰ پر صبر حاصل ہے اس میں باطنی روشنی نہیں ہے اور جس میں باطنی روشنی ہے اس میں صبر نہیں جامع وہ ہے جو اپنے آپ میں صبر اور بصیرت دونوں جمع کرلے۔

(۸۸) اَلْغَنِیُّ

(بے پرواہ)

(۸۹) اَلْمُغْنِی

(لوگوں کے بے پروا کرنے والا)

یہ وہ ہے جس کو اپنی ذات وصفات میں کسی غیر سے تعلق نہیں ہے بلکہ اغیار کے ساتھ علاقہ رکھنے وہ پاک ہے پس جس شئے کی ذات یا صفات کسی ایسے امر سے متعلق ہوں جو اس کی ذات سے خارج ہو اس شئے کا وجود یا کمال اس خارجی امر پر موقوف ہے پس وہ محتاج اور فقیر ہے جس کو طلب وکسب کی ضرورت ہے ایسی بے تعلقی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیئے ممکن نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی مغنی بھی ہے۔ یعنی غنی بھی کر دیتا ہے مگر جس کو وہ غنی بنا تا ہے اس کا مطلق غنی بن جانا متصور نہیں ہوسکتا کم از کم وہ مغنی کا تو محتاج ہوا، پس غنی مطلق کہاں رہا بلکہ غیر اللہ سے بھی مستغنی ہوتا ہے تو اس لحاظ سے کہ اس کی تمام ضروریات خدا مہیا کر دیتا ہے نہ بایں معنی کہ اس کو کوئی حاجت ہی نہیں رہتی اور غنی حقیقی تو وہ ہوتا ہے جس کو کسی کی حاجت قطعاً نہیں ہوتی۔ اور جو شئے محتاج ہے اور اپنی حاجت کی چیزیں حاصل کر رہی ہے وہ مجازاً غنی ہے غیر اللہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ جو صورت تسلیم کی جاسکتی ہے وہ صرف یہی ہے تاہم جب اس کو خدا کے سوا اور کسی کی حاجت نہیں رہتی تو اس کو غنی کہا جاتا ہے اگر یہ ہوسکتا کہ اصلی حاجت بھی اس کے ساتھ لگی نہ رہے تو خدا کا یہ فرمان (معاذ اللہ) صحیح نہ ہوتا کہ اللّٰہ غنی وانتم فقراء" اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو اور اگر یہ تصور کرنا صحیح نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام اشیاء مستغنی ہوسکتے ہیں تو خدا کے لئے مغنی کا وصف (معاذ اللہ) درست نہ ہوتا۔

Marfat.com

(۹۰) اَلْمَانِعُ

(اپنے دوستوں کو تکلیف سے روکنے والا)

مانع وہ ہے جو حفاظت کے خاص خاص اسباب مہیا کر کے ادیان وابدان سے نقصان وہلاکت کے اسباب دور کرتا ہے اور حفیظ کے معنی بیان ہو چکے۔

حفظ کے لئے منع اور دفع ضروری ہے پس جو شخص حفیظ کے معنی سمجھتا ہے وہ معنی کے معنی بھی سمجھ سکتا ہے فرق اتنا آتا ہے کہ منع سبب مہلک کی طرف نسبت کرنے سے مستفاد ہے اور حفظ اس چیز کی طرف نسبت کرنے سے جو ہلاک سے محفوظ ہے اور وہ منع سے مقصود ہے۔

خلاصہ یہ کہ چونکہ منع کا فعل حفظ کے لئے کیا جاتا ہے اور حفظ کا فعل منع کے لئے نہیں کیا جاتا لہذا ہر حافظ دافع ومانع ہے لیکن ہر مانع کا حافظ ہونا ضروری نہیں مگر اس وقت جب کہ وہ تمام اسباب ہلاک ونقص کا مانع مطلق ہو جس سے حفظ کا حاصل ہونا لازم ہو جاتا ہے۔

(۹۱) اَلضَّارُ

(قدروشر کا خالق)

(۹۲) اَلنَّافِعُ

(نفع وخیر کا پیدا کرنے والا)

یہ وہ ہے جس سے خیر وشر اور نفع وضرر صادر ہوتے ہیں اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں یا تو وہ ان امور کا اجراء ملائکہ انسان اور جمادات کے ذریعے سے کرتا ہے یا بلا واسطہ خود کرتا ہے پس یہ نہ سمجھنا کہ زہر خود بخود مار ڈالتا ہے اور طعام خود بخود سیر کر دیتا ہے اور نہ یہ خیال کرنا کہ فرشتے انسان شیطان یا کوئی اور مخلوق مثلاً فلک ستارہ یا دوسری چیز خود بخود نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے بلکہ یہ تمام اشیاء اسباب مسخر ہیں جو صرف وہی کام کر سکتے ہیں جن پر وہ مامور ہیں اور یہ تمام امور قدرت ازلیہ کے تعلق سے ہیں جیسے عام لوگوں کے اعتقاد میں قلم کاتب کے ساتھ تعلق رکھنے کی حیثیت سے ہے مثلاً سلطان جب کسی انعام یا سزا کے حکم نامہ پر دستخط کرتا ہے تو اس کا ضرر یا نفع قلم کی طرف سے نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان لوگوں کی طرف سے سمجھا جاتا ہے جن کے قبضہ میں قلم ہے اسی طرح تمام وسائط واسباب کا حال ہے ہم نے عام لوگوں کے خیال میں اس لئے کہا کہ جاہل آدمی ہی قلم کو کاتب کا مسخر سمجھتا ہے اور عارف جانتا ہے کہ قلم

Marfat.com

خدا کا مسخر ہے جس کی تسخیر میں خود کاتب بھی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے کاتب کو پیدا کیا اور اس کے لکھنے کی قدرت دی اور ساتھ ہی اس کے دل میں لکھنے کی ایسی پکی خواہش بھی ڈال دی جس میں کوئی تردد نہیں تو خواہ مخواہ اس کی انگلیوں اور قلم میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ وہ اس کے خلاف ہرگز نہیں کر سکتا پس درا اصل کاتب خدا ہے جو انسان کے قلم اور اس کے ہاتھ کے ذریعہ لکھتا ہے جب تم انسان کے متعلق یہ بات سمجھ چکے تو جمادات کے متعلق خود بخود سمجھ سکتے ہو۔

(۹۳) اَلنُّوْرُ

(روشن کرنے والا)

یہ وہ ذات ظاہر ہے جس سے تمام اشیاء کا ظہور ہے کیونکہ جو چیز فی نفسہ ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کو ظاہر کرنے والی ہو اس کا نام نور ہے اور جب وجود کا مقابلہ عدم سے کیا جائے تو یقیناً وجود ہی میں پورا ظہور پایا جائیگا اور عدم سے بڑھ کر کوئی اندھیرا نہیں ہو سکتا پس جو عدم کی تاریکی سے بلکہ عدم کے امکان سے بھی بری ہے اور تمام اشیاء کو عدم کی تاریکی سے نکالکر وجود کی روشنی میں لاتا ہے وہ سب سے زیادہ نور کہلانیکا مستحق ہے۔

وجود ایک نور ہے جو اس کی ذات کے نور سے تمام اشیاء کو حاصل ہے پس وہ آسمان وزمین کا نور ہے اور جیسے زمین کا ذرہ ذرہ سورج کے وجود پر دال ہے اسی طرح آسمان وزمین کی موجودات میں سے ذرہ ذرہ اپنے وجود کے جواز سے اپنے موجد کے وجود کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

چنانچہ ہم اسم ظاہر کے بیان میں جو لکھ چکے ہیں اس سے نور کے معنی بخوبی سمجھ میں آ سکتے ہیں اور اس کے معنوں کے بیان میں جو فضول موشگافیاں کی گئی ہیں پھر ان کی ضرورت نہ رہیگی۔

(۹۴) اَلْهَادِیْ

(ہدایت کرنے والا)

ھادی وہ ہے جو اپنے خاص خاص بندوں کو اپنی ذات کی شناخت کا راستہ بتاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی ذات سے اشیاء پر دلیل قائم کرتے ہیں اور عام بندوں کو مخلوقات کی طرف

ا خدا فرماتا ہے اللہ نور السمٰوٰت والارض یعنی اللہ آسمان زمین کا نور ہے۔

Marfat.com

ہدایت دیتا ہے حتی کے وہ مخلوقات سے اس کی ذات پر دلیل ٹھہراتے ہیں اور ہر مخلوق کو اپنی ضروری حاجتوں کے پوری کرنے کی سمجھ دیتا ہے چنانچہ بچے کو پیدا ہوتے ہی پستان کو منہ میں لینے کا ڈھنگ بتا دیتا ہے اور پھر چوزے کو اس کے انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے شہد کی مکھی کو ایسے شش پہلو خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے جو اس کے جسم کے اس طرح سما جانے کے لئے کہ ارد گرد کچھ خالی جگہ نہ رہے تمام صورتوں سے زیادہ مناسب ہے یہ تفصیل بڑی لمبی ہے خدا کے ارشاد کا یہی مطلب ہے ''الذی اعطیٰ کل شیءٍ خلقه ثم هدیٰ'' یعنی وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اس کی راہ دکھائی'' اور ''والذی قدر فهدیٰ'' یعنی اور جس نے ہر چیز کا اندازہ کیا پھر ہدایت کی۔

بندوں میں ہادی انبیاء اور علماء ہیں جو مخلوقات کو سعادت اخرویہ کی طرف لے جاتے ہیں اور صراط مستقیم پر چلاتے ہیں بلکہ خود اللہ تعالی نے ان کی زبانی ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کی قدرت وتدبیر کی تحت میں کام کرتے ہیں۔

(۹۵) اَلْبَدِیْعُ

(موجد)

بدیع وہ ہے جس کی کوئی مثال نہ گزری ہو پس اگر ذات صفات اور افعال میں اور اس کے متعلقہ ہر امر میں اس کی کوئی مثل نہ گزری ہو تو وہ بدیع مطلق ہے اور اگر کوئی اس قسم کی شے گزر چکی ہو تو وہ بدیع مطلق نہیں رہیگا اسم مطلقاً خدا سے خاص ہے کیونکہ اس کے ساتھ قبل (پہلے) کا معنی کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا پس کوئی اس جیسی شے اس سے پہلے کیونکر ہو سکتی ہے اور اس کے بعد جو چیز موجود ہوتی ہے وہ اس کی ایجاد سے بنی ہے اور وہ اپنے موجود سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی پس وہ ازلاً وابداً بدیع ہے۔

بندوں میں سے جو شخص نبوت یا ولایت یا علم میں ایسی فوقیت حاصل کرے کہ اس کی نظر سابق میں نہ گزری ہو یا اس کے زمانہ مین کوئی اس کی نظیر موجود نہ ہو، تو اپنے مخصوص اوصاف زمانہ کے اندر بدیع ہے۔

(۹۶) اَلْبَاقِیْ

(باقی رہنے والا)

Marfat.com

یہ وہ موجود ہے جو لذاتہ واجب الوجود ہے لیکن جب اس کو ذہن میں زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کیا جائے تو وہ باقی کہلائیگا اور جب زمانہ ماضی سے نسبت دی جائے تو اس کو قدیم کہا جائے گا۔

باقی مطلق وہ ہے جس کے وجود کی تقدیر زمانہ مستقبل میں کسی آخری حد تک منتہی نہ ہو جس کے لئے یہ لفظ مقرر ہیں کہ وہ ابدی ہے اور قدیم مطلق وہ ہے جس کے زمانہ میں وجود کی درازی کا ماضی میں کوئی آغاز نہیں اور اس کے لئے یہ لفظ مقرر ہیں کہ وہ ازلی ہے۔

جب تم تسلیم کرتے ہو کہ وہ لذاتہ واجب الوجود ہے تو یہ تمام معنی اس میں آجاتے ہیں یہ اسماء جو مقرر کیے گئے ہیں تو ذہن میں اس وجود کو ماضی و مستقبل کی طرف منسوب کرنے سے پیدا ہوئے ہیں ماضی و مستقبل کے مفہوم میں متغیرات کا معنی شامل ہے اس لئے کہ وہ دونوں زمانے ہیں اور زمانہ میں حرکت و تغیر ہی داخل ہیں کیونکہ حرکت بذاتہا ماضی اور مستقبل کا مجموعہ ہے اور متغیر تغیر کے واسطہ سے زمانہ میں داخل ہوتا ہے پس جو ذات تغیر اور حرکت سے بالاتر ہے وہ زمانہ سے نہیں ہے اور نہ اس میں ماضی واستقبال ہے یہ امور تو ہمارے ہی لئے ہیں جن پر زمانہ گزرتا ہے اب کچھ اور حالت ہے پھر کچھ اور ہوگی اس کے بعد کچھ اور ہو جائیگی یہاں تک کہ جو حالت گزر چکی ہے وہ ماضی جو موجود ہے وہ حال اور جو آنے والی ہے مستقبل کہلاتی ہے اور جہاں نہ آغاز ہے نہ انجام وہاں زمانہ ہی نہیں اور کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ ہی نے تو زمانہ کو پیدا کیا ہے پس وہ زمانہ سے پیشتر ہے اور زمانہ سے بعد جوں کا توں رہے گا۔

کسی کا یہ خیال بالکل دراز عقل ہے کہ بقا کی صفت باقی کی ذات سے زائد ہے اور اس سے بھی زیادہ بعید خیال یہ ہے کہ قدامت کی صفت قدیم کی ذات سے زائد ہے ان خیالوں کی بیہودگی اس سے ظاہر ہے کہ اس بنا پر بقاء کی بقاء اور صفات کی بقاء اور قدامت کی قدامت اور صفات کی قدامت کا خبط لازم آتا ہے۔

(۹۷) اَلْوَارِثُ

(فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا)

وارث وہ ہے جو مالکوں کے فنا ہونے کے بعد مملوکات کا مالک قرار پاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جو خلقت کے فنا ہو جانے کے بعد باقی ہے اور آخر ہر شے کا مرجع وہی ہے اس وقت وہ یوں فرمائیگا لمن الملک الیوم (آج کس کی بادشاہی ہے) پھر خود ہی یوں جواب دے گا

Marfat.com

"لله الواحد القهار" (اللہ واحد وقہار کے بادشاہی ہے) یہ سائلانہ ندا ان اکثر لوگوں کے غلط زعم کو دور کرنے کی غرض سے کی جائیگی جو خود بادشاہ اور صاحب ملک ہونے کا گھمنڈ رکھتے ہیں اس وقت اصل معاملہ ان پر آئینہ ہو جائے گا لیکن جو لوگ صاحب بصیرت ہیں وہ ہمیشہ سے خود بخود اس ندا کا معنی سمجھے ہوئے ہیں بلکہ یہی ندا بلا حرف و آواز ہر وقت سن رہے ہیں اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر لحہ میں اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔ اس لئے وہ ازلی وابدی ہے اس بات کو کچھ وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو توحید فی الفعل کی حقیقت جانتا ہے اور بخوبی سمجھتا ہے کہ زمین وآسمان کی قلمرو میں فاعل واحد وہی واحد یکتا ہے۔

اس بات کو ہم نے احیاء العلوم کے باب توکل کے آغاز میں بیان کیا ہے شوق ہو تو اس میں مطالعہ کرو کیونکہ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

(۹۸) اَلرَّشِیْدُ

(صاحب رشد)

یہ وہ ذات پاک ہے جس کی تدبیر ٹھیک ٹھیک اپنے مقاصد پر فائز ہوں بلا اس کے کہ کوئی معاون ان کی اعانت کرے یا کوئی راہنما ان کا راہ پر قائم رکھے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو جتنی جتنی دینی و دنیوی تدبیرات کی ہدایت بخشی ہے اتنی ہی تدبیرات کی ٹھیک راہ پر چلنے اور ان سے صحیح مقصد حاصل کرنے کی توفیق بھی دی ہے۔

(۹۹) اَلصَّبُوْرُ

(بڑا صبر کرنے والا)

یہ وہ ہے جس کو کوئی تیزی اور تندی کسی کام کو جلد از وقت کرنے پر مجبور نہیں کرتی بلکہ وہ تمام امور کو خاص اندازے پر قائم کر کے محدود راہ پر چلاتا ہے اور ان کو نہ کسی سست کارندے کی طرح مقرر وقت سے پیچھے ڈالتا ہے اور کسی جلد باز کی طرح قبل از وقت کرنے لگتا ہے بلکہ وہ ہر کام کو اسکے مقررہ وقت پر مناسب طریقے سے کرتا ہے یہ تمام امور بلا کسی مخالف کی مخالفت کے انجام پاتے ہیں۔

بخلاف اس کے بندے کا صبر مخالف کے مقابلے سے خالی نہیں ہے کیونکہ ان کے

Marfat.com

صبر کے معنی ہی یہ ہیں کہ عقل و دین کی خواہش شہوت و غضب کی خواہش کے مقابلے میں ثابت قدم رہے جب وہ مخالف خواہشیں باہم کھینچا تانی کرتی ہیں اور جلد بازی کی خواہش دھیمی ہو کر تاخیر اختیار کرتی ہے تو اس خواہش والا صبور کہلاتا ہے کیونکہ اس نے جلد بازی کی خواہش کو پست کرلیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میں جلد بازی کا کوئی باعث ہی نہیں ہے پس جب وہ شخص جس میں عجلت کا باعث موجود ہے (گو وہ کمزور ہی ہو گیا) ہے **صبور** کہلاتا ہے تو وہ ذات اس سے بھی زیادہ اس اسم کی حقدار ہے جس میں اس قسم کا کوئی بھی باعث موجود نہیں ہے۔

خاتمہ

فصل اول

واضح ہو کہ مذکورہ اسماء وصفات میں سے ہر اسم کے بعد تنبیہات لکھنے کا خیال مجھے رسول اللہ ﷺ کے ان دو قولوں کی بناء پر سوجھا۔

(۱) "تخلقوا باخلاق اللہ" یعنی خدا کے اخلاق کی پیروی کرو۔

(۲) "ان اللہ تعالیٰ کذا وکذا خلقا من تخلق بواحد منھا دخل الجنۃ" یعنی اللہ تعالیٰ کے فلاں فلاں اخلاق ہیں جو شخص ان میں سے ایک خلق بھی

Marfat.com

پیدا کر لے وہ جنت میں جائے گا۔

صوفیہ کے کلام کا ماحصل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں لیکن اس کا سیاق وسباق کچھ اس قسم کا ہے جس سے حلول او اتحاد کا وہم پیدا ہوتا ہے مگر عقلمند آدمی ایسا گمان بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ وہ حضرات جو مکاشفات کے فضائل سے ممتاز ہیں۔

میں نے شیخ ابو علی فارمدی سے سنا ہے جو اپنے شیخ ابو القاسم کرکانیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا نو دونہ نام بندہ مالک کے اوصاف بن سکتے ہیں۔

اگر اس سے کوئی ایسی صورت مراد ہے جو ہماری مذکورہ تنبیہات سے مناسبت رکھتی ہو تو صحیح ہے اور اس کے سوا اور کوئی صورت خیال میں نہیں آ سکتی اور پھر کہا جائے گا کہ مذکورہ الفاظ میں ایک قسم کا توسع اور استعارہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اسمائے حسنٰی کے معنی باری تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اور اس کی صفات کسی غیر کی صفت نہیں بن سکتی ہاں۔

اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ غیر خدا ایسی صفات سے موصوف ہو سکتا ہے جو خدا کی صفات سے مناسبت رکھتی ہو جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے استاد کا علم حاصل کیا ہے حالانکہ استاد کا علم شاگرد کو حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ ایک اور علم اس کے علم کی مثل حاصل ہوتا ہے۔

اگر کسی کا یہ گمان ہو کہ اس سے مراد مذکورہ صورت نہیں ہے۔ تو یہ قطعاً باطل ہے کیونکہ کامل کے اس قول میں کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معانی غیر اللہ کے اوصاف بن سکتے ہیں یا تو ان اوصاف سے عین خدا کے اوصاف مراد ہیں یا ان کی مثل اگر مثل مراد ہیں تو ضرور یا تو مطلقاً اور من کل الوجوہ ان کی مثل مراد ہونگے یا ان کی مثل من حیث الاسم ہونگے اور عموم صفات میں مشارکت ہوگی نہ کہ خواص معنی میں پس یہ دو قسمیں ہوئیں اور اگر عین صفات باری تعالیٰ مراد ہیں تو ضرور یا تو صفات باری تعالیٰ کی صفات میں سے بندے کی طرف منتقل ہو کر آئی ہونگی یا نہیں۔ اگر منتقل ہو کر نہیں آئی ہوں تو پھر ضرور یا تو بندے اور باری تعالیٰ کی ذات متحد ہو گئی ہو گی لہذا جو صفت اس کی ہے وہی اسکی ہے یا ان میں حلول ہو گا پس یہ پانچ احتمال ہوئے یعنی:۔

(۱) بندے کی صفات کا خدا کی صفات کے مثل مطلق ہونا۔

(۲) بندے کی صفات کا خدا کی صفات کے مثل من حیث الاسم ہونا۔

ا صوفیہ میں سے جو حضرات وحدت الوجود کے قائل ہیں ان پر بعض علماء شریعت کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ خالق اور مخلوق کو وجود میں متحد مانتے ہیں یا خالق کا مخلوق میں حلول تسلیم کرتے ہیں اور یہ دونوں خیال لحدانہ ہیں۔ صوفیہ اپنے خیال کی توضیح میں کہتے ہیں کہ اتحاد و حلول کا قول بیشک لحدانہ ہے مگر ہم اس خیال سے بری ہیں ہمارے قول وحدت الوجود کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ ۱۲ عرشی

Marfat.com

(۳) خدا کی صفات کا بندے میں منتقل ہو جانا۔

(۴) خدا کی ذات اور بندے کی ذات کا متحد ہو جانا

(۵) حلول۔

ان پانچوں صورتوں میں سے صرف دوسری صورت صحیح ہے کہ بندے کی صفات خدا کی صفات کی من حیث الاسم ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان صفات میں سے بندے کے لئے وہ امور ثابت ہوتے ہیں جو ان صفات کے مناسب ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف نام کی شرکت رکھتے ہیں پوری پوری مماثلت نہیں رکھتے جیسے کہ ہم تنبیہات میں بیان کرتے آئے ہیں

پہلی صورت یعنی بندے کی صفات خدا کی صفات کی مثل مطلق ہیں محال ہے کیونکہ ان میں سے ایک یہ صفت بھی لازم ہے کہ بندے کا علم تمام معلومات پر محیط ہو یہاں تک کہ آسمان وزمین میں کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے خارج نہ رہے اور یہ کہ اس کو ایک ایسی قدرت حاصل ہو جو تمام مخلوقات پر شامل ہو یہاں تک کہ وہ اس کے ذریعہ سے آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا خالق کہلاتا ہو یہ بات غیر اللہ کے لئے بھلا کیونکر ثابت ہو سکتی ہیں۔ اور بندہ کیونکر زمین وآسمان اور ان کی درمیان کی چیزوں کا خالق ہو سکتا ہے حالانکہ وہ خود ان اشیاء میں سے ہے تو اپنے آپ کا خالق وہ کیونکر ہو سکتا ہے اگر یہ صفات دو بندوں کے لئے ثابت ہوں جو ایک دوسرے کے خالق ہوں تو گویا ہر ایک اپنے خالق کو پیدا کرنے والا ہے اور یہ سب واہیات اور محال باتیں ہیں۔

تیسری صورت یعنی عین صفات ربوبیت منتقل ہو کر بندہ میں آ جاتی ہیں یہ بھی محال ہے کیونکہ اول تو صفات کا اپنے موصوف سے جدا ہونا محال ہے اور یہ محال ذات قدیمہ سے خاص نہیں بلکہ اشیائے حادثہ میں بھی ایسا ہونا محال ہے چنانچہ یہ امر ممکن نہیں کہ زید کا علم بعینہٖ عمرو میں منتقل ہو جائے بلکہ صفات کا قیام صرف موصوف کے ساتھ ہوتا ہے دوسرے اگر یہ صفات منتقل ہوتی ہوں تو لازم ہے کہ جس میں سے منتقل ہوں وہ ان سے خالی رہ جائے۔ پس ذات باری تعالیٰ ربوبیت اور صفات ربوبیت سے خالی رہ جائے گی اور یہ بھی صاف طور پر محال ہے۔

چوتھی صورت یعنی اتحاد بھی بالکل محال ہے کیونکہ قائل کا یہ قول کہ بندہ رب بن گیا فی نفسہ متناقض ہے بلکہ اس قسم کے محال احتمالوں کو خدا کے حق میں کرنا تو خلاف ادب ہے ہم ایک عام قول پیش کرتے ہیں کہ قائل کا یہ قول کہ فلاں شئے بن گئی مطلقاً محال ہے کیونکہ مثلاً جب زید

Marfat.com

کو علیحدہ اور عمرو کو علیحدہ عقل تسلیم کرتی ہے پھر جب کہا جائے کہ زید عمرو بن گیا اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا تو پھر یا تو دونوں موجود ہوں گے یا دونوں معدوم ہونگے یا زید موجود اور عمرو معدوم ہو گا یا عمرو موجود اور زید معدوم ہو گا اور یہ چاروں صورتیں غیر ممکن ہیں کیونکہ اگر دونوں موجود ہوں گے تو ایک دوسرے کا عین نہ ہوئے ہوں گے بلکہ ان میں سے ہر ایک کا عین موجود ہے اور مقصود صرف یہ ہے کہ اگر دونوں کا مقام متحد ہو جائے مگر یہ بھی صفات کے اتحاد کا موجب نہیں ہوتا چنانچہ علم، ارادہ قدرت وغیرہ مختلف اوصاف ایک ذات میں جمع ہوتے ہیں اور ان کا محل بھی متباین نہیں ہوتا تاہم قدرت علم نہیں بن جاتی۔ اور نہ علم ارادہ ہو جاتا ہے۔ اگر دونوں معدوم ہونگے تو دونوں متحد کہاں ہوئے بلکہ دونوں کا وجود ہی نہ رہا ایک معدوم اور دوسرا موجود ہو تو بھی اتحاد نہیں کیونکہ موجود معدوم کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کا مطلقاً متحد ہونا محال ہے اور یہ حکم نہ صرف ان اشیاء میں جاری ہے جو ایک دوسری سے مختلف ہیں بلکہ ان اشیاء میں بھی جو ایک دوسری کی مثل ہیں چنانچہ اس سیاہی کا وہ سیاہی بن جانا ویسے ہی محال ہے جیسے اس سیاہی کا وہ سفیدی بن جانا یا وہ علم بن جانا محال ہے۔

بندے اور رب کے درمیان جو تباین ہے وہ سیاہی اور علم کے تباین سے زیادہ ہے پس سرے سے اتحاد ہی باطل ہے اور اتحاد جو عموماً مشہور ہے اور کہدیا کرتے ہیں کہ یہ چیز وہ بن گئی یہ محض بطور توسع اور مجاز کہا کرتے ہیں جو صوفیوں اور شاعروں کی عادت ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی بات کو دلچسپ بنانے اور خوب صورتی کے ساتھ سمجھانے کے لئے استعارہ کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

تو من شدی من تو شدم

من تن شدم تو جاں شدی

اور یہ قول خود شاعر کے خیال میں قابل تاویل ہے کیونکہ اس کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ عاشق مطلقاً معشوق بنے گا بلکہ یہ مراد ہے کہ عاشق کی حالت معشوق کی سی حالت عاشق کی سی ہے کیونکہ وہ معشوق کے خاطر اس طرح مصروف فکر غم ہے جس طرح اپنی جان کے خاطر ہوتا ہے اور معشوق اس کو ویسے ہی محبوب ہے پس اس حالت کو مجازاً اتحاد قرار دیدیا۔

انہیں معنوں پر ابو یزید کا یہ قول حمل کیا جا سکتا ہے کہ میں اپنی ہستی سے اس طرح نکل گیا جس طرح سانپ کینچلی سے نکالا جاتا ہے اب جو دیکھتا ہوں تو میں وہ (یعنی حق) ہوں مطلب اس کا یہ ہے کہ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات اور ارادوں سے قطع تعلق کر لیتا ہے تو

Marfat.com

اس کے دل میں خدا کے سوا اور کسی کا خیال نہیں رہتا اور اس کے دل میں اللہ کا جلال و جمال اس قدر سما جاتا ہے کہ وہ اسی میں مستغرق ہو جاتا ہے بعینہ وہی نہیں بنتا اور اس سے مشابہ ہونے اور بالکل وہی بنجانے میں بڑا فرق ہے لیکن بعض اوقات کہدیا کرتے ہیں کہ فلاں شئے بالکل فلاں شے ہے لیکن مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شے فلاں شے جیسی ہے جیسے کہ شاعر کبھی تو کہتا ہے تو من شدی تو شدم اور کبھی کہتا ہے ع

تو مثال من شدی و من مثال تو شدم

اس مقام پر عقائد کا قدم مستحکم رہنا مشکل ہے کیونکہ جس شخص کو معقولات میں پوری مہارت نہیں ہے وہ ان دونوں صورتوں میں تمیز نہیں کر سکتا چنانچہ وہ اپنے کمال ذات پر نظر کرتا ہے جس میں حقانیت کے جوہر چمکتے ہوئے ہوتے ہیں تو اس کو گمان ہوتا ہے کہ میں حق ہوں اور انا الحق حق کی سدا بلند کرنے لگتا ہے یہ شخص در حقیقت نصاریٰ کی سی غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے جو یہی خیال حضرت عیسیٰؑ کے متعلق رکھتے ہیں اور ان کو خدا سمجھتے ہیں بلکہ اس شخص کی سی غلطی کر رہا ہے جو آئینے میں کوئی رنگ دار صورت دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ صورت اور رنگ آئینہ کا ہے حالانکہ خود آئینہ کی نہ صورت ہے اور نہ رنگ ہے بلکہ اس کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں رنگین صورتیں اس طرح منکشف ہوتی ہیں کہ ظاہری امور کی طرف دیکھنے والے کو خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت آئینہ کی ہے حتیٰ کہ بچہ جب انسان کی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے تو اس کو شک ہوتا ہے کہ آئینہ میں انسان موجود ہے اسی طرح قلب فی نفسہ صورت اور ہیئت سے خالی ہے اور اس کی ہیئات صرف یہ ہے کہ وہ ہیئات اور صورت کے معنوں اور حقائق کو قبول کرتا ہے پس جو چیز اس میں حلول کرتی ہے وہ اس کے ساتھ متحد ہو جانی والی چیز کے مثل ہوتی ہے تحقیقاً متحد نہیں ہوتی اور جو شخص بوتل میں شراب دیکھے اور وہ بوتل شراب کی جدا جدا حقیقتوں کا علم نہ رکھتا ہو تو وہ کبھی تو کہے گا بوتل کوئی چیز نہیں جو کچھ ہے شراب ہے اور کبھی کہے گا شراب کوئی شئے نہیں جو کچھ ہے بوتل ہے چنانچہ اس خیال کو ایک شاعر نے یوں باندھا ہے

رق الزجاج ورقت الخمر
فتشابها کل الامر فکانما خمرو
لا قدح وکانما قدح ولا خمر۔

کانچ کا پیالہ صاف ہے اور شراب شفاف دونوں
یکساں نظر آتے ہیں کچھ (فرق) معلوم نہیں ہوتا

Marfat.com

گویا (پیالہ) اور شراب مجموعہ) شراب ہی ہے
اور پیالہ نہیں اور گویا یہ (مجموعہ پیالہ ہی ہے اور
شراب نہیں۔

جو شخص انا الحق کا دعویٰ دار ہے یا تو اس کا وہی مطلب ہے جو تو من شدی من تو شدم کا ہے یا اس بارہ میں اس غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے جس میں نصاریٰ گرفتار ہیں کہ لاہوت اور ناسوت باہم متحد ہیں۔

ابو یزید کا قول سبحانی ما اعظم شانی اگر ان سے ثابت ہے تو یا انھوں نے اللہ کی طرف سے بطور حکایت کہا ہو گا چنانچہ اگر ان کو یہ کہتے سنا جاتا کہ لا الہ الا انا فاعبدنی ''نہیں کوئی معبود میرے سوا پس میری عبادت کر تو لامحالہ کہا جاتا ہے کہ وہ ان کلمات کو جو قرآن مجید میں سے ہیں بطور حکایت ادا کرتے ہیں اور یا انھوں نے صفت قدس میں سے اپنے حصہ کا مشاہدہ کیا ہو گا اس لئے اپنے نفس کی تقدس کی خبر دینے کے لئے سبحانی کہدیا اور عامہ خلق کے مقابلہ میں اپنی شان کی عظمت کا اندازہ لگا کر ما اعظم شانی کہدیا اور ساتھ ہی وہ جانتے ہوں گے کہ میرا تقدس اور عظمت مخلوق کے مقابلہ میں ہے ورنہ اس تقدس اور عظمت کو خدا کے تقدس اور عظمت سے کوئی نسبت نہیں اور یہ الفاظ بھی سُکر اور غلبہ کے حال میں ان کی زبان پر جاری ہوئے ہوں گے کیونکہ ہوشیاری اور اعتدال حال میں ایسے توہم خیز اور مشتبہ الفاظ سے اپنی زبان کو بچانا لازم ہے سکر کی حالت میں یہ خیال نہیں رہتا۔

ان دونوں تاویلوں کی حد سے گزر کر تم اتحاد کو اور دل میں لاؤ گے وہ قطعی محال ہے بزرگان دین کے منصب عالی سے دھکا کر کہیں امر محال کے قائل نہ ہو جانا بلکہ چاہیے کہ لوگوں کو خدا کے ذریعہ سے شناخت کرو نہ کہ خدا کو لوگوں کی نظروں سے پانچویں صورت یعنی حلول ہی محال ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کہا جائے کہ رب نے بندے میں حلول کیا ہے یا بندے نے رب میں حلول کیا ہے تعالی اللہ رب الارباب عن قول الظالمین''

بغرض محال اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے بندہ اور رب کا اتحاد لازم نہیں آتا اور نہ بندے کا رب کی صفات سے متصف ہونا لازم آتا ہے کیونکہ حال (حلول کنندہ) کی صفات محل (جائے حلول) کی صفت نہیں بن سکتی بلکہ حال کی صفات جوں کی توں رہتی ہیں۔

حلول کا محال ہونا اس وقت سمجھ میں آئے گا جب کہ حلول کے معنی روشن کر دیے

Marfat.com

جائیں کیونکہ معانی مفردہ جب تک بطریق تصور ذہن میں حاضر نہ ہوں ان کی نفی و اثبات کا حکم نہیں لگایا جا سکتا پس جو شخص حلول کے معنی نہیں سمجھتا وہ اس بات کو کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ حلول ثابت ہے یا محال ہے۔

واضح ہو کہ حلول سے دو نسبتیں سمجھ میں آتی ہیں ایک تو وہ نسبت جو جسم اور اس کے مکان میں ہوتی ہے جس میں وہ موجود ہوتا ہے یہ نسبت ہمیشہ دو جسموں کے مابین ہوتی ہے تو جو ذات جسمیت سے بری ہے اس کے حق میں اس قسم کی نسبت محال ہے۔

دوسری وہ نسبت جو عرض اور جوہر کے مابین ہوتی ہے کیونکہ عرض کا مقام جوہر کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جوہر میں حلول کیے ہوئے ہے اور یہ امر اس ذات کے حق میں محال ہے جو بنفسہ قائم ہے۔

اس بحث میں خدا کا ذکر تو سوادب ہے خدا کے سوا جو چیز قائم بالذات ہے اسے کسی دوسری چیز قائم بالذات میں حلول کرنا محال ہے پس دو بندوں میں بھی حلول کا پایا جانا محال ہے تو بندہ اور رب کے مابین حلول کیونکر پایا جا سکتا ہے۔

جب حلول انتقال اتحاد اور اتصاف بمثال صفات اللہ محال قرار پایا تو اہل تصوف کے مذکورہ قول کا وہی مطلب ہوگا جو ہم تنبیہات میں بیان کر چکے ہیں اور اس سے صاف سمجھ سکتے ہیں کہ مطلقاً یہ کہنا کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معنی بندے کے اوصاف ہو سکتے ہیں جائز نہیں ہاں کسی ایسی تاکید اور شرط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے جو توہم اور اشتباہ سے خالی ہو ورنہ یہ مطلق الفاظ تو ہم پیدا کرتے ہیں۔

سوال: اس قول کا کیا مطلب ہے کہ بندہ ان تمام اوصاف سے متصف ہونے کے باعث سالک ہے وہ اصل نہیں سلوک اور وصول کے کیا معنی ہیں؟

جواب: واضح ہو کہ سلوک سے مراد اخلاق اعمال اور علوم کی درستی ہے اور یہ ظاہری اور باطنی حالت کی اصلاح اور وارستگی سے ہے بندہ جب اس حالت میں مشغول ہوتا ہے تو گویا خدا کو چھوڑ کر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مگر وہ اس لئے اپنے باطن کا تصفیہ کر رہا ہے کہ وصول کی استعداد پیدا ہو جائے اور وصول یہ ہے کہ نور حق اس کے سامنے جلوہ گر ہو اور وہ اس نور میں مستغرق ہو جائے اور اپنی پہچان کو دیکھے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہ پہچانے اور اگر اپنے قصد کو دیکھے تو اللہ کے سوا اور کوئی اس کا مقصود نہ ہو پس وہ بالکل خدا ہی کے مشاہدہ اور اس قصد میں مشغول ہو جائے اور اس بارے میں اپنے آپ پر نظر نہ کرے تا کہ اس کا ظاہر عبادت کے

Marfat.com

ساتھ اور باطن تہذیب اخلاق کے ساتھ آباد و آراستہ ہو جائے اس تمام کیفیت کا نام طہارت ہے اور یہ آغاز ہے سرانجام اس کا یہ ہے کہ وہ بالکل اپنے نفس سے تعلق قطع کر لے اور خاص خدا کا ہو جائے اس وقت وہ گویا وہی بن جائے گا یہ اصول ہے۔

سوال: صوفیہ کے کلمات سے ایسے مشاہدات کا مطلب مفہوم ہوتا ہے۔ جو ان کو طریق ولایت میں، میسر ہوتے ہیں اور عقل ولایت کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہے اور جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے وہ محض عقلی بحث ہے؟

جواب: واضح ہو کہ طریق ولایت میں کسی ایسے امر کا واقع ہونا جائز نہیں جو عقل کے نزدیک محال ہو ہاں ایسی بات کا ظہور پذیر ہونا جائز ہے جس سے عقل قاصر ہو مثلاً ولی کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہو جانا جائز ہے کہ کل کو فلاں شخص مر جائے گا اور کوئی دوسرا شخص عقل کے ذریعہ سے یہ بات معلوم نہیں کر سکتا بلکہ عقل ایسی بات کے معلوم کرنے سے قاصر ہے۔

اور یہ معلوم ہو جانا جائز نہیں کہ اللہ کل اپنا ایک شریک پیدا کرے گا کیونکہ عقل اسکو محال قرار دیتی ہے صرف یہ کہ اس کے ادراک سے قاصر ہے۔

اس سے زیادہ بعید یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ مجھ کو اپنی مثل بنا لے گا پھر اس سے زیادہ دور از امکان یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ مجھ کو اپنا آپ بنا لے گا یعنی میں وہی بن جاؤں گا کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں حادث ہوں اور اللہ مجھ کو قدیم بنا دے گا میں آسمان و زمین کا خالق نہیں ہوں اللہ مجھ کو ان اشیاء کا خالق بنا لے گا اور یہ قول مشہور ہے کہ ”نظرۃ فاذا انا ھو“ یعنی میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں خدا ہوں۔

اگر اس کی تاویل نہ کی جائے اور ظاہری معنوں پر اس کو حمل کیا جائے تو اس کا یہی مطلب ہوگا اور جو شخص اس قسم کی محال بات کی تصدیق کرے اس کو عقل کا ادنیٰ سا ادنیٰ حصہ بھی نہیں ملا اور وہ معلوم اور غیر معلوم میں تمیز نہیں کر سکتا تعجب نہیں کہ وہ اس بات کی بھی تصدیق کرے کہ ولی کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہو جانا جائز ہے کہ شریعت باطل ہے اور اگر وہ حق ہے تو خدا اس کو باطل کر دے گا اس نے انبیاء کی تمام باتوں کو جھوٹی بنا دیا۔

جو شخص یہ کہے کہ سچ کا جھوٹ بن جانا محال ہے وہ صرف عقل کے بھروسہ پر ایسا کہتا ہے کیونکہ سچ کا جھوٹ بن جانا حادث کے قدیم بن جانے اور بندے کے رب بن جانے سے زیادہ بعید نہیں ہے اور جو شخص ایسی بات میں عقلاً محال ہو اور ایسی بات میں جس سے عقل قاصر ہو فرق نہیں سمجھتا وہ مخاطب ہونے کے بھی قابل نہیں ہے وہ جانے اور اس کا جہل جانے۔

Marfat.com

فصل دوم

مقاصد اور غایات میں

اس فصل میں بیان کیا جائے گا کہ اہل سنت کے مذہب پر یہ اسماء کثیرہ ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں غالباً تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ یہ اسماء بکثرت ہیں جن میں ترادف نہیں ہے اور ہر اسم کے معنی دوسرے اسم کے معنی میں شامل ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہیں کہ تمام اسماء سات صفتوں میں منقسم ہو جاتے ہیں سو واضح ہو کہ صفات گویا سات ہیں مگر افعال اور اضافتیں اور سلب بہت ہیں جو حصر سے زائد ہیں پھر ان تینوں قسموں میں سے دو دو قسموں کی ترکیب ہو سکتی ہے یعنی صفت اور اضافت کی صفت اور سلب کی سلب اور اضافت کی اور ہر ایک مجموعہ کے مقابلہ میں اسم واضح ہو سکتا ہے اور اس طرح بہت سے نام پیدا ہو سکتے ہیں جن میں سے بعض ذات پر دلالت کرتے ہیں بعض ذات مع سلب بعض ذات مع اضافت پر بعض ذات مع سلب و اضافت پر بعض سات صفتوں میں سے ایک صفت پر بعض صفت اور سلب پر بعض صفت اور اضافت پر بعض صفت اور فعال پر بعض صفت فعال اور اضافت پر بعض سلب پر یہ دس قسمیں ہوئیں۔

(۱) جو اسم ذات پر دلالت کرتا ہے وہ اللہ ہے اور اس کے قریب قریب اسم الحق ہے جب کہ اس سے ذات واجب الوجود ہونے کی حیثیت سے مراد ہو۔

(۲) جو اسمائے ذات مع سلب پر دلالت کرتا ہے ان کی مثال القدوس اور السلام اور الغنی، اور الاحد، وغیرہ ہیں چنانچہ القدوس وہ ہے جو تمام خیالات اور توہمات کی نسبت سے پاک اور مسلوب عنہ ہے السلام وہ ہے جس سے عیوب مسلوب ہیں الغنی وہ ہے جس سے حاجت مسلوب ہے الاحد، وہ ہے جس سے نظر اور تقسیم مسلوب ہے،

(۳) جو اسمائے ذات مع اضافت پر دلالت کرتے ہیں ان کی مثال العلی اور العظیم اور الاول، اور الآخر، اور الظاہر، اور الباطن، وغیرہ ہیں علی وہ ذات ہے جو تمام ذاتوں سے رتبہ میں برتر ہے اس کو اضافت کہتے ہیں عظیم خدا کی ذات پر اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ ادراکات کی حدود سے متجاوز ہے اول وہ ہے جو موجودات سے سابق ہے آخر وہ ہے جس کی

Marfat.com

طرف موجودات کا انجام ہے ظاہر خدا کی ذات دلالت عقل کی نسبت سے ہے باطن خدا کی ذات حس وہم کے ادراک کی نسبت سے ہے وقس علیٰ ہذا غیرہ۔

(۴) جو اسمائے ذات مع سلب واضافت کے معنی رکھتے ہیں ان کی مثال المالک اور العزیز ہے کیونکہ ملک اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور اس کی محتاج ہر چیز ہو اور عزیز وہ ہے جس کی نظیر نہ ہو، اور اس کا حاصل کرنا اور اس تک پہنچنا دشوار ہو۔

(۵) جو اسماء کسی صفت کے معنی میں ہیں ان کی مثال العلیم اور القادر اور الحی، اور السمیع، اور البصیر ہے۔

(۶) جن اسماء کا مطلب علم مع اضافت ہو ان کی مثال الخبیر الحکیم، اور الشہید، اور المحصی، ہے خبیر کی دلالت علم پر باطنی امور کے لحاظ سے ہے۔ اور شہید کی دلالت علم پر مشاہدات کے لحاظ سے ہے اور حکیم کی دلالت اشرف المعلومات کے لحاظ سے ہے محصی کی دلالت اس حیثیت سے ہے کہ وہ معلومات محصورہ ومعدودہ پر محیط ہے۔

(۷) جو اسماء قدرت مع اضافت کا مفہوم رکھتے ہیں ان کی مثال القہار اور القوی اور المقتدر، اور المتین ہیں کیونکہ قوت کمال قدرت ہے اور متانت شدت قدرت ہے اور قہر تاثیر قدرت ہے۔

(۸) جن اسماء کا مفہوم ارادہ مع اضافت یا مع فعل ہے ان کی مثال الرحمٰن اور الرحیم اور الرؤف اور الودود ہے کیونکہ رحمت کا مفہوم وہ ارادہ ہے جو کسی محتاج ضعیف کی حاجت روائی سے مضاف ہو رافت سے مراد شدت رحمت ہے اور یہ لفظ رحمت کا مفہوم مبالغہ کے ساتھ ادا کرتا ہے ود کے معنی وہ ارادہ جو احسان انعام سے مضاف ہو رحیم کا فعال محتاج کا متدعی ہے ودود کا فعال اس کا متدعی نہیں بلکہ وہ انعام بطریق ابتداء کا متدعی ہے اور یہ اس ارادہ کی طرف راجع ہوتا ہے جو انسان اور ضعیف کی قضائے حاجت سے مضاف ہے اور اس کی وجہ تم اوپر پڑھ آئے ہو۔

(۹) جو اسمائے صفات فعال کا مفہوم رکھتے ہیں ان کی مثال الخالق اور الباری اور المصور، اور الوہاب، اور الرزاق، اور الفتاح، اور، القابض، اور الباسط، اور الخافض، اور الرافع، اور المعز، اور المذل، اور العدل، اور المقیت، اور الممیت، اور المقدم، اور المؤخر، اور الوالی، اور البر، اور التواب، اور المنتقم، اور المقسط، اور الجامع، اور المانع، اور المغنی، اور الھادی وغیرہ۔

(۱۰) جو اسمائے فعل پر کسی زیادتی کے ساتھ دلالت کرتے ہیں ان کی مثال المجید اور

Marfat.com

الکریم ہے کیونکہ مجید وسعت اکرام پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ شرف ذات بھی کامل ہو یہی معنی کریم کے ہیں اور لطیف فعل کی نرمی پر دال ہے۔

پس یہ اور ان کے سوا باقی تمام اسماء جس قدر ہیں وہ ان دس قسموں سے خارج نہیں ہیں مذکورہ اسماء پر غیر مذکورہ اسماء کو بھی قیاس کر لو۔ کیونکہ اس سے اسماء کا غیر مترادف ہونا اور صفات محصورہ و مشہورہ میں منقسم ہونا بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے۔

فصل سوم

فلاسفہ معتزلین کے مذہب پر ان تمام صفات کے ایک ذات کی طرف رجوع کرنے کا بیان

اگرچہ یہ فصل اس کتاب کے لائق نہیں ہے لیکن بحکم التماس مجھے اس کو درج کتاب کرنا پڑا جو صاحب اس کو کتاب میں نہ رکھنا چاہیں ان کو اس کے نکال ڈالنے کا اختیار ہے کیونکہ وہ غیر ضروری ہے۔

واضح ہو کہ فلاسفہ معتزلین اگرچہ صفات سے منکر ہیں اور ذات واحد کے سوا کسی شے کے اثبات نہیں کرتے تاہم وہ افعال کثرت سلب اور کثرت اضافات کا انکار نہیں کرتے چنانچہ ہم جو ان اسماء کو ان اقسام میں ضبط کرتے ہیں تو وہ بھی اس میں معاون ہیں۔

ہفت صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، اور کلام ان کے نزدیک سب کی سب علم میں جمع ہو جاتی ہیں پھر علم ذات کی طرف راجع ہوتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ سمع سے ان کے نزدیک خدا کا وہ علم تام مراد ہے جو آوازوں سے تعلق رکھتا ہے اور بصر سے وہ علم جو رنگوں سے اور تمام اشیاء دیدنی سے متعلق ہے اور کلام معتزلہ کے نزدیک اس کے فعل کی طرف راجع ہے اور یہ وہ کلام ہے جو وہ جمادات میں سے کسی جسم کے اندر پیدا کر دیتا ہے اور فلاسفہ کے نزدیک اسماع (سنانہ) کی طرف راجع ہے۔

جس کو وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں پیدا کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک معجز کلام لوگوں کو سناتا ہے اور وہ کلام خدا سے منسوب ہوتا ہے جس کا مطلب یہ کہ وہ کلام اس نبی ﷺ کو

Marfat.com

انسانی فعل اور انسانی آواز کے ساتھ حاصل نہیں ہے حیات سے مراد اس کا علم بذاتہ ہے کیونکہ جس چیز کو اپنی ذات کا شعور حاصل ہو اس کو حی کہا جاتا ہے۔ اور جس کو اپنی ذات کا شعور نہ ہو اس کو حی نہیں کہہ سکتے۔

باقی رہے ارادہ اور قدرت ارادہ کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ خیر کی وجہ اور اس کے نظام کا علم رکھتا ہے پس اپنے علم کے موافق ایجاد کرتا ہے اور اس کو کسی چیز کا علم ہونا اس چیز کے وجود کا سبب ہوتا ہے اور جب اس کو کسی چیز میں وجہ معلوم ہوتی ہے تو اس کو حاصل کرتا ہے اور اس میں سے کسی قسم کی کراہیت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس پر راضی ہوتا ہے اور راضی کو بھی ارادہ کرنے والا بھی کہا کرتے ہیں پس اس لحاظ سے ارادہ کا مفہوم علم ہے جس کے ساتھ عدم کراہیت شامل ہو۔

قدرت کے یہ معنی ہیں کہ وہ جب چاہتا ہے کرتا ہے اور جب نہیں چاہتا نہیں کرتا اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس کا علم رکھتا ہے اور اس کی مشیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وجہ خیر کا علم ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جس کے وجود میں خیر جانتا ہے اس کے موجود کرتا ہے اور جس چیز کے موجود نہ ہونے میں خیر جانتا ہے اس کو موجود نہیں کرتا اور نظام خیر کا وجود صرف اس بات کا محتاج ہے کہ خدا کو اس کا علم ہو اور غیر موجود چیز اپنی غیر موجودگی میں صرف اس امر کی محتاج ہے کہ اس میں کسی خیر کے پائے جانے کا علم نہ ہو پس نظام معقول نظام موجود کا سبب ہے اور نظام موجود نظام معقول کے تابع ہے۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارا علم معلوم کے تحقق میں قدرت کا محتاج ہے کیونکہ ہمارا فعل ضرور کسی مؤثر آلہ کے ذریعہ سے ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوگا کہ وہ مؤثر آلہ صحیح وسالم اور پوری طاقت والا ہو مگر خدا کسی آلہ کے ذریعہ سے فعل نہیں کرتا بلکہ اس کا علم ہی معلوم کے وجود کے لئے مکتفی ہے پس قدرت بھی علم کی طرف راجع ہے۔

اس کے آگے فلاسفہ معترلین کا یہ عقیدہ ہے کہ علم بھی اس کی ذات کی طرف راجع ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کو بذاتہ جانتا ہے پس وہ خود ہی علم بھی ہے عالم بھی اور معلوم بھی۔ اور غیر کو بھی اپنی ہی ذات سے جانتا ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کو جانتا ہے جو کل موجودات کی مبدء ہے لہذا وہ تمام موجودات کو علی سبیل التبعیت اپنی ذات ہی سے جانتا ہے پس یہ امر اس کی ذات میں کثرت پائے جانے کا موجب نہیں ہے ان لوگوں کا زعم ہے کہ ذات واحد کے علم کی نسبت کثرت معلومات کے ساتھ ویسی ہی ہے جیسے کہ محاسب کے علم کی نسبت ہے جب کہ اس سے

Marfat.com

سوال کیا جائے ۲×۲ کتنے ہوئے اور ۲×۲×۲ کتنے اور ۲×۲×۲×۲ کتنے اسی طرح مثلاً دس درجہ تک سوال کیا جائے تو قبل اس کے کہ وہ اس سوال کا جواب دینے کے لئے عمل خوب کا سلسلہ پھیلائے اس کو یقین ہے کہ میں اس کے جواب کا علم رکھتا ہوں اور یقین ہی اس کے عمل کی پہلی کڑی ہے یہ یقین گویا سب سے پہلا ایک حسابی خط ہے جس کو حساب کی تمام تفاصیل بلکہ ان کے غیر متناہی سلسلے کے ساتھ بلا تفصیل خاص نسبت ہے اور جس طرح ۲×۲ کا سلسلہ تبدریج کثرت کی طرف چلا جاتا ہے اس طرح ان کے نزدیک موجودات میں بھی ترتیب ہے اور ان کے ابتداء میں کثرت نہیں ہے پھر تبدریج کثرت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور اس دعویٰ کی شرح اور اس کی تردید بڑا طول چاہتی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے کیونکہ وہ گویا مقصد کتاب سے خارج ہے اگر اس کا شوق ہی ہے تو ہم نے کتاب ''تہافتہ الفلاسفہ'' میں جو کچھ لکھا ہے اس سے تم کو بڑی مدد ملے گی۔

Marfat.com

تیسرا فن لواحق اور تمۃ جات میں

پہلی فصل

اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نام صرف ننانوے نہیں ہیں

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک صرف ننانوے کی تعداد میں محصور نہیں ہیں بلکہ ان کے سوا بھی اسماء آئے ہیں چنانچہ ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ان میں سے بعض اسماء کی بجائے ایسے اسماء مروی ہیں جو ان کے قریب قریب ہیں اور ایسے اسماء بھی ہیں جو ان سے قریب المعنی نہیں۔

پہلے اسماء کی مثال ''الاحد بجائے الواحدُ کے اور القاھر، کے بجائے القھار کے اور الشاکر، کے بجائے الشکور کے۔

دوسرے اسماء جو قریب المعنی نہیں ہیں ان کی مثال الھادی اور الکافی الدائم، اور البصیر اور المنور، اور المبین اور الجمیل، اور الصادق، اور المحیط، القریب، اور القدیم، اور الوتر، اور الفاطر اور العلام، اور الملک، اور الاکرم، اور المدبر، اور الرفیع، ذوالطول اور ذوالمعارج، اور ذوالفضل اور الخلاق +

قرآن مجید میں بھی ایسے اسماء ہیں جو روایات میں متفق علیہ نہیں ہیں جیسے المولیٰ اور النصیر، اور الغالب، اور القریب، اور الرب، اور الناصر، اور نہ اضافت اسماء بھی آئے ہیں جیسے شدید العقاب اور قابل التوب اور غافر الذنب مولج الیل فی النھار و مولج النھار فی الیل اور مخرج الحی من المیت و مخرج المیت من الحی۔۔

حدیث شریف میں ایک اسم السید بھی آیا ہے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یا سید تو آپ نے فرمایا سید اللہ تعالیٰ ہے غالباً آپ کا مقصود یہ ہوگا کہ روح بروح کرنے سے منع فرمائیں ورنہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے انا سید ولد آدم ولا فخر، یعنی میں بنی آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں۔

احادیث میں اسم الدیان بھی وارد ہوا ہے اسی طرح الحنان اور المنانُ بھی آئے ہیں

Marfat.com

اور بھی ایسے اسماء ہیں جو احادیث کی تلاش سے مل سکتے ہیں۔

اگر افعال سے اسماء کا اشتقاق جائز قرار دیا جائے تو ایسے افعال بہت سے ہیں جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سے منسوب ہیں جیسے یکشف السّوء وہ مصیبت دور کرتا ہے ویقذف بالحق، اور وہ حق کو ظاہر کرتا ہے، ویفصل بینھم، اور ان کے مابین فیصلہ کرتا ہے وقضینا الیٰ بنی اسرائیل "اور ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ میں فیصلہ کر دیا۔

پس ان افعال سے جو اسماء مشتق ہو سکتے ہیں وہ الکاشف اور القاذف بالحق اور الفاصل اور القاضی ہیں ایسے اسماء کا حصر و شمار نہیں یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا بیان آئے گا۔

الغرض یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اسمائے باری تعالیٰ صرف یہی ننانوے نہیں ہیں جن کی ہم نے شرح لکھی ہے بلکہ ہم نے شرح اسمائے باری تعالیٰ کے متعلق عام عادت کو ملحوظ رکھ کر ان پر اقتصار کیا ہے کیونکہ ایک مشہور روایت میں اسی قدر تعداد مروی ہے یہ شمار شدہ اسماء اور تفصیلات جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں صحیحین[1] میں نہیں ہے۔

صحیح حدیثوں میں آنحضرت ﷺ کا صرف یہ قول آیا ہے کہ "اللہ کے ننانوے نام ہیں جو شخص ان سب کو پڑھے وہ جنت میں جائیگا رہا ان اسماء کا بیان اور تفصیل سو ان میں مذکور نہیں۔

فقہاء اور علماء کا جن اسماء پر اتفاق ہوا ہے ان میں المرید اور المتکلم اور الموجود اور الشیء اور الذات، اور الازلی اور الابدی بھی شامل ہیں ان پر خدا کا اطلاق کرنا جائز ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ یوں نہ کہو کہ رمضان آیا کیونکہ رمضان اللہ کے اسما میں سے ایک اسم ہے ہاں یوں کہو کہ ماہ رمضان آیا"۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا آپ نے جو شخص کسی رنج یا غم میں مبتلا ہو اور پڑھے:۔

اللھم انی عبدک وابن عبدک
وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی
حکمک عدل فی قضاؤک اسئلک
بکل اسم سمیت بہ نفسک او انزلتہ

[1] صحیحین سے مراد حدیث کی وہ سب سے زیادہ معتبر اور صحیح کتابیں ہیں جن کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کہتے ہیں مترجم

Marfat.com

فی کتابک او علمته احداً من خلقک
او استأثرت به فی علم الغیب عندک
ان تجعل القرآن ربیع قلبی ونور
صدری وجلاء حزنی وذھاب ھمی

یعنی الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں میری پریشانی تیرے ہاتھ میں ہے تیرا حکم مجھ پر جاری ہے تیری قضا مجھ پر عادلانہ ہے میں تجھ سے اس ہر اسم کے ساتھ جس کو تو نے اپنا نام مقرر کیا ہے یا تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں جو تیرے نزدیک ہے اس کو پسند کیا ہے یہ سوال کرتا ہوں کہ قرآن کو میرے دل کی بہار میرے سینہ کا نور میرے غم کی جلا میری فکر کا دور کرنے والا کردے۔

تو اللہ اس کا غم و رنج دور کردیگا اور بجائے ان کے خوشی اور فراغ بالی عطا کریگا۔

''استأثرت به فی علم الغیب عندک'' کے الفاظ بتارہے ہیں کہ اسمائے باری صرف وہی نہیں جو مشہور روایت میں آئے ہیں۔

اب تمہارے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ پھر ننانویں کی تعداد میں اسمائے باری تعالیٰ کو محصور کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس نکتہ کا بیان کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ آئندہ فصل میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دوسری فصل

اسمائے باری تعالیٰ میں سے ننانویں کی تخصیص کا فائدہ

اس فصل میں چند غور فکر کی باتیں درج ہیں، جن کو ہم سوال و جواب کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

سوال: کیا اسمائے باری تعالیٰ ننانوے سے زائد ہیں یا نہیں؟ اگر زائد ہیں تو ننانویں

Marfat.com

کی تخصیص کا کیا مطلب ہے مثلاً جو شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہے تو اس کے حق میں یہ کہنا کب جائز ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس صرف ننانوے درہم ہیں گو ہزار میں ننانوے بھی آ جاتے ہیں لیکن ایک خاص تعداد کے ذکر سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ماسوا کی نفی کی گئی ہے اگر اسماء ننانوے سے زائد نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ اسئلک بکل اسم سمیت بہ نفسک اوانزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک اوستأثرت بہ علم الغیب عندك۔

اس سے تو صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ بعض اسماء خاص اسی کے علم میں ہیں اور اسی طرح بزرگان سلف کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو اسم اعظم معلوم ہے اور یہ امر انبیاء اور اولیاء کی طرف منسوب کیا جاتا تھا جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ اسم ننانوے اسماء سے خارج ہے؟

جواب قرین قیاس تو یہ بات ہے کہ مذکورہ احادیث و اخبار کی رو سے اسمائے باری ننانوے سے زائد ہیں، اور جس حدیث میں ان اسماء کا حصر مذکور ہے وہ ایک قضیہ پر نہیں بلکہ دو قضیوں پر شامل ہے اس کی مثال یہ کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ہزار نوکر ہیں اب کوئی شخص کہتا ہے کہ حضور اعلیٰ کے ننانوے نوکر ہیں جو شخص ان سے مدد حاصل کر لے دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہاں یہ تخصیص ان نوکروں کی مدد حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ ننانوے نوکر زیادہ طاقت ور ہیں اور یا اس لئے کہ ننانوے کی تعداد دفع اعدا کے لئے کافی ہے جس میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں یہ تخصیص اس لحاظ سے نہیں کہ صرف وہی نوکر موجود ہیں۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسماء اس تعداد سے زائد ہوں اور حدیث کے الفاظ دو قضیوں پر مشتمل ہوں۔

ایک قضیہ یہ کہ "اللہ کے ننانوے نام ہیں"

دوسرا قضیہ یہ کہ "جو کوئی ان سب کو یاد کریگا وہ جنت میں جائے گا" حتیٰ کہ اگر صرف ایک پہلے قضیہ پر بس کریں تو وہ مکمل کلام ہوگا بخلاف اس کے پہلی صورت میں صرف ایک پہلے قضیہ پر بس نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ دوسرا احتمال اس حصر کے ظاہری مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے جلد سمجھ میں آ جانے والا ہے لیکن دو وجہ سے بعید از قیاس ہے۔

ایک تو یہ کہ اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ بعض اسماء ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب میں اپنے لئے اختیار کیا ہے حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

Marfat.com

وہ یہ کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب کے سب اسماء کو یاد کرنے کی فضیلت صرف نبی یا کسی ولی کو حاصل ہوتی ہے جس کو اسم اعظم آتا ہوتا کہ اسماء کی تعداد پوری ہو سکے ورنہ اس کے بغیر تعداد ناقص رہے گی اور وصول جنت کے لئے سب کے سب اسماء یعنی ان کی مکمل تعداد شرط ہے پس حصر باطل ہے ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عام لوگوں کو سارے اسماء کے پڑھنے کی ترغیب دینے کے لئے یہ حصر بیان کیا ہے اور اسم اعظم کو عام لوگ نہیں جانتے۔

سوال: جب زیادہ قرین قیاس یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ننانویں سے زائد ہیں تو اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ اسماء مثلاً ہزار ہونگے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں سے ننانویں اسماء کے یاد کرنے سے آدمی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے تو یہ ننانوے خاص خاص اسماء ہیں یا جونسے ننانویں اسماء گن لیں وہی کافی ہو سکتے ہیں حتی کہ ان کو پڑھنے والا بھی بہشت میں داخل ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور حتی کہ اگر کوئی شخص **ابو ہریرہ**ؓ کی ایک روایت والے تمام اسماء کو پڑھے جو دوسری روایت میں آئے ہیں تو بھی بہشت کا مستحق ہو جاتا ہے جب کہ ہم دونوں روایتوں کے اسماء کو اسمائے باری تعالیٰ سمجھیں۔

جواب: بظاہر تو بات درست ہے کہ اس سے مراد ۹۹ معین اسماء ہیں۔ کیونکہ جب وہ متعین نہ ہونگے تو حصر و تخصیص کا فائدہ ظاہر ہوگا چنانچہ اگر کوئی کہے کہ بادشاہ کے ایک سو نوکر ایسے ہیں جو شخص ان کی مدد حاصل کرتا ہے دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ کہنا بھی درست ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کے بہت سے نوکر ہیں اور ان میں سے خاص نوکر ہوں، اور ان میں سے خاص نوکر جن کی تعداد ایک سو ہو قوت و شوکت میں ممتاز ہوں اور اگر تمام شاہی نوکروں میں سے خواہ کوئی نوکر ایک سو لے لیں اور ان سے یہ بات حاصل ہو سکتی تو کہنے والے کا مذکورہ قول اپنے طریق ادا کے لحاظ سے پورا نہیں اتریگا۔

سوال: صرف ۱۹۹ اسماء کی اس قضیہ سے کیا خصوصیت ہے باقی اسماء بھی تو خدا ہی کے ہیں؟

جواب: چونکہ اسماء معنوی جلالت کے لحاظ سے باہم متفاوت ہیں اس لئے ممکن ہے کہ فضیلت میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ۹۹ اس قسم کے جلالی معنوں پر مشتمل ہوں جن پر دوسرے اسماء نہ ہوں اس لئے وہ سب سے برتر ہوں۔

سوال: کیا اسم اعظم میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل نہیں تو پھر اسم کیونکر اسم اعظم کہلا سکتا ہے جو ان اسمائے عظمیٰ سے خارج ہے اور اگر داخل ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اسم

Marfat.com

اعظم صرف نبیوں اور ولیوں کو معلوم ہوتا ہے اور ۹۹ عام مشہور ہیں سنتے ہیں کہ آصف بن برخیاء بلقیس کے تخت کو لمحہ بھر میں لائے تھے تو وہ اسم اعظم جانتے تھے اور جو شخص اس کو جانتا ہے وہ بڑی بڑی کرامات رکھتا ہے۔

جواب: یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم اس تعداد سے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے خارج ہو، اور ان اسماء کی عظمت تمام مشہور و معروف اسماء کے مقابلہ میں ہو نہ کہ اسما کے مقابلہ میں جو انبیاء اولیاء کو معلوم ہیں اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم انہیں اسماء میں شامل ہو لیکن عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کونسا اسم ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا نبی ﷺ نے کہ اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

وَاِلٰهُكُم اله واحد لَآاِلٰهَ الا هو الرحمن الرحيم (پ۲، ع۳)

اور لوگو تمہارا معبود تو وہی خدائے واحد ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے۔

دوسری آیت یہ سورہ آل عمران کی شروع کی آیت ہے:۔

الٓمّٓ الله لا اله الا هو الحي القيوم ـ الم اللہ وہ ذات پاک ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا * پ ۳

اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو یوں دعا مانگتے سنا:۔

الهم انى اسئلك بانى اشهد ان لا اله الا انت الاحد الصمد الذى لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً احد"

خداوند میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس طرح کہ میں بالضرور اس امر کی گواہی دیتا ہوں تو اکیلا بے پرواہ ہے۔ جو نہ جنتا ہے۔ نہ جنا گیا ہے۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس شخص نے خدا سے اس کے اسم اعظم کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے یہ وہ اسم ہے جس کے واسطہ سے سوال کیا جائے تو وہ پورا کر دیتا ہے اور دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔

سوال: تمام اعداد میں سے صرف ۹۹ کی تخصیص کیوں ہے اور پھر اس کو بھی پورا کیوں نہ کر دیا گیا جس میں صرف ایک کی کسر ہے؟

جواب: اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ سکتے ہیں کہ معانی شریفہ اس حد تک پہنچ گئے نہ اس لئے کہ ان کی تعداد بس ہو گئی بلکہ وہ اس عدد کے موافق آ پڑے جیسے کہ صفات باری

Marfat.com

تعالیٰ اہل سنت کے نزدیک سات ہیں یعنی حیات علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، نہ اس لئے کہ وہ سات ہیں بلکہ ربوبیت ان کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔

دوسرا احتمال جو ذرا زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ اس کا سبب یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "مائة الا واحدو الله وتر یحب الوتر" یعنی ایک کم سو اور اللہ طاق ہے طاق ہی کو دوست رکھتا ہے۔

مگر اس احتمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسماً ارادہ اور اختیار سے رکھے گئے ہیں نہ اس حیثیت سے کہ صفات شرف صرف انہیں میں منحصر ہیں ہوگا نہ کہ بالارادہ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی صفات اس لئے سات ہیں کہ وہ طاق ہے اور طاق ہی کو دوست رکھتا ہے بلکہ یہ اس کی ذات والہیت کے تقاضے سے ہے۔ نہ کہ طاق ہونے کی وجہ سے اور اس میں عدد غیر متصور ہے بلکہ وہ کسی قصد کرنے والے کے قصد پر موقوف نہیں جو جفت کو چھوڑ کر طاق کا قصد کرے یہ بات اس احتمال کی تائید کر سکتی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے وہ صرف ۹۹ ہیں زیادہ نہیں اور اس نے ان کو سو اس لئے نہیں بنایا کہ وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے آئندہ ہم اس احتمال کی تائید کرنے والے امر کی طرف اشارہ کرینگے۔

سوال: یہ ۹۹ اسماء سب کے سب رسول اللہ ﷺ نے جمع کرانے کی غرض سے بیان کر دیے ہیں یا یہ کام اس شخص کے لئے چھوڑ دیا ہے جو قرآن وحدیث اور آثار سے ان کو جمع کر سکتا ہو؟

جواب: ظاہر بات جو مشہور تر بھی ہے یہ ہے کہ ان تمام اسماء کو رسول اللہ ﷺ نے جمع کرنے کی غرض سے بیان کر دیا ہے چنانچہ ان کو حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے کیونکہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے ان تمام کو پڑھنے کی ترغیب ثابت ہوتی ہے اور اگر ان تمام کو رسول اللہ ﷺ بطور جمع بیان نہ کر دیتے تو لوگوں کو ان کا معلوم کرنا مشکل تھا۔

مذکورہ دلیل سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے اور جمہور نے ان کی اس مشہور روایت کو تسلیم کیا ہے جس کے مطابق ہم نے اسماء کی یہ شرح لکھی ہے۔

امام احمد اور بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کے متعلق خوب بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اس روایت میں ضعف ہے۔

اور ابو عیسیٰ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سند میں اس کے متعلق ایسی روایت ظاہر کی

Marfat.com

ہے جس سے اس روایت کے ضعف کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں، محدثین نے اس کے متعلق تین خاص امور کا ذکر کیا ہے۔

(۱) اول تو یہ کہ ابو ہریرہؓ سے یہ روایت مضطرب ہے کیونکہ ان سے دو روایتیں مروی ہیں اور دونوں کے مابین ابدال و تعبیر میں بڑا فرق ہے۔

(۲) دوم اس روایت میں حنان اور منان اور رمضان وغیرہ ان اسماء الٰہیہ کا ذکر نہیں جو احادیث سے ثابت ہیں۔

(۳) سوم صحیح حدیث میں صرف تعداد کا ذکر ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا قبول صرف اتنا ہے کہ اللہ کے ننانویں نام ہیں جو شخص ان سب کو یاد کرتا ہے وہ جنت میں جائیگا۔

وہاں اسماء کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کا ذکر ایک دوسری غریب روایت میں ہے جس کے اسناد میں ضعف ہے اور اس عدد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ اسماء نہیں ہیں مگر ہم یہ احتمال دکھا چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں بعض اسماء چھوٹ گئے ہیں۔

جس روایت میں اسماء کا شمار درج ہے اگر ہم اس کا ضعیف قرار دیں تو تمام اعتراضات رفع ہو سکتے ہیں چنانچہ ہم کہیں گے کہ اسمائے باری تعالیٰ صرف ننانویں ہیں۔ جن کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مقرر فرمایا ہے ان کو پورے ۱۰۰ اس واسطے نہیں بنایا کہ وہ طاق ہیں اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے۔

ان اسماء میں حنان اور منان وغیرہ بھی داخل ہیں یہ تمام اسماء قرآن وحدیث میں غور وخوض کیے بدون معلوم نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں سے کچھ اسماء تو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور کچھ حدیث میں۔

میں نے بلاد مغرب کے ایک حافظ کے سوا اور کوئی عالم نہیں دیکھا جس نے ان اسماء کو جمع کرنے کی کوشش کی ہو اس شخص کا نام ابن حزم ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے اسی ۸۰ اسماء باری تعالیٰ معلوم ہوئے ہیں جو قرآن حدیث اور صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں باقی اسماء بھی حدیثوں میں اجتہادی غور وفکر کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں میرے خیال میں ان کو وہ حدیث نہیں پہنچی جس میں اسمائے باری تعالیٰ کا شمار درج ہے اور اگر پہنچی ہے تو اس کی اسناد کو ضعیف سمجھا ہو گا یا ان کو چھوڑ کر ان روایات کی طرف رجوع کیا ہو گا جو صحیح احادیث میں آئے ہیں پس جو شخص اس طریق سے ان اسماء کو جمع کر کے یاد کرے اس کو اس اجتہاد میں سخت تکلیف اٹھانی پڑے گی ایسا شخص فی الواقع جنت میں جانے کے لائق ہے بخلاف اس کے ان اسماء کو یکبارگی زبانی یاد کر لینا سہل ہے

Marfat.com

جو مشہور روایت میں آئے ہیں ہاں صحیح احادیث کے بعض الفاظ میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ من حفظها دخل الجنة ' جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائیگا، اور حفظ کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔

یہ وہ احتمالات ہیں جو اس حدیث کے متعلق سوجھے ہیں جن میں سے بعض باتیں ایسی ہیں جو پہلے کسی کو نہیں سوجھیں۔ اور وہ اجتہادی امور ہیں۔ جو ذوق سلیم کے ذریعہ معلوم کیے جاتے ہیں کیونکہ درجہ عقل سے بالاتر ہیں۔ واللہ اعلم

تیسری فصل

اس امر کا بیان کہ اسمائے باری تعالیٰ توقیف پر موقوف ہیں یا بطریق عقل جائز ہیں

قاضی ابو بکرؒ فرماتے ہیں کہ یہ بطریق عقل جائز ہے مگر ایسا نام جائز نہیں جس سے شرع نے منع کیا ہو یا اس کے معنی خدا کی نسبت محال ہوں اور جس نام میں کوئی مانع نہیں وہ جائز ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعریؒ کا یہ مذہب ہے یہ توقیف پر موقوف ہے پس خدا کے حق میں ایسے ہر اسم کا اطلاق جائز نہیں ہو سکتا جس کے معنی سے وہ موصوف ہے مگر جب کہ اس کی اجازت آئی ہو۔

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس کی تفصیل کی جائے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو لفظ اسم بن سکتا ہے وہ اذان شرع پر موقوف ہے اور جو وصف بن سکتا ہے وہ اذن پر موقوف نہیں بلکہ اگر صادق آتا ہے تو مباح ہے اگر کاذب (غیر صادق) ہے تو نہیں اس نکتہ کے سمجھنے کے لئے اسم اور وصف کا فرق معلوم کرنا ضروری ہے۔

واضح ہو کہ اسم وہ لفظ ہے جو مسمّی کی دلالت کے لئے موضوع ہو چنانچہ زید کا اسم

Marfat.com

...ید ہے اور وہ شخص فی نفسہ سفید اور لمبا بھی ہے اور کوئی شخص اس کو یوں پکارے کہ "ارے او ...سفید" "ارے او لمبے" تو گویا اس نے اس کو وصف کے ساتھ پکارا اور اس کو پکارنا درست تھا ...لیکن اس نے اسم کے ساتھ پکارنے سے پہلوتہی کی کیونکہ اس کا اسم زید تھا سفید اور لمبا نہیں تھا ...اور اس کا فی نفسہ سفید اور لمبا ہونا اس امر پر دال نہیں ہے کہ یہ اس کے اسم ہیں بلکہ ہم اپنے بیٹے ...کا نام جو قاسم اور جامع رکھ دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان اسماء کے معنوں سے ...موصوف ہے بلکہ ان اسماء کی دلالت گو معنوی ہی ہے ایسی ہے جیسے زید اور عیسیٰ کی دلالت ہے ...بلکہ جب ہم کسی کا نام عبدالملک رکھتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بادشاہ کا غلام ہے ...اور اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عبدالملک عیسیٰ اور زید کی طرح ایک مفرد اسم ہے اور جب اس کو ...وصف کے ذیل میں ذکر کریں تو وہ مرکب کہلائیگا یہی حال عبداللہ کے اسم کا ہے اس لئے اسم ...عبداللہ کی جمع عبادلہ آتی ہے نہ کہ عباداللہ۔

جب اسم کے معنی تم سمجھ چکے تو اب واضح ہو کہ ہر شے کا اسم وہ ہے جس کے ساتھ وہ ...خود اپنے آپ کو موسوم کرے یا اسے "ولی" یا "والدین" "مالک" موسوم کرے اور تسمیہ یعنی اسم ...مقرر کرنا مسمّیٰ کے حق میں تصرف ہے اور یہ تصرف ولایت کا مستدعی ہے اور انسان کی ولایت یا ...تو اپنے آپ پر ہوتی ہے یا اپنے غلام پر، یا اپنے بیٹے پر اس لئے انہیں کا نام رکھنے کا حق ہوسکتا ہے اور اسی لئے اگر ان کے سوا کسی اور شخص کا نام رکھ دیا جائے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور خفا ہوتا ہے جب ہم انسانوں کے نام رکھنے کا حق نہیں رکھتے تو اللہ کا نام رکھنے کا ہمیں کیا حق حاصل ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک شمار میں آئے ہوئے ہیں جن کو خود آنحضرت ﷺ نے شمار کیا ہے اور فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں، احمد، اور محمد، اور المقفی، اور الماحی، اور العاقب، اور نبی التوبۃ اور نبی الرحمۃ اور نبی الملحمہ ہمیں اختیار نہیں ہے کہ تسمیہ کے طور پر ان ناموں میں کوئی اضافہ کریں ہاں آپ کے وصف کا ذکر کرنے کے طور پر کوئی اسم بول سکتے ہیں پس یہ کہنا جائز ہے کہ آنحضرت ﷺ عالم ہیں مرشد ہیں رشید ہیں ھدی ہیں وغیرہ جیسے کہ ہم زید کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ سفید ہے لمبا ہے اور یہ بطور تسمیہ نہیں کہتے بلکہ اس کے اوصاف کی اطلاع دینے کی غرض سے کہتے ہیں۔

بالجملہ یہ ایک فقہ کا مسئلہ ہے کیونکہ وہ ایک لفظ کی اباحت یا حرمت کا سوال ہے ہم کہتے ہیں کہ خدا کا نام رکھنے کی ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کا نام رکھنا جائز ہے

Marfat.com

اور رسول بلکہ عام اشخاص کا نام رکھنا جائز ہوا تو خدا کا نام رکھنا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہیے یہ ایک فقہی قیاس ہے اور اس قسم کے قیاس پر بہت سے شرعی احکام مبنی ہیں۔

وصف کے مباح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک امر کی خبر ہے اور خبر صدق و کذب پر منقسم ہوتی ہے شرع نے اصولاً کذب کی حرمت کا حکم دیا ہے اور وہ باستثنائے خاص صورتوں کے حلال ہے اور جس طرح زید کے حق میں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ موجود ہے اس لئے کہ وہ فی الواقع موجود ہے۔

اسی طرح ہم اللہ کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں خواہ اس کے متعلق شرع کا حکم آیا ہو یا نہ آیا ہو اور ہم کہتے ہیں کہ وہ قدیم ہے گو ہم جانتے ہیں کہ شرع میں یہ نہیں آیا اور جس طرح ہم زید کے حق میں یہ نہیں کہتے کہ وہ لمبا اور سفید ہے تاکہ مبادا زید سن لے اور اس کو اظہار عجیب سمجھ کر رنجیدہ ہو جائے اس طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں ہم ایسا لفظ ہرگز نہیں بول سکتے جس میں کچھ شائبہ نقص کا پایا جاتا ہو ہاں جن لفظوں میں نقص کا شائبہ نہ ہو یا وہ مدح پر دال ہوں ان کا اطلاق کرنا مباح ہے اور یہ اسی دلیل سے مباح ہے جس سے ایسے صدق کا مباح ہونا ثابت کیا گیا ہے جو حرمت کے عوارض سے پاک ہو اس لیئے بعض الفاظ کا اطلاق ممنوع ہے، مگر جب ان کے ساتھ کوئی قرینہ شامل ہو جاتا ہے تو جائز ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ کے حق میں یہ کہنا جائز نہیں کہ یازارع (اے زراعت کرنے والے) یا حارث (اے عورت کے شکم میں بیج بونے والے) ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ عورت سے صحبت کرنے والا حارث نہیں حقیقی حارث خدا ہے تخم ریزی کرنے والا زارع نہیں حقیقی خدا زارع ہے۔

تیر انداز تیر نہیں مارتا بلکہ خدا مارتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں بھی یہ نازل ہوا ہے؟ ﴿وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی﴾ یعنی جب تم نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی تو خود تم نے نہیں پھینکی بلکہ خدا نے پھینکی تھی۔

اور ہم اللہ کے حق میں صرف یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ یامذلّ ہاں یوں کہینگے کہ یامعزیامذل کیونکہ جب یہ دونوں اسم جمع کیے جائیں گے تو وصف مدح بن جائینگے اس لئے کہ وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تمام امور کی دونوں طرفیں اس کے قبضہ میں ہیں۔

اس طرح دعا میں اللہ کو اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکار سکتے ہیں جیسے اس نے حکم دیا ہے اور جب اسماء سے آگے بڑھیں تو صرف جلال و مدح کی صفات سے اس کو پکاریں گے پس یوں نہیں کہہ سکتے کہ یا موجود یا محرک، یا مسکن، یا یوں کہیں گے کہ یامقیل العثرات، یا منزل

Marfat.com

البرکات، یا میسر کل عسیر جیسے ہم کسی انسان کو بلانا چاہیں تو یا تو اس کو اس کے نام سے پکاریں گے یا اس کی صفات مدح سے پکاریں گے مثلاً یا شریف یا فقیہ یوں نہ کہیں گے کہ ''ارے او لمبے'' ارے او سفید رنگ والے'' ہاں جب اس کی تحقیر منظور ہو تو ایسا کہہ سکتے ہیں اور جب ہم اس کی صفات کا ذکر کرنا چاہیں تو یوں کریں گے کہ وہ سفید رنگ والا اور سیاہ بالوں والا ہے'' اور اس کی ایسی صفت کا ذکر نہ کریں گے جس کو سنکر وہ ناپسند کرے اور وہ کسی ایسی ہی صفت کو ناپسند کرے گا جس میں نقص کے معنی پائے جائیں اور جب ہم سے پوچھا جائے کہ اشیاء کو حرکت دینے اور ساکن کرنے والا سیاہ وسفید بنانے والا کون ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی طرف افعال واوصاف کو منسوب کرنے کے لئے ہم کسی شرعی اذن کے منتظر نہ ہونگے بلکہ ہر صادق آ جانے والی صفت کے متعلق اذاوار ہو چکا ہے سوائے ان اوصاف کے جو کسی خاص وجہ سے مستثنٰی ہیں اللہ تعالیٰ موجود ہے موجد ہے مظہر ہے مخفی ہے مسعد ہے مشقی ہے مبقی ہے مغنی ہے اور ان سب کا اطلاق جائز ہے گو ان کے متعلق توقیف وارد نہیں ہوئی۔

سوال: تو پھر ہم خدا کو عارف، عاقل، فطن، (داتا) ذکی وغیرہ کیوں نہیں کہہ سکتے؟

جواب: ان اسماء اور جیسے دیگر اسماء کے اطلاق میں مانع صرف یہ ہے کہ ایہام پایا جاتا ہے اور جن اسماء میں ایہام پایا جاتا ہو ان کا اطلاق شرعی اذن کے بغیر جائز نہیں جیسے۔ الصبور الرحیم الحلیم، وغیرہ میں موجود ہے مگر ان کے متعلق اذان وارد ہو چکا ہے مگر مذکورہ اسماء کے متعلق اذن وارد نہیں ہوا یہاں ایہام یہ ہے کہ مثلاً عاقل سے مراد وہ شخص ہے جس کی سمجھ اس کو غلطی سے باز رکھتی ہو کیونکہ عقل کے معنی ہیں باز رکھنا چنانچہ کہا جاتا ہے عقلہ عقلہ یعنی اس کی عقل نے اس کو باز رکھا اور فطنت وذکاء سے مراد سرعت ادراک ہے جبکہ مدرک غائب ہو علیٰ ہٰذا القیاس باقی اسماء پس اس قسم کے اسماء کے اطلاق کا مانع صرف وہی ہے جو ہو چکا اگر کوئی لفظ تحقیق کو پہنچ جائے تو پھر دونوں مفہوموں میں کوئی ایہام واقع نہیں ہوتا اور نہ شرع اس کی مانع ہے اور ہم بھی اس کا اطلاق قطعاً جائز سمجھتے ہیں۔

واللہ اعلمُ بالصواب والیہ المرجع المآب

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں ایام فرخندہ فرجام کتاب مستطاب ہادی شیخ وشاب

از تصنیف زبدۃ العارفین پیشوائے سالکین حجۃ الاسلام امام عالی مقام

ابو حامد امام محمد الغزالی علیہ الرحمۃ

بوقت سعید باختتام رسید۔

Marfat.com

مشکوٰۃ الانوار

امام غزالیؒ

مترجمہ

(حافظ) حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

(فارغ درس نظامی، مولوی فاضل، منشی فاضل)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو انوار برسانے والا، نگاہیں کشادہ کرنے والا، اسرار ظاہر کرنے والا اور ہر حجابات دور کرنے والا ہے اور ان محمد رسول اللہ ﷺ جو کہ سراپا نور الانوار صفات حسنیٰ کے مالک زبردست اور غالب خدا کے پیارے اس خدا کی جانب سے خوشخبری سنانے والے جو سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا اور اس ذات سے ڈرانے والے جو سب سے بڑا قہار ہے پر درود نازل ہو جو کفار کو تہ و بالا اور فساق فجار کو ذلیل و خوار کرنے والے ہیں اور ان کی پسندیدہ آل و اصحاب پر بھی درود نازل ہو۔

اما بعد: اے مکرم بھائی خدا تعالیٰ تجھے طلب سعادت کی توفیق عطا فرمائے اور سعادت و نیک بختی کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے تیری رفتار تیز فرمائے تیری بینائی کو حقیقی نور سے سرنگین کرے اور تیرے دل کو ماسوا اللہ سے پاک کرے۔

تم نے مجھ سے جو سوال کیا ہے کہ میں تمہیں انوار ربانی کے وہ راز بتا دوں کہ جن کی صرف ظاہر آیات قرآنیہ اور احادیث مردیہ اشارہ کرتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض" یعنی (اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے) آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ نور خداوند کو شیشہ و چراغ اور زیتون کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدا کے نور و ظلمت کے ستر پردے ہیں اگر وہ انہیں کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس شخص کو جلا دیں جو ان انوار کو آنکھوں سے دیکھے۔

تم نے مجھے اپنے سوال سے اتنی سخت اور دشوار گزار گھاٹی پر چڑھایا ہے کہ جس کی بلندی کی جانب دیکھنے والوں کی نگاہیں بھی جھک جاتی ہیں تم نے اپنے سوال سے اس در کو کھولنے کی کوشش کی ہے کہ جسے فاضل علماء اور راسخین فی العلم کے علاوہ کوئی کھول نہیں سکتا نیز یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر راز کھولنے اور بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور ہر حقیقت نہ لوگوں

Marfat.com

کے سامنے کھولی جاسکتی ہے اور نہ بیان کی جاسکتی ہے صرف شرفاء کے قلوب ایسے ہیں جو رازوں کو مخفی رکھ سکتے ہیں۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ ربوبیت کے اسرار ظاہر کرنا کفر ہے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بعض اہل علم ایسے ہوتے ہیں جیسے مخفی خزانہ نہیں علمائے ربانی ہی جانتے ہیں ان کی بات کا وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو معرفت خداوندی سے بے بہرہ ہو اور جب ایسے ناواقفوں کی کثرت ہوجائے تو اس وقت ایسے شریروں سے اسرار کو مخفی رکھنا ضروری ہے لیکن۔

میرا خیال یہ ہے کہ تیرا سینہ نور سے معمور اور تیرا دل غرور اور ظلمات سے پاک ہے اس لئے میں صرف انوار کے پرتو کی جانب اشارہ کرکے سمجھاؤں گا، اور تمام قسم کے حقائق ودقائق رمزو کنایہ ہی میں ظاہر کروں گا کیونکہ اہل علم سے علم کو روکنا اتنا ہی بڑا ظلم ہے جتنا کہ نا اہل کے سامنے علم کے اسرار ظاہر کرنا۔ شاعر کا قول ہے

فمن منح الجهال علماً اضاعه

ومن منع المستوجبين فقدظلم

جس نے جہلاء کے سامنے علم ظاہر کیا

اور جس نے مستحقین سے علم روکا اس نے ظلم کیا

اب تم مختصر کنایات واشایات ہی پر اکتفا کرو کیونکہ اس کی تحقیق ایک اصول کی تمہید اور بہت سی فصول کی شرح کی متقاضی ہے جس کے لئے یہ وقت قطعاً ناکافی ہوگا اور نہ اس وقت اس جانب میرا ذہن متوجہ ہے کیونکہ دلوں کی چابیاں تو خدا کے ہاتھ میں ہے جب وہ چاہتا ہے اور جس کے ذریعہ چاہتا ہے انھیں کھول دیتا ہے۔ اس وقت میں صرف تین ابواب پر اکتفا کروں گا۔

باب اول

اقسام انوار

فی الواقع تو اصل نور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوسروں کی جانب جو اس کی نسبت کی جاتی ہے وہ محض مجازہ ہے ورنہ فی الواقع اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اول تم اس نور کے معنی سمجھو جو عوام کے نزدیک ہیں دوسرے معنی وہ ہیں جو خواص کے

Marfat.com

نزدیک ہیں اور تیسرے معنی وہ ہے جس کے اخص الخواص قائل ہیں اس کے بعد خواص جس نور کے قائل ہیں اس کے درجات وحقائق بھی ذہن نشین کر لو تا کہ درجات کے اظہار کے وقت ہم یہ وضاحت کر سکیں کہ بے شک اللہ تعالی ہی نور اعلی ہے اور اظہار حقائق کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیں کہ وہی سچا اور حقیقی نور ہے جس میں یکتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

نور عامی

عوام کے نزدیک نور کی حقیقت یہ ہے کہ نور ظہور کا اشارہ ہے اور ظہور بھی ایک نسبتی امر ہے کیونکہ ہر شئے اپنے غیر کے لئے ظاہر بھی ہوتی اور اس سے چھپتی بھی ہے اس لحاظ سے وہ نسبتاً ظاہر ہوتی اور نسبتاً باطن، اس کے ظہور کو ادراکات سے منسوب کرنا ضروری ہے اور عوام کے نزدیک تمام ادراکات میں سب سے زیادہ قوی حواس خمسہ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ قوی حاسہ بصر ہے۔

بلحاظ حسن اشیاء

بلحاظ حسن اشیاء کی تین قسمیں ہیں اول وہ اشیاء جو بالذات دیکھی نہ جا سکتی ہوں جیسے سیاہ جسم، ثانیاً وہ اشیاء جو بالذات تو دیکھی جا سکتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ اور کوئی شے نہیں دیکھی جا سکتی مثلاً روشن جسم، تارے، غیر روشن شدہ آگ، اور تیسری قسم کی وہ اشیاء ہیں جو خود بالذات دیکھی جا سکتی ہیں اور ان کے ذریعہ دیگر اشیاء کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً چاند، سورج، شعلہ زن آگ، اور چراغ وغیرہ نور اسی تیسری قسم کا نام ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان شعاعوں پر بھی ہوتا ہے جو روشن اجسام پر گزرتی ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زمین روشن ہو گئی یا جیسا کہ آفتاب کا نور زمین کو روشن کرتا یا چراغ کا نور در و دیوار کو روشن کرتا ہے ان سب کو نور کہا جاتا ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان اشیاء پر بھی ہوتا ہے جو فی نفسہ روشن ہیں خلاصہ یہ کہ نور سے مراد وہ شئے ہے جو خود بھی دیکھی جا سکے اور اس کے ذریعہ دوسری چیزوں کو بھی دیکھ سکیں جیسا کہ آفتاب نور کی یہ تعریف وضع اول کے لحاظ سے ہے۔

نکتہ: نور کی اصل ظہور وادراک ہے اور وجود نور کا ادراک دیکھنے والی آنکھ پر موقوف ہے۔ کیونکہ نور کا فعل ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا ہے۔ لیکن نابینا کے حق میں نہ کوئی نور ظاہر

Marfat.com

ہے اور نہ کسی شے کو ظاہر کرنے والا جس سے ثابت ہوا کہ دیکھنے والی روح روح ظاہری کے مساوی ہے۔ جو کہ نور کو معلوم کرنے کے لئے ایک لازمی رکن ہے۔ پھر روح باصرہ یعنی قوت اور حاسہ بصر کو اس طرح فوقیت حاصل ہے کہ اسی قوت کے ذریعہ نور کا ادراک کیا جاتا ہے اور یہی نور کو محسوس کرتی ہے ورنہ بالذات نہ تو نور دریافت کرنے والا ہے اور نہ اس کے باعث کسی شئے کا ادراک ہوتا ہے بلکہ وہ ادراکات کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اور نور کا نام نور رکھنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس نور کے دیکھنے والے کو نور کہا جائے اسی لئے محققین نے دیکھنے والی آنکھ کے نور پر نور کا نام نور رکھ دیا ہے۔

چمگادڑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھ کا نور ضعیف ہے۔ چوندے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی بینائی کا نور ضعیف ہے اندھے کے بارے میں بولا جاتا ہے کہ اس کا نور مفقود ہے سیاہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نور بصر کو جمع اور قوی کرتی ہے حکمت خداوندی نے اس لئے خاص طور پر پلکوں کو سیاہ بنایا اور اس سے نگاہ کو اسی لئے ڈھانپا تا کہ آنکھوں کی روشنی جمع رہے۔

سپیدی آنکھ کے نور کو پھاڑ دیتی ہے اور اس سے آنکھ کا نور ضعیف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تیز سپیدی اور آفتاب کے نور کی جانب دیکھنے سے آنکھ کا نور جاتا رہتا ہے (خواہ وہ عارضی طور پر ہو) کیونکہ قوی کے سامنے ضعیف ناپید ہو جاتا ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ روح باصرہ کو نور کہا جاتا ہے اس کا نام نور کیوں رکھا گیا اور اس نام کی وہ زیادہ مستحق کیوں ہے یہ دوسری وضع ہے جو خواص کی وضع ہے۔

حقیقت

یہ بھی جان لو کہ آنکھ کا نور کئی قسم کے نقصانات سے متصف ہے مثلاً وہ غیر کو دیکھتا ہے لیکن خود کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح وہ نہ اس شے کو دیکھ سکتا ہے جو اس سے زیادہ دور ہو اور نہ اس شے کو جو اس سے زیادہ قریب ہو۔ اور نہ اس شے کو جو پس پردہ ہو یعنی یہ نور صرف ظاہری اشیاء کے حصہ کو دیکھتا ہے۔ لیکن باطن کو دیکھنے میں یہ قادر نہیں موجودہ حالت میں سے بعض کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا اشیاء متناہیہ کو دیکھتا ہے لیکن غیر متناہی اشیاء کو نہیں دیکھ سکتا پھر دیکھنے میں اکثر غلطی بھی کھاتا ہے بڑی کی چھوٹی، بعید کو قریب، ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھتا ہے۔ یہ سات نقائص ہیں۔ جو نگاہ سے جدا نہیں کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی ان

Marfat.com

اور بھی ایسے اسماء ہیں جو احادیث کی تلاش سے مل سکتے ہیں۔

اگر افعال سے اسماء کا اشتقاق جائز قرار دیا جائے تو ایسے افعال بہت سے ہیں جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سے منسوب ہیں جیسے یکشف الشوء وہ مصیبت دور کرتا ہے ویقذف بالحق، اور وہ حق کو ظاہر کرتا ہے، ویفصل بینھم، اور ان کے مابین فیصلہ کرتا ہے وقضینا الیٰ بنی اسرائیل ''اور ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ میں فیصلہ کردیا۔

پس ان افعال سے جو اسماء مشتق ہو سکتے ہیں وہ الکاشف اور القاذف بالحق اور الفاصل اور القاضی ہیں ایسے اسماء کا حصر و شمار نہیں یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا بیان آئے گا۔

الغرض یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اسمائے باری تعالیٰ صرف یہی ننادوے نہیں ہیں جن کی ہم نے شرح لکھی ہے بلکہ ہم نے شرح اسمائے باری تعالیٰ کے متعلق عام عادت کو ملحوظ رکھ کر ان پر اقتصار کیا ہے کیونکہ ایک مشہور روایت میں اسی قدر تعداد مروی ہے یہ شمار شدہ اسماء اور تفصیلات جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں صحیحین[1] میں نہیں ہے۔

صحیح حدیثوں میں آنحضرت ﷺ کا صرف یہ قول آیا ہے کہ ''اللہ کے ننادوے نام ہیں'' جو شخص ان سب کو پڑھے وہ جنت میں جائیگا رہا ان اسماء کا بیان اور تفصیل سو ان، میں مذکور نہیں۔

فقہاء اور علماء کا جن اسماء پر اتفاق ہوا ہے ان میں المرید اور المتکلم اور الموجود اور الشیء اور الذات، اور الازلی اور الابدی بھی شامل ہیں ان پر خدا کا اطلاق کرنا جائز ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ یوں نہ کہو کہ رمضان آیا کیونکہ رمضان اللہ کے اسما میں سے ایک اسم ہے ہاں یوں کہو کہ ماہ رمضان آیا''۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا آپ نے جو شخص کسی رنج یا غم میں مبتلا ہو اور پڑھے:۔

الھم انی عبدک وابن عبدک
وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی
حکمک عدل فی قضاؤک اسئلک
بکل اسم سمیت بہ نفسک او انزلتہ

[1] صحیحین سے مراد حدیث کی وہ سب سے زیادہ معتبر اور صحیح کتابیں ہیں جن کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کہتے ہیں مترجم

Marfat.com

فی کتابک او علمته احداً من خلقک
او استأثرت به فی علم الغیب عندک
ان تجعل القرآن ربیع قلبی ونور
صدری وجلاء حزنی وذهاب همی

یعنی الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں میری پریشانی تیرے ہاتھ میں ہے تیرا حکم مجھ پر جاری ہے تیری قضا مجھ پر عادلانہ ہے میں تجھ سے اس ہر اسم کے ساتھ جس کو تو نے اپنا نام مقرر کیا ہے یا تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں جو تیرے نزدیک ہے اس کو پسند کیا ہے یہ سوال کرتا ہوں کہ قرآن کو میرے دل کی بہار میرے سینہ کا نور میرے غم کی جلا میری فکر کا دور کرنے والا کر دے۔

تو اللہ اس کا غم و رنج دور کر دیگا اور بجائے ان کے خوشی اور فراغ بالی عطا کریگا۔

''استأثرت به فی علم الغیب عندک'' کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اسمائے باری صرف وہی نہیں جو مشہور روایت میں آئے ہیں۔

اب تمہارے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ پھر ننانویں کی تعداد میں اسمائے باری تعالیٰ کو محصور کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس نکتہ کا بیان کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ آئندہ فصل میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دوسری فصل

اسمائے باری تعالیٰ میں سے ننانویں کی تخصیص کا فائدہ

اس فصل میں چند غور فکر کی باتیں درج ہیں، جن کو ہم سوال و جواب کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

سوال: کیا اسمائے باری تعالیٰ ننانوے سے زائد ہیں یا نہیں؟ اگر زائد ہیں تو ننانویں

Marfat.com

کی تخصیص کا کیا مطلب ہے مثلاً جو شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہے تو اس کے حق میں یہ کہنا کب جائز ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس صرف ننانوے درہم ہیں گو ہزار میں ننانویں بھی آ جاتے ہیں لیکن ایک خاص تعداد کے ذکر سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ماسوا کی نفی کی گئی ہے اگر اسماء ننانوے سے زائد نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ اسئلک بکل اسم سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او ستأثرت بہ علم الغیب عندک۔

اس سے تو صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ بعض اسماء خاص اسی کے علم میں ہیں اور اسی طرح بزرگان سلف کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو اسم اعظم معلوم ہے اور یہ امر انبیاء اور اولیاء کی طرف منسوب کیا جاتا تھا جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ اسم ننانویں اسماء سے خارج ہے؟

جواب :قرین قیاس تو یہ بات ہے کہ مذکورہ احادیث و اخبار کی رو سے اسمائے باری ننانوے سے زائد ہیں، اور جس حدیث میں ان اسماء کا حصر مذکور ہے وہ ایک قضیہ پر نہیں بلکہ دو قضیوں پر شامل ہے اس کی مثال یہ کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ہزار نوکر ہیں اب کوئی شخص کہتا ہے کہ حضور اعلیٰ کے ننانویں نوکر ہیں جو شخص ان سے مدد حاصل کر لے دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہاں یہ تخصیص ان نوکروں کی مدد حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ ننانویں نوکر زیادہ طاقت ور ہیں اور یا اس لئے کہ ننانویں کی تعداد دفع اعدا کے لئے کافی ہے جس میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں یہ تخصیص اس لحاظ سے نہیں کہ صرف وہی نوکر موجود ہیں۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسماء اس تعداد سے زائد ہوں اور حدیث کے الفاظ دو قضیوں پر مشتمل ہوں۔

ایک قضیہ یہ کہ "اللہ کے ننانویں نام ہیں"

دوسرا قضیہ یہ کہ "جو کوئی ان سب کو یاد کریگا وہ جنت میں جائے گا" حتیٰ کہ اگر صرف ایک پہلے قضیہ پر بس کریں تو وہ مکمل کلام ہوگا بخلاف اس کے پہلی صورت میں صرف ایک پہلے قضیہ پر بس نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ دوسرا احتمال اس حصر کے ظاہری مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے جلد سمجھ میں آ جانے والا ہے لیکن دو وجہ سے بعید از قیاس ہے۔

ایک تو یہ کہ اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ بعض اسماء ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب میں اپنے لئے اختیار کیا ہے حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

Marfat.com

وہ یہ کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب کے سب اسماء کو یاد کرنے کی فضیلت صرف نبی
کسی ولی کو حاصل ہوتی ہے جس کو اسم اعظم آتا ہوتا کہ اسماء کی تعداد پوری ہو سکے ورنہ اس کے
بغیر تعداد ناقص رہے گی اور وصول جنت کے لئے سب کے سب اسماء یعنی ان کی مکمل تعداد
و شرط ہے پس حصر باطل ہے ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عام لوگوں کو سارے اسماء کے
پڑھنے کی ترغیب دینے کے لئے یہ حصر بیان کیا ہے اور اسم اعظم کو عام لوگ نہیں جانتے۔

سوال: جب زیادہ قرین قیاس یہ امر ہے کہ اللہ تعالی کے اسماء ننانویں سے زائد ہیں
تو اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ اسماء مثلاً ہزار ہونگے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں سے
ننانویں اسماء کے یاد کرنے سے آدمی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے تو یہ ننانوے خاص خاص اسماء
ہیں یا جونسے ننانویں اسماء گن لیں وہی کافی ہو سکتے ہیں حتی کہ ان کو پڑھنے والا بھی بہشت میں
داخل ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور حتی کہ اگر کوئی شخص **ابو ہریرہؓ** کی ایک روایت والے تمام
اسماء کو پڑھے جو دوسری روایت میں آئے ہیں تو بھی بہشت کا مستحق ہو جاتا ہے جب کہ ہم
دونوں روایتوں کے اسماء کو اسمائے باری تعالی سمجھیں۔

جواب: بظاہر تو بات درست ہے کہ اس سے مراد ۹۹ معین اسماء ہیں۔ کیونکہ جب وہ
متعین نہ ہونگے تو حصر و تخصیص کا فائدہ ظاہر ہوگا چنانچہ اگر کوئی کہے کہ بادشاہ کے ایک سو نوکر
ایسے ہیں جو شخص ان کی مدد حاصل کرتا ہے دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ کہنا بھی درست ہو
سکتا ہے کہ بادشاہ کے بہت سے نوکر ہیں اور ان میں سے خاص نوکر ہوں، اور ان میں سے
خاص نوکر جن کی تعداد ایک سو ہو قوت و شوکت میں ممتاز ہوں اور اگر تمام شاہی نوکروں میں سے
خواہ کوئی نوکر ایک سو لے لیں اور ان سے یہ بات حاصل ہو سکتی تو کہنے والے کا مذکورہ قول اپنے
طریق ادا کے لحاظ سے پورا نہیں اتریگا۔

سوال: صرف ۱۹۹ اسماء کی اس قضیہ سے کیا خصوصیت ہے باقی اسماء بھی تو خدا ہی
کے ہیں؟

جواب: چونکہ اسماء معنوی جلالت کے لحاظ سے باہم متفاوت ہیں اس لئے ممکن
ہے کہ فضیلت میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ۱۹۹ اس قسم کے جلال
معنوں پر مشتمل ہوں جن پر دوسرے اسماء نہ ہوں اس لئے وہ سب سے برتر ہوں۔

سوال: کیا اسم اعظم میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل نہیں تو پھر اسم کیونکر اسم اعظم
کہلا سکتا ہے جو ان اسمائے عظمیٰ سے خارج ہے اور اگر داخل ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اسم

Marfat.com

اعظم صرف نبیوں اور ولیوں کو معلوم ہوتا ہے اور ۹۹ عام مشہور ہیں سنتے ہیں کہ آصف بن برخیاء بلقیس کے تخت کو لمحہ بھر میں لائے تھے تو وہ اسم اعظم جانتے تھے اور جو شخص اس کو جانتا ہے وہ بڑی بڑی کرامات رکھتا ہے۔

جواب: یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اسم اعظم اُس تعداد سے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے خارج ہو، اور ان اسماء کی عظمت تمام مشہور و معروف اسماء کے مقابلہ میں ہو نہ کہ اسماء کے مقابلہ میں جو انبیاء اولیاء کو معلوم ہیں اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ اسم اعظم انہیں اسماء میں شامل ہو لیکن عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کونسا اسم ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا نبی ﷺ نے کہ اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

وَالٰهكم اله وَّاحد لَآ اِلٰه الا هو الرحمٰن الرحيم (پ۲، ع۳)

اور لوگو تمہارا معبود تو وہی خدائے واحد ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے۔

دوسری آیت یہ سورہ آل عمران کی شروع کی آیت ہے:۔

الٓمّٓ اللّٰهُ لا الٰه الا هو الحى القيوم ۔ الم اللہ وہ ذات پاک ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا * پ۳

اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو یوں دعا مانگتے سنا:۔

الهم انى اسئلك بانى اشهد ان لا اله الا انت الاحد الصمد الذى لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً احد“

خداوند میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس طرح کہ میں بالضرور اس امر کی گواہی دیتا ہوں تو اکیلا بے پرواہ ہے۔ جو نہ جنتا ہے۔ نہ جنا گیا ہے۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس شخص نے خدا سے اس کے اسم اعظم کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے یہ وہ اسم ہے جس کے واسطہ سے سوال کیا جائے تو وہ پورا کر دیتا ہے اور دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔

سوال: تمام اعداد میں سے صرف ۹۹ کی تخصیص کیوں ہے اور پھر اس کو بھی پورا کیوں نہ کر دیا گیا جس میں صرف ایک کی کسر ہے؟

جواب: اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ سکتے ہیں کہ معانی شریفہ اس حد تک پہنچ گئے نہ اس لئے کہ ان کی تعداد بس ہوگئی بلکہ وہ اس عدد کے موافق آپڑے جیسے کہ صفات باری

Marfat.com

تعالیٰ اہل سنت کے نزدیک سات ہیں یعنی حیات علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، نہ اس لئے کہ وہ سات ہیں بلکہ ربوبیت ان کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔

دوسرا احتمال جو ذرا زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ اس کا سبب یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''مائة الا واحدو الله وتر يحب الوتر'' یعنی ایک کم سو اور اللہ طاق ہے طاق ہی کو دوست رکھتا ہے۔

مگر اس احتمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسمأ ارادہ اور اختیار سے رکھے گئے ہیں نہ اس حیثیت سے کہ صفات شرف صرف انہیں میں منحصر ہیں ہو گا نہ کہ بالارادہ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی صفات اس لئے سات ہیں کہ وہ طاق ہے اور طاق ہی کو دوست رکھتا ہے بلکہ یہ اس کی ذات والہیت کے تقاضے سے ہے۔ نہ کے طاق ہونے کی وجہ سے اور اس میں عدد غیر متصور ہے بلکہ وہ کسی قصد کرنے والے کے قصد پر موقوف نہیں جو جفت کو چھوڑ کر طاق کا قصد کرے یہ بات اس احتمال کی تائید کر سکتی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے وہ صرف ۹۹ ہیں زیادہ نہیں اور اس نے ان کو سو اس لئے نہیں بنایا کہ وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے آئندہ ہم اس احتمال کی تائید کرنے والے امر کی طرف اشارہ کریں گے۔

سوال: یہ ۱۹۹ اسماء سب کے سب رسول اللہ ﷺ نے جمع کرانے کی غرض سے بیان کر دیے ہیں یا یہ کام اس شخص کے لئے چھوڑ دیا ہے جو قرآن وحدیث اور آثار سے ان کو جمع کر سکتا ہو؟

جواب: ظاہر بات جو مشہور تر بھی ہے یہ ہے کہ ان تمام اسماء کو رسول اللہ ﷺ نے جمع کرنے کی غرض سے بیان کر دیا ہے چنانچہ ان کو حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے کیونکہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے ان تمام کو پڑھنے کی ترغیب ثابت ہوتی ہے اور اگر ان تمام کو رسول اللہ ﷺ بطور جمع بیان نہ کر دیتے تو لوگوں کو ان کا معلوم کرنا مشکل تھا۔

مذکورہ دلیل سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے اور جمہور نے ان کی اس مشہور روایت کو تسلیم کیا ہے جس کے مطابق ہم نے اسماء کی یہ شرح لکھی ہے۔

امام احمد اور بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کے متعلق خوب بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اس روایت میں ضعف ہے۔

اور ابو عیسیٰ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سند میں اس کے متعلق ایسی روایت ظاہر کی

Marfat.com

ہے جس سے اس روایت کے ضعف کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں، محدثین نے اس کے متعلق تین خاص امور کا ذکر کیا ہے۔

(۱) اول تو یہ کہ ابو ہریرہؓ سے یہ روایت مضطرب ہے کیونکہ ان سے دو روایتیں مروی ہیں اور دونوں کے مابین ابدال و تعبیر میں بڑا فرق ہے۔

(۲) دوم اس روایت میں حنان اور منان اور رمضان وغیرہ ان اسماء الٰہیہ کا ذکر نہیں جو احادیث سے ثابت ہیں۔

(۳) سوم صحیح حدیث میں صرف تعداد کا ذکر ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا قول صرف اتنا ہے کہ اللہ کے ننانویں نام ہیں جو شخص ان سب کو یاد کرتا ہے وہ جنت میں جائیگا۔

وہاں اسماء کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کا ذکر ایک دوسری غریب روایت میں ہے جس کے اسناد میں ضعف ہے اور اس عدد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ اسماء نہیں ہیں مگر ہم یہ احتمال دکھا چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روائیت میں بعض اسماء چھوٹ گئے ہیں۔

جس روایت میں اسماء کا شمار درج ہے اگر ہم اس کا ضعیف قرار دیں تو تمام اعتراضات رفع ہو سکتے ہیں چنانچہ ہم کہیں گے کہ اسمائے باری تعالیٰ صرف ننانویں ہیں۔ جن کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مقرر فرمایا ہے ان کو پورے ۱۰۰ اسو اس لیے نہیں بنایا کہ وہ طاق ہیں اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے۔

ان اسماء میں حنان اور منان وغیرہ بھی داخل ہین یہ تمام اسماء قرآن و حدیث میں غور و خوض کیے بدوں معلوم نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں سے کچھ اسماء تو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور کچھ حدیث میں۔

مین نے بلاد مغرب کے ایک حافظ کے سوا اور کوئی عالم نہین دیکھا جس نے ان اسماء کو جمع کرنے کی کوشش کی ہو اس شخص کا نام ابن حزم ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے اسی ۱۸۰ اسماء باری تعالیٰ معلوم ہوئے ہیں جو قرآن حدیث اور صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں باقی اسماء بھی حدیثوں میں اجتہادی غور فکر کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں میرے خیال میں ان کو وہ حدیث نہیں پہنچی جس میں اسمائے باری تعالیٰ کا شمار درج ہے اور اگر پہنچی ہے تو اس کی اسناد کو ضعیف سمجھا ہو گا یا ان کو چھوڑ کر ان روایات کی طرف رجوع کیا ہو گا جو صحیح احادیث میں آئے ہیں پس جو شخص اس طریق سے ان اسماء کو جمع کر کے یاد کرے اس کو اس اجتہاد میں سخت تکلیف اٹھانی پڑے گی ایسا شخص فی الواقع جنت مین جانے کے لائق ہے بخلاف اس کے ان اسماء کو یکبارگی زبانی یاد کر لینا سہل ہے

Marfat.com

جو مشہور روایت میں آئے ہیں ہاں صحیح احادیث کے بعض الفاظ میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ من حفظها دخل الجنة ' جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائیگا، اور حفظ کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔

یہ وہ احتمالات ہیں جو اس حدیث کے متعلق سوجھے ہیں جن میں سے بعض باتیں ایسی ہیں جو پہلے کسی کو نہیں سوجھیں۔ اور وہ اجتہادی امور ہیں۔ جو ذوق سلیم کے ذریعہ معلوم کیے جاتے ہیں کیونکہ درجہ عقل سے بالاتر ہیں۔ واللہ اعلم

تیسری فصل

اس امر کا بیان کہ اسمائے باری تعالیٰ توقیف پر موقوف ہیں یا بطریق عقل جائز ہیں

قاضی ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ یہ بطریق عقل جائز ہے مگر ایسا نام جائز نہیں جس سے شرع نے منع کیا ہو یا اس کے معنی خدا کی نسبت محال ہوں اور جس نام میں کوئی مانع نہیں وہ جائز ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعریؒ کا یہ مذہب ہے یہ توقیف پر موقوف ہے پس خدا کے حق میں ایسے ہر اسم کا اطلاق جائز نہیں ہو سکتا جس کے معنی سے وہ موصوف ہے مگر جب کہ اس کی اجازت آئی ہو۔

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس کی تفصیل کی جائے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو لفظ اسم بن سکتا ہے وہ اذان شرع پر موقوف ہے اور جو وصف بن سکتا ہے وہ اذن پر موقوف نہیں بلکہ اگر صادق آتا ہے تو مباح ہے اگر کاذب (غیر صادق) ہے تو نہیں اس نکتہ کے سمجھنے کے لئے اسم اور وصف کا فرق معلوم کرنا ضروری ہے۔

واضح ہو کہ اسم وہ لفظ ہے جو مسمی کی دلالت کے لئے موضوع ہو چنانچہ زید کا اسم

Marfat.com

زید ہے اور وہ شخص فی نفسہ سفید اور لمبا بھی ہے اور کوئی شخص اس کو یوں پکارے کہ "ارے او سفید" "ارے او لمبے" تو گویا اس نے اس کو وصف کے ساتھ پکارا اور اس کو پکارنا درست تھا لیکن اس نے اسم کے ساتھ پکارنے سے پہلوتہی کی کیونکہ اس کا اسم زید تھا سفید اور لمبا نہیں تھا اور اس کا فی نفسہ سفید اور لمبا ہونا اس امر پر دال نہیں ہے کہ یہ اس کے اسم ہیں بلکہ ہم اپنے بیٹے کا نام جو قاسم اور جامع رکھ دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان اسماء کے معنوں سے موصوف ہے بلکہ ان اسماء کی دلالت گو معنوی ہی ہے ایسی ہے جیسے زید اور عیسیٰ کی دلالت ہے بلکہ جب ہم کسی کا نام عبدالملک رکھتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بادشاہ کا غلام ہے اور اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عبدالملک عیسیٰ اور زید کی طرح ایک مفرد اسم ہے اور جب اس کو وصف کے ذیل میں ذکر کریں تو وہ مرکب کہلائیگا یہی حال عبداللہ کے اسم کا ہے اس لئے اسم عبداللہ کی جمع عبادلہ آتی ہے نہ کہ عباداللہ۔

جب اسم کے معنی تم سمجھ چکے تو اب واضح ہو کہ ہر شے کا اسم وہ ہے جس کے ساتھ وہ خود اپنے آپ کو موسوم کرے یا اسے "ولی" یا "والدین" "مالک" موسوم کرے اور تسمیہ یعنی اسم مقرر کرنا مسمیٰ کے حق میں تصرف ہے اور یہ تصرف ولایت کا مستدعی ہے اور انسان کی ولایت یا تو اپنے آپ پر ہوتی ہے یا اپنے غلام پر، یا اپنے بیٹے پر اس لئے انہیں کا نام رکھنے کا حق ہوسکتا ہے اور اسی لئے اگر ان کے سوا کسی اور شخص کا نام رکھ دیا جائے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور خفا ہوتا ہے جب ہم انسانوں کے نام رکھنے کا حق نہیں رکھتے تو اللہ کا نام رکھنے کا ہمیں کیا حق حاصل ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک شمار میں آئے ہوئے ہیں جن کو خود آنحضرت ﷺ نے شمار کیا ہے اور فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں، احمد، اور محمد، اور المقفی، اور الماحی، اور العاقب، اور نبی التوبۃ اور نبی الرحمۃ اور نبی الملحمہ ہمیں اختیار نہیں ہے کہ تسمیہ کے طور پر ان ناموں میں کوئی اضافہ کریں ہاں آپ کے وصف کا ذکر کرنے کے طور پر کوئی اسم بول سکتے ہیں پس یہ کہنا جائز ہے کہ آنحضرت ﷺ عالم ہیں مرشد ہیں رشید ہیں ھدیٰ ہیں وغیرہ جیسے کہ ہم زید کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ سفید ہے لمبا ہے اور یہ بطور تسمیہ نہیں کہتے بلکہ اس کے اوصاف کی اطلاع دینے کی غرض سے کہتے ہیں۔

بالجملہ یہ ایک فقہ کا مسئلہ ہے کیونکہ وہ ایک لفظ کی اباحت یا حرمت کا سوال ہے ہم کہتے ہیں کہ خدا کا نام رکھنے کی ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کا نام رکھنا جائز ہے

Marfat.com

اور رسول بلکہ عام اشخاص کا نام رکھنا جائز ہوا تو خدا کا نام رکھنا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہیے یہ ایک فقہی قیاس ہے اور اس قسم کے قیاس پر بہت سے شرعی احکام مبنی ہیں۔

وصف کے مباح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک امر کی خبر ہے اور خبر صدق و کذب پر منقسم ہوتی ہے شرع نے اصولاً کذب کی حرمت کا حکم دیا ہے اور وہ باستثنائے خاص صورتوں کے حلال ہے اور جس طرح زید کے حق میں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ موجود ہے اس لئے کہ وہ فی الواقع موجود ہے۔

اسی طرح ہم اللہ کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں خواہ اس کے متعلق شرع کا حکم آیا ہو یا نہ آیا ہو اور ہم کہتے ہیں کہ وہ قدیم ہے گو ہم جانتے ہیں کہ شرع میں یہ نہیں آیا اور جس طرح ہم زید کے حق میں یہ نہیں کہتے کہ وہ لمبا اور سفید ہے تاکہ مبادا زید سن لے اور اس کو اظہار عجیب سمجھ کر رنجیدہ ہو جائے اس طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں ہم ایسا لفظ ہرگز نہیں بول سکتے جس میں کچھ شائبہ نقص کا پایا جاتا ہو ہاں جن لفظوں میں نقص کا شائبہ نہ ہو یا وہ مدح پر دال ہوں ان کا اطلاق کرنا مباح ہے اور یہ اسی دلیل سے مباح ہے جس سے ایسے صدق کا مباح ہونا ثابت کیا گیا ہے جو حرمت کے عوارض سے پاک ہو اس لیئے بعض الفاظ کا اطلاق ممنوع ہے، مگر جب ان کے ساتھ کوئی قرینہ شامل ہو جاتا ہے تو جائز ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ کے حق میں یہ کہنا جائز نہیں کہ یازارع (اے زراعت کرنے والے) یا حارث (اے عورت کے شکم میں بیج بونے والے) ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ عورت سے صحبت کرنے والا حارث نہیں حقیقی حارث خدا ہے تخم ریزی کرنے والا زارع نہیں حقیقی خدا زارع ہے۔

تیرانداز تیر نہیں مارتا بلکہ خدا مارتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں بھی یہ نازل ہوا ہے؟ ﴿وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمیٰ﴾ یعنی جب تم نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی تو خود تم نے نہیں پھینکی بلکہ خدا نے پھینکی تھی۔

اور ہم اللہ کے حق میں صرف یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ یامذِلُّ ہاں یوں کہینگے کہ یامعز یامذل کیونکہ جب یہ دونوں اسم جمع کیے جائیں گے تو وصف مدح بن جائینگے اس لئے کہ وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تمام امور کی دونوں طرفیں اس کے قبضہ میں ہیں۔

اس طرح دعا میں اللہ کو اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکار سکتے ہیں جیسے اس نے حکم دیا ہے اور جب اسماء سے آگے بڑھیں تو صرف جلال و مدح کی صفات سے اس کو پکاریں گے پس یوں نہیں کہہ سکتے کہ یا موجود یا محرک، یاسکن، یا یوں کہیں گے کہ، یامقیل العثرات، یامنزل

Marfat.com

البرکات، یا میسر کل عسیر جیسے ہم کسی انسان کو بلانا چاہیں تو یا تو اس کو اس کے نام سے پکاریں گے یا اس کی صفات مدح سے پکاریں گے مثلاً یا شریف یا فقیہ یوں نہ کہیں گے کہ "ارے او لمبے" "ارے او سفید رنگ والے" ہاں جب اس کی تحقیر منظور ہو تو ایسا کہہ سکتے ہیں اور جب ہم اس کی صفات کا ذکر کرنا چاہیں تو یوں کریں گے کہ وہ سفید رنگ والا اور سیاہ بالوں والا ہے" اور اس کی ایسی صفت کا ذکر نہ کریں گے جس کو سنکر وہ ناپسند کرے اور وہ کسی ایسی ہی صفت کو ناپسند کرے گا جس میں نقص کے معنی پائے جائیں اور جب ہم سے یوچھا جائے کہ اشیاء کو حرکت دینے اور ساکن کرنے والا سیاہ و سفید بنانے والا کون ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالی ہے اور اس کی طرف افعال و اوصاف کو منسوب کرنے کے لئے ہم کسی شرعی اذن کے منتظر نہ ہونگے بلکہ ہر صادق آجانے والی صفت کے متعلق اذاوار ہو چکا ہے سوائے ان اوصاف کے جو کسی خاص وجہ سے مستثنیٰ ہیں اللہ تعالی موجود ہے موجد ہے مظہر ہے مخفی ہے مسعد ہے مشقی ہے منقی ہے مغنی ہے اور ان سب کا اطلاق جائز ہے گو ان کے متعلق توقیف وارد نہیں ہوئی۔

سوال: تو پھر ہم خدا کو عارف، عاقل، فطن، (داتا) ذکی وغیرہ کیوں نہیں کہہ سکتے؟

جواب: ان اسماء اور جیسے دیگر اسماء کے اطلاق میں مانع صرف یہ ہے کہ ایہام پایا جاتا ہے اور جن اسماء میں ایہام پایا جاتا ہو ان کا اطلاق شرعی اذن کے بغیر جائز نہیں جیسے۔ الصبور الرحیم الحلیم ،وغیرہ میں موجود ہے مگر ان کے متعلق اذان وارد ہو چکا ہے مگر مذکورہ اسماء کے متعلق اذن وارد نہیں ہوا یہاں ایہام یہ ہے کہ مثلاً عاقل سے مراد وہ شخص ہے جس کی سمجھ اس کو غلطی سے باز رکھتی ہو کیونکہ عقل کے معنی ہیں باز رکھنا چنانچہ کہا جاتا ہے عقلہ عقلہ یعنی اس کی عقل نے اس کو باز رکھا اور فطنت وذکاء سے مراد سرعت ادراک ہے جبکہ مدرک غائب ہو علی ہٰذا القیاس باقی اسماء پس اس قسم کے اسماء کے اطلاق کا مانع صرف وہی ہے ہو چکا اگر کوئی لفظ تحقیق کو پہنچ جائے تو پھر دونوں مفہوموں میں کوئی ایہام واقع نہیں ہوتا اور نہ شرع اس کی مانع ہے اور ہم بھی اس کا اطلاق قطعاً جائز سمجھتے ہیں۔

واللہ اعلمُ بالصواب والیہ المرجع المآب

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں ایام فرخندہ فرجام کتاب مستطاب ہادئے شیخ وشاب

از تصنیف زبدۃ العارفین پیشوائے سالکین حجۃ الاسلام امام عالی مقام

ابو حامد امام محمد الغزالی علیہ الرحمۃ

بوقت سعید باختتام رسید

Marfat.com

مشکوٰۃ الانوار

امام غزالیؒ

مترجمہ

(حافظ) حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

(فارغ درس نظامی، مولوی فاضل، منشی فاضل)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو انوار برسانے والا، نگاہیں کشادہ کرنے والا، اسرار ظاہر کرنے والا اور ہر حجابات دور کرنے والا ہے اور ان محمد رسول اللہ ﷺ جو کہ سراپا نور الانوار صفات حسنیٰ کے مالک زبردست اور غالب خدا کے پیارے اس خدا کی جانب سے خوشخبری سنانے والے جو سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا اور اس ذات سے ڈرانے والے جو سب سے بڑا قہار ہے پر درود نازل ہو جو کفار کو تہ وبالا اور فساق فجار کو ذلیل وخوار کرنے والے ہیں اور ان کی پسندیدہ آل واصحاب پر بھی درود نازل ہو۔

اما بعد:۔ اے مکرم بھائی خدا تعالیٰ تجھے طلب سعادت کی توفیق عطا فرمائے اور سعادت ونیک بختی کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے تیری رفتار تیز فرمائے تیری بینائی کو حقیقی نور سے سرگین کرے اور تیرے دل کو ماسوا اللہ سے پاک کرے۔

تم نے مجھ سے جو سوال کیا ہے کہ میں تمہیں انوار ربانی کے وہ راز بتادوں کہ جن کی صرف ظاہر آیات قرآنیہ اور احادیث مرویہ اشارہ کرتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ”اللہ نور السموٰت والارض “یعنی (اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا نور ہے) آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ نور خداوند کو شیشہ وچراغ اور زیتون کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدا کے نور وظلمت کے ستر پردے ہیں اگر وہ انھیں کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس شخص کو جلادیں جو ان انوار کو آنکھوں سے دیکھے۔

تم نے مجھے اپنے سوال سے اتنی سخت اور دشوار گذار گھاٹی پر چڑھایا ہے کہ جس کی بلندی کی جانب دیکھنے والوں کی نگاہیں بھی جھک جاتی ہیں تم نے اپنے سوال سے اس در کو کھولنے کی کوشش کی ہے کہ جسے فاضل علماء اور راسخین فی العلم کے علاوہ کوئی کھول نہیں سکتا نیز یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر راز کھولنے اور بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور ہر حقیقت نہ لوگوں

Marfat.com

کے سامنے کھولی جاسکتی ہے اور نہ بیان کی جاسکتی ہے صرف شرفاء کے قلوب ایسے ہیں جو رازوں کو مخفی رکھ سکتے ہیں۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ ربوبیت کے اسرار ظاہر کرنا کفر ہے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بعض اہل علم ایسے ہوتے ہیں جیسے مخفی خزانہ نہیں علمائے ربانی ہی جانتے ہیں ان کی بات کا وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو معرفت خداوندی سے بے بہرہ ہو اور جب ایسے ناواقفوں کی کثرت ہو جائے تو اس وقت ایسے شریروں سے اسرار کو مخفی رکھنا ضروری ہے لیکن۔

میرا خیال یہ ہے کہ تیرا سینہ نور سے معمور اور تیرا دل غرور اور ظلمات سے پاک ہے اس لئے میں صرف انوار کے پرتو کی جانب اشارہ کر کے سمجھاؤں گا، اور تمام قسم کے حقائق و دقائق رمز و کنایہ ہی میں ظاہر کروں گا کیونکہ اہل علم سے علم کو روکنا اتنا ہی بڑا ظلم ہے جتنا کہ نا اہل کے سامنے علم کے اسرار ظاہر کرنا۔ شاعر کا قول ہے

فمن منح الجهال علماً اضاعه
ومن منع المستوجبين فقد ظلم
جس نے جہلاء کے سامنے علم ظاہر کیا
اور جس نے مستحقین سے علم روکا اس نے ظلم کیا

اب تم مختصر کنایات و اشارات ہی پر اکتفا کرو کیونکہ اس کی تحقیق ایک اصول کی تمہید اور بہت سی فصول کی شرح کی متقاضی ہے جس کے لئے یہ وقت قطعاً ناکافی ہوگا اور نہ اس وقت اس جانب میرا ذہن متوجہ ہے کیونکہ دلوں کی چابیاں تو خدا کے ہاتھ میں ہے جب وہ چاہتا ہے اور جس کے ذریعہ چاہتا ہے انھیں کھول دیتا ہے۔ اس وقت میں صرف تین ابواب پر اکتفا کروں گا۔

باب اول

اقسام انوار

فی الواقع تو اصل نور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوسروں کی جانب جو اس کی نسبت کی جاتی ہے وہ محض مجازہ ہے ورنہ فی الواقع اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اول تم اس نور کے معنی سمجھو جو عوام کے نزدیک ہیں دوسرے معنی وہ ہیں جو خواص کے

Marfat.com

نزدیک ہیں اور تیسرے معنی وہ ہے جس کے اخص الخواص قائل ہیں اس کے بعد خواص جس نور کے قائل ہیں اس کے درجات وحقائق بھی ذہن نشین کرلو تاکہ درجات کے اظہار کے وقت ہم یہ وضاحت کرسکیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی نور اعلیٰ ہے اور اظہار حقائق کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیں کہ وہی سچا اور حقیقی نور ہے جس میں یکتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

نور عامی

عوام کے نزدیک نور کی حقیقت یہ ہے کہ نور ظہور کا اشارہ ہے اور ظہور بھی ایک نسبتی امر ہے کیونکہ ہر شئے اپنے غیر کے لئے ظاہر بھی ہوتی اور اس سے چھپتی بھی ہے اس لحاظ سے وہ نسبتاً ظاہر ہوتی اور نسبتاً باطن، اس کے ظہور کو ادراکات سے منسوب کرنا ضروری ہے اور عوام کے نزدیک تمام ادراکات میں سب سے زیادہ قوی حواس خمسہ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ قوی حاسہ بصر ہے۔

بلحاظ حسن اشیاء

بلحاظ حسن اشیاء کی تین قسمیں ہیں اول وہ اشیاء جو بالذات دیکھی نہ جاسکتی ہوں جیسے سیاہ جسم، ثانیاً وہ اشیاء جو بالذات تو دیکھی جاسکتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ اور کوئی شے نہیں دیکھی جاسکتی مثلاً روشن جسم، تارے، غیر روشن شدہ آگ، اور تیسری قسم کی وہ اشیاء ہیں جو خود بالذات دیکھی جاسکتی ہیں اور ان کے ذریعہ دیگر اشیاء کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً چاند، سورج، شعلہ زن آگ، اور چراغ وغیرہ نور اسی تیسری قسم کا نام ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان شعاعوں پر بھی ہوتا ہے جو روشن اجسام پر گزرتی ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زمین روشن ہوگئی یا جیسا کہ آفتاب کا نور زمین کو روشن کرتا یا چراغ کا نور در و دیوار کو روشن کرتا ہے ان سب کو نور کہا جاتا ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان اشیاء پر بھی ہوتا ہے جو فی نفسہ روشن ہیں خلاصہ یہ کہ نور سے مراد وہ شئے ہے جو خود بھی دیکھی جاسکے اور اس کے ذریعہ دوسری چیزوں کو بھی دیکھ سکیں جیسا کہ آفتاب نور کی یہ تعریف وضع اول کے لحاظ سے ہے۔

نکتہ نور کی اصل ظہور و ادراک ہے اور وجود نور کا ادراک دیکھنے والی آنکھ پر موقوف ہے۔ کیونکہ نور کا فعل ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا ہے۔ لیکن نابینا کے حق میں نہ کوئی نور ظاہر

Marfat.com

ہے اور نہ کسی شے کو ظاہر کرنے والا جس سے ثابت ہوا کہ دیکھنے والی روح روح ظاہری کے مساوی ہے۔ جو کہ نور کو معلوم کرنے کے لئے ایک لازمی رکن ہے۔ پھر روح باصرہ یعنی قوت اور حاسہ بصر کو اس طرح فوقیت حاصل ہے کہ اسی قوت کے ذریعہ نور کا ادراک کیا جاتا ہے اور یہی نور کو محسوس کرتی ہے ورنہ بالذات نہ تو نور دریافت کرنے والا ہے اور نہ اس کے باعث کسی شئے کا ادراک ہوتا ہے بلکہ وہ ادراکات کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اور نور کا نام نور رکھنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس نور کے دیکھنے والے کو نور کہا جائے اسی لئے محققین نے دیکھنے والی آنکھ کے نور پر نور کا نام نور رکھ دیا ہے۔

چمگادڑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھ کا نور ضعیف ہے۔ چوندے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی بینائی کا نور ضعیف ہے اندھے کے بارے میں بولا جاتا ہے کہ اس کا نور مفقود ہے سیاہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نور بصر کو جمع اور قوی کرتی ہے حکمت خداوندی نے اس لئے خاص طور پر پلکوں کو سیاہ بنایا اور اس سے نگاہ کو اسی لئے ڈھانپا تاکہ آنکھوں کی روشنی جمع رہے۔

سپیدی آنکھ کے نور کو پھاڑ دیتی ہے اور اس سے آنکھ کا نور ضعیف ہو جاتا ہے حتی کہ تیز سپیدی اور آفتاب کے نور کی جانب دیکھنے سے آنکھ کا نور جاتا رہتا ہے (خواہ وہ عارضی طور پر ہو) کیونکہ قوی کے سامنے ضعیف ناپید ہو جاتا ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ روح باصرہ کو نور کہا جاتا ہے اس کا نام نور کیوں رکھا گیا اور اس نام کی وہ زیادہ مستحق کیوں ہے یہ دوسری وضع ہے جو خواص کی وضع ہے۔

حقیقت

یہ بھی جان لو کہ آنکھ کا نور کئی قسم کے نقصانات سے متصف ہے مثلاً وہ غیر کو دیکھتا ہے لیکن خود کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح وہ نہ اس شئے کو دیکھ سکتا ہے جو اس سے زیادہ دور ہو اور نہ اس شئے کو جو اس سے زیادہ قریب ہو۔ اور نہ اس شئے کو جو پس پردہ ہو یعنی یہ نور صرف ظاہری اشیاء کے حصہ کو دیکھتا ہے۔ لیکن باطن کو دیکھنے میں یہ قادر نہیں موجودہ حالت میں سے بعض کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا اشیاء متناہیہ کو دیکھتا ہے لیکن غیر متناہی اشیاء کو نہیں دیکھ سکتا پھر دیکھنے میں اکثر غلطی بھی کھاتا ہے بڑی کی چھوٹی، بعید کو قریب، ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھتا ہے۔ یہ سات نقائص ہیں۔ جو نگاہ سے جدا نہیں کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی ان

Marfat.com

تمام عیوب سے پاک ہے تو وہی اسم نور کے زیادہ لائق ہے۔

اب معلوم ہوا کہ انسان کے دل میں ایک آنکھ ہے جس میں ایک کمال صفت ہے اور وہی آنکھ ہے جسے عقل و روح اور نفس سے تعبیر کرتے ہیں لیکن تمام تاویلات کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ جب تاویلات بڑھ جاتی ہیں تو ضعیف العقل اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ان کے معنی بہت ہیں۔

اس لئے ہم وہی معنی مراد لیتے ہیں جس سے عاقل مرد، شیر خوار بچے، دیوانہ اور چوپائے سے ممتاز ہو جائے۔ اور جسے جمہوری اصطلاح میں عقل کہا جاتا ہے اور اسی لئے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ عقل کا نام نور رکھنا ظاہری آنکھ کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ ساتوں نقائص سے پاک ہے۔

فرق مراتب

آنکھ خود کو نہیں دیکھ سکتی لیکن عقل جیسے دوسروں کو دیکھتی ہے خود کو بھی دیکھ سکتی ہے اپنی صفات بھی معلوم کر لیتی ہے کیونکہ خود کو عالم و قادر سمجھتی ہے اپنے نفس کے علم کو بھی جانتی ہے اور علم کے علم کو بھی جانتی ہے الی غیر النہایہ۔ اور یہ خاصیت ان میں موجود نہیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے اسکے سوا اور بھی اسرار ہیں جن کی شرح طویل ہے۔ ۲ جو حد سے زیادہ قریب ہو یا حد سے زیادہ بعید نگاہ اسے معلوم کرنے سے قاصر ہے لیکن عقل کے نزدیک قریب و بعید یکساں ہیں اور ایک ہی لحہ مین تمام آسمانون کی سیر کرتی اور ایک دم میں زمین کی تہ تک پہنچ جاتی ہے بلکہ الواقع اجسام میں جو قرب و بعد ہے وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ کیونکہ وہ خدا کے سمندروں کا ایک نشان اور نمونہ ہے اور نمونہ اپنے اصل کے مشابہ ہوتا ہے اگر اس کے مساوی نہ ہو اس حدیث کا راز عیاں ہوتا ہے۔ "ان اللّٰہ خلق ادم علیٰ صورتہ" (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے) ہماری اس تقریر پر مزید غور فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔

نوٹ: حدیث مذکور میں علماء نے صورت سے صفات مراد لی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ صورت سے منزہ ہے نیز یہ بھی غور طلب ہے کہ صورتہ کی ضمیر کس جانب راجع ہے اللہ کی جانب یا آدم کی جانب اور یہ قاعدہ کہ اسم ضمیر قریب کے جانب راجع ہوتا ہے اور قریب آدم واقع ہے نہ کہ اللہ تو اس صورت میں حدیث مذکور کے معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو انھیں کی صورت پر پیدا کیا ہے۔ یعنی وہ اپنی صورت میں یکتا ہے اور کوئی دوسری مخلوق بلحاظ صورت انسان کے

Marfat.com

مشابہ نہیں۔ نمبر ۳۔ آنکھ پس پردہ چیز کو نہیں دیکھ سکتی اور عقل آسمان کے پردوں کرسی ملاء اعلیٰ اور ملکوت میں اس طرح تصرف کرتی ہے جیسے وہ اپنے خاص اور اپنے قریب میں یعنی جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں بلکہ کوئی حقیقت بھی عقل سے پردہ میں نہیں رہتی۔ ہاں عقل کا حجاب اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی صفت مقارنہ کے باعث خود سے پردہ میں ہو جائے۔ اور اس صفت مقارنہ سے عقل کا حجاب اس قسم کا ہوتا ہے جیسا کہ پلکوں کو بند کر دیا جائے۔ اس کی تفصیل ہم انشاء اللہ تیسرے باب میں بیان کریں گے۔ ۴۔ آنکھ اشیاء کے ظاہری اور بالائی حصہ کو معلوم کر سکتی ہے لیکن اندرونی حصہ کو معلوم نہیں کر سکتی۔ جسم کا قالب اور صورت تو معلوم کرتی ہے لیکن اس کے حقائق معلوم کرنے سے قاصر ہے عقل اشیاء کا اندرونی حصہ اور اس کے حقائق و کیفیات معلوم کرتی ہے اس کے اسباب و علل معلوم کرتی اور اس پر حکم لگاتی ہے اور یہ معلوم کرتی ہے کہ یہ شئے کس چیز سے پیدا ہوئی اور کیونکر پیدا ہوئی کتنی اشیاء سے مرکب ہے اس کا وجود میں کیا مرتبہ ہے اور دیگر مخلوقات کی جانب اس کی کیا نسبت ہے اسی طرح لاتعداد مباحث کو جانتی ہے جن کی شرح طویل ہے۔ ان کا اختصار ہی بہتر ہے۔ ۵۔ آنکھ بعض موجودات کو دیکھتی ہے لیکن تمام معقولات و محسوسات کی دریافت سے قاصر ہے۔ وہ آواز، خوشبو، ذائقہ، حرارت و برودت اور قوائے مدرکہ یعنی سونگھنے چکھنے اور سننے کی قوتوں کو نہیں جانتی بلکہ صفات باطنہ جیسے فرح و سرور رنج وغم، درد و لذت عشق و شہوت، قدرت و ارادہ اور علم و جہل وغیرہ بے شمار موجودات ان کے احاطہ علم سے باہر ہیں آنکھوں کی معلومات کا بیان نہایت محدود ہے اس میں رنگوں اور شکلوں کے جہاں کا گزر نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں عالم موجودات میں از حد خسیس ہیں۔ اور اغراض اقسام میں سب سے زیادہ خسیس رنگ و شکل ہے لیکن یہ تمام موجودات عقل کی جولان گاہ ہیں کیونکہ وہ ان موجودات کو بھی معلوم کر لیتی ہے جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ تعداد میں مذکورہ موجودات سے بہت زیادہ ہیں وہ ان تمام موجودات میں تصرف کرتی ہیں اور ان سب پر یقین اور سچا حکم لگاتی ہے اسرار باطنہ اور مخفی معنی ان کے نزدیک ظاہر ہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ آنکھ عقل کے مساوی نہیں ہو سکتی جو اس پر نور کا اطلاق کیا جاسکے وہ غیر کی نسبت سے نور ہے لیکن عقل کی نسبت سے ظلمات ہے بلکہ آنکھ عقل کے مخبروں میں سے ایک مخبر ہے اور یہ سب ان کے خزانوں میں سے ایک معمولی سا خزانہ ہے اور رنگ وصورت کا خزانہ ہے تاکہ عقل کے حضور میں ان کی خبریں پہنچائے اور پھر عقل ان میں جو چاہے حکم لگائے اس کے سوا اور بھی حواس عقل کے مخبر ہیں یعنی خیال، وہم، فکر، ذکر اور حفظ، اور

Marfat.com

ان کے علاوہ جتنے مدرکات ہیں وہ عقل کے خادم ہیں اور اس عالم موجودہ میں اس کے مقید ہیں وہ انھیں اس طرح اپنے قابو میں رکھتی ہے جیسے بادشاہ اپنے غلاموں کو مقید کرتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کی شرح بھی طویل ہے ہم نے اس کی تفصیل احیاء العلوم کی کتاب عجائب القلب میں کی ہے۔

۶۔ آنکھ غیر متناہی شے کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ وہ معلومہ اجسام کی صفات دیکھتی ہے اور اجسام متناہیہ ہی متصور ہو سکتے ہیں لیکن عقل معقولات کو معلوم کرتی ہے اور معقولات لامتناہی ہیں لیکن جب وہ علوم متحصلہ کا لحاظ کرتی ہے تو اس سے جو علم حاضر حاصل ہوتا ہے وہ متناہی ہوتا ہے لیکن اس کی قوت میں غیر متناہی کا ادراک موجود ہے غیر متناہی سے مراد وہ شئے ہے جسے عقل انسانی غیر متناہی تصور کرے ورنہ شرعاً خدا کے علاوہ کوئی شئے غیر متناہی نہیں یہ دوسری بات ہے کہ عقل اس کے انتہاء کو معلوم نہ کر سکے اور یہ خود عقل کے نقصان کو دلیل ہے مثلاً علم حساب کو دیکھو کہ وہ اعداد معلوم کرتا ہے لیکن ان کی کوئی انتہاء نہیں (نہایت نہ ہونا اور شئے ہے اور اس کا علم نہ ہونا اور شئے ہے اگر انتہاء نہ ہو تو تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے بلکہ دو تین اور باقی اعداد کے المضاعف کو معلوم کر لیتی ہے جن کی نہایت متصور نہیں اعداد انسان کے وضع کردہ ہیں اور جب وہ خود لامتناہی نہیں تو اس کی وضع کردہ شئے کیسے لامتناہی ہو سکتی ہے عقل اپنی کس شئے کے علم کو بھی معلوم کرتی ہے اور اس امر کو بھی کہ اس کا علم کسی شے کا علم رکھتا ہے علی ھذا اس کے علم کے علم کو بھی جانتی ہے اور اس منزل پر پہنچ کر اس کی قوت کسی انتہاء پر نہیں ٹھہرتی (فلاسفر اس کے قائل ہیں کہ ہر شے کی ایک نہ ایک انتہاء ہے اور اگر اس کی انتہاء نہ ہو تو عقلی انتہاء ضرور ہے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ ایک مسلمہ ہے کہ ہر شے کی انتہا ہے۔

(۷) آنکھ بڑی چیز کو چھوٹا محسوس کرتی ہے جیسا کہ آفتاب کو ڈھال کے برابر اور فرش نیلگوں پر بکھرے ستاروں کو دینار کے برابر لیکن عقل جانتی ہے کہ ستارے اور آفتاب زمین سے کئی حصے بڑے ہیں آنکھ تاروں کو بلکہ اپنے سامنے سایہ کو بھی ساکن دیکھتی ہے کیونکہ اپنی مقدار میں ساکن دیکھتی ہے لیکن عقل جانتی ہے کہ بچہ پڑھنے میں حرکت کرتا اور بڑھتا رہتا ہے سایہ حرکت کرتا ہے تارے ایک لحظ میں بہت سے میل طے کر جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا سورج ڈھل گیا ہے انھوں نے کہا نہیں اور ہاں آپ نے فرمایا کہ اس جواب کا کیا مقصد ہے جبرئیل نے کہا کہ میرے ہاں اور نہیں کہنے تک سورج پانچ سو سال کا راستہ طے کر گیا آنکھ کی غلطیوں کی بہت

Marfat.com

سی قسمیں ہیں اور عقل اس سے پاک ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ہم بہت سے عقلاء کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی رائے میں غلطی کرتے ہیں تو سمجھ لو کہ ان کے خیالات وہم بھی اعتقادات کا حکم لگاتے ہیں اور وہ گمان کر لیتے ہیں کہ ان کے یہ احکام عقل کے احکام ہیں حالانکہ دراصل یہ ان کے خیالات کی غلطی ہے ہم نے اس کی شرح معیار العلم اور محک النظر میں کی ہے اور عقل جبکہ وہم وخیال سے مجرد ہو تو اس میں غلطی متصور نہیں ہو سکتی بلکہ وہ تمام اشیاء کو اصلی حالت پر دیکھتی ہے لیکن ان کا تنہا ہونا دشوار ہے ہاں موت کے بعد ان جھگڑوں سے پاک ہوگی اس وقت پردہ کھل جائے گا اور تمام اصرار ظاہر ہو جائیں گے (گویا جب تک عقل مجرد وجود میں نہ آئے اس وقت تک کسی پر اسرار کا ظہور بھی نہیں آ سکتا) اور ہر شخص اپنی اچھائی اور برائی کو جسے وہ آگے پہنچا چکا ہوگا موجود دیکھے گا اپنا اعمال نامہ بھی دیکھے گا "لایغادر صغیرۃً ولا کبیرۃً الا احصھا (نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آ گئی اس حال میں اس سے کہا جائے گا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید. ہ (آج ہم نے تجھ سے تیرا پردہ اٹھالیا ہے آج تیری آنکھ تیز ہے) اور وہ خیالات وتوہمات ہی کے پردے ہیں اس وقت جو اپنے توہمات فاسد اعتقادات اور باطل تخیلات میں مغرور رہ چکا ہوگا کہے گا اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمیں پھر دنیا میں لوٹا دیجیے کہ اچھے عمل کریں اب ہمیں یقین آ گیا ہے۔

عقل کی روایت یکساں نہیں

یہ بھی ذہن نشیں کر لو کہ اگرچہ عقل دیکھنے والی ہے لیکن وہ تمام اشیاء جنہیں وہ دیکھتی ہے یکساں نہیں بلکہ بعض تو اس کے نزدیک گویا حاضر ہیں جیسے علوم ضروریہ مثلاً اس کا یہ علم ایک شئے قدیم اور حادث نہیں ہو سکتی کوئی شئے معدوم موجود نہیں ہو سکتی اور ایک بات سچی اور جھوٹی نہیں ہو سکتی اور جب بھی کسی شئے کے لئے حکم ثابت ہوگا تو اس کے لیے بھی لازماً ثابت ہوگا اور جہاں خاص پایا جائیگا وہاں عام ضرور پایا جائے گا جب بھی سیاہی پائی جائے گی تو رنگ ضرور پایا جائے گا جب بھی انسان کا وجود ہوگا تو حیوان کا وجود ضرور ہوگا لیکن اس کا عکس ضروری نہیں اس لئے ضروری نہیں کہ جب بھی رنگ کا وجود ہو تو سیاہی بھی پائی جائے جیسا کہ یہ ضروری نہیں کہ جب بھی حیوان پایا جائے تو انسان بھی موجود ہو۔

بعض وہ امور ہیں جو ہر وقت عقل کے پیش نظر نہیں رہتے بلکہ وہ اس بات کی محتاج ہوتی ہے کہ

Marfat.com

اسے بیدار کیا جائے اور اسے روشن دکھائی دے جیسے امور نظریہ اس کی جانب عقل کو حکماء کا کلام متوجہ کرتا ہے پس نور حکمت کی روشنی کے وقت انسان بالفعل بینا ہوتا ہے اور اس سے قبل اس کی بینائی بالقوہ تھی۔

سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کا قرآن ہے اور اس کے قرآن میں علی بالخصوص قرآن مجید عقل کی آنکھ کے نزدیک آیات قرآنیہ کا وہی رتبہ ہے جیسا کہ نور آفتاب کا ظاہری آنکھ کے نور کے بالمقابل کیونکہ آنکھیں صحیح کام اسی کے ساتھ کرتی ہیں اسی لحاظ سے یہ زیادہ مناسب ہے کہ قرآن مجید کو نور کہا جائے جس طرح آفتاب کے نور کو کہا جاتا ہے۔

قرآن آفتاب کے نور کے مثل ہے اور عقل آنکھ کے نور کی طرح ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے ''فامنو باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا'' (اللہ اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے) اور خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی بھی ظاہر ہو جاتے ہیں ''قد جاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نور امبینا'' (تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے دلیل آچکی اور ہم نے تمہاری طرف ظاہر نور نازل کیا)۔

نتیجہ

اس تقریر سے جب یہ امر ظاہر ہو گیا کہ آنکھیں دو ہیں ظاہری اور باطنی نگاہ ظاہر کا تعلق عالم محسوسات و مشاہدہ سے ہے اور نگاہ باطنی کا تعلق عالم آخر سے اور عالم آخر عالم ملکوت ہے اور دونوں آنکھوں میں سے ہر ایک کے لئے آفتاب اور نور ہے جس کے باعث آنکھ کی بینائی کامل ہو جاتی ہے آفتاب بھی دو ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن ظاہری آفتاب تو وہ ہے جو نظر آتا ہے اور باطنی آفتاب قرآن اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں ہیں۔

جب یہ بات تمہارے ذہن نشیں ہوگئی تو تم پر گویا عالم ملکوت کا ایک در کھل گیا اور عالم میں داخل ہے اس کے ساتھ اس کا ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ سایہ کا وجود انسانی سے پھل کا پھل دار درخت سے اور مسبب کا سبب سے تعلق ہوتا ہے اور مسببات کی معرفت اسباب پر موقوف ہے اس لئے عالم شہادت عالم ملکوت کی ایک تمثیل ہے جیسا کہ مشکوۃ و مصباح و شجرہ کے بیان میں آئے گا کیونکہ مشبہ مشبہ کی مشابہت سے خالی نہیں ہوتا ان کی حکایت ایک قسم کی حکایت ہے قریب ہو یا بعید یہ وہ غور و فکر کا وقت ہے جو شخص اس حقیقت سے واقف ہوگا اس پر قرآن کی

Marfat.com

تشبیہات آسانی سے ظاہر ہو جائیں گی۔

نکتہ

ہم کہتے ہیں کہ جو شے خود کو اور غیر کو دیکھ سکتی ہے اس چیز کی بہ نسبت جو غیر میں اثر نہ کرے اس کا نام نور رکھنا زیادہ مناسب ہے بلکہ اگر اسے روشن چراغ کہا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اس کے انوار غیر پر پڑتے ہیں اور یہ خاصہ نبی کریم ﷺ میں پایا جاتا ہے اور تمام انبیا بھی چراغ ہیں اور علماء بھی لیکن ان میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔

نکتہ

جب ایسی شے کا نام روشن چراغ رکھ سکتے ہیں جس سے نگاہوں کا نور فائدہ حاصل کرتا ہو تو جس سے چراغ خود نور حاصل کرتا ہے اس کی جانب آگ نے اشارہ کرنا زیادہ لائق ہے یہ زمینی چراغ دراصل انوار علیا سے نور حاصل کرتے ہیں نبی کریم ﷺ کی روح فوراً روشن ہو جاتی ہے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے لیکن اگر اسے آگ چھوئے تو پھر وہ نور علی نور ہے تو اس صورت میں یہ زیادہ مناسب ہے کہ زمینی ارواح علوی ارواح سے نور حاصل کریں جن کی تعریف حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے میں ستر ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں وہ ان تمام زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور وہ اکیلا تمام ملائکہ کے مقابل ہے پھر کہا گیا کہ جس دن روح اور ملائکہ صف باندھ کر کھڑے ہونگے اور اگر ان کا اس طرح لحاظ کیا جائے کہ زمینی چراغ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں تو ان کی مثال بجز آگ کے اور کچھ نہ ہوگی اور یہ سوائے کوہ طور کے ظاہر نہ ہوگی۔

وہ آسمانی انوار جن سے زمینی چراغ روشنی حاصل کرتے ہیں تو اگر ان کی ترتیب اس طرح ہے کہ بعض بعض سے انوار حاصل کرتے ہیں تو منبع اول کے جو زیادہ قریب ہوگا وہی نور کے نام کا زیادہ مستحق ہوگا کیونکہ اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے ملکوت میں ایسے عجائبات ہیں کہ عالم ظاہری ان کے سامنے ایک حقیر سے شے ہے اور جس شخص نے اس جہان کا سفر نہ کیا ہو اور تاہنوز وہ اسی جہان کی پستی میں مبتلا ہو تو وہ ایک چارپایہ ہے جو انسانی خاصیت سے محروم ہے بلکہ حیوانات سے بھی بدتر اس لئے کہ حیوانات کو تو اس جہان کی طرف اڑنے کی قدرت ہی نہیں دی گئی

Marfat.com

بخلاف انسان کے اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اولئک کالانعام بل ھم اضل

یہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں

یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ ظاہر عالم عالم ملکوت کے مقابلے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ مغز کے مقابلے میں چھلکا یا روح کے مقابلہ میں صورت وشکل نور کے مقابلہ میں ظلمت اور بلندی کے مقابلہ میں پستی اسلئے عالم ملکوت عالم روحانی عالم نورانی اور عالم علوی بھی کہتے ہیں اس کے بالمقابل عالم سفلی کو عالم جسمانی اور عالم ظلمانی کہا جاتا ہے یہ تصور نہ کرنا کہ عالم علوی سے ہماری مراد آسمان ہیں کیونکہ وہ تو عالم شہادت وحس کے مقابلہ میں بلند ہیں ان کے دریافت کرنے میں تو حیوانات بھی شریک ہیں لیکن خدا کے بندہ کا یہ حال ہے کہ اس کے لئے ملکوت کے دروازے اسی وقت کھولے جاتے ہیں اور وہ اسی وقت ملکوتی بنتا ہے جب کہ اس کے حق میں اس زمین کے بدلے اور زمین اور آسمان کے بدلے اور آسمان ہوتا ہے یہ نہیں کہ جو شے اس کے حس وخیال کے نیچے ہے وہ زمین ہے اور جو اس سے بلند ہے وہ آسمان ہے بلکہ جو شئے حس سے بالاتر ہو وہ اس کا آسمان ہے اور جو شخص قرب خداوندی کی تلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اس کی یہ پہلی معراج ہے انسان اسفل السافلین میں گرا ہوا ہے اور اس سے عالم اعلیٰ کی جانب ترقی کرتا ہے لیکن فرشتے عالم ملکوت میں داخل ہیں کیونکہ ان کا تعلق درگاہ خداوندی سے ہے ان میں سے بعض عالم اسفل کی جانب بھی جھانکتے ہیں اس لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو ظلمت میں پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو لوگوں کے اعمال سے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ واقف ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کی عالم ملکوت تک معراج ہوتی ہے تو وہ اعلیٰ درجہ پر فیضیاب ہو جاتے ہیں اور عالم غیب پر مطلع ہو جاتے ہیں کیونکہ جو بھی عالم ملکوت میں ہوگا اسے قرب خداوندی حاصل ہوگا اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں یعنی اس کے پاس سے عالم شہادت میں موجودات کے اسباب نازل ہوتے ہیں کیونکہ عالم شہادت اس عالم کے آثار۔

دنیا میں اس ترتیب کی مثال کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ چاند کی روشنی کو کسی گھر کے سوراخ میں سے ایسے آئینہ پر گرتے ہوئے دیکھے جو دیوار پر رکھا ہوا ہے اور جس کی روشنی دوسری دیوار پر پڑتی ہے جو اس آئینہ کے مدمقابل ہو پھر وہ روشنی اس سے زمین پر پڑے جس سے زمین روشن ہو جائے تو زمین پر جو نور ہے وہ زمین کے نور کے تابع ہے اور دیوار کا نور آئینہ

Marfat.com

کے نور کے تابع اور آئینہ کا نور چاند کے نور کے اور چاند کا نور آفتاب کے نور کے کیونکہ چاند آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے اور یہ چاروں نور ترتیب وار ہیں بعض بعض سے اعلیٰ و اکمل ہیں اور ہر ایک کے لئے ایک مقام درجہ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا۔

یہ بھی جان لو کہ دل کی آنکھ والوں پر یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ انوار ملکوتیہ اسی ترتیب پر پائے جاتے ہیں اور مقرب ہی نور اعلیٰ کے زیادہ قریب ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اسرافیل علیہ السلام کا رتبہ جبریل علیہ السلام سے بڑھ کر ہو اور ان فرشتوں میں کوئی اتنا قریب ہو جس کا رتبہ حضرت ربوبیت سے جو منبع الانوار ہے قریب ہو ان فرشتوں میں ادنیٰ درجے کے بھی ہیں ان میں بہت سے درجات ہیں جو مشکل سے شمار میں آسکتے ہیں ان کا صرف اتنا حال معلوم ہے کہ وہ کثیر التعداد ہیں اور ان کی ترتیب ان کی صفوف میں ہے جیسا کہ خود انھوں نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے۔

”وما منا الا له مقام معلوم وانا لنحن
الصافون وان لنحن المسبحون“
ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا متعین مقام
نہ ہو اور ہمیں صفیں باندھے ہوئے ہیں اور ہم
تسبیح کرنے والے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ انوار کے لئے ترتیب ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ یہ سلسلہ غیر متناہی نہیں بلکہ وہ پہلے منبع تک ہے جو اپنی ذات کے لئے ہے اور اپنی ذات سے قائم ہے اس کا نور غیر کی جانب سے نہیں آتا اسی سے تمام انوار اپنی ترتیب پر روشن ہوتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس شے کو نور کہنا جس نے اپنا نور غیر سے مانگا ہو زیادہ مناسب ہے یا اس ذات کو نور کہنا زیادہ مناسب ہے جو اپنی ذات میں روشن ہے اور اپنے علاوہ سب کو روشن کرنے والا ہے اب بھی اگر تجھ پر حق مخفی رہے تو میرے کوئی حجت نہیں اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ نور کا اسم ایسے نور پر بولنا زیادہ مناسب ہے جو نور آلہ ہے اور اس کے اوپر کوئی نور نہیں بلکہ اس کی جانب سے اوروں پر نور گرتا ہے۔

حقیقت

بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں اور کسی کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ نور کا لفظ نور عدل کے علاوہ

Marfat.com

اوروں پر بولنا مجازی ہے کیونکہ جب اس کے ماسوا کی ذات کا لحاظ کیا جائے گا تو اپنی ذات کے لحاظ سے بے نور ہو گا بلکہ اس کا نور غیر مانگا ہوا ہو گا اور اس کی نورانیت مستعارہ کا بالذات کوئی وجود نہ ہو گا بلکہ وہ اپنے نور میں غیر کا محتاج ہو گا اور مستعیر کی مستعار منہ سے نسبت مجازی ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کپڑے گھوڑا اور زین وغیرہ عاریتاً لے لے اور اسی وقت سوار ہو جس وقت کہ عاریت دینے والا سوار ہوتا تھا اور اسی طریقہ سے جو اس کی عادت تھی تو کیا وہ فی الواقع یا مجازی طور پر غنی ہو جائے گا ہرگز نہیں بلکہ عاریت دینے والا غنی ہو گا اور یہ اب بھی اسی طرح فقیر ہو گا جیسا کہ پہلے تھا غنی تو صرف وہ عاریت دینے والا ہو گا جس سے وہ شئے عاریتاً لی گئی ہے اور اس کی جانب رجوع اور اسی سے ابتداء ہے۔

اس تقریر کے بعد یہ سمجھو کہ فی الحقیقت نور تو اللہ ہے جس کے ہاتھ میں پیدائش اور امر ہے اور اسی سے نور اول ہے اور اس اسم کی حقیقت اور اس کے استحقاق میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں یہ صرف شرکت لفظی ہے اور یہ نام رکھنے میں اس کو اس پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مالک کو اپنے غلام پر ہوتی ہے جس وقت کہ مالک غلام کو مال دے کر اس کا نام مالک رکھ دے لیکن جب غلام کو اصل حقیقت معلوم ہو جائے تو وہ یقیناً سمجھ لے گا کہ اس کا یہ مال صرف مالک کے ملک میں اور اس کا اس میں کوئی قطعی شریک نہیں۔

جب تم نے یہ بات پہچان لی کہ نور ظہور و اظہار کے مراتب کی جانب راجع ہوتا ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ عدم کی ظلمت سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں کیونکہ اندھیرا کرنے والے کو اسی باعث مظلم کہا جاتا ہے کہ دو آنکھوں کے لئے ظاہر نہیں ہوتا اور نہ آنکھ کے لئے موجود ہوتا ہے۔

حالانکہ وہ بالذات موجود ہے اب جو شئے نہ اپنے لئے موجود ہو اور نہ غیر کے لئے تو وہ اس امر کی کیسے مستحق نہ ہو گی کہ وہ انتہائے ظلمت ہے اور اس کے بالمقابل موجود ہے اور وہی نور ہے کیونکہ جو شئے اپنی ذات میں ظاہر نہ ہو گی وہ غیر کے لیے بھی ظاہر نہ ہو گی وجود بذاتہ بھی دو قسم کا ہے اول یہ کہ اس کا وجود ذاتی ہو۔ ثانیاً اس کا وجود غیر سے آیا ہو۔

جس کا وجود غیر سے آیا ہے وہ مانگا ہوا وجود ہے اور اسے اپنی ذات میں کوئی قیام حاصل نہیں بلکہ جب اس کی ذات پر من حیث الذات غور کیا جائے گا تو وہ محض عدم ہو گا کیونکہ اس کا وجود غیر کی نسبت سے ہے اور یہ حقیقی وجود نہیں جیسا کہ کپڑے اور غنی کی مثال سے تم نے سمجھ لیا ہے معلوم ہوا کہ حقیقتاً موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ حقیقی نور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

حقیقت حقائق

اس حقیقت سے عارفین مجاز کی پستی سے حقیقت کی بلندی تک پہنچ گئے اور انھوں نے نگاہوں سے مشاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی موجود نہیں اور یہ کہ اللہ کے علاوہ ہر شئے فنا ہونے والی ہے اور صرف یہی نہیں کہ وہ کسی وقت فنا ہونے والی ہو بلکہ وہ ازلاً اور ابداً ہلاک ہونے والی ہے کیونکہ اس کا تصور اسی طرح ممکن ہے اس لئے کہ جو شے اللہ کے علاوہ ہے جب اس کی ذات کا من حیثیت الذات لحاظ کیا جائے گا تو عدم محض ہوگی۔ اور جب اس کا اس لحاظ سے اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی طرف پہلے وجود سے وجود سرایت کرتا ہے تو وہ موجود نظر آئے گا لیکن بالذات نہیں بلکہ وہ اپنے موجود کرنے والے سے ملا ہوا ہے اس لحاظ سے موجود صرف ذات خداوندی ہوگی۔

ہر شے میں دو قسم کی نسبتیں ہوتی ہیں ایک نسبت اس کی ذات کی جانب ہوتی ہے اور دوسری اس کے پروردگار کی جانب تو وہ اپنی ذات کے لحاظ سے معدوم ہے اور اللہ کی نسبت سے موجود ہے اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی موجود نہیں اللہ کے علاوہ ہر شے ازلاً وابداً میں ہلاک ہونے والی ہے۔

عارفین قیامت کے محتاج نہیں کہ خداوند تعالیٰ کی یہ آوازیں سنے کہ آج ملک کس کا ہے اللہ کے لئے قہار کا بلکہ یہ ندا ان کانوں سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی انھوں نے لفظ اللہ اکبر سے یہ تصور نہیں کیا کہ وہ اپنے غیر سے بڑا ہے چنانچہ پناہ بخدا وجود میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں جس سے وہ بڑا ہو بلکہ غیر کے لئے اس کے ساتھ ہونے کا کوئی رتبہ نہیں غیر کو تو اس کے تابع رہنے کا رتبہ حاصل ہے۔ بلکہ غیر کو وجود بھی اس باعث حاصل ہے کہ وہ اس سے متصل ہے اور فقط اس کی ذات موجود ہے اور یہ محال ہے کہ وہ اس وجہ سے بڑا ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی بڑا ہے کہ اسے نسبتاً اور قیاساً بھی بڑا کہا جائے اور اس سے بھی بڑا ہے کہ اس کا غیر اس کی کبریائی کی ماہیت کر سکے خواہ وہ نبی ہو یا فرشتہ بلکہ خدا کی ماہیت کو اس کے علاوہ کوئی پہچانتا ہی نہیں کیونکہ ہر پہچانی ہوئی شے عارف کے سلطان و غلبہ میں داخل ہو جاتی ہے اور یہ بات اس کے جلال و کبریا کے منافی ہے ہم نے اس کی تحقیق کتاب المقصد الاسنیٰ فی اسماء الحسنیٰ میں کی ہے۔

عارفان خدا حقیقت پر پہنچنے کے بعد اس پر متفق ہیں کہ انھوں نے وجود میں سوائے

Marfat.com

ایک ذات کے کوئی نہیں دیکھا ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی یہ حالت عرفانی اور علمی ہوتی ہے اور بعض کی یہ حالت ذاتی وحالی ہوتی ہے ان سے کثرت بالکل جاتی رہتی ہے وہ محض فردانیت میں غرق ہوتے ہیں ان کی عقلیں جاتی رہتی ہیں اور مبہوت ہو جاتے ہیں ان میں غیر اللہ کے ذکر کی گنجائش نہیں رہتی حتی کہ اپنے ذکر کی بھی ان کے نزدیک اللہ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہتا ان پر اتنا نشہ چھا جاتا ہے کہ ان کی عقلیں جواب دے جاتی ہیں حتی کہ بعض نے، انا الحق (میں خدا ہوں) بھی کہہ دیا اور ایک نے کہا، ''سبحانی ما اعظم شانی (میں پاک ہوں میری کیا ہی شان ہے) ایک نے کہا ما فی الجبة الا اللّٰہ'' (میرے جبہ میں اللہ کے علاوہ کچھ نہیں) عشاق جب سکر کی حالت میں کلام کرتے ہیں تو اس پر سکوت اختیار کیا جاتا ہے اسے نقل نہیں کیا جاتا اور جب عقل پر قابو پاتے ہیں جو زمین میں خدا کی ترازو ہے تو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حقیقت اتحاد نہ تھی بلکہ اتحاد کے مشابہ تھی جیسا کہ ایک عاشق نے غلبہ عشق میں کہا ہے ''انا من اھویٰ و من اھویٰ انا'' (یعنی میں وہ ہوں جسے چاہتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں میں وہ ہوں) 'نحن روحان حللنا بدنا' (ہم دو روح ہیں جو کہ بدن میں داخل ہیں) یہ کچھ بعید نہیں کہ انسان اچانک آئینہ کی جانب دیکھے تو اپنی صورت نظر آئے اور اس نے آئینہ کبھی نہ دیکھا ہو اور وہ یہ تصور کرے کہ جو شکل اس نے آئینہ میں دیکھی ہے وہ آئینہ ہی کی شکل ہے جو اس سے ملحق ہے اسی طرح شراب کو کانچ کے گلاس میں دیکھ کر خیال کرے کہ شراب کا رنگ اس کا رنگ ہے اور اس کی یہ عادت بن جاتی ہے اور یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے تو وہ اس میں غرق ہو جاتا ہے اور کہتا ہے:۔

رق الزجاج ورقت الخمر

وتشابھا فتشاکل الامر

فکانما خمر ولا قدح

وکانما قدح ولا خمر

گلاس رقیق ہے اور شراب بھی رقیق ہے وہ اس کے مشابہ ہے گویا کہ اس امر کہنے میں مشتبہ ہو گیا کہ شراب ہے اور پیالہ نہیں اور پیالہ ہے شراب نہیں۔ جب یہ حالت غالب ہو جاتی ہے۔ تو یہ اصل حال کی بہ نسبت فنا کہلاتی ہے بلکہ فناء الفنا ہے کیونکہ وہ اپنے نفس سے بھی اور اس کے فنا ہونے سے بھی فنا ہو چکا ہے وہ اس حالت میں خود سے بھی واقف نہیں اور نہ اسے یہ علم ہے کہ میں خود سے واقف نہیں اگر اسے اپنے نفس کے عدم شعور کا شعور ہو تا وہ خود کو پہچانتا

Marfat.com

اوراس حالت کو جس میں وہ غرق ہو چکا ہے زبان مجاز میں اتحاد کہتے ہیں اور حقیقت کی زبان میں توحید ان حقائق کے سوا بھی ایسے اسرار ہیں جن میں غور وفکر جائز نہیں۔

خاتمہ

تم شاید یہ بھی چاہتے ہوگے کہ خدا کے نور کی آسمان اور زمین کی طرف نسبت کی وجہ بھی تمہیں معلوم ہو جائے بلکہ اس کی وجہ بھی کہ وہ بذاتہٖ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور تم پر یہ بات مخفی رہنا بھی مناسب نہیں کیونکہ جب تم نے یہ پہچان لیا کہ وہ نور ہے اور اس کے سوا اور کوئی نور نہیں وہی مجموعہ انوار ہے اور وہی نورِ کلی ہے کیونکہ نور اسے کہا جاتا ہے جس سے چیزیں ظاہر ہوں اور اعلیٰ درجہ کا نور وہ ہے جس کے سبب سے اور جس کے لئے اور جس سے ظہور ہو اور حقیقی نور وہ ہے کہ اس کے سبب اور اس کے لئے ہو اور اسی سے انکشاف ہو اس سے بڑھ کر کوئی نور نہیں جس سے نور کا اقتباس ہو بلکہ یہ نور اس کے لئے اپنی ذات سے فی ذاتہٖ ہے اور اپنی ذات کے لئے ہے نہ کہ غیر سے۔

جب تمہیں یہ معلوم ہو چکا کہ نور اول کے علاوہ یہ امر کسی کے لئے متصور نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے متصف ہو سکتا ہے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ آسمان اور زمین دونوں قسم کے نور سے بھرے ہوئے ہیں وہ دونوں نور جو بصارت اور بصیرت کی جانب منسوب ہیں یعنی حس اور عقل کی طرف بصری نور وہ ہے جس کا ہم آسمانوں پر مشاہدہ کرتے ہیں یعنی سورج چاند ستارے اور جسے ہم زمین میں دیکھتے ہیں یعنی شعائیں جو روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہیں حتیٰ کہ اس کے باعث مختلف رنگ ظاہر ہوتے ہیں علی الخصوص موسم ربیع میں نیز وہ شعاعیں حیوانات نباتات معاون اور موجودات کے تمام اقسام پر پھیلی ہوئی ہیں اگر وہ نہ ہوتیں تو رنگوں کا ظہور بلکہ وجود بھی نہ ہوتا پھر جس کے لئے جو مقداریں اور شکلیں ظاہر ہوتی ہیں تو ان سے تبعاً رنگت بھی معلوم ہو جاتی ہے ان کے ادراک کا تصور انہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

رہے انوار عقلیہ اور معنویہ تو ان سے تمام عالم المعمور ہے اور وہ جواہر ملائکہ ہیں اور عالم اسفل بھی اس سے بھرا ہوا ہے اس کے بعد حیات حیوانیہ اور انسانیہ ہے انسانی سفلی کے نور سے عالم سفلی کا نظام ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ نور ملکی سے عالم اعلیٰ کا نظام ظہور پزیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم یہی ہے۔ ”وھو الذی انشا کم من الارض واستعمر کم

Marfat.com

فیہا'' (اور وہ ذات ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا) اور فرمایا ''لیستخلفنھم فی الارض'' (وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا) ایک مقام پر ارشاد ہے ''ویجعلکم خلفاء الارض'' (اور وہ تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے) ایک اور مقام پر ارشاد ہے ''انی جاعل فی الارض خلیفۃ'' (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو یہ امر بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ تمام عالم انوار ظاہرہ اور بصریہ اور باطنہ عقلیہ سے معمور ہے اور یہ بھی ہو گیا ہوگا کہ سفلیہ ایک دوسرے سے فیضان حاصل کرتے ہیں اور وہ انہیں کے اجزاء ہیں جس طرح کے چراغ سے نور کا فیضان ہوتا ہے اور چراغ دراصل نور نبوی اور ارواح نبویہ قدسیہ ارواح علویہ سے اس طرح نور حاصل کرتی ہے جس طرح کے چراغ تیل سے نور حاصل کرتی ہے پھر علویات بھی ایک دوسرے سے نور حاصل کرتے اور ان کی ترتیب مقامات کی ترتیب سے واقع ہے اور پھر یہ سب نور الانوار اور اصل معدن منبع سے نور حاصل کرتے ہیں اور یہی وحدہ لاشریک ہے صرف اسی کا نور حقیقی ہے بقیہ تمام انوار اس سے مانگے ہوئے ہیں اور اس کے نور سے ماخوذ ہیں اس لئے وہی کل ہے وہی وہی ہے اور غیر کے لئے مجاز کے علاوہ کچھ نہیں صرف اس کا نور ہے اور انوار اسی باعث انوار ہیں کہ وہ اس سے متصل ہیں اپنی ذات سے وہ قطعاً موجود نہیں اب ہر شخص کے متوجہ ہونے کے لئے اس کی ذات کافی ہو اور جدھر بھی منہ کرو اللہ ہی کی ذات ہے۔ ''فاینما تولوا فثم وجہ اللہ''۔

اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کیونکہ معبود اسی کو کہا جاتا ہے جس کی جانب عبادت کے لئے تمام چہرے پھرتے ہوں اور اسی کے تابع ہوں چہروں سے مراد دلوں کے چہرے ہیں کیونکہ وہ انوار ارواح ہیں بلکہ جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اسی طرح اس کے علاوہ اور کوئی نہیں کیونکہ ''وہ'' اسے کہتے ہیں، جس کی جانب اشارہ کیا جائے وہ جیسا بھی ہو اور اس کے علاوہ کسی کی جانب اشارہ نہیں بلکہ جب بھی تو اشارہ کرے گا تو فی الواقع اسی کی جانب اشارہ ہوگا اگرچہ تو اسے ان اشیاء، مذکورہ کے حقائق کے حقیقت سے غفلت کے باعث نہیں پہچانتا جیسے نور آفتاب کی طرف لا الا اللہ کی توحید ہے اور لا ھو الا ھو (نہیں مگر وہی) خواص کی توحید ہے کیونکہ وہ عام ہے اور یہ خاص اور یہ زیادہ شامل، زیادہ لائق، زیادہ رقیق ہے اور اس کے ماننے والے کو فردانیت میں زیادہ داخل کرنے والا ہے۔

مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی سیڑھی نہیں کیونکہ کثرت کے بغیر چڑھنا بھی ممکن نہیں اس لئے کہ وہ ایک قسم کی نسبت ہے جو اس بات کو چاہتی

Marfat.com

ہے کہ اس سے چڑھاؤ ہو اور جب کثرت اٹھ جاتی ہے تو وحدت ثابت ہو جاتی ہے اور اضافت ختم ہو جاتی ہے اور اشارہ بھی ختم ہو جاتا ہے پھر نہ بلندی ہے نہ پستی نہ اترنے والا اور نہ چڑھنے والا اترتی محال ہو جاتی ہے اور چڑھنا دشوار اعلیٰ سے اوپر کوئی بلندی نہیں وحدت کے ساتھ کثرت نہیں اور کثرت ختم ہو جانے کے بعد سیڑی کا وجود بھی باقی نہیں رہتا پھر اگر وہاں کسی حالت کا تغیر ہے تو دنیاوی آسمان کی جانب اترنے کے باعث ہے یعنی بلندی سے پستی کی طرف جھکنے کی وجہ سے کیونکہ اعلیٰ کے لئے اگرچہ کوئی اوز اعلیٰ نہیں لیکن اسفل ضرور ہے سو یہ تمام غایات اور مطلوبات کی انتہا ہے جو اسے جانتا ہے سو وہ جانتا ہے اور جو جاہل ہے وہ انکار کرتا ہے یہ وہ علم ہے جسے علمائے ربانیین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور جب وہ اسے بیان کرتے ہیں تو ان لوگوں کے علاوہ جو خدا کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا ہیں کوئی انکار نہیں کرتا اور یہ بعید از عقل نہیں کہ علماء یہ کہیں کہ آسمان دنیا کی طرف فرشتہ کا نزول ہوتا ہے اس لئے کہ بعض عارفین نے اس سے زیادہ کا وہم کیا ہے اس لئے اس فردانیت کے غریق نے تو یہ کہا ہے کہ اسکے لئے دنیاوی آسمان کی طرف نزول ہے اور اس کا یہ نزول استعمال حواس یا تحریک اعضاء کی جانب ہے اور اس کی جانب حدیث قدسی میں اشارہ کیا گیا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے اور جبکہ خدا اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہے تو اور کوئی نہیں ہوتا اور اسی کی طرف اشارہ اس حدیث قدسی میں ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔

الحدیث:۔

پس اس موحد کی آسمان دنیا سے حرکات ہیں اور اس کے محسوسات وہ آسمان ہیں جو اس کے اوپر ہیں اور اس کی عقل اس سے بھی بالا ہے وہ آسمان عقل سے مخلوق کی معراج کی انتہا تک ترقی کرتی ہے۔

فردانیت کی مملکت کے سات طبقے ہیں اس کے بعد عقل عرش وحدانیت پر مستوی ہوتی ہے اور وہاں سے حکم کی تدبیر آسمانوں کے تمام طبقات تک کرتی ہے اور اکثر دیکھنے والا یہ کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے حتیٰ کہ اس پر گہری نگاہ ڈالنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ اس کی تاویل ہے جیسا کہ عارف کا یہ قول کہ میں خدا ہوں اور پاک ہوں اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی اور میں اس کے کان آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں مناسب یہ ہے کہ اب کلام کو زیادہ طول نہ دیا جائے اس لئے اس سے

Marfat.com

زیادہ تم سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے ممکن ہے کہ تم اس کلام کے مفہوم کو نہ سمجھ سکو بلکہ اس مفہوم کا حاصل کرنے سے قبل ہی تمہاری ہمت جواب دے جائے اس لئے اب تم ایسا کلام سنو جو تمہاری سمجھ کے زیادہ قریب ہو۔

مثلاً خدا کے آسمانوں اور زمین کے نور ہونے کے معنی ظاہری نور لیتے ہو یعنی آنکھوں والا نور مثلاً جب فصل ربیع کی سبزی اور رنگوں کو دن میں دیکھتے ہو تو بسا اوقات تجھے یہ وہم ہوتا ہے کہ تم رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا۔

گویا تو یہ بات کہتا ہے کہ میں سبزی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا ایک قوم نے اسی پر اصرار کیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ نور کے کوئی معنی نہیں اور یہ رنگوں کے ساتھ رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں اس طرح انھوں نے نور کے وجود کا انکار کیا حالانکہ وہ تمام اشیاء میں سب سے زیادہ عیاں ہے اور کیوں نہ عیاں ہو اس کے باعث اشیاء کا ظہور ہے وہ اپنی ذات کو بھی دیکھتا ہے اور اپنے ساتھ غیر کو بھی دکھتا ہے جیسا کہ اس کی تشریح پہلے کی جاچکی ہے لیکن غروب آفتاب کے وقت چراغ گل ہونے کے وقت اور سایہ ڈھیل جانے کے وقت وہ محل سایہ اور روشنی کے درمیان ضرور فرق محسوس کرتے ہیں مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ نور ایک ایسی شے ہے کہ جو رنگوں کے علاوہ ہے اور رنگوں کے ذریعہ اس کا ادراک ہوتا ہے حتیٰ کہ ان سے زیادتی اتحاد کے باعث محسوس نہیں ہوتا اور زیادتی ظہور کے سبب مخفی ہوتا ہے کیونکہ کبھی نور کی شدت خفا کا سبب ہوتی ہے اور جب کوئی شے حد سے بڑھ جاتی ہے تو اپنی ضد پر لوٹ آتی ہے۔

جب یہ امر ذہن نشین ہو گیا تو یہ بھی جان لو کہ عاقلوں نے جس شے کو دیکھا ہے تو اس کے ساتھ خدا کو دیکھا ہے اور بعض ان سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے کسی شے کو نہیں دیکھا مگر اس سے قبل اللہ کو دیکھا ہے کیونکہ بعض عارفین خدا کے ساتھ اشیاء کو دیکھتے ہیں اور بعض اولاً اشیاء کو دیکھتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ خدا کو دیکھتے ہیں تخیل اول کی جانب اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے "اولم یکف بربک انہ علی کل شیء شھید" (کیا تیرا رب ہر شے پر گواہی کے لئے کافی نہیں) اور دوسرے تخیل کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے۔

"سنریھم ایتنا فی الافاق وفی انفسھم" (عنقریب ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق اور ان کی جانوں میں دکھادیں گے) پہلا شخص صاحب مشاہدہ اور دوسرا کی اس کی آیات کے ساتھ صاحب استدلال ہے اول درجہ صدیقین کا ہے دوسرا علمائے راسخین کا اور

Marfat.com

ان دونوں کے بعد غافلین کے علاوہ کوئی اور نہیں۔

جب تم نے یہ چیز سمجھ لی تو یہ بھی جان لو کہ جس طرح ہر شے آنکھ کے لئے نور ظاہری سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح عقل باطنی کے لئے ہر شے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوتی ہے پس وہ ہر شے کے ساتھ ہے اس سے جدا نہیں۔ اور اسی سے ہر شے ظاہر ہوتی ہے لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نور ظاہر کا غروب آفتاب سے غائب ہونا ممکن ہے کیونکہ وہ پردہ میں ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سایہ ظاہر ہو جاتا ہے لیکن خود اس کا غائب ہونا متصور نہیں بلکہ اس کا غروب محال ہے وہ تمام اشیاء کے ساتھ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

گویا طریقۂ استدلال تفرقہ پر منقطع ہوا اور اگر اس کا غائب ہونا ممکن ہو تو زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جائیں ہاں اس کے سبب ایسی تفریق معلوم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ اس چیز کی معرفت کی جانب مجبور ہونا پڑتا ہے کہ اس کے ساتھ اشیاء کا ظہور ہوا ہے۔

لیکن تمام اشیاء ایک ہی طریقہ پر ظاہر ہیں کیونکہ ان کا خالق ایک ہے اور ہر شے اس کی حمد و تسبیح کرتی ہے نہ کہ بعض اشیاء اور تمام اوقات میں کرتی ہے نہ کہ بعض اوقات میں تو تفریق ختم ہو جاتی ہے اور طریق مخفی ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہری قاعدہ تو یہ ہے کہ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے کیونکہ جس شے کی ضد اور نقیض نہ ہو تو ظاہر میں ان کا حال یکساں ہوگا تو کچھ بعید نہیں کہ وہ مخفی ہو اور اس کا یہ خفا زیادتی ظہور کے سبب ہو اور روشن کی چمک کے باعث انسان اس سے غافل ہو جاتا ہے پس وہ پاک ہے جو کہ اپنی مخلوق سے اپنے ظہور کے باعث مخفی ہے اور اپنے نور کے سبب مخلوق سے پردے میں ہے بعض اوقات کوتاہ فہم اس کلام کو نہیں سمجھتے۔

ہماری اس تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے ساتھ ہے جیسا کہ اشیاء کے ساتھ نور ہے بلاشبہ وہ ہر جگہ موجود ہے لیکن وہ اس سے بلند و پاک ہے کہ کسی مکان کی ان کی طرف نسبت کی جائے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ بعید ہے کہ یہ خیال پیدا ہو کہ وہ ہر شے سے قبل ہے اور یہ وہ ہر شے کے ادھر ہے اور یہ خیال کہ وہ ہر شے کو ظاہر کرنے والا ہے اور صاحب عقل کے نزدیک ظاہر کرنے والا ظاہر شے سے جدا نہیں ہوتا۔

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر شے کے ساتھ ہے اس کا مقصود یہی ہے اور یہ بھی تم پر مخفی نہیں کہ ظاہر کرنے والا ظاہر شدہ سے قبل ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر ہوتا ہے اگرچہ اس کے ساتھ ہوتا ہے گویا کہ ایک حیثیت سے وہ ان کے ساتھ ہے اور ایک لحاظ سے اس سے قبل تو کسی کو یہ وہم نہ کرنا چاہیے کہ یہ باہم نقیض ہیں تو انہیں محسوسات کو پیش نظر رکھ کر کہ جن کی معرفت

Marfat.com

میں تیرا حصہ ہے اور خیال کر کہ ہاتھ کی حرکت ہاتھ کے سایہ کے ساتھ کیسے ہوتی ہے اور اس سے قبل کیونکر اور جس شخص کا سینہ اس معرفت کے لئے کشادہ نہ ہوا اسے اس عالم کی راہ ترک کر دینی چاہیے کیونکہ ہر علم کے لیے خاص افراد ہوتے ہیں اور جس فن کے لئے وہ پیدا ہوا ہے اس کے لئے وہی سہل ہوتا ہے۔

باب دوئم

مشکوٰۃ و مصباح اور زجاجہ وغیرہ کی تشریح

اس کا بیان اس کا طالب ہے کہ اس سے قبل دو قطب ہو جن میں غیر محدود وسعت پائی جاتی ہو لیکن میں ان جانب رمز و کنایہ پر اشارہ کرنے پر اکتفا کروں گا۔

قطب اوّل

اس بیان میں ہے کہ اس مثال میں کیا سر ہے اور معانی کو تمثیلات کے طور پر بیان کرنے کی وجہ کیا ہے اور عالم شہادت کہ جس سے مثالیں پیش کی جاتی ہیں اور عالم ملکوت میں کہ جس سے معانی کا نزول ہوتا ہے ان کی باہم مناسبت کیا ہے اور اس موازنہ کی کیا حقیقت ہے۔

قطب دوئم

اس میں ارواح بشریہ اور اس کے انوار کے طبقات کا بیان ہے کیونکہ یہ تمثیل اس کے بیان کرنے کے لیے دلائی گئی ہے اور ابن مسعود کی قرأت یہ ہے مثل نورہ فی قلب المومن کمشکوۃ فیھا مومن ''مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسا کہ اس کے دل میں چراغ ہو ابن ابی کعب نے اسے اس طرح تلاوت کیا ہے' مثل نور قلب من امن کمشکوۃ فیھا'' مومن کے دل کے نور کی مثال چراغ کی طرح ہے۔

Marfat.com

قطب اول

تمثیل اور طرز تمثیل کا راز

عالم کی دو قسمیں ہیں روحانی اور جسمانی یا اسے حسی اور عقلی سے تعبیر کرلو اور خواہ اسے علوی اور سفلی کہو یہ تمام الفاظ قریب المعنی ہیں صرف عبارات مختلف ہیں اگر ان کا اپنی ذات کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے تو یہ جسمانی و روحانی ہیں اور اگر آنکھ کے اعتبار سے ان کا لحاظ کیا جائے کیونکہ وہ انھیں دیکھتی ہے تو یہ عقلی و حسی ہیں اور اگر ان کا ایک دوسرے کے اعتبار سے لحاظ کیا جائے گا تو یہ علوی و سفلی ہیں بعض اوقات ایک کو عالم الملک والشہادہ اور دوسرے کو عالم الغیب والملکوت بھی کہتے ہیں جو شخص حقیقت الفاظ پر نظر ڈالتا ہے وہ ان کی کثرت سے حیران ہوتا ہے اور جس شخص پر حقائق عیاں ہو جاتے ہیں وہ معانی کو اصل اور الفاظ کو ان کے تابع سمجھتا ہے لیکن کمزور شخص کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے وہ حقائق کو الفاظ سے تلاش کرتا ہے ان ہر دو فریق کی جانب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے ’افمن یمشی مکباً علیٰ وجھہ اھدیٰ امن یمشی سویاً علیٰ صراط مستقیم‘ کیا وہ شخص جو اندھے منہ گرا ہوا ہو وہ زیادہ ہدایت پر ہو سکتا ہے یا وہ شخص جو سیدھی راہ پر چل رہا ہو۔

جب ہر دو جہاں کے معنی ظاہر ہو گئے تو یہ بھی جان لو کہ عالم ملکوتی و علوی کو عالم غیب کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اکثر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہے اور عالم حسی کو عالم شہادت و ظہور کہتے ہیں کیونکہ اسے تمام لوگ دیکھتے ہیں۔

عالم حسی عالم عقلی کی سیڑھی ہے اور اگر ان میں باہم مناسبت اور اتصال نہ ہوتا تو اس کی طرف ترقی کی راہ مسدود ہو جاتی اور اگر یہ دشوار ہوتا تو خدا کا قرب دشوار ہوتا بلکہ ان سے کسی کو بھی ہرگز قرب حاصل نہ ہوتا تاوقتیکہ وہ عالم قدس کے بڑے بڑے میدان طے نہ کر لے جو عالم ادراک اور حس و خیال سے بلند ہے ہم اسے عالم قدس کہتے ہیں اور جب اس کے مجموعے کا لحاظ کیا جاتا ہے یعنی وہ عالم جس سے کوئی شے باہر نہ نکلے اور نہ اس میں کوئی ایسی شے داخل ہو جو اس سے اجنبی ہو تو اسے خطیر القدس یعنی بہشت کہا جاتا ہے اور بسا اوقات ہم اس روح بشری کو جو قدس کی روشنیوں کی گزرگاہ ہو ہم اسے وادی مقدس سے تعبیر کرتے ہیں پھر ان میں بہت سے بہشت ہیں کہ ان میں بعض معانی قدس میں زیادہ دخیل ہیں لیکن خطیرہ کا لفظ تمام

Marfat.com

طبقات کو شامل ہے۔

یہ وہم نہ کرو کہ یہ تمام الفاظ عقلاء کے نزدیک بے فائدہ اور غیر معقول ہیں اس وقت ان الفاظ کی شرح کرنے سے مقصد دور ہو جاتا ہے اس لئے تم الفاظ کے سمجھنے سے اعراض کرو اور اصل غرض کی جانب رجوع کرو۔

جب عالم شہادت عالم ملکوت کی سیڑھی ہے تو اس ترقی سے مقصود صراط مستقیم پر چلنا ہے اس کو دین اور منازل ہدایت کہا جاتا ہے اگر ان دونوں میں کوئی مناسبت نہ ہوتی تو ایک سے دوسرے کی جانب ترقی کرنا متصور بھی نہ ہوتا پھر رحمت خداوندی نے عالم شہادت کو عالم ملکوت کے بالمقابل بنایا ہے اس لحاظ سے اس جہاں میں کوئی شے ایسی نہیں جو اس عالم کی کسی شے کی مثال نہ ہو اور بعض اوقات ایک ہی شے عالم ملکوت کی چند اشیاء کی مثال ہوتی ہے اور بعض اوقات عالم ملکوت کی ایک شے کے لئے عالم شہادت میں بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں اور مثال اسی وقت ہوتی ہے جب کہ دونوں میں باہم کسی قسم کی مشابہت اور مطابقت ہو ان مثالوں کا شمار ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ تمام موجودات کو شمار کرنا اور یہ قدرت انسانیہ سے باہر ہے اور قوت بشریہ اس کا ادراک نہیں کر سکتی اور تھوڑی عمریں اس کے لیے کافی نہیں میرا منشاء یہ ہے کہ تمہیں یہ بات مختصر طور پر سمجھا دوں تاکہ یہ مختصر امور بقیہ امور کے لئے دلیل بن سکیں اور اس طرح تم پر اسرار کے سمجھنے کا دروازہ کھل جائے۔

اگر عالم ملکوت جو جواہر نورانیہ ہیں انہیں ملائکہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور انہیں سے ارواح بشر پر انوار گرتے ہیں اسی باعث انھیں رب کہتے ہیں اس لحاظ سے اللہ تعالی رب الارباب ہوا نورانیت میں ان کے مراتب مختلف ہیں اور علم شہادت میں ان کی مثال چاند سورج اور ستارے ہیں اس راہ کا چلنے والا اول ستاروں کے درجہ تک ترقی کرتا ہے تو اس پر نور کی چمک ظاہر ہوتی ہے اور اس پر اس کا ایسا جمال اور بلند درجہ کھلتا ہے کہ وہ پکار اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میرا رب ہے۔

پھر جب اسے آگے بڑھ کر چاند کا رتبہ معلوم ہوتا ہے تو پہلے ستارے کے غروب کو ایک وہم خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا اسی طرح ترقی کرتا جاتا ہے حتی کہ آفتاب کی مثال تک پہنچ جاتا ہے پھر اسے دیکھتا ہے کہ وہ بہت بڑا اور بلند ہے اس کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت کے مثال کے قابل ہے اور نقصان دار کے ساتھ نقص اور غروب کی مناسبت بھی ہے پس اسی باعث گویا ہوتا ہے۔

Marfat.com

”انی وجھت وجھی للذی
فطر السموات والارض حنیفاً وماانامن
المشرکین“
میں نے اپنا چہرہ خالص طور پر اس ذات کے سامنے کرلیا ہے
جسے آسمان وزمین پیدا فرمائے اور میں مشرکوں میں سے نہیں
ہوں۔

الذی ایک مبہم اشارہ ہے اس سے کوئی مناسبت نہیں اس لئے اگر کوئی یہ کہے کہ الذی کی مفہوم کی کیا مثال ہے تو اس کا جواب تصور میں بھی نہ آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہر مناسبت سے پاک ہے اور اسی لئے جب بعض بدویوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کی کیا مناسبت ہے تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ”قل ھو اللہ احد، اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد، ولم یکن له کفواً احد“ آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے نہ جنتا ہے، اور نہ جنا گیا ہے۔ اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ ہر نسبت سے پاک ہے۔ اسی لئے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا مارب العالمین۔

جیسے کوئی ماہیت کا طالب سوال کرتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے افعال ہی سے جواب دیا تھا کیونکہ سائل کے نزدیک اس کے افعال ہی زیادہ ظاہر تھے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے فرعون نے اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کیا تم سنتے نہیں گویا وہ ان پر معترض تھا موسیٰ حقیقت کے جواب سے کیوں عدول کر گئے جس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا بھی رب ہے اس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جنون کی جانب منسوب کیا اس لیے کہ فرعون کا مطلب حقیقت و تمثیل سے آگاہی تھی۔ اور آپ افعال کے ساتھ جواب دے رہے تھے اسی باعث فرعون نے کہا تھا کہ تمہاری جانب جو رسول بھیجا گیا ہے وہ دیوانہ ہے۔

آمدم برسر مطلب: علم تعبیر سے تمہیں تمثیل کی کیفیت معلوم ہو جائیگی اس لیے خواب نبوت کا ایک جزو ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خواب میں آفتاب دیکھنے کی تعبیر بادشاہ کو دیکھنا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے روحانی معنی میں شرکت ومشابہت ہے وہ سب پر بلند ہے اور اس کا انوار آثار کا

Marfat.com

سب پر فیضان ہوتا ہے۔اور چاند دیکھنے کی تعبیر وزیر ہوتا ہے کیونکہ غروب آفتاب کے بعد آفتاب کا نور چاند ہی کے ذریعہ زمین پر گرتا ہے کہ بادشاہ اپنے آثار کے فیض اس شخص پر جو بادشاہ سے غائب ہوتا ہے وزیر ہی کے ذریعہ پہنچاتا ہے یا مثل خواب میں یہ دیکھے کہ اس کے پاس مہر ہے اور وہ اسے لوگوں کے چہروں اور عورتوں کی پیشاب گاہوں پر لگا رہا ہے تو اس کی تعبیر رمضان میں صبح صادق سے قبل سے اذان دیتا ہے اور جو شخص یہ دیکھے کہ وہ روغن زیتون کو زیتون میں ڈال رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے نیچے ایسی لونڈی ہے جو اس کی ماں ہے اور جس کے ماں ہونے سے یہ واقف نہیں۔

تعبیر کی تمام اقسام کی اس قسم کی تمثیلات میں شمار کرنا ناممکن ہے کم از کم یہ میرے احاطہ قدرت سے باہر ہے بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ جیسے موجودات عالیہ روحانیہ میں وہ اشیاء پائی جاتی ہیں جن کی مثال آفتاب۔چاند اور تارے ہیں اسی طرح ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی مثالیں اور ہیں اور علی الخصوص جبکہ ان اشیاء کے ساتھ دیگر اوصاف کے علاوہ نورانیت کا لحاظ کیا جائے۔

پس اگر ان موجودات میں کوئی ایسی شے موجود ہے جو کہ ثابت ہے اور متغیر نہیں۔ بڑی ہے چھوٹی نہیں اور اسے معارف ومکاشفات کے چشمے پھوٹ کر دلوں کی جانب جا رہے ہوں تو اس کی مثال طور ہو سکتی ہے اور اگر ایسے موجودات ہیں جن کا ان نفائس سے تعلق ہے اور ان میں سے بعض بعض سے بہتر ہیں تو ان کی مثال وادی ہے اور اگر یہ نفائس انسانی قلوب کے باہم ملنے کے بعد ایک دل سے دوسرے دل کی جانب جاری ہوتے ہوں تو یہ دل بھی جنگل کی طرح ہیں جو کہ پہلے دلوں کے علاوہ ہیں اور بعض ان میں سے غوطہ زن ہیں۔

مناسب یہ ہے کہ اول وادی ایمن ہو کیونکہ وہ بابرکت ہے اور اس کا درجہ بہت بلند ہے اور اگر وادی کم درجہ کی جو وادی ایمن کے واحد درجات سے ملحق ہے تو وہ شخص وادی ایمن کے کنارے پر غوطہ زن ہے ایسا شخص وادی کے درمیان اور بھنور میں غوطہ زن نہیں۔اگر نبی کی روح روشن چراغ ہے اور یہ روح وحی سے فیض حاصل کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اوحینآ الیک روحاً من امرنا'' (ہم نے روح کو اپنا حکم دے کر آپ کے پاس بھیجا)

پس جس سے اقتباس کیا جاتا ہے اس کی مثال آگ کی مانند ہے اور اگر اخذ کرنے والے انبیاء علیہ السلام ہیں تو ان میں سے بعض تقلید پر ہیں کہ وہ اس وحی کو سن لیتے ہیں اور بصیرت یافتہ ہیں اس مقلد کی مثال جو بصیرت نہیں رکھتا انگار اور چنگاری کی ہے اور صاحب

Marfat.com

ذوق بات احوال میں نبی کا شریک ہوتا ہے اس مشارکت کا مقصود سینکنا ہے اور آگ وہی سینکتا ہے جس کے پاس آگ ہوتی ہے ورنہ وہ اس کی خبر سنتا اگر انبیاء کی پہلی جماعت کدورت حس وخیال سے عالم مقدس کی جانب ترقی کرتی ہے تو اس کی مثال منزل وادی مقدس اور اس کی وادی مقدس کا طے کرنا دونوں جہان کو ترک کئے بغیر اور ایک خدا کی جانب متوجہ ہوئے بغیر طے کرنا ممکن نہیں اور دنیا وآخرت دونوں بالمقابل ہیں وہ دونوں دنیا وآخرت کے عوارض ہیں ان دونوں کا کبھی تو چھوڑنا ممکن ہے اور کبھی ان سے ملنا ان کے چھوڑنے کی مثال احرام باندھنے اور کعبہ قدس کی جانب توجہ کے وقت جوتے اتارنے کی ہے بلکہ ہم حضرت خداوندی کی جانب ترقی کر کے کہتے ہیں کہ اگر اس درگاہ میں کوئی ایسے شے ہے کہ جس کے ذریعہ علوم منفصلہ جواہر قابلہ میں نقش ہوتے ہوں تو اس کی مثال قلم ہے اور اگر ان میں ایسے جواہر ہیں جن میں یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ نقوش علم سے متصل ہو سکیں تو ان کی مثال لوح کتاب اور رق منشور یعنی صحیفہ روشن ہے اور اگر علوم کے نقوش سے بڑھ کر کوئی اور شے ہے تو وہ اس کے ساتھ مقید ہے تو اس کی مثال ہاتھ ہے اور اگر اس درگاہ کی جو کہ ہاتھ، لوح وقلم اور کتاب پر مشتمل ہے کوئی با قاعدہ ترتیب ہے تو اس کی مثال صورت ہے اور اگر اس مشابہت پر صورت انسانی کی کوئی با قاعدہ ترتیب ہے تو وہ صورت رحمٰن ہے اور اس بات میں کہ وہ اللہ کی صورت پر ہے بین فرق ہے کیونکہ وہ رحمت الٰہی جو صورت الٰہی پر ہے وہ اسی صورت کے ساتھ متصف ہے

خدا تعالیٰ نے آدمؑ پر مہربانی فرمائی اور انھیں وہ مختصر سی جامع صورت دی جو عالم کی تمام اقسام کو شامل ہے گویا وہ تمام جہان کا مجموعہ ہے یا ایک مختصر جہان کا نسخہ ہے اور آدم کی صورت صورت اللہ کے خط سے لکھی ہوئی ہے اور وہ ایسا خط الٰہی ہے جس کو حروف سے نہیں لکھا جاتا کیونکہ اس کا خط تحریر وحروف سے پاک ہے جیسا کہ اس کا کلام آواز وحروف سے پاک ہے اور اس کا قلم اس سے پاک ہے کہ وہ سرکنڈہ یا لوہے سے بنا ہے۔ اور اس کا ہاتھ اس سے پاک ہے کہ وہ گوشت اور ہڈی ہو اور اگر یہ رحمت الٰہی نہ ہوتی تو انسان معرفت خداوندی سے عاجز ہو جاتا اس لئے کہ اپنے رب کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا ہو اور جب رحمت کے یہ آثار ہیں تو وہ صورت رحمٰن پر ہوا نہ کہ اللہ کی صورت پر؟

پس حضرت الٰہی حضرت رحمٰن کے مغایر ہے اور بادشاہت وربوبیت کے بھی غیر ہے اس لئے کہ اس نے حکم دیا ہے کہ ان تمام حضرات سے پناہ مانگو ارشاد ہے "قل اعوذ برب الناس ملک الناس" (آپ فرما دیجئے کہ میں لوگوں کے پروردگار، لوگوں کے بادشاہ سے

Marfat.com

پناہ مانگتا ہوں) اور اگر یہ معنی نہ ہوتے تو اس کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو رحمن کی صورت پر پیدا کیا لفظاً درست نہ ہوتا بلکہ یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور جو لفظ صحیح حدیث میں ہے وہ علیٰ صورت الرحمن میں ہے۔ (حدیث صحیح تو کجا حدیث ضعیف میں بھی یہ لفظ نہیں بلکہ یہ صرف مصنف کی اختراع ہے)۔

حضرت بادشاہ کو حضرت ربوبیت سے ممیز کرنے کے لیے طویل شرح کی ضرورت ہے لہٰذا ہم اس سے کنارے کشی کرتے ہیں بطور اختصار تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی تھا نہیں اگر تمہارے دل میں ان مثالوں سے کوئی شبہ پیدا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کرو انزل من السماء ماء فسالت اودية بقدرها اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر مقدار کے مطابق اس سے نالے بہائے۔

کیونکہ تفسیر میں آیا ہے کہ پانی معرفت ہے اور جنگل دل ہے

خاتمہ ومعذرت

اس مختصر اور ضرب الشال سے یہ گمان نہ کرنا کہ میری جانب سے گویا یہ رخصت ہے کہ آیت کے ظاہری معنی کو ترک کر دیا جائے اور ان کے بتلانے کا عقیدہ قائم کیا جائے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جوتے نہ تھے اور انھوں نے خدا کے اس حکم کو کہ اپنے جوتے اتار دو نہیں سنا تھا خدا کی پناہ میں یہ کیسا کہ سکتا ہوں کیونکہ ظواہر کو باطل کرنا ان باطنوں کی رائے ہے جنھوں نے اپنے بھینگے پن کی وجہ سے دونوں جہان میں سے صرف ایک جہان کو دیکھا اور دونوں کے تقابل میں جہالت سے کام لیا اور وجہ بھی نہ سمجھے جیسے صاحب اسرار کا کلیتہ باطل کرنا حشویہ کا مسلک ہے پس جو شخص مجروح ظاہر پر ہے وہ حشوی ہے۔ اور جس کا تعلق صرف باطن سے ہے وہ باطن ہے اور جو دونوں کو جمع کرتا ہے وہ کامل ہے۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کا ظاہر اور باطن اور حد اور مطلع ہے یعنی جائے طلوع ہے۔ اور یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موقوفاً نقل کیا گیا ہے بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم سے کہ اپنے دونوں جوتے اتار دو یہ سمجھا کہ دونوں جہان چھوڑ دو پھر ظاہری حکم کی تعمیل کے لئے جوتے اتار دیے اور باطن میں تمام جہان کو چھوڑ دیا (یہ صرف تاویل برائے تاویل ہے جس کا قرآن وہ شریعت سے دور کا بھی تعلق نہیں) اسی کو

Marfat.com

اعتبار کہتے ہیں کہ ایک شے سے دوسری شے تک عبور کرنا اور ظاہر سے باطن کی طرف جانا ہے وہ شخص جو نبی کریم ﷺ کے اس قول کو سنتا ہے جو آپ نے فرمایا ہے کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔ اور پھر وہ شخص کتے کو اپنے گلو میں رکھے اور کہے کہ اس حدیث کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ دل کے گھر کو غضب کے کتے سے پاک کیا جائے کیونکہ وہ ملائکہ کے انوار کی معرفت سے روکتا ہے اس لئے کہ غصہ عقل کا غول ہے اور اس شخص کے درمیان فرق ہے جو کہ اس حدیث ظاہری حکم کی تعمیل بھی کرتا ہو اور پھر یہ کہتا ہو کہ کتا اپنی ظاہری صورت پر مراد نہیں بلکہ معنوی لحاظ سے درندگی اور شکار کے پیچھے دوڑتا ہے اور جب اس گھر کی حفاظت واجب۔ ہے جو کہ وجود اور بدن کا مقام ہے تو اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کتے کے خصائل سے بھی اپنی حفاظت کرے تو اس پر دل کے گھر کی جو کہ جوہر حقیقی کی قرار گاہ ہے حفاظت کرنا ضروری ہوا کیونکہ جو شخص ظاہر و باطن ہر دو کو جمع کرتا ہے وہی کامل ہے اور کاملین کے اس قول کا مقصود یہی ہے کہ کامل وہ شخص ہے جس کی معرفت کا نور اس کے تقویٰ کے نور کو نہیں بجھاتا اور اسی باعث تو کامل کو دیکھے گا کہ وہ کمال بصیرت و عقل کے باوجود کسی حکم کو ترک کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

بعض سالکین طریقت کا احکام ظاہر کی بساط کو لپیٹ دینا ان کا مغالطہ ہے حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے نماز ترک کر دی اور بولے کہ ہم ہمیشہ باطنی نماز میں رہتے ہیں اور یہ اباحت والے احمقوں کے علاوہ اور مغالطہ ہے کہ جنہیں بیہودہ باتوں نے پکڑ رکھا ہے جیسا کہ ان میں سے بعض اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے اعمال کی پرواہ نہیں بعض اس کے قائل ہیں کہ باطن خباثتوں سے بھرا ہوا ہے اور ان سے اس کی پاکیزگی ممکن نہیں اور غضب و شہوت کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں اس کا یہ گمان ہے کہ وہ ان دونوں کو اکھاڑنے پر مامور ہے پس یہ حماقتیں ہیں اور سالک کی لغزش ہے جسے شیطان نے روک لیا ہے اور اسے غرور کے رسوں میں لٹکا دیا ہے۔

اب میں نعلین کی تفسیر کی جانب متوجہ ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ظاہراً جوتوں کا اتارنا دونوں جہان کے ترک کی طرف اشارہ ہے پس ظاہر میں مثال حق ہے اور اس کا باطن کی طرف لے جانا حقیقت ہے۔

ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور اس رتبہ کے لوگوں ہی زجاجہ (شیشہ) کے مقام تک پہنچ گئے ہیں جیسا کہ زجاجہ کے معنی میں عنقریب آئے گا کیونکہ وہ خیال جس کی مثال اخذ

Marfat.com

سے کی جائے سخت کثیف ہے جو اسرار کو چھپاتا ہے اور تم میں اور انوار میں حائل ہو جاتا ہے لیکن جب صاف ہو جاتا ہے تو شیشہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے اور انوار میں حائل نہیں رہتا اور انوار تک پہنچا دیتا ہے بلکہ وہ اس کے لئے انوار کا محافظ بن جاتا ہے تاکہ وہ آندھیوں سے بجھ نہ جائے اب زجاجہ کی حقیقت سمجھو۔

جان لو کہ عالم کثیر خیالی سفلی انبیائے کرام کے حق میں شیشہ انوار کے لئے طاقچہ اسرار کے لیے آئینہ اور عالم اعلیٰ کی سیڑھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثال ظاہری حق ہے لیکن ظاہر کے علاوہ ایک باطن بھی ہے اس پر طور اور آگ کو قیاس کر لو۔

نکتہ:

جب نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو گھٹنوں کے بل جنت میں داخل دیکھا تو تم یہ خیال نہ کرو کہ آپ نے انھیں آنکھ سے نہیں دیکھا ہے بلکہ انھیں اسی طرح بیداری میں دیکھا جس طرح سونے والا خواب میں دیکھتا ہے اگر چہ عبدالرحمٰن بن عوف اپنے گھر میں اپنے وجود سے سوتے تھے کیونکہ نیند سلطان حواس کو نور باطن الٰہی پر غالب کر دینے کے باعث مشاہدات ہی پر اثر کرتی ہے کیونکہ حواس عالم اس کو اپنی جانب متوجہ کرتے اور اسے مشغول کرتے ہیں۔ اور اس کی ذات کو عالم غیب وملکوت سے پھیرنے والے ہیں لیکن بعض انوار نبویہ اتنے شفاف اور غالب ہوتے ہیں کہ انھیں حواس اپنے عالم کی جانب مشغول نہیں کرتے اسی باعث وہ بیداری میں وہ باتیں دیکھ لیتے ہیں جو اور لوگ نیند میں دیکھتے ہیں اور جب وہ انتہائے کمال پر ہوتے ہیں تو اس کا ادراک مخفی صورت دیکھنے والی آنکھ تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے موجودہ زندگی کی طرف جو کہ عالم اسفل سے کھینچتی ہے پس جبکہ اشکال دینویہ کی جانب کھینچنے والا دوسرے جاذب ایمان زیادہ قوی ہے تو یہ تنگی رزق پیدا کرے گا یا اس کی سیر میں چلے گا عالم شہادت میں اس کی مثال ابر ہے۔ علی ہذا اسرار آئینہائے خیال سے قبل ہی ظاہر ہو جائیں گے اور آپ کا یہ حکم عبدالرحمٰن ہی تک محدود نہ رہے گا گو کہ آپ کا دیکھنا انھیں تک محدود تھا بلکہ اس کے ذریعہ ہر ایسے شخص پر حکم لگا دیا جائے گا جس کی بصیرت قوی اور ایمان محکم ہو لیکن ساتھ میں مال کی کثرت ہو کیونکہ کثرت مال ایمان کی مزاحم ہوتی ہے اگر چہ اس کا مقابلہ نہیں کرتی کیونکہ ایمان کی قوت غالب ہے اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء کرام صورتوں کو کیسے دیکھتے ہیں اور صورتوں کے علاوہ وہ معانی کو کیسے مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ معنی

Marfat.com

مشاہدہ باطن سے قبل ہوتے ہیں پھر اس سے روح خیال کو دیکھتے ہیں اور ایسی صورت جو کہ معانی کے متشابہ اور مساوی ہے وہ منطبع ہو جاتی ہے اور بیداری میں وحی کی یہ صورت تاویل کی محتاج ہوتی ہے جیسا کہ نیند تعبیر کی محتاج ہے اور اگر خواب میں ایسا واقع ہو تو خواص نبویہ کے ساتھ اس کی نسبت ایسی ہے جیسا کہ ایک کو چھیالیس کے ساتھ۔ اور اگر بیداری میں ایسا ہو تو اس کی نسبت اس سے بڑی ہے میرا گمان ہے کہ اس وقت اس کی نسبت ایک کی تین سے ہوگی۔ کیونکہ ہم پر جو کچھ عیاں ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواص نبویہ تین قسم کے شعبوں میں منحصر ہیں اور یہ تینوں میں سے ایک ہے۔

قطب دوئم

مراطب ارواح بشریہ نورطانیہ

اول روح حساس ہے اور وہ روح وہ ہے کہ حواس جو کچھ اس پر پیش کرتے ہیں وہ ان سے ملتی ہے یہی روح حیوانی کی اصل ہے اور اسی کے باعث حیوان کو حیوان کہتے ہیں یہ دودھ پینے والے بچے میں موجود ہوتی ہے۔

دوئم روح خیالی۔ حواسات جو کچھ اس روح کو دیتے ہیں وہ اسے لکھتی اور اپنے پاس خزانے میں محفوظ رکھتی ہے تاکہ یہ اسے ضرورت کے وقت روح عقل کے سامنے جو اس سے بلند ہے پیش کرے یہ دودھ پیتے بچے کو شروع نشو نما میں نہیں پائی جاتی اسی لئے وہ کسی شے کی حرص کرتا ہے تاکہ اسے لے لے اور جب وہ شے اس سے غائب ہو جاتی ہے تو اسے بھول جاتا ہے اس کا نفس اس پر جھگڑتا نہیں۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ وہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ جب کوئی شے اس سے غائب ہوتی ہے تو وہ رونے لگتا ہے اور اسے مانگتا ہے کیونکہ اس کی صورت اس کے خیال میں محفوظ ہوتی ہے اور یہ بات بعض حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے اور بعض میں نہیں وہ پروانے جو آگ پر گرتے ہیں ان میں یہ قوت نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ آگ کی جانب اس لئے لپکتے ہیں کہ انھیں دن کی روشنی سے کمال محبت ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ چراغ ایک کشادہ سوراخ ہے جو روشنی کے مقام پر جاتا ہے یہ خیال کر کے وہ خود کو اس پر گراتا ہے اور تکلیف پاتا ہے لیکن جب وہ اس پر گزر جاتا ہے اور اندھیرے میں پہنچ جاتا ہے تو دوبارہ اور سہ بارہ اس کی جانب لپکتا ہے اگر اس کی روح حافظ ہوتی تو اسے اس کی جت کہ اس نے درد دیکھ لیا تھا تو ایک دفع

Marfat.com

کے ضرر کے بعد اسے دوبارہ ادھر نہ آنے دیتی لیکن کتے کو جب ایک بار لکڑی سے مارا جائے تو اس کے بعد جب بھی وہ لکڑی دیکھتا ہے تو بھاگتا ہے۔

سوئم۔ روح عقلی۔ یہ ان معانی کو معلوم کرتی ہے جو حس و خیال سے ماورہ ہیں یہ جوہر انسان کے لیے خاص ہے اور چوپایوں اور بچوں میں نہیں پایا جاتا اس کے معلومات معارف ضروریہ کلیہ ہیں جیسا کہ ہم یہ امر اس جگہ بیان کر چکے ہیں جہاں ہم نے نور عقل کو نور بصر پر فضیلت دی ہے۔

چہارم۔ روح فکری ہے۔ یہ انبیائے کرام اور بعض اولیاء کے ساتھ خاص ہے اس میں غیب کے علوم احکام آخرت اور زمین و آسمان کی حکومت کے تمام معارف ظاہر ہوتے ہیں بعض معارف ربانیہ وہ ہیں جنھیں سمجھنے سے روح عقلی و فکری بھی قاصر ہے اسی جانب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا
ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان
ولکن جعلنه نوراً نهدی به من نشاء من
عبادنا وانک لتهدی الی صراط
مستقیم

ہم نے آپ کے پاس روح کو اپنا حکم دے کر بھیجا ورنہ آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب و ایمان کیا شے ہے لیکن ہم نے آپ کو نور بنایا ہے کہ ہم آپ کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت کرتے ہیں اور آپ یقیناً سیدھی راہ کی ہدایت کرتے ہیں۔

یہ بات بعید نہیں کہ عقل کے علاوہ بھی کوئی اور طور ہو جس میں وہ باتیں ظاہر ہوں جو عقل میں ظاہر نہیں ہوتیں جیسا کہ عقل تمیز و احساس کے علاوہ اور کوئی ایسا طور ہونا بعید نہیں جس میں عجائب و غرائب ظاہر ہوں اور ان سے احساس و تمیز قصور وار ہوں پس انتہائے کمال کو اپنے نفس پر موقوف خیال نہ کر اور اگر تم ایسی مثال کے خواہاں ہو جس سے بعض انسان کے خواص کا مشاہدہ کر لو تو ذوق شعر کو دیکھو کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض لوگ اس سے محروم ہیں حتیٰ کہ انھیں الحان موزونہ اور زحاف کی بھی تمیز نہیں اور بعض میں قوت ذوق اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ ان میں سے بعض نے موسیقی راگنیاں اور مختلف قسم کی لے ایجاد کی ہیں جن میں

Marfat.com

بعض غم پیدا کرنے والی، بعض خوشی پیدا کرنے والی، بعض سلانے والی، بعض رلانے والی، بعض جنون آفرین اور بعض غشی کی موجب ہیں اسی میں یہ آثار قوی ہوتے ہیں جن میں اصل ذوق ہوتا ہے لیکن جو شخص اس ذوق کی خاصیت سے لگاؤ نہیں رکھتا وہ آواز سننے میں تو ضرور شریک ہے لیکن اس میں یہ آثار نہیں پائے جاتے وہ صاحب وجد وغشی سے تعجب کرتا ہے اگر تمام ذوق والے عقلاء ذوق کا مفہوم سمجھانے پر متفق ہو جائیں تو وہ اس کے سمجھانے پر قادر نہیں اور یہ معمولی سی مثال ہے جو تمہاری سمجھ میں آسکتی ہے اس پر ذوق نبوی کو قیاس کر لیا جائے اور اس کی کوشش کرے کہ اس روح کے اہل ذوق میں تو بھی داخل ہو جائے کیونکہ اولیاء اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوا ہے اور اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو اس میں مذکورہ قیاسات وتشبیہات کے ذریعہ کوشش کرتا کہ تو بھی اہل علم میں داخل ہو جائے اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو کم از کم اس پر ایمان لانا چاہیے (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا ہے درجات بڑھائے گا)

علم ایمان سے بڑھ کر ہے اور ذوق علم سے بڑھ کر ذوق وجدان ہے علم صرف قیاس ہے اور ایمان صرف تقلید سے قبول کرنا اور اہل وجدان وعرفان سے حسن ظن رکھنا ہے۔

جب تم نے ان پانچوں روحوں کو جان لیا تو یہ بھی جان لو کہ یہ بھی سب انوار ہیں اس لئے ان کے سبب موجودات کے اقسام ظاہر ہوتے ہیں حسی وخیالی موجودات اگرچہ چوپایہ میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے جو حصہ انسان کے لئے مخصوص ہے جو اشرف واعلیٰ ہے اور انسان میں یہ دونوں حس کسی اور غرض کے لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ وہ طلب غذا میں ان کا آلہ رکاب بنے اور وہ انسانوں کے مسخر ہو جائیں اور آدمی میں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ یہ دونوں اس کا جال بن سکیں اور ان دونوں کے ذریعہ وہ عالم اسفل میں معارف دینیہ کا شکار کر سکے کیونکہ انسان جب ایک شخص معین کو معلوم کر لیتا ہے تو اپنی عقل سے ایک عام اور مطلق معنی بھی نکال لیتا ہے جیسا کہ ہم نے عبدالرحمٰن بن عوف کی مثال میں ذکر کیا ہے جب یہ پانچوں ارواح معلوم ہو گئیں تو اب ہم مثال کی اصل غرض کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

آیت کی مثالوں کا بیان

ممکن ہے کہ پانچوں ارواح کا مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے تقابل میں کلام طویل ہو جائے لیکن میں انکا طریق معلوم کرنے میں اختصار ہی سے کام لوں گا۔ اگر تم

Marfat.com

دیکھنے والی روح کی خاصیت کی جانب دیکھو تو اس کے انوار کو چند سوراخوں سے خارج پاؤ گے جیسے دو آنکھیں دو کان دو نتھنے وغیرہ اور عالم مثال میں اس کی زیادہ مناسب مثال مشکوٰۃ ہے روح خیالی کے تین خواص ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ عالم کثیف سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ خیالی شے کے لئے مقدار صورت اور مخصوص جہات ہوتی ہے اور خیال کرنے والے کی نسبت سے قریب یا بعید ہوتی ہیں اور کثیف جو کہ اجسام کے اوصاف میں سے ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ ان انوار عقلیہ محضہ جو کہ جہات ومقادیر اور قرب وبعد کے وصف سے منزہ ہیں پردے میں ہے۔

(۲) یہ خیالی کثیف جب شفاف ورقیق اور مہذب ومضبوط ہو تو وہ ایسے معانی عقلیہ کے مناسب ہوتا ہے جو ان کے بالمقابل ہے اور اس کے نور کے چمکنے کو حائل نہیں۔

(۳) خیال ابتدائے امر میں اس کا انتہائی محتاج ہوتا ہے تاکہ اس کے لئے معارف عقلیہ کو محفوظ رکھ سکے پس تو مضطرب و پریشان نہ ہو کہیں وہ حافظ سے نہ نکل جائے۔ اس لئے کہ تم خیال مثالوں کو معارف عقلیہ کے لئے جمع کرو گے۔

عالم شہادت میں تم یہ تینوں خواص انوار دیکھنے والوں کی جانب منسوب کرتے ہو اور وہ زجاجہ (شیشہ) کے علاوہ کہیں نہ پاؤ گے اس لئے کہ اگرچہ زجاجہ جوہر کثیف ہے لیکن شفاف ورقیق ہے حتی کہ چراغ کے نور کو بھی نہیں چھپاتا بلکہ اسے علیٰ حالہ باہر پہنچاتا اور اسے تیز ہواؤں اور سخت حرکتوں کے بجھانے سے محفوظ رکھتا ہے پس وہ اس کی بہترین مثال ہے۔

تیسری وہ روح عقلیہ ہے جس میں معانی شریفہ کا ادراک ہوتا ہے اور تجھ پر وجہ تمثیل پوشیدہ نہیں اسے تم نے پہلے بیان میں جس میں کہ انبیاء کا چراغ روشن ہونا مذکور ہے پہچان لیا ہے۔

چوتھی روح روح فکری ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک جز سے شروع ہو کر دو شاخوں میں بٹ جاتی ہے۔ پھر ہر شاخ سے دو شاخیں نکلتی ہیں اور بہت سے شعبے تقسیمات عقلی سے بن جاتے ہیں حتی کہ آخر میں ظاہر نتائج تک پہنچ جاتے ہیں پھر وہ اپنے ہم جنسوں کے لئے بیج کا کام دیتے ہیں کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اثر پذیر ہوں اس جہان میں اس کی مثال شجرہ ہے۔ جب اس کے معارف کے ثمرات دوچند اور ثبات وبقا کے لئے مادہ ہیں تو مناسب یہ ہے کہ زیتون کے علاوہ اس کی مثال ناشپاتی، سیب، انار اور دیگر درختوں سے نہ دی جائے کیونکہ اسکے پھل کا مغز وہ زیت ہے جو کہ چراغ کا مادہ ہے اور تمام تیلوں میں چمک

Marfat.com

کے لحاظ سے خاص خصوصیت رکھتا ہے اور چونکہ اس درخت پر کثرت سے پھل آتا ہے اس لئے اس کو مبارک درخت کہتے ہیں تو وہ درخت کے پھل کی کوئی حد و انتہاء نہ ہو اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اسے مبارک درخت کہا جائے اور چونکہ افکار عقلیہ محضہ کے شعبے جہات اور قرب و بعد سے منزہ ہیں تو وہ اس امر کے زیادہ لائق ہیں کہ نہ وہ شرقی ہو نہ غربی۔

پانچویں روح، روح قدسی نبوی ہے جو کہ اولیاء اللہ کی جانب منسوب ہے بشرطیکہ وہ نہایت چمک دار اور صاف ہو اور روح مفکرہ اس امر کی جانب منقسم ہے جو کہ تعلیم اور تنبیہات خارجہ کی جانب منسوب ہیں جب تک وہ اقسام معارف میں رہیں ان میں سے بعض تو بہت شفاف ہیں گویا وہ کسی خارجی امداد کے بغیر خود بخود روشن ہیں تو اس صورت میں مناسب ہے کہ صاف سے قریب الاستعداد مراد لیا جائے بایں طور کے قریب ہے کہ اس کا زیتون روشن ہو جائے اگر چہ اسے آگ قطعاً نہ چھوئے کیونکہ بعض حضرات اولیاء ایسے بھی ہیں کہ قریب ہے ان کا نور چمک اٹھے اور وہ انبیاء کرام علیہ السلام کی مدد سے مستغنی ہو جائیں اسی طرح بعض حضرات انبیاء وہ ہیں جو کہ ملائکہ کی درد سے مستغنی ہیں۔

یہ مثال اس تقسیم کے مطابق ہے اور جب یہ انوار ایک دوسرے پر مرتب ہیں تو اس سے یہ خود ثابت ہو گیا کہ پہلی قسم حسی ہے اور وہ روح خیال کے لئے تمہید کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ حسی کے بغیر خیالی کا تصور ممکن نہیں اور فکر و عقل کا مقام ان دونوں کے بعد ہے اس لئے مناسب ہے کہ شیشہ چراغ کے محل کی مانند ہو اور طاقچہ شیشہ کے محل کی طرح اور جب یہ انوار ایک دوسرے پر فائق ہیں تو انھیں نور علی نور بھی کہا جا سکتا ہے اس بات کو خوب ذہن نشین کر لو خدا تعالیٰ توفیق بخشنے والا ہے۔

خاتمہ

یہ مثال مومنین انبیاء کرام اور اولیاء کے دلوں کے لائق ہے نہ کہ کفار کے کیونکہ نور کا ارادہ ہدایت کے لئے ہوتا ہے۔

جو شے طریق ہدایت سے پھیرنے والی ہو وہ امر باطل اور ظلمت ہے بلکہ ظلمت سے بھی بڑھ کر اس لیے کہ ظلمت جیسے حق کی جانب نہیں لے جاتی وہ ہدایت کی طرف بھی نہیں لے جاتی کفار کی عقلیں اندھی ہیں ان کے تمام ادراکات ان کی گمراہی پر مدد و معاون ہیں۔

ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سمندر کے بھنور میں پھنس گیا ہو اور جسے ایسی

Marfat.com

موج نے ڈھانپ لیا ہو کہ اس موج کے ساتھ پے درپے موجیں ہوں اس کے اوپر بادل اور ظلمتیں یکے بعد دیگرے چھائی ہوں۔

بھنور والا سمندر دنیا ہے جس میں بہت سے خطرات و مہلکات، حوادث و مکدرات، موجود ہیں جو انسان کو اندھا کرنے والے ہیں پہلی موج تو شہوتوں کی موج ہے جو کہ صفات بہیمیہ کو ابھارتی ہے اور لذاتِ حسنہ اور حاجات دنیاویہ کو پورا کرنے میں منہمک رکھتی ہے یہ لوگ اس طرح کھاتے اور نفع حاصل کرتے ہیں جیسے چوپائے کھائے جاتے ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو لازماً یہ موج تاریک ہوگی کیونکہ کسی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔

دوسری موج صفات درندگی کی موج ہے جو کہ غضب، عداوت، دشمنی، کینہ، حسد، بخیلی، فخر اور کثرت مال پر ابھارتی ہے لازماً وہ تاریک ہوگی کیونکہ غضب عقل کا بگولہ ہے اور لازماً یہ موج اعلیٰ درجہ کی ہوگی کیونکہ اکثر جب غضب موج مارتا ہے تو شہوات پر بھی غالب آجاتا ہے اور انسان شہوات ولذات سے غافل ہو جاتا ہے کیونکہ شہوات اس موج انگیز غضب کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

رہے بادل تو وہ اعتقادات خبیثہ، خیالات فاسد اور جھوٹے گمانات ہیں جو کہ ایمان معرفت حق اور قرآن سے نور حاصل کرنے میں حجاب بنے ہوئے ہیں اس لئے کہ بادل کی خاصیت یہ ہے کہ وہ نور آفتاب کی چمک کو چھپا لیتا ہے تو جب ان تمام اقسام کی تاریکیاں ہو تو انہیں ایسی ظلمتوں سے تعبیر کرنا مناسب ہے جو ایک دوسرے پر چھائی ہوں اور جب ان ظلمتوں کی موجودگی میں اشیائے قریبہ کی معرفت ممکن نہیں تو اشیائے بعیدہ کی معرفت کیونکر ممکن ہوگی اس لئے کفار نبی کریم ﷺ کے عجائبات اور معجزات کو سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ وہ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جب وہ اپنے ہاتھ کو نکالتا ہے تو اسے بھی نہیں دیکھ سکتا اور جب کہ تمام انوار کا منبع اول اللہ تعالیٰ ہے تو ہر موحد کو یہ اعتقاد کرنا چاہیے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور پیدا نہ فرمائے اس لئے کوئی نور نہیں اس آیت کے اسرار میں سے اتنا ہی کافی ہے پس اسی پر قناعت کرو۔

باب سوئم

نبی کریم ﷺ کے اس قول کے معنی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نور وظلمت کے ستر پردے ہیں اگر انہیں کھول دے تو اس کی ذات کی تیزیاں ہر اس چیز کو جسے اس کی آنکھیں پالیں ہلاک

Marfat.com

کر دیں اور بعض روایات میں سات سو اور بعض میں ستر ہزار پردے بھی آئے ہیں۔

اب میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لئے بالذات روشن ہے اور حجاب ہمیشہ محجوب کی بنسبت ہوتا ہے اور محجوب تین قسم کے لوگ ہیں۔

اول جو صرف ظلمت کے پردے میں ہوں۔ ثانیاً جو محض نور سے پردے میں ہوں۔ ثالثاً وہ لوگ جو اس نور سے پردے میں ہوں جو ظلمت کے ساتھ ملحوظ ہے۔ ان اقسام کی بھی بہت سے قسمیں ہیں ممکن ہے کہ میں انھیں شمار کرنے کی سعی کروں لیکن مجھے اس بات پر یقین نہیں کہ یہی تعداد مراد ہے اور اس تعداد سے حصر مقصود ہے معلوم نہیں کہ حدیث میں حصر مراد ہے یا کوئی اور شے، لیکن سات سو یا ستر ہزار پر حصر کرنا سو اس کا قوت نبویہ ہی ادراک کر سکتی ہے لیکن اس کے باوجود میرا یہ گمان ہے کہ یہاں مذکورہ عدد سے شمار مقصود نہیں۔ بلکہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ عدد کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے وہ خاص عدد مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے اس حقیقت سے خدا تعالیٰ زیادہ واقف ہے کیونکہ وہ ہماری وسعت علمی سے خارج ہے میری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ میں تجھے حجابات کے اقسام اور اقسام الاقسام کی تفصیل بتادوں جو حسب ذیل ہے۔

قسم اول

قسم اول میں وہ لوگ ہیں جو ظلمت میں محجوب ہیں اور یہ ملحد لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہی وہ لوگ ہیں جو دنیوی زندگی کو حیات اخرویہ پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی کئی قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو وہ لوگ ہیں جو اس جہاں کے سبب کو تلاش کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی طبیعت اسے محال تصور کرتی ہے کیونکہ طبیعت ایک ایسی صفت اور حالت ہے جو اجسام میں مرکوز ہے لیکن وہ خود تاریک ہے کیونکہ طبیعت میں نہ تو معرفت و ادراک پایا جاتا ہے نہ اسے اپنے نفس کی خبر ہے اور نہ اس کا تصور ہے اس کے لئے نور بھی نہیں جو ظاہری آنکھ سے دیکھ لے

۲۔ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس میں مشغول ہیں اور انھوں نے سبب کے تلاش کی سعی نہیں کی۔ ان لوگوں کی زندگی چوپایوں کی طرح ہے ان کے حجابات خود ان کا نفس اور ان کی شہوات ہیں اور ہوا و نفس سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں اسی لئے خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے "افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ" اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جن معبودوں

Marfat.com

کی عبادت کی جاتی ہے ان میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض خواہش نفس ہے ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

ایک طبقہ کا تو گمان ہے کہ دنیا کا مقصود حاجت وشہوات کو پورا کرنا اور لذات حیوانیہ کو حاصل کرنا ہے یعنی نکاح کھانا پینا اور لباس یہ لوگ لذات کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی کی طلب میں منہمک ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان امور کو حاصل کر لینا ہی اصل سعادت ہے انھوں نے اپنے لئے اسی کو پسند کیا ہے یہ لوگ چوپاؤں کے قائم مقام ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر۔ پس اس سے بڑھ کر کونسی ظلمت ہوگی یہ لوگ محض اندھیرے میں ہیں۔
"موجودہ دور میں اسی طبقہ کی اکثریت ہے"۔

ایک دوسرے فرقہ نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ غایت سعادت یہ ہے کہ غلبہ اور بڑائی حاصل ہو اسی باعث وہ قتل وغارت میں مشغول رہتا ہے۔ بدوی، جنگلی اور بعض کردوں اور اکثر بیوقوفوں کا یہی مذہب ہے۔ یہ لوگ صفات درندگی کی ظلمت میں محجوب ہیں کیونکہ درندگی ان پر غالب ہے اور ان کا مقصود بڑی بڑی لذات ہیں یہ لوگ اسی کو بہتر سمجھتے ہیں کہ درندگی کے مرتبہ پر قائم رہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ ذلیل مرتبہ پر۔

تیسرے فرقے کا تصور یہ ہے کہ انتہائے سعادت یہ ہے کہ بہت سا مال اور فراخی ہو اسی لئے کہ مال ہر قسم کی شہوت پورا کرنے کا آلہ ہے اور اسی سے انسان اپنی حاجت روائی کرتا ہے ان لوگوں کی ہمت صرف مال جمع کرنا اور اسے بڑھانا ہے۔ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ۔ عمدہ گھوڑے چوپائے کھیتی کی کثرت۔ یہی ان کی طلب ہے پھر یہ زمین کے نیچے اشرفیاں جمع کرتے ہیں تم انھیں دیکھو گے کہ وہ تمام عمر سعی کرتے خطرناک میدانوں کے طے کرتے سفر کی مشقتیں اٹھاتے سمندروں میں سفر کرتے، مالوں کو جمع کرتے اور اپنے نفس پر بخل سے کام لیتے ہیں یہی لوگ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کا مصداق ہیں ہلاک ہو جائے بندہ دینار اور ہلاک ہو جائے بندہ درہم۔

اس سے بڑھ کر کیا تاریکی ہوگی کہ انسان پر اتنی بات بھی مشتبہ ہے کہ سونا چاندی دونوں پتھر ہیں بالذات مقصود نہیں اور جب اس سے حاجات بھی پوری نہ کی جائیں اور ضروریات پر بھی انھیں خرچ نہ کیا جائے تو یہ کنکر کے برابر ہیں۔

ایک طبقہ ایسا ہے کہ ان کی جہالت اس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ (بلکہ تعلیم یافتہ) ہے ان کا گمان یہ ہے کہ سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ خوب جاہ وجلال ہو، شہرت ہو اور گھر گھر

Marfat.com

چرچے ہوں بہت سے متبعین ہوں اور حکومت کی باگ ہاتھ میں ہو۔

تم ان لوگوں کو دیکھو گے کہ ہمہ وقت آئینہ کی جانب دیکھتے ہیں" اور کنگھی چوٹی میں لگے رہتے" ہیں حتی کہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ گھر میں کھانے تک میسر نہیں لیکن وہ اپنا مال نفیس نفیس ٹکڑوں پر صرف کرتے ہیں تاکہ دیکھنے والے انھیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں اس قسم کے لوگ لاتعداد ہیں اور یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی جانب سے غافل اور ظلمت کے پردوں میں محجوب ہیں ان کے نفوس اندھے ہیں۔

ان تمام جماعتوں میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور ایسا مسلمانوں کے خوف کے سبب سے کرتے ہیں یا ان سے مدد لینا یا ان کے مال کی طلب مقصود ہوتی ہے یہ لوگ اپنے باپ داد کے مذہب میں تعصب پیدا کرتے ہیں جب اس کلمہ سے یہ لوگ عمل صالح کے جانب متوجہ نہ ہوں تو یہ کلمہ ہرگز بھی انھیں ظلمات سے نہ نکالے گا ان کے دوست شیطان ہیں جو انھیں نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتے ہیں لیکن جس شخص میں یہ کلمہ کم از کم اتنا اثر کر جائے کہ اسے برائی بری معلوم ہو اور نیکی اچھی معلوم ہو تو وہ خالص ظلمت میں نہیں اگر چہ گنہگار ہوں۔ یعنی اس میں ظلمت کے ساتھ نور بھی پایا جاتا ہے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ جماعت ہیں جو ایسے نور سے محجوب ہے جو ظلمت سے ملا ہوا ہے یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔

(۱) اول قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا منشاء حس ہے

(۲) دوسری قسم کے لوگوں کی ظلمت کا منشاء خیال ہے۔

(۳) ایک قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا مقصود قیاسات عقلیہ فاسدہ ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جو ظلمت حسیہ سے محجوب ہے یہ وہ گروہ ہے کہ ان میں ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے نفس کی جانب متوجہ ہو اور حرص کرنے سے محترز نہ ہو اور اپنے رب کی معرفت کا شوق نہ رکھتا ہو ان میں سے اول درجہ پر بت پرست لوگ ہیں اور آخر درجہ میں ثنویہ ہیں ان دونوں کے بھی کئی درجات ہیں۔

اول گروہ بت پرستوں کا ہے وہ فی الجملہ یہ جانتے ہیں کہ ان کا ایک رب ہے جو خود کو ان کے اندھے نفوس پر ترجیح دینا لازمی بتاتا ہے ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کا رب ہر شے سے زیادہ عزیز اور ہر نفیس شے سے بہتر ہے لیکن انھیں حس نے محجوب کر رکھا ہے کہ وہ عالم حس سے

Marfat.com

آگے نہیں بڑھتے انھوں نے عمدہ جواہرات سونا چاندی اور یاقوت سے عمدہ عمدہ مورتیں بنائی اور انھیں اپنا معبود یقین کر لیا۔ یہ لوگ صفات خداوندی اور اس کے جمال وعزت کے نور سے محجوب ہیں۔ انھیں اس نور سے جس کی ظلمت نے روک رکھا ہے کیونکہ حس عالم روحانی کے مقابلے میں ظلمت ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ایک خاص جماعت ہے جو ترکستان کے پرلی جانب واقع ہے ان کا نہ کوئی مذہب ہے اور نہ شریعت ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ان کا ایک رب ہے جو سب سے زیادہ خوبصورت ہے اسی لئے جب وہ کسی خوبصورت انسان، گھوڑے، درخت وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو اسے سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا رب ہے یہ لوگ جمال کے نور سے ظلمت حس کے ساتھ محجوب ہیں یہ بت پرستوں کی بنسبت نور کے ملاحظہ ہیں زیادہ داخل ہیں کیونکہ وہ مطلق حسن کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ کسی ذات خاص کی اور اسے کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے پھر وہ قدرت جمال کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ مصنوعی کی جسے خود انھوں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہو۔

تیسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ہمارا رب اپنی ذات میں نورانی ہو بلحاظ صورت خوبصورت ہو اور اپنے نفس میں غائب ہو اپنے حضور میں باہیبت ہو کوئی اس کے قرب کی طاقت نہ رکھتا ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک بھی غیر محسوس کا کوئی مقصد نہیں انھوں نے اس صفت پر آگ کو پایا اور اس کی عبادت کرنے لگے اور اسے اپنا رب بنالیا یہ لوگ سلطنت و رونق کے نور سے محجوب ہیں اور یہ تمام امور خدا تعالی کے انوار میں داخل ہیں۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ ہم آگ پر غالب ہیں اسے جلاتے اور بجھاتے اور اس میں تصرف کرتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا کے قائل نہیں بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جس شے میں سلطنت و رونق پائی جاتی ہے ہم میں اس کے تصرف میں داخل ہوں اور وہ بلندی کے ساتھ بھی موصوف ہو وہ خدا ہے۔

ان لوگوں میں علم نجوم اور ستاروں کی طرف تاثیرات کا منسوب ہونا مشہور تھا اس لئے ان میں سے بعض نے تو شعری کی عبادت کی اور بعض نے مشتری وغیرہ ستاروں کی اپنے اپنے اعتقادات کے مطابق کہ کن میں تاثیر زیادہ ہے عبادت شروع کی یہ لوگ بلندی کے نور اور اس کے اشراق وغلبہ سے محجوب ہیں اور یہ بھی خدا کے نور میں داخل ہے۔

چھٹا گروہ ان تمام لوگوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے وہ کہتا ہے کہ نور آفتاب کے ساتھ

Marfat.com

مخصوص نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور چیزوں میں بھی انوار ہیں اور یہ مناسب نہیں کہ نورانیت میں کوئی شے رب کی شریک ہو انھوں نے مطلق نور کی جو تمام انوار کا جامع ہے عبادت شروع کی ان کا خیال ہے کہ وہ رب العلمین ہے اور تمام خوبیاں اس کی جانب منسوب ہیں لیکن جب انھوں نے یہ دیکھا کہ دنیا میں برائیاں بھی ہوتی ہیں انھوں نے اسے اچھا نہ سمجھا کہ وہ ان برائیوں کو اپنے رب کی جانب منسوب کریں کیونکہ ان کے نزدیک ان کا رب برائیوں سے پاک ہے اس لیئے انھوں نے ظلمت کا جھگڑا کھڑا کر کے جہاں کو نور وظلمت کے حوالہ کر دیا اکثر نے ان کا نام یزدان واہرمن رکھا یہ لوگ ثنویہ ہیں اس گروہ کے بارے میں اتنی ہی معلومات کافی ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو ان بعض انوار سے محجوب ہے جو ظلمت خیال سے ملحق ہیں یہ لوگ حس سے تجاوز کر چکے ہیں اور محسوسات کے علاوہ بھی ایک امر ثابت کرتے ہیں لیکن وہ خیال کی حد سے متجاوز نہیں۔ انھوں نے ایسے موجود کی عبادت کی جو عرش پر بیٹھا ہوا ہے ان سے کم تر رتبہ والے مجسمہ ہیں پھر کرامیہ کے بھی مختلف اقسام ہیں ان کے مقالات ومذاہب کی شرح مجھ سے نہیں ہو سکتی پھر اس کے مزید بیان سے کوئی فائدہ بھی نہیں لیکن ان میں سے بلند مرتبہ لوگ وہ ہیں جو خدا تعالیٰ سے جسمانیت اور دیگر عوارض کی نفی کرتے ہیں لیکن ان سے بلندی کی نفی نہیں کرتے اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ جو شے جہات کے ساتھ موصوف نہ ہو یعنی نہ جہاں میں داخل ہو اور نہ جہاں سے خارج وہ ان کے نزدیک موجود ہی نہیں ہوتی انھیں معلوم ہی نہیں کہ معقولات کا پہلا رتبہ یہ ہے کہ جہات ومکان کی نسبت سے تجاوز کیا جائے

تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو کہ انوار الٰہیہ سے جو قیاسات عقلیہ فاسدہ کے قریب ہوں ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایسے معبود کی عبادت کی ہے جو سمیع وبصیر، عالم قادر، حی اور جہات سے منزہ ہے۔ لیکن انہوں نے اس کی صفات کو اپنی صفات کی طرح تصور کیا حتیٰ کہ بسا اوقات بعض نے اس کی تصریح بھی کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا کلام ہمارے کلام کی طرح حروف وآواز ہے بعض لوگوں نے اس میں ترقی کی اور بولے کے نہیں بلکہ اس کا کلام ہمارے دل کے کلام کی طرح کہ جس میں حروف وآواز نہیں علیٰ ہذا۔

جب ان سے سمع وبصر اور حیات کی حقیقت دریافت کی جاتی ہیں تو وہ معانی کے لحاظ سے تشبیہ کی جانب رجوع کرتے ہیں اگرچہ لفظاً اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے انھوں نے خدا کے بارے میں ان الفاظات کے اطلاق کے معنیٰ نہیں سمجھے اسی لئے اس کے ارادے کے

Marfat.com

بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا ارادہ ہمارے ارادے کی طرح حادث ہے اور وہ ہماری طرح قصد وطلب کرتا ہے یہ مذاہب مشہور ہیں جن کی تفصیل کی حاجت نہیں یہ لوگ تمام انوار کے باوجود قیاسات عقلیہ فاسدہ کی ظلمت میں محجوب ہیں۔

چوتھی قسم وہ گروہ ہے جو محض انوار سے محجوب ہے ان کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جن کا شمار دشوار ہے۔ میں ان میں سے تین قسموں کی طرف اشارہ کروں گا۔

اول قسم وہ ہے جنہوں نے صفات کے تحقیق معنی معلوم کر لیے ہیں اور یہ سمجھ لیا کہ کلام ارادہ، قدرت اور علم وغیرہ اسماء کا خدا پر اس قسم کا اطلاق نہیں جیسا کہ انسان پر کرتے ہیں اور انھوں نے خدا کی ان صفات کرنے سے اعتراض کیا ہے اور انھوں نے اس کی تعریف مخلوقات کی جانب منسوب کر کے کی ہے۔

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے اس قول کے جواب میں کہ رب العلمین کیا ہے تو جو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا تھا یہ لوگ ان صفات کے ساتھ اس کی تعریف کرتے اور کہتے ہیں رب جو ان صفات کے معنی سے پاک ہے وہ آسمانوں کا محرک اور مدبر ہے۔

دوسری قسم۔ اس گروہ نے اول سے زیادہ ترقی کی کیونکہ ان پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آسمان بہت سے ہیں اور ہر آسمان کا جداگانہ محرک موجود ہے جسے فرشتہ کہتے ہیں اور ان کی بھی کثرت ہے اور ان کی نور الہیہ کے ساتھ نسبت ایسی ہے جیسا کہ ستاروں کی انوار محسوسہ کے ساتھ نسبت۔ پھر ان پر بھی یہ ظاہر ہوا کہ یہ آسمان اور آسمان کے ضمن میں ہیں اور یہ تمام آسمان دن رات میں اسی آسمان کی حرکت سے حرکت کرتے ہیں پس اوپر کے رب جسم کا رب جو تمام آسمانوں حاوی ہے محرک ہے اس لئے کہ کثرت اس کی منافی ہے۔

تیسری قسم وہ گروہ ہے جو ان سے بھی ترقی کر گیا ہے اور کہتا ہے کہ اجسام کی تحریک ملاقات ومباشرت کے طور پر ہے مناسب ہے کہ رب العالمین کی خدمت وعبادت اس کے بندوں میں سے ایک بندے کی اطاعت کے لئے ہو جسے فرشتہ کہتے ہیں اس کی انوار الہیہ محضہ کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے انوار محسوسہ کی طرف چاند کی طرف نسبت۔ اور ان کا گمان یہ ہے کہ رب ہی اس محرک کے لحاظ سے مطاع اور حکم ماننے کے لائق ہے اور پروردگار نے ہر ایک کے لئے محرک پیدا فرمایا ہے اور یہ محرک بطریق امر ہے نہ کہ بطریق مباشرت۔

اس امر کو سمجھانے اور ان کی ماہیت میں اشارات ہیں جنہیں اکثر لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں اور یہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

یہ تمام انوار محضہ کے ساتھ محجوب ہیں اور پہنچنے والے چوتھی قسم کے ہیں جن کے لئے یہ امر بھی روشن ہے کہ یہ مطاع ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہے جو وحدانیت محضہ ہے اور اس مطاع کی وجود حق کی جانب ایسی ہی نسبت ہے جیسے آفتاب کی نور محض کی جانب نسبت یا انگارے کی خالص آگ کی جوہر کی طرف پھر انھوں نے اس سے اس محرک کی جانب جو آسمانوں کو حرکت دیتا اور اس کی جانب جو اس تحریک کا حکم دیتا ہے رجوع کیا۔ اس طرح وہ ایسے موجود تک پہنچے جو کہ ہر اس چیز سے پاک ہے جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں اور انھیں عقلیں پاتی ہیں کیونکہ انھوں نے اس کو مذکورہ تمام امور سے پاک اور مقدس پایا ہے۔

پھر ان کی بھی کئی اقسام ہیں بعض تو وہ ہیں کہ جن سے وہ سب امور کہ جنہیں ان کی آنکھ دیکھتی ہے اس کے نزدیک جل اور پھٹ گئے لیکن وہ خود جمال اقدس کا ملاحظہ کرتے ہیں اور اپنی ذات کو اس جمال سے دیکھ رہے ہیں جس نے حضرت الٰہی سے ملنے کے سبب جمال پایا ہے پس ان میں جتنی چیزیں دیکھی جاتی ہیں مٹ گئی ہیں۔

ان سے آگے ایک اور گروہ ہے ان میں خواص الخواص ہے انھیں ان کی اعلیٰ ذات کی تیزیوں نے جلا دیا ہے اور سلطان جلال نے انھیں ڈھانپ لیا ہے وہ اپنی ذات میں مٹ کر لاشی ہو گئے ہیں انھیں خود کا بھی لحاظ نہ رہا کیونکہ یہ لوگ خود سے بے پرواہ ہو گئے ہیں اور ان کے دل میں حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب حاصل ہو گیا۔ ''کل شیءٍ ھالک الا وجھہ'' ان کا ایک ذوق و حال ہے جس کا ہم نے پہلے باب میں اشارہ کیا ہم نے یہ واضح کر دیا کہ انھوں نے اتحاد کا کیسے اطلاق کیا یہ واصلین کی نہایت ہے۔

بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے ترقی و عروج کے مدارج اس تفصیل سے طے نہیں کئے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ان پر علوج نے زیادتی نہیں کی وہ اول ہی وہلہ میں معرفت کی اس ہر شے سے کہ جس سے اسے پاک کرنا چاہیے پاکیزگی کی جانب سبقت کر گئے بس ان پر اول ہی وہ شے غالب آ گئی جو اوروں پر آخر میں جا کر غالب آتی ان پر دفعتاً تجلیات کا ہجوم ہو گیا۔ اور اس کی ذات کی تیزیوں نے ان تمام چیزوں کو جلا دیا جنہیں بصر حسی یا بصیرت عقلی معلوم کرتی ہے اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلا طریقہ کار ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا اور دوسرا طریقہ کار نبی کریم ﷺ کا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے مقامات کے انوار اور ان کے اسرار کو خوب جانتا ہے یہ محجوبین کہ اقسام کی جانب اشارہ ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اگر مقامات کی تفصیل کی جائے اور سالکین کے اجابات کو تلاش کیا جائے تو ان کا عدد و شمار ستر ہزار تک پہنچ جائے لیکن جب تم تفتیش

Marfat.com

کرو گے تو ان میں سے کسی کو بھی ان اقسام سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خارج نہ پاؤ گے کیونکہ وہ یا تو اپنی صفات بشریہ یا حسن خیال یا قیاسات عقل یا نور محض سے محجوب ہیں جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

یہ وہ بیان ہے جو مجھے ان سوالاتؓ کے جوابات میں اسی وقت معلوم ہوا ہے باوجودیکہ مجھے سوال ایسے وقت ملا جب کہ طبیعت پریشان تھی اور اس فن کے علاوہ طبیعت بھی دوسری جانب مائل تھی میں سائل سے التماس کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے اس زیادتی سے جو میرے قلم نے کی ہے خدا سے معافی مانگے کیونکہ اسرار الہیہ کے بھنور میں غوطہ لگانا بڑا خطرناک امر ہے اور انوار علویہ کا پردوں کے اوپر سے کھولنا نہایت دشوار کام ہے۔ کوئی سہل نہیں۔

والحمدللہ رب العٰلمین وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد والہ الطیبین الطاھرین

تمت

Marfat.com

حامدا ومصليا

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسالہ موسوم بہ

حَقِيقَةُ السَّمَاعِ

بوارق الالماع

مصنفه شيخ طريقت وحقيقت ابو الفتوح شهاب الدين
احمد بن محمد غزالى رحمة الله تعالى برادرم امام همام
حجة الاسلام ابو حامد غزالى رحمة الله تعالى

Marfat.com

التماس

واضح ہو کہ مصنف کامل نے اس رسالہ کو بطور مناظرہ لکھا ہے اور منکران سماع کا اول اعتراض لکھ کر جواب دیا ہے اس واسطے اس ترجمہ میں کوشش اس امر کی ہوئی کہ کوئی فروگذاشت نہ ہو لہذا کوئی تصرف مترجم نے اپنی طرف سے نہیں کیا اور لغت کے مطابق ترجمہ کیا اور بعض الفاظ جو صوفیہ کرامؒ کے استعمال میں خاص طور ہیں ان کو اسی طرح لکھدیا ہے کیونکہ ترجمہ سے وہ بعید از فہم ہو جاتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

بسم اللہ

سب حمد کی لائق وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ کی ہے کہ جس نے اپنے بندوں کو میثاق اول میں خطاب الست بربکم درجہ معارف کے کامل کرنے کے واسطے سنایا اور طلاب کی عقول کو فوائد اعمال ولطائف کے ادراک کے واسطے کامل کر دیا اور ان کی ارواح کے پردوں کو جو جناب حدیث میں ترقی کے مانع تھی مصارف اور گردشوں کے دفع کے واسطے ہٹا دیا اور ان کے دلوں کو نور یقین سے نرم کر دیا اور ان کے نفوس کے آئینہ کو قوائے تمکین سے جلا دیدی یہاں تک کہ انھوں نے تجلیات کے آثار کو پالیا اور شہوتوں کی غلامی سے نجات پائی اور ان کی اجسادنی سماع میں جولاں کیا اس خواہش پر کہ روح کو چھٹکارا ہوا اور اس حرص پر کہ بڑے بڑے فتوح حاصل کریں کیونکہ ڈرنے والے آدمی کی صفات میں سے یہی صفت کامل تر ہے اور درود بھیجتا ہوں جناب نبی ﷺ پر جو کہ خاتم رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ایسا درود جو کہ اس کے قائل کو برکات وشرائف کی شاخوں تک پہنچادے کہتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا فقیر اور اللہ تعالیٰ کا محتاج واسطے حاصل کرنے فیض فضل باری تعالیٰ کے ملتجی اللہ تعالیٰ کی جناب میں احمد بیٹا محمد بیٹا محمد کا ساکن طوس جس کو اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملحق فرمائے کہ مجھ سے بعض سلجانی کے جو اللہ کی طرف آرام وتکلیف میں متوجہ ہیں خواہش کی کہ میں ایک رسالہ سماع اور اس کے فوائد

Marfat.com

میں لکھوں اور اس کے کرنے میں جو شروط ہیں وہ لکھوں تا کہ اسکے فوائد ظاہر ہوں اور قرآن مجید اور حدیث شریف اور افعال صحابہؓ کو اس پر گواہ لاؤں اور سماع کے منکروں کا رد کروں اور اس انکار سے جو الزام ان پر قرآن وحدیث وافعال صحابہؓ سے آتا ہے اس کو بیان کروں اور اس شخص کی نسبت جو اس کو حرام کہتا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف اور معقول ومنقول سے یہ دلیل لاؤں کہ وہ بالا جماع کافر ہے اور اس پر طریقے روشنیوں اور انعاموں کے مسدود ہیں جبکہ میں نے سائل کی صدق رغبت کو دیکھا تو اس کے سوال کی اجابت کی اور اس کتاب کو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کے بعد لکھنے سے اس کے واسطے نوال حاصل کیا اور اس کا نام بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع رکھا۔ اور اس کی بزرگی بالا جماع متعین ہوئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ سے کہ اس کتاب سے نفع پہنچائے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ قریب اور مجیب ہے۔ جان تو اللہ تعالیٰ تیرے دل کو نور اطاعت سے آراستہ فرمائے اور حقیقت شفاعت وشہادت میں تجھ کو درج فرمائے۔ کہ اس گروہ کا سماع ملاحظہ اسرار غریبہ کا ایسے اشعار سے ہے جو رقیق ہیں اور قوال ان کو اسرار اور باریکیوں کی آگاہی کے لئے اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ گاتا ہے۔ اور انھوں نے افعال میں سے اس کو بوجہ مرفوع ہونے حجتوں سماع کی بہ نسبت اور دوسروں کی دو باتوں سے پسند کیا ہے ایک یہ کہ سماع مقابلہ میں رتبہ نماز کی ہے پس نماز بغیر سماع صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ اگر مصلی نماز کے ارکان اور سنن اور شروط کو بطور تعلیم نہ سنے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی نیز نماز میں اگر چہ بظاہر جمیعت ہے مگر یہ باطن اس میں یا تفرقہ معنویہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور کا منافی ہے یا تفرقہ ظاہری ہے جو کہ معیوب ہے جیسے کہ خیالات فاسدہ کا نماز کی حالت میں قلب میں واقع ہونا اور سماع میں اگر چہ ظاہر میں تفرقہ ہے مگر اس کے باطن میں جمیعت ہے اس واسطے کے بوجہ استیلاء حکم سماع کے مستمع کے انکار سے عوارض فاسدہ جاتی رہتی ہیں یہاں تک کہ بسا اوقات مستمع کا نفس اس کے قلب میں خطور نہیں کرنا دوسرے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے موجودات کو پیدا کیا تو اس کے دو درجہ بنائے ایک وہ جس کا نام عالم غیب اور عالم ملکوت ہے اور یہ عالم سارے عالموں میں زیادہ وسیع اور زیادہ کامل ہے اور روح اور سر سے اس عالم میں تصرف ہوتا ہے اور اس عالم اور اس کے تجلیات کے وجدان کا اور اس کے نورانی معانی سمجھنے کا آلہ جس کے ذریعہ سے یہ کام ہو سکے ذوق اور صفائی دل اور بصیرت ہے اور اس عالم کے رہنے والے ملائکہ علیہ السلام اور ارواح ہیں اور یہ وہ درجہ ہے جس پر عقل اور حس حاوی نہیں ہو سکتی نہ تقلید اور نقل اس کا ادراک کر سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وکذالک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت

والارض ''یعنی اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت دکھانے لگے اور فرمایا یا رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے خبردار ہو جاؤ کہ نشانی عقلمندی کی یہ ہے کہ اس دھوکے گھر دینا سے آدمی دور رہے اور ہمیشہ رہنے کے گھر (آخرت) کی طرف رجوع کرے اور دوسرا وہ ہے جس کا نام عالم شہادت اور عالم ظاہر ہے اور یہ عالم غیب سے تنگ تر اور زیادہ قریب ہے اور اس عالم میں جو عجائب اور حکمتیں ہیں ان کے سمجھنے کا آلہ عقل اور حواس ہیں جو کہ بعض وقت شک میں پڑ جاتی ہیں اور ان پر امر ملتبس ہو جاتا ہے اور اس عالم کے رہنے والے اعیان ظلمانیہ حیوانیہ ہیں پس اللہ تعالی کی حکمت نے چاہا کہ ایسا مظہر پیدا کرے جو کہ انوار وظلمات کا مجموعہ ہو تا کہ تنزلات اور تجلیات کے معنی کا فہم اور قدرت کی نشانیوں کی حقیقت ظاہر ہو جائے پس وہ مظہر حقیقت نوع انسان ہے جو کہ سر یقین اور نور ایمان کا قبول کرنے والا ہے چونکہ عالم غیب زیادہ وسیع وکامل تھا اور عطا روح اور عقل اور کشف اس عالم سے متعلق تھی تو روح اور سر سے تصرف اس عالم میں ہوا اور چونکہ عالم شہادت بہ نسبت عالم غیب کے تنگ تر تھا اور اس کو مختلف قسم کی چیزوں کے جن کی صورتیں اور طبعیتیں مختلف ہوں اپنی صورت کے درست کرنے کے واسطے ضرورت تھی تو اس کو اللہ تعالی نے اپنی عنایت ازلی سے حواس اور نفس اور تمیز عطا فرمایا تا کہ اس کے واسطے سے وہ کمال معرفت اور فہم حاصل کرے اور جو سعادت اس کے حصہ میں لکھی گئی ہے اس کو پورے طور پر کمالی اور چونکہ انسان کا وجود محدود اور محصور تھا تو اس کے واسطے یہ امر ناممکن تھا کہ سب حاضر اور موجود اشیاء کو ایک ہی دفعہ سمجھ سکے اور مظاہر تجلیات حق پر ایک ہی بار حاوی ہو جاوے لہذا اللہ تعالی کے اپنا کمال رتبہ ایسے گروہ کو تفویض فرمایا جن کو اس درجہ میں بہ نسبت اس درجہ کے کمال اور قوت اور دوسرے میں نفوذ کا معدہ دیا تھا نیز چونکہ انسان جزئی بظاہر ضعیف الاستعداد تھا۔ تو اس کو اپنے مصالح کی درستی عالم ظاہر وباطن میں ناممکن ہوئی کیونکہ جزدرجات کلیہ کی احاطہ نہیں کر سکتا پس اللہ تعالی نے بعض انسان کو بعض کے حوالہ کر دیا اور ایک کو دوسرے کا مددگار بنا دیا اس طرح ہر ایک انمیں سے جلب منفعت اور دفع مضرت میں اپنے نفس سے دوسرے کا محتاج ایک واسطہ تک ہے پس اگر یہ واسطہ یا ذریعہ کوئی کنایہ یا اشارہ ہوتا تو یہ کمال مقصود کو پورا نہ کر سکتا اس لئے اللہ تعالی نے کلام کو جس میں آواز ہو واسطہ اپنی مہربانی سے بنا دیا تا کہ جلدی سے اترنے والا اور جلدی سے مٹانے والا اور ہر ایک کا طلب منفعت میں دوسرے سے مددگار ہو پس انسانی طبیعت نے آواز سے محبت کی کیونکہ انسانی طبیعت اس آواز کے صوری اور معنوی کمالات ہیں اور اللہ تعالی نے اسی کو دوسروں میں سے

Marfat.com

منتخب کیا جیسے کہ جسدی طبیعت اپنی بقا کے واسطے غذا کی اس حیثیت سے کہ وہ غذا ہی ممتاج ہے یہاں تک کہ حاجت کہ وقت تمام محبوب چیزوں پر از روئے جاہ ومال کے اختیار کرتے ہی پس جبکہ آواز میں زیادتیاں ترتیبوں کی اور ذوقی روحی ابہار اور پیدائشیں حاصل ہوئیں اور اسی کا نام علوم موسیقی ہے تو طبیعت زیادہ تر بہ نسبت اور لذتوں کے اس کی طرف مائل ہوگئی اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے جناب داؤد علیہ السلام کو صورت حسن (عمدہ آواز) عطا فرمائی تھی کہ جب وہ زبور شریف پڑھتے تھے تو ان کی مجلس میں بعض سننے والے مرجاتے تھے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یزید فی الخلق ما یشاء" کہ بڑھاتا ہے خلقت میں جو چاہتا ہے یعنی جو جسمی ترکیب ہے اس میں زیادہ فرمادیتا ہے مفسروں نے اس کی تفسیر اچھی آواز کی ہے یعنی خوش آواز ہی عطا فرماتا ہے اور فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے "من لم یتغن بالقرآن فلیس منا" جو کوئی قرآن مجید میں تغنی نہ کرے وہ ہماری جماعت میں سے نہیں اور فرمایا کہ اپنی آوازوں سے قرآن مجید کی زینت کردار اور جو کچھ کہ ہم نے ذکر کیا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ موسیقی نغمات کے ساتھ آواز کا بلند کرنا مطلقاً مطلوب انسان ہے لیکن یہ گانا سننا جو فقرا اور اصحاب احوال میں رقت باطن اور صفائی قلب کے واسطے مروج ہے تو اسکی بنا تین یعنی چیز زمانہ اور مکان اور اخوان (ہم صحبت لوگ) کی درستگی اور عمدگی پر ہے پس وہ زمانہ جس میں گانا سننا درست ہے وہ ہے جبکہ دلوں میں صفائی ہو اور لوگ اس وقت محبوب (اللہ تعالیٰ) کی رضا کی طلب کے واسطے جمع ہوں اور ان کا ظاہر نفسانی خطوظ سے مجرد اور ان کا باطن شہوانی عادتوں کے تعلق سے بالکل جدا ہو اور اپنے کو فارغ کریں واسطے حضور قلب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیام کرنے کے لئے نہ مراتب انسانی کے حاصل کرنے کے واسطے اس لئے کہ عبادت اور توجہ الی اللہ تعالیٰ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو نہ کسی اور علت کے واسطے پس جبکہ ایسے وقت لوگ جمع ہونگے تو بعض اور وضوح کی زیادتی ہوگی اور یہ اہل جنت کا وصف ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ونزعنا مافی صدورھم من غل الآیۃ 'اور نکال دیا ہم نے ان کے سینوں میں سے جو کینہ اور کھوٹ تھا اس آیت سے مراد اہل معرفت ہیں اور نزعنا کے معنی مٹادیا ہے اور فی صدور سے مراد اہل معرفت اور شہود اور صاحبان اذواق رقیقہ کے سینے ہیں اور من غل سے مراد دنیا کے خطوط کا طلب کرنا اور انسانی شہوتوں کا پورا کرنا ہے اور خوانا جو اس آیت میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ انوار اور طاعتوں اور معارف کے حاصل کرنے میں باہم شریک ہیں اس لئے کہ بھائیوں کی پیدائش ایک ہی جگہ سے ہوتی ہے علی سرر جو اس آیت میں ہے اس سے مراد احوال

Marfat.com

اور مقامات اسمائیہ ہیں اور متقابلین سے یہ مراد ہے کہ جنکی روح کا حکم ان پر غالب ہے ان کے مقابلہ میں ہیں جن پر کہ ان کے سر کا حکم غالب ہے "لا یمسھم فیھا نصب" سے مراد یہ ہے کہ ان کو علم باللہ اور علم بتدبیر اللہ میں کوئی حجاب اور رجوع نفس کی طرف لاحق نہیں ہوتا اور ماھم منہا بمخرجین سے یہ مراد ہے کہ وہ ایسے باغ سے جو کشف اور طاعات اور معارف کا ہے نہ نکلیں گے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رتبہ کمال اور مراتب وجود کے علم کا عطا فرمایا تو ان سے اس کو بالکل نہیں چھینے گا کیونکہ وہ سخی اور کریم ہے جب دیتا ہے تو بڑھاتا ہے اور واپس نہیں لیتا لیکن مکان جو گانا سننے کے واسطے سزاوار ہیں وہ زاویہ اور خانقاہیں اور مسجدیں ہیں اور مساجد بہتر ہیں کیونکہ مسجد بدنی عبادت کے واسطے بنائی گئی ہے اور دل وہ جگہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ظہور کے واسطے بنایا گیا ہے اور وہ دل اللہ کے تعالیٰ کے انوار کے نزول کی جگہ ہے پس جبکہ صاحب قلب مسجد میں نور قلب کی بڑھائی اور نفس کے صاف کرنے کے واسطے حرکت کرے تو وہ بہتر ہے اس شخص کے جسد کی حرکت سے جو بھی حضور کی نماز میں کرتا ہے اور اس میں خلاف نہیں کہ جو کوئی مسجد میں داخل ہو کر نماز ظاہری میں مشغول ہو حالانکہ دل اس کا وساوس اور خیالات اور ایسے امور سے بھرا ہوا ہے جن کو کہ شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور وہ کوشش کرتا ہے کہ موانع کو بھی زائل کرے اس کو دخول مسجد سے نہ روکا جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ظالم فاجر حرام خوار کا مساجد میں داخل ہونا محقق ہے جن کی بابت قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشغول اس فکر میں ہوتے ہیں کہ لوگوں پر ظلم کریں اور انکا مال چھین لیں مگر بظاہر نماز میں مشغول ہیں تو ایسے لوگ مسجد میں جانے سے نہیں روکے جاتے پھر کیونکہ وہ شخص مسجد میں جانے سے روکا جائے جو کہ صفائی دل اور جلا نفس کا خواہش مند ہے اس کا روکنا تو بالکل جائز نہیں کیونکہ وہ غرائب کلام کے سننے اور لطائف اشعار کے سمجھنے سے جو کہ ملکہ علیہ السلام کے ساتھ اس کے ثبوت نسبت کی واجب کرنے والی اور ابلیس و شیاطین سے اس کی نسبت کے قطع کرنے والے ہیں اپنے نفس کو نرم اور اپنی روح کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے لہذا جبکہ اہل صفا عبادت کی جگہ جمع ہوں اور بعض کے دلوں سے بعض کے دلوں کے صفا اور انوار اسرار کی زیادتی اور اس مکان کے نور سے نفوس اور ابدان کے صفا کی کثرت بھی چاہتے ہوں تو ان کے احوال میں زیادتی ہوگی اور ان کی ذاتیں کامل ہونگی کیونکہ جو مکان عبادت کے واسطے بنائے گئے ہیں ان کے ساتھ عالم غیب سے نور اور روح متعلق ہو جاتی ہیں تو اس کی حرمت اور بزرگی بڑھ جاتی ہے جیسے کہ اصطبل کہ اس کو جب مسجد بنایا جاوے تو تعظیم اور بزرگی اس سے متعلق ہو جاتی ہے

Marfat.com

حالانکہ وہ نجاست اور شیاصر (آ ہو برہ) کی جگہ تھی پس اس میں مبینہ جبکہ وہ مسجد ہے باطن کی نورانیت کو پیدا کرے گا جیسے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے المسجد بیت کل تقی' یعنی مسجد ہر پرہیز گار کا گھر ہے اور اخوان (ہم صحبت) تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ اخوان مطلقاً جو اس ایمان میں شریک ہیں جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''انما المؤمنون اخوۃ'' یعنی سوائے اس کے نہیں کہ مومن بھائی ہیں پس ایسی بھائیوں کی صحبت ہمیشہ کے واسطے جائز نہیں بلکہ تھوڑی دیر کے واسطے ان کی صحبت رکھی جائے تاکہ ان کو اس چیز سے جس سے وہ نفع حاصل کریں فائدہ پہنچایا جائے اور دوسرے اقوام ارادت اور محبت میں جیسے کہ وہ عام لوگ جو فقراء سے محبت رکھتے ہیں اور صفا کے طریقوں کے حاصل کرنے کے واسطے اپنی جان و مال سے ان کی مدد کرتے ہیں اگرچہ یہ لوگ ایسے اوصاف سے متصف نہیں جو کہ فقراء میں پائے جاتے ہیں تاہم ان کی مصاحبت بوجہ ان کی قوت محبت کے اہل ذوق و کمال کے ساتھ جائز ہے کیونکہ وہ بوجہ صدق اور قوت ارادت کے اہل صفا کہ قلوب سے انوار کو حاصل کرتے ہیں جیسے کہ سمع لیس آفتاب کی حرارت کا کسب کرتی ہے اور جب وہ عوام کی طرف جاتے ہیں تو اور لوگ ان سے نفع حاصل کرتے ہیں اور تیسری قسم کے اقوام صفا وہ لوگ ہیں جن میں کہ وحدہ اور تفرید اور ذوق اور شوق اور کمال اور صفات اور وصال کی صفات ہیں ایسے حضرات کی مصاحبت اس طرح واجب ہے جیسے کہ سپاہی کو لڑائی کے وقت اسلحہ کا رکھنا لازم ہوتا ہے اور مریدوں کے واسطے ان کی مصاحبت مستحب اور محبوں کے واسطے مندوب ہے تاکہ اہل کلام کی حرکات و سکنات کے ساتھ تشبہ ہو فرمایا حضرت رسول اللہ ﷺ نے ''من تشبہ بقوم فھی منھم ومن احب قوماً حشر معھم'' یعنی جس نے قوم کی سی صورت بنائی تو وہ ان میں ہی سے ہوگا اور جس نے کسی قوم کے ساتھ محبت رکھی تو اس کا حشر ان کے ساتھ ہوگا اور فرمایا جناب باری تعالیٰ نے ''یا ایھا الذین آمنو اتقو اللہ و کو نوا مع الصادقین'' یعنی اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو یعنی اگر خود سچوں میں سے نہیں ہو تو ان کے ساتھ ہی بن جاؤ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''ولو علم اللہ فیھم خیراً لاسمعھم'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان میں بھلائی جانتا البتہ سناتا یعنی حق اور حکمت اور موعظت اور نواہی (روکنے والی باتیں) ان کو سناتا اور یہ قول سنانے کا عام ہے خواہ قرآن مجید ہو یا حدیث شریف یا اشعار وغیرہ ہوں جو کہ سنائے جائے اور جناب نبی علیہ السلام نے فرمایا ''ان من الشعر لحکمۃ'' تحقیق بعض اشعار میں حکمت ہے لیکن جس کے حق میں اللہ تعالیٰ خیر نہیں جانتا تو اس کو بالکل حکمت اور

Marfat.com

معرفت اور مواعظ اور نواہی نہیں سنا تا تو اس حال میں جو خیر اور حق کے اشعار میں ہوتے ہیں وہ بھی نہیں سنا تا پھر جو کوئی کچھ بھی حق اور حکمت اور فائدہ سے حصہ نہیں پا تا وہ اس کا انکار کر دیتا ہے لہذا اس وقت یہ انکار اس کا خود اپنے نفس پر ہو گا اور اس کا انکار گانے اور دف اور اچھی آوازوں کے سننے سے مخالفت سنت کی ہے اور سنت کی مخالفت اعتقاداً یا تحریماً کفر ہے اور سنت سے منہ پھیرنا اور ترک جانا فسق ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ربیع بنت معوذ بن عفرا کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور میرے فرش پر بیٹھے اور میرے پاس دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور بدر کی لڑائی میں جوان کے بزرگ شہید ہوئے تھے ان کی تعریفیں گا رہی تھی تو ایک ان میں سے گانے لگی ”وفینا نبی یعلم مافی غد“ یعنی ہم میں ایسے نبی علیہ السلام ہیں جن کو کہ کل کی بات کا علم ہے اس پر حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ اور وہی گا جو پہلے گا رہی تھی اور شعر یہ تھا ” تحارب اقوام ببرقة تهندنه یضرب وطعن والیوف المهندلة“ تو اس میں ایک لڑکی گاتی وہ مصرعہ بنا کر گانے لگی کہ ہم میں ایسے نبی ﷺ ہیں کہ جن کو کل کی بات کی خبر ہے بس یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دف کی آواز اور گانے اور شعر کو ایسی حالت میں سنا کہ ان لڑکیوں کی آوازوں کا سننا بغیر حاجت کے درست نہ تھا اور وہاں خود حضرت ﷺ موجود تھے اور توجہ سے کام لگا کر سنتے تھے پس جب ایسی لڑکیوں کا درست ہوا تو مردوں کا بطریق اولیٰ درست ہے اور کیونکر حالانکہ حضرت ﷺ نے دونوں لڑکیوں کو دف بجانے اور گانے کا اس قول سے حکم دیا کہ گا جو تو گا رہی تھی اور امر جبکہ قرائن سے مجرد ہوتا ہے تو وجوب کے واسطے ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم واقیم الصلوٰۃ۔ یعنی نماز پڑھو یا ندب کے واسطے قرینہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہ قول اللہ تعالیٰ کا فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیراً“ یعنی مکاتب بناؤ ان کو اگر ان میں بھلائی جانتے ہو نیز اباحت کے واسطے ہوتا ہے جبکہ قرینہ ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ”واذا حللتم فاصطادوا“ اور جبکہ احرام سے فارغ ہو جاؤ تو شکار کرو اور یہاں امر وجوب کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے روبرو ان کو حکم دیا لہذا مخالفت آپ کی جائز نہیں اس لئے کہ جو وہ گا رہی تھیں اس کے اعادہ کا حکم فرمایا اور خود اس کے معانی کو کان لگا کر سن رہے تھے اور جبکہ رسول اللہ ﷺ دوسرے سے کچھ چاہیں اس حال میں کہ اس طرف متوجہ ہوں تو اس پر اس کا ذکر واجب ہے بوجہ اس حکم باری تعالیٰ کے کہ فرمایا ”یایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم“ یعنی اے ایمان والو حکم

Marfat.com

مانو اللہ تعالیٰ کا اور رسول علیہ السلام کا جبکہ وہ تم کو بلائیں ایک کام پر جس میں تمہاری زندگی ہے اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ حضرت ابو بکرؓ ان کے پاس آئے اس وقت کہ دولڑکیاں دف بجا رہی تھیں اس گفت وشنید کے ساتھ جو انصار کے بعاث کی لڑائی میں ہوئی تھی اور جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کپڑا اوڑھے ہوئے تھے تو ابو بکرؓ نے ان کو جھڑکا اس پر حضرت ﷺ چہرہ مبارک کھولا اور فرمایا کہ اے ابو بکرؓ ان کو چھوڑ دو تحقیق یہ عید کے دن میں یہ حدیث صراحۃً گانا اور دف سننے پر اور ایسی جگہ حاضر ہونے پر جواز کو ثابت اور منکروں کا ذکر کر رہے ہیں اور اس پر بھی دلیل ہے کہ جو انکار کرے اس کو روکنا اور انکار سے ہٹانا جائز ہے کیونکہ حضرت ﷺ نے منکر کو روکا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' لقد کان لکم رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ'' یعنی تم کو اچھی تھی رسول کی چال سیکھنی پس جس نے گانا سننے اور دف بجانے اور ایسے موقع پر شریک ہونے کو حرام کہا گویا اس نے یوں کہا کہ نبی ﷺ نے حرام فعل کو سنا اور حرام فعل کے نہی کو روکا اور جس نے ایسا اعتقاد کیا وہ بالاتفاق کافر ہوا اگر کہا جائے کہ یہ گانا صرف عید کے دن جائز ہے کیونکہ عید کے دن کی قید اس کے جواز میں پائی جاتی ہے ہم جواب دیں گے کہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ سبب کا خاص ہونا حکم کے عام ہونے کا مانع نہیں ہوتا اور اکثر قرآن مجید میں اسی طرح وارد ہوا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان الذین کفروا سواءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون'' جو منکر ہوئے برابر ہے ان کو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ نہ مانیں گے یہ آیت ابو جہل اور ابولہب اور عتبہ اور شیبہ اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے حق میں نازل ہوئی مگر حکم کفار کے بارہ میں عام ہے اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا'' اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلٰھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریما واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ'' یعنی کبھی پہنچ جاوے تیرے سامنے بڑھاپے کو وہ ایک یا دونوں تو نہ کہہ انکو اور نہ جھڑک اور کہہ ان کو بات ادب کی اور جھکا ان کے سامنے کندھے عاجزی کر کے نیاز سے اگر چہ اس آیت میں خطاب جناب نبی ﷺ کی طرف ہے مگر حکم عام سب کے واسطے ہے کہ والدین کی تعظیم کریں اور اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر حال میں جبکہ قلب وخاطر میں فرحت پائی جائے خواہ عید کے دن ہوں یا نہ ہوں تو اس میں گانا اور دف اور اشعار سننا جائز ہے اور مسند امام احمدؒ میں روایت ہے کہ حبشی حضرت رسول اللہ ﷺ کے سامنے دف بجا رہے تھے اور ناچ رہے تھے اور کہہ رہے تھے محمد ﷺ نیک بندہ ہیں حضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا کہہ رہے ہیں

Marfat.com

عرض کیا گیا کہہ رہے ہیں کہ محمد ﷺ نیک بندہ ہیں یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ ناچ دیکھنا اور دف اور گانا سننا جائز ہے اس پر بھی اگر کوئی کہے کہ ناچ دیکھنا اور گانا اور دف کی آواز سننا حرام ہے تو یہ اس کا افترا ہوگا کہ نبی علیہ السلام حرام کام میں حاضر ہوئے اور دوسرے کو حرام کا کرنے دیا پس جس کے دل میں یہ بات آئے گی وہ بالاتفاق کافر ہو گیا اور اگر منکر کہے کہ یہ جناب رسول علیہ السلام کے حق میں جائز تھا مگر ہمارے واسطے کیونکر جائز بتاتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور شارع تھے اور شارع علیہ السلام کے واسطے جائز نہیں کہ ایسے امر کو جس میں شرعی حکم پایا جائے چھپائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون'' یعنی وہ لوگ جو چھپا دیں ان بینات اور ہدایت کو جو ہم نے اتاری ہیں بعد اس کے کہ ہم نے لوگوں کے واسطے کتاب میں اس کو کھول دیا ہے تو وہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں اور فرماتا ہے ''واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتو الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ'' یعنی اور جب اللہ تعالیٰ نے میثاق ان سے لیا جن کو کتاب دی گئی تھی کہ لازم تم پر ہے کہ لوگوں پر اس کا اظہار کرو اور اس کا نہ چھپاؤ پس اگر ناچ اور حضور سماع اور غنا اور دف بجانا حرام ہوتا تو آیت کے مطابق حضرت ﷺ پر اس کا اظہار واجب تھا اور اگر محض حضرت کے واسطے جائز ہوتا تو اس کا اظہار بھی ضروری تھا جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو وصال (بغیر افطار دوسرا روزہ رکھنا) سے منع فرمایا اور خود ایسے روزے رکھے اور جب صحابہؓ نے پوچھا تو فرمایا کہ میں تم جیسا نہیں ہوں میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے پاس رات بسر کرتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے پس جبکہ حضرت نے ناچ دیکھا اور گانا اور دف سنا اور کسی کو اس سے منع نہ فرمایا تو یہ مطلقاً اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے اگر منکر کہے کہ ناچ کھیل ہے اور کھیل حرام ہے اس واسطے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کھیل مجھ سے نہیں نہ میں کھیل سے ہوں یعنی میری عادت اور سیرت کھیل کو نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس کھیل سے مراد حرام کھیل ہے جیسے کہ نرد اور جوا وغیرہ اس واسطے کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی علیہ السلام میرے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی لوگ مسجد میں اپنی لکڑیوں سے کھیل رہے تھے اور میں ان کے کھیل کو دیکھ رہی تھی پس جبکہ شارع کے سامنے مسجد میں کھیل جائز ہوا تو دوسرے محل میں بطریق اولیٰ جائز ہوا لہذا جو شخص کہے کہ کھیل مطلقاً حرام ہے تو وہ اس امر کا

Marfat.com

اعتراف کرتا ہے کہ جناب نبی نے حرام کام کو دیکھا اور حرام کو اس کے حال پر رہنے دیا حالانکہ جس کے دل میں یہ بات آئی وہ بالاتفاق کافر ہوا اور اگر منکر کہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے "لالعب الا فی ثلث الرمی والفرس وملاعبۃ الرجل مع اھلہ" یعنی سوائے تین محل کے اور جگہ کھیل جائز نہیں ایک تیر اندازی میں دوسرے گھوڑے کے ساتھ تیسرے شوہر کی ملاعبت بیوی کے ساتھ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حصر حاصر اہتمام کے واسطے ہے اور یہ تحریم ماسوا پر دلالت نہیں کرتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انما انت" (ڈرانے میں) حصر کیا اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ڈرانا مخصوص فقدان کے ساتھ ہے کیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں مگر اس نے حصر کا فائدہ نہ دیا کیونکہ ان کے سوا حضرت ﷺ بشر اور مبلغ وغیرہ بھی تھے اسی طرح یہاں بھی یہی ہے پس ان تین کا حصر کے ساتھ ذکر حیثیت کمال دین سے ہے تیر اندازی اور نوادو اور تحابب میں اپنی اہل سے میاں بیوی میں ثبوت موت کے لئے اور اولاد جو اور نہ اس کو عقل اور جو شخص ہدایت سے عاری اور خالی ہے وہ گمراہ ہے اور گمراہ دوزخی اور اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اور اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو نصاریٰ کی صفت قرار دیا ہے کہ فرمایا ضلوا من قبل واضلوا اکثیرا یعنی پہلے سے خود گمراہ ہوئے پھر بہت لوگوں کو گمراہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو کفر کے ساتھ موصوف فرمایا جیسے کہ فرمایا لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ یعنی تحقیق کفر کیا انھوں نے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک سے تین میں سے ہے پس اس سے لازم آیا کہ جسے گانیوالے کا گانا نہ سنا جو کہ مطلق قول باری تعالیٰ یستمعون القول سمجھا جاتا ہے اور جو کہ اپنے عموم پر باقی ہے اور کوئی مخصوص جس سے کہ اچھی آواز کا یا گانے کا یا دف کا سننا ممنوع ہے ہو نہیں پایا جاتا بوجہ اس کے کہ ہم روایات بخاری اور مسلم اور احمد سے دف اور گانا حبشیوں کا اور ان کا ناچ دیکھنا اور لڑکیوں کا گانا سننا بتایا گیا ہے تو وہ گمراہ کافر ہوگا کیونکہ حالانکہ تینوں کام حضرت ﷺ کے روبرو ہوئے جیسے کہ ایک انصاریہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی ہے اس امر کی کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں بجا اگر تیری نذر مانی ہوئی ہے اس نے بجایا اور یہ شعر گائے طلع البدر علینا من ثنیت الوداع وجب الشکر علینا ما دعی اللہ داع پس نبی ﷺ نے عورت کا گانا دف کے ساتھ سنا اس پر اگر کوئی کہے کہ گانا اور دف سننا اور ناچ دیکھنا حرام ہے تو اس نے یہ کہا کہ نبی ﷺ نے حرام کیا اور حرام کا حکم دیا تو جس کے دل میں یہ بات آئی وہ بالاتفاق کافر ہوا اور اس میں خلاف نہیں کہ نظر حرام کے ساتھ منعقد نہیں ہوتی لہذا اولا مذکورہ آیات اور احادیث سے ثابت ہو

Marfat.com

گیا کہ گانا سننا اور دف بجانا اور ناچنا مباح ہے اور جواز رقص میں اس سے ہی تائید ہوتی ہے جو کہ مسند امام احمدؒ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور جعفرؓ اور زید حضرت رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے زید سے فرمایا کہ تو میرا مولا ہے اس پر انھوں نے حجل کیا اور جعفرؓ سے فرمایا کہ تو میرے خلق اور غلق سے مشابہ ہے اس پر انھوں نے بھی حجل کیا پھر مجھ سے فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اس پر میں نے حجل کیا اور حجل ایک خاص ناچ ہے اور عام مرد خاص ہے پس جبکہ ایک نوع رقص کی جائز ہوئی تو مطلق رقص بھی جائز ہوا اگر منکر کہے کہ جواز حجل ہم تسلیم کرتے ہیں مگر اس کی کثرت تم کہاں سے نکالتے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک مطلق چیز میں سے جب بعض جائز ہوئے اور باقی کے واسطے کوئی ممانعت نہیں ہوئی تو وہ سب جائز رہی اس لئے کہ باقی حرام ہوتی تو جناب رسول علیہ السلام پر اس کا اظہار واجب تھا بوجہ اللہ تعالی کے اس قول کے ”وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس“ یعنی اے رسول ہم نے ذکر کو تیری طرف اتارا ہے تاکہ لوگوں سے بیان کردے پس اگر کثرت ارتکاب حجل کی حرام ہوتی تو حضرت ﷺ پر اس کا بیان واجب تھا۔ اور جبکہ حضرت نے تعرض نہ فرمایا تو اس کے مباح ہونے کی دلیل ہے پس یہ امور جو ہم نے ذکر کیے قرآن مجید اور حدیث شریف سے متعلق ہیں لیکن جو کہ متعلق منقول سے ہیں وہ یہ ہیں کہ ابوطالب مکی نے جو کہ اہل اسلام کے نزدیک معتبر شخص ہیں روایت کیا ہے کہ بعض صحابہ نے مثل امیر معاویہ وغیرہ کے اشارہ کیا ہے خلوت کے وقت کے اپنا نفس اس وقت خوش ہوا اور ہمیشہ سے علماء نے اہل ملت سماع کے لئے ہمارے زمانہ تک مواظبت کی ہے جیسے کہ عبداللہ بن جعفرؓ اور ماوردی نے حاوی کبیر میں ایک بات لکھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہ کو خبر ہوئی کہ عبداللہ بن جعفرؓ اپنا بہت وقت گانا سننے میں صرف کرتے ہیں تو انھوں نے عمرو بن عاص سے کہا کہ اٹھو ان کے پاس چلو اس لئے کہ ان کی بزرگی پر انکی ہوائے غسانی غالب ہوگئی ہے اور دونوں رات کو ان کے پاس آئے عبداللہ نے گانے والیوں کو سکوت کا حکم دیا اور ان کو بلا لیا جبکہ امیر معاویہ بیٹھے تو کہا کہ اے عبداللہ ان کو گانے کا حکم دو وہ گانے لگیں اور معاویہ تخت پر بیٹھے ہوئے سر اور پاؤں ہلانے لگے اس پر عمرو بن عاص بولے کہ تم انکو روکنے آئے تھے اب وہ تم سے بہتر حالت میں ہیں وہ بولے کہ چپ ہو جاؤ اے عمرو کریم آدمی طرب کرنے والا ہوتا ہے حالانکہ امیر معاویہ بڑے صحابیوں میں سے تھے اور کاتب وحی رسول ﷺ اور ان کی زوجہ مطہرہ ام

ا اس کو کہتے ہیں کہ پاؤں کو اٹھا کر دوسرے سے خوشی میں کودے۔

Marfat.com

جیبہؓ کے بھائی تھے اور صحابہؓ کی پیروی حصول ہدایت کا سبب ہے جیسے کہ حضرت ﷺ نے
فرمایا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت حاصل کرلو گے
لہٰذا جو کوئی ان کی پیروی سے رک گیا تو اس نے ہدایت حاصل نہ کی اگر منکر کہے کہ اوپر تقدیر
صحت اس قول کی مراد یہ ہے کہ سوا سماع کے اور سب صورتوں میں ان کی پیروی کرنی چاہیے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نفع نہ دے گی اس واسطے کہ اس صورت میں ہم اس کی حالت
صحابہؓ کے ساتھ ایسی ہو گی جیسے کہ ابولہب کی جناب رسولؐ کے ساتھ تھی کہ اس نے حضرت ﷺ
سے کہا کہ اے محمدؐ تم کہتے ہو کہ تمہارے اقوال پر ایمان لائیں اور منجملہ تمہارے قوال کے یہ قول
ہے کہ میں ایمان نہیں لاتا پس میں تمہارے اس قول کی تصدیق کرتا ہوں اس پر حضرت ﷺ نے
فرمایا کہ یہ تجھ کو نفع نہ دے گا اس واسطے کہ ایمان معتبر وہی ہے جبکہ سب باتوں پر جو رسولؐ لائے
ہیں ایمان لائے اور ان سے بغض نہ رکھے پس یہی حال یہاں ہے کہ صحابہ کے سماع کے مسئلہ
میں پیروی نہ کرنی اور باقی امور میں پیروی کرنی نفع نہ دے گی اور نہ ہدایت حاصل ہو گی اگر منکر
کہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور شیخ ابوالبیانؒ نے سمع کو حرام کہا ہے اور میں اس میں ان کی پیروی کرتا
ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ اول لازم ہے اس کو ماننا اس بات کا کہ امام ابوحنیفہ کی مراد وہ گانا
ہے جو کہ حرام ہے اور گمراہی اور لہو میں ڈالنے والا ہے نہ کہ مطلق غنا مراد ہے ورنہ اس کے لئے
مقدورات یعنی وہ باتیں جن سے خوف کیا جاتا ہے لازم ہو جائیں گے ایک ان میں سے کفر یا
فسق قطعی ہے اور یہ اس واسطے ہے کہ ہم کو تین قسم کی احادیث پہنچی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے اول
وہ جن کی اصل اور فرع متواتر ہے جیسے کہ حدیث نماز اور زکوٰۃ کی کہ ان کا کافر منکر ہے دوسرے
وہ جو کہ احاد الاصل اور مشہور الفرع ہیں جیسے کہ احادیث مسلم کی کہ ان کا منکر فاسق ہے تیسرے
وہ کہ احاد الاصل ہو جیسے کہ احاد الفرع ہے مثل اس حدیث کے کہ میں اللہ سے ہوں اور مومن
مجھ سے ہیں کہ اس کے منکر پر کچھ گناہ نہیں اور جو احادیث کہ گانے اور اشعار اور دف کے سننے
کے جواز پر ہم نے بیان کی ہیں وہ احاد الاصل مشہور الفرع ہیں پس اگر ان احادیث سے انکار کرے
گا تو فاسق ہو گا۔ اور اگر امام ابوحنیفہؒ کے قول کو پیغمبر خدا ﷺ کے قول پر ترجیح دے گا تو
بالاتفاق کافر ہو گا دوسرا اخذ وراس کے واسطے یہ ہو گا کہ اس نے ترک کیا ایسے قول کو جس کی صحت
میں عدالت کی شرط ہے بمقابلہ ایسے قول کے کہ جس کی صحت میں عدالت کی شرط نہیں اور یہ اس
طرح ہے کہ کتب فقہ میں جن سے اخذ فقہ ہوتا ہے عدالت کاتب اور عدالت راوی کی شرط نہیں
ہے۔ پس جائز ہے کہ کاتب پہلے یا دوسرے نسخہ میں کمی یا بیشی کر دے تو ایسے کتب پر یقیناً اعتماد

Marfat.com

نہیں بخلاف احادیث رسول اللہ ﷺ کے کہ وہاں صحت روایت میں عدالت کی شرط ہے اور جو کوئی ایسی بات کو اختیار کرے جس کی صحت میں عدالت کی شرط نہ ہو وہ سفیہ ہے کیونکہ سفیہ (بیوقوف) وہی ہے جو اپنے دین اور دنیا کے واسطے جوامر کے بہتر ہو اختیار نہ کرے اور یہ سفاہت وصف منافقوں کا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے حق میں "الا انہم ہم السفہآء" خبر دار ہو کہ وہ منافق ہے سفیہ ہیں اور منافق دوزخ کے نیچے کے درجہ میں ہونگے لہذا لازم آیا کہ جو کوئی ایسے قول کو جو سوائے نبیؐ کے کسی دوسرے سے منقول ہے اور اس کی نقل میں عدالت کی بھی شرط نہیں اختیار کرے اور اس کا عقیدہ کہے اور ایسے قول کو ترک کرے جو کہ حضرت نبیؐ سے منقول ہے اور اس سے منہ پھیرے تو اس کا ٹھکانا دوزخ کا نیچا درجہ ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ جو کوئی گانے کو حرام بتائے نبی ﷺ کے قول کے سوا دوسرے کے قول سے اور قول اور فعل نبی ﷺ کا ترک کردے تو اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا اور منکران سماع اس آیت سے استدلال کرتے ہیں "وما کان صلوتہم عند البیت الامکاء و تصدیۃ" یعنی نہیں تھی نماز ان کے نزدیک کعبہ شریف کے مگر سیٹی اور تالی بجانی پس مکاء سیٹی ہے اور تصدیہ ہتھیلی کا دوسری پر مارنا ہے جس سے وہ آواز نکلے ہم کہتے ہیں کہ یہ استدلال فاسد ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کعبہ شریف کے پاس ایسے افعال سے روکا اور کسی بات کو ایک حالت محرمہ میں روکنے سے اس کی ممانعت اور مقاموں میں جو کہ اس محل سے جدا ہیں لازم نہیں آتی اور اسی واسطے عورت کا پشت دست پر ہتھیلی کا مارنا نماز میں جبکہ کوئی حادثہ ہو تو جائز ہے اور دوسری جگہ جائز نہیں کیونکہ کعبہ شریف معظم اور اس کے گرد طواف محل نماز تھا تو وہاں ایسے فعل سے روکا نیز یہ فرمایا کہ نہیں تھی نماز انکے کعبہ شریف کے پاس اور یہ نہیں فرمایا کہ ان کا سماع نہیں تھا کعبہ کے پاس لہذا منع تصدیہ سے کعبہ شریف کے پاس اس کی ممانعت اور جگہ لازم نہیں آتی اور مانعان سماع اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ومن الناس من یشتری لھو الحدیث" یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو کہ کھیل کی بات کی خریدار ہیں اور کھیل کی بات یہی گانا ہے جس کا ہم جواب دیتے ہیں کہ لہو الحدیث سے کھیل ہی مفہوم ہے اور حق الحدیث کا سننا جائز ہے برابر ہے کہ وہ حق الحدیث قرآن مجید ہو یا شعر وغیرہ ہوں اور ہم نے صحیح حدیثیں جو کہ جواز اسماع دف اور غناء پر دلالت کرتے ہیں بیان کردیں اور یہ بھی حدیث ہے کہ بعض شعر سے حکمت ہے پس اس آیت سے یہ امر ثابت ہوا کہ لہو الحدیث سے مراد وہی سماع ہے جو کہ گمراہ کرنے والا اور حق اور عبادت سے مشغول کرنے والا اور بندہ کو حق سے دور کرنے والا ہو اور جو ایسا نہ ہو تو وہ اپنی

Marfat.com

اباحت پر باقی ہے اور یہ بات بھی ہے کہ جب کوئی ایسی فصل وارد ہو جو کہ عموم کو قبول کرتی ہے تو واجب ہے اول اس کا مخصص ڈھونڈا جائے اگر مخصص ملجائے تو تخصیص ہوگی ورنہ عموم پر حمل کیا جائے گا اس کی مثال یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''احثوافی وجوہ المذاحین التراب'' یعنی مدح کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالو پھر یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ﷺ کی مدح کی گئی تو آپ نے اس کے عوض میں انعام دیا اور تعریف فرمائی ابن زہیر نے یہ قصیدہ پڑھا ''بانت سعاد و قلبی الیوم مبتول'' یعنی اس پر نبی ﷺ نے اپنی چادر مبارک ان کو عطا فرمائی پس واجب ہوا کہ حمل کیا جائے حضرت کے مٹی ڈالنے کے حکم کو ایسے مدح کرنے والوں کی نسبت جو کہ جھوٹ اور فسق کے فساق کے واسطے مدح کرتے ہیں لہٰذا واجب ہے کہ لہو الحدیث بھی جھوٹ اور بیہودہ شیر اور گانا مراد لیا جائے اور جو ایسا نہ ہو تو وہ قطعاً جائز ہے اگر منکر کہے کہ سماع فقرا مباح ہے ہم کہیں گے کہ کسی کے واسطے یہ حلال نہیں کہ شرع میں کسی چیز کو حلال یا حرام کرے جس کی بابت کہ شارعؑ نے کوئی حکم نہ دیا ہو اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور اس کے بیچ میں مشتبہ امور ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب'' اور نہ کہو اپنی زبانوں کی جھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو پس جو یہ کہے کہ گانا سننا حرام ہے تو اس نے فی الحقیقت اس امر کو شرع میں حرام کیا جس کی بابت کوئی حکم نہیں کیونکہ کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول ﷺ میں کوئی نص تحریم سماع ورقص پر نہیں اور جو کوئی شرع میں اس چیز کو حرام کرے جو کہ حرام نہیں ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور جس نے اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی جھوٹ باندھا تو وہ بالا جماع کافر ہوا نیز عوام کا سماع اور رقص مشابہ اس سماع ورقص کے ہے جو حبشیوں کا رسول اللہ ﷺ کے حضور میں ہوا اور اس کے مباح ہونے میں عوام کے واسطے خلاف نہیں نیز ان کی حرکتیں سماع میں مشابہ ان کی خوشیوں کے باغوں میں ہیں اور اس کے مباح ہونے میں کوئی خلاف نہیں اسی طرح ان کی حرکات سماع میں بھی مباح ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جس نے کسی قوم جیسی اپنی صورت بنائی تو وہ ان میں سے ہے اور خالص اصحاب حق مثل بعض صحابہؓ اور اولیاء اللہ تعالیٰ مثل جنیدؒ وغیرہ کی سماع میں ملتی تھی جیسا کہ کتب رقائق میں ان سے منقول ہے پس اگر ایک عامی بھی ان کی سی صورت بنانے کے لئے حرکت کرے اس حال میں کہ ان کی برکات کا طالب

Marfat.com

ہے تو وہ بھی ان میں سے ہوگا اور حدیث میں ہے کہ وہ ایسی قوم ہے کہ بہ سبب ان کے ان کا ہم نشین شقی نہ ہوگا اگر منکر کہے کہ کوئی شخص انسان کی محبت یا انسان کی صورت پر وجد کرے گا تو حرام ہوگا ہم کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ہرگز جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ گے اور ہرگز ایمان نہ لاؤ گے جب تک کہ باہم محبت نہ کرو گے کیا میں تم کو نہ بتاؤں وہ بات کہ جب اس کا عمل کرو گے تو باہم محبت ہو جائیگی وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کرو اور ایک روایت میں ہے کہ آپس میں ہدیہ دو نیز حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کہاں ہیں باہم محبت کرنے والے میرے جلال کے واسطے پھر ان کے واسطے نور ممبر لگائے جائیں گے جس پر کہ انبیاء اور شہداء علیہ السلام رشک کریں گے پس اگر دو شخص آپس میں اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کریں اور ایک ان میں سے دوسرے کی محبت پر اللہ تعالیٰ کے واسطے حرکت کرے تو یہ مباح ہوگا جبکہ باطل کے ساتھ نہ جانے گیا ہو اگر منکر کہے کہ عامی حرکت نہیں کرتا مگر باطل طور پر یہ کھیل ہے اور یہ حرام ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے جب تیرے بھائی سے کوئی بات ظاہر ہو اور اس کا حمل اچھے معنی پر ہو سکتا ہو تو اس کا حمل برے معنی پر نہ کر بس جبکہ ہم مومن موحد کو خواہ عامی ہو یا غیر عامی سماع میں حرکت کرتے ہوئے دیکھیں اور وہ باطل کے ساتھ نہ جانا گیا ہو واجب ہے کہ اس کے فعل کو حق پر حمل کریں پس اگر اس کے ساتھ وہی

گمان کیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے کہا تو وہی ہے ورنہ اس کے اعتقاد کا کام تو اللہ تعالیٰ کی سپرد ہے نہ اس کی طرف دیکھنے والے کے اگر معترض کہے کہ بغیر جھانج کے دف کا بجانا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جائز ہے کیونکہ عرب کا دف ایسا ہی تھا مگر جھانج کے ساتھ دف بجانا ہم تسلیم نہیں کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی بابت کوئی حکم حرمت یا کراہت کا نہیں آیا ہے۔ اس واسطے مباح ہے پس اگر ملا دیا جائے کلام استماع جو سنا جائے ایک مباح کے ساتھ جو سنا گیا ہے تو سب مباح ہو جائے گا مگر اس وقت نہ ہوگا جبکہ کوئی قرینہ ان کی جماع کی منع پر ساتھ تحریم کے دلالت کرے جیسے کہ دو بہنوں کے ساتھ نکاح کے ہر ایک سے جدا جدا جائز ہے اور دونوں میں جمع کرنا حرام ہے لیکن قصب فارسی اس کے بارہ میں کوئی حکم نہیں اس لئے وہ اپنی اباحت پر باقی ہے مگر مزمار (بانسری) حرام ہے اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس کی آواز کو حضرت ﷺ نے سنا اور کانوں کو بند کر لیا نیز جو شخص کہ گانا اور رقص اور دف بجانے کا منکر ہے اس کو اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ سے لڑائی بالاتفاق کفر ہے اور یہ اس طرح ہے کہ صحیح حدیث میں آیا

Marfat.com

ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی کی تو وہ میری لڑائی کے واسطے میدان میں نکلا اور امت محمدیہ ﷺ نے اس امر پر اتفاق ہے کہ اس امت میں اولیاء ہیں اور سب کے طرف مسلمانوں نے صحت ولایت حضرات جنیدؒ اور شبلیؒ اور معروف کرخیؒ اور عبداللہؒ بن حفیف وغیرہ نے ہم پر اتفاق کیا ہے ان اولیاء وغیرہ ہم میں سے جن کا رسالہ القشیری میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی ان کے نزدیک ان صاحبوں کے اعداد و حالات میں ثابت ہوا ہے کہ وہ گانے میں وجد کرتے تھے اور رقص کرتے تھے واسطے ترک ماسوی اللہ کے اپنے قلوب سے پس جو کوئی سماع کو مطلقاً حرام کہتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ یہ حضرات حرام کے مرتکب ہوئے اور جس نے ان کو حرام اور مباشرت فعل حرام سے منسوب کیا تو اس نے از روئے قول و اعتقاد کہ ان سے دشمنی کی اور جس نے ان سے دشمنی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے واسطے میدان میں آیا اور جو اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے واسطے نکلا وہ بالاتفاق کافر ہوا پس تحقیق اللہ تعالیٰ کے غضب کو کمالایا اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہوا اور وہ بری بازگشت ہے پس جبکہ ان تقریرات اور دلائل اور احادیث سے جن کو ہم نے بیان کیا ثابت ہو گیا کہ سماع مطلقاً مباح ہے اور اس کا منکر یہ کافر یا فاسق ہے اور وہ مریدوں کے واسطے مستحب اور اولیائے خدائے تعالیٰ کے لئے بہ نسبت ان کے مقامات کے واجب ہے کیونکہ وہ حضرات مجرد ہیں اس چیز سے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے طرف اللہ تعالیٰ کی جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ چاہتے ہیں اس کی وجہ کو اور جبکہ وہ کوئی بات ظاہری صورتوں میں سے پاتے ہیں تو اس کو معانی غیبیہ پر حمل کرتے ہیں جیسے کہ جناب رسول ﷺ نے اسید بن حضیر کے بارہ میں فرمایا انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں شب گذشتہ کو سورہ بقرہ پڑھ رہا تھا کہ ناگہاں میرے سر پر اینا بادل چھایا جس میں چراغ تھے حضرت نے فرمایا کہ وہ سکینہ تھی تو اسی طرح اولیاء اللہ تعالیٰ صورتوں کو معانی پر حمل کرتے ہیں بوجہ ان کے مراتب صور کی ترتیب کے اور مراتب معانی میں ان کے سیر کے پس دف ان کے نزدیک اشارہ ہے طرف دائرہ اکوان کی اور جو جھلی اس پر چڑھی ہوئی ہے وہ اشارہ ہے طرف وجود مطلق کی اور ضرب جو دف پر پڑتی ہے اس میں اشارہ ہے طرف ورود واردات الہیہ کے باطن بطون سے ترف وجود مطلق کی واسطے تحویل اشیاء کے باطن سے ظاہر کی طرف اور پانچ جلاجل سے اشارہ ہے طرف مراتب نبوت اور مراتب ولایت اور مراتب رسالت اور مراتب خلافت اور مراتب امامت کی اور اس کی آواز سے اشارہ ہے طرف تجلیات الہیہ اور علم الٰہی کے ان مراتب کے واسطہ سے اولیاء اور اہل کمال کے قلوب میں اور نفس مغنی سے اشارہ ہے طرف عطیات حق تعالیٰ کی جیسا کہ وہ

Marfat.com

اشیاء کا محرک اور موجد اور مغنی ہے اور آواز مغنی سے اشارہ ہے طرف حق وارد کی اس کی طرف سے باطن بطون میں اور اشارہ ہے طرف مراتب ارواح اور قلوب کہ اسرار ہیں اور قصب سے اشارہ ہے طرف ذات انسانیہ کی اور نو سراخوں سے اشارہ ہے طرف منافذ ظاہری انسان کی اور وہ نو سراخ ہیں دو آنکھیں اور دو کان اور دو سراخ ناک کے اور منہ اور دبر اور نو سوراخ مقلوب قلب اور عقل اور روح اور نفس اور سر اور جوہر انسانی اور لطیفہ ذاکیہ اور فواد اور شغاف ہیں اور جو پھونک کے کتب میں جاتی ہے اس میں اشارہ ہے طرف نفاذ نور اللہ تعالیٰ کے قصب ذات انسان میں ان کا ہلنا گانے میں اشارہ ہے طرف یاد کرنے طیر حقیقت انسانیہ کی مقام خطاب ازلی میں اس وقت جبکہ الست بربکم فرمایا تھا اور وہ مضطر ہوئے سر کو قفص جسم کے کھینچنے اور اس کے وطن حقیقی کی طرف پھیرنے کے لئے اس حیثیت سے کہ فرمایا وطن کی محبت ایمان ہے یعنی وطن ارواح کی جہاں ہے کہ روح کو ایجاد کیا گیا جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ونفخت فیہ من روحی یعنی پھونک دی اس میں میں نے اپنی روح سے اور رقص اشارہ ہے طرف جولان روح کی گرد دائرہ موجودات کے واسطے قبول کرنے تجلیات اور تنزیلات کے اور یہ عارف کا حال ہے اور فعل اشارہ ہے طرف وقوف روح کی اور اس کے سر اور اس کے وجود کی اور اس کی جولان نظر اور فکر کی اور اس کے نفوس کے مراتب موجودات میں اور یہ محقق کا حال ہے پس اس کو نیچے اوپر کی طرف اشارہ ہے اس کے کھینچنے کا انسانی سے طرف مقام احدی کے اور کائنات کے واسطہ سے آثار روحانیہ کے حاصل کے اور اللہ تعالیٰ کے نور کی امداد کے پس جبکہ اس کی روح حجاب سے نکل جاتی ہے مراتب صواب تک پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنا سر کھول دیتا ہے پھر جبکہ ہر چیز سے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے مجروح ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متصل ہو جاتا ہے تو اپنے کپڑے اتار دیتا ہے پھر اگر گانے والا بھی صاحب حال ہے اور مقام ہے تو وہ اپنے کپڑے اس پر پھینک دیتا ہے اور اگر اس درجہ کا نہیں ہے تو اس کی طرف پھینکا ظلم ہے اس لئے کہ صاحب حال کے کپڑے اس کے حال کی صورت ہیں اور اس کے حال کے قبول کا وہی مستحق ہے جو کہ اس کے رتبہ کا ہو پھر اگر محقق مقام علوی پر چڑھ گیا اور گانے والا مقام سفلی میں گر رہا ہے تو وہ ایک شعر مناسب اپنے حال کے اس کو القا کرتا ہے پھر اگر اس پر مشکل ہو جائے اس کو پیچھے چھوڑتا ہے اور اس کا حال اس پر پھیر جاتا ہے تو دوسرا لیتا ہے اور اس کے ساتھ حال کرتا ہے تا کہ اس کا حال اس کے حال کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس کا عاقدہ حل ہو جائے پھر اگر وہ پیاسہ ہو جائے اور پانی پینا چاہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مغلوب ہو گیا اس لئے کہ مقام روح اور مقام صفا ہے اور

Marfat.com

اس کی غذا انوار سے ہوتی ہے پس جب پیاسہ ہوگا تو دلیل اس کی ہوگی کہ وہ مقام جسد کی طرف واپس آیا اور مقام روح کا اور حال روح کا غیب کے ساتھ غذا حاصل کرنی ہے اور اس کو ظاہر کی احتیاج نہیں اور مقام جسد صورت کے ساتھ غذا حاصل کرتا ہے تو جب غیب سے شہادت کی طرف رجوع کریگا پانی مانگے گا اور یہ اس کے نقصان کی دلیل ہے اور لیکن معنی معقول شرف سماع پر دلالت کرنے والا پس وجود اس کا دلالت کرلیتا ہے اس امر پر کہ احوال لاحق دو قسم کے ہیں حرکت اور سکون پس حرکت صفت ارواح اور اسرار کی ہے اور سکون صفت اجساد اور کثیف صورتوں کی اور حرارت اور کثیف صورتوں کی اور حرارت اور لطیف ہونا حرکت کے لوازم میں سے ہے اور بستگی (جماؤ) اور بدلنا سکون کے لوازم میں سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ پانی حوض میں ٹھہرا رہتا ہے اگرچہ کثرت سے ہو بعد گزرے زمانے کے اس کی حالت پلٹ جاتی ہے اور اگر تھوڑا سا بھی جاری ہو تو نہیں بدلتی پر اس طرح جبکہ آواز موجود باطن میں اثر کرتی ہے تو روح کو بلندی پر چڑھنے کی خواہش کے لئے حرکت دیتی ہے پس یہ بھی روح کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتا ہے تب اس کے وجود میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے فضلہ کھلاتے ہیں اور اس کے قلب میں آثار مشہودہ ظاہر ہوجاتے ہیں دوم یہ کہ وہ غذا جو محسوس ہوتی ہے بدن کو قوی کرتی ہے اور اس کا حصول غذا کے استعمال سے ہے اور غذا روح کے قلب اور شہر کو قوی کرتی ہے اور یہ استعمال سے ایسے آلات کے ہوتا ہے جو کہ نور اور حیات کے عالم غیب سے اتارنے کے ہیں اور وہ وہی تحریک روح کی اور اشعار رقیقہ سے معانی غریبہ کا بستا تعلقات کونیہ کا ترک کرنا اور روحانی منزلوں کی طرف کھنچنا ہے اور ان امور کے حاضر ہونے کا آلہ اجتماع اخوان اور طلب مدد اللہ الرحمٰن سے ہے سوم یہ کہ سماع آدمی کو امور ظاہرہ سے مجرد کرتا ہے اور انوار اور اسرار باطنہ کے قبول کے واسطے آمادہ کرتا ہے پھر جتنا کہ اس کا وجد سماع میں زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس کے سیر اور طیر عالم ارواح میں زیادہ ہوتی ہے اور جب کثرت سے اس کی زیادتی ہوجاتی ہے تو اس کا قلب رقیق ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے آثار فیض اور تجلیات میں سے پہنچ جاتے ہیں تو اس کو مقام وصول بغیر ریاضت اور جذبہ کے حاصل ہوجاتا ہے چہارم یہ کہ آواز ظاہر سے باطن میں نفوذ کرنے والی ہے اور قلب سے متصل ہوجاتی ہے پھر قلب اور روح بواسطہ اختلاف نغموں کے اور متعدد ہونے ان معانی کے جو روح پر وارد ہوتے ہیں مرات وجود سے منتقل ہوجاتے ہیں اور قلب جسد کو روح کے پیچھے لگا دیتا ہے حرکت میں پھر وہ توہمات سے متجرد ہوجاتا ہے پھر قوائے جسدیہ میں وہ معانی منفصلہ جو کہ روح میں ہیں نفوذ کرتے ہیں پھر جسد مقام روح

Marfat.com

تک کھنچتا ہے اور پردہ اٹھ جاتا ہے پھر ان معانی اور حقائق کو ایک ہی دفعہ مشاہدہ کر لیتا ہے اور یہ مقام کمال عیانی ہے جو کہ بہت قسم کی ریاضتوں سے حاصل نہیں ہو سکتا پنجم یہ کہ سماع باطن میں سکون اور ظاہر میں حرکت ہے اور اس کے سوا سب عبادات سوائے روزہ کے ظاہر میں حرکت ہیں اور حرکت ظاہرہ کثرت سے متناسب ہوتی ہے پس جس قدر حرکت سماع میں زیادہ ہوگی اسی قدر سکون قلب میں زیادہ ہوگا پھر وہ قلب اس چیز سے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے مجرد ہوگا اور اس میں وجد پیدا ہوگا اور مقام احدی کی طرف کھنچے گا تو وہ نظر شوق سے اللہ تعالیٰ کے ایسے عالموں کو دیکھے گا جن کا عقلیں اور سمجھیں احاطہ نہیں کر سکتیں اور لیکن یہ تین ارکان نماز اور حج اور شہادت (کلمہ طیبہ اگرچہ ظاہر میں حرکت ہیں لیکن دو حرکتوں میں کبھی ایک سکون روحی وجہی ظاہر ہوتا ہے جو کہ اسکے صاحب کو فنا اور بقا کی طرف قوت اور مدد دیتا ہے اور لیکن روزہ ظاہر اور باطن سکون ہے اور دو سکونوں میں سے ایک حرکت اللہ سے اور ساتھ اللہ کے اور واسطے اللہ کے یہ پیدا ہوتی ہے اور یہی اطلاق تام اور حکم عام ہے پھر جبکہ یہ سماع منتشر ہوا اور اس کے مراتب مشتمل حقائق ارکان پر ہیں مثل نماز اور حج کے اور دونوں شہادتیں اس کے مراتب ظاہر میں سے ہیں اور روزہ اور زکوٰۃ اور اس کے باطن کی طرف سے ہیں تو انسان کو سماع میں وہ کمالات حاصل ہوتے ہیں جو کہ اور عبادات کے مواظبت سے حاصل نہیں ہو سکتے ششم یہ کہ سماع مشتمل احوال کمالیہ پر ہے جو کہ اس میں نہایات مقامات ہیں اور سین سماع اشارہ کرتا ہے طرف سم کی یعنی بھید سماع کا مثل زہر کے ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی تعلقات غریبہ سے مر جاتا ہے اور وہ اس کو مقامات غیبیہ تک پہنچا دیتا ہے اور اس کا میم اور عین اشارہ کرتا ہے معیت ذاتیہ آلہیہ کی طرف جیسے کہ فرمایا حضرت علیہ السلام نے کہ میرے واسطے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے اور اس کے سین اور میم اور الف مشعر ہیں اس امر کے صاحب سماع علوی ہو جاتا ہے اور مراتب سفلیہ سے نکل جاتا ہے اور اس کے الف اور میم اشارہ کرتے ہیں طرف ام کی تاکہ جانا جائے کہ صاحب سماع اصل ہر چیز کی ہے پس وہ غیب سے بسبب اپنی روحانیت کے مدد لیتا ہے اور دوسروں کو مراتب موجودات میں سے اس سے فیض پہنچتا ہے اور علم جو اس کی طرف اشارہ کرنے والا ہے کملہ ماہی اور عین اور میم اس کی اشارہ کرتی ہیں طرف (ع م) کی یعنی صاحب سماع بسبب اپنی روحانیت کے علویات اور بسبب حیات قلب کے سفلیات اور اس کے سوا اور مراتب غیبیہ پر مشتمل ہے پس تحقیق کہ صاحب سماع ان مقامات آلہیہ تک پہنچتا ہے جہاں تک کہ ہزاروں اجتہاد اور کامل تر ریاضتوں سے نہ پھنستا اور اسی طرح سماع کے فوائد انتہائے

Marfat.com

فائدہ تک پہنچتے ہیں جن کو کہ صاحب ذوق اور شہود پاتا ہے اور ہم اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی حمد پر ختم کرتے ہیں اور ہم کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ فرمایا جب میں کسی امر کا تم کو حکم دوں تو اس کو جہاں تک ہو سکے بجالاؤ۔

وصلى الله على سيدنا محمد واله وصحبه وسلم تسليما
والحمد الله رب العالمين يا الله يا رحمن يا حى يا قيوم

الحمد اللہ تعالیٰ کہ ترجمہ لوارق السماع مصنفہ شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ تمام ہوا۔

فقط

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آداب الاخلاق

یعنی

اخلاقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

مصنفہ

جناب امام ہمام حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ

Marfat.com

اردو ترجمہ کتاب

آداب واخلاق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آنحضرت ﷺ کے اخلاق و معجزات

جاننا چاہیے کہ ظاہری آداب باطنی آداب کے عنوان ہوتے ہیں اور اعضاء ظاہری کی حرکتیں دلی خیالات کا ثمرا ہوا کرتی ہیں اور ظاہر اعمال باطنی اخلاق کے نتائج ہوتے ہیں اور اخلاق وآداب انجام معرفت ہیں اور اسرار باطنی اعمال وافعال کے منبع ہیں باطنی نور سے ہی دراصل ظاہری زینت وزیبائش حاصل ہوتی ہے اور اسی کی برکت سے ظاہری برائیاں خوبیوں سے بدل جاتی ہیں جس شخص کے دل میں خوف خدا نہیں ہوتا اس کے ظاہری اعضاء سے بھی خوف خدا معلوم نہیں ہوتا جس کا سینہ انوار الٰہی سے منور نہیں ہوتا اس کے ظاہری اعضاء پر بھی اخلاق وآداب نبوی کی چمک نظر نہیں آتی۔

میرا ارادہ تو یہ تھا کہ معاملات کے اختتام پر ایک باب تمام آداب زندگی کے بیان میں لکھدوں لیکن جب میں نے سوچا کہ جلد اول ودوئم کے ہر باب میں تھوڑے باب مذکور ہیں سو اگر ان کو دوبارہ لکھا جاوے تو مضمون مقرر ہونے کے باعث ناظرین کی طبائع پر گراں معلوم ہوگا اس لئے تمام آداب زندگی ذکر نہیں کیے گئے بلکہ صرف حضور ﷺ کے وہ اخلاق کریمہ ذکر کیے گئے ہیں جو صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیے گئے ہیں لیکن اسناد کو بوجہ طوالت ترک کر دیا گیا ہے اخلاق نبوی ﷺ کو یکجا جمع کر لینے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جناب سرور کائنات ﷺ کے اخلاق حمیدہ معلوم کر کے انسان کا ایمان تازہ اور مضبوط ہو جاوے کیونکہ حضور کی ایک عادت شریف ایسی ہے کہ جس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ تمام مخلوقات سے برگزیدہ انسان ہیں جب ایک عادت شریف کا یہ حال ہے تو جس صورت میں تمام اخلاق

Marfat.com

حسنی حضور کی ذات اقدس میں جمع ہوں اس صورت میں کیونکر آپ بہترین خلائق نہ ہونگے۔

اخلاق کے بعد آپ کے وہ معجزات ذکر کروں گا جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں تا کہ اخلاق حسنی کا بیان مکمل ہو جاوے اور منکروں کا پردہ غفلت دور ہو جاوے خدائے تعالیٰ سے التجا کہ وہ ہمیں تمام اخلاق وآداب اور تمام امور دینی میں حضور سراپہ نور کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے وہی متحیروں کا رہنما اور بیقرار سائلوں کی دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔

گو اخلاق نبوی کا ایک دریائے ناپیدا کنار ہے۔ لیکن تاہم ہم اس کو تیرہ بیانوں میں تحریر کریں گے۔

پہلا بیان

اس امر میں کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آداب قرآنی سے مؤدب فرمایا

جناب رسالتمآب ﷺ بارگاہ الٰہی میں بے حد گریہ وزاری فرما کر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ "اللھم احسن خلقي وخلقي" یعنی خدایا میرا ظاہر وباطن اچھا کر دے نیز یہ دعا بھی کیا کرتے "اللھم اجنبي منكرات الاخلاق" یعنی اے اللہ مجھے بری عادتوں سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی یہ دعائیں قبول فرمائیں اور اپنے اس وعدہ کو پورا کیا "ادعوني استجب لكم" یعنی لوگو تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا چنانچہ آپ پر قرآن مجید نازل فرما کر اس کے ذریعہ آپ کو اخلاق وآداب کی تعلیم دی اسی لئے حضور پر نور ﷺ کی عادت ثانیہ تمام قرآن مجید ہو گیا تھا چنانچہ حضرت سعدؓ بن ہشام سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حضور انور ﷺ کے اخلاق وعادات کا حال دریافت کیا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تو قرآن مجید پڑھتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں پڑھتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بس آنحضرت ﷺ کا خلق بعینہ قرآن مجید تھا۔

---

[1] روایت کیا اس حدیث کو حضرت امام احمدؒ بن حنبل نے حضرت ابن مسعودؓ اور عائشہ صدیقہؓ سے لیکن ان کے الفاظ یوں ہیں اللھم احسنت خلقي فاحسن خلقي الٰہی تو نے مجھے خوبصورت بنایا ہے خوبصورت سیرت بھی بنا۔

Marfat.com

حسب ذیل آیات قرآنی میں حضور پرنور ﷺ کو اخلاق وآداب کی تعلیم دی گئی ہے۔

''خذ العفو''

(۱) خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین۔ یعنی اے پیغمبر ﷺ لوگوں کے قصور معاف کر دیا کرو ان کو نیکی کی ہدایت کیا کرو، اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔

(۲) ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی۔ یعنی اللہ تعالیٰ انصاف احسان اور رشتہ داروں کو کچھ مال دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

(۳) اصبر علی ما اصابک ان ذالک من عزم الامور۔ یعنی اے پیارے حبیب جو تکالیف ومصائب آپ کو پہنچے آپ ان کو صبر واستقلال سے برداشت فرمایئے کیونکہ ہمت کا کام یہی ہے۔

(۴) ''لمن صبر وغفر ان ذالک لمن عزم الامور'' یعنی جو شخص سب صبر ومعافی اختیار کرے وہ بہترین انسان ہے کیونکہ صبر ومعافی واقعی بڑی ہمت کا کام ہے۔

(۵) ''فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین'' یعنی اے پیغمبر آپ ان لوگوں کا قصور معاف فرما دیجیے اور ان سے درگزر کیجیے بیشک خدا تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے۔

(۶) ''والیعفوا والیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم'' ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ معاف اور درگزر کر دیا کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے۔

(۷) ''ادفع بالتی احسن فاذ الذین بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم'' یعنی اے پیغمبر آپ لوگوں کو اچھا جواب دیا کریں اس سے آپ کے دشمن ایسے بن جاویں گے جیسے کوئی پکا دوست ہوتا ہے۔

(۸) ''الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس۔ واللہ یحب المحسنین'' یعنی اللہ کے بندے غصہ کو ضبط کر جاتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتے ہیں۔

Marfat.com

(۹)"اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا" یعنی زیادہ بدگمانی مت کیا کرو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے اور کسی کی عیب جوئی بھی مت کیا کرو اور نا ہی ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔

جنگ احد میں جب حضور انور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ کے سر مبارک پر سخت چوٹ آئی تو حضور کے چہرہ انور پر خون بہتا جاتا اور آپ خون کو پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ ان لوگوں کا کیونکر بھلا ہوگا جنھوں نے اپنے نبی ﷺ کے چہرہ کو خون آلودہ کیا حالانکہ وہ نبی ان کو سیدھی راہ بتلاتا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

(۱۰)لیس لک من الا مر شیء اویتوب علیهم او یعذبهم فانهم ظالمون ۔اے پیغمبر آپ کو کچھ اختیار نہیں اللہ تعالیٰ خواہ ان کو توبہ کی توفیق عطا کردے خواہ انھیں عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کا مقصد اولین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو آداب اخلاق حسنی کی تعلیم دے کر تمام مخلوقات کو آپ کے ذریعے ادب اور تہذیب سکھائی جاوے اسی لئے حضور نے فرمایا ہے کہ میں اخلاق حسنی کی تکمیل کے لئے رسول ہو کر آیا ہوں پھر حضور اکرم ﷺ نے مخلوقات کو اخلاق حسنہ میں سے ان امور کی ترغیب دی جن کا ذکر ہم نے باب ریاضت نفس اور تہذیب اخلاق جلد ثالث میں کریں گے اس لئے ان امور کو یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاق حسنی میں کامل و مکمل فرمایا تو تعریف و توصیف کے طور پر فرمایا ﴿وانک لعلی خلق عظیم﴾ یعنی اے ہمارے حبیب آپ اعلیٰ درجہ کے خوش اخلاق ہیں سبحان اللہ خدائے تعالیٰ کا کس قدر کرم و فضل ہے کہ خود ہی اپنے پیارے حبیب کی تعریف فرماتا ہے کہ اے پیغمبر آپ کے اخلاق نہایت اعلیٰ ہیں حضورؐ[1] نے تمام دنیا کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اچھے اخلاق پسند ہیں اور برے اخلاق ناپسند حضرت علی کرمؓ فرماتے ہیں کہ افسوس ہے اس مسلمان پر جس کے پاس کوئی دوسرا مسلمان کسی حاجت کے

---

[1] روایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور حاکم اور بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے۔

[2] روایت کیا اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے حضرت سہل بن سعدؓ سے۔

Marfat.com

لئے آوے اور وہ اس کی کچھ بھلائی بھی نہ کر سکے اگر اس کو ثواب کی امید وار عذاب کا ڈر نا بھی ہو تو بھی اس کو یہ تو لازم ہے کہ اخلاق حسنہ سے پیش آوے کیونکہ اخلاق حسنہ ہی سے نجات حاصل ہوتی ہے کسی شخص نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ یہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے کیا یہ آپ نے حضور ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے حضور ﷺ سے علاوہ اس کے ایک اور بات بھی سنی ہے جو اس سے بھی بہتر ہے وہ یہ کہ جب حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں قبیلہ بنی طے کے قیدی گرفتار ہو کر آئے تو ان میں ایک لڑکی بھی تھی اس نے حضور سے عرض کیا کہ اگر آپ مصلحت سمجھیں تو مجھے معاف فرمادیں تاکہ قبائل عرب کو مجھ پر ہنسی کا موقع نہ مل سکے کیونکہ میں اپنی قوم کے سردار کی لڑکی ہوں میرے والد ماجد کا یہ شیوا تھا کہ وہ اپنی قوم کی حمایت کیا کرتا تھا قیدیوں کو رہا کر دیا کرتا تھا بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا اور لوگوں سے بکثرت سلام کیا کرتا تھا انھوں نے کبھی کسی حاجت مند کو مایوس نہیں پھیرا یعنی میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بیٹی یہ تو عادتیں ایمان داروں کی ہیں اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ان عادات کی بناء ہم اس پر درود سلام بھیجتے یہ فرما کر حکم دیا کہ اس لڑکی کو رہا کر دو کیونکہ اس کا باپ اخلاق حسنی سے موصوف تھا اور اللہ تعالیٰ خوش اخلاق لوگوں کو پسند فرماتا ہے حضور نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جنت میں خوش اخلاق ہی داخل ہونگے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ[1] سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دو چیزوں میں منحصر کر دیا ہے ایک اخلاق حسنی دوسرے نیک اعمال ہیں جملہ اخلاق حسنی واعمال صالح کے حسب ذیل امور ہیں۔

(۱) آپس میں محبت سے رہنا۔ (۲) اچھے کام کرنا (۳) لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا (۴) خیرات کرنا (۵) کھانا کھلانا (۶) سلام کثرت سے کرنا (۷) مسلمانوں کی بیمار پرسی کرنا (۸) مسلمان خواہ نیک ہو یا بد اس کے جنازہ کے ساتھ جانا (۹) ہمسایہ خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کے ساتھ محبت سے رہنا (۱۰) بوڑھے مسلمانوں کی تعظیم کرنا (۱۱) اگر کوئی دعوت کرے تو اسے قبول کرنا (۱۲) دوسروں کی دعوت کرنا (۱۳) لوگوں کے قصور معاف کرنا (۱۴) لوگوں میں صلح وامن قائم رکھنا (۱۵) سخاوت کرنا (۱۶) دوسرے کو پہلے سلام کرنا (۱۷)

۱؎ کیا اس حدیث کو حکیم ترمذیؒ نے اپنی کتاب نوادر میں تھوڑی سے ضعیف سند سے۔

۲؎ اس حدیث کا حوالہ مجھے معلوم نہیں ہوا اور دوسری روایت جو حضرت جنبلؓ بن جبل سے آگے آتی ہے اس کے سامنے اس کی ضرورت بھی نہیں

Marfat.com

غصہ کو پی جانا (۱۸) لوگوں سے درگزر کرنا (۱۹) جو چیزیں اسلام میں حرام ہیں ان سے بچنا مثلاً کھیل، تماشہ راگ، باجہ، سارنگی، وغیرہ آلات لہولعب بغض وکینہ عیب کی ہر ایک بات، غیبت، جھوٹ، بخل، کنجوسی، دغا، فریب، بدتہذیبی، چغلی، باہم جنگ وجدال رکھنا رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا، بدمزاجی تکبر وغرور گالی گلوچ وفحش باتیں کرنا اور سننا، بدفالی، شگون بدلینا، سرکشی، حد سے گزرنا، ظلم وستم کرنا۔ حضرت انسؓ[۱] فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسی کوئی عمدہ نصیحت نہیں چھوڑی جو ہمیں نہ بتلائی ہو اور نہ کوئی ایسا عیب چھوڑا جسے ہمیں ڈرایا یا منع کیا ہو اجمالی طور پر یہ سب باتیں (جو اوپر مذکور ہوئیں اس آیت میں آ جاتی ہیں)

﴿ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذالقربیٰ وینھی عن الفحشاءِ والمنکر والبغی﴾ یعنی اللہ تعالیٰ انصاف احسان اور رشتہ داروں کو کچھ مال دینے کا حکم کرتا ہے اور بےحیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

حضرت معاذؓ[۲] بن جبل فرماتے ہیں کہ جناب سرور عالم ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ اے معاذؓ میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا سچ بولا کر۔ وعدہ کو پورا کیا کر۔ امانت کو ادا کیا کر۔ امانت میں خیانت نہ کیا کر ہمسایہ کا لحاظ رکھا کر۔ یتیموں پر رحم کیا کر۔ لوگوں کے ساتھ نرمی سے گفتگو کیا کر۔ اور لوگوں کو سلام بہت کیا کر۔ نیک عمل کیا کر۔ لمبی امید دل میں نہ ٹھانا کر۔ ایمان پر ثابت قدم رہ۔ قرآن مجید کی سمجھ پیدا کر۔ آخرت کی محبت رکھ۔ حساب قیامت سے ڈرتا رہ۔ تواضع اختیار کر۔ نیز میں تجھے منع کرتا ہوں کہ کسی دانا اور عقلمند شخص کو گالی مت دینا اور سچے کو جھوٹا مت کہنا کسی گنہگار کی اطاعت مت کرنا۔ اور بادشاہ عادل کی نافرمانی مت کرنا۔ فتنہ وفساد نہ کرنا۔ نیز میں تجھے نصیحت کرتا ہوں۔ کہ خدا سے ڈرتا رہو۔ خواہ (تو اتنا مفلس ہو کہ) تیرے پاس بجز پتھر ڈھیلے اور درخت کے اور کوئی چیز نہ ہو ہر گناہ پر تازہ اور نئی توبہ کرنا پوشیدہ گناہوں کی پوشیدہ اور ظاہر گناہوں کی ظاہر توبہ کرنا الغرض سرکار دوعالم ﷺ نے مکمل طور پر دنیا کو اخلاق وآداب اور اعمال صالحہ کی دعوت وتبلیغ کی اور ان کو بااادب بنانے کی سعی بلیغ کی۔

---

۱ اس حدیث کی سند مجھے دستیاب نہیں ہوئی لیکن مضمون حدیث بالکل صحیح ہے۔

۲ روایت کیا اس حدیث کو امام ابو نعیمؒ نے کتاب الحلیہ میں اور امام بیہقیؒ نے کتاب الزہد میں۔

Marfat.com

دوسرا بیان

حضور انور ﷺ کے ان اخلاق حمیدہ کے ذکر میں جو بعض علماء نے احادیث سے منتخب کیئے ہیں

حضور علیہ الصلوۃ والسلام ۱؎ لوگوں سے زیادہ نرم مزاج، سب ۲؎ سے زیادہ بہادر ۳؎ ۴؎ اور سب سے زیادہ پارسا تھے کسی غیر عورت کو آپ کا دست مبارک کبھی میں لگا آپ ۵؎ سب سے زیادہ سخی تھے یہاں ۶؎ تک کہ رات کو آپ کے پاس ایک دھیلا بھی باقی نہیں رہتا تھا اگر اتفاقاً کچھ بچ بھی جاتا اور رات تک کوئی محتاج نہ آتا تو اس وقت تک آپ اپنے دولت خانہ میں تشریف نہیں لاتے تھے جب تک کہ کسی حاجتمند کو وہ بچا ہوا مال دے نہ چکتے۔ خدا تعالیٰ ۷؎ نے آپ کو جو کچھ مال دے رکھا تھا آپ اس میں سے سوائے اپنی غذا یا دیگر اشد ضروری اخراجات کے اور کچھ نہیں لیتے تھے غذا بھی نہایت ارزاں کھجوروں اور جو کی ہوتی تھی۔ باقی مال راہ خدا میں خرچ کر دیتے تھے۔

حضور ﷺ ۸؎ سے جو کوئی چیز مانگتا آپ اسے عطا فرما دیتے پھر آپ ۹؎ اپنے سال بھر

۱؎ اس حدیث کو روایت کیا امام ابو الشیخ نے کتاب الاخلاق میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن آبزی سے مرسلاً اور امام ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن سلام سے ایک لمبی حدیث کے ضمن میں۔

۲؎ راوی حدیث بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۳؎ راوی ترمذی بروایت علیؓ کتاب شمائل ترمذی۔

۴؎ بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ۔

۵؎ بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ

۶؎ ابو داؤد بروایت بلالؓ اور بخاری میں بروایت عتبہ بن الحارث اسی کا قریب ایک اور مضمون ہے۔

۷؎ بخاری مسلم بروایت عمر فاروقؓ

۸؎ روایت کیا اس حدیث کو طیالسیؒ و دارمیؒ نے سہلؓ بن سعد سے اور بخاری و مسلم نے بروایت انسؓ و جابرؓ اس مضمون کو مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے۔

۹؎ یہ مضمون ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی کی ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جو حضرت ابن بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر......

Marfat.com

کے خرچ میں سے بھی راہ خدا میں دیا کرتے اور سائلوں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے حتی کہ اگر آپ کے کوئی نیا خرچ نہ آتا تو وہ معینہ خرچ سال ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا آپ! اپنا جوتا خود ہی گانٹھ لیا کرتے اور خود ہی اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیا کرتے اور اپنے گھر کا کام بھی خود ہی کر لیتے تھے چنانچہ ۲ ازواج مطہرات (بیویوں) کے ساتھ گوشت کاٹتے حضور ۳ سب سے زیادہ حیادار تھے کسی کے چہرہ پر آپ کی نظر نہیں جمتی تھی آزاد ۴ وغلام ہر (ہر چھوٹے بڑے) کی دعوت قبول فرما لیا کرتے تھے ۵ اور جو کوئی ہدیہ (تحفہ) حضور کی خدمت اقدس میں پیش کرتا اس کو بخوشی قبول فرما لیتے خواہ وہ ہدیہ دودھ کے ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران کے برابر ہی کیوں نہ ہو ہدیہ کا احسان ضرور اتار دیتے یعنی ہدیہ کے بدلے میں ہدیہ دیتے ہدیہ ۶ کو تناول فرما لیتے لیکن صدقہ وخیرات کا مال نہیں کھاتے تھے لونڈی اور مسکین کی دعوت قبول فرمانے سے کچھ عار نہ کرتے ان کے ساتھ تشریف لے جاتے اللہ تعالیٰ کے خاطر لوگوں پر غصے ہوتے لیکن اپنے لئے ان پر غصہ نہیں فرماتے تھے حق کی اشاعت فرماتے تھے خواہ اشاعت حق میں آپ کا اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جاتا بعض مشرکوں نے حضور سے درخواست کی کہ کیا ہم آپ کے حامی ومددگار ہو کر آپ کے مخالف دشمنوں سے بدلہ لیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں مشرکوں سے مدد نہیں لیتا حالانکہ حضور کے پاس اس وقت آدمیوں کی اس

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... عباسؓ سے مروی ہیں یعنی جب آپ نے وصال فرمایا ہے اس وقت آپ کی زرہ مبارک بیس صاع جو کہ عوض گروی تھی یہ جو حضور نے اپنے گھر والوں کی خوراک کے لئے قرض لئے تھے یہی مضمون بخاری میں بروایت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔

۱ راوی احمد بن حنبل بروایت عائشہؓ

۲ احمد بن حنبل بروایت عائشہؓ اور بخاری ومسلم میں بروایت عبدالرحمن بن ابی بکر ایک حدیث کے ضمن میں مذکور ہے۔

۳ بخاری ومسلم بروایت ابوسعید خدریؓ بالفاظ دیگر

۴ ترمذی وابن ماجہ بروایت انسؓ

۵ ہدیہ اور اس کا بدلہ دینا بخاری میں بروایت عائشہؓ مذکور ہے اور دودھ کا ہدیہ منظور کرنا بخاری ومسلم میں بروایت ام افضل منقول ہے اور خرگوش کی ران کا ہدیہ قبول کرنا بخاری ومسلم میں بروایت انسؓ آیا ہے۔

۶ بخاری ومسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ

Marfat.com

قدر قلت (کمی) تھی کہ اگر ایک ساتھی بھی حضور کے ساتھیوں میں شامل ہو جاتا تو وہ بھی غنیمت تھا۔

ایک نہایت[1] جلیل القدر صحابیؓ کو یہودیوں نے قتل کر ڈالا لیکن حضور ﷺ نے ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں فرمائی بلکہ اس مقتول کی دیت (بدلہ) سو اونٹنیاں دیدیں حالانکہ اس وقت صحابہ کرامؓ کو اونٹنیوں کی اس قدر اشد ضرورت تھی کہ ایک اونٹ سے بھی ان کا بہت سا کام نکلتا تھا نیز[2] حضور ﷺ بھوک کی تکلیف سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے جو مل[3] جاتا وہی تناول فرما لیتے اور جو موجود ہوتا اس کو رد بھی نہیں کرتے تھے حلال اشیاء کے کھانے سے پرہیز نہیں کرتے تھے اگر روٹی نہ ملتی تو صرف کھجوروں پر ہی اکتفا کر لیتے بھنا ہوا گوشت مل جاتا تو اس کو بھی کھا لیتے اور اگر گیہوں یا جو کی روٹی مل جاتی تو اسے بھی نوش جان فرما لیتے اگر شہد یا کوئی اور میٹھی چیز مل جاتی تو اس کو بھی تناول فرما لیتے اگر روٹی نہ ہوتی اور صرف دودھ مل جاتا تو اس کو ہی پی کر گزارا کر لیتے خربوزہ[4] یا کھجوریں مل جاتیں تو وہی کھا لیتے تکیہ لگا کر نہ کھاتے اور نہ (میز وغیرہ) اونچی جگہ رکھ کر کھانا تناول فرماتے آپ[5] اپنے پاؤں مبارک کے تلوؤں سے رومال کا کام لے لیتے (یعنی ان سے اپنے ہاتھ پونچھ لیتے) حضور ﷺ[6] نے تمام عمر بھر متواتر تین دن تک پیٹ بھر کر گیہوں کی روٹی تناول نہیں فرمائی یہ سب تکلیفیں مفلسی اور ناداری کے باعث برداشت نہیں کرتے تھے (باوجود سب کچھ موجود ہونے کے) محض اپنے نفس کو مغلوب رکھنے کے لئے

---

[1] بخاری و مسلم بروایت سہل بن ابی خثیمہ و رافع بن خدیج اور جس صحابی کو یہودیوں نے قتل کر ڈالا تھا ان کا نام عبداللہ بن سہل انصاری تھا۔

[2] بخاری و مسلم جابرؓ۔

[3] آپ کے یہ سب اخلاق مشہور و معروف ہیں چنانچہ ترمذی میں بروایت ام ہانی خشک روٹی کا کھانا اور بروایت ام سلمہؓ بھنے ہوئے گوشت کا کھانا اور بروایت ابن عباس جو کی روٹی کا کھانا اور بخاری و مسلم میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہ حضور کا حلوئی اور شہد کو پسند فرمانا اور متواتر تین دن تک گیہوں کی روٹی نہ کھانا منقول ہے اور نسائی میں بروایت عائشہ صدیقہ خربوزہ کا کھانا مروی ہے۔

[4] اس کی سند کھانا کھانے کے آداب کے پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔

[5] یہ فعل حضور ﷺ کا مشہور نہیں ہے بلکہ ابن ماجہ نے بروایت جابرؓ ذکر کیا ہے کہ ہم آپ کے عہد مبارک میں یوں کیا کرتے تھے (حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا)۔

[6] بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

Marfat.com

اختیاری طور پر تکلیفیں اٹھاتے تھے ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے تھے بیماروں۱کی بیمار پرسی فرماتے جنازہ کے ساتھ تشریف لے جاتے دشمنوں۲میں تنہا بغیر کسی پہرے کے پھرتے آپ ۳سب سے بڑھ کر متواضع اور باوقار تھے آپ نہایت فصیح و بلیغ تھے کلام بھی مغرورانہ نہیں فرماتے تھے آپ۴خندہ پیشانی تھے کسی ۵دنیاوی چیز سے آپ زیادہ خوش نہیں ہوتے تھے جو کچھ۶پہننے کو مل جاتا وہی پہن لیتے کبھی چھوٹا کمبل اور یمن کی قیمتی چادر اور کبھی حلال مال سے بنا ہوا صوف کا جبہ پہن لیا کرتے تھے حضور۷چاندی کی انگوٹھی داہنے یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہنا کرتے آپ اپنے پیچھے۸اپنے غلام یا کسی دوسرے شخص کو سوار کرلیا کرتے جو سواری۹وقت پر مل جاتی اسی پر سوار ہو جاتے کبھی گھوڑے پر، کبھی اونٹ پر، کبھی سبز خچر پر، اور کبھی دراز گوش پر، کبھی پیادہ اور برہنہ پاء، چادر پگڑی اور ٹوپی کے بغیر ہی چل کر مدینہ منورہ کے پرلہ کنارہ پر بیماروں کی

۱یہ فعل حضور ﷺ کا مشہور ہے اور ابھی گزر چکا ہے۔

۲ترمذی اور حاکم نے بروایت عائشہ صدیقہ نقل کیا ہے کہ جب آیت ﴿واللہ یعصمک من الناس﴾ اتری تو آپ کسی کو اپنے پاس آنے سے منع نہیں فرماتے تھے۔

۳ابوالحسن علی بن ضحاک نے ان الفاظ سے اپنی کتاب الشمائل میں نقل کیا ہے اور نسائی، ابن ماجہ، ابو داؤد میں آپ کی سیرت تواضع کے متعلق کئی احادیث آئی ہیں۔

۴ترمذی بروایت علی مرتضیٰؓ در شمائل خود۔

۵احمد ﷺ بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۶بخاری میں بروایت سہل بن سعد شملہ کا پہننا اور بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ یعنی چادر کا پہننا اور اس کو پسند خاطر فرمانا اور بروایت مغیرہ بن خثیمہ جبہ صوف پہننا مذکور ہے۔

۷بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ چاندی کی انگوٹھی اور مسلم میں حضور ﷺ کا چاندی کی انگوٹھی کو اپنے داہنے یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہننا مذکور ہے۔

۸بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباسؓ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت اسامہؓ اور فضلؓ بن عباس اور معاذ بن جبل کو اپنے پیچھے سوار کرنا ثابت ہے۔

۹مسلم میں بروایت جابرؓ و سہلؓ بن سعد حضور کا گھوڑے پر سوار ہونا ثابت ہے اور بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباسؓ حجۃ الوداع میں آپ کا شتر پر سوار ہونا اور بروایت تبراءؓ خچر پر سوار ہونا اور بروایت اسامہؓ گدھے پر سوار ہونا اور بروایت ابن عمرؓ قبا میں پیادہ سوار تشریف لے جانا مذکور ہے اور مسلم میں بروایت ابن عمر حضرت سعد بن عبادہ کی بیمار پرسی کو بغیر سواری اور جوتی اور ٹوپی کے جانا منقول ہے۔

Marfat.com

بیمار پرسی کرنے جاتے آپ ا کو خوشبو پسند اور بدبو ناپسند تھی فقیروں ۲ اور غریبوں کے ساتھ آپ مجلس کرتے مسکینوں ۳ کو کھانا کھلاتے خوش اخلاق ۴ لوگوں کی تعظیم وتکریم فرماتے شرفاء کے ساتھ نیک سلوک کرکے ان کا دل خوش کرتے رشتہ ۵ داروں سے بہت میل ملاپ رکھتے مگر یہ نہیں کہ ادنیٰ کو اعلیٰ پر ترجیح دیدیں بلکہ درجہ بدرجہ ہر ایک سے تعلقات کا سلسلہ جاری رکھتے کسی ۶ پر جور وجفا نہ فرماتے عذر خواہ کا عذر قبول فرمالیتے حضور ۸ دل لگی اور مذاق کے طور پر بھی کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے آپ ۹ مسکراتے تھے قہقہ لگا کر نہیں ہنستے تھے جائز ۱۰ کھیل کو خود بھی دیکھتے اور دوسروں کو بھی منع نہ فرماتے خوش طبعی ۱۱ اور کھیل کے طور پر اپنے حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دوڑ لگاتے تا کہ یہ معلوم ہو کہ کون آگے نکل جاتا ہے آپ کے ۱۲ کے روبرو شور وغل

---

۱ نسائی نے بروایت انسؓ اور ابوداؤد حاکم نے بروایت عائشہ صدیقہ حضور ﷺ کا خوشبو کو پسند فرمانا اور عدیؒ نے بروایت عائشہؓ آپ کا بدبو کو ناپسند کرنا ذکر کیا ہے

۲ ابوداؤد بروایت ابوسعیدؓ

۳ بخاری بروایت ابوہریرہؓ

۴ ترمذی در شمائل خود بروایت علی مرتضیٰؓ

۵ حاکم نے بروایت ابن عباسؓ ذکر کیا ہے کہ آپ حضرت عباس کی تعظیم وتکریم ایسی کرتے جیسی اپنے باپ کی اور بروایت سعد بن ابی وقاص روایت کیا ہے کہ حضرت عباس وغیرہ کو سجدے سے نکال دیا تھا لیکن حضرت علی مرتضیٰ کو نہیں نکالا تھا کیونکہ وہ چھوٹوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور بخاری ومسلم میں بروایت ابوسعیدؓ سے منقول ہے کہ سوائے صدیق اکبرؓ کے خوخ کے اور کوئی خوخ مسجد میں نہ رہ پائے۔

۶ ابوداؤد اور ترمذی اور شمائل خود نسائی در یوم ولیلہ بروایت انسؓ

۷ بخاری ومسلم بروایت کعبؓ بن مالک

۸ احمد بن حنبل بروایت ابوہریرہؓ

۹ بخاری ومسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ اور ترمذی بروایت عبداللہ بن الحارث۔

۱۰ بخاری ومسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ

۱۱ ابوداؤد وابن ماجہ ونسائی وکبری بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۱۲ بخاری بروایت عبداللہ بن زبیرؓ "یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم" کی شان نزول۔

Marfat.com

ہوتا تو بھی آپ صبر سے کام لیتے آپ[1] کے پاس ایک اونٹنی اور ایک بکری دودھ دیتی تھی جن کا آپ اور آپ کے اہل وعیال دودھ پیا کرتے تھے حضور[2] کی لونڈیاں اور غلام بھی تھے آپ ان کو وہی کھلاتے پہناتے جو خود اور آپ کے اہل وعیال کھاتے پہنتے تھے۔

حضور[3] پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرتا تھا کہ جس میں آپ اللہ تعالیٰ کا کام کرتے ہوں یا اپنے نفس کے لئے کوئی ضروری امر نہ کرتے ہوں حضور[4] اپنے اصحاب کرامؓ کے باغات میں سیر کے لئے تشریف لے جاتے کسی غریب[5] اور محتاج کو اس کی غربت اور ناداری کے باعث حقیر نہیں جانتے تھے اور نہ ہی کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہت کی وجہ سے مرعوب ہوتے تھے بلکہ امیروں اور غریبوں کو یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ میں اخلاق حسنہ اور سیاست تامہ کوٹ کوٹ کر بھر دیے تھے آپ امی (بے پڑھے) تھے نہ کسی سے آپ نے کچھ پڑھا اور نہ لکھا جہالت کے ملک میں غربت اور یتیمی کی حالت میں پیدا

---

[1] محمد بن سعد طبقات بروایت ام سلمہ اور بخاری و مسلم نے حضور ﷺ کے پاس شیر دار اونٹنی کا ہونا بروایت سلمہ بن الاکواع ذکر کیا ہے اور ابو داؤد نے آپ کے پاس دودھیلی بکری کا ہونا بروایت لقیط بن جبیرہ ذکر کیا ہے۔

[2] محمد بن سعد طبقات بروایت سلمیٰ اور مسلم میں بروایت ابوالسیر اس طرح لکھا ہے "اطعموھم مما تأکلون والبسوھم مما تلبسون"

یعنی حضور نے لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ خود کھاؤ اور پہنو وہی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو کھلاؤ اور پہناؤ

[3] روایت کیا اس مضمون کو ترمذی نے شمائل ترمذی میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے اس ضمن میں کہ حضور ﷺ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر رکھے تھے۔

[4] کھانا کھانے کے آداب کی تیسری فصل میں حضور کا ابی ہیثمؓ اور ابو ایوبؓ انصاری کے باغ میں تشریف لے جانا مذکور ہوا۔

[5] بخاری میں سہل بن سعد سے یہ قصہ روایت کیا گیا ہے کہ حضور کے سامنے سے ایک دولتمند آدمی گذرا آپ صحابہ کرام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر یہ شخص نکاح کا پیغام قبول کرے تو اس کا نکاح کیا جاوے دوسرا شخص مفلس اور غریب گزرا اس کی بابت حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلے (امیر شخص سے بہتر ہے) اور مسلم میں بروایت انسؓ آپ کا دعوت و تبلیغ کا خط قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی طرف ارسال فرمانا مذکور ہے

Marfat.com

ہوئے جنگلوں میں بکریاں چرایا کرتے تھے بچپن ہی میں حضور کے سر سے والدین کا سایہ عاطفت اٹھ گیا تھا مگر با اینہمہ اللہ تعالیٰ نے جناب سرور عالم ﷺ کو بہترین اخلاق حسنیٰ سے آراستہ کیا اگلے اور پچھلے لوگوں کے حالات بتلائے اور جن باتوں سے قیامت کے روز نجات حاصل ہوتی ہے اور دنیا میں لوگ ان پر رشک کرتے ہیں واجبات پر ثابت قدم رہنا فضول اور واہیات امور سے اجتناب کرنا ایسی ایسی دینی و دنیوی فلاح و بہبودی کی تمام باتیں حضور کو تعلیم فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ آپ کے احکام کی اطاعت کریں اور آپ کے اخلاق واعمال کی پیروی کریں۔ آمین ثم آمین۔

تیسرا بیان

سرور کائنات ﷺ کے ان اخلاق وآداب

کے ذکر میں جو حضرت ابوالبختری نے روایت کیئے ہیں

حضور علیہ السلام نے جس مؤمن کو شاذونادر طور پر بھی گالی دی۔ تو اس کے ساتھ ہی اس کے لئے دعا بھی کردی تاکہ اس کے حق میں گناہوں کا کفارہ اور باعث رحمت ہو آپ نے عورتوں نوکروں اور خادموں کو بھی کبھی لعنت نہیں کی حضور کی خدمت اقدس میں اثنائے جنگ میں عرض کیا گیا مناسب یہ ہے کہ آپ دشمنوں پر لعنت فرمادیں آپ نے جواب دیا کہ میں رحمت کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ لعنت کے لئے جب کبھی آپ سے عرض کی جاتی کہ آپ کسی مسلمان یا کافر کے لئے بدعا کیجئے تو حضور بجائے بدعا کے دعاء خیر فرماتے آپ

---

۱ بخاری ومسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ

۲ اور بخاری میں بروایت انسؓ مروی ہے کہ "لم یکن فحاشا ولا لعانا" یعنی نہ حضور بدکلام تھے اور نہ کسی پر لعنت کرتے تھے۔

۳ مسلم بروایت ابوہریرہؓ

۴ بخاری ومسلم میں بروایت ابوہریرہؓ یوں مذکور ہے کہ لوگوں نے حضور سے قوم دوس کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کی تھی لیکن آپ نے بجائے بددعا کے ان کی ہدایت کی دعا مانگی۔

Marfat.com

اپنے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے کبھی کسی پر وار نہیں کیا حضور ﷺ نے سوائے اس صورت کے دین الٰہی کی بےحرمتی ہو کبھی کسی سے برائی کا انتقام اور بدلہ نہیں لیا جب ۲ کبھی حضور انور ﷺ کو دو باتوں کا اختیار ملتا تو آپ امت کی آسانی کے لئے آسان بات کو پسند فرماتے بشرطیکہ اس آسان امر میں گناہ یا رشتہ داری سے قطع تعلق کا خطرہ نہ ہو کیونکہ ان دو باتوں سے حضور بہت زیادہ اجتناب فرمایا کرتے تھے جب ۳ آپ کی خدمت اقدس میں کوئی آزاد یا غلام لونڈی کسی حاجت کے لئے حاضر ہوتے تو آپ ان کی حاجت روائی کیلئے مستعد ہو جاتے حضرت ۴ انسؓ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آنحضرت ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ حضور کو جو بات میری طرف سے بری معلوم ہوتی آپ نے اس کی نسبت مجھے یوں کبھی نہ فرمایا کہ تو نے ایسی بات کیوں کی اور جب کبھی اپنے گھر والوں میں سے کسی نے مجھے کسی قصور پر ملامت کی تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو جو تقدیر میں ہونا تھا سو ہو گیا حضور ﷺ ۵ نے کبھی خواب گاہ پر عیب نہیں دھرا اگر بچھونا بچھا دیا تو اس پر لیٹ گئے ورنہ زمین پر ہی لیٹ جاتے اللہ تعالیٰ نے حضور کے اوصاف تورات میں اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ میرا برگزیدہ بندہ ہے نہ وہ بد مزاج ہے نہ سخت طبیعت نہ وہ بازاروں میں چلاتا ہے نہ برائی کے بدلہ برائی کرتا ہے بلکہ معاف اور درگزر کر دیتا ہے اس کی جائے پیدائش مکہ معظمہ اور مقام ہجرت مدینہ منورہ ہے اس کا ملک شام میں ہے وہ اور اس کے اصحاب

---

۱ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ تھوڑے سے اخلاق کے ساتھ یہ مضمون باب آداب کی فصل سوم میں بھی گزر چکا ہے

۲ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ ذرا سے اختلاف کے ساتھ۔

۳ یہ حدیث بخاری میں بروایت انسؓ معلق طور پر ثابت ہے اور ابن ماجہ میں بروایت انسؓ موصول طور پر مذکور ہے۔

۴ بخاری و مسلم نے بروایت انسؓ پہلا فقرا روایت کیا ہے۔ اور ابوالشیخ نے بروایت انسؓ ساری کی ساری حدیث ذکر کی ہے۔

۵ اس حدیث کی سند احیاء العلوم کے الفاظ میں نہیں ملی۔ مگر ترمذی نے شمائل میں بروایت علی مرتضیٰؓ ولا عیاب ذکر کیا ہے۔ اس کے عام معنوں میں اس حدیث کا مضمون بھی آ گیا ہے اور چٹائی پر حضور کا لیٹنا بخاری و مسلم میں بروایت عمر فاروقؓ اور ترمذی میں بروایت ابن مسعود مذکور ہے۔

Marfat.com

"(ساتھی) تہبند باندھتے ہیں قرآن اور علم دینی کے حافظ ہیں اور وضو میں ہاتھوں اور پاؤں کو دھوتے ہیں۔ انجیل میں بھی اسی طرح کے اوصاف محمدی مذکور ہیں۔ آپ ا کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ کسی سے ملتے تو پہلے خود سلام کرتے۔ جو شخص ۲ آپ کو کسی کام کیلئے ٹھہراتا تو جب تک وہ شخص خود نہیں چلا جاتا تھا جب تک آپ بدستور اس کے پاس کھڑے رہتے۔ جو کوئی آپ ۳ کا دست مبارک پکڑ لیتا تو آپ اس سے اپنا ہاتھ نہیں چھوڑاتے تھے۔ جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا۔ جب آپ ۴ اپنے کسی صحابی سے ملتے تو اول مصافحہ کرتے پھر اس کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالکر خوب مضبوطی سے بھینچتے۔ آپ ۵ کھڑے بیٹھے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اگر حضور کے نماز پڑھتے ہوئے کوئی شخص آپ کے پاس آبیٹھتا۔ تو آپ جلدی سے نماز ختم کر کے اس سے دریافت فرماتے کہ بھئی کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟ اگر کوئی کام ہوتا تو اس ۶ کے کام سے فارغ ہو کر پھر نماز پڑھنے لگ جاتے۔ آپ ۷ عموماً اس طرح بیٹھا کرتے تھے کہ دونوں پنڈلیاں کھڑی کر کے ان کے گرد دونوں ہاتھ گوٹ مارنے کی طرح پکڑ لیتے۔ آپ ۸ کے اصحابؓ بھی حضور کی طرح ہی بیٹھا کرتے تھے۔ آپ ۹ کو بیٹھنے کے لئے جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے تھے کبھی کسی ۱۰ کو یہ موقع دیکھنے میں نہیں آیا کہ حضور نے باوجود تنگی مکان کے مجلس اصحابؓ میں پاؤں پھیلائے ہوں۔ ہاں اگر جگہ وسیع و فراخ ہوتی اور کسی کو پاؤں پھیلانے میں تکلیف بھی نہ ہوتی تو آپ پاؤں پھیلانے میں کچھ مزائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ آپ اکثر قبلہ رخ ہو کر بیٹھا

۱ ترمذی بروایت ابن ابی ہالہ۔
۲ ابونعیم بروایت علی مرتضیٰؓ۔ اور دلائل النبوۃ۔
۳ ترمذی ابن ماجہ بروایت انسؓ۔
۴ ابوداؤد نے بروایت ابومصافحہ اور حاکم نے بروایت ابوہریرہؓ تشبیک (انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا) نقل کی ہے۔
۵ ترمذی اور شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ۔
۶ اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی۔
۷ ابوداؤد و ترمذی بروایت ابوسعید خدری اس کی سند ضعیف ہے۔
۸ ابوداؤد و نسائی بروایت ابوہریرہؓ
۹ ترمذی و شمائل بروایت علی مرتضےؓ
۱۰ دارقطنی بروایت انسؓ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ حدیث دراصل حدیث نہیں ہے۔

Marfat.com

کرتے تھے جو کوئی آپ کے پاس آتا آپ اس کی تعظیم وتکریم فرماتے۔ حتیٰ کہ جن لوگوں سے آپ کی کوئی رشتہ داری اور دودھ پینے کا تعلق بھی نہ ہوتا ان کے لئے بھی آپ چادر بچھادیتے۔ اور اس پر ان کو بٹھلاتے۔ آپ[۲] آنے والے مہمان کے لئے اپنا تکیہ مبارک نکال کر دیدیتے۔ اگر وہ لینے سے انکار کرتا تو آپ قسم دے کر اس شخص کو تکیہ ضرور ہی دیدیتے جس کسی سے آپ[۳] محبت سے پیش آتے وہ یہی سمجھتا تھا کہ آپ اس پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ اپنے ہر ایک ملنے والے کی طرف توجہ فرماتے حتیٰ کہ نشست و برخاست، گفتگو، خوش طبعی سب میں حصہ لیتے آپ کی مجلس نہایت باحیاء پر تواضع اور رازداری کی ہوا کرتی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے "فبما رحمة لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك۔" یعنی اے پیغمبر یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ لوگوں کے حق میں آپ نہایت نرم دل ہیں۔ اگر آپ سخت گو اور سخت دل ہوتے تو سب لوگ آپ کے پاس سے تتر بتر ہوجاتے۔ حضور[۴] انور ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کو ان کی دل جوئی کی خاطر نام لے کر نہیں پکارتے تھے بلکہ کنیت سے پکارا کرتے تھے۔ جس[۵] کی کوئی کنیت نہ ہوتی اس کی کنیت آپ خود مقرر فرمادیتے۔ اسی کنیت سے لوگوں میں وہ شخص پکارا جاتا تھا۔

---

[۱] حاکم بروایت انسؓ۔

[۲] اس کی سند باب آداب صحبت کی فصل سوئم میں گزر چکی ہے۔

[۳] ترمذی نے شمائل میں بروایت علی مرتضیٰؓ ایک لمبی حدیث کے ضمن میں مختلف الفاظ سے یہ مضمون نقل کیا ہے۔

[۴] بخاری مسلم میں قصۂ غار میں یہ مذکور ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی کنیت حضور نے ابوبکر مقرر فرمائی۔ اور حاکم میں بروایت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ فاروق کی کنیت ابوحفص منقول ہے نیز صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو آپ نے ابوتراب فرمایا۔ اور حاکم نے بروایت ابن مسعودؓ روایت کیا ہے کہ حضور نے ابن مسعودؓ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن مقرر فرمائی حالانکہ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

[۵] ترمذی نے بروایت انسؓ بیان کیا ہے کہ آپ نے حضرت انسؓ کی کنیت ابوحمزہ مقرر فرمائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت صہیبؓ سے پوچھا کہ تمہارے تو اولاد نہیں ہے کنیت کیسے ہوئی فرمایا کہ میری کنیت حضور نے ابویحیٰ مقرر فرمائی ہے۔

Marfat.com

اولاد والی عورتوں کی بھی کنیت مقرر فرمادیتے۔ اور بے اولاد عورتوں کی کنیت پیشتر ہی سے مقرر فرمادیتے لڑکوں ۲ کی کنیت مقرر فرمادیتے تو ان کا دل نرم ہو جاتا۔ آپ کو سب ۳ لوگوں سے دیر میں غصہ آتا اور سب سے جلدی آپ کا غصہ اتر جاتا۔ لوگوں پر نہایت مہربانی فرمادیتے اور ان کے حق میں فرماتے بیحد فائدہ رسانی فرماتے۔ حضور ۴ کی مجلس میں شور و غل نہیں ہوتا تھا۔ جب آپ ۵ مجلس مبارک سے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے "سبحانک اللھم وبحمدك اشھد ان لا الہ الا انت استغفرك واتوب الیک" یعنی الٰہی میں تیری پاکی کرتا ہوں اور تیری حمد وثناء کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوں اور تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ دعا مجھے حضرت جبرائیلؑ نے سکھائی ہے۔

چوتھا بیان

حضور علیہ السلام کی گفتگو اور خندہ کے ذکر میں

آنحضرت ﷺ نہایت خوش کلام اور شیریں تھے۔ آپ ۶ فرماتے کہ میں سب سے زیادہ فصیح وبلیغ ہوں۔ جنتی ۷ لوگ جنت میں حضرت محمد ﷺ کی بولی (عربی) میں گفتگو کریں گے آپ ۸ کم گو نرم گفتار تھے آپ کی کلام ایسی باترتیب ہوتی جیسے موتیوں کی لڑی حضرت عائشہ

---

۱ حاکم نے بروایت ام ایمنؓ ذکر کیا ہے کہ آپ نے ہی ان کی کنیت ام ایمن فرمائی۔ اور ابوداود میں بروایت عائشہؓ مذکور ہے کہ حضور نے عائشہ صدیقہ کی کنیت ام عبداللہ مقرر فرمائی۔ اور بروایت ام خالد مذکور ہے۔ کہ ام خالد ان کی کنیت حضور نے ہی مقرر فرمائی تھی جبکہ وہ ابھی بچپن کی عمر میں تھیں۔

۲ بخاری ومسلم میں بروایت انسؓ ابو عمیر کا قصہ مذکور ہے۔

۳ ترمذی بروایت ابوسعید خدریؓ۔

۴ فوائد ابوالاحداح بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۵ ترمذی اور شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۶ نسائی در یوم ولیلہ وحاکم بروایت رافع بن خدیجؓ۔

۷ ابوالحسن بن ضحاک در شمائل بروایت بریدہؓ بسند ضعیف۔

۸ حاکم بروایت ابن عباسؓ۔

Marfat.com

صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام تمہاری طرح بہت باتیں نہیں کرتے تھے۲ آپ کا کلام سب سے زیادہ مختصر ہوتا تھا اور وہی مختصر کلام جبرائیل علیہ السلام باوجود اختصار کے آپ جو مضمون چاہتے انھیں مختصر الفاظ میں ادا کر دیتے تھے آپ۳ کی کلام نہایت مختصر اور جامع ہوا کرتی تھی نہ اس میں زیادہ کی گنجائش تھی نہ کمی کی۔ گویا موتیوں کے دانوں کی طرح پروئی ہوئی ہوا کرتی تھی آپ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ تقریر فرمایا کرتے تا کہ سننے والے کو آپکی تقریر یاد ہو جائے آپ۴ کی آواز بلند اور لہجہ نہایت اعلیٰ تھا۵ آپ خاموش زیادہ رہتے بلا ضرورت کبھی لب کشائی نہ فرماتے۶ آپ بدکلامی بھی نہیں کرتے تھے اور غصہ و جوش دونوں حالتوں میں سچ ہی بولتے جو کے شخص کسی قسم کا برا لفظ استعمال کرتا حضور ﷺ اس سے منہ پھیر لیتے اگر کوئی سخت۸ لفظ مجبوراً آپ کو کہنا پڑتا تو اس کو بھی اشارۃً ارشاد فرماتے صریحاً ہرگز نہ فرماتے۔ جب۹ خاموش ہوتے تو آپ کے اہل مجلس گفتگو کرتے آپ کی مجلس میں کوئی کسی کی بات میں دخل نہیں دیتا تھا خیر خواہی۱۰ کے طور پر بغیر ہنسی کے لوگوں کو نصیحت فرماتے۔

آپ۱۱ فرمایا کرتے کہ قرآن مجید کی آیتیں ایک دوسری سے مت ٹکراؤ کیونکہ وہ

---

۱ طبرانی بروایت ام سعیدؓ۔

۲ پہلی حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔ اور آخری دونوں جملوں کو غلسی نے نقل کیا ہے بسند منقطع۔

۳ عبد بن حمید بروایت عمر فاروقؓ بسند منقطع و دار قطنی بروایت ابن عباسؓ۔

۴ ترمذی اور شمائل بروایت ہند بن ابی ہالہ اور پہلا فقراء بخاری و مسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ مذکور ہے اور باقی ترمذی میں بروایت عائشہؓ منقول ہے۔

۵ ترمذی و نسائی میں بروایت صفوان بن عسال ایک اعرابی کے قصہ میں حضور کا بلند آواز ہونا مذکور ہے اور بخاری و مسلم میں بروایت برا بن حاذب آپ کا خوش آواز ہونا منقول ہے نیز ترمذی و شمائل

۶ بروایت ہند بن ابی ہالہ۔

۷ ابوداؤد بروایت عبداللہ بن عمرؓ فاروق ایک قصہ کے ضمن میں۔

۸ ترمذی و شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ بالفاظ دیگر۔

۹ جیسا کہ بخاری میں بروایت عائشہؓ حدیث عسیلہ اور حدیث غسل حیض جس میں خذی فرصۃ منقول ہے۔

۱۰ ترمذی و شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ

۱۱ طبرانی بروایت عبداللہ بن عمرؓ

Marfat.com

مختلف قرائتوں پر نازل ہوا ہے۔ اپنے ا اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے بہت مسکرایا کرتے اور ان کی باتوں سے بیحد خوش ہوتے۔ اور ان سے میل جول بکثرت رکھتے تھے۔ بعض اوقات ۲ اس قدر خندہ فرماتے کہ حضور پرنور کی کچلیاں ظاہر ہو جاتیں۔ آپ ۳ کے اصحابؓ بھی حضور کی اتباع اور تعظیم کے باعث آپ کے سامنے صرف مسکرایا کرتے تھے قہقہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس وقت حضور کچھ رنجیدہ خاطر تھے۔ صحابہ کرامؓ چہرہ انور پر رنج وغم کے آثار دیکھ کر سمجھ گئے کہ آج آپ کی طبیعت ملول ہے۔ وہ اعرابی حضور سے کچھ دریافت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن صحابہؓ نے اس کو منع کیا کہ اس وقت حضور سے کچھ نہ پوچھو اس وقت آپ کی طبیعت رنجیدہ ہے۔ اعرابی نے کہا کہ تم مجھے مت روکو۔ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے حضور کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں آپ کو ہنسائے بغیر نہیں چھوڑوں گا غرضیکہ اس اعرابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سنا گیا ہے کہ دجال ثرید ۴ (ایک قسم کا کھانا) لائے گا تو کیا آپ کی اجازت ہے؟ کہ میں بھوک کے مارے مر جاؤں لیکن اس کا ثرید ہرگز نہ لوں۔ یا یہ حکم ہے کہ میں اس کا ثرید کھلے دل سے خوب پیٹ بھر کر کھالوں۔ کھا کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤں اور اس کا منکر ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضور اتنا ہنسے کہ آپ کی کچلیاں ننگی ہو گئیں پھر اس اعرابی نے جواب میں فرمایا کہ جس چیز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دوسرے مسلمانوں کو اس کافر سے بے پرواہ کر دے گا اس چیز کے ذریعہ تجھے بھی اس ملعون سے لاپرواہ کر دے گا۔

آپ ۵ ہر وقت خوش وخرم اور خنداں رہتے۔ مگر قرآن مجید اترنے کے وقت قیامت کے ذکر کے وقت خطبہ اور وعظ کے وقت آپ کے چہرہ پر بجائے تبسم (مسکرانا) کے خوف کے

ا ترمذی اور جامع بروایت عبداللہ بن الحارث ودر شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ اور مسلم بروایت جابر بن سمرہؓ۔

۲ بخاری ومسلم بروایت ابن مسعودؓ اس شخص کے قصہ میں جو کہ سب کے بعد دوزخ سے نکلے گا۔ نیز عالم یہود کے قصہ میں۔

۳ ترمذی اور شمائل بروایت ہند بن ابی ہالہ۔

۴ اس حدیث کا اصل وماخذ مجھے معلوم نہیں ہوا۔

۵ کثرت تبسم کے متعلق حضرت عبداللہ بن حارثؓ والی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ اور طبرانی واحمد بن حنبل اور حاکم نے بروایت جابر نقل کیا ہے کہ نزول وحی اور وعظ اور قیامت کے ذکر کے وقت حضور کا چہرہ انور متغیر ہو جاتا تھا۔

Marfat.com

آثار نظر آتے تھے ۔ عین ارضا کے وقت حضور نہایت خوش وخرم رہتے آپ کا وعظ شریف واقعات پر مبنی ہوتا ۔ ہنسی اور دل لگی سے بالکل خالی ہوتا تھا ۔ آپ اگر غصہ ہوتے تو محض اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے خاطر ہوتے جب[۲] کوئی حادثہ پیش آتا تو اس کو اللہ کے حوالے کر دیتے اپنی طاقت وقوت سے بالکل کنارہ کش ہو جاتے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی درخواست کرتے ہوئے یوں فرماتے کہ اے خداوند ذوالجلال مجھے حق بات حق ہی کر کے دکھلا ۔ تاکہ میں حق کی پیروی کروں اور بری بات بری کر کے دکھلا اور مجھے اس سے بچنے کی توفیق عنایت فرما نیز بری باتیں میرے لیئے واضح کر دے میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں تیری ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے لگوں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا نفس تیرا فرمانبردار ہو جاوے صحت اور تندرستی کے ساتھ میرے نفس سے اپنی رضامندی کے کام کروا اور حق بات میں اختلاف واقع ہونے کے وقت اپنے حکم کے ذریعے میری رہنمائی فرما جس کو تو چاہتا ہے سیدھی راہ عنایت فرماتا ہے ۔

پانچواں بیان

سرور عالم ﷺ کے کھانا کھانے کے آداب کے ذکر میں

حضور علیہ السلام[۳] جو کچھ موجود ہوتا تناول فرما لیتے حضور[۴] اس کھانے کو بہت پسند فرماتے جس میں بہت آدمی شامل ہوں ۔ جب[۵] دسترخوان بچھ چکتا تو حضور یہ دعا پڑھتے بسم اللہ اللھم اجعلھا نعمۃ مشکورۃ نصیل بہا نعمۃ الجنۃ یعنی اللہ

---

[۱] ابو الشیخ ابن حبان بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۔

[۲] اس حدیث کے ابتدائی حصہ کی مجھے سند نہیں ملی اور دعا کو مستغفری نے دعوات میں بروایت ابو ہریرۃؓ ذکر کیا ہے اور اس حدیث کا آخری جملہ مسلم نے بروایت عائشہؓ نماز تہجد کی دعا میں نقل کیا ہے

[۳] اس کی سند پہلے مذکور ہوئی ۔

[۴] ابو یعلیٰ وطبرانی وابن عدی بروایت جابرؓ ۔

[۵] بسم اللہ کہنا تو نسائی نے حضور علیہ السلام کے ایک خادم سے نقل کیا ہے ۔ اور باقی الفاظ مجھے نہیں ملے ۔

Marfat.com

تعالیٰ کے نام سے میں کھانا کھانا شروع کرتا ہوں خدایا تو اس کھانے کو نعمت بنادے کہ اس کا میں شکر ادا کروں۔ اور اس کے ذریعہ ہم سب مسلمان بہشتوں کی نعمتوں میں پہنچ جائیں۔ آپ[۱] کا عموماً یہ معمول تھا کہ کھانا کھانے کے وقت آپ نمازی کی طرح دو زانوں اور دو قدم ملا لیتے۔ مگر زانو پر زانو اور قدم پر قدم نہیں رکھتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں بندہ ہوں۔ اور بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔

آپ[۲] گرم کھانا نہیں کھاتے تھے فرماتے کہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہم کو آگ نہیں کھلائی۔ لہذا کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو۔ آپ[۳] اپنے آگے سے کھانا کھاتے۔ اور تین[۴] انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے۔ بعض[۵] اوقات چوتھی انگلی بھی شامل کر لیا کرتے۔ دو انگلیوں سے کھانا نہیں کھاتے تھے فرماتے تھے کہ دو انگلیوں[۶] سے کھانا کھانا شیطان کا طریقہ ہے۔ ایک دفعہ[۷] حضرت عثمان غنیؓ حضور کی خدمت اقدس میں فالودہ لے کر آئے حضور فالودہ کھانے لگے اور پوچھنے لگے کہ اے ابوعبداللہ (عثمان) یہ کیا چیز ہے؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ حضور ہم شہد اور گھی دیگچی میں ڈال کر پکاتے ہیں۔ اور اس میں گیہوں کا میدہ ڈال کر چمچے سے ہلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پک کر اس قسم کا فالودہ تیار ہو جاتا ہے جیسا کہ حضور کے

---

۱ عبدالرزاق نے بروایت ایوبؒ آپ کا سمٹ کر بیٹھنا اور ابن ضحاک نے بائیں زانو پر بیٹھنا اور داہنے کو کھڑا کرنا۔ بروایت انسؓ ذکر کیا ہے۔ اور ابوالشیخ نے بروایت ابی ابن کعب دو زانو بیٹھنا نقل کیا ہے۔ اور بقیہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔

۲ طبرانی در اوسط بروایت ابی ذرؓ۔

۳ ابوالشیخ و ابن حبان بروایت عائشہؓ۔

۴ مسلم بروایت کعب بن مالک

۵ اس کی روایت ہم کو غیلانیات میں بروایت عامرؓ بن ربیعہ پہنچی ہے۔ اور اس کی سند میں قاسم بن عبداللہ عمری کا نام نہیں۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ نے بروایت زہری مرسلاً نقل کیا ہے کہ حضور پانچ انگلیوں سے کھانا کھایا کرتے تھے۔

۶ دار قطنی در افراد بروایت ابن عباسؓ بسند ضعیف۔

۷ مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے خبیص (کھانے کی ایک قسم) بنایا تھا۔ نہ فالودہ۔ چنانچہ بیہقی نے شعب میں بروایت لیث بن ابی سلیم نقل کیا ہے اور طبرانی کی روایت سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

سامنے موجود ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ بہت اچھی غذا ہے۔ حضور[۱] بے چھنے جو کے آٹے کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ حضور[۲] ککڑی کو کھجوروں اور نمک کے ساتھ تناول فرماتے۔

سبز میووں میں سے حضور کو خربوزہ اور انگور بہت پسند تھا۔ آپ[۳] خربوزہ روٹی اور مصری کے ساتھ کھایا کرتے۔ اور کبھی[۴] خربوز کھجوروں کے ساتھ کھایا کرتے۔ کھانا[۵] کھاتے وقت دونوں ہاتھوں سے کام لیتے ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ حضور اپنے داہنے ہاتھ سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ اور بائیں ہاتھ سے گٹھلیاں جمع کرتے جاتے۔ اتنے میں ایک بکری آئی آپ نے گٹھلیوں کی طرف اس کو اشارہ کیا۔ وہ آپ کے بائیں ہاتھ میں کھاتی رہی۔ اور آپ اپنے داہنے ہاتھ سے کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ جب آپ کھا چکے تو بکری بھی چلی گئی۔ بعض اوقات[۶] حضور انگوروں کے گچھے کا گچھا ہی منہ مبارک میں ڈالتے۔ یہاں تک کہ انگوروں کے گچھے کا پانی بہہ کر موتیوں کی طرح آپ کی داڑھی مبارک پر اترتا ہوا معلوم ہوتا۔ حضور[۷] کی غذا کھجوریں اور پانی ہوا کرتی۔ کبھی آپ دودھ کا ایک گھونٹ پی کر اوپر سے ایک دانہ کھجور کا تناول فرماتے۔ اسی طرح سارا کھانا کھاتے۔ دودھ اور کھجوروں کو عمدہ غذا فرمایا کرتے۔ آپ[۸] کو سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا گوشت تھا اور فرماتے کہ گوشت سے قوت سامعہ (سننے کی طاقت) تیز ہو جاتی ہے اور گوشت دنیا و آخرت کے سب کھانوں کا سردار ہے اگر میں خدا تعالیٰ سے ہر روز گوشت مانگوں۔ تو وہ مجھے ضرور عطا فرما دے۔ آپ[۹] گوشت اور کدو کے ساتھ ثرید کھایا کرتے

---

۱ بخاری بروایت سہل بن سعد۔

۲ کھجوروں کے ساتھ کھانا بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن جعفر مذکور ہے۔ اور نمک کے ساتھ کھانا ابن حبان نے بروایت عائشہؓ نقل کیا ہے۔

۳ ابونعیم در طب نبوی بروایت امیہ بن زید عبسی۔

۴ خربوزہ کو روٹی کے ساتھ کھانا میری نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ انگوروں کا روٹی کے ساتھ کھانا ابن عدی نے بروایت عائشہؓ لکھا ہے۔ اور اسی طرح خربوزہ مصری کے ساتھ کھانا میں نے نہیں دیکھا۔

۵ ترمذی و نسائی بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۶ دونوں ہاتھوں سے کھانا کھاتے وقت مدد لینا امام احمد بن حنبل نے بروایت عبداللہ بن جعفر لکھا ہے اور حدیث انسؓ بھی اس کے متعلق گزر چکی ہے۔ اور بکری کا قصہ فوائد ابی بکر شافعی میں بروایت انسؓ بسند ضعیف ہے۔

۷ ابن عدی اور کامل و عقیلی در ضعفا بروایت ابن عباسؓ بسند ضعیف

۸ بخاری بروایت عائشہ صدیقہؓ

۹ ابن حبان بروایت ابن سمعان و ابن ماجہ بروایت ابوداؤدؓ بسند ضعیف

Marfat.com

کدو اکو آپ بہت پسند فرماتے اور فرماتے کہ یہ پیڑ (درخت) میرے بھائی یونسؑ کا ہے۔ حضرت۲ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ارشاد نبوی ہے کہ ہنڈیا میں کدو بہت ڈالا کرو۔ کیونکہ کدو مفرح قلب ہے۔ پرندوں۳ کا شکار بھی آپ کھالیا کرتے لیکن خود۴ شکار نہیں کرتے تھے اگر کوئی شکاری شکار کر کے لا دیتا تو آپ اس کو برضا ورغبت تناول فرمالیتے۔ گوشت۵ کھاتے وقت سر مبارک کو نہیں جھکاتے تھے۔ بلکہ گوشت کی بوٹی منہ کے پاس لاکر اسے دانتوں سے نوچ کر کھاتے تھے۔ آپ۶ کبھی روٹی بھی کھالیتے تھے۔ بکری۷ کے گوشت میں سے آپ کو دست اور شانے کا گوشت زیادہ پسند تھا۔ ترکاریوں میں سے کدو روٹی لگا کر کھانے کی چیزوں میں سے سرکہ اور کھجوروں میں عجورہ (کھجوروں کی) ایک اعلیٰ قسم ہے آپ کو بہت پسند تھی عجوہ کھجور۸ کے حق میں آپ نے برکت کی دعا فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ جنت کے میووں میں سے ہے نیز فرمایا کہ عجوہ کھجور زہر اور جادو کو شفا دینے والی ہے۔

ساگ آپ۹ کو کاسنی ریحان (تلسی) اور خرفہ کا بہت مرغوب تھا چونکہ۱۰ گردے پیشاب گاہ کے قریب ہوتے ہیں اس لئے ان کو مکروہ سمجھتے تھے بکری۱۱ کی مندرجہ ذیل سات

۱ نسائی وابن ماجہ بروایت انسؓ۔

۲ فوایدابی بکر شافعیؒ۔

۳ ترمذی بروایت انسؓ اور ابوداؤد بروایت سفینہ۔

۴ یہ آپ کے حالات سے ظاہر ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ تبع الصید غفل، یعنی جس نے شکار کا پیچھا کیا وہ غافل ہوا ابوداؤد ونسائی وترمذی بروایت ابن عباسؓ

۵ ابوداؤد بروایت صفوان بن امیہ اور دانتوں سے نوچ کر کھانا بخاری ومسلم میں بروایت ابن ہریرہؓ مذکور ہے

۶ بخاری ومسلم بروایت انسؓ۔

۷ دست کا گوشت پسند خاطر ہونا بخاری ومسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ مذکور ہے اور شانہ کا گوشت مرغوب ہوا ابن حبان نے بروایت ابی ہریرہؓ نقل کیا ہے اور کدو کا محبوب ہونا بروایت انسؓ اور سرکہ اور عجوہ کھجور کا پسندیدہ ہونا بروایت ابن عباسؓ ذکر کیا ہے۔

۸ ترمذی ونسائی وابن ماجہ بروایت ابی ہریرہؓ اور بخاری ومسلم بروایت سعد بن ابی وقاص جملہ اخیری۔

۹ ابونعیم نے طب نبوی میں بروایت ابن عباس کاسنی کو افضل نقل کیا ہے ریحان کے متعلق مجھے حدیث نہیں ملی اور خرفہ کے متعلق ابونعیم نے حدیث مرسل اور ضعیف نقل کی ہے۔

۱۰ ابی بکر محمد بن عبداللہ بن الشخیر کی حدیث میں بروایت ابن عباسؓ بسند ضعیف مذکور ہے۔

۱۱ بیہقی بروایت ابن عباس بسند ضعیف مرفوعاً اور بروایت مجاہد مرسلاً

Marfat.com

چیزیں نہیں کھاتے تھے (۱) آلۂ تناسل (۲) مثانہ (پیشاب کی تھیلی) (۳) فوطے (۴) پتہ نہیں کھاتے تھے (۵) غدہ (۶) فرج (مادہ کی شرمگاہ) (۷) خون ان سات چیزوں کو آپ برا سمجھتے تھے کچا لہسن اور پیاز اور گندنا نہیں کھاتے تھے آپ۲ نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں دھرا بلکہ اگر طبیعت کو اچھا معلوم ہوا تو کھالیا۔ ورنہ چھوڑ دیا نیز اگر کوئی کھانا حضور کو اچھا نہیں لگتا تھا تو دوسروں کو اس سے متنفر بھی کرتے تھے اور گوہ۳ (جانور) اور تلی سے آپ کو نفرت تھی مگر ان کو حرام نہیں فرماتے تھے کھانے۴ کے برتن کو انگلیوں سے خوب صاف کرتے اور فرمایا کرتے کہ پچھلے کھانے میں برکت بہت ہوتی ہے کھانا۵ کھانے کے بعد اپنی انگلیاں اس قدر چاٹتے کہ سرخ پڑ جاتیں ۶ جب تک ایک انگلی چاٹ کر صاف نہ کر لیتے تب تک اپنی انگلیاں رومال سے نہیں پونچھتے تھے فرماتے معلوم نہیں کہ کس کھانے میں برکت ہو۔

جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ فرماتے "الحمدالله، اللهم لک الحمد اطعمت فاشبعت وسقیت فارویت لک الحمد غیر مکفور ولا مودع ولا مستغنی" یعنی الٰہی تیرا شکر ہے خدایا سب تعریفیں تیرے ہی لائق ہیں تو نے مجھے کھانا کھلایا تو پیٹ بھر کر کھلایا اور پانی پلایا تو سیراب کر دیا تیرا ہزار ہزار شکر ہے ہم تیری ناشکری نہیں کرتے اور نہ ہی آئندہ تیری نعمتوں سے ناامید ہوتے ہیں اور نہ ہم تیری ذات پاک سے بے نیاز ہوتے ہیں جب آپ گوشت روٹی کھاتے تو ہاتھوں کو خوب دھو

---

۱ مؤطا امام مالک بروایت سلیمان بن یسار مرسلاً۔

۲ پہلی حدیث میں پیشتر مذکور ہوا اور بخاری و مسلم میں گوہ کے قصہ میں مذکور ہے کہ اس کو کھاؤ کیونکہ وہ حرام نہیں ہے اور نہ اس میں کچھ مضائقہ ہے مگر بات صرف اتنی ہے کہ یہ میری قوم کی خوراک نہیں ہے (اس لئے مجھے طبعاً مکروہ معلوم ہوتی ہے)

۳ گوہ والی حدیث بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباس آئی ہے اور تلی کی حدیث بیہقی نے بروایت زید بن ثابت موقوفاً نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں تلی کھاتا ہوں حالانکہ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں تاکہ میرے گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۴ بیہقی اور شعب الایمان بروایت جابرؓ۔

۵ مسلم بروایت کعب بن مسلم مگر اس میں سرخ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

۶ مسلم و بیہقی بروایت کعب بن مالک

Marfat.com

کر منہ مبارک پر پھیر لیتے آپ ۱تین سانس میں پانی پیتے تھے ہر بار شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ فرماتے پانی ۲بڑے بڑے گھونٹوں سے نہیں پیتے تھے بلکہ چوس چوس کر پیتے کبھی ۳کبھی ایک سانس سے بھی پانی پی لیتے تھے پانی ۴پیتے وقت برتن میں سانس نہیں لیتے تھے بلکہ اپنا منہ برتن سے علیحدہ کر کے سانس لیتے تھے حضور اکرم ﷺ اپنا پس ۵خوردہ (جھوٹا) داہنی طرف والوں کو عنایت فرماتے تھے لیکن اگر بائیں طرف والا مرتبہ میں داہنی طرف والے سے بڑھ کر ہوتا تو داہنی طرف والے سے اجازت لیتے اور فرماتے بھئی سنت تو یہی ہے کہ پس خوردہ تم کو ملے لیکن ۶اگر تم اجازت دو تو بائیں طرف والے کو دیدوں۔

ایک ۷دفعہ آپ کی خدمت اقدس میں شہد اور دودھ پیش کیے گئے آپ نے ان کے پینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ایک برتن میں دو سالن اور ایک دفعہ میں دو پینے کی چیزیں مکروہ ہیں پھر فرمایا کہ میں ان کو حرام نہیں کہتا ہوں بلکہ فخر کی چیزوں کو اور دنیا کی غیر ضروری اشیاء کا قیامت میں حساب ہونے کو برا جانتا ہوں اور تواضع کو میں پسند کرتا ہوں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عالی مرتبہ بنا دیتا ہے حضور ۸انور ﷺ اپنے دولت خانہ میں کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار ہوتے تھے گھر والوں ۹سے کھانا طلب نہیں کرتے تھے جب انھوں نے کھلا دیا تو کھا لیا اور جو کچھ سامنے لا رکھا وہی قبول کر لیا اور جو پلا دیا وہی پی لیا۔

۱طبرانی اوسط بروایت ابی ہریرہؓ

۲ابن عدی وابن مندہ بروایت ابی ہریرہؓ وطبرانی بروایت ام سلمہ بسند ضعیف۔

۳ابن حبان بروایت زیدؓ بن ارقم بسند ضعیف۔

۴حاکم بروایت ابی ہریرہؓ۔

۵بخاری ومسلم بروایت انسؓ۔

۶بخاری ومسلم بروایت سہلؓ بن سعد

۷طبرانی بروایت عائشہ صدیقہؓ بسند ضعیف۔

۸اس کی سند پہلے گزر چکی ہے۔

۹کوئی معین کھانا طلب کرنا مقصود ہے ورنہ بلا یقین مطلق کھانا طلب کرنا صحاح میں مروی ہے چنانچہ مسلم میں بروایت عائشہؓ ہے لیھم عندکم شیء
یعنی کیا تمہارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ اور دوسرے فقروں کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

Marfat.com

بعض اوقات اپنے کھانے اور پینے کی چیز خود کھڑے ہو کر لیتے تھے۔ ﴿صلی اللہ علیہ وسلم﴾

چھٹا بیان

سید الکونین ﷺ کے اخلاق و آداب متعلقہ لباس کے ذکر میں

آنحضرت ﷺ[1] کو جو کپڑا مل جاتا مثلاً تہبند چادر، کرتہ، جبہ، وغیرہ ہی پہن لیتے آپ کو سبز لباس پسند تھا آپ[2] کی پوشاک عموماً سفید رنگ کی ہوا کرتی تھی فرمایا کرتے تھے کہ سفید کپڑے زندوں کو پہناؤ اور مردوں کو بھی سفید کفن میں دفن کرو جنگ[3] میں اکثر روئی دار اور کبھی بغیر روئی کے کوٹ پہنا کرتے تھے حضور[5] انور ﷺ ایک سبز رنگ کی قبا (کوٹ) پہنا کرتے۔ تو آپ کے گورے بدن مبارک پر بہت ہی سجتی تھی آپ کے[6] تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہتے بالخصوص آپ کا تہبند تو آدھی پنڈلی تک ہوتا تھا آپ[7] کے قمیض کے بند بندھے ہوئے رہتے لیکن نماز وغیرہ میں کبھی ان بندوں کو کھول بھی دیا کرتے تھے حضور کے پاس ایک[8] زعفرانی رنگ کی چادر مبارک تھی بعض اوقات اسی کو پہن کر نماز پڑھ لیا کرتے کبھی

---

[1] ابوداؤد میں بروایت بنت قیس مذکور ہے کہ آپ نے ان کے یہاں کی دوال لٹکی ہوئی میں سے خود تناول فرمایا اور ابن ماجہ نے بروایت کبشہ نقل کیا ہے کہ آپ نے لٹکی ہوئی مشک میں سے خود کھڑے ہو کر پانی پیا۔

[2] بخاری و مسلم میں بروایت عائشہ صدیقہ تہبند کا پہننا مذکور ہے اور چادر والی حدیث اوپر گزر چکی ہے اور نسائی میں کرتہ کا مرغوب ہونا بروایت ام سلمہؓ مذکور ہے اور جبہ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

[3] ابن ماجہ اور حاکم بروایت ابن عباسؓ۔

[4] اسکی سند عراقی کی کتاب میں کاتب کے قلم سے رہ گئی ہے۔

[5] بخاری تعلیقاً و مسلم بروایت جابرؓ مگر اس میں رنگت کا ذکر نہیں ہے۔

[6] ابوالفضل محمد بن طاہر بروایت عبداللہ بن بسر بسند ضعیف۔

[7] ابوداؤد ابن ماجہ طبرانی بروایت ابن عباسؓ۔

[8] ابوداؤد بروایت قیس بن سعیدؓ۔

Marfat.com

۱آپ صرف چادر ہی پہن لیتے اور کوئی کپڑا حضور کے بدن مبارک پر نہ ہوتا تھا۔ آپ کے پاس ایک ۲پیوند لگی ہوئی چادر تھی اس کو بھی پہنا کرتے۔ اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح میں بھی لباس پہنتا ہوں جمعہ ۳کے دن کے لئے آپ کا ایک خاص جوڑا تھا۔

کبھی ۴آپ کے جسم اطہر پر صرف ایک تہبند کی چادر ہوا کرتی۔ اس کو آپ اس طرح پہنتے کہ اس کے دونوں کناروں کو دونوں شانوں کے درمیان گراہ لگا دیتے۔ کبھی ۵جنازہ بھی اس چادر سے پڑھا دیتے کبھی ۶مکان کے اندر اسی چادر کو پہن کر نماز پڑھ لیتے۔ حالانکہ یہ وہی چادر ہوتی تھی۔ جس میں حضور رات کو (جماع) صحبت کیا کرتے تھے کبھی ۷تہبند کا ایک کنارہ خود لپیٹ کر اور دوسرا ازواج مطہرات (بیویوں) پر ڈال کر تہجد کی نماز ادا کرتے۔ حضور ﷺ ۸کی ایک چادر سیاہ رنگ کی تھی۔ آپ نے وہ کسی کو دیدی۔ کسی وقت آپ کو حرم متہرم حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا۔ کہ سیاہ چادر کہاں گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو دیدی۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ جیسی وہ سیاہ چادر حضور کو گورے بدن پر اچھی لگتی تھی ایسی کوئی چیز مجھے کبھی اچھی نظر نہیں آئی ۹حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو بعض اوقات ایک چھوٹی سی چادر پہن کر ظہر کی نماز پڑھاتے دیکھا ہے جس کے کناروں کو آپ گرہ لگایا کرتے تھے۔

۱۰حضور پر نور ﷺ انگوٹھی بھی پہنا کرتے تھے کبھی

۱ابن ماجہ و ابن خزیمہ بروایت ثابت بن الصامت۔

۲بخاری و مسلم نے بروایت بردہ بلند چادر کا ذکر کیا ہے۔

۳طبرانی در صغیر و اوسط بروایت عایشہؓ بسند ضعیف۔

۴بخاری بروایت محمد بن المنکدر۔

۵اس کی سند مجھے نہیں ملی۔ مطلق نماز پڑھنا پہلی روایت میں مذکور ہوا۔

۶ابو یعلی بروایت معاویہؓ۔

۷ابوداؤد و مسلم بروایت عایشہ صدیقہؓ۔

۸ان کی روایت میں سلمہؓ سے اس طرح نظر نہیں آئی ہاں سیاہ چادر کا ہونا مسلم نے بروایت عایشہؓ اور ابوداؤد ونسائی نے بروایت عایشہؓ ذکر کیا ہے

۹ابن ماجہ بروایت عبادۃ بن الصامت۔

۱۰بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ و انسؓ۔

Marfat.com

۱آپ باہر تشریف لے جاتے تو کسی چیز کی یاداشت کے لئے اس انگوٹھی ۲انگوٹھی میں دھاگا باندھ لیا کرتے انگوٹھی سے آپ خطوط پر مہر لگایا کرتے۔ اور فرماتے کہ خطوط پر مہر لگادینی تہمت سے بہتر ہے آپ ۳ٹوپی بھی پہنتے۔ کبھی عمامہ کے نیچے کبھی تنہا ٹوپی ہی پہن لیتے۔ کبھی ٹوپی مبارک سر سے اتا کر سامنے رکھ کر سترہ بنا لیتے۔ اور اس کی طرف نماز پڑھتے۔ اگر کبھی ۴عمامہ نہ ہوتا تو سر اور پیشانی پر پٹی ہی باندھ لیتے۔ حضور ۵کے ایک عمامہ کا نام سحاب تھا۔ وہ آپ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمادیا تھا حضرت علیؓ وہ عمامہ پہن کر تشریف لاتے۔ تو آنحضرت ﷺ فرماتے کہ علیؓ تمہارے پاس سحاب پہن کر آئے ہیں کپڑے ۶پہنتے وقت حضور ﷺ داہنی طرف سے شروع کرتے۔ اور یہ کلمات ۷فرماتے۔

یعنی خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے لباس پہنایا۔ جس سے میں اپنی پردہ پوشی کرتا ہوں اور لوگوں میں زینت وزیبائش حاصل کرتا ہوں کپڑے ۸اتارتے وقت بائیں طرف سے شروع کرتے جب ۹نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کسی غریب کو عنایت فرمادیتے۔ اور یہ ارشاد فرماتے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر (کم از کم) اپنے پرانے کپڑے پہنائے تو جب تک وہ کپڑے اس کے بدن پر رہیں گے پہنانے والا موت اور زندگی سے خدا تعالیٰ کی پناہ میں رہے گا۔ حضور ﷺ کا ایک ۱۰چمڑے کا گدہ تھا۔ جس میں کھجوروں کی

۱ابوداؤد بروایت قیس بن سعیدؓ۔

۲ابن ماجہ وابن خزیمہ بروایت ثابت بن الصامت۔

۳بخاری ومسلم نے بروایت بردہ بلند چادر کا ذکر کیا ہے۔

۴طبرانی در صغیر واوسط بروایت عائشہؓ بسند ضعیف۔

۵بخاری بروایت محمد بن المنکدر۔

۶اس کی سند مجھے نہیں ملی۔ مطلق نماز پڑھنا پہلی روایت میں مذکور ہوا۔

۷ابو یعلی بروایت معاویہؓ۔

۸ابوداؤد ومسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۹ان کی روایت میں سلمہؓ سے اس طرح نظر نہیں آئی ہاں سیاہ چادر کا ہونا مسلم نے بروایت عائشہؓ اور ابو داؤد ونسائی نے بروایت عائشہؓ ذکر کیا ہے

۱۰بخاری ومسلم بروایت عائشہؓ بدون ذکر طول وعرض اور ابن حبان نے بروایت ام سلمہؓ نقل کیا ہے کہ آپ کا گدہ بمقدار قد انسان کے تھا اس حدیث میں ایک راوی مجہول ہے۔

Marfat.com

چھال بھری ہوئی تھی۔ وہ تقریباً دو گز لمبا اور ایک گز ایک بالشت چوڑا تھا۔

آپ ۱؎ کا ایک کمبل تھا۔ جس کو صحابہ کرامؓ ہر جگہ اٹھا کر دو تہہ کر کے آپ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ حضور چٹائی پر ۲؎ سویا کرتے تھے۔ یہی چٹائی آپ کا بستر تھا۔ آپ ۳؎ کی عادت شریف تھی کہ اپنے جانوروں ہتھیاروں اور دیگر اشیاء کے نام رکھ لیا کرتے تھے چنانچہ آپ کے ایک نیزہ کا نام عقاب ۴؎ اور ایک تلوار کا نام ذوالفقار ۵؎ دوسری تلوار کا نام مخذم اور تیسری کا نام رسوب ۶؎ اور چوتھی کا نام قضیب ۷؎ تھا۔ آپ ۸؎ کی تلوار کے قبضہ پر چاندی کا ملمع ہوا تھا۔ آپ ۹؎ چمڑے کی ایک پیٹی بھی پہنا کرتے تھے جس میں چاندی کی تین کڑیاں تھیں آپ کی کمان مبارک ۱۰؎ کا نام کتوم۔ ترکش کا نام فور اور اونٹنی ۱۱؎ کا نام قصویٰ یا عضباء تھا آپ ۱۲؎ کی خچر کا نام دلدل۔ دراز گوش کا نام یعفور ۱۳؎ اور آپ کی بکری کا نام ۱۴؎ اعیہ تھا اس بکری کا آپ دودھ پیا

۱؎ ابن سعد در طبقات وابن حبان بروایت عائشہ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اور شمائل ترمذی میں بروایت حفصہ ٹاٹ کا فرش دو تہہ کا مذکور ہے۔ کہ آپ اس پر حضور سویا کرتے تھے۔

۲؎ بخاری و مسلم در قصہ اعتزال ازواج (بیویوں سے علیحدگی اختیار کرنا) بروایت عمر فاروقؓ۔

۳؎ طبرانی بروایت ابن عباسؓ آپ کی سب چیزوں کے نام لکھے ہیں مگر اس سند میں ایک راوی کو واضع (بناوٹی حدیثیں بنانے والا) کہا جاتا ہے۔

۴؎ ابن حبان بروایت حسنؓ مرسلاً۔

۵؎ ابن حبان بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۶؎ ابن سعد در طبقات بروایت مروان بن ابی سعید مرسلاً۔

۷؎ ابن سعد بروایت سابق۔

۸؎ ابن خثیمہ در تاریخ۔

۹؎ ابوداؤد ترمذی بروایت انسؓ۔

۱۰؎ اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔ مگر ابن سعد ابن حبان نے بروایت جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ مرسلاً نقل کیا ہے۔ کہ آپ کی زرہ میں دو کڑیاں چاندی کی چھاتی کی جگہ پر اور دو پس پشت تھیں۔

۱۱؎ اس کا پتا مجھ کو نہیں ملا۔ مگر طبرانی نے بروایت ابن عباسؓ لکھا ہے۔ کہ آپ کی کمان کا نام سداد اور ترکش کا نام جمع تھا۔ اور ابن خیثمہ نے تاریخ میں آپ کی کمانوں کے تین نام اور لکھے ہیں۔

۱۲؎ مسلم بروایت جابرؓ اور بخاری بروایت انسؓ۔

۱۳؎ حاکم بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۱۴؎ فوائد ابی الدحداح۔

Marfat.com

کرتے تھے۔ حضورؐ[1] کے پاس مٹی کا ایک لوٹا تھا۔ جس سے وضو بھی کرتے تھے۔ اور پانی بھی پیتے تھے۔ لوگ اپنے ہوشیار بچوں کو حضور کی خدمت اقدس میں بھیجتے۔ ان کو اگر حضور ﷺ کے لوٹے مبارک میں پانی مل جاتا تو اس کو پیتے بھی تھے۔ اور برکت کے لیے اپنے بدن مبارک پر بھی ملتے تھے۔

ساتواں بیان

اس ذکر میں کہ حضور اکرم ﷺ باوجود قدرت کے مجرموں کے قصور معاف فرما دیا کرتے تھے

رسول[2] مقبول ﷺ سب لوگوں سے نرم مزاج تھے۔ باوجودیکہ آپ کو مجرم سے انتقام (بدلہ) لینے یا اس کو سزا دینے کی پوری طاقت حاصل تھی لیکن مجرموں کے قصور معاف کرنے کا آپ کو بیحد شوق تھا۔ ایک دفع کا ذکر ہے کہ آپ کی خدمت اقدس[3] میں سونے چاندی کے ہار آئے۔ آپ نے وہ ہار اپنے اصحاب کرامؓ میں تقسیم کر دیے اسی اثناء میں ایک بدوی شخص اٹھا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ خدا تعالیٰ نے آپ کو عدل وانصاف کا حکم دیا ہے۔ لیکن میں آپ کو عدل وانصاف کرتے ہوئے نہیں دیکھتا آپ نے فرمایا کہ او کم بخت! میرے سوا اور کون عدل وانصاف کرے گا جب وہ حضور کے پاس سے چلا گیا تو آپ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ اس کو نرمی کے ساتھ میرے پاس لے آؤ۔ حضرت جابرؓ[4] سے روایت ہے کہ جنگ حنین کے دن حضور انور ﷺ حضرت بلال کے کپڑے میں لوگوں کے واسطے چاندی جمع کرتے جاتے تھے ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ ﷺ انصاف کیجئے۔ حضور نے فرمایا کہ او کم بخت! اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اگر میں عدل وانصاف نہ کروں تو تو محروم رہ جائے گا اسی اثناء میں حضرت عمر فاروقؓ مارے غصے کے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر اجازت ہو

---

[1] ابن سعدؒ نے آپ کی بکریوں کے سات نام اور لکھے ہیں۔ اور فوائد ابی الدحداج میں بکری کا نام برکہ لکھا ہے۔

[2] اس کی سند پہلے گزر چکی ہے۔

[3] ابن حبان بروایت ابن عمرؓ۔

[4] مسلم۔

Marfat.com

تو اس بے ادب کی گردن اڑا دوں۔ کیونکہ یہ شخص منافق ہے آپ نے فرمایا۔ کہ معاذ اللہ ایسا مت کرو ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے ایک دفع حضور ﷺ ایک لڑائی میں تھے ایک ادفع حضور اکرم ﷺ لڑائی میں تھے کہ ایک کافر مسلمانوں کو غافل پا کر ننگی تلوار لے کر حضور پرنور ﷺ کے سر مبارک پر آ کھڑا ہوا اور کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ راوی کہتا ہے کہ حضور کے ارشاد کے بعد اس کافر کے ہاتھ سے تلوار گر گئی ۔حضور نے وہ تلوار پکڑ کر فرمایا کہ اب مجھ سے تجھے کون بچائے گا اس نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے گرفتار کر لیا ہے اور آپ واقعی سب سے بڑھ کر گرفتاری کرنے والے ہیں آپ نے فرمایا۔ کہدے ﴿اشہد ان لا الہ الا اللہ﴾ اس نے کہا یہ تو نہیں کہوں گا۔ ہاں وعدہ کرتا ہوں آئندہ میں آپ سے جنگ نہیں کروں گا۔ نہ آپ کا ساتھ دوں گا نہ آپ کے دشمنوں کا۔ آپ نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ساتھیوں میں آ کر کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس ایک بہترین شخص (محمد ﷺ) کے پاس سے آیا ہوں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ عورت زہر سے ملی بکری حضور کے کھلانے کے لئے لائی۔ اس کا یہ راز فاش ہو گیا۔ اور اس کو حضور کی خدمت اقدس میں بطور ملزم پیش کیا گیا آپ نے اس سے زہر کا سارا حال دریافت کیا وہ بولی کہ میں آپ کو مار ڈالنا چاہتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کو منظور نہیں ہے کہ تجھے اس امر کی طاقت دے۔ اتنے میں لوگوں نے عرض کیا۔ کہ اگر ارشاد ہو تو ابھی اس کو قتل کر دیا جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ ایک ۳ یہودی نے حضور پر جادو کر دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو آگاہ کر دیا آپ نے جادو نکلوا کر اس کی گرہیں کھلوا دیں۔ تو آپ کو جادو سے افاقہ ہو گیا ۔لیکن حضور نے اس یہودی سے کبھی اس بات کا ذکر تک نہیں کیا حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے زبیرؓ اور مقدادؓ کو حکم دیا کہ روضہ خاخ (مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے) میں جاؤ وہاں ایک مسافر عورت ہے اس کے پاس (مسلمانوں کے خلاف) ایک خط ہے وہ خط اس سے لے آؤ ہم حسب الارشاد اس روزہ میں گئے اور اس عورت سے کہا کہ تیرے

---

۱ بخاری ومسلم بروایت جابرؓ باختلاف الفاظ۔

۲ مسلم بروایت انسؓ وبخاری بروایت ابی ہریرہؓ۔

۳ نسائی بروایت زید بن ارقم، اور آپ پر جادو کیے جانے کا قصہ بخاری ومسلم میں بروایت عائشہؓ بالفاظ دیگر منقول ہے۔

Marfat.com

پاس جو خط ہے وہ ہمیں دیدے وہ بولی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ یا تو تو خط نکال دیدے ورنہ اپنے کپڑے اتار ڈال۔ اس عورت نے (اپنی بے پردگی کے مارے) اپنی چوٹی میں سے خط نکال کر ہمارے حوالے کر دیا۔ ہم وہ خط حضور کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ دیکھا تو وہ خط حاطب بن ابی بلتعہؓ (صحابی) کی طرف سے مشرکین مکہ کی طرف لکھا ہوا تھا۔ اس خط میں حضورؐ کے حالات درج تھے۔ کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے باہر ہو گئے ہیں خواہ تم پر چڑھائی کریں۔ یا کسی اور پر آپ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ سے کہا کہ یہ تم نے کیا حرکت کی ہے اس نے عرض کیا آپ جلدی نہ فرمادیں اصل واقعہ یہ ہے کہ مہاجرین کے رشتہ دار تو مکہ معظمہ میں بہت سے ہیں۔ وہ رشتہ دار جنگ کے موقع پر مہاجرین کے گھر والوں کو بچالیں گے۔ لیکن مکہ معظمہ میں میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے لہذا میں اپنے گھر والوں کو بچانے کے لئے میں نے یہ تدبیر سوچی کہ میں قریش مکہ (مشرکین مکہ) کو حضور کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دے کر ان کو اپنا ممنون احسان بنا لوں تاکہ وہ بوقت جنگ اس احسان کے بدلے میرے گھر والوں کو بچالیں بس اسلئے میں نے یہ خط مشرکین مکہ کے نام روانہ کیا تھا۔ ورنہ میں نے معاذ اللہ کفر وارتداد کی بناء پر یہ خط نہیں لکھا۔ آنحضرت ﷺ نے حاطب کا یہ قول سن کر اس کی تصدیق فرمائی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا۔ کہ اگر اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دی جائے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ شخص جنگ بدر میں موجود تھا۔ اور بدر والوں کو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہ بخشد یے ہیں۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے کچھ مال تقسیم کیا ایک انصاری بولا کہ حضور یہ تقسیم رضاء الٰہی کے خلاف ہے یہ بات حضور کو پہنچی تو آپ کا چہرہ انور غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ ان کو اس سے بھی زیادہ رنج وتکلیف پہنچائی گئی تھی۔ مگر انھوں نے صبر سے کام لیا حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ خبردار! کوئی شخص میرے اصحابؓ کی شکایت مجھ سے نہ کیا کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب تم سے ملوں صاف دل ہو کر ملوں۔

---

۱ بخاری ومسلم بروایت ابن مسعودؓ

Marfat.com

آٹھواں بیان

اس ذکر میں کہ سید المرسلین ﷺ بری باتوں کو دیکھ کر بھی چشم پوشی فرمایا کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی جلد پتلی اور ظاہر و باطن صاف تھا حضور کی رضا مندی اور ناراضگی چہرہ انور سے معلوم ہو جایا کرتی تھی سخت غصہ کے وقت آپ اپنی داڑھی مبارک کو بہت ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ کسی[2] کے سامنے ایسی بات نہیں کرتے تھے جو اس کو بری لگے۔ ایک شخص[3] زرد خوشبو لگا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا گو آپ کو زرد خوشبو بری معلوم ہوئی لیکن آپ نے اس شخص سے کچھ نہیں فرمایا جب وہ شخص چلا گیا تو حاضرین مجلس سے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کو کہدے کہ بھئی زرد خوشبو نہ لگایا کرو۔ ایک[4] اعرابی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کیا۔ صحابہ کرامؓ اس کو غصے ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ آپ اس کو پیشاب کر لینے دو۔ اس کا پیشاب مت روکو۔ پھر اس اعرابی (دیہاتی) کو سمجھایا۔ کہ بھئی! یہ مسجدیں کوڑے کرکٹ یا پیشاب پخانے کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس کو ڈراؤ نہیں بلکہ پاس بلا لو۔ ایک[5] روز ایک اعرابی نے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا آپ نے اس کو کچھ عطا فرما کر کہا کہ میں تجھ پر احسان کیا ہے اعرابی بولا کہ آپ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اعرابی یہ گستاخانہ الفاظ سن کر مسلمان برافروختہ ہوئے اور اس کو مارنے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن حضور نے ان کو روک دیا اور اپنے دولت خانے میں جا کر اس اعرابی کو بلوایا۔ اور کچھ دے کر پھر فرمایا کہ کیا میں نے تجھ پر احسان کیا ہے؟ اعرابی بولا۔ کہ ہاں حضور خدا تعالیٰ آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو جزائے خیر عطا

---

[1] ابن حبان بروایت ابن عمرؓ۔

[2] ابن حبان بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

[3] ابوداؤد و ترمذی و رشمائل بروایت انسؓ۔

[4] بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

[5] بزار و ابن حبان بروایت ابی ہریرہؓ بسند ضعیف۔

Marfat.com

فرماوے۔ آپ نے اعرابی سے فرمایا کہ تم پہلے مسلمانوں کے سامنے گستاخانہ الفاظ کہہ چکے ہو جس کی وجہ سے وہ تم سے بہت ناراض ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ جو شکریہ کے الفاظ تم نے میرے سامنے کہے ہیں یہی مسلمانوں کے روح برو بھی کہہ دیجو۔ اعرابی نے عرض کیا کہ بہت اچھا حضور۔ چنانچہ دوسرے روز وہ اعرابی آیا حضورؐ نے فرمایا کہ اس اعرابی نے تو ناشکری کے الفاظ کہے تھے لیکن ہم نے اسکو بہت زیادہ عطیہ دیدیا ہے۔ اعرابی بولا کہ بیشک حضور اب میں راضی ہوں۔ خدا تعالیٰ آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو جزائے خیر عطا فرماوے۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری اور اس اعرابی کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی اونٹنی بدک جاوے (ڈر جائے) اور لوگ اس کے پیچھے دوڑیں تو وہ اور زیادہ بدک جاوے پھر اونٹنی کا مالک سب لوگوں کو دور ہٹا کر کہے کہ لوگو! تم الگ ہو جاؤ۔ میں جانوں اور میری اونٹنی۔ میں اپنی اونٹنی پر تم سے زیادہ مہربان ہوں اور مجھے اس کی حالت تم سے زیادہ معلوم ہے یہ کہہ کر وہ مالک کچھ چارہ لے کر اونٹنی کے سامنے سے آوے اور اس کو چارہ دکھلا کر آہستہ آہستہ اس کے قریب آتا جاوے اور اپنی اونٹنی کو پیار سے بلاتا جاوے۔ حتی کہ اونٹنی اپنے مالک کے پاس آ کر کھڑی ہو جاوے۔ اور مالک اس کو بٹھلا کر اس پر کاٹھی ڈالکر سوار ہو جاوے۔ اسی طرح جب اس اعرابی نے گستاخانہ الفاظ کہے تھے اگر میں تم کو نہ روکتا تو تم اس کو مار ڈالتے۔ اور وہ یقیناً توبہ مرنے کے باعث دوزخی ہو جاتا۔

نواں بیان
سید العرب والعجم ﷺ کی
جود و سخاوت کے ذکر میں

حضور انور ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے۔ بالخصوص رمضان المبارک میں تو آپ آندھی کی طرح سخاوت کرتے تھے۔ اور کسی کو بغیر دیے جانے نہ دیتے تھے۔ حضرت

۱ بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۲ بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ اور اس میں اس طرح آیا ہے کہ جب حضور کی جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تو آندھی طرح (بیحد) سخاوت کرتے۔

Marfat.com

اعلیٰؓ جب آپ کے اوصاف بیان فرماتے تو یوں فرماتے کہ نبی ﷺ کا دست مبارک سب سے زیادہ سخی تھے اور سینا سب سے زیادہ فراخ تھا۔ اور گفتگو میں سب سے زیادہ سچے تھے وعدہ کو پورا کرنے میں سب سے بڑھ کر تھے آپ کی عادت نرم اور آپ کا خاندان نہایت اعلیٰ تھا۔ جو شخص آپ کو دیکھتا فوراً مرعوب ہو جاتا تھا۔ اور اگر محبت کے طور پر آپ سے میل جول رکھتا تو آپ کا والہ وشیدا ہو جاتا تھا۔ اور آپ کی تعریف میں یہ الفاظ کہتا کہ حضور جیسا نہ میں نے کبھی پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نظر آیا۔ نو مسلم۲ جو بھی سوال کرتا آپ اس کا سوال پورا کرتے۔ چنانچہ ایک نومسلم نے آپ سے سوال کیا۔ تو آپ نے اس کو اس قدر بکریاں عطا فرمائیں کہ وہ بمشکل دو پہاڑوں میں سماتی تھیں۔ وہ نومسلم جب اپنی قوم کے پاس گیا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ محمد ﷺ نومسلموں کو اس افراط سے عطا فرماتے ہیں۔ کہ ان کو محتاجی کا بھی ڈر نہیں ہوتا۔ ایسا۳ کبھی نہیں ہوا کہ آپ سے کسی نے کچھ سوال کیا ہو۔ اور آپ نے اس کو کچھ عنایت نہ فرمایا ہو۔ حضور۴ کی خدمت اقدس میں نوے (۹۰) ہزار درہم کہیں سے آئے۔ آپ نے وہیں کے وہیں چٹائی پر رکھوا کر سب کے سب حاجت مندوں اور مستحقوں کو بانٹ دیئے اور کسی سائل کو محروم نہیں پھیرا۔ حتیٰ کہ آپ کے پاس ان (نوے ہزار) میں سے ایک درہم بھی نہ بچا۔ ایک شخص۵ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا آپ نے فرمایا کہ بھئی! اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے البتہ جتنے کی تجھ کو ضرورت ہے میرے نام پر کسی سے قرض لے لو جب ہمارے پاس کچھ آئے گا تو ہم اس کو ادا کر دیں گے حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس چیز کی آپ کو طاقت نہیں خدا تعالیٰ نے اس کی تکلیف آپ کو نہیں دی۔ حضور کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی سائل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ فی سبیل اللہ خرچ کرتے جایئے اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھ کر محتاجی سے مت ڈریئے حضور یہ بات سن کر مسکرائے اور خوشی کے آثار آپ کے چہرہ انور پر نمایاں ہوئے۔ جب حضور

---

۱ یہ روایت ترمذی کی ہے لیکن ساتھ ہی ترمذی میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ روایت متصل نہیں ہے منقطع ہے۔

۲ مسلم بروایت انسؓ۔

۳ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ۔

۴ ابواسحٰق ابن الضحاک ور شمائل بروایت حسنؒ مرسلاً اور بخاری میں بروایت انسؓ تعلیقاً بلا ذکر عدد مروی ہے

۵ ترمذی ور شمائل بروایت عمر فاروقؓ۔

Marfat.com

۱جنگ حنین سے واپس تشریف لائے۔ تو اعرابیوں نے آپ سے مانگنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سائلوں کی کثرت اور بھیڑ کے باعث آپ کو مجبوراً ببول (کیکر) کے درخت کی طرف جانا پڑا۔ اس درخت میں حضور کی چادر مبارک اٹک گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ میری چادر تو دیدو (واللہ) اگر میرے پاس ان درختوں کی تعداد میں بھی اونٹ ہوں۔ تو وہ بھی میں تم میں تقسیم کردوں۔ تم مجھے ہرگز بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاؤ گے۔

دسواں بیان
سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شجاعت کے ذکر میں

جناب ۲رسالت مآب ﷺ سب سے زیادہ طاقت ور اور بہادر آدمی تھے۔ حضرت ۳علیؓ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے روز حالانکہ حضور علیہ السلام ہماری نسبت دشمن سے زیادہ قریب تھے۔ لیکن تاہم ہم آپ کی پناہ پکڑتے تھے اس روز آپ نے کفار کے ساتھ سب سے زیادہ لڑائی کی۔ نیز ۴حضرت علیؓ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی جنگ شروع ہوتی تو آپ ہم سب کی نسبت دشمن سے زیادہ قریب ہوتے باوجود اس کے ہم حضور کی پناہ میں ہوتے تھے۔ روایت ۵ہے کہ حضور علیہ السلام بہت کم بولتے تھے جب آپ جنگ کا حکم صادر فرماتے تو بذات خود جنگ کے لیے تیار ہوتے اور سب سے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرتے زیادہ بہادر ۶وہی سمجھا جاتا تھا جو جنگ میں حضور کے قریب ہوتا تھا کیونکہ آپ دشمن سے زیادہ قریب ہوا کرتے تھے عمران ۷بن حصین فرماتے ہیں کہ دشمن کی جس جماعت سے بھی آپ کی جنگ ہوتی تو سب

۱بخاری بروایت جبیر بن مطعم۔

۲دارمی بروایت ابن عمرؓ اور بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ مذکور ہے۔ کہ کان احسن الناس واشجع الناس یعنی حضور تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور بہادر تھے۔

۳ابن حبان در اخلاق النبی ﷺ۔

۴نسائی بروایت علی مرتضیٰ و مسلم بروایت براء ابن عازب۔

۵ابن حبان نے روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

۶طبرانی اوراوسط بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف۔

۷بخاری و مسلم بروایت براء ابن عازب

Marfat.com

سے پہلے آپ ہی وار فرماتے۔ آپ بڑے جنگجو اور لڑاکے تھے۔ ایک[1] دفعہ آپ کو مشرکوں نے گھیر لیا۔ آپ فوراً اپنی خچر سے اتر کر فرمانے لگے کہ ''انا النبی لاکذب انا بن عبدالمطلب ''یعنی لوگو! میں یقیناً سچا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں اس دن حضور سے بڑھ کر کوئی بہادر اور قوی دل نظر نہیں آتا تھا۔

گیارہواں بیان

خاتم النبیین ﷺ کی تواضع کے ذکر میں

حضور[2] انور ﷺ باوجود تمام دنیا سے اعلیٰ مرتبہ ہونے کے سب سے زیادہ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ابن عامر[3] سے روایت ہے کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ سرخ اونٹنی پر سوار ہو کر جمرہ کو کنکریاں مار رہے تھے لیکن کوئی کسی کو دھکے نہیں دیتا تھا اور نہ ہی ہٹو بچو کہتا تھا۔ جیسے دیگر امرا اور سلاطین کی آمد کے وقت ہوا کرتا ہے آپ اس قدر منکسر المزاج تھے کہ اپنے دراز گوش پر بجائے زین کے چادر ڈال کر سوار ہو جاتے اور پھر کسی کو اپنے پیچھے بھی سوار کر لیتے تھے۔ آپ بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے جنازہ کے ہمراہ تشریف لے جاتے غلام کی دعوت منظور فرما لیتے اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا لیا کرتے اور گھر میں گھر والوں کے ساتھ مل کر کام بھی کرتے تھے۔ چونکہ[4] حضور انور کسی سے کام کروانے کو برا جانتے تھے اس لئے صحابہ کرام آپ کا کام نہیں کرتے تھے۔ آپ[5] لڑکوں کے پاس گزرتے وقت بھی ان کو سلام کرتے ایک[6] شخص حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر کیا گیا تو وہ مارے رعب کے کانپنے لگا آپ نے تسلی کے طور پر ارشاد فرمایا۔ ڈرو مت میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی

---

1. ترمذی ونسائی وابن ماجہ بروایت قدامہ بن عبداللہ۔
2. بخاری ومسلم بروایت اسامہ بن زید۔
3. اس کی سند اسی باب کے شروع میں گزر چکی ہے۔
4. ترمذی بروایت انسؓ۔
5. بخاری ومسلم بروایت جریرؓ۔
6. ابوداؤد ونسائی بروایت ابی ہریرہؓ۔

Marfat.com

تھی آپ اصحابہ کرامؓ میں ایسے مل جل کر بیٹھتے کہ کوئی اجنبی شخص آپ کو پوچھے بغیر پہچان نہیں سکتا تھا صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ کسی ایسی جگہ بیٹھا کریں کہ ناواقف آدمی آپ کو پہچان لیا کرے چنانچہ اس غرض کے لیے صحابہؓ نے محض آپ کے بیٹھنے کے لیئے مٹی کا ایک چبوترا سا بنا دیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری جان آپ پر قربان ہو جیو آپ تکیہ پر سہارا لگا کر تناول فرمایا کیجیے اس میں آپ کو آرام رہے گا لیکن حضور نے کھانا کھاتے وقت بجائے تکیہ لگانے کے اور جھک کر کھانا کھانے لگے۔ حتی کہ آپ کا سر مبارک زمین پر لگنے کو ہو گیا پھر ارشاد فرمایا کہ میں بندوں کی طرح کھاؤں گا اور بندوں کی طرح بیٹھوں گا آپ[۳] نے عمر بھر کشتی اور خوان میں کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اگر آپ[۴] کو کوئی صحابیؓ یا کوئی اور شخص آواز دیتا تو جواب میں[۵] (لبیک) فرماتے میں حاضر ہوں جب حضور لوگوں کے ساتھ مجلس فرماتے تو جیسی گفتگو وہ کرتے ویسی ہی آپ بھی کرتے مثلاً اگر لوگوں نے دنیاوی گفتگو شروع کی ہے تو آپ بھی دنیاوی گفتگو فرماتے اور اگر دین یا آخرت کے بارے میں انھوں نے کوئی گفتگو شروع کی تو آپ بھی ویسی ہی گفتگو فرماتے غرض کہ مجلس میں بھی تواضع کی خاطر لوگوں کا لحاظ رکھتے۔ اگر کبھی[۶] صحابہ کرام حضور کے سامنے اشعار پڑھتے اور زمانہ جاہلیت (کفر) کا تذکرہ کر کے ہنستے تو آپ بھی ان کے ساتھ تبسم فرماتے اور سوائے حرام کے اور کسی چیز پر ان کو جھڑکتے نہیں تھے۔

بارھواں بیان

حضور پرنور ﷺ کے حلیہ مبارک کے ذکر میں

حضور[۷] اکرم ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ پست قد، اگر آپ تنہا چلتے تب تو حضور میانہ قد معلوم ہوتے تھے لیکن جب کسی کے ساتھ مل کر چلتے تو حضور کا قد مبارک لمبے قد والوں سے بھی اونچا ہو جاتا تھا جب کبھی حضور دو لمبے قد والوں کے درمیان چلتے تو آپ کا قد مبارک ان

۱ ابوداؤد نسائی بروایت ابی ہریرہؓ۔۔۔۔۔ ۲ ابن جریر بروایت عبداللہ بن عبید بن عمیر عن عائشہؓ۔
۳ بخاری بروایت انسؓ۔۔۔۔۔ ۴ ابونعیم در دلائل النبوۃ بروایت عائشہؓ اور اس سند میں حسین بن علوان متہم بالکذب ہے۔۔۔۔۔ ۵ ترمذی اور شمائل بروایت زید بن ثابت۔۔۔۔۔۔ ۶ مسلم بروایت جابر بن عمرؓ۔
۷ ابونعیم در دلائل بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

Marfat.com

سے لمبا معلوم ہوتا تھا لیکن جب وہی لمبے قد والے اکیلے چلتے تو وہ دراز قد معلوم ہوتے تھے اور حضور درمیانہ قد نظر آتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے بھلائی میانہ پن میں ہے حضور کا رنگ مبارک خالص گورا چٹا تھا لیکن نہ حد سے زیادہ سفید تھا اور نہ ہی گندم گوں تھا حضور ا کی تعریف میں آپ کے چچا ابوطالب نے اس مضمون کا شعر کہا ہے۔

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه
ثمال اليتامى عصمة الارامل

وہ نورانی بدن جس کے سبب بارش کا نزول ہو یتیموں اور بیواؤں کا وہ ملجا و ماویٰ ہے بعض نے آپ کا رنگ سرخی مائل بیان کیا ہے تو وہ دونوں روایتوں کے مطابقت اس طرح کی گئی ہے کہ جو اعضاء حضور کے کپڑوں میں چھپے رہتے تھے وہ تو خالص گورے چٹے تھے اور جو کپڑوں سے باہر رہتے جیسے چہرہ انوار اور گردن وغیرہ سرخی مائل تھے حضور کا پسینہ مبارک چہرہ انور پر موتیوں کی طرح کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار معلوم ہوتا تھا آپ کے بال مبارک نہایت عمدہ مڑے ہوئے تھے نہ تو زیادہ لٹکے ہوئے تھے اور نہ ہی بہت گھنگر والے تھے جب آپ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے تو وہ اس طرح معلوم ہوتے جس طرح ہوا سے ریت میں لہریں پڑ جاتی ہیں روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سر کے بال کندھوں سے لگتے تھے اور اکثر ۲ روایتوں میں یوں آیا ہے کہ کانوں کی لو تک ہوتے تھے کبھی آپ اپنے بالوں کے چار گچھے سے بنا لیتے ہر ایک کان حضور کا دو گچھوں کے درمیان سے نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا کبھی آپ بالوں کو کانوں پر ڈال دیتے تو آپ کی گردہ کا کنارہ چمکتا ہوا معلوم ہوتا تھا آپ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں گنتی کے سترہ بال سفید تھے اس سے زیادہ سفید بال ابھی نہیں ہوئے تھے حضور ﷺ کا چہرۂ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا جس نے بھی آپ کا حلیہ مبارک دیکھا اس نے حضور کے چہرۂ انور کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہی بیان کیا ہے حضور کی جلد مبارک بہت صاف تھی اس لئے خوشی اور ناراضگی کے آثار فوراً چہرۂ انور پر نمایاں ہو جاتے تھے لوگ کہا کرتے تھے کہ بیشک آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ کی تعریف میں شعر کہا ہے

---

۱ بخاری تعلیقاً بروایت ابن عمرؓ و ابن ماجہ ابن اسحاق در سیرت۔

۲ بخاری و مسلم بروایت براء بن عازب۔

Marfat.com

امین مصطفی للخیر یدعو
کضوء البدر زایلۃ الظلام

حضور بڑے امانتدار، برگزیدہ خلائق، اور خلق خدا کو سیدھا راستہ بتلانے والے ہیں آپ کی تشریف آوری ایسی ہے جیسے چودھویں رات کا چاند اندھیرے میں سے نکل آتا ہے اور سب جگہ اجالا ہی اجالا کر دیتا ہے حضور علیہ السلام کی پیشانی مبارک بہت فراخ تھی اور بھنویں باریک تھیں دونوں بھنوؤں کے درمیان خالص چاندی کی طرح نور چمکتا تھا آپ کی دونوں آنکھیں کشادہ اور نہایت خوشنما تھیں نیز آپ کی آنکھیں خوب سیاہ اور سرخی مائل تھیں آپ کی پلکیں بہت لمبی اور اس کثرت سے تھیں کہ ملنے کے قریب ہو گئی تھیں حضور کی ناک مبارک پتلی اور لمبی تھی اور آپ کے دانت کچھ تھے جب آپ ہنستے تو وہ دانت بجلی کی طرح چمکتے تھے حضور کے لب مبارک سب سے زیادہ خوبصورت اور لطیف تھے اور آپ کے رخسار مبارک ابھرے ہوئے نہیں تھے بلکہ سخت تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک نہ زیادہ لمبا تھا نہ زیادہ گول بلکہ لمبا کسی قدر گولائی لئے ہوئے آپ کی ڈاڑھی مبارک گھنی تھی اسے آپ بالکل نہیں کترواتے تھے بلکہ لمبی چھوڑی ہوئی تھی البتہ موچھیں ضرور کترواتے تھے حضور کی گردن مبارک سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی نہ زیادہ لمبی نہ چھوٹی گردن کے جتنے حصے پر دھوپ اور ہوا لگتی تھی وہ ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے کچھ سونا ملی ہوئی چاندی کی صراحی جس میں سے چاندی کی چمک اور سونے کی دمک نظر آتی تھی آپ کا سینہ مبارک چوڑا تھا اس میں کسی جگہ کا گوشت ابھرا ہوا نہیں تھا آئینہ کی طرح صاف وشفاف اور چاندی کی طرح سفید تھا سینہ کے سرے سے لیکر ناف تک دھار کی طرح بالوں کا ایک باریک خط تھا اس کے علاوہ سینہ اور پیٹ پر کہیں بال نہیں تھے حضور کے پیٹ پر تین شکن تھے ایک شکن تہبند کے نیچے آجاتا تھا اور دو شکن تہبند سے باہر رہتے تھے آپ کے کندھے مبارک بڑے بڑے تھے اور ان پر بال کثرت سے تھے آپ کے کندھوں کہنیوں اور کمر کے جوڑ گوشت سے بھرے ہوئے تھے اور حضور کی پشت مبارک فراخ تھی حضور پرنور ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان داہنے کندھے کے قریب مہر نبوت تھی جس میں سیاہ زردی مائل ایک داغ سا تھا اور اس کے ارد گرد گھوڑے کی عیال کے بالوں کی طرح کچھ بال تھے آپ کے دونوں بازو اور ہاتھ بھی گوشت سے پر تھے آپ کے دونوں بند دست لمبے اور ہتھیلی مبارک چوڑی اور ہاتھ پاؤں کشادہ تھے آپ کی انگلیاں ایسی چمکدار تھیں جیسے چاندی کی سلاخیں حضور کی ہتھیلی مبارک ریشم سے بھی زیادہ نرم اور عطر سے زیادہ خوشبودار تھی جو شخص آپ سے مصافحہ کرتا دن بھر خوشبو

Marfat.com

سے معطر رہتا اگر شفقت اور پیار کے طور پر حضور پرنور کسی لڑکے کے سر پر ہاتھ مبارک پھیر دیتے تو خوشبو کے باعث وہ دوسرے لڑکوں سے ممتاز ہو جاتا تھا حضور کی رانیں اور پنڈلیاں مبارک گوشت سے پر تھیں آپ کا جسم اطہر معتدل درجہ کا تھا۔ مگر اخیر عمر میں حضور کسی قدر موٹے ہو گئے تھے باوجود مٹاپے کے آپ کا بدن مبارک نوعمروں کی طرح سڈول اور مضبوط تھا غرضکہ آپ کا بدن موٹا یا ضرر رساں نہیں تھا حضور کی چال ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا پاؤں مبارک جما کر اٹھاتے ہیں اور اوپر سے نیچے کو تشریف لاتے ہیں پاؤں پاس پاس رکھ کر چلتے اور چلتے وقت پاؤں مبارک آگے کو جھک کر رکھتے حضور انور ﷺ ارشاد فرمایا کرتے کہ میں اوروں کی نسبت آدم علیہ السلام سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں اور ابراہیم علیہ السلام صورت وسیرت میں میرے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے تھے اور یہ فرماتے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک میرے دس نام ہیں، میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی (مٹانیوالا) ہوں اس لیے کہ میرے ذریعہ خدا تعالیٰ کفر کو مٹائیگا، عاقب (پیچھے آنے والا) ہوں کیونکہ میں سب پیغمبروں کے بعد ہوا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا، حاشر (اکٹھا کرنیوالا) اس لئے کہ خدا تعالیٰ میرے اٹھنے کے بعد سب مخلوقات کو اٹھائیگا اور اس میں، رسول رحمت، رسول توبہ، رسول ملاحم اور، مقفی (پیچھے آنے والا) ہوں کیونکہ میں تمام انبیاء علیہ السلام کے بعد پیدا ہوا ہوں اور میں قثم یعنی کامل اور جمیع اوصاف حسنہ کا جامع ہوں۔

تیرھواں بیان

حضور اکرم ﷺ کے معجزات کے ذکر میں

جن سے حضور کی صداقت ثابت ہوتی ہے

جاننا چاہیے کہ اگر حضور پرنور ﷺ کے حالات کا مشاہدہ کیا جاوے اور آپ کے اخلاق اور عادات اور افعال واعمال اور انتظام وتدبیر خلائق صحیح صحیح خبریں گوش گزار ہوں نیز

ا پہلے پانچ نام بخاری ومسلم میں بروایت جبیر بن مطعم منقول ہیں۔ اور مسلم نے مقفی اور نبی التوبہ اور نبی الرحمۃ بروایت ابی موسیٰؓ کیے ہیں اور احمد بن حنبل نے بروایت حزیفہ نبی الملاحم ذکر کیا ہے اور ابونعیم نے دلائل میں ابی الطفیل سے آٹھ نام مجملہ دس کے کچھ زیادہ کر کے لکھے ہیں اور ابن عدی نے بروایت علی مرتضیٰؓ وجابرؓ واسامہ بن زیدؓ وابن عباسؓ وعائشہؓ بسند ضعیف نقل کیے ہیں۔

Marfat.com

مشکل لا ینحل سوالات کے جو جوابات حضور نے ارشاد فرمائے ہیں اور مخلوقات کی بہتری کی جو جو حیرت انگیز تدابیر آپ نے نکالیں ان کو دیکھا جاوے اور قوانین شریعت کی جو تفصیل حضور نے فرمائی ہے اور جس کے ادنیٰ ادنیٰ باریکیوں میں علماء محققین وفقہای مجتہدین عمر بھر حیران اور عاجز رہے ہیں ان سب امور میں اگر غور وفکر کیا جاوے تو عقل سلیم کو ذرہ بھر شک وشبہ باقی نہیں رہتا کہ ان تمام امور کی سرانجام وہی بلا تائید غیبی محض انسانی طاقت سے ناممکن ہے کوئی جھوٹا اور فریبی آدمی ان تمام امور دینی ودنیاوی ظاہری وباطنی، علمی وعملی، جسمانی وروحانی، کو ہر پہلو میں مکمل کر کے نہیں دکھا سکتا حضور کی ظاہری شکل وشباہت ہی آپ کی صداقت کا بین ثبوت تھی چنانچہ بعض خاندانی عرب آپ کو دیکھ کر ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ جھوٹوں کی صورت نہیں ہے تو جن لوگوں نے آپ کے عادات واخلاق کا مشاہدہ کیا ہو اور تمام حالات نشست وبرخاست میں حضور کے ہمراہ عمر گزری ہو وہ کیونکر آپ کی صداقت کے قائل نہ ہوں ہم نے حضور کے اخلاق کریمہ اس لئے بیان کیے ہیں کہ لوگوں کو اخلاق حسنیٰ کا پتہ لگے اور ان کے دل میں حضور کی صداقت اور بارگاہ الہی میں ان کی عظمت ورفعت معلوم ہو جاوے نیز تا کہ منکرین پر اتمام حجت ہو کہ حضور محض امی (ان پڑھ) تھے نہ آپ نے کسی سے علم پڑھا نہ کتابوں کا مطالعہ کیا اور نہ طالب علمی کے لئے کہیں سفر کیے گئے ہمیشہ جاہل عربوں میں رہے یتیم اور بیکس تھے پس اس بے سروسامانی کی حالت میں دیگر علوم ومعارف الہی اور فرشتوں اور آسمانی کتاب کا علم تو درکنار اخلاق حسنہ کا علم بھی حاصل ہونا ناممکن تھا ان وجوہات کی بنا پر قطعی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ بجز وحی الہی کے یہ سب چیزیں ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہوسکتیں اور محض طاقت انسانی ان علوم کو معلوم کرنے سے عاجز وقاصر ہے یہ ظاہری امور ہی آپ کی صداقت کے لئے کافی ووافی تھے لیکن جس صورت میں کہ حضور میں علاوہ ان ظاہری صداقتوں کے باطنی نشانات صداقت یعنی معجزات بھی پائے جاتے تھے تو اس صورت میں تو آپ کی صداقت میں کسی عاقل کو شک وشبہ کی ذرہ بھر بھی گنجائش باقی نہیں رہتی ہم آپ کے صرف وہی معجزات ذکر کرتے ہیں جو صحیح احادیث میں آئے ہیں نیز ہم معجزات کو مختصر طور پر ذکر کریں گے۔ **مکمل** قصہ ذکر نہیں کریں گے۔

معجزہ نمبر (۱) کفار مکہ نے جب حضور سے شق القمر (چاند کے دو ٹکڑے ہونا) معجزہ کا مطالبہ کیا تو حضور نے چاند کی طرف ارشاد فرمایا چاند فوراً دو ٹکڑے ہو گیا۔[1]

[1] بخاری ومسلم بروایت ابن مسعود وابن عباسؓ

Marfat.com

معجزہ نمبر (۲) خندق کے روز حضرت ۱جابرؓ کے مکان میں صرف ایک سیر جو سے کثیر التعداد لوگوں کو کھانا کھلایا۔

معجزہ نمبر (۳) حضرت ۲ابوطلحہؓ کے مکان پر بھی آپ نے تھوڑی سی غذا سے بہت سے لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

معجزہ نمبر (۴) ایک ۳مرتبہ حضور نے ایک صاع (دو سیر) جو اور بکری کے بچہ سے ۸۰ آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

معجزہ نمبر (۵) ایک دفعہ ۴حضرت انسؓ کی چند روٹیاں اپنے ہاتھ میں لے گئے حضور نے ان روٹیوں سے ۸۰ سے زیادہ آدمیوں کا پیٹ بھر دیا۔

معجزہ نمبر (۶) ایک ۵دفعہ ابن بشر تھوڑی سی کھجوریں اپنے ہاتھوں میں لائے آپ نے ان کھجوروں سے سب شکر والوں کا پیٹ بھر دیا اور پھر بھی کچھ کھجوریں بچ گئیں۔

معجزہ نمبر (۷) ایک ۶دفعہ تمام لشکر محمدی پیاس سے بیتاب ہو گئے حضور نے ایک چھوٹے سے پیالے (جس میں آپ کا ہاتھ بھی اچھی طرح پھیل نہیں سکتا تھا) میں اپنا دست مبارک رکھا تو آپ کی انگلیوں میں سے پانی پھوٹ نکلا جس میں سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا اور وضو بھی کیا۔

معجزہ نمبر (۸) تبوک کے چشمے ۷میں پانی سوکھ گیا تھا حضور ﷺ نے اپنے وضو کا پانی اس میں ڈالدیا تو اس چشمہ کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزارہا کی تعداد میں اہل لشکر نے خوب سیراب ہو کر پانی پیا۔

معجزہ نمبر (۹) حدیبیہ ۸کے کنویں میں پانی نہیں رہا تھا آپ نے اپنے وضو کا

---

۱ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ

۲ بخاری و مسلم بروایت انسؓ

۳ بیہقی در دلائل النبوۃ بروایت جابرؓ بخاری میں بھی ایک اور روایت بلا ذکر تعداد کے مذکور ہے۔

۴ مسلم بروایت انسؓ۔

۵ بیہقی در دلائل بروایت بشر بن سعدؓ

۶ بخاری و مسلم بروایت انسؓ

۷ مسلم بروایت معاذؓ ...... ۸ مسلم بروایت بن الاکوع اور بخاری میں بروایت براء بن عازبؓ منقول ہے۔

Marfat.com

بچا ہوا پانی اس میں ڈالا تو اس چشمہ کا پانی اسقدر جوش کر آیا کہ پندرہ سو آدمیوں نے اس میں سے پانی پیا۔

معجزہ نمبر (۱۰) ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے حضرت عمر فاروقؓ کو ارشاد فرمایا کہ تھوڑے خرمے (جو زیادہ سے زیادہ ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر ہوں گے) چار سو سواروں کو سفر خرچ کے طور پر دیدو حضرت فاروق اعظمؓ نے سب کو خرچ بھی دیدیا اور پھر بھی اتنے کے اتنے بچ گئے۔

معجزہ نمبر (۱۱) حضورؐ نے مٹی کی ایک مٹھی لشکر کفار کی طرف پھینکی جس سے سب کفار اندھے ہو گئے چنانچہ اس معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے ارشاد باری ہے ﴿ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمی ﴾ یعنی اے پیغمبر کفار پر مٹی کی مٹھی آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔

معجزہ نمبر (۱۲)[۳] آپ کی دنیا میں تشریف آوری کی برکت سے کہانت (غیبی باتیں کہنا) بلکل نیست ونابود ہوگئی حالانکہ پہلے علانیہ طور پر تھی۔

معجزہ نمبر (۱۳) پہلے حضورؐ ایک ستون سے سہارا لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر آپ کے لئے ایک ممبر تیار کیا گیا چنانچہ اس ممبر پر چڑھکر آپ خطبہ پڑھنے لگے تو وہ ستون کے فراق میں رونے لگا جس طرح اونٹ بولتا ہے اس کے رونے کی آواز تمام صحابہؓ نے سنی آپ نے اس کو اپنے سینہ مبارک سے لگایا تو وہ چپ ہو گیا۔

معجزہ نمبر (۱۴)[۵] آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو ساتھ ہی یہ پیش گوئی بھی فرمادی کہ تم ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نہ بول سکے اور نہ موت کی تمنا کر سکے یہ معجزہ سورۃ (جمعہ) میں مذکور ہے جو تمام روئے زمین کی جامع مسجدوں میں جمعہ کے روز محض اسی معجزہ والی آیت کی عظمت کے لئے پکار کر پڑھی جاتی ہے۔

---

[۱] احمد بروایت نعمان بن مقرن
[۲] مسلم بروایت سلمۃ بن الاکوع۔
[۳] خرائطی بروایت مرداس بن قیس۔
[۴] بخاری بروایت جابرؓ و سہل بن سعد۔
[۵] بخاری بروایت ابن عباسؓ۔

Marfat.com

معجزہ نمبر (۱۵) حضورؐ نے حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق غیبی خبر دی کہ تم دشمنوں کے بلوے سے شہید ہو جاؤ گے اس شہادت کے بعد تمہارے لئے جنت ہے چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔

معجزہ نمبر (۱۶) حضرت عمارؓ کے متعلق بھی آپ نے پیشگوئی فرمائی کہ تم کو باغی شہید کر دیں گے چنانچہ حضرت عمارؓ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

معجزہ نمبر (۱۷) حضرت امام حسنؓ کے متعلق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہو جائیگی۔

معجزہ نمبر (۱۸) ایک شخص نے راہ خدا میں جہاد کیا حضور نے اس کے حق میں پیشگوئی فرمائی کہ یہ شخص دوزخی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس شخص نے خودکشی کر لی جس سے وہ جہنمی بن گیا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کا علم سوائے وحی الہٰی کے ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا نہ نجوم سے نہ رمل سے نہ فال سے نہ کہانت سے جب آپ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کر کے جا رہے تھے تو سراقہ بن جعشم نے آپ کا تعاقب کیا جس کی سزا اس کو یہ ملی کہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا اور ایک دھواں اس کے پیچھے لگ گیا سراقہؓ نے حضور ﷺ سے معافی مانگی آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی چنانچہ آپ کی دعا برکت سے اس کا گھوڑا زمین سے باہر نکل آیا۔

معجزہ نمبر (۱۹) حضورؐ نے سراقہ بن جعشم کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ اے سراقہ تیرے ہاتھوں میں کسریٰ بادشاہ کے کنگن پہنائے جاوینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

معجزہ نمبر (۲۰) اسود عنسی نے صنعاء یمن نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوا تھا حضورؐ نے اس کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ یہ شخص فلاں شب کو فلاں شخص کے ہاتھ سے قتل کیا جائیگا

---

۱ بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰؓ۔

۲ مسلم بروایت ابی قتادہ وام سلمہ و بخاری بروایت ابن سعید۔

۳ بخاری بروایت ابی بکرؓ۔

۴ بخاری بروایت ابی ہریرہؓ

۵ بخاری و مسلم بروایت صدیق اکبرؓ۔

۶ یہ قصہ سیر میں مذکور ہے۔

Marfat.com

چنانچہ اسود عنسی بعینہ اسی شب کو قتل ہوا جو حضور کی پیشگوئی میں مذکور تھی

معجزہ نمبر (۲۱) قریش[1] کے سو آدمی حضور کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کو تائید غیبی سے معلوم ہوا تو آپ تشریف لے جا کر خاک کی مٹھی ان کے سر پر پھینک آئے لیکن حضور ان کو نظر نہ آئے۔

معجزہ نمبر (۲۲) صحابہ کرام[2] کے روبرو حضور کی خدمت میں ایک اونٹ نے اپنے مالک کی شکایت کی اور آپ کا فرمانبردار ہو گیا۔

معجزہ نمبر (۲۳) چند[3] صحابہ کرام حضور کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص دوزخی ہو جائیگا جس کی داڑھ کو احد جیس ہو جائیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اور لوگ تو اسلام پر مرے اور ایک شخص مرتد ہو گیا اور ان بے دینی کی حالت میں مارا گیا۔

معجزہ نمبر (۲۴) ایک[4] دفعہ چند صحابہؓ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے جو سب کے بعد مرے گا وہ آگ میں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو سب سے اخیر میں مرا وہ آگ میں گر کر مر گیا۔

معجزہ نمبر (۲۵) ایک دفعہ[5] حضور علیہ السلام قضاء حاجت (پاخانہ) کو تشریف لے گئے اور پردہ کے لئے دو درختوں کو بلالیا چنانچہ وہ دونوں درخت حسب الارشاد آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر مل گئے اور آپ کو پردہ کیا جب حضور قضا حاجت سے فارغ ہوئے تو آپ نے حکم دیا کہ واپس چلے جاؤ چنانچہ وہ دونوں جدا ہو کر جہاں کے تھے وہیں جا کھڑے ہوئے۔

معجزہ نمبر (۲۶) حضور ﷺ[6] میانہ قد تھے لیکن لمبے قد والوں کے ساتھ چلتے تو ان سے بھی لمبے نظر آتے تھے۔

---

[1] ابن مردویہ بروایت ابن عباس بسند ضعیف۔

[2] ابوداؤد بروایت عبداللہ بن مسعودؓ۔

[3] دار قطنی بروایت ابی ہریرہؓ۔

[4] بیہقی در دلائل بروایت ابی محدورہ وابی ہریرہؓ۔

[5] احمد بروایت ابولعلیٰ۔

[6] ذیل کی سند اوپر گزر چکی ہے۔

Marfat.com

معجزہ نمبر (۲۷) حضورﷺ نے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی۔ اور فرمایا کہ اگر مباہلہ کے لئے آؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے چنانچہ عیسائی مباہلہ کے واسطے نہ آئے ۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور سچ فرماتے ہیں۔

معجزہ نمبر (۲۸) عامر بن طفیل اور ازبد بن قیس عرب کے مشہور شہسوار اور بہادر آدمی تھے یہ دونوں حضرت کے قتل کرنے کے لئے آئے مگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حضورﷺ نے ان کے حق میں بددعا فرمائی۔ چنانچہ بموجب آپ کی بددعا کے عامر طاعون سے ہلاک ہو گیا اور ازبد پر بجلی گری۔

معجزہ نمبر (۲۹) حضورﷺ نے فرمایا تھا کہ ابی بن خلف کو میں قتل کروں گا۔ پس جنگ احد میں آپ کے ایک ہی وار سے اس کی موت ہوئی۔

معجزہ نمبر (۳۰) حضور کو کسی دشمن نے کھانے میں[۲] زہر ملا کر کھلا دیا جس شخص نے آپ کے ساتھ زہر والا کھانا کھایا تھا۔ وہ تو مر گیا اور آپ اس واقعہ کے چار سال بعد تک زندہ رہے اور بکری کے جس گوشت میں زہر ملا ہوا تھا اس گوشت نے حضور کو اطلاع دی کہ مجھ میں زہر ہے۔

معجزہ نمبر (۳۱) جنگ بدر[۳] کے روز حضور علیہ السلام نے کفار قریش کے سرداروں کے قتل ہونے کی قبل از وقت پیش گوئی فرمائی۔ اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کہ فلاں کافر فلاں جگہ قتل ہو کر گریگا۔ اور فلاں کافر فلاں جگہ۔ چنانچہ جو جو جگہ جس جس کے لئے فرمائی تھی وہ وہیں گرا۔

معجزہ نمبر (۳۲) حضور نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جہاد کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

معجزہ نمبر (۳۳) آپ کی خاطر زمین سمیٹ کر مشرق سے لیکر مغرب تک دکھلائی گئی۔

---

[۱] بخاری بروایت ابن عباسؓ۔

[۲] ابوداؤد بروایت جابرؓ اور جو صحابی فوت ہو گئے تھے ان کا نام بشر بن براء تھا۔

[۳] مسلم بروایت عمر فاروقؓ۔

[۴] مسلم بروایت ثوبانؓ۔

Marfat.com

معجزہ نمبر (۴۴) آپ نے پیش گوئی فرمائی کہ میری امت کی سلطنت اتنی ہی وسیع ہو جائے گی جتنی کہ مجھے سمیٹ کر دکھلائی گئی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کی سلطنت ابتدائے مشرق یعنی ملک ترکستان سے لیکر آخر مغرب یعنی بحر اندلس اور ملک بربر تک پھیل گئی اور دکن اور شمال میں نہ پھیلی جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

معجزہ نمبر (۴۵) حضور علیہ السلام[2] نے اپنی لخت جگر حضرت بی بی فاطمہؓ سے ارشاد فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔ (یعنی میری وفات کے بعد سب سے پہلے میرے کنبہ میں تمہاری وفات ہوگی)۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

معجزہ نمبر (۴۶) حضور[3] نے اپنی ازواج مطہرات (بیویوں) سے ارشاد فرمایا کہ جونسی تم میں سے زیادہ خیرات کرے گی۔ وہ مجھے جلد تر ملے گی (یعنی اس کی وفات میری وفات کے بعد جلد تر واقع ہوگی) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت زینب بنت جحش دستکاری کر کے خیرات بہت زیادہ کرتی تھیں۔ اس لئے سب بیویوں سے پہلے وہی وفات ہوئیں۔

معجزہ نمبر (۴۷) جناب[4] سرور کائنات ﷺ نے ایک دودھ دینے والی بکری کے تھن کو ہاتھ لگایا تو بکری بہ برکت آپ کے ہاتھ لگانے کے دودھ دینے لگ گئی چنانچہ یہی معجزہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مشرف باسلام ہونے کا باعث ہوا۔

معجزہ نمبر (۴۸) ایک[5] دفعہ ام معبد خزاعیہ کے خیمہ میں بھی یہی بکری والا معجزہ ظہور پذیر ہوا۔

معجزہ نمبر (۴۹) ایک[5] صحابیؓ کی آنکھ نکل کر گر پڑی آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ آنکھ اپنی جگہ پر رکھ دی تو وہ ایسی صحیح سلامت اور خوشنما بن گئی کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی۔

معجزہ نمبر (۵۰) خیبر[6] میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی آنکھیں دکھنی آ گئیں۔ آپ نے اپنا لب مبارک ان پر لگایا تو وہ اسی وقت صحیح سلامت ہو گئیں اور آپ نے حضرت علیؓ کو

---

[1] بخاری و مسلم بروایت عایشہ صدیقہؓ۔ ...... [2] مسلم بروایت عایشہ صدیقہؓ۔

[3] احمد بروایت ابن مسعودؓ۔

[4] اس کی سند تخریجات عراقی میں نہیں ملی۔

[5] ابونعیم و بیہقی بروایت قتادہؓ بن نعمان۔

[6] بخاری و مسلم بروایت علی مرتضیٰؓ۔

Marfat.com

جھنڈا دیکر روانہ کیا۔

معجزہ نمبر (۷۱) حضور علیہ السلام[1] کے عہد مبارک میں صحابہ کرامؓ کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔

معجزہ نمبر (۷۲) ایک[2] صحابیؓ کی ٹانگ مبارک پر سخت چوٹ لگ گئی تھی آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا تو وہ فوراً اچھی ہوگئی۔

معجزہ نمبر (۷۳) ایک دفعہ[3] لشکر رسول اللہ ﷺ میں زادراہ بہت ہی کم ہوگیا۔ آپ نے اس میں برکت کی دعا مانگی اور لشکر والوں کو کہا کہ سفر خرچ لے لو انھوں نے اتنا سفر خرچ لیا کہ لشکریوں کے سب برتن بھر گئے۔

(معجزہ نمبر (۷۴) حکم[4] بن العاص خبیث مسخری کے طور پر حضور کی چال کی نقل کیا کرتا تھا۔ آپ نے بددعا فرمائی کہ خدا کرے تو ایسا ہی رہے چنانچہ مرتے دم تک وہ اسی طرح لڑکھڑا کر چلتا رہا۔

(معجزہ نمبر (۷۵) ایک[5] عورت سے حضور نے پیام نکاح کیا اس کے باپ نے یہ بہانہ کر کے حضور کو ٹال دیا کہ اس عورت کو برص کی بیماری ہے۔ حالانکہ درحقیقت اس کو یہ بیماری نہیں تھی۔ حضور نے فرمایا کہ ایسی ہی ہو جائیگی چنانچہ اس عورت کو برص ہوگئی۔ وہ عورت شبیب بن برصا شاعر کی والدہ تھی۔

ہم نے تو آپ کے صرف مشہور معجزات ذکر کیے ہیں ورنہ حضور کے معجزات تو ان کے علاوہ اور بھی بیشمار ہیں حضور علیہ السلام کے معجزات میں کسی قسم کا شک وشبہ کرنا اور یہ کہنا کہ یہ معجزات بنقل متواتر ثابت نہیں ہیں۔ بعینہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص حضرت علی مرتضیٰؓ کی بہادری اور حاتم طائی کی سخاوت میں شک کرے یہ ظاہر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ اور حاتم طائی کے حالات

[1] بخاری ورقصہ قتل ابی رافع۔

[2] بخاری ومسلم بروایت سلمہ بن الاکوع۔

[3] بیہقی در دلائل بروایت ہند بن خدیجہ۔

[4] بخاری ومسلم بروایت سلمہ بن الاکوع۔

[5] ابن جوزی نے اس عورت کا نام تنقیح میں حمرہ بنت حارث بن عوف لکھا ہے اور اس کو دمیاطی نے بھی اختیار کیا ہے اپنی اس رسالہ میں جو آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے حال میں لکھا ہے۔ مگر پایۂ صحت کو نہیں پہنچتا۔

Marfat.com

انفرادی طور پر متواتر نہیں ہیں لیکن اگر ان کے حالات بہ حیثیت مجموعی دیکھے جاویں تو بیشک حضرت علیؓ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کے متواتر (یقینی) ہونے میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہے اور یہ ایک ایسا زبردست اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے جو حضور ﷺ کے سوا کسی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوا کیونکہ تمام پیغمبروں کے معجزات ان کی زندگی تک محدود رہے ہیں لیکن حضور کا یہ قرآنی معجزہ دنیا میں تا قیامت باقی رہے گا آپ نے تمام فصحا و بلغاء عرب کو بابانگ دہل چیلنج دیا۔ کہ اگر تم کو قرآن مجید میں کسی طرح کا شک وشبہ ہے اور تمہیں عربی زبان کی فصاحت وبلاغت میں دعویٰ ہے تو پھر کیوں قرآن مجید جیسی فصیح وبلیغ کلام تم بنا نہیں لاتے۔ اس جیسی دس سورتیں یا کم از کم ایک سورت ہی بنا لاؤ چنانچہ اس آیت قرآنی میں اس چیلنج کا تذکرہ مفصل طور پر موجود ہے "لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا" یعنی اگر تمام انسان اور جن باہم ایک دوسرے کے مددگار بن کر اکٹھے ہو جاویں اور اس قرآن پاک جیسی کوئی کلام بنانی چاہیں تو وہ ہرگز نہیں بنا سکے گیں۔ یہ چیلنج فصحا و بلغاء عرب کو عاجز کرنے کے لئے فرمایا تھا چنانچہ اس معجزہ کے سامنے وہ عاجز ہوئے اور اپنے آپ کو قتل کرایا اور اپنی عورتوں اور بچوں کو قید کرایا مگر ان سے یہ نہ ہو سکا کہ قرآن مجید کا معارضہ کریں یا اس کی فصاحت وبلاغت وغیرہ میں کسی قسم کا کوئی طعن یا اعتراض کر سکیں۔ پھر آنحضرت ﷺ کے بعد قرآن مجید تمام دنیا میں مشرق سے لیکر مغرب تک پھیلا اور صدیوں گزر گئیں۔ حتیٰ کہ تقریباً پانچ سو برس گزر گئے ہیں کہ آج تک کوئی شخص اس معارضہ پر قادر نہیں ہوا۔ اندریں حالات بڑا ہی بے وقوف ہے وہ شخص جو آپ کے احوال واقوال اور افعال واخلاق اور معجزات کو دیکھنے اور اس کو یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ حضور کی شریعت اب تک جاری ہے اور اطراف عالم میں پھیل چکی ہے اور باوجود حضور کے یتیم رہ جانے کے تمام روئے زمین کے بادشاہ آپ کے احد مبارک میں اور اس کے بعد آپ کے حلقہ بگوش ہوئے ان سب امور کو معلوم کرنے کے بعد بھی جو شخص آپ کی صداقت میں کسی طرح کا شک وشبہ کرے وہ بڑا ہی احمق اور بدبخت ہے۔ اور بڑا ہی عقلمند اور نیک بخت وہ ہے جو آپ پر ایمان لائے اور صدق دل سے آپ کی تصدیق کرے اور ہر کام میں آپ کی اتباع اور پیروی کرے۔ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ محض اپنے فضل وکرم سے اخلاق افعال احوال واقوال میں ہمیں حضور پرنور کا متبع اور فرمانبردار بنا دے۔ بیشک وہی سننے والا اور دعا قبول کرنے والا ہے۔

Marfat.com

عربی سے اردو ترجمہ کتاب

قسطاس المستقیم

از

امام ہمام حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ

Marfat.com

اردو ترجمہ کتاب

قسطاس المستقیم

بعدہ بندہ مصطفیٰ بن سید محمد القبانی الدمشقی مرحوم ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ دمشق کے شاہی کتب خانہ کی کتابوں کو غور سے مطالعہ کرتے وقت (اللہ تعالیٰ اس کتاب خانے کو ہمیشہ رکھ کر لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچائے اور اس کے وقف کنندہ اور امداد کنندوں سے بحسن سلوک پیش آئے) ''قسطاس المستقیم'' نام ایک کتاب دیکھی۔ جو حجۃ الاسلام امام ابی حامد الغزالی (اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحم کرے اور ان کے مرقد کو منور کرے) کی تصنیف لطیف ہے۔ اور جس کی تصنیف سے مصنف مرحوم کی غرض یہ تھی کہ حقیقت معرفت معلوم ہو جائے اس کتاب کا باعث تصنیف وہ مناظرہ ہے جو مصنف اور ایک باطنی شیعہ کے مابین ہوا۔ جس میں اس کے عقیدہ کی کجی کو درست کیا اور اس کی عقل اور استعداد کے مطابق گفتگو کر کے اسے جتلا دیا کہ تمہارے برابر وہ نتائج غلط ہیں دلیل اور نقل سے مناظرہ کر کے عجائبات اسے دکھا کر گمراہی سے نکال کر سیدھی راہ پر لے آئے اور اسے مختلف ترازوؤں کی کنہ سمجھادی تاکہ قسطاس المستقیم سے وزن کر سکے۔

چونکہ مصنف علیہ الرحمۃ مصدقہ حجت تھے جس کے بارے میں کوئی سے دو محقق بھی مختلف الرائے نہیں اور یہ موضوع یعنی معرفت کا ادراک ہر زمانہ اور ہر مقام پر پسندیدہ اور مرغوب ہے بلکہ انسان کے لئے اس کا دریافت کرنا واجب ہے اس لئے میں نے اس کتاب کو بغرض ثواب مشتہر کرنا چاہا اس لئے ان کا اس طرح ضائع ہو جانا اچھا نہیں لیکن اس کی اشاعت میں یہ دقت پیش آئی کہ اس کتاب کے شروع کے چند ورق بوسیدہ اور پھٹے ہوئے تھے۔ جن کی تکمیل کے لئے بھتیرے کتب خانے چھان مارے لیکن صرف ایک نسخہ برلن میں اور دو اس

Marfat.com

کریاں میں ہاتھ آئے لیکن ان سے تصحیح کرنا میری قدرت سے باہر تھا پھر خاص خاص اشخاص کے کتب خانوں میں اس کی تلاش کرنے لگا۔ اثنائے تلاش میں میری نظر سے اس کا کوئی نسخہ نہ گزرا لیکن میرے ایک دوست نے کہا کہ اس کا ایک نسخہ استاد سلیم آفندی بخاری کے پاس ہے جو دمشق کے جید اعلم اور جامع فضائل ہیں۔ میں نے کہا میری مراد پوری ہوئی اور گھر میں ہی گوہر مقصود ہاتھ آیا۔ اس مطلب کے لئے اپنے ایک شریف طالبعلم رشتہ دار کو اس نسخہ کی نقل کے لئے کہا۔ جب وہ نقل کر کے لے آیا تو میں نے دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا اور ایک کامل نسخہ تیار کیا اور اس کے شروع میں مصنف مرحوم کے کچھ حالات بھی قلم بند کیے اور اس میں ضروری باتیں بھی درج کیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ یہ مفید کتاب مکمل ہوگئی جس میں طرح طرح کی خوبیاں ہیں توفیق اور بھروسہ محض اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور وہی کافی اور عمدہ وکیل ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ کی مختصر سوانح عمری

آپ کا اسم مبارک محمد ہے اور محمد بن محمد بن احمد الطوسی کے فرزند ارجمند ہیں آپ کی کنیت ابوحامد غزالی اور لقب حجۃ الاسلام اور مجدد الدین ہے جس دین کے ذریعہ دار السلام میں داخل ہو سکتے ہیں آپ کی ذات بابرکات تمام علوم کے اسباب کی جامع اور معقول و منقول پر حاوی تھی۔ آپ ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے لڑکپن میں تھوڑا سا علم فقہ اسی شہر میں علی احمد بن محمد رازگانی سے پڑھا پھر جرجان چلے گئے اور امام ابی نصر اسماعیل سے تعلیم حاصل کر کے طوس میں آئے اور یہاں تین سال رہ کر آموختہ کو حفظ کیا پھر نیشاپور جا کر امام الحرمین کی خدمت میں رہنے لگے یہاں حد درجے کی کوشش کی حتیٰ کہ آپ مذہب خلاف جدل اصول اور منطق میں ماہر ہوگئے اور حکمت اور فلسفہ کی کتابیں پڑھ کر ان کے مسائل کو بخوبی ذہن نشین کر لیا پھر ان علوم کی کتابوں کے مصنفوں کی غلطیاں دور کرنے کے در پے ہوئے چنانچہ ان علوم کے ہر فن پر کتابیں لکھیں آپ اعلیٰ درجہ کے ذکی تیز نظر عجیب فطرت تیز فہم قوی حافظہ اور غور و خوض کرنے والے تھے دقیق معنوں پر غور کرنا آپ ہی کا حصہ ہے جب ۴۷۸ھ میں امام الحرمین کا انتقال ہو گیا تو آپ چھاؤنی میں وزیر جنگ کے پاس چلے گئے جس کی مجلس علماء کا مجمع اور جائے پناہ تھی وزیر نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور استقبال کیا وزیر کے ہاں جید علماء کا مجمع تھا جب کئی بار ان میں مناظرہ مباحثہ اور مجادلہ ہوا اور ان سب پر آپ کا سرمایہ علمی لیاقت اور ذہانت ظاہر ہوگئی

Marfat.com

تو آپ کی فضیلت کا سب نے اقرار کیا اور آپ ہی کا تذکرہ ہر وقت ہونے لگا جب کافی شہرت ہوگئی اور وزیر کو آپ کی فضیلت کی تحقیق ہوگئی تو بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں تعلیم وتدریس کا کام آپ کے سپرد ہوا چنانچہ آپ نے جمادی الاول ۴۸۴ھ کو یہ کام شروع کیا اہل عراق آپ کی لیاقت دیکھ کر دنگ رہ گئے آپ کی قدر منزلت لوگوں کی نگاہوں میں اس قدر ہوئی کہ امرا اور اکابر تو در کنار بادشاہوں سے بھی بڑھ گئی جب آپ کے شاگردوں اور مستفیدوں کا گروہ بکثرت ہوگیا تو آپ یہ کام چھوڑ کر ۴۸۹ھ میں حج کو روانہ ہوئے اور اپنی جگہ اپنے بھائی کو تدریس کے کام پر لگایا جب ۴۸۹ھ میں دمشق واپس آئے تو فقروزہد میں چند ہفتے گزار کر بیت المقدس چلے گئے اور مدت تک وہاں رہے پھر جب دمشق آئے تو یہاں پورے دس سال جامع مسجد کے مغربی مینار میں رہے اور یہیں پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں کہتے ہیں کہ احیاء العلوم بھی یہیں پر تصنیف کی ہے لیکن آپ کی اس لیاقت اُو فضیلت کا کسی کو علم تک نہ ہوا جب انھیں آپ کی فضیلت کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے علماء دمشق کی مجلس منعقد کرنے کا ارادہ کیا جس میں علمائے دمشق نے آپ کو بھی بلایا۔ آپ نے فرمایا کل آؤں گا لیکن راتوں رات مصر کی طرف روانہ ہوگئے اور اسکندریہ میں کچھ مدت رہنے کے بعد عرب اور اندلس کے بادشاہ سلطان یوسف بن تاشفین کے پاس جانا چاہا یہ پانسو ۵۰۰ ہجری کا واقعہ ہے جب اس کی وفات کی خبر سنی تو شہروں میں پھرتے پھراتے نیشاپور آئے یہاں ناظمیہ مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھانے کا کام کیا پھر شہر طوس میں آکر اپنے گھر کے پاس فقیہوں کے لئے مدرسہ اور صوفیوں کے لئے خانقاہ بنوائی اور اپنا تمام وقت کار خیر مثلاً قرآن شریف کا ختم صحیح بخاری مسلم کا مطالعہ تالیف کتب طلباء کی تعلیم، دائمی نماز، روزہ، اور تمام عبادات وغیرہ کے لئے وقف کر دیا جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آپہنچا تو آپ کے ایک اصحابی نے وصیت کے لئے عرض کیا تو فرمایا اخلاص کا پابند رہنا پھر وضو کر کے صبح کی نماز ادا کی اور فرمایا میرے لئے کفن درکار ہے چنانچہ کفن لیکر اسے چوس کر آنکھوں پر رکھ کر فرمایا "سن لیا اور مان لیا میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا" پھر پاؤں پھیلائے اور روبقبلہ ہو کر صبح سے پہلے فوت ہوگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات شہر طوس میں بروز اتوار بتاریخ ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ کو ہوئی (خراسان کے دو شہر طوس کہلاتے ہیں جن میں سے ایک کا نام طابران اور دوسرے کا توقان ہے) آپ کا مقبرہ شہر طابران میں ہے آپ کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں۔

Marfat.com

سقی فی الحب عافیتی
ووجودی فی الھوا عدمی

محبت میں میرا بیمار ہونا بمنزلہ میرے آرام کے ہے اور عشق میں میرا وجود بمنزلہ میرے عدم کے ہے۔

وعذاب یرتضون بہ
فی فمی احلا من النغم

جو عذاب مجھے دیا جارہا ہے وہ میرے منہ میں سرود سے بھی میٹھا ہے۔

ما الضرفی محبتکم
عندنا واللہ من الم

بخدا تمہاری محبت میں کسی رنج والم کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔

ابوالمظفر بیوردی نے آپ کے مرثیہ میں حسب ذیل اشعار کہے ہیں:-

بکی علی حجۃالاسلام حین ثوی
من کل حی عظیم القدر اشرفہ

جب حجۃ الاسلام دفن ہو چکے تو ان پر تمام شریف اور عظیم القدر ذی روح روئے۔

فمالمن تمتری فی اللہ عبرتہ
علی ابی حامد لاج یعنفہ
مضی واعظم مفقود فجعت بہ
من لا نظیر لہ فی الناس یخلفہ

حجۃ الاسلام کے فوت ہونا ایک نہایت بڑی چیز کا گم ہونا ہے کیونکہ اُن کے بعد انسانوں میں اس کی نظیر موجود نہیں اس مفقودگی سے دل سخت بے قرار ہیں۔

Marfat.com

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل تصانیف ہیں

الوسیط، البسیط، الوجیز، الخلاصۃ، احیاء علوم الدین، الاربعین، شرح الاسماء الحسنی، المستصفی فی اصول الفقہ، المنخول فی اصول الفقہ، ہدایۃ الہدایۃ، الماخذ فی الخلافیات، تحصن الماخذ، کیمیائے سعادت فارسی (اس کا عربی نسخہ برلن کے کتب خانہ میں ہے) المنقذ فی الضلال، البنان المنتحل فی الجدل، شفاء العلیل فی مسالک التعلیل، الاقتصاد فی الاعتقاد، معیار النظر، محک النظر، بیان القولین، الشافعی، مشکوۃ الانوار، المستظہری فی الرد علی الباطنیۃ، تہافتۃ الفلاسفہ، المقاصد فی بیان اعتقاد الاوائل وہو اعتقاد الفلاسفہ، الجام العوام (عن الخوض) فی علم الکلام، الغایۃ القصوی، جواہر القرآن بیان فضائح الاباحیۃ، غور الدور، فی المسئلۃ السریحیۃ، وہو المختصر الاخیر رجع فیہ عن مصنفہ الاول المسمی بغایۃ الدور فی درایۃ الدور کشف علوم الآخرۃ، العقیدۃ القدسیۃ، الفتوی میزان العمل، مواہم الباطنیۃ فی الرد علیہم ایضاً، حقیقۃ الروح، اسرار معاملات الدین عقیدت المصباح، المنہج الاعلی، اخلاق الابرار والنجاۃ من الاشرار المعراج، حجۃ الحق، تنبیہ الغافلین، المکنون فی الاصول، رسالۃ الاقطاب، مسلم السلاطین، القانون الکلی (فی التاویل) القربۃ الی اللہ، معیار العلم مفصل، الخلاف فی اصول القیاس، اسرار اتباع السنۃ، تلبیس ابلیس، المبادی، الاجوبۃ المسکتۃ (عن الاسئلۃ المبہتۃ) عجائب صنع اللہ، رسالۃ الطیر (فی رد علی من طغی!)، قاضی القضاۃ تاج الدین السبکی کی کتاب الطبقات الکبری والوسطی کا اختصار معہ محی الدین الجزامی۔ طبقات الشافعیہ پر تقریظ، تاریخ دفیات الاعیان، تاریخ ابن الوردی۔

Marfat.com

مندرجہ بالا صرف وہ کتابیں ہیں جن سے لوگ عام طور پر واقف ہیں ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں جن کی واقفیت عام لوگوں کو نہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

فضائل القرآن، البدور فی اخبار البعث والنشور، الامتثال لمشیۃ اللہ تعالی والعصیان لہا، کشف الاسرار فی سر الاسرار، شرح الارشاد النفخ والتسویۃ الحقائق فی الذر الفائق حل الرموز، فاتحۃ العلوم، الرد الجمیل علی صریح الانجیل، شفاء الغلیل فیما قع التوراۃ والانجیل، جامع الحقائق بتجرید العلائق، القسطاس المستقیم، (موجودہ کتاب) سر العالمین۔ کشف ماقی الدارین، قانون الرسول، المنازل السائرۃ، یواقیت العلوم، الاشارۃ المعنویۃ، الاسرار الحروفیۃ، کتاب الحکمۃ، التبر المسبوک فی نصائح الملوک، مدخل السلوک الی منازل الملوک، مقامات العلماء بین یدی الخلفاء والامراء۔ الکشف والتبیین فی غرور الخلق اجمعین، الانیس فی الوحدۃ، الحکمۃ فی مخلوقات ،فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ، مغالیط المغرورین ،الانتصار علی الامام الزناتی الاملاء علی مشکل الاحیاء المعارف العقلیۃ والحکمۃ الالہیۃ۔ مقاصد الفلاسفہ، مکاشفۃ القلوب المقربۃ الی اعلام الغیوب ،التجرید فی التوحید، معارج السالکین ،کنز القوم والسر المکتوم ،مذاہب اہل السلف کلمات تقریر علی المقامات (فارسی) الاجوبۃ الغزالیۃ فی المسائل الاخرویۃ، مفصل الخلاف الدرج المرقوم فی الجداول (اس کا ذکر منقذ میں بھی ہے) ایہا الولد، منہاج العابدین، الزہد الفاتح، المواعظ فی الاحادیث القدسیہ، رسائل فی فتوح القرآن، رسالۃ الفہا الی ابی الفتح احمد الدمیمی تفسیر الایۃ التاسعۃ والعشرین من سورۃ یونس علیہ السلام، رسالۃ فی معرفۃ اللہ تعالی نور الشمعۃ فی بیان ظہر الجمعۃ المضنون بن عن غیر اہلہ (جو مصنف کے ساتھ ہی دفن کیا گیا) رسالۃ فی العبادات، رسالۃ فی بیان العلم اللدنی، رسالۃ فی حقایق العلوم لاہل الفہوم رسالۃ الطیر ،مقالۃ الفوز (علم کیمیا میں الخاتم (طلسمات) الغایۃ والنہایۃ (یہ مجموعہ قصاید ہے جو رسول علیہ السلام کی تعریف میں ہیں)۔

مذکورہ بالا تصنیفات مختلف ممالک کے مختلف کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں جو شخص ان کی تفصیل معلوم کرنی چاہے اسے بروکلمن کی تاریخ آداب اللغۃ العربیہ لقو ستقلد کی مدارس العرب اور کوشن صاحب کی، حیاۃ الغزالی ومولفاۃ مطالعہ کرنی چاہیں۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلے میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں بعد ازاں جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ بعدہٗ عرض پرداز ہوں کہ بھائیو! کیا تم میں سے کوئی میری اس رام کہانی کو سنے گا جو میرے اور میرے ایک اہل تعلیم ہمراہی کے مابین گزری۔ اس رفیق نے سوال وجدال سے مجھے تنگ کر مارا اور عمدہ عمدہ دلائل پیش کیں۔ جو گفتگو ہم میں ہوئی اسے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

رفیق: میں تمہیں کمال معرفت کا مدعی دیکھتا ہوں۔ کس ترازو سے معرفت کی حقیقت کا وزن کرتے ہو؟ آیا رائے اور قیاس کے ترازو سے یا نہایت مشتبہ اور خلاف ہے اور اس سے لوگوں میں جھگڑا ہوتا ہے یا تعلیم کے ترازو سے بہرحال تمہارے لئے کسی امام معصوم کا اتباع لازم ہے لیکن امام معصوم کی طلب تم میں پائی نہیں جاتی۔

مصنف: رائے اور قیاس کے ترازو کی نسبت میری یہ رائے ہے کہ یہ شیطانی ترازو ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بچائے میرے اصحاب میں سے جو شخص اس کو میزان معرفت خیال کرے میں اللہ تعالیٰ سے التجا کروں گا کہ ایسے شخص کے شر سے دین کو محفوظ رکھے کیونکہ ایسا شخص دین کے لیے جاہل دوست ہے جو عاقل دشمن سے بدتر ہوتا ہے اگر کسی کو اہل تعلیم کے

Marfat.com

مذہب کی سعادت نصیب ہو تو اسے پہلے طریق جدال قرآن کریم سے سیکھنا چاہیے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

''ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن'' اے محمد ﷺ! لوگوں کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحتوں کے ذریعہ لا اور نیک طریقہ سے ان سے مجادلہ کر۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت سے بلائے جاتے ہیں اور جو وعظ اور نصیحت کے ذریعہ بلائے جاتے ہیں وہ اور ہیں۔ اور جو بذریعہ مجادلہ بلائے جاتے ہیں وہ اور ہیں۔ پس اگر اہل نصیحت کو حکمت سکھائی جائے۔ تو ایسی ہی مضر پڑتی ہے جیسے شیر خوار بچے کو پرندوں کا گوشت، اگر اہل حکمت سے مجادلہ کا استعمال کیا جائے تو وہ اس سے ایسی ہی نفرت کریں گے جیسے طاقت ور آدمی انسان کا دودھ پینے سے اگر اہل جدال سے عمدہ طور سے جیسا کہ قرآن شریف سکھلاتا ہے مجادلہ نہ کیا جائے تو ایسا ہی ہے جیسے بدوی کو گیہوں کی روٹی بدوی کھجور چھوڑ کسی چیز کی رغبت نہیں کرتا اور شہری چھوہارے کو پسند نہیں کرتا۔ صرف گیہوں کو پسند کرتا ہے کاش میرے اس صحابی کو وہ عمدہ طریقہ وتسلی معلوم ہوتی۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قصہ میں یوں ہوا ہے کہ جب آنحضرت نے اپنے دشمن نمرود سے مجادلہ کیا اور نمرود نے پوچھا تیرا پروردگار کون ہے تو جناب نے فرمایا ''ربی الذی یحی ویمیت'' میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے لیکن جب دیکھا کہ یہ دلیل اس کے مناسب نہیں کیونکہ نمرود نے دو شخص بلا کر ایک کو قتل اور دوسرے کو رہا کر کے کہا۔ کہ دیکھو میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں اس واسطے جھٹ پہلو بدل اس کی سمجھ اور طبیعت کے موافق یہ فرمایا ''ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر'' اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تجھ سے ہو سکتا ہے۔ تو مغرب سے نکال۔ یہ سن کر نمرود حیران رہ گیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بہت جھگڑا نہ کیا بلکہ اسے جتا دیا کہ مردے کو زندہ کرنے کا مطلب سمجھنے میں تو نے غلطی کھائی ہے کیونکہ اس کا خیال تھا کہ قتل کر دینا مار دینا ہے اس مجادلہ ومناظرہ کی تحقیق نمرود کی طبیعت کے موافق اور اس کے عقیدہ قلبی کی حد کے مناسب نہ تھی لیکن آنحضرت کا ارادہ نمرود کے مارنے کا نہ تھا بلکہ زندہ کرنے کا تھا موافق غذا کھانا زندہ کرتا ہے اور سخت جھگڑا کرنا جو اس کے ناموافق ہو فنا کرتا ہے یہ وہ دقائق ہیں جو سوائے تعلیم کے نور کے معلوم نہیں کر سکتے جو عالم

Marfat.com

نبوت کے اشراق سے روشن ہے۔اس واسطے اہل فطانت اس سے محروم ہیں کیونکہ وہ مذہب تعلیم کے بھید سے محروم ہیں۔

رفیق:۔ جبکہ تم نے ان کی راہ کو دشوار گزار اور ان کی دلیل کو بودا کہا ہے تو پھر بتاؤ اپنی معرفت کو کس چیز سے وزن کرتے ہو؟

مصنف:۔ میں اسے قسطاس المستقیم (نہایت ہی ٹھیک اور صحیح ترازو) سے وزن کرتا ہوں جس کا حق و باطل اور استقامت و میلان مجھ پر ظاہر ہے اور یہ بات جناب سرور کائنات ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے قرآن شریف سے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا معلوم ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے"وزنوا بالقسطاس المستقیم" صحیح اور درست ترازو سے جانچو۔

رفیق:۔ قسطاس المستقیم کونسی ہے؟

مصنف:۔ وہ پانچ ترازو ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو ان سے وزن کرنا سکھایا ہے۔سو جس نے جناب حضور ﷺ سے وزن کرنا سیکھا ہے اور میزان الہٰی سے وزن کیا اس نے ہدایت پائی جو ان سے گمراہ ہو کر رائے اور قیاس کی طرف دوڑا وہ گمراہ اور مردود ہو گیا۔

رفیق:۔ قرآن شریف میں ترازوؤں کا کہاں ذکر ہے؟ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔

مصنف:۔ کیا تو نے وہ قول الہٰی نہیں سنا جو سورہ رحمٰن میں فرمایا ہے"وھو ھذا الرحمن علم القرآن، خلق الانسان علم البیان ...... ووضع المیزان، ان لا تطغوا فی المیزان واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان" اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے جس نے قرآن شریف سکھایا۔انسان کو پیدا کیا اور پھر اسے بیان سکھایا ...... ترازو وضع کیا۔تا کہ تم ترازو کے استعمال میں کمی بیشی نہ کرو اور وزن ٹھیک ٹھیک کرو۔اور کم نہ تولو" کیا تم نے سورہ حدید کی یہ آیت نہیں سنی "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط" "ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہرہ نشانیاں دے کر بھیجا ہے اور کتاب اور میزان ان پر اتارے ہیں تا کہ لوگ عدل و انصاف کریں" کیا تمہارا خیال ہے کہ جس ترازو کا ذکر کتاب کے ساتھ ہوا ہے وہ سونا چاندی یا جو اور گیہوں تولنے والا ترازو ہے یا کیا

Marfat.com

تمہارا وہم ہے۔ کہ اس آیت میں ''والسماء رفعھا ووضع المیزان'' میں جس ترازو کا ذکر ہے وہ کانٹا اور ایک پلڑے والا ترازو ہے۔ ایسا خیال راستی سے بہت گرا ہوا اور یہ وہم محض بہتان ہے اللہ تعالی سے ڈرو تاویل میں ہٹ دھرمی سے کام نہ لو یقین مانو یہ ترازو اللہ تعالی کی شناخت ہے اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور ملکوت کا ترازو ہے تا کہ تم اس سے وزن کرنے کی ترکیب اس کے انبیاء سے سیکھو جس طرح کہ انھوں نے اس کے فرشتوں سے سیکھی ہے پس اللہ تعالی معلم اول ہے۔ اور جبرائیل دوم اور جناب سرور کائنات ﷺ سوم تمام خلقت رسولوں سے معرفت الٰہی کی راہ سیکھتی ہے کیونکہ ان کے بغیر اور کوئی طریقہ نہیں۔

رفیق: تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ یہ ترازو درست یا غلط ہے؟ آیا عقل اور نظر سے معلوم کیا؟ اگر ایسا کیا تو عقل مختلف ہوا کرتی ہیں۔ یا امام معصوم صادق سے جو جہاں میں حق پر قائم ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر میرا مذہب ہے جس کی طرف میں تجھے بلاتا ہوں۔

مصنف: اسے بھی میں نے تعلیم کے ذریعہ معلوم کیا ہے لیکن اس معاملہ میں میرے امام جناب محمد مصطفی بن عبداللہ بن عبدالمطلب ﷺ ہیں۔ اگرچہ میں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت تو نہیں کی لیکن میں نے آپ کی تعلیم کو سنا جو بذریعہ تواتر مجھ تک پہنچی اور اس تعلیم میں مجھے کسی قسم کا شک وشبہ نہیں آنحضرت کی تعلیم قرآن مجید ہے۔ اور قرآن شریف میں ذکر کردہ ترازوؤں کی سچائی بھی نفس قرآن کے معلوم ہوتی ہے۔

رفیق: اپنی دلیل بیان کرو اور قرآن شریف سے ذکر کردہ ترازوؤں کو بیان کرو اور بتاؤ کہ نفس قرآن سے ان کو سچائی اور درستی کیونکر معلوم کی؟

مصنف: پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ سونا چاندی تولنے والے ترازو کی صحت وسقم کیونکر معلوم کرتے ہو ایسا معلوم کرنا تمہارے ذہن میں فرض ہے۔ اس واسطے کہ اگر تم نے کسی کا قرض دینا ہو تو پورا پورا ادا کرو اور اگر تم نے کسی سے لینا ہو تو بلا زیادتی پورا پورا لو جب تم مسلمانوں کے بازار میں جا کر ترازو لیکر لین دین کرنا چاہو تو کس طرح معلوم کر سکتے ہو کہ کم و بیش نہ لیا جاوے؟

رفیق: مسلمانوں پر نیک ظن رکھنا چاہیے وہ لوگ جب تک ترازو کو درست نہیں کر لیتے لین دین نہیں کرتے اگر بالفرض مجھے ترازو کی صحت میں شک ہو تو میں اسے پکڑ اٹھا کر اس کے پلڑوں اور زبانہ کی طرف دیکھتا ہوں اگر ڈنڈی بالکل متوازی الافق ہو اور کوئی پلڑا جھکا ہوا نہ ہو اور بالکل مقابل ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ ترازو ٹھیک ہے۔

Marfat.com

منکر:۔ فرض کرو سوئی بھی سیدھی عموداً ہے اور پلڑے بھی مقابل ہیں اور ڈنڈی بھی متوازی الافق ہے پھر تم کیونکر معلوم کرتے ہو کہ ترازو صحیح ہے۔

رفیق:۔ یہ میں بذریعہ اس ضروری علم کے معلوم کرتا ہوں جو مجھے دو مقدموں سے حاصل ہوا ہے ان مقدموں میں سے ایک تجربی ہے اور دوسرا حسی تجربی یہ کہ مجھے بذریعہ تجربہ معلوم ہوا ہے کہ بھاری چیز نیچے کی طرف مائل ہوتی ہے اور جو زیادہ بھاری ہوگا وہ زیادہ جھکے گا۔ پس اگر ایک پلڑا زیادہ بھاری ہوگا تو وہ نیچے کی طرف جھک جائیگا یہ مقدمہ کلیہ تجربہ ضرورتا مجھے حاصل ہوا ہے دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ ترازو آنکھ سے دیکھ کر معلوم ہوا کہ اس کا کوئی پلڑا جھکا ہوا نہیں بلکہ ڈنڈی متوازی الافق ہے یہ مقدمہ حسیہ ہے جسے میں نے آنکھ سے مشاہدہ کیا سو مجھے نہ پہلے مقدمہ میں شک ہے نہ دوسرے میں ان دونوں مقدموں سے ایک ضروری نتیجہ میرے دل میں پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ترازو درست ہے اگر کوئی پلڑا بھاری ہوتا تو ضرور وہ جھکا ہوا ہوتا اور اب محسوس ہوتا ہے کہ جھکا ہوا نہیں پس معلوم ہوا کہ وہ بھاری نہیں۔

منکر:۔ یہ تو عقلی قیاس اور رائے ہے۔

رفیق:۔ افسوس! یہ ضروری علم یقینی مقدمات سے حاصل ہوا ہے جن کا یقین تجربہ اور حس سے ہوا ہے پھر اسے رائے اور قیاس کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ رائے اور قیاس تو ظنی اور وہمی ہوتا ہے یہ یقین کیونکر رد کر سکتے ہیں اور میں ایسا کرنے میں یقین کو رد کرنا محسوس کرتا ہوں

منکر:۔ اگر دلیل سے تمہیں ترازو کی صحت معلوم ہو جائے تو پھر تم بٹا وغیرہ کی صحت کا اندازہ کیونکر کرو گے؟ ممکن ہے وہ صحیح بٹا سے کم و بیش ہوں۔

رفیق:۔ اگر مجھے صحیح بٹا میں شک پڑ جائے تو میں انھیں اس بٹا سے اندازہ کروں گا جو معیار مانے گئے ہیں اگر وہ ان کے مساوی ہونگے تو جان لوں گا کہ صحیح ہیں اور ان سے جن چیزوں کا وزن کیا جائے گا وہ بھی درست اور پورا ہوگا کیونکہ یہ ایک مسلمہ اور بدیہی امر ہے کہ جو چیزیں ایک چیز کے مساوی ہوں وہ باہم مساوی ہوتی ہیں۔

منکر:۔ کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اصل میں پہلے کس شخص نے ترازو کو وضع کیا اور یہ کہ اس سے وزن کرنا کس نے معلوم کیا؟

رفیق:۔ نہیں مجھے معلوم نہیں مجھے اس کی ضرورت کیوں ہوئی جبکہ ترازو کی صحت مجھے معلوم کرنا آتی ہے جو میں مشاہدہ سے کر سکتا ہوں۔ اسی طرح ترازو کو وضع کرنے والے کی مراد یہ تھی کہ ترازو کی صحت اور اس سے وزن کرنا آ جائے سو مجھے معلوم ہے جیسا کہ میں

Marfat.com

ظاہر کر چکا ہوں اور میں اسے پہچان گیا ہوں اب مجھے یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کہ ترازو کا وضع کنندہ کون تھا۔ کیونکہ ہر دفعہ ایسا کرنا محض طوالت ہے اور نہ ہی ہر وقت اس پر غالب آسکتے ہیں حالانکہ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

مصنف :۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ تجھے ترازو کی واقفیت ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ لیکن میں اور بھی زیادہ واقفیت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے معلومات اس بارہ میں زیادہ ہیں۔ مجھے اس کا وضع کنندہ، معلم، استعمال کنندہ حضرت خلیل علیہ السلام، جناب سرور کائنات ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام ہیں اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ واقعی وہ اسکے استعمال میں سچے اور ماہر ہیں کیا تو اس بات کو مان کر سچ جانتا ہے۔

رفیق :۔ آہ! کیونکر اسے سچ نہ مانوں۔ جبکہ تم نے اسے مجھ پر ظاہر کر دیا۔

مصنف :۔ اب میں تجھ میں عقل و دانائی کی خصلت بتاتا ہوں میری یہ سچی خواہش ہے کہ تیرے مذہب کی حقیقت تجھے سلجھادوں اب میں تجھے قرآن مجید میں ذکر کردہ پانچ ترازو بتاتا ہوں۔ تاکہ تمہیں تمام اماموں سے لایحتاج کر دوں اور صرف تم جناب سرور کائنات ﷺ کو اپنا امام مانے تمہارا رہنما قرآن شریف اور معیار مشاہدہ ہو واضح رہے کہ قرآن شریف میں جن ترازوں کا ذکر ہے اصل میں تین ہے۔ میزان التعاول، میزان التلازم، میزان التعاند، لیکن میزان التعاول کی تین قسمیں ہیں۔ اکبر، وسطی اور اصغر۔

موازین التعاول میں سے میزان اکبر کا بیان

رفیق :۔ موازین التعاول میں پہلے مجھے میزان اکبر سمجھاؤ۔ اور یہ جو مختلف ترازوں کے نام رکھے ہیں مثلاً تعاول، تلازم، تعاند، اکبر، اوسط اور اصغر۔ ان کی تشریح کرو۔ کیونکہ گو مجھے اس میں تو کلام نہیں کہ ان کی تحت میں دقیق معانی ضرور ہیں لیکن پھر بھی یہ القاب مجھے عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔

مصنف :۔ ان القاب کے معنی تو اس وقت تک نہیں سمجھ سکو گے جب تک میں ان کی تشریح نہ کروں گا اور تم ان کے معنی نہ سمجھو گے اس کے بعد ان کے حقائق تمہیں معلوم ہونگے۔ پہلے میں تمہیں بتاؤں گا کہ یہ ترازو صورت میں تو ظاہری ترازو سے نہیں ملتا۔ لیکن حقیقت میں دونوں ملتے جلتے ہیں کیونکہ وہ ترازو جس کا ذکر میں کرنے کو ہوں روحانی ہے۔ پس

Marfat.com

وہ جسمانی کے برابر کب ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان کا مساوی ہونا لازم آتا ہے جب کہ جسمانی ترازو بھی مختلف شکل و وضع کے ہوتے ہیں چنانچہ بعض ایک پلڑے والے اور بعض دو والے اور نہایت نازک۔ اصطرلاب حرکات فلکی کی پیمائش کا ترازو ہے۔ اور مسطر سطروں کا بعد ناپنے کا آلہ اوزار شاقول دیواروں کی سیدھائی اور کجی معلوم کرنے کا ترازو اگرچہ ان کی صورتیں مختلف ہیں لیکن ایک بات میں مشترک ہیں۔ وہ یہ کہ ان میں کمی بیشی معلوم کی جاتی ہے بلکہ علم عروض شعر کا ترازو ہے جس سے شعروں کے وزن معلوم ہو سکتے ہیں اور سالم اور مزحاف میں تمیز ہو سکتی ہے۔ جسمانی ترازوں سے یہ زیادہ نازک ہے لیکن پھر بھی اجسام کے علائق سے بری نہیں کیونکہ یہ آوازوں کا ترازو ہے اور آواز جسم کے متعلق ہے سب سے نازک اور سخت ترازو قیامت کے دن کا ترازو ہے جس سے بندوں کے اعمال، عقائد اور معارف وزن کیے جائیں گے معرفت اور ایمان کا تعلق اجسام سے نہیں بلکہ روح سے ہے اور اسی واسطے ان کا ترازو بھی محض روحانی ہے اور قرآن شریف کے ترازو بھی روحانی معرفت کے لئے نہیں لیکن عالم شہادت میں غلاف سے ڈھپے ہوئے ہیں اس غلاف سے مراد ان کا اجسام سے تعلق ہوتا ہے اگر جسم نہ ہوتا تو اس جہان میں غیر کی تعریف ناممکن تھی صرف آواز سے ہو سکتی سو آواز جسمانی ہے یا لکھ کر اور وہ قوم ہیں جو کاغذ وغیرہ کسی جسمانی چیز پر لکھی جاتی ہیں یہ بمنزلہ غلاف کے ہیں جو اس کے عوارض ہیں لیکن فی نفسہ وہ محض روحانی ہے اسے اجسام سے کوئی علاقہ نہیں کیونکہ اس سے معرفت الٰہی وزن کی جاتی ہے جو عالم اجسام سے خارج اور جہت و طرف کی نسبتوں سے پاک ہے اور اجسام کے نفس سے بدرجہا افضل ہے لیکن باوجود ان تمام باتوں کے پھر بھی اس میں عام ترازو کی طرح عمود اور پلڑے برابر موجود ہیں یہ سب کچھ میزان التعادل میں ہے لیکن میزان التلازم ایک پلڑے والے ترازو سے ملتی جلتی ہے کیونکہ اس کا بھی ایک ہی پلڑا ہے اس کی دوسری طرف گولا ہوتا ہے جس سے فرق مقادیر معلوم ہوتا ہے۔

رفیق: آخر اس رام کہانی کا مطلب؟ وعدہ ہی وعدہ ہے۔ وعدہ ایفائی کا نام نہیں۔

مصنف: جلدی مت کرو۔ صبر سے کام لو۔ قبل از مرگ کیوں واویلا کرتے ہو یہ کہو میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔ جلدی کا کام شیطان کا اور آہستگی کا کام رحمٰن کا سنو! میزان اکبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ہے جسے آنحضرت نے نمرود کے معاملہ میں استعمال کیا اس معاملہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترازو ہے لیکن قرآن شریف کے وسیلہ سے

Marfat.com

اس کی مفصل کیفیت یوں ہے کہ جب نمرود نے خدائی دعویٰ کیا اور اسے یہ بات معلوم تھی کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے لیکن تو ان دونوں پر ہی قادر نہیں۔ نمرود نے اس کے جواب میں کہا کہ میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ لیکن نمرود کی مراد زندہ کرنے اور مارنے سے نطفہ کو بچانا اور انسان کو قتل کرنا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تاڑ گئے۔ کہ یہ مسئلہ یوں اس کی سمجھ میں آنے کا نہیں۔ جھٹ پہلو بدل کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سورج مشرق سے نکالتا ہے اگر تو واقعی قادر ہے تو مغرب سے نکال یہ سن کر نمرود جھوٹا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ ہمارے دلائل صحیح ہیں جو ہم نے ابراہیم کو دیے اس قول سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں حجت و برہان ہے جب آنحضرت کے ترازو کو دیکھا اور اس کے وزن کی کیفیت پر غور کیا تو جس طرح تم نے سونا چاندی تولنے والے ترازو میں دو پلڑے دیکھے اسی طرح میں نے اس حجت میں دو اصول دیکھے۔ جن کے ملنے سے نتیجہ یعنی معرفت نکلا جو قرآن شریف میں بہ سبب ایجاز حذف کیا گیا ہے اس میزان کی پوری شکل وصورت یوں ہے جو شخص سورج کے طلوع کرنے پر قادر ہے۔ وہ معبود حقیقی ہے۔ یہ ایک اصل ہے میرا معبود طلوع کرنے پر قادر ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے ان دونوں کے ملنے سے یہ ضروری نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اے نمرود! میرا معبود تو نہیں بلکہ اور ہے۔ اب یہ دیکھو کہ کیا یہ ممکن ہے کہ دونوں اصولوں کا اعتراف کرے اور نتیجہ پر شک کرے یا ان دونوں اصولوں پر شک کرے یہ ممکن نہیں کیونکہ ہمارا یہ قول کہ معبود سورج کے طلوع کرنے پر قادر ہے۔ بالکل ٹھیک ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیونکہ ان کے نزدیک معبود وہ ہے جو ہر شے پر قادر ہو اور سورج کا نکلنا بھی ایک شے ہے یہ اصل وضع واتفاق سے معلوم ہے۔ ہمارا دوسرا قول جو سور نکالنے پر قادر ہے وہ تیرے علاوہ اور معبود ہے۔ یہ مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کیونکہ نمرود اور ہر ذی روح کی عاجزی سورج کے متحرک کرنے کے بارے میں ایک حسی امر ہے معبود سے مراد وہ ذات ہے جو سورج کو حرکت دیتی ہے اور اسے نکالتی ہے پس ہمارے دونوں قولوں سے جن میں سے ایک وضع سے معلوم اور متفق علیہ ہے اور دوسرا مشاہدہ سے معلوم ہوا یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے کہ نمرود حرکت دینے پر قادر نہیں ان دونوں اصولوں کی واقفیت کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نمرود معبود نہیں اور یہ کہ معبود حقیقی صرف ذات الٰہی ہے۔ اب تم غور کرو اور بتاؤ کہ کیا یہ اصول ان مقدمات تجربی اور حسی سے جن پر سونے چاندی کے ترازو کی بناء رکھی تھی زیادہ واضح ہیں یا نہیں؟

Marfat.com

رفیق :۔ یہ پہچان لازمی اور ضروری ہے اب میرے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ ان دونوں اصولوں پر شک کروں یا ان سے برآمدہ لازمی نتیجہ پر شبہ کروں۔ لیکن اتنی بات ضروری ہے کہ یہ ترازو صرف ایسے ہی موقع پر اور ایسے ہی طریقہ پر جس طرح ابراہیم خلیل علیہ السلام نے استعمال کیا مفید ہو سکتا ہے۔ اور یہ نمرود کی خدائی کی تردید اور معبود حقیقی کی خدائی کی تائید میں مستعمل ہو سکتا ہے اس سے باقی کے مشکل معارف کا کیونکر اندازہ کر سکتا ہوں اور حق و باطل میں کیونکر تمیز کر سکتا ہوں۔

مصنف :۔ جو شخص ترازو سے سونا تول سکتا ہے۔ وہ اس ترازو سے چاندی اور جواہرات کا بھی وزن کر سکتا ہے کیونکہ وزن دار چیز کا وزن کرنا ہے۔ خواہ سونا ہو خواہ چاندی اسی طرح اس دلیل سے ہم پر نہ صرف اس کے مین کی شناخت ظاہر ہوتی ہے بلکہ بہت سے حقائق میں سے ایک حقیقت اور بہت سے معانی سے ایک معنی اب ہم غور کرتے ہیں کہ جب اس سے یہ نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے اور ہم اس کی روح کو لیتے ہیں اور اس خاص مثال سے علیحدہ کر کے اسے جہاں چاہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور یہ لازم آتا ہے صفت کا حکم موصوف پر ضروری ہوتا ہے اس کا بیان یوں ہے کہ میرا پروردگار نکالنے والا ہے اور نکالنے والا معبود ہے پس ان سے لازم آتا ہے کہ میرا پروردگار معبود ہے۔ نکالنے والا پروردگار کی صفت ہے نکالنے والا ہونا معبود ہونے کی علامت ہے اس واسطے میرا پروردگار معبود ہے اسی طرح ہر ایک موقع پر مجھے شے کی صفت اور اس سے اس کی شناخت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس سے موصوف کی شناخت بآسانی ہو سکتی ہے۔

رفیق :۔ اس کا سمجھنا میری سمجھ کے لیے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر بالفرض مجھے اس میں شک پڑ جائے تو پھر میں اس شک کو کیونکر رفع کروں۔

مصنف :۔ اس کا مقررہ معیار سے مقابلہ کرو۔ جیسا کہ سونا چاندی تولنے والے ترازو کی صورت میں کرتے ہو۔

رفیق :۔ میں کہاں سے مقررہ معیار لوں۔ اور اس فن میں مقررہ بٹا کونسا ہے؟

مصنف :۔ اس میں مقررہ بٹا وہ ضروری یقینیات ہیں۔ جو یا حسی ہیں یا تجربی یا عقلی سو یقینیات میں دیکھو کیا تم خیال کرتے ہو کہ صفت سے موصوف مدلول نہیں ہو سکتا ہے مثلاً جب تمہارے سامنے سے ایک پھولے ہوئے پیٹ والا حیوان (خچر) گذرے اور پاس سے ایک شخص کہدے کہ یہ خچر حاملہ ہے، تو کیا تم اسے یہ نہیں کہو گے کہ خچر بانجھ ہوا کرتی ہے۔ یہ بچہ نہیں

Marfat.com

جنتی۔تو وہ کہے گا کہ یہ تو ٹھیک ہے کیونکہ مجھے اس بات کا تجربہ ہے۔ کہ خچر بچہ نہیں جنتی پھر تم اس سے پوچھ سکتے ہو کہ کیا یہ خچر نہیں۔ وہ کہے گا ہاں یہ خچر ہے۔ کیونکہ اس کے خچر ہونے کا علم مجھے بذریعہ حس حاصل ہے پھر تم پوچھ سکتے ہو کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ حاملہ نہیں۔تو وہ بالضرور کہے گا کہ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ جب کہ دو اصول معلوم ہیں جن میں سے ایک حس دوسرا تجربی ہے۔ پھر خچر کا بانجھ ہونا ان سے بطور ایک ضروری نتیجہ نکلتا ہے جس طرح کہ ترازو کے بارے میں اس کی صحت کا اندازہ ایک تجربی یعنی بھاری چیز جھک جاتی ہے۔ اور حسی یہ کہ کوئی پلڑہ ایک دوسرے سے بھاری نہیں۔

رفیق:۔ اب میں واضح طور پر سمجھ گیا ہوں لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ صفت کے حکم سے موصوف کا حکم لازم آتا ہے۔

مصنف:۔ ذرا سوچو۔ تمہارا یہ قول کہ یہ خچر ہے وصف ہے اور صفت خچر ہے اور تمہارا یہ قول تمام خچر بانجھ میں حکم ہے اس خچر پر جس کی صفت بانجھ ہونا ہے پس خچر سے موصوف ہونے سے اس کا بانجھ ہونا لازم آتا ہے اسی طرح اور مثال لو۔ تمام حیوان صاحب حس ہیں۔ کیڑے بھی حیوان ہیں جب ان دو باتوں میں تمہیں کسی قسم کا شبہ نہیں تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے کہ کیڑے بھی صاحب حس ہیں اس میں کیونکر شبہ ہو سکتا ہے۔ اس (قیاس اقترانی) کا طریق یوں ہے تمام کیڑے حیوان ہیں تمام حیوان صاحب حس ہیں۔ پس تمام کیڑے صاحب حس ہیں کیونکہ تمہارا یہ قول کہ تمام کیڑے حیوان ہیں کیڑوں کی صفت ہے۔ اس واسطے کہ وہ حیوان ہیں اور حیوان ہونا ان کی صفت ہے جب حیوانات پر احساس کا حکم لگا چکے ہو خواہ وہ احساس جسمانی ہو یا غیر جسمانی تو اس میں کیڑے ضرور داخل ہیں اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ۔ ہاں یہ شرط ضروری ہے کہ صفت موصوف کے مساوی ہو یا اس سے عام حتی کہ حکم موصوف پر مشتمل ہو۔ ایک اور مثال سنو جس شخص نے اس نظر فقہی کو تسلیم کیا ہے کہ ہر قسم کی شراب نشی ہوتی ہے اور ہر ایک نشی شے حرام ہے پھر کوئی وجہ ہے کہ ہر قسم کی شراب کے حرام ہونے میں شک کرے۔ کیونکہ نشی ہونا شراب کی صفت ہے اور اس پر تحریم کا حکم ہے۔ جو شراب پئے گا اس میں موصوف بھی ضروری داخل ہوگا اسی طرح تمام نظریات کا حال ہے۔

رفیق:۔ اب میں سمجھ گیا ہوں۔ کہ یہ ضروری ہے کہ دو اصولوں کے مناسب طور سے ملانے سے ایک ضروری اور لازمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ کی :۔ ہاں صحیح اور آنحضرت کا ترازو درست ہے۔ نیز یہ بھی آپ نے سکھلا دیا کہ اس ترازو

Marfat.com

کی حد حقیقت، معیار کیا ہے۔ اب میری خواہش ہے کہ میں مشکل اور ظنی امور میں اس ترازو کا استعمال سیکھ جاؤں کیونکہ جو مثال آپ نے دی ہے یہ بنفسہ واضح ہے اس کو ترازو اور برہان کی ضرورت نہیں۔

مصنف:۔ افسوس! بعض مثالیں بنفسہ معلوم نہیں بلکہ وہ دو اصولوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ حیوان بانجھ ہے اس وقت تک معلوم نہیں ہوتا جب تک بذریعہ حس یہ نہ جانتا ہو کہ یہ خچر ہے۔ اور بذریعہ تجربہ اسے معلوم نہ ہو کہ خچر نہیں جنتی۔ ان دو باتوں میں سے پہلی بنفسہ واضح ہے لیکن اس کا دو اصولوں ماں اور باپ سے پیدا ہونا ضروری ہے۔ پس اس لحاظ سے یہ بھی بنفسہ واضح نہیں بلکہ بذریعہ غیر واضح ہے جس کے دونوں اصول واضح ہیں لیکن پھر بھی تجربہ اور مشاہدہ کے بعد اسی طرح شراب کا حرام ہونا بنفسہ واضح نہیں۔ بلکہ یہ بھی دو اصول کا نتیجہ ہے جس میں ایک یہ ہے شراب مسکر ہے اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے دوسری یہ ہے، ہر مسکر شے حرام ہے، اور یہ بات شارع ﷺ سے معلوم ہوئی ہے پس یہ ہے اس ترازو سے وزن کرنے کی کیفیت۔ اگر تم اس سے بھی زیادہ نازک مثال لینا چاہو تو بیشمار مل سکتی ہیں۔ ہم نے اس ترازو سے بے شمار غوامض کا وزن کیا ہے صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ انسان بنفسہ حادث نہیں کیونکہ اس کا سبب اور صانع ہے اور عالم ہے۔ اور وہ صانع عالم بھی ہے۔ میں کہتا ہوں ہر ایک جائز کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ عالم یا انسان کا اختصاص اسی قدر ہونا ہے جس قدر وہ جائز ہو۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس کا کوئی سبب ہے۔ اس نتیجہ پر کوئی شک نہیں کر سکتا جس نے کہ دونوں اصولوں کو تسلیم کر لیا ہے اور ان دونوں کو پہچان لیا ہے لیکن اگر دونوں اصولوں پر شک ہے تو وہ دونوں اصول الگ الگ کسی دو اصولوں کا نتیجہ ہیں۔ حتیٰ کہ اس طرح کرتے کرتے یقینیات تک پہنچ جائیں گے جن میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ علوم خفی اولیہ علوم خامضہ جلیلہ کے اصول ہیں وہ بمنزلہ بیج ہیں۔ ان سے پھل وہی حاصل کر سکتا ہے جو انہیں بوئے پرورش کرے اور دو دو کو ملا کر ان سے نتیجہ پیدا کرے۔

اگر تم یہ کہو کہ مجھے ان دونوں اصولوں پر شک ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ ہر ایک جائز کا کوئی سبب ہوتا ہے اور یہ کہ انسان کا اختصاص مقدار مخصوص سے جائز ہے لیکن واجب تو میں کہوں گا کہ میرا یہ قول کہ ہر ایک جائز کا سبب ہوتا ہے بالکل واضح ہو جائے گا جب تم جائز کے معنی سمجھ لو گے جائز سے میری مراد یہ ہے کہ جو مساوی ذو قسموں میں مشترک ہوں جب دو چیزیں مساوی ہوں تو پھر ان میں سے ایک عدم و وجود دونوں سے مخصوص نہیں ہو گی کیونکہ جو ایک چیز

Marfat.com

کے لئے ثابت ہو گا وہ دوسرے کے لئے ضرور ہو گا۔ اور یہ ایک یقینی امر ہے اور میرا یہ قول کہ، اس قدر انسان کا اختصاص جائز ہے واجب نہیں، ایسا ہی ہے جیسے میں کہدوں کہ خط جسے کاتب نے لکھا ہے اور اس کی مقدار مخصوص ہے جائز ہے۔ کیونکہ خط بحیثیت خط ہونے کے اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں بلکہ اس سے چھوٹا اور بڑا خیال کیا جا سکتا ہے لیکن خاص مقدار سے مخصوص ہونا نا وہ لمبا ہو نہ چھوٹا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ضرور اس کا فاعل کوئی ہے کیونکہ اس کی مقادیر مساوی ہیں۔ اور یہ ضروری ہے جیسے انسانی شکل میں مقادیر کا تناسب، اس کی اطراف کا مساوی ہونا پس ضروری ہے کہ انسان کے بنانے والا کوئی ہو۔ اس سے ترقی کر کے میں یہ کہوں کہ اس کا فاعل عالم بھی ہے۔ تو درست ہے کیونکہ جو فعل مرتب اور محکم ہو اس کا فاعل ضرور عالم ہوتا ہے کیونکہ انسانی وجود کی بناء مرتب و محکم ہے۔ اس لئے اس کی ترتیب اور تدبیر کو ضرور فاعل کے علم سے منسوب کیا جائے گا یہ دونوں اصول ہیں جب ان میں تمہیں شک نہیں تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے ضرور ہے کہ اس میں شک وشبہ نہ ہو گا ان دو اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسانی بنیاد مرتب و محکم ہے یہ بات اعضاء کے تناسب اور ہر ایک عضو کا کسی خاص مطلب کے لئے بنائے جانے مثلاً ہاتھ پکڑنے کے لئے، پاؤں چلنے کے لئے وغیرہ اور اعضاء کی تشریح سے معلوم ہوتی ہے۔ مرتب اور منظوم کا علم کی طرف محتاج ہونا بھی واضح ہے اس میں شک وشبہ نہیں عقل مند آدمی اس بات پر شک نہیں کرتا کہ باقاعدہ خط اسی کا ہوتا ہے جو علم کتابت کا عالم ہو گو وہ قلم کے ذریعہ لکھا جاتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔ اسی طرح عمارات مفیدہ مثلاً گھر، حمام وغیرہ وہی شخص بنا سکتا ہے جو تعمیر کے کام کا عالم ہو۔ پس اگر کسی شے میں شبہ پڑ بھی جائے تو اس کے رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے جو زیادہ واضح اصول ہیں ان کی طرف چلو حتی کہ یقینیات اور بدیہات تک پہنچ جاؤ۔ اس کی تشریح ہماری علت غائی نہیں۔ بلکہ ہماری غرض تو یہ ہے کہ یقینیات کو اس طرح ملا کر ان سے نتائج نکالیں جس طرح ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نکالا۔ اور یہ ترازو حقیقت کی پہچان کے لئے مفید ہو سکے اس کا بطلان گویا اس تعلیم کا بطلان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو دی اور نیز اس تعریف کا جھٹلانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کی "تلک حجتنا اٰتینٰھا ابراھیم علیٰ قومہ" گو رائے سچی ہو یا نہ ہو لیکن تعلیم ضرور سچی ہے اس کے جھٹلانے میں سراسر رائے اور تعلیم دونوں کا جھٹلانا ہے۔

Marfat.com

میزان اوسط کے بیان میں

رفیق :۔ میں میزان اکبر، اس کی حد، اس کا معیار، اس کی حقیقت، اور اس کا استعمال سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ اب مجھے بتائیں کہ میزان اوسط کیا شے ہے؟ اس کی تعلیم کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ کس نے اسے وضع کیا؟ اور کس نے اسے استعمال کیا؟۔

مصنف :۔ میزان اوسط بھی حضرت خلیل اللہ نے استعمال کی جبکہ آنحضرت نے فرمایا "لاحب الا فلین" میں غروب ہونے والے سے پیار نہیں کرتا' اس ترازو کی مفصل کیفیت یوں ہے چاند غروب ہوتا ہے، معبود غروب نہیں ہوتا، لیکن قرآن مجید میں ایجاز واختصار سے کام لیا لیکن معبود کی نفی کا علم چاند سے براہ راست حاصل نہیں ہوتا جب تک ان دو اصولوں سے واقف نہ ہو اور وہ یہ ہیں۔ چاند غروب ہونے والا ہے، اور معبود غروب نہیں ہوتا جب ان دونو اصول سے واقف ہو جاؤ گے تو پھر چاند سے معبود کی نفی سمجھ جاؤ گے۔

رفیق :۔ اس میں تو مجھے شک نہیں کہ چاند معبود نہیں کیونکہ یہ دونوں مشہور اصولوں سے بطور نتیجہ نکلتا ہے یہ میں جانتا ہوں کہ چاند غروب ہونے والا ہے جو ایک حسی امر ہے لیکن معبود غروب نہیں ہوتا یہ نہ ضروری ہے نہ حسی۔

مصنف :۔ اس ترازو کے بیان سے میری یہ غرض نہیں کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ چاند غروب ہونے والا نہیں بلکہ یہ ہے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ یہ ترازو صحیح اور درست ہے اور اس سے یوں شناخت حاصل ہوتی ہے اور جو علم اس بارے میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو تھا وہ یہ تھا کہ معبود غروب نہیں ہوتا اگرچہ علم اولیات سے ہیں بلکہ یہ بھی دو اصولوں کا نتیجہ تھا وہ یہ کہ معبود متغیر نہیں ہوتا ہر ایک متغیر حادث ہوتا ہے ان سے نتیجہ نکلتا ہے کہ معبود غروب نہیں ہوتا وزن کی بنا معصوم پر تھی لو تم بھی ترازو لیکر استعمال کرو تا کہ تمہیں بھی دو اصولوں سے علم حاصل ہو۔

رفیق :۔ میں بالضرور سمجھ گیا ہوں کہ یہ ترازو سچا ہے اور یہ شناخت دو اصولوں کا لازمی نتیجہ ہے لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ تم اس ترازو کی حد اور حقیقت کی شرح کرو اور مشہور و معروف بت کے معیار کی تشریح سمجھا دو بعد ازاں مشکوک اور باریک معاملات میں اس کا استعمال بتاؤ کیونکہ چاند کا معبود ہونا ایک واضح امر ہے۔

Marfat.com

نفی : اس کی حد یہ ہے کہ ہر ایک مثل وصف سے موصوف ہوتی ہے لیکن ایک کا وصف دوسرے وصف کو مسلوب ہوتا ہے اور وہ دونوں الگ الگ ہوتے ہیں ایک دوسرے سے وصف کو مسلوب کرتا ہے لیکن خود اس وصف سے موصوف نہیں ہوتا۔ میزان اکبر کی حد یہ تھی کہ جو عام پر صادق آتا ہے وہ خاص پر بھی صادق آتا ہے لیکن میزان اوسط کی حد یہ ہے کہ جو ایک کے لئے نفی ہے وہ دوسرے کو ثابت کرتی ہے۔ حالانکہ غیر سے الگ ہوتی ہے۔ مثلاً معبود اپنے آپ سے غروب ہونے کی نفی کرتا ہے لیکن چاند غروب ہونے کا اثبات کرتا ہے۔ پس یہ اختلاف معبود اور چاند میں ہے کہ نہ چاند معبود ہے نہ معبود چاند۔ اللہ تعالیٰ نے اس ترازو سے وزن کرنا جناب سرور کائنات ﷺ کو قرآن شریف میں بہت سے موقعوں پر سکھایا جس طرح حضرت ابراہیم کو سکھایا تھا میں صرف دو موقعوں پر اکتفا کروں گا باقی قرآن شریف کی آیتوں میں سے معلوم کر لینا ان دو میں سے ایک یہ ہے قولہ تعالیٰ "قل فلم یعذ بکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق" اور یہ اس واسطے فرمایا کہ انھوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے قسطاس المستقیم سے ان کے خطاب کے اظہار کی کیفیت انھیں سکھائی۔ چنانچہ فرمایا "قل فلم یعذبکم بذنوبکم" اس کی مفصل کیفیت یوں ہے کہ بیٹے عذاب نہیں دیے جاتے اور تم عذاب دیے جاتے ہو۔ پس تم بیٹے نہیں۔ یہاں دراصل ہیں بیٹے عذاب نہیں دیے جاتے، یہ بذریعہ تجربہ معلوم ہوا ہے، اور تم عذاب دیے جاتے ہو، بذریعہ مشاہدہ معلوم ہوا ہے۔ ان دونوں سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ تم بیٹے نہیں۔ ایک اور موقع پر قرآن مجید میں فرمایا ہے "قل یا ایھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للّٰہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونہ ابداً بما قدمت ایدیھم" یعنی "اے محمد! آپ یہود کو کہہ دو کہ اگر تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا دوست خیال کرتے ہو تو موت کی خواہش کرو بشرطیکہ تم سچے دوست ہو اور اپنے اعمال کا احسان ہرگز اسے نہ جتاؤ" یہ اس واسطے فرمایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دوست ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دوست دوست کے دیدار کی خواہش کرتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اس موت کے خواہش مند نہیں جو دوست کے دیدار کا سبب ہے پس اس سے ضروری نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں۔ اس میزان کی مفصل صورت یوں ہے، ہر ایک دوست اپنے دوست کی لقا کی خواہش کرتا ہے، لیکن یہودی اللہ تعالیٰ کے لقا کی خواہش نہیں کرتے پس ان سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں، اس ترازو کی حد یہ ہے کہ دوست تمنا سے موصوف ہوتا ہے۔ اور یہود

Marfat.com

سے اس وصف کی نفی کی گئی ہے پس ولی اور یہودی بلکل مختلف ہوئے کیونکہ جو شے ایک میں پائی جاتی ہے دوسرے میں نہیں۔ پس نہ ولی یہودی ہوسکتا ہے، نہ یہودی ولی۔ اس ترازو کے مقررہ بٹ میرے پاس نہیں جبکہ تم باوجود اس قدر وضاحت کے اس کے محتاج ہو اگر تم بطور مدد چاہتے ہو تو لو میں بتائے دیتا ہوں۔ دیکھو! جب تمہیں معلوم ہے کہ پتھر جماد ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ انسان جماد نہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انسان پتھر نہیں؟ کیونکہ جمادیت پتھر کے لئے صادق ہے اور انسان سے جمادیت کی نفی ہے پس ضروری ہے کہ انسان پتھر سے الگ ہے۔ اور پتھر انسان سے الگ۔ پس کوئی انسان پتھر نہیں، اور کوئی پتھر انسان نہیں رہا بار یک موقعہ پر اس کا استعمال سو اس کی مثالیں بکثرت ہیں معرفت کا ایک پہلو تقدیس ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو بعض باتوں سے پاک سمجھنا اس قسم کے تمام معارف اسی ترازو سے وزن کیے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیلؑ نے اس ترازو کو تقدیس کے موقعہ پر استعمال کیا اور ہمیں بھی اس سے وزن کرنا سکھایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ سے جسمیت کی نفی کی اور وہ یوں ہے "اللہ تعالیٰ جو ہر متمیز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ معلول ہے"۔ اس واسطے کہ ہر ایک متمیز جو خاص چیز سے مخصوص ہوتا ہے معلول ہے پس اس سے لازمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ جرہر نہیں، اور یہ کہنا کہ وہ عرض بھی نہیں، یوں ثابت ہوتا ہے کہ عرض حی اور عالم نہیں ہوتا لیکن معبود حی اور عالم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرض نہیں اسی طرح تقدیس کے تمام معاملات کی شناخت دو اصولوں ملا کر ان سے نتیجہ نکال کر ہوسکتی ہے ان دو اصولوں میں سے ایک سالبہ ہو جس کا مضمون نفی ہو اور دوسرا موجبہ جس کا مضمون اثبات ہو۔ اور ان سے جو نتیجہ برآمد ہوگا وہ بالضرورت نفی اور تقدیس ہوگی

میزان اصغر کے بیان میں

رفیق:۔ میزان اوسط و اکبر تو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں اب مجھے میزان اصغر، اس کی حد، اس کا معیار، اس کا موقعہ استعمال وغیرہ سمجھائیں۔

مصنف:۔ میزان اصغر ہم نے اللہ تعالیٰ سے سیکھی ہے جبکہ اس نے سرور کائنات ﷺ کو قرآن شریف میں یوں سکھایا۔ قولہ تعالیٰ "وما قدر واللہ حق قدرہ اذ قالو ما انزل اللہ علی بشر من شیء قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ نوراً و ھدی للناس" انھوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ قدر نہ کی جبکہ انھوں نے کہا

Marfat.com

ان سے یہ تو پوچھ کہ جو کتاب موسیٰ علیہ السلام لائے اور جو انسانوں کے واسطے سراسر نور اور ہدایت تھی کس نے اتاری؟ اس ترازو سے وزن کرنے کا طریق یوں ہے ان کا یہ کہنا کہ انسان پر وحی نازل نہیں ہوتی جھوٹ ہے کیونکہ مندرجہ ذیل دو اصولوں کے نتیجہ سے اس کا بطلان ثابت ہے وہ اصول اور ان کا نتیجہ یہ ہیں موسیٰ علیہ السلام بشر ہیں موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی ان دو سے یہ لازمی اور خاص نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانوں پر کتاب نازل ہوتی ہے اور اس سے یہ باطل ہو جاتا ہے کہ انسان پر کتاب نازل ہی نہیں ہوتی ان دو اصولوں میں سے پہلا موسیٰ علیہ السلام بشر ہیں حس ہے دوسرا موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی یہ ان کے اعتراف سے معلوم ہوا ہے کیونکہ توریت کی بعض باتیں چھپاتے تھے اور بعض ظاہر کرتے تھے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''یعبدونہا و تخفون کثیرا'' یہ معرض مجادلہ میں بطریق احسن فرمایا ہے اور مجادلہ کی خاصیت بھی یہ ہے کہ اس میں دو اصول ہوں جنہیں حریف تسلیم بھی کرتا ہو اور ہوں بھی مشہور اگر ان میں غیر مسلم کے لئے شک کا امکان ہو تو نتیجہ یہ کہ وہ اس کا معترف ہو قرآن شریف کی اکثر دلیلیں اسی قسم کی ہیں اگر تمہارے دل میں بعض اصول اور اقدامات کی نسبت شک پیدا ہو تو یاد رکھو اس کا اصلی مقصود یہ ہے کہ باہم ایسے دلائل پیش کیے جائیں جن میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو تمہارا اصلی مقصود یہ ہے کہ اس ترازو سے تمام موقعوں پر وزن کر سکو اس کا معیار یہ ہے اگر کوئی کہے کہ حیوان بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا اسے کہو کہ سانپ بھی حیوان ہے جو بغیر پاؤں کے چلتا ہے اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض حیوان بغیر پاؤں کے چلتے ہیں پس ثابت ہوا کہ کوئی حیوان بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا باطل ہے اس ترازو کے استعمال کے مواقعہ بکثرت ہیں مثلاً اگر کوئی کہے کہ ہر ایک جھوٹ برا ہے تو ہم اسے کہیں گے کہ اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی کو ظالم سے چھپائے اور ظالم اس سے پوچھے کہ کہاں چھپایا ہے اور وہ اسے نہ بتائے اور کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں یہ ہے تو سراسر جھوٹ لیکن برا نہیں کیونکہ اگر وہ سچ بولتا تو نبی یا ولی مارا جاتا اس کا سچ بولنا برا تھا بہ نسبت جھوٹ بولنے کے ہم اسے کہتے ہیں کہ میزان کی طرف دیکھ ایک اصل تو یہ ہے کہ موقع پر چھپا دینا جھوٹ ہے یہ اصل معلوم ہے دوسرا اصل برا نہیں ان سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر ایک جھوٹ برا نہیں اب سوچو کہ کیا تمہیں اس نتیجہ میں شک ہے جب کہ ان دونوں اصولوں کو مانتے ہو اور کیا یہ اس سے زیادہ واضح ہے جو میں نے میزان تقدیس میں مقدمہ تجربی اور حسی بیان کیا تھا اس ترازو کی حد یوں ہے کہ دو صفتیں ایک شے کے لئے تسلیم کی جاتی ہیں بعض ان

Marfat.com

میں سے ضروری ہوتی ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام سے موصوف ہو بلکہ بعض احوال میں ہوتا ہے اور بعض میں نہیں مثلاً انسان میں حیوانیت اور جسمانیت دونوں ہیں اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بعض جسم حیوان ہیں لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ تمام جسم حیوان ہیں اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہر حیوان جسم ہے کیونکہ جب ایسی صفت سے موصوف ہو جو ہر حالت میں ضروری نہ ہو اس سے ضروری معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

رفیق: میں یہ تینوں میزان سمجھ گیا ہوں لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان کو اکبر اوسط اور اصغر سے کیوں موسوم کیا گیا ہے؟

مصنف: اکبر اس واسطے کہ اس سے بہت سی چیزوں کا وزن ہوسکتا ہے اور اصغر اس کے خلاف اوسط دونوں کے بین بین میزان اکبر سب سے وسیع ہے کیونکہ اس سے عام وخاص کا اثبات ونفی ہر دو ہوسکتے ہیں یعنی چاروں قسم کے معارف وزن کیے جاسکتے ہیں دوسرے ترازو سے صرف نفی لیکن عام وخاص دونوں کی تیسرے سے صرف خاص خاص معارف جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ جب دو وصف ایک چیز میں ہوں تو جس میں ان کا ایک وصف ہو وہ صرف جزئی طور پر اس میں شامل ہوتی ہے اس واسطے اس ترازو کو اصغر کہا گیا ہے اب رہا شیطان کے ترازوؤں سے حکم عام کا وزن کرنا جس سے اہل تعلیم نے بعض معارف کو وزن کیا اور اسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ میں داخل کیا جہاں پر فرماتے ہیں ''ھذا ربی ھذا اکبر'' انشاء اللہ عنقریب ہی میں ان کا ذکر کروں گا

میزان التلازم کے بیان میں

رفیق: میں میزان تعادل کی تینوں قسموں سے واقف ہوگیا ہوں اب مجھے میزان التلازم کا مطلب سمجھایئے۔

مصنف: یہ میزان حسب ذیل اقوال الٰہی سے مستفاد ہے۔''لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا'' ''قل لو کان معہ آلھۃ کما تقولون اذا لا تبتغوا الی ذی العرش سبیلا'' ''لو کان ھؤلاء آلھۃ ما وردوھا''۔ اس ترازو کی صورت تحقیق یوں ہے ''اگر جہان میں دو معبود ہوتے تو بگاڑ ہوتا''۔ ایک یہ اصل ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس میں بگاڑ نہیں یہ دوسرا اصل ہے ان دونوں سے یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے

Marfat.com

کہ دو معبود نہیں بلکہ ایک ہے نیز اگر صاحب عرش کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا وہ صاحب عرش کی طرف رستہ کی خواہش کرتے ، یہ ایک اصل ہے اور یہ معلوم ہے کہ وہ خواہش نہیں کرتے ، پس اس سے اس معبود کی نفی لازم آتی ہے جو صاحب عرش کے سوا ہے اس تراز و کا معیار معلومہ بٹوں سے یوں کیا جاتا ہے۔ اگر سورج نکلا ہو تو ستارے چھپ جاتے ہیں یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے پھر اگر تم کہو کہ سورج نکلا ہوا ہے تو اسے لازم آتا ہے کہ ستارے چھپے ہوئے ہیں۔ نیز اگر تم یہ مانو کہ فلاں شخص نہیں کھاتا تو سمجھو کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے پھر اگر معلوم ہو جائے کہ اس نے کھانا کھایا ہے۔ یہ حس سے معلوم ہوا ہے۔ تو تجربی اور حسی دو اصولوں سے یہ ضروری نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا نہیں۔ پوشیدہ اور دیر فہم مقام پر بکثرت استعمال ہوتا ہے حتی کہ جب فقیہ کہتا ہے کہ اگر غائب کا بیچ صحیح ہے تو اس سے صریحاً الزام لازم آتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ تصریح الزام لازم نہیں تو اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ صحیح نہیں۔ پہلا اصل استقراءِ شرعی سے معلوم ہوتا ہے جو ظن کے لئے مفید ہے اگر چہ وہ علم کے لئے مفید نہیں اور دوسرا حریف کے تسلیم کرنے اور اس کی مدد سے نظریات میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر جہاں کی بناوٹ اور آدمی کی ترکیب مرتب عجیب اور مضبوط ہے تو اس کا بنانے والا ضرور عالم ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جہان وانسان کی بناوٹ اور ترکیب عجیب اور مرتب ہے۔ کیونکہ آنکھوں سے ایسا دیکھتے ہیں پس اس سے لازم آتا ہے کہ ان کا بنانے والا عالم ہے، جب اس سے ہم ترقی کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اگر ان کا بنانے والا عالم ہے تو وہ زندہ بھی ہے۔ سو چونکہ میزان اول سے معلوم ہے کہ وہ عالم ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ وہ زندہ ہو پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ زندہ اور عالم ہے تو ضرور وہ بذاتہ خود قائم ہے نہ کہ کسی اور کی مدد سے چونکہ پہلی دو میزانوں سے معلوم ہے کہ وہ زندہ اور عالم ہے اس لئے لازم آتا ہے وہ بذاتہ خود قائم ہے۔ اسی طرح ہم آدمی کی ترکیب کی صفت سے اس کے بنانے والی کی صفت تک ترقی کرتے ہیں یعنی معلوم کرتے ہیں کہ اس کا بنانے والا عالم ہے پھر علم سے زندگی اور زندگی سے ذات تک ترقی کرتے ہیں اور یہ روحانی ترقی ہے یہ ترازو آسمان پر چڑھنے کے لئے آسمان سے خالق آسمان تک پہنچے کے لئے سیڑھیاں ہیں اور یہ اصول ان سیڑھیوں کے پائے ہیں۔ جسمانی معراج ایک قوت سے نہیں ہو سکتا یہ نبوت کی قوت سے ہی مخصوص ہے اس ترازو کی حد یہ ہے کہ جو باتیں کسی خاص چیز کے لئے لازم ہے وہ ہر حال میں اس کی تابع ہیں اس واسطے لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی لازم آتی ہے اور ملزوم کے وجود سے لازم کا وجود واجب آتا ہے لیکن ملزوم کی نفی اور لازم کے وجود

Marfat.com

سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا بلکہ یہ شیطانی ترازو ہے جس سے بعض اہل علم اپنی معرفت کو وزن کرتے ہیں۔ تم جانتے ہیں کہ نماز کی درستی کے لئے نمازی کا پاک ہونا لازم ہے پس تمہارا یہ کہنا درست ہوگا کہ اگر زید کی نماز صحیح ہے تو وہ پاک ہے لیکن اگر معلوم ہو کہ وہ پاک نہیں تو لازم کی نفی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس کی نماز درست نہیں جو ملزوم کی نفی ہے اسی طرح اگر تم کہو کہ چونکہ اس کی نماز درست ہے جو ملزوم کا وجود ہے اس لئے وہ پاک ہے جو لازم کا وجود ہے یہ تو درست ہے لیکن اگر تم یہ کہو کہ چونکہ وہ پاک ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ اس کی نماز درست ہو ایسا کہنا غلطی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی نماز کسی اور وجہ سے باطل ہوگئی ہو اور یہ لازم کا وجود ہے یہ ملزوم کے وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر تم کہو کہ چونکہ اس کی نماز درست نہیں اس لئے وہ پاک نہیں یہ بھی غیر لازمی خطا ہے کیونکہ ممکن ہے کسی اور شرط کی کمی سے نماز درست نہ رہی ہو یہ ملزوم کی نفی ہے۔ لیکن اس سے لازم کی نفی لازم نہیں آتی۔

میزان التعاند کا بیان

رفیق: اب مجھے بتاؤ کہ میزان التعاند کیا چیز ہے اور قرآن شریف میں سے اس کا مقام، اس کا پرکھنا اور موقع استعمال سمجھاؤ۔

مصنف: قرآن شریف میں اس کا مقام یہ قول الٰہی ہے۔ قولہ تعالیٰ "قل من یرزقکم من السمٰوٰت والارض قل اللّٰہ" جناب سرور کائنات ﷺ کو سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ کہہ دے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں کون رزق پہنچاتا ہے، اور کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ اور میں یا تم ہدایت پر ہو یا گمراہی میں لیکن انا وایاکم کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس میں تسویہ اور تشکیک ہے بلکہ اس میں دوسرا اصل چھپا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے قول "بیشک اللہ تعالیٰ ہی تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے" گمراہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اس آسمان سے مینہ اتار کر اور زمین میں سے نباتات اگا کر تمہیں رزق دیتا ہے سو تم اس بات سے انکار کر کے گمراہ بنتے ہو۔ اس میزان کے کمال کی صورت یوں ہے "انا او ایاکم لعلی ھدی او فی ضلال مبین" میں یا تم گمراہ ہو یہ ایک اصل ہے اور یہ معلوم ہے کہ ہم گمراہ نہیں دوسرا اصل ہے دونوں کے ملانے سے ضروری نتیجہ برآمد ہوتا ہے اگر تم گمراہی میں ہو مشہور بتوں سے انکار پرکھنا اس طرح پر ہے فرض کرو ایک شخص ایسے مکان میں داخل ہوتا ہے جس میں دو کوٹھریاں

Marfat.com

ہیں اگر ہمیں ایک کوٹھڑی میں وہ نہ ملے تو ہم جانتے ہیں کہ وہ دوسری میں ضرور ہوگا یہ نتیجہ بھی دو اصولوں سے مل کر بنا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک کوٹھڑی میں ضرور ہے اور دوسرا یہ کہ اس کوٹھڑی میں بالکل نہیں ان دونوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ضرور دوسری کوٹھڑی میں ہے اس واسطے کہ جب ہمیں ایک کوٹھڑی میں نہیں ملتا تو دوسری میں ہم اپنی آنکھوں دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن اگر دوسری میں جا کر آنکھوں سے نہ بھی دیکھیں تو بھی ہمیں اس میزان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ضرور دوسری کوٹھڑی میں ہے، یہ علم میزانی ہوگا۔ جو بمنزلہ آنکھوں سے دیکھنے کے ہوگا اس میزان کی حد یہ ہے اگر کوئی چیز دو قسموں پر منحصر ہے تو ایک میں ہونے سے دوسری میں نفی لازم آتی ہے۔ اور ایک کی نفی سے دوسری کا اثبات لازم آتا ہے۔ لیکن یہ ضروری شرط ہے کہ قسم منحصر ہو نہ کہ منتشر۔ کیونکہ قسم منتشر سے وزن کرنا شیطانی فعل ہے بعض اہل قلم ایسے موقعوں پر اپنے کلام کو اسی سے وزن کرتے ہیں۔ اس کا بیان ہم نے قول اصح میں فصل الخلاف کے جواب اور کتاب ''مستظہری'' وغیرہ میں بھی کر دیا ہے۔ پوشیدہ اور ذریہ فہم موقعوں پر اس کے استعمال کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اور شاید نظریات کا اکثر حصہ اسی سے وزن کیا جاتا ہے۔ مثلاً موجودات کو ہی لو یا تو تمام موجودات حادث ہے یا اس کا بعض حصہ حادث ہے اور بعض قدیم۔ اور یہ قاصر ہے کیونکہ یہ نفی اور اثبات کے مابین دائر ہے پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ معلوم ہے کہ تمام موجودات حادث نہیں اس سے لازم آتا ہے کہ اس میں کچھ حصہ قدیم ہے کہ ہم نے یہ کیوں کہا کہ تمام موجودات حادث نہیں تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اگر تمام موجودات حادث ہو تو اس کا حدوث بنفسہ ہوتا اور اس میں اثبات کا دخل نہ ہوتا پس یہ کہنا کہ تمام موجودات حادث ہے باطل ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ اس میں موجود قدیم بھی ہے۔ اس میزان کے استعمال کی مثالیں بے شمار ہیں۔

رفیق:۔ اب میں سمجھ گیا کہ حقیقت میں یہ پانچوں ترازو سچے ہیں۔ لیکن صرف اتنی خواہش باقی ہے کہ میں ان کے القاب کے معنی سمجھ جاؤں اور یہ کہ آپ نے پہلی کو میزان التعادل دوسری کو میزان التلازم اور تیسری کو میزان التعاند کے نام سے کیوں مخصوص کیا ہے؟۔

دستِ نغمہ:۔ پہلی کا نام اس واسطے میزان التعادل رکھا ہے کہ اس میں دو اصول بمنزلہ دو پلڑوں کے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے محاذی ہیں دوسری کا میزان التلازم اس واسطے رکھا کہ دو اصول میں ایک اصل کے دو جز ہیں جن میں سے ایک لازم ہے اور دوسرا ملزوم مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا'' لازم آتا ہے اور''

Marfat.com

لو کان فیھما آلھۃ الا اللّٰہ ' ملزوم ہے اس کا نتیجہ لازمی کی نفی ہے تیسری کا نام میزان التعانداس واسطے رکھا کہ نفی اور اثبات پر دو قسمیں منحصر ہیں۔ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا اثبات لازم آتا ہے۔ان دونوں قسموں میں التعاند اور تضاد ہے۔

رفیق :۔ کیا یہ نام آپ ہی نے رکھے ہیں اور ان کا استخراج بھی آپ ہی نے کیا ہے یا کہیں سے سیکھے ہیں؟۔

مصنف :۔ نام میں تو میں نے ہی رکھے ہیں۔رہے ترازو، سو انھیں میں نے قرآن شریف سے استخراج کیا ہے ان کے اصول پہلے ہی سے استخراج کیے ہوئے ہیں۔متاخرین نے ان کے نام کچھ اور ہی مقرر کیے ہیں۔اور جناب سرور کائنات ﷺ کے زمانہ سے پہلے کی امتوں نے کچھ اور ہی نام مقرر کر رکھے تھے۔انھوں نے یہ ترازو حضرت ابراہیم اور مہتر موسیٰؑ کے صحیفوں سے نکالے تھے میں نے ان کے نام ولباس اس واسطے تبدیل کر دیے ہیں کہ مجھے معلوم تھا کہ تم طبیعت کے کمزور ہو اور تمہارا نفس وہم پرست ہے۔اور یہ کہ تم ظاہر پر دھوکا کھاتے ہو حقیقت سے واقف نہیں ہوتے۔مثلاً اگر میں سرخ شہد پچھنے لگانے والے کے شیشے میں ڈال کر تمہیں پلاؤں تو تم کبھی نہیں پیو گے کیونکہ تمہاری طبیعت اس سے متنفر ہے تمہاری عقل اس قدر کمزور ہے کہ تم اتنی بھی تمیز نہیں کر سکتے کہ پاک شہد خواہ کسی شیشے میں ہو اسی طرح اگر تم کسی ترک کو گوڈری یا جبہ وغیر پہنے ہوئے دیکھو تو تم اسے صوفی یا فقیہہ خیال کرو گے اور اگر کوئی صوفی مرد قبا اور کلاہ پہنے ہوئے ہو تو اسے ترک خیال کرو گے تمہارا وہم صرف چیزوں کے خلاف اور جھکنے تک ہی رہتا ہے اصل مغز تک نہیں پہنچتا اسی طرح تم بات کو اس کے نفس اور ذات کے لحاظ سے نہیں دیکھتے بلکہ اس کے حسن صنعت کو اور اس کے قائل حسن ظن کو دیکھتے ہو جو اس کی طرف سے تمہارے دل میں بیٹھا ہوا ہے اگر کسی شخص کے حق میں تمہارا ظن درست ہے تو خواہ اس کی عبارت مکروہ ہی کیوں نہ ہو تمہیں پسند آئے گی لیکن اگر تمہارے نزدیک کہنے والا برا ہے تو خواہ وہ اچھی بات بھی کرے۔تم فوراً اس کی بات رد کر دو گے۔اگر تم سے کہا جائے کہ تم "لا الہ الا اللّٰہ عیسیٰ رسول اللّٰہ" کہو تو تمہاری طبیعت اس کے کہنے سے نفرت کرے گی اور تم کہہ دو گے کہ یہ تو نصاریٰ کا قول ہے میں اسے کیونکر کہوں اتنا نہیں سمجھو گے کہ یہ قول فی نفسہٖ سچا ہے۔نصرانی سے نہ اس کلمہ کے لئے ناراض ہونا چاہیے۔بلکہ صرف دو کلموں کے لئے ایک یہ خدا تین ہیں اور دوسرا یہ کہ محمد رسول اللہ نہیں۔ان دو کے سوا باقی اس کے

Marfat.com

تمام کلمات سچے ہیں پس جب میں نے دیکھا کہ تم اور تمہارے اہل تعلیم رفیق صرف چیز کے ظاہر پر ہی دھوکا کھاتے ہیں اصل حقیقت تک نہیں پہنچتے اس واسطے تمہیں دوائی پانی کے کوزے میں پلائی جس سے تمہیں شفا ہوئی اور تمہارے ساتھ میں نے ویسی نرمی اور مہربانی کی جیسی ایک طبیب مریض کے ساتھ کرتا ہے اور اگر میں تمہیں کہہ دیتا کہ یہ دوائی ہے اور اسے دوائی کے پیالے میں تمہیں دیتا تو تمہاری طبیعت اس سے نفرت کر جاتی اگر قبول بھی کرتی تو گھونٹ گھونٹ کر پیتے۔ اور شاید نہ بھی پیتے یہ وجہ تھی کہ میں نے ان ترازوؤں کے نام بدل دیئے اسے جو سمجھ گیا سمجھ گیا۔ جو جاہل رہا جاہل رہا۔ اور جس نے انکار کیا انکار کیا۔

رفیق :۔ یہ تو میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ لیکن تم نے وعدہ کیا تھا کہ اس ترازو کے دو پلڑے بھی ہوتے ہیں اور ایک عمود بھی جس سے وہ لٹکتے ہیں لیکن مجھے تو اس ترازو میں پلڑے اور عمود دکھائی نہیں دیتے۔ اور وہ کیسا ترازو ہے جو ایک پلڑے والے سے مشابہ ہے۔

مصنف :۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس ترازو میں دو اصل ہیں یہی دو اصل بمنزلہ پلڑوں کے ہیں اور ان اصلوں میں جو جز مشترک ہے وہ بمنزلہ عمود ہے۔ اور ان دونوں میں داخل ہے اب میں فقہیات میں سے ایک مثال بیان کرتا ہوں تا کہ تم اچھی طرح سمجھ جاؤ۔ وہ یہ کہ ہمارا ای کہنا کہ ''ہر نشیلی چیز حرام ہے'' ایک پلڑا ہے۔ اور ''ہر نبیذ نشیلی ہے'' دوسرا پلڑا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر ایک نبیذ حرام ہے اس مقام پر دو اصلوں میں صرف تین امور ہیں نبیذ، نشیلی اور حرام، نبیذ صرف ایک اصل میں پائی جاتی ہے وہ ایک پلڑا ہے۔ اور حرام صرف دوسرے اصل میں جو دوسرا پلڑا ہے لیکن نشیلی دونوں اصلوں میں مذکور ہے اور دونوں میں مشترک ہے یہی عمود ہے دونوں پلڑے اس سے لٹکے ہوئے ہیں اور موصوف صفت کے متعلق ہے یہاں پر موصوف ''ہر ایک نبیذ نشیلی ہے'' کیونکہ نبیذ نشے سے موصوف ہے۔ دوسرا صفت موصوف کے متعلق ہے یعنی تمام نشیلی چیزیں حرام ہیں اس پر غور کر کے سمجھ لو کہ اس میزان میں کسی قسم کا بگاڑ آ جائے تو یہ دنوں پلڑوں میں سے کسی ایک میں ہو گا یا عمود میں یہ بات میں عنقریب ہی میزان الشیطان کے بیان میں سمجھا دوں گا رہا ایک پلڑے والے ترازو کے مشابہ ترازو یعنی میزان التلازم اس میں ایک بازو دوسرے کی نسبت بہت زیادہ لمبا ہوتا ہے مثلاً تمہارا یہ کہنا کہ ''اگر غائب کا بیع صحیح ہے تو صریح الزام لازم آتا ہے'' ایک لمبا اصل ہے جس میں دو جز لازم اور ملزوم ہیں اور تمہارا یہ کہنا کہ صریح الزام لازم نہیں آتا دوسرا اصل ہے جو پہلے کی نسبت چھوٹا ہے جو ایک پلڑے والے ترازو کے چھوٹے بٹ کے مشابہ ہے۔ لیکن میزن التعاول میں دونوں پلڑے ہم وزن اور

Marfat.com

دونوں بازو یکساں لمبے اور ہم وزن ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک پلڑے میں صرف صفت موصوف ہوتے ہیں یہ بھی سمجھ لو کہ روحانی ترازو جسمانی ترازو کی سی نہیں ہوتی صرف ان میں مناسبت ہوتی ہے۔ اور اسی واسطے اس سے نتیجہ نکلنے کو دو اصلوں کے ازدواج سے تشبیہ دینا ممکن ہے کیونکہ دو اصلوں میں ایک چیز داخل نہیں ہوتی اور وہ اس مثال میں نشلی چیز ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اصلوں میں ہے تبھی ان سے نتیجہ نکلتا ہے۔ لیکن اگر ایک اصل کا کوئی جز دوسرے اصل میں داخل ہو تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ مثلاً ہر نشلی چیز حرام ہے۔ اور ہر ایک چھپی ہوئی بری ہے۔ سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ گو یہ دونوں بجائے خود اصل ہیں لیکن ان سے نتیجہ کوئی نہیں نکلتا اس واسطے کہ ان میں کوئی جز مشترک نہیں اسی جز و مشترک کو عمود کہتے ہیں۔ اگر تمہیں محسوس اور معلوم کا وزن کرنا آجائے تو تمام ملک اور عالم شہادت اور عالم غیب اور عالم ملکوت کے مابین وزن کرنے کی واقفیت بھی حاصل ہو جائے اس میں بڑے بڑے بھید پوشیدہ ہیں۔ جس شخص کو مذکورہ بالا چیزوں کا وزن کرنا نہیں آتا وہ قرآنی انوار کا اقتباس نہیں کرسکتا اور اس سے کچھ سیکھ نہیں سکتا اور اس کا علم صرف چھلکوں تک ہی محدود رہتا ہے قرآن شریف میں تو تمام علوم کے ترازو اور تمام علوم کی چابیاں ہیں۔ جیسا کہ میں جواہر القرآن میں اشارتاً بیان کر چکا ہوں۔ اس کتاب سے دیکھ لو عالم ملک و عالم شہادت اور عالم غیب و عالم ملکوت کے درمیان موازنہ نہیں البتہ بعض کو خواب کے اندر کچھ معنوی حقائق بطور خیالی مثالوں کے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ سچا خواب نبوت کا ایک جز ہوا کرتا ہے اور عالم نبوت میں ملک اور ملکوت سارے کا سارا متجلی ہوتا ہے۔ خواب میں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگشتری ہے۔ جس سے وہ مردوں کے منہ اور عورتوں کی فروج پر مہریں لگا رہا ہے جب اسنے اپنا یہ خواب ابن سیرینؒ سے بیان کیا۔ تو آپ نے اس کی تعبیر یوں فرمائی کہ تم مؤذن ہو اور ماہ رمضان میں تم صبح سے پہلے اذان دیتے ہو اس نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ اب غور کرو کہ ابن سیرینؒ کو عالم غیب نے اس کی حالت کیونکر معلوم ہوئی۔ اور اس مثال اور ماہ رمضان میں قبل از صبح اذان دینے کا موازنہ کرو۔ یہی مؤذن اکثر خواب میں دیکھا کرتا تھا۔ کہ یہ وہی انگوٹھی ہے جس سے تم مردوں کے منہ اور عورتوں کے فروج پر مہریں لگا رہے تھے وہ کہتا تھا کہ بخدا میں تو ایسا نہیں کیا کرتا تھا۔ اسنے کہا جاتا کہ نہیں تم بالضرور ایسا کیا تو کرتے تھے لیکن تم بھول گئے ہو کیونکہ یہ تمہارے فعل کی روح ہے۔ اشیاء کی حقیقت اور ان کی روح صرف عالم ارواح میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس عالم حس اور عالم خیال کے اندر عالم تلبیس میں روح صورتوں کے پردوں

Marfat.com

میں ڈھکی ہوئی ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن جب آنکھوں پر سے پردہ اٹھایا جاتا ہے تو اصل حقیقت کھلتی ہے۔ اور اسی طرح جس نے کوئی شرعی حرکت کی ہو اسکی حقیقت بھی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ اگر تم اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو احیاء العلوم کے باب حقیقت الموت یا کتاب جواہر القرآن کا مطالعہ کرو۔ اس میں تمہیں عجیب وغریب باتیں معلوم ہونگی۔ اس پر غور کرنے سے شاید تمہارے لئے عالم ملکوت کی رویت کا دروازہ کھل جائے اور تم کچھ سن سکو۔ لیکن ایسی حالت میں امید نہیں کہ تمہارے لئے دروازہ کھلے کیونکہ تم معلم غائب سے معرفت حقائق کے منتظر ہو جسے تم دیکھ نہیں رہے اور اگر اسے دیکھ لو تو بہت سے معارف میں اسے اپنے سے بھی کمزور پاؤ گے سو تم معارف وحقائق ایسے شخص سے معلوم کرو جس کی وہاں تک رسائی ہے۔ اور جسے خود ان کی شناخت حاصل ہے۔

رفیق:: اب اور بات بیچ میں آ گئی ہے۔ جس کے سبب مجھ میں اور تم میں جھگڑا بڑھ جائے گا کیونکہ معلم غائب کو اگرچہ میں نے بچشم خود تو نہیں دیکھا لیکن میں نے اس کی خبر تو سنی ہے مثلاً شیر گو میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اس کی علامات تو دیکھی ہیں اور یہ بھی دیکھا ہے کہ میری والدہ صاحبہ اور مولانا صاحب قلعہ الموت دونوں ہی اس کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے اور یہاں تک کہا کرتے تھے کہ وہ معلم غیب جہان کی ہر ایک کاروائی سے خواہ وہ ہزار فرسنگ کے فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو واقف ہے کیا میری والدہ اس بارے میں جھوٹ بولتی ہیں جو کہ بڑھیا اور پاک دامن ہے۔ یا مولانا صاحب قلعہ الموت جھوٹ بولتے ہیں جو حسن صیرت وصورت کے امام ہیں۔ نہیں نہیں وہ دونوں چشم دید سچے گواہ ہیں۔ علاوہ بریں اور مغان اور اصبہان میں جس قدر میرے رفیق ہیں وہ سب اس معاملہ میں متفق الرائے ہیں اور ان کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اور مختلف قلعوں کے باشندے انھیں کے فرمان پذیر ہیں یہ کہنا کہ انھوں نے دھوکا کھایا محض افترا ہے کیونکہ وہ سب کے سب ذکی ہیں اور یہ کہنا کہ وہ مکار ہیں سراسر بہتان ہے کیونکہ وہ سارے متقی ہیں افسوس افسوس یہ غیبت کرنا چھوڑ دو کیونکہ جو کچھ ہمارے درمیان گفتگو ہو رہی ہے مولانا اس سے بخوبی واقف ہیں اس واسطے کہ زمین اور آسمان کا ذری ذری حال انھیں معلوم ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں ان کی بے عزتی سنتے ہی تم سے لڑ نہ پڑوں۔ سو یہ فضول گوئی کا طومار لپیٹ لو اور میزان الشیطان اور اس سے اہل تعلیم کے وزن کرنے کی کیفیت سمجھاؤ۔

Marfat.com

شیطانی ترازوؤں اور ان سے اہل تعلیم

کا وزن کرنے کا بیان

مصنف: بیچارے! اب اپنے رفیقوں کے ترازوؤں کا حال سن۔ تو تو نہایت غلو سے کام لیتا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن شریف میں سے جن ترازوؤں کا ذکر میں نے کیا ہے ان کے مقابل شیطانی ترازو بھی ہیں جن سے وزن کیا جاتا ہے ان کے ذریعہ شیطان غلطی میں ڈالتا ہے لیکن صرف اسی مقام سے داخل ہوتا ہے جہاں کہیں کوئی رخنہ ہے۔ وہ شخص جوان رخنوں کو بند کر لیتا ہے وہ شیطان سے بے کھٹکے ہو جاتا ہے کہ رخنہ اندازی کے کل موقعے دس ہیں جو سب کے سب مع شرح کتاب محک النظر اور کتاب معیار العلم میں بیان کر دیے ہیں ترازوؤں کی شرائط کی باریکیاں اس واسطے بیان نہیں کیں کہ تم اس وقت بآسانی سمجھ نہیں سکتے اگر تم ان مشکلات کا حل سمجھنا چاہتے ہو تو کتاب محک النظر میں دیکھ لو اور اگر ان کی مفصل کیفیت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو کتاب المعیار العلم کا مطالعہ کرو اب میں صرف ایک مثال بیان کرتا ہوں جو شیطان نے حضرت ابراہیمؑ کے دل میں اس وقت ڈالی تھی جبکہ اللہ تعالی نے فرمایا تھا" وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیۃ" ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا مگر جب خواہش کی، شیطان نے انھیں خواہش میں ڈالا۔ سو اللہ تعالی نے وہ بات منسوخ کر دی جو شیطان نے آنحضرت کے دل میں ڈالی پھر اللہ تعالی نے اپنی آیت کو مضبوط کیا۔ اور یہ سورج کی طرف مبادرت کرنا تھا۔ آپ کا قول کہ "ھذا ربی ھذا اکبر" یہی میرا خدا ہے کیونکہ یہی بڑا ہے۔ شیطان نے آپ کو دھوکے میں ڈالنا چاہا اس سے وزن کرنے کی کیفیت یوں ہے اللہ تعالی بڑا ہے، یہ اصل متفق علیہ ہے سورج ستاروں سے بڑا ہے یہ اصل حسی ہے پس ان دونوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سورج خدا ہے۔ یہ نتیجہ ہے اور یہ نظام ہے جسے شیطان نے میزان التعادل کے میزان اصغر سے ملایا ہے کیونکہ بڑائی ایک وصف ہے جو خدا میں بھی پایا جاتا ہے اور سورج میں بھی۔ اس سے وہم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے موصوف ہے۔ لیکن یہ میزان اصغر کا عکس ہے اس میزان کی حد یہ ہے کہ ایک شے میں دو وصف پائے جائیں تو ان میں سے ایک کے بعض حصے دوسرے سے موصوف ہونگے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن جب دو چیزوں میں ایک وصف پایا جائے تو

Marfat.com

ایک چیز دوسری کی صفت نہیں ہوسکتی لیکن دیکھو شیطان نے اسے عکس کے ساتھ کس طرح خلط ملط کیا ہے۔ اس میزان باطل کی پرکھ ظاہری بٹوں سے رنگ کا جھٹلانا ہے کیونکہ سیاہ اور سفید دونوں رنگ ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سفید سیاہ ہے۔ یا سیاہ سفید ہے اگر کہنے والا کہے کہ سفید بھی رنگ ہے اور سیاہ بھی رنگ ہے پس اس سے لازم آتا ہے سیاہ سفید ہے اس کا یہ نتیجہ غلط ہے اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ خدا بڑا ہے اور سورج بڑا ہے پس سورج خدا ہے غلط ہے کیونکہ یہ متضاد کو ایک صفت سے موصوف کرنا ہے اگر دو چیزیں ایک صفت سے موصوف ہوں تو اس سے لازم نہیں آیا کہ وہ دونوں ایک ہیں لیکن اگر ایک چیز دو صفتوں سے موصوف ہو تو دونوں صفتوں میں اتصال ہوسکتا ہے ہر وہ شخص جو ان دو باتوں کا فرق سمجھ سکتا ہے کہ ایک چیز دو صفات سے متصف ہو اور دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہوں وہ اسے بھی سمجھ سکتا ہے۔

رفیق :۔ یہ تو مجھے واضح ہوگیا ہے کہ باطل ہے لیکن اہل تعلیم اپنے کلام کو اس سے وزن کرتے ہیں۔

مصنف :۔ وہ اپنے کلام کا اکثر حصہ اس سے وزن کرتے ہیں لیکن میں بہت مثالیں دیکر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں آپ نے ان کا یہ کلام اکثر سنا ہوگا حق وحدت سے ہے اور باطل کثرت سے اہل رائے کا مذہب کثرت کی طرف ہے اور اہل تعلیم کا مذہب وحدت کی طرف اس سے لازم آتا ہے کہ اہل تعلیم کا مذہب حق ہو۔

رفیق :۔ ہاں یہ تو میں نے بہت دفع سنا ہے میرے خیال میں یہ ایک برہان ہے بلکہ میرا یقین ہے کہ برہان قاطع ہے اس میں مجھے کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔

مصنف :۔ دیکھو یہ شیطانی ترازو ہے جس کے استعمال میں انھوں نے غلط پہلو اختیار کر رکھا ہے اور دیکھو کس طرح انھوں نے شیطانی قیاس اور ترازو حضرت ابراہیمؑ کے ترازو اور دوسرے ترازوں کو جھٹلانے کے استعمال کیا ہے۔

رفیق :۔ شیطان نے یہ ترازو کیونکر نکالا اس کی مفصل کیفیت سے آگاہ کیجئے گا۔

مصنف :۔ واقعی شیطان بے سبب کثرت کلام مختلف ترازوؤں کو اس طرح گھٹ مٹ کردیتا ہے کہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ کس موقعہ پر خلط ملط ہوگئے ہیں اس کلام کثیر کا مع حاصل یوں ہے کہ حق وحدت سے موصوف ہے یہ ایک اصل ہے اہل تعلیم کا مذہب وحدت سے موصوف ہے یہ دوسرا اصل ہے ان دونوں سے لازم آتا کہ اہل تعلیم کا مذہب حق سے موصوف ہو لیکن اس میں غلطی یہ ہے کہ دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ ان

Marfat.com

دونوں چیزوں میں اتصال ہو جیسے کوئی کہے اور سیاہ دونوں رنگ ہیں اس لئے سفید سیاہ ہے یا سیاہ سفید ہے یا شیطانی قول کی طرح کہ خدا اور سورج دونوں میں بڑائی ہے اس لئے خدا سورج ہے یا سورج خدا ہے ان تینوں ترازوؤں میں کوئی فرق نہیں یعنی سیاہ و سفید کا رنگ ہونا سورج اور خدا کا بڑا ہونا اور تعلیم اور حق میں وحدت کا ہونا سوان پر غور کر کے سمجھو۔

رفیق:۔ میں اسے سمجھ گیا ہوں لیکن میں ایک مثال پر قناعت نہیں کرتا میرے رفیقوں کی ترازوؤں کی کوئی اور مثال بیان کریں تاکہ میرے دل کو تسلی ہو کہ واقعی وہ شیطانی ترازو سے دھوکا کھائے ہوئے ہیں اور اوروں کو دھوکا دیتے ہیں۔

مصنف:۔ کیا تم نے ان کا یہ قول سنا ہے کہ حق یا تو محض رائے سے پہچانا جاتا ہے یا محض تعلیم سے اور یہ کہ جب ان میں سے ایک باطل ہو تو دوسرا ثابت ہو جاتا ہے یاد رکھو یہ باطل ہے کہ محض عقلی رائے سے معلوم ہو کیونکہ اپنے اور مذاہب متعارض ہوا کرتے ہیں پس ثابت ہوا کہ حق تعلیم سے پہچانا جاتا ہے۔

رفیق:۔ بخدا میں نے ان کی اس قسم کی باتیں بہت سنی ہیں اور یہی ان کے دعوؤں اور ان کی دلیلوں کے عنوانوں کی چابی ہوا کرتی تھی۔

مصنف:۔ کہ شیطانی ترازو سے وزن کرتے ہیں جو میزان التعاند سے ملتی جلتی ہے کیونکہ دو قسموں میں سے ایک کے بطلان سے دوسرے کا اثبات ہوتا ہے لیکن اس میں ضروری شرط یہ ہے کہ وہ قسم منحصر ہو نہ کہ منتشر شیطان منتشر اور منحصر کو خلط ملط کر دیتا ہے اور یہ منتشر ہے کیونکہ نفی اور اثبات کے درمیان دائر نہیں بلکہ ان دونوں کے بین بین تیسری قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ عقل اور تعلیم دونوں کی رو مدرک ہوں اور معلومہ بٹوں سے اس کا بطلان یوں ہے جیسے کوئی کہے کہ رنگ آنکھوں سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ سورج کی روشنی سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم پوچھیں کیوں؟ تو کہے کہ یا تو آنکھ سے نظر آتے ہیں یا سورج کی روشنی سے آنکھوں سے ان کا معلوم ہونا اس واسطے باطل ہے کہ رات کو نظر نہیں آتے۔ پس ثابت ہوا کہ سورج کی روشنی سے معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک تیسری قسم بھی ہے اور وہ یہ کہ گو آنکھوں سے معلوم ہوتے ہیں لیکن سورج کی روشنی میں۔

رفیق:۔ میں اسے بھی سمجھ گیا ہوں۔ لیکن اب چاہتا ہوں کہ آپ ذرا اس غلطی کی زیادہ تشریح کر دیں۔ جو پہلی مثال یعنی حق اور وحدت میں واقع ہوئی ہے کیونکہ اس میں غلطی ایسی ہے جو بہت سوچ کے بعد سمجھ میں آتی ہے۔

Marfat.com

مصنف:۔ اس میں غلطی یہ ہے کہ انسان ان دو باتوں میں مغالطہ کھاتا ہے۔ ایک چیز کا دو اوصاف سے متصف ہونا اور دو چیزوں کا ایک وصف سے متصف ہونا یہ غلطی عکس کے نہ سمجھنے سے واقعہ ہوتی ہے کیونکہ جو شخص جانتا ہے کہ ہر ایک حق واحد ہے لیکن یہ عکس لازمی نہیں بلکہ خاص عکس لازمی ہے اور وہ یہ کہ بعض واحد حق ہیں۔ مثلاً اگر کہیں کہ ہر انسان حیوان ہے تو اس کا عکس کہ ہر حیوان انسان ہے، غلط ہے۔ البتہ اس کا اس قدر عکس ٹھیک ہے کہ بعض حیوان انسان ہیں شیطان بھی کم عقل انسانوں پر غالب آتا ہے تو ایک لطیف حیلہ سے جسے عوام الناس بآسانی نہیں سمجھ سکتے اور کوئی فاش غلطی نہیں کرتا جسے ہر ایک بآسانی سمجھ سکے وہ عکس کے شبہ میں ڈالتا ہے حتی کہ وہ شبہ محسوسات میں جا کر ختم ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص چمکدار سیاہ رنگ کی رسی دیکھ لیتا ہے تو اسے سانپ خیال کر کے اس سے ڈرنے لگتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر ایک سانپ لمبا اور چمکیلا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا وہم اس کے عکس عام یعنی ہر لمبی چمکیلی چیز سانپ ہے وہ صحیح مانتا ہے لیکن عکس عام لازم نہیں آتا بلکہ عکس بعض لمبی چمکیلی چیزیں سانپ ہوتی ہیں لازم آتا ہے عکس اور نقیض میں بہت سی باریک باتیں ہیں۔ جو تم صرف کتاب محک النظر اور معیار العلم کے مطالعہ سے سمجھ سکو گے۔

رفیق:۔ آپ جو مثال بیان کرتے ہیں مجھے یقین آجاتا ہے کہ واقعی شیطانی ترازو غلط ہیں اس لئے ایک اور مثال کے لئے التجا کرتا ہوں۔ تاکہ شیطانی ترازوں کی ماہیت سے بخوبی واقف ہو جاؤں۔

مصنف:۔ شیطانی ترازو کی غلطی حسب ذیل اقسام کی ہوا کرتی ہیں کبھی تو اس کی ترغیب غلط ہوتی ہے یعنی اس کے دونوں پلڑے عمود سے ٹھیک طور پر آویزاں نہیں ہوتے اور کبھی پلڑے کی طینت میں غلطی ہوتی ہے کیونکہ یہ کبھی تو لوہے پیتل یا چمڑے کا ہوتا ہے یا روئی اور برف کا۔ موخر الذکر سے وزن ٹھیک نہیں ہو سکتا اور کبھی اس کی شکل بگڑی ہوئی ہوتی ہے کہ عصا کی طرح غیر معترض ہوتا ہے کبھی اس کی طینت اور مادہ میں بگاڑ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا ہے۔ مثلاً لکڑی یا مٹی سے سو جو بگاڑ اس کی ترکیب سے ہوتا ہے اس کی مثال سورج کی بڑائی اور وحدت حق ہے۔ کیونکہ ان کی صورتیں مختلف اور معکوس ہیں۔ یعنی ان میں پلڑے عمود سے اوپر کی طرف ہیں (ترازو کے لئے ضروری ہے کہ موازنہ مستقل کی صورت کا ہو کہ غیر مستقل کی صورت کا مترجم) ایسی صورت میں وزن میں ضرور غلطی ہوگی اور مادے کی بگاڑ کی مثال شیطان کا یہ قول ہے کہ میں اس سے اچھا ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ یہ

Marfat.com

اس نے اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے کس بات نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے روکا جبکہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا آیا تو نے اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھا۔ یا تو بڑائی کرنے لگا شیطان نے اس وقت دو جھوٹے ترازو استعمال کیے ایک تو یہ کہ آدم علیہ السلام سے اچھا ہونے کو سجدہ نہ کرنے کی علت قرار دیا اور دوسرا یہ کہہ کر اپنی اچھائی ثابت کی کہ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں شیطان کو اپنا ترازو ٹھیک ترکیب کا معلوم ہوا لیکن دراصل اس کے مادے میں بگاڑ تھا جس کی اصلی کیفیت یوں ہے کہ جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے وہ اچھا ہے اور اچھا سجدہ نہیں کرتا۔ اس لئے میں سجدہ نہیں کرتا۔ لیکن اس قیاس کے دونوں اصول ممنوع ہیں کیونکہ دونوں غیر معدوم ہیں علوم خفیہ علوم جلیہ سے وزن کیے جاتے ہیں لیکن جو کچھ اس نے بیان کیا ہے وہ غیر جلی ہے اور تسلیم کرنے قابل نہیں کیونہ اگر ہم یہ مان بھی لیں وہ آدم علیہ السلام سے اچھا ہے جو پہلے اور آخری اصول کا مانع ہے تو بھی ہم یہ تسلیم کرتے کہ اچھے کو سجدہ لازم نہیں کیونکہ سجدہ کا لزوم اور استحقاق امر الٰہی پر منحصر تھا۔ نہ کہ اچھائی پر لیکن شیطان دوسرے اصول یعنی سجدہ کا لزوم و استحقاق امر پر تھا نہ اچھائی پر کو چھوڑ گیا۔ بلکہ وہ اپنی اچھائی جی دلیل پر کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ مٹی سے ڈٹا رہا۔ اچھائی کا دعویٰ نسبی ہوتا ہے اس کی دلیل اور ترازو کی مکمل صورت یوں ہے جو اچھائی کی طرف منسوب ہے وہ اچھا ہے میں اچھائی کی طرف منسوب ہوں اس لئے اچھا ہوں لیکن یہ دونوں پلڑے بذاتہ غلط ہیں۔ کیونکہ ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ جو اچھائی سے منسوب ہو وہ اچھا ہے اس واسطے کہ اچھائی ذاتی صفت ہے نہ اضافی یہ کہنا جائز ہے کہ لوہا شیشے سے اچھا ہے لیکن ممکن ہے کہ کاری گری سے شیشے کی کوئی ایسی چیز بنائی جائے جو لوہے کی بنی ہوئی چیز سے اچھی ہو۔ جیسا کہ ہم کہہ دیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوحؑ کے بیٹے سے اچھے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کے بیٹے تھے جو ایک کافر تھا اور حضرت نوحؑ کے بیٹے ایک نبی کے بیٹے تھے اور اس کا دوسرا اصل بھی کہ میں اچھی چیز سے پیدا کیا گیا ہوں۔ یعنی آگ سے جو کہ مٹی سے بہتر ہے ماننے کے قابل نہیں بلکہ مٹی آگ سے بہتر ہے کیونکہ مٹی اور پانی کی آمیزش سے حیوانات اور نباتات کا قوام ہے۔ اور اسی سے دونوں کی نشوونما ہوتی ہے برخلاف اس کے آگ ان میں بگاڑ پیدا کرتی ہے اور ان دونوں کو ہلاک کرتی ہے۔ اس سے شیطان کا یہ کہنا کہ آگ مٹی سے اچھی ہے غلط ثابت ہوا یہ ترازو شکل و صورت میں صحیح معلوم ہوتے ہیں بلحاظ مادہ خراب ہیں ان کی مثال لکڑی کی تلوار کی سی ہے کہ شکلو صورت تلوار کی سی ہے لیکن کام تلوار کا نہیں دیتی بلکہ یہ ترازو بمنزلہ سراب ہیں کہ

Marfat.com

یہاں انھیں پانی کا قطعہ خیال کر کے جب قریب آتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا یہی حال قیامت کے دن اہل تعلیم کا ہوگا جبکہ ان کے ترازوں کی حقیقت ان پر منکشف ہوگی یہ بھی ایک رستہ ہے جس سے شیطان داخل ہوتا ہے ضروری ہے کہ اس راہ کو بند جائے۔ بلکہ صحیح مادہ جو نظری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا اصل قطعی طور پر معلوم ہونا چاہیے۔ خواہ اس سے خواہ تجربہ سے خواہ تواتر کامل سے یا عقل سے یا ان تمام کے نتیجہ سے۔ لیکن جو محاجہ ومجادلہ میں استعمال ہوتا ہے حریف اس کا اعتراف کرتا ہے۔ اور اسے تسلیم کرتا ہے۔ اگر فی نفسہٖ معلوم نہ ہو تو اس کے لئے حجت ہو جاتی ہے اسی طرح قرآن شریف کی بعض دلیلیں ہیں۔ اگر تمہیں قرآن شریف کی بعض دلیلوں کے اصول میں کسی قسم کا شک وشبہ ہو تو اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ ان لوگوں پر وارد ہوئیں جو ان کا اعتراف کرتے تھے۔

اس بارے میں جناب سرور کائنات ﷺ اور آنحضرت کی امت کے علماء کے ہوتے امام معصوم کی ضرورت نہیں اور یہ کہ معجزات کے لحاظ سے جو آنحضرت کی سچائی ظاہر ہوتی ہے اس سے زیادہ واضح اور واثق طریق سے آنحضرت نبی برحق ہیں۔ اور یہ عارفوں کا طریقہ ہے۔

رفیق :۔ آپ نے شفا مکمل طور پر کی ہے پردہ اٹھا دیا ہے، اور ید بیضا کر دکھلایا ہے لیکن شہر برباد کر کے محل بنایا ہے۔ اب تک تو آپ سے میں امید کرتا تھا کہ میں آپ سے بذریعہ ترازو وزن کرنا سیکھوں۔ اور آپ کے اور قرآن شریف کے ذریعہ امام معصوم سے بے پرواہ ہو جاؤں لیکن اب جب آپ نے غلطی کے دقیق موقعوں کو بیان فرمایا تو مجھے اس پر مستقل رہنے سے ناامیدی ہوگئی کیونکہ اگر میں وزن کرنے لگوں تو ضروری ہے کہ کہیں غلطی کھا جاؤں اب مجھ پر

Marfat.com

واضح ہو گیا کہ ان مذاہب میں انسانوں کا کیوں اختلاف ہے۔ وہ اس واسطے مختلف الرائے ہیں کہ وہ ان باریکیوں کو ایسی اچھی طرح نہیں سمجھے جیسا آپ سمجھے ہیں۔ اس لئے بعض درستی پر ہیں اور بعض غلطی پر۔ اب میرے لئے سب سے نزدیک رستہ یہ ہے۔ کہ میں امام معصوم کا سہارا لوں۔ تا کہ میں ان دقائق سے بچ جاؤں۔

مصنف: بھائی۔ امام صادق کی شناخت تمہارے لئے ضروری نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو والدین کی تقلید پر منحصر ہے یا ان ترازوں میں سے وزن کی گئی ہے کیونکہ ہر ایک علم اولیہ نہیں ہوتا وہ صاحب علم کے نفس میں ان ترازوں سے وزن کیا ہوا ہوتا ہے اگر چہ اسے معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ تمہیں میزان تقدیر کی صحت اپنے ذہن میں دو اصولوں کے انتظام سے معلوم ہوئی ہے جن میں سے ایک تجربی ہے دوسرا حسی یہی حالت عام لوگوں کی ہے کہ وہ اسے جانتے نہیں مثلاً جو شخص جانتا ہے کہ یہ جانور حاملہ نہیں۔ کیونکہ وہ خچر ہے یہ بات اسے دو اصولوں سے معلوم ہوئی ہے جو ہم نے صدر کتاب میں بیان کیے ہیں اگر چہ اسے اس علم کے نکلنے کی جگہ معلوم نہیں اسی طرح جہان میں تمام علوم انسان کو حاصل ہوتے ہیں ایسا ہی اگر تم نے امام صادق بلکہ جناب سرور کائنات ﷺ میں عصمت کا اعتقاد اخذ کیا ہے۔ تو محض والدین اور رفیقوں کی تقلید سے یہود، نصاریٰ اور مجوس سے تمیز نہیں کیا کیونکہ وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے اگر ان ترازوں سے وزن کر کے عصمت کا اعتقاد حاصل کرنا چاہو تو شاید کسی دقیق کے دریافت کرنے میں تم نے غلطی کھائی ہو ضروری ہے کہ تم اپنے زعم پر یقین نہ کرو۔

رفیق: آپ سچ فرماتے ہیں لیکن اب مجھے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ آپ نے دو طریقے یعنی تعلیم اور وزن بند کر دیے ہیں۔

مصنف: افسوس! تم قرآن شریف کی طرف رجوع کرو۔ اس نے تمہیں طریقہ سکھایا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون" جو لوگ پرہیزگار ہیں جب کبھی شیطان کی طرف کا کوئی خیال ان کو چھو بھی جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں یعنی پردہ غفلت ان کی آنکھوں سے دور ہو جاتا ہے تو وہ اسی دم راہ ثواب دیکھتے ہیں یہ نہیں کہا کہ امام معصوم کی طرف جاؤ کیونکہ وہ خود مبصر ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ معارف بکثرت ہیں۔ اگر تم ہر مشکل کے وقت امام معصوم کی طرف سفر کرو تو تمہارا رنج بڑھ جائے گا۔ اور علم کم ہو جائے گا۔ تمہارا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ تم مجھ سے وزن کرنے کی کیفیت سمجھ لو اور ان شرائط کو پورا کرو اگر کوئی مشکل بات پیش آ جائے تو

Marfat.com

اسے ترازو سے تولو اور شرائط کی بابت سوچ بچار کرو تو تمہیں سیدھی راہ ہاتھ آجائے گی اور تم مبصر ہو جاؤ گے اس کی مثال یوں ہے کہ اگر بالفرض دکاندار سے تم نے یا تم سے دکاندار نے کچھ لینا ہے۔ یا فرائض کا کوئی مسئلہ تقسیم ہے اور تمہیں اس کے درست یا غلط ہونے میں احتمال ہے تو اس صورت میں اگر تم امام صادق کی طرف سفر کرو تو محض تکلیف کا باعث ہوگا۔ اس کا فیصلہ علم حساب کا جاننے والا بخوبی کر سکتا ہے جب اس سے بار بار پوچھو گے اور وہ تمہیں سمجھائے گا تو تمہیں پورا یقین ہو جائے گا کہ واقعی یہ غلطی تھی لیکن یہ بات وہی شخص کر سکتا ہے جو علم حساب سے بخوبی واقف ہو۔ اور ایسا ہی وہ شخص جو اس سے وزن کرنا جانتا ہے جیسا کہ میں جانتا ہوں۔ بار بار اس سے ذکر کرنے، سوچنے اور یکے بعد دیگر غور کرنے سے ضروری یقین آجائے گا کہ واقعی اس میں یہ غلطی تھی لیکن اگر یہ طریقہ نہ برتو گے تو یاد رکھو کبھی تمہاری بہتری نہ ہوگی اور شاید اور ممکن ہے کہ شک وشبہ میں رہو گے شاید تم نے امام بلکہ نبی جس پر ایمان لائے ہو کی تقلید کرنے میں غلطی کی ہو۔ کیونکہ نبی ﷺ کی سچائی کی شناخت ضروری نہیں۔

رفیق:۔ آپ نے اس بات کے سمجھانے میں میری مدد کی، کہ تعلیم حق ہے اور یہ کہ جناب سرور کائنات ﷺ امام ہیں اور میں مان گیا ہوں کہ ہر ایک کے لئے یہ ضروری نہیں کہ نبی ﷺ ہی سے علم حاصل کرے اس بات کو ترازو کی پہچان سے حاصل کر سکتے ہیں اور یہ کہ تمام ترازوں کی شناخت آپ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے گویا آپ امام خاص ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تو امام خاص ہونے کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ اور آپ کا معجزہ کیا ہے کیونکہ میرے امام کو یا تو معجزہ حاصل ہے یا اپنے آباواجداد سے نص سو آپ کا معجزہ یا نص کہاں ہے؟

مصنف:۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں امام خاص ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ ٹھیک نہیں کیونکہ میں خواہش کرتا ہوں کہ اس معرفت میں کوئی اور شخص میرا شریک بنا و ممکن ہے کہ اس سے بھی ایسی باتیں سیکھو جو مجھ سے سیکھی ہیں میں تعلیم کو اپنے لئے وقف نہیں کرتا اور یہ جو تم نے کہا کہ میں امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں سو واضح رہے کہ امام سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے بذریعہ جبرائیل علیہ السلام تعلیم حاصل کرے اور یہ بات مجھ میں نہیں پائی جاتی اور نہ میں اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر امام سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے جبرائیل علیہ السلام کے وسیلہ کے بغیر تعلیم حاصل کرے یا جبرائیل علیہ السلام سے بوسیلہ جناب سرور کائنات ﷺ اسی واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو امام کہتے ہیں کیونکہ آپ نے جناب سرور کائنات ﷺ سے براہ راست سیکھا ہے نہ کہ جبرائیل سے، ان معنوں کے لحاظ سے میں بھی امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں اس

Marfat.com

بارے میں میری برہان نص سے زیادہ واضح ہے۔ اور معجزہ کے معتقد ہو۔ ان میں سے تین بہت عمدہ ہیں۔ اگر وہ تیرے نزدیک دعویٰ کریں کہ وہ قرآن شریف حفظ کرتے ہیں جب میں نے پوچھا کہ تمہاری دلیل تو ان میں سے ایک نے کہا میری دلیل یہ ہے کہ وہ مقرئین کے استاد علی الکسائی کا نص ہے۔ اور وہ میرے استاد کا اور میرا استاد میرے لئے نص ہے دوسرے نے کہا میں نے عصا کو سانپ بنایا، سو عصا سانپ بن گیا تیسرے نے کہا میری برہان یہ ہے کہ میں تمہارے روبرو بغیر قرآن شریف دیکھے سارا قرآن سنا سکتا ہوں۔ ان تینوں میں سے کون سی برہان زیادہ واضح ہے اور آپ کس کو زیادہ سچی مانتے ہیں اس نے کہا جو قرآن شریف پڑھتا ہے کیونکہ وہ قرآن کی غایت ہے کیونکہ اس میں مجھے شک وشبہ کی گنجائش نہیں لیکن استاد کا اس پر نص ہونا اور علی الکسائی کا اس کے استاد پر نص ہونا ممکن ہے۔ کہ اس میں کوئی غلطی ہو خصوصاً جبکہ زمانہ بہت گزر چکا ہے۔ آیا عصا کو سانپ میں تبدیل کرنا مشکل ہے کہ اس نے حیلہ اور فریب سے کیا ہو۔ اگر حیلہ وفریب نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے عجیب کام کیا۔ لیکن یہ کہاں لازم آتا ہے کہ جو فعل عجیب پر قادر ہو وہ قرآن شریف کا حافظ ہو۔

مصنف: میری برہان بھی ایسی ہے میں نے ان ترازوں کو پہچانا تم نے بھی پہچانا سمجھا اور تمہارے دل سے شک رفع ہوا۔ اس لئے اب تمہیں میرے امام ہونے پر ایمان لانا چاہیے جیسا کہ جب تم استاد سے حساب سیکھتے ہو تو تمہیں علم حساب آ جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ تمہارا استاد حساب دان ہے۔ اسی طرح مجھے بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت موسیٰؑ کے نبی برحق ہونے کا ایمان ہے۔ لیکن یہ ایمان شق القمر اور عصا کا سانپ بنا دینے پر مبنی نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سوں کا شبہ پڑتا ہے سو اس پر یقین نہیں ہو سکتا بلکہ جو عصا کا سانپ میں تبدیل ہونا یقین کرتا ہے وہ بچھڑے کی آواز کا قائل نہیں۔ کیونکہ عالم حس اور عالم شہادت میں تعارض بکثرت ہیں۔ بلکہ یہ ایمان ترازوؤں کے استعمال پر مبنی ہے میں نے قرآن شریف سے ان ترازوؤں کو اخذ کیا اور پھر ان سے تمام معارف الٰہی کا وزن کیا نہ صرف معارف الٰہی کا بلکہ میعاد کے اصول عذاب قبر بدکاروں کے عذاب فرمانبرداروں کے ثواب وغیرہ کا وزن کیا جیسا کہ میں نے جواہر القرآن میں بیان کیا ہے۔ سو یہ تمام باتیں مجھے ٹھیک اسی طرح معلوم ہوئیں جیسی قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں یا جیسی اخبار ہیں اس لئے مجھے یقین ہو گیا کہ واقعہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن شریف دونوں سچے ہیں اور میں نے ویسا ہی کیا جیسا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے انسانوں سے حق نہیں پہچانا جاتا وہی حق پہنچاتا ہے جو اس کے اہل کو

Marfat.com

پہنچاتا ہو جناب سرور کائنات ﷺ کے نبی برحق ہونے کی شناخت میں نے کی ہے وہ ایسی ہی ضروری ہے جیسی کہ تم کسی بدوی کو فقہ کے کسی مسئلہ کے بارے میں مناظرہ کرتے ہوئے دیکھو جو اسے بخوبی سرانجام دے رہا ہو اور صحیح اور صریح فقہ بیان کرتا ہو تو تمہیں اس کے فقیہ ہونے میں شک نہیں ہوگا اور جو یقین تمہیں اس کے فقیہ ہونے کا تمہیں اس طرح حاصل ہوگا وہ ہزار اعضاء کو سانپ میں بدلنے سے بھی حاصل نہ ہوگا کیونکہ مؤخر الذکر میں جادو، مکر، طلسم اور ہاتھ کی صفائی وغیرہ کا احتمال ہو سکتا ہے ان میں اور ان چیزوں کا علم اور ان کے معجزہ ہونے کا علم قرآن شریف سے حاصل نہیں ہوتا مگر بڑی غور اور بحث کے بعد اور اس سے ایمان ضعیف حاصل ہوتا ہے وہ علوم اور متکلمین کا ایمان ہے لیکن صاحب مشاہدہ جو مشکوٰۃ ربوبیت سے دیکھتے ہیں ان کا ایمان ان جیسا نہیں ہوتا۔

رفیق:۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کی طرح جناب سرور کائنات ﷺ کو پہچانوں یہ آپ نے فرمایا ہے کہ یہ بات اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک معارف الٰہی کو ان ترازوؤں سے وزن نہ کیا جائے اور مجھے یہ واضح نہیں ہوا کہ کیا تمام دینی معارف بھی اس سے وزن کیئے جا سکتے ہیں میں اسے کس طرح معلوم کروں؟۔

مصنف:۔ افسوس! میں نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ میں نے ان سے صرف دینی معارف کا وزن کر سکتا ہوں بلکہ ان سے میں علوم حسابیہ ہندسہ، طبعیہ، فقیہہ، کلامیہ بلکہ ہر ایک علم حقیقی غیر وضعی فانی کے حق و باطل کو تمیز کر سکتا ہوں اور کیونکر نہ کروں جبکہ یہ قسطاس المستقیم ہے اور ایسا ترازو ہے جو قرآن اور کتاب کا رفیق ہے قولہ تعالیٰ۔ "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط" ہم نے واقعی اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو اتارا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں تجھے میرا اس پر قادر ہونا نص سے نہ معجزہ سے باور ہو سکتا ہے ہاں تجربہ اور آزمائش سے تمہیں یقین آ سکتا ہے جیسے اگر گھوڑے کی سواری کا مدعی ہو تو اس کی صداقت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں نہ دوڑائے ہاں علوم دینیہ میں سے اگر چاہتے ہو کہ تمہاری مشکلات حل کر دوں تو میں ایک ایک کر کے حل کر سکتا ہوں اور ان ترازوؤں سے وزن کر کے دکھا سکتا ہوں پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ وزن صحیح ہے اور اس سے تمہیں جو علم حاصل ہوگا وہ یقینی ہوگا جو شخص آزمائش نہیں کرتا وہ پہچان نہیں سکتا۔

رفیق:۔ کیا آپ کے لئے ممکن ہے کہ آپ تمام الٰہی حقائق و معارف ساری خلقت کو

Marfat.com

سمجھا دیں تاکہ ان کے باہمی اختلاف اٹھ جائیں۔

مصنف:۔ آہ! میں اس بات پر قادر نہیں کیا تمہارے امام معصوم نے اب تک خلائق کے باہمی اختلاف اور شکوک کو رفع کیا اور مشکلات کو ان کے دل سے نکالا یہ بات تو انبیاء سے بھی نہیں ہو سکی بلکہ اختلاف خلق تو ایک ازلی اور ضروری حکم ہے اور یہ اختلاف بدستور قائم رہے گا ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے اسی واسطے وہ پیدا کیے گئے ہیں اور تمہارے پروردگار کا حکم تمام ہوا کیا میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ قضائے ازلی کو رد کروں یا اس کے روکنے کا تمہارا امام معصوم دعویٰ کر سکتا ہے اگر اسے دعویٰ تھا تو پھر اس وقت دنیا میں اختلاف موجود کیوں ہے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ رئیس الامۃ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلقت کے باہمی اختلافات کو رفع کرنے کا سبب ہوتے یا کوئی ایسی بنیاد قائم کرتے کہ ہمیشہ کے لئے اختلاف اٹھ جاتا۔

اختلافات کی تاریکی سے خلقت کو نجات دلانے کے بیان میں

رفیق:۔ خلقت ان اختلافات سے کیسے نجات پا سکتی ہے؟

مصنف:۔ اگر وہ مجھ سے کلام الٰہی سن لیں تو ان کا باہمی اختلاف جاتا رہے لیکن وہ کسی طرح بھی نہیں سنتے کیونکہ انھوں نے پیغمبروں کی سنی نہ تمہارے امام کی جب پیغمبر اور امام کی نہ سنی تو میری کیونکر سن سکتے ہیں۔ نیز جب ازل سے ہی ان کے حق میں لکھا گیا ہے کہ ان کے مابین اختلاف رہے گا سوائے اس شخص کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے تو پھر کیونکر میری سن سکتے ہیں ان کے مابین اختلاف کا ہونا ضروری اس وقت معلوم ہوگا جب تم کتاب جواب مفصل الخلاف کا مطالعہ کرو گے اور وہ بارھویں فصل ہے۔

رفیق:۔ اچھا اگر بالفرض سنیں بھی تو کس طرح سناؤ گے؟

مصنف:۔ میں انھیں صرف ایک آیت پر عمل کراؤں اور وہ یہ ہے۔ قولہ تعالیٰ " وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید ...." اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان اتاری تاکہ انسان انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے اتارا لوہا...... " اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں واسطے اتاریں کہ آدمی بھی تین

Marfat.com

قسم کے ہیں اور کتاب لوہے اور میزان سے ایک ایک قسم کا علاج ہو سکتا ہے۔

رفیق:۔ وہ اقسام کونسی ہیں۔ اور ان کا علاج کیا ہے؟

مصنف:۔ آدمی تین قسم کے ہیں۔

اول عوام: یہ اہل سلامت اور اہل جنت ہیں؟

دوم خواص: اہل ذکا و بصیرت، ان کے بین بین ایک گروہ ہے جو اہل جدل ہیں کتاب سے ملتی جلتی چیز کی پیروی کرتے ہیں تاکہ فساد برپا ہو جو خواص ہیں ان کا علاج میں اس طرح کر سکتا ہوں کہ ان کو انصاف کے ترازو اور ان سے وزن کرنا بتلاؤں اس طرح کرنے سے انکا باہمی اختلاف رفع ہو سکتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن میں تین صفات جمع ہیں ایک طبع رسا اور سرشت قوی.......... اس کا حاصل کرنا ممکن نہیں یہ قدرتی اور پیدائشی ہوتی ہے دوسرے ان کے باطن تقلید اور ہٹ دھرمی جو موروثی اور سنا ہوا ہے سے خالی ہوتے ہیں کیونکہ مقلد سنتا ہے اور کند ذہن جو کچھ سنتا ہے سمجھتا نہیں تیسرا یہ یقین کرتے ہیں کہ ہم اہل بصیرت میزان سے اچھی طرح واقف ہیں اور جس شخص کا تیری نسبت یہ یقین ہے کہ تجھے حساب نہیں آتا تو یہ ممکن ہی نہیں کہ تجھ سے کچھ سیکھ سکے دوسری قسم سادہ لوح جو عوام الناس ہیں جنہیں حقائق کے سمجھنے کے لئے عقل حاصل نہیں اور اگر قدرتی طور پر ہے تو بھی طلب حقائق کی خواہش نہیں بلکہ وہ صنعت وحرفت میں مشغول ہیں اور برخلاف ان لوگوں کے جو باوجود علم کو نہ سمجھ سکنے کے کیاست سے کام لیتے ہیں جدل کی خواہش نہیں پائی جاتی ایسے لوگ مختلف رائے نہیں ہوتے البتہ ایسا کرتے ہیں کہ مختلف اماموں میں سے اچھے کو چننا چاہتے ہیں سو ایسے لوگوں کو میں اللہ تعالیٰ کی طرف وعظ و نصیحت کے ذریعہ بلاتا ہوں جیسا کہ اہل بصیرت کو حکمت سے اور اہل شغب کو مجادلہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو ایک ہی آیت میں جمع کر دیا ہے جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں ان لوگوں کو میں وہی بات کہوں گا جو جناب سرور کائنات ﷺ نے ایک اعرابی کو فرمائی تھی جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ملتمس ہوا تھا کہ مجھے علم کے عجائب وغرائب سکھائیں اور آنحضرت نے ان سے فرمایا تھا کہ ابھی تجھ میں اس بات کی قابلیت نہیں پہلے علم کا سر یعنی ایمان تقوی اور آخرت کی تیاری سیکھ اور اس پر عمل کر تب میرے پاس آنا پس تمہیں عجائبات علم تعلیم کروں گا سو میں بھی عوام کو کہوں گا کہ اختلاف میں غور کرنا تمہارا کام نہیں اگر تم اس پر غور و خوض کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے کیونکہ جب تم اپنی عمر سنار کے کام میں صرف کرو گے تو جولاہے کا کام کیونکر کر سکو گے تو اہل علم کیونکر ہو سکتے ہو۔ اور نکات علمی پر کیونکر غور و خوض کر سکتے ہو خبردار!

Marfat.com

ایسا کبھی نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے عوام الناس سے جو کبیرہ سرزد ہوتے ہیں ان میں سے سب سے بری بات یہ ہے کہ علم میں غور کرے اور نہ سمجھ آنے پر انکار کر کے کفر میں شامل ہوا گر وہ مجھ سے یہ بات کہے کہ ضروری ہے کہ جس دین کا میں معتقد ہوں اور جس پر میرا عملدرآمد ہے اس کے ذریعہ میں مغفرت حاصل کروں اور لوگ مختلف دینوں کے بارے میں مختلف الرائے ہیں مجھے کونسا دین اختیار کرنے کے لئے اختیار دیتے ہیں تو میں اسے کہوں گا کہ دین اصول وفروع ہے اور ان دونوں میں اختلاف ہے رہا اصول سو جو کچھ قرآن شریف میں ہے صرف اسی پر اعتقاد کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنی صفات اور اپنے اسماء چھپا نہیں رکھے تمہارے لئے لازم ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حی، عالم، قادر، سمیع، بصیر، جبار، متکبر، قدوس اور بے مثال وغیرہ وغیرہ جو قرآن شریف میں وارد ہوا ہے اور جس پر اماموں کا اتفاق ہے دین کی صحت کے لئے اسی قدر کافی ہے اور اگر شبہ پڑ جائے تو کہدو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اسے ہم مانتے ہیں اور صفات، اثبات اور بہ سبب غائیت تعظیم ان کی نفی تقدیس مع نفی مماثلت پر ہمارا ایمان ہے اور یہ کہ اس جیسا کوئی نہیں اس قدر اعتقاد کے بعد قیل وقال کی طرف دھیان نہ کرو کیونکہ نہ تو قیل وقال کی طرف متوجہ ہونے کا تمہیں حکم ملا ہے اور نہ ہی تمہاری طاقت میں ہے کہ تم ان معلومات پر غور کر سکو اگر وہ یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ عالم بالذات ہے یا اس سے زیادہ واقفیت ہے اس میں اشعریہ اور معتزلہ کا اختلاف ہے تو وہ عوام کی حد سے خارج ہے کیونکہ عامی کا دل ایسی باتوں کی طرف مائل نہیں ہوتا جب تک شیطان اسے حرکت نہ دے۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا تاوقتیکہ انہیں بدل نہ دے اور ایسا ہی خبر میں بھی ہے اور جب میں اہل جدل سے ملونگا تو ان کے علاج کا بھی عنقریب ذکر کروں گا میں انہیں اصول کے بارے میں وعظ ونصیحت نہیں کروں گا بلکہ میں انہیں کتاب الٰہی کا حوالہ دونگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب میزان اور لوہا اتارا ہے رہا فروع، سو اس کی نسبت تو میں یہ کہوں گا کہ جو اختلاف کے مواقع ہیں ان کی طرف اپنے دل کو اس وقت تک مشغول ہی نہ کروں جب تک تم متفق علیہ باتوں سے فارغ نہ ہو جاؤ تمام امت کا اجماع ہے کہ آخرت کا توشہ تقویٰ اور ورع ہے اور یہ کہ حرام اور مال حرام کا حاصل کرنا غیبت، چغلی، زنا، چوری، خیانت، وغیرہ ممنوع ہیں اور فرائض سب کے سب واجب ہیں اگر تم ان سب سے فارغ ہو جاؤ تو پھر میں تمہیں خلاق سے بچنے کا طریقہ سکھاؤنگا اگر وہ ان باتوں سے فارغ ہونے سے پہلے مجھ سے وہ طریقہ سیکھنا

Marfat.com

چاہے جس کے ذریعہ اختلاف سے بچ سکتا ہے تو وہ جدلی ہے نہ کہ عامی ان باتوں سے فارغ ہو کر خلاف کے موقعوں کی طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا کیا تم نے اپنے رفیقوں کو دیکھا ہے کہ وہ ان تمام باتوں سے فارغ ہو کر خلاف کے اشکال کی طرف مائل ہوئے ہیں کبھی اپنے خلاف میں ان کی عقلوں کی کمزوری بعینہ اس مریض کی عقل کی کمزوری سے ملتی ہے جو شدید مرض میں مبتلا ہو اس کا علاج وہ چیز ہو جس پر اطباء کا اتفاق ہے اور وہ یہ کہے کہ نہیں کہ بعض دواؤں کے گرم یا سرد ہونے کے بارے میں اطباء مختلف الرائے ہیں تو اس وقت تک اپنا علاج نہ کراؤں گا جب تک مجھے کوئی ایسا شخص نہ ملے جو یہ بتائے یہ اختلاف الرائے کیونکر رفع ہوسکتا ہے تقویٰ کی حدود سے فارغ ہونے کے بغیر اس کی صحت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔

رفیق: اب مجھے مسائل میں مشکل پیش آئی ہے مجھے معلوم نہیں کہ میں قے نکسیر اور لمس کے بعد وضو کروں یا نہ کروں اور یہ کہ ماہ رمضان میں روزے کی نیت رات کو کروں یا دن کو وغیرہ وغیرہ۔

مصنف: اگر تم آخرت میں امن وامان کے خواہش مند ہو احتیاط کے طریقے پر کار بند رہو ایسی بات اختیار کرو جس پر سب کا اتفاق رائے ہے تمام مختلف فیہ حالتوں میں وضو کرو کیونکہ ہر چیز جو واجب نہیں مستجب ہے ماہ رمضان میں روزے کی نیت کرو کیونکہ جو واجب نہیں مستجب ہے اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ احتیاط تمہارے لئے دوبھر ہے اور تمہیں بعض مسائل کی نفی اثبات کا ٹھیک علم نہیں ہے اور یہ کہ صبح کے وقت قنوت پڑھو یا بسم اللہ جہر پڑھو یا نہ تو ان سب باتوں کا جواب میں یہ دوں گا کہ تم ایسی حالت میں اجتہاد سے کام لو اور اماموں کی نسبت غور کرو جو تمہاری رائے میں کونسا افضل ہے اور تمہاری دانست میں کون زیادہ راستی پر ہے جیسا کہ اگر تم بیمار ہو جاؤ اور شہر میں کوئی کئی طبیب رہتے ہوں تو ایسے طبیب کا علاج پسند کرو گے جو تمہارے خیال میں سب سے اچھا ہے ایسی صورت میں تم اجتہاد سے کام لو گے نہ کہ خواہش اور طبع سے سوا اسی قسم کا جو اجتہاد تمہارے اجتہاد دین کے معاملہ میں تمہارے لئے کافی ہے جو تمہارے خیال میں غالب ہو اسی پر کار بند ہو کیونکہ اس بارے میں اگر اجتہاد راستے پر ہو گا تو اسے دو اجر ورنہ ایک تو ضرور ملے گا جیسا کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''من اجتهد فاصاب فله اجران ومن اجتهد فاخطاء فله اجر واحد'' جس نے اجتہاد سے کام لیا اور درستی پر نکلا تو اسے دو اجر اور اگر چوک گیا تو اسے ایک اجر ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کی تعلیم کے لئے جو نتیجے نکالتے ہیں

Marfat.com

اجتہاد سے کام لینے کو پسند فرمایا ہے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے معاذؓ سے پوچھا کہ تم کس کے مطابق حکم کرتے ہو تو عرض کیا کہ اللہ کی کتاب کے بموجب، فرمایا اگر تمہیں نہ مل سکے عرض کیا سنت نبوی ﷺ کے مطابق فرمایا اگر یہ بھی میسر نہ ہو عرض کیا ایسی صورت میں اجتہاد سے کام لیتا ہوں فرمایا تم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے پہلے ہی اس پر عمل کرنا شروع کر دیا پھر اجازت عنایت کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسول خدا کے قاصد کو رسول خدا کی مرضی کے مطابق توفیق دی گئی ہے اس سے تم اندازہ کرلو کہ رسول اللہ ﷺ معاذؓ وغیرہ سے خوش ہوئے جیسا کہ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ میں خود ہلاک ہوا اور دوسرے کو ہلاک کیا میں نے رمضان کو دن کے وقت اپنی بیوی سے مجامعت کی فرمایا ایک غلام آزاد کرو پس اس سے سمجھ لو کہ اگر ترکی یا ہند سے بھی ایسا ہو جائے تو اسے بھی غلام آزاد کرنا لازم آتا ہے اور یہ اس واسطے ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے لئے مکلف نہیں کہ وہ بالضرور راستی پر ہوں کیونکہ ایسا کرنا ان کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی وہ ایسی بات کے لیے مکلف ہیں جس کی طرف درست ہونے کا ظن ہوتا ہے مثلاً نماز میں اس بات کے لئے مکلف نہیں کہ کپڑے پاک ہوں بلکہ اس بات کے لیے مکلف ہیں کہ انھیں خیال ہو کہ کپڑے پاک ہیں چنانچہ اگر اثنائے نماز میں پلیدی یاد دلائی جائے تو نماز کا قضا کرنا لازم نہیں آتا جیسا کہ ایک مرتبہ جناب رسول اکرم ﷺ نعلین سمیت نماز ادا فرما رہے تھے تو آپؐ نے جبرائیل کی اطلاع کے مطابق کہ اس پر کچھ پلیدی ہے پائے مبارک سے اتار دیا لیکن نماز دوبارہ ادا نہ فرمائی اور نہ از سر نو شروع کی اسی طرح اس کی تکلیف نہیں دی گئی قبلہ رو ہو کر نماز ادا کی جائے بلکہ اس طرف رخ کر کے جس کی طرف گمان ہو کہ ادھر قبلہ ہے اور وہ بھی پہاڑوں ستاروں اور سورج کی طرف دیکھ کر اگر ایسی صورت میں گمان درست نکلا تو دو ثواب ورنہ ایک تو ضرور ملے گا۔

ایسا ہی فقیر کو زکوۃ کے لیے مکلف نہیں بلکہ وہ شخص مکلف نہیں جس کی نسبت گمان ہو کہ وہ فقیر ہے کیونکہ حقیقت میں ان چیزوں کا معلوم کرنا دشوار ہے اسی طرح خون گرانے اور فروج کو حلال قرار دیتے وقت قاضی اس بات کے لئے مکلف نہیں کہ وہ اس مطلب کے لیے ضرور سچے گواہ لیں بلکہ ان گواہوں کی مظنونہ سچائی کے لیے مکلف ہیں اگر محض گواہوں کی مظنونہ سچائی سے خون گرانے کا حکم دے تو ممکن ہے غلطی پر ہو جبکہ خون گرانا اور فروج کا جائز کرنا اجتہاد سے ہو سکتا ہے تو کیا نماز ہی جائز نہیں ہو سکتی نہیں معلوم تمہارے رفیق اس بارے میں کیا کہتے ہیں وہ یہ کہیں کہ اگر قبلہ کے بارے میں شبہ پڑ جائے تو نماز از سر نو ادا کر دیا ایسی صورت میں سفر کر

Marfat.com

کے امام کے پاس جانا اس سے پوچھنا اور اسے اس درستی کی تکلیف دینا جس کی اسے طاقت نہیں جائز ہے یا ایسے شخص سے اجتہاد کرو جس کے لئے اجتہاد ممکن نہیں کیونکہ وہ قبلہ کی دلیلوں اور ستاروں اور پہاڑوں اور ہوا سے استدلال نہیں کر سکتا۔

رفیق:۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایسی صورت میں ضرور اجتہاد کی اجازت دیگا پھر کوئی گناہ نہیں اگر وہ کنہ مجہودہ سے کام لے خواہ وہ اس میں غلطی پر ہو یا قبلہ کے سوا کسی اور طرف رخ کر کے نماز ادا کرے۔

مصنف:۔ جو شخص قبلہ کے بغیر کسی اور طرف نماز ادا کر کے معذور اور ماجور ہو سکتا ہے تو یہ بعید از عقل وقیاس نہیں کہ جو سارے اجتہادات میں غلطی کرے معذور نہ ہو اور ان کے مجتہد اور مقلد سب کے سب معذور ہوں بعض ان میں سے درستی پر اور بعض غلطی پر ایسے اشخاص بلحاظ ثواب قریب قریب ہیں (کیونکہ بعض کو ایک بعض کو دو ثواب ملتے ہیں) انھیں آپس میں جھگڑنا نہ چاہیے اگر بعض آپس میں ہٹ دھرمی سے کام لیں تو یہ ضروری ہے کہ ان میں سے ایک غلطی پر ہے اور دوسرا راستی پر مثلاً اگر دو مسافر قبلہ کے بارے میں اجتہاد سے کام لیں اور اس اجتہاد میں اختلاف رائے رکھتے ہوں اور وہ اپنی اپنی مظنونہ جانب رخ کر کے نماز ادا کریں اور ایک دوسرے پر اعتراض کریں یا آپس میں انکار کریں تو وہ دونوں حق بجانب ہیں کیونکہ وہ دونوں مظنونہ جانب کے لئے مکلف ہیں ٹھیک قبلہ کی طرف رخ کرنا اللہ ہی کو معلوم ہے دور کے اشخاص اس بات پر قادر نہیں ایسا ہی معاذؓ یمن میں اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے تو اس خیال سے نہیں کہ آپ غلطی پر ہیں بلکہ یہ اعتقاد کر کے کہ اگر مجھ سے خطا بھی ہوئی تو میں معذور سمجھا جاؤں گا اور یہ اس لئے ہے کہ بعض شرعی وضعی امور ایسے ہیں جن میں شرائع کا اختلاف ہے وہ اس وجہ سے کہ ان میں ان کا مظنونہ نقیض بھی ہوتا ہے یہی نقیض اختلاف کا باعث ہے اور جن امور میں شرائع کا تغیر نہیں ان میں اختلاف بھی نہیں اتباع وسنت کے اسرار میں اس فصل کی حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے جس کو میں نے جواہر القرآن میں اعمال ظاہرہ کا بیان کرتے ہوئے دسویں اصل میں لکھا ہے۔

رہی تیسری قسم اور وہ اہل جدل ہیں سو میں انھیں حق کی طرف نرمی سے بلاتا ہوں یہاں نرمی سے میری مراد ہے کہ میں ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتا اور ان پر سختی نہیں کرتا اور نہ جھڑکتا ہوں بلکہ سب سے عمدہ جدل جو ہو سکتا ہے استعمال کرتا ہوں مجادلہ بالاحسن کے یہ معنی ہیں کہ میں ایسے اصولوں کو لیتا ہوں جنہیں اہل جدل تسلیم کرتے ہیں پھر میں ان سے میزان

Marfat.com

محقق کے ذریعہ حق نتیجہ اس طرح برآمد کرتا ہوں جیسا کہ میں نے "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں بیان کیا ہے اور اگر اس پر بھی قناعت نہیں کرتے اور زیادہ واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں تو میں انھیں ترازاوں کا استعمال سمجھاتا ہوں اگر پھر بھی کند ذہنی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قناعت نہ کریں اور اپنے تعصب عناد اور جھگڑے پر اڑے رہیں تو پھر ان کا علاج لوہے سے کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوہے اور ترازو کا ذکر کتاب کے قریب ہی کیا ہے تاکہ اس سے انسان سمجھ جائے کہ تمام خلقت انصاف پر صرف انھیں تین چیزوں کے ذریعے قائم رہ سکتی ہے کتاب عوام کے لئے ہے جو اس چیز کی پیروی کرتے ہیں جو کتاب سے مشابہت رکھتی ہے اور ایسا کرنے میں ان کی خواہش فتنہ وفساد اور تاویل کی ہو اور وہ جانتے ہیں یہ ان کی شان سے بعید ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی تاویل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے یا جید عالموں کے اور کوئی نہیں جانتا اہل جدل سے میری مراد وہ لوگ ہیں جن میں عقلمندی زیادہ ہے اور جس کی وجہ سے وہ عوام الناس کی نسبت ترقی کرتے ہیں لیکن ان کی عقل مندی ناقص ہے گو بلحاظ فطرت کامل ہے چونکہ ان کے باطن میں خبث عناد، تعصب، اور تقلید ہوتی ہے اس لئے یہ باتیں حق کے ادراک سے انھیں روکتی ہیں اور یہ صفات ان کے دلوں پر بمنزلہ پردے کے ہیں جو غور وخوض نہیں کرنے دیتا اور ان کے کانوں میں بمنزلہ بہرہ پن ہیں جو انھیں حق بات سننے نہیں دیتا لیکن ان کے حق میں سب سے زیادہ مضر ان کی ناقص ادھوری اور ناتمام عقل مندی ہے کیونکہ ان کی ذہانت غیر مکمل اور عقل ناقص ابلاپن سے زیادہ بری ہے حدیث میں ہے کہ اکثر اہل جنت بیوقوف ہونگے اور اہل علیین، عقل مندان دو سکے بین بین ایک فرقہ ہے جو آیت الٰہی کے بارے میں جھگڑتے ہیں یہ دوزخی ہونگے اللہ تعالیٰ قرآن شریف کے ذریعہ اتنا نہیں روک سکتا جس قدر بادشاہ کے ذریعے ان لوگوں کو جدال سے روکنا بذریعہ تلوار اور نیزہ زیادہ نسبت ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو درے کے ذریعے روکا جب کہ اس نے آپ سے قرآن شریف کی دو متشابہ آیتوں کے بارے میں پوچھا یا جیسا کہ امام مالکؒ نے کیا جب آپ سے استوا علی العرش کی بابت پوچھا گیا آپ نے فرمایا استوا حق ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اس کی کیفیت نامعلوم ہے اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اس پر نکتہ چینی کرنا یا نہ ماننا جدالی ہے سلف صالحین ایسا ہی کرتے آئے ہیں اگر لوگوں سے جدال کیا جائے تو باعث نقصان وتکلیف عظیم ہے یہ ہے میرا طریقہ لوگوں کو حق کی طرف بلانا اور گمراہی اور تاریکی سے نکال کر نور حق کی طرف لانے کا اور یہ اس طرح پر کہ خواص کو حکمت کی طرف میزان کی تعلیم سے

Marfat.com

بلاتا ہوں حتی کہ جب وہ میزان القسط سیکھ جاتے ہیں تو صرف ایک علم پر قادر نہیں ہوتے بلکہ بہت سے علوم پر کیونکہ جس کے پاس میزان ہوتی ہے تو وہ اس سے لاانتہاء مقادیر کا اندازہ کر سکتا ہے ایسا ہی جس کے پاس قسطاس المستقیم ہوتی ہے اس کے پاس حکمت بھی ہوتی ہے جس کی نسبت یہ فرمان الٰہی ہے کہ جسے حکمت دی گئی ہے اسے بہت خیر وبرکت دی گئی ہے جس کی انتہاء نہیں اگر ترازوں پر قرآن شریف کا استعمال نہ ہوتا تو قرآن شریف کو نور کہنا صحیح نہ مانا جاتا کیونکہ نور بذات خود دکھائی نہیں دیتا ہاں اس کے ذریعہ اور چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور یہی ترزاؤں کی تعریف ہے اور جب اس کے اس قول کی تصدیق ہوگی کہ تمام رطب یابس اس کتاب مبین میں مندرج ہے تو اب جاننا چاہیے کہ تمام علوم اس میں مندرج ہیں لیکن بے سراحت نہیں بلکہ بالقوت۔ مثلاً اس میں ان ترازوں کا ذکر ہے۔ جن سے حکمت کے لاانتہاء دروازے کھل سکتے ہیں اور انھیں انہیں سے میں عوام وخواص کو کتاب کا حوالہ دے کر موعظہ حسنہ کے ذریعے حق کی طرف بلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے لے صفات ثابتہ کے اقتصاد سے کام لیتا ہوں اور اہل جدال کو مجادلہ بلاحسن کے ذریعے حق کی طرف بلاتا ہوں اور اگر وہ اس سے انکار کرے تو میں مخاطبہ کو بند کر اس کی شرارت کی روک تھام غلبہ اور لوہے کے خوف سے کرتا ہوں جس کا ذکر میزان کے ساتھ ہی ہوا ہے۔

اے میرے رفیق کاش اب مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کا امام ان تین قسم کے لوگوں کا علاج کیوں کرتا ہے کیا عوام کو وہ باتیں سکھاتا اور ان باتوں کی تکلیف دیتا ہے جنہیں وہ سمجھ نہیں سکتے اگر ایسا کرتا ہے تو وہ جناب رسول کریم ﷺ کی مخالفت کرتا ہے یا مجادلین کے دماغوں سے جدال کو بذریعہ حجت نکالتا ہے سو ایسا تو جناب رسول کریم ﷺ بھی نا کر سکے حالانکہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے بکثرت حجتیں بیان فرمائیں کیا تمہارے امام کی قدرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی قدرت سے بڑھ گئی ہے یا وہ اہل بصیرت سے اپنی تقلید کرانا چاہتا ہے حالانکہ انھوں نے تقلید سے قول نبوی ﷺ کو قبول نہیں کیا اور نہ وہ عصا کو سانپ میں تبدیل کرنے پر قانع ہوئے بلکہ انھوں نے کہدیا کہ یہ تو فعل عجیب ہے اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا فاعل سچا ہے جہاں میں سحر وطلسم کے ایسے عجایب وغرایب کرشمے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں معجزہ اور سحر وطلسم میں وہی شخص تمیز کر سکتا ہے۔ جو ان سے بخوبی واقف ہو اور انکے اقسام کا ماہر ہو۔ جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی شناخت کی کیونکہ وہ علم سحر کے ماہرین کے سر برآوردہ تھے اور جو اس کو قوی کر سکے

Marfat.com

۔ بلکہ اہل بصیرت معجزہ کے علاوہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اسی کے قول سے اس کی تصدیق ہو جیسا کہ حساب کا سیکھنے والا حساب سے ہی اپنے استاد کے حساب دان ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ وہ معرفت یقینیہ ہے جس پر عقلمند اور اہل بصیرت قناعت کرتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی بات پر قناعت نہیں کرتے جب وہ اس طریق سے رسول کریم ﷺ اور قرآن شریف کی صداقت کو مان جائیں اور قرآن شریف میں ذکر کردہ ترازوں کو سمجھ جائیں جیسا کہ میں نے تم سے بیان کیا ہے اور ان ترازوں سے تمام علوم کی چابیاں ان کے ہاتھ آ جائیں جیسا کہ میں نے جواہر القرآن میں بیان کیا ہے۔ تو پھر وہ کیونکر تمہارے امام معصوم کے محتاج ہو سکتے ہیں اور وہ کیا ہے جس سے ان کی مشکلات حل ہوئیں۔ اور کس سے اس نے اس کی باریکیوں کو ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ھذا خلق اللہ فارونی ماذا خلق الذین من دونه"

اب تو علوم کے ترازوں میں میرے طریق کو سن لیا ہے اب مجھے دکھاؤ کہ تم نے اپنے امام سے علوم کی باریکیوں کی بابت اب تک کیا اقتباس کیا ہے اور وہ کیا چیز ہے جو لوگ اس سے سیکھتے ہیں کاش میں بھی جانتا کہ تم نے اپنے امام معصوم سے کیا کچھ سیکھا ہے اور جو کچھ دیکھا ہے مجھے بھی دکھاؤ۔

مایسدی بی رتسدی اوف
خرابن وقلب یارقوت

دستر خوان کی طرف بلانے کا مطلب محض بلانا ہی نہیں ہوتا بلکہ کھانا پلانا بھی ہوتا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں کو امام کی طرف بلاتے ہو باوجود امام کے پاس آنے کے ان کی سابقہ جہالت بدستور رہتی ہے۔ امام ان کے کسی عقدہ کو حل نہیں کرتا بلکہ الٹا حل شدہ کو عقدہ بنا دیتا ہے اور اس کی استجابت بلحاظ علم انھیں کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ بلکہ بسا اوقات اس سے ان کی سرکشی اور جہالت بڑھ جاتی ہے۔

رفیق:۔ میں بہت مدت اپنے رفیقوں کے ساتھ رہا ہوں لیکن اس عرصہ میں ان سے سوائے اس بات کے اور کچھ نہیں سیکھا۔ وہ کہتے تھے تمہارے لئے مذہب کی تعلیم ضروری ہے اور یہ کہ رائے اور قیاس سے کام لینا۔ حالانکہ یہ دونوں متعارض اور مختلف ہیں۔

مصنف:۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وہ تعلیم کی طرف بلاتے تو ہیں لیکن تعلیم میں مشغول نہیں کرتے۔ انھیں یہ تو کہنا تھا کہ تم نے مجھے تعلیم کی طرف بلایا اور میں نے مان لیا اب مجھے وہ باتیں تو سکھاؤ جو تمہارے پاس ہیں۔

رفیق:۔ میں تو نہیں جانتا کہ انھوں نے مجھے اس قسم کی باتیں سکھائی ہوں۔

مصنف:۔ میں تعلیم اور امام کا قائل ہوں اور رائے اور قیاس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اگر تم تقلید چھوڑ دو تو میں تمہاری واقفیت کو زیادہ کر سکتا ہوں اور علوم کے غرائبات اور اسرار قرآنی سکھا

Marfat.com

سکتا ہوں اور ان سے علوم کی تمام کنجیاں نکال سکتا ہوں جیسا کہ میں نے اس سے علوم کے ترازؤں کو نکالا ہے جیسا کہ میں جواہر القرآن میں علوم کی مختلف شاخوں کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن میں سوائے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اور کسی امام کی طرف نہیں بلاتا اور سوائے قرآن شریف کے اور کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں دلاتا۔ کیونکہ میں اسی سے علوم کے تمام اسرار استخراج کرتا ہوں اس بات پر میری برہان میری زبان اور میرا ایمان ہے تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم لازم پکڑو اپنے لئے میرا تجربہ اور امتحان۔ پھر بتاؤ تم مجھ کو کہ اس بہتر بات کو کوئی مجھ سے تمہارے دوستوں میں سے سیکھتا ہے یا نہیں۔

رائے اور قیاس کی تصاویر اور ان کے اظہار کے حقیقت کے بیان میں

رفیق:۔ رفیقوں سے قطع تعلق کرنا اور آپ سے تعلیم حاصل کرنا مجھے اس نصیحت سے جو میری والدہ محترمہ نے مرتے وقت کی تھی اور جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا ہے روکیں گے۔ لیکن تا ہم میں چاہتا ہوں کہ آپ رائے اور قیاس کے بگاڑ کو مجھ پر زیادہ واضح کر دیں کیونکہ میرا گمان غالب ہے کہ آپ میری عقل کو کمزور پاتے ہیں اور شبہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ قیاس اور رائے کو میزان سے موسوم کرتے ہیں اور اس کے مطابق قرآن شریف پڑھ سناتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہی بعینہ وقیاس ہے جس کا آپ کے اصحاب دعویٰ کرتے ہیں۔

مصنف:۔ افسوس! الواب میں رائے اور قیاس کی نسبت مشرح بیان کرتا ہوں کہ اس سے میری مراد کیا ہے اور ان کی مراد کیا ہے رائے اور قیاس کی مثال معتزلہ کا یہ قول ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ پر اپنے بندوں کی بہتری کی رعایت واجب ہے اور جب اس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں تو صرف رائے سے کام لیتے ہیں جس کو جب اس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں تو صرف رائے سے کام لیتے ہیں جس کو وہ اپنی عقلوں کے مطابق بہتر خیال کرتے ہیں۔ جس میں وہ خالق کو خلقت کے مطابق قیاس کرتے ہیں اور اس کی حکمت کو خلقت کی حکمت سے تشبیہ دیتے ہیں عقلیں جس کو بہتر خیال کرتی ہیں وہ رائے ہے جس کے لئے کوئی تاویل نہیں دیکھتا کیونکہ اس سے ایسے نتائج برآمد ہوتے ہیں جو قرآن شریف کی ترازؤں کے مطابق غلط ہوتے ہیں۔ مثلاً مذکورہ بالا قیاس میں لیکر میزان التلازم سے اس کا وزن یوں کرتا ہوں کہ اگر بندوں کی بہتری اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی تو وہ بالضرور کرتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ غیر واجب ہے کیونکہ واجب کی ترک نہیں کرتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کو تو ہم مانتے ہیں کہ اگر واجب ہوتی تو ضرور کرتا لیکن اس کو ہم نہیں مانتے کہ وہ نہیں کرتا تو میں

Marfat.com

یہ کہوں گا کہ اگر اسے خلقت کی بہتری ہی منظور تھی تو اسے جنت میں ہی رہنے دیتا کیونکہ اس میں رہنا اس کے لئے بہتر تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے بہتری نہیں کی۔ یہ میزان تلازم کا صریح نتیجہ ہے لیکن اگر فریق مخالف انکار کرے اور کہے کہ اسے جنت میں چھوڑا اور اس پر جھوٹی گواہی دے یا یہ کہے کہ ان کی بہتری اسی میں تھی کہ انھیں دنیا کی طرف جو مصیبتوں کا گھر ہے نکالے اور انھیں خطاؤں کے پیش کرے۔

جیسا کہ خبر صحیح میں وارد ہوا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہوتا کہ جنت میں پیدا کر کے اسی میں رہنے دیے جاتے۔ کیونکہ ایسی صورت میں بہشت ان کی کوششوں کا نتیجہ نہ ہوتی اور نہ انکا استحقاق ہوتا۔ یہ ایک قسم کا احسان تھا اور احسان ناگوار ہوتا ہے جب وہ سنتے اطاعت کرتے تو جو کچھ انھیں ملتا وہ اس کی جزا ہوتی اور اجر و مزدوری میں احسان نہیں ہوتا لیکن میں نہیں چاہتا کہ اس قسم کے کلام یا اس کے جواب سے اپنی زبان اور تمہارے کانوں کو تکلیف دوں۔ تم صرف اس پر اسی غرض سے غور کرو کہ تمہیں رائے کے نتائج قبیحہ معلوم ہو جائیں تمہیں یہ معلوم ہے کہ جب بچے مرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں بہشت میں بالغ اور مطیع لوگوں کی نسبت گھٹیل درجہ عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ بچے اللہ تعالیٰ سے یہ کہیں کہ ہمارے خدا۔ ہماری بہتری میں بخل سے کام نہ لو ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہمیں بھی بالغوں اور مطیعوں جیسے درجے عطا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ انھیں معتزلہ کے خیال کے بموجب یہ جواب دے گا کہ میں تمہیں ان کے درجوں پر کیسے پہنچا سکتا ہوں۔ جبکہ وہ بالغ ہوئے انھوں نے تکلیفیں اور فرمانبرداری کی حالانکہ تم بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ وہ کہیں گے تو نے ہی ہمیں مارا تھا اور تو نے ہی دنیا میں دیر تک رہنے اور آخرت کے اعلیٰ درجے حاصل کرنے سے محروم رکھا ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہمیں ان ہی جیسے رتبے عطا فرمائے اگر تو ہمیں نہ مارتا تو از خود کیسے مرتے۔ تب اللہ تعالیٰ معتزلہ کے خیال کے مطابق یہ جواب دے گا کہ یہ مجھے معلوم تھا کہ اگر تم بالغ ہوتے تو ناشکر گزار ہو کر دوزخ کے مستحق بنتے اور پھر ہمیشہ کے لئے اسی میں رہتے اور مجھے معلوم تھا کہ تمہاری بہتری اسی میں تھی کہ تم بچپن میں فوت ہو جاتے تب بالغ کافر دوزخ میں سے پکاریں گے۔ اگر تمہیں یہ معلوم تھا کہ ہم بالغ ہو کر ناشکر گزار ہوں گے تو پھر تو نے ہمیں بچپن ہی میں کیوں نہ مار ڈالا۔ ہم تو لڑکوں کو عطا کردہ درجوں کے سوئیں حصے پر بھی راضی ہیں۔ اس وقت معتزلہ لاجواب ہو جائیں گے اور یہ کفار کی اللہ تعالیٰ پر حجت ہو جائیگی۔ قولہ تعالیٰ ”الظالمین علوا کبیرا“ ہاں بہتری کا فعل ایک بھید ہے جو اللہ تعالیٰ نے قدر میں رکھا ہے لیکن معتزلہ اس اصل سے نہیں دیکھا۔ کیونکہ وہ علم کلام کے سرمایہ سے یہ بھید معلوم نہیں کر سکتا جس کو اس کے معلوم کرنے کا خبط ہے وہ خبط ہی ہے۔ اس میں رائیں مضطرب ہو جاتی ہیں۔ پس یہ ہے میری

Marfat.com

مثال رائے باطل کی۔

اب رہی قیاس کی مثال وہ کسی چیز میں ایک خاص حکم کا اثبات ہے جو اس کے غیر میں پایا جاتا ہے جیسے معتزلہ کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے جب ان سے پوچھا جائے کیوں۔ تو کہتے ہیں کہ وہ فاعل اور صانع ہے اس لئے جسم ہے یہ نتیجہ انھوں نے تمام کاری گروں اور کارکنوں کو دیکھ کر نکالا ہے۔ لیکن یہ قیاس باطل ہے کیونکہ اگر ہم ان سے پوچھیں کہ تم نے یہ کیونکر کہا جو فاعل ہے وہ جسم ہے۔ کیونکہ وہ فاعل ہے وہ قرآن شریف کی ترازوں سے اس کا وزن کرنا نہیں جانتے اس قیاس کی جانچ کی تراز و موازین التعادل میں سے میزان اکبر ہے۔ اور اس سے وزن کرنے کی یہ صورت ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک فاعل جسم ہے اور باری تعالیٰ فاعل ہے اس لئے وہ بھی جسم ہے اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ باری تعالیٰ فاعل ہے لیکن ہم پہلی اصل کو نہیں مانتے جو یہ ہے کہ ہر فاعل جسم ہے یہ تمھیں کیونکر معلوم ہوا کہ ہر فاعل جسم ہے جب یہ سوال کیا جائے تو پھر ان کے لئے استقرار اور قسمت منتشرہ کے سوا اور کوئی سہارا نہیں رہتا اور یہ دونوں ہی صحت نہیں رکھتے۔ استقرا تو اس واسطے کہ اگر وہ کہیں کہ میں نے حجام، درزی، نجار وغیرہ کو دیکھا تو سب کو اجسام پایا اس واسطے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام فاعل جسم ہیں اس وقت اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم نے سارے فاعلوں کو دیکھا ہے یا کوئی دیکھنے سے بچ بھی گیا ہے اگر وہ یہ کہیں کہ بعض کو دیکھا ہے تو اس سے کل کے لئے حکم لازم نہیں آتا اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے سب کو دیکھا ہے تو ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں کیونکہ انھیں تمام فاعلوں کا علم نہیں ہو سکتا کیونکہ انھوں نے زمین و آسمان کے فاعل کو نہیں دیکھا بعض کو دیکھا ہے کل لازم نہیں آتا۔ اگر سب کو دیکھا ہے تو کیا سب کو جسم پایا ہے اگر وہ کہیں ہاں تو کہو اچھا۔ جب تم نے اپنے قیاس کے مقدمہ میں پایا تو پھر کیسے اس کو اصل قرار دیا جو اس پر دلالت کرتا ہے ایسی صورت میں نفس وجدان کو ہی دلیل گردانا اور ایسا کرنا غلطی ہے اور ایسی صورت میں تمہاری دیکھ بھال اس شخص کی طرح ہے کہ اونٹ، گھوڑے، ہاتھی کیڑے مکوڑوں اور پرندوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالے کہ تمام حیوان پاؤں سے چلتے ہیں۔ حالانکہ اس میں سانپ اور رینگنے والے کیڑوں کو دیکھا ہی نہیں۔ یا حیوانات کو جگالی کرتے دیکھ کر کہ وہ نچلے جبڑے کو ہلاتے ہیں۔ یہ نتیجہ نکالے کہ تمام حیوان جگالی کے وقت نچلے جبڑے کو ہلاتے ہیں لیکن اس نے مگرمچھ کو دیکھا ہی نہیں جو اوپر کے جبڑے کو ہلاتا ہے۔ ایسا اس نے اس واسطے کیا کہ وہ اس بات کو جائز قرار دیتا ہے کہ اگر ہزار شخص جنس واحد میں ایک حکم رکھتا ہو اور ایک میں وہ بھی نہ پایا جائے تو جائز ہے اس سے برابر نتیجہ یا یقین رد نہیں ہوتا۔ لیکن یاد رکھو ایسا قیاس قیاس باطل ہے۔ رہا قسمت منتشرہ سے سہارا لینا۔ سو اس کی مثال یہ ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں نے فاعلوں کے اوصاف کی اچھی طرح

Marfat.com

چھان بین کی ہے وہ سب اجسام تھے کیونکہ وہ فاعل تھے یا اس واسطے کہ وہ موجود تھے یا اس واسطے کہ وہ یہ تھے وہ وہ تھے۔ پھر خود ہی تمام اجسام کو باطل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ پس اس سے لازم آتا ہے وہ جسم تھے کیونکہ وہ فاعل تھے۔ اور یہی قسمت منتشرہ ہے جس سے شیطان اپنے قیاسوں کا وزن کرتا ہے سو اس کی بطلان کو میں بیان کر چکا ہوں۔

رفیق:۔ میرا گمان ہے کہ جب وہ تمام اقسام جن سے ان کی مراد ہوتی ہے باطل ہو چکیں حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ اکثر متکلمین اپنے عقائد میں اس پر دارومدار رکھتے ہیں وہ رویت باری تعالی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مرئی (دکھائی دینے کے قابل) ہے۔ کیونکہ وہ صاحب سفیدی ہے اس واسطے کہ تاریکی یا سیاہی دیکھی جاتی ہے اور اس کا دیکھا جانا باطل ہے کیونکہ وہ جوہر ہے۔ اس واسطے عرض دکھائی دیتا ہے نہ کہ جوہر اور یہ باطل ہے کہ وہ عرض ہے کیونکہ جوہر دکھائی دیتا ہے۔ جب ساری قسمیں باطل ہو چکیں تو باقی صرف یہ رہ گیا کہ موجود دکھائی دیتا ہے اب میری یہ خواہش ہے کہ آپ اس ترازو کی خرابی مجھے بالتشریح و بالتوضیح سمجھائیں تاکہ اس میں مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

مصنف:۔ اس بارے میں میں ایک سچی مثال بیان کروں گا جو قیاس باطل سے بطور نتیجہ کبھی برآمد نہیں ہو سکتی اور میں اس پر سے پردہ ہٹا دوں گا وہ یہ کہ ہمارا یہ قول کہ عالم حادث ہے بالکل ٹھیک ہے لیکن قائل کا یہ قول کہ وہ اس واسطے حادث ہے کہ مصور ہے۔ محض اس قیاس پر مبنی ہے کہ گھر اور تمام عمارتیں مصور ہیں لیکن اس کا یہ قول باطل ہے۔ حدوث عالم کے علم کے لئے مفید نہیں پڑتا جب میزان حق سے اس کی جانچ یوں کی جاتی ہے ہر مصور حادث ہے اور عالم مصور ہے اس واسطے وہ حادث ہے اس میں دوسرا اصل تو مسلم ہے لیکن پہلا کہ ہر مصور حادث ہے اس کو فریق ثانی نہیں مانتا ایسے موقع پر وہ استقرا کی اوٹ لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں نے بطور نتیجہ یہ بات معلوم کی ہے کیونکہ مصور کو حادث پایا ہے۔ مثلاً گھر، پیالہ، قمیص وغیرہ وغیرہ اس کی خرابی تو تم سمجھ گئے ہو۔ اب وہ اور پہلو بدلتا ہے اور کہتا ہے کہ گھر حادث ہے کیونکہ جب ہم اس کے اوصاف کی چھان بین کرتے ہیں تو اسے ایک جسم پاتے ہیں جو بنفسہ قائم موجود اور مصور ہے۔ اور یہ چار صفات ہیں اس نے اپنی علت کو یہ کہہ کر کہ گھر جسم بنفسہ موجود ہے باطل کر دیا پس ثابت ہوا کہ وہ مصور ہونے کی وجہ سے معلل ہے اور وہ چوتھی ہے پس اسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کئی وجوہات کے سبب باطل ہے ان چار میں سے پہلی کو بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر تین کا بطلان ثابت ہو جائے تو وہ علت ثابت نہیں ہوتی جس کی تجھے طلب ہے۔ شاید حکم معلل بہ علت قاصرہ غیر عامہ ہو اور متعدی نہ ہو۔ مثلاً گھر اگر گھر کا غیر محدث ہونا ثابت بھی ہو جائے تو شاید حکم معلل حقیقت میں اس سے قاصر ہو جو اس کے حادث ہونے کو ظاہر کرتا ہو

Marfat.com

کیونکہ ممکن ہے کوئی وصف خاص جو تمام کو جامع ہو رہ گیا ہو اور دوسرے تک نہ پہنچتا ہو اس واسطے کہ وہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس درجہ کوشش کی جائے کہ یہ خیال ہی نہ کیا جا سکے کہ کوئی قسم رہ گئی ہوگی اور جب نفی اور اثبات کے مابین حاضر نہ ہو اور یہ خیال کیا جا سکے کہ شاید اس میں سے کوئی قسم باقی رہ گئی ہے تو حکم ٹھیک اور کلیہ نہیں ہو سکتا حصر بدرجہ غایت کوئی آسان کام نہیں غالب اوقات متکلمین اور فقیہ اس کا پورا پورا اہتمام نہ کر سکنے کے باعث یہ کہتے ہیں کہ اگر اور کوئی قسم ہے تو اسے ظاہر کر دو۔ اور بسا اوقات فریق ثانی یہی کہتا ہے کہ مجھے اس کے ظاہر کرنے کا الزام نہ دو اس طرح جھگڑا بڑھ جاتا ہے۔ اور بسا اوقات قیاس کنندہ استدلال کے وقت یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی اور قسم ہوتی تو ضرور ہمیں معلوم ہوتی یا تمہیں معلوم ہوتی پس ہماری اس سے ناواقفیت اور قسم کی نفی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ مجلس میں ہاتھی کا نہ دیکھنا اس کی عدم موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اس بیچارے کو یہ معلوم ہی نہیں کہ گو اس وقت ہم نے ہاتھی کو نہیں دیکھا لیکن اس سے پہلے یا بعد تو کوئی مرتبہ اور کئی اشخاص نے دیکھا ہے اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ہم معانی حاضرہ دیکھے اور اس کے ادراک سے عاجز رہے۔ لیکن مدت بعد خود ہی آگاہ ہو جاتے ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی اور قسم باقی رہ گئی ہو جس کا علم ہمیں اس وقت نہ ہوا ہو۔ اور بسا اوقات عمر بھر میں بھی اس کا علم نہیں ہوتا تیسرے اگر ہم حصر کو تسلیم بھی کر لیں تو تین کے بطلان سے چوتھی کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ بلکہ چار سے جو ترکیب حاصل ہوتی ہے وہ تین سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ احتمال ہو سکتا ہے کہ علت ان چار میں سے ایک ہو۔ دو ہوں یا تین ہوں پھر دو یا تین کا بھی تعین نہیں۔ بلکہ یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ علت اس کا موجود ہونا یا جسم ہونا یا موجود اور بنفسہ قائم ہونا یا جسم موجود اور قائم بنفسہ ہو یا موجود اور گھر ہونا ہو یا گھر اور مصور ہو یا گھر اور قائم بنفسہ ہو، یا گھر اور جسم ہو یا جسم اور مصور ہو، یا جسم اور قائم بنفسہ ہو یا جسم اور موجود ہو، یا قائم بنفسہ اور موجود ہو، یہ دو دو کی بعض ترکیبیں ہیں اسی طرح تین تین کی قیاس کر لو۔ واضح رہے کہ احکام بہت سے اثبات کے یکجا جمع ہونے پر موقوف ہوتے ہیں۔ مثلاً چیز صرف اس واسطے دکھائی نہیں دیتی کہ دیکھنے والے کی آنکھیں ہی ہوں۔ بلکہ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ رات نہ ہو بادل نہ گرے ہوئے ہوں، مطلع صاف ہو اور وہ چیز رنگدار ہو وغیرہ وغیرہ اور ان کے علاوہ یہ کہ اس کا وجود ہو۔ آخرت میں رویت ایک الگ بات ہے جو شرائط مذکور ہوئی ہیں وہ دنیا کے لئے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اگر بدرجہ غایت کوشش اور حصر کو مان بھی لیا جائے اور ترکیب کو بھی چھوڑ جائیں تو بھی تین کے بطلان سے چوتھی کے حکم کے تعلق کا اطلاق نہیں ہو سکتا بلکہ ممکن ہے حکم کا انحصار چوتھی پر ہو اور ہو سکتا ہے کہ چوتھی کی دو قسمیں ہوں، جن میں سے صرف ایک سے حکم کا تعلق ہو۔ اور وہی تم نے نہ دیکھی ہو

Marfat.com

اس کا جسم یا موجود یا قائم بنفسہ یا مصور ہونا مثلاً صورت میں مربعہ یا گول ہو تو تین اقسام باطل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ حکم محض صورت کے متعلق نہیں ہوتا بلکہ بصا اوقات صورت مخصوصہ سے مخصوص ہوتا ہے۔ متکلمین جو اس قسم کے دقائق سے غفلت کرتے ہیں اس کا باعث ان کا خبط اور کثرت نزاع ہے جس سے وہ رائے اور قیاس کے وقت کام لیتے ہیں یہ یقین کو رد کرنے کے لئے مفید نہیں پڑتا۔ بلکہ فقہی ظنی قیاسوں کی درستی کرتا ہے عام لوگوں کے دلوں کو راستی اور درستی کی طرف مائل نہیں کرتا کیونکہ ان کے افکار احتمالات بعیدہ کی طرف نہیں دوڑتے بلکہ ان کے اعتقاد کمزور اسباب تک ہی محدود رہتے ہیں۔ جیسا کہ تم ایک عام شخص کو دیکھتے ہو جسے سر درد ہے۔ اسے ایک اور شخص کہتا ہے کہ عرق گلاب استعمال کرو کیونکہ جب مجھے سر درد تھا تو میں نے اسے استعمال کیا تھا اور مجھے فائدہ ہوا تھا۔ چونکہ تمہیں بھی سر درد ہے اس لئے تمہیں بھی فائدہ دے گا۔ مریض کا دل مائل ہو جاتا ہے کہ میں بھی عرق گلاب استعمال کروں گا لیکن وہ یہ نہیں پوچھتا کہ پہلے تو یہ ثابت کرو۔ کہ عرق گلاب ہر قسم کے درد سر کو مفید ہے۔ خواہ وہ سردی سے ہو یا گرمی سے یا معدہ کے انجرہ سے۔ کیونکہ سر درد کی بہت سے قسمیں ہیں اور یہ بھی ثابت کرو کہ میرا درد سر تمہارے درد سر کی طرح ہے اور میرا مزاج تمہارے مزاج کی طرح ہے، اور میری عمر، میری صناعت اور احوال تجھ جیسے ہیں۔ اور یہ تمام باتیں ضرور مختلف ہوتی ہیں اس لئے ان سب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا علاج بھی مختلف ہوتا ہے اس قسم کی تحقیق سے کام لینا نہ عوام کا خاصہ ہے اور نہ متکلمین کا کیونکہ ان کو اول تو اس قسم کا شوق ہی نہیں ہوتا اور اگر برخلاف عوام کے متکلمین کو ہوتا ہے ہی تو یقین کو رد کرنے کے خاطر مفید راہ کی طرف آتے ہیں نہیں۔ کیونکہ ہدایت کی طرف آنا صرف ان لوگوں کا خاصہ ہے جنہیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے یہ راہ ہاتھ آئی ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے نور الٰہی سے قرآن شریف کی روشنی کی طرف آ کر اس سے میزان بالقسط اور قسطاس المستقیم اخذ کی ہیں۔ اور ایسا کرنے سے وہ منصف مزاج ہو گئے ہیں

رفیق: آپ کے کلام سے مجھے حق کی راہ اور اس کے مواقع خواب واضح ہو گئے ہیں کیا آپ اب اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کی پیروی اس واسطے کروں آپ مجھے وہ سکھائیں۔ جو آپ کو (علم لدنی) سکھایا گیا ہے۔

مصنف: آہ! تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔ اور ایسی بات پر کیسے صبر کر سکو گے جو تمہارے احاطۂ واقفیت سے باہر ہے۔

رفیق: انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

مصنف: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں اس وعظ و نصیحت کو بھول گیا ہوں جو تمہیں

Marfat.com

تمہارے رفیقوں اور تمہاری والدہ نے کی تھی۔ اور جس پر تم پرلے درجے کے کاربند ہو جس شخص میں تقلید کی رگ پختہ ہو وہ میری ہم نشینی کے لائق نہیں۔ اس لئے نہ تم میری ہم نشینی کے لائق ہو نہ میں تمہاری کے۔ مجھ سے دور ہو جاؤ بس اب سے تم میں اور مجھ میں جدائی ہے کیونکہ میں تمہیں سدھاروں یا اپنے نفس کو۔ اور تمہاری تعلیم کا خیال رکھوں یا قرآن کی تعلیم کا آئندہ نہ تم نے مجھے دیکھنا نہ میں تمہیں دیکھوں گا اس اصلاح فاسد اور ٹھنڈہ لوہا کوٹنے سے میرے وقت کو زیادہ ضائع نہ کرنا۔ میں نے تمہیں نصیحت کی ہے لیکن ناصح نگاہ محبت سے نہیں دیکھے جاتے

والحمد للّٰہ رب العالمین والسلام علی

محمد نبینا سید المرسلین۔

بھائیو! میں نے اپنا اور اپنے رفیق کا قصہ جیسا روکھا پھیکا مجھ سے ہو سکا تمہیں سنایا تا کہ پڑھائیں نے تم پر یہ سارا، تا کہ حاصل کرو تم اس سے عجیب بات اور ان محادثات کو اپنی ذہانت سے ثابت کرنے میں فائدہ اٹھاؤ۔ کیونکہ یہی مذہب تعلیم کا سب سے بڑا کام ہے۔ اس سے میری یہ غرض نہ تھی۔

مخلصوں سے میری التماس ہے کہ اسے مطالعہ کرتے وقت میری معذرت کو قبول فرمائیں گے کیونکہ میں نے اپنے مذاہب میں عقد و تحلیل کو پسند کیا۔ ناموں میں تغیر و تبدیل کیا ہے۔ اور معانی میں تخییل و تمثیل سے کام لیا ہے۔ لیکن ایسا کرنے میں میری ایک خاص غرض صحیح تھی اور یہ بھید تھا جو اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔ اب تمہیں لازم ہے کہ اس نظام کو نہ بدلو۔ اور ان معنوں کو اس لباس سے نہ نکالو میں نے تمہیں سکھا دیا ہے کہ منقول کی سند دے کر معقول کو کیونکر وزن کیا جاتا ہے۔ تا کہ قول کو طبیعتیں جلدی قبول کر لیں اور اس بات کا خیال رکھنا کہ کبھی بھی منقول کو اصل قرار نہ دینا کیونکہ یہ تابع اور ردیف ہے۔ اور ایسا کرنا امر شنیع ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم امر شنیع کو چھوڑ دو۔ اور مجادلہ بالاحسن استعمال کرو۔ خبردار اس امر کی مخالفت نہ کرنا اگر ایسا کرو گے تو خود بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور اوروں کو بھی کرو گے۔ خود بھی گمراہ ہو گے اوروں کو بھی کرو گے میری نصیحت تمہیں کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ جبکہ حق گم ہو گیا ہے اور سرچشمہ سوکھ گیا ہے برائی پھیل گئی ہے اور شہروں میں مضحکہ بن گئی ہے۔ عام لوگوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے اور نبی ﷺ کی تعلیمات کو ملیامیٹ کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ساری باتیں جاہلوں کے قصور کی وجہ سے ہوئی ہیں کیونکہ دراصل وہ کچھ بھی نہیں لیکن وہ عارفوں کے منصب اور دین کی مدد کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بہت سے جاہل لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ اہل ہدایت کو اچھی طرح جانتا ہے اور تصرف دین کے بارہ میں ان کا دعویٰ ہے کہ ہمارا منصب عارفین کا ہے۔

تمت بالخیر

Marfat.com

حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، آپ وقت کے امام و پیشوا تھے، لوگ آپ کی اتباع اور آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ علامہ اسماعیل حضرمی یمنی نے امام غزالیؒ کو سید المصنفین قرار دیا ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی عمر تصنیف، تالیف، درس و تدریس اور طالبانِ حق و سالکان طریقت کی تربیت میں گزاری، تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سی یادگار تصانیف چھوڑی ہیں ان میں کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جن کا اردو مین ترجمہ ہوا۔ جن میں بالخصوص احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کا ترجمہ (اکسیر ہدایت) ہے۔

لیکن کچھ تراجم حالات کی وجہ سے ناپید ہوتے جا رہے تھے، ضرورت تھی کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو محفوظ کر کے یکجا جمع کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء اور سالکین پھرتے ہیں۔

زیرِ نظر ۶۱ رسائل بنام ''مجموعہ رسائل امام غزالیؒ'' سے اس کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

www.darulishaat.com.pk

E-mail : sales@darulishaat.com.pk
ishaat@cyber.net.pk
ishaat@pk.netsolir.com

DIU-04207

تصوف

مجموعہ
رسائل امام غزالیؒ

از: حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

- الحکمت فی مخلوقات اللہ
- حقیقت روح انسانی
- میزان عمل
- بدایت الہدایت
- التفرقہ بین الاسلام والزندقہ

دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 32631861

تصوف، عقائد

مجموعہ

رسائل امام غزالی اردو

از: حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد دوم

الحکمۃ فی مخلوقات اللہ

حقیقت روحِ انسانی ——— میزانِ عمل

بدایت الہدایت ——— التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ

دارُالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

Marfat.com

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 440 صفحات

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Marfat.com

فہرست مضامین

مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

جلد دوم

مشتمل بر پنج رسائل

عرض ناشر	
الحکمۃ فی مخلوقات اللہ	
تعارف از جناب مولانا مولوی محمد شفیع سابق مفتی دیوبند	۱۱
تقریظ از مولانا اطہر علی صاحب شیخ الجامعہ الامدادیہ کورٹ گنج	۱۲
مقدمہ	۱۳
مصنف کے حالات	۱۶
نام اور سنہ ولادت	
تعلیم	
تحصیل علم حدیث	۱۷
نظامیہ کی مسند نشینی	۱۸
عزلت نشینی کا محرک	۱۹
شعر گوئی	۲۱
تصنیفات	
وفات	۲۲
مقدمہ کتاب	۲۳
کائنات ارضی و سماوی میں غور و فکر کی دعوت	۲۵
آفتاب کی پیدائش کی حکمتیں	۲۷
چاند ستاروں کی پیدائش کی حکمتیں	۳۰
زمین کی پیدائش کی حکمتیں	۳۳
سمندر کی پیدائش کی حکمتیں	۳۹
پانی کی پیدائش کی حکمتیں	۴۲
ہوا کی پیدائش کی حکمتیں	۴۴
آگ کی پیدائش کی حکمتیں	۴۸
انسان کی تخلیقی حکمتیں	۵۱
اس باب کا تتمہ جات	۷۱
پرندوں کی پیدائش کی حکمتیں	۷۵
چوپایوں کی پیدائش کی حکمتیں	۸۲
شہد کی مکھی، چیونٹی، مکڑی، ریشم کا کیڑا اور مکھی	۹۱
مچھلی کی پیدائش کی حکمتیں	۹۸
نباتات کی حکمتوں کا بیان	۱۰۲
دلوں میں خدا کی عظمت پیدا کرنے کا بیان	۱۰۹
حقیقت روح انسانی	۱۱۳
فصل	۱۱۹

Marfat.com

فصل ۱۲۵
فصل ۱۲۶
فصل ۱۵۲
فصل ۱۵۷
تذکرہ ۱۶۷

میزان عمل ۱۶۸
دیباچہ ۱۷۰
فصل ۱۷۱
سعادت کی طلب میں سہل انگاری حماقت ہے
فصل ۱۷۳
قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے
فصل ۱۸۱
شاہراہ سعادت یعنی علم اور عمل
فصل ۱۸۳
تزکیہ نفس کا اجمالی بیان
فصل ۱۹۱
قوائے نفس کا آپس میں ارتباط
فصل ۱۹۵
عمل کی علم سے نسبت ان کا ثمرہ سعادت ہے اہل تصوف اس پر متفق ہیں اور دوسرے اہل نظر موید ہیں
فصل ۱۹۹
صوفیا کے نزدیک علم حاصل کرنے کا طریق دوسرے لوگوں سے جدا ہے
فصل ۲۰۲
ان دو طریقوں سے اولی کونسا ہے
فصل ۲۰۴
جنت ماوی تک پہنچنے کے لئے کونسے علم و عمل کی ضرورت ہے

فصل ۲۰۸
قوائے متنازعہ اور نفس کی مثال
فصل ۲۱۱
مجاہدہ ہوی میں نفس کے مراتب، ہوی و عقل کے مشورہ میں کیا فرق ہے
فصل ۲۱۵
اخلاق بدل سکتے ہیں
فصل ۲۱۷
اخلاق کی تبدیلی اور ہوی کے علاج کا مختصر طریق عمل
فصل ۲۲۰
وہ فضائل جن کی تحصیل سے سعادت ملتی ہے
فصل ۲۲۲
تہذیب اخلاق کا مفصل طریقہ
فصل ۲۲۶
امہات فضائل
فصل ۲۳۲
فضیلت حکمت اور اسکی افراط و تفریط یعنی مکاری اور بیوقوفی
فصل ۲۳۳
فضیلت شجاعت کے ماتحت کیا کچھ درج ہوگا
فصل ۲۳۵
عفت اور اس کے متعلق اخلاق رذیلہ کا اندراج
فصل ۲۴۰
وہ بواعث جو نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں یا ان سے روکتے ہیں
فصل ۲۴۴
خیرات و سعادت کی قسمیں
فصل ۲۵۰
سعادتوں کی غایت اور ان کے مرتبے

Marfat.com

فصل	۲۵۲	سے زوال تک لازمی ہیں	
مذموم محمود خواہشات		فائدہ:	۳۴۲
فصل	۲۶۳	آداب نماز	۳۴۳
عقل علم اور تعلیم کی بزرگی		آداب نوم	۳۴۶
فصل	۲۶۸	آداب الصلوٰۃ	۳۴۹
عقل کی قسمیں		آداب امامت	۳۵۲
فصل	۲۷۱	آداب جمعہ	۳۵۳
علوم مستعدہ میں استاد اور شاگرد کے فرائض		آداب صیام	۳۵۵
فصل	۲۹۲	قسم ثانی اجتناب معاصی کے بیان میں	۳۵۷
مال حاصل کرنا اور اس کے اکتساب کے ضروری		دل کے گناہوں کے بیان میں	۳۶۴
امور		آداب صحبت و معاشرت با خدا و با بندگان خدا	۳۷۲
فصل	۳۰۲	آداب عالم	۳۷۳
غم دنیا کو مٹانے کا طریقہ		آداب طلباء	۳۷۴
فصل	۳۰۵	اولاد کے آداب والدین کے ساتھ	
موت کا خوف دور کرنا		آداب معاشرت اصناف خلق کے ساتھ	۳۷۵
فصل	۳۱۰	بیان رعایت حقوق صحبت	۳۷۸
رہروان الٰہی کی پہلی منزل		آداب صحبت	
فصل	۳۱۵	دیباچہ از مترجم	۳۸۷
مذہب اور فرقہ بندی	۳۱۸	**التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ**	۳۸۸
رسالہ مسماۃ بہ		آغاز کتاب	
نہایۃ السعادۃ		فصل	۳۹۴
		فصل	۳۹۷
بدایۃ الہدایۃ	۳۲۱	فصل	۴۰۳
آغاز کتاب	۳۲۳	فصل	۴۰۸
قسم اول آداب طاعات	۳۲۵	فصل	۴۱۱
آداب استیقاظ یعنی بیداری	۳۲۶	فصل	۴۱۴
آداب دخول بیت الخلاء	۳۲۷	فصل	۴۱۷
آداب وضو	۳۲۸	فصل	۴۲۳
آداب غسل	۳۳۲	فصل	۴۲۸
آداب تیمم	۳۳۳	فصل	۴۳۰
آداب روانگی مسجد		فصل	۴۳۳
آداب دخول مسجد		فصل	۴۳۸
ذکران آداب کا جو طلوع آفتاب	۳۴۱	فصل	۴۳۹

Marfat.com

عرضِ ناشر

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد:

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ پانچویں صدی ہجری سے ان کا نام نامی آسمان علم پر سورج کی طرح چمک رہا ہے ان کی کتابیں ہر خواص وعام کے زیر مطالعہ ہیں اور ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ کرنا ممکن نہیں، جنہوں نے امام غزالیؒ کی کتابوں سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔

امام غزالیؒ کی یوں تو بہت سی تصانیف ہیں مگر ان میں بہت کم ہی کتابیں ہیں جن کا اردو میں ترجمہ ہوا اور جن سے برِصغیر کے لوگ متعارف ہیں۔ دار الاشاعت کو بحمد اللہ یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ زیرِ نظر مجموعہ سے پہلے امام غزالیؒ کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا ترجمہ عنوانات کی ترتیب کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کر چکا ہے جو تمام حلقوں میں پسند کیا گیا۔ کافی عرصہ سے ہماری قلبی خواہش اور علمی حلقوں کا دلی تقاضہ تھا کہ امام غزالیؒ کی ان نادر کتابوں کی دوبارہ اشاعت کی جائے جن کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے مگر مرورِ زمانہ سے اب وہ کتابیں ناپید ہوتی جا رہی ہیں، بحمد اللہ کہ زیرِ نظر مجموعہ سے ہماری خواہش پوری ہوئی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو یکجا کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء، سالکین اور دانشور پھرتے ہیں۔ مگر گوہر مقصود ان کے ہاتھ نہیں آتا ہم نے اس سلسلے میں جناب خالد اسحاق ایڈوکیٹ کی لائبریری اور انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص کے بطور خاص ممنون ہیں جن کے تعاون کی بدولت بعض نایاب رسائل تک ہماری رسائی ہوئی اور اس طرح اس مجموعہ کی اشاعت مکمل ہوئی۔ ہمیں امید ہے کہ اہلِ علم اور دینی ثقافت سے تعلق رکھنے والے حضرات اس مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور تمام دینی حلقوں میں اس مجموعہ کی خوب پذیرائی کی جائے گی۔

والسلام

(خلیل اشرف عثمانی)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار

الحکمۃ فی مخلوقات اللہ

تصنیف حضرت امام محمد غزالیؒ

اردو ترجمہ

از

مولوی محمد علی لطفی

مع تعارف

از

جناب مفتی محمد شفیع صاحب

۱۹۶۰ء

Marfat.com

تعارف از جناب مولانا مولوی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دیو بند

انسان کیا اور اس کی ہستی کیا کہ خالق کائنات کے افعال وصفات کی حکمتیں اور اسرار معلوم کرے

در بہاران زاد و مرگش در دی ست پشہ کے داند کہ عالم از کیست

لیکن انسان عجائب المخلوقات میں سب سے زیادہ عجیب مخلوق ہے۔ ایک طرف اس کی نزاکت وضعف کی حد نہیں تو دوسری طرف اس کی اولوالعزمیوں کا میدان بھی بڑا وسیع ہے۔ وہ طبعی طور پر راز کائنات معلوم کرنے کے در پے رہتا ہے کچھ ہاتھ آئے یا نہ آئے۔ اگرچہ محقق حکماء امت کا آخری فیصلہ ان مسائل میں یہی ہوتا ہے کہ

کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا

اور بقول میر

سمجھے اتنا کہ کچھ نہ سمجھے افسوس معلوم ہوا کہ کچھ نہ معلوم ہوا

مگر دانائے روم نے انسان کی اس فطری خواہش کا ایک عذر بھی اس طرح بیان فرمایا ہے

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت

اس عذر کے ماتحت متقدمین ومتاخرین علماء نے ان موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں تشریعی امور کی عقلی حکمتوں پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی کتاب المصالح العقلیہ اردو زبان میں ہے، اور تکوینی امور کی حکمتوں پر امام غزالیؒ کا رسالہ الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ عربی زبان میں تھا۔ ہمارے محترم دوست مولانا محمد علی صاحب لطفی جو اپنے جد امجد حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علیگڑھی کے خلف رشید ہیں اپنے اس رسالہ کو اردو زبان میں منتقل فرما کر اردو دان طبقہ پر بڑا احسان کیا۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ نہ تو بالکل تحت اللفظ ہے جس کو پڑھنے میں طبیعت الجھے اور نہ تحت اللفظ سے اتنا آزاد کہ اصل کلام کا مفہوم بدل دے ساتھ مقدمہ میں حضرت امام غزالیؒ کے کچھ حالات وسوانح بھی مستند کتابوں سے جمع فرما دیئے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ مسلمانوں کے لئے خصوصاً نو تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگا اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر اور اس رسالہ کو اصل رسالہ کی طرح مقبول ومفید بنائے۔

آمین

(بندہ محمد شفیع عفی اللہ عنہ) دار العلوم کراچی ۲۶/ رجب ۱۳۷۵ھ

Marfat.com

تقریظ از مولانا اطہر علی صاحب شیخ الجامعہ الامدادیہ کوڑ گنج

میں نے عزیزی مولانا محمد علی صاحب لطفی بیرہ حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علیگڑھی کی تازہ محنت کا ثمرہ "رموز کائنات" ترجمہ اردو الحکمۃ فی مخلوقات اللہ مصنفہ امام غزالیؒ کا مطالعہ کیا، موصوف نے اس سلسلہ میں جس محنت کا ثبوت دیا ہے وہ قارئین رسالہ کو خود محسوس ہو جائے گا امام غزالیؒ کے بعض رسائل ایسے ہیں کہ جن کا اگر اردو ترجمہ ہو جائے تو ہمارے نوجوانوں کے لئے بیحد مفید ثابت ہونگے ان رسائل میں سے ایک رسالہ یہ بھی ہے۔ تصنیف کے لئے تو امام غزالیؒ کا نام ہی کافی ہے لیکن اس کے ترجمہ میں لطفی صاحب نے جو خوبیاں رکھی ہیں وہ مطالعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں مترجم کو ان کی کوششوں پر مبارکباد دیتا ہوں اور تمام مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ لطفی صاحب کی محنت و عرق ریزی کو قبول فرمائیں۔ اور مطالعہ کرنے والوں کو اس کے فوائد و ثمرات سے مستفیض ہونے کا موقع بخشیں۔ آمین یارب العالمین۔

فقط

اطہر علی

۳۱/ اگست ۵۷ء

Marfat.com

مقدمہ

ستائش می سزد البتہ یکتا ذات یزداں را
کہ او از نطق تشریف شرف بخشید انساں را

حامداً ومصلیاً

انسان کی فطرت ہے کہ ہر شئے کی حقیقت وحکمت معلوم کرنے کی جستجو کرتا ہے، اور یقیناً اشیاء کی حقیقتوں کا علم قلبی اذعان ویقین کے ثبات واستحکام کا موجب ہے۔ اسی حکمت ومصلحت کے پیش نظر خالق کائنات نے اپنی مخلوقات ومصنوعات میں غور وفکر کرنے کی جا بجا دعوت دی ہے۔

انظروا الی آثار رحمة اللّٰه۔ رحمت الٰہی کی نشانیوں کو دیکھو کہ کس طرح
کیف یحیی الارض بعد موتہا موت کے بعد زمین کو زندگی بخشتا ہے
ان ذالک لمحی الموتی۔ بیشک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔

مرد مومن کی حق شناس نگاہ میں کائنات ارضی وسماوی کی ادنی سے ادنی چیز بھی اسرار قدرت کے بیش بہا خزانوں کو اپنے اندر مستور کیے ہوئے ہے اور اس کی بصیرت افروز نظر جمادات کے ایک ایک سنگریزے ہیں، اور نباتات کے ایک ایک پتے میں معرفت الٰہی کے دفتر بے پایاں کا جلوہ دیکھ رہی ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے صانع وخالق کے وجود اور اس کے کمال قدرت کی زبان حال سے شہادت دے رہا ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لاشریک لہ گوید

عربی کے ایک شاعر نے اس مفہوم کو ادا کیا ہے۔

وفی کل شیء لہ آیۃ
تدل علی انہ واحد

Marfat.com

اس موضوع پر فاضل مصنفین نے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی "حجۃ اللہ البالغہ ایک مصری فاضل ابراہیم آفندی کی اسرار الشریعہ" حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی "الحکمۃ فی مخلوقات اللہ" اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی "المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ" یہ تمام تصانیف تقریباً اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ کسی میں تشریعی امور کی حکمتوں کا بیان کیا گیا ہے اور کسی میں تکوینی امور کی حکمتوں کا۔

آخر الذکر مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی گرانقدر تصنیف المصالح العقلیہ میں تشریعی امور کی حکمتوں اور ان کی مخفی اسرار کو بے نقاب کیا ہے جس کو پڑھ کر قلب میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

نیشنل اسمبلی پاکستان کی لائبریری میں جب یہ کتاب میرے ہاتھ لگی اس کو پڑھا اور بالاستیعاب پڑھا۔ کتاب قابل دید ہے اور اپنی نوعیت میں نہایت دلچسپ اور مفید تصنیف ہے۔

مصنفین اسلاف نے اپنی مختصر و مشغول زندگی کے قیمتی لمحات صرف کر کے کیسی کیسی گرانقدر علمی خدمات انجام دی ہیں۔ اور اپنے مابعد کے لئے کیسے کیسے بیش قیمت علمی خزانے جمع کر کے کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ ان گرانقدر علمی خدمات کا صلہ انسان کیا ادا کر سکتا ہے اس کا اجر جزیل اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائے گا۔ واللہ عندہ حسن الثواب۔

حضرت مولانا تھانوی مرحوم کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد دل میں شوق پیدا ہوا کہ اس قسم کا مختصر رسالہ یا کتابچہ میں بھی لکھوں کہ آخرت میں ذریعہ نجات ہو اپنی علمی بے مائیگی کا پورا پورا احساس تھا، جو ہمت کو پست کئے ہوئے تھا۔ لیکن یہ شوق اس حد تک بڑھا کہ طبیعت نے مجبور کر دیا اور دل میں یہ عزم کر لیا کہ کم از کم کسی ایسی کتاب کا ترجمہ ہی کیا جائے جو اس موضوع پر ہو کہ ما لا یدرك كله لا يترك كله

جس کتاب پر نظر کی کسی نہ کسی نے اس کا ترجمہ کر کے "السابقون الاولون" میں اپنے لئے مقام حاصل کر لیا ہے۔ آخر حضرت امام غزالیؒ کی کتاب "الحکمۃ فی مخلوقات اللہ" ہاتھ آئی، پھر اس کے ترجمہ کی تلاش و جستجو کی کہ میری یہ سعی تحصیل حاصل نہ ہو، باوجود تلاش کے اس کا کوئی ترجمہ دستیاب نہ ہو سکا، خیال کیا کہ شاید قدرت نے یہ سعادت مجھ جیسے تہی دامن ہی

Marfat.com

کے نصیب میں رکھی ہو، قلم اٹھایا اور ترجمہ شروع کر دیا۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر صاحب قلم تصنیف و تالیف کے بلند مقام پر بیٹھنے کا جائز حقدار نہیں ہوتا

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

اگر چہ میرے ذوق و شوق نے مجھے اس خدمت کی تکمیل کے لئے آمادہ کر دیا ہے، تاہم میں کسی طرح بھی مصنفین و مترجمین کی صف میں کھڑے ہونے کا اپنے کو اہل نہیں سمجھتا، ہاں یہ ضرور یقین رکھتا ہوں کہ جب اس سراپا رحمت کی بارش خادمان علوم پر برسے گی تو یقین ہے کہ اس کی باران رحمت کے دو چار قطرے میرے دامن عصیاں پر بھی ضرور پڑیں گے۔ اور یقیناً مجھ جیسے ناکارہ اور آلودۂ عصیاں کی مغفرت کا سامان ہو جائیں گے کہ،

رحمت حق بہا نہ می جوید

اثنائے ترجمہ میں ہندوستان کا سفر پیش آ گیا، ہر چند کہ کتاب سفر میں ہمراہ تھی لیکن سفر میں اتنا موقع نہ مل سکا کہ اس کام کو جاری رکھ سکتا، اور تقریباً ۲ ماہ کے لئے یہ سلسلہ مسدود ہو گیا، واپس آ کر اس کی تکمیل کی۔

ابتدائے کتاب میں فاضل مصنف حضرت امام غزالیؒ کی مختصر سوانح حیات بھی مستند و معتمد کتابوں سے مطالعہ کر کے لکھی ہے کہ صالحین کا تذکرہ بھی ذکر خیر اور عمل صالح میں شامل ہے، اور اس کی رحمت سے بعید نہیں کہ یہی کام بارگاہ ایزدی میں میری نجات کا ذریعہ ہو جائے کہ وہ نکتہ نواز ہے

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

کتاب کے ترجمہ کرنے میں اس امر کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی فروگزاشت نہ ہو تاہم انسان خطا و نسیان سے اپنے دامن کو پاک نہیں رکھ سکتا۔ وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔

ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ میری کوتاہیوں کو بمصداق "واذا مروا باللغو مروا کراما" درگزر فرماتے ہوئے میرے حق میں دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر خدمت کو شرف قبول عطا کرے اور میری نجات کا وسیلہ بنائے۔

ان اجری الا علی اللہ (مترجم محمد علی لطفی ۱۹۵۶ء)

Marfat.com

مصنف کے حالات

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

یہ ایک ایسی باکمال شخصیت کا تذکرہ ہے جو عالم باعمل بھی تھا اور درویش کامل بھی، ایک لائق مصنف بھی تھا اور مصلح صادق بھی، جو غزالی کے مشہور لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

نام اور سنہ ولادت...... امام غزالی کا نام محمد ہے، ابوحامد کنیت اور غزالی عرف ہے، اور لقب زین الدین۔ بیشتر مورخین غزالی کی نسبت طوس کے قریہ غزالہ کی طرف بیان کرتے ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ اس کی نسبت ”غزال“ کی مناسبت سے ہے، جس کے معنی کاتنے والے کے ہیں امام غزالی کے والد ماجد اون کاتنے اور اس کی تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔ اس نسبت سے ان کو غزالی کہا جاتا تھا۔

امام غزالی خراساں کے ضلع طوس میں طاہران کے مقام میں ۴۵۰ھ کو پیدا ہوئے، جب ان کے والد کا انتقال ہونے لگا تو اپنے دونوں بیٹوں امام محمد غزالی اور احمد غزالی کو اپنے ایک دوست کے سپرد کر دیا کہ وہ ان کو تعلیم دلائیں۔

تعلیم...... سرمایہ ختم ہو جانے پر اس درویش دوست نے بھی افلاس و تنگدستی کی وجہ سے ایک مدرسہ میں داخل کر دیا، جہاں خورد و نوش کا انتظام بھی تھا، امام غزالی نے ایک موقع پر اس کا ذکر اس طرح کیا ہے: طلبنا العلم لغیر اللہ فابی ان یکون الا للہ ہم نے پیٹ کی خاطر (غیر اللہ کے لئے) علم سیکھنا شروع کیا تھا لیکن تقاضائے علم نے اس طرح سے علم کے حصول کا انکار کیا اور بتایا کہ علم محض اللہ ہی کے لئے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس زمانہ میں آج کی طرح باقاعدہ اسکول و مدارس نہیں تھے، اہل علم مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ کر تعلیم دیتے تھے۔

امام غزالی نے اپنے ہی شہر کے ایک لائق عالم احمد بن محمد راذکانی سے ابتدائی تعلیم

Marfat.com

حاصل کی، پھر جرجان میں امام ابونصر اسماعیل سے، جو کچھ پڑھتے تھے اس سے متعلق اساتذہ کی تقریر اور نوٹ لکھتے جاتے تھے جیسا کہ اس زمانے میں طریق تھا، یہاں سے فیض حاصل کرنے کے بعد نیشاپور چلے گئے اور وہاں کے ایک مشہور عالم دین امام الحرمین عبدالملک ضیاء الدین کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا، یہ بزرگ اونچے درجے کے علماء میں شمار کیے جاتے تھے، ان سے استفادہ کے بعد امام غزالی کی علمی قابلیت کی بڑی شہرت ہوگئی اور بڑے بڑے علمی معرکوں میں امام غزالی کو فتح و کامیابی حاصل ہوئی۔

ایک مرتبہ نظام الملک طوسی کے دربار میں مجلس مناظرہ منعقد تھی، علمی مباحث پر تذکرہ تھا، دور دراز مقامات کے مشاہیر علماء موجود تھے، امام غزالی بھی شریک تھے، اس مباحثہ میں فتح و کامرانی سہرا جس کے سر رہا، یہ ایک نوعمر اور جواں سال امام غزالی تھے، اس کامیابی اور فتح مبین نے امام غزالی کی شہرت میں چار چاند لگا دیئے۔

امام غزالی کے عہد طالب علمی کا ایک واقعہ مشہور ہے، ایک بار جب وطن واپس آ رہے تھے، راستہ میں قافلہ لوٹ لیا گیا، اور امام صاحب کی پونجی بھی چھین لی گئی امام غزالی کو اپنی پونجی میں جس چیز کے چھن جانے کا قلق تھا، وہ ان کے تعلیمی نوٹ تھے جو اساتذہ کی تقاریر کے دوران لکھ کر تیار کیے تھے۔ ڈاکوؤں کے سردار سے جا کر اس کا مطالبہ کیا، ڈاکوؤں کے سردار نے کہا پھر تم نے خاک پڑھا اور ہنسکر وہ کاغذات واپس کر دیئے۔

کہنے کو تو یہ ایک معمولی بات تھی لیکن اس طعن کا امام صاحب کے قلب پر اتنا اثر ہوا کہ پھر جو کچھ پڑھا اس کو سینے میں محفوظ رکھا۔

تحصیل علم حدیث...... تمام علوم سے فارغ ہونے کے بعد علم حدیث کی تکمیل کا شوق پیدا ہوا، اور اس کی تحصیل کے لئے علامہ اسماعیل حفصی اور حافظ عمر بن ابی الحسن روسانی پر نظر انتخاب پڑی، یہ دونوں بزرگ علم حدیث میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔

موخر الذکر عالم حدیث کو امام غزالی نے وطن طوس میں اپنے یہاں مہمان رکھا، ان کی خدمت کی اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا، علم حدیث کی مشہور کتابیں صحیحین، صحیح بخاری، اور صحیح مسلم انہیں بزرگ سے پڑھیں اور اس طرح امام غزالی نے اپنے فن حدیث کے شوق کو آخر عمر میں پورا کیا۔

Marfat.com

نظامیہ کی مسند نشینی......۴۸۴ھ میں امام غزالی نہایت عظمت وشان کے ساتھ دارالعلوم نظامیہ کی مسند تدریس پر فائز ہوئے نظامیہ وہ دارالعلوم تھا جس کو نظام الملک طوسی نے کثیر رقم خرچ کر کے قائم کیا تھا، اس کی مسند نشینی معمولی منصب نہ تھا، اس مسند پر بڑی بڑی جلیل القدر اور باکمال ہستیوں نے درس دیا تھا امام غزالی کا اس منصب پر فائز ہونا اور مسند تدریس پر معمور کیا جانا اہل علم طبقہ کی نظر میں بڑی کامیابی تھی۔

عرصہ تک امام غزالی نے اس خدمت تدریس کو بحسن وخوبی انجام دیا اور ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا، آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے صاحب کمال اور اہل علم ہوئے۔

عزلت نشینی......امام غزالی کی طبیعت میں قدرے جاہ پسندی اور تمکنت تھی اور بہت نازک مزاج تھے، ریشم کے کپڑے زیب تن رہتے، ابن جوزی لکھتا ہے، کان یلبس الحریر والذہب (ریشم اور سونا) پہنا کرتے تھے۔

لیکن ایک وقت وہ آیا کہ امام غزالی کی طبیعت میں غیر معمولی انقلاب پیدا ہوا اور دنیا سے قطعاً ترک تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے۔ علمی مباحثوں اور مناظروں سے نفرت ہو گئی، تحقیق وتدوین کی طرف توجہ کی، دنیا کے ان نمائشی ہنگامہ آرائیوں سے تنفر ہو گیا، کھانا پینا بالکل سادہ رہ گیا، تکلفات وتعیشات برطرف ہوئے، بدن پر قیمتی لباس فاخرانہ کی جگہ معمولی کمبل رہتا تھا کھانے لذیذ ومرغن غذاؤں[1] کے بجائے معمولی ساگ پات پر گزر بسر تھی رفتہ رفتہ طبیعت پر تصوف کا رنگ غالب آ گیا۔ اور خلوت میں مجاہدات وریاضات ان کی زندگی کا معمول ہو گیا اور شیخ بوعلی فانذی سے آپ نے بیعت کی۔

عزلت نشینی کے زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے امام غزالی کو ایک صحراء میں پریشان حال جاتا ہوا دیکھا ایک خرقہ زیب تن تھا پانی کی چھاگل ہاتھ میں تھی، یہ شخص امام غزالی کو حلقہ درس وتدریس میں اس شان سے دیکھے ہوئے تھا، جب چار چار سو مشتاقان علم کا جھرمٹ امام کے گرد ہوتا تھا۔

اس نے امام غزالی کو اس پراگندہ حال میں دیکھ کر پوچھا، کیا یہ حالت پہلے سے بہتر ہے، امام غزالی نے بہ نظر حقارت اس کی طرف دیکھا اور یہ دو شعر پڑھے[1]

[1] میں نے لیلیٰ وسعدیٰ کا عشق تو منزل پر ہی چھوڑ دیا۔ اور اب میں اپنے حقیقی محبوب اور رفیق اعلیٰ، بقیہ حاشیہ....

Marfat.com

ترکتُ ھویٰ لیلیٰ وسعدیٰ بمنزل وعدت الی مصحوب اول منزل
فنارت بی الاشواق مھلاً فھذہ منازل من تھری رویدك فانزل

عزلت نشینی کا محرک......امام غزالی کو درس وتدریس کے مبارک شغل بحث وتحیص کے علمی تذکروں اور وعظ ونصیحت کی پاک مجلسوں سے عزلت نشینی اور اس درویشانہ سادہ زندگی کو پسند کرنے کا وہ قوی محرک کیا تھا جس نے امام کے قلب پر ایسا اثر کیا تھا۔اس کی بابت مورخین نے امام غزالی کے بھائی احمد الغزالی سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے۔

ایک مرتبہ امام غزالی وعظ فرما رہے تھے ہزاروں علماء صلحاء مشائخ اور امراء بیٹھے تھے کہ اچانک ان کے بھائی احمد الغزالی آ نکلے اور اس طرح مخاطب ہوئے۔

اصبحت تھدی ولاتھتدی وتسمع وعظا ولا تسمع
فیا حجر الشحر حتی متی تسن الحدید ولا تقطع

ان دو شعروں کا امام کے قلب پر یہ اثر ہوا کہ پھر کبھی وعظ نہ کہا، اپنے باطن کی اصلاح وتعمیر میں ایسے مشغول ہوئے کہ دنیا ومافیہا سے بالکل بے نیاز ہو گئے، ساری عمر مجاہدات وریاضات میں بسر کی۔

علامہ شبلی نے بھی امام غزالی کی زندگی میں انقلاب کا سبب اسی واقعہ کو ٹھہرایا ہے۔

لیکن خود امام غزالی اپنی تصنیف ''المنقذ فی الضلال'' میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

''ثم انی فرغت من ھذہ العلوم اقبلت
بھمتی علی طریق الصوفیۃ وعلمت ان

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......کی طلب وجستجو میں رواں دواں ہوں، شوق محبت نے مجھے للکارا، او صحرا نوردا کدھر جاتا ہے۔ادھر آ کہ تیرے محبوب کا مقام یہ ہے اب اپنے سفر کو ختم کر۔

ببین حقیر گدایان عشق را کیں قوم
شہان بے کمر وخسروان بے کلہ اند

۱ تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو، لیکن خود ہدایت پر عمل نہیں کرتے، دوسروں کو پند ونصیحت کرتے ہو لیکن خود اس پر کار بند نہیں، پس اے سنگ فسان آخر کب تک تم اس طرح سے لوہے کو تیز کرتے رہو گے اور کاٹو گے نہیں۔

Marfat.com

طریقتهم انما تتم بعلم وعمل وکان حاصل علمهم قطع عقبات النفس والتنزه عن اخلاقها المذمومة وصفاتها الخبيثة حتى يتوصل بها الى تخلية القلب من غير الله وتحليه بذكر الله

جب میں ان علوم سے فارغ ہو کر صوفیاء کے طریق کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم وعمل سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کا قلع کرنا، اخلاق رذیلہ اور صفات خبیثہ سے پاک و منزہ ہونا ہے تا کہ اس کے ذریعہ اپنے قلب کو غیر اللہ کی آلودگیوں سے پاک وصاف کرلیا جائے۔ اور ذکر الٰہی کے نور سے اس کو منور کیا جائے۔

امام غزالی اپنی اس درویشانہ پاک زندگی پر ایسے شاد کام تھے کہ پچھلی زندگی کو اس کے مقابلہ میں جاہلانہ تاریک زندگی بتاتے تھے۔

امام غزالی کی صحرا نوردی کے زمانہ میں کسی نے فتویٰ طلب کیا، آپ نے جواب میں کہا مجھ سے دور ہو، "ایام البطالہ" کی یاد تازہ کرتا ہے جس زمانہ میں فتویٰ نویسی کا کام کیا کرتا تھا، اس زمانہ میں اگر تو یہ سوال کرتا تو میں جواب دیتا۔

اس جواب سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام غزالی اس معراج کمال پر تھے کہ درس وفتویٰ کے علمی دور کو ویرانی اور خرابی کا دور بتاتے ہیں۔

اے دل طلب کمال در مدرسہ چند
تکمیل اصول وحکمت وہندسہ چند
ہر فکر کہ جز ذکر خدا وسوسہ ست
شرمے ز خدا بدار ایں وسوسہ چند

ذوالنون مصریؒ نے غالباً ایسے ہی پاک باطن نفوس کی بابت یہ کہا تھا۔

هم قوم اثر والله على كل شئ

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ماسوی اللہ پر اللہ کو ترجیح دی ہے اور بس اس کے ہو گئے خدا نے بھی انھیں نواز لیا۔

یقیناً انسان جب اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کی زندگی کا حاصل بجز محبوب کے اور کچھ نہیں ہوتا

Marfat.com

زآمیزشِ جان وتن توئی مقصودم
وزمردن وزیستن توئی مقصودم
تودیر بزی کہ من رفتم زمیاں
گرمن گویم زمن توئی مقصودم

شعر گوئی......... امام غزالیؒ کو شعروسخن سے بھی مناسبت تھی لیکن صرف رباعیات کی حد تک کہ قصائد، مدح سرائی اور خوشامدوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے امام غزالی کی آزادانہ افتاد طبیعت کے موزوں نہ تھے بدیں وجہ آپ نے کبھی کسی کی شان میں قصیدہ نہیں لکھا، ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

باجامہ نماز بے ببر خم کردیم
وزآب خرابات تیمم کردیم
شاید کہ دریں میکدہ ہادریابیم
آں یار کہ در صومعہ ہاگم کردیم

اس رباعی میں رنگ تصوف جھک رہا ہے، گویا عشق محبوب میں اس درجہ وارفتہ وسرشار ہیں کہ زبان حال کے علاوہ زبان قال میں بھی اس کو ضبط نہ کر سکے۔

تصنیفات......... اگرچہ زہدوتقویٰ کی اس زندگی میں تمام معمولات متروک ہو چکے تھے، تاہم تصنیف وتالیف کا مشغلہ اس عزلت نشینی کی زندگی میں بھی جاری تھا، امام غزالی کی تصنیفات یوں تو بیشتر علوم وفنون میں پائی جاتی ہیں خاص کر علم کلام اور اخلاق پر آپ کی تصانیف نہایت مبسوط اور جامع ہیں منجملہ ان کے چند تصانیف درج ذیل ہیں۔

"احیاء العلوم" "کیمیائے سعادت" "جواہر القرآن" "تہافتہ الفلاسفہ" "حقیقۃ الروح" "عجائب المخلوقات" "الحکمت فی مخلوقات اللہ" یاقوت۔

آپ کی بے شمار تصنیفات کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس ۵۵ سال کی مختصر ومحدود زندگی میں عزلت نشینی وریاضن ومجاہدات کا زمانہ بھی شامل ہے، عہد طفولیت وعہد طالب علمی بھی اور پھر مصائب وآلام روزگار سے بھی دوچار ہونا، تصنیفات وتالیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دینا

Marfat.com

آسان نہیں۔

اس سعادت بہ زور بازو نیست

وفات...... افسوس یہ آفتاب علم وحکمت ۵۰۵ھ میں اپنی عمر کے ۵۴ سال پورے کر کے اپنے جائے ولادت طاہران میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، لیکن اپنی تصانیف وتالیفات میں آج بھی اسی طرح روشن ودرخشاں ہے اور تاقیامت روشن رہے گا۔ داراشکوہ صاحب سفینۃ الاولیاء نے امام غزالیؒ کی قبر بغداد میں بتائی ہے۔

ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''الشبات عند الملمات'' میں امام غزالی کی وفات سے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ ۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ (مطابق ۱۸/دسمبر ۱۱۱۱ء) کو دوشنبہ کی صبح کو حسب معمول اٹھے، وضو کیا، نماز فجر ادا کی، اور کفن منگوایا، آنکھوں سے لگایا، اور کہا کہ آقا کا حکم سر آنکھوں پر، اور لیٹ گئے اور ایسے لیٹے کہ پھر کبھی نہ اٹھے۔

رفت آں طاؤس عرشی سوئے عرش
چوں رسید از ہاتفانش بوئے عرش

مترجم
محمد علی لطفی
۱۹۵۶ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ کتاب

حمد وسپاس اس خدائے واحد کے لئے جس نے اپنے مقربین بارگاہ کو مخصوص نعمتوں سے نوازا اور اپنی مصنوعات میں غور وفکر کرنے والوں پر خاص لطف وکرم فرمایا اپنی کائنات میں تدبر وتفکر کو ایمان ویقین کے استحکام کا ذریعہ بنایا ان اصحاب فکر ونظر نے غور وفکر سے اپنے خالق حقیقی کو پہچانا اس کے واحد ویکتا ہونے کا کامل یقین حاصل کیا اور خدا کی عظمت وقدرت کا مشاہدہ کیا اور اس کو تمام عیوب سے منزہ ومبرا ہونے کا دل سے اعتراف کیا بلاشبہ وہی عدل وانصاف کے ساتھ قائم ہے اور اہل نظر اس کے کمال قدرت پر شاہد عدل ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ صرف وہی قادر وتوانا ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا ہے۔

خدا اور اس کے فرشتے شاہد ہیں کہ بجز اس ذات واحد کے کوئی لائق پرستش نہیں اور صرف وہی عدل وانصاف کا مالک ہے اپنے ارادہ میں غالب ہے اور اپنے تمام امور کو حکمت ومصلحت کے ساتھ انجام دینے والا ہے۔

درود وسلام ہو اس ذات پر جو سید المرسلین امام المتقین ہیں اور ہم جیسے گنہگاروں کی سننے والے ہیں جن کا اسم گرامی محمد ﷺ ہے جو تمام انبیاء میں آخری نبی ہیں اور صلوۃ وسلام ہو ان کی اولاد واصحاب پر جب تک دنیا قائم ہے۔

Marfat.com

اما بعد! خدا تجھ کو حقیقت شناسوں کی توفیق عطا کرے اور دین کی فلاح وکامرانی نصیب فرمائے خدا کی معرفت اس کی عجائبات ومصنوعات میں تدبر وتفکر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور در حقیقت یہی معرفت ایمان ویقین کے ثبات واستحکام کا موجب ہے اور اسی سے ابرار متقین کے منازل ومدارج میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ حقیقی معرفت کا حصول مخلوقات الٰہی میں غور وفکر کرنے پر منحصر تھا اس لئے اس کتاب کو ارباب عقول کی رہ نمائی اور ان کے استفادہ کے لئے لکھا گیا اس میں ان حکمتوں اور مصلحتوں کو بیان کیا گیا ہے جن کی طرف قرآن حکیم نے متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا کی وحی کے ذریعہ اس کی رہ نمائی فرمائی اور اصحاب نظر اور ارباب عقول کو اپنی مصنوعات میں غور فکر کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق دعوت دی۔

قل انظروا ماذا فی السموات والارض

اے محمد ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ آسمان وزمین میں کیا کیا چیزیں ہیں

وجعلنا من الماء کل شئی حی افلا یومنون

اور پانی سے ہم نے ہر چیز پیدا کی اب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے

اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں جن کے معانی میں غور وفکر کرنے سے خدا کی معرفت اور حقیقی عظمت کا علم ہوتا ہے جو سعادت وفلاح کا حقیقی سبب ہے اور جس پر انعامات الٰہی کا مدار ہے۔

اس کتاب میں چند ابواب ہیں اور ہر باب میں مخلوقات الٰہی کی تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں کو حتی الامکان وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اگر دنیا کی تمام مخلوقات اپنی تمام قوتوں کو صرف کر دے کہ کسی ایک مخلوق الٰہی کی تمام حکمتوں کو بالاستیعاب بیان کرے تو یہ کام نامکمل رہے گا اور سب عاجز ہوں گے۔

فلسفی سر حقیقت نہ توانست کشود
گشت راز دگر آں راز افشائی کرد

Marfat.com

کائنات ارضی وسماوی میں غوروفکر کی دعوت

افلم ینظروا الی السماء
فوقھم کیف بنینا ھا وزیناھا
ومالھا من فروج۔

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نظر نہیں کی ہم نے اس کو کیسا بلند اور وسیع بنایا ہے پھر ستاروں سے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

اللہ الذی خلق سبع سمٰوات

اس خدا ہی نے ساتوں آسمان کو پیدا کیا۔

جب تم اس جہان میں غوروفکر کرو گے تو ایسا معلوم ہوگا یہ تمام جہاں ایک مکان ہے جس میں ہماری جملہ ضروریات کی اشیاء موجود ہیں آسمان کی نیلگوں چھت ہے اور زمین ہمارے لئے بستر ہے یہ سیارے آسمان میں روشنی کے لئے بجلی کے قمقموں کے قائمقام ہیں جواہرات زمین کے تہ خانوں میں اس طرح سے محفوظ ہیں جیسے قیمتی ذخیروں کو جمع کر دیا گیا ہے اور ہر ایک چیز اپنے اپنے قرینہ سے اپنے مقصد کی تکمیل میں کارفرما ہے اس مکان کا مالک انسان ہے اور اس مکان کی جملہ اشیاء مالک مکان کی ضروریات کے لئے مہیا کی گئی ہیں نباتات ہوں یا حیوانات سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں خالق حقیقی نے آسمان کا رنگ ایسا بنایا ہے جو نگاہ کے لئے موزوں ہے اور قوت بخشتا ہے اگر اس رنگ کے خلاف یہ آسمان شعاعوں اور انوار کا مجموعہ ہوتا تو نگاہوں کو خیرہ کر دیتا کیونکہ سبز اور نیلگوں رنگ نگاہ کے لئے مناسب اور سازگار ہے انسان آسمان کی وسعت وفراخی کو دیکھ کر نفس میں کیف اور سرور حاصل کرتا ہے خصوصاً اس وقت جبکہ ستارے اپنی پوری تابانی کے ساتھ نکلے ہوئے ہوں اور ماہتاب اپنی درخشانی سے تمام جہان کو منور کئے ہوئے ہو دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اپنے شاہی محلوں میں زیب وزینت کے لئے بہتر سے بہتر سامان مہیا کرتے ہیں اپنے دربار کی چھتوں پر نہایت

Marfat.com

خوبصورت نقوش ونگار کراتے ہیں جن کو دیکھ کر آنکھوں میں نور اور قلب میں سرور پیدا ہوتا ہے لیکن ان زیبائش وآرائش کی طرف بھی اگر متواتر دیکھا جائے تو آخرکار دل اکتا جاتا ہے اور ایک قسم کی کوفت ہونے لگتی ہے برخلاف آسمان کے قدرتی مناظر وخوشنمائی اور اس کی وسعت اور ستاروں کی چمک ودمک کو جتنا بھی دیکھا جائے طبیعت اس سے کبھی نہیں گھبراتی بلکہ قدرت کی گوناگوں گلکاری اور اس کی صنعت کو دیکھ کر انسان کے دل میں خدا کی عظمت اور اس کے کمال وقدرت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے اور وہ دل کی گہرائی سے بے ساختہ پڑھنے لگتا ہے کہ ربنا ماخلقت ھذا باطلا اسی لئے حکماء نے کہا ہے کہ جب تو رنجیدہ ہو تو آسمان کی طرف دیکھ کر خدا کی قدرت اور اس کی صنعت میں اپنا دل بہلا کیونکہ یہ تیرے رنج وغم کو دور کرنے کے لئے کافی سامان ہے اور ستاروں کو دیکھ اور پھر ان کی برکتوں اور فائدوں پر نظر کر کہ دنیا والے کس طرح ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور سمندر کی تاریک اور اندھیری راتوں میں یہ ستارے مسافروں کی کیسی رہنمائی کرتے ہیں۔

اور بعض حکماء اس کے بھی قائل ہیں کہ ستاروں میں جانے کے لئے راستے بنے ہیں اور ایک سیارے کے باشندے دوسرے سیاروں کے باشندوں کے پاس آتے جاتے ہیں۔

کسی حکیم نے کہا ہے کہ آسمان کی طرف نظر کرنے سے دس فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) انسان کا رنج وغم دور ہوتا ہے
(۲) برے خیالات دور ہوتے ہیں۔
(۳) خوف وہراس دل سے جاتا رہتا ہے۔
(۴) خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے۔
(۵) خدا کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے۔
(۶) فاسد تفکرات دور ہوتے ہیں۔
(۷) سوداوی امراض کو فائدہ ہوتا ہے۔
(۸) مشتاق دلوں کو تسلی وسکون ہوتا ہے۔
(۹) عشق الٰہی کے بیماروں کو شفاء ہوتی ہے۔
(۱۰) دعا کرنے والوں کی دعاؤں کا مرکز وقبلہ ہے۔

Marfat.com

آفتاب کی پیدائش کی حکمتیں

وجعل الشمس سراجا

خدا نے سورج کو مثل روشن چراغ کے بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے جن حکمتوں اور کاموں کے لئے آفتاب کو پیدا فرمایا ہے اس کا مکمل علم تو خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ ہم اپنی قدرت ونظر کے مطابق جتنا جانتے ہیں یہاں لکھتے ہیں۔

آفتاب کی حرکت سے رات اور دن کا قیام ہے اگر یہ نہ ہو تو دین کے بہت سے کاموں کا نظام درہم برہم ہو جائے اور دنیا کے بھی بہت سے کام خراب ہو جائیں۔ روزگار اور معاش کی طلب وسعی میں بڑی دشواری ہو جائے اگر ساری دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو روشنی سے آنکھیں کیونکر لذت اٹھا سکتی ہیں اور اشیاء کے مختلف رنگ کا امتیاز کیونکر ممکن ہوگا انسانی جسم کو راحت وآرام کیونکر نصیب ہوگا بلکہ معدے میں غذا کے ہضم کا نظام بھی بگڑ جائے گا اسی طرح اگر روشنی ہی روشنی ہو اور آفتاب غروب نہ ہو تب بھی بڑی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی رات میں انسان آرام کر کے اپنے دن بھر کے تھکے ماندے جسم کو راحت پہنچا کر دوسرے دن کام کرنے کے قابل بناتا ہے اگر رات نہ ہو تو ایک طرف کام کرنے کی حرص وآزنفس میں بڑھے گی اور دوسری طرف آرام نصیب نہ ہونے سے جسم میں نئی اور تازہ قوت نہ ہوگی وہ کافی عرصہ تک کام کرتے رہنے سے مضمحل اور سست ہو جائے گی اس سے قویٰ میں اضمحلال اور بدن کے انتظام میں اختلال کا پیدا ہو جانا یقینی ہے اور یہ اسباب انسان کی بیماری کے لئے کافی ہیں اس طرح وہ جانور جو دن بھر کام کر کے رات کو کام چھوڑ کر آرام کرنے کے لئے تھان پر باندھ دیے جاتے ہیں تاکہ رات بھر آرام کر کے پھر دوسرے دن کام کرنے کے قابل ہو جائیں ان کا حال بھی زبوں ہو جائے گا ادھر آفتاب غروب نہ ہونے اور متواتر نکلے رہنے سے زمین اتنی گرم ہو جائے گی کہ زمین پر بسنے والے انسان وجانور اس گرمی کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے سورج کا طلوع وغروب دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر بڑی مصلحت وحکمت پر مبنی ہیں نیز دوسری مخلوق کا سکون وراحت اسی میں مضمر ہے۔ جس طرح ایک انسان بجلی کی متواتر روشنی سے گھبرا کر روشنی کو

Marfat.com

بند کر کے آرام حاصل کرتا ہے اور جب طویل تاریکی سے دل اکتا جاتا ہے تو روشنی کر کے اپنی اضطرابی کیفیت کو تسلی دیتا ہے اور جیسا کہ انسان آگ سے کھانا وغیرہ تیار کر کے خود متمتع ہوتا ہے پھر دوسروں کو دیدیتا ہے کہ اب وہ اس سے کھانا وغیرہ تیار کر لیں اور دوسرا تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو اسی طرح نظام عالم قائم ہے روشنی اور تاریکی سردی اور گرمی دونوں مل کر ہی ہمیں پورا پورا فائدہ پہنچاتے ہیں۔

اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اشارہ فرمایا ہے۔

قل ارأیتم ان جعل اللّٰہ
علیکم الیل سرمدا الی یوم
القیمۃ من الہ غیر اللّٰہ یاتیکم
بضیاء۔

آپ ان لوگوں سے کہیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر
اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی
رہنے دیتے تو کونسا معبود ہے جو روشنی لائے گا۔

پس جس طرح آفتاب کے طلوع وغروب میں حکمتیں ہیں اسی طرح تقدم وتاخر یعنی تغیر موسم کے اعتبار سے اس کے طلوع وغروب میں اوقات ومقام کا تغیر وتبدل اس میں بھی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں نباتات وحیوانات کا بہت کچھ نظام آفتاب کی اسی تقدیم وتاخیر سے طلوع وغروب ہونے پر موقوف ہے فصلوں کا پکنا اور غلہ کا اور پھلوں کا اپنے وقت پر پک کر تیار ہو جانا بھی اسی پر موقوف ہے اور شب وروز کا موسم کے لحاظ سے کم وبیش ہونا بھی اسی حکمت پر مبنی ہے اگر طلوع وغروب ایک مقررہ وقت پر ہی ہوا کرے تو رات دن میں یہ کمی بیشی کیونکر ہو سکتی ہے انسان کی افتادِ طبیعت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ وہ ہر آن تغیرات وتبدلات کو پسند کرتی ہے اور ان سے لطف اٹھاتی ہے۔ کل جدید لذیذ اوقات کا پہچاننا اور پھر اس کے مطابق اپنے کاموں کو ترتیب دینا وغیرہ یہ سب امور اسی آفتاب کے طلوع وغروب پر منحصر ہیں۔ دیکھو خدا نے رات کو راحت وسکون کا سبب اور دن کو طلب معاش کسب ومعیشت کے لئے کس حکمت ومصلحت سے بنایا ہے پھر سال میں موسموں کا تغیر وتبدل اور ان موسموں میں آب وہوا کے اثرات میں تبدیلیاں یہ سب آفتاب ہی کی برکتوں کا ثمرہ ہیں اور آب وہوا میں سردی وگرمی اور رطوبت ویبوست کے اثرات شجر ونباتات اور ان کے پھلوں اور پھولوں پر پڑتے ہیں اور آفتاب کے

Marfat.com

طلوع وغروب اور موسم کے تغیر وتبدل اور اس کے اثرات ہی سے بادلوں کا پیدا ہونا اور وقت پر بارش کا ہونا موقوف ہے جو انسانات حیوانات اور نباتات کے نشاۃ ثانیہ کا موجب ہے انسان کی طبیعتوں میں اختلافات بھی اس کی برکات کا سبب ہے مزاج میں کمی وبیشی اور اعتدال کا پیدا ہونا اس کا دارومدار بھی اسی پر ہے غرض کہ امراض کا پیدا ہونا اور دوسرے موسم کے آنے سے امراض کا جاتا رہنا بدنوں میں قوت پیدا ہونا اور کاموں میں از سر نو جدوجہد کا جذبہ عمل پیدا ہونا یہ بھی اسی کے ثمرات ہیں یہ سب اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے اوقات پر تدریجی طور پر کام جاری ہیں جس میں بیش بہا حکمتیں ومصلحتیں مضمر ہیں جس پر نظر وغور وفکر سے اس صانع وحکیم کی کاریگری کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس نے کمال قدرت اور نہایت حکمت سے کیسا نظام عالم بنایا ہے۔

فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

پھر آفتاب کا برجوں میں جانا جس سے سال کے دوروں کا قیام ہے اور اسی سے موسم گرما موسم سرما ربیع وخریف چاروں موسم کا پیدا ہونا موقوف ہے اور اسی سے سال کا حساب اور مہینوں اور دنوں کا شمار اور چیزوں کی مدتوں اور عمروں کا علم اسی پر موقوف ہے۔

تمام جہاں پر آفتاب کے بلند ہونے پر نظر کرو خدا نے کس بلیغ حکمت سے اس کو بلند کیا ہے اگر ایک ہی جگہ پر وہ قائم ہوتا تو اس کی شعاعوں سے زمین کے ایک ہی حصہ کو فائدہ ہوتا باقی حصے اس کے فیض سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوتے اور پھر اس کے اثرات وثمرات بھی تمام جہاں کو یکساں طور پر نہیں پہنچ سکتے تھے اس کی روشنی ہمیشہ ایک ہی جہت پر پڑتی اور دوسری جہتیں اس سے محروم رہتیں یہ خدا کی بلیغ حکمت ہے کہ اس نے آفتاب کو متحرک بنایا طلوع ہوتے وقت جن اطراف واکناف میں اس کی روشنی پڑتی ہے غروب ہوتے وقت وہاں سایہ ہوتا ہے اور جو حصے طلوع ہوتے وقت روشنی سے محروم تھے اب غروب ہوتے وقت وہ بھی اس کی روشنی سے فیضیاب ہوتے ہیں اس طرح سے آفتاب کا فیض سب کو یکساں طور پر حاصل ہوتا ہے۔

اب رات ودن کی مقداروں پر نظر کرو خدا نے کس خوبی سے اس کا نظام رکھا ہے جس میں عالم کی فلاح وبہبود مدنظر ہے کہ اگر ذرا بھی اس میں فرق آ جائے تو اس کا بڑا اثر زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کو کم وبیش پہنچے گا خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات حیوانات کو لیجیے کہ جب تک وہ دن کی روشنی دیکھتے رہیں گے کام میں لگے رہیں گے حتی کہ ان کی قوت کمزور پڑ جائے گی چوپائے چرنے سے باز نہیں آئیں گے حد سے کسی چیز کا بڑھنا اس کے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے نباتات کو ذرا دیکھئے آفتاب کی حرارت اگر متواتر ان پر رہے گی تو نباتات خشک

Marfat.com

ہو کر جل جائیں گے اور یہی حال رات کے برابر رہنے کا ہے اگر دن نہ ہو اور رات ہی رہے تو حیوانات وانسان کیے طلب معاش اور کسب معیشت میں اختلال کا موجب ہو گی اور طبعی حرارتیں سرد پڑ جانے سے نباتات وحیوانات کے فساد وتلف ہو جانے کا سبب ہو گا جس طرح کہ اس مقام پر نباتات کا حال ہوتا ہے جہاں ہم آفتاب کی روشنی وگرمی پہنچنے کا بندوبست نہ کریں اور اس کی شعاعوں کے اثرات کو وہاں تک نہ پہنچنے دیں۔

❁❁❁❁❁❁

چاند ستاروں کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔

تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیھا سراجا وقمرا منیرا۔

وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان پر بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ آفتاب اور نورانی چاند بنایا۔

اس حکیم مطلق نے جب رات کو وجہ سکون وراحت بنایا ہوا کو خوشگوار ٹھنڈا کر دیا تو اس نے رات کو تاریک اور مطلق ظلمت نہیں رکھا۔ ورنہ رات کی تاریکی میں انسان اپنے ان کاموں کو کیونکر انجام دیتا جن کے انجام دینے میں وہ روشنی کا محتاج ہے کیونکہ شدت گرمی یا تنگی وقت کی وجہ سے کبھی اس کو راتوں کو اپنے دن کے کام انجام دینا ہوتے ہیں تو چاند کی روشنی سے اس کو بڑی مدد ملتی ہے اور چاند کو ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی سے جو بعض راتوں میں اپنی پوری تابانی سے پھیلی ہوتی ہے انسان کو اس سے نشاط وفرحت حاصل ہوتی ہے اور ان راتوں میں جب چاند کی روشنی پوری نہیں ہوتی ستاروں کی روشنی سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے اس کے علاوہ چاند ستاروں سے آسمان کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے دیکھنے والے کو ایک فرحت وانبساط حاصل ہوتا ہے خدا کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے کس خوبی سے رات کی تاریکی کو چاند ستاروں کی ٹھنڈی اور خوشگوار

Marfat.com

روشنی سے.......... دور کیا تا کہ انسان اپنی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

پھر چاند کی نقل و حرکت پر سالوں اور مہینوں کا علم کس طرح موقوف کیا ہے یہ اللہ کی بڑی مصلحت و حکمت ہے ستاروں میں روشنی کے علاوہ اور بھی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں زراعت و کاشت کا بہت کچھ معاملہ چاند ستاروں پر موقوف ہے۔

بحر و بر کے مسافرین کے لئے رہنمائی کا بڑا سبب ہے بڑے بڑے لق و دق جنگلوں میں رات کی تاریکی میں سفر کرنا اور اسی طرح سمندر کی تاریک راتوں میں راستہ کا معلوم کرنا انھیں سیاروں کے وجود پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وھو الذی جعل لکم
النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات
البر والبحر۔

اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے فائدے کے
لئے ستارے بنائے تا کہ تم ان کے ذریعہ
اندھیروں میں خشکی میں بھی اور دریا میں بھی
راستے معلوم کر سکو۔

آفتاب کی طرح ماہتاب کے طلوع غروب اور آنے جانے میں اور پھر اس کے پہلے دن طلوع ہونے اور کم و بیش ہونے اور بعض راتوں میں اس کے غائب ہونے اور بعض اوقات اس کے کسوف بے نور ہوتے میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ قدرت الٰہی پر دلیل ہیں ان کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟

پھر آسمان کا ان ستاروں کے ساتھ ہر شب و روز سرعت سے حرکت کرنا جس کو ہم خود بھی طلوع غروب کے وقت مشاہدہ کرتے ہیں اگر یہ حرکت اس سرعت سے نہ ہوتی تو یہ رات و دن کے ۲۴ گھنٹہ کی طویل مسافت کیونکر قطع ہوتی اگر خدائے تعالیٰ چاند کو ہم سے اتنا بلند نہ رکھتا جس سے ہم اس کی شدت رفتار کو محسوس نہیں کر سکتے تو یقیناً اس کی حرکت کی سرعت رفتار سے ہماری آنکھیں خیرہ ہو جاتیں جس طرح کہ کبھی کبھی خلا میں بجلی کے چمکنے سے ہم محسوس کرتے ہیں اور اس حکمت سے بھی اس نے ہم سے اتنا دور اور بلند رکھا ہے کہ قریب محسوس ہونے سے ایسے حادثات نہ پیدا ہوں جن کے ہم متحمل نہ ہوں اس لئے ایک خاص انداز و مقدار پر اس نے

Marfat.com

بنایا۔

ان ستاروں پر نظر کرو جو سال کے بعض ایام میں پوشیدہ رہتے ہیں اور بعض ایام میں طلوع جیسا کہ ثریا جوزاء اور شعریٰ اگر یہ ہمیشہ ایک وقت میں نکلتے رہتے تو انسان کو وہ فوائد حاصل نہ ہوتے جو اس موجودہ صورت میں حاصل ہیں اور انھیں فوائد و مصالح انسانی کے پیش نظر اس نے بنا تات نعش[1] کو ہمیشہ نکلا ہوا بنایا ہے جو کسی وقت غائب نہیں ہوتی کہ وہ بمنزلہ نشانات و دلائل کے ہے مسافروں کو رات کی تاریکی میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے اس طرح سے اگر یہ ستارے ایک جگہ پر ٹھہرے ہوئے بنا تا جو حرکت نہ کرتے اور ہر برج میں سے ہو کر نہ گزرتے تو پھر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے میں جو ان سے دلالت وہدایت کا کام لیا جاتا ہے اس سے ہم محروم ہو جاتے جس طرح کہ ہم چاند و سورج کے اپنے اپنے منازل و برجوں میں منتقل ہونے سے فوائد حاصل کرتے ہیں بالکل اسی طرح جیسا کہ زمین پر سفر کرنے والا راستہ کی منازل و مدارج میں ہو کر گزرنے میں اپنے لیے سہولت و فائدے حاصل کرتا ہے۔

کہ آسمان اور آسمان کے یہ تمام سیارے اس عالم پر سال کے چاروں فصلوں میں اس لئے گردش کرتے ہیں کہ اس میں حیوانات و نباتات و دیگر مخلوقات کے ہزاروں فوائد اور ان کی مصلحتیں مضمر ہیں۔

اس خالق کا یہ کمال قدرت ہے کہ اس نے آسمان کو ایسا بلند ایسا خوشنما اور مستحکم اور ثابت بنایا ہے کہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل محسوس نہیں کہ اس کا ادنیٰ سا تغیر بھی اہل زمین کے ایک بڑے تغیر و تبدل کا موجب ہوتا اور نظام عالم میں بڑا انقلاب پیدا ہو جاتا کیونکہ زمین کا نظم و نسق آسمان کے ساتھ کچھ اس طرح سے وابستہ ہے اور خدا کی یہ بڑی قدرت ہے کہ نظام عالم ایک نہج پر اسی طرح جاری اور ساری ہے۔ سبحان العلیم القدیر۔

❀❀❀❀❀❀

---

[1] بنات و نعش سے مرکب ہے قطب شمالی کے قریب چارپائی کی شکل میں چار ستارے ہیں جو نعش کہلاتے ہیں اور اس کے مشرقی شمالی پایہ کے متصل تین ستارے ہیں جو بنات کہے جاتے ہیں اسی طرح بنات النعش سات ستاروں کا مجموعہ ہے۔

Marfat.com

زمین کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

والارض فرشناها فنعم
الماهدون

اور ہم نے زمین کو بطور فرش بنایا سو ہم کیسے اچھے
بچھانے والے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے زمین کا کیسا اچھا بستر بنایا ہے جس پر ہم آرام کرتے ہیں اس بستر کے بغیر ہمارے لئے رہنا دشوار تھا پھر ہمارے لئے زندگی کی تمام ضروریات کھانے پینے کے سامان کے لئے زمین کو خزانہ بنایا ہماری ضرورت کی تمام چیزیں زمین سے حاصل ہوتی ہیں سردی اور گرمی سے حفاظت بھی زمین پر رہ کر کر سکتے ہیں اور بد بودار چیزیں اور مردار جن کے تعفن کی وجہ سے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے ایسی چیزوں کو زمین میں دفن کر کے ہم ان کی خراب ہوا کے اثر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

الم نجعل الارض كفاتا احياء
وامواتا۔

کیا ہم نے زمین کو زندوں مردوں کی سمیٹنے والی
نہیں بنایا۔

ہمارے لئے زمین پر راستے بنائے تاکہ ہم اپنے لئے ضروری سامان لانے لیجانے کے لئے سفر کریں اور ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں اس طرح ہمارے جانوروں کے لئے چارہ وغیرہ بھی زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے ہماری کھیتی باڑی بھی زمین پر ہوتی ہے ان تمام چیزوں میں ہم زمین کے محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ہمیں متنبہ کیا ہے:۔

اخرج منها ماءها ومرعاها
والجبال ارسٰها متاعا لكم

Marfat.com

ولانعامکم۔

زمین میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو گاڑ دیا تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کی خاطر۔

زمین کو نرم اور ہماری ضرورتوں کے مناسب پیدا فرما کر اس نے ہم کو اختیار دیا کہ ہم زمین کو اپنی ضرورتوں کے لئے استعمال کریں اس پر بیٹھیں آرام کریں سوئیں اپنے کام کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کریں یہ سب آسانیاں اس لئے حاصل ہیں کہ زمین کو ہمارے حسب حال بنایا ہے کیونکہ اگر یہ زیادہ نرم اور متحرک ہوتی تو ہم اس پر نہ مکانات بنوا سکتے نہ کھیتی باڑی کر سکتے نہ اس پر ٹھہر سکتے نہ آرام کر سکتے تھے جیسے کہ زلزلوں کے جھٹکوں سے ہم متوحش ہو جاتے ہیں اور اس سے ڈر کر ہم اپنا کوئی کام بھی نہیں کر پاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے نافرمان بندوں کی تنبیہ کے لیے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے کبھی کبھی اپنی قدرت اس طرح سے ظاہر فرماتا ہے یہ بھی خدا کی بڑی حکمت ہے۔

جس طرح خدا نے زمین کو مناسب نرم بنایا ہے اسی طرح اس نے مناسب خشک اور سرد بنایا ہے اور اگر زیادہ خشک پتھر جیسی سخت بنا دیتا تو ہم کاشت کے لئے اور مکانات کے لئے اس کو کیونکر استعمال کر سکتے اس لئے اس نے کمال حکمت سے اس کو مناسب نرم اور خشک سرد بنایا کہ زمین پر رہنے والوں کو زمین کے استعمال کرنے میں سہولت ہو پھر اس نے اپنی حکمت سے شمالی حصہ کو جنوبی حصہ سے قدرے بلند بنا دیا کہ پانی ایک طرف سے بہہ کر دوسری طرف جا سکے اور اس طرح سے حیوانات کو فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے اور آخر میں وہ پانی سمندر میں جا کر گر جائے اگر ایسا نہ ہوتا یعنی زمین ایک طرف سے ذرا بلند اور دوسری طرف سے ذرا نشیب میں نہ ہوتی تو پانی سطح زمین پر رک کر اس کو سمندر بنا دیتا اور آمد و رفت بند ہو جاتی لوگوں کے کاموں میں بڑا حرج واقع ہوتا جیسا کہ ہم سیلاب کے زمانے میں پریشانیوں اور تکلیفوں کو محسوس کرتے ہیں۔

اب زمین کے اندرون کی طرف ذرا غور کرو خدا نے اس کے اندر کیسے کیسے خزانے پوشیدہ رکھے ہیں کہیں جواہرات کی کانیں ہیں تو کہیں سونے چاندی کے خزانے کہیں یاقوت و زمرد کے ذخیرے کہیں لوہے تانبے سیسے گندھک ہڑتال۔ سنگ مرمر۔ چونا۔ سیمنٹ۔ ٹرولی۔ وغیرہ کے بڑے بڑے خزانے اگر تفصیل سے ان کو لکھا جائے تو اس کے لئے کافی وقت اور

Marfat.com

صفحات کی ضرورت ہوگی ان تمام ذخیروں اور خزانوں کو ہم اپنی ضرورتوں میں استعمال کرتے ہیں اور کس کس طرح سے یہ چیزیں ہمارے کام میں آتی ہیں۔

اگر زمین پہاڑ کی طرح بلند اور سخت ہوتی تو ہم اس سے خاطر خواہ نفع حاصل نہ کر سکتے تھے خدا نے اپنی حکمت سے مسطح اور ہموار حسب ضرورت نرم و سرد اور خشک بنایا کہ ہم اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں زمین کے پہاڑ کی طرح بلند و سخت ہونے میں ہم کاشت کے لئے اسے کیونکر استعمال کر سکتے تھے کیونکہ کاشت اسی زمین پر ہوسکتی ہے کہ زمین نرم ہو اور ہموار بھی ہوتا کہ ضرورت پر پانی کو پی سکے اور نرم و نازک پودے جب تناور درخت ہو کر زمین پر قائم ہوں تو درختوں کی جڑیں اور نرم و نازک ان کی رگیں زمین کی گہرائی میں چاروں طرف پھیل کر قائم رکھنے میں مددگار ہوں اور اس کو سرسبز و شاداب کرنے میں زمین سے اپنی خوراک حاصل کر کے درخت کو سیراب کر سکیں اور اس کو قائم رکھ سکیں۔

زمین کے نرم ہونے میں جہاں اور بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اس میں آسانی سے جہاں ہم چاہتے ہیں کنویں کھود لیتے ہیں اگر زمین پہاڑ کی طرح سخت ہوتی تو کنویں کھودنے میں بڑی دشواری ہوتی اس طرح سے ہمارے سفر کرنے میں بھی بڑی دشواری ہوتی کیونکہ پتھروں میں راستوں کا بنانا بڑا سخت کام ہے اور راستوں کے موجود نہ ہونے سے اور ان کے متعین نہ ہونے سے ہمارے لئے سفر کرنا ناممکن ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

هو الذی جعل لكم الارض ذلولا فامشوا فی مناكبها۔

وہ ایسا منعم ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا پس تم اس کے راستوں پر چلو۔

وجعل لكم فيها سبلا لعلكم تهتدون۔

اور اس نے تمہارے لئے اس میں راستے بنائے کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

منجملہ اور فوائد کے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنے مکانات کے بنانے میں اس کی مٹی کو با آسانی استعمال کر سکتے ہیں اینٹیں بناتے ہیں گارے کے لئے استعمال میں لاتے ہیں اور برتن

Marfat.com

وغیرہ..........دوسری بہت سی ضروری چیزیں تیار کرتے ہیں۔

جن مقامات پر زمین سے نمک۔ پھٹکری۔ ابرق اور گندھک وغیرہ نکلتی ہے وہاں کی مٹی زیادہ نرم ہوتی ہے اور نرم زمین میں طرح طرح کی نباتات پیدا ہو سکتی ہے سخت اور پہاڑی زمین میں یہ نہیں ہو سکتی اور زمین کے نرم ہونے سے بہت سے جانور اپنے رہنے کے ٹھکانے بناتے ہیں حشرات الارض کے رہنے کے لئے سوراخ اور بل زمین ہی میں ہوتی ہیں اور یہ سب آسانی زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے ہے کانوں کا زمین کے اندر پیدا فرمانا خدا کی بڑی حکمتوں میں سے ہے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت سلیمان علیہ السلام پر بطور احسان فرمایا ہے۔

واسلناله عين القطر۔

اور ہم نے ان کے لئے تانبہ کا چشمہ بہایا۔

یعنی ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تانبے سے تمتع حاصل کرنے کے لئے طریقوں کو آسان کر دیا اور اس کی کان (خزانہ) پر مطلع کیا اور اسی طرح سے اپنے بندوں پر امتنانا ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

وانزلنا الحديد فيه باس
شديد ومنافع للناس،

ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت ہے اور
لوگوں کے بہت کام کی چیز ہے۔

اس مقام پر نزول کا مفہوم خلق ہے یعنی پیدا کرنا جس طرح کہ دوسری جگہ لفظ انزل سے خلق کے معنی کو مراد لیا گیا۔ جیسے ایک جگہ فرمایا۔

وانزلنا لكم من الانعام

خدا نے تمہارے فائدے کے لئے مویشی پیدا
فرمائے۔

حضرت سلیمان کے حق میں جس آیت میں انزلنا ارشاد فرمایا ہے اس کے معنی اس طرح ہیں کہ ہم نے پیدا فرمایا اور ان پوشیدہ خزانوں سے سونا وغیرہ معدنیات کو نکال کر اپنے کاموں میں لانے کے طریقوں کی تعلیم دی کہ ان معدنیات کو کس کس کام میں کیوں کر لایا جا سکتا ہے شیشہ سے نفیس برتن تیار کیے جا سکتے ہیں جن میں اپنی ضروری چیزوں کو طویل مدت تک

Marfat.com

کے لئے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

ان کانوں سے سرمہ۔ مومیا۔ سلاجیت وغیرہ مفید چیزوں کو حاصل کیا جاسکتا ہے جو ہمارے بہت سے کام آتی ہیں۔

اس کی بڑی حکمت یہ ہے کہ اس نے زمین پر پہاڑوں کو قائم فرما کر زمین کو مستحکم کر دیا جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:۔

والجبال ارساھا

والقی فی الارض رواسی ان تمیدبکم۔

اور پہاڑوں کو اس پر قائم کر دیا۔

اور رکھ دیئے زمین پر پہاڑ کہ تم کو لیکر جھک نہ پڑے۔

وانزلنا من السماء ماء فاسکناہ فی الارض۔

ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے اندر ٹھہرا دیا۔

اس حکیم مطلق نے زمین پر پہاڑوں کو بنایا جن کے تمام فائدوں اور مصلحتوں کو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا منجملہ ان حکمتوں کے یہ ہے کہ خدا آسمان سے پانی برساتا ہے جو حیوانات ونباتات کی زندگی وتازگی کا سبب ہے اگر زمین پر پہاڑ نہ ہوتے تو ہوا اور سورج کی گرمی پانی کو خشک کر دیتی اور اس صورت میں زمین کو کھود کر مشقت کے بعد پانی حاصل ہوسکتا تھا خدا نے بڑی حکمت سے پہاڑوں کو زمین پر پیدا کیا جن کے اندر پانی کے بڑے بڑے ذخیرہ جمع ہوکر تھوڑا تھوڑا کر کے چشموں اور نہروں اور دریاؤں کی شکل میں پانی بہتا ہے اور اس طرح زمین کے دور دراز کے مقامات تک کو سیراب کرتا ہے اور یہ پانی گرم موسم میں اور بھی قابل قدر ہوتا ہے اور اس زمانے تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں کہ بارش کا زمانہ شروع ہوا اور جن پہاڑوں میں پانی کے جمع کرنے کے لئے اندروں میں گنجائش نہیں ہوتی ان پہاڑوں میں برف کی شکل میں پانی کے خزانے کو محفوظ کر دیا جو سورج کی گرمی سے تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت پگھل کر ندیوں نالوں اور نہروں میں جا کر زمین اور اہل زمین کو سیراب کرتا ہے پہاڑوں پر کہیں کہیں

Marfat.com

وقت اپنی پشت کا ایک حصہ پانی سے بلند کر دیں تو اس پر کسی وسیع بلند ٹیلہ یا پہاڑ کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ اور جس طرح خشکی میں انسان پرندے گھوڑے اور گائے وغیرہ مختلف انواع واقسام کے حیوانات ہیں اسی طرح اس سے کئی حصہ زائد پانی میں پائے جاتے ہیں بلکہ جتنی اقسام کے جانور پانی میں پائے جاتے ہیں خشکی میں تو دکھائی بھی نہیں دیتے پھر خدا نے عجیب قدرت و حکمت سے ان کی ضروریات کو بنایا ہے کہ اگر ان تمام باتوں کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو اس کے لئے ضخیم کتابوں کی ضرورت ہوگی۔

خدا نے کسی خوبی اور حکمت سے موتی کو سیپی کے اندر محفوظ طریقہ سے پانی میں رکھا ہے اور مرجان کو پانی کے اندر پتھر کی چٹان کی تہ میں کس طرح محفوظ کیا ہے خدا نے بندوں پر امتنانا فرمایا ہے۔

يخرج منهما اللؤلؤ والمرجان

ان دونوں دریا سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔

اس مرجان کے متعلق جس قرآن کی اس مذکورہ آیت میں ذکر ہے بعض حکماء نے کہا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا موتی ہے جو لؤلؤ سے زیادہ رقیق اور چھوٹا ہوتا ہے اور اس احسان اور انعام کے ذکر کے بعد خدا فرماتا ہے۔

فبای آلاء ربکما تکذبان

پس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔

اس آیت میں آلا سے مراد خدا کے انعامات واحسانات ہیں۔

اسی طرح عنبر اور دیگر قیمتی چیزوں کو دیکھو جن کو خدا نے اپنے کمال حکمت سے سمندر میں پیدا فرمایا۔

پانی کی سطح پر بڑے بڑے جہاز اور کشتیوں کی روانی پر نظر کرو کہ بندوں کی کتنی ضرورتیں ان کشتیوں اور جہازوں کی آمد و رفت سے پوری ہوتی ہیں۔ خدا نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

والفلك التي تجري في البحر بما ينفع الناس.

اور ان جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں انسانوں کی نفع کی چیز اور اسباب لیکر (اس میں بڑی برت وموعظت ہے)۔

خدا نے کس طرح سے انسان کو سمندر پر قدرت واختیار دیا ہے کہ وہ اس کے سینے پر

Marfat.com

مال سے لدے ہوئے کیسے بڑے بڑے جہاز ادھر سے ادھر ایک ملک سے دوسرے ملک کو لے جاتا ہے اگر انسان کے پاس بار برداری کے لئے یہ سامان نہ ہوتو اس کے لئے بڑی بڑی دشواری پیدا ہو جائے اور ایک ملک کا مال اتنی کافی مقدار میں دوسرے ملک پہنچانا ناممکن ہو جائے اور اس میں کافی زیر باری مشقت پیدا ہو جائے گی۔

خدا نے اپنے بندوں پر بڑا کرم فرمایا ہے کہ اس نے لکڑی ایسی ہلکی اور مضبوط چیز بنائی جو پانی پر اتنے بوجھ کو لیکر قائم رہ سکے اور خدا نے اپنی رحمت سے انسان کو کشتیاں اور جہاز تیار کرنے کی حکمت اور سمجھ عطا فرمائی پھر ہواؤں کو اس انداز ے سے چلایا کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جہازوں اور کشتیوں کو لے جائیں اور انسان کو ہواؤں کے چلنے کے اوقات اور اس کا علم عطا فرمایا ان تمام نعمتوں کے لئے ہمیں خدا کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

شکر نعمتائے توچندانکہ نعمتائے تو

غدر تقصیرات ماچندانکہ تقصیرات ما

خدا کی اس قدرت کو دیکھ کر کہ اس نے پانی کیسا سیال متصل الاجزاء پتلا لطیف بنایا ہے گویا کہ تمام پانی ایک بڑا جسم ہے اور اتصال وانفصال کو جلد قبول کر لیتا ہے کہ جلد ہی دوسرے پانی سے ملکر ایک متصل جسم ہو جاتا ہے جس میں تصرف کرنا آسان ہوتا ہے اور پانی کی روانی اور لطافت جیسی خوبیوں کی بدولت اس پر کشتی اور جہاز آسانی سے رواں ہو سکتے ہیں۔

اس کی عقل پر افسوس کرنا پڑتا ہے جو خدا کی اتنی نعمتوں اور بخششوں پر نظر نہ کرے اور غافل بنا رہے حالانکہ ان تمام چیزوں میں خدا کی قدرت وحکمت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

وفی کل شیٔ لہ آیۃ

تدل علی انہ واحد

یہ تمام کمالات قدرت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اے انسان اپنی آنکھوں سے غفلت کا پردہ چاک کر دے اور دل کی آنکھوں سے دیکھ کہ میں نے کیسی کیسی گونا گوں نعمتیں اور مفید چیزیں بنائی ہیں۔ کیا ان کے بنانے والا کوئی دوسرا ہے جس کو میرے ساتھ تو شریک ٹھہراتا ہے؟ بلکہ یہ صرف اسی واحد قادر اور حکیم کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے فائدے کے لئے بنائی ہیں۔

❀❀❀❀❀❀

Marfat.com

پانی کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وجعلنا من الماء کل شیء حی
افلا یؤمنون۔
فانبتنا بہ حدائق ذات بھجة
ماکان لکم ان تنبتوا شجرھا أالٰہ
مع اللہ بل ھم قوم یعدلون۔

اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں
جان ہے پھر کیا یقین نہیں رکھتے۔
پھر اس پانی کے ذریعہ پررونق باغ اگائے ورنہ تم
سے ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو
اگا سکو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ یہ
ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کو خدا کے برابر ٹھہراتے
ہیں۔

خدا نے پانی جیسی ضروری چیز کو اتنی افراط سے پیدا فرما کر بندوں پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے انسان حیوان نباتات سب کی زندگی کے لیے پانی کا ہونا لازمی ہے شدت پیاس میں اگر پانی میسر نہ آئے تو ایک گھونٹ پانی کے لئے...... انسان بڑی سے بڑی دولت دینے کے لئے آمادہ ہوگا اس وقت انسان کو پانی کی قدر و قیمت معلوم ہوگی خدا کی اتنی مفید نعمت سے ہم غفلت میں ہیں اور اس کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔

پھر خدا کی بڑی حکمت یہ کہ اس نے اتنی ضروری چیز کو کیسی فراوانی اور افراط سے پیدا فرمایا کہ ہر انسان و حیوان ادنیٰ سی طلب کے بعد پانی حاصل کر سکے اگر پانی دوسری اشیاء کی طرح ایک محدود مقدار میں ہوتا تو زندگی میں بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں بلکہ نظام عالم ہی

Marfat.com

منتشر ہو جاتا۔

پانی کی لطافت اور رقت پر نظر کیجئے کہ جوں ہی آسمان سے برس کر زمین پر آتا ہے درختوں کی جڑوں میں پہنچ کر ان کی غذا بن جاتا ہے اور سورج کی حرارت سے بخارات کی شکل میں اوپر کی طرف چلا جاتا ہے اور اپنی لطافت ہی کی وجہ سے غذا کو معدے میں باآسانی لے جا کر ہضم میں مدد دیتا ہے پیاس کے وقت اس کے پینے میں کیسی لذت محسوس ہوتی ہے اور اس کو پی کر ہم تمام تھکان اور بے چینی کو بھول جاتے ہیں اور جسم میں ایک راحت کو محسوس کرنے لگتے ہیں غسل کرنے میں ہم اس کو استعمال کرتے ہیں بدن کا تمام میل اس سے غسل کر کے دور کرتے ہیں اپنے میلے اور گندے کپڑے اسی سے دھو کر صاف کرتے ہیں پانی مٹی میں آسانی سے مل جاتا ہے جو ہمارے مکان بنانے میں کام آتی ہے اور ہر سوکھی اور خشک چیز کو ہم پانی کے ذریعہ نرم اور تر کر لیتے ہیں طرح طرح کی مشروبات پانی ملا کر ہی تیار ہوتے ہیں بڑی بڑی آگ لگنے پر ہم پانی کی مدد سے اس پر قابو پا لیتے ہیں اور پانی چھڑکتے ہی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑ جاتے ہیں اسی طرح جب انسان انتہائی غصہ کی حالت میں ہوتا ہے تو پانی کے دو گھونٹ پی کر اس کا غصہ فرو ہو جاتا ہے اور آتش غضب سرد ہو جاتی ہے اور نزع کی عالم میں جب سکرات کی تکلیف ہوتی ہے تو پانی پی کر اس میں کمی ہوتی ہے ایک مزدور دن بھر کی سخت مشقت کر کے جب پانی سے غسل کرتا ہے اور ایک گلاس پیتا ہے تو وہ تمام دن کی مشقت کو بھول جاتا ہے ہمارے تمام کھانوں میں اس کا استعمال ضروری ہے اسی سے ہمارے کھانے تیار ہوتے ہیں پینے کی وہ تمام چیزیں جو مرطوب ہیں مگر بغیر پانی کے تیار نہیں ہو سکتی پس خدا کی اس بیش بہا نعمت کو دیکھ کر اس نے کس افراط سے اس کو پیدا کیا ہے کہ آسانی سے ہم اسکو حاصل کر لیتے ہیں اور اگر اتنی افراط سے اور آسانی سے یہ بہم نہ ہو سکتا تو زندگی میں بڑی تنگی ہو جاتی اور ہمارا تمام عیش و راحت مکدر ہو جاتا۔

پس خدا کا ہزار شکر ہے کہ اس نے پانی کو پیدا فرما کر ہمیں اتنے کاموں میں استعمال کرنے کی قدرت دی اور اس سے بے شمار فائدے پہنچا کر ہماری زندگی میں بڑی سہولت عطا فرمائی خدا کے ان انعامات کو ہم شمار کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکتے۔

وان تعدوا نعمة اللہ لاتحصوھا۔

اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔

Marfat.com

ہوا کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وارسلنا الریاح لواقح
فانزلنا من السماء ماء فاسقیناکموہ
وماانتم لہ بخازنین۔

اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو پانی سے بھر
دیتی ہیں پھر ہم یہی پانی آسمان سے برساتے
ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں تم اتنا پانی جمع
نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال حکمت سے ہوا کو اس طرح خلق کیا ہے کہ اس کے اندر ریاح داخل ہیں اگر یہ ہوا موجود نہ ہوتی تو خشکی کے مارے جانور ہلاک ہو جاتے ہوا کے چلنے اور حیوانات کے جسموں کو لگنے سے بدن کی حرارت معتدل ہوتی رہتی ہے کیونکہ ہوا بری جانوروں کے لئے بالکل اس طرح ہے جس طرح پانی کے جانوروں کے لئے پانی کا وجود کہ وہ بدون پانی کے تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

اگر ہوا کا بدن کو لگنا اور بدن کے اندرون میں سمانا نہ ہو یا تھوڑی دیر کے لئے ہوا بند ہو جائے تو بدن کی تمام حرارت قلب کے اندر رجوع ہو جائے اور فرط حرارت سے موت واقع ہو جائے گی جیسا کہ ہم اس وقت دم کے گھٹنے اور سانس کے رکنے سے محسوس کرتے ہیں جب گرمی شدید ہو اور ہوا بند ہو جائے۔

پھر خدا کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے ہوا کو بادلوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر لے جانے پر کیسا مامور کیا ہے ہوا بادلوں کو ایسی زمین پر لے جا کر بارش برساتی ہے جہاں کی زمین سوکھی اور پانی کے لئے پیاسی ہو اور اس طرح ہمارے کھیتوں کو پانی قدرت الٰہی سے ملتا ہے اور اگر اس طرح خدائے تعالیٰ ہواؤں کو بادلوں کے چلانے پر مامور نہ کرتا تو بادل پانی کے بوجھ سے بوجھل ہو کر ایک ہی مقام پر رکھے رہتے اور پھر ہماری کھیتیاں اور باغات سوکھے

Marfat.com

رہ کر ضائع ہو جاتے۔

ہواؤں میں خدا نے یہ بھی حکمت پوشیدہ رکھی ہے کہ وہ جہازوں اور کشتیوں کو ادھر سے ادھر لے جاتی ہے اور اس طرح سے ایک ملک کی پیداوار سے دوسرے ملک کے باشندے متمتع ہوتے ہیں اگر جہازوں اور کشتیوں سے اس طرح سے مال لانے لیجانے کا انتظام نہ ہوتا تو لوگوں کی ضرورتیں پوری نہ ہوسکتی تھیں اس طرح سے ایک چیز ایک جگہ ضرورت سے زائد پیدا ہو کر بے قدر ہوتی اور ضائع ہو جاتی اور دوسرے مقام کے لوگ اس چیز کے معدوم ہونے سے اس کے لئے ترستے رہتے اور ان کی ضرورتیں پوری نہ ہوتیں۔

دیکھو خدا نے ہوا کو کیسا لطیف الاجزاء بنایا ہے کہ جب چلتی ہے تو لطیف الاجزاء ہونے کی وجہ سے ہر ہر چیز میں باآسانی پہنچ جاتی ہے اور پھر ہر جگہ کی بدبو (عفونت) کو پاک وصاف کر دیتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو چیزوں اور زمین میں بدبو کے بڑھ جانے سے طرح طرح کی بیماریاں پھوٹ جاتیں اور انسان وحیوانات کی ہلاکت کا سبب ہوتیں۔

جب ہوا چلتی ہے تو اپنے ساتھ غبار اور خاک کو لے جاتی ہے باغوں میں جب وہ غبار ہوا کی حرکت سے درختوں کے پتوں میں سے ہو کر گزرتا ہے تو اس سے درخت صاف ہوتے ہیں اور ان کو قوت حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح سے ہوا پہاڑوں پر مٹی کی تہ جما دیتی ہے جس سے پہاڑوں میں زراعت کے نشوونما کی قوت آ جاتی ہے اور اسی طرح سے سمندر کے ساحل پر ہوا کی حرکت سے پانی میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور سمندر عنبر جیسی قیمتی اور مفید اشیاء کو پیدا کرتا ہے۔

ہوا کے چلنے سے بارش کے قطرے ہلکے ہو کر ہوا میں منتشر ہو کر زمین پر گرتے ہیں اور اگر ہوا ان کو متفرق ومنتشر نہ کرتی تو بارش کا پانی بادلوں میں بلندی سے یک بارگی مجتمع ہو کر زمین پر گرتا جس سے جانی اور مالی نقصان ہوتا لیکن خدا نے بڑی حکمت سے ہوا کے ذریعہ اس پانی کے زمین پر گرنے کو ایسا آسان کر دیا کہ کسی کو اس سے نقصان نہیں اور وہ منتشر قطرات زمین کی وسیع سطح پر تدریجی طور پر جمع ہو کر نالوں اور نہروں کی شکل میں ہو کر نشیبی علاقوں میں بہہ کر جا گرتے ہیں اور پھر خدا کی اس نعمت کی وسعت اور ہمہ گیری پر نظر کرو کہ دوست ودشمن سب ہی کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے جتنی یہ زندگی کے لئے ضروری ہے اتنا ہی خدا نے اس کو وافر پیدا کیا ہے اس کے بے انتہاء فوائد اور چند در چند منافعہ پر نظر کرو خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔

خدا نے فرمایا ہے:

Marfat.com

هو الذی انزل من السماء ماء لكم منه شراب ومنه شجر فيه تسيمون ينبت لكم به الزرع والزيتون والنخيل والاعناب ومن كل الثمرات ان فی ذالک لآيات لقوم يتفكرون۔

وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور اس سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم اپنے مویشی چرنے کیلئے چھوڑ دیتے ہو اور اس پانی سے تمہارے لئے کھیتی زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے (اگاتا ہے)۔
بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے توحید کی دلیل موجود ہے۔

پھر خدا کی قدرت کو دیکھو کہ بارش کے ایام میں کچھ ایسے دن بھی ہوتے ہیں کہ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہیں ہوتا ہوا بھی ساکن ہوتی ہے اس میں لوگوں کے بڑے فوائد ہیں اگر بارش ہی بارش مسلسل ہو تو بھی انسان اور حیوانات اکتا جائیں اسی طرح اگر ہوا برابر ساکن رہے تو بھی بڑی تکلیف کا باعث ہو اور پھر لوگوں کے کاموں میں بڑا حرج واقع ہو تم آئے دن دیکھتے ہو کہ جب بارش کا سلسلہ زیادہ رہتا ہے تو تمام کھیتی باڑی سڑ جاتی ہے مکانات منہدم ہونے لگتے ہیں راستے پانی کی کثرت سے بند ہو جاتے ہیں آمد و رفت کے وسائل منقطع ہونے سے تمام کاروبار میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے ملازم پیشہ ور کاریگر سب کے کاموں میں رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

اور اگر حبس کا سلسلہ رہے یعنی بارش نہ ہو ہوا رک جائے تو بدن خشک ہو جائیں۔ کھیتی کیاری سب سوکھ جائیں چشموں۔ دریاؤں اور حوضوں کا پانی سڑ جائے اور اس کی عفونت سے ہوا میں بھی عفونت اور یبوست غالب آ جائے جس سے بہت سی بیماریوں کے پھوٹ پڑنے کا امکان ہے اشیاء کے کم پیدا ہونے یا قطعاً پیدا نہ ہونے سے سخت گرانی ہو جائے جانور چارہ نہ

Marfat.com

ملنے سے کمزور اور لاغر ہو جائیں چراگاہیں بے کار ہو جائیں شہد کی مکھیاں یبوست کے غلبہ کی وجہ سے شہد کے ذخیروں کو جمع نہ کر سکیں غرض کہ کسی بھی ایک حالت کے رہنے سے نظام عالم فاسد ہو جائے گا اس لئے اس حکیم مطلق نے دونوں حالتوں کو یکے بعد دیگرے مقرر کیا کہ ایک دوسرے کے نقصانات اور مضرتوں کو رفع کر دے ہوا میں اعتدال ہو کر اس میں مفید اثرات ظاہر ہوں اور اس طرح تمام اشیاء میں سلاحیت اور افادیت پیدا ہو کر دوسروں کے لئے مفید ہوں۔

پس یہ خدا کی بڑی مشیت اور غالب حکمت ہے کہ اس طرح پر نظام قائم ہے۔

اگر کوئی شخص دیدۂ بصیرت سے محروم ہو اور یہ اعتراض کرے کہ بعض وقت اس طرح بھی نقصان اور ضرر پہنچتا ہے اس لئے ہم یہ جواب دیں گے کہ اس سے انسان کا امتحان اور اس کی آزمائش مقصود ہوتی ہے اور انسان کو آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی اس قدرت و حکمت کو سمجھے کہ اس نے متضاد اشیاء سے کیونکر متمتع ہونے کے مواقع دیئے ہیں جو اسی کے فضل و کرم پر موقوف ہیں۔

اس سے بہت سے ظالموں کو ان کے ظلم و تعدی سے باز رکھنا مقصود ہوتا ہے تم دیکھتے ہو کہ انسان جب بیمار پڑتا ہے تو بیماری کو دور کرنے کی خاطر کیسی کیسی تلخ اور کڑوی دواؤں کو استعمال کرتا ہے اور اس کو ایک لحہ فکر کے لئے یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ خدا نے کوئی چیز بیکار اور بے فائدہ نہیں بنائی۔ اور جو چیزیں ذائقہ میں کیسی کیسی بدمزہ اور بری ہیں ان میں قدرت نے اپنی حکمت سے شفا کے لئے کیسے کیسے راز پوشیدہ کیے ہیں۔ ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

ولٰکن ینزل بقدر مایشاء
انه بعباده لخبیر بصیر۔

لیکن اتارتا ہے ناپ کر جتنی چاہتا ہے۔ بیشک وہ
اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے۔

Marfat.com

آگ کی پیدائش کی حکمتیں

خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

افرأيتم النار التي تورون
أأنتم انشأتم شجرتها ام نحن
المنشئون نحن جعلناها تذكرة
ومتاعا للمقوين فسبح باسم
ربك العظيم.

بھلا دیکھو تو وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا اس کا
درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا
کرنے والے ہیں ہم نے ہی وہ درخت بنایا۔
یاد دلانے اور برتنے کو جنگل والوں کے لئے پس
اپنے رب کی جو بڑا ہے تو اس کی پاکی بیان کر۔

خدا نے آگ جیسی ضروری نفع بخش چیز کو پیدا فرما کر بندوں پر بڑا احسان فرمایا اور کیونکہ اس کی کثرت اور زیادتی بڑے فساد اور تباہی کا موجب تھی اس لئے اس نے اپنے کمال وحکمت سے اس طرح سے محفوظ رکھا کہ ضرورت پڑنے پر اس کو موجود کر لیا جاتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور پھر وہ پوشیدہ اور معدوم ہو جاتی ہے گویا اس کو بعض دوسری چیزوں میں اس طرح سے پوشیدہ فرمایا کہ ضرورت پر اس کو حاصل کر لیا جائے اس طرح سے ہم اس کی مضرتوں اور نقصانات سے محفوظ ہیں آگ سے بے شمار فوائد اور منافع ہم کو حاصل ہوتے ہیں اگر آگ نہ ہوتی تو ہم اپنے کھانوں کو کیونکر تیار کرتے ہماری ماکولات۔ مشروبات بغیر آگ کے قابل استعمال کیونکر ہو سکتیں ان کے مختلف اجزاء اور ارکان بغیر آگ پر پکائے ایک دوسرے میں کس طرح تحلیل ہو کر ہمارے لئے مفید غذا بنتیں۔ یہ خدا کی خاص مہربانی اور اس کا بڑا احسان ہے کہ ہمارے کام کی چیزوں کو کس کس حکمت سے پیدا فرمایا ہے۔

اگر آگ کا وجود دنیا میں نہ ہوتا تو خدا کی بخشی ہوئی بہت سی نعمتوں سے ہم کیونکر فائدہ اٹھاتے۔ سونا۔ چاندی۔ تانبہ۔ پیتل۔ لوہا۔ سیسہ وغیرہ ضروری معدنیات سے نفع اندوز ہونا

Marfat.com

ہمارے لئے بدون آگ کے ناممکن ہوتا آگ کی بدولت ہم معدنیات کو پگھلا کر زیورات برتنوں وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں جہاں خدا کی بخشی ہوئی معدنیات بڑی نعمتیں ہیں وہاں ان سے فائدہ اٹھانے اوران کواستعمال کرنے کے طریقے سکھانا بھی خدا کی بڑی مہربانی اوراس کا بڑا احسان ہے جن نعمتوں پر ہمیں خدا کا شکرادا کرنا لازم ہے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

اعملوا آل داؤد شکرا۔

کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان

مان کر۔

لوہے کو لیجئے آگ پر گرم کر کے اور پگھلا کر کن کن ضروری چیزوں میں اس کو استعمال کرتے ہیں اور دشمنوں سے اپنی حفاظت کے لئے کیسے ہتھیار اور آلات تیار کرتے ہیں اگر تفصیل سے ہم ان آلات وسامان جنگ کی فہرست بتائیں تو اس کے لئے کافی صفحات درکار ہوں۔

خدا نے فرمایا:-

وانزلنا الحدید فیہ باس

شدید و منافع للناس۔

ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی

قوت ہے اور لوگوں کے بہت سے فائدے ہیں

لتحصنکم من باسکم

فھل انتم شاکرون

کہ وہ لڑائی میں تمہارا بچاؤ ہو سو تم کچھ

شکر کرتے ہو۔

اسی لوہے سے ہم کیسے کیسے اوزار و ہتھیار تیار کرتے ہیں جو ہماری کھیتی باڑی میں کام آتے ہیں۔ پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر تراش لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ پہاڑوں کو جگہ سے فنا کر دیتے ہیں اور اپنے لئے راہیں ہموار کرتے ہیں لکڑی چیرنے پھاڑنے کے آلات بھی لوہے سے تیار کرتے ہیں اس قسم کی سینکڑوں مفید اور ضروری چیزیں ہیں جو ہم لوہے سے بناتے ہیں یہ سب آگ کی بدولت ہے اگر آگ نہ ہو تو ہم ان مذکورہ بالا اشیاء سے نفع نہ اٹھا سکیں اور مختلف

Marfat.com

دھاتوں سے بنے ہوئے سکے جن کے تبادلہ سے بے شمار فوائد ہم کو حاصل ہیں ان سے ہم قطعاً محروم ہو جائیں اپنی زینت و آرائش کے کتنے سامان سے ہم بالکل محروم ہوں اور یہ جواہرات وغیرہ سب ہمارے لئے بیکار ہو جائیں۔

آگ میں خدا نے روشنی کی ایسی صفت حکمت ودیعت کی ہے کہ شب کی مسلسل تاریکی سے جب گھبراتے ہیں تو آگ جلا کر روشنی کر لیتے ہیں روشنی سے ہم کو ایک سکون ملتا ہے ہم اپنی مجلسوں اور محفلوں کو آگ کے مختلف لیمپ روشن کر کے سجاتے ہیں آگ کی روشنی سے ہم تاریکی میں بہت سے خطرات سے محفوظ رہتے ہیں اور رات کی اندھیری میں بھی ہم روشنی کر کے اس طرح سے متمتع ہوتے ہیں گویا آفتاب نکل رہا ہو پھر آگ میں خدا نے حرارت جیسی مفید صفت رکھی ہے کہ سردی سے حفاظت کرتے ہیں برف اور سرد ہواؤں کے نقصانات سے اپنے کو محفوظ رکھتے ہیں آگ روشن کر کے بڑے بڑے مہلک اور خون خوار جانوروں کا ہم مقابلہ کرتے ہیں لڑائیوں میں آگ سے بڑے بڑے کام لیتے ہیں اپنے قلعوں کی حفاظت بھی اسی سے کرتے ہیں خدا کی بلیغ حکمت پر نظر کرو کہ اس نے کتنے بے شمار فوائد اس میں رکھے ہیں اور ایسی مفید شئے کو ہمارے حوالہ اور اختیار میں دیدیا۔ جب چاہیں اس کو روشن کر لیں۔ اور ضرورت پوری ہونے پر اس کو غائب کر دیں۔

Marfat.com

انسان کی تخلیقی حکمتیں

خدا نے فرمایا۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين

اور بیشک ہم نے انسان کو ایک چمکدار مٹی سے

بنایا۔

قدرت کو جب منظور ہوا کہ وہ انسان کو پیدا فرمائے اور زمین پر بسے رہنے کا موقع دے اور پھر اس کو امتحان و آزمائش میں ڈالے تو خدا نے اس کی پیدائش اس طرح مقرر کی کہ ایک دوسرے سے نسلاً بعد نسل پیدا ہوں اور انسان کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت۔ پھر ان میں باہم الفت و محبت کا رشتہ پیدا کیا ایک دوسرے کی محبت کے دواعی قلوب میں اس طرح مستور رکھے کہ ایک کو دوسرے کے بغیر صبر و قرار نہ ہو ان میں خواہشات کو پیدا کیا کہ یکجا ان کا رہنا اور بسنا ممکن ہو اور بدن کے ایک مخصوص عضو کو اس طرح خلق کیا کہ وہ جنس لطیف کے رحم میں داخل ہو کر منی کے جوہر لطیف کو ودیعت کر دے جہاں انسان کی تخلیق تدریجی طور پر ہو یہ جوہر لطیف انسان کے تمام جسم سے حاصل ہو کر ایک خاص حرکت کے ساتھ عضو مخصوص کے ذریعہ ایک جسم کے باطن سے دوسرے جسم کے باطن میں پہنچ کر ایک خاص امتزاجی کیفیت کے بعد انسانی شکل اختیار کرتا ہے اور اس شکل کے اختیار کرنے میں کئی دور اور درجے طے کرنا ہوتے ہیں یعنی نطفہ سے خون بستہ اور خون بستہ سے گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈیوں کا جسم پھر ان پر گوشت پوست پھر ان حصص جسم کو اعصاب و تار عروق کے حکمت آمیز جال کے ذریعہ سے بندش کرنا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مربوط کرنا پھر اعضاء کی شکل عطا کرنا پھر کان۔ آنکھیں، ناک۔ منہ و دیگر زندگی کی ضروری چیزوں کو ان میں بنانا پھر ان میں قوتیں عطا کرنا آنکھوں میں دیکھنے کی قوت عطا کرنا یہی ایک ایسی حیرت انگیز اور شاہکار فطرت ہے کہ کما حقہ اس کی شرح کرنے سے ہم عاجز ہیں آنکھ کو سات طبقات سے مرکب کیا ہر طبقہ میں خاص صفت ودیعت کی اس کی شکل مخصوص بنائی ان طبقات میں سے ایک طبقہ بھی اگر بیکار یا ضائع ہو جائے تو آنکھ سے نظر نہیں آسکتا آنکھ کے اعتراف میں پلکوں پر نظر کیجئے جو آنکھ جیسی نازک چیز کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہیں ان پلکوں میں خدا نے کیسی سریع حرکت کی قدرت رکھی ہے کہ ادنیٰ سی چیز کو آنکھ کی طرف آتا دیکھ کر فوراً وہ حرکت میں آجاتے ہیں اور آنے والے خطرہ سے آنکھوں کو آگاہ کر کے اس کی پوری حفاظت کرتے ہیں اور ہوا میں اڑنے والے گرد و غبار سے آنکھوں کو محفوظ رکھتے ہیں گویا یہ پلک آنکھوں کے لئے بمنزلہ دو دروازہ کے ہیں

Marfat.com

جو ضرورت پر کھل جاتے ہیں اور ضرورت نہ ہو تو بند ہو کر آنکھ کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر پلکوں کی تخلیق سے اس آنکھوں کی حفاظت کے علاوہ آنکھوں اور چہرے کا حسن و زینت بھی قدرت کو منظور ہے اس لئے ان کے بالوں کو ایک انداز سے برابر رکھا کہ زیادہ بڑے ہونے سے آنکھوں کو اذیت ہوتی اور اگر زیادہ چھوٹے ہوتے تو بھی آنکھوں کے لئے نقصان دہ ہوتے آنسوؤں کو قدرت نے نمکین بنایا کہ آنکھوں کا میل کچیل صاف ہو جائے پلکوں کے دونوں اطراف کو اس سے مائل اور جھکا ہوا بنایا کہ آنسوؤں کے ذریعہ آنکھوں کا میل گوشہ ہائے چشم سے بہہ کر باہر جا سکے آنکھوں پر دونوں بھوں حفاظت اور چہرے کی زینت کے لئے بنائی ہیں۔ انسان کے موزوں بال جھالر کی طرح ہوتے ہیں جو چہرے پر خوبصورت معلوم ہوتی ہیں سر اور داڑھی کے بالوں کو اس طرح بنایا کہ جو ایک خاص رفتار سے بڑھتے ہیں تا کہ ان میں کمی بیشی کر کے ہر شخص جس وضع قطع کو پسند کرتا ہے ان کو بنا سکے منہ اور زبان میں خدا نے کیسی کیسی حکمتیں اور قوتیں ودیعت کی ہیں منہ کے بند کرنے کے لئے بطور دروازہ دو ہونٹ بنائے کہ ضرورت پر کھولے جا سکیں اور بے ضرورت بند ہو کر منہ میں مضر چیزیں کھا کر نقصان نہ پہنچا سکیں اس کے علاوہ دانتوں اور مسوڑھوں کی حفاظت اور زینت بھی ان ہونٹوں سے حاصل ہوتی ہے اگر ہونٹ نہ ہوتے تو منہ بدنما بھی معلوم ہوتا اور غیر محفوظ بھی ان ہونٹوں سے بات کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے ان کی مختلف حرکات سے بعض حروف پیدا ہوتے ہیں اور انسان اپنے مافی الضمیر کو ان کی مدد سے ظاہر کرتا ہے ان ہونٹوں کی مدد سے کھانا کھانے میں بڑی مدد ملتی ہے لقمہ کو منہ کے اندر ادھر ادھر پلٹنے کا کام انہیں ہونٹوں سے لیا جاتا ہے تا کہ کھانا داڑھوں کے نیچے رہ کر اچھی طرح چبایا جا سکے گویا اس طرح یہ ہضم میں بڑی مدد پہنچاتے ہیں۔

دانتوں کی بناوٹ (ساخت) کو دیکھو کہ قدرت نے ان کو بتیس (۳۲) ٹکڑوں میں بنایا ہے سب کو ایک سالم ہڈی کے ٹکڑے کی شکل میں نہیں بنایا ورنہ منہ کے اندر اس سے بڑی اذیت ہوتی موجودہ شکل میں اگر دانت میں خرابی پیدا ہو تو باقی دانت سے کام لیا جا سکتا ہے ایک سالم ہڈی کا ٹکڑا ہونے کی صورت میں یہ ممکن نہ تھا دانتوں سے حسن و زینت کے علاوہ ہم کتنا کام لیتے ہیں اگر دانت نہ ہوتے تو کھانا کھانا دشوار ہوتا اور سخت قسم کی چیزوں کا کھانا ناممکن ہوتا پھر ان کی ساخت پر غور کرو کہ کس طرح سے ان میں دندانے بنائے اور جڑوں کو کس مضبوطی سے مستحکم کیا ہے کہ سخت سے سخت ہڈی کو ہم دانتوں کی مدد سے پیس ڈالتے ہیں اور اسی مصلحت سے اس کے چرم کو بہت سخت رکھا کہ نرم ہونے کی صورت میں ان سے کام لینا ممکن نہ تھا یہ سب

Marfat.com

اس مصلحت سے کہ کھانا جسم کے اندر.......... ایسی حالت میں جائے کہ جلد ہضم ہو کر بدن کا جزو بن جائے اور بدن میں تحلیل ہو کر انسان کو قوت بخشے حکماء کا قول ہے کہ کھانے کے ہضم کے مختلف درجات ہیں اور پہلا درجہ منہ ہے جس کو ہضم اول کہتے ہیں۔

دانتوں کے اطراف میں دونوں طرف ڈاڑھیں بنائیں تاکہ سخت چیز کے کاٹنے میں ان سے مدد لی جائے جڑوں کو مضبوط کیا یہ دانت سفید رنگ کے برابر ایک قطار میں آب دار موتیوں کی طرح جڑے ہوئے منہ میں کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

قدرت نے منہ کے اندر رطوبت کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ کھانا چبانے کے وقت پیدا ہوتی ہے کھانے میں مل کر ہضم میں مدد دیتی ہے اگر کھانے کے علاوہ منہ میں بھری رہتی تو بات کرنے میں بڑی دشواری ہوتی اور منہ کا کھولنا مشکل ہوتا اور منہ کھولتے وقت رطوبت کا باہر آ جانا یقینی تھا اس لئے کھانے کے وقت ظاہر ہونا تاکہ وہ کھانے کے ہضم میں مدد دے اور بعد میں اس کا غائب ہونا یہ عین حکمت اور مصلحت ہے بعد میں بس اتنی رطوبت کا رہنا ضروری ہے جس سے حلق تر رہے اور سوکھنے نہ پائے ورنہ پھر کلام کرنا دشوار ہو جائے حتی کہ یبوست کہ غلبہ سے پھر سانس اور دم گھٹنے لگے اور انسان ہلاک ہو جائے اس حکیم مطلق کے لطف و کرم کو دیکھو کہ اس نے انسان کو کھانا کھانے کے لئے لذت اور قوت ذائقہ زبان میں رکھی کہ وہ اپنے موافق و مناسب چیزوں کو استعمال کرنے اور خراب و بدمزہ نامناسب اشیاء کو ترک کر دے اس لذت کی وجہ سے کھانا کھانے میں خاص مدد ملتی ہے اور جو کھانا مزے لے لے کر کھایا جائے وہ ہضم خوب ہوتا ہے کیونکہ اس کو طبیعت قبول کرتی ہے ورنہ بدمزہ کھانا جس کے کھانے سے کراہت ہو طبیعت اس سے متنفر ہو کر قے کی شکل میں رد کر دیتی ہے اشیاء کے سرد و گرم مناسب و نامناسب ہونے کو انسان زبان کے ذائقہ سے محسوس کرتا ہے۔

الم نجعل له عينين
ولسانا وشفتين۔
بھلا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔

انسان کو قدرت نے دو کان عطا کئے ہیں کانوں میں خاص طرح کی رطوبت پیدا کی کہ وہ قوت سماعت کی حفاظت کرے اور موذی اور مرض رساں کیڑوں مکوڑوں سے کان کی حفاظت کرے اور ان کو ہلاک کر ڈالے کان پر سیپی کی شکل کا دونوں طرف ایک ایک پنکھا سا بنایا

Marfat.com

کہ آوازوں کو مجتمع کر کے کان کے سوراخ میں پہنچا دے ان پنکھوں میں خدا نے ایسی تیز حس پیدا کی جو موذی جانور یا دوسری نقصان دہ چیزوں کے قریب آنے کو فوراً محسوس کرے ان کانوں کو ٹیڑھا پیچیدار بنایا کہ آواز اچھی طرح سے بلند ہو کر اندر پہنچے اور موذی چیز یکبارگی اندر نہ پہنچ سکے بلکہ ان پیچیدہ طویل راستوں میں چلنے سے اندر پہنچنے میں تاخیر ہو اور اس کو دفع کیا جا سکے اور سونے والا اس کی حرکت سے بیدار ہو جائے پھر ہوا کے اندر جانے سے مسموعات سن کر جن چیزوں کو معلوم کیا جاتا ہے کہ ادراک کرنے کی قوت بھی خدا نے اس میں رکھی ہے ان بھیدوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

ناک کو دیکھئے کہ وسط چہرے پر کس خوبی سے اس کو بلند کیا ہے جس سے چہرے پر بڑی خوبصورتی اور خوشنمائی ہو گئی ہے اس میں دو نتھنے بنائے ہیں ان میں قوت حاسہ شامہ کو محفوظ کیا ہے تاکہ مطعومات و مشروبات کی بوؤں کو محسوس کر سکے اور خوشبو سے راحت حاصل کر سکے اور بدبو سے اجتناب کر سکے۔

اسی ناک کے ذریعہ روح حیات (تازہ ہوا) کو سونگھ سکے جو قلب کی غذا ہے اور باطنی حرارت کو اس کی وجہ سے تازہ کیا جا سکے اور اس کو مناسب تازہ ہوا مل سکے۔

یہ نرخرہ انسان کے کتنے کام آتا ہے آواز کا باہر آنا اور زبان سے حروف کی ادائیگی میں زبان کا مختلف حرکتیں کرنا سانس کا آنا جانا ان تمام کاموں میں نرخرہ استعمال ہوتا ہے اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں بعض بہت تنگ اور بعض کشادہ بعض نرم اور بعض سخت بعض لانبے اور بعض چھوٹے اور ان اختلافات ہی کے باعث آوازوں میں اختلافات پیدا ہوئے ہیں اسی لئے دو آواز بھی آپس میں بالکل نہیں ملتیں جس طرح کہ دو صورتیں بالکل مشابہ نہیں ہوتیں آواز کو سن کر بولنے والے کو اچھی طرح سے پہچان لیا جاتا ہے جس طرح شکل و صورت سے انسان کو شناخت کیا جاتا ہے یہ بھی خدا نے بڑی حکمت رکھی ہے اور یہ اختلافات روز اول ہی سے قدرت نے رکھے ہیں چنانچہ حضرت آدم اور حوا کو بنایا تو ان کی صورتوں میں بھی فرق رکھا اسی طرح ان کی اولاد میں یہ فرق نمایاں ہیں یہ اختلاف و فرق بڑی حکمتوں پر مبنی ہے اس کی وجہ سے ہم بہت سی دشواریوں سے نجات پاتے ہیں۔

قدرت نے انسان کو دو ہاتھ دیئے ہیں ان سے بے شمار فائدے ہیں ہاتھوں میں قدرت نے جلب منفعت اور دفع مضرت کی صلاحیت رکھی ہاتھوں کو اس طرح بنایا کہ اس میں چوڑی ہتھیلی اور پانچ انگلیاں اور انگلیوں میں پورے بنائے چار انگلیاں ایک سمت میں برابر اور

Marfat.com

پانچواں انگوٹھا دوسری طرف کو جو چاروں طرف انگلیوں کے حرکت کر سکے یہ خدا کی قدرت کا کمال ہے ساری دنیا کے لوگ جمع ہو کر سوچیں اور چاہیں کہ ہاتھ کو موجودہ شکل کے علاوہ کسی دوسری نہج پر بنایا جائے تو یہ ناممکن ہو گا اسی وضع اور ساخت کے ذریعہ انسان ہاتھوں سے پکڑنے اور لینے دینے کے تمام کام انجام دیتا ہے ہاتھ کو پھیلا کر ایک طباق بنا لیتا ہے چاہے تو اس کو مجتمع کر کے دفع شر کے لئے اس کو ایک آلہ کے طور پر استعمال کرے چاہے اس کو چلو کی شکل بنا کر پانی پینے کے لئے پیالہ کا کام لے چاہے تو چمچہ کا کام لے اور چاہے تو جھاڑو کا کام لے۔

ان انگلیوں کے پوروں پر ناخن بنائے جن سے انگلیوں کی زینت بھی ہے اور حفاظت بھی اور چیزوں کے اٹھانے میں مدد بھی اگر ناخن نہ ہوں تو ہم بہت سی باریک اور چھوٹی چیزوں کو اٹھا نہیں سکتے کھجلی آنے پر ان سے کھجانے کا کام لیا جاتا ہے اب اس پر غور کرو کہ ناخن کتنی چھوٹی اور حقیری سی چیز معلوم ہوتے ہیں اس کے اغراض وفوائد پر نظر کرنے سے ان کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

اسی طرح اگر ناخن نہ ہوتے تو جسم میں خارش ہوتی تو انسان اس کو دور کرنے کے لئے کیا کرتا اس وقت اس کو اپنی بے چارگی کا حال معلوم ہوتا اور ناخنوں کی ضرورت کو سمجھتا پھر قدرت نے ناخنوں کو نہ تو ہڈی کی طرح سخت بنایا اور نہ گوشت کی طرح نرم وہ بڑھتے بھی ہیں ٹوٹ جانے پر دوبارہ بھی نکل آتے ہیں زیادہ بڑھنے پر تراش دیئے جاتے ہیں سوتے اور جاگتے کھجلی آنے پر کھجانے کی طرف از خود حرکت کرتے ہیں یہ قدرت نے ان میں صلاحیت رکھی ہے۔

قدرت نے انسان کو ران اور پنڈلیاں دی ہیں ان کو کس طرح سے پھیلایا ہے ان میں دو پاؤں بنائے کہ کھڑا ہو سکے چل پھر سکے، اور ضرورت پر دوڑنے کا کام بھی لے پاؤں میں بھی اس نے ناخن بنائے جس سے پاؤں کی زینت اور حفاظت یہ سب کچھ قدرت نے اس کے ناپاک قطرہ سے بنایا ہے جسم کی تمام ہڈیاں بھی قدرت نے اسی قطرہ سے تیار کیں جو جسم انسانی کے لئے بطور ستون ہیں۔ جس کے سہارے وہ قائم ہے ہڈیوں کی شکل وصورت دیکھو، کیسی مختلف ٹیڑھی، سیدھی، مستطیل، مدور، ٹھوس اور خول دار چوڑی، ہلکی، اور بھاری اور بڑی مختلف شکلیں ان میں پائی جاتی ہیں ان کے جوڑوں کے اندر قدرت نے ایک رقیق چیز چکنی دار مادہ رکھا ہے جس سے اس کی حفاظت ہوتی ہے اس سے قوت بھی پہنچی ہے اور اس سے بے شمار فائدے ہیں۔

Marfat.com

انسان اپنی گونا گوں ضرورتوں کی وجہ سے اپنے تمام جسم کا محتاج ہے اور اس سے مختلف طرح سے اپنے جسم کو حرکت دینا ہوتی ہے قدرت نے اس کی ضروریات کے لحاظ سے ہڈیوں کو علیحدہ علیحدہ بہت سے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ ضرورت پر اس کے مطابق باآسانی جسم کو موڑا جا سکے اگر تمام جسم میں بجائے سیکڑوں ہڈیوں کے ٹکڑوں کی ایک سالم ہڈی ہوتی تو پھر اس کو اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے جھکنے اور مڑنے میں بڑی مشکل ہوتی ان ہڈیوں کو باہم ملانے کے لئے اور ان کے جوڑوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کیلئے اعصاب واوتاد کا رشتہ قائم کیا ایک ہڈی کو دوسری ہڈی سے ہلانے کیلئے ان کے کناروں کو اس طرح بنایا ہے کہ ایک اگر مکعب ہے (نوکدار) تو دوسری ہڈی کا کنارہ مجوف (خول) تا کہ دونوں باہم اچھی طرح متصل ہو سکیں غرضکہ یہ تمام اتصال اور جسم کی ترکیب اس حکمت سے قدرت نے بنائی ہے کہ انسان ارادہ کرنے پر ادنیٰ سی حرکت سے اپنے جسم سے حسب منشاء کام لے سکے۔

انسان کے سر کو دیکھو یہ ۵۵ ہڈیوں سے مرکب ہے اور تمام ہڈیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں سب کی شکلیں جدا جدا ہیں پھر قدرت نے ان تمام مختلف اشکال کی ہڈیوں کو اس کی حکمت سے مرکب کیا ہے کہ مکمل کروی شکل بن گئی ہے۔

چھ ہڈیاں کھوپڑی کے حصہ میں ہیں ۲۴ اوپر کے جبڑے میں اور ۲ نیچے کے جبڑے میں باقی دانت ہیں جنھیں قدرت نے چوڑا بنایا ہے تا کہ پیسنے کا کام دیں بعض تیز کاٹنے اور توڑنے میں کام آئیں گردن کو قدرت نے سر کے لئے مرکز بنایا ہے اور اس میں سات گول خول (کھوکھلے) مہرے ہیں جو ایک دوسرے پر قائم ہیں ان میں جو حکمتیں خدا نے رکھی ہیں اگر ان کو بیان کیا جائے تو مضمون بہت زیادہ طویل ہو جائے۔

گردن کے زیرین حصہ کو پشت پر قائم کیا ہے اور اس طرح کہ چوبیس ۲۴ مہرے سلسلہ بہ سلسلہ سرین کی ہڈی تک پہنچتے ہیں سرین میں تین اور ہڈیاں ہیں اور پشت کی ہڈیوں کو نیچے کی طرف سے دم والی ہڈی سے جوڑا گیا ہے جس کو عصعص کہتے ہیں جو خود بھی تین مختلف ہڈیوں سے مرکب ہے۔

پشت کی ہڈی کو سینے، شانے ہاتھ، پیر، سرین، ران، پنڈلیوں وغیرہ سے بڑی حکمت سے وابستہ کیا ہے بدن انسانی میں ۲۴۸ ہڈیاں ہیں اس میں وہ چھوٹی ہڈیاں مستثنیٰ ہیں جو مفاصل کے خلاء کو بھرنے کے لئے ہوتی ہیں۔

خدا کی قدرت اور اس کی کاریگری پر غور کرو کہ اس نے منی کے ناپاک قطرہ سے یہ

Marfat.com

سب کچھ بنایا اس سے خدا کی عظمت اور کمال قدرت کا پتہ چلتا ہے اور جس ترکیب و نظام سے اس نے انسان کی تخلیق کی ہے اس کے خلاف کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں ورنہ انسان کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی اہل بصیرت کے لئے اس میں بڑی نصیحت و عبرت ہے۔

اب ذرا جسم کے اندرونی نظام پر غور کرو ہڈیوں کو حسب ضرورت حرکت میں لانے کے لئے قدرت نے عضلات پیدا کیے ہیں یہ تعداد میں ۵۲۹ ہیں اس کی ترکیب گوشت پٹھے رباطات اور جھلی سے ہے یہ مختلف شکل و صورت کے ہیں اور چھوٹے بڑے چوڑے پتلے حسب موقع اور حسب ضرورت بنائے گئے ہیں ۲۴ عضلات جو آنکھوں اور پلکوں کی مختلف حرکات کا کام دیتے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو آنکھ کا نظام فاسد ہو جائے اس طرح ہر عضو کے مناسب عضلات ہیں جو اس کی مناسبت سے چھوٹے بڑے ہیں۔

اب اعصاب پٹھے عروق رگیں اور وہ شرائین لین اور ان کے پیدا ہونے کے مقامات اور ان کی تشریحات اس سے کہیں زیادہ حیرت ناک ہے پھر ان میں خدا نے جو جو صفات و خصوصیات ودیعت کی ہیں جن کو ہم اپنے حواس سے نہیں معلوم کر سکتے۔

اس کی تخلیقی صورت اور دیگر حیوانات سے امتیازی شرافت و اعزاز پر نظر کرو کہ خدا نے اس کو سیدھا بنایا کہ بیٹھنے میں بھی اس کی یہ بہتر صورت قائم ہے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کاموں کو کرتا ہے اس کو دوسرے جانوروں کی طرح سے اوندھا الٹا نہیں بنایا اگر اس کو الٹا اور اوندھا بنایا جاتا تو پھر وہ اپنے کاموں کو آسانی سے انجام نہیں دے سکتا تھا۔

مجموعی حیثیت سے انسان پر نظر کرو اور اس کے ظاہری و باطنی نظام کو دیکھو تو قدرت کا کمال حکمت اور اس کی کبریائی کا حیرتناک نمونہ ہے انسان کے اعضاء کو کامل بنایا کہ غذا کی ایک خاص مقدار کھانے سے اس کو قوت حاصل ہوتی ہے لیکن ان اعضاء کے لئے بھی قدرت نے ایک حد مقرر کر دی ہے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ غذا کی معمولی زیادتی سے اعضاء انسانی بھی معمولی سے زیادہ طویل عریض اور فربہ ہو جاتے تو پھر نقل و حرکت میں بڑی رکاوٹ ہوتی اور اس طرح سے وہ جسم عضو معطل ہو جاتا اپنے کاموں کو انجام نہ دے سکتا یہ خدا کا بڑا احسان اور انعام ہے کہ اس نے انسان پر اپنی خاص رحمت سے اس کے لئے ہر چیز کو موزوں اور مناسب رکھا ورنہ مکان ولباس وغذا سب ہی چیزوں اس کے لئے دشواریاں پیدا ہوتیں۔ جب ہم ایک انسان میں فکر کرتے ہیں کہ ایک قطرہ سے اس نے انسان کو کس طرح بنایا اور اس میں کیسے کیسے فطرت کے شاہکار پوشیدہ ہیں تو پھر آسمان وزمین سورج چاند ستارے وغیرہ ہزاروں مخلوقات الٰہی میں قدرت

Marfat.com

نے ان سب میں کیسی کیسی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ رکھی ہیں ان کی وضع وقطع ان کی مختلف شکل وصورت ان کا ایک دوسرے سے ممتاز ہونا مشارق ومغارب کا متفاوت ہونا یہ سب کچھ اس کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں اور یہ دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ آسمان وزمین کا ایک ذرہ بھی اس کی حکمت ومصلحت اور فائدہ سے خالی نہیں ہوسکتا بلکہ ہر ذرہ میں خدا کی بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں جن کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔

ہر درتے دفتریست معرفت کردگار

خدا نے اپنے اس قول میں ہمیں متنبہ کیا ہے۔

أأنتم اشد خلقا ام السماء بناها

رفع سمكها فسوٰها۔

کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا اس نے اس کو بنایا اونچا کیا اس کو ابھارا پھر اس کو برابر کیا۔

اگر دنیا کے تمام انسان وجنات جمع ہو کر اپنی پوری قوت سے یہ چاہیں کہ نطفہ سے حیات یا قوت سامعہ یا باصرہ بخشدیں تو یہ ان کے لئے ناممکن ہے صرف یہ اسی کی قدرت ہے کہ اس نے کس طرح سے ان کو رحم مادر میں پرورش کیا اس کو شکل عطا کی اس کو خاص اور مناسب اندازہ کے ساتھ بنایا اس کو مناسب اور متشابہ اجزاء عطا فرمائے اور ایک جز کو دوسرے میں کس طرح منتقل فرمایا جسم میں ہڈیاں بنائیں اعضاء کی مناسب موزوں شکلیں بنائیں عروق اعصاب کو ترتیب دیا ان کے ظاہر وباطن میں حسن تدبیر سے غذا کے لئے راستے بنائے تاکہ ان کا بقاء وقیام ممکن ہو اور جسم انسانی کے بقاء تک اعضاء میں قوت باقی رہے جسم کے اندر کس طرح سے قلب وجگر، معدہ تلی، پھیپھڑہ، رحم مثانہ، آنتیں ان تمام چیزوں کو مخصوص مناسب شکل میں اپنے اپنے مقام پر کس طرح سے رکھا کہ ہر ایک اپنی جگہ پر اپنا کام جاری رکھے جو بدن انسانی کے قیام وبقا کا سبب ہے۔

معدہ کو غذا کے پکنے کے لئے مضبوط اور عمدہ قسم کے اعصاب سے بنایا غذا کے پختہ کرنے کا کام اس سے لیا جاتا ہے معدہ میں غذا کے ہضم اور پکنے میں سہولت کے پیش نظر غذا کو منہ میں ڈاڑھوں کے ذریعہ باریک کر دیا تاکہ معدہ پر زیادہ بار نہ ہو جگر کو اس کام پر مامور کیا کہ غذا کے صالح عنصر سے خون تیار کرے اور ہر ہر عضو کو اس سے غذا پہنچائے۔

تلی پتہ گردوں کو جگر کی خدمت کے لئے بنایا تلی کا کام یہ ہے کہ وہ سودا (خون کے

Marfat.com

جلے ہوئے اجزاء) کو حاصل کرے مرارہ پتہ صفراوی اجزاء کو علیحدہ کرے گردے مائی اجزاء کو حاصل کریں اور مثانہ میں جمع کریں گویا مثانہ کا کام یہ ہے کہ وہ گردوں سے مائی اجزاء کو اپنی طرف جذب کر کے پیشاب کی راہ باہر نکال دے عروق اور جگر خون کو جسم کے تمام حصوں میں پہنچانے میں مدد دیتے ہیں اور خون کا جوہر (خالص خون) جو گوشت کے جوہر سے زیادہ لطیف اور صالح ہوتا ہے اس جگر میں محفوظ رہتا ہے گویا یہ ایک بجائے برتن کے ہیں جن میں صالح جوہر کا خزانہ محفوظ ہے اور جب ضرورت ہو جسم کے حصوں میں تقسیم ہوتا رہتا ہے غذا کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے اپنی قدرت کا ایسا نظام قائم کیا ہے جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور اس کی تمام تفصیلات وتشریحات کو سمجھنا اور بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں رحم کی تخلیق اور اس میں بچہ کی پرورش اور ضرورت پر اس کو غذا کا پہنچانا یہ سب کچھ اس کے کمال وحکمت کی دلیل ہے پھر اولاد کی محبت کو ماں کے قلب میں پیدا کرنا جو بچہ کی پرورش کا سبب ہے یہ محبت ہی ہے جو ماں بچہ پر ہزار جان سے قربان ہوتی ہے تکلیف اٹھاتی ہے مگر بچہ کو آرام پہنچاتی ہے اگر قدرت قلب میں بچہ کی محبت پیدا نہ فرماتی تو ماں اتنی تکلیفیں برداشت نہ کرتی اور شدت تکلیف سے بچہ سے نفرت پیدا ہو جاتی جب بچہ کا جسم بڑا ہو جاتا ہے اعضاء قوی ہو جاتے ہیں بدن میں قوت اور طاقت آ جاتی ہے تو اب اس کو قدرت دانت عطا کرتی ہے اور اب اس کی غذا دودھ کے بجائے دوسری اشیاء ہوتی ہیں کیونکہ اب وہ غذا بھی کھا سکتا ہے جس کے لئے وہ دانتوں سے کام لے اس طرح سے بچہ میں رفتہ رفتہ عقل وشعور کامل ہو۔

قدرت کی اس حکمت پر نظر کرو کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو محض جاہل ہوتا ہے نہ اس میں عقل ہوتی ہے نہ ہوش نہ اچھے برے کی تمیز پھر تدریجی طور پر قدرت یہ ساری قوتیں اس کو بخشتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ بچہ میں ولادت کے وقت عقل وشعور ہوتا تو دنیا میں اس وجود ظاہری کے بعد وہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر سخت تعجب کرتا جن کو اس نے اس سے پہلے نہیں دیکھا اور پھر اپنی حالت پر نظر کرتا کس کس طرح سے اس کو کپڑوں میں گودوں میں جھولے میں اٹھایا جاتا ہے اور یقیناً وہ اپنے نرم ونازک جسم کے رکھنے کی وجہ سے اس کا محتاج ہے پھر وہ ہزاروں باتوں پر اعتراضات کرتا اور ممکن ہے وہ اپنے وجود سے ہی انکار کر دیتا کہ کیونکر وہ نو مہینے رحم مادر میں رہ کر پرورش پاتا ہے۔ اور بچہ پر جو شفقت وپیار آتا ہے اس کی ان حرکات کی وجہ سے اس میں کمی ہوتی اور لوگ اس کو زیادہ نہیں چاہتے پس حکمت کا تقاضہ یہی تھا کہ بچہ میں یہ چیزیں آہستہ آہستہ آئیں تاکہ وہ آہستہ آہستہ دنیا میں ہر چیز کو سمجھ سکے اور تدریجاً اس کو استعمال کرنا سیکھے

Marfat.com

قدرت نے ہر چیز کو کمال و حکمت سے پیدا فرمایا ہے اس کو خطا و ثواب میں تمیز دی اور جوں جوں بڑا ہوتا ہے اس میں ایسے دواعی پیدا فرماتا ہے جو تناسل و توالد کا سبب ہے اس کے چہرے پر بال نکلتے ہیں تا کہ بچوں اور عورتوں سے ممتاز ہو اس کو شباب کا حسن عطا ہوتا ہے جب بڑھاپا غالب ہوتا ہے تو چہرے پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔

لڑکی ہونے کی صورت میں قدرت اس کے چہرے کو بالوں سے صاف رکھتی ہے تا کہ اس کے چہرے کی نزاکت و حسن ظاہر ہو اور مردوں کے لئے یہ جاذب نظر ہو کہ بقائے نسل کا راز اس میں مضمر ہے۔

کیا یہ سب کچھ نظام اور کمال قدرت کا شاہکاریوں ہی بے سود اور بے غرض ہے اور کیا عقل اس کو باور کرتی ہے کہ جس شئے کو قدرت نے ان گوناگوں ترکیبوں اور حکمتوں سے تیار کیا ہو اس کو مہمل یوں ہی چھوڑا جا سکتا ہے ہرگز نہیں یقیناً کوئی اعلیٰ مقصد ہے جو اس کی تخلیق میں پوشیدہ ہے جس وقت بچہ رحم مادر میں ہو اگر اس کو خون کی صالح غذا نہ پہنچے تو وہ خشک ہو کر ہلاک نہ ہو جائے گا جس طرح کہ نباتات پانی نہ ملنے سے سوکھ کر ہلاک ہو جاتی ہیں۔

اگر بچے کی تکمیل کے بعد عورت کو درد بے چین نہ کر دے جو بچہ کے تولد کی دلیل ہے اور بچہ مکمل ہونے کے بعد اپنے وقت پر پیدا نہ ہو تو کیا بچہ رحم میں رہ جانے سے ماں اور بچہ دونوں ہلاک نہ ہو جائیں گے۔

پیدا ہونے کے بعد اگر مناسب غذا دودھ اس کو نہ ملے تو کیا بچہ بھوک و پیاس کی شدت سے ہلاک نہ ہو جائے گا۔ اور اگر وقت پر اس کے دانت نہ نکلیں اور وہ دوسری غذاؤں کو کھانے لگے تو غذا بغیر چبائے کھانے سے بدہضمی کی شکایت پیدا نہ ہو گی اور کیوں کر وہ اس قسم کی چیزوں کو چبائے گا جبکہ منہ میں دانت نہ ہونگے اور اگر اس کے چہرے پر بال نہ ہوں تو وہ عورت اور بچوں ہی میں شمار کیا جائے گا ہیبت جلال اور وقار و دبدبہ جو انسان کے لئے بڑے بڑے کاموں میں جزو لائق ہیں کیونکر پیدا ہو سکیں گے یہ ساری چیزیں اور نعمتیں اس کو کس نے عطا کیں اس خدا نے ہی انسان کو یہ تمام نعمتیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہیں۔

اس امر میں فکر کرو کہ کیونکر انسان کو شہوت جماع پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کے آلہ تناسل پر نظر کرو کہ وہ کس طرح سے رحم میں نطفہ کو پہنچانے کا سبب ہے اور پھر وہ حرکت جو نطفہ کے خارج کرنے کی مقتضی ہوتی ہے اسی طرح اور دوسری حکمتوں پر نظر کرو اور انسان کے دوسرے اعضاء کو دیکھو اور ہر ہر عضو کے کاموں پر نظر کرو کہ قدرت نے ہر ہر عضو کو کس کس کام

Marfat.com

اور غرض کے لئے کیا مناسب شکل وصورت میں بنایا ہے آنکھوں کو دیکھنے کے لئے ہاتھوں کو چھونے اور پکڑنے کے لئے پاؤں چلنے اور دوڑنے کے لئے معدہ کو کھانا ہضم کرنے کے لئے جگر کو ہضم کردہ کھانے سے چاروں اخلاط کو چھانٹنے اور حسب ضرورت تقسیم کرنے کے لئے منہ کو بات کرنے اور غذا داخل کرنے کے لئے جسم کے منافذ و مسافات کو فضلات خارج کرنے کے لئے غرضکہ جب تم انسان کے جسم میں ہر چیز پر اس طرح فکر کرو گے تو معلوم ہوگا کہ قدرت نے اپنے پورے کمال وحکمت کا آئینہ اس کو بنایا ہے۔

غذا کے معدے میں پہنچنے پر غور کرو کہ کس حکمت سے معدہ غذا کو پکاتا ہے پھر اس کے خالص اور صالح جز و کو جگر کے سپرد کر دیتا ہے باریک باریک عروق کے راستہ سے جو جگر تک جاتی ہیں ان عروق کو اتنا باریک خاص حکمت سے بنایا گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ فاسد اور غلیظ مواد جگر تک نہ پہنچ سکے جو فساد کا باعث ہو۔

گویا یہ عروق چھلنی کے قائمقام ہیں کہ ہضم کئے ہوئے کھانے کو چھان کر ضروری اور صالح ومناسب جز و جگر تک پہنچاتی ہیں جگر اس جز و کو خون میں تبدیل کر دیتا ہے خدا کی حکمت سے وہ غذا اب خون میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہاں سے وہ عروق ومنافذ کی راہ تمام بدن میں پہنچتا ہے اور خالص جوہر حاصل کرنے کے بعد جو فاضل اور ردی مادہ پہنچتا ہے وہ ان اعضاء کی غذا کے لئے بہم پہنچایا جاتا ہے جن کی غذا وہی مادہ ہے گویا کہ جگر ایک اعلیٰ قسم کا ظرف ہے جس میں جسم انسانی کے لئے ہر قسم کی غذا تیار رہتی ہے اور ادھر ادھر منتشر ہونے سے محفوظ رہتی ہے اور حسب ضرورت اعضاء کو پہنچائی جاتی ہے۔

کیا تم کو انسان کے تمام جسم میں ایک بھی چیز ایسی نظر پڑتی ہے جو فضول اور بے کار ہو اور اس کا مقصد اور اس سے غرض نہ ہو آنکھوں کو خدا نے اشیاء کے ادراک کرنے کے لئے بنایا ہے رنگوں میں تمیز کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اگر رنگ ہوتے اور آنکھیں نہ ہوتیں یا آنکھیں رنگوں کو ادراک نہ کرتیں تو ان مختلف رنگوں کے ہونے سے کیا فائدہ تھا جس طرح یہ روشنی جو آنکھوں کی روشنی کے علاوہ ہے آنکھوں کے لئے نہ ہوتی تو آنکھوں سے کیونکر فائدہ اٹھایا جا سکتا آنکھیں تو اسی وقت کام کرتی ہیں جبکہ روشنی موجود ہو معلوم ہوا کہ روشنی کا وجود اس لئے ہے کہ آنکھیں اس کی مدد سے دیکھنے کا کام لیں رنگوں کا وجود اس لئے ہے کہ آنکھیں ان کو دیکھ کر فائدہ اٹھائیں اور اشیاء میں تمیز کر سکیں۔

کان خدا نے اس لئے بنائے کہ ان کے ذریعہ آواز سنیں اگر آوازیں ہوتیں اور کان

Marfat.com

میں ان کے سننے اور ادراک کرنے کی قوت نہ ہوتی تو پھر آوازوں کے وجود سے کیا منفعت اور غرض ہوتی یہی حال باقی تمام حواس کا ہے حواس اور محسوسات میں ایک ایسا لازمی رابطہ ہے جس کا وجود بغیر حواس کے بے سود اور بے فائدہ ہوتے اور روشنی اور ہوا کا بھی یہی حال ہے اگر روشنی کا وجود نہ ہوتا جن کی بدولت اشیاء دکھائی دیتی ہیں تو پھر حاسہ بصارت غیر مفید ہو جاتا اگر ہوا کا وجود نہ ہوتا جو کان میں آوازوں کو پہنچاتی ہے تو پھر کانوں کے ہونے سے کیا فائدہ پہنچتا۔

بہرے اور نابینہ کی مشکلات کا اندازہ کیجئے کہ اس کو ان دونوں نعمتوں کی محرومی کی وجہ سے کن کن مشکلات سے دو چار ہونا پڑتا ہے جب وہ چلتا ہے اور قدم اٹھاتا ہے اس کو یہ نہیں معلوم کہ وہ اپنا قدم کس جگہ رکھ رہا ہے آیا کسی مہلک اور خطرناک گڑھے میں اس کا پاؤں جا رہا ہے یا کسی نقصان دینے والے کیڑے یا جانور پر اپنا پیر رکھ رہا ہے نہ اس کو یہ معلوم کہ سامنے کیا ہے جس طرف وہ چل رہا ہے آگے اگر کوئی بڑی مصیبت آ رہی ہے اس سے وہ قطعی بے بہرہ ہے قدرت کی بہت سی نعمتوں سے وہ محروم ہے موجودات کے گونا گوں رنگ اس کے لئے بالکل بے کار ہیں۔ کالا گورا، سرخ، پیلا سب اس کے لئے برابر ہیں۔

اور جو قوت سماعت سے محروم ہے بہرہ ہے وہ تو غریب لذت کلام سے بھی ناواقف ہے آوازوں میں جو ایک لذت اور کشش ہوتی ہے اس سے وہ قطعاً محروم ہے وہ دلکش آواز اور بھدی اور بھونڈی آواز میں کیا فرق کر سکتا ہے فرق تو جب کرے کہ آوازیں اس کے کان میں پہنچیں وہ تو ان کے تصور تک سے محروم ہے اگر کسی مجمع میں بیٹھا ہے یا کسی شخص سے مخاطب ہے اس کے لئے دونوں برابر ہیں وہ لوگوں میں موجود ہوتے ہوئے بھی غیر حاضر ہے زندہ ہوتے ہوئے اس کی حالت مردوں جیسی ہے۔

تیسرا وہ شخص جو قدرت کی نعمت عقل سے محروم ہے یعنی دیوانہ اور پاگل ہے اس کا درجہ تو جانوروں سے بدتر ہے جانور تو اچھے برے مفید اور غیر مفید میں فرق کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ غریب یہ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ عقل سے ہی محروم ہے جس کے ذریعہ اشیاء میں باہم امتیاز کیا جاتا ہے اب تم قدرت کی بخشی ہوئی ان نعمتوں پر نظر کرو جو اعضاء کی شکل میں انسان کو عطا کی گئی ہیں اور ان قوتوں پر نظر کرو جو ان کے اندر قدرت کی طرف سے سامعہ، شامہ، باصرہ، مدرکہ، ذائقہ وغیرہ عطا ہوئی ہیں جن کی بدولت انسان اپنی زندگی کی جملہ ضروریات کو فراہم کرتا ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو اس کام میں خلل آ جائے اور یہ اس کے لئے بڑا حادثہ ہوگا جو شخص ان میں سے ایک چیز سے بھی محروم کر دیا جائے تو گویا قدرت نے اس کو بڑی

Marfat.com

آزمائش میں ڈالدیا اور خدا کی نعمت کی قدر و قیمت اس کو اس کے کھونے پر حاصل ہوئی اب وہ اس نعمت کی محرومی پر بغیر صبر کے اور کیا کر سکتا ہے بجز اس کے کہ اس محرومی کی وجہ سے جو جو مشکلات سامنے آئیں اس کو صبر و سکون سے برداشت کرے تاکہ آخرت میں خدا اس کو اجر عطا فرمائے اور اس کا نعم البدل بخشے خدا کی قدرت اور اس کی حکمت دیکھو کہ ہر حال میں اس کی رحمت بندوں پر ہے نعمت کے ملنے پر شکر کی صورت میں اور نعمت سے محرومی پر صبر کی صورت میں۔

انسان کے اعضاء پر نظر کرو بعض عضو فرد یعنی ایک ایک ہیں اور بعض زوج یعنی دو دو پھر ان اعضاء کے ان کاموں اور ذمہ داریوں پر نظر کرو جن پر یہ ما مور اور متعین ہیں کہ کس کس حکمت اور مصلحت سے قدرت نے یہ اعضاء خلق کیئے ہیں ایک سر کو لیجئے کہ اپنے وجود میں تنہا ہے لیکن کتنے حواس اور قوتوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے اگر سر پر ذرا بھی کسی اور چیز کا اضافہ ہو جائے گا تو اس پر بار ہوگا۔ اگر سر بجائے ایک کے دو ہوتے تو ایک کے بات کرنے کی صورت میں دوسرا معطل رہتا اگر دونوں مل کر بات کرتے تو پھر بھی ایک کا وجود بیکار ہوتا۔ اگر ایک سر ایک بات کرتا اور دوسرا سر دوسری جو پہلی سے مختلف ہوتی تو پھر مخالف کے لئے یہ سمجھنا اور فرق کرنا دشوار ہوتا کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی مراد ہے۔

بخلاف ہاتھوں کے کہ قدرت نے دو ہاتھ دیئے ہیں کہ اگر ایک ہاتھ ہوتا تو پھر انسان کو کام کی انجام دہی میں بڑی دشواری ہوتی یقیناً دو ہاتھوں کا ہونا ہی عین حکمت ہے جس کا ہاتھ بیکار ہو جاتا ہے اور ایک سے وہ اپنے کاموں کو کرتا ہے اس سے پوچھئے کہ اس کو کیسی تکلیف ہے اول تو وہ اتنا کام نہیں کر سکتا جو دونوں سالم و تندرست ہاتھوں والا کر سکتا ہے پھر جو تکلیف اور صعوبتیں ایک ہاتھ والا کرتا ہے دوسرے کو نہیں۔

اسی طرح دو پاؤں کے ہونے کی حکمت ظاہر ہے کہ اس سے کم ہونے کی صورت میں چلنا ممکن ہی نہ تھا۔

آلات صوت کی ہیئت ترکیبی پر غور کرو حنجرہ (نرخرہ) کو دیکھو وہ بالکل ایک نلکی کی طرح ہے آوازوں کے باہر لانے کے لئے .... زبان ہونٹ دانت حروف کو بنانے کا کام دیتے ہیں منہ میں اگر یہ چیزیں نہ ہوں پھر دیکھئے کہ بات کرنے میں اس پر کیا گزرتی ہے اور حنجرہ آواز کے باہر لانے کے علاوہ ہوا کو پھیپھڑے تک پہنچانے کا کام بھی انجام دیتا ہے جس سے قلب کو راحت ملتی ہے اگر یہ نبض کا سلسلہ نہ ہو یا کچھ دیر کو روک دیا جائے تو قلب کو بڑی

Marfat.com

تکلیف اور اذیت پہنچے گی زبان سے کھانے میں جو مدد ملتی ہے اور دانتوں سے کھانے چبانے اور پینے میں جو امداد ہوتی ہے اور ہونٹ سے کس طرح سے کھانے میں مدد ملتی ہے اور منہ کے لئے کس طرح وہ دونوں ہونٹ دروازہ کا کام انجام دیتے ہیں اس تمام بیان سے یہ بخوبی واضح ہو گیا کہ یہ تمام اعضاء انسانی بے شمار فوائد اور مصالح پر مبنی ہیں ان میں ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے تو کام میں خلل واقع ہو یہ سب قدرت کے خاص انداز اور تدبیر سے ہے۔

دماغ کو لیجئے اگر اس کو کھولیں تو اس میں ایک دوسرے کو لپٹا ہوئے پاؤ گے تا کہ صدمات سے محفوظ رہے اس پر کھوپڑی کا ڈھکن چڑھا ہوا ہے جس پر بالوں کو حفاظت اور زینت کے لئے پیدا کیا ہے تا کہ سردی اور گرمی کے اثر سے محفوظ رہے پس دیکھو قدرت نے دماغ کی حفاظت کے لئے کیا کیا سامان کیا ہے وہ خود جانتا ہے کہ دماغ ایک نازک ترین شئے ہے اس لئے اس نے اس کو اچھی طرح محفوظ رکھا ہے کہ تمام حواس کے لئے اصل ہے بدون اس کے تمام حواس معطل ہیں۔

قلب کو دیکھو کہ سینہ کے بند صندوق میں کس طرح سے محفوظ ہے اس پر جھلی کا غلاف چڑھا ہوا ہے اس کو ہر چار طرف سے گوشت اور اعصاب سے مستحکم کیا ہے یہ اعضاء میں اشرف ہے اور بحیثیت بادشاہ کے ہے اس لئے اس کی حفاظت ایسی ہی ضروری تھی۔

حلق کو دیکھو قدرت نے اس میں دو منفذ (راستے بنائے ہیں) ایک آواز کے آنے کے لئے جس کو حلقوم کہتے ہیں اور جو پھیپھڑے تک پہنچتا ہے دوسرا غذا کے جانے کے لئے جس کا تعلق معدہ سے ہے حلقوم پر ایک پردہ لگا ہے جو کھانے کو آنے سے روکتا ہے پھر پھیپھڑے کو پنکھے کے قائم مقام بنایا کہ قلب کو ہوا پہنچا کر اس کو تازہ دم رکھے اور شدت گرمی اور حبس سے قلب کے کام میں خلل نہ پڑے اور ہوا نہ ملنے سے قلب کی حرکت بند ہو کر انسان کی ہلاکت کا باعث نہ ہو اس لئے اس کے اندر کے حصہ خلا کو ہوا سے بھر رکھا ہے تا کہ برابر ہوا قلب کو ملتی رہے۔

پیشاب و پاخانہ کے راستوں پر نظر کرو کہ قدرت نے کس حکمت سے ان کے راستے نالیاں بنائی ہیں۔ کہ ضرورت پر کام دیتی ہے اور بلا ضرورت وہ جاری نہیں ہوتیں ورنہ انسان کی زندگی اس دائمی جریان سے اجیرن بن جاتی اور وہ کسی وقت بھی پاک و طاہر نہ رہ سکتا۔

فخذین۔ رانوں اور سرین کو دیکھو کہ قدرت نے کس طرح ان پر گوشت بنایا ہے کہ بیٹھنے میں انسان کو کوئی اذیت اور تکلیف نہیں ہوتی جیسے کہ کمزور اور دبلا پتلا انسان جس کے جسم پر

Marfat.com

گوشت کم ہوتا ہے اور رانیں گوشت سے خالی ہوتی ہیں وہ اٹھنے میں بڑی تکلیف محسوس کرتا ہے کیونکہ گوشت کی نرم گدی اس کے نیچے نہیں ہوتی۔

انسان کے اعلیٰ تناسل پر نظر کرو کہ اگر ہر وقت وہ مسترخی ڈھیلا رہتا تو پھر رحم میں منی کے پہنچانے کی کیا شکل ہوتی اور اگر وہ ہمہ وقت قائم ہی رہتا تو کام کرنے میں چلنے پھرنے میں بڑی دشواری ہوتی اس لئے قدرت نے اس کو ایسا بنایا ہے کہ ضرورت کے وقت وہ قائم وسیدھا ہوتا ہے اور بلا ضرورت وہ نرم اور چھوٹا ہو کر کالعدم ہو جاتا ہے گویا کہ وہ موجود نہیں ہے اور اس میں کبھی شہوت پیدا نہیں ہوتی۔

مکان کے حصوں میں بیت الخلاء (پاخانہ) تمام حصوں سے زیادہ پردہ اور سکون کا مقام ہوتا ہے کیونکہ انسان وہاں جا کر فطری تقاضے حاجت کر کے اس اضطراب اور گھبراہٹ کو رفع کرتا ہے جو قضائے حاجت سے قبل اس کو لاحق تھی اور وہاں وہ برہنہ ہو کر مخلی بالطبع ہو کر بیٹھتا ہے قدرت کے کمال حسن تدبیر سے اس کا وہ مقام (مخرج براز) جسم میں انتہائی پوشیدہ جگہ پر بنایا پھر دونوں طرف پر گوشت رانوں سے اس کا اور بھی پردہ کر دیا گویا وہ برہنہ ہوتے ہوئے بھی ایک حد تک ڈھکا ہوا ہے۔

بالوں اور ناخنوں کی پیدائش پر غور کرو جو بڑھتے رہتے ہیں ان کے تراشنے میں بڑی مصلحت ہے پھر ان بالوں اور ناخنوں کو بے حس بنایا کہ تراشنے میں انسان کو اذیت نہ ہو ورنہ دو صورتوں میں سے ایک لازمی ہے یا تو ان کو اذیت کے خوف سے یوں ہی اپنی حالت پر چھوڑا رہنے دیتا اور حد سے زیادہ بڑھ جانے پر اس کی شکل وحشیوں جیسی بدنما ہو جاتی یا پھر ان کو تراشتا اور مناسب مقدار میں ان کو کرتا تو تراشنے کی اذیت کو محسوس کرتا۔

پھر بالوں کے اگنے کے مقامات پر غور کرو اگر آنکھ کے اندر بھی بال اگتے تو پھر انسان اس کی وجہ سے اندھا ہو جاتا کیونکہ آنکھ جیسی نازک ولطیف شے اس کو کیونکر برداشت ہوتی ظاہر ہے کہ انسان پر کھانے پینے کا لطف حرام ہو جاتا اسی طرح اگر ہاتھ کی ہتھیلی میں بال ہوا کرتے تو چھونے اور پکڑنے کی لذت سے انسان محروم ہو جاتا اور بہت سے کام کرنے میں وہ مانع ہوتے اسی طرح اگر بال اندرون فرج (شرمگاہ) میں ہوتے تو لذت جماع سے انسان محروم ہوتا پس ان باتوں سے خدا کی قدرت کا اندازہ کرو کہ اس نے کس طرح ہر چیز کو اپنے صحیح مقام پر رکھا ہے اور انسان کو لذت آرام کے مواقع دیئے ہیں اور بے محل اشیاء کو نہیں رکھا انسان کا عیش وآرام منغض ہو جاتا۔

Marfat.com

پھر اس پر غور کرو کہ قدرت نے انسان کے اندر کھانے پینے سونے اور جماع کرنے کی ضرورتوں کو پیدا فرمایا ہے اور اس کے اظہار کے کیسے دواعی محرکات بنائے۔

بھوک و پیاس کھانے پینے کی طلب کے محرکات ہیں اور کھانا پینا یقیناً انسان کی زندگی کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ہوا پانی۔

سونا اور نیند کا آنا یہ بھی انسان کے لئے طبعی طور پر ضروری ہے اس کے بغیر بدن انسانی کو راحت و آرام اور قوتوں میں از سر نو تازہ حیات نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ انسان کچھ دیر سوئے نہیں تاکہ پھر تازہ دم ہو سکے۔

خواہش جماع کا ہونا جماع وصحبت کے لئے دواعی ومحرکات سے ہے جو نسل و بقائے نسل کے لئے انتہائی ضروری ہے انسان کی طبیعت پر محرکات ودواعی کو ہونا از بس ضروری ہے اگر یہ محرکات نہ ہوں تو انسان بسا اوقات دوسرے مشاغل میں رہ کر ان ضروری چیزوں سے بے پرواہ اور غافل رہے اور اس طرح اس کی قوت جسمانی کمزور ہو کر ان میں سستی آجائے اور پھر یہ ہلاکت کا باعث ہو۔

اس طرح اگر جماع محض حصول اولاد کی خاطر ہوتا تو نسل منقطع ہو جاتی کیونکہ بہت سے ایسے عوارض ہیں جنکی وجہ سے وہ اس طرف توجہ نہ کرتا اور یہ بے توجہی انقطاع نسل کا موجب ہوتی پس قدرت کی اس حکمت پر نظر کرو کہ اس نے انسانی طبیعت میں مقتضیات دواعی اس طرح ودیعت کئے ہیں کہ انسان جماع کے لئے مضطر ہوتا ہے اور پھر ان سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

بدن کی ترتیب وترکیب کو دیکھو کہ بدن بمنزلہ دارالملک اور...... دارالسلطنت کے ہے جس میں نوکر خدمتگار اپنے اپنے کام پر حاضر ہیں ایک کے سپرد ایک خدمت ہے تو دوسرا اس کی امداد کے لئے حاضر ہے گھر میں ذرا گندگی اور متعفن مادہ پیدا ہوا فوراً خادم نے اس کو باہر نکالکر پھینکدیا کہ مکان صاف ستھرا رہے یوں سمجھو کہ اس مثال میں بادشاہ تو وہ خالق ہے جس نے ان تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور بدن انسانی بمنزلہ مکان کے ہے اور اعضاء ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھ یہ سب بمنزلہ خدا کے ہیں اور عقل وحفظ وغضب وغیرہ یہ سب قوم کی جگہ ہیں کہ اگر مذکورہ بالا میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو پھر نظام جسم مختل ہو جائے اور لینا دینا دیکھنا چلنا پھرنا حفاظت وغیرہ ان تمام کاموں میں حرج ہو جائے نہ راستہ کو پہچان سکے نہ علم سے فائدہ اٹھا سکے نہ نفع حاصل کر سکے نہ نقصان سے اپنے آپ کو بچا سکے نہ اپنی تحریر سے فائدہ اٹھا سکے نہ گزشتہ واقعات

Marfat.com

سے عبرت حاصل کر سکے یہ تمام دشواریاں کسی ایک چیز کے نہ ہونے سے پیش آ سکتی ہیں پھر ان تمام نعمتوں پر نظر کرو جو خدا نے رکھی ہیں (اگر وہ سب معدوم ہو جائیں) تو پھر انسان کا وجود ہی معطل ہو جائے اس سے خدا کے فضل و احسان کا اندازہ کرو اور پھر اس کی حکمت عملی پر غور کرو، اما بنعمت ربک فحدث. قوت حافظہ یقیناً بڑی نعمت الٰہی ہے لیکن نسیان (بھول) یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے اور بڑی حکمت اس میں پوشیدہ ہے اگر انسان میں بھول چوک کا مادہ نہ ہوتا تو انسان ہر وقت رنج و غم میں مبتلا رہتا اور پھر اس کرب و الم سے اس کی جان پر بن جاتی وہ آفات و مصائب کو ہر وقت ذہن میں یاد رکھتے ہوئے دنیا کی تمام لذتوں سے محروم رہتا کہ اس حالت میں اس کے لئے کسی سے تمتع حاصل کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ فرط و رنج و غم سے اس کی قلبی کیفیت اتنی خراب رہتی کہ وہ اپنی زندگی تک سے بیزار ہو جاتا ظالم سے ذراسی غفلت کی توقع حاسد سے بھول و نسیان کا امکان اور کسی بدخواہ کی طرف سے ادنیٰ سی غفلت ان میں سے کسی کی توقع کا امکان نہ ہوتا پس قدرت کی اس حکمت کو دیکھئے کہ اس نے حفظ و نسیان دو متضاد شئے انسان میں جمع کر دی ہیں اور دونوں میں بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں پھر قدرت کی اس حکمت کی داد دیجئے کہ اس نے انسان میں بعض مخصوص وہ صفتیں دی ہیں جو دیگر حیوانات میں نہیں دیں مثلاً حیا کا مادہ قدرت نے انسان کو ودیعت کیا ہے اگر حیا و شرم انسان میں نہ ہو تو انسان گناہ کرنے سے کبھی نہ رکے ضروریات کو پورا نہ کرے مہمان کی خاطر مدارت نہ کرے اچھے کام کرنے کی رغبت نہ ہو برے کام سے اجتناب نہ کرے کیونکہ بہت سے کام انسان لوگوں سے شرم و حیاء کی وجہ سے کرتا ہے امانتوں کو واپس کرتا ہے والدین کے حقوق ادا کرتا ہے بے حیائی کے کاموں سے رکتا ہے یہ سب امور حیاء و شرم ہی کے سبب سے انسان کرتا ہے پس ایک حیاء کے ہونے کے فوائد اور اس کے نہ ہونے کے باعث اتنے نقصانات ہیں پس اسی پر دوسری نعمتوں کو قیاس کرو

قوت گویائی (نطق) پر نظر کرو جس کی بدولت انسان تمام جانوروں سے ممتاز ہے جس کی برکت سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے اور دوسرے کو سمجھا دیتا ہے اور دوسرے کے مافی الضمیر کو سمجھ لیتا ہے اگر قدرت نے یہ نعمت نہ بخشی ہوتی تو افہام و تفہیم کیونکر ممکن ہوتا۔

اسی طرح نعمت کتابت پر غور کرو جس کی بدولت آج ہزاروں برس پیشتر کے حالات معلوم کر لیتے ہیں اور ہمارے حالات و واقعات آنے والوں کو صدیوں تک معلوم ہوتے رہیں گے اس کی برکت سے ہمارے علوم و آداب معاملات حساب و کتاب سب کتابوں میں محفوظ

Marfat.com

ہے بھول جائیں تو کتابت کو دیکھ کر یاد کرلیں اگر کتابت کی نعمت قدرت سے ہم کو نہ ملتی تو ہ
اپنے سے قبل کے زمانے کے حالات سے قطعاً ناواقف رہتے اور علوم وفنون سب ضائع ہو
بلکہ اخلاق وآداب اور فضائل سب ہی نعمتوں سے یکسر ہم محروم ہو جاتے اور معاملات میں
بڑی دشواری پیدا ہو جاتی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کلام وکتابت یہ انسان کے لئے کسبی چیزیں ہیں یہ امو
طبیعہ میں سے نہیں ہیں اور اسلئے عربی ہندی، رومی خطوط میں ہم بین اختلاف پاتے ہیں اور یہی
حال کلام کا ہے کہ یہ ایک اصطلاحی چیز ہے اس میں بھی اختلاف کا ہونا یقینی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مقصد کتابت سے ملکہ کتابت ہے یعنی خدا کی بخشی ہوئی
وہ قدرت جو اس نے انسان کو ہاتھوں میں انگلیوں میں ہتھیلیوں میں بخشی ہے اور ذہن وفکر کو عط
ہوتی ہے اس میں کسب کا کوئی دخل نہیں۔

اسی طرح اگر زبان اور قوت نطق اور اس میں ذہن وفکر کی ترکیب نہ ہوتی تو انسان
ساری عمر کبھی نہیں بول سکتا تھا پس خدا کا کتنا بڑا اکرم ہے کہ اس نے ایسی مفید اور کام کی چیزیں
انسان کو عطا فرمائیں پھر قوت غضب پر نظر کرو جو قدرت نے انسان میں ودیعت رکھی ہے جس
کی وجہ سے موذی نقصان دہ اشیاء کو دفع کرتا ہے اور مادہ حسد کی وجہ سے جلب منفعت کرتا ہے
مگر قدرت نے انسان کو ان دونوں قوتوں میں معتدل رہنے پر مامور فرما دیا ہے کہ ان میں سے
کسی چیز میں بھی اگر تجاوز کرے گا تو پھر شیطانی صفات یقیناً اس میں پیدا ہو جاتی ہیں اور شیطانی
درجہ اور رتبہ اس کو حاصل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے خدا سے اس کو بعد ہوتا جاتا ہے اس لئے
غضب کی حالت میں اس پر لازم ہے کہ دفع شر میں وہ بہت تدبر سے کام لے اور حسد کے وقت
وہ غبطہ کو کام میں لائے کیونکہ حسد میں دوسروں کی نعمت کے زوال اور خود کو کامراں ہونے کی
خواہش ہوتی ہے اور غبطہ میں زوال نعمت دوسروں سے نہیں ہوتا محض حصول مشابہت اور
مماثلت مقصود ہوتا ہے۔

قدرت نے کمال حکمت سے انسان کو بعض مفید چیزیں عطا کیں اور بعض چیزوں
سے باز رکھا ہے۔

اس میں بھی انسان کی فلاح اور مصلحت ہے مثلاً انسان میں قدرت نے امید اور تمنا
کا مادہ عطا کیا جس کی وجہ سے دنیا کی آبادی اور تناسل کا سلسلہ قائم دائم ہے اس کی بدولت کمزور
اور غریب طبقہ کے لوگ طاقتور اور دولت مند طبقہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں بڑے بڑے با اختیار

Marfat.com

ک دنیا کو آباد کرتے ہیں اور ان کی اس تعمیری کوششوں سے کمزور طبقہ کے لوگوں کو ضمناً بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

انسان بہر حال تخلیقی طور پر کمزور پیدا ہوا ہے اور وہ گزری ہوئی قوم کے بنائے ہوئے کانات اور تعمیری چیزوں کو نہیں دیکھتے۔ تو نہ تو اس کے رہنے کے لئے کوئی مکان ہوتا اور نہ اس کے پاس ایسا آلہ اور سامان ہو جس کے ذریعہ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں از سر نو تعمیر کرے گویا یہ قدرت امل (آرزو) موجودہ لوگوں کے لئے عمل کا پیش خیمہ ہے کہ ان کو عملی دنیا میں سرگرمی پیدا کرتی ہے آنے والوں کے لئے یہ لوگ ایسی بے شمار چیزیں چھوڑ جائیں گے جن سے وہ فائدہ اٹھائیں گے اور قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری اور ساری رہے گا یہ سب امل (آرزوں) کی برکتیں ہی۔

بعض چیزوں سے انسان کو مصلحتاً قدرت نے باز رکھا مثلاً اس کی عمر کی مدت اور اس کی موت کا علم۔

اگر انسان کو اپنی عمر معلوم ہوتی اور وہ عمر کم ہوتی تو پھر اس کو زندگی میں کوئی مزہ نہ آتا اور دنیا کے کاموں میں کوئی حصہ نہ لیتا حتی کہ وجود نسل اور تعمیر میں وہ ذرا بھی جدو جہد نہ کرتا اور اگر مدت عمر دراز ہوتی اور اس کو معلوم ہوتا تو وہ خواہشات کا بندہ بن جاتا اور حدود سے تجاوز کرتا اور بڑی بڑی مہلکات میں گھس پڑتا اس لیئے کہ عمر کی مدت اس کو معلوم ہوتی تو وہ اپنی مدت کا خیال بھی دل میں نہ لاتا اب کیونکہ قدرت نے اس کو اس سلسلہ میں قطعاً ناواقف رکھا ہے تاکہ ہمہ وقت اس کو موت کا کھٹکا لگا رہے اور خواہشات میں پڑنے سے خدا کا خوف اور پھر موت کا ڈر بھی پیدا ہوتا اور موت سے پہلے نیکیوں کے ذخیرہ کرنے کا خیال دل میں رہے۔

انسان جن جن چیزوں سے متمتع ہوتا ہے ان پر نظر کرو قدرت نے ان میں کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں اور کیسی لذتیں اور ذائقے قدرت نے کھانوں میں پیدا کیے ہیں قسم قسم کے کھانے اور ان میں الگ الگ مزے طرح طرح کے پھل ان کے مختلف رنگ ان کی خوشبو کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے سواریوں پر نظر کرو ان کے اقسام کو دیکھو ان سے کیا کیا آرام اور فائدے حاصل ہوتے ہیں قسم قسم کے پرندے اور ان کی بولیاں سنو ان کی دلکش آوازیں اور سریلے نغمے ان کو سن کر انسان مست ہوتا ہے سکے اور نقود پر نظر کرو کہ ان کے ذریعہ سے انسان اپنی ضروریات کو کیونکر پورا کرتا ہے جڑی بوٹیوں کو دیکھو انسان اپنی تندرستی اور قوت کے لئے ان سے کیا کیا فائدے حاصل کرتا ہے کھانے کے جانوروں پر غور کرو ان کے گوشت میں خدا نے

Marfat.com

کیسی لذت بنائی ہے پھر ان جانوروں سے کھیتی باڑی میں کس طرح کام لیا جاتا ہے پھر پھولوں کو دیکھو ان میں کیسی بھینی بھینی خوشبو آتی ہے ان سے کیسے کیسے تیل اور عطر نکالے جاتے ہیں پھر انسان اس کو جسم اور لباس پر لگا کر محفلوں اور مجلسوں میں شریک ہوتا ہے وضع وضع کے لباس اور کپڑوں کو دیکھو پھر موسم کے اعتبار سے ان لباسوں کی اقسام پر نظر کرو قدرت نے انسان کو عقل سمجھ عطا فرمائی اور ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع عطا کیا ہے قدرت کی کیسی کاریگری ہے کیسی کیسی عجائبات ان میں پوشیدہ ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، جلب، منفعت اور انتفاع کے سلسلہ میں قدرت نے انسان کو ضرورتوں کا حامل بنایا ایک انسان ایک چیز سے ایک فائدہ اٹھاتا ہے دوسرا اسی چیز سے دوسرا فائدہ اٹھاتا ہے اسی انتفاع کی بدولت ایک دولتمند ہے اور دوسرا فقیر دولتمند اور محتاج میں امتیاز بھی اسی سے ہوتا ہے اور یہی دنیا کی آبادی وتعمیر کا سبب ہے لوگوں کے انتفاع وجلب منفعت کے اختلاف کی مثال ایک کم سن بچے کی سی ہے کہ بسا اوقات وہ نادانی اور ناسمجھی کی وجہ سے ایسی چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے۔

جو اس کو نقصان پہنچاتی ہیں اور ان چیزوں میں منہمک ہو جاتا ہے کہ اس سے علیحدہ کرنا ایک مصیبت ہو جاتا ہے۔

دنیا کی چیزوں میں بے شمار حکمتیں اور لطائف ہیں ان کو شمار کرنا اور ایک ایک چیز کو تفصیل سے بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں اور نہ انسان ہر چیز کے وجود کی حقیقت وحکمت اور اس کی کنہ کو پہنچ سکتا ہے۔

مخلوقات کی جملہ حکمتیں اور مصلحتیں اس حکیم مطلق کو ہی معلوم ہیں جس کی رحمت عام ہے اور جس کا علم وسیع اور ہر شئے کو محیط ہے۔

Marfat.com

اس باب کا تتمہ جات

قدرت نے انسان کو بڑا اشرف مرتبہ عطا کیا ہے جو دوسری مخلوقات کو نہیں دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم
وحملناھم فی البرو البحر
ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم
علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے اور جنگل
اور دریا میں سواری دی اور ستھری روزی دی، اور
بڑھادیا بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی
دے کر۔

یہ شرف و عزت انسان کو قوت ادراک اور عقل وشعور کی بدولت ملا ہے جس سے دوسرے حیوانات محروم ہیں اور انسان اس عقل ہی کی بدولت ممتاز ہے اسی کی بدولت وہ ملا اعلیٰ سے قریب تر ہے اسی کی برکت سے وہ کائنات ومصنوعات میں غور وفکر کر کے خالق کی معرفت وقدرت کو پہچانتا ہے خود اپنی ہستی او ر وجود پر نظر کر کے خدا کی حکمت وقدرت کی معرفت حاصل کرتا ہے خدا نے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون خود تمہاری ذات میں قدرت کی نشانیاں موجود ہیں تم دیکھتے نہیں ہو۔

انسان جب وہ اپنے وجود اور اصل پر غور کرتا ہے اور نظام جسم پر غور وفکر کرتا ہے اور قدرت کی عطا کردہ حکمتوں اور قوتوں میں تدبر کرتا ہے تو پھر وہ خدا کی عظمت وحکمت کا دل سے اعتراف کر لیتا ہے اس کی کمال تدبیر اور کمال حکمت کو تسلیم کرتا ہے اسی عقل کی بدولت وہ اچھے برے کھوٹے کھرے، مفید ومضر میں تمیز کرتا ہے بادی النظر میں اس عقل کے وجود کو نہ کسی جسم کی شکل میں محسوس کرتا ہے نہ اس کی بو سونگھتا ہے نہ اس کا ذائقہ چکھتا ہے نہ اس کو متشکل دیکھتا ہے اس کے باوجود اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا اس کے فیضان وبرکات سے منکر نہیں ہو سکتا وہ دیکھتا ہے کہ صرف عقل کی طاقت وقوت کی بدولت وہ ہزاروں مغیبات کو دیکھ لیتا ہے جہاں نہ آنکھوں کی رسائی ہے نہ کانوں کی پہنچ یہ ساری قوتیں جہاں عاجز ہیں وہاں عقل کی قوت

Marfat.com

وطاقت اپنا کام کرتی ہے آسمان وزمین کے عجائبات ومناظر ان آنکھوں سے پوشیدہ ہیں مگر عقل کے سامنے بے نقاب ہیں قدرت کے وہ مظاہر جو ان حواس ظاہری سے مستور ہیں شعور وعقل کے نزدیک سب بے حجاب ہیں اب جتنا علم اس کھلادو اتنی ہی روشنی اس میں بڑھتی ہے اور پھر آسمان سے ماوراء اوپر کی کائنات اور تحت الثریٰ میں معدنیات ومغیبات سب عقل کے سامنے روشن وظاہر ہوتی جاتی ہیں۔

اپنے اعضاء وجواہر پر جب انسان نظر کرتا ہے تو وہ ارادہ کے ساتھ ہی حرکت میں آجاتے ہیں اور یہ حرکت اتنی سریع ہوتی ہے کہ یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ آیا ارادہ اور حرکت دونوں میں مقدم کون ہے اور مؤخر کون اگرچہ رتبتاً ارادہ مقدم ہوا کرتا ہے مگر قدرت نے جوارح کو انسان کی قوت آزادی کے ایسا تابع ومطیع کر دیا ہے کے ارادہ کہ وجود میں آتے ہی جوارح اس کی فرمانبرداری کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

اس عقل وشعور اور ادراک کے باوجود انسان اپنی حقیقت کے سمجھنے سے کماحقہ قاصر ہے کبھی وہ اپنے لئے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں اس معاملہ میں قطعاً جاہل ہوں اس کے باوجود وہ بڑے بڑے دقائق ولطائف میں فرق کرتا ہے اور باریک باریک چیزوں کو سمجھتا ہے کبھی وہ اپنے متعلق ہمہ دانی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ ایسی باتیں کر گزرتا ہے کہ انجام کار وہ نادم وپشیمان ہوتا ہے۔

کبھی کسی چیز کو یاد کرتا ہے لیکن بھول جاتا ہے کسی چیز کو بھلانا چاہتا ہے لیکن بھلا نہیں سکتا چاہتا ہے کہ اپنا وقت عیش وعشرت میں گزارے اور رنج والم کو پاس نہ آنے دے لیکن اچانک ایسے حالات واسباب ظاہر ہوتے ہیں کہ اس کی تمام خوشی رنج والم سے بدل جاتی ہے کبھی کسی معاملہ میں وہ اپنے آپ کو ہوشیار اور ہر وقت متنبہ رکھنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے غفلت میں ہو جاتا ہے ایک طرف اس کو ہمہ دانی کا دعویٰ ہے لیکن مشاہدات وتجربات سے اس کی جہالت ونادانی ظاہر ہوتی ہے اور کبھی وہ اپنے کو قطعاً کور واندھا اور بے بہرہ تصور کرتا ہے لیکن بڑی بڑی تدبیریں اور حکمتیں اس سے صادر ہوتی ہیں جس سے اس کی قابلیت اور علم کا اندازہ ہوتا ہے پھر بھی وہ اپنی حقیقت سے ناواقف ہی ہے آواز کیونکر پیدا ہوتی ہے کس طرح نکلتی ہے کہاں تک پہنچتی ہے کلام کے حروف کیونکر مرتب ہو کر ایک بامعنی شکل اختیار کرتے ہیں اس کی نگاہ کہاں تک کام کرتی ہے کیونکر وہ اپنی آنکھ سے بصارت کا کام لیتا ہے یہ آنکھوں میں نور کس طرح سے اور کہاں سے آتا ہے اور کس طرح وہ اشیاء کو دیکھتا ہے اس کے قلب میں ارادہ

Marfat.com

کیونکر پیدا ہوتا ہے وجود سے پہلے یہ کہاں تھا وغیرہ وغیرہ ان تمام چیزوں کے علم سے وہ قدرت کے کمال اور اس کی بالغ حکمت کو تسلیم کرتا ہے اگرچہ حقیقت علم سے ہنوز بے بہرہ ہے۔

قدرت نے انسان میں خواہش پیدا کی جو اس کی طبیعت کے مناسب ہے اگر وہ خواہش نفس کے استعمال کرنے میں اپنے نور عقل سے کام لے تو وہ مہلکات سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتا ہے اور بلند مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے اور اگر اس خواہش کو اعتراض نفس کے لئے استعمال کرے تو پھر نور معرفت سے اس کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا ہے اور نہ ان امور کو وہ حاصل کرسکتا ہے جن کے حصول پر روز قیامت بڑے اجر ملنے کا وعدہ ہے۔ ثواب وعذاب ان امور کے حصول وعدم حصول اور اس خواہش کے صحیح وغلط استعمال پر موقوف ہے درحقیقت یہ خواہش جو قدرت کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی ہے انسان کی عملی زندگی میں ایک مؤثر آلہ ہے انسان کے ذہن ودماغ میں قدرت نے جو فکر وتدبر کی قوتیں رکھی ہیں وہ بھی اس خواہش کے بغیر بیکار ہیں حقیقتاً ان سب کا باہم ایک ایسا رابطہ ہے کہ ایک کے بغیر دوسری اور دوسری کے بدون پہلی قوت بیکار ہے اور انسان کو پورا فائدہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب اس کی تمام قوتیں اعتدال سے کام میں لگی ہوں اور اشیاء کا حسن وقبح اور اخلاق کا اعلیٰ اور ادنیٰ ہونا اور زمانہ کے ساتھ ان کا مناسب ہونا یہ ساری چیزیں اس پر مبنی ہیں۔

پس قدرت کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے انسان میں کیسی کیسی مفید اشیاء پیدا فرمائی ہیں۔ ظرف کی قدر وقیمت مظروف سے ہوتی ہے مکان کا رتبہ مکین سے ہی ہوتا ہے جب خدا نے انسان کے قلوب کو اپنی معرفت کا محل بنایا تو اس کا درجہ کتنا بلند ہوگیا۔

اور کیونکہ قدرت نے انسان کے لیے مرجع ومرکز اس گھر کے سوا ایک دوسرا گھر تجویز کیا ہے جس کو دار آخرت کہتے ہیں اس گھر کا حال اور علم انسان سے قطعاً مخفی رکھا ہے اس کے علم کے لئے اس نے نور رسالت کو پیدا کیا اور اس نور کی پیدا کی ہوئی روشنی میں انسان پر دار آخرت کے احوال اور کوائف ظاہر ہوتے ہیں اس لئے اس نے انبیاء ورسل دنیا میں بھیجے جن کی دو حیثیتیں ہیں خدا کی فرمانبرداری کرنے والوں کے لیئے وہ بشیر (بشارت خوشخبری دینے والے) ہیں اور اس کے نافرمان بندوں کے حق میں وہ نذیر (ڈرانے والے) ہیں ان انبیاء کی امداد وحی کے ذریعہ سے فرمائی اور وحی کو بھیجنے اور اس کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت ان میں پیدا کی۔

انبیاء نے انسانوں کو دنیا کے معاملہ میں مصالح وحکمتوں سے واقف کیا اور آخرت کے متعلق جو مصالح وحکمتیں ہیں ان سے بھی انسان کو آگاہ کیا یہ علم ومعرفت جو انسان کو انبیاء

Marfat.com

ورسل کی معرفت اوران کی رسالت وتوسل سے حاصل ہوا محض نور عقل سے ہر گز حاصل نہیں ہو سکتا تھا انبیاء کو خدا نے ایسے روشن دلائل اور واضح براہین لیکر بھیجا جن کی وجہ سے انسان کو بجز ایمان واذعان کے چارہ کار نہیں وہ دلائل انبیاء کے ایک ایک حکم اور ایک ایک چیز پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں گویا خدا نے اس طرح سے انسان پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمادی اور اب اتمام حجت ہو چکا دین ودنیا کی دونوں راہیں اس نے دکھادیں نجات وہلاکت کے دونوں راستوں کو واضح کردیا۔

قدرت نے انسان کو کیسا شرف عطا فرمایا اوراس کی نسل کو کیسی عزت بخشی کہ انسان کی نسل سے کیسے کیسے صاحب کمال صاحب فضیلت لوگ ہوئے جن کو قدرت کی طرف سے نبوت ورسالت جیسے عالی مناسب عطا ہوئے اور انوار وتجلیات عطا ہوئیں پس جو سعید ہے وہ ایمان لاکر خدا کی نعمتوں کا مظہر اوراس کے احسانات وانعامات کا مستحق ہوتا ہےاور جو شقی ہے وہ ان چیزوں کی تکذیب کرکے ابدی رنج ومصیبت کو خریدتا ہےاور محض دنیا کے حصول کی خاطر وہ اپنی آخرت کو برباد کرتا ہے۔

اس کے احسانات وانعامات کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ سوتے میں عالم خواب میں کبھی عالم مثال میں ایسی ایسی چیزیں دکھاتا ہے جن سے اس کو ہدایت ورشد حاصل ہوتی ہے کبھی اس خواب کے ذریعہ اس کو کسی کام سے روکنا منظور ہوتا ہےتو اس کو دھمکایا جاتا ہے کبھی کسی کام کی ترغیب وشوق دلانا ہوتا ہے بہر حال ایسے امور جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے وہ چاہتا ہے تو کسی ذریعہ سے کچھ علم اپنے کسی خاص بندے کو عطا فرماتا ہےاور یہ اس کی خاص رحمت ہوتی ہے: یختص برحمتہ من یشاء۔

Marfat.com

پرندوں کی پیدائش کی حکمتیں

خدا نے فرمایا ہے:۔ الم تروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ما یمسکھن الا اللہ۔

کیا تم ان پرندوں پر نظر نہیں کرتے جو آسمان پر رکے ہوئے ہیں بجز خدائے واحد کے کوئی ان کو روک نہیں سکتا۔

خدا نے پرندوں کو پیدا کیا اور اپنی حکمت سے ان میں تمام ان چیزوں کو پیدا کیا جو ان کے اڑنے کے مناسب وموافق تھیں ان میں ثقیل چیزوں کو نہیں پیدا کیا جو اڑنے کے منافی یا مخل تھیں جن جن چیزوں کی پرندوں کو ضرورت پڑتی وہ سب بنائیں اور اسی طرح سے ان کا قوام بنایا ان کی غذا بنائی اور ہر ہر عضو کے لئے غذا سے مناسب حصہ پہنچایا جو اس حصہ جسم کے غذا بنے عضو کے نرم وسخت اور خشک ہونے کی صورت میں غذا کے اجزاء سے ایسے مناسب اجزاء کو ان اعضاء کی غذا کے لئے پہنچاتا ہے جو نرم وخشک اور سخت اعضاء کے کام آسکیں۔

پرندوں کو خدا نے دو پاؤں دیئے ہاتھ نہیں دیئے، پاؤں اس لئے کہ وہ چلیں پھریں اور زمین سے فائدہ حاصل کرسکیں اڑنے میں ان سے مدد لیں پاؤں کو نیچے سے کشادہ بنایا تاکہ زمین پر اچھی طرح سے قائم رہے پاؤں بھی اس کے نہایت ہلکے اور پُر حکمت بنائے انگلیوں کا کچھ حصہ رقیق وباریک جلد سے بنایا جو ٹانگوں کی جلد سے ذرا سخت ہے ٹانگوں کی جلد موٹی اور مضبوط بنائی تاکہ گرمی وسردی میں ان کو پروں کی ضرورت نہ ہو اور ٹانگوں کا پروں سے برہنہ ہونا یہ بڑی حکمت ومصلحت ہے کیونکہ پرندوں کو دانہ چگنے اور پانی پینے میں اور اس کی طلب میں چلنے میں ضرور ایسے مقامات آتے ہیں جہاں کیچڑ پانی اور گندگی ہو اب اگر اس کی ٹانگیں پروں سے پر ہوتیں تو پانی اور کیچڑ میں لتھڑ کر بوجھل ہو جاتیں اور پرندے کے لئے بڑی دشواری ہوتی اس لئے قدرت نے ان کے جسم میں جہاں ضروری سمجھا وہاں بالوں اور پروں کو نہیں پیدا کیا تاکہ اس کے اڑنے چلنے پھرنے میں رکاوٹ نہ ہو پرندوں کو اس نے لانبے پاؤں والا نہیں بنایا ان کی گردنوں کو طویل بنایا تاکہ اپنی غذا حاصل کرنے اور دانہ چننے میں مدد ملے اگر پاؤں لمبے اور گردن چھوٹی ہوتی تو اس کے لئے جنگلوں میں دانہ چگنا اور سمندروں دریاؤں سے پانی پینا مشکل ہوتا اور اس کو اپنے سینہ کو پانی پینے دانہ چگنے کے لئے جھکانا پڑتا کبھی

Marfat.com

وہ اپنی چونچ کی لمبائی سے بھی مدد لیتا ہے تا کہ اس کو مزید آسانی ہو اگر گردن لانبی ہوتی اور پاؤں چھوٹے ہوتے تو اس کی گردن اس کو وزنی معلوم ہوتی اور پھر دانہ دنکا چگنے میں یہ آسانی نہ ہوتی خدا نے اس کے سینے کو گول اور اس طرح ہڈیوں سے ان کو ترتیب دیا ہے کہ وہ ہوا کو اڑنے میں آسانی سے پھاڑ سکتا ہے اور اسی طرح اس کے بازوؤں کے سروں کو مدور بنایا ہے کہ اس کو اڑنے میں مدد ملے پھر پرندوں کی انواع واقسام کے لحاظ سے ان کے غذا حاصل کرنے کی رعایت سے ان کی چونچیں لمبی تیز سخت ٹیڑھی اور سیدھی بنائی ہیں تا کہ دانہ چگنے کھودنے توڑنے چیرنے پھاڑنے میں کام دے سکیں بعض چونچوں کو قدرت نے ایسا تیز اور سخت بنایا ہے کہ ان کے ذریعہ سخت سے سخت چیزوں کو توڑ سکیں اور گوشت کو نوچ کر وہ کھا سکیں بعض چونچین چوڑی اور کنارے دار ہوتی ہیں کہ دانے کو اچھی طرح سے ان پر رکھا جا سکے بعض سیدھی ہوتی ہیں مگر حد اعتدال میں تا کہ وہ سبزی ترکاری پھل وغیرہ کھا سکیں بعض زیادہ لانبی مگر ہڈی کی طرح سخت ہوتی ہیں مگر اندر کے حصے میں ملائم ہڈی کی طرح نرم ہوتی ہیں اور دانتوں کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔

پرندوں کے پروں کو خدا نے لانبا بانس کی طرح سے گول اور ہلکا بنایا تا کہ اڑنے میں ان سے مدد لی جا سکے اور نہایت مضبوطی سے بازوؤں میں لگے ہوتے ہیں کہ رات دن اڑنے سے بھی وہ خراب نہیں ہوتے کیونکہ اڑنے میں نہایت سریع حرکت کرنا پڑتی ہے اس لئے پروں کو نہایت مستحکم بنایا اور جسم کے لئے سردی اور گرمی سے حفاظت کا ذریعہ بھی بنایا پرندوں کے تمام جسم میں پروں کو پیدا فرمایا کہ سردی اور گرمی سے بدن کی حفاظت ہو اس سے ان کی زینت دھن بھی ہو ان پروں میں یہ صفت بھی رکھی کہ مسلسل بھیگنے سے وہ خراب نہ ہوں بلکہ ادنیٰ حرکت سے پانی ان پر سے جھاڑا جا سکے پروں میں سوراخ بھی رکھے کہ ان کی پرورش اور فضلات کے خارج کرنے میں کام آئیں۔

پرندوں کی دم کو اس طرح بنایا کہ اڑنے میں ان سے مدد لی جا سکے اور دائیں بائیں ایک ہی طرف کو پرندے ہوا کے زور سے نہ بہہ جائیں اگر دم نہ ہوتی تو وہ حسب منشا اور حسب ضرورت اڑنے میں اپنے لئے جہت متعین نہیں کر سکتے تھے گویا کہ یہ دم پروں میں بمنزلہ پاؤں کے ہے جو کشتی میں ہوتے ہیں جن کی مدد سے کشتی کے چلانے میں آسانی ہوتی ہے پرندوں میں طبعی طور پر علیحدہ رہنے کی طبیعت پیدا فرمائی کہ ان سے ان کی حفاظت رہتی ہے اور کیونکہ پرندے بغیر چبائے غذا کو نگلتے ہیں اس لئے بعض چونچوں میں ایسی دھاریں بنائی ہیں کہ گوشت

Marfat.com

وغیرہ قسم کی چیزوں کو انکی مدد سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں تاکہ ہضم میں سہولت ہو پھر ان کے پوٹوں میں ایسی حرارت پیدا کی کہ وہ سخت سے سخت غذا بھی گلا کر قابل ہضم بنا دیتی ہے اور چبانے اور دانتوں کے دوسرے کام سے ان کو بے نیاز کر دیتی ہے اس کا اندازہ تم کو اس سے ہوسکتا ہے کہ پرندوں کے علاوہ ثابت انگور کسی کو کھلا دو تو یوں ہی سالم فضلا کے ساتھ خارج ہوگا اور پرندوں کو کھلا دو تو وہ پس کر غذا میں ہضم ہو کر خارج ہوگا کیونکہ پرندوں کی پوٹوں میں جو حرارت ہے وہ دوسرے حیوانات میں نہیں پائی جاتی پرندوں کی تخلیق کو خدا نے اس طرح بنایا کہ وہ انڈے دیتے ہیں بچے نہیں دیتے جس طرح دوسرے حیوانات تاکہ اڑنے کے کام میں حمل کے بوجھ سے خلل نہ پڑے ورنہ بچہ پیدا ہونے کی صورت میں جب بچہ حمل کی پوری مدت ختم کر لیتا ہے تو حمل کی صورت میں ماں کے لئے اڑنا مشکل ہوتا ہے قدرت نے کیسی کیسی حکمتوں اور مصلحتوں سے ہر چیز کو مناسب بنایا ہے۔

کس نے پرندوں کو یہ سبق دیا کہ وہ انڈوں پر بیٹھیں ان کو ان سے گرمی پہنچائیں کس نے ان کو یہ تعلیم دی کہ دانے کو پہلے خود اپنے منہ میں رکھیں جب وہ نرم ہو جائے تو اپنے بچوں کو کھلائیں اور جب تک بچے غذا کے قابل نہ ہوں خالی ہوا سے ان کے پیٹ کو بھرتے رہیں دیکھو پرندے اپنے بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں کیسی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی طرح سے نہ تو پرندوں میں سمجھ و عقل ہوتی ہے اور نہ دور اندیشی اور سوجھ بوجھ ہوتی ہے جو خدا نے انسان کو عطا کی ہے پرندے اپنے بچوں سے اس طرح توقعات اور امیدیں بھی نہیں رکھتے جو انسان اپنی اولاد سے سلسلہ نسل سے متعلق۔

ہر طرح کی امداد اعانت کے حصول کی توقعات رکھتا ہے ان تمام عاقبت اندیشوں اور دور اندیشیوں سے پرندے یکسر خالی ذہن ہوتے ہیں تاہم اپنے بچوں کی پرورش اور حفاظت میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں یقیناً یہ قدرت کی طرف سے ان کے دلوں میں جزبہ محبت ودیعت ہوتا ہے۔

پھر اس بات پر غور کرو کہ مادہ کو اپنے حاملہ ہونے کا علم کیونکر ہوتا ہے جو انڈے کی شکل میں اس کے پیٹ میں ہوتا ہے اور انڈہ دینے کے لئے اور اس کی حفاظت کے ضروری انتظام کرنے کے لئے وہ کس کس طرح سے تنکوں کو جمع کر کے نرم بستر تیار کرتی ہے جس پر وہ انڈہ دے گی پھر بچہ پیدا ہونے تک انڈوں پر وہ بیٹھے گی۔

کبوتر کو تم دیکھو وہ کس طرح سے انڈے کے اندر کی حالت کو معلوم کر لیتا ہے اور اگر

Marfat.com

انڈہ کسی وجہ سے گندہ اور خراب ہو چکا ہو تو کبوتر کس طرح اس کے فاسد ہونے کو معلوم کر لیتا ہے اور اس پر بیٹھنا ترک کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس گندے انڈے کو اپنے گھونسلے سے باہر پھینک دیتا ہے

بچے کے انڈے سے نکل آنے کے بعد سب سے پہلی غذا کو جو کبوتر اپنے بچے کو دیتا ہے وہ صرف ہوا ہوتی ہے پھر ہضم شدہ غذا اور اس طرح رفتہ رفتہ جب وہ یہ محسوس کر لیتا ہے کہ اپنے بچے کے پوٹے میں دانے کو ہضم کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے تو پھر دانے سے غذا دیتا ہے اگر وہ ابتداء ہی سے اپنے بچے کو دانے کی غذا دے تو بچہ کمزور ہونے کے باعث اس کو ہضم نہیں کر سکتا اب یہ سمجھ اور عقل اس کبوتر میں کس نے پیدا کی جس نے بچے کی ہضم کی قوت کا اتنا صحیح اندازہ کر لیا یہ سب خدا نے اس کو عطا فرمائی اور جب بچہ انڈے سے باہر آ جاتا ہے تو کبوتر اس کو اپنے پہلو میں لئے بیٹھتا ہے تاکہ اس کو گرمی پہنچتی رہے ایسا نہ ہو کہ انڈے کی گرمی سے جدا ہو کر وہ بالکل سردی میں رہ کر ہلاک ہو جائے اس لئے اپنے پروں میں دبا کر گرمی پہنچاتا ہے

اور پھر تمام پرندے ایک ہی طرح سے بچوں کے پیدا کرنے میں نہیں ہیں بلکہ انکی بہت سی اقسام ہیں۔ اور ہر قسم کے لئے الگ الگ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو خدا نے ان میں رکھی ہیں مرغی کو دیکھئے اس میں خدا نے بچوں کو بڑھانے اور کھلانے کی صفت نہیں رکھی اس لئے مرغی کا بچہ انڈے سے باہر آتے ہی اپنی غذا خود حاصل کرتا ہے اور دانا دنکا چگنے لگتا ہے۔

پھر نر اور مادہ دونوں پر نظر کرو کہ کس طرح بچوں کی پرورش میں کوشاں نظر آتے ہیں اور یکے بعد دیگرے بچوں کو اپنی آغوش میں رکھ کر گرمی پہنچاتے ہیں تاکہ ٹھنڈ سے ہلاک نہ ہو جائیں اور انڈے گندے نہ ہو جائیں گویا وہ اس گرمی پہنچانے کی ترکیب سے اچھی طرح واقف ہیں اور اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے خلاف کیا تو یقیناً انڈے خراب ہو جائیں گے اور پھر بچے مر جائیں گے۔

انڈے کی تخلیق پر نظر کرو، اس کے معدے کو دیکھو وہ دو قسم اور رنگ کا ہوتا ہے ایک سفید رطوبت جو غذا کے لئے ہوتی ہے اور دوسری زرد رنگ کی رطوبت جو بچہ کے جسم کی ساخت اور اس کی نشو و نما کے لئے ہوتی ہے دیکھو خدا نے کس حکمت سے اس انڈے میں بچے کے لئے غذا بھی پہلے سے مہیا کر دی ہے۔

پرندوں کے پوٹوں تک غذا کے جانے کے راستہ کو کیونکر تنگ بنایا گیا ہے اب اگر پرندہ ایک ایک دانہ کے چگنے میں دوسرے دانہ کے پوٹے میں پہنچنے تک کا انتظار کرے تو اول تو

Marfat.com

اس کے لئے کافی وقت درکار ہوگا اور پھر پرندوں کو ہر وقت شکاری کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور وہ ذرا ذرا سی حرکت کے ہونے سے ہوشیار اور متنبہ رہتا ہے تو وہ اتنی مہلت کہاں سے پا سکتا ہے اس لیے خدا نے اس کے پوٹے کو اس طرح سے بنایا ہے گویا کہ وہ کھانے کو جمع رکھنے کا ایک تھیلہ ہے یہاں وہ جلدی جلدی سے دانے چگ کر جمع کر لیتا ہے اور پھر اطمینان سے ایک ایک دانہ کو اس تھیلے سے لے کر ہضم کے مقام پر پہنچاتا رہتا ہے اور پھر تمام پرندوں میں ایک ہی حکمت مشترک نہیں بلکہ وہ پرندے جو اپنے بچوں کو خود بڑھاتے ہیں ان کے لیے کھانا پوٹے سے نکالنا بہت آسان کر دیا گیا ہے۔

پرندوں کے پروں کی تخلیق پر اور ان کی بناوٹ پر نظر کرو کہ وہ کپڑے کے تاروں کی طرح ایک دوسرے سے باریک باریک تاروں سے مربوط ہوتے ہیں کچھ خشک اور قدرے سخت ہوتے ہیں جو اطراف سے حفاظت کرتے ہیں اور کچھ نرم جو دباؤ سے ٹوٹنے نہ پائیں وہ پر اندر سے خالی اور بہت ہلکے ہوتے ہیں ڈوروں کے تاروں کی طرح سے ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں کہ اگر پرندا ان کو پھیلائے تو اس طرح سے نہیں پھیلتے کہ ہوا ان میں داخل ہو کر پرندوں کو اڑنے سے باز رکھے ان پروں کے وسط میں ایک موٹا سخت اور خشک عمود سا ہوتا ہے جس پر چاروں طرف یہ پر اُگے ہوتے ہیں جس طرح بال ہوتے ہیں اور وہ عمود ان سب کو محفوظ اور مضبوط رکھتا ہے اگرچہ وہ عمود اندر سے خول ہوتا ہے تاکہ ہلکا رہے مگر اپنی صلابت کے باعث بہت مضبوط ہوتا ہے اور پروں کے وسط میں یہ عمود نہ ہو تو یہ پر ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ تیز ہوا میں پرندوں کا اڑنا بھی محال ہو جائے۔

لمبی ٹانگ والے پرندوں پر نظر کرو عام طور پر وہ صاف اور چٹیل میدانوں میں یا پھر ایسے نشیبی مقامات پر اپنی غذا کی طلب میں رہتے ہیں جہاں پانی جمع رہتا ہے گویا وہ ادھر ادھر چلنے میں یہ غور کرتے ہیں کہ پانی کی تہہ میں کون سی چیز ان کے مقصد کی چل رہی ہے کہ آہستہ سے ایک دو قدم آگے بڑھا کر اس کو کھالیں اب اگر ان کی ٹانگیں چھوٹی ہوں تو پھر ان کا جسم اور سینہ پانی کی سطح پر مس ہو کر پانی میں حرکت پیدا کر دے گا اور اس طرح ان کا شکار آگاہ ہو کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا تو گویا ان کی ٹانگوں کا لمبا ہونا ان کے حق میں عین حکمت اور مصلحت ہے۔

چڑیوں کو دیکھو جو اپنے اپنے گھونسلوں سے کھانے کی طلب میں صبح کو نکلتی ہیں اور ادھر ادھر اڑ کر اپنے لئے غذا تلاش کرتی ہیں اور شام کو اپنا پیٹ بھر کر گھونسلوں میں واپس آتی ہیں اور

Marfat.com

اسی طرح سے خدا کی یہ سنت جاری ہے ان کی غذا ایک مقام پر اکٹھی نہیں مل جاتی جو ان کو اس کی طلب میں دور دور جانے کی ضرورت نہ ہو اور اگر ایک جگہ پر ان کو اپنی غذا اکٹھی مل جایا کرتی تو وہ حرص میں اتنا کھا جائیں کہ پھر ان کے لئے اڑنا محال ہو جائے اور پھر ہضم کرنا بھی دشوار ہو اور بعض جانوروں کو اگلنا اور قے کرنا بھی نہیں آتا جو زیادہ کھا جانے کی صورت میں ایک بڑا علاج ہے جس طرح پانی کے بعض جانور زیادہ کھا جانے پر قے کر کے اپنے معدہ کو ہلکا کر لیتے ہیں اس لئے چڑیوں کے اپنی غذا کی طلب میں جگہ جگہ اڑ کر جانے اور تھوڑا تھوڑا ہر جگہ سے کھانے ہی میں بڑی مصلحت و حکمت پوشیدہ ہے کہ اس طرح ان کا کھانا ہضم بھی ہو جاتا ہے اور اڑنے میں بوجھ بھی نہیں ہوتا۔

یہی حال انسان کا ہے کہ اگر فراغت سے بغیر سعی و کوشش کے اس کو کھانے کو مل جایا کرے تو وہ بھی بیمار پڑ جائے۔

اب ان پرندوں کو دیکھو جو صرف رات ہی کو نکلتے ہیں اور دن میں قطعاً نہیں اڑتے جیسے اُلو اَبابیل چمگادڑ وغیرہ ان کی غذا مچھر پتنگے وغیرہ ہیں جو فضا میں اڑتے رہتے ہیں پس یہ غذا ان کو ہوا میں جو زمین سے زیادہ نزدیک ہے حاصل ہو جاتی ہے، یہ قدرت کی زیادہ حکمت ہے غالباً ان کی آنکھوں کی روشنی اور بصارت اس قابل نہیں کہ زمین سے اپنی غذا ادھر ادھر چل پھر کر حاصل کر سکیں اور یقیناً یہ جانور اس سے قاصر ہیں اس لئے کہ سورج کی روشنی میں یہ جانور باہر نہیں نکلتے جہاں یہ روشنی نہ ہو اور آفتاب غروب ہو جائے تو یہ باہر آتے ہیں پس قدرت نے ان کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنی غذا اس طرح ہوا سے حاصل کر لیں۔

چمگادڑ کو قدرت نے بے بال و پر بنایا ہے پس اسی حکمت سے اس کے قائمقام دوسری چیزیں بنائی ہیں اس کا منہ بھی ہے اور دانت بھی اور زمین پر زندگی بسر کرنے والے دوسرے جانوروں کی طرح اس میں اور بھی تمام چیزیں مشترک ہیں طریقہ ولادت وغیرہ اور پھر اس کے باوجود اس کو اڑنے پر قادر کر دیا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ خدا بغیر بال و پر کے بھی اڑانے پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ پرندوں کی نوع کے سوا دوسری نوع کو بھی وہ اڑنے کی قدرت دے سکتا ہے اسی طرح خدا نے بعض مچھلیاں بھی اس طرح بنائی ہیں کہ وہ سطح سمندر پر کافی دور تک اڑ کر جا سکتی ہیں پھر پانی میں چلی جاتی ہیں۔

کبوتر اور کبوتری ان دونوں کی باہم تعاون پر غور کرو کہ انڈوں کے سینے میں کس طرح ایک دوسرے کی قائمقامی کرتے ہیں اگر ایک غذا کی تلاش میں جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ

Marfat.com

انڈے پر بیٹھ کر انڈے کو گرمی پہنچاتا ہے اور اس طرح سے انڈے کو گرمی پہنچانے کا یہ سلسلہ منقطع نہیں ہونے پاتا اور پھر ان کی غیر حاضری زیادہ دیر تک کے لئے نہیں ہوتی ہر ایک کو انڈے پر بیٹھنے کی فکر رہتی ہے یہاں تک کہ اگر ان کو پاخانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کو روکے رہتے ہیں اور پھر دفعتاً قضائے حاجت کرتے ہیں اور وہ بھی اس وقت جب مجبور ہو جاتے ہیں۔

جب کبوتری انڈے سے حاملہ ہوتی ہے تو کبوتر اس کی کتنی حفاظت اور دیکھ بھال کرتا ہے کہ اس کو گھونسلا سے باہر نہیں چھوڑتا اس ڈر سے کہ انڈا کسی ایسی جگہ نہ دیدے جہاں انڈہ ضائع ہو جائے انڈے سے بچے کے نکل آنے پر دونوں کس طرح ان کو بھراتے ہیں اور کیسے ان پر مہربان ہوتے ہیں اور جب بڑے ہو جاتے ہیں تو پھر کبوتر اور کبوتری ان کو مار کر اپنے سے علیحدہ کر دیتے ہیں تا کہ اب وہ اپنی غذا خود حاصل کریں۔

خدا نے ان کو اڑنے کی کتنی طاقت اور قدرت دی ہے کہ اگر کوئی پکڑنا چاہے تو وہ اس کے ہاتھ نہیں آتے تیزی سے اڑ جاتے ہیں پرندوں کے پنجوں میں قوت، چونچ میں تیزی اور ناخنوں میں نوک خدا نے کیسی بنائی ہیں کہ پرندے ان سے چھری کا کام لیتے ہیں اور کبھی کبھی پنجوں میں گوشت کو لٹکا کر اڑا لیجاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔

پانی کے پرندوں کی غذا خدا نے پانی ہی میں بنائی ہے اور ان میں اڑنے کی قوت کے علاوہ پانی میں تیرنے اور غوطہ لگانے کی بھی قوت دی ہے کہ وہ پانی کی گہرائی میں جا کر اپنی غذا حاصل کر سکیں۔

غرضکہ خدا نے پرندوں کی جملہ انواع و اقسام میں ان کے حسب حال اور حسب ضرورت چیزیں عطا کی ہیں جو ان کی ضروریات زندگی کے حاصل کرنے میں مفید اور معاون ہیں اس سے تم خدا کی حکمت اور کمال قدرت کا اندازہ کرو۔

Marfat.com

چوپایوں کی پیدائش کی حکمتیں

خدا نے فرمایا ہے۔

والخیل والبغال والحمیر
لتر کبوھا وزینۃ۔

گھوڑے، خچر اور گدھے بھی پیدا کیے تا کہ تم ان
پر سوار ہو اور وہ تمہاری زینت کے لئے بھی ہیں۔

خدا نے چوپایوں کو انسان کے نفع کے لئے پیدا فرما کر انسان پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ایسے کام کے جانور پیدا فرمائے اور ان کی جسمانی تخلیق اس طرح فرمائی ہے کہ نہ زیادہ نرم اور نہ زیادہ سخت کہ ہم ان سے بخوبی فائدہ اٹھا سکیں۔ ان کے گوشت پوست اور اعصاب وعروق نہایت مستحکم اور مضبوط بنائے ہیں کہ ہم ان کو سواری اور بار برداری کے کام میں لا سکیں ان کی کھال نہایت موٹی اور مضبوط بنائی کہ ان کا تمام بدن اس کھال میں محفوظ رہے اور ان کا گوشت اس کھال کی وجہ سے باہر کی زد سے محفوظ رہے ان جانوروں کو کان اور آنکھیں بھی دیں کہ انسان ان سے اپنی ضروریات کو کامل طور سے پورا کر سکے اس کے برخلاف اگر وہ جانور اندھے اور بہرے ہوتے تو کام کی انجام دہی میں بڑی رکاوٹ اور دشواری پیش آتی اور ان جانوروں میں عقل و ہوش بھی مصلحتاً زیادہ نہیں عطا کیا تا کہ انسان کے تابع اور فرمانبردار رہیں۔ ورنہ ہل چلانے، بھاری بھاری بوجھ لادنے اور چکیوں میں استعمال کرنے کے جیسے سخت کاموں سے وہ گریز کرتے، اور قابو میں نہ آسکتے تھے۔

قدرت خوب جانتی تھی انسان کو ان تمام کاموں کی ضرورت پڑے گی اور انسان کی طاقت سے یہ کام باہر ہیں اب اگر ایسے کاموں کے انجام دینے کا انسان کو مکلف گردانتی تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک طرف تو اس پر ان کاموں کو پورا کرنا بار گراں ہوتا۔ دوسرے اس کی ساری قوت ان سخت کاموں کے انجام دینے میں صرف ہو کر ختم ہو جاتی تو پھر علوم واخلاق کی تحصیل، فضائل ومحامد کا حصول اور درجات کی تکمیل جو انسان کی خصوصیات میں سے ہیں اور جن کی

Marfat.com

بدولت انسان کو شرف و امتیاز کا اعلیٰ رتبہ دیا گیا ہے ان سے انسان قطعاً محروم رہ جاتا اور یہاں تک انسان عاجز ہو جاتا کہ وہ اپنے لئے معاش حاصل کرنے کے بہتر وسائل و وظائف اور معزز طریقے بھی استعمال نہ کر سکتا تھا۔ پس اس طرح خدا کا بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کے مناسب اور اس کی مصلحت کے پیش نظر اپنی عین حکمت و تدبر سے جانوروں کی تخلیق ایسی بنائی کہ وہ ہر طرح سے انسان کے کام آسکیں، اور کسی طرح سے کام کرنے میں گریز نہ کریں۔

حیوانات اور جانوروں کی اقسام اور ان کی ضروریات کے مناسب ان میں صلاحیتوں اور قوتوں کے موجود ہونے پر غور کرو مثال کے طور پر انسان ہی کو لے لیجئے۔ قدرت نے انسان کو اس طرح تخلیق کیا ہے کہ وہ علوم و فنون کو حاصل کرے دستکاری و صنعت میں کمال پیدا کرے اور اپنی مختلف ضروریات کے پیش نظر مجبور ہے کہ کپڑے کا بننا، مکانات کی تعمیر، لکڑی کا کام، اور فن و ہنرگری وغیرہ کو بھی انجام دے اس مصلحت و حکمت کے پیش نظر خدا نے انسان کو اس کے مناسب عقل و شعور اور دل و دماغ عطا کیا اعضاء کی ساخت میں بھی اس تناسب کو ملحوظ رکھا ہاتھوں کو اس طرح بنایا کہ اس میں انگلیاں اور ہتھیلی ہے کہ وہ اشیاء کو گرفت کر سکے دستکاری اور دوسرے کاموں کی انجام دہی کے اوقات میں ان اوزاروں کو صحیح طرح سے گرفت میں لا کر ان کا استعمال کر سکے۔

ان جانوروں کی بناوٹ پر غور کرو جن کی خوراک قدرت نے گوشت بنایا ہے کہ ان جانوروں کو شکار کرنے اور اس کو پکڑنے کی پوری پوری صلاحیتیں اور قوتیں بخشیں ان کے ہاتھ پاؤں میں تیز قسم کے ناخن اور پنجے بنائے کہ موقع پر وہ شکار کو قابو میں لا سکیں پھر ان کو چیر پھاڑ کر کے ان کو اپنی خوراک بنا سکیں۔

ان جانوروں پر غور کرو جن کی خوراک قدرت نے نباتات بنائی ہیں کہ بعض جانوروں کے نیچے حصوں کو اس طرح بنایا ہے کہ سخت زمین پر جب وہ اپنی خوراک کی تلاش میں چلیں پھریں تو زمین کی خشونت اور اس کے سنگ ریزوں کی رگڑ سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں اور پتھریلی زمین ان کے جسم کو زخمی نہ کر سکے اسی طرح کسی کسی جانور کو گول گڑھے دار کھر عطا کیے کہ زمین پر اپنے قدم کو پوری طرح جما سکیں اور سواری اور بار برداری میں اپنے قدموں کو مضبوطی سے زمین پر قائم رکھ سکیں۔

گوشت خور جانوروں کی تخلیق پر غور کرو کہ ان کے دانت اور ڈاڑھیں کیسی تیز اور دھاردار بنائی ہیں اور ان کا منہ کیسا کشادہ رکھا ہے گویا قدرت نے...... ان کو ایک قسم کے

Marfat.com

ہتھیار عطا کیئے ہیں جن سے وہ اپنے لیئے شکار حاصل کر سکیں اس کے برخلاف اگر گھاس کھانے والے جانوروں میں پنجے اور تیز دانت اور دھار دار ڈاڑھیں ہوتیں تو ان کے کس کام آتیں، قطعاً بے سود ہوتیں کیونکہ نہ تو ان کو شکار سے کوئی کام اور نہ گوشت کھانے کی ضرورت جو ان چیزوں سے مدد لیں اس طرح سے کہ اگر درندوں میں اس قسم کے پہلو اور کھال ہوتی جس کی ضرورت گھاس کھانے والے جانوروں کو پیش آتی ہے تو یہ ان کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہوتی اور وہ اپنے لئے شکار حاصل نہ کر سکتے جو ان کی غذا ہے گویا وہ ان ہتھیاروں سے بھی محروم ہوتے جن کی ان کو شکار کرنے میں ضرورت ہو۔

پس اب اس پر غور کرو کہ قدرت نے ہر جانور کو اس کی ضروریات اور مصالح کے مناسب اعضاء، قوی اور جسمانی ساخت عطا فرمائی ہے اب ان کے بچوں کی پیدائش کو دیکھو ،مثلاً چوپایوں کے بچوں پر نظر کرو کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کے ساتھ ساتھ کس طرح سے چلتے پھرتے ہیں انسانوں کی اولاد کی طرح نہ ان کی پرورش کی ضرورت اور نہ اس طرح سے اٹھائے اٹھائے پھرنے کی حاجت اس لئے ان کی ماؤں میں وہ عقل و شعور بھی نہیں پیدا کیا جس کی ضرورت انسانوں کو اپنی اولاد کی تربیت کرنے میں پڑتی ہے اور نہ ان میں اس طرح کے ہاتھ اور ان میں انگلیاں بنائیں جن کی ضرورت انسان کو ہوتی ہے یہ سب اسلیئے کہ ان چوپایوں کے بچوں میں مستقل خود چلنے پھرنے کی صلاحیت پیدا فرمادی کہ وہ اپنی ماؤں کے ساتھ ساتھ رہیں۔

پرندوں میں مرغی تیتر وغیرہ کے بچوں کو دیکھو کہ انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جو بچے کمزور ہوتے ہیں اور خود ماں کے ساتھ ساتھ دانہ دنکا نہیں کھا سکتے جیسے کبوتر کے بچے، ان کی ماؤں کو خدا نے ان پر ایسا شفیق اور مہربان کیا ہے کہ وہ خود ان کو بھراتی ہیں۔ اپنے منہ میں چبا کر بچوں کو کھلاتی ہیں اور ان کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ وہ اپنی قوت پر خود چل پھر کر دانا چگ سکیں خدا نے اس طرح ہر ایک میں یہ مادہ رحم و شفقت کم و بیش اپنی بلیغ حکمت سے عطا فرمایا ہے۔

چوپاؤں کے قوائم (ٹانگوں) پر نظر کرو کہ چلنے پھرنے اور دوڑنے میں وہ کس طرح سے اپنے آگے پیچھے کے دو دو پاؤں کو زمین پر رکھتا ہے تا کہ زمین پر قائم رہ سکے، پانی کے جانور پانی پر چلنے میں اپنے جسم کے حصہ سے وہی کام لیتے ہیں جو پاؤں والے زمین پر اپنے پاؤں سے کام لیتے ہیں دو ٹانگوں والے چلنے میں جب ایک پاؤں کو اٹھاتے ہیں تو دوسرے پر اس طرح

Marfat.com

سہارا دیتے ہیں کہ قائم رہ سکیں اور چار ٹانگوں والے جب دو دو پاؤں کو آگے پیچھے بڑھاتے ہیں تو اٹھاتے وقت دوسری دو ٹانگوں پر اس طرح سہارا کرتے ہیں کہ گرنے نہیں پاتے اور اس حکمت سے ٹانگوں کو اٹھاتے ہیں کہ آگے کی ایک طرف تو پیچھے کی دوسری طرف کی جو آگے کی مخالف جہت ہو، کیونکہ ایک ہی جہت کی آگے پیچھے کے بیک وقت پاؤں اٹھانے کی حالت میں وہ اپنا جسم سادھ نہیں سکتے جس طرح کہ پلنگ ایک ہی طرف دو پایوں پر قائم نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح اگر وہ دونوں ہاتھوں کو اٹھائیں، اور پھر دوسری دفعہ میں دونوں پاؤں اس طرح رفتار میں خرابی پیدا ہو کر وہ سواری اور بار برداری کی صحیح خدمت نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے خدا نے ان میں یہ حکمت اور سوجھ بوجھ دی ہے کہ جب آگے کا دائیں طرف کا پاؤں اٹھائیں تو پیچھے کا بائیں طرف کا تا کہ آگے پیچھے کی مخالف سمت کی ٹانگوں پر وزن سیدھا رہے اور چال میں نرمی اور سلامتی باقی رہے گدھے کو دیکھو کہ بار برداری اور چکی میں کام آتا ہے خلاف گھوڑے کے اس سے یہ کام کوئی نہیں لیتا اور اونٹ اگر سرکشی کرنے لگے تو چند لوگوں کے قابو میں بھی نہیں آتا اور جب وہ عاجزی اور سادے پن میں ہو تو ایک چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں نکیل دیدیجئے وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اور سرکش بیل اس وقت تک قابو میں نہیں آتا تاوقتیکہ اس کی گردن کو گرم لوہے سے نہ داغا جائے تب ہی اس سے کھیت جوتنے کا کام لیا جا سکتا ہے گھوڑے سواری کے کام آتے ہیں اور میدان جنگ میں ان پر اسلحہ بھی لاد کر لے جایا جاتا ہے بکریوں کے گلہ کو ایک چھوٹا سا بچہ بھی چرانے کو لے جاتا ہے لیکن جب وہ گلہ اس سے جدا ہو کر ادھر ادھر منتشر ہو جائیں تو پھر ان کا یکجا کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے یہی حال تمام جانوروں کا ہے کہ ان کو عقل و شعور اسی لئے ہوتا ہے خدا نے ان کے مناسب دیا ہے جو انسان کی خدمت کرنے میں مزاحم نہ ہو ورنہ یہ انسان کے قابو میں ہرگز نہ آسکتے تھے ....
......خواہ انسان کتنا ہی ان کو تابع کرنے کے لیئے جدوجہد کرتا۔

یہی حال درندوں کا ہے اگر ان میں عقل و شعور ہوتا تو یہ انسانوں پر برابر حملہ کرتے رہتے اور ان کو باز رکھنے کے لئے انسان کو بڑی مشقتیں اٹھانا ہوتیں خصوصاً اس صورت میں جب وہ بھوکے ہوتے اور غذا کی طلب میں پھرتے تو انسانوں کا نکلنا اور چلنا پھرنا تک بند کر دیتے اس لئے خدا نے ان کو باوجود قوت و طاقت زیادہ دینے کے عقل و شعور سے محروم رکھا اور انسانوں سے خائف رہنے کا جذبہ ان میں پیدا فرما کر انسان پر بڑا احسان کیا۔

کتے کو دیکھو وہ بھی ایک قسم کا درندہ ہے انسان کا کیسا تابع دار ہو کر رہتا ہے کہ مالک

Marfat.com

کے مکان کی حفاظت کرتا ہے ساری رات خود جاگتا ہے مگر مالک کی حراست میں جان دیتا ہے پھراپنی گرجدار آواز سے ہر خطرہ پر مالک کو متنبہ بھی کر دیتا ہے کہ مالک ہوشیار ہو کر اپنی مدافعت کے لئے تیار رہے کتے میں صبر کا کیسا مادہ ہے کئی کئی وقت تک بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے مگر مالک سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا مالک اس پر کتنی ہی سختی کرے مارے پیٹے لیکن وہ اس پر بھی اس کو نہیں چھوڑتا یہ فضائل وعادات کتے میں خدا نے انسان کی منفعت کی خاطر پیدا فرمائے ہیں۔

کتا شکار میں کیسا کام آتا ہے اور شکار کو اپنے دانت اور ناخن سے قبضہ میں کر کے مالک کے لئے محفوظ کرتا ہے یہ سب کچھ انسان کی منفعت اور فائدہ کی غرض سے خدا نے بنائے ہیں۔

پھر ان چوپاؤں کی پیٹھ کو خدا نے کس طرح مسطح اور چار پاؤں پر مضبوط بنایا ہے تاکہ سواری اور بار برداری سے لچک نہ جائے اور قائم رہ سکیں جانوروں کے اندام نہانی (فرج شرمگاہ) کو پیچھے کی طرف ظاہر اور کھلا ہوا بنایا تاکہ نر ان سے آسانی سے جفتی کر سکے اگر انسانوں کی طرح باطنی سطح میں ہوتی تو نر ان سے جفتی نہ کر سکتا۔

کیونکہ نر مادہ سے ملتے وقت سامنے سے روبرو ہو کر نہیں آتا جس طرح مرد عورتوں سے ملتے ہیں پس یہاں بھی خدا کی حکمت وتدبیر پر غور کرو۔ ہاتھی کی شرمگاہ اگرچہ نیچے کے حصہ میں بنائی ہے مگر جفتی کے وقت وہ اپنے اس حصہ کو...... باہر کی طرف لے آتا ہے کہ نر اس سے بآسانی جفتی کر سکے پس چونکہ خدا نے جانوروں میں اس مقام کو انسان کے خلاف بنایا ہے اسی اعتبار سے ان میں چند مخصوص صفتیں ایسی رکھی ہیں کہ وہ اس کام کو بخوبی انجام دے سکیں اور اس طرح تناسل کا سلسلہ جاری اور قائم رہتا ہے۔

پھر جانوروں کے جسم کو بالوں اور اون سے کس طرح ڈھانپا ہے کہ سردی اور گرمی سے ان کے جسم کی حفاظت رہے ان کے پاؤں کو کھروں اور ناخنوں پر بنایا کہ سخت زمینوں پر دور دور سفر کرنے میں برہنہ ہونے کی حالت میں زخمی نہ ہوں اور محفوظ رہیں اور بعض میں کھر کے قائم مقام پے تابے ان کے پاؤں پر پہنا دیئے ہیں جو ان کے لئے چلنے میں وہی کام دیتے ہیں۔

جانوروں کو جب اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ نہ ان میں ذہن ودماغ ہے نہ ہاتھ اور انگلیاں جو کام میں مدد دیتی ہیں تو قدرت نے اس مشقت سے بھی ان کو نجات دیدی ہے اور ان کا لباس ان کے جسم کے ساتھ ہی نہ جدا ہونے والا پیدا کیا ہے نہ اتارنے کی ضرورت، نہ پہننے

Marfat.com

کی مشقت اور نہ اس کے تبدیل کرنے کی زحمت برخلاف انسان کے کہ اس کو قدرت نے سمجھ اور عقل عطا کی ہے ہاتھ پاؤں اس طرح سے تخلیق کیئے ہیں جن سے تمام کام لیا جا سکے اس لئے اس کے مشاغل ومصروفیات بھی اسی قسم کے ہیں پھر اس میں خیر وشر کا ملکہ عطا کیا بلکہ شر کا میلان خیر کی نسبت زیادہ ہے اس میں اس قسم کے اسباب بنائے جن کی مدد سے وہ ہلاکت وتباہی سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں انسان میں ملکہ خیر کے ساتھ ملکہ شر کو اس مصلحت سے پیدا کیا گیا اور صرف ملکہ شر کو یا ملکہ خیر کو تنہا نہیں پیدا کیا کہ ملکہ شر کے خالص ہونے میں اگر اس کی اعانت وامداد کی جاتی تو وہ غرور وتکبر میں پھنس کر اپنے کو تباہ کر ڈالتا اور زمین پر فساد برپا کرنے میں سب سے آگے ہوتا اور اپنی عقل کی قوت سے جو سعادت وصلاح کے حصول کے لئے دی گئی ہے وہ شقاوت وبدبختی کے جملہ اسباب فراہم کر لیتا۔

انسان کو خدا نے تمام حیوانات میں اشرف واکرم بنایا ہے اس پر طرح طرح سے احسانات کیے ہیں اس کو اختیار دیا گیا ہے، کہ کپڑوں میں سے جس کپڑے کو چاہے پسند کرے اور جس قسم کا کپڑا پسند کرے استعمال کرے اور جس کپڑے کو جب چاہے اتار ڈالے اور اس طرح وہ اپنے کو بہتر سے بہتر آراستہ وپیراستہ کر سکتا ہے پھر مزید حسن وتجمل کے لئے اور احباب کی مجلسوں میں درجہ قرب حاصل کرنے کے لیئے قیمتی سے قیمتی فینسی کپڑے اور خوشبو اور عطر کا استعمال کرے یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کی زیبائش وآسائش کے کیسے کیسے سامان پیدا کیئے اور انسانوں کو ان چیزوں کے استعمال کی عقل وسمجھ عطا کی اور پھر اس کو اختیار بھی دیا برخلاف دوسرے جانوروں اور حیوانات کے کہ وہ ان نعمتوں سے محروم ہیں۔

خدا نے ان تمام جانوروں کو موت وہلاکت سے اپنے کو بچانے کی کیسی عقل دی ہے کہ وہ اپنے کو جنگلوں اور جھاڑیوں میں کس طرح پوشیدہ کئے رہتے ہیں، اور ذرا بھی خطرہ محسوس ہوا فوراً محفوظ اور پوشیدہ مقام پر جا چھپتے ہیں اور مرتے دم تک اپنے کو چھپائے رکھتے ہیں اور اگر یہ غلط ہے تو پھر یہ بڑے بڑے جثہ والے درندے اور چرندے اور ہزاروں قسم کے جنگلی جانور کہاں ہیں تم تلاش کرو تو ایک بھی بمشکل نظر آئے گا اور ایسا ہے نہیں کہ وہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اس لئے نظر نہیں پڑتے بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ تعداد میں انسانوں سے کہیں زائد ہیں تو اس کا یہ قول مبالغہ نہیں کیونکہ یہ بڑے بڑے لق ودق جنگل درندوں اور جانوروں، بجو گائے، گدھے، خچر، بکرے، اونٹ، سور، بھیڑیے اور ہزاروں قسم کے کیڑے مکوڑوں حشرات الارض اور قسم قسم کے بے شمار پرندوں سے بھرے پڑے ہیں اور یہ تمام اقسام کے

Marfat.com

جانور روزانہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے رہتے ہیں اور ان میں سے کسی کی نہ تو ہڈیاں نظر پڑتی ہیں اور نہ ان کے مردہ جثے کہیں پڑے ملتے ہیں بلکہ قدرت نے ان کی طبیعت ایسی بنائی ہے کہ کسی مقام پر بھی ہوں اگر ان کو اپنی موت کا ذرا بھی شبہ ہو جائے تو وہ پوشیدہ مقامات میں چلے جاتے ہیں اور زندگی کے آخری لمحات وہاں پورے کرتے ہیں اب تم ان جانوروں کی اس عادت وطبیعت پر غور کرو کہ وہ اپنے مردہ جثوں کو دفن کرنے کے لئے وہ کیسی تدبیر کرتے ہیں اور قدرت نے ان کو کیسی حکمت بتادی ہے۔

ان چوپاؤں کی تیز آنکھوں پر غور کرو جو اپنی تیز نگاہ کے سامنے سے دور کی چیز کو دیکھ کر اپنے کو دیوار وغیرہ سے ٹکرانے اور گڑھوں میں گر کر ہلاک ہونے سے کس طرح محفوظ کرتے ہیں سامنے جب کوئی ایسی شئے نظر آتی ہے جس میں ان کو خطرہ محسوس ہو، فوراً اس طرف سے مڑ جاتے ہیں اور اپنے کو روک لیتے ہیں اگر چہ بہت سے ان خطرات اور عواقب سے بے خبر ہوتے ہیں جو ان کو پیش آنے والے ہیں اور جو ان ظاہری نگاہوں سے نہیں دیکھے جاسکتے کیا ان میں یہ دور بینی کی قوت خدا نے ان کی صلاح وسلامتی کے لئے نہیں پیدا فرمائی تا کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔

ان کے منہ کی ساخت پر غور کرو نیچے کی طرف سے کس طرح کھلا ہوا ہوتا ہے تا کہ گھاس وچارہ بخوبی چر سکیں اگر انسانوں کی طرح سے ان کا منہ ہوتا تو وہ زمین میں سے کوئی چیز نہ کھا سکتے تھے پھر کھانے میں منہ کی مدد کے لئے ان کے ہونٹ بھی مخصوص انداز اور خاص صفت سے بنائے ہیں جو چیز قریب ہوتی وہ اس کو اٹھا لیتے ہیں اور کھانے کی چیز کو لے لیتے ہیں اور جو چیز کھانے کی نہیں ہوتی اس کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے پانی پینے کے طریقہ پر نظر کرو کہ وہ کس طرح چوس چوس کر سکون سے پیتے ہیں ان کے منہ کے چاروں طرف خدا نے بالوں کو کس حکمت سے بنایا ہے پانی پینے میں پانی پر جو تنکے کوڑا کرکٹ بہہ کر آتا ہے منہ کے قریب کے بال اس کو علیحدہ کر دیتے ہیں اور مخصوص حرکت سے اس پانی کو صاف وستھرا کرتے رہتے ہیں گویا اس طرح سے چھنا ہوا صاف پانی پینے میں آتا ہے اور گدلا اور خراب پانی ادھر ادھر ہو جاتا ہے۔

جانوروں اور چوپاؤں کی دم پر نظر کرو، اس کی حکمتوں اور فوائد پر غور کرو خدا نے اس کو بجائے پردے کے بنایا ہے جس کے ایک طرف بال ہوتے ہیں گویا وہ دم چوپائے کی شرمگاہ پر پردے کا کام دیتی ہے ان کی شرمگاہ اور زیریں حصہ پر کیونکہ عموماً گندگی اور غلاظت لگی رہتی ہے

Marfat.com

اور اس گندگی کی وجہ سے مکھیاں اور مچھر جمع رہتے ہیں اپنی دم کو ہلا کر ان مکھیوں اور مچھروں کو دفع کرنے میں مدد ملتی ہے ان کی دم ایک لانبی چھڑی یا مورچھل کی طرح ہوتی ہے کہ اس سے وہ مکھیوں اور مچھروں کو ہٹانے اور اڑانے کا کام لیتے ہیں منہ کی طرف مکھیاں اور مچھر آتے ہیں تو اپنے سر کو ہلا کر ان کو دفع کرتے ہیں پھر خدا نے ان چوپایوں کے جسم میں مخصوص حرکت کی قوت رکھی ہے کہ اگر جسم کے کسی ایسے حصہ پر مکھیاں بیٹھیں جو حصہ دم اور سر کی پہنچ اور حرکت سے دور ہو تو یہ چوپائے اپنے جسم کے اسی مخصوص حصہ کو بھی حرکت دے لیتے ہیں، جن سے مکھیاں اڑ جاتی ہیں یہ خدا کی بڑی عظیم حکمت ہے کہ جہاں ہاتھوں کی پہنچ نہیں وہاں اس حکمت سے کام لیتے ہیں۔

ان چوپایوں میں ایک اور صفت خدا نے رکھی ہے کہ جب ان کے جسم میں تکان زیادہ محسوس ہوتی ہے تو اپنے دائیں اور بائیں حصہ کو حرکت دے کر کسی قدر تکان کو دور کر لیتے ہیں ان کے ہاتھوں پر ان کا جسم سیدھا ہوتا ہے جس پر بوجھ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے بدن سے نہ تو مکھیوں مچھروں کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کھجلی کھجا سکتے ہیں تو ان کی دم کی حرکت اور جسم کی حرکت میں قدرت نے راحت و منفعت پوشیدہ رکھی ہے اور پھر بہت سرعت سے اپنی دم کو حرکت دے لیتے ہیں تاکہ کھجلی کی تکلیف زیادہ عرصہ ہو کر ان کی مزید اذیت کا باعث نہ بنے۔

ان جانوروں میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ جب پانی یا کیچڑ یا دلدل میں ہوتے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی تو وہ اپنی دم کو اٹھا لیتے ہیں کہ وہ پانی اور کیچڑ میں ملوث نہ ہو۔

اور جب کسی ڈھلان سے اترنا ہوتا ہے اور اوپر بوجھ لدا ہوتا ہے جس کے گرنے کا ان کو خوف ہو تو وہ اپنے سر کو اور چہرہ کو اس طرح سے اوندھا کر لیتے ہیں کہ وہ محفوظ رہے اور دم سے اس طرح سے سہارا دیے دیتے ہیں کہ وہ سامان رکا رہتا ہے گرنے نہیں پاتا اور اگر گرتا بھی ہے تو ان کا چہرہ اور سر اس کی ضرب سے مجروح نہیں ہونے پاتا پس یہ ایسی حکمت و مصلحت ہے کہ سوائے خدا کے کسی کو نہیں معلوم اور اس نے ان جانوروں میں اس کا احساس پیدا کر دیا ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہاتھی کی سونڈھ کو دیکھو کہ وہ کس طرح سے ہاتھوں کے قائم مقام کام دیتی ہے گھاس اور چارہ کے اٹھانے میں اور منہ تک لے جانے میں اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے لئے بڑی دشواری ہو جاتی، اور زمین سے کسی چیز کو نہ اٹھا سکتا تھا کیونکہ اس کی گردن دوسرے جانوروں کی طرح

Marfat.com

سے حرکت نہیں کر سکتی اسلئے قدرت نے اس کی سونڈ میں یہ صفت پیدا فرما کر اس پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

پھر اس سونڈ کو برتن کے قائم مقام بنا دیا ہے کہ وہ اس میں پانی بھر کر منہ میں لے جاتا ہے اس سونڈ سے سانس بھی لیتا ہے گویا وہ ایک قسم کا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ بوجھ اٹھا کر اپنی پیٹھ پر رکھتا ہے اور سوار ہونے والے بھی سونڈ کی مدد سے اس پر سوار ہوتے ہیں۔

زرافہ (ایک لمبی گردن والا جانور جو افریقہ کے صحرا میں پایا جاتا ہے اور اونٹ کی طرح ہوتا ہے) اس کی خلقت پر نظر کرو اس کی بود و باش بلند بلند اور گھنے باغوں میں ہوتی ہے اس لئے قدرت نے اس کی گردن لانبی بنائی کہ وہ بلند بلند درختوں سے اپنی غذا پھل حاصل کر سکے۔

لومڑی کو دیکھو، وہ اپنا مکان زمین کے اندر بناتی ہے اور دو راستے اس میں آنے جانے کے لئے بناتی ہے اور وہ راستے بہت تنگ بناتی ہے دو راستے اس حکمت سے کہ اگر ایک راستہ سے اس کو پکڑنے کی کوشش کی جائے تو وہ دوسرے راستہ سے بھاگ جاتی ہے اور اگر دونوں راستہ سے کوئی اس کو پکڑنا چاہے تو وہ ان راستوں کو اپنے سر سے بند کر دیتی ہے اور اس کے نیچے کوئی نہ کوئی سوراخ ایسا رکھتی ہے جس سے ہو کر وہ اپنے کو نجات دلانے میں کامیاب ہو جاتی ہے پس اس کی سمجھ کو دیکھو کہ خدا نے اس کو کیسی سمجھ عطا کی ہے جس سے وہ اپنی حفاظت کا سامان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان جانوروں میں مختلف طبیعتیں اور مختلف حکمتیں اور صفتیں رکھی ہیں جو جانور انسان کے گوشت کھانے کے کام آتے ہیں ان میں قدرت نے عاجزی اور اعتقاد و اطاعت کا مادہ رکھا ہے کہ با آسانی انسان کے قابو میں آسکیں اور ان کی خوراک نباتات کو بنایا ہے جن جانوروں کو بار برداری کے لئے بنایا ہے ان کو طبیعت کا سیدھا سادھا بنایا ہے غیظ و غضب کا جذبہ برائے نام رکھا ہے اور ان کو ایسی شکل میں بنایا کہ بار برداری کے کام میں اچھی طرح آسکیں اور بعض جانور جن میں غضب و شر کا جذبہ زیادہ ہے ان میں تنظیم و تعلیم کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھی تاکہ وہ لوگوں کے کام آسکیں اور شکار اور حفاظت کا کام دے سکیں اور اسی طرح ہاتھی ہے جو نہایت سمجھدار جانور ہے اور اس میں تعلیم و تادیب کی قبولیت کی خاص استعداد ہے جس سے بار برداری اور میدان جنگ میں خاص کام لیا جاتا ہے وہ جانور جن میں غضب و شرارت کا جذبہ کسی قدر موجود ہے تو ان میں محبت و انس کا جوہر بھی بہ نسبت

Marfat.com

دوسرے جانوروں کے زیادہ ہے جو انسان کے بہت کام آتے ہیں جیسے بلی، پرندوں میں بھی ایسے پرندے ہیں جن سے انسانی فائدے متعلق ہیں اور پھر ان جانوروں میں محبت والفت کا جزبہ بھی غیر معمولی پایا جاتا ہے مثلاً کبوتر ہے جو اپنے مقام کو کبھی نہیں بھولتا اور اس سے خبر رسانی اور پیغام رسانی کا کام بھی لیا جاسکتا ہے، ضرورت پڑنے پر یہ جانور بڑے کام کا ہے پھر یہ جانور کثیر النسل بھی ہے کھانے کے کام میں بھی آتا ہے۔

ایک جانور باز بھی ہے جس میں انس کا مادہ بھی ہے لیکن اس میں اس کے خلاف جذبہ غضب بھی ہے مگر کیونکہ شکار کے کام میں وہ لایا جاسکتا ہے اس لیے خدا نے اس میں تادیب کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہے جس سے اس میں فرمانبرداری اور اطاعت کی خوب غالب ہوتی ہے، اور پھر وہ حسب ہدایت کام کرتا ہے اور شکار کے کام میں اچھی مدد دیتا ہے اور نا معلوم کتنی اور کون کونسی حکمتیں اور مصلحتیں قدرت نے جانوروں میں مخفی رکھی ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے۔

۞۞۞

شہد کی مکھی، چیونٹی، مکڑی، ریشم کا کیڑا اور مکھی وغیرہ کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

وما من دابۃ فی الارض
ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم
امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من
شیء ثم الی ربھم یحشرون۔

اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں
اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں جو اپنے دونوں

Marfat.com

بازؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی ایسی قسم نہیں
جو تمہاری ہی طرح کے گروہ نہ ہوں ہم نے لوح
محفوظ میں کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کو نہ لکھا ہو۔
پس سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کیئے
جائیں گے۔

خدا کی چھوٹی سی مخلوق چیونٹی کو دیکھو قدرت نے ان کو اپنی غذا جمع رکھنے کی کیسی حکمت سکھائی اور اس کام میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح سے تعاون کرتی ہے اور اپنی اس باہمی کوششوں سے اپنے لیئے اس وقت کے لئے جب وہ شدت گرمی اور شدت سردی سے باہر نہ نکل سکیں وہ سب مل کر اتنی غذا جمع کر لیتی ہیں کہ اطمینان وسکون سے اپنے سوراخوں میں بیٹھی کھایا کریں یہ کیسی دور اندیشی ہے جو بہت سے انسانوں کو بھی نہیں سوجھتی جو عاقبت اندیشی میں مشہور ہے۔

جب کوئی چیونٹی کسی چیز کو خود نہیں سنبھال سکتی تو دوسری چیونٹیاں اس بوجھ کو لے جانے میں کس طرح سے اس سے تعاون کرتی ہیں جس طرح کوئی وزن ایک انسان کی طاقت سے زائد ہو تو دوسرے اس کو اٹھانے میں مدد کرتے ہیں۔

زمین میں اپنے اپنے رہنے کے مکانات کس تدبیر سے بناتی ہیں زمین کی مٹی کو کس طرح یکے بعد دیگرے باہر لا کر ڈالتی ہیں حتیٰ کہ رہنے کی جگہ صاف کر لیتی ہیں اور پھر مکان کے تیار ہو جانے کے بعد اپنی خوراک اکٹھا کرتی ہیں اور جو غلہ جمع کرتی ہیں اس کو اپنے دانتوں سے کتر کر رکھتی ہیں مبادا زمین کی نمی سے اس میں کلہ پھوٹ جائے یہ حکمت ودانش مندی اس چھوٹے سے کیڑے میں سوائے اس خدا کے کسی نے نہیں بخشی جو حکیم وقادر ہے اور رحمٰن ورحیم ہے۔

اگر وہ دانے پانی کی نمی سے تر ہو جائیں تو ان کو باہر نکال کر دھوپ اور ہوا میں خشک کرتی ہیں۔

اپنے مکانات نشیبی زمین میں کبھی نہیں بناتی کہ پانی اس میں جمع ہو کر ان کی ہلاکت کا سبب ہوگا بلکہ بلند حصہ زمین پر مکانات تعمیر کرتی ہیں۔

اب تم شہد کی مکھی اور اس میں جو قدرت نے عجیب وغریب حکمت عطا کی ہے اس پر غور کرو۔

Marfat.com

ان شہد کی مکھیوں میں ایک سردار ہوتا ہے جس کے حکم واشارے پر تمام مکھیاں کام کرتی ہیں ان مکھیوں میں اگر کوئی دوسرا مکس ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ سب مل کر اس کو مار ڈالتی ہیں تاکہ ان میں افتراق وانتشار نہ پیدا ہو، اور ایک ہی کی متابعت میں وہ سب باہم متحد و متفق رہیں۔

یہ مکھیاں پھولوں سے کسی قسم کی رطوبت چوستی ہیں جو خدا کی قدرت سے ان کے منہ میں شہد میں تبدیل ہوتی ہے اس حکمت وتدبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس شہد میں اپنے بندوں کے لئے کس طرح مصالح ومفاد کو پیش نظر رکھا ہے یقیناً اس میں امراض کے لئے شفا ہے جیسا کہ خدا نے خود فرمایا ہے شہد میں غذائیت اور دوسری منفعت بھی ہے جس طرح دودھ میں بیشمار فوائد بنی نوع انسان اور حیوانات کے لئے مضمر ہیں۔

یہ مکھیاں اپنے پاؤں میں موم لا لا کر چھتا میں جمع کرتی ہیں کہ جس میں شہد محفوظ رہے شہد کی حفاظت کے لئے موم کے برتن سے زیادہ موزوں اور مناسب کوئی برتن نہیں ہوسکتا۔

اب اس پر غور وفکر کرو کہ ان مکھیوں کو یہ حکمت وسبق سوائے خدا کے کون دے سکتا ہے جس کی بناء پر انھوں نے شہد کو موم کے برتن میں ایک خاص مدت تک کے لئے محفوظ رکھا اور پھر بلند درختوں اور پہاڑوں پر اپنا گھر تیار کیا کہ لوگوں کی دسترس سے محفوظ رہے مکھیاں رس لینے کے لئے دن میں نکلتی ہیں رات کو اپنے گھر میں بسیرا لیتی ہیں اور جب واپس آتی ہیں تو اپنی غذا ساتھ لے کر آتی ہیں۔

پھر ان کے مکان کی ترتیب وساخت کو دیکھو کس حکمت سے اس میں ہشت پہلو سوراخ بناتی ہیں اور بول وبراز کے لئے اپنے گھر میں علیحدہ سوراخ بناتی ہیں تاکہ شہد ان میں مل کر خراب نہ ہو یقیناً ان کا مکان چھتہ اس کی ساخت بڑی حکمت وتدبیر سے ہوتی ہے جس سے خدا کی حکمت بالغہ کا پتہ چلتا ہے۔

مکڑی کو دیکھو، خدا نے اس کے جسم میں ایک ایسی رطوبت پیدا کی ہے جس سے وہ اپنے رہنے کے مکان بناتی ہے اور اس سے اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے شکار پھنسانے کا جال بھی تیار کرتی ہے قدرت نے عجیب وغریب حکمت رکھی ہے کہ اس غذا سے اس کے اندر ایسی رطوبت تیار ہوتی ہے جس کو وہ مکان بنانے اور شکار کے لئے جال تیار کرنے میں صرف کرتی ہے مکان اس طرح سے بناتی ہے کہ خود اس میں بالکل چھپ جاتی ہے یہ دونوں چیزیں نہایت رقیق تار کی طرح ہوتے ہیں جو اس رطوبت سے بنتے ہیں اور یہی رقیق وکمزور تار شکار

Marfat.com

کے پاؤں کے چاروں طرف اس طرح سے آگے پیچھے بندش کر دیئے جاتے ہیں کہ شکار جانے نہیں پاتا اور وہ اس میں پھنس کر بالکل بے دست پا ہو جاتا ہے اس کے تیار کردہ پھیلائے ہوئے جال میں جب کوئی شکار آتا ہے تو بہت پھرتی سے وہ اپنے گھر سے باہر آتی ہے اور اس کو چاروں طرف سے خوب جکڑ دیتی ہے اور پھر اس کو پوری احتیاط سے پکڑ کر اپنے گھر میں لے جاتی ہے بھوکی ہوتی ہے تو اسی وقت اس سے اپنی غذا حاصل کرتی ہے ورنہ آئندہ کے لیے رکھ لیتی ہے دیکھو خدا نے اس مکڑی کو کیسی سوجھ بوجھ عطا کی ہے اور اس کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں جب اتنی چھوٹی سی مخلوق میں اس نے ایسے اسباب ووسائل پیدا کیے ہیں اور ان کو استعمال کرنے کی تعلیم دی ہے تو پھر انسان کو اس نے کیسے کیسے وسائل وحکمتوں سے نوازا ہو گا یقیناً وہ بڑا حکیم ومدبر ہے۔

ریشم کے چھوٹے سے کیڑے کو دیکھو، اس کو دیکھ کر خدا کی قدرت نظر آتی ہے گویا اس کی زندگی انسانی مصالح ومفاد کی خاطر ہے یہ کیڑا اپنے جسم سے ریشم تیار کرتا ہے اور اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ ایک تخم کے برابر ایک شکل ہوتی ہے اور وہ گویا انڈہ ہوتا ہے جو کچھ دن میں گرمی پا کر ایک کیڑے کی شکل ہو جاتا ہے اور یہ ننھا سا کیڑا پتہ پر کس طرح رکھ دیا جاتا ہے پس یہ اس پتہ سے اپنی غذا حاصل کرتا رہتا ہے اور اسی طرح سے کچھ دن میں وہ ریشم کا ایک گولہ بننا شروع ہو جاتا ہے حتی کہ ریشم کا ایک گولہ تیار ہو جاتا ہے اور کیڑا ریشم کے ایک گولے کی نظر ہو جاتا ہے اس کی زندگی بس اتنی ہی ہوتی ہے۔

قدرت نے جب ایسی مفید جنس کو باقی رکھنا چاہا تو اس کے لئے ایسے ہی اسباب پیدا فرمائے جب یہ ریشم کا گولہ تیار ہو چکتا ہے تو وہاں ایک بہت چھوٹا سا پردار کیڑا پیدا ہو کر اڑ جاتا ہے اور ان میں نر ومادہ کی کوئی تمیز معلوم نہیں ہوتی۔ یہ شہد کی مکھی سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتا ہے اور یہ پردار چھوٹے سے کیڑے ایک دوسری پر تھوڑی دیر سواری کرتے ہیں جس سے ایک حاملہ ہو کر اسی وقت انڈا دیتا ہے جو اس تخم کی طرح ہوتا ہے، جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے پس یہ پردار کیڑے اڑ جاتے ہیں اور یہ انڈہ اسی مذکورہ بالا صورت کی طرح سے ریشم کے گولے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اب تم اس پر غور کرو کہ اس کیڑے کو خاص کر اس پتے سے غذا حاصل کرنے کی سمجھ کس نے دی پھر اپنے جسم کو اس طرح سے ریشم بنانے میں فنا ہونا کس نے سکھایا پھر آخر میں اس میں پروں کو کس نے پیدا کیا اور پھر اس کو اس شکل میں کس نے تبدیل کیا جس سے نسل باقی

Marfat.com

رہنے کا سامان ہوا۔ اگر وہ اپنی اصل شکل میں رہتا تو پھر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا پھر جس ذات نے اس کیڑے میں اتنی سمجھ بوجھ عطا کی اس نے اس ریشم کے ذریعہ سے ایک کثیر دولت کے کمانے کی تعلیم دی اس سے قسم قسم کی اشیاء اور قیمتی کپڑے تیار کرنے کا سبق سکھایا اس عجیب وغریب حکمت اور خدا کی قدرت کو دیکھ کر جو اس ننھے سے کیڑے کی زندگی میں نظر آتی ہے خدا کی عظیم قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور گلی سڑی ہڈیوں پر گوشت پوست پیدا ہونے کا یقین اور زیادہ ہو جاتا ہے بیشک اس کی ذات اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب حکمتوں پر قادر ہے۔

اس مکھی کو دیکھو جس کو ہم نہایت ہی حقیر نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور یہ بظاہر اس کو بالکل غیر مفید سمجھتے ہیں یہ جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے پر اس وقت اس کے جسم پر ہوتے ہیں اور فوراً ہی اڑ کر وہ اپنی غذا حاصل کرتی ہے اور خطرہ ہونے پر انھیں پروں کے ذریعہ وہ اڑ کر اپنے کو بچا لیتی ہے، مکھی میں قدرت نے چھ پاؤں بنائے ہیں چار پر وہ قائم رہتی ہے اور دو فاضل رہتے ہیں جو ضرورت پر کام لیتی ہے مثلاً اگر کسی ایسی گاڑھی لیدار چیز پر بیٹھ جائے جس سے اس کے پر آلودہ ہو کر اڑنے کے قابل نہ رہیں تو اپنے ان دونوں پاؤں کی مدد سے اپنے پروں کو صاف کر لیتی ہے اور اس کی آنکھیں دوسرے ان کیڑوں کی طرح جو انسان کے عیش وآرام کو مکدر کرتے ہیں بغیر پلکوں کی ہوتی ہیں اور سر سے باہر نکلی ہوتی ہیں یہ مکھی اور اس قسم کے دوسرے چھوٹے چھوٹے کیڑے مچھر، پسو، بھنگے وغیرہ کو خدا نے بنی نوع انسان کے پیچھے اس طرح لگا دیا ہے کہ کسی وقت بھی آرام وچین نہیں لینے دیتے تاکہ دنیا کی حقارت اور بے ثباتی ان پر آشکارہ ہوں اور دنیا سے چھٹکارہ ملنے کی آرزو ان میں پیدا ہو کیونکہ یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے جو نہایت ہی بے حیثیت اور بے طاقت ہیں وہ باوجود بار بار اڑانے کے بھی انسان کے جسم پر آ بیٹھتے ہیں۔ گویا وہ انسان کے جسم کو ایک بے حس وحرکت پتھر کی طرح سمجھتے ہیں تھوڑی دیر بیٹھے پھر ادھر ادھر کچھ حرکت کی اور اڑ گئے اور یہ اس لئے کہ شکار اسی چیز کا کیا جاتا ہے جس کے زندہ ہونے کا علم ہو جائے اور اگر اس کا مردہ ہونا معلوم ہو تو پھر اس کو کوئی شکار نہیں کر سکتا جس طرح پتھر کہ ان کو کوئی بھی نشانہ نہیں بناتا۔

عقاب کو دیکھو جس وقت وہ کچھوے کو شکار کرتا ہے اور جب اس میں کوئی جگہ ایسی نہیں پاتا جس کو وہ اپنی غذا بنا سکے تو اس کو اپنے پنجوں میں دبا کر بہت اونچا لے جاتا ہے اور پھر اس کو پہاڑ پر یا پتھر کی چٹان پر چھوڑ دیتا ہے جس سے کچھوے کا جسم پاش پاش ہو جاتا ہے اور پھر

Marfat.com

عقاب آ کر اس کو کھالیتا ہے بتاؤ اس عقاب میں یہ عقل کس نے دی ہے۔

کوّے کو دیکھو، وہ ویسے بھی مکروہ ہے اس لئے اس کی طبیعت بھی کچھ اس طرح مخلوق ہے کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے کو دور ہی دور رکھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس کو علم غیب ہے کہ ذرا کسی نے اس کو پکڑنے کا قصد کیا اور وہ اڑا پھر اس کو کیسی سمجھ ہے کہ بچوں کی حفاظت کے لئے اپنے گھونسلے کو نہایت محفوظ اور پوشیدہ مقام پر رکھتا ہے اور بہت کم جفتی کرتا ہے مبادہ اس غفلت میں وہ پکڑا جائے غرضکہ انسان سے بہت خائف اور محتاط رہتا ہے برخلاف اس کے چوپایوں اور دوسرے جانوروں سے اس کا معاملہ بالکل برعکس ہے ان کی پیٹھ پر سر پر سینگھ پر گردن پر آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کافی دیر تک بیٹھا رہتا ہے اونٹ کا خون اور چوپایوں کی لید میں بھی کچھ اپنی غذا ڈھونڈ لیتا ہے جب کوے کا پیٹ بھر جاتا ہے تو باقی بچے ہوئے کسی پوشیدہ مقام پر چھپا کے رکھدیتا ہے جو دوسرے وقت اس کے کھانے کے کام آتا ہے بتاؤ یہ حکمت اور سمجھ اس میں کس نے پیدا کی یقیناً اس خدائے قادر و حکیم نے ان جانوروں میں یہ حکمت اور تدبیر پیدا فرمائی اگرچہ عقل سے یہ محروم ہیں۔

چیل ایک مکروہ شکل کا پرندہ ہے اور وہ بھی اپنے کو دور ہی رکھتی ہے خدا نے اس کو اڑنے کی بڑی زبردست طاقت دی ہے وہ نہایت بلندی پر اڑتی رہتی ہے اس میں قوت بینائی بہت تیز ہے کہ اتنی بلندی سے زمین پر اپنی خوراک کو دیکھ کر بہت تیزی سے نیچے آتی ہے اور اچانک اس چیز کو کسی بلند مقام پر جا کر کھاتی ہے اس کے پنجے نہایت تیز اور مڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ اتنی تیزی میں وہ زمین سے چیزوں کو اٹھا لے جانے میں مدد دیتے ہیں اور کبھی خطا نہیں کرتے۔

چھپکلی سے مشابہ ایک جانور ہے جس کو گرگٹ کہتے ہیں وہ ایک ہی جگہ پر بیٹھے رہنے کا عادی ہوتا ہے بہت کم چلتا پھرتا ہے خدا نے اس کی آنکھوں میں یہ صفت رکھی ہے کہ چاروں طرف حرکت کرتی ہے اور وہ ایک جگہ پر ہی بیٹھے بیٹھے اپنی خوراک حاصل کر لیتا ہے چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو وہ شکار کر کے کھا جاتا ہے پھر اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس قسم کے رنگ دار درخت پر رہتا ہے اسی رنگ میں خود تبدیل ہو جاتا ہے جس سے بہت کم دکھائی دیتا ہے اور مکھیاں وغیرہ اس کو نہیں دیکھ پاتی اور وہ بیٹھے ہی بیٹھے زبان نکالتا ہے اور بجلی کی طرح سرعت کے ساتھ ان کو چٹ کر جاتا ہے اور پھر درخت کی کسی ٹہنی پر اس طرح جم جاتا ہے گویا درخت کا ایک حصہ ہے۔

Marfat.com

اس میں ایک خصوصیت اور بھی ہے کہ جب کوئی اس کو مارنا چاہے تو وہ اس کو ڈرانے کے لئے ایسے ایسے رنگ وروپ بدلتا ہے جس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔

تلون مزاجی میں وہ ضرب المثل ہے اگر کوئی شخص بار بار مختلف رائے اور مختلف خیالات کا اظہار کرتا ہے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔

مکھیوں مین خاص قسم کی مکھی ہوتی ہے جو عام مکھیوں سے قدرے مختلف ہوتی ہے جو ان مکھیوں کو کھا جاتی ہے اور ان کو شکار کرنے کے لئے عجیب وغریب حکمت وتدبیر سے کام لیتی ہے جب کوئی مکھی اس کے قریب آ کر بیٹھتی ہے تو یہ بالکل بے حس وحرکت ہو جاتی ہے اور جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مکھی اطمینان سے بیٹھی ہے تو یہ نہایت ہوشیاری سے اس کے اتنی قریب پہنچ جاتی ہے کہ ایک جست میں اس کو پکڑ ے اور پھر دفعتاً اس پر جھپٹتی ہے اور اس کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور جب کچھ دیر بعد وہ مردہ ہو کر بے حس وحرکت ہو جاتی ہے تو اس سے اپنی غذا حاصل کر لیتی ہے۔ اب اس مکھی کی یہ ہوشیاری اور اس کی حیلہ سازی کیا اس کی خود پیدا کردہ ہے یا اس حکیم مطلق نے اس کو اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے بخشی ہے۔

مچھر ننھی سے مخلوق کو دیکھو قدرت نے اس کا جسم بھی کتنا چھوٹا بنایا ہے اس چھوٹے سے جسم ہونے کے باوجود نہ اس کے ان پروں میں کوئی نقصان ہے جن سے وہ اڑتا ہے اور نہ ان پاؤں میں کوئی کوتاہی ہے جن پر وہ بیٹھتا ہے اور نہ بینائی میں کوئی کمی جس سے وہ اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے مناسب مقام کو منتخب کرتا ہے اس مختصر سے جسم میں اس کا وہ ہتھیار بھی ہوتا ہے جس کو جسم میں چبھا کر خون پیتا ہے اس کے چھوٹے سے بدن میں وہ ساری مشینری موجود ہے جو اس کی غذا ہضم کرتی ہے اور پھر فضلہ کو باہر نکالتی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ بغیر کھائے پیئے زندہ رہے اور کیا یہ ممکن ہے کہ ان کی خوراک ایک ہی جگہ پر اس کو ہمیشہ دستیاب ہو سکے اور کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ فضلا بغیر کسی منفذ (سوراخ) کے اس کے جسم سے باہر آ سکے معلوم ہوا کہ سب کچھ اس کے اس ننھے سے جسم میں اس قادر وحکیم نے بنایا ہے اور اس کے مناسب اعضاء بنائے پھر اس کو اپنی غذا حاصل کرنے کی معرفت وحکمت عطا کی نفع ونقصان میں تمیز کرنے کی صلاحیت بخشی ہے اس سے خدا کی حکمت وکبریائی کا پتہ معلوم ہوتا ہے اور اس کی بلیغ قدرت وحکمت کا سبق ملتا ہے اگر چہ یہ مچھر جو بظاہر ایک حقیر اور نہایت ہی چھوٹا سا جسم رکھتا ہے اگر آسمان وزمین کی تمام مخلوقات فرشتے وغیرہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ قدرت نے اس کے اجزاء کو کس طرح سے تقسیم وترتیب دیا ہے اور کیسے متعدل بنایا ہے تو یہ ساری مخلوقات بجز عجز

Marfat.com

وانکسار کے کچھ اظہار نہ کر سکیں گے۔ پھر اگر یہ سوچیں کہ اس مختصر جسم میں ساری قوتیں بھی بخشی ہیں جن سے وہ معلوم کر لیتا ہے کہ جلد اور گوشت کے مابین خون ہے جو میری غذا ہے اگر یہ علم پہلے سے نہ ہو تو وہ کبھی جسم پر بیٹھ کر خون چوسنے کی کوشش نہ کرتا اور پھر اس کی ہمت و جرأت کو دیکھو کہ کس طرح سے وہ اڑ کر اپنی مخصوص آواز سے پہلے آگاہ کر دیتا ہے اور پھر خود بھی ہوشیار رہتا ہے کہ ذرا سا شبہ ہوا اور وہ اڑا اور یہ بھی جانتا ہے کہ اڑ جانے میں اس کی نجات ہے اور جب وہ اڑ کر جاتا ہے تو پھر اس کو کوئی طاقت واپس نہیں لا سکتی جب ایک مچھر جیسی ادنیٰ اور حقیر مخلوق میں خدا نے ایسی ایسی حکمتیں اور تدبیریں پیدا فرمائیں تو پھر اور دوسری ہزاروں لاکھوں بیشمار مخلوقات میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ کی ہونگی۔

مچھلی کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وھو الذی سخر لکم البحر لتأکلوا منہ لحما طریا۔

اسی خدا نے تم کو سمندر پر اختیار دیا کہ تم ان سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ۔

مچھلی کو دیکھو خدا نے سمندروں اور نہروں میں کیسی کیسی عجیب و غریب شکل و صورت کی مخلوقات بنائی ہے جس سے اس کی قدرت معلوم ہوتی ہے خدا نے جب ان کا ٹھکانا ہی پانی میں بنایا تو پھر اس مصلحت سے ان میں پاؤں اور پھیپھڑے نہیں پیدا کیے کیونکہ وہ پانی میں غوطہ لگانے کے وقت سانس نہیں لیتے پاؤں کی جگہ ان میں بازو بنائے ہیں جو تیزی سے ان کی منشاء کے مطابق حرکت کرتے ہیں اور جس طرف وہ جانا چاہے جا سکیں ان کے جسم کو ایک ایسی جلد سے ڈھانپا ہے جس کے اجزاء بعض بعض میں گھسے ہوئے ہیں اور جو گوشت کی طرح نرم نہیں ہیں بلکہ سخت زرہ کی طرح ان کی پوری حفاظت کرتی ہے اور جن مچھلیوں میں اس طرح کے فلوس نہیں بنائے ان کے جسم پر ایک چھلکا سا پہنا دیا ہے جس کی جلد مضبوط اور دبیز تر ہے جو اس کے

Marfat.com

لئے مکمل محافظ ہے مچھلی میں آنکھ، کان، ناک یہ تمام چیزیں ہوتی ہیں جن کی مدد سے وہ خوراک حاصل کرتی ہے اور خطرہ ہونے پر اپنے کو بچاتی ہے پس دیکھو کہ سمندر کی گہرائی میں رہنے والی مخلوق کو کیسی مناسب اعضاء اور قوت بخشی ہے جو اس کے لئے طلب معاش اور دشمن سے نجات حاصل کرنے میں پوری طرح ان کی معاون ہیں۔

اور کیونکہ خدا کو معلوم ہے کہ بعض بعض کی غذا ہے اس لئے خدا نے اس کو کثیر الاولاد بنایا ہے اور نر و مادہ کی خصوصیت بھی نہیں رکھی جس طرح بڑی مخلوقات میں مادہ ہی بچے انڈے دیتی ہے برخلاف مچھلی کے کہ ہر مچھلی انڈے دیتی ہے اور ہر مچھلی انڈوں کا ایک گچھہ دیتی ہے جس سے بے شمار بچے پیدا ہوتے ہیں۔

بعض مچھلیاں نہروں میں پیدا ہوتی ہیں اور بغیر توالد کے لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوتی ہیں۔

بعض مچھلیاں ایسی ہیں جن کے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہوتے ہیں ان میں توالد و تناسل نر و مادہ کے ملنے سے ہوتی ہے۔

کچھوا اور گھڑیال (مگر مچھ) یا ان سے مشابہت رکھنے والے دوسرے جانور یہ انڈہ دیتے ہیں سورج کی گرمی سے انڈا ٹوٹ جاتا ہے اور اس انڈے سے ایک بچہ نکلتا ہے پانی میں سے انڈوں کو سینے کا کام انجام نہیں پا سکتا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے انڈوں میں جوں ہی مچھلی انڈے دیتی ہیں روح ڈال دیتا ہے اور کامل بچہ اس میں موجود ہوتا ہے وہ اپنی تربیت میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا یہ خدا کی بڑی حکمت ہے کیونکہ خشکی کے جانوروں کی طرح سے سمندری جانوروں کو اپنے انڈے سینا ان پر ایک مدت تک بیٹھے رہنا پھر بچوں کو پھڑانا اور تربیت دینا ناممکن ہے اس لئے خدا نے ان تمام باتوں سے مبرا اور بے نیاز رکھا ہے پھر خدا نے بہت کثیر تعداد میں ان کی پیدائش رکھی کیونکہ مچھلیاں آپس میں ایک دوسرے کو کھا جاتی ہیں اور پھر انسان کے لئے بھی یہ بہترین غذا ہے مچھلی کے سرعت حرکت کو دیکھو وہ اپنی دُم کتنی پھرتی اور تیزی سے حرکت دیتی ہے اور پانی میں اس کی رفتار کو دیکھو کس اعتدال اور میانہ روی سے کشتی کی طرح سے پانی میں تیرتی ہیں اپنے پاؤں اور پروں سے کس طرح پانی کو ادھر ادھر ہٹاتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں۔ اس کے جسم میں ہڈیاں بالکل اس کے اعضاء جسم کے مشابہ ہوتی ہیں اندر سے کھوکھلی اور نہایت ہلکی اور باریک ہوتی ہیں کہ تیرنے کے کام کے لیے ایسا ہی مناسب تھا اگر کوئی ہڈی کہیں سے ٹوٹ جاتی ہے تو وہ کس طرح سے گوشت کی مدد سے پھر جڑ جاتی ہے دانت اگرچہ تعداد میں کافی ہوتے ہیں مگر ایک دوسرے سے قریب ہونے کی وجہ سے ایک ہی جزو

Marfat.com

معلوم ہوتے ہیں اور غذا کے چبانے میں سب مل کر ایک دوسرے کی اس طرح اعانت کرتے ہیں کہ پھر چبانے کی مزید ضرورت نہیں ہوتی۔

گھونگے، سمندر میں خدا نے کچھ بہت ہی کمزور اور ناتواں جانور بھی بنائے ہیں جو حرکت تک اچھی طرح نہیں کر سکتے جیسے گھونگے اور سیپی کا کیڑا مگر خدا نے ان کی حفاظت کا یہ انتظام کیا کہ ان کو ایک محفوظ اور مضبوط قلعہ میں بند کر دیا جو پتھر جیسا سخت ہے اور وہی اس کا مکان اور جائے سکونت ہے اور اس کا اندرونی حصہ جو جسم سے ملحق رہتا ہے اس کو نرم بنایا کہ جسم کو ضرب نہ پہنچے۔

گھونگوں کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں جو کھلے ہوئے مقامات میں رہتے ہیں جہاں وہ اپنی خود بھی حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے خدا نے ان کو پہاڑوں اور پتھروں کی چٹانوں میں محفوظ رکھا ہے اور وہیں پہاڑوں سے رسنے والی رطوبت ان کی غذا ہوتی ہے۔

بعض اتنے خوبصورت اور ستارے کی مانند درخشاں ہوتے ہیں وہ اپنے منہ کو اپنے گھر سے باہر نکال لیتے ہیں اور ادھر اُدھر کچھ کھاتے پیتے ہیں اور جوں ہی کوئی خطرہ پیدا ہوا دفعتاً اپنا منہ اندر کر لیتے ہیں اور اس سوراخ پر ایسے سخت قسم کی کوئی آڑ لگا کر اس کو بند کر دیتے ہیں کہ باہر سے کوئی اس کے اندر نہیں جا سکتا اور اس طرح وہ اس میں چاروں طرف بند ہو جاتے ہیں خدا کی قدرت کو دیکھو کہ کس طرح ان کا گھر بنایا اور ان کو گھر میں محفوظ ہو جانے کی کیسی حکمت سکھائی مختصر یہ کہ خدا نے کسی کو محروم نہیں رکھا سب کو اس کی مناسب اور مفید چیزیں عطا کی ہیں وہ اپنی تمام مخلوقات کی پوری حفاظت کرتا ہے خواہ وہ مخلوقات پہاڑوں میں رہتی ہو یا ٹیلوں پر یا سمندر کی گہرائی میں۔

رنگین مچھلیاں: مچھلیاں بھی طرح طرح کی ہیں بعض وہ ہیں جو سمندر کی گہرائی سے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو قریب کے کناروں پر خشکی سے غذا حاصل کرتی ہیں ان میں قسم قسم کے رنگین نقوش ہوتے ہیں اور یہ رنگا رنگ کے نقش و نگار بھی قدرت ان کے فضلہ غذا سے تیار کرتی ہے جس طرح گھاس کھانے والے جانوروں میں ان کے فضلہ غذا سے صاف وشفاف میٹھا دودھ تیار ہوتا ہے۔

یہ رنگین مچھلیاں جب کسی ایسی چیز کے اثر کو محفوظ کرتی ہیں جس سے ان کے رنگ میں کوئی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ معاً اپنے پیٹ سے خاص قسم کے مادے کو نکال کر اس

Marfat.com

مقام کو صاف کر دیتی ہیں اور پھر پانی کے اندر جا کر اس میں دوسری تبدیلی کر دیتی ہیں اس قسم کی ہزاروں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جن کو بجز خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔

پر دار مچھلیاں، بعض مچھلیاں پر دار ہوتی ہیں اور ادھر ادھر حرکت کرنے میں چمگادڑ کی طرح اڑتی ہیں اور دیکھنے میں خشکی کے پرندے کی طرح معلوم ہوتی ہیں اس طرح وہ اپنے پروں سے اڑنے کا کام لیتی ہیں۔

کچھ مچھلیاں ایسی ہوتی ہیں جو بہت چھوٹی اور کمزور ہوتی ہیں اور نہروں نالوں میں بیشتر ہوتی ہیں ان میں قدرت نے ایک خصوصیت ایسی رکھی ہے جو ان کی حفاظت کرتی ہے ذرا کسی نے اس کو پکڑا تو ہاتھ اور جسم کو سن کر دیتی ہے اس لئے اس کو کوئی پکڑتا نہیں۔

غرضکہ مخلوقات الٰہی کی عجیب وغریب حکمتوں اور لطافتوں کو کوئی لکھنے بیٹھے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں مگر ان کو پورا نہیں کر سکتا یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ صرف بطور مشتے از خروارے ہے گویا خدا کی بے شمار حکمتوں کی طرف ایک اشارہ کیا ہے جو غافل ہیں وہ اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردہ کو ہٹا کر اس کی حکمتوں کا نظارہ کریں۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

Marfat.com

نباتات کی حکمتوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

امن خلق السمٰوات والارض
وانزل لکم من السماء ماء
فانبتنا به حدائق ذات بهجة ما
كان لكم ان تنبتوا شجرها االه
مع الله بل هم قوم يعدلون،

وہ ذات جس نے آسمان وزمین کو بنایا تمہارے
لئے آسمان سے پانی برسایا اس پانی سے پررونق
باغ اگائے تم سے یہ ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں
کے درختوں کو اگا سکو اب بتاؤ کہ وہ ذات بہتر
ہے یا کوئی دوسرا معبود ہے جو اس کی عبادت میں
شریک ہے، یہ مشرکین پھر بھی نہیں مانتے بلکہ خدا
کو دوسروں کے مقابل ٹھہراتے ہیں۔

سردی جلد بصحن بوستان
در ہوائے قامت دلجوئے تو

زمین پر نباتات کو دیکھو کیسی سرسبز وشاداب اور خوشنما معلوم ہوتی ہے اس میں انسانوں اور دوسرے حیوانات کے لئے کتنے بے شمار فائدے اور اغراض پوشیدہ ہیں۔ پھر ان کی حفاظت کا سامان اس طرح کیا ہے کہ بیج اور گٹھلی کو اس کے اصل قرار دیا۔ اور اس کے اندر یہ ساری نباتات اس طرح سے محفوظ رکھدی کہ انسانی عقل حیرت میں ہیں اس نباتات میں غلے بھی ہیں اور پھل پھول بھی، اور ترکاریاں بھی جو انسان کے کام آتی ہیں، گھاس اور چارہ بھی ہے جو جانوروں کی خوراک کا سامان ہے اس میں جلانے کی اور عمارتوں میں کام آنے والی لکڑی بھی شامل ہے۔ اسی سے وہ لکڑی بھی حاصل ہوتی ہے جو جہاز اور کشتیوں کے بنانے میں کام آتی ہے اور کہاں تک اس کے فائدوں اور بے شمار حکمتوں کو بتایا جائے اس نباتات کا ایک ایک حصہ پھل اور پھول شاخیں اور پتے حتیٰ کہ اس کی جڑیں تک کام میں لائی جاتی ہیں بے شک خدا

Marfat.com

نے کوئی چیز بے کار نہیں بنائی اس نباتات سے عصارے جو شاندے گونداور طرح طرح کے عروق تیار کیے جاتے ہیں۔

اگر یہ پھل زمین پر ایک جگہ اکھٹے ہو جایا کریں اور اس طرح درختوں پر شاخوں پر بیلوں پر نہ آتے تو انسان کتنے بے شمار فائدوں سے محروم ہو جاتا اور زندگی کی کتنی ضروریات کی فراہمی میں رکاوٹ ہوتی نہ اس کو جلانے کے لئے ایندھن میسر آتا نہ عمارتوں کے لئے لکڑی دستیاب ہوتی نہ جانوروں کے لئے چارہ ملتا اور نہ دوا دارو وغیرہ وغیرہ ضرورتوں کے لئے دوسری چیزیں حاصل ہوتیں جو موجودہ شکل میں حاصل ہوتی ہیں۔

اس کی قدرت کو دیکھو کہ ایک دانہ زمین میں ڈالو سو دانے حاصل کر لو اور اس سے بھی زائد اس کی برکت ہے حکمت ہے اپنی ضرورتوں میں کام لو ضرورت سے بچ جائے تو آئندہ پیش آنیوالی ضرورتوں کے لئے ذخیرہ کر لو اس کی مثال بالکل ایک بادشاہ کی سی ہے جو کسی مقام کو آباد کرنے کے ارادے سے وہاں کے باشندوں کو کچھ بیج بونے کے لئے دیدے اور کہدے کہ ان کو بو اور اس سے جو کاشت ہو اس کو اپنی خوراک و دیگر ضروریات میں صرف کرو پس اسی طرح سے خدا نے اپنے بندوں پر انعام فرمایا ہے اور زمین اور ملکوں کو بسا کر ان پر احسان عظیم کیا یہ درخت اور نباتات بڑھتے ہیں اور پھل پھول لاتے ہیں پھر بوئے جاتے ہیں یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور یہی اس کی بقاء و دوام کا ضامن ہے اگر اس طرح نہ ہوتا تو یہ نعمت بس ایک مرتبہ کے بعد تمام ہو جاتی اور جاری نہ رہ سکتی اس میں قدرت کی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

ان دانوں کی پیدائش اور اس کی صورت کو دیکھو کہ کس حسن وخوبی سے ایک قدرتی ظرف میں ترتیب دیدیتے ہیں گویا کہ دانوں سے قرینہ سے بھری ہوئی ایک تھیلی ہے جو اپنی زبان حال سے صناع کی قدرت کی گواہی دے رہی ہے یہ دانوں سے بھری ہوئی تھیلی اپنے دانوں کو اس وقت تک محفوظ رکھتی ہے کہ وہ پختہ ہو کر استعمال کے قابل ہو جائیں ٹھیک اس جھلی (مشیم) بچہ دانی کی طرح جو بچہ کی تکمیل ہونے تک پوری حفاظت کرتی ہے۔

یہ دانے ایک خاص قسم کے چھلکے میں بند ہوتے ہیں جن کے سروں پر نیزوں کی طرح سے تیز اور سخت چھلکے ہوتے ہیں گویا وہ پرندوں سے اپنے اندر کے خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں پس خدا کی قدرت اور حکمت کو دیکھو کہ اس نے نباتات کے ان تیار ذخیروں کو پرندوں کی دسترس سے کس طرح محفوظ کر دیا ہے اگرچہ یہ غلہ پرندوں کی غذا ہے تاہم انسان کی ضرورت پہلے درجہ پر ہے۔

Marfat.com

نباتات بھی انسان وحیوان کی طرح اپنے لئے غذا کے محتاج ہیں لیکن قدرت نے نباتات میں انتقال مکانی کی قوت نہیں بخشی جو اپنے لئے روزی تلاش کریں اس لئے قدرت نے ان کی جڑوں کو زمین کی گہرائی میں مرکوز کر دیا ہے تا کہ وہ مٹی اور پانی ہر وقت حاصل کر سکیں اور اس طرح یہ جڑیں زمین سے تری حاصل کر کے شاخوں، ٹہنیوں، پھل پھول اور پتوں تک پہنچا دیں گویا زمین ان کے لئے ایک پرورش کرنے والی مہربان ماں کی جگہ ہے اور ان کی جڑیں ان کے لئے منہ کے قائم مقام ہیں کہ گویا زمین سے رطوبت چوس کر اپنے سارے جسم کو قوت پہنچاتی ہیں جس طرح ایک بچہ ماں کی چھاتی سے دودھ پی کر قوت حاصل کرتا ہے۔

تم نے خیموں کو نصب ہوتے دیکھا ہوگا اس کی طنابیں اور رسیاں جو چاروں طرف اس کو سادھے ہوئے رہتی ہیں کہ کسی ایک طرف کو جھکنے نہ پائے اور پورا خیمہ سیدھا اور درست رہے اسی طرح نباتات کا حال ہے کہ اس کی جڑی زمین میں چاروں طرف اس طرح سے پھیلی ہوئی ہیں کہ اس کو گرنے اور کسی طرف جھکنے سے روکے رہیں اگر ایسا نہ ہو تو بڑے بڑے اور اونچے درخت کس طرح سے اپنے کو قائم رکھ سکتے ہیں بالخصوص جب طوفانی ہوائیں چلتی ہوں یہ اس خالق کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے اس طرح سے انتظام قائم کیا ہے اور پھر اس قدرتی نظام کو دیکھ کر انسان اپنے اعمال میں اس کی پیروی کرتا ہے اور اپنے بگڑے ہوئے کاموں کو بنالیتا ہے۔

سر دمی جنبد بصحن بوستان

در ہوائے قامت دلجوی تو

کسی درخت کے ایک پتہ کو لو اور اس پر غور کرو اس میں باریک اور موٹی نسیں دکھائی دیں گی کچھ طول میں کچھ عرض میں پھیلی ہوئی اور ان عروق کا کیسا جال ایک پتہ میں بچھا ہوا ہے انسان میں یہ طاقت کہاں کہ وہ اس طرح سے کام انجام دے سکے ایک ہی پتہ کے نقش ونگار میں طویل عرصہ کی ضرورت ہوگی پھر بھی نقل ہوگی جو اصل سے مطابق نہ ہوگی یہ قدرت کا کام ہے اس کے ایک اشارے پر کروڑوں پتوں پر پھولوں پر گل کاریاں نظر آتی ہیں اور نہ کسی قلم کی ضرورت اور نہ کسی دوسرے آلہ کی ضرورت اور پھر اس کثرت کے ساتھ پہاڑ جنگل میدان کوئی جگہ باقی نہیں جہاں پھول پتوں پر یہ گل کاریاں نہ ہوں اور یہ خالی نقش ونگار محض حسن خوبصورتی نہیں بلکہ پتہ کی پرورش میں بڑا کام انجام دیتے ہیں ان رگوں کے ذریعہ یہ پتے میں رطوبت اور مادہ کو پہنچانے میں مدد دیتے ہیں ٹھیک اسی طرح کہ ایک انسان اور حیوان کے جسم میں رگوں

Marfat.com

اور نسوں کا ایک جال بچھا ہوتا ہے اور وہ ہر ہر عضو کو غذا پہنچانے کا کام کرتا ہے۔

پتہ میں جو موٹی نسیں ہوتی ہیں وہ پتہ کو سادھے رہتی ہیں تا کہ وہ اپنے کو قائم رکھ سکے ورنہ نرم اور ہلکا ہونے کے باعث وہ اپنے کو قائم نہیں رکھ سکتا اور ہوا کے تیز جھونکے اس کو پاش پاش کر دیں گے۔

اب گٹھلی اور اس کی حکمت پر غور کرو پھل کے درمیان اس کو محفوظ کیا ہے اگر کسی آفت ارضی اور سماوی سے پیڑ ضایع ہو جائیں تو یہ گٹھلی ان کا قائم مقام ہو اور پھر سے درختوں کے لگانے اور پیدا کرنے کا سامان مہیا کر دے۔ یقیناً اس نظریہ سے نہایت قیمتی اور قابل حفاظت چیز ہے کہ اس کے ذخیروں کو محفوظ کر لیا جائے یہ گٹھلی اگر چہ خود سخت جسم رکھتی ہے مگر نرم پھلوں میں بھی کسی طرح سے چسپاں اور ملی ہوئی ہوتی ہے اگر اس طرح نہ ہوتی تو پھر پھلوں کے پختہ ہونے سے قبل ہی اس میں خرابی پیدا ہو کر پھل کو بھی ضایع کر دیتی بعض گٹھلیاں کھانے کے کام میں بھی آتی ہیں ان سے تیل بھی کشید کیئے جاتے ہیں اور کھانوں میں اور دیگر اشیاء کے استعمال میں لایا جاتا ہے گٹھلی کے اوپر کس طرح سے ایک ہلکا سا ورق چڑھا ہوتا ہے اور کس حکمت سے وہ اس میں محفوظ ہوتی ہے اور اس میں کیسی کیسی لذت اور فائدے مضمر ہیں۔ یقیناً قدرت کی بڑی صناعی کا پتہ چلتا ہے۔

اس گٹھلی میں جو خاصیتیں اور اثرات قدرت نے ودیعت فرمائے ہیں جس طرح منی کے ناپاک قطرہ میں انسانی تخلیق کے راز کو پوشیدہ کر دیا ہے یہ سب راز اور حکمتوں کا جاننے والا وہی خدا ہے جس نے ان کو بنایا ہے۔

اس گٹھلی پر ایک سخت قسم کا غلاف چڑھا کر قدرت نے کتنی عظیم حکمت کا پتہ دیا کہ کہیں اگر گر جائے تو اس غلاف کی وجہ سے گٹھلی خراب نہیں ہوتی اگر اس کو ذخیرہ کیا جائے تو بھی جلد فاسد نہیں ہوتی بلکہ اس غلاف کی وجہ سے کچھ دن محفوظ رہتی ہے گویا وہ غلاف ایک صندوق یا بکس ہے جس کے اندر ایک قیمتی جوہر محفوظ ہے۔

ایک گٹھلی کو جب زمین میں رکھیں اور پانی دیں تو اس میں سے نسیں نکلتی ہیں ٹہنی نکلتی ہے اور جوں جوں اس میں بالیدگی ہوتی ہے نیچے سے نسیں اور جڑیں زمین کے اندر مرکوز ہو جاتی ہیں جس سے یہ درخت مضبوطی سے اپنے تنے پر قائم رہتا ہے اور انھیں جڑوں کے واسطے سے درخت اپنی غذا حاصل کرتا ہے اس طرح سے زمین کے نیچے رطوبت اوپر کی شاخوں ،ٹہنیوں، پھلوں ، پھولوں پتوں تک پہنچتی ہے اور نہایت انصاف سے یہ تقسیم ہوتی ہے گویا قدرت اپنی

Marfat.com

حکمت و انداز سے جس کو جس قدر پانی اور رطوبت درکار ہوتی ہے اتنا ہی اس کو پہنچاتی ہے اور پھر ہر ایک کو اس کے مناسب غذا پہنچتی ہے اسی رطوبت سے پھولوں میں رنگ، خوشبو، پھلوں میں ذائقہ، لذت یہ سب کچھ قدرت کے نظام سے مکمل ہوتا ہے۔

پھلوں کے آنے سے پہلے قدرت پتوں کو پیدا کرتی ہے نازک پھل اپنی حفاظت کے لئے ان پتوں کے محتاج ہیں تاکہ تند ہواؤں کے جھونکوں اور سورج کی تمازت سے ان کی حفاظت ہو اور پھل ضائع نہ ہو جائے سردی اور گرمی کی شدت کے اثر سے پھلوں کی حفاظت ان پتوں سے کی جاتی ہے اور پھر سردی گرمی، ہوا، دھوپ یہ سب چیزیں پتوں سے چھن چھن کر پھلوں تک پہنچتی ہیں اور پھلوں کے پختہ ہونے میں مدد دیتی ہیں پھل کو اپنی پختگی کے لئے ان تمام چیزوں کی ضرورت ہے اور یہی چیزیں پھلوں کو سڑنے گلنے اور خراب ہونے سے روکتی ہیں

دیکھو خدا نے درختوں پھلوں اور پھولوں کو کس بہتر طریقہ سے مرتب کیا ہے ان کے مختلف رنگ اور گوناگوں شکل وصورت اور طرح طرح کے ذائقہ اور ان کی قسم قسم کی بھینی بھینی خوشبوئیں پھر کوئی بڑا ہے اور کوئی درمیانی کوئی سرخ ہے تو کوئی پیلا کوئی سفید ہے تو کوئی سبز کوئی رنگ میں شدید ہے تو کوئی ہلکا، اور کوئی درمیانی نہ زیادہ تیز اور نہ زیادہ ہلکا اسی تناسب سے ان کے مختلف ذائقے کوئی میٹھا ہے کوئی ترش کوئی سیٹھا ہے تو کوئی تلخ ان کی خوشبو بھی کیسی بھینی بھینی اور اچھی ہوتی ہے اور ہر پھول اور پھل کی خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ان کی تمام تفصیلات ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ جس کو پڑھ کر ایک صاحب عقل وبصیرت کے ایمان میں روشنی اور خدا کی قدرت کا یقین پیدا ہوتا ہے ان چیزوں کو دیکھ کر قلب میں کیسی مسرت اور خوشی محسوس ہوتی ہے ان کی تازگی اور طراوٹ کو دیکھ کر روح کو خوشی حاصل ہوتی ہے ان کے باطن میں جو اثرات وفوائد پوشیدہ ہیں ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا ان میں ایسی قوتیں ہیں جن سے زندگی کو بڑی غذا اور قوت پہنچتی ہے کھانے میں اس کی لذت وخوشبو سے عجب انبساط مسرت ہوتی ہے ان کی گٹھلی یا بیج محفوظ ہیں خشک ہونے پر ان سے پھر کاشت حاصل کی جا سکتی ہے کیسے کیسے فوائد اور ذائقے قدرت نے ان پھلوں میں رکھے ہیں۔

خدا نے فرمایا۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ
طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ

Marfat.com

للاکلین۔

اس پانی سے ہم نے زیتون کا درخت پیدا کیا جو
طور سینا (پہاڑ کا نام) میں بکثرت پایا جاتا ہے جو
اگتا ہے تیل لیے ہوئے اور کھانے والوں کے
لئے سالن لئے ہوئے۔

خدا نے پتھر اور پانی کے درمیان سے صاف لذیز اور نہایت کار آمد زیتون کا تیل پیدا کیا جس طرح اس نے اپنی قدرت سے گوبر اور خون اور گندی چیزوں کے درمیان سفید شیریں اور سفید دودھ پیدا فرمایا اور شہد کی مکھیوں سے خالص شہد، جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں جس میں لذت وفرحت کے علاوہ بہت سے امراض سے شفا بھی ہے۔

زمین کی گہرائی سے جڑوں نسوں اور شاخوں کے ذریعہ درخت کی اونچی اور بلند شاخوں تک پانی کا پہنچنا کیسا حیرت انگیز کرشمہء قدرت ہے اس طرح غذا کے پہنچانے میں ایک تناسب یہ بھی ملحوظ ہے کہ بیج میں وہی جزو پہنچیں جو اس کے مناسب ہیں، اور پھل میں وہ جو اس کے مناسب ہو شاخوں ٹہنیوں میں وہ جو اس کے وجود اور قیام کے مناسب ہو۔

کھجوروں پر نظر کیجئے، ابتدا میں وہ نہایت کمزور اور ضعیف حالت میں ہوتی ہے کس عجیب حکمت سے اس کو اس طرح مرتب کیا ہے کہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہونے سے محفوظ ہیں ان پر ایک غلاف کا پردہ چڑھا دیا کہ اس کی حفاظت ہو اور جب وہ پختہ اور کامل ہو تو پھر وہ غلاف تدریجی طور پر شق ہو کر پھل ظاہر ہو جائے اور اس طرح کہ ہوا اور سورج کی گرمی، سردی کا متحمل ہو سکے یہی نظام قدرت اور عجب حکمت تمام درختوں اور ان کے پھلوں پھولوں میں کار فرما ہے۔

انار کے پھل پر غور کیجئے کس عجیب حکمت سے اس کے اندر دانوں کے اندر ترتیب دیا ہے دانوں کو علیحدہ علیحدہ کس طرح سے خانوں میں تقسیم کیا ہے پھر ان پر ہلکے ہلکے پردے حفاظت کے لئے ہیں ایک موٹے اور نرم گودے میں وہ دانے جڑے ہیں نیچے سے موٹا اور اوپر سے باریک غلاف میں محفوظ کر دیا گیا ہے تا کہ وہ ایک مقام پر مرتب رہ کر پرورش پا سکیں اور کسی ضرب کے پڑنے سے وہ منتشر ہو کر خراب نہ ہوں دیکھو یہ سب کچھ بندوں کے نفع کی خاطر خدا نے انتظامات کیے ہیں ان میں غذا بھی ہے اور دوا بھی اور پھر ذخیرہ کے رکھنے کی صلاحیت وقابلیت بھی تا کہ بے موسم ضرورت پڑنے پر کام آ سکیں جس زمانہ میں درخت پر پھل نہیں

Marfat.com

آتے گویا اس طرح ان کی حفاظت کا سامان کر دیا انار کی اس شاخ کو دیکھو جس میں انار لگا ہوتا ہے جب تک انار پختہ ہو کر کھانے کے قابل نہیں ہوتا اس وقت تک یہ شاخ انار کو روکے رہتی ہے۔

اس نباتات کو دیکھو جو زمین کی سطح پر پھیلتی ہیں جیسے بیلیں ان کی شاخیں نرم اور کمزور ہوتی ہیں ان کو ہر وقت تری کی ضرورت ہے وہ پھلوں کو اٹھانے کی متحمل نہیں ہوتی قدرت نے ان کو اس طرح بنایا ہے کہ یہ زمین پر ہی پھیلتی ہیں ورنہ پھلوں کے زمانہ میں بڑی مشکل ہوتی اور پھر یہ پھل ایسے موسم میں آتے ہیں جب طبیعت ان کی خواہش مند ہوتی ہے اگر یہ ٹھنڈے پھل سردی کے زمانہ میں آتے تو ایک طرف تو طبیعت اس سے متنفر ہوتی اور ایسے وقت اس کے کھانے سے نقصان ہوتا۔

کھجور میں نر و مادہ پیدا کیے اس لئے وہ تاوقتیکہ یہ دونوں موجود نہ ہوں پھل نہیں دیتے یہ خدا کی قدرت ہے کہ انسان وحیوان کی طرح سے اس درخت میں نر و مادہ کو ملحوظ رکھا تا کہ اس سے قدرت مزید آشکارہ ہو ان نباتات میں جڑی بوٹیاں بھی شامل ہیں اور وہ کیسے کیسے عظیم منافع وفوائد اپنے اندر پوشیدہ کیئے ہوئے ہیں۔

ان کے خواص واثرات پر نظر کرنے سے خدا کی قدرت معلوم ہوتی ہے ظاہر میں وہ جنگل کی گھاس معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ انسانی امراض کے دور کرنے کے لئے بیش بہا دواؤں کا خزانہ ہے اگر کوئی دوا بدن کے تمام فضلات کو نکالنے کے کام آتی ہے تو دوسری صفراء کے دفع کرنے کے لئے، تیسری ریاح خارج کرنے کے لئے اور چوتھی طبیعت کے سکون اور ٹھہرانے کے لئے کوئی مسہل ہے تو کوئی قابض کوئی قے لانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے تو کوئی تسکین طبیعت کے کام میں آتی ہے دیکھو قدرت نے کیسے کیسے راز پوشیدہ کیئے ہیں اور یہ سب انسانی فائدے کے لئے ہیں۔

فلسفی سرحقیقت نتوانست کشود
گشت راز دگر آں راز کہ افشائی کرد

Marfat.com

دلوں میں خدا کی عظمت پیدا کرنے کا بیان

خدا تعالیٰ نے فرمایا،

تسبح لہ السمٰوات السبع والارض ومن فیھن وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم انہ کان حلیما غفورا،

ساتوں آسمانوں اور زمین اور ان میں کی تمام چیزیں اس کی پاکی بیان کرتی ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو زبان حال یا قال سے اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو، لیکن تم ان کی پاکی بیان کرنے کو نہیں سمجھتے ہو وہ بڑا حکیم اور بڑا غفور ہے۔

دوسری جگہ فرمایا،

تکاد السمٰوات یتفطرن من فوقھن والملٰئکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض۔

کچھ عجب نہیں کہ آسمان اپنے اوپر پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں۔

خدا نے فرمایا

ویسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ۔

رعد (فرشتہ) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اس

Marfat.com

کے خوف سے پاکی بیان کرتے ہیں۔

اوپر جو کچھ عجائبات قدرت میں حکمتوں اور کاریگریوں کا مذکور ہوا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس خالق کائنات کی رفعت وقدرت اور اس کی عظمت وہیبت کس درجہ ارفع واعلیٰ ہے اگر تم اپنی ذات میں غور کرو اس میں اس کی بڑی قدرت وحکمت پاؤ گے۔ پھر اپنے مستقر یعنی زمین پر نظر کرو کیسی کیسی نعمتیں وحکمتیں نظر آئیں گی بلند پہاڑ اور اونچے ٹیلے وسیع میدان اور بہتے دریا اور بہتا سمندر ان دریاؤں، نہروں، سمندر میں جو عجائبات ہیں زمین پر نباتات شجرو حجر پر غور کرو چوپایوں جانوروں اور پرندوں کو دیکھو اہل بصیرت کے لئے کیا کچھ درس ونصیحت ہے۔ یہ ساری چیزیں ان کی حکمتیں ان کے فوائد کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ یہ ایسی وسیع زمین اور اس پر بسنے والی تمام مخلوقات آسمان کی وسعت کے مقابلے میں ایسی ہے گویا ایک چھلہ زمین پر ڈال دیا جائے اس سے آسمان اور اس کے ستاروں کی وسعت وطول وعرض کا اندازہ کرو، آفتاب جو آسمانی سیاروں میں سے ایک روشن وتابناک سیارہ ہے۔ سیاحین کی جماعت نے آسمانی سیاروں کی بابت سفر کئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ آفتاب زمین سے ایک سو ساٹھ حصہ بڑا ہے اور بعض دوسرے سیارے زمین سے سو سو حصے زائد ہیں۔ اب تم دیکھو کہ یہ آفتاب وماہتاب اور دوسرے بے شمار سیارے جو آسمان پر بکھرے ہوئے ہیں۔ اور تمام آسمان ان سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ ان سیاروں میں سے بعض کی وسعت ہم نے بتادی اب کم وبیش لاکھوں سیارے آسمان کی وسعت میں موجود ہیں ان سے آسمان کی وسعت لمبائی چوڑائی کا اندازہ کرو اور پھر یہ ایسے وسیع سیارے تمہاری آنکھ کے چھوٹے سے ڈھیلے میں سماتے ہیں تو اس سے ان کی دوری اور بعد مسافت کا اندازہ کرو۔ اسی طرح ان کی حرکت کو تم محسوس نہیں کر سکتے اور اسی طرح آسمان کی حرکت ہے جس کو ہم نہیں محسوس کرتے ہیں اور یہاں تک لاعلمی ہے کہ ہم میں سے اکثر تو اس سے قطعاً غافل اور بے خبر ہیں ان چیزوں کی عظمت اور بڑائی پر نظر کر کے اب تم خدائے قدوس کی قرآنی قسموں کو سنو۔

اس نے فرمایا:۔

والسماء ذات البروج

قسم ہے برجوں والے آسمان کی

والسماء والطارق وما ادراك

ما الطارق النجم الثاقب۔

Marfat.com

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار
ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ
رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے۔ وہ ایک
روشن ستارہ ہے۔

فلا اقسم بمواقع النجوم وانه
لقسم لو تعلمون عظیم۔

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور
اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔

اسی طرح تم عالم علوی اور اس کے بسنے والے فرشتے وغیرہ پر نظر کرو، جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت اسرافیل فرشتے کی بابت ذکر کیا، اسرافیل کو آپ دیکھیں گے تو آپ کو تعجب ہوگا عرش ان کی پشت پر ہے، اور ان کے دونوں پاؤں زمین کی تہ میں ہیں اور اس سے زیادہ رفعت وعظمت خدا کے اس فرمان سے سمجھو اس نے فرمایا،

وسع کرسیه السموات والارض

اس کی کرسی نے سب آسمان وزمین کو اپنے اندر
لے رکھا ہے۔

اس کی وسعت سے اس مخلوق کی عظمت ووسعت کا اندازہ کرو اور اس ذات کو سمجھو جس نے ایسی ایسی عظیم المرتبہ اور عظیم الشان اور وسیع وارفع مخلوقات بنائی ہے اور کیسی کیسی حکمتیں وتدبیریں اور کیا کیا فائدے اور منفعتیں ان کے وجود میں رکھی ہیں۔ پھر ایسا عظیم الشان آسمان اور اس پر ایسے ایسے وسیع وعظیم بے شمار سیارے اور بسنے والی مخلوق اور یہ آسمان سب کو اپنے میں لئے ہوئے ہیں۔ اور بغیر کسی ستون اور ظاہری بندش کے آج تک استحکام اور پائیداری سے قائم ہے۔ پس جو ان اشیاء پر نظر کرے گا۔ اور ملکوت السمٰوات والارض میں غور وفکر سے کام کرے گا۔

اس کے خالق کی عظمت ورفعت اس کے دل میں پیدا ہوگی اور جوں جوں اس کی کائنات وصنعت میں تدبر کرے گا اس کی معرفت زیادہ ہوگی پس لوگوں میں یہ معرفت ونور متفاوت ہیں اور اسی اعتبار سے ان کو نور ہدایت ونور عقل بخشا گیا ہے پس حقیقی وسیلہ اور اس کی

Marfat.com

معرفت تک پہنچانے کا ذریعہ اس کی کتاب عزیز کی تلاوت اور اس میں تدبر تفکر ہے اس کی حقیقی معرفت کا یہی دروازہ ہے۔

اب تم سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ قرآن اترا اس میں غور وفکر کرنے اور اس پر عمل کرنے سے انتہائی مقام تک پہنچے خالق کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا امور آخرت کا یقین حاصل ہوا معراج کمال تک اس حد تک رسائی ہوئی کہ کمان کے دونوں چلوں سے بھی زیادہ اپنے رب سے قریب ہو گئے۔

دنیٰ فتدلی،فکان قاب قوسین او
ادنیٰ۔

پس ایسے علم و معرفت کی کیا شان ہو گی کہ خدا کی طرف سے جس کے حاصل کرنے کے لئے دعا کا حکم کیا جائے اور ایسے نور معرفت وہدایت سے نوازا اس سے بڑھکر خالق کا اور کیا احسان ہو گا کہ ہم تمام انسانوں کو اس کی اتباع واطاعت کی توفیق بخشی جس راستے پر چل کر ہم خدا کے دوستوں میں شمار ہوئے سچ ہے،

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید
زمین زنکتہ فرد ماندراز من باقی ست بضاعت
سخن آخر شد وسخن باقی است

اللھم وفقنا لما تحب وترضی وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

Marfat.com

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ

حقیقت روح انسانی

اجوبۃ الغزالی فی المسائل الاخرویہ وحل
مسائل غامضہ مصنفہ امام محمد غزالی
رحمۃ اللہ علیہ معہ حواشی جدیدہ جناب
فخر پنجاب مفتی شاہ دین صاحب
دام فیضہ بہ اضافہ عبارت وفصل اخیر
بماہ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

Marfat.com

سب تعریف اللہ کو ہے جو[1] عقل کا بخشنے والا اور حواس اور خیال سے جو اشیاء غائب اور لطیف ہیں ان کے ادراک کا ہمارے لئے راستہ بنانے والا اور اس دل کے وسیلہ سے جو عالم ملکوت میں جولان کرتا ہے علوم غامضہ اور مشکلہ کے استنباط کے طریقہ کا بتانے والا ہے اور ہم اس سے عقل اور قلب کے نور کی زیادتی اور نفس[2] امارہ کے اکھیڑنے پر مدد مانگتے ہیں اور یہ بھی مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مخلصوں اور موحدوں کے گروہ سے کرے اور اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع اور محبت کی برکت سے امورات دنیاوی کی طرف میلان کرنے سے محفوظ رکھے کہ وہی حافظ اور مددگار ہے۔ امابعد مسکین مفتی شاہ دین ابن حضرت شیخ محکم الدین صاحب چک مغلانونی پرگنہ نکودر ضلع جالندھر عفی اللہ تعالیٰ عنہ وعن اقاربھا و سائر المسلمین حضرات سالکین طریقت کی خدمت میں عرض ہے کہ اتفاقاً ایک رسالہ موسوم بحل مسائل

---

[1] عقل کا لفظ مشترک ہے حقائق امور کے جاننے یعنی صفت علمی کو جس کا محل قلب ہے عقل کہتے ہیں اور لطیفہ ربانی یعنی روح انسانی پر بھی عقل کا اطلاق کرتے ہیں ایسا ہی قلب بھی مشترک لفظ ہے قلب جسمانی کو بھی قلب کہتے ہیں جو ایک گوشت کا ٹکڑا گاؤدُم سینے کی بائیں جانب منبع قوت جسمانی یعنی روح حیوانی کا ہے اور لطیفہ ربانی یعنی نفس ناطقہ پر بھی قلب کا اطلاق آتا ہے جس کو قلب جسمانی سے تعلق ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[2] نفس امارہ روح یعنی نفس ناطقہ ہی کو کہتے ہیں لیکن خاص اس حالت میں کہ جب متصف باخلاق ذمیمہ اور شہوات کے طالع ہو جائے اور جس وقت نفس ناطقہ کو معرضہ شہوات سے اضطراب زائل اور حکم الٰہی کے ماتحت حصول اطمینان ہو نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور جب اضطراب اس کا بالکل زائل ہو لیکن نفس شہوانیہ یعنی نفس امارہ کے مدافع ہو نفس لوامہ بولتے ہیں غرض یہ کہ روح ہی کو بلحاظ حالات مذکورہ نفس مطمئنہ اور لوامہ اور امارہ کہا کرتے ہیں۔ مفتی شاہ دین۔

Marfat.com

غامضہ مصنفہ حضرت رئیس العلماء حجت الاسلام محمد ابو حامد امام غزالیؒ صاحب کا بیان روح و دیگر مسائل مشکلہ میں اس ناکارۂ خلائق کے ہاتھ لگا جب وہ دیکھا گیا تو ایسے مسائل اس میں نظر آئے کہ کسی عالم نے وہ بیان نہیں فرمائے اور نہ کسی فاضل کے زیر قلم آئے چونکہ وہ رسالہ عربی زبان میں تھا اور عام لوگوں کا فہم اس کے سمجھنے سے قاصر اس لئے بہ نظر افادۂ عام اس عاجز نے اس کو اردو زبان میں ترجمہ کیا اور اکثر حواشی جدیدہ سے اس کے مضامین کی توضیح بھی کر دی اور بعد تتبع کتب احادیث کے ہر حدیث کے مخرج کا حوالہ حاشیہ پر لکھدیا اور اس کا نام حقیقت روح انسانی رکھا اب امید حضرات ناظرین سے یہی ہے کہ جب اس رسالہ سے فائدہ اٹھائیں اس مسکین کو دعائے خاتمہ بالخیر سے یاد فرمائیں بھی بزرگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ اہل دعائے خیر سے عاجز کو یاد شاد کریں من اللہ التوفیق وعلیہ التوکل۔

بعد تسمیہ وتمہید کے فرمایا ابو حامد محمد امام غزالی ابن محمد الغزالیؒ نے کہ سائلوں نے مجھ سے چند سوال جو اہلوں کے لائق اور نااہلوں سے بچائے گئے تھے دریافت کیے جب میں نے ان میں ہدایت کے آثار اور سمجھ کی علامات دیکھیں تو ان کی التماس کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگی کہ وہ بندوں کا جمع کرنے والا اور نیک طریقہ کا ہدایت کرنے والا اور بندوں پر مہربان ہے پس سائلوں نے سوال کیا کہ کیا معنے ہیں، آیت فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین[1] کے میں نے جواب دیا کہ محل جو روح کے قابل ہو اس میں تاثیر کرنے کو تسویہ کہتے ہیں وہ محل صفائی اور اعتدال کے ساتھ آدم کے حق میں مٹی اور اس کی اولاد کے حق میں نطفہ ہے کیونکہ محض خشک چیز آگ کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ مٹی اور پتھر اور نہ محض رطب یعنی تر چیز آگ کو قبول کرتی ہے جیسا کہ پانی بلکہ آگ تو مرکب کے ساتھ متعلق ہوتی ہے نہ ہر مرکب سے جیسا کہ کیچڑ اس میں آگ شعلہ نہیں پکڑتی بلکہ اس کو ترکیب خاص چاہیے اور وہ خاص ترکیب یہ ہے کہ کثیف مٹی کو پیدائش کے کئی طوروں میں بدلہ جائے یہاں تک کہ وہ مٹی لطیف روئدگی یعنی انگوری بن جائے تب اس میں آگ شعلہ پکڑے ایسا ہی اللہ تعالیٰ مٹی کو ایک کے پیچھے کئی طوروں میں بدلتا ہے یہاں تک وہ روئدگی بنتی ہے پھر اس کو آدمی کھاتا ہے پھر وہ خون بنی ہے پھر قوت مغیرہ مرکبہ کے ہر حیوان میں رکھی گئی ہے اس خون میں سے خالص خون کو جو اعتدال سے بہت قریب ہوتا ہے چھانٹ لیتی ہے جب وہ خالص خون

---

[1] پھر جب ٹھیک بنا چکوں وہ جو مٹی کو اس میں ایک اپنی روح تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں۔

Marfat.com

نطفہ بن جاتا ہے اس کو عورت کا رحم قبول کرتا ہے اس میں جب منی عورت کی ملتی ہے تو اعتدال زیادہ بڑھ جاتا ہے پھر عورت کا رحم یعنی بچہ دان اس کو اپنی حرارت سے پکاتا ہے تب اس میں مناسبت زیادہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ صفائی اور اعتدال میں باہمی نسبت اجزاء کی نہایت کو پہنچتی ہے پھر وہ روح کو قبول کرنے اور اس کے تھامنے کے قابل ہو جاتا ہے جیسا کہ روغن پی ہوئی بتی شعلہ کے قبول کرنے اور اس کے تھامنے کی مستعد ہوتی ہے اور نطفہ اعتدال اور صفائی کے برابر ہونے کے وقت روح کے تھامنے اور اس کی تدبیر اور تصرف کا مستعد ہوتا ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ جواد کی طرف سے فیضان روح کا ہوتا ہے کہ وہ ہر مستحق کو بقدر استحقاق اور ہر مستعد کو بقدر لیاقت بغیر انکار اور بخل کے فیض بخشنے والا ہے پس تسویہ سے یہی افعال مراد ہیں کہ اصل نطفہ کو کئی طوروں میں بدل کر صفائی اور اعتدال کی خاص۲ صفت میں پہنچاتے ہیں پھر ان سائلوں نے نفخ کے معنی دریافت کئے میں نے جواب دیا کہ نفخ سے روح۳ کے نور کا نطفہ کی بتی میں روشن ہونا مراد ہے نفخ کے لئے صورت ہے اور ایک نتیجہ صورت تو یہ ہے کہ پھونکنے والے کے اندر سے اس چیز کی طرف جس کو پھونک رہا ہے ہوا کا نکلنا مثلاً جو لکڑی آگ کے قابل ہے جل اٹھے نفخ جل اٹھنے کا سبب ہے اور یہ نفخ یعنی پھونکنے کی صورت جو سبب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے اور مسبب یعنی نتیجہ محال نہیں اور کبھی سبب سے مجازاً وہ فعل مراد ہوتا ہے جو سبب سے حاصل ہوتا ہے اگرچہ وہ فعل جس کو دوسرے معنیٰ میں استعمال کیا ہے ان کی صورت پر نہ ہو جیسا کہ قولہ تعالیٰ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اور قولہ تعالیٰ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ صورت غضب کی غصہ والے میں ایک قسم کا تغیر ہے جس سے ایذاء حاصل ہوتی ہے اس کا نتیجہ مغضوب علیہ کو یعنی اس چیز کو جس پر غصہ کیا گیا ہے ایذاء دینا یا ہلاک کرنا ہے سو غضب سے نتیجہ

۱علم طب کے رو سے غذائے صالح کے کھانے کے بعد جب بہتر ساعتیں گزر جاتی ہیں تو منی پیدا ہوتی ہے۔ مفتی شاہ دین،

۲یہاں خاص صفت سے وہ صفت مراد ہے جس سے نطفہ فیضان روح کے قابل ہوتا ہے۔

۳☆ (روح کے لفظ کا اطلاق کئی معنوں پر آتا ہے روح انسانی یعنی نفس ناطقہ، روح حیوانی روح نفسانی۔ روح نباتی، قرآن شریف وحی فرشتہ عظیم الخلقت، حضرت عیسیٰ، حضرت جبرائیل وغیرہ یہاں معنی اول یعنی نفس ناطقہ مراد ہے اور اس رسالہ میں یہی مقصود بالبحث ہے یعنی روح انسانی معنی نفس ناطقہ ہی کی بحث یہاں مقصود ہے کیونکہ یہی ادراک کنندہ ہے اور اسی کی اصلاح سے قرب وجوار رب العالمین کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ مفتی شاہ دین سلم ربہ،

Marfat.com

غضب مراد ہے اور انتقام سے نتیجہ انتقام ایسا ہی یہاں نفخ سے نتیجہ نفخ مراد ہے اگرچہ نفخ یعنی پھونکنے کی صورت پر نہ ہو پھر مجھ سے سوال کیا کہ نطفہ کی بتی میں جو روح کا نور روشن ہوا ہے اس کا سبب کیا ہے میں نے جواب دیا کہ وہ تو ایک فاعل میں صفت ہے اور ایک قابل میں پس جو فاعل میں صفت ہے اس سے خدا کی بخشش مراد ہے جو منبع وجود ہے اس سے ہر قابل کو وجود عطا ہوتا ہے اس صفت کو قدرت سے تعبیر کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ سورج کی روشنی اجسام کے دور ہونے کے وقت ان چیزوں پر جو روشنی کے قابل ہیں پڑتی ہے پس جو چیزیں روشنی کے قابل ہیں وہ رنگدار چیزیں ہیں ہوا نہیں ہے کہ جس کا کچا رنگ ہی نہیں قابل کی صفت سے استوا اور اعتدال مراد ہے جو صفائی سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سویتہ قابل کی صفت کی مثال لو ہے کے صیقل جیسی ہے کہ جب آئینہ کو زنگار ڈھانپ لیتا ہے تو صورت کو قبول نہیں کرتا اگرچہ صورت اس کے مقابل ہی ہو جبکہ صیقل گرنے اس کو صیقل کر دیا تو جیسے اس میں صفائی حاصل ہوتی ہے ویسی ہی صورت دکھائی دیتی ہے ایسے ہی جب نطفہ میں استوا اور اعتدال حاصل ہو جاتا ہے تو خالق کی طرف سے اس میں روح پیدا ہو جاتی ہے اور خالق میں کچھ تغیر نہیں ہوتا بلکہ روح اب پیدا ہوئی نہ کہ آگے کیونکہ محل کو اب اعتدال حاصل ہوا آگے نہیں تھا جیسا کہ آئینہ مقابل میں صورت والے کا عکس وہما پڑتا ہے اور صورت والے میں کچھ تغیر نہیں ہوتا اور صیقل کرنے سے پہلے جو یہ عکس نہ تھا تو یہ اس کا سبب نہیں کہ صورت کو آئینہ میں منقش ہونے کی استعداد نہ تھی بلکہ آئینہ ہی صاف نہ تھا کہ عکس قبول کرتا پھر مجھ سے سوال کیا کہ فیض کیا چیز ہے میں نے جواب دیا کہ فیض سے جیسا کہ فیضان پانی کا برتن سے ہاتھ پر ہوتا ہے ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ پانی کا فیضان تو یہ ہے کہ پانی کے اجزاء برتن سے الگ ہو کر ہاتھ کے ساتھ متصل ہوئے بلکہ وہ فیضان نور آفتاب کے مشابہ ہے جو دیوار پر پڑتا ہے بعضوں نے اس میں بھی غلطی کھائی ہے جو کہتے ہیں کہ سورج سے شعاع الگ ہو کر دیوار پر پڑ کر پھیل جاتی ہے سو یہ ان کی بھول ہے بلکہ سورج کے نور سے دیوار پر ایسی شے پیدا ہوتی ہے کہ وہ نور کے ساتھ نورانیت میں مشابہ ہوتی ہے اگرچہ اس سے ضعیف ہی ہو جیسا کہ صورت والے کا عکس جو آئینہ میں پڑتا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ صورت والے کے اجزاء اس سے الگ ہو کر آئینہ کے ساتھ متصل ہوں بلکہ یہ معنی ہے کہ صورت والے کی صورت سے ایک ایسی صورت جو اس کے مشابہ ہوتی ہے آئینہ میں پیدا ہو جاتی ہے اصل صورت میں نہ تو اتصال ہوتا ہے نہ انفصال محض سبب ہی ایسا ہے جو چیزیں وجود کے قابل ہیں بخشش الٰہی ان میں انوار وجود کے

Marfat.com

پیدا ہونے کا سبب ہے جس کو فیض کہتے ہیں۔

فصل

پھر سائلوں نے سوال کیا کہ آپ نے تسویہ اور نفخ کا تو ذکر کیا اب روح[1] کی حقیقت بھی بیان فرمایئے کہ کیا ہے آیا اس کا بدن میں حلول ہے جیسا کہ پانی کا برتن میں یا عرض کا جوہر میں یا یہ جوہر بذات خود موجود ہے اگر یہ جوہر ہے تو ذی مکان ہے یا لامکان اگر ذی مکان ہے

[1] روح کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں بعض مشائخ چنانچہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے متبعین نے اس میں کلام ہی نہیں کی اور یہ کہا ہے کہ ہم موجود کے سوا اور زیادہ کچھ تعبیر نہیں کرتے کیونکہ اس میں کلام کرنے کا حکم نہیں اس لئے کہ علیہ السلام صلعم نے اس میں کلام نہیں کی۔ معترض اس میں کہہ سکتا ہے کہ حضرت ﷺ کے الروح من امر ربی کے سوا نہ بیان فرمانے سے یہ نہیں لازم آتا کہ اس میں کلام کرنی منع ہو یا اس کی حقیقت تمام اولیاء کرام پر نہ کھلے یا صاحبان لیاقت اور فہم وفراست پر اس کی حقیقت بیان نہ فرمائی جائے اور آنحضرت صلعم نے الروح من امر ربی کے سوا اور کچھ بیان نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کو اس کی حقیقت کے سمجھنے کی استعداد نہ تھی اس لئے علیہ السلام نے ماہیت روح کی ان پر بیان نہ فرمائی علاوہ بریں روح کا لفظ مشترک تھا جیسا کہ اول حاشیہ میں بیان ہوا اس لیئے ہو سکتا ہے کہ اکابر قریش مکہ سے نضر بن حارث نے یہودیوں کے کہنے کے موافق روح کا جو سوال کیا اس کی غرض یہ ہو کر آنحضرت کو عاجز کریں این طور کے جب حضرت علیہ السلام روح کے ایک معنی مثلاً حقیقت روح انسانی بیان فرماتے تو وہ کہتا ہے یہ تو ہماری مراد نہیں پھر دوسرے معنی بیان کرتے پھر بھی کہتا کہ یہ ہماری مراد نہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کو ایسا جواب مجمل دینے اور قل الروح من امر ربی کا حکم ہوا تا کہ وہ آگے سوال نہ کرنے پائے بعض نے یوں لکھا ہے کہ تین سوالوں میں سے دو کا جواب دینا یعنی قصہ ذوالقرنین اور اصحاب کہف کا بیان فرمانا اور ایک کا جواب یعنی حقیقت روح کا بیان نہ کرنا بھی نبی آخر الزمان علیہ الصلاۃ والسلام کے صدق نبوت کی علامت انھوں نے سمجھی تھی کیونکہ بیان قصہ ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے سوا حقیقت روح کی ان کی کتابوں میں مذکور نہ تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے بھی نضر بن حارث کے جواب میں حقیقت روح کی بیان نہ فرمائی بہر حال آنحضرت ﷺ کو اس کے جواب میں سے قل الروح من امر ربی کا اشارہ ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ روح کی حقیقت صاحبان لیاقت پر بیان کرنی ممنوع ہو...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر.....

Marfat.com

تو اس کا مکان قلب ہے یا دماغ یا کوئی اور جگہ اگر لامکان ہے تو جوہر لامکان کس طرح ہوا میں نے جواب دیا کہ یہ سوال تو روح کے بھید سے ہے جس کا رسول مقبول ﷺ کو نا اہل سے بیان کرنے کا اذن نہیں ہوا اگر تو اہل میں سے ہے تو سن کے روح عرض نہیں ہے کہ بدن میں حلول کرے جیسا کہ سیاہی کا حلول سیاہ چیز میں اور علم کا عالم میں ہوتا ہے بلکہ وہ تو جوہر ہے کیونکہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ........... یا حضرت ﷺ کو حقیقت اس کی معلوم نہ ہو یا تمام اولیاء کرام پر حقیقت اس کی نہ کھلے کما لایخفی اور اطبا روح حیوانی کو ہی روح انسانی کہتے ہیں اور فرفوریقوس کا قول ہے کہ روح انسانی بدن میں حلول کیئے ہوئے ہے اور بعد حلول کرنے کے اس سے متحد ہو گئی جیسا کہ نمک پانی میں بعد حلول کرنے کے متحد ہو جاتا ہے اور افلوطرحس کا یہ عقیدہ ہے کہ روح ایک ہوا ہے بدن میں سرایت کیئے ہوئے اور اطبا جو کہتے ہیں کہ بدن کی حرارت عزیزی ہے ان کے قول کا منشا یہی معلوم ہوتا ہے طالیس مطلی کا یہ قول ہے کہ روح پانی کا نام ہے کیونکہ وہ منشاء نشو نما کا ہے ایکارالا فکار میں ابناوقیس کا یہ قول ہے کہ روح جسم مرکب عناصر اربعہ سے ہے اور بدن میں اس کا حلول ہے جس کی دلیل اس نے یہ بیان کی ہے کہ ادراک مناسبت کا مقتضی ہے پس روح کا موالید کو ادراک کرنا ترکیب کو چاہتا ہے اور شفاء میں بیان کیا ہے کہ روح مرکب چھ امور یعنی اربعہ عناصر اور قوت اور محبت سے ہے بعض کا یہ قول ہے کہ روح خون کا نام ہے کیونکہ باقی اخلاط سے خون اشرف ہے اور انسان کی موت کے وقت معدوم ہو جاتا ہے اور بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ روح عبارت اخلاط اربعہ سے ہے جو مجتمع اور کم و کیف میں معتدل ہیں بعض روح مزاج کا نام رکھتے ہیں جو کیفیات عناصر سے پیدا ہوتی ہے بعض روح نفسانی یعنی قوت دماغی کو روح انسانی کہتے ہیں بعض روح حیوانی یعنی قلب جسمانی کی قوت کا نام روح انسانی کہتے ہیں بعض روح نباتی یعنی قوت جگر ہی کو روح انسانی سمجھے ہوئے ہیں بعض نے ان تینوں قوتوں کے مجموعہ کا نام روح انسانی رکھا ہے جمہور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ روح انسانی جسم لطیف ہے بدن میں سرایت کیئے ہوئے جیسا کہ گلاب کا پانی گلاب میں اور اس کی جسمیت پر بہت سے دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے قول تعالیٰ اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضی علیہ الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمیٰ وقولہ تعالیٰ ۲ ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون الایۃ .وقولہ تعالیٰ ۳ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کہ ان آیات میں نفس کی وفات اور اس کے بند رکھنے اور اخراج اور رجوع کی خبر ہے..بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ۔

ا اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہر ایا اور بھیجتا ہے دوسروں کو ایک ٹھہرے وعدہ تک۔ ....۲ اور کبھی تو دیکھے جس وقت ظالم ہیں موت کی بیہوشی میں اور فرشتے ہاتھ کھول رہے ہیں کہ نکالو اپنی جان آج تم کو جزاء ملے گی۔ ....۳ اے جی چین پکڑنے پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ ....بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ۔

Marfat.com

اپنے آپ اور اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور معقولات کا ادراک کرتی ہے اور عرض میں یہ صفتیں نہیں ہوتیں اور وہ جسم بھی نہیں کیونکہ جسم تو تقسیم کو قبول کرتا ہے اور روح منقسم نہیں ہوتی اگر منقسم ہو تو چاہئے کہ ایک جزو سے مثلاً زید کا اس کو علم حاصل ہو اور دوسری جزو سے اس کا جہل جس سے لازم آتا ہے کہ روح ایک ہی حالت میں ایک شے کی عالم بھی ہوتی اور جاہل بھی اور ایک شے کا علم اور جہل ایک شخص میں محال ہے دو شخصوں میں محال نہیں کیونکہ ضدوں کا تناقص محل واحد میں ہوتا ہے سپیدی اور سیاہی آنکھ کی ایک جزو میں تو متناقض ہیں دو جزوں میں متناقض نہیں اس سے معلوم ہوا کہ روح ایک چیز غیر منقسم ہے سب عقلاء کے نزدیک جزء لاتجزی ہے یعنی ایک چیز

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.......... جو اوصاف جسم سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم سے یا یوں کہیں روح موصوف ہے ان اوصاف سے اور جو متصف ہو ان اوصاف سے وہ جسم ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روح بھی جسم ہے اور قاضی باقلانی اور نظام معتزلی کا یہ عقیدہ ہے کہ روح جسم لطیف بدن میں سرایت کیئے ہوئے ہے تغیر اور تبدل کے قابل نہیں اور وقت قطع ہونے کسی عضو کے جزو روحانی منقطع نہیں ہوتی بلکہ جزو متصل کی طرف جذب اور منقبض ہو جاتی ہے اور بڑا فرقہ اشاعرہ کا یوں قائل ہے کہ جسم مرکب ہے اجزاء یتجزی سے اور روح عبارت وجود ان اجزاء لایتجزی سے ہے جن کو اجزاء اصلی کہتے ہیں اور ابن راوندی کا قول ہے کہ روح جزو لایتجزی ہے قلب میں اور بعض متکلمین کا یہ قول ہے روح عرض ہے یعنی حیات کا نام ہے جس کے سبب بدن جیتا ہے اور امام رازی بھی اسی کا قائل ہے کہ روح عرض ہے عوارض بدن سے اور بعض کا یہ قول ہے کہ روح خداوند کریم کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے اور بعض صوفیہ کا یہ قول ہے کہ روح کوئی صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری کی صفت ہے کیونکہ خداوند کریم نے قل الروح من امر ربی فرمایا ہے اور امر کلام اس کی ہے پس روح کلام الٰہی یعنی احیاء کا نام ہوا بعض کا یہ قول ہے کہ روح نسیم طیب باعث حیات ہے جیسا کہ نفس ہوا گرم بحث حرکات و شہوات ہے لیکن ان تمام اقوال کا ضعف و بطلان بتقدیر یکہ روح سے مراد ان کی نفس ناطقہ یعنی روح انسانی ہو ارباب فہم و فراست پر مخفی نہیں کیونکہ بعض کا روح حیوانی کو جو بقول بعض جسمانی قوت ہے جس کی اصلاح سے صرف صحت بدن کی حاصل ہوتی ہے روح انسانی کہنا یا بعض روح انسانی کا حلول بدن میں پانی میں نمک کی طرح لینا جو خواص جسم سے ہے یا ہوا یا پانی ہی کا نام رکھنا جو ایک جسم غیر مدرک ہے یا ایک جسم مرکب عناصر اربع سے لینا یا چھ امور سے مرکب لینا یا خون کا نام جو جسم غیر مدرک ہے روح انسانی رکھنا یا اخلاط اربع یا مزاج کا نام رکھنا جو ایک مرکب شے ہے یا روح نفسانی یا نباتی وغیرہ کو جو از قسم اعراض ہیں روح انسانی کہنا یا روح انسانی کو جسم لطیف.......... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

ہے جو تقسیم کو قبول نہیں کرتی کیونکہ اس کو جزو بھی نہ کہنا چاہیے اس لئے کہ جزو تو کل کی نسبت ہوتا ہے یہاں تو کل ہی نہیں جزو کہاں ہوگا مگر اس اعتبار سے جزو بول سکتے ہیں جس اعتبار سے ایک کو دس کا جزء کہتے ہیں کیونکہ اگر تمام موجودات یا تمام اشیاء جن سے انسانوں کا قوام ہی اعتبار کی جاویں ازاں جملہ ایک روح بھی ہوگی جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ روح ایک غیر منقسم شے ہے اب دو حال سے خالی نہیں یا تو ذی مکان ہوگی یا لامکان اس کا ذی مکان ہونا تو باطل ہے کیونکہ جو چیز ذی مکان ہوتی ہے تقسیم قبول کرتی ہے اور جزء لایتجزیٰ (یعنی ایسا جزو کہ ذی مکان تو ہو اور

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ .... بدن میں بے تغیر و تبدل سرایت کیئے ہوئے لینا یا جسم مرکب اجزاء لایتجزیٰ سے لینا یا روح انسانی حیٰوۃ یعنی عرض کا نام رکھنا یا قلب میں ایک جزلایتجزیٰ کا نام رکھنا یا یہ کہنا کہ روح نسیم طیب ہے روح انسانی کی حقیقت اور ماہیت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے بھلا جبکہ روح انسانی مدرک ہے اور ادراک شان جوہر سے ہے تو عرض کیونکر ہوگی اور جب اس کے مرکب ہونے سے ایک ہی حالت میں اس کا ایک شئے کی عالم اور جاہل ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے تو جسم کیونکر ہوگی یا عوارض جسمیت اس کے لیئے کیونکر ثابت ہونگے متکلمین نے جو دلائل روح کی جسمیت پر پیش کیے ہیں یعنی وفات اور امساک اور اخراج اور رجوع میں کہتا ہوں کہ ان اوصاف میں سے کوئی بھی صفت روح کے جسمیت کی مقتضی نہیں کیونکہ وفات روح کے بدن سے رفع تعلق کا نام ہے نہ کہ روح کا معدوم کردینا اس لیے کہ روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا معدوم ہونا ہی باطل ہے جیسا عنقریب بادلیل اس کا بیان آئے گا ایسا ہی امساک سے مراد روح کا تعلق بدن سے نہ ہونے دینا اور ارسال سے مراد بعد امساک کے اس کا تعلق کر دینا اور رجوع الی اللہ سے روح کا تصرف فی البدن سے باز رہنا اور خدا کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے اور اخراج عبارت ہے نفس ناطقہ کا تعلق بدن سے موقوف کر دینے سے پس قرآن شریف میں روح کے ان اوصاف کے بیان ہونے سے روح کی جسمیت کا ثابت کرنا پایۂ اعتبار سے ساقط ہے علاوہ بریں ہم یہ بھی توجیہ بیان کر سکتے ہیں کہ وفات کے وقت روح حیوانی بدن سے نکالی جاتی ہے جس کے نکلنے سے نفس ناطقہ یعنی روح انسانی کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ نفس ناطقہ کا تصرف بدن میں بواسطہ روح حیوانی کے ہے جو ایک بخار لطیف حرارت قلب جسمانی سے نفع پا کر بذریعہ شریانوں کے تمام اعضاء بدن میں پھیلتا ہے اور حیات تمام اعضاء کو دیتا ہے اس بخار لطیف یعنی روح حیوانی کا باطن میں حرکت کرنا اور بدن میں ساری ہونا ایسا ہے جیسا ایک چراغ مثلاً اطراف گھر میں پھیرا جاوے اور اس سے گھر کے چار طرف روشنی پھیل جاوے گویا یہ بخار لطیف بمنزلہ چراغ کے ہے اور حیات بمنزلہ روشنی کے اس بخار لطیف کے ذریعہ سے نفس ناطقہ کا تعلق بدن کے ساتھ تدبیر اور تصرف کا جو تھا وفات کے وقت جاتا رہا اور اس کے اخراج، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

تجزیہ و تقسیم قبول نہ کرے) دلائل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہے ان دلائل میں سے آسان دلیل یہ ہے کہ اگر اس کو دو چیزوں کے درمیان رکھا جائے تو ضروری ہے کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالف سے اس کو مس کریں گی جب اس کی مخالف طرفیں نکلیں تو ہو سکتا ہے ایک طرف سے ایک شئے کا علم ہو اور دوسری طرف سے اسی شکل کا جہل پس ایک ہی حالت میں ایک شے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.......... اور ارسال اور اساس سے روح انسانی کے تعلق کا ہونا یا نہ ہونا وجود میں آیا پس مجازاً ان اوصاف کو جو در حقیقت روح حیوانی کے اوصاف ہیں روح انسانی کی صفت ڈال دیا گیا جیسا کہ کسی بادشاہ کا کسی ملک پر تصرف ہو اور اس بادشاہ کا نائب ولشکر اس ملک میں رہتا ہو کوئی غنیم بادشاہ کے نائب ولشکر کو قتل کر دے یا وہاں سے نکال دے تو اس موقعہ پر ہم یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں بادشاہ مارا گیا یا فلاں ملک سے نکالا گیا یا فلاں ملک اس سے چھین لیا گیا جس سے ہماری یہ مراد ہوتی ہے کہ اس ملک میں اس کو تدبیر اور تصرف کا اختیار نہ رہا اور اشاعرہ کے عقیدے اور ابن راوندی کے قول کا بطلان معروضات سابقہ سے ظاہر ہی ہے کیونکہ روح کوئی جسم مرکب اجزاء لایتجزی سے یا خود جزلایتجزی جزو قلب جسمانی کی نہیں بلکہ وہ کسی محل میں سرایت کرنے یا کسی عضو کے جزء پڑنے یا خود جسم ہونے سے پاک ہے علاوہ بریں جزو لایتجزی کا بطلان دلائل ہندسیہ سے ثابت ہے اس لئے کہ ۴۷ شکل مقالہ اول اقلیدس سے یہ بات ثابت ہے کہ مثلث قائم الزاویہ کے زاویہ قائمہ کے وتر کا مربع اس کے دو ضلعوں کے مربع کے مساوی ہوتا ہے پس جس صورت میں ہم نے ایک مثلث قائم الزاویہ جس کے دو ضلعے مساوی ہوں مثلاً ایک ایک ضلع دس ۱۰ دس ۱۰ اجزو کا فرض کریں تو بحکم شکل مذکور وتر اس کا دوسو ۲۰۰ کا جذر نکلنا چاہیے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ دوسو کا جذر صحیح نہیں نکل سکتا مثلاً اگر چودہ ۱۴ کو وتر کہیں یہ بھی درست نہیں کیونکہ یہ تو ایک سو چھیانوے ۱۹۶ کا جذر ہے اور اگر پندرہ کہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا مربع دوسو پچیس ۲۲۵ ہیں پس دوسو ۲۰۰ کا جذر چودہ ۱۴ جز مع کسر جزو کے نکلے گا جس سے اس جزو لایتجزی مفروضہ کا تجزیہ اور انقسام ثابت ہوا اگر کوئی یہ کہے کہ متکلمین نے نفی جزلایتجزی کے دلائل کی تضعیف اور اثبات جزلایتجزی کا دلائل قویہ سے کیا ہے تا کہ اثبات ہیولی وصورت سے جو مودی قدم عالم اور نفی حشر اجساد کی طرف ہے نجات ہو جائے میں کہتا ہوں کہ اثبات جزلایتجزی کے دلائل بھی چنداں قوی نہیں اسی لئے امام رازی نے اس میں توقف کیا ہے علاوہ بریں اثبات ہیولی وصورت مودی قدم عالم ونفی حشر اجساد کی طرف نہیں ہو سکتا اس لئے کہ فلسفی ہیولی کے قدیم بالذات ہونے کے تو قائل ہی نہیں البتہ قدیم بالزمان لیتے ہیں اور ہر حادث زمانی کو مسبوق بالمادہ کہتے ہیں لیکن کوئی دلیل قوی انھوں نے اس پر بیان نہیں کی چنانچہ ماہرین فن معقول پر یہ امر پوشیدہ نہیں پس جب قدم ثابت نہیں تو ان کا اثبات مودی قدم عالم ونفی حشر اجساد کی طرف کیونکر ہوگا...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

Marfat.com

کی عالم اور جاہل ہوئی اور یہ باطل ہے اور جزو لایتجزیٰ کیونکہ باطل نہ ہو اگر ایک شئے بسیط کو اجزاء لایتجزیٰ سے مسطح فرض کیا جائے تو اس کی وہ طرف جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اس طرف کی مخالف ہوگی جس کو ہم نہیں دیکھتے کیونکہ ایک شے ایک ہی حالت میں دکھائی دے اور نہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... اور اگر بالفرض یہی تسلیم کیا جائے کہ ہیولی وصورت کا اثبات مودی قدم عالم ونفی حشر اجساد ہے اس لئے جسم کا مرکب ہونا جواہر فردہ یا اجزاء مقداریہ سے لیا جائے تب بھی ہم کہتے ہیں کہ کونسی ضرورت ہے کہ روح انسانی کو خواہ مخواہ مرکب اجزاء لایتجزیٰ سے کہا جائے حالانکہ اس کا مرکب ہونا ظاہر البطلان ہے اور جو کہتا ہے کہ روح خدا تعالیٰ کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اس کے قول کا بطلان ظاہر ہی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ مرکب اجزاء سے نہیں ہے کہ ایک جز یعنی روح اس سے الگ ہو کر بدن انسان سے متعلق ہو گئی ہو تعالیٰ عن ذالک علوا کبیرا اور بعض صوفیہ کے اس عقیدہ کا بطلان بھی کہ روح صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری کی صفت ہے ارباب عقل پر مخفی نہیں کیونکہ یہ امر تو ممکن بلکہ واقع ہے کہ زید کو ایک چیز کا علم ہوتا ہے اور عمرو کو اس کا جہل پس اگر روح مدرک صفت ذات باری کی ہوتی تو نقص جہل کا صفت باری تعالیٰ میں لازم آتا وغیرہ ذالک من المفاسد علاوہ بریں خدا تعالیٰ کا قل الروح من امر ربی بلفظ من ارشاد کرنا صاف اس امر پر دال ہے کہ روح عالم امر میں سے ہے یعنی اس عالم میں سے ہے جس کا اندازہ اور مقدار نہیں غرضکہ روح انسانی جس کو امور اخروی اور حقائق عقلی کا ادراک اور جس کی اصلاح سے قرب رب العالمین حاصل ہوتا ہے اور جو مخاطب اور معاتب ہے جس کو عقل وقلب بمعنی لطیفہ ربانی اور نفس ناطقہ وحقیقت انسانی بھی کہتے ہیں جس کا تزکیہ موجب فلاح ہے جیسا خدا فرماتا ہے ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقوٰها قد افلح من زكٰها وقد خاب من دسّٰها

ترجمہ: اور قسم ہے جی کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا پھر اس کو سمجھ دی ڈھٹائی کی اور بیچ میں چلنے کی مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں بلایا۔

نہ تو وہ روح حیوانی ہے کیونکہ روح حیوانی کو امور اخروی اور حقائق عقلی کا ادراک حاصل نہیں ورنہ تمام حیوانوں کا دانندہ امور اخروی حقائق عقلی ہونا لازم آئے گا جو صراحتاً باطل ہے اور نہ وہ قوت نفسانی یا نباتی یا کسی اور عرض کا نام ہے کیونکہ عرض مدرک نہیں ہوتی اور روح انسانی مدرک ہے اور نہ وہ جز لایتجزیٰ یا کوئی مرکب چیز اجزاء سے ہے بلکہ وہ جوہر منقسم بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن وحافظ ترکیب بدن ہے مکان اور جہت سے پاک نہ بدن میں داخل نہ خارج نہ متصل نہ منفصل حکماء مشائین اور اشراقین کا یہی عقیدہ ہے اور اہل تحقیق مثلاً ابوزید دبوسی وامام راغب اور امام غزالیؒ وغیرہ اہل سنت والجماعت کا یہی قول ہے اور معمر معتزلی اور ایک فرقہ امامیہ اسی کا قائل ہے اور محققین صوفیہ کرام کا بھی عقیدہ ہے اور کامل اقرباء وصوفیہ کا مشاہدہ بھی اسی کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

Marfat.com

دکھائی دے نہیں ہوتی اور جب سورج اس کی ایک طرف کے مقابل ہوگا تو وہی طرف روشن ہو گی دوسری طرف نہیں ہوگی پس جب اس کے لئے دو طرفین نکلیں تو جز ولا یتجزی نہ رہی۔

فصل

پھر مجھ سے سوال کیا کہ اس جوہر کی کیا حقیقت ہے اور اس کا بدن کے ساتھ کس طرح پر تعلق ہے آیا وہ بدن میں داخل ہے یا خارج متصل ہے یا منفصل میں نے جواب دیا کہ روح نہ تو بدن میں داخل ہے نہ خارج نہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل کیونکہ یہ صفتیں جسم میں ہوتی ہیں اور روح جسم نہیں پس دونوں ضدوں سے الگ ہوئی جیسا کہ پتھر نہ تو عالم ہے نہ جاہل کیونکہ علم اور جہل کے لئے حیات چاہیے جب حیات ہی نہیں علم اور جہل بھی نہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ روح کسی جہت میں ہے یا نہیں میں نے جواب دیا کہ روح محلوں میں حلول کرنے اور جسموں کے ساتھ متصل ہونے اور جہتوں کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہ سب باتیں اجسام اور اعراض کی صفتیں ہیں وہ جسم اور عرض نہیں وہ تو ان عوارض سے پاک ہے پھر مجھ سے سوال کیا کہ رسول مقبول ﷺ کو حقیقت روح کے بتلانے اور اس بھید کے ظاہر کرنے کا کیوں اذن نہ ہوا میں نے جواب دیا کہ لوگوں کے فہم اس کو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ لوگ دو قسم پر ہیں ایک عام اور ایک خاص جس میں عام ہونے کی صفتیں غالب ہیں وہ ان باتوں کو اللہ جل شانہ ہی کے حق میں تصدیق نہیں کرتا روح انسانی کے حق میں کیا تصدیق کریگا اس لئے فرقہ کرامیہ اور حنابلہ ان باتوں کا منکر ہے سو جس میں عامیت زیادہ ہوتی ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا اور اللہ جل شانہ کو جسم ٹھہراتا ہے کیونکہ کسی موجود کو سوائے ذی جسم اور مشار الیہ یعنی ذی اشارہ ہونے کے نہیں ادراک کرتا بعضوں نے ان عاملوں سے کچھ ترقی کی جسم کی نفی کی اور عوارض جسمیہ کی نفی نہ کر سکے اور جہت کو جو عوارض جسمیہ سے ہے باری تعالیٰ کے لئے ثابت کیا بعضوں نے ان سے ترقی کی انھوں نے خدا تعالیٰ کو لا فی جہت یعنی لامکان ثابت کیا وہ اشعریہ او معتزلہ ہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ ایسے لوگوں کو جو کچھ ترقی یاب ہوئے روح کے بھید بتلانا کیوں جائز نہیں ہے میں نے جواب دیا کہ وہ لوگ ان صفات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں مشترک ہونے کو محال جانتے ہیں اگر تو ان سے یہ ذکر کرے تجھے کافر ٹھہرائیں اور تجھے یہ کہیں گے کہ جو صفت اللہ تعالیٰ کی خاص تھی وہ اپنے نفس کے لئے ثابت کرتا ہے تو تو اپنے نفس کی

Marfat.com

خدائی کا دعویٰ کرتا ہے پھر اس نے سوال کیا کہ انھوں نے اس صفت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں مشترک ہونے کو کیوں محال جانا میں نے جواب دیا کہ وہ لوگ جیسا کہ وہ ذی مکان کا ایک مکان میں جمع ہونا محال جانتے ہیں ویسا ہی وہ شئے کا لامکان میں جمع ہونا محال سمجھتے ہیں کیونکہ بہ سبب فرق نہ ہونے کے دو جسموں کا ایک مکان میں جمع ہونا محال ہے ویسا ہی اگر لامکان میں دو چیزیں جمع ہوویں ان میں بھی کچھ فرق نہیں رہے گا اس لئے کہتے ہیں کہ دو سیاہیاں ایک محل میں جمع نہیں ہوسکتیں اور دو ہم مثلوں کو باہم ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ یہ تو اشکال قوی ہے اس کا جواب کیا ہے میں نے جواب دیا کہ اس بات میں انھوں نے غلطی کھائی جبکہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ اشیاء میں فرق تین امروں کے ساتھ ہوتا ہے ایک تو مکان کے ساتھ جیسا دو مکانوں میں دو جسم اور دوسرے زمانہ کے ساتھ جیسا کہ دو زمانوں میں دو سیاہیاں ایک جوہر میں ہوں تیسرے ماہیت اور حقیقت کے ساتھ جیسا کہ عوارض مختلف ایک محل میں مثلاً رنگ اور ذائقہ اور بو اور برودت اور رطوبت ایک جسم میں ہوں کیونکہ ان کے لئے محل ہی ایک ہے اور زمانہ بھی ایک لیکن ایک دوسرے سے ماہیت میں مختلف ہیں پس فرق ذائقہ کا رنگت سے ماہیت کی جہت سے ہوگا نہ کہ مکان اور زمان کے ساتھ اور فرق علم کا قدرت اور ارادہ سے اگر چہ سب ایک ہی شے میں ہوں جب کہ ان میں مکان اور زمان کی جہت سے اختلاف نہیں ماہیت کی رو سے ہوتا ہے پس جبکہ ایک مکان میں عوارض مختلف ماہیت کا ہونا جائز ہو تو اشیاء مختلف ماہیت کا لامکان ہونا بطریق اولیٰ جائز ہوا۔

فصل

پھر مجھ سے سوال کیا کہ یہاں تو اول سے بھی ایک اور اشکال بڑھکر ہے اور ایک اور دلیل اس کے محال ہونے پر اظہر ہے وہ اشکال یہ ہے کہ اس میں روح کو اللہ تعالیٰ سے تشبیہ ہوئی اور روح میں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات کو ثابت کیا میں نے جواب دیا کہ یہ کہاں ہوسکتا ہے کیونکہ ہم انسان کو حی اور عالم اور سمیع اور بصیر اور قادر اور مرید اور مکلف کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی ہے حالانکہ اس میں تشبیہ نہیں کیونکہ یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے نہیں ہیں اس طرح خیر اور مکان اور جہت سے پاک ہونا اخص صفات میں سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے تو صفت قیومیت کی ہے یعنی وہ بذات خود موجود ہے اور ان کے ماسوا

Marfat.com

سب اس کے سبب موجود ہیں بلکہ اشیاء کے لئے تو بذاتہ خود عدم ہے وجود تو ان کے لئے عاریتاً غیر کی جہت سے ہے اللہ تعالیٰ کے لئے وجود صفت ذاتی ہے عاریتاً نہیں ہے اور یہ صفت یعنی قیومیت اللہ تعالیٰ کے غیر میں نہیں پائی جاتی پھر مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے معنی تسویہ اور نفخ کے تو ذکر کیئے نسبت کے معنی نہ بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور من روحی کیوں فرمایا اگر نسبت کے یہ معنیٰ ہیں کہ وجود روح کا خدا سے ہے تو سب چیزوں کا وجود خدا تعالیٰ ہی سے ہے حالانکہ بشر کی نسبت مٹی کی طرف کی اور فرمایا انی خالق بشرًا من طین یعنی میں بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں پھر فرمایا کہ فاذا سویته ونفخت فیه من روحی اور اگر اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ روح خدا تعالیٰ کی جزء ہے جس کا بدن پر فیضان کیا جیسا کہ سخی سائل پر مال کا فیضان کرتا ہے پھر کہتا ہے کہ افضت علیه من مالی یعنی میں نے سائل پر اپنے مال کا فیضان کیا تو اس میں ذات اللہ تعالیٰ کے لئے اجزاء ثابت ہوئی حالانکہ پہلے آپ نے اس کو باطل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ افاضہ کے معنیٰ جدا ہونے جز کے نہیں ہیں پس اس کے کیا معنیٰ ہوئے میں نے جواب دیا کہ اگر یہ بات آفتاب بولے اور کہے افضت علی الارض من نوری یعنی میں نے زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو یہ بات سچ ہوگی اور یہاں نسبت کے معنیٰ یہ ہونگے کہ جو روشنی زمین کو حاصل ہے وہ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب کے نور کی جنس میں سے ہے اگرچہ بنسبت اس کے بہت ہی ضعیف ہے اور یہ تو نے معلوم کرلیا ہے کہ روح جہت اور مکان سے پاک ہے اور تمام اشیاء کے علم اور اطلاع کی اس کو قوت ہے اور یہ مناسبات شے جسمانی میں نہیں ہوتیں پس انھیں مناسبات کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور من روحی فرمایا پھر مجھ سے سوال کیا کہ قل الروح من امر ربی کے کیا معنیٰ ہوئے اور عالم امر اور عالم خلق سے کیا مراد ہے میں نے جواب دیا کہ جس شئے کی مساحت اور اندازہ ہو سکے وہ عالم اجسام اور عالم عوارض میں سے ہے اس کو عالم خلق سے کہتے ہیں اور یہاں خلق کے معنیٰ تقدیر اور اندازہ کے ہیں ایجاد اور پیدا کرنے کے نہیں جیسا کہ بولتے ہیں خلق الشئی ای قدره یعنی چیز کا اندازہ کیا اور شاعر نے کہا ہے شعر ولانت تفری ماخلقت وبعض قومی یخلق ثم یفری اور جس چیز کا اندازہ اور مقدار نہ ہو اس کو امر ربی کہتے ہیں اور اس کو امر ربانی کہنا انھیں مناسبات مذکورہ کی جہت سے ہے اور جو چیزیں اس جنس سے ہیں خواہ ارواح بشری ہوں یا ارواح ملائکہ ان کو عالم امر سے کہتے ہیں پس عالم امر سے وہ موجودات مراد ہیں جو حس اور خیال اور جہات

Marfat.com

اور مکان اور جہتوں سے خارج ہیں اور بسبب نہ ہونے مقدار کے مساحت اور اندازہ میں داخل نہیں ہیں۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ اس سے تو روح کے قدیم ہونے کا وہم پڑتا ہے میں نے جواب دیا کہ اس بات کا ایک فرقہ کو وہم ہوا ہے وہ ان کی جہالت ہے بلکہ روح کو غیر مخلوق اس اعتبار سے کہیں گے کہ اس کا مقدار نہیں کیونکہ وہ منقسم اور ذی اجزاء اور ذی مکان نہیں ہے اور اگر مخلوق بمعنی حادث لیں تو روح مخلوق ہے قدیم نہیں ہے اس کے حدوث کی دلیل طویل ہے اور اس کے مقدمات بہت ہیں حق تو یہ ہے کہ جب نطفہ میں روح کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوئی تو روح پیدا ہوئی جیسا کہ آئینہ میں صیقل کرنے کے وقت صورت پیدا ہوتی ہے مختصر دلیل یوں ہے کہ ارواح بشری اگر بدنوں سے اول موجود ہوتیں یا تو بہت ہوتیں یا ایک بدنوں سے اول ان کی کثرت اور وحدت تو باطل ہے بدنوں سے اول ان کا وجود بھی باطل ہوا وحدت تو یوں باطل ہے کہ بدنوں سے متعلق ہونے کے بعد یا تو ان کی وحدت باقی رہنا تو محال ہے کیونکہ ہمیں امکان اس بات کا کہ زید ایک شئے کو جانتا ہو اور عمرو نہ جانتا ہو سراحتاً معلوم ہے اگر جوہر ادراک کرنے والا یعنی روح ان میں ایک ہوتی تو دو ضدوں کا جمع ہونا اس میں محال ہوتا جیسا کہ زید میں محال ہے اور اسی طرح بعد تعلق کے بہت ہو جانا بھی باطل ہے کیونکہ جس ایک کا مقدار نہ ہو اس کا دو اور منقسم ہونا محال ہے اور مقدار والی شئے کا دو ہو جانا اور منقسم ہونا محال نہیں جیسا کہ جسم کے ایک ہی جسم بسبب اس کے کہ مقدار رکھتا ہے منقسم ہوتا ہے اور اس کے لئے اجزاء نکلتے ہیں اور جس چیز کے لئے اجزاء اور مقدار نہیں وہ منقسم ہونے کو کس طرح قبول کرے گی اور بدنوں سے اول ارواح کی کثرت یوں باطل ہے کہ یا تو وہ ایک دوسرے کے ہم مثل ہونگی یا مختلف ہم مثل اور مختلف ہونا تو محال ہے کثرت بھی محال ہوئی ہم مثل ہونا یوں محال ہے کہ دو ہم مثلوں کا اصل میں وجود ہی محال ہے اس لئے ایک جسم میں دو سیاہیوں کا اور ایک مکان میں دو جسموں کا پایا جانا محال ہے کیونکہ دو ہونا تغایر کو چاہتا ہے اور یہاں تغایر ہی نہیں اور دو سیاہیوں کا دو جسم میں پایا جانا ممکن ہے کیونکہ یہاں تغایر بسبب جسم کے ہو جائے گا اس لئے کہ ایک سیاہی ایک جسم کے ساتھ خاص ہوگی دوسری دوسرے کے ساتھ ایسا ہی دو زمانوں میں دو سیاہیوں کا ایک ہی جسم میں پایا جانا ممکن ہے کیونکہ زمانہ خاص ہیں جسم کے ساتھ متصل ہونا ایک سیاہی کی صفت ہوگی دوسری کی نہیں ہوگی سو مطلقاً دو ہم مثلوں کا وجود ہی نہیں بلکہ اگر ہوگا تو کسی کی نسبت کر کے ہوگا جیسا کہ کہیں کہ زید اور عمرو دونوں انسانیت اور جسمانیت میں ہم مثل ہیں دوات اور کوے کی سیاہی دونوں سیاہ ہونے میں ہم مثل ہیں بدنوں سے اول ان کا مختلف ہونا یوں محال

Marfat.com

ہے کہ مختلف ہونا دو قسم پر ہے ایک تو نوع اور ماہیت کے اختلاف کی جہت سے ہوتا ہے جیسا کہ پانی اور آگ اور سیاہی اور سپیدی اور علم و جہل کا اختلاف ہے دوسری قسم کا اختلاف عوارض کے ساتھ ہوتا ہے جو ماہیت میں داخل نہیں ہوتے جیسا کہ پانی سرد اور گرم کا اختلاف ہے اب ارواح بشری میں بسبب ماہیت کے اختلاف ہونا تو محال ہے کیونکہ ارواح بشری ایک ہی نوع ہیں اور ماہیت اور حقیقت میں متفق ہیں عوارض کے ساتھ بھی اختلاف محال ہے کیونکہ ایک ماہیت جب جسموں کے ساتھ متعلق ہو اور ان کی طرف کسی طرح منسوب ہو تب عوارض کے ساتھ مختلف ہوتی ہے اس لئے کہ جسم کے اجزاء میں اختلاف ضروری ہے اگرچہ آسمان ہی کی

ارواح بشری کے ایک ہی نوع ہونے کی یہ وجہ ہے کہ نفس ناطقہ یعنی جو ہر مجروح بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن مختص بنوع انسان ہے کما مر اور انسان تو نوع سافل یعنی تمام انواع سے نیچے کی نوع ہے اور جو چیز نوع سافل کے ساتھ مختص ہو ماہیت جنسی نہیں ہو سکتی ورنہ نوع سافل کے ساتھ امر مختص کا غیر مختص ہونا لازم آئے گا یہی وجہ ہے کہ ناطق کو حیوان ناطق میں انسان کے لئے فصل قریب اور ممیز جمیع اغیار سے لیتے ہیں کیونکہ مراد ناطق سے مبدا النطق یعنی نفس ناطقہ ہے جو مختص بانسان ہے پس اس کا جمیع اغیار سے ممیز اور ایک ہی نوع ہونا اظہر من الشمس ہے یہی مذہب ارسطو اور ابو علی کا ہے بعض حکماء اس کے خلاف پر ہیں اور ابو البرکات اور امام رازی متکلمین میں سے روح کے ماہیت جنسی ہونے کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کے قول جس کو مسلم نے بروایت ابو ہریرہ بیان کیا ہے کہ الناس معادن کمعادن الفضة والذهب خيارهم فى الجاهلية خيارهم فى الاسلام اذا فقهوا والارواح جنود مجنده فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف۔

ترجمہ: لوگ کانیں ہیں چاندی اور سونے کی کانوں کی طرح بہتر ان کے زمانہ جاہلیت میں بہتر انکے زمانہ اسلام میں ہیں جبکہ سمجھ دین کی ان کو حاصل ہو اور روحیں جماعت مجتمعہ ہیں پس ان میں سے جس کا جس روح کے ساتھ باہمی تعارف ہوا اس کی اس کے ساتھ الفت ہو گئی اور جس کو روح سے باہمی نفرت ہوئی اس سے اس کا اختلاف ہوا۔

کو اپنے مدعا کے لئے دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اخیر حدیث میں ارواح کو بصیغہ جمع لانا اور اسی طرح ابتداء حدیث میں ارواح کو معدن سونے اور چاندی کے ساتھ جو مختلف بالحقیقت ہیں تشبیہ دینا روح کی ماہیت جنسی ہونے کا مقتضی ہے میں کہتا ہوں ارواح کو آنحضرت ﷺ کا بصیغہ جمع لانا روح کی ماہیت جنسی ہونے کو مقتضی نہیں کیونکہ جمع کے واسطے اختلاف افراد کا تشخص اور صنف میں کفایت کرتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ صیغہ جمع کا اپنے نیچے جنس۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔ ....

Marfat.com

نسبت اختلاف قریب اور بعید ہونے کا ہو لیکن جب ایک ماہیت جسموں کے ساتھ ابھی متعلق ہی نہ ہوا اختلاف اس کا محال ہوگا اس مسئلہ کی تحقیق زیادہ تقریر کی محتاج ہے لیکن اس قدر بیان اس تحقیق پر آگاہ کرنے کے لئے ہے۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ روحوں کا حال بدنوں سے الگ ہونے کے بعد کیا ہوگا حالانکہ ان کو جسموں کے ساتھ تعلق نہیں پھر کیونکر روح میں کثرت اور اختلاف ہوا۔ میں نے جواب دیا کہ روحوں نے بدنوں کے ساتھ متعلق ہونے کی جہت سے مختلف صفتیں حاصل کی ہیں جیسا کہ علم اور جہل صفائی اور کدورت خوش خلقی اور بد خلقی ان مختلف صفتوں کی جہت سے مختلف ہی باقی رہیں جن سے ان کی کثرت سمجھی جاتی ہے بدنوں سے تعلق

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... وفصل سے مرکبہ انواع کو ہی مستلزم ہو جس سے مطلق روح کا ماہیت جنسی ہونا ثابت ہوا ایسا ہی سونے چاندی کی معدن کی ساتھ تشبیہ اس وجہ سے کہ معدین ظرف زروسیم اور لوگ ظرف علوم ہیں صرف اس امر میں ہے کہ جیسا زروسیم کی معدنوں میں مختلف استعدادیں ہیں مثلاً معدن زرعمدہ استعداد رکھتی ہے ایسی استعداد معدن نسیم میں نہیں اسی طرح لوگ مختلف استعدادیں رکھتے ہیں بعض اعلیٰ حسب مراتب معدنوں کے قابل فیضان الٰہی کے ہیں اور بعض نہیں اور حدیث میں زروسیم کے ساتھ جو ماہیت میں مختلف ہیں تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ زروسیم کی معدنوں کے ساتھ دی گئی ہے جو ماہیت میں متحد اور استعدادوں میں مختلف ہیں غرضیکہ اس تشبیہ سے یہ امر متحقق ہوتا ہے کہ لوگوں میں مختلف استعدادیں ہیں کوئی اس میں فیضان الٰہی کے قابل ہے اور کوئی نہیں اور بعض شریف ہیں بعض نہیں مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو شریف ہوں زمانہ اسلام میں شریف تب ہی گنے جائیں گے جب دین میں ان کو سمجھ حاصل ہو چنانچہ خیارھم فی الجاھلیہ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا کا جملہ اس پر دال ہے پس اس تشبیہ سے روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کے جو ایک جوہر بسیط بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن اور مدرک امور اخروی وحقائق عقلی ہے ماہیت جنسی ہونے پر استدلال پکڑنا یا مطلق لفظ روح کا روح انسانی وغیرہ میں اشتراک لفظی نہ لینا بلکہ اشتراک معنوی جو بالکل درست متصور نہیں اس تشبیہ سے ثابت کر کے اس کی جنسیت کا قائل ہونا محض خیال باطل ہے کمالایخفیٰ اور الارواح جنود مجندۃ الحدیث سے صاحب لمعات کا اجسام سے پیشتر ارواح کے موجود ہونے پر استدلال پکڑنا بھی ضعیف ہے کیونکہ الارواح جنود مجند کے ساتھ قبل الاجسام کی تو قید نہیں ایسا ہی تعارف مقید بقید قبل الاجسام نہیں اور بغیر اس قید کے بڑھانے کے معنی حدیث کے بن سکتے ہیں کمالایخفیٰ پس ظاہر ہے کہ خواہ مخواہ اس قید کو بڑھا کر ارواح کا قبل اجسام ہونا ثابت کرنا حالانکہ دلیل تحقیقی اس کے خلاف پر قائم ہے کما مر ضعف سے خالی نہیں۔ مفتی شاہ دین۔

Marfat.com

کے اول یہ بات نہیں تھی کیونکہ ان کے مختلف ہونے کا کوئی سبب نہ تھا۔ فصل پھر مجھ سے سوال کیا کہ رسول مقبول ﷺ کے قول اخلق اللّٰہ آدم علی صورتہ اور ایک روایت میں علیٰ صورۃ الرحمٰن کے کیا معنیٰ ہوئے میں نے جواب دیا کہ صورت ایک اسم مشترک ہے کبھی تو شکلوں کی ترتیب اور بعض شکلوں کو بعض سے ملانے یا اختلاف ترکیب پر بولتے ہیں یہ قسم تو صورت محسوسہ ہے اور کبھی ترتیب معنیٰ پر بھی بولتے ہیں جو محسوسہ نہیں اور معانی کے لئے بھی ترتیب اور ترکیب اور باہمی نسبت ہوتی ہے جیسا کہ بولتے ہیں کہ مسئلہ کی صورت ایسی ہے اور واقع کی صورت ایسی اور علم جسمانی کی صورت ایسی ہے اور علم عقلی کی صورت ایسی سو اس حدیث میں صورت سے صورت معنوی مراد ہے اس میں روح کے ان مناسبات مذکورہ کی طرف اشارہ ہے جن کا خدا کی ذات اور صفات اور افعال کی طرف رجوع اور مآل ہے کیونکہ روح کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بذات خود نہ تو عرض ہے نہ جوہر متحیز اور نہ جسم نہ اس کا کسی جہت اور مکان میں حلول ہے اور نہ وہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل نہ وہ عالم کے جسموں اور بدنوں میں داخل ہے نہ خارج سو یہ سب ذات الٰہی کی صفات ہیں اور روح کی صفتیں یہ ہیں کہ حی اور عالم اور قادر اور مرید اور سمیع اور بصیر اور متکلم ہے اللہ تعالیٰ میں بھی ایسی ہی صفتیں ہیں اور روح کے افعال یہ ہیں کہ ابتداء فعل انسان میں ارادہ ہوتا ہے جس کا اول اثر دل پر ظاہر ہوتا ہے پھر روح حیوانی کے وسیلہ سے وہ ایک بخار لطیف ہے دل کے درمیان سرایت کر کے دماغ کو پہنچاتا ہے پھر وہاں سے پٹھوں کی طرف جاتا ہے جو دماغ سے خارج ہیں پھر پٹھوں سے اوتار اور رباطات کی طرف جاتا ہے جو عضلات سے متعلق ہیں پھر اس سے اوتار کھینچے جاتے ہیں تو اس سے انگلیاں حرکت کرتی ہیں اور انگلیوں سے مثلاً قلم کو حرکت ہوتی ہے اور قلم سے سیاہی کو ہوتی ہے تو سیاہی سے کاغذ پر جس صورت کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ صورت ویسی ہی لکھی جاتی ہے جیسا کہ خزانہ خیال میں متصور تھی کیونکہ جب تک مکتوب کی صورت اول خیال میں متصور نہ ہو

خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ الحدیث، کو بخاری و مسلم نے بروایت ابو ہریرہ بیان کیا کہ یہاں صورت سے مراد صفت ہے پس معنی حدیث کی یہ ہوئے کہ پیدا کیا اللہ نے آدم کو اپنی صفت پر یعنی عالم متکلم بصیر اور اضافت تشریف کی بھی یہاں ہو سکتی ہے جیسا کہ بیت اللہ ناقۃ اللہ میں اور صاحب مجمع بحار وغیرہ کا ایک یہ احتمال بیان کرنا کہ (صورتہ اے صورۃ آدم) علی صورت الرحمٰن کی روایت کے منافی ہے کما لا یخفی لیکن بعضوں نے کہا ہے کہ خلق آدم علیٰ صورۃ الرحمٰن کی روایت محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ مفتی شاہ دین۔

Marfat.com

کاغذ پر اس کا لکھنا ممکن نہیں اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کے پیدا کرنے کی کیفیت میں غور کیا کہ نباتات اور حیوانات کو آسمان اور ستاروں کی حرکت کے ذریعہ سے پیدا کیا اور آسمان اور ستاروں کو فرشتوں سے حرکت دلائی تو جان لے گا کے انسان کا تصرف عالم اصغر یعنی بدن میں ایسا ہے جیسا خالق کا تصرف عالم اکبر میں اور معلوم کر لے گا کہ انسان کا دل باعتبار اس کے تصرف کے بمنزلہ عرش کے ہے اور دماغ بمنزلہ کرسی کے اور حواس بمنزلہ ملائکہ کے جو بالطبع اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں یعنی جن کی جبلی عادت خدا کی اطاعت ہے اور امر کے خلاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور پٹھے اور اعضاء انسان کے بمنزلہ آسمانوں کے ہے اور اس کی انگلیوں کی طاقت بمنزلہ طبیعت کے ہے جو جسموں میں گڑی ہوئی اور جمی ہوئی ہے اور سیاہی بمنزلہ عناصر کے ہے کہ جمع اور ترکیب وتفریق کے قبول کرنے کے لئے اصل ہیں اور انسان کے خیال کا خزانہ بمنزلہ لوح محفوظ کے ہے اب جو کوئی ان مناسبات کی حقیقت پر مطلع ہوگا تو وہ معنی حدیث نبوی ﷺ خلق آدم الخ جان لے گا پھر مجھ سے سوال کیا کہ[۱] من عرف نفسہ[۲] فقد عرف ربہ کے کیا معنی ہیں میں نے جواب دیا کہ چیزیں مناسب مثالوں کے ساتھ

[۱] حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کو ابن تیمیہ نے موضوع لکھا ہے سمعانی نے لکھا ہے کہ یہ مرفوع معلوم نہیں ہوتی یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے نووی نے لکھا ہے کہ اس کا ثبوت حضرت سے نہیں اور اس کے معنی تو ثابت ہیں پس بعضوں نے یوں معنی بیان کیے ہیں کہ من عرف نفسہ بالجہل فقد عرف ربہ بالعلم ومن عرف نفسہ بالفناء فقد عرف ربہ بالبقاء ومن عرف نفسہ بالعجز والضعف فقد عرف ربہ بالقدرة والقوة.

جس نے اپنے نفس کو پہچانا ساتھ جہل کے البتہ اس نے پہچانا اپنے رب کو ساتھ علم کے اور جس نے پہچانا اپنے نفس کو ساتھ فنا کے البتہ اس نے پہچانا اپنے رب کو ساتھ بقا کے اور جس نے پہچانا اپنے نفس کو ساتھ عجز اور ضعف کے البتہ اس نے پہچانا اپنے رب کو ساتھ قدرت اور قوت کے۔

اور کہا ہے کہ یہ معنی مستنبط ہیں قولہ تعالیٰ ومن یرغب عن ملة ابراہیم الا من سفہ نفسہ

ترجمہ: اور کون پسند نہ رکھے دین ابراہیم کا مگر جو بے وقوف ہوا اپنے جی سے۔

سنئے اور امام غزالیؒ کے معنی مرادی ناظرین رسالہ پر ظاہر ہی ہیں مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[۲] نفس کا لفظ لغت عربی میں کئی معنوں میں مشترک ہے چنانچہ چشم اور ذات۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔

Marfat.com

پہچانی جاتی ہیں اگر یہ مناسبات مذکورہ نہ ہوتیں تو انسان اپنے نفس کی معرفت سے اپنے خالق کی معرفت کی طرف ترقی نہ کرسکتا اللہ تعالیٰ نے جو آدمی کو اس عالم اکبر کا مختصر نسخہ بنایا چنانچہ وہ اپنے اسباب میں بمنزلہ خدا کے متصرف ہے اگر اس کو اس طرح نہ بناتا تو جہان اور صفات الٰہی مثل تصرف اور ربوبیت اور فعل اور علم اور قدرت وغیرہ کو نہ پہچانتا اب نفس انھیں مناسبات سے اپنے خالق کی معرفت کا یقیناً آئینہ ہے روح کا مسئلہ جو اول بیان ہوا اس کی معرفت سے بھی اس مسئلہ کا خوب انکشاف ہوتا ہے پھر مجھ سے سوال کیا کہ اگر ارواحیں جسموں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں تو ان حدیثوں کے کیا معنی ہوئے جو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ اخلق اللہ الارواح قبل الاجساد بالفی[1] عام[2] وانا اول الانبیاء خلقاً واٰخرھم بعثاً[3] وکنت[(2)] نبیا وآدم بین الماء والطین۔ میں نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی روح حدیث کے ازلی[2] اور قدیمی ہونے پر دلالت نہیں کرتی بلکہ روح کے مخلوق اور حادث ہونے پر یہ دال ہیں البتہ ظاہر میں یہ حدیثیں جسم سے روح کے مقدم ہونے پر دلالت کرتی

(بقیہ حاشیہ) اور خون اور وجود کو بھی نفس کہتے ہیں جس پر اصابنا النفس کا اطلاق اور قولہ تعالیٰ حتی تسلموا علی انفسکم قول فقہاء وما لانفس لہ سائلۃ معفو وقول قائل نفس الشئ فی اللغۃ وجودہ شاہد ہے رنگ ودباغت چرم عقوبت وغیرہ کو بھی نفس بولتے ہیں ایسا ہی نفس ناطقہ پر جو مدرک اور عالم اور مخاطب اور معاطب ہے نفس کا اطلاق آتا ہے یہاں ظاہرا یہی مراد ہے جیسا کہ امام غزالی نے بیان کیا ہے نہ کہ چشم وخون وغیرہ ابوالحسن مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

حاشیہ صفحہ ھذا۔۔۔۔ ۱: اللہ تعالیٰ نے روحوں کو دو ہزار سال اول اجسام سے پیدا کیا۔ ۲: میں خلقت میں سب نبیوں سے اول اور نبیوں میں آخر ہوں۔ ۳: میں نبی تھا اور آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھا۔ (۱) ابونعیم نے ابوہریرہ سے دلائل میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کو بیان کیا ہے مگر بایں الفاظ انی کنت اول النبیّن فی الخلق وآخرھم فی البعث ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ (۲) کنت بنیا وادم بین الماء والطین کو عسقلانی توی اور اس پر زیادتی یعنی کنت نبیا فلا ادم ولا ماء ولا طین کو ضعیف لکھا ہے اور زرکشی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا بایں الفاظ کچھ اصل ہی نہیں لیکن ترمذی میں ہے متی کنت نبیا قال وادم بین الروح والجسد ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ۔ ۴: افلاطون اور بعض صوفیہ روحوں کے ازلی ابدی ہونے کے قائل ہیں لیکن اس کا ازلی کہنا باطل ہے اس لئے کہ بدنوں سے اول اس کا وجود بطور کثرت باطل ہے کیونکہ مختلف ہونے کا کوئی سبب نہیں حالانکہ کثرت تغائر اور اختلاف کو چاہتی ہے اور بطور وحدت بھی باطل ہے کیونکہ بعض از وجود ابدان کے تمام انسانوں کی روح ایک ہوئی یا ایک حقیقی کا کثیر ہو جانا صراحتاً باطل ہے پس جب بدنوں سے اول ان کا وجود باطل ہوا تو ازلی نہ ہوئیں بلکہ حادث ہوئیں مذہب اکثر صوفیہ اور متکلمین اور فقہاء وحکماء اشراقین اور مشائین کا ہے کہ ارواح حادث ہیں اور ابدی۔ ان کے ابدی ہونے کی آسان دلیل یہ ہے کہ روح انسانی بدن سے رفع تعلق کے بعد معدوم نہیں ہوتی کیونکہ ....

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

Marfat.com

ہیں اور ظاہر کا امر آسان ہے کیونکہ اس کی تاویل ہوسکتی ہے اور دلیل قاطع ظاہر کے سبب چھوڑی نہیں جاتی بلکہ ظاہر کی تاویل کی جائیگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں آیات تشبیہی کی تاویل کی جاتی ہے چنانچہ قولہ صلعم خلق اللّٰہ الارواح قبل الاجساد بالفی عام کی یوں تاویل ہے کہ ارواح سے ارواح ملائکہ مراد ہے اور اجساد سے اجسام عالم جیسا کہ عرش کرسی آسمان ستارے آگ ہوا پانی مٹی اور جبکہ آدمیوں کے جسم سب کے سب زمین کے جسم کی نسبت چھوٹے ہیں اور زمین کا جسم بہ نسبت آفتاب کے بہت چھوٹا ہے اور آفتاب ایسا چھوٹا ہے کہ اس کو اپنے آسمان سے کچھ نسبت نہیں ایسا ہی آسمان کو اپنے اوپر کے آسمان سے اور اس کو اپنے اوپر کے آسمان سے علیٰ ہذا القیاس کچھ نسبت نہیں ہے پھر ان پر کرسی ہے جس میں سب آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں اور کرسی بہ نسبت عرش کے چھوٹی ہے اگر اس میں تو سوچے گا تو آدمیوں کے اجسام کو حقیر جانکر مطلق لفظ اجساد سے جو حدیث میں وارد ہے آدمیوں کے اجسام نہیں سمجھے گا ایسا ہی حال ارواح بشریٰ کا ارواح ملائکہ کی بہ نسبت ہے اگر تجھ پر ارواح ملائکہ کی معرفت کا دروازہ کھلے تو دیکھ لے کہ ارواح بشریٰ مثل ایک چراغ کی ہیں کہ نار عظیم سے فیضیاب ہوا اور نار عظیم اور نار ارواح ملائکہ میں سے روح اخیر ہے اور ارواح ملائکہ بالترتیب ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ میں منفرد ہے ایسا کہ ایک مرتبہ میں دو روح ملکی جمع نہیں ہوتیں بخلاف ارواح بشری کے کہ کثرت سے ہیں اور نواع اور مرتبہ میں باہم متحد ہیں اور

.........بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.........: وہ لحوق عدم کی قابلیت نہیں رکھتی اور جو شئے لحوق عدم کے قابل نہ ہو لحوق عدم اس پر محال ہے اور لحوق عدم کی قابلیت نہ رکھنے کی یہ وجہ ہے کہ اگر روح لحوق عدم کے قابل ہو تو بروقت موجود ہونے کے موجود بالفعل معدوم بالقوہ ہوگی پس اس صورت میں مبدا فعلیۃ وجود اور ہوگا اور مبداء عدم اور نہیں تو کل باقی ممکن الفساد اور کل ممکن انفساد باقی ہو جائیگا جو صراحتاً باطل ہے پس جب ہر دو مبدا باہم مغائر نکلے تو روح کی ترکیب لازم آئی اور روح کا مرکب ہونا تو باطل ہے ورنہ اس کا ایک ہی حالت میں ایک ہی شئے کا عالم اور جاہل ہونا لازم آتا ہے پس اس کا معدوم ہونا بھی باطل ہوا کیونکہ بطلان لازم مستلزم ہے بطلان ملزوم کو پس ثابت ہوا کہ ارواح بشری ابدی ہیں اور قولہ علیہ السلام کا جس کو مصنف تفسیر عزیزی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ (انکم خلقتم للابد وانکم منتقلون من دار الی دار ☆) بھی اس کا موید ہے مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

☆ تحقیق تم پیدا کیے گئے ہو ہمیشگی کے (البتہ تم) انتقال کرتے ہو ایک دار سے طرف ایک دار کے۔

Marfat.com

ملائکہ ہرایک ان کا نوع الگ الگ ہے اسی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کی کلام میں "وما منا الالہ مقام معلوم وانالنحن الصافون وانالنحن المسبحون. (ترجمہ: اور ہم میں جو ہے اس کو ایک ٹھکانہ ہے معین اور ہم جو ہیں ہم ہی ہیں صف باندھنے والے اور ہم جو ہیں ہم ہی ہیں پاکی بولنے والے) اور رسول مقبول ﷺ کی

اُملائکہ ہرایک ان کا نوع الگ الگ ہے ارواح ملائکہ بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے خاص اجسام میں متصرف ہیں بخلاف روح انسانی کے کہ بواسطہ روح حیوانی کے مدبر بدن ہے جس سے اس کا ارواح ملائکہ سے امتیاز اور علیحدہ نوع ہونا ثابت ہوتا ہے ایسا ہی نباتات اور معدنیات اور دیگر حیوانات کی ارواح سے روح انسانیت کی ماہیت میں مغائر ہے کیونکہ انسانی روح یعنی نفس ناطقہ ہے کو ادراک حقائق عقلی کا ہے اور ارواح انسانی ہی کی اصلاح اور غیر اصلاح سے استحقاق ثواب اور عقاب کا ثابت ہے اور اس کا تعلق بواسطہ روح حیوانی کے ہے کما مر اور یہ باتیں دیگر ارواح میں پائی نہیں جاتیں اور یہ امر ظاہر ہی ہے کہ اختلاف لوازم مستلزم اختلاف ملزومات کو ہوتا ہے پس روح انسانی کے لوازم کے اختلاف سے اس کا دیگر اشیاء کی ارواح سے ماہیت میں مغائر ہونا اظہر من الشمس ہے اگر کوئی یہ کہے کہ نباتات نوع روح نباتی یعنی قوت نباتی کے سوا کوئی روح مدرک نہیں رکھتے ایسا ہی پتھر وغیرہ بالکل ذی روح نہیں پس معدنیات وغیرہ کی کونسی ارواح ہیں جن سے روح انسانی کا بہ سبب اختلاف لوازم کے مغائر اور مختلف بالماہیۃ ہونے کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑی سو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں حد تواتر کو پہنچ گیا ہے کہ درختوں اور پتھروں وغیرہ نے نبیوں کے ساتھ کلام اور ان کے حکموں کی فرمانبرداری کی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی روح اور شعور رکھتے ہیں چنانچہ آواز کرنا اور رونا ستون حنانہ کا بسبب مفارقت آنحضرت ﷺ کے اور بعد شفقت رسول مقبول ﷺ کے اس کا خاموش ہونا ایسا ہی کوہ حرا کا جب کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم اس پر تشریف رکھتے تھے بطور زلزلہ کے ہلنا اور بعد فرمانے آنحضرت ﷺ کے کہ ٹھہر ارہ اس واسطے کہ تیری پشت پر اور کوئی نہیں مگر پیغمبر اور صدیق اور کئی شہید اس کا ٹھہر جانا کہ اس کے ذی روح اور ذہنی شعور ہونے پر صاف دال ہے اور قول تعالیٰ کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ (ترجمہ: ہرایک نے جان رکھی اپنی طرح کی بندگی اور یاد) اور قول تعالیٰ وان من شئی الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم (ترجمہ: اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا) سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ہر شے میں روح ہے اب جب نباتات اور معدنیات وغیرہ میں بھی روح ثابت ہوئی اور ارواح........

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

Marfat.com

کلام میں الراکع منھم لایسجدون والقائم لایرکع وانہ مامن احدالاولہ مقام معلوم (ترجمہ: رکوع کرنے والا ان سے سجدہ نہیں کرتا اور کھڑا ہونے والا رکوع نہیں کرتا ان میں سے کوئی نہیں مگر اس کے لئے مقام معین ہے) پس اب ارواح اور اجساد مطلقہ سے جو حدیث نبوی میں ہے ارواح ملائکہ اور اجسام عالم ہی سمجھے جائیں گے اور قولہ ﷺ انا اول الانبیاء خلقا واخرھم بعثا کی یہ تاویل ہے کہ یہاں خلق کے معنی تقدیر کے ہیں ایجاد کے نہیں کیونکہ حضرت اپنی والدہ سے پیدا ہونے کے اول موجود اور مخلوق نہ تھے لیکن فوائد اور کمالات تقدیر میں سابق تھے اور وجود میں لاحق یہ قول کہ اول الفکر اخر العمل بولتے ہیں اس کے یہی معنی ہیں

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.......... ملکی کا بھی ثبوت شرع میں وارد ہے اور ان کی عبادت کا طرز بھی احادیث میں مذکور ہے چنانچہ طبرانی نے بروایت جابرؓ روایت کیا ہے کہ کوئی ان میں سے رکوع کرنے والا ہے اور کوئی سجدہ کرنے والا اور کوئی کھڑا ہے اور کوئی بیٹھا اسی طرح بعض ملائکہ سے خدمات متعلقہ کی اکثر احادیث میں تصریح بھی آئی ہے پس روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا بہ سبب اختلاف لوازم کے تغائر نوعی ان تمام ارواح سے ثابت ہوگا کیونکہ درختوں اور پتھروں کے ساتھ جو روحیں متعلق ہیں وہ مانند ارواح ملائکہ کی بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے خاص اجسام میں متصرف ہیں ممکن دنیا میں تعلق ان کا دائمی طور پر نہیں نفس قدسیہ کی قوت سے اپنے اپنے اجسام سے جب ان کا بھی تعلق ہو جاتا ہے اس وقت ان اجسام سے افعال شعور اور ارادہ کے صادر ہو جاتے ہیں ورنہ نہیں اسی سبب سے ان کو غیر ذی روح بول دیتے ہیں کیونکہ ہمیشہ ان سے افعال شعور صادر نہیں ہوتے ہاں ار آخرت میں تعلق ان ارواح کا اپنے اجسام کے ساتھ دائمی طور پر ہوگا اسی سبب سے وہ اجسام گواہی دیں گے چنانچہ شاخیں اور پھل بہشت کے بہشتیوں کی آواز کا جواب اور ان کی اطاعت کریں گے بخلاف روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کے کہ دنیا میں بلا قوت نفس قدسیہ اس کا تعلق دائمی طور پر ہے اور بواسطہ روح حیوانی وغیرہ کے بدن کے ساتھ تعلق ہونا اسی کے لوازمات میں سے ہے اور اختلاف لوازم صاف دلیل ملزومات کے اختلاف کی ہے غرضکہ ارواح ملائکہ وغیرہ جو بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے اجسام میں مدبر اور متصرف پڑتی ہیں وہ الگ انواع ہیں اور روح انسانی یعنی جو ہر مدرک مجرد بواسطہ روح حیوانی وغیرہ کے بدن الگ نوع واحد ہے اور ماہیت میں ان کے مغائر اور صفات میں ان سے ممتاز ہے ایسا ہی جنات کی ارواح سے جو خاص اپنی وقانی وناری اجسام میں مدبر و متصرف ہیں بہ سبب اختلاف لوازم کے نفس ناطقہ کا تغائر ثابت ہے اور اسی طرح دیگر حیوانات کی ارواح سے جو امور اخروی وحقائق عقلی کا ادراک نہیں کر سکتیں روح انسان کا مغائر ہونا ظاہر ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

Marfat.com

اس کا بیان یوں ہے کہ مہندس یعنی مستری گھر کا اندازہ کرنے والا پہلے اپنے ذہن میں پورے گھر کی تصویر کا خیال باندھتا ہے سو پورا گھر مہندس کے ذہن میں اندازہ کرنے کے رو سے تو سب سے پہلے اور وجود میں سب سے آخر ہوتا ہے کیونکہ اول اینٹوں کا لگانا اور دیواروں کی بنا اور اس کی ترکیب یہ سب ایک کمال کا وسیلہ ہے وہ گھر ہے جس کے واسطے اسباب کا تقدم ہے جب کہ تو نے یہ معلوم کر لیا پس جان لے کہ خلقت کے بنانے سے یہ مقصود ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی سے قرب حاصل کرے سو یہ قرب بدون سمجھائے نبیوں کے نہیں ہو سکتا تھا اس لئے ایجاد سے مقصود نبوت ٹھہری نبوت کا اصل مقصود نہیں بلکہ نہایت اور کمال مقصود ہے نبوت کا کمال بموجب عادت الٰہی بتدریج ہوتا ہے جیسا کہ گھر کی عمارت بتدریج کمال کو پہنچتی ہے نبوت کی تمہید پہلے حضرت آدمؑ سے ہوئی پھر بڑھتی رہی یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کمال کو پہنچ گئی سو نبوت سے غایت اور کمال مقصود تھا اور پہلی تمہیدیں کمال نبوت کے لئے وسیلہ تھیں جیسا کہ بنیاد کا رکھنا اور دیواروں کا بنانا گھر کے کمال کا وسیلہ ہے رسول مقبول ﷺ کے خاتم النبیین ہونے میں یہی راز ہے کیونکہ کمال پر زیادتی بھی ایک طرح کا نقصان ہے مثلاً نیچے کی کمال شکل یہ ہے کہ ایک ہتھیلی اس پر پانچ

انگلیاں ہوں اب جیسا کہ چار انگلیوں کا ہونا ناقص ہے ویسے ہی چھ انگلیوں کا ہونا ناقص ہے کیونکہ چھٹی انگلی جو کفایت پر زا ہے اگر چہ صورت میں زیادتی ہے لیکن حقیقت میں نقص ہے حدیث نبوی میں اسی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت فرماتے ہیں قولہ ﷺ مثل النبوۃ مثل دار معمورۃ لم یبق فیھا الا موضع لبنۃ فکنت انا تلک اللبنۃ (ترجمہ: نبوت کی مثال ایسی ہے جیسا کہ گھر بنایا ہوا نہ باقی رہی اس میں مگر ایک اینٹ کی جگہ سو وہ اینٹ میں ہوں یہی الفاظ ہیں یا ان الفاظ کے یہ معنی ہیں جب کہ تو نے یہ معلوم کر لیا کہ حضرت کا خاتم النبیین ہونا ضروری ہے جس کا خلاف متصور نہیں کیونکہ نبوت حضرت ہی سے نہایت اور کمال کو پہنچی اور شے کی غایت تقدیر میں اول اور وجود میں آخر ہوتی ہے پس رسول مقبول ﷺ تقدیر میں اول اور وجود خارجی میں آخر ہوئے اور قولہ کنت نبیا و ادم بین الماء والطین سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کیا اس لئے کہ حضرت آدمؑ کی خلقت کے تمام ہونے سے اول ہی تقدیر میں نبی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ اس کی اولاد میں سے عمدہ شخص چھانٹ لے اور بتدریج یہاں تک چھانٹے کہ کمال صفائی کو پہنچ کر محمد ﷺ کی روح پاک اور مقدس کو قبول کرے اور یہ حقیقت سمجھی نہیں جاتی جب تک یہ نہ سمجھا جاوے کہ مثلاً گھر کے لئے دو

Marfat.com

وجود ہوتے ہیں ایک تو مستری کے ذہن و دماغ میں اس کا وجود ہوتا ہے ایسا کہ وہ اس کو دیکھ ہی رہا ہے اور ایک وجود ذہن سے خارج یعنی ظاہر میں ہوتا ہے اور وجود ذہنی وجود خارجی ظاہر کے لئے سبب ہوتا ہے اور ضرور اول ہی ہوتا ہے ایسا ہی جان لے کہ اللہ تعالیٰ پہلے اشیاء کی تقدیر کرتا ہے پھر ان اشیاء کو اس تقدیر کے موافق پیدا کرتا ہے اور تقدیر تو لوح محفوظ میں نقش ہوتی ہے جیسا کہ مہندس یعنی مستری کی تقدیر تختی یا کاغذ پر نقش ہوتی ہے سو گھر صورۃً کاملہ انتزاعی کے ساتھ کاغذ پر موجود ہوتا ہے وہ گھر کے وجود حقیقی کے لئے سبب ہوتا ہے اب جیسا کہ یہ صورت مستری کی تختی پر پہلے قلم کے وسیلہ سے نقش ہوتی ہے اور قلم مستری کے علم کے موافق چلتی ہے بلکہ علم ہی اس کو چلاتا ہے ایسا ہی امور الٰہیہ کی صورتوں کی تقدیر لوح محفوظ میں پہلے نقش ہوتی ہے اور لوح محفوظ پر قلم سے نقش ہوتا ہے اور قلم اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق چلتی ہے لوح سے وہ شے موجود مراد ہے جو صورت کے نقش کو قبول کرے اور قلم سے وہ موجود مراد ہے جس سے لوح پر صورتوں کا فیضان ہو اب قلم کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ لوح میں معلومات کی صورت نقش کرے اور لوح کی حقیقت یہ ٹھہری کہ ان صورتوں کا نقش قبول کرے سو قلم اور لوح کی شرط سے یہ نہیں ہے کہ وہ دونوں لکڑی اور نی کی ہوں بلکہ جسم ہونا بھی انکی شرط میں سے نہیں پس قلم اور لوح کی ماہیت اور حقیقت میں جسمیت داخل نہیں بلکہ قلم اور لوح کی حقیقت وہی ہے جو ہم نے ذکر کی اور جو اس پر زائد ہے وہ صورت ہے حقیقت نہیں اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لوح اور قلم اس کے ہاتھ اور انگلیوں کے لائق ہو ہاتھ اور انگلیں اس کی ذات اور الوہیت کے موافق ہوں جسمیت کی حقیقت سے پاک ہو بلکہ یہ تمام روحانی جواہر ہیں بعض ان میں متعلم ہیں جیسا کہ لوح اور بعض ان میں معلم جیسا کہ قلم چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الذی علم بالقلم[۱] اب جبکہ تو نے وجود کی دونوں قسمیں معلوم کر لیں جان لے کہ حضرت محمد ﷺ آدم علیہ السلام سے پیشتر باعتبار وجود اول کے نبی تھے نہ باعتبار دوسرے وجود کے جو حقیقی اور عینی ہے یہ روح کے معنوں میں آخیر کلام ہے

فصل حضرت ﷺ فرماتے ہیں،

من مات فقد قامت قیامته ۔لفظ قیامت سے قیامت مطلقہ مراد نہیں ہے بلکہ قیامت خاصہ مراد ہے جس کو ہم نے احیاء علوم الدین کی کتاب صبر کے ابتدا میں تفصیلاً بیان کر دیا ہے اور قیامت مطلقہ وہ ہے جو سب کو شامل ہوگی اور وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہے جو خلقت پر کسی بھید کی جہت سے مخفی ہے اسی بھید کو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے اگرچہ سب وقت برابر ہیں لیکن

[۱] جس نے علم سکھایا قلم سے۔

Marfat.com

بعض وقتوں کے ساتھ وجود کی بعض قسموں کے مختص ہونے کو عقل جائز رکھتی ہیں متکلمین کے مذہب کے رُو سے خدا کے ارادہ پر موقوف ہے جیسا کہ بعض وقتوں میں عالم کا پیدا کرنا خدا کے ارادہ پر موقوف ہے حالانکہ قدرت اور ذات کی نسبت تمام وقت برابر ہیں فلسفیوں کے مذہب کے موجب بھی قیامت مطلقہ کا محال ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ فلسفی متفق ہیں کہ حادث چیزوں کے مبادی آسمانوں کی حرکتیں اور ان کے دورے مختلفہ ہیں اسی واسطے علوی اور سفلی چیزوں کے حکم اور حال مختلف ہوتے ہیں یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر دورے اور گردش کے ساتھ اس کا پچھلا اور پہلا دورا ہم مثل ہے اور دورے کا ہم مثل ہونا ان کے مذہب کے رو سے ضعیف ہے بلکہ جائز ہے کہ ایک دور ایسا پیدا ہو کہ اس کی نظیر نہ اول ہوئی تھی نہ اس کے بعد ہوا اس لیئے کبھی بعض دوروں میں جانور ایسی عجیب شکلوں کے پیدا ہوتے ہیں کہ کبھی ویسے ہوئے ہی نہیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ دورے آسمانی تو باہم مناسب ہوں اور شکلیں جو ان کی تربیت سے حاصل ہیں مختلف ہوں مثلاً پانی میں جو ہم نے ایک پتھر پھینکا تو اس پانی میں ایک شکل متدیر پیدا ہوگی اگر ہم ویسا ہی ایک اور پتھر پہلی حرکت کے منقطع ہونے کے اول ہی پھینکیں تو یہ لازم نہیں آتا کہ پانی کی شکل دوسری حرکت کے بعد اول حرکت کی مثل ہی ہو کیونکہ پہلا پتھر تو ٹھہرے ہوئے پانی میں پڑا اور دوسرا پتھر متحرک پانی میں سو جو دوسرے پتھر نے متحرک پانی میں شکل پیدا کی ہے یہ اس شکل کے برخلاف ہوگی جو ٹھہرے ہوئے پانی میں پیدا ہوئی تھی یہاں باوجود مساوات اسباب کے شکلیں مختلف ہوگئیں کیونکہ پہلی کا پچھلی کے ساتھ کچھ اثر مل گیا اس لئے محال نہیں ہے کہ ایک دور معین ایک ایسی طرح کے وجود اور ابداع کا مقتضی ہو جو پہلی طرح کے مخالف ہو یہ بھی محال نہیں ہے کہ اس کا وجود بدیعی ہو جو اس کی نظیر سابق میں نہ گزری ہو اور یہ بھی محال نہیں ہے کہ اس کا حکم باقی رہے اور دور پہلا جو منسوخ ہو چکا ہے اس کی مثل اس کو لاحق نہ ہو سو اس قسم کا وجود جو ابداع یعنی بلا سبق نظیر سے حاصل ہوا ہے اپنی جنس میں باقی رہے اگرچہ اس کے احوال خاص بدلتے رہیں سو قیامت کی میعاد یہی شکل ہوئی جو پہلی شکلوں کی رو سے عجیب وغریب ہے اور یہی تمام روحوں کے جمع ہونے کا سبب کلی ہے جو اس کا حکم سب روحوں پر عام ہوگا اب قیامت کا آنا ایسے وقت کے ساتھ مخصوص ہوا جس کی پہچان قویٰ بشری سے نہیں ہو سکتی اور نہ انبیاء سے ہو سکتی ہے کیونکہ انبیاء کو بھی کشف بقدر استعداد ہوتا ہے جبکہ قیامت کے محال ہونے پر کوئی دلیل کلامی اور فلسفی قائم نہیں اور شریعت میں اس کا صراحتاً ثبوت ہے تو اب اس پر یقین کرنا واجب ہے اور شک کرنا نہیں چاہیے فصل جو شخص کہتا ہے کہ تو ام روح کا بغیر بدن

Marfat.com

کے نہیں ہوتا وہ اگر قبر میں جسم کے ساتھ روح کے تعلق اور پھر روح اور جسم میں مفارقت اور قیامت میں پھر تعلق ہونے کا انکار کرے تو اس کا انکار باطل ہے کیونکہ روح کا قوام بغیر بدن کے مشکل نہیں ہے بلکہ بدن کے ساتھ تعلق اس کا مشکل ہے کہ بدن سے کیونکر متعلق ہوئی حالانکہ روح کا بدن میں حلول نہیں جیسا کہ عوارض کا جوہر میں اس لئے کہ وہ عرض نہیں ہے بلکہ وہ تو جوہر بذات خود (یعنی بلا قیام بالغیر) موجود ہے اور اپنی ذات اور صفات سے اپنے خالق اور اس کی صفات کو پہچانتی ہے اور وہ اس پہچاننے میں کسی حواس کی طرف محتاج نہیں ہے کیونکہ جن چیزوں کو اس نے پہچانا ہے وہ محسوس نہیں۔ انسان تعلق بدن کی حالت میں قادر ہے کہ اپنے نفس کو تمام محسوس چیزوں سے غافل کرے یہاں تک کہ آسمان اور زمین سے بھی سو اس حالت میں اپنی ذات اور اس کے حدوث اور خالق کی طرف اس کے محتاج ہونیکو جانتا ہے حالانکہ کسی محسوس چیز کا اس کو شعور نہیں ہوتا سو بغیر شعور محسوسات کے اس نے اپنی ذات کو پہچانا چنانچہ ابتداء تصوف میں صوفی کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اس حالت میں پہنچاتا ہے کہ اس کے ذہن میں تمام ماسوائے اللہ غائب ہو جاتا ہے بلکہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو جاتا ہے اور اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شے محسوس اور معقول کا شعور نہیں ہوتا ہے اور اس شعور کا بھی شعور نہیں ہوتا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہوتا ہے کیونکہ شعور کے شعور میں بھی خدا سے غفلت لاحق ہوتی ہے پس جو حق کی معرفت کے لیئے مجرد ہوا بدن اور قالب کی طرف کیوں محتاج ہوگا اور جسم سے کیوں نہ بذات خود مستغنی ہوگا جو اس کا مرکب ہے اور محسوسات کو ہی دیکھنا ہے جس نے روح کی حقیقت اور اس کا بذات خود قوام معلوم کر لیا اس کو روح کا جسم سے الگ ہونا مشکل معلوم نہیں ہوگا بلکہ روح کا جسم سے اتصال مشکل معلوم ہوگا یہاں تک کہ جان لے کہ اتصال کے یہی معنیٰ ہیں کہ جسم میں تاثیر اور تصرف اور حرکت روح سے ہی ہے جیسا کہ انگلیوں کی حرکت ارادہ کے حرکت دینے سے معلوم کر لیتا ہے حالانکہ اس کو یقین ہے کہ ارادہ

ا روح کا تعلق بدن کے ساتھ پانچ قسم پر ہے ایک تعلق جنین کی حالت میں یعنی شکم مادر میں بعد چار ماہ کے نطفہ میں جب اعتدال اور صفائی کمال درجہ کی حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ روح کو اس سے متعلق کرتا ہے دوسرا تعلق شکم مادر سے خروج کے بعد کہ پہلے کی بہ نسبت اس وقت تعلق روح کے زیادہ آثار ظاہر ہوتے ہیں تیسرا تعلق حالت خواب میں کہ من وجہ تعلق اور من وجہ مفارقت ہوتی ہے چوتھا تعلق عالم برزخ میں کیونکہ اس عالم میں اگرچہ مفارقت ہوتی ہے مگر مفارقت کلی نہیں ہوتی کہ بالکل بدن کی طرف اس کو التفات ہی نہ ہو پانچواں تعلق بروز قیامت کو کامل وجہ پر ہوگا۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

Marfat.com

انگلیوں میں نہیں ہے لیکن جسم اس کا مسخر ہے سو اس تسخیر کا پیدا ہونا اور رجوع کرنا جائز ہے اور عقل ان میں سے کسی کو محال نہیں جانتی جائز ہے اس کے رجوع اور زوال کے لئے اسباب ملکی اور فلکی اور نفسی ہوں جس کو قوت بشری احاطہ نہیں کر سکتی سو ایسی وجہ پر شریعت میں روح کا جسم سے الگ ہونا اور پھر عود کرنا جو وارد ہوا ہے اس کی تصدیق واجب ہے فصل میزان ۱؎ پر ایمان واجب ہے کیونکہ جب نفس کا قوام بذات خود اور اس کا جسم سے مستغنی ہونا ثابت ہوا پس وہ نفس اشیاء کے کشف حقائق کی بذات خود استعداد رکھتا ہے اور موت کے بعد اس کا حجاب کھل جائیگا اور حقائق اشیاء اس کو معلوم ہو جائینگی اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فکشفنا عنک عطاءک فبصرک الیوم حدید ۲؎ جن چیزوں کا اس کو کشف ہوگا وہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے قرب اور بعد میں اس کے اعمال کی تاثیریں اور ان کے آثاروں کی مقادیر ہونگی اگر چہ ان آثار میں بعض تاثیریں بہ نسبت بعض کے زیادہ ہوں اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایک ایسا سبب پیدا کر دے کہ جس سے خلقت ایک لحظہ میں قرب اور بعد میں اپنے عملوں کی تاثیر کے مقدار معلوم کر لے سو میزان کی تعریف یہ ٹھہری کہ وہ ایک شے ہے جس سے زیادتی اور نقصان کا فرق معلوم ہو اور عالم محسوس میں اس کے لئے مثالیں مختلف ہیں ایک تو ان میں سے ظاہر میں ترازو مشہور ہے جس سے اشیاء ثقلیہ وزن کرتے ہیں اور ایک اسطرلاب ۳؎ ہے آسمان کی حرکت اور وقت معلوم کرنے کے لئے اور ایک ان میں سے مسطر ہے جس سے خطوں کی مقدار معلوم ہوتی

۱؎ خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ میزان حقیقی کو بروز قیامت ترازو مشہور کی صورت پر مشتمل کرے اور اعمال کو گویا اعمال حسنہ وسیۂ کو مجسم کر کے اس میں وزن کر دکھائے یا میزان حقیقی کو کسی اور شکل حسی یا خیالی پر ظاہر فرمائے جس سے ہر ایک نفس کو اپنے اعمال کی تاثریں اور ان کے آثاروں کا اندازہ معلوم ہو جائے پس جب شرع میں اس کا ثبوت ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ فلا تظلم نفس شیئا ☆ اس پر صراحتاً دال ہے اور عقل کی رو سے امکان اسکا ظاہر ہے اس لئے تصدیق میزان کی واجب ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

۲؎ اب کھولدیا ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ اب تیری نگاہ آج تیز ہے۔

۳؎ اسطرلاب کے ذریعہ سے آفتاب و دیگر ستاروں کا ارتفاع اور صبح و شفق کی ساعات اور طالع وقت اور طالع سال گزشتہ سے طالع سال مستقبل کا معلوم کرنا اور تعدیل النہار و طلوع و غروب و سمت وغیرہ امور کی معرفت حاصل کیجاتی ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

☆ رکھیں گے ہم ترازو میں انصاف کی پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ۔

Marfat.com

ہے اور ایک ان میں سے علم موسیقی ہے جس سے آوازوں کی حرکات کے مقدار معلوم ہوتے ہیں سو اللہ تعالیٰ جو خلقت کے لئے میزان حقیقی متمثل کرے گا اسکو اختیار ہے چاہے ان میزانوں میں سے کسی کی صورت پر متمثل کرے یا اور کسی صورت پر اور میزان کی حقیقت اور ماہیت ان تمام میزانوں میں موجود ہے وہ حقیقت یہ ہے کہ جس سے زیادتی اور نقصان معلوم ہو اور اس کی صورت شکل کے وقت حس میں اور تمثیل کے وقت خیال میں موجود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے خواہ میزان حقیقی کو شکل حسی پر بنا دے یا تمثیل خیالی پر اس کی قدرت بڑی ہے ان سب پر ایمان واجب ہے فصل حساب کی تصدیق واجب ہے کیونکہ حساب سے مراد مختلف مقداروں کا جمع کرنا اور انکی حدود نہایت معلوم کرنی ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے واسطے مختلف عمل نفع دینے والے اور ضرر دینے والے رحمت خدا سے قریب کرنے والے اور بعید کرنیوالے نہ ہوں اور ان کا مجموعہ بعد تفصیل معلوم نہیں ہوتا جب تک اس کے مختلف افراد کا حصر نہ کیا جاوے جب متفرقات کا جمع اور حصر کیا گیا وہی حساب ہے یہ تو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ مختلف اعمال اور انکے آثار کی حدو نہایت ایک لحظ میں ظاہر کر دے کیونکہ وہ بہت جلد حساب کرنیوالا ہے فصل شفاعت [۱] شفاعت پر ایمان واجب ہے شفاعت سے ایک نور مراد ہے

[۱] شرح میں شفاعت کا ثبوت قولہ تعالیٰ [۲] یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمٰن ورضی له قولا۔ ودیگر آیات واحادیث کثیرہ سے ہوتا ہے جس کی پانچ قسمیں ہیں اول تعجیل حساب کے لئے شفاعت عامہ جو خاص آنحضرت ﷺ فرمائیں گے دوسری بعض لوگوں کو بغیر حساب جنت میں داخل کرانا یہ بھی آنحضرت ﷺ کے حق میں وارد ہے تیسرے مومنین سے اس قوم کے لئے جو مستوجب دخول نار ہیں آنحضرت ﷺ اور جنکو خدا تعالیٰ چاہے دخول نار سے بچانے کی شفاعت فرمائیں گے چوتھے گنہگار مومنوں کے لئے دوزخ سے نکلوانیکی شفاعت جو آنحضرت ﷺ اور ملائکہ ودیگر مومنین کریں گے جیسا کہ اکثر احادیث میں وارد ہے پانچویں بہشتیوں کی ترقی درجات کیلئے شفاعت ہوگی اور جبکہ کفار کی نسبت بہ سبب دوم ایمان کے نہ تو بارگاہ الٰہی کے ساتھ مضبوط ہے اور نہ جوہر نبوت کے ساتھ پس نور بارگاہ الٰہی سے ان پر نہ بلا واسطہ چمکے گا اور نہ بواسطہ جوہر نبوت اس لئے بروز قیامت عذاب سے ان کو رہائی نہیں ہوگی اور نہ ان کے حق میں کسی کی شفاعت مقبول ہوگی چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے [۲] فما تنفعهم شفاعة الشافعين [۳] اور فرماتا ہے ما للظالمين من حميم ولا شفيع يطاع۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[۱] اس دن کام نہ آئے گی شفاعت مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے اور پسند کی انکی بات [۲] پھر کام نہ آئے گی انکی سفارش کرنیوالوں کی [۳] کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

Marfat.com

جو بارگاہ الٰہی سے جوہر نبوت پر چمکے گا پھر جوہر نبوت سے ان جواہر پر چمکے گا جن کی جوہر نبوت کے ساتھ مناسبت مضبوط ہوگی بسبب زیادتی محبت یا بسبب زیادتی ادائے سنت یا بسبب کثرت ذکر کے جو درود کے ساتھ ہو اس کی مثال نور آفتاب جیسی ہے کہ جب وہ نور پانی پر پڑے تو اس سے دیوار کی ایک خاص جگہ پر عکس پڑتا ہے تمام دیوار پر نہیں پڑتا عکس پڑنے کے لئے وہ جگہ خاص اسواسطے ہوئی کہ پانی میں اور اس جگہ میں وضع کے رو سے ایک طرح کی مناسبت ہے وہ مناسبت دیوار کے باقی اجزا میں نہیں ہے اور دیوار کی جگہ انعکاس کے لئے خاص وہ ہوگی کہ جب اس جگہ خاص سے ایک خط اس پانی کی جگہ تک کھینچا جائے جس جگہ پر نور آفتاب کی طرف خط کھینچنے سے پیدا ہوا ہے اس طرح پر کہ نہ تو اس سے بڑا ہو اور نہ اس سے چھوٹا یہ بات تو ایک جگہ خاص میں ہی ہوگی اب جیسا کہ مناسبات وضعی انعکاس نور کے مختص ہونے کو چاہتی ہیں ایسا ہی مناسبات معنویہ عقلیہ جواہر معنویہ میں انعکاس نور کے اختصاص کی مقتضی ہیں۔

جس شخص پر توحید غالب ہوگی اس کی مناسبت تو بارگاہ الٰہی کے ساتھ مضبوط ہوگی اس پر نور بارگاہ الٰہی سے بلاواسطہ چمکے گا اور جس شخص پر رسول مقبول ﷺ کے سنن اور اقتدا اور اس کے اتباع کی محبت غالب ہوگی اور ملاحظہ وحدانیت میں اس کا قدم مضبوط نہیں ہوا اس شخص کی محبت تو واسطہ ہی کے ساتھ مضبوط ہوئی سو نور کے خاص کرنے میں وسیلہ کا محتاج ہوگا جیسا کہ دیوار آفتاب سے محجوب ہے پانی کے واسطہ کی محتاج ہے جو آفتاب کے سامنے ہے ایسا ہی دنیا میں شفاعت ہوتی ہے مثلاً ایک وزیر جو بادشاہ کے نزدیک معتبر اور اس کی عنایت کے ساتھ مخصوص ہے پس بادشاہ جو اس وزیر کے بعض دوستوں کے گناہ معاف کرتا ہے تو یہ معاف کرنا کچھ بادشاہ اور وزیر کے دوستوں میں مناسبت کی جہت سے نہیں بلکہ اس لیئے ہے کہ وہ دوست وزیر کے

ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور وزیر بادشاہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے پس بادشاہ کی عنایت ان پر وزیر کے ذریعہ سے ہوئی نہ ان کی جہت سے اگر وزیر کا واسطہ نہ ہوتا تو بادشاہ کی عنایت ان پر نہ ہوتی کیونکہ بادشاہ وزیر کے دوستوں اور ان کے اختصاص کو اسی سبب سے جانتا ہے کہ وزیر ان کی تعریف اور ان کی معافی میں اظہار رغبت کرتا ہے سو تعریف میں اس کے تلفظ اور اظہار رغبت کو مجازاً شفاعت کہتے ہیں کیونکہ درحقیقت شفیع تو بادشاہ کے نزدیک اس کا رتبہ ہے الفاظ تو اظہار غرض کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو تعریف سے مستغنی ہے اگر بادشاہ ان کا اختصاص وزیر کے درجہ کے ساتھ جانتا تو شفاعت میں بولنے والے کی اس کو کچھ حاجت نہ ہوتی اور معافی شفاعت بلا نطق کے ساتھ ہوتی اللہ تعالیٰ تو اختصاص کو جانتا ہے اگر نبیوں کو شفاعت میں ان کے

Marfat.com

کلمات کے تلفظ کا جو خدا تعالیٰ کو معلوم ہیں اذن بھی دے گا تو ان کے الفاظ شفیعوں جیسے ہونگے اگر اللہ تعالیٰ شفاعت کی حقیقت کو ایسی مثال کے ساتھ جو حس اور خیال میں آسکے متمثل کرنا چاہے گا تو وہ تمثیل الفاظ کے ساتھ ہوگی جو شفاعت میں مستعمل ہیں اور احادیث میں جو وارد ہے کہ جو چیزیں رسول مقبول ﷺ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ رسول مقبول ﷺ پر درود[1] کا بھیجنا یا ان کی قبر مقدس کی زیارت کرنی یا مؤذن کا جواب دینا یا اذان کے پیچھے حضرت کے لئے دعا مانگنی اور سوائے اس کے ان سب چیزوں سے آدمی شفاعت کا مستحق ہوتا ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ شفاعت میں نور کا انعکاس بطریق مناسبت ہوگا کیونکہ یہ سب چیزیں مذکورہ رسول مقبول ﷺ کے ساتھ علاقہ محبت اور مناسبت کو مضبوط کرتی ہیں۔ فصل پلصراط[2] پر ایمان لانا برحق ہے یہ جو

---

[1] فرمایا حضرت ﷺ نے من صلی علی محمد وقال اللھم انزلہ المقعد المقرب عندک یوم القیمۃ وجبت لہ شفاعتی (۱ـہ) احمد بروایت رویفعؓ اور فرمایا من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (ابن ابی الدنیا) (۲ـہ) بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے من قال حین یسمع النداء اللھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ والصلٰوۃ القائمۃ ات محمدا الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ حلت لہ شفاعتی یوم القیمۃ (۳ـہ)۔ بخاری بروایت جابر بن عبداللہؓ۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

[2] پل صراط کا ثبوت قرآن شریف کی اس آیت سے ہوتا ہے قولہ تعالیٰ فاھدوھم الی صراط الجحیم وقفوھم انھم مسئولون یعنی پھر چلاؤ ان کو راہ پر دوزخ کے اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے اور اکثر معتزلہ کے اس خدشے کا جواب کہ عبور اس پر ممکن نہیں اور اگر ممکن ہے تو مومنین کیلئے عذاب ہے یہ ہے کہ اس پل کا ممکن ہونا اور اس پر گزر جانا کچھ دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ جو واجب تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ پانی پر چلاتا ہے اور پرندوں کو ہوا میں اڑاتا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ ایسا پل بنائے اور آدمی کو اس پر چلادے اور مومنین کے لئے اس پر عبور سہل کردے پس جب عقل کے رو سے امکان ثابت ہے اور شریعت میں صراحتاً ثبوت ہے اس لئے اس کی تصدیق واجب ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

(۱ـہ) جس نے درود بھیجا محمد ﷺ پر اور کہا اے اللہ نازل کر اس کو مقام مقرب میں نزدیک اپنے روز قیامت واجب ہوگئی اس کے لئے میری شفاعت (۲ـہ) جس نے زیارت کی میری قبر کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (۳ـہ) جس نے کہا جب سنا اذان کو اے خداوند مالک اس دعائے کامل اور نماز حاضر کے دے محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور اٹھا ان کو مقام محمود پر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے حلال ہوگئی واسطے اس کے شفاعت میری یعنی وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگیا۔

Marfat.com

کہا جاتا ہے کہ پل صراط باریکی میں بال کی مانند ہے یہ تو اس کی وصف میں ظلم ہے بلکہ وہ تو بال سے بھی باریک ہے اس میں اور بال میں کچھ مناسبت ہی نہیں جیسا کہ باریکی میں خط ہندسی کو جو سایہ اور دھوپ کے مابین ہوتا ہے نہ سایہ میں اس کا شمار ہے نہ دھوپ میں بال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں پل صراط کی باریکی بھی خط ہندسی کی مثل ہے جس کا کچھ عرض نہیں کیونکہ وہ صراط مستقیم کی مثال پر ہے جو باریکی میں خط ہندسی کی مثل ہے اور صراط مستقیم اخلاق متضادہ کے وسط حقیقی سے مراد ہے جیسا کہ فضول خرچی اور بخل میں وسط حقیقی سخاوت ہے تہور یعنی افراط قوت غضبی اور جبن یعنی بزدلی شجاعت[۱] اسراف اور تنگی خرچ میں وسعت حقیقی میانہ روی ہے تکبر اور غایت درجہ کی ذلت میں تواضع شہوت اور خمود میں [۲] عفت کیونکہ ان صفتوں کی دو طرفیں ہیں ایک زیادتی دوسری کمی وہ دونوں ہی مذموم ہیں افراط اور تفریط کے مابین وسط وہ دونوں طرفوں کی نہایت دوری ہے اور وہ وسط میانہ روی ہے نہ زیادتی کی طرف میں ہے اور نہ نقصان کی طرف میں جیسا کہ خط فاصل دھوپ اور سایہ کے مابین ہوتا ہے نہ سایہ میں سے ہے نہ دھوپ میں سے اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ انسان کا کمال فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہونے میں ہے اور فرشتے تو ان اوصاف متضادہ سے بالکل الگ ہیں اور انسان کو ان اوصاف متضادہ سے بالکل الگ ہونے کی طاقت نہیں اس واسطے وصف کا مکلف ہوا وہ وسط انفکاک یعنی الگ ہونے کے مشابہ ہے اگرچہ حقیقت میں الگ ہونا نہیں جیسا کہ نیم گرم پانی نہ گرم ہے نہ سرد اور عود کا رنگ نہ سیاہ ہے نہ سفید سو بخل اور فضول خرچی انسان کی صفتیں ہیں میانہ روان دونوں صفتوں میں سخی ہے نہ تو وہ بخیل ہے نہ فضول خرچ اور صراط مستقیم دونوں طرفوں کے مابین خلق میں وسط کا نام ہے جو کسی طرف مائل نہیں وہ جال سے زیادہ باریک ہے اور جو چیز دونوں طرفوں سے نہایت دوری کو چاہے اس کو وسط پر ہی ہونا چاہیے مثلاً ایک لوہے کا حلقہ آگ میں تپایا ہوا ہے ایک چیونٹی اس میں گرے جو بالطبع حرارت سے بھاگتی ہے اب وہ چیونٹی مرکز پر ہی ٹھہرے گی کیونکہ محیط

---

[۱] شجاعت اعتدال غضب کا نام ہے اس طرح پر کہ انسان ان کاموں کو اختیار کرے جو شریعت کے رو سے مفید اور نیک ہیں اور غضب افراط کا نام تہور ہے وہ یہ ہے کہ انسان بے موقع جرأت کرے اور غضب کی تفریط یعنی کمی کو جبن کہتے ہیں وہ بیجا ڈرنا ہے۔

[۲] عفت اعتدال شہوت کو کہتے ہیں اس طور پر کہ جن چیزوں کا شریعت میں اذن ہے ان چیزوں پر نفس ابھرے شہوت کی زیادتی کو فجور کہتے ہیں وہ لذات نامشروعہ اور گناہوں کا اختیار کرنا ہے شہوت کی کمی کو خمود کہتے ہیں یہ کہ لذات مشروعہ اور طبیعات مرغوبہ سے نفس کو انقباض ہو۔

Marfat.com

گرم یعنی حلقہ گرم سے غایت دوری پر وسط مرکز ہی ہے وہ مرکز ایک نقطہ ہے جس کا کچھ عرض نہیں پس صراط مستقیم طرفین کا وسط ہوا جس کا کچھ عرض نہیں اور وہ بال سے زیادہ باریک ہے اس واسطے اس پر ٹھہرنا قدرت بشری سے خارج ہے پس ہر شخص کو آگ پر وارد ہونا بقدر میل ضروری ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان منکم الا واردھا[۱] اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل[۲] کیونکہ دو عورتوں کی محبت میں عدل اور درجہ متوسط پر ایسا ٹھہرنا کہ دونوں عورتوں میں سے کسی کی طرف میلان زیادہ نہ ہو کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ تو نے یہ بات سمجھ لی تو جان لے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے قیامت میں صراط مستقیم کو خط ہندسی کی طرح جس کا کچھ عرض نہیں ممثل کریگا تو ہر انسان سے اس صراط پر استقامت کا مطالبہ ہوگا پس جس شخص نے دنیا میں صراط مستقیم پر استقامت کی اور افراط تفریط یعنی زیادتی اور کمی کی دونوں جانبوں میں سے کسی جانب میں میلان نہ کیا وہ اس پل صراط پر برابر گزر جائیگا اور کسی طرف کو نہ جھکے گا اس شخص کی عادت دنیا میں میلان سے بچنے کی تھی تو یہ اس کی وصف طبیعت بن گئی اور عادت پانچویں طبیعت ہوتی ہے سو پل صراط پر برابر گزر جائیگا اور ثبوت پل صراط قطعی حق ہے جیسا کہ شریعت میں وارد ہوا ہے فصل تو نے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور دن آخرت پر ایمان لانیکی دلیل پوچھی سو نہ پہچاننے والے کے لئے تو اس میں کلام طویل ہے اور پہچاننے والے کے لئے مختصر ہے کیونکہ جب تو نے معلوم کرلیا کہ تو حادث[۳] یعنی نو پیدا ہے اور یہ بھی معلوم کرلیا کہ جو حادث ہے پیدا کرنے والے سے مستغنی نہیں ہوتا اس سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دلیل تجھ کو حاصل ہو گئی اور یہ دو معرفتیں بہت

---

[۱] اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر

[۲] اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کا شوق کرو سو نرے پھر بھی نہ جاؤ گے۔

[۳] تو حادث اسی طرح کل افراد عالم کے حادث ہیں کیونکہ عالم متغیر ہے اور کل متغیر حادث ہوتا ہے جب حادث یعنی نو پیدا ہوا تو حادث کرنیوالے کا محتاج ہوا اور حادث کرنے والا خود حادث نہیں ہوگا بلکہ واجب الوجود ہوگا کیونکہ اگر حادث ہو تو وہ بھی کسی پیدا کرنے والے کا محتاج ہوگا اور وہ دوسرا تیسرے کا یہاں تک کہ یہ تسلسل بے نہایت ہو جاوے اور جو شے متسلسل ہوتی ہے اس کا حاصل ہونا محال ہے اگر حاصل ہو تو خلاف مفروض لازم آتا ہے جو باطل ہے کیونکہ اگر بے نہایت حاصل ہو تو وہ معروض للعدد ہوگا اور ہر عدد قابل تضعیف ہے جس سے معروض للعدد۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں

Marfat.com

قریب الفہم ہیں ایک تو یہ کہ تو حادث ہے اور دوسرا یہ کہ حادث خود پیدا نہیں ہوتا اور جبکہ تو نے اپنے نفس کو پہچانا کہ تو ایسا جوہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور غیر محسوس چیزوں کی پہچان تیرا خاصہ ہے اور بدن تیری ذات کے لئے قوام نہیں اور بدن کا معدوم اور منہدم ہونا تجھ کو معدوم نہیں کریگا اب تو نے یوم آخر یعنی قیامت کو دلیل کے ساتھ معلوم کر لیا کیونکہ کلام مذکورہ سے یہی ثابت ہوا کہ تیرے لئے دو یوم ہیں ایک یوم حاضر ہے جس میں تو جسم کے ساتھ مشغول ہے اور ایک یوم آخر ہے جس میں تو اس جسم سے الگ ہوگا اس لئے کہ جب تیرا قوام جسم کے ساتھ نہیں ہے اور تو نے موت کے ساتھ اس جسم کی مفارقت کی سو یوم آخر ہو گیا اور جب معلوم کر لیا کہ تو نے جسم کی مفارقت سے محسوس چیزوں کی مفارقت کی اب تو یا خدا تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ منعم رہیگا جو تیری ذات کا خاصہ ہے اور بمقتضائے طبع اصلی کے تیری لذتوں کا منتہا ہے بشرطیکہ طبیعت کو شہوات کی طرف میلان نہ ہو اور یا اللہ تعالیٰ سے جو باعتبار طبع اصلی کے تیری خواہشوں کا منتہا ہے حجاب کے ساتھ معذب رہیگا جو مابین تیرے اور تیری مراد کے حائل ہوگا اور تجھے معلوم ہے کہ معرفت کے اسباب ذکر وفکر اور غیر اللہ سے اعراض کرنا ہے اور جو مرض خدا تعالیٰ کی معرفت سے مانع ہے اس کا سبب شہوتیں اور دنیا کی حرص ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اپنے عام بندوں کو کشف کے واسطہ سے معرفت نہ دے جیسا کہ اپنے خاص بندوں کو دی ہے اور یہ بھی تجھ کو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یعنی اپنے خاص بندوں کو کشف کے ذریعہ سے معرفت دی اب تجھ کو رسولوں (۱) کی معرفت دلیل کے ساتھ حاصل ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معرفت الفاظ اور عبارتوں کے ساتھ ہوتی ہے جو الفاظ اور عبارتیں ان

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... ہوگا اور ہر عدد قابل تضعیف ہے جس سے معروض للعدد کا قابل تضعیف ہونا ظاہر ہے پس جب اس کی تضعیف ہوگی تو اس کا دو چند اس سے زائد ہوگا اور زائد کی زیادتی بعد انتہا کم کے نکلا کرتی ہے جب بے نہایت متسلسل مفروضہ کم ہو تو منتہی ہوا جب منتہی ہوا تو بے نہایت نہ ہو حالانکہ اس کو بے نہایت لیا تھا پس ضرور ہوا کہ عالم کا پیدا کرنے والا ممکن الوجود اور حادث نہیں ہوگا بلکہ واجب الوجود ہوگا وہی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے۔

حقیقی شاہ دین سلمہ ربہ۔

(۱) انبیاء علیہم السلام کے باب میں فرقہ براہمہ کا خلاف ہے کیونکہ یہ فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ انبیاء کے بھیجنے میں عقل کا کچھ فائدہ نہیں ہم کہتے ہیں کہ عقل سے وہ کام معلوم نہیں ہوتے جو آخرت میں موجب نجات ہیں اور نہ مستقل طور پر اعمال نیک وبد پر ثواب وعذاب کی، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں......

Marfat.com

کو وحی کے وسیلہ سے سنائی جاتی ہیں خواہ سوتے ہو خواہ جاگتے اب اس سے تجھ کو خدا کی کتاب پر ایمان حاصل ہو گیا اور جب تو نے اس بات کو معلوم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال دو قسم پر ختم ہیں ایک وہ افعال ہیں جن کو بلا واسطہ کیا اور ایک وہ جن کو واسطے سے کیا اور اس کے وسائط کے مراتب مختلف ہیں وسائط قریبہ تو مقربین ہیں جن کو ملائکہ[ا] کہتے ہیں اور ملائکہ کی معرفت دلیل کے رو سے نہیں ہو سکتی اور اس میں کلام طویل ہے اور رسولوں کا صدق جو تو نے دلیل کے ساتھ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... تفصیل عقل معلوم کر سکتی ہے اسی طرح کبھی بعض افعال کے نیک ہونے اور کبھی بد ہونے کو عقل بلا واسطہ انبیاء کے معلوم نہیں کر سکتی اس لئے ہماری بہبودی دنیوی نجات اخروی کے حاصل کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا جن کو خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ کسی دیگر انسان کے صرف کشف کے ذریعہ سے معرفت دی اور تصدیق نبوت کے لئے معجزات عطا فرمائے مفید ہونا اظہر من الشمس ہے جب مفید ہونا ظاہر ہے اور معجزات سے ان کی تصدیق ثابت ہے پس نجات اخروی کے حاصل کرنے کے لئے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ ابوالحسن مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[ا] فلسفیوں کا عقیدہ ملائکہ کے بارہ میں بالکل باطل اور خلاف شرع ہے کیونکہ اول تو وہ جواہر مجردہ یعنی عقول عشرہ کو دس میں منحصر کرتے ہیں دوسرا مادیات کے ساتھ ان کا تعلق ایجاد کا لیتے ہیں باری تعالیٰ سے عقل اول کا صدور بالایجاب لیکر فلک اول اور عقل ثانی کے لئے اس کو موجد ٹھہراتے ہیں اور عقل ثانی کو فلک ثانی اور عقل ثالث کا موجد کہتے ہیں علی ہذا القیاس دس عقلیں ثابت کرتے ہیں عقل عاشر جس کو عقل فعال بھی کہتے ہیں ماتحت فلک قمر کے لیے موجد لیتے ہیں جس پر بہت سے دلائل ردی انھوں نے بیان کیے ہیں کمالایخفیٰ اور ابن حزم نے ملائکہ کو ارواح بلا اجسام لیا ہے اور متکلمین نے نورانی اجسام کہا ہے صحیح قول یہی ہے کہ ملائکہ اجسام نورانی ہیں اصل خلقت ان کی بنی آدم کی صورت پر نہیں کیونکہ آدم کی صورت تمام مخلوقات کی صورت سے نرالی اور بہت اچھی صورت ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ (۱) لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اس پر شاہد ہے آیت کلام اللہ سے ملائکہ کی شکل اصلی پروں والی ثابت ہوتی ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ (۲) جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنی و ثلث وربع۔ اس پر دال ہے ہاں خدا تعالیٰ نے ان کو شکل بدلنے اور متشکل بشکل انسان وغیرہ ہونے کی قدرت دی ہوئی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حیوانات کو بخلاف نباتات کے ہیئت اور وضع کے بدلنے کی طاقت دی ہوئی ہے کہ کھڑے ہونے کے وقت جو وضع ہوتی ہے مثلاً بیٹھنے سے متغیر ہو جاتی ہے اور ملائکہ کی مثل خدا تعالیٰ نے جنات کو بھی شکل بدلنے کی طاقت دی ہوئی ہے لیکن جن و شیاطین کے اجسام جبکہ اجزائے ناری و ہوائی کا خلاصہ ہیں اور ان میں شہوت و غضب بھی ہے اس لئے ان میں احتیاج کھانے پینے اور جماع کی محقق ہے بخلاف، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر.......

Marfat.com

معلوم کرلیا ان کی خبر ہی ملائکہ کے صدق کے لئے کافی ہے اس پر اکتفاء کر کیونکہ یہ بھی ایمان کے درجوں میں سے ایک درجہ ہے ایرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات ۔ فصل لذتیں محسوسہ جن کا جنت میں ملنے کا وعدہ ہے جیسا کہ حوریں اور کھانے پینے اور پہننے سونگھنے کی چیزیں سو اس کی تصدیق واجب ہے کیونکہ یہ سب ممکن ہیں اور ان کے ممکن ہونے کا تین وجہ پر اعتقاد کرنا چاہیئے یا تو وہ لذتیں حسی ہونگی یا خیالی یا عقلی حسی لذتیں تو ظاہر ہی ہیں کہ اس عالم میں ہوسکتی ہیں ویسے ہی اس عالم میں کیونکہ اس عالم میں ان لذتوں کا ہونا جسم کی طرف روح کے رو کرنے کے بعد ہوگا اور روح کے رو ہونے کے امکان پر دلیل کا قائم ہونا ان سب لذات حسی کے امکان کو ثابت کرتا ہے اور بعض لذتیں جو عظیم الشان اور نہایت درجہ کی مرغوب الطبع نہیں جیسا کہ دودھ اور ریشمی کپڑے اور کیلہ کے درخت جن کا ثمرہ تہ بر تہ ہو اس کی مانع نہیں ہیں کیونکہ یہ لذتیں ان لوگوں کیلئے ہونگی جن کو حاجت اور رغبت ان میں زیادہ ہوگی اور جنت میں جس چیز کو جس کا جی چاہے سو ہے اور ان کو وہ لوگ چاہیں گے جن میں نئی خواہش پیدا ہوگی اور جو لوگ ان کو نہیں چاہتے اور ان سے لذت نہیں پاتے ان میں نئی خواہش پیدا کی جاوے گی کیونکہ لذتیں شہوتوں کے موافق ہوتی ہیں جیسا کہ جماع کی صورت بدون شہوت کے لذت کو نہیں چاہتی بلکہ نفرت کو چاہتی ہے اللہ تعالیٰ نے خواہشوں کو پیدا کیا اور لذتوں کو ان کے موافق بنایا خدا کے دیدار کی لذت کی تصدیق وہی کرتے ہیں جن کو خدا چاہے تمام نہیں کرتے اگرچہ ظاہرین تمام اقرار کرتے ہیں کیونکہ جب ان میں معرفت نہیں ہے تو شوق بھی نہیں پس ادراک لذت بھی نہیں لیکن قیامت میں اللہ تعالیٰ ان کے شوق اور محبت اور معرفت کو بڑھادیگا یہاں تک کہ دیدار[۲] الٰہی کی لذت ان کو بڑی معلوم ہوگی اور لذتوں خیالی کا بھی ممکن ہونا مخفی نہیں ہے جیسا کہ خواب میں مگر اتنا فرق ہے کہ خواب کی لذت جلدی منقطع ہوجانے کے سبب حقیر

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ........فرشتوں کے کہ وہ گناہوں سے معصوم اور کھانے پینے و جماع کی حاجت سے پاک ہیں ان کو روحانیات اور ملائکہ اور ارواح اور ملکوت سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں اور فرشتہ کو فارسی میں سروش اور ہندی میں دیوتہ بولتے ہیں۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

(۱☆) البتہ ہم نے پیدا کیا انسان کو بہت اچھی صورت میں ۔ (۲) جس نے ٹھہرائے فرشتے پیغام لانے والے جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار ۔........ ایلند کرتا ہے اللہ درجے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں تم میں سے اور ان لوگوں کے جو دیئے گئے ہیں علم ۔

(۲) خدا تعالیٰ باوجودیکہ جسم اور عوارض جسمی یعنی صورت حسی اور مقدار اور جہات ۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ......

Marfat.com

ہے اگر ہمیشہ رہتی تو لذات حسی اور خیالی میں کچھ فرق نہ ہوتا کیونکہ انسان کا لذت یاب ہونا ان صورتوں میں ہوتا ہے جو خیال اور حس میں نقش پذیر ہوتی ہیں نہ ان کے وجود خارجی سے اگر وہ صورتیں خارج میں پائی جاویں اور حس میں نقش پذیر نہ ہوں تو لذت نہیں ہوتی اور اگر وہ صورت جس کا حس میں نقش ہوا ہے باقی رہے اور خارج میں پائی جاوے تو لذت ہمیشہ رہتی ہے اور قوت خیالیہ کو اس عالم میں صورتوں کے اختراع یعنی نوایجاد کرنے کی قدرت ہے مگر اس کی صورتیں نوایجاد کی ہوئیں خیال میں ہی ہوتی ہیں جو حس ظاہری سے محسوس نہیں ہوتیں اور قوت باصرہ میں منقش ہوتی ہیں اس لئے اگر بہت عمدہ صورت کا قوت خیالیہ ایجاد کرے اور وہم کرے کہ میرے مشاہدہ اور حضور میں ہے تو اس صورت کی لذت بڑی نہیں ہوتی کیونکہ وہ صورت آنکھوں سے دیکھی نہیں گئی جیسا کہ خواب میں ہوتا ہے اور قوت خیالیہ کو جیسا کہ خیال میں صورت کے نقش کرنے کی قوت ویسا ہی ہے اگر قوت باصرہ میں اس کے نقش کرنے کی قوت ہوتی تو اس صورت کی لذت بڑھ جاتی اور وہ صورت خیالیہ بمنزلہ صورت خارجی کے ہو جاتی اور دنیا و آخرت میں صورت کے منقش ہونے میں تو کچھ فرق نہیں ہوگا مگر اتنا ہی فرق ہوگا کہ آخرت میں قوت باصرہ میں صورت کے نقش ہونے کی کمال قدرت ہوگی سو جس چیز کو دل چاہے گا وہ چیز اس کے خیال میں حاضر ہو جائیگی پس اس کا چاہنا تو اس کے خیال میں آنے کا سبب اور اس کا خیال میں آنا اس کے دیکھ لینے کا سبب ہوگا یعنی قوت باشرہ میں نقش ہو جائے گی اور جس چیز کی اس کو رغبت ہوگی جب اس کا خیال کرے گا وہ چیز اسی وقت اس طرح موجود ہوگی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... اور اطراف سے پاک ہے یہ یعنی ہیولی وصورت یا جواہر فردہ یا مقداریہ دار آخرت میں آنکھوں سے دکھائی دے گا جیسا کہ لفظ قطعی سے ثابت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وجوہ یومئذ ناضرة الیٰ ربہا ناظرة (۱۔ ھ) لیکن یہ نرالی قسم کی رویت بصری ہوگی اس دیدار کا امکان عقل کے رو سے بھی ظاہر ہے کیونکہ دیکھنا ایک قسم کا علم اور کشف ہے مگر انکشاف میں اس سے کامل اور واضح تر ہے پس جبکہ یہ درست ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم متعلق ہے حالانکہ وہ کسی جہت میں نہیں اور جیسا یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق کو دیکھتا ہے اور ان کے مقابل نہیں پس یہ بھی درست ہوا کہ خلق اس کو دیکھے اور مقابلہ نہ ہو اور جس طرح اس کا جاننا بدون کیفیت اور صورت کے ہو سکتا ہے اسی طرح اس کا دیدار بھی بے کیفیت وصورت مجسم ہونے کے ممکن ہے غرضکہ عقل کے ارادہ سے دیدار الٰہی کا امکان ثابت اور شریعت میں اس کا صراحتاً ثبوت ہے اس لئے اس کی تصدیق واجب ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ.........(۱) ترجمہ اس دن تارے ہیں اپنے رب کی طرف دیکھتے۔

Marfat.com

کہ اس کو دیکھے گا رسول مقبول ﷺ کے قول میں اسی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرمایا ہے ان فی الجنۃ سوقا یباع فیہ الصور سوق یعنی بازار سے یہاں لطف الٰہی مراد ہے جو اس قدرت کا منبع ہے جس سے ارادہ کے موافق صورتوں کا اختراع وایجاد اور قوت باصرہ میں ان کا نقش ہوگا اور وہ نقش ارادہ کے دوام تک یعنی جب تک خدا چاہے باقی رہے گا ایسا منقش نہیں ہو گا جو بے اختیار دور ہو سکے جیسا کہ دنیا میں بے اختیار خواب میں زوال ہو جاتا ہے اور یہ قدرت جس کی اوپر تشریح ہو چکی ہے بہت وسیع اور کامل ہے بہ نسبت اس قدرت کے جو خارج حس میں ایجاد کرنے پر ہے کیونکہ خارج حس میں جو موجود ہوتا ہے وہ دو مکانوں میں پایا نہیں جاتا اور جب ایک شے کے سننے میں مشغول یا ایک شے کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے تو غیر سے محجوب ہو جاتا ہے اور یہاں تو بڑی ہی وسعت ہے کہ جس میں کسی طرح کی تنگی اور کسی طرح کی روک نہیں یہاں تک کہ اگر اس نے ایک شے کے دیکھنے کا ارادہ کیا مثلاً ہزار شخص کا ہزار مکان میں ایک ہی حالت میں دیکھنا چاہا تو وہ ان سب کو مختلف مکانوں میں موافق ارادہ کے مشاہدہ کرلے گا اور موجود خارجی کا دیکھنا ایک ہی مکان میں ہوتا ہے اور امر آخرت کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اس میں بہت وسعت اور پوری پوری خواہشیں ہونگی اور وہ خواہشوں کے بہت موافق ہوگا اور اس کا صرف حس میں موجود اور خارج میں نہ پایا جانا کچھ اس کے مرتبہ کو نہیں گھٹاتا کیونکہ اس کے وجود سے مقصود لذت ہے اور لذت وجود حسی سے ہوتی ہے جب اس کا وجود حسی ہوگا تو اس کی لذت پوری پوری پائی جائے گی اور باقی یعنی خارجی وجود تو فضلہ ہے جس کی کچھ حاجت نہیں اور اس وجود خارجی کا اس لئے اعتبار ہوتا ہے کہ وہ مقصود کے حاصل کرنے کے لئے ایک طریق ہے اور اس کا مقصد کے لئے ایک طریق ہونا اس دنیا میں ہی ہے جو بہت تنگ اور قاصر ہے اور عالم آخرت میں مقصد کے حاصل کرنے کے لئے طریق کی وسعت ہے کچھ یہی طریقہ مقرر نہیں ہے اور تیسری وجہ یعنی لذت عقلی کا ممکن ہونا بھی کچھ مخفی نہیں کیونکہ ضرور ہے کی یہ محسوسات لذات عقلی کی مثالیں ہوں جو محسوس نہیں ہیں اس لئے کہ عقلی چیزیں مختلف قسموں پر منقسم ہوتی ہیں جیسا کہ حسی چیزیں پس حسیات ان کی مثالیں ٹھہریں اور حسی چیزوں میں سے ہر ایک اس لذت عقلی کی مثال بنے گی جس کا رتبہ اس کے برابر ہوگا مثلاً

۱جنت میں ایک بازار ہے جس میں صورتیں دی جائیں گی۔ ترمذی نے بروایت علیؓ یہی مضمون بیان کیا ہے باندک زیادت الفاظ اس کے یہ ہیں (ان فی الجنۃ لسوقا مافیھا شری ولا بیع الا الصور من الرجال والنساء الحدیث۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

Marfat.com

کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ سبزی اور پانی جاری اور خوش شکل نہریں دودھ اور شہد اور شراب کی بھری ہوئیں اور درخت جواہر اور یاقوت اور موتیوں کے ساتھ مزین اور محل سونے اور چاندی سے بنائے ہوئے اور دیواریں جواہر سے مرصع خادم ایک جیسے اس کے آگے خدمت کے لیے کھڑے ہیں اب اگر تعبیر کرنے والا اس کی تعبیر کرے گا تو لذت اور خوشی ہی کے ساتھ کرے گا اور ان سب کو ایک ہی نوع پر قیاس نہیں کرے گا بلکہ ہر ایک کو لذت کی علیحدہ علیحدہ قسم پر محمول کرے گا بعضوں سے تو لذت علم اور کشف معلومات اور بعضوں سے لذت ملک اور حکومت اور بعضوں سے مقہور اور ذلیل ہونا دشمنوں کا اور بعضوں سے دوستوں کی ملاقات مراد لے گا اگرچہ ان سب کا نام لذت اور سرور رکھا ہے لیکن یہ تمام مرتبوں اور لذتوں میں مختلف ہیں ہر ایک کا مذاق علیحدہ علیحدہ ہے لذت عقلی کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے اگرچہ وہ لذتیں عقلی نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل پر ان کا خیال گذرا اور ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کے لئے یہ تمام لذتیں ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو بقدر استعداد ملے پس جو شخص تقلید میں مشغول اور صورتوں ہی میں مدہوش ہے اور حقائق کا رستہ اس کو نہیں کھلا اس کے لئے صورتیں ہی ممثل کی جائیں گی اور عارف لوگ جو عالم صور اور لذات حسی کے حقائق دیکھ رہے ہیں ان کے لیے عقلی سرور اور لذات کے لطائف کھولے جائیں گے جو ان کے مراتب اور خواہشوں کے لائق ہوں کیونکہ بہشت کی تعریف یہی ہے کہ اس میں جس کا جو دل چاہے موجود ہے جبکہ خواہشیں مختلف ہوئیں تو عطیات اور لذات کا مختلف ہونا بعید نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وسیع ہے اور قوت بشری قوت ربانی کے عجائبات کے احاطہ کرنے سے قاصر ہے اور رحمت الٰہی نے نبوت کے وسیلہ سے خلق کو اسی قدر سمجھا دیا ہے جس قدر سمجھ سکتی تھیں اب جو سمجھا اس کی تصدیق واجب ہے اور جو امور بخشش الٰہی کے لائق ہیں خواہ سمجھ میں آسکیں یا نہ ان سب کا اقرار واجب ہے اور ان کا ادراک نہیں ہوسکتا مگر فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ یعنی سچی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے۔

فصل

اگر تو کہے کہ یہ لذتیں حسی اور خیالی ہیں جن کا جنت میں وعدہ ہے حسی اور خیالی قوتوں کے ساتھ ہی ادراک میں آئیں گی اور یہ تو جسمانی قوتیں ہیں جسم میں ہی پیدا ہوتی ہیں ایسا ہی

Marfat.com

قبر کا عذاب اور جہنم کا عذاب[۱] جسمانی قوتوں کے ساتھ ہی ادراک اور سمجھ میں آئے گا جبکہ روح جسم سے الگ ہو گی اور جسم کے اجزاء تحلیل ہو جائیں گے اور قوی حسیہ اور خیالیہ دور ہو جائیں گی پھر کیونکر زکوۃ نہ دینے والے کے لئے گنجا[۲] سانپ متمثل ہو گا اور کافر پر قبر میں ننانوے[۳] سانپ کس طرح مسلط ہونگے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کیونکہ یہ دونوں صورتیں خیالی ہونگی یا حسی ہونگی حس اور خیال دونوں موت کے ساتھ ہی باطل ہو گئے پس ان کا ثبوت کس طرح ہوا

اب جان کہ اس امر کا منکر وہ ہے جو حشر اجساد کا منکر ہے اور روح کا عود کرنا جسم کی طرف محال جانتا ہے حالانکہ اس کے محال ہونے پر کوئی تحقیقی دلیل قائم نہیں ہوئی بلکہ بعید نہیں ہے کہ بعضے جسم اسی لئے بنائے گئے ہوں کہ نفس[۴] موت کے بعد ان میں حلول یعنی ان سے متعلق ہوا اور یہ بات کچھ محال نہیں نہ تو قبر میں اور نہ قیامت میں اور جو متقدمین نے اس کے محال ہونے پر دلائل بیان کیے ہیں وہ دلائل تحقیق نہیں ہیں اور شرع شریف میں تو اس کا ثبوت ہے پس اس کی

---

[۱] خارجی اور اکثر معتزلہ اور بعض مرجیہ عذاب قبر کے منکر ہیں اس خیال سے کہ مردہ میں جب ادراک نہیں تعذیب و تنعیم اس کی محال ہے لیکن یہ خیال ان کا باطل ہے کیونکہ جب ارواح کے لئے فنا نہیں چنانچہ قول آنحضرت ﷺ کا خلقتم للابد اس پر دال ہے پس موت سے رفع تعلق کے بعد قبر میں دوبارہ اس کا تعلق من وجہ ہو جاتا ہے جو موجب ادراک ہو امر ممکن ہے جس سے تعذیب و تنعیم کا امکان ظاہر ہے اور جب دلائل شرعی بھی صراحتاً اس پر دال ہیں اس لئے اس کی تصدیق واجب اور ان کا انکار محض جہالت ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

[۲] بخاری بروایت ابو ہریرہؓ باندک زیادت حمد آخرت۔

[۳] ننانوے اژدھا کے کافر پر قبر میں مسلط ہونے کی حدیث دارمی نے بروایت ابی سعید بیان کی ہے اور ترمذی کی روایت میں ننانوے جگہ ستر کا عدد آیا ہے مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[۴] نفس کا تعلق موت کے بعد بعض نئے اجسام کے ساتھ شرع میں ثابت ہے چنانچہ ارواح شہداء کا سبز پرندہ کے شکم میں ہونا یعنی اس جانور کے شکم سے متعلق ہونا جو جنت کی نہروں میں چگے گا اور عرش کے نیچے قندیلوں میں جگہ پکڑے گا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے مسلم بروایت ابن مسعود بیان کیا ہے اور اس سے تناسخ باطل جس کے ہنود قائل ہیں کہ دنیا میں ایک روح ایک جسم عنصری سے جو متعلق ہوا اور اس روح سے اس جسم عنصری کا نشو و نما ہو بعد رفع ہونے اس تعلق کے دوسرے جسم عنصری سے جو پہلے جسم سے مغایر ہوتا ہے متعلق ہو جاتی ہے اور اس کا نشو و نما کرتی ہے لازم نہیں آتا کیونکہ شرع میں ارواح شہداء کا جن جانوروں سے تعلق ثابت ہوا وہ جانور اجسام عنصری، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔۔

Marfat.com

تصدیق واجب ہے اور فلاسفہ کے نزدیک جو اس کے محال ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی اس کا ثبوت یہ ہے کہ فلاسفہ کے افضل متاخرین یعنی بو علی سینا نے اپنی کتاب نجات اور شفا میں جسم کی طرف اعادہ روح کا (نہ) محال ہونا ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ بعید نہیں ہے کہ بعض اجسام سماوی اس لئے بنائے گئے ہوں کہ نفس موت کے بعد ان میں حلول کرے اور اس نے اسی کی ایک حکایت اپنے بڑے سے یوں بیان کی ہے کہ اس عدم استحالہ کے قائل بعض اہل علم ہیں جو

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ۔۔ سے نہیں ہیں اور نہ ان جانوروں کو ان روحوں سے نشو ونما ہوتا ہے بلکہ ارواح شہداء کی صرف ان سے متعلق ہو کر لذتیں حاصل کرتی ہیں بغیر تکلف اور محنت کے جیسا کہ گھوڑے کا سوار حالت سواری میں لذت حاصل کرتا ہے حالانکہ مرکب یعنی گھوڑے کی روح جو اس کے بدن میں متصرف ہے اور سوار کی روح اور باقی رہا ارواح شہداء کے لئے یہ خصوصیت سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ارواح شہداء نے جبکہ خدا کی راہ میں جان نثاری کی جو موجب جدائی بدن کے ہوئی اس لئے یہ بدن ان کو بدلے اس بدن کے ملا کیونکہ جزاء موافق عمل کے ہوا کرتی ہے اور اسی تلذذ وغیرہ کے حصول کی جہت سے انکو زندہ کہا جاتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء (☆۲) کیونکہ مرنا موجب مفارقت بدن اور مانع کسب جدید و ترقی مراتب ارواح وحصول تلذذ کا ہوتا ہے اور ان کی ارواح کو ایک جسم سے تعلق ہو کر تلذذ حاصل ہے اس لئے ان کو ایک قسم کی حیوۃ ثابت ہوئی اور یہ حیاۃ مثل دنیاوی حیات کے نہیں کیونکہ اجسام متعلقہ سے نہیں ان کو علاقہ تدبیر و تصرف کا نہیں ایسے ہی تناسخ کو جو بلا تدبیر اور تصرف کے ہو بو علی نے محال نہیں گنا اور فارابی سے اسی کی حکایت کی ہے چنانچہ طوسی نے شرح اشارات میں لکھا ہے۔ ثم انها لا يجوزان تكون معطلة من الادراك وكانت مما لا يدرك لا بالات جسمانية فذهب بعضهم الا انها تتعلق باجسام اخرولا يخلوا اما ان لا تصير صورة لها وهذا ماذكره الشيخ ومال اليه اوتصير فتكون نفوسالها وهذا القول بالتناسخ الذى سيطله الشيخ اما المذهب الاول فقد اشار اليه فى كتاب المبداء والمعاد وذكر ان بعض اهل العلم من لا يجازف فيما يقول واظنه يريد الفارابى قال قولا وهوات هولاء واذا فارقوا البدن (☆۱) اور جس تناسخ کا بو علی نے استحالہ بیان کیا ہے اس سے جسم اصلی کی طرف نفس مفارقہ کا اعادہ محال ہونا ثابت نہیں ہوتا باقی رہا حکماء کا وقت کو عوارض شخصیہ معتبرہ فی الوجود سے لیکر اعادہ معدوم بعینہ کے استحالہ سے حشر اجساد کا استحالہ ثابت کرنا سو بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

Marfat.com

بیہودہ گو نہیں اس سے معلوم ہوا کی بوعلی کو اس قاعدہ میں شک ہے اور اس کے محال ہونے پر کوئی

بقیہ۔ کمالا یخفیٰ غرضیکہ ارواح کا اپنے ابدان مفارقہ کے ساتھ دوبارہ تعلق ہو جانا محال نہیں بلکہ امر ممکن ہے اور شریعت میں قبر اور قیامت میں دوبارہ تعلق ہونے کا صراحتاً ثبوت بھی ہے اس لئے اس کی تصدیق واجب ہے اسی طرح دنیا میں اپنے اجسام کے ساتھ بعض ارواح کا دوبارہ تعلق ہو جانا امر ممکن ہے چنانچہ بعض مردے بامر الٰہی زندہ ہوئے یا حسب مذہب جمہور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد چیونٹیوں کے اجسام کی مثل نکالکر حضرت آدم علیہ السلام کو جو دکھائی گئی اور ان کو الست بربکم کہا گیا جس کے جواب میں انھوں نے بلیٰ کہا جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے واذا خذ ربک من بنی اٰدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علیٰ انفسھم الست بربکم قالوا بلیٰ شھدنا (☆۲)۔ پس ایک تو اس وقت ارواح کا تعلق اپنے اپنے اجسام سے ہوا پھر دوبارہ جب وہی اجسام بسبیل نطفہ نسلاً بعد نسل اپنے اپنے وقت مقررہ پر ظہور میں آتے گئے ارواح کا ان سے تعلق ہوتا گیا اور یہاں مذہب جمہور کی اس لئے قید لگائی گئی کہ بعض محققین اس کے خلاف پر ہیں چنانچہ زمخشری اور شیخ ابو منصور اور نجارج وغیرہ قولہ تعالیٰ واذ اُخذ ربک من بنی ادم ظھورھم الایہ کو باب تمثیل سے لیتے ہیں اور معنیٰ اس کے یوں کرتے ہیں اولاد آدم کو اپنے باپوں کی پشت سے پیدا کیا اور ان کے واسطے دلائل اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر قائم کیں اور ان کو عقل جو ہدایت اور گمراہی میں تمیز کرنے والی ہے پس گویا کہ ان کو اُنکے نفس پر گواہ بنایا گیا اور ان کو الست بربکم کہا گیا اور گویا کہ انھوں نے اس کے جواب میں بلیٰ انت ربنا کہا اور انکی حجت یہ ہے کہ من بنی اٰدم ظھورھم خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے نہ کہ من ظھر ادم اور دوسرے یہ کہ سوال وجواب تو ہم کو یاد ہی نہیں پھر اس کے حجت ہونے کی کیا صورت جس کا جواب بعض مفسرین کی کلام سے یہ نکلتا ہے کہ مخبر صادق کا اس امر کو یاد دلانا خود اپنی یاد کے قائم مقام ہے جس سے اس کا حجت ہونا ظاہر ہے لیکن یہ جواب تکلف سے خالی نہیں۔ کمالا یخفیٰ۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

(☆۱) پھر تحقیق کہ وہ نفوس نہیں جائز کے معطل ہوں ادراک سے اور تھے وہ کہ نہیں ادراک کرتے تھے مگر آلات جسمانیہ کے ساتھ پس بعض اس طرف گئے ہیں کہ وہ متعلق دوسرے اجسام سے ہو جاتے ہیں اور نہیں خالی اس حال سے کہ یا تو ان کی صورت نہ ہوگی اور اس کا شیخ نے ذکر کر دیا اس کی طرف میلان یا صورت کے ہو جائینگے پس ان اجسام کے نفوس بنیں گے یہی قول تناسخ کا جن کو شیخ باطل کرے گا لیکن مذہب اول کی طرف کتاب مبداء اور معاد میں اشارہ کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ بعض اہل علم نے جو اپنی کلام میں بیہودہ گو نہیں میں گمان کرتا ہوں کہ شیخ کی مراد فارابی ہے کہا ہے ایک قول اور وہ یہ ہے کہ یہ نفوس جس وقت اپنے بدن سے الگ ہوئے۔ (☆۲) اور نہ کہو جو کوئی مارا جاوے اللہ کی راہ میں کہ مردے ہیں نہ بلکہ وہ زندہ ہیں۔

(☆۳) اور جس وقت تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی اولاد اور اقرار کروایا ان سے ان کی جان پر کہا میں نہیں ہوں رب تمہارا بولے البتہ ہم قائل ہیں۔

Marfat.com

دلیل اس کے نزدیک قائم نہیں ہوئی اگر یہ محال ہوتا تو اس کے قائل کو یوں نہ کہتا کہ وہ بے ہودہ گو یا درغگو نہیں کیونکہ امر محال کے قائل ہونے سے اور کونسا جھوٹ بڑھ کر ہے بعض اوقات قائل یوں کہتا ہے کہ بوعلی نے اس کا ذکر بطور تقیہ کے کیا ہے کیونکہ کتاب النفس میں جو اس نے مسئلہ تناسخ کا بیان کیا ہے اس میں نفس کے تناسخ ابدان کا استحالہ ثابت کیا ہے اور یہ بعینہ حشر اجساد وابطال کی دلیل ہے سو ہم یوں کہتے ہیں کہ تناسخ کے محال ہونے میں دلیل بیان کی ہے وہ دلیل تحقیقی نہیں ہے کیونکہ اس نے تناسخ کے محال ہونے میں یہ بیان کیا ہے کہ اگر روح کا اعادہ جسم کی طرف ہو تو اس کا اس جسم کی طرف اعادہ ہوگا جو قبول کی استعداد رکھتا ہے اور جو قبول کی استعداد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح کا افاضہ اس کی طرف ہو گیا اس لئے کہ جسم مستعد بذاتہ صورت کے قبول کرنے کا مستحق ہے اور اس کا مستحق ہونا روح کے فیضان کو چاہتا ہے اور نفس مفارقہ بھی اس کے ساتھ متعلق ہوا اب ایک بدن کے لئے دو نفس ہوئے اور یہ محال ہے اور اس دلیل مذکورہ کو حشر اجساد کے معلوم ہونے میں استعمال کر سکتے ہیں یہ دلیل ضعف ہے کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجسام کی استعدادیں مختلف ہوں ایک جسم میں ایسی استعداد ہو جو نفس مفارقہ کے مناسب ہو جو اول موجود تھا یہاں تک کہ وہ جسم اس نفس کے ہی تدبیر کے ساتھ مختص ہو اور نئے نفس کے فیضان کا محتاج نہ ہو کیونکہ مثلاً اگر ایک حالت میں رحموں یعنی بچہ دانوں میں دو نطفہ قبول نفس کے مستعد ہوں تو واہب الصور یعنی جناب الٰہی سے ان کی طرف دو نفسوں کا فیضان ہوگا اور ان دونوں نطفوں میں سے ہر ایک ایک نفس کے ساتھ خاص ہوگا اور اس کا مختص ہونا اس میں نفس کے حلول ہونے کی جہت سے نہیں ہے اس لئے کہ نفس کا جسم میں عوارض کی طرح حلول ہی نہیں ہوتا بلکہ دونوں مستعد جسموں میں سے ایک جسم کا ایک نفس کے ساتھ مختص ہونا اس مناسبت کے سبب سے ہے جو ان کے مابین اوصاف کی جہت سے ہے ایسا ہی دوسرے جسم کا دوسرے نفس کے ساتھ مختص ہونا پس جبکہ دو نفس متناسب ہیں میں یہ اختصاص ہو سکتا ہے تو نفس مفارقہ میں جو اول سے موجود تھا اور نئے نفس میں کیونکر نہیں ہو سکتا سو جب ایک جسم مستحق کو نفس مفارقہ کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی تو وہ جسم واہب الصور یعنی خدا تعالیٰ سے نئے نفس کے فیضان کا محتاج نہیں ہوگا جب وہ محتاج نہ ہوا تو اس پر نئے نفس کا فیضان بھی نہیں ہوگا اس کلام کے لئے زیادہ تقریر ہے میں اس میں خوض نہیں کرتا کیونکہ مقصود اس بات کا بیان کرنا ہے کہ جو شخص حشر اجساد کا انکار کرتا ہے اس کے لئے کوئی دلیل نہیں جب اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہوئی تو موت کے بعد قبر اور قیامت میں ادراکات حسیہ اور خیالیہ کا ہونا سمجھا گیا۔ اگر کوئی یہ کہے

Marfat.com

کہ ہم میت کو دیکھتے ہیں اس کو نہ کچھ حس ہوتی ہے نہ حرکت ہم کہتے ہیں کہ سکتہ والے کو بھی ہم ایسا ہی دیکھتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ادراک ایسی چھوٹی جزو کے ساتھ قائم ہو کر وہ جز غیر متجزی ہونے کے قریب ہو اور میت کے دیکھنے والا اس کو نہ دیکھے اس میت میں حرکت کے دیکھے جانے کا کچھ اعتبار نہیں۔

فصل

حدیث شریف[1] میں جو آیا ہے کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کے دفتر میں منتقل ہونگی اور مظلوم کی برائیاں ظالم کے دفتر میں سو بعض اوقات جو شخص جوہر نبوت کے اسرار احادیث کو نہیں سمجھتا وہ اس کو محال جانتا ہے اور کہتا ہے کہ نیکیاں اور برائیاں اعمال اور حرکات میں اور اعمال و حرکات تو گذر چکے اور دور ہو گئے پھر معدوم کا انتقال کیونکر ہو گا بلکہ اگر اعمال اور حرکات باقی بھی رہیں تو وہ عوارض ہیں پھر عوارض کا انتقال کیسے ہو گا ہم کہتے ہیں کہ ظلم کے سبب نیکیوں اور بدیوں کا منتقل ہونا ظلم کرنے کے وقت دنیا میں ہی ہوتا ہے لیکن اس کا انکشاف قیامت کو ہو گا پس اپنی طاعت کو دوسرے کے دفتر میں اور دوسرے کی بدیوں کو اپنے دفتر میں دیکھے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار آخرت میں اس طرح کے ہونے کی خبر دی حالانکہ دنیا میں بھی تو ایسا ہی کچھ اسکا آخرت میں تجدد نہیں ہو گا لیکن سب خلقت کو اس کا انکشاف قیامت میں ہی ہو گا اور جس چیز کو انسان نہیں جانتا وہ چیز اس کے لئے موجود نہیں ہوتی اگرچہ وہ چیز واقع میں موجود ہو جب اس کو جان لیتا ہے تو اس وقت اس کے لئے موجود ہو جاتی ہے پس گویا اس کے حق میں موجود ہوئی اور اس حالت میں اس کے نئے ہونے کا اعتقاد کرتا ہے چنانچہ تجدد وجود کا وہم کرتا ہے پس جو شخص کہتا ہے کہ معدوم کس طرح

---

[1] بخاری نے بروایت ابوہریرہ قریب قریب اس کے ایک حدیث بیان کی ہے اس میں دفتر کا ذکر نہیں مضمون حدیث بخاری کا یہ ہے کہ اگر ظالم کے اعمال صالح ہونگے بقدر ظلم کے اس کے عمل لیکر مظلوم کے دیئے جائیں گے اور اگر عمل صالح نہ ہوئے مظلوم کے گناہ اس سے اٹھا کر ظالم پر رکھے جائیں گے اس میں اعمال صالح یا گناہوں کے دیئے جانے سے ان آثاروں کے انتقال مجازی مراد ہے اس قسم کی احادیث میں بعض اہل حدیث کا قول تعالیٰ الا تزر وازرۃ وزر اخری الآیہ کے ساتھ خدشہ کرنا یا اس قسم کے انتقال کو محال سمجھنا محض جہالت ہے مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

Marfat.com

انتقال کرے گا اس تقریر سے اس کا قول ساقط ہو گیا اور یہ بھی جواب ہے کہ طاعت کے منتقل ہونے سے اس کے ثواب کا انتقال مراد ہے نہ خود طاعت کا منتقل ہونا لیکن جبکہ طاعت سے مقصود ثواب ہوتا ہے اس کے مقصود کو نقل کرنے کو نقل طاعت کے ساتھ تعبیر کیا گیا اور یہ بات مجاز اور استعارہ میں شائع ہے اگر یہ کہا جائے کہ طاعت کا ثواب یا تو عرض ہوگا یا جوہر اگر عرض ہے تو اس کے انتقال میں اشکال باقی ہے اگر جوہر ہے تو وہ جوہر کیا ہے کہتا ہوں کے ثواب طاعت سے اثر طاعت مراد ہے کہ دل کو نورانی کرتا ہے اور گناہ سے اس کی تاثیر مراد ہے کہ دل کو سخت اور سیاہ کرتی ہے انوار طاعت سے تو بندہ قبول معرفت اور مشاہدہ[۱] حضرت ربوبیت کا مستعد ہوتا ہے اور سخت اور سیاہ دلی میں مشاہدہ جمال الٰہی سے دوری اور حجاب کا مستعد ہوتا ہے سو طاعات دل کے نور اور صفائی کے وسیلہ سے لذت مشاہدہ کو پیدا کرتی ہیں اور گناہ دل کی ظلمت اور سختی کی جہت سے حجاب کو پیدا کرتے ہیں اب نیکیوں اور بدیوں کے اثروں میں تعاقب اور تضاد ٹھہرا اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الحسنٰت یذھبن السیئات[۲] اور رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں اتبع السیئة الحسنة تمحها[۳] اور تکلیفیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں چنانچہ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں ان الرجل یثاب علی کل شیء حتی الشوکة تصیب رجله[۴] اور رسول مقبول ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کفارات لا هلها یعنی تکلیفیں موجب کفارہ ہیں تکلیف زدوں کے لیے سو ظالم ظلم کے سبب

[۱] مشاہدہ کا درجہ بعد طے کرنے منازل سلوک کے حاصل ہوتا ہے جن سے میں اول منزل توبہ ہے دوسری تزکیہ و تصفیہ نفس صفات ذمیمہ کے دور کرنے اور صفات حمیدہ کے حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ دوام ذکر لسانی و قلبی و روحی و سری یعنی ناسوتی و ملکوتی و جبروتی و لاہوتی ان منازل کے طے کرنیکے بعد سالک کو مشاہدہ حضرت ربوبیت کا ہوتا ہے اللھم ارزقنا اور آنحضرت ﷺ نے احسان یعنی اخلاص کے بیان میں جو فرمایا ہے کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اس میں حالت اولی کو صوفی مشاہدہ کہتے ہیں دوسری حالت کو حضور قلبی سے نامزد کرتے ہیں۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[۲] البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔

[۳] بدی کے پیچھے نیکی کر کہ اس کو مٹا دے ترمذی بانذک زیادت ورا اول و اخر

[۴] تحقیق آدمی بدلا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ کانٹے پر بھی جو اسے پاؤں کو لگے ترمذی نے بروایت عائشہؓ یہی مضمون بیان کیا ہے الفاظ اس کے یہ ہیں قالت قال رسول اللہ ﷺ تصیب المومن شوکته فما فوقها الا رفعه اللہ بها درجة وحط بها خطیئة۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

Marfat.com

خواہش نفسانی کا اتباع کرتا ہے اس سے اس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے اور طاعت کی جہت سے جو اس کے دل میں اثر نور کا تھا دور ہو جاتا ہے پس گویا کہ اس کی طاعت ہی چھینی گئی اور مظلوم تکلیف پاتا ہے اور خواہش نفسانی اس کی دور ہو جاتی ہے اس سبب سے اس کا دل روشن ہو جاتا ہے اور سیاہی اور سختی دل کی جو اس کو نفسانی خواہشوں کے اتباع سے حاصل تھی دور ہو جاتی ہے اب گویا کہ نور ظالم کے دل سے مظلوم کے دل کی طرف منتقل ہوا اور سیاہی نے مظلوم کے دل سے ظالم کے دل کی طرف انتقال کیا نیکیوں اور بدیوں کے انتقال سے یہی مراد ہے اگر کہا جاوے کہ یہ تو انتقال حقیقی نہیں بلکہ اس کا حاصل یہ ٹھہرا کہ ظالم کے دل سے نور باطل ہو گیا اور مظلوم کے دل میں ایک نئی تاریکی پیدا ہو گئی یہ انتقال حقیقی نہیں ہم کہتے ہیں کہ لفظ نقل کبھی اس قسم پر بھی بطور مجاز اور استعارہ کے بولا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے انتقل الظل من موضع الی موضع یعنی سایہ نے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف انتقال کیا اور یہ بھی بولا جاتا ہے انتقل نور الشمس والسراج من الارض الی الحائط ومن الحائط الی الارض یعنی آفتاب اور چراغ کی روشنی زمین سے دیوار کی طرف اور دیوار سے زمین کی طرف منتقل ہوئی اور (مثلاً) جب حرارت موسم گرما میں زمین پر غالب ہوتی ہے تو طبعی یوں بولتا ہے انهزمت البرودة الی باطنها اور انہزام انتقال ہی کو کہتے ہیں اور جیسا کہ بولتے ہیں نقلت ولایت القضاء والخلافة من فلان یعنی قضا اور خلافت کی ولایت فلانے سے فلانے کی طرف منتقل ہوئی ان سب قسموں کو نقل ہی کہتے ہیں پس نقل حقیقی تو یہ ہے کہ جو چیز محل ثانی میں حاصل ہوئی ہے یہی بعینہ وہی چیز ہو جو محل اول سے نکلی ہے اگر وہ چیز اس کے ہم مثل ہو اور بعینہ وہ نہ ہو تو اس قسم کو مجازاً نقل کہتے ہیں نقل طاعت سے بھی اس قسم کی نقل مراد ہے اور نقل طاعت میں اتنی ہی بات ہے کہ طاعت سے کنایۃً ثواب مراد ہے جیسا کہ سبب سے کنایۃً مسبب مراد ہوتا ہے اور ایک

یہاں دل سے مراد لطیفہ قلب یعنی روح ہے نہ کہ مضغہ صنوبری کیونکہ نیکی یا گناہ کے کرنے سے قلب لحمی روشن یا سیاہ نہیں ہوتا بلکہ لطیفہ قلب ہوتا ہے اور عرف اہل شرع میں حقیقتاً قلب اس کو کہتے ہیں اس کا تعلق قلب جسمانی سے جس کو باعتبار لغت کے قلب کہا جاتا ہے ایسا ہے جیسا کہ قوت بینائی کا تعلق چشم ظاہری سے جن لوگوں کو علم شریعت یعنی علم تکلیفات شرعیہ علم طریقت یعنی معرفت معاملات قلوب علم حقیقت یعنی دریافت مکاشفات ارواح حاصل ہے وہ قلب حقیقی کی حقیقت اور نیکی اور گناہ سے اس کے مصفا اور مکدر ہونے کو خوب پہچانتے ہیں۔ مفتی شاہ دین ہلمہ ربہ۔

Marfat.com

وصف کا ایک محل میں ثابت ہونا اور اس وصف کے مثل کا دوسرے محل میں باطل ہونے کا نام نقل رکھا گیا یہ سب بول چال میں مشہور ہے اگر اس میں شرع وارد نہ ہوتی تو بھی اس کے معنی دلیل کے ساتھ معلوم ہیں جب کہ شرع میں بھی اس کا ثبوت ہو گیا پھر کیونکر نہ ثابت ہو فصل خواب میں حق سبحانہ تعالیٰ کے دیدار کا تو نے سوال کیا جس میں لوگ مختلف ہو رہے ہیں پس جان لے کہ جب اس مسئلہ کی حقیقت کا انکشاف ہو جاوے تو کچھ خلاف اس میں متصور نہیں ہوتا حق تو یہ ہے کہ ہم بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خواب میں دیکھا جاتا ہے جیسا کہ بولتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب میں دیدار ہوتا ہے اب خواب ا میں رسول ﷺ کے دیدار کے کیا معنی سمجھے جائیں شاید جس عالم کی طبیعت عام لوگوں کی طبیعت سے قریب ہے وہ یہ ہے سمجھے کہ جس شخص نے رسول مقبول ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے حضرت کا جسم مبارک ہی دیکھا جو مدینہ منورہ کے روضہ مقدس میں رکھا گیا ہے کہ قبر کو شق کر کے حضرت ایک مکان کی طرف تشریف لائے سو ایسے عالم سے بڑھ کر جاہل کونسا ہوگا کیونکہ کبھی خواب میں ایک شئی ایک رات میں ایک یہ حالت میں ہزار جگہ دیکھی جاتی ہے پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ایک ہی حالت میں ہزار جگہ میں مختلف صورتوں کے ساتھ یعنی بوڑھا اور جوان اور دراز قد اور کوتاہ قد تندرست اور بیمار ہو اور ان تمام صورتوں میں دیکھا جائے جس شخص کی حماقت اس حد تک پہنچ گئی وہ تو عقل سے خارج ہے اور مخاطب ہونے کے لائق نہیں اب شاید وہ یہ کہے کہ جو شخص حضرت ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہے وہ آپ کی مثال کو دیکھتا ہے جسم مبارک کو نہیں دیکھتا اب وہ یا تو مثال جسم علیہ السلام کی کہے گا یا مثال روح کی جو صورت اور شکل سے پاک ہے اگر مثال جسم کے کہے جو گوشت اور ہڈی اور خون ہے ہم کہتے ہیں جسم تو بذات خود محسوس ہے اس کے تمثیل کی

---

۱ خواب میں آنحضرت ﷺ کے دیدار کی کیفیت من رائی فی منام فقد رائی فان الشیطان لا یتمثل لی صورتی کے معنی میں بعض علما کا اختلاف نووی وغیرہ نے لکھا ہے کہ بعض فقد رائی کے یہ معنی لیتے ہیں کہ رؤیا صیحہ یعنی خواب اس کی صحیح ہے اضغاث احلام یعنی خوابہائے شور دیدہ وتسویلات شیطان سے نہیں بعضوںؒ نے یہ کہا ہے کہ فقد رائی یعنی فقد ادرکنی اور ادراک کے لئے قرب مسافت اور جس کو دیکھا جائے اس کا زیر زمین یا بالائی زمین ہونا شرط نہیں بلکہ موجود ہونا شرط ہے اور جسم آنحضرت کا تو موجود ہی ہے پس اس کی رویت خواب میں ہوتی ہے اور بعضوں نے کہا ہے صورت مخصوصہ پر اگر ہوئی تو رؤیا حقیقت ہے ورنہ رویا تاویل اور بعضوں نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا خواب میں دیدار خواہ صورت مخصوصہ پر ہو یا غیر مخصوصہ پر آنحضرت ﷺ کی رویت حقیقتاً ہی ہے کیونکہ وہ صورت آنحضرت ﷺ کی روح مقدس کی مثال ہے صحیح قول یہی ہے کما لا یخفیٰ۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

Marfat.com

کیا حاجت پھر جس نے موت کے بعد رسول مقبول ﷺ کے جسم مبارک کی مثال کو دیکھا اور روح کو نہ دیکھا اس نے تو نبی علیہ السلام کو نہ دیکھا بلکہ جسم کو دیکھا جو نبی علیہ السلام کی حرکت دینے کے ساتھ متحرک تھا کیونکہ نبی روح سے مراد ہے نہ کہ ہڈیوں اور گوشت سے پس کیونکہ جسم کی مثال دیکھنے سے رسول مقبول ﷺ کے دیکھنے والا ہوگا بلکہ حق تو یہی ہے کہ وہ رسول مقبول ﷺ کے روح مقدس کی مثال ہے جو محل نبوت ہے اور جو اس نے شکل دیکھی ہے وہ حقیقت میں روح کی مثال ہے وہ حضرت نبی علیہ السلام کی روح اور اس کا جوہر ہے جسم نہیں ہے اگر کہا جاوے کہ حضرت علیہ السلام کے اس قول کے کیا معنی ہوئے جو حضرت ﷺ فرماتے ہیں من رآنی فی المنام فقد رآنی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ﷺ کی اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ جو اس نے دیکھا مثال ہے کہ معرفت حق کے لئے اور دیکھنے والے میں واسطہ ہوگئی پس اب جیسا کہ جوہر نبوت یعنی روح مقدس حضرت کی جو بعد مفارقت حضرت کے باقی ہے اور شکل اور صورت سے پاک ہے لیکن مثال مطابق[۱] کے واسطہ سے امت کو واسطہ اپنے اور بندہ کے درمیان خیر کے فیضان اور ایصال حق کے لئے پیدا کرے سو یہ واسطہ پیدا کرنا تو موجود ہے اس کے امکان کا کس طرح انکار ہو اگر کہا جاوے کہ اس مجازی اطلاق کا رسول مقبول ﷺ کے حق میں تو اذن[۲] ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کے حق میں تو وہی اطلاقات جائز ہیں جن کا اذن ہو ہم کہتے ہیں کہ اس کے اطلاق کا بھی اذن وارد ہو گیا ہے قال رسول اللہ ﷺ رایت ربی فی احسن صورۃ یہ قول حضرت کا ان اخبار میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات صورت میں وارد ہیں قولہ خلق اللہ ادم علی صورتہ اور اسی طرح اس سے صورت ذات کی مراد نہیں ہے کیونکہ ذات کے لئے تو صورت ہی نہیں مگر باعتبار اس تجلی کے جو مثال کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام دحیہ کلبی کی صورت اور دیگر صورتوں میں ظاہر ہوئے یہاں تک کہ رسول مقبول ﷺ نے حضرت جبرائیل کو کئی بار دیکھا حالانکہ صورت حقیقی میں دو دفعہ ہی دیکھا اور جبرائیل کا[۳] دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہونا اس اعتبار سے نہیں ہے کہ حاجت نہیں

[۱] مثال مطابق کے کہنے میں مثال کاذب یعنی غیر مطابق سے احتراز ہو گیا کیونکہ مثال کاذب نفس الامر میں نبی علیہ السلام کی مثال نہیں پس اس مثال کے دیکھنے پر جز مذکورہ مرتب نہیں ہوتی۔

[۲] اس اذن پر وہی حدیث دلیل ہے جو اول گزری یعنی قولہ علیہ السلام من رآنی فی المنام فقد رآنی۔

[۳] حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہو کر آنے کی حدیث بخاری و مسلم نے بیان کی ہے بروایت اسامہ بن زید۔

Marfat.com

کیونکہ عقل ایسی شے ہے کہ کوئی اور شے حقیقت میں اس کے ہم مثل نہیں ہے اور ہم کو جائز ہے کہ عقل کی مثال آفتاب بیان کریں اس واسطے کہ عقل اور آفتاب میں ایک امر کی مناسبت ہے وہ یہ ہے کہ نور آفتاب سے محسوسات[1] کا انکشاف ہو جاتا ہے جیسا کہ نور عقل[2] سے معقولات کا سو اسی قدر مناسبت مثال کے لئے کافی ہے بلکہ سلطان کی مثال شمس ہے اور وزیر کی مثال قمر سلطان اپنی صورت اور معنی میں آفتاب کے مماثل نہیں اور نہ وزیر چاند کے ہم مثل ہے مگر یہ بات ہے کہ سلطان کو سب پر غلبہ ہوتا ہے اور سب کو اس کا اثر پہنچتا ہے اسی قدر میں آفتاب کو اس سے مناسبت ہے اور چاند اثر نور کے فیضان کے لئے آفتاب اور زمین کے درمیان واسطہ ہے جیسا کہ نور عدل کے فیضان کے لئے وزیر بادشاہ اور رعیت کے درمیان واسطہ ہوتا ہے یہ مثال ہوئی نہ کہ مثل اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اللہ نور السموٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کأنہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبرکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور[3] اب خدا تعالیٰ کے نور اور شبیہ اور طاق درخت اور روغن میں کونسی مماثلت یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ انزل من السماء ماءً فسالت اودیۃ بقدرہا فاحتمل السیل زبداً رابیاً الیٰ اٰخرہ[4] اس آیت میں قرآن شریف کی تمثیل بیان کی توصیف قدیم ہے جس کی کوئی مثل نہیں پھر پانی اس کی کیوں مثل ہو گیا اور اکثر خوابیں حضرت علیہ السلام کو دکھائی گئیں جیسا کہ دودھ اور حبل یعنی رسی کو دیکھا اور

---

[1] محسوسات کے انکشاف کو علم حسی سے تعبیر کیا کرتے ہیں اکثر شعور کا اطلاق بھی اسی پر آتا ہے اسی لئے حواس کو مشاعر کہا جاتا ہے مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

[2] عقل صفت علمی کو بھی کہتے ہیں کما مر اور ایک قوت کو بھی کہتے ہیں جو قلب حقیقی انسان میں بمنزلہ نور کے ہے جس کے باعث علوم نظری کے قبول کرنے اور خفیہ صناعات فکر کے سوچنے کی اس کو استعداد ہوتی ہے اس کی مثال نور آفتاب کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کیونکہ نور عقل معقولات کے ادراک کا ذریعہ ہے جیسا کہ نور آفتاب محسوسات کے انکشاف کا وسیلہ ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

[3] ترجمہ: اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی کہاوت اسکی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں چراغ ہے دوسرا ایک شیشہ میں شیشہ جیسے ایک تارہ ہے چکتا تیل جلتا ہے اس میں ایک درخت برکت کے سے وہ زیتون ہے۔ سورج نکلنے کی طرف نہ ڈوبنے کی طرف نکلتا ہوا اس کا تیل کہ سلگ اٹھے ابھی نہ لگی ہو اس کو اس روشنی پر روشنی۔

[4] اتارا آسمان سے پانی پھر بہنے نالے اپنے اپنے موافق پھر اوپر لایا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا۔

Marfat.com

فرمایا کہ دودھ اسلام ہے اور جبل قرآن شریف اور بہت مثالیں ہیں جن کا کچھ شمار نہیں اب دودھ اور اسلام میں کچھ مماثلت نہیں اور نہ جبل اور قرآن شریف میں لیکن ان کے درمیان مناسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ جبل یعنی رسی کے ساتھ تو نجات دنیاوی کے لئے چنگل مارا جاتا ہے اور قرآن شریف کے ساتھ نجات آخرت کے لئے اور دودھ غذا ہے جس سے ظاہری زندگانی ہے اور اسلام وہ غذا ہے جس سے حیات باطنی ہے یہ تمام مثالیں ہیں مثلیں نہیں بلکہ ان چیزوں کے لیئے تو کوئی مثال ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی بھی کوئی مثل نہیں لیکن اس کے لئے مثال ہیں جو بسبب مناسبات عقلیہ کے اللہ تعالیٰ کی صفات سے خبر دیتی ہیں کیونکہ جس وقت ہم مرید کو سمجھائیں گے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو کس طرح پیدا کرتا ہے اور کس طرح ان کو جانتا ہے اور کس طرح ان کی تدبیر کرتا ہے اور کس طرح کلام کرتا ہے اور کس طرح کلام بذاتہ قائم ہوتی ہے ان سب کی مثال انسان کے ساتھ ہی بیان کریں گے اگر انسان اپنے نفس میں ان صفتوں کو نہ سمجھتا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی ان کی مثال اس کی سمجھ میں نہ آتی مثال اللہ تعالیٰ کے حق میں حق ہے اور مثل باطل اگر کہا جاوے کہ اس تحقیق سے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار خواب میں ثابت نہیں ہوتا بلکہ رسول مقبول ﷺ کا بھی خواب میں نہ دیکھا جانا ثابت ہوا کیونکہ جو دیکھا گیا ہے وہ تو مثال ہے اس کا عین نہیں پس رسول ﷺ کے قول من رانی فی المنام فقدرانی میں ایک طرح کا مجاز ہوا معنی اس کے یہ ٹھہرے کہ جس نے میری مثال کو دیکھا گویا اس نے مجھ کو دیکھا اور جو اس نے مثال سے سنا گویا اس نے مجھ سے سنا ہم کہتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے رایت اللہ فی المنام اس کی یہی مراد ہوتی ہے اور یہ مراد نہیں ہوتی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا جبکہ اس بات پر اتفاق ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور نبی ﷺ کی ذات نہیں دیکھی جاتی اور ان مثالوں کا دیکھا جانا جائز ہے جن کو سونے والا خدا تعالیٰ کی ذات اور نبی ﷺ کی ذات اعتقاد کرتا ہے اب اسکا انکار کیونکر ہو سکے باوجودیکہ خوابوں میں اس کا وجود ہے جس شخص نے اس مثال کو خود نہ دیکھا ہوگا اس کو ان لوگوں سے خبر متواتر ہی پہنچی ہوگی جنہوں نے ان مثالوں کو دیکھا ہے اور مثال معتقدہ کبھی تو سچی ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی اور سچی مثال کو تو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے اور نبی علیہ السلام کے مابین بعض امور کے معلوم کرنے کے لئے واسطہ بنا دیا ہے اور

بخاری نے بروایت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کے خواب میں دودھ کے دیکھنے کی حدیث بیان کی ہے مگر اس میں تعبیر دودھ کی علم کے ساتھ ہی علم اور دودھ میں بھی یہی مناسبت ہے کہ دودھ غذا اسی حیات ظاہری ہے اور علم غذائے حیات قلوب۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایسا ہی اس روح کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مثال ایک شکل ہوتی ہے جو اس کے لئے رنگت اور صورت ہوتی ہے اگرچہ جوہر نبوت یعنی روح شکل اور صورت اور رنگت سے منزہ ہے۔ اب ایسا ہی ذات باری تعالیٰ شکل[1] اور صورت سے پاک ہے لیکن بندہ کو جو اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو مثال محسوسہ کے واسطہ سے ہوتی ہے وہ مثال محسوسہ خواہ قسم نور سے ہو یا اس کے سوا کوئی اور قسم صورتوں جمیلہ میں سے ہو جو اس جمال حقیقی مقبول کی مثل بن سکتی ہو جس کی کچھ صورت اور رنگت نہیں سو یہ مثال صادق معرفت کے لئے واسطہ ہو اب جو دیکھنے والا کہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ میں نے خدا تعالیٰ کی ذات اور روح اور جسم کو دیکھا بلکہ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ میں نے اس کی مثال دیکھی اگر کہا جاوے کہ نبی علیہ السلام کے لئے تو مثال ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو کوئی مثل نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تو مثل اور مثال میں فرق نہ سمجھنے کی بات ہے مثل تو وہ ہے کہ تمام صفتوں میں مساوی ہو اور مثال میں تمام صفات میں مساوات جبرئیل کی ذات دحیہ کلبی کی ذات کے ساتھ منقلب ہوگئی بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ رسول مقبول ﷺ کو وہ صورت ایک مثال ظاہر ہوئی جو جبرئیل کی طرف سے پیغام الٰہی کو عطا کرتی تھی ایسا ہی قولہ تعالیٰ فتمثل لها بشرا سويا (یعنی پھر بن آیا جبرئیل[2] مریم کے آگے آدمی پورا) پس جبکہ یہ متمثل ہونا جبرئیل کی ذات میں

---

[1] ذات باری کی شکل وصورت سے پاک ہے کیونکہ شکل وصورت خواص اجسام سے ہے جو بواسطہ کمیات وکیفیات واحاطہ حدود ونہایات کے حاصل ہوتی ہے اور باری تعالیٰ تو جسمیت سے مبرا ہے اس لئے کہ جسم مرکب ہوتا ہے اجزاء سے اور ہر مرکب وجود میں محتاج ہوتا ہے اپنے اجزاء کی طرف اور خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے اور احتیاج منافی وجود کے ہے جب جسمیت سے پاک ہوا تو خواص جسمیت یعنی شکل وصورت سے بھی پاک ہوا پس جواب میں دیدار باری تعالیٰ کا کسی صورت میں ہونا جیسا کہ نور وغیرہ سور جمیلہ میں اس کو تجلی مثالی پر حمل کیا جائے گا کیونکہ تجلی حقیقی پر اس کا محمول کرنا محال ضروری ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

[2] حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت بی بی مریم کے پاس آدمی کی شکل میں آنا اس وجہ سے تھا کہ حضرت بی بی مریم کو کلام کے سننے میں ان سے انست ہو مریم کے معنیٰ لغت عبرانی میں خادم کے ہیں کیونکہ آپ کی والدہ نے ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے نذر کیا تھا اس لئے ان کا نام مریم ہوا جبرئیل کے لفظی معنیٰ عبداللہ کے ہیں کیونکہ جبر معنیٰ بندہ بے اختیار اور ایل بمعنیٰ اللہ ہے چنانچہ تفسیر ابن جریر وابن ابی حاتم میں ابن عباسؓ وعکرمہؓ وعلقمہؓ سے مروی ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس بھی کہتے ہیں چنانچہ ایک حدیث صحیح میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

Marfat.com

تبدیل حالت اور انقلاب نہ ہوا بلکہ جبرئیل اپنی صفت اور حقیقت پر ہی رہے اگر چہ نبی علیہ السلام کو دحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوئے ایسا ہی یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال نہیں خواہ بیداری میں ہو خواہ خواب میں اطلاق صورت کا جائز ہونا خبر کی جہت سے ثابت ہوا اور سلف سے بھی باری تعالیٰ پر صورت کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اس میں بہت سے اخبار اور آثار منقول ہیں اگر اخبار و آثار سلف سے اس کا بولنا ثابت نہ ہوتا تب بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ جو لفظ اللہ تعالیٰ کے حق میں صادق ہو اور سننے والے کے نزدیک خطا کا وہم نہ ڈالے بلا تحریم اور منع اس کا باری تعالی پر بولنا جائز ہے اور دیدار الٰہی کے لفظ سے بھی بسبب کثرت استعمال زبانوں کے نزدیک دیدار ذات کا وہم نہیں پڑتا اگر ایسا شخص فرض کیا جاوے جو اس کے نزدیک اس قول سے حق کے برخلاف وہم پڑے تو اس کے ساتھ یہ قول بولنا لائق ہی نہیں بلکہ اس کے لیے اس کے معنی کی تفسیر کی جائے گی جیسا کہ ہم کو جائز نہیں ہے کہ ہم بولیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں اور اس کو ملنا چاہتے ہیں کیونکہ ان اطلاقات سے کئی لوگوں کو خیالات فاسدہ سمجھ میں آئے ہیں اور اکثر لوگ ان اطلاقات سے وہی معنی سمجھتے ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں اور ان کو کچھ خیال فاسد نہیں ہوتا سو ان اطلاقات میں مخاطب کے حال کی رعایت کی جائے گی جہاں مبہم نہ ہو وہاں بغیر کشف اور تفسیر کے بولنا جائز ہے اور جہاں مبہم ہو وہاں تفصیل اور کشف ضروری ہے فی الجملہ اس بات پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں دیکھی جاتی اور جو دیکھی جاتی ہے اس کی مثال ہے اور اس بات میں اختلاف ٹھہرا کہ بولنا لفظ دیدار کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز ہے یا نہیں اب جو شخص گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں مثال کا ہونا محال ہے سو یہ گمان اس کا خطا ہے بلکہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے لئے مثال بیان کرتے ہیں اور اس کی ذات کو مثل سے پاک اور منزہ جانتے ہیں نہ کہ مثال سے فصل جبکہ روح کی حقیقت سے واقف ہو گیا تو ثواب و عذاب قبر بھی جان سکتا ہے روح جب بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو قوت وہمیہ بھی بدن سے چلی جاتی ہے اور بدن کے ہیئات میں سے کوئی چیز روح کے ساتھ نہیں رہتی اور یہ تجھ کو معلوم ہو چکا ہے قوام روح کا بغیر بدن کے بھی ممکن ہے ہر شخص کو اپنے مرنے اور دنیا سے جانے کا علم رہتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ خود بے مرا اور اپنا ہی بدن دفن ہوا جس طرح کہ زندگی میں جانتا تھا قبر میں وہ اپنے اعمال نیک و بد کی جزاء پائے گا ہر ایک کے لئے اعمال کے لحاظ سے قبر یا تو باغ ہے یا گڑھا بمصداق حدیث نبوی کریم ﷺ کہ القبر اما روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر

Marfat.com

النار!ا گروہ نیک بخت ہے تو فراغ بالی ونیک حالت یعنی ایسے باغوں میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اور ایسے سرسبز چمنوں میں جس میں غلمان وحوریں ہیں اور پاکیزہ پانی کے پیالے وغیرہ موجود ہیں جس طرح وہ اعتقاد رکھتا تھا اپنے کو پاتا ہے یہی ثواب قبر ہے اور اگر نہیں تو ان تکالیف میں جو عذاب کے طور سے اس کو پہنچتی رہتی ہیں جن کی خبر مخبر صادق نے دی ہے رہتا ہے اسی کو عذاب قبر کہتے ہیں قبر فی الحقیقت اسی حالت وصورت کا نام ہے اس میں ثواب ہے یا عذاب اور پھر زندہ ہونا قیامت میں جس کو دوسری پیدائش سے تعبیر کرتے ہیں نفس کا اس صورت سے نکل پڑنا ہے جیسا کہ بچہ بچہ دان سے نکل پڑتا ہے۔ قولہ تعالیٰ قل یحییھا الذی انشأ ھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم۲ قولہ تعالیٰ الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا فاذا انتم منہ توقدون ۳ اس پیدائش کی روشن دلیل ومثال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وللہ الحمد والمنۃ والصلوٰۃ علیٰ نبیہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

---

۱ قبر چمن ہے جنت کے چمنوں سے۔ یا گڑھا ہے آگ کے گڑھوں سے۔

۲ کہہ تو اے نبی (ﷺ) کہ اس کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے اسے پیدا کیا وہ ہر ایک کے حال سے واقف ہے۔

۳ یعنی سبز جہاں سے آگ نکالا جس سے تم سینکتے ہو۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ

امام حجۃ الاسلام زین الدین ابو حامد محمد بن محمد غزالیؒ ۴۵۰ھ میں بمقام طوس میں پیدا ہوئے وطن شریف آپ کا غزالہ ہے طوس کے دیہات میں سے تحصیل علوم آپ نے ابو حامد اسفرائی اور ابو محمد جوینیؒ سے کی ابتداء میں آپ طوس میں رہے پھر بغرض تکمیل علوم بمقام نیشاپور امام الحرمین ابو المعالی کے پاس تشریف لے گئے اصول وفروع مذہب امام شافعیؓ کے آپ ماہر تھے آپ کی تصنیفات کا مجموعہ چار سو جلدیں ہیں احیاء العلوم آپ نے ایک ہزار پچیس دن میں تالیف کی حل مسائل غامضہ کی تصنیف بعد احیاء العلوم کے ثابت ہوتی ہے تفسیر یا قوت التاویل آپ کی چالیس جلدوں میں ہے کیمیائے سعادت اور بسیط اور وسیط اور وجیز اور خلاصہ اور مستصفی اور تہافتہ الفلاسفہ اور محک النظر اور معیار العلم اور مقاصد اور مضنون بہ علی غیر اہلہ اور جواہر القرآن اور المقصد الاسنی فی شرح اسماء الحسنٰی اور مشکوٰۃ الانوار وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات میں سے ہیں کتاب نخول جب آپ تصنیف کر کے اپنے استاد امام الحرمین کی خدمت میں لے گئے تو انھوں نے فرمایا تم نے مجھ کو زندہ ہی دفن کر دیا یعنی تمہاری تصنیفات ۔ کے سامنے میری تصنیفات کی قدر جاتی رہی جب نظام الملک امیر بغداد کی طرف سے مدرسہ نظامیہ واقعہ بغداد کا منصب درس وتدریس آپ کے تفویض ہوا وہاں عرصہ تک آپ نے درس دیا آپ کا درس ایسا مقبول عام ہوا کہ جب مدرسے سے مکان کو آتے تو پانسو فقیہ دہنے بائیں بس وپیش آپ کے گرد ہوتے پھر آپ نے زہد اختیار کیا اور درس وغیرہ کو ترک کر کے قصد حج استوار کیا حج بیت اللہ سے کامیاب ہو کر ملک شام میں مراجعت فرمائی ایک عرصہ تک وہاں ریاضتیں کیں بعد ازاں بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے وہاں سے مصر میں گئے کچھ مدت اسکندریہ میں رہے پھر جانب شام معاودت کی کچھ عرصہ کے بعد اپنے وطن مالوف طوس میں تشریف لے گئے اور آخر عمر تک اسی جگہ قیام فرمایا ایک عرصہ اور ایک خانقاہ بنوا کر اپنے اوقات کو تعلیم ودیگر امور خیر میں تقسیم کیا یہاں تک کہ دوشنبہ کے روز چودھویں جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں ۵۵ برس کی عمر میں رہگرای علیین ہوئے۔

ادخلہ اللہ فی جنۃ النعیم۔

Marfat.com

میزان عمل

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی

تصنیف

مترجمہ

ملک نصر اللہ خان صاحب عزیز بی اے ایڈیٹر اخبار مدینہ
بجنور سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر رسالہ صوفی

Marfat.com

دیباچہ

سعادت کی تلاش و جستجو میں ہر زمانہ کے لوگ سرگرداں رہے ہیں اور یہ وہ چیز ہے جو علم اور عمل کے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی ان کی حقیقت اور اندازہ معلوم کرنے کے لئے علمائے سلف و خلف نے اپنی تمام تر توجہ صرف کر دی ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ہم علم اور عمل میں تمیز کرنے اور پہچان کے لئے ایک معیار مقرر کریں اور کھرے اور کھوٹے کی شناخت کے لئے ایک کسوٹی معین کریں چنانچہ ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بارے میں کامل غور و خوض سے کام لے کر بتا دیں کہ سعادت کے حصول میں سہل انگاری اور تکاسل سے کام لینا حماقت ہے اور اس کے لئے علم و عمل کا اجتماع لازمی ہے۔

اس سے بہرہ اندوز ہونے کا طریق معین کریں اور بتائیں کہ عمل سعید کیا ہے اور اس کا رستہ کیا ہے ان تمام امور کی توضیح کے لئے ہم دلائل و براہین پیش کریں گے محض تقلیدی رنگ مدنظر نہ ہوگا۔ یہ درست ہے کہ اس طرح تحریر طویل ہو جائے گی لیکن کیا کریں اس کے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ ہم کوشش کریں گے کہ علم کے اصول و قوانین کی حدود سے تجاوز نہ کریں، واللہ المستعان

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول

پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے غزالی

Marfat.com

فصل

سعادت کی طلب میں سہل انگاری حماقت ہے

سعادت اخروی سے ہماری مراد ہے وہ بقاء جو غیر فانی ہے۔ وہ شراب نشاط جس میں دردوغم نہ ہو وہ مسرت جس کو غم کی تلخی منغص نہ کرے، اور ایسی عزت ابدی جو ذلت سے آشنا نہ ہو۔ وہ بے فکری واستغناء جس میں احتیاج کو کبھی دخل نہ ہو اور وہ کمال جسے زوال نہ ہو، ساتھ ہی ہر وہ چیز جس کی تمنا کی جا سکتی ہے، ہر وہ شے جس کے لئے دل تڑپ سکتا ہے، حاصل اور موجود ہو، ہاں اور یہ چیزیں ابدالآباد کیلئے ہوں اور زمانے کی تیز تلواران کا رشتہ منقطع نہ کر سکے، فرض کرو کہ تمام دنیا اناج سے اٹی پڑی ہے پھر ایک پرندہ ہے جو ہزار سال کے بعد ایک دانہ اس میں سے چگ لیتا ہے، تو یقین سمجھو کہ ایک روز وہ اناج ختم ہو جائے گا لیکن سعادت اخروی کا وہ گنج بے پایاں ہے جو کبھی نمٹ نہیں سکتا اس قسم کی نعمت عظمٰی کی ترغیب وتحریص دلانے کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں۔

جب کہ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ تمام عقل منداور سمجھ دار لوگ اس سے بدرجہا کمتر اور ادنی چیزوں کے حصول کے لئے ہزاروں قسم کے مصائب وتکالیف خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں اور دنیا کی لذتیں تیاگ دیتے ہیں رنج ومصائب ہزار بیشمار ہوں آخر ختم ہو جاتی ہیں اور دنیا کی لذتیں لاکھ بے حساب ہوں آخر گزر جاتی ہیں ہمارے نزدیک تو عقلمند وہی شخص ہے جسے آئندہ کی یقینی اور بہتر نعمت کیلئے موجودہ اور ادنی شے کو چھوڑنا آسان ہو۔ چنانچہ جو لوگ ضنعت اور تجارتی کاروبار سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس زرین اصول کے خوب کاربند ہیں۔ علم وفن کی تلاش میں لوگ غریب الوطنی، فقروفاقہ۔ ذلت اور برتر از وہم وقیاس مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں اور ان کے قلب اور سکون خاطر کی ذمہ دار صرف یہ بات ہوتی ہے کہ زمانہ مستقبل میں وہ گوہر گراں ہاتھ لگ جائیگا جو زمانہ حال کی تمام تکالیف وشدائد کا بہترین عوض اور موجودہ رنج وملال کا بہترین اجر ہوگا۔ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو زرومال کا طالب نہ ہو اور اسے کہا جائے کہ تمہیں ایک ماہ کے بعد اکسیر اعظم دیدی جائیگی بشرطیکہ تم گھر

Marfat.com

سے سونا خرچ کرو اور ایک ماہ تک انتظار کرو تو وہ اس پر عمل نہ کرے اگر کوئی شخص اس قسم کی آئندہ نعمتوں کی امید میں تھوڑی سی بھوک برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تو اسے کوئی شخص عقلمند تصور نہیں کرسکتا اور شاید اس قسم کے شخص کا وجود بھی عنقاء کا حکم رکھتا ہے۔ حالانکہ دنیا فانی ہے موت گھات میں اور سونا آخرت میں کام نہیں دیتا اور ممکن ہے کہ وہ مہینے کے اندر یا بعد جان جان آفرین کے سپرد کردے غور کرو کہ یہ شخص اکثیر کی طمع میں بیدریغ مال وزر خرچ کرنے کے لیے تیار ہے اور ہر طرح کی مصیبت اٹھانے کے لئے آمادہ۔ پھر عقلمند لوگ اس عمر ناپائیدار میں جس کی حد سو سال ہے اپنی خواہشات نفسانی اور دنیاوی لذتوں کی حد بندی کرنے میں کیسے کوتاہی کرسکتے ہیں جبکہ اس عمل کا حوض عیش سرمدی اور آرام جاودان کی صورت میں ملنے والا ہے

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال
صد سال مے تواں بہ تمنا گریستن

اور جو ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ سعادت کی شاہراہ گامزن ہونے سے گریز کرتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھیں قیامت پر پورا یقین ہی نہیں ورنہ عقل ناقص کا بھی تقاضا ہے کہ سعادت کے حصول کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہیئے چہ جائے کہ وہ لوگ اس کا انکار کریں جو عقل کامل سے بہرہ مند ہیں۔

Marfat.com

فصل

قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے

ہماری رائے ہے کہ قیامت کے متعلق ایمان میں کوتاہی کرنا بھی بیوقوفی پر دال ہے کیونکہ اگر غفلت وخود فراموشی غالب نہ ہو تو سعادت کے رستوں سے بے پرواہی بھی نہ ہو آخرت کے باب میں لوگوں کے چار گروہ ہیں۔

اول وہ گروہ جن کا اعتقاد ہے کہ حشر ونشر اور جنت ودوزخ بعینہ اسی طرح ہیں جس طرح شریعتوں نے ہمیں بتایا ہے اور ان میں سب سے زیادہ رطب اللسان اور فصیح قرآن ہے ان کے نزدیک لذتیں اور محسوسات تمام اسی طرح پر ہونگی جیسے دنیا میں مباشرت کھانا، پینا، سونگھنا چھونا، پہننا اور دیکھنا ہے۔ اور ان کو اعتراف ہے کہ ان لذتوں پر مستزاد اور قسم قسم کی لذات وسرور ہونگی۔ لیکن ان لذتوں کی کیفیت اور صنف حیطۂ بیان سے باہر ہے یہ وہ جنت نگاہ اور فردوس گوش ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور کان نے سنی نہیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصوف سما سکتا ہے۔ یہ غیر منقطع ہے اور ابد الاباد تک رہے گی یہ علم وعمل کی بدولت ہی حاصل کی جاسکتی ہے اس گروہ میں تمام مسلمان اور یہود ونصاریٰ کا اکثر حصہ داخل ہے۔

دوسرا فرقہ جس میں مسلمانوں فلاسفہ کا وہ طبقہ جو الٰہیین کہلاتا ہے داخل ہے کہتا ہے وہ ایک قسم کی لذت ہے جو انسانی قلب کے تصور میں نہیں آسکتی اس کا نام لذت عقلی ہے اور حسیات تو خارجی طور پر ان کی موجودگی کے وہ منکر ہیں ہاں جیسے نیند میں ہوتا ہے خیالی طور پر ان کا وجود ہوسکتا ہے لیکن نیند کے حالات بیداری کیساتھ زائل ہوجاتے ہیں اور یہ ہمیشہ رہیں گے ان کا گمان ہے کہ یہ باتیں ان لوگوں کے لئے ہوتی ہیں جو محسوسات کے ساتھ شغف رکھتے ہیں اور جن کے دل اس جانب بہت مائل ہیں وہ ان کو لذات عقلیہ کی طرف منسوب نہیں کرتے بہر حال اگر آخرت کی کیفیت صرف اسی قدر ہو تو بھی اس کی طلب میں کوتاہی مناسب نہیں وجہ یہ ہے کہ لذت بھی وہی چیز دیتی ہے جس کے ذوق سے انسان کا دل چھونے کھانے یا دیکھنے کے ذریعہ متاثر ہو چکا ہو۔

خارجی امور حصول اثر کا موجب ہیں لذت ایک داخلی اثر ہے جو خارجی اشیاء کی

Marfat.com

موجودگی سے پیدا ہوتا ہے جب بغیر خارجی امور کے وجود کے تاثرات حاصل ہو سکتے ہیں جیسے حالت نوم میں تو ان کی موجودگی میں اثرات کے حصول کے متعلق تو کوئی شک وشبہ کو گنجائش نہ رہی۔

تیسرا طبقہ: یہ لوگ خیال اور حقیقت کے طریق سے لذت حسیہ کے انکار کی طرف گئے ہیں ان کا خیال ہے کہ تخیل آلات جسمانی کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے موت بدن اور روح میں جدائی ڈال دیتی ہے اور بدن ہی تخیل اور تمام احساسات کا آلہ ہے جب ایک دفع روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو دوبارہ واپس نہیں ہوتی چنانچہ صرف آلام ولذات باقی رہتی ہیں یہ حسی نہیں بلکہ بزرگتر ہیں انسان اس عالم میں طبعی لذات عقلیہ کی جانب مائل ہے اور اس سے زیادہ آلام عقلیہ سے نفور یہی وجہ ہے کہ حصول معاش میں لذت اور بے عزتی کو ناپسند کرتا ہے سزا کے وقت علیحدگی کو دوست رکھتا ہے مباشرت اور خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے وقت اسے پردہ داری محبوب ہے اور گزشتہ رنج وآلام اور مصائب کی یاد اسے تکلیف دیتی ہے چنانچہ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ شطرنج کھیلنے والے دو ایک روز تک شطرنج کے شوق میں کھانا پینا بھول جاتے ہیں کیونکہ کھیل کی لذت عقلی کھانے کی لذت حسی پر غالب آ جاتی ہے لذت عقلی کے غلبہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ میدان جنگ میں بسا اوقات اکیلا آدمی دشمنوں کے جم غفیر پر پل پڑتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے اس حرکت کے پیچھے یہی خیال کارفرما ہے کہ لوگ اس کی شجاعت وجوانمردی کی تعریف کریں گے اور یہی خیال اسے زندگی کو خیر باد کہہ دینے پر ابھارتا ہے ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا کی حسیات ان لذات کے مقابلہ میں جو دار آخرت میں ہونگی کوئی نسبت نہیں رکھتیں ممکن ہے ان کی نسبت ان کے ساتھ وہی ہو جو نفیس ولذیذ طعام کی خوشبو کو اس کے ذائقے سے اور محبوب کے دیدار کو وصال یار سے ہے بلکہ اس سے بھی دور تر کی کوئی نسبت ہو ان کا گمان ہے کہ جب عوام کے فیضان سے یہ باتیں بلند تر ہیں تو مثال کے طور پر ان کے سامنے انہیں لذات کا بیان کیا جاتا ہے جن سے وہ آشنا ہیں جیسے ایک لڑکا ہو اور اسے فضل وقضا اور وزارت کے عہدے پر فائز کرنے کے لئے تعلیم دی جائے تو چونکہ وہ ان عہدوں کی ذمہ داریوں اور ان کی حقیقت سے نا آشنا ہے اور ان کی کیفیت نہیں جانتا اس لئے اسے ان چیزوں کی ترغیب دی جاتی ہے جن کی لذت سے وہ واقف ہے مثلاً گیند جس کے ساتھ وہ کھیلتا ہے یا چڑیا جسے وہ اڑاتا ہے حالانکہ اگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کہاں گیند اور چڑیا سے کھیلنا اور کہاں حکومت ووزارت کی لذت لیکن چونکہ اس کا فہم اعلیٰ شے کے ادراک سے قاصر

Marfat.com

رہتا ہے اس لئے اس کے سامنے ادنیٰ بات کی مثال پیش کی جاتی ہے اور وہ اپنی استعداد کے مطابق بتدریج ترقی کرتا جاتا ہے اگر لذات آخرت کو صرف اسی کے مطابق بھی مان لیا جائے تو طلب و جستجو میں کوتاہی مناسب نہیں بلکہ جدوجہد کو دوگنا کرنا چاہیئے صوفیہ اور الٰہیین اسی طرف گئے ہیں اول سے آخر تک یہاں تک کہ مشائخ صوفیاء نے تصریح کردی ہے اور مزید تشریح کی گنجائش نہیں رکھی اور وہ کہہ اٹھے ہیں کہ جو شخص طلب جنت کے لئے یا خوف دوزخ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ لئیم ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف قصد کرنے والوں کا مقصود ان چیزوں سے بہت بالاتر ہے جو شخص مشائخ سے ملے گا ان کے عقائد کے بارے میں ان سے گفتگو کرے گا اور ان کی مصنفات کا بغور مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہو جائیگا کہ ان کا یہ اعتقاد ان کے احوال کے عین مطابق ہے۔

فرقہ چہارم، عوام اور جہلاء مطلق کا گروہ ہے جو اپنے نام کے ہجے بھی نہیں جانتے ان کا خیال یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام ہے اور طاعت و معصیت کی جزاء وسزا نہیں انسان مرنے کے بعد اسی طرح نیست و نابود ہو جاتا ہے جس طرح ولادت سے قبل تھا حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو فرقہ کہنا ہی غلطی ہے کیونکہ گروہ کا مفہوم اجتماع سے ہے اور یہ مذہب کسی جماعت کا نہیں کہ نہ ہی کسی مشہور صاحب نظر سے منسوب ہے البتہ یہ ان عقل کے دشمنوں کا مسلک ہے جن پر خواہشات نفسانی کا دیو غالب اور ان کا شیطان ان پر مستولی ہو چکا ہے وہ اپنی خواہشات کا قلع قمع کرنے پر قادر نہیں ان کی خود پسندی اور خود برائی انہیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ مقاومت خواہشات میں اپنے عجز کا اعتراف کریں چنانچہ اپنے قصور فہم کے باعث وہ عذر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی بات واجب اور حق ہے اپنی بات کی پچ رکھنے کے لئے وہ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور باطل کی پیروی میں محو ہو جاتے ہیں اتباع ہوائے نفسانی بیوقوفوں کو سب سے زیادہ باطل عقیدوں کی تصدیق میں عجلت کرواتی ہے بعض بدبخت اس عقیدہ باطل کو بعض مشہور دقیقہ رس علماء مثلاً ارسطو فلاطون یا کسی اور فلاسفہ کی جانب منسوب کرتے ہیں یہ ایک فریب ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں سامع سے کہتے ہیں میاں تمہاری معرفت ان کے علم کو کہاں پہنچ سکتی ہے انہوں نے ایک عرصہ دراز ان باتوں کی ٹوہ میں صرف کردیا ہے غریب اور سادہ لوح سامع اس تلبیس کو نہیں سمجھ سکتا اور ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے ظالموں سے کوئی حوالہ طلب نہیں کرتا جس سے معلوم ہو کہ واقعی ان لوگوں کا یہ مذہب تھا حالانکہ اگر اسے کوئی ایسی اطلاع دی جائے جس سے اس کا چند ٹکوں کا نقصان ہوتا ہے تو اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کرتا جب تک

Marfat.com

کوئی دلیل و برہان پیش نہ کی جائے اگر کوئی شخص اسے کہے کہ تمہارے باپ نے فلاں شخص سے دس روپے دینے کا اقرار کیا تھا اب اس کے ترکہ میں سے ادا کرو اس کے پاس ایک دستاویز بھی ہے جس پر گواہوں کے دستخط بھی ثابت ہیں تو وہ فوراً پکار اٹھے گا حجت لاؤ اور زندہ گواہ کہاں ہے جو اس کی شہادت دے اور دستاویز اور نقل خطوط کا کیا اعتبار ہے پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جو شخص چند ٹکوں کے باب میں اس قدر محتاط تھا مذہب کے بارے میں اس قدر بے پرواہ ہے کہ مذہب کی بابت کے حوالے کی تصدیق کے وقت دو گواہ بھی طلب نہیں کرتا جو اس امر کی شہادت دیں کہ ہاں ہم نے یہ بات سنی ہے اور بغیر کسی تحریر یا اس کی تصانیف دیکھنے کے اگر چہ وہ کسی اور کی لکھی ہوئی ہو آمنا وصدقنا پکار اٹھتا ہے حالانکہ مناسب تو یہ ہے کہ اگر اپنے کانوں سے بھی سن لے پھر بھی اسے تسلیم کرنے میں توقف کرے جب تک اس کے بارے میں کوئی دلیل و برہان نہ مل جائے اگر صرف دیکھا دیکھی پیروی کرنا مقصود ہے تو انبیاء اولیاء علماء کی تقلید بلکہ جمہور انام کی پیروی اس ایک شخص کی تقلید سے اولیٰ ہے جو خطا سے معصوم ہے۔

ان تمام معتقدات کو سن لینے کے بعد اگر تم متلاشی حق ہو تو اس گمراہ فرقہ کے اعتقاد کے بارے میں تمہاری حالت چار باتوں سے خالی نہیں اول یہ کہ تم قطعاً اس کے بطلان کے معترف ہو دوم یہ کہ تم اس کے بطلان کے متعلق ظن رکھتے ہو سوم یہ کہ اس کی صحت کے بارے میں تمہیں ظن غالب ہو یا امکان بعید کے طور پر اس کے بطلان کو درست سمجھو اور چہارم یہ کہ اس کی قطعی صحت کے متعلق تمہارا یقین ہو بہر حال تمہاری عقل کا یہی تقاضا ہے کہ تم علم و عمل میں مشغول ہو جاؤ اور لذائذ دنیوی سے اعتراض کرو ہاں شرط یہ ہے کہ تمہاری عقل سلیم اور طبیعت نیک ہو تم پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ پہلی اور دوسری صورتوں میں تمہاری عقل کا اقتضا یہی ہے کہ تم علم و عمل کی طلب میں کمر ہمت چست باندھ کر سرگرم عمل ہو جس طرح دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ طلب نفع کے لئے سمندر میں سفر کرنے کے لئے سواری مہیا کی جائے یا طلب ریاست کے لئے اول شباب میں علم حاصل کیا جائے اور وزارت یا کوئی اور عزت وجاہ کے منصب کے حصول کے لئے اس کے مطابق کوشش کی جائے حالانکہ ان تمام امور کے نتائج ظنی ہیں اور قطعی نہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک حریص آدمی کے دل میں یہ بات سما جائے کہ کیمیا کا وجود عنقا نہیں اور اسے معلوم ہو جائے کہ ایک ماہ کی مشقت کے بعد وہ اس سے ہم آغوش ہو جائیگا اور عیش کے بسر اوقات کریگا تو اس کی عقل کا فیصلہ یہی ہو گا کہ مصیبت و مشقت کا مہینہ خوش خوش بسر کر دے اور اس تکلیف کو حقیر سمجھے اگر اسے قطعی طور پر معلوم بھی ہو کہ اس کی عمر زیادہ نہیں تو بھی

Marfat.com

کامیابی کا خیال ان کے لئے صد وجہ تسلی ہوتا ہے۔

اگر تم تیسری حالت میں ہو اور اس کی صحت کا ظن غالب ہو انبیاء اولیاء اور جمہور علماء کی سچائی کا کچھ خیال دل میں باقی ہو تو بھی تمہاری عقل یہی کہے گی کہ طریق امن وسلامتی پر گامزن ہونا اور خطرناک صورت حالات سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے مثلاً فرض کرو کہ تمہیں کسی بادشاہ کا قرب حاصل ہے اور تمہارے نزدیک اس قسم کے اسباب جمع ہو جائیں جس سے تم اس کے خاص مصاحبوں اور محرمان راز میں سے ہوسکو مثلاً کوئی ایسی خدمت جس کے متعلق تمہارا ظن غالب ہو کہ اس کے سرانجام دینے سے بادشاہ سلامت خوش ہو کر تمہیں خلعت و دینار عطا فرمائیں گے ساتھ ہی ظن غالب کے خلاف ایک احتمال بھی ہو اس امر کا کہ کسی وقت ممکن ہے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جس سے وہ غضبناک ہو کر تمہیں عذاب شاہی میں مبتلا کرے تمہاری ذلت و رسوائی کا موجب ہو اور تمہیں تمام عمر کے لئے مصیبت میں ڈال دے تو تمہاری صائب رائے یہی مشورہ دیگی تم اس خطرے میں کودنے سے پرہیز کرو کیونکہ اگر تم اس خدمت کے سرانجام دینے میں کامیاب بھی ہو گئے تو اس کا اجر کچھ سونا ہے جو تمام عمر تمہارا ساتھ نہ دے گا اور اگر ناکام رہے تو بادشاہ کا عذاب بہت بڑا ہے جو تمہاری زندگی بھر تمہارا پیچھا چھوڑنے کا نہیں اس کے لیئے کامیابی کا ثمرہ ناکامی کی سزا کا حریف نہیں ہوسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر تمہارے سامنے نفیس کھانے کا ایک طشت رکھا ہوا اور چند لوگ یا ایک شخص کہدے کہ یہ زہر آلود ہے حالانکہ اس کا حال نبیوں کا سا بھی نہ ہو جو معجزات کے ذریعہ سے اپنے قول کی تائید کی قدرت بھی رکھتے ہیں پھر تم اس کے کذب کے متعلق ظن غالب بھی رکھتے ہو جس طرح تم تیسری صورت کے اعتبار سے تمام انبیاء کے کذب کا ظن غالب رکھتے ہو تو تم اسے سچا ہی سمجھنے کی کوشش کرو گے اور سمجھو گے کہ کھانا کھا لینے میں لذت ہے اور زبان کا چٹخارا لیکن اگر وہ زہر آلود ہوا تو ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں چنانچہ اس لحاظ سے بھی عقل یہی کہتی ہے کہ اگر تم دانشمند ہو تو خطرے سے اجتناب ہی کرو چنانچہ کہتے ہیں حضرت علیؓ سے ایک شخص نے آکر جھگڑنا شروع کیا اور امر آخرت میں شک وشبہ کا اظہار کیا حضرت علیؓ سے ایک نے فرمایا میاں لجت وجادلے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں اگر تو صورت حالات وہی ہوئی جیسا تمہارا خیال ہے تو ہم سب خلاصی پا جائینگے لیکن اگر بات وہی نکلی جو ہم کہتے ہیں تو تم تو مارے جاؤ گے اور ہم

Marfat.com

نجات پا جائیں گے حضرت علیؓ کے مذکورہ بالا قول سے یہ نتیجہ نکالنا صریح ستم ظریفی ہوگی کہ امیر المؤمنین کو امر آخرت میں کوئی شک وشبہ تھا نہیں بلکہ یہ تو ایک قسم کی تنبیہ ہے مخاطب کی حد جہل کے مطابق جو امور آخرت کو دلائل کے ذریعہ سمجھنے سے قاصر ہے اس طرز استدلال کو ہم نے استعمال کیا ہے تاکہ جو لوگ اللہ کی طاعت میں کوتاہی کرتے ہیں اور باطل پرستی کی پیروی کرتے ہیں تو ان کے لئے امور آخرت میں غور کرنا آسان ہو جائے۔

یہ بات قطعی طور پر واضح ہو گئی کہ کوئی عظیم الشان مصیبت اگرچہ معلوم نہ ہو احتمال کے رو سے اسے یقین مستقر پر ترجیح دینی چاہیے وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کا اضافی ہوتا ہے تو چاہیے کہ تم عمر کے انجام اور آسودہ حال لوگوں کے حصے دنیا پر غور کرو اور سعادت اخروی کے کمال اور اس کے دوام کے بارے میں جو تین فرقوں کا اعتقاد ہے اسے قبول کرو اور بدیہی طور پر جان لو کہ دنیا کے عیش و آرام سے جو تم حصول آخرت کے بدلے میں چھوڑتے ہو نہایت حقیر ہے۔

اور اگر تم چوتھی صورت میں ہو یعنی تم چوتھے گروہ کے معتقدات کو صحیح تسلیم کرتے ہو تو ہم تمہاری انتہائی جہالت و قصور فہم کو مدنظر رکھ کر دو طریق پر تم سے خطاب کریں گے اول یہ کہ آخرت کے انکار کے لئے تمہارے پاس کوئی حقیقی اور ضروری دلیل نہیں گو غلط ثابت نہ کیا جا سکے حتی کہ کہا جائے تمہیں کوئی ایسی شہادت اور ثبوت میسر ہوئی ہے جس کو انبیاء اولیاء حکماء اور جملہ عاقل لوگ معلوم کرنے سے قاصر رہے جب اس قدر بزرگ باوجود اپنی کثرت تعداد وسعت معلومات بلندی نظر اور کثرت معجزات کے ایک بات کو نہ سمجھ سکے اور اس کے متعلق غلطی میں پڑ گئے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم اس معاملہ میں صحیح مسلک پر گامزن ہو اور غلطی سے محفوظ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم غلطی کو اپنی ذات سے منسوب کر لو لیکن اگر تم کہتے ہو کہ ممکن ہے کہ ان لوگوں نے بھی غلطی ہو گئی ہو اور مجھ سے بھی غلطی ہو گئی ہو تو تم تیسری حالت میں ہو جاؤ گے پھر اگر تمہارا سینہ اس قدر وسیع نہیں کہ اس بات کو بھی قبول کر سکو اور کہو کہ میں نے تمام دنیا کے اعتقاد کا باطل ہونا پہچان لیا ہے اور یہ محال ہے کہ روح موت کے بعد پھر از روئے جوہر باقی ہو یا پھر لوٹ کر آئے اور اس بات کا تمہیں ایسا ہی یقین ہو جیسے تم معلوم کر چکے ہو کہ ایک تمہاری بدمزاجی اور کوتاہی عقل کی دلیل ہے اور اس قسم کا دشمن عقل و خرد ایسے مرض میں گرفتار ہے جس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں آہ انہیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اولئک کالانعام بل ھم اضل یہ لوگ چار پائے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر۔

دوم یہ لوگ سعادت اخروی کا انکار تو کرتے ہیں لیکن دنیوی سعادت کے منکر نہیں

Marfat.com

ہیں اب دنیا کی سعادت کی انتہائی منزل کیا ہے؟ عزت و حرمت، بلند اقبالی حکومت قدرت واختیار رنج وبلال غم وآلام سے سلامت رہنا اور ہمیشہ راحت وآرام سے زندگی بسر کرنا تو یہ امور بھی علم وعمل کے بغیر انسان کو میسر نہیں آسکتے علم کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں کہ اس کی عزت کو دوام ہے کیونکہ نہ تو اسے کوئی شخص معزول کر سکتا ہے اور نہ ہی باطل جیسے دنیا کی حکومت اور سیادت سے کوئی افسر معزول و موقوف ہو سکتا ہے۔

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ علماً کو علم اور انکشافات علمیہ میں جو وہ اکثر مشکل مسائل کے حل کرنے میں خصوصاً جب وہ مسائل زمین وآسمان کے ملکوت اور الہیات سے متعلق ہوں وجدانی کیفیت اور لطف و سرور حاصل ہوتا ہے. جس کو وہ لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں جنھیں مشکلات حل کرنے کا بھی موقعہ میسر نہیں ہوا پھر یہ ایسی لذت ہے جس کی انتہا نہیں کیونکہ معلومات کی کوئی حد نہیں اور نہ ان کے حصول میں کوئی روک ٹوک ہے کیونکہ جوں جوں وارفتگاں علم کی کثرت ہوتی جاتی ہے توں توں معلومات بھی زیادہ ہوتی جاتی ہیں بلکہ جب عالم حطام دنیا اور اس کی ریاست کا طالب ہو تو کثرت شرکا سے وہ علم سے زیادہ انس پذیر ہوتا ہے کیونکہ دنیا ہی تو ہے جو مزاحمت سے تنگ ہوتی ہے اور علم تو کثرت طلاب سے اور زیادہ وسیع ہوتا ہے پھر باوجودیکہ دنیا کامل ترین لذات میں سے ہے اس شخص کے لئے جو اس سے مایوس ہے تو وہ زیادہ دائمی ہو جاتی ہے جب عالم پر اس کا انعام کرنے والا اللہ اور اس کے فرشتے ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ عالم خالصۃً علم کا ہو۔ اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ رؤسا اور والیان ملک ہمیشہ معزول ہو جانے کے سوہان روح میں مبتلا رہتے ہیں اور ان کو بھی اشتیاق ہوتا ہے کہ ان کی عزت علماء کی سی ہو۔

عمل سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کو درست راستہ پر لگایا جائے رہوار غضب کو ضبط غیض کی لگام دی جائے اور نفسانی صفات کو توڑا جائے تاکہ نفس عقل کے تابع ہو جائے اس کے قابو سے کبھی باہر نہ ہو اور اپنی حاجات کے برلانے میں جو تدابیر وہ اختیار کرے عقل کی حدود سے باہر نہ ہوں۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل

پس کوئی شخص اپنی صحت کو مغلوب کر لے وہی حقیقی طور پر آزاد ہے بلکہ وہ بادشاہ ہے ایک عابد اور زاہد بزرگ نے کسی بادشاہ سے کہا تھا میری سلطنت تمہاری حکومت سے عظیم تر ہے بادشاہ نے پوچھا کیسے؟ زاہد نے جواب دیا اس لئے کہ جس کے تم بندے ہو وہ میرا غلام ہے مراد یہ ہے کہ بادشاہ اپنے نفس کا غلام ہے اور زاہد کی خواہشات نفسانی مقہور و مغلوب ہو چکی

Marfat.com

ہیں خواہشات نفسانی کا بندہ جوان پر غالب نہیں آسکتا اور ان کی گردن توڑ نہیں سکتا طبعی طور پر کمزور دل اور غلامی پسند ہوتا ہے دائمی رنج وغم میں مبتلا اور متواتر مصیبت میں گھرا رہتا ہے اگر ایک روز اپنی مراد دلی سے شاد کام ہو لیتا ہے تو کئی روز مایوسی و نامرادی سے ہم کنار رہتا ہے اس کے علاوہ اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے اسے ہزاروں قسم کے خطرات سو طرح کے مصائب اور لاکھوں مشقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور روز بروز ان کی غلامی کا طوق اس کی گردن پر حاوی ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے خواہشات کی حد بندی اسباب رنج والم کی حد بندی ہے اور ان کو مٹانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ریاضت مجاہدے کو کام میں لایا جائے اور یہی عمل کے معنی ہیں یا تو جب عالم با عمل کی حالت تمام لوگوں سے بہتر ہے اور اس بات کو وہ شخص بھی تسلیم کرتا ہے جو سعادت کو صرف دنیا میں ہی محدود سمجھتا ہے۔ (دنیا کسی کی ہو کے نہیں رہتی اور اس کی لذتیں اس کی مصیبتوں سے بھی زیادہ ہیں) اتباع شہوت میں غرق رہنے والا اور معقولات میں نظر و فکر کرنے سے اعراز کرنے والا شخص بالاتفاق دنیا میں شقی اور بد بخت ہے اور تینوں فرقوں کے نزدیک وآخرت میں بھی بے نصیب ہے ہاں بیوقوفوں کی ایک قلیل جماعت جن کی ہستی کسی شمار و قطار میں نہیں اور نہ ہی عقل مندوں میں ان کو گنا جاسکتا ہے مستثنیٰ ہے۔

پس ظاہر ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے علم وعمل میں کوشش و مستعدی کرنا عقل و دانش کے لحاظ سے ضروری ہے۔ اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے وہ جاہل ہے اگر تم پوچھو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو اس میں کوتاہی کرتے ہیں لیکن آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا باعث یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا امور میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے یہی غفلت ان کی زندگی پر مستولی ہے لوگ اس وقت تک اس خواب خرگوش سے بیدار نہیں ہوتے جب تک خواہشات متواتر اور پے در پے آ کر ان کو فریب دیے رکھتی ہیں ان کی بیداری اور تنبیہ کے لئے ایک پاکیزہ سیرت واعظ کی ضرورت ہے افسوس کہ موجودہ زمانے میں اس قسم کے لوگ عنقا ہو چکے ہیں اور اگر شاذ و نادر طور پر کوئی ہو بھی تو یہ لوگ ان کی جانب ملتفت نہیں ہوتے اور اگر التفات کریں اور کچھ احساس اور حسن عزم زمانہ مستقبل میں طاعت میں یکسو ہونے کے متعلق ان کے دلوں میں پیدا ہو تو ہوا و ہوس ان پر ہجوم کر کے آتی ہے اور تنبیہ و اعتبار کی جو روح ان میں پیدا ہوئی تھی زائل ہو جاتی ہے غفلت و خود فراموشی کا پردہ لوٹ آتا ہے۔ اور عقل مند انسان پھر اپنی نامطبوع حرکات کا مرتکب ہونے لگتا ہے جن سے اسے منع کیا گیا تھا اور وہ اسی مہلک اور خطرناک رستہ پر گامزن رہتا ہے حتیٰ کہ

Marfat.com

ہادم لذات اس کی روح وجسم میں جدائی ڈالدیتی ہے یہ تمام ہوا پرستیاں یہ جملہ شہوات کی پیرویاں اور یہ سب بدعملیاں اسے موت کی دستبرد سے بچا نہیں سکتیں اس وقت حسرت ونامرادی کے سوا اور کوئی چارہ کار اسے نظر نہیں آتا اللہ ہمیں اس غفلت وبدمستی سے اپنی پناہ میں رکھے کیونکہ یہی تمام شقاوت وبدبختی کی جڑ بنیاد اور اصل الاصول ہے۔

فصل

شاہراہ سعادت یعنی علم اور عمل

اگر تم کہو کہ یہ تو ہم پر واضح ہو گیا کہ شاہراہ سعادت پر قدم زنی عقل مندی کی دلیل ہے اور اس میں سستی اور تساہل سے کام لینا جہالت کا ثبوت لیکن جو شخص اس راستہ سے واقف ہی نہیں وہ کیسے اس پر چل سکتا ہے۔ اور ہم کس طرح معلوم کریں کے علم اور عمل ہی وہ شاہراہ ہے تاکہ ہم اس پر توجہ صرف کریں تو اس کے معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔

اول مجملاً پر انا راستہ ہی مناسب ہے یعنی تم اس راستہ پر ملتفت ہو جاؤ جس پر اول تین فرقے متفق الرائے ہیں ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ فوز ونجات صرف علم اور عمل سے ہی حاصل ہوتی ہے وہ اس امر میں متفق اللسان ہیں کہ علم عمل سے اشرف ہے عمل گویا علم کا تتمہ ہے عمل علم کو اپنے پروں کو لیکر مائل پرواز ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے اس کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ کلمات طیب اسی کی طرف صعود کرتے ہیں اور عمل صالح ان کو بلند کرتا ہے، پاکیزہ کلمات بحث ونظر کے وقت علم کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ تو یہی صعود ہے اور یہی موقعہ پر پہنچتا ہے عمل ایک غلام ہے جو علم کو اٹھاتا ہے اور لیکر چلتا ہے علم کی علو مرتبت کے بارے میں یہ ایک تنبیہ ہے۔

فرقہ اول جمہور پر مشتمل ہے اور مفہوم اول یعنی ظاہر شرع پر متمسک ہے اس کا مذہب ومسلک علم وعمل کے ذریعہ نجات ہونے کے متعلق بالکل صاف اور عیاں ہے اور اس کا مکمل بیان احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ صوفیا اور فلاسفہ بھی جو اللہ اور یوم آخرت پر بالجملہ ایمان لاچکے ہیں اگرچہ اس کی کیفیت کے بارے میں مختلف الرائے ہیں اس امر میں متفق الخیال ہیں کہ سعادت کا راز علم اور عبادت میں مضمر ہے باوجود اسکے ان لوگوں کا علم اور عمل کی تفصیل کا انتظار کرنا

Marfat.com

اور باوجود اس اتفاق رائے کے توقف کرنا سراسر حماقت ہے۔

فرض کرو کہ ایک شخص کسی مرض میں مبتلا ہے۔ اطبا کی کتابیں اور ان کے اقوال باوجود اصناف طب کے اختلاف کے اس امر پر متفق ہیں کہ اس بیماری کے ازالہ کے لئے مبردات مفید ہیں تو اگر مریض اس میں توقف کرتا ہے تو اس کی عقل میں فتور ہے بلکہ ایسی حالت میں تو اسے نہایت مبادرت سے کام لینا چاہیے تھا ہاں بعض اوقات مریض کو مرض کے ازالہ کے بعد اس امر کا موقعہ مل جاتا ہے کہ اس بات کے متعلق تحقیقات کرے۔ تقلید جمہور کے لئے نہیں بلکہ مرض کی حقیقت اور مبردات کے مرض کے ازالہ کے لئے مناسب ہونے کی وجہ کا راز معلوم کرنے کے لئے چنانچہ اسے بے حد بصیرت حاصل ہوتی ہے اور جب غور فکر سے مستقل طور پر کام لیتا ہے تو اتباع وتقلید کے عمیق گڑھے سے نکل کر صاحب بصیرت ہونے کی فلک پیما چوٹی پر پہنچ جاتا ہے غرض صوفیہ اور ان کے علاوہ تین فرقوں کا یہی دعویٰ ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص اس مقام کو بصیرت اور تحقیق کے ذریعہ حاصل کر لے اس کی صورت یہی ہے کہ تم موت کی حقیقت کو پہچان لو اور اس بات سے خوب واقف ہو جاؤ کہ موت آلہ کو ناقابل استعمال کر دیتی ہے۔ اسے معدوم نہیں کرتی۔

اس کے بعد یاد رکھو کہ اول ہر ایک چیز کی سعادت اس کی لذت اور راحت صرف اس چیز کا کمال خاص حاصل کر لینے میں مضمر ہے دوم انسان کے لئے کمال خاص یہ ہے کہ وہ ان عقلیات کی حقیقت کا ادراک کر لے جن پر اس کی ہستی کا دارومدار ہے ان سے وہ توہمات اور محسوسات خارج کر دینے چاہییں جن میں ان کے ساتھ حیوان بھی مشترک ہیں۔ سوم روح ذاتی حیثیت سے اس کمال خاص کے لئے سخت تشنہ کام ہے اور فطری طور پر اس کے لئے مستعد، شہوات بدنیہ، اور دوسرے عوارض میں اس کا مشغول ومصروف ہو جانا اسے اس کمال کے حاصل کرنے سے مانع ہے جب انسان ان پر غالب آ جائے شہوات کو توڑ دے ان کو بے دست وپا کر دے عقل کو اس کی غلامی سے رہا کر دے۔ اور اس کی حلقہ بگوشی نے آزاد اس وقت انسان ملکوت السمٰوٰت والارض مطالعہ کرنے میں غور وفکر سے کام لینا شروع کرتا ہے بلکہ اپنے نفس اور اس کے متعلق عجائبات کو نظر عمیق ملاحظہ کرتا ہے یہی وہ وقت ہے جب انسان اپنے کمال خاص کی منزل مقصود کو پالیتا ہے دنیا میں وہ نیک بخت اور سعادت اندوز ہوتا ہے کیونکہ سعادت کے معنی یہی ہیں کہ انسان کی روح ہر اس کمال کو پالے جو اس کے لئے ممکن ہے۔ اگرچہ درجات کمال کا نہ تو کوئی شمار ہے اور نہ کوئی حد لیکن ہم جب تک اس دنیا میں ہیں اس لذت سے ذوق

Marfat.com

آشنا نہیں ہو سکتے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص ہو جس کی قوت ذائقہ ضائع ہو چکی ہے اس کے سامنے لذیز ترین کھانا رکھیے۔ وہ اس کی لذت سے واقف نہ ہو گا لیکن اگر یک لخت اس کی حس ذائقہ عود کر آئے تو وہ فوراً کھانے کی لذت سے پوری طرح لطف اندوز ہونے لگے گا اس لحاظ سے موت کی مثال حسی ذائقہ کے عود کر آنے کی سی ہے چنانچہ میں نے بعض سر آمد حلقہ تصوف کو سنا کہ فرماتے تھے سالک الی اللہ جنت کو اسی دنیا میں دیکھتا ہے اور فردوس اعلیٰ کے اس گوشہ دل میں اس کے ہمراہ رہتی ہے بشرطیکہ وہ اس مقام کو حاصل کر سکے اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ علائق دنیوی سے یکسر علیحدگی اختیار کی جائے اور امور الہیہ میں فکر و نظر پر پوری ہمت صرف کی جائے حتی کہ الہامات الٰہی کے روشن رازہائے سربستہ کا انکشاف کرنے لگے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ روح کو ان تمام کدورتوں سے صاف کر لیا جائے اس مقام بلند پر پہنچنے کا ہی دوسرا نام سعادت ہے اور عمل اس کے لئے ممد و معاون ہے پس یہی وہ گروہ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ علم و عمل کی سعادت کے ساتھ معارفت کو مناسبت حاصل ہے چنانچہ یہ دوسرا طریقہ ہے یقین کی منزل تک پہنچنے کا جو کچھ انھوں نے کہا وہ پختہ ہے اور ان کے نزدیک عرفان مجاہدہ نفس اور ریاضت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے، جیسے کہ اللہ نے فرمایا الذین جاہدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم ان کو اپنے راستہ دکھا دیں گے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم جستجو میں مجاہدہ اور یکسوئی کو استعمال کرو بعض اوقات حقیقت حال کا انکشاف تم پر نفی و اثبات کے ذریعے سے ہو گا تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ تم علم و عمل سے شروع کرو جس پر تینوں فرقوں کا اتفاق ہے کیونکہ تمہاری غرض سوال سے بحث و جدال نہیں بلکہ جستجوئے کامرانی ہے۔ اس مریض کی مانند کہ جب تمام اصناف کے طبیب اس کے مرض کے بارے میں متفق الرائے ہو جائیں تو بغیر جھگڑا کرنے کے شفا کی طلب میں مصروف ہو جاتا ہے

فصل

تزکیہ نفس کا اجمالی بیان

اگر تم کہو کہ یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ علم و عمل میں مشغول ہونا واجب ہے لیکن علوم بے شمار ہیں اور یہی حال اعمال کا ہے کہ وہ نوع اور مقدار کے لحاظ سے کثیر اور مختلف ہیں مثلاً صرف اسی قدر جان لینا کافی نہیں کہ مبردات بیماری کو نافع ہیں جب تک مبردات کی نوع ان کی مقدار

Marfat.com

ان کے استعمال کا وقت دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر یا متفرق طور پر استعمال کرنے کا طریق وغیرہ وغیرہ جو امور ضروری طور پر تفصیل کے محتاج ہیں معلوم نہ ہوں۔ لہٰذا نہایت ضروری ہے کہ قسم اور کمیت بیان کی جائے اور ساتھ ہی اس کے استعمال کا طریقہ اور کیفیت بھی بتائی جائے ان سوالات کا مجمل جواب یہ ہے کہ ان مسائل کے لحاظ سے لوگ دو فرقوں پر منقسم ہیں۔

اول وہ لوگ جو تقلید پر قانع ہیں وہ بحث و نظر کی مشقت گوارا کرنے سے مستغنی ہیں بلکہ وہ اپنے امام و پیشوا کے قدم بقدم چلنے کو ہی موجب سعادت و طمانیت سمجھتے ہیں۔

دوم وہ لوگ جو تقلید کا ممنون ہونا پسند نہیں کرتے وہ مریض کی طرح طبیب کے فرمودہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں بلکہ ان کو اس امر کا شوق ہوتا ہے کہ وہ اطبا کا رتبہ حاصل کرے یہ منزل بہت دور کی ہے اس کے لئے نوح علیہ السلام کی عمر چاہیے اس منزل کو پا لینے کی سعادت صدیوں میں کسی ایک کو ملتی ہے اور وہ بھی شاذ و نادر طور پر لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں تقلید اور پیروی کی ذلت سے نکل کر شاہراہ ہدایت پر گامزن ہونے کے طریقے بتا دیں اگر توفیق الٰہی تمہاری امداد کرے اور تکمیل حاصل کرنے کا داعیہ تمہارے دل میں پیدا ہو جائے تو تم مجاہدہ نفس کے ذریعہ اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ یاد رکھو تم اپنی آرزو کو نہیں پا سکتے جب تک اپنے نفس اس کی قوتوں اور خاصیتوں کی معرفت کا حق حاصل نہ کر لو کیونکہ جو شخص زید سے واقف نہیں وہ اس کے ساتھ تعلقات کیسے قائم کر سکتا ہے مجاہدہ معالجہ نفس ہے جس سے اس کا تزکیہ ہوتا ہے اور انسان فلاح کا مقام حاصل کر لیتا ہے چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا اس نے فلاح پائی جس نے اسے پاکیزہ بنایا اور وہ نائب و خاسر ہوا جس نے اسے دبائے رکھا۔ جو شخص کپڑے کی صورت سے آشنا نہیں وہ اس کی میل کے دور کرنے کا تصور کیسے کر سکتا ہے چونکہ نفس کی پہچان ہی اصل الاصول ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملہ کو تخصیص و اکرام کے طور پر عظمت عطا فرمائی اور اس کو اپنی ذات پاک کے ساتھ نسبت بخشی چنانچہ فرمایا انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی اس آیت میں اس امر کی جانب صاف اشارہ ہے کہ انسان کا جسم آنکھوں سے ادراک حاصل کرتا ہے اور نفس عقل اور بصیرت سے نہ حواس سے اللہ تعالیٰ نے اس کے جسد کو مٹی کی نسبت دی اور اس کی روح کو اپنی ذات سے خداوندی زبان میں روح وہی ہے جسے ہم نے نفس کا نام دیا ہے اور یہ اس لئے کہ ارباب بصیرت کو معلوم ہو جائے کہ نفس انسانی امور الٰہیہ میں سے ہے اور پست درجہ اجسام ارضی سے ارفع اور زبردست تر ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے فرمایا ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی تم سے روح کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے کہتے ہیں کہ سابقہ کتب آسمانی میں بھی لکھا تھا اے بنی آدم اپنے نفس کو پہچانو تم اپنے رب کو پہچان لو گے۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشاد ہے اعرفکم بنفسہ اعرفکم بربہ تم میں سے جو شخص اپنے نفس سے زیادہ واقف ہے وہ اپنے رب سے بھی زیادہ واقف ہے اور ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم فرما کر اس بات کو واضح کیا کہ دونوں ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کا تعلق رکھتے ہیں ایک کو بھول جانا دوسرے کو بھول جانے کے مرادف ہے۔ اسی لئے فرمایا سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم اور وفی انفسکم افلا تبصرون یہاں ظاہری جسم کو دیکھنے کی جانب توجہ دلانا مقصود نہیں کیونکہ یہ تو بہائم کو بھی نظر آتا ہے کہ چہ جائیکہ انسان کو مختصر یہ کہ جو شخص اپنے نفس کے حالات سے ناواقف ہوگا وہ دوسری خارجی اشیاء سے بدرجہ اولیٰ بے خبر ہوگا اللہ عزوجل کے بندوں پر خاص الخاص رحمت اور عنایت ہے کہ اس نے انسان کے وجود میں باوجود اس قدر صغیر الجثہ ہونے کے اتنے عجائبات جمع کر دیئے ہیں اور اوصاف و خصائل کے لحاظ سے انسان کل کائنات کے عجائبات کا حریف ہو رہا ہے گویا تصنیف عالم کی یہ ایک جیبی تقطیع ہے اور یہ اس لئے ہے کہ انسان میں غور و فکر کر کے اللہ عزوجل کے علم کی طرف مواصلت حاصل کرے۔

نفس کے متعلق جملہ حالات کا میں استقصا تو کروں لیکن اندیشہ ہے کہ گفتگو بہت طویل ہو جائے گی لیکن اگر تمہاری خواہش ہے کہ ہم مجمل طور پر ضرور کچھ بیان کریں جس سے تمہیں تفصیلی حالت معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہو تو کان دھر کر سنو کہ نفس حیوانی کے دو قوتیں ہوتی ہیں۔ اول قوت محرکہ دوم قوت مدرکہ محرکہ کی پھر دو قسمیں ہیں باعثہ اور مباشرہ حرکت ،مباشرہ حرکت وہ قوت ہے جو اعصاب و عضلات میں پیدا ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ عضلات کو سکیڑنے نسوں اور ریشوں کو جن کا اعصاب سے اتصال ہے۔ مبدا کی جانب کھینچے یا یہ کہ ان کو ڈھیل دے اور نرم چھوڑ دے تاکہ اعصاب اور نسیں مبداء کے مقابل جانب کو ہو جائیں یہ قوت باعثہ محرکہ کے خادم کی حیثیت رکھتی ہے۔

جب کبھی آئینہ خیال میں کسی ایسی شے کی صورت منقش ہوتی ہے جو مرغوب طبع ہے یا قابل نفرت ہے تو جو قوت ترغیب و تنفر کے جذبات پیدا کرتی ہے اس کا نام باعثہ ہے۔ اور وہ قوت مباشرہ حرکت کو جنبش پر مائل کرتی ہے اس قوت باعثہ کے دو شعبہ ہیں ایک کو شہوانیہ کہتے

Marfat.com

ہیں اور دوسرے کو غضبیہ شہوانیہ انسان کو ان اشیاء کی جانب طلب لذت کے لئے قریب ہونے کی رغبت دیتی ہے جس کو وہ اپنے لئے ضروری اور منفعت بخش سمجھتا ہے اور غضبیہ انسان کو ان چیزوں کے دفعہ کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کی تحریص دلاتی ہے جن کو وہ اپنی ہستی کے لئے ضرر رساں اور نقصان دہ سمجھتا ہے۔

اب رہی قوت مدرکہ تو اس کی دو قسمیں ہیں مدرکہ ظاہرہ اور مدرکہ باطنہ، ظاہرہ حواس خمسہ پر مشتمل ہے۔ ہم اس کی تحقیق و تفتیش میں زیادہ غور و خوض نہیں کریں گے اگرچہ اس کے حقائق کی معرفت کے بارہ میں بھی بہت طویل گفتگو چاہیے لیکن ہماری غرض اجمالی بیان ہے اس لئے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں باطنہ پانچ ہیں۔ اول خیالیہ یہی وہ آئینہ ہے جس میں محسوس چیزوں کے غائب ہو جانے کے بعد ان کی صورتیں عکس پذیر رہتی ہیں چنانچہ صورت مرئی آنکھیں بند کرنے کے بعد بھی خیال میں قائم رہتی ہیں تو وہ قوت جس کے پردے پر وہ چھپ جاتی ہے اس کو قوت خیالیہ کہتے ہیں اور جب جملہ حواس خمسہ کے مدرکات کے نشان اس میں باقی رہیں تو وہ حس مشترک کہلاتی ہے۔

دوسری کا نام حافظہ ہے۔ اور یہ مذکورہ بالا نشانات کو محفوظ رکھتی ہے کیسی چیز کی صورت کو تمسک کرنے والی قوت اور ہے اور اس کو قبول کرنے والی طاقت اور موم اپنی یبوست کے باعث نقش کو تمسک کرتا ہے اور رطوبت کے ذریعہ قبول اور پانی قبول کرتا ہے تمسک نہیں کرتا قوت مقبلہ اور ان قویٰ یعنی حواس خمسہ کے مدرکات قبول کرنے والی اور ان کو محفوظ کرنے والی قوتوں کا مسکن مقدم دماغ کے جوف اول میں ہے اور جب اس پر کوئی چوٹ لگتی ہے یا آفت نازل ہوتی ہے تو یہ قوتیں مختل ہو جاتی ہیں یہ باتیں علم طب میں مفصل مذکور ہیں۔

سوم وہمیہ ہے اس قوت کا مقام دماغ کے وسطی جوف کی آخری حد پر ہوتا ہے یہ قوت جزئی محسوسات کے ان معانی کا ادراک کرتی ہے جو غیر محسوس ہوں۔ جس طرح وہ قوت جو بکری کو سمجھاتی ہے کہ بھیڑیے سے بھاگنا اور بچے کی طرف جانا چاہیے۔

چوتھی ان معانی کو یاد رکھنے کا کام کرتی ہے جو محسوس نہیں کیے جا سکتے جیسے قوت دوم صورتوں کو حفظ کرتی ہے وہ حافظہ صوری ہے اور یہ حافظہ معانی اس کا نام ذاکرہ ہے اور اس کی جائے سکونت جوف دماغ کا آخری حصہ ہے اب جوف دماغ کا وسطی حصہ باقی رہ گیا اور یہ قوت مفکرہ کا مسکن ہے جو خزانہ صوری اور خزانہ معانی کے درمیان مرتب ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ اپنی ثواب دید کے مطابق بعض خیالات کو آپس میں ترکیب دے اور بعض کو منتشر کر دے

Marfat.com

عام طور پر اس کا ذکر قوائے مدرکہ میں کیا جاتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کو قوائے متحرکہ میں شمار کیا جائے کیونکہ اس کا ادراک حرکت کی نوع سے ہے یعنی مرکب خیالات کو منتشر کرنا اور منتشر کو جمع کرنا وہ کسی ایسی نئی شے کے پیدا کرنے پر قادر نہیں جو خیال میں موجود نہ ہو اس کا دائرہ عمل صرف تفصیل وترکیب پر حاوی ہے مذکورہ بالا قویٰ حیوانوں اور انسانوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں صرف قوت مفکرہ مستثنیٰ ہے اس کی بجائے حیوانات میں ایک قوت قریب قریب اس کے ہوتی ہے اس کو متخیلہ کہتے ہیں مگر وہ انسان کی قوت مفکرہ کے برابر طاقت ور اور قوی نہیں ہوتی۔

اب رہا نفس انسانی تو انسان سے متعلق ہونے کے لحاظ سے اس کی قوتوں کی دو قسمیں ہیں قوت عالمہ اور قوت عاملہ ان میں سے ہر ایک کا نام عقل ہے لیکن اس میں مشترک کے طور پر کیونکہ عاملہ کو عقل صرف اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عالمہ کی خادمہ ہے اور نفس کے لئے مقصود ہے قوت عالمہ نظریہ جس کا ہم ابھی ذکر کریں گے اقتضا کے مطابق وہ افعال معینہ جو جزئی ہیں اور فکر وروایت کے ساتھ مختص ہیں ان کی طرف انسان کے بدن کو حرکت دینے کا یہ مبداء ہے چاہیے کہ قوائے بدنیہ اس قوت عملیہ کے سوائے سب مقہور ومغلوب اور طابع فرمان ہوں اس طرح کہ یہ قوت ان سے اثر پذیر نہ ہو اور دوسری تمام قوتیں اس قوت کے فرمان واشارہ کے مطابق سکون وحرکت اختیار کریں کیونکہ اگر یہ قوت مغلوب ہو جائے تو قوائے بدنیہ میں خواہشات کی اطاعت وانقیاد کی ہیئتیں پیدا ہو جاتی ہیں جنہیں بداخلاقیوں سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر یہ قوت دوسری قوتوں پر تسلط ہو جائے اور غلبہ پالے تو اس استیلاءٔ وغلبہ کو اخلاق فاضلہ وحسنہ کہتے ہیں اور اس کو دو نسبتیں حاصل ہیں اس قوت کے استیلاء کی صورت کے معنی یہ ہیں کہ دوسری تمام اس کی مطیع ومنقاد ہوں اور یہی مراد ہے اخلاق حمیدہ سے غرض یہ ہے کہ نفس اس بات سے بالاتر ہے کہ حواس خمسہ اس کا ادراک کر سکیں البتہ عقل اس کو معلوم کر سکتی ہے یا اس کے آثار وفعال سے اس کے متعلق دلائل دے سکتی ہے نفس کو دو نسبتیں حاصل ہیں اول نسبت اس پہلو کی طرف جو اس سے نیچے ہے اور دوم نسبت اس پہلو کی جانب جو اس کے اوپر ہے اور ہر پہلو کے اعتبار سے خدا نے اسے ایک قوت دے رکھی ہے جس سے ان پہلوؤں اور نفس کے درمیان علاقہ کا نظم قائم رکھا جاتا ہے یہی قوت عملیہ ہے اور یہی وہ قوت ہے جو نیچے کے پہلو کا خیال رکھتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر وسیاست کا قوت عالمہ نظریہ جس کا مذکور اب ہوگا ایک ایسی قوت ہے جو اوپر کا پہلو کا اندازہ رکھتی ہے تا کہ اس سے اثر پذیر ہو اور استفادہ کرے ان

Marfat.com

ملائکہ سے جو انسان کے نفوس پر مؤکل بنائے گئے ہیں تا کہ اس پر علوم کی بارش کریں کیونکہ علوم اللہ کی جانب سے کسی واسطہ کے ذریعہ ہی حاصل کیے جاتے ہیں جیسے ارشاد خداوندی یرسل رسولاً کسی انسان سے اللہ صرف وحی کے طور پر یا پردے کے پیچھے سے یا رسول بھیج کر ہی کلام کرتا ہے۔

نفس کو ہمارے ساتھ دو تعلق ہیں پہلا بدن کی جانب اور چاہیے کہ یہ تعلق غالب اور مستولی ہو نا اثر قبول کرنے والا ہو اور نہ عوارض اور شہوات بدنیہ سے منفعل ہونے والا دوسرا تعلق شریف وعالی جانب سے چاہیئے کہ یہ تعلق اس جانب کے اثرات سے دایم القبول ہو اور ہمیشہ تاثرات حاصل کرتا رہے کیونکہ یہیں نفس انسانی پر اسباب سعادت کا نزول ہوتا ہے یہ قوت نظریہ عالم ہی ہے جس کا کام یہ ہے کہ کلی اور ان عوارض سے پاک معانی کا جو انہیں جزئی اور محسوس بنادیتی ہیں القا کریں معانی کلی کا ذکر ہم اپنی کتاب معیار العلم میں کر چکے ہیں۔

پھر یہ قوت ان علوم کی نسبت سے جو اس میں حاصل ہوتے ہیں تین مراتب پر منقسم ہیں اول اس نسبت کی مانند جو بچے کو کتابت سے ہے کیونکہ بچے میں کتابت کی قوت تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید ہے یہی حال اس کے ساتھ قوت علم کا ہے مرتبہ ثانیہ یہ ہے کہ اس میں تمام معقولات جو ابتدائی اور ضروری ہیں حاصل کیے جائیں جیسے ایک لڑکا ہو جو صاحب تمیز ہے اور سن بلوغ کو پہنچ رہا ہے اس نے دوات قلم اور حرف مرکب کے علاوہ مفرد کی پہچان حاصل کر لی ہے حالانکہ اسے پنگوڑے میں یہ بات حاصل نہ تھی اس میں کتابت کی قوت مطلقہ تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید تھی۔

مرتبہ سوم یہ ہے کہ تمام معقولات کسبیہ عملی طور پر حاصل کی جائیں اور چیزیں انسان کے پاس بطور خزانہ کے جمع ہوں چنانچہ جب چاہے ان کی جانب رجوع کر سکے اور جب رجوع کرلے تو ان پر متمکن ہو جائے اس شخص کا حال علوم کے بارے میں ماہر کاتب وصناع کا سا ہے جو کتابت سے غافل ہے کہ وہ قوت قریب کے ساتھ اپنے فن میں مستعد ہے اور استعداد کے طور پر اسے انتہائی کمال حاصل ہے یہ انسانی درجہ کی انتہاء ہے لیکن اس رتبہ میں لاتحصی مدارج ہیں جو کثرت وقلت معلومات اور شرافت وخست معلومات اور ان کی تحصیل کے طریق کے لحاظ سے مختلف ہیں یہ عرف الہام الٰہی تعلیم اور اکتساب کے ذریعہ ہی حاصل ہوتے ہیں یا تو سریع الحصول ہے یا بطی الحصول اس علم میں علماء حکماء اولیا اور انبیاء کی منازل بتاتے ہیں اور اس علم کے تفاوت کے حساب سے ان کے مناصب بھی متفاوت ہوتے ہیں اس میں ترقی کرنے کے

Marfat.com

مدارج غیر محدود میں اور حصر کے قابل نہیں سب سے بلند ترین درجہ مقام نبوت ہے جس پر تمام حقائق یا ان کا اکثر حصہ منکشف ہوتا ہے بغیر اکتساب اور تکلیف اٹھانے کے بلکہ کشف کے ذریعے نہایت قلیل دقت میں اور یہ وہ سعادت ہے کہ جب انسان اس کے وصال سے شاد کام ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا قرب اسے حاصل ہو جاتا ہے مکان اور مسافت کے طور پر نہیں بلکہ معنی اور حقیقت کے لحاظ سے ادب کا فرمان ہے کہ اس مقام کے بارے میں گفتگو کی باگ تھام لی جائے کیونکہ بعض لوگ یہاں اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ وہ قرب سے گزر کر ذات احدی کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں چنانچہ بعض پکار اٹھے سبحانی ما اعظم شانی دوسروں نے اناالحق کا نعرہ مارا بعض نے اس مقام کو حلول سے تعبیر کیا اور نصاریٰ نے لاہوت وناہوت کے اتحاد سے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہنے لگے وہ خدا کا نصف ہیں واللہ خداوند جل وعلا کی ذات بلند ان بدبخت لوگوں کے قول سے بہت ارفع واعلیٰ ہے الغرض خدا کی طرف پہنچنے کے منازل بے حد وشمار ہیں سالک راہ سلوک میں جس منزل کو پالیتا ہے اس سے واقف ہو جاتا ہے اور اسی طرح گزشتہ تمام منازل کو جن کو وہ قطع کر چکا ہے پوری طرح پہچان لیتا ہے۔ لیکن جو منزل اس کے سامنے ہے اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا الا بطور اجمال کے اور ایمان بالغیب کے چنانچہ حقیقت موت سے سوائے نبی کے اور کوئی شخص واقف نہیں ہوتا جس طرح جنین بچے کے حال سے آشنا نہیں اور بچہ صاحب تمیز لڑکے کی کیفیت اور ان ضروری معلومات سے جو اس پر کھل چکے ہیں ناواقف ہوتا ہے پھر صاحب تمیز لڑکا صاحب عقل کے حال اور ان علوم نظریہ سے جو اس نے حاصل کیے ہیں بے خبر ہوتا ہے اسی طرح صاحب عقل وشعور لوگ ان حالات سے نابلد محض ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف وفراوانی رحمت سے ان پر نوازش کیے ہیں بقولہ تعالیٰ وما یفتح اللّٰہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا اللہ اپنی رحمت کے دروازے جب کھول دے تو بند نہیں کر سکتا یہ اکرام وعنایات محض جود الٰہی سے مبذول ہوتے ہیں ان میں کسی کا اجارہ نہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا مستحق ہونے کے لئے تزکیہ نفس کے ذریعہ استعداد حاصل کرنا ضروری ہے اور جس طرح ایک رنگدار صورت کا اس میں کوئی قصور نہیں اگر زنگ آلود ہے تو اس کا عکس نہیں پڑتا۔ اس کا باعث تو لوہے کا کھردراپن اور درشتی ہے جب اس کو صیقل کر لینے سے اس کی کھردراہٹ اور درشتی زائل ہو جاتی ہے اور وہ روشن ہو جاتا ہے اسی طرح تمہیں یقین رکھنا چاہیے کہ پردہ تمہاری طرف سے ہے رحمت الٰہی کی طرف سے کوئی حجاب نہیں۔ ع

Marfat.com

جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

اس لئے سرور عالم ﷺ نے فرمایا ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا جانب الٰہی کے غایت جود اور نوازش فرمائی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بے حد زوردار الفاظ میں ترغیب وتشویق کے لیے فرمایا ینزل اللّٰہ کل لیلة الی سماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخیر فیقول ھل من داع فاستجیب لہ ھل من مستر حم فارحم ؎

ہر شب کے آخر میں خدا
اس آسمان پر آنکر
دیتا ہے رحمت کی صدا
مجھ سے طلب کوئی کرے
دونگا میں اس کو برملا
مضطر ہو یا بیتاب ہو
بیمار ہو یا لاچار ہو
ہے طالب رحمت کوئی؟
مانگے کہ دوں گا میں اسے
سنتا ہوں میں سب کی دُعا

اور فرمایا من تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعاً ومن اتانی یمشی آتیتہ ھرولہ جو شخص ایک بالشت میری جانب آتا ہے میں اس کی طرف ایک قدم بڑھتا ہوں اور جو چل کر میری طرف آتا ہے، میں اس کی سمت دوڑ کر جاتا ہوں تمہیں لازم ہے کہ تم ان امور کی جستجو کے لئے قرآن وحدیث کا مطالعہ کرو کیونکہ یہ باتیں حصر واحصا سے خارج ہیں[1]۔

---

[1] احادیث میں یہ بھی ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ (حدیث قدسی) میرا بندہ میرا تقرب نوافل کے ذریعہ حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے نیز یہ بھی مذکور ہے اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں کو نہ گھیر لیتے تو وہ ملکوت السموات والارض کو دیکھ لیتے۔

Marfat.com

فصل

قوائے نفس کا آپس میں ارتباط

یاد رکھو کہ قویٰ مراتب کے لحاظ سے متفاوت ہیں بعض اپنی ذات کے لئے مخصوص ہیں اور بعض دوسروں کے لئے بعض خادم ہیں اور بعض مخدوم رئیس مطلق وہ ہیں جو اپنی ذات کے لئے خاص ہیں دوسری ان کے لئے مقصود ہو چکے ہیں یہ آخری رتبہ ہے اور اس میں اولیاء اور انبیاء کے مراتب مختلف اور متفاوت ہیں کیونکہ انسان ان امور کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو اس کی فطری خصوصیات سے وابستہ ہیں جو اس کے علاوہ قوتیں ہیں اور نفس انسانی سے مخصوص ہیں ان میں حیوانات بھی انسان کے ساتھ شریک و سہیم ہیں انسان کا رتبہ خلقت کے اعتبار سے بہیمت اور ملکیت کے بین بین ہے اور اس میں جملہ قوتیں اور صفات موجود ہیں بحیثیت غذا حاصل کرنے اور نسل پیدا کرنے کے وہ نباتات اور حس و حرکت کے اعتبار سے حیوان اور صورت اور قد و قامت کے لحاظ سے وہ اس تصویر کی مانند ہے جو دیوار پر منقوش ہو یہی وہ خاصہ ہے جس کے لئے قوت عقل و ادراک حقائق پیش کیے گئے تو جو شخص اپنی قوتوں کو علم و عمل کے شاہد سے ہمکنار ہونے کے لئے استعمال کریگا وہ ملائکہ سے مشابہ ہوگا حق یہ ہے کہ وہ ان سے جا ملے گا اور عام یہ کہ وہ بلحاظ نام کے فرشتہ اور ربانی کہلائیگا جیسے قرآن میں ہے ان ھذا الا ملک کریم یہ تو ایک نیک فرشتہ ہے جو شخص بدنی لذات سے متمتع ہونے میں اپنی تمام ہمت صرف کر دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چارپائے جو چارہ کھاتے ہیں جب وہ بہائم کے افق پر آ گرتا ہے تو وہ بیل کی مانند پیٹو، خنزیر کی طرح بدکار کتے کی مثل ذلیل اونٹ کی طرح کینہ ور چیتے کی مانند متکبر اور لومڑی کی طرح مکار ہو جاتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ بالا قوی میں نظر و فکر کریں گے انہیں معلوم ہو جائیگا کہ مقتضیات عقل ان سے بہت بلند و ارفع ہیں اور وہ حیران ہو کر دیکھیگا کہ کس طرح وہ اپنی فطرت کے مطابق ایک دوسری کی چاکری اور خدمت کرتی ہیں اور ان امور میں احکام الٰہی کی مخالفت کی انہیں مجال نہیں

عقل رئیس مخدوم ہے اس کا وزیر اس کی خدمت بجا لاتا ہے اور وہ سب چیزوں سے

Marfat.com

زیادہ اس کے قریب ہے اسے عقل عملیہ کہتے ہیں جس کا نام ہم نے مراسم عقل کے مطابق قوت عاملہ رکھا ہے کیونکہ عقل عملی تدبیر بدن کے لئے ہے بدن آلہ نفس ہے اور اس کا گھوڑا جس پر سوار ہو کر نفس حواس کے واسطہ سے ان ابتدائی علوم کو جن سے حقائق اشیاء استنباط کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں شکار کرتا ہے پھر عقل عملیہ کو ہے جس کی چاکری وہم بجالاتا ہے وہم کی خادم دو قوتیں ہیں ایک قوت اس کے بعد ہے اور ایک قوت اس کے قبل ہے بعد والی قوت وہم کے ادراکات کی محافظ ہے ....اور قبل والی قوت سے وہ تمام حیوانی قوتیں مراد ہیں جن کا ذکر ہم ابھی کریں گے ان تمام میں سے ایک قوت متخیلہ یعنی مفکرہ ہے اس کے دو مختلف المأخذ خادم ہیں قوت رغبیہ شوقیہ اس کے لئے برانگیختہ کرنے کی خدمت بجالاتی ہے اس کے برانگیختہ کرنے کا فعل تخیل اور فکر کے ذریعہ ہوتا ہے اور وہ قوت حافظہ صور جو حس مشترک میں ہوتی ہے اس کے اندر موجود صورتوں کی ترکیب و تفصیل کو قبول کرنے کی خدمت ادا کرتی ہے یہ دونوں قوتیں دو طائفوں کی رئیس ہیں اول صورت کو محفوظ رکھنے والی اس کی امداد کے لئے مشترک مامور ہے جو صورتوں کو اٹھا کر اس کے سامنے پیش کرتی ہے تا کہ وہ انھیں اپنے میں جگہ دے لے دوسری قوت نزوعیہ اس کی خدمت کے لئے شہوت اور غضب مامور ہیں پھر شہوت و غضب کی خادم وہ قوت ہے جو عضلات کو محرک کرنے والی ہے یہاں پر قوائے حیوانیہ ختم ہو جاتے ہیں قوائے حیوانی کی صرف نباتی قوتیں ہیں نباتی قوتیں تین ہیں مولودہ مربیہ اور غاذیہ ان کی افسر مولودہ ہے اس کی لونڈی مربیہ اور مربیہ کی لونڈی غاذیہ ہے پھر ان تین قوتوں کی خدمت پر چار کنیزیں مامور ہیں یعنی جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، اور دافعہ جاذبہ کے بغیر نباتات کی زندگی محال ہے کیونکہ وہ غذا کو کھینچ کر اندر پہنچاتی ہے پھر ماسکہ ہے، ہاضمہ اس غذا کو ہضم کرتی ہے جو ماسکہ لے چکی ہے دافعہ ان کے بعد آتی ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ فضلات کو دور کرے دافعہ ایک ایسی خادمہ ہے جو سب کی نوکر ہے لیکن اس کی نوکر کوئی نہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے میونسپل کمیٹیوں میں بھنگی ہوتے ہیں ان کے بعد حرارت برودت رطوبت اور یبوست آتی ہیں جو ہاضمہ، جاذبہ، ماسکہ اور دافعہ کو امداد دیتی ہیں اور یہ جسموں میں قوتوں کے زیریں مدارج ہیں قوائے مذکورہ بالا کی آسان اور سہل الفہم مثال یوں ہے کہ قوت مفکرہ کا مسکن وسط دماغ میں ہے جس طرح بادشاہ وسط مملکت میں قیام فرماتا ہے قوت خیالیہ کا مقام مقدم دماغ ہے جیسے صاحب بریدہ کہ اس کے پاس تمام خبریں جمع ہوتی ہے قوت حافظہ کا مسکن موخر دماغ ہے اس کی مثال اس کے خادم کی سی ہے قوت ناطقہ اس کا ترجمان ہے قوت عاملہ اس کا کاتب ہے حواس خمسہ

Marfat.com

اس کی خفیہ پولیس ہیں لیجہ نامہ نگاروں کی حیثیت رکھتا ہے ان کا کام یہ ہے کہ افسروں کو وقتاً فوقتاً ان کے علاقے کی خبروں سے آگاہ کرتے رہیں ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقہ کی خبریں مہیا کرتا ہے بصارت عالم الوان کی موکل ہے کان آواز کا اور اسی طرح تمام حواس اپنے اپنے دائرہ عملی کے موکل ہیں یہ لوگ ان تمام خبروں کو صاحب بریدہ کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں صاحب بریدہ ان خبروں میں سے غیر ضروری کو چھانٹ کے الگ کر دیتا ہے اور باقی ماندہ کو صاف ومصفا کر کے ملک معظم کے حضور میں پیش کرتا ہے بادشاہ سلامت ان کو پرکھتا ہے ان کا نفع نقصان معلوم کرتا ہے اور انھیں اپنے خادم کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ جب ضرورت واقع ہو تو وہ انہیں نکال کر پیش کر دے پھر جس طرح وہ اعمال جس پر بادشاہ بذات خود اور براہ راست حکم کرتا ہے ان اعمال سے افضل ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں کے استعمال میں آئیں اسی طرح نفس کی تولیت میں آئے ہوئے اعمال مثلاً لودیت اعتبار قیاس فراست اور نامعلوم باتوں کا استنباط ان خصائل سے اشرف ہیں مثلاً اصابت رائے عزت پذیری قیاس فراست اور استنباط ان چیزوں سے افضل ہیں جو نفس کے خدام استعمال کرتے ہیں کیونکہ نفس ہی حقیقت میں قوت مفکرہ کے واسطہ سے بادشاہ ہے یہ مثال اس روایت کے قریب قریب ہے جو کعب اخبار سے مروی ہے بیان کیا کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ارشاد کیا انسان کی دونوں آنکھیں اوڑھنا بچھونا ہیں دونوں کان سواری ہیں ان کی زبان اس کا ترجمان ہے دونوں ہاتھ فوج ہیں اسکے دونوں پاؤں ایلچی ہیں اور دل بادشاہ ہے جب دل اچھا ہے تو تمام لشکر اچھا ہو جاتا ہے پھر فرمایا میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا یہ نفس کے احوال کا مجمل بیان ہے جسے ہم نے مختصر کر کے تمہارے سامنے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نفس کے عجائبات میں سے یہ چند باتیں ہیں اگر تم تشریح اعضا پر نظر کرو اور عروق اعصاب نسوں ہڈیوں شریانوں اور رگوں کا غور سے مطالعہ کرو پھر ان اعضاء کو دیکھو جو بطور آلہ کے نفس انسانی کے لئے طعام کو اول ہضم پھر اسے دور کرنے کی خاطر تیار کیے گئے ہیں ان آلات پر غور کرو جو نسل انسانی کے بقا کے لئے بنائے گئے ہیں تم ان عجائبات پر مطلع ہو جاؤ گے جو ان کے خود بخود ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں تشریح اجسام سے فارغ ہو کر جب ان اجسام کے قویٰ کی تفصیل پر نظر کرو گے اور علوم طبیعی کے حقائق کی معرفت کا استقصا کرو گے تو تمہارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہے گی پھر کس قدر افسوس ہے اس شخص پر جو خدا کا انکار کرتا ہے اور اس کے اس فرمان سے رو گردانی کرتا ہے کہ وفی الارض ایات للموقنین وفی انفسکم

Marfat.com

افلا تبصرون اوران میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہارے نفسوں میں کیا تم نہیں دیکھتے؟ ہاں بلکہ ہر ایک چیز اس امر پر شاہد عادل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ واحد ہے جو شخص خدا پر اجمالاً ایمان نہیں لاتا وہ عقلمندوں کے گروہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا[1] اور وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کلمات سے اسے خطاب کیا جائے بلکہ ہمارا روئے سخن تو اس شخص کی طرف ہے جو اجمالی رنگ میں خدا کی تصدیق کرتا ہے پھر ہم اسے خدا تعالیٰ کی قدرتوں میں بحث ونظر سے کام لینے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ اس طریقہ سے اس کا ایمان اور یقین ترقی پائے اور خدا کی عظمت وجلال اس کی نظروں میں زیادہ ہو پس جس شے کا ادراک حواس خمسہ نہیں کر سکتے اسے اس کے نشانات کے ذریعہ عقل دریافت کر لیتی ہے چنانچہ اس کی معرفت کے استقصا کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نشانات میں نظر کو وسیع کیا جائے بلکہ ہم ایک ایسی مثال پیش کریں گے جو تمام لوگوں کے افہام کے قریب ہو علماء میں جس قدر فقیہ ہو گزرے ہیں سب ان مذکورہ بالا امور میں اعتقاد رکھتے تھے مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ جو اس قدر بلند پایہ بزرگ تھے کہ ہمارا سر ان کی تعظیم کے لئے بے اختیار جھک پڑتا ہے۔

اور اس امر میں تمام خلقت مشترک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کسی مصنف کی کسی تحریر کا بنظر غائر مطالعہ کرے پھر اس میں مصنف کی صنعت کے عجائبات اور اس کی دانائی کی ندرت طرازیوں سے روشناس ہو اور پھر بھی اس کا خیال اور عقیدت صاحب مصنف سے وہی رہے جو اس کتاب کے مطالعہ سے پیشتر تھی بلکہ جوں جوں وہ قابل مصنف کے کلام اشعار یا طرز بیان واسلوب نگارش کے اوصاف وکمالات سے مطلع ہوتا جائیگا توں توں اس کے دل میں اس کی عقیدت تعظیم اور توقیر کی زیادہ ہوتی جائیگی پس جو شخص اس بات کو پہچانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صانع عالم ہے اس شخص کی مانند ہے جسے معلوم ہے کہ زید اور دوسرے شخص میں فرق یہ ہے کہ زید صاحب دیوان اور مصنف کتاب ہے اب یہ عقیدہ اس شخص کے عقیدہ کو کہاں پہنچ سکتا ہے جو اس کے شعروں کو پڑھتا ہے اور ان میں شاعری کے عجائبات

---

[1] یہ قول اسی قول کے مطابق ہے جو حضرت امام اعظمؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص خدا کے بارے میں ان پڑھ ہونے کا عذر کرتا ہے وہ قابل قبول نہیں کیونکہ خدا کی قدرتیں تو آنکھوں کے سامنے ہیں۔

Marfat.com

پاتا ہے وہ اس کی تصنیف کا مطالعہ کرتا ہے اور صاحب علم و فضل ہونے کے باعث کتاب کی خوبیاں اس پر روشن ہو جاتی ہیں تو اس شخص کے دل میں تحقیق اور بصیرت کے ذریعہ زید کی عظمت قدر اور بلندی رتبہ کے متعلق نہایت مضبوط اور راسخ اعتقاد پیدا ہو جائیگا بخلاف اس کے دوسرے شخص کا اعتقاد ان امور کے متعلق نہایت مجمل ضعیف اور بے بصیرت و تحقیق ہوگا اور یہی فرق ہے عوام اور اصحاب بصیرت کے درمیان۔ کائنات عالم اس لحاظ سے کہ اس میں اللہ کی صنعت کے عجائبات ہیں خدا کی تصنیف ہے یہ صحیفہ الٰہی ہے یہ اس کی تالیف ہے اس میں اس کی ابداع و اختراع کی کارفرمائیاں بھرپور ہیں نفس انسانی کائنات کا ایک جزء ہے اور اپنے کل کی طرف عجائب و غرائب سے مشحون اور مملو ہے چنانچہ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ان کے اندر غور و فکر کرتا رہے اس سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ اس کا اعتقاد زیادہ اور ایمان پختہ ہو جائیگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انفس، آفاق اور ملکوت السمٰوت والارض میں نظر و فکر کرنے کی بے حد ترغیب دی ہے اسی کے بارے میں ہے کہ جب آیت ان فی خلق السمٰوت والارض واختلاف الیل والنہار لآیات لأولی الالباب نازل ہوئی تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ویل لمن لاکھا بین لحییہ ولم یتفکر فیھا اس شخص پر افسوس ہے جس نے کائنات کو اپنی ٹھوڑی کے قریب پایا پھر اس میں تفکر نہ کیا۔

فصل

عمل کی علم سے نسبت ان کا ثمرہ سعادت ہے اہل تصوف اس پر متفق ہیں اور دوسرے اہل نظر موئید ہیں

عمل کی تاثیر یہ ہے کہ وہ نامناسب باتوں کو دور کر دیتا ہے اور علم میں کوشش کرنا ماینبغی امور کے حصول کی سعی ہے اور نامناسب امور کا ازالہ شرط ہے ماینبغی امور کے لئے جگہ خالی کرنے کے لئے مشروط بذات خود مقصود ہے اور یہ شرط سے اشرف ہے اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے اولاد حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی بیوی ایک ایسے مرض

Marfat.com

میں مبتلا ہے جو استقرار حمل کو مانع ہے اب اس شخص کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے دو کام کرنا ہونگے اول اس مرض کو دور کرنا جو نطفے کو رحم میں قرار پکڑنے سے روکتا ہے اور دوم مرض کے ازالہ کے بعد نطفہ کو رحم میں ڈالنا اس لحاظ سے امر اول شرط ہے امر دوم کے لیے اور امر دوم ہی غایت مطلوب ہے۔

فرض کرو کہ ایک مکان بادشاہ کے لئے بنایا گیا تھا اس کی شان وشوکت اور زیب وزینت بھی بادشاہ کے نزول اجلال کے حسب شان تھی پھر اس میں خنزیروں اور بندروں نے جبراً جگہ بنائی اب اس کی دوبارہ خوبصورتی اور تکمیل دو باتوں پر منحصر ہے اول ان جانوروں کو نکالنا جو خوانخواہ اس پر قابض ہو گئے ہیں اور دوم مستحق کو اس میں تشریف فرما کرنا یا فرض کرو کہ ایک زنگ آلود آئینہ ہے جس کی صفائی اور جلاء کو زنگ نے چھپادیا ہے اور ہماری صورتیں ان میں منعکس نہیں ہوسکتیں اس لئے آئینہ کا کمال یہ ہے کہ قبول صورت کے لئے مستعد ہو جائے اور جیسی شکل اس کے مقابل کی جائے ویسا ہی عکس دیدے اس کے حصول کے لیے دو باتیں ہیں پہلی بات جلا اور صیقل ہے یعنی اس میل کو دور کیا جائے جو اس پر نہ ہونا چاہیے دوسری بات یہ ہے کہ آئینہ کو ہم اس کے چہرے کے سامنے لائیں جس کا عکس اس میں لینا مقصود ہے اس طرح نفس انسانی اس بات کے لئے مستعد ہے کہ جب حق کی طرف ہر شے میں اسے محاذی کیا جائے تو وہ آئینہ کی مانند ہو جائے اور ان کا عکس لے لے اور ایک لحاظ سے وہی ہو جائے اگر چہ دوسرے لحاظ سے وہ اس کا غیر ہو جیسے صورت اور آئینے کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں نفس انسانی کا اس درجہ کو پہنچ جانا اس کا کمال ہے یہی وہ خاصہ ہے جو نچلے درجے کے حیوانات سے جدا ہو چکا ہے کیونکہ یہ استعداد قوت اور فعل تمام لحاظات سے انسان کے سوا تمام جانداروں سے سلب کرلی گئی ہے جس طرح لکڑی اور مٹی سے صورتوں کا عکس دینے کی قابلیت مسلوب ہو چکی ہے اور ان کا آئینہ نہیں بن سکتا فرشتوں میں یہ استعداد ہمیشہ کے لئے ابدی طور پر پائی جاتی ہے ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی جس طرح صاف پانی میں یہ ہمیشہ موجود رہتی ہے چنانچہ صاف پانی میں خصوصاً صورتوں کا عکس پڑ جاتا ہے انسان میں یہ استعداد بالقوت ہے باعتبار فعل نہیں چنانچہ اگر وہ مجاہدہ نفس سے کام لے تو افق ملائکہ سے ملحق ہو جاتا ہے لیکن اگر انسان خواہشات کی پیروی میں ایسے اعمال پر ہمیشگی اختیار کرے جن سے روح پر زنگ کے تودے جمع ہو جاتے ہیں تو انجام کار اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے تاریکی پر تاریکی چھا جاتی ہے اور کلی طور پر اس کی استعداد باطل اور برباد ہو جاتی ہے اس کا نام بہائم کی فرصت میں درج ہو جاتا ہے اور اپنی

Marfat.com

سعادت اور کمال سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم و یاس نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ حالت لا علاج ہے۔

عمل کے معنی ہیں شہوات کو توڑنا اور وہ اس طرح کہ نفس کو ان کے جانب جھکنے سے پھیر کر خدا کی بارگاہ معنی کی جانب اس کا منہ کر دیا جائے تا کہ نفس سے تمام وہ ہیئات خبیثہ اور خلائق رذیہ دور کر دیے جائیں جنھوں نے اسے جانب سافلہ سے جکڑ رکھا ہے یہاں تک کہ جب یہ رشتے باطل ہو جائیں یا کمزور پڑ جائیں تو نفس حقائق الہیہ کے نظارے میں مشغول ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اسی طرح امور شریفہ کی بارش ہونے لگتی ہے جس طرح اولیاء انبیاء اور صدیقین پر ہوا کرتی ہے۔

یہ ایک شکار ہے جس میں جس قدر زیادہ کوشش کی جائے گی اس قدر نتائج عمدہ ہونگے چنانچہ شکار کے ساز و سامان زیادہ کرنے سے شکار بھی زیادہ ملتا ہے یہی حال تجارت اور سودے کا ہے اور یہی کیفیت فقہ نفس کے غزال کو دوم میں لانے کی ہے ذکاوت فطری کی زیادتی سے تھوڑا اجتہاد بھی مجتہدین کی حد سے گزر جاتا ہے یہی حال ان علائق سے نفس کو پاک کر لینے کا ہے کہ فطرت اول کے اعتبار سے طہارت نفس بھی بہت مختلف ہوتی ہے پھر کوشش کا اختلاف بھی ہے اور یہاں سے اس قدر تفاوت پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا حصر ناممکن ہے یہی حال سعادت آخرت کا ہے۔

پس اللہ عز و جل کی اس رحمت کا فیضان غایت مطلوب ہے اور یہی عین سعادت ہے جو نفس کو موت کے بعد حاصل ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نفس کے علائق کا ازالہ کر دیا جائے اور صفات ردیہ کو محو کر دیا جائے جو اتباع شہوات کے باعث نفس کو چمٹ گئے ہیں۔

چنانچہ عمل کے معنی یہی ہیں کہ ناجائز امور کا مجاہدہ نفس کے ذریعہ ازالہ کیا جائے جب اس کو اتباع شہوات سے نسبت دی جائے تو ان کی فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے اور جب ماینبغی امور کی تحصیل کی طرف اس کو نسبت دی جائے تو ان کا رتبہ اس سے شرط و مشروط کا سا ہوتا ہے اور خادم و مخدوم کا اس کو اپنے غیر سے جو نسبت ہے وہی نسبت اس کو اپنی ذات سے ہے اس کے باب میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی جب ارشاد کیا الایمان بضع وسبعون بابا ادناھا اماطۃ الاذی من الطریق ایمان کی ستر سے کچھ اوپر قسمیں ہیں ان میں سب سے چھوٹی رستہ سے اذیت دور کرنا ہے اور عبادات کے ذریعہ مجاہدہ کرنے کی زیادہ تر غرض بھی راہ سے موانعات دور کرنا ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس حدیث سے مراد اینٹ پتھر اور

Marfat.com

ہڈی کو رستہ سے ہٹا دینا ہے اور اکثر لوگوں کے فہم کے قریب یہی بات ہے دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ الفاظ کے معانی سمجھنے میں لوگوں کے افہام مراتب کے حساب سے متفاوت ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاها ثم اداها کما سمعها فرب حامل فقه غير فقه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه اللہ کی رحمت ہے اس شخص پر جو میرا قول سنے اور اسے ضبط کرے پھر اسے جس طرح سنا تھا ادا کرے کیونکہ بسا اوقات حامل فقہ غیر فقہ ہوتا ہے اور بسا اوقات دانائی کا حامل ایسے شخص کی طرف فقہ کی بات لے جاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھدار ہے۔

پس اگر آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں بے سمجھ دار آدمی سے سمجھدار آدمی کے لئے زیادہ معانی نہ ہوتے تو اس نصیحت پر زور کیوں دیتے پھر کاش مجھے کوئی شخص بتا تا جب کثرت کو میں دیکھوں تو کیا حق فقیہ کی جانب پایا جائیگا یا فقہ کی طرف یا ان سب کے غیر کی طرف اس میں شک نہیں کہ یہ بات شاذ و نادر ہے اور غالب اس کے خلاف ہے جو بات فہم جمہور کے سامنے ہو وہ ممکن ہے حق سے دور ہو اور فقیہ اور افقہ اشخاص کی سمجھ میں جو بات آئے وہی درست ہو خصوصاً ایسا لفظ جس کی تصریح بالتخصیص نہ کی گئی ہو چنانچہ لفظ ''اذیت'' عام ہے اور لفظ ''طریق'' بھی عام ہے اگر شارع علیہ السلام کو ظاہر معانی مقصود ہوتے تو شیشہ اور ڈھیلے کے لفظ کا ذکر کرتے اور اس کی مثالیں بیان کر کے تنبیہ کر دیتے یہ ظاہر بھی عموم کے نیچے مندرج ہے اس سے مقصود بھی اصلاح نفس تہذیب اخلاق اور نفس سے غفلت کی خرابی قساوت اور قلت شفقت دور کرنا ہے ہم اسکے طریق کا بیان جلد ہی سوئے اخلاق و حسن اخلاق کے باب میں کریں گے۔

اب تم جان گئے ہو گے کہ سعادت و کمال نفس یہ ہے کہ امور الہیہ کے حقائق کے نقش اس پر ثبت ہو جائیں اور وہ ان سے اتحاد پیدا کر لے یہاں تک کہ اس کی اپنی ہستی فنا ہو جائے اور تا کس نگوید بعض ازیں من دیگر تو دیگری کا مضمون پیدا ہو جائے اور یہ مرتبہ صرف ان ہیئات ردیہ سے جو شہوت و غضب کی مقتضی ہیں نفس کو پاک کر لینے کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بات مجاہدہ و عمل ہی سے کر سکتے ہیں عمل طہارت کے لئے ہے اور طہارت شرط ہے اس کمال کی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین کی بنیاد نظافت پر قائم ہے۔

Marfat.com

فصل
صوفیا کے نزدیک علم حاصل کرنے کا طریق دوسرے لوگوں سے جدا ہے

یاد رہے کہ عمل کا پہلو تو متفق علیہ ہے۔ اور یہ صفات ردیہ کو محو کرنے اور اخلاق سیہ سے نفس کو پاک کرنے کے لئے مقصود ہے لیکن علم کی جانب مختلف فیہ ہے صوفیا کے طریقے علماء اہل علم میں سے اصحاب نظر کے طریقوں سے متبائن ہیں کیونکہ اہل تصوف تحصیل علوم اور ان کی مہارت پر زور نہیں دیتے اور نہ ہی حقائق امور سے متعلق مصنفین کی تصانیف کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ بہترین طریقہ یہی ہے کہ صفات مذمومہ محو اور تمام علائق کو قطع کرنے اور تمام ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے کے ذریعہ جدوجہد سے ابتداء کی جائے اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے تو اس پر خدا کی رحمت کی بارش کا سیلاب امنڈ آتا ہے ملکوت کے اسرار ان پر منکشف اور حقائق کے خزانے اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں اس مقام میں مجرد تصفیہ باطن خلوص نیت مع ارادہ صادق و تشنگی تام اور فتوحات الٰہی کا انتظار کامل لازم ہے کیونکہ اولیا اور انبیا پر جن امور کا انکشاف ہوا اور ان کے نفوس جو سعادت سے ہم کنار ہو کر کمال ممکن تک پہنچے تو اس کا باعث تعلیم نہ تھی بلکہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کے تعلقات سے روگردانی اور بیزاری و کامل ہمت و سرگرمی سے اللہ کی طرف رجوع کرنا ہی اس کا موجب تھا کیونکہ من کان اللہ کان اللہ لہ جو سائیں کا ہو رہے سائیں اس کا ہوا۔

چنانچہ ایک زمانہ میں جب مجھے اس شاہراہ پر گامزن ہونے کا شوق پیدا ہوا تو میں نے صوفیائے کرام میں سے ایک پیر کامل سے تلاوت قرآن کی مواظبت اور ہمیشگی کے متعلق پوچھا تو انھوں نے مجھے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ اس منزل کی طرف چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا سے کامل اور کلی طور پر علائق اور روابط منقطع کر لو اس طرح کہ تمہارا دل نہ اہل وعیال کی جانب مائل ہو نہ مال و اولاد پر راغب ہو نہ وطن کی جہت باقی رہے نہ علم و حکومت کا شوق ہو بلکہ تم بے نیازی کی دولت سے اس قدر مالا مال ہو جاؤ کہ ان سب کا عدم وجود تمہارے لئے برابر ہو جائے پھر تم دنیا سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ تم صرف فریضہ عبادت ادا کرو اور مراتب سلوک طے کرو اور کامل فراغت دلی حاصل کر کے ہمہ تن اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم زبانی طور پر ذکر الٰہی میں مواظبت کرو ہر وقت اللہ اللہ کا وظیفہ

Marfat.com

سوچ سمجھ کر اور حضورِ قلب کے ساتھ وردِ زبان رہے یہاں تک کہ تمہاری حالت ایسی ہو جائے کہ اگر تم زبان بھی نہ ہلاؤ تو بھی یہ کلمہ کثرتِ تکرار کے باعث تمہاری زبان پر بے اختیار جاری رہے پھر تم اس حالت پر بدستور قائم رہو یہاں تک کہ زبان کا اثر محو ہو کر دل اور روح تک جا پہنچے اور یہ دونوں حرکتِ زبان کے بغیر اس ذکر میں مشغول و منہمک رہیں پھر اس حالت کی اس قدر مشق بہم پہنچاؤ کہ دل میں صرف لفظ کے معانی ہی رہ جائیں اور تمہارے دِل میں الفاظ کے حروف اور ان کی شکل وصورت کا نشان بھی نہ رہے بلکہ تمہارے دل میں ان کے صرف معنیٰ ہی الدوام لزوم باقی رہ جائیں یہ مقام تمہارے اختیار کی آخری حد ہے اس کے بعد صرف پے در پے آنے والے وساوس کو روکنے اور دور کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہنے کا اختیار رہ جاتا ہے۔

اس مقام سے گزرنے کے بعد تم پھر بے اختیار ہو جاتے ہو اور صرف اس قسم کے مکاشفات کے ظہور کا انتظام باقی رہ جائیگا جو اولیاء پر ظاہر ہوا کرتے ہیں بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو انبیاء پر ظاہر ہوتے ہیں ان کی برق خاطف کی سی مثال ہے۔ جو قائم نہیں رہتے پھر لوٹتے ہیں دیر سے آتے ہیں اگر لوٹ کر دوبارہ آئیں تو قائم بھی رہتے ہیں لیکن طول نہیں پکڑتے ان کی کیفیت صرف ان سے واسطہ اور سابقہ پڑنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے ان کی کوئی ایک قسم اور شاخ نہیں اولیاء اللہ کی پیدائش اور اخلاق کے تفاوت کے باعث اس مقام میں بے حد وحساب منازل ہیں یہی صوفیاء کا اسلوب کار ہے انھوں نے اس معاملے کو تمہاری طرف سے تطہیر محض تصفیہ اور جلد کی طرف پھیر دیا ہے پھر فقط استعداد انتظار کی طرف ارباب نظر وفکر نے بھی اس رستہ کے وجود کا اور اس کے مقصد پر پہنچانے کا انکار نہیں کیا اور یہ انبیا اولیا کے احوال کا بزرگترین حصہ ہے لیکن انھوں نے اس رستہ کو بہت مشکل اور دشوار قرار دیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ اس ذریعہ سے منزلِ مقصود پر پہنچنا بہت ہی مستبعد ہے ان کا دعویٰ ہے کہ اجتہاد کے ساتھ اس حد تک محو علائق ممتنع کا حکم رکھتا ہے اور اگر کسی حالت میں یہ بات حاصل بھی ہو جائے تو اس کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ بعید ہے اور ادنیٰ وسوسہ اور خطرہ تشویشناک ہوتا ہے اس مجاہدہ کے دوران میں ہی مزاج خراب عقل مختل اور جسمانی صحت خراب ہو جاتی ہے اور مالیخولیا تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس جب نفس نے علوم حقیقیہ برہانیہ کے ذریعہ ریاضت نہ کی تو بعض ایسے خیالات پیدا ہوئے جن کو نفس نے خیال کیا کہ یہ حقیقتیں ہیں جو اس پر نازل ہو رہی ہیں کتنے ہی صوفی دس دس سال تک خلاصی پانے تک ایک ہی خیال میں گھرے رہتے ہیں لیکن اگر وہ پہلے

Marfat.com

علوم کے ذریعہ یقین حاصل کر لیتے تو بدیہی طور پر رہائی پا جاتے اس لئے معیار علم کی معرفت اور علوم مفصلہ کے دلائل حاصل کرنے کے ساتھ تحصیل میں مشغول ہونا ہی اولیٰ ہے کیونکہ یہ امر مقصود منزل تک دلیل راہ بن کر وثوق کے ساتھ پہنچا دیتا ہے جس طرح فقہ نفس کی تحصیل کے لئے اجتہاد پختہ کار بنا تا ہے حضور ﷺ بغیر اجتہاد کے فقیہ نفس تھے لیکن اگر کوئی مرید چاہے کہ ان کے رتبہ کو مجرد ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر لے تو اس کی توقع کا پورا ہونا ناممکن ہے اس لئے واجب ہے کہ بحث ونظر کے طور پر نفس کے متعلق علوم حقیقی کو جہاں تک ہو سکے حاصل کرے اس کی صورت یہ ہے کہ اول ان باتوں کو تحصیل کرے جو پہلے ہو کر حاصل کر چکے ہیں اس کے بعد کوئی حرج نہیں کہ ان امور الہیہ کے انکشاف کا انتظار کرے جو غور کرنے والے علماء پر منکشف نہیں ہوئے کیونکہ منکشف امور سے غیر منکشف کی تعداد زیادہ ہے دونوں گروہوں میں یہ اختلاف تباین ہے ہمیں ایک مثال سوجھی ہے جو امید ہے ان کمزور سمجھ والوں کو جو حقائق عقلیہ کے ادراک کے لئے محسوسات کی مثالوں کے محتاج ہیں بات سمجھانے میں مفید ثابت ہو گی اور مذکورہ بالا دونوں فریقوں کے درمیان فرق بتانے کا باعث بنے گی کہتے ہیں کہ اہل چین اہل روم نے ایک بادشاہ کے حضور میں اپنا کمال صناعت ونقش دکھانے کا ارادہ ظاہر کیا بادشاہ کی رائے اس امر پر ٹھہری کہ دونوں کو ایک کمرہ دیدیا جائے جس کی ایک جانب کو اہل چین نقش ونگار سے آراستہ کریں اور دوسری جانب کو اہل روم لیکن دونوں کے مابین ایک پردہ لٹکا دیا جائے تاکہ ایک دوسرے کی کاریگری سے مطلع نہ ہونے پائیں اور جب فارغ ہوں تو پردہ اٹھا دیا جائے اور دونوں کی کاریگری اور کمال کی پرکھ کر لی جائے چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا گیا رومی نقاشوں نے رنگا رنگ کے بیل بوٹے اور قسما قسم کے نقش ونگار سے اپنی جانب کو آراستہ کرنا شروع کیا پردے کے دوسری طرف چینی باکمالوں نے کسی قسم کا رنگ استعمال نہ کیا بلکہ اپنی جانب کو صیقل اور جلا کرنے لگے لوگ دیکھ دیکھ کر متعجب ہوتے تھے کہ یہ کیسے بے وقوف ہیں کہ رنگ استعمال نہیں کرتے جب رومی اپنا کام ختم کر چکے تو چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہیں ان سے پوچھا گیا کیسے؟ حالانکہ نہ تمہارے پاس رنگ وروغن تھا نہ تم نے نقش ونگار بنائے ہیں وہ بولے تمہیں اس سے کیا غرض ہے تم پردہ اٹھاؤ اور اپنے دعویٰ کی تصدیق ہمارا فرض ہے لوگوں نے پردہ اٹھایا اور حیران ہو کر دیکھا کہ چینیوں کی جانب بھی رومیوں کے سے نقش ونگار سے جگمگ جگمگ کر رہی ہے وجہ یہ تھی کہ ان کی جانب صفائی اور جلائی کی کثرت سے آئینہ کی مانند ہو رہی تھی اور اس میں تمام وہ بیل بوٹے جو دوسری جانب تھے منعکس ہو کر اس کی رونق کو دوبالا کر رہے تھے لہٰذا تم یوں سمجھو کہ نفس ایک آئینہ ہے جس میں علوم الٰہی کے نقوش منعکس ہوتے

Marfat.com

ہیں اس مقام کے حصول کے دو طریقے تمہارے سامنے ہیں (اول) اہل روم کی طرح بذاتہ نقش و نگار حاصل کرنا دوم خارجی نقش و نگار کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کرنا اور خارجی نگارستان لوح محفوظ اور نفوس ملائکہ ہیں کیونکہ وہ علوم حقیقیہ کے نقوش سے بالفعل اور دوامی طور پر آراستہ پیراستہ ہیں جس طرح تمہارا دماغ اگر تم حافظ قرآن ہو تو قرآن کے الفاظ اس میں تمام کے تمام نقش ہوتے ہیں اور یہی حال تمہارے دوسرے جملہ علوم کا ہے ان کے نقوش نہ محسوس ہو سکتے ہیں اور نہ دیکھے جا سکتے ہیں بلکہ عقلی طور پر ان کے نشانات دماغ میں ثبت ہوتے ہیں جو شخص ان کا انکار کرتا ہے اس کی عقل میں فتور ہے کہ وہ محسوسات سے اوپر کسی اور چیز کا ادراک نہیں کر سکتا۔

فصل

ان دو طریقوں سے اولیٰ کونسا ہے

اگر تم کہو کہ دونوں طریقے تو ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں جن کا تم نے بیان کیا ہے اب ان میں تمہارے نزدیک اولیٰ کونسا ہے تو یاد رکھو کہ اس قسم کے امور میں فیصلہ کی نوعیت کا انحصار اس اجتہاد کے مطابق ہوتا ہے جس کا تقاضہ مجتہد کا حال اور مقام کرتا ہے جس میں وہ ہو اور حق بات جو مجھ پر روشن ہوئی ہے اور پورا علم تو اس بارے میں اللہ ہی کو ہے یہ کہ ان معاملے میں مطلق نفی یا اثبات کا حکم صادر کر دینا غلطی ہے بلکہ اضافی طور پر اشخاص و حالات کے مطابق فیصلے میں اختلاف ہوگا جو شخص سالک بننے کی رغبت رکھتا ہے اس کا معاملہ بہت اہم ہوتا ہے اس کے لئے سب سے بہتر یہی ہے کہ صوفیہ کے طریقہ پر قناعت کرے یعنی قطع علائق اور عبادت پر مواظبت اختیار کرے کیونکہ علوم کسبیہ کی جستجو کرنا تاکہ نفس میں ایک قائم و ثابت ملکہ پیدا ہو جائے بہت مشکل ہے اور یہ صرف عنفوان عمر میں آسان ہوتا ہے صغیر سنی میں علم سیکھنا پتھر کی لکیر کا حکم رکھتا ہے بڑھاپے میں ریاضت ایک مصیبت سے کم نہیں کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ جو شخص ہزار سال میں علم حاصل کرنا چاہے وہ کیا کرے جواب دیا مٹی کے نہلاؤ شاید اس کی رنگت سفید ہو جائے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر لوگوں کے لئے اولیٰ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں اور علم صرف اسی قدر حاصل کریں جس قدر عمل کی پہچان کے لئے ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ عنفوان الشباب میں ان امور کی جانب متوجہ نہیں ہوئے اگر کوئی شخص اس امر میں تنبیہ

Marfat.com

واعتبار حاصل کرے تو یہ اس کی فطری سعادت مندی اور زکاوت کی دلیل ہے۔

پھر اگر اسے معلوم ہو کہ دقیق حقائق عقلیہ کو سمجھنے کی استعداد اس میں نہیں تو بھی اسے واجب ہے کہ عمل میں مشغول ہو کیونکہ فطری علوم میں اس کا اشتغال مفید نہ ہوگا اگر اس کی فطرت علوم کو قبول کرنے کی استعداد رکھنے والا ہو لیکن اس کے شہر یا اس کے زمانے میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جو علوم نظریہ کا ماہر اور سابقین کی تقلید سے بے نیاز ہو کر ترقی کرانے والا ہو تو اس حالت میں بھی اس کے لئے عمل ہی اولیٰ ہے کیونکہ اس بات کا حاصل کرنا معلم کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ قوت بشریہ کے لحاظ سے شخص واحد کے لئے ناممکن ہے کہ ان علوم کو حاصل کرے سوائے چند کے اور وہ بھی ایک عرصہ دراز کی محنت کے بعد اور اسی لئے مثلاً اگر علم طب مرتب اور اس کا قانون تیار نہ ہو چکا ہوتا اور ازمنہ متطاولہ میں وہ ایک باقاعدہ صورت اختیار نہ کر چکا ہوتا تو بہترین دل ودماغ کے لوگوں کو بھی ایک بیماری کا علاج معلوم کرنے کے لئے ایک عمر طویل کی ضرورت ہوتی چہ جائیکہ سب بیماروں کے مداوئی کا طریقہ معلوم کرنے کے لئے اور عام طور پر دنیا اس قسم کے عالم متبحر کے وجود سے خالی ہے۔

پس جب قلیل میں سے پھر قلیل جماعت رہ گئی اور یہ وہ لوگ ہیں جو زکی ہوں وہ ابتدائی عمر میں اس بات کے لئے بیداری حاصل کرلیں کہ فہم علوم کی استعداد انھیں مل جائے اور علوم کے مستقل عالم ہو جائیں نہ صرف نام کے لحاظ سے بلکہ حقیقت کے اعتبار سے اصلی طور پر نہ رسمی طور پر جیسا کہ اکثر علماء کی حالت ہے تو یہ لوگ یا تو اعیان مذاہب کے مقلد ہوتے ہیں یا اعیان مذاہب کے طرز استدلال کے پیرو۔ تو جو شخص ان کی تقلید کرتا ہے اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا یا وہ جوان ہے جس نے طلب علم میں نشوونما پائی اور وہ فی نفسہ زکی ہے اور اس نے علوم کے انواع کے ساتھ رام ہو کر بیداری حاصل کی ہو اس نوع کے شخص کے لئے دونوں طریقے کھلے ہیں اس کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے طریق تعلیم پر گامزن ہو چنانچہ وہ ان تمام علوم برہانیہ کی تحصیل کرے جس کا ادراک قوت بشری جدوجہد اور تعلیم کے ذریعہ کر سکتی ہے پھر جب وہ حتی الامکان تحصیل علوم کر چکے یہاں تک کہ ان علوم کی قسم میں سے کوئی علم باقی نہ رہے جسے اس نے نہ پڑھا ہو تو اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر خالصاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے اور رحمت الٰہی کا منتظر کرم رہے کچھ عجب نہیں کہ جو باتیں اس راہ کے بہت مسافروں کی نگاہ سے پوشیدہ رہی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان کا نقاب وا کر دے یہ ہماری رائے ہے اور حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے اس رائے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اکثر مخلوق کے

Marfat.com

لئے درست طریقہ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں۔

عمل کا ایک حصہ علم عملی ہے یعنی وہ علم جس سے عمل کی کیفیت معلوم ہو علم عملی عمل سے اشرف نہیں بلکہ اس سے ادنیٰ ہے کیونکہ عقل تو مقصود اور علم سے معلوم افضل ہے جس کے لئے علم ہوتا ہے جیسے اللہ کا علم اس کی صفات کا اس کے فرشتوں کا اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کا اور نفس اور ان کی صفات کا علم اور زمین اور آسمانوں وغیرہ کے ملکوت کا علم یہ علوم نظری ہیں اور عملی نہیں اگرچہ ممکن ہے کہ اتفاقی طور پر ان سے عمل میں کچھ انتفاع ہو جائے چونکہ اکثر مخلوقات کے لئے عمل میں ہی بہتری ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے نہایت شرح وبسط سے اور تفصیل وتاصیل کے طور پر ان کا احاطہ کیا ہے یہاں تک کہ لوگوں کو استنجا کا طریق اور اس کی کیفیت تک سکھادی اور جب علوم نظریہ کے سکھانے کا وقت آیا تو اجمال سے کام لیا اور تفصیل نہ کی اور اللہ تعالیٰ کے صفات کے باب میں صرف اس قدر فرمایا لیس کمثلہ شیء اس کی مثل کوئی شے نہیں وھو السمیع البصیر اور وہ سنتا دیکھتا ہے ہاں اجمال علم کے بعد اس کی عظمت بزرگی اور اس کا عمل پر مقدم ہونا بیان کیا اس قدر کہ حیطہ بیان سے باہر ہے جیسے فرمایا تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ (حدیث) ایک گھڑی کا غور وفکر ایک سال کی عبادت کے برابر ہے پھر فرمایا فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو چودھویں رات کے چاند کو حاصل ہے وغیرہ وغیرہ اس بارے میں وارد ہے پھر یہ علم جو عمل پر مقدم ہے دو باتوں سے خالی نہیں یا تو علم کیفیت عمل کے لحاظ سے ایک ہی ہے مثلاً فقہ اور علم عبادات یا اس کے علاوہ ہے اور یہ بات کہ اول ہی مراد ہے دو طریق سے غلط ہے (اول) یہ کہ عابد پر عالم کو فضیلت حاصل ہے اور عابد وہ ہے جس کو عبادت کا علم حاصل ہو ورنہ وہ فاسق ہے دوم یہ کہ عمل کا علم ہونا عمل سے افضل نہیں کیونکہ علم عملی مقصود بالذات شے نہیں بلکہ وہ مقصود ہے عمل کے لئے اور جس چیز کے لئے دوسری چیزیں مقصود ہوں لازمی بات ہے کہ وہ ان سے افضل واشرف ہو۔

فصل

جنت ماویٰ تک پہنچنے کے لئے کونسے علم وعمل کی ضرورت ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علوم کی اصناف بے شمار ہیں اور اعمال اور ان کی انواع واقسام مختلف اور بھی اقسام وانواع کے اور سب کو مطلوب نہیں ہو سکتے پھر کونسی صنف اور قسم نفع

Marfat.com

بخش اور سود مند ہے تا کہ ہم اس میں مصروف و مشغول ہوں تو ہم کہیں گے کہ علم کی دو قسمیں ہیں عملی اور نظری علوم نظری کثیر التعداد ہیں ہر ایک علم کا تصور یہ ہے کہ اعصار و بلاد اور اقوام کے لحاظ سے مختلف ہوا سے وہ کمال حاصل ورثے میں نہیں ملتا جو نفوس میں ابدالدہر باقی رہے حالانکہ ہماری آرزو یہ ہے کہ علم کے ذریعہ نفس اپنے کمال کو پہنچے تا کہ وہ اپنے کمال سے ابدی سعادت مند ہو اور بہا اور اجمال حاصل کر کے مسرور ہوں اس بیان سے علم لغات اور ان کی تفصیل اگر ان میں سے کسی کی ضرورت آ پڑے تو اس کی ذات کے لئے طلب نہ کرے بلکہ اس لئے کہ علم مقصود بالذات کے لئے وہ ذریعہ کا کام دے۔

اب ہم علم مقصود کا بیان کرتے ہیں پس اگر ہم حج کے امور کی تعریف کریں تو ہم پر لازم نہیں کہ موزہ اور طہارت کا ذکر بھی کریں اگر چہ حج کرنے کے لئے ان کی ضرورت آ پڑتی ہے ہم تو ان علوم کو ممیز کریں گے جن کی معلومات ابدالاباد تک قائم رہتی ہیں نہ زائل ہوتی ہیں نہ کم ہوتی ہیں اس قسم کے علوم اختلاف اعصار و امم کے ساتھ بھی مختلف نہیں ہوتے ان میں داخل ہیں اللہ اور اس کی ذات کا علم اس کے ملائکہ کتابوں اور رسولوں کا علم زمین اور آسمان کے ملکوت کا علم اور انسانی اور حیوانی نفوس کے عجائبات کا علم اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کا رابطہ و تعلق ہے نہ ان کی ذات کے اعتبار سے مقصود اقصیٰ اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے اور ملائکہ الٰہی کی معرفت کے بغیر بھی چارہ نہیں کیونکہ وہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہیں اسی طرح معرفت نبوت ہے کیونکہ نبی خلقت اور ملائکہ کے درمیان واسطہ ہیں جس طرح فرشتہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور اسی طرح علوم نظریہ میں سے آخری علم تک سلسلہ چلا جاتا ہے ان سب کی انتہاء اور غایت علم باللہ ہے لیکن اس میں گفتگو کے بے شمار پہلو ہیں چونکہ یہ سب ایک دوسرے پر دلالت کرتے ہیں اس لئے ان کی تفصیل بھی بے شمار ہے۔

(قسم ثانی) یعنی علم عملی اور وہ تین علوم پر مشتمل ہے علم نفس مع اس کی صفات اور اخلاق کے اس سے مراد ریاضت اور خواہشات کا مغلوب کرنا ہے اور اس کتاب کی سب سے بڑی غرض یہی ہے علم نفس اس لحاظ سے کہ اہل و عیال اور فرزند و زن اور نوکر چاکر کے ساتھ معیشت کی کیفیت کیا ہو کیونکہ یہ لوگ بھی تمہارے اس طرح خادم ہیں جس طرح تمہارے اعضاء و جوارح تمہارے قویٰ اور حواس تمہارے نوکر ہیں جس طرح شہوت و غضب اور دوسرے جذبات خبیثہ کو تمہارے قوائے بدنیہ کے ماتحت لانا ضروری ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی تمہارا فرمانبردار بنانا ضروری ہے۔

Marfat.com

سوم علم سیاست ہے یعنی وہ علم جس کے ذریعہ سے ملک اور گردونواح کے لوگوں کا انتظام کیا جاتا ہے اس کے لئے اکثر علم فقہ کی ضرورت ہوتی ہے سوائے ان امور کے جو عبادات سے متعلق ہیں منجملہ ان عبادات کے جو نفس کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں آداب قضا ہیں اور ان کی تکمیل جب ہوتی ہے کہ نکاح بیع اور خراج کے قوانین احکام کی معرفت حاصل ہو جائے ان تینوں میں سب سے اہم تہذیب نفس اور سیاست اور ان صفات میں عدل و میزان کی رعایت رکھنا ہے یہاں تک کہ جب وہ معتدل ہو جائیں تو دور کی رعیت مثلاً اہل وعیال وغیرہ تک اس کا اثر پہنچتا ہے پھر اہل شہر تک تم میں سے ہر ایک شخص راعی ہے اور اپنی رعایا کے متعلق جوابدہ فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ اس سے اس طرح نکلتا ہے جس طرح نصاب زکوٰۃ زکوٰۃ سے نکلتا ہے سورج سے روشنی درخت سے سایہ کیا تم درخت کے ٹیڑھا ہونے کی صورت میں سایہ کے سیدھا ہونے کی توقع کر سکتے ہو جب انسان اپنی جان کا انتظام نہیں کر سکتا تو دوسروں کا انتظام کیسے کر سکتا ہے یہ ہے اختصار علوم عملیہ کا ہم ابھی مخصوص ترین علم کا ان علوم سیاسی میں سے اجمال تذکرہ پیش کریں گے کہ یہ مقصود بیان ہے اور قویٰ جن کی تہذیب کے بغیر چارہ نہیں تین ہیں قوت فکر، قوت شہوت، قوت غضب جب کبھی قوت فکر مہذب اور کماینبغی اصلاح پذیر ہو جاتی ہے تو اس کو حکمت کا وہ خزینہ دستیاب ہو جاتا ہے جس کا ارشاد خداوندی وعدہ دیتا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ اس کا ثمرہ یہ ہے کہ معتقدات میں جو حق وباطل میں فرق کرنا گفتگو میں صدق وکذب معلوم کرنا اور افعال کے حسن وقبح میں تمیز کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے ان امور میں سے کوئی بات اس کے لئے مشتبہ اور ملتبس نہیں رہتی حالانکہ اکثر لوگ ان امور میں التباس واشتباہ میں گرفتار ہوتے ہیں اس قوت کی اصلاح اور تہذیب میں جس کو ہم نے معیار علم کا نام دیا ہے مدد دیتی ہے دوسری قوت شہوت ہے اور اس کی اصلاح سے عفت کا وصف پیدا ہوتا ہے جو نفس کو فواحش سے روکتا رہتا ہے اور ایثار فدویت کہ مستحسن جذبہ اور ساتھ کی جانب اسے لے چلتا ہے تیسری قوت غضبیہ ہے اس کو مغلوب اور درست کر لینے سے حلم اور بردباری حاصل ہوتی ہے جس سے مراد ہے غیظ وغضب کو دبا لینا اور انتقام پسندی کو روک لینا اور شجاعت پیدا ہوتی ہے جس سے مراد ہے حرص اور خوف کا دور ہو جانا جن کی قرآن میں مذمت آئی ہے اور جب کبھی تینوں قوتیں تیسری قوت فکریہ کی مطیع ومنقاد ہو جاتی ہیں تو اعتدال کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اس قسم کے اعتدال کے طفیل ہی آسمان وزمین قائم ہیں اس سے مراد ہے مکارم شریعت کا

Marfat.com

جمع ہونا طہارت نفس اور اخلاق کا پسندیدہ ہو جانا چاہیے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم اخلاقاً والطفهم باهله مسلمانوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو پسندیدہ تریں اخلاق رکھتا ہے اور اپنے اہل کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے نیز فرمایا احبکم الی احاسنکم اخلاقاً الموطنون اکنافا الذین یالفون ویولفون ہمیں تم میں سے وہ لوگ محبوب ہیں جو بہترین اخلاق رکھتے ہیں ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت سے پیش آتے ہیں۔

حسن خلق کے متعلق شریعت نے جس قدر تعریف کی ہے وہ بیان سے باہر ہے اس کا مفہوم ان تینوں قوتوں کی اصلاح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس آیت میں جمع کر دیا ہے انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ،ثم لم یرتابوا وجاهدوابامو الهم وانفسهم فی سبیل اللہ اولٰئک هم الصادقون ،مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی قسم کا شک نہ کیا اور اپنے مال وجان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں.

اس آیت مین اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور پھر کسی قسم کے شک کی نفی کے ساتھ علم یقینی اور علم حقیقی پر دلالت کی ہے جن کا حصول بغیر قوت فکریہ کی اصلاح کے ایک خیال خام ہے اور جہاد بالمال سے عفت اور جود مراد لئے ہیں یہ دونوں اوصاف اصلاح شہوت کے لئے ضرورت کے مطابق خدمت سرانجام دیتے ہیں۔

جہاد بالنفس سے مراد لی ہے شجاعت وحلم سے یہ دونوں مقرر ہیں اصلاح حمیت کے لئے اور اسے دین اور عقل کے تابع کرنا چاہیے یہاں تک کہ وہ اسے ابھاریں تو یہ جوش میں آئے اور جہاں اسے فرو ہونے کا حکم دیں یہ فرو ہو جائے اور اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلین اور حضور ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ان هو تعفو عن من ظلمک وتعطی من حرمک وتصل من قطعک وتحسن لمن اسائک اس کے معنی ہیں کہ جو شخص تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو جو تمہیں نقصان پہنچائے اسے فائدہ پہنچاؤ جو تعلق منقطع کرے اس سے تعلق پیدا کرو اور جو تم سے برائی کرے اس سے احسان کرو ظالم کے ظلم کو معاف کرنا انتہائے حلم وشجاعت ہے اور نقصان پہنچانے والے پر نوازش کرنا

Marfat.com

انتہائے سخاوت اور تعلقات توڑنے والے سے علاقہ پیدا کرنا انتہائے احسان اشرافت ہے۔

فصل

قوائے متنازعہ اور نفس کی مثال

انسان کے بدن میں نفس ایسے ہی ہے جیسے بادشاہ اپنے شہر اور مملکت میں ہوتا ہے اس کی قوتیں اور اعضاء جوارح جو بدن کے خدمت گزار ہیں بمنزلہ کاریگروں اور عاملوں کے ہے قوت عقلیہ مفکرہ اس کا مشیر صائب الرائے اور وزیر باتدبیر ہے اور شہوت اس کا بدخصلت غلام ہے جو غلہ اور کھانے پینے کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے چلتا ہے غیرت وحمیت اس کا صاحب شرط یعنی کوتوال ہے غلہ وجنس وطعام لے کر چلنے والا غلام مکار فریبی بدخصلت پر تلبیس ہے جو ناصح مشفق کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے اس کی پند ونصائح کے پردے میں لاعلاج بیماری اور ہولناک خرابی پوشیدہ ہے اس کی عادت ہے کہ ہر وقت وزیر کی تدابیر کے خلاف جھگڑا کرتا ہے یہاں تک کہ ایک ساعت بھی اس نزاع وجدال کو ترک نہیں کرتا تو جس طرح بادشاہ اپنی سلطنت میں جب وزیر سے انتظام سلطنت میں مشورہ لیتا ہے اس بدخصلت کے مشورہ سے اعراض کرتا ہے بلکہ اس کے مشورہ دینے سے ہی سمجھ لیتا ہے کہ اس کی رائے کے خلاف کرنا ہی درست طریق عمل ہے اپنے کوتوال کو تادیب کرتا ہے اور اسے وزیر کے تابع فرمان بناتا ہے پھر کوتوال کو اس غلام بدطینت اس کے مددگاروں اور پیروں پر مسلط کر دیتا ہے حتیٰ کہ غلام مذکور محکوم ومجبور ہو جاتا ہے اس کے اختیارات چھن جاتے ہیں اور وہ حکم کا بندہ بن جاتا ہے اس وقت بادشاہ کے شہر کا انتظام درست نہج پر ہونے لگتا ہے اور اس کے ذریعہ عدل ومساوات کا قیام ہو جاتا ہے اس طرح جب نفس عقل سے اعانت طلب کرتا ہے اور حمیت غضبیہ کو مؤدب کر لیتا ہے کبھی غیظ وغضب کی مملکت کی سرحد کو شہوت کے ذریعہ تدبیر سے کم کرتا ہے کبھی غضب اور حمیت کو شہوت پر مسلط کر کے اسے مغلوب ومقہور کرتا ہے اور اس کی مقتضیات کی تقبیح کے ذریعہ سے ان کے قویٰ کو معتدل کرتا ہے اور ان کے اخلاق کو پسندیدہ بناتا ہے اور جو شخص اس درجہ اعتدال سے تجاوز کر جائے اس کے متعلق ارشاد الٰہی ہے افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم پھر فرمایا واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب اور نبی ﷺ نے فرمایا اعدی عدوک نفسک التی بین

Marfat.com

جب تک تیرا سب سے بڑا دشمن تمہارا دل ہے جو تیرے سینے میں ہے اور حق تعالیٰ اس خوش نصیب شخص کے بارے میں فرماتا ہے جو اپنی خواہشات کو مغلوب کرلے وامامن خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هى المأوى. جو شخص خدا کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی سے روک لیا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے کثرت شہوات کے وہ معنی نہیں جو بعض لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں یعنی غضب اور شہوت کا بالکل قلع قمع کردیا جائے اور ان کو کلی طور پر مٹادیا جائے اصل یوں ہے کہ ان کو ضابطے میں رکھنا اور مؤدب بنانا چاہیے کیونکہ عقل حمیت غضبیہ کی امداد کے بغیر تادیب پر قادر نہیں کیونکہ اس کا کام تو صرف اتنا ہی ہے کہ نیک رستہ بتادے اور بس کیونکہ وہ اشرف قوی ہے اسی عقل کی بدولت انسان دنیا میں خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز کیا گیا ہے لیکن اس کی حیثیت صرف ایک طبیب کی سی ہے جو مفید نسخہ بتادے تو اگر حمیت غضبیہ جو شہوت کو اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور کرتی ہے اور زجر و توبیخ سے اسے عقل کا نوکر بنانے کی امداد عقل کو حاصل نہ ہو تو اس کا مشورہ کوئی فائدہ نہ دے اسی لئے اس شخص کی عقل کی فضیلت نمایاں نہیں ہوتی جو بے حمیت ہو لیکن لازمی ہے کہ اسے ایسا مؤدب بنادیا جائے کہ عقل مشورہ کے بغیر حرکت میں نہ آئے یہی حال شہوت کا ہے کہ جماع سے اس کو بالکل روکے رکھنا تکلیف و مصیبت زدا اور سلسلہ تناسل کو منقطع کرنے والا ہے حالانکہ تناسل کے ذریعہ ہی نوع انسانی کی بقا ہے اسے ہی کھانے پینے سے روکنا بھی مضرت رساں اور دشوار ہے کیونکہ اس سے انسانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی البتہ اس قدر ہوسکتا ہے کہ طعام کی مضرت کو فنا کردیا جائے یعنی کھانا تناول کرنے سے مقصود لذت یابی اور لطف اندوزی نہ ہو بلکہ جسمانی قوت کا برقرار رکھنا ہو تاکہ علم و عمل حاصل کرنے کا وسیلہ بنے۔

انسان کھانا اس طرح کھائے جس طرح اپنے گھوڑے کو گھاس کھلاتا ہے تاکہ وہ جہاد میں اچھا کام دے انسان کا مقصود فقط کام لینا ہے پھر اس کے دل میں اس بات کی آرزو ہو کاش میں کھانے سے مستغنی ہو جاؤں اور علم و عمل کی قوت بھی باقی رہے۔

ایک اور مثال: انسان چونکہ بلحاظ خلقت معنوی لحاظ سے ایک جہان کبیر ہے اور جسم کے لحاظ سے صغیر اس لئے اس کا بدن ایک شہر کی مانند ہے عقل بادشاہ ہے جو انتظام مملکت کرتا ہے اس کے حواس ظاہری و باطنی میں سے قوائے مدرکہ اس کا لشکر ہیں اس کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء جوارح اس کی رعیت ہیں نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا رہتا ہے جس کا دوسرا نام شہوت

Marfat.com

وغضب ہے بمنزلہ دشمن کے ہے جو اس سے ملک کے بارے میں جنگ کر کے اس کی رعیت کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بدن ایک قلعہ ہوا اس میں انسان کا نفس مقیم ہے جو پہروں کے اندر محفوظ بیٹھا ہے اگر وہ اپنے دشمن سے لڑے اسے قید کر لے اور واجبی طور پر اسے مغلوب کر لے تو جب وہ حضور رب العزت میں حاضر ہو گا تو اس کی عزت کی جائیگی۔ چنانچہ فرمایا فضل اللہ المجاهدين باموالهم وانفسهم على القاعدين درجة وكلا وعد الله الحسنى اللہ نے ان لوگوں کو جو مالی اور جانی جہاد کرتے ہیں قاعدین پر بلحاظ مرتبہ فضیلت دی ہے اور ہر ایک کو خدا نے نیک وعدہ دے رکھا ہے اور اگر اس کا قلعہ ٹوٹ گیا اور اس کی رعایا مغلوب ہو گئی تو وہ قابل مواخذہ و ملامت ہو گا اور اس کو بقائے الٰہی کے وقت سزا دی جائے گی (اور محشر اسے کہے گا) جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے یا راعی السوء اكلت اللحم وشربت اللبن ولم تمنع الضالة ولم تجبر الكسير اليوم انتقم منك اے نالائق حاکم تو نے گوشت کھایا اور دودھ پیا اور برائی کو نہ روکا ٹوٹے ہوئے کو نہ جوڑا تو آج اپنی سزا بھگت یہی وہ جہاد ہے جس کا ذکر زبان سے کرنا مفرح ہے اور روح کی غذا اور اس کی حقیقت معلوم کر لینا اصل میں روح کا معراج ہے اس کی پہچان وہی شخص کر سکتا ہے جو ترک شہوات کے ذریعہ آمادہ جستجو ہو اس لئے صحابہؓ نے فرمایا تھا رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد اكبر انھوں نے کافروں سے تیغ آزمائی کو جہاد اصغر سے موسوم کیا اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کونسا جہاد افضل ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جہاد کہ ہو اک تیری جنگ تیری خواہشات سے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی پہلوان کو پچھاڑ لینا تو کچھ مشکل بات نہیں دشوار یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کے دیو کو پچھاڑے۔

ایک اور مثال۔ عقل کی مثال سوار شکاری کی سی ہے جو شکار کھیلنے کو نکلے اس کی شہوت بمنزلہ گھوڑے کے ہے اس کا غصہ اس کا کتا ہے تو جب سواری ماہر فن ہو گھوڑا قابو میں ہو سدھایا ہوا سکھایا ہوا اور اطاعت گزار ہو تو جستجوئے شکار کامیاب ثابت ہو گی اور جب سوار بذات خود انجان ہو اس کا گھوڑا سرکش ہو اور اس کا کتا نا سمجھ ہو تو چونکہ نہ ہی اس کا گھوڑا اس کے حکم کے تابع ہو کر گام فرسا ہو گا نہ کتا اس کا مطیع ہو کر اشارے پر کار کے پیچھے بھاگیگا۔ اس لئے شکاری کو شکار حاصل کرنا تو بجائے خود سخت تکلیف و مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

Marfat.com

فصل

مجاہدۂ ہوی میں نفس کے مراتب، ہوی و عقل کے مشورہ میں کیا فرق ہے

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کے لئے خواہشات کے ساتھ لڑائی کرنے کے تین نتیجے ہیں۔

(اول) یہ کہ خواہشات فتح پا کر اس پر قابض ہو جائیں اور وہ ان کے خلاف کرنے پر قادر نہ ہو عام طور پر لوگوں کی یہی حالت ہے اسی قسم کے لوگوں کے متعلق خداوند عزوجل کا ارشاد ہے افرأیت من اتخذ الٰھه ھواہ کیونکہ الٰہ کے معنی معبود ہی تو ہیں اور معبود وہ ہے جس کے اشارہ اور احکام کی اتباع کی جائے تو جس شخص کی ہر ایک حرکت بدنی اغراض اور جسمانی خواہشات کی پیروی میں ہو گی وہی ہوا و ہوس کو اپنا خدا بنا چکا ہو گا۔

(دوم) یہ کہ لڑائی ان کے مابین الحرب بیننا وبینکم سجال کے مصداق ہو کبھی یہ شخص خواہشات پر غالب آ جائے کبھی وہ اس پر بھاری ہو جائیں یہ شخص مجاہدین میں شمار ہو گا اگر اسی حالت میں ھادم اللذات اس کی روح اور جسم میں مفارقت دائمی کر دے تو وہ شہید ہو گا کیونکہ وہ فرمان نبوی ﷺ کے امتثال میں مشغول تھا۔ جاھدوا اھواء کم کما تجاھدون اعدائکم اپنی خواہشات نفسانی سے اس طرح جنگ آزمائی کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے کرتے ہو۔

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو پچھاڑ کر ان پر قابو حاصل کر لے اور کسی وقت وہ اس پر غالب نہ آ سکیں یہی ملک کبیر ہے یہی نعیم حاضر اور یہی حریت کامل ہے یہی غلاظت سے پاک ہونا ہے اور اسی کے متعلق سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے ما من احد الا ولہ شیطان ولی شیطان وان اللّٰہ قد اعاننی علی شیطانی حتی ملکتہ ہر ایک شخص کا ایک شیطان ہوتا ہے اور میرا بھی ایک شیطان ہے لیکن میں نے اللہ کی اعانت سے اسے مطیع و منقاد کر لیا ہے اور عمرؓ کے بارے میں فرمایا جس رستہ سے عمر گزرتا ہے اس رستے کو شیطان چھوڑ دیتا ہے یہاں ایک لغزش کا اندیشہ ہے بہت سے لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ

Marfat.com

ہم نے اس قسم کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ راندہ درگارہ شیطان ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اغراض کی اتباع کرتے ہیں لیکن ان خواہشات کی علت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مذہب کے مطابق ہیں اور ہم ان کو دین کے لئے طلب کر رہے ہیں۔

چنانچہ تم نے ایک گروہ کو دیکھا ہوگا جو وعظ و نصیحت اور درس و تدریس اور قضاء و خطابت اور قسم قسم کی شاندار باتوں میں مشغول ہونگے حالانکہ وہ ان تمام باتوں میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کر رہے ہونگے اور وہ گمان کرتے ہونگے کہ ہمارے اعمال کا باعث دین ہے اور طلب ثواب ہماری محرک ہے اور شریعت ہمیں ان امور پر مامور کر رہی ہے حالانکہ یہ حماقت اور غرور کی انتہاء ہے اس امر کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ کوئی واعظ شیریں بیاں اور مقبول خلق خالصاً للہ نہ کہ مقبولیت عام کے لئے وعظ کہتا ہوگا اور اس کا منشا لوگوں کو اللہ کی جانب بلانا ہوگا تو اس کا نشان یہ ہے کہ اگر وہ اپنے مکان پر ہوگا تو بالحاظ بیان بہتر بلحاظ علم وسیع تر اور بلحاظ لہجہ پاکیزہ تر وعظ کہے گا اور وہ خدا کا شکر کرے گا کہ اللہ نے اس فرض کی ادائیگی کی اور دوسرے لوگوں کے بجائے جو اس سے زیادہ مستحق تھے اسے توفیق بخشی جس طرح کسی مرتد اور کافر کے قتل و جہاد کے لئے کسی شخص کو متعین کیا جاتا ہے تو وہ کافر پر برک موزاں بن کر گرتا ہے اور اسے دم بھر میں راکھ کر دیتا ہے وہ کافر سے جہاد پر خوش ہوتا ہے اور اللہ کا شکر یہ ادا کرتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جو صرف اولیاء کو حاصل ہوتا ہے اس کی ایک علامت یہ ہے انسان بڑا بننے سے گریز کرتا ہے اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے مجھے مار ڈالو میں تم سے بہتر نہیں ہوں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ تم کہو کہ شیطان تو بر وقت بٹ مار کی صورت میں ہمیں قسم قسم کے دجل فریب کا ہدف بناتا رہتا ہے اور ہم کسی حالت میں اس سے مامون و محفوظ نہیں رہ سکتے جیسا ان لوگوں کا بیان ہو چکا ہے تو ہم کس طرح مشورہ عقل اور خواہشات کی رائے کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں تو خوب یاد رکھو یہ وادی بہت دشوار گزار ہے اور علوم حقیقی کے ذریعہ ہی اس سے بسلامت گزر ہو سکتا ہے اور اس میں بہترین دقیق معیار علم ہے کیونکہ اس سے حق کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے اور مکر و فریب کے پردے دور ہو جاتے ہیں لیکن وہ اس انداز جس کے ذریعہ تم تحیر اور تذبذب کے متعلق حق و باطل میں تمیز کر لو یہ ہے کہ تمہیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ اکثر امور میں عقل کا مشورہ نتائج کے اعتبار سے بہترین ہوتا ہے اگرچہ موجودہ حالات کے لحاظ سے اس میں تکلیف اور صعوبت کی ہو اور خواہشات نفسانی ہمیشہ آرام طلبی اور ترک تکلیف کا مشورہ دیتی ہے تو جب کوئی معاملہ تمہیں درپیش ہو اور تم کو اس کے عیب و صواب کا

Marfat.com

علم نہ ہو تو تم تکلیف دہ امر کو لازم کر لو اسے چھوڑ دو جس کی تمہیں رغبت ہو اخلاق پسندیدہ کا بیشتر حصہ دل کو ناپسند ہوتا ہے چنانچہ دربار رسالت پناہی ﷺ کا فرمان ہے حفت الجنت بالمکارہ والنار بالشھوات جنت ناپسند امور کے اندر گھری ہوئی ہے اور دوزخ مرغوب اشیاء میں مستور ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں خیر کثیر پیدا کردے نیز فرمایا عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیرلکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شرلکم کیا عجب ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم ایک بات کو پسند کرو وہ تمہارے لیے باعث نحوست و شرارت ہو تو جب کبھی تم کو ایسی بات کا خیال ہو جو موجودہ لحاظ سے آرام طلبی آسان اختیاری تکلیف سے بچنے راحت کو ترجیح دینے کی دعوت دے تو اسے چھوڑ دو کیونکہ محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

مختصر یہ کہ عقل اپنی قوت کے ساتھ جس چیز کا مشورہ دے اس کے متعلق عبادت اور استخارہ کے ذریعہ محنت کرو یہاں تک کہ سینا کھل جائے اور مشورے کی صحت معلوم ہو جائے عام طور پر خواہشات عقل کے مشورہ کے خلاف نہایت لغو عزر پیش کرتی ہیں اور عقل حقیقی اور روزنی دلائل سے رہنمائی کرتی ہے بدصورت محبوب کا عاشق اور تلخ طعام کا کھانے والا اپنی عادات کے باعث مجبور ہوتا ہے کہ ان میں شغف رکھے اور عزر ہائے لنگ کے ذریعہ دل کی تسلی کا متلاشی ہو لیکن عقل صاف کہتی ہے یہ عذر اور بہانے تکلیف اور تصنع سے پر ہیں الغرض اس حقیقت کا ادراک نور الہی کی روشنی اور تائید آسمانی کے بغیر ناممکن ہے اس لئے حیرت کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ جب عقل کا میلان بحالات موجودہ تکلیف دہ امر اور عاقبت کا نفع بخش شے کی طرف ہو اور خواہشات کا رحجان اس کی بالکل تضاد اور حال کے لذت بخش مستقبل کی مصیبت ناک بات کی جانب ہو دونوں میں تنازع برپا ہو جائے دونوں فیصلے کے لئے قوت مدبرہ و مفکرہ کے پاس جائیں تو خدا کا نور عقل کی امداد کے لئے تیز رفتاری کے ساتھ آتا ہے ادھر سے وساوس شیطانی اور ان کی اولیائے کار بھی خواہشات کی اعانت کے لئے دوڑتے ہیں اس طرح دونوں میں ایک معرکہ جنگ برپا ہو جاتا ہے پھر اگر قوت مدبرہ شیطان اور اس کے دوستوں کے لشکریوں میں سے ہو تو خدائی نور سے غافل ہو کر انجام کی منفعت سے اندھی ہو جاتی ہے اس کی آنکھیں قریب کی لذت سے خیرہ ہو جاتی ہیں اور اسی

Marfat.com

طرف اس کا میلان ہو جاتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں اگر قوت مدبرہ اللہ اور اولیاء کے لشکر میں سے ہو تو نور خداوندی سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اور قریب کی خوشی کو چھوڑ کر انجام کی ابدی مسرت کو چنگل مارتی ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے اللّٰہ ولی الذین امنو یخرجھم من الظلمت الی النور والذین کفروا اولیاء ھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات. اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایماندار ہیں انھیں تاریکیوں سے نکال کر نور میں لاتا ہے اور کافروں کے دو شیطان ہیں جو انھیں نور سے نکال کر تاریکیوں میں پھینکتے ہیں۔

عقل کو اللہ تعالیٰ نے شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور خواہشات کو شجرہ خبیثہ سے چنانچہ فرمایا الم ترکیف ضرب اللّٰہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ ہاں تو جب ان دو لشکروں میں صف آرائی ہو کر میدان کارزار گرم ہو جاتا ہے ایک طرف خدا کے دشمنوں کی صف ہے دوسری طرف اولیاء اللہ کی تو اس وقت خدا کی طرف رجوع کرنے اور شیطان مردود سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنے کے سوا چارۂ کار باقی نہیں رہتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللّٰہ انہ سمیع علیم ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون جب شیطان تمہارے دل میں کوئی وسوسہ ڈالنے لگے تو اللہ کی پناہ میں آ جاؤ اللہ سمیع و علیم ہے متقی لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب شیطانوں کا گروہ ان پر حملہ کرتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور خدا انھیں فوراً بصیرت عطا فرما دیتا ہے شاید تم پوچھو کہ کیا ہویٰ و ہوس اور شہوت میں کوئی فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ لفظی بحثوں میں پڑنے کی کچھ ضرورت نہیں ہماری مراد ہویٰ سے خواہشات کا وہ حصہ ہے جو مذموم ہے پسندیدہ خواہشات اس میں شامل نہیں ہیں پسندیدہ خواہشات خداوند تعالیٰ کا فعل ہیں اور وہ ایک قوت ہے جو انسان میں پیدا کی گئی ہے تاکہ نفس میں ایک تحریک پیدا ہو اس بات کی کہ ان چیزوں کو حاصل کر لے جن سے اس کے بدن کی بہبودی وابستہ ہے جسمانی بقا کے لحاظ سے یا جسم کے کسی خاص حصے کی بقا کے اعتبار سے یا دونوں کی بہبودی کے قرینے سے، ناپسندیدہ اور مذموم وہ خواہشات ہیں جو نفس امارہ کا فعل ہیں یعنی ان چیزوں کو محبوب رکھنا جو لذت بدنیہ کے باعث ہیں اور جب ان کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان کو ہویٰ و ہوس کا نام دیا جاتا ہے قوت مفکرہ کو وہ اپنے تابع فرمان اور خدمت گزار کر لیتی ہیں تاکہ اس کا تمام تر وقت ان کے احکام کی متابعت میں گزرے قوت مفکرہ

Marfat.com

شہوت و عقل کے درمیان متر دد رہتی ہے عقل اس کے اوپر اس کی خدمت کرتی ہے تو بلند مرتبہ اور معزز ہو جاتی ہے اور محاسن اس سے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب شہوت کی جانب جھکتی ہے تو اسفل سافلین میں جا گرتی ہے اور بدیاں اس سے رونما ہوتی ہیں۔

فصل

اخلاق بدل سکتے ہیں

بعض گمراہ اور باطل پرست لوگ گمان کرتے ہیں کہ اخلاق خلقت کے مطابق ہوتے ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی انھوں نے اپنے اس باطل عقیدے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی آڑلی ہے فرغ اللہ من الخلق کہ خداوند تعالیٰ خلقت سے فارغ ہو چکا ہے ان کا خیال ہے کہ اس میں تغیر و تبدل کرنا خدا کی پیدائش کو بدلنے کی کوشش کرنا ہے ان لوگوں نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے چشم پوشی کر لی ہے کہ حسنوا اخلاقکم اپنے اخلاق کو عمدہ بناؤ اگر یہ بات ممکن ہوتی تو اس کا حکم نہ دیا جاتا اور اگر یہ امر ممنوع ثابت ہو جائے تو ترغیب وترہیب اور مواعظ و وصایا کے تمام دفاتر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیئے جاتے ہیں کیونکہ افعال اخلاق کے نتائج ہیں جب نیچے کو گرنا ثقل طبعی کا نتیجہ ہے تو چاہیے کہ یہ لوگ اوپر کی طرف کبھی توجہ نہ کیا کریں بلکہ ہمیشہ نیچے ہی کی جانب جایا کریں بلکہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ استعلائے عقل کے ہوتے ہوتے انسان کو مہذب نہیں بنایا جا سکتا اور بہائم کی عادات نہیں بدلی جا سکتی ہیں جبکہ درندوں کی وحشت کو دور کر کے مانوس کر لیا جاتا ہے کتے سدھانے سے شکار کھانا بند ہو جاتے ہیں اور گھوڑے سرکشی سے باز آ کر اشارے کے مطابق نقل و حرکت کرنے لگ جاتے ہیں اور یہ تمام باتیں تغیر خلقت ہی تو ہیں۔

اس باب میں قول شافی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن پر ہمارا بس نہیں چلتا مثلاً آسمان ستارے بلکہ ہمارے جسموں کے اعضاء اور ان کے اجزاء یہ چیزیں جیسی ہیں ویسی ہی رہینگی۔

دوسرے وہ جن کو پیدا ہونے کے بعد تربیت میسر آ جائے تو بعد میں قبول کمال کی قوت دی گئی ہے اس کی تربیت اختیار سے متعلق ہے مثلاً کھجور کی گٹھلی نہ کھجور ہے نہ سیب لیکن اس میں اس بات کی قابلیت رکھی گئی ہے کہ تربیت سے کھجور بن جائے لیکن اس میں اس بات کی

Marfat.com

قابلیت نہیں کہ سیب کا درخت ہو جائے۔

البتہ جب انسان کی تربیت کا اس سے تعلق پڑتا ہے تو وہ کھجور بن سکتی ہے اگر ہم کلی طور پر غضب و شہوت کو اپنی جان سے اس دنیا میں دور کرنا چاہیں تو ہم ناکام رہیں گے لیکن اگر ہم ان کو مغلوب کرنا اور ان کو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ سے مہذب بنانا چاہیں تو ہم ایسا کر سکیں گے اسی بات کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور یہ چیز ہماری سعادت مندی اور نجات کی شرط قرار پا چکی ہے ہاں جبلتیں مختلف ہیں بعض سریع القبول اور بعض بطی القبول ہیں اس اختلاف کے دو سبب ہیں ان میں سے ایک باعتبار تقدم وجود کے ہے کیونکہ قوت شہوت، قوت غضب اور قوت تفکر انسان میں موجود ہیں سب سے زیادہ مشکل سے تغیر ہونے والی اور سب سے زیادہ سرکش انسان کے لئے قوت شہوت ہے کیونکہ وہ سب قوتوں سے مقدم ہے بلحاظ وجود کے اور سب سے شدید باعتبار گرفت اور چنگل کے چنانچہ یہ اس کے ساتھ آغاز کار ہی سے پائی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا وجود اس حیوان میں بھی ہے جو انسان کی جنس سے ہے اس کے بعد قوت حمیت کی باری ہے اس کا باعث یہ ہے اخلاق اس کے بموجب اور اس کے حکم کے ماتحت کثرت عمل کے ساتھ پختہ کیے جاتے ہیں لوگوں اس بارے میں چار مراتب ہیں۔

(اول) وہ انسان غافل جو حق و باطل اور حسن و قبیح میں تمیز نہیں کر سکتا وہ اعتقاد سے خالی رہتا ہے اور نہ ہی اتباع لذات سے اس کی خواہشات قوی اور شدید ہوتی ہیں یہ درجہ مرض سب سے زیادہ قابل علاج ہے اس کو صرف ایک مرشد کی ضرورت ہے جو اسے تعلیم دے اور ایک ولولہ عمل کی حاجت جو مرشد کے احکام کی اطاعت پر اسے ابھارتی ہے چنانچہ اس کے اخلاق قلیل ترین وقت میں اچھے ہو جاتے ہیں۔

(۲) وہ بدعملی کے مضرات سے تو واقف ہیں لیکن عمل صالح کی جانب لوٹنے پر قادر نہ ہو بلکہ اعمال بد کی دلفریبی میں گرفتار ہو شہوات کا مطیع و منقاد ہو کر اور اصابت رائے سے روگردانی ہے کیونکہ اس کی بیماری بھی دگنی ہے اس کو دو کام کرنے چاہئیں (اول) جو باتیں بدعملی کی طرف کثرت سے مائل کرتی ہیں اور طبیعت میں راسخ ہو چکی ہیں ان کا قلع قمع کرنا (ثانیا) طبیعت کے برخلاف کرنا اس نوع کا شخص مجموعی حیثیت سے قبول ریاضت کے مقام میں ہے بشرطیکہ جدوجہد کامل اس کی امداد کرے۔

(سوم) اس کا اعتقاد بداخلاقی واجب اور مستحسن ہے بدکاری ہی درست اور پسندیدہ ہے اور پھر اس کا کاربند بھی ہو یہ مرض قریبا لاعلاج ہے اس کی اصلاح شاذ و نادر ہی ہوتی ہے

Marfat.com

کیونکہ اس پر گمراہی تو بر تو متسلط ہو چکی ہے۔

(چہارم) وہ شخص جس کی نشوونما ہی عقائد فاسدہ پر ہوئی اس کی تربیت انھیں پر کاربند ہونے پر ہوئی ہو وہ اپنی بزرگی اور فضیلت کثرت شر اور ہلاکت آفرینی ہی میں سمجھے ان میں اسے خوشی حاصل ہو اور اس کا گمان ہو کہ یہ باتیں اس کی قدر و منزلت کو دور کرتی ہیں تو یہ مرتبہ دشوار ترین ہے اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بھیڑیے کو مہذب بنا کر مؤدب بنانا اور حبشی کو نہلا کر سفید کرنا ایک عذاب ہے۔

ان مراتب چہارگانہ میں سے اول کو جاہل کہیں گے دوسرے کو جاہل اور گمراہ تیسرے کو جاہل گمراہ اور فاسق اور چوتھے کو جاہل گمراہ فاسق اور شریر النفس۔

فصل

اخلاق کی تبدیلی اور ہوی کے علاج کا مختصر طریق عمل

یاد رکھو کہ مجاہدہ نفس اور اعمال صالح کی ریاضت سے تکمیل نفس اور تزکیہ وتصفیہ سے تہذیب اخلاق مقصود ہے نفس اور ان قویٰ کے درمیان ایک قسم کا تعلق ہے جس کے بیان سے الفاظ کی تنگدامانی قاصر ہے صرف تخیل میں اس کی صورت متشکل ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تعلق محسوسات میں سے نہیں ہے بلکہ معقولات میں سے ہے اور اس کا بیان ہمارے مدنظر نہیں لیکن روح اور جسم دونوں اس سے متاثر ہیں کیونکہ اگر روح صاحب کمال اور پاکیزہ ہو تو جسم سے بھی مستحسن افعال سرزد ہوتے ہیں یہی حال روح کا ہے کہ اگر جسم کے آثار اچھے ہوں تو ان سے روح میں اچھی ہیئتیں پیدا ہونگی اور پسندیدہ اخلاق صادر ہونگے چنانچہ تزکیہ نفس کا طریقہ یہ ہے جو افعال پاکباز اور کامل نفوس سے صادر ہوتے ہیں ان کو پے در پے کیا جائے یہاں تک کہ جب کچھ عرصہ کے تکرار سے ان کی عادت ہو جائیگی تو ان سے نفس میں ایک پختہ ہیئت واقع ہو گی جو ان افعال کو مقتضی ہوگی اس کا تقاضا یہاں تک بڑھے گا کہ یہ باتیں عادت کے باعث طبیعت ثانیہ بن جائینگی پھر جو باتیں پہلے انسان کی طبیعت پر بے حد گراں تھیں اب اس کو بالکل آسان اور سہل معلوم ہونگی۔

اس طرح مثلاً جو شخص چاہے کہ مجھ میں سخاوت کا خلق پیدا ہو جائے تو اس کو چاہیے سخاوت کرنے والے شخص کے افعال کی بتکلف پیروی کرے یعنی مال و زر خرچ کرے اور اس

Marfat.com

کام کی مواظبت کرتا ہے یہاں تک کہ یہ بات اس پر آسان ہو جائے اور وہ خود صاحب جودو سخا بن جائے۔

اسی طرح اگر کسی شخص پر تکبر اور پندار کا عفریت سوار ہے اور وہ متواضع اور خلیق لوگوں کے عادات واطوار پر ہیشگی کرے اور اس بات کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ جسم اور روح کے درمیان ایک چکر سا قائم ہے بدن جب ایک کام بتکلف کرتا ہے تو اس سے روح میں ایک صفت پیدا ہوتی ہے پھر جب روح میں وہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ الٹ کر بدن کی طرف پھر جاتی ہے اس سے وہ فعل جو جسم نے کیا تھا اور بتکلف کیا تھا اس کی طبیعت میں راسخ ہو کر عادت ثانیہ بن جاتا ہے اس کا معاملہ تمام فنون اور صنعتوں کا سا ہے کہ اگر کوئی شخص خوشنویسی کا وصف حاصل کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی باکمال کاتب کی نقل کرے یعنی خوبصورت الفاظ محنت سے اس کی مانند لکھے پھر حسن خط میں اس قدر مشق بہم پہنچائے کہ خوشنویسی کا ملکہ اس کی طبیعت میں راسخ ہو جائے اور اس فن کی مہارت اس کی طبیعت کا ایک وصف بن جائے چنانچہ جو بات ابتداء میں تصنع سے کر سکتا تھا اب بالطبع اور خود بخود کرے گا بات تو ایک ہی ہے ابتداء میں بھی اس کا خط وہی حسن وخوبی رکھتا تھا اور اب بھی ویسا ہی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے آورد تھی اب آمد ہے اور یہ تمام کارستانی ایک واسطہ سے تاثر نفس کی ہے۔

اسی طرح جس شخص کو فقاہت کا شوق ہو تو اسے اس کے سوائے چارہ کار نہیں کہ فقہ میں ممارست کرے اسے حفظ کرے اور بار بار پڑھے ابتداء میں اسے طبیعت پر زور دینا پڑے گا یہاں تک کہ علم فقہ اس کے نفس پر منعطف ہو جائے گا اور وہ فقیہہ نفس ہو جائیگا یعنی اس کی طبیعت میں ایک ایسی حالت پیدا ہو جائیگی جو تخریج مسائل کے لئے خود بخود مستعد ہو گی اور جو چیز اسے ابتداء میں مشکل معلوم ہوتی تھی اب طبعی طور پر اس کے لئے آسان ہو جائیگی یہی حال تمام صفات نفس کا ہے۔

جس طرح رتبہ فقاہت کا طالب نہ تو ایک رات کی بیکاری سے اس مرتبہ سے محروم ہو جاتا ہے اور نہ ہی ایک رات کی زیادتی سے اس تک پہنچ جاتا ہے اسی طرح کمال نفس کا طالب نہ ایک دن کی عبادت سے اسے حاصل کر لیتا ہے اور نہ ایک دن کا نقصان اسے محروم کر دیتا ہے لیکن ایک دن تعطل دوسرے روز کی بیکاری کو دعوت دیتا ہے پھر یہ سہل انگاری آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ انسان کی طبیعت کسل مندی سے مانوس ہو جاتی ہے

Marfat.com

اور تحصیل فقہ کا شوق کم ہو جاتا ہے چنانچہ فضیلت فقہ غائب ہو جاتی ہے۔

یہی حال جملہ صغیرہ گناہوں کا ہے ایک گناہ دوسرے کو بلانے کا کام کرتا ہے جس طرح رات کے تکرار کا اثر نفس کے تفقہ میں محسوس نہیں ہوتا کیونکہ قد کے بڑھنے اور بدن کے نشوونما پانے کی طرح یہ تھوڑا تھوڑا ظاہر ہوتا ہے اسی طرح ایک ایک طاعت وعبادت کے عمل کا اثر نفس اور اس کے کمال میں محسوس نہیں ہوتا لیکن مناسب یہ ہے کہ انسان اسے حقیر نہ سمجھے کیونکہ اس کا اثر مجموعی حیثیت سے ہی ظاہر ہوگا۔

قطرہ قطرہ بھم شود دریا

دانہ دانہ بھم شود خرمن

پھر کوئی طاعت نہیں جس کا ایک اثر نہ ہو اگرچہ کتنا ہی مخفی ہو اور یہی حال ہر ایک معصیت کا ہے۔

کتنے ہی خود سر فقیہ ہیں جو ایک دن اور ایک رات کی تعطیل کو معمولی خیال کرتے ہیں اور اسی طرح پیاپے بے کار رہتے ہیں اور کمال علم کے حصول سے قطعاً محروم رہ جاتے ہیں یہی حال اس شخص کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو حقیر سمجھتا ہے کہ انجام کار حرمان سعادت سے اسے روشناس ہونا پڑتا ہے اور بہت سے صاحب توفیق فقیہ ہیں جو ایک دن رات کی تعطیل کو بھی معمولی نہیں سمجھتے اور پیاپے سرگرم عمل رہتے ہیں اور رشاد کمال نفس سے ایک روز ہمکنار ہو جاتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر نہیں سمجھتے سمجھنے کا انجام کار درجات سعادت حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ تھوڑی شے زیادہ شے کو بلالاتی ہے اسی لئے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ ایمان دل میں ایک نکتے سے شروع ہوتا ہے جوں جوں ایمان زیادہ ہوتا ہے یہ سفیدی بھی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ جب انسان کا ایمان کامل ہو جاتا ہے تو تمام دل سفید براق ہو جاتا ہے اور نفاق بھی دل میں ایک سیاہ نکتے سے شروع ہوتا ہے جوں جوں نفاق ترقی کرتا جاتا ہے دل کی سیاہی بھی المضاعف ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ جب انسان کا نفاق کامل ہو جاتا ہے تو دل بھی تمام تر سیاہ ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

فصل

وہ فضائل جن کی تحصیل سے سعادت ملتی ہے

جب یہ معلوم ہو گیا کہ سعادت تزکیۂ نفس اور اس کی تکمیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی تکمیل جملہ فضائل کے اکتساب سے ہو سکتی ہے تو ضروری ہوا کہ تمام فضائل بالتفصیل معلوم کیے جائیں جملہ فضائل کا لب لباب دو باتوں میں ہے (اول) جودت ذہن و تمیز اور (دوم) حسن خلق۔

جودت ذہن سے اول طریق سعادت وشقاوت میں تمیز حاصل ہوتی ہے تاکہ اس پر گام فرسا ہوا جائے۔

دوم براہین قاطعہ کے ذریعہ سے جو یقین کے لیے مفید ہوں اشیاء کی حفاظت معلوم کرنا نہ تقلیدات ضعفیہ اور نہ کمزور اور بودے خیالات کے ذریعہ سے اور حسن خلق اس لئے ہے تاکہ تمام عادات سیۂ کو جن کی تفصیل شریعت بتا چکی ہے اس کی امداد سے زائل کر دیا جائے اور ان کو اسی قدر مبغوض بنا دیا جائے جس قدر شریعت نے انھیں قرار دیا ہے اور ان سے اسی طرح اجتناب کیا جائے جس طرح گندگی سے انسان اجتناب کرتا ہے نیز اس لئے تاکہ عادات حسنی عود کر آئیں اور انسان کی طبیعت ان کی مشتاق ہو کر ان سے محبت کرنے اور ان کو نعمت سمجھنے لگ جائے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جعلت قرة عيني في الصلوة نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اور جب کبھی عبادت گزاری اور ترک محظورات دل پر گراں گزریں تو یہ نقصان کی دلیل ہے اور کمال سعادت اس سے نہیں ملتی ہاں اس پر ہمت سے ہمیشگی کرنا نیکی کی غایت ہے لیکن اسی نسبت سے جو اس کے کرنے میں خوشدلی اور رغبت ہے۔

جو شخص غیر مہذب ہے اس کو حق کڑوا معلوم ہوتا ہے چنانچہ حق سے موڑنے کے خیالات باقی رہتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانها لكبيرة الا على الخاشعين. نماز سوائے خشوع کرنے والوں کے سب پر بھاری ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم رضا مندی کے لئے اعمال صالحہ کر سکو تو بہتر ورنہ مکروہات پر صبر کرنے ہی میں بہت نیکی ہے پھر سعادت کے حصول کے لئے ایک وقت میں نیکی کرنا اور برائی سے بچنا اور دوسرے وقت میں ایسا نہ کرنا کافی نہیں بلکہ چاہیئے کہ تمام عمر میں علی الدوام اس پر عمل کیا جائے اور جتنی عمر زیادہ ہوگی اسی قدر بزرگی زیادہ راسخ اور زیادہ کامل ہوگی اس لئے جب آنحضرت ﷺ سے سعادت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا تمام عمر اللہ کی اطاعت کرنا حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرامؒ موت کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

Marfat.com

جب عمر کی درازی سے عبادتیں زیادہ کی جائیں گی تو ثواب بھی زیادہ ہوگا نفس زیادہ زکی اور اطہر ہوگا اور اس کا کمال زیادہ مکمل اور انسان کی خوشی اس کے نفس کے علائق بدن سے علیحدہ ہونے کے باعث زیادہ زبردست اور زیادہ وافر ہوگی۔

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی اس نیند سے بیدار ہو جس نے اسے اپنے نفس کے حال سے اور اس کے جمال سے جن سے وہ منور ہوتا ہے اور ان ذلت آمیز خیالات وحالات نے جو اس کی فضیحت اور رسوائی کا باعث ہیں غافل کر رکھا تھا یہ تنبیہ اور بیداری تعلقات ومشاغل کے دور پھینک دینے سے حاصل ہوتی ہے لوگ اصل میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں جب مر جاتے ہیں تو جاگ اٹھتے ہیں یہی بات مجموعہ فضائل اور ان کی غایت ہے کہ انسان سے ہمیشہ اچھی باتیں صادر ہوں بغیر سوچنے کے یا دیکھنے کے یا تکلیف اور رنج وتعب کے اسے حق کی اطلاع بغیر کسی لمبی چوڑی محنت کے ہو جائے گویا کہ یہ بات خود بخود اس سے صادر ہو رہی ہے جس طرح مشاق صناع اور خوشنویس کاتب سے نقش ونگار اور کتابت سرزد ہوتی ہے

انتہائے بدعملی کی انتہا یہ ہے کہ انسان سے بے اختیار بغیر غور وفکر اور بن دیکھے خود بخود بداخلاقیاں مترشح ہوں یاد رکھو کہ یہ تمام فضائل فن نظری اور فن عملی میں محصور ہیں ان میں سے ہر ایک دو طریق سے حاصل ہوتا ہے۔

(اول) تعلیم بشری اور تکلیف اختیاری اس طریقہ میں کچھ عرصہ کی مشق مواظبت وممارست کی حاجت ہے نیز یہ کہ بتدریج نامعلوم طریقہ پر تھوڑی تھوڑی نیکی جمع کرتے جائیں جس طرح لوگ نشوونما میں بتدریج ترقی کرتے ہیں ممکن ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوں جن کے لئے ادنیٰ مشق بھی کافی ہے اور یہ بات ذکاوت وبلاوت پر منحصر ہے۔

(دوم) فضل خداوندی سے حاصل ہو جائے یعنی انسان مادرزاد طور پر بغیر معلم کے علم وفاضل ہو جائے جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام تھے یہی حال تمام انبیاء کا ہے ان کو حقائق اشیاء کا علم اس قدر وسیع دیا گیا تھا کہ دوسرے طالب علم تعلیم وتعلم کے ذریعہ سے بھی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی اس بات کے اہل ہیں ان کو اولیاء اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر یہ وہ عطیہ الٰہی ہے جس کا اکتساب جد وجہد کے ذریعہ ناممکن ہے جو شخص اس سے محروم ہوا اسے چاہیے کہ فریق ثانی میں سے ہونے کی کوشش کرے۔

Marfat.com

یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ اس کا رتبہ ان لوگوں کے مراتب سے کمتر ہوگا سرمہ لگانے سے آنکھوں میں وہ رعنائی نہیں پیدا ہو سکتی جو قدرتی سیاہ آنکھوں میں موجود ہوتی ہے۔

اس بات کو مستبعد بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ پیدائشی اور فطری طور پر وہ علوم حاصل ہوں جو اکتساب اور کوشش کے ذریعہ سے ملتے ہیں جس طرح اخلاق میں ہوتا ہے چنانچہ بسا اوقات ایک لڑکا صادق القول سخی اور جری ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے خلاف پیدا ہوتا ہے اور یہ باتیں تادیب و تربیت سے حاصل ہو جاتی ہیں غرض بزرگی بعض اوقات طبعی طور پر مل جاتی ہے کسی وقت عادت ڈالنے سے اور کبھی تعلیم سے حاصل ہو جاتی ہے۔ جس شخص کو تینوں اعلیٰ جہتیں حاصل ہوں یہاں تک کہ طبعی طور پر عادت ڈالنے سے اور تعلیم کی امداد سے صاحب فضیلت ہو تو اسے انتہائی بزرگی حاصل ہے اور جو تینوں طور پر ذلیل ہو تو وہ غایت رذالت کے گڑھے میں ہے ان دونوں صورتوں کے درمیان اس شخص کا رتبہ ہے جو ان جہتوں سے مختلف ہے۔

فصل

تہذیب اخلاق کا مفصل طریقہ

تمہارے لئے اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ نفس کا علاج رذائل کو اس سے دور کرنے اور فضائل کے اکتساب سے ہو سکتا ہے اس کی مثال علم طب کی سی ہے جس میں بدن کے مرض کی روک تھام اور تندرستی قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جس طرح مزاج کی اصلیت میں اعتدال غالب ہے اور بیماری جو حالت اعتدال کو بدل دیتی ہے اغذیہ وغیرہ کے عارضوں سے ہی حملہ کرتی ہے اسی طرح ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، اور مجوسی بنا لیتے ہیں مقصود یہ ہے کہ تعلیم اور بڑوں کی دیکھا دیکھی بری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس طرح بدن ابتداء میں غیر مکمل پیدا ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ غذا کے ذریعہ سے نشوونما اور تربیت پا کر کامل ہوتا ہے اسی طرح نفس بھی

Marfat.com

ناقص پیدا ہوتا ہے اور تمزکیہ تہذیب اخلاق اور علم کی غذا دینے سے ہی کامل ہوتا ہے مثلاً بدن اگر تندرست ہو تو طبیب کا کام یہ ہے کہ قانون حفظ صحت پر عمل کرائے اور اگر مریض ہے تو اس کا فرض اولین یہ ہے کہ اسے تندرست کرے یہی حال نفس انسانی کا ہے اگر وہ پاکیزہ وطاہر اور مہذب ہے تو مناسب ہے کہ اس کے ان اوصاف کو قائم رکھا جائے اور مزید قوت اور صفائی باطنی سے اسے بہرہ اندوز کرایا جائے اور اگر عدیم الکمال ہے اور صفائی اسے حاصل نہیں تو چاہیے کہ پہلے اس میں یہ باتیں پیدا کی جائیں جس طرح حالت اعتدال کو بدل کر مرض پیدا کرنے کی علت کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے اگر سردی سے ہو تو گرم دوائیں دی جاتی ہیں اور اگر گرمی سے ہو تو سرد دوائیں اسی طرح نفسانی امراض کے اسباب وبواعث کا علاج بھی ان کی ضد سے کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ جہالت کا علاج بہ تکلف تعلیم سے بخل کا بہ تکلف سخاوت سے غرور کا بہ تکلف انکسار سے اور پرخوری کا غذاؤں سے بہ تکلف ہاتھ کھینچنے سے کرنا چاہیے اور جس طرح ہر ایک ٹھنڈی دوا گرمی سے پیدا ہونے والے مرض کو کافی نہیں ہو سکتی جب تک وہ ایک وزن خاص میں کر دی جائے کیونکہ اس دوائی کی تیزی کمزوری، دوام وعدم اور اس کی قلت وکثرت بھی مختلف ہوتی ہے اس کے لئے ایک پیمانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس کی نفع بخش مقدار کا اندازہ معلوم کیا جائے کیونکہ اگر اندازے کے مطابق دوائی نہ دی جائے تو مرض بڑھ جائیگا اسی طرح امراض اخلاق کے علاج کے لئے جو دوا دی جاتی ہے اس کے لئے بھی ایک اندازے کی ضرورت ہے پھر جس طرح دوا کا اندازہ بیماری کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے یہاں تک کہ جب تک طبیب یہ معلوم نہیں کر لیتا کہ مرض کی علت حرارت ہے یا برودت اور اگر اس کی علت حرارت ہے تو اس کا درجہ قوی ہے یا ضعیف اس وقت تک مرض کے علاج کو ہاتھ نہیں لگاتا اور جب ان تمام امور سے واقف ہو جاتا ہے تو حالات بدن حالات موسم اور مریض کے پیشہ کی جانب توجہ کرتا ہے اور انجام کار سب حالات وواقعات کو مدنظر رکھ کر علاج میں مشغول ہوتا ہے اسی طرح شیخ متبوع کو جو مریدوں کے نفوس کی بیماریاں دور کرتا ہے چاہیے کہ اپنے مریدوں پر خاص قسم کی ریاضت شاقہ اور تکالیف کا ہجوم نہ کر دے جن سے ان کے اخلاق وعادات مانوس نہ ہوں تو جب اسے معلوم ہو جائے کہ فلاں برائی مرید پر سوار ہے اس کی مقدار کو جان لے اس کا حال اور مدت اسے معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم کر لے کہ فلاں بات علاج میں مفید ہوگی تو علاج کا طریقہ معین کرے یہی وجہ ہے کہ بعض پر اپنے بعض مریدوں کو شہر میں جا کر محنت ومشقت کرنے کا حکم دیتے ہیں یہ اس لئے کہ مرید میں کسی قسم کا تکبر اور حکومت

Marfat.com

کی بو پائی جاتی ہے اس لئے پیران امراض کا علاج ایسے طریق سے کرتا ہے جو اس کے ان عادات کے نقیض دیکھتا ہے یہاں تک کہ اس کے تکبر کو اس کے ذریعہ سے چور چور کر دیتا ہے بعض مریدوں کو پانی بھرنے اور استنجے کے ڈھیلے گننے کا ارشاد ہوتا ہے اور یہ اسلئے کہ مرید کا نفس رعونت کی جانب مائل نظر آتا ہے اور حد اعتدال سے زیادہ نفاست پسندی اس کی طبیعت میں پائی جاتی ہے بعض کو روزہ رکھنے کا مشورہ دیا جاتا ہے اور افطاری کے لئے برائے نام کھانے کی مقدار دی جاتی ہے اور یہ اس لیئے کہ مرید جوان قوی الشہوت اور پیٹو ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ تہذیب نفس کے طریقے برتے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کے متعلق روایت ہے جو قوت غضب کو دور کر کے قوت علم پیدا کرنے کے لئے کم حیثیت آدمیوں کو اجرت دیتے تھے اور اس بات پر مقرر کرتے تھے کہ محفلوں اور مجلسوں میں ان پر خوب گالیوں کی بوچھاڑ کریں چنانچہ علم اور بردباری کے اوصاف ان میں پیدا ہو گئے یہاں تک کہ ان کی قوت برداشت ضرب المثل ہو گئی۔

کچھ اور لوگ تھے، جو اپنے میں وصف شجاعت پیدا کرنے کے لئے جاڑے میں دریا میں تیرتے تھے کچھ ایسے بھی تھے جو عمدہ عمدہ کھانے تیار کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتے تھے اور خود پرخوری کی بد عادت دور کرنے کے لئے نان جویں پر گزارہ کرتے تھے۔

ہندوستان کے سادھو عبادت میں سہل انگاری اور سستی کے مرض کا علاج تمام رات ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے سے کیا جاتا ہے اور بعض لوگ حب مال کی بیماری کا علاج یوں کرتے ہیں کہ تمام مال واسباب فروخت کر کے اس کے دام اٹھا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔

الغرض تہذیب اخلاق کے طریقوں کا یہ مختصر اور اجمالی بیان ہے اور اگر ان کی تفصیل میں جائیں تو سلسلہ کلام بہت طویل ہو جائے۔

مدعا یہ ہے کہ شائق لوگ اپنے اخلاق کے بارے میں تزکیہ نفس کریں پس اگر تمہارا نفس پہلے ہی مہذب ہے تو اس کی حفاظت کرو تا کہ بگڑنے نہ پائے اور اگر وہ بگڑنے کی جانب مائل ہے تو اسے پھیر کر حد اعتدال پر لے آؤ اس کے طریقہ کی تفصیل ابھی آئیگی اعتدال حاصل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ افراط وتفریط کی حالت دور کر دی جائے کیونکہ غرض یہ ہے کہ بدنی عوارض سے جو صفات نفس کو لاحق ہو جاتے ہیں ان کو نفس سے بالکل پاک کر لیا جائے یہ

یہاں تک کہ ان کی جدائی کے بعد افسوس ومحبت کے طور پر نفس ان کی جانب کبھی

Marfat.com

متلفت نہ ہو۔ اور نہ ہی ان کے چلے جانے پر اسے رنج محسوس ہو ساتھ ہی ان سے مشغول ہونے سے منع کیے جانے اور اپنے جوہر کے لائق سعادتوں سے میل ملاپ کرنے میں اسے کوئی تکلیف نظر نہ آئے چنانچہ جب ہم چاہتے ہیں کہ پانی نہ تو گرم ہو اور نہ ہی ٹھنڈا تو ہم اسے معتدل کرنے کی کوشش کرتے ہیں آب فاتر جو ٹھہرنے کو چھوڑ دیا ہو نہ گرم ہوتا ہے نہ سرد تو یہی حال ان صفات کا ہے۔

تمہارا کام یہ ہے کہ تم غور کرو کہ جس خلق کے باب میں تم سرگرم عمل ہو اس کے موجبات سے جو افعال ہیں وہ کیسے ہیں پھر اگر ان کے کرنے سے تمہیں لذت حاصل ہو تو سمجھ لو کہ جس خلق سے یہ فعل متعلق ہے وہ تمہاری جان میں راسخ ہے اور اگر وہ فعل قبیح ہے مثلاً اگر تم مال جمع کرنے اور اسے دبا رکھنے میں خوشی اور لذت محسوس کرتے ہو تو اس فعل سے متعلق خلق بخل ہے پس تمہیں چاہیے کہ تم اپنی طبیعت کو اس کے برخلاف عمل کی طرف پھیر لے جاؤ اخلاق حسنہ اور اخلاق سیئہ کی تفصیل شریعت کر چکی ہے اور آداب نبی ﷺ کے باب میں جس قدر تصانیف ہیں وہ ان کو جامع ہیں ہم ان کی جانب جلد ہی اجمالی اشارہ کریں گے ہماری مراد اعتدال سے یہ ہے کہ اگر تم مال خرچ کرنے اور اسراف میں لطف محسوس کرتے ہو تو جان لو کہ یہ بھی مذموم ہے اسی کو تبذیر سے تعبیر کیا گیا ہے محمود و معتدل حالت وہ ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں اور جو کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تم پر شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق مال خرچ کرنا آسان ہو، خوش دلی اور رغبت سے خرچ کرنا اور شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق خوش دلی اور رغبت سے روک لینا بھی آسان ہو یہی صورت معاملہ ہے تمام صفات میں ان میں ایک کی مثال کافی ہے۔

جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ معیار اعمال کا ماخذ مقدار صفات و اخلاق ہے تو تم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہی کہ ان کے باب میں اختلاف اشخاص کے ساتھ راستہ بھی مختلف ہو گا نیز اختلاف حالات کے ساتھ ایک شخص کے حق میں بھی مختلف ہو گا۔

چنانچہ جس شخص کو بصیرت سے کچھ حصہ ملا ہے وہ علت وسبب کے پیچھے پڑیگا اور اس کا علاج اس کے طریقے کے مطابق کرے گا لیکن چونکہ اکثر لوگ لائق نہیں اور شریعت کے لئے مشکل ہے کہ ایسی تفصیل پیش کرے جو سب لوگوں کے لئے سب زمانوں میں کافی و وافی ہو اس لئے شریعت نے تفصیل کے بارے میں صرف ان قوانین مشترکہ کو بیان کر دینا کافی سمجھا جن کی حدیں طاعات و ترک معاصی کو گھیر رہی ہیں پھر ان مباحات کے ذکر کو چھوڑ دیا جو امور جمیلہ کے

Marfat.com

ساتھ لذت پانے کے لئے مقصود ہیں مثلاً فرمایا حب الدنیا رأس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے وغیرہ وغیرہ۔

اہل بصیرت نے جان لیا کہ غایت مطلوب اور اس کا طریقہ اور غایت ماخوذ اور اس کا رستہ کیا ہے اور تفصیل سے واقف ہو کر ان لوگوں کو اس راستے پر گامزن کیا جنھوں نے اتباع کی اس طرح وہ انبیاء علیہم السلام کے نائب ہوئے کہ انھوں نے اس چیز کی تفصیل بیان کی جن کو انبیاء نے اجمالاً بیان کیا تھا اور جس کو صرف بطور تمہید کہا تھا انھوں نے اس کی تشریح کی اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء یعنی علماء نبیوں کے وارث ہیں۔

فصل

امہات فضائل

یوں تو فضائل بے شمار ہیں لیکن چار چیزیں تمام شعبوں اور قسموں پر حاوی ہیں یعنی حکمت شجاعت عفت عدالت حکمت سے قوت عقلیہ کی فضیلت مراد ہے شجاعت سے قوت غضبیہ کی اور عفت سے قوت شہوانیہ کی اور عدالت سے مراد ہے ان تمام قویٰ کا ترتیب مناسب میں واقع ہونا ان کے ذریعہ تمام امور کامل ہوتے ہیں اسی لئے کہتے ہیں کہ زمین و آسمان عدل پر قائم ہے ہم ان بنیادی امور میں سے ایک ایک کی تشریح کریں گے نیز ان کے بیان کی ان کے ماتحت جملہ انواع کی تشریح کریں گے۔

حکمت کے ہم وہی معنیٰ لیتے ہیں جن کی عظمت اللہ تعالیٰ نے اس قول میں بیان فرمائی ومن یوتی الحکمۃ فقط اوتی خیرًا کثیرا اور جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا الحکمۃ ضالۃ المؤمن۔ حالی

کہ حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو

جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

حکمت قوت عقلیہ کی طرف منسوب ہے تم پہلے جان چکے ہو کہ نفس کی دو قوتیں ہیں اول جو اوپر سے آتی ہے اسی سے ضروری نظری اور کلی حقائق علوم ملاء اعلیٰ کی طرف سے القا ہوتے ہیں یہ یقینی علوم ہیں اور سچے ہیں ازلی اور ابدی لحاظ سے اختلاف اعصار و امم ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جیسے اللہ تعالیٰ اس کی صفات اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور رسولوں کا علم اور

Marfat.com

عالم میں خدا کی تمام مخلوق کی تمام اصناف کا علم۔

قوت ثانیہ وہ ہے جو نیچے کی جانب متوجہ رہتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر اور سیاست کی جانب اسی کے ذریعہ سے نیک اعمال کا ادراک ہوتا ہے اس کو عقل عمل کہتے ہیں اس کے ذریعہ سے نفس کے قوی اہل شہر اور اہل خانہ کی قوتیں قابو میں رکھی جاتی ہیں اس کا نام ایک لحاظ سے حکمت مجازی طور پر ہے کیونکہ اس کی معلومات گرگٹ کی مانند بدلتی رہتی ہیں ایک جگہ قرار نہیں پکڑتی چنانچہ اس کی معلومات میں سے ایک یہ ہے مال خرچ کرنا اچھا کام ہے حالانکہ بعض اوقات اور بعض اشخاص کے حق میں یہ بات بھی برائی ہو جاتی ہے اس لئے اول الذکر کے لئے حکمت کا نام زیادہ درست ہے اور مؤخر الذکر اول کا کمال ہے اور تتمہ یہ حکمت خلقیہ ہے اور وہ حکمت عملیہ ونظریہ حکمت خلقیہ سے ہماری مراد ہے نفس کی عاقلہ کی وہ حالت اور فضیلت جس سے قوت غضبیہ وشہوانیہ قابو میں لائی جاتی ہے اور مناسب اندازے کے ساتھ ان ض وانبساط میں مقدار مقرر کی جاتی ہے اس سے مراد قوت فیصلہ ہے یہ ایک فضیلت ہے جس کو دو خرابیاں احاطہ کیے ہوئے ہیں اول مکاری دوم سادہ لوحی یہ دونوں کنارے ہیں افراط وتفریط کے مکاری افراط کی انتہائی صورت ہے یہ وہ حالت ہے جس میں انسان مکر وحیلہ سے کام لینے کا عادی ہوتا ہے جب قوت غضبیہ اور شہوانیہ مطلوب کی طرف حد سے زیادہ تحریک کرتی ہیں اور سادہ لوحی انتہائی تفریط اور حد اعتدال سے کم ہونے کا نام ہے یہ وہ حالت ہے جس میں نفس قوائے عصبیہ وشہوانیہ کے مشورہ کو حد سے کم قبول کرتا ہے اس کی وجہ فہم کی کمزوری اور قوت فیصلہ کی کمی ہے۔

شجاعت قوت غضبیہ کے لئے فضیلت ہے بوجہ اس کے قوی ہونے کے حمیت کے ساتھ یہ عقل کی مطیع ومنقاد ہے اور بڑھنے اور گھٹنے میں شریعت کے احکام کی پابند قوت غضبیہ کی دو برائیوں کے درمیان جو اسے گھیرے ہوئے ہیں یہ ایک متوسط درجہ ہے دونوں برائیاں تہور اور بزدلی ہیں تہور اعتدال سے بڑھی ہوئی کیفیت کا نام ہے اور یہ وہ حالت ہے جس میں انسان ایسے خطرناک امور میں کود پڑتا ہے جن سے بچنا قرین دانشمندی تھا بزدلی اعتدال سے گھٹی ہوئی حالت ہے اس میں حرکت غضبیہ کی حد سے زیادہ کمی کے باعث انسان ان امور کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتا ہے جن کا سامنا کرنا عقل وخرد کے مطابق تھا جب یہ تمام اخلاق حاصل ہو جاتے ہیں تو ان سے افعال صادر ہوتے ہیں یعنی خلق شجاعت سے دلیرانہ اقدام دنیا در ہوتا ہے جہاں چاہیے اور جیسا چاہیے یہی طرز عمل پسندیدہ اور قابل تعریف ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد

Marfat.com

اشداء علی الکفار رحماء بینھم سے بھی یہی ہے یعنی کفار پر سخت گراں اور آپس میں نہایت مہربان بہر حالت میں نہ تو سختی درست ہے نہ نرمی ہے بلکہ مناسب طرز عمل وہ ہے جو عقل وشریعت کے معیار پر پورا اترے تو جس کو یہ حد اعتدال حاصل ہو جائے اسے چاہیے کہ اپنے افعال سے اسے ہمیشہ محفوظ رکھے اور جسے یہ بات میسر نہ ہو تو چاہیے کہ وہ غور کرے اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت کی شجاعت یعنی بزدلی کی جانب مائل ہے تو بہادروں کے افعال کی پیروی تکلف کرے اور اس پر ہمیشہ عمل کرے یہاں تک کہ یہ بات اس کا طبعی خلق اور عادت بن جائے اور شجاعت مند لوگوں کے کارنامے اس سے خود بخود صادر ہونے لگیں اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت حد اعتدال سے متجاوز حالت کی یعنی تہور کی طرف مائل ہے تو یہی مناسب ہے کہ اپنے تئیں ان کے نتائج سے ڈرائے اور ان کے خطرات کی عظمت سے دل کو مرغوب کرے ان باتوں پر اسے ابتدا میں بہ تکلف عمل کرنا پڑیگا یہاں تک کہ اس کی طبیعت حد اعتدال یا اس کے قریب کے کسی مقام کی طرف ہٹ آئیگی کیونکہ حد اعتدال کی حقیقت پر قائم رہنا نہایت مشکل بات ہے اور چونکہ یہ بات عسیر الحصول ہے اس لئے فرمایا وان منکم الا واردھا تم میں سے ہر ایک اس میں وارد ہوگا۔

کسی بزرگ نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا حضور آپ کا اس فرمان سے کیا مطلب ہے کہ مجھے سورۃ ھودؑ نے بوڑھا کر دیا ارشاد ہوا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان نے کہ فاستقم کما امرت یعنی صراط مستقیم پر استمرار اور افراط وتفریط سے بچکر توسط اختیار کرنا نہایت سخت مرحلہ ہے یہ بات بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز تر ہے جیسے کہ پلصراط کے باب میں بیان کیا گیا جس شخص نے دنیا کے راستے پر استقامت اختیار کر لی وہ آخرت میں بھی مستقیم رہے گا کیونکہ انسان اسی بات پر مرتا ہے جس پر اس نے زندگی بسر کی اور اس کا حشر اس بات پر ہوگا جس پر وہ مرا اسی لیئے نماز کی ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ اس میں آیت اھدنا الصراط المستقیم داخل ہے طالب پر استقامت سب باتوں سے زیادہ سخت اور دشوار ہے اگر ایک خلق میں بھی اس کا مکلف قرار دیا جائے تو مصیبت طویل ہو جائے حالانکہ ہمیں تمام اخلاق میں باوجود ان کے بے حد وحساب ہونے کے اس بات کا مکلف کیا گیا ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوگا خطرات سے عہدہ برائی توفیق الٰہی رحمت خداوندی کے بغیر ناممکن ہے اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا الناس کلھم موتی لا العالمون والعالمون کلھم موتی الا العاملون والعاملون کلھم موتی

Marfat.com

الا المخلصون والمخلصون علی خطر عظیم لوگ سب مردے ہیں سوائے عالموں کے اور عالم سب مردے ہیں سوائے عاملوں کے اور عامل سب مردے ہیں سوائے مخلصوں کے اور مخلصین بڑے بڑے خطروں میں ہیں تو ہم خداوند تبارک وتعالیٰ سے نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اپنی توفیق سے ہماری مدد فرماتا کہ ہم اس دنیا میں خطرات سے بچ کر سلامت نکل جائیں اور غفلت وخود فراموشی کے دام میں گرفتار نہ ہوں۔

عفت تو یہ قوت شہوانیہ کی بہترین صورت ہے اس سے مراد قوت شہوانیہ کو نرم اور ہموار کر کے قوت عقلیہ کے تابع کر دینا ہے یہاں تک کہ اس کی حرکت وسکون اس کے اشارے کے مطابق ہو جائے اس کے دونوں جانب دو خرابیاں ہیں شہوت پرستی اور نامردی شہوت پرستی سے مراد ہے لذات نفسانی میں افراط اس حد تک کہ قوت عقلیہ اسے ناپسند کرے اور اس سے منع کرے نامردی سے مراد ہے کہ آگ کا بالکل بجھ جانا اور اس میں اس قدر بھی جوش نہ رہنا جس کی موجودگی کا عقل تقاضا کرتی ہے یہ دونوں باتیں بری ہیں عفت ان دونوں کا درمیانی اور پسندیدہ نکتہ ہے انسان کو چاہیے کہ اپنی شہوت کی نگہبانی کرے اس پر اکثر افراط غالب ہوتی ہے خصوصاً شرمگاہ اور پیٹ کی مقتضیات اور مال وریاست اور جب ثنا پر یاد رکھو ان باتوں میں افراط وتفریط دونوں نقصان رساں ہیں۔

انسان کا کمال اعتدال میں ہے اور اعتدال کا معیار عقل وشرع ہے مطلب یہ ہے کہ شہوت اور غضب کے اخلاق کی غایت مطلوبہ کا علم ہو جائے مثلاً اس بات کی واقفیت ہو جائے کہ خواہش طعام اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ غذا لینے کی تحریک کرے جو حرارت غریزی میں خلل آنے کا سدباب کرتی ہے حتی کہ بدن زندہ رہتا ہے اور حواس سالم تاکہ حصول علوم اور حقائق اشیاء کے ادراک کی طاقت پیدا ہو........ یہ حالت طبقہ علیا سے مشابہ ہے کیونکہ اس میں امن کے خواص پائے جاتے ہیں یعنی رتبہ ملائکہ یہی کمال سعادت ہے جو شخص ان باتوں کی معرفت حاصل کرلے اس کی غرض تناول طعام سے عبادت گزاری کا تقویٰ ہوتی ہے نہ کہ اس سے حظ نفس وہ کم خوری کی عادت کر لیتا ہے لامحالہ نائل پرواز ہوتا ہے اور اس کی حرص تیز نہیں ہونے پاتی وہ جانتا ہے کہ خواہش مباشرت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ جماع کی تحریک کرے جس سے نوع انسانی کی بقا کی حفاظت کا رشتہ وابستہ ہے اور تاکہ نکاح کی طلب پیدا ہو اولاد پیدا کرنے اور بدکاری سے بچنے کی غرض کے لئے نہ محض لہو ولعب اور حظ نفس حاصل کرنے کے لئے اور اگر لہولعب اور تمتع میں مشغول ہوا تو اس کا باعث محنت اور الفت ہوگی جو حسن صحبت اور دوام نکاح

Marfat.com

کی تحریک کرتی ہے وہ صرف اسی قدر شادیاں کرے گا جس قدر اس کے حقوق کی ادائیگی میں مزاحم نہ ہوں۔

جو شخص ان باتوں سے واقف ہو جائے اس کے لئے کم شادیاں کرنا آسان ہو جاتا ہے یہاں آدمی اپنی ذات کا شارع علیہ السلام کی ذات بابرکات پر خیال نہ کرے کیونکہ بیویوں کی کثرت حضور ﷺ کو ذکر الٰہی سے غافل نہ کر سکتی تھی اور نہ ہی آپ کو طلب دنیا پر مجبور کر سکتی تھی

جو شخص کثرت سے شادیاں کرتا ہے کہتا ہے کہ بیویوں کی کثرت حضور ﷺ کے لئے مضر تھی مجھے بھی ضرر نہ کریگی۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو خیال کرتا ہے کہ نجاست کا جو ڈھیر ایک بحر ناپیدا کنار کو متغیر نہیں کر سکتا اس سے سمندر میں سے ایک لوٹا بھر پانی بھی متغیر نہ ہوگا اور جو لذیذ اور مرغن غذائیں ایک قوی الجثہ جوان اور بھرپور شخص کو نقصان نہیں پہنچاتیں وہ ایک شیر خوار اور کمزور بچے کو بھی ضرر نہ کریگی بہت سے عقل کے دشمن برائی کے لیتے ہوئے اپنی ذات کو حضور ﷺ کی ذات پر قیاس کرتے ہیں کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بری طرح برباد ہوتے ہیں کہ نشان بھی نہیں ملتا نعوذ باللہ۔ خدا ہمیں کور باطنی سے محفوظ رکھے کیونکہ ظاہری اندھا ہونے سے بدتر ہے ظاہری آنکھ کا اندھا تو اپنے عجز اور بےبسی کا اعتراف کر لیتا ہے اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر سیدھے رستہ پر ہو لیتا ہے لیکن یہ باطن کے اندھے اس قدر فریب نفس میں گرفتار ہوتے ہیں کہ کسی صاحب نظر کی انگلی تھامنا ذلت سمجھتے ہیں پھر نہ ان کا نور تکمیل پاتا ہے نہ وہ سیدھے راستہ پر گامزن ہو سکتے ہیں ان کے مال کی خرابی یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہیں رہتی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوئے۔

میں نے بعض طبقہ عوام کے بےوقوفوں کو دیکھا کہ تصوف کے بارے میں اپنی رائے سے انکل پچو لگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ خواہشات اور شہوتیں پیدا ہی نہ کی جاتیں اگر ان کی پیروی مذموم اور مہلک ہوتی افسوس انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں شہوتوں کی پیدائش یعنی شرمگاہ اور شکم کی خواہشات کی خلقت میں دو زبردست حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

(اول) انسان کے وجود کی بقا بذریعہ غذا کے اور نوع انسانی کی بذریعہ جماع کے کیونکہ یہ دونوں اپنی ذات میں ضروری ہیں سنت الٰہی کے مطابق مشیت الٰہی کے ساتھ جاری ہیں جو نہ تبدیل ہو سکتی ہے نہ روکی جا سکتی ہے۔

(دوم) لوگوں کو سعادت اخرویہ کے حصول کی ترغیب دینا کیونکہ جب تک ان کو لذات و آلام کے ذریعہ سے تکلیف و آرام کا احساس نہ ہوگا اس وقت تک نہ وہ جنت کی رغبت

Marfat.com

کریں گے نہ دوزخ سے خوف کھائیں گے۔

اگر انھیں کسی ایسی چیز کا وعدہ دیا جائے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا تو ان کے نفوس پر اس کا خاک بھی اثر نہ ہوگا عفت کا بیان یہاں ختم ہوتا ہے۔

عدل، حکمت اور شجاعت اور عفت کی اس منتظم حالت کا نام ہے جس میں وہ مناسب طور پر ایک ترتیب واجب کے ساتھ مختار منقاد ہوں اصل میں یہ فضائل اخلاق کا جز نہیں بلکہ یہ عبارت ہے جملہ فضائل سے اس کی صورت یوں ہے کہ جب بادشاہ اس کے لشکر اور اس کی رعیت کے درمیان ایک عمدہ ترتیب قائم ہو بادشاہ صاحب بصیرت اور صاحب جبروت ہو اس کا لشکر طاقت ور اور اطاعت شعار ہو، اور رعیت مطیع و منقاد ہو تو کہا جائیگا کہ ملک میں عدل قائم ہے لیکن اگر بعض میں ضروری صفات موجود ہوں اور بعض میں نہ ہوں تو عدل کی موجودگی سے انکار کیا جائیگا مملکت بدن میں بھی ان صفات کے مابین اسی طور سے ہوتا ہے۔

نفس کے اخلاق میں عدل سے لامحالہ مراد یہ ہوگی کہ معاملات و سیاسیات میں توازن قائم ہو عدل کے معنیٰ ہیں ترتیب مستحب خواہ اخلاق میں خواہ معاملات میں یا ان اجزاء میں جن سے شہر و ملک کا قوام ہے۔

معاملات میں عدل غبن و تغابن کا درمیانی نکتہ ہے یعنی انسان وہ چیز لے لے جو لینے کے قابل ہے اور وہ چیز دیدے جو دینے کے لائق ہے غبن یہ ہے کہ ناجائز طور پر کوئی چیز لے لی جائے اور تغابن یہ ہے کہ کسی معاملے میں وہ شے دیدی جائے جس کا نہ اجر ہے نہ احسان سیاسیات میں عدل یہ ہے کہ شہر کے مختلف اجزا اس طرح مرتب کیے جائیں کہ شہر بلحاظ اس کے تعلقات کے اور باعتبار اپنے اجزاء کے تناسب کے اور بحساب اپنے ارکان کے تعاون کے حسب منشا طور پر ہو جائے یعنی اس کی اجتماعی حیثیت شخص واحد کی سی ہو ہر ایک چیز اپنے مناسب مقام پر رکھی جائے اس کے باشندوں میں بلحاظ طبقہ کے تقسیم کردی جائے کون شخص کون سی خدمت سرانجام دے گا کون خادم ہے اور کون مخدوم کس کس طریق سے خادم خدمت کرے گا اور کس کس عنوان سے مخدوم خدمت لے گا جیسا کہ ہم قوائے نفسانیہ کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔

عدل کے لئے افراط و تفریط کوئی شے نہیں اس کا مقابل خلق ایک ظلم ہے کیونکہ ترتیب اور عدم ترتیب میں کوئی درمیانی نکتہ نہیں اس قسم کی ترتیب اور عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں

Marfat.com

یہاں تک کہ تمام کائنات شخص واحد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے قویٰ اور اجزا سب ایک دوسرے کے معاون ہیں۔

اور اب جبکہ ہم یہ تمام امہات فضائل بیان کر چکے ہیں تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک فضیلت اور ذیلت بزرگی اور خرابی جس قدر فضائل اور ذائل کے اقسام وانواع ہیں ان کی تفصیل درج کریں۔

اس بارے میں قوت عقلیہ سے ابتدا ہوگی پھر قوت غضبیہ اور آخر میں قوت شہوانیہ کی باری آئیگی تاکہ ان کا بیان مکمل ہو جائے

فصل

فضیلت حکمت اور اسکی افراط وتفریط یعنی مکاری اور بیوقوفی

حکمت کے ماتحت حسن تدبیر جودت ذہن، نقایۃ الرائی اور صواب ظن کا اندراج ہوگا

حسن تدبیر سے مراد یہ ہے کہ تم عظیم الشان نیکیوں اور نیک اغراض کے حصول میں جو تدبیر منزل سیاست مدینہ دفاع دشمن اور رفع شر کے معاملات میں تم سے متعلق ہیں یا دوسروں سے استنباط نتائج کے ذریعہ ایسی صائب رائے قائم کرو جو افضل اور اصلح ہو غرض یہ کہ ہر ایک اور مہتم بالشان امر میں تمہیں یہ بات حاصل ہو لیکن اگر معاملہ حقیر اور آسان ہو تو اس کے متعلق جو غور وفکر ہوگا اسے حسن تدبیر نہ کہینگے اسے محض اندازہ کہہ دینا کافی ہوگا

جودت ذہن یہ ہے کہ جب رائیں مشتبہ ہو جائیں اور ان میں بحث ونزاع درپیش ہو تو درست فیصلہ دینے کی قابلیت حاصل ہو۔

نقایۃ رائے کا مفہوم ہے پیش آمدہ امور کے بارے میں جو اسباب وبواعث دلپسند نتائج برآمد کرنے والے ہوں اور ان پر تیز دستی سے پہنچ کر قائم ہو جانا۔

صواب ظن یہ ہے کہ بغیر دلائل کی اٹکل پچو لگانے کے مشاہدات پر بھروسہ کرتے ہوئے حق کی موافقت کی جائے۔

مکاری کے ماتحت حد سے زیادہ تیز فہمی اور فریب کاری کا اندراج ہوگا اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حد سے بڑھی ہوئی عقلمندی کے باعث کسی کام کے سرانجام دینے میں ایسے طرق کار سے کام لے جن کو وہ اچھا سمجھتا ہو لیکن حقیقت میں وہ اچھے نہ ہوں البتہ ان

Marfat.com

میں نفع خاصہ ہو اب اگر نفع خسیس ہو تو اسے فریب کاری کہیں گے حد سے زیادہ تیز فہمی اور فریب کاری میں فرق صرف ذلت اور شرافت کا ہے۔

سادہ لوحی کے ماتحت ناتجربہ کاری حماقت جنون کے نام آئینگے۔

ناتجربہ کاری۔ سلامت ذہن کے باوجود عملی باتوں میں بالجملہ قلت تجربہ کا نام ہے اگر ایک بات کا انسان کو تجربہ ہو چکا ہے تو وہ اس میں آزمودہ کار ہے ورنہ ناآزمودہ کار مجمل طور پر ناتجربہ کار شخص وہ ہے جس کو دنیا کے وسیع سمندر میں اتر کر اس کے معاملات کے تجربوں کا اتفاق نہ ہوا ہو۔

حماقت یہ ہے کہ انسان منزل مقصود پر پہنچنے کے درست راستہ کے تعین میں ہی غلطی کرے اور دوسرے راستے پر چل پڑے حماقت اگر پیدائشی ہو تو اسے حماقت طبعی کہیں گے اور یہ علاج پذیر نہیں[1] اور بعض اوقات کسی مرض کے باعث بھی ذہن بگڑ جاتا ہے اس لئے جب وہ مرض دور ہو جائے تو حماقت بھی دور ہو جاتی ہے۔

جنون: یہ فساد تخیل کا دوسرا نام ہے اس میں انسان ناقابل قبول شئے کو قابل قبول شے پر ترجیح دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا قرعہ انتخاب ہمیشہ غلط شے پر پڑتا ہے جنون کی خرابی اس کی غرض ہے اور حماقت کی خرابی کرنا کیونکہ احمق کی غرض وغایت بھی عاقل کی سی ہوتی ہے اس لیے ابتداء میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تو اس کی بے وقوفی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے جنون چونکہ فساد غرض ہے اس لئے شروع ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

فصل

فضیلت شجاعت کے ماتحت کیا کچھ درج ہوگا

شجاعت کے عنوان کے ماتحت جود وکرم، دلیری خودداری برداشت بردباری ثابت قدمی، شہامت قدر دانی اور وقار آتے ہیں۔

جود وکرم، کنجوسی اور اسراف کے بین بین ہے اس سے مراد ہے جلیل القدر اور عظیم النفع امور میں خوشی سے خرچ کرنا اس کو آزادہ روی اور حریت بھی نام دے لیتے ہیں۔

دلیری، یہ جسارت اور بزدلی کا درمیانی نکتہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت کے

[1] مطلب یہ کہ علاج بہت مشکل ہے ورنہ انسان میں ہر ایک کمال کی استعداد ہے۔

Marfat.com

وقت انسان بے دھڑک اور بے خوف ہو اور موت کے منہ میں جانے سے اس کا دل نہیں گھبرائے۔

خودداری۔ یہ تکبر اور ہیچ میرزی کے بین بین کا مقام ہے اس وصف کے ذریعہ انسان اس بات پر قادر ہو جاتا ہے کہ امور جلیلہ کو باوجود ان کو حقیر سمجھنے کے اپنی جان کا پیوند بنائے اس کا نشان یہ ہے کہ انسان علماء کی عزت کرنے میں خوشی حاصل کرے اور فرومایہ لوگوں کے اکرام و عزاز میں مسرت نہ پائے ادنیٰ امور میں اسے کوئی لطف نہ ملے اور نہ ہی اتفاقات حسنہ خوش نصیبی کے طور پر جو مفاد و منفعت حاصل ہو اس سے اس کے دل میں فخر اور خوشی پیدا ہو

برداشت۔ یہ جسارت اور بے صبری کے بین بین ہوتی ہے اس سے مراد ہے تکلیف دہ اور ایذا رسان امور سے نہ گھبرا جانا۔

حلم، ظلم وسفا کی اور بے غیرتی کے درمیان ہوتا ہے اس میں انسان کا دل وقار حاصل کر لیتا ہے۔

ثابت قدمی کے معنیٰ دل کا قوی ہونا ہے اور ہمت کا ہیٹانہ ہونا ہے۔

شہامت، سے مراد ہے حسن و خوبی کے حصول کی امید میں سرگرمی عمل میں حریص ہونا

قدردانی۔ بڑے بڑے کارناموں پر دل کا خوش ہونا۔

وقار یہ تکبر اور انکسار کے بین بین ہوتا ہے۔

وصف شجاعت کے دو کنارے ہیں اول تہور جنس ونامردی ان کے تحت میں چھچھورا پن اور خست، جسارت اور بزدلی اکڑفوں اور اہیچ میرزی، بے صبری اور حیز مزاجی سرد مزاجی تکبر اور کینہ پن، عجب و مہانت، کا اندراج ہوگا ان میں سے جو باتیں حد اعتدال سے زیادتی کی طرف مائل ہیں تہور کا حصہ ہیں اور جو حد اعتدال سے کمی کی طرف راجح ہیں جن کے ماتحت ہیں چھچھورا پن یعنی ناواجب امور پر جیسے زینت وغیرہ خرچ کرنا اور ان سے مقصود محض لاف زنی رکھنا۔

خست یعنی دنائت طبع ضرورت کے مقام پر نہ خرچ کرنا اور ادنیٰ باتوں میں فخر کرنا۔

جسارت، بے سود موت کی تلاش کرتے پھرنا موقع بے موقع جان پر کھیل جانے کو تیار رہنا۔

بزدلی جہاں ہلاکت کا خوف نہ کرنا چاہیے وہاں موت کے خوف سے کپکپی پیدا ہو جانا

اکڑفوں بغیر استحقاق کے بڑی بڑی باتوں کا اپنے تئیں اہل سمجھنا۔

Marfat.com

بیچ میرزی اپنے درجہ سے خود کو کم سمجھنا۔

جسارت، ہلاکت کی بے فائدہ باتوں میں تلاش کرتے پھرنا ضرورت بے ضرورت مرنے پر تیار رہنا۔

بے صبری، ایذا رساں اور رنج و آلام کے نام سے دم فنا ہونا۔

تیز مزاجی، فوراً غضبناک ہو کر بھڑک اٹھنا۔

بے غیرتی۔ کسی بات پر غصہ نہ ہونا خواہ کیسی ہی ذلت ہو جائے۔

تکبر۔ اپنے تئیں مقدور سے زیادہ بلند، مرتبہ سمجھنا۔

خست اپنے تئیں حد سے زیادہ ذلیل سمجھنا اگر مناسب حد تک ہو تو اسے منکسر مزاجی کہتے ہیں۔

نخوت تکبر سے پیدا ہوتی ہے اس سے مراد ہے اپنی حقیقت کو نہ پہچاننا اور ناحق خیال کرنا کہ میں اعلیٰ مرتبہ پر قائم ہوں۔

لوگ تکبر اور بخل کو کینہ پن اور فضول خرچی سے زیادہ ناپسند کرتے ہیں کیونکہ یہ سب برے وصف ہیں۔

خست اور فضول خرچی اگرچہ برے اوصاف ہیں لیکن یہ تواضع اور سخاوت سے مشابہت رکھتے ہیں اس لیئے پسند کیے جاتے ہیں پھر بھی حقیقت میں یہ اخلاق رذیلہ میں داخل ہیں اور اعتدال سے دور اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا طوبی لمن تواضع من غیر منقصة وذل نفسه من غیر مسكنة اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو مناسب انکسار کرے اور اپنے تئیں حقیر سمجھے لیکن مسکنت کا اظہار نہ کرے۔

فصل

عفت اور اس کے متعلق اخلاق رذیلہ کا اندراج

فضائل عفت میں حیا، شرمیلا پن مسامحت، صبر و سخا، حسن تقدیر انبساط، نرم خوئی، انتظام خوبصورتی، قناعت، استغنا، ورع، طلاقت مساعدت، رشک اور ظرافت شامل ہیں۔

حیا شوخی اور زنانہ پن کے درمیان ہوتی ہے اس کی تعریف یوں ہے کہ یہ ایک قسم کا رنج ہے جو کسی کے عیب چینی سے دل میں پیدا ہوتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک خوف ہے

Marfat.com

جو انسان کے دل میں اپنے سے بزرگتر کے سامنے فرومایہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بری باتوں کے پیش آنے سے چہرے پر جو انقباض پیدا ہوتا ہے وہی حیا ہے اور یہ تحفظ نفس ہے مذموم باتوں سے غرض یہ ہے کہ حیا کا استعمال بری باتوں سے گریز کرنے کے لئے ہوتا ہے جس چیز کو ایک شخص برا سمجھتا ہے اس سے اس کی طبیعت گھبرا سی جاتی ہے یہ موخر الذکر صورت لڑکوں اور عورتوں کے لئے زیبا ہے اور عقلمندوں کے لئے مذموم ہے شرم کی پہلی صورت سب سے اچھی ہے اور حدیث کا اشارہ اسی کی طرف ہے جب فرمایا: ان اللہ یستحی من ذی شیبة فی الاسلام ان یعذبه۔ کہ خدا مسلمان بوڑھے کو عذاب دیتے ہوئے شرماتا ہے یعنی اس کو عذاب دینا ترک کر دیتا ہے۔

شرمیلا پن، یعنی فرط حیا سے دل کا گھبرا جانا، مردوں کے سوائے لڑکوں اور عورتوں میں اس کا ہونا پسندیدہ امر ہے انسان اس سے شرماتا ہے جس کو دل میں اپنے سے بزرگ و برتر سمجھتا ہے انسانوں سے شرمانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ شخص لوگوں سے خود کو کمتر سمجھتا ہے اور جو شخص اللہ سے نہیں شرماتا تو اسکے معنیٰ یہ ہیں کہ جلالت مرتبہ کو نہیں پہچانتا اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا استحیوا من اللہ حق الحیاء اللہ سے اس کے حق کے مطابق شرم کرو، اس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے اولم یعلم بان اللہ یری۔ وہ نہیں جانتا کہ خدا دیکھ رہا ہے کیونکہ اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ خدا دیکھ رہا ہے تو اگر وہ دیندار اور خدا کی عظمت کو پہچاننے والا ہے تو ضرور شرم کھا جائیگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا ایمان لمن لا حیاء له جس شخص میں حیا نہیں اس میں ایمان بھی نہیں کیونکہ حیا انسان کے لئے عقل کا پہلا تقاضا ہے اور ایمان عقل کا آخری مرتبہ پھر جو شخص پہلا پہلا زینہ بھی طے نہیں کرتا وہ آخری زینہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے۔

مسامحت بعض حقوق کو خوش دلی سے چھوڑ دینے کا نام ہے یہ مناقشت یعنی حساب میں باریکی کرنے اور اہمال یعنی ترک کامل کے بین بین ہوتی ہے۔

صبر، نفس انسانی کا ہواء ہوس سے مقابلہ کرنا اور لذات قبیحہ سے دور رہنا۔

سخاوت فضول خرچی اور انتہائی کنجوسی کا وسطی مقام یعنی خرچ کرنے میں آسانی اور فضول شے کے حاصل کرنے سے اجتناب۔

حسن تقدیر، اخراجات میں بخل اور تبذیر سے احتراز کرتے ہوئے اعتدال اختیار کرنا

نرم خوئی، اشتیاق مشتہیات میں نفس شہوانیہ کا انداز پسندیدہ۔

Marfat.com

انتظامِ نفس کی وہ حالت جس میں اسے مناسب طور پر اخراجات کرنے کا اندازہ معلوم ہو جائے۔

خوبصورتی، جائز اور واجب زینت کا شوق جس میں رعونت کو دخل نہ ہو۔

قناعت، معاش حسن تدبیر جس میں فریب کاری کو دخل نہ ہو۔

استغنا، جو چیزیں لذات جمیلہ سے انسان حاصل کر چکا ہے اس پر دل کا قانع ہو جانا

ورع، ریاکاری اور رسوائی کے بین بین یعنی اعمال صالحہ کے ساتھ نفس کو مزین کرنا

کمال نفس اور قرب الٰہی کی طلب کے لئے اس میں نہ ریاء کو دخل ہوتا ہے نہ اعلان کو۔

طلاقت، بامذاق، خوش مزاجی جس میں فحش اور افترا کو دخل نہ ہو جدل ہزل کی افراط وتفریط کے درمیان وسطی مقام ہے۔

ظرافت ترش روئی اور مسخراپن کے بین بین ہوتی ہے یعنی انسان مجلس میں حفظ مراتب کا لحاظ رکھے اور خوش طبعی کا موقع محل دیکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرے اور ہر ایک شخص سے اس کی اہلیت کے موافق پیش آئے جب ایک آدمی کا دل چاہے کہ میں ہنسی مذاق کے ذریعہ دل خوش کروں، تو اسے دس باتوں میں سے ایک کا خیال رکھنا ضروری ہے اسے محبت اور پاکیزہ مزاج سے جو مسخرگی اور بے ہودگی کی حد تک نہ پہنچے اور صرف اتنی مقدار میں جس سے پریشانی طبع دور ہو جائے کام لینا چاہیے لغوگوئی اور تمسخر سے کامل احتراز کرنا چاہیے حضور ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خوش طبعیوں کا مذکور کتابوں میں درج ہے جس سے اس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے اس لئے ہمیں اس موضوع کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔

مسامحت: سرکشی اور چاپلوسی کے درمیان کا وسطی نکتہ یعنی قابل عمل امور میں انکار اور مخالفت چھوڑ کر لوگوں کے آرام کے لئے اپنا فائدہ ترک اور ان کا کام کر دینا۔

رشک: حسد اور شماتت کے مابین، یعنی غیر مستحق لوگوں کی آسائش اور کامیابی پر اور مستحق لوگوں کی تکلیف اور ناکامی پر اندوہ گین ہونا۔

عفت: کی افراط وتفریط کے ماتحت حسب ذیل امور درج ہونگے بے حیائی، زنانہ پن فضول خرچی، کنجوسی، ریاکاری، ذلت پسندی، ترش روئی، بے ہودگی چھچھورا پن، بدمزاجی تملق، حسد اور شماتت۔

بے حیائی: علانیہ برے کاموں کی پیروی کرنا، بے عزتی اور مذمت کا خوف کئے بغیر۔

Marfat.com

زنانہ پن۔انسانی طبیعت کی وہ حالت جس میں انسان فرطِ حیا سے قولاً اور عملاً کھل نہ سکے۔

فضول خرچی: عام طور پر مال خرچ کرتے وقت نہ موقع کا لحاظ کرنا، نہ بات کا دھیان اور دولت برباد کیے جانا۔

کنجوسی: جہاں مال خرچ کرنا واجب ہے، وہاں ہاتھ کھینچ لینا، اس کے تین اسباب ہیں بخل شح اور لئامت، ان میں سے ہر ایک کا ایک رتبہ ہے۔

بخیل تو وہ ہوتا ہے جو خرچ کرنے میں حد سے زیادہ کمی کرتا ہے اس خوف سے کہ تنگدست اور مفلس ہو جاؤنگا تو کھاؤنگا کہاں سے اور ایسا نہ ہو کہ دشمن ذلیل کر ڈالیں بخل کا سبب خیال کی بزدلی ہے۔

شحیح وہ ہوتا ہے جس میں تنگدستی کو بے وجہ خوف اور دشمنوں کے ڈر کے ساتھ اسے دوسروں کی حالت کی بہتری ناپسند ہوتا کہ محتاج لوگ مجبور ہو کر اس کے پاس آئیں اور اس کو اس طرح مرتبہ اور رفعت حاصل ہو اس کا باعث جہالت ہے۔

لئیم، اس میں مذکورہ بالا سب بداخلاقیاں جمع ہوتی ہیں اور ان پر مستزاد یہ بات ہوتی ہے کہ وہ حقیر باتوں میں شرم نہیں کرتا اس کا سبب خباثت نفس کی ایک قسم ہے اس کی مثال چور اور دیوث کی سی ہے۔

ریاکاری: نیک اعمال میں لوگوں کی مشابہت اس لیے کرنا کہ لوگ سنیں اور تعریف کریں اور عزت کریں۔

ذلت پسندی: نیک اعمال کے ذریعہ روح کو زینت دینے سے اعراض کرنا اور بد اعمالی کا ارتکاب۔

ترش روئی: متانت کی حد افراط۔

بے ہودگی: حد سے زیادہ مسخرگی۔

چھچھوراپن: انیس اور دوست کی ملاقات پر حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرنا۔

اندوہ گینی: مجلس میں بیٹھ کر اندوہ گین سا رہنا۔

بدمزاجی: لوگوں سے خلاف انسانیت سلوک کرنا۔

بدمزاجی: لوگوں سے خلاف انسانیت سلوک کرنا۔

تملق: لوگوں سے اس درجہ عاجزی اور خوشامد سے پیش آنا کہ گویا استحقاق اور

Marfat.com

ذلت کی پرواہ ہی نہیں ہے۔

حسد: مستحق لوگوں کے آسائش اور کامیابی دیکھ کر پیچ وتاب کھانا اوران کے زوال عز وجاہ کا آرزومند ہونا۔

شماتت: نالائق لوگوں کونقصان اور تکلیف پہنچتے دیکھ کر خوش ہونااور ملامت کرنا۔

عفت: کا اعتدال ان تمام اخلاق فاضلہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کے بالکل مقابل کی حالت جملہ اخلاق رذیلہ کے مجموعہ کا نام ہے۔

ان اخلاق میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی تعریف کے متعلق احادیث واخبار میں تحریک امیز احکام نہ صادر ہو چکے ہوں اور اخلاق رذیلہ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس سے متعلق تنبیہ اورزجر توبیخ کے لئے اخبار واحادیث میں بیان موجود نہ ہو اس لئے ہم اس بارے میں گفتگو کر کے تجربہ کوطول دینا نہیں چاہتے جوشخص ان کا طالب ہو اسے عادات وآداب نبی ﷺ اور حالات صحابہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کتابوں کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

اس تذکرہ سے ہماری غرض یہ ہے کہ انسان ان تینوں قوتوں کے سبب سے ان اخلاق کے قریب ہوتا ہے اوران میں سے ہرایک کی دو جانیں ہیں اوران کے درمیان ایک مقام اوسط ہے اب انسان اس بات پر مامور ہے کہ وہ ان سب میں افراط وتفریط کے دونوں کناروں کے درمیان توسط اور استقامت اختیار کرے یہاں تک کہ جب اسے یہ سب باتیں حاصل ہو جائینگی تو اس کا کمال مرتبہ تکمیل کو پہنچ جائیگا اور یہ کمال اسے خداوند جل وعلیٰ کا قرب بلحاظ رتبہ عطا فرمائیگا لیکن مکانی قرب جیسے ملائکہ مقربین کو میسر ہے اسے نہیں ملے گا بہائے اعظم اور کمال تم تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

موجودات میں سے ہرایک شے کمال ممکن کی اشتیاق ہےاور یہی غایت مطلوبہ ہے تو اگر اسے پالیا تو وہ اپنے سے اسے اوپر کے عالم میں جا پہنچا اور اگر ناکام ومحروم رہا تو اس غار عمیق میں جا پڑا جو اس کے نیچے ہے اس طرح جب انسان اس کمال کو حاصل کر لیتا ہے توافق ملائکہ پر اللہ کے قرب کے مقام سے ملحق ہو جاتا ہے اور یہی اس کی سعادت ہے یا جب وہ شہوت وغضب کے اخلاق رذیلہ کو قبول کر لیتا ہے جو اس کے اور بہائم کے درمیان مشترک ہیں اور یہی اس کی شقاوت ہے۔

اس کی مثال رہوار سبک کی سی ہے کہ اس کا کمال تیز رفتاری ہے اگر اس سے یہ بن نہ

Marfat.com

آئے تو اپنے مرتبہ سے گر جاتا ہے پھر لوگ اس پر بوجھ لادتے اور گھاس چارہ ڈھوتے ہیں انسان کے لئے کمال کے مراتب ان اخلاق اور غیر محصر علوم کے مطابق ہوتے ہیں اسی لئے آخرت میں لوگوں کے درجات بھی مختلف اور متفاوت ہونگے جس طرح دنیا میں پیدائش اخلاق ثروت اسائش اور دوسرے تمام حالات کے لحاظ سے لوگوں کے مراتب الگ الگ ہوتے ہیں۔

فصل

وہ بواعث جو نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں یا ان سے روکتے ہیں

دنیوی نیک کاموں کے محرکات کی تین اقسام ہیں۔ اول ترغیب و ترہیب جن کے ذریعہ حال کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے اور انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔

دوم تحسین، اور شاباش کی امید اور مذمت و ملامت کا خوف۔

سوم طلب فضیلت و کمال نفس کا شوق۔

ان میں سے پہلی قسم خواہشات کا اقتضا ہے اور عوام کا رتبہ اس سے متعلق ہے۔

دوم کا حیا اور مبادیات عقل تقضا کرتی ہیں یہ نوع سلاطین وملوک اکابر دنیا اور عقلا میں سے اکثر کو مشتمل ہے ان کی نسبت بھی عوام کی طرف ہے۔

سوم، کمال عقل کا اقتضا ہے اور اولیاء حکماء اور محقق عقلا کا فعل ہے اسی تفاوت مراتب کے متعلق ہی کہا گیا ہے کہ سب سے بہتر چیز جو انسان کو دی گئی عقل ہے جو اس کی رہنمائی کرتی ہے اگر یہ نہ ہو تو حیا ہے جو اسے ممنوعات سے روکتی ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو خوف ہے جو اسے بدعملیوں سے باز رکھتا ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو مال ہے جو اس کے عیوب کو چھپا لیتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر بجلی چاہیے جو اس پر گرے اور جلا کر راکھ کر دے تاکہ زمین اور اہل زمین اس کے وجود سے نجات پائیں۔

یہ تفاوت اور اختلاف انسان کے بچپن سے بڑھاپے تک اس کے ساتھ رہتا ہے کیونکہ بچپن میں نہ تو زجر و توبیخ ہی ممکن ہے نہ تحسین اور ملامت کے ذریعہ برانگیختہ کرنا بلکہ اگر لذیز کھانے پینے کی چیز سامنے لادی جائے یا دو چار تھپڑ رسید کیے جائیں تو البتہ اس کا احساس چمک اٹھتا ہے جب تمیز حاصل کر کے سن بلوغ کے قریب پہنچتا ہے تو زجر ممکن ہے اور مدح و ذم

Marfat.com

کے وسیلہ سے تحریک بھی اس کو زجر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے ان لوگوں کی مذمت کی جائے جو جھڑکی کے تختہ مشق بنتے ہیں اور اس کی برائیاں بیان کی جائیں اور اسے ادب وغیرہ سکھانے کی صورت یہ ہے کہ با ادب لوگوں کی کثرت سے تعریف وتوصیف اور بے ادب کی اکثر مذمت بیان کی جائے اس سے اس کے دل پر کافی اثر پڑیگا اور اس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا اکثر لوگ ان دو مراتب سے آگے بڑھ کر تیرے درجہ تک نہیں پہنچے ان کی ترقی اور تنزل انہیں محرکات اور متفرقات کی رہین منت رہتی ہے۔

تیسری قسم نہایت معزز ہے اور یہی حال آخرت کی نیکیوں کا ہے ان میں بھی اسی طرح لوگ متفاوت ہوتے ہیں کیونکہ آخرت اور دنیا میں کوئی فرق نہیں سوائے تاخیر وتقدیم کے بہر حال نیکی جلد یا بدیر حاصل ہونے والی ہر ایک عقلمند کی مطلوب ومقصود ہے اس کی طلب کے محرک امور گنتی میں نہیں سما سکتے البتہ اقسام کی ترتیب کے لحاظ سے جو لوگ اللہ کی اطاعت اور ترک معصیت کرتے ہیں ان کے تین مرتبے ہیں:

اول جو لوگ خدا کے بتلائے ہوئے ثواب کی رغبت رکھتے ہیں جس میں جنت داخل ہے یا خدا کے عقاب موعود سے خوف کھاتے ہیں جس میں دوزخ شامل ہے یہ قسم عام ہے اور اس میں اکثر لوگ داخل ہیں۔

دوم خدا کی خوشنودی اور شاباش کی امید اور اس کی ناراضی اور مذمت کا خوف یعنی شرعی لحاظ سے مدح وذم یہ صالحین کا مرتبہ ہے اس میں مرتبہ اول سے کم لوگ شامل ہیں۔

قسم سوم، یہ بہت بلند رتبہ ہے یعنی جو شخص صرف قرب الٰہی کا آرزومند ہے اس کی رضا کا طالب ابتغاء وجھہ پر عامل اور زمرہ مقربین الٰہی ملائکہ مقربین سے ملحق ہونے کا متمنی ہے۔

یہ درجہ صدیقوں اور انبیاء کا ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ ان بزرگ نفس لوگوں کے ساتھ اپنی جان کو ملا دو جو اللہ کی عبادت صبح وشام کرتے ہیں اور صرف اسی کی رضا مندی کے طالب ہیں ایک چوتھا گروہ بھی ہے جو کہتے ہیں کہ تم خداوند سے جنت کے طلبگار نہ ہو ان میں سے بعض تو یہاں تک بھی گئے ہیں کہ جو شخص خدا کی عبادت کسی عوض کے لیے کرتا ہے وہ لئیم ہے چونکہ عقل ضعیف ہے اس لئے اس قول کی معانی کو کنہ سمجھنے سے قاصر ہے اور اکثر عقلیں کمزور ہی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ پیدا فرمائے اور

Marfat.com

وعدہ اور وعید سے مخلوق کو ڈرایا اور رغبت دلائی اور نہایت شرح وبسط سے ان کا بیان کیا لیکن مذکورہ بالا معانی کا صرف اشارۃً ہی ذکر کیا ہے مثلاً فرمایا یریدون وجھہ اور وعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمت تیار کر رکھی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں تصور آیا جانب الٰہی سے پھرنے والی دو چیزیں ہیں تصور اور تقصیر۔ اور تقصیر مرض مانع اور قوت نفس اور اہل وعیال وغیرہ کی طلب میں ضروری شغل یہ قابل درگزر اور غیر مذموم ہے اس میں خرابی صرف یہ ہے کہ انسان اسمیں ذروہ کمال سے محروم رہتا ہے اس کا علاج صرف خدا کی جانب رجوع کرنا اور اس سے دعا کرنا ہے کہ اپنے فضل وکرم سے ان رکاوٹوں کو دور فرمائے۔

تقصیر کی دو قسمیں ہیں جہالت اور شہوت غالب ان میں سے جہالت یہ ہے کہ خیر اخروی اور اس کی شرف وبزرگی کی پہچان ہی حاصل نہ ہو نیز ان کے مقابلے پر تمام دنیا اور اس کے ساز وسامان کو حقیر سمجھنے کا داعیہ نہ پیدا ہو اس کے دو مراتب ہیں۔

(اول) یہ کہ اس جہالت کا باعث غفلت اور کسی قابل رہنما کی ملاقات نہ ہونا ہے اس کا علاج سہل ہے اس کے لئے چاہیے کہ ہر ایک مقام میں علماء اور واعظوں کی ایک جماعت ہو جو مخلوقات کو غفلت وخود فراموشی سے پیدا کرتے ہیں اور دنیا کی طرف سے ہٹا کر آخرت کی جانب ان کا رخ پھیرتے رہیں لیکن انھیں دنیا کے اکثر واعظوں کا سا اسلوب کا اختیار نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس طرح تو لوگ معاصی پر دلیر ہو جاتے ہیں اور دین ان کے نزدیک حقیر ہو جاتا ہے۔

(دوم) یہ کہ لوگوں کے اعتقاد میں داخل ہو جانے کی سعادت یہی دنیوی لذات اور موجودہ عیش واقبال ہے اور آخرت کی کوئی اصل نہیں یا یہ کہ ایمان ہی تنہا نجات کو کافی ہے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے اس کے عمل خواہ کچھ ہی ہوں، یا یہ گمان خدا کے عفو پر ہی تکیہ نجات کا باعث ہوگا۔ اور اللہ کریم ورحیم ہے اسے گنہگاروں کے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اس لئے وہ ضرور ان پر رحم کرے گا اسی قسم کی بہت سی حماقتیں ہیں جنہوں نے اکثر لوگوں کو حسن عمل سے محروم رکھا ہے اور انہیں ارتکاب معاصی پر دلیر اور بے باک کر دیا ہے تو جو شخص خیال کرتا ہے کہ آخرت کی کوئی اصل نہیں یہ صحیح اور کفر محض ہے اور گمراہی خالص جب جب اور جس جس کے دل میں یہ اعتقاد راسخ اور پختہ ہوا اس میں سے انسانیت پرواز کر گئی اور وہ یقیناً ہلاک ہو گیا اور جو

Marfat.com

شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ مجرد ایمان ہی سے اسے بس کرنا ہے تو یہ ایمان کی حقیقت سے جہالت ہے اور حضور ﷺ کے فرمان مبارک سے روپوشی ہے من قال لا الہ الا اللہ مخلصا دخل الجنۃ اخلاص کا مطلب یہی ہے کہ اعتقاد و عمل قول کے مطابق ہو تا کہ انسان منافق نہ ہو اور اس کا سب سے نچلا درجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو اپنا خدا نہ بنائے تو جس شخص نے اپنی خواہشات کی اتباع کی اس نے انہیں اپنا معبود بنالیا اور اس فعل نے اس کے قول لا الہ الا اللہ کو غلط قرار دیا اور وہ اخلاص کے منافی ہوا اور جو شخص خیال کرے کہ سعادت اخروی صرف لا الہ الا اللہ کہہ دینے سے حاصل ہو جاتی ہے بغیر معاملہ کی حقیقت معلوم کیئے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس شخص کا گمان ہو کہ کھانا صرف کہہ دینے سے کہ اس میں گڑ ڈالا گیا ہے میٹھا ہو جائیگا خواہ اس میں گڑ نہی ڈالا گیا ہو یا بچہ پیدا ہو جائیگا صرف کہہ دینے سے کہ میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا حالانکہ ہمبستر نہ ہوا ہو۔ اور صرف کہہ دینے سے کہ میں نے اناج بویا حالانکہ اس نے بویا نہ ہو فصل پیدا ہو جائیگی جس طرح یہ تمام مقاصد اسباب کا تہیہ کیے بغیر حاصل نہیں ہوتے خوب یاد رکھو کہ امر آخرت بھی اسی طرح ہے کیونکہ امر آخرت وامر دنیا ایک ہی ہے صرف زبانی لحاظ سے اس کو آخرت پکارا گیا ہے کیونکہ وہ اس دنیا کے بعد آئیگی ماں کے پیٹ سے نکل کر فضائے عالم میں آنے کا وقت شکم مادر کے اندر ہونے کے زمانہ کے اعتبار سے آخرت ہے سن بلوغ کو پہنچ کر تمیز کی عمر کو پہنچتا ہے اس سے قبل کی زندگی کے لحاظ سے آخرت ہے اور سن بلوغ سے گزر کر رتبہ عقلا میں قدم رکھنا اضافی طور پر اس سے قبل کے زمانے کی نسبت آخرت ہے مخلوقات کے اندر اسی قسم کا ہیر پھیر ہے۔

موت بہت سی حدود فاصل میں سے ایک حد فاصل ہے اور ترقی کی ایک اور قسم اور ایک اور عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کی ایک نئی صورت جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا القبر حفرۃ من حفر النار او روضۃ من ریاض الجنۃ آغوش لحد یا تو ایک گڑھا ہے یا ریاض جنت میں سے ایک چمنستان، یا بالفاظ دیگر موت صرف تبدیل منزل ہے جس طرح ایک بھوکا پیاسہ شخص جو رحمت و نعمت الہی کے بھروسے پر توکل کر کے بیٹھا رہتا ہے اور پانی پینے اور کھانہ کھانے کا طریقہ عمل میں نہیں لاتا لازمی طور پر ہلاک ہو جائیگا ....اور جو شخص مال کی جستجو میں خدا کا بھروسہ کر کے پاؤں توڑ کر بیٹھ رہتا ہے اور جدو جہد اور سعی و کوشش نہیں کرتا مال و دولت حاصل نہیں کر سکتا وہ نامراد رہتا ہے............اسی طرح جو لوگ آخرت کے طلبگار ہیں پھر کوشش بلیغ سے کام لیتے ہیں اور

Marfat.com

وہ مومن بھی ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی شکور اور جن کی جدوجہد کامرانی سے ہم آغوش ہوتی ہے اس لئے خداوند جل وعلانے اس حقیقت کو عالم آشکارا کیا اور فرمایا وان لیس للانسان الا ماسعی انسان صرف وہی کچھ پاسکتا ہے جس کے لئے کوشش کرے۔

جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بہائے اکمل اللہ ہی کے لئے ہے اور سعادت اخروی کا راز قرب الٰہی میں مضمر ہے اور یہ قرب مکانی نہیں یہ حسب امکان اکتساب کمال کا ہی دوسرا نام ہے اور کمال نفس حسن اخلاق کے ساتھ علم وعمل اور حقائق امور سے واقفیت حاصل کرنے سے ہی ملتا ہے تو جو شخص کمال نفس ہی حاصل نہ کریگا وہ قرب الٰہی سے کیسے فائز المرام ہوگا۔

اور جو شخص چاہے کہ میں بادشاہ کا کسی علم کے ذریعہ مقرب ہو جاؤں اگر وہ بیکار بادشاہ کے احسان وکرم پر توکل کر کے گھر بیٹھ رہتا ہے اور طلب علم میں کوشش کرنے میں راتیں آنکھوں میں نہیں کاٹتا اور صرف فضل الٰہی پر اعتماد کرتا ہے کہ ایک رات سوئیگا اور جب صبح جاگیگا تو اہل دنیا سے افضل وبرتر ہو جائیگا کیونکہ خدا تعالیٰ کا فضل وسیع تر ہے اور اس کی قدر بہت زبردست ہے تو کہا جائے گا کہ اس شخص کا یہ فعل سراسر باطل اور حماقت پر مبنی ہے اور خالی خولی دعویٰ ہے یہی حال اس شخص کا ہے جو خیال کرتا ہے کہ سعادت اخروی بےکار بیٹھ رہنے اور فضول وقت ضائع کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

فصل

خیرات وسعادت کی قسمیں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتیں اگرچہ نہایت بےحساب ہیں لیکن وہ تمام پانچ انواع میں منقسم ہیں۔

(اول) سعادت اخروی یعنی بقائے غیر فانی، وہ مسرت وسرور جس میں غم نہیں اور علم جس میں جہالت نہیں غنا جس میں فقر وتنگدستی نہیں اس سے ہم آغوش ہونے کے لئے اللہ کی امداد واعانت درکار ہے یہ نوع ثانی کے وسیلے سے تکمیل پذیر ہوتی ہے۔

(نوع ثانی) فضائل نفسی وروحی، جن کا ہم مفصل ذکر عقل کے امور چہارگانہ میں کر چکے ہیں یعنی عقل کا کمال علم ہے عفت کا کمال ورع وتقویٰ ہے شجاعت کا کمال مجاہدہ ہے اور عدالت کا کمال انصاف ہے یہی تحقیقی طور پر دین کے اصول ہیں۔

Marfat.com

یہ فضائل نوع ثالث سے کامل ہوتے ہیں یعنی فضائل بدنی وجسمی سے اور یہ چار امور پر مشتمل ہیں، صحت، قوت، خوبروئی، اور طول عمران کی تکمیل نوع چہارم سے ہوتی ہے نوع چہارم انسان کے ماحول کے فضائل ہیں ان کا احاطہ بھی چار قسمیں کرتی ہیں مال ومنال، اہل وعیال عزت اور شرافت خاندانی، ان چہارگانہ اقسام وانواع میں سے کسی ایک سے بھی پوری طرح منقطع ہونے کے لئے ایک پانچویں نوع بھی لازمی ہے یعنی فضائل توفیقی یہ بھی چار ہیں ہدایت الٰہی، ارشاد خداوندی، تائید ربی، اور تسدید الٰہی۔

سعادت اخروی کو چھوڑ کر یہ سولہ سعادتیں ہیں ان میں سے کسی ایک کے اکتساب کے لئے سوائے فضائل نفسی کے اجتہاد کو کسی میں دخل نہیں فضائل نفسی کے اکتساب کی صورت اوپر گزر چکی ہے۔

اب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ خیرات اور نیکیاں پانچ ہیں یعنی اخروی، نفسی، بدنی خارجی اور توفیقی ان میں سے ہر ایک دوسرے کی محتاج ہے مثلاً فضائل نفسی کے بغیر نعیم اخرت کا حصول ناممکن ہے اور صحت بدنی کے بغیر فضائل نفسی سے ہمکنار ہونا خواب وخیال سے زائد نہیں، یہی حال فضائل خارجی کا ہے کیونکہ اگر مال ودولت وغیرہ حاصل ہوں تو فضائل خارجہ کی جانب گامزن ہونے میں ہزاروں مواقع سدراہ ہو جاتے ہیں اگر تم کہو کہ فضائل خارجہ کے حصول کے لئے مال اہل وعیال عزت اور خاندانی شرافت کی کیا ضرورت ہے تو خوب یاد رکھو کہ ان امور کی مثال دست وبازو اور ہتھیار کی سی ہے جن سے مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

مثلاً مال ودولت کو لیجئے تنگدست اور محتاج کا طلب کمال میں نکلنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ہتھیاروں کے بغیر میدان جنگ میں ھل من مبارز کا نعرہ مارتا ہے یا جیسے باز جو پروں کے بغیر شکار کا قصد کرتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نعم المال الصالح للرجل الصالح صالح آدمی کے لئے مال صالح ایک نعمت ہے پھر فرمایا تقویٰ کے لئے سب سے اچھا مددگار مال ہے کیونکہ جو شخص فقیر وتہی دست ہے اس کا تمام وقت قوت لباس مسکن اور دوسری ضروریات معیشت کی تلاش میں بسر ہوگا ایسا علم جو افضل فضائل ہے کہ حصول کے لیے تگ ودو کرنے کا موقع وفرصت ہی نہ ملیگی پھر وہ فضائل حج صدقہ زکوٰۃ اور دوسری نیکیاں حاصل کرنے سے محروم رہے گا اور نیک بیوی اور بچوں کی ضرورت تو صاف ظاہر ہے صالح بیوی خاوند کی کھیتی ہے اور اس کے دین کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے فرمایا آقا دوعالم ﷺ نے نعم العون علی الدین المراۃ الصالحۃ صالح بیوی دین میں اچھی مددگار ہے اور

Marfat.com

اولاد کے متعلق فرمایا اذا مات الرجل انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریہ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ آدمی جب مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں بجز تین کے ۱صدقہ جاریہ ۲علم نافع اور ۳اولاد صالح جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہتی ہے جب کسی شخص کے اہل وعیال اور اس کے خویش واقرباز یادہ ہو جاتے ہیں تو وہ اس کے لئے کانوں، آنکھوں، اور دست وبازو کا کام دیتے ہیں ان کے سبب سے اس کے دنیوی امور میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر وہ منفرد اور تنہا ہوتا تو اس کو یہ وسعت وفراغت حاصل نہ ہوتی جب دنیا کے ضروری اشغال میں تخفیف واقع ہو جاتی ہے تو دل کو بھی عبادت وعلم کے لئے فراغ کامل ملجاتا ہے اور اس طرح اسے دین کے بارے میں قدر اعانت میسر ہو جاتی ہے عزت وقوت سے انسان لوگوں کی آزادی کی مدافعت کرتا ہے مسلمان ان سے منکر نہیں ہوسکتا کیونکہ جاہ ومال کے بغیر دشمنوں کا وجود اس کے لئے لازمی ہے اور ایسی ظالم ہستیاں بھی ضرور ہونگی جو اس کے وقت کو ضائع اور اس کے دل کو مشوش کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہونگی اس لئے کسی کا مقولہ ہے کہ دین اور سلطنت توام یعنی لازم وملزوم ہیں اور دین قلعہ ہے اور حکومت اس کی پاسبان۔

جس عمارت کی حفاظت نہ کی جائے وہ منہدم، اور جس چیز کا پاسبان نہیں وہ ضائع ہو جاتی ہے اس لئے بارگاہ ایزدی کا فرمان ہے ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض۔ اگر اللہ تعالیٰ ایک کی دوسرے سے مدافعت نہ کراتا تو زمین فتنہ وفساد سے بھر جاتی۔

غرض یہ ہے کہ اذیت کی مدافعت عبادت کے لیئے فراغ قلب کے واسطے ناگریز ہے یہ بات عزت وغلبہ وقوت کے ذریعہ ہی پوری ہوسکتی ہے جس طرح نیکی کی منزل پر پہنچانے والی چیز بھی نیکی ہے اسی طرح نیکی سے روکنے والے امور کی مدافعت بھی بذات خود نیکی ہے۔

اب رہی خاندانی وجاہت وشرافت تو آبائی عزت ناقابل وقعت سی شے ہے کہتے ہیں کہ انسان کی شرافت اس کی اپنی ذات سے ہے اور لوگ اپنے نیک اعمال کے بیٹے ہیں مجھے اپنی عمر کی قسم ہے حسب خاندانی شرافت بغیر شرافت ذاتی کا مقابلہ ذاتی شرافت کا مقابلہ ذاتی شرافت بغیر خاندانی شرافت کیا جاتا ہے تو خاندانی شرافت بھی حقیر اور کم وقعت ہو جاتی ہے لیکن جب ذاتی شرافت بھی حاصل ہو تو شرافت نسبی کی فضیلت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ امامت میں جب بھی حسب ونسب کی شرط اور قید لگا دی گئی ہے حدیث میں ہے

Marfat.com

الائمۃ من القریش امام قریشی نسل ہوا کریں اور کیوں نہ ہوں اخلاق مزاجوں اور طبیعتوں کی اتباع کرتے اور اصول سے فروغ کی جانب چلتے ہیں اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا تمضیر ذالنطفکم اور ایاکم وخضرار لا من یعنی خوبصورت بداصل عورت سے بچو۔

شرافت بھی ایک سعادت ہے لیکن ہماری مراد یہ نہیں کہ ابنائے دنیا اور امراو رؤسا سے نسبی تعلق ہو بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ نیک پاک باز اور علم و عبادت اور عقل سے مزین بزرگوں سے انتساب ہو۔

اگر تم پوچھو کہ فضائل جسمی کی کیا ضرورت ہے تو ہم کہیں گے، کہ صحت و قوت اور طویل عمر کی بے شک حاجت ہے۔ بعض لوگ خوبروئی کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فضائل جسمی کے لئے یہی کافی ہے کہ جسم امراض سے محفوظ و سلامت ہو، تا کہ فضائل کے حصول میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ مجھے اپنی عمر کی قسم ہے کہ خوبصورتی کی واقعی تھوڑی ضرورت ہے۔ تاہم یہ بھی ایک سعادت اور خیر ہے۔ دنیوی لحاظ سے تو ہر ایک شخص جانتا ہے۔ اور اخروی اعتبار سے دو طریق پر (اول) بدصورتی مذموم ہے اور طبیعتیں اس سے نفرت کرتی ہیں حسن ایک طاقت ہے حسین کی ضروریات جلد پوری کی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے خوبصورتی بھی ایک کامیاب ذریعہ اور حربہ ہے۔ جیسے مال اور جو شے دنیوی حاجتوں کے پورا کرنے میں معین و مددگار ہے وہ آخرت میں بھی ممد و معاون ہے کیونکہ آخرت کی منزل پر بھی دنیوی اسباب کے ذریعہ ہی پہنچا جاتا ہے۔

(دوم) حسن عام طور پر خوبیٔ روح پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ روح کی روشنی کی نورانیت جب کامل ہو جاتی ہے تو اس کا پرتو بدن پر پڑنا شروع ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر اس کے باطن کا گواہ ہے۔ اسی لئے اصحاب فراست قیافہ سے اخلاق باطنی کے لئے استدلال کیا کرتے ہیں، آنکھ اور چہرہ باطن کا آئینہ ہیں، اسی لئے ان میں غصہ اور شرارت کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ چہرے کی حالت عنوان ہے دل کے خیالات کا، اور زمین کا اندر اگر بری شے ہے تو یقین جانو کہ اس کی سطح پر اس سے بدتر ہوگی۔

ایک دفعہ مامون رشید ایک لشکر بھرتی کر رہا تھا۔ ایک کمزور شخص اس کے سامنے حاضر ہوا۔ مامون نے اس سے گفتگو کرنی چاہی تو وہ گونگا نکلا، اس نے اس کا نام کاٹ دیا اور کہا یہ روح کی بدی جب ظاہر پر توفگن ہو جائے تو یہ باعث ذلت ہے لیکن یہاں نہ اس کا ظاہر ہے نہ باطن" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطلبوا الحاجۃ عند احسان الوجوہ "خوبرو لوگوں سے ضرورت طلب کرو۔ پھر فرمایا اذا بعثتم رسولا فاطلبوا حسن الوجہ

Marfat.com

وحسن الاسم ۔ جب تم کہیں ایلچی بھیجنے لگو تو اس شخص کا انتخاب کرو جو سب سے خوبصورت اور جس کا نام بھی عمدہ ہو۔

فقہاء کا قول ہے کہ جب تمام نمازی درجات و مراتب کے لحاظ سے مساوی ہوں تو امامت کے لئے سب سے زیادہ خوبصورت شخص اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جسمانی خوبی کا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا وزادہ بسطـہ فی العلم والجسم جالوت علم اور جسامت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھے۔

خوبروئی سے ہماری مراد وہ جمال و حسن نہیں جو محرک شہوت ہو۔ کیونکہ یہ تو نسائیت ہے ہمارا مطلب یہ ہے کہ بلند و بالا قد ہو گوشت اور پوست معتدل ہو۔ اعضا متناسب ہوں، چہرہ ایسا بھلا اور سہانا ہو کہ نگاہ پر بار نہ ہو۔

اب تم پوچھتے ہو کہ فضائل توفیق یعنی ہدایت الٰہی ارشاد خداوندی، تسدید الٰہی اور تائید ربی سے کیا مراد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ توفیق وہ نعمت ہے۔ جس سے انسان کسی حال میں مستغنی نہیں۔ اس کے معنی ہیں انسانی ارادہ اور فعل کی حکم و تقدیر الٰہی سے موافقت یہ خیر و شر میں استعمال ہوتی ہے، لیکن خیر و سعادت میں ہی متعارف ہوگئی ہے۔ توفیق کی احتیاج بین و ظاہر ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب نوجونوں کو خدا کی امداد حاصل نہ ہو، تو اکثر ان کا اجتہاد گم ہو جاتا ہے۔

ہدایت الٰہی کے بغیر طلب فضائل کی طرف ایک قدم چلنا بھی دشوار ہے کیونکہ یہ نیکیوں کا مبدا ہے اور خیر کا منبع۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اعطی کل شیئ خلقہ ثم ھدی ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر اسے ہدایت دی، اور فرمایا ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ مازکی منکم من احد ابدا ولکن اللہ یزکی من یشاء اگر تم پر اللہ کی رحمت اور فضل تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص کبھی پاکباز نہ ہوتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے۔ اور حدیث میں ہے ما من احد یدخل الجنۃ الا برحمۃ اللہ کوئی فرد بشر جنت میں داخل نہ ہوگا مگر اللہ کی رحمت سے یا بالفاظ دیگر اس کی ہدایت کے ساتھ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی۔

ہدایت کے تین درجے ہیں، (اول) خیر و شر کے رستہ کی پہچان جس کا اشارہ آیت وھدینٰہ النجدین میں ہے یعنی ہم نے انہیں دونوں رستے سمجھائے اللہ نے اپنے کمال فضل و کرم سے اپنے تمام بندوں کو صراط مستقیم کی معرفت عطا فرمائی بعض کو عقل کے ذریعہ اور بعض کو زبان نبوت و رسالت سے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا، واما ثمود فھدینٰھم فاستحبوا

Marfat.com

العمی علی الھدی ۔ ثمود کو ہم نے درست رستہ بتا دیا پھر انہوں نے ہدایت پر بے راہ روی کو ترجیح دی۔

(دوم) جو بندے کو کھینچ کر اس کے علوم اور اعمال صالحہ کی ترقی اور زیادتی کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لے چلتی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے والذین اھتدوا زادھم ھدی فاتاھم تقواھم جو لوگ درست راستہ پر گامزن ہوئے اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا اور ان کو ان کا تقوی عطا فرمایا۔

(سوم) یہ ایک نور ہے جو عالم نبوت اور ولایت میں چمکتا ہے۔ اور اس سے رستہ نظر آتا ہے جس کی رہنمائی عقل کی شمع نہیں کر سکتی۔ میری دلیل کی بنیاد خدا کے اس قول پر ہے قل ان ھدی اللہ ھو الھدی کہہ دے کہ ہدایت اللہ ہی کی اصلی ہدایت ہے۔ اپنی ذات سے نسبت کر کے خدا نے اسے ہدایت مطلق کا نام دیا۔ قرآن میں ایک جگہ اسے زندگی سے بھی تعبیر کیا، اور فرمایا، اومن کان میتاً فاحییناہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ نہ کیا۔ اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ ۔ جس شخص کا اللہ نے اسلام کے لئے سینا کھول دیا تو وہ اپنے اللہ کے نور پر ہے۔

رشد الہٰی سے ہماری مراد ہے عنایت الہٰی جو انسان کو اس کے مقاصد کی طرف توجہ کرنے میں اعانت کرتی ہے پھر اس کی صلاحیت کے مطابق اسے قوت دیتی اور اسے فساد طبیعت کو پراگندہ اور منتشر کرتی ہے اور یہ باطن سے ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ نے فرمایا ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنابہ عالمین بیشک ہم نے ابراہیم کو اس کا رشد دیا پہلے سے اور ہم ہی جانتے تھے۔

تسدید الہٰی اس لئے ہے کہ انسان کے ارادے اور حرکات کو منزل مقصود کی جانب ڈالدے تاکہ قریب ترین وقت میں وہ اس پر پہنچ جائے۔ رشد پہچان کے ساتھ خبردار کرتا ہے اور تسدید اعانت و نصرت ہے تحریک کے ساتھ۔

تائید ربی داخلی طور پر بصیرت کے ذریعہ سے معاملے کی تقویت اور خارجی لحاظ سے گرفت کی طاقت ہے۔ خداوند تعالیٰ کے قول اذ ایدتک بروح القدس جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی یہی مراد ہے۔

Marfat.com

اس کے قریب قریب عصمت ہے۔ اور وہ فیض الٰہی ہے، جس سے انسان خیر میں گرم جوشی اور شر سے اجتناب کی تقویت حاصل کرتا ہے۔ یہانتک کہ وہ انسان کے اندر غیر محسوس طور پر ایک روک سی بن جاتی ہے۔ اس کی تائید خدا کے اس قول سے ہوتی ہے ولقد همت به وهم بها لو لا ان را برهان ربه عزیز کی بیوی نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف اس کی بیوی کا ارادہ کر لیتا اگر اپنے پروردگار کی براہان نہ دیکھ لیتا۔ ان باتوں کے حصول کے لئے اسی وقت اللہ کی مدد، صاف و تیز فہم، ہوشیار و شنوا گوش، صاحب بصیرت اور بیدار دل، ناصح معلم، فرخ و کشادہ مال و دولت، جو ضروریات زندگی کے مطابق ہو۔ اور اتنا کثرت سے نہ ہو کہ دین کی طرف سے روک دے اہل و عیال اور عزت و غلبہ جو کمینوں کی شرارتوں سے بچائے، اور دشمنوں کے ظلم سے محفوظ رکھنے، کی ضرورت ہے۔ یہ ہیں وہ اسباب جن سے سعادتیں مکمل ہوتی ہیں۔

فصل

سعادتوں کی غایت اور انکے مرتبے

سعادت حقیقی اور سعادت اخروی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس کے علاوہ جن امور کو سعادت کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے وہ یا تو لباس مجاز ہیں یا غلط طور پر کیا گیا ہے۔ جیسے سعادت دنیوی، جو آخرت میں کسی کام نہیں آتی۔ بلحاظ مصداق کے یہ نام سعادت اخروی پر ہی سب سے زیادہ صادق آتا ہے، اور اس میں ہر وہ بات داخل ہے جو سعادت سے ہم کنار کرنے والی شے بذات خود خیر و سعادت ہے۔ نافع اور معاون اسباب کی تشریح چار قسمیں کرتی ہیں۔

(اول) جو ہر حال میں سودمند ہیں۔ اور وہ فضائل نفسی ہیں، ان میں سے بعض ایک وقت نفع بخش ہیں، دوسرے وقت نہیں۔ اور نفع زیادہ ہے جیسے تھوڑا مال اور بعض کا ضرر خلقت کے حق میں زیادہ ہے، ان میں علوم و صنائع کی بعض قسمیں ہیں۔ چونکہ ان میں التباس زیادہ ہے۔ اس لئے عقلمند کو لازم ہے کہ ان امور کے حقائق کی معرفت اچھی طرح حاصل کر لے، تاکہ

Marfat.com

مضر کو نفع بخش پر ترجیح نہ دے۔ ورنہ شاہد مقصود سے ہمکنار ہونے میں زیادہ دیر لگے گی، بہت سے آدمی اماس کو فربہی پر محمول کر لیتے ہیں اور کئی رسی کی تلاش کرتے کرتے سانپ کو پکڑ لیتے ہیں، جو فوراً ڈس لیتا ہے اور حقیقی علم وہی ہے جو ان امور کا انکشاف کرے۔

(تقسیم ثانی) نیکیوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے (۱) موثرہ لذات (۲) موثرہ غیر لذات (۳) ایک وقت موثرہ لذات (۴) اور دوسرے وقت غیر موثرہ، تو چاہیئے کہ انسان ان کے مراتب کو خوب پہچان لے تاکہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصہ دے موثرہ غیر لذات مال و دولت ہے جیسے درہم و دینار اور روپیہ پیسہ، پھر اگر حاجتیں اور ضروریات ان سے پوری نہ ہوں تو وہ تمام زر و جواہر سنگریزے اور ٹھیکریاں ہیں۔

ایک وقت موثرہ لذات اور دوسرے وقت غیر موثرہ کی مثال صحت جسمانی ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ انسان پیدل چلنے سے جس میں پاؤں کی سلامتی ناگزیر ہے۔ مستغنی ہے پھر بھی اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کے پاؤں درست اور سالم ہوں۔ ان کی سلامتی بذات خود ایک نعمت ہے۔

(تقسیم ثالث) نعمتوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے۔ نافع، جمیل اور لذیذ، اور برائیاں بھی تین ہیں۔ مضر، قبیح اور تکلیف دہ۔ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

اول مطلق، اس میں تینوں باتیں موجود ہوتی ہیں، نیکی کے اعتبار سے جیسے حکمت، یہ نافع ہے جمیل ہے اور لذت بخش بھی۔ برائی کے لحاظ سے جیسے جہالت، یہ مضر بھی ہے قبیح بھی ہے اور تکلیف دہ بھی۔

دوم محدود، اس میں تین باتوں میں سے کوئی ہوتی ہے کوئی نہیں ہوتی۔ مثلاً بعض اوقات نافع اور تکلیف دہ جیسے زائد انگلی کا کٹنا یا گلا ہے نافع ایک وجہ سے اور مضر دوسری وجہ سے جیسے غرق ہونے سے بچنے کے لئے زر و مال کو سمندر میں پھینک دینا، کیونکہ مال کے اعتبار سے مضر ہے اور جان کے لحاظ سے مفید آگے نافع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول ضروری، جیسے فضائل نفسی، اور سعادت اخروی کا اتصال۔ دوسرے غیر ضروری، جس کی جگہ دوسری شے بھی پوری کر سکتی ہے جیسے تسکین صفرا کے لئے سکنجبین۔

(تقسیم رابع) قوائے ثلاثہ اور مشتہیات ثلاثہ کے حساب سے لذات تین ہیں کیونکہ لذت کے معنی ادراک مشتہی ہیں۔ شہوت سے عبارت ہے نفس کا تحریک کرنا اس شے کی طرف جس کی لذات عقلیہ اور لذات بدنیہ مشتاق ہیں۔ ان میں سے بعض میں تمام حیوانات مشترک

Marfat.com

ہیں۔اور بعض میں چند۔رہی عقلیات جیسے لذت علم وحکمت، اس کا وجود سب سے زیادہ قلیل اور سب سے زیادہ بزرگ ہے۔اس کی قلت اس لئے ہے کہ حکمت سے صرف حکیم ہی لذت اندوز ہوتا ہے۔اگر شیر خوار بچہ شہد، فربہ پرندوں کے گوشت اور پاکیزہ حلاوتوں کی لذت کے ادراک سے قاصر ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ یہ چیزیں لذیذ ہی نہیں، اور اس کے رغبت سے دودھ پینے سے یہ مطلب تو نہیں کہ دودھ سب سے زیادہ لذیذ اور دل پسند شے ہے۔

عام طور پر سب کے سب لوگ ابتدا میں علم کے مرتبہ سے غافل ہوتے ہیں۔اور اسی میں فخر کا اظہار کرتے ہیں۔اسی لئے جہالت میں انہیں مزا ملتا ہے۔اکا دکا کوئی اس سے مستثنیٰ ہو تو ہو۔

ومن یک ذا فم مر مریض   یجد مرا بہ ماء الزلال

منہ کے کڑوے پن کا مریض   آب زلال کو بھی کڑوا سمجھتا ہے

ان کی بزرگی تو چونکہ لازم ہے۔اور غیر زوال پذیر دائمی ہے۔اور نہ زائل ہونے والی اس کی لذتیں بھی باقی رہنے والی ہیں۔اور دار آخرت میں اس کا ثمرہ بے نہایت ہے۔

اور اگر کوئی شخص برتر اور قائم رہنے والی نعمت کے حصول کی قدرت رکھتا ہوا کم مایہ اور فانی شے پر راضی ہو جاتا ہے۔تو لازمی طور پر کہنا پڑیگا کہ اس کی عقل نے دھوکا کھایا اور اپنی شقاوت اور ادبار سے محروم رہا۔اس امر میں چھوٹی سے چھوٹی خوبی یہ ہے کہ فضائل نفسی خصوصاً علم وعقل کو نہ تو مددگاروں کی ضرورت ہے نہ محافظوں کی۔بخلاف اس کے مال ودولت ان کے بغیر آج بھی گیا اور کل بھی ضائع ہوا۔علم تو تمہاری نگہبانی کرتا ہے اور تم مال کی پاسبانی کرتے ہو علم خرچ کرنے سے زائدہ اور مال کم ہوتا ہے۔علم ہر حال میں مطلق اور ابدی طور پر نفع بخش اور سودمند ہے مال وزر کبھی رذائل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔کبھی فضائل کی جانب لے چلتا ہے اسی لئے قرآن پاک میں بعض مواقع پر اس کی مذمت آئی اور بعض جگہوں میں اسے خیر کا نام دیا گیا ہے۔

(دوم) وہ لذات جو انسان اور حیوانات میں مشترک ہیں۔جیسے کھانے پینے کا ذائقہ جنت ووطی کی لذت، اس کا وجود سب سے زیادہ ہے۔

(سوم) وہ جو سب انسانوں اور بعض حیوانوں میں مشترک ہیں۔جیسے ریاست وغلبہ کی لذت عقلمندوں کے دماغوں میں یہ سب سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے اسی لئے یہ کہتے ہیں کہ صدیقین کے سر سے جو چیز سب سے آخر میں خارج ہوتی ہے حب ریاست ہے۔

Marfat.com

لذت جماع اور ذوق خور ونوش لذات مطلق نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ وہ ایک لحاظ سے ازالۂ الم ہیں۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے الانسان صریع جوع وقتیل شبع انسان بھوک کا غلام ہے اور سیری کا قتیل۔

دنیوی لذتیں سات ہیں، کھانا۔ پینا، مباشرت، پہننا، رہنا، سونگھنا، سننا اور دیکھنا یہ سب کی سب حقیر ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو حزن وملال کے باعث آہیں بھرتے دیکھ کر فرمایا، اے عمار اگر تم آخرت کے لئے آہیں بھر رہے ہو تو تمہاری تجارت بہت نفع بخش ہے اور اگر تم دنیا کے لئے مضطرب ہو رہے ہو تو تمہاری بیقراری او اضطراب ذلیل اور کم مایہ ہے۔ میری طرف دیکھو کہ میں دنیا کی تمام لذات، ماکولات، مشروبات، مشکوحات، ملبوسات، مسکونات مشمومات، مسموعات اور مبصرات سے لطف اندوز ہو چکا ہوں، ان میں سے ماکولات میں افضل شہد ہے، یہ مکھی کا فضلہ ہے، مشروبات میں پانی افضل ہے، یہ تمام موجودات میں کم مایہ اور جملہ مفقودات میں بلند مرتبہ ہے۔ منکوحات میں فتنہ در فتنہ ہیں، ملبوسات میں بہترین ریشم ہے اور یہ ایک کیڑے کی دم کی تار ہے۔ اور اسے ایک کیڑا بناتا ہے۔ مشمومات میں بہترین کستوری ہے اور وہ ایک جانور کا خون ہے۔ مسموعات ہوا کا ترنم ہے اور بس، اور مبصرات خیالی صورتیں ہیں جو جلد فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول۔

لذات دنیوی کے متعلق بدبختی یہ ہے کہ پورا ہونے کے بعد وہ فوراً زائل ہو جاتی ہیں مباشرت سے فارغ ہونے اور کھانا کھا چکنے سے قبل کی حالت قابل غور ہے۔ دیکھو کس طرح مطلوب امر قابل گریز ہو جاتا ہے۔ پھر یہ باتیں اس لذت دوام کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہیں۔ جو کبھی فنا نہیں ہوتی۔ اور اس کی راحت ابد الآباد تک رہتی ہے وہ لذت دوام فضائل نفسی کے ذریعہ کمال روحانی حاصل کرنا۔ خصوصاً تمام پر علم وعقل کے ساتھ غلبہ اور استیلا پا جانا ہے۔

فصل

مذموم ومحمود خواہشات

بھوک غذا کی طلبگار ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی دو قسمیں ہی۔ ضروری اور غیر ضروری۔ ضروری یہ ہیں کہ جن کے بغیر بدن اور صحت بدن کا قائم رہنا ناممکن ہے جیسے کھانا جو

Marfat.com

غذا بنتا ہے۔اور پانی جو تازگی بخشتا ہے۔اس کی پھر چار قسمیں ہیں۔محمود، مکروہ، حرام اور مضر۔

محمود، وہ جس کے بغیر انسان کے لیے علم و عمل کے میدان میں گامزن ہونا ناممکن ہو اگر اس کا استعمال ترک کر دیا جائے تو بدن کی قوتیں تحلیل ہو جائیں۔اور جسم بیکار ہو جائے اگر اسے صرف اسی قدر مقدار میں کھایا جائے جس قدر ضروری ہے تو یہ قابل درگذر ہے، بلکہ لائق تعریف اور لائق اجر، وجہ یہ کہ بدن روح کی سواری ہے، جس کے ذریعہ خدا کی کوچہ کی راہیں قطع کی جاتی ہیں۔جس طرح جہاد عبادت ہے اسی طرح جہاد کرنے والے گھوڑے کی پرورش بھی عبادت ہے۔کہ اس سے گھوڑا طاقتور ہوگا۔اور غازی کو اٹھا کر میدان میں جا لڑے گا۔اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عند اکل الصالحین تنزل الرحمۃ نیک بندے جب کھانا کھاتے ہیں تو خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے یہ اس لئے کہ اس کا کھانا ناگریز ہوتا ہے اور اس کی عین آرزو اس سے مستغنی ہو جانے کی ہوتی ہے۔

کھانے والے کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا درختوں اور سبزیوں کے فضلات تناول کرنا خنزیر کے انسان کا پاخانہ اور دوسرے فضلات کو چٹ کرنے کے برابر ہے۔اگر درختوں کے زبانیں ہوتیں تو وہ سبزیوں اور پودوں کے فضلات کھانے والوں کو حیوانات کے فضلہ کھانے والوں سے تشبیہ دیتے۔

مکروہ، کے معنی ہیں حلال کے بارے میں اسراف و امعان، اور حد سے زیادہ مقدار میں کھانا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ما من وعاء ابغض الی اللہ تعالیٰ من بطن ملئی من حلال خدا کو تمام برتنوں میں ناپسند برتن وہ پیٹ ہے جو رزق حلال سے بھر گیا اور یہ طبی لحاظ سے بھی مضر ہے۔کیونکہ یہ بات سب بیماریوں کی جڑ ہے۔فرمایا نبی ﷺ نے البطنۃ اصل الداء والحمیۃ اصل الدواء وعودوا کل جسد ما اعتاد، پیٹ سب بیماریوں کی جڑ ہے پرہیز تمام دواؤں کی بنیاد ہے جہانتک ہو سکے پرہیز کرو،

محقق اطبا کی رائے ہے کہ حکیم عالم ﷺ نے تمام طب کا نچوڑ ان تین فقروں میں رکھ دیا ہے۔طالب سعادت کو مناسب ہے کہ اس زیادتی کو حقیر نہ شمار کرے۔ہم نے اس کا نام مکروہ رکھا ہے۔اور اسے مضر نہیں کہا۔کہ مکروہ نہایت تیزی سے مضر صورت اختیار کر لیتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ خرابیوں کو برانگیختہ کرنے والی قوت شہوانیہ ہے اور اس کی تقویت کا موجب یہی غذائیں ہیں۔پیٹ کا پر ہونا شہوات کو مضبوط کرتا ہے۔اور ان کی مضبوطی

Marfat.com

خواہشات کو بلاتی ہے۔اور خواہشات شیطان کا سب سے بڑا لشکر ہے جو متسلط اور غالب انسان کو اسکے رب سے دور رکھتا ہے اور اللہ کے دروازے سے اسے پھیر دیتا ہے اور دشمن کے لشکر کی امداد کرنا اور اس کو قوت دینا گویا خود دشمن بن جانا ہے اس لئے مکروہات مضرات کے قریب قریب ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں پھر کیا سبب ہے کہ آپ اپنے جسم کی تقویت کا سامان نہیں کرتے حالانکہ وہ بہت کمزور ہو چکا ہے۔ اس نے جواب دیا اس لئے کہ بدن سریع الانبساط ہے اور جلد حد سے گزر جاتا ہے۔ تو میں ڈرتا ہوں کہ یہ سرکش ہو کر مجھے ہلاک نہ کر ڈالے۔ اور مجھے یہ امر زیادہ پسند ہے کہ اسے تکلیف میں ڈالوں بہ نسبت اس کے کہ یہ مجھے فواحش کے ارتکاب پر مائل کر دے۔

اب رہی غذا کی مناسب مقدار۔ تو سن لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اندازہ دو حدیثوں میں فرمایا ہے۔ فرمان اول حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبه فان کان لا بد فثلث للطعام وثلث للشراب وثلث لنفس ابن آدم کے لئے صرف چند لقمے اس کے قوی کے قائم رکھنے کو کافی ہیں۔ اگر اسے ضرور ہی زیادہ کھانا ہو تو معدے کی ایک تہائی روٹی کے لئے ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے ہونی چاہیے۔ لقموں کی تعداد دس سے کم ہونی چاہیے۔ یہ بات حضور ﷺ کے اس قول میں ملتی ہے جس میں فرمایا المومن یاکل فی معی واحد والمنافق یاکل فی سبعة امعا۔ مومن ایک آنت کھانا کھاتا ہے اور منافق سات آنتوں کو پر کرتا۔ یہ سب سے پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ پیٹ کا ساتواں حصہ پر کیا جائے، پھر اگر خواہش زیادہ ہو تو تیسرا حصہ،

میری رائے ہے کہ اکثر لوگوں کے بارے میں صرف تیسرا حصہ ہی درست ہے لیکن یہ بات مختلف اشخاص کے ساتھ مختلف ہے۔

مختصر یہ ہے کہ پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہیے تاکہ بدن رات کی عبادت اور تہجد کے لئے ہلکا پھلکا رہے۔ اور شہوات کی جانب مائل کرنے والی قوتیں ضعیف ہو جائیں۔

حرام سے مراد ہے ان غذاؤں کا کھانا جو اللہ عزوجل نے حرام کر دی ہیں۔ ان میں مال غیر اور محرمات شامل ہیں۔ ان میں بدترین منشیات کا استعمال ہے کیونکہ خدا کے لشکری اور ولی یعنی عقل کے ازالہ اور شیطان کے لشکریوں اور دوستوں یعنی شہوت، اور قوائے حیوانیہ کے غلبہ کے لئے سب سے بڑے بڑے منشیات ہی ہیں۔ غذاؤں کے متعلق یہ مجمل احکام ہیں،

کوئی شخص شاہراہ سعادت پر گامزن ہونے کا خیال بھی دل میں نہ لائے جب تک

Marfat.com

مطعومات کی مقدار اور ان کی حلت کے اس باب کی نگہداشت کی قابلیت نہ پیدا کرلے، کیونکہ معدہ ہی تو تمام قوتوں کا منبع اور مخزن ہے۔ اور گویا یہی دروازہ ہے اور یہی کلید ہر قسم کے خیر و شر کی، یہی وجہ ہے کہ شریعت میں روزے کی بہت عظمت آئی ہے کہ یہ خاص طور سے اعدائے الٰہی کو مغلوب کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے ان الصوم لی وانا الذی اجزی بہ خدا تعالٰی فرماتے ہیں روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث اس کے متعلق وارد ہوئی ہیں،

پسندیدہ اور محمود مقدار غذا وہ ہے جو انسان کی زندگی اور قوت برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو۔ نکاح نوع انسانی کی بقاؤ تحفظ کے لئے ضروری ہے جیسے غذا ہستی کی بقا کے لئے موت تک لازمی ہے،

جس طرح شہوت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ طبیعت کو وطی کرنے کے لئے ابھارے تا کہ بقائے نسل کی صورت پیدا ہو۔ اسی طرح بھوک کو خدا نے اس لئے بنایا کہ کھانے کی رغبت پیدا کر کے بقائے شخصیت کا موجب بنے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تناکحوا تناسلوا تکثروا فانی مباہ بکم الامم نکاح کرو، اولاد پیدا کرو، تا کہ دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری شان بڑھے، تو جس شخص کے پیش نظر نکاح سے دو مقاصد ہوں (اول) کثرت مباہات اور اولاد صالح کے حصول کے لئے جو بعد میں دعائے مغفرت سے یاد کرے نسل پیدا کرنا (دوم) طبیعت میں سے فضلۂ منی دور کرنا۔ جو اگر جمع ہو جائے تو تلخی سے پیدا کر دیتی ہے اور خون جب اجتماع پکڑ جائے تو جسم کو اپنی کثرت کے باعث امراض کے لئے اثر پذیر کر دیتا ہے اور فسق و فجور کی طرح طبیعت کو مائل کر کے دین کو خراب، تو نکاح اس طریقہ پر محمود و پسندیدہ ہے اور مسنون اور اس حدیث کے ماتحت آتا ہے

من احب فطرتی فلیستسن بسنتی جو شخص میرے دین کو محبوب رکھتا ہے اسے میری سنت پر عمل پیرا ہونا چاہیے، اور جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا اس کے علاوہ تیسری غرض کا مدنظر ہونا بھی معیوب نہیں یعنی گھر میں کوئی ایسی ہستی موجود ہو جو اس کے گھر کا انتظام کرے تا کہ علم و عبادت کے لئے اسے فراغ تام حاصل ہو۔ اس صورت میں نکاح افضل عبادت ہے۔ کیونکہ اعمال نیتوں پر منحصر ہیں۔ اسکی علامت یہ ہے کہ بیوی کا حسن و جمال اس لئے مطلوب ہے کہ پرہیزگاری اور یکسوئی پیدا ہو۔ حسن اخلاق تدبیر منزل کے لئے اور پاکدامنی کے لئے ایمانداری اسی لئے رسول ﷺ نے فرمایا علیک

Marfat.com

بذات الدین تربت یداك وایاکم وحضراء الذمن پھر فرمایا تخیروا لنطفکم بیوی کی صحت بدنی اور بانجھ نہ ہونا اس لئے پیش نظر ہو کہ اولاد پیدا ہو، اور یہی بیان کا مقصود ہے۔ اسی لئے عزل اور عورت سے پیٹھ کی طرف سے مباشرت کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ امور پیدائش کے خلاف ہیں۔ اور عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں، دوشیزگی اور کنوارپن کے مطالبہ اور آرزو میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر استحکام محبت مقصود ہے تو شریعت نے اس کی رغبت دلائی ہے نکاح کے بارے میں مکروہ بات یہ ہے کہ صرف تمتع اور قضائے شہوت مد نظر ہو۔ پھر انسان اس میں غرق ہو جائے اور ہمیشہ اسی دھن میں لگا رہے۔ بعض اوقات ایسی غذائیں کھائے جو ازدیاد شہوت کا موجب ہوں یہ شرعاً مضر ہیں لیکن فی نفسہ مکروہ نہیں اور مباح ہیں، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اسطرح طبیعت اتباع ہویٰ کے باعث خدا سے پھر جاتی ہے اور انسان میں گدھوں اور بیلوں سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقوی غذاؤں اور دوسرے جوش آور طریقوں سے شہوت کو برانگیختہ کرنا درندوں اور خطرناک چارپایوں کو بھڑکانے اور غصہ دلانے پھر ان سے رہائی کے لئے آمادہ ہونے کے برابر ہے محرمات دو طرح پر ہیں۔

(اول) کہ قضائے شہوت مقام پیدائش میں کی جائے لیکن بغیر عقد شرعی کے، اور بغیر اجازت کے۔ اس کو زنا کہتے ہیں۔ یہ شرک کے قریب ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے الزانی لا ینکح الا زانیة او مشركة زانی مرد زانی اور مشرک عورت کے ساتھ ہی نکاح کرتا ہے۔

(دوم) خلاف وضع فطری عمل کرنا۔ یہ زنا سے بھی زیادہ برا اور فحش ہے۔ کیونکہ زانی منی تو ضائع نہیں کرتا صرف اسے ناجائز طور پر استعمال کرتا ہے۔ لیکن یہ اس گراں قیمت شے کو برباد کرتا ہے اور خلاف شریعت امر کا ارتکاب بھی کرتا ہے ایسے شخص کا شمار ان لوگوں کے بارے میں ہے جنکے بارے میں فرمایا ویھلک الحرث والنسل کھیتی اور نسل کو ہلاک کرتے ہیں۔ اسی لئے اس کا نام اسراف رکھا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انکم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون تم عورتوں، کو چھوڑ کر مردوں سے خلاف وضع فطری کرتے ہو تم تو مسرف لوگ ہو یہ شرمگاہ کی شہوت کے متعلق لوگوں کے مراتب ہیں۔

بعض اوقات نے راہ روی عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے، یہ عین حماقت اور انتہائی

Marfat.com

جہالت ہے۔ یہ بہائم کی حد سے بھی آگے بڑھ جانا ہے اس لحاظ سے کہ اس میں اپنے محبوب کے متعلق یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں اور صرف اپنے لئے خاص کرلوں کیونکہ عاشق شہوت جماع کے ارادہ پر ہی قناعت نہیں کرتا ۔ یہ سب سے قبیح شہوت ہے اور سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس میں شرم ولحاظ اٹھ جاتا ہے اس کو بھی دھن لگجاتی ہے کہ میں اپنی خواہشات کو صرف ایک ہی ہستی سے پورا کروں گا اس کے برخلاف حیوانوں میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں اتفاق ہو گیا شہوت کو پورا کرلیا، لیکن عاشق کی یہ حالت ہے کہ جب تک اسے معشوقہ نہ ملے اس کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں یہانتک کہ ذلت پر ذلت سہتا ہے۔ ماریں کھاتا ہے غلامیاں کرتا ہے۔ عشق میں عقل شہوت کی خدمت کے لئے مسخر ہو جاتی ہے۔ حالانکہ انسان تو آمر او مطاع پیدا کیا گیا تھا نہ اس لئے کہ شہوت کا غلام بن جائے اور اس کے احکام کی پیروی میں ہر قسم کا مکروفریب استعمال کرے۔ آہ یہ ایک ایسا مرض ہے جس میں غیرت باقی نہیں رہتی اس سے شروع میں ہی بچنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نظر وفکر کو بے محابا ہونے سے بچایا جائے۔ ورنہ استحکام کے بعد اس کا دفعیہ سخت مشکل ہو جائیگا۔ یہی حال عشق جاہ ومرتبت اور حب مال وزمین، اور محبت اولاد کا ہے۔ یہانتک کہ مرغبازی، نرد، اور شطرنج کا شوق بھی اسی ذیل میں آتا ہے کیونکہ یہ تمام باتیں جن لوگوں پر مستولی ہو جاتی ہیں۔ وہ دین دنیا دونوں سے گذر جاتے ہیں۔ ابتداہی میں کسی بری خصلت کو روک لینا ایسا ہی ہے جیسے اپنے گھوڑے کی مکان، کے دروازے میں داخل ہونے سے قبل ہی لگام پھیر لینا اس وقت اس کو روک لینا اور لگام پھیرنا نہایت سہل ہوتا ہے۔ اس کے استحکام کے بعد اس کے علاج کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سوار گھوڑے کو دروازے میں داخل ہونے دے۔ پھر اس کی دم پکڑ کر باہر کو کھینچے...... اس لئے ابتداہی میں احتیاط کرنی چاہیے رہا بعد میں دوا کرنا تو اکثر حالتوں میں سخت جدوجہد کے بعد اگرچہ علاج کیا جاسکتا ہے لیکن یہ روح سے لڑائی کرنے کے برابر ہے،

اب افعال غضب کی بھی تین قسمیں ہیں، محمود، مکروہ اور محظور یعنی حرام۔ ان میں سے محمود دو طرح کے ہوتے ہیں:۔

(اول) غیرت، اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی آدمی کی آبرو پر حملہ آور ہو۔ تو وہ اس کی مدافعت کے لئے صف آرا ہوتا ہے۔ اس وقت اسے غصہ آتا ہے۔ یہ مدافعت پسندیدہ ہے اور ایسے مواقع پر غیرت نہ آنا نامردی ہے۔ او ہیجڑا پن۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے ان سعد الغیورۃ ان اللہ اغیر منہ سعد غیرت مند ہے۔ اور اللہ

Marfat.com

تعالیٰ اس سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔اللہ تعالیٰ نے غیرت کا مادہ انسانوں میں حفظ انساب کے لئے ودیعت کہہ دیا ہے۔کیونکہ اگر لوگ مزاحمت میں مسامحت اختیار کرتے ،تو انساب مختلط ہوجاتے۔چنانچہ اسی کے متعلق مقولہ ہے کہ ہر ایک قوم میں غیرت مردوں میں رکھی گئی ہے۔اور پاکدامنی عورتوں میں۔

(دوم) مناکر وفواحش مشاہدہ کرنے پر دینی حمیت سے مجبور ہو کر اُو انتقام لینے کے لئے غضبناک ہونا ۔ ان لوگوں کی لسان الٰہی نے بہت تعریف کی ہے ۔کیونکہ وہ اشداٗعلی الکفا ر اور رحماء بینھم ہیں۔رسول ﷺ نے اس کے متعلق یوں فرمایا خیر امتی احداؤھا میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن میں حدت بہت زیادہ ہے یہاں حدت سے مراد حمیت دینی ہے اورارشاد خداوندی ہے ولا تاخذکم بھا رافتہ فی دین اللہ ۔اللہ کے دین کے بارے میں ان سے نرمی نہ کرو مع ھذا جب بادشاہ کسی گنہگار کے جرم پر غضبناک ہوتو اسے چاہیے کہ اپنے غصہ کو ضبط کرے۔او مجرم کو سزا نہ دے جب تک اس کے بارے میں نظرثانی نہ کرلے سبب یہ ہے کہ غصہ ایک بوت ہے جو انسان کی عقل کا دشمن ہے،اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان غصہ میں آکر انتقام لینے میں حدواجب سے تجاوز کرجاتا ہے غضب کی مکروہ صورت وہ ہے،جب انسان اپنے ذاتی فوائد ولذات کے ضائع ہونے پر آپے سے باہر ہوجاتا ہے جیسے نوکر اور غلام پر کوئی برتن بھانڈا توڑ دینے پر خفا ہونا یا اپنے خادم کی خدمت کرنے میں تغافل آمیز کوتاہی پر جس سے وہ محترز رہ سکتا تھا ناراض ہونا۔یہ غصہ وری مذموم کی حد سے متجاوز نہیں۔لیکن ایسے معاملات میں عفو اور درگذر اولیٰ اور زیادہ محبوب ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ کسی دانا سے کسی نے کہا،اپنے غلام سے جب وہ تمہاری خدمت کرنے میں کوتاہی کرے تو درگذر نہ کیا کرو۔کیونکہ اس سے وہ خراب اور ناکارہ ہوجائے گا اس نے جواب دیا۔اگر میرا خادم میری ذات کے آرام میں خراب ہوگا،تو یہ اس سے بہتر ہے،کہ میری طبیعت غلام کی اصلاح میں بگڑ جائے۔کیونکہ غلام کی کوتاہیوں اور گستاخیوں کو برداشت کرنا میری روح کی اصلاح ہے اور سزا دینے میں غلام کی بہتری ہے۔

غصہ میں مذموم صورت وہ ہے جب فخر۔تکبر۔مباہات۔منافست،کینہ حسد اور وہ باتیں جو حظوظ بدنی سے متعلق ہوں انسان کو جامے سے باہر کریں اور اس ناراضگی وخفگی اور سزا دینے میں دین ودنیا کے مستقبل کا کوئی فائدہ مدنظر نہ ہو۔اس قسم کا غصہ اکثر لوگوں پر غالب ہے یہ حلم وتحلم کے خصائل کی ضد ہے۔حلم سے مراد ہیجان غضب سے طبیعت کو روکنا،اور تحلم کے معنی

Marfat.com

ہیں خواہشات کے جوش کو تھام لینا۔ حسن اخلاق کا کمال حلم میں ہے۔ لیکن تحلم یعنی مکروہات سے باز رہنا بھی بہت سی نیکیوں کا سرمایہ دار ہے۔ یہ ہیں افعال غضب کے مراتب۔

غصے کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض گھاس پھوس کی مانند ہیں۔ جلدی بھڑک اٹھنے والے اور جلدی بجھ جانے والے۔ بعض دیر سے جلتے ہیں دیر سے بجھتے ہیں۔ بعض کو دیر سے آگ لگتی ہے اور جلدی بجھ جاتی ہے ور یہ صورت اچھی ہے بشرطیکہ حمیت وغیرہ کے قصور تک نوبت نہ پہنچے۔

غصے کے اسباب۔ مزاج کے لحاظ سے حرارت اور یبوست پر منحصر ہیں، غضب کی تعریف ان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ غصہ کے معنی ہیں دل کے خون کا کھولنا اگر انتقام اختیار سے باہر ہو تو خون جمع ہو کر دل کی طرف چلا جاتا ہے اس سے حزن وملال پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ اگر غصہ ایسے شخص پر آئے جو کمزور ہے تو دل کا خون گردش میں آجاتا ہے اس سے غضب حقیقی اور جذبہ انتقام پیدا ہوتا ہے۔ اگر برابر کے آدمی پر طیش آئے تو اس سے خون میں ایک تردد سا پیدا ہوتا ہے، کبھی انقباض اور کبھی انبساط، اس سے چہرے کی رنگت میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ کبھی سرخ پھر زرد اور کبھی مضطرب، غرض وقت غضب کا محل دل ہے اور اس کے معنی خون کی حرکت اور کھولنا ہے۔

غصہ دیکھا دیکھی پر منحصر ہے۔ چنانچہ جو شخص غصہ وری اور لڑاکا پن میں ڈینگ مارنے والے اور درندہ مزاج لوگوں کی صحبت میں بیٹھے گا، اس میں وہی خصلتیں نقش ہو جائینگی۔

اور جو شخص متین اور پر وقار لوگوں کی مجلس اختیار کرے گا۔ اس میں ویسی ہی عادتیں پیدا ہو جائینگی۔

اب رہا یہ سوال کہ غصہ قوت سے فعل کی صورت کیسے اختیار کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا باعث نخوت، ا دکھاوا، لجاجت۔ مخول لاف زنی استہزا ظلم وستم اور تنافس۔ سد اور خواہش انتقام کی طلب ہیں۔ اور یہ سب مذموم ہیں۔

جس شخص پر غصے کا بھوت سوار ہو جائے اسے چاہیے کہ وہ کسی حکیم کا قول یاد کرے جو اس نے کسی بادشاہ سے کہا تھا۔ بادشاہ نے اس سے غصہ دور کرنے کی ترکیب پوچھی حکیم نے جواب دیا آپ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے ...... آپ مطاع ہی نہیں ہیں۔ مطیع بھی ہیں۔

آپ صرف مخدوم ہی نہیں ہیں خادم بھی ہیں آپ کو برداشت بھی کرنا ہے۔ صرف مغلوب الغضب ہی نہیں ہونا۔ اور یہ کہ اللہ آپ کو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

Marfat.com

غضب کی کئی فروع ہیں۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ازاں جملہ شجاعت۔ تہور نفسانیت غبطہ۔ حسد جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لیکن ہم ان کی مزید تشریح کرتے ہیں۔

شجاعت یہ تہور اور جبن کے درمیان پیدا کی گئی ہے۔ اس سے خطرات کے وقت دل کی دلیری وچابکدستی اور ہولناکیوں کے وقت اپنی نگہبانی میں مستعدی اور حسب موقع میدان میں قدم بڑھانا مراد ہے۔

یہ غصے اور حسن اہل سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان شدائد ومہالک کا مقابلہ کرتا ہے، نہیں بلکہ معاصی سے باز رہتا ہے۔ کیونکہ غصہ جب خواہشات پر غالب آجائے تو نہیں توڑ دیتا ہے، اب چونکہ دین کی ایک سمت رغبت خیر ہے اور دوسری ترک شر۔ چنانچہ فرمان نبوت ہے۔ الصبر نصف الایمان صبر نصف ایمان ہے۔ اس لئے بعض خرابیاں شرمگاہ اور شکم کی خواہشات سے پیدا ہوتی ہیں، اور بعض ان دونوں کے علاوہ باتوں سے۔ پھر فرمایا روزہ نصف صبر ہے۔ اور صبر دو طرح پر ہیں۔ اول صبر جسمی جس سے انسان کا جسم مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ بلحاظ فعل کے جیسے اعمال شاقہ یا انفعالی طور پر، جیسے ضرب شدید اور مرض عظیم کو برداشت کرنا۔

محمود تام قسم ثانی یعنی صبر نفس ہے۔ اگر مشتہیات کے حاصل کرنے سے صبر ہو تو اسے عفت کہیں گے اگر مکروہات کے متعلق ہو تو مکروہات کے اختلاف کے جسارت سے نام بھی مختلف ہونگے۔ اگر کسی مصیبت کے بارے میں ہو تو صرف صبر کہیں گے۔ اس کی ضد جزع وفزع ہے۔ اگر احتمال غنا میں ہو تو ضبط نفس نام ہوگا۔ اس کی ضد سبک مزاجی ہے اور میدان جنگ میں ہو تو شجاعت اس کی ضد بزدلی یا جبن ہے۔ اگر غصہ فرو کر لینے میں ہو تو حلم ہوگا اور اس کی متضاد خصلت انتقام پسندی ہوگی، کسی اندوہناک مصیبت کی صورت میں صبر کو حوصلہ مندی کہیں گے، اس کی متضاد خصلت تنگدلی، اندوہ گینی، اور کم ظرفی ہے۔ اگر اخفائے کلام کے متعلق ہو تو رازداری کہینگے، اگر عیش وعشرت سے باز رہنے کے متعلق ہوگا تو زہد وقناعت کا نام پائیگا۔ اس کی ضد حرص اور بوالہوسی ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الصابرین فی الباساء مصیبت میں صبر کرنے والے کے والضراء فقر میں وحین الباس اور جنگ میں اولئک الذین صدقوا واولئک ہم المتقون، یہی لوگ صادق الایمان اور متقی ہیں، غبطہ منافست اور حسد بھی شاخیں ہیں غبطہ پسندیدہ ہے اور حسد مذموم، فرمایا حضور ﷺ نے المومن یغبط والمنافق یحسد مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد۔

Marfat.com

منافست پسندیدہ بات ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون اس بارے میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے، غبطہ سے مراد انسان کی وہ تمنا ہے جس میں یہ خواہش ہو کہ جو چیز دوسروں کو مل چکی ہے۔ مجھے بھی مل جائے بغیر اس آرزو کے کہ دوسروں سے وہ نعمت منقطع ہو۔ اور جب اس رشک کے ساتھ اس کے حصول کی کوشش اور تگ و دو بھی شامل ہو جائے تو اسے منافست کہیں گے۔

حسد تمنا ہے زوالِ نعمت و جاہ کی مستحق لوگوں سے بعض اوقات اسکے ساتھ کوشش بھی شامل ہوتی ہے۔ بدترین حسد وہ ہے جس میں کسی کی نعمت کے ازالہ کی سعی تو ہمراہ ہو، مگر اپنے لئے اس کی طلب کی خواہش نہ ہو۔

حسد انتہائے بخل ہے۔ کیونکہ بخیل اپنے مال کو اپنی جان پر خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے۔ اور حاسد اللہ کے مال کو دوسروں پر مبذول ہونے سے بخل کرتا ہے۔

کہتے ہیں حسد اور حرص گناہ کی دو بنیادیں ہیں، آدم و ابلیس کا واقعہ ان کی بہترین مثال ہے[1]۔ ابلیس لعین حسد کے باعث مردود و ملعون ہو گیا۔ اور آدم علیہ السلام شجرۂ ممنوعہ کی حرص میں جنت سے نکلے۔ یہ دو درخت ہیں۔ جن کا پھل غموم و ہموم اور خسران ہیں اور جس شخص نے ان کی جڑ کاٹ ڈالی۔ وہ نجات پا گیا۔ غرض یہ ہے کہ حسد عین حماقت ہے کیونکہ جو شخص غیر ملک والوں کو بھلائی پہنچنے پر رضامند نہیں ہے۔ باوجود اس کے کہ اسے وہ بھلائی ملنے والی نہیں۔ تو پھر وہ کس طرح اپنے قبیلے والوں شرکا پڑوسی اور اہل شہر کو بھلائی ملنے پر خوش ہوگا بعض اوقات اس میں سے اسے کچھ حصہ بھی مل جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لاحسد الا فی اثنین، رجل اتاہ اللّٰہ مالا فجعلہ فی حق ورجل اتاہ اللّٰہ حکمتہ فھو یقضی بھا۔ دو آدمیوں کی حالت کا حسد کرنا جائز ہے۔ اول اس شخص کا جس کو اللہ نے مال دیا پھر اسے وہ ٹھیک استعمال کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ یعنی رشک ہے۔

یہ ہے انتہائی کلام ان صفات کو پیدا کرنے کے متعلق۔ اب اگر تم پوچھو کہ جو شخص ان قوتوں کے افعال کو اپنی طبیعت میں ضبط کرے، یہاں تک کہ ان افعال کے ذریعہ اس کی طبیعت میں ایسے اخلاق راسخہ پیدا ہو جائیں جن سے یہ افعال آسان اور سہل ہو جائیں تو کیا وہ صاحب عفت بھی ہو جائیگا۔ تو جواب یہ ہے کہ عفت اپنے کمال کو نہیں پہنچتی جب تک ہاتھ زبان، کان

---

[1] اس تفسیر میں ایک گہرا نکتہ ہے جسے صرف صحیح عقل اور افکار عالیہ کے مالک ہی سمجھ سکتے ہیں۔

Marfat.com

، اور آنکھ کی پاکدامنی شامل نہ ہو۔ زبان کی حد عفت لغو گفتگو، غیبت، چغلی اور غنیمت۔ جھوٹ بہتان اور نام دھرنے سے پرہیز کامل ہے۔ کان کی عفت زبان کی تمام بری باتوں کے سننے کو ترک کرنا مثلاً غیبت حرام آوازیں سننا وغیرہ یہی حال دوسرے قویٰ و جوارح کا ہے۔ اور تمام جوارح کی عفت کا نچوڑ یہ ہے کہ انسان ان جوارحؒ اور قویٰ کو عقل اور شرع کے ایسا ماتحت کر دے کہ وہ اپنے خواص کو صرف وہاں اور اس حد تک استعمال کریں۔ جہاں تک عقل و شرع انہیں اجازت دے اس کے بعد بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی جب تک فضائل کے حصول تقرب الی اللہ کی طلب اور اس کی رضا مندی کی تلاش میں اقدام و رجحان کا ارادہ انسان کے دل میں نہ ہو۔ اگر اس کی عفت سے مقصود ہے زیادہ چیز کا انتظار کرنا۔ کیونکہ موجودہ اس کے موافق مزاج نہیں۔ یا شہوت کا بجھانا۔ یا انجام کا خوف۔ جیسے عزت و اقبال کا زوال۔ یا اس لئے کہ کوئی بات ممنوع ہے۔ تو یہ عفت نہیں بلکہ تجارت ہے اور ایک لذت کے کئی دوسری لذات کو چھوڑ دینے کے مترادف ہے۔ یہ تمام باتیں تحصیل عفت کے لئے ناکافی ہیں، اور انسان کو یہ باتیں خوب سمجھ رکھنی چاہئیں اس کے بعد اب ہم تعلیم و تعلم اور تہذیب قوت عقلیہ کی تعریف بیان کرینگے۔

فصل

عقل علم اور تعلیم کی بزرگی

اوپر کے بیان سے تم جان چکے کہ علم و عمل دونوں سعادت کے وسائل ہیں عمل علم کی عملی کیفیت کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا اور یہ کہ جو علم عملی نہیں ہے مثلاً علم خدا خدا کی صفات اور خدا کے فرشتوں کا علم، وہ مقصود بالذات ہے، تو اس سے استفادہ یہ ہوا کہ علم اصل اصول ہے اس لئے اب ضروری ہوا کہ ہم طریقہ تعلیم و تعلم کی جانب تمہاری رہنمائی کریں اور سب سے پہلے ان امور کی شرف و بزرگی مدلل طور پر تمہارے ذہن نشین کر دیں۔

تعلیم شریف ترین فن ہے اور فنون تین قسموں پر منقسم ہیں اول اصولی جن کے بغیر قوام عالم ناممکن ہے اور وہ چار ہیں۔ زراعت، حیاکت، سیاست عمارت[1] ان میں سے ہر ایک

[1] زراعت غذا کے لئے حیاکت، پوشش کے لئے، عمارت سکونت کے لئے سیاست امن کے لئے۔

Marfat.com

کا مدد گار اور ممد ایک ایک فن ہے جیسے لوہار کا کام زراعت کے لئے حلاجت اور سوت کاتنا حیاطت یعنی لباس سازی کے واسطے پھر ان میں سے ہر ایک کی تکمیل کرنے اور زینت دینے والے مزید فن ہیں مثلاً آسیہ سازی اور طباخی زراعت کے لئے اور قصارت اور خیاطت پارچہ بانی کے لئے یہ تمام باتیں قوام عالم ارضی کے ساتھ منسوب ہیں جیسے کسی شخص کے اعضاء اس کے جسم کے ساتھ اس نسبت کے تین انواع ہیں اول اصولی، جیسے دل جگر اور دماغ دوم ان اعضائے رئیسہ کی شاخیں اور خدمت گزار جیسے معدہ، عروق، شریانیں، اور سوم انکی تکمیل وتزئین کرنے والی جیسے ابرو اور پلکیں۔

فنون میں بزرگ ترین سیاسیات ہے کیونکہ اس کے بغیر نظام عالم کا قیام ناممکن ہے اس کی چار قسمیں ہیں اول سیاست انبیاء ان کا حکم خاص وعام پر ظاہر و باطن میں رائج ہے۔

(دوم) خلفا اور ولایت وسلاطین ان کی حکومت خاص وعام پر ہے لیکن صرف ان کا ظاہر ان کے اختیار میں ہے باطن پر ان کا کوئی بس نہیں چلتا۔

(سوم) علماء اور حکماء ان کا راج فقط خواص کے باطن پر ہے۔

(چہارم) واعظین، اور فقہاُ ان کی حکومت صرف عوام کے باطن پر ہے۔

ان چاروں سیاستوں میں سے نبوت کے بعد افادہ علم اور لوگوں کی تہذیب نفوس اشرف ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ کسی فن کی بزرگی اس نسبت کے اعتبار سے ہوتی ہے جو اسے کسی زبردست قوت کے ساتھ ہوتی ہے جیسے علم حکمت کو علم نباتات پر شرف حاصل ہوتا ہے کیونکہ اوّل الذکر قوت عقلیہ سے متعلق ہے جو سب قوتوں میں افضل ہے اور موخر الذکر قوت حسیہ سے متعلق ہے یعنی سماعت سے یا عموم النفع ہونے کے لحاظ سے جیسے زراعت کی بزرگی صیافت پر یا اس موضوع کے معمولات کے اعتبار سے، جیسے صیاغت کی بزرگی دباغت پر ہو۔

مخفی نہ رہے کہ علوم عقلیہ عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں جو سب قوتوں میں افضل ہے اور اسی کے ذریعہ جنت ماوٰی میں پہنچا جاتا ہے بلحاظ نفع اور عموم نفع اور موضوع کے اعتبار سے جس کے مطابق نفوس انسانی عمل کرتے ہیں یہ سب سے افضل ہے بلکہ ان تمام موضوعات سے جو اس دنیا میں موجود ہیں اسے شرف وجد حاصل ہے۔

افادۂ علم ایک لحاظ سے فن ہے ایک لحاظ سے عبادت الٰہی اور ایک لحاظ سے خلافت الٰہی اور یہ سب سے بڑی خلافت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے عالم کے دل پر علم کا دروازہ کھولا ہے جو صفات ربی میں خاص وصف ہے علم گویا خدا کا سب سے پاکیزہ اور نفیس خزانہ ہے پھر عالم کو

Marfat.com

اس خزانہ کو ہر محتاج پر خرچ کرنے کا بھی پورا اذن ہے پھر اس سے بڑھ کر کونسا رتبہ ہے کہ بندہ اپنے رب اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک وسیلہ بن جائے جس کے ذریعہ سے وہ لوگ خدا کا تقرب حاصل کریں اور وہ جنت ماویٰ کی طرف انہیں اپنی رہنمائی میں نہ لے چلے علم و عمل کی بزرگی و برتری اس قدر حاصل ہو سکتی ہے جس قدر عقلؔ اور شریعت و احساس کو ضرورت ہو شریعت کہتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا کیا، تو اسے کہا، آگے آ، آ گے آئی، پھر کہا پیچھے ہٹ وہ پیچھے ہٹی، پھر فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے میں نے کوئی شے پیدا نہیں کی جو مجھے تجھ سے زیادہ عزیز ہو میں تیرے ذریعہ سے لوں گا تیرے وسیلہ سے دوں گا تیرے ساتھ رحم کروں گا اور تیرے ذریعہ سے عذاب دوں گا یہ عقل ہی تو ہے جس کے ساتھ انسان ان اشیاء کا ادراک کرتا ہے جو عقل اول سے جاری ہوتی ہیں جس کو اللہ نے پیدا کیا جیسے روشنی سورج سے پیدا ہوتی ہے تمام عقلیں اشخاص کی نسبت سے عقلیں ہیں[1] اور یہ عقل مطلق ہے بغیر کسی اضافت کے عقل کی بزرگی کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب سعادت دنیوی وسعادت اخروی اس کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے تو پھر وہ کیسے اشرف الاشیاء نہ ہو عقل کے باعث سے ہی انسان خلیفۃ اللہ ہوا اسی کے ساتھ اس کا دین کامل ہوا[2] اور اسی کے ذریعہ سے اللہ کا مقرب ہوا اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ لا دین لم لا عقل له اس شخص کا دین ہی نہیں جس کے عقل نہیں نیز لا یعجبکم اسلام المرء حتٰی تعرفوا عقله کسی شخص کے اسلام پر متعجب نہ ہو جاؤ جب تک اس کی عقل کی پہچان نہ کرلو۔

عقل کی برتری کے لئے یہی بات بس کرتی ہے کہ اللہ نے اسے نور سے تشبیہ دی اور فرمایا اللہ نور السموات والارض اللہ زمین و آسمان کا نور ہے یعنی ان کو منور کرنے والا ہے[3] قرآن حکیم میں اکثر نور و ظلمات کا اطلاق علم و جہالت پر ہوا ہے جیسے فرمایا اللّٰہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور اللہ مومنوں کا ولی ہے اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور میں لے جاتا ہے اور یہ سب کچھ عقل کے ذریعہ ہوتا ہے اور اسی لئے

---

[1] عقل اول نور ہے، جو کل کائنات پر فیاض ہے، یہ روح کل ہے، اور اہل معرفت اسے قلب عالم اکبر کہتے ہیں۔

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم یعنی رسول اور شریعت کے ذریعہ دین کو کامل کر دیا۔

[3] کیونکہ خدا اسی کے ذریعہ سے اور اسرار ملکوت السموات والارض کو منکشف اور منور کرتا ہے اور اللہ کے نور ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نور روشن کا خالق ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا اذا تقرب الناس لخالقهم بابواب البر فتقرب انت بعقلك تنعم ، بالدر جات والزلفی عند الناس فی الدنیا وعند اللہ فی الاخرۃ جب لوگ نیکی کے ذریعہ سے قرب الٰہی حاصل کریں تو تم عقل کے وسیلہ سے خدا کے قریب ہو جاؤ، تمہیں درجات منازل سے سرفراز کیا جائیگا لوگوں کے دیک دنیا میں اور اللہ کے فزدیک آخرت میں۔

اب ہم عقل کے ذریعہ سے تقرب کی وجہ کا بیان کرتے ہیں اور مجرد احساس ہی بتادیتا ہے کہ علم اور عقل بزرگ ہیں یہاں تک کہ بڑے بڑے حیوان شخصی طور پر اوران کی قوتیں بدنی طور پر جب انساَن کو دیکھتی ہیں تو اس کے رعب میں آجاتی ہیں اور اس کے خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ انہیں اس امر کا احساس ہے کہ وہ فلسفی اور جبلی طور پر ان پر متولی ہے انسانوں کو بہائم میں سب سے زیادہ قریب غیر مہذب عرب وترک ہیں اوران بہائم کے راعی انہیں میں سے ہوتے ہیں اگران کے راعیوں میں کسی کے پاس عقل ودرایت زیادہ ہو اور فن وصنعت میں بڑھ کر ہو تو اس کی طبعاً وہ عزت کریں گے اسی لئے تم ترکوں کو دیکھتے ہو کہ طبعی طور پر اپنے شیوخ وامرا کی توقیر کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں کیونکہ تجربہ نے ان کو مزید علم کے ذریعہ سے امتیاز دے رکھا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مطلق طور پر فرمایا الشیخ فی قومه کالنبی فی امته امیر اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسے نبی اپنی امت میں علم وعقل کے ذریعہ ہی سے ہوتا ہے نہ اپنی شخصی قوت حسن ظاہری، کثرت مال، اور قوت وشوکت کے سبب سے چنانچہ بہت سے دشمنوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی لیکن جب ان کی نگاہیں حضور پر پڑیں تو ان پر ایک ہیبت طاری ہوگئی کیونکہ انھوں نے اللہ کا نور ان کے چہرے میں دیکھا جس سے معاندین کے سینے رعب وداب سے بھر گئے اللہ تعالیٰ نے علم کو روح کے نام سے بھی پکارا ہے فرمایا کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ان کو زندگی کا نام بھی دیا ومن کان میتاً فاحیینا اور حدیث میں ہے ماخلق اللہ خلقاً اکرم من العقل اللہ نے عقل سے بڑھ کر کوئی مخلوق زیادہ عزت والی پیدا نہیں کی اگر ترغیب علم کے متعلق تمام احادیث واخبار کو جمع کیا جائے تو گفتگو بہت طویل ہو جائے بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا بزرگی ہو سکتی ہے کہ خود زبان نبوت فرمارہی ہے ان الملائکة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضاء بما یصنع فرشتے طالب علم کی جدوجہد کے نیچے جوش رضامندی میں پر بچھاتے ہیں۔

Marfat.com

فصل

شرف عقل کے اظہار کیلئے تعلیم ضروری ہے

یاد رکھو کہ عقل کو برتری اور فوقیت صرف اس لئے حاصل ہے کہ وہ علم اور حکمت کا آلہ ہے لیکن نفس انسانی معدن اور منبع ہے علم حکمت کا اور وہ ان میں اول فطرت میں بلحاظ قوت کے مرکوز ہے نہ باعتبار فعل کے جیسے آگ پتھر میں پانی زمین میں اور کھجور گٹھلی میں اس کے نکالنے کے لئے فعل کی ضرورت ہے جیسے پانی نکالنے کے لئے کوئیں کھودنا ضروری ہے لیکن جس طرح پانی بغیر فعل بشری کے دستیاب نہیں ہوتا اور بعض پانی ایسے ہیں، جنہیں حاصل کرنے کے لئے بہت سی محنت اور مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور بعض تک بہت تھوڑی تگ و دو سے رسائی حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح لوگوں کے علم کی حیثیت ہے کہ بعض لوگوں کے لئے بغیر کسی انسان کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کے علم قوت سے فعل میں آ جاتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کہ ان پر ملا اعلیٰ کی جہت سے بغیر کسی واسطہ بشری کے علوم کا انکشاف ہو جاتا ہے اور بعض لوگ ہیں کہ تحصیل علم کے لئے انہیں دنیا جہاں کی خاک چھاننی اور دماغ کی ٹھیکریاں توڑنی پڑتی ہیں جیسے عام لوگ، خصوصاً غبی اور کند ذہن بڈھے جن کی عمریں غفلت، خود فراموشی اور جہالت میں بڑی ہوگئی ہیں اور انھوں نے ابتدائے عمر میں کسی استاد سے تعلیم حاصل نہیں کی پھر بعض لوگ ایسے ہیں جنہیں علم کے حصول کے لئے بہت تھوڑی سی جدوجہد کرنی پڑتی ہے جیسے ذکی اور تیز ذہن بچے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے کہ علوم نفوس انسانی میں مرکوز کر دیئے گئے ہیں فرمایا واذا خذ ربک من بنی اٰدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلیٰ خدا نے تمام بنی آدمی کی روحوں سے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں سب نے جواب دیا کیوں نہیں یہاں ان روحوں کے اقرار کے معنیٰ وہی ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ارادہ بلحاظ قوت ان میں موجود تھا نہ باعتبار زبانی اعلان کے کیونکہ یہ اقرار تو صرف چند روحوں سے صرف ظہور کے وقت لیا گیا تھا اور اس قسم کا ایک اور ارشاد الٰہی ہے ولئن سألتھم من خلقھم لیقولن اللّٰہ اور اگر تم ان سے پوچھو تمہیں کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم ان کے حالات کا مطالعہ کرو تو ان کی روحیں اس بات پر گواہی دیں گی پھر فرمایا

Marfat.com

فطرة اللّٰہ التی فطر الناس علیھا اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہر ایک آدمی ایمان پر پیدا کیا گیا ہے اور انبیاء صرف توحید لے کر آئے ہیں اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہو لا الٰہ الا اللہ چونکہ ایمان باللہ نفوس میں فطرتی طور پر مرکوز ہے اس لئے انسانوں کی حسب ذیل اقسام ہیں۔

(۱) جس نے فطرت سے روگردانی کی اور اسے بھول گیا: جیسے کفار۔

(۲) جو ایک عرصہ کے لئے بھول گیا لیکن پھر اس نے یاد کرلیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گواہی کا حامل ہو مگر غفلت کے باعث بھول گیا لیکن بعد میں اس نے یاد کر لی ولیذکر اولوا الالباب تاکہ عقلمند لوگ یاد کریں واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو اور اس عہد کو جو تم نے باندھا تھا ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے سہل کر دیا پھر کوئی ہے جو غور کرے، تذکر سے اکثر یہی بات عبارت ہے اور اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں کوئی عجیب بات نہیں۔ تذکر کی دو قسمیں ہیں۔

(اول) ایک صورت کو یاد کرنا جو عقل کے ذریعہ سے دل میں مرتسم تھی پھر اس سے پوشیدہ ہوگئی۔

(دوم) جو صورت فطری طور پر انسان میں قرار پا چکی ہے اسے یاد کرنا اسی لیے محققوں نے کہا ہے کہ تعلیم حاصل کرنے سے انسان کے اندر کوئی شے باہر سے کھینچ کر نہیں آجاتی بلکہ ایک پردہ سا اٹھ جاتا ہے جو فطرتی قابلیتوں پر پڑا ہوا تھا جیسے زمین میں سے پانی نکالنا یا آئینے کو جلا دیکر اس میں صورت کا ظاہر ہونا۔

یہ ظاہری حقائق ہیں، جو عقل کی آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان کے جمال کا نظارہ وہ شخص نہیں کرسکتا جس کی کوتاہ فہمی ابتدائے عمر ہی میں اس پر غالب آچکی ہے۔

فصل

عقل کی قسمیں

عقل کی دو قسمیں ہیں فطری اور اکتسابی، اول الذکر قوت قبول علم کے لئے مستعد رہتی ہے اور بچے میں اس کا وجود ایسا ہی ہوتا ہے جیسے گٹھلی میں کھجور کا، اکتسابی عقل استفادہ سے

Marfat.com

پیدا، اور علوم سے حاصل ہوتی ہے اور اس حیثیت سے کہ معلوم نہیں ہوتی جیسے صاحب تمیز ہونے کے بعد بغیر علم حاصل کرنے کے علوم ضروریہ کا فیضان بعض اوقات اس کا ادراک ہو جاتا ہے جیسے تعلیم۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عقل کی دو قسمیں کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے:

رایت العقل عقلین مطبوع و مسموع

میری رائے میں عقل کی دو قسمیں ہیں مطبوع اور مسموع

ولا ینفع مسموع اذا لم یک مطبوع

مسموع اگر مطبوع نہیں تو بے سود ہے

کما لا ینفع الشمس وضوا لعین ممنوع

جس طرح بے نور آنکھ کو سورج کی روشنی نفع نہیں دیتی

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بزرگ مخلوق عقل ہے دوم فرمان رسالت پناہی ﷺ ہے کہ جب لوگ نیکی کے ذریعہ سے جنت کا قرب حاصل کریں تو تم عقل کے وسیلے سے قریب ہو، اول قسم کی وہی صورت ہے جو جسم کے لئے بصارت کی ہے دوسری قسم کی سورج کی روشنی کی سی مثال ہے یعنی اگر آنکھ بے نور ہو تو روشنی اسے فائدہ نہیں دے سکتی اور روشنی کے بغیر بصارت بے سود ہے اسی طرح دیدۂ باطن یعنی عقل چشم ظاہر سے اشرف ہے کیونکہ روح سوار ہے اور بدن گھوڑا سوار کا اندھا ہونا گھوڑے کے اندھے ہونے سے بدتر ہے اللہ تعالیٰ نے باطنی آنکھ کی تشبیہ ظاہری آنکھ سے دیتے ہوئے فرمایا ہے ما کذب الفواد ما رای دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا اسی کے قبیل فرمایا نری ابراہیم ملکوت السموات والارض ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السموت والارض دکھائے اس کے خلاف حالت کو اندھے پن سے تعبیر کیا اور فرمایا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ سینوں کے اندر کے دل بے نور ہو جاتے ہیں۔

اور ارشاد ہوا ومن کان فی ہذہ اعمی فہو فی الآخرۃ اعمی واضل سبیلا جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی نابینا اور گمراہ ہو گا۔[1]

---

[1] ارشاد الٰہی ہے یضل بہ کثیرا ویہدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین۔ قرآن کے ذریعہ سے بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کرتا ہے اور صرف بدکار لوگ ہی گمراہ ہوتے ہیں یعنی وہ لوگ جو فطرت اصلی اور سلامت قلبی سے خارج ہیں۔

Marfat.com

مختصر یہ کہ جس کو بصیرت حاصل نہیں اس کو دین سے تعلق نہیں البتہ صرف ظاہر داری ہے بلکہ محض خیالی ہی خیال جس کی حقیقت کچھ نہیں چنانچہ علوم شرعی علوم عقلیہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتے علوم عقلیہ کی مثال صحت کے لئے دواؤں کی سی ہے اور علوم شرعی کی مثال غذا کی سی نقل را عقل باید۔

جو مریض روح دوا سے محروم ہوا سے غذائیں نقصان دیتی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایافی قلوبھم مرض ان کے دل بیمار ہیں کیونکہ وہ قرآن سے منفعت پذیر نہیں ہوتے تقلید عامہ کرنے والا شخص جب امور شرعی کے متعلق غور کامل کرتا ہے تو اسے بعض باتیں متناقض معلوم ہوتی ہیں اور اس کی نوعیت ہر شخص کے فہم کے مطابق ہوتی ہے پھر اپنے ضعف عقل اور کمزور طبعی کے باعث وہ غور وفکر کرنے سے گریز کرتا ہے چنانچہ تقلید کے ٹوٹنے کے خوف سے اس پر بے پرواہی سوار ہو جاتی ہے جب وہ سوچتا ہے تو متناقض باتیں اس کے سامنے آتی ہیں اس سے وہ متحیر ہو جاتا ہے اور اس کا یقین باطل ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ دیدہ دل وا کر کے دیکھتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ تناقض کا کوئی موقعہ نہیں اور ہر شئے اپنے حسب موقعہ قائم ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک اندھا جو ایک مکان میں داخل ہوتا ہے اور برتنوں سے ٹھوکر کھا کے لوگوں سے کہتا ہے کہ تم کیسے بدتمیز ہو کہ برتنوں کو سرے راہ رکھ رکھا ہے انھیں اپنی اپنی جگہ پر کیوں نہیں رکھتے تو اسے جواب دیا جائے گا۔ مرد آدمی برتن تو اپنی اپنی جگہ پر ہیں لیکن قصور تمہاری بینائی کا ہے یہ بیان ہے اس علم کا جو عقل سے مستفاد ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عقل کے واسطے سے اکتسابی علوم کی دو قسمیں ہیں معارف دنیوی اور معارف اخروی، ان دونوں کے رستے ایک دوسرے سے بعد المشرقین کا حکم رکھتے ہیں جو شخص ایک رستہ پر گامزن ہوگا اس کی بصیرت سے دوسرا طریق اکثر او جھل ہو جائے گا اسی لئے حضرت علیؓ نے تین مثالیں بیان فرمائیں دنیا اور آخرت کی مثال ترازو کے دو پلڑوں کی سی ہے یا مشرق و مغرب کی سی یا زمین و آسمان کی سی، جب تم ایک کو قبول کرو گے تو دوسری سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا داری میں بہت ہی دانشمند لوگ آخرت کے لحاظ سے جاہل مطلق ہوتے ہیں اور دین میں سمجھدار لوگ دنیا کے لحاظ سے ناواقف محض، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا حقیقی طور پر دور اندیش شخص وہی ہے جو اپنے نفس کو حقیر سمجھے اور مابعد الموت کے لئے عمل کرے چنانچہ بعض صالحین کی سادگی طبع کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا گیا اکثر اہل الجنۃ بالبلہ۔ اکثر جنتی بھولے بھالے ہونگے، یعنی امور دنیا کے لحاظ

Marfat.com

سے اس کے متعلق حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے، کہ بعض لوگ ہم نے ایسے دیکھے کہ اگر تم انہیں دیکھ پاؤ تو کہو کہ یہ تو دیوانے ہیں، اور اگر وہ تمہیں دیکھ پائیں تو کہیں یہ شیطان ہیں۔ اور اگر کبھی تم کوئی عجیب وغریب دینی بات سن پاؤ تو اسے قبول کرنے سے یہ کہکر رُک نہ جاؤ کہ اگر یہ بات حقیقی ہوتی تو ارباب دنیا میں سے بہترین دل ودماغ کے لوگ اور بڑے حسابی کتابی عالم لوگ ضرور معلوم کر لیتے۔ کیونکہ یہ بات بالکل محال ہے کہ مشرق کو جانے والا شخص مغربی رستہ کی چیزوں سے واقف ہو بعینہ یہی حال امر دنیا وآخرت کا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے ان الذین لا یرجون لقاء نا ورضوا بالحیاۃ الدنیا واطما توا بھا: جو لوگ ہماری ملاقات کے متمنی نہیں اور دنیوی زندگی پر رضامند اور مطمئن ہوگئے ہیں پھر فرمایا لیعلمون ظاھراً من الحیاۃ الدنیا وھم عن الأخرۃ ھم غافلون وہ ظاہری دنیوی زندگی سے ہی واقف ہیں اور آخرت سے بالکل غافل۔

دنیا وآخرت کو صرف وہی لوگ یکجا کر سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی معاش ومعاد کی تدبیر کرنے کے لئے مقرر فرمایا اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں ان کی روح القدس سے امداد وتائید کی جاتی ہے اور انہیں ایک ایسی قوت سے اعانت دی گئی ہے جو تمام امور پر حاوی ہے۔

رہے کمزور نفوس تو جب وہ ایک بات میں مشغول ہوتے ہیں تو دوسری بات کو بھول جاتے ہیں اور اس طرح تمام امور کا کمال حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوسکتے۔

فصل

علوم متعددہ میں استاذ اور شاگرد کے فرائض

متعلم کے بہت سے وظائف ہیں ان کی تفصیل دس جملوں میں آسکتی ہے (وظیفہ اول) بری عادات کو دور کر کے طہارت نفس حاصل کرنا کیونکہ جس طرح ظاہری اعضاء وجوارح کی عبادت نماز میں طہارت ظاہر کے بغیر درست نہیں اور علم عبادت نفس ہے اور زبان شریعت میں اس دل کی عبادت ہے اسی طرح یہ عبادت برے اوصاف اور اخلاق خبیثہ کی موجودگی

---

¹ چونکہ جہاں دو ہیں سفلی علوی یعنی امری اور خلقی اور بعض عارفوں کی زبان میں تدوینی اور تکوینی تکوین تدوین کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ یہ اس کا سایہ ہے۔ شریعت نے انسان کی بلند حقیقت کے ساتھ دل کا نام خاص کر دیا اور انسانیت کی تکوین کو خلقی طور پر نفس کے ساتھ۔

Marfat.com

میں درست نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی الدین علی النظافۃ دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔

پاکیزگی کے لفظ کا جس طرح ظاہر پر اطلاق ہے اسی طرح باطن پر ہے اور قرآن میں ہے انما المشرکون نجس مشرک لوگ پلید ہیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طہارت ونجاست صرف ظاہر پر ہی محدود نہیں اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا لاتدخل الملائکۃ فیہ کلب جن گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے دل فرشتوں کا مقام نزول ہے ان کا محل نظر اور ان سے اثر پذیر ہونے کا گھر اور بری خصلتیں کتے ہیں۔ جو فرشتوں کو روکتے ہیں

جب شئے سے بنے ہوئے گھر میں کتے کی موجودگی کے متعلق جو دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہے یہ حکم ہے تو دین کے گھر اور صفات حسنہ کے متعلق جو دوسری صفات محمودہ کی طرح نہیں بدرجہ اولیٰ یہ اعتقاد ہونا چاہیے غرض دین کا گھر دل ہے اور اس پر کبھی کتے غالب آجاتے ہیں اور کبھی فرشتے حاوی ہو جاتے ہیں۔

اب اگر تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ بعض بد اخلاق طالب بھی علوم کی تحصیل میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو تم دینی حقیقی اور موجب سعادت کے علم کے مفہوم سے ابھی دور ہو بد اخلاق شخص اس بات کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا جس کو زبان سے ایک بار رٹتا ہے اور پھر دل سے دھراتا ہے اور کلام اس کی تردید کرتی ہے اگر نور علم کا پرتو اس کے دل پر عکس افگن ہوتا تو اس کے اخلاق ضرور عمدہ ہو جاتے کیونکہ علم کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ گناہ زہر ہے مہلک اور حیات ابدی کو برباد کر دینے سے اور ان سے اخلاق ردیہ پرورش پاتے ہیں کیا تم نے کبھی ایسے بے وقوف کو دیکھا جو جان بوجھ کر زہر کھالے اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا من ازداد علما ولم یزد ھدی لم یزد من اللہ الا بعدا جس شخص کا علم بڑھے لیکن ہدایت زیادہ نہ ہو وہ صرف خدا سے زیادہ بعید ہوا چنانچہ بعض محققین کا ایک قول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے غیر اللہ کے لئے علم سیکھا تو علم نے کہا میں صرف اللہ کے لئے ہوں یعنی علم ممتنع ہو گیا اور حاصل نہ ہو سکا اور اگر کچھ حاصل ہوا تو وہ خالی قول تھا یعنی حقیقی علم نہ تھا شاید تم کہو کہ ہم نے بعض صاحب فضیلت فقہا کو دیکھا ہے جو علماء متبحر ہیں اور ساتھ ہی بد اخلاق بھی ہیں تو جواب یہ ہے کہ جب تم مراتب علم معلوم کر چکے ہو اور شاہراہ سعادت پر گام فرسا ہونے کے ساتھ ان کی نسبت سے بھی واقف ہو چکے ہو تو تم جان گئے ہو گے کہ یہ حضرات فقہا حقیقت سے بالکل ناآشنا ہیں اور منزل مقصود سے بے پرواہ ہیں۔

Marfat.com

(وظیفۂ ثانی) دنیوی مشاغل کے علائق کم کر دینا اور اہل و عیال اور اولاد وطن سے دور ہو جانا کہ تعلقات دلوں کو مصروف و مشغول کر کے منزل مقصود سے پھیر دیتے ہیں وماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ پہلو میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے اور پریشان دماغ ادراک حقائق سے قاصر رہتا ہے اس لئے کہتے ہیں علم کا ایک حصہ بھی تمہیں حاصل نہ ہوگا جب تک تم اپنا سارا وجود اس کے لئے وقف نہ کردو جب تم از فرق تا بقدم اس کے لئے ہو جاؤ گے تو وہ تم پر اپنے تئیں نثار کر دے گا جب دل پراگندہ ہو جائے تو وہ ایک نہر ہے جس کا پانی بکھرا ہوا اور پراگندہ ہے ہوا اور زمین اسے جذب کر رہے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ سب پانی ضائع ہو گیا اور مجتمع ہو کر کھیتی تک پہنچنے اور اسے سرسبز و سیراب کرنے کے قابل نہ رہا۔

وظیفہ ثالث، علم اور اہل علم کے مقابلہ میں تکبر نہ کرنا اور استاد پر مسلط نہ ہو جانا بلکہ اپنی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دیدینا تا کہ وہ راہ علم پر جس طرح چاہے اس کی رہنمائی کرے استاد کی پند و نصائح کو اسی طرح آویزۂ گوش بنائے جس طرح مریض طبیب کے تابع فرمان ہوتا ہے علم پر تکبر کرنے سے یہ ہوگا کہ اگر علم سے مستفید ہونے میں معلوم پر ناک بھوں چڑھائے گا تو عین حماقت کا مرتکب ہوگا یاد رکھو کہ حکمت حکیم کا گم شدہ لال ہے جہاں اسے پائے اپنا مال سمجھے اس سے استفادہ کرے اور جذبۂ احسان مندی کے ساتھ اس کی پیروی کرے۔

فالعلم حرب الفتی المتعال کالسیل للمکان العالی

ترجمہ: علم نے نہ تو تکبر کی فنا کر ڈالی جیسے سیلاب گراتا ہے مکان عالی

غرض تواضع اور انکسار ناگزیر ہیں چنانچہ فرمایا حق تعالیٰ نے ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب اوالقی السمع وھو شھید یہ امور اس شخص کے لئے باعث نصیحت ہیں جو صاحب دل ہے سنتا ہے اور غور کرتا ہے یا بالفاظ دیگر علوم میں مشغول ہوتا ہے صاحب دل ہونے سے یہی مراد ہے یا اسے عقل حاصل ہے جو اسے سننے کان دھرنے اور غور کرنے کی ترغیب دیتی رہتی ہے۔

جب تک تعلیم اپنے معلم کے سامنے زمین تشنہ کام کی طرح نہ ہو جائے جس پر جوں ہی سیلابی دھار بارش برسے وہ فوراً دیوانہ وار اسے جذب کر لے وہ علم سے پوری طرح منفعت پذیر نہیں ہوگا اور جب معلم اپنے شاگرد کو تعلیم کی صورت میں ایسی بات بتائے جسے شاگرد صاف طور پر غلط سمجھتا ہو تو طالب علم پر واجب ہے کہ صبر کرے اور حوصلہ مندی سے کام لے اور اپنے استاد کی اتباع کرے کیونکہ اگر استاد خطا کرتا ہے تو یہ شاگرد کے اپنے صواب سے بہتر ہے جس طرح

Marfat.com

ایک مسافر تجربہ سے ان باتوں کا استفادہ کیسے ہوتا ہے جن کو دیکھ کر مبتدی حیران ہو جاتا ہے اسی کے متعلق خدا نے قصہ خضر و موسیٰ میں تنبیہ کی ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا ھل اتبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا کیا میں تمہاری اتباع کروں تا کہ تم مجھے اپنے علم سے جو تمہیں حاصل ہے کچھ مجھے بھی سکھا دو پھر حضرت موسیٰ صبر نہ کر سکے۔ بار بار اور پے در پے خضر علیہ السلام کو ٹوکا اور اعتراض کیا یہاں تک حضرت خضر نے فرمایا ھذا فراق بینی وبینک یہاں ہم تم جدا ہوتے ہیں اس کے بعد ان اسرار و معارف کو ان پر کھولا جو ان کی حیرانی اور استعجاب کا باعث تھے اس کی تفصیل قرآن میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو جائے کہ معلم کو وہ باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا متعلم کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ ہر وہ متعلم جو اپنے استاد کے طریقہ تعلیم کے مراسم کی پیروی نہیں کرتا وہ بے خبر رہتا ہے اور شاید کامیابی سے کبھی ہمکنار نہیں ہوتا اگر تمہارا اعتراض یہ ہے کہ خدا کا ارشاد ہے فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون اہل ذکر سے پوچھو اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت موسیٰ علیہ السلام کو سوال کرنے سے منع کرنے کی نقیض نہیں ہے اور نہ ہماری گفتگو کے خلاف، کیونکہ نہی تو اس بات کی ہوتی ہے کہ جس چیز کو متعلم کی قوت ادراک نہ پہنچے اس کے طلب کرنے سے منع کیا جائے تو جب استاد شاگرد کو سوال کرنے سے ممانعت کر دے تو اسے باز رہنا چاہیے مقصود یہ ہے کہ شاگرد کو اپنے رتبہ علم کے مطابق تفصیل معلوم کرنے کا شوق دلایا جائے۔

(وظیفہ رابع) علوم نظریہ میں انہماک کرنے والے شخص کو مناسب نہیں کہ ابتداء ہی متشابہات مشکوک اور حیران کن امور میں طبیعت کو مائل کرے کیونکہ یہ بات اصل علم کے بارے میں اس کے عزم میں فتور پیدا کر دے گی اور جن اسباب کا ہم کتاب معیار العلم میں ذکر کر چکے ہیں ان کی بناء پر ادراک حقیقت سے مایوس کر دے گی لہذا اسے چاہیے کہ جو رائے اور اصول اس کے استاد نے اختیار کیا ہے اس پر خوب یقین رکھے پھر اس کے بعد مشابہت اور اس کے تعاقب کی تعریف میں غور و خوض میں مشغول ہو اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو کفار سے اختلاط اور میل جول کرنے سے منع کیا ہے جو ابھی اسلام میں پختہ نہیں ہوا یہاں تک بعض کا خیال ہے کہ خنزیر کی تحریم کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ کافر لوگوں کی یہ عام طور پر غذا ہے چنانچہ اسے حرام کر دیا گیا تا کہ مسلمان کافروں کے ساتھ مل جل کھانے پینے سے بچیں اور اس طرح کافروں سے ان کا ربط و ضبط نہ بڑھے اس لئے عوام کو اہل ہوا و ہوس کی مجلس سے بچانا چاہیے

Marfat.com

جس طرح حرم کی مفسدوں سے حفاظت وصیانت کی جاتی ہے پھر جو شخص دین میں پکا ہو جائے اور اس کے دل میں اسلام کی حجت و برہان قرار پکڑ جائے تو اسے کفار سے مخالطت میں کچھ حرج نہیں بلکہ اسے ان سے ربط وضبط اور میل ملاپ بڑھانا زیادہ اچھا ہے اور شبہات اور ان کے حل کرنے میں مشغول ہونا زیادہ پسندیدہ ہے اس طرح وہ ایک قسم کا مجاہد ہوگا کیونکہ جو شخص جہاد کی قدرت رکھتا ہے اسے کفار کی صف پر پل پڑنا مستحب ہے اور کمزور ناتوان شخص کے لئے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے اس طرز استدلال سے ان لوگوں کا یہ قول غلط ثابت ہو گیا جن کا گمان ہے کہ دین کے لحاظ سے قوی اور ضعیف لوگوں کے فرائض وظائف ایک ہی ہیں یہاں تک کہ ایک صوفی بزرگ کا قول ہے کہ جس شخص نے مجھے ابتداء میں دیکھا اس نے مجھے صدیق خیال کیا اور جس نے مجھے انتہاء میں دیکھا وہ مجھے زندیق سمجھا یعنی ابتداء ایسے مجاہدے کی متقاضی ہے جو ظاہر آنکھ کو نظر آ رہا ہے کثرت عبادات کی صورت میں مگر انتہاء میں عمل باطن کی طرف رجوع کر جاتا ہے اول دل تو بدستور عین شہود اور عین حضور میں رہتا ہے البتہ ظاہری اعضاء سکون پذیر ہو جاتے ہیں اس پر ظاہر بین لوگ سمجھتے ہیں یہ تہاون فی العبادت ہے یہ استغراق عبادات کا نچوڑ اور عطر ہے اور ان کا لب لباب اور غایت لیکن کور باطن شپرہ چشم لوگ آفتاب حقیقت کی روشنی مشاہدے کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

(وظیفہ خامس) متعلم کو لازم ہے کہ علم کی ہر ایک قسم اور ہر ایک فن اس کی نظر سے گزر جائے وہ ان کی غایت سے واقف ہو اور طریقہ اور مقصد سے آشنا ہو پھر اگر اس کی عمر اس کا ساتھ دے اور اسباب میسر ہوں تو متبحر علم حاصل کرے کیونکہ علوم تمام کے تمام ایک دوسرے کے معاون اور ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور جہاں تک حالات اجازت دیں ان سے مستفید ہو یہاں تک کہ علم کا جہالت کے باعث کوئی شخص بیری نہ رہے کیونکہ لوگ جس بات سے ناواقف ہوں اس کے دشمن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واذلم یھتدوا بہ فسیقولون ھذا افک قدیم جب انھوں نے ہدایت نہ پائی تو کہنے لگے یہ تو پرانا وہم ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے

ومن یک ذا فم مر مریض یجد مرا بہ الماء الذلالا

منہ کے کڑوے پن کا مریض آب زلال کو بھی کڑوا ہی سمجھتا ہے

ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے پھر اسے چاہیے کہ علم کی کسی نوع کو حقیر نہ سمجھے بلکہ ہر ایک علم حاصل کرے اس کا حق ادا کرے اور اسی کا رتبہ پہچانے کیونکہ ہر ایک علم

Marfat.com

اپنے اپنے درجے پر ہے بعض انسان کو اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں یا اس سفر کے لیے اسباب مہیا کرنے والے ہر ایک علم کی پھر مقصود سے قرب وبعد کے اعتبار سے مختلف منازل بھی ہوتے ہیں اور ان کی حفاظت بھی لازمی ہے جس طرح حج اور جہاد کے رستہ میں پہرہ دار اور چوکیاں ہوتی ہیں۔

وظیفہ سادس، یہ ہے کہ تمام فنون میں دفعتاً نہ کود پڑے۔ بلکہ ان کی ترتیب کی رعایت رکھے چنانچہ ابتداء سب سے اہم فن علم سے کرے اور اس وقت تک دوسرے فن کو ہاتھ نہ لگائے جب تک پہلے فن کو تکمیل کے درجہ تک نہ پہنچائے کیونکہ علوم کی بھی ایک ترتیب ہے جس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ایک فن سے دوسرے فن کی جانب راہ نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ترتیب وتدریج کی نگاہداشت کے متعلق فرمایا ہے۔ الذین اتینا ہم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں یعنی اس وقت تک ایک فن کو چھوڑ کر دوسرے فن کی طرف رخ نہیں کرتے جب تک علمی اور عملی طور پر اس میں مستحکم نہیں حاصل کر لیتے طالب علم کا مقصد ہر علم سے یہ ہونا چاہیے کہ اوپر کے علم کی جانب ترقی کا شوق پیدا ہو پھر یہ بھی لازم ہے کہ کسی علم کے متعلق غلط اور خراب ہونے کا حکم صرف اس لیے نہ لگایا جاوے کہ اس علم کے معاملوں میں اختلاف واقع ہے یا ان میں سے کوئی غلطی پر ہے یا ان کے علم اور عمل میں تضاد وتخالف ہے۔

بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئیں گے جنہوں نے عقلیات اور فقہیات میں نظر و فکر کرنا چھوڑ دیا ہوگا صرف اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ اگر ان کی کوئی اصلیت ہوتی تو عقلاء اور فقہاء اسکا ضرور ادراک کر لیتے اس شبہ کا ازالہ ہماری کتاب معیار العلم میں گزر چکا بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئیں گے جو علم نجوم کی صحت کے صرف اس لیے معتقد ہونگے کہ ایک شخص کو اس کے درست ثابت ہونے کا اتفاق ہوا دوسرا فریق صرف ایک شخص کے لیے اس کے غلط ہونے کی بنا پر اس کے بطلان کا قائل ہو جائے گا یہ تمام گروہ غلطی پر ہیں مناسب یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی معرفت فی نفسہ حاصل کی جائے ہر ایک علم پر ہر ایک شخص حاوی نہیں ہوسکتا ہر کار وہر مردے اسی لئے حضرت علیؓ کا قول ہے لوگوں کے ذریعہ سے تم حق کی معرفت نہیں حاصل کر سکتے البتہ حق کی پہچان کے بعد اہل حق سے روشناس ہو جاؤ گے۔

وظیفہ ہفتم، اگر جمیع علوم کی تحصیل کے لئے عمر ناپائیدار کفایت نہ کرے تو چاہیے کہ ہر ایک علم میں سے اس کا بہترین حصہ اخذ کر لے کہ ہر ایک علم میں سے تھوڑا تھوڑا لے لینا کافی ہو

Marfat.com

گا اور زندگی کا آسودہ ترین حصہ اس علم کی تحصیل کے لئے صرف کرے جو نجات اور سعادت کا سبب ہے یہی شے تمام علوم کی غایت ہے اور یہی بات حقیقی اور درست طور پر معرفت الٰہی ہے! اس علم کے سب علوم خادم ہیں اور یہ خود بالکل آزاد ہے کسی کی نوکری نہیں کرتا اسی کے متعلق ارشاد الٰہی ہے قل اللّٰہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون کہہ واللہ، پھر انھیں اپنے خیال میں مگن رہنے دو۔ یہاں صرف زبان سے ان حروف کو ادا کر دینا مقصود نہیں چنانچہ ارشاد رسالت پناہ ہے من قال لا الٰہ الا اللّٰہ مخلصاً دخل الجنۃ جس نے خلوص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہو گیا زبانی جمع خرچ کسی کام کا نہیں جب تک وہ دل پر اثر نہ کرے یا جب تک اس اعتقاد کی پختگی کا اثر دل سے صادر نہ ہو اس کا نام ایمان رکھا گیا ہے پھر یہ ایمان بتدریج ترقی پا کر حضرت ابو بکرؓ کے ایمان تک منتہی ہو جاتا ہے ان کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور تمام دنیا کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھیں، تو حضرت ابو بکرؓ کا ایمان صاف وزنی نکلے گا کیونکہ انھیں تم پر کثرت صوم وصلوٰۃ کی بنا پر فضیلت حاصل نہیں بلکہ اس راز کی وجہ سے جو ان کے دل میں مخفی ہے۔

یہاں سے منصف مزاج آدمی پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صوفیا کا طریق اگرچہ بہت سے ظواہر میں دور ہو جاتا ہو زبردست شواہد کے ذریعہ سے اس پر شریعت شہادت دیتی ہے اس لئے ناواقف شخص کو محض اپنے قصور فہم اور جہالت کی بناء پر اس سے دشمنی نہ رکھنی چاہیے مختصر یہ کہ معرفت الٰہی کل معرفت کی غایت ہے[1] اور کل مذاہب کے مطابق جملہ علوم کا ثمرہ روایت ہے کہ ایک بار کسی نے دو عابد و زاہد بزرگوں کی صورتوں کو مسجد میں دیکھا دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک رقعہ تھا ایک پر لکھا تھا اگر تم تمام نیکیاں کر لو تو مت خیال کرو کہ تم نے کوئی نیکی کی ہے حتی کہ تم اللہ کو پہچان لو۔ اور معلوم کر لو کہ خدا مسبب الاسباب ہے اور تمام اشیاء کا موجد دوسرے پر تحریر تھا میں معرفت الٰہی حاصل کرنے سے پہلے پینے کے باوجود پیاسا تھا یہاں تک کہ جب میں نے اسے پہچان لیا تو بغیر پینے کے سیر ہو گیا۔

---

[1] ان دونوں باتوں سے حاصل حریت عقل نظری۔ جو وہم اور تقلید سے بے نیاز کرنے والی ہے اور حریت عقل عملی جو جسم کی غلامی سے رہائی بخشنے والی ہے جب ایک شخص کو یہ دونوں حریتیں بدرجہ کمال حاصل ہو جائیں تو وہ اس مقام پر پہنچ جائے گا جسے نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کی حقیقت وارد ہوئی۔

Marfat.com

وظیفہ ہشتم بعض علوم کا بعض علوم سے اشرف ہونے کی پہچان کر لینا، علم کی فضیلت دو طرح سے پہچانی جاتی ہے۔ اول اس علم کے ثمرہ کے اشرف ہونے کے لحاظ سے، دوم اس علم کے متعلق دلائل کی پختگی کے اعتبار سے۔ مثلاً علم دین اور علم طب علم دین کا ثمرہ حیات ابدی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں اس لئے وہ علم طب سے افضل ہے جس کا ثمرہ حیات بدنی ہے۔ جو موت تک ہے۔

پھر علم حساب کا اگر تم علم طب سے مقابلہ کرو گے تو اول الذکر مؤخر الذکر سے باعتبار پختگی دلائل اشرف ثابت ہوگا کیونکہ علم حساب کے متعلق جس قدر نظریے ہیں سب یقینی ہیں اور تجربہ کے محتاج نہیں بخلاف اس کے طب کو یہ بات حاصل نہیں، ہاں علم طب باعتبار ثمرہ کے علم حساب سے افضل ہے کیونکہ صحت بدن گنتیاں اور مقداریں معلوم کرنے پر فضیلت رکھتی ہے فضیلت ثمرہ پر نظر رکھنا پختگی دلائل کی تلاش سے بہتر ہے اور تمام علوم سے ثمرہ کے لحاظ سے افضل علم خدا اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور رسولوں کا علم ہے مع ہر اس علم کے جو اس علم کی اعانت کرے کیونکہ اس کا ثمرہ سعادت ابدی ہے۔

وظیفہ نہم، یہ ہے کہ تم علوم کی اقسام کی مجمل طور پر شناخت کر لو اور وہ تین ہیں:۔

اول وہ علم جو لفظ سے متعلق ہے بحیثیت معنی پر دلالت کرنے کے۔

دوم وہ علم جو صرف معنی سے تعلق رکھتا ہے اول الذکر سے وہ علم مراد ہے جس سے ہم چاہتے ہیں کہ تم ان الفاظ کی شناخت کر لو جو ان پر دلالت کرنے کے لئے اصطلاحی طور پر وضع کئے گئے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک علم لغات اور علم لغات اور اس کے دوسرے متعلقات ہیں جیسے علم مشتقات و اعراب و نحو و صرف، اور علم عروض و قوافی اس کی آخری حد علم مخارج حروف مع اپنے متعلقات کے ہے۔

علم متعلق بالمعنی، موقع و محل کے لحاظ سے جس قسم کے الفاظ اس پر صادق آئیں گے نام حاصل کرے گا کبھی علم جدل و مناظرہ کبھی علم برہان اور کبھی علم خطابت کیونکہ جو شخص ان علوم میں صاحب نظر ہے اور لغت موجبات الفاظ، معنی وغیرہ علوم کا عالم ہے تو جس رنگ اور جس عنوان سے وہ ان کو استعمال کرے گا اسی رنگ اور عنوان کے اعتبار سے اس کا نام ہوگا اگر وہ علم یقینی کی تحصیل کا کام کر لیتا ہے تو علم برہان، اگر فریق مقابل کو خاموش کرنے کے لئے تو جدل و مناظرہ اگر دلوں کو نرم کرنے کے کام آئے تو خطابت اور وعظ کہیں گے اسے دلیل بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ مخاطب کو مقاصد حقہ کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور ان اعتقادات کی طرف انہیں

Marfat.com

لے کر چلتا ہے جس میں ان کی نجات ہے احادیث اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں قرآن کافروں کے خلاف اسی رنگ میں استدلال سے کام لیتا ہے اور قرآن بلحاظ عموم جمہور کے حق میں سب سے بڑھ کر ہے مستقل طور پر برہان حقیقی ویقینی کا ادراک اور فہم صرف اکابر علمائے ہی کو حاصل ہوتا ہے جن کی زمانہ قدر نہیں کرتا۔

جدل ومناظر ہدایت کے لحاظ سے کم ترین نفع دینے والی شے ہے کیونکہ محقق اپنے دلائل وبراہین کو چھوڑ کر فریق مخالف کی بات کو تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ ہی دل میں اس کا قائل ہوتا ہے اور عامی بات ہی نہیں سمجھتا بلکہ اسے سمجھنے کے لئے اپنے فہم کو ناکارہ پاتا ہے خود مناظرہ کرنے والے لوگ عام طور پر شکست کھانے کے بعد بھی اپنے عقائد پر قائم رہتے ہیں اور کوتاہی دلیل کو اپنے قصور علم پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہمارا امام زندہ اور موجود ہوتا تو اس بات کا فیصلہ کن جواب دے سکتا اس لحاظ سے تم دیکھو گے کہ اکثر وہ باتیں جو ماہرین علم کلام اور مناظر اپنے مناظروں میں کر چکے ہیں کم وبیش جدلیات ہیں اور یہی حال ہے تمام باتوں کا جو فقہی مباحثوں میں واقع ہوتی ہیں یہی سبب ہے کہ مناظرہ کرنے والے لوگ خبردار ہو کر بھی دوسرے کے مذہب کو قبول نہیں کرتے۔

قسم سوم، معنوی کی دو قسمیں ہیں، محض علمی اور عملی، علمی قسم میں اللہ تعالیٰ ملائکہ، انبیاء اور مراتب نبوۃ، ملائکہ کے مراتب اسرار ارض وسما، آفاق ونفس اور ان کے اندر کی سب چیزیں، کواکب سماوی، عالم بالا کے نشانات، جملہ اقسام موجودات، ان کے ایک دوسرے سے ترتیب کی کیفیت، قیامت، حشر، نشر، جنت ودوزخ، صراط، میزان، جن وشیاطین، کی معرفت کا نام ہے علاوہ ازیں اس امر کی تحقیق بھی اس میں داخل ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنیٰ بھی وہی ہیں یا کچھ اور مثلاً عام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت امور کا تخیل اپنے ذہن میں پیدا کر رکھا ہے مثلاً اللہ کا عرش پر مقیم ہونا دنیا سے بلند بلحاظ مکان کے، اور اس سے پہلے زمانہ کے اعتبار سے، فرشتوں، شیاطین اور آخرت کے واقعات جنت ودوزخ کے متعلق ان کے کیا عقائد ہیں کیا یہ امور ایسے ہی ہیں جیسے انھوں نے سمجھے ہیں بغیر کسی قسم کے تفاوت کے یا یہ مثالیں اور خیالات ہیں کیا ان کے ظاہری مفہوم کے علاوہ بھی کچھ معنیٰ ہیں غرض ان تمام امور کی تحقیق کرو، سچائی کے ساتھ شک وشبہ سے پاک بطریق حقیقت ظاہرنیت کے اوہام باطلہ کو دور پھینک کے اندازہ اور اٹکل پچو لگانے سے دور ہٹ کر، یہ ہیں علوم نظریہ اور ان کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ اب رہے عملی تو ان میں احکام شرعیہ علوم فقہیہ، سنن نبویہ شامل ہیں ان میں معرفت سیاست نفس، اور

Marfat.com

تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، اہل وعیال، لباس وطعام، معیشت اور معاملات کی معرفت داخل ہیں اسے علم حقہ کہتے ہیں۔ یہ چہار گانہ معاملات نکاح اور شرعی حدود پر مشتمل ہے پھر جب اس کی انواع کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے مراتب کی پہچان اور شناخت کی طرف توجہ کرنی چاہیے تاکہ اوقات عزیز صرف منزل مقصود کی طرف گام فرسائی میں صرف ہوں۔ یا ان امور میں جو اس کے قریب لیجائیں۔

اب جو شخص قسم اول یعنی متعلق باللفظ علوم پر ہی قناعت کر گیا تو گویا وہ محض چھلکے پر ہی قانع ہو گیا ان میں سے جس نے نحو، اعراب، عروض اور مخارج حروف پر قناعت کی تو اس میں بھی صرف پوست پر انحصار رکھا اور جو شخص اس رستہ کی پہچان میں منہمک ہے تو وہ ایک امر اہم میں مشغول ہے پھر اگر اسی بات پر قصر کر دے تو گویا اس نے صرف آلہ اور وسیلے پر اکتفا کیا اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ کرے پھر اونٹ اور زاد راہ اور سواری خرید لے اور گھر میں بیٹھا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں بہت اہم ہیں اور بوجہ آلہ اور وسیلہ حج ہونے کے ضروری ہیں لیکن جب ان کو اس بات میں استعمال نہ کیا جائے جس کے لئے ان کو خرید کیا گیا ہے تو وہ بالکل بے سود ہیں الی ہذا القیاس طیغ وسنان اور خنجر وذشنہ بے کار ہیں۔ اگر انھیں جنگ میں استعمال نہیں کیا جاتا۔

اور جو شخص علوم عملیہ میں منہمک ہے اور صرف انہیں پر اکتفا کرتا ہے یعنی فقہیات وغیرہ پر تو اس کا حال لغات پر انحصار رکھنے والے کے زیادہ قریب ہے وہ اضافی طور پر عظیم القدر ہے جس طرح علم لغات اضافی طور پر علم رقص وسرور سے زیادہ رفیع الشان ہے لیکن اگر اس کو منزل مقصود کی نسبت سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ اس سے بہت ہی بعید ہے۔ یہ بات مثال کے بغیر پورے طور پر سمجھ میں نہ آئے گی۔

چنانچہ جب ایک آقا اپنے غلام سے وعدہ کرلے کہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا بشرطیکہ تم حج کر آؤ، اور اس کے بعد میں تمہیں سرداری عطا کر دوں گا تو سعادت آزادی وغیرہ کے حصول کے لئے غلام کے لئے تین مقامات ہیں۔

اول اسباب کا تہیہ کرنا مثلاً اونٹ، مشک زاد راہ وغیرہ خریدنا اور سامان سفر تیار کرنا (دوم) وطن چھوڑ کر بیہ پیائی اور راہ نوردی پر کمر بستہ ہو جانا اور منزل بمنزل چل کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہونا۔

سوم فریضہ حج کا ایک ایک رکن ادا کرنا ان تمام امور کو طے کرنے کے بعد اسے آزادی کی نعمت حاصل ہوئی اسے منزل بمنزل ایک بات کو طے کرنے کے بعد دوسری منزل

Marfat.com

میں قدم رکھنا پڑتا ہے اور ایک منزل کے اسباب و سامان کی تیاری کے بعد دوسری منزل کے وسائل کے تہیہ کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے یہی حال کمال نفس کا ہے طہارت اخلاق و رزائل و ذمائم کے ازالہ اور حقائق و معارف کے انکشاف سے اخلاق کو مکمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس تشبیہ میں مال کی مثال موت کی سی جو اس حجاب کو دور کر دیتی ہے جو انسان اور اس کے رتبہ کے درمیان حائل ہیں اس کے وسیلے سے نفس اپنے کمال اور جمال کی حقیقت سے روشناس ہوتا ہے چنانچہ جب یہ حجاب اٹھ جاتا ہے تو نفس اپنے کمال کو دیکھ لیتا ہے جو اعلیٰ علیین میں اسے حاصل ہے اسے اس نظارے سے ایک ابدی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور منزل بمنزل قطع راہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنا خلق بد اخلاقیوں کو محو کرنے اور علوم نظریہ کو دوسرے علوم کے علاوہ ایک ایک کر کے حاصل کرنے سے مہذب بنالیا ہے۔

توشہ دان اور مشک وغیرہ کی تیاری، اور راہ اور سواری کی خریداری کی مثال کے مطابق وہ تمام علوم ہیں جو فقہ اور لغت جیسے علوم نظریہ کے خادم ہیں اور جو شخص فقہ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے اس کی حیثیت توشہ دان وغیرہ کی تیاری کرنے والے کی سی ہے اور جو شخص انہیں پر بس کر دیتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص توشہ دان بنا کر بیٹھ رہے۔ علاوہ ازیں جو شخص علم لغت کے اندر ہی محدود ہو جائے وہ اس شخص کی مانند ہے جو توشہ دان کی کھال کو رنگ چھوڑنے پر اکتفا کرے اس لحاظ سے جو شخص اپنے اوقات کو فروعات فقہی میں (جن میں اختلافی مسائل اور وہ باتیں شامل ہیں، جو عہد صحابہؓ میں پائی ہی نہیں جاتی تھیں) مشغول و مستغرق رہتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی توشہ دان کے احکام اور اسے سینے سلانے کے مسائل میں اپنی زندگی کو وقف کر دیتا ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ اگر تم نے یہ باتیں اعتقادی طور پر کہی ہیں تو اجماع فقہاء اس کے خلاف ہے اور اگر بطور حکایت اور مثال کے کہی ہیں تو ان باتوں کو کون مانتا اور تسلیم کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے یہ باتیں حکایت کے طور پر کہی ہیں ان کا تعلق اس مذہب سے ہے جس پر اس کتاب کا اکثر دارومدار اور انحصار ہے اور وہ تصوف ہے۔ عام لوگوں نے ان معانی سے اتفاق کیا ہے جو اس مثال سے مستنبط ہوتے ہیں اگرچہ ان کے نزدیک یہ تشبیہ بعینہ مشبہ بہ کے مطابق نہیں اگر تم پوچھو کہ آیا جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں درست ہے یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ یہ کتاب ان امور کے حق و باطل میں تمیز کرنے کے دلائل و براہین پیش کرنے کی غرض سے نہیں لکھی گئی بلکہ اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ غفلت و خود فراموشی کے ازالہ کے لئے پند و نصیحت کو قلم بند کیا جائے جن کی تعلیم یہ لوگ دیتے ہیں کہ ابتدائے کار میں یہ بات بعید معلوم نہیں ہوتی اس

Marfat.com

لئے جو طالب علم کسی علم وفن کی جستجو میں نکلتا ہے اسے لازم ہے کہ خوب سوچ سمجھ لے تا کہ حقیقت سے واقف کار ہو جائے۔ اور وہ اندھا دھند اسی وادی پر خار میں قدم نہ رکھے۔

اس مقام پر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ جب تم اپنی عمر فقہ کی نذر کر چکے اور تصوف سے تمہیں کوئی شغف اور حسن ظن نہیں علاوہ ازیں تمہارا دل اس قدر وسیع بھی نہیں کہ بدر عیبی اور رسمی طور پر دیدہ دانستہ اس ادنیٰ بات کے درپے ہو جاؤ تو ہم نے یہ کیوں کہا کہ ان کے مسلک میں یہ بات ضروری ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تم اس کا سبب محقق کر لو گے۔

جب تم ان تمام تفاصیل کے باخبر ہو جاؤ گے جو اوپر گزر چکیں اور جن میں ہم نے بتایا ہے کہ سعادت کے حصول کے معنیٰ یہ ہیں کہ تزکیہ نفس کے لئے نامناسب امور کو نفس سے محو کر دیا جائے اور کشف حقائق سے تکمیل نفس کے لئے مناسب امور کو نفس میں جاگزیں کیا جائے۔

اور اس بات کے حصول کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ انعامات الٰہی اور ملکوت السمٰوت والارض میں نظر وفکر سے کام لیا جائے تا کہ ان کے اسرار ظاہر ہو جائیں اور فقہ اس کی اسی طرح محتاج ہے جس طرح بدن اس کا دست نگر ہے بدن کی بقا کا انحصار علم ابدان یعنی علم طب اور ادیان یعنی فقہ پر ہے باعث یہ کہ آدمی کی خلقت کچھ ایسے نہج اور عنوان پر عمل میں آئی ہے کہ وہ وحشی جانوروں کی طرح تنہائی اور علیحدگی کی زندگی نہیں بسر کر سکتا اسے لازمی طور پر سوسائٹی میں رہنا پڑتا ہے ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا وہ محتاج ہے کھانے پینے اور پہننے اور دوسری ضروریات کے تہیہ میں وہ ایک دوسرے کا دست نگر ہے غرض چونکہ انسانوں کا اجتماع ناگزیر ہے اس لئے ان میں عدل و مساوات قائم کرنے اور آپس میں لین دین اور معاملہ کرنے کے لئے قانون کی بھی اشد ضرورت ہے ورنہ بنی آدم میں ہمیشہ تنازعہ اور جنگ وجدال برپا رہ کر انھیں ہلاک کرتا رہے گا اور فقہ میں اسی قانون کا بیان ہوتا ہے۔ اور نکاح و طلاق، معاملات اور عقوبات اس قانون کی تفصیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے رستہ میں بادیہ پیما ہونے والوں کے لئے بدن کی حیثیت ایک ناقہ، اور توشہ دان وغیرہ کی ہے۔ جن کی ضرورت حج میں پڑتی ہے بدن کی مصلحتیں ناقہ اور توشہ دان کی طرح ہیں علم مصالح بدن کا کفیل ہے۔ جس طرح توشہ دان بنانے کے لئے سینا، وضع قطع کرنا اور دباغی کے فنون کفیل ہیں، اس لئے جو تعلق ان چیزوں کو اس مقصد کے ساتھ ہے وہی رتبہ علم کو اپنے مقصد سے ہے۔ سلوک استعداد اور مقصد کے بارے میں ان لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بالکل درست اور بے عیب ہے، ان کا قول ہے کہ اگر خدا کو دنیا کی آبادی منظور نہ ہوتی تو

Marfat.com

پردے اٹھ جاتے، غفلت دور ہو کر تمام دنیا کی مخلوق اللہ کی جانب دیوانہ وار متوجہ ہو جاتی۔ اور لوگ ہر اس بات سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتے جو منزل مقصود سے بے تعلق کرنے والی ہے لیکن ہر کس بخیال خویش خبطے وارد اسی بے خبری کے ذریعہ سے کائنات کا قیام ہے ورنہ صنعتیں اور فنون سب رائیگاں ہو جاتے۔ تم خود غور کرو کہ اگر درزی، حجام اور دوسرے کاریگروں کے دل سے ان فوائد کا اعتقاد جاتا رہے جو انھیں اپنے فنون کی جانب مائل کئے ہوئے ہے تو وہ فوراً ان سے دست بردار ہو جائیں اور ہر ایک شخص اعلیٰ درجہ کی صنعتوں کی جانب جھک پڑے۔ نتیجہ یہی کہ صنائع سے چیزیں تیار کروائی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہ غفلت اور بے خبری بھی اللہ تعالیٰ کی ایک لحاظ سے رحمت ہی ہے اور بعض حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان (اختلاف امتی رحمتہ) میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے، کو اسی بات پر محمول کیا ہے۔ یعنی امتیوں کی ہمتوں اور رجحانات کا اختلاف باعث رحمت ہے۔ اگر خاک روب کو معلوم ہو جائے کہ اس کا پیشہ بے سود اور لغو ہے تو وہ اسے آج ہی چھوڑ دے۔ پھر علماء، خلفاء اور اولیاء کو خود اپنی نجاست اٹھانی پڑے۔ یہی حال دباغی، حدادی، زراعت، اور تمام پیشوں کا ہے چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ کو علم فقہ علم نحو، علم مخارج حروف، اور طب کا لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہونا منظور نہ ہوتا تو یہ علوم بالکل بے کار اور معطل ہو جاتے اور نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ جو شخص کسی علم یا صنعت میں تمام دوسرے خیالات کو چھوڑ کر مصروف ہو اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ اپنے رتبہ اور اپنے فوق کی نسبت کے مطابق اطلاع حاصل کرے۔ بلکہ اپنے سے نیچے والوں کے قدر اور نسبت کے موافق اسے معلومات ہونا چاہئیں علوم کے تمام مراتب سے مطلع ہونا تو صرف اسی شخص کی قسمت میں ہوتا ہے جو تمام علوم کا متکفل ہو یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی ہے اور حقائق اشیاء کا کماحقہ مشاہدہ کروا دیا ہے۔ تو یہ جواب ہے ان کا اس کے بعد ہم تمہیں یہ رائے دیتے ہیں۔ کہ جس بات میں تم مصروف ہو، اسی پر اکتفا کرو یا ان لوگوں کے رستہ پر چل پڑو اور اس فن میں حق و صداقت کی شناخت کے لئے بحث و نظر سے کام لو۔

وظیفہ دوم، یہ ہے کہ جو کچھ وہ سیکھے اس سے اس کا مقصود دنیا میں اپنے نفس کا کمال اور فضیلت ہو اور آخرت میں تقرب الی اللہ ریاست و جاہ، مال و منال اور احمقوں کا فخر و مباہات اور علماء کی ریاکاری مطلوب نہ ہو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے من تعلم العلم لیبا ہی بہ السفہا و یماری بہ العلما دخل النار جو شخص بے وقوفوں پر فخر کرنے اور علماء کے

Marfat.com

دکھاوے کے لئے علم حاصل کرتا ہے دوزخ میں جائے گا اوپر گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل تک علوم کے ذریعہ سے رسائی حاصل کرنے کے لئے ان کے مختلف مدارج ومنازل ہوتے ہیں ان علوم کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہنا ایسا ہی ہے جیسے جہاد کے رستہ میں نگہبانی کے لئے پہرہ دار مقرر کرنا جب کوئی شخص ہر ایک علم کا مرتبہ پہچان لے اس کا حق ادا کرے اور اس سے صرف رضائے الٰہی مقصود رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر کبھی ضائع نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے علم کے درجہ کے مطابق دنیا اور آخرت میں بلندی عطا فرماتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یرفع اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات اللہ تم میں سے مومنوں اور عالموں کو بلند مرتبے عطا فرماتا ہے۔ اور فرمایا ہم درجات عنداللّٰہ ان کو اللہ کے نزدیک مدارج حاصل ہیں صوفیوں کا مسلک جو ہم نے علوم کے متعلق بیان کیا ہے اسی سے تمہارے دل میں علوم کے متعلق بدظنی نہ پیدا ہونی چاہیے کیونکہ ان کا مطلب اس سے حقارت علوم نہیں، بلکہ یہ تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ان کی حرمت اور عظمت کی نگہداشت کرے، انھوں نے علوم کے متعلق اولیاء اور انبیاء کے مرتبہ کی علوشان مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو کی ہے بعینہ جس طرح تم اولیاء اور انبیاء کے مقابلہ پر سلاطین ووزراء کو کتے سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہو، لیکن جب انہیں کے رتبے کو تم خاکروبوں اور چماروں کے مرتبے سے قیاس کرو تو انہیں اس طرح ذلیل کہنا درست نہ ہوگا بلند ترین مرتبہ سے اتر آنے سے کسی چیز کی بالکل ہی قدرت ومنزلت تو برباد نہیں ہو جاتی چنانچہ سب سے اوپر کا درجہ انبیاء کا ہے پھر اولیاء کا پھر علماء کا اپنے اپنے مراتب کے تفاوت سے پھر نیک عمل کرنے والوں کا مختصر یہ کہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ جو رائی برابر بھی نیکی کرے گا اس کا اجر پائے گا اور جو شخص قرب الٰہی کا علوم کے ذریعہ سے قصد کرے گا اسے اللہ تعالیٰ لامحالہ فائدہ دے گا اور رفعت قدر عطا فرمائے گا۔ یہ وظائف تو معلم کے لئے ہیں۔

رہا معلم تو اس کے لئے آٹھ باتیں قابل توجہ ہیں، سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ انسان کے لئے علم کے لحاظ سے چار حالات ہیں جس طرح مال جمع کرنے کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں، اول استفادہ کی حالت جس سے وہ اکتساب کرتا ہے، دوم وہ جو مال اس نے کمایا ہے اسے ذخیرہ کرتا ہے، اس سے دوسرے لوگوں سے سوال کرنے سے بے پرواہ ہو جاتا ہے، سوم اس مال کو اپنی جان پر خرچ کرنے کی صورت ہے اس میں انسان مال سے نفع اٹھاتا ہے یا چہارم کمائے ہوئے مال کو دوسرے لوگوں پر خرچ کرتا ہے، تو صاحب عزت اور سخی

Marfat.com

کہلاتا ہے یہ چاروں صورتوں میں افضل ہے یہی حال علم کا ہے صاحب علم کا ایک حال یہ ہے کہ وہ طالبعلم ہے دوسرے وقت میں جب وہ تحصیل علم سے فارغ ہو چکا ہے تو دوسرے لوگوں کا دست نگر ہونے سے مستغنی ہے تیسری استبصار کی صورت ہے یعنی جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے اس میں تفکر کرتا ہے، چوتھی صورت تبصیر اور تعلیم کی ہے اور یہ سب صورتوں سے اشرف اور برتر ہے۔

جس شخص کا علم سے سابقہ پڑے پھر وہ خود بھی استفادہ کرے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے تو وہ سورج کی طرح ہے جو خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی منور بناتا ہے یا کستوری کی مثال ہے جو خود بھی خوشبودار ہے اور دوسروں کو بھی معنبر کرتی ہے اور جو شخص دوسروں کو نفع پہنچائے لیکن خود فائدہ نہ اٹھائے وہ کتب خانہ کی مانند ہے کہ دوسرے اس سے متمتع ہوتے ہیں لیکن اسے خود کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

وظیفہ اول یہ ہے کہ معلم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ متعلم کو اپنے بیٹے کی مانند سمجھے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں تم پر ایسا ہی مہربان ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لئے ہوتا ہے اور متعلم کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ استاد کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے کیونکہ باپ تو بیٹے کی حیات فانی کا سبب ہے اور استاد اس کی حیات ابدی کا موجب، چنانچہ جب سکندر نے کسی سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک آپ کے استاد کی عزت زیادہ ہے یا باپ کی، تو جواب دیا میرے استاد کی۔

جس طرح ایک باپ کے بیٹوں کا فرض ہے کہ آپس میں محبت اور پیار سے رہیں اور بغض وعناد نہ رکھیں اسی طرح ایک استاد کے بیٹوں کا حق ہے کہ اس سے شاگرد بغض وعناد نہ رکھے۔ اور محبت سے پیش آئے بلکہ ہم تو کہیں گے کہ سب دینی بھائیوں کا یہی حق ہے علماء سب خدا کی جانب جانے والے مسافر ہیں، اور اس کے رستہ کے سالک اور مسافروں کو جو ایک ہی رستہ پر چل رہے ہیں آپس میں گہرا پیار اور مودت رکھنی چاہیے چنانچہ علمی برادری کو پیدائشی اخوت پر فوقیت حاصل ہے۔

آپس میں تباغض وتحاسد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انہیں علم سے مال وجاہ کا حصول مقصود ہو جب یہ حالت ہو تو خدا کے رستہ پر چلنے کی منزل سے نکل جاتے ہیں اور ارشاد الٰہی کے دائرہ انما المؤمنون اخوۃ (مسلمان سب بھائی بھائی ہیں) سے خارج ہو کر ور خدا کے اس قول کے اندر داخل ہو جاتے ہیں کہ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض

Marfat.com

عدو الا المتقین قیامت کے روز دنیا کی دوستیاں ختم ہو جائیں گی اور سوائے متقیوں کے سب ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔

وظیفہ دوم، یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کی اقتداء سے سرمنہ باہر نہ ہو اور نہ ہی تعلیم دینے کا کوئی اجر اور معاوضہ طلب کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا اے رسول (ﷺ) کہہ دو کہ میں تعلیم شریعت کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا چنانچہ جو شخص علم کے ذریعہ سے مال و دولت اور اغراض دنیا طلب کرتا ہے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے ہاتھوں کی میل کچیل کو اپنے چہرے اور ڈاڑھی سے مل کر ہاتھوں کو صاف کر لیا اس نے مخدوم کو خادم بنا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لباس اور غذائیں بدن کی خدمت گذار پیدا کی ہیں، اور بدن کو نفس کا خادم اور مرکب بنایا ہے اور نفس کو علم کا چاکر مقرر کیا ہے علم مخدوم ہے خادم نہیں۔ اور مال خادم ہے مخدوم نہیں۔

اس حقیقت کے عکس کے معنیٰ ہی گمراہی ہیں۔

تعجب ہے کہ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے زمانہ اس قدر پلٹا کھا چکا ہے اور زمین علمائے دین سے اس طرح خالی ہو چکی ہے کہ متعلم اب معلم کی تقلید میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو احسان جتاتا ہے اس کے بالمقابل بیٹھتا ہے اور اپنے استفادے سے دنیوی اغراض کا لالچ مدنظر رکھتا ہے، یہ ذلت و پستی کی انتہاء ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ معلمین ریاست و تجمل کی آرزو میں کثرت متعلمین کے متمنی ہوتے ہیں ایک تو علم انھیں کم ہوتا ہے دوسرے ذاتی طور پر انھیں اپنے کمال سے کوئی ذوق نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم بھی ان سے یہی چیز حاصل کرتے ہیں۔

تیسری اہم اور غور طلب بات یہ ہے کہ طالب علم کو نصیحت کرنے کے وقت ذلیل وخوار نہ کرے اسے بد اخلاقیوں سے روکنے کے لئے یا اپنے استحقاق سے مافوق رتبہ کے شوق اور اپنی طاقت سے بڑھ کر محنت کرنے سے باز رکھنے کے لئے یا غایت علوم سے آگاہی دینے کے لئے تصریح سے کام نہ لے اگر استاد دیکھے کہ کوئی شاگرد صرف طلب جاہ و مال اور فخر و مباہات کے لئے تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ تو اسے تعلیم حاصل کرنے سے روکے نہیں تا کہ اس کا علم سیکھنے میں مشغول ہونا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے اعراض کرے کیونکہ ممکن ہے کہ جب وہ علم کا اکتساب کرے تو حقیقت نفس الامری سے آگاہ ہو جائے اور جان لے کہ اغراض دنیوی کے لئے علم حاصل کرنے والا زیاں کار ہے علمائے کرام نے اس مفہوم کو اپنے قول ذیل سے واضح

Marfat.com

کیا ہے کہ ہم نے جب غیر اللہ کے لئے علم سیکھا تو علم نے ماسوا اللہ کے لئے ہونے سے انکار کر دیا۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو اللہ کے لئے علم حاصل کرنے کی رغبت نہ ہو تو چاہیے کہ انھیں علم کی کسی ایسی نوع کی طرف دعوت دیں جس سے جاہ و مال حاصل ہو پھر انھیں طمع ریاست کے ذریعہ سے وہ علم سکھائیں یہاں تک کہ علم حاصل ہونے کے بعد بتدریج وہ حق کی طرف آ جائیں اسی لئے علم مناظرہ اور علم فقہ کا ترک کرنا مناسب ہے کیونکہ یہ علوم ہمیشہ ابتداء میں طلب مباہات کے باعث ہیں اور انجام کار فسادِ نیت سے خبردار کر دیتے ہیں اور انسان کو منہاج قویم کی طرف لے آتے ہیں اس مفہوم کے بعینہ مطابق ہے ہماری وہ مثال جس میں ہم نے کہا تھا کہ بچے کو ریاست جاہ و مال کے لالچ دلا کر تعلیم کی جانب مائل کیا جائے ہم اسے چوگان کھیلنے پرندے خریدنے اور لہو لعب کے اسباب کا طمع دلاتے ہیں اور بعض اوقات ہم اسے ان باتوں میں مطلق مصروف کر دیتے ہیں تا کہ اس کے دل میں تعلیم حاصل کرنے کے واعیے پیدا ہوں اس سے ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ آخر کار وہ ہماری مرضی اور منشا کی طرف بتدریج آ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے علم سیکھنے کے ارادے کو شریعت اور علم کا نگہبان بنا دیا ہے طمع ریاست اور نیک نامی کے ساتھ متعلمین کے دلوں میں علم کی آگ بھڑکانا ایسا ہی ہے جیسے بیل کو خوب پھیلانے کے لئے باغبان رسیاں اور لکڑیاں قریب قریب گاڑتے ہیں، یا جیسے غذا اور نکاح کی خواہش۔

ان دونوں کو خدا نے اس لئے خلقت کیا ہے کہ ان سے داعیہ پیدا ہو جس سے شخصیت اور نوع انسانی کی بقا ہے اور اگر علم مناظرہ کے بارے میں یہ مصلحت پیش نظر نہ ہوتی تو اس کی کسی صورت میں اجازت نہ دی جاتی کیونکہ اس کے ذریعہ سے کبھی تبدیلی مذاہب اور ترک معتقدات کی لذت نہیں آئی۔

چوتھی اہم بات یہ ہے کہ جن باتوں سے شاگرد کو روکنا واجب ہے ان سے اسے تعریض کے ساتھ باز رکھنے کی کوشش کرے۔ تصریح کا استعمال نامناسب ہوگا کیونکہ تعریض یعنی اشارے کنائے سے کام لینا زجر و توبیخ میں مفید ہوتا ہے۔ اور تسریح یعنی صاف صاف تنبیہ کرنے سے منع کی ہوئی بات کی دل میں اور خواہش پیدا ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لو نھی الناس عن فت البعر لفقوہ وقالو مانھینا عنہ الا وفیہ شیء

Marfat.com

اگر لوگوں کو پشکل بکھیرنے سے منع کیا جائے تو وہ اسے ضرور بکھیریں گے اور کہیں گے اس کے اندر کچھ نہ کچھ ہے تو ہمیں اس بات سے باز رکھا گیا ہے آدم وحوا کا قصہ اس حقیقت کی بین مثال ہے بعض اوقات تعریض تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نفوس فاضلہ استنباطِ غیر معروف باتوں کی کنہ معلوم کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ وہ تعریض کے معنی معلوم کرنے کے لئے نہایت محبت سے مائل ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ تعریض استاد کے لحاظ اور رعب کا پردہ بھی چاک نہیں کرتی حالانکہ تصریح کامل طور پر اس کی دھجیاں بکھیر دیتی ہے اور شاگرد میں مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا کرتی ہے۔

وظیفہ پنجم، یہ ہے کہ استاد کو چاہیے کہ علاوہ اس علم کے جو وہ اپنے تلامذہ کو پڑھا رہا ہے دوسرے علوم کی انھیں نفرت نہ دلوائے جیسے معلمین لغت کا قاعدہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے فقہ کی برائی بیان کر کے ان کو اس سے روکتے ہیں اور فقہاء کی عادت ہے کہ علوم عقلیہ کی ہنسی اڑا کر شاگردوں کو ان کے قریب پھٹکنے سے منع کرتے ہیں بلکہ چاہیے کہ طالب علم کے دل میں اوپر کے علم کی قدر ومنزلت بٹھائے تاکہ وہ موجودہ علم میں تکمیل کا درجہ حاصل کر کے اس میں مشغول ہو جائے اور اگر استاد وہ علم پڑھا سکتا ہے تو جب شاگرد ایک علم سے فارغ ہو تو دوسرے علم کی حصول کی طرف ترقی کرلے، اور اسی طرح بتدریج اوپر چڑھتا جائے۔

وظیفہ ششم، یہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے وہی چیز پیش کرے جو ان کے افہام واذہان کے حسب حال ہے چھوٹتے ہی انھیں تابڑتوڑ بیک وقت جلی سے دقیق کی طرف اور ظاہر سے خفی کی سمت نہ لے جائے بلکہ کافہ انام کے معلم اور مرشد کائنات ﷺ کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے ان کی استعداد کے مطابق انھیں ترقی دے فرمایا۔ انا معشر الانبیاء امرنا ان ننزل الناس منازلھم ولنکلم الناس بقدر عقولھم ہم معشر انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں کے مقام کے مطابق نیچے اتریں اور ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں۔

اور فرمایا احد یحدث قوما حدیثا لایبلغہ عقولھم الاکان ذالک فتنۃ علی بعض جب کوئی شخص لوگوں کے سامنے کوئی ایسی بات کہتا ہے جس کی بلندی کو ان کی عقلیں نہیں پہنچ سکتیں تو وہ بات ضرور ان میں سے بعض کے لئے باعث فتنہ ہو جاتی ہیں۔

علیؓ کا قول ہے دنیا میں علوم کی ایک کثیر تعداد ہے کاش ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا موقع ملتا۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا۔ کلموا الناس بما یعرفون

Marfat.com

ودعوا ما ینکرون اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ ۔لوگوں سے وہ باتیں کہو جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں، اوران باتوں کو چھوڑ دو جن کا وہ انکار کردیں گے۔کیا تم چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو جھٹلا بیٹھیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد کیا۔ ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم اگر اللہ ان کے اندر کوئی بھلائی دیکھتا تو انھیں سنا کے رہتا ایک دفعہ کسی محقق سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا اس نے بتانے سے گریز کیا۔ سائل نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے من کتم علما نافعا جاء یوم القیامۃ ملجما بلجام النار جس شخص نے کوئی نفع بخش علم چھپایا تو وہ قیامت کے دن آگ کی لگام منہ میں لیکر آئے گا محقق نے کہا لگام کو پھینک اور یہاں سے چلا جا اگر کوئی سمجھ دار شخص آیا اور میں نے اس سے علم چھپایا تو وہ مجھے لگام دے لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ولا تؤتوا السفھا اموالکم اپنے مال سفہاء کو نہ دو فرما کر اس بات کی تنبیہ کی ہے کہ علم کی حفاظت کرنا اور اسے روک رکھنا اس شخص سے جو اسے خراب کردے اولیٰ ہے اور فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم پھر جب ان کو صاحب تمیز معلوم کرو تو ان کے مال ان کو دیدو ارشاد کرکے یہ حقیقت واضح کردی کہ جو شخص علم میں صاحب تمیز ہو جائے تو چاہیے کہ اس کے سامنے حقائق علوم کھول دے ظاہر اور جلی سے باطن کے دقیق اور خفی مسائل کی طرف لے چلے چنانچہ مستحق سے کسی چیز کو روک رکھنا غیر مستحق کو وہ چیز دیدینے سے کم ظلم نہیں متقدمین میں سے کسی شاعر کا قول ہے

فمن منح الجھال علما اضاعہ　　ومن منع المستحقین فقد ظلم

جو شخص جاہلوں کو علم سکھاتا ہے اسے ضائع کرتا ہے اور جو مستحقین سے اسے روکتا ہے وہ بھی ظلم کرتا ہے۔

حقائق علوم کو مستحق لوگوں سے چھپا رکھنا بھی بہت بری بات ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ وہ تعلیم حق کا اعلان کرینگے اور لوگوں سے نہ چھپائینگے۔

وظیفہ ہفتم یہ ہے کہ کند ذہن اور غبی طالبعلم سے ایسی گفتگو کرے جو اس کے فہم کو حوصلہ مند کرے اس سے یہ بھی نہ کہے کہ جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے تمہاری پہنچ سے بالاتر ہے اس کے پیچھے نہ پڑو کہ اس سے اس کی رائے میں خرابی واقع ہوگی اور

Marfat.com

جو کچھ اسے بتایا جائے گا اور علم سے جو کچھ اسے دیا جائے گا وہ اسے قبول کرنے سے ناقابل ہو جائے گا بخلاف اس کے استاد کو چاہیے کہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات ڈال دے کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا یہی اصل مقصود ہے پھر جب وہ اس پر مستقل طور پر قائم ہو جائے تو اسے بتدریج دوسری باتوں کی طرف ترقی کرائے اس سے یہ بات بھی جاننے کے قابل ہے کہ عوام میں سے جو شخص قید شرع کے اندر اپنے تئیں بند کرے اور ظاہری طور پر اعتقادات رکھے اور اس کی سیرت کے لحاظ سے اس کا حال پسندیدہ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس کے اعتقاد کو متزلزل اور شوش کرے اور ظواہر کی تاویلات پیش کرے کیونکہ اس سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ آہستہ آہستہ شریعت کی قید سے وہ بے پرواہ ہو جائے گا پھر خواص کی تحقیق کے اندر وہ مقید نہ ہو سکے گا انجام یہ ہو گا کہ اس کے اور برائیوں کے درمیان جو دیوار حائل ہے اٹھ جائے گی اور وہ شیطان اور شریر ہو جائیگا بلکہ چاہیے کہ عبادات ظاہری کے علم اور اس صناعت میں دیانت داری سے کام لینے کی طرف (جس کے وہ قریب ہے) اس کی رہنمائی کرے اور اس کے دل کو ترغیب و ترہیب سے لبریز کر دے اس کے لئے طریقہ وہ استعمال کرے جو قرآن نے کیا ہے اور شاگرد کے دل میں شبہات نہ پیدا ہونے دے لیکن اگر شک و شبہ سر اٹھالے اور اس کا دل ان کے حل کرنے کے شوق میں گرفتار ہو جائے تو اس کے شبہات کا ازالہ اس طرح کرے جس طرح ایک عامی کو سمجھایا جاتا ہے اگر اس سے کام نہ چلے تو دلائل کے حقائق کے ذریعہ سے عمل پیرا ہو۔ یہ بھی نامناسب ہو گا کہ اس کے سامنے باب بحث و طلب کھولدے کہ اس سے اس کی کاریگری اور صنعت کو نقصان پہنچے گا جو صفحہ زمین کی رنگینی کے باعث اور خلقت کے نفع کی موجب ہے پھر درک علوم سے بھی وہ قاصر رہیگا۔

اگر استاد اپنے شاگرد کو ذکی الطبع اور ذہین پائے اور حقائق عقلیہ کے قبول کرنے کے لئے مستعد دیکھے۔ تو اسے اجازت ہے کہ تعلیم میں اس کی امداد اور حل شبہات میں اس کی اعانت کرے امم سابقہ میں سے کسی کے متعلق حکایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مدت تک متعلم کے اخلاق کی خبر گیری کرتے تھے۔ پھر اگر کوئی اس میں عجیب بات پاتے تو اسے تعلیم دینے سے انکار کر دیتے اور کہتے کہ علم کے ذریعہ سے وہ اپنے برے اخلاق کے تقاضے کے مطابق امداد حاصل کرے گا اور علم اس کے حق میں آلہ شرارت بن جائیگا اور اگر اسے مہذب اخلاق کا پاتے تو اسے مدرسے میں بند کر دیتے اسے پڑھاتے سکھاتے اور درجہ تکمیل حاصل کرنے سے پہلے اسے نہ چھوڑتے وہ ڈرتے کہ اگر صرف چند علوم پر اس نے اکتفا کر لیا تو اس کی تعلیم کمال حاصل

Marfat.com

نہ کریگی اس کا دل خراب ہو جائیگا اور اس کے ساتھ اس کا اپنا دین اور دوسروں کا دین برباد ہو جائیگا اس کے متعلق کہا گیا ہے نیم ملا خطرہ ایمان، نیم حکیم خطرہ جان، نیم مولوی دین میں فساد کرتا ہے اور نیم حکیم زندگی کو برباد کر دیتا ہے۔

وظیفہ ہشتم، معلم کے لئے ضروری ہے کہ علم عملی یعنی شرعیات پر خود کاربند ہو، تا کہ اس کے قول کی تکذیب اس کا فعل نہ کرے۔ ورنہ لوگ اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے سے نفرت کر جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ عمل بصارت کو نظر آتا ہے اور علم سے صرف بصیرت واقف ہوتی ہے اور بصارت ظاہری کے مالک اصحاب بصیرت سے زیادہ ہیں اس لئے یہ لازمی بات ہے کہ تذکیہ اعمال کی طرف اس کی توجہ بہ نسبت خوبیٔ علم اور اس کے توسیع سے زیادہ ہو چنانچہ جو طبیب خود تو ایک چیز کھائے اور لوگوں کو اس سے روکے اور کہے اسے مت کھانا یہ زہر ہے یہ زہر ہے تو اس کی یہ بات مذاق اور حماقت سمجھی جائیگی اور لوگ اس شے کو سب سے زیادہ نفع بخش تصور کرینگے یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کو کسی چیز سے باز رکھنا چاہتا ہے لیکن الٹا اسے اور مرغوب اور مطبوع بنا دیتا ہے نصیحت سننے والا شخص واعظ سے وہی حیثیت رکھتا ہے جب کسی چیز میں نفس ہی نہیں تو اسے مٹی کیسے نقش حاصل کریگی اور سایہ کیسا سیدھا ہوگا جبکہ لکڑی ٹیڑھی ہے اس کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

لاتنہ عن خلق وتأتي مثلہ عار علیک اذا فعلت عظیم

جو کام تم خود کرتے ہو اس سے لوگوں کو منع نہ کرو جب تم خود کرو گے تو زیادہ شرم کا مقام ہوگا اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے أتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذات کو بھلا دیتے ہو اسی لئے کہا گیا ہے کہ عالم کے گناہوں کا بوجھ غیر عالم کے بوجھ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ بوجھ پر بوجھ اٹھاتا ہے جیسے سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے من سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها الی یوم القیامة جو شخص کوئی برا طریقہ رائج کریگا تو اس کا وبال اس پر ہے اور وبال ہر اس شخص کا جو اس پر عمل کرے قیامت تک تو ہر ایک گنہگار کے لئے ہر ایک معصیت میں ایک بات قابل توجہ ہے یعنی ترک معصیت اور ترک اظہار تا کہ لوگ اس کے اتباع میں ہلاک نہ ہوں چنانچہ جب اس نے اس گناہ کا اظہار کیا تو اس نے دو فرائض سے اعراض کیا اور اگر اس نے اخفاء سے کام لیا تو ایک واجب امر کے ترک کا ارتکاب کیا چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا قصم ظهري رجلان جاهل متنسك وعالم متهتك فالجاهل يغير الناس بنسكه والعالم يغرهم بتهتك دو

Marfat.com

شخصوں نے میری کمر توڑ دی جاہل پرستار اور عالم بے باک نے کہ جاہل لوگوں کو اپنی پرستاری سے فریب میں ڈالتا ہے اور عالم اپنی بے باکی سے ان کا ایمان چھینتا ہے۔

فصل

مال حاصل کرنا اور اس کے اکتساب کے ضروری امور

معلوم رہے کہ جب دنیا تمام خرابیوں کی جڑ اور دنیا و آخرت کی کھیتی ہے تو اس میں بھلائی ہے نفع بخش اور زہر ہے ہلاکت افگن، دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ عرق نکالنے والا اس میں سے تریاق نکالتا ہے اور ناواقف پکڑتا ہے تو بے خبری میں اس کے زہر سے ہلاک ہو جاتا ہے کہتے ہیں مال اوسط درجے کی نیکیوں میں سے ہے کہ ایک لحاظ سے وہ فائدہ مند ہے اور ایک اعتبار سے مضرت رساں اس لئے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اس کے سود مند حصے پر اکتفا کیا جائے اور اس کے ہلاکت آفریں حصہ سے احتراز اصل بات یہ معلوم کرنا ہے کہ مقاصد کے لحاظ سے مال کا کیا مرتبہ ہے تمام امور کی بنیاد حقائق اشیاء کا علم ہے اس لئے ہم کہتے ہیں سعادت اخروی کے طالب اور متلاشی کے لئے چند اہم اور ضروری باتیں ہیں جو اسے مال کے طامع میں آمد و خرچ اور استعمال کی مقدار واجب کے اعتبار سے مدنظر رکھنی چاہئیں۔

پہلی بات مال کے مراتب کی پہچان ہے اوپر گزر چکا ہے کہ فراہمی زر کے لحاظ سے تین مرغوب صورتیں ہیں پہلے نفسی پھر بدنی پھر خارجی خارجی سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے ہر قسم کا مال خارجی قسم میں داخل ہے اور اس کی ادنیٰ صورت درہم و دینار اور روپے پیسے ہیں کہ یہ دونوں خادم ہیں اور ان کا خادم کوئی نہیں کیونکہ نفس فضائل نفسیہ کے لئے علم کا خدمت گزار ہے اور بدن نفس کا نوکر ہے اور اس کے ہتھیار کا کام ہے اور غذا و لباس کی چیزیں بدن کی چاکر ہیں اوپر گزر چکا ہے کہ غذا کی چیزوں سے مقصود بدن کی بقا ہے اور بدن سے مقصود تکمیل نفس تو جس نے اس ترتیب کو معلوم کر لیا اور اس کی رعایت ملحوظ رکھی اس نے مال کی قدر و منزلت اور اس کے مرتبہ کی وجہ معلوم کر لی اور مال کے شرف و مجد کی بلحاظ اس امر کے کہ وہ کمال نفس کے لئے ضروری ہے پہچان حاصل کر لی۔

جو شخص کسی چیز کی غرض و غایت سے واقف ہو جائے اور اس مقصد کے لئے اسے

Marfat.com

استعمال میں لائے تو وہ شاہد کامرانی سے ہم کنار ہو جاتا ہے اس وقت اسے چاہیے کہ صرف اسی قدر طلب کرے جس قدر اس کے مقاصد کے حصول میں امداد واعانت کے لئے مفید ہو اس مثال سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مال کی مذمت کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کہ فرمایا انما اموالکم اولادکم فتنہ تمہارے اموال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں اور نیز اس اشکال کو جو اللہ تعالیٰ کے مال کا احسان جتانے سے برپا ہوتا ہے کہ فرمایا ویمددکم باموال وبنین اللہ تمہیں مال اور بیٹوں کے ذریعہ سے امداد دیتا ہے اس لئے۔ مال اس لحاظ سے کہ وہ وسیلہ آخرت ہے پسندیدہ ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ آخرت سے روگردان کردیتا ہے مذموم ہے اس لئے سرور عالم ﷺ نے فرمایا نعم المال الصالح سب سے اچھا مال وہ ہے جو اعمال صالح میں امداد کرے اور قرآن میں ہے لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذالک فاولئک ھم الخاسرون مسلمانو تم اپنے مال اور بچوں کی محبت میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جایئے اور جو ایسا کریں گے وہی خاصر ونا کام ہونگے بھلا نامراد خاسر کیوں نہ ہو وہ شخص جو اپنے سواری کے جانور کے لئے جو خریدتا ہے پھر جانور کو بھول جاتا ہے اور جو کی صفائی اور اسے ماپنے اور اس کے گرد دیوار تعمیر کرنے میں مصروف ومشغول ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جانور بھوک کے مارے ہلاک ہو جاتے ہیں یہی مثال ہے اس شخص کی جس کی دنیا اس کی آخرت کو پرے پھینک دے اور یہی سب سے بڑا گھاٹا ہے بلکہ یہ مثال ہے تمام لوگوں کی دنیا کی شیفتگی اور اس کی لذات پر جھکے پڑنے کی جیسے ایک کشتی میں دو شخص سوار ہوں اور وہ کسی مشہور شہر کی طرف روانہ ہوں جہاں کسی اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کی توقع ہو لیکن کشتی انہیں لیکر کسی ایسے جزیرے کے ساحل سے جا لگے جہاں حبشیوں کی آبادی ہو وہ انھیں کہیں کہ نہانے دھونے کے لئے کشتی سے نکل آؤ اور ایسا نہ ہو کہ جزیرے کے وحشی تمہیں نقصان پہنچائیں پھر وہ انہیں خوبصورت پتھر اور دلفریب چیزیں دکھائیں وہ مسافران پر فریفتہ ہو کر ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور کشتی سے دور ہو جائیں سفر اور مقصد کو بھول جائیں اور کھیل کود اور لہو لعب میں مصروف ہو جائیں یہاں تک کہ کشتی سمندر کی لہروں میں بہ جائے اور رات کی تاریکی اپنی سیاہی روئے عالم پر پھیلا دے پھر حبشی ان پر پل پڑیں انھیں زدوکوب کریں اور مارے طمانچوں کے منہ لال کردیں اس وقت انھیں وہ خوب صورت پتھر وغیرہ کوئی فائدہ نہ دیں ان میں سے ایک چلائے یالیتنی کنت ترابا اے کاش میں مٹی ہوتا اور دوسرا ورد کرے ما أغنی عنی مالیہ ھلک

Marfat.com

عنی سلطانیہ مجھے مال نے کوئی فائدہ نہ دیا میں برباد ہو گیا وہ پکاریں واحسرتا ہم نے کیوں اللہ کے رستہ سے علیحدگی اختیار کی سوائے ابدی حسرت وندامت کے انھیں کوئی چارہ نہ ہو درندوں اور سانپوں کا پڑوس ہو اور ذلت ورسوائی اور عذاب ومصیبت ان کا حصہ جو لوگ متاع دنیوی کے فریب خوردہ ہیں ان کی بعینہ یہی مثال ہے اسی خطرۂ عظیم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی پناہ مانگی تھی اور کہا تھا اجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام مجھے اور میری اولاد کو صنم پرستی سے دور رکھو ان کی مراد بتوں سے یہی زروجواہر اور چاندی سونا تھی کیونکہ نبوت کا رتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ پتھروں کو خدا سمجھنے لگے۔

اس کے متعلق حضرت علیؓ نے فرمایا اے سرخ وسفید حسن میرے علاوہ کسی اور کو جا کر فریب دے اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی درہم ودینار اور سیم وزر کے متلاشیوں کو پتھروں کے پجاریوں سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا بندگان دینار کے لئے ہلاکت ہے۔

دوسری اہم بات آمد وخرچ کی صورتوں کے متعلق یہ ہے کہ آمدنی یا تو کمانے سے ہوتی ہے یا اتفاق حسنہ اور خوبی قسمت سے یعنی ورثا میں مال ودولت مل گیا یا کوئی خزانہ گڑا دبا پالیا یا کسی سے بن مانگے۔ کچھ بطور عطیہ مل گیا کمائی کی صورتیں سب لوگ جانتے ہیں غرض اگر مال ایسے طریقے سے ہوتا ہو تو شرعاً مذموم ہے تو چاہیے کہ اسے حاصل نہ کرے کمائی کی صورت وہی اچھی ہے جو شریعت کے مطابق ہو اور حلال وطیب طریقہ شریعت نے سب بتا دیئے ہیں چنانچہ اگر حلال وطیب مال ملے تو لے لے لیکن اگر حرام ہو تو اس سے اجتناب کرے اگر بے رنج وتعب حلال مطلق مال کے حصول کی طاقت ہو تو مشکوک مال کو جس کے متعلق خیال غالب اس کے حلال ہونے کا ہو چھوڑ دے کیونکہ جو جانور چراگاہ کے گرد چرے اندیشہ ہے کہ کسی وقت اس میں گھس جائے اور اگر حلال مطلق روزی بہت طویل تکلیف ومصیبت اور وقت ومحنت خرچ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہو تو دو صورتیں ہیں اگر محنت ومشقت سے کما کر کھانے والا عام اعتقاد کا آدمی ہے اور عزم مصمم رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ طلب حلال میں مشغول ہو اگر اس میں اسے رنج ومحنت اٹھانا پڑے گی تو یہ بھی دوسری تمام عبادتوں کی طرح عبادت ہے کہ اگر تم اصحاب قلوب اور ارباب علوم سے ہو اور حلال مطلق کی تلاش اور کمائی میں وقت خرچ کرنے سے تمہارے شغل علم وعبادت میں خلل واقع ہوتا ہے تو جو چیز بھی آسانی سے میسر ہو اس میں سے بقدر حاجت لے لو کیونکہ جو چیز محض مضر ہے وہ اس مضر محض شے کے مقابلہ پر مباح ہو جاتی ہے جو اس سے زیادہ خراب ہے مثلاً جس شخص کے حلق میں لقمہ اٹک جائے تو اسے جائز ہے کہ جان

Marfat.com

بچانے کے لئے شراب کا گھونٹ پی لے یاد رکھو علم اور عمل کے برابر کوئی شے نہیں ہر ایک اس کا خادم ہے تو جس طرح کسی غیر شخص کے مال کا نقصان کر لینا جان بچانے کی غرض سے جائز ہے بلکہ خنزیر کا گوشت کھانا بھی حلال ہے اسی طرح مشتبہ موقعہ پر حقیقت معلوم کرنے کی رغبت میں سستی کر لینا جائز ہے ایسے موقع پر جاہل شخص کسی ایسی چیز کے حاصل کرنے کی طرف نہایت رغبت سے متوجہ ہوتا ہے جسے عالم خود تو لیتا ہے اور جاہل کو روکتا ہے کیونکہ جاہل شخص ان دونوں باتوں کے درمیان کے باریک فرق کا ادراک نہیں کر سکتا، اور عالم کو چاہیے کہ اس بات میں نرمی سے کام لے تا کہ شیطان کے بند نہ کھل جائیں۔

تیسری ضروری بات مقدار کا خیال رکھنا ہے جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ مال حاصل کرنا ناگزیر ہے تو اس کو حاجت مذکور کے مطابق ہونا چاہیے لباس مکان اور غذا کے بغیر چارہ نہیں اور ان تینوں کے لحاظ سے تین مراتب ہیں ادنیٰ، اوسط، اور اعلیٰ مکان کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اتنی جگہ ہو جہاں انسان لیٹ سکے، یا مسجد ہو، یا کوئی وقف شدہ عمارت ہو اوسط درجہ مکان کا یہ ہے کہ اپنی ملکیت کی جگہ ہو کوئی شخص مزاحم نہ ہو اور تم تنہائی اختیار کر سکو اور وہ جگہ تمہاری زندگی بھر تمہارے پاس رہے یہ حسن بنا اور کثرت آسائش کے لحاظ سے کمترین درجہ ہے اور یہ کفایت کی حد ہے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک گھر ہو کھلا، وسیع خوبصورت اور بہت ہی آرام دہ۔ اور اس میں قسم قسم کی آسائشیں ہوں جن کا کوئی شمار نہیں جیسے تم دنیا داروں کے ہاں دیکھتے ہو یہ سب اوپر کا رتبہ ہے درجہ اول ضرورت کے مطابق ہے کہ مسکن سے مقصود اتنی جگہ ہے جس میں انسان لیٹ سکے اس کے گرد دیواز ہو، جو درندوں کے گزند سے محفوظ رکھے اور اس پر چھت ہو جو تمازت آفتاب اور بارش اولوں سے بچائے لیکن اس پر صرف متوکل لوگ ہی قناعت کر سکتے ہیں اوسط درجہ مقدار کافی کی حد ہے اور اس کے اوپر جو کچھ ہے دین سے خارج ہے اور دنیا داری میں شامل اس قسم کے مکان میں بیٹھنا بشرطیکہ اس کی خوبیوں کی طرف توجہ نہ جائے اور اس کی آسائشوں اور دلفریبیوں میں مستغرق گرفتار نہ ہو مباح ہے، رہا اس کی تزئین میں وقت صرف کرنا تو یہ عوام کے لئے جائز ہے فقہاء نے عوام کی جہالت قصور فہم اور ممنوع بات سے نہ رکنے کی عادت کو دیکھتے ہوئے اس کی ضرورت تجویز کی ہے لیکن طریقہ تصوف میں یہ حرام ہے تصوف سے ہماری مراد ہے اللہ کے قرب کی منزل کی طرف گام فرسا ہونے عبادات سے اور اس میں جھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے کہتے ہیں کہ صوفیہ کی مباحات فرائض ہیں اور اب کے فرائض مباحات یعنی مباح چیزوں سے بقدر ضرورت ہی لیتے ہیں اور فرائض پر اسی طرح مواظبت کرتے ہیں جس طرح وہ ان مباحات پر مواظبت کرتے ہیں تو وہ ان کے

Marfat.com

نزدیک بلحاظ مواظبت کے مباحات ہی ہوتے ہیں اب غذا کا معاملہ آیا یہ بنیادی بات ہے کیونکہ معدہ نیکیوں اور بدیوں کا سرچشمہ ہے اس کے لئے بھی تین ہی مراتب ہیں ادنیٰ درجہ بقدر حاجت مقدار ہے یعنی جو زندگی کو باقی رکھے اور بدن اور قوت کو قائم اس کا کم کرنا بھی عادت کے ساتھ ممکن ہے بعض اوقات غذا کو آہستہ آہستہ کم کرتے جانے سے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دس بیس روز تک اس کے بغیر گذار کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے بعض زاہدوں نے مقدار غذا کو یہاں تک کم کر دیا تھا کہ روزانہ ایک چنے پر ان کا گزارہ تھا بعض نے بیس بیس دن تک کچھ نہ کھایا بعض کے متعلق چالیس دن مشہور ہیں اور یہ بہت بلند رتبہ ہے کوئی شخص اس سے بھی کم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن اگر اس بات کی قدرت نہ ہو تو درجہ اوسط ہی مناسب ہے اور وہ تیسرا حصہ شکم ہے بہرحال جس مقدار کی شریعت نے حد مقرر کر دی ہے اس سے زیادہ کرنا ہرگز مناسب نہیں اور اس سے زیادہ شکم سیری ہے پھر نوع غذا کے لحاظ سے بھی انسان اوسط درجہ اختیار کرے جس طرح اس کی مقدار میں اس نے کیا تھا وہ شخص کیا ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہے جو ہر لحاظ سے غذا میں کفایت کے درجہ کو اپنا مسلک قرار دیتا ہے لیکن قدر کفایہ کی تجدید بلحاظ وقت مختلف ہوتی ہے چنانچہ بسا اوقات انسان ایک دن کے کھانے کے لئے بے فکر ہوتا ہے تو دوسرے روز کے لئے دلگیر، یونہی اس کی حرص بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دل میں یہ خیال جاگزین ہو جاتا ہے کہ میں ایک طویل عرصہ تک زندہ رہوں گا۔ اور چاہتا ہے کہ اپنی تمام زندگی فراغت سے بسر کرے پھر اس کی بے شمار آرزوئیں اور حاجتیں برپا ہو جاتی ہیں اور چاہتا ہے کہ میں کثرت کے ساتھ خزانے جمع کرلوں اور یہ گمراہی محض ہے، ذخیرہ کرنے والوں کے بھی تین درجے ہیں ادنیٰ درجہ تک رات کی قوت ہے، سب سے بڑا درجہ وہ ہے جو ایک سال سے زیادہ ہو اور اوسط مرتبہ ایک سال کی خوراک ہے، سب مدارج سے بلند درجہ یہ ہے کہ انسان کل کی فکر سے آج کے خیال تک آجائے پھر آج کے خیال سے ایک گھڑی تک اور ایک گھڑی سے ایک سانس تک آجائے ہر ایک سانس کے ساتھ خیال کرے کہ میں دنیا سے ابھی کوچ کرنے والا ہوں اور روانگی کے لئے تیار و مستعد رہے جو شخص اس طریق عمل پر کاربند نہ ہو اور جب ایک سال کی خوراک سے بے فکری حاصل کرلے تو اگلے سالوں کی فکر میں پڑ جائے تو اس کا شمار مردودوں میں ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے: یحسب ان ماله اخلده وہ خیال کرتا ہے کہ میرا مال ہمیشہ رہے گا۔

لباس کے بھی تین مدارج ہیں ادنیٰ درجہ بلحاظ مقدار کے اتنا ہے جو ستر پوشی کر دے یا

Marfat.com

ستر کے جملہ ملحقات کو ڈھانپ لے اور ادنیٰ قسموں کا اور کھر ولدار ہو اور وہ وقت کے اعتبار سے کم از کم ایک دن رات کے لئے ہو جیسے کہ حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے قمیض میں درخت کے پتے کا پیوند لگایا لوگوں نے عرض کیا یہ تو قائم نہ رہیگا فرمایا کیا میں اس کے پھٹنے تک زندہ رہوں گا لباس کا اوسط درجہ وہ ہے جو انسان کے حال کے مطابق ہو نہ اس میں تنعم اور آرام پسندی کا شائبہ ہو اور نہ حرام لباس جیسے ریشم کا جزو اس میں غالب ہو اعلیٰ درجہ کپڑوں کا جمع کرنا ہے اور ان سے آرام طلبی کی کوشش ہے جیسے کہ تمام دنیا داروں کا طریق عمل ہے۔

اب نکاح کی باری آتی ہے اس کا اضافہ اس شخص کے بارے میں ہوتا ہے جس کا نفس اسے جماع پر مجبور کرے اور اسی کے مطابق اس کی حاجت بڑھتی ہے ہم نے اوپر بیان کیا تھا کہ نکاح کونسا پسندیدہ ہے اور کونسا مذموم ، اور جو کچھ ہم نے اس فصل میں ذکر کیا تھا وہی کافی ہے جو شخص ان امور میں کافی مقدار کی مساعدت سے شاد کام ہو پھر اپنے دل کو ان کے علاوہ باتوں میں مشغول کرے تو وہ زیاں کار ہے بلکہ ملعون رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے من اصبح امنا فی سربہ معافاً فی بدنہ ولہ قوت یومہ فکانما خیرت لہ الدنیا بخیر افیرھا جو شخص صبح کو بخیریت جاگے اور اس کے گھر میں اس روز کی خوراک بھی موجود ہو تو گویا دنیا نے اس کو اپنے دونوں کناروں سے گھیر لیا اور یہ اس لئے ہے کہ دنیا آخرت تک پہنچانے والی ہے۔ اور پہنچانے کے لئے اسی قدر زادِ راہ کافی ہے پھر جو کچھ اس سے زائد ہے وہ مقدار کفایہ سے زائد اور فضول ہے اور اس کا وجود اور عدم وجود عقلمند کے نزدیک برابر ہے۔

چوتھی بات خرچ کرنے کے متعلق ہے جس طرح آمدنی کے وجوہات معین ہیں اسی طرح خرچ کے لئے بھی مواقع مقرر ہیں اور ان کے مراتب کا لحاظ رکھنا لازمی ہے آمدنی کی طرح خرچ کرنے کی صورتیں بھی بعض پسندیدہ اور بعض مذموم ہیں خرچ کی پسندیدہ صورت وہ ہے جو لازمی ہے مثلاً دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دینا ایسے طریقے سے جو شرعاً مستحب ہے مذموم خرچ کی دو قسمیں ہیں افراطی اور تفریطی ، اول الذکر یہ ہے کہ اپنی حیثیت اور طاقت سے بڑھ کر صرف کرنے ، اور ناواجب طور پر جو چیز اہم ہے اس پر خرچ نہ کرنا اور جو چیز غیر اہم ہے اس پر مال لٹائے جانا مؤخر الذکر یہ ہے کہ جس موقع پر خرچ کرنا درست ہو وہاں ہاتھ روک لینا اور اپنی وسعت اور مناسبت حال سے کم خرچ کرنا جب بندہ درست طریق سے مال حاصل کرے اور درست طریق پر ہی خرچ کرے تو اس کا فعل پسندیدہ ہوتا ہے اور اس کو نیک اجر ملتا ہے۔

Marfat.com

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال کی وسعت دے اور وہ اس کو نیک کاموں میں خرچ کرے تو کیا یہ اولیٰ ہے یا اس کے حاصل کرنے سے اعراض کرنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ اس بارے میں مختلف الخیال ہیں ان کی تین قسمیں ہیں اول وہ جو دنیا میں منسلک ہیں اور عقبیٰ کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ہاں قولی طور پر زبانی جمع خرچ بہت کرتے ہیں ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے انہیں کتاب اللہ عبد الطاغوت اور شر الدواب وغیرہ کا خطاب دیتی ہے دوسرے وہ لوگ ہیں جو مذکورہ بالا گروہ کے بخط مستقیم مخالف ہیں انہوں نے اپنی تمام توجہ عقبیٰ پر صرف کر رکھی ہے اور دنیا کی طرف التفات کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں یہ تارک الدنیا لوگ ہیں صنف سوم ان دونوں کے درمیان ہے وہ دونوں گھروں کو اپنا اپنا حق دیتے ہیں دنیا کو بھی اور عقبیٰ کو بھی، یہ لوگ محققین کے نزدیک افضل ہیں کیونکہ ان پر دنیا اور آخرت کے قوام کا دارومدار اور انحصار ہے ان میں تمام انبیاء علیہم السلام شامل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے بھیجا ہے کہ معاش اور معاد میں بندوں کے لئے مصالحت قائم کریں بعض کا خیال ہے کہ اس قول خداوندی میں یہی تینوں گروہ مراد ہیں۔ وکنتم ازواجا ثلثۃ فاصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ واصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ والسابقون السابقون اور تم تین گروہ تھے اصحاب میمنہ، اصحاب مشئمہ، اور سابقون، تو جو شخص دین اور دنیا کی جیسا کہ چاہیے رعایت رکھتا ہے اور ان دونوں کو جمع کرتا ہے اللہ کا نائب ہے اس دنیا میں اور اسی کا نام سابق ہے اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے جن وانسان کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کے بندوں کی مصلحتوں کا خیال رکھنا بذات خود عبادت بلکہ تمام عبادتوں سے افضل ہے حضور رسالت پناہ ﷺ کا ارشاد ہے الخلق کلھم عیال اللہ واحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ مخلوق خدا سب اللہ کا قبیلہ، اور جو اس کے قبیلہ کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔۔۔ اقبال

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اگر تم کہو کہ بعض محققین نے تو کہا ہے کہ لوگوں کے تین گروہ ہیں اول وہ جو معاش سے بے فکر ہو کر اپنے معاد میں مشغول ہیں یہ کامیاب و بامراد گروہ ہے دوسرے جو معاد سے بے پرواہ ہو کر خیال معاش میں غرق ہیں یہ ہلاک ہونے والے ہیں تیسرے جو دونوں میں مشغول

Marfat.com

ہیں یہ خطرے میں ہیں اور کامیاب شخص خطرہ کی حالت والے شخص سے افضل ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس بات میں ایک بھید ہے کہ بلند درجے اور اعلیٰ مراتب خطرات و مہالک میں کودنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتے مذکورہ بالا امر بطور تحذیر و تنبیہ کے ہے کہ اللہ کے بندوں کے معاملے میں خلافت الٰہی بہت خطرے کا مقام ہے تاکہ جو شخص مقدور نہیں رکھتا اس کی خواہش ہی نہ کرے حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کے بیٹے کو علم و حکمت کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ حاصل ہوا تو وہ لوگوں کو چھوڑ کر عزلت گزین ہو گیا اور دنیا سے بے رغبت، آخر اسے ایک بادشاہ نے لکھا کہ تم نے ہر اس شے کو چھوڑ دیا ہے جس میں ہم مصروف ہیں تو اگر جس حالت میں تم ہو وہ ہماری حالت سے افضل ہے تو ہمیں بتاؤ کہ ہم بھی ڈریں اور بچیں۔ لیکن بے دلیل و حجت قول کو میں کبھی تسلیم نہ کروں گا اس پر اس نے جواب دیا سنو ہم شہنشاہ رحیم کے غلام ہیں جنہیں اس نے دشمن سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے اور ہم معلوم کر چکے ہیں کہ مقصد اس سے یہ ہے کہ ہم اسے مغلوب و مقہور کر لیں یا اس سے صحیح و سلامت بچ نکلیں جب میدان کارزار برپا ہوا تو ہمارے تین گروہ ہو گئے اول خائف اور کمزور جنہوں نے بادشاہ سے معافی طلب کر لی اس نے ان سے درگزر کیا اور ان کو ملامت بھی کی مگر وہ تعریف کے مستحق نہ ہوئے دوم مہتور جو بے سمجھے بوجھے دشمن پر پل پڑے تو اس نے انہیں پچھاڑ لیا اور مجروح کر کے مغلوب کر لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے عذاب اور ناراضی کے مستوجب ہوئے تیسرے شجاع جو دیکھ بھال کر دشمن پر حملہ آور ہوئے دشمن سے میدان قتال گرم کیا مصیبتیں اٹھائیں جدوجہد کی اور کامیاب اور سرخرو نکلے، اور یہ پوری کامیابی ہے، جب میں نے دیکھا کہ میں کمزور اور ضعیف ہوں تو میں نے ادنیٰ صورت قبول کر لی۔ تو اے بادشاہ تم تینوں گروہوں میں سے افضل فریق میں شامل ہو جاؤ اللہ کے ہاں ان میں سب سے زیادہ صاحب عزت اور محبوب ہو جاؤ گے، معاملہ زیر بحث میں یہ گفتگو حقیقت نفس الامری کا کماحقہ انکشاف کر رہی ہے اور ہمیں اللہ کے اس قول کی صحت سے آگاہ کرتی ہے کہ وابتغ فيما اتاك الله الدار الاخرة ولا تنس نصيبك من الدنيا واحسن كما احسن الله اليك ولا تبغ الفساد جو کچھ اللہ نے تمہیں دار آخرت سے دیا ہے وہ طلب کرو اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم بھی لوگوں پر احسان کرو اور دنیا میں فساد پھیلانے کی خواہش نہ کرو اب احسان جبھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں صرف مال کے ذریعے سے خوشی اور مسرت پیدا کی جائے لیکن اس میں خطرہ بھی بہت بڑا ہے کیونکہ بسا اوقات ضعیف البصیرت آدمی بے خبری میں اس کی مضر صورتوں میں منہمک ہو جاتا ہے اسی

Marfat.com

خطرے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے باز رکھنے میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے چنانچہ

بدریا در منافع بے شمار است
وگر خواہی سلامت برکنار است

پانچویں بات یہ ہے کہ اخذ و ترک مال و زر میں انسان کی نیت صالح اور نیک ہو کہ جو کچھ حاصل کرے اس لئے کرے کہ اس کے ذریعہ سے عبادت میں اعانت چاہیے اور کھائے تو اس لئے کہ عبادت کرنے کی قوت پیدا ہو، اور کچھ ترک کرے تو اس لئے کہ اس سے بے رغبتی ہو اور اسے حقیر سمجھتا ہو چنانچہ سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے من طلب رزق علی ماسن فھو جھاد جس نے سنت کے مطابق رزق طلب کیا تو یہ بھی جہاد ہے نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے حضور ﷺ نے ارشاد کیا ان المؤمن لیوجر فی کل شیء حتی للقمة یضعها فی فم امراته مومن ہر ایک بات میں اجر حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لقمہ وہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے وہ بھی باعث ثواب ہے مومن سے حضور کی مراد وہ شخص ہے جو حقائق امور سے واقف اور عطیات الٰہی سے اسے رضائے الٰہی اور خدا کے رستہ پر چلنے میں مدد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے یہاں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ زاہد وہ نہیں جس کے پاس مال نہ ہو، بلکہ حقیقی زاہد وہ ہے جو مال کی محبت میں مشغول نہ ہو جائے، اگرچہ اس کے یہاں ہفت اقلیم کے خزانے ہوں اسی لئے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص دنیا ومافیہا کا مال اکٹھا کرلے لیکن اس سے رضائے الٰہی مقصود رکھے تو اسے مال کی محبت میں گرفتار نہ کہیں گے اس لئے چاہیے کہ تمہاری تمام حرکات وسکنات اللہ کے لئے ہوں یہاں تک کہ تمہاری نقل وحرکت عبادت کے لئے یا عبادت میں امداد حاصل کرنے کے لئے ہو۔

عبادت گذار لوگ ان باتوں سے مستغنی نہیں جیسے کھانا پینا اور قضا حاجت وغیرہ کہ یہ بھی عبادت میں معین ومدد ہیں حالانکہ عبادت کے لحاظ سے یہ بعید ترین باتیں ہیں اس لحاظ سے کامل النفس شخص دنیا حاصل کرنے میں اس ماہر عرق نکالنے والے کی طرح ہے جو سانپ کو ہاتھ میں پکڑتا ہے اور اس کے زہر سے بچ کر اس کا جوہر اور عرق نکالتا ہے اسی تشبیہ کو قائم رکھتے ہوئے جب آدمی اس ماہر راقی کو دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اس نے سانپ کو اس لئے پکڑا ہے کہ اسے اس کی شکل وصورت پسندیدہ اور دلفریب معلوم ہوتی ہے اس کی جلد نرم ونازک ہے اور چھونے میں اسے بھلی معلوم ہوتی ہے اور سانپ کو پاس رکھنا وہ اچھا سمجھتا ہے چنانچہ جب اس قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں تو وہ سانپ کو پکڑ لیتا ہے اور اس سے ڈس

Marfat.com

کر ہلاک ہو جاتا ہے دنیا کو سانپ سے ہی تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ دنیا ایک سانپ ہے جو ہلاکت آفرین زہر اگلتا ہے۔ خواہ وہ چھونے میں نرم ہی معلوم ہو جس طرح اندھے شخص کو فلھائے کوہ سمندروں کے کناروں اور خارزار منزلوں سے گذرنے میں صاحب بصارت اور آنکھوں والے آدمی سے تشبیہ دینا محال ہے اسی طرح عامی کو کامل سے دنیا حاصل کرنے میں برابر نہیں کیا جا سکتا جب ملک سلیمان اور دوسرے لوازمات کی جو انھیں دیئے گئے مع رتبہ نبوت کے آرزو کی جا سکتی ہے تو یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ زہد دل زہد ہے نہ کہ ہاتھ کا خالی ہونا، بھلا انبیاء اور اولیاء کو دنیا کس طرح ضرر پہنچا سکتی ہے جب کہ انھیں اس کے وجود کے منافع مضرات اور مراتب کی خوب شناخت ہے اور انھیں معلوم ہے کہ انسان کو اپنے وجود میں تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں منزل اول ماں کے پیٹ میں، منزل دوم، فضائے عالم میں، اور منزل سوم موت کے بعد دنیا اس مثال میں سرائے کی سی ہے اور منزل اوسط میں مسافر اس میں پہنچتا ہے اس میں اسباب برتن اور خوراک کے سامان مہیا کر دیئے گئے ہیں مسافران سے عنایت اور عاریت کے طور پر نفع اور تمتع حاصل کرتا ہے اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے اسے خالی کر جاتا ہے شکریہ کے ساتھ ان چیزوں کو قبول کرتا ہے اور فراخدلی اور انشراح صدر کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے اس سرائے فانی میں بعض ایسے بیوقوف بھی آ ڈیرے جماتے ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ یہ منزل اپنا گھر ہی ہے اور یہ تمام ساز و سامان مانگنے کا نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہمیں دیدیا گیا ہے پھر جب تک ان کے ہاتھ سے توڑ دیئے جائیں اور ان کا سر نہ چھوڑ دیا جائے وہ اسے چھوڑنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے بعض کا خیال ہے کہ دنیا و مافیہا سے جو کچھ انسانوں کو دیا گیا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی ہو جو ایک مکان تیار کرے اور اس میں لوگوں کو آنے کی دعوت دے ایک کے بعد ایک علی الترتیب چنانچہ ایک شخص آئے اور مکان میں داخل ہو تو ایک طلائی تھال اس کے سامنے پیش کیا جائے اس تھال میں کھجور اور خوشبودار چیزیں ہوں تا کہ وہ انھیں سونگھے اور اپنے پاس والے شخص کے لئے چھوڑ دے، اور اس تھال پر قبضہ نہ جمالے لیکن جو شخص اس رسم کو نہ سمجھے اور خیال کرے کہ یہ تھال مجھے بطور عطیہ نذر کیا گیا ہے پھر جب وہ تھال اس سے لوٹایا جائے تو وہ چیخے چلائے اور واویلا کرے اور جو اس رواج سے واقف ہو وہ اس تھال سے فائدہ حاصل کرے اور شکریہ ادا کرے اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اسے واپس کر دے دنیا کے مال و منال سے متمتع ہونے کے متعلق یہ باتیں مدنظر رکھنے کے قابل ہیں۔

Marfat.com

فصل

غم دنیا کو مٹانے کا طریقہ

جب انسان کو مال کے لحاظ سے امن، بدن کے لحاظ سے عافیت اور ایک دن کی خوراک میسر ہو تو اس کا ساز و سامان دنیا کے بارے میں رنج و غم کا اظہار کرنا اس کی حماقت اور کوتاہ عقلی کی دلیل ہے کیونکہ اس کا غم تین حال سے خالی نہیں یا تو اسے اس کے لئے غم ہے کہ یہ چیزیں جاتی رہینگی یا آئندہ کا اسے خوف ہے یا موجودہ حالت پر اسے افسوس ہے پھر اگر گزر جانے والی شے کی وجہ سے ہے تو عقلمند کو معلوم ہے کہ فوت شدہ امر پر جزع و فزع کرنا نہ اسے واپس لاسکتا ہے نہ اسے بنا سکتا ہے اور جس بات کا کوئی علاج اور چارہ ہی نہیں اس پر رنج و غم کرنا عقل کا دامن چاک کرنا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لکیلا تا سو علیٰ فاتکم جو چیز تم سے جاتی رہی ہے اس پر تم افسوس نہ کرو اور اگر موجودہ کے متعلق افسوس ہو تو یا اپنے کسی واقف کار کی نعمت و جاہ کے حسد کے سبب سے ہوتا ہے یا اپنی محتاجی اور افلاس پر اور جاہ اور سامان دنیا کے فقدان کے باعث ہوتا ہے اس کا باعث مصائب دنیا اور اس کی زہر آلودگیوں سے ناواقفی ہے اگر انسان کو کماحقہ علم حاصل ہو جاتا تو وہ سبکدوش ہونے کو گراں بار ہونے پر ترجیح دیتا، اور خدا کا شکریہ ادا کرتا اور اگر عاشق اپنے محبوب کے حسن کے انجام کو سوچ لیتا ہے تو اس دام محبت میں گرفتار نہ ہو چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ دنیا اور مصائب لازم و ملزوم ہیں جیسے شراب پینے والوں کو دورے پڑتے ہیں مخلوقات قسم قسم کی آزمائشوں اور تکالیف میں گرفتار ہو جاتی ہے اس کا ہر ایک لقمہ حلق میں اٹکتا ہے یہاں کوئی شخص بھی دنیا کی محبت میں اسیر ہو کر تین باتوں سے خالی نہیں رہ سکتا یعنی غصہ مصیبت اور آرزو، تو جس شخص کو یہ دیکھ کر عبرت حاصل ہو جائے کہ دنیا کی نعمتیں روز بروز نئی ہوتی جاتی ہیں اور ایک سے چھن کر دوسرے کے پاس چلی جاتی ہیں اور جس کو وہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ان پر پے در پے مصائب کا نزول ہوتا رہتا ہے اور ان کے فقدان سے انتہا کا رنج: ملال پیدا ہوتا ہے تو ان کے فوت ہو جانے سے اس کو ذرہ برابر غم

Marfat.com

اور تاسف نہ ہوگا، چنانچہ کسی شخص سے کسی نے کہا تم فقدان نعمت پر اظہار رنج کیوں نہیں کرتے تو اس نے کہا جو چیز جا چکی ہے اس پر افسوس کرنے سے مجھے واپس نہیں مل سکتی تو میں اس پر رنج ہی کیوں کروں۔

جو جاتا ہو اس کا غم نہ کیجئے۔

غرض جوں جوں انسان ارباب دنیا کی آخرت سے غفلت و بے پرواہی پر غور کریگا اور مصائب کا ان پر ہجوم کرنے کو دیکھے گا توں توں اس کا دل مطمئن ہوگا۔ اور دنیا کو چھوڑنا اسے آسان ہو جائیگا کسی صوفی کا یہ روزمرہ کا وظیفہ تھا۔ کہ روزانہ ہسپتال جاتا تاکہ بیماروں اوران کی بیماریوں، اوران کے رنج ومحن کو مشاہدہ کرے، پھر بادشاہ کے جیل خانے میں جاتا تاکہ مجرموں کو اوران کی سزاؤں کو دیکھے، نیز وہ قبرستان میں جاتا اور عزاداروں ان کی ماتم داری اور بے سود رنج ومحن اور مرے ہوئے لوگوں کی حالت پر غور وفکر کرتا اور جب گھر واپس لوٹتا تو تمام دن اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا کہ الٰہی تو نے مجھے بے حد وحساب نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں کہ میں مصائب وتکالیف اور حزن وملال سے محفوظ ہوں انسان کا فرض ہے کہ دنیوی طور پر ہمیشہ ان لوگوں کو طرف نگاہ کرے جو اس سے کم درجہ پر ہیں تاکہ شکر گزار ہو اور دین کے لحاظ سے ہمیشہ ان کو دیکھے جو اس سے بلند تر مرتبہ پر فائز ہیں تاکہ ترغیب وتحریص حاصل کرے شیطان جب انسان پر مستولی ہو جاتا ہے تو اس کی نگاہ کو پلٹ دیتا ہے اور اس کے برعکس کر دیتا ہے چنانچہ جب اسے کہا جاتا ہے کہ تم برے کام کیوں کرتے ہو تو وہ عزر پیش کرتا ہے کہ فلاں شخص تو مجھ سے بھی زیادہ برے کام کرتا ہے حالانکہ معصیت اور کفر میں ریس کرنا درست نہیں اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے تو اس پر قناعت کیوں نہیں کرتا تو جواب دیتا ہے فلاں شخص مجھ سے زیادہ غنی ہے تو جب وہ اسے کمانے جاتا ہے تو میں کیوں بس کروں، یہ خاص گمراہی اور جہالت محض ہے۔ جب اس عارضے کے ساتھ غمگینی بھی شامل ہو جائے تو حسد کا غم بھی باطل ہو جاتا ہے تو جس شخص کو خدا کسی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے تو اگر وہ اس کا مستحق ہے تو اس پر افسوس نہ کرنا چاہیے اگر وہ اس کا غیر مستحق ہے تو اس کا وبال اس کے فائدے سے زیادہ ہے۔

اگر مستقبل کے لئے انسان کو اندیشہ ہے تو اگر کسی بات کا ہونا ممتنع ہے یا اس کا ہونا واجب ہے جیسے موت تو اس کا علاج محال ہے اور اس کا ہونا ممکن ہے تو غور کیا جائے گا کہ اگر اس کا دفعیہ نہیں ہو سکتا تو غم کرنا حماقت کی دلیل ہے اور اگر اس کا دفعیہ ہو سکتا ہے تو افسوس بے معنی ہے بلکہ چاہیے کہ اس کو روکنے کے لئے کوئی عقلی تدبیر عمل میں لائی جائے اور حزن وملال کا

Marfat.com

اظہار نہ کیا جائے پھر جب اپنے مقدور بھر انسان اس کے دفعیے کی تدابیر اور حیلے عمل میں لے آیا تو اسے سکون خاطر کے ساتھ قضائے الٰہی اور کرشمۂ تقدیر کا انتظار کرنا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ جو بات اللہ کو منظور ہے اس سے مفر نہیں اور جو مصیبت ٹل نہیں سکتی اسے صبر سے برداشت کرنا چاہیے اسے یہ بات تحقیق کے طور پر معلوم ہونی چاہیے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے ہو کر رہیگا اور خدا کے اس فرمان کو یاد کرے۔ ما أصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب من قبل ان نبرأها تمہیں دنیا میں اور تمہاری اپنی جانوں میں وہی مصیبت آتی ہے جو اس کے پیدا ہونے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی گئی ہے سازوسامان دنیا کی تیاری کے لالچ منبع یہ بات ہے کہ انسان فریب عقل میں گرفتار ہو جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ آخر کسی روز یہ مصیبتیں ختم ہو جائینگی غم کی کالی گھٹائیں چھٹ کر عیش و آرام کا صاف مطلع طلوع کرے گا برے دن چلے جائیں گے اور بھلے دن آئیں گے۔ افسوس صد افسوس۔

حضرت علیؓ کا قول ہے جب لوگ کسی کو کسی بات کی خوشخبری دیں تو یقین جانو کہ اس پر مصیبت بھی آنے والی ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ان الليالي لم تحسن الى احد الا اسائت اليه بعد احسان

جب زمانہ کسی سے نیک سلوک کرتا ہے تو ضرور تکلیف بھی دیتا ہے۔

مومن۔

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آسمان نہیں

الغرض عقلمند شخص وہ ہے کہ جب ان امور میں بنگاہ عمیق فکر و غور کرے تو غموم و آلام کا اکثر حصہ اس کے دل سے دور ہو جائے۔

یاد رکھو جب انسان کا دل کسی انسان محبوب، مال، زمین حرفت، عہدہ، حکومت، یا کسی دوسری شے کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق حزن وملال سے جبھی رہائی ہو سکتی ہے کہ ان کے تعلق سے دست بردار ہو جائے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ ان سے بتدریج ہاتھ کھینچتا چلا جائے اور دوسری چیزوں میں مشغول ہو جائے اگرچہ وہ بھی انہیں چیزوں میں شامل ہو جن سے بعد و ہجر اختیار کرنا واجب ہے کہ خون کو خون سے دھونے میں کچھ حرج نہیں جبکہ اول الذکر خون دوسرے سے لیس اور جماؤ میں بڑھ کر ہو یہ ریاضتوں کے باریک اسرار و معارف ہیں۔ کیونکہ

Marfat.com

جس چیز سے الفت اور محبت پیدا ہو چکی ہے اس سے دفعتاً اور یکلخت ہاتھ اٹھا لینا مشکل بلکہ ممتنع ہے چنانچہ جس لڑکے کو گیند بلے اور کھیل کود وغیرہ میں ترغیب دلانے کے ذریعہ سے ادب سکھایا جائے وہ بہت جلدی ترقی کرتا ہے پھر ثروت مال اور خوبصورت کپڑوں وغیرہ کے شوق کے ذریعہ سے وہ کھیل کود سے دست بردار ہو جاتا ہے پھر ان چیزوں کو چھوڑ کر وہ نیک نامی تعریف وتوصیف، عزت اور حکومت کی ترغیب سے ترقی کرتا ہے پھر سعادت اخروی کی ترغیب اور قطع منازل کرتا ہے چنانچہ حکومت کا شوق آخری شے ہوتی ہے جو صدیقین کے دماغ سے نکلتی ہے یہ اس معالجہ کا طریقہ ہے ان باتوں کے لئے جو نفسہ قابل حذر ہیں، لیکن اضافی طور پر ان چیزوں سے زیادہ قابل قبول ہیں، جو بدتر ہیں گویا یہ مدارج اور منازل ہیں جن کو ایک ایک کر کے آدمی بتدریج طے کرتا ہے اس تدریجی طریق کے بغیر ان سے خلاصی ناممکن ہے اس طرح ہر اس بات کے متعلق طرز عمل اختیار کرے جو نفس پر مستولی ہو گئی ہے۔ اور اس کا تعلق سخت ہو گیا ہے یہ حقیقت ہے کہ قطع علائق سے رنج وغم بیخ و بنیاد سے اکھڑ جاتے ہیں۔

فصل

موت کا خوف دور کرنا

انسان کی دو حالتیں ہیں، ما قبل موت، اور عند الموت، ما قبل موت کے لحاظ سے چاہیے کہ انسان ہمیشہ موت کو یاد رکھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اکثروا من ذکرھازم اللذات فانہ ماذکرہ احد فی ضیق الاوسعہ علیہ ولا فی وسعۃ الا ضیقھا علیہ موت کو اکثر یاد کیا کرو، کہ جس شخص نے اسے تنگی حالت میں یاد کیا وہ وسیع الحال ہو گیا اور جس نے وسعت حالات میں یاد کیا وہ ضیر الحال ہو گیا، موت کے باب میں لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ اول غافل، یہ حقیقی احمق ہے، جو موت اور مابعد الموت کے متعلق غور و فکر سے کام نہیں لیتا، ہاں جب اپنی اولاد اور متروکات کا خیال اسے آتا ہے تو یاد کر لیتا ہے اپنے حالات نفس پر تدبر نہیں کرتا مگر جب کوئی جنازہ دیکھتا ہے تو اسے موت یاد آجاتی ہے اور صرف زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ دیتا ہے اپنے افعال کے لحاظ سے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا یہ جھوٹا ہے اپنے قول کے لحاظ سے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا یہ جھوٹا ہے اپنے قول کے لحاظ سے کہتا کچھ ہے، کرتا کچھ ہے دوم عاقل وزیرک، وہ

Marfat.com

مسافر کی طرح ہمیشہ اپنی منزل مقصود کو یاد رکھتا ہے جیسے حاجی کہ ہر وقت اس کے پیش نظر یار حبیب کا منظر رہتا ہے جو شخص منزلوں میں اترنے اور کوچ کرنے کے خیال میں مشغول رہتا ہے ، وہ اپنے مقصود کو فراموش نہیں کرتا غرض یہ ہے کہ ہازم اللذات کی یاد سراب آرزو سے محفوظ رکھتی ہے حوادث ومصائب آسان ہو جاتے ہیں اور انسان سرکش ہونے سے بچا رہتا ہے موت کی یاد سے خدا کی دی ہوئی چیزوں پر قناعت اور توبہ میں جلدی کرنے کا وصف پیدا ہوتا ہے حسد اور حرص دنیا رخصت ہو جاتے ہیں اور عبادت میں نشاط ومسرت حاصل ہونے لگتی ہے۔ جس شخص کو عبادت الٰہی میں لطف نہ آئے اور سستی اور کسلمندی آ گھیرے اسے چاہیے کہ ہر صبح جاگنے کے وقت غور کرے کہ میں جلدی مر جاؤں گا میری قضا آ چکی ہے کہ یہ کچھ بعید نہیں جب انسان خیال کرے کہ موت کچھ سالوں کے بعد ہی آئیگی تو عبادت کا شوق کیسے پیدا ہو۔ اور دنیا کی محبت کیوں دور ہو بلکہ چاہیے کہ ایک دن کی مہلت بھی سمجھے کہ میسر نہیں، ہر طلوع آفتاب کے ساتھ سمجھے کہ میرا آفتاب حیات غروب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جو شخص انتظار میں ہو کہ بادشاہ ابھی سے بلاتا ہے، تو اسے چاہیے کہ حاضر ہونے کے لئے ہر وقت مستعد رہے پھر اگر تیار نہ رہے گا تو کچھ عجب نہیں کہ بلانے والا آ جائے اور وہ غفلت کے باعث عنایت شاہی سے محروم رہ جائے ،کوئی وقت اور کوئی لحظہ ایسا نہیں کہ جس میں موت ناممکن ہے اگر تم کہو کہ موت دور کا حادثہ ہے تو ہم کہتے ہیں جب مرض حملہ آور ہو جائے تو موت کو قریب ہی سمجھو اور یہ ایک دن سے ہم میں ہو سکتا ہے اور کچھ بعید بات نہیں موت کے خوف سے غم کرنا بھی عقلمندوں کا شیوہ نہیں کہ یہ غم چار حالتوں سے خالی نہیں۔

(اول) شکم اور شرمگاہ کی خواہش۔

(دوم) گزشتہ گناہوں کا خوف۔

(سوم) اس مال کی محبت جو مرنے کے بعد چھوڑنا پڑیگا۔

(چہارم) موت کے بعد کے حال اور اپنے انجام سے ناواقفیت۔

یہی چار صورتیں ہیں جن کی بنا پر انسان کو موت سے پریشانی ہو سکتی ہے اگر شکم وشرمگاہ کی خواہشوں کے باعث موت سے ڈر پیدا ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بیماری کا مقابلہ ویسی ہی دوسری بیماری سے کرتا ہو لذت طعام کے معنی ازالہ جوع ہے اسی لئے جب بھوک جاتی رہتی ہے اور پیٹ بھر جاتا ہے تو آنکھ وہ چیز ناپسند ہونے لگتی ہے جس کی پہلے اشتہا تھی جیسے کوئی شخص دھوپ میں بیٹھنے کی اس لئے خواہش کرے کہ گرم ہو کر سائے میں بیٹھنے کی

Marfat.com

لذت سے لطف اندوز ہو یا جیسے کوئی شخص گرم حمام میں اس لئے بند ہو کہ برفاب پینے کا اسے لطف آئے۔ یہ عین حماقت اور خلاف عقل بات ہے۔

اگر صورت دوم کے باعث ہو تو یہ اس لئے ہے کہ انسان دنیا کے ادنیٰ خسیس اور حقیر چیزوں کے مقابلہ پر ملک کبیر اور نعیم مقیم، (جس کا متقیوں کے لئے وعدہ دیا جا چکا ہے کو ادنیٰ سمجھتا ہے، تو اگر یہ حالت موت کے بعد اپنے انجام سے بے صبری کے باعث ہو تو انسان کا فرض ہے کہ علم حقیقت طلب کرے جس سے موت کے بعد کے حالات کا انکشاف ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت حارثہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا حضور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں عرش خداوندی کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں جنت میں اہل جنت سیر کرتے دکھائی دیتے ہیں، اور دوزخی دوزخ میں عذاب میں گرفتار نظر آتے ہیں اور یہ علم حقیقت و ماہیت اور اس کے بدن سے تعلق اس کی خاصیتوں اور ان خاصیتوں سے لذت یاب ہونے اور باوجود رزائل مانعہ کے اس کے کمال حاصل کرنے کے متعلق بحث و نظر کرنے سے حاصل ہوتا ہے شریعت نے بہت سے مقامات پر ان امور سے خبردار کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اپنے اندر غور کیا کرو، ملکوت السمٰوٰت والارض میں تفکر کیا کرو۔

اگر یہ خوف موت سے پیشتر کئے ہوئے گناہوں کے باعث ہو تو اس میں جزع وفزع اور رنج و غم کوئی نفع نہیں دیتا، اس کے برعکس گناہوں کا علاج توبہ میں عجلت اور اپنی زیادتیوں کی اصلاح کرنی چاہیے رنج و غم کرنے اور اس کا تدارک نہ کرنے کے لحاظ سے اس شخص کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص کی کوئی رگ کھل کر اس میں سے خون نکل جائے۔ وہ اس کو بند کرنے اور اپنے خون کو روکنے پر قادر بھی ہو، پھر بھی اسے بہنے دے، اور بیٹھ کر افسوس کا اظہار کرتا رہے، کہ میرا خون بہہ رہا ہے یہ بھی حماقت ہے، کیونکہ جو چیز جا چکی ہے اس کا کوئی تدارک نہیں اس پر تاسف کرنا بے سود ہے اسے چاہیے کہ مستقبل کے متعلق مشغول ہو جائے۔

حالت ثانی یعنی موت کے وقت کی حالت کے لحاظ سے لوگوں کی تین اقسام ہیں (اول) صاحب بصیرت، وہ جانتا ہے کہ موت انسان کو آزاد و باعزت بناتی ہے۔ اور زندگی مجرم و گناہ گار ٹھہراتی ہے، اور کہ انسان دنیا میں ہزار طویل العمر ہو جائے پھر بھی وہ ایسے ہی ہے جیسے آسمان پر بجلی چمکتی ہے۔ اور غائب ہو جاتی ہے۔ ذوق

ہنگامہ گرم ہستی ناپائیدار کا
چشمک ہے برق کی تبسم شرار کا

Marfat.com

اسے دنیا کو چھوڑنا بالکل گراں نہیں گذرتا سوائے اس کے کہ اب خدا کی خدمت کرنے کا موقعہ جاتا رہے گا یا یہ کہ اب میں خدا کے قریب ہوا ہوں اور ڈر ہے معلوم نہیں وہ مجھے کیا کہیگا جیسے کسی ایسے ہی شخص سے پوچھا گیا تم موت سے گھبراتے کیوں ہو تو جواب دیا، اس لئے کہ میں ایک ایسے رستہ پر چلنے والا ہوں جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی جانتا ہوں مجھے کیا کہا جائیگا اور کیا حکم ہوگا۔ اس قسم کا شخص موت سے بھاگتا نہیں۔ بلکہ جب زیادتی عبادت سے عاجز آجاتا ہے تو بسا اوقات موت کا مشتاق ہو جاتا ہے کسی ایسے ہی بزرگ نے اپنی مناجات میں کہا تھا الٰہی اگر اس دار فانی میں زندہ رہنے کی دعا تجھ سے کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تجھ سے دور رہنا چاہتا ہوں اور تیرے قرب سے بے رغبت ہوں چنانچہ تیرے نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقائہ ومن کرہ لقاء اللّٰہ کرہ اللّٰہ لقاءہ جو اللہ سے ملنے کا مشتاق ہے خدا بھی اس کا مشتاق ہے اور جو خدا سے ملنے سے گریز کرتا ہے خدا بھی اسے ملنا نہیں چاہتا۔

(دوم) بے بصیرت، گناہوں سے آلودہ دامن دنیا میں منہمک، اس کے تعلقات میں جکڑا ہوا، آدمی جو دنیا کی زندگی سے راضی ہو چکا ہے اور دار آخرت سے ایسا ہی مایوس ہو چکا ہے جیسے کافر لوگ مردوں سے چنانچہ جب وہ دار خلود کی جانب روانہ ہوتا ہے تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے اور جب دنیا کی گندگیوں اور آلودگیوں سے علیحدہ ہوتا ہے تو اسے عالم بالا کی ہوا اور ملاء اعلیٰ کی مصاحبت راس نہیں آتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور سخت بدراہ، جس کو درشن ات نہ اس کو ات نہ اُت کہ دنیا مذکورہ بالا شخص کے لئے قید خانہ ہے اور اس شخص کے لئے جنت، اول الذکر اس غلام کی مانند ہے جسے اس کا مالک بلائے تو وہ خوش خوش لبیک کہے اور شاداں و فرحاں جوش خدمت میں حاضر ہو جائے اور مؤخر الذکر اس غلام مفرور کی طرح جو پکڑا جا کر اپنے مالک کے پاس لایا جائے مغلوب و مقہور بیڑیاں پہنا کر اسے اس کی خدمت میں حاضر کیا جائے تو وہ سر جھکائے اپنے آقا کے سامنے ذلیل و خوار اپنے گناہوں پر شرمندہ کھڑا ہو، آہ یہ دونوں حالتیں کس قدر متخالف و متفاوت ہیں۔

(قسم سوم) مذکورہ بالا دونوں مرتبوں کے درمیان کا آدمی، جو اس دنیا کی مصیبتوں اور بلاؤں سے واقف تھا اور اس کی مجلس سے متنفر، لیکن اب اس سے مانوس اور مالوف ہو

Marfat.com

چکا ہے تو اس کا رستہ اس شخص کی طرح ہے جو ایک اندھیرے اور گندے گھر سے الفت پذیر ہو گیا ہے اسے اس میں اور کوئی شخص نظر نہیں آتا تو اس میں سے نکلنا بھی پسند نہیں کرتا گو اس کے اندر جانا بھی اسے نامطبوع تھا پھر جب اس سے باہر نکلتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکوکار بندوں کے لئے کچھ تیار کر رکھا ہے تو اسے اس مکان سے نکلنے پر افسوس نہیں ہوتا، بلکہ کہتا ہے الحمد لله الذی اذهب عن الحزن ان ربنا لغفور شکور الذی احلنا دار المقامة من فضله لا یمسنا فیها نصب ولا یمسنا فیها لغوب، الحمدللہ کہ اللہ نے ہمارا غم دور کیا ہمارا رب غفور وشکور ہے کہ اس نے ہمیں ابدی مسرت کے گھر میں اتارا، جس میں ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ انسان کسی چیز کی مفارقت کو ناگوار سمجھے، پھر جب اسے چھوڑ دے تو افسوس کا اظہار نہ کرے چنانچہ بچہ ولادت کے وقت ایک حالت سے دوسری حالت میں آنے کے غم سے روتا ہے۔ پھر جب اسے عقل آجاتی ہے تو گزشتہ حالت میں جانے کی تمنا نہیں کرتا، اور موت ولادت ثانیہ ہے جس سے ایک ایسا کمال حاصل ہوتا ہے جو پہلے حاصل نہ تھا، اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کمال سے پہلے ایسی آفات وعوارض لاحق نہ ہوں، جو اس کے قبول کرنے میں نقصان پیدا کریں جس طرح ولادت ایک ایسے قابل رشک کی باعث ہے جو بچے کو جنین کی حالت میں میسر نہ تھا اور اس میں شرط یہ تھی کہ اس باکمال کے مانع امراض وعوارض اس جنین ماں کے رحم میں لاحق نہ ہوں، اور چونکہ موت کمال کا باعث ہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں چاہیے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے لئے دعا کریں اور ان کا شکریہ ادا کریں، جیسے ہم جبرائیل، میکائیل، اور اسرافیل علیہم السلام کے لئے دعا کرتے ہیں، جس کے دو سبب ہیں کہ دنیا سے رستگاری حاصل کرنے کا طریقہ انھوں نے بتایا، اور آخرت میں نجات پانے کا رستہ دکھایا، اور یہ باتیں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطہ سے عمل میں آئیں، لیکن ملک الموت اس دنیا سے ہمیں نکالنے کا باعث ہے اس لئے اس کا حق بہت بڑا ہے چنانچہ امم سابقہ میں سے حکماء کے ایک گروہ کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ اس شخص کی تقدیس وتحمید اور تسبیح سے تعظیم کرتے تھے جس کو وہ سمجھتے تھے کہ وہ اس عارضی زندگی کے قائم رکھنے میں اعانت نہیں کرتا بلکہ وہ ہلاکت کا باعث ہے جس کے ذریعہ سے اس دنیائے دوں سے رستگاری حاصل ہوتی ہے

Marfat.com

فصل

رہروان الٰہی کی پہلی منزل

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے رستہ کے سالک تو تھوڑے ہیں لیکن اس کے مدعی بہت ہیں ہم تمہیں دو علامتیں بتاتے ہیں جن کو تم معیار قرار دیکر اپنے متعلق اور غیروں کے متعلق کھرے اور کھوٹے ہونے کی تمیز کر سکتے ہو۔

(علامت اول) اصلی سالک وہ ہے جس کے تمام اختیاری افعال شرع کی ترازو میں پورے اتریں۔ ہر ایک فعل کا صادر ہونا کم وبیش ہونا یا نہ ہونا شریعت کی حدود کے موافق ہو کیونکہ جب تک شریعت حقہ کے رنگ میں انسان نہ رنگا جا چکے اس رستہ پر گام فرسا نہیں ہو سکتا اور یہ تہذیب اخلاق کے بعد ہی ممکن ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس مقام کو حاصل کرنا جبھی ممکن ہے کہ انسان جملہ مباہات کو ترک کر دے کیونکہ جو شخص محرمات اور محظورات کو ترک نہیں کرتا، کس طرح منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے اور جو شخص عبادات نفلی پر مواظبت اختیار نہیں کرتا شاہد کامرانی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ پھر جو شخص فرائض بلکہ احکام واعمال شریعت میں جن لوگوں کو مکلف بنایا گیا ہے کو تاہی کرتا ہے۔ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ شریعت نے اپنے احکام اعمال میں سے محظورات اور فرائض میں ہی مکلف کرنے پر حصر کیا ہے اور اس میں عوام الناس بھی مشترک ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان امور میں شغل کو مصروفیت دنیا کی خرابی اور تباہی کا باعث نہ ہو جائے۔

سالک فی سبیل اللہ دنیا سے اس طرح روگردان رہتا ہے کہ اگر تمام دنیا اس کی برابری کرے تو کائنات برباد ہو جائے پھر صرف فرائض وواجبات ہیں محدود رہ کر اور نوافل کو چھوڑ کر کوئی کیسے کامیاب ہو سکتا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یزال العبد یتقرب الیی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت لہ سمعًا وبصرًا فبی لیسمع ویبصر میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے تقرب حاصل کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو

Marfat.com

میں اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں پھر وہ مجھ سے دیکھتا اور سنتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ ہوس غالب اور پائیدار کسلمندی کی وجہ سے ہی انسان فرائض میں فروگزاشت کرتا ہے اور محظورات میں بے دھڑک در آتا ہے پھر جو شخص بار بار ہوس اور کاہلی کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ خدا کے رستہ پر کیسے چل سکتا ہے۔

پھر اگر تم کہو کہ جب سالک فی سبیل اللہ وہ ہے جو خواہشات اور سستی سے مجاہدہ کرنے میں مشغول ہو، تو جوان کو مغلوب کر چکا وہ تو واصل باللہ ہوا، سالک نہ ہوا، تو جواب یہ ہوا کہ یہ عین فریب ہے اور رستہ اور منزل مقصود سے ناواقفی پر شاہد نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص تمام صفات ردیہ اپنی ذات سے دور کر لے تو اس کی نسبت منزل مقصود سے ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اور چند مجبوریاں اور تعلقات ہیں جو انسان کو گردن سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور خدا کی جانب مائل نہیں ہونے دیتیں تو جب وہ انہیں محو اور دفع کر لے تو اس نے علائق کو دور کر دیا اور اب وہ سلوک کی منزل میں چلنے کے لئے آمادہ و مستعد ہوا، یا تم یوں سمجھو کہ ایک بیوہ عورت ہے جو چاہتی ہے کہ بادشاہ اس سے شادی کر لے جب وہ عدت جو نکاح سے مانع تھی گذار لیتی ہے تو خیال کرتی ہے کہ سب کام ختم ہو چکے اور میں کام دل حاصل کر چکی، افسوس صد افسوس کہ اس نے تو ابھی نکاح کی استعداد ہی حاصل کی ہے اور صرف موانعات کو دور ہی کیا ہے اور بادشاہ کا قبول کرنا اور رغبت کر کے انعام شادی سے نوازنا ابھی باقی ہے۔ یہ خدا کی دین ہے ہر وہ شخص جو نہا دھو کر عطر پھلیل لگا لے جمعہ نہیں پڑھ لیتا اور نہ ہر حسینہ جو عدت گذار لے اپنے محبوب کے وصال سے شادکام ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا سالک کے رتبہ میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں پہنچ کر بعض وظائف عبادات اس سے چھوٹ جائیں اور بعض محظورات اسے ضرر نہ پہنچائیں جیسا کہ بعض مشائخ کے متعلق کہا گیا ہے جو ان امور میں تساہل برتتے تھے تو جواب یہ ہے کہ یہ عین فریب نفس ہے محقق حکماء نے کہدیا ہے کہ خواہ تم کسی شخص کو پانی پر چلتا دیکھا لیکن وہ کسی بات میں شریعت کے خلاف عمل کرتا ہو تو جان لو کہ وہ شیطان ہے اور یہ بالکل حق ہے یہ اسلئے کہ شریعت اسلامیہ فراخ اور وسیع ہے اور جب کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش ہوتی ہے تو شریعت نے پہلے ہی اس کی رخصت دے رکھی ہوتی ہے پھر اگر وہ محل رخصت سے تجاوز کر لے تو یہ ضرورت کے باعث نہ ہوگا بلکہ خواہشات اور شہوت اس کا موجب ہونگی یاد رکھو انسان جب تک اس دنیا میں زندہ ہے اسے ہر وقت اندیشہ ہے کہ کسی روز شہوات مغلوب ہو جانے کے بعد غالب آ جائیں

Marfat.com

اس لئے چاہیے کہ ہر وقت ان سے چوکنا رہے اور جب کبھی دیکھے کہ آرام طلبی اور سہل انگاری کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے تو جان لے کہ شہوات غالب ہونا چاہتی ہیں اور یہ سب باتیں اخلاق ردیہ کا تقاضا ہیں۔

پھر جو شخص اپنے تئیں پاکباز بنا لے اور اپنی روح کو علوم حقیقی کی غذا کھلائے۔ تو اسے عبادت میں مواظبت کا درجہ حاصل ہو جائیگا نماز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیگی اور اسے رات کی تاریکی میں تنہا بیٹھ کر خدا سے دعائیں کرنے میں تمام چیزوں سے زیادہ لطف حاصل ہو گا یہ منزل اول کی علامت ہے اور انتہاء تک قائم رہتی ہے اگرچہ خدا کی طرف جانے والے رستہ کی کوئی انتہا ہی نہیں ہاں موت تمام جدوجہد اور تگ و دو کے سلسلے یک قلم توڑ دیتی ہے پھر انسان موت کے بعد اسی مرتبہ پر قائم رہتا ہے جو اس نے مدت حیات میں حاصل کیا تھا کہ ہر شخص اس چیز پر مرتا ہے جس پر اس نے زندگی گذاری تھی۔

(دوسری علامت) یہ ہے کہ انسان کا دل ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی حضور میں رہے ضروری اور بے تکلف طور پر اسے اس حضوری میں بے حد لذت حاصل ہو، خشوع، اور خضوع، انکسار و تواضع کے ساتھ اس کا دل خدا سے وابستہ رہے وہ اس حال سے کبھی علیحدہ نہ ہو اگرچہ وہ ضروریات بدن مثلاً کھانا پینا قضا حاجت کو جانا کپڑے دھونا وغیرہ میں مشغول ہی رہے بلکہ چاہیے کہ اس کی مثال تمام حالات میں اس عاشق کی سی ہو جو ایک مدت تک زحمت انتظار کی کڑیاں جھیلتا رہا ہو ایک عرصہ دراز تک۔ ع

مصیبت پر مصیبت چوٹ پر کھائی ہو چوٹ اس نے

پھر اس کا محبوب اس کے سامنے بصد تحمل جلوہ پیرا ہو جائے اور اس کے دل کا کنول کھل جائے لیکن اس وقت اسے قضائے حاجت کے باعث مجبوراً تھوڑی دیر کے لئے اپنے محبوب سے علیحدہ ہونا پڑے اور وہ بیت الخلاء کو جائے تو اس کا دل بے قرار محبوب کے پاس موجود ہو گا بدن البتہ غیر حاضر ہو گا اگر اس حالت میں کوئی شخص اسے مخاطب کرنا چاہے تو وہ شدت استغراق کے باعث اس کی بات نہ سنے گا۔ وہ اس مصیبت کو سخت مصیبتناک سمجھے گا اور چاہے گا جتنی جلد کٹے اتنا ہی بہتر ہے تو سالک کو چاہیے کہ اپنے اشغال دنیوی میں اسی طرح مصروف ہو بلکہ سوائے ضروریات بدنی کے اسے کوئی شے بے توجہ نہ کر سکے اور اس حالت میں بھی اس کا دل خدا کی عظمت و جلال کے سامنے نہایت انکساری کے ساتھ حاضر رہے۔ اگر شہوت جماع تحریک کے ذریعہ سے حرکت میں آنے سے باز نہ رہے تو یہ اس شخص کی حالت

Marfat.com

میں ہو گا جس پر شہوت غالب ہے اور اس کی آنکھوں میں کسی بشر کی صورت جو گندے اور ناپاک نطفے سے پیدا ہوا ہے۔ جاگزیں ہو چکی ہے پھر جب وہ محبوب اس کے قریب آتا ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور اس کے تمام شہوانی خیالات فرو ہو جاتے ہیں اس بے خودی اور کمزور طبعی کا عذر وہ اس کا تن و جمال قرار دیتا ہے پھر یہ عذر کس طرح قابل قبول ہے جب مقابلہ پر اللہ کا جلال و جمال ہے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔

الغرض اس منزل کو تمام و کمال پورا کرنے کے لئے حرص شدید اور عزم صمیم اور طلب بلیغ کی ضرورت ہے حرص و طلب کا مبداء محبوب و مطلوب کا جمال ہے جو شوق اور محبت کی آگ بھڑکاتا ہے اور اس جمال جہاں آرا کے ادراک کے لئے نگاہ شوق اور مشتاق آنکھ کی ضرورت ہے جو تمام دوسری چیزوں سے منہ پھیر کر صرف اسی کی ہو رہے۔ اللہ تعالیٰ کے جلال کا نظارہ کرنے کے لئے بھی اسی چیز کی ضرورت ہے جو تمہارے شوق کو بھڑکائے اور تمہاری حرص کو برپا کرے۔ اور اسی کے اندازہ کے مطابق تمہاری جدوجہد و تگ و دو کی مقدار ہو گی۔

پھر محبوب کے ساتھ دیر تک یکجا رہنے کے باعث عشق کا جذبہ اور زیادہ ہوتا ہے چونکہ اس اثنا میں محبوب کے عمدہ اخلاق جو پہلے پوشیدہ تھے ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے محبت کئی گنا اور بڑھ جاتی ہے اسی طرح مبتدی مرید جب پہلے پہل حضرت باری تعالیٰ کے جمال و جلال کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ کرتا ہے تو بسا اوقات ضعف ادراک کے باعث اس کی آنکھوں میں چکا چوند نہیں پیدا ہوتی لیکن آہستہ آہستہ طلب و شوق زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

چنانچہ وہ ہر وقت اسی خیرہ کن جمال کے تصور میں محو رہتا ہے پھر اس پر اس کی خوبیاں اور فضائل روشن ہوتے جاتے ہیں محبت کی آگ اضافہ مضاعفہ شعلہ زن ہوتی ہیں ہر لحہ اور ہر گھڑی محبت بڑھتی جاتی ہے اور جس طرح عاشق اپنے محبوب کے قرب کا آرزومند ہوتا ہے اسی طرح مرید اللہ تعالیٰ کے قرب کی تلاش میں پھرتا ہے یہ قرب مکانی نہیں ہوتا یا جسمی طور پر اس کو مس نہیں کیا جا سکتا یا یوں نہیں ہو سکتا کہ اس کی صورت کے جمال کو کمال طور پر اپنے سامنے دیکھ لیں یہ قرب قرب کمال ہے نہ قرب مکان ان باتوں کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا اس قرب کمال کی تشبیہ یوں ہے کہ ایک شاگرد ہو اس کو اپنے استاد سے بے حد محبت ہو اور اس کے قرب کمال کا طالب ہو یہ زیادہ سچی تشبیہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے میں اس کا قرب چاہتا ہے یعنی آہستہ آہستہ اس کے رتبہ کے قریب ہو جاتا ہے بعض حالات میں یہ ممکن ہوتا ہے اور بعض میں متعذر لیکن ترقی بلحاظ رتبہ کے بالکل ممکن ہے چنانچہ رتبہ کے لحاظ سے اس میں زیادتی ہوتی

Marfat.com

ہے اور وہاں پہنچ جانا ممکن ہے لیکن اسفل السافلین سے بلندی کی طرف رخ کرنا ممکن ہے شاگرد اپنی نگاہ میں ایک رتبہ مقرر کر لیتا ہے جو محدود ہوتا ہے نہ یہ کہ محبت کے باعث اپنے استاد کا مرتبہ عین پائے بلکہ درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے اور دفعتاً انتہائی منزل کو پہنچنے کا شوق اس کے دل میں نہیں پیدا ہوتا جب ایک رتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اوپر کے درجے کا مشتاق ہو جاتا ہے یہی حال اس شخص کا ہے جو عالم نہیں اسے چاہئے کہ علماء سے جو ورثۃ الانبیاء ہیں مشابہت اختیار کرے علماء انبیاء و اولیاء کے ذریعہ سے ملائکہ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ صفات بشری کلی طور پر محو ہو جاتے ہیں، اور وہ انسانی صورتوں میں فرشتے بن جاتے ہیں پھر ملائکہ کے لئے بھی مختلف درجات و مراتب ہیں، اور سب سے بلند درجہ معشوق ادنیٰ کا ہے اور یہی نصب العین ہے ملائکہ مقربین وہ ہیں جن کے حق کے درمیان کوئی واسطہ نہیں انہیں جمال اطہر اور بہائے اتم حاصل ہے بلحاظ نسبت کے ان سے جو موجودات کاملہ میں سے ان سے کم ہیں پھر ہر ایک جمال اور کمال حقیر ہو جاتا ہے جب رب العزت کے جمال کی طرف نگاہ جاتی ہے۔

الغرض اسی طرح چاہیے کہ تم قرب الٰہی کا اعتقاد کرو، اس طرح کہ تم خیال کرو کہ جنت میں ایک گھر ہے، اور اس کے قریب کہیں اللہ تعالیٰ فروکش ہے۔ یہ قرب مکانی ہے؛ اور خدائے رب العزت اس سے بہت بلند ہے؛ اور نہ یہ کہ تم عبادت کا ایک تحفہ اس کی خدمت میں پیش کرو، اور اس سے خوش ہو کر اس کی قدر دانی کرے اور تم پر مہربان ہو جائے جیسے بادشاہوں کے دربار میں ان کی رضامندی اور حصول اغراض کے لئے حاضر ہوتے ہیں؛ تو اسے قرب سلطانی کہتے ہیں؛ توبہ توبہ اللہ تعالیٰ بہت بلند اور پاک ہے ان معانی سے جس سے دنیا کے بادشاہ متصف ہوتے ہیں وہ تو خدمت گزاری، عاجزی تابعداری اور دفا کیشی سے خوش ہوتے ہیں گاہے بسلامے برنجند وگاہے، بدشنامے خلعت دہندان کی مشہور صفت ہے۔

اس قسم کے تمام عقائد جہالت پر مبنی ہیں اگر تم کہو کہ اکثر عوام کا یہی اعتقاد ہے تو کیا جو شخص رنگریز کی دکان سے عنبر طلب کرے اسے ملجائیگا، ہرگز نہیں، جب تمہیں ایک شخص کے متعلق معلوم ہے کہ وہ چیز اس کے پاس ہی نہیں تو وہ چیز اس سے کیسے طلب کر سکتے ہو، عوام کالانعام تو گدھے ہیں ان کو لسان الٰہی نے حمر مستنفر؛ فرت من قسورہ سے تعبیر کیا ہے اور واقعی عوام گدھے ہیں کیونکہ انھوں نے علوم کی ممارست نہیں کی کیا تم نہیں دیکھ چکے کہ یہ لوگ خداوند تعالیٰ کے متعلق کس قسم کے خیالات وعقائد رکھتے ہیں، کہتے ہیں وہ عرش پر بیٹھا ہے، اس پر ایک سبز چھتری سایہ کیئے ہوئے ہے وغیرہ وغیرہ، یہ لوگ اسی قسم کی تشبیہات سے کام لیتے

Marfat.com

ہیں۔ کیونکہ لوگ اکثر تشبیہ کے عادی ہیں لیکن تشبیہ میں درجات ہیں بعض لوگ خدا کی صورت کا خیال کر کے گمان کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھ ہیں آنکھیں ہیں وہ اترتا ہے، اور چڑھتا ہے بعض لوگ اسے ناراضی، رضامندی، غصہ اور خوشی کے جذبات سے متصف کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے، ہاں اس بات کا شریعت نے تاویل کطور پر استعمال کیا ہے تا کہ لوگوں کو افہام وتفہیم میں آسانی ہو، بعض لوگ حقیقت کا ادراک کر لیتے ہیں بعض لوگ نہیں سمجھتے اگر تمام لوگ بلحاظ فہم برابر ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد باطل ٹھہرتا،

رب حامل فقه الى من هوافقه منه ورب حامل فقه ليس بفقيه،

ہم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں سے درگزر کرتے ہیں کیونکہ یہ پاگلوں کا سلسلہ ہے اور شیطان کی بیڑیاں توڑتا ہے۔

فصل

مذہب اور فرقہ بندی

شاید تم کہو کہ اس کتاب میں تم نے یا تو مذہب صوفیا کے مطابق یا اشعریوں کے موافق یا بعض متکلمین کے مطابق گفتگو کی ہے حالانکہ ایک مذہب کے مطابق ہی گفتگو صحیح سمجھی جاسکتی ہے اب ان مذاہب میں سے کون حق پر ہے اگر سب ہی حق پر ہیں تو یہ کس طرح متصور ہوسکتا ہے اور ان میں سے بعض حق پر ہیں تو وہ کونسا ہے تو جواب یہ ہے کہ مذہب کی حقیقت کی شناخت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی کیونکہ لوگوں کے اس بارے میں دو گروہ ہیں۔

(اول) وہ لوگ جو کہتے ہیں، کہ مذہب ایک اسم مشترک ہے تین مرتبوں کی بناء پر

(اول) جو مناظرات ومباہات کے ذریعہ سے دل میں پیدا ہوجاتا ہے۔

(دوم) جو کچھ تعلیمات وارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔

(سوم) وہ معتقدات جو انسان کے دل میں مشاہدات ونظریات کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہر ایک کامل شخص کو اس اعتبار سے تینوں مذاہب حاصل ہوتے ہیں پہلی صورت کے اعتبار سے مذہب یوں ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوا، یا جس استاد سے تعلیم پائی یا جس شہر میں رہائش ہوئی انہیں کے مطابق مذہب بھی ہوگیا یہ علاقہ شہر اور استادوں کے لحاظ سے مختلف

Marfat.com

ہوتا ہے چنانچہ جو شخص معتزلیوں یا اشعریہ، یا شافعیہ، یا حنفیوں کے ملک میں پیدا ہوا، اس کے دل میں وہی بات جم گئی بچپن سے ہی وہ ایک مذہب پر قائم ہو گیا اس کے علاوہ جو طریقہ ہے اسے وہ ناپسند اور مذموم سمجھتا ہے۔

چنانچہ اسے معتزلی، شافعی، اشعری، یا حنفی کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ خاص خیالات کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے اور ان کی امداد و موالات کرتا ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک قبیلہ ہو اور اس کے مختلف افراد ایک دوسرے کی امداد و اعانت کریں اس خاص تعصب کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک جماعت چاہتی ہے کہ میں عوام کی اتباع حاصل کر کے دوسروں پر غالب آ جاؤں اور عوام کے سامنے جب تک ایک ایسی جماعت کی حیثیت نہ پیش کی جائے جو غلبہ واستیلا کے رنگ میں ہو، ان کو جوش نہیں آتا، چنانچہ تمام دینوں میں مذاہب اسی جماعتی رنگ کے باعث پیدا ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ فرقوں میں تقسیم ہو گئے حسد و نفسانیت کی بلائیں حرکت میں آ گئیں ان کا نصب سخت ہو گیا، اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کا جذبہ مضبوط، بعض شہروں میں جب سب لوگ ایک مذہب پر متحد ہو گئے اور طالبان ریاست و حکومت لوگوں کی تابعداری حاصل کرنے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے بعض ایسی باتیں وضع کیں جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ ان کی ضرور مخالفت کی جائے گی، اور ان کے برخلاف تعصب کا اظہار کیا جائے گا۔ جیسے علم اسود اور غنم احمر، چنانچہ ایک گروہ نے کہا یہ حق ہے کہ وہ سیاہ ہے اور دوسروں نے کہا نہیں بلکہ زرد ہے چنانچہ ان گمراہوں کے سر کردوں کا مقصد حاصل ہو گیا، عوام کی اتباع حاصل ہو گئی اور مخالفین کا بازار گرم ہو گیا عوام نے خیال کیا کہ یہ بہت اہم باتیں ہیں وضع کرنے والوں کے سرگروہوں نے وضع کرنے کی غرض جات سے کر لی۔

(مذہب ثانی) جو ارشاد و تعلیم کے مطابق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے، جو استفادہ کرے اور ہدایت پائے۔ اس کی کوئی خاص ایک ضرورت نہیں معین کی جا سکتی۔ بلکہ یہ تعلیم حاصل کرنے والے کے مطابق مختلف ہوتی ہے چنانچہ ہر ایک طالب علم ورشد اپنے فہم کے مطابق عقائد قائم کرتا ہے اگر مسترشد ترکی ہے یا ہندی یا کند ذہن درشت مزاج آدمی ہے اور معلوم ہو کہ اگر اس کے سامنے بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی مقام نہیں، وہ نہ جہان مین داخل ہے نہ اس سے خارج، نہ کائنات میں متصل ہے نہ منفصل تو وہ جلد ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو جائے گا اور اس کو جھٹلا دیگا تو چاہیے اس کو بیان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے اور یہ کہ وہ بندہ کی عبادت سے خوش ہوتا ہے اور مہربان ہوتا ہے اور اپنے بندوں کو اس

Marfat.com

عبادت کے بدلے میں جنت میں داخل کر دیتا ہے اور اگر مسترشد کے متعلق یقین ہو کہ وہ حقیقت کو اخذ کرنے کا اہل ہے تو اس کے سامنے حق مبین ہی کا ذکر کیا جائیگا اس اعتبار سے مذہب متغیر اور مختلف ہو جائیگا اور ہر شخص کے فہم اور سمجھ کے مطابق اس کی کیفیت ہو گی۔

(مذہب ثالث) وہ عقائد جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک روز کی صورت میں ہیں، ان کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا، اور ان کا ذکر صرف اس شخص سے کیا جاتا ہے جو اس کوچے کا مرد ہے اور ان حالات و کیفیات میں اس بندے کا شریک ہے یا اس رتبہ کو پہنچ چکا ہے جو ان باتوں کو قبول کرنے اور سمجھنے کے قابل ہے اس کی صورت یوں ہے کہ مسترشد ذکی اور ذہین ہو اس کے دل میں کوئی موروثی یا دوسرا اعتقاد جاگزین نہ ہو چکا ہو اور نہ اس کا دل کسی خاص رنگ میں رنگا جا چکا ہو، جس کا محو کرنا ناممکن ہو اس کی مثال اس تختی کاغذ کی سی ہے جس پر کچھ لکھا جا چکا ہو، اور اس کا ازالہ صرف جلانے یا پھاڑ دینے سے ہو سکتا ہے اس قسم کے آدمی کی طبیعت بگڑ چکی ہے اور اس کی اصلاح کی طرف مایوس ہو جانا چاہیے چنانچہ جو کچھ اس کے خلاف مرضی کہا جائیگا اسے سننا پسند کے خلاف کی مدافعت کے حیلے تلاش کرنے گا اور اگر انتہائی طور پر وہ اور اس کی ہمت اسے سمجھنے پر کمر بستہ ہو جائے تو اسے اپنے فہم کے متعلق شک پیدا ہو جائیگا تو پھر اس بات کا کیا علاج ہے کہ اس کی غرض ہی نہ سمجھنے کی کوشش کرنا ہے، اس لئے آخری طریق کا ان تمام باتوں کے ہوتے سوتے بھی ہے کہ اس کے سامنے سکوت اختیار کرلے اور اسے اپنے حق پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہی پہلا اندھا شخص نہیں جو اپنی گمراہی کے باعث ہلاک ہو چکا ہے، غرض یہ لوگوں میں سے ایک گروہ کا طرز عمل ہے، اب آیا فریق دوم اور اس میں اکثر لوگ شامل ہیں ان کا قول یہ ہے کہ مذہب ایک ہی ہے، یہی وہ اعتقاد ہے جو ہر شخص کے حسب حال اور تعلیم و ارشاد کے مطابق بتایا جاتا ہے اور اسی کا خیال دل میں بٹھایا جاتا ہے اور وہ یا مذہب اشعری ہے یا معتزلی، یا کرامی یا کوئی اور مذہب، پہلے لوگ ان لوگوں سے اس بات میں موافق ہیں کہ اگر وہ مذہب کے متعلق پوچھیں کہ آیا وہ ایک ہے یا تین تو تین کہنا جائز نہ ہوگا بلکہ واجب ہے کہ کہہ دیا جائے کہ وہ ایک ہی ہے اگر تم عقلمند ہو تو تمہاری مذہب کے متعلق زحمت سوال کو باطل کر دے گا کیونکہ لوگ زبانی طور پر اس بات میں متفق ہیں کہ مذہب ایک ہی ہے پھر وہ اپنے باپ کے مذہب یا اپنے معلم کے مذہب یا اپنے اہل شہر کے مذہب پر اڑے رہنے کے متعلق بھی متفق ہیں اگر کوئی شخص اپنے مذہب کا یقین کرے تو تمہیں اس میں کوئی منفعت حاصل نہ ہوگی دوسرا شخص آئے گا تو اس کی مخالفت کرے گا ان میں سے

Marfat.com

کسی کے پاس بھی کوئی ایسی محیر العقول سند نہیں۔
جس سے وہ اپنی جانب کا پلڑا جھکا سکے، تم سب مذاہب کو برابر سمجھو اور سچائی کو فکر کے ذریعہ سے تلاش کرو، تا کہ تم خود صاحب مذہب ہو جاؤ اور اندھوں کی طرح نہ بنو کہ اپنے رہنما کے پیچھے اندھا دھند روانہ ہو اور وہ تمہیں ایک رستہ پہ چلائے حالانکہ تمہارے ارد گرد ہمارے رہنما کی طرح کے ہزاروں رہنما ہیں جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ وہ تمہیں گمراہ کر رہا ہے اور ہلاک کر رہا ہے انجام کار اپنے رہنما کی غلطی کو معلوم کر لو گے اس وقت سوائے استقلال کے اور کوئی صورت رہائی کی نہ ہوگی۔

خذ ما تراہ ودع شیئا سمعت بہ
فی طالع الشمس مایغلیک عن زحل

ہم نے اس قسم کی باتیں اس لئے کہی ہیں، کہ تمہیں اپنے موروثی عقیدے میں شک وشبہ پیدا ہو جائے اور تم طلب وجستجوئے حق میں سرگرم وسرگرداں ہو، کیونکہ شکوک ہی حق کی منزل پر پہنچاتے ہیں۔ اور جو شخص شک نہ کرے گا، نظر وفکر سے کام لے گا اور جو غور وفکر سے کام نہ لے گا بصیرت اندوز نہ ہوگا اور جو بصیرت نہ ہوگا، اندھا رہیگا اور قعر گمراہی میں پڑا رہے گا۔

نعوذ باللہ من ذالک

وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

تمام شد

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یهدی اللّٰه فلامضل له ومن یضلله فلاهادی له

رسالہ مسماۃ بہ

نهایة السعادة

ترجمہ

بدایة الهدایة

تصنیف حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

مترجم

مولوی غلام احمد صاحب منتظم کمیشن قرضہ علاقہ سرکار نظام

۱۳۰۹ھ

Marfat.com

بدایۃ الھدایۃ

الحمدللّٰہ حق حمدہ والصلوۃُ والسلام علی خیر خلقہ

محمدو آلہ واصحابہ من بعدہ

بعد حمد وصلوٰۃ کے گزارش ہے کہ ان دنوں رسالہ بدایۃ الھدایۃ تصنیف حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اس عاجز کی نظر سے گزرا اور اس کے مضامین افادات اگین کے لحاظ سے بے اختیار جی چاہا کہ اس کا ترجمہ بغرض افادہ ونفع عام کے کیا جائے اس رسالہ کے دو حصہ ہیں پہلا حصہ عبادات سے متعلق ہے، اور دوسرا حصہ اخلاق سے عبادات میں جس قدر مسائل بیان ہوئے ہیں وہ سب مذہب امام شافعیؒ کے موافق ہیں اس لئے بالخصوص شافعیوں کیلئے یہ ترجمہ بہت ہی سود مند ہوگا۔ اور دوسرے ائمہ کے پیروی کرنیوالوں کے واسطے بھی یہ رسالہ اس واسطے کار آمد ہے کہ اس میں اکثر وہ ادعیہ مندرج ہیں، جو خاص جناب رسالت مآب ﷺ سے ماثور ہیں دوسرا حصہ تو عام مضامین اخلاق سے متعلق ہے جو عموماً مفید ہے اور یہ حصہ جس قدر دلچسپ ہے اور باوجود اختصار کے کیسے کیسے سود مند ابواب کا اس میں ذکر ہے اس کا امتیاز ذوق سلیم خود کر سکتا ہے ترجمہ میں نفس مضمون کا زیادہ تر خیال رکھا گیا ہے محض لفظی ترجمہ کا چنداں لحاظ نہیں کیا گیا اس واسطے کہ لفظی ترجمہ میں اکثر تعقیدات واقع ہو جاتے ہیں جو عام طلباء کے لئے مفید نہیں ہیں اور بعض جگہ مراقی العبودیۃ (شرح اصل رسالہ) کے مضامین بھی مناسبت مقام کے لحاظ سے کچھ کچھ بڑھا دیے گئے ہیں۔

فقط

غلام احمد

Marfat.com

آغاز کتاب

جو شخص کہ استحصال علم کا حریص اور آرزومند ہو اس کو پہلے ہی اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہیے کہ تحصیل علم سے اس کا مقصود کیا ہے اگر صرف ابنائے جنس میں فخر و مباحات اور امتیاز وخصوصیت کا حاصل کرنا ہے یا اجرِ متاع دنیوی پیش نظر ہے۔ تو اس کو یقیناً سمجھ لینا چاہیے کہ وہ خود آپ اپنے ہلاک نفس اور تخریب دین کی کوشش میں ہے اور یہ چاہتا ہے کہ عمدہ متاع دین کو فضول نمود دنیوی کے معاوضہ میں بیچ ڈالے پس اس قسم کا معاملہ بے سود ہے۔ اور ایسی تجارت بے فائدہ۔ بلکہ اس قسم کی تعلیم کا وبال معلمین پر بھی ہے کہ انکی ایسی تعلیم جو مجز بہ فساد ہو ان کو بھی اس خسارت میں شریک حال کر دیتی ہے۔ ایسے معلمین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو رہزنوں کے ہاتھ ہتھیار بیچے۔ چنانچہ جناب رسالتمآب ﷺ فرماتے ہیں، من اعان علی معصیۃ ولو بشطر کلمۃ کان شریکالہ یعنی جو شخص کہ معصیت پر تائید کرے اگر چہ ایک جزء لفظ کے ساتھ بھی ہو تو وہ اس کا شریک ہے اور اگر تحصیل علم سے یہ نیت ہو کہ جہل نفسانی دور ہو جائے جہاں کی تعلیم وتربیت کی جائے احیائے دین اور بقائے اسلام میں کوشش کیسے جھوٹے نام ونمود کا خیال نہ ہو۔ الحاصل یہ خواہش ہو کہ سارا سامان اپنے پروردگار کی رضا مندی کا فراہم کرے تو ایسی نیک نیتی کے نتائج کا کیا کہنا اس کے فضائل یہاں تک مروی ہیں کہ جب ایسا شخص تحصیل علم کے لیے چلتا ہے تو ملائکہ اس کے پیر کے نیچے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں۔ اور جب تک وہ اس شغل میں مصروف رہتا ہے دریا کی مچھلیاں تک اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتی رہتی ہیں بہر حال سب سے پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ ہدایت جو ثمرہ علم ہے اور اس کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہاء ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اس کی انتہا تک پہنچنا بغیر اس کے ابتدا کے استحکام کے محال ہے اور اس کے باطن کا حال معلوم کرنا بدون واقفیت اس کے ظاہر کے دشوار ہے اس لئے ہم یہاں ہدایت کے ابتدائی امور کر ذکر کرتے ہیں تا کہ ہر شخص ان کے ساتھ اپنے نفس کی آزمائش اور قلب کا استحضار کرے اگر کوئی شخص اپنے دل میں ہدایت کے حاصل کرنے کا سچا میلان دیکھے اور نفس میں اس کے حاصل کرنے کی

Marfat.com

قابلیت پائے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس میں مدارج نہایات کمالات کے حصول کی بھی صلاحیت موجود ہے اور وہ علوم اسرار لدنی سے بھی حظ وافر حاصل کر سکیگا اگر برخلاف اس کے نفس میں تجاہل وتساہل پایا جاوے اور بہ اقتصائے ہدایت عمل کرنے میں لیت لعل ہو تو سمجھ لے کہ نفس امارہ اس پر اپنا عمل کرنا چاہتا ہے اور شیطان اس بات کے درپے ہے۔ کہ اس کو اپنا مطیع ومنقاد بنالے تاکہ اپنے مکروفریب سے قہر ہلاک میں جھونک دیوے اور بعوض حصول سعادت کے شرو فساد میں مبتلا کردے یہی نہیں بلکہ ان لوگوں میں شمار ہو جائے جن کے اعمال بدترین اعمال ہیں، اور جس کی سعی وکوشش دنیا میں ضائع گئی ہے اور اپنی کج فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کررہے ہیں ایسے لوگوں کے بہکانے کے لئے اگرچہ شیطان فضیلت علم اور مراتب علما کو بھی ظاہر کرتا ہے، اور جو کچھ فضائل کا ذکر اخبار واحادیث میں آیا ہے اس کو سنتا ہے مگر باوجود اس کے اس مضمون حدیث کے سمجھنے سے ان کو غافل رکھتا ہے کہ من ازداد علما ولم یزدد هدیٰ لم یزدد من اللہ الا بعدا یعنی گو کسی نے بہت کچھ علم بھی حاصل کیا ہو لیکن اس پر ہدایت کا پرتو نہ پڑا ہو تو اللہ سے سوائے دوری کے اور کوئی چیز حاصل نہیں ہے اور نیز وہ شخص اس مضمون سے نابلد ہے کہ اشدّ الناس عذابا یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہ سخت تر عذاب قیامت کے دن اس عالم پر ہوگا کہ جس کو علم سے فائدہ نہ پہنچے اور وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی اس دعا عبرت انگیز سے بھی واقف ہے جو آپ اکثر بارگاہ قدس میں کیا کرتے تھے کہ اے پروردگار پناہ چاہتا ہوں میں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو اور ایسے دل سے کہ جس میں تیرا ڈر نہ ہو اور ایسے عمل سے جو کہ مدارج عالی پر نہ پہنچائے۔ اور اس دعا سے جو مقبول نہ ہو۔ اور نیز فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی شب ایک ایسی جماعت دیکھی کہ جن کے ہونٹ مقراض نار جہنم سے کٹے ہوئے تھے میں نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو تو انھوں نے کہا کہ ہم وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتے رہے مگر خود اس سے غافل تھے اور ان کو شر سے پرہیز کرنے کا حکم کرتے تھے حالانکہ ہم خود اس میں مبتلا تھے جبکہ علماء کی بوجہ ترک عمل ایسی دردانگیز حالت ہے تو جہلا کا خدا ہی حافظ ہے۔ پس انسان کو مواخذہ الٰہی سے بچنے کے لیے جو کچھ حفاظت کرنی ہے وہ ظاہر ہے یہاں تک تو حصول علم کی ضرورت کا ذکر تھا اب مقاصد علم کا حال سنیئے کہ بعض تو صرف حصول رضائے الٰہی اور مراتب اخروی کے لحاظ سے

اصل دعا یہ ہے۔ اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع وقلب لا یخشع وعمل لا یرفع ودعاء لا یسمع

Marfat.com

تحصیل علم کرتے ہیں جن کا شمار زمرۂ فائزین میں ہے اور بعضوں کو دنیوی وجاہت وجاہ کا خیال حصول علم کے طرف مائل کرتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کو عمدہ حالت میں بسر کریں۔ جب ایسی نیت ہوجاتی ہے تو ایک قسم کی رکاکت اور خست مقصود سے متعلق ہوجاتی ہے جس سے ایسے گروہ کی حالت خطرناک ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اگر قبل توبہ کے اجل نے تعذیل کی تو سوء خاتمہ کا خوف ہے اور ان لوگوں کے لئے یہ بات بھی مشیت ایزدی سے متعلق ہے کہ فائز بہ توبہ ہوں اور اعمال نیک اختیار کرنے سے تلافی مافات ہوجائے اور بمصداق التائب من الذنب کمن لاذنب له وہ بھی فائزین میں محسوب ہوجائیں تیسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ظاہر و باطن میں بالکل اغراض نفسانی کی پابندی کی ہے اور علم کو محض حصول وجاہت اور تفاخر دنیوی کا خیال کیا ہے اور باوجود اس کے جو علماء کی ہیئت اور لباس اور گفتگو میں ان کے رسوم اختیار کیے ہوئے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ بارگاہ اقدس میں بھی مرتبت حاصل ہے درحقیقت یہ لوگ ہالکین سے ہیں اس لئے کہ اس کا یہ خیال ابلہانہ کہ ہم فائزین سے ہیں ان کو توبہ کرنے سے بھی محروم رکھتا ہے اور وہ اس آیت کریمہ سے بھی غافل ہیں کہ یاایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون اے ایمان والو ایسی باتیں کیوں کرتے ہو کہ جس پر تمہارا عمل نہیں ہے اور انہیں لوگوں کے مناسب حال جناب رسالت مآب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں انا من غیر الدجال اخوف علیکم فقیل وماھو یا رسول اللّٰہ فقال علماء السوء یعنی مجھے دجال کے سوائے بھی اور لوگوں سے تم کو مضرت پہنچنے کا زیادہ تر خوف ہے صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ دجال کے سوائے اور کس سے مضرت کا اندیشہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ عالمان بے عمل سے یعنی وہ جو صرف برائے نام عالم کہلاتے ہیں جن کا علم زبان ہی ہے اور دل نور علم سے منور نہیں ہے یہ بھی منافقین میں سے ہیں جنہوں نے علم کو محض حرفہ کے طور پر حاصل کیا ہے ان کی غرض فقط دنیا حاصل کرنا ہے کیونکہ دجال کا کام تو صرف گمراہ کرنا ہے اور یہ علماء گو زبان سے دنیا کی برائیاں سنا کر لوگوں کے دلوں کو اس سے پھراتے ہیں مگر زبان حال واعمال سے اس میں پھنسنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بہ نسبت اقوال کے افعال کو طبیعت میں زیادہ تر اثر ہے۔ خاص کر جہال کو امور دنیا کے جانب جو میلان ہوجاتا ہے وہ ایسے ہی علماء کے جرأت دلانے سے ہے پس باوجود اس کے کہ ان کا علم باعث گمراہی عوام الناس ہے کبھی تو یہ حصول جنت کی تمنا میں مبتلا ہیں۔ اور کبھی جمع مال کی آرزوؤں کی دامنگیر اور کبھی بلحاظ علمیت اس خبط میں بھی مبتلا ہیں کہ ہم اکثر بندگان خدا سے مشخص وممتاز ہیں اور

Marfat.com

انسان کو چاہیے کہ حتی الامکان فریق ثانی (مخاطرین) سے پرحذر رہے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ توبہ کرنے میں جلدی نہیں کرتے اور تعجیل اجل کی وجہ سے اپنی عاقبت بگاڑ لیتے ہیں اور فریق ثالث (ہالکین) میں ہوجانے سے تو بہت ہی احتراز کرنا لازم ہے کیونکہ اس سے سوائے ہلاکت کے مطلقاً نجات کی توقع ہی نہیں ہے بہرحال اب ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی بیان کرتے ہیں کہ بدایت ہدایت کیا ہے تاکہ ہر شخص اس کو سمجھے اور اس کا تجربہ کرے بدایت ہدایت ظاہری تقویٰ ہے اور نہایت ہدایت باطنی تقویٰ بہرحال سرمایۂ نجات انسان تقویٰ ہے۔ اور جو لوگ صفت تقویٰ سے متصف ہیں وہی فائزین سے ہیں تقویٰ امتثال اوامر الٰہی اور اجتناب مناہی کو کہتے ہیں پس امتثال واجتناب کو ظاہری تقویٰ سے جہاں تک تعلق ہے یعنی آداب طاعات اور آداب ترک معاصی اس کا ذکر بطور اختصار کے کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی آداب صحبت کا ذکر بھی مناسب ہے تاکہ یہ کتاب جملہ مطالب ضروری کی جامع ہو جائے۔

قسم اول آداب طاعات

اوامر الٰہی کی دو قسم ہیں فرائض اور نوافل، فرائض بمنزلہ رأس المال اور اصل تجارۃ کے ہیں اور انہی کے ذریعہ سے انسان مہلکات سے نجات پاسکتا ہے اور نفل قائم مقام نفع کے ہیں اور وہی مدارج اعلیٰ پر پہنچنے کا ذریعہ ہے چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے قال ﷺ یقول اللّٰہ تبارك وتعالیٰ ماتقرب الی المتقربون بمثل اداء ما فترضت علیهم ولا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احبه فاذا حببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصرهٗ الذی یبصره ولسانه الذی ینطق به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها حضرت رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری اعظم شانہ سے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ مقربین نے بارگاہ قدس میں میرا تقرب ان احکام کے ادا کرنے سے زیادہ اور کسی چیز سے میرا تقرب حاصل نہیں کیا ہے جو ان پر فرض کردیئے گئے ہیں بلکہ ہمیشہ بندہ کا تقرب ادائے نوافل سے زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو میں خود اس کے کان ہوجاتا ہوں کہ جس کے ذریعہ سے وہ سنتا ہے اور اس کے آنکھ ہوجاتا ہوں

Marfat.com

جس کے ذریعہ سے وہ دیکھتا ہے اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور اس کے پیر بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ سے وہ چلتا پھرتا ہے اس کے درجہ تقرب کے حاصل کرنے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ قلب و جوارح سے اوامر الٰہی کے حفظان کی پابندی از صبح تا شام رہے کیونکہ خداوند عالم ظاہر و باطن کے حالات سے واقف ہے تمام خطرات اور حرکات و سکنات پر اس کا علم محیط ہے حالات خلوت و جلوت سب اس پر کھلے ہوئے ہیں ہر ذرہ کے سکون و حرکت پر وہ مطلع ہے خیانت چشم اور مخفیات صدور کو وہ جانتا ہے کوئی بھید اس پر پوشیدہ نہیں ہیں لہذا چاہیے کہ اجتناب معاصی اور حصول آداب طاعات میں کوشش لگی رہے جو ذریعہ حصول تقرب بارگاہ ایزدی کا ہے لیکن اس بات کا حاصل کرنا بغیر تقسیم اوقات اور دوام ورد و ظائف کے محال ہے یعنی وقت بیداری سے وقت استراحت تک اوامر الٰہی کا پابند رہنا لازمی ہے۔

آداب استیقاظ یعنی بیداری

علی الصباح سونے سے اٹھنے کی عادت کرنی چاہیے اور پہلی جو چیز دل میں خطور کرے یا زبان سے نکلے وہ اپنے پروردگار کا ذکر ہو اس لئے یہ دعا پڑھا کرے۔ الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور اصبحنا و اصبح الملک للہ والعظمۃ والسلطان للہ والعزۃ والقدرۃ للہ رب العالمین

(۱) سب طرح کی تعریف اسی خدا کے لئے ہیں جس نے موت کے بعد ہم کو زندہ کیا کیونکہ نیند بھی مثل موت کے ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے صبح کی ہم نے اور ملک نے اللہ کے لئے عظمت و شاہی اسی کے لئے ہے عزت و قدرت بھی اسی خدا کے لئے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے صبح کی ہم نے فطرت اسلام پر اور کلمہ اخلاص اور دین پر ہمارے نبی کے جو محمد ﷺ ہیں اور ملت پر ہمارے باپ ابراہیم کے جو مستقیم ہے اور وہ مشرکین سے نہ تھے اے پروردگار ہم تیری ہی عنایت سے صبح تک زندہ رہے شام تک زندہ رہنا بھی تیری ہی مرضی پر موقوف ہے تیرے ہی اختیار میں ہماری موت و حیات ہے اور تیرے ہی حضوری میں حاضر ہونا ہے اسی پروردگار سے ہم دعا کرتے ہیں آج کا روز ہر طرح کی نیکی میں بسر ہو جاوے اور بدی سے محفوظ رہیں نہ ہم کسی مسلمان کو نقصان پہنچائیں اور نہ ہم کسی کو عذر پہنچائیں ہم دعا کرتے ہیں کہ آج کا دن ہمارے لئے اچھا ہو۔ اور اچھی حالت میں گزر جائے آج کا دن ہمارے حق میں برا نہ ہو اور اس میں کوئی برائی نہ نکلے۔

Marfat.com

اصبحنا على فطرة الاسلام وعلى كلمة الاخلاص وعلى دين نبينا محمد ﷺ وعلى ملة ابينا ابراهيم حنيفا مسلما وماكان من المشركين اللهم بك اصبحنا وبك امسينا وبك نحيا وبك نموت واليك النشور اللهم انا نسألك ان تبعثنا فى هذا اليوم الى كل خير ونعوذ بك ان نجترح فيه سوء ونجره الى مسلم اويجره احد الينا نسالك خير هذا اليوم وخير مافيه ونعوذبك من شر هذا اليوم وشر مافيه ، لباس پہنتے وقت بھی خدا کے احکام کا یعنی ستر عورت کا خیال رہے کیونکہ جو لباس لوگوں کے دکھلانے کے غرض سے پہنا جاتا ہے وہ خسران کا باعث ہے۔

آداب دخول بیت الخلاء

بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت بایاں پاؤں پہلے رکھے اور واپسی کے وقت سیدھا پاؤں ، برہنہ سر ننگے پاؤں بیت الخلاء میں نہ جانا چاہیے اور ساتھ کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہیے کہ جس پر خدا یا اس کے رسول کا نام لکھا ہو بیت الخلاء میں جانے کے وقت یہ دعا پڑھے۔ بسم الله اعوذ بالله من الرجس النجس الخبيث المخبث الشيطان الرجيم[1] اور واپس نکلنے کے وقت پڑھے غفرانك الحمد لله الذى اذهب عنى ما يوذينى وابقى فىّ ما ينفعنى[2] قضائے حاجت کے وقت کلوخ موجود رکھے قضائے حاجت کی جگہ پانی سے استنجا نہ کرے اور پیشاب کے بعد کھنکارے اور تین دفعہ عضو تناسل کو سونت دے اور اس کے نیچے بایاں ہاتھ پھیرے کہ جس سے قطرات باقی ماندہ خارج ہو جائیں اگر جنگل میں قضائے حاجت کی ضرورت ہو تو ایسی جگہ

---

[1] بابرکت نام پاک باری تعالیٰ پناہ چاہتا ہوں شیطان پلید سے جو راندہ درگاہ ہے۔

[2] مغفرت چاہتے ہیں ہم تجھ سے اس پروردگار کہ تو نے نکالا ہمارے میں سے اس چیز کو جو ہمارے مضر تھی اور باقی رکھا اس چیز کو جو نفع بخش ہے۔

Marfat.com

اختیار کرے کہ لوگوں کی آمد رفت نہ ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کسی چیز کی آڑ کر لے قضائے حاجت کو بیٹھنے سے پہلے برہنہ نہ ہو چاند اور سورج کے محاذی نہ بیٹھے قبلہ کی جانب رو و پشت نہ کرے مجمع سے پرہیز کرے آب غیر جاری میں پیشاب نہ کرے ثمر دار درختوں کے نیچے نہ بیٹھے پتھر اور سخت زمین اور ہوا کے رخ پر پیشاب نہ کرے کہ چھینٹے نہ اڑیں اسی کے متعلق یہ حدیث وارد ہے کہ[۱] ان عامة عذاب القبر منه اور جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھے تو بائیں پیر کی جانب ذرا جھکا رہے کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے مگر بضرورت استنجا پہلے کلوخ سے اور پھر پانی سے افضل ہے اگر اقتصار مقصود ہو تو صرف پانی پر کفایت کرے اگر کلوخ پر اقتصار مقصود ہو تو تین پتھر پاک ہوں بول اور نجاست کو اس ترکیب سے پاک کرے کہ نجاست منتقل نہ ہو قضیب کو بڑے پتھر پر تین مختلف جگہ چھوانے سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہے اگر تین پتھر کافی نہ ہوں تو پانچ سات یا طاق عدد جو کچھ ہو لے سکتے ہیں کیونکہ عدد طاق مستحب ہے استنجا بائیں ہاتھ سے کریں اور بعد طہارت کے اس دعا کو پڑھے[۲] اللهم طهر قلبي من النفاق وحصن فرجي من الفواحش بعد طہارت کے ہاتھ کو زمین یا دیوار پر رگڑ کر پانی سے دھونا چاہیے۔

آداب وضو

قبل از وضو مسواک کریں کہ منہ پاک ہوتا ہے یہ فعل پسندیدۂ خدا ہے شیطان اس سے بھاگ جاتا ہے ایک وقت مسواک کے ساتھ نماز ادا کرنا بلا مسواک کے ستر نماز سے افضل ہے چنانچہ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ قال رسول اللّٰه ﷺ لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك في كل صلاة رسالتمآب ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر دشوار نہ ہوتا میری امت پر تو حکم کرتا کہ ہر نماز کے لئے مسواک کریں وعنه ﷺ امرت بالسواك حتى خشيت ان يكتب علي اور نیز ارشاد ہوتا ہے کہ مجھے خداوند عالم کا حکم خاص کر مسواک کے بارے میں اس تاکید کے ساتھ ہوا ہے کہ مجھ کو خوف تھا کہ کہیں فرض نہ ہو جائے وضو کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بلند جگہ بیٹھے تاکہ چھینٹے نہ

---

[۱] یہ عام عذاب قبر کا باعث ہے۔

[۲] اے پروردگار پاک کر میرے دل کو نفاق سے اور بچا میری فرج کو فواحش سے۔

Marfat.com

اور یں ہاتھ دھونے سے قبل اس دعا کو پڑھے بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اعوذبک من ھمزات الشیاطین واعوذبک رب ان یحضرون[1] پھر ہاتھ تین مرتبہ دھوئے اور کہے اللھم انی اسالک الیمن والبرکۃ واعوذبک من الشوم والھلکۃ[2] رفع حدث یا استباحت صلوٰۃ کی نیت کرے مگر نیت منہ دھونے سے قبل کرنی چاہیے پھر تین مرتبہ مضمضہ کرے پانی راس حلقوم تک پہنچایا جاوے بشرطیکہ روزہ دار نہ ہو کیونکہ روزہ کی حالت میں اس قدر مبالغہ سے افطار کا خوف ہے اور یہ دعا پڑھے اللھم اعنی علی تلاوۃ کتابک وکثرۃ الذکر لک وثبتنی بالقول الثابت فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ[3] اور پھر تین مرتبہ ناک میں پانی لیوے تو اس دعا کو پڑھے اللھم ارحنی رایحۃ الجنۃ وانت عنی راض[4] اور جب بینی پاک کرے تو اس دعا کو پڑھے اللھم انی اعوذبک من روایح النار وسوء الدار[5] پھر اسی طرح منہ کو پیشانی سے ٹھوڑی تک طول میں ایک کان سے دوسرے کان تک دھونا چاہیے تاکہ جہاں کہیں چہرہ پر بال ہوں جیسے ابرو وغیرہ خوب تر ہو جائیں اور عورات کو پیشانی کی ابتدا مانگ کے قریب سے خیال کرنا چاہیے اگر ریش کم ہو تو بالوں کے تہ میں پانی پہنچانا واجب ہے گنجان ہو تو انگلیوں سے خلال کیا جاوے منہ دھونے کے وقت یہ دعا پڑھے اللھم بیض وجھی بنورک یوم تبیض وجوہ اولیائک ولا تسود وجھی بظلماتک یوم تسود وجوہ اعدائک[6] پھر دونوں ہاتھ بعادت معروف کہنی تک دھوویں بہ ترتیب یعنی پہلے دایاں پھر بایاں اور دایاں ہاتھ دھونے کے وقت یہ دعا پڑھے اللھم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرا

---

[1] شروع کرتا ہوں نام سے اللہ کے جو مہربان اور رحیم ہے۔ اے پروردگار پناہ چاہتا ہوں میں تجھ سے وساوس شیاطین سے اور نیز یہ کہ ان کی ترغیب سے کسی بدی کا ارتکاب نہ ہو۔

[2] اے پروردگار میری عرض یہ ہے کہ یمن وبرکت عنایت ہو اور شر وہلاکت سے نجات ملے۔

[3] پروردگار قرآن مجید کے پڑھنے اور تیرے زیادہ ذکر کرنے کی طاقت عطا فرما اور دنیا و آخرت میں قول ثابت پر قائم رکھ۔

[4] اے خدا جنت کی خوشبو سونگھا اور مجھ سے راضی ہو جا۔

[5] اے خداوند عالم دوزخ سے اور دوزخ کی ہوا سے محفوظ رکھ۔

[6] اے خدا روشن کر میرے منہ کو تیرے نور سے اس روز جو تیرے دوستوں کا منہ روشن ہوتا ہے اور مت سیاہ کر میرے منہ کو تاریکی گناہ سے اس روز جو تیرے دشمنوں کا منہ کالا ہوتا ہے۔

[7] اے خدا میرے اعمال نامہ کو سیدھے ہاتھ میں دے اور آسانی سے حساب لے

Marfat.com

بایاں ہاتھ دھونے کے وقت یہ پڑھے اللھم انی اعوذبک ان تعطنی کتابی بشمالی او ایا شمالی کے جگہ وراء ظھری پڑھے پھر مسح سر بالاستیعاب بطریق معلوم کرے اوراس وقت یہ دعا پڑھے۲ اللھم اغشنی برحمتک وانزل علی من برکاتک واظلنی تحت ظل عرشک یوم لاظل الاظلک اللھم حرم شعری وبشری علی النار پھر تازہ پانی لے کر کانوں کا مسح کرے باینطور کے اندر اور باہر سب تر ہو جائے اور انگشت ہائے شہادت سے کانوں کے اندر مسح کرے بیرونی جہت کا مسح سر انگشت سے کیا جاوے اور اس وقت یہ پڑھے۳ اللھم اجعلنی من الذین یستمعون القول ویتبعون احسنہ اللھم اسمعنی منادی الجنۃفی الجنتی مع الابرار پھر گردن کا مسح بطریق معمول کیا جاوے اور اس وقت یہ دعا پڑھے۴ اللھم فک رقبتی من النارواعوذبک من السلاسل والاغلال پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھووے اور انگلیوں کا خلال باینطور کرے مگر ابتداء سیدھے پاؤں کی چھوٹی انگلی سے کی جاوے اور پھر علی الترتیب خلال کرتے ہوئے بائیں پاؤں کے خنصر پر ختم کرے انگشت خلال کو نیچے کی طرف سے انگلیوں کے بیچ میں پہنچاوے سیدھا پاؤں دھونے کے وقت یہ دعا پڑھے۵ اللھم ثبت قدمی علی الصراط المستقیم مع اقدام عبادك الصالحین بایاں پاؤں دھوتے وقت یہ دعا پڑھے۶ اللھم انی اعوذبک ان تزل قدمی علی الصراط فی النار یوم تزل اقدام المنافقین والمشرکین پاؤں کے دھونے میں احتیاط یہ ہے کہ نصف

---

۱ اے خدا پناہ چاہتا ہوں میں کہ بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ نہ دیا جاوے۔

۲ اے پروردگار ہ چھپا لے مجھ کو تیری رحمت میں اور نازل کر مجھ پر تیرے برکتوں کو اور قیامت کے دن تیرے سایہ کے نیچے جگہ دے اس روز تیرے سوا کسی کا سہارا نہیں ہے اے خدا میرے بال اور میرا منہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھ۔.......... ۳ اے خدا مجھ کو ان لوگوں کو میں شامل کر جو بات سنتے ہیں اور اچھی بات کی اطاعت کرتے ہیں اے پروردگار قیامت کے روز تیرے فرمانبرداروں کے ساتھ منادی جنت اذان سنا۔.......... ۴ اے خدا مجھ کو دوزخ سے بچا اور پناہ مانگتا ہوں میں طوق وزنجیر سے۔.......... ۵ اے خدا ثابت رکھ میرے قدم کو صراط مستقیم پر تیرے پرہیزگار بندوں کے قدم کے ساتھ۔.......... ۶ اے پروردگار پناہ چاہتا ہوں میں تجھ سے کہ متزلزل نہ ہو قدم میرا صراط پر دوزخ کی طرف اس روز جو منافقین اور مشرکین کے قدم متزلزل ہوں گے (یعنی قیامت کے روز)۔

Marfat.com

ساق تک ہو بہر حال ہر ہر عضو پر تین تین مرتبہ پانی پہنچایا جائے اور جب وضو سے فراغت ہو تو آسمان کی طرف متوجہ ہو کر یہ دعا پڑھے۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ[1] وحدہ لاشریک لہ واشھدان محمداعبدہ ورسولہ سبحانک اللھم وبحمدك اشھد ان لا الـہ الا انت عملت سوأوظلمت نفسی استغفرك واتوب الیک فاغفر وتب علی انک انت التواب الرحیم اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین واجعلنی من عبادك الصالحین واجعلنی صبوراً شکوراًواجعلنی اذکرك ذکراکثیرا واسبحک بکرۃواصیلا۔ وضو میں ان دعاؤں کے پڑھنے سے کل خطیات متعلقہ اعضاء معاف ہو جاتے ہیں وضو پر مہر ہو جاتی ہے۔ اورعرش کے نیچے جگہ دی جاتی ہے کہ ہمیشہ وہ تسبیح وتقدیس میں مصروف رہے ایسے وضو کا ثواب قیامت تک لکھا جاتا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص وضو کے وقت ادعیہ مذکورہ پڑھے اس کا تمام جسم پاک ہو جاتا ہے ورنہ صرف اسی قدر پاک ہوگا جہاں پانی پہنچا ہو۔

فرائض وضو یہ ہیں۔

(۱) منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا۔

(۲) مسح کرنا۔

(۳) پاؤں ٹخنوں تک دھونا۔

(۴) نیت۔

(۵) ترتیب وضو میں سات چیزوں سے احتراز چاہیے۔

(۱) ہاتھوں کو نہ جھٹکائیں کہ پانی دور ہو جاوے۔

---

[1] گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی سوائے اللہ کے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں جن کی تحقیق محمد بندہ اور رسول اس کے ہیں پاک ہے تو اے خدا اور قسم ہے تیرے حمد کی کہ گواہی دیتا ہوں میں کہ نہیں ہے کوئی خدا مگر تو میں نے گناہ کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا مغفرت چاہتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں پس بخش میرے گناہ کو محو کر دے تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اے خدا گناہ کو ترک کرنے والوں میں مجھ کو شامل کر دے اور پاک لوگوں میں ملا دے تیرے پرہیزگار بندوں میں میرا شمار ہو جاوے مجھ کو صابر و شاکر بنا اور ہدایت دے مجھ کو کہ تیری یاد زیادہ کروں اور تسبیح کروں تیری صبح اور شام۔

Marfat.com

(۲) منہ دھونے اور مسح سر کے لئے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر نہ کھیلتے رہیں بلکہ ایک بار دونوں ہاتھ سے پانی لیکر منہ بھی دھوئے اور مسح بھی کرے۔

(۳) وضو کے وقت گفتگو نہ کرے۔

(۴) کسی عضو کو تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھویا جائے۔

(۵) حاجت سے زائد پانی صرف نہ کرے۔ اکثر بوجہ وسواس ایسا کیا جاتا ہے مگر اس سے احتراز لازم ہے کہ اہل وسواس کا شیطان مضحکہ کرتا ہے اور اس مضحکہ کنندہ شیطان کا نام ولہان[۱] ہے۔

(۶) جو پانی کہ تابش آفتاب سے گرم ہوا اس سے وضو نہ کرے۔

(۷) کانسہ کے ظرف سے بھی وضو نہ کرے۔

آداب غسل

اگر احتلام و جماع سے آدمی مجنب ہو تو غسل کرے آداب غسل یہ ہیں۔

پہلے دونوں ہاتھ کو تین بار دھو ڈالے۔ نجاست بدن سے دور کرے اور وضو کرے مگر پاؤں نہانے کے بعد دھوئے اس وجہ سے کہ (پاؤں دھو کر پھر اس کا زمین پر رکھنا پانی کا ضائع کرنا ہے جب وضو سے فراغت ہو سر پر تین بار پانی ڈالے اور رفع حدث خنابت کی نیت کی ہو

---

[۱] ابلیس کے نو لڑکے ہیں ہر ایک کا نام اور عمل حسب ذیل ہے۔

(۱) خنزب، وسوسہ انداز نماز۔

(۲) ولھان، مخل طہارۃ۔

(۳) زلبنور، زائے مفتوحہ اور لام مشددہ سے۔ بیع و شرا میں برائی پیدا کرنے والا جیسے بائعین کا جھوٹی قسم کھانا کیل و میزان کا تفرقہ وغیرہ ان سب ابواب کا یہی محرک ہے۔

(۴) اعوس، ترغیب دہندہ زنا۔

(۵) وسنان، بواو مفتوحہ و سین مہملہ ساکنہ۔ نیند کا غلبہ اور نماز میں سستی اسی کی ترغیب سے ہے۔

(۶) شریفوفیہ، دانستہ مصیبتوں اور لڑائیوں میں مبتلا کرنے والا شیطان۔

(۷) داسم، بدال و سین مہملتین۔ زن و شوہر میں جھگڑا ڈالنے والا۔

(۸) مطو، میم مفتوحہ اور طا مہملہ سے محرک کذب۔

(۹) ابیض، یہ انبیاء اور اولیاء کے خدمت میں رہتا ہے انبیاء اس سے محفوظ ہیں اولیاء اس سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں اگر اللہ نے بچایا تو خیر ورنہ وہ بھی آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

پھر سیدھے مونڈھے پر تین بار اور بائیں مونڈھے پر بھی تین بار اور بدن آگے اور پیچھے سے تین تین بار ملے اور سر اور داڑھی کے بالوں میں خلال کرے اور بدن کے سلوٹوں میں اور بالوں کی جڑوں میں عام اس سے کہ وہ گھنے ہوں یا تھوڑے پانی پہنچاوے وضو کے بعد اپنے ذکر کو چھونے سے احتراز کرے کیونکہ اس سے وضو کا اعادہ لازم ہوتا ہے فرائض غسل یہ ہیں۔

(۱) نیت۔

(۲) ازالہ نجاست۔

(۳) کامل جسم کا تر کرنا۔

آداب تیمّم

اگر پانی ڈھونڈنے سے بھی میسر نہ آئے یا بیماری یا درندہ جانور یا جس کا ڈر ہو یا پانی اس قدر ہو کہ صرف تشنگی کے لئے کافی ہو (تشنگی خود کو ہو یا کسی رفیق کو ہو) یا پانی بہ قیمت معمولی نہ ملے یا ایسا زخم ہو کہ پانی کے استعمال سے فساد عضو کا خوف ہو تو ان سب صورتوں میں اس وقت تیمّم جائز ہے جس وقت کہ فرض نماز کا وقت آئے تیمّم کے لئے چاہیے کہ ایسی زمین دیکھے جس پر پاک اور خالص و نرم مٹی ہو اور اس پر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں جوڑ کر ہتھر مارے اور فرض نماز مباح ہونے کی نیت کرلے اور ان کو اپنے تمام چہرہ پر پھیر ادے غبار کو بالوں کے نیچے پہنچانے میں خواہ وہ تھوڑے ہوں یا بہت وقت نہ اٹھائے پھر انگلی میں اگر انگوٹھی ہو تو انگوٹھی نکال دے اور انگلیاں کھلی رکھ کر دوسری ضرب مارے اور ہاتھوں کا مسح کہنی تک کرنے اگر یہ ضرب کافی نہ ہو تو دوسری ضرب مارے تاکہ کامل مسح ہو جائے پھر ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی سے ملے اور انگلیوں کے درمیان خلال کرے ایک تیمم سے ایک وقت کی فرض نماز اور نوافل جتنے چاہیں پڑھ سکتے ہیں دوسری فرض نماز کے لئے جدید تیمم چاہیے۔

آداب روانگی مسجد

جب طہارت سے فارغ ہو چکے اگر صبح ہوگئی ہو تو صبح کے دو رکعت نماز سنت مکان میں پڑھ لے کہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ پھر مسجد کو جاوے جماعت کو ترک نہ کرے خصوصاً نماز صبح میں کیونکہ تنہا نماز سے جماعت کی نماز ستائیس درجہ افضل ہے مسجد کو

Marfat.com

جائے تو جلد جلد نہ چلے وقار اور آہستگی کے ساتھ جائے اور راستہ میں یہ دعا پڑھے [۱]اللھم انی اسالک بحق السائلین علیک وبحق الراغبین الیک وبحق ممشای ھذا الیک فانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا ریاء ولا سمعۃ بل خرجت اتقاء لسخطک وابتغاء مرضاتک فاسالک ان تنقذنی من النار وان تغفرلی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔

آداب دخول مسجد

مسجد میں داخل ہونے کے وقت سیدھا پاؤں آگے بڑھائے اور یہ دعا پڑھے [۲]اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وصحبہ وسلم اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک۔ مسجد میں بیع وشرا منع ہے اور گمشدہ چیز کی تلاش بھی۔ اگر کوئی ان باتوں میں مشغول ہو تو کہے خدا نہ تمہارے معاملہ میں برکت دیوے اور نہ تمہاری گمشدہ چیز تمہیں ملے حدیث میں یوں وارد ہے کیونکہ مسجد عبادت کے لئے ہے نہ ایسے ابواب کے لئے مسجد میں داخل ہونے کے بعد بغیر دو رکعت تحیہ مسجد پڑھنے کے نہ بیٹھے اگر طہارت نہ ہو یا تحیہ مسجد کے پڑھنے کا ارادہ نہ ہو تو تین مرتبہ دعا باقیات الصالحات یعنی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر (اور بعض اس کے بعد ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم بھی زیادہ کرتے ہیں) پڑھے اور بعض کہتے ہیں کہ چار بار اور بعضوں کا قول ہے کہ بے وضو تین بار پڑھے اور وضو ہو تو صرف ایک بار اور اگر سنت دو رکعتیں گھر پر نہ پڑھی ہوں تو انھیں دو رکعتوں کا پڑھ لینا تحیۃ المسجد کے لئے بھی کافی ہے جب یہ دو رکعت پڑھ لے تو پھر اعتکاف کی نیت کرنے اور یہ دعا جو جناب رسالت مآب ﷺ پڑھا کرتے تھے پڑھے۔

---

[۱] اے خدا البتہ چاہتا ہوں میں تجھ سے بطفیل ان لوگوں کے جو تجھ سے سوال کرتے ہیں اور تیری طرف رغبت رکھتے ہیں اور بوسیلہ اس میری رفتار کے جو تیری طرف ہے یہ تحقیق نہیں نکلا میں بدی کے لئے اور نہ بسبیل کراہت اور لوگوں کو دکھلانے اور شہرت کے لئے بلکہ نکلا میں تیرے عذاب سے بچنے اور تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پس میں چاہتا ہوں کہ بچاوے تو مجھ کو دوزخ سے اور بخش دے میرے گناہ کہ نہیں معاف کرتا ہے کوئی گناہ مگر تو۔

[۲] اے اللہ رحمت کاملہ نازل کر محمد پر اور انکی آل واصحاب پر سلام۔ اے اللہ میرے گناہ بخشدے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

Marfat.com

اللهم انی اسالک رحمة من عندك تهدي بها قلبي وتجمع بها شملي وتلم بها شعثي وترد بها الفتي وتصلح بها ديني وتحفظ بها غايبي وترفع بها شاهدي وتزكي بها عملي وتبيض بها وجهي وتلهمني بها رشدي وتقضي لي بها حاجتي وتعصمني بها من كل سوء۔ اللهم انی اسالک ایماناً خالصاً دایماً یباشر قلبی یقیناً صادقاً حتیٰ اعلم انه لن یصبني الا ما کتبته علی ورضیني بما قسمة لی اللهم انی اسالک ایماناً صادقاً ویقینا لیس بعده کفر و اسالک رحمة انال بها شرف کرامتک فی الدنیا والآخرة۔ اللهم انی اسالک الفوز عند اللقاء والصبر عند القضاء ومنازل الشهداء وعيش السعداء والنصر علی الاعداء ومرافقة الانبياء اللهم انی انزل بک حاجتی وان ضعف دائی وقصر عملی وافتقرت الیٰ رحمتک فاسالک یا قاضی الامور ویا شافی الصدور کما تجیر بین البحور ان

الٰہی میں تجھ سے تیرے پاس کی رحمت کا سوال کرتا ہوں جس سے تو میرے دل کو ہدایت کرے اور میرے امور متفرق کو جمع کرے اور میری پریشانی کو دور کرے اور میری الفت کو پھر لا دے اور میرے دین کی اصلاح کرے اور میرے غائب کی حفاظت کرے اور میرے ظاہر کو بلند کرے اور میرے عمل کو ستھرا کرے اور میرے منہ کو روشن کرے اور میری راہ یابی دل میں ڈالے اور میری حاجت کو برلا دے اور تمام برائیوں سے مجھ کو روکا دے۔ اے خدا میں مانگتا ہوں تجھ سے ایمان خالص اور دائم جو انست رکھے میرے دل سے اور سچائی تا کہ میں سمجھوں کہ نہیں پہنچی مجھ کو کوئی بات مگر وہ جو تو نے میرے لئے لکھا تھا اور راضی ہوں میں اس بات سے جو تو نے میرے حصے میں دیا۔ اے خدا سوال کرتا ہوں میں تجھ سے سچے ایمان اور یقین کا کہ جس کے بعد کفر نہیں ہے اور تیری رحمت چاہتا ہوں تا کہ بہ وسیلہ اس کے حاصل کروں میں تیری بندگی کے شرف کو دنیا اور آخرت میں اے خدا مانگتا ہوں رسائی دقت لقا اور صبر وقت انصاف کے اور منزلت شہداء کی اور خوشی نیک بختوں کی اور غلبہ دشمنوں پر اور رفاقت انبیاء کی اے خدا تیرے پاس اپنی حاجت پیش کرتا ہوں اگرچہ ضعیف ہے میری رائے اور کمی ہے عمل میں احتیاج ہے مجھ کو تیری رحمت کی پس چاہتا ہوں تجھ سے اے فیصلہ کرنے والے کاموں کے اور شفا دینے والے دلوں کے جس طرح تو علیحدہ رکھتا ہے۔۔۔۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں۔۔۔۔

Marfat.com

تجیرنی من عذاب السعیر ومن فتنة القبور ومن دعوة الثبور
اللھم ما قصر عنہ رائی وضعف عنہ عملی ولم تبلغہ نیتی
وامنیتی من خیر وعدتہ احداً من عبادك او خیر انت معطیہ
احداً من خلقک فانی ارغب الیک فیہ واسالک ایاہ یارب
العالمین اللھم اجعلنا ھادین مھتدین غیر ضالین ولا مضلین
حرباً لاعدائک سلماً لاولیائک نحب بحبک الناس ونعادی
بعداوتک من خالفک من خلقک اللھم ہذا الدعاء وعلیک
الاجابة وھذا الجھد وعلیک التکلان وانا للہ وانا الیہ راجعون
ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم. اللھم ذاالحبل الشدید

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... ہو دریاؤں کو آپس میں ملنے سے ایسا ہی بچا مجھ کو عذاب دوزخ سے
اور قبر کے فتنہ سے اور خواستگاری ہلاکت سے اے خدا جس بات کے سمجھنے میں میری رائے قاصر ہو
اور جس کام کے کرنے میں میرے عمل میں کوتاہی ہو یا اس نیکی کا قصد وارادہ نہ ہو جو تونے کسی اپنے بندہ
کے ساتھ وعدہ کیا ہو یا کسی کو عطا کرنے والا ہو میں خواہش کرتا ہوں اس کی تجھ سے اور مانگتا ہوں اس کو
تجھ سے اے پروردگار عالم اے خدا مجھ کو ہدایت کرنے والوں اور ہدایت یافتگوں میں شریک کر
گمراہ کرنے والے اور گمراہوں میں مت ملا تو اپنے دشمنوں کا دشمن اور دوستوں کا دوست بنا ہم تیری محبت کے
لئے لوگوں سے دوستی رکھیں اور تجھ سے خلاف کرنے والوں سے دشمنی اے خدا یہ دعا ہے اور تجھ سے اس کے
قبول کی امید ہے یہ کوشش ہے اور تجھ پر بھروسہ ہے ہم ملک ہیں اللہ کی اور اس کے طرف پھرنے والے ہیں
طاقت گناہ سے باز رہنے اور قوت عبادت کرنے کی مگر خدا عظیم الشان ہے۔ اے خدا تو انا و توفیق دہندہ
مانگتا ہوں تجھ سے اس زجر کے دن اور جنت بروز حشر مقربین کے ساتھ جو کثرت سے نماز پڑھنے والے ہیں
اور تیرے عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔ تحقیق کہ تو رحیم ہے اور انتہاء درجہ کی محبت کرنے والا ہے جو
چاہتا ہے تو وہی کرتا ہے پاک ہے موصوف ہے عزت کے ساتھ اور غالب ہے اس میں پاک ہے
متصف ہے کبریائی کے ساتھ اور بزرگ ہے اس میں وہ پاک ہے اور ایسی قبول کرنے والوں کے سوا کوئی
تسبیح نہیں ہے پاک ہے اور صاحب فضل ونعمت ہے پاک ہے صاحب قدرت واحسان ہے پاک ہے تمام
چیزیں اس کے علم میں گنی ہوئی ہیں اے خدا میرے دل کو قبر کو سمع کو بصر کو، بال کو، پوست پوست کو گوشت کو خون
ہڈیوں کو آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے سب کو منور کر اے خدا زیادہ کر میرے نور کو اور عنایت فرما نور
اور مجھ کو نور ہی نور کردے تیری رحمت سے اے ارحم الراحمین۔

Marfat.com

والامر الرشید اسالک الامن یوم الوعید والجنة یوم الخلود مع المقربین الشهود الرکع السجود الموفین لک بالعهود انک رحیم ودود انت تفعل ماترید سبحان من تعطف بالعزو قال به سبحان من لبس المجد و تکرمه به سبحانه من لا ینبغی التسبیح الا له سبحان ذی الفضل والنعم سبحان ذی القدرة والکرم سبحان الذی احصی کل شیء بعلمه اللهم اجعل لی نوراً فی قلبی ونوراً فی قبری ونوراً فی سمعی ونوراً فی بصری ونوراً فی شعری ونوراً فی بشری ونوراً فی لحمی ونوراً فی دمی ونوراً فی عظامی ونوراً من بین یدی ونوراً من خلفی ونوراً عن شمالی ونوراً من فوقی ونوراً من تحتی اللهم زدنی نوراً واعطنی نوراً واجعل لی نوراً برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اس کے بعد فرض نماز کے پڑھنے تک ذکر اور تسبیح اور قرات میں مشغول رہے اس اثنا میں جب موذن اذان شروع کرے تو اس کا جواب دے یعنی اگر وہ اللہ اکبر کہے تو آپ بھی اللہ اکبر کہے اسی طرح ہر ایک کلمہ مگر حیعلتین میں یعنی جب وہ کہے حی الصلوۃ وحی علی الفلاح تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ا کہے اور بجواب الصلوۃ خیر من النوم ۲ کے کہے صدقت وبررت وانا علی ذالک من الشاهدین ۳ کہے قامت میں بھی اسیطرح کہنا چاہیے مگر قد قامت الصلوۃ کے جواب میں ۴ اقامها الله وادامها ما دامت السموات والارض کہے اور جب جوابات موذن سے فراغت ہو تو یہ دعا پڑھے ۵ اللهم انی اسئلک عند حضور صلواتک واصوات دعائک وادبار لیلک

---

۱ نہ بچنا گناہوں سے اور نہ طاقت عبادت پر مگر اللہ کی مدد سے جو عظیم الشان ہے

۲ نماز بہتر ہے نیند سے۔

۳ سچ کہا اور نیک ہوا تو اور میں اس بات پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

۴ قائم رکھے اس کو اللہ اور ہمیشہ رکھے جب تک کہ آسمان وزمین قائم رہیں۔

۵ اے خدا مانگتا ہوں تجھ سے تیرے نماز کے وقت اور آواز دعا کی وقت شب کے جانے اور دن کے آتے وقت یہ کہ بخش مجھ کو، وسیلہ اور فضیلت اور درجہ عالی اور عطا کر ان کو مقام محمود جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اور تو خلاف وعدہ نہیں کرتا اے ارحم الراحمین۔

Marfat.com

واقبال نهارك ان توتی محمدا الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه المقام المحمود الذی وعدته انک لاتخلف الميعاد یاارحم الراحمین اگر نماز کی حالت میں اذان کی آواز آوے تو پہلے نماز تمام کرے اور پھر ادائے جواب کی طرف مشغول ہو اگر نماز باجماعت ہو تو بجرد تکبیر تحریمہ امام کے مشغول باقتدا ہو اور بعد اتمام نماز کے یہ دعا پڑھے ا اللهم صل على محمد وعلى ال محمد وسلم اللهم انت السلام وادخلنا دار السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام سبحان ربی العلی الاعلی الوہاب لااله الاالله وحده لاشريک له له الملک وله الحمد يحيى ويميت وهوحی لايموت بيده الخير وهو على كل شیء قدير لااله الاالله اهل النعمة والفضل والثناء الحسن لااله الاالله ولانعبدالاایاه مخلصين له الدين ولو کره الکافرون ۔بعد اس کے دعائے جامع الکلم یعنی وہ دعا پڑھے جو جناب رسالت مآب ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو تعلیم فرمائی تھی جو یہ ہے اللهم انی اسالک من الخير كله عاجله وآجله ما علمت منه ومالم اعلم واعوذبک من الشر كله عاجله وآجله ما علمت منه ومالم اعلم واسالک الجنة وما تقرب اليها من قول وعمل ونية واعتقاد واسالک من خير ما سئلک منه عبدك ونبيک محمد ﷺ واعوذبک من شر ما استعاذك منه عبدك ونبيک محمد ﷺ اللهم وما قضيت على من امر فاجعل

ا اے خدا رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی آل پر اور سلام ۔الٰہی تو عیوب سے پاک ہے اور گناہوں سے سلامت رہنا تیری ہی ذات سے ہے اور سلامتی تیری ہی طرف پھیرتی ہے زندہ رکھ ہم کو اے خدا سلامتی کے ساتھ اور داخل کر جنت میں بڑائی اور بزرگی تیرے ہی لئے ہے پاک ہے میرا رب سب سے زیادہ بڑا اور بخشش والا۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی کے لئے ملک ہے اور ستائش ہے جو زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اس کو موت نہیں ہے اسی کے ہاتھ میں ہے نیکی اور ہر چیز پر وہ قادر ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو صاحب نعمت و فضل و ثنا ہے نہیں ہے معبود مگر اللہ اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں خلوص نیت کے ساتھ اور اسی کے لئے ہے بندگی اگرچہ کفار برا جانیں۔

Marfat.com

عاقبته رشدا[۱] اس کے بعد وہ دعا پڑھے جس کے پڑھنے کی وصیت رسالت مآب ﷺ نے حضرت فاطمہ کو کی تھی یعنی یا حی یا قیوم یا ذالجلال والاکرام لا اله الا انت برحمتک استغیث ومن عذابک استجیر لا تکلنی الی نفسی ولا الی احد من خلقک طرفة عین واصلح لی شانی کله بما اصلحت به الصالحين [۲] پھر دعا عیسیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھے یعنی اللهم انی اصبحت لا استطیع دفع ما اکرهُ ولا املک نفع ما ارجو فاصبح الامر بيدك لا بيد غيرك واصبحت مرتهنا بعملی فلا فقیر افقر منی الیک ولا غنی اغنیٰ منک عنی اللهم لا تشمت بی عدوی ولا تسوبی صديقی ولا تجعل مصيبتي فی دینی ولا تجعل الدنیا اکبر همی ولا مبلغ علمی ولا تسلط علی بذنبی من لا یرحمنی [۳] اس کے بعد دعوات مشہورہ سے جو میسر ہو پڑھے بہر حال نماز صبح پڑھنے کے بعد طلوع آفتاب تک اوقات چار کاموں کے لئے منقسم ہوں اس ترتیب سے۔

(۱) وظیفہ دعوات۔

---

[۱] الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان کل نیکیوں کا جو سر دست ملنے والے ہوں یا آئندہ ملیں جس کا مجھ کو علم ہے اور نہیں ہے اور پناہ چاہتا ہوں حال اور آئندہ کی تمام برائیوں سے جس کا مجھے علم ہے اور نہیں ہے اور سوال کرتا ہوں جنت کا اور ایسے قول و عمل و نیت و اعتقاد کا جو جنت کے نزدیک کر دے اور اس نیکی کا جس کا سوال تیرے بندہ اور نبی محمد ﷺ نے کیا ہے اور پناہ چاہتا ہوں اُن برائیوں سے کہ جن سے تیرے بندہ اور نبی محمد ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ اے اللہ جو بات میری تقدیر میں تو نے لکھی ہو اس کا انجام بخیر کر۔

[۲] اے زندہ و توانا اے صاحب عزت و کرم نہیں ہے کوئی لائق عبادت مگر تو۔ تیری ہی رحمت سے حل مشکل چاہتا ہوں اور تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں مت سپرد کر مجھ کو میرے نفس کے اور کسی مخلوق کے دم بھر۔ اور درست کر دے میرا حال اس چیز سے جس سے کہ تو نے نیکیوں کی حالت درست کی ہے۔

[۳] الٰہی میں ایسا ہوں کہ جو بات مجھے بری معلوم ہوتی ہے اس کو ٹال نہیں سکتا اور اس نفع کو حاصل نہیں کر سکتا جس کی توقع کرتا ہوں کام تیرے ہاتھ میں ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے اور میں اپنے عمل میں پھنسا ہوں تیرے پاس مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے اور تجھ سے زیادہ تر بے نیاز کوئی نہیں ہے الٰہی شماتت اعدا میں مت مبتلا کر اور میرے دوستوں کو میری وجہ سے رنجیدہ مت کر اور مجھ کو دین میں مصیبت زدہ مت کر اور دنیا کو میرا مقصود اعظم اور میرے علم کا انتہائی نتیجہ مت بنا اور میرے گناہ کی وجہ سے ایسے شخص کو مجھ پر غالب مت کر جو رحم نہ کرے۔

Marfat.com

(۲) وظیفۂ اذکار و تسبیحات۔

(۳) وظیفۂ قرأت قرآن۔

(۴) وظیفۂ تفکر۔

وظیفۂ تفکر میں جن باتوں کا خیال ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ذنوب (۲) خطیات (۳) قصور عبادت (۴) خوف عذاب (۵) تضیع اوقات تدارک مافات تاکہ کوئی برائی سرزد نہ ہو۔ طاعات ممکنہ کے ادا کرنے کا خیال رہے اور اس میں بھی افضلیت کا لحاظ ہو اور نیز قرب اجل اور امیدوں کو کاٹنے والی موت کو نہ بھولے، یہ بھی پیش نظر رہے کہ قریب تر سب اختیارات سلب ہو جائیں گے۔ طول امید سے سوائے حسرت وندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا اذکار و تسبیحات میں ادعیہ مابعد کا ورد چاہیے۔

(۱) ۱لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر۔

(۲) ۲لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین۔

(۳) ۳لا الہ الا اللہ الواحد القہار رب السموات والارض وما بینھما العزیز الغفار۔

(۴) ۴سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۵) ۵سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح۔

(۶) ۶سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

(۷) ۷استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم

۱نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ ایک ہے وہ اور اس کا کوئی شریک نہیں سب تعریف اسی کے لئے ہیں زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اور اس کو فنا نہیں ہے اسی کے ہاتھ میں نیکی ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲نہیں ہے معبود مگر اللہ جو قادر اور ثابت ہے اور ہدایت کا اظہار کرنے والا ہے۔ ۳نہیں ہے معبود مگر اللہ جو ایک اور قہار ہے مالک آسمان و زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے غالب اور بخشنے والا۔

۴پاک ہے اللہ اور اس کے لئے حمد ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی اور وہ بہت بڑا ہے نہیں ہے قوت اور طاقت مگر خدا عظیم الشان ہے۔ ۵پاک و منزہ ہے اور فرشتوں اور روح کا صاحب ہے۔ ۶پاک ہے اللہ اور تعریف اسی کے لئے ہے پاک ہے وہ خدائے بزرگ۔ ۷مغفرت چاہتا ہوں اس اللہ سے جو بڑا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ زندہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے اس سے نجات اور مغفرت چاہتا ہوں۔

Marfat.com

واسالہ التوبۃ والمغفرۃ۔

(۸) [1]اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا راد لما قضیت ولا ینفع ذا الجد منک الجد۔

(۹) [2]اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد وصحبہ وسلم۔

(۱۰) [3]بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم۔

ہر ایک دعا کو سو مرتبہ ستر یا اقل مرتبہ دس بار پڑھے۔ قبل طلوع آفتاب کے سکوت اولیٰ ہے حدیث شریف میں ہے کہ ان اذکار کا ورد آٹھ بندے (اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے) آزاد کرنے سے افضل ہے۔

ذکر ان آداب کا جو طلوع آفتاب سے زوال تک لازمی ہیں

بعد طلوع کے جب آفتاب بقدر ایک نیزہ کے بلند ہو تو دو رکعت نماز پڑھیں مگر احتیاط یہ ہے کہ کراہت کا وقت زائل ہو جائے۔ کیونکہ فرض نماز صبح کے متصل کسی اور قسم کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جب آفتاب بلند ہو اور چوتھائی دن نکل آئے تو نماز ضحیٰ پڑھے۔ چار یا چھ۔ یا آٹھ رکعت مگر دوگانہ دوگانہ ادا کرے۔ بہرکیف چونکہ نماز عمل نیک ہے اس میں کمی وزیادتی اپنی اپنی ہمت اور مرضی پر موقوف ہے۔ طلوع آفتاب سے زوال تک سوائے نماز مذکورہ کے اور کوئی نماز نہیں ہے ان سب عبادتوں کے بعد جو وقت بچا رہے اس کی تقسیم حسب ذیل تفصیل چار طرح ہونی چاہیے۔

یا تو وہ وقت طلب علم دین میں صرف ہو کہ بیکار وقت کا ضائع کرنا محض فضول ہے علم

---

[1] اے خدا تیرے دین کا کوئی مانع نہیں ہے اور جس چیز کو تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں ہے تیرے ارادہ کو کوئی پلٹنے والا نہیں مگر تونگروں کی تونگری تیرے پاس کارآمد نہیں ہے۔

[2] اے خدا رحمت نازل کر محمد اور ان کے آل واصحاب پر۔

[3] اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ جس کے نام کے ساتھ آسمان وزمین میں کوئی چیز ضرر نہیں پہنچاتی وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

Marfat.com

دین وہی ہے کہ جس سے خدا کا خوف زائد ہو۔ اور عیوب ذاتی پر اطلاع ہو۔ خداوند عالم کی خواہش پیدا ہو۔ دنیا کی رغبت گھٹے آخرت کا لگاؤ بڑھے۔ کردار بد سے ڈرتا رہے۔ مکروکید شیطان سے خائف ہو کیونکہ اس کے مکر نے ان علما کو خدا کے غضب میں مبتلا کر دیا ہے۔ کہ جن کا ظاہر وباطن یکساں نہیں ہے اور جو محض گندم نما اور جو فروش ہیں یعنی وہ جو دنیا کے مقابلہ میں دین کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے بلکہ علم کو ایک عمدہ ذریعہ حصول اموال سلاطین اور اوقاف یتامی ومساکین کا خیال کرتے ہیں اور اپنے تمام اوقات عزیز کو طلب جاہ ومباہات دنیوی یا فضول مجادلہ اور مناقشہ میں صرف کر دیتے ہیں جو وقت کہ تعلیم سے بچے رہے وہ کتاب فقہ کے مطالعہ میں صرف کرنا چاہئے کیونکہ اس سے عبادات اور خصومات خلق کے جانچ کا ایک عمدہ ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے۔ اور ایسے عجیب وغریب مسائل معلوم ہوتے ہیں کہ جو انسانی معاشرت کے لئے بہت ہی کارآمد ہیں یہی علم حق وباطل کے امتیاز کا معیار ہے اور انصاف کا ترازو مگر اس علم کا حصول بھی بعد فراغ ان علوم کے ہے جو منجملہ کفایہ ہیں جیسے علم طب وغیرہ۔

فائدہ:

اور اد واذکار مذکورہ بالا کے توغل میں اگر کسی قدر طبیعت پر بوجہ معلوم ہو اور رغبت کم پائی جائے تو سمجھ لو کہ شیطان کا دخل دل میں ہو گیا اور ہلاکت کا وقت آ گیا پس اس سے ضرور بچو کیونکہ شیطان جب ایسی غفلت میں انسان کو مبتلا دیکھتا ہے تو پھر خود ہی اس کے حال پر ہنسا کرتا ہے برخلاف اس کے اگر تحصیل علوم نافع میں دلچسپی ہو کسل وکہالت عاید حال نہ ہو نیت بھی محض خیر ہو یعنی یہ کہ اعمال واقوال سے احیائے احکام دین کی کوشش کی جائے گی تو یہ ہر قسم کے نوافل عبادات سے افضل ہے اگر نیت میں فتور ہو۔ اور تحصیل علم حصول غرور کا ذریعہ ہو جائے جیسا کہ اکثر جہال میں یہ صفت پائی جاتی ہے تو ایسا عمل باعث مزلت اقدام ہے۔

(۲) اگر تحصیل علم نافع کی قدرت نہ ہو اور ذکر وتسبیح وقرأت قرآن اور نماز میں مشغول ہو تو یہ درجہ بھی عابدین کا اور سیرت صالحین کا ہے کہ اس سے بھی نجات پاسکتا ہے۔

(۳) اگر اس سے بھی فرصت ہو تو ان ابواب کے طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ جس سے عامہ مؤمنین کو فائدہ اور مسرت پہنچے اور اعمال صالحین میں تائید ہو۔ جیسے فقہاء اور صوفیائے کرام کی خدمت بیمار پرسی، تیمارداری، مسکینوں کو کھلانا، مشایعت، جنازہ کے ایسے کام ادائے نوافل سے افضل ہیں۔

(۴) اگر اشتغال امور متذکرہ بالا کی توفیق نہ ہو تو اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے حصول کی

Marfat.com

ہی کوشش کرے کہ وہ بھی عبادت ہے اور تا بہ امکان مسلمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے کہ یہ اصحاب یمین کا درجہ ہے اور اقل مدارج دین سے ہے اب ان ابواب کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے کہ جس سے احتراز واجب ہے کہ وہ شیطان کے مرغوب الیہ ہیں العیاذ باللہ۔ (۱) ایسے افعال کا ارتکاب کہ جس سے دین کی بربادی ہو۔ (۲) مخلوق کو ایذاء پہنچانا کہ یہ ہالکین کی صفت ہے۔ اور بدترین اعمال سے ہے۔ بہرکیف بالحاظ مدارج امور دینی کے انسان کی حالت تین قسم پر ہے۔

(۱) سالم وہ جو صرف ادائے فرائض اور ترک معاصی پر اکتفا کرے۔
(۲) رائج۔ کہ جو ادائے نوافل پر بھی قادر ہو۔
(۳) خاسر۔ وہ جو ادائے امور متذکرہ بالا سے مقصر ہو۔

پس انسان کو چاہیے کہ حتی الامکان رائج ہونے کی کوشش کرے۔ بالفرض اگر اس درجہ پر نہ پہنچے تو سالم تو ہو۔ لیکن معاذ اللہ خاسر نہ ہو جائے۔ اور نیز بمقابلہ سایر عباد کہ انسان کی حالت تین قسم پر ہے۔

(۱) بندگان خدا کے حصول اغراض میں بدل ساعی ہو اور ان کے اسباب مسرت کے مہیا کر دینے میں کوتاہی نہ کرے۔ یہ درجہ ملائکہ کرام البررہ کا ہے۔
(۲) اقل درجش اس قدر ہو کہ ے مراز خیر تو امید نیست شر مرسان یہ درجہ بہائم و جمادات کا ہے۔
(۳) عقارب وسباع کا درجہ ہے یعنی ے نیش اقرب نہ در پے کین ست۔ مقتضای طبیعتش اینست۔ بہر حال اگر درجہ ملائکہ تک عروج نہ کرے تو درجہ بہائم و جمادات سے بھی نہ گزر جائے اس بیان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وقت یا تو امور معاش کے حاصل کرنے میں صرف کیا جائے یا معاد کے اگر امور معاش میں توغل ہو تو نیت تائید امور میعاد کی بھی ضرور ہے۔ اگر لوگوں کے میل جول کے ساتھ امور دین کی حفاظت معرض خطر میں ہو تو عزلت بہتر ہے۔ عزلت میں بھی اگر وسواس پیچھا نہ چھوڑے اور درود وظائف سے بھی اس کے دفع کرنے پر قادر نہ ہو سکے تو ایسے عزلت و بیداری سے نوم اولیٰ ہے۔

آداب نماز

نماز ظہر کے لئے زوال سے پہلے آمادہ رہنا چاہیے نماز تہجد وغیرہ کے لیے جاگنے کی

Marfat.com

عادت ہو تو قیلولہ مناسب ہے بشرطیکہ زوال کے پہلے فارغ ہو جائے۔ قیلولہ مثل سحر کے ہے یعنی جیسا کہ سحر کرنے سے روزہ میں مدد ملتی ہے ایسا ہی قیلولہ سے عبادت شب میں تائید ہوتی ہے بغیر عبادت شب کے قیلولہ کرنا گویا سحر کر کے روزہ نہ رکھنا ہے بہر حال اگر قیلولہ کیا گیا ہو تو زوال کے قبل اٹھ کر وضو کرے اور مسجد میں داخل ہو کر نماز تحیہ پڑھے اور بمجرد اذان کے چار رکعت نماز ادا کرے۔ جناب رسالت مآب ﷺ اس نماز کو طول قرأت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ اور یہ ارشاد ہوا کرتا تھا کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھلا رہتے ہیں۔ میں دوست رکھتا ہوں کہ اس وقت اعمال نیک کا صعود ہو۔ یہ چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس نے یہ چار رکعت پڑھے اور رکوع وسجود کو اچھی طرح سے ادا کیا تو ستر ہزار فرشتے اس کی نماز میں شریک ہوتے ہیں اور شام تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں پھر امام کے ساتھ چار رکعت فرض پڑھے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت مؤکدہ۔ بعد فراغت نماز کے عصر تک ادائی امور مفصلہ ذیل میں مشغول رہے۔ (۱) تعلیم (۲) اعانت مسلمانان (۳) قرأت قرآن (۴) تحصیل معاش بہ نیت تائید دین۔ پھر قبل از عصر چار رکعت سنت پڑھے۔ (اس کے مؤکد و غیر مؤکد ہونے میں اختلاف ہے) مگر اس سنت کے بہت بڑے فضائل ہیں حدیث شریف میں وارد ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ رحم اللہ امرأ صلی اربعاً قبل العصر۔ فرمایا سرور کائنات ﷺ نے کہ رحم کرے اللہ اس شخص پر کہ جس نے عصر کے قبل چار رکعت نماز پڑھا پس ضرور ہے کہ اس دعا میں شریک ہونے کی کوشش کی جائے عصر کے بعد مغرب تک اپنے اوقات کی حفاظت اسی ترتیب سے کرے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اذکار کا وقت ضائع نہ ہو یہی قاعدہ حفظ اوقات شبانہ روز کا ہے مگر عمدہ ترتیب حفظ اوقات کی یہ ہے کہ ہر وقت کے لئے ایک خاص شغل مقرر ہو کہ اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ اگر اس قسم کا التزام رہے تو وقت کی برکت معلوم ہو سکتی ہے اگر حفظ اوقات کا خیال نہ ہوا اور مہمل اوقات مثل جانوروں کے (کہ جن کو اپنے وقت کی قدر و قیمت ہی نہیں ہوتی) صرف ہوں تو بڑی حسرت و ندامت کی بات ہے کیونکہ عمر راس المال ہے اس کا ہر لحظہ حفاظت کے لائق ہے بجز تحفظ اوقات کے نعیم دار لابد کے حصول کا کوئی عمدہ ذریعہ نہیں ہے ہر لحظہ ایک جوہر بے بہا ہے کہ جس کا بدل نہیں۔ اگر رائگاں کھو دیا جائے تو پھر اس کا ملنا دشوار ہے پس مثل احمقوں کے طلب جاہ و مال دنیوی میں اپنے اوقات کو ضائع کرنا بے وقوفی میں داخل ہے سب سے بہتر ذریعہ حفظ اوقات کا یہ ہے کہ

Marfat.com

ازدیادِ علم وعمل صالح میں صرف ہو یہ دونوں ایسے رفیق ہیں کہ کبھی انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتے
بخلاف اہل وعیال اور احباب ومال کے کہ جن سے بمجرد قبض روح کے مفارقت ہو جاتی ہے مگر
علم وعمل کا ساتھ نہیں چھوٹتا۔ الحاصل جب آفتاب مائل بہ زردی ہو تو نماز مغرب کا تہیہ شروع کیا
جائے مسجد میں داخل ہو کر تسبیح وتحلیل میں مشغول رہے کیونکہ یہ وقت بھی مثل وقت صبح کی
فضیلت رکھتا ہے بفحوائے آیہ کریمہ[1] وسبح بحمد ربک قبل طلوع
الشمس وقبل غروبھا۔ اور قبل غروب آفتاب کے سورۂ والشمس اور والّیل
اور معوذتین پڑھا کرے۔ بہر حال غروب آفتاب تک استغفار میں مشغول رہے جب اذان
کہی جاوے تو جواب اذان کے بعد یہ دعا پڑھے[2] اللھم انی اسئلک عند اقبال
لیلک وادبار نھارك وحضور صلاتک نحو اصوات دعائک
عن توتی محمداً الوسیلة والفضیلة والدرجة الرفیعة وابعثه
المقام المحمود الذی وعدته انک لا تخلف المیعاد یا ارحم
الراحمین

۔ پھر نماز فرض پڑھے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت مؤکدہ اس کے بعد چار رکعت
سنت اوابین طول قیام کے ساتھ پڑھے اگر ممکن ہو تو نماز عشاء تک اعتکاف کی نیت کی جاوے
قرآن ونماز پڑھتے ہوئے عشاء تک وقت صرف کرنا بے حد فضائل کا باعث ہے۔
(صلوٰۃ اوابین کو ناشیۃ اللیل بھی کہتے ہیں کہ جس کی فضیلت کلام باری عزاسمہ میں وارد ہے ان
ناشئة اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا سرور کائنات ﷺ سے صحابہ رضوان
اللہ تعالیٰ علیہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آیہ کریمہ تتجافی جنوبھم عن
المضاجع کے معنی ارشاد فرمایئے تو آپ نے کہا کہ یہ وہی نماز ہے جو مابین عشاء اور مغرب
کے پڑھی جاتی ہے کہ جس سے تمام دن کے لغویات محو ہو جاتے ہیں اور وقت مابعد کی حفاظت
ہوتی ہے) جب عشاء کا وقت ہو تو قبل فرض کے چار رکعت نماز پڑھے اذان واقامت کے
درمیان جو دعا کی جائے رد نہیں ہوتی پھر فرض نماز پڑھے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت مؤکدہ

---

[1] تسبیح کر اپنے پروردگار کی حمد کے طلوع وغروب آفتاب کے قبل۔
[2] اے خدا سوال کرتا ہوں میں تجھ سے شب کے آنے کے وقت دن کے جانے کے وقت اور نماز کے
وقت مثل آواز ان لوگوں کے جو تیری بارگاہ میں دعا کرتے ہیں یہ کہ بخش محمد کو وسیلہ فضیلت اور درجہ
عالی اور ان کو اس مقام محمود جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اور تو خلاف وعدہ نہیں کرتا اے ارحم الراحمین۔

Marfat.com

اوران دو رکعت میں سورہ الم سجدہ تبارک الملک یاسین شریف یا سورہ دخان پڑھے کہ آنحضرت ﷺ سے اس طرح مروی ہے پھر چار رکعت مستحب پڑھے کہ حدیث شریف میں اس کی بہت بڑی فضیلت مذکور ہے۔ پھر نماز وتر کہ تین رکعت پڑھے خواہ ایک سلام سے یا دو سلام سے اکثر جناب رسالت مآب ﷺ اس طرح اس نماز میں سورہ سبح اسم ربک الاعلیٰ قل یا ایھا الکافرون، اخلاص، معوذتین، پڑھا کرتے تھے اگر قیام کا عزم ہو تو وتر کو سب کے آخر میں پڑھے اس کے بعد سوائے مذاکرہ علم و مطالعہ کتب کے دوسرے لہو لعب میں مشغول نہ ہو کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ انما الاعمال بالخواتم یعنی اعمال میں امور عواقب کا اعتبار ہے اس میں کسی برائی کا شریک ہو جانا اچھا نہیں ہے۔

آداب نوم

سونے کے لئے بچھونا ایسی ترکیب سے بچھایا جائے کہ جس پر رو بقبلہ سونا ممکن ہو داہنے بازو ایسا سوئے جیسا کہ میت کو لحد میں لٹایا کرتے ہیں اور یہ بات پیش نظر رہے کہ نوم مثل موت کے ہے اور بیداری مانند بعث کے ممکن ہے کہ حالت نوم میں روح قبض ہو جاوے لہذا مشتاق لقائے جمال کبریا عز اسمہ کو چاہیے کہ باوضو آرام کرے جو کچھ وصیت ہو لکھ کر سراہنے رکھے گناہوں سے توبہ کرے اور یہی عزم بالجزم ہو کہ پھر گناہ کا ارتکاب نہ ہو گا تمام مسلمانوں کے ساتھ نیکی کا خیال رکھے اور یہی سمجھے کہ قریب تر لحد میں ایسا ہی تنہا سونا ہے کہ جہاں سوائے اعمال کے کوئی ساتھ نہ ہو گا اور ثواب بغیر سعی کوشش کے نہ ملے گا اور بتکلیف نیند کو اپنے اوپر طاری کر لینا نہ چاہیے کیونکہ نیند کیا ہے حیات کو معطل کرنا ہے الا اس صورت میں کہ جاگنے سے صحت میں خلل آتا ہے کہ اس حالت میں سونا سلامتی دین کا ذریعہ ہے رات دن کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں ان میں سے رات دن آٹھ گھنٹوں سے زیادہ نہ سونا چاہیے یہ بھی کچھ کم نہیں ہیں کیونکہ کوئی شخص ساٹھ برس زندہ رہا تو اس میں بیس برس سونے میں گزر گئے جو اس کی عمر کا تیسرا حصہ ہے سونے کے وقت سراہنے مسواک اور وضو کے لئے پانی مہیا رہے قیام لیل کا عزم بھی ہو یا قبل صبح کے اٹھے آدھی رات کو دو رکعت نماز کا پڑھنا ایک ایسے خزانہ خیر کا جمع کرنا ہے جو کمال احتیاج کے وقت (یعنی قبر میں) کام دے گا کہ جہاں دنیا کا سب مال بے کار

Marfat.com

ہوجاتا ہے سونے کے وقت یہ دعا پڑھے باسمک ربی وضعت جنبی وباسمک ارفعه فاغفرلی ذنبی اللہم قنی عذابک یوم تبعث عبادك اللہم باسمک احیی واموت اعوذبک اللہم من شر کل ذی شر ومن شر کل دابة انت آخذ بناصیتها ان ربی علی صراط مستقیم اللہم انت الاول فلیس قبلک شیئی وانت الآخر فلیس بعدك شیئی وانت الظاہر فلیس فوقک شیئی وانت الباطن فلیس دونک شیئی اقضی عنی الدین واغننی من الفقر اللہم انت خلقت نفسی وانت تتوفاہا لک محیاہا ومماتها ان امتها فاغفرلها وان احییتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحین اللہم انی اسئلک العفو والعافیة فی الدنیا والآخرة اللہم ایقظنی فی احب الساعات الیک واستعلنی باحب الاعمال الیک لتقربنی الیک زلفی وتبعدنی عن سختک بعدا اسئلک فتعطنی واستغفرك فتغفرلی وادعوك فتستجیب لی

اس کے بعد آیۃ الکرسی، آمن الرسول آخر سورت تک، اخلاص، معوذتین، الملک پڑھے اور

اے تائید تیرے نام کے میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور اسی کے بدولت اٹھاؤں گا اس کو پس بخشد ے میرے گناہ اے خدا بچا عذاب سے اپنے اس روز جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اے خدا تیرے نام پر اٹھا اور مار مجھ کو اے خدا پناہ مانگتا ہوں تجھ سے شر سے ہر صاحب شر کے اور ہر ایک چار پایہ سے تو پکڑنے والا ہے چوٹی ان کی تحقیق کے خدا راہ راست بتلانے والا ہے اے اللہ تو اول ہے سو نہیں ہے تیرے پہلے کچھ اور تو آخر ہے سو نہیں ہے بعد تیرے کوئی چیز اور تو بلند ہے سو نہیں اوپر تیرے کوئی چیز تو باطن ہے سو نہیں سوا تیرے کوئی چیز پورا کر ہم سے قرض کو اور بے نیاز کر ہم کو فکر سے الٰہی تو نے پیدا کیا میرے نفس کو اور تو ہی مارے گا اس کو تجھ سے ہے اس کا زندہ رکھنا اور مارنا اگر مارے تو اس کو تو بخشدے تو اس کو اور اگر زندہ رکھے اس کو تو حفاظت کر اس کی ان چیزوں سے جس سے تو اپنے پرہیزگار بندوں کو بچاتا ہے اے خدا میں تجھ سے عفو چاہتا ہوں اور عاقبت دین اور دنیا اور آخرت میں اے خدا مجھ کو اٹھا ایسے ساعت میں جو تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ اور مصروف رکھ ایسے عمل میں جو تیرے پاس محبوب تر ہو تا کہ تیرے پاس میرا تقرب زیادہ ہو اور اپنے عذاب سے تو مجھ کو دور رکھ تجھ سے سوال کرتا ہوں پس عطا کر مجھ کو تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں پس بخشدے مجھ کو اور دعا کرتا ہوں میں تجھ سے پس قبول کر تو میری دعا کو۔

Marfat.com

یوں ہی اللہ کا ذکر کرتا ہوا سو جائے باوضو سونا بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے کہ روح عرش کی سیر میں مصروف رہے گی بیدار ہونے تک وہ مثل نماز پڑھنے والے کی طرح سمجھا جائے گا اور جب بیدار ہو تو ان باتوں کو عمل میں لائے جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور عمر بھر اس ترکیب کا پابند رہے اور جو اس کی پابندی اور مداومت شاق گزرے تو اس طرح صبر کرے جس طرح کوئی بیمار شفا کے انتظار میں تلخی دوا پر صبر کرتا ہے اور کوتاہی عمر کا خیال کرے اور سمجھے کہ اگر مثلاً میں سو برس زندہ رہا تو یہ مدت بنسبت اس مدت کے جو مجھے دار آخرت میں رہنا ہے اور جس کی انتہاء نہیں ہے بہت ہی کم ہے اور یہ سوچے کہ جب میں اس امید پر کہ دنیا میں مثلاً بیس برس تک راحت اور آرام میں رہوں گا مہینہ یا سال بھر کی مشقت وذلت کی پرواہ نہیں کرتا تو اس امید پر کہ ابدالا باد راحت وآرام میں رہوں گا اس کی دنیوی زندگانی کے چندروزہ مشقت سے (جو عبادت میں ہو) کیوں اکتا جاؤں اور اس کی برداشت کیوں نہ کروں اور زندہ رہنے کی امید کو طول نہ دے بلکہ یوں سمجھ لے کہ موت قریب ہے اور دل میں کہے کہ مجھ کو آج کے دن کی عبادت کی مشقت اٹھالینی چاہیے اس لئے کہ شاید آج رات میں مرجاؤں اور رات پائے تو کہے کہ آج رات کے عبادت کی مشقت پر صبر کرتا رہوں اس لئے کہ شاید کل مرجاؤں کیونکہ موت کے آنے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے کوئی خاص حالت نہیں ہے کوئی مخصوص عمر کی قید نہیں ہے بہرحال وہ آنے والی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کب آئے گی اس صورت میں زاد آخرت کی فکر بہ نسبت دنیا کی فکر کے اولیٰ وانسب ہے اور نیز جانے کے مجھے دنیا میں بہت تھوڑے دن زندہ رہنا ہے سو ممکن ہے کہ میری عمر کا ایک ہی دن باقی رہا ہو ایک ہی لحظہ غرض کہ ہر روز یہی خیال کرے اور مشقت عبادت پر صبر کرتا جائے بخلاف اس کے اگر یہ جانے کہ میں مثلاً پچاس برس زندہ رہوں گا اور پھر مشقت عبادت پر صبر کرنے کا ارادہ کرے تو دل عبادت سے اکتا جائے گا اور عبادت دشوار معلوم ہونے لگے گی اگر اس طرح عمل کیا جائے گا جس طرح کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں تو مرنے کے وقت بے انتہاء مسرت ہوگی اگر عبادت ایک وقت سے دوسرے وقت پر ڈالی جائے اور اس میں سستی کی جائے تو موت اچانک آجائے گی اور سخت سے سخت حسرت ہوگی صبح کو وہی مسافر منزل پر پہنچ کر آرام وچین سے رہتے ہیں جو رات کو راہ طے کرتے ہیں اس طرح وہی لوگ مرتے دم مسرت حاصل کرتے ہیں جو اپنی عمر عبادت میں گزارتے ہیں یہ باتیں اچھی طرح معلوم ہونے کا ایک دوسرا وقت ہے یعنی موت۔ جب ہم ترتیب اور راہ کو بتا چکے ہیں تو اب نماز اور روزہ کی کیفیت اور ان کے آداب اور نیز امامت اور جمعہ کے آداب بیان کرتے ہیں۔

Marfat.com

آداب الصلوٰۃ

جب وضو سے اور بدن اور کپڑے اور جگہ کی نجاست پاک کرنے سے فارغ ہو جاؤ اور ناف سے زانو تک ستر کر چکو تو قبلہ رخ دونوں پاؤں میں کچھ فاصلہ دیکر اس طرح کھڑے ہو کہ وہ مل نہ جائیں اور سیدھے کھڑے رہو اور شیطان سے محفوظ رہنے کے لئے قل اعوذ برب الناس پڑھ لو اور دل کو خدا کی عبادت کے لئے حاضر رکھو اور اس کو وسوسوں سے خالی رکھو اور اس بات پر نظر ڈالو کہ کس کے حضور میں کھڑے ہو اور کس سے مناجات کر رہے ہو اور اپنے مالک کی عبادت اپنے دل سے کرنے پر شرماؤ جو اس سے غافل رہے اور دنیاوی وساوس اور نفسانی خواہش سے بھرا ہو اور یہ سمجھو کہ خدا تمہاری دلی کیفیات پر مطلع ہے۔ اور تمہارے قلب کو دیکھ رہا ہے اور خدا کی درگاہ میں تمہاری نماز کی مقبولیت بقدر تمہارے دلی خشوع و خضوع و عجز و نیاز کے ہوتی ہے اس لئے نماز ایسے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیوں کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تم کو دیکھتا ہے اور اگر اس وجہ سے کہ تم خدا کے جلال کی معرفت سے قاصر ہو نماز میں تم کو حضور قلب میسر نہیں ہوتا اور تمہارے اعضاء تمہارے قابو میں نہیں رہتے تو یہ خیال کرو کہ ایک صالح آدمی جو تمہارا بزرگ ہے تمہاری نماز کی کیفیت معلوم کرنے کی غرض سے تمہاری طرف دیکھ رہا ہے جب یہ خیال کرو گے تو تمہارا دل حاضر اور تمہارے اعضاء ساکن ہو جائینگے اب اپنے نفس کی طرف خطاب کر کے کہو کہ اے نفس بدکار کیا تو اپنے خالق اور مالک سے اس بات پر نہیں شرماتا کہ جب تو نے اس بات کا خیال کیا کہ اس کے بندوں میں سے ایک ذلیل بندہ جس کے ہاتھ میں نہ تیرا نفع ہے نہ نقصان تیری طرف دیکھ رہا ہے تو تیرے اعضاء متواضع ہو گئے اور نماز اچھی طرح سے ادا کی گئی پس بڑے غضب کی بات ہے کہ تو یہ جانتا ہے کہ خدا دیکھ رہا ہے اور پھر خشوع و خضوع نہیں کرتا کیا تیرے نزدیک خدا تعالیٰ کا رتبہ اس کے بندوں سے بھی کمتر ہے دیکھ یہ کس درجہ کی سرکشی ہے اور کیسا کچھ جہل ہے اور کیسا بڑا ظلم غرض یہ کہ ان خیالات اور حیلوں سے دل کا علاج کرے تاکہ وہ نماز میں حاضر رہے اور دولت حضور قلب میسر ہو کیوں کہ نماز کا اسی قدر حصہ کارآمد ہے جو سوچ سمجھ کر ادا کیا گیا ہو اور جو حصہ کہ سہو

Marfat.com

اور غفلت کے ساتھ ادا ہوا ہو وہ استغفار اور کفارہ کا محتاج ہے جب قلب کو حاضر کر چکے تو تنہا فرض نماز کے لئے پہلے اقامت کہے اگر جماعت کے ساتھ ہو تو اذان اور اقامت ہر دو (منفرد شخص کے لئے اذان کا مستحب نہ ہونا اس لئے ہے کہ اذان سے صرف اعلان مقصود ہے تنہائی میں سوائے اپنی ذات کے دوسرے پر اعلان کا موقع ہی نہیں ہے تو پھر اذان کی ضرورت ہی کیا یہ امام شافعی کا قدیم قول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مفرد کے لئے بھی اذان کا کہنا مستحب ہے مگر فرق یہ ہے کہ جنگل وصحراء میں تو پکار کر کہے ورنہ آہستہ) پھر نیت اس نماز کی کرے جسکا ادا کرنا مقصود ہے (بہ تعین وقت، خواہ فرض ہو یا سنت یا قصر وغیرہ مقتدیوں کو اقتداء کی بھی نیت کرنی چاہیئے استحضار صلوٰۃ کے ساتھ۔ استحضار دو قسم پر ہے حقیقی اور عرفی استحضار حقیقی وہ ہے کہ نماز کی ترکیب بہ تفصیل اجزاء پیش نظر رہے یعنی ہر ایک جز کا یکے بعد دیگرے متحضر رہنا ضروری ہے استحضار عرفی وہ ہے کہ بہ ہیئت اجتماعی نماز کے ترکیب متحضر رہے۔ چونکہ نماز نیت کے ساتھ مقترن ہے لہذا مقارنت بھی دو قسم پر ہے حقیقی اور عرفی مقارنت حقیقی وہ ہے کہ ادائے صلوٰۃ کا خیال شروع تکبیر سے ادا تک برابر رہے کسی جز میں غفلت نہ ہو مقارنت عرفی وہ ہے کہ تکبیر کے کسی ایک جز کے ساتھ اقتران ہو) یعنی یہ نیت کرے کہ میں اس وقت کی مثلاً ظہر اللہ کے لئے پڑھتا ہوں تکبیر کے وقت یہ نیت دل میں ہو اور تکبیر سے فارغ ہونے کے قبل دل سے محو نہ ہو جائے نیت کے بعد رفع یدین شانوں تک کرے بایں طور کہ ہاتھ اور انگلیاں بحالت معمولی کھلی رہیں۔ ضم اور تفریج میں کوئی تکلف نہ ہو بہر حال دونوں ابہام کانوں کی لو تک پہنچیں اور سر انگشت کان کے اوپر تک، ہتھیلیاں کہنیوں کے محاذی ہوں جب ہر چیز اپنی اپنی جگہ پہنچ جائے تو تکبیر اولیٰ کہیں اور آہستگی کے ساتھ ارسال کریں رفع یدین اور ارسال میں تعجیل نہ کیجائے اور دائیں بائیں طرف بھی نہ مڑیں ارسال سینہ پر تمام کیا جائے جب سینہ پر ہاتھ رکھیں تو سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ہو خنصر وابہام سے بایاں پہنچا تھاما جائے دوسری انگلیاں پہنچے پر کھلی ہوئی رکھیں اور تکبیر کہے اللّٰہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلا اور پھر وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا مسلما وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذالک امرت وانا من المسلمین پڑھے اور اس کے بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کہکر سورۃ فاتحہ شروع کرے مگر ادائے تشدیدات کا خیال رہے کیونکہ حرف مشدد کو جب تخفیف

Marfat.com

کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک حرف ساقط ہو جاتا ہے ضاد اور ظاء کے تلفظ میں بھی جہد بلیغ کیا جائے کہ تبدیل حرف سے قرات باطل ہو جاتی ہے اور لفظ آمین کو ولا الضالین کے ساتھ نہ ملائیں اگر تنہا نماز ہو تو صبح مغرب اور عشاء میں پہلی دو رکعت جہر کے ساتھ ادا کریں اگر ماموم ہو تو جہر کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ امام خود جہر سے پڑھیگا صبح کی نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد طوال مفصل اور مغرب میں قصار مفصل ظہر اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھا کرے طوال مفصل میں سورۃ حجرات، قٓ والمرسلات وغیرہ داخل ہیں اور قصار مفصل میں سورۃ والضحیٰ سے آخر قرآن تک کوئی سورت بھی ہو اوساط مفصل میں والسماء ذات البروج یا کوئی دوسری سورۃ جو اس کے مساوی ہو اگر سفر ہو تو نماز صبح میں قل یا ایها الکفرون، قل هو الله احد پڑھے ضم سورۃ کے بعد قبل از تکبیر رکوع کے بقدر سبحان اللہ وقفہ افضل ہے حالت قیام میں سر جھکا رہے اور نظر مصلے پر ہو کہ یہ حضور قلب کا باعث ہے سیدھے یا بائیں طرف ملتفت نہ ہوں پھر رکوع کے لئے تکبیر کہے اور رفع یدین بطریق مذکور کرے تکبیر کو اس قدر کھینچے کہ انتہائے رکوع تک پہنچ جائے (تا کہ کوئی جز نماز کا ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو) رکوع میں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھے انگلیاں کھلی رہیں اور دونوں گھٹنوں کے درمیان (بقدر ایک بالشت کے) فرق ہو پشت اور گردن اور سر کو ایسا برابر کر دے کہ ایک سطح مستوی معلوم ہو، کہنیاں پہلو سے جدا رہیں، مگر عورتوں کو اس کے خلاف کرنا چاہئے رکوع میں تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہے اگر منفرد ہو تو سات یا دس بار تک بھی تسبیح کا زیادہ کرنا مستحسن ہے پھر سر اٹھاوے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے رفع یدین کرے جب پورا قیام ہو جائے تو ربنا لک الحمد ملء السموات وملء الارض وملء ما شئت من شیئی بعد کہے نماز صبح کی رکعت ثانی کے رکوع کے اعتدال میں قنوت پڑھے پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کرے مگر اس تکبیر میں رفع یدین کی ضرورت نہیں ہے تکبیر سجدہ کی یہ ہے کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر پیشانی رکھے مگر سب اپنی اپنی حالت پر کھلی رہیں ناک بھی پیشانی کے ساتھ زمین کو لگا دے کہنیاں پہلو سے جدا رہیں پیٹ کو رانوں کے ساتھ نہ ملاوے مگر عورتوں کو اس کے خلاف کرنا چاہئے ہاتھ زمین پر اسیقدر فاصلہ سے رکھیں کہ کاندھوں کے محاذی ہو جائیں دونوں بازو زمین پر نہ بچھائے جائیں سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے اگر منفرد ہو تو سات سے دس تک بھی اس تسبیح میں زیادتی ہو سکتی ہے پھر سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھاوے یہاں تک کہ تعدیل سجدہ ہو جائے جلسہ میں بائیں پیر پر تکیہ کر کے بیٹھے اور سیدھا پاؤں کھڑا رہنے دے دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے

Marfat.com

انگلیاں کھلی رکھے اور کہے رب اغفرلی وارحمنی وارزقنی واھدنی واجبرنی وعافنی واعف عنی پھر اسیطرح دوسرا سجدہ کرے علی ہذا ہر رکعت میں سجدہ وغیرہ کے اعتدال کا لحاظ رہے پھر قیام کے لئے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر اس ترکیب سے اٹھے کہ دونوں پاؤں برابر انھیں تقدیم وتاخیر نہ ہو اسی طرح ہر ہر رکعت ادا کی جائے مگر رکعت ثانی کی ابتداء میں بھی تعوذ کا اعادہ مسنون ہے جب رکعت ثانیہ کے بعد تشہد پڑھنے کے لئے بیٹھے تو سیدھا ہاتھ سیدھے گھٹنے پر رکھے سوائے ابہام اور انگوٹھے کے انگلیاں بند رہیں اور الا اللہ کہنے کے وقت انگشت شہادت کو اٹھائیں مگر کچھ ایک امالہ کے ساتھ تاکہ سمت قبلہ سے خارج نہ ہو جائے بایاں ہاتھ کھلی ہوئی انگلیوں کے ساتھ بائیں گھٹنے پر رکھیں اور بائیں پیر پر زور دیکر بیٹھیں تشہد کے آخر میں بعد درود کے دعائے ماثورہ پڑھیں اور بعد از فراغ السلام علیکم ورحمۃ اللہ دو مرتبہ دونوں طرف کہہ کر اس طرح منہ پھیرے کہ رخساروں کی سپیدی دکھائی دے سلام کے وقت نیت خروج از صلوٰۃ کیجائے اور نیز جانبین کے ملائکہ اور مسلمانوں پر سلام کی نیت کی جائے خشوع اور حضور قلب ترتیل قرات فہم معنی کے ساتھ بہت ضروری ہے کہ یہ عماد الصلوٰۃ کہلائے جاتے ہیں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس نماز میں حضور قلب نہ ہو تو وہ عقوبت کے قریب ہے جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو اس کا چھٹا حصہ یا دسواں حصہ نہیں لکھا جاتا بلکہ صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے جس قدر کہ اس نے سمجھا

آداب امامت

امام کو چاہیے کہ بلحاظ حالات اہل جماعت کے چھوٹی چھوٹی سورتیں نماز میں پڑھا کرے انسؓ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح میں نے اختصار اور تکمیل کے ساتھ جناب رسالت مآب ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے ایسی کسی کے ساتھ نہیں پڑھی بہر حال جب صفیں برابر ہو جائیں اور مؤذن اقامت سے فارغ ہولے تو امام بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہے مقتدی کو صرف اس قدر آواز سے تکبیر کہنا چاہیے جو وہی سنے امام کو امامت کی بھی نیت کرنی چاہیے تاکہ اس کا ثواب ملے اگر نیت نہ کی ہو تو نماز صحیح ہو جائیگی مگر صرف منفردگی سی نماز ہوگی مقتدیوں نے اگر اقتداء کی نیت کی ہے تو ان کو اقتداء کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا امام کو بھی

Marfat.com

چاہئے کہ مثل منفرد کے اپنی نماز کو دعاء استفتاح اور تعوذ سے شروع کرے صبح، مغرب اور عشاء میں پہلے دو رکعت جہر سے پڑھے اور لفظ آمین بھی جہرا کہے اسی طرح مقتدی بھی مگر مقتدی کو چاہئے کہ امام کے ساتھ خود بھی آمین کہے تقدیم و تاخیر نہ ہو امام کو چاہئے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد تھوڑا سا سکوت کرے تاکہ مقتدی بھی نماز جہریہ میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیوے اگر امام کی آواز سننے میں نہ آئے تو مقتدی کو سورہ پڑھنے کی بھی ضرورت ہے امام کو تسبیحات رکوع و سجود میں تین بار سے زائد نہ پڑھنی چاہئیں اور تشہد اول میں اللھم صل علی محمد کے بعد کچھ نہ پڑھے دو رکعت ثانی میں صرف سورہ فاتحہ پر اکتفاء کرے بلحاظ جماعت کے تشہد کے آخر میں دعاء طول نہ پڑھے سلام کے وقت امام کو یہ نیت کرنی چاہئے کہ یہ سلام مقتدیوں کی جانب ہے اور مقتدیوں کو جواب سلام امام کی نیت کرنی چاہئے بعد سلام کے تھوڑا سا توقف کرے اور مقتدیوں کے مقابل بیٹھے اور ٹھہرا رہے تاکہ اگر جماعت میں عورات ہوں تو وہ چلی جائیں امام اپنی جگہ سے جب تک نہ اٹھے مقتدیوں کو بھی انتظار کرنا چاہئے امام سیدھے یا بائیں جس طرف سے چاہے جا سکتا ہے مگر افضل یہ ہے کہ سیدھی طرف سے جائے قنوت میں امام صرف اپنی خصوصیت نہ کرے بلکہ اللھم اھدنا کہے یعنی بصیغہ جمع، امام کو دعائے قنوت پڑھنے کے وقت ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے (لیکن یہ قول ضعیف ہے صحیح یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانا چاہئے) بقیہ قنوت یعنی انک تقضی ولا یقضی علیک سے مقتدی آہستہ پڑھ لے، مقتدی کو چاہئے کہ جماعت کے ساتھ کھڑے رہیں اگر تنہا ہو تو کسی کو اپنے ساتھ لے لیوے مگر نیت باندھنے کے بعد مقتدی کو کوئی فعل امام سے پہلے یا اس کے ساتھ ساتھ نہ کرنا چاہئے مثلاً جبکہ امام رکوع میں پہنچ جائے تو اس وقت قصد رکوع کا کرے علی ہذا سجدہ میں بھی۔

آداب جمعہ

جمعہ عید المومنین ہے یہ مبارک دن اس امت کی خصوصیات میں سے ہے اس متبرک روز میں ایک ساعت مبہم ایسی ہے کہ اس وقت جو حاجت خدا سے مانگی جائے وہ فوراً مقبول ہوگی. پنجشنبہ ہی سے جمعہ کا اہتمام کرنا چاہئے جیسے کپڑوں کی صفائی وغیرہ کثرت تسبیح و استغفار وغیرہ اس قسم کے افعال تو پنجشنبہ کے عصر سے اختیار کئے جائیں کیونکہ پنجشنبہ کے عصر کے بعد بھی ایک ایسی ساعت ہے کہ اس کی فضیلت بھی ساعت مبہمہ جمعہ کے برابر ہے جمعہ کا روزہ بھی افضل

Marfat.com

ہے علی ہذا پنجشنبہ اور شنبہ کا روزہ، مطلب یہ ہے کہ صرف جمعہ کا ایک روزہ نہ رکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ دوسرا روزہ بھی رکھے کیونکہ حدیث میں اس کا امتناع ہے[1] قال ﷺ لا یصم احد یوم الجمعۃ الا ان یصوم قبلہ او یصوم بعدہ (رواہ شیخان) بعد طلوع کے غسل کرے یہ غسل ہر ایک مکلف پر واجب ہے اور سفید کپڑے پہنیں کیونکہ سفید کپڑا خدا کو مرغوب ہے حسب مقدور خوشبو بھی لگائیں سر مونڈھائیں، ناخن تراشیں، مسواک کریں علی الصباح جامع مسجد جائیں کہ مسجد میں بیٹھنے سے انسان کی طبیعت میں سکون پیدا ہو جاتا ہے اور آدمی عبث افعال سے بچ سکتا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو پہلی ساعت مسجد میں داخل ہوا گویا اس نے ایک اونٹ قربانی دی اور جو دوسری ساعت میں گیا ایک بکرا قربانی دیا اور جو تیسری ساعت میں گیا اس نے ایک سفید شاندار گوہ قربانی دیا اور جو چوتھی ساعت میں گیا اس نے ایک مرغ قربانی دیا اور جو پانچویں میں گیا اس نے ایک بیضہ دیا۔ جب امام منبر پر چڑھتا ہے تو ملائکہ نامہ اعمال کو لپیٹ دیتے ہیں اور قلم پھینک دیتے ہیں اور اس مبارک وقت میں وہ خود بھی منبر کے پاس خطبہ سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں جو شخص جس قدر پہلے نماز کو جائیگا اسی قدر اس کا مرتبہ اللہ کے ہاں زائد ہوگا پہلی صف میں شریک ہونا بہتر ہے لیکن جب لوگ جمع ہو جائیں تو دوسروں کو دھکا دیتے ہوئے نہ جائے اگر کوئی نماز پڑھتا ہو تو اس کے سامنے بھی نہ جائے کسی دیوار یا ستون کے قریب بیٹھیں تا کہ دوسرے لوگ اپنے سامنے سے بھی نہ جانے پائیں جب مسجد میں داخل ہوں تو بدون نماز تحیۃ المسجد پڑھنے کے نہ بیٹھیں مستحسن یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اس کا عادی ہوگا وہ ضرور جنتی ہے امام اگر خطبہ بھی پڑھتا ہو تب بھی تحیۃ المسجد ادا کرے مسنون یہ ہے کہ ان چار رکعتوں میں سورہ انعام، کہف، طٰہٰ، اور یٰس پڑھا کرے اگر اس کا پڑھنا ناممکن ہو تو سورہ یٰس، دخان، الم سجدہ، سورہ ملک پڑھے ان آخری سورتوں کا جمعہ کی شب میں پڑھنا بہت ہی احسن ہے، بصورت مجبوری سورۂ اخلاص اور کثرت سے درود شریف پڑھا کرے خطبہ باادب خاموش بیٹھکر سنے اور اس کے مضامین سے متاثر ہوا گر دوسروں کو گفتگو سے منع کرنے کی ضرورت ہو تو اشارہ سے منع کرے الفاظ سے منع نہ کرے کہ یہ فعل عبث ہے اور فعل عبث کے ارتکاب سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے یہی مضمون حدیث شریف میں بھی وارد ہے۔ بہر حال فرض نماز جمعہ کے بعد سات سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھے اور اس وقت گفتگو نہ کرے

---

[1] فرمایا جناب رسالتمآب ﷺ نے کہ نہ روزہ رکھے کوئی شخص جمعہ کے روز مگر یہ کہ روزہ رکھے قبل یا بعد اس کے۔

Marfat.com

اس کی برکت سے امید ہے کہ دوسرے جمعہ تک آفات سے محفوظ رہے اور شیطان کا تسلط اس پر نہ ہو اس کے بعد یہ دعاء پڑھے ایا غنی یا حمید یا مبدئ یا معید یا رحیم یا ودود اعفنی بحلالک عن حرامک وبطاعتک عن معصیتک عمن سواک جمعہ کے بعد دو یا چار یا چھ رکعت ضرور پڑھے مگر دوگانہ کہ سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوۃ سے اس باب میں (رکعتوں کی تعداد میں) مختلف روایات آئی ہیں نماز جمعہ کے بعد عصر یا مغرب تک مسجد ہی میں رہنا افضل ہے جب تک ٹھہرے رہیں اور ساعت مبہمہ کے حصول کے بھی خوستگار رہیں جس کی فضیلت مذکور ہو چکی ہے قبل نماز جمعہ کے فضول اور بیکار لوگوں کا مسجد میں جمع ہونا منع ہے لیکن تعلیم و تعلم علم نافع کے لئے جمع ہوں تو مضائقہ نہیں ہے۔ طلوع اور غروب آفتاب، زوال آفتاب، اقامت امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت اور جب سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو اکثر دعا کیا کرے کیونکہ ان اوقات میں اس ساعت مبہمہ کے وقوع کا احتمال ہے۔ جمعہ کے روز کچھ صدقہ بھی دیا جائے اگرچہ کم ہو ہفتہ میں ایک روز صرف نیک کاموں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

آداب صیام

صرف ماہ رمضان ہی کے روزوں پر اکتفاء نہ کرنا چاہیئے بلکہ نفل روزے بھی رکھنے چاہئیں کہ وہ بمنزلہ رأس المال کے ہیں اور یہ بمشابہ نفع کے جس سے فردوس میں درجات عالیہ حاصل ہوتے ہیں جو لوگ روزہ نہ رکھیں گے وہ روزے داروں کے مراتب کو دیکھ کر حسرت کریں گے عرفہ کا روزہ (غیر حاجی کو) یوم عاشورہ کا روزہ، عشرہ اول ذی الحجہ، محرم، رجب اور شعبان میں روزہ رکھنا بہت ہی ثواب کا باعث ہے اور اس کے فضائل بیشمار ہیں اور وہ جو شہور حرام میں روزہ رکھنے کے فضائل مرقوم ہیں اس میں یہ چار مہینے داخل ہیں ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم رجب اور ہر مہینے میں تین روزے یعنی پہلے پندرھویں سلخ کا روزہ رکھے اور نیز ایام بیض میں یہ تاریخات شامل ہیں تیرہویں، چودہویں، پندرہویں ہر مہینے کے اور ہفتہ میں دوشنبہ، پنجشنبہ، جمعہ کا روزہ رکھنا نہایت ہی افضل ہے، ہر مہینے کی پہلی تاریخ کا روزہ اس مہینے کی تمام سیئات کو مٹا دیتا ہے اور باقی روزے سال بھر کے عفو گناہ کے باعث ہیں روزہ کے معنی صرف کھانا پینا

۱؎ اے بے نیاز، اے حمید، اے مبدی، (پہلی بار پیدا کرنے والے) اے معید (پھر دوبارہ پیدا کرنے والے) اے ودود مجکو بسبب اپنے حلال کے حرام سے اور باعث اپنی عبادت کے گناہ کے۔

Marfat.com

چھوڑ دینے کے نہیں ہیں بلکہ تمام جوارح کی حفاظت بھی مقصود ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کم من صائم لیس له من صیامه الا الجوع والعطش اکثر روزہ دار تو ایسے ہیں کہ ان کو روزہ سے سوائے بھوکے اور پیاسے رہنے کے کوئی فائدہ نہیں ہے، پس روزہ کی حالت میں آنکھ کو نظر شہوت سے بچائے اور زبان کو لغویات سے اور ایسی آواز کانوں سے نہ سنے کہ جس کا سننا حرام ہے اسی طرح سب اعضاء کی نگہبانی کرنی چاہئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ پانچ چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جھوٹ کہنے سے، غیبت سے، نمامی سے، جھوٹی قسم سے، نظر شہوت سے اور نیز وارد ہے کہ روزہ برائیوں سے بچنے کے لئے ہے لہذا حالت صوم میں فحش کلام، فسق اور افعال جہال کا ارتکاب جیسے تمسخر وغیرہ نہ کیا کرے بلکہ اگر کوئی شخص لڑنے یا گالی دینے کا قصد کرے تو کہے کہ میں روزہ دار ہوں۔ افطار حلال چیز سے ہو اور وہ بھی اختصار کے ساتھ کیونکہ روزہ سے مقصود تو یہ ہے کہ قوائے شہوانی ضعیف ہوں اور تقوی کی رغبت ہو بخلاف اسکے اگر معمول سے زائد کھائے تو پھر روزہ سے جو مقصود ہے وہ مفقود ہو جائے گا خوب سیری سے کھانا اگرچہ طعام حلال ہو غضب الٰہی کا باعث ہے کہ اس سے فساد کا احتمال ہے پس جب سیری سے کھایا جاوے تو ایسا روزہ کیونکر مقبول ہو سکتا ہے بہر حال جب روزہ کی حقیقت پر مطلع ہو چکے تو لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ روزے رکھا کرے کہ اساس عبادت ہے قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ تعالیٰ کل حسنة بعشر امثالها الی سبعماة ضعف الا الصوم فانه لی وانا اجزی به حضرت رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری سے ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ایک نیکی کا ثواب دس گناہ سے سات سو تک ہے مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا وقال ﷺ والذی نفسی بیده لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس پروردگار کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے پاس بوئے مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے یقول اللہ تعالیٰ عزوجل انما یذر شهوته وطعامه وشرابه من اجلی فالصوم لی وانا اجزی به، جناب باری عز اسمہ سے ارشاد ہوتا ہے کہ جبکہ کھانا پینا اور لذات شہوانی روزے میں میری خوشنودی کے لئے ترک کئے جاتے ہیں تو یہ عمل خاص میرے لئے ہے اور میں اس کی جزاء دوں گا وقال ﷺ للجنة باب یقال له الریان لایدخله الا الصائمون فرمایا پیغمبر خدا ﷺ نے جنت میں ایک دروازہ ہے جسکا نام ریان ہے اس میں

Marfat.com

کوئی داخل نہ ہوگا مگر روزہ دار۔

قسم ثانی اجتناب معاصی کے بیان میں

امور دینی دو قسم پر منقسم ہیں ایک وہ جو ترک مناہی سے متعلق ہیں دوسرے کسب طاعات سے، عبادت کرنا تو آسان ہے مگر مناہی سے بچنا بہت مشکل ہے کہ خاص صدیقین کا حصہ ہے، چنانچہ جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ المہاجر من ہجر السوء والمجاہد من جاہد ہواہ یعنی مہاجر وہ ہے جو برے افعال کو چھوڑ دے اور مجاہد وہ ہے جو اپنی خواہشات کا مقابلہ کرے، یہ تو ظاہر ہے کہ تمام اعضاء نعمات الٰہی میں سے ہیں اور اس کی امانت ہیں پس اللہ تعالیٰ کی نعمت وامانت کو برے افعال میں لگانا کفران نعمت اور خیانت ہے، اعضاء بمنزلہ رعیت کے ہیں انکی نگہبانی کرنی چاہئے اگر حاکم رعیت کی حفاظت نہ کرے گا تو باز پرس میں مبتلاء ہوگا اور یہ بھی ہے کہ ہر ایک عضوء اپنے اپنے کردار کی قیامت کے دن ایسے صاف اور صریح الفاظ میں گواہی دیگا کہ جس سے نہایت شرمندگی ہوگی چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے تشہد علیہم السنتہم وایدیہم وارجلہم بما کانوا یعملون اس دن گواہی دیں گی زبانیں اور ہاتھ پاؤں ان افعال کی جو ان سے سرزد ہوئے الیوم نختم علی افواہہم وتکلمنا ایدیہم وتشہد ارجلہم بما کانوا یکسبون ان کی زبانوں پر مہر کردی جائیگی خود ان کے ہاتھ پاؤں اپنے اپنے افعال کی گواہی دیں گے اس لئے ہر عضوء کی حفاظت ضروری ہے خصوصا ان سات اعضاؤں کی یعنی آنکھ، کان، زبان، شکم، فرج، ہاتھ، پاؤں کی دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر ہر دروازے کیلئے عاصیوں کا ایک ایک گروہ خاص ہے۔ عاصیوں سے یہاں وہ گناہگار مقصود ہیں کہ جن کے اعضائے متذکرہ سے گناہ سرزد ہوئے ہوں شارح نے لکھا ہے کہ اول مرتبہ اہل توحید دوزخ میں داخل ہوں گے اور بقدر گناہ معذب ہوں گے اور نجات پائیں گے دوسرے درجے میں نصاریٰ تیسرے میں یہود چوتھے درجے میں صابئین پانچویں درجے میں مجوس چھٹے درجے میں مشرکین ساتویں میں منافقین انتہی، اب اعضائے سبعہ کے فوائد پر غور کرو۔

Marfat.com

(۱) آنکھیں اس واسطے دی گئی ہیں کہ اندھیرے میں رہبری کریں انصرام حوائج میں مدد دیں عجائبات آسمان وزمین کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں پس اس کی حفاظت خاصہ چار چیزوں سے ضروری ہے غیر محرم کا دیکھنا، خوبصورت کو بری نگاہ سے دیکھنا، مسلمان کو بنظر حقارت دیکھنا، مسلمان کا عیب دیکھ کر ظاہر کر دینا۔

(۲) کان اس لئے دیئے گئے ہیں کہ خدا اور رسول کے کلام کو سنیں کہ جس سے نجات ہو اور بزرگوں کے اقوال سنیں نہ یہ کہ راگ یا غیبت وفحش اور لغو باتوں اور برائیوں کے سننے میں انکو صرف کر دیں اور صرف یہ خیال نہ کریں کہ قائل ہی گنا ہگار ہے بلکہ مستمع بھی شریک گناہ ہے

(۳) زبان اس لئے دی گئی ہے کہ اللہ کا ذکر کریں، قرآن پڑھیں، لوگوں کو ہدایت کریں امور دینی اور دنیوی میں اس سے مدد لیں برخلاف اس کے اکثر برائیاں زبان سے ایسی پیدا ہوتی ہیں کہ جن سے بلاشک انسان دوزخ میں ڈالا جائیگا جیسے کذب، قذف، دشنام، نمامی وغیرہ جو شخص بیہودہ اور تمسخر آمیز کلمات کہنے کا عادی ہے محض اس لحاظ سے کہ جو لوگ اس کی باتوں کو سنکر ہنسا کریں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ روایت ہے کہ ایک شخص پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں معرکہ جنگ میں شہید ہوا تو ایک دوسرے شخص نے کہا ھینا لہ بالجنۃ یعنی مبارک ہو جنت اس کو تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ بات تجھ کو کیوں کر معلوم ہوئی کہ وہ جنتی ہے شاید کہ وہ ایسے کلام کا عادی ہو کہ جو جنت میں داخل ہونیکے مانع ہو۔ یعنی لغو اور فضول، پس زبان کو آٹھ چیزوں سے بچانا چاہیئے۔

ا۔ جھوٹ بولنے سے گو تمسخر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ کذب امہات کبائر سے ہے اس سے انسان کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے آدمی لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے، اگر جھوٹ کی برائی معلوم کرنا چاہو تو کسی جھوٹ بولنے والے کو دیکھو اور پھر خیال کرو کہ تم کو اس سے کیسی نفرت ہوتی ہے جب تمہارا یہ حال ہے تو اس سے صاف ظاہر ہو سکتا ہے کہ اگر تم میں بھی جھوٹ بولنے کی عادت ہو تو تم کو بھی لوگ ایسے ہی کراہت کی نظر سے دیکھیں گے۔

۲۔ وعدہ خلافی مت کرو جب وعدہ کرو تو اس کی وفا کا ضرور خیال کرو بلکہ اصلی احسان تو وہ ہے جو بلا افشاء ہو اگر کبھی بضرورت شدید یا بمجبوری خلاف وعدگی ہو گئی ہو تو خیر ورنہ یہ نفاق کی علامت ہے اور بدترین خصائل سے ہے قال النبی ﷺ ثلاث من کن فیہ فھو منافق وان صام وصلی من اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں جس میں

Marfat.com

ہونگی وہ منافق ہے اگرچہ کہ وہ شخص روزہ رکھے اور نماز پڑھے ایک تو جھوٹ بولنا دوسرا خلاف وعدگی تیسرا امانت میں خیانت کرنا

۴۔غیبت بڑی بلاء ہے اس سے بچنا چاہئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ تیس مرتبہ زناء کرنے سے بھی غیبت کرنا زیادہ بدتر ہے۔غیبت کی معنی یہ ہے کہ کسی انسان کا غائبانہ اس طرح ذکر کرنا کہ جس کے سننے سے اس کو تکلیف پہنچے غیبت میں دو برائیاں ہیں ایک تو یہ کہ جو بات غائبانہ کہی جائے گو وہ سچی ہو تب بھی غیبت کی معنی میں داخل ہے دوسرا یہ کہ اگر وہ بات اس میں نہ ہو تو گویا بہتان ہے سب سے بدتر غیبت نمائشی ہے یعنی مطلب کو ایسے پیرائے میں بیان کرنا کہ جس سے اپنی عفت اور پاکبازی ظاہر ہو اور دوسروں کی برائی مثلاً یوں کہنا کہ (اصلحہ اللہ) خدا فلانے شخص کا بھلا کرے کہ جس نے میرے ساتھ اس قسم کی برائی کی۔خدا ہم کو اور اس کو ایسی برائیوں سے بچاوے۔یا اس کے مماثل جو کچھ ہو اس میں بھی دو قسم کی برائیاں ہیں ایک تو غیبت اور دوسرے اپنی ستائش اگر مقصود اصلحہ اللہ سے محض دعاء ہے تو پوشیدہ ہونا چاہئے تاکہ کسی کی بدنامی نہ ہونے پائے غیبت کی نسبت جو ز جر قرآن مجید میں وارد ہے وہ انسان کی عبرت کے لئے کافی ہے قولہ تعالیٰ ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرہتموہ غیبت نہ کرے کوئی شخص کسی کی کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو درست رکھتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے درانحالیکہ وہ مرا ہوا ہو پس کراہت کروگے تم اس سے۔اس تشبیہ سے مقصود یہ ہے کہ غیبت سے انسان کے دل کو ویسے ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسا کہ گوشت کو جسم سے جدا کرنے سے بہرحال غیبت سے سخت احتراز کرنا چاہئے غیبت سے بچنے کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ انسان اپنے مصائب ظاہری اور باطنی پر غور کرے اور سمجھے کہ جو اسباب خود اپنی خرابی کے باعث ہیں وہی دوسرے کے لئے بھی ہیں پس جب کہ کوئی شخص اپنی فضیحت کو گوارہ نہیں کرتا ہے تو دوسرے کے اظہار عیوب سے بھی محترز رہنا چاہئے بلکہ اگر تم کسی کی عیب پوشی کروگے تو خدا تمہارے عیبوں کو چھپا دیگا۔اگر تم دوسرے کو رسوا کروگے تو اس کے بدلے میں خدا تم کو دین و دنیا میں رسوا اور شرمسار کردے گا اگر انسان کو اپنا ظاہری یا باطنی کوئی عیب معلوم ہی نہ ہو تو سمجھ لیا جاوے کہ یہ حماقت کی علامت ہے اور کوئی عیب حماقت سے بڑھ کر نہیں ہے اگر خدا کو تمہاری بھلائی منظور ہو تو وہ تم کو تمہارے عیبوں پر مطلع کرا دیگا اس صورت میں اپنے آپ کو بے عیب خیال کرنا غباوت و جہل ہے بالفرض اگر کسی مین

Marfat.com

کوئی عیب دینی یا دنیوی نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس نعمت کا شکر بجالائے یہ کہ لوگوں کی عیب چینی اور بدگوئی سے سرمایہ خسران فراہم کرے۔

۴۔ طعن، اعتراض، خصومت سے احتراز چاہئے۔ کیونکہ اس فعل سے مخاطب کو ایذا پہنچتی ہے اور اپنی خودنمائی ہوتی ہے علاوہ اس کے ان امور کے ارتکاب سے مفت اپنے عیش کو تلخ کرنا ہے کیونکہ اگر مخاطب جاہل ہے تو وہ بھی فورا بدلہ لینے پر آمادہ ہو جائے گا اور اگر سلیم الطبع ہے تو اس وقت ٹال جائے گا مگر اس کے دل میں برائی رہے گی اور ضرور کبھی نہ کبھی نقصان پہنچائے گا قال ﷺ من ترك المراء وهو مبطل بنى الله له بيتا فى ربض الجنة ومن ترك المراء وهو محق بنى الله له بيتا فى اعلى الجنة فرمایا جناب رسالت مآب ﷺ نے کہ جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑ دے اس حالت میں کہ وہ باطل پر ہو تو خدا تعالیٰ اس کے لئے وسط جنت میں گھر بنائے گا اور جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑ دے اس صورت میں کہ وہ حق پر ہو تو خدائے تعالیٰ اس کے لئے اعلیٰ جنت میں جگہ دیگا ایسے موقع میں شیطان کے فریب سے بھی بچنا چاہئے کہ وہ اکثر اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ سچی بات کے ظاہر کرنے میں تامل کیا جائے گو یہ سچ ہے مگر وہیں تک جبکہ وہ بطریق نصیحت ہو اگر اس میں بھی نمائش شریک ہوگئی تو یہ شیطان کی ہنسائی کا باعث ہے جو شخص اس زمانے کے علماء سے مخالطت پیدا کرے اس کی طبیعت میں تو ان امور کا زیادہ تر اثر ہو جاتا ہے بغیر لڑائی جھگڑے کے اسے فرصت ہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ اسی کو سرمایہ فضل و کمال سمجھتے ہیں۔

۵۔ تزکیہ نفس یعنی انسان اپنے آپ کو بطریق ستائش آرائش دنیوی سے پاک خیال نہ کرے قال الله تعالى فلا تزكوا انفسكم هو اعلم بمن اتقى خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے نفوس کو پاک نہ سمجھو وہ تم سے زیادہ جانتا ہے کہ کون زیادہ پرہیزگار ہے ایک حکیم سے پوچھا گیا کہ وہ کونسی بات ہے جو سچی ہو مگر بری تو اس نے کہا کہ اپنی آپ تعریف کرنا گو سچی ہو خودستائی میں دو قباحتیں اور بھی ہیں ایک تو یہ کہ آدمی ابنائے جنس میں ذلیل ہو جاتا ہے دوسرا خدا کے پاس لہٰذا خودبینی کی برائی تو انسان کو اس وقت معلوم ہو سکتی ہے جب دوسرے خود پسندوں کو بچشم عبرت دیکھے کہ کیسی کراہت طبیعت میں پیدا ہوتی ہے پس ایسے فعل قبیح کے ارتکاب سے خود وہ دوسروں کے پاس کیسے مقبول ہو سکتا ہے۔

۶۔ لعنت سے انسان کو بہت ہی بچنا چاہئے خواہ کسی انسان کی نسبت ہو خواہ حیوان و اجناس کے جیسے غلہ وغیرہ اہل قبلہ کی نسبت شرک، وکفر یا منافقی کا اطلاق منع ہے کیونکہ بندوں

Marfat.com

کے بھید جاننے والا خدا ہے خدا اور بندوں کے درمیان میں دخل نہ دینا چاہئے لعنت کوئی ضروری چیز نہیں ہے جس سے باز پرس کا خدشہ ہو بلکہ شیطان پر بھی لعنت کرنے سے سکوت کیا جائے کچھ سوال نہ ہوگا برخلاف اس کے اگر کسی چیز پر لعنت کردگے تو ضرور مواخذہ عقبی میں گرفتار ہو جاؤ گے خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی مذمت نہ کرنی چاہئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ برے سے برے کھانے کی بھی کبھی شکایت نہیں کرتے تھے۔

بلکہ عادت شریف یہ تھی کہ اگر رغبت ہوتی تو تناول فرمالیتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔

۷۔ کسی کے لئے بددعا نہ کرنی چاہئے گو کسی نے ایذاء بھی پہنچائی ہو کہ ظالم سے خدا خود سمجھ لے گا حدیث شریف میں وارد ہے کہ مظلوم اپنے ظالم کے ہلاک کی خواہش کرے گا تا کہ اس مظلمہ کا بدلہ ہو جائے جو ظالم سے سرزد ہوا تھا اس بدلے میں ظالم کا حق مظلوم پر باقی رہ جائے گا جس کا مواخذہ قیامت کے روز مظلوم سے ہوگا بعض لوگوں نے حجاج بن یوسف کی نسبت اس کے ظلم کے لحاظ سے زبان درازی کی ہے اس کی نسبت بھی علماء سلف کا بیان ہے کہ اس زبان درازی کا ان لوگوں سے قیامت میں مواخذہ ہوگا گو اس سے بھی اس کے ظلم کی باز پرس ہوگی۔

۸۔ تمسخر اور مزاح سے حفاظت لازم ہے یہ ایسی بری چیز ہے کہ اس سے بوجہ شرمندگی لوگوں کا منہ فق ہو جاتا ہے اور رعب و داب میں فرق پڑ جاتا ہے، مسخری آدمی سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے تمسخر اکثر دلشکنی کا باعث اور خصومت و برہمی مزاج اور قطع محبت کی جڑ ہے دلوں میں اس سے حسد کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ بہر حال اس سے جہاں تک ممکن ہو احتراز کریں بلکہ انسان کو چاہئے کہ اس مضمون پر عمل کریں اذا مروا باللغو مروا کراما ، یعنی کلام لغو سے درگزر و امر معروف اور نہی منکر کی ہدایت کرو حقیقت میں یہ بڑی آفت کی چیز ہے اس سے زبان کا بچنا نہایت ہی دشوار ہے اس سے بچنے کیلئے عزلت یا خاموشی سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے جناب صدیق اکبرؓ اکثر منہ میں پتھر رکھا کرتے تھے تا کہ ایسی باتوں سے بچیں اور زبان کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے کہ یہی چیز ہے کہ جس سے مجھ کو اندیشہ ہے جس قدر ہو سکے اس کی حفاظت کرو کہ اس سے بڑھ کر انسان کیلئے کوئی مہلک چیز نہیں ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔

(۴) حفاظت شکم۔ مشتبہ اور حرام کھانے سے بچنا چاہئے رزق حلال کی کوشش کریں جب بقدر ضرورت مل جائے تو تھوڑی پر ہی کفایت کریں سیری سے کھانا دل کو سخت بنا دیتا ہے

Marfat.com

قوت حافظہ میں فساد و عبادت اور علم کے حصول میں کہالت اسی کی بدولت پیدا ہوتی ہے یہی باعث ہیجان شہوت ہے۔اسی سے لشکر شیطان کو تقویت پہنچتی ہے جب طعام حلال کا یہ حال ہے تو وائے بر حرام خوری، جو شخص کہ حرام کھائے اور عبادت و تحصیل علم میں مشغول ہو تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص سرگبن سے گھر بنائے، اگر آدمی موٹے کپڑے اور کھانے پر راضی ہو جاوے اور لذات شہوانی کو ترک کر دے تو ارتکاب حرام کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ طلب حلال سے مقصود یہ ہے کہ تا بہ حد علم حرام چیز کا ارتکاب نہ ہو اجرت نوحہ، قیمت شراب، سود، آلاتِ لہو یعنی مزامیر کے ذریعہ سے جو حاصل ہو سب حرام ہے وقف کا مال بغیر شرط وقف کنندہ کے کھانا حرام ہے طالب علم کے لئے جو چیز وقف ہو وہ غیر طالب العلم کے لئے ناجائز ہے مردود الشہادت کے پاس کھانا حرام ہے اور جو چیز صوفیائے کرام کے نام سے لی جائے خواہ از قبیل وقف ہو یا نہ ہو اس میں تصرف حرام ہے۔ مصنف کتاب امام غزالیؒ نے احیائے علوم میں اس کی تفصیل ایک خاص باب میں لکھی ہے اگر اس سے زیادہ تفصیل معلوم کرنی ہو تو احیا علوم دیکھیں کہ حلال و حرام کی معرفت بھی فرض ہے۔

(۵) فرج۔ ارتکاب حرام سے فرج کا بچانا ضروری ہے دیکھو خداوند عالم کا کیا ارشاد ہوتا ہے والذین لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین (جو لوگ اپنی شرمگاہ کی نگہبانی کرنے والے ہیں مگر اپنے جوروں یا جن پر ان کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے ہیں پس تحقیق وہ نہیں ملامت کیے گئے) ارتکاب حرام سے آدمی اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک کہ وہ اپنی نظر کی حفاظت نہ کرے اور حسن و جمال کا خیال دل سے نہ نکالے اور حرام کھانے سے اپنے شکم کو محفوظ نہ رکھے کہ یہ چیزیں شہوت کی محرک ہیں۔

(۶) ہاتھ مسلمانوں کے مارنے اور حرام مال کے لینے سے ہاتھوں کو بچانا چاہئے اور نیز مخلوق کو ایذاء دینے سے امانت ودیت میں خیانت کرنے سے اور مضامین ناجائز کے لکھنے سے بھی اسکی صیانت ضروری ہے۔

(۷) پاؤں کا حرام کاموں کے کرنے کے لئے جانے سے چلنے کسی کی غیبت کرنے اور مسلمان عورتوں کا تعاقب کرنے اور بادشاہ ظالم کے دروازے تک جانے سے پاؤں کو بچائے، بغیر ضرورت شدید کے ظالم بادشاہ کے دروازے تک جانا کبیرہ گناہ میں داخل ہے کہ یہ خوشامد و چاپلوسی میں شامل ہے اور نیز اس کے ظلم کو ماننا اور اس کی ترغیب دلانا ہے حالانکہ خداوند عالم

Marfat.com

ے اس کی ممانعت کی ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار مت
بت کرو تم ان لوگوں کی طرف جو ظلم کرتے ہیں تاکہ تم کو دوزخ کی آگ سے گزند نہ پہنچے
دیث شریف میں وارد ہے قال ﷺ من تواضع لغنی صالح لغناہ ذہب
ثلثا دینہ جو شخص کہ تونگر صالح کی تواضع صرف اس کی مالداری کے لحاظ سے کرے تو اس
کے دین کا تیسرا حصہ کم ہو جاتا ہے جبکہ تونگر صالح کی تواضع کا یہ حال ہے تو تونگر ظالم کی تواضع
ور خوشامد کا کیا نتیجہ ہوگا الحاصل تمام اعضائے انسانی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں ان سے کوئی ایسی
رکت نہ ہونے پائے جو موجب معصیت ہو اور تا بامکان اس بات کی کوشش کی جائے کہ یہ
بادت الٰہی میں مستعمل ہوں اگر کوئی شخص اس کا خیال نہ کرے تو وہ اس وبال میں مبتلاء ہوگا جو
ان اعضاء کے استعمال ناجائز سے واقع ہو بہر کیف نیکی اور بدی کے نتائج تمہارے ہی لئے
مفید اور مضر ہیں خداوند عالم تم سے اور تمہارے اعمال سے مستغنی ہے اس کو کسی چیز کی پرواہ نہیں
ہے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے رحم و عنایت پر بھروسہ کر کے نیک اعمال ترک کر دیتے ہیں اگرچہ
خدا رحیم و کریم ہے مگر صرف اس خیال سے نیک اعمال کا ترک کر دینا حماقت میں داخل ہے
کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر ملامت کرے اور طاعت
میں مشغول ہو تا کہ اس کا نتیجہ آخرت میں ملے اور احمق وہ ہے جو اپنی نفس پرستی میں مصروف
رہے اور خدا سے جھوٹی امید رکھے، کیونکہ اگر خدا سے سچی اور نیک امید ہوتی تو اس کے احکام کی
تعمیل کرتا، اور نیک اعمال کی رغبت بھی ضروری ہے بغیر اس کے صرف اس قسم کا خیال کر لینا ایسا
ہے جیسے کوئی شخص عالم ہونے کا تو خواہشمند ہو مگر لکھنے پڑھنے کی کوشش نہ کرے اور فقط یہ بات
دل میں قرار دے لے کہ خداوند عالم رحیم و کریم ہے اور اس بات پر قادر ہے کہ بغیر کسب علوم
کے بھی دولت سے سرفراز کرے جیسا کہ خاص خاص بندوں کے ساتھ سلوک کیا ہے یہ بات
ایسی ہے کہ حصول مال کی تو خواہش ہو مگر کسب و تجارت کا کچھ بھی خیال نہ ہو اور صرف یہ مان لیا
جائے کہ ہرگاہ خدا خزائن سماوات و ارض کا مالک ہے ممکن ہے کہ کوئی خزانہ ہم کو بھی دیدے مگر ہر
شخص کو اس طرح کا خیال کر کے کوشش کا چھوڑ دینا محض احمقی ہے خداوند عالم کا ارشاد
ہے، لیس للانسان الا ما سعی یعنی انسان صرف اپنی سعی سے متمتع ہو سکتا ہے اور
پھر ارشاد ہوتا ہے انما تجزون ما کنتم تعملون یعنی تمہارے اعمال کی جزاء تمکو ملے
گی ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم نیک بندے بہشت میں ہیں
اور بدکار جہنم میں جب یہ حال ہے تو انسان کو زاد آخرت کے جمع کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرنی

Marfat.com

چاہئے۔ دنیا وآخرت کا مالک وہی رحیم وکریم ہے ہماری طاعت سے کچھ اس کا کرم زیادہ نہیں ہوتا اس کا غایت کرم یہی ہے کہ تم کو نعیم دائم کے حصول کی راہ بتلا دے اور نعیم دائم یہی ہے کہ انسان اس چند روزہ دنیا میں ترک شہوات پر قادر ہو لے اور ہوس باطل کے درپہ نہ ہو یعنی یہ خیال نہ کرے کہ بغیر عمل کے بھی نجات ہو جائیگی کیونکہ بغیر تخم کے بونے کے ورد کی امید کرنا عبث ہے اس لئے ضروری ہے کہ انبیاء وصالحین کی اتباع کی جائے کہ سوائے عمل صالح کے مغفرت کی آرزو بے فائدہ ہے من کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا جو شخص اپنے رب کی لقاء کا مشتاق ہو تو اس کو عمل نیک کرنا چاہئے اور نیز اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ اعمال جوارح کا منشاء دل ہے اگر برے افعال سے اپنے جوارح کی حفاظت منظور ہو تو پہلے دل کی صفائی کی کوشش کرے دل کی صفائی کے لئے باطنی تقوی کی ضرورت ہے کیونکہ دل ایک ایسا جز ہے کہ اگر یہ پاک ہو تو سب جسم ان کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے اگر یہ خراب ہو اور اس میں فساد پیدا ہو جائے تو تمام جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے پس اس کے لئے مراقبہ کا التزام ضروری ہے

دل کے گناہوں کے بیان میں

یہ بات ظاہر ہے کہ صفات مذمومہ بہت ہیں اور اس سے دل کو صاف کرنے کے طریقے بھی بے انتہاء ہیں مگر وہ طریقہ اس وجہ سے کہ انسان اپنے سب اوقات زینت دنیا کے حاصل کرنے میں کھو دیتا ہے بالکل مشکل ہو گئے ہیں اور اس کا علم بھی بالکلیہ مندرس ہو گیا ہے (گو کتاب احیاء علوم کے ربع ثالث اور ربع رابع میں اس کا ذکر بہ تفصیل ہے) تاہم دو چیزیں جو بالکل خباثت قلب سے ہیں اور جن سے احتراز بہت ضروری ہے ذکر کی جاتی ہیں یعنی حسد، ریاء اور عجب ان سے بہت ہی اپنے دل کو بچانا چاہئے اگر ان سے نجات ہو گئی تو دوسرے مہلکات سے بھی بچنے کی توقع ہے اگر اس پر دسترس حاصل نہ ہو تو پھر اللہ ہی حافظ ہے جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں ثلاث مہلکات شح مطاع وہوی متبع واعجاب المرء بنفسہ تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں ایک بخل ہے یعنی خدا اور خلق کا حق ادا نہ کرنا دوسرا خواہش نفسانی کی اطاعت کرنا، تیسرے خود بینی، حسد بھی بخل کا شعبہ ہے کیونکہ بخیل وہ ہے جو اپنی چیز غیر کو نہ دے اور شحیح اس کو کہتے ہیں جو نعمات الہی پر قادر ہو اور

Marfat.com

[ما]ل کے صرف کرنے میں بخل کرے حاسد جب دیکھتا ہے کہ کوئی شخص نعمات الٰہی سے (یعنی علم [و م]ال سے) مالا مال ہے تو اس کو بہت ناگوار ہوتا ہے بلکہ ہمیشہ اس کے زوال منزلت کی خواہش [ک]رتا رہتا ہے اگرچہ کسی کی زوالِ منزلت سے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے مگر اس بات کی دھن [ض]رور ہوگی اس واسطے حدیث شریف میں آیا ہے الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب یعنی [جیس]ے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے ایسے ہی حسد نیکیوں کو چٹ کر جاتا ہے۔ حاسد ایسا بدبخت ہے کہ [اس] پر کبھی رحم نہ ہوگا ہمیشہ عذاب دنیا میں مبتلاء رہے گا کیونکہ دنیا میں اکثر بندے ایسے ہیں جو [انع]ام الٰہی سے سرفراز ہیں ان کا دیکھنا ہی اس کے لئے جھنم کا کام دیگا جب دنیا کے عذاب کا یہ [ح]ال ہو تو آخرت کا اللہ ہی نگہبان ہے انسان اس وقت تک حقیقت و لذت ایمان سے مستفیض [نہی]ں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس چیز کو جس کو اپنے لئے پسند اور درست رکھتا ہے تمام مسلمانوں [ک]ے لئے دست نہیں رکھتا۔ ظاہر و باطن سب کے ساتھ ایک قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے کیونکہ سب [م]سلمان مثل بنائے واحد کے ہیں اور ایک کو دوسرے سے تائید ملتی ہے چنانچہ سعدیؒ نے کیا [خ]وب فرمایا ہے قطعہ۔

بنی آدم اعضای یکدیگراند کہ در آفرینش زیک جوہراند،
چون عضوی بدرد آورد روزگار، دگر عضوہا را نماند قرار،

پس جب تک اس قدر ہمدردی اور محبت انسان میں نہ پیدا ہو اس وقت تک ثمرہ [اع]مال کی امید رکھنا اور ہلاکت سے بچنے کا خیال رکھنا بے سود ہے

۲۔ ریاء یہ تو شرک خفی ہے قال رسول اللہ ﷺ اتقوا الشرك الاصغر [ق]الوا وما الشرك الاصغر قال الرياء فرمایا جناب رسالت مآب ﷺ نے کہ [ش]رک اصغر سے بچو تو حاضرین نے پوچھا کہ یارسول اللہ شرک اصغر کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا [ک]ہ ریاء ہے اصل معنی ریاء کے یہ ہیں کہ باظہار خصائل نیک لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ پیدا [ک]رنا تاکہ نمائش و منزلت حاصل ہو حب جاہ انسان میں صرف بوجہ اتباع خواہش نفسانی پیدا [ہ]و جاتی ہے اس میں اکثر لوگ تباہ و برباد ہو چکے ہیں اور ہوتے جارہے ہیں لوگ اگر انصاف [ک]ریں تو سمجھیں کہ عادتی اعمال تو رہے درکنار انکے علوم و عبادات کی محرک بھی ریاء و نمائش ہے [او]ر یہ ایسی بڑی بلاء ہے کہ اعمال حسنہ کے ثواب کو برباد کئے دیتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں [و]ارد ہے کہ جب بعض شہید قیامت کے دن دوزخ کی طرف کھینچے جائینگے تو عرض کریں گے کہ [ا]ے پروردگار یہ فعل تو ہم نے تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا کیا اس کی یہی جزاء ہے تو جناب

Marfat.com

باری سے حکم ہوگا کہ نہیں تمہاری یہ خواہش تھی کہ لوگ تم کو جوان مرد کہیں سو تمہاری یہ خواہش پوری ہو چکی یعنی تم لوگوں میں شجاع کہلائے گئے پس تمہارے لئے یہی اجر تھا یہی حال علماء، حجاج و واعظین وغیرہ کا ہوگا عجب و کبر و فخر یہ تو بڑی سخت بیماری ہے عجب وہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بنظر عظمت اور دوسرے کو بنظر ذلت وحقارت دیکھے اور ہر بات میں منم منم (میں میں) زبان پر ہو جیسا کہ ابلیس لعین کا دعوی ہے کہ انا خیر منه خلقتني من نار وخلقته من طين میں آدم سے اچھا ہوں کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ عجب سے غرض یہ ہے کہ لوگوں میں اپنی توقیر ہو اور ہر کام اور ہر بات میں لوگ اپنی عزت کریں کبر کے یہ معنی ہیں کہ ہدایت نیک کے قبول کرنے سے نفس میں گریز ہو اور تردید قول سے رنج۔ المختصر کہ جو شخص اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھے وہ متکبر ہے بلکہ انسان کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نیک وہ شخص ہے جو خدا کے پاس بھی نیک ہو مگر اس کا معلوم کرنا محال ہے کیونکہ وہ متعلق بعلم غیب ہے اس کا حال وقت اخیر ہی معلوم ہو سکے گا یہ خیال کر لینا کہ ہم ہی سب سے اچھے ہیں جہالت ہے بلکہ چاہئے تو یہ کہ ہر شخص کو اپنے سے اچھا سمجھے مثلاً بچوں کو دیکھیں تو یہ خیال کریں کہ یہ کم سن ہیں انہوں نے معصیت نہیں کی ہے اور ہم گناہ میں مبتلاء ہیں بیشک یہ ہم سے اچھے ہیں۔ اگر بوڑھوں کو دیکھیں تو یہ خیال کریں کہ انہوں نے بوجہ کم سنی ہم سے زیادہ عبادت کی ہے اس لئے یہ ہم سے بہتر ہیں۔ اگر عالم ہوں تو یہ سمجھیں کہ ان کو خدا نے ایسی بزرگی دی ہے جو ہم میں نہیں ہے تو ہم ان کے برابر کیونکر ہو سکتے ہیں اگر کسی جاہل کو دیکھیں تو یہ سمجھیں کہ اس نے بوجہ لاعلمی برائی کی اور ہم نے جان بوجھ کر معصیت کی ہے ہم ہی پر سخت عذاب ہوگا۔ اگر کافر ہو تو یہ خیال کرے کہ شاید یہ کبھی نہ کبھی مسلمان ہو جائے اور اس کا خاتمہ بخیر ہو ممکن ہے کہ وہ مقبول بارگاہ ہو جائے اور ہم مردود رہیں۔ الحاصل تکبر اس وقت تک دفع نہیں ہو سکتا جب تک کہ پورے طور پر یہ یقین نہ ہو جائے کہ بزرگ وہ ہے جو خدا کے پاس بزرگ ہے اور اس کا معلوم کرنا خاتمہ پر موقوف ہے جب یہ بات بالکلیہ خاطر نشین ہو جائے تو رفتہ رفتہ تکبر دفع ہو سکتا ہے کیونکہ خاتمہ کا کس کو علم ہے خدا مقلب القلوب ہے جس کو چاہا ہدایت پر لایا اور جس کو چاہا گمراہ کیا۔ حسد وغیرہ کی برائیوں میں تو بہت سی احادیث وارد ہیں مگر یہاں صرف ایک حدیث کا نقل کرنا باقتضائے مقام کافی ہوگا راوی

ابن المبارك باسناده عن رجل انه قال لمعاذ يا معاذ حدثني حديثا سمعته من رسول الله ﷺ فبكى معاذ حتى ظننت

Marfat.com

انہ لا یسکت ثم سکت ثم قال واشوقاہ الی رسول اللہ ﷺ والی لقائہ ثم قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول یا معاذ احدثک بحدیث ان انت حفظتہ نفعک عند اللہ وان انت ضیعتہ ولم یحفظہ انقطعت حجتک عند اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ یا معاذ ان اللہ تعالیٰ خلق سبعۃ املاک قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض فجعل لکل سماء من السبع ملکا بوابا علیہا فتصعد الحفظۃ بعمل العبد من حین اصبح الی حین امسی لہ نور کنور الشمس حتی اذا صعدت بہ الی السماء الدنیا زکتہ وکثرتہ فیقول الملک الموکل بہا للحفظۃ اضربوا بہذا العمل وجہ صاحبہ انا صاحب الغیب امرنی ربی ان لا ادع عمل من اغتاب الناس یجاوزنی الی غیری قال ثم قال الحفظۃ بعمل صالح من اعمال العبد فترکتہ وکثرتہ حتی تبلغ بہ الی السماء الثانیۃ فیقول لہم الملک الموکل بہا قفوا واضربوا بہذا العمل وجہ صاحبہ انہ اراد بعملہ عرض الدنیا انا ملک الفخر امرنی ربی ان لا ادع عملہ یجاوزنی الی غیری انہ کان یفخر علی الناس فی مجالسہم قال وتصعد الحفظۃ بعمل العبد یبتہج نورا من صدقۃ وصلاۃ وصیام قد اعجب الحفظۃ فیجاوزون بہ الی السماء الثالثۃ فیقول لہم الملک الموکل بہا قفوا واضربوا بہذا العمل وجہ صاحبہ انا ملک الکبر امرنی ربی ان لا ادع عملہ یجاوزنی الی غیری انہ کان یتکبر علی الناس فی مجالسہم قال وتصعد الحفظۃ بعمل العبد یزہوا کما یزہوا الکوکب الدری لہ دوی من تسبیح وصلاۃ وصیام وحج وعمرۃ حتی یجاوزوا بہ الی السماء الرابعۃ فیقول لہم الملک الموکل بہا قفوا واضربوا بہذا العمل وجہ صاحبہ وظہرہ وبطنہ انا صاحب العجب امرنی ربی ان لا ادع عملہ یجاوزنی الی غیری انہ کان اذا عمل عملا یدخل العجب فیہ قال وتصعد الحفظۃ بعمل العبد حتی یجاوزوا بہ الی

Marfat.com

السماء الخامسة كانه العروس المزفوفة الى بعلها فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه واحملوه الى عاتقه انا ملك الحسد انه كان يحسد من يتعلم ويعمل بمثل عمله وكل من كان ياخذ فضلا من العبادة كان يحسدهم ويقع فيهم امرني ان لا ادع عمله يجاوزني الى غيرى قال وتصعد الحفظة بعمل العبد له ضوء كضوء الشمس من صلاة وزكاة وحج وعمرة وجهاد وصيام يجاوزون به الى السماء السادسة فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه انه كان لا يرحم انساناً قط من عباد الله اصابه بلاء او مرض بل كان يشمت به انا ملك الرحمة امرني ربى ان لا ادع عمله يجاوزني الى غيرى قال وتصعد الحفظة بعمل العبد من صوم وصلاة ونفقة وجهاد وورع له دوى كدوى النحل وضوء كضوء الشمس ومعه ثلاثة الاف ملك فيجاوزون به الى السماء السابعة فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه واضربوا جوارحه واقفلوا به على قلبه فاني احجب عن ربى كل عمل لم يرد به وجه ربى انه انما اراد بعمله غير الله تعالى انه اراد به رفعة عند الفقهاء وذكرا عند العلماء وصيتا فى المدائن امرني ربى ان لا ادع عمله يجاوزني الى غيرى وكل عمل لم يكن لله تعالى خالصا فهو رياء ولا يقبل الله عمل المرائى قال وتصعد الحفظة بعمل العبد من صلاة وزكاة وصيام وحج وعمرة وخلق حسن وصمت وذكر الله تعالى فتشيعه الملئكة السماوات السبع حتى يقطعوا به الحجب كلها الى الله تعالى فيقفون بين يديه ويشهدون له بالعمل الصالح المخلص لله تعالى فيقول الله تعالى انتم الحفظة على عمل عبدى وانا الرقيب على مافى قلبه انه لم يردني بهذا العمل وانما اراد به غيرى فعليه لعنتى فيقول

Marfat.com

الملائکۃ کلہا علیہ لعنتک ولعنتنا فلعنہ السماوات السبع ومن فیہن فبکی معاذ وانخبا انتخابا شدیدا وقال معاذ یا رسول اللہ انت رسول اللہ وانا معاذ فکیف لی بالنجاۃ والخلاص من ذلک قال اقتد بی وان کان فی عملک نقص یا معاذ حافظ علی لسانک من الوقیعۃ فی اخوانک من حملۃ القرآن خاصۃ واحمل ذنوبک علیک ولا تحملہا علیہم ولا تزل نفسک بذمہم ولا ترفع نفسک علیہم ولا تدخل عمل الدنیا فی عمل الآخرۃ ولا تراہ بعملک ولا تتکبر فی مجلسک لکی یحذر الناس من سوء خلقک ولاتناج رجلا وعندك آخر ولا تتعظم علی الناس فتنقطع عنک خیرات الدنیا والآخرۃ ولا تمزق الناس بلسانک فقزفک کلاب النار یوم القیامۃ فی النار قال اللہ تعالی والناشطات نشطا ہل تدری ما ہن یا معاذ قلت ما ہی بابی انت وامی یا رسول اللہ قال کلاب فی النار تنشط اللحم من العظم قلت بابی انت وامی یا رسول اللہ من یطیق ہذہ الخصال ومن ینجو منہا قال یا معاذ انہ یسیر علی من یسرہ اللہ تعالی علیہ انما یکفیک من ذلک ان تحب للناس ما تحب لنفسک وتکرہ لہم ما تکرہ لنفسک فاذن انت یا معاذ قد سلمت۔

ابن مبارک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے معاذ سے کہا کہ اے معاذ وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے جناب رسول مقبول ﷺ سے سنی ہے سائل کہتا ہے کہ یہ سنتے ہی معاذؓ اس قدر رونا شروع ہوئے کہ میں سمجھتا تھا کہ وہ سکوت نہ کریں گے پھر وہ یک بارساکت ہوئے اور واشوقاہ الی رسول اللہ والی لقائہ کہکر بیان کیا کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے معاذ میں تجھ سے ایک حدیث کہتا ہوں اگر تو اسکو یاد رکھے تو نفع دیگی تجھ کو اللہ کے پاس اگر تو اس کو ضائع کردے یا بھول جائے تو پھر قیامت کے روز خدا کے سامنے تو کوئی دلیل پیش نہ کر سکے گا اے معاذ قبل پیدا کرنے زمین وآسمان کے خداوند عالم نے سات فرشتوں کو پیدا کیا اور ہر ایک کو ایک ایک آسمان پر دربان مقرر کیا جو فرشتے کہ تحریر اعمال کے لئے متعین ہیں وہ صبح سے شام تک ہر شخص کے اعمال کو جو کچھ ہوں آسمان پر لے جاتے ہیں تو آسمان اول کا دربان کہتا ہے کہ اس

Marfat.com

عمل کو صاحب عمل کے پاس پھر لیجاؤ میں صاحب غیبت ہوں مجھ کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ جو شخص دوسروں کی غیبت کرتا ہے اس کے اعمال کو روک دوں پھر یہ فرشتہ دوسرے شخص کے نیک اعمال کو لیکر تعریف کرتے ہوئے آسمان پر جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو وہاں کا دربان کہتا ہے کہ میں فرشتہ فخر ہوں مجھ کو ایسے شخص کے اعمال کو آگے بڑھانے کی اجازت نہیں ہے کہ جس نے یہ اعمال صرف منفعت دنیا کے لحاظ سے کیئے ہیں کیوں کہ یہ شخص اپنے اعمال کے گھمنڈ پر مجلسوں میں فخر کیا کرتا تھا پھر وہ فرشتہ ایک اور شخص کے نیک اعمال (جواز قبیل صدقہ وصلاۃ وصوم کے ہیں) نہایت تعجب کے ساتھ لئے ہوئے ان آسمانوں پر سے عبور کرتے ہوئے تیسرے آسمان تک پہنچے گا تو وہاں کا دربان کہے گا کہ میں فرشتہ کبر ہوں مجھ کو حکم ہے کہ متکبرین کے اعمال کو نہ چھوڑوں یہ شخص متکبر تھا اس کے اعمال اسی کے پاس پھر لیجاؤ۔ پھر ایک اور شخص کے اعمال نیک اسی طرح فرشتے بڑے فخر کے ساتھ آسمان چہارم پر لے جائیں گے مگر موکل آسمان چہارم کہے گا کہ میں صاحب عجب ہوں اس شخص کے اعمال میں عجب یعنی غرور شریک ہے مجھ کو ایسے شخص کے اعمال کے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور شخص کے اعمال حسنہ مثل عروس کے لئے ہوئے آسمان پنجم پر پہنچیں گے تو وہاں کا فرشتہ کہے گا کہ میں صاحب حسد ہوں پس اس شخص کے اعمال کو لیجاؤ کہ یہ جب کسی کو ذی علم یا مثل اپنے کام کرتے ہوئے دیکھتا یا کسی کو اچھی حالت میں پاتا تو حسد، عیب چینی کیا کرتا تھا علی ہذا پھر ایک کے اعمال حسنہ کو جس کی چمک چاند کی سی ہوگی (از قبیل نماز، زکوۃ، حج، عمرہ جہاد، روزہ) لئے ہوئے آسمان ششم پر پہنچیں گے تو موکل آسمان ششم کہے گا کہ میں صاحب رحمت ہوں یہ شخص کبھی کسی مصیبت زدہ وبلاء رسیدہ پر رحم نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی عادت تھی کہ ایسے لوگوں کی شماتت کرے لہذا میں ایسے شخص کے اعمال کو اوپر جانے دینے سے ممنوع ہوں اس کے اعمال پھر لیجاؤ۔ اسی طرح پھر ایک کے نیک اعمال (مثل نماز، روزہ، نفقہ، جہاد) کہ جنکی چمک دمک مثل آفتاب کے ہونگے لیکر ساتویں آسمان تک عروج کریں گے لیکن جو موکل وہاں متعین ہے کہے گا کہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ ایسے شخص کے اعمال کو چھوڑ دوں کہ جو اللہ کی خوشنودی کے لئے تو نہیں کیئے گئے صرف علماء وفقہاء کے پاس اپنے علو مرتبت کے لحاظ سے کئے گئے ہیں اس سے تو فقط شہرت منظور تھی۔ بہر حال جو عمل کہ محض بہ نیت رضائے الٰہی نہ ہو وہ ریاء ہے اور عمل ریائی اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول نہیں ہے اسکے سوا بعض لوگوں کے اعمال ایسے بھی ہوں گے جوان سب مراتیب سے گزر کر خاص بارگاہ قدس میں پہنچ جائیں گے اور کل ملائکہ اس نیک عمل کی

Marfat.com

گواہی دیں گے بااپں جناب باری سے ارشاد ہوگا کہ تم تو صرف محافظین اعمال ہو اور میں اس کا رقیب ہوں مجھ کو اس شخص کے دلی قصد سے آگاہی ہے، اس نے یہ عمل خاص میرے لئے نہیں کیا ہے بلکہ دوسروں کے دکھانے کے لئے کیا ہے اس واسطے میں اس شخص پر لعنت کرتا ہوں یہ سنتے ہی کل ملائکہ لعنت کریں گے بلکہ آسمان اور زمین اور اس میں رہنے والے بھی لعنت کریں گے یہ سنتے ہی معاذ رونا شروع ہوئے اور ایک چیخ ماری اور جناب رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ تو رسول ہیں اور میں معاذ ہوں تو پھر فرمایئے کہ میری نجات کی کیا سبیل ہے آپ نے فرمایا کہ میری اقتداء کرو گو تمہارے اعمال میں نقص ہو۔ اے معاذ ابنائے جنس کی غیبت سے (خاصتاً مسلمانوں کی اور عموماً سب کی غیبت سے) اپنی زبان کو بچاؤ اپنی برائی کو اپنے ہی تک محدود رہنے دوسروں کے افتراک میں مت باندھو اوروں کی مذمت کر کے تم اپنے آپ کو رسوا مت کرو اعمال دنیا کو اعمال آخرت میں مت شریک کرو، ریاء مت کرو تکبر کو چھوڑ دو کہ تمہاری بدخلقی سے (جو لازما کبر ہے) خائف نہ ہو جائیں لوگوں کو دشنام مت دو تا کہ دوزخ کے کتے تم کو نہ کاٹ کھائیں وہ جو خداوند عالم کا ارشاد ہے والناشطات نشطا اے معاذ تم جانتے ہو کہ ناشطات کیا ہیں تو معاذ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ آپ ہی فرمایئے کہ وہ کیا ہیں تو آپ نے کہا کہ وہ دوزخ کے کتے ہیں ہڈیوں سے گوشت کو جدا کرتے ہیں تو معاذ نے کہا کہ یارسول اللہ ایسی خصلتوں کا اختیار کرنا تو بہت دشوار معلوم ہوتا ہے معلوم نہیں کہ نجات کیسے ہوگی تو ارشاد ہوا کہ اے معاذ اگر اللہ چاہے تو سب کچھ آسان ہے مگر انسان کو اس قدر لحاظ ضروری ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی غیر کے لئے بھی عزیز رکھے اور جو چیز اپنے لئے ناپسند رکھے وہ غیر کے لئے بھی اچھی نہ سمجھے اگر یہ بات ہو جائے تو پھر سلامتی ہے۔ خالد بن حمدان کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سننے کے بعد میں نے کسی کو معاذ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بہر حال ان ابواب کے حصول کا خیال لازم ہے یہ سب خرابیاں اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں کہ اکثر لوگ علم کو صرف جاہ و منزلت کے لئے حاصل کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اس بلاء میں پھنس جاتے ہیں بلکہ ان سے تو جاہل ہی اچھے کہ ایسے امور سے کوسوں بھاگتے ہیں اس واسطے ایسے مہلکات سے حذر کرنا اور اپنے قلب کی صفائی کرنا بہت ضروری ہے یہ تینوں خصلتیں جو ذکر ہو چکیں امہات خبائث قلب سے ہیں اور اس کی جڑ حب دنیا ہے اس واسطے جناب رسالت مآب فرماتے ہیں حب الدنیا راس کل خطیئۃ اور وہ جو الدنیا مزرعۃ الآخرۃ ہے صرف اس شخص کے لئے ہے جو دنیا کو اسیقدر اختیار کرے جس سے

Marfat.com

امور دینی میں تائید ہو اور جس کی یہ نیت ہو کہ صرف تنعمات دنیا میں پھنسے رہیں اس کے لئے تو باعث ہلاکت ہے۔ یہاں تک تو ظاہر تقوی کا ذکر بقدر ضرورت بیان ہو چکا پس اولا ان معاملات کا امتحان انسان اپنے نفس کے ساتھ کرلے اگر اس میں کامیابی ہو تو پھر احیاء العلوم کا مطالعہ کرے کہ جس میں باطنی تقوی کا ذکر ہے جب باطنی تقوی سے بھی دل آراستہ ہو جائے تو اس وقت بندہ اور خدا کے درمیان جو حجاب ہے رفع ہو جائے گا انوار معارف منکشف ہوں گے چشمہ ہائے علوم نافعہ دریائے دل سے جاری ہوں گے اسرار ملک وملکوت ظاہر ہو جائیں گے اور اس وقت ان علوم باطنی پر بصیرت وقدرت حاصل ہو جائے گی کہ جس کے مقابلہ میں یہ علوم ظاہری کہ جنکا ذکر تک صحابہ وتابعینؒ کے زمانے میں نہیں تھا نظر سے گر جائیں گے اگر بایں تم کو اسی قیل وقال اور جھگڑے میں مبتلاء رہنا پسند ہو تو بڑی ہی مصیبت کی بات ہے اور بے انتہاء حسرت وندامت کا معاملہ ہے۔

آداب صحبت ومعاشرت باخداو بابندگان خدا

انسان کے سفر وحضر اور خواب و بیداری بلکہ موت وحیات میں جو رفیق ہے وہ وہی پروردگار ہے جو سب کا مالک وخالق ہے اور رفیق بھی ایسا کہ جب تم اسے یاد کرو تو تمہارے ساتھ ہے چنانچہ کس مہربانی سے ارشاد ہوتا ہے کہ انا جلیس من ذکرنی[۱] اور جب بوجہ قصور عبادت وظہور معصیت کہ کسی کا دل شکستہ ہو تو اس کی عنایت کارفرمائی کرے گی چنانچہ حکم ہوتا ہے انا عند المنکسرۃ قلوبہم من اجلی[۲] اگر انسان ذرا اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لے تو کیا سوائے اللہ کے اور کسی کو اپنا معین اور حامی خیال کر سکتا ہے ہرگز نہیں پس تمام اوقات اسی ملازمت وفکر میں صرف ہونا سرمایہ نجات ہے اگر اس کا التزام محال ہو تو جب کبھی رات دن میں موقع ملے اپنے صاحب کی طرف رجوع کرنا اور بعجز والحاح اپنی حاجت کا پیش کرنا بہت ضروری ہے اسی کو خلوت کہتے ہیں اور اس خلوت میں آداب مع اللہ کا لحاظ چاہئے جو چودہ ہیں۔

۱۔ سر جھکائے رہیں اور آنکھیں بند ہوں۔

۲۔ بالکلیہ خداوند عالم کی طرف متوجہ ہوں۔

---

۱ میں اس شخص کے ساتھ ہوں جو مجھ کو یاد کرے۔

۲ جن لوگوں کے دل میرے خوف سے شکستہ ہیں میں ان کے پاس ہوں۔

Marfat.com

۳۔ ساکت رہیں۔
۴۔ جوارح میں سکون ہو۔
۵۔ امتثال اوامر کی پابندی ہو۔
۶۔ اور نیز اجتناب از نواہی کی بھی۔
۷۔ راضی برضائے الٰہی ہو۔
۸۔ مداومت ذکر کہ قلب ولسان سے رہے۔
۹۔ فکر نعمات الٰہی ہو۔
۱۰۔ حق بات کا اختیار کرنا اور باطل کو ترک کرنا۔
۱۱۔ مخلوقات سے ہر حال میں قطع امید کرنا۔
۱۲۔ خضوع بخوف الٰہی وہیبت الٰہی۔
۱۳۔ انکسار مع الحیاء۔
۱۴۔ حیلہ کسب سے ہاتھ دھونا کیوں کہ خدا رزق کا ضامن ہے۔
وما من دابۃ فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا
۱۵۔ اللہ کے فضل پر توقع کرنا کیوں کہ سوائے خدا کے کوئی مربی نہیں ہے۔

یہ آداب اس طرح اختیار کیے جائیں کہ گویا عادات میں داخل ہو جائیں کیونکہ یہ آداب اس مالک کے ساتھ ہیں جو ایک لحظہ اپنے بندوں سے دور نہیں ہوتا مخلوقات کی محبت وملاقات ایسی نہیں ہے کیونکہ وہ کبھی ملتے ہیں اور کبھی جدا رہتے ہیں اگر کوئی عالم ہے تو اس کو معلوم کرنا چاہئے کہ عالم کے سترہ آداب ہونے چاہئیں۔

آداب عالم

۱۔ بردباری ۲۔ لزوم حلم ۳۔ مجلس میں وقار اور آہستگی کے ساتھ بیٹھنا ۴۔ بندگان خدا کے ساتھ تکبر نہ کرے مگر ظالم کے ساتھ تاکہ اس کو زجر ہو ۵۔ محافل ومجالس میں تواضع کا لحاظ رکھنا ۶۔ ترک ہزل ومزاح ۷۔ شاگردوں پر مہربانی کرنا اور جہال سے درگزر کرنا ۸۔ نیک تفہیم سے بلید الطبع کی اصلاح کرنا ۹۔ بلید الطبع پر غضب کرنا ۱۰۔ جو بات معلوم نہ ہو اس سے صاف انکار کرنا اور کچھ شرم نہ کرنا ۱۱۔ سائل کی تفہیم میں جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنا ۱۲۔ دلیل کو ماننا گو

Marfat.com

دشمن بھی پیش کرے ۱۳۔ سچی بات ماننا اگر چہ اپنے سے کم مرتبہ شخص کہے ۱۴۔ طالب علموں کو مضر علم کے حاصل کرنے سے جیسا کہ سحر و نجوم ورمل وغیرہ منع کرنا ۱۵۔ طلباء کو اس بات سے منع کرنا کہ وہ علوم نافع یعنی علوم دین سے دنیوی اغراض متعلق نہ کریں ۱۶۔ طلباء کو قبل از ادائے فرض عین فرض کفایہ کی طرف رجوع کرنے سے منع کرنا۔ فرض عین یہ ہے کہ ظاہر و باطن تقوی سے آراستہ ہو ۱۷۔ پابندی عمل کیوں کہ بغیر عمل کے دوسروں پر نصیحت موثر نہیں ہوتی

آداب طلباء

۱۔ استاذ کو سلام کرنا اور باجازت انکی خدمت میں حاضر ہونا ۲۔ اُستاد کے سامنے زبان درازی نہ کرنا جب تک استاذ کسی بات کو نہ پوچھے اپنی طرف سے کچھ بیان نہ کرے ۴۔ جب تک استاذ کی اجازت نہ ہو کوئی چیز طلب نہ کرنا ۵۔ استاذ کے قول سے تعارض نہ کرنا یعنی یہ کہنا کہ فلاں شخص نے آپ کے برخلاف اس طرح بیان کیا ہے ۶۔ خلاف رائے استاذ کے کوئی کام نہ کرنا ۷۔ جس کمرے میں استاذ موجود ہو پھر دوسرے شخص سے سوال یا مشورہ کرنا منع ہے ۸۔ استاذ کے سامنے باادب بیٹھے اور تبسم وغیرہ نہ کرے ۹۔ اگر استاذ غمگین یا فکر مند ہو تو زائد سوالات نہ کرنے چاہئیں ۱۰۔ جب استاذ اٹھے تو آپ کو بھی تعظیماً اٹھ کھڑے ہونا چاہیے ۱۱۔ جب استاذ مجلس سے اٹھے تو ان سے باتیں اور سوال کرتا ہوا پیچھے پیچھے نہ چلے ۱۲۔ راستے میں چلتے چلتے سوال نہ کریں الا یہ کہ وہ اپنی قیام گاہ کو پہنچ جائیں ۱۳۔ استاذ سے بدظنی نہ کرے گو استاذ سے کوئی فعل مکروہ سرزد ہوا ہو اگر اس قسم کا خیال بھی ہو تو وہ قول جو موسیٰؑ نے خضرؑ سے کہا تھا یاد کرے جو یہ تھا کیا تم نے بغرض ہلاکت اہل کشتی کے کشتی کو توڑ دیا تھا۔ گو اسطرح موسیٰؑ نے ابتداً خضرؑ کی حرکت کو مکروہ خیال کر کے کہا مگر در حقیقت چونکہ وہ فعل شریعت باطن کے موافق تھا لہٰذا آخر پھر اسی کی تصدیق کی۔

اولاد کے آداب والدین کے ساتھ

۱۔ جو بات ماں باپ کہیں اس کو مانیں ۲۔ والدین کی تعظیم ہر وقت ملحوظ رہے ۳۔ اطاعت اگر چہ مضر ہو (مگر یہ کہ حد معصیت تک نہ پہنچ جائے) لازم سمجھے ۴۔ چلنے میں ماں باپ پر سبقت نہ

Marfat.com

کرے ۵ والدین کے سامنے با آواز بلند گفتگو نہ کرے ۶۔ اگر والدین بلائیں تو کہے کہ جی حاضر ہوا یعنی بالفاظ تعظیم جواب دے ۷۔ ہر بات اور ہر کام میں والدین کی رضامندی کا خیال رہے ۸۔ والدین کے ساتھ بعجز و تواضع پیش آئے ان کی خدمت خود کرے ۹۔ والدین پر کسی بات کی منت نہ رکھے ۱۰۔ کبھی ان پر بنظر غضب نہ دیکھے ۱۱۔ ترش روئی سے نہ پیش آئے ۱۲۔ بغیر اذن والدین کے سفر نہ کرے۔ ہر ایک انسان کے لئے استاذ و والدین کے بعد دوسرے لوگ تین قسم کے ہیں دوست۔

۲۔ جان پہچان والا اور تیسرا اجنبی۔

آداب معاشرت اصناف خلق کے ساتھ

پس اگر انسان کو اجنبیوں سے معاملہ پڑ جائے تو امور ذیل کا لحاظ رکھے ا۔ انکی گفتگو میں دخل نہ دیا جائے ۲۔ ان کی بیہودہ باتیں مانی نہ جائیں ۳۔ اگر ان کی زبان سے کچھ غلط الفاظ نا ملایم بھی سنے تو اس سے درگزر کرے ۴ ان سے یادہ ربط وضبط نہ بڑھاویں اور نہ اپنا کوئی راز یا حال ان سے بیان کریں ۵۔ اگر کوئی فعل بد ان سے سرزد ہو تو بشرط امید قبول اس پر متنبہ کرے۔ احباب و اخوان کے ساتھ ملاقات رکھنے میں دو باتوں کا لحاظ چاہئے اول یہ کہ آیا وہ محبت و صحبت رکھنے کے لائق ہیں کہ نہیں کیوں کہ ہر شخص دوستی کے لائق نہیں ہو سکتا جناب رسالتمآب ﷺ فرماتے ہیں المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل یعنی یہ کہ انسان اپنے دوست کا طریقہ اختیار کرتا ہے اس لئے جس سے دوستی کی جائے پہلے اسکی حالت دریافت کی جائے بہر حال جب ایسا کوئی رفیق مل جائے تو پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ اس میں شرائط مفصل ذیل ہیں کہ نہیں۔ عاقل ہو کیوں کہ احمق کی صحبت سے بجز وحشت اور قطع محبت کے کوئی نتیجہ ہی نہیں ہے اور نیز یہ کہ احمق سے سوائے مضرت کے نفع کی توقع نہیں گو اس کی نیت میں نفع پہنچانا ہو جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ،

ولا تصحب اخا الجھل وایاك وایاہ فکم من جاھل اردی۔ صحبت مت رکھ جاہل سے اور بچا اپنے کو اس سے، بہت سے جاہلوں نے ہلاک کیا ہے۔

حکیما حین واخاہ یقاس کحذو النعل بالنعل

المرء بالمرء اذا ما المرء ما شا اذا ما النعل حاذاہ۔

Marfat.com

وللشیء من الشیء، مقاییس واشباہ،
وللقلب علی القلب دلیل حین یلقاہ

الشمہ کو جبکہ ان سے دوستی کی گئی، قیاس کیا جاتا ہے آدمی آدمی کے ساتھ، جبکہ اس کے ساتھ ہوتا ہے، جیسا کہ مقابلہ نقش کا نقش سے کیا جاتا ہے جبکہ نقش مقابل ہو نقش کے، ایک چیز کو دوسری چیز سے، قیاس اور مماثلت کا موقع ہے، اور دل کو دل سے راہ ہوتی ہے جب آپس میں ملاقات ہو۔

۲۔ خلق۔ بدخلق سے قطع تعلق کرنا چاہئے بدخلق وہ ہے جو غضب وشہوت کے وقت اپنے نفس پر حاوی نہ ہو سکے۔ چنانچہ علقمۃ عطاردی نے وفات کے وقت اپنے صاحب زادے کو کیا خوب نصیحت کی ہے کہ اے فرزند تو ایسے شخص سے دوستی اختیار کر کہ جس سے تیرے مال وآبرو کی حفاظت ہو اور جس کی صحبت تیری زینت کا باعث ہو اور وہ ایسا شخص ہو کہ بوقت حاجت تیری اعانت کر سکے اگر تو اس کے ساتھ نیکی سے پیش آئے تو وہ بھی تیرے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے تیری نیکیوں کا اظہار کرے اور بدیوں کو چھپائے اور جس کو تیرے قول وفعل پر اعتبار ہو اور تیری ترقی مناسب کا خواہاں ہو اور بالفرض اگر اختلاف رائے بھی ہو تو تیری رائے کو مقدم سمجھے جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

ان اخاك الحق من كان معك ومن يضر نفسه لينفعك
ومن اذاريب الزمان صدعك شتت فيك شمله ليجمعك

سچا دوست وہ ہے جو تیرے ساتھ ہو اور تیرے نفع کے لئے اپنے نقصان کو گوارہ کرلے اگر زمانے سے تجھ کو کچھ گزند پہنچے تو وہ ہر طرح کی پریشانی تیرے اطمینان کے لئے برداشت کرے

۳۔ مرد صالح ہو فاسق کی صحبت اختیار نہ کرنی چاہئے کیونکہ جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہوگا وہ کبھی گناہ کبیرہ پر اصرار نہ کرے گا اور جس کو اللہ کا ڈر نہ ہوگا وہ نفس کی شرارت سے بچ نہیں سکتا اور بہت جلد اس کی حالت بدلتی جاتی ہے قال اللہ تعالی لنبیہ ﷺ ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان امره فرطا جناب باری عز اسمہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد تم مت اطاعت کرو اس شخص کی کہ جس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہے اور صرف خواہش نفسانی میں مبتلاء ہے کہ ایسے شخص کا انجام تباہی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ فاسق لائق صحبت نہیں ہے ہمیشہ فسق اور معصیت کا دیکھنا دل کو سخت کر دیتا ہے کیوں کہ کثرت فجور سے گناہ کی ہیبت دل سے جاتی رہتی ہے چنانچہ غیبت کو بھی کچھ

Marfat.com

لوگ نظر عظمت سے نہیں دیکھتے حالانکہ وہ بڑی بلاء ہے اور بدترین معائب گناہ سے ہے حتیٰ کہ ایک عالم کو حریر و تلے کا استعمال جس طرح ناجائز ہے اس سے بھی غیبت بری ہے

حریص نہ ہو، حریص کی صحبت بھی سم قاتل ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے کیوں کہ انسان بالطبع تشبہ اور اقتداء پر مجبور ہے اور صاحب طبع سلیم کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی پس اگر حریص کی صحبت اختیار کرو گے تو تم بھی حریص ہو جاؤ گے اور اگر زاہد کی صحبت اختیار کرو گے تو تم بھی زاہد بن جاؤ گے جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے احیوا الطاعات بمجالسۃ من یستحی منہ یعنی زندہ کرو تم عبادت کو ان لوگوں کی صحبت سے جو عبادت سے زندہ ہیں یعنی اپنے اوقات کو عبادت میں بسر کرتے ہیں۔

۵۔ صادق ہو جھوٹے کی صحبت مت رکھو کیونکہ جھوٹے آدمی سے اکثر دھوکا ہوتا ہے جھوٹی بات مثل سراب کے ہے کہ جس سے امور بعید قریب نظر آتے ہیں اور قریب بعید، ان خصلتوں کے اختیار کرنے میں اکثر صحبت اہل مدارس (یعنی علماء وطلباء) واہل مساجد (زاہدین) ہامج ہوتی ہے پس دو باتوں میں سے ایک اختیار کرو یا تو عزلت و تنہائی کہ جو موجب سلامتی ہے یا دوستوں کے اخلاق کا اندازہ کر کے ان سے صحبت اختیار کرو۔

دوست تین قسم کے ہیں ایک دوست عقبیٰ کہ جس میں سوائے دینداری کے تم کچھ نہ دیکھو گے دوسرا دوست دنیا کہ جو اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو تیسرا دوست مونس کہ جس میں کسی قسم کا شر و فساد نہ ہو ابوذر رضی اللہ سے منقول ہے الوحدۃ خیر من جلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدۃ تنہائی بدصحبت سے اچھی ہے اور اچھی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔ عوام الناس تین قسم کے ہیں ایک تو مثل غذا کے ہیں یعنی ان سے طبیعت سیر نہیں ہوتی یہ تو علماء ہیں اور دوسرے مثل دوا کے ہیں کہ کبھی ان کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی نہیں تیسرے مثل بیماری کے ہیں ان کی احتیاج تو نہیں ہے مگر کبھی آدمی ان میں مبتلاء ہو جاتا ہے اور وہ کہ جن سے نہ تو کچھ نفع ہو اور نہ موانست جیسے فاسق، مبتدع، کذاب وغیرہ ایسے لوگوں سے تو بلحاظ دفع شر مدارات کرنی چاہئے چنانچہ جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں مداراۃ الناس صدقۃ تالیف قلوب صدقہ ہے یعنی تالیف قلوب کا ثواب مثل ثواب صدقہ کے ہے۔ مگر جو لوگ کہ مثل بیماری کے ہیں ان کا وجود بھی مصلحت سے خالی نہیں ان کے دیکھنے سے انسان کو برے افعال سے آگاہی ہوتی ہے اگر انسان میں مادہ عبرت ہو تو ایسے لوگوں سے بہت کچھ اثر پذیر ہو سکتا ہے سعید وہی ہے جو دوسروں کی نصیحت قبول کرے المومن مرآۃ المومن کے یہی معنی

Marfat.com

ہیں عیسیٰ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس نے ادب سکھلایا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو کسی نے ادب نہیں سکھایا مگر یہ کہ میں جاہلوں کو دیکھتا تھا اور عبرت حاصل کرتا تھا۔ حقیقت میں آپ کا قول بہت سچا ہے اگر لوگ برے اقوال وافعال سے بچیں تو ان کا ادب مکمل ہو جائے گا اور کبھی ان کو تعلیم کی حاجت نہ رہے گی۔

بیان رعایت حقوق صحبت

جب تمکو کسی سے مصاحبت ومحبت ہو تو تم کو آداب صحبت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے اگرچہ آداب صحبت بہت ہیں مگر مختصراً کچھ ذکر کیے جاتے ہیں رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے مثل الاخوین مثل الیدین تغسل احذھم الاخری دو دوست مثل دو ہاتھ کے ہیں جو ایک دوسرے کو دھوتا ہے ایک مرتبہ حضرت ایک باغیچہ میں تشریف لے گئے اور وہاں سے مسواک لیے ایک سیدھا اور ایک ٹیڑھا۔ ٹیڑھا تو اپنے لئے رکھا اور سیدھا بعض اصحاب کو جو آپ کے ساتھ تھے عنایت فرمادیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کے تو آپ ہم سے زیادہ تر مستحق تھے تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی کو کسی سے ملاقات اور مصاحبت ہوتی ہے تو اگرچہ وہ صحبت ایک ساعت کی بھی ہو مگر اس کی نسبت حقوق اللہ کی نگہبانی یا عدم نگہبانی کا سوال ہوگا یعنی حقوق صحبت کا اور نیز جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جب دو شخص آپس میں دوست ہوں تو خدا کے پاس زیادہ تر محبوب وہ شخص ہے جو اپنے دوست کے ساتھ زیادہ رعایت سے پیش آتا ہو

آداب صحبت

ا۔ ایثار مال اگر ایثار نہ ہو سکے تو جس قدر ممکن ہو حاجت کے وقت مدد کرنے ۲۔ اعانت ذاتی بطیب خاطر بلا درخواست ۳۔ حفاظت راز ستر عیوب اور ایسی چیز کے معلوم

Marfat.com

کرانے سے سکوت کرنا کہ جس سے اپنے دوست کی ناخوشی کا احتمال ہو۴۔ اگر لوگ اپنے دوست کی تعریف کریں تو اس کا اظہار اپنے دوست پر کرنا اور خود بھی اس سے خوش ہونا۔ ۵۔ اگر اپنے دوست کے متعدد نام ہوں تو جو نام اس کو مرغوب ہو اس سے پکارنا اور اس کے محاسن کا ذکر بلا افراط وتفریط کرنا نیک افعال کی ستائش کرنی اور برائیوں سے درگزر کرنا اور بشرط ضرورت بتلطف ومداراۃ نصیحت کرنا ۶۔ دوست کے قصور سے (باوجود قدرت انتقام) درگزر کرنا اور کسی قسم کی ملامت نہ کرنا ۷۔ غائبانہ اپنے دوست کے لئے (خواہ زندگی میں ہو یا بعد موت) دعائے خیر کرنا کہ ایسی دعا کبھی رد نہیں ہوتی ۸۔ دوست کے اہل وعیال سے (بعد وفات دوست) اور عزیز وقریب سے اسی محبت ومروت سے پیش آنا جیسا کہ زندگی میں عادت ہو ۹۔ دوست کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا تا بامکان دوست کی مشکلات میں مدد کرنا جاہ ومال کے حاصل کرنے میں اپنے دوست سے استمدادنہ چاہنا کہ اس سے اکثر تنفر پیدا ہوتا ہے جس بات میں اپنے دوست کی خوشی ہو اس میں اپنی بھی خوشی سمجھنا اور جس میں اس کی ناخوشی ہو اس سے خود بھی ناخوش ہونا۔ پس جب تک اس قسم کا برتاؤ سرا وعلانیۃ نہ ہو اس وقت تک آدمی درجہ اخلاص میں کامل نہیں ہوتا حاصل یہ کہ محبت ومروت خالصا لوجہ اللہ ہو کیونکہ بغیر اس کے اس قسم کی رعایتوں کا ملحوظ رکھنا از قبیل محالات ہے

۱۰۔ اگر دوست سے ملاقات ہو تو پہلے آپ سلام کرنا مجلس میں اپنے دوست کو اچھی جگہ دینا ۱۱۔ جب دوست سے ملاقات ہو تو حالت دوست کی اتباع کرنا مثلاً اگر دوست کھڑا ہو تو خود بھی تعظیما کھڑے رہنا ۱۲۔ جب تک دوست گفتگو کرتا رہے آپ خاموش رہنا اور قطع سخن نہ کرنا حاصل کلام اپنے دوست کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جو کسی صورت ناگوار نہ ہو پس اس طرح جو شخص اپنے دوست کے ساتھ مدارات نہ کرے وہ دنیا اور آخرت کے وبال میں مبتلاء ہوگا یہاں تک تو عوام الناس اور احباب کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن سے فقط تعارف ہو یعنی وہ لوگ جو نہ بمرتبہ اصدقاء ہوں اور نہ عوام بلکہ شناسا ہوں ایسے لوگوں سے ہمیشہ ڈرنا چاہئے کیونکہ دوست تو ہر حال میں معین ہوگا اور جس سے کسی قسم کا تعارف ہی نہ ہو وہ تو کسی معاملہ میں دخل ہی نہ دے گا جو لوگ شناسا ہیں اور بظاہر دوستی کا دم بھرتے ہیں انہیں سے ہر قسم کے نقصان کا اندیشہ ہے ایسے لوگوں سے جہاں تک ممکن ہو اپنی صحبت کو کم کرنا چاہئے اگر بالفرض آدمی ایسے لوگوں میں کہیں (مثلاً درسگاہوں میں یا مساجد اور بازاروں وغیرہ میں) پھنس جائے تو کبھی ان کو بنظر حقارت نہ دیکھے گو بظاہر وہ خفیف وحقیر ہی

Marfat.com

ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ ان کی منزلت خدا کے پاس زیادہ ہو اور ایسے لوگوں کو انکے تمول اور وجاہت دنیوی کے لحاظ سے بنظر عظمت دیکھنا بھی منع ہے کہ حب دنیا میں گرفتار نہ ہو جائے جو باعث ہلاکت ہے جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ من تواضع لغنی لغناہ ذہب ثلثا دینہ جو شخص کسی تونگر کی مدارات صرف اس کی مالداری کی وجہ سے کرے تو اس کے دین سے دو ثلث گھٹ جائینگے۔ خدا کے پاس دنیا و مافیہا کی کچھ بھی قدر و منزلت نہیں ہے پس انسان کو اس بات سے پرحذر رہنا چاہئے کہ حصول دنیا کی فکر میں کہیں دین برباد نہ ہو جائے وگرنہ خدائے پاک کے سامنے خفت و رسوائی ہوگی اور اس طمع سے خود اہل دنیا کے پاس تم ذلیل ہو جاؤ گے اور ان سے تمہیں کوئی نفع نہ ہوگا اور جو لوگ کہ صرف مالداری کے لحاظ سے تمہاری خاطر و مدارات کریں اور بہ تعظیم و تکریم پیش آئیں وہ بھروسے کے لائق نہیں ہیں کیونکہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سچی محبت کرنے والے بہت کم ہیں اور امید نہیں کہ حاضر و غائب لوگ کسی سے یکساں لطف و مہربانی کے ساتھ برتاؤ کریں اکثر غائبانہ شکایت ہو جاتی ہے اور ایسا ہونا بعید از قیاس بھی نہیں ہے کیونکہ جب ہم انصاف کی نظر سے دیکھیں تو ضرور اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ ہم بھی دوسروں کی نسبت ایسا ہی پیش آتے ہیں بلکہ اپنے والدین عزیز و اقارب اور اساتذہ کے ساتھ بھی ایسے ایسے امور کا انتساب جو شاید کبھی بالمشافہ ذکر نہ کرسکیں گے پس اگر کوئی ہماری بھی شکایت کرے تو کیا عجب ہے۔

اہل دنیا سے مال و جاہ اور اعانت کی توقع بھی قطع کرنا چاہئے کیونکہ طامع اپنے مقاصد کو کم حاصل کرتا ہے بلکہ جس قدر طمع زائد ہوگی اسی قدر ذلت حاصل ہوگی اگر کسی نے انجاح مرام میں تائید کی ہو تو خدا کا بھی شکر ادا کرو اور اس متوسل کا بھی کیونکہ بغیر ادا کرنے شکر متوسل کے خدا کا شکر بھی مکمل نہیں ہوتا حدیث شریف میں آیا ہے کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ تعالیٰ جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا اور اگر کوئی تائید سے پہلو تہی بھی کرے تو اس سے نہ تو ناخوش ہونا چاہئے اور نہ شکایت کرنی چاہئے کیونکہ مسلمان کی تو یہ تعریف ہے کہ دوسروں کے عذر کو قبول کرے اور منافق وہ ہے جو محض لوگوں کی عیب چینی کرے ایسی حالت میں تو صرف یہ خیال کر لینا مناسب ہوگا کہ یہ عدم تائید شاید کسی ایسے عذر خاص پر محمول ہے کہ جس سے ہمیں آگہی نہیں ہے اور جب تک کہ اس بات کا ثبوت یقینی نہ ہو کہ ہماری نصیحت غیر کے حق میں اثر پذیر ہوگی اس وقت تک کسی کو نصیحت بھی نہ کرنی چاہئے والا نقاض پیدا ہو جائیگا اور لوگ بے فائدہ دشمن بن جائیں گے اگر اہل

Marfat.com

تعارف کسی مسئلہ میں خطا کریں اور پھر تم سے اس کے معلوم کرنے میں بھی ننگ و عار کریں تو ان کو تعلیم بھی نہ دینا چاہئے کیوں کہ ایسے لوگ اس شعر کے مصداق ہیں کہ؟

کس نیاموخت علم تیر از من کہ میرا عاقبت نشانہ نکرد۔

اور اگر کسی مسئلے کی لاعلمی محض کسی معصیت کی وجہ سے ہو جس کا ارتکاب معصیت کی وجہ سے ہو گیا ہے تو ضرور ایسے لوگوں کی تفہیم بلطف و مدارات کرنی چاہئے۔ اگر کسی اہل ملاقات سے تمہارے حق میں کوئی نیکی ہو تو خدا کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے شخص کو دوست بنایا اور اگر کچھ برائی دیکھو تو اللہ پر سونپ دو اور اس سے کنارہ کرو مگر عتاب مت کرو اور نہ یہ کہو کہ تم نے ہمارے ساتھ اس طرح کا سلوک کیوں کیا اور ہمارا لحاظ کیوں نہ کیا گیا کہ یہ محض حماقت کی علامت ہے بڑا احمق وہ ہے کہ اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھے جب کوئی شخص تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے تو سمجھ لو کہ یہ یا تو تمہارے افعال بد کی پاداش ہے جو تم سے کبھی (پیشتر) سرزد ہوئی ہیں اس لئے انسان کو اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہنا چاہئے یا خدا کا عذاب تم پر دنیا میں نازل ہوا ہے اس کا علاج بھی ہے کہ حق بات کو گو تلخ ہو بسمع قبول سنا کرو اور کلام باطل پر سکوت کیا کرو لوگوں کی نیکیوں کو ظاہر کرو اور برائیوں سے چشم پوشی اختیار کرو علماء کی صحبت سے عذر کرو خصوصا ایسے عالموں کی صحبت سے جو مجادلہ میں مبتلاء ہیں کہ یہ لوگ اکثر اپنے حسد کی وجہ سے دوسروں کے لئے حوادث دہر کا انتظام کرتے رہتے ہیں اور اپنے وہم کے پردے میں قطع محبت بھی کر دیتے ہیں اور تمہاری رسوائی کا اپنی مجلس صحبت و مجلس میں مضحکہ کیا کرتے ہیں حتی کہ ان خیالی ذلتوں کا استعمال اس شہرت سے کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے سنگ ملامت تمہارے منہ پر پھینک مارا یہ لوگ مناظرہ کے وقت کبھی دوسرے کی بات کو فروغ نہ ہونے دیں گے اور کبھی کسی کی خطاء سے درگزر نہ کریں گے اور کسی کے عیب کو معاف نہ فرمائیں گے بلکہ ادنی ادنی عیب کو ظاہر کریں گے غیر کی تھوڑی سی منفعت پر ان کا دل جلے گا اور اقسام کی تہمتیں اور بہتان اس کے فتراک میں باندھیں گے بظاہر تو یہ نفع رساں معلوم ہونگے اور باطنا ان سے مضرت پہنچے گی بہر حال جو کچھ اب تک ذکر ہو چکا یہ سب بدیہی امور ہیں ان مہلکات سے وہی بچ سکتا ہے جس کو خدا بچائے پس ایسے لوگوں کی صحبت سے سوائے نقصان و خسارت کے کوئی فائدہ ہی نہیں ہے اور یہ ایسی کھلی ہوئی باتیں ہیں کہ جنکا ہر شخص اعتراف کر سکتا ہے قاضی ابن معروفؒ نے اس مضمون کو کیا خوب نظم کیا ہے۔

فاحذر عدوك مرة واحذر صديقك الف مرة

Marfat.com

فلربما انقلب الصدیق فکان اعرف بالمضرۃ
عدوك من صديقك مستفاد فلا تستکثرن من الصحاب
فان الداء اکثر ما تراه یکون من الطعام والشراب
لما عفوت ولم احقد على احد ارحت نفسي من هم العداوة
انی احی عدوی عند رویته لا دفع الشر عنی بالتحیات
واظهر البشر للانسان ابغضه کانه قد ملا قلبی مسرات
ولست اسلم ممن لست اعرفه فکیف اسلم من اہل المودات
الناس داء دواء الناس ترکهم وفی الجفاء لهم قطع الاخوات
فسالم الناس تسلم من غوائلهم وکن حریصا على کسب التقیات
وخالق الناس واصبر ما بلیتهم اصم ابکم اعمى ذا تقیات

دشمن سے تو ایک بار خوف کر۔ اور دوست سے ہزار بار۔ پس جب دوست اپنی دوستی سے پھر جائے تو۔ مضرت پہنچانے کے عمدہ طریقہ کو وہ جانتا ہے۔ اسی طرح ابن تمام نے بھی کیا خوب لکھا ہے۔ تیرے دشمن تیرے دوستوں ہی سے نکلیں گے۔ پس دوستوں کی تعداد کو مت بڑھا اکثر بیماریاں جو تم دیکھتے ہو۔ کھانے پینے ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر بھلائی چاہتے ہو تو ہلال بن علائرؒ فی کے قول پر کار بند رہو۔ جب میں کسی کی خطاء معاف کرتا ہوں۔ اور کسی پر حسد نہیں کرتا۔ تو میرا نفس دشمنی کی تکلیفات سے محفوظ رہتا ہے۔ بدرستیکہ میں دشمن کو خوش کرتا ہوں۔ بجز داس کے دیکھنے کے اظہار تبسم وخوشی سے۔ تا کہ بلا دفع ہو جائے۔ کشادہ روی سے پیش آتا ہوں اس۔ شخص کے ساتھ جس سے مجھے تنفر ہے۔

اسطرح کہ گویا اس نے میرے دل کو خوشی سے مالا مال کر دیا

جبکہ ہم کو اجنبیوں سے ہی بچنا محال ہے تو۔ دوستوں سے کیونکر نجات ملے گی

لوگ مثل بیماری کے ہیں اس کا علاج ترک صحبت ہے۔ کیونکہ ان سے ذرا بھی کنارہ کرو تو عداوت پیدا ہو جائے۔

جو شخص انکی شرارتوں سے بچا رہا محفوظ رہا۔ اس واسطے گوشہ گیری زیادہ اختیار کرو لوگوں کے موافق رہو اور انسے جو کچھ واقع ہو اس پر صبر کرو۔ چپ رہو بہرے اور اندھے بن جاؤ بہر کیف اپنے کو بچاؤ۔

اور نیز حکماء کے بعض ان اقوال پر عمل کرو دوست دشمن سے یکساں بخوشی ملا کرو نہ ان

Marfat.com

کے لئے کوئی ذلت کا سامان مہیا کرو اور نہ ان سے کچھ خوف کرو وقار اور تواضع کو ہاتھ سے مت جانے دو وقار میں کبر اور تواضع میں ذلت نہ ہو چیز کا برتاؤ اعتدال کے ساتھ کرو افراط اور تفریط مذموم ہے کما قیل۔

علیک باوساط الامور فانہا طریق الی نہج الصراط قویم
ولا تک فیہا مفرط او مفرطا فان کلا حال الامور ذمیم

لازم کرو تم اعتدال کہ وہ۔ راہ راست پر پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اپنے کاموں میں افراط وتفریط مت کرو۔ کہ یہ دونوں باتیں مذموم ہیں۔

چلنے کے وقت غرور کے ساتھ سیدھے بائیں طرف اور پیچھے پلٹ پلٹ کر مت دیکھو اگر کہیں مجمع دیکھو تو بغیر حاجت کے مت ٹھہرو۔ اگر کسی مجلس میں بیٹھو تو اطمینان کے ساتھ بیٹھو متوحشانہ مت بیٹھو۔ ہاتھوں کی انگلیوں کو بایکدیگر مت ملاؤ کہ اس سے اکثر اونگھینی آتی ہے جو فعل شیطانی ہے علی ھذا داڑھی میں بیفائدہ انگلیاں ڈالنا اور انگشتری کو پھیلاتے رہنا ہمیشہ دانتوں میں خلال کرنا ناک میں انگلیاں ڈالنا کثرت سے تھوکنا بار بار انگڑائیاں لینا منہ پر سے مکھیاں اڑانا منع ہے رینٹ اور بلغم کے دفع کرنے میں بھی احتیاط چاہئے۔ مجلس میں یہ بھی ضروری ہے کہ بالکل سکوت ہو اور کسی قسم کا بلوا نہ ہو گفتگو بھی سنجیدہ اور متانت کے ساتھ ہو مخاطب کے ساتھ توجہ رہے استماع کلام کے وقت استعجاب ظاہر نہ ہو بار بار مخاطب سے ایک ہی بات کا استدراک بھی نہ ہو کہ عیب میں داخل ہے فضول و مضحکہ آمیز گفتگو۔ سے محترز رہے اپنی اولاد یا شعر وسخن یا تصنیف وتالیف کی ستائش خود آپ کرنا معیوب ہے بلکہ جو چیز اپنی ذات کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو اس کی بھی تعریف نہ کرنی چاہئے عورتوں کی طرح تزئین لباس کی خواہش یا متبذل لباس پہننا، سرمہ کا زیادہ استعمال، بالوں میں زیادہ تیل نہ لگانا چاہئے لوگوں کے پاس ہمیشہ حاجت پیش نہ کرنا چاہئے کسی کو ظلم کی ترغیب بھی مت دو اپنے عیال کو دوسروں کے تشخص مراتب کا رجحان مت دلاؤ کہ اس میں دو قباحتیں ہیں ایک تو یہ کہ مثلاً وہ جب کسی کو اپنے سے حقیر سمجھیں گے تو دوسرے کو بنظر استخفاف دیکھیں گے دوسرا یہ کہ اگر کسی کو ذی مرتبت پائیں گے تو اس سے اپنے دل میں کھنچاؤ کریں گے اور نیز اگر ان سے کچھ خطاء ہو جائے تو نرمی کے ساتھ درگزر کرو اور مہربانی بھی اعتدال کے ساتھ کرو خدمت گار وحواشی کے ساتھ ٹھٹھا مت کرو کہ اس سے رعب ودبدبہ میں فرق آتا ہے کسی سے جھگڑا ہو جائے تو حلم کو اپنے ہاتھ سے مت جانے دو جہالت کو کام میں مت لاؤ تعجیل کار سے پرہیز کرو جواب سمجھ کر دیا کرو۔ جھگڑے کے وقت ہاتھ

Marfat.com

سے بار بار اشارہ مت کرو اور اگر کوئی پس پشت ہو تو اس کی طرف التفات مت کرو اور نیز جھگڑے کے وقت پنڈلیوں پر مت بیٹھو جب تک غصہ کم نہ ہو بات مت کرو تقرب سلطانی سے ڈرو وہ دُست جو تمہاری خوشحالی کا رفیق ہو (جیسے تونگری اور صحت) اور برے وقت میں کام نہ آئے (یعنی حالت افلاس و مرض میں) اس سے پرہیز کیا کرو کہ وہ بڑا دشمن ہے مال کو جان سے زیادہ عزیز مت رکھو۔ المختصر یہاں تک جن ابواب کا ذکر ہوا وہ بدایت ہدایت کے لئے کافی ہے اگر مرض کچھ باقی ہے تو صرف یہی ہے کہ ان کا تجربہ کیا جائے بدایت ہدایت کے متعلق گویا تین باتیں بیان ہوئی ہیں (۱) آداب طاعات (۲) ترک معاصی (۳) مخالطت خلق ان تینوں چیزوں کے مجموعہ کو تقوی، دین کامل اور زاد آخرت سے بھی تعبیر کرتے ہیں پس اگر ان امور کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور نفس میں ان کے حصول اور عمل کی جانب رغبت پائی جائے تو سمجھئے کہ مادہ عبودیت ہے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ ایمان کامل سے دل کو منور کردے چونکہ اس کتاب میں بدایات ونہایات دونوں باتوں کا ذکر ہو چکا ہے تو نہایت ہدایت کے بعد اسرار وغوامض اور امور باطنہ اور مکاشفات کا مرتبہ ہے جس کا ذکر احیاء علوم میں موجود ہے اگر شوق ہو تو اس کی طرف رجوع کرو اور اگر صرف انہیں اعمال و وظائف کا اختیار کرنا جو اس کتاب میں مذکور ہوئی ہیں گراں معلوم ہو اور تنفر پایا جائے اور نیز یہ خیال پیدا ہو کہ بھلا اس علم سے ہمیں مناظرہ وغیرہ میں کیا مدد ملے گی اور ابنائے جنس پر کیا سرسائی ہو سکے گی حصول تقرب وزراء وسلاطین اور مناصب وغیرہ میں اس سے کیا تائید مل سکے گی تو سمجھ لو کہ شیطان تم کو غارت کرنا چاہتا ہے آخرت کی بھلائی سے محروم رکھنے کے درپے ہے اور برے علوم کی ترغیب دینا چاہتا ہے کہ جس کو تم اپنے خیال میں مفید سمجھتے ہو مگر یقین جانو کہ وہ سرمایہ بربادی وتباہی ہے اور نعیم دائم یعنی جوار رب العالمین سے باز رکھنے کی تدبیر ہے

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والحمد للہ اولا وآخرا وظاہرا وباطنا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

تمت

Marfat.com

المقالة الحقة والكلمة الصادقة

ترجمة التفرقة بين الاسلام والزندقه

للامام الهمام ابی حامد محمد غزالی رحمة الله علیه

جسکو

مولوی محمد حیدر اللہ خان اللہی

نے

زبان عربی سے ترجمہ کیا

مع اکثر حواشی مفیدہ از مترجم

طبع ہوا ۱۳۱۳ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحانک ما اعظم شانک یا من فی کتابک وسعت رحمتی کل شیی فساکتبها للذین یتقون وصلوتک وسلامک علی رسولک محمد منبع الرحمة مالک الشفاعة لقوم یومنون وعلی آله وصحبه ائمة الهداء لرهط یوقنون ..

جبکہ میں بحکم نواب معظم، امیر مکرم، مخدوم امراء، خادم فقراء، صاحب سیف وقلم ناصب علم وعلم نواب آغا مرزا بیگ خان سرور جنگ سرور الدولہ سرور الملک بہادر معتمد ظل سبحانی میر محبوب علیخان بہادر شاہ دکن خلد اللہ ملکہ دولتہ محمد عبدالکریم شہرستانی کی کتاب "الملل والنحل" کے ترجمہ سے فارغ ہو چکا کہ جو حقیقت میں ابتدائے آدم سے اس وقت تک کہ جمیع ادیان سماوی اور غیر سماوی کی ایک جامع تاریخ ہے بلکہ قیامت تک کے کل مذاہب اور مناحل منشعبہ اس سے باہر نہیں ہو سکتے تو میں نے چاہا کہ بحصول اجازت ایک ایسی کتاب بھی ترجمہ کر کے نواب صاحب موصوف کی انگشتری کا نگینہ بناؤں کہ جس سے ان کل مذاہب کے احکام کفر واسلام معلوم ہو سکیں لہذا میں نے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کی کتاب التفرقه بين الاسلام والزندقه کا ترجمہ سلیس اردو زبان میں لکھ کر ہدیہ کرنا چاہا کہ جو کفر واسلام کی حقیقت میں جامع ومانع ہے تاکہ ہمارے بعض علماء کرام کی جن کی طبیعت میں عجلت اور جسارت ہے عامہ مومنین کے حق میں زبان درازی سے محفوظ رہیں اور کسی اہل قبلہ کی تکفیر اور تضلیل میں بغیر قطعی برہان کے جرأت نہ کریں اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ نواب صاحب موصوف ایسے نیک کاموں کے اجراء میں موفق رہیں، اور ان دونوں کتابوں میں سے کتاب الملل والنحل کے ترجمہ کو معنون بنام نامی واسم گرامی، اعلیٰ حضرت ظل سبحانی وکتاب التفرقه بين الاسلام والزندقه کو منسوب باسم گرامی نواب مستطاب معلی القاب نواب وقار الامرا بہادر وزیر اعظم ملک دکن کر کے امیدوار ہوں کہ یہ ہدیہ محقرہ مقبول باریافتگان

Marfat.com

دربار دربارشاہ ووزیر ہو، وھو ولی فی الدنیا والاخرۃ وانا عبدہٗ محمد حیدر اللہ خان السارگ زئی المجددی اللّٰہی الوارد نی بلدۃ حیدر آباد دکن اللازم فی حضرۃ ظل اللہ۔

ترجمہ

التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ

للامام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں اللہ کے لئے حمد کہتا ہوں درحالیکہ میں اس کی عزت کو مانتا ہوں اور اس کی نعمتوں کا پورا ہونا چاہتا ہوں اور اس کی توفیق کو غنیمت جانتا ہوں اور اس کی بے فرمانی سے بچاؤ کا خواستگار ہوں اور اس کی وسیع نعمتوں کے جاری رہنے کا طلبگار ہوں اور درود بھیجتا ہوں میں اس کے بندے اور رسول اور کل مخلوقات سے بہتر محمد ﷺ پر تاکہ اس کی شفاعت کو کشش کروں اور اس کے حق رسالت کو ادا کروں اور اس کے مبارک نفس کی برکت کے ساتھ محفوظ رہوں اور

لہ للہ ایک قصبہ اہل اللہ ہے کہ جو ملک پنجاب ضلع جہلم میں دریائے جہلم کے شمالی کنارہ پر واقع ہے وہاں ایک بزرگ غلام احمد جی امام قطب طریقہ مجددیہ گزرے ہیں کہ جو مترجم کے استاد علم ظاہر و باطن ہیں اور جن سے ہزار ہا لوگوں کو علم ظاہری اور باطنی کا استفاضہ ہوا اور دُور دُور ملکوں سے طالبان علم ظاہر و باطن دنیا سے تبتل وانقطاع کر کے اپنے اپنے مقاصد کو بدرجہ علیا فائز ہوئے اور اوانی ادنیٰ زمانہ میں مقامات طریقہ سے مشرف ہوئے ۲۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں حضرت نے انتقال فرمایا اب حضرت کے فرزند ارجمند حافظ مولوی دوست محمد صاحب کا نہ سر لابیہ مسند ارشاد پر موجود ہیں اور برکات وتسلیک مقامات طریقہ میں اپنے والد بزرگو کی مثیل بلکہ اصیل ہیں۔ اور طالبان حق تعالیٰ کی تربیت میں مشغول ہیں۔

بس چون قطب بسطامی منصور است در کویش انا الحق برزبان ہر گزمی راند وسبحانی
یہ بدبختی خود نائد کہ خون گرید سیہ بختے دران کوئی ست دوارمیل سوی عالم فانی
زندہ خاکر وبان درش رابا وصد زنہار زکف ندہند آن اکسیر آعظم را بآسانی
تمنائی قبولش دارم ودائم کہ ناعلم مددیا روح شاہ نقشبندان غوث گیلانی

Marfat.com

درود بھیجتا ہوں میں اس کی آل اور صحابہ اور عترت پر۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے اے میرے مشفق بھائی اور غضبناک دوست میں تجھے سینہ پر کینہ اور پراگندہ فکر دیکھتا ہوں اس لئے کہ تیرے کانوں کو حاسدوں کے ایک طائفہ کے ان طعنوں نے ٹھکرایا ہے کہ جو انہوں نے ہماری ان بعض کتابوں پر کئے ہیں کہ جو علامات دین کے اسرار میں تصنیف کی گئی ہیں اور انہوں نے یہ زعم کیا ہے کہ ان کتابوں میں بعض ایسے امور ہیں کہ جو اصحاب متقدمین اور مشائخ متکلمین کے مذہب کے مخالف ہیں اور نیز انہوں نے زعم کیا ہے کہ اشعریوں[1] کے مذہب سے کنارہ کش ہونا گو ایک بالشت کی مقدار میں ہو کفر ہے اور اس سے

[1] اشعری یہ وہ لوگ ہیں جو امام ابوالحسن اشعری کے اصحاب ہیں اور یہی لوگ اہل سنت ہیں اور چاروں مذہب اسی امام کے تابع ہیں اور اسی جماعت کا نام صفاتیہ ہے۔ کتاب الملل میں ہے کہ سلف کی ایک جماعت خدائے تعالیٰ کے لئے صفات ازلیہ ثابت کرتی ہے جیسے علم اور قدرت اور حیات اور ارادہ اور سمع اور بصر اور کلام اور جلال اور اکرام اور جود اور انعام اور عزت اور عظمت اور یہ لوگ صفات ذاتی اور صفات فعلی کے درمیان امتیاز نہیں کرتی بلکہ ہر دو اقسام میں یکساں گفتگو کرتے ہیں اور اسی طرح خدائے تعالیٰ کے لئے صفات خبریہ کا اثبات کرتے ہیں جیسے یدین اور وجہ اور ان کی تاویل نہیں کرتے لیکن اس قدر کہتے ہیں کہ چونکہ یہ صفات شرع میں وارد ہیں لہذا ہم ان کا نام صفات خبریہ رکھتے ہیں مگر جبکہ فرقہ معتزلہ صفات باری تعالیٰ کی بالکل نفی کرتا ہے اور سلف انکا اثبات کرتے ہیں اس لئے سلف کا نام صفاتیہ ہوا اور معتزلہ کا نام معطلہ لیکن اس کے بعد بعض سلف نے صفات کے اثبات میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس نے ان صفات ازلیات کو ممکنات کی صفات کے ساتھ تشبیہ دیدی اور بعض نے انہیں صفات پر اکتفاء کیا کہ جن پر باری تعالیٰ کے افعال نے دلالت کی یا جو صفات کہ خبر میں وارد ہیں پس ان سلف کے دو فرقہ ہو گئے ایک فرقہ تو وہ ہے کہ جس نے ان صفات خبریہ کی اس حد تک تاویل کی کہ جہاں تک ان صفات کا لفظ اس تاویل کا احتمال رکھتا اور دوسرا فرقہ وہ ہے کہ جس نے تاویل میں توقف کیا اور کہا کہ ہم نے باقتضائے عقل معلوم کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی شئی نہیں اور نہ وہ مخلوقات میں سے کسی شئی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور نہ کوئی شئی اس کے مشابہ ہے اور ہم اس امر کو قطعی طور پر جانتے ہیں لیکن جو لفظ کہ اس کی نسبت وارد ہے الرحمٰن علی العرش استویٰ یا جیسے خلقت بیدی وغیرہ ہم اس کی معنی مرادی نہیں جانتے اور نہ ہم ان الفاظ کی تفسیر کے جاننے کے مکلف ہیں بلکہ تکلیف اس اعتقاد کی نسبت وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شریک نہیں اور نہ اس کی مثل کوئی شے ہے اور ہم اس امر کو یقیناً ثابت کرتے ہیں پھر متاخرین۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

علیحدگی کو ایک تھوڑی سی شئی ہے جو گمراہی اور گھاٹا ہے۔ پس اے میرے مشفق بھائی اور غضبناک دوست اپنے نفس پر سہولت اختیار کر اور اس سے اپنے سینہ کو تنگ نہ کر اور کسی قدر اپنی تیزی کو کند کر اور جو کچھ کہ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کر اور ان سے زیبا طریقہ سے ترک اختیار کر اور جو کوئی کہ حسد اور دشنام کے لائق نہیں اس سے اپنے نفس کو حقیر خیال کر اور جو کفر اور گمراہی کا مستحق نہیں اس سے اپنے نفس کو قاصر جان کیونکہ سید المرسلین ﷺ سے کامل تر کونسا دعوت کرنے

......بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... کی جماعت نے سلف کے قول پر کس قدر زیادتی کر کے کہا ان الفاظ کو اپنے ظواہر پر جاری رکھنا چاہیے اور اس کی تفسیر ضروری ہے بغیر اس کے کہ ان کی تاویل میں تعرض کریں یا ظاہری معنیٰ میں توقف کریں لہذا وہ لوگ تشبیہ خالص کے قائل ہوئے اور یہ تشبیہ خالص ابتداء میں یہود کے بعض ان لوگوں میں تھی کہ جو توراۃ کے قاری تھے پھر شریعت محمدیہ میں شیعہ نے افراط تفریط اور غلو اور تقصیر کی، غلو تو انھوں نے یوں کیا کہ انھوں نے اپنے بعض اماموں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی اور تقصیر اس طرح پر کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات میں سے کسی ایک کے ساتھ تشبیہ دی اور جب کہ سلف میں سے معتزلہ اور متکلمین کا ظہور ہوا تو بعض روافض نے افراط اور تفریط کو چھوڑ دیا اور اعتزال کے گڑھے میں جا گرے اور سلف کی ایک جماعت نے تفسیر ظاہر کی طرف قدم بڑھایا لہذا تشبیہ کے ورطہ میں جا پہنچے لیکن وہ سلف کے جنہوں نے تاویل کے لئے تعرض نہ کیا اور نہ تشبیہ کے نشانہ بنے بعض ان میں سے مالک بن انسؒ اور احمد بن حنبل اور سفیان اور داؤد اصفہانی اور ان کے تابعین ہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن سعید کلابی اور ابی العباس قلانسی اور حرث بن اسد محاسبی کا زمانہ آیا یہ لوگ سلف میں سے تو تھے لیکن انھوں نے علم کلام میں شغل کیا اور سلف کے عقائد کو انھوں نے کلامی دلائل اور اصولی برہانوں سے تائید دی اور بعض نے کتابیں تصنیف کیں اور بعض نے درس دیا یہاں تک کہ ایک روز ابی الحسن اشعری کو اپنے استاد کے ساتھ صلاح اور اصلح کے مسئلہ میں مناظرہ کا اتفاق ہوا اور دونوں میں خصومت ہوئی چنانچہ اشعری نے ان سے سلف کے اس طائفہ کی طرف رجوع کیا اور ان کے مقالات کو اشعری نے کلامی طرز سے تائید دی اور یہی اہل سنت و الجماعت کا مذہب قرار پا گیا اور صفاتیہ کا لقب اشعریہ کی طرف انتقال کر آیا چنانچہ اشعری نے صفات باری تعالیٰ کے اثبات میں کہا کہ انسان جب کہ اپنی پیدائش میں غور کرتا ہے کہ ابتداء اس کی کس شئے سے ہوئی ہے اور وہ کیونکر پیدائش کے اطوار میں ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ترقی کرتا گیا ہے اور اس سے اس کو یقین ہو جاوے کہ وہ بذاتہ اس امر کی قابلیت نہیں رکھتا کہ اپنے میں تدبیر کرے اور ایک زینہ سے دوسرے زینہ کی طرف اپنے کو پہنچاوے اور نقص سے کمال کی طرف ترقی دیوے تو اس وقت بالضرور جان لیتا ہے کہ اس کے لئے ایک ایسا صانع ہے کہ جو قدرت اور علم اور ارادہ والا ہے۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

والا ہوگا حالانکہ ان کی نسبت انہوں نے کہا کہ وہ دیوانوں میں سے ایک دیوانہ ہے اور رب العالمین کے کلام سے کونسا کلام زیادہ تر جلالیت اور صداقت والا ہوگا حالانکہ اس کی نسبت انہوں نے کہا کہ وہ مقدمین کا افسانہ ہے پس تجھے لازم ہے کہ تو ان لوگوں کے ساتھ خصومت اور مباحثہ سے پرہیز کرے اور ان کو لاجواب کرنے میں طمع نہ کرے کیونکہ تیرا یہ طمع بے محل اور اضطراب بے موقع ہوگا۔ کیا تو نے نہیں سنا۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... اس لئے کہ ایسے محکم افعال کا صدور محض طبیعت سے متصور نہیں کیونکہ فطرت میں ہی اختیار اور پیدائش میں بھی احکام اور اتقان کے آثار ظاہر ہیں پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی صفات ہیں کہ جن پر اس کے افعال دلالت کرتے ہیں اور جیسے کہ اس کے افعال اس کے عالم اور قادر اور مرید ہونے پر دلالت کرتے ہیں اس طرح علم اور قدرت اور ارادہ پر بھی دلالت کرتے ہیں اس لئے کہ عالم اور قادر اور مرید کا معنی بجز ذی علم اور ذی قدرت اور ذی ارادہ کے نہیں پس علم کے ساتھ احکام اور اتقان حاصل ہوتا ہے اور قدرت کے ساتھ وقوع اور حدوث اور ارادہ کے ساتھ تخصیص وقت اور شکل اور ان صفات کے ساتھ ممکن نہیں کہ بجز ذات وواجبات کے کوئی اور موصوف ہو سکے، اور اشعری نے صفات کے منکروں کو ایک ایسا الزام دیا ہے کہ جس سے ان کو کبھی خلاصی ملنی ممکن نہیں اور وہ یہ ہے کہ جبکہ اللہ تعالیٰ کے عالم اور قادر ہونے پر دلیل قائم ہو چکی تو تم کو ضرور ہمارے ساتھ اس امر میں موافقت کرنی پڑتی پس ہم کہتے ہیں کہ عالم اور قادر کا مفہوم یا ایک ہوگا یا مختلف، پس اگر ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہو تو واجب ہے کہ صفت قادریت کے ساتھ عالم اور صفت عالمیت کے ساتھ قادر ہو اور نیز جو شخص کہ ذات مطلقہ کو معلوم کرے وہ اس کا عالم اور قادر ہونا بھی معلوم کرلے حالانکہ یہ امر باطل ہے پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں صفتیں از روی اعتبار کے مختلف ہیں، پھر ان کا اختلاف تین وجوہ سے خالی نہیں یا تو فقط لفظ کی طرف رجوع کرے گا اور یا حال یا صفت کی طرف، لیکن فقط لفظ کی طرف رجوع کرنا تو باطل ہے اس لئے کہ عقل حاکم ہے کہ دو مفہوم معقول کے درمیان اختلاف ہو گو الفاظ کو معدوم کیوں نہ فرض کیا جاوے تاہم عقل اپنے تصور میں شبہ نہیں رکھتی اور حال کی طرف بھی رجوع کرنا باطل ہے۔ اس لئے کہ ایک ایسی صفت کا ثابت کرنا کہ جو وجود اور عدم کے ساتھ متصف نہیں گویا وجود اور عدم اور نفی اور اثبات کے درمیان واسطہ کا ثابت کرنا ہے حالانکہ یہ محال ہے پس متعین ہوا کہ اس اختلاف کا رجوع ایک ایسی صفت کی طرف ہے کہ جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور یہ مذہب اشعری کا ہے لیکن اشعری کے اصحابوں میں سے قاضی ابو بکر باقلانی نے صفت بقا میں اشعری سے مخالفت کی ہے اور بقا کو عین ذات کہا پھر ابوالحسن نے کہا کہ باری تعالیٰ علم کے ساتھ اور قدرت کے ساتھ قادر اور حیات کے ساتھ حی اور ارادہ کے ساتھ مرید اور کلام کے...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔۔

Marfat.com

کل العداوۃ قد ترجی سلامتھا
الا عداوۃ من عاداک عن حسد

یعنی ہر عداوت سے سلامتی کی امید کی جاتی ہے مگر اس شخص کی عداوت سے سلامتی کی امید نہیں کی جاتی کہ جو حسد سے ہو اور اگر کسی کو اس طرح کا موقعہ ہوتا تو ان سے بلند مرتبہ والے پر خوف کی آیتیں کیوں پڑھی جاتیں کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا جو فرماتا ہے کہ اے محمد اگر

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.......... ساتھ متکلم اور سمع کے ساتھ سمیع اور بصر کے ساتھ بصیر ہے اور یہ صفات ازلیہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں نہ ان صفات کو عین باری تعالیٰ کا بولا جاتا ہے اور نہ غیر اور نہ لاعین کہا جاتا ہے اور نہ لاغیر مگر فرقہ معتزلہ کو جو اپنے کو اصحاب عدل اور توحید بولتے ہیں اور قدریہ کے لقب کے ساتھ ملقب ہیں عدل اور توحید اور وعد اور وعید اور سمع اور عقل میں اشعریہ سے بالکل مخالف ہیں چنانچہ ہم یہاں پر ان دونوں مذہبوں کے مسائل اصولیہ بطور تقابل ذکر کرتے ہیں۔ اشعریہ یعنی اہل سنت کہتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں وہ اپنی صفات ازلیہ میں واحد ہے اس کا کوئی نظیر نہیں وہ اپنے افعال میں واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اہل عدل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد یوں ہے، کہ اس کی ذات میں قسمت نہیں اور نہ اس کے لیے کوئی صفت ہے اور اپنے افعال میں واحد یوں ہے کہ اس کے لئے کوئی شریک نہیں پس اس کی ذات کے سوائے کوئی قدیم نہیں اور نہ اس کے افعال میں کوئی ہمسر ہے اور وہ قدیموں کا وجود اور ایک مقدور کا دو قادروں کے درمیان ہونا محال ہے اور یہی توحید اور عدل ہے اور افعال میں عدل کا ہونا اہل سنت کے نزدیک اس معنیٰ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ملک اور ملک میں متصرف ہے یفعل مایشاء ویحکم مایرید پس عدل یہی ہے کہ ایک شے کو اس کی جگہ پر رکھنا اور یہ اپنے ملک میں بمقتضائے مشیت اور علم کے تصرف کرنا ہے اور ظلم اس کی ضد ہے لہذا اللہ تعالیٰ سے نہ حکم میں جور متصور ہے اور نہ تصرف میں ظلم اور اہل عدل کے مذہب پر عدل اس حکمت کا نام ہے کہ جو اقتضائے عقل ہے یعنی فعل کا ثواب اور مصلحت پر صادر کرنا لیکن اہل سنت وعد اور وعید میں یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی امر کی اطاعت پر وعد ہے اور نہی کی معصیت پر وعید پس جو کوئی کہ نجات پاویگا اور ثواب کا مستوجب ہوگا تو اسی کے وعدہ سے اور جو کوئی ہلاک ہوگا اور عذاب کا مستوجب تو اسی کے وعید سے پس عقل کے حکم سے اس پر کوئی شے واجب نہیں اہل عدل کہتے ہیں کہ ازل میں کوئی کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو وعد اور وعید اور امر اور نہی کا اصدار فرمایا ہے تو یہ کلام محدث کے ساتھ ہے پس جو شخص کہ نجات پاویگا تو وہ اپنے ہی فعل سے ثواب کا مستحق ہوگا۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

تجھ پر کافروں کی روگردانی گران ہے پس اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ کوئی سوراخ زمین میں ڈھونڈے یا کوئی سیڑھی آسمان کے بیچ پیدا کرے اور پھر کوئی ایک نشانی ان کے لئے لاوے تا کہ وہ اس کو دیکھ کر ایمان لاویں تو کر اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو سیدھی راہ پر جمع کرتا پس اے محمد (ﷺ) نادانوں میں سے نہ ہو۔ اور نیز فرمایا کہ اگر ہم ان لوگوں پر آسمان سے ایک دروازہ کھولیں پھر ان لوگوں کی نظر میں تمام دن فرشتے آسمان میں چڑھتے اور اترتے دکھائی دیں تو پھر بھی یہ لوگ اسی طرح کہیں کہ بجز اس کے نہیں کہ ہماری آنکھوں کو نظر بندی کی گئی ہے بلکہ ہمیں جادو کیا گیا ہے اور نیز فرماتا ہے کہ اے محمد اگر ہم تیرے اوپر نامہ کو کاغذ کے بیچ اتاریں پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوئیں تو البتہ کافر لوگ کہیں کہ یہ صریح جادو ہے اور نیز فرماتا ہے کہ اگر ہم بالتحقیق کافروں کی طرف فرشتوں کو نازل کرتے اور مردہ ان سے باتیں کرتے اور ان پر تمام چیزوں کو گروہ گروہ کر کے جمع کرتے جو دنیا میں ہیں تا کہ وہ وحدانیت اور رسالت پر شاہدی دیویں تو بھی کافر ایمان نہ لائے بغیر اللہ کے چاہنے کے مگر بہت کافر لوگ جہالت کرتے ہیں۔

جان لو کہ کفر اور ایمان کی حقیقت اور تعریف اور حق اور ضلالت اور انکا بھید ان دلوں پر جلوہ گر نہیں ہوتا کہ جو مال اور مرتبہ کی طلب اور محبت میں گندھے ہوئے ہیں بلکہ اس کا انکشاف ان دلوں کے لئے ہوتا ہے کہ جو اول دنیا کی میل سے پاک ہوں دوم کامل ریاضت کے ساتھ صیقل کیے گئے ہوں سوئم صفائی بخش ذکر کے ساتھ منور ہوں چہارم فکر مصائب اور دوست سے غذا پانے والے ہوں پنجم حدود شرع کے التزام سے مزین کئے گئے ہوں یہاں تک کہ نبوت کے چراغدان سے ان پر نور کا اضافہ ہوا اور وہ دل اسطرح ہو جاوے کہ گویا ایک روشن آئینہ ہے اور ایمان کا چراغ دل کی قندیل میں اس طرح پر انوار کی چمک دیوے کہ قریب ہے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............اور جو ہلاک ہوگا وہ اپنے ہی فعل سے اور عقل حکمت کے لحاظ سے اس کا اقتضا کرتی ہے لیکن اہل سنت سمع اور عقل کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ کل واجبات کا وجوب سمع سے ہے۔ اور کل معارف کا حصول عقل سے ہے۔ پس عقل کسی شے کی نہ تحسین کر سکتی ہے اور نہ تقبیح اور نہ اس کا اقتضا اور ایجاب اور نہ سمع سے معرفت کا حصول ہو سکتا ہے بلکہ اس کو واجب کرتی ہے اہل عدل کہتے ہیں کہ کل معارف عقل کے ساتھ تعقل کیے جاتے ہیں اور نظر عقلی سے ہی واجب ہوتے ہیں اور منعم کا شکر ورود سمع کے قبل واجب ہے اور حسن اور قبح حسن اور قبیح شی کی دو ذاتی صفتیں ہیں اور ہم عنقریب اشعری کے عقائد میں اہل عدل کا جواب بیان کریں گے۔ مترجم

Marfat.com

کہ اس کا روغن بغیر آگ کے چھونے کے روشنی پکڑے لیکن اس قوم کے لئے ملکوت اور عالم بالا کے اسرار کہاں جلوہ گر ہوتے ہیں کہ جن کا خدا ان کی خواہشیں ہیں اور جنکا معبود ان کے پادشاہ ہیں اور جن کا قبلہ ان کے درہم اور دینار ہیں اور جن کی شریعت ان کی رعونت ہے اور جن کی اراشت انکا جاہ اور مرتبہ ہے، اور جن کی عبادت اغنیا اور دولتمندوں کی خدمت ہے اور جن کا ذکر ان کے وسواس، اور جن کا فکر ان حیلوں کا اقتباس ہے کہ جن سے حشمت اور جاہ کا حصول ہوتا ہے پس ان لوگوں کے لئے کفر کی تاریکی ایمان کی روشنی سے کہاں ممتاز ہو سکتی ہے کیا الہام الٰہی سے؟ حالانکہ انھوں نے اپنے دلوں کو دنیا کی کدورتوں سے خالی نہیں کیا اور یا کمال علمی سے؟ حالانکہ ان کا علمی سرمایہ فقط آب زعفران سے نجاست کا زائل کرنا ہے۔ ہاہایہ مطلب اس سے زیادہ ترنفیس اور عزیز ہے کہ فقط آرزو اور خواہش سے حاصل کیا جاوے پس تو اپنی حالت میں مشغول رہ اور ان لوگوں میں اپنی باقی عمر کو ضائع نہ کر پس تو اس شخص سے روگردانی کر کہ جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی ہے اور اس نے فقط حیات دنیوی کی آرزو کی ہے یہی ان کا مبلغ علمی اور یہیں تک ان کے عقل کی رسائی ہے اور بیشک تیرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ کو بھولا اور جو سیدھے راہ پر ہے۔

فصل

پس اگر تو خواہش رکھتا ہے کہ تو اس کانٹے کو اپنے اور اس شخص کے سینہ سے نکالے کہ جس کی حالت تیری مثل ہے کہ نہ اس کو حاسدوں کا بہکانا حرکت میں لاتا ہے اور نہ تقلید کی تاریکی اس کو مقید رکھ سکتی ہے بلکہ وہ متکلمین کہ جن کو فکر اور نظر نے پیدا کیا ہے بسبب سوزش دل کے ان کو بصارت کی طرف تشنگی دلاتی ہیں پس تو اپنے نفس اور اپنے صاحب کی طرف مخاطب ہو اور اس سے کفر کی تعریف دریافت کر، پس اگر اس نے کفر کی تعریف وہی زعم کی کہ جو اشعری کے مذہب کے مخالف ہے یا معتزلی[1] یا حنبلی کے

[1] معتزلی سے مراد واصل بن عطا اور اس کے تابعین ہیں کہ جنہوں نے اصول اہل سنت سے اعتزال اور کنارہ کشی کی یہ شخص حضرت حسن بصریؒ کا شاگرد تھا اور ان سے احادیث اور دیگر علوم پڑھا کرتا تھا اور اس کے اعتزال کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ ایک شخص نے حسن بصریؒ کے پاس آ کر سوال کیا کہ اے دین کے امام ہمارے زمانہ میں ایک ایسا فرقہ ظاہر ہوا ہے کہ جو اہل کبیرہ کو کافر کہتا ہے اور گناہ کبیرہ ان کے نزدیک کفر ہے کہ جس سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں......

Marfat.com

وغیرہ کے مذہب کے تو اس وقت تو یقین کرلے کہ وہ شخص مغرور احمق ہے کہ اس کو ابھی تقلید نے مقید کیا ہوا ہے پس وہ ان اندھوں سے بھی زیادہ تر اندھا ہے تو اس کی اصلاح اور درستی میں اپنا وقت ضائع نہ کر اور تجھے اس کے لاجواب کرنے میں فقط یہی ایک حجت کافی ہے کہ تو اس کے دعویٰ کو اس کے مخالفین کے دعویٰ سے مقابلہ کرے اس لئے کہ وہ اپنے نفس اور باقی مقلدوں[۱] کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتا اور میں امید کرتا ہوں کہ شاید وہ باقی مذاہب میں سے فقط اشعری کے مذہب کی طرف مائل ہے اور زعم کرتا ہے کہ اشعری کی مخالفت ہر امر صادر اور وارد میں کفر جلی ہے پس میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ اشعری کو یہ کہاں سے ثابت ہوا ہے کہ امر حق اسی پر وقف ہے حتیٰ کہ اس نے باقلانی[۲] کے کفر پر فتویٰ دیا جب کہ باقلانی نے اللہ تعالیٰ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ ہو جاتا ہے یہ فرقہ وعیدیہ ہے اور ایک دوسرا گروہ ایسا ہے کہ جو صاحب کبیرہ کو امید دلاتا ہے کہتا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کبیرہ سے کوئی ضرر نہیں بلکہ عمل انکے نزدیک ایمان کے لئے جزو نہیں جیسے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی طاعت ان کے نزدیک سود مند نہیں (یہ فرقہ مرجیہ ہے) پس تو اس اعتقاد کی نسبت ہمیں کیا حکم دیتا ہے حسن بصریؒ اس میں متفکر ہوئے اور جواب دینے کے قبل واصل بن عطا بول اٹھا کہ میں نہیں کہتا کہ صاحب کبیرہ مومن مطلق ہے اور نہ کافر مطلق بلکہ وہ دونوں مرتبوں کے درمیان ہے یعنی نہ کافر ہے اور نہ مومن پھر واصل اٹھا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کی طرف الگ کھڑے ہو کر یہی تقریر حسن بصریؒ کی دوسرے اصحابوں کو سنانے لگا اس پر حسن بصریؒ نے فرمایا کہ واصل نے ہم سے کنارہ کشی کی ہے لہذا وہ اور اس کے اصحاب اس روز سے معتزلہ کے نام سے موسوم ہوئے پھر ان کے کئی فرقے ہو گئے چنانچہ ہر ایک کا بیان کتاب الملل میں بسط کے ساتھ مذکور ہے۔

[۲] حنبلی سے مراد امام احمد بن حنبل اور اس کے تابعین ہیں۔ مترجم

---

[۱] یہاں تقلید سے مراد اس شخص کی تقلید ہے کہ جو باوجود قوت نظری اور اجتہادی کے تقلید کرتا ہے اس لئے کہ جو شخص کہ قوت اجتہادی رکھتا ہو اور باوجود اس کے اجتہاد نہ کرے اور تقلید سے کام لے تو وہ شخص بے شک اندھوں سے بھی زیادہ اندھا ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے کہ وہ قوت اجتہادی رکھتے تھے بعض مسائل اجتہادیہ میں امام صاحب کا خلاف کیا اور یہ خلاف کرنا ان کے لئے مقام اجتہادی میں ضروری اور محمود ہے جیسے کہ سمت قبلہ کے اختلاف کے وقت ہر ایک کے لئے اجتہاد ضروری ہے اور ہر ایک کا اجتہاد اس کے لئے سمت قبلہ قرار دی جاتی ہے۔

[۲] باقلانی سے مراد قاضی ابوبکر باقلانی ہے کہ جو باری تعالیٰ کی صفت بقا کو عین کہتا ہے۔ مترجم

Marfat.com

کی صفت بقا میں اشعری سے مخالفت کی اور زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت بقاء ذات باری تعالیٰ پر زائد نہیں اور کیوں باقلانی کو اشعری کے ساتھ مخالفت کرنے میں اشعری سے زیادہ تر کفر کی اولیت ہوئی حالانکہ جیسے باقلانی نے اشعری سے خلاف کیا ہے اسی طرح اشعری نے باقلانی سے اور کیوں امر حق فقط ایک پر وقف ہوا نہ دوسرے پر، کیا یہ اس وجہ سے ہے؟ کہ اشعری باعتبار زمانہ کے باقلانی سے مقدم ہے تو کوئی ایک معتزلہ اشعری سے بھی مقدم گزرے ہیں پس اس وجہ سے ضروری ہے کہ حق اس کے لئے ہو جو اشعری سے مقدم ہے (یعنی معتزلہ کے لیے) اور یا اس وجہ سے ہے؟ کہ ان دونوں کے درمیان علم اور فضل میں تفاوت ہے تو کس ترازو اور پیمانہ سے اس نے فضل کے مراتب کا اندازہ کیا ہے کہ اس کے لئے ظاہر ہو گیا ہے کہ وجود میں اشعری سے کوئی شخص افضل نہیں پس اگر باقلانی کو اشعری کی مخالفت میں رخصت دیتا ہے تو باقلانی کے سوائے دوسروں کو کیوں منع کرتا ہے اور باقلانی اور کرابیسی [1] اور قلانسی [2] وغیرہ کے درمیان کیا فرق ہے اور خاص کر اس رخصت کو اس نے کہاں سے معلوم کیا ہے اور اگر وہ یہ زعم کرتا ہے کہ باقلانی کا اختلاف فقط لفظی ہے جیسے کہ بعض متعصبوں نے تاسف کیا ہے ان زعم پر کہ اشعری اور باقلانی وجود کے دائمی ہونے پر باہم موافق ہیں اور اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا یہ دوام ذات باری تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا کسی وصف زائد کی طرف ایسا قریب ہے کہ کسی تشدید کو واجب نہیں کرتا تو پھر معتزلی کے نفی صفات کے قول پر کیوں تشدید کرتا ہے حالانکہ معتزلی اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے اور تمامی معلومات پر محیط ہے اور کل ممکنات پر قادر ہے اور اشعری سے فقط اس امر میں مخالف ہے کہ آیا باری تعالیٰ اپنی ذات سے کل مخلوقات کا عالم ہے یا کسی ایسی صفت سے کہ جو اس کی ذات پر زائد ہے پس باقلانی اور معتزلی کے اختلاف میں کیا فرق ہے اور کونسا مطلب حق تعالیٰ کی صفات اور ان کی نفی و اثبات میں نظر کرنے سے بزرگ تر ہے پس اگر کہے کہ میں معتزلی کو اس لئے کافر کہتا ہوں کہ وہ یہ زعم کرتا ہے کہ ذات واحدہ سے علم اور قدرت اور حیات کا فائدہ صادر ہوتا ہے اور یہ صفات باعتبار تعریف اور حقیقت کے مختلف ہیں اور محال ہے کہ مختلف حقیقتیں اتحاد کے ساتھ متصف ہوں یا ذات واحدہ ان کے قائم مقام ہو تو پھر کیوں اشعری سے ان کے اس قول کو بعید نہیں جانتا کہ کلام ایک ایسی صفت ہے کہ جو اللہ

[1] کرابیسی سے مراد حسین کرابیسی ہے۔ م۔

[2] قلانسی سے مراد ابی العباس قلانسی ہے کہ جو ان بزرگان سلف کی تابعین میں سے ہے کہ جنہوں نے نصوص کو اپنے ظاہر پر رکھا جیسے مالک بن انس اور احمد بن حنبلؒ۔ م۔

Marfat.com

تعالیٰ کی ذات پر زائد اور اس کے ساتھ قائم ہے اور باوجود واحد ہونے کے وہ توراۃ سے اور انجیل اور زبور اور قرآن اور یہ امر اور نہی اور خبر ہے اور استخبار اور یہ مختلف حقیقتیں ہیں کیونکہ خبر کی تعریف یہ ہے کہ جو صدق اور کذب کی محمل ہو حالانکہ یہ احتمال امر اور نہی کی طرف راجع نہیں ہو سکتا پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی حقیقت کی طرف تصدیق اور تکذیب راجع ہو اور نہ ہو، اور نفی اور اثبات کا اجتماع محل واحد میں ہو پس اگر اس کے جواب میں خبط کرے اور اس کا پردہ اٹھا نہ سکے تو جان لو کہ وہ شخص اہل اجتہاد اور اہل استدلال سے نہیں بلکہ وہ مقلد ہے اور شرط مقلد کی یہ ہے کہ وہ خود بھی خاموش رہے اور اس کا جواب بھی نہ دیا جاوے (کسی نے کیا خوب کہا ہے ع جواب جاہلان باشد خموشی) اس لیئے کہ وہ شخص طریق حجت اور مباحثہ کی رفتار سے بالکل قاصر ہے اور اگر وہ اس امر کی ہمت رکھتا تو وہ متبوع ہوتا نہ تابع اور امام ہوتا نہ ماموم پس اگر کوئی شخص مقلد گفتگو اور دلائل میں خوض کرے تو یہ امر اس کا فضول اور عبث ہے اور جو شخص کہ اس کی طرف متوجہ ہے گویا سرد لوہے میں ضرب لگاتا ہے اور بگڑی ہوئی شے کے درست کرنے کا طالب ہے کیا اس شے کو عطار درست رکھ سکتا ہے کہ جس کو زمانے نے فاسد کر دیا ہو اور امید ہے کہ اگر تو نے انصاف کیا تو جان لیگا کہ جو شخص اہل استدلال اور جاہل اجتہاد میں سے خاص کر کسی ایک امر پر حق کو وقف کرتا ہے تو وہی شخص کفر اور تناقص کی طرف زیادہ تر قریب ہے لیکن کفر کی طرف تو اسلیئے کہ اس نے اس شخص خاص کو ایسے نبی معصوم کی جا بجا ٹھہرا دیا ہے کہ صرف اس کی موافقت سے ایمان کو ثابت کرتا ہے اور کفر کو اس کی مخالفت سے لیکن تناقص کی طرف تو اس لئے کہ اہل استدلال اور اہل اجتہاد میں ہر ایک شخص اجتہاد اور استدلال کو واجب کہتا ہے اور تقلید کو حرام پس وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تجھے باوجود میری تقلید کے اجتہاد کرنا لازم ہے اور یا تجھے اجتہاد کرنا لازم ہے لیکن ساتھ ہی اس کے تجھے لازم ہے کہ تو اپنے اجتہاد میں وہی امر قرار دے جو میں نے قرار دیا ہے اور جو کچھ کہ میں نے قرار دیا ہے وہ حجت ہے پس تجھے لازم ہے کہ اس کو حجت اعتقاد کرے اور جس امر کو کہ میں شبہ اعتقاد کروں تجھے بھی لازم ہے کہ تو اس کو شبہ اعتقاد کرے اور کیا فرق ہے اس شخص کے درمیان جو کہتا ہے کہ تو میری تقلید میرے مذہب اور میری دلیل دونوں میں کر اور یہ بجز اس کے نہیں کہ سراسر تناقص ہے۔

فصل

میں امید کرتا ہوں کہ اب تجھے خواہش اس امر کی ہوگی کہ تو کفر کی تعریف کو معلوم

Marfat.com

کرے بعد اس کے کہ تیرے نزدیک اصناف مقلدین کی تعریفیں متناقض ٹھہریں پس جان لے کہ اس کی شرح بہت طویل ہے اور اس کا مدار علم بہت گہرا لیکن میں تجھے ایک ایسی صحیح علامت تعلیم کرتا ہوں کہ جو اپنے افراد کو جامع ہے اور غیر کے لئے مانع تا کہ تو اس کو اپنا مد نظر بنائے اور بہ سبب اس کے باقی فرقوں کی تکفیر اور اہل اسلام میں زبان درازی کرنے سے بچے گو ان کے طریقے مختلف ہوں جب تک کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ صدق دل سے چنگل مارے رہیں اور اس کلمہ شریفہ کی منافقت اور شکست نہ کریں۔ پس میں کہتا ہوں کہ کفر رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے ان اشیاء میں سے کسی ایک شے میں کہ جن کو رسول علیہ السلام لائے ہیں۔

ا جیسے کہ مسلم میں ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم کئی اصحاب کہ جن میں ابو بکر اور عمرؓ تھے رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے کہ اتنے میں آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان سے قیام فرما کر کہیں تشریف لے گئے اور اس میں دیر ہوگئی اور ہم کو خوف ہوا کہ مبادا آنحضرت ﷺ کو ہم سے الگ ہو جانے سے کوئی دشمن صدمہ پہنچادے اور فریاد کرتے ہوئے اٹھے اور میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی تلاش میں فریاد کرتے ہوئے نکلا یہاں تک کہ میں بنی نجار کے باغ کو آیا اور میں اس باغ کے گرد گھوما تا کہ کوئی دروازہ ملے لیکن مجھے دروازہ نہ ملا اس وقت دیوار کے جوف میں ایک پانی کی نالی دیکھی کہ جو باہر کے کنویں سے باغ کے اندر جاتی تھی اس میں سے لومڑی کی طرح سمٹ کر نکلا اور آنحضرت ﷺ کے پاس گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا ابو ہریرہ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ (ﷺ) آنحضرت ﷺ نے پوچھا تیرا کیا حال ہے میں نے یہ سب گزشتہ حقیقت بیان کی اور عرض کیا یہ سب لوگ بھی میرے پیچھے آپ کی تلاش میں ہیں تو اس پر آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنی نعلین مبارک عطا کر کے فرمایا کہ تو میری یہ نعلین لے کر جا کہ جو کوئی تجھے اس دیوار کی آڑ میں ملے اور لا الہ الا اللہ کی شہادت یقین دل سے دیتا ہو تو اس کو جنت کی بشارت دے، پس سب سے پہلے میری عمرؓ سے ملاقات ہوئی اور اس نے پوچھا کہ اے ابی ہریرہ یہ نعلین کیسی ہیں میں نے کہا یہ نعلین رسول اللہ ﷺ کے ہیں یہ نعلین مجھے دے کر حضرت ﷺ نے بھیجا ہے کہ جو کوئی مجھے ایسا شخص ملے کہ جو صدق دل سے لا الہ الا اللہ کی شہادت دے تو میں اس کو جنت کی بشارت دوں تو عمرؓ نے یہ سنکر میرے سینہ میں مار لگائی اور میں چوتڑ کے بل گرا اور پھر عمرؓ نے کہا اے ابی ہریرہ واپس چلا جا چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس گیا اور فریاد وزاری کی کہ اتنے میں عمر بھی میرے پیچھے کھڑا تھا پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابی ہریرہ تجھے کیا ہوا تو میں نے عمر کی ملاقات اور مار کا قصہ عرض کیا تو پھر آنحضرت ﷺ نے عمر سے۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں......

Marfat.com

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ........ فرمایا کہ اے عمر تو نے کیوں ایسا کیا تو عمر نے عرض کیا اے رسول اللہ (ﷺ) میرے ماں اور باپ تجھ پر فدا ہوں کیا تو نے ابی ہریرہ کو نعلین لیکر بھیجا ہے؟ کہ جو یقین دل سے لا الٰہ الا اللہ کہتا دیکھے اس کو جنت کی بشارت دے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں اس پر عمرؓ نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ (ﷺ) ایسا نہ کر کیونکہ مجھے خوف ہے کہ مبادا آدمیوں کو اس بشارت اجمالی پر کاہلی ہو لہذا ان کو عمل کرنے دے تو پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کو عمل کرنے دے انتہی۔ اور دوسری حدیث میں ابی ذرؓ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سفید کپڑا اوڑھے ہوئے ہیں پھر دوسری دفعہ میں آیا تو دیکھا کہ بیدار ہیں، پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے پھر اس پر اس کی موت ہو تو وہ شخص جنت میں ضرور داخل ہوگا میں نے عرض کیا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اگرچہ زنا اور چوری کرے اور اس کا تکرار تین بار ہوا اور اخیر دفعہ میں اتنا لفظ آنحضرت ﷺ نے بڑھا کر کہا کہ ابی ذر ناک خاک آلودہ ہونے پر اور ابوذر جب کہ اس کا بیان کیا کرتا تھا تو اس لفظ کا بھی اعادہ کیا کرتا تھا۔

ف۔ جاننا چاہیے کہ ان احادیث مذکورۂ بالا سے جیسے کہ بعض ملحدوں نے اعتقاد کر لیا ہے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ایمان فقط اقرار توحید ہے اور فقط ایک دفعہ لا الٰہ الا اللہ کا زبان سے پڑھ لینا موجب دخول جنت ہے اس لئے کہ توحید شرعی کا ثبوت بغیر تصدیق رسالت کے ممکن نہیں لہذا ضرور ہوا کہ رسالت کی تصدیق جزو ایمان ہو جیسے کہ صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبکہ اونٹ پر سوار تھے اور معاذؓ آنحضرت ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے حضرت معاذ کو تین بار فرمایا اور انھوں نے بھی تین بار جواب دیا کہ لبیک یعنی حاضر ہوں یا رسول اللہ (ﷺ) اس وقت حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ما من احد یشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ صدقا من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النار یعنی کوئی ایسا نہیں جو صدق دل سے وحدانیت خدا اور رسالت محمد ﷺ کی شہادت دیتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے اس پر حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ کیا میں لوگوں کو اس خبر کی بشارت دوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اس بشارت کے باعث عمل میں سستی کریں گے لہذا معاذ نے یہ بشارت اپنی موت کے وقت ظاہر کی پس معلوم ہوا کہ نجات کا ذریعہ شہادتین ہیں نہ فقط شہادت وحدانیت ورنہ لازم آئیگا ہر منکر رسالت جیسے ہندو اور صابیہ بھی مومن ناجی ہوں پس جب کہ تصدیق رسالت اور تصدیق توحید دونوں جزو ایمان کے ٹھہرے تو ضرور ہوا کہ ان ہر دو جزو کے قطعی احکام کی تصدیق بھی داخل ایمان ہو تو جزو میں سے کسی جزو کا انکار یا کسی جزو کے قطعی حکم کا انکار نہ کیا جاوے اور اگر عین موت تک ان میں سے کسی امر کا انکار ہو تو اس سے نہ ایمان کا بقا ہے اور نہ جنت کا لقا اور بھی۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں"........

Marfat.com

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... مفاد احادیث بالا ہے اور اس بیان سے واضح ہوا کہ اعمال کا حصول داخل ایمان نہیں اس لئے کہ اس میں منافق اور مومن دونوں مشارک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ اعمال کا ذکر ان احادیث میں مطروح اور اصل امر کو ذکر فرمایا کہ جو موجب تحصیل اعمال ہے اور حضرت عمرؓ نے انکا ذکر کیا کہ جو تکمیل ایمان اور علامت کاملہ اہل ایمان ہے۔ امام ابوالحسن اشعری کا قول ہے کہ ایمان فقط تصدیق قلبی ہے اور قول زبانی اور ارکان پر عمل کرنا یہ کل ایمان کے فروعات سے ہے پس جس شخص نے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور کل رسولوں کا اعتراف کیا اور جو کچھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں دل کے ساتھ اس نے اس کی تصدیق کی تو اس شخص کا ایمان صحیح ہے یہاں تک کہ اگر وہ شخص اسی تصدیق پر فی الحال مر جاوے تو وہ شخص مومن نجات والا ہوگا اور ایمان سے خروج بجز اس کے نہیں ہوتا کہ ان اشیاء بالا میں سے کسی شے کا انکار کرے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب جب کہ دنیا سے توبہ کے بغیر فوت ہو جاتا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے خواہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ بخش دیوے خواہ اس کے حق میں نبی ﷺ شفاعت کرے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے اور خواہ اس کو اس کی گناہ کی مقدار پر عذاب دیوے اور پھر اپنی رحمت کے ساتھ اس کو جنت میں داخل کرے اور جائز نہیں کہ کبیرہ گناہ والا کافروں کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رہے اس لئے کہ حدیث مبارک میں وارد ہے کہ جس کے دل میں ایک ذرہ کی مقدار بھی ایمان ہو تو وہ شخص دوزخ سے نکالا جاوے گا پھر اشعری کہتا ہے کہ اگر گنہگار شخص توبہ کرے تو میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے توبہ کا قبول کرنا بحکم عقل واجب ہے اس لئے کہ باری تعالیٰ خود واجب کرنے والا ہے پس اس پر کوئی شے واجب نہیں بلکہ اتنا امر شریعت میں بطور سمع کے وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اضطرار والوں کی دعا کی اجازت کرتا ہے لیکن وہ اپنی مخلوقات کا مالک ہے جو چاہے فعل کرے اور جو چاہے حکم کرے پس اگر کل مخلوقات کو جنت میں داخل کر دیوے تو کوئی افسوس نہیں اور اگر سب کو دوزخ میں ڈالدے تو کوئی ظلم نہیں اس لئے کہ ظلم اس تصرف کا نام ہے کہ جو ملک غیر میں کیا جاوے یا ایک شے کو غیر محل میں رکھا جاوے لیکن اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے نہ اس سے ظلم متصور ہے اور نہ اس کی ظلم کی طرف متصور کیا جا سکتا ہے پھر اشعری کہتا ہے کہ کل واجبات کا وجوب سمع کے ساتھ ہے اور عقل کسی شے کو واجب نہیں کرتی اور نہ کسی شے کی تحسین اور تقبیح کا اقتضاء کرتی ہے پس اللہ تعالیٰ کی معرفت عقل سے حاصل ہوتی ہے اور سمع کے ساتھ واجب ہوتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اور اسی طرح منعم کا شکر اور اطاعت گزار کو ثواب اور بے فرمان کو عذاب سمع کے ساتھ واجب ہے نہ عقل سے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی شے عقل کے ساتھ واجب نہیں نہ صلاح نہ اصلح اور نہ۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

Marfat.com

پس یہود، اور نصاریٰ دونوں کافر ہیں اس لئے کہ ان دونوں نے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی ہے اور براہمی[1] بطریق اولیٰ کافر ہے اس لئے کہ ان دونوں نے مع اپنے رسول کے باقی رسولوں کا انکار بھی کیا ہے اور دھریہ بھی بطریق اولیٰ کافر ہیں اس لئے کہ اس نے رسولوں کے علاوہ مرسل یعنی خدا کا بھی انکار کیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کفر بھی عبدیت اور حریت کے مانند ایک حکم شرعی ہے اس لئے کہ کفر

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.....لطف کیونکہ جس حکمت موجبہ کا اقتضاء عقل ایک جہت سے کرتی ہے تو دوسری جہت سے اس کی نقیض کا بھی اقتضاء کرتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا مکلف فرمانا واجب ہے اس لئے کہ اس سے اس کو نہ نفع حاصل ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی ضرر دور ہوتا ہے اور وہ قادر ہے کہ بندوں کو ثواب اور عذاب کی جزا دیوے اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ابتداء ہی سے۔۔۔ تکرم اور تفضل کے بندوں پر فضل وکرم کرے اور ثواب و تفضل اور نعیم اور لطف یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل ہے اور عذاب سب کے سب عدل ہے وہ اپنے فعل سے سوال نہیں کیا جا سکتا لیکن بندوں کو سوال کیا جائیگا جیسے کہ فرماتا ہے لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون اور انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہونا ایک قضیہ جائزہ ہے نہ واجب یا مستحیلہ لیکن مبعوث ہونے کے بعد معجزات کے ساتھ تائید اور مہلکات سے ان کا بچاؤ امر واجبی ہے اس لئے کہ سننے والے کے لئے کوئی طریق ضروری ہے کہ اس پر چلے اور اس سے مدعی کا صدق معلوم کرے اور کل علتوں اور موانع کا دور کرنا ضروری ہے تاکہ حکم تکلیف میں تناقص واقع نہ ہو اور معجزہ ایک ایسا فعل ہے کہ جو عادت کے لئے خارق، دعویٰ کے ساتھ مقارن معارضہ سے سالم اور وقت قرینہ کے جابجا تصدیق قولی کے ہوتا ہے اور یہ دو قسم ہے ایک تو خرق عادت سے اور دوسرا غیر عادت کا اثبات، اور اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں اور ایک وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق اور معجزات کے لئے تاکید ہیں اور ایمان اور طاقت کا حصول اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ہوتا ہے اور کفر اور معصیت عدم توفیق اور توفیق کا معنیٰ یہ ہے کہ قدرت کا طاعت پر پیدا کرنا۔ اور خذلان کا معنیٰ معصیت پر قدرت کا پیدا کرنا اور جو کچھ کہ قرآن میں امور غائبہ جیسے قلم اور لوح اور عرش اور کرسی اور جنت اور نار کے اخبار وارد ہیں ان کا اجرا ان کے ظاہر پر واجب ہے اور اسی کے موافق ان کے ساتھ ایمان واجب ہے اس لئے کہ ان کے اثبات میں کوئی محال لازم نہیں آتا اور جو امور مستقبلہ جیسے قبر کا سوال اور ثواب اور عذاب اور جیسے میزان اور حساب اور صراط اور ایک فریق کا جنت میں جانا اور ایک کا دوزخ میں جانا وارد ہے یہ سب حق ہے ان کا اقرار واجب ہے اور ان کو اپنے ظاہر پر رہنے دینا واجب اس لئے کہ ان کے وجود میں کوئی محال لازم نہیں۔ مترجم۔

[1] یہود اور نصاریٰ یہ اہل کتاب کی اعظم امتوں میں سے دو بڑی امتیں ہیں اور ان دونوں میں سے یہود کی امت اعظم ہے اس لئے کہ شریعت ابتداء میں۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

Marfat.com

کا معنی خون کی اباحت اور آگ میں ہمیشہ رہنے کا ہے اور اس کا ادراک شریعت سے ہے پھر یہ ادراک یا تو نص سے ہوگا اور یا منصوص پر قیاس کرنے سے لیکن یہود اور نصاریٰ کے بارے میں تو نصوص وارد ہو چکی ہیں لہذا براہمہ اور ثنویہ اور زنادقہ اور دہریہ بطریق اولیٰ ان سے لاحق ہوئی اور یہ کل فرقہ مشرک ہیں: اس لیے کہ یہ کل رسول علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہیں اور جو کوئی کہ تکذیب کرتا ہے وہ کافر ہے پس یہی جامع اور مانع علامت ہے۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.......... موسیٰ علیہ السلام کی تھی اور کل بنی اسرائیل اسی کے پیرو تھے اور اسی کے احکام کے مکلف تھے اور انجیل جو کہ مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے نہ کسی حکم کے ساتھ مختص ہوئی اور نہ اس نے حلال وحرام کا بیان فرمایا بلکہ وہ فقط رموز اور امثال اور پند ونصائح اور ترغیب وترہیب ہے اور باقی جتنے احکام کہ اس نے بیان کیے ہیں وہ کل تورات کی طرف منسوب ہیں چنانچہ یہود نے اسی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت قبول نہ کی اور انھوں نے دعویٰ کیا کہ عیسیٰ عم خود تورات کی متابعت کے لئے مامور ہے لیکن اس نے تورات میں تعبیر اور تبدیل کر دی ہے اور انھوں نے عیسیٰ پر ان تغیرات کا الزام لگایا اول یہ کہ اس نے یوم سبت یعنی شنبہ کو یکشنبہ کے ساتھ بدل کر دیا۔ اور دوسرا خنزیر کا کھانا حلال کہا حالانکہ تورات میں حرام ہے اور سوئم ختنہ اور غسل وغیرہ۔ لیکن اہل اسلام نے انھیں کی کتابوں سے ثابت کر دکھلایا ہے کہ ان دونوں امتوں نے اپنی اپنی کتابوں میں خود تحریف اور تبدیل کی اور اسی بناء پر امت یہود کے ۷۱ فرقہ ہوئے اور امت نصاریٰ کے ۷۲۔ اور ہر ایک فرقہ دوسرے فرقے کا مخالف اور اس کو محرف بتلاتا ہے۔ ورنہ عیسیٰ علیہ السلام تو انھیں احکام کا ثابت کرنے والا تھا کہ جو موسیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا تھا اور ان دونوں انبیاء علیہما السلام نے ہمارے رسول نبی رحمت محمد ﷺ کی مقدم شریف کی بشارت دی اور ان امتوں کو ان کے اماموں اور انبیاؤں اور کتابوں نے اس امر کا حکم کیا اور اسی بناء پر ان کے اسلاف میں قبل ظہور نبوت محمد ﷺ مدینہ کے قرب وجوار میں قلعوں اور مکانوں کو بنا کیا تا کہ رسول آخر الزمان کو نصرت دینوی اور ان اسلاف نے ان امتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے شام کے وطنوں کو چھوڑ کر وہاں جا کر پیش قدمی کریں اور رسول آخر الزمان کو جب کہ فاران کی پہاڑی پر حق کا ظہور ہو اور دار ہجرت یعنی یثرب اور مدینہ کی طرف ہجرت کرے تو اس کی نصرت اور مدد کریں لیکن جب اس کا ظہور ہوا تو خود اس کے منکر ہو گئے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء هم ما عرفوا کفروا به فلعنة الله علی الکافرین تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ طور سینا سے آیا اور ساعیر پر ظاہر ہوا اور فاران پر کمال اور علو کو پہنچا۔ اور ساعیر بیت المقدس کی پہاڑیاں ہیں۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

Marfat.com

فصل

جان لو کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے باوجود اس کے کہ ظاہر اور جلی ہے تاہم اس کے تحت میں گھراؤ بلکہ تمام گھراؤ ہے اس لیئے کہ جو فرقہ اپنے مخالف کی تکفیر کرتا ہے تو اس کی طرف تکذیب رسول کی نسبت کرتا ہے چنانچہ حنبلی اس زعم پر اشعری کی تکفیر کرتا ہے کہ اشعری نے اللہ تعالیٰ کے لئے جانب فوق اور عرش پر استواء کے ثابت کرنے میں رسول کی تکذیب کی ہے اور

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... کہ جہاں محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور کمال ہوا اور جب کہ اسرار الٰہی اور انوار ربانی کے تین مراتب ہیں یعنی وحی اور تنزیل اور مناجات اور ان کے تاویل کے بھی تین مراتب یعنی مبداء اور وسط اور کمال، اور آنے کو مبداء کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے اور ظہور کو وسط کے ساتھ اور علو کو کمال کے ساتھ لہذا توراۃ نے صبح شریعت کے طلوع اور اس کے نزول کو طور سینا پر آنے کے ساتھ تعبیر کیا اور طلوع آفتاب کو ساعر پر ظاہر ہونے کے ساتھ اور درجہ کمال اور استواء پر پہنچنے کو فاران پر۔۔۔ کے ساتھ، اور اس کلمہ سے مسیح کے ساتھ اور محمد ﷺ دونوں کا نبوت کا اثبات اور محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر پوری دلیل ہے نصاریٰ کے دین اختراعی کی حقیقت ان کے تین فرقوں کے مقالات کے دیکھنے سے بخوبی واضح ہوسکتی ہے، ایک فرقہ ملکائیہ، یہ ملکا کے اصحاب ہیں کہ جو روم میں ظاہر ہوا اور اس کا حاکم بنا ان کا قول ہے کہ مسیح نے حواریوں کو بلا کر کہا کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کو دوست رکھو اور جو تمہیں لعنت کہے اس کو دعائے برکت دو اور جو تم پر غصہ کرے تم اس کے ساتھ احسان اور نیکی کرو اور جو تم کو ایذا دیوے تم اس کے لئے دعائے خیر مانگو کہ تم اپنے اس باپ کے بیٹے بنو کہ جو آسمان میں ہے اور اس کا آفتاب صالحین اور فاجرین پر چمک رہا ہے اور اس کی رحمت کے قطرے پاکوں اور ناپاکوں پر نازل ہو رہے ہیں اور تم کامل بنو جیسے کہ تمہارا باپ کامل ہے اور کہا کہ تم اپنے صدقات کے طرف نظر کرو، اور دکھائی کے لئے مقدم اور معلم آدمیوں کو مت دو مبادا تمہارے باپ کے نزدیک جو کہ آسمان میں ہے اس کا کوئی اجر نہ ہو اور سولی کے وقت کہا میں تمہارے اور اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اس بناء پر جبکہ اریوس باشندہ قسطنطنیہ نے کہا کہ قدیم فقط اللہ ہے اور مسیح اس کا بندہ مخلوق ہے تو بطارقہ اور مطارنہ اور اساقفہ یہ کل نصاریٰ کی قوم کے معظم قبیلے شہر نیس میں اپنے بادشاہ قسطنطین کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے حضور بادشاہ میں دین نصاریٰ کے گھڑنے کے لئے ایک کونسل ۳۲۵ عیسوی میں تین سو تیرہ ۳۱۳ آدمیوں کی منعقد کی جس میں یہ اعتقاد قرار پایا کہ ہم اللہ واحد کے ساتھ جو کہ باپ ہے اور ہر شئے کا مالک اور ظاہر۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

اشعری اس زعم پر حنبلی کی تکفیر کرتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات سے تشبیہ دی ہے اور اس امر کے انکار میں کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں رسول کی تکذیب کی ہے، اور اشعری نے معتزلہ کی تکفیر اس زعم پر کی ہے کہ اس نے رویت باری تعالیٰ کے جواز اور اس کے لئے علم اور قدرت باقی صفات کے نہ ثابت کرنے میں رسول کی تکذیب کی ہے اور معتزلی نے اشعری کی تکفیر اس زعم پر کی ہے کہ صفات کے ثابت کرنے میں کثرت قدماء کی لازم آتی ہے اور اس سے امر توحید میں فتور آنے سے رسول کی تکذیب لازم آتی ہے پس اس ورطہ اور بھنور سے تجھے بغیر اس کے نجات

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.......... اور پوشیدہ کا صانع اور نیز ابن واحد کے ساتھ ایمان لاتے ہیں کہ جو ایشوع مسیح اللہ کا بیٹا اور تمام مخلوقات سے مقدم اور اول ہے اور وہ مصنوع نہیں بلکہ خدائے حق سے خدائے حق ہے اور وہ اپنے اس باپ کے جوہر سے ہے کہ جس نے کل عالم کو اور نیز ہر شئے کو ہمارے لئے محکم بنایا اور وہ ہماری خلاصی کے لئے آسمان سے نازل ہوا اور روح القدس سے جسد میں آیا اور مریم ناکتخدا سے متولد ہوا اور فیلاطوس کے زمانہ میں سولی پر چڑھایا گیا اور دفن کیا گیا پھر تیسرے دن قبر سے نکلا اور آسمان کی طرف سعود کر گیا اور اپنے باپ

ائیں ہاتھ کی طرف جا بیٹھا اور وہ دوسری دفعہ آنے کے لئے مستعد ہے تا کہ مردوں اور زندوں کے درمیان قضا کرے اور ہم روح القدس پر ایمان لاتے ہیں جو کہ واحد ہے اور وہ روح الحق جو اپنے باپ سے نکلے گا اور نیز معمودیہ واحدہ پر ایمان لاتے ہیں تا کہ ہماری خطا معاف ہو اور نیز جماعت واحدہ قدسیہ مسیحیہ جاثلیقیہ پر ایمان لاتے ہیں اور نیز ایمان لاتے ہیں کہ ہمارے بدن قائم رہیں گے اور ابدالآباد تک زندہ رہیں گے یہ ان کلمات پر پہلا اتفاق اور پہلی کونسل تثلیث پر ہے جس کو پادری گبن صاحب نے بھی ڈال آف رومن پر کونسل یعنی تنزل سلطنت رومتہ الکبریٰ میں مفصل لکھا ہے پھر اس کے بعد کئی کونسلیں ہوتی رہیں کہ جو ان کلمات کے برخلاف ہیں پس اس دین نصاریٰ کی حقیقت ناظرین اصل معاملہ پر واضح ہو سکتی ہے کہ کیا ہے۔ اور اب کے پادری کس شریعت محرفہ کو آسمانی بتلا کر اس کی طرف لوگوں کو بتلا رہے ہیں۔

(۲) دوسرا فرقہ نسطوریہ ہے کہ جو حکیم نسطور کے اصحاب ہیں اور وہ مامون کے زمانہ میں ظاہر ہوا اور اس نے اپنی رائے سے انجیل میں تغیر اور تحریف کی اور اسکو دین نصاریٰ میں ایسی نسبت ہے جیسے کہ معتزلہ کو شریعت محمدیہ میں تیسرا (۳) فرقہ یعقوبیہ ہے جو یعقوب کے اصحاب ہیں اور تثلیث کے قائل ہیں اور ان کے ہم مذہبوں میں بڑا ہی خبط ہے جس کا ذکر مفصل کتاب الملل میں ہے۔ مترجم

لے براہمہ اہل ہند کا ایک فرقہ ہے کہ جو ایک شخص برہام. بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں......

Marfat.com

نہیں کہ تو تکذیب اور تصدیق کی تعریف اور ان دونوں امور کی حقیقت کو دریافت کر لے پھر تیرے لئے اس سے ان کل فرقوں کی زیادتی اور فضولی کہ جو ان کے بعض نے بعض کے حق میں کی ہے ظاہر اور منکشف ہو جائیگی پس میں کہتا ہوں کہ تصدیق کا رجوع خبر بلکہ مخبر کی طرف ہوتا ہے اور حقیقت اس کی اس شئے کے وجود کا اقرار کرنا ہے کہ جس کے وجود کی نسبت رسول علیہ السلام نے خبر دی ہے مگر وجود کے لئے پانچ مرتبہ ہیں اور انھیں پانچ مرتبوں کی وجہ سے ہر فرقہ نے اپنے مخالف کی طرف تکذیب کی نسبت کی ہے اس لئے کہ وجود ذاتی یہی ہے اور حسی اور خیالی اور عقلی اور شبہی بھی، پس جو شخص کہ ان پانچوں وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے اس شئے کا اعتراف کرے کہ جس کی وجود کی نسبت رسول علیہ السلام نے خبر دی ہے تو وہ شخص مطلق طور پر مکذب نہیں ہے پس ہم وجود کے ان پانچوں اوصاف کی شرح کر کے ہر ایک کی مثال الفاظ تاویلات میں ذکر کرتے ہیں پس وجود ذاتی یہ وہی وجود حقیقی ہے کہ جو حس اور عقل سے خارج میں ثابت ہے لیکن حس اور عقل اس کو اخذ کرتی ہے اور اس اخذ کا نام ادراک ہے جیسے آسمان اور زمین اور حیوانات اور نباتات کا وجود کہ ظاہر ہے اور حس اور عقل سے خارج میں ہے لیکن حس اور عقل اس کا ادراک کرتی ہے بلکہ وجود کی معنی معروف یہی ہے کہ جس کو اکثر لوگ جانتے ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسرا معنی وجود کے لئے ان کے نزدیک معروف نہیں اور وجود حسی وہ ہے کہ جو آنکھ کی قوت باصرہ میں متمثل ہوتا ہے اور جس کے لئے آنکھ سے خارج میں کوئی وجود نہیں پس گویا وہ وجود حس میں ہی موجود ہوتا ہے اور قوت حاسہ ہی اس کے ساتھ مختص ہے اور جس کے ساتھ دوسری کوئی چیز اس وجود میں شرکت نہیں رکھتی جیسے کہ سویا ہوا شخص خواب میں دیکھتا ہے اس لئے کہ کبھی مریض کی آنکھ میں ایسی صورت متمثل ہونے لگتی ہے کہ جس کے لئے مریض کی حس سے خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا حتی کہ اس کو اس طرح پر دیکھنے لگتا ہے ہے جیسے کہ باقی موجودات کو جو اس کی حس سے خارج میں ہیں بلکہ کبھی انبیاء اور اولیاء علیہم الصلوٰت والسلام کے جو جواہر ملائکہ کے لئے محاکی اور مشابہ ہوتی ہیں اور ایسی جمیلہ صورتوں کے واسطہ سے ان

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... نام کی طرف منسوب ہے اس شخص نے اپنی قوم کو خاص کر نفی نبوت کی تعلیم دی اور یہ کئی اصناف ہیں ایک وہ جو بُدّ کے قائل ہیں اور دوسرے اصحاب فکر اور تیسرے اصحاب تناسخ، مگر جو قوم کہ اہل ہند میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی قائل ہے اس کا نام منویہ ہے اور انہیں میں سے ایک قوم وہ ہے کہ جو نور اور ظلمت کو قدیم اور ازلی قرار دیتی ہے برخلاف فرقہ مجوس کے کہ وہ ظلمت کو حادث کہتے ہیں۔

Marfat.com

کی طرف الہام اور وحی کی تبلیغ ہوتی ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بسبب اپنی صفائی باطن کے ان امور غیبیہ کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں کہ جنکو دوسرے لوگ خواب کی حالت میں دیکھتے ہیں جیسے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے حضرت جبرئیل کا بشر کی صورت میں متمثل ہونا اور جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کا حضرت جبرئیل کو اکثر حالات میں دیکھنا لیکن باوجود اس کے آنحضرت نے جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں فقط دو دفعہ ہی دیکھا اور جیسا کہ آنحضرت کا جبرئیل علیہ السلام کو مختلف صورتوں میں متمثل دیکھنا اور جیسے کہ خود ذات شریف آنحضرت ﷺ کی خواب میں دکھائی دیتی ہے اور باوجود اس کے فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے بالتحقیق مجھے دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت کے ساتھ متمثل نہیں ہوتا حالانکہ آنحضرت ﷺ کا خواب میں دکھائی دینا اس طرح پر نہیں ہوتا کہ آنحضرت کا شخص مبارک چہرہ مدینہ منورہ کے روضہ مبارک سے خواب دیکھنے والے کے مقام خواب میں منتقل ہو کر آتا ہو بلکہ آنحضرت ﷺ کا دکھائی دینا اس طریقہ پر ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کی فقط حس میں آنحضرت ﷺ کی صورت مبارک موجود ہو جاتی ہے اور اس کا سبب اور اس کا سر ایک امر طویل ہے کہ جس کو ہم نے اپنی بعض کتابوں[1] میں مشروح طور پر بیان کیا ہے پس اگر تو اس امر کی تصدیق نہ کرتا ہو تو اپنی آنکھ کی تصدیق کر اس لئے کہ تو آگ کی چنگاری کو دیکھتا ہے کہ گویا وہ ایک نقطہ ہے پھر تو اس کو سرعت کے ساتھ مستقیم طور پر حرکت دیتا ہے تو اس کو ایک خط آگ کا دیکھتا ہے اور پھر

---

[1] امام غزالی رحمۃ اللہ اپنے رسالہ حقیقت روح میں تحریر فرماتے ہیں کہ شاید خواب میں دیکھنے والا یہ کہے کہ وہ آپ کی مثال کو دیکھتا ہے جسم مبارک نہیں دیکھتا اب وہ یا تو مثال جسم علیہ السلام کی کہے گا یا مثال روح کی جو صورت اور شکل سے پاک ہے تو ہم صورت اول میں کہتے ہیں کہ جسم تو بذات خود محسوس ہے اس کی تمثیل کی کیا حاجت ہے پھر جس نے موت کے بعد رسول مقبول ﷺ کی جسم مبارک کی مثال کو دیکھا اور روح کو نہ دیکھا اس نے نبی ﷺ کو تو نہ دیکھا بلکہ جسم کو دیکھا کیونکہ نبی ﷺ روح سے مراد ہے نہ کہ ہڈیوں اور گوشت سے بلکہ حق یہ ہے کہ وہ رسول مقبول ﷺ کی روح مقدس کی مثال ہے کہ جو محل نبوت ہے اور جو اس نے دیکھی ہے وہ حقیقت میں روح کی مثال ہے اور وہ حضرت ﷺ کی روح اور اس کا جوہر ہے جسم نہیں اور حدیث من رآنی فی منام فقد رآنی سے یہ مراد ہے کہ جو اس نے دیکھا وہ مثال ہے کہ جو معرفت حق کے لئے میرے اور دیکھنے والے میں واسطہ ہو گئی پس جوہر نبوت یعنی روح مقدس حضرت ﷺ کی جو بعد مفارقت حضرت ﷺ کے باقی ہے رنگ اور شکل اور صورت سے تو پاک ہے۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں......

Marfat.com

اس چنگاری کو مستدیر طور پر حرکت دیتا ہے تو اس کو آگ کا دائرہ دیکھتا ہے اور یہ دائرہ ناری اور خط ناری دونوں دکھائی دیتے ہیں حالانکہ ان دونوں کا وجود فقط تیری حس میں ہے نہ کہ حس سے خارج میں اسلئے کہ ہر حالت میں موجود خارجی فقط ایک نقطہ ہے لیکن اس نقطہ کا خط ہو جانا اوقات متعاقبہ میں ہوتا ہے لہذا خط کا وجود ایک ہی حالت میں ثابت ہوگا حالانکہ وہ تیرے مشاہدہ میں ایک ہی حالت میں نقطہ ثابت ہے۔ اور وجود خیالی انھیں محسوسات کی صورت ہے جب کہ وہ تیرے حس سے غائب ہو جاتی ہیں اس لئے کہ تجھے اس امر کی قدرت ہے کہ تو اپنے خیال میں ہاتھی اور گھوڑے کی صورت اختراع کرلے گو اپنی آنکھوں کو بند کیوں نہ کرلے یہاں تک کہ تو اس کو اس حالت میں دیکھنے لگتا ہے کہ وہ اپنی کمال صورت کے ساتھ تیرے دماغ میں موجود ہوتا ہے نہ خارج میں اور وجود عقلی اس طرح پر ہے کہ ایک شئے کے لئے روح یعنی حقیقت اور معنیٰ جدا ہو اور صورت جدا لیکن عقل فقط اس شئے کے مجرد معنیٰ کا القا کرے اور اسکی صورت کو خیال یا حس یا خارج میں ثابت نہ کرے جیسے (ید) یعنی ہاتھ کو اس کے لئے ایک صورت یہی ہے کہ جو محسوس اور متخیل ہے اور نیز اس کے لئے ایک معنیٰ بھی ہے کہ جو اس کی حقیقت اور روح

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ .... لیکن مثال مطابقی کے واسطہ سے امت کو اس روح کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مثال ایک ایسی شکل ہے کہ جس کے لئے رنگت اور صورت ہے۔ اقول ممکن ہے کہ وہ صورت آنحضرت ﷺ کی روح کی مثال نہ ہو خود ذات شریف آنحضرت ﷺ کی ہو اس لئے کہ روح ایک ایسا جوہر لطیف ہے کہ جس کے لئے قرب اور بعد مقدر نہیں اور چونکہ آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک حکم روح کہتا ہے چنانچہ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا تو ممکن ہے کہ خواب میں ہزار ہا کس کو ایک ہی وقت میں آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک کہ جو مدینہ منورہ کے روضہ مبارک میں ہے مع روح دکھائی دیوے اور ایک ہی وقت میں ہزار ہا آدمیوں کی آنکھ میں اس کا جلوہ تجلی دیوے لیکن مختلف اشکال میں دکھائی دینا اس رستہ ایک امر غامض ہے کہ جو دیکھنے والوں کی قوت ایمانیہ اور مناسبت روحانیہ کی طرف راجع ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام جنکا یہ قول ہے کہ ارواحنا اجسادنا اجسادنا ارواحنا۔ وہ بھی مختلف صورتوں میں مختلف دیکھنے والوں کی نظر میں ایک ہی وقت دکھائی دیتے ہیں اور ایک ہی آن میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق جا پہنچتے ہیں فیدمرون اعدائھم وینصرون اولیائھم پس اے میری دانش یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا روح مع جسم مبارک کشف حجاب کے وقت نہ دکھائی دیوے حالانکہ اس کا ثبوت اکثر اولیاء اللہ کے مشاہدہ سے ثابت ہے۔ مترجم

Marfat.com

ہے اور وہ حقیقت کیا ہے یعنی پکڑنے کی قدرت کہ جو کہ ہاتھ عقلی ہے اور جیسے قلم اس لئے کہ اس کے لئے بھی ایک صورت جدا ہے لیکن حقیقت اس کی وہ ہے کہ جس سے علوم کے نقوش لکھے جاتے ہیں اور یہی معنیٰ عقل کو حاصل ہوتا ہے اس کے کہ لکڑی یا کانے کی صورت خیالی یا حسی سے مقرون ہو اور وجود شبہی وہ ہے کہ نفس شئے فقط باعتبار صورت کے موجود ہو نہ باعتبار حقیقت کے نہ خارج میں اور نہ حس میں اور نہ خیال میں اور نہ عقل میں لیکن حقیقت میں کوئی دوسری شئے موجود ہو کہ جو شئے اول کے ساتھ کسی ایک خاصہ اور صفت میں مشابہت رکھتی ہے اور عنقریب کہ جب میں تاویلات میں تیرے لئے اس کی مثال ذکر کرونگا تو تجھے وجود شبہی کی سمجھ آ جائے گی پس وجود اشیا کے یہی مراتب ہیں۔

فصل

اب تو ان پانچوں درجوں کی مثالیں الفاظ تاویلات میں استماع کر پس وجود ذاتی چندان تاویل کی طرف محتاج نہیں اور یہ وہی وجود ہے کہ جو اپنے ظاہر پر حاوی رہتا ہے اور تاویل نہیں کیا جاتا اور یہی وجود مطلق حقیقی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کا عرش اور کرسی اور ساتوں آسمانوں کی نسبت خبر دینا اس لئے کہ یہ اجسام فی نفسہا موجود ہیں۔ حس اور خیال سے ادراک کئے جاویں اور وجود حسی کی مثالیں تاویلات میں کثرت سے ہیں اور میں اس جگہ پر فقط دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

ا۔ ایک یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز موت کو ایک خوبصورت مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور بہشت اور دوزخ کے درمیان اس کو ذبح کیا جائے گا۔ پس جس شخص کے نزدیک برہان اور دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موت عرض ہے یا غیر عرض۔ اور عرض کا جسم ہو جانا محال اور قدرت سے خارج ہے تو وہ شخص اس حدیث کی یوں تاویل کرتا ہے کہ اہل قیامت کو وہ مینڈھا دکھایا جائے گا۔ اور ان کو اعتقاد دلایا جائے گا کہ یہی موت ہے

Marfat.com

اور یہ مینڈھا ان کی حس میں موجود ہوگا بغیر اس کے کہ خارج میں موجود ہو اور اس کا ذبح کیا جانا ان کے لئے موت سے یاس اور ناامیدی کا باعث ہوگا اس لئے کہ جو ذبح کیا جاتا ہے اس کے عود کی پھر امید نہیں رہتی اور جس شخص کے نزدیک یہ برہان قائم نہیں ہے تو وہ اعتقاد کرلے گا کہ نفس موت فی ذاتہ مینڈھا بن جاوے گی۔ اور پھر ذبح کی جائے گی۔

(۲) دوسری مثال یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے بہشت اس دیوار کی پہنائی میں میرے سامنے کیا گیا پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہان ثابت ہے کہ اجسام میں تداخل نہیں ہوسکتا اور چھوٹی چیز میں بڑی چیز نہیں سماسکتی تو وہ شخص اس حدیث کو اس معنی پر حمل کرے گا کہ نفس جنت تو اس دیوار کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا لیکن جس کے لئے جنت کی صورت اس دیوار میں اس طرح متمثل ہوئی کہ گویا جنت دکھائی دے رہا تھا اور یہ منع نہیں کہ بڑی شے کی مثال ایک جزو صغیر میں دکھائی دے جیسے کہ آسمان ایک چھوٹے سے آئینہ میں دکھائی دیتا ہے اور یہ دکھائی دینا صورت جنت کے مجرد تخیل کے لحاظ سے اس سے جدا ہے کہ جو آئینہ میں دکھائی دیتا ہے اس لئے کہ تو ان دو صورتوں میں فرق کرسکتا ہے کہ آسمان کا آئینہ میں دکھائی دینا جدا شئے ہے اور آنکھوں کو بند کرکے آسمان کی صورت کا بطریق تخیل آئینہ میں ادراک کرنا جدا شے ہے اور (۳) وجود خیالی کی مثال جیسے آنحضرت ﷺ کا فرمانا کہ میں گویا یونس بن متی کی طرف نظر کر رہا ہوں کہ وہ دو قطوانی عبائیں اوڑھے ہوئے تلبیہ (یعنی کلمہ لبیک اللھم لبیک) کہہ رہا ہے اور پہاڑ اسکو جواب دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ لبیک اے یونس۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول بظاہر اسی پر مبنی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خیال مبارک میں یہ صورت متمثل ہوئی اس لئے کہ اس حالت کا وجود آنحضرت ﷺ کے وجود مبارک کے قبل ہوکر منعدم بھی ہو چکا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے اس فرمانے کے وقت موجود نہ تھا اور یہ بھی کہنا بعید نہیں کہ اس حالت کا تمثل آنحضرت ﷺ کی حس میں ہوا ہو حتی کہ اس حالت کا دکھائی دینا آنحضرت کو اسطرح پر ہوگیا ہو جیسے کہ سویا ہوا شخص مختلف صورتوں کو دیکھتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ گویا میں نظر کر رہا ہوں اس امر کی خبر دیتا ہے کہ نظر حقیقی نہ تھی بلکہ اس کی مثال تھی مگر غرض ہماری آنحضرت کے اس قول کے ذکر کرنے سے فقط مثال کا سمجھنا ہے نہ کہ خاص اس صورت کا بتلانا اور حاصل یہ ہے کہ جو شئے کہ محل خیال میں متمثل ہوتی ہے محل ابصار میں اس کا متمثل ہونا تصور کیا جاتا ہے اور یہ تمثل مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر بہت ہی کم ہے کہ جس شے میں تخیل کا ہونا تصور کیا جاتا ہے اس میں مشاہدہ کا محال ہونا برہان کے ساتھ تمیز کیا جاوے۔ اور (۴) وجود عقلی کی مثالیں

Marfat.com

تو بہت ہیں لیکن یہاں پر ہم فقط دو مثالوں پر قناعت کرتے ہیں۔

(اول (۱)) یہ جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے آخر جو شخص کہ دوزخ کی آگ سے نکالا جاوے گا اس کو اس دنیا سے دس گنا بڑا بہشت دیا جائے گا اس لئے کہ اس قول سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت تول اور عرض اور مساحت کے اعتبار سے دس گنا ہوگا حالانکہ یہ ایک حسی اور خیالی تفاوت ہے پھر کبھی تعجب سے کہا جاتا ہے کہ بہشت تو حسب دلالت اخبار ظاہرہ آسمان میں ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آسمان میں اتنے دس گناہ بڑی شے سما سکے حالانکہ آسمان بھی تو دنیا ہی میں سے ہے۔ اور کبھی تاویل کرنے والا اس تعجب کو قطعی جان کر کہتا ہے کہ اس تفاوت سے معنوی اور عقلی تفاوت مراد ہے نہ حسی اور خیالی تفاوت جیسے کہ کہا جاتا ہے مثلاً یہ موتی اس گھوڑے سے دس گنا ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ معنی مالیت میں دس گنا ہے کہ جو عقلاً ادراک کیا جاتا ہے نہ باعتبار مساحت کے کہ جو حس اور خیال سے ادراک کی گئی ہے۔

(دوم (۲)) یہ جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا۔ پس گویا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ کا ہونا ثابت کیا لیکن جس شخص کے نزدیک یہ امر برہان سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ہاتھ کا ہونا محال ہے کہ جو عضو محسوسہ یا متخیلہ ہے تو وہ اللہ کے لئے روحانی اور عقلی ہاتھ ثابت کرتا ہے کہ جو اس کی روح اور معنی اور حقیقت ہے نہ صورت۔ اس لئے کہ ہاتھ کی روح اور معنی وہ شئے ہے کہ جس کے ساتھ ملائکہ کے واسطہ سے پکڑتا اور دیتا ہے اور فعل کرتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا اور پھر کہا کہ میں تیرے ہی واسطہ سے دونگا اور تیرے ہی واسطہ سے پھیر لوں گا اور ممکن نہیں کہ اس سے وہ عقل مراد ہو کہ جو ایک عرض ہے جیسے کہ متکلمین کا اعتقاد ہے اس لئے کہ ممکن نہیں کہ سب سے پہلے عرض کی پیدائش ہو بلکہ اس عقل سے مراد ملائکہ میں سے اس ایک فرشتہ کی ذات ہے کہ جس کا نام عقل ہے اس لحاظ سے کہ یہ فرشتہ کل اشیاء کا تعلق اپنی جوہر اور اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے بغیر اس کے کہ کسی تعلم خارجی کے طرف محتاج ہو اور اس فرشتہ کو قلم بھی بولتے ہیں اس لحاظ سے کہ اسی کے واسطہ سے انبیاء اور اولیاء اور باقی ملائکہ کے لوح قلوب میں وحی اور الہام کے طریقہ سے علوم کے حقائق نقش کیے جاتے ہیں اس لئے کہ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پس اگر اس کو عقل کی طرف رجوع نہ کرایا جائے تو ان

Marfat.com

دونوں حدیثوں میں تناقض لازم آئے گا پس جائز ہے کہ ایک شے کے لئے مختلف اعتبارات کے لحاظ سے متعدد نام ہوں چنانچہ عقل باعتبار اپنی ذات کے ہو۔ اور ملک اس اعتبار سے ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف اللہ اور مخلوقات کے درمیان واسطہ ہونے کی نسبت ہے۔ اور قلم اس اعتبار سے کہ اس کو ایسی نقش علوم کی طرف اضافت ہے کہ جو اس سے بواسطہ الہام اور وحی صادر ہوتا ہے جیسے کہ حضرت جبرئیل کو روح باعتبار اس کی ذات کے بولا جاتا ہے اور امین اس اعتبار سے کہ اسرار ربانی اس کے پاس بطور امانت رکھے گئے ہیں اور ذومرة باعتبار اس کی قدرت کے اور شدید القویٰ باعتبار اس کی کمال قوت کے اور مکین عند ذی العرش باعتبار قرب منزلت کے اور مطاع اس اعتبار سے کہ بعض ملائکہ کے حق میں وہ متبوع ہے پس اس شخص نے قلم اور ہاتھ کو عقلی ثابت کیا ہے نہ حسی اور خیالی اور اسی طرح اس شخص نے کہ جس نے ید یعنی ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے قدرت ہو یا کوئی دوسری صفت جیسے کہ متکلمین کا اس میں اختلاف ہے۔ اور (۵) وجود شبہی جیسے غضب اور شوق اور فرح اور صبر وغیرہ کے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں وارد ہوئی ہیں اس لئے کہ مثلاً غضب کی حقیقت یہ ہے کہ ارادہ تشفی کے لئے خون دل کا ابلنا لیکن یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں نقصان اور الم سے جدا نہیں پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نفس غضب کا ثبوت ذاتی اور حسی اور خیالی اور عقلی محال ہے تو وہ اس کی تاویل ایک دوسری صفت کے ثبوت پر کرتا ہے کہ جس سے وہی شے صادر ہوتی ہے کہ جو غضب سے صادر ہوتی ہے جیسے عذاب کا ارادہ کرنا حالانکہ ارادہ کو غضب سے حقیقت ذاتیہ میں کوئی مناسبت نہیں بلکہ ایک صفت میں ہے کہ جو اس سے قریب قریب ہے اور ایک اثر میں جو اس سے صادر ہوتا ہے اور وہ کیا ہے یعنی ایلام یعنی دکھانا۔ پس یہ مراتب تاویلات کے ہیں جو ذکر ہو چکے۔

فصل

جان لو کہ جو کوئی شخص شارع کے اقوال میں سے کسی قول کو ان مراتب سے کسی ایک مرتبہ کے موافق تاویل کرے تو وہ شخص بھی مصدقین میں سے ہے اس لئے کہ تکذیب اس صورت میں ہے کہ ان تمام معانی کا انکار کرے اور زعم کرے کہ جو کچھ کہ شارع نے کہا ہے اس

Marfat.com

کا کوئی معنی نہیں بلکہ کذب محض ہے اور غرض اس کی اس قول میں فقط فریب دہی یا کوئی دنیا کی مصلحت ہے پس یہی کفر محض اور زندقہ ہے اور تاویل کرنے والوں کو جب تک کہ وہ قانون تاویل کی پاس کرتے ہیں کفر نہیں لازم آسکتا جیسے کہ ہم عنقریب اس امر کی طرف اشارہ کریں گے اور کیونکر کفر لازم آسکتا ہے حالانکہ اہل اسلام کا کوئی ایسا فریق نہیں کہ جس کو تاویل کی طرف اضطرار نہ ہو، چنانچہ سب سے زیادہ تر تاویل سے احتراز کرنے والا شخص احمد بن حنبلؒ ہے اور سب تاویلات میں حقیقت سے زیادہ تر بعید اور کلام کو مجاز یا استعارہ کی طرف زیادہ تر قریب کرنے والا وجود عقلی اور وجود شبہی ہے حالانکہ اسی کی طرف حنبلی کو اضطرار ہے اور وہ اس کا قائل ہے چنانچہ میں نے حنبلی مذہب کے معتبر اماموں سے کہ جو بغداد میں ہیں سنا کہ احمد بن حنبل نے فقط ذیل کی تین حدیثوں کی تاویل پر تصریح کی ہے۔

(۱) یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے۔

(۲) یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

(۳) یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کہ میں یمن کی جانب سے نفس رحمٰن ادراک کرتا ہوں۔

پس تو غور کر کہ احمد بن حنبلؒ نے ان احادیث کی کس طرح تاویل کی جب کہ اس کے نزدیک ان احادیث کی ظاہری معنی کے محال ہونے پر برہان قائم تھا لہذا اس نے اس طرح پر تاویل کر کے کہا کہ داہنا ہاتھ چونکہ بطور عادت کے صاحب ہاتھ کی تقرب کے لئے چوما جاتا ہے اور حجر اسود بھی اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کے لئے چوما جاتا ہے تو گویا وہ بھی داہنے ہاتھ کی مثل ہے لیکن یہ مماثلت کوئی ذات اور صفات میں نہیں بلکہ ایک امر عارضی میں ہے اور اسی وجہ سے حجر اسود کو یمین اللہ بولا گیا اور یہ معنی جو امام احمدؒ نے بیان فرمایا ہے یہ وہی معنی ہے کہ جس کو ہم وجود شبہی بولتے ہیں اور یہ معنی تمام وجوہ تاویلات میں سے بعید تر ہے۔ پس غور کر کہ اس بعید تر تاویل کی طرف وہ شخص جو کہ سب سے زیادہ تر تاویل سے احتراز کرتا ہے کیونکر مضطر ہوا اور اسی طرح جبکہ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے دو حسی انگلیوں کا ہونا محال ثابت ہوا اس لئے کہ جو شخص اپنی وجدان میں تفتیش کرتا ہے تو اس میں دو انگلیوں کا ہونا نہیں دیکھتا لہذا امام احمد بن حنبلؒ نے ان دو انگلیوں سے ان کی روح اور حقیقت کے ساتھ تاویل کی اور وہ کیا ہے یعنی انگلی عقلی روحانی کہ جس سے اشیاء کی تقلیب اور تحویل حاصل ہوتی ہے اور چونکہ انسان کا دل فرشتہ اور شیطان کے وسوسہ میں ہے اور انھیں دونوں سے دلوں کو پھیرتا ہے لہذا دو انگلیوں کے ساتھ

Marfat.com

ان دو وسوسوں سے تعبیر کی، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فقط ان تینوں احادیث کی تاویل پر اس لئے اکتفا کیا کہ ان کو فقط اسی قدر میں استحالہ معلوم ہوا اس لئے کہ نظر عقلی میں ان کو تعمق نہ تھا اور اگر ان کو تعمق ہوتا تو باری تعالیٰ کے لئے جہت فوق کے اختصاص وغیرہ میں بھی کہ جس کی انھوں نے تاویل نہیں کی استحالہ ظاہر ہو جاتا۔ اور اشعری اور معتزلی نے بسبب زیادہ تفحص اور مباحثہ کے اکثر ظواہر کی تاویل کی طرف بھی قدم بڑھایا۔ اور سب سے زیادہ حنابلہ کی طرف قریب تر امور آخرت میں اشعریہ کی جماعت میں ہے اس لئے کہ انہوں نے سوائے چند ظواہر کے اکثر ظواہر کو اپنے ظاہر پر ثابت رکھا ہے لیکن معتزلہ کی جماعت نے تاویلات میں نہایت سخت توغل کیا اور باوجود اس کے اشعری بھی کئی ایک امور کی تاویل کی طرف مضطر ہے جیسے کہ ہم نے رسول علیہ السلام کے اس قول کو ذکر کیا ہے کہ موت قیامت کے روز ایک املح مینڈھے کی صورت میں لائی جاویگی اور جیسے کہ اعمال کا میزان سے وزن کیا جانا وارد ہے اس لئے کہ اشعری نے اعمال کی تاویل کر کے کہا کہ اعمال سے مراد ان کے صحیفہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان صحیفوں میں درجات اعمال کے موافق وزن اور گرانی پیدا کر دیگا اور یہ تاویل گویا وجود شبہی کے ساتھ کی گئی کہ جو سب وجوہات میں سے بعید ہے اس لئے کہ صحیفہ ایسے اجسام ہیں کہ جن میں رقمیں لکھی جاتی ہیں پس اصطلاحاً ثابت ہوا کہ اعمال اعراض ہیں لہذا جو شئے کہ وزن کی جاوے گی وہ عمل نہیں بلکہ وہ ایسے نقش کا محل ہے کہ جو اصطلاحاً عمل پر دلالت کرتا ہے اور معتزلی نفس میزان کی تاویل کرتا ہے اور اس کو ایک ایسے سبب سے تعبیر کرتا ہے کہ جس کے ذریعے سے ہر ایک کے لئے اپنے عمل کی مقدار منکشف ہو جائیگی حالانکہ اس میں اس قدر تعسف نہیں جتنا کہ تاویل وزن صحائف میں ہے اور ہماری غرض اس بیان سے یہ نہیں کہ ایک تاویل کو صحیح بتلائیں اور دوسرے کو غلط بلکہ ہماری غرض فقط اس امر کا معلوم کرنا ہے کہ ہر ایک فریق نے اگرچہ ظواہر کی ملازمت میں مبالغہ کیا ہے تاہم تاویل کی طرف مضطر ہے، مگر اس شخص سے بحث نہیں کہ جو عبادت اور تجاہل میں حد سے بڑھ گیا ہو اور کہے کہ حجر اسود بالتحقیق اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے اور موت اگرچہ عرض ہے لیکن بطریق انقلاب مینڈھا بنجاویگی اور اعمال اگرچہ اعراض ہیں اور معدوم بھی ہو چکے ہیں لیکن تاہم میزان پر رکھی جاوینگے اور ان میں ثقل ہوگا۔ اور جو شخص کہ اس حد تک جہالت کو پہنچ جاتا ہے گویا وہ شخص عقل کے رشتہ سے الگ ہے۔

Marfat.com

فصل

اب تو تاویل کا قانون سماعت کر اور پہلے تو معلوم کر چکا ہے کہ کل فرقہ تاویل میں ان پانچوں درجوں پر متفق ہیں اور ان میں سے کوئی شئے بھی تکذیب کے دائرہ سے نہیں لیکن وہ کل فرقہ اس امر پر بھی متفق ہیں کہ ان سب درجات میں سے کسی ایک درجہ کی تاویل اس وقت جائز ہے کہ جب معنیٰ ظاہر کے محال ہونے پر کوئی برہان قائم ہو اور ظاہر اول ان درجات میں سے وجود ذاتی ہے اس لئے کہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو باقی سب اس کے ضمن میں آ جاتے ہیں پس اگر وجود ذاتی کا ارادہ کیا جانا متعذر ہو تو اس کے بعد وجود حسی کا مرتبہ ہے اس لئے کہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو باقی سب اس کے ضمن میں آ جاتے ہیں پس اگر وجود حسی کا ثبوت متعذر ہو تو اس کے بعد وجود خیال یا عقلی کا مرتبہ ہے پس اگر ان کا تعذر ہو تو پھر وجود شبہی کا مرتبہ ہے کہ جو مجازی ہے اور ایک درجہ سے دوسرے درجہ تحتانی کی طرف عدل کرنا بغیر ضرورت برہان کے جائز نہیں پھر آخر کار اختلاف کا مرجع اختلاف برہان ٹھہرتا ہے اس لئے کہ حنبلی کہتا ہے کہ باری تعالیٰ کے لئے جہت فوق کی طرف مختص ہونے کے استحالہ پر کوئی برہان نہیں اور اشعری کہتا ہے کہ رویت باری تعالیٰ کے استحالہ پر کوئی برہان قائم نہیں اور ہر ایک اپنے خصم مقابل کے بیان کو پسند نہیں کرتا اور نہ اس کو دلیل قاطع خیال کرتا ہے اور خواہ کس طرح ہو یہ لائق نہیں کہ کوئی فریق اپنے خصم مقابل کی تکفیر اس خیال سے کرے کہ اس کو برہان میں غلطی کرنے والا جانتا ہے ہاں اس قدر جائز ہے کہ اپنے خصم کو غلط برہانی کے خیال سے گمراہ یا بدعتی بولے لیکن گمراہ تو اس لئے کہ اس کے نزدیک خصم مقابل اس کے طریق سے گمراہ ہے اور بدعتی اس لئے کہ اس نے ایک ایسا نیا قول ایجاد کر لیا ہے کہ جس کی نسبت سلف سے تصریح کا ہونا معہود نہیں اس لئے کہ سلف سے یہ امر مشہور چلا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کہلا دیگا پس جو شخص کہ یہ کہتا ہے کہ وہ دکھائی نہ دیگا تو اس کا یہ قول بدعتی ہے اور اگر رویت کی تاویل پر تصریح کرے تو یہ بھی بدعت ہے بلکہ اگر اس کے نزدیک یہ امر ظاہر ہو جاوے کہ رویت کا معنیٰ دل کا مشاہدہ ہے تو بھی لائق ہے کہ اس کا اظہار نہ کرے اور نہ اس کا ذکر کرے اس لئے کہ سلف نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ لیکن ساتھ ہی حنبلی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت فوق کا ثابت کرنا سلف کے نزدیک مشہور ہے مگر یہ امر کسی نے سلف میں سے ذکر نہیں کیا۔ کہ عالم کا پیدا کرنے والا نہ عالم کے ساتھ متصل

Marfat.com

ہے اور نہ منفصل اور نہ اس میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج اور یہ کہ جہات ستہ اس سے خالی ہیں اور اس کی طرف جہت فوق کی نسبت ایسی ہے جیسے جہت تحت کی نسبت۔ پس یہ قول کہ جو سلف سے منقول نہیں بدعت ہے اس لئے کہ بدعت کا معنی یہی ہے کہ ایک ایسی بات کا ایجاد کرنا کہ جو سلف سے ماثور نہ ہو۔ اور یہاں پر تیرے لئے واضح ہو جائیگا کہ یہاں دو مقام ہیں۔

(پہلا مقام) تو عام مخلوقات کا ہے اور اس میں امر حق یہ ہے کہ ظواہر کا اتباع کیا جاوے اور ان ظواہر کو اپنے ظواہر سے نہ بدلایا جائے اور جس تاویل کی نسبت کہ صحابہ کرام نے تصریح نہیں کی اس کے ایجاد اور ابداع سے احتراز کیا جاوے اور باب سوال کو بالکل قطع اور علم کلام میں خوض اور بحث اور قرآن اور حدیث کے الفاظ متشابہ کی اتباع سے زجر کی جاوے جیسے کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے دو متعارض آیتوں کی نسبت سوال کیا تو حضرت عمرؓ نے اس شخص کو درہ سے پٹوایا اور جیسے کہ حضرت مالکؒ سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے استواء کی نسبت سوال کیا تو انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ استواء امر معلوم ہے اور ایمان اس پر واجب ہے لیکن کیفیت اس استواء کی مجہول ہے اور سوال اس کا بدعت ہے۔

(دوسرا مقام) ان اہل نظر اور اہل اجتہاد کے درمیان ہے کہ جن کے عقائد ماثورہ میں اضطراب ہے پس لائق ہے کہ ان اہل اجتہاد کی بحث بقدر ضرورت ہو اور اگر معنی ظاہر کے ترک کریں تو بضرورت برہان قاطع کریں۔ اور لائق نہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر کریں اس خیال سے کہ خصم کو اپنی برہان اعتقادی میں غلطی کرنے والا جانتے ہیں اس لئے کہ اس امر کا ادراک چنداں آسان نہیں لیکن برہان ان کے درمیان یہ امر ہے کہ ان موازین خمسہ میں سے کسی ایک میزان کے ساتھ وزن کر کے خلاف کو رفع کریں کہ جن کو ہم نے اپنی کتاب قسطاس مستقیم[1] میں ذکر کیا ہے اور یہ موازین خمسہ ایسے ہیں کہ جن میں سمجھنے کے بعد ہرگز امر خلاف راہ گیر نہیں ہوتا اس لئے کہ ان موازین خمسہ سے قطعی یقین کا ادراک کیا جاتا ہے اور

---

[1] اس کتاب کا ترجمہ بھی ہم نے ختم کر دیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ جلد تر شائع ہوگا یہ کتاب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب طرز پر لکھی گئی ہے کہ جس میں مسئلہ امامت کو بخوبی طرح حل کر دیا گیا ہے اور پانچوں میزانوں کو کہ جو اہل منطق کے اصلاح میں شکلوں سے معتبر ہیں قرآن کریم کے جملوں سے اقتباس کیا ہے چنانچہ میزان اول کا نام تعادل اکبر، اور دوم کا تعادل اوسط اور سوم کا تعادل اصغر اور چہارم کا میزان تلازم اور پنجم کا میزان تعاند ہے میزان اکبر یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کی صفت معلوم ہو اور اس صفت کی نسبت کوئی حکم ثابت ہو تو ضرور ہے کہ موصوف (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

جنہوں نے کہ ان موازین کو حاصل کیا ہے ان پر انصاف کا عقدہ آسان ہو جاتا ہے اور انصاف کیا ہے یعنی پردہ کا دور ہو جانا اور اختلاف کا اٹھ جانا لیکن ان ناظرین کے درمیان سے اختلاف بھی دور نہیں ہوتا اور یہ یا تو اس لیے ہے کہ ان میں سے بعض تو میزان کے تمام شرائط کے ادراک سے قاصر ہوتے ہیں اور یا اس لئے کہ باوجود تمام شرائط کے جاننے کے محض اپنی طبیعت سے کام لیتے ہیں اور میزان کے ساتھ وزن نہیں کرتے جیسے کوئی شخص علم عروض کے حاصل کرنے کے بعد شعر کے کہنے میں فقط اپنے ذوق کی طرف رجوع کرتا ہے اور عروض سے کام نہیں لیتا اس وجہ سے کہ ہر شعر کو عروض کے سامنے کرنا اس کو گراں گزرتا ہے تو بعید نہیں کہ ایسا شخص غلطی کر جاوے۔ اور یا اس لیئے کہ وہ ان علوم میں مختلف درجہ رکھتے ہیں کہ جو براہین کے مقدمات ہیں اس لیئے کہ بعض علوم تو ایسے ہیں کہ جو براہین کے اصول ہیں جیسے علوم تجربیہ اور تواتریہ وغیرہ کہ جو تجربہ اور تواتر سے حاصل ہوں اور آدمی ان علوم تجربیہ اور تواتریہ میں مختلف ہوتے ہیں اس لئے کہ کبھی ایک شخص کے نزدیک وہ امر متواتر ہوتا ہے کہ جو دوسرے کے نزدیک متواتر نہیں اور کبھی ایک شخص کو ایک شئے کا اس قسم کا تجربہ ہوتا ہے کہ جو دوسرے کو حاصل نہیں ہوتا اور یا اس لئے اختلاف دور نہیں ہوتا کہ قضایا وہمیہ اور قضایا عقلیہ میں التباس ہو جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ کلمات محمودہ مشہورہ کو کلمات ضروریہ اور اولیہ سے التباس ہو جاتا ہے جیسے کہ ہم نے اس کو اپنی کتاب محک النظر میں بالتفصیل ذکر کیا ہے لیکن بالجملہ جبکہ ناظرین ان موازین خمسہ کو تحصیل کر لیویں اور ان کو محقق طور پر دریافت کر لیں تو ممکن ہے بشرطیکہ عناد نہ ہو کہ مواقع غلطی پر ان کو وقوف حاصل ہو جاوے۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... کے لئے وہ حکم ثابت ہو بشرطیکہ وہ صفت مساوی موصوف ہو یا اس سے عام تر ہو ۲۔میزان اوسط یہ ہے کہ اگر ایک شے سے کسی امر کی نفی کی جائے اور یہی امر کسی اور شئے کے لئے ثابت کیا جائے تو شے اول مبائن شے ثانی کی ہوگی ۳۔میزان اصغر یہ ہے کہ اگر دو امر ایک شئے پر صادق آئیں تو ضروری ہے کہ ان دونوں امروں میں کوئی نہ کوئی ایک دوسرے پر صادق آئے ۴۔میزان تلازم یہ ہے کہ وجود ملزوم موجب وجود لازم ہوتا ہے اور نفی لازم موجب نفی ملزوم ہوتی ہے اور نفی ملزوم یا وجود لازم سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا ۵۔میزان تعاند یہ ہے کہ اگر کوئی امر صرف دو قسموں میں منحصر ہو تو ضرور ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا ثبوت ہو۔ ان موازین خمسہ کے امثلہ اور وہ شرائط جن سے قول میں غلطی نہ ہونے پائے اور اس امر کی توضیح کی صداقت ہائے مذہب کے ان موازین سے کس طرح تولا کرتی ہیں یہ سب امور بالتفصیل کتاب القسطاس المستقیم میں درج ہیں۔

Marfat.com

فصل

بعض آدمی ایسے ہیں کہ جو بغیر کسی برہان قاطع کے فقط اپنے غلبہ ظن کے ساتھ تاویل کی طرف جلدی کرتے ہیں حالانکہ ایسے آدمی کی تکفیر کی طرف بھی ہر مقام میں جلدی کرنی لائق نہیں بلکہ اس میں نظر کرنی چاہیے پس اگر اس کی تاویل ایسے امر میں ہو کہ جس کو اصول عقائد سے کوئی تعلق نہیں اور نہ کسی امر اہم سے تو اس کی تکفیر نہ چاہیے اور مثال اس کی یہ ہے جیسے کہ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ خلیل علیہ السلام نے جو ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھا اور کہا کہ یہ میرا رب ہے تو ان سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مراد ان سے جواہر نورانیہ ملکیہ ہیں کہ جنکی نورانیت عقلیہ ہے نہ حسیہ اور ان جواہر کے لئے کمال میں مختلف مراتب ہیں اور نسبت تفاوت ان کے درمیان ایسی ہے جیسے ستاروں اور چاند اور سورج کے درمیان ہے اور اس امر پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خلیل علیہ السلام کی شان اس سے بہت بڑی ہے کہ وہ ایک جسم کی نسبت اعتقاد کرتا کہ وہ خدا ہے حتیٰ کے اس کے غروب ہونے کے مشاہدہ کی طرف محتاج ہوتا کیا تو اعتقاد کرسکتا ہے کہ اگر وہ غروب نہ ہوتا اور خلیل علیہ السلام کو اس کے جسم ذو مقدار ہونے کے لحاظ سے اس کا خدا ہونا محال نہ جانتا تو وہ اس کو خدا بنالیتا، اور انھوں نے یہ بھی دلیل پیش کی ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سب سے پہلے خلیل علیہ السلام نے فقط ستاروں کو ہی دیکھا ہو حالانکہ سورج سب سے روشن ہے اور پہلے یہی دکھائی دیتا ہے اور نیز یہ دلیل پیش کی ہے کہ اول باری تعالیٰ نے کہا ہے کہ اے محمد اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے ملک اور ملکوت دکھلائے ہیں اور پھر اس کے بعد اس قول کا ذکر حکایت فرمایا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ کشف ملکوت کے بعد ستاروں کی نسبت حضرت خلیل علیہ السلام ایسا وہم کریں اور یہ ان کی دلیلیں کل ظنی ہیں برہانی نہیں چنانچہ ان کا اولاً یہ کہنا کہ خلیل علیہ السلام کی شان اس سے بہت بڑی ہے کہ وہ ایک جسم کو خدا اعتقاد کرتا تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ جب کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے ساتھ یہ ماجرا ہوا تھا تو اس وقت وہ چھوٹے بچے تھے اور بعید نہیں کہ جس شخص نے عنقریب نبی ہونا ہو بچپن کی عمر میں اس کو اس قسم کے خطرات پیش آویں اور پھر بہت جلد ان سے تجاوز کر جائے اور یہ بھی بعید نہیں کہ غروب ہونے کی دلالت اس کے حدوث پر خلیل علیہ السلام کے نزدیک جسم ذو مقدار کی دلالت سے زیادہ تر ظاہر اور روشن ہو اور پہلے ستاروں کا دکھلائی دینا اس کی وجہ

Marfat.com

یہ روایت کی گئی ہے کہ خلیل علیہ السلام طفولیت کے زمانہ میں ایک غار میں قید تھے اور جب نکلے تو رات کو نکلے اور یہ جو پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے ملک اور ملکوت دکھلائے ہیں جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ان کی نہایت کا ذکر کیا ہو اور پھر حالت بدائیت کا بیان فرمایا ہو۔ پس یہ اور اس کی مثل کل دلائل ظنی ہیں ان کو وہ شخص برہان اعتقاد کرتا ہے کہ جو برہان کی حقیقت اور شرط نہیں جانتا پس ان کی تاویل اسی قسم کی ہوتی ہے اور انھوں نے عصا اور نعلین کی تاویل بھی کی ہے کہ جو آیت اخلع نعلیک اور آیت مافی یمینک میں واقع ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ ظن ایسے امور میں کہ جو اصول اعتقاد سے تعلق نہیں رکھتے جا بجا ان برہان کے ہوتا ہے کہ جو اصول اعتقاد میں ہوتا ہے پس ایسے ظن سے نہ کفر کی نسبت ہو سکتی ہے اور نہ بدعت کی۔ ہاں اگر ایسے دروازہ کا کھولنا یہاں تک پہنچانے کا اندیشہ رکھتا ہو کہ عوام کے دلوں میں تشویش ڈالدے تو ایسے ظن سے صاحب قول کو بدعتی اس ہر امر میں رکھ سکتے ہیں کہ جس کا ذکر سلف سے ماثور نہیں اور اسی کے قریب قریب بعض باطنیہ کا قول ہے کہ سامری کا بچھڑا ماول ہے اس لئے کہ خلق کثیر ایک ایسے عاقل سے کیسے خالی ہو سکتی ہے کہ جو جانتا ہو کہ سونے کی بنائی ہوئی شئے خدا نہیں ہو سکتی حالانکہ یہ قول بھی ظن ہے اس لئے کہ یہ امر محال نہیں کہ ایک طائفہ اس مرتبہ کی جہالت کو پہنچ گیا ہو جیسے وثن پرستوں کی جماعت اور اس بچھڑے کا نادر ہونا یقین بخش نہیں ہے لیکن اس جنس سے جو امر کہ عقائد اہم کے اصول سے تعلق رکھتا ہے تو واجب ہے کہ اس شخص کی تکفیر کی جاوے کہ جو ظاہر کے بغیر کسی برہان کے قاطع کی بدلا دیوے جیسے[1] وہ شخص کہ جو حشر اجساد کا انکار کرتا ہے اور نیز عقوبت حسیہ کا فقط ظنون اور اوہام اور استبعادات سے بغیر کسی برہان قاطع کے کرتا ہے پس ایسے شخص کی تکفیر قطعاً واجب ہے اس لئے

[1] جیسے فارابی اور ابن سینا کہ جو قیامت کے دن حشر اجساد کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجمل ثواب وعذاب فقط ارواح مجردہ ہی ہونگے اور عذاب اور ثواب روحانی ہوگا نہ جسمانی، امام غزالیؒ کتاب المنقذ من الضلال میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ تو انھوں نے سچ کہا کہ وہاں عذاب اور ثواب روحانی ہونگے یہ جھوٹ کہا کہ جسمانی نہیں ہونگے گویا مذہب حق یہ ہے کہ عذاب روحانی اور جسمانی دونوں ہوں گے لیکن سید احمد خاں صاحب امام النیچریہ کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جسم کہ جس کا حشر قیامت کے دن ہوگا یہ وہ جسم نہیں کہ جو اس وقت ہماری نظروں میں ہے بلکہ انھوں نے اس جسم سے ایک جسم لطیف ارادہ کیا ہے جو روح حقیقی اور کالبد خاکی کے درمیان واسطہ ہے اور وہ جسم لطیف بعد موت علی حالہ باقی رہتا ہے اور روح اس سے متعلق رہتی ہے ...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

Marfat.com

کہ جسموں کی طرف روحوں کے واپس آنے کے استحالہ پر کوئی برہان نہیں اور ایسے امر کا ذکر دین میں ضرور عظیم رکھتا ہے پس ایسے منکر کی تکفیر واجب ہے اور نیز ان میں سے اس شخص کی تکفیر کہ جو قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ فقط اپنے نفس کا علم رکھتا ہے یا فقط کلیات کا علم رکھتا ہے اور امور جزویہ کہ جنکا تعلق اشخاص سے ہے ان کو نہیں جانتا اس لئے کہ یہ قطعاً رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے اور ان درجات کے قبیل سے نہیں کہ جن کا ہم نے باب تاویل میں ذکر کیا ہے اس لئے کہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... اقول اس جسم لطیف کا اثبات البتہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے قول سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جو انھوں نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے لیکن اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ جسم جو کہ کالبد خاکی ہے اس کا حشر نہیں ہوگا ہاں شاہ صاحب اتنا فرماتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے کہ موت کے وقت انسان کا نفس ناطقہ مادہ کو بالکل چھوڑ دیتا ہے وہ جھک مارتا ہے روح کے لئے دو قسم کا مادہ ہے ایک سے روح کا بالذات تعلق ہے اور دوسرے بالغرض جس مادہ سے بالذات تعلق ہے وہ نسمہ ہے اور جس مادہ سے بالغرض تعلق ہے وہ جسم خاکی ہے جب آدمی مرجاتا ہے تو مادہ خاکی کا زائل ہو جانا اسے کچھ نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ روح انسانی بدستور مادہ نسمہ میں حلول کئی رہتی ہے سید احمد خان صاحب اس عام قول اہل اسلام کو کہ جب خدا تعالیٰ حشر کرنا چاہے گا تو ہر ایک روح کو ایک ایک جسم عطا فرمائیگا تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک جن اجساد کے حشر کا بیان قرآن میں ہے ان سے وہی اجسام لطیف مراد ہیں جو ارواح ابدان انسانی سے مفارق ہونے کے بعد عالم قدس میں لیکر آتے ہیں اور یہی حشر جسدی ان کے نزدیک ثابت ہے حالانکہ یہ قول بالکل تکذیب نبوت بلکہ تکذیب الوہیت ہے امام بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی اور مجھے دشنام دی حالانکہ اس کے لئے مناسب نہ تھا تکذیب تو اس نے اس طرح کی کہ اس نے میری نسبت کہا کہ میں بدائیت کی شکل اس کا اعادہ نہ کروں گا حالانکہ خلق اول اعادہ سے آسان نہیں، اور دشنام اس طرح دی ہے کہ اس نے میری طرف ولد کی نسبت کی حالانکہ میں ایسا احد صمد ہوں کہ نہ تو میں کسی کا ولد ہوں اور نہ میرا والد ہے معہذا قرآن کریم باآواز بلند اسی خاکی جسم کی حشر کی طرف دعوت دیتا ہے جیسے کہ سورۂ یاسین میں ہے قال من یحی العظام وھی رمیم۔ قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا فاذا انتم منہ توقدون اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر علی ان یخلق مثلھم بلیٰ وھو الخلاق العلیم انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون ...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں

Marfat.com

قرآن اور حدیث کی دلائل عام حشر اجساد اور عام علم اللہ تعالیٰ پر باین طور کہ وہ ہر اس امر کو بالتفصیل جانتا ہے کہ جو اشخاص عالم پر جاری ہوتے ہیں ایسے حد سے متجاوز ہیں کہ جو قابل تاویل ہو اور وہ منکرین باوجود اس کے اعتراف کرتے ہیں کہ یہ باب تاویل سے نہیں لیکن کہتے ہیں کہ جب کہ مخلوقات کی صلاحیت اس امر میں تھی کہ وہ حشر اجساد کا اعتقاد کریں اس لئے کہ ان کے عقول معاد عقلی کے سمجھنے سے قاصر تھے۔ اور نیز اس امر میں ان کی صلاحیت تھی کہ وہ اس کا اعتقاد کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سب امور کا عالم ہے کہ جو اوپر گزرتی ہیں اور ان پر رقیب ہے تاکہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... اور جو لوگ کہ حشر کذائی کے منکر ہیں ان کے نزدیک آج تک اس حشر کے استحالہ پر کوئی برہان قائم نہیں، ہوا قول اولاً یہ امر غور طلب ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان اجزاء بدنیہ کو مرنے کے بعد معدوم کر کے اعادہ کریگا یا ان کو از یک دیگر مفارق اور جدا کر کے پھر ان میں تالیف پیدا کرے گا لیکن امر حق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی امر بھی قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا اس لئے کہ ان میں سے کسی امر کے ثبوت پر آج تک کوئی قطعی دلیل قائم نہیں ہوئی اور یہ جو آیت کل شیء ھالک الا وجھہ کو اعدام پر دلیل لاتے ہیں اس کا استدلال بالکل ضعیف ہے اس لئے کہ تفریق اجزاء بھی اعدام ہے، اس لئے کہ ہلاک شئے کا بھی یہی معنی ہے اپنی صفات مطلوبہ سے نکل جاوے اور اس کی وہ تالیف دور ہو جاوے کہ جس کے ساتھ اس شئے کے اجزاء اپنے افعال کے لئے صلاحیت رکھتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کے منافع پورے ہوتے ہیں اور اسی طرح فنا کی بھی عرف میں یہی معنی ہے لہذا آیت کل من علیھا فان سے بھی اس امر پر استدلال نہیں ہو سکتا لہذا فناء اور ہلاکت سے مراد یہی تفریق اجزاء قرین قیاس ہے اور یہی امر طیر ابراہیم سے بھی پایا جاتا ہے اور ہمارے علمائے عظام کے لئے اعادہ معدوم پر فی نفسہ ایک بدیہی حجت یہ ہے شئے معدوم کا وجود ثانی ممتنع نہیں ورنہ وجود اول بھی ممتنع ہوتا گویا مبدا اور معاد دونوں لازم اور ملزوم ہیں الحاصل حشر و معاد کے مسئلہ میں کل پانچ اقوال منقول ہیں ایک فقط حشر جسمانی کا قول کہ جو اکثر متکلمین اور ان فلاسفہ کا ہے کہ جو نفس ناطقہ کا انکار کرتے ہیں اور دوسرا فقط حشر روحانی اور یہ فلاسفہ الہیہ کا قول ہے اور تیسرا حشر جسمانی اور روحانی دونوں یہ اکثر محققین جیسے حلیمی اور امام غزالیؒ ابوزید دبوسی اور قدماء معتزلہ میں سے معمر اور متاخرین امامیہ میں سے جمہور اور اکثر صوفیہ کا قول ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان حقیقت میں نفس ناطقہ کا نام ہے اور وہی مکلف اور مطیع اور عاصی اور مثاب اور معاقب ہے اور بدن اس کے لئے بمنزلہ آلہ کے ہے اور نفس ناطقہ فساد بدن کے بعد بھی باقی رہتا ہے پس جبکہ اللہ تعالیٰ حشر مخلوقات کا ارادہ کریگا تو ہر روح کے لئے ایک، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر.......

Marfat.com

ان کے دلوں میں رغبت اور ہیبت پیدا ہو لہذا رسول علیہ السلام کے لئے جائز ہوا کہ وہ ان کو حشر اجساد اور کل اشیاء کے علم کی تفہیم کرے اور جو شخص کہ غیر کی صلاحیت کرے اور اس بارہ میں وہی امر کہے کہ جس میں صلاحیت ہے گو خلاف حقیقت امر کہے تو وہ کاذب نہیں کہلاتا پس یہ قول قطعاً باطل ہے اس لئے کہ یہ صریح تکذیب ہے اور پھر اس عذر کی طلب ہے کہ کیوں اس نے کذب بولا حالانکہ منصب نبوت کا ایسے رزیل امور سے پاک ہونا واجب ہے اس لئے کہ صدق میں اور نیز اس کے ساتھ مخلوقات کی صلاحیت میں کذب کی نسبت سے زیادہ تر وسعت ہے اور یہی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... بدن خاکی مثل ابدان دنیا کے پیدا کریگا جس کے ساتھ اس کو تعلق ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ سے اشیا میں تصرف کرتا ہے گویا عظام بالیہ کو از سر نو تالیف حاصل ہوگی اور یہی مذہب حق ہے جیسے کہ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ پارہ سوم میں فرماتا ہے "او کالذی مرّ علیٰ قریۃٍ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوماً اوبعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الیٰ طعامک وشرابک لم یتسنہ وانظر الیٰ حمارك ولنجعلک ایۃ للناس وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحما فلما تبین لہ قال اعلم ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃً من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علیٰ کل جبل منھن جزأ ثم ادعھن یاتینک سعیاً واعلم ان اللہ عزیز حکیم" اور چوتھا قول یہ ہے کہ نہ حشر جسمانی ہوگا اور نہ روحانی یہ فلاسفہ طبعیہ کا ہے پانچواں قول توقف کا ہے اور یہ جالینوس سے منقول ہے ہمارے زمانہ کے انگریزی خوان دہریہ طالب علموں کو خدا ہدایت دیوے کہ وہ حشر اور نشر اور عذاب قبر وغیرہ سے انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کے وجود پر کوئی استحالہ قائم نہیں ہو سکتا جبکہ ایک صاحب نبوت اعجاز کے ساتھ کسی امر مستقبل کا بیان فرمائے تو اس کی تصدیق واجب ہے کیا حیات اخروی حیات دنیوی سے کم پایہ رکھتی ہے؟ کیا عذاب اخروی عذاب دنیوی سے عبرت نہیں دلاتا؟ ایک نابالغ لڑکا جب کسی عاقل بالغ کو کہہ دے کہ اس راستہ میں سانپ ہے تو اس نابالغ کے قول کو عاقل فقط حیات دنیوی کے بچانے کے لئے اعتقاد کر لیتا ہے اور صاحب نبوت صاحب اعجاز کے ساتھ حیات اخروی اور عذاب اخروی سے آگاہ کرتا ہے اور اس کے قول پر اعتماد نہیں لاتے...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں......

Marfat.com

زندقہ کا پہلا درجہ ہے اور یہی اعتزال اور زندقہ مطلقہ کے درمیان کا مرتبہ ہے اسلئے کہ معتزلہ کا طریقہ فلاسفہ کے طریق سے سوائے اس ایک امر کے قریب تر ہے اور وہ ایک امر یہ ہے کہ معتزلی ایسے عذر سے رسول پر تکذیب جائز نہیں رکھتا بلکہ جہاں برہان کے ساتھ اس کو خلاف ظاہر ہوتا ہے وہاں تاویل کرتا ہے لیکن فلسفی ظاہری معنی پر وہیں تک اکتفا نہیں کرتا کہ جہاں تک وہ تاویل کے قابل ہوتا ہے، خواہ وہ تاویل قریب ہو یا بعید بلکہ اس سے تجاوز کر جاتا ہے اور زندقہ مطلقہ یہ ہے کہ اصل معاد کا ہی انکار ہو عقلی ہو یا حسی اور عالم صانع کا بھی بالکل انکار کیا جاوے۔ لیکن فقط معاد عقلی کا اثبات اور ساتھ ہی اس کے آلام اور لذات حسیہ کی نفی اور صانع کا اثبات اور ساتھ ہی اس کے صانع کی تفصیلی علم کی نفی یہ زندقہ مقیدہ ہے کہ جس میں ایک قسم کا انبیا علیہم السلام کی صدق کا اعتراف ہے اور بظاہر میرا ظن یہ ہے اور علم اس کا اللہ کے پاس ہے کہ یہ زندقہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے اس قول[1] سے مراد ہیں کہ عنقریب میری امت ستر پر کتنے فرقہ ہو جاوے گی کہ جو سب کے سب جنت میں ہونگے سوائے ایک فرقہ زنادقہ کے یہ لفظ حدیث کا ہے اور بعض روایت میں ثابت ہے اور یہ حدیث بظاہر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ فرقہ زنادقہ بھی رسول علیہ السلام کی امت میں سے ہے اس لئے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ایسی غفلت اور ایسی جہالت۔

بروز حشر شود ہچو روز معلومت۔
کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور۔

نیلن علم باری تعالیٰ کے بارہ میں اسی قدر ملنا کافی ہوگا کہ چونکہ جزئیات اور کلیات کا صدور ذات باری تعالیٰ سے ہے تو ضرور ہوا کہ ان کا علم بھی اس ذات کو ہو کیونکہ اس قدر اتقان کے ساتھ ان کا صدور بجز ان کے نہیں کہ ایک ذات عالم سے ہوا ہے اور ان جزئیات کے تغیر سے اس کی ذات میں کوئی تغیر نہیں۔......... کیونکہ یہ تغیرات فقط اضافی اور زمانی ہیں کہ جو ماضی اور حال اور استقبال کے اعتبار سے ہیں لیکن ذات باری تعالیٰ کا علم ازلی ہے کہ جن کو تغیرات ازمنہ متغیر نہیں کر سکتے کیونکہ وہ خالق ازمنہ ہے اس کے علم میں نہ ماضی متصور ہے اور نہ حال و استقبال لہذا کل موجودات ازل سے ابد تک اس کے لئے حضوری ہیں جیسے کہ قرآن کریم ان کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ لایعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض.........مترجم

[1] قال علیہ الصلاۃ والسلام ستفرق امتی نیفا وسبعین فرقۃ کلھم فی الجنۃ الا الزنادقۃ وھی فرقۃ انتھی

Marfat.com

عنقریب میری امت اتنے فرقہ ہوجاویگی اور جو شخص کہ اس کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتا وہ اس کی امت سے نہیں اور جو لوگ کہ اصل معاد اور اصل صانع[1] کا انکار کرتے ہیں تو وہ گویا رسول علیہ السلام کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتے اس لئے کہ وہ زعم کرتے ہیں کہ موت عدم محض ہے اور یہ عالم ہمیشہ سے بنفسہ بغیر کسی صانع کے موجود ہے اور یہ لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور انبیاء علیہم السلام کو مکر اور تلبیس کی طرف نسبت کرتے ہیں لہذا ان لوگوں کو رسول علیہ السلام کی امت کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں پس اس وقت زندقہ امت کا معنیٰ سوائے اس کے نہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

فصل

جان لو کہ جن امور سے تکفیر واجب ہوتی ہے اور جن سے واجب نہیں ہوتی ان کی شرح ایک ایسی لمبی تفصیل کو چاہتی ہے کہ جس کے ذکر کرنے میں ہر مقالہ اور مذہب اور ہر ایک شبہہ اور دلیل اور ظاہری معنیٰ سے وجہ بعد اور وجہ تاویل کے بیان کرنے کی طرف حاجت پڑتی ہے کہ جس کے لئے بڑے بڑے مجلدات بھی احاطہ نہیں کر سکتے اور نہ اس امر کے شرح کرنے کے لئے میری اوقات میں اس قدر گنجائش ہے لہذا اس وقت تو ایک وصیت اور قانون پر قناعت کر چنانچہ وصیت یہ ہے کہ تو اپنی زبان کو اہل قبلہ سے حتی الامکان ہٹا رکھے جب تک کہ وہ بغیر کسی منافقت کے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اس لئے کہ بہرحال تکفیر کا حکم خطرہ سے خالی نہیں اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مناقض امر یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر کسی عذر سے یا سوائے عذر کے جھوٹ کا بولنا جائز رکھیں اور قانون یہ ہے کہ تو جان لیوے کہ جو امور کہ نظر اور اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جو اصول عقائد سے تعلق رکھتا ہے اور ایمان کے تین اصول ہیں اللہ اور رسول اور روز آخرت پر ایمان لانا اور اس کے ماسوا کل فروعات سے ہیں۔

[1] یہ اعتقاد بجز فرقہ دھریہ کے کہ جو بالکل کور عقل ہیں کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ ہر فطرت اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ نفس الامر میں ایک ایسا وجود موجود ہے کہ جو باقی موجودات کے خصوصیات اور احوال سے ممتاز ہے پس اگر وہ موجود واجب ہوا فہو المراد اور اگر ممکن ہوا تو کسی نہ کسی مؤثر کا محتاج ہوگا اور ضرور ہے کہ اس سلسلہ کی انتہاء اس وجود واجب تک پہنچے ورنہ دور اور تسلسل لازم آئیگا اور یہ دونوں باطل ہیں۔ مترجم۔

Marfat.com

اور جان لو کہ اصل امامت اور اس کے تعین اور اس کے شروط اور اس کے متعلقات میں خطا کا ہونا ان میں سے کوئی شخص بھی تکفیر کو واجب نہیں کرتا چنانچہ ابن کیسان نے اصل وجوب امامت کا انکار کیا حالانکہ اس کی تکفیر لازم نہیں ہے اور وہ قوم ۱؎ کہ جو امر امامت کو معظم جانتی ہے اور امام سے ایمان رکھنے کو اللہ اور رسول سے ایمان رکھنے کے مقارن جانتی ہے اور نیز وہ قوم کہ جو ان کے مخالف ہے اور ان کے اس مجرد مذہب امامت سے ان کی تکفیر کرتی ہے ہرگز التفات کے قابل نہیں اور یہ کل فضول گوئی ہے اس لئے کہ تعظیم امر امامت اور خدا اور رسول سے امام کو مقرون کرنے میں کوئی رسول ﷺ کی تکذیب ہرگز لازم نہیں آتی اور جہاں کہیں کہ تکذیب پائی جاوے تکفیر واجب ہے اگرچہ فروعات میں ہو پس ۲؎ اگر کوئی شخص مثلاً یہ کہے کہ جو گھر مکہ میں

۱؎ ہاں یہ درست ہے مگر جو لوگ کہ امام کو قدر معظم بنا دیں کہ درجہ حلول اور تشبیہ تک پہنچا دیں جیسے کہ شیعہ غالیہ کا مذہب ہے تو یہ امر بیشک کفر ہے۔ مترجم۔

۲؎ یہ اعتقاد فرقہ مرجیہ میں سے غسان بن کوفی کا ہے اس کا زعم ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بالتحقیق اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حرام کہا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ آیا وہ خنزیر کہ جس کو حرام کہا گیا ہے وہ یہ بکری ہے یا غیر اس کا تو وہ شخص مومن ہے اور اگر کہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کا حج فرض تو کہا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کعبہ کہاں ہے شاید ہند میں ہو تو یہ شخص اس کے نزدیک مومن ہے اور غسان کا مقصود اس کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ ایسے اعتقادات کو ایمان سے کوئی تعلق نہیں نہ یہ کہ وہ ان امور میں شک رکھتا ہے اس لئے کہ کوئی عقلمند اپنی عقل سے مجاز نہیں کہ وہ جہت کعبہ میں شک کرتا ہو اور ہر عقل والے کے نزدیک بکری اور خنزیر میں فرق ظاہر ہے عبدالکریم شہرستانی کتاب الملل میں لکھتا ہے کہ یہ عجیب امر ہے کہ غسان بن کوفی اس مذہب کو امام ابو حنیفہ کوفیؒ سے حکایت کیا کرتا تھا اور امام صاحب کو فرقہ مرجیہ میں سے شمار کیا کرتا تھا مگر میں امید کرتا ہوں کہ غسان نے جھوٹ کہا شاید ابی حنیفہؒ اور اصحاب ابی حنیفہؒ کو مرجیہ سنت کہا جاتا تھا اور اکثر اصحاب مقالات نے ابی حنیفہؒ کو مرجیہ سے شمار کیا لیکن سبب اصلی اس کا یہ ہے کہ چونکہ امام ابو حنیفہؒ کہا کرتے تھے کہ ایمان فقط تصدیق قلبی ہے اور اس میں نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ نقصان لہذا ان لوگوں نے ظن کر لیا کہ ابو حنیفہؒ اعمال کو ایمان سے مؤخر جانتے ہیں حالانکہ ابو حنیفہؒ عامل ہوتے ہوئے ترک عمل کا فتویٰ کیوں کر دے سکتے تھے اور اس کا ایک دوسرا سبب یہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ فرقہ قدریہ اور معتزلہ سے کہ جو صدر اول میں ظاہر ہوا مخالفت کیا کرتے تھے اور معتزلہ لوگ ہر اس شخص کو کہ جو قدر کے مسئلہ میں ان کا خلاف کرتا تھا مرجیہ کے لقب سے پکارتے تھے اور اسی طرح فرقہ وعیدیہ کا بھی یہی حال تھا اور بعید نہیں۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔

Marfat.com

ہے یہ وہ کعبہ نہیں کہ جس کے حج کے لئے اللہ تعالیٰ نے امر کیا ہے تو یہ کفر ہوگا اس لئے کہ بطریق تواتر رسول اللہ ﷺ سے اس کے برخلاف ثابت ہو چکا ہے اور اگر وہ شخص رسول اللہ ﷺ کی شہادت کا کہ جو اس گھر کی نسبت انھوں نے دی ہے کہ یہ وہی کعبہ ہے انکار کرے تو اس شخص کا انکار سود مند نہیں ہوگا اس انکار میں عناد کر رہا ہے ہاں اگر وہ شخص تھوڑے زمانہ سے مسلمان ہوا ہو اور اس کو اس امر کا تواتر نہ حاصل ہوا ہو تو اس کو معذور سمجھا جاویگا اور اسی طرح اجو شخص کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف فاحشہ ہونے کی نسبت کرے حالانکہ قرآن کریم اس کی پاکی اور عصمت میں نازل ہو چکا ہے تو وہ شخص کافر ہے اس لئے کہ یہ امر اور اس کے مثل بغیر تکذیب اور انکار تواتر کے صادر نہیں ہو سکتا اور انسان جبکہ تواتر کا انکار کرتا ہے تو فقط اپنی زبان سے انکار کرتا ہے لیکن ممکن نہیں کہ اس کو اپنے دل سے بھی بھلا دیوے ہاں اگر ایسے امر کا انکار کرتا ہے کہ جس کا ثبوت اخبار احاد سے ہے تو اس سے کفر لازم نہیں ہوتا اور اگر ایسے امر کا انکار کرے کہ جس کا ثبوت اجماع سے ہے تو پھر امر غور طلب ہے اس لئے کہ اجماع کے حجت ہونے کی معرفت میں اختلاف ہے پس یہ حکم فروعات کا ہے لیکن اصول ثلثہ کا حکم یہ ہے کہ ہر وہ امر کہ جو فی نفسہ تاویل کا احتمال نہیں رکھتا اور اس کی نقل تواتر سے ہے اور یہ بھی متصور نہیں کہ اس کے خلاف پر کوئی برہان قائم ہو تو ایسے امر کی مخالفت تکذیب محض ہے اور مثال اس کی وہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے جیسے حشر اجساد اور بہشت اور دوزخ اور اللہ تعالیٰ کا کل تفصیلی امور پر احاطہ علمی۔ اور جس امر میں کہ تاویل کا احتمال ہو گو مجاز بعید سے کیوں نہ ہو تو اس کے برہان کی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ........ کہ یہ لقب امام ابو حنیفہ کو ان دونوں مخالف فرقوں کی جانب سے لازم ہوا ہو اور حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا غنیۃ الطالبین میں امام صاحب کے بعض اصحاب کو مرجیہ میں سے شمار کرنا اس امر کے لئے صاف دلیل ہے کہ امام صاحب مرجیہ میں سے نہیں تھے لیکن چونکہ غنیۃ میں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ بعض کون ہیں اس لئے اس نقل میں بھی شبہ پایا جاتا ہے لہذا ابن جوزی اور خطیب بغدادی کا قول بھی مردود ہے۔ مترجم۔

اجیسے کہ شیعہ بدکردار منافقین کی اتباع سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف نسبت کرتے ہیں حالانکہ سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ کی نسبت عصمت کا بیان فرمایا ہے اور افترا کرنے والوں کو ملعون بتایا ہے کہ ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والاخرہ ولھم عذاب عظیم یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون الایہ۔ مترجم

Marfat.com

طرف نظر کی جاتی ہے پس اگر برہان قاطع ہو تو اس کا کہنا واجب ہے لیکن اگر اس کے اظہار سے عوام کو بسبب ان کے قصور فہم کے ضرر ہوتا ہو تو اس کا اظہار کرنا بدعت ہے۔ اور اگر ایسا برہان قاطع نہیں کہ جس کے ذریعہ اس امر سے دین میں ضرر کا واقع ہونا معلوم ہوتا ہو۔ جیسے معتزلہ[۱] کا باری تعالیٰ کی رویت کا انکار تو یہ بدعت ہے لیکن کفر نہیں مگر وہ امر کہ جس سے دین میں ضرر کا ہونا ظاہر ہوتا ہے اور اس باعث سے وہ محل اجتہاد میں واقع ہوتا ہے تو اس سے تکفیر اور عدم تکفیر دونوں کا احتمال ہے اور اسی جنس میں سے وہ امر ہے کہ جس کو بعض تصوف کے مدعی دعوے کرتے ہیں کہ ان کی حالت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی ہوگئی ہے کہ جیسے نماز ان سے ساقط ہوگئی ہے اور مسکرات کا پینا اور معاصی کا ارتکاب اور بادشاہوں کا مال کھانا حلال ہوگیا ہے تو ایسے شخص کے وجوب قتل میں کوئی شک نہیں گو خلود نار کا حکم اس کے حق میں غور طلب ہے

---

[۱] اشاعرہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آخرت میں دکھائی دینا صحیح ہے آمدی کا قول ہے کہ ہم کل اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت دنیا اور آخرت میں عقلا جائز ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا سمعاً جائز ہے یا نہیں چنانچہ بعض نے دلیل قرآنی سے اس کا اثبات کیا اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا سوال کہ رب ارنی انظر الیک یہی جواز رؤیت کی دلیل ہے اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا دنیا میں منع ہوتا تو حضرت موسیٰ بھی اس کا سوال نہ کرتے اس لئے کہ عاقل آدمی امر محال کا سوال نہیں کرتا اور جاہل کا منصب نہیں کہ وہ نبی کریم ہو، اور نیز اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو استقرار جبل کے ساتھ متعلق کیا حالانکہ استقرار جبل کا فی نفسہ ممکن ہے اور بعض نے اس کا انکار کیا پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کا خواب میں دکھائی دینا جائز ہے یا نہیں بعض کا قول ہے کہ جائز نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور حق یہ ہے کہ اس رویا سے کوئی امر مانع نہیں اگرچہ یہ رویا حقیقۃً نہیں چنانچہ یہی امام غزالیؒ کا مذہب ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ مثل اور مثال میں فرق ہے مثل ممتنع ہے اور مثال ممتنع نہیں ہے جیسے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ تو مثال کا دکھائی دینا ممکن ہے جیسے کہ آنحضرت ﷺ کا دکھائی دینا اور ہمارے درمیان خلاف نہیں ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات آخرت میں دکھائی جاوے گی اور معتزلہ ذی الحواس کے لئے اس کا جائز ہونا منع رکھتے ہیں اور انھوں نے بہت سے دلائل عقلیہ اس بارہ میں پیش کیے ہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے کہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرہ وسیرون ربکم یوم القیامۃ اور اس مسئلہ کی بحث شرح مواقف میں بہت بسط کے ساتھ ہے کہ جس کا ذکر یہاں پر طوالت کو چاہتا ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

اور ایسے ایک شخص کا قتل کرنا سو کافروں کے قتل سے افضل ہے اس لئے کہ ایسے شخص کا وجود دین میں عظیم الضرر ہے اور اس کے ہونے سے ایک دروازہ اباحت کا اس طرح پر کھل جاتا ہے کہ پھر بند ہونا اس کا دشوار ہے اور نیز اس کا ضرر اس شخص کے ضرر سے زیادہ ہے کہ جو مطلقا صوم وصلوٰۃ کی اباحت کا قائل ہے اس لئے کہ اس شخص سے بسبب اس کے ظہور کفر کے ہر کوئی نفرت کرے گا اور کوئی بھی اس کی طرف کان نہیں لگائے گا لیکن وہ شخص جو اپنا درجہ کفر اس حد تک پہنچاتا ہے کہ صوم وصلوٰۃ کو اس سے ساقط جانتا ہے تو وہ شخص گویا شریعت کو شریعت سے مٹاتا ہے اور زعم کرتا ہے کہ اس نے فقط تکلیفات عامہ کی تخصیص انہیں لوگوں کے ساتھ کی ہے جو اس کے مرتبہ تک نہیں پہنچے اور کبھی زعم کرتا ہے کہ وہ بظاہر تو دنیا سے ملا ہوا اور گناہوں سے مقارن ہے لیکن باطن میں ان سب سے بری ہے اور یہاں تک اس کی شنوائی کرتا ہے کہ ہر فاسق کو اپنی حالت کی مثل پر دعوت دیتا ہے اور شریعت کی رسی اس سے کھولتا ہے اور تجھے یہ ظن کرنا جائز نہیں کہ تکفیر اور عدم تکفیر کا ادراک ہر جگہ ہو سکتا ہے بلکہ تکفیر ایک ایسا حکم شرعی ہے کہ اس کا مرجع اور مآل اور مال کی اباحت اور خون کے بہانے اور خلود نار کی طرف ہے پس تکفیر کا ماخذ باقی احکام شرعی کے ماخذ کی مثل کبھی تو یقین کے ساتھ ادراک کیا جاتا ہے اور کبھی ظن غالب کے ساتھ اور کبھی تردد کے ساتھ اور جہاں کہیں کہ تردد پایا جاوے وہاں تکفیر میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے اور تکفیر کی طرف جلدی کرنا ان طبائع میں غالب ہوتا ہے کہ جن میں جہالت کا وجود غالب ہوتا ہے اور ایک دوسرے قاعدہ سے بھی تنبیہ کرنی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ مخالف کبھی نص متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور زعم کرتا ہے کہ وہ ماؤل ہے اور باوجود اس کے اس کی اس تاویل کے لئے قریب یا بعید کا کوئی محل نہیں تو یہ حکم صریح ہے اور تاویل کرنے والا مکذب ہے گو اپنے کو زعم کرتا ہے کہ وہ تاویل کر رہا ہے اور مثال اس کی جیسے تو نے بعض فرقہ باطنیہ کے کلام میں دیکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو وحدت عطا کرتا ہے اور وحدت کا خالق ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عالم ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو علم عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دوسروں کو ایجاد کرتا ہے اور یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ فی نفسہ واحد یا موجود یا عالم ہے بایں معنی کہ وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہے حالانکہ یہ کفر صریح ہے اس لئے کہ وحدت کو ایجاد وحدت پر حمل کرنا کسی قسم کی تاویل نہیں اور نہ عرب کی لغت اس معنی کے لئے حامل ہے اور اگر وحدت کا خالق اس لئے واحد ہوتا کہ اس نے وحدت کو پیدا کیا ہے تو لازم ہوتا کہ ایسے خالق کو تین اور چار بھی بولا جاتا اس لئے کہ اس نے اعداد کو بھی پیدا

Marfat.com

کیا ہے پس ان مقالات کی مثالیں محض تکذیبات ہیں کہ جن کی تعبیرات تاویلات سے کی جاتی ہے۔

فصل

تو نے ان تفہیمات سے معلوم کرلیا ہے کہ تکفیر کا تعلق کئی اوامر سے ہے پہلا[1] امر یہ کہ اس امر میں نظر کرنی چاہیے کہ جو نص شرعی کہ اپنے ظاہر سے عدول کی گئی ہے کیا اس میں تاویل کا احتمال ہے یا نہیں اور اگر تاویل کا احتمال ہے تو کیا یہ تاویل قریب ہے یا بعید۔ اور قابل تاویل اور غیر قابل تاویل نص کی معرفت کوئی آسان امر نہیں ہے بلکہ اس میں وہی شخص مشغل رکھ سکتا ہے کہ جو علم لغت میں ماہر اور حاذق اور اصول لغت کا عارف ہو اور باوجود اس کے پھر استعارات اور مجازات میں ان الفاظ کے طریقہ استعمال اور امثال کے بیان کرنے میں عرب کی عادت اور عرف کا بھی ماہر اور عارف ہو۔ دوسرا امر یہ ہے کہ آیا وہ نص کہ جس کا ظاہر ترک کیا گیا ہے کیا بطریقہ تواتر ثابت ہے یا بطریقہ احاد یا فقط اجماع سے ہے پس اگر ان کا ثبوت بطریقہ تواتر ہے تو کیا بشرط تواتر ہے یا نہیں اس لئے کہ بسا اوقات مستفید آدمی نص مستفاض کو متواتر گمان کرتا ہے حالانکہ تواتر کی تعریف یہ ہے کہ جس میں شک کا ہونا ممکن نہ ہو جیسے انبیاء علیہم السلام اور بلاد مشہورہ وغیرہ کے وجود کا علم اس لئے کہ ان کے وجود کا علم ہر عصر میں زمانہ نبوت تک اس طرح متواتر رہا ہے کہ ہرگز یہ امر متصور نہیں ہے کہ کسی زمانہ میں عدد تواتر میں نقصان ہوا ہو اور تواتر کی بھی شرط ہے کہ اس امر کا اس میں احتمال بھی نہ ہو جیسے کہ قرآن کریم کے بارے میں ہے لیکن غیر قرآن کے بارہ میں تواتر کا ادراک نہایت غامض اور گہرا ہے اور اس کے ادراک کے لئے بجز ان لوگوں کے کسی دوسرے کو اشتغال جائز نہیں کہ جو کتب تواریخ اور گزشتہ زمانوں کے احوال اور کتب احادیث اور احوال رجال احادیث اور نقل مقالات میں ان کے اغراض سے بحث کرتے ہیں اس لئے کہ کبھی ہر عصر میں تواتر کا عدد پایا جاتا ہے لیکن اس علم کا حصول نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ امر متصور ہے کہ ایک جماعت کثیرہ کو باہم توافق کرنے میں کسی قسم کا رابطہ ہو علی الخصوص جبکہ اہل مذاہب کے درمیان تعصب ہونا چنانچہ یہ بھی وجہ ہے کہ تو رافضیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ علیؓ کے حق میں امامت کی نسبت نص کا دعویٰ کرتے ہیں باایں اعتبار کہ یہ نص ان کے نزدیک متواتر ہے حالانکہ ان کے

[1] ابھی پہلا مسئلہ ہے کہ جس نے اہل سنت اور شیعہ اسلام میں دو متقابل اور متضاد فرقہ بنا دیئے جس کی تشریح کتب تواریخ خصوصاً تاریخ محب طبری اور حبیب السیر وغیرہ میں مشرح ہے۔ اور ہم نے بھی اس کی تشریح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ کہ جو انشاء اللہ تعالیٰ خود طبع ہو کر شائع ہوگا۔ مترجم

Marfat.com

مخالف اس تواتر کے کہ جو رافضیوں کے نزدیک ہے اس لئے کہ رافضیوں کو جھوٹی اور بناوٹی باتوں کی اشاعت کرنے میں باہم نہایت سخت موافقت ہوتی ہے لیکن وہ نص کہ جس کا استناد اجماع کی طرف ہے اس کا ادراک نہایت ہی گہرا ہے اس لئے کہ اس کی شرط ہے کہ تمام اہل اجتہاد ایک ہی خطہ میں جمع ہوں اور پھر صریح لفظ کے ساتھ ایک امر پر اتفاق کریں اور پھر ایک قوم کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اہل اجتہاد اس امر متفق علیہ پر ایک مدت تک قائم رہیں اور دوسری قوم کے نزدیک یہ ہے کہ اس عصر کے ختم ہونے تک اس امر متفق علیہ پر عمل کریں اور یا اس کی یہ شرط ہے کہ امام وقت کل اہل اجتہاد کے ساتھ اطراف زمین میں خط و کتابت کر کے ان کے فتاوے ایک ہی عصر میں جمع کرے اس طرح پر ان کے اقوال میں صریح الفاظ سے اتفاق ہوتا کہ اس سے رجوع کرنا ممکن نہ ہو اور بعد اس کے خلاف نہ ہو سکے پھر اس امر میں نظر رہے کہ آیا جو شخص کہ بعد اتفاق کے مخالفت کرے کیا اس کی تکفیر ہو سکتی ہے یا نہیں اس لئے کہ بعض آدمیوں کا خیال یہ ہے کہ جبکہ وقت اتفاق میں بھی مخالفت کا ہونا جائز ہے اور پھر ان کو موافقت پر لایا جاتا ہے تو یہ ممتنع نہیں کہ بعد نفاق کے کوئی ان میں سے اختلاف کرے لہذا یہ بھی ایک امر مفسر ہے تیسرا امر یہ ہے کہ اس امر میں نظر کرنی چاہیے کہ آیا صاحب مقالہ کے نزدیک خبر کا ثبوت تواتر سے ہوا ہے یا اس کو اجماع پہنچا ہے اس لئے کہ ہر وہ شخص کہ کسی خبر کی تاویل کرتا ہے یہ ضروری نہیں کہ اس کے نزدیک امور ماولہ کا ثبوت تواتر سے ہو یا اجماع کے مقامات اسکے نزدیک خلاف کے مواقع سے ممتاز ہوں بلکہ وہ شخص ان امور کا ادراک بتدریج کرتا ہے اور وہ سلف کی ان کتابوں کے مطالعہ سے اس امر کی معرفت حاصل کرتا ہے کہ جو اختلاف اور اجماع کے بیان میں تصنیف کی گئی ہیں پھر ایک یا دو تصنیفات کے مطالعہ سے یہ امر حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ اس قدر سے اجماع کا تواتر حاصل نہیں ہوتا چنانچہ ابو بکر فارسی نے اجماع کے مسائل میں ایک کتاب تصنیف کی اور اسکے اکثر مسائل اجماعیہ کا انکار کیا گیا اور بعض مسائل میں اہل علم نے مخالفت کی پس اس صورت میں جو شخص کہ اجماع کی مخالفت کرے حالانکہ ابھی اس کے نزدیک اس کا ثبوت نہیں ہے تو وہ شخص جاہل خطا کن ہے مکذب نہیں لہذا اس کی تکفیر بھی ممکن نہیں اور اس امر کی تحقیق کی معرفت میں اشتغال رکھنا کوئی آسان امر نہیں چوتھا امر اس دلیل کے بیان میں کہ جو تاویل کرنے والے کے لئے مخالفت ظاہر کے باعث ہے کہ آیا وہ دلیل شرط برہان کے موافق ہے یا نہیں۔ اور شروط برہان کی معرفت کی شرح بغیر بڑی مجلدات کے ممکن نہیں اور وہ جو ہم نے کتاب قسطاس مستقیم اور کتاب محک النظر میں ذکر کیا ہے فقط ایک نمونہ ہے

Marfat.com

اوراس زمانہ کے اکثر فقہاء کی طبیعت پوری طور پرشروط برہان کے سمجھنے سے رکتی ہے حالانکہ اس کا سمجھنا ضروری امر ہے اس لئے کہ اگر برہان قطعی ہو تو تاویل کرنے میں رخصت ہے اگر چہ وہ تاویل بعید کیوں نہ ہو اور اگر برہان قطعی نہ ہو تو بغیر ایسی تاویل قریب کے جو قریب الفہم ہے رخصت نہیں پانچواں امراس امر کے بیان میں کہ آیا اس مقالہ کا ذکر کہ جو اہل تاویل کے نزدیک ہے کیا دین میں اس کا ضرر عظیم ہے یا نہیں اس لئے کہ جس مقالہ کا ضرر دین میں عظیم ہو تو اسمیں ایک قسم کی آسانی ہے گو وہ قول برا اور ظاہر البطلان کیوں نہ ہو جیسے اس شخص کا قول کہ جو امام کے انتظار میں ہے کہ امام سرداب میں چھپا ہوا ہے اور وہ شخص امام کے نکلنے کا منتظر ہے اس لئے کہ یہ قول صریح جھوٹ اور نہایت برا ہے لیکن اس کا ضرر دین میں کچھ نہیں بلکہ اس کا ضرر اسی احمق پر ہے کہ جو امام کے نکلنے کا منتظر کھڑا ہے اس لئے کہ وہ ہر روز شہر سے امام کے استقبال کے لئے باہر نکلتا ہے تا کہ امام شہر میں داخل ہو لیکن وہ شخص نا امید ہو کر اپنے گھر کی طرف واپس جاتا ہے پس یہ ایک مثال ہے لیکن مقصود اس سے یہ ہے کہ ہر بے ہودہ گوئی سے گو وہ ظاہر البطلان کیوں نہیں قائل کی تکفیر نہیں چاہیے۔ پس جس وقت تو نے سمجھ لیا کہ تکفیر کے امر میں نظر کرنا ان تمام مقامات پر موقوف ہے کہ جن کے احاد پر دلیروں کو بھی استقلال نہیں تو اس وقت تو نے جان لیا کہ جو شخص اس شخص کی تکفیر کے لئے جلدی کرتا ہے کہ جس نے اشعری یا غیر اشعری کی مخالفت کی ہے وہ ایک جاہل مفتری ہے اور کیونکر ایک فقیہ شخص فقط فقہ دانی سے اس امر عظیم کے لئے استقلال کر سکتا ہے اور وہ ان علوم کو فقہ کی کونسی چوتھائی میں پاویگا پس جب تو ایسے فقیہ شخص کو جس کی بضاعت مجرد فقہ ہے تکفیر اور تضلیل میں خوض کرتے دیکھے تو تو ایسے فقیہ سے اعراض اور روگردانی کر اور اپنے دل اور زبان کو اس کے ساتھ مشغول نہ کر اس لئے کہ دعویٰ علوم کا ایک ایسا طبعی امر ہے کہ جاہلوں کو اس سے صبر نہیں ہو سکتا اور اسی وجہ سے آدمیوں کے درمیان اختلافات بڑھے ہیں اور اگر جو شخص کہ نہیں جانتا خاموش رہتا تو ہرگز اس قدر اختلافات مخلوقات میں نہ پھیلتے۔

فصل

سب سے زیادہ غلو اور فضولی کرنے والا فرقہ متکلمین کا ایک طائفہ ہے کہ جنہوں نے عام مسلمانوں کی تکفیر کی اور انہوں نے زعم کر لیا کہ جو شخص ہمارے مثل علم کلام کو نہیں جانتا اور

Marfat.com

عقائد شرعیہ کو ان دلیلوں سے نہیں جانتا کہ جو ہم نے تحریر کی ہیں وہ کافر ہے پس ان لوگوں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو اس کے بندوں پر تنگ کر دیا اور جنت کو متکلمین میں سے ایک جماعت قلیلہ پر وقف کر دیا اور ثانیاً انہوں نے سنت متواترہ کو بھلا دیا اس لئے کہ عصر رسول ﷺ اور عصر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان پر ظاہر ہے کہ انہوں نے عرب کے ان بدوی طائفوں کے اسلام پر حکم کیا جو اوثان کی عبادت میں مشغول رہتے تھے اور انہوں نے ان بدویوں کو ان دلیلوں کے جاننے کے لئے مشغول نہ کیا اور اگر وہ بدوی تعلیم دلیل کے لئے مشغول بھی ہوتے تو بھی اس کو سمجھ نہ سکتے اور جو شخص یہ ظن کرتا ہے کہ ایمان کا ماخذ علم کلام اور مجرد دلیلیں اور وہ تقسیمات ہیں کہ جو علم کلام میں مرتب ہیں تو وہ شخص راہ راست سے بہت دور ہے بلکہ ایمان ایک ایسا نور ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں بطور عطیہ اور ہدیہ کے کبھی تو ایک ایسی باطنی تنبیہ کے ذریعہ سے القاء کرتا ہے کہ جس کی تعبیر ممکن نہیں اور کبھی بذریعہ خواب کے دیکھنے کے اور کبھی کسی دیندار آدمی کے حال کے مشاہدہ اور اس کی صحبت اور مجالست کے ذریعہ سے اس کی طرف نور ایمان کی سرایت ہوتی ہے اور کبھی قرینہ حال کے ذریعہ سے چنانچہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی طرف انکار کی حالت میں آیا پس جبکہ اس اعرابی کی نظر آنحضرت ﷺ کے نورانی چہرے پر پڑی اور اس نے آنحضرت کے چہرہ مبارک پر انوار نبوت کو چمکتے دیکھا تو بے اختیار بول اٹھا کہ واللہ ما ھذا بوجہ کذاب، یعنی خدا کی قسم یہ منہ جھوٹ بولنے والا نہیں اور اسی وقت اس اعرابی نے سوال کیا کہ اس کو اسلام کی تعلیم کی جاوے اور ایک دوسرا اعرابی آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تجھ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث کیا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اللہ کی قسم مجھے اللہ نے نبی بنا کر مبعوث کیا ہے تو وہ اعرابی آنحضرت کی اس قسم کی تصدیق کر کے مسلمان ہو گیا اور اس کی مثال بے شمار ہیں حالانکہ ان میں سے کوئی بھی علم کلام میں مشغول نہ ہوا اور نہ دلیلوں کے سیکھنے میں بلکہ ایسے ہی قرینوں سے اسلام کے نور نے ان کے دلوں میں سفید چمک دی۔

پس اے میری دانش یہ کب آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سے منقول ہے کہ انہوں نے اعرابی کو حاضر کیا اور وہ اسلام لایا اور آنحضرت ﷺ نے اس اعرابی کو عالم کے محدث ہونے پر یہ دلیل بتائی کہ عالم حوادث اور اعراض سے خالی نہیں اور جو شے کہ حوادث سے خالی نہیں پس وہ حادث ہے اور اللہ تعالیٰ علم کے ساتھ عالم اور ایسی قدرت کے ساتھ قادر ہے کہ جو

Marfat.com

اس کی ذات پر زائد اور پھر وہ ہے اور نہ پھر یہ اور اسی طرح متکلمین کی رسومات بھی اور میں فقط یہی نہیں کہتا کہ فقط یہی الفاظ منقول نہیں بلکہ کوئی دوسرا ایسا لفظ بھی منقول نہیں کہ جس سے ان الفاظ کے معانی پیدا ہوتے ہوں بلکہ کوئی معرکہ بجز اس فتح کے نہیں تھا کہ تلوار ان کے سایہ کے نیچے کئی جوان مرد بدوی ہوتے تھے اور قیدیوں کی جماعت قریب یا بعید زمانہ کے بعد یکے بعد دیگرے اسلام لاتے تھے اس وقت ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ کلمہ شہادت ان کو پڑھانے کے بعد نماز اور زکوٰۃ کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے بعد ان کو اپنے اپنے پیشہ کے لئے رخصت دیجاتی تھی خواہ وہ پیشہ بکریوں کا چرانا یا کوئی دوسرا اسی قسم کا ہوتا تھا۔ ہاں میں اس امر کا انکار نہیں کرتا کہ متکلمین کا ادلہ کو ذکر کرنا بعض آدمیوں کے حق میں ایمان کے لئے ایک سبب ہے لیکن ایمان کا حصول فقط انہیں ادلہ متکلمین پر موقوف نہیں اور یہ بھی ایک نادر طور پر ہے بلکہ سب سے نفع مند وہ کلام ہے کہ جو معرض وعظ میں جاری ہو جیسا کہ قرآن کریم اسی معنی پر مشتمل ہے مگر جو کلام کہ طریقہ متکلمین پر تحریر کیا گیا ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ بطریق جدال کے ہے تا کہ عامی لوگ اس سے عاجز ہو جاویں نہ اس لئے کہ وہ فی نفسہ حق ہے اور بعض اوقات ایسا کلام عامی کے حق میں عناد قلبی کے استحکام کا وسیلہ بن جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تو نے بھی متکلمین یا فقہاء کی مجلس ومناظرہ کو نہیں دیکھا کہ جس میں کوئی شخص اعتزال یا بدعت سے تائب ہوا ہو یا شافعیؒ کے مذہب سے ابی حنیفہؒ کے مذہب کی طرف یا بالعکس انتقال کیا ہو حالانکہ ان انتقالات کے اسباب دوسرے ہیں یہاں تک کہ تلوار کے ساتھ مقاتلہ بھی ایک سبب ہے اور یہی وجہ ہے کہ سلف نے دعوت اسلام میں ایسے مجادلات کو عادت نہیں بنایا بلکہ انہوں نے علم کلام میں خوض کرنیوالے اور بحث اور سوال میں شغل رکھنے والے کی تشدید کی اور جبکہ ہم نے مداہنت کو چھوڑا اور کسی جانب کی رعایت نہ کی لہذا ہم نے تصریح کر دی ہے کہ علم کلام میں بجز دو شخصوں کے کسی تیسرے کو خوض کرنا حرام ہے ایک وہ شخص ہے کہ جس کو کوئی ایسا شبہ واقع ہوا ہے کہ اس کے دل سے نہ قریب الفہم واعظانہ کلام سے دور ہوتا ہے اور نہ حدیث رسول کریم ﷺ سے تو اس وقت جائز ہے کہ قول کلامی جو کہ علم کلام کے طریق پر مرتب ہے اس شخص کے شبہ کو دور کرنے والا اور اس کے مرض کے لئے دوائی ہو پس ایسے شخص کے ساتھ قول کلامی کا استعمال جائز ہے تا کہ اس شبہ اور اس مرض سے نجات پاوے لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی واجب ہے کہ وہ تندرست کہ جس کو ایسا مرض نہیں اس کے کانوں سے ایسے قول کو نگاہ رکھا جاوے کہ احتمال ہے کہ اس قول کے سننے سے اس تندرست کے دل میں کسی شبہ کی حرکت ہو اور وہ اس سے مریض ہو جاوے اور اعتقاد صحیح اور قطعی سے

Marfat.com

تزلزل کر جاوے اور دوسرا وہ شخص ہے کہ جس کی عقل کامل اور دین میں راسخ القدم اور انوار یقین سے ثابت الایمان ہے اور وہ خواہش کرتا ہے کہ اس صنعت کلامی کو حاصل کرے تاکہ وہ مریضوں کے لئے کہ جب ان کو کوئی شبہ واقع ہو دوا کرے اور جبکہ کوئی اہل بدعت ظاہر ہو تو اس کو لاجواب کرے اور جب کوئی اہل بدعت صحیح العقیدہ کے گمراہ کرنے کا قصد کرے تو وہ اس کو اس گمراہی سے بچاوے پس علم کلام کا اس غرض سے حاصل کرنا فرض کفایہ سے ہے اور اس علم کا اس مقدار پر حاصل کرنا کہ جس سے شک وشبہ دور ہو جاوے شک اور شبہ والے شخص کے لئے فرض عین ہے لیکن اس صورت میں کہ اس کے قطعی اعتقاد کا اعادہ کسی دوسرے طریق سے ممکن نہ ہو اور حق صریح یہ ہے کہ جو شخص قطعی طور پر اعتقاد رکھتا ہے کہ جو کچھ کہ رسول اکرم ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ کہ قرآن کریم میں ہے برحق ہے تو وہ شخص مومن ہے گو وہ شخص ان امور کی دلیلوں سے آگاہ نہ ہو بلکہ وہ ایمان کہ جو دلیل کلامی سے حاصل ہوتا ہے نہایت ضعیف اور ہر ایک شبہ سے تزلزل کے کنارے پر ہوتا ہے بلکہ ایمان محکم وہ ہے کہ جو عوام الناس کو زمانہ طفولیت میں تواتر سماع یا بعد از بلوغ ایسے قرائن سے حاصل ہوتا ہے کہ جن کی تعبیر ممکن نہیں اور ایمان کا پورا پورا محکم ہونا عبادت اور ذکر الٰہی کی ملازمت سے ہوتا ہے اس لئے کہ جس شخص کو عبادت ظاہری حقیقت تقویٰ تک پہنچادیتی ہے اور اس کے باطن کو کدورت دنیا سے پاک کردیتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے مدام ذکر کی ملازمت سے اس کے لئے معرفت کے انوار جلوہ گر ہو جاتے اور وہ امور کہ جو اس نے بطور تقلید کے اختیار کئے ہیں اس کے نزدیک مثل معائنہ اور مشاہدہ کے ہو جاتے ہیں اور یہ وہی حقیقت معرفت کی ہے کہ جس کا حصول بغیر عقدہ اعتقاد کے حل ہونے اور اللہ کے نور سے انشراح صدر کے ہونے تک ممکن نہیں ہے پس جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور وہ اللہ کے نور سے پر ہو جاتا ہے جیسا کہ کسی نے رسول اکرم ﷺ سے شرح صدر کے معنی کا سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے جو اللہ کی طرف سے ڈالا جاتا ہے سائل نے پوچھا کہ وہ علامت کیا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دار غرور سے کنارہ کش ہونا اور دار خلود کی طرف مائل ہونا پس اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل کلام کہ جو دنیا کی طرف مائل اور اس پر ہلاک ہوتا ہے اس نے حقیقت معرفت کی حاصل نہیں کی اور اگر اس کو حاصل کرتا تو وہ قطعاً دار غرور سے کنارہ کش ہوتا۔

Marfat.com

فصل

شاید تو کہے گا کہ تکفیر اور تکذیب کا ماخذ خود نصوص شرعیہ ہیں اور شارع نے ہی رحمت الٰہی کو مخلوقات پر تنگ کیا ہے نہ کہ متکلم نے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو فرمائے گا اے آدم اپنی اولاد میں سے ایک تعداد کو آگ میں روانہ کر اس پر حضرت آدم عرض کریں گے کہ اے رب کتنوں میں سے کتنوں کو روانہ کروں پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ایک ہزار میں سے ۹۹۹ نوسو ننادے کو روانہ کر اور نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ عنقریب میری امت ستر پر چند فرقہ ہو جائے گی لیکن ان میں نجات پانے والا فرقہ ایک ہی ہوگا پس اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث پہلی بے شک صحیح ہے لیکن اس سے یہ امر مراد نہیں کہ وہ نوسوننادے آدمی کفار ہونگے اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان میں سے بعض کو آگ میں داخل کیا جاویگا اور بعض کو آگ کے سامنے کیا جاویگا اور بعض کو گناہوں کے مطابق آگ میں چھوڑا جاویگا اور گناہوں سے بالکل معصوم اور پاک ہزار میں سے ایک ہی ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وان منکم الا واردھا یعنی تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جو آگ کی طرف ورود نہ کرے پھر آگ کی طرف روانہ ہونے سے وہ شخص مراد ہے کہ جو اپنے گناہوں کے عوض میں آگ کا مستحق ہے اور جائز ہے کہ شفاعت کے ساتھ دوزخ کے راستہ سے لوٹایا جاوے جیسا کہ وسعت رحمت کی نسبت اکثر احادیث وارد ہیں اور ان کی تعداد شمار سے زیادہ ہے چنانچہ ایک ان میں سے وہ حدیث ہے کہ جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو نہ پایا اور میں نے جستجو کی اور دیکھا کہ آپ ایک آپ توشی کے مکان میں نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے سر مبارک پر تین انوار ہیں پس جبکہ آنحضرت ﷺ نماز کو ادا کر چکے تو فرمانے لگے کہ تیرا کیا نام اور یہ کون ہے میں نے عرض کی کہ میں عائشہ ہوں یارسول اللہ تو پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ کیا تو نے ان تینوں انوار کو دیکھا ہے میں نے عرض کی کہ ہاں یارسول اللہ تو پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کریگا۔ پھر وہی آنے والا دوسرے نور میں آیا اور اس نے بشارت دی کہ ستر ہزار کے ہر واحد کے بجائے ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

Marfat.com

پھر وہی آنے والا تیسرے نور میں آیا اور بشارت دی کہ بجائے ہر واحد ستر ہزار نصف کے ستر ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کریگا پس میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ تیری امت کی مقدار اور تعداد اس درجہ تک نہ ہوگی پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کا تکملہ ان اعراب سے کیا جاویگا کہ جو روزہ اور نماز کو ادا نہیں کرتے پس یہ اور مثل اس کی جو اخبار کہ وسعت رحمت پر دلالت کرتی ہیں بکثرت ہیں اور یہ خاص کر حضرت محمد ﷺ کی امت میں ہے لیکن [1]میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ گزشتہ امتوں میں سے بھی بہتوں کو شامل ہوگی گو ان میں سے اکثروں کو آگ کے سامنے کیا جاویگا ایک لحظہ یا ایک ساعت کے لئے یا ایک مدت کے لئے تا کہ ان پر اطلاق کیا جاویگا کہ وہ آگ کی طرف روانہ کئے گئے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں جو روم اور ترک کے نصاریٰ ہیں ان کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ رحمت شامل ہوگی اور مراد میری ان انصار سے وہ لوگ ہیں کہ جو روم اور ترک کی اخیر جانب میں سکونت رکھتے ہیں اور ان کو دعوت اسلام کی نہیں پہنچی اس لئے کہ یہ لوگ تین قسم ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جن کو محمد ﷺ کا نام بھی نہیں پہنچا پس یہ لوگ تو معذور ہیں اور دوسری قسم وہ ہے کہ جن کو محمد ﷺ کا نام مبارک اور لغت شریف تو پہنچی ہے لیکن معجزات کا ظہور ان پر نہیں ہوا اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو بلاد اسلام کے قرب وجوار میں ہیں اور ان سے اختلاط رکھتے ہیں اور یہ لوگ کافر ہیں کہ جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور تیسری قسم ان دونوں قسموں کے درمیان ہے کہ جن کو محمد ﷺ کا اسم شریف تو پہنچا لیکن آنحضرت ﷺ کی نعت اور صفت ان کو نہیں پہنچی بلکہ انھوں نے طفولیت کے زمانہ سے سنا ہے کہ ایک جھوٹے اور مکار شخص نے۔ کہ جس کا نام محمد ہے نبوت کا دعویٰ کیا جیسا کہ ہمارے لڑکے سنتے ہیں کہ ایک جھوٹے شخص نے کہ جس کا نام مقفع کہا جاتا ہے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا پس یہ لوگ میرے نزدیک قسم اول میں شمار کیے جاتے ہیں اس لئے کہ ان لوگوں نے جیسا کہ محمد ﷺ کا اسم شریف سنا ہے ویسا ہی انھوں نے آنحضرت کے اوصاف کی ضد کو سنا ہے اور اس قدر علم سے طلب کے داعیہ میں حرکت پیدا نہیں ہوتی تا کہ ان لوگوں کو معذور نہ سمجھا وے اور دوسری حدیث کو جس میں یہ بیان ہے کہ فرقہ نجات پانے والا ایک ہے اس کی روایت میں اختلاف ہے چنانچہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ فرقہ ہلاکت میں پڑنے والا ایک ہے لیکن زیادہ تر مشہور پہلی روایت ہے۔ اور نجات پانے والے فرقہ سے مراد وہی فرقہ ہے کہ جو آگ کے سامنے نہیں کیا جاویگا اور شفاعت کی طرف محتاج نہ ہوگا بلکہ وہ شخص کہ جس

[1] یہ امام غزالی کا قول ہے۔

Marfat.com

کے ساتھ زبانیہ تعلق پکڑیگا تا کہ اس کو آگ کی طرف کھینچے تو وہ شخص مطلق نجات والا نہیں گو شفاعت کے ذریعہ سے ان کے پنجہ سے نکل جاویگا اور ایک روایت میں ہے کہ کل نجات پاویں گے مگر فرقہ زندقہ اور ممکن ہے کہ کل روایتیں صحیح ہوں اور ہلاکت والا ایک ہی فرقہ ہو کہ جو ہمیشہ آگ میں رہیگا اور ہلاکت والے سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کی صلاحیت کی امید باقی نہ رہی ہو اس لئے کہ ہلاکت والے کے لئے بعد از ہلاکت کسی خیر اور بھلائی کی امید نہیں کی جاتی۔ اور فرقہ نجات والا بھی ایک ہو کہ جو جنت میں بغیر حساب اور شفاعت کے داخل ہوگا اس لیے کہ جس شخص کا حساب لیا جاویگا تو وہ بھی مطلق نجات والا نہیں۔ پس یہ دو فرقہ ہالک اور ناجی گویا دو طرفیں ہیں کہ جو شر خلق اور خیر خلق سے معبر ہیں اور جو ان دونوں درجوں کے درمیان ہیں پس ان میں سے بعض تو ایسے ہونگے کہ جن کو فقط حساب کا عذاب ہوگا اور بعض ایسے ہونگے کہ جو آگ کے نزدیک لیجائے جاویں گے اور شفاعت سے واپس کیے جائیں گے اور بعض ایسے ہونگے کہ جو اپنی خطاء عقیدہ اور بدعت کے انداز پر اور کثرت اور قلت معاصی کے موافق آگ میں رہیں گے پس اس امت میں سے جو فرقہ ہلاکت والا کہ ہمیشہ آگ میں رہے گا وہ فقط ایک کہ جس نے تکذیب کی اور رسول اللہ ﷺ پر بنابر مصلحت جھوٹ کا بولنا جائز رکھا۔ لیکن باقی امتوں میں سے وہ شخص کہ جس نے متواتر آنحضرت ﷺ کے خروج اور آنحضرت کی صفات اور معجزات خارق عادت جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور کنکروں کا تسبیح کا پڑھنا اور آنحضرتؐ کی انگلیوں سے پانی کا جوش مار کر نکلنا اور ایسے قرآن معجز کو سنا کہ جس کا معارضہ اہل فصاحت نے کرنا چاہا لیکن عاجز ہو گئے اور پھر اس نے باوجود سننے کے اعراض اور روگردانی کی اور اس نے ان امور میں غور اور تامل نہ کیا اور اس نے تصدیق کی جلدی نہ کی تو ایسا شخص ہی منکر اور مکذب ہے اور یہی کافر ہے اور اس میں روم اور ترک کے وہ اکثر لوگ کہ جنکے بلاد اسلام کے بلاد سے بعید ہیں داخل نہیں ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ جس شخص کے کان تک یہ امور پہنچے تو ضرور ہے کہ داعیہ طلب اس کو حرکت میں لادے تا کہ حقیقت امر کی ظاہر ہو اگر وہ اہل دین سے ہے اور ان لوگوں میں سے نہیں کہ جنہوں نے حیات دنیا کو آخرت پر دوست رکھا اور اگر اس کو یہ داعیہ حرکت میں نہ لادے اس وجہ سے کہ وہ دنیا کی طرف مائل اور امر دین کے خوف اور خطرہ سے نڈر ہے تو یہ کفر ہے اور اگر اس کو داعیہ طلب حرکت میں لاوے لیکن طلب میں اس نے قصور کیا تو بھی کفر ہے بلکہ ہر اہل ملت میں سے جو شخص کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے ممکن نہیں کہ وہ طلب میں قصور کرے پس اگر اس نے نظر اور طلب میں قصور نہ کیا اور اس میں مشغول رہا اور اسی میں مر گیا

Marfat.com

قبل اس کے کہ اس کی تحقیق تمام ہوتی تو وہ شخص بھی اہل مغفرت ہے اور رحمت واسعہ اس کے لئے بھی عام ہے پس تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا طالب ہو اور امور الٰہیہ کو مختصر رسمی میزانوں سے وزن نہ کر۔ اور جان لو کہ آخرت دنیا سے قریب ہے پس تمہاری پیدائش اور بعثت فقط نفس واحد کی مثل ہے اور جیسے کہ اکثر اہل دنیا کے ایسی نعمت یا سلامت یا حالت میں ہوتے ہیں کہ اس پر غبط ہوتا ہے اس لئے کہ اگر ان کو مثلاً اس حالت اور موت کے درمیان اختیار دیا جاوے تو وہ اسی حالت اور نعمت اور سلامت کو اختیار کرتے ہیں لیکن جس کو دنیا میں عذاب اور تکلیف ہوتی ہے اس کا موت کی خواہش کرنا نادر ہے پس اسی طرح جو لوگ کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بہ نسبت ان لوگوں کے جو نجات والے ہیں اور آخرت میں آگ سے نکالے جاویں گے نادر ہیں اس لئے کہ ہمارے احوال کے مختلف ہونے سے صفت رحمت میں تغیر نہیں اور دنیا اور آخرت تیرے اختلاف حال سے معبر ہے اور اگر یوں نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کوئی معنی نہ ہوتا جو فرماتے ہیں کہ پہلے جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اول میں لکھا ہے یہ کہ میں ہی اللہ ہوں کہ میرے سوائے کوئی اللہ نہیں میری رحمت کو میرے غضب پر سبقت ہے پس جس شخص نے اس امر کی شہادت دی کہ اللہ کے سوائے کوئی دوسرا اللہ نہیں اور محمد اس کا بندہ اور رسول ہے تو اس کے لئے جنت ہے اور جان تو کہ بصارت والوں کو اسباب اور مکاشفات کے ذریعہ

۱چنانچہ صاحب فصوص اعنی قطب الاقطاب غوث الاحباب جناب بحر الحقایق حضرت محی الدین ابن العربیؒ کا مکشوف ہے کہ ہر ایک جہنمی کا مآل کار رحمت الٰہی ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان رحمتی وسعت کل شیء اور کفار کے لئے دوزخ کا عذاب تین حقبہ تک ثابت کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کفار کے حق میں دوزخ کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہوگی جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے حق میں نمرود کی آگ بردو سلام ہوگئی تھی۔ اور انھوں نے وعید حق تعالیٰ میں خلف جائز رکھ کر فرمایا ہے کہ کوئی اہل دل خلود عذاب کفار کا قائل نہیں لیکن حضرت امام ربانی قیوم حقانی شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات کے جلد اول مکتوب ۲۶۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ صاحب فصوص ”درین مسئلہ نیز از صواب دور افتادہ است نہ دانستہ است کہ وسعت رحمت درحق مومنان و کافران مخصوص بدنیاست و آخرت بوئے از رحمت بکافر نرسد کما قال تعالیٰ انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون وقال تعالیٰ ورحمتی وسعت کل شیء فساکتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ھم بایتنا یؤمنون شیخ اول آیت را خواندہ و آخر را کار نفرمودہ گریمہ ولا تحسبن اللہ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں.....

سے بھی رحمت کی سبقت اور شمول کا انکشاف ہوا ہے بغیر اس کے کہ اخبار اور آثار کو انھوں نے سنا ہے لیکن اس کا بیان کرنا طوالت چاہتا ہے پس اگر تو نے ایمان اور عمل صالح کو جمع کیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نجات مطلقہ تیرے لئے بشارت ہے اور اگر تو ان دونوں سے خالی رہا تو ہلاکت مطلقہ کی بشارت ہے اور اگر تو اصل تصدیق میں یقین رکھتا ہے اور بعض تاویلات میں خطایا شک یا اعمال میں خطا تو نجات مطلقہ کی طمع نہ کر اور جان لے کہ یا تو تجھے ایک مدت تک عذاب دیا جاویگا اور پھر نجات ہوگی اور یا وہ شخص تیری نجات کریگا کہ جس کی تصدیق تو ان تمام امور میں کرتا ہے کہ جو وہ اللہ سے لایا ہے یا کوئی دوسرا شفاعت کریگا پس تو کوشش کر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تجھے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے بے پرواہ کر دے اس لئے کہ شفاعت کا امر بھی خطرناک ہے۔

فصل

بعض آدمیوں کا ظن ہے کہ تکفیر کا ماخذ عقل ہے شرع نہیں اور جو شخص کہ اللہ سے جاہل ہے کافر ہے اور جو اس کا عارف ہے مومن ہے پس اس کو کہا جاویگا کہ اباحت دم اور خلود فی النار کا حکم جو شرعی ہے قبل ورود شرع کے اس کا کوئی معنی نہیں اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ شارع کے قول سے مفہوم ہے کہ جو شخص کہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہے وہی کافر ہے تو یہ حصر ممکن نہیں اس لئے کہ جو شخص رسول اور آخرت سے جاہل ہے وہ بھی تو کافر ہے پھر اگر ذات الٰہی سے جاہل ہونے کی تخصیص کی جاوے اور اس جہالت سے اللہ تعالیٰ کے وجود یا اس کی وحدانیت کا انکار مراد رکھا جاوے تو باقی صفات کو جامع نہ ہوگا۔ اور اگر صفات میں خطا کرنے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... مخلف وعدہ رسلہ دلالت ندارد بر خصوصیت خلف وعدہ تواند بود کہ اقتضاء عدم خلف بوعدہ اینجا بواسطہ آن بود کہ مراد از وعدہ انجا تصرف رسل است وغلبہ ایشاں بر کفار و آن متضمن وعدہ و وعید ست وعدست مر رسل را و وعید ست مر کفار را پس گویا درین کریمہ ہم خلف وعد ملتفی شد و ہم خلف وعید فالآیۃ مستشہدۃ علیہ لا لہ والیضا خلف در وعید در رنگ خلف از وعد مستلزم کذب ست و ناشایان آنحضرت جل سلطانہ زیرا کہ در ازل دانستہ بود کہ کفار را عذاب مخلد نخواہم کرد مع ذالک برای مصلحتی مخالف علم خود گفتہ کہ عذاب مخلد خواہم کرد ایں معنی را تجویز نمودن شناعت تمام دارد وسبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین اجماع اہل دل بر عدم خلو و عذاب کفار کشفی شیخ است و مجال خطا در کشف بسیار است فلا اعتداد بہ مع کونہ مخالفا لاجماع للمرسلین۔ انتہی۔ مترجم

Marfat.com

والے کو بھی جاہل یا کافر ٹھہرایا جاوے تو اس شخص کی تکفیر لازم ہوگی کہ جس نے صفت بقا اور صفت قدم کی نفی کی ہے اور جس نے کلام کو علم پر وصف زائد ہونے کا انکار کیا ہے اور نیز جس نے سمع اور بصر کو علم پر وصف زائد نہیں بتایا اور نیز جس نے جواز رؤیت کی نفی کی اور نیز جس نے جہت کو ثابت کیا اور اس نے ایک ایسے ارادہ حادثہ کو ثابت کیا کہ جو نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں حادث ہے اور نہ کسی دوسرے محل میں۔ اور یا اس میں خلاف کرنے والوں کی تکفیر لازم ہوگی خلاصہ یہ کہ ہر اس مسئلہ میں تکفیر لازم آئیگی کہ جو صفات اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ ایک ایسا تحکم ہے کہ جس کے لئے کوئی سند نہیں اور اگر اس حکم کو بعض صفات کے ساتھ خاص کیا جائے تو اس کے لئے کوئی امر فیصل نہیں ہوگا پس بغیر ضابطہ تکذیب کے کوئی دوسری وجہ پائی نہیں جاتی کیونکہ تکذیب کا ضابطہ مکذب رسول اور منکر میعاد دونوں کو شامل ہے اور تاویل کرنے والا اس میں سے خارج ہو جاتا ہے پھر میں یہ امر بعید نہیں جانتا کہ تاویل یا تکذیب کے جملہ مسائل میں سے بعض میں کوئی شک اور تردد واقع ہو حتیٰ کہ تاویل بعید ہو اور ظن اور اجتہاد کے ساتھ اس میں حکم دیا جاوے اس لئے کہ تو جان چکا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

فصل

بعض آدمی یوں کہتے ہیں کہ میں خاص کر اس شخص کی تکفیر کروں گا کہ جو ان فرقوں میں سے میری تکفیر کریگا اور جو شخص میری تکفیر نہ کریگا تو میں بھی اس کی تکفیر نہ کروں گا حالانکہ اس کا کوئی ماخذ نہیں اس لئے کہ جب کہ قائل کا یہ قول کہ (حضرت علیؓ امامت کے لئے اولیت رکھتا ہے) کفر نہیں تو قائل اگر خطا کر کے مخالف کو کافر ظن کرے تو قائل اس ظن سے کافر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ ایک ایسی خطا ہے کہ جو مسئلہ شرعیہ میں واقع ہے۔ اور اسی طرح جبکہ حنبلی کو جہت کے ثابت کرنے سے کافر نہیں کہا جاتا تو وہ اگر غلطی سے ظن کرے کہ جو شخص جہت کی نفی کرتا ہے مکذب ہے ماول نہیں تو اس ظن سے بھی حنبلی کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان میں سے ایک مسلمان بھی دوسرے بھائی کو کافر کہے تو وہ کفر تکفیر کرنے والے کی طرف رجوع کرتا ہے اس حدیث کا یہ معنیٰ ہے کہ تکفیر کرنے والا باوجود دوسرے مسلمان بھائی کی حالت جاننے کے اس کی تکفیر کرے۔ پس اگر کوئی شخص کسی آدمی کی

ا یہ قول استاذ ابو اسحٰق کا ہے چنانچہ شرح مقاصد میں مذکور ہے۔ مترجم

Marfat.com

نسبت جانتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتا ہے تو باوجود اس جاننے کے پھر اس کی تکفیر کرتا ہے تو تکفیر کرنے والا خود کافر ہوگا۔ پس اگر اس نے فقط اپنے اس ظن سے تکفیر کی کہ وہ رسول علیہ السلام کی تکذیب کرتا ہے تو یہ اس شخص کی غلطی ہے۔ پس ہم نے ان تردیدات سے تیرے لئے اس امر پر تنبیہ کر دی ہے کہ اس قاعدہ اور قانون پر کہ جس میں اتباع لائق ہے غور عظیم کرے پس اسی پر قناعت کر اور سلامت رہو۔

فقط

تمت

Marfat.com

حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، آپ وقت کے امام و پیشوا تھے، لوگ آپ کی اتباع اور آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ علامہ اسماعیل حضرمی یمنی نے امام غزالیؒ کو سید المصنفین قرار دیا ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی عمر تصنیف، تالیف، درس و تدریس اور طالبانِ حق و سالکان طریقت کی تربیت میں گزاری، تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سی یادگار تصانیف چھوڑی ہیں ان میں کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جن کا اردو مین ترجمہ ہوا۔ جن میں بالخصوص احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کا ترجمہ (اکسیر ہدایت) ہے۔

لیکن کچھ تراجم حالات کی وجہ سے ناپید ہوتے جا رہے تھے، ضرورت تھی کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو محفوظ کر کے یکجا جمع کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء اور سالکین پھرتے ہیں۔

زیرِ نظر ۶۱ رسائل بنام ''مجموعہ رسائل امام غزالیؒ'' سے اس کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

www.darulishaat.com.pk

E-mail : sales@darulishaat.com.pk
ishaat@cyber.net.pk
ishaat@pk.netsolir.com

DIU-04207

تصوف

مجموعہ رسائل اِمام غزالیؒ

از: حجۃ الاسلام اِمام محمد غزالیؒ

علم الکلام

المنقذ من الضلال

تہافتہ الفلاسفہ

دارالاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 32631861

کلام، فلسفہ

مجموعہ
رسائل امام غزالی اردو

از: حجة الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد سوم

علم الکلام

المنقذ من الضلال — تہافۃ الفلاسفہ

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

Marfat.com

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی

ضخامت : صفحات

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیب روڈ لسبیلہ کراچی

بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

ادارہ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
Al Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Marfat.com

فہرست مضامین

مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

جلد سوم حصہ اول، دوم، سوم

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
فہرست مضامین	۵		″
آغاز کتاب	۱۱	پہلا دعویٰ	″
کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد	″	دوسرا دعویٰ	۴۰
پہلی تمہید	۱۳	تیسرا دعویٰ	″
دوسری تمہید	۱۵	چوتھا دعویٰ	″
پہلا فرقہ	۱۶	پانچواں دعویٰ	۴۲
دوسرا فرقہ	۱۷	چھٹا دعویٰ	۴۳
تیسرا فرقہ	″	ساتواں دعویٰ	″
چوتھا فرقہ	۱۸	آٹھواں دعویٰ	۵۱
تیسری تمہید	۱۹	نواں دعویٰ	۵۶
چوتھی تمہید	۲۲	پہلا مسلک	″
پہلی قسم	″	دوسرا مسلک	۵۹
دوسری قسم	۲۳	نقلی دلیل	۶۱
تیسری قسم	″	دوسرا باب	۶۸
پہلا باب	۳۰	نظام قدرت	″
اس باب میں خدا کی ذات کی نسبت	″	پہلی فرع	۷۰
بحث کی جائے گی	″	دوسری فرع	۷۲
اور اس میں ہم دس دعاوی ثابت کریں گے	″	تیسری فرع	۷۷

Marfat.com

سمع وبصر	″	چوتھا دعویٰ	۱۲۶
اعتراض اوّل	۹۱	پانچواں دعویٰ	۱۲۷
اعتراض دوم	۹۳	چھٹا دعویٰ	۱۲۹
اعراض سوم	۹۴	ساتواں دعویٰ	۱۳۱
اعتراض چہارم	″	پہلی وجہ کا جواب	۱۳۳
اعتراض پنجم	۹۵	دوسری وجہ کا بیان	″
اس باب کا دوسرا حصہ	۹۶	تیسری وجہ کا جواب	۱۳۴
اس حصے میں خدا کی صفات کے چار	″	چوتھا باب	۱۳۶
احکام بیان کیے جائیں گے	″	پہلی فصل	″
پہلا حکم	″	حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اثبات	″
دوسرا حکم	۱۰۱	دوسرا باب	۱۴۲
تیسرا حکم	۱۰۲	مقدمہ	″
دلیل اول	″	پہلی فصل	۱۴۳
دلیل دوم	″	منکر ونکیر	۱۴۶
دلیل سوم	۱۰۳	دوسری فصل	۱۴۹
چوتھا حکم	۱۱۰	مسئلہ عقلیہ	۱۵۰
تیسرا باب	″	مسئلہ فقہیہ	۱۵۴
خدا کے افعال میں	۱۱۳	تیسری فصل	۱۵۶
حسن، قبیح، عبث، سفہ	″	پہلا پہلو	۱۵۷
مغالطۂ اول	۱۱۶	دوسرا پہلو	۱۵۹
مغالطۂ دوم	۱۱۷	تیسرا پہلو	″
مغالطۂ سوم	″	چوتھی فصل	۱۶۲
پہلا دعویٰ	۱۲۱	پہلا مرتبہ	۱۶۳
دوسرا دعویٰ	۱۲۲	دوسرا مرتبہ	″
تیسرا دعویٰ	۱۲۵	تیسرا مرتبہ	″
			″

Marfat.com

چوتھا مرتبہ	۱۶۴	کتاب تہافہ کی اہمیت	۳۰۰
پانچواں مرتبہ	،	تہافۃ الفلاسفہ	۳۰۵
چھٹا مرتبہ	۱۶۵	دیباچہ	〃
	۱۷۰	پہلا مقدمہ	۳۰۶
خیرُ المقال فی ترجمہ اُلمنقذمن الضلال	،	دوسرا مقدمہ	۳۰۷
دیباچہ	۱۷۳	تیسرا مقدمہ	۳۱۰
اقسام سفسطہ وانکار علوم	۱۸۳	چوتھا مقدمہ	۳۱۱
امام صاحب کو عقلیات ونظریات		مسئلہ (۱)	۳۱۳
کے باب میں شکوک پیدا ہوئے	۱۸۴	قدم عالم کے بارے میں فلاسفہ کے	
اقسام طالبین	۱۸۸	قول کا اُبطال	،
مقصود وحاصل علم کلام	۱۸۹	فلاسفہ کے دلائل	،
حاصل علم فلسفہ	۱۹۱	دلیل اول	۳۱۴
اقسام فلاسفہ	۱۹۳	دلیل دوم	۳۲۹
جملہ اقسام فلاسفہ کو نشان کفر شامل ہے	،	قدیم زمان کے لزوم کے متعلق	،
اقسام علوم فلاسفہ	۱۹۷	فلسفیوں کی دوسری وجیہ	۳۲۴
بحث متلازم اسباب طبعی	۲۰۷	قدیم عالم پر فلاسفہ کی تیسری دلیل	۳۲۷
مذہب تعلیم اور اُس کی آفات	۲۲۹	چوتھی دلیل	۳۳۸
خلیفہ وقت کا حکم امام صاحب کے نام	۲۳۰	مسئلہ (۲)	۳۴۴
پیش لفظ	۲۷۱	ابدیت عالم اورزمان حرکت کے	
از		بارے میں فلاسفہ کے قول کا ابطال	،
(صدر، انڈو مڈل ایسٹ کلچرل اسٹڈیز		دلیل اول	۳۴۵
حیدرآباد)	،	دلیل دوم	۳۴۷
دیباچہ	۲۷۳	مسئلہ (۳)	۳۵۲
مُقدمہ مصحح وحاشیہ نگار	۲۸۱	فلاسفہ کے اس قول کی تلبیس کے	
حیات غزالیؒ	۲۸۲	بیان میں کہ خدائے تعالیٰ فاعل وصانع	

Marfat.com

عالم ہے اور عالم اسی کے فعل اور صنعت سے ظہور میں آیا ہے۔	
تردید وجہ اول	۳۵۳
وجہ دوم	
وجہ سوم	
پہلی وجہ	
دوسری وجہ	۳۵۷
تیسری وجہ	۳۶۱
مسئلہ (۴)	۳۷۴
وجود صانع پر استدلال سے فلاسفہ کے عجز کے بیان میں	
مسئلہ (۵)	۳۷۹
اس بات پر دلیل قائم کرنے سے فلاسفہ کے عجز کے بیان میں کہ خدا ایک ہے اور یہ کہ دو واجب الوجود کو فرض نہیں کیا جا سکتا جو ایک دوسرے کی علت نہ ہوں	
مسلک اول	
مسلک دوم:	۳۸۱
پہلی وجہ	۳۸۲
دوسری وجہ	۳۸۳
تیسری وجہ	
چوتھی وجہ	
پانچویں وجہ	۳۸۴
مسئلہ (۶)	۳۹۱
فلاسفہ کے صفات الٰہیہ کا انکار اور اس کا ابطال	
مسلک دوم	۳۹۳
مسئلہ (۷)	۴۰۳
فلسفیوں کے اس قول کے ابطال میں کہ اول کیلئے یہ جائز نہیں کہ اس کا غیر اس کے ساتھ جنس میں مشارکت کرے اور عقلی طور پر جنس وفصل کا اول پر اطلاق نہیں ہو سکتا	
الزام کا مسلک دوم	۴۰۷
مسئلہ (۸)	۴۰۹
فلسفیوں کے اس قول کے ابطال میں کہ وجود اول (خدا) بسیط ہے، یعنی وہ وجود محض ہے نہ ماہیت ہے نہ حقیقت جس کی طرف وجود کی اضافت کی جا سکے، اس کے لئے وجود ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ اس کے غیر کے لئے ماہیت واجب ہے۔	
اول:۔	
دوسرا مسلک	۴۱۰
مسئلہ (۹)	۴۱۲
اس بیان میں کہ فلاسفہ عقلی دلائل سے یہ ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ اول (خدا) کے لئے جسم نہیں	

Marfat.com

مسئلہ (۱۰)	۴۱۵
اس بات پر قیام دلیل سے فلاسفہ کے عجز کے بیان میں کہ عالم کے لیئے صانع وعلت نہیں ہے۔	
مسئلہ (۱۱)	۴۱۷
ان فلسفیوں کے قصور استدلال کے بیان میں جو سمجھتے ہیں کہ اول اپنے غیر کو جانتا ہے اور انواع واجناس کو بنوع کلی جانتا ہے۔	
پہلا بیان:۔	۴۱۸
دوسرا بیان	۴۱۹
مسئلہ (۱۲)	۴۲۳
فلسفی اس پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتے کہ اول اپنی ذات کو جانتا ہے	
مسئلہ (۱۳)	۴۲۵
فلسفیوں کے اس قول کے ابطال میں کہ اللہ تعالیٰ جزئیات منقسمہ کا علم نہیں رکھتا۔	
مسئلہ (۱۴)	۴۳۴
اس بیان میں کہ فلسفی یہ ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ آسمان ذی حیات ہے اور وہ اپنے حرکت دوریہ میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے	
اعتراض	۴۳۶
مسئلہ (۱۵)	۴۳۸
غرض حرکت آسمانی کے ابطال میں	
مسئلہ (۱۶)	۴۴۲
فلسفیوں کے اس قول کے ابطال میں کہ نفوس سماویہ اس عالم کی تمام جزئیات حادثہ سے واقف ہیں	
جواب	۴۴۵
پہلا مقدمہ۔	۴۴۶
دوسرا مقدمہ	
تیسرا مقدمہ	۴۴۷
علوم ملقبہ طبیعیات	۴۵۰
مسئلہ (۱۷)	۴۵۶
فلسفیوں کے اس خیال کی تردید میں کہ واقعات کی فطری راہ میں تبدل محال ہے	
مقام اول	۴۵۷
مقام دوم:۔	۴۵۸
مسلک اول	۴۵۹
دوسرا مسلک	۴۶۱
مسئلہ (۱۸)	۴۶۷
اس بیان میں فلاسفہ اس امر پر برہان عقلی قائم کرنے سے عاجز ہیں کہ روح انسانی جوہر روحانی قائم بنفسہ ہے جو کسی چیز مکان میں نہیں وہ نا تو جسم ہے نہ کسی جسم میں منطبع نہ وہ بدن سے متصل ہے نہ منفصل جیسے کے اللہ	

Marfat.com

تعالیٰ جو نہ کہ خارج عالم ہے نہ داخل عالم اور یہی حال فرشتوں کا ہے	
قوائے حیوانی:۔	،
(۱) قوت خیالیہ:۔	،
(۲) قوت وہمیہ	۴۶۸
قوت عملی کی نسبت:۔	۴۷۰
دلیل اول	۴۷۱
پہلا مقام	۴۷۲
دوسرا مقام	،
دوسری دلیل:۔	۴۷۴
تیسری دلیل:۔	۴۷۶
چوتھی دلیل	،
پانچویں دلیل	۴۷۸
چھٹی دلیل	۴۷۹
ساتویں دلیل	۴۸۱
آٹھویں دلیل:	۴۸۲
اعتراض:۔	۴۸۳
نویں دلیل:۔	۴۸۴
اعتراض:	،
دسویں دلیل:	۴۸۵
اعتراض:۔	۴۸۶
مسئلہ(۱۹)	۴۸۹
فلاسفہ کے اس قول کا ابطال کہ ارواح انسانی پر وجود کے بعد عدم کا طاری ہونا محال ہے وہ ابدی و سرمدی ہیں جن کی فنا کا تصور نہیں ہوسکتا	
تیسرا اعتراض:۔	۴۹۲
چوتھا اعتراض:۔	۴۹۳
دوسری دلیل:۔	
مسئلہ(۲۰)	۴۹۶
حشر بالا جساد، اور اجسام کی طرف ارواح کے عود کرنے، دوزخ و جنت، حور وقصور وغیرہ کے جسمانی ہونے کے انکار کے ابطال میں، اور اس قول کے ابطال میں کہ یہ تمام باتیں عوام کی تسلی کے لئے ہیں۔ ورنہ یہ چیزیں روحانی ہیں، جو جسمانی عذاب وثواب اعلیٰ وارفع ہیں۔	
پہلا مسلک	۵۰۳
خاتمہ	۵۱۴
تعلیقات	۵۱۵

Marfat.com

آغاز کتاب

کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد

بسم الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبة للمتقین الصلوٰة والسلام علیٰ رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

جن لوگوں کو خدا نے نورِ ایمان اور قرآنی استعداد عطا فرمائی ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شرع اور عقل میں تنافر اور تضاد ہرگز نہیں ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ عقل بغیر شرع کے بالکل نکمی ہے اور شرع عقل کے سوا اپنا مدعا پورا نہیں کر سکتی۔ صرف تقلید ہی کے عمیق گڑھوں میں گر جانا اور محض ظواہر کا ہی گرویدہ ہو رہنا پرلے درجے کی پست ہمتی اور بیوقوفی ہے اور صرف عقل ہی کے گھوڑے پر سوار ہو کر شرع کو بالکل نظر انداز کر دینا ہر ایک مذہبی اور تمدنی امر کا عقل سے کام لینا کمینہ پن ہی نہیں بلکہ قانونِ قدرت پر سخت حملہ کرنا ہے تقلید اور اتباع میں ظواہر کے دلدادے تفریط کے اعلیٰ مراتب پر پہنچ گئے ہیں اور صرف عقل ہی کا راگ گانے والے افراط کی پالیسی کو خوب ترقی دے رہے ہیں۔ پہلے حضرات کو سمجھ لینا چاہیے کہ (شرع کی مستند قرآن کریم یا قولِ رسول ہے اور قولِ رسول کی صداقت کو راستی کی کسوٹی پر پرکھنا عقل ہی کا کام ہے اور عقل کے طرفداروں وفلاسفر اور معتزلہ) کو خیال رکھنا چاہیے۔ کہ جب تک شرع کی نورانیت سے چراغِ دل کو روشن نہ کیا جائے محض عقل سے مذہبی مشکلات اور پیچیدگیوں کا حل کرنا کارِ دارد ہے۔ عقل تندرست اور صحیح آنکھ کی مانند تصور فرمایئے اور قرآن کو سورج کی طرح خیال کیجئے اندھیری رات میں آنکھ تو بدستور قابل دیکھنے قابل ہوتی ہے مگر سورج کے نہ ہونے کی وجہ سے بیچاری کالعدم ہوتی ہے اور دن کو سورج نصف النہار پر کھڑا ہو کر اپنی نورانی کرنیں اہل ارض پر ڈالتا ہے اور اپنی داد و دہش میں کوئی کمی نہیں رہنے دیتا مگر بیچارے اندھوں کے حق میں دن اور رات دونوں برابر ہوتے ہیں۔ ایسے ہی عقلی حضرات اگر محض عقل ہی کے بھروسہ پر حقائق و دقائق کے حل کرنے اور مذہبی

Marfat.com

مشکلات کو سلجھانے کھڑے ہونگے اور شرع کی نورانی شعاعوں سے اپنی آنکھیں بند کر دینگے تو سخت اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارتے رہ جائیں گے۔ علی ہذا القیاس اگر تقلیدی پارٹی کے آدمی صرف تقلید اور ظواہر کے اتباع ہی کے پیچھے پڑے رہیں گے اور تحقیق و تدقیق کی طرف مطلق توجہ نہ کریں گے تو اندھے کے اندھے ہی رہیں گے۔

الغرض جیسے آنکھ بغیر سورج ہی کے کسی کام کی نہیں اور سورج ہوا اور آنکھ نہ ہو تو سورج کی روشنی بیکار ہوتی ہے۔ ویسے ہی عقل بغیر شرع کے بالکل نکمی ہے اور شرع بغیر عقل کے بے سود فلاسفہ اور معتزلہ تو محض عقل ہی کے ہو رہے اور شرع کو بالائے طاق رکھ دیا اور اصحاب ظواہر نے شرع کے کچھ ایسے جاہلانہ اسلوب سے تقلید کی کہ اس کے احکام کے مغز نکالنے اور ان کی ماہیات کی تہہ تک پہنچنے کو کفریات میں خیال کرنے لگے مگر واہ رے اہل السنۃ والجماعت کہ جنھوں نے دونوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اگر عقل سے کام لیا ہے تو شرع کی حدود سے باہر نہیں نکلے اور اگر شرع کو لیا ہے تو شرح کی حدود سے باہر نہیں نکلے اور اگر شرع کو لیا ہے تو بھی عقل کو پورا پورا دخل دیکر غرضیکہ اہل سنۃ والجماعت نے رسول ﷺ کے اس فرمان خیر الامور اوسا طھا کو پورا دستور العمل بنایا ہے۔ اور کسی امر میں بھی اس روحانی مرکز سے ایک انچ بھر بھی باہر قدم نہیں رکھا۔ ہماری اس کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں چار تمہیدیں اور چار باب ہیں۔ تمہیدات میں تو علم کلام کو ضروری یا غیر ضروری اس کے فرض کفایہ یا فرض عین ہونے کے متعلق بحث کی جائے گی۔ اور پہلے باب میں خدا کے متعلق دس دعاوی ہم ثابت کریں گے۔ دوسرے باب میں صفات باری کی اور تیسرے میں خدا کے افعال کی تحقیق ہوگی۔ چوتھے باب میں خدا کے رسولوں پر بسیط بحث کی جائے گی۔

پہلی تمہید

اس بارے میں کہ علم کلام میں خوض کرنا اور اس کی تحقیقات کی چھان بین کرنی نہایت ضروری مہتم بالشان امر ہے بلکہ اسلام کے اعلیٰ مقاصد میں شمار کیا جاتا ہے۔

ایسے امور کے درپے ہونا جن سے نہ دنیاوی ترقی متصور ہو اور نہ روحانی کمالات کے قیمتی گوہر ہاتھ لگیں۔ صرف شقاوت اور دین و دنیا کی بدنصیبی کا باعث ہوتا ہے خواہ وہ امور عملیات کے قبیل سے ہوں یا عملیات سے انسان کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے ابدی

Marfat.com

سعادت اور روحانی نجات اور دائمی راحت وخوشی کے حاصل کرنے اور دائمی شقاوت کے حاصل اور ابدی رذائل وقباحتوں سے بچنے کی کوشش کرے۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانہ میں لوگوں کو صاف اور واضح لفظوں میں بتادیا ہے کہ بندوں پر خدا کے بہت سے حقوق اور ان کے افعال واقوال وعقائد۔ الغرض ان کی روزانہ حرکات وسکنات اور ہر قسم کے جذبات کو خداوند کریم سے خاص تعلقات ہیں مثلاً جو شخص کذاب یا کافر یا ظالم ہوگا اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ہوگا اور جو راست گو مسلمان عادل ہوا ہے جنت میں بھیجا جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنے تبلیغی احکام میں صرف زبان پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنی صداقت اور مامور من اللہ ہونے کے ثبوت میں بہت سے حیرت انگیز خوارق اور بشری طاقت سے خارج اور مافوق العادت امور پیش کیے ہیں جنھوں نے زمانہ کے نامور عقلاء کو حیرت میں ڈال دیا۔ سوان خوارق کے مشاہدہ کرنے یا اخبار متواترہ کے ذریعہ ان کو سننے سے قبل اس کے کہ مافوق العقل امور پر کافی غور وتدبر کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ یہ امور معجزات سے ہیں یا کہ طلسمات اور دنیاوی حیرت انگیز کارناموں مسمریزی وغیرہ سے انسانی طبیعت ان خدائی احکام کے تسلیم کرنے اور ان معجزات کے امکان صدق کی طرف جھک جائے گی اور اس میں ایک ایسی حالت اور کیفیت پیدا ہو جائے گی جو اس کے سابقہ اطمینان اور قرار کو اٹھا کر خوف اور موت کا فکر بیقراری دنیا کی بے ثباتی کا پورا پورا نقشہ اس کے اندر کھینچ دے گی۔ انسانی طبیعت میں قوت برقی کی طرح ضرور یہ بات کھٹکے گی کہ موت ایک دن آنے والی ہے اور اس تساہل اور بدکرداری، اس تکبر اور رعونت انا ولا غیری اور انا الحق کی نعرہ زنی کا خمیازہ ایک دن مجھے ضرور اٹھانا پڑے گا۔ یہ گرد و پیش کہا گہی یہ دنیاوی وجاہت وعظمت یہ دولت وثروت ایک گھڑی کی مہمان ہیں اور موت کے بعد کے واقعات جو اس وقت مجھ سے پوشیدہ ہیں ایک دن مجھے ضرور پیش آنیوالے ہیں۔

انسانی طبیعت کا جبلت ضرور اس پر آمادہ ہو جائے کہ اس کاہلی اور بے پرواہی کو چھوڑ کر موت کی تیاری کرنے اور توشہ قبر اور آنے والے عظیم الشان اور خطرناک سفر کی ضروریات کو بہم پہنچائے اس کو ضرور یہ بات سوجھے گی کہ حضرات انبیاء علیہ السلام باوجودیکہ انہوں نے اپنی تصدیق کیلئے ہزارہا معجزات وخوارق عادات دکھائے ہیں۔ ایسے شخص بے صدق وحقیقت ایسی کم نہیں ہیں جو ہم کو یہ کہے کہ تمہارے گھر میں میرے روبرو ایک

Marfat.com

شیر بھیڑیا اور کوئی مہیب درندہ گھس گیا ہے۔ دیکھنا اندر نہ جانا ورنہ لقمہ اجل بن جاؤ گے۔ ہم اس کی بات سنتے ہی محض اس بناء پر شیر کا ہمارے گھر گھس جانا ممکنات میں سے ہے۔ موت کے اندر سے اندر جانا تو کجا اسکے نزدیک تک جانا بھی گوارا نہ کریں گے۔ حالانکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ موت ایک دن ضرور آنے والی ہے۔ جب صرف موت کے ڈر سے ہم اسقدر بچاؤ کی کوشش کریں گے تو موت کے بعد کے واقعات کے متعلق ہمیں کیوں نہ فکر دامنگیر ہونا چاہئے اور ضرور ہونا چاہیے۔ یقیناً ہم ان آئندہ پیش آنے والے واقعات کی نسبت جہاں تک ہمارے ذہن کی رسائی ہوگی بحث کریں اور سوچیں گے کہ آیا اس قسم کے واقعات کا پیش آنا ممکنات میں سے یا محالات میں ہے۔

یہ جو کہتے ہیں کہ ہمارا ایک پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے بہت سے حقوق ہم پر ہیں اگر ہم اس کے احکام کے مطابق چلیں گے تو ہم سیدھے جنت میں جائیں گے۔ ورنہ دوزخ میں اور ہم خدا کے رسول ہیں اور تمہاری بہتری کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہیں تو اس وقت ہم کو یہ ضرور خیال کرنا پڑے گا کہ آیا ہمارا پیدا کرنے والا کوئی خدا ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو وہ متکلم ہے یا نہیں۔ کیونکہ امر و نہی اور عباد کو امر و نواہی کی تکلیف دینا اور حضرات انبیاء کو بہبودی خلائق کے لئے بھیجنا وغیرہ وغیرہ بغیر قوت گویائی ممکن نہیں اور اگر متکلم ہے تو ہماری اطاعت یا عدم اطاعت پر اس کو ثواب و عقاب دینے کی قدرت ہے کہ نہیں اگر ہر ایک بات پر قدرت ہے تو ہر ایک نبی اپنے اس دعویٰ رسالت میں سچا ہے یا نہیں۔ اور اگر خدا کی ہستی اس کا متکلم ہونا۔ اس کا ہر امر پر قادر، ہونا ان حضرات انبیا علیہم السلام کا اپنے دعاوی میں سچا ہونا یہ سب امور ہمارے روبرو یقیناً ثابت ہو جاویں تو ہمارے دلوں میں دنیا کی بے ثباتی اور اس کی ہر ایک دل فریب قوت کا زوال۔ عالم عقبیٰ کی طرف انتقال پورا پورا نقشہ اتر آئے گا۔ تو جب یہ سب کچھ ہے تو ان تمام امور یعنی خدا کی ہستی اس کی صفات و افعال انبیا علیہم السلام کی صداقت وغیرہ سے بحث کرنے والا بھی علم کلام ہے۔ اور اسکی ضرورت پر اس تمہید میں بحث کرنا بالذات تھا۔

ایک مقام پر ایک خدشہ واقع ہوتا ہے اور وہ یہ کہ یہ تو ہم نے مانا کہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی زبانی آئندہ پیش آنے والے واقعات کو سن کر طبیعت میں ضرور ایک گھبراہٹ سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تزکیہ نفس اور دنیا کی چند روزہ خواہشات کے چھوڑنے پر طبیعت آمادہ ہو جاتی ہے مگر دیکھنا اس بات کو ہے کہ یہ گھبراہٹ اور انبعاث جبلت اور مقتضائے

Marfat.com

طبع کا نتیجہ ہے یا موجب شرع کا۔ ہم تجربہ سے کہتے ہیں کہ آپ کی گزشتہ مثال دوبارہ ایک شخص کے شیر سے ہم کو ڈرانے کی صورت میں ہمارا اندر نہ جانا اور موت سے ڈرنا وغیرہ محض انسانی طبیعت کا تقاضا تھا۔ موجبات شرع کو وہاں پر مطلقاً دخل نہ تھا۔

اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ ہم آخر کتاب میں مقتضے عقل اور موجبات شرع پر مفصل بحث کریں گے اور ثابت کریں گے کہ اس قسم کے جذبات موجبات شرع کے دائرے سے باہر نہیں ہیں اور دوسرے یہ کہ جب جذبات اور انبعاث میں آپ کو کلام نہیں تو ان جذبات کے اسباب مثلاً مقتضی طبع یا موجبات شرع کی تلاش میں معرکہ آرائی کرنی ایسے ہی ہے جیسا کسی شخص کو سانپ ڈس گیا ہو اور دوبارہ سانپ ڈسنے کو آ رہا ہو اور یہ شخص وہاں سے بھاگ جانے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہو مگر وہ محض اس خیال پر کھڑا رہے کہ یہ سانپ کدھر سے آیا ہے دائیں جانب سے یا بائیں طرف سے اور سانپ اسے دوبارہ ڈس گیا ہو۔ سوچیے اس شخص کی حماقت وسفاہت میں کچھ شک نہیں ویسے ہی جذبات مذکورۃ الصدور کے اسباب تلاش کرنے والے کی بلاوت وتنگ ظرفی اظہر من الشمس ہے۔

دوسری تمہید

اس بارہ میں ہے کہ علم کلام میں خوض وتدبر کرنا ہر ایک شخص کے لئے جائز نہیں ہے جو دلائل اور مضامین ہم اس کتاب میں بیان کریں گے وہ بمنزلہ ان ادویہ کے ہیں جن سے باطنی اور روحانی امراض کا علاج کیا جاتا ہے اور جیسے ظاہری طبیب اگر پورا پورا حاذق اور طبی امور میں ید طولیٰ رکھتا ہو تو یقیناً مریضوں کو شفا ہوگی۔ ویسے ہی روحانی طبیب میں صداقت اور روحانیت میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور استعداد ضروری ہے اگر اس کی طبیعت میں روحانی اصول کی کمی ہے بجائے اصلاح کے بگاڑ کا زیادہ ہونا یقینی امر ہے۔ اس کے بعد ناظرین کو معلوم کر لینا چاہئے کہ لوگ چار فرقوں میں منقسم ہیں۔

Marfat.com

پہلا فرقہ ان لوگوں کا ہے جو خدا کی وحدانیت اور اس کے برگزیدہ رسول اور اس کے اوامر نواہی پر صدق دل اور اندرونی جذبات کے لحاظ سے ایمان لا کر زہد و ریاضت یا دنیاوی، کاروبار تجارتی یا زرعی امور وغیرہ میں مشغول ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی اندرونی حالت شریعت اور روحانیت کے اصول کے ذریعہ سے درست کر کے یا تو مجاہدات نفسانی اور ترک شہوات شیطانی میں مصروفیت اختیار کر لی ہے اور یا دنیاوی اور تمدنی ترقی کے ذرائع کی طرف رخ کر لیا ہے ایسے لوگوں کو اپنی حالت پر رہنا نہایت زیبا ہے۔ علم کلام کے دقائق اور اعتقادی احکام کے دلائل اور ان پر سوالات و جوابات کے جھگڑوں میں پڑنا ان کے لئے نہایت خطرناک ہے اور مہیب امر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عربوں کو خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت پر ایمان لانے کے سوا اور کسی امر کی تکلیف نہیں دی اور اگرچہ عربوں میں سے بعض تقلیداً ایمان لائے اور بعض نے بڑے بڑے دلائل اور معجزات کے مطالبوں کے بعد آپ کو نبی برحق مانا مگر آنحضرت ﷺ نے ان کی تقلیدی اور برہانی ایمان میں مطلق فرق نہیں کیا۔

ان لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی حالت پر ڈٹے رہیں اور علم کلام کے جھگڑوں اور اس کی مشکلات اور پیچیدگیوں میں پڑ کر اپنے عقائد کی بیخ کنی نہ کریں کیونکہ علم کلام میں جس تنقید و تحقیق کے ساتھ اعتقادی احکام پر براہن قائم کیے جاتے ہیں اور ان پر معتزلہ اور فلسفہ کی طرف سے سنگین اعتراضات وارد کیے جاتے اور ان کے کافی جواب دیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ سب معاملات ان کے آگے پیش ہوں تو ممکن ہے کہ ان کے دل میں کوئی ایسا امر بیٹھ جائے جس کا اندازہ قوی سے قوی جواب سے بھی نہ ہو سکے۔ اسی لئے صحابہ کرام اس فن میں خوض اور اس کے متعلق درس و تدریس نہ کرتے تھے بلکہ زہد و ریاضت لوگوں کی دینی و دنیاوی مصلحتوں اور پند و نصیحت میں اپنے گرامی اوقات بسر کرتے تھے بلکہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو مسئلہ تقدیر پر بحث کرتے دیکھا تو آپ ﷺ نے سخت غصہ کی حالت میں فرمایا کہ اگلی امتیں اسی قسم کے جھگڑوں میں پڑ کر ہلاک ہو گئیں۔

Marfat.com

دُوسرا فرقہ

ان لوگوں کا ہے جنھوں نے اپنی قوت عملی کا یہاں تک ستیاناس کر دیا ہے کہ اس میں حق کی قبولیت کا مادہ ہی نہیں رہا۔ ہزار ان کو پند و نصیحت کرو۔ نہ ان کے کان سنتے ہیں اور نہ ان کے دلوں میں اسرار روحانیت کی گنجائش ہے۔ ایسے خالی اور سنگدل تقلید پر مر مٹنے والون، نالائق جاہلوں کا پیر، بجز شمشیر کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اکثر کافر شمشیروں کے نیچے ایمان لائے ہیں۔ خدا کی قدرت ہے کہ جو کام تلواروں اور نیزوں سے نکلتا ہے وہ زبانی اسپیچوں اور لیکچروں سے ہرگز نہیں نکل سکتا۔ اگر آپ تاریخی کتابوں کی ورق گردانی کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جہاں اہل اسلام اور کفار کے مابین جنگ ہوئی وہاں ہزار ہا کفار مشرف باسلام ہوئے اور جہاں مذہبی تنقید کے جلسے منعقد ہوئے وہاں بغیر جنگ و قتال کی نوبت پہنچنے اور کوئی تسلی بخش فائدہ نظر نہیں آیا اور یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے عقلی منصب سے روگردانی اور چشم پوشی پر اس کو محمول نہ کرنا چاہیئے کیونکہ عقل ایک ایسا خدائی راز ہے جو ہر کس و ناکس کو دینے کے قابل نہیں ہے۔ یہ گوہر بے بہا خدا کے خاص برگزیدہ اور الوالعزم بندوں کو عطا کیا جاتا ہے۔ عام لوگ عقلی براہین کے سمجھنے سے ایسے ہی قاصر و عاجز ہیں جیسے چمگادڑ سورج کی نورانی کرنوں کو نہیں دیکھ سکتی۔ ایسے لوگوں کو کلامی معارف پیش کرنے سے ایسی ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسے گبریلے کو گلاب کی خوشبو سے موت کی صورت نظر آتی ہے۔ ان لوگوں کے حق میں

امام شافعیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

من منح الجہال علماً اضاعہ ومن منع المستوجبین فقد ظلم ۔ جس شخص نے نااہلوں کو علم سکھایا اس نے علم ضائع کیا اور جس نے اس کے اہلوں کو سیکھنے سے روکا اس نے بھاری ظلم کیا۔

تیسرا فرقہ

ان لوگوں کا ہے جو تقلیدی اور اجتماعی طور پر ایمان لائے مگر خدا نے ان کے دلوں میں کچھ ایسی غیر معمولی ذکاوت اور تیزی ذہن کی استعداد پیدا کر دی جس کی وجہ سے انھیں طرح طرح کے اشکالات سوجھتے ہیں جو ان کے سابق اطمینان اور

Marfat.com

قرار اور جمعیت طبع کے موجب ہوتے ہیں اور وہ ایسے نرالے ڈھنگ کے ہوتے ہیں جو ان کے معتقدات میں بہت سی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں اور بعض دفعہ مخالف مذاہب کے لوگوں سے وہ ایسے بظاہر لاینحل شبہات سن لیتے ہیں جو ان کے دلوں میں گھر کر جاتے ہیں - ایسے لوگوں کے ساتھ ان کے شبہات دور کرنے اور اعتقاد درست کرنے کے بارے میں ضرور ہمدردی کرنی چاہئے مگر جہاں تک ہو سکے اس بارہ میں اقناعی مقدمات اور مسلمات یا قرآن وحدیث اور کسی نامور مشہور امام کے قول نقل کرنے سے کام لیا جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ عقلی دلائل پیش کرنے سے ان لوگوں پر اور بھی بہت سے اشکالات کے دروازے کھل جائیں اور ان کی حالت بنسبت سابق اور بھی بدتر ہو جائے ہاں اگر عقلی دلائل کے بغیر کام نہ نکل سکے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

چوتھا فرقہ

ان لوگوں کا ہے جو موجودہ صورت میں ضلالت کے عمیق گڑھوں میں پڑے ہیں مگر دوسرے فرقہ کے لوگوں کی مانند منہمک فی الکفر اور ضد کے پکے نہیں ہیں بلکہ قدرت نے ان کے دلوں میں کچھ ایسی غیر معمولی قابلیت واستعداد پیدا کر دی ہے جس کی وجہ سے ان کا راہ راست پر آ جانا ممکن ہے بشرطیکہ اُن کے آگے اسلامی اصول کی حقیقت کے دلائل اور کفر کے بطلان کی وجوہات زبردست طریقوں سے پیش کی جائیں اور ان کی جبلت طبعی اور فطرتی جذبات کا کچھ ایسا مقتضٰی ہے کہ اگر روحانیت کے زبردست اور پُر اثر راستے ان کو دکھائے جائیں تو ان کی ردّی حالت فوراً سدھر سکتی ہے ایسے لوگوں کو اسلامی مرکز کی طرف کھینچ لانا اسلام کا سب سے اعلیٰ فرض ہے بلکہ بعثت انبیاء اور ان کے پاس آسمانی اور الہامی کتابیں بھیجنے کی اصلی غرض یہی ہے مگر ان لوگوں کو راہ راست پر لانے میں بڑا ضروری امر یہ ہے کہ نہایت محبت بھرے الفاظ میں جمعیت اخلاص کے ساتھ جابرانہ اور تعصب کے رنگ میں رنگے ہوئے الفاظ سے روگردانی کر کے اسلامی حقائق و معارف انہیں سمجھائے جائیں ۔ کیونکہ تعصب کے پیرا میں اسلام کے پاک اور روشن اصول کو پیش کرنا بجائے اس کے کہ کسی حد تک مفید ثابت ہو اور بھی زیادہ جہالت ۔ ضد ۔ ہٹ دھرمی اور کشاکشی کا باعث ہوتا ہے ۔ ہم نہایت وثوق اور تجربہ سے کہتے ہیں کہ زیادہ تر عوام الناس میں بدعات اور ناگوار امور کے رواج پذیر ہونے بلکہ ان کی طبیعت ثانیہ بن جانے کا یہی سبب ہے کہ

Marfat.com

بعض جاہل نہایت جابرانہ اور تعصبانہ پیرایہ میں عوام الناس پر حق ظاہر کرتے ہیں اور ان کو نہایت حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس ناجائز اور ظالمانہ کاروائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام الناس کے دلوں میں عناد اور ہٹ دھرمی کی جڑیں اور بھی مضبوط ہو جاتی ہیں اور ان کی اندرونی حالت اس حد تک بگڑ جاتی ہے کہ باوقعت اور صحابۂ کل علماء کو ان کی حالت درست کرنے میں سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔ ان لوگوں کے تعصب غلو کی ایک عجیب نظر دیکھیئے وہ یہ کہ یہ لوگ ایک وقت میں کسی کاغذ یا تختی پر حروف لکھے ہوئے دیکھتے ہیں اور چند عرصہ بعد ان کی نسبت قدم کا فتوی جڑ دیتے ہیں اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ عناد اور تعصب کے رنگ میں شیطان نے ان لوگوں کے اندرونی جذبات ان کے ارادوں ان کی حرکات وسکنات کا پورا پورا قبضہ کر لیا ہوا گر شیطانی بھوت ان کے کندھوں پر سوار نہ ہوتو ایسا لغو اور نکما خیال تو بیوقوف سے بیوقوف اور گڈریے کے دل میں بھی نہیں آسکتا حقیقت میں تعصب اور مجادلہ ایک ایسا مرض ہے جس کا علاج حاذق طبیبوں کے پاس بھی نہیں ہے۔

علمائے اسلام کو تعصب اور جدل کے برے وطیرے سے پہلو تہی کرنی چاہیئے اور بجائے اس کے جہاں تک ہو سکے بردباری۔ سلوک اور اخلاق سے کام لیں اور عامۂ خلائق کو نہایت تلطف اور رحم دلی کی نگاہ سے دیکھنے کی عادت پزیر ہوں۔ عامۂ خلائق جو لوگ روحانیت سے بالکل دور جا پڑے ہیں جس قدر ان سے با اخلاق اور بامروت پیش آئیں گے اور جیسے باپ اپنے اکلوتے بیٹے اور لاڈلے بچے کو نہایت فرط محبت سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے ویسے ہی یہ بھی قابل رحم لوگوں کے آگے اخلاقی مضامین اور اسلامی اصول کو خالص صلح کلی اور ملاطفت کے پیرایہ میں پیش کریں تو بہت کچھ بہتری اور کامیابی کی امید ہوسکتی ہے۔

تیسری تمہید

اس امر میں کہ اس علم میں مصروفیت فرض کفایہ کا حکم رکھتی ہے علم کلام میں ملکہ تبحر پیدا کرنا اور اس کی پیچیدگیوں اور مشکل مضامین حل کرنے کے درپے ہونا فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے ہر ایک آدمی اسکی صعوبتوں میں پڑنے کا استحقاق رکھتا ہے اور نہ ہی یہ ایسا علم ہے جسے بالکل ہی پس پشت ڈال دیا جائے۔ یہ بات کہ اس میں کمال پیدا کرنا ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے دوسری تمہید سے بخوبی ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ ہم پہلے محققانہ طور

Marfat.com

پر بحث کر چکے ہیں کہ اسلام کا سب سے بڑا کام لوگوں کے دلوں میں حقیقت ایمانیہ کا بیج بونا اور ان کو فسق و فجور کی کدورتوں اور نجاستوں سے پاک کرنا کفر و عناد کے عمیق گڑھوں سے نکال کر شریعت کے صاف اور روشن راستوں پر لانا، روحانی امراض کو شریعت محمدیہ ؐ کے گرامی قدر اکسیر نسخہ جات کے ذریعہ سے دور کرنا اور لوگوں میں روحانیت کی تازہ روح پھونکنا ہے اور بس۔ باقی رہا معتقدات اور احکام عملیہ کے ثبوت پر دلائل قائم کرنا اور اُن پر جس قدر شبہات ہوں ان کا کافی قلع قمع کرنا۔ جو علم کلام کا موضوع ہے یہ سب کچھ ان لوگوں کے حق میں فرض عین ہے جن کے دلوں میں طرح طرح کے خدشے اور انوکھی طرز کے سوالات کھٹکتے ہوں یا انہوں نے دیگر اشخاص سے سُن لئے ہوں۔ اس جگہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ پہلے کہہ چکے ہیں کہ بہت سے لوگوں مثلاً پہلے اور دوسرے فرقے کے اشخاص کو علم کلام میں مصروفیت حاصل کرنا سخت مضر ہے تو اس کا پڑھنا فرض کفایہ کیونکر ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک بعض لوگوں کے حق میں اس کا حاصل کرنا خطرناک اور نہایت بُرا اثر پیدا کرنے والا امر ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اسلام کی مخالف شبہات کا اٹھنا اور مخالفین اسلام کے روبرو اسلام کی صداقت اور کفر کے بطلان پر دلائل قائم کرنا اسلام کا سب سے بڑا اور نہایت ضروری فرض ہے اور ایسی قسم کے شبہات کا واقع ہونا بھی ممکنات سے ہے۔ یہ بات بھی ممکن ہے کہ اسلام کے کسی گوشہ میں کوئی شخص اسلام پر طرح طرح کے دل آزاد حملے کرنے۔ مسلمانوں کو بہکانے اور ان کو مذہب اسلام سے بیزار اور بدظن کرنے پر کھڑا ہو جائے تو کیا ایسے شخص کے مقابلہ میں مسلمانوں کی طرف سے کسی ایسے شخص کا کھڑا ضروری نہیں ہے جو اسلام کی زبردست دلائل سے اس کا منہ توڑ دے اور اُس کی صداقت پر اُسے دندان شکن جواب دے۔ ضروری ہے اور نہایت ضروری ہے۔ اس قسم کے واقعات عموماً ہر بڑے شہر میں ہوتے رہتے ہیں تو اسلامی آبادی کے ہر ایک حصہ میں علم کلام کے ایسے اولوالعزم فاضلوں کی جماعت موجود رہنی ضروری ہے جو کہ ہر وقت مخالفین کی سرکوبی اور مسلمانوں کے دلوں سے ان کے شبہات دور کرنے کے لئے تیار رہے۔ اگر مسلمانوں کی آبادی کا کوئی حصہ ایسے فاضلوں کی جماعت سے خالی رہا تو وہاں روحانیت کے نشان ایسے ہی مٹ جائیں گے جیسے کسی حصہ ملک میں طبیب یا فقیہ نہ ہونے سے جسمانی امراض کا بڑھ جانا اور عملی حالت میں بہت کچھ خرابیوں کا واقع ہو جانا یقینی امر ہے۔ ہاں اگر کسی شخص کی طبیعت کی مناسبت فقہ اور کلام دونوں سے ہے اور اگر فرصت ہو تو دونوں علوم میں کسی حد تک کافی ترقی کر سکتا ہے مگر خانگی کاروبار یا اور

Marfat.com

خارجی معاملات اسے دونوں علموں میں کمال حاصل کرنے سے سدراہ ہیں اور وہ اس بارہ میں کہ دو علموں میں سے کسے حاصل کروں اور کسے چھوڑوں۔ سخت تذبذب کی حالت میں ہو تو ایسے شخص کے حق میں ہم علم فقہ میں اعلیٰ استعداد پیدا کرنے کا فتویٰ دیں گے کیونکہ بنسبت علم کلام فقہی مسائل میں آدمی کورات اوردن ضرورت رہتی ہے اوراسلامی عقائد پر اعتراضات کا شور برپا ہونا جس کی وجہ سے ہمیں علم کلام کی طرف جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کا بڑا بھاری سبب یہی علم فقہ ہے۔ فقہ کو علم کلام پر ایسی فوقیت ہے جیسی اسے علم طِب پر۔ اگر کسی گاؤں یا شہر میں طبیب اور فقیہ دونوں موجود نہ ہوں تو جس قدر فقہ نہ ہونے کے باعث انسان کی عملی قوت کو ضعف پہنچتا ہے۔ اوراس کے اندرونی جزیات میں رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ وہ بدرجہا اُن جسمانی بیماریوں اور خرابیوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ جو طب کے مفقود ہونے کے باعث واقع ہوئی ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فقہ میں تندرست بیمار، عالم، جاہل مشہور وغیرہ مشہور۔ الغرض ہر طبقہ کے لوگوں کو یکساں حاجت ہوتی ہے۔ بخلاف طب کے اگر اس کی ضرورت ہے تو بیماروں کو جو بہ نسبت تندرستوں کے بہت ہی کم تعداد پر ہوتے ہیں مریض کو جیسے طب کی ضرورت ہوتی ہے ویسے ہی فقہ کی بھی اسے سخت ضرورت ہوتی ہے بلکہ طب اسے فائدہ بخش ہوگی تو چندروزہ دنیا کے لئے اوراس پر جو اس کی اجل کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ اس سے ایک لحہ کے لئے بھی تقدیم وتاخیر نہیں ہوسکتی اور فقہ اس کی ابدی اور حقیقی زندگی کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری اس تقریر سے سمجھ گئے ہونگے کہ فقہ بہ نسبت علم کلام بہت ضروری اور مہتم بالشان علم ہے اوراس کو علم کلام سے ہر طرح پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ اپنی ساری عمر میں فقہ کی ترویج اور اجتہادی احکام کو نصوص قرآنی سے مستنبط کرنے میں دماغ سوزی کرتے رہے اور مسائل فقہیہ سے انہیں کچھ ایسی غیر معمولی دلچسپی تھی کہ شب وروز اسی کام میں لگا رہنے کو اپنی زندگی کی اعلےٰ غرض وغایت سمجھتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ علم کلام اس لحاظ سے کہ اعتقادی احکام کی تحقیق اور تنقید پر بہت کچھ روشنی ڈالنے والا ہے۔ فقہ کا اصل کہلانے کا مستحق ہے اور فقہ اس کی نسبت فرعیت کا کام رکھتی ہے مگر علم کلام کی اصلیت فقہ کی فضیلت کو جو اسے علم کلام پر حاصل ہے نہیں توڑ سکتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حقیقی اصلیت کا تمغہ تو صرف اس صحیح اور جازم اعتقاد کو ملا ہوا ہے جو اسلامی احکام کے متعلق ہو اور اعتقاد صحیح صرف تقلید سے حاصل ہوسکتا ہے۔ علم کلام تو

Marfat.com

صرف عقائد کا محافظ اور مخالفین کے لئے ایک زبردست ہتھیار ہے۔ فقہ کی فضیلت میں علم کلام کی اصلیت کو پیش کرنا بعینہ ایسا ہے جیسے طبیب طب کو فقہ پر فوقیت دینے کی صورت میں کہتا ہے کہ دینی احکام کو سیکھنا اور ان میں کمال حاصل کرنا صحت بدنی پر موقوف ہے اور صحت بدنی کے اصول اور اس کے ذریعے طب سے معلوم ہوتے ہیں تو اب علم طب تمام دینی علوم سے افضل ہوا۔ سو جیسے طبیب کی اس دھوکے میں ڈالنے والی تقریر سے علوم دینیہ کی افضلیت میں مطلق فرق نہیں پڑتا ویسے ہی علم کلام کی فرضی اصلیت فقہ کی فضیلت میں خلل انداز نہیں ہو سکتی۔

چوتھی تمہید

اس امر میں کہ اس کتاب میں ہم کس قسم کے دلائل بیان کریں گے۔

یوں تو دلائل کے اس قدر اقسام ہیں کہ اگر ان سب کو بیان کیا جائے تو ایک دفتر چاہیے اور اقسام بھی مختلف حیثیات اور جہالت پر مبنی ہیں چنانچہ ہم اپنی کتاب محک النظر اور معیار العلم میں کسی قدر دلائل کے مختلف اقسام پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ مگر ہم اس کتاب میں محض اختصار کے پہلو کو ملحوظ رکھ کر دلائل کے مشکل اور پیچیدہ اور باریک اقسام سے پہلو تہی کرتے ہوئے صرف تین قسم کے دلائل بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

پہلی قسم

جب ہم کسی امر کی نسبت دعویٰ کریں تو اس امر کو ایسی دو نقیضوں میں بند کر دیں کہ ایک نقیض کو باطل کر دینے سے دوسری نقیض یقینی الثبوت ہو جائے مثلاً ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ جہان حادث ہے یا قدیم مگر دوسری شق اس کا قدیم ہونا تو باطل ہے نتیجہ ہوا جہان حادث اور یہی ہمارا مدعا اور مطلوب تھا۔

اس مقام پر ہمارا مطلوب دو مقدمات سے حاصل ہوا ہے ایک یہ کہ جہان یا حادث ہے یا قدیم دوسرا یہ کہ جہان کا قدیم ہونا محال ہے اور حاصل بھی ان مقدمات کے خاص تناسب اور ملاپ سے ہوا ہے اگرچہ کوئی مدعا اور نتیجہ دلیل کے ہر دو مقدمات کے ملائے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا مگر تاوقتیکہ دلیل کے ہر دو مقدمات کے مابین ایک خاص نوعیت کا رابطہ و تعلق نہ ہو اور ان میں خاص خاص شروط کا خیال نہ رکھا جائے تو مطلوب کا حاصل ہونا ایک محال امر ہے ہاں ہر دو مقدمات کو جب مناسب شروط پر ترتیب دیا جائے تو مطلوب کا حاصل

Marfat.com

ہونا یقینی امر ہے اس حاصل کردہ مطلوب کے مختلف جہات کے دس مختلف نام ہیں جب کسی خصم کے مقابلہ میں پیش کیا جائے۔ مثلاً ایک شخص جہان کے قدیم ہونے کا قائل ہے اور ہم اس کے مقابلہ میں اس کے حدوث کو پیش کریں تو اس وقت اس کا نام ہماری اصطلاح میں دعویٰ ہوگا اور اگر یوں ہی ذوق تحقیقات کے طور پر حدوث عالم کا ہمیں دعویٰ ہے تو اسے مطلوب کہا جائے گا۔ کبھی اس کو دلیل کے ہر دو مقدمات کے لحاظ سے جو اس کی نسبت بمنزلہ اصل کے ہیں۔ فرع بھی کہا جاتا ہے اس کا کوئی نام ہو جب اس پر دلیل قائم کردہ شدہ کے مقامات کو خصم تسلیم کرے گا تو خواہ مخواہ مطلوب کی ثبوتیت کا اُسے اقرار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ دلیل کی ثبوتیت مطلوب کی ثبوتیت کو مستلزم ہوتی ہے۔

دوسری قسم

ہم اپنی دلیل کے مقدمات کو پہلی قسم میں جو خاص ترتیب بیان ہو چکی ہے اسکے ایک اور نئی طرز پر ترتیب دے سکتے ہیں۔ مثلاً پہلے ہم نے حدوث علم کے ثبوت میں کہا تھا کہ جہان یا حادث ہوگا یا قدیم۔ مگر اسکا قدیم ہونا باطل۔ تو نتیجہ ہوا جہان حادث ہے مگر اب ہم ایک نئی چال چلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شئے محل حوادث ہو وہ حادث ہوتی ہے (یہ ہماری دلیل کا پہلا مقدمہ ہے) اور جہان بھی محل حوادث ہے (یہ دوسرا مقدمہ ہے) نتیجہ یہ ہوا جہان حادث ہے ان دونوں صورتوں میں مطلوب صرف ایک ہی شے ہے مگر اس کے ثبوت میں مختلف پہلو اختیار کیئے گئے ہیں۔ پہلی صورت کی طرح اس طرز کی دلیل کے مقدمات بھی جب خصم تسلیم کرے گا یعنی جو شئی محل حوادث ہے اس کا حدوث اور جہان کے محل حوادث ہونے میں جب اُسے کوئی کلام نہیں رہے گی تو خواہ مخواہ اسے حدوث عالم کا اقرار کرنا پڑے گا۔

تیسری قسم

پہلی دو صورتوں میں تو ہم نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے اور خصم کے مدعا کو توڑنے۔ الغرض ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھا تھا مگر اب ہم صرف خصم کے مدعا پر جرح کرنیکی طرف توجہ کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ خصم کا مدعا باطل ہے کیونکہ وہ ایک امر محال کو مستلزم ہے اور جو شئے کسی محال امر کو مستلزم ہوتی ہے وہ خود محال ہوتی ہے اس لئے خصم کا

Marfat.com

مدعا باطل ہے۔

مثلاً ایک شخص ہمارے روبرو دعویٰ کرتا ہے کہ آسمان کے دورات غیر متناہی ہیں اور ہم اس کو کہتے ہیں کہ آپ کے اس دعویٰ سے ایک محال امر لازم آتا ہے وہ یہ اگر آسمان کے دورات غیر متناہی ہوں تو یہ کہنا درست ہوگا کہ آسمان اپنے دورات غیر متناہیہ پورے کر چکا ہے مگر یہ تو محال ہے تو پھر اس امر محال کا مستلزم (آسمان کے دورات غیر متناہی ہونا) بھی محال ہوگا۔

اس جگہ ہمارے پاس دو اصل یا دو مقدمات ہیں (۱) یہ کہ بر تقدیر آسمان کے دورات غیر متناہی ہونے کے یہ کہنا درست ہوگا کہ آسمان اپنے دورات غیر متناہیہ پورے کر چکا ہے۔ آسمان کے دورات غیر متناہی ہونے کی صورت میں غیر متناہی شئے کی انتہا ایک ایسا دعویٰ ہے جس میں خصم کے اقرار اور انکار دونوں کی گنجائش ہے۔ خصم کو اختیار ہے کہ آسمان کے دورات کے عدم تناہی شئے کی صورت میں دورات غیر متناہیہ کا صاف انکار کردے (۲) یہ کہ آسمان کے عدم تناہی کی صورت میں غیر متناہی شئے کی تناہی ہونا محال ہے۔ پہلے مقدمہ کی مانند اس مقدمہ میں بھی خصم کو اقرار وانکار دونوں کی گنجائش ہے مگر جس صورت میں کہ ہمارے ان دونوں مقدموں کو تسلیم کرے گا۔ تو پھر اس کو اس امر میں کہ آسمان کے دورات غیر متناہی نہیں ہیں چوں چراں کی کوئی گنجائش نہ رہے گی۔

تین قسم کے دلائل متذکرہ بالا سے ہم اس کتاب میں مختلف مقامات میں کام لیں گے یہ ایسے دلائل ہیں کہ حصول مطلوب کے بارہ میں ان سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا ان دلائل کی رو سے جس شئے کا علم ہمیں حاصل ہوگا اس کا نام مطلوب یا مدلول ہے اور ان کے مقدمات کا باہم جو تعلق اور لگاؤ اور ربط ہونا ضروری ہے ہماری اصطلاح میں دلیل کہلاتا ہے۔ جب کسی مطلوب کے حصول اور ثبوت کے لئے کوئی دلیل تجویز کی جاتی ہے اور اس کے مقدمات میں کسی خاص ترتیب اور جوڑ کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے تو اس وقت دو باتوں کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ ایک تو دلیل کے ہر دو مقدمات (صغریٰ و کبریٰ) کا ذہن میں تصور کرنا اور دوسرا اسباب کا دریافت کرنا کہ نتیجہ کا حصول دلیل سے کس جہت سے اور کونسی حیثیت سے کیونکر اور کس وجہ سے ہوا ہے پہلے امر یعنی احضار المقدمتین کا نام فکر اور دوسرے امر کا نام طلب ہے اور ان ہر دو امور کا مجموعہ حیثیت اجتماعی کے لحاظ سے نظر کہلاتا ہے۔ نظر کی ماہیت اور کنہ میں دو چیزوں کو دخل ہے۔ (۱) احضار المقدمتین فی الذہن

Marfat.com

اس امر کا دریافت کرنا کہ دلیل سے نتیجہ کا حاصل ہونا کن کن شرائط اور وجوہات سے ہوا ہے

نظر کی تعریف میں بہت کچھ اختلاف ہے بعض نے صرف فکر مدنظر رکھکر اس کی تعریف محض فکر کیساتھ کی ہے۔ اور بعض نے صرف طلب پر ہی اس کی تعریف کی بنا رکھی ہے۔ مگر یہ دونوں تعریفیں ٹھیک نہیں اس کی صحیح تعریف وہ ہے جس میں فکر اور طلب دونوں کو دخل دیا گیا ہے۔ جیسا کہ محققین نے کہا ہے انه الفكر الذى يطلب به من تام به علما او غلبة ظن۔ نظر ایسے فکر کا نام ہے جس سے حصول یقین یا غالب گمان مطلوب ہو۔

نظر کی تعریف میں اگرچہ علماء حضرات نے بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے اور طرح طرح کی عبارت آرائیوں سے اس کی ماہیت بیان کرنے میں تضیع اوقات کی ہے۔ مگر ان کی یہ طول بیانی اور خانہ جنگی بجز اس کے کہ اور ضروری اور مفید مضامین پر غور کرنے کے سدِّ راہ ہو کوئی مفید اور دلچسپ آور امر ثابت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ تو ہر فرد و بشر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہر ایک دلیل میں دو اصل (دلیل کے ہر دو مقدمات اور ایک فرع نتیجہ) ہونے ضروری ہیں نیز اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جب کسی مدعا کی کوئی دلیل قائم کی جائے گی۔ دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔ ایک احضار المقدمتین فی الذہن اور دوسرا اس امر کا دریافت کرنا کہ دلیل کے مقدمات کیونکہ حصول مطلوب کو مستلزم ہوتے ہیں تو اب جھگڑا کہ نظر کی حقیقت تین احضار فی الذہن جس کا نام فکر ہے ماخوذ ہے یا دلیل کے مقدمات کے حصول نتیجہ کے استلزام کی کیفیت کا دریافت کرنا جو ہماری اصطلاح میں طلب کہلائے ملحوظ ہے بالکل بے سود اور لغو ہے۔ جب دلیل کے قائم کرنے کی صورت میں یہ دونوں امور بلا کم و کاست موجود ہیں تو نظر کی ماہیت میں ایک کو داخل اور ایک کو خارج کر دینا کونسی قباحت کا باعث ہے تم اپنے گھر میں پہلے یا دوسرے امر کو نظر کی ماہیت میں داخل کر دو مگر تمہارے ایسا کرنے سے واقعات میں کوئی تغیر لازم نہیں آتا یہ تو محض ایک اصطلاحی بات ہے۔ ولكل ان يصطلح۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگرچہ دلیل قائم کرنے کے وقت ان تمام امور متذکرہ بالا کا ہونا ضروری ہے مگر ہم تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ علم کلام والوں کی اصطلاح میں نظر کس کو کہتے ہیں تو اس کا جواب یہ کہ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ نظر کی تعریف میں بہت اختلاف ہے۔ بعض صرف فکر کو اس کی ماہیت کا مابہ القوام خیال کرتے اور بعض صرف طلب ہی کے ساتھ اس کی تعریف کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور بعض فکر اور طلب دونوں کو

Marfat.com

اس کی ماہیت میں دخل قرار دیتے ہیں۔ الغرض نظر کے متعلق ہر ایک کی اپنی اپنی اصطلاح ہے۔ ہمیں ان لوگوں سے بڑا تعجب آتا ہے جو نظر کی تعریف کے میدان میں نکل کر ان ہر سہ تعریفات میں ایک ایک تعریف کے پہلو کو دبانے اور دوسری دو تعریفوں کو رد کرنے شروع ہو جاتے ہیں اور اس کو بڑا مایہ ناز اور علمیت کے ثبوت کا اعلیٰ ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اگر یہ لوگ تھوڑی دیر کیلئے غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس لفظی تنازع اور اصطلاحی اختلاف سے واقعات پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ نفس الامر میں دلیل کے قائم کرتے وقت فکر اور طلب دونوں کے مفہوم موجود ہوتے ہیں۔

ہم نہایت وثوق سے کہتے ہیں کہ بہت سی غلط فہمیاں محض اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں کہ معانی کے سمجھنے میں ان کو الفاظ کے تابع قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ الفاظ معانی کے تابع ہوتے ہیں اگر پہلے معانی کا صحیح طور پر موازنہ کر کے الفاظ کو ان کے ساتھ مطابق کیا جائے تو بہت کچھ غلط فہمیاں رفع ہو سکتی ہیں۔ بہر حال اصطلاحی اختلافات سے معقولات پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ ہماری اس تقریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ نظر کی تعریف میں جو علماء کا اختلاف ہے وہ کہاں تک درست ہے اور ان پر اصحاب ترجیح نے حاشئے چڑھائے ہیں وہ کس حد تک قابل وقعت ہیں۔

اس جگہ ایک خدشہ واقع ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اگر دلیل کے مقدمات کو خصم تسلیم کرے تو بیشک نتیجہ کے حصول کا اقرار کرنا خصم کو ضروری ہوگا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ ہر ایک دلیل کے مقدمات کا فوراً وہ انکار کر دے آپ عجیب سے عجیب صورتوں میں اپنے دلائل کو پیش کریں مگر وہ "لانسلم" کہنے سے آپ کی محنت خاک میں ملا دے گا۔ ہمارے پاس کچھ ایسے وجوہات ہونے چاہئیں جن کے پیش کرنے سے اسے انکار کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ اس خدشہ کا جواب یہ ہے کہ منجملہ کئی ایک وجوہات کے اس جگہ صرف چھ ایسی وجوہات ہم پیش کرتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے خصم کو انکار کی مطلق گنجائش نہیں رہتی۔

یہ امور حسیہ ہیں۔ یعنی ایسے امور جن کا ادراک حواس باطنہ یا ظاہرہ سے ہمیں حاصل ہوتا ہے مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ ہر حادث کے لئے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اور جہان میں بھی طرح طرح کے حوادث ہمیں نظر آتے ہیں۔ اس لئے جہان کے لئے بھی کوئی سبب ضرور ہے۔ تو اس دلیل کا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جہان میں طرح طرح کے حوادث ہمیں نظر آتے ہیں ایسا مقدمہ ہے جس کا ہم حوادث ظاہرہ سے مشاہدہ کرتے ہیں

Marfat.com

۔کیونکہ ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ کوئی پیدا ہوتا ہے اور کوئی اس جہان فانی کو چھوڑ کر دار البقا کی طرف سدھارتا ہے کہیں درخت ہوا کے جھونکوں سے گرتے ہیں اور کہیں اور پیدا ہوتے ہیں۔ بارشیں ہوتی ہیں اور بادل گرجتے ہیں۔ اولے پڑتے ہیں بجلی کڑکتی ہے۔ سخت طوفان آتے ہیں۔ طرح طرح کی مکروہ اور اچھی اچھی آوازیں سنائی دیتی ہیں دنیا کی عجائبات مختلف رنگوں میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ کوئی خوبصورت ہے کوئی بدنما وغیرہ۔ علی ہذا القیاس وجدانی کیفیات جیسی غم و خوشی تکلیف و آرام وغیرہ باطنی حواس سے محسوس ہوتے ہیں۔ الغرض ہر جگہ اور ہر آن میں تغیر و انقلاب کا سلسلہ شروع ہے اور شروع رہے گا۔ ایسے حسی امور کی نسبت کسی خصم کو انکار کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔

۲۔ دو امور ہیں جو صرف عقل ہی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ جہان حادث ہے کیونکہ ایسی شے جو حوادث سے پہلے موجود نہ ہو بلکہ ان کے ساتھ ہو یا پیچھے وہ حادث ہوتی ہے اور جہان بھی ایک ایسی شے ہے جو حوادث سے پہلے موجود نہ تھی نتیجہ ہوا کہ جہان حادث ہے اب اس دلیل کا پہلا مقدمہ کہ جو شئے حوادث سے پہلے موجود نہ ہو وہ حادث ہوتی ہے۔ محض عقل سے ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ جو چیز حوادث سے پہلے ہوگی وہ یا تو ان کے ساتھ ہوگی یا ان کے پیچھے۔ اور دونوں طرح پر اس کا حادث ہونا ظاہر ہے اگر کوئی عقل کا اندھا اس کا انکار کرے تو بداہت کا منکر ہونے کے علاوہ پرلے درجہ کا مجنون اور انسانیت سے گرا ہوا ہوگا۔

۳۔ وہ امور جو ہمیں تواتر کے ذریعے سے پہنچے ہیں۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نبی برحق ہیں۔ کیونکہ آپ نے بہت سے معجزات دکھائے ہیں وہ برحق نبی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا معجزات دکھلانا میرے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے تو اس کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ آپ پر قرآن مجید جو سب سے بڑا معجزہ ہے نازل ہوا ہے اس کی موجودگی میں تمہارا اعتراض قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔

اب اگر قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے متعلق کسی نہ کسی وجہ سے خصم نے اقرار ظاہر کیا اور آنحضرت ﷺ پر قرآن کے نزول کا انکار کیا تو اسے یوں کہیں گے کہ جیسے مکہ معظمہ وغیرہ بڑے بڑے شہروں کا وجود اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہ سب انبیاء کا دنیا میں پیدا ہونا تم کو بذریعہ تواتر معلوم ہوا ہے۔ اور تمہیں ان تمام اشیاء کی موجودیت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ ویسے ہی آنحضرت ﷺ پر قرآن مجید کا نزول بھی ہمیں بذریعہ تواتر معلوم

Marfat.com

ہوا ہے۔

۴۔ دلیل میں ایسا مقدمہ لایا جائے جو کسی دوسری جگہ نتیجہ کی شکل میں ظاہر ہو چکا ہے اور اس پر ایک مستقل دلیل قائم ہو چکی ہے جس کے مقدمات حس عقل تواتر سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں کیونکہ ایسی چیز کو جو ایک وقت میں مستقل دلیل کا نتیجہ ہو چکی ہے۔ دوسرے وقت میں ایسی دلیل کا جزو بنا دینا جو دیگر امر کے ثابت کرنے کے قائم کی گئی ہو۔ کوئی محال نہیں ہے۔ مثلاً ایک وقت میں ہم حدوث عالم پر دلیل قائم کر چکے ہیں اور اس دعویٰ کے ثبوت پر کہ جہان کے لئے کوئی خالق اور سبب ضرور ہے۔ حدوث عالم کو جو پہلے نتیجہ دلیل بن چکا ہے جز و دلیل گردانتے ہیں کہ جہان حادث ہے اور ہر حادث کے لئے خالق اور سبب کا ہونا ضروری ہے نتیجہ ہوا جہان کے لئے خالق ضروری ہے دیکھئے حدوث عالم جو پہلا نتیجہ دلیل تھا اور اب اس دلیل کا صغریٰ ہے۔

۵۔ ایسے امور جو ہم کو سننے سے معلوم ہوتے ہیں مثلاً ہم کہتے ہیں کہ معاصی دنیا میں گنہگاروں سے سرزد ہوتے ہیں اور جو چیز دنیا میں موجود ہے وہ خدا کی مشیت سے ہے نتیجہ ہوا معاصی خدا کی مشیت سے لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں۔ معاصی کا وجود تو بذریعہ حس کے ہر ایک شخص کو معلوم ہے اور اگر غور طلب ہے تو یہ ہے کہ ہر ایک چیز خدا کی مشیت سے ہوتی ہے اس میں اگر خصم کو انکار ہو تو ہم اس چیز کو یہ کہیں گے کہ اس قول ما شاء الله کان وما لم يشا لم يكن ۔ پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ یہ قول سننے سے خصم کو بالکل اطمینان ہو جائے گا۔

۶۔ دلیل کے مقدمات میں ایسے امور بیان کئے جائیں جو کہ خصم کے نزدیک مسلم ہوں اور اگرچہ یہ امور ہمارے نزدیک ثابت نہ ہوں اور حسیات۔ عقلیات اور متواترات میں سے بھی نہ ہوں مگر چونکہ یہ امور خصم کے نزدیک تسلیم شدہ ہیں اس لئے اگر ہم ان کو اپنے دلائل اور قیاسات میں لائیں گے تو یہ بات ہمیں مفید پڑے گی۔ اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ خصم کو انکار کی گنجائش ہرگز نہ ہوگی۔ اس تقریر میں ہم نے ایک حد تک وہ امور بیان کر دیے ہیں جن کی وجہ سے دلیل کے انکار کی خصم کو گنجائش نہ رہے۔ اب ہم ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ یہ چھ قسم کے امور اس امر میں مساوی ہیں کہ ان میں سے خواہ کوئی سا امر محقق ہو خصم کو مقدمہ دلیل کے متعلق چون چرا کی کوئی گنجائش نہ رہتی۔ مگر عموم فائدہ کی جہت سے متفاوت ہیں حسیات۔ عقلیات اور سمعیات بغیر ان لوگوں کے جو مسلوب العقل ہسلوب

Marfat.com

الحواس ہوں ساری مخلوقات کے حق میں مساوی ہیں جو امور آنکھ سے دیکھے یا کان سے سنے جاتے ہیں وہ اگر اندھے یا بہرے کے آگے پیش کیے جائیں تو اس کے نزدیک یہ ہرگز قابلِ تسلیم نہ ہوں گے۔

جو امور کہ بذریعہ تواتر کے ثابت ہوئے ہیں وہ صرف اس کے حق میں مفید ہوں گے جس کو تواتر کے ذریعے معلوم ہوئے ہوں بہت سے ایسے امور ہوتے ہیں جو بعض لوگوں کے تواتر کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض ان سے بالکل نا آشنا ہوتے ہیں۔ امام شافعی علیہم الرحمۃ کا فتویٰ قتل المسلم بالذمی کے بارے میں ان کے مقلدین کو تواتر کے ذریعہ سے پہنچا ہے مگر دیگر ائمہ کے مقلدین تک بذریعہ تواتر یہ فتویٰ نہیں پہنچا اس کے علاوہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اور بھی بہت سی جزئیات ہیں کہ اکثر فقہا کو ان کا علم نہیں۔ ایسے امور جو پہلے اپنے دلائل کے نتائج تھے اور اب دلائل کے اجزاء بنائیں گئے ہیں صرف ان لوگوں کے لیے مفید ہوتے ہیں جو کہ اس قسم کے تغیرات پر قدرت تامہ رکھتے ہوں اور خصم کے نزدیک جو امور مسلم ہوتے ہیں وہ بھی خاص خاص لوگوں کے لیے مفید ہوتے ہیں۔

اب ہم تمہیدات کے بیان سے فارغ ہو چکے ہیں اور ناظرین کو کتاب کے مضمون کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

Marfat.com

پہلا باب

اس باب میں خدا کی ذات کی نسبت بحث کی جائے اور اس میں ہم دس دعاوی ثابت کریں گے۔

پہلا دعویٰ

ا۔ خدا کی ہستی کے ثبوت سے متعلق ہے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہم دنیا میں ہزار ہا اشیاء موجود دیکھتے ہیں اور یہ اشیاء ایسی وضع اور تناسب سے بنائی گئی ہیں کہ ان کی موجودگی میں کوئی کسی قسم کا شک نہیں۔ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں ان میں بعض تو ایسی ہیں کہ اگر ان کی ماہیت کی طرف غور سے دیکھا جائے تو بالطبع کسی نہ کسی چیز اور مکان خاص کا تقاضا کرتی ہیں۔ مثلاً ہوا اور آگ اوپر جانے کی مقتضی ہیں اور پانی اور خاک نیچے کی طرف مائل ہیں اور بعض انکے برعکس ہیں۔ ان کی ماہیان مکان مخصوص کے اقتضاء یا عدم اقتضاء سے خالی ہیں۔ جیسے سیاہی۔ سفیدی۔ سرخی۔ خوشبو۔ بدبو۔ غم وخوشی۔ شجاعت بزدلی وغیرہ وغیرہ۔ پہلی قسم کی موجودات میں سے بعض ایسی ہیں جو بالکل بسیط ہیں اور مختلف اشیاء کی پیوستگی سے ان کی ترتیب نہیں۔ اس قسم کی چیزوں کو جوہر فرد یا اجزاء لاتجیری کہتے ہیں اور بعض ایسی ہیں جن کی ماہیت مختلف اشیاء کے میل جول سے پیدا ہوئی۔ جیسے انسان۔ گھوڑا۔ گدھا۔ کتا خچر وغیرہ وغیرہ، یہ چیزیں اجسام کہلاتی ہیں۔

دوسری قسم کی موجودات (غیر متجزی) میں سے بعض ایسی ہیں جو بدوں کسی محل کے موجود نہیں ہوسکتیں۔ جیسے سیاہی۔ سفیدی۔ سرخی۔ سبزی وغیرہ۔ یہ اشیاء اعراض کہلاتی ہیں اور بعض خود بخود موجود ہیں۔ وہ صرف ایک ہے جس کو ہم خدا کہتے ہیں۔ اگر چہ جواہر فرد کی موجودیت اور عدم موجودیت میں متکلمین اور فلاسفہ کا مدت سے سخت اختلاف چلا آتا ہے مگر اجسام اور اعراض کی موجودیت کا تو ہر ایک ذی عقل قائل ہے۔ موٹی سے موٹی سمجھ والا آدمی بھی اگر تھوڑی دیر کے لئے غور وفکر کرے تو اجسام واعراض دونوں کی

Marfat.com

موجودیت میں اس کو کوئی شک وشبہ نہیں رہتا۔

ہمیں ان لوگوں پر سخت تعجب آتا ہے جو دیدہ ودانستہ اعراض کی موجودیت سے انکار کر بیٹھے ہیں اور علمی دعویٰ کی یہ حد ہے کہ دنیا بھر میں اپنی نظیر کسی کو نہیں سمجھتے ہم ان کے مقابلہ میں دیگر اعراض کی موجودیت پر دلائل قائم کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے ہم صرف ان کے اس انکار اور شور وشغب کی نسبت پوچھتے ہیں کہ یہ موجود ہے یا معدوم۔ اگر معدوم ہے تو اعراض کی موجودیت ثابت ہوگئی اور اگر موجود ہے تو اجسام کے قبیلہ میں سے ہے یا اعراض سے پہلی شق کو باطل ہے تو اب آپ کا یہ شور وشغب اعراض میں سے ہوا جو اعراض کی موجودیت کا اعلیٰ ثبوت ہے۔

جب دنیا کی چیزوں کی تقسیم اور ان کی موجودیت ناظرین کو معلوم ہوگئی ہے تو اب ہم اپنے مدعا کے اثبات کے درپے ہونا چاہتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ زمین آسمان وغیرہ دنیا کی سب چیزوں کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور اسی کا نام خدا ہے۔ کیونکہ دنیا حادث ہے اور ہر حادث کے لئے بھی سبب اور خالق ہے جو خدا کہلاتا ہے۔ یہ دلیل ہے جس کے دو مقدمے ہیں (۱) دنیا حادث ہے (۲) ہر حادث کے لئے سبب اور خالق کا ہونا ضروری ہے۔ ان کے دونوں مقدموں پر ردو قدح ہو سکتی ہے۔ جب خصم نے دوسرے مقدمے پر جرح کی تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ ایسا بین اور ظاہر امر ہے جس میں کسی شخص کو بھی انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اگر کسی کو اس کے تسلیم کرنے میں رکاوٹ ہے تو یہ صرف حدوث اور سبب کے معنے نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ حدوث کے معنے ہیں ایک وقت میں کسی چیز کا معدوم ہونا اور دوسرے وقت میں اسکا موجود ہونا محال تھا یا ممکن۔ اگر محال تھا تو اب موجود کیونکر ہوگئی ہے کیونکہ محال وہ چیز ہوتی ہے جو کبھی عالم شہود میں نہ آسکتی ہو اور اگر ممکن سے ہے۔ تو اس کے امکان کے یہ معنے ہیں کہ بلحاظ اسکی ماہیت کے اسکا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں اگر معدوم ہے تو محض اس وجہ سے ہے کہ اسکی علت معدوم ہے اور اگر موجود ہوئی ہے تو اس واسطے کہ اس کی علت موجود ہوئی الغرض ممکن کی اگر ماہیت کو ٹٹولا جائے تو وہ وجود اور عدم دونوں کے اقتضاء سے خالی ہوتی ہے اور اسکی ماہیت میں اس قدر استعداد ضرور ہوتی ہے کہ اگر کوئی مرجح وہاں پر موجود نہ ہو تو وہ بھی پردۂ عدم میں مستور رہتی ہے اور اگر مرجح موجود ہو تو عالم شہود میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ جب ممکن کی ماہیت اس وضع کی ہے کہ بذاتہ نہ وہ

Marfat.com

معدوم ہے اور نہ موجود۔ تو اس کی موجودیت کے لیے کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جو اس کو عدم ازلی کے پنجرے سے نکال کر وجود کے دلفریب میدان میں لے آئے اور اس کا ذلیل اور ناپاک پٹہ اس کے گلے سے اتار کر وجود کا دلربا ہار پہنا دے اور یہ بات اس قسم کی ہوگی جو ممکنات کے قبیل سے بالکل علیحدہ ورنہ "خفتہ را خفتہ کے کند بیدار" والا مقولہ صادق آئے گا کیونکہ جب وہ خود ممکن ہے اور اسکا وجود عدم اور دونوں اس کے حق میں یکساں ہیں تو دوسری چیز کے لئے وہ کیونکر علت اور مرجع کہلا نیکی مستحق ہو سکتی ہے بس اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔

اور اگر خصم دلیل کے پہلے مقدمہ (حدوث دنیا) پر گفتگو شروع کرے گا تو اس کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ دنیا بیشک حادث ہے اور اس کے حدوث پر ہمارے پاس دلیل موجود ہے۔ مگر اقامت دلیل سے پیشتر ہم صرف اتنا جتانا آپ کو ضروری سمجھتے ہیں کہ دنیا کی اشیاء میں سے صرف اجسام کو ہی ہم لے کر ان کا حدوث ثابت کریں گے اور جب اجسام کا حادث ہونا ثابت ہو جائے گا تو اعراض کے حدوث میں بالکل کوئی اشتباہ نہ رہے گا کیونکہ اجسام اور اعراض امکان میں دونوں برابر ہیں۔ اور جب ایک قسم کی ممکن چیزیں حادث ثابت ہو گئیں تو دوسری قسم کی ممکنات کا حدوث کیونکر ثابت نہ ہوگا۔ نیز پہلے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اجسام اعراض کا محل ہیں اور اعراض کو ان میں حلول کا تعلق ہے تو جب محلول کا حادث ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گا تو حلول کردہ چیزوں کے حادث ہونے میں کونسا خفا رہ جائیگا۔

اب ہم اصل دلیل کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب کے سب اجسام حادث ہیں۔ کیونکہ یہ محل حوادث ہیں اور جو چیز محل حوادث ہوتی ہے وہ خود حادث ہوتی ہے نتیجہ ہوا اجسام حادث ہیں۔

اس دلیل کے دو مقدمے ہیں (۱) اجسام محل حوادث ہیں (۲) جو چیز محل حوادث ہوتی ہے وہ حادث ہوتی ہے۔ ان دونوں مقدمات پر جرح ہو سکتی ہے۔ اسلئے ہم ان دونوں کے اثبات کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ پہلے مقدمہ (اجسام محل حوادث ہیں) کے ثبوت میں ہم اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ دنیا میں جس قدر اجسام ہیں ان میں سے بعض متحرک اور بعض ساکن ہیں اور حرکت و سکون دونوں حوادث کے قبیل سے ہیں اس لئے اجسام محل حوادث ہیں۔

Marfat.com

اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حرکت اور سکون اعراض میں سے ہیں اور اعراض کا نہ ہم وجود مانتے ہیں اور نہ حدوث، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ بڑی بڑی ضخیم اور مضبوط کتابوں میں بہت طول سے اعراض کے وجود پر اعتراضات اور ان کے جوابات کی سلسلہ بیانی کی گئی ہے۔ مگر میرے خیال میں اس چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ بجز تضیع اوقات کے اور کچھ نہیں اعراض کا وجود نظریات میں سے نہیں ہے تاکہ ان کے وجود پر کافی بحث کی جا سکے ہر ایک آدمی تکالیف بیماریاں، بھوک پیاس، سردی گرمی، خوشی غم وغیرہ محسوس کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ سب چیزیں یکے بعد دیگرے موجود ہوتی ہیں پہلے تکلیف ہوتی ہے تو پھر راحت آ جاتی ہے۔ ایک وقت بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ علی ہذا القیاس دوسرے اعراض میں بھی حدوث کا سلسلہ برابر جاری ہے ان تمام چیزوں کا نام اعراض ہے پس ثابت ہوا کہ اعراض موجود بھی ہیں اور حادث بھی۔ یہ بات مطلق اعراض سے متعلق تھی۔ اب خاص کر حرکت وسکون کی موجودیت اور حدوث کی نسبت ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں (وہو ہذا) ہمارا روئے سخن زیادہ تر فلاسفہ کی طرف ہے اور یہ لوگ عالم کے اجسام کو دو قسم پر منقسم کرتے ہیں۔ (۱) آسمان اور (۲) عناصر اربعہ یعنی پانی۔ مٹی۔ آگ اور ہوا۔ آسمانوں کی نسبت ان کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ ہمیشہ یعنی ازل سے اپنی اپنی وضع پر متحرک چلے آتے ہیں۔ ان کی مجموعی حرکت قدیم ہے اور حرکت کا ایک ایک فرد حادث ہے۔

اربعہ عناصر کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ فلک قمر کے نیچے کی سطح کے اندر لئے ہوئے ہیں اور یہ کہ ان سب کا مادہ ایک ہے اور ہے بھی قدیم۔ ان صورت اور اعراض سب حادث ہیں۔ مادہ پر ان کا توارد ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر پانی کی طبیعت پر حرارت کا غلبہ ہو جائے تو ہوا بن جاتا ہے اور ہوا حرارت سے آگ بن جاتی ہے۔ علی ہذا القیاس ہوا کا پانی بن جانا۔ آگ کا ہوا ہو جانا۔ پانی کا پتھر بن جانا۔ پتھر کا پانی بن جانا وغیرہ وغیرہ۔ فلاسفہ کے نزدیک مسلّم ہے۔ فلاسفہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان چار عنصروں کے ملنے سے کانیں نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ فلاسفہ کے نزدیک حرکت وسکون موجود بھی ہے اور حادث بھی ہے۔ تقریر بالا سے کس قدر آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اجسام حرکت اور سکون کے محل ہیں اور حرکت وسکون ان میں حلول کئے ہوئے ہیں مگر ہم صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس پر مزید روشنی ڈالنی چاہتے ہیں کیونکہ ابھی تک

Marfat.com

یہ پہلو بہت تاریکی میں پڑا ہوا ہے۔

ہر جسم یا متحرک ہے یا ساکن اور حرکت وسکون دونوں حادث چیزیں ہیں حرکت کا حادث ہونا تو ایسی چیز ہے جو مشاہدہ سے معلوم ہوسکتا ہے مگر سکون کی نسبت یہ بات دل میں کھٹکتی ہے کہ ممکن ہے کہ ایک چیز ابتدائے سے ساکن چلی آتی ہو۔ اس کو حرکت کرنے کی نوبت ہی نہ آئی ہو۔ اب اس چیز کا سکون قدیم ہوگا لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے غور کیا جائے تو یہ شبہ فوراً رفع ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اس ہمیشہ سکون کی حالت میں رہنے والی چیز کا حرکت کرنا ممکن ہے یا محال ہے۔ دوسری شق تو باطل ہے۔ کیونکہ ہر ایک جسم میں حرکت وسکون دونوں کی استعداد ہوتی ہے۔ بعض جسموں کا ہمیشہ حرکت کرنا اور بعض کا ساکن رہنا محض خارجی علتوں کی وجہ سے ہے تو جب چیز مذکور کا حرکت کرنا ہوا تو یہ قاعدہ ہے کہ ممکن وہ چیز ہوتی ہے جس کے وجود سے کوئی محال امر لازم نہ آئے۔ اب ہم فرض کرتے ہیں کہ وہ چیز سکون کی حالت کو چھوڑ کر متحرک ہوئی ہے۔ تو حالت سکون کو اس لئے خیر باد کہہ دیا ہے تو معلوم ہوگیا کہ سکون بھی حادث تھا کیونکہ ہم آگے کسی موقع پر ثابت کردیں گے کہ جو چیز قدیم ہوتی وہ معدوم نہیں ہوسکتی۔ جیسے ازل سے وہ موجود چلی آئی ہے ویسے ہی ابد تک موجود رہتی ہے۔

اس تقریر پر یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ تب ہوسکتا ہے جب یہ بات معلوم ہوجائے کہ جسم اور حرکت وسکون میں باہم تغایر ہے یعنی جسم اور چیز ہے اور اس کا حرکت کرنا یا ساکن رہنا اور شے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ جسم متحرک ہے تو اس سے پایا جاتا ہے کہ جسم اور چیز ہے اور حرکت ایک وصف ہے جو جسم کو عارضی ہے۔ ورنہ ہمارا یہ کہنا ہرگز درست نہ ہوگا کہ یہ جسم متحرک نہیں۔ کیونکہ جب جسم اور حرکت میں اتحاد ہے تو حرکت کی نفی بعینہ جسم کی نفی ہونی چاہیے سکون اور جسم کا باہم متغایر ہونا بھی اسی پر قیاس کرلو۔ الغرض جسم کا اور چیز ہونا اور حرکت کا اور شے یہ ایسا کھلا اور واضح امر ہے جو کسی دلیل کا محتاج نہیں اس پر یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ جسم اور حرکت وسکون کی باہم مغایرت تو ہم نے تسلیم کرلی۔ مگر ان دونوں وصفوں کا حدوث ہمارے نزدیک مسلم نہیں ممکن ہے کہ جسم متحرک کے اندر وصف حرکت ابتداہی سے چلی آتی ہو۔ صرف اس کا ظہور اب ہوا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ہم دلائل کے ذریعہ سے ثابت کرسکتے ہیں کہ وصف

Marfat.com

حرکت کا ابتداء سے چلا آنا اور بعد میں اسکا ظاہر ہونا۔ یہ دونوں امر خلاف واقع ہیں۔ مگر ہم اس طول طویل قصے کو چھیڑنا نہیں چاہتے۔ ہم معترض کی بات مان کر کہتے ہیں کہ وصف حرکت کا ظہور حادث ہے بس صرف اسی سے اجسام کا محل حوادث ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ جیسے حرکت وسکون اجسام کی صفتیں ہیں ویسے ہی ان کا جسموں میں ابتداء سے چلا آنا اور پھر کسی وقت ان کا ظاہر ہونا بھی ان کی بالواسطہ صفتیں ہیں اور جسے حرکت اور سکون کے حادث ہونے سے انسان کا محل حوادث ہونا ثابت ہوتا ہے ویسے ہی ان دونوں صفات مذکورہ بالا کے حدوث سے ان کی محلیت پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔

ایک اور اعتراض بھی وارد ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ حرکت کا حدوث قابل تسلیم نہیں جب تک آپ اس امر کو ثابت نہ کر لیں کہ وصف حرکت کسی دوسرے جسم سے انتقال کر کے اس خاص جسم میں نہیں آتی۔ ممکن ہے کہ وصف حرکت قدیم ہو اور خاص خاص وقتوں میں مختلف جسموں میں اس کا دورہ ہو مثلاً ایک وقت میں زید میں حرکت تھی کچھ دیر رہ کر اس سے علیحدہ ہوئی اور اب عمر میں آگئی۔ کسی وقت میں اس سے علیحدہ ہو کر خالد وغیرہ میں جائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اعراض اور اوصاف اپنے محلول سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں ہر ایک عرض کا بقاء اور فنا محل کے بقاء اور فنا پر موقوف ہوتا ہے مثلاً زید کے بالوں میں جو خاص سیاہی ہے اس میں یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی وقت عمر کے بالوں میں جا چمٹے۔ زید پر جب پیری کا زمانہ آئے گا تو اسکے بالوں کی سیاہی بالکل نیست و نابود ہو جائے گی۔ اس امر کے ثبوت پر بڑے بڑے باوقعت اور نامی گرامی علماء نے مختلف مقامات میں دلائل قائم کیے اور اپنی طرف سے اس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مگر وہ اپنی اس غرض میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کوئی ایسی زبردست اور نہایت مضبوط دلیل پیش نہ کر سکے۔ جس سے مخالفین کے دانت ڈالے جاتے اور وہ ہمیشہ کے لیے سر نہ اٹھاتے۔ اس امر کے اثبات کے لیے ہم دلیل پیش کرتے ہیں جو امید ہے کہ بہت مفید ثابت ہوگی (ہو ہذا)

جن لوگوں کا اعراض کے انتقال کی طرف خیال گیا ہے۔ ہماری سمجھ میں ان کو عرض اور انتقال کے معنے سمجھنے میں سخت غلط فہمی ہوئی ہے ان چیزوں کی ماہیت کی تہہ تک ان کو پہنچنا نصیب ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ وہ ایسے دور از عقل امر کی نسبت زور لگاتے۔

انتقال کے معنی ہیں جسم کا ایک مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں جانا اس کی حقیت دریافت کرنے میں ہمیں تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ جسم کی ماہیت کو جاننا۔ مکان کا

Marfat.com

تصور۔ جسم کو مکان سے جو ایک خاص تعلق ہے اس کا معلوم کرنا۔ یہ تعلق جسم اور مکان دونوں سے جدا ہے۔ نہ اس کو جسم کی حقیقت کے ساتھ اتحاد ہے اور نہ مکان کے ساتھ عینیت۔ در حقیقت یہ جسم اور مکان کا مابہ الارتباط ہے جس کی وجہ سے ان دونوں میں ایک خاص ربط اور لگاؤ ہے۔

جیسے ہر ایک جسم کو مکان کی ضرورت ہے ویسے ہی ایک عرض اور صفت کو محل کی ضرورت ہے اور سرسری نظر سے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو نسبت جسم کو اپنے مکان کے ساتھ ہے وہی نسبت عرض کو اپنے محل کے ساتھ ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کو یہ گمان ہو گیا ہے کہ جیسے جسم باوجودیکہ اس کو اپنے مکان کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔ مکان سے علیحدہ ہو کر دوسرے مکان میں جا سکتا ہے۔ ویسے ہی عرض کا اپنے ایک محل سے علیحدہ ہو کر دوسرے محل میں جانا درست ہے۔ پس انتقال اعراض کے قائلین کے اس قول کی بنا صرف اسی بات پر ہے۔

عرض کا جو تعلق محل کے ساتھ ہے اس کو جسم کے تعلق مکانی پر قیاس کرنا سراسر حماقت اور کم ظرفی ہے۔ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ جسم کا تعلق مکانی جسم کی حقیقت سے مغائر ہے اور عرض کا تعلق محلی اس کی حقیقت کا عین ہے کیونکہ اگر اس تعلق کو جسم کے تعلق کی مانند عرض کی حقیقت سے جدا مانا جائے تو جیسے عرض کو اپنے محل کے ساتھ جو ایک خاص ربط اور تعلق ویسے ہی اس تعلق کو عرض کے ساتھ ایک خاص ربط اور تعلق ہوگا ویسے ہی اس تعلق کے تعلق کو تعلق کے ساتھ ایک خاص ربط اور تعلق ہوگا۔ وہلم جراً۔

یہ تسلسل ہے جو محال ہونے کے علاوہ اس امر کو چاہتا ہے کہ جب تک غیر متنا ہی ایک وقت میں مجتمع نہ ہوں۔ تب تک کسی عرض کا پایا جانا ممکن نہیں۔

اصل بات یہ کہ اگرچہ عرض کے تحقق کیلئے محل کا ہونا ضروری ہے جیسے جسم کے لیے مکان کا ہونا ضروری ہے مگر ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

جو چیز کسی دوسری شے کے لئے لازم ہوتی ہے۔ وہ دو طرح پر ہوتی ہے۔ لازم ذاتی اور لازم عرضی۔ لازم ذاتی وہ ہوتا ہے کہ اگر وہ خارج یا ذہن میں موجود نہ ہو تو دوسری شے (ملزوم) بھی موجود نہ ہو جیسے دن کے واسطے سورج کا ہونا۔ جب آسمان سے سورج غروب ہو جاتا ہے تو دن بھی اس کے ساتھ ہی رفو چکر ہو جاتا ہے اور جب سورج افق شرقی سے نمودار ہوتا ہے تو دن بھی اس کے ساتھ ہی آ جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب ذہن میں سورج کا ملاحظہ

Marfat.com

کیا جاتا ہے تو اسکے ساتھ ہی دن کا خیال بھی آجاتا ہے۔ لازم عرضی اس کے بالکل خلاف ہے۔

جسم کے لئے مکان لازم عرضی ہے اور عرض کے لئے محل لازم ذاتی ہے جسم کے لئے مکان کا لازم عرضی ہونا اس وجہ سے ہے کہ پہلے ہم جسم کی ماہیت کو معلوم کرتے ہیں اور اس کے بعد مکان کی نسبت سوچتے ہیں کہ مکان کوئی واقعی اور مستقل حقیقت ہے یا محض ایک چیز ہے۔ آخر بڑے بڑے دلائل قائم کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مکان بھی جسم کی طرح مستقل حقیقت رکھتا ہے۔ جس کو ہم مشاہدہ سے دیکھ سکتے ہیں اور مکان کا خیال تک دل میں نہیں آتا۔ اسی لئے جسم کے لئے کسی خاص مکان کا ہونا ضروری نہیں ہے اور اگر جسم ایک خاص مکان میں موجود نہ ہو تو اس سے اس کا بالکل معدوم ہونا لازم نہیں آتا زید اگر مسجد میں نہ ہوگا تو اس وقت ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ زید مسجد میں نہیں مگر یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ مسجد میں موجود نہ ہونے سے وہ بالکل ہی نیست و نابود ہوگیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جسم کے لئے مکان لازمی عرضی ہے نہ کہ لازم ذاتی۔

عرض کے لئے محل لازم ذاتی ہے۔ عرض بغیر خاص محل کے نہ خارج میں متحقق ہو سکتی ہے اور نہ ذہن میں اس کا تصور آسکتا ہے مثلاً زید کا طول یعنی لمبائی زید کا طول خارج میں تب موجود ہوگا جب زید متحقق فی الخارج ہولے گا اور ذہن میں بھی اس کا تصور جب ہی آسکتا ہے جو اس کے ساتھ زید کا تصور کر لیا جائے زید کے مرنے سے اس کے طول کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔

زید کے طول کے لئے بغیر زید کے نہ خارج میں استقلال ہے اور نہ ذہن میں اس کا موجود ہونا بدون اس اختصاص کے جو اس کو زید کے ساتھ ہے محال ہے اب اگر یہ مانا جائے کہ زید کے طول کا زید سے علیحدہ ہونا ممکن ہے تو اس کی علیحدگی اختصاص مذکورہ کے رفع ہو جانے کو مستلزم ہوگی اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ اختصاص کے رفع ہو جانے پر طول کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اعراض کا اپنے محلول سے علیحدہ ہو جانا محال ہے۔

اب تک تو ہم نے اپنی دلیل کے پہلے مقدمہ کے اثبات پر زور دیا ہے اور ہمارے مخالفین فلاسفہ کسی حد تک اس کو مانتے بھی ہیں۔ مگر ہم دلیل کے دوسرے مقدمہ کی طرف جانا چاہتے ہیں یعنی یہ بات کرتے ہیں کہ دنیا چونکہ محل حوادث ہے اس لئے یہ خود بھی حادث ہے۔

Marfat.com

اگر عالم کو جو حوادث کا محل ہے قدیم مانا جائے تو اس کے ساتھ ہی آسمان کے دورات بھی غیر متناہی تسلیم کرنے پڑیں گے لیکن آسمان کے دورات کی عدم تناہی کی بنا پر تین محال امر لازم آتے ہیں (۱) آسمان کے دورات اگر غیر متناہی ہیں تو آج سے پہلے کے دورات کے متعلق یقیناً یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ پوری ہو چکے ہیں کیونکہ زمانہ ماضی میں جو چیز ہوتی ہے۔ زمانہ حال کی نسبت اسے یہ کہنا کہ یہ گذر چکی ہے بالکل درست ہوتا ہے تو وہ غیر متناہی ہیں۔ اور پورے ہو چکے کا لفظ بھی ان پر صادق آتا ہے تو گویا وہ غیر متناہی بھی ہوئے اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۲) آسمان کے غیر متناہی دورے چونکہ عدد کی حقیقت سے باہر نہیں اس لئے وہ جفت ہوں گے یا طاق اور یا دونوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہوں یا دونوں یعنی جفت بھی ہوں گے اور طاق بھی پچھلی دو شقیں تو باطل ہیں کیونکہ جفت وہ عدد ہوتا ہے جو دو یا کئی ایک برابر حصوں پر منقسم ہو سکے جیسے دس۔ اب دس دو پر تقسیم کرنے سے پانچ پانچ کے دو عددوں پر منقسم ہو سکتا ہے اور طاق وہ ہے جو جفت کے خلاف ہو۔ یعنی برابر حصوں پر منقسم نہ ہو سکے۔ جیسے نو ۹ سو ہر ایک عدد یا برابر حصوں پر منقسم ہوگا یا نہ ہوگا۔ یا یوں سمجھئے کہ ہر ایک عدد یا جفت ہوگا یا طاق۔ مگر یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی ایسا عدد بھی ہو جو نہ جفت ہو نہ طاق۔ یا جفت اور طاق دونوں ہو۔ ورنہ پہلی صورت میں اجتماع النقیضین کا قول کرنا پڑے گا۔

ان کا جفت ہونا بھی غلط ہے کیونکہ جو عدد جفت ہوتا ہے اس میں صرف ایک عدد کی کمی ہوتی ہے۔ اگر یہ کمی پوری ہو جائے تو وہ عدد طاق ہو جاتا ہے مگر جب آسمان کے دورے غیر متناہی ہیں تو اس میں ایک کی کمی کیا معنے۔

ان کا طاق ہونا بھی باطل ہے کیونکہ طاق میں بھی صرف ایک کی کمی ہوتی ہے اگر یہ کمی پوری ہو جائے تو طاق جفت ہو جاتا ہے۔ لیکن جب دورے غیر متناہی ہیں تو ان میں سے ایک کیونکر کم ہو سکتا ہے سو جب آسمان کے دورے عدم تناہی کی صورت پر نہ جفت ہو سکتے ہیں اور نہ طاق۔ اور نہ ان سے باہر نکل سکتے ہیں اور نہ ہی ان دونوں کا مجموعہ ان پر صادق آ سکتا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ متناہی ہیں۔ (۳) اگر آسمان کے دورے غیر متناہی ہوں تو یہ ماننا پڑے گا کہ دو عدد غیر متناہی بھی ہیں اور ان میں سے ایک کم اور زائد ہے حالانکہ جب دونوں عدد عدم تناہی میں برابر ہیں تو ان کا ایک دوسرے سے کم و بیش ہونا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ عدد کم وہ ہے جس میں بہ نسبت زائد کے کچھ کمی ہو اگر یہ کمی پوری ہو جائے تو وہ

Marfat.com

دونوں برابر ہو جاتے ہیں مگر مگر جب عدد کم غیر متناہی ہے تو اس میں کمی کے کیا معنے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر دوسرے غیر متناہی ہوں تو وہ غیر متناہی عددوں کا ایک دوسرے سے کم وبیش ہونا کیونکر لازم آتا ہے سو دیکھئے اور غور سے دیکھئے۔

تمام فلاسفہ اس امر پر متفق ہیں کہ زحل تیس سال کے بعد ایک دورہ کرتا ہے اور شمس ہر سال میں ایک دورہ کرتا ہے سو اگر تیس سال کے بعد زحل کے دوروں کو شمس کے دوروں سے نسبت لگائی جائے تو زحل کے دوسرے شمس کے دوروں کے تیسویں حصہ پر برآمد ہوں گے کیونکہ تیس سال میں زحل نے صرف ایک دورہ کیا ہے اور شمس تیس دورے کر چکا ہے اور ایک تیس کا تیسواں حصہ ہوتا ہے اور ساٹھ سال کو زحل کے صرف دو دورے ہوں گے اور شمس کے دوروں کی تعداد ساٹھ تک پہنچ جائے گی۔ علی ہذا القیاس قمر ان لوگوں کے نزدیک بارہ ماہ میں بارہ دورے کرتا ہے سو سال کے بعد شمس کے دوروں کو قمر کے دوروں سے نسبت لگانے سے شمس کے دورے قمر کے دوروں کا بارہواں حصہ برآمد ہوں گے اب دیکھیے زحل۔ شمس اور قمر کے دورے غیر متناہی بھی ہیں اور شمس کے دورے زحل کے دوروں اور قمر کے دوروں سے کئی حصے بھی زائد ہیں۔

اس جگہ پر ایک یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ متکلمین کے نزدیک خدا کے مقدورات اور معلومات دونوں غیر متناہی ہیں حالانکہ خدا کی معلومات بہ نسبت مقدورات کے زائد ہیں۔ کیونکہ خدا کی ذات صفات قدیمہ اس کی صفات قدیمہ میں .... شریک الباریؒ اجتماع النقیضین ارتفاع النقیضین غیرہ وغیرہ۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو خدا کو معلوم ہیں۔ مگر ان کے پیدا کرنے پر خدا کو مطلق قدرت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں ہم خدا کے معلومات کو غیر متناہی کہتے ہیں۔ وہاں خدا کے مقدورات کو غیر متناہی کہنے سے ہمارا وہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا جو معلومات کو غیر متناہی کہنے سے ہے بلکہ مقدورات کو غیر متناہی کہتے ہے مراد یہ ہے کہ خدا کی ایک صفت قدرت ہے جس کی وجہ سے خدا دنیا کی مختلف چیزوں کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور وہ ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے خدا میں یہ بات نہیں ہوتی ہے کہ اس کی ایجادی قدرت کسی حد پر ٹھہر جائے اور آگے مخلوقات کے ایجاد پر ان کو قدرت نہ رہے۔

ہمارا یہ کہنا کہ خدا کی ایک صفت قدرت ہے جس کیوجہ سے وہ ایجاد پر قدرت رکھتا ہے اور نہ اس امر کی طرف مشعر ہے کہ یہاں بہت سی غیر متناہی چیزیں ہیں اور نہ ہی اس

Marfat.com

میں سے یہ پایا جاتا کہ وہ متناہی ہیں۔

جن لوگوں نے ہمارے اس لفظ مقدورات اللہ تعالیٰ و معلومات غیر متنا ھیہ سے خدا کی مقدورات کا غیر متناہی ہونا سمجھ لیا ہے زیادہ تر ان کی غلطی کی بنا مقدورات اور معلومات کے تشابہ لفظی پر ہے چونکہ یہ دونوں الفاظ جمع مؤنث کے صیغے ہونے میں برابر تھے اس لئے ان کو یہ مغالطہ لگا مگر یہ قاعدہ ہے کہ الفاظ معانی کے تابع ہوتے ہیں نہ معانی الفاظ کے۔

دوسرا دعویٰ

کائنات عالم کے لئے جو سبب اور خالق (خداوند تعالیٰ) ہم نے ثابت کیا ہے اس کا قدیم ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر وہ حادث ہے تو اس کے لئے کسی اور خالق کا وجود ماننا پڑے گا۔ اور اگر وہ بھی حادث ہے تو اس کے لئے خالق تلاش کرنا پڑے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر یہی سلسلہ الیٰ غیر النہایۃ چلا گیا تو تسلسل کا وجود لازم آئے گا جو محال ہے اور اگر یہ سلسلہ کسی ایسے خالق پر ختم ہو گیا جو قدیم ہے اور اس کے آگے اور کوئی خالق تجویز نہیں ہو سکتا۔ تو کائنات عالم کا خالق (خداوند کریم) بھی وہی ہوگا جس پر یہ سلسلہ منقطع ہوا ہے اور راستے میں جو اسباب نظر آتے ہیں وہ سب کے سب وسائل اور وسائط کے درجے میں ہوں گے اور بس۔

خدا کو قدیم کہنے سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ اس کے وجود سے پہلے نیستی نہیں بلکہ ہمیشہ سے اسکا وجود چلا آیا ہے۔ جہاں تک ہمارا امکان ہے ہم نظر دوڑائے مگر اس سے بھی آگے خدا کا وجود تھا سو اب یہ سوال ہرگز نہ وارد ہو سکے گا کہ قدیم کے ساتھ قدم کی صفت بھی آپ ثابت کر رہے ہیں تو جیسے خدا کی ذات قدیم ہے ویسے ہی یہ صفت بھی قدیم ہوگی اور جیسے خدا کے قدیم ہونے کے لئے قدم کی صفت کی ضرورت ہے ویسے ہی اس صفت کے قدیم ہونے کے لئے ایک اور صفت قدم کی ضرورت ہوگی وَھَلُمَّ جَرًّا۔ اور تسلسل ہے جو محال ہے۔

تیسرا دعویٰ

جیسے کائنات عالم کا خالق ازلی اور قدیم ہے۔ ویسے ہی اس کے واسطے ابدی ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی وہ ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے لئے کبھی فنا اور اس کے وجود کے لئے

Marfat.com

بھی زوال نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس پر زوال کا عائد ہونا جائز ہوا تو جیسے ایک معدوم شے کے وجود کے واسطے سبب اور خالق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ویسے ہی اس کے وجود کے زوال کے لیئے بھی سبب اور خالق کا ہونا ضروری ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں خالق کے وجود کا زوال ایک حادث چیز ہے اور ہر حادث کے لیئے کسی مرجح کا ہونا ضروری ہوتا ہے اب مرجح یا فاعل ہوگا یا زوال کی ضد یا خالق کے وجود کے شرائط میں کسی شرط کا معدوم ہو جانا۔ مرجح کا فاعل ہونا نا جائز ہے کیونکہ فاعل اس چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور اس کے فعل کا ثمرہ وہی شے ہو سکتی ہے جو مستقل ہستی رکھتی ہو اور اس کے وجود پر مختلف قسم کے آثار مرتب ہو سکیں یا یوں کہیئے کہ اس پر شے کا لفظ بولا جا سکتا ہو مگر یہاں پر فاعل کے فعل کا ثمرہ خالق کا عدم ہے جو لاشئے ہے معتزلہ کے نزدیک اگر چہ معدوم پر بھی شے کا لفظ بولا جا سکتا ہے مگر ایسی شئے ان کے نزدیک بھی ثمرۂ قدرت نہیں بن سکتی۔ اگر فاعل کی نسبت پوچھا جائے کہ هل فعل الفاعل شيئا کیا فاعل نے کوئی شے پیدا کی تو اس کے جواب میں بھی کہنا پڑے گا ما فعل شيئا۔ کسی شے کو پیدا نہیں کیا۔ اگر خالق کے زوال کا مرجح اس کی ضد قرار دی جائے تو وہ دو باتوں سے خالی نہ ہوگی۔ حادث ہوگی یا قدیم اگر حادث ہوئی تو ایک قدیم شئے (خالق) کے زوال کا سبب کہلانے کی کیونکر مستحق ہوگی۔ اور اگر قدیم ہوئی تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ازل سے یہ چیز خالق کے ساتھ چلی آئی ہے۔ مگر پہلے کبھی اس نے اس کے نیست و نابود کرنے کا قصد نہیں کیا اور اب اس کی بیخ کنی کے درپے ہوگئی۔

خالق کے وجود کی شرطوں میں سے کسی شرط کا معدوم ہو جانا بھی خالق کے زوال کا مرجح نہیں ہو سکتا کیونکہ شرط اگر حادث ہے تو حادث چیز قدیم (خالق) کے لیئے علت کیونکر ہو سکتی ہے اور اگر اسے قدیم مانا جائے تو جو شخص قدیم چیز کی معدومیت کو محال قرار دیتا ہے اور اس شرط قدیم کے زوال کو کیوں کر تسلیم کرے گا۔

سو جب خالق کے زوال کا مرجح ان تین چیزوں میں سے کوئی بھی نہ ہو سکا تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ خالق جیسا ازلی ہے ویسا ہی ابدی بھی ہے۔

چوتھا دعویٰ کائنات عالم کا خالق جیسا ازلی و ابدی ہے ویسا نہ وہ جوہر ہے اور نہ اس کو کسی مکان کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ قدیم ہے اب اگر اس کا کسی مکان کے ساتھ تعلق ہو تو اس کو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اپنے مکان میں سے حرکت کر کے کسی اور مکان کی طرف چلا گیا ہے یا اپنے مکان میں ساکن ہے۔ الغرض اس

Marfat.com

صورت میں حرکت یا سکون کے ساتھ اسکو موصوفیت کا رابطہ ہوگا اور حرکت و سکون دونوں حادث چیزیں ہیں اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ حادث کا محل بھی حادثات ہوتا ہے لہٰذا خالق حادث ہوگا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ متکلمین ان لوگوں کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ جو جوہر کے لفظ کو خداوند تعالیٰ پر بولتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کو احتیاج الی المکان سے مقدس اور مبرا سمجھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کا خدا تعالیٰ پر اطلاق کرنا اگر چہ عقل کے نزدیک کوئی مستبعد امر نہیں مگر ہم کو ایسے اطلاقات سے دو چیزیں روکتی ہیں لغت اور شرع۔

لغت تو اس لئے کہ مثلاً جوہر کو خدا پر اطلاق کرتے وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لفظ بہ نسبت خداوند کریم کے حقیقت ہے یا استعارہ حقیقت تو صراحتاً باطل ہے اور استعارہ بھی اس لئے ناجائز ہے کہ مشبہ بہہ میں بہ نسبت مشبہ کے وجہ شبہ کی کمی ہوئی تو اس کی ذات اقدس میں بڑا بھاری نقص لازم آئے گا۔

اور شرع اس لئے کہ شرع کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جن میں لفظوں کو خدا پر اطلاق کرنے کی ہمیں اجازت دی گئی ہے ان کے بغیر کسی دوسرے لفظ کا خدا پر اطلاق کرنا ناجائز ہے۔ اسی واسطے شرع کی اصطلاح میں خدا تعالیٰ کے جس قدر ذاتی اور صفاتی اسماء ہیں ان کا نام اسماء توفیقی قرار پایا ہے۔

پانچواں دعویٰ

خدا تعالیٰ جسم بھی نہیں کیونکہ جسم کی ترکیب ایسے دو جوہروں کے ملنے سے ہوتی ہے جن کو ایک دوسرے کی طرف احتیاج اور ان میں ایک خاص تعلق و ربط ہو تو جب یہ ثابت ہو چکا ہے خداوند تعالیٰ جوہر نہیں تو جسم کیسے ہو سکے گا۔ کیونکہ جس پر جسم صادق آتا ہے اس پر پہلے جوہر کا اطلاق ہوتا ہے وجہ اس کی یہ ہے جوہر کا مفہوم جسم سے کسی قدر وسیع ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو مفہوم وسیع اور عام ہوتا ہے وہ خاص کے سب افراد بھی بولا جاتا ہے اور علاوہ ان کے اور بھی کئی ایک افراد پر اس کا اطلاق صحیح ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی اصطلاح میں خداوند کریم کو جسم کے لفظ سے پکارتا ہے اور اس اطلاق میں جسم کے حقیقی معنے اس کے ذہن میں نہیں ہوتے تو عقل کے نزدیک اس میں کوئی

Marfat.com

قباحت نہیں۔ ہاں لغت اور شرع میں یہ فعل بالکل ناجائز ہوگا۔ نیز اگر خداوند کریم جسم ہوتو کسی خاص شکل اور مقدار میں ہوگا اور جس شکل اور مقدار میں ہوگا اگر خارجی امور سے قطع نظر کی جائے تو اس سے چھوٹا یا بڑا ہونا بھی اس کا ممکن ہے تو اب اس کو خاص شکل اور مقدار دینے کے لئے کوئی مرجح ضرور ہوگا جس نے اس کو خاص انداز پر پیدا کیا ہے تو اب خدا مخلوق ہوگا نہ خالق۔

چھٹا دعویٰ

کائنات عالم کا خالق عرض بھی نہیں۔ کیونکہ عرض ہماری اصطلاح میں وہ چیز ہوتی ہے جو اپنے موجود ہونے میں دوسری چیز کی محتاج ہو۔ وہ چیز یا جسم ہوگی یا جوہر اور یہ دونوں حادث چیزیں ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر محل حادث ہو تو اس میں حلول کردہ چیز بھی حادث ہوتی ہے لہٰذا خلاق عالم بھی حادث ہوا۔ حالانکہ پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ قدیم اور ازلی وابدی ہے۔

اگر وہ عرض سے یہ مراد لی کہ وہ ایسی صفت کا نام ہے جو دوسری چیز کی محتاج تو ہو مگر دوسری چیز مکان اور جہات کی تقلید سے منزہ اور مقدس ہو تو ایسے عرض کے وجود سے ہم بھی منکر نہیں۔ کیونکہ خدا کی صفات اسی قبیل میں سے ہیں مگر نزاع اس میں ہے کہ صانع اور خالق کہلانے کا استحقاق وہ ذات رکھتی ہے جو ان صفات کی موصوف ہے یا صفات۔

جب ہم کہتے ہیں کہ صانع اور خالق صفت نہیں تو اس کہنے سے ہماری غرض یہ ہوتی ہے کہ صانعیت اور خالقیت یہ دونوں صفتیں اس ذات کی طرف منسوب ہیں۔ جس کے ساتھ جملہ صفات قائم ہیں۔ نہ اس کی صفات کی طرف جیسے ہم کہتے ہیں کہ بڑھئی عرض اور صفت نہیں تو اس وقت ہماری یہ غرض ہوتی ہے کہ نجاریت بڑھئی کی طرف منسوب ہے نہ اس کی صفات کی طرف یا یوں کہئے کہ بڑھئی وہ خود ہے نہ اس کی صفات۔

اگر کوئی شخص ان مذکورہ بالا معانی کے بغیر عرض کا کوئی اور معنے لے کر اس کو خدا پر اطلاق کرتا ہے تو اس کو لغت اور شرع جواب دے گی۔ عقل کے نزدیک یہ کوئی محل امر نہیں۔

ساتواں دعوائے

خدا نہ اوپر ہے نہ نیچے نہ دائیں ہے نہ بائیں نہ آگے نہ پیچھے الغرض جہات ستہ

Marfat.com

میں سے کسی جہت کے ساتھ اس کو اختصاص اور تعلق نہیں۔ جہات ستہ یہ ہیں۔ اوپر نیچے دائیں بائیں۔ آگے پیچھے۔ عربی زبان میں ان کے یہ نام فوق تحت۔ یمین شمال، قدام خلف جہت اور اختصاص کے معنے سمجھ لینے سے ہر ایک آدمی کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ جہات ستہ کے ساتھ مناسبت اور تعلق والا معاملہ صرف اجسام اور اعراض ہی کے ساتھ خاص ہے۔ جو ذات جسمیت اور عرضیت سے بالاتر ہو اس کو ان میں سے کسی جہت سے کوئی سروکار نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جہات کی تقلید میں وہی شے آسکتی ہے جو کسی خاص مکان کی متمنی ہو ہر ایک چیز جو کسی جہت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے پہلے مکان کا لحاظ کر لیا جاتا ہے اور پھر اس کی خصوصیت کا ادراک ہو سکتا ہے۔

کسی چیز کے اوپر ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ ایسے مکان میں ہے جو سر کی جانب ہے اور نیچے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ایسے مکان میں ہے جو پاؤں کی جانب ہے ۔علیٰ ہذا القیاس دائیں یا بائیں جانب ہونا یا آگے ہونا یا پیچھے ہونا۔ تو اب ہر ایک چیز کے کسی جہت میں ہونے کے یہ معنے ہوئے کہ وہ کسی مکان میں ہے مگر کسی اور خصوصیت کو لئے ہوئے۔

کسی شے کا مستحق فی الجہت ہونا دو طرح پر متصور ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کو جہت کے ساتھ ایسا ربط ہو کہ اس کے بغیر اس کا تحقق محال ہو یہ بات جو ہر میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس کی سرشت اور جبلت میں داخل ہے کہ جب یہ ہستی کا لباس پہنے تو اوپر ہو یا نیچے۔ دائیں جانب ہو یا بائیں آگے یا پیچھے دوسرے یہ کہ کسی اور چیز کے ذریعہ سے جہت میں اس کا پایا جانا ہو جیسے اعراض۔ ان کی بھی نسبت جہات کی طرف کی جا سکتی ہے مگر اس لئے کہ یہ جواہر میں حلول کئے ہوتی ہیں اور وہ کسی نہ کسی جہت کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتے۔

اعراض کو جو جہات کے ساتھ نسبت ہے وہ ایسی نہیں جیسے جواہر کو ان کے ساتھ ہے۔ جواہر کو ان کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ان کا ذاتی مقتضے ہے اور اعراض کو جو جہات کے ساتھ نسبت ہے وہ عارضی طور پر ہے۔

جب جہت کے ساتھ منسوب ہونے کی ہر دو صورتیں آپ کے ذہن نشین ہو گئیں اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ پہلی صورت صرف جواہر ہی کے ساتھ خاص ہے اور دوسری محض اعراض ہی میں پائی جاتی ہے تو اب آپ نہایت آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں

Marfat.com

کہ خداوند تعالیٰ کو کسی جہت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا نہ جوہر ہے اور نہ عرض۔ اور کسی جہت کے ساتھ منسوب ہونا اور یہ صرف جواہر اور اعراض ہی کے ساتھ خاص ہے۔

اگر کوئی یوں کہے کہ خداوند تعالیٰ کو جہت کے ساتھ منسوب کرنے کے معنے کچھ اور ہیں جن کی رو سے ہم اس کے لیے کوئی نہ کوئی جہت کے مقرر کر سکتے ہیں تو اس کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ جواہر اور اعراض میں جو طریقہ جہت کے ساتھ منسوب کرنے کا ہے اگر اسی قسم کی منسوبیت کے خداوند کریم میں آپ قائل ہیں اور جس طرز کی ان کے لیے جہات مقرر ہیں۔

اسی طرز پر آپ بھی اس کے لئے جہت مقرر کرتے ہیں تو اس کے تسلیم کرنے کے لیے ہم ہرگز تیار نہیں کیونکہ اس قسم کی جہات کا مقرر ہونا صرف جوہر اور اعراض کے لئے ہے فقط اور اگر اس کے علاوہ کسی اور معنے کے لحاظ سے آپ اس کے لئے کوئی جہت مقرر کرتے ہیں تو جب تک آپ اس کو بیان نہ کریں ہم اس پر رائے زنی نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کی مراد جہت سے قدرت اور علم ہے اور آپ کے نزدیک اس کے لیے کسی جہت کے مقرر ہونے کے یہ معنے ہیں کہ وہ ہر ایک امر پر قادر اور ہر ایک چیز کا عالم ہے تو اس بات میں ہم آپ کے ساتھ متفق ہیں۔

اگر یہ مذموم طریقہ اختیار کیا جائے کہ لفظ حقیقی اور اصلی معنی چھوڑ کر جو کچھ جی میں آیا اس میں سے مراد لے لیا۔ اور جب کسی ایک معنے کے کسی نے تردید کی تو جھٹ پٹ کہہ دیا کہ میری مراد کچھ اور تھی تو اس کا علاج ہمارے پاس کوئی نہیں۔

ایک اور دلیل بھی ہمارے پاس ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے کوئی جہت مقرر نہیں وہ یہ کہ اگر وہ کسی جہت میں ہو تو یہ ظاہر ہے کہ منجملہ جہات ستہ کے کسی ایک جہات کے ساتھ خاص ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان جملہ جہات کو اس کی ذات کے ساتھ برابر نسبت ہے تو اب خدا تعالیٰ کا کسی ایک جہت کے ساتھ خاص ہونا واجب بالذات نہ ہوگا بلکہ ممکن ہوگا اور یہ قاعدہ ہے کہ ہر ایک ممکن کے لئے سبب اور مرجح کا ہونا ضروری ہے سو اب یہاں بھی کوئی سبب اور مرجح ضرور ماننا پڑے گا جو خدا کے لیے کسی ایک جہت کو مقرر کر دے یا یوں کہنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ اپنی جہت کے تقرر میں کسی غیر کا محتاج ہوگا یہ ظاہر ہے کہ جو چیز کسی بات میں کسی اور کی محتاج ہو وہ قدیم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قدیم کہلانے کی وہی چیز

Marfat.com

مستحق ہو سکتی ہے جو تمام وجوہات میں واجب الوجود بغیر کسی کی محتاج نہ ہو۔ حالانکہ پہلے ثابت ہو چکا ہے خدا تعالیٰ قدیم ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ ممکن ہے خدا کے لیے جہت مقرر ہو۔ جو اشرف الجہات ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فوق، تحت وغیرہ جہات اس وقت مقرر ہوئی ہیں۔ جب سے خدا تعالیٰ نے عالم دنیا کو اس ترتیب مخصوص پر پیدا کیا ہے۔ پیدائش دنیا سے پہلے نہ فوق تھا نہ تحت نہ یمین و شمال۔ نہ قدام نہ خلف الغرض کوئی جہت نہ تھی کیونکہ مثلاً فوق اور تحت میں سر اور پاؤں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے تو جب سر اور پاؤں والے ہی مفقود تھے فوق اور تحت کہاں؟

ایک اور دلیل سے بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ خدا کے لیے کوئی جہت مقرر نہیں ہو سکتی وہ یہ کہ اگر وہ کسی جہت میں تو خواہ مخواہ کسی جسم سے محاذی ہوگا اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شے کسی جسم سے محاذی ہو وہ حجم میں جسم سے بڑی ہوتی ہے یا اس سے کم یا مساوی اور کمی بیشی اور مساوات کے ساتھ وہی چیز موصوف ہو سکتی ہے جو کسی خاص مقدار اور اندازہ پر ہو۔ سو خدا تعالیٰ بھی کسی خاص مقدار اور حجم پر ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ کا اپنے مقدار خاص سے بڑا یا چھوٹا ہونا بھی ممکن ہے تو ایسے خدا کا اس کے خاص مقدار اور اندازہ پر ہونے کے لئے کسی مخصص اور مرجح کو تلاش کرنا پڑے گا، اچھا خدا ہوا جو اپنے وجود میں کسی اور کا محتاج ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ کی تقریر سے پایا جاتا ہے کہ جو چیز جس جہت میں رہ کر موجود ہوتی وہ ضروری مقدار ہوتی ہے اور آپ پہلے لکھ آئے ہیں کہ اعراض بھی جہات کی طرف منسوب ہوتی ہے تو لازم آیا کہ اعراض بھی مقداری چیز ہیں۔ حالانکہ مقدار ہونا صرف اجسام ہی کا خاصہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں ہم نے اعراض کو جہات کی طرف منسوب ہونے والی کہا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے اعراض کا جہات کی طرف منسوب ہونا عارضی طور پر ہے۔ سو جیسے جہات کی طرف ان کی منسوبیت عارضی ہے ویسے ہی ان کے عارضی طور پر مقداریت کو تسلیم کرنے میں بھی ہمیں کوئی عذر نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ دس اعراض دس جواہر میں ہی حلول کر سکتی ہے بیس میں نہیں۔ سو جیسے جواہر پر دس لاکھ کا لفظ بولا جاسکتا ہے ویسے اعراض پر بھی اس کا اطلاق درست ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جواہر پر اس لفظ کا اطلاق ذاتی طور پر ہے اور اعراض پر عارضی۔

اس جگہ پر ایک سوال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر خدا تعالیٰ جہت فوق میں استقامت

Marfat.com

پذیر نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ جب خدا سے کوئی دعا مانگی جاتی ہے تو ہاتھ اور منہ اوپر کو اٹھا کر مانگی جاتی ہے نیز حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ایک باندی کو آزاد کرنا چاہا اور اس کے ایمان کی بابت استفسار کرتے ہوئے اس سے پوچھا اَیْنَ اللّٰہ خدا کہاں ہے۔ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے فرمایا اِنَّھَا مُوْمِنَۃٌ" بیشک یہ مومنہ ہے اگر خدا تعالیٰ آسمان میں نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ آسمان کی طرف اشارہ کرنے پر اس کے ایمان کی تصدیق کیوں کرتے؟

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال بعینہ ایسا ہے جیسا کوئی یہ کہے کہ جب خدا تعالیٰ کعبہ میں موجود نہیں تو ہم حج کرنے کیوں جاتے ہیں۔ نماز میں روبقبلہ کیوں کھڑے ہوتے ہیں اور جب خدا زمین میں نہیں تو سجدے کیوں کرتے ہیں اور نہایت عاجز وانکساری سے ماتھے کیوں رگڑتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر ایک امر میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ دنیا کے کاموں سے کوئی کام لو جب اس میں ترتیب نہیں تو وہ کام بالکل مقبولیت کی نظر سے گرا ہوا ہوگا۔ نماز چونکہ دین کے کاموں میں سے نہایت اہمیت رکھتی ہے اور سب سے زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا اس میں بھی کسی خاص ترتیب کی پابندی ضروری ہونی چاہیئے اگر نماز میں عام اجازت ہو کہ جدھر چاہو منہ کرلو۔ اور کوئی مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے کوئی مغرب کو۔ کوئی جنوب کو منہ کیئے نماز گزار رہا ہو۔ کوئی شمال کی جانب ہاتھ باندھے کھڑا ہو تو یہ نماز کیسی بُری معلوم ہوگی۔ ہر کوئی یہی کہے گا کہ یہ کوئی عظیم الشان دینی کام اور یہ اس کی بے ترتیبی۔ نماز میں روبقبلہ ہونے کی اصل غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یکجہتی ہو اور اس سے ان کے نور عرفان اور خلوص محبت اور روحانیت میں ایک حد تک ترقی ہو۔ نیز جملہ جہات اس بات میں برابر ہیں کہ ان میں سے جس کی طرف رخ کر کے ہم نماز ادا کریں ادا کر سکتے ہیں تو خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار قائم رکھنے کے لئے کعبہ والی سمت کو ہمارے لئے مقرر کر دیا ہے اور اس کی بزرگی وعظمت ظاہر کرنے کیلئے اس کو اپنی طرف منسوب کر کے "بیت اللّٰہ" کا لفظ اس پر اطلاق کر دیا۔

الغرض جیسے روبقبلہ ہونے میں صدہا حکمتیں ہیں ویسے ہی دعا مانگنے کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ کو منہ تک اٹھانا بھی خالی از حکمت نہیں۔ اس کی ایک ظاہری وجہ یہ ہے کہ جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے ویسے آسمان دعا کا قبلہ ہے اور خدا تعالیٰ نماز اور دعا ان دونوں

Marfat.com

صورتوں میں کعبہ یا آسمان میں ہونے سے پاک اور منزہ ہے۔ نماز کی حالت میں سر بسجود ہو
اپنی پیشانی کو نہایت حقارت و تذلیل کی صورت میں خدا تعالیٰ کے آگے رکھ دینا اور دعا
مانگنے کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اور منہ کو اٹھانا ایک ایسی باریک حکمت بھی ہے جو اسرار
ملکوتی میں سے ایک بھید اور معارف اور عجائبات باطنی کا سرچشمہ ہے وہ یہ کہ انسان کی ابدی
نجات کا دارومدار اس بات پر ہے کہ خدا کے آگے نہایت انکساری اور فروتنی سے اپنے آپ
کو پیش کیا جائے اور اس کی تعظیم انکساری فروتنی اپنے آپ کو ہیچ سمجھنا۔ یہ سارے دل کے
افعال ہیں۔ قوت عقلیہ اور اعضاء یہ سب اس کے آلات و اسباب ہیں۔ دل اور اعضاء
میں کچھ ایسا باہم رابطہ ہے کہ اعضاء کے متعلق جو جو خدا کی عبادت کے کام ہیں۔ ان کو بار
عمل میں لانے سے دل پر ایک خاص اثر پڑتا ہے اور دل میں جوں جوں روحانیت کے
اصول قرار پذیر ہوتے جاتے ہیں۔ اعضاء میں صفائی اور درستی کا نور چمکنے لگتا ہے تو جب
انسان کی پیدائش کا مقصود بالذات یہ امر ہے کہ اپنی ہستی کو پہچانے اور یہ معلوم کرے کہ خدا
تعالیٰ کی عظمت اور جاہ و جلال کے آگے یہ ایک ذرہ کے مقدار کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ و
محض نورانی چیز ہے۔ اور اس کی پیدائش خاک سے ہے لہٰذا انسان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ
اپنے چہرہ کو تمام اعضاء میں سے خاص شرف رکھتا ہے زمین پر رکھے تاکہ اس کا بدن عقل
الغرض اس کی ہر ایک چیز خدا کی طرف جھک جائے۔

تعظیم دو طرح پر ہوتی ہے۔ دل کی تعظیم اور اعضاء کی تعظیم۔ دل کی تعظیم کا طریقہ
یہ ہے کہ دل میں خدا تعالیٰ کی توحید کا پورا پورا اعتقاد ہو اور دل کے ذریعہ خدا کی علو مرتبہ کی
طرف اشارہ کیا جائے۔

اعضاء کی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ اس جہت کی طرف اشارہ یہ کیا
جائے کہ جو منجملہ اور جہات کے ایک خاص اہمیت اور شرف رکھتی ہو اور وہ جہت فوق ہے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے کمالات اور فضائل ظاہر کرنا چاہتا ہے تو
یوں کہتا ہے کہ اس کی بات تو ساتویں آسمان سے بھی بلند ہے۔ اس جگہ آسمان کے حقیقی
معنے ہرگز مراد نہیں ہوتے بلکہ آسمان کے استعارہ کے طور پر اس کی بلندی مرتبہ مراد ہوتی ہے
ایسے ہی دعا مانگنے کے وقت ہاتھ اور منہ کو آسمان کی طرف اٹھانے سے آسمان مقصود
بالذات نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کی علو اور رفعت شان کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور بس۔

دعا کی حالت میں اوپر کو ہاتھ اور منہ اٹھانے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے وہ یہ کہ گو

Marfat.com

دیکھا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعا مانگنے والے نفوس کی اصل غرض اس سے نعمتوں کا حاصل کرنا ہوتا ہے اور ثابت شدہ بات ہے کہ خدا کی نعمتوں کے خزانے آسمانوں پر ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق فرشتوں کو سپرد کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے وَرِزْقُكُمْ فِي السَّمَاءِ وَمَا تُوعَدُونَ اور انسان کی جبلت اور سرشت میں یہ امر داخل ہے کہ جب وہ خدا تعالیٰ سے کوئی چیز مانگے تو جہاں اس کے رزق کا خزانہ ہے اس کی طرف دیکھے۔

لونڈی کے آسمان کی طرف اشارہ کرنے پر آنحضرت ﷺ کا اس کے ایمان کی تصدیق کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ خدا کو آسمان پر سمجھتے تھے بلکہ اصل بات یوں ہے کہ وہ لونڈی گونگی تھی اس کو اپنے ایمان کے اظہار کرنے کی اور کوئی وجہ نظر نہیں آئی بجز اس کے کہ آسمان کی طرف اشارہ کر کے آپ کو سمجھا دے کہ میں اس معبود حقیقی پر ایمان لائی ہوں دوسرے یہ کہ وہ لونڈی پہلے بت پرست تھی اور بت پرستوں کے خدا (اصنام) گھروں میں ہوتے تھے اس نے گویا آنحضرت ﷺ کو یہ جتلایا کہ میں ان معبودوں سے بیزار ہو کر جو گھروں میں رہتے ہیں اس خدا تعالیٰ پر ایمان لائی ہوں جو گھروں میں رہنے سے پاک اور بالاتر ہے۔

اس جگہ پر ایک سوال وارد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اگر خدا تعالیٰ جہت میں قرار پذیر ہونے سے پاک اور مقدس ہو تو خدا تعالیٰ کو ایک ایسی چیز ماننا پڑے گا جو ان چھ جہات سے باہر ہے یا یوں کہو کہ وہ جہان سے باہر ہے نہ اندر نہ جہان کے ساتھ متصل ہے نہ اس سے منفصل۔

اس کا جواب یہ ہے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہر ایک چیز جس میں اتصال اور انفصال کی استعداد ہو اور کسی نہ کسی جہت کے ساتھ اس کو تعلق ہو۔ اتصال اور انفصال اور دخول وخروج خالی نہیں ہو سکتی۔ مگر دیکھنا اس بات کو ہے کہ جس میں نہ اتصال کی استعداد ہو نہ انفصال کی صلاحیت اور اس کو کسی جہت سے واسطہ ہو اگر اس پر یہ مفاہیم مذکورہ بالا صادق نہ آئیں تو کونسی قباحت لازم آتی ہے اس کی بعینہ ہی نظیر یہ ہے کہ کوئی کہے کہ ایسی چیز کا پایا جانا محال ہے جو نہ قادر نہ عاجز نہ جاہل نہ عالم۔ سو اگر اس چیز میں قدرت۔ حلم۔ جہل۔ علم کی قبولیت کی استعداد ہے تو اس کا قادر عاجز جاہل عالم نہ ہونا۔ بیشک ناجائز اور ارتفاع النقیضین کا باعث ہے لیکن جن چیزوں میں بالکل مادہ ہی نہیں مثلاً جمادات۔ ان پر ان مفاہیم کا صادق آنا کونسی خرابی کا موجب ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اتصال وانفصال اور جہات میں قرار پذیر ہونے کے قابل

Marfat.com

وہ چیزیں ہوتی ہیں جو متحیز ہوں یا کسی متحیز بالذات کے ساتھ قائم ہوں اور خدا تعالیٰ میں چونکہ تحیز اور تحیز بالذات کے ساتھ قائم ہونے کی شرط مفقود ہے لہٰذا خدا تعالیٰ نہ متصل ہے نہ منفصل کہ جسمانی میں داخلہ ہے نہ خارج۔

اب خصم سے پوچھنا چاہئے کہ بتلاؤ ایسی چیز کا موجود ہونا محال ہے یا ممکنات سے جو نہ متحیز ہو اور نہ کسی متحیز شئے حلول کرتی ہو یا یوں کہو کہ وہ نہ اتصال وانفصال کے قابل ہے اور نہ وہ کسی جہت سے کے ساتھ مخصوص ہوسکتی ہے۔ اگر وہ بھی ممکن ہے تو ہمارا دعویٰ ثابت ہے۔ اگر انکار کرے تو ہم کہیں گے کہ یہ بات پہلے ثابت ہو چکی ہے کہ متحیز (مکانی چیز) حادث ہے اور یہ کہ ہر حادث کے لئے کسی ایسے سبب کا ہونا ضروری ہے جو حادث نہ ہو۔ اس پر اگر وہ یہ کہے کہ اس قسم کی شئے کی حقیقت ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی کہ نہ وہ کسی جہت میں ہو نہ قابل اتصال وانفصال ہو تو اس کا جواب یہ کہ سمجھ میں نہ آئے گا اگر یہ مطلب ہے کہ اس کی حقیقت کو ہماری قوت جیسا کہا اور قوت متوہمہ ادراک نہیں کرسکتی تو بیشک یہ بات درست ہے کیونکہ ہماری قوتِ خیالیہ اور متوہمہ میں وہی شئے آسکتی ہے جو جسمانی ہو یا اجسام سے کسی قسم کا تعلق رکھتی ہو۔

اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس قسم کی شئے کے ثبوت پر کوئی دلیل عقلی قائم نہیں ہوسکتی تو یہ غلط ہے ہم نے دلیل عقلی قائم کردی ہے اور جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے اس کے ہر ایک پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جو چیز خیال اور وہم میں نہ آسکے واقع میں اس کی کوئی حقیقت اور ہستی نہیں ہوتی وہ محض وہمی اور فرضی ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قاعدہ درست ہو تو آپ کے خیال کی بھی کوئی ہستی نہ ہوگی بھی ایک موہوم اور اختراعی چیز ہوگی کیونکہ خیال خیال میں نہیں آسکتا ورنہ طریقة الشئی نفعه کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اور بھی ہزار ہا اشیاء میں قوت خیالیہ میں ان کا انتقاش نہیں ہوسکتا۔ مگر وہ اپنے اندر واقعیت اور ثبوت کا مادہ رکھتی ہیں۔ مثلاً علم قدرت آواز۔ خوشبو۔ حیاء۔ حلم۔ غصہ۔ خوشی۔ غنی وغیرہ وغیرہ الغرض صفات نفسانی سب اسی قسم کی چیزیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کو بھی انہی چیزوں پر قیاس کرلو۔ تمہاری قوت خیالیہ اس کو ادراک نہیں کرسکتی مگر وہ نہایت زبردست اور سب سے اعلیٰ وارفع ذات ہے۔

Marfat.com

آٹھواں دعویٰ

خدا تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ وہ عرش پر یا کسی اور جسم پر متمکن ہو۔ یعنی جس طرح بادشاہ کو یہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے یا ایک آدمی چار پائی پر بیٹھا ہوا ہے۔ خدا کو ہرگز یہ بات کہنی جائز نہیں کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کسی جسم پر متمکن ہو تو اس کی مقداری تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ جو چیز متمکن ہوتی ہے وہ یا اس سے بڑی ہوتی ہے یا اس کے برابر اور کمی بیشی اور مساوات کیساتھ وہی شئے موصوف ہو سکتی ہے جو مقداری ہو الغرض جسم پر متمکن ہونا جسم یا اعراض کے ساتھ خاص ہے اور خدا تعالیٰ چونکہ نہ جسم ہے نہ غرض لہٰذا کسی جسم پر متمکن نہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ خدا تعالیٰ کا قول ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی خدا عرض پر متمکن ہوا۔ اور حدیث میں آیا ہے ینزل اللہ کل لیلة الیٰ سمآء الدنیا۔ خدا ہر رات نیچے کے آسمان پر اترتا ہے اگر خدا تعالیٰ عرش پر متمکن نہیں تو خدا اور آنحضرت ﷺ کے اس قول کے کیا معنے؟

پہلی بات کا جواب یہ ہے لوگ دو گروہ ہیں۔ عام لوگ اور علماء پہلے گروہ کو اس قسم کے مسائل میں ہرگز دخل نہ دینا چاہیئے۔ ان کے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ وہ اس قسم کی باتوں پر ایمان لے آئیں ان کی حقیقت میں ان کو کسی قسم کا شبہ نہ دے۔ ان کے عقول ایسے امور کو بہت سمجھانے سے بھی نہیں سمجھ سکتے۔ خدا کی طرف سے اتنی استعداد پیدا کی گئی ہے کہ وہ شریعت کے موٹے احکام کو سمجھیں اور ان پر عمل درآمد کریں اور بس۔ مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے استوا کے معنے پوچھے تو آپ نے کہا الاستوٰء معلوم والکیفیہ مجھولة والسوال عنه بدعة والایمان علیہ لازم استوا کے معنے معلوم ہیں اور اس کی کیفیت مجہول۔ اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب۔

علماء کے گروہ کو اس قسم کی باتوں میں توغل اور مغز زنی کسی حد تک جائز ہے مگر فرض عین نہیں کیونکہ ضروری قدر صرف یہ ہے کہ خدا کی نسبت جمیع عیوب سے پاک ہونے اور ممکنات کی جملہ صفات سے منزہ ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔ قرآن مجید کے سب معنی سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔

ایسی باتوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ بھی مقطعات قرآنی کی مانند متشابہات

Marfat.com

کے قبیل سے ہیں بالکل ناجائز ہے۔ کیونکہ مقطعات قرآنی ایسے حروف یا الفاظ ہیں جو اہل عرب کی اصطلاح میں کسی معنے کے لئے موضوع نہیں۔ اگر کسی اہل نعت کے کلام میں یہ حروف پائے جاتے تو ان کو لغو اور مہمل ہونے کا خطاب دیا جاتا ہے۔ مگر چونکہ باری تعالیٰ کلام میں جو فصاحت و بلاغت کے مراتب میں سب سے انتہائی مرتبہ میں شمار کیا جاتا ہے مقطعات وارد ہیں لہٰذا ان کو متشابہات کا خطاب دیا گیا۔ مگر آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ینزل اللہ الی سماء الدنیا الغوی حیثیت سے صحیح معنے اپنے اندر رکھتا ہے یہ جدا بات ہے کہ اس سے اس کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں یا مجازی۔ مگر کوئی اہل لغت اس کلام کو مہمل اور بے معنی نہیں کہہ سکتا۔

اس وضع کے لئے جس قدر اقوال ہیں جاہل لوگ ان سے ایسے معنے سمجھتے ہیں جو بالکل خلاف واقع ہوتے ہیں مگر علماء اپنی خداداد لیاقت کے ذریعہ ان کے اصلی اور صحیح معانی کو پا لیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ جہاں تم ہو خدا تمہارے ساتھ ہے جاہل لوگ تو معکم کو حقیقی معنے پر محمول کرتے ہیں جو استوا علی العرش کے مخالف ہے مگر علماء سمجھ جاتے ہیں کہ اس سے مراد خدا کی رفعت علمی ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے۔ قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن مومن کا دل خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہے جہلاء تو انگلیوں کے وہی معنے سمجھتے ہیں جو متعارف ہیں۔ مگر علماء یہاں بھی اصلیت کو پا جاتے ہیں وہ یہ کہ جیسے انگلیوں کے درمیان میں آئی ہوئی شے کو جدھر چاہیں پھیر سکتے ہیں۔ ویسے ہی خدا تعالیٰ مومن کے دل کو جدھر چاہے پھیر سکتا ہے۔ الغرض اس سے مراد قدرت علی التقلیب ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے۔ من تقرب الیّ شبرا تقربت الیه ذراعا ومن اتانی یمشی اتیته هرولة جو مجھ سے ایک بالشت بھر قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ کا قدر قریب ہوتا ہے اور جو میرے پاس اچک کر آتا ہے میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں جہلا اتیته هرولة سے وہی معنی سمجھتے ہیں جو متبادل اور معروف ہیں مگر اہل علم یہ معنے کرتے ہیں کہ جو شخص ذرا سی توجہ بھی میری طرف کرے میں اس پر اپنی رحمت ڈال دیتا ہوں اور اس پر انعامات و اکرامات کا مینہ برسا دیتا ہوں۔

حدیث قدسی ہے لقد طال شوق الابرار الی لقائی وانا لقائهم

Marfat.com

اَشَدَّ شَوقًا۔ نیک کار لوگوں کو میرے ملنے کا بہت شوق ہے مگر مجھے ان سے بھی زیادہ ان کے ملنے کا اشتیاق ہے۔ جہلاً لفظ شوق سے وہی معنے لیتے ہیں جو مشہور ہیں۔ یعنی ایسی کیفیت جو انسان کو حصول مطلوب پر مجبور کر دے۔ مگر اہل علم کہتے ہیں کہ جس چیز کا شوق ہوتا ہے۔ شوق اس کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے حاصل کرنے کا سبب ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ کبھی کبھی سبب کا لفظ بول کر اس میں سے سبب کے معنے لئے جاتے ہیں۔ سو اسی قاعدہ کے مطابق یہاں بھی لفظ شوق سے مراد طرح طرح کے انعامات اور قسم قسم کے درجات ہیں جو انہیں قیامت میں خاص طور پر عطا کئے جائیں گے علیٰ ہذا القیاس جہاں قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے غضب اور رضا کو اپنی طرف منسوب کیا ہے وہاں عقاب و ثواب مراد ہوتا ہے۔ جو غضب اور رضا کا ثمرہ ہے۔

حدیث میں حجر اسود کے بارہ میں آیا ہے۔ انہ یمین اللہ فی الارض جہلاً لفظ یمین کے معنے دائیں ہاتھ کے کرتے ہیں۔ مگر جب وہ اپنے اس مذہب کی طرف خیال کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ عرش پر ہے تو گھبرا جاتے ہیں کیونکہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ عرش پر ہے اور ایک طرف کعبہ میں حجر اسود اس کا دایاں ہاتھ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔ مگر علماء یہاں بھی اصلیت کو پا جاتے ہیں وہ یہ کہ لفظ یمین مصافحہ کے معنے میں بطور مجاز کے مستعمل ہوا ہے یعنے جب بادشاہ کے ہاتھ کو اس کی تعظیم کے لئے بوسہ دیا جاتا ہے ویسے حجر اسود کو بھی بوسہ دینا چاہیے۔

جب آپ کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس قسم کے اقوال کو مقطعات قرآنی کی طرح متشابہات میں شامل کرنا درست نہیں تو اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کر کے استوا کے معنے بیان کرتے ہیں اور معترض کے اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں استوا کو جو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے اس میں چار احتمال ہو سکتے ہیں (۱) خدا عرش کو جانتا ہے (۲) خدا عرش پر ہر طرح سے قادر ہے (۳) عرض کی مانند خدا نے عرش میں حلول کیا ہوا ہے (۴) جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھا ہو گا ویسے خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔

پہلا معنی عقل کے نزدیک بالکل درست ہے مگر الفاظ کے لحاظ سے یہ معنی اس جگہ نہیں پھب سکتا کیونکہ اس جملہ میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں جو علم پر دلالت کرے۔ تیسرا اور چوتھا معنی اگرچہ لفظی حیثیت سے صحیح ہے مگر عقل کے نزدیک بالکل غلط ہے دوسرا معنی عقل اور

Marfat.com

لغت دونوں کے لحاظ سے بالکل درست ہے بس یہی معنی اس آیت کے ہیں کہ خدا تعالیٰ عرش پر قادر ہے۔

آنحضرت ﷺ کے اس قول ینزل اللہ الی السماء الدنیا کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔

(۱) عربی زبان میں یہ عام طور پر قاعدہ ہے کہ بعض دفعہ کلام میں سے ایک لفظ کو حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر کے اس کا حکم مضاف الیہ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ س مثلاً خدا تعالیٰ کے قول وَ اسئلِ القریۃَ میں ہر شخص جانتا ہے کہ نفس قریہ سے سوال کرنا بالکل لغو بیہودہ ہے تو یہ کہنا پڑیگا کہ اس جملہ میں لفظ اہل کا محذوف ہے۔ اصل میں یوں عبارت ہے۔ وَاسئلَ اھلَ القریۃَ اسی طرح عرب کا عام محاورہ ہے ینزل الملک علیٰ باب البلد۔ یہاں بھی عسکر کا لفظ محذوف ہوتا ہے۔ جس کے ملانے سے ترجمہ یہ ہوگا۔ بادشاہ کا لشکر شہر کے دروازہ میں اترا کیونکہ جو شخص بادشاہ کے اترنے کی خبر دیتا ہے اگر اس سے پوچھا جائے کہ تو اس کے استقبال کے لیے کیوں نہیں گیا تو وہ کہہ سکتا ہے کہ بادشاہ شکار کھیلنے لگے ہیں ابھی تو صرف ان کا لشکر ہی اترا ہے اگر عسکر کا لفظ محذوف نہ ہوتا تو مخبر کے کلام میں سخت تناقض واقع ہوتا ہے۔ اور اس کا یہ جواب بالکل غلط ہوتا۔

سو اسی قاعدہ کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے قول میں مَلک (فرشتہ) کا لفظ محذوف ہے جو لفظ اللہ کی طرف مضاف ہے۔ اصل عبارت کے معنے یہ ہوا پچھلی رات میں خدا تعالیٰ کا ایک رحمت کا فرشتہ نیچے آسمان پر اترتا ہے۔

(۲) لفظ نزول کا ایک معنے تو مشہور ہے یعنی بلند مقام سے نیچے کی طرف انتقال کرنا مگر کبھی کبھی یہ لفظ دو اور معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے (۱) مہربانی کرنا مخلوق پر رحم کرنا بندوں کے گناہوں کو معاف کرنا اور طرح طرح انعامات انہیں عطا کرنا (۲) انحطاط اپنے مرتبہ سے گرنا، اب دیکھنا یہ ہے کہ ان معنوں میں سے کون کون سا معنے خدا تعالیٰ میں پایا جاتا ہے کیونکہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف نقل و حرکت صرف اجسام ہی کے ساتھ ہے۔ تیسرا معنے بھی خدا تعالیٰ میں نہیں پایا جاتا کیونکہ وہ واجب الوجود ہے قدیم ہے اور جملہ امور میں کامل ہے دوسرا معنے بیشک باری تعالیٰ میں پایا جاتا ہے سو اس معنی کے مطابق آنحضرت ﷺ کے قول کے یہ معنی ہونگے خدا تعالیٰ رات میں اپنے بندوں

Marfat.com

پر رحمت نازل کرتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی اس سے بخشش مانگے تو وہ گناہ بخشش دیتا ہے۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کا یہ قول رَفِيعُ الشَّانِ ذُو الْعَرْشِ نازل ہوا تو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنھم کے دلوں میں خدا کی عظمت ہیبت اور وحشت کا ایسا نقش جم گیا کہ اس سے سوال کرنے اور اپنی حاجتوں کے لیے دعا مانگنے سے ان کو سخت مایوسی ہوئی وہ سمجھنے لگے کہ اتنی بڑی جلیل القدر ذات کے آگے ہماری کیا ہستی ہے اور اتنی جرات ہمارے دلوں میں کہاں ہے کہ اس کے روبرو کھڑے ہو کر اپنی حاجتوں کی استدعا کریں۔ دنیا کے کسی زبردست اور جلیل القدر فرمانبردار کے آگے کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اس کے دربار میں قرب حاصل کرنے کے لئے ایک انگلی تک اٹھائے بلکہ عموماً دنیا کے بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب ان کے درباروں میں معمولی حیثیت کے آس جا کر ممکن سے ممکن ذرائع سے ان کی توصیف کرتے ہیں تو وہ ان کو سخت زجر و توبیخ سے اپنے درباروں سے نکال دیتے ہیں الغرض جب صحابہؓ پر ایک سخت مایوسی کا عالم طاری ہو تو خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ ان کو تسلی دی اور کہا کہ میں باوجود اس عظمت و بے نیازی کے پرلے درجہ کا رحیم اور مہربان ہوں۔

میرے دربار میں جو آتا ہے خالی نہیں جاتا۔ امیر و غریب کو ایک نظر سے دیکھتا ہوں کسی مفلس کا افلاس اس کی وقعت کو میرے نزدیک کم نہیں کرتا اور نہ ہی کسی امیر کی وجاہت میرے نزدیک اس کی وقعت کا موجب ہو سکتی ہے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں کو تسلی دینا اور رحمت و برکت نازل کرنے کا وعدہ فرمانا بہ نسبت اس کی باعظمت شان کے نہایت تنزل ہے ان شفقت اور نوازش بھرے وعدوں کو لفظ نزول کے ساتھ ظاہر کرنے سے یہ غرض ہے کہ اس کی اس قدر اپنے بندوں کے ساتھ مہربانی کرنا اس کی شان و عظمت کے بالکل خلاف ہے۔

اور نیچے کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ جیسے یہ فلک جملہ افلاک سے نیچے ہے اور اس کے نیچے اور کوئی فلک نہیں ویسے ہی اس کی رحمت و مکرمت بندوں پر انتہائی درجہ کی ہے یا یہ کہ جیسے یہ فلک بہ نسبت دیگر افلاک کے بندوں کے نزدیک ہے ویسے ہی خدا تعالیٰ کی رحمت اور شفقت بھی بندوں کے قریب ہے۔ رات کی قید اس لئے لگائی گئی کہ رات کے عام خلائق سوتے ہیں اور عشاق کو اپنے حقیقی معشوق (خدا) کے ساتھ باتیں کرتے کا اچھا موقع ہوتا ہے۔ خلوت میں جو لطف وصل کا آتا ہے جلوت میں اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں

Marfat.com

ہوتا ہے۔
نواں دعویٰ جس طرح دنیا کی چیزیں مثلاً پانی، آگ، آسمان، خاک، گدھا، گھوڑا وغیرہ دیکھنے میں آسکتی ہیں ایسے ہی خدا تعالیٰ بھی دکھائی دے سکتا ہے۔

ہمارے اس کہنے سے کہ وہ دکھائی دے سکتا ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ہر وقت دیکھا جا رہا ہے یا جس وقت اسے کوئی دیکھنا چاہے دیکھ سکتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات اور ماہیت میں اس امر کی قابلیت اور صلاحیت ہے کہ اس کے ساتھ روایت متعلق ہو سکے اور اس کی جانب سے کوئی چیز ایسی نہیں جو ہمیں اس کو دیکھنے سے روکے۔ اگر ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو یہ ہمارا قصور ہے جو جو شرائط اس کو دیکھنے کی ہیں اگر وہ ہم میں پائی جائیں تو فوراً ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

جب ہم کہتے ہیں کہ پانی پیاس بجھاتا ہے اور شراب مستی لاتا ہے تو اس کے کہنے سے ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ پانی بغیر پینے کے پیاس بجھا دیتا ہے اور شراب پینے سے مستی لاتا ہے جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ خدا دیکھا جا سکتا ہے۔ اس سے ہماری مراد کیا ہے تو اب ہم آپ کو ثابت کر دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ دیکھا جا سکتا ہے۔ ہم اس مدعا پر عقلی اور نقلی دونوں طرح کے دلائل قائم کرینگے عقلی دلائل کو دو مسلکوں ہی میں حصہ کر لیتے ہیں۔

پہلا مسلک اس میں ایک معمولی شخص کو بھی کلام نہیں کہ خدا بھی دیگر موجودات کی مانند اپنے اندر ایک وجود رکھتا ہے اس کی بھی ذات اور حقیقت ہے جیسے دیگر موجودات کے حقائق پر مختلف قسم کے شرائط مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی ماہیت بھی اس بات سے خالی نہیں اگر اس میں اور دیگر موجودات میں فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ سب کے سب حادث ہیں اور یہ قدیم ہے۔ ان کی صفات بھی حادث ہیں اور اس کی صفات قدیم۔ ان کی صفات سے ان کے حدوث کا پتہ چلتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ ایسی صفتوں سے پاک ہے جو شان الوہیت کے خلاف ہوں اور اس کے حدوث پر دلالت کریں تو ایسی چیزوں کو خدا کی طرف منسوب کرنے میں کوئی ممانعت نہ ہو گی جو اس کی شان الوہیت میں رخنہ نہ ڈالیں اور اس کے قدم کے مضر نہ ہوں۔

یہ یقینی بات ہے کہ جیسے دیگر موجودات کو ہم جانتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی ہمارا علم متعلق ہے اور اس کو بھی ہم جانتے ہیں اور اس کو جاننے سے نہ اس کی ذات میں کچھ تغیر لازم آتا ہے اور نہ اس کی صفات میں کچھ کمی اور نہ ہی کوئی ایسی چیز وہاں نظر آتی ہے جو

Marfat.com

اس کے حدوث پر دلالت کرے۔

رویت بھی علم کا ایک قسم ہے سو جیسے دیگر موجودات کے مرئی ہونے سے ان کی حقیقتوں اور صفتوں میں کسی قسم کی کمی لازم نہیں آتی۔ خدا کے مرئی ہونے میں بھی کوئی کسی قسم کا نقص لازم نہیں آئے گا۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اگر خدا تعالیٰ مرئی ہوا تو ضرور کسی جہت میں ہوگا۔ اور یہ پہلے ثابت ہو چکا کہ جہات میں ہونا اجسام اور اعراض کے ساتھ خاص ہے۔ پس لازم آیا کہ خدا تعالیٰ بھی اجسام یا اعراض کے قبیل میں سے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے مرئی ہونے کے لئے یہ ضروری امر نہیں کہ وہ جہت میں ہو کر مرئی ہو۔

بہر حال یہ ایک نظری مقدمہ ہے کہ مرئی ہونے کے لئے جہت میں ہونا ضروری ہے جب تک اس پر فریق مخالف سے دلیل قائم نہ ہو یہ مقدمہ قابل تسلیم نہیں زیادہ سے زیادہ فریق مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے جس چیز کو دیکھا ہے جہت ہی میں دیکھا ہے ایسی کوئی چیز ہمارے دیکھنے میں نہیں آئی جو کسی خاص جہت میں قرار پذیر نہ ہو۔

یہ سخت حماقت اور جہالت ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ ہم نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو جہت میں نہ ہو۔ لہٰذا خدا بھی مرئی نہیں ہو سکتا کسی کے نہ دیکھنے سے یہ امر لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی جو چیز کسی جہت سے تعلق نہ رکھتی ہو وہ مرئی نہ ہو سکے اگر دیکھنے اور مشاہدہ پر ہی دارومدار ہے تو خداوند کریم کو جسم کہہ دینے میں کیا تامل ہے کیونکہ یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا فاعل ہے اور ہم جس فاعل کو دیکھتے ہیں وہ جسم ہی ہوتا ہے پس خدا بھی جسم ہونا چاہیے۔ علیٰ ہذا القیاس دنیا میں جو چیز موجود ہے وہ عالم سے خارج ہے یا اس کے اندر اس میں اتصال کی قابلیت ہے یا انفصال کی استعداد ہے۔ ہمارے دیکھنے میں کوئی شئے چھ جہتوں میں سے کسی نہ کسی جہت سے خالی نہیں پس صاف کہہ دینا چاہیے کہ خدا بھی عالم سے خارج ہے یا اس کے اندر اس میں بھی اتصال یا انفصال کی قابلیت ہے۔ کسی نہ کسی جہت میں یہ ضرور ہے حالانکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

فریق مخالف کے نزدیک مسلمہ قاعدہ ہے کہ جس طریق پر ایک مشاہدہ کیا جائے اسی طریق پر باقی جملہ اشیاء کا مشاہدہ کرنا بھی ضروری ہے مگر یہ ان کا قاعدہ غلط اور بالکل غلط ہے اگر اس میں ذرا بھی درستی کی بو ہوا عراض کے وجود سے انکار لازم آئے گا کیونکہ ہم جسموں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے حیاز میں متحیز بالذات ہیں اور ہر ایک جسم خاص خاص شکل اور ہیئت کا تقاضا کرتا ہے مگر اعتراض میں یہ بات مقصود ہے پس لازم آنا چاہیے کہ

Marfat.com

اعراض موجود ہی نہیں۔

خدا تعالیٰ اپنے آپ کو بھی دیکھتا ہے اور کائناتِ عالم کو بھی دیکھتا ہے حالانکہ وہ بذاتِ خود نہ کسی جہت میں ہے اور نہ ہی کائناتِ عالم کی نسبت سے اسے کوئی جہت حاصل ہے سو اگر مرئی ہونے کے لئے جہت میں ہونا ضروری ہے تو لازم آئے گا کہ خدا تعالیٰ اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔ وھو صریح البطلان.

جو لوگ کہتے ہیں کہ مرئی وہ چیز ہو سکتی ہے جو کسی جہت میں ہو ان کے نزدیک مرئی ہونے میں یہ بھی شرط ہے کہ مرئی آنکھ کے مقابل ہو۔ ان کی یہ شرط بھی غلط ہے۔ شیشہ میں آدمی اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ مگر مقابلہ والی بات وہاں نہیں ملتی۔ کیونکہ مقابلہ تب ہو جب آدمی اپنے آپ کے سامنے کھڑا ہو یا یوں کہیے کہ ایک چیز کی دو چیزیں بن جائیں اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ شیشہ میں آدمی کی تصویریں منقش ہو جاتی ہے جو دکھائی دیتی ہے اور آنکھ کے مقابل بھی ہوتی ہے۔ یہ جواب بالکل غلط ہے کیونکہ فرض کرو ایک شیشہ دیوار میں لگا ہوا ہے تم بقدر دو گز اس سے پیچھے ہٹ کھڑے جاؤ تو تم کو اپنی صورت شیشہ سے دو گز پر نظر آئی گی۔ اگر ایک گز اور پیچھے ہٹ جاؤ تو وہ بھی ایک گز اور پیچھے نظر آئے گی۔ پس اگر شیشہ کے اندر تمہاری صورت منقش ہوتی تو تمہارے شیشے سے پیچھے ہٹنے پر صورت شیشہ سے اتنی ہی دور کیوں دکھائی دیتی۔ شیشے کے پیچھے جو چیز ہے وہ شیشہ کے بیچ میں حائل ہونے کے باعث
دیکھنے والے سے پوشیدہ ہوتی ہے اور شیشہ کے روبرو یا نیچے اس کے دائیں یا بائیں بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی۔ جو شیشہ میں منقش ہو سکے۔

یہ قاعدہ ہے کہ روز مرہ کے مشاہدات کے خلاف جو چیزیں ہوتی ہیں جب تک ان کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کر لیا جائے۔ ان کے ممکن کو وقوع ہونے کو عقل ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔ اگر کسی ایسے شخص نے جس کو اپنی صورت کبھی دیکھنے اور شیشہ دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو تم پوچھو کہ کیا تم اپنی شکل شیشہ میں دیکھ سکتے ہو تو وہ صاف کہہ دے گا کہ ایسا ہونا محال ہے کیونکہ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی شکل کی مثل کو شیشہ کے جسم میں یا شیشے کے پیچھے کسی جسم میں دیکھوں نیز کسی چیز کو دیکھنے کے لئے اس کا آنکھ کے مقابل ہونا شرط ہے جو اس صورت میں مفقود ہے اس شخص کی اور تقریر تو بالکل درست ہے مگر اس کا یہ کہنا کہ دیکھنے کے لئے مقابلہ شرط ہے۔ غلط ہے کیونکہ اگر مقابلہ ضروری ہوتا تو شیشہ میں اپنا منہ

Marfat.com

ہرگز نظر نہ آتا۔

دوسرا مسلک جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے مرئی ہونے کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے رویت کے معنے نہیں سمجھے۔ اگر سمجھے بھی ہیں تو سرسری طور پر انہوں نے یہ بھی کہا کہ خدا تعالیٰ کے مرئی ہونے کی بھی وہی کیفیت ہے جس کیفیت سے ہم جسموں شکلوں اور رنگوں وغیرہ کو دیکھتے ہیں اس کیفیت کے ساتھ خدا کا مرئی ہونا ہمارے نزدیک بھی باطل ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مطلق روایت بیان کر کے ان امور کو وضاحت کے ساتھ کھول دیں جن کا پایا جانا رویت کے ضروری ہے اور پھر یہ بھی بیان کر دیں کہ ان امور میں سے کون کون امر خدا میں پایا جاتا ہے اور کون نہیں پایا جاتا۔ تاکہ آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ مرئی ہوسکتا ہے اور رویت بھی اس میں حقیقی طور پر پائی جاتی ہے۔ اگرچہ لفظی حیثیت سے رویت کا اطلاق مجازی طور پر ہو۔

رویت کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک محل یعنی وہ چیز جس میں قوت باصرہ رکھی جائے۔ جیسے آنکھ اور ایک وہ چیز جس پر رویت واقع ہو۔ مثلاً رنگ مقدار اور جسم وغیرہ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں میں کس کو رویت میں زیادہ دخل ہے اور کس پر یہ بات صادق آتی ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو رویت کی حقیقت موجود نہ ہوگی۔

محل پر چنداں رویت کا دارومدار نہیں کیونکہ جس شے کے ذریعہ ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں وہ آنکھ نہیں بلکہ وہ ایک قوت ہے جو آنکھ میں قدرت نے رکھ دی ہے آنکھ تو ایک جسم مخصوص ہے جو دیکھنے کا ذریعہ اور آلہ ہے اگر وہ قوت دل میں یا پیشانی میں یا کسی اور عضو میں رکھی جاتی تو اس وقت بھی کہنا درست ہوتا کہ ہم نے فلاں چیز کو دیکھا ہے یہ ایک اتفاقی بات ہے جو قدرت نے قوت باصرہ کو جرم مخصوص (آنکھ میں رکھ دیا ہے اور کسی عضو میں نہیں رکھا۔

اب رہی دوسری بات یعنی وہ چیز جس پر رویت واقع ہوئی ہے سو کسی خاص چیز پر رویت موقوف نہیں یعنے رویت میں یہ بات نہیں ہوتی کہ اگر ہم زید کو دیکھیں تو دیکھنا تحقق ہو۔ اور اگر بکر کو دیکھیں تو اس پر دیکھنا نہ صادق آئے۔ اگر رویت میں کسی خاص چیز کا دیکھنا شرط ہوتا تو سیاہی کو دیکھ لینے سے بھی سفیدی کے دیکھنے پر لفظ صادق نہ آتا اور رنگ کو دیکھنے سے کسی شئے کی رفتار کے دیکھنے پر رویت کا لفظ صادق نہ آتا۔ کسی غرض کو دیکھ لینے سے جسم کے دیکھنے پر دیکھنا نہ اطلاق کیا جا سکتا۔ حالانکہ ہماری ہر ایک چیز دیکھنے پر دیکھنا صادق ہے اور سیاہی۔ سفیدی۔ رنگ۔ حرکت شکل جسم وغیرہ اشیاء پر ایک ہی طرح لفظ محسوسات اور

Marfat.com

مبصرات کا اطلاق ہوتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ جس پر ہماری رویت واقع ہوئی یعنے جس کو محسوس و مبصر کہا جاتا ہے وہ کلیت اور عموم کے درجہ میں ہے۔ کسی خاص فرد میں اس کا پایا جانا ضروری نہیں مثلاً آگ۔ پانی۔ مٹی۔ لکڑی۔ سیاہی۔ سفیدی وغیرہ۔

اگر زیادہ غور اور تدبر سے کام لیا جائے تو رویت کی حقیقت میں ایک تیسری چیز کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ جس سے اس کی حقیقت کا دائرہ اور بھی وسیع ہو جاتا ہے اس کی رُو سے رویت ہے علم اور ادراک کا ایک قسم ہے۔ جو تخیل سے کئی حصے زیادہ کشف، تام کا موجب ہوتا ہے۔ تم آنکھیں بند کر کے اپنے کسی دوست کا خیال کرو تو اپنے خیال میں اس کی صورت موجود پاؤ گے۔ اس صورت میں اس کی شکل و شباہت۔ اس کے نقوش رنگت۔ بناوٹ وغیرہ میں کسی قسم کا فرق نہ پاؤ گے۔ پھر تم آنکھ کھولو تو فرض کرو کہ وہ دوست تمہاری آنکھوں کے سامنے کھڑا ہے۔ جب تم اس کو عالم واقع میں اپنی آنکھ سے دیکھو گے تو اس وقت دوست کی کوئی اور صورت جو اس کی پہلی صورت خیالیہ کے خلاف ہو تمہاری قوت خیالیہ میں ہرگز نہ اترے گی۔ بلکہ اس کی صورت جو تمہاری آنکھ کے سامنے ہے۔ اس کی صورت خیالیہ کا بعینہٖ نقشہ ہوگی اور اس کے ساتھ مل کر کشف تام کا موجب ہوگی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تخیل بھی ادراک کا ایک قسم ہے۔ مگر یہ منشاء ادراک بننے میں بہت گرا ہوا ہے اور رویت بھی اسی کا ایک قسم ہے۔ لیکن یہ بہ نسبت تخیل کے منشاء ادراک بننے میں بہت بڑھا ہوا ہے۔

کائنات عالم میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا ادراک تعقل اور تخیل دونوں کے ذریعہ ہم کر سکتے ہیں مثلاً آسمان۔ زمین۔ سورج۔ چاند۔ پانی۔ مٹی وغیرہ اور بعض ایسی ہیں کہ تعقل کے ذریعہ تو ہم ان کا ادراک کر سکتے ہیں لیکن وہ ہماری قوت خیالیہ میں نہیں اتر سکتیں مثلاً خدا تعالیٰ اس کی صفات۔ قدرت۔ علم۔ عشق۔ غم۔ خوشی۔ راحت۔ تکلیف۔ الغرض جن چیزوں کیلئے رنگ اور مقدار نہیں وہ سب کی سب دوسری قسم میں داخل ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ دوسری قسم کی چیزوں کو جب ہم تعقل کے ذریعہ ادراک کر سکتے ہیں تو کیا اس طرح بھی ہم ان کا ادراک کر سکتے ہیں جس کی پہلے ادراک (تعقلی) سے وہ نسبت ہو جو رویت کو تخیل کے ساتھ نسبت ہو یعنے جیسے رویت میں بہ نسبت تخیل کے کشف تام ہوتا ہے ویسے اس دوسرے ادراک میں بہ نسبت ورادراک تعقلی کے اعلیٰ درجہ کا کشف ہم

Marfat.com

اس قسم کا ادراک ممکن ہے اور یہ ایسی بدیہی اور کھلی ہوئی بات ہے جس پر استدلال پکڑنے کی کوئی ضرورت نہیں اسی ادراک کا نام ہم رویت رکھتے ہیں اور اسی معنے کے مطابق ہم خدا کو مرئی کہتے ہیں یعنی خدا کو ہم دو طرح جان سکتے ہیں تعقل کے ذریعہ جو تعقل سے بہت بڑھا ہوا اور وہ رویت ہے۔

ہاں اتنا ضرور کہنا پڑتا ہے کہ دنیا میں چونکہ نفس ظلمات ہیولانی اور طرح طرح کے مشاغل میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اور دنیاوی کاروبار میں اس کو یہاں تک مصروفیت ہوتی ہے کہ زہد و مجاہد اور ریاضت کا اسے بہت کم موقع ملتا ہے اس لئے دنیا میں اس کے اندر وہ صفائی اور نورانیت نہیں ہوتی جس سے خدا تعالیٰ کی نورانی ذات کو دیکھ سکے مگر جیسے پلکیں اور آنکھ کی پتلی آنکھ کو دیکھنے سے نہیں روکتی ویسے ہی نفس کے یہ چند روزہ مشاغل اور بدنی تعلقات اس کو خداوند کریم کے مشاہدہ کرنے میں سدّ راہ نہیں ہوتے آخرت میں جبکہ نفس جسمانیت کی کدورتوں سے پاک وصاف ہو جائے گا اور خالص نورانیت اس میں جھلک مارنے لگے گی تو خدا تعالیٰ کو دیکھ لینا ایسا سہل امر ہو جائے گا جیسے دنیا کی چیزوں کو دیکھنے کے وقت کوئی دقت نہیں ہوتی اور جیسے دنیا کی چیزوں کو ہم آنکھ کے ذریعہ دیکھتے ہیں ویسے ہی ممکن ہے کہ قیامت کے روز آنکھ ہی میں ایسی استعداد رکھی جائے جس سے خدا کو دیکھ لینا ممکن ہو سکے۔

نقلی دلیل

شریعت میں خدا کے مرئی ہونے کے متعلق اس کثرت سے روایات آئی ہیں کہ اگر ان کے رو سے خدا کے مرئی ہونے پر اجماع کے انعقاد کا دعویٰ کیا جائے تو ہرگز مبالغہ پر محمول نہ ہوگا جس قدر اہلِ علم اور بزرگانِ دین گزرے ہیں وہ اپنے اپنے زمانہ میں خدا سے یہی دعائیں مانگتے گئے کہ ہمیں اپنا آپ دکھا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ ان کو خدا کو دیکھنے کی امید تھی۔ آنحضرت ﷺ کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا کہ آپ ہر وقت خدا سے دیدار کا سوال کرتے تھے آپ کے اس بارہ میں اس کثرت سے اقوال ہیں جن سے ہر ایک آدمی کو یقین ہو جاتا کہ خدا کو دیکھنا ممکن ہے۔

سب سے بڑھ کر ہمارے اس دعویٰ کا بین ثبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے اَرِنِی اَنْظُرْ اِلَیْکَ (اے اللہ مجھے اپنا آپ دکھا کہ میں تجھے دیکھ سکوں)

Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ ان کو معاذ اللہ یہ خبر نہ تھی کہ خدا کا مرئی ہونا محال ہے۔ سراسر جہالت اور حماقت ہے۔ یہ کس قدر غضب کی بات ہے کہ معتزلہ کو معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ مرئی نہیں ہو سکتا اور اس کا مرئی نہ ہونا اس کی ذاتی صفت ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو جن کی یہ شان ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ باتیں کرنے کا درجہ حاصل ہے۔ اس بات کا علم نہ ہو جب معتزلہ کے نزدیک خدا کا مرئی نہ ہونا اس کی صفت ذاتی ہے اور جیسے دیگر صفات کو جاننا موجب ایمان اور نہ جاننا موجب کفر ہے ویسا ہی اس صفت کا حال ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) کافر اور ملحد ٹھہریں گے۔

معتزلہ سے ہم پوچھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا کے کسی خاص جہت میں ہونیکا اعتقاد تھا یا یہ تو جانتے تھے کہ اس کو جہات سے کوئی تعلق نہیں مگر آپ کو اس بات کا علم نہ تھا کہ جس چیز کو جہات سے کوئی سروکار نہ ہو وہ مرئی نہیں ہو سکتی اگر پہلی بات ہے تو خدا کی نسبت جہت میں ہونے کا اعتقاد رکھنا اور شرک اور بت پرستی دونوں برابر ہیں۔ اور اگر موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا علم نہ ہوتا کہ جو چیز کسی جہت میں نہ ہو اس کا مرئی نہ ہونا بدیہی امر ہے نہایت تعجب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس معمولی سی بات کا بھی علم نہ تھا۔ سخت حیرت کا مقام ہے کہ معتزلہ اس بات کو تاڑ گئے مگر بہت جلیل القدر پیغمبر کو محروم ہے اب آپ کو اختیار ہے کہ چاہے معتزلہ کو جھوٹے اور جاہل تسلیم کر لیں اور چاہے ایک مقتدر پیغمبر کو جاہل اور صفات باری تعالیٰ سے ناواقف مان لیں۔

اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا وہ یہ کہ آپ کے نزدیک خدا تعالیٰ کو دیکھنا قیامت کے روز ہوگا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا میں خدا کو دیکھنے کی خدا سے درخواست کرتے ہیں جس سے آپ کا مدعا ثابت نہیں ہوتا نیز موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب میں خدا تعالیٰ کا یہ کہنا لن ترانی (تم اسے ہرگز نہیں دکھ سکتے) صاف بتلا دیا ہے کہ اس کو دیکھنا ممکن نہیں نیز وہ فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں) اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں خدا کو دیکھنے کے متعلق خدا سے سوال کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کو دیکھنا ممکن ہے مگر آپ کو اس کا وقت معلوم نہ تھا یعنی ان کو یہ علم نہ تھا کہ خدا کو دیکھنا قیامت کے روز ہوگا دنیا میں اس کو دیکھنے کی استعداد آپ میں نہیں ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کی چیزیں صرف اتنی ہی معلوم

Marfat.com

تھیں جتنی خدا نے ان کو جتلا دیں ہر ایک بات کا علم خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

کئی دفعہ یہ بات ہوئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور ان کو اپنی دعائیں قبول ہونے کا بھی یقین تھا مگر خدا نے کسی مصلحت کی وجہ سے ان کو قبول نہ کیا۔

اور موسیٰ علیہ السلام کے جواب خدا کے قول لَنْ تَرَانِیْ کے یہ معنے ہیں کہ تو مجھے دنیا میں نہیں دیکھ سکتا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جواب سوال کے موافق ہوتا ہے آپ کا سوال بھی دنیا میں خدا کو دیکھنے کے بارے میں خدا سے درخواست کرتے اور اس کے جواب میں خدا فرماتا لَنْ تَرَانِیْ۔ تو بیشک معتزلہ کا قول درست تھا۔

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ کے یہ معنے ہیں کہ آنکھیں پورے طور پر جملہ اطراف سے خدا کا احاطہ نہیں کر سکتیں جیسے جسم کو دیکھنے سے اس کی سب خصوصیات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ویسے خدا کا ٹھیک احاطہ آنکھوں کی استعداد سے باہر ہے وہ چونکہ نورانی ذات ہے لہٰذا آنکھیں اس کو دیکھنے کے وقت تھرا جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کے مرئی ہونے میں لوگوں میں عجیب کھلبلی مچ گئی۔ فرقہ حشویہ نے تو خدا تعالیٰ کے لئے جہت کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اس خیال پر کہ کسی نہ کسی جہت میں ہونے کے بغیر کوئی چیز جہاں میں موجود نہیں ہو سکتی۔ جو چیز موجود ہوگی۔ اس کو کسی نہ کسی جہت کے ساتھ خصوصیت ہوگی۔

اور معتزلہ نے جہت سے تو خدا تعالیٰ کو مقدس اور منزہ تسلیم کیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کے مرئی ہونے کا بھی انکار کر دیا۔ محض اس بناء پر مرئی ہونے کے لئے کسی نہ کسی جہت میں ہونا ضروری ہے اور خدا کو کسی جہت کوئی تعلق نہیں۔

حشویہ نے تو یہاں تک تفریط کی کہ خدا کو اجسام و اعراض کے ساتھ ملا لیا اور معتزلہ نے یہاں تک افراط سے کام لیا کہ نصوص شرعیہ کو بالائے طاق رکھ کر خدا کی تنزیہ و تقدیس میں حد سے زیادہ اوپر چلے گئے مگر یہ کہنا ہے اہل السنۃ والجماعۃ کا جنہوں نے جہت کا تو اس بناء پر انکار کر دیا کہ یہ خدا کے جسم ہونے کو مستلزم ہے اور اس کے مرئی ہونے کو جائز قرار دیا۔ اس لئے کہ رویت علم کا اعلیٰ درجہ اور قسم ہے۔ جس کے ذریعہ خدا کی حقیقت کا کامل طور پر انکشاف ہو سکتا ہے۔

انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا کہ خدا کا جسم نہ ہونا جہت کی نفی کو مستلزم ہے اور اس کا معلوم ہونا اس کے مرئی ہونے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ رویت بھی علم کا ایک شعبہ ہے۔

Marfat.com

دسواں دعویٰ خدا واحد ہے۔ لفظ واحد کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ کبھی اس کے معنے ہوتے ہیں۔ جو چیز مقدار ہی نہ ہو۔ اپنے اندر کیت نہ رکھتی ہو۔ قابلِ قسمت نہ ہو۔ اس معنے کے مطابق کئی ایک اشیاء پر لفظ واحد کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ مثلاً علم شجاعت۔ بزدلی غمی خوشی وغیرہ۔ الغرض جو چیزیں نہ اجسام ہیں نہ اجسام کے ساتھ قائم ہیں اس معنے کے لحاظ سے وہ واحد کہلاتی ہیں خدا تعالیٰ بھی اس معنے کے مطابق ہے کیونکہ نہ اس میں کیت ہے نہ مقدار نہ یہ جسم ہے نہ عرض اور کبھی اس کے معنے ہوتے ہیں وہ چیز جس کے ہم مرتبہ کوئی اور چیز نہ ہو۔ آفتاب کو اس کے معنے کے مطابق واحد کہہ سکتے ہیں اور بھی جو چیزیں کسی نہ کسی کمال میں یکتا ہیں واحد کا لفظ ان پر بولا جاسکتا ہے۔ خدا بھی اس معنے کے مطابق واحد ہے کیونکہ نہ اس کی کوئی ضد ہے اور نہ اس کا کوئی شریک۔ ضد تو اس لئے کہ ضد اس چیز کا نام ہے جو دوسری چیز کے ساتھ ایک محل پر علیٰ سبیل البدلیہ وارد ہوسکے۔ جیسے سفیدی۔ سیاہی کی ضد ہے اور خدا کے لئے چونکہ محل نہیں لہٰذا اس کی ضد بھی نہیں اور شریک اس لئے کہ اس کا کوئی شریک ہو تو وہ جملہ کمالات میں یا اس کا ہم پلہ ہوگا یا اس سے اعلیٰ ہوگا یا کم۔ یہ تینوں باطل ہیں پہلی شق تو اس لئے باطل ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ جن دو چیزوں پر دو کا لفظ صادق آتا ہے ان کا باہم متغائر ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ان کو دو کہنا جائز نہ ہوگا۔ ایک سیاہی دوسری سیاہی سے محض اس لئے ممتاز ہوتی ہے کہ ان میں سے ایک مثلاً زید کے بالوں کے ساتھ قائم ہے اور دوسری بکر کے بالوں کے ساتھ یا ایک ہی محل کے ساتھ ان میں سے ایک صبح کے وقت قائم ہوئی ہے اور ظہر کے وقت وہ چلی گئی اور دوسری اس کی جگہ قائم ہوگئی ہے اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو ان کو دو کہنا درست نہ ہوگا۔

اور جو چیزیں باہم متغائر ہوتی ہیں، یا تو ان میں سے تغائرِ حقیقی ہوتا ہے۔ مثلاً حرکت اور رنگ یہ دو چیزیں ایک وقت میں ایک محل کے ساتھ قائم ہوں۔ مگر ان کی حقیقتوں کا باہم جدا ہونا ان کے امتیاز کے واسطے کافی ہے۔ ان کے امتیاز کے لئے اس بات کی ضرورت نہیں کہ الگ الگ محلوں کے ساتھ قائم ہوں یا ایک محل کے ساتھ مختلف وقتوں میں قائم ہوں۔ اور کبھی دو چیزوں میں اعتباری تغائر ہوتا ہے مگر یہ تب ہوسکتا ہے کہ یا تو وہ الگ الگ محلوں کے ساتھ قائم ہوں یا ایک محل کے ساتھ مختلف وقتوں میں قائم ہوں ورنہ ان کو کہنا اور ان میں امتیاز قائم کرنا بالکل غلط ہوگا۔ سو اگر خدا تعالیٰ کا شریک اس کے ہم پلہ ہو۔ اور ان دونوں کی حقیقت ایک

Marfat.com

ہو تو ان کو دو کہنا اور ایک دوسرے سے الگ الگ خیال کرنا تب جائز ہو جب خدا تعالیٰ اور محل کے ساتھ قائم ہو۔ مگر مختلف وقتوں میں یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے نہ کوئی محل ہے نہ مکان نہ اس کو کسی جہت سے تعلق ہے نہ زمانہ سے سروکار۔ پس ثابت ہوا کہ اس کا کوئی شریک نہیں جو اس کے ہم پلہ ہو اور اس کی ماہیت میں مشترک ہو۔

اور خدا کا اس سے اعلیٰ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ خدا اس کو کہا جاتا ہے جو جملہ موجودات سے کمالات میں فائق ہو کسی صفت میں بھی کسی موجود سے کم یا مساوی نہ ہو۔ تو جس کا نام آپ خدا کا شریک رکھتے ہیں۔ حقیقت میں خدا وہی ہے۔ جس کو آپ خدا بتاتے ہیں وہ خدا نہیں۔ کیونکہ خدا کی تعریف اس پر صادق نہیں آسکتی۔ اور اگر اس کا شریک اس سے کم ہو تو وہ شریک نہیں کہلا سکتا۔ اس صورت میں بھی خدا ایک ہی رہے گا۔

اس جگہ پر ایک اعتراض وارد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ یہ کہنا کہ اللہ کے لفظ کے یہ معنی ہیں وہ ذات جو جملہ موجودات سے کمالات میں فائق اور بالاتر ہو۔ یہ ایک اصطلاحی بات ہے آپ کی اصطلاح میں فریق مخالف کو کوئی کلام نہیں فریق مخالف تو صرف یہ کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ نظام عالم ایک خالق کا مخلوق نہ ہو بلکہ آسمان و ما فیہ کا خالق اور ہو اور زمین و ما فیہا کا خالق جدا ہو یا جمادات ایک خالق کی مخلوق ہوں اور حیوانات و نباتات دوسرے کی۔ یا خالق شر اور ہو اور خالق خیر اور ہو یا جواہر کا خالق اور ہو اور اعراض کا خالق اور ہو۔ حاصل یہ کہ لفظ اللہ آپ کے من گھڑت معنے کے مطابق صرف ایک ہی خالق پر بولا جائے اور دوسرے خالق پر اس کا اطلاق درست نہ ہو۔ لیکن ایک خالقوں کے بطلان پر جب تک آپ استدلال نہ قائم کریں۔ خدا تعالیٰ کی توحید ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ فریق مخالف کے نزدیک اللہ کے معنی خالق ہیں اور ممکن ہے کہ خالق کئی ایک ہیں۔ اس کا جواب یہ کہ اگر کائنات عالم کے الگ الگ خالقوں کی مخلوق ہو تو دو بات خالی نہ ہوگا۔ بالفرض جواہر اور بعض اعراض ایک خالق کی مخلوق ہوں گے یا بعض دوسرے کے پیدا کردہ وہ ہوں گے۔ یا تمام جواہر کا خالق الگ ہوگا اور جملہ اعراض کا پیدا کرنے والا الگ۔ یہ دونوں احتمال باطل ہیں۔ پہلا تو اس لئے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ خالق آسمان کو زمین پیدا کرنے کی بھی قدرت ہے تو دونوں خالق اس خاص قدرت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں گے اور جب قدرت میں دونوں خالق ممتاز نہیں تو مقدور یعنی زمین کے پیدا کرنے میں بھی ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں گے۔ اب زمین دو خالقوں کے درمیان ہوگی

Marfat.com

اور یہ ظاہر ہے کہ زمین کی ہر دو خالقوں سے نسبت برابر ہے اور خالقوں کی جانب سے بھی کوئی ایسا امر معلوم نہیں ہوتا جس کی وجہ سے زمین کسی ایک کی طرف منسوب ہوسکے۔ دوسرے کی طرف اس کی نسبت جائز نہ ہو۔ سو زمین کا ایک خالق کا مخلوق ہونا دوسرے کی مخلوق نہ ہونا ترجیح بلا مرجح ہے اور یہ محال ہے۔ اور اگر خالق آسمان کو زمین کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں تو یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ جملہ جواہر ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور یہ قاعدہ کہ ایسی ذات جس کی قدرت قدیم ہے اگر ایک چیز پر قادر ہے تو اس کی مثل پر بھی ضرور قادر ہوتی ہے۔ خاص کر جبکہ وہ ذات ایک سے زیادہ چیزوں کے ایجاد پر قادر ہے۔ اس وقت ان چیزوں کی مثال پر اس کی قدرت ضرور تسلیم کرنے پڑے گی سو جب خالق آسمان آسمان کی کئی ایک اشیاء کے ایجاد پر قادر تو زمین پر اس کی قدرت کیوں نہ ہوگی جو جواہر اور جسم ہونے میں آسمان کے مشابہ اور اس کی مثل ہے۔

دوسرا احتمال (یعنی خالق جواہر الگ ہو اور خالق اعراض جدا ہو) اس لئے باطل ہے کہ جوہر اور عرض یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی طرف کسی نہ کسی بات میں محتاج ہوتی ہیں تو اب جواہر کا پیدا کرنا عرض پر موقوف ہوگا اور عرض کا ایجاد کرنا جواہر پر۔ اور جب ان دونوں کا خالق الگ الگ ہے تو خالق جوہر کسی خاص جوہر کو تب ایجاد کر سکے گا۔ جب خالق اعراض اس کے ساتھ عرض کے پیدا کرنے میں متفق ہو۔ اور خالق اعراض کسی خاص عرض کو تب ایجاد کر سکے گا۔ جب جواہر کا خالق اس کے ساتھ جواہر کے ایجاد میں متفق ہو لیکن ان میں سے ہر ایک کے اپنی اپنی ایجادات پر دوسرے کا متفق ہو جانا ضروری امر نہیں اور نہ ایسا بدیہی امر ہے۔ جس کے تسلیم کرنے پر ہم مجبور ہوں۔ کیونکہ ہر ایک خالق کے ایجاد پر دوسرے خالق کا متفق ہو جانا واجب ہے یا ممکن۔ اگر واجب ہے تو اس کی دلیل بیان کرنی چاہیئے۔ نیز اس صورت میں ان کی قدرت معدوم ہو جائے گی۔ کیونکہ جب ایک خالق کے ایجاد پر دوسرے خالق کو جبراً اس کے ساتھ متفق ہونا پڑتا ہے تو دوسرے خالق کا فعل اضطراری ہوگا نہ اختیاری۔ حالانکہ قدرت نے اختیار شرط کو دیا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ شر اور خیر کا خالق الگ الگ ہے۔ جواہر اور اعراض کے خالق میں ہم کچھ نہیں کہتے تو اس کا جواب یہ کہ شر اور خیر ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ ایک ہی چیز کسی خاص حیثیت سے شر کہلاتی ہے اور دوسری

Marfat.com

حیثیت سے خیر ہوتی ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جو ذات ایک شئے کی ایجاد پر قادر ہو وہ اس کی مثل کی ایجاد پر بھی قادر ہوتی ہے۔ مسلمان کو آگ میں جلا دینا شر ہے اور کافر کو آگ میں جلا دینا خیر ہے۔

جو شخص پہلے کافر ہوا گر مومن ہو جائے تو پہلے اس کو آگ میں جلا دینا خیر تھا۔ مگر اب اسی شخص کو آگ میں جلا دینا شر ہے۔ دیکھئے احراق صرف ایک ہی مفہوم ہے۔ مگر مختلف اعتبارات سے کبھی شر ہو جاتا ہے۔ کبھی خیر تو اب جو ذات اس مسلمان کو کفر کی حالت میں آگ میں جلا دینے پر قادر تھی۔ اس کے اسلام لانے کے وقت بھی ضرور اس کو اسکے احراق پر قدرت ہوگی۔ کیونکہ اسلام لانے سے نہ بدن میں فرق آیا ہے نہ آگ میں اور نہ کوئی اور امر ہے جو اس قدرت میں خلل انداز ہو پس ثابت ہوا کہ شر اور خیر کا خالق ایک ہی ہے جو جملہ موجودات جواہر اور اعراض وغیرہ کا خالق ہے۔ وہو المدعی۔

Marfat.com

دوسرا باب

اس باب میں خدا کی صفتوں کا بیان ہوگا اور چونکہ خدا کی سات صفتیں ہیں۔قدرت علم حیوٰۃ۔ ارادہ۔ سمع بصر۔ کلام۔ لہٰذا ہمارے دعاوی بھی سات ہیں۔

قدرت: نظام عالم کا پیدا کرنے والا (خداتعالیٰ) اپنے اندر قدرت کی صفت رکھتا ہے جس کا ثبوت یہ ہے۔

نظام عالم کی اس خاص ترتیب اور اس کے تناسب کو ہم دیکھتے ہیں محو حیرت ہوجاتے ہیں۔سورج کا روزمرہ خاص انتظام سے طلوع وغروب۔ چاند کا خاص وضع پر ہونا ستاروں کی رفتار۔ آسمانوں کا تہ بتہ ہونا۔ بادلوں کا ہواؤں میں چلنا۔ باران سے زمین کا یکایک سیراب ہوجانا۔ بادلوں کا گرجنا۔ بجلی کی چمک۔ ہوا کا چلنا۔ سطح زمین پر طرح طرح کی انگوروں اور درختوں کا اُگنا۔ دریاؤں اور سمندر کے حیرت انگیز عجائبات۔ باغوں میں عجیب قسم کے میوہ جات۔ رنگ رنگ کے پھول۔ طرح طرح کی نہریں۔ مختلف قسم کے پرندے درندے۔ الغرض ہزارہا اس قسم کی چیزیں ہم مشاہدہ کرتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے موجد میں ضرور وصف قدرت موجود ہے۔ ہم دور کیوں جاتے ہیں اپنے جسم کی بناوٹ اور ترتیب کو دیکھیں تو ہزارہا ایسی عجیب باتیں منکشف ہوں گی جن سے ہم بخوبی اس نتیجہ پر پہنچ سکیں گے کہ خداتعالیٰ قادر ہے اوّل تو یہ بات (یعنی اس عمدہ ترتیب پر کائنات عالم کے ہونیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے۔ فاعل وخالق میں قدرت ہے) بالکل بدیہی ہے اور کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ مگر تاہم ہم دلیل کے ساتھ اس کو اور بھی وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

خدا جو دنیا کی چیزوں کو پیدا کرتا ہے تو اس میں دو احتمال ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ پیدا کرنا اِس کی ذاتی صفت ہو یعنی اُس کی ذات بلالحاظ کسی اور امر کے پیدا کرنے کا اقتضا کرے اور دوسرے یہ کہ اس کی ذات کے بغیر کسی اور وصف کو بھی اس میں دخل ہو پہلی صورت تو باطل ہے کیونکہ اگر خداتعالیٰ کا ذاتی تقاضا ایجاد کا ہو تو نظام عالم قدیم ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ خدا قدیم ہے اور علت کا قدیم ہونا معلول کے قدیم ہونے کو مستلزم ہے پس ثابت ہوا کہ ایجاد عالم

Marfat.com

میں علاوہ خدا کے کسی اور چیز کو دخل ہے جس کے ذریعہ خدا جس کو چاہے پیدا کرتا ہے اُسی کا نام ہم قدرت رکھتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ خدا بھی قدیم ہے اور اس کی صفت (قدرت) بھی قدیم ہے تو جیسے صرف خدا کے اقتضاء ایجاد پر نظام عالم کا قدم لازم آتا ہے۔ قدرت کے اقتضاء ایجاد میں دخل ہونے پر بھی اِس کا قدم لازم آتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ارادہ کی بحث میں ہم پورے طور پر ثابت کر دیں گے کہ قدرت کے قدیم ہونے پر نظام عالم کا قدم لازم نہیں آتا۔ یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔

اب ہم قدرت کے متعلق چند امور بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کو اس کی پوری توضیح ہو جائے۔

خدا کو جن ممکنات کے ایجاد پر قدرت ہے، وہ غیر متناہی ہیں تو جب ممکنات غیر متناہی ہوئے تو اس کی مقدورات بھی غیر متناہی ہوں گی۔ ممکنات کی عدم نہایت کے یہ معنے نہیں کہ بہت سی ایسی چیزیں خارج میں موجود ہیں جو موجود بھی ہیں اور غیر متناہی بھی ہیں کیونکہ فلسفہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو چیزیں بالفعل موجود ہوتی ہیں وہ متناہی ہوتی ہیں بلکہ ممکنات اور اس کے مقدورات کے غیر متناہی ہونے کے یہ معنے ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ خدا کی قدرت کسی حد پر ختم ہو جائے اور آگے اشیاء کی ایجاد نہ کر سکے بلکہ جس قدر اشیاء کو وہ پیدا کرے اِسکے آگے اور پیدا کر سکتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جہاں تک خیال کرتے چلے جاؤ کسی حد پر اس کی قدرت کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کی قدرت عالم کیوں ہے اور اِسکو غیر متناہی اشیاء کے ایجاد پر کیوں قدرت ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ نظام عالم کا خالق ایک ہے تو اب یا تو ہر ایک چیز کے مقابل جدا جدا قدرت ہوگی اور یا قدرت تو صرف ایک وصف کا نام ہے۔ مگر ہر ایک ممکن کے ساتھ اس کو وہ تعلق ہوگا جو دوسرے کے ساتھ نہ ہو۔ پہلی صورت تو باطل ہے کیونکہ جب ممکنات غیر متناہی ہیں تو قدرتیں بھی غیر متناہی ہوں گی۔ اور یہ محال ہے پس دوسری بات صحیح کا گا یعنے قدرت تو ایک وصف ہے جس کو ہر ایک ممکن کے ساتھ تعلق ہے مگر جب ہم غور کرتے ہیں تو وصف امکان کے بغیر اور کوئی چیز ہمیں ایسی نظر نہیں آتی جو قدرت اور ممکنات کا مابہ الارتباط ہو۔ تو جن چیزوں میں امکان کی وصف موجود ہے قدرت بھی ان کو شامل ہوگی۔ کیونکہ یہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس ذات کو

Marfat.com

چند اشیاء کے ایجاد پر قدرت ہوئی ہے۔ وہ ان کی مثلوں کے ایجاد پر بھی قادر ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ بعض جواہر اور اعراض کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو باقی جواہر اور اعرض پر جو پہلے جواہر اور اعراض کے ہم جنس ہیں کیوں قادر نہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت محدود نہیں ہے۔ بلکہ زیادہ از حد وسیع ہے اس تقریر سے تین فروع مستنبط ہوتی ہیں۔ جن کا ہم علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں۔

پہلی فرع

خدا اپنے علم کے خلاف کرنے پر قادر بھی ہے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے لیکن اگر الفاظ کی پیچیدگیوں کو حل کیا جائے اور کسی قدر علمی اصول سے کام لیا جائے تو یہ اختلاف فوراً رفع ہوسکتا ہے۔ اور پانی پانی اور دودھ دودھ الگ ہوسکتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ ہر ممکن خدا کی مقدور ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جو محال ہے اس پر اس کی قدرت نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جو چیز خدا کے علم میں نہیں وہ ممکن ہے یا محال۔ جب ایک بات طے ہو جائے گی یہ نہایت آسانی سے فیصلہ ہو جائے گا کہ وہ خدا کی قدرت میں داخل ہے یا نہیں۔

مگر یہ تب ہوسکتا ہے جب پہلے ممکن اور محال کے معنی دریافت کیے جائیں ورنہ ممکن ہے کہ ایک وقت میں امر متنازعہ فیہ کو خدا کی مقدور تسلیم کیا جائے۔ اور دوسرے وقت میں اس کا انکار کر دیا جائے۔

نظام عالم کو واجب بھی کہہ سکتے ہیں ممکن بھی کہہ سکتے ہیں اور محال بھی کہہ سکتے ہیں واجب ہو تو اس لیے ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ازل ہی سے نظام عالم کے لیے ایجاد کا ارادہ کرتا اس صورت میں یہ واجب ہو جاتا کیونکہ اگر ارادہ واجب ہوتا تو جس چیز کا ارادہ ہوتا ہے وہ بھی واجب ہوتی ہے اور ارادہ میں جو نظام عالم کے لیے علت تامہ ہے اور نظام عالم میں جو معلول تام ہے کسی زمانہ کا فاصلہ ہرگز نہ ہوسکتا۔

اور ممکن اس لیے کہ نظام عالم کو کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کے ارادہ اور عدم ارادہ ان دونوں سے قطع نظر کی جائے اور صرف نظام عالم پر ہی اپنی نظر کو محدود کیا جائے تو وصف امکان کائنات عالم پر صادق آتی ہے۔

اور محال اس واسطے کہہ سکتے ہیں کہ ہوسکتا تھا کہ خدا تعالیٰ نہ ازل میں نہ موجود زمانہ میں۔ الغرض کسی وقت میں بھی نظام عالم کے ایجاد کا ارادہ نہ کرتا۔ اس تقدیر پر نظام

Marfat.com

عالم محال ہو جاتا۔ کیونکہ اگر اب بھی کوئی چیز موجود ہوتی تو لازم آتا کہ ایک چیز کے بلا سبب متحقق ہوگئی ہے۔ اور یہ محال ہے۔

حاصل یہ کہ نظام عالم پر واجب ممکن اور محال یہ تینوں مفہوم صادق آتے ہیں مگر ان کا صادق آنا مختلف اعتبارات سے ہے۔ نظام عالم ممکن ہے تو اپنی ذات کے اعتبارات سے واجب یا محال ہے تو اس لحاظ سے کہ خدا کا ارادہ ازل میں اس کو پیدا کرنے کا ہوا ہے یا نہ جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ ایک چیز مختلف اعتبارات سے ہے ممکن محال اور واجب ہو سکتی ہے تو اب ہم امر تنازعہ فیہ کی طرف جاتے ہیں۔

فرض کرو خدا تعالیٰ کے علم میں ہے کہ شنبہ کی صبح کو زید مر جائے گا۔ اب شنبہ کی صبح کو اس کا نہ مرنا بلکہ جیتا رہنا خدا کی قدرت میں ہے یا نہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زید کا اس وقت جیتا رہنا ممکن بھی ہے اور محال بھی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے ارادہ اور علم میں زید کا اس خاص وقت میں مرنا مقدر نہ ہوتا تو بے شبہ اس کا جیتا رہنا ممکن تھا۔ مگر چونکہ اس کا مرنا مقدر ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کا جیتا رہنا محال ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کا جیتا رہنا ممکن بالذات ہے اور محال بالغیر ہے۔

جب ہم کہتے ہیں حیوٰۃ یزید ھذا الوقت ممکن تو ہماری یہ غرض ہوتی ہے کہ سیاہی اور سفیدی کا ایک وقت میں ایک جگہ جمع ہونا بے شک محال ہے مگر اس وقت میں زید کا جیتا رہنا محال نہیں ہے۔ بلکہ ممکن ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت میں نہ کوئی کمی آگئی ہے نہ ضعف اور نہ کوئی امر مانع در پیش آگیا ہے بات صرف اتنی ہے کہ اسکے علم اور ارادہ میں زید کا اس وقت میں مرنا مقدر ہو چکا ہے۔ جس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

ان باتوں سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ (۱) خدا کی قدرت میں کوئی ضعف واقع نہیں ہوا۔ (۲) زید کی زندگی اس خاص وقت میں ممکن بالذات ہے۔ اب پھر کیا وجہ ہے کہ زید کی زندگی کو خدا کی مقدور نہ تسلیم کیا جائے۔

جو شخص اس سے انکار کرتا ہے اسکی غرض یہ ہے کہ چونکہ خدا کے علم میں زید کا مرنا مقدور ہو چکا لہٰذا اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ تو اس کے ساتھ ہم بھی متفق ہیں۔ اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اس وقت زید کی زندگی ایسی محال ہوگئی ہے جیسے اجتماع النقیضین ارتفاع النقیضین محال ہے تو ایک منٹ کے لیے بھی کوئی اس لغو بات کو تسلیم نہیں کرے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کو اپنے علم کے خلاف کرنے پر پوری قدرت ہے

Marfat.com

اب دیکھنا یہ ہے کہ قدرت کے لفظ کا اطلاق بھی اس کی اس قدرت پر درست ہے یا نہیں

قدرت کے الفاظ کا اطلاق بالکل درست اور محاورہ کے مطابق ہے۔ محاورہ میں یہ کہا جاتا ہے۔

زید چاہے تو حرکت کرسکتا ہے اور چاہے تو ساکن رہ سکتا ہے۔ حلانکہ یہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ خدا کے علم میں زید کا متحرک ہونا مقدر ہو چکا ہے یا ساکن ہونا لیکن حرکت اور سکون دونوں کو زید کی قدرت میں داخل کیا جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کو اپنے علم کے خلاف پر قدرت بھی ہے اور قدرت کا اطلاق بھی اس پر درست ہے۔

دوسری فرع

جب خدا کی قدرت غیر محدود ثابت ہو چکی تو کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ بولنا۔ لکھنا۔ پڑھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ الغرض انسانوں اور حیوانوں کے افعال خدا تعالیٰ کے مقدورات میں داخل ہیں یا نہیں۔ اگر کہو کہ ان چیزوں پر خدا کو قدرت نہیں تو تمہارا یہ قاعدہ ٹوٹ جائے گا کہ خدا کی قدرت غیر محدود اور وسیع ہے۔ اور اگر یہ خدا کے مقدور ہوں تو ایک چیز پر دو قدرتوں کا جمع ہونا لازم آئیگا۔ اور یہ محال ہے۔ کیونکہ انسانوں اور حیوانوں کو اپنے افعال پر جو قدرت ہے اس کا کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا۔ اوّل تو یہ بدیہی بات ہے دوم اگر قدرت نہ ہو تو شرعی احکام میں بندے مخاطب نہ ہونے چاہییں۔ کیونکہ نماز۔ روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ جب بندوں کی قدرت میں نہیں تو پھر اس کے کیا معنے کہ نمازیں پڑھو روزے رکھو زکوٰۃ دو۔ حج کرو، وغیرہ وغیرہ۔

یہ ایک سوال ہے جو خدا کی قدرت کے غیر محدود ہونے پر وارد کیا جاتا ہے۔ اور جس نے لوگوں کے دلوں میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر رکھا ہے اس کا جواب ملاحظہ ہے۔

اس مسئلہ میں لوگوں نے کئی ایک فرقے بن گئے ہیں۔ ایک فرقہ جبریہ ہے جو بندوں کی اپنے افعال پر قدرت کا انکار کرتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ اگر اس طرح ہو تو رعشہ کے وقت ہاتھ کا کانپنا اور اپنے اختیار سے ہاتھ کو حرکت دینا ان دونوں حرکتوں میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ حالانکہ بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی جانتا ہے کہ اگر بظاہر

Marfat.com

ان کی صورت ایک سی ہے مگر حقیقت میں ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ وہ قہری اور جبری حرکت ہے
اور یہ اختیاری ہے۔

نیز اگر بندوں کو اپنے افعال میں مطلق اختیار نہ ہوتا بلکہ ان کی مثال کٹھ پتلی کی سی ہوتی۔ جسکو اپنی حرکت اور کرتبوں میں کوئی اختیار نہیں ہوتا بلکہ غیر کے قبضہ قدرت میں اس کی حرکات وسکنات ہوتی ہے تو شرعی احکام کے یہ مکلف ہرگز نہ ہوتے نیکیوں پر نہ ان کو بہشت ملتا اور برائیوں پر نہ دوزخ۔

معتزلہ کے نزدیک انسان فرشتے جن اور شیاطین وغیرہ اپنے اپنے کاموں میں خودمختار ہیں۔ ان کے کاموں میں خدا کو مطلق دخل نہیں۔ ذوی العقول پر کوئی حصر نہیں بلکہ گدھے گھوڑے وغیرہ سب حیوانات کو اپنے اپنے کاموں میں کلی اختیار ہے۔

ان کا دعویٰ دووجہ سے مردود ہے۔ ایک یہ ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ ہر ایک چیز کا خالق خدا تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کسی میں یہ وصف نہیں پائی جاتی دوم یہ کہ یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز کو ایجاد کرتی ہے اس کا علم ایجاد کرنے والی چیز کو ضرور ہوتا ہے۔ بدوں علم کے کوئی پیدا نہیں ہوسکتی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں اور دیگر حیوانوں سے ہر روز ہزارہا حرکات وسکنات وقوع میں آتی ہیں۔ اگر ان سے ان کی پیدا کردہ حرکات وسکنات کی تعداد دریافت کی جائے تو بجز سکوت کے اور کوئی جواب نہ ملے گا۔ بچہ ماں کی چھاتیوں کی طرف دودھ پینے کے لئے دوڑتا ہے۔ مگر اس کو اپنی اس حرکت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ بلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کے پستان کے ساتھ دودھ پینے کے لئے چمٹتا ہے اور آنکھیں ابھی بند ہوتی ہیں۔ بتاؤ وہ کون سی چیز ہے جو اس کو بغیر دیکھے معلوم کرا دیتی ہے کہ یہ پستان ہیں ان میں دودھ ہے۔ اگر تو پئے گا تو تجھ میں طاقت آجائے گی۔ بھوک جاتی رہے گی عنکبوت اپنا جالا ایسا تنتا ہے کہ بڑے بڑے مہندس حیران رہ جاتے ہیں جو شکلیں وہ اختراع کرتا ہے۔ ان کو خواب میں بھی نہیں سوجھتی۔ شہد کی مکھی شہد کی جال میں ایسے خانے بناتی ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر مہندسوں کی ہوش اڑ جاتی ہے۔ بتاؤ کہ عنکبوت اور اس کی ناچیز مکھی کو یہ حیرت انگیز صنعتیں کسی کاریگر نے بتائی ہیں۔ الغرض دنیا میں ہزارہا ایسی مثالیں ہیں جن کو مشاہدہ کرنے سے یقین ہوجاتا ہے کہ حیوانات کے افعال میں کسی اور عظیم الشان قوت کو بھی دخل ہے۔ بھلا ان بیچارے حیوانات کی کیا ہستی کہ خالق

Marfat.com

اکبر کے مقابلہ میں خالق اور فاعل کہلا سکیں۔

اہل السنت والجماعۃ جیسا کہ اور بڑے معرکۃ آلاراء مسئلوں میں حق کو پہچان جاتے ہیں۔ اس مسئلہ میں انہوں نے کمال کر دیا ہے۔ نہ تو وہ جبریہ کی طرح حیوانات کو بالکل قدرت سے محروم کر دیتے ہیں اور نہ ہی معتزلہ کی مانند ان کے ہاتھوں کلی اختیار دے دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ افعال عباد میں دونوں قدرتوں کو دخل ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت بھی کام کرتی ہے۔ اور بندے بھی اپنے اختیار سے کھاتے، پیتے، چلتے، سوتے جاگتے ہیں۔ اگر یہ بات درست

ہو تو جو اعتراضات جبریہ یا معتزلہ پر وارد ہوتے تھے وہ سارے کے سارے بخوبی رفع ہو سکتے ہیں۔ مگر ایک بات دل میں ضرور کھٹکتی ہے وہ یہ کہ ایک فعل پر دو قدرتوں کا واقع ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ محال ہے۔ مگر یہ کھٹکا بہت جلدی رفع ہو سکتا ہے۔ ایک فعل پر دو قدرتوں کا جمع ہونا بیشک محال ہے مگر جب ایک حیثیت سے دو قدرتیں ایک فعل پر جمع ہوں۔ اگر مختلف اختیارات سے دو قدرتیں جمع ہوں تو یہ کوئی محال امر نہیں ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کو کس بات نے ایک فعل پر دو قدرتوں کے جمع ہونے کے قابل ہونے پر مجبور کیا ہے۔ کیا ایسی کوئی وجہ نہ تھی کہ اس دور از قیاس بات کا بھی الزام اہل السنۃ والجماعت پر لازم نہ آتا اور ان اعتراضوں کا بھی قلع قمع ہو جاتا جو جبریہ اور معتزلہ پر وارد ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان امورات ذیل نے اس امر پر مجبور کیا ہے۔

رعشہ والے شخص کا ہاتھ بغیر اس کے اختیار کے کانپتا ہے اور تندرست آدمی بھی کبھی اپنے ہاتھ کو ہلاتا ہے۔ اب ظاہر میں دونوں حرکتیں ایک سی نظر آتی ہیں۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ اول الذکر میں آدمی کو کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہوتا اور موخر الذکر کا وقوع اس کے پورے پورے اختیار سے ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان دونوں حرکتوں میں اگر فرق ہے تو قدرت و اختیار سے ہے اور جب اس ایک فعل میں انسان کی قدرت اور اس کا اختیار ماننا پڑتا ہے تو دیگر افعال میں قدرت و اختیار کا کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ ہر ایک ممکن کے ساتھ خدا کی قدرت کا تعلق ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ جو چیز حادث ہے وہ ممکن ہے اور چونکہ بندوں کے افعال بھی حادث ہیں لہٰذا ان دونوں قاعدوں کے مطابق خدا کی قدرت ان کے ساتھ بھی متعلق ہوئی نیز یہ تو ہر ایک شخص جانتا

Marfat.com

ہے کہ رعشہ والے کے ہاتھ کی بے اختیاری حرکت خدا کی مخلوق ہے اور اس میں آدمی کی قدرت کو دخل ہے تو دوسری حرکت میں جو پہلی حرکت کی مثل ہے۔ کیوں اس کی قدرت کو دخل نہ ہوگا۔

نیز فرض کرو کہ زید اپنے ہاتھ کو ہلانا چاہتا ہے اور بقول تمہارے خدا کی قدرت اس میں کوئی کام نہیں کرتی۔ مگر خدا کا ارادہ زید کے ہاتھ کو ساکن رکھنے کا ہے اب اس وقت میں یا تو حرکت اور سکون دونوں اکٹھی موجود ہوں گی یا دونوں نہ ہوں گی۔ پہلی صورت میں اجتماع ضدین اور دوسری صورت میں ارتفاع ضدین لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس وقت زید کا ہاتھ ساکن رہیگا کیونکہ خدا کی قدرت بندے کی قدرت سے کئی حصے قوی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی قدرت بیشک قوی ہے مگر اس کے قوی ہونے کے یہ معنے ہیں کہ بندے کی قدرت محدود ہے یہ ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور خدا کی قدرت غیر محدود ہے۔ مگر ایک خاص پر ان میں سے ایک کی قوت اور ایک کا ضعف کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔ خاص فعل پر جیسے ایک کی قدرت کام کرسکتی ہے ویسے دوسرے کی قدرت اپنا اثر ڈال سکتی ہے یہ امور ہیں جنھوں نے اہل السنتہ والجماعتہ کو ایک فعل پر دو قدرتوں کو اکٹھا ماننے پر مجبور کیا ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دونوں قدرتوں کے اجتماع کو کسی قدر وضاحت سے بیان کیا جائے۔ کیونکہ ابھی تک یہ راز نہیں کھلا کہ دونوں قدرتیں ایک ہی فعل پر جمع ہو کر کیا کام کرتی ہیں اگر ایک ہوتی تو وہ کام جو دو مل کر کرتی ہیں اس اکیلی سے سرانجام ہوسکتا تھا یا نہ لو ہمارا روئے سخن صرف انسان کی حرکت کی طرف ہے۔ جب اس میں دونوں قدرتوں کے جمع ہونے کا راز کھل گیا تو دوسرے افعال کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ نے آدمی میں اس کی پیدائش کے ساتھ ہی ایک قوت پیدا کر دی ہے۔ اس قوت کو مختلف کاموں کی طرف پھیرنے میں اس کو اختیار دے دیا گیا ہے۔ اسی قوت پر ہی ثواب و عقاب کی بنا ہے جس کام کی طرف انسان اپنی قوت پھیرتا ہے اس کے ساتھ ہی اگر خدا چاہتا ہے تو اس کام کو پیدا کر دیتا ہے۔ بعض اوقات انسان بہتری کوشش ایک کام کرنے پر خرچ کرتا ہے مگر آخر ناکام رہتا ہے۔ حاصل یہ کہ انسان صرف اپنی قوت کو ایک کام کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کام کا ہونا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جب یہ بات آپ کو معلوم ہوگئی تو اب مثلاً زید اپنا ہاتھ ہلانے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنی قوت حرکت کی طرف

Marfat.com

پھیرنے میں تو وہ خود مختار ہے مگر ہاتھ کا ہلنا خدا کے اختیار میں ہے جب وہ ہاتھ ہلانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے بعد فوراً حرکت تو خدا پیدا کر دیتا ہے اسی واسطے خدا ہی پر خالق صانع اور مخترع کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے اور بندے کو خالق وغیرہ نہیں کہا جا سکتا۔

اس جگہ کوئی شخص سوال کرتا ہے کہ اہل سنت والجماعت انسانی قدرت کو بھی مانتے ہیں جو خدا نے اس کو عطا کی ہوئی ہے اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان جو کام کرتا ہے اس کو خدا پیدا کرتا ہے۔ اب یہ سوال ہے کہ اگر پیدا کرنا خدا کا کام ہے تو خدا نے انسان کو قدرت کس کام کے لئے دی ہے وہ اب بیکار رہے گی۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ انسان کی قدرت کو اس کے افعال میں قدرت ہے یا نہیں اگر نہیں تو قدرت کے بغیر مقدور کے ہونا لازم آئے گا اور اگر دخل ہے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ انسان اپنے افعال کا موجد ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ اس کی قدرت کو اس کے افعال میں ضرور دخل ہے مگر اس کے معنی جو سائل نے سمجھے ہیں بالکل غلط ہیں۔ مگر ابھی نماز کا وجود نہیں ہوا۔ تو اگر قدرت کے دخل کے یہ معنی ہوتے کہ انسان اپنے افعال کا موجد ہوتا تو قدرت کے ساتھ ہی نماز بھی موجود ہو جاتی بلکہ جو جو افعال بندوں کے اختیار اور قدرت میں ہیں ان کی پیدائش کے ساتھ ہی وہ موجود ہو جاتے ہیں اس سے پایا جاتا ہے کہ قدرت کے دخل کے کچھ اور معنی ہیں جن کی اصلیت سائل کو معلوم نہیں ہوئی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ نماز ادا کرنے سے پہلے جو انسان میں قدرت ہے اس کو نماز کے ساتھ جو تعلق ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ نماز جب ادا کی جائے گی اسی قدرت کے ذریعہ ادا کی جائے گی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو تعلق نہیں کہا جاتا بلکہ ایک آنے والے تعلق کا انتظار کہنا مناسب ہے۔ اب تو یہ کہنا چاہئے کہ انسان میں نماز ادا کرنے کی قدرت تو موجود ہے مگر ابھی تک اس کو نماز کے ساتھ تعلق حاصل نہیں ہوا صرف امید ہی امید ہے۔

سو جیسے تمہارے نزدیک آدمی میں ہر ایک مناسب کام کی قدرت موجود ہے اور اس کو افعال کے ساتھ بھی حاصل ہے مگر صرف قدرت ہی سے افعال موجود نہیں ہوتے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی بات ہے ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ افعال جب موجود ہوتے ہیں تو خدا کی قدرت ان کو موجود کرتی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ صرف قدرت اور اس کے تعلق موجود ہونے پر افعال عباد کا موجود ہونا کوئی ضروری نہیں تو پھر اس بات سے کیوں انکار کیا جاتا ہے کہ

Marfat.com

افعال کے وجود میں خدا کی قدرت کو مطلق دخل نہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جب قدرت انسانی افعال کی موجد نہیں اور باوجود قدرت ہونے کے افعال کا ہونا ضروری نہیں تو اس قدرت کا ہونا نہ ہونا برابر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم قدرت کے اگر یہ معنی ہیں جیسے رعشہ والے کے ہاتھ کا کانپنا اس کے اختیار میں نہیں ویسے تندرست آدمی کا اپنے ہاتھ کو ہلانا بھی اضطراری امر ہے تو یہ بداہت کا خلاف کرنا ہے کیونکہ معمولی سے معمولی شخص بھی جانتا ہے کہ اول الذکر میں آدمی کی قدرت کو کوئی دخل نہیں اور مؤخر الذکر کو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ چونکہ قدرت انسانی افعال کی موجد نہیں لہٰذا عجز کے مشابہ ہے تو اس کے ساتھ ہم بھی متفق ہیں مگر اس سے قدرت کی نفی لازم نہیں آتی۔

تیسری فرع

یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا کی قدرت وسیع اور غیر محدود ہے۔ کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جس کو اس کی قدرت شامل نہ ہو حالانکہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو ممکنات سے پیدا ہوتی ہیں۔ خدا کی قدرت کو ان میں کوئی دخل نہیں ہوتا چنانچہ جب ہاتھ ہلاتا ہے تو انگشتری بھی ساتھ حرکت کرنے لگتی ہے اور پانی میں ہاتھ مارتا ہے تو ہاتھ کی حرکت سے پانی میں بھی حرکت پیدا ہو جاتی ہے سو اگر انگشتری اور پانی کی حرکت میں خدا کی قدرت کام کرتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہاتھ کو ہلانے سے انگشتری میں حرکت نہ آتی اور پانی میں ہاتھ مارنے سے پانی میں حرکت نہ پیدا ہوتی۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ ہاتھ کا ہلانا اور پانی میں ہاتھ مارنا انگشتری اور پانی کی حرکت کا سبب ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کو پہلے جانچ نہ لیا جائے۔ اس کے رد کرنے یا قبول کرنے کا کسی شخص کو حق حاصل نہیں ہوتا۔ ہر ایک بات مسترد یا قبول تب ہو سکتی ہے جب پہلے اس کو اچھی طرح وزن کر لیا جائے۔ کسی سے پیدا ہونے کے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ ایک جسم دوسرے جسم کے پیٹ سے نکلے۔ جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے اور درخت زمین سے نکلتا ہے لیکن اعراض کے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں ہوتے۔ انگشتری کی حرکت پانی کی حرکت (یا) ہاتھ کی حرکت کے پیٹ سے نہیں نکلی۔

معترض کا یہ کہنا کہ اگر خدا کی قدرت سے انگشتری اور پانی میں حرکت آتی تو (...)

Marfat.com

کبھی یوں بھی ہوتا کہ ہاتھ ہلتا اور انگشتری اور پانی میں حرکت نہ پیدا ہوتی۔ یہ ایسا ہی لغو اور فضول ہے جیسا یہ کہنا لغو ہے کہ علم ارادہ سے پیدا ہوا ہے اور حیوٰۃ علم سے متولد ہے کیونکہ اگر علم اور حیوٰۃ کی پیدائش میں خدا کی قدرت میں دخل ہوتا تو کبھی یوں بھی ہوتا کہ خدا تعالیٰ ارادہ کو پیدا کرتا اور اس کے ساتھ وجود نہ ہوتا یا علم موجود ہوتا مگر حیوٰۃ کی صفت نہ ہوتی اصل بات یہ ہے کہ نہ علم ارادہ کا ممنون نہ حیوٰۃ علم سے متولد ہے بلکہ ارادہ کے لئے علم کا ہونا شرط ہے اور علم کے لئے حیوٰۃ کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ بغیر شرط کے مشروط موجود نہیں ہوتا اور شرط اور مشروط میں صرف تلازم کا علاقہ ہوتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے سوا موجود نہیں ہو سکتے مگر ان میں سے ہر ایک موجد بغیر خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہوتا۔

اسی طرح جسم کے دوسرے مکان میں داخل ہونے کے لئے پہلے مکان کا خالی ہونا شرط ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک جسم پہلے مکان میں موجود ہو اور دوسرے مکان میں بھی تو جب ہاتھ کو پانی میں حرکت دی جائے گی تو ہاتھ اپنے پہلے مکان کو چھوڑ کر اس کے متصل کسی دوسرے مکان میں منتقل ہو گا۔ اور جب آگے حرکت دی جائے گی تو اس کو بھی چھوڑ کر تیسرے میں بھی انتقال کرے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اور پانی کے اجزاء میں ہاتھ پڑنے سے جو گڑھے سے ہو گئے تھے وہ پانی کی حرکت کی وجہ سے مٹتے جائیں گے ورنہ خلاء لازم آئے گا اور وہ محال ہے۔ ہاتھ کو ہلانا چونکہ پانی کی حرکت کو مستلزم ہے لہٰذا معترض کو یہ گمان ہوا کہ پانی کی حرکت ہاتھ ہلانے کا سبب ہے اور یہ اس کا سبب۔

جو چیزیں باہم لازم و ملزوم کہلاتی ہیں یا تو شرط یا مشروط ہوتی ہیں۔ یا یہ بات نہیں ہوتی۔ شرط اور مشروط میں ان دونوں کا اکٹھا پایا جانا ضروری ہوتا ہے کیونکہ مشروط کا وجود بغیر شرط کے نہیں ہو سکتا۔ مگر مشروط نہ شرط کا ممنون ہے اور نہ شرط مشروط کی ممنون۔ ان دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ اور جن دو چیزوں میں یہ علاقہ نہیں ہوتا ان کا ایک دوسرے سے جدا ہونا ممکن ہے۔ صرف خدا تعالیٰ کی عادت کے مطابق جب ایک چیز ان میں پائی جاتی ہے تو دوسری بھی ساتھ ہی موجود ہو جاتی ہے مثلاً آگ کا روٹی کو جلانا۔ برف کو اگر ہاتھ لگایا جائے تو ہاتھ کا سرد ہو جانا۔ ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ روٹی کو آگ میں ڈال دیا جائے اور آگ اس میں تاثیر نہ کرے اور برف ہاتھ میں رکھی جائے مگر ہاتھ کو سردی محسوس نہ ہو۔ بلکہ تاریخی واقعات سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ

Marfat.com

میں ڈال دیا گیا تھا لیکن آگ نے مطلق اثر نہ کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کی عادت یوں ہی ہے کہ آگ جلا دیتی ہے اور برف جس چیز کے ساتھ لگائی جائے اس کو سرد کر دیتی ہے۔ اس واسطے خارج میں ان کا انفکاک نہیں ہوتا۔ اس جگہ ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ ہماری غرض نہیں کہ حرکت کے پیٹ سے دوسری حرکت پیدا ہوتی ہے اور برف میں سے سردی نکل کر ہاتھ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایک حرکت کے بعد دوسری حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور برف کو ہاتھ لگانے کے بعد ہاتھ میں سردی محسوس ہونے لگتی ہے تو ہاتھ کی حرکت اور برف کو ہم خالق کہتے ہیں اور دوسری حرکت کو اور ہاتھ میں جو سردی محسوس ہوتی ہے اس کو ہم مخلوق کہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خالق وہی شئے ہو سکتی ہے جو واجب ہو اور حرکت اور برف چونکہ واجب نہیں لہٰذا ان کو خالق کہنا بھی جائز نہیں۔

علم خدا کی معلومات غیر متناہی ہیں۔ کیونکہ جو چیزیں موجود ہو چکی ہیں وہ تو بیشک متناہی ہیں مگر جو ممکن ہیں لیکن پیدا نہیں ہوتیں وہ غیر متناہی ہیں۔ اور ان کو بھی خدا جانتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خدا غیر متناہی چیزوں کو جانتا ہے۔ جملہ ممکنات تو در کنار صرف ایک ہی چیز میں غور و فکر کرنے سے اس میں اس قدر معلومات کا خزانہ ملے گا جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور خدا تعالیٰ تو ایک ایک چیز کے اندر جس قدر عجائبات ہیں سب کو تفصیلی طور پر جانتا ہے دو ایک عدد ہے جس کا دو چند چار ہیں اور چار دو چند آٹھ اور آٹھ کا دو چند سولہ۔ اسی طریقہ سے تم اپنی عمر بھر دو چند نکالتے جاؤ تم مر جاؤ گے مگر دو چند ختم ہونے میں نہ آئیں گے۔ خدا تعالیٰ ان سب دو چند کے مراتب کو جانتا ہے۔ دیگر عددوں کو بھی اسی پر قیاس کر لو پس ثابت ہوا کہ خدا کی معلومات غیر متناہی ہیں۔

حیوٰۃ خدا زندہ ہے اور یہ ایسا دعویٰ ہے جس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ جو خدا کو عالم قادر جانتا ہے وہ اس کو ضرور زندہ بھی تسلیم کرے گا۔ کیونکہ زندہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اور دیگر اشیاء کو جانتا ہے کیونکہ یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے اس لیے ہم اس کو طول دینا نہیں چاہتے۔

ارادہ اللہ تعالیٰ جو کام کرتا ہے ارادے سے کرتا ہے۔ نہ یہ بات کہ اضطراری طور پر اس سے کام ہو جاتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ فرض کرو خدا نے مثلاً آج زید کو خاص وقت میں پیدا کیا ہے حالانکہ زید کا اس سے پہلے یا پیچھے پیدا ہونا بھی ممکن تھا اور یہ بھی

Marfat.com

ممکن ہے کہ بجائے زید کے عمر پیدا کیا جاتا تو یہاں کوئی ایسی چیز ضرور ہوگی جو زید کے خاص وقت میں پیدا ہونے کا سبب ہوگی اور جب ہم اس کی تلاش کرتے ہیں تو بجز اس کے کہ خدا کا ارادہ اس وقت میں زید ہی کو پیدا کرنیکا ہوا ہے اور کسی کو اس قابل نہیں پاتے وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر گمان ہو سکتا ہے تو خدا یا اس کی قدرت یا علم کے بارہ میں ہو سکتا ہے کہ ان میں کسی کا یہ تقاضا ہو مگر بغور دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ ان تینوں کو مطلق دخل اس امر میں نہیں کیونکہ خدا اور اس کی قدرت کو تمام چیزوں سے ایک ہی نسبت ہے جیسے اس کو اس وقت میں زید کے پیدا کرنے کی قدرت ہے ویسے عمر وغیرہ کے پیدا کرنے کی بھی اس کو قدرت ہے۔

علم میں بھی یہی بات ہے کیونکہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ معلوم جس طرح پر ہو علم بھی اس کے مطابق ہوتا ہے علم کو اس بات سے کوئی دخل نہیں کہ ایک شئے کے آج کے روز پیدا ہونے کا باعث ہو اور ایک کے کل پیدا ہونیکا موجب ہو۔ دنیا کی جس قدر چیزیں ممکن ہیں وہ زید کے ساتھ اس امر میں برابر ہیں کہ زید نہ ہو بلکہ ان میں سے کوئی ایک ہو اس میں علم کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتا خدا جانتا ہے کہ اس وقت میں زید کی بجائے ممکنات میں سے ہر ایک میں سے موجود ہونے کی قابلیت ہے سو جب خدا اور قدرت اور علم ان میں سے کوئی کوئی مرجح نہ ہو سکا تو ثابت ہوا کہ اس بات کا مرجح خدا کا ارادہ ہے۔ جب خدا کا ارادہ ایک کام کو ایک وقت میں کرنے کا ہوتا ہے تو اس کام کی تعین کے ساتھ علم بھی فورا متعلق ہو جاتا ہے۔

کسی چیز کے ایک خاص وقت میں پیدا کرنے کی علت ارادہ ہوتا ہے اور علم اس کے ساتھ تابع کا حکم رکھتا ہے۔

اس جگہ ایک سوال وارد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ارادہ بھی قدرت کی طرح قدیم ہے اور اس کو بھی ہر ایک ممکن کے ساتھ مساوات کا علاقہ ہے تو پھر زید کے خاص وقت میں پیدا ہونے کے لئے کوئی اور مخصص اور مرجح ہوگا اور اس کے لئے اور ہوگا وعلیٰ ہذا یہ تسلسل ہے جو محال ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ زید کے خاص وقت میں پیدا ہونے کی علت خدا بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ایک تو اس وجہ سے اس کو سب ممکنات سے مساوات کی نسبت ہے دوسرے یہ خود قدیم ہے۔ اور اگر یہ زید کی علت ہو تو زید کا بھی قدیم ہونا لازم آئے

Marfat.com

گا۔ اور قدرت بھی علت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ اس کو بھی سب کے ساتھ ایک ہی نسبت ہے ارادہ بھی علت نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہ بھی قدیم ہے اور وقتوں اور دیگر اشیاء کے ساتھ ایک ہی نسبت رکھتا ہے۔

جس وقت زید پیدا ہوا ہے۔ اس کی جگہ عمر کے پیدا ہونے کے ساتھ خدا کا ارادہ متعلق ہو سکتا تھا یا نہیں دوسری شق تو باطل ہے اور جب متعلق ہو سکتا تھا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اس وقت تو زید پیدا ہوا ہے اور عمر نہیں ہوا۔

یہ سوال ہے جس نے دنیا کو حیران کر رکھا ہے۔ اب اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ لوگوں کے اس میں کئی فرقے ہیں۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ نظام عالم کو صرف خدا نے ہی پیدا کیا ہے اس کے سوا قدرت علم اور ارادہ وغیرہ کو اسکی پیدائش میں مطلق دخل نہیں اور نہ ان صفات کی کوئی حقیقت ہے۔ یا خدا ہے یا نظامِ عالم۔ جو صفات اسکے لیے تراشی جاتی ہیں وہ سب اس کے ساتھ متحد ہیں۔ اور چونکہ خدا قدیم ہے لہٰذا نظام عالم بھی قدیم ہے۔ نظام عالم کو خدا کے ساتھ وہ نسبت ہے جو معلول کو اپنی علت کے ساتھ اور روشنی کو آفتاب کے ساتھ اور سایہ کو اس چیز کے ساتھ جس کا سایہ ہے نسبت ہوتی ہے۔

معتزلہ کا قول ہے کہ نظام عالم حادث ہے اور اس کے حدوث کا باعث خدا کا ارادہ ہے اور وہ بھی حادث ہے مگر یہ خدا کے ساتھ قائم نہیں۔

ایک اور گروہ ہے جو معتزلہ کا ہم خیال ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہ ارادہ کو خدا کے ساتھ قائم جانتا ہے۔ اہل حق (اہل السنۃ والجماعت) کہتے ہیں کہ خدا کے سوا اس کے ارادہ کو بھی نظام عالم کے پیدا کرنے میں دخل ہے اور خدا کی طرح وہ بھی قدیم ہے مگر نظام عالم خدا کا فعل ہے اور فعل کے یہ معنی ہیں کہ ایک چیز ایک وقت میں ہو اور دوسرے وقت میں ہو۔

اگر نظام عالم قدیم ہوا تو اسکو خدا کا فعل کہنا درست نہ ہوگا علاوہ ازیں اصل اعتراض کا جواب فلاسفہ نے نہیں دیا کیونکہ خدا کو جملہ اشیاء کے ساتھ ایک نسبت ہے یہ بھی ممکن تھا کہ نظام عالم کی اس خاص وضع اور مقدار کی بجائے اسکی نقیض موجود ہوتی پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ جس طرح ہم دیکھ رہے ہیں کائنات کا سلسلہ موجود ہوا ہے اور اس کے خلاف وقوع میں نہیں آیا۔

نیز ان پر دو اور بڑے سنگین اعتراض آتے ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب تہافتہ

الفلاسفہ میں بھی بیان کیا ہے۔
ایک اعتراض یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ مسلمہ امر ہے کہ کوئی آسمان مشرق سے مغرب کو حرکت کرتا ہے اور کوئی مغرب سے مشرق کو چلتا ہے اب سوال یہ ہے کہ جو مشرق سے مغرب کو حرکت کرتا ہے اس کا مغرب سے مشرق کو حرکت کرنا اور جو مغرب سے مشرق کو چلتا ہے اس کا مشرق سے مغرب کو چلنا بھی ممکن تھا۔ یہ کس چیز کا تقاضا ہے کہ ہر ایک آسمان خاص خاص سمت کو چلتا ہے اگر کیونکہ خدا کا تقاضا ہے تو وہ قدیم ہے اس کو سب اشیاء کے ساتھ نسبت برابر ہے پس ثابت ہوا کہ بغیر خدا کے کوئی طاقت ہے جو آسمان کو خاص خاص او ضاع پہ چلاتی ہے۔
اور ایک اعتراض فلاسفہ یہ آتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ مسلمہ امر ہے کہ نواں آسمان دیگر سب آسمانوں کو رات دن میں ایک دفعہ اپنے ساتھ چکر دیتا ہے اور یہ کہ وہ دونوں قطبوں پہ حرکت کرتا ہے جن میں سے ایک کا نام قطب شمالی ہے اور دوسرے کا نام قطب جنوبی۔ اور قطب ان دو لفظوں کا نام ہے جو باہم متقابل ہوتے ہیں اور جب کرّہ اپنے آپ پر حرکت کرتا ہے تو وہ ساکن رہتے ہیں سوال یہ ہے کہ آسمان کے اجزا متشابہ ہوتے ہیں اور اس کی ہر ایک جزو میں قطب بننے کی قابلیت ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اسکی شمالی اور جنوبی سمت تو قطب بن گئی اور باقی اجزاء قطبیت سے محروم رہ گئیں اس سے پایا جاتا ہے کہ خدا کے بغیر کوئی اور زبردست قوت ہے جو اس کی بعض اجزاء کو قطب بناتی ہے اور بعض کو نہیں بننے دیتی۔ وہ کیا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ ہے۔
معتزلہ پر دو زبردست سوال وارد ہوتے ہیں ایک یہ کہ جب خدا کا ارادہ حادث ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ قائم ہے تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ خدا نے نظام عالم کو ایسے ارادہ سے پیدا کیا ہے جو کسی اور چیز میں پایا جاتا ہے۔ یہ نہایت تعجب انگیز بات ہے کہ جس کا ارادہ ہے وہ ارادہ سے خالی ہے اور اس کا ارادہ کسی اور چیز میں ہے یہ ایسی لغو بات ہے جس پر بچے بھی ہنستے ہیں اور ایک سوال ان پر یہ آتا ہے کہ خاص وقت میں ارادہ کے حادث ہونے کا باعث اگر کوئی اور ارادہ ہے تو اس کی بابت سوال ہے کہ اس کے حدوث کی کیا علت ہے گر اور ارادہ ہے تو اس میں وہی کلام ہے۔ اگر اسی طرح یکے بعد دیگرے ارادہ سے نکلتے گئے تو تسلسل لازم آیگا اور وہ محال ہے اور اگر وہ بدوں کسی علت کے خود بخود حادث ہوا ہے تو ممکن ہے کہ نظام عالم بھی بدوں ارادے کے خود بخود حادث ہوا اور

Marfat.com

اس کو اپنے حدوث میں ارادہ وغیرہ کی احتیاج نہ ہو جو لوگ معتزلہ کے ہم خیال ہیں ان پر اگر چہ پہلا اعتراض جو معتزلہ پر وارد ہوتا تھا وارد نہیں ہوا لیکن ان پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر خدا کا ارادہ جو بقول آپ کے حادث ہے خدا کے ساتھ قائم ہو تو خدا کا حوادث کا محل ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ جو چیز کہ حوادث کے لئے محل ہو وہ ان سے پہلے آپ ہی حادث ہوتی ہے علاوہ ازیں جو دوسرا اعتراض معتزلہ پر وارد ہوتا ہے ان پر بھی وارد ہوگا۔

اہل حق کہتے ہیں دنیا کی سب چیزیں خدا کے ارادہ سے موجود ہوئی ہیں اور خدا اور ارادہ دونوں قدیم ہیں۔ ارادہ کے قدیم ہونے پر جو یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جب ارادہ قدیم ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ دنیا کی چیزیں اپنے اپنے وقتوں میں موجود ہوئی ہیں۔ کیونکہ ارادہ قدیم کو سب کے ساتھ ایک نسبت ہے یہ ارادہ کے معنے نہ سمجھنے پر مبنی ہے اگر ارادہ کا مفہوم سمجھ میں آ جائے تو یہ غلط فہمی فوراً رفع ہو سکتی ہے۔

ارادہ ایسی صفت کا نام ہے جو ایک چیز کو دوسری چیز سے تمیز کر دے یعنی اسکا ذاتی تقاضا ہو کہ یہ چیز فلاں وقت میں پیدا ہونی چاہیئے اور یہ فلاں وقت میں۔

اب معترض کا یہ کہنا کہ ارادہ بعض چیزوں کو بعض سے کیوں تمیز کرتا ہے ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ علم معلوم کے منکشف ہونے کا باعث کیوں ہے یا قدرت کیوں قدرت ہے یا ارادہ کیوں ارادہ ہے جیسے یہ کہنا لغو ہے ویسے ارادہ کی تمیز کے بارہ میں سوال کرنا فضول ہے۔

ہر ایک گروہ کو مجبور ہو کر ایسی صفت کا اقرار کرنا پڑتا ہے جو دنیا کی چیزوں کے خاص خاص وقتوں میں پیدا ہونے کا باعث ہو اور وہ ارادہ ہے مگر جب کہ بعض مذاہب والوں نے اس کو حادث قرار دیا ہے اس میں انہوں نے سخت غلطی کی ہے حق بات اگر ہے تو اہل حق کو معلوم ہوئی ہے کہ ارادہ قدیم ہے اور باوجود قدیم ہونے کے کائنات عالم کا خاص خاص وقتوں میں موجود ہونے کا باعث ہے اہل حق کی اس تقریر سے پچھلے سارے اعتراض بھی رفع ہو جاتے ہیں اور اصل اعتراض کا جواب بھی کامل طور پر ہو جاتا ہے نظام عالم میں جس قدر چیزیں ہیں سب کے ساتھ ارادہ کا تعلق ہے کیونکہ کوئی چیز بھی ہو بغیر خدا کی قدرت کے موجود نہیں ہو سکتی اور قدرت تب اثر کر سکتی ہے جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا خدا کا ارادہ ہو پس ثابت ہوا کہ ہر ایک چیز کے ساتھ ارادہ لگا ہوا ہے حتیٰ کہ نیکی بدی۔ کفر شرک

Marfat.com

وغیرہ بھی اس کے ارادے سے باہر نہیں۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ برے کاموں مثلاً زنا کاری، چوری، قتل، شراب نوشی، وغیرہ میں خدا کے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ بدافعال اس کی مرضی کے خلاف ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ برائیاں نیکیوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ پس معتزلہ کو ماننا پڑے گا کہ جن امور سے خدا ناراض ہے اور ان کے روکنے سے عاجز ہے وہ ان امور سے زیادہ ہیں جن پر وہ راضی ہے۔ یہ خدا کی قدرت پر سخت حملہ کرنا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اچھے اور برے کاموں کو خدا کا ارادہ شامل ہو تو یہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ برے کاموں پر بھی راضی ہے اور پھر لوگوں کو ان سے منع کیوں کرتا ہے اور برے کاموں کے مرتکب ہونے پر دوزخ کی دھمکیاں کیوں دیتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم آگے اپنے موقع پر حسن و قبح کے بیان کے ضمن میں ثابت کر دیں گے کہ برے کاموں کا ارادہ اور چیز ہے اور ان کے ارتکاب پر رضامندی اور بات ہے۔

سمع و بصر خدا تعالیٰ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے اور اس دعویٰ پر نقلی اور عقلی دونوں طرح کے دلائل ہمارے پاس موجود ہیں نقلی یہ ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے) اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ سنتا اور دیکھتا ہے قرآن مجید میں خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول یوں نقل کرتا ہے۔ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا (تو ایسے خدا کی کیوں پرستش کرتا ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ تم کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ایسے خدا کی پرستش مطلوب بھی جو سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ ان دو آیتوں میں سمع اور بصر سے مراد علم ہے نہ کہ سننا اور دیکھنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنے تب اختیار کئے جاتے ہیں جب اصلی معنے اختیار کرنے میں کوئی نقص لازم آئے اور جہاں نقص کا احتمال نہ ہو وہاں اصلی معنے ترک کر کے مجازی معنے اختیار کرنا اہل لغت کے نزدیک سخت جرم کا مرتکب ہونا ہے تو جب سمع اور بصر کے اصلی معنے اختیار کرنے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی تو ان لفظوں سے علم کا ارادہ کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ ہر جگہ پر ایک سوال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس جگہ سمع اور بصر اگر حادث ہو تو خدا کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا۔ اور اگر قدیم ہو تو جب

Marfat.com

ازل میں نظام عالم موجود نہ تھا تو خدا کس کی آواز کو سنتا اور کس کو دیکھتا تھا جب آواز اور دکھائی دینے والی چیزیں ازل میں موجود نہ تھیں تو خدا کا سننا اور دیکھنا کیونکر قابل تسلیم ہوسکتا ہے یہ سوال معتزلہ اور فلاسفہ اہل حق پر کیا کرتے ہیں اور ہم ہر ایک کو جواب دیتے ہیں معتزلہ چونکہ نظام عالم کو حادث مانتے ہیں اس لئے ان کو ماننا پڑتا ہے کہ خدا حوادث کو جانتا ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جب ازل میں نظام عالم موجود نہ تھا تو خدا کس چیز کا عالم تھا اس کو کیونکہ علم تھا کہ کسی وقت نظام عالم میری قدرت سے عالم وجود میں آئیگا اگر معتزلہ اس کا یہ جواب دیں کہ ازل میں علم کی صفت خدا کے ساتھ قائم تھی جس کی وجہ سے جب نظام عالم موجود نہ تھا تو وہ اس کو اس طور پر جانتا تھا کہ ایک وقت میں اس کو پیدا کروں گا اور جب موجود ہوا ہے تو اس طرح جانتا ہے کہ اب موجود ہے تو سمع اور بصر میں بھی یہ تو جیہ ہوسکتی ہے پھر اسکا کیوں انکار کیا جاتا ہے اور فلاسفہ اس بات کو نہیں مانتے کہ خدا کو حوادث کا اس طرح علم ہو کہ فلاں چیز زمانہ ماضی میں موجود ہوئی ہے اور فلاں مستقبل میں ہوگی اور یہ چیز اب موجود ہے اس کا علم زمانہ کی حیثیات سے پاک ہے اور وہ ہر ایک چیز کو بلا قید زمانہ جانتا ہے مگر ہم آگے چل کر ایسے نہ بردست دلائل سے خدا کا حوادث کا عالم ہونا ثابت کریں گے کہ فلاسفہ کو بجز تسلیم کے اور کوئی راستہ ہے۔........اور فلاسفہ کا عالم ہونا ثابت ہو جائیگا اور ثابت اس طرح ہو گا کہ اس کا علم قدیم ہے اور حوادث کے ساتھ بھی متعلق ہے تو سمع اور بصر کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

عقلی دلیل خدا کے سمیع اور بصیر ہونے پر یہ ہے کہ یہ مسلمہ امر ہے کہ خالق مخلوق سے تمام امور کے لحاظ سے کامل بلکہ اکمل ہونا چاہیئے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دیکھنے والا اندھے سے اور سننے والا بہرے سے کامل ہوتا ہے تو جب مخلوق کے لیے یہ دونوں صفتیں موجود اور ثابت ہیں تو خالق کے لئے ان کا وجود کیوں محال ہوگا اس بات کا تو کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ خالق کا مخلوق سے اکمل ہونا ضروری ہے باقی رہا دوسرا امر یعنیہ دیکھنے والا اور سننے والا اندھے اور بہرے سے اچھا ہوتا ہے یہ بھی مشاہدہ پر موقوف ہے اگر علم انسان کے لئے کمال ہے تو سمع اور بصر بھی کچھ کم نہیں ایک شخص بغیر دیکھے ایک چیز کو جانتا ہے مگر جب اس کو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر لیتا ہے تو بے شبہ اس کے علم میں اضافہ ہو جاتا ہے حاصل یہ کہ جب دیکھنا اور سننا بھی کمال کی ایک قسم ہے تو مخلوق کے لئے اس کا جائز ہونا اور خالق کے لئے اس کا محال ہونا لغو اور فضول ہے۔

Marfat.com

اس جگہ ایک سوال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر خدا آنکھوں سے دیکھتا ہے اور کانوں سے سنتا ہے تو ناک سے سونگھتا اور ہاتھ سے ٹٹولتا اور زبان سے چکھتا بھی ہوگا کیونکہ جیسا کہ دیکھنا اور سننا مخلوق کے لئے باعث کمال ہے سونگھنا ٹٹولنا اور چکھنا بھی کم نہیں جو شخص خوشبو کو بذریعہ تعریف جانتا ہے اس سے وہ شخص بہت بڑھا ہوا ہوگا جس کو سونگھنے کے ذریعہ علم حاصل ہوا اسکا جواب یہ ہے کہ بیشک خدا کو سب قسم کے علوم حاصل ہیں وہ یہ دیکھتا بھی ہے سنتا ہے اور سونگھتا بھی ہے ٹٹولتا بھی ہے اور چکھتا بھی ہے۔ مگر ہم میں اور اس میں فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے ادراکات لے لئے خاص اسباب مقرر کئے گئے ہیں جن کے بغیر ہم کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے۔ مثلاً آنکھوں کے بغیر ہم کسی شئے کو نہیں دیکھ سکتے اور کانوں کے بغیر سن نہیں سکتے۔ اسی طرح زبان کے بغیر کسی چیز کا میٹھا یا کڑوا ہونا معلوم نہیں کر سکتے اور ہاتھوں کے بغیر ٹٹول نہیں سکتے۔ ناک کے بغیر خوشبو یا بدبو کا امتیاز نہیں کر سکتے۔ نیز جو اسباب جس جس غرض کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان سے ہم دوسرا کام نہیں کر سکتے۔ مثلاً کانوں سے ہم دیکھ نہیں سکتے اور آنکھوں سے سن نہیں سکتے۔ مگر خدا تعالیٰ ان اسباب کا محتاج نہیں وہ بغیر آنکھوں کے دیکھتا اور بغیر کانوں کے سنتا ہے۔ اسی طرح بغیر ناک سونگھتا اور بغیر ہاتھوں کے ٹٹولتا ہے۔ اور بغیر زبان کے چکھتا ہے۔ ہمارے روزمرہ کے مشاہدے میں چونکہ بغیر اسباب یہ ادراک حاصل نہیں ہوتے اس لئے خدا کے لئے بغیر ان کے ان ادراکات کا حاصل ہونا بعید معلوم ہوتا ہے اگرچہ خدا میں یہ سب ادراکات پائے جاتے ہیں مگر چونکہ شریعت میں علیم اور سمیع وبصیر کے بغیر اور کوئی لفظ نہیں آیا اس لئے ان تین الفاظ کے بغیر خدا پر کسی اور لفظ کے اطلاق کے ہم مجاز نہیں ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ پھر خدا کو لذت اور درد کا بھی احساس ہوگا۔ کیونکہ جس شخص کو مارنے سے درد محسوس نہ ہو ناقص ہوتا ہے اسی طرح مرد زادو نامرد کو جماع سے لذت کا ادراک نہیں جو اس کے لئے موجب نقص ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ لذت اور تکلیف کا احساس علاوہ حادث ہونے کے کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ یہ سراسر نقص اور کمزوری کی علامت ہے۔ کون نہیں جانتا کہ تکلیف کا محسوس ہونا نقص ہے اور ضرب کا محتاج ہے۔ جو بدن میں تاثیر کرتی ہے اسی طرح لذت تام سے کسی تکلیف کے زائل ہو جاتے کا یا ایسی چیز کے حاصل ہونے کا۔ جس کا حد سے زیادہ شوق ہو اور اس کے حاصل ہونے کی احتیاج ہو اور شوق اور احتیاج نقص ہے اسی

Marfat.com

طرح شہوت کا معنے ہیں مناسب طبیعت چیز کو طلب کرنا اور کسی چیز کا طلب کرنا تب ہو سکتا ہے جب وہ چیز طالب کے پاس موجود نہ ہو اور خدا تعالیٰ میں حوادث کا نام و نشان ہے اور نہ اس میں کسی قسم کے نقص کی گنجائش ہے اور نہ کسی چیز کی کمی ہے۔ تاکہ جب اس کو مطلوبہ چیز مل جائے تو اس کو راحت اور لذت حاصل ہو۔

نیز اگر تکلیف کا محسوس ہونا اور مرغوب چیز کے حصول پر نفس کو حظ حاصل ہونا کمال ہے تو ان کی کمالیت ان کی اضداد کے مقابلہ میں ہے ورنہ علوم کی مانند ان کو ذات میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی اور خدا کی وہ صفات ہیں جن کے اندر ہزار ہا خوبیاں بھری ہوئی ہیں پس ثابت ہوا کہ ایسی لغو اور فضول صفات کے ساتھ خدا کو موصوف کہنا سخت بے شرمی ہے۔

کلام جمیع مسلمانوں کے نزدیک یہ مسلم بات ہے کہ خدا متکلم ہے بعض لوگوں نے خدا کے متکلم ہونے کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ خدا کی مخلوق امر و نہی کی محتاج ہے یعنے اس کو اپنی ضروریات کے لئے کلام کی ضرورت پڑتی ہے اور جو چیز مخلوق میں پائی جاتی ہو خالق میں اس کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے مگر ان کی یہ دلیل درست نہیں کیونکہ مخلوق کے امور اور منہی ہونے کے اگر یہ معنے ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے آمر و ناہی اور مامور و منہی ہیں، تو اس کے ساتھ ہم بھی متفق ہیں مگر اس سے خدا کا متکلم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اگر یہ مطلب ہے کہ خدا کی طرف سے لوگ مامور اور منہی ہیں تو جو شخص خدا کا متکلم ہونا تسلیم نہیں کرتا تو وہ اس کو آمر و ناہی ہونے کو کیونکر تسلیم کرے گا۔

بعض لوگ یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ تمام امت کا اجماع ہے کہ خدا متکلم ہے اور نبی علیہ السلام کے اقوال نے بھی اس کے متکلم ہونے کا ثبوت ملتا ہے مگر جس شخص کے نزدیک خدا متکلم نہیں اس کے نزدیک اجماع اور رسول علیہ السلام کے اقوال کچھ وقعت نہیں رکھتے اجماع تو اس لئے کہ یہ رسول علیہ السلام کے قول پر مبنی ہوتا ہے۔ اور جب ان کے نزدیک رسول علیہ السلام کے قول کا کوئی اعتبار نہیں تو اجماع کا کیا اعتبار ہوگا۔ اور قول رسول علیہ السلام رسول کا اعتبار اس کے نزدیک اس واسطے نہیں کہ اس کے نزدیک رسول کوئی چیز نہیں کیونکہ رسول کے معنے ہیں خدا کا کلام لوگوں کو پہنچا دینے والا اور جب خدا کا کلام ہی نہیں تو اس کی تبلیغ کے کیا معنے۔

خدا کے متکلم ہونے کے ثبوت میں وہی طرف اختیار کرنی چاہئیے جو ہم نے اس

Marfat.com

کے سمیع وبصیر ہونے کے ثبوت میں اختیار کی ہے وہ یہ کہ کلام بھی مثل دیگر عمدہ چیزوں کے کمال کی قسم ہے اور جب مخلوق میں یہ کمال پایا جاتا ہے تو خالق میں بطریق اولیٰ پایا جائے گا بلکہ اس کا کلام مخلوق کے کلام سے کئی درجہ عمدہ اور فصیح و بلیغ ہوگا۔

اس جگہ ایک سوال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ جس کلام کے لحاظ سے آپ نے خدا کو متکلم کہا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ اگر اصوات اور حروف مراد ہیں تو یہ حادث ہیں اگر خدا کے ساتھ قائم ہے تو خدا کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا۔ اور اگر کسی اور چیز کے ساتھ قائم ہے تو متکلم بھی وہی چیز ہوگی کیونکہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اصوات وحروف قائم تو کسی اور چیز کے ساتھ ہوں اور متکلم خدا ہو اور اگر اس سے وہ قدرت مراد ہے جو اصوات اور حروف کو متکلم میں پیدا کرنے کی قدرت ہے تو یہ بیشک ایک کمال ہے مگر کسی چیز کو صرف اس کے اصوات اور حروف کے ایجاد پر قادر ہونے سے متکلم نہیں کہا جاتا جب تک وہ اپنے آپ میں اصوات وحروف پیدا کرنے پر قادر نہ ہو اور بیشک دوسری چیزوں میں اصوات وحروف پیدا کرنے پر قادر ہے مگر اپنے آپ میں اصوات وحروف کو پیدا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ حادث ہیں اور وہ محل حوادث نہیں۔

اور اگر کوئی اور معنے مراد ہیں تو جب تک ہم کو ان کی خبر نہ ہو ہم ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس کلام کے لحاظ سے ہم خدا کو متکلم کہتے ہیں اس سے نہ اصوات وحروف مراد ہیں اور نہ قدرت مراد ہے بلکہ اس سے تیسرے معنے مراد ہیں جن کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان دو اعتبار سے متکلم کہلاتا ہے ایک تو اصوات اور حروف کے اعتبار سے اور ایک کلام نفسی کے لحاظ سے جو نہ صوت ہے اور نہ حرف ہے اور اگرچہ کلام کی پہلی قسم بھی ایک کمال ہے مگر کلام نفسی کمال ہونے میں اس سے آگے ہے خداوند کریم میں اسکا پایا جانا ہرگز محال نہیں ہے اور نہ ہی یہ حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

کلام نفسی کے وجود سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ محاورہ میں عام طور پر کہا جاتا ہے۔ فِیْ نَفْسِ فُلَانٍ کَلَامٌ یُرِیْدُ اَنْ یَّنْطِقَ بِہٖ (فلاں شخص کے نفس میں کلام ہے وہ چاہتا ہے کہ اسے ظاہر کرے) ایک اور شاعر کہتا ہے۔

ان الکلام لفی الفؤادِ و انما جعل اللسان علی الفؤادِ دلیلا

Marfat.com

کلام کا اصلی مقام تو دل ہے اور زبان تو صرف دل کی بات ظاہر کرنے کا ذریعہ ہے۔)

شاعر کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام نفسی بھی کوئی حقیقت اپنے اندر رکھتا ہے اس جواب پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ کلام نفسی کے ہم قائل ہیں مگر خدا کے لیے کلام نفسی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ جو کلام نفسی انسانوں میں پایا جاتا ہے جب ہم غور و فکر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف چند علوم کا نام ہے جو ذہن میں پیدا ہوتے ہیں کلام کرنے سے پہلے انسان کے ذہن میں الفاظ اور معانی کو خاص طرز پر ترتیب دینے کا تصور آیا ہے اور پھر ان کو کلام لفظی کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔

الغرض ذہن میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ معانی وہ الفاظ جن کے معانی معلوم ہوتے ہیں معانی اور الفاظ کو خاص طرز پر ترتیب دینا جس کو فکر کہتے ہیں اور انکے علاوہ ذہن میں ایک قدرت بھی ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ ان کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ جس کو قوت مفکرہ کہتے ہیں سو اگر کلام نفسی سے مراد یہ علوم ہیں یا فکر اور یا قوت مفکرہ ہے تو ان میں سے بعض ایسی چیزیں ہیں جو خدا میں نہیں پائی جاتیں مثلاً اصوات کیونکہ یہ حادث ہیں اور خدا میں حوادث کا وجود محال ہے اور بعض اس میں پائی جاتی ہیں مثلاً علم قدرت اور ارادہ۔ اور اگر کوئی اور معنے مراد ہیں تو جب تک ہم کو ان کا علم نہ ہو ان کے بارے میں ہم کچھ رائے قائم نہیں کر سکتے۔

کلام یا امر ہوتا ہے یا نہی یا خبر۔ ایسا کلام ہوتا ہے جو خبر دینے والے کے مافی الضمیر پر دلالت کرتا ہے جو شخص ایک چیز کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس پر دلالت کرنے کے لیے فلاں لفظ واضع لغت نے مقرر کیا ہے تو اپنے مقصود کو لفظی پیرایے میں ظاہر کرنے پر اس کو قدرت ہوتی ہے اور امر یہ ظاہر کرتا ہے کہ متکلم مخاطب سے کوئی چیز طلب کرتا ہے اور نہی کو اسی پر قیاس کر لو۔

الغرض اگر کلام نفسی سے مراد یہ چیزیں ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں تو ان میں سے بعض خدا میں نہیں پائی جاتیں اور اگر کوئی اور چیز مراد ہے تو اسکا بیان کرنا ضروری ہے تاکہ ہم اس پر کافی غور کر سکیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کلام نفسی سے جو معنے ہم مراد لیتے ہیں وہ ان امور سے جو معترض نے بیان کیے ہیں الگ ہیں اور ہم اس کو صرف کلام کے قسم امر کے ضمن میں بیان کرتے ہیں تاکہ تقریر بہت طویل نہ ہو جائے جب آقا اپنے نوکر سے کہتا ہے کھڑا ہو جا تو

Marfat.com

یہ صیغہ امر ایک ایسے معنے پر دلالت کرتا ہے جو آقا کے دل میں ہوتا ہے یہ معنے ان چیزوں سے بالکل الگ چیز ہے جو معترض نے طرح طرح کی طویل طویل تقسیموں کے ضمن میں بیان کی ہیں۔ اسی کا نام کلام نفسی ہے اور اسی کے لحاظ سے ہم خدا کو متکلم کہتے ہیں صیغہ امر سے مراد اس کا معنی پر دلالت کرنا یا جو کچھ آمر نے کہا ہے اس کی اطاعت کرنا مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کا کام صرف اس مفہوم پر دلالت کرنا ہوتا ہے جو آمر کے دل میں ہوتا ہے۔ کیونکہ معنے پر دلالت کرنا ہر ایک لفظ کا ذاتی تقاضا ہوتا ہے اس میں متکلم کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آمر یہ نہیں چاہتا کہ اس کے امر کی اطاعت کی جائے بلکہ اس کی غرض عدم اطاعت ہوتی ہے جیسے ایک شخص نے کسی بادشاہ کے نوکر کو مارا اور بادشاہ اس کو اس جرم میں قتل کی دھمکی دیتا ہے اور وہ اپنی بریت کے واسطے یہ عذر پیش کرتا ہے کہ اس نے میری نافرمانی کی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کے روبرو میں اس سے کسی بات کا امر کرتا ہوں مگر یہ اسکی پیروی نہ کرے گا، چنانچہ وہ نوکر کو کہتا ہے کھڑا ہو جاؤ اب ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا صیغہ امر سے اس کی یہ غرض نہیں کہ وہ کھڑا ہو جائے بلکہ اس کی مرضی یہ ہے کہ وہ کھڑا نہ ہوتا کہ بادشاہ کے آگے اس کا عذر ثابت ہو جائے اور وہ بری ہو جائے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اگرچہ بظاہر یہ امر ہونا دو طرح پر ثابت ہے اول یہ کہ اگر یہ صیغہ امر کا نہ ہوتا تو ملزم بادشاہ کے آگے اس طرح اپنی بریت کا عذر نہ پیش کرتا کہ نوکر نے میری نافرمانی کی ہے، چنانچہ اب بھی میں اس کو امر کرتا ہوں مگر یہ میری بات نہیں مانے گا۔ بلکہ اس وقت اس کو یہ کہا جاتا ہے کہ اپنے عذر میں تجھ کو امر کا صیغہ پیش کرنا جائز ہے کیونکہ اس صیغے کے معنی ہوتے ہیں اطاعت کرنا اور اگر نوکر تیرے امر کی اطاعت کرے تو اس سے تجھ پر جرم ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ تو نے اس کو مارنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس نے تیرے امر کی نافرمانی ہے۔ حالانکہ اس وقت اس نے تیرے امر کی پوری پوری اطاعت کی ہے۔ دوم یہ کہ اگر یہ شخص علماء سے استفسار کرے کہ میں بادشاہ کے روبرو جب مجھے اس جرم میں دھمکی دی گئی تھی کہ میں نے بادشاہ کے نوکر کو مارا ہے نوکر کو امر کیا کہ کھڑے ہو جاؤ تو وہ کھڑا نہ ہوا۔ اور اگر میں اس میں جھوٹا ہوں تو میری عورت بجھ پر تین طلاق سے حرام ہے۔ تو سب علماء یہ فتویٰ دیں گے کہ اس کی عورت کو طلاق واقع نہیں۔ کیونکہ اس شخص نے بادشاہ کے نوکر کی نافرمانی صیغہ امر کے ذریعہ ظاہر کر دی ہے یہ کوئی عالم نہ کہے گا کہ جس کو امر کہتا ہے وہ صیغہ امر

Marfat.com

نہیں۔ کیونکہ صیغہ امر اطاعت پر دلالت کرتا ہے اور متکلم کی یہ غرض نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ کلام نفسی اور عقائد وغیرہ سے جدا چیز ہے جو خدا میں پایا جاتا ہے اور جس کے لحاظ سے ہم خدا کو متکلم کہتے ہیں۔

حروف بیشک حادث ہیں اور کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ قدیم ہے اور حروف اور کلام نفسی آپس میں متحد نہیں کیونکہ دال اور مدلول جدا جدا چیزیں ہوتی ہیں اور اگرچہ حروف کی دلالت کلام نفسی پر ذاتی دلالت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا جو مدلول کی صفات ہیں وہی دال کی بھی ہوں۔ نظام عالم خلاق اکبر اور صانع حقیقی پر دلالت کرتا ہے اور اس کو دیکھ کر ہمیں اس کا یقین ہو جاتا ہے مگر وہ قدیم بالذات ہے اور نظام عالم حادث ہے اسی طرح اگر حروف کلام نفسی پر دلالت کرت ہیں تو اس میں کون سی قباحت لازم آتی ہے اصل میں اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ کلام نفسی کا سمجھنا ہر ایک کے ذمہ کام نہیں اس کے لیے بہت سی دماغی قابلیت چاہیئے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی۔

خدا کے متکلم ہونے پر علاوہ ان اعتراضات کے جو پہلے بیان ہو چکے ہیں چند اور اعتراضات لازم آتے ہیں جن کا ہم علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں اور ہر اعتراض کا جواب بھی اس کے ساتھ ہی دیں گے۔ اعتراضات یہ ہیں۔

اعتراض اوّل

موسیٰ علیہ السلام نے خدا کا کلام اگر آواز اور حروف کی شکل میں سنا ہے تو انھوں نے خدا کا کلام نہیں سنا کیونکہ خدا کا کلام آواز و حروف نہیں اور اگر آواز حروف کو نہیں سنا تو کچھ نہیں سنا۔ کیونکہ سننا اسی چیز پر بولا جاتا ہے جو آواز و حروف پر مشتمل ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ نے خدا کا وہ کلام سنا ہے جو قدیم ہے اور خدا کے ساتھ قائم ہے اور جو آواز اور حروف پر مشتمل نہیں اور معترض کا یہ کہنا کہ سننا اسی چیز پر بولا جا سکتا ہے۔ جو آواز اور حروف کی جنس میں سے ہو۔ یہ ایسا سوال ہے جس کو سائل نے بھی نہیں سمجھا جس کا جواب نہیں ہو سکتا کیونکہ سننا علم اور ادراک کی ایک قسم ہے تو اب معترض کا یہ کہنا کہ موسیٰ نے خدا کا کلام کس طرح سنا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی یہ کہے کہ تو نے زبان کے ذریعے قند کی حلاوت کو کیسے معلوم کر لیا ہے اس سوال کا جواب دو طرح پر ہو سکتا ہے ایک یہ کہ قند سائل کو دے دی جائے تا کہ وہ اپنی زبان پر رکھ کر اس کی حلاوت معلوم کر لے اور پھر اس کو کہا جائے کہ جس

Marfat.com

طرح تو نے اس کی حلاوت کو ادراک کر لیا ہے۔ اسی طرح میں نے بھی اس کی حلاوت کو محسوس کر لیا ہے۔ اور اگر قند موجود نہ ہو یا سائل میں قند کی حلاوت معلوم کرنے کی قوت ہی نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے قند کی حلاوت اس طرح معلوم کی ہے جیسے تو نے شہد کی حلاوت معلوم کی ہے مگر یہ جواب بعض وجوہ سے درست ہے اور بعض وجوہ سے درست نہیں درست تو اس واسطے ہے کہ اس جواب میں قند کی حلاوت کی تعریف ایسی چیز کے ساتھ کی گئی ہے جو مطلق حلاوت میں قند کے ساتھ شریک ہے اور غیر صحیح اس لیے ہے کہ قند کی حلاوت شہد کی حلاوت میں بہت فرق ہے۔ اور ان دونوں کا مطلق حلاوت میں ایسا ہی اشتراک ہے جیسے انسان اور حمار کا مطلق حیوانیت میں اشتراک ہے۔ اور اگر سائل کو اپنی عمر میں کسی شیریں چیز چکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو اس کا جواب اور بھی مشکل ہو جائے گا۔ اس کی مثال بعینہ عنین کی سی ہے جو خود تو لذتِ جماع سے محروم ہے اور دوسروں سے اس کی کیفیت دریافت کرتا ہے مگر اس کا کچھ جواب ہو سکتا ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ جماع سے لذت حاصل ہوتی ہے جو تم کو کسی نفیس چیز کے کھانے سے حاصل ہوتی ہے اس جواب میں اگر کوئی وجہ صحت کی ہے تو یہ ہے کہ جماع اور کسی نفیس چیز میں مطلق لذت میں اشتراک ہے ورنہ جماع اور نفیس چیز میں لذت کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے اور اگر عنین نے اپنی عمر مین کوئی لذیذ چیز کھائی ہو تو اس کا جواب اور بھی مشکل ہو جائے گا۔

اسی طرح جو شخص موسیٰ کے خدا کا کلام سننے کے بارے میں سوال کرتا ہے اس کی پوری تسلی تو تب ہو سکتی ہے جب ہم اس کو خدا کا کلام سنانے پر قادر ہوں اس وقت اس کو کوئی انکار خدا کے متکلم ہونے میں نہیں رہے گا مگر یہ بات ہماری قدرت میں نہیں ہے کیونکہ خدا کا کلام سننا یہ صرف موسیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس کے بعد اس کا جواب سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ خدا کا کلام ایسا ہے جیسا تمہارا اور دوسرے آدمیوں کا کلام ہے مگر یہ تشبیہ بھی صحیح نہیں کیونکہ آدمیوں کا کلام اصوات حروف پر مشتمل ہے اور خدا کا کلام اس سے بلند اور اعلیٰ ہے۔ اگر کوئی بہرہ ہم سے پوچھے کہ تم کس طرح آواز سن لیتے ہو تو اسکا جواب ہم نہیں دے سکتے کیونکہ اگر یہ کہیں کہ جیسے تم اشیاء کو دیکھ لیتے ہو اسی طرح ہم آواز کو سن لیتے ہیں تو یہ بالکل غلط جواب ہوگا کیونکہ کہاں کانوں سے سننا اور کہاں آنکھوں سے دیکھنا۔ آواز کو مبصرات کے ساتھ کوئی کسی قسم کی مشابہت نہیں بلکہ اگر کوئی کہے کہ خدا قیامت میں کیسے دیکھے گا تو یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب دینا محال ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کی کیفیت کے

Marfat.com

بارے میں سوال کرتا ہے جس کی کوئی کیفیت نہیں یہ ایسا ہی سوال ہے جیسا کوئی یہ کہے کہ خدا کس چیز کی طرح ہے۔ جب اس کی کوئی مثل نہیں تو یہ سوال کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ کس چیز کے مانند ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا ہی سرے سے کوئی چیز نہ ہو۔ اس طرح خدا کے کلام کی اصلیت معلوم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا کلام ہی کوئی نہ ہو بلکہ ہم کو اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کا کلام قدیم جیسے وہ خود بھی قدیم ہے اور جیسے اس کی روایت آدمیوں کی روایت کی مانند نہیں ہے ویسے اس کا کلام بھی آدمیوں کے کلام کے مانند آواز اور کلمات پر مشتمل نہیں ہے۔

اعتراض دوم

قرآن مجید انجیل اور توراۃ وغیرہ الہامی کتابوں میں خدا کا کلام لکھا ہوا ہے یا نہ اگر لکھا ہوا ہے تو خدا کے کلام نے جو قدیم ہے مصاحف میں جو کہ حادث ہیں کیونکر حلول کیا ہے اور اگر دوسری بات ہے تو یہ خلاف اجماع ہے کیونکہ سب لوگوں کا اجماع ہو چکا ہے کہ محدث کا قرآن کو ہاتھ لگانا ناجائز اور اس کی تعظیم و تکریم ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کا کلام مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور حفاظ کے دلوں میں محفوظ ہے اور کاغذات، سیاہی، اصوات و حروف وغیرہ یہ سب حادث ہیں۔ ہمارے اس کہنے سے کہ خدا کا کلام مصاحف میں لکھا ہوا ہے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی حقیقت بھی مصاحف میں موجود ہے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ آگ کا ذکر فلاں کتاب میں لکھا ہوا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ آگ کا جسم کتاب میں ہے کیونکہ اگر خود آگ کتاب میں حلول کرتی تو کتاب کہاں رہتی۔ اس کو تو آگ جلا کر راکھ بنا دیتی۔ اسی طرح جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے آگ کے متعلق کچھ ذکر کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے منہ میں آگ ہے۔ آگ ایک جسم ہے جس کا طبعی تقاضا حرارت ہے اور آگ کا یا نار کا لفظ صرف اس پر دلالت کرنے کے لیے واضع لغت نے مقرر کیا ہے اسی طرح حروف اور کلمات اور اصوات وغیرہ خدا کے کلام کے اظہار کرنے کا ذریعہ اور آلہ ہیں۔ اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ اس کا کلام بھی مصاحف میں موجود ہو۔ جیسے آگ پر دلالت کرنے والا لفظ کتاب میں موجود ہوتا ہے اور مدلول نہیں موجود ہوتا۔ ویسے مصاحف میں بھی خدا کے کلام پر دلالت کرنے والی چیزیں موجود ہوں گی نہ مدلول۔

Marfat.com

اعتراض سوم

قرآن خدا کا کلام ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو یہ اجماع کے خلاف ہے۔ اور اگر خدا کا کلام ہے تو قرآن، تو خاص حروف و کلمات ہی کو پڑھا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ تین الفاظ ہیں۔ قراۃ۔ مَقْرُو۔ قرآن۔ مقرو تو خدا کے کلام کا نام۔ جو ازل سے اس کے ساتھ قائم ہے اور اب متنازع فیہ بنا ہوا ہے۔ اور قراۃ کے معنی ہیں کسی چیز کو پڑھنا یہ قاری کا ایک فعل ہے جس کو ایک وقت وہ شروع کر کے دوسرے وقت میں ختم کر دیتا ہے یہ ایک حادث چیز ہے۔ کیونکہ حادث وہ چیز ہوتی ہے جس کا آغاز ہو۔ یہ تعریف قراۃ پر بھی صادق آتی ہے۔ قرآن سے کبھی مقرو مراد لیا جاتا ہے اور اس وقت قرآن کو غیر مخلوق اور قدیم کہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ مقرو جس کی تشریح ہم پہلے کر چکے ہیں۔ غیر مخلوق اور قدیم ہے جن بزرگوں نے قرآن کو غیر مخلوق اور قدیم کہا ہے انہوں نے قرآن معنی مقرو کو غیر مخلوق اور قدیم کہا ہے اور اس میں وہ حق بجانب تھے اور کبھی قرآن سے قراۃ مراد لی جاتی ہے ان معنی کے مطابق قرآن بے شک مخلوق اور حادث ہے اور جن علماء نے اس کے متعلق مخلوق اور حادث ہونیکا فتویٰ لگایا ہے اگر انہوں نے ان کے معنی کے مطابق یہ قول لکھا ہے تو وہ بھی حق بجانب تھے۔

اعتراض چہارم

تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ قرآن نبی ﷺ کا معجزہ ہے اور جب ہم قرآن بنظرِ غور دیکھتے ہیں تو اس میں سورتوں اور آیتوں کے بغیر جن کا آغاز اور انتہا ہے اور کوئی چیز نہیں پاتے۔ پس معلوم ہوا کہ خدا کا کلام حروف اور کلمات پر مشتمل ہے۔ کیونکہ کلام قدیم نہ سورتوں پر مشتمل ہے اور نہ آیات پر حاوی ہے۔ نیز وہ معجزہ بھی نہیں بن سکتا کیونکہ نبی پیغمبر کے ایسے فعل کا نام ہے جو خارق عادت ہو۔ اور افعال سب حادث ہوتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب قرآن قراۃ اور مقرو میں مشترک ہے یعنے کبھی اس سے قراۃ مراد ہوتی ہے اور کبھی مقرو پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ سلف صالحین رضی اللہ عنہم سے قرآن کو خدا کا کلام اور غیر مخلوق اور خدا کے مانند قدیم کہنے سے ثابت ہوتا ہے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ حروف اور کلمات سب حادث ہیں پس معلوم ہوا کہ قرآن سے مراد ان کی مقرو تھی۔ اور قراۃ پر اس کا اطلاق رسول ﷺ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے ما اذن

Marfat.com

اللہ شئی کاذنہ لنبی حسن الترنم بالقران جس طرح خدا نے رسول علیہ ﷺ کو قرآن میں حسن ترنم کی اجازت دی ہے اس طرح اور کسی چیز کی اجازت نہیں دی) اور ترنم حروف اور کلمات کی ہی صفت ہے۔ نیز بعض علما نے قرآن کو مخلوق مانا ہے اور اس میں سب کا اتفاق ہے۔ کہ قرآن نبی علیہ ﷺ کا ایک زبردست معجزہ ہے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ کلام قدیم کو معجزہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ صرف حروف اور کلمات پر یہ لفظ صادق آسکتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن قرآۃ اور مقرّ ر دونوں میں مشترک ہے ورنہ انکے اقوال میں سخت تعارض واقع ہوگا جو انکی شان کے بالکل خلاف ہے۔

جب قرآن کلام دونوں میں اشتراک ثابت ہوگیا تو اعتراض بالکل رفع ہوگیا۔ کیوں کہ جن لوگوں نے قرآن کو قدیم اور غیر مخلوق کہا ہے انہی نے قرآن بمعنی مقرر کو ایسا کہا ہے اور جو قرآن سورتوں۔۔۔۔۔۔اور آیتوں پر مشتمل ہے اور جس کو ہم معجزہ کہتے ہیں وہ قرآن معنے قرآۃ ہے۔

اعتراض پنجم

ہر ایک شخص جانتا ہے کہ خدا کا کلام سنا جاتا ہے ایک وصب آئمہ کا اس پر اجماع ہو چکا ہے اور دوم خدا فرماتا ہے۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللہِ اور جب خدا کے کلام مسموع ہونا ثابت ہوگیا تو یہ ظاہر ہے کہ سننا حروف اور کلمات پر صادق آسکتا ہے پس ثابت ہوا کہ خدا کا کلام حروف اور کلمات پر مشتمل ہے نہ یہ کہ اس کا کلام قدیم ہے اور اس کے ساتھ قائم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا آیت مذکورہ سے مشترک کا خدا کے کلام کو سننا ثابت ہوتا ہے اگر مشترک میں اس کلام میں سننے کی قابلیت ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کو طور پر سنا تھا تو لازم آیا کہ موسیٰ جیسا جلیل القدر پیغمبر ایک ادنیٰ مشترک کے برابر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کلام کو موسیٰ نے سنا تھا وہ اور کلام ہے اور مشترک جس کو سن سکتا ہے وہ جدا ہے۔

Marfat.com

اس باب کا دوسرا حصہ

اس حصے میں خدا کی صفات کے چار احکام بیان کیے جائیں گے

پہلا حکم

خدا کی جن سات صفتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ خدا کے ساتھ متحد نہیں جیسے اگر کوئی کہے کہ زید عالم ہے تو زید اور علم الگ الگ چیزیں ہوتی ہیں ویسے اس قول کے خدا عالم ہے یا قادر ہے یا حی ہے کے یہ معنے ہیں کہ خدا کے ساتھ علم اور قدرت اور حیواۃ قائم ہیں۔

معتزلہ اور فلاسفہ اس کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر خدا کی صفتیں بھی خدا ہی کی مانند قدیم ہوں تو کئی ایک قدیم چیزوں کا وجود لازم آتا ہے اور یہ محل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کا عالم ہونا اور حی ہونا بیشک ثابت ہے مگر علم اور قدرت اور حیوٰۃ کا وجود ا[illegible] سے ثابت نہیں ہوتا۔

ہم صرف علم ہی کو زیر بحث رکھیں گے اور اس کی نسبت جو فیصلہ ہوگا باقی صفات [illegible] نسبت بھی وہی فیصلہ تصور ہوگا۔

معتزلہ باقی صفات کا تو انکار کرتے ہیں۔ مگر ارادہ اور کلام کے بارے میں کہ[illegible] ہیں کہ یہ دونوں صفتیں خدا سے زائد ہیں ارادہ کے متعلق انکا یہ خیال ہے کہ یہ ہے تو خدا [illegible] مخلوق مگر اس کے ساتھ قائم نہیں اور قدیم بھی نہیں بلکہ حادث ہے اور کلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ خدا کے متکلم ہونے کے یہ معنے ہیں کہ اس نے آدمیوں میں قوت گویائی پیدا [illegible] ہے اور بس۔ فلاسفہ ارادہ کے زائد ہونے کے تو قائل نہیں صرف کلام کو مانتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ خداوند کریم انبیا علیہم السلام کے دلوں میں کبھی بیداری میں اور [illegible] خواب کی حالت میں کلمات القاء کر دیتا ہے جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ان [illegible] حالت ایسی ہوتی ہے جیسے آدمی نیند میں طرح طرح کی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور بعض اوقات مہیب آوازیں بھی سنتا ہے مگر ان چیزوں اور آوازوں کا وجود خارج میں نظر نہیں آ[illegible] ایسا بھی کئی دفعہ اتفاق ہوا ہے کہ سوئے ہوئے شخص کے پاس کے آدمیوں کو کوئی خبر نہیں ہو[illegible] مگر وہ سخت اور مہیب آوازیں عالم رویا میں سن کر نہایت گھبراہٹ اور بیقراری کی حال[illegible]

Marfat.com

میں چونک پڑتا ہے۔

ان کا یہ خیال ہے کہ انبیاء علیھم السلام اپنی صفائی اور نورانیت ذہن کی وجہ سے بعض اوقات بیداری میں نہایت عجیب وغریب چیزیں مشاہدہ کرتے ہیں اور طرح طرح کی موزوں اور مرتب آوازیں سنتے ہیں اور پاس کے آدمیوں کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ نبوت کے درجہ کو نہیں پہنچتے مگر شب وروز مجاہدات نفسانی میں مصروف رہتے ہیں وہ بیداری کی حالت میں تو اس قابل نہیں کہ ان کو عجیب آوازیں سنائی دیں مگر خواب میں وہ ایسے عجائبات کو مشاہدہ کر لیتے ہیں اسی کو الہام کہا جاتا ہے۔

یہ تو مذاہب کی تفصیل کا نمونہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اب ہم اصل بات پر روشنی ڈالتے ہیں جو شخص خدا لفظ عالم کے اطلاق کو درست مانتا ہے۔ اس کو ضرور ماننا پڑے گا دو چیزیں ہیں۔ ایک خدا اور ایک علم۔ کیونکہ اہل لغت کے نزدیک عَالِمٌ' اور مَنْ لَهٗ عِلْمٌ'. کے ایک ہی معنی ہیں اور مَنْ لَهٗ عِلْمٌ' کے تحت میں دو لفظ ہیں. مَنْ لَهٗ عِلْمٌ'. من سے مراد ذات ہے اور عِلْمٌ سے مراد وصف علم ہے تو عَالِمٌ' کے تحت میں بھی دو چیزیں ہوں گی۔ جب یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ زید عالم ہے تو اس مطلب کی دو عبارتوں سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ زَيْدٌ قَامَ بِهِ الْعِلْمُ' اور ایک زَيْدٌ عَالِمٌ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی عبارت طویل ہے اور دوسری عبارت میں صرفی قانون جاری کرنے کی وجہ سے مختصر ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کو جوتا پہنتا ہوا دیکھیں تو اس کو ہم دو طرح پر ظاہر کر سکتے ہیں ایک اس طرح پر هٰذَا الرَّجُلُ رَجُلُهٗ دَاخِلٌ فِيْ نَعْلِهٖ اور اس طرح پر هٰذَا الرَّجُلُ مُتَنَعِّلٌ مگر ان دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہے وہ یہ ہے کہ زید اور جوتا الگ الگ چیزیں ہیں اور زید نے جوتا پہنا ہوا ہے بعض لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر وصف علم خدا کے ساتھ قائم ہو تو اس کا قیام ایک اور حالت کو مستلزم ہوگا جس کا نام عالمیت ہوگا اور اسی طرح جاتے جاتے تسلسل تک نوبت پہنچ جائے گی۔ انکی غلط فہمی اور لاعلمی کا نتیجہ ہے کیونکہ علم خود حالت ہے۔ اسکا قیام کئی ایک حالتوں کے وجود کو مستلزم نہیں ہو سکتا کسی چیز کے عالم ہونے کے یہ معنے ہیں کہ وہ چیز ایک خاص وصف اور حالت پر حاوی ہے جس کا نام علم ہے ہم معتزلہ سے پوچھتے ہیں کہ عالِمٌ۔ مَوْجُوْدٌ ان دو لفظوں کے ایک ہی معنے ہیں یا مَوْجُوْدٌ کا لفظ علاوہ ذات کے ایک اور صفت وجود پر بھی دلالت کرتا ہے جو عالِمٌ سے نہیں سمجھی جاتی۔ اگر اس کی بجائے زَيْدٌ مَوْجُوْدٌ کہہ دیں تو ہمارا مطلب ادا ہو جاتا لیکن ایسا نہیں

Marfat.com

ہوتا اور ان میں لحاظ معنے کے فرق ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ مَوْجُوْدٌ کا لفظ جو زید کے علاوہ وصف وجود پر دلالت کرتا ہے تو وصف وجود کے زید کے ساتھ مختص ہے یا نہیں اگر نہیں تو پھر وہ وصف ہی نہیں کیونکہ وصف بغیر اپنے موصوف اور جگہ پائی جاتی۔ اور اگر وصف وجود مختص ہے تو علم کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ وصف خدا کے ساتھ قائم اور اسی کے ساتھ مختص ہے الغرض مَوْجُوْ اور عَالِمٌ اشتقاق حیثیت میں دونوں برابر ہیں تو جب مَوْجُوْدٌ علاوہ ذات کے مزید وصف پر دلالت کرتا ہے تو عَالِمٌ کا لفظ اس میں اپنے ہم جنس سے کیونکہ پیچھے رہ سکتا ہے۔

اور فلاسفہ چونکہ وجود کو خدا کا عین مانتے ہیں اس لئے ہم ان سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ اَللّٰہُ قَادِرٌ'' . اَللّٰہُ عَالِمٌ''۔ ان دونوں جملوں کے ایک معنے ہیں۔ یا الگ الگ۔ اگر ایک ہیں تو دوسرے جملے کا بالکل لغو اور مہمل ہونا لازم آئے گا۔ اور الگ الگ ہیں تو وہ یہ ہیں کہ پہلے جملے میں وصف قدرت کا پتا چلتا ہے اور یہ دوسرے جملے میں وصفِ علم کا ثبوت ملتا ہے۔ یہی ہمارا مدعا ہے۔

اس جگہ ایک سوال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اَللّٰہُ امرہ وَفَاہٖ وَمُخْبِر'' یہ تین جملے ہیں ان کے ایک معنے ہیں یا الگ الگ ہیں۔ اگر ایک ہیں تو پچھلے جملوں کا لغو ہونا لازم آئیگا اور یہ محال ہے اور اگر الگ الگ ہیں تو خدا کے کلام میں تعدد لازم آئے گا۔ اسی پر کیا انحصار ہے بلکہ مختلف اعتبارات کے لحاظ سے ہزارہا قسم کے کلام خدا میں لازم آئیں گے۔ اسی طرح اِنَّہٗ عَالِمٌ'' بِالْاَعْرَاضِ وَاِنَّہٗ عَالِمٌ بِالْجَوَاھِرِ' یہ بھی دو جملے ہیں ان کا مفہوم ایک ہے۔ یا ہر ایک کا الگ الگ ہے اگر ہے تو لازم آئے گا کہ جو شخص اعراض کا عالم ہو وہ اسی علم کے لحاظ سے جواہر کا بھی عالم ہو۔ حالانکہ یہ غلط ہے اور اگر ان کے معنے الگ الگ ہیں تو خدا کے غیر متناہی علوم لازم آئیں گے۔ اور قدرت کلام اور ارادہ وغیرہ میں بھی یہی حال ہوگا۔ مثلاً جتنی چیزوں پر خدا قادر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے مقابل الگ الگ قدرتیں ہوں گی۔ اسی طرح جس قدر ان کے معلومات ہیں۔ اسی قدر علوم بھی ہوں گے حالانکہ یہ محال ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مثلاً قدرت صرف ایک وصف ہے جو مختلف افراد کا سرچشمہ ہے۔ اسی سے یہ سب اوصاف منتزع ہوتی ہیں اور وہی انکا مرکز اور محل ہے اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

یہ ایک سوال ہے کہ جس نے اسلامی دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور بڑے

Marfat.com

بڑے جلیل القدر علماء سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے قرآن اور اجماع کو اپنا مستدل بنانا چاہا کہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے کہ علم قدرت اور ارادہ وغیرہ خدا کی صفات ہیں اور اس کے ساتھ قائم ہیں اور قرآن اور احادیث میں خدا پر عالم قادر اور مرید وغیرہ کا اطلاق کیا گیا ہے اور سب مشتقات کے صیغے ہیں جو ذات اور وصف پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر فلاسفہ کے نزدیک اجرایا نحوی اختیارات کوئی وقعت نہیں رکھتے۔

اس سوال کا جواب وہ ہے کہ جو ہم بیان کرتے ہیں۔ یہ امر معتزلہ اور فلاسفہ سب کو ماننا پڑے گا دلائل کی رو سے خدا کے علاوہ اور چیزوں کا ثبوت بھی ملتا ہے جو خدا کے ساتھ خاص قسم کا تعلق رکھتی ہیں۔ انہیں چیزوں کی وجہ سے خدا کو عالم قادر۔ مرید اور حی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اگر خدا کے ساتھ کسی اور حیثیت کا لحاظ ہوتا تو خدا پر بجز مفہوم خدا کے اور کوئی مفہوم محمول نہ ہوسکتا۔ جب یہ امر واضع ہو گیا کہ خدا کے ساتھ چند اشیا کو خاص قسم تعلق ہے تو ان میں تین مذہب ہیں جن میں سے دو افراط تفریط پر مبنی ہیں اور ایک مذہب جو اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ نہایت ہی درمیانی حیثیت کو لیے ہوئے افراط وتفریط سے بالکل الگ ہے۔

تفریط والا مذہب تو فلاسفہ کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا ہی تمام صفات کا سرچشمہ اور مرکز ہے اس کی ذات کے درجہ میں نہ کوئی صفت ہے اور نہ کوئی موصوف ہے۔ اور بعض معتزلہ اور کرامیہ بالکل افراط کی طرف جھک گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مثلاً جتنی چیزوں کے ساتھ خدا کی قدرت کو تعلق ہے اتنی ہی خدا میں قدرتیں موجود نہیں اور جس قدر امور کے ساتھ خدا کا علم متعلق ہوتا ہے۔ اتنے ہی خدا کے ساتھ علوم قائم ہیں۔ اسی طرح باقی صفات میں بھی وہ کثرت اور تعدد کے قائل ہیں۔

تیسرا مذہب جو کہ متوسط کہلانے کا مستحق ہے اور افراط وتفریط سے خالی ہے وہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ اختلاف کے کئی مراتب ہیں بعض چیزوں کا اختلاف ذاتی ہوتا ہے۔ جیسے حرکت اور سکون کا اختلاف۔ اور قدرت اور علم۔ جواہر اور عرض کا اختلاف۔ اور بعض اشیاء کا اختلاف عارضی اور خارجی تعلقات کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ جیسے زید کے بالوں کی سیاہی اور عمر کے بالوں کی سیاہی کا اختلاف وغیرہ وغیرہ۔ اختلاف کی ان دونوں قسموں میں نمایاں فرق ہے۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ قدرت اور علم میں جو اختلاف ہے وہ زید کے بالوں کی سیاہی کے علم اور عمر کے بالوں کی

Marfat.com

سیاہی کے علم کے اختلاف سے الگ ہے بلکہ ان دونوں اختلافات میں تباین ذاتی ہے۔ قدرت اور علم کسی مفہوم کے تحت میں نہیں آسکتے اور ان دونوں سیاہیوں کے علوم معلق علم کے تحت میں ہیں۔ جن چیزوں میں ذاتی اختلاف ہوتا ہے اور چیزوں کے لیئے ایک ذات یا صفت کا منبع یا مرکز ہونا درست نہیں اور جن چیزوں میں دوسری قسم کا اختلاف ہے ان کے لے مابہ الاشتراک کا منبع اور مرکز ہونا ضروری ہے۔ سواس قاعدہ کے مطابق علم۔ قدرت اور ارادہ وغیرہ یعنے خدا کی سات صفات میں چونکہ ذاتی اختلاف ہے۔ اس لیے علم کے افراد کا مرکز علم اور قدرت کے افراد کا سرچشمہ قدرت ہوگی

معتزلہ چونکہ قدرت کے قائل نہیں اور ارادہ کو مانتے ہیں اس لیے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ قدرت اور ارادہ میں فرق کرنے کی کیا وجہ ہے۔ اگر خدا کا بغیر قدرت کے ہونا جائز ہے تو بغیر ارادہ کے ہونے میں کیا نقصان ہے۔ اگر وہ یہ کہیں قدرت اس کے ساتھ متحد ہے کیونکہ وہ بلا کسی اور چیز کی اعانت کے جمیع اشیاء پر قادر ہے اور اگر ارادہ اس کا عین ہوتو جمیع امور ارادی کا ارادہ کرنا اس کے لیے ضرور ہوگا اور یہ محال ہے کیونکہ امور ارادی میں ایسے امور بھی ہیں جو ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ اور متدل کا ایک وقت میں ارادہ کرنا ناجائز ہے۔ بخلاف قدرت کے کیونکہ وہ ضدوں کے ساتھ ایک وقت میں قدرت کا متعلق ہونا جائز ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا خدا بغیر کسی اعانت کے قادر ہے ویسا ہی بغیر کسی کی مدد کے مرید بھی ہے اور باوجود اس کے اسکا ارادہ بعض چیزوں کے ساتھ خاص اوقات میں متعلق ہوتا ہے اور بعض کے ساتھ نہیں ہوتا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا تمھارے نزدیک وہ بلا کسی کی اعانت کے قادر ہے مگر حیوانات کے افعال پر کہ قادر نہیں جب قدرت کے خدا کے ساتھ متمنع ہونے میں اسکا بعض امور پر قادر نہ ہونا مدلل انداز نہیں تو ارادہ کی حیثیت میں طرف بعض اوقات میں بعض اشیا کے ساتھ اس کے ارادے کا متعلق ہونا کیا اثر رکھ سکتا ہے

فلاسفہ باقی صفت کو خدا کا عین مانتے ہیں اور کلام کو اس سے الگ تسلیم کرتے ہیں۔ ان پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں ایک یہ کہ اگر انبیا علیہم السلام کے دلوں میں الہام اور القا کے طور پر کلمات پیدا ہو جانے سے خدا کو متکلم کہنا درست ہے تو ان کے یا کسی اور چیز کے حرکت کرنے یا بولنے سے خدا کو متحرک یا آواز کنندہ کہنا بھی درست ہوگا۔ کیوں کہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق ہے جیسے کلمات انبیا علیہم السلام کے ساتھ قائم ہیں اور خدا کے

Marfat.com

ساتھ ان کو حلول وغیرہ کا کوئی علاقہ نہیں اور نہ ہی خارج میں ان کا کوئی وجود ہے ویسے ہی حرکت یا آواز بھی متحرک یا آواز کنندہ کے ساتھ قائم ہے اور خدا کے ساتھ اس کو کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ عالم خواب میں جو چیزیں انسان مشاہدہ کرتا وہ محض خیالی چیزیں ہوتی ہیں۔ نبوت جیسے عظیم الشان منصب کا دارومدار اس کو قرار دینا حماقت کی دلیل ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ خدا کی صفات اس کے مغائر ہیں۔ تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ نہ عین ہیں نہ مغائر۔ کیونکہ ہم اَللّٰہ کا لفظ زبان سے نکالتے تو اس سے خدا اور اس کی صفات دونوں مراد لیتے ہیں نہ فقط خدا۔ اس لیے کہ اس لفظ کا اطلاق خدا پر بغیر اس کی صفات کے درست نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نہ یہ کہنا درست ہے کہ علم فقہ عین فقیہ ہے اور نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ اس سے مغائر ہے۔ اسی طرح زید کے ہاتھ کو نہ زید کا عین کہ سکتے ہیں نہ مغائر اصلی بات یہ ہے کہ جو چیز کسی کے نام میں شریک ہو وہ اس کا عین کہلا سکتی ہے نہ مغائر ان دونوں لفظوں کا اس پر اطلاق درست نہیں ہوتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ علم فقہ انسان سے مغائر ہے تو کسی حد تک یہ کہنا تو درست ہوگا مگر یہ کہنا ہرگز صحیح نہ ہوگا کہ فقہ فقیہ سے مغائر ہے کیونکہ انسان کے مفہوم میں فقہ ماخوذ نہیں ہے اسلئے اگر فقہ کو اس سے مغائر کہا جائے تو یہ کہنا درست ہے مگر فقیہ کے مفہوم میں فقہ ملحوظ ہے اگر فقہ کو فقیہ سے مغائر کہا جائے تو یہ کہنا درست نہ ہوگا۔

دوسرا حکم جو صفات خدا کے ساتھ ہیں نہ یہ بات کہ کسی اور چیز کے ساتھ قائم ہو یا اپنے وجود میں مستقل ہو معتزلہ کے نزدیک چونکہ ارادہ حادث ہے اور خدا محلِ حوادث نہیں اس لئے ان کے نزدیک ارادہ مستقل فی الوجود ہے یعنی کسی چیز کے ساتھ قائم نہیں کیونکہ اگر کسی اور چیز کے ساتھ ارادہ قائم ہو تو اسی کو مرید بھی کہا جائے گا نہ خدا کو۔ اور کلام کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے ساتھ قائم نہیں کیونکہ یہ بھی ارادہ کے مانند حادث ہے بلکہ یہ جمادات کے ساتھ قائم ہے اور ان کے اس کا قیام خدا کو متکلم کہنے کا ذریعہ ہے۔

ذات کے ساتھ صفتوں کے قیام کی دلیل ہماری گزشتہ تقریروں سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ جہاں ہم نے دلائل کے ذریعہ خدا کا وجود ثابت کیا ہے وہاں اس کی صفتوں کو زبردست دلائل سے ثابت کیا ہے اور اس کی صفات کے ساتھ موصوف ہونے کے یہی معنی ہیں کہ یہ اس کے ساتھ قائم ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اَللّٰہُ عَالِمٌ" اور قَائِمٌ بِذَاتِہٖ

Marfat.com

عِلْم'' اور اسی طرح اَللّٰہُ مُرِیْد'' اور قَامَ بِذَاتِہٖ اِرَادَۃ'' کے معنی اور اَللّٰہُ لَیْسَ بِمُرِیْد'' اور لَمْ لَقُمْ بِذَاتِہٖ ارَادَۃ'' کے معنی ایک ہیں۔

جس شئے کے ساتھ ارادہ قائم نہ ہو اس کو مرید کہنا ایسا ہے جیسا کسی چیز کو متحرک کہا جائے اور حقیقت میں حرکت کسی اور کا فعل ہو اسی طرح متکلم اس کو کہا جاتا ہے جو محل کلام ہو کیونکہ ھُوَ مُتَکَلِّم'' اور قَامَ بِہٖ التُّکَلُّم میں معنیٰ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں اور اسی ھُوَ لَیْسَ بِمُتَکَلِّم اور لَمْ یَقُمْ بِذَاتِہٖ التُّکَلُم کے ایک ہی معنی ہیں اگر چہ خدا پر لَمْ یَقُمْ بِذَاتِہٖ التُّکَلُّمُ درست ہے تو لَیْسَ بِمُتَکَلِّمٍ کا اطلاق بھی جائز ہوگا۔

سب سے زیادہ تعجب انگیز ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وصف ارادہ کسی محل کے ساتھ قائم نہیں۔ کیونکہ اگر کسی صفت کا بغیر محل کے موجود ہونا جائز ہے تو علم قدرت سیاہی اور حرکت وغیرہ کا بلا محل موجود ہونا جائز ہوگا۔ اور یہ بات تھی تو کلام کی نسبت بھی اس کے بلا محل موجود ہونے کا قائل ہونا کو ضروری تھا حالانکہ اور یہ نہ کہتے کہ کلام جمادات کے ساتھ قائم ہے اور اگر کلام کے لئے بسبب اسکے وصف اور عرض ہونے کے محل میں ہونا ضروری تھا تو ارادہ کا محل میں ہونا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

تیسرا حکم اس کی صفتیں قدیم ہیں کیونکہ اگر حادث ہوں تو خدا کے ساتھ قائم ہوں یا نہ۔ اگر قائم ہوں تو اس کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اور اگر قائم نہ ہوں تو خدا کا ایسی صفتوں کے ساتھ موصوف ہونا لازم آئے گا۔ جو اس کے ساتھ غیر قائم ہیں۔ حیٰوۃ اور قدرت کو تو سب قدیم کہتے ہیں اور چونکہ صفات باری تعالیٰ کا قدیم خدا کے محل حوادث ہونے پر موقوف ہے لہٰذا ہم اس پر تین دلیلیں قائم کرتے ہیں۔

دلیل اول

جو حادث ہے وہ ممکن الوجود ہے اور خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ اب اگر اسکی صفتیں حادث ہوں تو ان کا حدوث اس کے وجوب میں ضرور خلل انداز ہوگا کیونکہ امکان اور وجوب دو متناقض چیزیں ہیں جن کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے

دلیل دوم

اگر خدا محل حدوث ہو تو دو باتوں سے ایک بات ضرور ہوگی یا تو یہ کہ حدوث میں

Marfat.com

ایک ایسا مرتبہ نکلے گا جس کے پہلے کوئی حادث نہ ہوگا اور یا یہ کہ سلسلہ حوادث غیر متناہی مراتب تک چلا جائے گا۔ اگر سلسلہ حوادث میں غیر متناہی مراتب نکلتے گئے تو لازم آئے گا کہ حوادث کے لئے کوئی آغاز متصور نہ ہوگا نہ ہو اور یہ محال ہے کیونکہ حادث وہی چیز ہوسکتی ہے جس کے وجود کا آغاز اور کسی درجہ پر سلسلہ حوادث ختم ہوگیا یعنی اخیر میں ایک ایسا حادث برآمد ہوا جس کے آگے کسی اور حادث کا ہونا محال ہے تو پھر یا تو خدا کے بغیر کسی اور چیز کا یہ تقاضا ہوگا اور یا خود خدا کا تقاضا ہوگا یعنی خدا کی ماہیت میں یہ بات داخل ہے کہ حوادث کے ساتھ متصف ہونا کیونکر جائز ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو امر محال ہوتا ہے وہ ہمیشہ محال ہی رہتا اور جو ممکن ہوتا ہے وہ ہمیشہ اسی صفت پر قائم رہتا ہے۔ دیکھو سب متفق ہیں کہ خدا رنگوں کو قبول نہیں کرتا مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ کسی دوسرے وقت میں وہ رنگوں کو قبول کر لیتا ہے۔ الغرض جو جو باتیں اس میں پائی جاتی ہیں وہ ہمیشہ کے لیے پائی جاتی ہیں اور جن جن امور کا پایا جانا خدا میں محال ہے وہ ہمیشہ محال ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ تمہاری اس دلیل سے حدوث عالم کا بطلان ثابت ہوتا ہے کیونکہ جس وقت سے عالم کا وجود ہوا ہے اس سے پہلے وقت میں بھی اس کا موجود ہونا جائز تھا اور اس طرح اس وقت سے پہلے وقت میں اس کا پایا جانا جائز تھا غرضیکہ ایسا کوئی وقت نہیں جس میں عالم کا موجود ہونا ممکن نہ ہو پس ثابت ہوا کہ عالم قدیم ہے تو اس کا جواب ہم دیں گے کہ عالم کا قدیم تب لازم آتا کہ عالم کے لئے حدوث سے پہلے کوئی حقیقت ہوتی جو قبول یا عدم قبول حدوث کے ساتھ متصف ہوتی اور پھر وہ خاص کر حدوث کے ساتھ متصف ہوتی۔ مگر ہمارے نزدیک عالم خدا کا ایک فعال ہے جس کی حدوث سے پہلے کوئی ہستی یا حقیقت نہیں۔ ہاں معتزلہ پر یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک وجود اور عدم میں ایک درجہ کا ثبوت ہے اور اس بناء پر وہ کہتے ہیں کہ عالم ازل میں درجہ ثبوت میں تھا اور پھر درجہ ثبوت سے منتقل ہوکر عالم وجود میں آیا ہے۔

دلیل سوم

اگر خدا کے ساتھ کسی حادث چیز کا قیام ہو تو اس سے پہلے یا اس کی ضد اس کے ساتھ قائم ہوگی۔ یا خدا حادث کے عدم قیام کے ساتھ متصف ہوگا اور حادث کی ضد اور اسکا عدم قیام قدیم ہونگے یا حادث اگر قدیم ہیں تو ان کا معدوم ہونا اور حادث کا خدا کے ساتھ

Marfat.com

قائم محال ہوگا۔ کیونکہ قدیم پر کبھی عدم طاری نہیں ہوسکتا۔ اور اگر حادث ہیں تو ان کے پہلے کوئی اور حادث خدا کے ساتھ قائم ہوگا اور اس سے پہلے کوئی اور۔ وھلم۔ جرا۔ پس حوادث کا غیر متناہی ہونا لازم آئے اور یہ محال ہے۔

ہم اس کو خدا کی صفتوں میں سے کلام اور علم کے ضمن میں ذرا وضاحت سے بیان کرتے ہیں کہ اکیہ کہتے کہ خدا تعالیٰ ازل سے متکلم ہے اس لئے کہ وہ اپنے اندر کلام کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور جب کسی شئے کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اپنے اندر کلمۂ کن پیدا کر لیتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ چیز مطلوبہ کو پیدا کرتا ہے مگر ان کے نزدیک کلمۂ کن پیدا کرنے سے پہلے وہ ساکت ہوتا ہے اور سکوت قدیم ہے اور جہمیہ کہتے ہیں کہ علم حدث ہے اور اس کے وجود سے پہلے خدا غفلت کے رنگ میں تھا اور اسکی یہ غفلت قدیم ہے۔

ہم کرامیہ اور جہمیہ سے پوچھتے ہیں کہ اگر سکوت اور غفلت دونوں قدیم ہیں تو ان کا معدوم ہونا اور ان کی جگہ کلام اور علم کا آنا محال ہوگا کیونکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ قدیم پر کبھی عدم طاری نہیں ہوسکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ سکوت اور غفلت عدمی چیزیں ہیں کیونکہ سکوت کے معنی ہیں عدم علم۔ اور اعدام پر شئے کا اطلاق مجازی طور پر ہوتا ہے ورنہ حقیقت میں اعدام کوئی چیز نہیں ہوتی سو اگر سکوت اور غفلت کی بجائے کلام اور علم کا تحقق ہو تو اس سے قدیم چیزوں کا عدم لازم نہیں آتا بلکہ یہ بات ہوگی کہ پہلے صرف خدا ہی تھا۔ اور اب اس کے ساتھ دو اور صفتیں شریک وجود ہوگئی ہیں۔ دیکھو عالم پہلے معدوم تھا اور پھر جب موجود ہوا ہے تو اس کا عدم سابق اس کے موجود ہونے سے زائل ہوگیا ہے حالانکہ وہ قدیم تھا۔ اسکی وجہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ عالم کا عدم سابق کوئی چیز نہ تھا تاکہ اس کے زوال سے قدیم چیز کا زوال لازم آتا۔ اس کا جواب دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہنا کہ سکوت کے معنی ہیں عدم کلام اور غملت کے معنی ہیں عدم علم اور یہ دونوں اعدام قبیل صفات میں سے نہیں ہیں۔ یہ ایسا ہی جیسا کوئی کہے کہ سفیدی نام ہے عدم سیاہی کا اور سکون کے معنی ہیں عدم حرکت۔ اس لئے سفیدی اور سکون کی کوئی خقیقت نہیں۔ حالانکہ مخالفین کے نزدیک سفیدی اور سکون دونوں مستقل حقائق ہیں۔ بلکہ سکون پر تو حدوث عالم کا ثبوت موقوف ہے سو جیسے سکون کے بعد حرکت کا واقع ہونا حرکت کے حادث ہونے پر دلالت کرتا ہے اسی طرح سکوت کے بعد کلام کا ظہور متکلم کے حدوث پر دلالت کرے گا۔ کیونکہ جس دلیل سے سکون کا مستقل چیز

Marfat.com

ہونا ثابت ہوتا ہے اسی دلیل سے سکوت اور حرکت کی واقعیت بھی ثابت ہے کیونکہ جب ہم ایک چیز کی دو کیفیتوں سکون اور حرکت کو ادراک کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں اس چیز کا علم بھی حاصل ہوتا ہے اور اس کی ان دو کیفیتوں کے الگ الگ ہونے کو بھی ہم جانتے ہیں مگر یہاں ایک چیز کا وجود اور ایک کا زوال والا معاملہ نہیں ہوتا کیونکہ کوئی چیز اپنے آپ سے جدا نہیں ہوسکتی۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز کسی وصف کے ساتھ متصف ہونے کی قابلیت رکھتی ہے وہ صف یا اس کی ضد سے خالی نہیں ہوسکتی اور یہ بات علم اور کلام وغیرہ سب اوصاف یکساں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ مثلاً سکوت کی کوئی مستقل حقیقت نہیں بلکہ ان کے معنی ہیں خدا کا کلام سے خالی ہونا۔ مثلاً ہر ایک کو معلوم ہے کہ خالی ہونا خدا کی ایک صفت ہے وہ قدیم ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ قدم خواہ ذات ہو کہ صفت عدم طاری نہیں ہوسکتا اس جگہ ایک وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اعراض کئی قسم کے ہوتے ہیں اور جو لوگ خدا کو محل حوادث قرار دیتے ہیں ان کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ انسانوں اور حیوانوں کے مانند خداوند کریم کی ذات میں طرح طرح کے تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک رنگوں۔ دکھوں دردوں اور شکلوں وغیرہ سے وہ بالکل منزہ اور بری ہے۔ ان لوگوں کا صرف خدا کی صفات کی نسبت حدوثہ کا خیال ہے صفات میں سے بھی صرف ارادہ علم اور کلام کو حادث کہتے ہیں اور حیوۃ اور قدرت کو اہل السنۃ والجماعۃ کی مانند قدیم مانتے ہیں اور سمع اور بصر چونکہ علم کی قسمیں ہیں لہٰذا ان کو بھی علم کے ساتھ شریک فی الحدوث کرتے ہیں۔

علم کو حادث کہنے والا فرقہ جہمیہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اب بیشک خدا کو معلوم ہے کہ عالم اس وقت سے پہلے موجود تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ازل میں اس کو علم تھا کہ عالم پہلے موجود تھا اور اگر اس وقت اسکو یہ علم نہ تھا بلکہ اب یعنی خدا عالم کے بعد اس کو یہ علم حاصل ہوا ہے تو ثابت ہوا کہ اس کا علم حادث ہے۔

جو لوگ ارادہ کو حادث کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ارادہ قدیم ہو تو عالم کا قدیم ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب قدرت اور ارادہ دونوں موجود ہوں تو جس چیز کے ساتھ ارادہ متعلق ہوتا ہے وہ فوراً موجود ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ قدرت اور ارادہ دونوں قدیم ہیں اور نظام عالم حادث ہیں اسی واسطے معتزلہ کہتے ہیں کہ

Marfat.com

ارادہ حادث ہے اور بغیر محل کے موجود ہے اور کرامیہ کہتے ہیں کہ یہ حادث ہے اور خدا کے ساتھ قائم ہے اور کلام یہ کہ بعض ایسی چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے جو زمانہ ماضی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں مثلاً اِنَّـا اَرْسَلْنَا نُوحاً اِلٰی قَوْمِهٖ ۔ اگر اب کلام قدیم ہو تو خدا کا نوحؑ کو مخاطب کرنا کیسے صحیح ہوگا جبکہ نوحؑ اور اس کی قوم کا نام ونشان ہی نہ تھا۔ اسی طرح اگر یہ قدیم ہو تو خدا کا موسیٰ علیہ السلام کو اَخْلَعْ نَعْلَيْكَ کے ساتھ خطاب کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ حالانکہ ازل میں موسیٰؑ نہ تھے اور نہ اس کے نعلین۔ نیز خدا کے کلام میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی۔ سو اگر اسکا کلام قدیم ہو تو ازل میں اس کا آمر نہ ہی ہونا ماننا پڑے گا۔ اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ امر اور نہی کے لئے مامور اور منہی کا ہونا ضروری ہے تو جب ازل میں مامور اور منہی نہیں تو وہ آمر اور ناہی کس طرح ہوگا۔ اس کا جواب ہم اس طرح دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ازل میں جانتا تھا کہ عالم ایک وقت پیدا ہوگا اور یہ ایسا علم ہے جس میں عالم کے وجود سے پہلے اور اس کے موجود ہونے کے وقت اور اسکے پیچھے کوئی فرق نہیں آیا یہ ایک صفت ہے جس کے ذریعہ خدا کو جب عالم موجود نہیں تھا۔ اس طرح پر علم تھا کہ یہ زمانہ مستقبل میں ہوگا اور جب یہ موجود ہوا ہے تو اس کے ذریعہ اس کو اس طرح علم ہے کہ عالم اب موجود ہے اور کچھ زمانہ گذرا تو اس کے ذریعہ خدا کو اس طرح علم ہے کہ یہ زمانہ ماضی میں موجود ہوا ہے۔ الغرض عالم میں زمانہ کے اختلاف کے اعتبار سے تغیرات پیدا ہیں۔ مگر اس کا علم جوں کا توں باقی رہا ہے۔ اس کو جیسا عالم کے موجود ہونے کے بعد اس کا علم ہے پہلے بھی ایسا ہی تھا۔

اسکی مثال یہ ہے کہ فرض کرو ایک شخص کو معلوم ہے کہ زید آفتاب نکلتے ہی اس کے پاس آئے گا اور یہ علم بھی اس کو آفتاب نکلنے سے پہلے حاصل ہوا ہے اور یہی علم زید کے آنے سے پہلے اور اسکے آنے کے وقت اور اس کے بعد برابر باقی رہا ایسا نہیں ہوا کہ زید کی ان تین حالتوں کے ساتھ ساتھ علم میں بھی تغیر وتبدل واقع ہوتا رہے۔ سو جس طرح اس صورت مفروضہ میں ایک ہی علم ہے جس کے ذریعہ زید کی تینوں حالتوں کا انکشاف ہو رہا ہے۔ اسی خدا کے ساتھ ازل سے وصف علم قائم ہے جس میں زمانہ کے تغیرات سے کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا اور اسی وصف کے ذریعہ خدا کو ہر حال میں کائنات عالم کا احساس رہتا ہے اور ان میں خواہ ہزاروں انقلاب واقع۔ اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں۔ سمع اور بصر کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔ کیونکہ یہ دونوں بھی ایسی صفتیں ہیں۔ جن کے ذریعے مرئی اور

Marfat.com

مسموع کا انکشاف ہوتا ہے۔مگر اس میں حدوث کو کوئی دخل نہیں بلکہ وصف علم مانند یہ دونوں بھی قدیم ہیں ہاں مرئی اور مسموع بیشک حادث ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک چیز کا اختلاف جو اس کے مختلف ازمنہ میں متحقق ہونے کے لحاظ سے اس کولاحق ہو وہ اس اختلاف ذاتی سے زیادہ نہیں ہوتا جو اشیاء کی ذاتوں میں ہوتا ہے اور جب جہمیہ کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ اگر چہ خدا کی معلومات متعدد اور باہم مختلف ہیں۔مگر ان تمام کو خدا تعالیٰ ایک ہی وصف علم سے ادراک کرتا ہے تو اس امر کے تسلیم کرنے سے کیوں بغلیں جھانکتے ہیں کہ وہ ہی وصفِ علم خدا کے ساتھ قائم ہو اور اسی کے ذریعہ خدا تعالیٰ جہاں کوخواہ وہ کروڑوں رنگ بدلے جانتا ہو۔

نیز جہمیہ پر ایک اور زبردست اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ جیسا وہ کہتے ہیں اگر ہر حادث کے ساتھ اس کے علم کا حادث ہونا ضروری ہو تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ علم بھی خدا کو معلوم ہے یا نہیں۔اگر نہیں تو اس پر ایک سخت قباحت لازم آئے گی وہ یہ کہ حادث ہے مگر خدا کو اس کا علم نہیں اور جب وصفِ علم حالانکہ اسکو خدا کی ذات کے ساتھ ایک قرب حاصل ہے۔خدا کو مجہول ہے تو جو چیزیں خدا سے بالکل مبائن ہیں۔اگر وہ خدا کو معلوم نہ ہوں تو اس میں کیا قباحت ہوگی۔اور اگر معلوم ہے تو دو باتوں میں سے ایک بات ہوگی یا تو اس کے معلوم ہونے کے لیے کسی اور علم کی ضرورت ہوگی۔اور اس کے لیے کسی اور کی احتیاجی ہوگی۔اور یا یہ ہوگا کہ اسی علم کے ذریعہ خدا نے حادث کو خود علم معلوم کیا ہے۔اگر پہلی بات ہے تو علوم کا غیر متناہی ہونا لازم آئے گا۔اور یہ محال ہے۔باقی رہی دوسری بات یعنی اسی ایک ہی وصف علم کے ذریعہ حادث اور خود اس کی ذات کو خدا نے معلوم کیا ہو۔سو جب ایک ہی وصف کا دو ہی چیزوں کے ادراک کا باعث ہونا جہمیہ کے نزدیک جائز ہے تو اس بات کو کیوں نہیں مان لیتے کہ اسی ایک ہی وصف کے ذریعہ خدا تعالیٰ جہان کو پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی جانتا ہے اور آئندہ بھی اس کو ایسا ہی علم رہے گا۔

معتزلہ جو ارادہ کو حادث کہتے ہیں ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ اس کے حدوث سے پہلے کوئی اور ارادہ تھا جس کے ذریعہ یہ پیدا ہوا ہے یا یہ بلا ارادہ پیدا ہوا ہے دوسری بات تو صریحا باطل ہے کیونکہ کوئی حادث بدون ارادہ کے حادث نہیں اور اگر اس سے پہلے کوئی اور ارادہ تھا تو اس سے پہلے بھی کوئی اور ارادہ ہوگا یہ تسلسل ہے جو محال ہے۔

اب رہے کرامیہ۔سوان پر بھی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو معتزلہ پر ہم نے

Marfat.com

کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنے لگتا ہے تو پہلے اپنے اندر کوئی چیز پیدا کر لیتا ہے اور اس کے ذریعہ چیز مطلوبہ کو پیدا کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خاص وقت میں اپنے اندر ایک چیز کو پیدا کرنے کی کون سی چیز علت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی علت کوئی اور چیز ہوگی۔ پھر اس میں سلسلہ کلام چلے گا تو تسلسل پر بات ختم ہوگی۔ بعض کرامیہ جو یہ کہتے ہیں کہ وہ چیز جس کو خدا نے جہان کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے اندر پیدا کیا ہے کلمہ کُن ہے یہ تین وجوہ سے قابل تسلیم ہے۔

ایک یہ کلمہ کُن ایک آوازوں کا خدا کے ساتھ قیام ناجائز ہے اور ایک یہ کہ کلمہ بھی جہان کے مانند حادث آیا۔ اس کے لیے کسی اور قول کی ضرورت ہے یا نہیں اگر نہیں تو جہان کے لیے بھی کسی اور قول کا ہونا ضروری ہوگا۔ پھر اس کو کسی تیسرے قول کی اور اس کو چوتھے قول کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح سلسلۂ احتیاج سے تسلسل لازم آئے گا اور وہ محال ہے۔

ایسے بیوقوفوں کے ساتھ خطاب کرنا بھی ناجائز ہے جن کا یہ مذہب ہو کہ ہر ایک حادث کے مقابلہ کلمۂ کُن ہے۔ کیونکہ جب حادث غیر متناہی آوازوں کا خدا کے ساتھ قائم ہونا تسلیم کرنا پڑے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جب کُن کے ذریعہ خدا نے جہان کو اپنا مخاطب بنایا تھا اس وقت جہان معدوم تھا یا موجود تھا۔ اگر معدوم تھا تو مخاطب کس کو بنایا۔ مخاطب وہ چیز ہو سکتی ہے جو ذی شعور اور موجود ہو اگر موجود تھا تو موجود کو موجود کرنے کے کیا معنی ہوں گے۔ خدا کا تو اس قول اِذَا اَرَدْنَاہُ اَنْ نَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ سے صرف اپنی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہے اور بس۔

کلام بھی علم اور ارادہ کی طرح قدیم ہے اور جنہوں نے خدا کے اس قول اِخْلَعْ نَعْلَیْکَ اور اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا سے اس کا حدوث ثابت کیا ہے انہوں نے کلام لفظی اور کلام نفسی میں فرق نہیں کیا یا وہ کلام نفسی سے بے خبر ہیں۔ ان دو جملوں سے کلام لفظی کا حدوث بے شک ثابت ہوتا ہے مگر کلام نفسی کا حدوث ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ حضرت نوح کو نبی بنا کر بھیجنے کی خبر قائم ہے جس کے تعبیرین مختلف ہیں۔ جب حضرت نوح پیدا نہیں ہوئے تھے مگر عہدہ نبوت کے ساتھ ممتاز نہیں کیے گئے تھے۔ اس وقت اس کی تعبیر اِنَّا نُرْسِلُہٗ کے ساتھ کی جاتی تھی اور جب نبی بن کر دیا

Marfat.com

میں آئے تو اِنَّا اَرْسَلْنَا کے ذریعہ اس کی تعبیر کی گئی غرض اعتبارات اور تعبیرات مختلف ہیں اور معتبر عنہ میں کوئی تغیر نہیں کیونکہ وہ صرف حضرت نوحؑ کے نبی بنا کر بھیجنے کی خبر ہے۔ جوان کے نبی ہونے سے پہلے
اس کی تعبیر اِنَّا نُرْسِلُہٗ سے اور ان کے نبی ہونے کے بعد اِنَّا اَرْسَلْنَا سے کی گئی ہے۔ مگر عنوانات کے اختلاف سے معنوں میں اختلاف نہیں واقع ہوتا۔

اسی طرح اَخْلَعْ نَعْلَیْکَ امر پر دلالت کرتا ہے اور امر کے معنی ہیں اقتضاء اور طلب جو آمر کی ذات کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور ان کے قائم ہونے کے لیے مامور کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ مامور کے موجود ہونے سے پہلے ہی اقتضا اور طلب کا آمر کے ساتھ قائم ہونا جائز ہے اور جب مامور موجود ہوتا ہے تو اس پہلی اقتضا اور طلب کے سبب سے وہ مامور ہوتا ہے اور دوبارہ صیغہ امر کے ذریعہ اقتضا اور طلب کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جس شخص کے گھر لڑکا نہ ہو اس کے دل میں یہ اقتضا ہوتی ہے کہ اگر میرے ہاں لڑکا پیدا ہو تو میں اس کو علم پڑھاؤں گا اور وہ اپنے دل ہی میں لڑکے کا تصور اس کو کہتا ہے اُطْلُبْ اَلْعِلْمَ سو اگر اس کے گھر لڑکا پیدا ہو۔ اور اس کے ساتھ عقل اور شعور بھی رکھتا ہو تندرست بھی ہو اور اس کو معلوم بھی ہو جائے کہ میرے باپ کی خواہش ہے کہ میں پڑھوں تو صرف اتنی ہی بات سے وہ جان جائے گا کہ میں باپ کی طرف سے پڑھنے کے بارے میں مامور ہوں اور اس کو معلوم کرنے کے لیے اس کو اس امر کی ضرورت نہ ہوگی کہ اس کا باپ صیغۂ امر کے ذریعہ اپنی خواہش ظاہر کرے مگر چونکہ عموماً لڑکوں کو بدوں ایسے لفظوں کے جو ان کے باپوں کے مقتضیات پر دلالت کریں۔ ان کے مقتضیات کا علم نہیں ہوتا لہٰذا ان کو اس علم کے لیے لفظوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح امر خدا کے ساتھ قائم ہے اور قدیم ہے اور اس پر دلالت کے الفاظ حادث ہیں مگر مامور کا وجود ہونا ضروری نہیں صرف اس امر کے لیے مامور کا تصور کافی ہے۔ ہاں بے شک مامور کا ممکن ہونا امر کے لیے شرط ہے۔ اگر وہ مستحیل الوجود ہو تو مامور نہیں بن سکتا اور ہم بھی یہ نہیں کہتے کہ خدا کے ساتھ ایسے افعال کی اقتضاء اور طلب قائم ہے جن کا وجود محال ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تمہارے نزدیک خدا تعالیٰ ازل میں آمر اور ناہی تھا یا نہیں۔ اگر کہو کہ تھا تو جب اس وقت مامور اور منہی نہیں تھے تو وہ آمر اور ناہی کس چیز کے مقابلہ میں تھا تو ثابت ہوا کہ اس کا آمر اور ناہی ہونا حادث ہے اور یہی مدعا ہے تو اس کا جواب ہم دیں گے کہ یہ پہلے ثابت ہو چکا

Marfat.com

ہے کہ اقتضا اور طلب خدا کے ساتھ قائم ہے اور ان کے قیام کے لئے مامور کا موجود ہونا ضروری نہیں تو اس سوال کے معنی ہوئے کہ ماموراور منہی کے وجود سے پہلے لفظ آمر اور ناہی کا اطلاق خدا پر جائز ہے یا نہیں یہ ایک لفظی بحث ہے جس سے نفس مطلب پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور نہ ہی لفظی جھگڑوں کے درپے ہونا اہل علم کے شایان شان ہے مگر تاہم اس کے متعلق ہم کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

ماموراور منہی کے وجود سے پہلے آمر اور ناہی کا اطلاق خدا پر جائز ہے جیسے مقدور کے موجود ہونے سے پہلے خدا پر لفظ قادر کا اطلاق جائز ہے اس لفظ کے اطلاق کے لئے ان کے نزدیک مقدور کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا ممکن اور متصور ہونا کافی ہے۔ اسی طرح آمر اور ناہی کے اطلاق کے لئے بھی ان کو مناسب تھا کہ ماموراور منہی کا وجود ضروری نہیں۔ بلکہ اس کا ممکن اور متصور ہونا کافی ہے اور جیسے موجود شئے کے ساتھ علم متعلق ہوتا ہے ویسے معدوم کے ساتھ متعلق ہوسکتا ہے بلکہ ایک اور بات ہے وہ یہ کہ جیسے لفظ آمر مامور کا تقاضا کرتا ہے ویسے مامور بہ کا تقاضا کرتا ہے اور مامور بہ موجود نہیں ہوتا بلکہ اس کا معدوم ہونا شرط ہے دیکھو جب ایک شخص اپنے لڑکے کو مرتے وقت کسی اچھے کام کرنے کی وصیت کے طور پر امر کرتا ہے۔ اور جب وہ لڑکا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق عمل کرتا ہے تو کہا جاتا ہے اس نے اپنے باپ کا امر بجالایا ہے حالانکہ اس وقت نہ وہ آمر ہے اور نہ امر۔ اور وصیت کے وقت مامور بہ کا وجود نہیں تھا مگر باوجود اس کے یہ کہنا جائز ہوتا ہے کہ وہ یہ باپ کا امر بجالایا ہے۔ سو جب آمر اور امر کے وجود ہونیکا تقاضا نہیں کرتا تو مامور کے موجود ہونے کا کیونکر کرے گا۔

چوتھا حکم

ان ساتھ صفتوں سے جو صیغے مشتق ہو جاتے ہیں وہ خدا پر احمل متعارف کے طور پر محمول ہوتے ہیں یعنی خدا زندہ ہے قدرت والا ہے جاننے والا ہے۔ سننے والا ہے۔ دیکھنے والا ہے اور دوسرے لفظوں میں خدا حی ہے قادر ہے۔ عالم ہے۔ سمیع ہے۔ بصیر ہے۔ متکلم ہے۔

اور جو صیغے اس کے افعال سے مشتق ہوتے ہیں مثلاً رزق دینے والا۔ پیدا کرنے والا۔ عزت دینے والا۔ ذلت دینے والا۔ اور دوسرے لفظوں میں رازق خالق۔

Marfat.com

معز، مذل۔ ان کے محمول ہونے میں اختلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جس قدر مشتقات خدا پر محمول ہوتے ہیں وہ چار قسم ہیں۔

(۱) جو صرف خدا کی ذات پر دلالت کرتے ہیں جیسے موجود اس قسم کے مشتقات کے خدا پر محمول ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

(۲) جو خدا پر بھی دلالت کرتے ہیں اور علاوہ اسکے عدمی وصف بھی سمجھا جائے جیسے قدیم ۔باقی ۔واحد اور غنی۔ کیونکہ قدیم کے معنی ہیں ۔وہ ذات جس سے پہلے عدم نہ ہو۔ اور باقی کے معنی ہیں جس پر عدم طاری نہ ہو اور واحد کے معنی ہیں جس کا شریک نہ ہو اور غنی کے معنی ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو یہ مشتقات بھی ازلاً و ابداً محمول ہوتے ہیں کیونکہ جو صفات خدا میں نہیں پائی جاتیں۔

(۳) جو خدا پر بھی اور وجودی صفتوں پر بھی دلالت کرتے ہیں جیسے حی ۔قادر۔ متکلم۔ مرید ۔سمیع ۔بصر۔ عالم ۔آمر۔ ناہی وغیرہ جن لوگوں کے نزدیک خدا کی صفتیں قدیم ہیں ۔ان کے نزدیک اس قسم کے مشتقات بھی ازل سے ابد تک اس پر محمول ہیں۔

(۴) جو خدا پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اس کے افعال پر بھی جیسے اور رزاق خالق ۔معز۔ مذل ۔وغیرہ۔ اس قسم کے مشتقات میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بھی خدا پر ازل میں محمول تھے کیونکہ اگر اس سے ان کا محمول ہونا ناجائز ہو بلکہ بعد میں محمول ہوں تو خدا میں تغیر لازم آئے گا اور یہ محال ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ازل میں خدا پر یہ مشتقات محمول نہیں ہو سکتے کیونکہ مثلاً خالق کے محمول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے کسی چیز کو پیدا کیا ہے اور جب ازل میں کسی شے کو اس سے پیدا ہی نہیں کیا تو پھر وہ خالق کیونکر کہلا سکتا ہے ۔اصل بات یہ ہے کہ تلوار جب اپنی میان میں ہوتی ہے تو اس وقت بھی اس پر صارم (کاٹ دینے والی) کا اطلاق درست ہوتا ہے اور جب اس سے کسی چیز کو کاٹا جاتا ہے تو بھی صارم اس پر محمول ہوتا ہے مگر دونوں صورتوں میں فرق ہوتا ہے۔ جب تلوار میان میں تھی تو صارم بالقوۃ تھی اور جب اس سے کوئی چیز کاٹی گئی ہے تو صارم بالفعل ہے۔ اسی طرح جب پانی کوزہ میں ہوتا ہے تو بھی اور جب پیا جاتا ہے تو بھی اس پر مروی (پیاس بجھانے والا) صادق آتا ہے ۔مگر جب کوزا میں ہوتا ہے تو مروی بالقوت ہوتا ہے اور دوسری صورت میں بالفعل تلوار پر جب وہ میان میں ہوتی ہے اور پانی پر جب وہ کوزہ میں ہوتا ہے صارم اور مروی کے اطلاق کے معنی یہ ہیں کہ تلوار اور پانی میں کاٹنے اور سیراب کرنے والی

Marfat.com

صفت موجود ہے۔ اگر تلوار سے کاٹنا اور پانی سے سیراب کرنا وقوع پذیر نہیں ہوا تو اس میں تلوار پانی کا کوئی قصور نہیں بلکہ اس شخص کا قصور ہے جس کے ملک یا تصرف میں یہ دونوں ہیں تو جس اعتبار سے تلوار پر جب وہ میان میں ہوتی ہے اسی اعتبار سے ازل میں خدا پر خالق کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے خدا پر جب کہ اس نے جہان کو پیدا کیا ہے خالق کا اطلاق ہوگا۔ غرض کہ جن لوگوں میں خدا خالق بالقوت تھا اور اب خالق بالفعل ہے پس ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے خدا پر ازل میں اس قسم کے مشتقات کے اطلاق ناجائز قرار دیا ہے۔ انھوں نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں اور جنہوں نے جائز کہا ہے انہوں نے پہلے معنی ارادہ کیے ہیں۔

Marfat.com

تیسرا باب
خدا کے افعال میں

اس باب میں ہم سات دعاوی ثابت کریں گے

(۱) جائز تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عبادات کی تکلیف نہ دیتا۔

(۲) ایسے کاموں کی تکلیف دیتا جو اُن کی طاقت سے باہر ہوتے۔

(۳) یہ بھی جائز ہے کہ وہ بغیر کسی کے اپنے بندوں کو عذاب دے۔

(۴) خدا پر واجب نہیں کہ ان کے لئے جو مفید امور ہیں ان کی رعایت رکھتے۔

(۶) بندوں پر صرف عقل سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی بلکہ شریعت کے ذریعہ امور واجب ہوتے ہیں۔

(۷) خدا کے لئے نبیوں کا بھیجنا واجب نہیں۔

ان سات دعاوی کا دارومدار واجب حسن اور قبیح کے معانی سمجھنے پر ہے۔ اور جب تک ان تین مفہوموں کے ہر ایک پہلو کو اچھی طرح سوچ نہ لیا جائے ان دعاوی کا ثابت کرنا غیر ممکن ہے۔ کئی ایک فضلاء نے اس امر میں کہ کیا عقل کسی چیز کے حسن اور قبیح کو معلوم کر سکتی ہے یا نہیں۔ اور اس امر میں عقل بغیر شرع کے آدمیوں پر کئی ایک امور واجب کر سکتی ہے یا نہ۔ بہت کچھ حصہ لیا ہے مگر اس وجہ سے کہ وہ واجب حسن اور قبیح کے معانی اور ان کی اصطلاحات کے اختلاف کی تہ تک نہ پہنچے تھے۔ کسی صحیح اور متفق علیہ نتیجہ پر نہ پہنچ سکے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے معانی اور اصطلاحات پر کسی قدر روشنی ڈالیں تاکہ ہم کو اپنے
دعاوی کے ثابت کرنے میں سہولت ہو اس جگہ ہم کو ان چھ لفظوں کے معنوں کو بیان کرنا ضروری ہے۔ واجب، حسن، قبیح، عبث، سفہ، حکمت۔ کیونکہ ان کے معانی نہ جاننے سے لوگوں کو دھوکا لگ جاتا ہے۔

واجب کے معنی ہیں وہ کام جس کا کرنا ضروری ہو حقیقتہً چیز کو ہی واجب کہا جاتا ہے۔ آفتاب جب غروب ہو جاتا ہے تو اس پر واجب کا اطلاق ہوتا ہے ایسے فعل کو واجب نہیں کہا جاتا

Marfat.com

جس کا کرنا نہ کرنا ترجیح نہ رکھتا ہو اور اگر ترجیح بھی رکھتا ہو مگر جب تک ایک خاص قسم کی ترجیح اس کے کرنے میں نہ ہو۔ صرف ادنیٰ سی ترجیح پر جو اولیت کے درجہ میں ہو اس کو واجب نہیں کہا جا سکتا۔

یہ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ بعض ایسے افعال ہیں کہ ان کے نہ کرنے پر ضرر لاحق ہوتا ہے یا لاحق ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور ضرر یا دنیا میں ہوگا یا آخرت میں۔ نیز یا خفیف ہوگا یا سخت جس کا برداشت کرنا ناممکن ہوگا۔

جس فعل کے نہ کرنے پر معمولی ضرر ہوتا ہے اس کو واجب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جس شخص کو پیاس ہو اگر وہ جلد پانی نہ پیے تو اس کو معمولی ضرر لاحق ہونے کا احتمال ہے مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کے لیے پانی پینا واجب ہے۔ اسی طرح جن افعال کے نہ کرنے سے ضرر نہیں ہوتا مگر ان کے کرنے پر بہت فائدہ ہوتا ہے۔ ان کو واجب نہیں کہا جاتا۔ مثلاً تجارت کرنے اور نفل پڑھنے سے فائدہ ہے اور ان کو ترک کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہوتا مگر تجارت کرنا اور نفل پڑھنے واجب نہیں۔ واجب وہی فعل ہوتا ہے جس کے نہ کرنے پر ظاہر نقصان ہو سو اگر نقصان عاقبت میں ہو اور ہمیں شرع کے ذریعہ اس بات کی اطلاع ہوئی ہو تو اس کو بھی ہم واجب کہیں اور اگر دنیا میں ہو اور ہم نے عقل کے ذریعہ اس کے نہ کرنے پر جو نقصان لاحق ہوتا ہے معلوم کیا ہو تو اس کو بھی واجب کہا جاتا ہے کیونکہ جو شخص شرع کا معتقد نہیں وہ بھی کہے گا کہ جو بھوک سے مر رہا ہو اگر اس کو روٹی مل جائے تو روٹی کا کھانا اس کے لئے واجب ہے۔

اس تقریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ واجب کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ اس کے ترک پر دنیا میں ضرر لاحق ہو اور ایک یہ کہ آخرت میں نقصان اٹھانا پڑے۔ مؤخر الذکر ہمارا مقصود بالذات ہے۔ لفظ واجب کبھی تیسرے معنے پر بھی بولا جاتا ہے جس کے وقوع پر محال لازم آئے مثلاً خدا کو معلوم ہے کہ فلاں چیز فلاں وقت میں واقع ہوگی۔ اب اس کا اس وقت میں موجود ہونا واجب ہے ورنہ معاذ اللہ خدا کا جاہل ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

حسن، قبیح، عبث، سفہ فعل تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) جو فاعل کی خواہش کے موافق ہوں۔ (۲) جو اس کے مخالف ہوں (۳) نہ ان کے کرنے پر کوئی فائدہ ہو اور نہ ان کی ترک پر کوئی نفع ہو۔

جو فعل فاعل کی خواہش کے مطابق ہو وہ اس کے حق میں حسن کہلاتا ہے اور جو

Marfat.com

مخالف طبع ہو وہ قبیح اور جو نہ اس کے مخالف ہے نہ موافق وہ عبث کہلاتا ہے۔ عبث کے فاعل کا نام عابث ہے اور قبیح اسے سیفہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور قبیح کے فاعل کا نام سیفہ ہے۔ قبیح کا لفظ اگرچہ عابث کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ مگر زیادہ تر اس میں مستعمل ہوتا ہے مگر یہ ایک ہی فاعل کی نسبت تحقیق ہے اور یہ بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی فن ایک شخص کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور دوسرے شخص کو برا لگتا ہے۔ اب وہ فعل پہلے شخص کی حسن اور دوسرے کی نسبت قبیح کہلائیگا۔ کیونکہ حسن اور قبیح اضافی امور ہیں جن میں طبائع کے اختلاف کی وجہ سے بہت کچھ اختلاف ہے۔ اور اسی لیے کوئی شخص حسن اور قبیح کا صحیح معیار نہیں قائم کر سکتا مختلف طبائع تو درکنار ایک ہی شخص ایک وقت میں ایک فعل کو اپنے لئے مستحسن خیال کرتا ہے اور دوسرے وقت میں اسی کو قبیح سمجھنے لگتا ہے بلکہ ایک ہی وقت میں ...... ایک اعتبار سے ایک فعل کو مستحسن اور دوسرے اعتبار سے قبیح خیال کرتا ہے تو وہی ایک فعل حسن بھی ہوتا ہے اور قبیح بھی ہوتا ہے۔ بدنیت شخص زنا کو حسن سمجھتا ہے اور اسی کو اپنی اعلیٰ درجہ کی کامیابی خیال کرتا ہے اور کوئی شخص اس کا یہ راز ظاہر کردے تو اس کو چغلی اور غمازی خیال کرتا ہے۔ مگر ایک نیک نیت اور متقی شخص اس کو قبیح تصور کرتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کو قتل کرے تو بادشاہ کے دشمن اس کے اس فعل کو حسن کہیں گے اور اس کے احباب اور دوستوں کے نزدیک مستحسن اور قبیح متصور ہوگا۔

بعض آدمی گندمی رنگ کو خوبصورتی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور بعض کو سفید سرخی مائل پسند ہوتا ہے۔ اول الذکر گندمی رنگ کو حسن اور سفید کو قبیح کہیں گے اور مؤخر الذکر سفید سرخی مائل کو حسن اور گندمی کو قبیح خیال کریں گے۔ پس ثابت ہوا کہ حسن اور قبیح امور اضافی میں سے ہیں۔ جب یہ بات آپ کو ذہن نشین ہوگئی تو واضح ہو کہ لفظ حسن کی تین اصطلاحات ہیں بعض لوگوں کے نزدیک حسن وہ فعل ہے جو موافق طبع ہو خواہ دنیا سے تعلق رکھتا ہو اور خواہ آخرت سے۔ اور بعض کے نزدیک وہ فعل ہے جو طبع کے موافق اور آخرت سے متعلق ہو اہل حق کے نزدیک ہی حسن ہوتا ہے اور قبیح ہر ایک فریق حسن کے مقابل ہوگا۔ حسن کا پہلا معنی دوسرے معنی سے عام ہے اور پہلے معنی کے لحاظ سے بعض بیوقوف لوگ جب خدا کے افعال کو اپنی خواہشوں کے مطابق نہیں پاتے ان کو قبیح کہنے لگ جاتے ہیں۔ اسی واسطے بعض دفعہ آسمان اور زمانہ کو گالیاں دیتے ہیں حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو کرتا ہے خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ بے چارے آسمان اور زمانہ کو کچھ دخل نہیں۔

Marfat.com

اور تیسری اصطلاح اس میں یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا کے سب افعال حسن ہیں جو وہ کرتا ہے اس میں ضرور کوئی حکمت ہوتی ہے اور جس طرح وہ چاہتا ہے اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے اس کو کوئی بڑی سے بڑی طاقت روک نہیں سکتی۔

حکمت کے دو معنی ہیں۔

(۱) امور کے نظم ونسق اور ان کے مخفی اسرار کا احاطہ کرنا اور یہ خیال کرنا کہ ان کو کس طرح ترتیب دیا جائے تا کہ غایت مطلوبہ تک آسانی سے رسائی ہو سکے۔

(۲) احاطہ مذکورہ کے باوجود امور ترتیب اور ان کے نظم ونسق اور ان میں سلسلہ انتظام قائم کرنے پر قدرت کا ہونا۔ جب کسی شخص کو حکیم کہا جاتا ہے تو کبھی پہلے معنی کے لحاظ سے کسی پر حکیم کا اطلاق ہوتا ہے تو اس وقت حکیم حکمت بمعنی علم سے مشتق ہوتا ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے محمول ہوتے وقت حکمت بمعنی ترتیب اور نظم ونسق سے مشتق کیا جاتا ہے۔

جب آپ کو ان چھ الفاظ کے معنی اور ان کی اصطلاحات معلوم ہو گئیں تو ہم یہاں پر چند مغالطوں کا ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں جن کے معلوم ہونے سے آپ بہت سے ایسے شکوک وشبہات سے بچ جائیں گے جو اکثر لوگوں کو سوجھتے ہیں اور وہ ایسے ہیر پھیر میں آ جاتے ہیں کہ اصلیت کا سمجھنا ان کو بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

مغالطۂ اول

انسان کبھی ایسی چیز کو قبیح کہہ دیتا ہے جو اس کے مخالف طبع ہو اور اگر چہ کئی ایک طبائع کے موافق ہو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کو قبیح کہنے میں دوسری کی مقتضیات کا خیال نہیں کرتا اور وہ ایسا کرنے میں مجبور ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ہر انسان اپنے ذہن میں لگا ہوا ہے۔ اور وہ اپنی ہی مرضی کو مستحسن سمجھتا ہے اور دوسروں کی مقتضیات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کو قبیح بعینہٖ کہہ دیتا ہے، اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز مخالف طبع ہونے کے باعث اس کے نزدیک قبیح ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو چیز میری طبع کے مخالف ہے۔ وہ دنیا کے طبائع کے بھی مخالف ہے اور اس کی جبلت میں قبیح ہے۔ اس وجہ سے علی
الاطلاق قبیح کہہ دیتے ہے۔ یہ شخص اس کو قبیح کہنے میں تو حق بجانب ہوتا ہے مگر اس کو علی الاطلاق قرار دینے میں اس سے غلطی ہو گئی ہے اور اس کا منشاء بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ

Marfat.com

اس نے دیگر طبائع سے قطع نظر کر کے صرف اپنی طبیعت کے مقتضیٰ پر ہی اپنی نظر کو محدود رکھا ہے بلکہ اس نے اس معاملہ میں اپنے بعض حالات کو بھی نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ یہ ایک وقت قبیح خیال کرتا ہے اور دوسرے وقت اسی کو حسن سمجھتا ہے۔

مغالطۂ دوم

انسان ایسی چیز کو جو عام طور پر اس کی طبع کے مخالف ہے۔ علی الاطلاق قبیح کر دیتا ہے حالانکہ وہ چیز بعض صورتوں میں نہایت مستحسن اور موافق اس کی طبع کی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عام حالات کا اس کی طبع پر غلبہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان نادر قلیل الوقوع حالتوں کی طرف سے ان کو بالکل اجنبیت ہو جاتی ہے مثلاً جھوٹ چونکہ عموماً انسانی طبائع کے مخالف ہوتا ہے اس لئے اس کو عام طور پر قبیح کہا جاتا ہے۔ حالانکہ بعض خاص موقعوں میں جھوٹ کہنا اعلیٰ درجہ کی مصلحت اندیشی سمجھا جاتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ بعض اوقات جھوٹ کے ساتھ جو جو مصلحتیں اور محاسن وابستہ ہوتی ہیں۔ ان سے انسان غافل ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی موقع ایسا پیش بھی آجائے تو جھوٹ کو مستحسن کہنے میں وہ جھجکتا ہے۔ کیونکہ بچپن ہی سے ماں باپ اور اساتذہ کی تلقین سے اس کے دل میں صداقت کی تعریف اور جھوٹ کی مذمت بیٹھ جاتی ہے۔ اور اس کو اعلیٰ درجہ کی بُری چیز سمجھتا ہے۔

مغالطۂ سوم

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ قوت وہمیہ عقل کے خلاف چلتی ہے اور عموماً عقل پر غالب رہتی ہے۔ مثلاً سانپ کا ڈسا ہوا جب سانپ کے رنگ کی رسی کو دیکھتا ہے تو اس کو سانپ خیال کر کے اس سے ڈرتا ہے۔ حالانکہ واقع میں وہ سانپ نہیں بلکہ رسی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے سانپ کو بھی رسّی کی شکل و رنگ میں پہلے دیکھا ہے۔ اور جب وہ رسّی کو دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ وہی سانپ ہے حالانکہ عقل اس کی تکذیب کرتی ہے مگر وہمیہ کے سبب وہ عقل کی ایک نہیں سنتا۔ اسی طرح حلیم چونکہ پاخانہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ لہٰذا انسان اس سے متنفر ہوتا ہے اور اگر کوئی بھولے سے اسے کھانے لگے۔ اور کوئی آدمی کہہ دے کہ یہ تو پاخانہ کے مشابہ ہے تو وہ فوراً قے کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے پاخانہ کو زرد رنگ میں دیکھا ہوتا ہے اور جب حلیم کو دیکھتا ہے تو اس کو پاخانہ خیال کرنے

Marfat.com

لگتا ہے۔ حالانکہ عقل اس کی مکذب ہے۔ مگر وہمیہ اس کی پیش نہیں چلنے دیتی۔ اسی طرح زنگیوں کے نام چونکہ زنگی عموماً سیاہ فام اور قبیح المنظر ہوتے ہیں۔ طبع میں ایسا اثر پیدا کرتے ہیں کہ اگر وہ نام خوبصورت ترکوں کے رکھے جائیں تو ان سے بھی طبیعت کو تنفر ہو جاتا ہے حالانکہ انسان کو معلوم ہے کہ اسم سے مسمیٰ میں حسن یا قبح نہیں پیدا ہو سکتا۔ مگر یہاں بھی قوت وہمیہ اپنا کام کر جاتی ہے غرض قوتِ وہمیہ کا عقل پر غالب آ جانا مشاہدات میں سے ہے اور کئی ایک ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں قوتِ وہمیہ کے غلبہ کے صدہا نمونے نظر آتے ہیں اسی واسطے اس سے کوئی بھی ذی عقل انکار نہیں کر سکتا۔ عقل ہی کا اتباع کرنا اور قوتِ وہمیہ کا کہنا نہ ماننا یہ نعمت خدا نے صرف اپنے خاص بندوں کو عطا کی ہے ورنہ عام لوگ مرض وہم میں مبتلا ہیں۔ اگر عقائد میں نگاہ ڈالی جائے تو قوتِ وہمیہ کا بہت کچھ تصرف نظر آتا ہے مثلاً معتزلہ سے اگر تم کوئی مسئلہ پوچھو تو وہ فی الفور اس کے بارے میں اپنی رائے قائم کر دے گا۔ اور تم یہ کہو کہ امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے تو وہ فوراً اپنے پہلے قول سے مراجعت کر لے گا اور اپنی پہلی بات غلطی یا سہو وغیرہ پر محمول کرے گا محض اس لیے کہ امام اشعری کا یہ مذہب ہے۔ اسی طرح اگر کسی معمولی اشعری سے کوئی مسئلہ تم دریافت کرو تو وہ اس کے متعلق اپنی رائے قائم کر دے گا۔ اور اگر ساتھ یہ بھی کہہ دو کہ یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے تو جھٹ اپنے سابق قول سے رجوع کرے گا۔ یہ کوئی عوام میں ہی نہیں بلکہ اہل علم اسی مرض میں مبتلا ہیں کیونکہ سب سے بڑا کام جو انکے زیر نظر رہتا ہے اور جس کو یہ بڑا کمال اور فخر سمجھتے ہیں وہ اپنے معتقدات کے اثبات کے لیے طرح طرح کے حیلے تراشتے ہیں۔ اگر ان کو کوئی کافی دلیل اثباتِ مدعا کے لیے مل جاتی ہے تو اپنے جاموں میں پھولے نہیں سماتے اور اگر اپنے معتقدات کے خلاف کوئی دلیل دیکھتے ہیں تو جائز و ناجائز وسائل سے اس کی تردید کے درپے ہو جاتے ہیں۔

یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ آپ کے نزدیک حسن و قبح کی بنا موافقت یا مخالفت طبع پر ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک عاقل اور سمجھ دار انسان کبھی ایسی چیز کو مستحسن خیال کرتا ہے جس میں اس کو کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی وہ کسی فائدے کو مدنظر رکھ کر اس کو کرتا ہے اور ایسی شے کو جس میں اس کو فائدہ کی توقع ہوتی ہے۔ قبیح اور مستحسن سمجھتا ہے۔ جو بے فائدہ چیز کو مستحسن خیال کرتا ہے اس کی مثال ایسا شخص ہے جو کسی آدمی یا حیوان کو معرض ہلاکت میں دیکھتا ہے اور اس سے بچانے پر قادر ہے۔ اب یہ

Marfat.com

شخص اس کے بچانے کو مستحسن سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ نہ کسی شریعت کا معتقد ہے جو آخرت میں ثواب ملنے پر اس کو یہ خیال پیدا ہوا ہے اور نہ ہی جس کو بچائے گا۔ اس سے کوئی لالچ رکھتا ہے اور نہ ہی اس وقت کوئی دیکھ رہا ہے جو یہ خیال ہو کہ اپنی ناموری اور بہادری دکھانے کے لئے اس کے درپے ہوا ہے اور جو فائدہ مند کو قبیح سمجھتا ہے اس کی مثال وہ شخص ہے جس کے سر تلوار کھنچی ہوئی ہے اور وہ کلمہ کفر کو زبان پر لانے کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے۔ اب یہ شخص شریعت کی طرف سے ایسا کرنے میں مجاز ہے۔ مگر وہ اس کو قبیح سمجھتا ہے حالانکہ اس میں اس کی زندگی بچ جاتی ہے اور یا وہ ایسا شخص ہے جو کسی شرع کا معتقد نہیں اور کسی عہد شکنی پر سایۂ شمشیر کے نیچے رکھا ہوا مجبور کیا گیا ہے۔ اب یہ اگر عہد توڑ دے تو اس میں اس کو فائدہ ہے مگر وہ اس کو قبیح سمجھتا ہے اور مارا جانے کو مستحسن خیال کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا کسی ذی روح چیز کو جب کہ معرضِ ہلاکت میں ہو بچانا اس کی حقیقت کا تقاضا ہے۔ جب آدمی کسی بنی نوع یا کسی حیوان کو مظلومانہ حالت میں دیکھتا ہے تو بے اختیار اس کے دل میں ایک چوٹ سی محسوس ہوتی ہے اور جب تک اس کو بچا نہ لے وہ چوٹ اسے چین نہیں آنے دیتی۔ اور اگر کوئی ایسا سنگدل اور قسی القلب انسان ہو جسے اس کی حالتِ زار کو مشاہدہ کر کے ذرا بھی رحم نہ آئے۔ تو وہ انسان نہیں بلکہ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہے۔ اول تو ایسا انسان ہی کوئی نہیں ہے اور اگر فرض بھی کر لیا جائے تو یہاں اس کو اس کام پر برانگیختہ کرنے والی بات لوگوں کی تعریف و توصیف ہوگی اور اگر اس نے ایسی جگہ میں اس چیز کو بچایا ہو جہاں اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو مگر تو بھی انسانی جبلت کا مقتضا ہوتا ہے کہ ایسے موقعوں پر اس کی تعریف و توصیف کی جائے چونکہ عموماً ایسے کاموں میں ایک جانباز بہادر کی مدح و ثنا ہونی یقینی بات ہے لہٰذا اس وہم پر ہی وہ شخص اس کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ جو شخص اپنے معشوق کے ساتھ اس کے گھر میں ایک عرصہ تک رہے اور پھر جب کبھی اس کو وہ گھر دیکھنے کا موقع ملے تو اس کو دیکھنے سے اس کے دل پر گہرا اثر پڑتا ہے اس واسطے کسی شاعر نے کہا ہے۔

امر علی جدار دیارِ لیلیٰ	میں معشوقہ لیلیٰ کے دیار کی دیواروں سے گزرتا
اقبل ذا الجدار وذا الجدارا	ہوں تو کبھی اس دیوار پر بوسہ دیتا ہوں اور کبھی اس پر
وما تلک الدیار شغفن قلبی	ان دیار نے میرے دل کو مبتلا نہیں کیا بلکہ ان
ولکن حب من سکن الدیارا	میں رہنے والی معشوقہ کی محبت نے مجھے

Marfat.com

اپنا عاشق بنالیا ہے۔

ابن رومی نے لوگوں کی جو محبت اپنے وطن کے ساتھ ہوتی ہے اس کا خاکہ ان دو بیتوں میں کھینچا ہے۔

وَحب الطان الرجال اليهم	لوگوں نے بعہد جوانی جو امنگیں اپنے وطنوں میں
مازب قضاً ها الشاب هنا لكا	پوری کی تھیں وہ انکی محبت وطن کا باعث بن گئیں
اذا ذكرو ااوطا نعم ذ كرتهم	وطن کا خیال انکے دل میں آتا ہے تو ایام طفلی ان
هو د الصّبا نها فخنو لِلبكا	کو یاد آجاتے ہیں اور اس سے رونا آجاتا ہے۔

غرض جب انسان لوگوں کے عادات واخلاق پر نگاہ ڈالے تو اس قسم کے ہزاروں امور مشاہدہ کرسکتا ہے جن سے انسان کی جبلی جذبات اور فطری مقتضیات کے باعث بعض کاموں پر توجہ کرنے پر مجبور ہونے کے ثبوت ملتے۔ ان پر غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے ہی اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ نفوس ایسے موقعوں پر اپنی جبلی اور فطری جذبات کی وجہ سے اس قسم کے امور کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے نفس کے قوئی اوہام اور تخیلات کے مطیع ہوتے ہیں مثلاً جب انسان کسی لذیذ کھانے کا دل میں خیال کرتا ہے یا اس کو دیکھتا ہے یا کسی سے سنتا ہے تو اس کا دل بھر آتا ہے اور اس کے کھانے کو جی چاہتا ہے حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں اس وقت روزہ دار ہوں یا اس کو کھانے سے کوئی اور امر مانع ہے۔ اسی طرح جب کسی خوبصورت معشوقہ کا آدمی اپنے دل میں تصور کرتا ہے تو رگ شہوت جوش مارنے لگتی ہے اور اس کے ساتھ جماع کرنے کو جی چاہتا ہے۔ غرض ہزار ہا ایسی مثالیں ہیں جیسے قوئ نفس کا توہمات اور تخیلات کا ہونا اوران کا محکوم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کلمہ کفر زبان سے نہ نکالنا اور لقمہ تیغ ہو جانا اس کو مستحسن اور قبیح خیال کرنے پر مبنی نہیں۔ بلکہ جو آدمی ایسا کرتا ہے وہ اگرچہ مستحسن سمجھتا ہے مگر صبر کرنے پر جو اس کو شہادت کا درجہ عطا ہوتا ہے اس کو بہ نسبت اس کے زیادہ مستحسن سمجھتا ہے یا اس کے خیال پر کلمۂ کفر منہ سے نہیں نکالتا کہ لوگ اس کی پرہیز گاری اور اس کے تورّع یا ایفائے عہد کی تعریف کریں غرض کوئی نہ کوئی امر ہوتا ہے جس سے انسان اس آڑے وقت میں کلمۂ کفر زبان سے نہیں نکالتا۔ اور لقمہ اجل بننے کو پسند کرتا ہے۔

اس بات کے تمہیدی مقدمات ختم ہوئے اب ہم اپنے دعاوی کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

پہلا دعویٰ

جائز تھا کہ خدا تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتا۔ اور جب اسکو پیدا کیا ہے تو اس کو مکلف نہ کرتا۔ غرض مخلوق کو پیدا کرنا اور پیدا کر کے اس کو مکلف بالاعمال کرنا خدا کے لئے واجب نہیں۔ معتزلہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خدا پر یہ دونوں واجب ہیں۔ اہل حق کی دلیل ہے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ واجب وہ چیز ہے جس کے نہ کرنے سے دنیا میں یا آخرت میں کوئی نقصان اور ضرر لاحق ہو یا وہ چیز جس کی نقیض کا پایا جانا محال ہو اور خدا کو مخلوق کے نہ پیدا کرنے پر کوئی نقصان لاحق نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کو پیدا نہ کرنے اور مکلف نہ بنانے پر کوئی محال لازم آتا ہے پس ثابت ہوا کہ جس امر کو واجب کہا گیا ہے اس پر واجب کی صادق نہیں آتی ہاں اگر یہ کہا جائے کہ خدا کا علم ازل میں چونکہ اس کے پیدا کرنے کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے اور اس کا پیدا ہونا مقدر ہو چکا ہے لہٰذا خدا کے لئے اس کا پیدا کرنا واجب تھا تو اس قسم کے وجوب کے ہم بھی قائل ہیں۔ کیونکہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کے متعلق خدا کا ارادہ ہو چکا ہو تو اس کا موجود ہونا ضرور ہوتا ہے مگر معتزلہ کے نزدیک خدا تعالیٰ واجب کے پہلے معنی مطابق مخلوق کو پیدا کرنے اور اس کو مکلف بالاعمال بنانے پر مجبور ہے۔ اگر کوئی کہے کہ خدا پر یہ اس لئے واجب ہے کہ اس میں مخلوق کا فائدہ ہے نہ یہ کہ خدا کو اس کے پیدا کرنے میں کوئی نفع ہے تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ پہلے وجوب کے معنی بتانے ضروری ہیں کیونکہ ہم نے جو اس کے معانی بیان کئے ہیں ان میں سے کسی معنی کے مطابق خدا کی مخلوق کو پیدا کرنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا اگر کسی اور معنی کے لحاظ سے وجوب ہے تو جب تک ہمیں وہ معنی معلوم نہ ہوں ہم کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔

ہم یہ مانتے ہیں کہ مخلوق کو اس کے پیدا ہونے اور مکلف بالاعمال بننے میں فائدہ ہے۔ مگر جب خدا کو مخلوق کے فائدہ سے کوئی فائدہ نہیں تو اس پر مخلوق کو پیدا کرنا اور مکلف بنانا کس طرح واجب ہو سکتا ہے۔ نیز اگر مخلوق کو فائدہ ہے تو کسی قدر اس کے پیدا ہونے میں ہے۔ مکلف بالاعمال ہونے میں کیا فائدہ یہ تو سراسر تکلیف ہے اور اگر اصلیت پر نگاہ ڈالی جائے تو اس دار دنیا میں مخلوق کو کوئی فائدہ نہیں۔ فائدہ تب تھا جب جنت میں مخلوق کی پیدائش ہوتی۔ وہاں مزے اڑاتی۔ کوئی کسی قسم کا کھٹکا نہ ہوتا۔ نہ بیماری ہوتی نہ افلاس ستاتا رنج و تکلیف کا نام ونشان بھی نہ ہوتا دنیا میں تو دانا لوگ موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں

Marfat.com

۔انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کہتا تھا ۔کاش کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا اور کوئی کسی پرندے کو دیکھ کر ظاہر کرتا تھا کہ میں پرندہ ہوتا تو نارِ دوزخ کا ڈر نہ ہوتا غرضیکہ جس کو دیکھا گیا ہے موت کی تمنائیں اپنے اندر لیے نظر آیا۔ ہمیں اس سے بڑا تعجب آتا ہے جو کہتے ہیں کہ مکلف بننے میں مخلوق کو فائدہ ہے۔ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ مکلف بننا ہی تمام تکلیفوں کا سرچشمہ اور مرکز ہے۔

اگر کہا جائے کہ دنیا میں مخلوق کو پیدا کرنے اور مکلف بنانے میں اس کو یہ فائدہ ہے کہ آخرت میں جنت کے اعلیٰ مراتب اس کو ملیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا بغیر عبادت کے بھی یہ مراتب عطا کر سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بیشک بغیر عبادت کے بھی وہ مراتب عطا کر سکتا ہے۔ مگر عبادت کرنے سے ایک قسم کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے اور جو چیز استحقاق کے طور پر ملے وہ زیادہ لذیذ اور قابلِ قدر ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت سے کوئی استحقاق ثابت نہیں ہوتا۔ خدا کے مقابلہ میں کسی چیز کے لئے کسی قسم کا کوئی استحقاق نہیں۔ ایسے لوگوں سے زیادہ بیوقوف کون ہوگا جن کے دلوں پر شیطانی وساوس کا یہاں تک قبضہ ہو گیا ہو کہ وہ اصلیت کی شاہراہ سے بہت دور جا پڑے ہوں یہ ایک شیطانی جذبہ ہے کہ بغیر عبادت اور اطاعت کے جنت میں رہنا اس میں داخل ہونا ممکن ہے۔

بھلا یہ لوگ یہ تو خیال کریں کہ جس عبادت پر استحقاق جنت بنا ہے کیا اس کے اسباب بغیر انسان کی قدرت۔ ارادہ صحت اور سلامتی اعضاء کے کوئی اور بھی ہیں ہر گز نہیں ۔اور یہ اسباب سب کے سب خدا کے عطا کیے ہوئے ہیں۔۔ وہ چاہے تو آن کی آن میں ان کو ہم سے چھین سکتا ہے تو جب عبادت کے اسباب محض اسی کا عطیہ ہیں تو عبادت سے کون سا استحقاق حاصل ہو سکتا ہے۔

دوسرا دعویٰ

جائز ہے کہ بندے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسے اعمال کے ساتھ مکلف ہوتے ہیں جو ان کی طاقت سے خارج ہوتے ہیں معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعت کہتے ہیں کہ مکلف ہونے کے لئے صرف کلام اور اس کے لئے کسی صحیح مورد کا ہونا شرط ہے اور مورد کے صحیح ہونے کے لئے صرف کلام کا سمجھنا اور اس کی تہ تک پہنچنا ضروری ہے اور اس کا ممکن ہونا ضروری نہیں چنانچہ عرف میں جمادات یا مجانین کے

Marfat.com

ساتھ جو کلام کیا جائے اس کو خطاب یا تکلیف نہیں کہا جا سکتا سو خدا متکلم ہے اور بندے اس کا مورد ہیں۔ ان کے مورد ہونے کے لئے صرف اس کے کلام کو سمجھنا ضروری ہے خواہ اس کا وقوع جائز ہو یا محال۔

نیز اگر مالا یطاق پر مکلف بنانا محال ہوا تو اس کا محال ہونا یا اس لیے ہو گا کہ جیسے سیاہی اور سفیدی کا ایک وقت ایک جگہ جمع ہونا محال ہے ویسے ہی اس کی ذات کا ذہن میں اترنا ناممکن ہے اور اس کے مستقبح ہونے کی وجہ سے محال ہے۔ پہلی صورت باطل ہے۔ کیونکہ بیشک سیاہی اور سفیدی ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتیں مگر تکلیف مالا یطاق کے مفہوم کا ذہن میں اترنا محال نہیں۔ کیونکہ خصم کے نزدیک تکلیف صرف لفظ کا نام ہے اور جیسے ہم ایک آدمی کو چارپائی پر چڑھنے کا امر کر سکتے ہیں ویسے ہی اسکو آسمان پر چڑھنے کا امر کرنا ہی محال نہیں ہے اور نہ اس مفہوم کا ذہن میں اترنا محال ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی آدمی بغیر کسی خاص صورت کے آسمان پر نہیں چڑھ سکتا اور ہمارے نزدیک تکلیف یا مکلف بنانے سے مراد ایک اقتضا ہے جو نفس یا ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور جیسے قادر شخص کو کسی بات کے امر کرنے کا اقتضا ہوتا ہے ویسے اس کے کرنے سے جو شخص عاجز ہو اس کو بھی امر کرنے کا اقتضا ہوتا ہے مثلاً آقا اپنے نوکر کو کھڑا کرنے کا امر کرے اور فرض کرو کہ امر کرتے ہی وہ بڑلا ہو گیا ہے مگر آقا کو اس بات کی کوئی خبر نہیں۔ اب اس صورت میں آقا کے نفس کے ساتھ اقتضا قائم ہے مگر مامور یعنی نوکر کھڑا ہونے سے عجز ہے اور اگر بعد میں آقا کو معلوم بھی ہو جائے تو اس کے قیام کے کوئی نقص لازم نہیں آتا اور تکلیف مالا یطاق کا اس لئے محال ہونا کہ مستقبح امر ہے صحیح نہیں کیونکہ خدا غرض سے مبرا ہے۔ ہاں انسان اس کو مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر اس کے مستحسن سمجھنے سے خدا کے نزدیک قبیح ہونا لازم نہیں آتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ایسے امور کی تکلیف دینا بے سود اور بے فائدہ ہے اور جو بے فائدہ ہو وہ عبث ہوتی ہے۔ اور خدا عبث اور لغو کاموں سے مبرا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتراض تین دعاوی پر مشتمل ہے۔

(۱) یہ بے فائدہ بات ہے۔

(۲) جو بے فائدہ چیز ہو وہ عبث ہوتی ہے۔

(۳) خدا عبث اور لغو کاموں سے مبرا ہے۔

یہ تینوں دعاوی غلط ہیں پہلا اس لئے کہ ممکن ہے کہ تکلیف مالا یطاق میں بندوں

Marfat.com

کے لیے بہت سے فوائد ہوں جن کی خبر بندوں کو نہ ہو اور خدا ان سے واقف ہو خدا کی اطاعت اور اس پر ثواب ملنا ہی فائدہ نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ خدا کا امر کرنے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ یہ شخص مامور بہ پر اعتقاد رکھے گا یا نہیں اور بہت دفعہ مامور کو عملی صورت میں لانے سے پیشتر ہی وہ منسوخ کیا جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا مگر جب وہ اپنے لختِ جگر کو ذبح کرنے لگے تو فوراً یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔

اسی طرح خدا نے ابوجہل کو ایمان لانے کا امر کیا اور خود ہی یہ بھی بتلا دیا تھا کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائے گا۔ دوسرا دعویٰ اس لیے غلط ہے کہ بے فائدہ اور عبث کے ایک ہی معنی ہیں تو پھر یہ محض تکرار ہے۔ تیسرا دعویٰ اس لیے غلط ہے کہ عبث سے مراد وہ بے فائدہ فعل ہے جو ایسے شخص کی طرف منسوب ہو جس کے کام اغراض پر مبنی ہوں اور وہ ان کو کرنے پر مجبور ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے مبرا اور پاک ہے۔ اس کے کام اضطرار اور مجبوری پر مبنی نہیں ہیں۔ خدا کو عبث کہنا ایسا ہی ہے جیسے ہوا کو جب وہ اپنے جھونکوں سے درختوں کو حرکت دے عابث کہا جائے یا دیوار کو غافل کہا جائے۔ حالانکہ نہ ہوا عابث ہے اور نہ دیوار غافل کیونکہ اس کے چلنے میں کوئی غرض مدِ نظر نہیں ہوتی۔ اور غافل اس کو کہا جاتا ہے جو جہل اور علم کا اہل ہو جو انسانوں کا خاصہ ہے۔

غرض تکلیف مالایطاق کا جواز ضرور ماننا پڑتا ہے اور علاوہ دلیل مذکورہ بالا کے ایک اور زبردست دلیل ابوجہل کو خدا کا مکلف بالایمان بنانا ہے جب کہ خدا کو معلوم تھا کہ وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کو اس بات کی خبر بھی دے دی یہ تکلیف مالایطاق کی ہو بہو مثال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف ہونا اگرچہ محال بالذات نہیں مگر عدم وقوع میں اس سے کم بھی نہیں بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ کفار میں سے جو ایمان لائے وہ مامور اور مکلف نہیں تھے شریعت سے انکار ہی نہیں بلکہ اس کے سفید چہرہ ایک بدنما داغ لگانا ہے اگر کوئی کہے کہ اگرچہ ابوجہل اپنی شقاوت کی وجہ سے دولت ایمان سے محروم رہا۔ مگر ایمان لانا اس کے محال نہیں تھا۔ بلکہ وہ اس پر قادر تھا تو پھر تکلیف مالایطاق کی یہ مثال کیسے صحیح ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک کسی کام کے کرنے سے پیشتر اس کی قدرت موجود نہیں ہوتی۔ اور جب وہ ایمان نہیں لا سکا تو معلوم ہوا کہ اسکو قدرت ہی نہ تھی۔ اور معتزلہ کے نزدیک اس کے لیے ارادہ اور خدا کے لیے علم کا خلاف نہ ہونا شرط

Marfat.com

ہے۔اور جب خدا کو اس کے ایمان نہ لانے کا علم تھا تو ثابت ہوا کہ ابوجہل ایمان لانے پر قادر نہیں تھا۔

تیسرا دعویٰ

جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بے قصور انسان یا حیوان کو عذاب دے معتزلہ اس کو قبیح کہتے ہیں۔اسی بنا پر ان کو یہ کہنا پڑتا ہے مثلاً مچھر اور پسّو کو جو دنیا میں تکلیفیں ہوں گی۔ قیامت کے روز خدا ان کو ضرور پیدا کر کے ان کو بدلا دے گا۔اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی ارواح بطور تناسخ کے دوسرے ابدان میں منتقل ہو کے ان تکالیف کے عوض عیش اڑاتی ہیں ۔ان کا یہ مذہب بالکل لغو اور مہمل ہے۔کیونکہ دنیا میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ حیوانوں ۔بچوں اور مجنونوں کو خدا طرح طرح کی مصائب اور تکالیف میں مبتلا کرتا ہے۔حالانکہ یہ بالکل بے گناہ اور بے قصور ہوتے ہیں۔اگر خدا کے لیے بے گناہ انسانوں یا حیوانوں کو آرام وراحت پہنچانا واجب ہوتا تو مویشیوں۔بچوں اور مجانین کے امراض کا وجود دنیا میں عنقا ہوتا۔نیز پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا پر کوئی امر واجب نہیں ہے۔اگر کوئی کہے کہ ایسا کرنا اس کے حکیم ہونے کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے حکیم ہونے کے معنی ہیں سلسلۂ کائنات کو خاص نظم ونسق کے ساتھ چلانا اور اس کے لیے قسم قسم کے اسباب مہیا کرنا اور ایسا کرنا اس کے مخالف نہیں۔اگر کوئی یہ کہے کہ پھر خدا ظالم ہوگا حالانکہ وہ کہتا ہے وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (تیرا رب تیرے بندوں پر ظلم نہیں کرتا) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم خدا سے سلب محض کے طور پر مسلوب اور منفی ہے۔یعنی خدا تعالیٰ میں ظلم وستم کرنے کی استعداد ہی نہیں جیسے دیوار سے غفلت اور ہوا سے عبث کام کرنا مسلوب اور منفی ہے۔کیونکہ ظلم کے معنی ہیں کسی دوسرے کے ملک میں دخل دینا اور تصرف کرنا یا اپنے حاکم کی خلاف ورزی کرنا۔تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ظلم کیوں ہوگا۔اس پر ظلم کا لفظ تب صادق آسکتا ہے جب بندوں یا اس کی دوسری مخلوق میں اسے کوئی چیز اس کے ملک میں سے خارج ہو یا اس پر کوئی زبردست طاقت حکمران ہو ہر ایک شخص جانتا ہے کہ انسان اپنی مملوکہ چیز میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔مثلاً کپڑا پھاڑ دے۔آگ میں جلا دے یا کسی کو دیدے۔اس کو کوئی بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی ظالم نہیں کہہ سکتا ہاں اگر کسی غیر کی چیز میں دست اندازی کرے یا خلاف شرع کوئی کام کر بیٹھے تو بیشک ظالم کا خطاب اسے دیا جا

Marfat.com

ے گا۔ غرض کے معنی اللہ تعالیٰ میں نہیں پائے جاتے اس کی بارگاہ میں چوں چرا کی مجال نہیں دنیا کے بڑے بڑے فرمانروا اور اولوالعزم بادشاہ اس کی بارگاہ عالی میں مچھر کے پر کی حیثیت نہیں رکھتے۔

چوتھا دعویٰ

اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے بندوں کی بہبودی اور رعایت واجب نہیں بلکہ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا پر یہ واجب ہے ان کے مذہب کے بطلان کے لیے اول تو یہی کافی ہے جو ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ خدا پر کوئی چیز واجب نہیں دوم مشاہدہ اور تجربہ بھی اس کے بطلان پر شاہد ہے۔ فرض کرو تین لڑکے ہیں۔ جن میں سے ایک صغرسنی نے بحالت اسلام مر گیا اور ایک سن بلوغت کو پہنچا اور مسلمان ہوکر بڑی بڑی نیکیاں کیں اور مر گیا اور ایک سن بلوغت کو پہنچا مگر کافر ہوکر دنیا کو چھوڑا۔ اب معتزلہ کے نزدیک اول الذکر جنتی ہے اور دوسرا بھی صغیر ہے۔ مگر بہ نسبت پہلے کے اعلیٰ مراتب کا مستحق ہے اور موخر الذکر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ فرض کرو پہلا لڑکا کہتا ہے اے اللہ مجھ کو میرے دوسرے بھائی سے کیوں کم مراتب ملے ہیں کیا میں مسلمان نہیں تھا۔ خدا جواب دے گا کہ یہ سن بلوغت کو پہنچ کر طرح طرح کی نیکیاں کرتا رہا ہے وہ کہے گا کہ اگر میں بھی زندہ رہتا اور جوان ہوتا تو اس سے زیادہ نیکیاں کرتا مجھ کو قبل از وقت مار کر میری حق تلفی کیوں کی گئی خدا کہے تجھے اس لئے صغرسنی مارا ہے کہ مجھے معلوم تھا کہ اگر تو زندہ رہ کر جوان ہوتا تو کافر ہوکر مرتا اور ہمیشہ کے لئے تجھے جہنم میں رہنا پڑتا

اس لیے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ تجھے لڑکپن ہی میں مار دیا جائے تاکہ کم سے کم بہشت میں تو رہنے کا تجھے استحقاق ہو۔ اتنے میں ان کے ساتھ کا شخص جو کافر ہونے کے سبب ہمیشہ کے لیے دوزخ میں پھینک دیا گیا ہے۔ کہے گا اے اللہ اگر میری نسبت بھی تجھے علم تھا کہ میں بالغ ہوکر کافر ہوں گا اور اس کی وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں رہوں گا تو مجھے بھی صغرسنی میں ہی مار دیتا تاکہ آتش دوزخ سے رہائی ہوتی۔ اب بتاؤ اگر خدا کے لئے آدمیوں کی بہتری واجب ہے تو اس کو خدا کیا جواب دے گا۔ یقیناً کوئی جواب نہ بن پڑے گا مگر اہل السنتہ والجماعت پر یہ اعتراض نہیں عائد ہوگا۔

Marfat.com

پانچواں دعویٰ

جائز ہے کہ خدا تعالیٰ نیکوں کو دوزخ میں ڈال دے اور بُروں کو بخش دے اگر چاہے تو ایک دفعہ بندوں کو فنا کر کے پھر دوبارہ نہ اٹھائے۔ اس کو اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کہ تمام کافروں کو بخش دے۔ اور ان کے عوض نیک سے نیک بندوں کو ہمیشہ کے لیے آگ میں ڈال دے۔ غرض یہ امور نہ محال ہیں۔ اور نہ ان کے وقوع سے خدا کی صفات میں کوئی نقص لازم آتا ہے۔ کیونکہ بندوں کو مکلف بالعبادت اور چیز ہے اور ان کو اچھے یا بُرے اعمال پر جزا و سزا دینا اور امر ہے خدا کے لیے ان میں سے کوئی بھی واجب کے تین معنوں کے مطابق واجب نہیں ہاں اگر وجوب کے معنی ہیں کہ خدا کا یہ وعدہ ہے کہ نیکوں کو جنت میں اور بروں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ اور وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کر سکتا تو اس کے ساتھ ہم بھی متفق ہیں اگر یہ کہا جائے کہ بندوں کو اعمال پر مجبور کرنا اور باوجود قدرت کے ان کو اعمال کے مطابق جزا و سزا نہ دینا مستحسن اور قبیح ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبیح کے معنی ہیں جو کام غرض کے خلاف ہو سو اگر قبیح سے مراد خدا کی غرض کے خلاف ہے تو وہ اغراض سے پاک ہے اور اگر بندوں کی غرض کے خلاف مراد ہے تو ان کی اغراض کے خلاف ہونے سے خدا کے نزدیک اس کا قبیح ہونا لازم نہیں آتا نیز ہر ایک شخص جانتا ہے کہ آقا کے لیے اپنے غلام کو اس کی حسنِ خدمات پر انعام عطا کرنا واجب نہیں کیونکہ پھر یہ معاوضہ اور اجرت کہلائے گی جو اس کی غلامی کے منافی ہے۔ سب سے زیادہ تعجب انگیز معتزلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ بندوں پر خدا کی نعمتوں کے مقابلہ میں شکر واجب ہے اور خدا پر شکر کا بدلہ دینا واجب ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر یہ بات ہے تو خدا کے بدلہ دینے پر جدید شکر بندوں پر واجب ہوگا اور پھر اس شکر پر خدا کو جدید بدلہ دینا واجب ہوگا تو پھر اسی طرح شکر و جزا کا سلسلہ الی غیر النہایۃ جائے گا اور یہ محال ہے اس سے بڑھکر لغو ان کا یہ دعویٰ ہے کہ کافر بلکہ مرتکب کبیرہ کو جو توبہ کرنے سے پہلے مرے گا ہمیشہ دوزخ میں رکھ کر عذاب دینا خدا پر واجب ہے۔ ان کا یہ بے سروپا دعویٰ کرم فیاضی۔ مقتضائے عقل عادت اور شریعت محمد یہ علی صاحبہا افضل التحیۃ سے ان کی نابلدی اور طفل مکتبی پر دلالت کرتا ہے کون نہیں جانتا کہ گناہ پر سزا دینے سے معاف کر دینا اچھا ہوتا ہے اور معافی پر لوگوں کی طرف سے جو آفرین اور ثنا ہوتی ہے وہ انتقام پر نہیں ہوتی تو پھر خدا بھی عجیب خدا ہے کہ معافی جانتا ہی

Marfat.com

نہیں۔ جب کوئی شخص گناہ کرے اور دنیا میں اسے توبہ نصیب نہ ہو تو خدا تعالیٰ اس کو ہمیشہ عذاب دینے پر مجبور ہو جاتا ہے یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ دنیا کے بادشاہ وعلما کسی کی بڑی بڑی خطائیں معاف کر دیں اور ان کو معاف کرنے میں ذرہ بھی کوئی خیال نہ آئے مگر وہ احکم الحاکمین غفور الرحیم اس وصف سے محروم ہو۔

انتقام کا وجوب وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی کسی دوسرے کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے یا اس نے کوئی ایسا کام کیا ہو جس سے دوسرے کی عزت میں فرق آ گیا ہو اور ظاہر ہے کہ اگرچہ ساری مخلوق شب و روز اسکی عبادت ہیں لگ جائے یا سارے کے سارے بندے (خدانخواستہ) کافر و مرتد ہو کر اس کی نافرمانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں۔ لیکن اس کی نورانی ذات اور اس کے پاک اوصاف میں کوئی کسی قسم کا فرق نہ آئے گا اور اگر بفرضِ محال خدا نے ضرور اعمال سیہ کا بدل ہی دینا ہے اور وہ اس امر پر مجبور اور بے اختیار ہے تو سزا کی مقدار اتنی ہی ہونی چاہیے جو گناہ کی مقدار ہے نہ یہ کہ گناہ تو ایک لمحہ میں کیا گیا ہے یا مثلاً ساٹھ برس تک کفر کی حالت میں ایک انسان زندہ رہا ہے اور سزا ہمیشہ کے لئے مقرر کر دی جائے یہ نہ انصاف ہے نہ عدل ایک اور وجہ بھی ہے جس کے معتزلہ کے مذہب کا بطلان ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ خدا تو درکنار انسان ہی کو ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بغیر دو صورتوں کے کسی گناہ اور خطا پر سزا دینی قبیح سمجھتا ہے۔ ان دو صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ سزا دینے میں آئندہ کے لئے جس کو سزا دینے کا ارادہ ہے اس کی بہتری مقصود یعنی یہ ہو کہ اگر اب اس کو سزا دی گئی تو آئندہ یہ اس امر شنیع کا مرتکب نہیں ہوگا اور اگر یہ غرض نہ ہو تو اسی سزا کو ہر ایک قبیح سمجھے گا کیونکہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا ہے اور آئندہ اس امر کے ارتکاب کا موقعہ نہیں رہا اب سزا دینے سے کیا حاصل ہوگا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کو کسی نے کوئی نقصان پہنچایا ہو جس سے اس کو سخت غصہ ہو۔ اس صورت میں بھی اگر مظلوم کے لئے انتقام لیا جائے تو یہ چنداں مستحسن نہ ہوگا۔ یہ دو صورتیں ہیں جن میں انتقام قبیح نہیں ہوتا مگر جب ہم غور کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ میں ان دونوں میں سے کوئی صورت بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ قیامت کے آگے نہ کسی بات کی تکلیف ہے اور نہ آدمی اس کی عبادت پر مجبور ہوں گے تاکہ پہلی صورت محقق ہو۔ اور نہ خدا کو بندوں کے گناہوں سے رنج پہنچتا ہے تاکہ دوسری صورت کا احتمال ہو۔

Marfat.com

چھٹا دعویٰ

اگر شرع نہ ہوتی یعنی پیغمبروں کے ذریعہ ہم کو خدا کی معرفت نہ ہوتی تو خدا کا پہچاننا اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ہم پر واجب نہ ہوتا اور معتزلہ کہتے ہیں کہ عقل کے ذریعہ اس کا پہچاننا واجب ہوتا ان کا یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ اگر محض عقل کے ذریعہ خدا کی معرفت واجب ہوتی تو دو بات سے خالی نہیں یا کسی فائدہ کو جو اس کی معرفت پر مرتب ہونے والا ہے مدنظر رکھا گیا ہے یا بغیر فائدہ کے عقل اس کی معرفت پر مجبور ہے اگر بلا کسی فائدہ کے ہے تو عقل کا یہ فعل عبث ہوگا۔ جو اس کی شان کے خلاف ہے اور کسی فائدہ کا خیال ہے تو وہ فائدہ یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا اور یا انسان کی طرف۔ خدا کو تو اپنی معرفت سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر خود انسان کے لیے ہے تو یا دنیا میں ہوگا یا آخرت میں۔ دنیا میں تو اس کی عبادت سے مفت میں اپنی جان کو طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتوں میں ڈالنے کے بغیر اور کوئی فائدہ نظر نہیں آتا اور آخرت میں ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے یہ کہاں سے معلوم کر کیا ہے کہ اعمال صالحہ سے ضرور بہشت ہی ملے گا کیونکہ صورتِ مفروضہ میں نہ کوئی شریعت ہے نہ نبی جس کی زبانی ہمیں علم ہو گیا ہو۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ہر ایک شخص کا یقین ہے کہ میرا خالق ہے اس کے بہت سے حقوق میرے ذمہ ہیں اگر میں اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرونگا تو مجھے مراتب عالیہ عطا کرے گا اور اگر ناشکری کروں گا تو عذاب دے گا غرض کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں اور اطاعت اور فرمابرداری پر عذاب اور معصیت پر ثواب ملنے کا احتمال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دانا شخص کو اس کی طبیعت ضرور اس امر پر مجبور کرتی ہے کہ وہ پیش آنے والے ضرر سے بچنے کی کوشش کرے مگر اس سے خدا کی معرفت اور اس کی اطاعت کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا ثبوت اس بات پر موقوف ہے کہ کوئی ایسی چیز ہو جو جانب فعل کو اس کی ترک راجح کر دے اور جس سے یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اگر اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا جائے تو راضی ہوتا ہے اور ناشکری سے ناراض خاص کر جب ہم دیکھتے ہیں کہ شکر اور عدم شکر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں دونوں مساوی ہیں نہ اس کو شکر پر خوشی حاصل ہوتی ہے اور نہ عدم شکر پر رنج یہ تو انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی تعریف پر خوشی ہوتا ہے اور مذمت اور ہجو سے اس کے دل پر چوٹ لگتی ہے تو جب اس کی بارگاہ میں یہ دونوں

Marfat.com

ایک درجہ رکھتے ہیں تو پھر عبادت اور معصیت میں سے ایک دوسرے پر ترجیح دینی محال ہوگی بلکہ جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں دو ایسی وجوہ
نظر آتی ہیں جن سے بظاہر عبادت پر عذاب ہونے کا شبہ ہوتا ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ خدا نے انسان کو اس غرض کے لیے پیدا کیا ہو کہ وہ شہواتِ نفسانی اور عیش وعشرت میں اپنی زندگی بسر کرے اور جہاں تک ہو سکے ہوائے نفسانی کے اسباب مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے اگر اس کی پیدائش کی یہ غرض ہو تو خدا کی عبادت میں مصروف ہونا اور طرح طرح کی مشکلات میں پھنسا نفس کو زہد و ریاضت قیود میں مقید کرنا یہ سب کچھ مقتضائے زندگی کے خلاف اور اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی معصیت میں داخل ہوگا ۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کی مدح کرتے ہوئے اس کی تمام صفات اور اخلاق و اطوار اور نشست و برخاست کے متعلق تمام رازوں کا ذکر کر دے حتیٰ کہ اس کے حرموں تک کی باتیں ظاہر کر دے تو بجائے اس کے کہ اسکو مدح پر کچھ انعام دیا جائے وہ زجر و توبیخ کا مستحق ہوگا۔ اور بادشاہ اسے کہے گا کہ تمہیں کیا حق ہے کہ بادشاہوں کے شخصی امور اور ان کی خانگی معلومات کے انشاء کے درپے ہو گئے ہو تم ایک ادنیٰ حیثیت کے انسان ہو کر بادشاہوں کے آگے اس قدر بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ پیش آنے کی جرأت کرتے ہو تمہاری یہ سزا ہے کہ تمہارا سر فوراً اڑا دیا جائے تو جب دنیاوی بادشاہوں کا یہ حال ہے کہ اگر معمولی آدمی ان کی مدح کرے تو اس کو عار سمجھتے ہیں تو اس احکم الحاکمین میں یہ وصف کیوں نہ ہوگا۔ کیونکہ جو شخص اس کی معرفت کے درپے ہوتا ہے وہ اس کی صفات اور افعال اور اس کی خصوصیت کھوج لگاتا ہے اور اس کی حکمتوں اور بھیدوں کے ہر پہلو پر محققانہ نگاہ ڈالنا چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر ایک آدمی کا یہ منصب نہیں ہے تو پھر اس کی معرفت کا اصلی معیار کس کو مقرر کیا جائے۔

اس پر ایک سوال وارد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اگر عقل کے ذریعہ خدائی معرفت اور اس کی عبادت کا وجوب ثابت نہیں ہو سکتا تو انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا بھی بے فائدہ ہوگا کیونکہ جب انہوں نے معجزے دکھائے تھے تو یہ کہنا درست تھا کہ اگر ان معجزات کی طرف دیکھنا واجب نہیں تو ہمیں ان کو دیکھنے اور ان میں غور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر واجب ہے تو عقل کے ذریعہ وجوب ثابت نہیں ہو سکتا تو پھر شرع سے ثابت ہوگا مگر شرع کا ثبوت معجزہ پر موقوف ہے اور معجزہ کو دیکھنے کا وجوب بغیر شرع کے ثابت نہیں ہو سکتا غرض یہ

Marfat.com

کہ شرع کا ثبوت معجزہ پر موقوف ہے اور روایت معجزہ کا وجوب شرع پر یہ دور ہے جو محال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ موجب خدا ہے اور انبیاء علیھم السلام صرف اظہارِ وجوب کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور وہ اپنی طرف سے کوئی شئے بندوں پر واجب نہیں کرتے وہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر اس راستہ پر چلو گے تو بچ جاؤ گے۔ اور اگر اس راستہ کو اختیار کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور خدا تعالیٰ اور ہم کو تمہاری نجات یا ہلاکت کی کوئی پرواہ نہیں اور اگر تم کو ہماری نبوت میں شک ہے تو یہ معجزے ہیں ان کو دیکھو اور ان میں غور کرو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی طبیب بیمار کو کہتا ہے کہ دو چیزیں ہیں جن میں ایک زہر ہے اگر تم اسے کھاؤ گے تو فوراً ہلاک ہو جاؤ گے اور ایک تمہاری دوا ہے اگر اسکو استعمال کرو گے تو شفایاب ہو جاؤ گے اب مریض کو اختیار ہے چاہے زہر کھائے یا وہ دوا استعمال کرے جس میں اسکو شفا حاصل کرنے کا احتمال ہے۔ غرض معجزات کو دیکھ کر شرع کا اثبات ایسا بدیہی امر ہے جس میں کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

ساتواں دعویٰ

انبیاء علیھم السلام کی بعثت نہ محال ہے نہ واجب۔ بلکہ جواز کے درجہ میں ہے معتزلہ اس کو واجب اور براہمہ اس کو محال اور ناممکن کہتے ہیں۔ معتزلہ کی تردید تو اس بات سے ہو سکتی ہے جس کو ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ خدا پر کوئی چیز واجب نہیں ہے باقی رہے براہمہ سو جب ہم بعثت کے جواز پر دلیل قائم کر دیں گے تو ان کی بھی تردید ہو جائے گی کیونکہ جو چیز محال اور ناممکن ہوتی ہے وہ جائز اور ممکن نہیں ہو سکتی سو ملاحظہ ہو جواز بعثت کی دلیل۔

ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ خدا متکلم اور قادر ہے اور اس کے متکلم ہونے کے یہی معنی ہیں کہ وہ اپنے کلام کو بعض ایسے اشخاص کے دلوں میں پیدا کر دے جو دیگر بندوں سے اس کی بارگاہ میں خاص تقرب رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ ہم کلامی اور مناجات کا درجہ ان کو حاصل ہو۔ اور وہ ان کو ان لوگوں کے پاس پہنچا دیں جن کو یہ مرتبہ حاصل نہیں انبیاء کی بعثت کا محال ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ خدا تعالیٰ متکلم اور قادر نہ ہوتا جب یہ دونوں وصف اس میں پائے جاتے ہیں تو بعثت کے جواز میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہر

Marfat.com

ایک شخص جانتا ہے کہ بعثت کوئی قبیح امر نہیں تا کہ اس حیلہ سے بعثت کو ناممکن قرار دیا جائے اس سے بڑھ کر اس کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ معتزلہ بھی باوجودیکہ یہ ہر ایک امر میں قباحت کو دخل دیتے ہیں اس کو قبیح نہیں کہتے بلکہ الٹا واجب کہتے ہیں۔

ہماری سمجھ میں تین وجوہ ہیں جن سے بظاہر بعثت کا عدم امکان ثابت ہوتا ہے۔ اور غالباً براہمہ بھی انہی کو دیکھ کر اس کے ناممکن ہونے کے قائل ہو گئے ہیں پہلے ہم ان کو علی الترتیب ذکر کرتے ہیں اور پھر ان کی تردید کریں گے۔

(۱) اگر انبیا ایسے احکام بیان کرنے کے لیئے مبعوث ہوئے ہیں جو ہماری سمجھ میں آ سکتے ہیں تو پھر ان کی کیا ضرورت ہوئی ہمارے عقول ہی ان کو دریافت کرنے کے لیے کافی تھے اور ایسی باتیں بیان کرنے کے لیے آئے ہیں جو ہمارے عقول سے باہر ہیں تو ان کا آنا بے فائدہ ہوگا کیونکہ جن باتوں سے ہم نا آشنا ہیں ان کے باوجود ہم ان کی تصدیق کیونکر کریں گے کیونکہ تصدیق بھی عقول ہی کا کام ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن تھا کہ ایزد جل وعلا خود اپنے بندوں کے ساتھ کلام کرتا اور بغیر انبیاؑ کے تمام امور سے ان کو خود ہی مطلع کر دیتا۔ جب یہ بات بھی ممکن تھی تو انبیا کا بھیجنا محض عبث اور بے فائدہ ٹھہرا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ بے فائدہ کاموں سے مبرا اور منزہ ہے اور اگر اس کا بالمشافہ کلام کرنا محال اور ناممکن بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی معجزوں کے سوا انبیاؑ کی تصدیق ناممکن ہے مگر معجزہ اور جادو طلسمات وغیرہ میں تمیز ناممکن ہے یہ کیونکر معلوم ہو سکے گا کہ یہ معجزہ ہے اور جادو یا شعبدہ نہیں ہے۔

(۳) اگر معجزہ اور جادو وغیرہ میں امتیاز کا امکان بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ دریافت کرنا کہ انبیاء کی بعثت میں ہمارا فائدہ ہے ناممکن امر ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مطلب بعثت انبیاء سے ہمارا گمراہ کرنا ہو۔ اور اس گمراہی کی معیار ان کی تصدیق ہو اور ممکن ہے کہ جس شخص کو انبیاء سعید اور نیک بخت کہیں وہ بد بخت ہو اور جیسے وہ شقی اور بد بخت بتلائیں وہ سعید اور نیک بخت ہو غرض یہ امر نہ محال ہے اور نہ ممتنع خاص کر جب یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہدایت اور ضلالت میں سے کوئی بھی خدا تعالیٰ کی نسبت محال نہیں ہے یہ تین وجوہ ہیں جن پر بظاہر بعثت انبیا کا محال ہونا مبنی معلوم ہوتا ہے اور جن کو دیکھ کر براہمہ اس امر کے قائل ہوئے ہیں کہ بعثت انبیاء محال اور قبیح ہے۔ اب ہر ایک کا جواب ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

پہلی وجہ کا جواب

انبیاء علیہم السلام ایسے امور کو بیان کرتے ہیں جو ہماری سمجھ میں آسکتے ہیں اور ہمارے حقوق کے مطابق ہوتے ہیں مگر انبیاء کے بتانے اور ان کی طرف توجہ دلانے سے پیشتر بنی آدم ان سے غافل ہوتے ہیں بلکہ اگر توجہ بھی کریں تو بھی ہماری عقول ہر قسم کے امور مثلاً اعمال، اقوال اور اخلاق واطوار کو معلوم نہیں کرسکتیں۔ مگر ان میں اتنی استعداد ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان کو بتادے تو اس کو سمجھ سکتی ہیں۔ اور پھر ان کو کسی قسم کے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔

اس کی مثال یہ ہے جیسے کسی طبیب یا ڈاکٹر کے بتانے سے پہلے ادویہ کے خواص معلوم نہیں ہوتے مگر جب وہ بتادیتا ہے تو ہمیں ان کی پورے طور پر تصدیق ہوجاتی ہے اور ان کو معلوم کر کے ہم ان کو عمل میں لاسکتے ہیں۔ طبیب یا ڈاکٹر کی بات پر اعتبار کرنے کے لئے اس کا حاذق اور تجربہ کار ہونا شرط ہوتا ہے۔ جس کا پتہ لگانا کوئی مشکل نہیں۔ ویسے انبیاء علیہم السلام کے قول پر اعتبار کرنے کے لئے بھی اسباب موجود ہیں اور وہ معجزہ ہیں۔ ان کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق ہوسکتی ہے اور ان کے اقوال کی پیروی سے نجات ابدی حاصل ہوسکتی ہے۔

دوسری وجہ کا بیان

معجزہ اور جادو وغیرہ میں تمیز ہوسکتی ہے کیونکہ مردوں کو زندہ کرنا۔ ایک سوکھی لاٹھی کا سانپ بن جانا چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا دریا کا پھٹ جانا اور جزام اور برص کے مریضوں کا اچھا ہوجانا وغیرہ یہ ایسے امور ہیں کہ جن کو دیکھ کر جادو کا خیال تک نہیں آتا۔

اصل بات یہ ہے کہ یا تو ہر ایک ممکن چیز کا جادو کے ذریعہ حاصل کرنا ممکن ہے یا بعض ایسے امور بھی ہیں جن کا وقوع جادو یا شعبدات کے اصول سے نہیں ہوسکتا بلکہ جب تک خدائی طاقت ان میں تاثیر نہ کرے گرچہ ساری دنیا کے ساحر اپنی ساری طاقت ان پر صرف کردیں ان کا وقوع محال ہے پہلی شق تو محال ہے کیونکہ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہر ایک امر جادو کی طاقت سے اثر پذیر ہوسکتا ہے اور نہ ہی علم سحر کے اصول اس بات کے

Marfat.com

مقتضی ہیں۔

تو اب دوسری شق صحیح ہو گی یعنی بعض ایسے امور بھی ہیں جن کا وقوع سحر طلسمات وغیرہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ سو اس سے انبیا علیہم السلام کی اجمالی تصدیق کی صورت بخوبی نکل آئے گی کیونکہ معجزات کے ذریعہ وہ امور پیش کیے جائیں گے جن کا جادو وغیرہ سے وقوع محال ہے اب اگر قابل غور امر ہے تو انبیاء اور ان کے معجزوں کے شخصیات کو ملاحظہ کرنا ہے سو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ معجزات کا فن سحر کے قواعد کے ساتھ مقابلہ کیا جائے اور اس میں غور کیا جائے کہ انبیاء نے جو معجزات دکھلائے ہیں کیا جادو وغیرہ کے ذریعہ ان کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر یقیناً معلوم ہو جائے کہ جادو وغیرہ کی طاقت سے یہ خارج ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ معجزات ہیں اور اگر کسی قسم کا شک ہو تو اس کے رفع ہونے کے لیے بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ ان میں سے کسی نبی نے ساحروں کو عام طور پر چیلنج دیا ہو کہ اگر تم کو میری نبوت میں شک ہے۔ اور ان معجزوں کے متعلق تمہیں یہ خیال ہے کہ یہ سحر کے قبیل سے ہیں تو آؤ مجھ سے مقابلہ کرو۔ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔ غرض معجزے اور جادو وغیرہ میں نہایت آسانی سے تمیز ہو سکتی ہے۔

تیسری وجہ کا جواب

جب معجزہ کی حقیقت معلوم ہو جائے اور پھر معجزہ کا مشاہدہ بھی کر لیا جائے تو کسی کے دل میں یہ خیال نہیں گزرتا کہ خدا تعالیٰ کہ غرض ہمیں دھوکہ دینا اور ہم کو گمراہ کرنا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی بادشاہ کے روبرو اس کی فوج کو مخاطب بنا کر کہتا ہے کہ بادشاہ نے تمہارے کل انتظام میرے سپرد کر دیئے ہیں تمہاری تنخواہیں اور تمہاری ہر قسم کی حرکات و سکنات میرے حکم کی تابع ہوں گی۔ تم پر میری پیروی واجب ہے۔ کسی بات میں میری مخالفت نہ کرنی ہو گی۔ بادشاہ اس کی یہ تقریر چپ چاپ بیٹھا سن رہا ہے اور پھر وہ کہتا ہے کہ اے بادشاہ اگر میں اپنے اس قول میں سچا ہوں اور تو نے مجھے فوج کا سردار بنایا ہے تو میری تصدیق کے لیئے تم اپنے تخت پر سے تین دفعہ اٹھو اور تین ہی دفعہ بیٹھو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اب ہر ایک شخص جانتا ہے کہ بادشاہ کی غرض اس نشست و برخاست سے فوج کو دھوکے میں ڈالنا نہیں ہے۔ بلکہ اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ واقعی اس نے شخص مذکور کو فوج کا سردار مقرر کر دیا ہے اور

Marfat.com

بادشاہ کا خاموشی کی حالت میں شخص مذکور کے کہنے پر تخت پر سے تین دفعہ اٹھنا اور بیٹھنا ایسا ہی شخص مذکور کے قول کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے اس کے قول کی تائید میں بادشاہ کا اس طرح پر زبانی کہہ دینا کہ میں نے اس کو تمہارا سردار مقرر کیا ہے۔ اس کی سچائی پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح جب انبیا علیہم السلام بنی آدم کو کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے تم کو اس کے احکام بتانے کے لیے آئے ہیں اور اگر تم کو شک ہے تو ان معجزوں کو دیکھو۔ یہ ایسے معجزے ہیں جو انسانی طاقت سے خارج ہیں اگر ہم جھوٹے ہوتے تو ہمارے ہاتھوں پر ان کا ظہور ہرگز نہ ہوتا۔

تو پھر کسی شخص کے دل میں یہ خیال نہیں گزر سکتا کہ ایزد جل وعلا کی غرض ہم کو گمراہ کرنا اور دھوکے میں ڈالنا ہے یہی وجہ ہے کہ اس بنا پر کسی شخص نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب نہیں کی اور ان کے پیش کردہ معجزات کو سحر اور شعبدہ بازی پر محمول نہیں کیا گیا خدا تعالیٰ کے متکلم ہونے آمر و ناہی ہونے اور ضرورت نبوت سے انکار کیا گیا مگر کبھی بیوقوف سے بیوقوف شخص نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی خدا تعالیٰ معاذ اللہ غدار اور دھوکہ دہ ہے اگر کہا جائے کہ کیا کرامت حق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کرامت کا وجود جائز ہے کیونکہ یہ بھی ایک خارق عادت امر ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سمت ظاہر نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ خود محال ہے اور نہ کسی محال امر مثلاً بطلان معجزہ کو مستلزم ہے کیونکہ معجزہ میں تحدی کا ہونا شرط ہے اور کرامت میں کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تاکہ کرامت کا معجزے کے ساتھ التباس پڑنے کا شبہ ہو سکے۔

اگر کہا جائے کہ جھوٹے شخص کے ہاتھ پر بھی معجزے کا ظہور ممکن ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کیونکہ معجزہ وہ خلاف عادت امر ہے جو تحدی کے بعد کسی پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور جو خدا کی طرف سے اس مضمون کو ادا کرے کہ یہ نبی یا پیغمبر اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور واقعی میں نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو پھر اگر کسی جھوٹے شخص کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ یہ شخص سچا ہے یعنی جھوٹا بھی ہے اور سچا بھی ہے اور یہ محال ہے کیونکہ جب معجزے نے یہ بیان کر دیا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور اپنے دعویٰ میں سچا ہے پھر جھوٹا اسے کیونکر کہا جائے گا۔ جھوٹا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ رسول نہیں اور اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے غرض یہ کہ جھوٹا ہونے اور معجزے کا اجتماع اجتماع متباینین ہے اور یہ محال ہے۔

Marfat.com

چوتھا باب

پہلی فصل

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اثبات

آپ کی نبوت کا اثبات ہمیں تین فرقوں کے مقابلے میں کرنا پڑتا ہے۔ پہلا فرقہ عیسویہ ہے اس فرقہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو صرف عربوں پر محدود کرتے ہیں۔ مگر ان کا یہ دعویٰ صریحاً باطل اور لغو ہے کیونکہ جب وہ آپ کو (گو اہلِ عرب کے لئے) رسول برحق مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جھوٹ کہنا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آپ عامۂ خلائق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور آپ نے کسریٰ اور عجم کے مختلف فرمانرواؤں کی طرف اپنے سفیر بھیجے ہیں تو پھر آپ کی نبوت کو یہ لوگ اہل عرب پر محدود بتانے کی کس دل سے جرأت کرتے ہیں یہ نہایت تعجب خیز بات ہے کہ ایک شخص کو رسول بھی تسلیم کیا جائے اور پھر اس کے بعض دعاوی میں تکذیب بھی کی جائے۔

دوسرا فرقہ یہودیوں کا ہے انہوں نے آپ کی نبوت اور معجزات کی محض اس خیال پر تکذیب کی ہے کہ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے اس غلط فہمی کی وجہ سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نبی برحق نہیں مانا۔ ان کی تردید میں ہمیں یہ طریقہ مستحسن معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت ثابت کی جائے اس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ براہِ راست آپکی نبوت کا اثبات اعجاز قرآن کے اثبات پر موقوف ہے اور ایسی دقیق بحث ہے۔ جس کی تہ تک پہنچنا ہر ایک کا کام نہیں۔ بخلافِ احیاءِ موتیٰ اور جزام و برص والوں کا اچھا ہو جانے کے کیونکہ یہ امور مشاہدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کے سمجھنے میں کسی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے اپنے عصا کو سانپ بنا دینے کا معجزہ پیش کیا تھا اور حضرت عیسیٰ نے مردے زندہ کرنے اور جزام

Marfat.com

رص سے کئی بیماروں کو اچھا کیا اب اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ نبی برحق تھے اور حضرت عیسیٰ اپنے دعویٔ نبوت میں جھوٹے تھے۔

ہمارے خیال میں صرف دو امر ہیں جنھوں نے یہودیوں کو اس ورطۂ ظلمات میں ال دیا ہے ایک ان کا یہ قول کہ نسخ محال ہے اور یہ بقول یہود موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول کہ ب تک آسمان وزمین میں رہیں گے میرے دین کو نہ چھوڑیو۔ اور یہ کہ میں خاتم انبیاء ہوں بس یہ امر ہیں جنھوں نے یہودیوں کو اس دھوکے میں ڈال دیا ہے۔

پہلے شبے کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے نسخ کو محال کہا ہے انھوں نے نسخہ کے یہ نی سمجھے ہیں کہ ایک حکم صادر کرنا اور بعد میں جب اس میں غلطی نظر آئی تو اس میں ترمیم کر ینی یا اس کو بالکل اڑا کر اس کی جگہ اور حکم مناسب رکھ دینا اس قسم کے نسخ کو ہم بھی محال کہتے ہیں۔ مگر جس نسخ کے ہم قائل ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ ایک حق صادر کیا جائے اور حکم ینے والے کو معلوم ہو کہ ایک مدت تک اس پر عملدرآمد رہے گا۔ اور پھر اس کی بجائے اور حکم دیا جائے گا۔ مگر جن کو حکم دیا گیا ہے ان کو اس بات کی کوئی خبر نہ ہو اور اس کی میعاد ختم ہو جائے تو اس کی بجائے دوسرا حکم صادر کیا جائے یہ محال نہیں ہے۔ بلکہ اس کی ہزاروں مثا یں موجود ہیں۔ مثلاً آقا اپنے نوکر کو کھڑا ہونے کا امر کرنے اور اور اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ تنی مدت تک اس کا کھڑا رہنا مناسب ہے، اور پھر اس کو بیٹھ جانے کا میں امر کروں گا۔ اور نوکر کو چونکہ قیام کی مدت نہیں بتائی گئی اس لئے وہ یہی سمجھے گا کہ ہمیشہ کے لئے مجھے کھڑا ہنے کا آقا نے امر کیا ہے۔ اور جب قیام کی مدت گزر گئی اور آقا نے نوکر کو حکم دیا تو آقا کو لی بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے پہلے نوکر کو ہمیشہ کیلئے قیام کا حکم دیا تھا اور جب بعد اس کو غلطی معلوم ہوئی تو جھٹ بیٹھنے کا حکم صادر کر دیا۔ بلکہ ہر کوئی یہی کہے گا کہ پہلے ہی سے اس کو قیام کی معیاد معلوم تھی اور جب وہ گزر گئی تو دوسرا حکم صادر کر دیا۔ نوکر کو اس کی میعاد صرف یہ معلوم کرنے کے لئے نہیں بتائی تھی کہ وہ اس کے امر کی بجا آوری میں کہاں تک کوشش کرتا ہے۔

احکام شریعت کا اختلاف بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہئے یعنی بعض ایسے احکام ہیں جن کی مدت کسی خاص مصلحت سے بتائی نہیں گئی۔ اور جب ان کی مدت پوری ہو گئی تو ان کو منسوخ کر کے ان کی بجائے اور احکام صادر کئے گئے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعا لیٰ کو پہلے علم کی مدت معلوم نہ تھی بلکہ اس نے ہمیشہ کے لئے ان کو صادر کیا تھا اور پھر کوئی غلطی

Marfat.com

معلوم ہوئی تو ان کی ترمیم یا تنسیخ کر کے ان کی بجائے اور احکام رکھ دیے۔

کسی نبی کے مبعوث ہوتے ہی فوراً پہلی شریعت کا نسخ شروع نہیں ہوا اور نہ کسی نبی کے آنے سے اصول دین یعنی عقائد میں کسی قسم کا نسخ ہوا ہے۔ البتہ بعض فروعی مسائل میں مناسب طور پر نسخ ہوا مگر اس سے اصولِ دین میں کن پر امر نبوت کا دارومدار ہے کسی قسم کا فرق نہیں واقع ہوتا۔

تحویل قبلہ یا کسی حلال چیز کو حرام کر دینا یا حرام کو حلال بنا دینا وغیرہ وغیرہ بالکل معمولی باتیں ہیں۔ جن کو عمل میں لانے کے لیے کچھ ایسے اسباب مہیا ہو گئے تھے کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو دینِ خداداد ی پر بُرا اثر پڑنے کا احتمال تھا۔

خود یہودیوں کا یہ بہانہ تب چل سکتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پیشتر جس قدر انبیاء علیہم السلام جیسے نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت آدمؑ وغیرہ گزر رہے ہیں ان سب کا ایک زبان ہو کر انکار کر دیں۔ کیونکہ جب ان کو انبیاء مانا جائے گا تو نسخ کا وجود بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔

دوسرے شبہ کا جواب دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ حضرت موسیٰ نے ایسا کہا ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ان زبردست معجزات کا ظہور نہ ہوتا۔ کیونکہ معجزات کا ظاہر ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ غرض اگر یہودی معجزات عیسوی سے انکار کریں تو معجزات موسوی پر بھی یہی اعتراض آئے گا اور اگر انکو تسلیم کریں تو انکار یہ کہنا درست ہوگا کہ حضرت موسیٰ خاتم الانبیا ہیں۔

اور ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ یہودیوں کی آسمانی کتاب (تورات) کے مطابق انکے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگر توریت میں حضرت موسیٰ کا خاتم لانبیا ہونا اور دین موسوی کے ہمشہ رہنے کا حکم ہوتا تو یہودی اس بات کو غنیمت سمجھ کر آپ کے مقابلہ میں توریت کی ان آیتوں کو پیش کرتے اور ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ جب آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی برحق اور تورات کو الہامی کتاب مانتے ہیں تو پھر آپ کا دعویٰ نبوت غلط ہوگا کیونکہ تورات میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ خاتم الانبیا۔ ہیں مگر ہم یقینی طور پر کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں یہودی کبھی اس بات کو نہیں پیش کر سکے۔ آپکی وفات کے بعد مذہب اسلام کی تردید کا یہ نیا ڈھنگ نکالا ہے۔ یہودیوں کے ساتھ طرح طرح کے مقابلے کے گئے اور لڑائیاں ہوئیں مگر کبھی بھی یہودی عالم نے آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں اس

Marfat.com

بات کو پیش نہیں کیا اگر اس بات کی کوئی اصل ہوتی تو اس سے بڑھ کر مذہب موسوی کی تائید اور مذہب اسلام کی تردید کے لیے اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

تیسرا فرقہ ان لوگوں کا ہے جو نسخ کے تو قائل ہیں مگر آنحضرت ﷺ کی نبوت کے محض اس بنا پر منکر ہیں کہ قرآن معجزہ نہیں ہے۔ اس فرقہ کے مقابلہ میں معجزہ کے ذریعہ آپ کی نبوت کے اثبات کے دو طریق ہیں پہلا طریق قرآن کو معجزہ ثابت کرنے کا ہے اور وہ یہ ہے کہ معجزہ نام ہے ایسے خلاف عادت امر کا جو تحدی کے ساتھ کسی نبی کے ہاتھ پر اس کے منکرین کے مقابلہ میں وقوع پذیر ہو اور یہ بات قرآن میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ڈنکے کی چوٹ کفار عرب کے روبرو پیش کر کے بڑی زور سے کہا تھا کہ قرآن میرا معجزہ ہے۔ اگر تم کو اس میں شک ہو تو اس کے مقابلہ میں ایسا فصیح و بلیغ کلام بنا کر پیش کرو قرآن سے للکار للکار کر کفار کو اس امر پر آمادہ کیا اور انہوں نے ایڑی سے چوٹی تک زور لگانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا مگر اس کے مقابلہ میں ایک جملہ بھی نہ بنا سکے۔

عربوں میں فصاحت و بلاغت کا یہاں تک بازار گرم تھا کہ وہ دیگر ممالک کے لوگوں کو عجمی (گونگے) کہتے تھے۔ شب و روز عربی انشا پردازی کی محفلیں گرم رہتی تھیں اور اگر کوئی قصیدہ بنا کر اس کے بے نظیر ہونے کا دعویٰ کرتا تھا تو اس کے مقابلہ میں قصائد کے ڈھیر لگ جاتے تھے اور اس کے معارضہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جاتا تھا۔

جب اہل عرب کی یہ حالت تھی تو پھر قرآن کے مقابلہ میں باوجود بڑی بڑی جانفشانیوں اور کوششوں کے انکا زک اٹھانا اور اس سے عاجز ہو کر آمادۂ جنگ ہونا اعجاز قرآنی کی روشن اور بین دلیل ہے۔ غرض عربوں کی فصاحت و بلاغت اور قرآن کا ان کو مقابلہ کے لیے بلانا اور ان کا زک اٹھانا اور اپنے دین اور جان و مال کی حمایت کے لیے اسلام کی بیخ کنی کو ان کا شب و روز مصروف رہنا یہ ایسی یقینی اور پختہ باتیں ہیں جو حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ اور جن میں کسی معمولی سے معمولی شخص کو بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ قرآن کے معجزہ ہونے کی وجہ کیا ہے تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ قرآن کچھ ایسی دلربا تراکت اور فصاحت پر مشتمل ہے اور اس کا طرز کلام کچھ ایسی خوبیوں کو لیے ہوئے ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر اور مقتدر فصحا کے کلام اس سے خالی ہیں۔ اس کے کلمات کی ترتیب اور اس کے مضامین کا تناسب کچھ ایسی حیرت انگیز محاسن ظاہر کرتا ہے جنہوں نے اہل عرب کے سربرآوردہ اور اولوالعزم لکچراروں کو اپنا گرویدہ بنا دیا

Marfat.com

ہے اور اگر چہ ان میں سے بعض بد قسمتی کے باعث دولت اسلام سے مشرف نہ ہو سکے مگر قرآن کی فصاحت و بلاغت سے کسی کو بھی انکار نہیں تھا۔ یعنی تمام اہل عرب یک زبان تھے کہ اس کی فصاحت و بلاغت طاقت بشریہ سے خارج ہے۔ اگر چہ بعض نے اس کے مقابلہ میں قلم اٹھایا مگر انکا کلام پھیکا اور خالی از لطف ہوتا۔ اور اس کی نسبت ,, چہ نسبت خاک را با عالم پاک ،، کہنا بالکل بلا مبالغہ ہے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب نے اس کے مقابل ذیل کے چند کلمات ناخنوں تک کا زور لگا کر تیار کیے تھے۔ جن کا پھیکا پن اور بے لطف ہونا عیاں ہے ۔ وہ کلمات یہ ہیں. اَلْفِیْلُ وَمَا اَدْرَاکَ مَا الْفِیْلُ لَہٗ ذَنَبٌ وَبِیْلٌ ” وَخُرْطُوْمٌ طَوِیْلٌ “ ۔ اگر چہ اس کمبخت نے ان کلمات میں قرآن کے طرزِ کلام کو اڑا لینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ تاہم اگر اس کا قرآن کی کسی آیت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔

اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ اہل عرب کو جنگ و جدل وغیرہ میں مشغول رہنے اور مصروفیت کی وجہ سے ان کے مقابلے میں اس قسم کا کلام بنانے کی فرصت نہ ملی ہو۔ ورنہ اگر وہ اِس امر کی طرف توجہ کرتے تو یقیناً اس جیسے کئی کلام بنا سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ بہ نسبت جنگوں میں طرح طرح مصائب اور تکالیف برداشت کرنے کے یہ مستحسن طریق ہے کہ جب قرآن نے تحدی کے طور پر اہل عرب کو اپنے مقابلہ میں بلایا تھا۔ اہل عرب مِل کر اس جیسی کوئی کتاب بنا دیتے تا کہ ہمیشہ کے لیے جھگڑا ختم ہو جا تا۔ خاص کر جب مسلمانوں کی طرف سے اہلِ عرب پر طرح طرح کے ظلم وستم ہوتے تھے ۔ ان کی عورتیں، لونڈیاں بنائی گئیں۔ ان کو قید کیا گیا۔ طرح طرح کی خون ریز جنگیں واقع ہوئیں تو اس وقت ان کو ضرور اس امر کی طرف توجہ کرنی چاہیے تھی۔

پس ثابت ہوا کہ انہوں نے اپنی صرف اس وجہ سے ایسا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی۔ مگر آخر ناکامی کا منہ دیکھ کر جنگ پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ باوجود قدرت کے قرآن کے مقابلہ میں ان کا نہ آنا اس کی وجہ بجز خدائی طاقت کے مانع ہونے کے اور کیا ہو سکتی ہے اور سب سے بڑا بھاری معجزہ یہی ہے کہ ایک چیز باوجود اس کے ممکن الوقوع ہونے کے ایک بڑی بھاری جماعت سے وقوع پذیر نہ ہو۔

کون نہیں جانتا کہ اگر کوئی نبی یوں کہے کہ میری صداقت کی علامت یہ ہے کہ

Marfat.com

میں اپنی انگلی کو حرکت دیتا ہوں اور اسوقت تم اپنی انگلیوں کو حرکت نہیں دے سکو گے حالانکہ دوسرے وقتوں میں سے ہر ایک یہ کام کر سکتا ہے اور جب دیکھا گیا تو ایسا ہی ہوا۔ یعنی اس نبی نے اپنی انگلی کو حرکت دے دی۔ اور دوسرے لوگ نہ دے سکے تو کیا اسکو معجزہ نہیں کہا جائیگا۔ ضرور کہا جائے گا۔

دوسرا طریقہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے اثبات کا یہ ہے کہ علاوہ قرآن کے اور بھی کئی ایک حیرت انگیز معجزات کا آپ کے ہاتھ پر ظہور ہوا ہے۔ مثلاً شقاق قمر۔ آپ کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا آپ کے ہاتھ میں سنگریزوں کا تسبیح کہنا۔ تھوڑے طعام کا بہت ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ یہ ایسے امور ہیں جو آپکی نبوت پر شاہد ہیں۔

اور اگرچہ ان امور میں سے ایک ایک امر حد تواتر تک نہیں پہنچا۔ مگر ان کی مجموعی تعداد اس حد کو پہنچ چکی ہے۔ جس سے ان میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت علی کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت کے افراد فردیت کی شکل میں تواتر کی حد کو نہیں پہنچے۔ مگر ان کی مجموعی تعداد اس حد کو پہنچ چکی ہے اور اسی وجہ سے حضرت علی، کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت ضرب المثل مانی جاتی ہے۔ اگر کوئی نصرانی کہے کہ میرے نزدیک یہ امور نہ بلحاظ فردیت اور نہ بلحاظ مجموعی تعداد کے حد تواتر کو پہنچے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی طرح ایک یہودی تم کو کہہ سکتا ہے کہ میرے نزدیک معجزات عیسوی نہ بلحاظ فردیت اور نہ بلحاظ مجموعی تعداد کے حد تواتر کو پہنچے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو ان لوگوں کے ساتھ میل جول کا موقعہ نہ ملے۔ جن لوگوں کے نزدیک ایک بات حد تواتر کو پہنچ چکی ہے اس کو اس تواتر کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر نصاریٰ مسلمانوں کے ساتھ مخالفت کریں۔ اور پھر ان کو معجزات محمدیہ کا تواتر نہ معلوم ہو تو بے شک مسلمانوں پر الزام آ سکتا ہے۔ جس سے وہ کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

دوسرا باب

اس امر کے بیان میں کہ جن امور کو شرع نے بیان کیا ہے۔ان کی تصدیق واجب ہے اس باب میں ایک مقدمہ اور دو فصلیں ہیں۔

مقدّمہ

ایسے امور جو کہ بداہۃً معلوم نہیں ہو سکتے تین قسموں پر منقسم ہو سکتے ہیں۔

(۱) جو محض عقل کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں۔

(۲) جو صرف شرع ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

(۳) جو ان دونوں کے ذریعہ معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

پہلی قسم کی مثالیں یہ ہیں۔ حدوث عالم۔ خدا کا وجود۔ اس کی قدرت اسکا علم اور اس کا ارادہ۔ یہ ایسے امور ہیں کہ جب تک ان کا ثبوت نہ ہو شرع کا ثابت کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ شرع کا اثبات کلام نفسی کے اثبات پر موقوف ہے تو جو چیزیں کلام نفسی سے بلحاظ رتبہ کے مقدم ہیں ان کا اثبات کلام نفسی سے یا شرع سے جس کا اثبات کلام نفسی پر موقوف ہے ہرگز نہیں ہو سکتا۔

جو امور صرف شرع ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں وہ امور ہیں جو خود بھی ممکن الوقوع ہوں اور انکی نقیض بھی۔ کیونکہ صرف وقوع کا علم باوجودیکہ ان کی نقیضیں بھی ممکن الوقوع ہیں وحی یا اسلام کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً حشر و نشر۔ ثواب و عقاب۔ جنت۔ دوزخ۔ عذاب قبر۔ پلصراط اور میزان وغیرہ یہ ایسے امور ہیں کہ ان کا خلاف ہونا بھی ممکن ہے۔ اور جو ان دونوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ وہ ہیں جو ہماری سمجھ میں بھی آ سکتے ہوں اور مرتبہ کے لحاظ سے ایزد جل وعلا کے کلام کے اثبات سے متاثر ہوں۔ مثلاً روایت کا مسئلہ اور تمام جواہر و اعراض کے پیدا کرنے میں کسی چیز کا خدا کا شریک نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ تو جب شرع ایسے امور کو بیان کرے تو اگر عقل ان کو جائز سمجھے اور ان کا ثبوت بھی نصوص قطعیہ سے ہو تو ان کی تصدیق یقینی طور پر واجب ہوتی ہے اور اگر نصوص ظنّیہ سے ان کا ثبوت ہو تو ان کی تصدیق ظنّی طور پر واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ جیسے نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ امور کی تصدیق واجب ہوتی ہے ویسے ہی نصوص ظنّیہ سے جو امور ثابت ہو انکی تصدیق واجب

Marfat.com

ہوتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ اول الذکر کی تصدیق درجہ یقین کی ہوتی ہے اور موخر الذکر امور کی تصدیق ظنیت سے آگے بڑھتی نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جن لوگوں نے انسان کے اپنے اعمال کے خالق ہونے کا قول کیا تھا۔ تمام صحابہ نے اس کا انکار کر دیا تھا اور سب نے اس کی تردید محض خدا کے اس قول خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ کی بنا پر کر دی تھی۔ حالانکہ كُلِّ شَيْءٍ کا لفظ عام ہے جس میں تخصیص کا احتمال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ صحابہ کا یہ اعتقاد کہ خدا ہی ہر ایک چیز کا خالق ہے۔ نص ظنی پر مبنی تھا۔ کیونکہ بعد میں اگرچہ یہ مسئلہ عقلی طور پر یقینی ہو گیا ہے۔ مگر اس وقت ظنی تھا اور اگر بظاہر عقل ان کو محال سمجھے تو جن نصوص سے ان امور کا ثبوت ہوتا ہے۔ حتی الوسع ان میں تاویل کی جائے۔ کیونکہ یہ بات غیر ممکن ہے کہ نصوص ایسے امور پر مشتمل ہے جو عقل کے صریحاً مخالف ہوں۔ چنانچہ اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اکثر ایسی احادیث جن میں خدا تعالیٰ کو ممکنات کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ صحیح نہیں ہیں اور جو صحیح ہیں ان میں تاویل کی گنجائش ہے۔ سوا گر ان امور میں سے کبھی امر میں عقل کو توقف ہو یعنی اس کو نہ محال کہہ سکتے ہیں نہ جائز تو پھر بھی اس کی تصدیق ضروری ہوتی ہے اور اس تصدیق کے وجوب کے لیے صرف یہی بات کافی ہے کہ عقل اس کو محال نہیں سمجھتی۔

پہلی فصل

حشر۔ عذاب قبر۔ سوال منکر و نکیر۔ پل صراط۔ میزان۔

حشر حشر کے معنی ہیں مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنا۔ بہت سی نصوص قطعیہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور فی نفسہ یہ ممکن بھی ہے۔ کیونکہ پہلے ایک دفعہ اس کی پیدائش ہو چکی ہے۔ اور اس کی ابتدائی اور پچھلی پیدائش میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تو جب خدا کی اس کی ابتدائی پیدائش پر قدرت مسلّم ہے تو اس کے اعادہ پر وہ بطریق اولیٰ قادر ہوگا۔ چنانچہ خدا کا قول ہے قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ اس بات کو ثابت کر رہا ہے اگر کہا جائے کہ اعادہ سے کیا مراد ہے آیا جواہر اور اعراض دونوں۔ ایک دفعہ معدوم ہو کر از سر نو پیدا ہوتے ہیں یا فنا صرف اعراض ہی کو عارض ہوتی ہے اور اعادہ کے وقت صرف اعراض ہی کا اعادہ ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں صورتیں ممکن ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی تعیین

Marfat.com

شریعت سے ثابت نہیں ایک اور صورت بھی ہے۔ وہ یہ کہ انسان میں سے زندگی۔ رنگ۔ رطوبت۔ ترکیب اور ہیئات وغیرہ اعراض بوقت موت معدوم ہو جائیں اور اس کا جسم مٹی کی صورت میں باقی رہے اور جب اس کے اعادے کا وقت آئے (اور جسم جو پہلے موجود تھا) تو فنا شدہ اعراض کی مثلیں از سر نو پیدا کر کے بدن کیساتھ ملحق کر دی جائیں۔

امثال کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک آناً فاناً معدوم ہوتے اور ان کی بجائے ان کی مثلیں آتی رہتی ہیں۔ اب یہ انسان اپنی جسمانی حالت کے باعتبار بعینہ وہی انسان ہے ہاں اعراض کے باعتبار یہ اپنی مثل ہے۔ مگر انسان صرف اپنے جسم کے باعتبار انسان ہے نہ اعراض کے لحاظ سے اور اعادہ کے لیے شئے کے اعراض کا اعادہ ضروری نہیں ہماری یہ تقریر صرف اس خیال پر مبنی ہے۔ جو بعض لوگوں کے دلوں میں سمایا ہوا ہے وہ یہ کہ اعراض کا بعینہ عادہ محال ہے۔ ان کا یہ خیال بالکل بیہودہ ہے اور اگرچہ اس کی لغویت پر بہت سے دلائل ہم قائم کر سکتے ہیں مگر بغرض اختصار ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اعادے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جسم اور اعراض دونوں کو فنا عارض ہو اور پھر دونوں نئے سرے سے پیدا کیئے جائیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ پھر اسے اعادہ کیونکر کہہ سکیں گے۔ اعادہ میں پہلی چیز کا بعینہ لٹانا شرط ہے۔ اور جب ایک چیز نیست و نابود ہو چکی ہے تو اس کے دوبارہ لٹانے کے کیا معنی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معدوم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس سے پہلے موجود ہو۔ اور ایک یہ کہ ایسا نہ ہو۔ جیسے عدم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس سے پہلے موجود ہو۔ اور ایک یہ کہ ایسا نہ ہو۔ معدوم کی دو قسمیں ایسی بدیہی ہیں کہ کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تو اب اعادے کے یہ معنی ہیں کہ عدم جس نے پہلے وجود آچکا ہے۔ اس کی بجائے وجود لایا جائے۔ اور مثلیت کے یہ معنی ہیں کہ عدم جس سے پہلے وجود نہیں تھا۔ اس کی بجائے وجود لایا جائے۔ ہم نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب تہافتہ الفلاسفہ میں کسی قدر وضاحت سے بیان کیا ہے۔ نیز اس کتاب میں ہم نے اعادہ کا اثبات فلاسفہ کے اس اصول کی بنا پر بھی کیا ہے کہ نفس ناطقہ جو غیر متحیز بہ چیز ہے۔ مرنے کے بعد باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اب اعادہ کے یہ معنی ہوں گے کہ نفس ناطقہ کو پہلے کی طرح تو لب عنصری پر "تصرف" حاصل ہو جائے اور بدن خواہ

Marfat.com

وہی ہو یا اس کی مثل۔ سو یہ کوئی محال امر نہیں کیونکہ جس زبردست نے عنان حکومت اس کے ہاتھ میں ہے اب اس کی طاقتوں میں مطلق فرق نہیں آیا۔ وہاں تو صرف ارادے کی دیر ہے۔

اگر چہ ہمارا اعتقاد یہ نہیں مگر اس سے بہتر طریق فلاسفہ کی تردید کے لیے اور کوئی نظر نہیں آتا۔

عذاب قبر عذاب قبر پر بہت سی قطعی نصوص دال ہیں اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کا اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگنا تواتر کو پہنچ چکا ہے اور عام طور پر کتب احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک روز دو قبروں سے گزرے تو فرمایا کہ ان میں کئی مردوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ خداتعالیٰ کا یہ قول بھی عذاب قبر کو ثابت کر رہا ہے۔ وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا.

اس کے علاوہ یہ فی نفسہٖ ممکن ہے تو پھر اس پر ایمان لانا واجب ہوگا معتزلہ اس سے منکر ہیں۔ اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس کے بدن پر عذاب کی کوئی علامت محسوس نہیں ہوتی۔ اگر اس کو عذاب دیا جاتا تو اس کے بدن میں کسی قسم کی جنبش یا کوئی اور علامت دیکھنے میں آتی۔ نیز کئی آدمیوں کو درندے پھاڑ کر کھا جاتے ہیں اور ان کو اپنا لقمہ بنا لیتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دکھائی تو صرف میت کا جسم دیتا ہے اور عذاب کا احساس قلب یا کسی باطنی کیفیت کو ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ عذاب کے لیے بدن پر کسی علامت کا دکھائی دینا ضروری نہیں۔

آدمی عالم رویا میں بعض اوقات نہایت لذیذ کیفیات سے محظوظ ہوتا اور بعض اوقات اس کو الم شدید لاحق ہوتا ہے اور یہ دونوں حالتیں بیداری کی حالتوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں مگر دیکھنے والے کو وہ بالکل بے حس و حرکت دکھائی دیتا ہے۔ اور اس کے بدن پر غم و خوشی کی کوئی علامت نمایاں نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر وہ شخص بیدار ہو کر کبھی ایسے آدمی کے آگے عالم رویا کی کیفیتوں کا ذکر کرے اور کہے کہ میں نے آج خواب میں فلاں فلاں چیز دیکھی ہے۔ جس کو سونے کا کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو وہ فوراً اس کا انکار کر دے گا۔ اور ایک لحہ کے لیے بھی اسے تسلیم نہیں کرے گا۔ محض اس بنا پر کہ اس کے بدن پر کوئی

Marfat.com

علامت مسرت یا غمی کی دیکھنے میں نہیں آئی اور جن کو درندے کھا جاتے ہیں ان کے لیے قبریں درندوں کے بطن ہوتے ہیں۔ اور ان میں ان کی اجزاء کا کسی قدر حصہ موجود ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے بطون میں کسی جزو کو زندہ کر کے عذاب والا معاملہ طے کیا جائے۔

منکر و نکیر منکر و نکیر (دو فرشتوں کے نام ہیں) کا سوال حق ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ ممکن بھی ہے۔ شریعت سے بھی ثابت ہے اور عقل کے نزدیک بھی مقنع نہیں۔ کیونکہ اس میں دو باتوں کی ضرورت ہے۔ سمجھانا اور سمجھنا۔ سمجھانا خواہ آواز سے ہو یا غیر آواز سے۔ اور سمجھنے کے لیے مطلق زندگی کا ہونا ضروری ہے جو انسان کی کسی ایک جزو کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے تو اب اس کے منکرین کا یہ قول کہ ہم میت کو دیکھتے۔ مگر منکر و نکیر کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی میت کی اور ان کی گفتگو سننے میں آسکتی ہے ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے کہ آنحضرت ﷺ پر وحی نہیں آتی تھی۔ کیونکہ ہم نے نہ کبھی جبریل کو دیکھا ہے اور نہ اس کا کلام سنا ہے۔ نہایت حیرت انگیز امر ہے کہ یہ لوگ وحی کو مانتے ہیں اور منکر و نکیر کے سوال سے انکار کرتے ہیں حالانکہ جس بنا پر اس کا انکار کیا جاتا ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو اس سے وحی سے بھی انکار لازم آتا ہے۔

وحی کی اصلیت یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ جبریل کا کلام سن لیتے اور اس کو دیکھ سکتے تھے اور پاس کے آدمیوں میں یہ استعداد نہ تھی چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے روبرو کئی دفعہ نزول وحی ہوا۔ مگر آپؓ نے عمر بھر نہ جبریل کو دیکھا اور نہ اس کا کلام سنا۔

منکر و نکیر کے سوال کی بھی بعینہ یہی کیفیت ہے یعنی مردہ ان کا کلام سنتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے مگر پاس کے لوگوں کو اس بات کی مطلق اطلاع نہیں ہوتی نیز اس کی مثال خواب میں طرح طرح کی چیزوں کو دیکھنا ہے۔ جس کو عذاب قبر کے اثبات کے موقع پر ہم بیان کر آئے ہیں خواب میں آدمی کو کئی دفعہ الم شدید لاحق ہوتا ہے اور کئی دفعہ اسے مسرت لاحق ہوتی ہے مگر پاس کے آدمیوں کو یہ بات بالکل محسوس نہیں ہوتی وہ خواب میں یہی سمجھتا ہے کہ میں بیداری کی حالت میں یہ چیزیں دیکھ رہا ہوں حالانکہ واقع میں وہ سویا ہوا ہے۔

ہمیں ان لوگوں کی حالت سے بڑا تعجب آتا ہے جو ایزد جل و علاء کو ایسی معمولی باتوں پر قادر ماننے سے جھجکتے ہیں حالانکہ اگر وہ اس کی اس حیرت انگیز قدرت کا خیال

Marfat.com

کرتے جس کے ذریعہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو ان معمولی باتوں پر اس کے قادر ہونے کی نسبت انکار کرنے کی ان کو جرأت نہ ہوتی۔

ایک اور بات دیکھئے کہ جس چیز کی بناء پر یہ لوگ منکر ونکیر اور میت کے سوال وجواب سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اگر وہ صحیح ہو تو انسان کے ایک قطرہ منی سے پیدائش کی نسبت بھی ان کو صاف انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ایک قطرہ اور وہ بھی ناپاک قطرہ عورت کے رحم میں گرنے سے ایسی عجیب وغریب شکل کا بچہ کس طرح پیدا ہو گیا ہے۔ کیا ظاہر اور کیا حقیقت ان دونوں کے لحاظ سے قطرے اور انسان میں کوئی تناسب نظر نہیں آتا مگر چونکہ یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے اس لیے اس سے یہ لوگ انکار نہیں کر سکتے تو پھر ایسی چیز سے انکار کر بیٹھنا جس کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو بلکہ اس کے جواز کی ہزارہا دلائل اور روزمرہ کے مشاہدے موجود ہوں۔ اعلیٰ درجہ کی کمزوری اور کمینہ پن نہیں تو اور کیا ہے۔

میزان بھی حق ہے کیونکہ علاوہ اس کے ممکن ہونے کے اس کا حق ہونا بہت سی قطعی اور یقینی نصوص سے ثابت ہے تو پھر اس پر بھی ایمان لانا واجب ہے۔

اس جگہ ایک اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ میزان (ترازو) کے حق ہونے کے تو یہ معنی ہیں کہ اس پر لوگوں کے نیک وبد اعمال تولے جائیں گے اور اعمال اعراض ہیں جو معدوم ہو چکے ہیں اور جو چیز نیست ونابود ہو جائے کیونکر تولی جا سکتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو دوبارہ میزان میں پیدا کر کے تولا جائے گا تو اس پر یہ سوال ہے کہ اول تو اعراض کا اعادہ محال ہے۔ دوم مثلاً انسان کے ہاتھ کی حرکت جو اس کے ہاتھ کے تابع ہے اگر میزان میں پیدا کی گئی اور میزان متحرک ہوئی تو وہ حرکت میزان کی حرکت شمار ہوگی۔ نہ انسان کے ہاتھ کی۔ اگر وہ ساکن رہی تو حرکت بھی اس کے ساکن ہونے کے ساتھ فنا ہو جائے گی کیونکہ اس کا بقاء جسم متحرک پر موقوف ہے نیز اس طریق سے گناہوں کا اندازہ لگانا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ اکثر دفعہ انسان کے بدن کے ایک چھوٹے سے حصے کی حرکت گناہ کے لحاظ سے باقی تمام بدن کی حرکت سے کوسوں آگے نکل جاتی ہے اور میزان کے جھکاؤ کے تفاوت کا باعث حرکتوں کی قلت اور کثرت ہوگی نہ اجروں کے مراتب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بھی یہی سوال کیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ صرف اعمال ہی نہیں تولے جائیں گے بلکہ وہ صحیفے تولے جائیں گے۔ جن پر فرشتے (جن کو کرامًا کاتبین کہا جاتا ہے) لوگوں کے نیک وبد اعمال لکھتے رہتے ہیں۔ وہ اجسام کے قبیل

Marfat.com

سے ہیں۔ اور جب وہ پلہ میزان پر رکھے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے موافق اپنی قدرت کاملہ سے اس میں ایک طرف کو جھکاؤ پیدا کردے گا۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"۔ اگر کہا جائے کہ میان سے اعمال تولنے پر کیا فائدہ مرتب ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو کسی خدا کے کسی فعل کی نسبت کسی فائدے کا طلب کرنا جائز ہے کیونکہ وہ خود فرماتا ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ .... دوم ممکن ہے۔ اس میں یہ فائدہ ہو آدمی اپنے اعمال کا اپنے روبرو خود اندازہ لگالے اور اگر اسے سزا دی جائے تو وہ سمجھ لے کہ جو کچھ مجھ سے سلوک کیا گیا ہے۔ وہ عدل کا عین مقتضی ہے اور اگر اسے معاف کردیا جائے تو وہ سمجھ لے کہ مجھ پر خدا کا بڑا فضل و کرم ہوا ہے۔ کیونکہ میں اپنے اعمال کے لحاظ سزا کا مستحق تھا۔ یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے وکیل کو اس کے کسی جرم پر سزا دینا یا اس کو معاف کرنا چاہیے تو پہلے اس کے روبرو جرم کو اچھی طرح ثابت کرلیتا ہے اور پھر جو کچھ کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔ تاکہ وکیل کو معلوم ہوجائے کہ موکل نے سزا دینے میں عین عدل اور معافی دینے میں عین احسان مندی سے کام لیا جائے۔

پُل صراط

یہ بھی حق ہے کیونکہ یہ علاوہ ممکن ہونے کے بہت سی قطعی نصوص سے ثابت ہے تو پھر اس پر بھی ایمان لانا واجب ہے۔ یہ ایک ایسے پل کا نام ہے جو جہنم کے اوپر رکھا جائے اور قیامت کے روز کیا نیکوکار اور کیا بدکار سب کو اس پر سے گزرنا ہوگا۔ جب اس پر سے گزرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا۔ ان کو ٹھہراؤ کیونکہ پہلے ان کا حساب و کتاب ہونا ہے۔ اگر کہا جائے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگا تو اس پر سے اہل محشر کس طرح گزر سکیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ اعتراض ان لوگوں نے کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے منکر ہیں تو ان کے مقابلہ میں ہم کو اس کی قدرت اور اس کے وسیع ہونے کو ثابت کرنا پڑے گا۔ جس کو ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں اور اگر یہ اعتراض ان لوگوں کی طرف سے ہے جو اس کی قدرت کے قائل اور معترف ہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ پُل صراط پر چلنا ہوا پر چلنے سے زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے حالانکہ خدا تعالیٰ قادر ہے کہ ہوا پر چلنے کی قدرت انسان میں پیدا کردے یعنی ایسی کیفیت پیدا کردے جس سے انسان اپنے ثقل کی وجہ سے نیچے نہ گر سکے بلکہ زمین کی طرح اس پر بخوبی

Marfat.com

چل سکے۔ جب ہوا میں ایسا ہونا ممکن ہے تو پل صراط پر چلنا بطریق ادنی ممکن ہونا چاہیے کیونکہ وہ ہوا کی نسبت زیادہ مضبوط ہوگا۔

Marfat.com

دوسری فصل

اگرچہ علم کلام کی کتابوں میں بعض ایسے امور بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جن کو اس علم سے چنداں تعلق نہیں۔ مگر ہم نے ان کو ترک کر دینا بہتر سمجھا ہے کیونکہ علم کلام میں ان مسئلوں کا ذکر مناسب ہے۔ جن پر صحت اعتقاد کا دارومدار ہو۔ اور جن کے متعلق اعتقاد نہ رکھنے سے مسائل اعتقادیہ میں ایک نمایاں فرق پڑ جائے ایسے امور کے متعلق بحث کرنا کہ اول تو ان کا ذہن میں اترنا ضروری نہ ہو اور اگر ذہن میں آ بھی جائیں تو ان کو قبول نہ کرنے اور ان پر اعتقاد نہ رکھنے سے کسی قسم کا گناہ نہ ہو۔ حقائق امور سے بحث کرتا ہے۔ جس کی پیروی علم کلام کے لیے جس کا اصلا اعتقاد پر ہے۔ ضروری نہیں۔ اس قسم کے مسائل تین قسموں پر منحصر ہیں۔ عقلی۔ لفظی۔ فقہی۔ عقلی جیسے اس امر کی نسبت بحث کرنا کہ قدرت ضدوں اور باہم متناقص اشیاء کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے یا نہیں اور کیا قدرت کے ایسے فعل کے ساتھ بھی متعلق ہونا جائز ہے جو محل قدرت سے مباین ہو۔ وغیرہ وغیرہ اور لفظی جیسے اس امر کی نسبت بحث کرنا کہ لفظ رزق کے کیا معنی ہیں۔ توفیق۔ خذلان ایمان ان لفظوں کے کیا معنی ہیں وغیرہ وغیرہ اور فقہی جیسے اس امر کی نسبت بحث کرنا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کب اور کس صورت میں واجب ہے۔ توبہ کی قبولیت کی کیا کیا شرائط ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان ہر سہ قسموں کے مسائل میں سے کسی قسم کے مسائل پر دین کا توقف نہیں ہے۔ بلکہ جن پر دین کا دارومدار ہے۔ وہ یہ ہیں ایزد جل وعلا کی ذات کی نسبت تمام شکوک کو رفع کرنا جیسا کہ پہلے باب میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ اس کی صفتوں کی نسبت تمام غلط فہمیوں کو اپنے اپنے دل سے دور کرنا جیسا کہ دوسرے باب میں اس کا بیان ہو چکا ہے یہ اعتقاد رکھنا کہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں جیسا کہ تیسرے باب میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو نبی برحق ماننا اور ان کے بیان کردہ احکام بجالانا جیسا کہ چوتھے باب میں ہم اس کو مفصل بیان کر آئے ہیں۔

پس یہ ہیں وہ مسائل جن پر دین کا دارومدار ہے اور جو مسائل ان کے علاوہ

Marfat.com

ہیں۔ کلام علم میں ان کا بیان ضروری نہیں ہے مگر تاہم ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تین قسموں میں سے ہر ایک قسم کا ایک ایک مسئلہ بیان کر دیا جائے تاکہ آپ کو کسی قدر وضاحت سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس قسم کے مسائل علم سے کوئی کلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

مسئلہ عقلیہ

ایک شخص قتل کر دیا گیا ہے۔ کیا اس کی نسبت یہ کہنا درست ہے کہ یہ اپنی اجل مقررہ پر مرا ہے اور اگر اسے قتل نہ کیا جاتا تو خاص اسی وقت میں کسی اور سبب سے اس کا مرنا ضروری تھا۔ اس میں اختلاف ہے۔ اب یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے ماننے یا نہ ماننے پر ایمان کا توقف نہیں ہے۔ مگر ہم اس مسئلہ کی اصلیت آپ پر منکشف کرنا چاہتے ہیں۔

دنیا کی جونسی دو چیزیں دو دو صورتوں سے باہر نہ ہوں گی۔ یا ان میں کوئی خاص قسم کا ربط اور تلازم ہوگا یا نہیں۔ سو اس قسم کی دو چیزیں جن میں باہمی کوئی ربط نہ ہو اگر ان میں سے ایک فنا ہو جائے تو ایک کی نفی سے دوسرے کی لازم نہیں آتی یا اگر دونوں فنا ہو جائیں تو بھی ایک کی فنا دوسرے کی فنا کو مستلزم نہ ہوگی۔ مثلاً زید اور عمر ایسے دو شخص ہیں جن میں باہم کوئی ربط نہیں۔ سو اگر زید اور عمر دونوں مر جائیں اور زید کے مرنے سے ہم قطع نظر کر لیں تو اس سے نہ عمر کی وفات کا پتہ چلتا ہے اور نہ اس کی زندگی کا۔ اسی زید کی وفات اور کسوف قمر بھی اسی قسم کی دو چیزیں ہیں۔ سو اگر ہم زید کی وفات سے قطع نظر کر لیں تو اس کے کسوف کا عدم لازم نہیں آتا اور اگر کسوف واقع ہو تو اس سے زید کے مرنے کا پتہ نہیں چلتا اور جن دو چیزوں میں باہم کسی قسم کا علاقہ اور ربط ہو وہ تین قسموں پر منقسم ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ ان میں تضائف کا علاقہ ہو یعنی ان میں سے ہر ایک کا موجود ہونا دوسرے پر موقوف ہو۔ مثلاً یمین و شمال فوق تحت اس قسم ہر ایک دو چیزوں میں سے ایک چیز کا متحقق ہونا یا فنا ہونا دوسری چیز کے متحقق ہونے یا فنا ہونے کو مستلزم ہوتا ہے دوسری قسم میں اس قسم کی چیزیں مندرج ہیں جن میں تضائف کا علاقہ تو نہ ہو تو مگر ان میں سے ایک کے لئے بہ نسبت دوسرے کے تقدم کا درجہ حاصل ہو جیسے شرط اور مشروط۔ سو شرط کی نفی مشروط کی نفی کو مستلزم ہوتا ہے۔ مثلاً انسان کے عالم ہونے کے لئے زندگی کا ہونا اور اس کے ارادے کے لیے عالم ہونا شرط ہے تو زندگی کی فنا سے علم کی فنا اور علم کی فنا سے ارادے کی فنا کا لازم آنا ضروری

Marfat.com

ہوگا۔ تیسری قسم جس میں علۃ معلول کا علاقہ ہو۔ سو اگر کسی معلوم کے لیے صرف ایک ہی علت ہو تو اس نفی سے معلول کی نفی ضرور ہوگی اور اگر اس کے لیے بہت سی علتیں ہیں تو کسی ایک علت کی نفی سے اس کی نفی لازم نہ آئے گی۔ بلکہ اس کی نفی کے لیے تمام علتوں کی نفی ضروری ہوگی۔

جب یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی تو ہم مسئلہ متنازع فیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں مسئلہ متنازع فیہ میں دو چیزیں زیر بحث ہیں۔ قتل اور موت۔ قتل کے معنی ہیں گردن کو دھڑ سے اڑا دینا یا جان کو ہلاک کر دینا۔ یہ فعل کئی فعلوں کے ملنے سے وقوع میں آتا ہے مثلاً قاتل کے ہاتھ اور آلہ قتل کی حرکتیں مقتول کے اجزاء کا ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا ان کے ساتھ ایک اور چیز بھی آملتی ہے۔ جس کی موت سے تعبیر کی جاتی ہے۔ سو اگر موت اور قتل (جس کے معنی اوپر بیان ہو چکے ہیں) کے درمیان کسی قسم کا علاقہ نہ ہو تو ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی لازم نہ آئے گی۔ اور اگر قتل موت کی علت ہو اور یہ بھی مان لیا جائے کہ موت کی علت صرف قتل ہے تو قتل کی نفی سے موت کی نفی ضرور لازم آئے گی۔ مگر اس میں سب لوگ متفق ہیں کہ قتل کے سوائے اور بھی سیکڑوں بیماریاں اور باطنی اسباب موت کی علتیں ہیں تو جب تک قتل کی نفی کے ساتھ باقی علتوں کی نفی نہ فرض کی جائے گی۔ صرف قتل کی نفی سے موت کی نفی لازم نہ آئے گی۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ تقسیم مذکورہ بالا ہمیں صرف سرسری نظر سے کام لیا گیا ہے۔ اب ہم اس مسئلہ کی اصلیت پر غور کرتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ میں سے جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مخلوق کی علت صرف خدا ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز ایک دوسری کی علت نہیں۔ ان کے نزدیک موت ایک ایسی چیز ہوگی اس کو اور قتل کو خدا تعالیٰ نے اتفاقی طور پر جمع کر دیا ہے تو اور قتل کی نفی سے موت کی نفی ضروری نہیں اور حق بات بھی یہی ہے اور جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ قتل موت کی علت ہے کیونکہ ظاہر میں قتل کے سوا اور کوئی وجہ موت کی نہیں پائی گئی۔ ان کے نزدیک اگر اس وقت قتل کا وجود نہ ہوتا اور اس کے سوا اور کوئی علت بھی نہ ہوتی تو یقیناً موت بھی نہ ہوتی۔ مخلوق کے ایک دوسرے کی علت معلوم ہونے کی نسبت جو ان لوگوں کا اعتقاد ہے اگر وہ درست ہو یہ بھی یقیناً معلوم ہو جائے کہ موت کی علتیں صرف اسی قدر ہیں جو قتل کے عدم فرض کرنے کے وقت پہلے ہی سے مفقود ہیں تو ان کا یہ اعتقاد درست ہے۔ مگر ہم اس مسئلہ کو اس قانون پر منطبق کرنا چاہتے ہیں جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت

Marfat.com

عام اور وسیع ہے اور اس کے سوا مخلوق کے لیے اور کوئی علت نہیں ہے۔ اس قانون پر اگر عمیق نظر ڈالی جائے تو اس بات کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص اپنی اجل مقررہ پر مرا ہے کیونکہ اجل وقت کا نام ہے جس میں خدا تعالیٰ نے اس کا مرنا مقرر کر دیا ہے۔ خواہ اس وقت اس کی گردن کا اڑایا جانا متحقق ہو یا کسوف ہو یا نزولِ باراں یا کوئی چیز بھی نہ ہو۔ اسی قسم کے سبب امور ہمارے نزدیک اتفاقیات کے قبیل سے ہیں جیسے اگر کسی کے مقتول ہونے کے وقت مینہ برس رہا ہو تو اس کو اتفاقی امر سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک قتل بھی اسی قبیل سے ہے۔

مسئلہ اس میں اختلاف ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہونی ممکن ہے یا وہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا ہے۔ اس اختلاف کا منشاء بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ لفظ ایمان کے معنی لوگوں نے نہیں سمجھے۔ اس لفظ کے تین معنی ہیں (۱) یقین جو کسی قوی دلیل سے حاصل ہو (۲) یقین جو تقلیدی طور پر ہو (۳) یقین اور اس کے مطابق عمل کرنا۔ لفظِ ایمان کے پہلے معنی پر بولا جانے کی یہ دلیل ہے کہ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار بذریعہ کسی دلیل کے حاصل ہو اور پھر وہ مر گیا ہو تو ہم اسے یہی کہیں گے کہ یہ بحالت ایمان مرا ہے۔ دوسرے معنی پر اس کے اطلاق کی یہ دلیل ہے کہ اکثر اہل عرب آنحضرت ﷺ پر محض آپ کے احسان اور آپ ظاہری کیریکٹر کو دیکھ کر ایمان لائے ہیں۔ انہوں نے توحید پر کسی قسم کے دلائل آپ سے طلب نہیں کیے اور ان کو آنحضرت ﷺ مومن ہی سمجھتے رہے نیز خدا تعالیٰ نے اپنے اس قول وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا میں یہ نہیں بتلایا کہ ایمان میں اس قسم کی تصدیق شرط ہے اور اس قسم کی نہیں۔ عمل پر اس کے اطلاق کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ قول لا یزنی الزانی وھو مومن" حین یزنی۔ نیز آپ کیا س قول سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ الا یمان بضعة" وسبعون بابا ارنا ھا اماطة الاذی عن الطریق۔

جب لفظ ایمان کے تین معنی آپ کے ذہن نشین ہو گئے تو اب اگر ایمان سے پہلے معنی مراد لیے جائیں تو اس معنی کے لحاظ سے ایمان میں کمی و بیشی نہیں ہو سکتی کیونکہ جب انسان کو کسی چیز کا کامل طور پر یقین حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس میں کمی بیشی کی مطلق گنجائش نہیں رہتی اور اگر کامل طور پر اسے یقین حاصل نہ ہو تو وہ یقین ہی نہ ہوگا کیونکہ یقین میں کامل ہونا ہونا شرط ہے۔ ہاں اگر زیادتی سے مراد وضاحت اور اطمینان ہو تو بیشک ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ اگر ایک چیز پہلے صرف ایک دلیل سے

Marfat.com

معلوم ہوا اور جب پھر اس پر بہت سی دلیلیں قائم کی جائیں تو ضرور اس یقین میں وضاحت اور روشنی آجاتی ہے جو صرف پہلے دلیل سے ہمیں حاصل ہوا تھا۔

اور اگر ایمان سے مراد تصدیق تقلیدی ہو تو اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ہم مشاہدہ کے طور پر کہتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی اور مسلمان اور تینوں شخصوں کی اندرونی اور اعتقادی حالت میں بہت کچھ فرق ہوتا ہے۔ کسی کی تو یہ حالت ہوتی ہے کی اس کی قلبی کیفیت پر طرح طرح کی دھمکیاں اور علمی تحقیقات وغیرہ مطلق اپنا اثر نہیں ڈال سکتیں اسے ہزار کہو جوں کا توں پڑا رہتا ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ایک دفعہ آگیا ہے مر مٹ جاتا ہے کوئی قوی سے قوی اور زبردست سے زبردست طاقت بھی اس کے معتقدات میں جنبش نہیں دے سکتی اور ایک اکیلا ہے کہ اگرچہ اپنے اعتقاد پر پکا ہے مگر اس حد نفس میں قبول حق کی بھی استعداد ہوتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اعتقاد بعینہ گرہ کی سی ہے جو شدت اور ضعف کو قبول کرتی ہے یہ ایسی بات ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرے گا۔ وہاں ایسے لوگ اگر انکار کریں جنھوں نے علوم اور اعتقادیات کے نام سنے ہیں اور ان کی تہ تک پہنچنا تو درکنار ان کی صرف ظاہری شکلوں کا دیکھنا بھی ان کو نصیب نہیں تو یہ چنداں بعید نہیں۔

اور اگر ایمان سے تیسرے معنی تصدیق مع العمل مراد ہوں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اعمال میں کمی و بیشی ضرور ہوتی ہے۔ بعض لوگ صرف ضروری عبادت (فرائض) کو ہی بڑی مشکل سے عمل میں لاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ عبادت کا کوئی پہلو عمل میں لائے نہیں چھوڑتے۔ ہاں یہ بات البتہ قابل غور ہے کہ آیا ایک فعل کو بار بار کرنے سے اعتقاد اور وضاحت اور روشنی پیدا ہوتی ہے یا وہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا ہے سو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کثرت طاعات سے دل کی اعتقادی حالت پر نمایاں اثر پڑتا ہے اور اس میں ایک خاص قسم کی روشنی اور نہفت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس بات کا ان لوگوں کو تجربہ ہے جن کو اپنے نفس کی عملی اور غیر عملی حالتوں کا اندازہ لگانے کا موقع ملا ہے۔ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کثرتِ طاعت سے قلب میں ایک ایسی شگفتگی اور تروتازگی پیدا ہوتی ہے جو معصیت کی صورت میں ہرگز معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ معصیت اور بے جا باتوں کے ارتکاب سے قلب تاریکیوں کا گھر بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کی نورانیت بالکل محو ہو جاتی ہے غرض طاعات سے قلب کی نورانیت میں ترقی اور معصیت میں انحطاط اور تنزل ہوتا

Marfat.com

ہے۔

ہر ایک انصاف پسند شخص ضرور اس بات کو مان لے گا کہ جو شخص طاعات میں شب و روز مصروف رہے اس کے معتقدات پر بڑے بڑے فصیح و بلیغ لیکچرار کی مخالفانہ تقریر مطلق اثر نہیں ڈال سکتی۔ بخلاف اس شخص کے جس کی عملی حالت بہت گری ہوئی ہو کیونکہ معمولی سے معمولی شخص بھی اس کے دل پر فوراً قابو پا سکتا ہے اور آن کی آن میں اس کے اعتقادی امور کی بجائے اس کے دل میں دوسرے امور گھر کر جاتے ہیں۔

جو شخص یتیم پر ترس اور رحم کرنے کا معتقد ہو اگر کبھی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے یا اس کو اپنی گود میں بٹھانے کا موقعہ ملے تو یقیناً اس کے اعتقاد میں ایک خاص قسم کی جھلک اور نہفت پیدا ہو جائے گی یا جو شخص کسی شخص کی نسبت تعظیم اور محبت کا اپنے دل میں اعتقاد رکھتا ہو۔ اگر اس کو اس کے آگے تعظیم بجالانے کا موقعہ ملے تو اسکے دل میں اس کی تعظیم اور محبت میں اور بھی زیادتی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ایسے اعمال کو بجالانے کے مامور کیے گئے ہیں۔ جن کی بجا آوری سے ہمارے دلوں میں خدا تعالیٰ کی تعظیم اور محبت بڑھے۔

مسئلہ فقہیہ

اس میں اختلاف ہے کہ فاسق شخص کسی دوسرے کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کر سکتا ہے یا نہیں۔ یہ سنت الٰہی ایک فقہی مسئلہ ہے۔ جس کی نسبت علم الکلام میں بحث کرنا مناسب ہے۔ مگر تاہم ہم اس کی نسبت کچھ لکھنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہم کہتے ہیں کہ فاسق ایسا کر سکتا ہے اور ایسا کرنے کا مجاز ہے۔ کیونکہ ہم پوچھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں امر کرنے والے اور نہی کرنے والے کا چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہونا شرط ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے یہ بات شرط نہیں کیونکہ دوسرے لوگ تو درکنار انبیا علیہم السلام کے چھوٹے گناہوں سے معصوم ہونے میں اختلاف ہے۔ تو جب معصومیت شرط نہ ہوئی تو پھر مثلاً ایسا شخص جو ریشمی لباس (جو شرعاً پہننا حرام ہے) پہنے ہوئے زانی کو زنا سے اور شراب پینے والے کو شراب سے منع کرنے کا مجاز ہو گا۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ شراب پینے والا کافر کو اس کے کفر سے منع کر سکتا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ منع کر سکتا ہے کیونکہ مسلمان ہمیشہ کافروں سے جہاد کرتے رہے ہیں حالانکہ ان میں سے بعض متقی اور فاسق اور گنہگار تھے۔ اور ان کو نہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں ایسا کرنے سے منع

Marfat.com

کیا گیا ہے اور نہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں ان کو جہاد سے روکا گیا ہے۔ تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ شراب پینے والا کسی شخص کو قتل کرنے سے منع کر سکتا ہے یا نہیں ظاہر ہے کہ کر سکتا ہے کیونکہ جب ریشمی لباس پہننے والا زنا اور شراب نوشی سے روک سکتا ہے تو شرابی قتل کرنے سے منع کرنے کا کیوں مجاز نہ ہوگا۔ ضرور ہوگا بعض لوگ اس بات کے تو قائل ہیں مگر ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص کسی فعل کا ناجائز مرتکب ہو وہ اس شخص کو منع کر سکتا ہے۔ جو ایسے امر شنیع کا مرتکب ہو جو اس کے فعال ناجائز سے عدم جواز میں بڑھ کے ہو۔ مگر اپنے مساوی یا نیچے شخص کو منع نہیں کر سکتا ان کا یہ قول بالکل لغو ہے کیونکہ زنا شراب پینے سے زیادہ گناہ ہے اور جائز ہے کہ زنا کرنے والا دوسرے کو زراب پینے سے منع کرے۔ بلکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ آقا خود شراب پیتا ہے مگر اپنے نوکروں اور بچوں کو ہرگز یہ کام کرنے نہیں دیتا اور ان کو یہ کہتا کہ ہم سب پر شراب کا ترک کرنا واجب ہے۔ ایک امر واجب تو مجھ سے ترک ہو رہا ہے۔ مگر ایک کا ترک دوسرے واجب کے ترک مستلزم نہیں ہے۔ اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر یہ جائز ہو تو کئی ایک خرابیاں لازم آئیں گی۔ مثلاً ایک شخص کسی عورت کے ساتھ جبراً زنا کر رہا ہے۔ عورت نے جو اپنے منہ سے کپڑا اٹھایا تو وہ کہتا ہے منہ نہ کھولو۔ کیونکہ میں تمہارا محرم نہیں ہوں اور عورت کو نامحرم کے آگے منہ کھولنا حرام ہے اور تجھ پر اگر جبر ہے تو زنا کے بارے میں ہے نہ منہ سے کپڑا اٹھانے میں۔ اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ پر دو چیزیں واجب ہیں۔ خود عمل اور دوسروں کو امر کرنا۔ پہلی بات کا تو میں تارک ہوں مگر دوسری کو ادا کرتا رہتا ہوں۔ ایسا ہی ایک کہتا ہے کہ سحری کھانا اور روزہ رکھنا دونوں مجھ پر واجب ہیں۔ سحری تو کھا لیتا ہوں مگر روزہ نہیں رکھا جاتا۔ غرض اگر فاسق امر بالمعروف کا مجاز ہو تو ایسی بعید از قیاس باتوں کو صحیح ماننا پڑے گا۔ حالانکہ بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی ان کو تسلیم نہ کرے گا۔

مختصر یہ کہ آدمی کو پہلے اپنے نفس کی اصلاح کر لینی چاہیے اور جب خود ہی عملی حالت آدمی کی بگڑی ہو تو دوسروں کو پند و نصیحت کرنے کا اس کو کیونکر حق حاصل ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ زانی کا عورت کو منہ سے کپڑا اٹھانے سے منع کرنا کوئی بری بات نہیں بلکہ اچھی بات ہے۔ کیونکہ ہم پوچھتے ہیں کہ زانی کا یہ کہنا کہ اپنے منہ سے کپڑا نہ اٹھاؤ ایسا کرنا تمہیں حرام ہے۔ حرام ہے یا واجب ہے یا مباح ہے۔ اگر واجب ہے تو مدعا

Marfat.com

ثابت ہے۔ اگر مباح ہے تو ایک مباح امر کے مرتکب ہونے میں کیا گناہ ہے اور اگر حرام ہے تو کوئی دلیل قائم کرنی ضروری ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ زنا سے پہلے تو اس کا یہ قول واجب اور موجب ثواب تھا اور زنا کرتے وقت یکا یک حرام ہو گیا ہے۔ اس کلیہ قول شرح کے ایک حکمت کی حکایت ہے اب دیکھنا یہ امر ہے کہ یہ حکایت محکی عنہ سے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر مطابق ہے تو صادق ورنہ کاذب ہو گی مگر ہر ایک شخص جانتا ہے کہ مطابق ہے۔ نماز اور روزے کو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ نماز فرض ہے اور وضو اس کے لیے شرط ہے تو پھر نماز بغیر وضو کے نہ ہو گی بلکہ سراسر گناہ اور معصیت اور سحری کھانا روزے کیلئے بمنزلہ پیش خیمہ کے ہے اور پیش خیمہ اپنے نام کا مصداق تب ہی بن سکتا ہے جب عمل میں لایا جائے جس کا وہ پیش خیمہ ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ دوسرے شخص کی اصلاح کے لئے پہلے اپنی اخلاقی اور مذہبی حالت کو درست کرنا ضروری ہے۔ یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس پر تم کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتے بلکہ یہ تو محل نزاع ہے۔ جب تک کوئی دلیل اس پر قائم نہ کرو صرف تمہارا زبانی کہہ دینا ہمارے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

اگر ایک کافر دوسرے کافر کو کہے کہ ایمان لاؤ اور کفر چھوڑ دو تو اس کو اس طرح کہنے کا حق نہ ہو گا کہ پہلے تم خود مسلمان بنو اور پھر مجھے اسلام کی ہدایت کرنا بلکہ یہ بھی ناجائز ہے کہ پہلے وہ خود مسلمان ہونے اور پھر کسی دوسرے کو مسلمان ہونے کے بارہ میں ہدایت کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ خود تو نہ مسلمان ہو مگر دوسرے شخص کو مسلمان ہونے کی ترغیب دے۔

Marfat.com

تیسری فصل

خلافت: مسئلہ خلافت علم کلام کا مسئلہ نہیں ہے۔ مگر چونکہ ہمارے علماء اپنی تصانیف کو اس مسئلہ پر ختم کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم نے بھی اسی طریق کو مستحسن سمجھا ہے۔ اول تو ان حضرات کی تقلید کی وجہ سے اور دوم اس لئے کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جس امر کی طرف طبائع کا رجحان ہو اگر اس کے خلاف کوئی روش اختیار کی جائے تو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی ہے اس مسئلہ کی تحقیق تین پہلو رکھتی ہے۔ اور جب تک ہر ایک پہلو پر روشنی نہ ڈالی جائے اس کی تہ تک پہنچنا محال ہے۔

پہلا پہلو

امام المسلمین یا خلیفۃ المسلمین مقرر کرنا واجب ہے اور اس کا وجوب شرع سے ثابت ہے نہ عقل سے۔ کیونکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ کسی شے کا وجوب یا عدم وجوب صرف شرع ہی سے ثابت ہوتا ہے اور بس ہاں اگر وجوب کے معنی یہ کئے جائیں کہ جس کے کرنے سے دنیا میں قدرے نقصان ہو تو اس معنی کے مطابق عقلاً بھی خلیفۃ المسلمین مقرر کرنے کا وجوب ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ دنیاوی فائدوں اور نقصانوں کا اندازہ عقل لگا سکتی ہے۔

اگرچہ اجماع سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے مگر ہم یہاں وہ شرعی دلیل بیان کریں گے۔ جس پر ایمان کا دارومدار ہے ۔ وہ یہ ہے کہ دین کا انتظام شارع علیہ السلام کا سب سے زیادہ مہتم بالشان کام ہے اور یہ امر خلیفۃ المسلمین کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفۃ المسلمین کا مقرر کرنا واجب ہے اس دلیل کا پہلا مقدمہ آپ یہی ہے اور دوسرے مقدمہ کہ دلیل یہ ہے کہ دین کا انتظام دنیا پر موقوف ہے اور دنیاوی انتظام خلیفۃ المسلمین کے سوا نہیں ہو سکتا۔

پہلے مقدمہ کی دلیل یہ ہے کہ دنیا سے لہو و لعب اور عیش و عشرت میں مشغول ہونا نہیں بلکہ اس سے مراد صرف قوت لایموت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر انسان کے پاس ستر عورت کے لئے کپڑا اور کھانے کے لئے کچھ چیز نہ ہو تو خدا کی عبادت مطلق نہیں ہو سکتی اور دوسرے مقدمہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر دنیا میں کوئی فرمانبردار نہ ہو تو دن میں ہزار ہا قتل ہو

Marfat.com

جائیں مساکین اور غرباء کے رہے سہے مال چھین لئے جائیں۔ ہر قسم کے فتنے اور شورشیں واقع ہوں۔ ان تمام خانہ جنگیوں اور کشت خون میں عبادت کی فرصت لوگوں کو نہ ملے غرض یہ ایسی بدیہی بات ہے محتاج دلیل نہیں تجربہ شاہد ہے کہ جس علاقہ یا ملک میں ملکی انتظام میں کسی قسم کا بگاڑ ہو گیا، تو لاکھوں جانیں تباہ ہو گئیں۔ زراعتیں خراب کر دی گئیں۔ مویشی تباہ کئے گئے۔

اور بعض دفعہ صرف ایک ہی جلیل القدر اور مقتدر شخص کے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور اس کو خلیفہ تسلیم کرنا ہی دوسروں کی طرف سے کافی سمجھا گیا ہے اور بعض دفعہ دو یا تین اشخاص یا ایک مسلمانوں کی جماعت کو ایسا کرنا پڑا ہے۔

دوسرا پہلو

یہ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ ہم اپنی خواہشوں کے مطابق کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتے۔ جب تک اس میں ایسی خوبیاں نہ پائی جائیں جو دوسروں میں نہ ہوں اور جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہو۔ یہ امتیاز تب حاصل ہو سکتا ہے جب انسان میں ملکی انتظام اور رعایا کی دینی اور دنیاوی تجاویز کو سوچنے کی کامل استعداد ہو اور ہر قسم کی استعداد کفایت شعاری اور اعلیٰ درجہ پرہیزگاری پر مبنی ہے اور ان کے علاوہ خلیفہ کے لیے قوم قریش سے ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے الائمة من قریش۔ آنحضرت ﷺ کے اس قول سے خلیفہ کے لیے عام لوگوں سے ایک امتیازی صورت پیدا ہو جاتی ہے مگر ممکن ہے قریش میں بھی بہت سے اشخاص ان صفتوں سے موصوف ہوں تو پھر اس معاملہ کے تصفیہ کے لئے کوئی ایسی بات ہونی چاہیے جو خلیفہ بنانے کو اصلی اور صحیح معیار بن سکے اور جب ہم اس میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ بنانے کا اصلی معیار یا تو آنحضرت ﷺ کا صریح قول یا خلیفہ وقت کا اپنی اولاد یا قریش سے کسی کو ولی عہد یا چند ایسے سر آوردہ اشخاص کا کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور اس کو اپنا خلیفہ تسلیم کرنا ہے جن کے اس فعل پر تمام لوگ بیعت کر لیں اور اس کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیں۔

اور بعض دفعہ صرف ایک ہی جلیل القدر اور مقتدر شخص کے کسی کے ہاتھ پر بیعت

Marfat.com

کرنا اور اس کو خلیفہ تسلیم کرنا ہی دوسروں کی طرف سے کافی سمجھا گیا ہے اور بعض دفعہ دو یا تین اشخاص یا ایک مسلمانوں کی جماعت کو ایسا کرنا پڑا ہے۔

اگر کہا جائے کہ جب خلیفہ مقرر کرنے سے یہ غرض ہے کہ لوگوں میں کشت وخون نہ ہونے پائے ان کو دنیاوی اور دینی مصالح کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اگر کوئی کسی پر ظلم کرے تو مظلوم کی فریادرسی کی جائے۔ ملک میں امن وامان قائم کیا جائے۔ لوگوں کی دنیاوی اور دینی ترقی کے اسباب بہم پہنچائے جائیں تو پھر ایسے شخص کا کیا حکم ہوگا۔ جس میں قضا کی شرطیں مفقود رہیں۔ مگر علماء سے وہ فتویٰ لے کر ملک کا انتظام کرتا ہے۔ کیا ایسے شخص کی اطاعت واجب ہے یا اسے معزول کرنا واجب ہے اس کا جواب یہ ہے اگر کسی قسم کی شورش اور جنگ کے بغیر اسے معزول کرنا ممکن ہو تو اسے معزول کرنا اور اس کی بجائے ایسے شخص کو کھڑا کرنا جس میں قضاء اور خلافت کی تمام شرائط موجود ہوں واجب ہے اور اگر شورش اور جنگ کے سوا کرنا ناممکن ہو اس کو اپنی حالت پر رکھ کر اس کی اطاعت واجب ہے کیونکہ جنگ وجدل سے ہزارہا جانوں کی ہلاکت اور کئی ایک مویشی کی تباہی ہونی ضروری ہے۔ جس کے درپے ہونا شرعاً ممنوع وناجائز ہے اور ادھر قضاء اور خلافت کے لیے مطلق علم ضروری ہے۔ جس کے لیے علماء کافی ہیں۔ اگر کہا جائے کہ جیسے علم کی قید کو آپ نے اڑا دیا ہے۔ ویسے عدالت اور تقویٰ کی قید کو بھی اڑا دینا چاہیے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور یہ محال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم کی قید میں ہم کو مجبوراً مسامحت کرنی پڑی ہے اور عدالت کی صفت میں کون سی مجبوری ہے۔ جس کی وجہ سے ہمیں اس میں بھی مسامحت کرنی پڑے۔ اگر کہا جائے کہ یوں تم کیوں نہیں کہتے کہ آنحضرت ﷺ پر اپنا خلیفہ مقرر کرنا واجب ہے جیسا کہ بعض امامیہ کا قول ہے تو ہم کہیں گے کہ آنحضرت ﷺ پر ایسا کرنا واجب ہوتا۔ تو ضرور اس امر کے متعلق اپنی زندگی میں قطعی فیصلہ کرتے مگر ایسا آپ نے نہیں کیا ۔حضرت ابوبکر۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت اتفاق رائے اور اجماع امت پر مبنی تھی اور آنحضرت ﷺ سے اس بارہ میں کوئی نص ثابت نہیں۔ بعض شیعہ جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں خلافت کا فیصلہ کیا تھا مگر دوسرے صحابہ نے اس صریح نص کا خلاف کیا ہے۔ اور دیدہ ودانستہ اس کی مخالفت کی ہے۔ یہ ان کی بے وقوفی اور تنگ ظرفی کا نتیجہ ہے کیونکہ ہم بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت

Marfat.com

ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے تھے۔ مگر حضرت علی اور ان کے طرفداروں نے دیدہ دانستہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ ماھو جوابکم فھو جوابنا۔ اصلی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کیا حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ بننے کے وقت حضرت علیؓ نے مخالفت کی تھی۔

تیسرا پہلو

صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت لوگوں نے بہت کچھ افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ بعض نے تو ان کی مدح سرائی میں یہاں تک غلو سے کام لیا ہے کہ ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔

گناہوں اور خطاؤں سے ان کو بالکل معصوم قرار دیا ہے اور بعض اس حد تک ان کے منہ آئے ہیں کہ ان کے حق میں دریدہ دہنی اور بیہودہ گوئی کی کسر باقی نہیں چھوڑی مگر اہل السنۃ والجماعت جیسا کہ دیگر مسائل میں میانہ روی سے کام لینے کے عادی ہیں یہاں بھی انہوں نے اس زریں پالیسی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور واقعات بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ کیونکہ قرآن اور احادیث نبویہ مہاجرین اور انصار کی مدح سرائی سے بھری پڑی ہیں تو اتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک صحابی کو توصیفی کلمات سے یاد فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم ۔ (میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے) نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ۔ (میرا قرآن بلحاظ برکات کے اچھا قرآن ہے پھر ان لوگوں کا جو بعد میں آئیں گے) جب یہ بات ہے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں حسن ظن سے کام لینا چاہیئے۔ بعض صحابہ کی طرف جو جو ناگوار باتیں منسوب کی گئی ہیں ان میں اکثر حصہ تو بعض شریر النفس رافضیوں کے تعصب اور ہٹ دھرمی اور تنگ ظرفی کا نتیجہ ہے اور اگرچہ ان میں سے بعض باتیں صحیح ہیں۔ مگر ان کو صحیح اور مناسب طور پر محمول کرنا چاہیئے اور تاویل سے کام لینا چاہیئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جنگ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بصرہ کی طرف جانا یہ ایسی باتیں ہیں جن سے ہر ایک مسلمان واقف ہے۔ مگر عائشہ صدیقہؓ کی نسبت یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ آپ صلح

Marfat.com

کرانے اور آتش جنگ کو بجھانے کے لئے تشریف لے گئی تھیں۔ اگرچہ آپ اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی غلطی بھی اجتہادی غلطی سمجھنی چاہیے۔

اس کے علاوہ جو جو غلط اتہامات بعض صحابہ پر لگائے گئے ہیں۔ ان میں زیادہ حصہ افضیوں اور خارجیوں کی گپوں کا نچوڑ ہے۔ جو بالکل بے سروپا ہیں۔ کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی روایت تمہارے روبرو پیش کی جائے تو پہلے اس کی صحت اسناد کی طرف توجہ کرنی چاہیے تو اگر کسی روایت کا اسناد تمہارے نزدیک صحت کو پہنچ جائے تو اس کو کسی اچھے محمل پر محمول کرو اور اگر ایسا نہ کرسکو تو اتنا کہہ دو کہ اس میں کوئی ضرور تاویل ہے۔ جو میری سمجھ میں نہیں آئی۔ مگر خیال رکھنا چاہیے کہ کسی صحابی کی نسبت بدظنی کا خیال تمہارے دل میں گزرنے پائے۔ کیونکہ دو باتیں ہیں ایک یہ کہ کسی مسلمان کی نسبت تمہارے دل میں کچھ بدظن ہو اور تم اس پر لعن وطعن کرتے رہو اور واقع میں وہ ایسا نہ ہو اور ایک یہ کہ کسی مسلمان کی نسبت تمہیں حسنِ ظن ہو اور واقع میں وہ برابر ہو۔ اب تم ہی بتاؤ کہ تمہیں کس حالت اچھا کہنا چاہیے۔ یقیناً دوسری حالت میں تم اچھا کہلانے کے مستحق ہو گے۔

اگر انسان شیطان یا ابوجہل یا ابولہب وغیرہ پر تبرّا بازی اور منہ آنے سے پہلے اپنے آپ کو روک رکھے تو اس کا یہ سکوت اُسے کوئی ضرر نہ دے گا۔ بخلاف اس کے اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے حق میں بیہودہ گوئی اور دریدہ دہنی سے کام لے گا تو اس سے وہ یقیناً ناقابلِ معافی جرم کا مرتکب ہوگا اور اپنے ایمان کو اپنے ہاتھوں سے برباد کردے گا۔

یہ تو عام صحابہ کا حال ہے۔ اب رہے خلفائے راشدین۔ سو وہ تمام صحابہ اور دیگر افرادِ امت سے افضل ہیں اور جیسے ان کی خلافت یکے بعد دیگرے متحقق ہوئی ہے۔ اسی ترتیب سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ مگر ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ہمیں بذریعہ وحی یا کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایزد جلّ وعلا کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ سب سے افضل ہیں کیونکہ یہ اخبار عن الغیب ہے جس کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں ہے اور نہ ہی قرآن اور احادیث میں ایسی صریح اور قطعی نصوص دیکھنے میں آتی ہیں جن سے یقیناً معلوم ہو جائے کہ فلاں صحابی سب سے افضل ہے اور فلاں اس سے نیچے درجے کا ہے۔ بلکہ قرآن واحادیث میں تمام صحابہؓ کی تعریف کی گئی ہے اور اعمال بھی کسی کی افضلیت کا معیار نہیں قرار دیئے جاسکتے۔ کیونکہ بہت سے ایسے آدمی ہوتے ہیں جن کی ظاہراً عملی حالت بہت کچھ گری ہوئی ہوتی ہے۔ مگر کسی باطنی کیفیت

Marfat.com

کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہیں خاص طور پر مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو دیکھنے میں اعلیٰ درجہ کے متقی، نمازی، روزہ دار اور پرہیز گار ہوتے ہیں مگر کسی باطنی نفاق اور صباحت کے باعث خدا کا عذاب ان پر نازل ہونے والا ہوتا ہے۔ غرض اندرونی حالتوں کا خدا ہی واقف ہے۔ ہماری سمجھوں میں کچھ ہوتا ہے اور ہو کچھ جاتا ہے۔ افضلیت کا اگر کوئی امر معیار بن سکتا ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ کسی کی افضلیت وحی کے بغیر نہیں معلوم ہو سکتی اور وحی کا پتہ بغیر آنحضرت ﷺ سے سننے کے نہیں چل سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہؓ سے بڑھ کر نہ کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے حالات سے واقف ہیں اور نہ ان سے بڑھ کر کوئی آپ کا کلام سمجھ سکتا ہے اور تمام صحابہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہو چکا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں افضلیت کی نص کر دی ہے۔ اور اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت پر اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تمام امت سے افضلیت پر کل صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے۔ بس یہ ہے خلفاء کے ایک دوسرے سے افضل ہونیکا معیار کہ جس کی بناء پر اہل السنۃ والجماعۃ خلفائے اربعہ میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں۔

چوتھی فصل

کس فرقہ کے لوگوں کو کافر کہنا واجب ہے اس امر میں عموماً تمام مذاہب کے پیرووں نے غیر معمولی مبالغہ آمیزی اور تعصب سے کام لیا ہے۔ بعض فرقوں کے لوگ تو یہیں تک دور نکل گئے ہیں کہ تمام خلاف عقیدہ لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا ہے اور اگر آپ اس مسئلہ کی اصلیت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو پہلے آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ فقہی مسئلہ ہے یعنی کسی شخص کی نسبت اس کے کسی قول یا فعل پر کفر کا فتویٰ دینا یہ ایسا امر ہے جو سماعی دلیلوں اور قیاس کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا اور جس میں عقل کو کوئی دخل نہیں۔ کسی کو کافر کہنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ شخص ہمیشہ دوزخ میں رہنے

Marfat.com

گا۔اس کے قتل سے قصاص واجب نہیں ہوتا۔اس کو مسلمان عورت سے نکاح کرنا ناجائز ہے۔اس کا مال اور جان معصوم نہیں وغیرہ وغیرہ۔نیز اس کا قول جھوٹا اور اس کا اعتقاد جہل مرکب ہے اور عقل کے ذریعہ کسی کا جھوٹا ہونا یا اس کے اعتقاد کا جہل مرکب ہونا تو معلوم ہوسکتا ہے مگر کسی خاص جھوٹ اور جہل مرکب کا باعث کفر ہونا یہ دوسرا امر ہے۔یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی کا مومن یا کافر اور اس قسم کے تمام امور شرعی امور ہیں جیسے شرع سے یہ بات ثابت ہے کہ مومن جنت میں اور کافر دوزخ جائے گا۔ویسے شرع سے اس کا خلاف بھی ثابت ہونا ممکن تھا یعنی کافر جنت میں اور مومن دوزخ میں جائیگا۔

ہاں جھوٹ کا سچ ہونا اور جہل مرکب کا علم ہونا بے شک شرع سے ثابت نہیں ہوسکتا مگر اس سے ہمیں یہاں کوئی مطلب نہیں دیکھنا تو یہ ہے کہ یہ خاص جھوٹ اور جہل مرکب شرعاً موجب کفر ہے یا نہیں۔سو اس بات کا علم بغیر شرع کے نہیں ہوسکتا۔

جب یہ باتیں آپ کی سمجھ میں آگئیں تو اب یہ بات زیر نظر رکھنی چاہیئے کہ اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ شرع کا ہر ایک مسئلہ قرآن۔حدیث۔اجماع اور قیاس میں منحصر ہے اور جب کسی کا کافر ہونا بھی ایک شرعی مسئلہ ہے تو یہ بھی قرآن یا حدیث یا اجماع یا قیاس سے ثابت ہوگا۔حقیقت میں کفر کا معیار آنحضرت ﷺ کی تکذیب ہے۔جو شخص آپ کی کسی بات میں تکذیب کرے وہ یقیناً کافر ہے۔مگر تکذیب کے چند مراتب ہیں اور ہر ایک مرتبہ کے الگ الگ احکام ہیں۔

پہلا مرتبہ

پہلا مرتبہ یہودیوں۔نصرانیوں۔مجوسیوں اور بُت پرستوں کی تکذیب کا ہے۔ان کا کافر ہونا قرآن۔حدیث اور اجماع سے ثابت ہے اور یہی ایک کفر ہے۔جس کو نص سے ثابت ہونے کا فخر حاصل ہے۔

دوسرا مرتبہ

دوسرا مرتبہ براہمہ (منکرین نبوت) اور دہریہ منکرین صانع کی تکذین کا ہے۔یہ پہلے مرتبہ کی تکذیب کیساتھ ملحق ہے بلکہ براہمہ یہودیوں سے اور دہریہ براہمہ سے کفر میں بڑھے ہوئے ہیں۔کیونکہ یہودی مطلق نبوت کے تو قائل ہیں اگر منکر ہیں تو صرف

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کی نبوت کے منکر ہیں اور براہمہ سرے سے اصل نبوت سے ہی منکر ہیں اور ادھر براہمہ صانع عالم کے وجود کے قائل ہیں اور دہریہ سرے سے خدا ہی کا انکار کر بیٹھے ہیں۔

تیسرا مرتبہ

تیسرا مرتبہ ان لوگوں کی تکذیب کا ہے جو خدا اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے تو قائل ہیں۔ لیکن ساتھ ایسی باتوں کا بھی انہیں اعتقاد ہے۔ جو نصوص شرعیہ کے خلاف ہیں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ آنحضرت ﷺ بیشک نبی برحق تھے اور جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے اُس سے آپ کی یہ غرض تھی کہ مخلوق کی اندرونی حالت کی اصلاح ہو جائے۔ مگر آپ نے چونکہ لوگوں کو ایسا پایا تھا کہ جدائی اسرار کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ اس لیے بعض امور کی آپ نے تصریح نہیں کی۔ اس قسم کے خیال کے لوگ فلاسفہ کہلاتے ہیں اگرچہ بعض مسائل میں ان پر کفر کا دھبہ نہیں لگ سکتا۔ مگر ذیل کے تین مسئلوں میں ان کو یقیناً کافر کہنا پڑتا ہے اور یہی تین مسئلے ان کے نزدیک معرکتہ آلارا مسئلے کہلاتے ہیں۔

(۱) جس طریق پر اہل السنتہ والجماعتہ حشر کے قائل ہیں۔ اس سے انکار۔

(۲) خداوند تعالیٰ کلیات کو جانتا ہے۔ جزئیات کو نہیں جانتا۔ ان کا علم صرف عقول عشرہ ہی کو ہے۔

(۳) عالم قدیم ہے اور خدا کو محض اس سے تقدم ذاتی زمانی نہیں ان مسائل میں یہ لوگ یقیناً کافر ہیں کیونکہ ان کے یہ تینوں مسائل نصوص قطعیہ سے صریحاً مخالف ہیں۔

چوتھا مرتبہ

چوتھا مرتبہ فلاسفہ کے سوا معتزلہ وغیرہ دیگر فرقوں کے لوگوں کا ہے اس قسم۔ کہ لوگ جھوٹ کو خواہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہو یا بلا مصلحت بالکل جائز نہیں رکھتے اور نہ تو فلاسفہ کی طرح آنحضرت ﷺ کی نسبت ان کا خیال ہے کہ آپ بعض دفعہ حق کی باتوں کو مصلحت کی وجہ سے ظاہر نہ کرتے تھے۔ بلکہ جہاں کوئی آیت یا حدیث اپنے مطلب کے

Marfat.com

خلاف دیکھتے ہیں۔ وہاں اس میں تاویل کرتے ہیں اور اس کو اپنے مطلب کے مطابق بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔

ان لوگوں کو حتی الوسع کافر نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے مال اور جانیں مباح کر دینی جور و بقبلہ ہو کر نماز ادا کرتے ہیں اور زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہوں۔ کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر ہزار ہا کافروں کو کافر نہ کہا جائے بلکہ ان کی نسبت خاموشی اختیار کی جائے تو اس میں کوئی بڑا گناہ نہیں۔ بخلاف اس کے ایک مسلمان کو کافر کہہ دیا جائے یہ ایسا گناہ ہے جو تمام گناہوں سے خطرناک ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اُمرت ان اقاتل الناس حتی یقولو الا الٰہ الا اللہ (مجھے لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کا امر کیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ کلمہ پڑھ لیں)

اس قسم کے تمام فرقوں نے افراط و تفریط سے بہت جگہ کام لیا ہے اور اگر ہر ایک مسئلہ کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے تو علاوہ اس کے کہ اس مختصر سی کتاب کا حجم بڑھ جائے طرح طرح کے فتنوں اور شورشوں کے برپا ہونے کا احتمال ہے۔ کیونکہ عموماً اس قسم کے لوگ تعصب اور ضد کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ خیر ان کا جو جی چاہے کریں۔ ان کو کافر نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ کفر کی بنا آنحضرت ﷺ کی تکذیب پر ہے۔ تاویل کفر کا باعث نہیں بن سکتی۔ اور نہ اس کا باعث کفر ہونا کہیں سے ثابت ہے۔

پانچواں مرتبہ

پانچواں مرتبہ ان لوگوں کی تکذیب کا ہے جو صریحاً تکذیب نہیں کرتے مگر کسی ایسے شرعی حکم سے منکر ہیں۔ جو آنحضرت ﷺ سے بذریعہ تواتر ثابت ہے۔ مثلاً کوئی کہے نماز واجب نہیں۔ قرآن یا حدیث نبوی اُسے دکھائی جائے تو کہہ دے کہ میرے نزدیک آنحضرت ﷺ سے اس کا ثابت ہونا مسلم نہیں۔ ممکن ہے کہ آپ نے کچھ اور فرمایا ہو۔ اور بعد میں اس میں تحریف کی گئی ہو۔ اسی طرح ایک شخص کہہ دے کہ حج کے فرض ہونے کا تو میں قائل ہوں مگر مجھے یہ مسلم نہیں کہ مکہ (معظمہ) اور کعبہ کہاں ہے اور جس مکہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے اور جس میں مسلمان سالانہ فریضہ حج ادا کرنے کو جاتے ہیں آیا وہ وہی مکہ ہے جس کا ذکر قرآن اور احادیث میں آیا ہے اور جس میں آنحضرت ﷺ نے جا کر فریضہ حج ادا کیا ہے۔ ایسے لوگوں کو بھی کافر کہنا چاہیئے۔ کیونکہ ان سے ایسے

Marfat.com

امور کی تکذیب واقع ہوئی ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں اور جو امور تواتر سے ثابت ہوں ان کے سمجھنے میں عام اور خاص لوگ برابر ہوتے ہیں۔ معتزلہ بھی اگرچہ بعض امور کے منکر ہیں مگر ان کے انکار اور ان کے انکار میں بعد المشرقین ہے۔ کیونکہ جن باتوں پر ان کے انکار کی بناء ہے۔ ان کا سمجھنا ہر کہ دمہ کا کام نہیں۔ ان کی باتیں نہایت سنجیدہ اور متین ہوتی ہیں۔ ہاں اگر کسی شخص کو مسلمان ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہو۔ اور ابھی تک اس کو تواتر سے یہ امور نہ پہنچے ہوں اور وہ ان سے انکار کرے تو جب تک تواتر کے ذریعہ اس کو یہ امور نہ پہنچ لیں اس کو کافر نہ کہا جائے گا۔ ہاں پھر بھی اگر وہ اپنے انکار پر اڑا رہے تو یقیناً کافر ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے کسی مشہور غزوے یا مثلاً حضرت حفصہ بنت عمر کے ساتھ آپ کے نکاح یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے انکار کرے تو اُسے کافر کہنا ناجائز ہے۔ کیونکہ اس نے کسی ایسے امر سے انکار نہیں کیا جس پر اسلام کا دارومدار ہوا اور جس پر ایمان لانا ضروری ہو۔ بخلاف حج اور نماز کے کیونکہ یہ اسلام کے رکنوں میں سے اعلیٰ درجہ کے رکن ہیں۔ اجماع کے انکار سے بھی کفر لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اجماع کی قطعی حجت ہونے میں بہت سے شبہے ہیں۔

چھٹا مرتبہ

ان لوگوں کی تکذیب کا ہے جو اصول دین میں سے کسی یقینی اور تواتر سے ثابت شدہ امر کی تکذیب نہیں کرتے مگر اجماع یا اس سے ثابت شدہ امور کی تکذیب کرتے ہیں۔ مثلاً نظام اور اس کے پیرو اجماع کے حجت قطعی ہونے سے انکار کرتے ہیں کہ اجماع کرنے والوں سے خطا ممکن ہے۔ کیونکہ ان کے محال ہونے پر نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ ایسی شرعی دلیل ہے جس میں تواتر کی شرطیں پائی جائیں اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ نظام کے آگے جس قدر آیات یا احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ ان کی تاویل کر دیتا ہے اور تم نے اپنے اس دعویٰ میں تابعین کے اجماع کے خلاف کیا ہے۔ کیونکہ کل تابعین کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو وہ یقینی ہوتا ہے اور اس کا خلاف کرنا ناجائز ہے۔

Marfat.com

اگر چہ اس قسم کی تکذیب باعث کفر نہیں ہے۔لیکن اگر اس قسم کی تاویلوں کا دروازہ بھی کھول دیا جائے تو اس کے ساتھ اور بھی بہت سے ناگوار امور کا دروازہ بھی کھل جائے گا۔مثلاً کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی رسول کا مبعوث ہونا جائز ہے۔ کیونکہ عدم جواز میں جو آنحضرت کی حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اور خدا تعالیٰ کا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ اور اَلنَّبِیِّیْنَ کا لفظ عام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عام تخصیص بھی ممکن ہے اس قسم کی تاویلوں کو الفاظ کے لحاظ سے باطل کہنا نا جائز ہے کیونکہ الفاظ ان پر صاف دلالت کررہے ہیں۔علاوہ ازیں قرآن کی آیتوں (جن میں بظاہر خدا کی اسی صفتیں مذکورہ ہوئی ہیں جو ممکنات کی .... صفتوں کی سی ہیں) میں ہم ایسی دور از قیاس تاویلوں سے کام لیتے ہیں جو ان تاویلوں سے

زیادہ بعید ہیں۔ہاں اس شخص کی تردید یوں ہو سکتی ہے کہ ہمیں اجماع اور مختلف قرائن سے معلوم ہوا ہے۔لا نبی بعدی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت اور رسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔اور خاتم النبیین سے مراد بھی مطلق انبیاء ہیں۔غرض ہمیں یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ ان لفظوں میں کسی قسم کی تاویل او تخصیص کی گنجائش نہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ یہ شخص بھی صرف اجماع کا منکر ہے۔

ہم نے آنحضرت ﷺ کی تکذیب کے چھ مرتبے بیان کر دیئے ہیں جو بمنزلہ اصول کے ہیں۔ ہر ایک مرتبہ مختلف پر حاوی ہے اگر کہا جائے کہ بتوں کے آگے سجدہ کرنا کفر ہے۔اور یہ ایسا فعل ہے جو تکذیب کے ان چھ مرتبوں میں سے کسی مرتبہ کے نیچے مندرج نہیں ہو سکتا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ بتوں کے آگے سجدہ کرنے والے کے دل میں بتوں کی تعظیم ہوتی ہے اور یہ آنحضرت ﷺ اور قرآن کی تکذیب ہے۔ہاں بتوں کی تعظیم کا اظہار کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی اشارے سے۔اور کبھی ایسے فعل سے سے بھی اظہار تعظیم کیا جاتا جو اس قطعی طور پر دلالت کرتا ہے۔اور وہ سجدہ ہے۔کیونکہ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ بتوں کے آگے سجدہ کرنے والا بتوں ہی کو سجدہ کرتا ہے۔نہ یہ بات کہ سجدہ تو خدا کو کرتا ہے اور بت اس کے آگے دیوار کی طرح پڑے ہوئے ہیں۔اور اس کی نیت ان کو سجدہ کرنے کی نہیں ہوتی۔اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کافر نماز با جماعت ادا کرے اور ہمیں پختہ طور پر معلوم ہو کہ یہ کافر ہے۔

Marfat.com

موجباتِ کفر کے اسی قدر بیان پر ہم اکتفا کرتے ہیں اور ان کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کی وجہ علم کلام سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان پر کوئی روشنی نہیں ڈالی اور بعض نے اس لیے ان پر کوئی توجہ نہیں کی کہ ان کا معرفت سے تعلق ہے کیونکہ اگر موجباتِ کفر اس جہت سے دیکھا جائے کہ یہ سراسر اور جہالت پر مبنی ہیں تو بے شک علم کلام کے دائرے میں آجاتے ہیں لیکن اگر ان کو اس پہلو سے دیکھا جائے کہ ان کے مرتکب ہونے پر کفر لازم آتا ہے تو فقہ سے شمار ہوں گے۔

Marfat.com

خَیرُ المَقال

فی

ترجمہ المُنقِذ مِن الضَّلال

لامام الہمام ابی حامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

جس کو

مولوی سید ممتاز علی صاحب مترجم چیف کورٹ پنجاب لاہور

نے

زبان عربی سے ترجمہ کیا

مع

حواشی مفیدہ از مترجم

سنہ ۱۸۹۰ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماء دین سے ہوئے ہیں۔ ۴۵۰ ہجری میں بمقام طوس پیدا ہوئے۔ اور ۵۰۵ ہجری اُنھوں نے رحلت کی۔ وہ اپنے زمانہ کے فاضل مجتہد اور حاوی علوم معقول و منقول تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تطبیق بین المعقول والمنقول کا طریق ایجاد کیا اور اُسکو کمال پر پہنچایا۔ کتاب المنقذ من الضلال امام صاحب کی تصانیف سے ہے جو اُنھوں نے آخر عمر میں بمقام نیشاپور اپنے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے تحریر فرمائی۔ اگرچہ یہ نہایت مختصر سی کتاب ہے۔ مگر اس میں بعض نہایت ضروری مطالب اور مضامین اہم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک خاص بات جو امام صاحب نے اپنے خیالات کی مسلسل تاریخ بیان کی ہے۔ اور اُن میں جو جو تبدیلیاں اور انقلاب وقتاً فوقتاً واقع ہوئے ہیں ان کا عبرت انگیز طریق میں ذکر کیا ہے۔ غرض یہ کتاب آئینہ ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے واردات قلبی کا جس سے اُن لوگوں کو جو تحصیل علوم فلسفہ کے شائق ہیں نہایت عمدہ نصیحت حاصل ہوسکتی ہے۔

نصیحت گوش جاناں کن کہ از جاں دوست تر دارند

جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

مَیں نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کا اُردو زبان میں بامحاورہ سلیس ترجمہ کروں تاکہ خاص وعام اُس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ الحمدللہ کہ یہ کام اواخر ربیع الاوّل ۱۳۰۸ ہجری میں ختم ہوا۔

امام صاحب نے اپنے زمانہ کے علماء اور ان کے طریق جدل اور لوگوں کے فتور اعتقاد وغیرہ کی نسبت بعض ایسے امور تحریر فرمائے ہیں جو اس زمانہ کے حالات سے مشابہ ہیں یا باندک تغیر ان پر منطبق ہوسکتے ہیں میں نے ایسے مقامات پر حواشی لکھے ہیں جن میں بتایا ہے کہ یہ امور اس زمانہ کے حالات پر کس طرح منطبق ہوتے ہیں۔

امام صاحب کے حالات سے جو اس کتاب میں درج ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو ابتدأ علم فلسفہ سے سخت مضرت پہنچی تھی اور ان کی حالت نہایت خطرناک ہوگئی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کی مشکلات آسان کردیں اور ان کو ایسی ہدایت بخشی کہ وہ باعث ہدایت خلقت

Marfat.com

ہوئے اور قبولیت عام نے ان کو امام حجۃ الاسلام کا لقب دیا۔ چونکہ امام صاحب فلسفہ کے مہلک اثر کا ذاتی تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے جہاں تک ان کے بس میں تھا انہوں نے مسلمانوں کو اس کی آفات سے ڈرایا اور تردید فلسفہ اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد قرار دیا یہ جوش درجہ غلو تک پہنچ گیا تھا اور کیونکر نہ پہنچتا۔ جب کہ فلسفہ کے زہریلے اثر سے امام صاحب سے جید عالم کے خیالات مذہبی محفوظ نہ رہ سکے تو عوام الناس کی نسبت کیا کیا اندیشے تھے جو نہیں ہو سکتے تھے اور ایسے شخص کے دل میں جو محبت اسلام سے سرشار ہو اور خدمت اسلام کو اعلیٰ ترین عبادت سمجھتا ہو فلسفہ کی طرف سے کیا کیا بغض و بدگمانیاں تھیں جو پیدا نہیں ہو سکتی تھیں۔ خلفاء عباسیہ کا دور حکومت تھا۔ لوگوں کی طبیعتیں فلسفہ و حکمت کے ذوق و شوق سے لبریز ہو رہی تھیں اور اس زمانہ کی مجالس علمی اور امراء کی صحبتوں میں بھی حکمت و فلسفہ کے چرچے رہتے تھے غرضیکہ زمانہ کا عام میلان شیوع حکمت و فلسفہ کی طرف معلوم ہوتا تھا۔ امام صاحب کو خود اپنے نفس پر علوم حکمیہ کے بدنتائج اور ان کا ملحدانہ اثر محسوس کر چکے تھے۔ اس حالت زمانہ کو دیکھ کر نہایت سراسیمہ ہونے تھے۔ آخر انھوں نے بلا خیال اس بات کے کہ جس عظیم الشان مہم کو وہ اٹھے ہیں وہ ایک جریدہ شخص کا کام نہیں ہے تردید فلسفہ کا بیڑہ اٹھایا اور صرف قرآن مجید کی قوت پر بھروسہ کر کے تمام علمی دنیا سے جنگ کیا۔

امام صاحب نے اہل اسلام کے دلوں کو فلسفہ سے بیزار کرنے کے لئے اور اس کی نفرت ان کے دلوں میں بٹھانے کے لئے صرف ان مسائل کی تردید کافی نہیں سمجھی جو اعلانیہ اسلام کے برخلاف تھے۔ بلکہ انھوں نے کوئی پہلو جس سے فلسفہ کی مخالفت واجب یا نہ واجب ممکن معلوم ہوتی تھی اختیار کئے بغیر نہ چھوڑا۔ چنانچہ امام صاحب کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ کے ملاحظہ سے واجب ہوگا کہ انھوں نے بعض ایسے مسائل میں بھی جو خود اہل اسلام کے نزدیک مسلم ہیں محض اس بنا پر مخالفت کی ہے کہ وہ مسائل گو فی نفسہ صحیح ہیں الا دلائل فلسفیہ سے ان کا ثبوت ناممکن ہے جس شے سے اس درجہ کا سخت عناد ہو تو اس کی مذمت میں کبھی نہ واجب مبالغہ ہو جانا ایسا امر ہے جو بتقضائے فطرت انسانی ہر انسان کو پیش آتا ہے چنانچہ امام صاحب بھی کہیں کہیں اس کتاب میں فلسفہ کی مذمت میں حد مناسب سے تجاوز کر گئے ہیں۔ میں نے حواشی میں ایسے مقامات پر گرفت کی ہے مگر حاشا کہ مجھ کو امام صاحب کی تحریر پر اس قسم کی نکتہ چینی کرنے سے ان کی شان میں کسی طرح سے سوادبی کرنا یا ان کی تحقیق کی نسبت استخفاف کرنا یا اپنی نمود منظور ہو۔ میں خود

Marfat.com

ان کی تصانیف کا خوشہ چین ہوں اور ان کو اپنا مقتداء و پیشوا جانتا ہوں۔ بعض امور میں جو میں نے امام صاحب سے اختلاف رائے کیا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ اگر امام صاحب اس وقت زندہ ہوتے اور ان امور پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو وہ یقیناً اپنی رائے کو بدلتے۔

اس مختصر سی تحریر میں امام صاحب کے حالات زندگی بیان کرنا بے موقعہ ہے۔ اگر حیات مستعار باقی ہے تو انشاء اللہ ہم سیرت الغزالی بالاستیعاب علیحدہ لکھیں گے۔ فقط

العبد المذنب

ممتاز علی

مترجم چیف کورٹ پنجاب لاہور

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سب تعریف اللہ کو زیبا ہے۔ جس کی ستائش ہر ایک تحریر و تقریر کا آغاز ہے اور درود ہو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو صاحب نبوت و رسالت کے ہیں اور اُن کی آل و اصحاب پر جنھوں نے خلقت کو ہدایت کر کے گمراہی سے نکالا۔

امام صاحب کے ایک دوست کا سوال دربارہ تحقیق مذہب

اے برادر دینی تو نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ میں تجھ پر علوم کے اسرار و غایات اور مذاہب کی کھٹن راہیں اور صعوبات ظاہر کروں۔ اور تجھ کو اپنی سرگذشت سناؤں۔ کہ میں نے مختلف فرقوں سے جن کے راہ اور طریق ایک دوسرے سے متناقض تھے حق بات کو کس طرح چن کر اختیار کیا اور تقلید کے گڑھے سے نکل کر کس اوج بصیرت پر پہنچنے کی جرأت کیا اور اول علم کلام سے کیا کیا استفادہ کیا، اور ثانیاً اہل تعلیم کے طریقوں پر جن کے نزدیک۔ ادراک حق صرف تقلید امام پر موقوف ہے کسقدر حاوی ہوا اور ثالثاً علم فلسفہ کی کیا کیا برائیاں ظاہر کیں اور سب سے آخر کس طرح طریقہ تصوف مجھ کو پسندیدہ ترین نظر آیا، اور اقوال خلقت کی بے انتہا تفتیش میں مجھ کو کیا حق الامر معلوم ہوا، اور وہ کونسا امر تھا جو باوجود اس امر کے کہ بغداد میں کثرت سے طلبہ تھے مجھے اشاعت تعلیم سے مانع آیا، اور جس کی وجہ سے بعد عرصہ دراز میں نیشاپور واپس جانے پر مجبور ہوا۔ سو میں اس امر کو معلوم کر کے کہ تیری رغبت صادق ہے تیرے سوال کا جواب دیتا ہوں اور اللہ سے مدد مانگ کر اور اس پر بھروسہ کر کے اور اُس سے طلب توفیق کی التجا کر کے آغاز سخن کرتا ہوں۔

جواب: جاننا چاہیے۔ خدا تعالیٰ تم کو ہدایت بخشے اور اتباع حق کے لئے قلب سلیم عطا فرمائے۔ کہ اختلاف خلقت درباب دین و ملت اور پھر اختلاف امت درباب مذاہب جس سے بے شمار فرقے اور متناقض طریقے پیدا ہو گئے ہیں ایک دریائے عمیق ہے۔ جس میں بہت لوگ غرق ہوئے ہیں۔ اور بہت ہی کم ہیں جو اس سے سلامت نکلے۔ اور ہر فرقہ کا یہی زعم ہے کہ ہم ہی ناجی ہیں کُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ۔ اسی تفرقہ کی نسبت مخبر صادق حضرت

Marfat.com

سید المرسلین ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ قریب ہے کہ میری اُمت کے تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے۔ جن میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ پس یہ وعدہ اب پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ ابتدائے شباب سے ایام بلوغت سے جبکہ میری عمر ابھی بیس (۲۰) سال کی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اِس وقت تک کہ اب میرا سن پچاس سال سے متجاوز ہوا میری ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ میں اس دریائے عمیق کے منجدھار میں بے دھڑک گھستا اور اُس کے گہرے گہرے اور خطرناک مقامات میں ڈرپوک اور بزدلوں کی مانند نہیں بلکہ بڑے دل چلے لوگوں کی طرح غوطہ لگاتا تھا۔ میں ہر تاریکی میں جادھنستا تھا اور ہر مشکل پر ہاتھ ڈالتا تھا ہر بھنور میں بے دھڑک کود پڑتا تھا۔ اور ہر فرقہ کے عقیدہ کی جستجو میں رہتا اور ہر فرقہ کے مذہب کے اسرار دیافت کیا کرتا تھا۔ کہ حق باطل اور سنت اور بدعت میں تمیز کر سکوں۔ کوئی اہل باطن میں نے ایسا نہیں چھوڑا کہ اُس کے اسرار پر مطلع ہونے کا مجھ کو شوق نہ ہوا ہو، اور کوئی اہل ظواہر میں سے ایسا نہیں رہا کہ اُس کے علم کی حاصل معلوم کرنے کا میں نے ارادہ نہ کیا ہو۔ کوئی فلسفی نہیں جس کے فلسفہ کی ماہیت سے واقف ہونے کا میں نے قصد نہ کیا ہو اور کوئی اہل کلام ایسا نہیں جس کی تقریر اور مجادلہ کے انجام پر مطلع ہونے کی میں نے جدوجہد نہ کی ہو۔ میں ہر ایک صوفی کے اسرار تصوف پر واقف ہونے کا حریص رہتا تھا۔ ہر ایک عابد کی نسبت میں یہ سوچتا تھا کہ اُس کی عبادت کا مآل کیا ہوگا اور ہر ایک زندیق معطل[1] کی نسبت میں یہ جستجو کیا کرتا تھا کہ وہ کیا اسباب ہیں

---

[1] اللہ تعالیٰ کی صفات وجودی و صفات تنزیہی میں مبالغہ کرنے سے دو متضاد مذہب یا درباب صفات پیدا ہوئے ہیں۔ ایک مذہب والوں کا تو یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود ہر مکان میں موجود ہے اور ہستی مخلوقات عین ہستی خالق ہے۔ اس مذہب کو مذہب حلول واتحاد کہتے ہیں ہمہ اوست کا مذہب اور تمام دیگر مذاہب جن کی رو سے یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی صورت خاص مذہب میں ظہور کیا ہستی مذہب حلول اتحاد کی مختلف شاخیں ہیں۔ دوسرا مذہب جو اللہ تعالیٰ کے تنزیہہ و تقدس میں مبالغہ کرنے سے پیدا ہوا ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر قسم کی جہت سے منزہ ہے۔ وہ نہ عالم میں داخل ہے، نہ اُس سے خارج، نہ فوق عالم ہے، نہ اندرون عالم، نہ اُس کے پاس سے کوئی شے آسکتی ہے، نہ اُس کے پاس سے کوئی شے جا سکتی ہے، نہ اُس کا قُرب ممکن ہے نہ اُس کا دیدار۔ اس مذہب کے قائلین کو اہل نفی وجود یا اہل تعطیل یا فرقہ معطلہ کہتے ہیں۔

مذہب حق یہ ہے کہ نہ تو اثبات صفات میں اس قدر غلو کرنا چاہیے کہ بُت پرستی تک نوبت پہنچ جائے اور نہ تنزیہہ و تقدیس میں اس قدر تدقیقات فلسفہ نکالنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ کو عدم محض ہی تصور کیا جائے۔ مذہب سلف صالحین و آئمہ اسلام یہی تھا یعنی اثبات بلا تشبیہ و تنزیہ بلا تعطیل۔ مترجم۔

Marfat.com

جن سے اُس کو زندیق اور معطل بننے کی جرأت ہوئی ہے۔ حقائق امور کے ادراک کا میں ہمیشہ سے پیاسا تھا ابتدائے عمر سے یہ شوق میرے دل میں کُھبا ہوا تھا اور خدا تعالیٰ نے میری فطرت اور سرشت میں ہی یہ بات رکھ دی تھی جس پر میرا کسی قسم کا بس اور اختیار نہ تھا یہاں تک لڑکپن کے زمانہ کے قریب ہی رابطہ تقلید مجھ سے چھوٹ گیا۔ اور عقائد موروثی ٹوٹ گئے۔

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ :

میں نے دیکھا کہ نصاریٰ کے بچوں کی نشوونما دین نصرانی پر ہی ہوتی ہے اور یہود کے بچوں کی نشوونما یہودیت پر ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں کے بچوں کی نشوونما اسلام پر ہوتی ہے۔ میں نے وہ حدیث بھی سُنی ہوئی تھی جو رسول خدا سے بدیں مضمون مروی ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے والدین اُس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ پس میرے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ حقیقت فطرت[۱] اصلی اور حقیقت اُن عقاید کی جو

[۱] یہ سوال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا تھا نہایت دلچسپ سوال تھا اور زمانہ حال میں بھی فلاسفہ متالہین و دہریہ ہر دو نے اس کے جواب دینے پر طبع آزمایاں کی ہیں۔ امام صاحب اس سوال پر غور کرتے کرتے ایک اور دقیق بحث میں جا پڑے۔ یعنی وہ نفس علم و ادراکات حواس اور اس امر پر کہ وہ کس حد تک قابل وثوق ہیں نظر کرنے لگے۔ افسوس ہے کہ ان کے سلسلہ خیالات کا انجام سفسطہ پر ہوا۔ اور وہ عالم مادی کے وجود فی الخارج میں شک رکھنے لگے۔ امام صاحب تحریر کرتے ہیں کہ اوہام سفسطہ سے اُن کا جلد چھٹکارا ہو گیا۔ مگر اس رسالہ میں پھر یہ نہیں بتایا کہ اُن کے نزدیک حقیقت فطرت اصلی کیا ہے جس پر انسان مولود ہوتا ہے اور جو بعد میں بوجہ عارض ہونے عقاید تقلیدی و خیالات تلقینی کے دب جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی دین قیم کو بلفظ فطرت تعبیر کیا ہے جہاں فرمایا ہے فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ اس امر کے قرار دینے میں کہ فطرت سے اس آیت میں اور حدیث مذکورہ بالا میں کیا مراد ہے ہمارے علماء میں اختلاف ہے بعض علماء کا قول ہے کہ فطرت سے مراد وہ استعداد ہے جو خدا تعالیٰ نے ہر انسان میں امر حق کے قبول کرنے اور اُس کے ادراک کر سکنے کی ودیعت رکھی ہے۔ بعض دیگر علماء کا یہ قول ہے کہ فطرت سے مراد دین اسلام ہے۔ کیونکہ اگر انسان اپنی حالت فطری پر چھوڑ دیا جائے تو وہ حالت اُس کو دین اسلام تک پہنچا سکتی ہے۔ ایک دیگر گروہ علماء اسلام اس طرف گیا ہے کہ فطرت سے مراد وہ عہد ہے جو بروز میثاق خداوند تعالیٰ نے ذریت آدم سے لیا تھا امام غزالی صاحب احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ فطرت سے مراد توحید و معرفت الٰہی ہے کیونکہ باعتبار جبلت صلاحیت ادراک توحید ہر ایک قلب میں موجود ہے شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ فطرت اللہ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

تقلید والدین یا اُستاد عارض ہوتے ہیں معلوم کروں اور ان تقلیدات میں تمیز کروں جن کی ابتداء

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) اصول برّ واثم بطور کلیات مراد ہیں نہ کہ اُن کے فروع وحدود اور یہی وہ دین ہے جو اختلاف ازمنہ سے بدل نہیں سکتا۔

عبداللہ بن مبارک نے حدیث مذکورہ بالا کے یہ معنی کئے ہیں کہ ہر ایک بچہ اپنی خلقت جبلی پر پیدا ہوتا ہے خواہ وہ سعادت ہو یا شقاوت غرض سب کا انجام کار اپنی خلقت فطری پر ہوتا ہے۔ اور دنیا میں اُس کی خلقت کے مناسب اعمال اس سے صادر ہوتے ہیں۔ علامت شقاوت یہ ہے کہ اُس کی ولادت یہودیوں کے گھر ہو۔

اگر ان مختلف اقوال کو بہ نظر تعمق دیکھا جاوے تو اُن میں آسانی سے تطبیق کی جا سکتی ہے اور نہ صرف تطبیق ہی ہو سکتی ہے بلکہ اعتراضات بھی مندفع ہو جاتے ہیں جو فخر الاسلام سید احمد خان صاحب کے اس قول پر کئے گئے ہیں کہ الاسلام ھو الفطرۃ والفطرۃ ھو الاسلام۔ ہم کو صرف دو امور پر غور کرنا ہے۔

(۱) آیا یہ قول کہ الاسلام ھو الفطرۃ والفطرۃ ھو الاسلام قول جدید ہے یا علماء قدیم میں سے بھی کوئی اس کا قائل ہوا ہے؟

(۲) آیا علماء کے باہمی اختلافات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کس طرح رفع ہو سکتے ہیں؟

پہلا امر نہایت صاف ہے۔ جن علماء کی رائے ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں فطرت سے مراد دین اسلام ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی وغیرہ کی رائے ہے تو وہ ظاہراً سید صاحب کے ہمراہ اس امر میں متفق الرائے ہیں کہ لفطرۃ ھو الاسلام پس اگر بعض دیگر علماء کی رائے اس کے خلاف بھی ہو تب بھی بہرحال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ قول مذکورہ بالا کا پہلا جزو کوئی قول جدید نہیں ہے۔ رہا دوسرا جزو یعنی الاسلام ھو الفطرۃ اُس کی نسبت صرف اس قدر لکھنا کافی ہوگا کہ اگر اسلام اور فطرت میں جانبین سے تصادق کلی ہے تو اس جملہ اور پہلے جملہ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ لیکن اگر مفہوم فطرت بہ نسبت مفہوم اسلام عام ہے جیسا کہ سید صاحب پر اعتراض کرنے والوں کا خیال ہے تو مورد اعتراض زیادہ تر پہلا جملہ ہے یعنی الفطرۃ ھو الاسلام۔ جب ہمارے علماء محققین نے اس قول کے اختیار کرنے میں تامل نہیں کیا تو یہ کہنا کہ الاسلام ھو الفطرۃ بطریق اولیٰ درست ہے۔ فما قالہ فخر الاسلام حق وعلیہ اعتقادی۔

بغرض اس امر کے کہ ان مختلف اقوال میں تطبیق دی جائے منشا اختلاف پر غور کرنا ضروری ہے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ اختلاف اُس اعتراض سے بچنے کے واسطے کیا گیا ہے۔ جو فطرۃ سے دین اسلام مراد لینے کی صورت میں وارد ہوتا ہے۔ معترض کہہ سکتا ہے کہ اگر انسان کے بچے کو اپنی جبلت پر چھوڑ دیا جائے اور اُسے کسی خاص مذہب کی تلقین نہ کی جائے تو اُس کا کوئی مذہب نہ ہوگا اور وہ ہرگز مسائل صوم وصلوۃ حسب دین اسلام اپنے ذہن سے اختراع نہ کر سکے گا۔ پس یہ کہنا کب صحیح ہے کہ انسان دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور والدین کی تلقین سے وہ دیگر مذہب مثلاً یہودی یا مجوسی یا نصرانی اختیار کر لیتا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

امور تلقینات سے ہوتی ہے اور جن کی وجہ سے تمیز حق و باطل میں اختلافات ہوتے ہیں۔ پھر

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) اس اعتراض کے خوف سے اور یہ یقین کر کے کہ فی الواقع بچہ دین اسلام پر پیدا نہیں ہوتا ہمارے علماء نے طرح طرح کے مسلک اختیار کیے ہیں۔ کسی نے کہا کہ فطرت سے مراد عہد میثاق ہے کسی نے کہا کہ فطرت سے قبول حق کی عام استعداد مراد ہے۔ کسی نے توحید کہا۔ کچھ شک نہیں کہ ہمارے علماء نے اختلاف کرتے وقت مدلول لفظ اسلام پر کافی غور نہیں کی۔ ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق دین اسلام وہ دین ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین تھا۔ یعنی اسلام وہ دین ہے جو ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا دین تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر ان انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں پر بالتفصیل نظر کی جائے تو پہلی شریعتوں اور شرع محمدی میں بہت تفاوت معلوم ہوگا اور پہلی شریعتوں میں بھی اختلافات ملیں گے۔ باوجود اس کے جب ہم مسلمان سب انبیاء کے دین کو دین اسلام قرار دیتے ہیں تو بالکل ظاہر ہے کہ اسلام سے مراد اس قدر مشترک سے ہے جو جمیع انبیاء علیہم السلام کے ادیان میں پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان خدائے واحد مطلق لاشریک لہٗ کی ہستی کا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کرے اور اسی کو اپنا معبود حقیقی سمجھے۔ یہی اسلام ہے جس کی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے حق تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ اسی دین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس ارشاد خداوندی میں اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اسی دین کے اختیار کرنے کی حضرت ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَوَصّٰى بِهَا إِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ. قَالُوْا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ۔ پس اللہ واحد پر بہ جمیع صفاتہ ایمان لانا اصل اصول اسلام ہے اور اسی واسطے سب انبیاء کا دین اسلام سمجھا جاتا ہے ورنہ ان کی شریعتیں از بس مختلف تھیں مگر باوجود اس اختلاف کے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ أَمْ تَقُوْلُوْنَ إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا أَوْ نَصَارٰى۔ پس بے شک اس حدیث شریف میں جہاں فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر مولود ہوتا ہے اور اس آیت میں جہاں دین کو فطرت سے تعبیر کیا ہے فطرت سے مراد خواہ عہد میثاق ہو۔ خواہ اقرار ربوبیت خواہ توحید یہ سب اسی اصل اصول اسلام کے اظہار کے مختلف طریق ہیں اور کچھ شک نہیں کہ خداوند کریم کی ہستی کا قائل ہونا اور اس کو واحد مطلق یقین کرنا انسان کے لئے ایک طبعی و فطری عمل ہے۔ جن لوگوں کو آیت و حدیث مذکورہ بالا پر شبہ ہوا ہے انہوں نے اسلام سے مراد دین محمدی سمجھی ہے حالانکہ مفہوم اسلام اس سے اعم ہے۔ باعتبار وضع لفظ حسب استعمال قرآن مجید ہر محمدی مسلمان ہے۔ لاہر مسلمان محمدی نہیں ہوسکتا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

میں نے اپنے دل میں کہا کہ جب سب سے اوّل مجھ امور کا علم مطلوب ہے تو ضروری ہے کہ حقیقت علم معلوم کی جائے۔ پس مجھ کو معلوم ہوا کہ۔

علم یقینی کی تعریف

علم یقینی وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے معلومات کا ایسا انکشاف ہو جائے کہ اُس کے ساتھ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔ اور غلطی اور وہم کا امکان بھی اُس کے پاس نہ پھٹکنے پائے۔ اور ان امور کے احتمال کی دل میں گنجائش ہی نہ رہے۔ بلکہ غلطی سے محفوظ رہنے کے ساتھ اس قسم کا یقین ہو کہ اگر کوئی شخص اُس کے ابطال کے لئے مثلاً یہ دعویٰ کرے کہ میں پتھر کو سونا کر دیتا ہوں یا لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہوں تو اس امر سے بھی کوئی شک یا انکار پیدا نہ ہو سکے۔ کیونکہ جب میں نے یہ بات جان لی کہ دس (۱۰) زیادہ ہوتے ہیں تین (۳) سے تو اب اگر کوئی آ کر مجھ سے کہے کہ نہیں بلکہ تین زیادہ ہوتے ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ میں اس لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہوں چنانچہ اُس نے بنا بھی دیا۔ اور میں نے یہ امر مشاہدہ بھی کر لیا۔ تب بھی اس مشاہدہ سے میں اپنے علم میں کچھ شک نہیں کرنے کا۔ البتہ مجھ کو اس امر سے صرف تعجب لاحق ہوگا۔ کہ اُس شخص نے کس طرح یہ کام کیا۔ لیکن شک میرے علم میں ذرا بھی نہیں آنے کا۔ پس مجھ کو معلوم ہوا کہ جس چیز کا اس طرح علم نہیں ہے اور جس چیز پر میں اس طور سے یقین نہیں رکھتا ہوں اُس علم پر کچھ اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے علم کے ذریعہ سے غلطی کی حفاظت نہ ہو وہ علم یقینی نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) حضرت ابراہیمؑ کی اُمت مسلمان تھی مگر ابراہیمی مسلمان نہ کہ محمدی مسلمان۔ علیٰ ہذا القیاس موسیٰ کی امت موسوی مسلمان تھی۔ اور ہم خاتم النبیین کی اُمت محمدی مسلمان کہلاتے ہیں۔ چونکہ سرتاج انبیاء حبیب خدا محمد مصطفےٰ ﷺ نے تعلیم اصول اسلام کا بوجھ اتم واکمل فرمائی اس لیے علیٰ سبیل التغلیب یا علیٰ سبیل الاختصاص عموماً اصل مسلمان وُہی سمجھے جاتے ہیں جو دین محمدی کے پیرو ہیں۔

پندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز درپے مصطفےٰ

مگر جہاں خدا نے انسان کو فطری دین کی طرف ارشاد فرمایا ہے۔ وہاں یقیناً اسلام بہ معنی اعم ہے نہ بمعنی دین محمدی جو عموماً بطور مرادف اسلام استعمال کیا جاتا ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

اقسام سفسطہ و انکار علوم

غلطی حواس کی بناء پر امام صاحب کو عالم محسوسات کے باب میں شکوک پیدا ہوئے

جب میں نے اپنے علموں کو ٹٹولا تو میں بجز محسوسات اور بدیہات کے اور کوئی ایسا علم جس میں یہ صفت ہو اپنے میں نہ پایا غرضکہ جب سب طرف سے مایوس ہوگئی تو یہی ٹھہرایا کہ بجز اس کے اور کچھ توقع نہیں ہے کہ جو امور بالکل صاف ہیں اُن ہی سے امور مشکل کو اخذ کیا جائے۔ اور وہ صاف امور وہی محسوسات اور بدیہات ہیں اس لئے ضرور ہے کہ اول یہی مستحکم قرار پائیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ آیا محسوسات پر میرا اعتماد ہے اور بدیہات میں غلطی سے محفوظ رہنے کا یقین ہے وہ اُسی قسم کا تو نہیں ہے جو قبل ازیں امور تقلیدی میں تھا۔ یا جیسا اکثر عوام الناس کو امور عقلی میں ہوا کرتا ہے یا یہ غلطی سے محفوظ ہونا اچھی قسم کا ہے جس میں کوئی دھوکہ اور شک و شبہ نہیں۔ پس میں محسوسات اور بدیہات میں سعی بلیغ کے ساتھ غور کرتا اور اس بات کو سوچا کرتا تھا کہ دیکھوں میرے دل میں ان امور کی نسبت بھی شک پیدا ہو سکتا ہے۔[۱] آخر سوچتے سوچتے کہ شکوک نے

---

۱ علم فلسفہ کے پڑھنے والے معلوم کریں گے کہ فرانس کے مشہور فلسفی ڈے کارٹ کو جس نے مسائل دینیات کی تحقیق میں انقلاب عظیم پیدا کر کے فلسفۂ جدید کی بناڈالی عالم مادی کے وجود فی الخارج کے باب میں بعینہ اسی قسم کے خیالات پیدا ہوئے تھے۔ اس حکیم نے بھی اپنی تحقیق کا آغاز اس طرح کیا تھا کہ جو امور بدیہات سے نہیں ہیں وہ اُن پر ہرگز یقین نہ کرے گا۔ چنانچہ اُس نے بھی امام صاحب کی طرح شک و شبہ کو یہاں تک دخل دیا کہ آخر اس کو حواس خمسہ ظاہر یہ باطنیہ پر بھی وثوق نہ رہا۔ خیال کیا گیا ہے کہ اگر امام غزالی کی تصنیفات اُس کے زمانہ تک فرانس میں پہنچی ہوتیں تو یقیناً یہی سمجھا جاتا ہے کہ ڈے کارٹ کے فلسفہ کا ماخذ تحریرات امام غزالی ہیں مگر ڈے کارٹ امام صاحب کی طرح گھبرانے والا شخص نہ تھا وہ اپنے اصول پر نہایت استحکام و استقلال سے قائم رہا اور نہایت خوبصورتی سے اُس نے عالم مادی کا وجود ثابت کیا۔ ڈے کارٹ نے سوچا کہ آیا کوئی ایسی شئے ہے جس کی نسبت شک و شبہ کی بالکل گنجائش نہ ہو۔ اُس نے ہر طرف نظر دوڑائی مگر کوئی ایسی شئے نظر نہ آئی۔ پھر اُس نے خیال کیا کہ اس کا شک درباره وجود عالم مادی صرف اس صورت میں کلیۃً درست ٹھہر سکتا ہے۔ جب اس کو کم از کم اس شک کے وجود کی نسبت کوئی شک نہ ہو اس طرح پر اس نے سب سے اول اپنے شک کا وجود یقینی قائم کیا مگر شک ایک قسم کا خیال ہے اور خیال کے لئے ذی خیال کا ہونا ضرور ہے اس لیے وجود (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اس قدر طول کھینچا کہ میرے دل کو اس بات کا بھی یقین نہ رہا کہ محسوسات میں بھی غلطی سے بچ سکتے ہیں۔ میرا یہ شک در باب محسوسات بڑھتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ محسوسات پر کس طرح اعتماد ہو سکتا ہے؟ دیکھو سب سے قوی قوت بینائی ہے مگر اُس کا بھی یہ حال ہے۔ کہ وہ سایہ کی طرف دیکھتی ہے تو اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھہرا ہوا ہے ہلتا نہیں۔ اور نفی حرکت کا حکم دیتی ہے۔ لیکن ایک ساعت کے بعد اُس کو تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ متحرک ہے۔ گو یہ حرکت یک لخت ودفعۃً نہیں بلکہ بتدریج ورفتہ رفتہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ کسی وقت بھی اس کو حالت سکون نہیں ہوتی۔ پھر ستاروں کو دیکھو۔ وہ دیکھنے میں نہایت چھوٹے چھوٹے اشرفی کے برابر نظر آتے ہیں۔ لیکن دلائل ہندسیہ سے ثابت ہوا ہے کہ ہر ایک ستارہ مقدار میں اس زمین سے بھی بڑا ہے۔ غرضکہ اسی قسم کی اور بہت سی مثالیں محسوسات کی ہیں جن میں سے حواس اپنے احساس کے صحیح ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ مگر عقل اُس حکم کی تکذیب کرتی ہے اور حواس پر خیانت تکذیب کا ایسا الزام لگاتی ہے جس کا کوئی جواب بن نہیں پڑتا۔

امام صاحب کو عقلیات ونظریات کے باب میں شکوک پیدا ہوئے

بس یہ حال دیکھ کر میں سمجھا کہ محسوسات سے تو اعتماد گیا اور شاید اگر اعتماد ہو سکتا ہے تو بجز عقلیات کے جو امور فطری ہیں اور کسی پر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً یہ کہنا کہ دس (۱۰) تین (۳) سے زیادہ ہیں یا یہ کہنا کہ نفی اور اثبات ایک شئے میں جمع نہیں ہو سکتے اور ایک ہی شئے حادث وقدیم یا موجود ومعدوم یا واجب ومحال نہیں ہو سکتی۔ مگر محسوسات نے کہا تجھ کو کس طرح تسلی ہے کہ امور عقلی پر تیرا اعتماد کرنا ویسا ہی نہیں ہے جیسا تیرا اعتماد محسوسات پر تھا؟ تجھ کو ہم پر وثوق کامل تھا مگر

(بقیہ حاشیہ) شک سے اُس کو وجود نفس ذہن کا بھی قائل ہونا پڑا۔ پھر بتدریج نفس ذہن سے استدلال کرتے کرتے وجود باری تعالیٰ ثابت کیا۔

امام غزالیؒ صاحب فلسفیانہ تدقیق میں ڈیکارٹ سے کسی طرح پر کم نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی توحید کا یقین اور خشیۃ اللہ جو اس معرفت ویقین کا ضروری نتیجہ ہے اُن کے دل میں اس طرح راسخ ہوا تھا کہ وہ لحظہ بھر کے لئے فرض محال کے طور پر بھی اُس سے انکار کے متحمل نہ ہو سکتے تھے اس لیے وہ صحت ادراک حواس کا انکار کر کے اور اُس کے خطرناک نتائج دیکھ کر بہت گھبرائے اور سخت مرض تک نوبت پہنچی۔ مگر انھوں نے جلد دین کے مستحکم قلعہ میں پناہ لی۔ (مترجم)

Marfat.com

حاکم عقل آیا اور اُس نے ہماری تکذیب کی۔ لیکن اگر حاکم عقل نہ ہوتا تو تُو ہماری تصدیق پر بدستور قائم رہتا کیا تعجب ہے کہ علاوہ ادراک عقل کے ایک اور ایسا حاکم ہو کہ جب وہ تشریف لائیں تو عقل نے جو حکم کیے ہیں اُس میں وہ جھوٹی ہو جائے۔ جیسے کہ حاکم عقل کے آنے سے حس اپنے حکم میں جھوٹی ہوگئی تھی اور ایسے ادراک کا اس وقت معلوم نہ ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ ایسا ادراک حاصل ہونا محال ہے۔ پس میں اس بات کے جواب میں کچھ عرصہ دم بخود رہا اور حالت خواب کی وجہ سے ان کا اشکال اور بھی زیادہ ہوگیا۔

خواب کے بنا پر کسی اور ادراک فوق العقل کا امکان

میرے دِل نے کہا کہ کیا تم خواب میں بہت سی باتیں نہیں دیکھتے اور بہت سے حالات خیال نہیں کرتے اور اُن کو ثابت وموجود یقین نہیں کرتے؟ اور حالت خواب میں اُن پر ذرا بھی شک نہیں کرتے؟ پھر جب جاگتے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے وہ تمام خیالات اور معتقدات بے اصل و بے بُنیاد تھے۔ یہ اندیشہ کس طرح رفع ہوسکتا ہے کہ بیداری میں جن امور پر تم کو بذریعہ حواس یا عقل کے اعتقاد ہے ممکن ہے کہ وہ صرف تمہاری حالت موجودہ کے لحاظ سے صحیح ہوں۔ لیکن ممکن ہے کہ تم پر ایک اور حالت طاری ہو جس کو تمہاری حالت بیداری سے وہی نسبت ہو جو اب تمہاری حالت بیداری کو حالت خواب سے ہے اور تمہاری موجودہ بیداری اُس کے لحاظ سے بمنزلہ خواب ہو۔ پس جب یہ حالت وارد ہو تو تم کو یقین آئے کہ جو کچھ میں اپنی عقل سے سمجھا تھا وہ محض خیالات لاحاصل تھے۔

شاید یہ ادراک صوفیہ کو حاصل ہوتا ہے

کیا عجب ہے کہ یہ حالت وہ ہو جس کا صوفی لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ جب ہم اپنے نفسوں میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ اور اپنے حواس ظاہری سے غائب ہوجاتے ہیں۔ (یا شاید یہ ادراک بعد الموت حاصل ہو) تو ہم اپنے حالات میں ایسے امور پاتے ہیں جو معقولات موجودہ کے موافق نہیں۔ اور شاید یہ حالت موت ہو۔ کیونکہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمام لوگ حالت خواب میں ہیں جب موت آئے گی تو وہ بیدار ہوں گے سو شاید زندگی دنیا بلحاظ آخرت حالت خواب ہے۔ جب موت آئیگی تو اُس کو بہت سی اشیاء خلاف مشاہدہ حال نظر

Marfat.com

آئیں گی اور اُس کو کہا جائیگا فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَاءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ ۔ جب میرے دل میں یہ خیالات پیدا ہوئے تو میرا دل ٹوٹ گیا اور میں نے اُس کے علاج کی تلاش کی مگر نہ ملا کیونکہ اس مرض کا دفعیہ بجز دلیل کے ممکن نہ تھا اور تاوقتیکہ بدیہات کی ترکیب سے کلام مرتب نہ کیا جائے۔ کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ (دو ماہ تک امام صاحب سفسطی خیالات رکھتے تھے) جب وُہی مسلم نہ ہوں تو دلیل کی ترتیب ہی ممکن نہیں ہے۔ پس یہ مرض سخت تر ہوتا گیا اور دو مہینہ سے زیادہ کا عرصہ گذر گیا۔ چنانچہ ان دو مہینوں میں مذہب سفسطہ پر تھا لیکن بروئے خیالات و حالت دِل نہ بروئے تقریر و گفتگو۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس مرض سے شفا بخشی۔ اور نفس پھر صحت و اعتدال پر آ گیا۔ اور بدیہات عقلیہ مقبول اور معتمد بن کر پھر امن و یقین کے ساتھ ۱؎ واپس آئیں۔ لیکن یہ بات کسی دلیل یا ترتیب کلام سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ

۱؎ یہ تمام تقریر امام صاحب کی نہایت بودی ہے۔ امام صاحب کے یہ خیالات صرف قریب دو ماہ تک رہے۔ پھر اُن کو خود ان خیالات کی نوبت ظاہر ہوگئی۔ جیسا کہ اُن کی اگلی تحریر سے ظاہر ہے یہاں یہ بات بھی بیان کرنی ضروری ہے کہ جو شبہات مذہب سفسطہ امام صاحب کے دل میں پیدا ہوئے تھے وہ حقیقت میں اُس قسم کے نہ تھے کہ از روئے دلائل عقلیہ اُن کا رفع ہونا محال ہو۔ امام صاحب کا یہ کہنا کہ میں نے اس مرض سے بمدد دلائل عقلیہ نجات نہیں پائی بلکہ محض فضل خدا سے صرف اپنی کیفیت دلی کی حکایت ہے نہ اظہار ضعف دلائل عقلیہ۔ اہل سفسطہ کا واجبات ضروریہ و بدیہیات جلیہ سے انکار کرنا خود تناقض در تناقض پیدا کرتا ہے۔ ہم نے فرض کیا کہ حواس و عقل کے سب ادراکات نا قابل اعتبار ہیں اور کوئی علم ایسا نہیں ہے جس کو یقینی کہہ سکیں تاہم سفسطی کو کم از کم یہ تسلیم کرنا ضرور ہوگا کہ اُس کا علم نسبت عدم وثوق حواس کے یقینی ہے۔ کیونکہ اگر یہ بھی یقینی نہ ہو تو خود اُن کا انکار ضروریات باطل ٹھہرتا ہے۔ لیکن اگر اُس کا علم نسبت عدم وثوق حواس یقینی ہے تو کوئی وجہ اس امر کی ہونی ضروری ہے کہ خاص یہ علم باستثناء دیگر علوم و ادراکات کے کیوں یقینی سمجھا جائے۔ پس اس طریق استدلال سے لازم آتا ہے کہ یا تو اس علم کو ترجیحاً یقینی نہ سمجھا جائے یا دیگر علوم کو بھی اُسی قسم کا تصور کیا جائے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ حواس اپنے ادراکات میں بعض اوقات غلطی کرتے ہیں لیکن اُس غلطی کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کبھی ایک حاسہ کے ادراکات سے دوسرے حاسہ کے ادراک کی غلطی۔ اور کبھی ایک شخص کے ادراک سے دوسرے شخص کے ادراک کی غلطی رفع ہو جاتی ہے۔ غلطیوں کی مثالیں جو پیش کی جاتی ہیں وہ یا تو ایسی ہوتی ہیں جن میں کسی خاص حاسہ میں بباعث مرض وغیرہ کوئی فتور واقع ہو گیا ہو یا ایسی ہیں جن میں ادراک بجائے دفعتہً حاصل ہونے کے اس قدر تدریج سے حاصل ہو کہ کسی آن واحد میں شے مدرکہ محسوس نہ ہو سکے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اُس نور سے حاصل ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا اور یہی نور اکثر معارف کی کلید ہے۔ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ کشف مجرد دلائل پر موقوف ہے تو اُس نے اللہ کی وسیع رحمت کو نہایت تنگ سمجھا۔ اور جب رسول خدا ﷺ سے یہ سوال کیا گیا کہ شرح صدر کیا ہے اور اس قول خداوندی میں کہ

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

(جس کو اللہ تعالیٰ راہ راست دکھانا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے)

میں شرح سے کیا مُراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ نور جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتا ہے۔ اور جب پوچھا گیا کہ اُس کی کیا علامت ہے؟ تو فرمایا کہ اس دار غرور سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور اُس ابد الآباد گھر کی طرف رجوع کرنا۔ اور اُسی کی طرف آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اشارہ ہے جہاں فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ الْخَلْقَ فِىْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ رَشَّ عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ۔

(اللہ تعالیٰ نے خلقت کو حالت ظلمت میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور چھڑکا)

پس لازم ہے کہ اس نور کی مدد سے کشف حاصل کیا جائے اور یہ نور خاص خاص اوقات میں چشمۂ جود الٰہی سے فوارہ کی طرح نکلتا ہے اور اسی کا منتظر رہنا لازم ہے جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ لِرَبِّكُمْ فِىْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٍ" اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا۔

تمہاری زندگی کے ایام میں بسا اوقات نسیم رحمت پروردگار چلتی ہے پس تم اس کی تاک میں لگے رہو۔

(بقیہ حاشیہ) یا شے مُدرَک ایسی قلیل المقدار ہو کہ وہ غایت صغر کی وجہ سے محسوس ہونے کے قابل نہ ہو مگر انسان کا اس قسم کے مغالطات سے آگاہ ہو جانا اور یہ کہنا کہ حواس سے اس اس قسم کی غلطیاں واقع ہوا کرتی ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ گو فرداً فرداً اشخاص خاص اس قسم کی غلطیوں میں پڑ سکتے اور دھوکا کھا سکتے ہیں مگر آخر کار گروہ انسانی ان غلطیوں کی خود ہی صحت کر لیتا ہے اور صحت کرنے کے واسطے محک و معیار ٹھہرا لیتا ہے۔ پس یہ مثالیں در حقیقت ادراکات انسانی کے صحیح اور واقعی ہونے کی تائید کرتی ہیں نہ کہ تردید۔ کیونکہ یہ کہنا ہی کہ ہم نے فلاں امر میں غلطی کی ہے اس غلطی سے نکلنا ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

اِن حکایات سے مقصود یہ ہے کہ طلب کرنے میں تمام تر جدو جہد کرنی چاہیے۔ یہاں تک کہ انجام کار کوشش ایسے درجہ پر پہنچ جائے کہ اشیاء نا قابل طلب کے طلب کرنے کی نوبت آجائے۔ کیا وجہ کہ بدیہات تو مطلوب نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ خود حاضر و موجود ہیں اور حاضر و موجود کو اگر طلب کیا جائے تو وہ اور بھی مفقود و مستور ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اُس چیز کو طلب کرتا ہے جو طلب نہیں ہو سکتی تو اُس پر کوئی یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ اُس نے قابل طلب چیز طلب کرنے میں کیوں کوتاہی کی ہے۔

اقسام طالبین

مدعیان حق کے چار فرقے

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور بے انتہا جود سے مجھ کو اس مرض سے شفا بخشی اور اقسام طالبین میری رائے میں چار قرار پائے یعنی۔

اوّل۔ اہل کلام جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم ہی اہل الرّائے اور اہل النظر ہیں۔

دوئم۔ اہل باطن کا یہ زعم ہے کہ ہم اصحاب تعلیم ہیں اور ہم میں یہ خصوصیت ہے کہ ہم نے ہی امام معصوم سے سینہ بسینہ تعلیم پائی ہے۔

سوئم۔ اہل فلاسفہ جن کا یہ گمان ہے کہ ہم ہی اہل منطق و بُرہان ہیں۔

چہارم۔ صوفیہ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم خاصان بارگاہ ایزدی و اہل مشاہدہ و مکاشفہ ہیں۔

تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ حق الامر ان چہار اقسام میں سے خارج نہ ہوگا کیونکہ سالکانِ راہِ طلب حق ہیں۔ پس اگر حق ان پر بھی ظاہر نہ ہوا تو پھر ادراک حق کی کبھی اُمید نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بعد ترک تقلید کے پھر تقلید کی طرف رجوع کرنے مین تو کسی فائدہ کی امید نہیں وجہ یہ کہ شرط مقلد یہ ہے کہ اُس کو اس بات کا علم بھی نہ ہو کہ میں مقلد ہوں۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو گیا تو اُس کی تقلید کا شیشہ ٹوٹ گیا اور وہ ایسا زخم ہے جس کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور ایسی پریشانی ہے کہ کسی تالیف یا تطبیق سے اُس کی درستی نہیں ہو سکتی بجز اس کے کہ اس شیشہ کو پھر آگ مین پگھلایا جائے اور از سر نو اُو رشیشہ بنایا جائے یہ سوچ کر میں نے ان طریقہائے متذکرہ بالا پر چلنے اور جو کچھ ان فرقوں کے پاس ہے اُس کی انتہا معلوم کرنے کی طرف قدم بڑھایا۔ اور علم کلام

Marfat.com

سے آغاز کیا اور اُس کے بعد طریق فلسفہ اور پھر تعلیم اہل باطن اور سب سے آخر طریق صوفیہ کی تحقیق کی۔

مقصود و حاصل علم کلام

تدوینِ علم کلام

میں نے علم کلام سے آغاز کیا اور اُس کو حاصل کیا۔ اور خوب سمجھا۔ اور محققین علم کلام کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور جو کچھ میرا اردہ تھا میں نے اس علم میں کتابیں تصنیف کیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ ایک ایسا علم ہے کہ اس سے اُس علم کا مقصود اصلی تو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یہ میرے مقصود کے لئے کافی نہیں۔ اس علم سے مقصود یہ ہے۔ کہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کی حفاظت کی جائے۔ اور اہل بدعت کی تشویش سے اُس کو بچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے عقیدہ حق نازل کیا۔ جس میں اُس کے بندوں کی صلاح دینی و دنیوی ہر دو ہیں جیسا قرآن مجید میں اور احادیث میں مفصل موجود ہے۔ لیکن شیطان نے اہل بدعت کے دلوں میں وسوسے ڈال کر ایسے امور پیدا کئے جو مخالف سُنت ہیں۔ پس اہل بدعت نے اس باب میں زبان درازی کی۔ اور قریب تھا کہ اہل حق کے عقیدہ میں تشویش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے گروہ علماء اہل کلام کو پیدا کیا۔ اور اُنہیں یہ تحریک پیدا کی کہ فتحیابی سنت کے لئے ایسا کلام مرتب کام میں لائیں جس سے تلبیسات بدعت جو خلاف سنت ماثورہ پیدا ہوئی ہیں منکشف ہو جائیں۔ غرض اس طور پر علم کلام و علماء علم کلام کی ابتداء ہوئی پس ان میں سے ایک گروہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلایا اُٹھا۔ اور اُنھوں نے دشمنوں سے عقیدہ سنت کی خوب حفاظت کی۔ اور اہل بدعت نے اُس کے نورانی چہرہ پر جو بدنما داغ لگا دیئے تھے اُن کو دور کیا لیکن ان علماء نے اس بات میں اُن مقدمات پر اعتماد کیا جو اُنھوں نے منجملہ عقائد مخالفین خود تسلیم کر لئے تھے۔ اور وہ اُن کے تسلیم کرنے پر یا تو بوجہ تقلید مجبور ہوئے یا بوجہ اجماع و سنت یا محض بوجہ قبول قرآن مجید و احادیث زیادہ تر بحث اُن کی اس باب میں تھی کہ اقوال مخالفین میں مناقضات نکالے جائیں اور اُن کے مسلمات کے لوازم پر گرفت کی جائے۔ لیکن یہ امور اُس شخص کو بہت ہی تھوڑا فائدہ پہنچا سکتے ہیں جو سوائے بدیہات کے کسی شئے کو مطلق تسلیم نہیں کرتا۔ اس لئے علم کلام میرے حق میں کافی نہ تھا

Marfat.com

اور نہ جس درد کی مجھ کو شکایت تھی اُس سے اُس کو شفا ہو سکتی تھی۔

کتب کلام میں لاطائل تدقیقات فلسفیانہ

خیر جب علم کلام نکلا اور اُس میں بہت خوض ہونے لگا اور مدت دراز گزر گئی تو اہل کلام بوجہ اس کے کہ وہ حقائق امور کی بحث اور جواہر اعراض اور ان کے احکام میں خوض کرنے لگے محافظت سنت کی حد سے تجاوز کر گئے لیکن چونکہ یہ ان کے علم سے مقصود نہ تھا اس لئے ان کا کلام اس باب میں غایت حد تک نہ پہنچا اور اس سے یہ حاصل نہ[1] ہوا کہ اختلاف خلق سے جو تاریکی حیرت پیدا ہوتی ہے اس کو بالکل محو کر دے۔ بعید نہیں کہ میرے سوا کسی اور کو یہ بات حاصل ہوئی ہو بلکہ

[1] جس زمانہ میں مسلمانوں کا نیر اقبال اوج پر تھا تو اُن میں علوم حکمیہ یونان کا کثرت سے رواج ہوا۔ اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن علوم کے مسائل حکمیہ اور اس زمانہ کے مسائل مجتہدہ اسلام میں اختلاف دیکھ کر بہت سے اہل اسلام کے عقاید مذہبی میں تزلزل آ گیا تھا۔ ان علوم حکمیہ کے ملحدانہ اثر روکنے کے لئے ہمارے علماء سلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے علم کلام نکالا۔

متقدمین علماء کلام کی تصنیفات نہایت سلیس مختصر و کارآمد ہوتی تھیں مگر رفتہ رفتہ فلسفی مزاج متکلمین نے اُس کو ایک مبسوط فن قرار دے لیا جو جملہ دقیق مسائل منطق و فلسفہ و طبعیات کا متکفل ہو گیا ہے۔ چونکہ یونانی فلسفہ و الٰہیات کے مسائل عقلی و قیاسی دلائل پر مبنی ہوتے تھے۔ ہمارے متکلمین اُن کے مقابل میں ویسی ہی عقلی و قیاسی دلائل لا کر اُن کے مسائل کو توڑ پھوڑ ڈالتے تھے مگر چونکہ اعراض و جواہر وغیرہ کی فضول و دقیق بحثوں سے سواء پریشانی خاطر حفاظت و نصرت دین میں کچھ مدد نہیں ملتی تھی امام صاحب نے ایسی تصنیفات کو نہایت ناپسند فرمایا ہے۔ معلوم نہیں کہ اگر امام صاحب اس زمانہ میں ہوتے اور علم کلام میں ہیولی، صورت، جزء لا یتجزیٰ، ابطال خرق والتیام۔ استحالہ خلاء۔ کرویہ اجسام بسیطہ وغیرہ کی دقیق بحثیں اور مُوشگافیاں ملاحظہ کرتے تو کیا فرماتے۔

امام صاحب کے زمانہ کے بعد کتب کلامیہ میں غیر ضروری فلسفیانہ تدقیقات اور بھی کثرت سے داخل کی گئیں اور اب زیادہ خرابی یہ ہوئی ہے کہ اصول فلسفہ یونان جس کے مقابلہ کے لئے علم کلام وضع ہوا تھا غلط ثابت ہو گئے۔ پس اب اُس بوسیدہ واز کار رفتہ علم کلام کو علوم جدیدہ کے مقابلہ میں جو بجائے قیاسی دلائل کے سراسر تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہیں پیش کرنا وضع الشئی فی غیر محلہ ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ جس علم کو فخر الاسلام سید احمد خان صاحب نے اس زمانہ کے علوم کے مقابلہ میں بیکار و غیر مفید ٹھہرایا ہے اُس کو امام صاحب آج ۸۰۰ برس پہلے حمایت و نصرت دین کے لئے ناکافی سمجھا تھا۔ اس سے خیال کرنا چاہئے کہ اہل اسلام کو جدید علم کلام کی کس قدر سخت ضرورت ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

مجھ کو اس بات میں شک نہیں کہ کسی نہ کسی گروہ کو ضرور حاصل ہوئی کہ یہ حصول ایسا ہے کہ بعض امور میں جو فطری و بدیہات سے نہیں ہیں تقلید کی اس میں امیزش ہوگی فی الحال میری غرض یہ ہے کہ میں اپنی حکایت حال بیان کروں۔ نہ یہ کہ جن لوگوں کو اس کے ذریعہ سے شفا ہوئی اُن کی مذمت کروں۔ کیونکہ دوا شفا بلحاظ مختلف امراض کے مختلف ہوتی ہے۔ بہت سی دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن سے ایک مریض کو نفع پہنچتا ہے اور دوسرے کو ضرر۔

حاصل علم فلسفہ

اس میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کونسا علم فلسفہ مذموم ہے اور کونسا مذموم نہیں ہے۔ اور علم فلسفہ کے کس قول سے کُفر لازم آتا ہے اور کس قول سے کفر لازم نہیں آتا۔ یا اُن میں سے کونسا امر بدعت ہے اور کونسا امر بدعت نہیں۔ اور نیز وہ امور بیان کئے جائیں گے جو اہل فلسفہ نے کلام اہل حق سے چورائے ہیں۔ اور اپنے خیالات باطل کی ترویج کے لئے اُن کو اپنے کلام میں ملایا ہے۔ اور اس وجہ سے کس طرح پر لوگوں کی طبیعتوں کو اس حق سے نفرت ہوگئی۔ اور حقایق حقہ خالص کو اُن کے فاسد اور غیر خالص اقوال سے کس طرح علحٰدہ کیا جائے۔

کسی علم پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے اُس میں کمال پیدا کرنا چاہیے

علم کلام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے علم فلسفہ شروع کیا اور مجھ کو یہ امر یقیناً معلوم تھا کہ جب تک کوئی شخص اصل علم میں اُس علم کے سب سے بڑے عالم شخص کے برابر ہو کر درجہ انتہا کو نہ پہنچ جائے۔ اور پھر ترقی کر کے اُس کے درجہ سے تجاوز نہ کر جاوے۔ اور اُس علم کی دشواریوں اور آفات سے اس قدر اطلاع حاصل نہ کرلے کہ اُن سے وہ عالم بھی واقف نہ ہو۔ تب تک علم فلسفہ کی کسی قسم فساد سے واقف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں یہ امر ممکن ہے کہ علم مذکور کے فساد کی نسبت جو کچھ اس کا دعویٰ ہوگا وہ صحیح ہوگا۔ لیکن میں نے علماء اسلام سے کوئی ایک بھی ایسا شخص نہیں ا دیکھا جس نے اس کی طرف ہمت کی ہو۔ یا تکلیف اُٹھائی ہو۔ اور کتب اہل

ا اس زمانہ میں بھی ہمارے علماء اہل اسلام کو اسی آفت نے گھیر رکھا ہے۔ وہ علوم جدیدہ سے محض جاہل ہیں۔ مگر باوجود اس کے اُن مسائل پر جو اُن علوم پر مبنی ہیں گفتگو کرنے بلکہ اُن کی تردید کرنے اور ان مسائل کے ابطال میں کتابیں لکھنے اور ان مسائل کے قائلین کی نسبت کفر کے فتوے دینے کے لئے ہر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

علم کلام میں جو ردِ اہل فلاسفہ کے درپے ہیں۔ بجز چند کلمات مبہم و بے ترتیب کے جن کا تناقض اور فساد ظاہر ہے اور جن کی نسبت ایک عامی جاہل آدمی بھی دھوکا نہیں کھا سکتا۔ چہ جائیکہ وہ اشخاص جو دقائق علوم کے جاننے کا دعویٰ رکھتے ہوں اور کچھ درج نہیں۔ غرض مجھ کو معلوم ہوا کہ کسی مذہب کی تردید کرنا قبل اس کے کہ اُس کو سمجھیں اور اُس کی حقیقت سے مطلع ہوں اندھیرے میں تیر چلانے ہیں۔ اس لئے میں کمر ہمت چست کر کے علم فلسفہ کی تحصیل کے درپے ہوا امام صاحب تحصیل علم فلسفہ میں مصروف ہوئے اور صرف اپنے مطالعہ سے

(بقیہ حاشیہ) وقت آمادہ ہیں۔ ہندوستان بھر میں ہمارے علماء دین کے گروہ میں ایک بھی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس نے حسبۃً للہ خدمت دین کی غرض سے علوم جدیدہ میں دستگاہ کامل پیدا کرنے کی محنت اپنے اوپر اٹھائی ہو۔ اور جو اعتراضات ان علوم کی رُو سے اُن پر وارد ہوتے ہیں اُن سے کماحقہٗ واقفیت پیدا کی ہو۔ اور پھر اُن اعتراضات کے اُٹھانے میں حتی المقدور کوشش کی ہو۔ اس زمانہ میں ہمارے علماء کی تحقیق صرف اس امر میں محصور ہے کہ اگر کوئی شخص واقعات نفس الامری کی بناء پر جو حسب تحقیقات علوم جدیدہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوئے ہیں اسلام پر کوئی اعتراض کرے تو یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ ادراکات حواس انسانی میں غلطی کا ہونا ممکن ہے پس یہ ایک مختصر سا پتھر ہے جو زمانہ بھر کے کل علوم حکمیہ کی تردید کے لئے کافی ہے۔ اگر کوئی اور شخص اپنی استعداد کے موافق اُن اعتراضات کے رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو ہمارے علماء اُسکی تکفیر کرتے ہیں۔

جب تک ہمارے علماء دین مخالفین کے علوم میں اُس درجہ تک ترقی نہیں کرنے کے جو امام غزالیؒ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ یعنی جب تک وہ اصل عالمان علوم جدیدہ کے برابر معلومات کا ذخیرہ جمع نہ کر لیں۔ اور اُن معلومات کے بڑھانے کے وسائل اپنے لئے مہیا نہ کر لیں۔ تب تک ناحق کی کج بحثیاں کرنا۔ اور اُن واقعی اُمور کے مقابلہ میں جو مشاہدہ اور تجربہ سے مسلم ٹھہر چکے ہیں قیاسی دلائل ڈھونڈنا یا غلط ادراکات کے رکیک حیلے نکالنا۔ اور اپنے پوچ اقوال کی تائید میں آیات قرآن مجید پیش کرنا۔ اسلام کو ضعیف اور کلام الٰہی کا مضحکہ کروانا ہے۔

اگر درحقیقت کسی کے دل پر اسلام کی واجب الرحم حالت سے چوٹ لگتی ہے اور مغربی دنیا کے علوم سے جو ملحدانہ زہریلا اثر دین اسلام پر پڑ رہا ہے اُن کو روکنا خدمت دین سمجھتا ہے تو اُسکو چاہئے کہ کمر ہمت باندھ کر امام غزالیؒ کی طرح مخالفین کی علوم حکمیہ کی تحصیل کے درپے ہو جب وہ شخص ان علوم میں فضیلت حاصل کر چکے گا تب دنیا اس کو قابل سمجھے گی کہ جو کچھ وہ کہے اس کو التفات سے سنے اور اس کی تحریر و تقریر کو قابل قدر وقعت اور اس کو قابل خطاب سمجھے جس کو یہ ثواب حاصل کرنا ہو وہ اس کام کا بیڑا اٹھائے۔ فمن شاء اتخذ الی ربہ مابا۔ (مترجم)

Marfat.com

بغیر مدد استاد کے کتب فلسفہ کو دیکھنا شروع کیا اور یہ کام میں اپنی فراغت کے وقت میں یعنی جب مجھ کو علوم شرعی کے درس دینے اور تصنیف کرنے سے فرصت ملتی انجام دیتا تھا۔ کیونکہ مجھ کو بغداد میں تین ۳۰۰ سو طالب علم کو درس و تعلیم کا کام سپرد تھا پس اللہ تعالیٰ نے صرف انھیں اوقات متفرقہ کے مطالعہ میں یہ برکت دی کہ میں دو برس سے کم عرصہ میں ہی فلسفہ کی انتہائے علم سے واقف ہو گیا۔ اس علم کو سمجھ لینے کے قریب ایک سال تک میرا یہ دستور رہا کہ ان مضامین میں غور و فکر کیا کرتا تھا اور ان مضامین کو اپنے ذہن میں دہراتا اور اس کی صعوبات و آفات پر نظر کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں جو کچھ مکر یا دھوکا یا تحقیق یا جو اور خیالات تھے اُن سب کی ایسی آگاہی حاصل ہو گئی کہ مجھ کو ذرا بھی شک نہیں ہے۔ پس اے عزیز اس علم کی حکایت مجھ سے سن۔ اور اُن کے علوم کا ماحصل مجھ سے دریافت کر۔ کہ میں نے اُن کے بہت سے علوم دیکھے جس کی بے شمار اصناف ہیں۔ گو متقدمین فلاسفہ اور متاخرین اور متوسطین اور اوائل میں اس باب میں بہت فرق تھا کہ بعض حق سے بہت بعید تھے اور بعض قریب۔ لیکن باوجود اینہمہ کثرت اصناف داغ کفر و الحاد سب پر لگا ہوا ہے۔

اقسام فلاسفہ

جملہ اقسام فلاسفہ کو نشان کفر شامل ہے

فلاسفہ کے تین اقسام ہیں

جاننا چاہئے کہ فلسفیوں کے اگرچہ بہت سے فرقے اور مختلف مذہب ہیں۔ لیکن ان سب کی تین قسمیں ہیں۔ یعنی۔

دہریہ۔ طبعیہ۔ الہیہ۔

ا۔ دہریہ قسم اوّل دہریہ

یہ گروہ متقدمین فلاسفہ سے ہے۔ ان کا یہ قول ہے کہ اس جہان کا کوئی صانع۔ مدبر عالم و قادر نہیں ہے۔ اور یہ عالم ہمیشہ سے اپنے آپ بے صانع موجود چلا آتا ہے۔ اور ہمیشہ حیوان نطفہ سے اور نطفہ حیوان سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا

Marfat.com

رہے گا۔ یہ لوگ زندیق ہیں۔

۲۔ طبعیہ قسم دوم طبعیہ۔

ان لوگوں نے عالم طبعیات اور عجائبات حیوانات اور نباتات پر زیادہ تر بحث کی ہے۔ اور علم تشریح اعضائے حیوانات میں زیادہ خوض کیا ہے۔ اور اُن میں عجائب صنع باری تعالیٰ و آثار حکمت پائے ہیں۔ پس لاچار انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ضرور کوئی بڑی حکمت والا قادر مطلق ہے جو ہر امر کی غایت اور مقصد پر اطلاع رکھتا ہے۔ کوئی ایسا نہیں کہ علم تشریح اور عجائب منافع اعضاء کا مطالعہ کرے اور اُس کو بالضرور یہ علم حاصل نہ ہو کہ ساخت حیوان اور خصوصاً ساخت انسان کا بنانے والا اپنی تدبیر میں کامل ہے۔ لیکن چونکہ ان لوگوں نے زیادہ تر بحث طبیعات سے کی ہے اس لئے اُن کی رائے میں قوائے حیوانیہ کے قیام میں اعتدال مزاج کو بہت بڑی تاثیر ہے۔ بدیں وجہ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انسان کی قوت عاقلہ بھی تابع مزاج انسانی ہے اور مزاج کے باطل ہو جانے سے وہ بھی باطل ہو کر معدوم ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ معدوم ہو گئی تو پھر بموجب ان کے زعم کے اعادۂ[۱] معدوم کسی طرح متصور نہیں۔ پس وہ اس امر کی طرف گئے ہیں کہ روح مر جاتی ہے اور پھر عود نہیں کرتی۔ اس لیے انھوں نے آخرت کا، اور بہشت و دوزخ کا اور قیامت و حساب کا انکار کیا ہے۔ غرض ان کے نزدیک نہ کسی اطاعت کا ثواب ہے نہ کسی گناہ کا عذاب پس وہ بے لگام ہو گئے ہیں۔ اور بہائم کی طرح شہوات میں

---

[۱]: منجملہ اُن مباحث کلامیہ کے جن پر ہمارے علماء متکلمین نے مشکل اور لاطائل بحثیں کی ہیں ایک مسئلہ اعادہ معدوم ہے۔ یعنی یہ مسئلہ کہ آیا جو شے نیست و نابود ہو جائے وہ بعینہٖ پھر پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جمہور حکماء اور بعض متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ اعادۂ معدوم محال ہے۔ یعنی کوئی شے نیست و نابود ہو کر بعینہٖ پھر پیدا نہیں ہو سکتی۔ دیگر متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ اعادہ معدوم جائز ہے۔ جو امتناع اعادہ معدوم کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر جواہر و ذوات بالسر با معدوم ہو جائیں تو شخص مُعاد بعینہٖ شخص اول جس پر عدم طاری ہوا تھا نہ ہوگا۔ اور اس لئے اس صورت میں ایصال ثواب و عقاب بھی ممکن نہ ہوگا۔

علاوہ ازیں وہ کہتے ہیں کہ منجملہ دیگر تشخصات موجودات کے زمان بھی ہے۔ پس اگر اعادہ معدوم جملہ تشخصات ممکن ہو تو اعادہ زمان بھی لازم آئے گا جو ناممکن ہے۔ اس کے جواب میں ہمارے علماء نے طول طویل بحثیں کی ہیں۔ اور حق الامر یہ ہے کہ اگر زمان کو تشخصات میں داخل سمجھا جائے تو جواز اعادہ معدوم ثابت کرنا محال ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

منہمک ہیں۔ یہ لوگ بھی زندیق ہیں کیونکہ ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ اور روز یوم آخرت پر یقین کیا جائے اور یہ لوگ اگرچہ اللہ اور اس کی صفات پر تو ایمان لاتے ہیں مگر یوم آخرت سے منکر ہیں۔

۳۔ الٰہیہ قسم سوم الٰہیہ

یہ لوگ متاخرین اہل فلسفہ ہیں اور ان ہی میں سے سقراط ہے جو استاد تھا افلاطون کا جو استاد ارسطاطالیس کا۔ ارسطاطالیس وہ شخص ہے جس نے ان کے لئے علم منطق مرتب کیا۔ اور دیگر علوم کو ترتیب دیا۔ اور جن علوم کا پہلے خمیر نہ ہوا تھا ان کے لئے ان علوم کا خمیر کر دیا۔ اور جو علوم خام تھے ان کو پختہ بنایا۔ اور جو مبہم تھے ان کو واضح کر دیا۔

ان سب فلسفیوں نے پہلے دونوں فرقے یعنی دہریہ وطبعیہ کی تردید کی ہے۔ اور اس قدر ان کی فضیحت کی ہے کہ غیروں کو اسکی ضرورت نہیں رہی۔ ان کی آپس کی لڑائی کے سبب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کے مقابلہ سے بچالیا۔ پھر ارسطاطالیس نے افلاطون اور سقراط کی اور ان سب فلاسفہ الٰہیہ کی جو اس سے پہلے گزرے ہیں ایسی تردید کی ہے کہ کچھ کسر باقی نہیں رکھی۔ اور ان سب سے اپنی بیزاری ظاہر کی ہے۔ لیکن اس نے بعض رذائل کفر و بدعت ایسے چھوڑ دیئے جس کی تردید کی توفیق خدا تعالیٰ نے اس کو نہیں بخشی تھی۔ پس واجب ہے کہ ان کو اور ان کے اتباع مثلاً علماء اسلام میں سے بوعلی ابن سینا اور فارابی وغیرہ کو کافر کہا جائے۔ (تکفیر بوعلی سینا

ل: امام صاحب کی تقریر سے محض ملاپن ظاہر ہوتا ہے۔ امام صاحب نے اگرچہ اس مقام پر کوئی عام اصول تکفیر قائم نہیں کیا۔ لا جس بناء پر انھوں نے بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے۔ وہ ان کی تحریر سے ظاہر ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ دیگر علماء نے بھی علوم فلاسفہ میں کتابیں لکھی ہیں۔ لا ان کی تحریریں ایسی واضح نہیں ہیں جیسی کہ بوعلی سینا کی ہیں۔ اس لئے بوعلی سینا کی تحریر سے لوگوں کے عقائد میں فتور آنے کا زیادہ تر اندیشہ ہے۔ دوسرے مصنفوں کی تحریریں غلط ملط ہیں جن سے پڑھنے والوں کا دل اکتا جاتا ہے اور ذہن مشوش ہو جاتا ہے

امام صاحب کی اول تو یہ سخت غلطی ہے کہ تکفیر کا مدار نفس خیالات مصنف پر رکھنے کی بجائے اس اثر پر رکھا ہے جو اس کی تصنیف سے پڑھنے والوں پر مترتب ہوتا ہے۔ اگر یہ اصول تکفیر تسلیم کیا جاوے تو خداوند تعالیٰ کے اس قول کی نسبت جہاں قرآن مجید کی نسبت فرمایا ہے۔ یضل بہ کثیرا کیا سمجھا جائیگا۔

دوم یہ نہایت پست ہمتی و بزدلی ہے۔ کہ امام غزالی سا جید عالم مذہب اسلام کو فلسفہ کے رو برو لانے سے ڈرے اور غایت نصرت دین اس میں تصور کرے کہ مسلمانوں کے کانوں اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ابونصر فارابی) کیونکہ ان دو شخصوں کی مانند اور کسی شخص نے فلاسفہ اہل اسلام میں سے فلسفہ ارسطاطالیس کو اس قدر کوشش سے نقل نہیں کیا اور ان شخصوں کے سوائے اور اشخاص نے اگر کچھ لکھا بھی ہے تو اُن کے دلائل خلط ملط ہیں اور خالی از خبط نہیں۔ پڑھنے والے کا دل گھبرا جاتا ہے اور وہ نہیں جان سکتا کہ میں کیا سمجھا اور کیا نہ سمجھا۔ اور نہ یہ جان سکتا ہے کہ میں کیا سمجھا اور کیا نہ سمجھا اور نہ یہ جان سکتا ہے کہ کس امر کو قبول کرنا چاہئے۔ اور کس کو رد کرنا چاہئے۔

ہمارے نزدیک فلسفہ ارسطاطالیس سے جو کچھ حسب نقل ان دو شخصوں کے صحیح ہے اُس کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل قسم۔ وہ جس سے تکفیر واجب ہے۔

(بقیہ حاشیہ) آنکھوں کو کلام فلاسفہ کے سننے اور پڑھنے سے باز رکھے۔ کیا حقیقت میں مذہب اسلام ایسا بودا ہے۔ کہ وہ علوم حکمیہ کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ لوگوں کی آزادرائے کو دبا کر اور بذریعہ فتویٰ کفر تخویف کام لاکر شیوع علم کو روکنے سے مذہب کو دوامی استحکام ونصرت حاصل ہوسکے۔ ہرگز نہیں۔ اس قسم کے کفر کے فتووں کے دینے اور مخالف رایوں کے دبانے کا دنیا میں ہمیشہ یہ نتیجہ ہوا ہے۔ کہ ضدیت کو قوت اور مخالف کو اور زیادہ تر اشتعال ہوا ہے۔

امام صاحب کے زمانہ میں بعض کتب حکمیہ کے ترجمے نہایت ناقص اور ناقابل فہم ہوئے تھے۔ امام صاحب خوش ہوتے تھے کہ نہ یہ ترجمے کسی کی سمجھ میں آوے گے نہ اُن کے عقائد میں فتور واقع ہوگا۔ اور جن لوگوں نے یہ ناقص ترجمے کیے تھے اُن کے حق میں امام صاحب نے یہ رعایت فرمائی کہ اُن کو کافر نہیں کہا۔ مگر بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی۔ آخر علوم حکمیہ جن کو امام صاحب دبانا چاہتے تھے دنیا میں پھیلے اور آجکل اس کثرت سے شائع ہوئے ہیں۔ کہ گلی کوچوں میں پھیل گئے ہیں اور گو اُن علوم کو بالتفصیل جاننے والے اس ملک میں ابھی کسی قدر کم ہیں الا اُن علوم کے نتائج اور مختصہ سے عوام تک آگاہ ہوگئے ہیں۔

یہ تائید ونصرت دین تھی امام غزالی صاحب کی۔ مگر اس زمانہ ایک محقق لکھتا ہے'' کہ کوئی مذہب ایسا دنیا میں نہیں ہے۔ جو دوسرے مذہب پر گو وہ کیسا ہی باطل کیوں نہ ہو اپنی ترجیح بہم وجوہ ثابت کردے۔ مگر یہ رتبہ صرف اُسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچر کے مطابق ہے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جس کو میں بحیثیت اسلام کہتا ہوں''۔ وہ کہتا ہے کہ کوئی لفظ اسلام کا ایسا نہیں ہے جس پر بحث سے کچھ اندیشہ ہو اور یہ اس میں یہی خوبی ہے کہ اُس کو بحث سے اندیشہ نہیں ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ اصلی طریقہ تائید ونصرت کا وہ ہے جو امام صاحب نے اختیار کیا تھا۔ یا وہ جو اس پچھلے شخص نے اس زمانہ میں اختیار کیا ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

دوم قسم۔ وہ جس سے بدعتی قرار دینا واجب ہے۔
سوم قسم۔ وہ جس کا انکار ہرگز واجب نہیں۔
اب ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں

اقسام علوم فلاسفہ

علوم فلسفہ کے چھ اقسام

جاننا چاہیے کہ اُس غرض کے اعتبار سے جس کے لئے ہم علوم کی تحصیل کرتے ہیں۔ علوم فلسفہ کی چھ قسمیں[1] ہیں

(۱) ریاضی۔ (۲) منطق۔ (۳) طبیعات۔ (۴) الٰہیات۔ (۵) سیاست۔ مُدن۔ (۶) علم اخلاق۔

ا۔ ریاضی

یہ علم متعلق ہے حساب و ہندسہ و علم ہیئت عالم سے اور اُن کے صحیح ہونے یا نہ ہونے سے کوئی امر دینی متعلق نہیں۔

علوم ریاضی سے دو آفتیں پیدا ہوئیں

بلکہ یہ امور استدلالی ہیں کہ ان علوم کو جاننے اور سمجھنے کے بعد اُن سے انکار ہو ہی نہیں سکتا مگر ان علوم سے دو آفتیں[2] پیدا ہوئی ہیں۔

---

[1] احیاء العلوم میں امام صاحب نے علم فلسفہ میں صرف علوم ریاضی۔ منطق۔ الٰہیات۔ طبیعات کو شامل کیا ہے۔ مگر کچھ شک نہیں کہ علم سیاست مدن اور علم اخلاق بھی فلسفہ میں داخل ہیں اور حکماء حال بھی ان ہر دو علوم کو داخل علم فلسفہ سمجھتے ہیں۔ (مترجم)

[2] جن دو آفتوں میں امام صاحب کے زمانہ کے مسلمان مبتلا تھے اُنھیں آفتوں میں زمانہ حال کے مسلمان بھی مبتلا ہیں۔ پہلی آفت میں مبتلا تو ان لوگوں کا گروہ ہے جنھوں نے علوم حکمیہ جدیدہ میں تعلیم پائی ہے۔ چونکہ اُنھوں نے ہیئت و کیمیا و طبیعات میں کمال درجہ کی مزاولت پیدا کی ہے۔ ان علوم کے براہین واضح نے جو سراسر مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہیں اُن کی طبیعتوں کو ہر امر کے ثبوت میں دلائل یقینی طالب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

آفت اول۔ یعنی یہ خیال کہ اگر اسلام برحق ہوتا تو اُسکی حقیقت فلاسفہ ریاضی داں پر مخفی نہ رہتی۔

آفت اول یہ ہے کہ جو شخص ان علوم میں غور کرتا ہے وہ ان علوم کی باریکیوں اور اُن کی روشن دلیلوں سے متعجب ہوتا ہے اور اس سبب سے وہ فلاسفہ کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ اور اُس کو یہ گمان ہو جاتا ہے کہ فلسفیوں کے اور سب علوم بھی وضاحت اور استحکام دلیل میں اسی طرح ہیں۔ پھر چونکہ یہ شخص پہلے سے سن چکتا ہے کہ یہ لوگ کافر اور معطل تھے اور امور شرعی میں سستی کرتے تھے

(بقیہ حاشیہ) کرنے کا حامی بنا دیا ہے۔ اور اُن کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کردی ہے کہ اگر فی الواقع دنیا میں کوئی سچائی ہے تو اُس کے ثبوت میں ایسے ہی قطعی دلائل ضرور مل سکتے ہوں گے۔ لیکن مذہب کے لئے ایسے قطعی ثبوت کا ملنا ہماری موجودہ خلقت کی حالت میں ناممکن ہے۔ مذہب کے ثبوت سے میری مراد اُن فروعی مسائل سے نہیں ہے۔ جن کا بتمامہ قطعی دلائل سے ثابت ہونا ظاہر امر محال ہے۔ بلکہ میری مراد اصل اصول جملہ مذاہب سے ہے۔ جس سے کسی اہل مذہب کو مفر نہیں ہے۔ مثلاً ہر اہل مذہب کو خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، مسلمان ہو یا آزاد منش خود پسند برہمو۔ خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین کرنا ضروری ہے مگر کیا اس یقین کے لئے ایسے قطعی دلائل مل سکتے ہیں جیسے اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے کہ مثلث کے کوئی سے دو ضلع مل کر تیسرے ضلع سے بڑے ہوتے ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ کس طرح ایسا قطعی ثبوت بہم پہنچ سکتا ہے ایسی ذات کے لئے جس کو نہ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ سمجھ سکتے ہیں۔ جو نہ جوہر ہے نہ عرض۔ جو نہ یہاں ہے نہ وہاں نہ کسی اور جگہ۔ مگر سب جگہ ہے۔ جو نہ کان رکھتا ہے نہ آنکھیں نہ ہاتھ۔ مگر سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ اور حکام عالم کا صانع ہے۔

جب سب سے مقدم اور سب سے عام عقیدہ مذہبی کا یہ حال ہے۔ تو اُس کے فروعات میں تو ایسے قطعی ثبوت کی جیسے مسائل علوم جدیدہ میں دیئے جا سکتے ہیں کیا ہی توقع ہو سکتی ہے۔ پس یہ فرقہ اُن تمام عقائد مذہبی سے جن کا ایسا روشن ثبوت نہیں دیا جا سکتا منکر ہو گیا ہے یہ ایک گروہ ہے خود منش لامذہب کے نوجوانوں کا جو نہ صرف منکر رسالت ہیں۔ بلکہ وہ نہ خدا کے معتقد ہیں۔ نہ مذہب کے پیرو۔ نہ عقبے کے قائل۔ نہ کبائر سے مجتنب نہ احکام الٰہی کے پابند۔ اُن کا مذہب صرف یہ ہے کہ ہر ایک فعل جس سے نفس انسانی کو حظ حاصل ہو بشرطیکہ اس پر کوئی گرفت قانون کی نہ ہوتی ہو جائز ہے۔ افسوس ہے کہ یہ خوفناک فرقہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اور ہمارے علماء کو اس آفت کے روکنے کی ذرا فکر نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی خدا ترس بقدر اپنی استعداد کے اس آفت کے دور کرنے میں سعی کرتا ہے تو ہمارے علماء دین اُس کو بھی انہیں آفت زدوں میں شمار کرنے لگتے ہیں۔

اس آفت کے روکنے کی سب سے اول تدبیر جو ہمارے علماء کے ذہن میں آویگی وہ غالباً (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اس لئے وہ محض تقلید کا انکار کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر دین اسلام سچ ہوتا تو ایسے لوگوں پر

(بقیہ حاشیہ) یہ ہوگی کہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کی اشاعت روکی جائے۔ مگر یہ اُن کی سراسر غلطی ہے۔ یہ آفت انگریزی زبان سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اس کے مورث علوم حکمیہ جدیدہ ہیں۔ یہ علوم زبان اردو میں ترجمہ ہوگئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ سلطنت ترکی علماء نے ان علوم کو زبان عربی میں بھی ترجمہ کرلیا ہے اور ان عربی کتابوں کا اس ملک میں بھی رواج ہوتا جاتا ہے امام صاحب کے زمانہ میں بھی یہ آفت اُس وقت پھیلی تھی جب یہ علوم زبان عربی میں ترجمہ کئے گئے تھے اس ملک میں گو یہ علوم ابتداء بذریعہ زبان عربی انگریزی کے آئے ہوں۔ لیکن اب اُن کی اشاعت اس قدر ہوگئی ہے۔ اور ان علوم کی کتابوں کے ترجمے اُردو۔ فارسی۔ عربی میں کثرت سے ہوگئے ہیں کہ اب ان علوم کی واقفیت حاصل کرنے کے لئے انگریزی زباندانی کی احتیاج نہیں رہی ہے۔ بلکہ وہ خیالات جو محرک زندقہ والحاد ہوتے ہیں۔ بذریعہ زبانہائے مشرق و بذریعہ اختلاط مختلف اقوام شائع ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایسی صورت میں ایک انگریزی زبان کی تعلیم بند کرنے سے کسی فائدہ کی توقع نہیں ہوسکتی ہے۔ بلکہ اس صورت میں تو نہ صرف یہی کافی ہوگا کہ زبان اُردو کی حرف شناسی اور عربی زبان کی تعلیم بالکلیہ بند کی جائے۔ بلکہ یہ کہ خلقت کو کانوں سے بہرا اور آنکھوں سے اندھا بنادیا جائے۔ تاکہ اُن بدنصیبوں کے حواس تخیلات ملحدانہ کو کسی راہ سے اُن کے دل و دماغ و روح تک نہ پہنچا سکیں۔

دوسری آفت اہل اسلام پر خود علمائے دین کی طرف سے آئی ہے۔ جن کو امام صاحب نے واجبی طور پر اسلام کے جاہل دوست کا لقب دیا ہے۔ یہ مقدس گروہ مخالفت علوم حکمیہ جدیدہ کو شرط اعتقاد دینداری سمجھتا ہے۔ اور اُن تمام واقعات نفس الامری سے جو ان علوم میں بذریعہ تجربہ و مشاہدہ ثابت ہوچکے ہیں۔ اور جن کا متحقق ہونا تمام عقلائے عالم نے تسلیم کرلیا ہے انکار کرتے ہیں اور صرف اس حلیہ پر کہ حواس انسانی کی ادراکات میں غلطی کا ہونا ممکن ہے اپنے تئیں اور تمام عقلاء کو اندھا اور بہرا کہلانا گوارا کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ از روئے مذہب اسلام یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ زمین ساکن ہے اور آفتاب اُس کے گرد گردش کرتا ہے اور آسمان مجوف کروی جسم گنبد یا چوبی چھت کی مانند ہے۔ اور تمام ستارے اُس میں جڑے ہوئے ہیں۔ اور اُس میں چوکھٹ کواڑ۔ قبضے۔ کڑے کنڈے۔ سب لگے ہوئے ہیں۔

جلال الدین سیوطی نے آیات قرآنی اور روایات اسلامی سے اخذ کر کے ایک ہیئت اسلامی بنائی ہے۔ اور اُس پر ایک رسالہ مسمی بہ الہیئۃ السنیہ تحریر کیا ہے۔ فخر الاسلام سید احمد خان صاحب نے اس رسالہ کے بعض مضامین کو اپنی ایک تحریر میں مختصراً بیان کیا ہے جو ہم یہاں بجنسہ نقل کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ عرش یعنی فلک الافلاک کے گرد چار نہریں۔ ایک نور کی ایک نار کی۔ ایک برف کی۔ ایک پانی کی۔ پھر لکھا ہے کہ کل دنیا کے لوگوں کی جس قدر بولیاں ہیں اُتنی ہی زبانیں عرش کی ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ عرش سرخ یاقوت کا ہے۔ اور عرش کے نیچے بحر مسجور ہے۔ ایک روایت کی سند پر لکھا ہے کہ عرش (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

جنھوں نے اس علم میں ایسی باریکیاں نکالیں کبھی مخفی نہ رہتا۔ پس جب وہ اُن کے کفر اور انکار کی بابت سن چکتا ہے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حق الامر یہ ہے کہ دین سے اعراض وانکار کیا جائے میں

(بقیہ حاشیہ) سبز زمرد کا ہے۔ اُس کے چار پانو ں یاقوت احمر کے ہیں۔ عرش کے آگے ستر ہزار پردے ہیں ایک نور کا۔ ایک ظلمت کا۔ جبرئیل نے کہا کہ اگر میں ذرا بھی آگے جاؤں تو جل جاؤں۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلّے بسوزد پرم

پھر لکھتے ہیں کہ زمین کے گرد پیتل کا پہاڑ ہے جو زمین کو محیط ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ سات زمینیں مثل سات آسمانوں کے تو بر تو ہیں۔ ہر ایک دوسرے سے اسی قدر فاصلہ ہے۔ رعد کو وہ ایک فرشتہ اور اُس کے آواز کو کڑک اور اُس کی بھاپ یا کوڑہ کی چمک کو بجلی قرار دیتے ہیں۔

مدوجزر سمندر کی بابت روایت کرتے ہیں کہ جب فرشتہ سمندر میں پانوں رکھدیتا ہے تو مد ہوتا ہے اور جب نکال لیتا ہے تو جزر ہوتا ہے۔

اب ہر ایک شخص جس کو خدا نے کچھ عقل دی ہے سمجھ سکتا ہے۔ کہ ان لغو اور مہمل اقوال کو سن کر محققین علوم جدیدہ مذہب اسلام کی نسبت کیا خیال کرتے ہوں گے۔ امام صاحب کا یہ قول نہایت صحیح ہے کہ اُن محققین کو اپنے دلائل کی صحبت میں تو کچھ شک پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اُن کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام دلائل قطعی کے انکار اور جہالت پر مبنی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فلسفہ سے رغبت اور اسلام سے نفرت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ جس شخص نے۔ یہ گمان کیا کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی نصرت ہوگی اُس نے حقیقت میں دین اسلام پر سخت ظلم کیا۔

مگر امام صاحب کا یہ کہنا کہ یہ دونوں آفتیں فلسفہ سے پیدا ہوئی ہیں کلی طور پر صحیح نہیں ہے۔ آفت اول کی بہت شاید کسی قدر یہ خیال صحیح ہو مگر دوسری آفت خود علمائے دین نے اپنی جہالت سے پیدا کی ہے۔ اور وہ جہالت علوم حکمیہ وفلسفہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ یہ آفت علوم حکمیہ سے جاہل رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اس لیے من وجہ اُن علوم کو اُس کا باعث سمجھنا چاہیے۔ معاذ اللہ اسی طرح یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام کفر وضلالت کا موجب قرآن مجید ہے۔ کیونکہ کفر وضلالت بھی قرآن مجید سے جاہل رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

یہ دوسری آفت اسلام کے جاہل دوستوں کی محض اپنی حماقت کا نتیجہ ہے۔ بلکہ اس آفت نے کچھ شک نہیں کہ پہلی آفت کو اور بھی خطرناک بنا دیا ہے کیونکہ علوم حکمیہ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اپنی دلائل یقینیہ ومسائل قطعیہ کے ذریعہ سے نوجوانوں کے دلوں کو اپنا گروہ بنالیا۔ اُس کے مقابلہ میں ہمارے علماء نے دین اسلام کو نہایت بھدی، بدنما کر کے یہ منظر ڈراونی صورت میں پیش کیا۔ کیا اسلام کی حقیقت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

نے بہت سے اشخاص دیکھے ہیں جو صرف اتنی ہی بات سے راہ حق سے بھٹک گئے ہیں اور جن کے پاس سوائے اتنی بات کے اور کوئی سند نہیں تھی۔ جب ایسے شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو شخص ایک صفت خاص میں کامل ہو ضروری نہیں کہ وہ ہر ایک صفت میں ویسا ہی کامل ہو۔ مثلاً جو شخص علم فقہ یا کلام میں ماہر ہو ضرور نہیں کہ وہ طبیب حاذق بھی ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ جو معقول سے نا واقف ہو وہ علم نحو سے بھی ناواقف ہو بلکہ ہر کارے و ہر مردے۔ ایسے لوگ اپنے فن کے شہسوار و ماہر کامل ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اور چیزوں میں محض احمق و جاہل ہوں۔ پس اوائیل فلاسفہ کا کلام در باب علوم ریاضی استدلالی ہے اور در باب الٰہیات محض ظنی۔ اس کی معرفت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس نے اُس کا تجربہ کیا ہو اور اُس میں خوض کیا ہو۔ جب ایسے شخص کے ساتھ جس نے تقلید اختیار کی ہو یہ تقریر کی جاتی ہے تو وہ اس کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ غلبۂ ہوا و شوق بطلان اور عقلمند کہلانے کی آرزو اُس کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ جمیع علوم میں فلسفیوں کی تحسین پر صرار کرے۔ غرضکہ یہ آفت عظیم ہے۔ اور واجب ہے کہ ہر ایک ایسے شخص کو جو ان علوم میں خوض کرے بوجہ اس آفت کے زجر کی جائے۔ کیونکہ اگرچہ یہ امور دین سے بالکل تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن چونکہ ان کے دیگر علوم کی بنیاد انھیں پر ہے اس لئے اُن سے دین کو خرابی اور آفت پہنچتی ہے۔ پس جو کوئی اس میں خوض کرتا ہے۔ اُس کی نسبت یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ دین سے خارج ہو گیا اور اُس کے مُنہ سے لگام تقویٰ نکل گئی۔

(بقیہ حاشیہ) میں ایسی ہی صورت ہے جیسے ان خدا ناترسوں نے دنیا پر ظاہر کی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اسلام کی یہ صورت اُن لغو و مہمل و موضوع اقوال سے بن رہی ہے جو لوگوں نے اپنی طرف سے اُن میں ملائے ہیں اور یقین دلایا ہے کہ یہ جزو مذہب اسلام ہیں۔ اب وقت ہے کہ یہ اسلام کے جاہل دوست اُس کے سچے اور خالص دوست بنیں۔ اور اس زمانہ میں جو عیب اسلام پر لگائے جاتے ہیں وہ اپنے اوپر لیں اور اعتراف کریں کہ جن امور کو دنیا نے مورد طعن و تشنیع ٹھہرایا ہے وہ ہمارے اور ہمارے باپ دادوں کے اپنے اقوال ہیں جو اسلام میں مخلوط ہو گئے ہیں۔ ورنہ مذہب اسلام اُن تمام عیوب سے مبرا و منزا ہے۔

اسلام بذات خویش ندارد عیبے ۔ ہر عیب کہ ہست در مسلمانی ماست

Marfat.com

آفت دوم۔ بعض جاہل خیر خواہان اسلام نے انکار علوم ریاضی کر کے اسلام کو مخالف علوم حکمیہ مشہور کیا

آفت دوم۔ یہ آفت اسلام کے جاہل دوستوں سے پیدا ہوئی ہے جن کا یہ خیال ہے کہ دین کی فتح یابی یہ ہے کہ جو علم فلاسفہ کی طرف منسوب ہو اس سے انکار واجب ہے۔ اس لئے انھوں نے جملہ علوم فلاسفہ سے انکار کیا ہے۔ اور ان کی جہالت نے ان کو یہاں تک آمادہ کیا کہ جو کچھ فلسفیوں نے کسوف و خسوف کے باب میں لکھا ہے اس سے بھی انکار کیا۔ اور یہ سمجھا کہ ان کے یہ اقوال بھی خلاف شرع ہیں۔ جب یہ بات ایسے شخص کے کان میں پڑتی ہے جس کو یہ امور دلیل سے معلوم ہو چکے ہیں تو اس کو اپنی دلیل میں تو کچھ شک پیدا نہیں ہوتا لیکن اس کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام اس دلیل قطعی کے انکار اور جہل پر مبنی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فلسفہ کی محبت اور اسلام کی طرف سے بغض روز بروز ترقی پاتا ہے۔ پس جس شخص نے یہ گمان کیا کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی نصرت ہوگی اس نے حقیقت میں دین اسلام پر سخت ظلم کیا۔ شرع میں ان علوم کے نفی یا اثبات سے کچھ بھی تعرض نہیں کیا گیا۔ اور نہ ان علوم میں کوئی ایسی بات ہے جس کو امور دینی سے تعرض[1] ہو۔ اس قول نبوی صلعم میں کہ چاند اور سورج منجملہ اللہ کی نشانیوں کے

---

[1] علم ہیئت کی نسبت جو کچھ امام صاحب نے تحریر فرمایا ہے وہ نہایت صحیح اور معقول ہے۔ اور جو نصیحت امام صاحب نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو پانچویں صدی کے اخیر میں کی تھی وہ اس چودھویں صدی کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے بھی از بس مفید و ضروری ہے۔ شاید کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ امام صاحب کی یہ تحریر صرف علم ہیئت قدیم یونانی سے متعلق ہو سکتی ہے۔ جس کا ان کے زمانہ میں رواج تھا۔ لیکن امام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالتخصیص کسی خاص نظام ہیئت سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ علم ہیئت کی نسبت عام طور پر رائے ظاہر کی گئی ہے خواہ وہ نظام بطلیموسی ہو۔ یا نظام فیثا غورثی یا کوئی اور نظام۔ صرف دو امور قابل لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ امام صاحب نے بالعموم ان امور محققہ کے انکار کو جو قطعی دلائل ہندسیہ سے ثابت ہو گئے ہوں موجب تضحیک دین اسلام سمجھا ہے۔ دوم یہ کہ قدیم ہیئت یونانی سے بعض ایسے مسائل کی جو حسب روایات اسلامی و تفسیر علماء مفسرین داخل عقائد اسلام سمجھے جاتے تھے تکذیب ہوتی تھی۔ مثلاً ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کی راہ کا فاصلہ ہونا۔ آسمانوں میں دریا کا ہونا۔ آفتاب کا گرم پانی کے چشمہ میں ڈوبنا۔ شہاب ثاقب کا شیاطین کی مار کے واسطے پھینکا جانا۔ سکون زمین کے لئے پہاڑوں کا بطور میخوں کے گاڑا جانا۔ زلزلہ زمین کا بوجھ گناہ خلقت کے وقوع میں آنا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام مسائل کی یونانی علم

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ہیں۔ جن کا خسوف نہ کسی کی موت کے سبب ہوتا ہے اور نہ کسی کی حیات کے باعث۔ پس جب تم اُن کو دیکھو تو اللہ کو یاد کرنے اور نماز پڑھنے کی طرف متوجہ ہو۔ کوئی ایسی بات نہیں۔ جس سے انکار حساب واجب ہو کہ اُس کے ذریعہ سے چاند و سورج کی رفتار یا اُن کا ایک وجہ مخصوص پر

(بقیہ حاشیہ) علم ہیئت تکذیب کرتا ہے۔ مگر باوجود اس کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس علم کو نفیاً یا اثباتاً دین اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب ان لغو و مہمل روایات کو جن کا ہم نے اوپر اشارہ کیا داخل مذہب نہیں جانتے تھے اور خالص دین اسلام کو ان عیوب سے مبرا سمجھتے تھے۔ لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا امام صاحب کے پاس ایسی کونسی کسوٹی تھی جس سے وہ صحیح و غیر صحیح روایات میں تمیز کر لیتے تھے۔ اور جائز اور ناجائز کا فتویٰ دیدیتے تھے۔ منقولات میں تو بجز کلام الٰہی کے اور کسی کسوٹی کا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ وہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس کی صحت کی نسبت کوئی مسلمان دم نہیں مار سکتا۔ اس کے سواء جتنی اور کسوٹیاں خیال میں آتی ہیں اُن کی صحت متفق علیہ نہیں ہے۔ اور اُن کی صحت کے لیے اور کسوٹی کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔

البتہ معقولات میں تجربہ و روایت ایسی فطری کسوٹیاں ہیں جن کے ذریعہ سے ہر ایک مذہب کا پیرو اور ہر علم کا عالم تحقیق حق کرتا ہے۔

یہ کسوٹیاں ہر زمانہ کے مسلمانوں کے پاس موجود ہیں۔ اور امام صاحب کے پاس بھی اس سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ تحقیق کا نہ تھا۔ پس اگر اس زمانہ میں بھی ہمارے معلومات مذہبی میں کوئی ایسا امر پایا جائے جس کی ان کسوٹیوں سے تکذیب ہوتی ہو۔ تو اُس کا ابطال و انکار واجب ہوگا۔

امام صاحب نے اس امر کو اپنی کتاب تہافتہ الفلاسفہ میں کسی قدر مشرح بیان کیا ہے۔ جس کو ہم بالاختصار یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ منجملہ اُن مسائل اختلافی کے جن میں فلاسفہ اور اہل اسلام کا باہم تنازع ہے بعض تو وہ مسائل ہیں جن سے اصول دین کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ اور نہ بنظر تصدیق انبیاء اُن مسائل کی تردید ضروری ہے۔ مثلاً علماء ہیئت کہتے ہیں کہ زمین کرہ ہے اور اُس کے چاروں طرف آسمان محیط ہے۔ اور نور قمر شمس سے مستفاد ہے۔ جب شمس و قمر کے درمیان کرہ زمین کے حائل ہونے کی وجہ سے قمر تاریک رہ جاتا ہے تو اُس تاریکی کو خسوف قمر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور کسوف شمس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے کرہ زمین اور شمس کے درمیان چاند حائل ہو جائے۔ اور یہ اُس صورت میں وقوع میں آتا ہے کہ جب دقیقہ واحد میں شمس و قمر کا عقدتین پر اجتماع ہو جائے۔ ہم کو اس علم کے ابطال میں خوض نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہم کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ان مسائل ہیئت کا ابطال داخل دینداری ہے وہ دین پر ظلم کرتا ہے اور اُس کو ضعیف بناتا ہے۔ ان مسائل محققہ علم ہیئت پر ہندسہ و حساب کے رُو سے ایسے دلائل قطعی قائم ہو چکے ہیں کہ اُن میں شک کی مجال نہیں ہے۔ جو شخص ان دلائل سے واقف ہو اور اُسنے اُنکی خوب تحقیق کر لی ہو اور وہ حساب کے رُو سے کسوف و خسوف کی پہلے سے خبر دیدے اور یہ بھی بتادے کہ کس

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اجتماع یا تقابل معلوم ہوتا ہے۔ قول مذکورہ بالا میں جو الفاظ لٰکِنَّ اللّٰہَ اِذَا تَجَلّٰی لِشَیْءٍ خَضَعَ

(بقیہ حاشیہ) قدر اور کتنی دیر تک کسوف و خسوف رہے گا۔ اُسکو اگر یہ کہا جائے کہ تمہارا قول خلاف شرع ہے تو اُس کو اپنے قول کے یقینی ہونے میں تو شک ہونے سے رہا ہی۔ ہو نہ ہو شرع کی صداقت میں ہی اُس کو شبہ پیدا ہوگا۔ پس بقول شخصے کہ "جاہل دوست سے عاقل دشمن بہتر ہے جو لوگ شرع پر معقول طریقہ سے طعن کرتے ہیں اُن سے مذہب اسلام کو اس قدر ضرر نہیں پہنچتا جس قدر اُن لوگوں سے پہنچتا ہے جو بیڈھنگے طور پر شرع کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اب اگر کوئی کہے۔ کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ شمس و قمر منجملہ آیات خداوندی ہیں۔ ان کا کسوف و خسوف کسی کے مرنے یا جینے سے تعلق نہیں رکھتا۔ جب تم کسوف و خسوف ہوتا دیکھو اللہ کی یاد کرو اور نماز پڑھو۔ اب اگر علمائے ہیئت کا قول صحیح ہے تو اُس کو اس حدیث سے کیا نسبت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث اور قول مذکورہ بالا میں تناقض نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث مذکورہ میں صرف دو باتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسوف و خسوف کسی کے مرنے جینے سے تعلق نہیں رکھتے۔ اور دوسرے یہ کہ کسوف و خسوف کے وقت نماز پڑھو لیکن جب شرع میں قریب وقت زوال و غروب و طلوع شمس کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو کسوف شمس کے وقت بھی استحباباً نماز کے حکم دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اتنا اور زیادہ فرمایا ہے کہ جب کسی شے پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے تو وہ شے اُس کے آگے سرنگوں ہو جاتی ہے۔ تو اُس کا یہ جواب ہے کہ اول تو ان زائد الفاظ کی صحت مشتبہ ہے۔ اندریں صورت راوی کی تکذیب واجب ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو امور قطعیہ کے انکار کی بہ نسبت ایسی روایت کی تاویل کرنا سہل تر ہے۔ بہتیری جگہ بعض ایسے دلائل قطعیہ کی وجہ سے جو وضوح میں اس حد تک نہیں پہنچتے تھے جس قدر دلائل در بارہ کسوف و خسوف پہنچتے ہیں ظاہر آیات کی تاویل کرنی پڑی ہے۔

امام صاحب کی اس تمام تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر روایات و مسائل مذہبی میں کوئی امر جو منجملہ مہمات اصول دین نہ ہو کسی مسئلہ مسلمہ علوم حکمیہ کے مخالف پایا جائے۔ اور مسئلہ حکمیہ کے ثبوت میں دلائل قطعی موجود ہوں۔ تو ایسے امر مذہبی کی تاویل کرنی لازم ہوگی۔ دلائل قطعی کی تعریف اور اُن کی شرائط فی الحال ہمارے مقصود سے خارج ہیں۔ اس لیے ہم اُن پر اس وقت بحث کر کے خلط بحث کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ جن دلائل پر ہیئت جدید مبنی ہے وہ دلائل ہیئت یونانی سے بدرجہا زیادہ یقینی ہیں۔ اور اگر امام صاحب دلائل علم ہیئت یونانی کو قطعی قرار دیتے ہیں۔ تو ہیئت جدید کے دلائل کو اُن کے مقابلہ میں مشاہدہ عینی یا عین الیقین کہنا چاہیے۔ علاوہ ازیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے علماء زمانہ حال کا اس بناء پر علوم حکمیہ کی مخالفت کرنا کہ اُن سے تکذیب عقاید دینی کی ہوتی ہے فی الواقع کہاں تک صحیح ہے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ہمارے علماء مفسرین نے جو کچھ رطب و یابس اُن آیات کی تفسیر میں لکھا ہے جن میں اجرام سماوی کا کچھ ذکر آیا ہے ہیئت یونانی اُس کی صاف تکذیب کرتا ہے۔ پس اس قسم کا الزام (اگر ایسا الزام لگ سکتا ہو تو) (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

لــہٗ بیان کیے جاتے ہیں وہ صحاح ستہ میں ہرگز موجود نہیں۔ علم ریاضی کی حکمت اور آفت تو یہ تھی کہ جو بیان کی گئی۔

۲۔ منطقیات۔ اس علم کا کوئی مسئلہ بطور نفی یا اثبات دین سے تعلق نہیں رکھتا ہے۔ منطق کیا ہے؟ غور کرنا طریقہائے استدلال و قیاسات پر۔ و نیز غور کرنا اس امر پر کہ مقدمات برہان کے کیا کیا شرائط ہیں۔ اور وہ کس طرح مرکب ہوتی ہیں۔ حد صحیح کی شرائط کیا ہیں۔ اور اُن کی ترتیب کس طرح ہوتی ہے۔ و نیز مثلاً یہ امور کہ علم یا تصور ہے۔ جس کی معرفت حد پر منحصر ہے۔ یا تصدیق جس کی معرفت برہان پر منحصر ہے۔ اور ان امور میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انکار واجب ہو۔ بلکہ یہ تو اسی قسم کی باتیں ہیں جو خود علماء متکلمین اور اہل نظر نے درباب دلائل بیان کی ہیں۔ اور اگر کچھ فرق ہے تو صرف عبارات و اصطلاحات کا ہے۔ یا اس بات کا کہ اُنھوں نے تعریفات میں زیادہ مبالغہ کیا ہے اور بہت تقسیمیں کی ہیں۔ اس باب میں اُن کے کلام کی مثال یہ ہے جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہر الف، ب ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بعض ب الف ہے۔ یعنی جب یہ صحیح ہے کہ ہر انسان حیوان ہے تو لازم آتا ہے کہ بعض حیوان انسان ہیں اور اس مطلب کو اہل منطق اپنی اصطلاح میں اس طرح بیان کیا کرتے ہیں کہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہوا کرتا ہے۔ قواعد منطقی سے دین کو کچھ تعلق نہیں اور ان کے انکار سے خوف بداعتقادی ہے پس ان امور کا بھلا اصول دین سے کیا تعلق ہے کہ اس سے اغراض و انکار کیا جائے اگر انکار کیا جائے تو اس انکار سے بجز اس کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا کہ اہل منطق ایسے منکر کی عقل کی نسبت بلکہ اُس کے دین کے نسبت بھی جو اُس کے زعم میں ایسے انکار پر مبنی ہیں بداعتقاد ہو جائیں گے۔ ہاں اہل منطق اس علم میں ایک تاریکی میں بھی پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ

(بقیہ حاشیہ) سراسر ہیئت جدیدہ پر ڈال دینا محض تعصب و نادانی ہے۔ جہاں تک ہمارا خیال پہنچتا ہے شاید صرف وجود خارجی سبع سموات کا ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی ہیئت جدیدہ تکذیب کرتا ہے اور ہیئت قدیم تکذیب نہیں کرتا۔ پر درحقیقت ہیئت قدیمہ نے اس مسئلہ اسلامی کو بھی بالکل اچھوتا نہیں چھوڑا۔ بلکہ نو افلاک ثابت کر کے وجود سبع سموات کا بھی ابطال کر دیا۔ پس ہم حیران ہیں کہ پھر ہیئت جدیدہ کے اور کونسے ایسے مسائل ہیں جن سے مسائل دینی کی تکذیب ہوتی ہے۔ اور عقائد مذہبی میں تزلزل واقع ہوتا ہے۔ لیکن بالفرض اگر ایسے مسائل ہوں بھی تو بقول امام صاحب امور قطعیہ کے انکار کی نسبت اُن کی تاویل کر لینا سہل تر ہے۔ اور دین اسلام کو سخت بدنامی کی آفت سے بچاتا ہے۔ اور برعکس اس کے ابطال ہیئت جدیدہ کے درپے ہونا اسلام کی کمال بدخواہی کرنا اور علمی دنیا میں اس کو ذلیل کرنا ہے۔ جس کا عذاب ہمارے علماء کی گردن پر ہوگا۔ (مترجم)

Marfat.com

وہ برہان کے واسطے چند شرائط کا جمع ہونا بیان کرتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں شرائط مذکورہ سے لامحالہ یقین پیدا ہوگا۔ لیکن مقاصد دینیہ پر پہنچ کر وہ اُن شرائط کو نباہ سکے۔ بلکہ انھوں نے اس باب میں غایت درجے کا تساہل برتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص منطق پڑھتا ہے اور وہ اُس کو پسند کرتا ہے کہ یہ ایک علم واضح ہے تو اس کو یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ فلاسفہ کے جو کفریات منقول ہیں اُن کی تائید میں بھی اسی قسم کے دلائل ہوںگے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم قبل اس کے کہ علوم الٰہیہ تک پہنچے کفر کی طرف عجلت کرتا ہے۔ پس یہ آفت منطق کی طرف ہی منسوب ہے۔

۳۔ طبیعیات علم الطبیعیات۔ اس علم[1] میں اجسام عالم سماوی و کواکب و اجسام مفردہ کرۂ ارض

---

[1] طبعیات کی نسبت امام صاحب نے اس مقام پر کچھ زیادہ نہیں لکھا بلکہ کتاب تہافۃ الفلاسفہ کا حوالہ دیا ہے۔ کتاب تہافۃ الفلاسفہ میں طبعیات کی زیادہ تفصیل کی ہے۔ چنانچہ اُس کا خلاصہ ہم اس جگہ بیان کرتے ہیں

امام صاحب فرماتے ہیں کہ طبعیات کے آٹھ اصول ہیں اور سات فروع۔ (۸۔ اصول یہ ہیں)

(۱) علم لوازم جسم یعنی انقسام۔ حرکت۔ تغیر۔ زمان۔ مکان۔ خلا۔ (۲) علوم اقسام عالم یعنی سموات واربعہ عناصر۔

(۳) عالم کون وفساد۔ تولد۔ استحالہ وغیرہ۔ (۴) علم امتزاجات اربعہ عناصر جن سے بادل۔ بارش۔ رعد۔ برق۔ ہالہ۔ قوس قزح۔ ریاح۔ زلزلے پیدا ہوتے ہیں۔ (۵) علم معدنیات۔ (۶) علم نباتات۔ (۷) علم حیوانات (۸) علم نفس حیوانی وقوی ادارک۔

(۷) فروع یہ ہیں۔

(۱) علم طب یعنی علم صحت ومرض انسان۔ (۲) علم نجوم۔ (۳) علم قیافہ۔ (۴) علم تعبیرات (۵) علم طلسمات یعنی قویٰ سماوی کو اجرام ارضی سے ملانا اور عجائبات غرایب افعال کی قوت پیدا کرنا۔ (۶) علم نیرنجات۔ متعدد خواص کی چیزوں کا ملانا کہ اُس سے کوئی عجیب شے پیدا ہو (۷) علم الکیمیا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ان علوم کے کسی امر سے شرعاً مخالفت لازم نہیں صرف چار مسئلے ہیں جن میں ہم مخالفت کرتے ہیں۔ (۱) حکماء کا یہ قرار دینا کہ سبب مسبب میں جو لزوم پایا جاتا ہے وہ ضروری ہے یعنی نہ سبب بغیر مسبب کے پیدا ہو سکتا ہے نہ مسبب بغیر سبب کے۔ (۲) نفس انسانی جوہر قائم بنفسہ ہے۔ (۳) ان نفوس کا معدوم ہونا محال ہے۔ (۴) ان نفوس کا پھر اجساد میں واپس آنا محال ہے۔

اس مقام پر امام صاحب نے چار مختلف مسئلوں کو خلط ملط کر دیا ہے اور یہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

مثلاً پانی، ہوا، آگ، و اجسام مرکبہ مثلاً حیوانات، نباتات، معدنیات کی بحث ہوتی ہے اور نیز

(بقیہ حاشیہ) تصریح نہیں کی جو شخص ان مسائل اربعہ کا قائل ہو اُس کی نسبت کیا حکم ہے۔ ان مسائل اربعہ میں سے جن میں امام صاحب حکماء سے مخالفت کرنا ضروری جانتے ہیں مسئلہ اول تو یقیناً ایسا ہے کہ امام صاحب اُس کے قائل کی نسبت تکفیر جائز نہیں رکھتے کیونکہ تلازم اسباب طبعی کے باب میں فرقہ معتزلہ کی بھی یہی رائے ہے اور امام صاحب نے معتزلیوں کی تردید سے منع فرمایا ہے۔ مسئلہ ثانی کو سب اہل اسلام تسلیم کرتے ہیں اور جمہور اہل اسلام کا یہی اعتقاد ہے کہ نفس انسانی جوہر قائم بنفسہ ہے۔ امام صاحب نے حکماء سے صرف طریق ثبوت مسئلہ مذکور میں مخالفت کی ہے۔ یعنی امام صاحب یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جن دلائل عقلیہ سے حکماء نفس انسانی کا جوہر قائم بنفسہ ہونا ثابت کرتے ہیں۔ وہ دلائل اس غرض کے لیے کافی نہیں ہیں۔ چنانچہ امام صاحب تہافتہ الفلاسفہ میں فرماتے ہیں کہ اس باب (مسئلہ ثانی) میں جو کچھ حکماء نے تحریر کیا ہے اُس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا از روئے شرع انکار واجب ہو بلکہ ہمارا مطلب حکماء کے اُس دعویٰ پر اعتراض کرنا ہے کہ براہین عقلیہ کے ذریعہ سے نفس کا جوہر قائم بذاتہ ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ ورنہ ہم اس امر کو نہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں نہ یہ کہتے ہیں کہ شرع اس کی مخالف ہے۔

علیٰ ہذا القیاس مسئلہ ثالث کے باب میں جملہ اہل اسلام کا اعتقاد ہے کہ روح انسانی جسم کے ساتھ فنا نہیں ہوتی بلکہ جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اس مسئلہ میں بھی امام صاحب نے حکماء سے صرف طریق ثبوت مسئلہ مذکور میں مخالفت کی ہے نہ نفس مسئلہ میں۔ البتہ صرف مسئلہ رابع ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے قائل کو امام صاحب کافر قرار دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کی نسبت ہم نے ایک علیحدہ حاشیہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

بحث متلازم اسباب طبعی

اگرچہ مسائل اربعہ مذکورہ بالا میں سے مسئلہ اولیٰ امام صاحب کے نزدیک ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کے قائل ہونے سے خوف کفر ہو لیکن بلاشبہ یہ نہایت اہم مسئلہ ہے۔ اور اس زمانہ میں اُس پر بحث کرنے کی زیادہ ضرورت پیش آئی ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہی مسئلہ وہ خطرناک چٹان ہے جس پر اکثر مذاہب کے جہاز آ کر ٹکرائے ہیں اور پاش پاش ہوئے ہیں۔ اس لیے ہم امام صاحب کے دلائل پر یہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ نظر کرنا چاہتے ہیں۔ تہافتہ الفلاسفہ میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ حکماء کا یہ مذہب ہے کہ سبب اور مسبب میں جو مقارنت پائی جاتی ہے وہ ضروری ہے یعنی سبب اور مسبب کے مابین اس قسم کا لزوم ہے کہ ممکن نہیں کہ سبب بغیر مسبب کے اور مسبب بغیر سبب کے موجود ہو سکے۔ اس مسئلہ میں ہم کو حکماء کے ساتھ اس واسطے نزاع لازم ہے کہ اس سے کل معجزات و خوارق عادات کا مثلاً لاٹھی کا سانپ بن جانا۔ مردوں کا زندہ ہونا۔ چاند کا پھٹ جانا وغیرہ کا انکار لازم آتا ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اس امر پر بحث کی جاتی ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن سے ان اجسام میں تغیر اور استحالہ اور

(بقیہ حاشیہ)۔چنانچہ جولوگ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ ہر شے کا اپنے مجرائے طبعی پر قائم رہنا ضروری ہے۔انھوں نے ان تمام امور معجزہ کی تاویلات کی ہیں۔لیکن درحقیقت سبب اور مسبب کے درمیان لزوم ضروری نہیں یعنی اثبات سبب متضمن اثبات مسبب یا نفی سبب متضمن نفی مسبب نہیں ہے۔مثلاً پانی پینے اور پیاس بجھنے یا کھانے اور سیر ہونے یا آگ کے قریب آنے اور جلنے وغیرہ مشاہدات میں دو واقعات کا ایک دوسرے کے مقارن ہونا پایا جاتا ہے۔ہم کہتے ہیں۔کہ اس مقارنت کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے ارادہ سے ایک ایسا سلسلہ مقرر کردیا ہے کہ اس قسم کے واقعات ہمیشہ ایک دوسرے کے مقارن واقع ہوتے ہیں۔یہ وجہ نہیں ہے کہ فی نفسہ ان واقعات میں کوئی ایسی صفت موجود ہے جس کی وجہ سے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقارن واقع ہوں۔مثلاً آگ سے جلنے کی مثال پر غور کرو۔ہم کہتے ہیں کہ قُرب آتش اور جلنے میں ضروری لزوم نہیں ہے۔یعنی عقل اس بات کو جائز ٹھہراتی ہے کہ کسی شے کے ساتھ آگ کا قرب ہو اور وہ نہ جلے۔یا ایک شے جل کر خاکستر ہوجائے اور آگ اُسکے قریب نہ آئی ہو۔ہمارے مخالفین کا یہ دعویٰ ہے کہ فاعل احتراق آگ ہے۔اور آگ فاعل بالطبع ہے نہ فاعل بالاختیار۔یعنی آگ کی ذات مقتضی اس امر کی ہے کہ احتراق اُس سے وقوع میں آئے۔ہم کہتے ہیں کہ فاعل احتراق اللہ تعالیٰ ہے بواسطہ ملایکہ یا بغیر واسطہ ملایکہ۔کیونکہ آگ بذات خود بے جان شے ہے۔ہم اپنے مخالفین سے سوال کرتے ہیں کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ فاعل احتراق آگ ہے؟ اس کا جواب غالباً وہ یہ دیں گے کہ یہ امر مشاہدہ عینی سے ثابت ہے لیکن مشاہدہ سے تو صرف اس قدر ثابت ہے کہ بوقت قرب آتش احتراق وقوع میں آتا ہے۔لیکن یہ ثابت نہیں کہ بوجہ قرب آتش احتراق وقوع میں آتا ہے۔یعنی یہ ثابت نہیں کہ آگ کا قرب علت احتراق ہے۔علیٰ ہذالقیاس کسی کو اختلاف نہیں کہ نطفہ حیوان میں روح اور قوت مدرکہ اور حرکت پیدا کرنے کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔باپ فاعل حیات و بینائی و شنوائی و دیگر قویٰ مدرکہ کا نہیں سمجھا جاتا۔زیادہ تر توضیح کے لئے ہم ایک اور مثال لکھتے ہیں۔اگر ایک ایسا مادرزاد اندھا پایا جائے کہ اُس کی آنکھ میں جالا ہو اور اُس نے کبھی یہ نہ سنا ہو کہ رات اور دن میں کیا فرق ہوتا ہے۔اور اچانک دن کے وقت اُس کی آنکھ سے جالا دور ہوجائے تو وہ ضرور یہ سمجھے گا کہ جو کچھ اُس کو نظر آرہا ہے اُس کا فاعل آنکھ کا کھل جانا ہے۔اور وہ ساتھ ہی یہ بھی سمجھے گا کہ جب تک اُس کی آنکھ صحیح و سالم اور کھلی رہے گی۔اور اُس کے سامنے کوئی اوٹ نہ ہوگی۔اور شے متقابلہ رنگ دار ہوگی تو ضرور ہے کہ وہ رنگ اُس کو نظر آئے۔اُس کی سمجھ میں یہ نہیں آسکتا کہ جب یہ سب شرائط موجود ہوں تو وہ شے پھر کیوں نہ نظر آئے۔لیکن جب سورج غروب ہوگا اور رات تاریکی ہوگی تو اُس کو معلوم ہوگا کہ اشیاء کا نظر آنا بوجہ نور آفتاب کے تھا۔پس ہمارے مخالفین کو یہ کس طرح معلوم ہے کہ مبادی وجود میں ایسے اسباب و علل موجود نہیں ہیں جن کے اجتماع سے یہ حوادث پیدا ہوتے ہیں لیکن چونکہ یہ اسباب و علل ہمیشہ قائم رہتے ہیں اس لئے ان

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

امتزاج واقعہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال معینہ طبیب کی سی ہے جو جسم انسان اور اس کے اعضاء رئیسہ

(بقیہ حاشیہ) کا ہونا ہم کو محسوس نہیں ہوتا۔ اگر وہ کبھی معدوم یا غائب ہو جائیں تو ہم کو ضرور فرق معلوم ہوگا اور ہم سمجھیں گے کہ جو کچھ ہم کو مشاہدہ سے معلوم ہوا تھا اس کے علاوہ اور بھی سبب تھا۔

مگر ایک اور فرقہ حکماء اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ یہ حوادث مبادی وجود سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر مختلف صورتوں کے قبول کرنے کی استعداد اسباب متعارف سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن یہ حکماء کہتے ہیں کہ ان مبادی سے جو اشیاء صادر ہوتی ہیں اُن کا صدور بھی اختیاری طور پر نہیں بلکہ لازمی و طبعی طور پر ہوتا ہے۔ اس کا ہم دو طرح پر جواب دیتے ہیں۔ اول ہم اس امر کو تسلیم نہیں کرتے کہ مبادی سے یہ افعال اختیاری طور پر صادر نہیں ہوتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے افعال ارادی نہیں ہیں۔ لیکن یہاں ایک سخت اعتراض واقع ہوتا ہے۔ یعنی اگر اس امر سے انکار کیا جائے کہ سبب اور مسبب میں کوئی لزوم نہیں ہے۔ اور اُن کا باہم وقوع میں آنا محض ارادہ صانع پر منحصر ہے۔ اور ارادہ صانع کا کسی قسم کا تعین نہیں تو یہ بھی باور کرنا جائز ہوگا کہ شاید ہمارے روبرو خوفناک درندے موجود ہوں۔ یا آگ مشتعل ہو رہی ہو۔ یا دشمن مسلح قتل کے لئے مستعد کھڑے ہوں۔ اور یہ چیزیں ہم کو نظر نہ آتی ہوں۔ غرض سبب اور مسبب کے درمیان لزوم کا انکار کرنے سے کل واجبات ضروریہ پر سے ہمارا اعتبار اٹھ جائے گا۔

اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ امور ممکن الوقوع کے عدم وجود کا علم انسان میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ تو بیشک ہم پر اس قسم کے الزامات لگ سکتے تھے۔ لیکن ہم ان امور میں جو پیش کئے گئے ہیں کبھی تردد نہیں کرتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں یہ علم پیدا کر دیا ہے کہ وہ اُن ممکنات کو کبھی وقوع میں نہیں لایا ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ امور واجب ہیں بلکہ ہم بھی ان کو ممکن قرار دیتے ہیں۔ یعنی جائز ہے کہ وہ وقوع میں آئیں یا نہ آئیں۔ لیکن چونکہ علی التواتر ہم ان کا وقوع ایک خاص وضع پر دیکھتے آئے ہیں اس لئے زمانہ آئندہ میں بھی اُن کا وقوع اُسی وضع خاص پر قائم رہنا ہمارے ذہنوں میں ایسا جم گیا ہے کہ وہ خیال ذہن سے ہرگز مرتفع نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ ایک شخص کسی طریق سے معلوم کر لے کہ فلاں شخص کل کو سفر سے واپس نہیں آنے کا۔ حالانکہ اُس کا آنا ممکن الوقوع ہے۔ لیکن اُن کو اُس ممکن الوقوع کے عدم وقوع کا یقین حاصل ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شے اللہ کے نزدیک ممکن ہو۔ لیکن اس کے علم میں یہ بات ہو کہ باوجود اس امکان کے وہ اس کو کبھی وقوع میں نہیں لانے کا۔ اور وہ ہم میں بھی یہ علم پیدا کر دے کہ وہ شے ہرگز وقوع میں نہیں آئیگی۔

اعتراض مذکورہ بالا سے بچنے کا ایک اور طریق بھی نکل سکتا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ضرور آگ میں ایک صفت ہے جو مقتضی صدور احتراق ہے اور جب تک اُس میں وہ صفت موجود ہے ممکن نہیں کہ آتش سے فعل احتراق صادر نہ ہو لیکن اس میں کیا استحالہ ہے کہ کوئی شخص آگ میں ڈالا جائے مگر اللہ تعالیٰ آگ کو ظاہرا اصلی صورت پر قائم رکھ کر اُس کی صفت اصلی یا اُس شخص کی صفت میں تغیر پیدا کر کے اُس شخص کو احتراق سے محفوظ رکھے؟ چنانچہ بعض ادویہ استعمال سے آدمی آگ کی سوزش سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ انتہی ملخصا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اور اعضاء، خادمہ اور اسباب استحالہ مزاج کی نسبت بحث کرتا ہے اور جس طرح انکار علم طب شرط

(بقیہ حاشیہ) امام صاحب کی اوپر کی تقریر سے نتائج مفصلہ ذیل حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) فاعل احتراق اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) فعل احتراق ارادہ الٰہی سے علی سبیل الاختیار صادر ہوتا ہے۔

(۳) ممکن ہے کہ عالم میں خفی علل و اسباب موجود ہوں اور اسباب متعارفہ کا لزوم محض اتفاقی ہو۔

(۴) بہت سے امور ممکن الوقوع کو اللہ تعالیٰ وقوع میں نہیں لاتا۔ اور اس عادت الٰہی کے موافق انسان میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے امور ممکن الوقوع کے عدم وجود کا علم راسخ کر دیا ہے اور وہ علم ذہن سے منفک نہیں ہو سکتا۔

(۵) سبب کی صفت موثرہ میں تغیر کر دینے سے سبب اور مسبب میں افتراق ممکن ہے۔

اقول۔ علم طبعی و دیگر علوم شہودیہ سے جو زمانہ حال میں اعلیٰ درجہ کی تحقیق پر پہنچ گئے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات ارضی و سماوی کا انتظام نہایت مضبوط اور مستحکم قوانین سے کر رکھا ہے۔ اور ہر شے کا ظہور اُس نے اپنی بے انتہا حکمت سے ایک وضع خاص پر مقرر کیا ہے۔ انسان کی طاقت نہیں کہ اُس کی حکمت کی کُنہ معلوم کر سکے۔ انسان کی عقل کی غایت رسائی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظہور حوادث کے جو اوضاع خاص مقرر کی ہیں اُن میں چند اوضاع معلوم کر لے۔ اور اُس صانع بیچگون کی قُدرت کاملہ نے جو مناسبتیں ملحوظ رکھی ہیں۔ اُن کو دریافت کر کے اپنی ناچیز عقل کے عجز و قصور کا اعتراف کرے۔ خالق کائنات نے مختلف حصہ عالم یعنی جمادات و نباتات و حیوانات اور کائنات جو میں باہم ایسی مناسبتیں رکھی ہیں جس سے انسان معلوم کر سکے کہ اس کائنات کا خالق ایک خدا وحدہ لاشریک ہے۔ پھر جن اوضاع پر اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو خلق کیا ہے اور جو جو مناسبتیں باہم اُن میں رکھی ہیں اُن کو ایسا مستحکم بنایا کہ جبتک نظام عالم قائم ہے اُن میں تغیر ممکن نہیں ہے۔ اور ادھر انسان کے ذہن میں اپنی قدرت سے اُن کے غیر متغیر ہونے کا یقین فطرتاً پیدا کر دیا ہے تا کہ اُس ارحم الرحمین کی مخلوق اُن مناسبات سے فائدہ تمام اُٹھائے۔ اور خدا کی نعمتوں کی شکر گذار ہو۔ ان اوضاع خاص کو جن پر اشیاء خلق کی گئی ہیں اور اُن کے باہمی تعلقات کو قوانین قدرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قوانین قدرت کا یقین دو اصول فطری پر مبنی ہے۔ اصول اوّل یہ ہے کہ ہر ایک شے کے لئے کوئی نہ کوئی علت ہونی ضروری ہے۔ اصول دوم یہ ہے کہ اگر کسی شرط یا شرائط کے جمع ہونے یا کسی مانع یا موانع کے رفع ہونے سے کسی وقت کوئی واقعہ ظہور میں آئے تو اگر وہی شرط یا شرائط پھر کسی وقت جمع ہوں گی یا وہی مانع یا موانع رفع ہوں گے تو وہی واقعہ پھر ظہور میں آوے گا۔ یعنی حالات مشابہ نتیجہ پیدا ہوگا۔ یہ ہر دو اصول انسان کی سرشت میں داخل ہیں۔ گویا روح انسانی ان اصول کے علم کو اپنے ہمراہ لیکر آتی ہے۔ اور اکتساب کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ مگر یاد رہے کہ ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ قوانین قدرت بذریعہ اکتساب حاصل نہیں کئے جاتے۔ قوانین قدرت۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

دین نہیں ہے اسی طرح یہ بھی شرط دین نہیں ہے کہ اس علم سے انکار کیا جائے بجز چند مسائل خاص کے جس کا ذکر ہم نے کتاب تہافتہ الفلاسفہ میں کیا ہے ان مسائل کے سوا جن اور مسائل

(بقیہ حاشیہ) کے دریافت کرنے کا بجز تجربہ استقراء یعنی اکتساب کے اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کسی حالت خاص میں ایک واقعہ کا وقوع میں آنا دیکھ کر پھر ویسے ہی حالت میں اس واقعہ کے وقوع کا منتظر و متوقع رہنا محض فطری امر ہے۔ کیونکہ جس زمانہ سے انسان سمجھنے بوجھنے کے قابل ہوتا ہے وہ اس سے پہلے بھی اپنے آپ میں یقین کو موجود پاتا ہے چھوٹے بچہ کو دیکھو کہ اگر وہ آگ کی چنگاری سے ایک مرتبہ جل جائے تو وہ دوسری مرتبہ چنگاری سے فوراً ڈر یگا۔ یا اگر اس کو ایک شخص سے کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہے تو وہ ہمیشہ اس شخص سے خائف رہے گا۔ ہر ایک شے کی علت کی جستجو میں رہنے اور یکساں حالات میں ایک ہی علت سے ایک ہی قسم کے معلول کے متوقع رہنے کا خیال ہر ملک اور ہر زمانہ کے انسان میں پایا جاتا ہے۔ مختلف قسم کے اوہام مثلاً نیک و بد شگون۔ یا سعد و نحس اوقات۔ تعبیرات خواب وغیرہ خیالات باطلہ کے اصل بھی عموماً یہی اصول ہیں۔ کیونکہ جب دو واقعات مقارن واقع ہوتے ہیں۔ تو انسان بالطبع ان میں تعلق دریافت کیا چاہتا ہے۔ اور اکثر غلطی سے ان کی معیت اتفاقی کو نسبت علیت پر محمول کر لیتا ہے۔ لیکن جب انسان اس اصول فطری پر احتیاط سے کاربند ہوتا ہے تو وہ صحیح قوانین قدرت تک پے لے جاتا ہے مختلف اشخاص کے تجربوں کا انجام کار متحد ہو جانا۔ پھر اس جماعت کے تجربہ متفقہ کا ایک دوسری جماعت کے تجربہ متفقہ سے متحد ہونا۔ پھر ایک ملک کے مجموعی تجربہ کا دوسرے ملک کے مجموعی تجربہ کے مطابق پایا جانا اور پھر ایک زمانہ کے معلومات کا ازمنہ ماضیہ کے معلومات کے عین موافق نکلنا ان قوانین کی صحت کی نسبت تیقن کامل پیدا کر دیتا ہے۔ پھر جب اس تجربہ کی بناء پر زمانہ آئندہ کی پیشین گوئیاں ہونے لگتی ہیں اور وہ بالکل صحیح نکلتی ہیں۔ تو ان قوانین قدرت کے یقینی ہونے کی نسبت کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہتا۔

ہماری اوپر کی تقریر سے واضح ہوگا کہ اس یقین کی بنیاد کہ قوانین قدرت میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا ہے اُن دو اصولوں پر ہے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اس یقین میں اس امر کو کچھ دخل نہیں کہ کسی معلول کی علت اصلی وہ واقعہ ہے جو ہمیشہ اُس معلول کے مقارن وقوع میں آتا ہے۔ یا اُس کی علت ارادہ الٰہی ہے۔ یا کوئی اور نامعلوم علت ہے۔ پس اب اسی آگ کی مثال پر غور کرو۔ اگر ایک حالت میں آگ سے روئی کا جلنا دیکھا گیا ہے تو ویسی ہی حالت میں ویسی ہی روئی ضرور جلے گی خواہ فاعل احتراق آگ ہو۔ خواہ اللہ تعالیٰ ہو بواسطہ ملائکہ یا بلاواسطہ ملائکہ ہو۔ ہمارا یہ ہرگز دعویٰ نہیں کہ آگ میں اور احتراق میں فی نفسہ کوئی ایسی صفت موجود ہے کہ اُس کی وجہ سے آگ سے احتراق اور احتراق سے آگ جدا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو پانی سے احتراق کا کام لیا کرتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں یہ یقین پیدا کر کے کہ فلاں واقعات ممکن الوقوع وقوع میں نہیں آئیں گے خود اس بات کا التزام فرمایا ہے کہ واقعات (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

میں مخالفت واجب ہے بعد غور کے معلوم ہوگا کہ وہ انہی مسائل میں داخل ہیں۔ اصل اصول تمام

(بقیہ حاشیہ) (بقیہ حاشیہ) سے آگ جدا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو پانی سے احتراق کا کام لیا کرتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں یہ یقین پیدا کر کے کہ فلاں واقعات ممکن الوقوع وقوع میں نہیں آئیں گے خود اس بات کا التزام فرمایا ہے کہ واقعات نفس الامری کے طریق ظہور کو اسی وضع خاص پر جاری رکھے۔ اور جب تک خدا تعالیٰ کو یہ قوانین قدرت قائم رکھنے منظور ہیں تب تک ہمارے ذہنوں میں یہ اذعان بھی قائم رہے گا۔ بے شک خدا تعالیٰ ہر امر ممکن پر قادر ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو ان قوانین قدرت کو توڑ پھوڑ کر اور قوانین جاری کرے۔ اور ان قوانین کے مطابق ہم میں دوسری قسم کا اذعان پیدا کر دے۔ فان اللہ علیٰ کل شیء قدیر۔

اس اذعان کا وجود خود امام صاحب نے تسلیم کیا ہے اور قوانین قدرت کو قابل تغیر ماننے سے عدم وثوق واجبات ضروریہ کا جو الزام اُن پر عاید ہوتا ہے اُس کے جواب میں اُس اذعان کو پیش کیا ہے۔ جب امام صاحب نے اس اذعان کو تسلیم کر لیا۔ اور یہ بھی مان لیا کہ وہ اذعان یا علم ہم سے منفک نہیں ہو سکتا۔ تو اب ہمارا یہ سوال ہے کہ آیا یہ علم یا اذعان درحقیقت غلط ہے یا صحیح؟ اگر صحیح ہے یعنی کوئی نظیر ایسی نہیں مل سکتی جن میں قوانین قدرت میں تخلف ہوا ہو۔ تو ہمارا مدعا ثابت ہے۔ اگر وہ اذعان غلط ہے یعنی بعض زمانہ میں ایسے نظایر پائے جاتے ہیں جن میں وہ قوانین ٹوٹے تو خداوند تعالیٰ کے تمام کارخانہ قدرت کو معاذ اللہ دھوکے کی ٹٹی ٹھہرانا پڑے گا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ کیا کنالت ہے اس بات کی کہ ہمارے ادراکات بحالت صحت مزاج وسلامت طبع ہمیں دھوکا نہیں دیتے ہیں؟ کس طرح اطمینان ہو سکتا ہے کہ ہماری آنکھیں اپنی بینائی میں اور کان شنوائی میں اور زبان ذائقہ میں اور دیگر حواس اپنے اپنے مدرکات میں ہمیں دھوکا نہیں دیتے؟ معاذ اللہ اللہ کی مثال اُس بقال کی مانند ٹھہرائے گی جس کے ایک جھوٹے باٹ سے اُس کے تمام باتوں پر جھوٹے ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ پس امام صاحب کے نتیجہ دوئم کے باب میں ہم صرف اسی قدر کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اگر فعل احتراق حسب قول امام صاحب ارادہ الٰہی سے علی سبیل الاختیار صادر ہوتا ہے تو بھی ہمارا مطلب فوت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ارادہ الٰہی نے علی سبیل الاختیار احتراق کو ایک وضع خاص پر وقوع میں لانے کا التزام کیا ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی نے اُس التزام پر مجبور نہیں کیا۔ بلکہ بوجہ مستجمع جمیع کمالات ہونے کے کسی صفت نقص کا ظہور اُس کی ذات سے ناممکن ہے۔ اس لئے خُلف وعدہ بھی خواہ وہ قولی ہو یا فعلی جو انسان کے لیے بھی موجب رذالت نفس ہے اُس خالق جل شانہ کے شان کبریائی کے کب شایاں ہو سکتا ہے۔

رہا یہ امر کہ عالم میں خفی علل واسباب موجود ہیں۔ سو ایسے علل واسباب کا موجود ہونا بھی ہمارے مطلب کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اُس کا موید ہے کیونکہ اگر اسباب متعارفہ کا لزوم محض اتفاقی ہے۔ اور وہی خفی علل واسباب اصلی علل واسباب واقعات زیر بحث کے ہیں تو اس صورت میں اُس اتفاقی لزوم کی بجائے اُن خفی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

مسائل کا یہ ہے کہ آدمی اس بات کو جان لے کہ طبیعت (نیچر) اللہ تعالیٰ کی تسخیر میں ہے۔ کوئی کام

(بقیہ حاشیہ) علل اور واقعات زیر بحث میں لزوم پایا جائے گا۔ کس کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ مسبب اور ایک امر میں جو غلطی سے سبب سمجھا جاتا تھا افتراق ثابت ہو کر اُس کی بجائے مسبب اور اُس کے اصلی سبب میں خود امام صاحب کے قول کے موجب لزوم ضروری ثابت ہوگیا۔

سب سے اخیر صورت افتراق سبب و مسبب کی امام صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ سبب میں صفت موثرہ متغیر ہو جائے۔ یہ آخری آڑ ہے جو امام صاحب نے اُن الزامات کی بوچھاڑ سے بچنے کے لئے ڈھونڈی ہے جو انکار لزوم بین السبب والمسبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جواب گونہ اعتراف ہے دبی زبان سے اس بات کا کہ سبب اور مسبب کا رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ اصل منشاء اس جواب کا بجز اس کے کچھ نہیں کہ کوئی ایسی صورت خرق عادت کی نکالی جائے کہ بقول شخصے سانپ مرجائے اور لاٹھی نہ ٹوٹے۔ خرق عادت کا وقوع میں آنا بھی مسلم ہو جائے اور رشتہ علیت بھی ٹوٹنے نہ پائے۔ چنانچہ زمانہ حال میں بھی مثبتین خوارق عادات نے یہ سمجھ کر کہ قانون قدرت یعنی رشتہ علیت نہیں ٹوٹ سکتا۔ یہی طریقہ امام غزالی صاحب کا سا اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خرق عادت میں رشتہ علیت نہیں ٹوٹتا ہے بلکہ سبب یا علت میں نامعلوم طور پر تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ اور غلطی سے معلول کو ظاہری علت کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ظاہری علت اصلی علت معلول مذکورہ کی نہیں ہوتی۔ آگ کی مثال میں وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو آگ میں ڈال دیا جائے اور بوجہ تغیر صفت موثرہ وہ شخص نہ جلے تو۔ لازم نہیں آتا کہ رشتہ علیت ٹوٹ گیا۔ کیونکہ رشتہ علیت یا قانون قدرت کا ٹوٹنا تو اُس صورت میں ٹھہرتا جبکہ آگ اپنی حالت اصلی پر قائم رہتی۔ اور پھر اُس سے احتراق وقوع میں نہ آتا۔ لیکن جب تسلیم کر لیا گیا کہ آگ کی صفت موثرہ میں تغیر ہو گیا ہے تو ضرور نہیں کہ احتراق جو اصلی آگ کو لازم تھا وقوع میں آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ خوارق عادات میں مسبب بے سبب پیدا ہو جاتا ہے۔ بلکہ درحقیقت سبب ظاہری اصلی حالت پر نہیں رہتا۔ اس وجہ سے اُس سبب متبدلہ کے مناسب معلول پیدا ہوتا ہے۔ جس کو غلطی سے قانون قدرت کا ٹوٹنا سمجھ لیا جاتا ہے۔

اس توجیہ پر ہمارے دو اعتراض ہیں۔

اعتراض اوّل۔ جس مشکل کے حل کرنے کے واسطے یہ توجیہ گھڑی گئی ہے وہ مشکل اس توجیہ سے حل نہیں ہوتی بلکہ صرف ایک قدم پیچھے سرک جاتی ہے۔ آگ کی صفت کا متغیر ہونا صرف اس نظر سے فرض کیا گیا تھا کہ اس الزام سے بچاؤ ہو کہ آگ کا اپنی حالت اصلی پر رہ کر بلا صدور احتراق رہنا کس طرح ممکن ہے۔ لیکن آگ کا سلسلہ جو احتراق پر ختم ہوتا ہے بے انتہا علل سے مربوط ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ اس زنجیر میں سے کوئی کڑی نکال دیجائے اور تمام سلسلہ درہم برہم نہ ہو جائے۔ پس جس طرح امام صاحب کو یہ امر مستبعد معلوم ہوا کہ آگ حالت اصلی پر رہ کر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

نیچر سے خود بخود صدور نہیں پاتا۔ بلکہ اُس سے اُس کا خالق خود کام لیتا ہے۔ چاند، سورج اور تارے اور ہر شے کی نیچر سب اُس کے قبضۂ قدرت میں مسخر ہے۔ نیچر کا کوئی فعل خود بخود بذاتہ صادر نہیں ہوتا۔

۴۔ الٰہیات ۴۔ الٰہیات۔ اس باب میں فلاسفہ نے زیادہ غلطیاں کھائی ہیں۔ منطق میں جن

(بقیہ حاشیہ) بلا صدور احتراق رہے۔ بعینہ اسی طرح یہ بھی مستبعد معلوم ہونا چاہئے تھا کہ وہ تمام اسباب جو اصلی صفت آتش کے پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں موجود ہوں۔ اور باوجود اس کے وہ اصلی صفت پیدا نہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ اصلی صفت کے اسباب کے میں بھی تغیر واقع ہو گیا ہوگا تو اسی قسم کا اعتراض اُن اسباب کے علل کی نسبت پیدا ہوگا۔ اگر اس سلسلہ علل کے کسی مرحلہ پر کسی مسبب کی نسبت یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مسبب محض اپنے ارادہ سے سلسلہ علیت کو توڑ کر پیدا کیا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ بجائے اس قدر فضول ہیر پھیر کے ابتداء ہی صاف صاف کہا جائے کہ آگ حالت اصلی پر تھی۔ مگر ارادہ الٰہی یوں متقضی ہوا کہ اُس سے احتراق کا صدور نہ ہو۔

اعتراض دوم۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ سبب کی صفت موثرہ میں تغیر واقع ہو گیا ہے تو پھر یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سبب و مسبب میں افتراق وقوع میں آیا۔ کیونکہ جب صفت موثرہ اپنی اصلی حالت پر نہ رہی یعنی مسبب سبب نہ رہا تو اُس کے اصلی مسبب کے وقوع کی کس طرح توقع ہو سکتی ہے؟ البتہ اس سبب متبدلہ موجودہ سے جو مسبب پیدا ہونا چاہئے وہ مسبب ضرور پیدا ہوگا۔ پس مسبب اور اصلی سبب میں بہرحال لزوم قائم رہا۔

امام صاحب نے اس مسئلہ پر نہایت نامکمل بحث کی ہے۔ اس کی مکمل تحقیق کے لئے ان دو سوالات کا جواب دینا نہایت ضروری تھا۔

(۱) سبب و مسبب کی بحث مسئلہ فلسفی ہے۔ اس کا دین سے کیا تعلق ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس مسئلہ پر ثبوت خوارق عادات منحصر ہے تو اوّل یہ طے ہونا چاہئے۔ کہ آیا خرق عادت دلیل نبوت ہو سکتا ہے۔ اگر اس تحقیق کا یہ نتیجہ ہو کہ خرق عادت دلیل ثبوت نبوت نہیں ہو سکتا۔ تو یہ تمام بحث فضول ٹھہرے گی۔

(۲) اگر سبب و مسبب میں افتراق وقوع میں آتا ہے تو کیا یہ وقوع افتراق بپابندی کسی قانون کلی کے ہوتا ہے؟ اگر یہ صورت ہے یعنی یہ افتراق بپابندی قانون کلی کے وقوع میں آتا ہے اور کوئی وجہ تخصیص شخص دون شخص کی نہیں ہے۔ اور اُس قانون کلی کے مطابق نبی اور غیر نبی۔ مومن اور کافر سب سے علی التساوی ایسا وقوع میں آنا ممکن ہے۔ تب اس مسئلہ پر بطور جزو مسائل اسلامی بحث کرنا عبث ہے۔

امام صاحب نے ان ضروری ابحاث کو بالکل ترک کیا ہے۔ اور بلا ثبوت ضرورت تحقیق مسئلہ مذکور اس فضول مسئلہ پر ناکام بحث کی ہے۔ اس مقام پر ہم اس سے زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں پاتے۔ (مترجم)

Marfat.com

براہین کو اُنھوں نے بطور شرط قرار دیا تھا اُن کا ایفا اس باب میں اُن سے نہ ہو سکا۔ اسی واسطے اُن میں اِن مباحث میں بہت اختلاف ہو گیا۔ حقیقت میں ارسطو نے مذہب فلاسفہ کو مذہب اسلام کے بہت قریب قریب پہنچا دیا ہے جیسا کہ **فارابی و ابن سینا** نے بیان کیا ہے لیکن جن مسائل میں اُنھوں نے غلطی کھائی ہے وہ کل بیس ۲۰ مسائل ہیں۔ ازانجملہ تین مسائل تو ایسے ہیں جن کے سبب سے اُن کی تکفیر واجب ہے۔ اور ۱۷ سترہ مسائل میں بدعتی قرار دینا لازم ہے۔ بغرض ابطال مذہب فلاسفہ دوبارہ مسائل مذکورہ ہم نے کتاب **تہافۃ الفلاسفہ** تصنیف کی ہے۔

تین مسائل میں تکفیر واجب ہے

مسائل ثلثہ[۱] (جن میں اُن کی تکفیر واجب ہے) جمیع اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ ازانجملہ اُن

[۱] یہ مسائل ثلثہ نہایت ضروری و اہم مسائل ہیں۔ امام صاحب نے ان کو یہاں نہایت مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ ہم کسی قدر تشریح کے ساتھ اس امر کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آیا ان مسائل کے قائلین کی تکفیر علی الاطلاق ہر حالت میں واجب ہے یا اُس حکم میں کسی قسم کی قید یا تخصیص بھی ضروری ہے۔

مسئلہ اولیٰ۔ مرنے کے بعد ہم پر کیا گزرے گی۔ نہایت عظیم الشان سوال ہے۔ لیکن اس کا جواب عقل کی رسائی اور خیال کی بلند پروازی سے باہر ہے۔ جس قدر اُس کے سلجھانے کی کوشش کرو اُسی قدر اور اُلجھن پیدا ہوتی ہیں۔ مرنے سے پہلے اس معما کا حل ہونا ناممکن ہے۔ بڑے بڑے حکماء نے ان بھیدوں کے معلوم کرنے میں عمریں کھوئیں۔ اور برسوں خاک چھانی مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔

حال عدم نہ کچھ کھلا گذری ہے رفتگاں پہ کیا\
کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بری بھلی

پس ایسے مسئلہ میں لب کشائی کرنا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ مگر میرا ایمان گوارا نہیں کرتا کہ اُن مسلمان بھائیوں کی نسبت جو خدا پر اور رسولؐ پر اور ماجاء بہ النبی پر ایمان لائے ہیں جزا و سزا کے قائل ہیں لیکن اُس کے بعض کیفیات میں مختلف رائے رکھتے ہیں کافر کا لفظ استعمال ہونے دوں۔ میری روح اس خیال سے کانپتی ہے۔ پس یہ چند سطور ناچیز کوشش ہے اس امر کے اظہار کی کہ جن اہل قبلہ کو بعض علماء دین کے سخت فتووں نے خدا کی رحمت سے مایوس کر دیا ہے۔ اور قریب اس کے پہنچا دیا ہے کہ وہ اللہ اور رسولؐ کا بھی انکار کریں۔ اُن کو جب تک کہ وہ اللہ اور رسولؐ اور یوم آخرۃ پر ایمان رکھتے ہیں امت رحمۃ للعٰلمین کہلانے کا حق حاصل ہے۔

زمانہ حال کی علمی تحقیقاتوں سے روح کی حقیقت کی نسبت کچھ زیادہ انکشاف نہیں ہوا۔ الّا جسم کے بعض ایسے خواص جدیدہ کے دریافت ہونے سے جن پر قدیم محققین کی تعریف جسم کلی طور پر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

بکا یہ قول ہے۔ کہ۔"

(بقیہ حاشیہ) صادق نہیں آسکتی بعض حکماء زمانہ حال کو یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ روح بھی کوئی مادی شے ہے اور اس سے دہریوں کو مذہب پر حملہ کرنے کی بہت جرأت ہوئی ہے۔ فخر الاسلام سید احمد خان صاحب نے تفسیر القرآن میں اس شبہ کی نسبت اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے ہم اُس کو بجنسہ نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب کہ ہم روح کو ایک جوہر تسلیم کرتے ہیں تو اُس کے مادی یا غیر مادی ہونے پر بحث پیش آتی ہے۔ مگر جبکہ ہم کو اُسکی ماہیت کا جاننا ناممکن ہے تو درحقیقت یہ قرار دینا بھی کہ وہ مادی ہے یا غیر مادی ناممکن ہے۔ دنیا میں بہت سی چیزیں موجود ہیں جو باوجود اس کے کہ وہ محسوس بھی ہوتی ہیں اور اُن کے مادی یا غیر مادی ہونے کی نسبت فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ہم ایک شیشہ کی پہیہ کے ذریعہ سے بجلی نکالتے ہیں۔ اور وہ نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اور ٹھوس اجسام میں سرایت کرجاتی ہے۔ انسان کے بدن سے گزرجاتی ہے۔ بعض ترکیبوں سے ایک بوتل میں یا انسان کے بدن میں محبوس ہوجاتی ہے۔ بعض ٹھوس اجسام ایسے ہیں جن میں نفوذ نہیں کرسکتی مگر اُس کی ماہیت کا اور یہ کہ وہ شے مادی ہے یا غیر مادی تصفیہ نہیں ہوسکتا۔ طرفین کی دلیلیں شبہ سے خالی نہیں۔ یہی حال روح کے مادی یا غیر مادی قرار دینے کا ہے۔ لیکن اگر دم کسی قسم کے مادہ کی ہو۔ یا ہم اُس کو کسی قسم کی مادی تسلیم کرلیں تو کوئی نقصان یا مشکل پیش نہیں آتی۔ البتہ اس قدر ضرور تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ جن اقسام مادہ سے ہم واقف ہیں اُس کا مادہ اُن اقسام کے مادوں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اُن سے منفرداً یا مجموعاً اُن افعال کا صادر ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے جو افعال کہ روح سے صادر ہوتے ہیں۔

اگر روح حقیقت میں کوئی شے مادی ہے اور رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ من مات فقد قامت قیامته تو حشر اجساد کے یقین کرنے میں کوئی بھی دقت باقی نہیں رہتی۔ لا اگر یہ صحیح ہو۔ کہ روح غیر مادی ہے۔ اور یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ جو آیات درباب وقوع حشر وارد ہوئی ہیں اُن سے صرف یہی مقصود نہ تھا کہ مشرکین عرب کے اُس عقیدہ کی جس کے رو سے وہ موت کے بعد جزا و سزا کا ہونا مستبعد سمجھتے تھے تردید کی جائے۔ بلکہ اجساد کا دوبارہ اُٹھایا جانا ہی بذات خود مقصود و موضوع قرآن مجید تھا۔ تب البتہ ضرور ہوگا کہ روح کے لئے کسی نہ کسی جسم کا ہونا جس سے وہ متعلق ہو اور مصداق حشر جسد بن سکے ثابت کرنا ضرور ہوگا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ انسان کے بدن میں خلاصہ اخلاط سے ایک بخار لطیف قلب میں پیدا ہوتا ہے جس سے قوئی حساسہ و محرکہ و مدبرہ غذا کا قیام ہے۔ اُس بخار کے رقیق یا غلیظ یا صاف یا مکدر ہونے سے قوئی کے افعال میں اثر خاص پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی عضو پر ایسی آفت طاری ہوتی ہے جس سے اُس عضو کے مناسب بخار پیدا ہونے میں فساد واقع ہوجائے تو اُس کے افعال میں فتور ظاہر ہوتا ہے۔ اس بخار کی تولید موجب حیات ہے اور اُس کی تحلیل موجب موت۔

اس بخار کو روح ہوائی اور نسمہ بھی کہتے ہیں۔ یہ روح جسم انسانی میں اسطرح رہتی ہے جس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

۱۔ انکار حشر اجساد: قیامت کو حشر اجساد نہیں ہوگا۔ اور محل ثواب و عذاب فقط ارواح مجردہ ہی

(بقیہ حاشیہ) طرح گلاب کے پھول میں نمی۔ یا کوئلہ میں آگ۔ لیکن یہ روح روح حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ یہ روح وہ مادہ ہے جس سے روح حقیقی کو تعلق رہتا ہے۔ چونکہ اخلاط بدن میں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ نسمہ میں بھی جو ان اخلاط سے پیدا ہوتا ہے ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ مگر روح حقیقی ان تغیرات سے بالکل محفوظ رہتی ہے۔ اور اسی سے ذی روح کی ہویت قائم رہتی ہے۔ روح حقیقی کو اولاً نسمہ سے اور ثانیاً بدن سے تعلق ہوتا ہے۔ پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم کو وجدان صحیح سے معلوم ہوا ہے۔ کہ جب بدن انسان میں استعداد تولید نسمہ باقی نہیں رہتی تو نسمہ کا بدن انسانی سے انفکاک کا نام موت ہے۔ لیکن موت سے روح قدسی کا نسمہ سے انفکاک نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی موت روح و نسمہ کے لئے نشاۃ ثانی ہوتا ہے۔ انتہی ملخصاً۔

شاہ صاحب کی اوپر کی تقریر سے ظاہر ہے کہ انسان میں ظاہری گوشت پوست کے سوا ایک اور جسم لطیف بھی ہے جو واسطہ ہے مابین روح حقیقی اور کالبد خاکی کے۔ اور وہ جسم لطیف بعد موت علی حالہ باقی رہتا ہے۔ اور روح اُن سے متعلق رہتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ۔

فمن قال بان النفس النطقية المخصوصة بالانسان عنه الموت ترفض المادة مطلقا فقد خص نعم لها مادة بالذات وهى النسمة ومادة بالعرض وهو جسم الارضى. فاذا مات الانسان لم يضر نفسه زوال المادة الارضية وبقيت حالته بمادة النسمة. جو شخص کہتا ہے کہ موت کے وقت انسان کا نفس ناطقہ مادہ کو بالکل چھوڑ دیتا ہے وہ جھک مارتا ہے۔ روح کے لئے دو قسم کا مادہ ہے۔ ایک سے روح کا بالذات تعلق ہے۔ اور دوسرے سے بالعرض۔ جس مادہ سے بالذات تعلق ہے وہ نسمہ ہے اور جس مادہ سے بالعرض تعلق ہے وہ جسم خاکی ہے۔ جب آدمی مرجاتا ہے تو مادہ خاکی کا زائل ہو جانا اُسے کچھ نقصان نہیں پہنچاتا۔ بلکہ روح انسانی بدستور اور نسمہ میں حلول کئے رہتی ہے۔

فخر الاسلام سید صاحب اس عام قول کو کہ جب خدا تعالیٰ حشر کرنا چاہے گا تو ہر ایک روح کو ایک ایک جسم عطا فرمائے گا۔ تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کے نزدیک جن اجساد کے حشر کرنے کا اشارہ قرآن مجید میں پایا جاتا ہے اُن سے وہی اجسام لطیف مراد ہیں جو ارواح ابدان انسانی سے مفارق ہونے کے بعد عالم قدس میں لیکر آتے ہیں۔ روح کا دنیا سے اجسام لطیف کے ساتھ متعلق ہوکر عالم قدس میں پہونچنا ہے اُن کا حشر ہے۔ سید صاحب کے قول کی تائید میں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت سے موت کے بعد روح انسانی کا دو جسموں سے متعلق ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک جسم کا ذکر ہے۔ سو وہی ایک جسم لطیف جو روح اپنے ہمراہ لیکر عالم قدس میں داخل ہوتی ہے اُس کا نشاۃ ثانی ہے۔ اس کی تائید میں وہ احادیث بھی بیان کی جاسکتی ہیں جو عذاب قبر کے باب میں وارد ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ہوں گی اور عذاب وثواب روحانی ہوگا نہ جسمانی یہ تو انھوں نے سچ کہا کہ وہاں عذاب وثواب روحانی ہوں گے لیکن یہ جھوٹ کہا کہ جسمانی نہیں ہوں گے اور ایسی باتیں بیان کر کے شریعت سے

(بقیہ حاشیہ) خاک کا جسم جس کو کفن میں لپیٹ کر گور میں دفن کرتے ہیں۔ یا آگ میں جلاتے ہیں عذاب کے لئے نہیں اُٹھایا جاتا۔ بلکہ روح انسانی پر جو کچھ گزرتا ہے وہ اُسی حالت میں گزرتا ہے جبکہ وہ جسم لطیف سے جس کو ہماری ظاہری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں متعلق ہوتا ہے

آخرت کی نسبت جو الفاظ حشر و بعث ونشات ثانی وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں اُن سے اس امر کا اظہار مقصود نہیں ہے۔ کہ مرنے کے بعد از سر نو انسان کا پتلا بنایا جاتا ہے۔ اور زندہ کر کے اٹھایا جاتا ہے۔ بلکہ اس دنیا میں مرنا ہی عالم قدس میں زندہ ہو کر اُٹھنا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ماں کے پیٹ سے بچہ کے پیدا ہونے پر بھی نشاۃ آخر استعمال فرمایا ہے۔ حالانکہ قبل از ولادت اُس کی خلقت انسانی جو اُس دنیا میں رہنے کے قابل ہو بہمہ نوع مکمل ہو چکی ہوتی ہے۔ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ اور صرف ماں کے پیٹ سے علیحدہ چاہئے کہ اس آیت میں بھی خلقا آخر سے قیامت کو اس کے جسم کا دوبارہ زندہ کرنا مراد ہے۔ کیونکہ اسی آیت میں ان الفاظ کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ پس جس طرح بچہ کا ماں کے پیٹ سے نکلنا بلحاظ حالت سابقہ خلق ونشات ثانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا۔ کہ اس مقام پر امام صاحب نے جن لوگوں کو منکرین حشر اجساد اور کافر کہا ہے اُن میں وہ لوگ داخل نہیں ہوسکتے جو اس بات کے قائل ہیں کہ بعد مرنے کے روح ایک جسم لطیف سے جو وہ دنیا میں حاصل کر لیتی ہیں متعلق رہے گی۔ کیونکہ وہ اس لزوم کے مورد نہیں بن سکتے کہ محل ثواب وعذاب ارواح مجردہ ہیں

اب ہم اُن لوگوں کو جن کے دلوں میں اس زمانہ کے دہریوں کی تحریروں نے حالت بعد الموت کی نسبت طرح طرح کے اوہام ڈال دیئے ہیں اور طرح پر سمجھاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہزاروں امور ہیں۔ جن میں انسان محض ظن غالب بلکہ بعض اوقات نہایت خفیف ظن پر کار بند ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سوراخ میں اُنگلی ڈالنے لگا ہو اور اُس کو یہ کہہ دیا جائے کہ اس میں ایک بچھو گھسا ہے یا کوئی شخص کسی تاریک مکان میں داخل ہونا چاہتا ہو اور اُس کو یہ اطلاع دیجائے کہ اُس میں سانپ رہتا ہے۔ تو وہ ہر گز سوراخ میں اُنگلی نہ ڈالیگا۔ اور نہ اُس مکان میں گھسنے کی جرأت کرے گا۔ مگر سوچنا چاہئے کہ وہ ایسی بات سُن کر فوراً اُس پر کیوں کار بند ہوتا ہے۔ وہ قطعی ثبوت اس امر کا کیوں نہیں حاصل کرتا کہ آیا جو اطلاع اُس کو دی گئی ہے۔ وہ درحقیقت درست ہے؟ یا اگر اُس کو کوئی شہادت ملی ہے تو وہ اس شہادت پر اُن قواعد منطق استقرائی کو کیوں نہیں جاری کرتا۔ جن سے وہ مذہبی صداقتوں کو کُریدا کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شہادت سماعی عمدہ سے عمدہ کیوں نہ ہو صرف یقین عادی پیدا کر سکتی ہے۔ اُس سے یقین قطعی پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس جس امر کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

انکار کیا۔

(بقیہ حاشیہ) نسبت عقل ساکت ہو اور شہادت سماعی سے زیادہ ثبوت نہ مل سکتا ہو۔ تو بالطبع انسان کا رجحان اس امر کی طرف ہوتا ہے۔ کہ اگر اُس امر پر کاربند ہوتا یا نہ ہوتا اُس کے حق میں کوئی نتیجہ مہتم بالشان پیدا کرے گا۔ تو وہ اس پہلو کو اختیار کرتا ہے جس میں وہ جلب منفعت یا دفع مضرت تصور کرتا ہے۔ کیونکہ اگر فی الواقع یہ پہلو صحیح خیال کی بناء پر اختیار کیا گیا ہے۔ تو بھی کم از کم اُس کو دل کی چبھن سے جو اُس کو ہر وقت ستائے رکھتی نجات مل جاتی ہے اور کوئی ضرر عائد نہیں ہوتا۔ نہ عقلاء کے نزدیک وہ قابل ملامت ٹھہرتا ہے۔ کہ تو نے اپنے نفس کے فائدے کے لئے یا خطرہ سے بچنے کے لئے اس قدر حد سے زیادہ کیوں احتیاط کی۔ پس اے عزیز جب تو اپنی انگلی کی تکلیف کے خوف سے اور اس بدن کو جو چند روز میں خاک میں ملنے والا ہے اور کیڑوں مکوڑوں کا طعمہ ہونے والا ہے۔ بچانے کی غرض سے اس قدر احتیاط کرتا ہے کہ تمام قوانین عقلی کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور سب سے احفظ پہلو اختیار کر لیتا ہے۔ تو عذاب حشر کے باب میں تجھ کو کس چیز نے ایسا دلیر کر دیا ہے۔ کہ تو نہایت سہل انگاری سے خطرناک پہلو اختیار کرتا ہے اور حالت سکرات الموت سے نہیں ڈرتا۔ اے عزیز مت بھول اُس کٹھن گھڑی کو جب ایک ایک رگ سے جان کھینچی جائے گی۔ ایڑیاں اور پنڈلیاں اینٹھی ہوں گی۔ گلے میں جان اٹک رہی ہو گی۔ چہرہ کا رنگ مٹیالا ہو گیا ہو گا تجھ میں شدت تکلیف کے بیان کرنے کی بھی طاقت نہ ہو گی۔

ندیدہ کہ سختی رسد بجان کسے
کہ از دہانش بروں مے کنند دندانے
قیاس کن کہ چہ بود دراں ساعت
کہ از وجود عزیزش بدر رود جانے

پیارے بہن بھائی پاس کھڑے ہوں گے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہوں گی۔ وہ چاہیں گے کہ تو منہ سے کچھ بولے اور وہ تیرے الوداعی الفاظ سنیں۔ مگر تو بول نہ سکے گا۔ اور بجز غرغرہ حلقوم تیرے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکے گی۔ اس بے بسی کی حالت کو دیکھ کر معالج بھی جواب دیدیں گے۔ جھاڑنے پھونکنے والے بھی سب چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں گے۔ اور عالم قدس سے پکارنے والا پکار یگا مَنْ سکہ رَاقٍ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ۔ اے عزیز جان لے کہ یہ حالت دہلیز ہے اُن واقعات کی جو تجھ پر دوسرے عالم میں گذرنے والے ہیں۔ اُس وقت بجز حسرت وندامت اور رونے اور دانت پیسنے کے کچھ نہ ہو گا۔ ڈارون اور ہکسلی اور بنڈال جن کی تحریروں نے تجھے گستاخ و بے باک بنایا ہے کوئی مدد نہ دے سکے گا۔ پس اگر تو دنیا میں دم بھر کے دکھ سے بچنے کے لئے حد سے زیادہ احتیاطیں کام میں لاتا ہے۔ اور ادنیٰ ادنیٰ اشخاص کی نصیحت پر کاربند ہوتا ہے تو عذاب آخرت سے ایک دم غافل نہیں رہنا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

۲۔ باری تعالیٰ عالم بالجزئیات نہیں ہے۔ از انجملہ (مسائل ثلثہ) ان کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو

(بقیہ حاشیہ) چاہئے۔ اور کوئی ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہئے جو دوسرے عالم میں باعث خرابی ہو۔

نیکی کن اے عزیز و غنیمت شمار
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

مسئلہ ثانی۔ جاننا چاہئے کہ انسان کا جس قدر علم ہے وہ یا زمانہ ماضی سے متعلق ہے۔ یا زمانہ حال سے۔ یا زمانہ مستقبل سے۔ چونکہ زمانہ ہر وقت اور ہر آن میں متغیر ہوتا رہتا ہے۔ یعنی مستقبل حال بن جاتا ہے اور حال ماضی بن جاتا ہے۔ اس واسطے اُسی طرح ہمارے علم میں بھی تغیر ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کو عرصہ سے کسوف آفتاب کا جو ۱۷۔ جون ۱۸۹۰ء ہم کو یہ علم تھا کہ کسوف ہونے والا ہے۔ ۱۷۔ جون کو بوقت کسوف اُس علم کی بجائے ہمارے ذہن میں یہ علم تھا کہ کسوف ہو رہا ہے۔ اور آج جولائی ۱۸۹۰ء کو ہمیں یہ علم ہے کہ کسوف ہو چکا ہے۔ یہ تینوں قسم کا علم ایک دوسرے سے اختلاف رکھتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک علم دوسرے کی جا بجا کام دے سکے۔ مثلاً جو علم ہم کو آج حاصل ہے کہ کسوف ہو چکا ہے۔ وہ اگر بوقت کسوف ہمارے ذہن میں ہوتا یعنی جس وقت کسوف ہو رہا تھا اُس وقت یہ علم ہوتا کہ کسوف ہو چکا ہے۔ تو یہ علم نہیں بلکہ جہل ہوتا اسی طرح جب کسوف وقوع میں نہیں آیا تھا اُس وقت اُس کے وقوع کا علم ہوتا تو یہ بھی علم نہ ہوتا بلکہ جہل ہوتا۔ جس طرح زمانہ کے تعاقب سے ہمارے علم میں تغیر واقع ہوتا ہے۔ اُسی طرح تبدیل جہت و تبدیل مکان سے ہمارے اس علم میں جو متعلق تشخصات جزئیات مثلاً زید و عمرو و بکر ہوتا ہے تغیر وقوع میں آتا ہے۔ غرضیکہ ان تغیرات سے محل تغیرات یعنی ذہن انسانی میں بھی تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے تغیر سے پاک ہے۔ کیونکہ اگر اس کے علم میں تغیر نہ ہو تو اُس کی ذات محل تغیر ٹھہرے۔ اس لئے یہ ماننا ضروری ہوا کہ اُس کا علم ہر حال و ہر آن میں یکساں رہتا ہے۔ لیکن انھوں نے اپنے زعم میں یہ سمجھا کہ اگر علم میں تغیرات نہ ہوں اور ہر حال میں یکساں رہے تو تو یہ صرف کُلیات کا علم ہوگا نہ جزئیات کا، یعنی خدا تعالیٰ کو کلی طور پر کسوف کے ہونے اور زید و بکر کا من حیث الانسان ہونے کا تو علم ہوگا۔ لیکن کسوف کی ان جزئیات کا کہ اب کسوف ہونے والا ہے۔ اب ہو رہا ہے۔ اب ہو چکا ہے زید اب کھڑا ہے۔ اب بیٹھا ہے۔ اب نماز پڑھتا ہے۔ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کا علم مقتضی تغیر ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ کہ جو کوئی باری تعالیٰ کو کلیات کا عالم قرار دیتا ہے۔ وہ حضرت باری تعالیٰ عز اسمہ کو جزئیات سے ناواقف و بے خبر جانتا ہے۔ بلکہ ممکن ہے۔ کہ عالم کلیات کہنے سے اُس کی مراد صرف نفی علم احساسی ہو۔ اس صورت میں یہ بحث ایک لفظی نزاع رہ جاتی ہے۔ منشاء غلطی یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو اپنے علم پر قیاس کیا جاتا ہے۔ اور جو امور انسان اپنے علم کی نسبت بھی ناممکن سمجھتا ہے۔ لیکن انسان کا علم دو ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک مجرد عقل سے۔ اور دوسرے حواس سے۔ ہمارے جتنے مجرد عقل سے حاصل ہوتے ہیں وہ کُلی علم کہلاتے ہیں۔ اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کلیات کا علم ہے جزئیات کا علم نہیں ہے۔ یہ بھی کفر صریح ہے بلکہ حق الامر یہ ہے کہ آسمانوں اور

(بقیہ حاشیہ) جو بذریعہ حواس حاصل ہوتے ہیں وہ جزئی کہلاتے ہیں۔ صرف بذریعہ عقل بلا استمداد حواس ہم کسی طرح جزئیات کا علم حاصل نہیں کر سکتے۔ مگر علم باری تعالیٰ میں اس قسم کی تفریق نہیں ہے۔ جو علوم ہم کو عقل یا حواس کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اُنکو وہ اپنی ذات سے معلوم کرتا ہے۔ ہم جو اُس کو سمیع و بصیر کہتے ہیں اُس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جس طرح ہمارے مدرکات سمع و مدرکات بصر مختلف چیزیں ہیں اسی طرح اُس میں سمع و بصر دو مختلف قوتیں ہیں۔ نہیں۔ بلکہ سمیع و بصیر کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر چیز کو یعنی جن کے جاننے والے کو ہم دنیا میں سمیع کہتے ہیں اور نیز اُن اشیاء کو جن کے جاننے والے کو ہم بصیر کہتے ہیں جانتا ہے۔ ورنہ اُس کے علم میں کوئی تقسیم اس قسم کی نہیں ہے۔

علی ہذا القیاس زمانہ کی تقسیم ماضی و حال و استقبال میں محض انسانی تقسیم ہے۔ خدا کے نزدیک ماضی و حال و استقبال ازل و ابد سب یکساں ہے۔ پس جائز ہے کہ ہم اُس کے علم کو اپنے محدود نا چیز جزئی علم سے تمیز کرنے کے لئے علم کلی سے تعبیر کریں۔ جس کے صرف یہ معنی ہوں گے کہ اُس کے علم پر اطلاق ماضی و حال و استقبال نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ سب جزئیات کو کلی طور پر جانتا ہے۔ لا یعزب عن علمه مثقال ذرة فی السموات ولا فی الارض۔ ماحصل اس تمام بحث کا یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے ہر علم کو اصطلاحاً علم کلی کہتے ہیں۔ اور اُس کے لئے لفظ جزئی کا استعمال نہیں کرتے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کو کلیات کا علم ہے جزئیات کا علم نہیں ہے۔ اُس سے اگر اُن کی مراد وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی تو یہ عقیدہ عین اسلام کے مطابق ہے۔ اور اُس سے اعلیٰ درجہ کی تنزیہہ جناب باری تعالیٰ کی ظاہر ہوتی ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ امام صاحب کا حکم تکفیر ایسے اعتقاد پر اطلاق پذیر نہیں ہے۔ (مترجم)

مسئلہ ثالث امام صاحب نے کتاب التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ میں مسئلہ قدم عالم کو منجملہ اُن مسائل کے نہیں لکھا جن کے سبب تکفیر واجب ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر ہم کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ جو لوگ مادہ میں خواص واجبیہ تسلیم کر کے اور اُس کو اپنے وجود میں کسی واجب الوجود کا محتاج نہ پا کر قدم مادہ کے قائل ہوئے ہیں۔ اُن کے کافر ہونے میں تو کچھ کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن سوال اُن لوگوں کی نسبت ہے جو خدا پر بجمیع صفاتہ اور رسول ﷺ پر بجمیع ماجاء بہ ایمان لائے ہیں۔ اور خدا کی ذات ہی کو محتاج الیہ وعلۃ العلل کل کائنات کا سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالیٰ مع اپنی صفات کے جن میں ایک صفت ارادہ بھی ہے علۃ تامہ اس عالم کا ہے اور تخلف علۃ کا معلول سے جائز نہیں ہے۔ اس لئے مادہ بھی قدیم ہے لہٰذا وہ مادہ کو قدیم بالذات نہیں کہتے۔ بلکہ اُن کے نزدیک قدیم بالذات صرف باری تعالیٰ ہے۔ اور قدم عالم اُس قدم عالم اُس کے قدم حقیقی کا صرف ایک پرتو یا عکس ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جس طرح قدم صفات کے ماننے سے تعدد وجباء یا قدماء یا خدا کا مجبور و مضطر ہونا ثابت نہیں ہوتا اسی طرح قدم مادہ کے تسلیم کرنے سے بھی یہ امور لازم نہیں آتے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ امام صاحب کا حکم تکفیر ایسے اشخاص کے متعلق ہو سکتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اور زمین میں کوئی شے ذرہ بھر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۳ عالم قدیم ہے۔ از انجملہ فلاسفہ کا یہ قول ہے کہ عالم قدیم و ازلی ہے اہل اسلام میں ایک شخص بھی ایسا نہیں گذرا جس نے ذرہ بھر ان مسائل کو تسلیم کیا ہو۔ رہے دیگر مسائل علاوہ مسائل مذکورہ بالا کے مثلاً ان کا نفی صفات کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے علیم ہے نہ ایسے علم کے ذریعہ سے جو زائد علی الذات ہو یا اس قسم کا اور علم ہے۔ پس اس باب میں مذہب فلاسفہ مذہب معتزلہ کے قریب قریب ہے اور معتزلیوں کو ایسے اقوال کے باعث کافر کہنا واجب نہیں ہے اس کا ذکر ہم نے ایک علیحدہ کتاب ''التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ'' میں کیا ہے جس سے واضح ہوگا کہ جو اپنی رائے سے مخالفت کرنے والے کی تکفیر پر جلدی کرتا ہے اس کی رائے فاسد[1] ہے۔

۵۔ سیاست مدن۔ اس علم میں جو کچھ فلاسفہ نے کلام کیا ہے۔ اُس کا تعلق تدبیر واصلاح امور دینی و امور سلطنت سے ہے اور یہ سب کچھ فلاسفہ نے کتب مقدسہ سے لیا ہے جو

(بقیہ حاشیہ) مشکل یہ ہے کہ کسی قول کی بناء پر حکم دیا جاتا ہے۔ مگر اُس قول کا وہ مطلب قرار دیا جاتا ہے جو ہرگز اُس قول کا قول کے قائل کا نہیں ہوتا۔

بوجوہات مذکورہ بالا جاری رائے میں مسائل ثلثہ ایسے مسائل نہیں ہیں۔ کہ ہر حال میں اُن کے قائلین کی علی الاطلاق تکفیر واجب ہو۔ بلکہ اُن میں وہ شخصیات قابل لحاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ (مترجم)

[1] امام صاحب ''التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کا کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں ہے جو تاویل کا محتاج نہ ہو سب نے تاویل سے پرہیز کرنے والے امام احمد بن حنبل ہیں اور اقسام تاویل سے سب سے بعید تاویل کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں۔ ہر فرقہ گو کہ وہ کیسا ہی ظواہر آیات کا پابند رہا ہو اُس کو بھی تاویل کی ضرورت پڑتی ہے۔ صرف وہی شخص جو حد سے زیادہ جاہل اور غبی ہو تاویل کرنا نہ چاہے گا۔

تاویل کے پانچ درجہ ہیں۔ ظاہری معنی ہر ایک چیز کے جس کی خبر دی گئی ہے۔ وجود ذاتی ماننا ہے۔ جبکہ اُس کا وجود ذاتی ماننا متعذر ہو تو وجود حسی تسلیم کرنا ہے۔ اور جب کہ اس کا تسلیم کرنا بھی متعذر ہو۔ تو وجود خیالی اور عقلی کا تسلیم کرنا ہے۔ اگر اُسکا تسلیم کرنا بھی متعذر ہو۔ تو وجود شبہی اور مجازی کا تسلیم کرنا ہے۔ ان پانچ مدارج تاویل پر اہل اسلام کے تمام فرقے متفق ہیں۔ اور اُن میں سے کوئی سی تاویل کرنی تکذیب رسول نہیں ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان تاویلوں کا جائز ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ بذریعہ دلیل اُن کے ظاہری معنوں کا محال ہونا ثابت ہو۔

ان باتوں کے لئے دو مقام ہیں۔ ایک تو عوام خلق کا درجہ و مقام ہے اُن کے لئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

انبیاء پر نازل ہوئیں یا اولیاء سلف کی نصائح ماثورہ سے نقل کیا ہے۔

۶۔ **علم اخلاق**۔ اس علم میں حاصل کلام فلاسفہ کا یہ ہے کہ اُنھوں نے صفات و اخلاق نفس، کا حصر کیا ہے اور اُنکی اجناس و انواع اور اُن کے معالجات و مجاہدات کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔

اس کلام کا ماخذ کلام صوفیہ ہے

اِس علم کو فلاسفہ نے کلام صوفیہ سے اخذ کیا ہے۔ جو لذات دنیاوی سے رُوگردانی کر کے یادِ الٰہی میں ہمیشہ مستغرق رہنے والے۔ ہوا و حرص سے لڑنے والے۔ اور راہِ خدا پر چلنے والے ہیں۔ صوفیہ کرام کو مجاہدات کرتے کرتے بعض اخلاق نفس اور اُن کے عیوب اور اُنکے آفات اعمال کا انکشاف ہوا ہے۔ اور اُنھوں نے اس کا بیان کیا ہے۔ فلاسفہ نے ان امور کو اُن سے اخذ کر کے اپنے کلام میں ملا لیا۔ تا کہ اُس کے وسیلہ اور اُس کی بدولت زیب و زینت پا کر اُنکے خیالات باطل کی ترویج ہو۔

ان فلاسفہ کے زمانہ میں بلکہ ہر زمانہ میں خدا پرست بزرگ بھی ہوتے رہے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے دنیا کو کبھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں رکھا ہے۔ یہ لوگ زمین کی اوتاد ہیں۔ اور اُن کی برکت سے اہل زمین پر رحمت نازل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسُول

(بقیہ حاشیہ) تو یہی بہتر ہے کہ جو کچھ ہے اُس کو مانیں اور جو ظاہری معنی لفظ کے ہیں اُس کے تغیر و تبدل سے قطعاً باز رہیں اور باب سوالات کو بالکل بند کر دیں۔

دوسرا اہل تحقیق کا مقام ہے۔ جب اُن کے عقائد ماثورہ اور مرویہ ڈگمگانے لگیں تو اُن کو بقدر ضرورت بحث کرنی اور برہان قاطع کے سبب ظاہری معنوں کو ترک کر دینا لائق ہے۔ لیکن ایک دوسرے کی تکفیر اس وجہ پر کہ جس امر کو اُس نے برہان قاطع سمجھ کر ظاہری معنوں کو ترک کیا ہے اُس کے سمجھنے میں اُس نے غلطی کی ہے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ بات آسان نہیں ہے۔ برہان کیسی ہی ہو۔ اور انصاف ہی سے لوگ اُس پر غور کریں۔ مگر تاہم اختلاف ہونا ناممکن نہیں ہے

جن باتوں میں غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ دو قسم ہیں۔ ایک تو اصول عقائد سے متعلق ہیں۔ اور دوسرے فروع سے۔ اصول ایمان کے تین ہیں۔ (۱) ایمان باللہ۔ (۲) و برسولہٖ۔ (۳) و بالیوم الآخر۔ ان کے سوا سب فروع ہیں۔

بعض آدمی بغیر برہان کے اپنے گمان و وہم کے غلبہ سے تاویل کر بیٹھتے ہیں۔ اگر وہ تاویل اصول عقائد سے متعلق نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی تاویل کرنے والے کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے۔

Marfat.com

خداﷺ نے فرمایا کہ اُن کی برکت سے ہی اہل زمین پر بارش ہوتی ہے اور اُن کی برکت سے ہی رزق ملتا ہے۔ اور اصحاف کہف ایسے ہی لوگوں میں تھے۔

امتزاج کلام صوفیہ وفلاسفہ سے دو دو آفتیں پیدا ہوئیں

زمانہ سلف میں اِن فلاسفہ کا مذہب وُہی تھا جس پر قرآن مجید ناطق ہے۔ لیکن چونکہ اُنھوں نے کلام نبوت اور کلام صوفیہ کو اپنی کتابوں میں ملا لیا۔ اس سے دو آفتیں پیدا ہوئیں یعنی ایک آفت تو اُس شخص کے حق کے میں جس نے مسائل فلسفہ کو قبول کیا۔ اور دوسری اُس شخص کے حق میں جس نے مسائل مذکورہ کی تردید کی۔ جو آفت کی تردید کرنے والوں کے ہر قول حق میں پیدا ہوئی۔

آفت اول پر قول فلاسفہ سے بلا امتیاز حق باطل انکار کیا گیا

وہ ایک عظیم آفت تھی۔ کیونکہ ضعیف العقل لوگوں میں سے ایک گروہ نے یہ گمان کیا کہ چونکہ یہ کلام اُن کتابوں میں مندرج اور اُنکی جھوٹی باتوں میں مخلوط ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ اُس سے علیحدگی اختیار کی جائے اور اُس کا ذکر تک زبان پر نہیں آنا چاہیئے۔ بلکہ اُس کے ذکر والے پر عمل منکر کے ارتکاب کا الزام لگایا جائے۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے پہلے یہ کلام نہ سنا تھا۔ اور سنا تو سب سے اوّل انھیں فلاسفہ سے سنا۔ اس لئے اپنے ضُعف عقل سے اُنھوں نے یہ بھی سمجھا کہ چونکہ اس کلام کا قائل جھوٹا ہے۔ اس لئے یہ کلام بھی باطل ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کسی نصرانی سے سنتا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عِیْسٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ اور اس قول کو بُرا سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ تو نصرانی کا قول ہے۔ اُس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ ذرا ٹھہرے اور تامل کرے کہ نصرانی جو کافر ہے تو کیا بوجہ اس قول کے ہے۔ یا بلحاظ اس بات کے کہ وہ نبوت محمدﷺ سے انکار کرتا ہے۔ اگر بجز اس انکار کے اُس کے کفر کی اور کوئی وجہ نہیں ہے تو یہ ہرگز نہیں چاہیئے کہ اُن امور میں جو حقیقت میں موجب کفر نصرانی نہیں ہیں مثلاً کسی ایسے امر میں جو فی نفسہ حق ہے گو اُس کو وہ نصرانی بھی حق جانتا ہو اُس کی مخالفت کی جائے۔ یہ عادت ضعیف العقل لوگوں کی ہے۔ جو شناخت حق کا مدار لوگوں پر رکھتے ہیں اور یہ نہیں کرتے کہ حق کے ذریعہ سے لوگوں کو شناخت کریں لیکن عاقل آدمی سرتاج عقلاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیروی

Marfat.com

کرتے ہیں۔ جنھوں نے فرمایا کہ شناخت حق بذریعہ شناخت آدمی مت کرو۔ بلکہ اوّل شناخت حق حاصل کرو۔ پھر اہل الحق کی خود ہی شناخت ہو جائے گی۔ پس صاحب عقل معرفت حق حاصل کرتے ہیں۔ اور پھر نفس قول پر نظر کرتے ہیں۔ اگر وہ حق ہوا تو خواہ اُسکا قائل جھوٹا ہو یا سچا اُس کو قبول کر لیتے ہیں۔ بلکہ عاقل آدمی بارہا اہل ضلالت کے اقوال میں سے بھی امر حق نکال لینا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ زر خالص خاک میں سے ہی نکلتا ہے۔ اور اگر صراف کو اپنی بصیرت پر وثوق ہو۔ تو اس بات کا کچھ خوف نہیں کہ وہ کیسہ سکہ غیر خالص میں ہاتھ ڈالے اور کھرے کو کھوٹے اور جھوٹے مال سے تمیز کر کے علیحدہ کر لے۔ کھوٹے سکّہ چلانے والے سے معاملہ کرنا ایک گنوار دیہاتی کے حق میں باعث زجر ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک سمجھدار صرّاف کے حق میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ دریا پر جانے سے اُس شخص کو منع کیا کرتے ہیں۔ جو شناوری نہ جانتا ہو نہ تیراک کامل کو۔ اور سانپ کو ہاتھ لگانے سے بچے کو روکا کرتے ہیں نہ افسوں گر ماہر کو۔ قسم ہے کہ اکثر خلقت کو اپنی نسبت یہ ظن غالب ہو گیا ہے کہ ہم کو حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کے تمیز کرنے میں کمال درجہ کی عقل و دانائی اور مہارت ہے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو خلقت کو گمراہ لوگوں کی کتابوں کے مطالعہ سے روکنا واجب ہے۔ کیونکہ اگر وہ اُس آفت سے جو ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں بچ بھی گئے لیکن دوسری آفت سے جسکا ہم ابھی ذکر کرنے والے ہیں نہیں بچ سکنے کے۔

جن لوگوں کی طبیعتوں میں علوم مستحکم نہیں ہوئے اور جن کی آنکھیں خدا تعالیٰ نے ایسی نہیں کھو لیں کہ اُن کو مذاہب کی غایت مقصد سوجھے انھوں نے ہمارے بعض کلمات پر بھی جو ہم نے اپنی تصنیفات میں اسرار علوم دین میں بیان کئے ہیں اعتراض کئے ہیں۔ اور یہ سمجھا ہے کہ ہم نے وہ کلمات فلاسفہ متقدمین سے لئے ہیں۔ حالانکہ اُن میں سے بعض خاص اپنے طبعزاد خیالات ہیں۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ ایک راہگیر کا قدم دوسرے راہگیر کے نقش پر پڑے اور اُن میں سے بعض کلمات کتب شرعیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور وہ کلمات زیادہ تر کتب تصوف میں موجود ہیں۔ اور اچھا فرض کرو۔ کہ کلمات مذکورہ بجز کتب فلاسفہ کے اور کہیں نہیں پائے جاتے۔ لیکن جب کلمات فی نفسہ معقول ہوں اور دلائل منطقی سے اُن کی تائید ہوتی ہو اور کتاب و سنت کے مخالف نہ ہوں تو یہ ہرگز مناسب نہیں۔ کہ اُن سے کنارہ کشی اور انکار کیا جائے کیونکہ اگر ہم یہ طریق اختیار کریں اور جس امر حق کی طرف کسی پیرو دین باطل کا خیال گیا ہو اُس کی ترک کرنے

Marfat.com

لگیں۔ تو ہم کو امور حق کا بہت سا حصہ چھوڑنا پڑے گا۔ اور یہ بھی لازم آئیگا کہ جملہ آیات قرآن مجید و احادیث نبوی و حکایات سلف صالحین و قوال حکماء و علماء صوفیہ سے بھی کنارہ کیا جائے۔ کیونکہ مصنف کتاب اخوان الصفاء[1] نے اُن کو بطور شہادت اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور اُن کے ذریعہ سے احمقوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ نتیجہ اُس کا یہ ہوگا کہ دین باطل کے پیرو حق کو اپنی کتابوں میں درج کر کر ہم سے چھین لیں گے۔ اقل درجہ عالم کا یہ ہے کہ وہ جاہل گنوار کی طرح نہ ہو۔ پس اُس کو شہد سے گو کہ وہ آلہ حجامت میں پرہیز نہیں کرنا چاہئے۔ اُس کو یہ بات بہ تحقیق معلوم ہونی چاہئے۔ کہ آلہ حجامت سے نفس شہد میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوسکتا۔ طبیعت کا اُس سے متنفر ہونا جہل عامی پر مبنی ہے۔ اور منشاء اُس کا یہ ہے کہ آلہ حجامت ناپاک خون کے واسطے موضوع ہے۔ پس جاہل شخص یہ سمجھتا ہے کہ خون شاید آلہ حجامت میں پڑنے کی وجہ سے ہی ناپاک ہوگیا ہے۔ اور اتنا نہیں جانتا کہ وجہ ناپاکی کی تو اور صفت ہے جو خود اُس کی ذات میں ہے۔ اگر شہد میں وہ صفت موجود نہیں ہے تو ایک ظرف خاص میں پڑنے سے اُس کو وہ صفت حاصل نہیں ہوسکتی۔ پس ضرور نہیں کہ اُس ظرف میں آجانے سے شہد ناپاک ہو جاوے۔ یہ ایک وہم باطل ہے جو اکثر لوگوں کے دلوں پر غالب ہورہا ہے۔ جب تم کسی کلام کا ذکر کرو اور اُس کلام کو کسی ایسے شخص کی منسوب کرو جس کی نسبت وہ حسن عقیدت رکھتے ہیں تو وہ لوگ فوراً اُس کلام کو گو وہ باطل ہی کیوں نہ ہو قبول کرلیں گے۔ لیکن اگر اُس کلام کو ایسے شخص کی طرف منسوب کرو جو اُن کے نزدیک بد اعتقاد ہے تو گو وہ کلام سچا ہی کیوں نہ ہو وہ ہرگز اُس کو قبول نہیں کرنے کے۔ غرضیکہ اُن کا ہمیشہ یہی وتیرہ ہے۔ کہ حق کی شناخت بذریعہ قائل کے کرتے ہیں۔ یہ نہیں کرتے کہ قائل کی شناخت بذریعہ حق کے کریں۔ سو یہ نہایت گمراہی ہے۔ پس یہ آفت تو وہ ہے جو قبول نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

---

[1] یہ ایک ضخیم کتاب ہے چار مجلدات میں جو ۵۲ علوم پر مشتمل ہے اور جس میں ہر ایک علم پر ایک مستقل رسالہ لکھا گیا ہے۔ جو رسالہ انسانیت پر ہے اُس میں حقیقت نبوت و معاد کو فلسفیانہ ڈھنگ پر بیان کیا ہے۔ خیال کیا گیا ہے۔ کہ اس کتاب کو جیسا اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے بہت سے اشخاص نے ملکر لکھا ہے۔ مگر عموماً وہ احمد ابن عبداللہ کیطرف منسوب کی جاتی ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

آفت دوم فلاسفہ کے بعض اقوال حق کے ساتھ دھوکے سے اقوال باطل بھی قبول کر لئے جاتے ہیں

آفت دوم یعنی قبول کرنے کی آفت ۔ جو شخص کتب فلاسفہ مثلاً اخوان الصفا وغیرہ کا مطالعہ کرتا ہے اور ان کلمات کو دیکھتا ہے جو اُنھوں نے انبیاء کے کلام حکمت نظام واقوال صوفیہ کرام سے لے کر اپنے کلام میں ملائے ہیں تو وہ اُس کو اچھے لگتے ہیں ۔ اور وہ اُن کو قبول کر لیتا ہے ۔ اور اُن کی نسبت حسن عقیدت رکھنے لگتا ہے ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اُس نے دیکھا اور پسند کیا ہے اُس کے حسن ظن وہ اُن باطل باتوں کو بھی جو اس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں قبول کر لیتا ہے ۔ یہ اصل ایک قسم کا فریب ہے جس کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ باطل کی طرف کھنچا جاتا ہے اور بوجہ آفت کے کتب فلاسفہ سے زجر واجب ہے کیونکہ اُن میں بہت خطرناک باتیں اور دھوکے ہیں ۔ اور جس طرح اُس شخص کو جو شناوری نہ جانتا ہو دریا کے کناروں کی پھسلن سے بچانا واجب ہے اسی طرح خلقت کو ان کتابوں کے مطالعہ سے بچانا واجب ہے ۔ اور جس طرح سانپوں کے چھونے سے بچوں کی حفاظت کرنی واجب ہے اسی طرح اس بات کی بھی حفاظت واجب ہے کہ لوگوں کے کانوں میں فلاسفہ کے اقوال جس میں جھوٹ سچ سب کچھ ملا ہوا ہے نہ پہنچنے پائیں افسوں گر پر واجب ہے کہ اپنے خورد سال بچے کے روبرو سانپ کو ہاتھ نہ لگائے ۔ جبکہ اس کو معلوم ہے کہ وہ بچہ بھی اُسی کی ریس کرے گا اور گمان کرلے گا کہ میں بھی یہ کام کر سکتا ہوں بلکہ افسوں گر پر واجب ہے کہ بچہ کو سانپ سے اس طرح پر ڈراوے کہ اُس کے روبرو خود سانپ سے بچتا رہے ۔ اسی طرح عالم پر جو اپنے علم میں مضبوط ہے بعینہٖ یہی کرنا واجب ہے ۔ پھر دیکھو کہ افسوں گر کامل سانپ پکڑتا ہے چونکہ وہ زہر و تریاق کو پہچانتا ہے تو وہ تریاق کو تو علیحدہ نکال لیتا ہے ۔ اور زہر کو کھو دیتا ہے ۔ ایسے افسوں گر کو یہ مناسب نہیں کہ جو شخص حاجتمند تریاق ہو اُس پر تریاق کے دینے میں بخل کرے ۔ علیٰ ہذا قیاس ایک صراف مبصر جو کھوٹے کھرے کا فرق بخوبی جانتا ہے جب اپنا ہاتھ کیسہ سکہ غیر خالص میں ڈالتا ہے تو زر خالص کو علیحدہ نکال لیتا ہے ۔ اور کھوٹے سکے اور ردی مال کو پرے پھینک دیتا ہے ۔ یہ مناسب نہیں کہ ایسے شخص کو جو حاجتمند زر خالص ہو اُس کے دینے میں بخل کرے ۔ بعینہٖ یہی طریقہ عالم کو اختیار کرنا چاہئے ۔ جب حاجتمند تریاق یہ جان کر کہ یہ شئے سانپ میں سے نکالی گئی ہے جو مرکز زہر اُس کے لینے سے

Marfat.com

ہچکچائے۔اور مسکین محتاج شخص سونا لینے میں بایں خیال تامل کرے کہ جس کیسہ میں سے یہ نکالا گیا ہے۔اُس میں تو کھوٹے سکے تھے تو اُس کو آگاہ کرنا اور یہ کہنا واجب ہے کہ تمہاری نفرت محض جہالت ہے۔اور اس نفرت کے باعث تم اُس فائدہ سے جو مطلوب ہے محروم رہو گے۔اور اُن کو یہ بھی ذہن نشین کرادینا چاہئے کہ زر خالص اور زر غیر خالص کے باہم ایک جگہ ہونے سے جس طرح یہ نہیں ہوسکتا کہ غیر خالص خالص بن جائے۔اسی طرح خالص غیر خالص نہیں بن سکتا۔علی ہذا القیاس حق و باطل کے باہم ایک جگہ ہونے سے جس طرح حق کا باطل ہوجانا ہے ممکن نہیں اسی طرح باطل کا حق ہوجانا بھی ممکن نہیں ہے۔

فلسفہ کی آفتوں اور دشواریوں کا بس ہم اسی قدر ذکر کرنا چاہتے تھے جو اوپر مذکور ہوا۔

Marfat.com

مذہب تعلیم[۱] اور اُس کی آفات

امام صاحب مذہب اہل تعلیم کی تحقیق شروع کرتے ہیں

جب میں علم فلسفہ سے فراغت پاچکا اور اُس کی تحصیل و تفہیم کر چکا اور جو کچھ اُس میں کھوٹ تھا وہ بھی دریافت کر چکا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ اس علم سے بھی میری پوری پوری غرض حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور عقل کو ایسا استقلال نصیب نہیں کہ جمیع مطالب پر حاوی ہوسکے۔ اور نہ اُس سے ایسا انکشاف حاصل ہوسکتا ہے کہ تمام مشکلات پر سے حجاب اُٹھ جائے۔ چونکہ اہل تعلیم نے غایت درجہ کی شہرت حاصل کی ہوئی ہے اور خلقت میں ان کا یہ دعویٰ مشہور ہے۔ کہ ہم کو معانی امور کی معرفت امام معصوم قائم بالحق سے حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے میں نے یہ ارادہ کیا کہ مقالات اہل تعلیم کی تفتیش کروں۔ اور دیکھوں کہ اُن کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔

---

[۱] اہل تعلیم ایک فرقہ ہے اہل بدعت کا جو اپنے تئیں شیعہ کہتے ہیں۔ یہ فرقہ کئی ناموں سے مشہور ہے خراسان میں تعلیمیہ یا اہل تعلیم و ملاحدہ اور عراق میں مزدکیہ و قرامطہ کے نام سے نامزد ہے۔ اس فرقہ کو باطنیہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا بڑا اصول مذہب یہ ہے کہ ظاہر کے لئے باطن ہونا ضروری ہے۔ اور وہ اس اصول کے مطابق شریعت کے جملہ احکام ظاہری کی تاویل کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن کے نزدیک وضو سے مراد متابعت امام اختیار کرنا ہے۔ اور نماز سے بدلیل قولہ تعالیٰ الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر رسول مراد ہے۔ اور غسل سے تجدید عہد اور زکوٰۃ سے تزکیہ نفس اور روزہ سے محافظت اسرار اور زنا سے افشاء اسرار مراد ہے

امام غزالی صاحب کے زمانہ میں اس فرقہ کو بہت فروغ حاصل ہوگیا تھا حسن صباح نے اُن ایام میں اُن کا پیشرو تھا پولیٹیکل طاقت پیدا کرکے خلفاء عباسیہ کے دلوں میں بھی رعب بٹھا دیا تھا

فرقہ باطنیہ نے اپنے مسائل مذہبی میں بہت سے اقوال فلاسفہ ملا کر علوم حکمیہ کے طرز پر کتب مذہبی تصنیف کی تھیں۔ امام غزالی صاحب نے اس فرقہ کی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں۔ چنانچہ اسی کتاب میں آیندہ اس امر کا بالتفصیل ذکر آئیگا (مترجم) یعنی ابو العباس احمد المستظہر با للہ جو اس وقت خلیفہ تھے۔ ۱۲

Marfat.com

خلیفہ وقت کا حکم امام صاحب کے نام

میرا یہ ارادہ ہی ہو رہا تھا کہ خلیفہ وقت کی طرف سے ایک حکم تاکیدی پہونچا کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کرو جس سے مذہب اہل تعلیم کی حقیقت کھل جائے۔ میں اس حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ اور یہ حکم میرے اصلی و لی مقصد کے انجام کے لئے ایک اور تحریک خارجی ہو گئی۔ پس میں نے اس کام کو اس طرح پر شروع کیا کہ اہل تعلیم کی کتابوں کو ڈھونڈھنے اور اُن کے اقوال جمع کرنے لگا۔ میں نے ان لوگوں کے بعض اقوال جدید سنے تھے۔ جو خاص اس زمانہ کے لوگوں کے خیالات سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اُن کے علماء سلف کے طریق معہود سے مختلف ہیں۔ پس میں نے ان اقوال کو جمع کر کے نہایت عمدگی سے مرتب کیا اور بعد تحقیق کے اُنکا پورا پورا جواب تحریر کیا۔

امام صاحب سے بعض اہل حق کا رنجیدہ ہونا کہ تردید مخالفین سے اُن کے شبہات کی اشاعت ہوتی ہے۔

یہاں تک کہ بعض اہل حق مجھ سے نہایت آشفتہ خاطر ہوئے۔ کہ میں نے اہل تعلیم کے دلائل کی تقریر میں بہت مبالغہ کیا ہے۔ اور مجھ سے کہنے لگے کہ اس قسم کی تقریر کرنا گویا اہل تعلیم کے فائدہ کے لئے خود کوشش کرنا ہے اور اگر تو اس قسم کے شبہات کی خود تحقیق و تربیت نہ کرتا تو ان لوگوں میں تو اس قدر ہمت نہ تھی کہ اپنے مذہب کی تائید میں اس قدر تقریر کر سکتے۔

اہل حق کا اس طرح پر آشفتہ خاطر ہونا ایک وجہ سے سچا تھا کیونکہ جب حارث محاسبی نے مذہب معتزلہ کی تردید میں ایک کتاب تصنیف کی تھی تو احمد بن حنبل بھی اس بات پر ان پر آشفتہ خاطر ہو گئے تھے اس پر حارث محاسبی[1] نے جواب دیا تھا کہ بدعت کی تردید کرنا فرض ہے۔ احمد نے کہا ہاں یہ سچ ہے۔ پر اول تو نے بدعتیوں کے شبہات بیان کیے ہیں اور پھر ان کا جواب دیا ہے لیکن یہ اندیشہ کس طرح رفع ہوسکتا ہے کہ شاید اس شبہ کو کوئی ایسا شخص مطالعہ کرے جو شبہ کو بہ خوبی سمجھ لے۔ لیکن وہ جواب کی طرف متوجہ نہ ہو یا جواب کی طرف متوجہ ہو تو لیکن وہ اس کو سمجھ نہ سکے۔

---

[1]: حارث محاسبی اکابر علمائے دین میں سے ہوئے ہیں۔ حضرت امام احمد حنبلؒ کے ہم عصر تھے علم کلام میں سب سے اول کتاب تصنیف کرنے کی عزت انھیں کو حاصل ہے۔ ۱۲

Marfat.com

شبہ مذکورہ بالا کا جواب

احمدؒ نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے لیکن یہ بات اس قسم کے شبہ کی بابت صحیح ہو سکتی ہے جو مشہور اور شائع نہ ہوا ہو[1] لیکن جب کوئی شبہ شائع ہو جائے تو اس کا جواب دینا واجب ہے اور جواب بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اول شبہ کی تقریر کی جائے ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ زبردستی کوئی شبہ پیدا نہ کیا جائے چنانچہ میں نے کوئی شبہ بذریعہ تکلف پیدا نہیں کیا بلکہ یہ شبہات میں نے ایک شخص سے منجملہ اپنے احباب کے سنے تھے جو اہل تعلیم میں شامل ہو گیا تھا اور اس نے ان کا مذہب اختیار کر لیا تھا وہ بیان کرتا تھا کہ اہل تعلیم ان مصنفوں کی تصنیفات پر جو اہل تعلیم کی رد میں تصنیف کرتے ہیں ہنستے ہیں کیونکہ ان مصنفوں نے اہل تعلیم کے دلائل کو نہیں سمجھا چنانچہ اسی دوست نے ان دلائل کا ذکر کیا اور اہل تعلیم کیطرف سے ان کو حکایتاً بیان کیا مجھ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ میری نسبت یہ گمان کیا جائے کہ میں ان لوگوں کے اصل دلائل سے ناواقف ہوں پس میں نے اسی واسطے ان دلائل کو بیان کیا اور میں نے اپنی نسبت اس گمان کا ہونا بھی بہتر نہ سمجھا کہ گو میں نے وہ دلائل سنے تو ہیں لیکن ان کو سمجھا نہیں اس لئے میں نے ان دلائل کی تقریر بھی کی ہے اور مقصد کلام یہ ہے کہ جہاں تک ان کے شبہات کی تقریر کرنی ممکن تھی وہاں تک میں نے تقریر کی اور پھر اس کا فساد اور یہ امر ظاہر کیا کہ ان کے کلام کا کوئی نتیجہ یا حاصل نہیں ہے اور اگر اسلام کے جاہل دوستوں کی طرف سے کج بحثی نہ ہوتی تو یہ بدعت باوجود اس قدر ضعف کے اس درجہ تک نہ پہنچتی لیکن شدت تعصب نے حامیان حق کو اس بات پر امادہ کیا کہ اہل تعلیم کے ساتھ ان کے مقدمات کلام میں نزاع کو طول دیں اور ان کے ہر قول سے انکار کیا کریں حتیٰ کہ ان لوگوں نے اہل تعلیم کے اس دعوے سے بھی انکار کیا کہ انسانوں کو تعلیم اور معلم کی ضرورت ہے اور ہر ایک معلم صلاحیت تعلیم نہیں رکھتا بلکہ ضرور ہے کہ ایک معلم معصوم ہو لیکن درباب اظہار ضرورت تعلیم و معلم دلائل اہل تعلیم غالب رہیں اور ان کے مقابلہ میں قول منکرین کمزور رہا اس پر بعض لوگ نہایت مغرور ہوئے اور سمجھا کہ یہ کامیابی اس وجہ سے ہوئی کہ ہمارا مذہب قوی اور ہمارے مخالفوں کا مذہب ضعیف ہے اور یہ نہ سمجھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود مددگاران حق ضعیف ہیں اور

---

[1] نہایت معقول جواب تھا اس زمانہ میں ہمارے علماء دین جو نہیں جانتے تھے کہ علوم حکمیہ کے شیوع نے کس درجہ تک لوگوں کے دلوں میں مذہب کی صداقت کی نسبت شبہات پیدا کر دیئے ہیں اسی قسم کے وہمی خطروں کی بناء پر مباحث کلامیہ کی اشاعت کے مخالف ہیں مگر وہ اس مخالفت سے اسلام کو سخت ضرر پہنچاتے ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

طریق تصرف حق سے ناواقف ہیں۔

بعض خدشات اہل اسلام کا جواب

ایسی حالت میں اس بات کا اقرار کرنا بہتر ہے کہ معلم کی ضرورت ہے اور اس کا بھی کہ بے شک وہ معلم معصوم ہے اور معلم معصوم محمد ﷺ ہے اب اگر وہ یہ کہیں کہ ان کو تو انتقال ہو چکا ہے تو ہم کہیں گے کہ تمہارا معلم غائب ہے پھر اگر وہ یہ کہیں کہ ہمارے معلم نے دعوت حق کرنے والوں کو تعلیم دے کر مختلف شہروں میں منتشر کیا ہے اور وہ اس بات کا منتظر ہے کہ لوگوں میں اگر کوئی اختلاف واقع ہو یا ان کو کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اس کی طرف رجوع کریں تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ ہمارے معلم نے بھی دعوت حق کرنے والوں کو علم سکھایا ہے اور ان کو مختلف شہروں میں منتشر کیا ہے اور تعلیم کو کامل وجہ پر پہنچا دیا ہے۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے :الیوم اکملت لکم دینکم :اور تعلیم کے کامل ہو جانے کے بعد جس طرح غائب ہو جانے سے کچھ ضرر نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کے مر جانے سے کچھ ضرر نہیں ہو سکتا۔

اب ان کا ایک سوال باقی رہا کہ جس امر کی نسبت ہم نے معلم سے کچھ نہیں سنا ہے اس میں کس طور سے حکم دیں۔ کیا اس میں بذریعہ نص کے حکم دیں؟ مگر ہم نے کبھی کوئی نص نہیں سنی۔ کیا بذریعہ اجتہاد رائے کے حکم دیں؟ مگر اس میں اختلاف واقع ہونے کا خوف ہے سو اس کا ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ ایسی صورت میں ہم اس طور پر عمل کریں گے جس طرح پر معاذؓ نے کیا تھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے جانب یمن دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا پس بصورت ہونے نص کے ہم اس کے بموجب حکم دیں گے اور بصورت نہ ہونے نص کے اجتہاد سے حکم دیں گے چنانچہ اہل تعلیم کے دعوت کرنے والے بھی جب امام سے بہت دور مثلاً انتہا مشرق کی طرف ہوتے ہیں تو اسی طریق پر عمل کرتے ہیں کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ بذریعہ نص حکم دیا جائے۔ کیا وجہ کہ نصوص متناہیہ واقعات غیر متناہیہ کے لئے کافی نہیں ہو سکتے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہر ایک واقع کے لئے امام کے شہر کی طرف رجوع کریں اور بعد قطع مسافت پھر واپس آئیں۔ ممکن ہے کہ اس عرصہ میں سوال کنندہ مر جائے اور فائدہ رجوع سے مقصود تھا وہ فوت ہو جائے دیکھو جس شخص کو سمت قبلہ میں شک ہو اس کو بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اجتہاد سے نماز ادا کرے۔ کیونکہ اگر وہ تحقیق سمت قبلہ کے لئے امام کے شہر کی طرف رجوع کرے گا تو نماز کا وقت فوت ہو جائے گا پس جس صورت میں بناء ظن پر جہت غیر قبلہ کی طرف نماز جائز ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اجتہاد

Marfat.com

میں غلطی کرنے والے کے لئے ایک اجر اور صحت والے کے لئے دو اجر ہیں تو اسی طرح جملہ امور اجتہادی کا حال ہے اور علیٰ ھذا القیاس فقیروں کو زکوٰۃ کے روپیہ کے دینے کی نسبت سمجھنا چاہئے۔ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے اجتہاد سے کسی آدمی کو فقیر سمجھتا ہے اور وہ وقت میں دولت مند ہوتا ہے اور اپنے حال کو اخفا کرتا ہے سو اگر ایسا شخص غلطی بھی کرے تو اس غلطی پر اس کو کچھ مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ مواخذہ ہر شخص پر صرف بموجب اس کے اعتقاد کے ہوتا ہے اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر ایک شخص کے مخالف کا اعتقاد بھی اسی درجہ کا ہے جس درجہ کا اس کا اپنا اعتقاد ہے تو ہم یہ جواب دیں گے کہ ہر شخص کو خود اپنے اعتقاد کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس طرح کہ سمت قبلہ میں اجتہاد کرنے والا اپنے اعتقاد کی پیروی کرتا ہے گو کوئی اور شخص اس کی مخالفت کرے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس صورت میں مقلد پر امام ابوحنیفہ وشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی پیروی کرنا لازم ہے یا کسی اور کی؟ تو ہم یہ پوچھیں گے کہ مقلد کو جب سمت قبلہ کی نسبت اشتباہ ہو اور اجتہاد کرنے والوں میں اختلاف واقع ہو تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ غالباً اس کا یہی جواب دے گا کہ وہ اپنے دل سے اجتہاد کرے کہ وہ دلائل قبلہ کے باب میں کسی شخص کو سب سے عالم اور سب سے فاضل سمجھتا ہے سو اسی کے اجتہاد کی پیروی کرنی لازم ہے اسی طرح پر مذاہب کا حال ہے۔ پس خلقت کا اجتہاد کی طرف رجوع کرنا امر ضروری ہے۔ انبیاء وآئمہ بھی باوجود علم کے کبھی کبھی غلطی کرتے تھے۔ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں بموجب ظاہر کے حکم کرتا ہوں اور بھیدوں کا مالک خدا ہے بعضے میں غالب ظن پر جو قول شواہد سے حاصل ہوتا ہے حکم کرتا ہے اور قول شواہد میں کبھی کبھی خطائیں بھی ہوتی ہیں پس جب ایسے اجتہادی امور مین انبیاء بھی خطا سے محفوظ نہیں رہ سکتے تو اور اشخاص کیا امید رکھ سکتے ہیں۔؟

اس مقام پر اہل تعلیم کے دو سوال ہیں ایک یہ کہ اگرچہ قول مذکورہ بالا امور اجتہادی کے باب میں صحیح ہے لیکن اصول عقائد کے باب میں صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ اصول قوائد میں غلطی کرنے والا معذور متصور نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں کیا طریق اختیار کرنا چاہیے؟ اس سوال کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اصول وعقائد کتاب وسنت میں مذکور ہیں اور اس کے سواء جو اور امور از قسم تفصیل ومسائل اختلافی ہیں اس مین امر حق بذریعہ قسطاس مستقیم کے وزن کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے اور یہ وہ موازین ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے اور یہ تعداد میں

Marfat.com

پانچ ہیں اور ہم نے ان کو کتاب قسطاس مستقیم[1] میں بیان کیا ہے اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تیرے مخالف اس میزان میں تجھ سے اختلاف رائے رکھتے ہیں تو ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میزان کو سمجھ لے اور پھر اس میں مخالفت کرے۔ کیونکہ اس میزان میں نہ تو اہل تعلیم ہی مخالفت کر سکتے ہیں کیا وجہ کہ میں نے اس کو قرآن مجید سے اخراج کیا ہے اور قرآن مجید سے ہی میں نے اس کو سیکھا ہے نہ اہل منطق مخالفت کر سکتے ہیں کس لئے کہ وہ ان کی شرائط منطق کے بھی موافق ہے اور ان کے دلائل معقولات کے بھی موافق ہے اور مسائل علم کلام میں اس میزان کے ذریعہ سے امر حق ظاہر کیا جاتا ہے۔

اب اگر معترض یہ اعتراض کرے کہ اگر تیرے ہاتھ میں ایسی میزان ہے تو تُو خلقت سے اختلاف کیوں نہیں رفع کر دیتا؟ تو میں جواب میں یہ کہوں گا کہ اگر وہ لوگ کان دھر کر میری بات سنیں تو ضرور اختلاف باہمی رفع ہو جائے۔ ہم نے کتاب قسطاس مستقیم میں طریق رفع اختلاف بیان کر دیا ہے اس پر غور کرنا چاہئے تا کہ تجھ کو معلوم ہو کہ وہ میزان حق ہے اور اس سے قطعاً اختلاف دور ہو سکتا ہے بشرطیکہ لوگ اس میزان کو توجہ سے سنیں لیکن جب لوگ اس کو توجہ

---

[1]: امام غزالی کی کتاب قسطاس مستقیم میں ہر ایک قسم کی صداقت کے جانچنے اور تولنے کے لئے پانچ ترازو مقرر کئے ہیں اور ان میں ہر ایک سے تولنے کے جدا جدا طریق بتائے ہیں اور ان موازین خمسہ کے نام رکھے ہیں۔ (۱) میزان تعادل اکبر (۲) میزان تعادل اوسط (۳) میزان تعادل اصغر (۴) میزان تلازم (۵) میزان تعاند۔

میزان اکبر: یہ ہے کہ جب کسی شے کی صفت معلوم ہو اور اس صفت کی نسبت کو یہ حکم ثابت ہو تو ضرور ہے کہ موصوف کے لئے وہ حکم ثابت ہو بشرطیکہ صفت مساوی موصوف ہو یا اس سے عام تر ہو۔

میزان اوسط: یہ ہے کہ اگر ایک شے سے کسی امر کی نفی کی جائے اور یہی امر کسی اور شے کے لئے ثابت کیا جائے تو شے اول مباین شے ثانی کے ہو گی۔

میزان اصغر: یہ ہے اگر دو امر ایک شے پر صادق آ جائیں تو ضرور ہے کہ ان دونوں امر میں سے کوئی نہ کوئی ایک دوسرے پر صادق آئے۔

میزان تلازم: یہ ہے کہ وجود ملزوم موجب وجود لازم ہوتا ہے اور نفی لازم موجب نفی ملزوم ہوتی ہے اور نفی ملزوم یا وجود لازم سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

میزان تعاند: یہ ہے کہ اگر کوئی امر صرف دو قسموں میں منحصر ہو تو ضرور ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا ثبوت ہو۔

ان موازین خمسہ کے امثلہ اور وہ شرائط جن سے طول میں غلطی نہ ہونے پائے اور اس امر کی توضیح کہ صد اقتہائے مذہب ہوا ان موازین سے کس طرح تولہ کرتے ہیں یہ سب امور بالتفصیل کتاب القسطاس المستقیم میں درج ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

سے نہیں سنتے۔ چنانچہ ایک جماعت اشخاص نے میری بات توجہ سے سنی سوان کا اختلاف باہمی رفع ہو گیا تیرا امام جو یہ چاہتا ہے کہ باوجود عدم توجہی خلق ان کے اختلاف کو دور کر دے کیا وجہ ہے کہ اب تک اس نے اس اختلاف کو رفع نہیں کیا اور کیا وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی جو پیشوا آئمہ ہیں اس اختلاف کو رفع نہیں کیا؟ کیا تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ لوگوں کو زبردستی اپنی بات کے سننے پر متوجہ کر سکتے ہیں؟ اگر یہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ اب تک اس کو مجبور نہیں کیا؟ اور کس دن کے لئے یہ رکھا ہے؟ اور ان کی دعوت کرنے سے بجز کثرت اختلاف و کثرت مخالفین اور کیا حاصل ہوا؟ ہاں صورت اختلاف میں تو صرف ایسے ضرر کا اندیشہ تھا جس کا انجام یہ نہیں ہوتا کہ انسان قتل ہوں اور شہر برباد ہوں اور بچے یتیم ہوں اور راستے لوٹے جائیں اور مال کی چوری کی جائے لیکن دنیا میں تمہارے رفع اختلاف کی برکت سے ایسے حادثے واقع ہوئے ہیں جو پہلے کبھی نہیں سنے گئے تھے۔

اگر معترض یہ کہے کہ تیرا دعویٰ ہے کہ تو خلقت میں اختلاف دور کر دے گا لیکن جو شخص مذاہب متناقض اور اختلاف متقابل میں متحیر ہو تو اس پر یہ واجب نہ ہو گا کہ تیرے کلام کو توجہ سے سنے اور تیرے مخالف کے کلام کو نہ سنے۔ حالانکہ تیرے بہت سے دشمن مخالف ہوں گے اور تجھ میں اور ان میں کچھ فرق نہیں ہے یہ اہل تعلیم کا دوسرا سوال ہے اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اول تو یہ سوال الٹے[1] کر تم پر ہی وارد ہوتا ہے کیونکہ جب ایسے شخص متحیر کو تم نے خود اپنی طرف بلایا تو متحیر کہے گا کہ کیا وجہ ہے کہ تو اپنے تئیں اپنے مخالف پر ترجیح دیتا ہے حالانکہ اکثر اہل علم تیرے مخالف ہیں کاش مجھ کو معلوم ہو کہ تو اس اعتراض کا کیا جواب دے گا؟ کیا تو یہ جواب دے گا کہ ہمارے امام پر نص قرآنی وارد ہے؟ مگر جب اس شخص نے نص مذکور رسول علیہ السلام سے نہیں سنی تو وہ اس دعوے میں تجھ کو کیونکر سچا سمجھے گا؟ اور اس نے تو تیرا دعویٰ یہ نہیں سنا اور ساتھ ہی اس کے جملہ اہل علم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ تو مخترع اور جھوٹا ہے۔ اچھا فرض کرو کہ اس نے نص مذکور تسلیم بھی کر لی تو اگر وہ شخص اصل نبوت میں متحیر ہو گا تو یہ کہے گا کہ اچھا فرض کیا کہ تیرا امام معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دلیل بھی لا دے اور یہ کہے کہ میری صداقت کی یہ دلیل ہے کہ میں تیرے باپ کو زندہ کر دوں گا چنانچہ اس کو زندہ بھی کر دے اور مجھ کو کہے کہ میں سچا ہوں تو

---

[1] اس اعتراض کے الٹنے پلٹنے کی کچھ ضرورت نہ تھی اس سوال کا اصل جواب یہ تھا کہ بابا میرا کلام تو کس شمار میں ہے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو ان لوگوں کے لئے ہدایت قرار دیا ہے جو اس کو سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ لَارَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ الی اخر الایہ (مترجم)

Marfat.com

مجھ کو اس کی صداقت کا کس طرح علم ہو؟ کیونکہ اس معجزہ کے ذریعہ سے تو تمام خلقت نے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو بھی نہیں مانا تھا۔

اس کے سوا اور بہت سے مشکل سوالات ہیں جو سوائے دقیق دلائل عقلیہ کے رفع نہیں ہو سکتے۔ اب تیرے نزدیک دلیل عقلی پر تو وثوق نہیں ہو سکتا اور معجزہ سے صداقت اُس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک سحر کی حقیقت اور سحر اور معجزہ کے درمیان فرق معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو گمراہ نہیں کرتا۔ اور یہ مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو گمراہ کرتا ہے یا نہیں اور اس کے جواب کا اشکال مشہور ہے۔ پس ان تمام اعتراضات کا دفعیہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور تیرے امام کی پیروی اُس کے مخالف کی پیروی پر مقدم نہیں ہے۔ انجام کار وہ ان دلائل عقلی کو بیان کرنے لگے گا جس سے وہ انکار کرتا تھا اور اُس کا مخالف بھی ویسا ہی بلکہ اس سے واضح تر دلائل بیان کرے گا۔ اس سوال سے اُن میں ایسا انقلاب عظیم واقع ہوا ہے کہ اگر اُن کے سب اگلے اور پچھلے اس کا جواب لکھنا چاہیں تو نہیں لکھ سکیں گے اور حقیقت میں یہ خرابی ان ضعیف العقل لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوئی جنھوں نے اہل تعلیم کے ساتھ مباحثہ کیا اور بجائے اس کے کہ اعتراض کو خود اُن پر اُلٹا کر ڈالیں وہ جواب دینے میں مشغول ہو گئے لیکن یہ طریق ایسا ہے۔ کہ اُس کلام میں طول ہو جاتا ہے اور وہ زود تر سمجھ میں نہیں آسکتا یہ طریق مناظرہ خصم کے ساکت کرنے لئے مناسب نہیں ہوتا۔

اب اگر معترض یہ کہے کہ یہ تو معترض پر اعتراض اُلٹ دینا ہوا مگر کیا کوئی اُس سوال کا جواب تحقیقی بھی ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہاں اُس کا جواب ہے۔ کہ اگر شخص متحیر مذکور نے صرف یہ کہا کہ میں متحیر ہوں اور کوئی مسئلہ معین نہیں کیا کہ فلاں مسئلہ میں متحیر ہے۔ تو اس کو یہ کہا جائے گا کہ تو اُس مریض کی مانند ہے جو کہے کہ میں بیمار ہوں لیکن اپنا اصل مرض نہ بتائے اور علاج طلب کرے۔ پس اس کو یہ کہا جائے گا کہ دنیا میں مرض مطلق کا کوئی علاج نہیں ہے۔ لیکن امراض معین مثلاً دردسر و اسہال وغیرہ کے علاج تو ہیں۔ سو متحیر کو یہ معین کرنا چاہیے کہ وہ کس امر میں متحیر ہے۔ جب وہ کوئی مسئلہ معین کرے تو ہم اس کو امر حق ان موازین خمسہ کے ذریعہ سے وزن کر سمجھا دیں گے جن کو سمجھ کر ہر ایک شخص کو چار و ناچار اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بے شک یہ وہ سچی میزان ہے کہ اس ذریعہ سے جو شے وزن کی جائے وہ قابل وثوق ہے۔ پس وہ میزان کو سمجھ لے گا۔ اور اس کے ذریعہ سے ہی وزن کا صحیح ہونا بھی سمجھ لے گا۔ جس طرح حساب لکھنے والا طالب

Marfat.com

علم نفس حساب کو سمجھ لیتا ہے اور نیز اس بات کو کہ معلم حساب خود حساب جانتا ہے اور اس علم میں سچا ہے۔ ہم نے تیرے لئے اس امر کی تشریح کتاب قسطاس میں بیس اوراق میں کی ہے۔ پس اُس کتاب کو غور سے پڑھنا چاہئے۔ فی الحال یہ مقصود نہیں کہ اہل تعلیم کے مذہب کی خرابی بیان کی جائے۔

امام صاحب کی تصانیف در تردید مذہب اہل تعلیم

کیونکہ یہ امر اولاً۔ ہم اپنی کتاب المستظہری میں بیان کر چکے ہیں۔

ثانیاً۔ کتاب حجۃ الحق میں۔ یہ کتاب اہل تعلیم کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو بغداد میں ہمارے روبرو پیش کیے گئے۔

ثالثاً۔ کتاب مفصل الخلاف میں جو بارہ فصل کی کتاب ہے اور یہ کتاب اُن اعتراضات کا جواب ہے جو مقام ہمدان میں ہمارے روبرو پیش کئے گئے۔

رابعاً۔ کتاب الدرج میں۔ جس میں خانہ وار نقشہ ہے اس کتاب میں اُن کے وہ اعتراضات مندرج ہیں۔ جو مقام طوس میں ہمارے روبرو پیش کئے گئے۔ یہ اعتراضات سب سے زیادہ رکیک ہیں۔

خامساً۔ کتاب القسطاس میں۔ یہ کتاب فی نفسہ ایک مستقل تصنیف ہے اُس کا مقصود یہ ہے کہ میزان علوم بیان کی جائے اور یہ بتلایا جائے کہ جو شخص اس میزان پر حاوی ہو جائے تو پھر اس کو امام کی کچھ حاجت نہیں رہتی بلکہ یہ بتلانا بھی مقصود ہے۔ کہ اہل تعلیم کے پاس کوئی ایسی شے نہیں جس کے ذریعہ سے تاریکی رائے سے نجات ملے۔ بلکہ وہ تعیین امام پر دلیل قائم کرنے سے عاجز ہیں۔

ہم نے بارہا ان کی آزمائش کی اور مسئلہ ضرورت تعلیم و معلم معصوم میں اُن کو سچا تسلیم کیا۔ اور نیز یہ بھی تسلیم کیا کہ معلم معصوم وہی شخص ہے جو انہوں نے معین کیا ہے۔ لیکن جب ہم نے اُن سے اس علم کی بابت سوال کیا۔ جو انھوں نے اس امام معصوم سے سیکھا ہے اور چند اشکالات اُن پر پیش کئے تو وہ لوگ ان کو سمجھ بھی نہ سکے۔ چہ جائیکہ اُن اشکالات کو حل کرتے جب وہ لوگ عاجز ہوئے تو امام غائب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔ کہ اس کے پاس سفر کر کے جانا ضروری ہے

Marfat.com

تعجب یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تمام عمریں طلب معلم میں اور اس اُمید میں کہ اس کے ذریعہ سے فتح پا کر کامیاب ہوں گے برباد کیں اور مطلق کوئی شے اس سے حاصل نہ کی۔ اُن کی مثال اس شخص کی ہے جو نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو اور پانی کی تلاش میں تگ و دو کرتا ہو اور آخر اس کو پانی مل جائے اور اس کو وہ استعمال نہ کرے اور بدستور آلودہ نجاست رہے۔

بعض لوگوں نے اُن کے کچھ علم کا دعویٰ کیا ہے اور جو کچھ انھوں نے بیان کیا وہ بعض ضعیف اقوال منجملہ فلسفہ فیثاغورث[1] تھے۔ یہ شخص متقدمین حکماء میں سے ہے اور اس کا مذہب جمیع مذاہب فلاسفہ سے ضعیف تر ہے۔ ارسطاطالیس نے اس کی تردید کی ہے۔ اور اس کے اقوال کو ضعیف اور ذلیل ثابت کیا ہے۔ چنانچہ اس کا بیان کتاب اخوان الصفا میں موجود ہے اور حقیقت میں فیثاغورث کا فلسفہ سب سے زیادہ بے معنی ہے۔ تعجب ہے ایسے شخص پر جو اپنی تمام عمر تحصیل علم کی مصیبت اُٹھائے اور پھر ایسے کمزور ردی علم پر قناعت کرے اور یہ سمجھے کہ میں غایت درجہ کے مقاصد علوم پر پہنچ گیا ہوں۔ پس ان لوگوں کا جس قدر ہم نے تجربہ کیا اور ان کے ظاہر و باطن کا امتحان کیا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ عوام الناس اور ضعیف العقلوں کو اس طرح آہستہ آہستہ فریب میں لاتے ہیں کہ اول تو ضرورت معلم بیان کرتے ہیں تو یہ قوی اور مستحکم کلام سے ان کے ساتھ مجادلہ کرتے ہیں اور جب ضرورت معلم کے باب میں کوئی شخص ان کی مساعدت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اچھا لاؤ ہم کو ان کا علم بتلاؤ اور اس کی تعلیم سے ہم کو فائدہ بخشو تو وہ ٹھہر جاتا ہے اور کہتا ہے۔ اب جو تو نے ضرورت معلم تسلیم کر لی ہے تو بذریعہ طلب اس کو حاصل کرنا چاہیے۔ کیونکہ میری غرض صرف اُسی قدر تھی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں کچھ اور آگے بڑھا تو ضرور رسوا ہوں گا اور ادنے ادنے مشکلات کے حل کرنے سے عاجز ہو جاؤں گا۔ بلکہ اُن کا جواب دینا تو درکنار ان کے سمجھنے سے بھی عاجز رہوں گا۔ پس اہل تعلیم کی یہ حقیقت حال تھی

[1]: یہ پہلا حکیم ہے جس نے اپنے تئیں لفظ فیلسوف نامزد کیا۔ یہ حکیم اسبات کا قائل تھا کہ آفتاب مرکز عالم ہے اور زمین سیارہ اس کے گرد گردش کرتا ہے۔ اور اُس کی اس تحقیق سے علماء اہل اسلام کو بھی خبر تھی یہ حکیم تناسخ کا بھی قائل تھا کہتے ہیں کہ اُس نے ایک مرتبہ دیکھا کہ کوئی شخص ایک کُتے کو مار رہا ہے اور کتا چلا تا ہے فیثاغورث نے اس کو مارنے سے منع کیا اور کہا کہ میں اس کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرا ایک دوست ہے جس کی روح اب کُتے کے جسم میں آگئی ہے۔ ایسے ایسے نامی حکماء کا معاد کے باب میں ایسے بیہودہ عقائد رکھنا صاف دلیل ہے اس بات کی کہ علوم حکمیہ اور صد اقتہائے مذہبی کا ایک نہیں ہے۔ ورنہ ایسے عقلاء معاملہ معاد میں اس قدر ٹھوکریں نہ کھاتے۔ منکرین الہام کو ایسے لوگوں کے حالات سے عبرت اختیار کرنی چاہیے۔ (مترجم)

Marfat.com

جو اوپر گزری۔

طریق صوفیہ

طریق صوفیہ کی تکمیل کے لئے علم وعمل دونوں کی ضرورت ہے۔

جب میں ان علوم سے فارغ ہو گیا تو میں نے تمام تر ہمت اپنی طریق صوفیہ کی طرف مبذول کی اور میں نے دیکھا کہ طریق صوفیہ اس وقت کامل ہوتا ہے۔ جس وقت اس میں علم اور عمل دونوں ہوں اور اُن کے علم کی غرض یہ ہے کہ انسان نفس کی گھاٹیوں کو طے کرے اور نفس کو برے اخلاق اور ناپاک صفات سے پاک کرے۔ یہاں تک کہ اس کا دل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور ہر ایک شے سے خالی اور ذکر خدا سے آراستہ ہو جائے۔ میرے لئے بہ نسبت عمل کے زیادہ تر آسان تھا۔

امام صاحب نے قوۃ القلوب و دیگر تصانیف مشائخ عظام کا مطالعہ شروع کیا۔

پس میں نے علم صوفیہ کو اس طرح پر تحصیل کرنا شروع کیا کہ ان کی کتابیں مثلاً قوت القلوب ابو طالب مکی وتصنیفات حارث محاسبی ومتفرقات ماثورہ جنید وشبلی وبایزید بسطامی وغیرہ مشائخ مطالعہ کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اُن کے مقاصد علمی کی حقیقت سے بخوبی واقف ہو گیا اور اُن کا طریق جس قدر بذریعہ تعلیم وتقریر کے حاصل ہو سکتا تھا وہ حاصل کر لیا۔ مجھ پر کھل گیا کہ خاص الخاص باتیں اُن کے طریقے کی وہ ہیں جو سیکھنے سے نہیں آسکتی ہیں۔

صوفیہ کا درجہ خاص ذوق وحال سے حاصل ہوتا ہے

بلکہ وہ درجہ ذوق وحال وتبدیل صفات سے پیدا ہوتی ہیں۔ کس قدر فرق ہے اُن دو شخصوں میں جن میں سے ایک تو صحت وشکم سیری اور ان کے اسباب وشرائط کو جانتا ہے اور دوسرا فی الواقع تندرست اور شکم سیر ہے یا ایک شخص نشہ کی تعریف سے واقف ہے اور وہ جانتا ہے کہ نشہ اس حالت کا نام ہے کہ بخارات معدہ سے اُٹھ کر دماغ پر غالب ہو جائیں اور دوسرا شخص درحقیقت حالت نشہ میں ہے۔ بلکہ وہ شخص جو نشہ میں ہے۔ تعریف نشہ اس کے علم سے ناواقف

Marfat.com

ہے وہ خود نشہ میں ہے لیکن اس کو کسی قسم کا علم نہیں۔ دوسرا شخص نشہ میں نہیں ہے لیکن وہ تعریف و اسباب نشہ سے بخوبی واقف ہے طبیب حالت مرض میں گو تعریف صحت اور اس کے اسباب اور اس کی دوائیں جانتا ہے لیکن صحت سے محروم ہے۔ اسی طرح پر اس بات میں کہ تجھ کو حقیقت زہد اور اس کے شرائط اور اسباب کا علم حاصل ہو اور اس بات میں کہ تیرا حال عین زہد بن جائے اور نفس دنیا سے ذہول ہو جائے بہت فرق ہے غرض مجھے یقین ہو گیا کہ صوفیہ صاحب حال ہوتے ہیں نہ کہ صاحب قال اور جو کچھ طریق تعلیم سے حاصل کرنا ممکن تھا وہ میں نے سب حاصل کر لیا اور بجز اس چیز کے جو تعلیم اور تلقین سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ذوق اور سلوک سے حاصل ہو سکتی ہے اور کچھ سیکھنا باقی نہ رہا۔

علوم شرعی و عقلی کی تفتیش میں جن جن علوم میں میں نے مہارت حاصل کی تھی اور جن طریقوں کو میں نے اختیار کیا تھا ان سب سے میرے دل میں اللہ تعالیٰ اور نبوت اور یوم آخرت پر ایمان یقینی بیٹھ گیا۔ پس ایمان کے یہ تینوں اصول صرف کسی دلیل خاص سے میرے دل میں راسخ نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ ایسے اسباب اور قرین اور تجربوں سے راسخ ہوئے تھے جن کی تفصیل احاطہ حصر میں نہیں آسکتی۔

امام صاحب سعادت آخرت کے لئے دنیا سے قطع تعلق کرنا ضروری سمجھتے ہیں

مجھ کو یہ ظاہر ہو گیا کہ بجز تقویٰ اور نفس کشی کے سعادت اُخروی کی امید نہیں کی جاسکتی اور اس کے لئے سب سے بڑی بات ہے اس دار غرور سے کنارہ کر کے اور جس گھر میں ہمیشہ رہنا ہے اُس کی طرف دل لگا کے دنیاوی علائق کو دل سے قطع کرنا اور تمام تر ہمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی جب تک جاہ و مال سے کنارہ ہر ایک شغل اور علاقہ سے گریز نہ کی جائے۔ پھر میں نے اپنے احوال پر نظر کی۔ تو میں نے دیکھا کہ میں سراسر تعلقات میں ڈوبا ہوا ہوں اور انھوں نے مجھ کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے میں نے اپنے اعمال پر نظر کی جن میں سب سے اچھا عمل تعلیم و تدریس تھا۔ لیکن اس میں بھی میں نے دیکھا کہ میں ایسے علوم کی طرف متوجہ ہوں جو کچھ وقعت نہیں رکھتے اور طریقہ آخرت میں کچھ نفع نہیں دے سکتے۔ پھر میں نے اپنی نیت تدریس پر غور کی تو مجھ کو معلوم ہوا کہ میری نیت خالصاً للہ نہیں ہے بلکہ اس کا سبب و باعث طلب جاہ و شہرت و ناموری ہے۔ مجھے یقین ہوا کہ میں خطرناک گرنے والے کنارہ پر

Marfat.com

کھڑا ہوں اور اگر میں تلافی احوال میں مشغول نہ ہوا تو ضرور کنارہ دوزخ پر آ گا ہوں۔ غرض مدت میں اس بات میں فکر کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مجھ کو زیادہ تر مقام کرنا ناگوار معلوم ہونے لگا۔

بغداد سے نکلنے کا عزم ۴۸۸ھ

میرا یہ حال تھا کہ ایک روز بغداد سے نکلنے اور ان احوال سے کنارہ کرنے کا عزم مصمم کرتا تھا اور دوسرے روز اس عزم کو فسخ کر ڈالتا تھا بغداد سے نکلنے کے لئے ایک قدم آگے بڑھاتا تھا تو دوسرا قدم پیچھے ہٹاتا تھا۔ کسی صبح کو ایسی صاف رغبت طلب آخرت کی طرف نہیں اُبھرتی تھی کہ پھر رات کو لشکر خواہشات حملہ کر کے اس کو نہ بدل دیتا ہو اور یہ حل ہو گیا تھا کہ دنیا کی خواہشیں تو زنجیریں ڈال کر کھینچتی تھیں کہ "ٹھہرا رہ ٹھہرا رہ۔" اور ایمان کا منادی پکارتا تھا کہ "چل دے چل دے۔" عمر تھوڑی سی باقی رہ گئی ہے اور تجھ کو سفر دراز درپیش ہے اور جو کچھ تو اب علم اور عمل کر رہا ہے وہ محض دکھاوے کا اور خیالی ہے پس اگر تو اب بھی آخرت کی تیاری نہ کرے گا تو پھر کس دن کرے گا اور اگر تو اس وقت قطع تعلق نہ کرے گا تو پھر کس وقت کرے گا؟ یہ بات سن کر شوق بھڑک اُٹھتا تھا۔ عزم مصمم ہوتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جاؤں اور کہیں نکل جاؤں پھر شیطان آڑے آجاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ حالت عارضی ہے۔ خبردار اگر تو نے اس کا کہا مانا۔ یہ حالت سریع الزوال ہے اگر تو نے اس پر یقین کر لیا اور اتنی بڑی جاہ و شان زیبا کو جو اس طرح کے تکدر و تنغص سے پاک ہے اور اس حکومت کو جو ہر قسم کے جھگڑوں بکھیڑوں سے صاف ہے چھوڑ بیٹھا اور شاید پھر تیرا دل کبھی اس حالت کی طرف عود کرنے کا شائق ہو تو تجھ کو اس حالت پر پہنچنا میسر نہیں ہوئے گا۔

امام صاحب کی زبان بند ہوگئی اور وہ سخت بیمار ہو گئے

پس ماہ رجب ۴۸۸ھ ہجری کے شروع سے قریب چھ ماہ تک شہوات دنیا اور شوق آخرت کی کشاکشی میں متردد رہا اور ماہ حال میں میری حالت اختیار سے نکل کر بے اختیاری کے درجہ تک پہنچ گئی کہ ناگاہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان بند کر دی۔ حتیٰ کہ میں تدریس کے کام کا بھی نہ رہا۔ میں اپنے دل میں یہ چاہا کرتا تھا کہ ایک روز صرف لوگوں کے دل خوش کرنے کے لئے درس

Marfat.com

دوں لیکن میری زبان سے ایک کلمہ نہیں نکلتا تھا اور بولنے کی مجھ میں ذرا بھی قوت نہیں تھی۔ زبان میں اس طرح کی بندش ہو جانے کی وجہ سے دل میں ایسا رنج واندوہ پیدا ہوا کہ اس کے سبب سے قوت ہاضمہ بھی جاتی رہی اور کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ کوئی پینے کی چیز حلق سے نہیں اترتی تھی اور ایک لقمہ تک ہضم نہیں ہو سکتا تھا۔ آخر اس حالت سے تمام قوٰی میں ضعف طاری ہوا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ تمام اطباء علاج سے مایوس ہو گئے اور کہا کہ کوئی حادثہ دل پر ہوا ہے اور قلب سے مزاج میں سرایت کر گیا ہے اور اس کا علاج بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دل کو غم واندوہ سے راحت دی جائے۔ جب میں نے دیکھا کہ میں عاجز اور بالکل بے بس ہو گیا ہوں تو میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اس لاچار آدمی کی طرح جس کو کوئی چارہ نظر نہ آتا ہو التجا کی اور اللہ تعالیٰ نے جو ہر ایک لاچار دعا کرنے والے کی فریاد کو سنتا ہے میری فریاد بھی سنی اور اس نے جاہ و مال اور بیوی اور بچہ اور دوستوں سے دل ہٹانا آسان کر دیا۔ میں اپنے دل میں سفر شام کا عزم رکھتا تھا لیکن بایں خوف کہ مبادا کہیں خلیفہ اور تمام دوست اس بات سے واقف نہ ہو جائیں کہ میرا ارادہ شام میں قیام کرنے کا ہے۔

امام صاحب کا سفر مکہ کے بہانہ سے بغداد سے نکلنا

میں نے لوگوں میں مکہ کی طرف جانے کا ارادہ مشہور کیا۔ یہ ارادہ کر کے کہ میں بغداد میں کبھی واپس نہ آؤں گا۔ وہاں سے بلطایف الحیل نکلا اور تمام آئمہ اہل عراق کا ہدف تیر ملامت بنا۔ کیونکہ ان میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اس بات کو ممکن سمجھتا کہ جس منصب پر اس وقت میں ممتاز تھا اس کے چھوڑنے کا کوئی سبب دینی ہے۔ بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ سب سے اعلیٰ منصب دین یہی ہے کہ ان کا مبلغ اسی قدر تھا۔ چنانچہ لوگ طرح طرح کے نتیجہ نکالنے لگے جو لوگ عراق سے فاصلہ پر رہتے تھے انھوں نے یہ گمان کیا کہ میرا جانا باعث خوف حکام ہوا ہے لیکن جو لوگ خود حکام کے پاس رہتے تھے انھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا کہ وہ حکام کس قدر اصرار کے ساتھ میرے ہمراہ تعلق رکھتے تھے اور میں ان سے ناخوش تھا اور ان سے کنارہ کش رہتا تھا اور ان لوگوں کی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا یہ سوچ کر لوگ آخر یہ کہتے تھے کہ یہ ایک امر سماوی ہے اور اس کا سبب سوائے اس کے نہیں کہ اہل اسلام وخصوصاً زمرہ علما کو نظر بد لگی ہے۔ غرض میں بغداد سے رخصت ہوا اور جو کچھ میرے پاس مال متاع تھا وہ سب تقسیم کر دیا۔ میں نے اپنے گزارہ اور

Marfat.com

بچوں کی خوراک سے زیادہ کبھی جمع نہیں کیا تھا۔ حالانکہ مال عراق بہ سبب اس کے کہ مسلمانوں کے لئے وقف ہے ذریعہ حصول خیرات وحسنات ہے اور میری رائے میں دنیا میں جن چیزوں کو عالم اپنے بچوں کے واسطے لے سکتا ہے۔ ان چیزوں میں اس مال سے بہتر اور کوئی شر نہ ہوگی۔ پھر میں ملک شام میں داخل ہوا اور وہاں قریب دو سال کے قیام کیا اور بجز عزلت وخلوت وریاضت اور مجاہدہ کے مجھ کو اور کوئی شغل نہ تھا۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے علم صوفیہ سے معلوم کیا تھا ذکر الٰہی کے لئے تزکیہ نفس وتہذیب الاخلاق وتصفیہ قلوب میں مشغول رہتا تھا

امام صاحب کا قیام دمشق میں

پس میں مدت تک مسجد دمشق میں معتکف رہا۔ مینار مسجد پر چڑھ جاتا اور تمام دن وہیں رہتا اور اس کا دروازہ بند کر لیتا تھا۔ وہاں سے میں بیت المقدس میں آیا۔

زیارت بیت المقدس وسفر حجاز

ہر روز مکان صخرہ میں داخل ہوتا اور اس کا دروازہ بند کر لیا کرتا تھا۔ پھر مجھ کو حج کا شوق پیدا ہوا اور زیارت خلیلؑ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد زیارت رسول ﷺ وبرکات مکہ مدینہ سے استمداد کرنے کا جوش دل میں اٹھا۔ چنانچہ میں حجاز کی طرف روانہ ہوا بعدہٗ دل کی کشش اور بچوں کی محبت نے وطن کی طرف کھینچ بلایا۔

امام صاحب واپس وطن کو آئے اور گوشہ نشینی اختیار کی

سو میں وطن کو واپس آیا۔ گو مجھ کو وطن آنے کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ وہاں بھی میں نے گوشہ تنہائی اختیار کیا تاکہ خلوت اور ذکر خدا کے لئے تصفیہ قلب کی طرف رغبت ہو پھر حوادث زمانہ اور کاروبار عیال اور ضرورت معاش میرے مقصد میں خلل ڈالتی تھی اور صفائی خلوت مقدر ہوتی تھی اور صرف اوقات متفرقہ میں دلجمعی نصیب ہوتی تھی لیکن باوجود اس کے میں اپنی امید قطع نہیں کرتا تھا اگرچہ موانعات مجھ کو اپنے مقصد سے دور پھینک دیتے تھے مگر میں پھر اپنا کام کرنے لگتا تھا۔

امام صاحب کو خلوت میں مکاشفات ہوئے

غرض کہ قریب دس سال تک یہی حال رہا اور اس اثنا خلوت میں مجھ پر ایسے امور کا انکشاف

Marfat.com

ہوا جن کو احاطہ حد و حساب میں لانا ناممکن ہے چنانچہ ہم ان میں سے بغرض فائدہ ناظرین بیان کرتے ہیں مجھ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صرف علمائے صوفیا سالکان براہ خدا ہیں اور ان کی سیرت سب سیرتوں سے عمدہ اور ان کا طریق سب طریقوں سے سیدھا اور ان کے اخلاق سب اخلاقوں سے پاکیزہ تر ہیں بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقل اور حکماء کی حکمت اور ان علماء کا جو اسرار شرع سے واقف ہیں علم جمع کیا جائے تاکہ یہ لوگ علماء صوفیہ کی سیرت اور اخلاق ذرا بھی بدل سکیں اور بدل کر ایسا کر سکیں کہ حالات موجودہ سے بہتر ہو جائیں تو وہ یہ ہرگز نہیں کر سکیں گے کیونکہ ان کی تمام حرکات و سکنات ظاہر و باطن نور شمع نبوت سے منور ہیں اور سوائے نور نبوت کے روئے زمین پر اور کوئی ایسا نور نہیں جس کی روشنی طلب کرنے کے قابل ہو اس طریقہ کے سالک جو کچھ بیان کرتے ہیں منجملہ اس کے ایک امر طہارت ہے۔

طہارت کی حقیقت

اس کی سب سے اول شرط یہ ہے کہ قلب کو ماسوائے خدا سے کلی طور پر پاک کیا جائے اور اس کی کلید جو طہارت سے وہی نسبت رکھتی ہے جو تکبیر تحریمہ نماز سے رکھتی ہے یہ ہے کہ قلب کو کلی طور پر ذکر خدا میں مستغرق کیا جائے اور آخر اس طریق کا یہ ہے کہ کلی طور پر فنافی اللہ ہو جائے اور اس درجہ کو آخر کہنا باعتبار ان درجات کے ہے جو امور اختیاری کی ذیل میں آتے ہیں ورنہ اکتساب ایسے امور میں درجہ ابتدائی رکھتا ہے سو در حقیقت فنافی اللہ ہونا اس طریق کا پہلا درجہ ہے اور اس سے پہلے کی حالت سالک کے لئے بمنزلہ دہلیز ہے اور اول درجہ طریقت سے ہی مکاشفات[1] و مجاہدات شروع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ حالت بیداری میں ملائکہ و ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کی آوازیں سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں پر ان کی حالت مشاہدہ صور امثال سے گذر کر ایسے درجات پر پہنچ جاتی ہے جن کے بیان کرنے کی گویائی کو طاقت نہیں ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی تعبیر کرنے والا ان درجات کی تعبیر کرے اور اس کے الفاظ

---

[1] یہ واقعی امور ہیں اور وہ واردات ہیں جو قلب سالک پر گذرتے ہیں۔ گو کہ نابلدان کوچہ معرفت اس پر ہنسی کیا کریں مگر دراصل وہ ہنسی ان بزرگوں پر نہیں بلکہ خود اپنے تباہ کار نفسوں اور گمراہ عقلوں پر ہنسنا ہے۔ مَا یَسْتَہْزِءُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِہِمْ۔ جو کہ یہ زمانہ علوم حکمیہ شہودیہ کا ہے اور مشاہدہ و تجربہ ہر ایک قسم کی تحقیقات کی بناء قرار پایا ہے اس لئے منکرین قبل اس کے کہ وہ ان عجائبات قلبی کو جن کا امام صاحب نے ذکر فرمایا ہے انکار کریں ریاضت مجاہدہ کے ذریعہ سے حسب ہدایت امام صاحب کا خود تجربہ کرنا اور ان امور کی تصدیق کرنا ضروری ہے نہ بچوں کی طرح ہنس دینا۔ (مترجم)

Marfat.com

میں ایسی خطاء صریح نہ ہو جس سے احتراز ممکن نہیں غرضیکہ اس قدر قرب تک نوبت پہنچتی ہے کہ حلول و اتحاد و وصول کا شک ہونے لگتا ہے حالانکہ یہ سب باتیں غلط ہیں اور ہم نے کتاب مقصد الاقصیٰ میں ان خیالات کی غلطی کی وجہ بیان کی ہے لیکن جس کو اس حالت کا شبہ ہو جائے تو اس کے لئے بجز اس شعر کے اور کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ شعر

کان ما کان مما لیست اذکرہ
فظن خیراً ولا تسئل عن الخبر

حقیقت نبوت ذوق سے معلوم ہوتی ہے

غرضیکہ جس شخص کو بذریعہ ذوق کچھ حاصل نہ ہو اس کو حقیقت نبوت سے بجز نام کے اور کچھ معلوم نہیں اور حقیقت میں کرامات اولیاء انبیاء کے لیے بمنزلہ امور ابتدائی ہیں چنانچہ آغاز حال رسول خدا ﷺ کا بھی اسی طرح ہوا۔ آپ جبل حرا کی طرف جاتے اور اپنے خدا کے ساتھ خلوت اور اس کی عبادت کرتے یہاں تک کہ اہل عرب کہنے لگے کہ محمد اپنے خدا پر عاشق ہو گیا ہے اس حالت کو سالکان طریقت بذریعہ ذوق کے معلوم ہوتے ہیں لیکن جس شخص کو یہ ذوق نصیب نہ ہو اس کے چاہیے کہ اگر اس کو سالکان طریقت کے ساتھ زیادہ تر صحبت کا اتفاق ہو تو بذریعہ تجربہ و استماع اس قسم کا یقین حاصل کر لے کہ قراین احوال سے ایسی حالت یقینی طور پر سمجھ میں آ جائے۔ جو کوئی ان لوگوں کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرتا ہے اس کو یہ ایمان نصیب ہوتا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بدنصیب نہیں رہتا لیکن جن لوگوں کو ان کی صحبت نصیب نہ ہو تو ان کو یہ چاہیے کہ ان براہین روشن کو جو ہم نے کتاب احیاء العلوم دین کے باب عجائب القلب میں بیان کیے ہیں پڑھ کر یقینی طور سے اس امر کا امکان سمجھ لے۔

بذریعہ دلیل تحقیق کرنا علم کہلاتا ہے اور عین اس حالت کا حاصل ہونا ذوق ہے اور سن کر اور تجربہ کر بذریعہ حسن ظن قبول کرنا ایمان ہے پس یہ تین درجے ہیں۔ یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ ان کو چھوڑ کر اور جاہل لوگ ہیں جو ان کی اصلیت سے انکار کرتے ہیں اور اس کلام سے تعجب کرتے ہیں اور اس کو سن کر مسخرپن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ کس طرح سیدھے راہ پر ہیں اور ان کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ

Marfat.com

اُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ ۔طریق صوفیہ پر چلنے سے مجھ پر جن امور کا یقینی طور پر انکشاف ہوا ازانجملہ حقیقت نبوت اور اس کی خاصیت ہے اور چونکہ اس زمانہ میں اس کی سخت ضرورت ہے لہٰذا اس کی اصلیت سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔

حقیقت نبوت اور خلقت کو اس کی ضرورت

حقیقت نبوت

جاننا چاہئے کہ جوہر انسان پر اعتبار اصل فطرت کے خالی اور سادہ پیدا کیا گیا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے عالموں کی کچھ خبر نہیں۔ اور عالم بہت ہیں جن کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ انسان کو عالم کی خبر بذریعہ ادراک حاصل ہوتی ہے اور انسان کا ہر ایک ادراک اس غرض سے پیدا کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان کسی خاص عالم موجودات کا علم حاصل کرے اور عالموں سے مراد اجناس موجودات ہے۔ اب سب سے اوّل انسان میں حس لامسہ پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ بہت سے اجناس موجودات کا ادراک کرنے لگتا ہے۔ مثلاً حرارت، برودت، رطوبت، یبوست، لینیت، خشونت، وغیرہ کا مگر یہ قوت حاسہ رنگ اور آوازوں کے ادراک سے بالکل قاصر ہے۔ بلکہ رنگ اور آوازیں قوت لامسہ کے حق میں بمنزلہ معدوم کے ہیں۔ اس کے بعد انسان میں قوت باصرہ پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے رنگ اور شکلوں کا ادراک کرتا ہے یہ اجناس عالم محسوسات میں سب سے زیادہ وسیع ہیں پھر انسان میں قوت سامعہ رکھی گئی جس کے ذریعہ سے آوازیں اور نغمات سنتا ہے۔ پھر انسان میں قوت ذائقہ پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح پر جب وہ عالم محسوسات سے تجاوز کرتا ہے تو اس میں سات سال کی عمر کے قریب قوت تمیز پیدا ہوتی ہے اور یہ حالت اس کے اطوار وجود میں سے ایک اور طور ہے۔ اس حالت میں وہ ایسے امور کا ادراک کرتا ہے جو خارج از عالم محسوسات ہیں اور ان میں سے کوئی امر امر عالم محسوسات میں نہیں پایا جاتا پھر ترقی کر کے ایک اور حالت پر پہنچتا ہے جس میں اس کے لئے عقل پیدا کی جاتی ہے پھر وہ واجب اور جائز اور ناممکن و دیگر امور کا جو اس کی پہلی حالتوں میں

Marfat.com

نہیں پائے جاتے تھے ادراک کرنے لگتا ہے۔
بعد عقل کے ایک اور حالت ہے جس میں اس کی دوسری آنکھ کھلتی ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ غائب چیزوں کو اور ان چیزوں کو جو زمانہ استقبال میں وقوع میں آنے والی ہیں اور نیز ایسے امور کو دیکھنے لگتا ہے جن سے عقل ایسی معزول ہے جس طرح قوت تمیز ادراک معقولات سے اور قوت حس مدرکات تمیز سے بیکار ہے اور جس طرح پر اگر قوت ممیزہ پر مدرکات عقل پیش کی جائیں تو عقل ضرور ان کا انکار کرے گی۔ اور ان کو بعید از قیاس سمجھے گی اسی طرح پر بعض عقلاء نے مدرکات نبوت سے انکار کیا ہے اور ان کو بعید سمجھا ہے سو یہ عین جہالت ہے کیونکہ ان کے انکار واستبعاد کی بجز اس کے اور کوئی سند نہیں ہے۔ کہ یہ ایسی حالت ہے جس پر وہ کبھی نہیں پہنچے اور چونکہ ان کے حق میں یہ حالت کبھی موجود نہیں ہوئی اس لئے وہ شخص گمان کرتا ہے کہ یہ حالت فی نفسہ موجود نہیں ہے اگر اندھے کو بذریعہ تواتر اور روایت کے رنگوں اور شکلوں کا علم نہ ہوتا اور اس کے روبرو اول ہی مرتبہ ان امور کا ذکر کیا جاتا تو وہ ان کو ہرگز نہ سمجھتا اور ان کا اقرار نہ کرتا۔

خواب خاصیت نبوت کا نمونہ ہے

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کے لئے یہ بات قریب الفہم کردی ہے کہ ان کو خاصیت نبوت کا ایک نمونہ عطا فرمایا ہے۔ جو خواب ہے۔ کیونکہ سونے والا آئندہ ہونے والی بات کو یا تو صریحاً معلوم کر لیتا ہے یا بصورت تمثیل جس کا انکشاف بعد ازاں بذریعہ تعبیر کے ہو جاتا ہے۔ اس بات کا اگر انسان کو خود تجربہ نہ ہوا ہوتا اور اس کو یہ کہا جاتا کہ بعض انسان مردہ کی مانند بے ہوش ہو جاتے ہیں اور اس کی قوت حس وشنوائی وبینائی زائل ہو جاتی ہے پھر وہ غیب کا ادراک کرنے لگتے ہیں۔ تو انسان ضرور اس بات کا انکار کرتا اور اس کے محال ہونے پر دلیل قائم کرتا ہے اور یہ کہتا کہ قویٰ حسی ہی اسباب ادراک ہیں پس جس شخص کو خود ان اسباب کی موجودگی واحضار کی حالت میں ایسی اشیاء کا ادراک نہیں ہو سکتا تو یہ بات زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہے کہ ان قویٰ کے معطل ہونے کی حالت میں تو ہرگز ہی ادراک نہ ہو۔ مگر یہ ایک قسم کا قیاس ہے جس کی تردید وجود اور مشاہدہ سے ہوتی ہے۔ جس طرح عقل ایک حالت منجملہ حالت ہاء انسانی ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے انواع معقولات نظر آنے لگتے ہیں جن کی ادراک سے حواس بالکل بیکار ہیں اسی طرح نبوت سے مراد ایک ایسی حالت ہے جس

Marfat.com

سے ایسی نظر نورانی حاصل ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے امور غیب اور وہ امور جن کو عقل ادراک نہیں کر سکتی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

منکرین نبوت کے شبہات کا جواب

نبوت میں شک یا تو اس کے امکان کی بابت پیدا ہوتا ہے یا اس کے وجود وقوع کی نسبت یا اس امر کی نسبت کہ نبوت کسی شخص خاص کو حاصل ہے یا نہیں اس کے امکان کی دلیل تو یہ ہے کہ وہ موجود ہے اور اس کے وجود کی دلیل یہ ہے کہ عالم میں ایسے معارف موجود ہیں جن کا عقل کے ذریعہ سے حاصل ہونا ناممکن ہے مثلاً علم، طب و علم نجوم۔

نبوت کا ثبوت اس عام اصول پر کہ الہام ایک ملکہ ہے جس کا تعلق کل علوم سے ہے

جو شخص اس علوم پر بحث کرتا ہے وہ بالضرور یہ جانتا ہے کہ یہ علوم[1] الہام الٰہی اور توفیق من جانب اللہ کے سوا معلوم نہیں ہو سکتے اور تجربہ سے ان علوم سے حاصل کرنے کا کوئی راہ نظر نہیں

[1]: امام صاحب نے حقیقت نبوت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان صحیح واقعات پر مبنی ہے جو تحقیق حالات نفس انسانی سے دریافت ہوئے ہیں اگرچہ دنیا نے علم کی ہر شاخ میں بے انتہا ترقی کر لی ہے لیکن یہ ترقی محسوسات میں محدود ہے نفس ذہن کے متعلق بوجہ ان بے شمار مشکلات کے جو اس کے تحقیق کے راہ میں حائل ہیں یا اس وجہ سے کہ دنیا کا عام میلان ان علوم کی جانب ہے جو اس زندگی میں کارآمد ہیں بہت کم تحقیقات کی گئی ہے اور جن لوگوں نے کچھ تحقیقات کی ہے ان کی رایوں اور ان نتائج میں جن پر وہ اپنے اپنے خاص طریق سے پہنچے ہیں اس قدر اختلافات ہیں کہ ان سے اطمینان حاصل ہونا مشکل ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ مابعد الطبیعات میں جو کچھ حکماء متقدمین لکھ گئے ہیں اس سے زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔

نفس انسانی کے بہت سے حالات اور واقعات ایسے ہیں جن کا وجود ہر زمانہ میں تسلیم کیا گیا ہے مگر ان کے علل واسباب دریافت نہیں ہوئے۔ نبوت بھی اس قسم کے حالات میں جن کو ہم مختصراً عجائبات قلبی سے تعبیر کرتے ہیں شامل ہے جن لوگوں نے قوانین قدرت کے غیر متغیر ہونے کے مسئلہ پر زیادہ غور کی ہے اور جو ان تمام واقعات کو جن کا وقوع بظاہر خلاف عادت سمجھا جاتا ہے بذریعہ اصلی علل واسباب دریافت کرنے کے قوانین قدرت کے تحت میں لانا چاہتے ہیں انہوں نے عجائبات قلبی کی بھی بہت کچھ تحقیق و تفتیش کی ہے اور ان کی تحقیقات سے جو نتائج حاصل ہوئے ہیں ان کا اس خیال کی طرف میلان پایا جاتا ہے کہ درحقیقت ان کیفیات قلبی میں کوئی عجوبہ پن نہیں ہے اور وہ سب کیفیات اسی سلسلہ نظام دنیا کا جزو ہیں جو مضبوط قوانین سے جکڑا ہوا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

آتا بعض احکام علم نجوم ایسے ہیں جن کا وقوع ہزار برس میں صرف ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے سو ایسے احکام تجربہ سے کیونکر حاصل ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح پر خواص ادویہ کا حال ہے اس دلیل سے ظاہر ہے کہ جن امور کا ادراک عقل سے نہیں ہو سکتا ان کے ادراک کا ایک اور طریق موجود ہونا ممکن ہے اور نبوت سے فقط ایسا ہی طریق ادراک مراد ہے بلکہ اس قسم کا ادراک جو مدرکات عقل سے خارج ہے ایک خاصیت منجملہ خواص نبوت ہے اور اس کے سوا نبوت کے اور بہت سے خواص ہیں۔ جو ہم نے بیان کیا ہے وہ بحر نبوت کا ایک قطرہ ہے ہم نے اس کا ذکر صرف اس سبب سے کیا ہے کہ خود تیرے پاس اس کا ایک نمونہ موجود ہے۔ یعنی تیرے وہ مدرکات جو حالت خواب میں معلوم ہوتے ہیں اور تجھ کو اسی جنس کے علوم مثلاً طب و نجوم حاصل ہیں۔

یہ علوم معجزات انبیاء ہیں اور ان علوم کو بذریعہ بضاعت عقل حاصل کرنے کا ہرگز کوئی طریق نہیں ہے ان کے سوا جو دیگر خواص نبوت ہیں ان کا ادراک طریق تصوف پر چلنے سے بذریعہ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے)

اس قسم کی تحقیقاتوں سے ان محققین کے نزدیک جو نبوت کو ایک امر فطری قرار دیتے ہیں مسئلہ وحی الہام کی نسبت کوئی اشکال پیدا نہیں کرتا کیونکہ نبوت کو فطری کہنا ہی اس کو قوانین قدرت کے تحت میں لانا ہے۔

امام صاحب نے جو کچھ حقیقت نبوت کی نسبت تحقیق کی ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فخر الاسلام سید صاحب کی طرح نبوت کو امر فطری سمجھتے تھے یعنی وہ عام علماء کی طرح نبوت کو ایک ایسا منصب نہیں سمجھتے کہ جس شخص کو خدا منتخب کر کے چاہے دے دے بلکہ اس کو وہ ایک حالت منجملہ فطری حالات قلب انسانی سمجھتے تھے جو مثل دیگر قوائے انسانی بمناسبت اعضا کے قوی ہوتا جاتا ہے جس طرح دیگر اطوار انسانی بمقتضائے فطرت اپنے وقت خاص پر پہنچ کر ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح جس شخص میں ملکہ نبوت ہوتا ہے وہ بھی اپنی کمال قوت پر پہنچ کر ظاہر ہوتا ہے پھر جس طرح سید صاحب نے اس اصول الہام کو صرف نبوت پر ہی موقوف نہیں رکھا بلکہ دیگر ملکات انسانی تک اس کو وسعت دی ہے اسی طرح امام صاحب نے اس کو علم ہیئت و علم طب سے بھی اس کا متعلق ہونا ظاہر کیا ہے چنانچہ امام صاحب لکھتے ہیں کہ جو شخص ان علوم پر بحث کرتا ہے وہ بالضرور یہ جانتا ہے کہ یہ علوم الہام الٰہی اور توفیق منجانب اللہ کے سوا معلوم نہیں ہو سکتے۔

امام صاحب اپنے زمانہ کے علوم کے جید عالم اور دار العلوم بغداد کے مدرس اعلیٰ تھے یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ اس قول سے ان کی یہ مراد ہے کہ ان علوم کے جملہ مسائل جزئیہ بذریعہ الہام منکشف ہوئے ہیں کون نہیں جانتا کہ ادویہ وغیرہ کے خواص انسان تجربہ سے دریافت کرتا ہے امام صاحب کا منشاء بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ گروہ انسان میں سے بعض خواص اشخاص کا ان علوم کے اصول کی طرف ابتداً خود بخود متوجہ ہونا بسبب اس خاص ملکہ کے تھا وہ جو خدا تعالیٰ نے انہیں بالتخصیص پیدا کیا تھا۔ (مترجم)

Marfat.com

ذوق کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس بات کو تو تو اس نمونہ سے سمجھا ہے جو تجھ کو خدا تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ یعنی حالت خواب لیکن اگر یہ حالت موجود نہ ہوتی تو تو اس کو کبھی سچ نہ جانتا پس اگر نبی میں ایسی خاصیت ہو جس کا تیرے پاس کوئی نمونہ نہیں اور تو اس کو ہرگز سمجھ نہیں سکتا تو تو اس کی تصدیق کس طرح کر سکتا ہے؟ کیونکہ تصدیق تو ہمیشہ سمجھنے کے بعد ہوتی ہے یہ نمونہ ابتداء طریق تصوف میں حاصل ہو جاتا ہے اور جس قدر حاصل ہوتا ہے اس سے ایک قسم کا ذوق اور ایک قسم کی تصدیق پیدا ہوتی ہے جو صرف اس کا قیاس کرنے سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ پس یہ ایک خاصیت ہی اصل نبوت پر ایمان لانے کے لئے تجھ کو کافی ہے۔

کسی خاص شخص کا نبی ہونا بذریعہ مشاہدہ یا تواتر ثابت ہو سکتا ہے

اگر تجھ کو کسی شخص خاص کے بارے میں یہ شک واقع ہو کہ آیا وہ نبی ہے یا نہیں تو اس بات کا یقین حاصل ہونے کے لئے سوائے اس کے اور کیا سبیل ہو سکتی ہے کہ بذریعہ مشاہدہ یا بذریعہ تواتر و روایت اس شخص کے حالات دریافت کئے جائیں۔ کیونکہ جب تو علم طب اور علم فقہ کی معرفت حاصل کر چکا تو اب تو فقہاء و اطباء کے حالات مشاہدہ کر کے اور ان کے اقوال سن کر ان کی معرفت حاصل کر سکتا ہے گو تو نے ان کا مشاہدہ نہیں کیا اور تو اس بات سے بھی عاجز نہیں ہے کہ شافعی کے فقیہ ہونے اور جالینوس کے طبیب ہونے کی معرفت حقیقی نہ کہ معرفت تقلیدی اس طرح حاصل کرے کہ کچھ علم فقہ و طب سیکھے اور ان کی کتابوں اور تصانیف کو مطالعہ کرے۔ پس تم کو ان کے حالات کا علم یقینی حاصل ہو جائے گا اس طرح پر جب تو نے معنے نبوت سمجھ لئے تو تجھ کو چاہئے کہ قرآن مجید اور احادیث میں اکثر غور کیا کرے کہ تجھ کو آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ علم یقینی حاصل ہو جائے گا۔ اس طرح پر جب تو نے معنے نبوت سمجھ لئے تو تجھ کو چاہئے کہ قرآن مجید اور احادیث میں اکثر غور کیا کرے کہ تجھ کو آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ علم یقینی حاصل ہو جائے گا کہ آپ اعلیٰ درجہ نبوت رکھتے تھے اور اس کی تائید ان امور کے تجربہ سے کرنی چاہیے جو آپ نے درباب عبادت بیان فرمائے۔ و نیز دیکھنا چاہیے کہ تصفیہ قلوب میں اس کی تاثیر کس درجہ تک ہے آپ نے کیسا صحیح فرمایا کہ جس شخص نے اپنے علم پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم بخشتا ہے جس چیز کا علم اس کو حاصل نہیں تھا اور کیسا صحیح فرمایا کہ جس شخص نے ظالم کی مدد کی وہ اللہ تعالیٰ اس پر اس ظالم کو ہی مسلط کرتا ہے اور کیسا صحیح فرمایا کہ جو شخص صبح کو اس حال میں بیدار ہو کہ اس کو

Marfat.com

صرف ایک خدائے واحد کی لو لگی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کے تمام غموں سے اس کو محفوظ کرتا ہے جب تم کو ان امور کا ہزار یا دو ہزار یا کئی ہزار مثالوں میں تجربہ ہو گیا تو تم کو ایسا علم یقینی حاصل ہو جائے گا کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں ہوگا۔

بعض معجزات ثبوت نبوت کے لئے کافی نہیں

پس نبوت پر یقین کرنے کا یہ طریق ہے[1] نہ یہ کہ لاٹھی کا سانپ بن گیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے کیونکہ یہ تو صرف اس بات کو دیکھے گا اور بے شمار قراین کو جو احاطہ حصر میں نہیں آسکتے اس کے ساتھ نہ ملائے گا تو شاید تجھ کو یہ خیال ہوگا کہ جادو تھا یا صرف تخیل کا نتیجہ تھا اور یہ امور اللہ کی طرف سے باعث گمراہی ہیں (وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ دیکھاتا ہے) اور تجھ کو مسئلہ معجزات میں مشکل پیش آئے گی۔ اگر تیرے ایمان کی بنیاد در باب دلالت معجزہ کلام مرتب ہوگا تو تیرا ایمان بصورت اشکال وشبہ کلام مرتب سے اور زیادہ پختہ ہو جائے گا پس چاہئے کہ ایسے خوراق ایک جز و منجملہ ان دلائل و قرائن کے ہوں جو تجھ کو معلوم ہیں تا

---

[1] فخر الاسلام سید صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے جس پر اس زمانہ کے سفہاء ہنستے ہیں چنانچہ سید صاحب تفسیر القرآن جلد ثالث میں فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء پر ایمان لانا بسبب ظہور معجزات باہرہ کے ہوتا ہے مگر یہ خیال محض غلط ہے انبیاء علیہم السلام پر یا کسی ہادی باطل پر ایمان لانا بھی انسانی فطرت میں داخل اور قانون قدرت کے تابع ہے۔ بعض انسان از روئے قدرت کے ایسے سلیم الطبع پیدا ہوتے ہیں کہ سیدھی اور سچی بات ان کے دل میں بیٹھ جاتی ہے اور وہ اس پر یقین کرنے کے لئے دلیل کے محتاج نہیں ہوتے باوجودیکہ وہ اس سے مانوس نہیں ہوتے مگر ان کا وجدان صحیح اس کے سچ ہونے پر گواہی دیتا ہے ان کے دل میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اس بات کے سچ ہونے پر ان کو یقین دلاتی ہے یہی لوگ ہیں جو انبیاء صادقین پر صرف ان کا وعظ و نصیحت سن کر ایمان لاتے ہیں نہ معجزوں اور کرامتوں پر اسی فطرت انسانی کا نام شارع نے ہدایت رکھا ہے مگر جو لوگ معجزوں کے طلب گار ہوتے ہیں وہ کبھی ایمان نہیں لاتے اور نہ معجزوں کے دیکھانے سے کوئی ایمان لا سکتا ہے۔ خود خدا نے اپنے رسول سے فرمایا کہ اگر تو زمین میں ایک سرنگ ڈھونڈ نکالے یا آسمان میں ایک سیڑھی لگائے تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی بھیج دیں اور اس کو اپنے ہاتھوں سے بھی چھو لیں تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے اور کہیں گے کہ اعلانیہ جادو ہے۔ پس ایمان لانا صرف ہدایت (فطرت) پر منحصر ہے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے۔ اللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ (مترجم)

Marfat.com

کہ تجھ کو ایسا علم یقینی حاصل ہو جائے جن کی سند میں کوئی معین شے بیان نہ ہو سکے جیسا کہ وہ امور ہیں جن کی خبر ایک جماعت نے ایسے تواتر سے دی ہے کہ یہ کہنا ممکن نہیں کہ یقین کسی ایک قول معین سے حاصل ہوا ہے بلکہ ایسے طور سے حاصل ہوا ہے کہ وہ جملہ اقوال سے خارج نہیں لیکن معلوم نہیں کہ کس قول واحد سے حاصل ہوا ہے پس اس قسم کا ایمان قوی اور علمی ہے۔ رہا ذوق وہ ایسا ہے کہ ایک شے آنکھ سے دیکھ لی جائے اور ہاتھ سے پکڑ لی جائے۔ سو یہ بات سوائے طریق تصوف کے اور کہیں پائی نہیں جاتی۔

پس اس قدر بیان حقیقت نبوت فی الجمال ہماری غرض موجودہ کے لئے کافی ہے اب ہم اس بات کی وجہ بیان کریں گے کہ خلقت کو اس کی حاجت ہے۔

سبب اشاعت علم بعد از اعراض

ارکان وحدود شرعی کی حقیقت

جب مجھ کو عزلت وخلوت پر مواظبت کرتے قریب دس سال گزر گئے تو اس اثناء میں ایسے اسباب سے جن کا میں شمار نہیں کر سکتا مثلاً کبھی بذریعہ ذوق کے اور کبھی بذریعہ علم استدلال اور کبھی بذریعہ قبول ایمانی کے مجھ کو بالضرور یہ معلوم ہوا کہ انسان دو چیز سے بنایا گیا ہے یعنی جسم اور قلب ہے۔ اور قلب سے مراد حقیقت روح انسان ہے۔ جو محل معرفت خدا ہے نہ وہ گوشت وخون جس میں مردے اور چار پائے بھی شریک ہیں اور یہ وہ چیز ہے جس کے لئے جسم بمنزلہ آلہ کے ہے جسم کی صحت باعث سعادت جسم ہے اور اس کا مرض باعث ہلاکت جسم۔ اسی طرح قلب کے لئے بھی صحت وسلامتی ہوتی ہے۔ کوئی شخص اس سے نجات نہیں پاتا بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم لے کر حاضر ہو۔ علیٰ ہذا القیاس قلب کے لئے مرض بھی ہوتا ہے اور اس میں ہلاکت ابدی واخروی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے دلوں میں مرض ہے اللہ تعالیٰ کو نہ جاننا زہر مہلک ہے اور خواہشات نفسانی کی پیروی کر کے اللہ تعالیٰ کا گنہگار ہونا اس کا سخت مرض ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے لئے تریاق زندگی بخش ہے اور خواہشات نفسانی کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اس کی دوائے شافی ہے۔ جس طرح معالجہ بدن کا بجز استعمال دوا کے اور کوئی طریق نہیں ہے اسی طرح پر امراض قلبی کا معالجہ بغرض ازالہ

Marfat.com

مرض وحصول صحت بھی بجز استعمال ادویہ کے کسی اور طرح پر نہیں ہوسکتا اور جس طرح حصول صحت میں ادویہ امراض بدن بذریعہ ایسی خاصیت کے موثر ہوتی ہیں جس کو عقلاء اپنی بضاعت عقل سے سمجھ نہیں سکتے بلکہ اس میں ان کو اُن اطباء کی تقلید واجب ہوتی ہے جنھوں نے اس خاصیت کو انبیاء علیہم السلام سے جو اپنی خاصیت نبوت کی وجہ سے خواص اشیاء پر مطلع تھے حاصل کیا ہے۔ پس اسی طرح مجھ کو یقیناً یہ ظاہر ہوا کہ ادویہ عبادات بحدود و مقادیر مقررہ و مقدرہ انبیاء کی وجہ تاثیر بھی عقلاء کے بضاعت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے بلکہ اس میں انبیاء کی تقلید واجب ہے جنھوں نے ان خواص کو نور نبوت سے معلوم کیا ہے نہ بضاعت عقل سے۔ نیز جس طرح پر ادویہ نوع اور مقدار سے مرکب ہیں کہ ایک دوا دوسری دوا سے وزن و مقدار میں مضاعف استعمال کی جاتی ہے اور ان کا اختلاف مقادیر خالی از حکمت نہیں۔ اور یہ حکمت من قبیل خواص ہوتی ہے پس اسی طرح عبادات بھی جو ادویہ امراض قلوب ہیں افعال مختلف النوع والمقدار سے مرکب ہیں۔ مثلاً سجدہ رکوع سے دو چند ہے اور نماز فجر مقدار میں نماز عصر سے نصف ہے۔ پس یہ مقادیر خالی از اسرار نہیں اور یہ اسرار من قبیل اُن خواص کے ہیں جن پر بجز نور نبوت کے اور کسی طرح اطلاع نہیں ہو سکتی پس نہایت احمق اور جاہل ہے وہ شخص جس نے یہ ارادہ کیا کہ طریق عقل سے ان امور کی حکمت کا استنباط کرے۔ یا جس نے یہ سمجھا کہ یہ امور محض اتفاقیہ طور سے مذکور ہوئے ہیں اور اس میں کوئی ایسا سر نہیں ہے جو بطریق خاصیت موجب حکم ہوا ہو۔ نیز جس طرح پر ادویہ میں کچھ اصول ہوتے ہیں جو ادویہ مذکور کے رُکن کہلاتے ہیں اور کچھ زواید جو متممات ادویہ ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک بوجہ اپنی تاثیر خاص کے مُمد عمل اصول ہوتا ہے۔ اسی طرح نوافل وسنن آثار ارکان عبادات کے لئے باعث تکمیل ہیں۔ غرض کہ انبیاء امراض قلوب کے طبیب ہیں اور فائدہ عقل کا اور اس کے تصرف کا یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہی ہم کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے اور وہ نبوت کی تصدیق کرتی ہے اور اپنے تئیں اس چیز کے ادراک سے جس کو نور نبوت سے دیکھ سکتے ہیں عاجز ظاہر کرتی ہے اور اس عقل نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہم کو اس طرح حوالہ نبوت کر دیا ہے جس طرح اندھوں کو راہ پر اور متحیر مریضوں کو طبیب شفیق کے سپرد کیا جاتا ہے پس عقل کی رسائی و پرواز صرف یہاں تک ہے اور اس سے آگے معزول ہے بجز اس کے کہ جو کچھ طبیب سمجھائے اس کو سمجھ لے۔ یہ وہ امور ہیں جو ہم نے زمانہ خلوت و عزلت میں ایسے یقینی طور پر معلوم کیے جاتے ہیں جو مشاہدہ کے برابر ہیں۔

Marfat.com

اسباب فتور اعتقاد

پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں کا فتور اعتقاد کچھ تو در باب اصل نبوت ہے اور کچھ اس کی حقیقت سمجھتے ہیں اور کچھ ان باتوں پر عمل کرنے میں جو نبوت نے کھولی ہیں۔ میں نے تحقیق کیا کہ یہ باتیں لوگوں میں کیوں پھیل گئیں تو لوگوں کے فتور اعتقاد و ضعف ایمان کے چار سبب پائے گئے۔

سبب اول: اُن لوگوں کی طرف سے جو علم فلسفہ میں غور کرتے ہیں۔

سبب دوم: اُن لوگوں کی طرف سے جو علم تصوف میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

سبب سوم: اُن لوگوں کی طرف سے جو دعویٰ تعلم کی طرف منسوب ہیں۔ یعنی بزعم خود چھپے ہوئے امام مہدی سے علم سیکھنے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔

سبب چہارم: اس معاملہ کی طرف سے جو بعض اشخاص اہل علم کہلا کر لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

بعض متکلمین کے اوہام

میں مدت تک ایک ایک شخص سے جو متابعت شرع میں کوتاہی کرتے تھے ملا کرتا اور اس کے شبہ کی نسبت سوال اور اس کے عقیدہ اور اسرار سے بحث کیا کرتا تھا اور اس کو کہتا تھا کہ تو متابعت شرع میں کیوں کوتاہی کرتا ہے۔ کیونکہ اگر تو آخرت پر یقین رکھتا ہے اور باوجود اس یقین کے آخرت کی تیاری نہیں کرتا اور دنیا کے بدلے آخرت کو بیچتا ہے تو یہ حماقت ہے۔ کیونکہ تو کبھی دو کو ایک کے بدلے نہیں بیچتا پھر کس طرح تو اس لاانتہا زندگی کو اس چند روزہ زندگی کے بدلے بیچتا ہے؟ اور اگر تو روز آخرت پر یقین نہیں رکھتا تو تُو کافر ہے۔ پس تجھ کو طلب ایمان میں اپنا نفس درست رکھنا چاہیے۔ اور یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا سبب ہے تیرے اس کفر مخفی کا جس کو تو نے باطلاً اپنا مذہب ٹھہرایا ہے اور جس سے ظاہراً یہ جرأت پیدا ہوئی ہے۔ گو تو ان امور کی تصریح نہیں کرتا کیونکہ ظاہر میں ایمان کا تجمل اور ذکر شرع کی عزت رکھتا ہے۔ پس کوئی تو جواب میں یہ کہتا ہے کہ اگر تعلیمات نبویہ پر محافظت ضروری ہوتی تو علماء اس محافظت کے زیادہ حق دار تھے حالانکہ فلاں عالم کا یہ حال ہے کہ مشہور فاضل ہو کر نماز نہیں پڑھتا اور فلاں عالم شراب پیتا ہے اور فلاں عالم وقف اور یتیموں کا مال ہضم کرتا ہے اور فلاں عالم وظیفہ سلطانی کھاتا ہے اور حرام سے احتراز نہیں کرتا اور فلاں عالم شہادت دینے اور حکم متعلق عہدہ قضا کے صادر کرنے کے

[1] یہ اعمال تھے ان کے جو امام غزالیؒ جیسے مقدس شخص کی تکفیر کرتے تھے۔

Marfat.com

معاوضہ میں رشوت لیتا ہے اور علےٰ ہذا القیاس ایسا ہی اور لوگوں کا حال ہے۔

اسی طرح ایک دوسرا شخص علم تصوف کا مدعی ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ مجھے اب عبادت کی حاجت نہیں رہی۔

تیسرا شخص اہل اباحت کے شبہات کا بہانہ کرتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو طریق تصوف میں پڑ کر راستہ بھول گئے ہیں۔

چوتھا شخص جو کہیں اہل تعلیم سے جو امام مہدی سے تعلیم پانے کے مدعی ہیں ملاقات رکھتا ہے یہ کہتا ہے کہ حق کا دریافت کرنا مشکل ہے اور اس کی طرف راستہ بند ہے اور اس میں اختلاف کثرت سے ہے اور ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر کچھ ترجیح نہیں ہے اور دلائل عقلیہ ایک دوسرے سے تعارض رکھتے ہیں پس اہل الرائے کے خیالات پر کچھ وثوق نہیں ہو سکتا اور مذہب تعلیم کی طرف بلانیوالا محکم ہے۔ جس میں کوئی حجت نہیں ہو سکتی۔ پس میں بوجہ شک کے یقین کو کس طرح ترک کر سکتا ہوں۔

پانچواں شخص کہتا ہے کہ میں تعلیم نبوی کی محافظت میں سستی کسی کی تقلید سے نہیں کرتا بلکہ

۱: آجکل کے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان بھی (اللہ ماشاءاللہ) عموماً اس کینڈے کے ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں نہ خوف خدا ہے نہ پاس رسول ﷺ۔ خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کرنا۔ حضرت سرور کائنات ﷺ کی شان میں بے ادبیاں کرنا۔ مذہب جیسی مقدس چیز کو پھبتیوں میں اڑانا اپنے واجب التعظیم بزرگوں کے حفظ مرتبت کو پرانے فیشن کا خیال سمجھنا اور بہائم کی طرح بے لگام آزادی سے زندگی بسر کرنا جیسے وہ نیچر کی پیروی سے تعبیر کرتے ہیں اپنا مشرب ٹھہرایا ہے۔

ہمارے علمائے دین نے فخر الاسلام سید احمد خان کے کفر کے فتووں پر ضرور مہریں لگائیں مگر کچھ شک نہیں کہ اس معصیت کا ارتکاب ان سے نیک نیتی اور عین محبت اسلام سے عمل میں آیا لیکن سید کو در حقیقت رسوا کیا ان بہائم صفت انسانوں لامذہب مسلمانوں نے اولٰئک کالانعام بلھم اضل جو اپنی ابلہ فریبی سے دنیا پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم سید کے پیرو ہیں اگر بتوں کے پوجنے والے بھی حضرت نبینا محمد مصطفٰے ﷺ کی متابعت کا دعویٰ کر سکتے ہیں تو یہ فرقہ بھی سید کا پیرو سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر یہ شخص پیرو کہلائے جا سکتے ہیں تو کہلائے جا سکتے ہیں۔ مسٹر بریڈلا کے یا مسٹر انگ سول یا ڈاروِن کے۔ نہ اس سچے خدا پرست و عاشق رسول کے جو کہتا ہے۔

خدا دارم دلے بریان وعشق مصطفےٰ دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم
ز کفر من چہ میخواہی ز ایمانم چہ مے پرسی
ہمان یک جلوہ دیدار است ایمانے کہ من دارم

Marfat.com

میں علم فلسفہ پڑھا ہوا ہوں اور حقیقت نبوت کو خوب پہچان چکا ہوں اُن کا خلاصہ یہی حکمت و مصلحت ہے اور نبوت کے وعید سے مقصد یہ ہے کہ عوام الناس کے لئے ضابطہ بنایا جائے اس ان کو باہم لڑنے جھگڑنے اور شہوات نفسانی میں چھوٹے رہنے سے روکا جائے اور میں عوام جاہل شخصوں میں سے نہیں ہوں کہ اس تکلیف میں پڑوں میں تو حکماء سے ہوں اور حکمت پر چلتا ہوں۔ اور اس میں خوب نظر رکھتا ہوں اور بوجہ حکمت تقلید پیغمبر کا محتاج نہیں ہوں۔

یہ ایمان کا آخری درجہ ہے ان لوگوں کا جنہوں نے فلسفہ الٰہی پڑھا ہے اور یہ انھوں نے کتب بُوعلی سینا و بُونصر فارابی سے سیکھا ہے یہ لوگ زینت اسلام سے بھی مزین ہیں نیز تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض ان میں سے قرآن پڑھتے اور جماعتوں اور نمازوں میں حاضر ہوتے اور زبان سے شریعت کی تعظیم ظاہر کرتے ہیں لیکن معذلک شراب پینے اور طرح طرح کے فسق و فجور کو ترک نہیں کرتے اور جب ان کو کوئی یہ کہتا ہے کہ اگر نبوت صحیح نہیں تو نماز کیوں پڑھتے ہو۔ تو کبھی یہ جواب دیتے ہیں کہ بدن کی ریاضت اور اہل شہر کی عادت اور مال اور اولاد کی حفاظت ہے اور کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ نبوت صحیح ہے اور شریعت حق ہے۔ پھر جوان سے شراب پینے کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ شراب اس واسطے منع ہے کہ وہ آپس میں بغض و عداوت پیدا کرتی ہے اور میں اپنی حکمت کے سبب ان باتوں سے بچا رہتا ہوں اور میں شراب اس وجہ سے پیتا ہوں کہ ذرا طبیعت تیز ہو جائے۔ یہاں تک کہ بوعلی سینا نے اپنی وصیت میں لکھا ہے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ سے فلانے فلانے کام کرنے کا عہد کرتا ہوں اور شریعت کے اوضاع کی تعظیم کیا کروں گا اور عبادات دینی و بدنی میں کبھی قصور نہ کروں گا اور بہ نیت بیہودگی شراب نہیں پیوں گا۔ بلکہ اس کا استعمال صرف بطور دوا و علاج کے کروں گا۔ پس اس کی صفائی ایمان والتزام عبادت کی حالت کا یہ اخیر درجہ ہے کہ وہ شرابخواری کو بہ نیت شفا مستثنیٰ کرتا ہے۔

ایسا ہی ان سب مدعیان ایمان کا حال ہے ان لوگوں کے سبب بہت لوگ دھوکے میں آگئے ہیں اور ان کے دھوکے کو معترضین کے ضعیف اعتراضوں نے اور بھی زیادہ کر دیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے انکار علم ہندسہ و منطق کی بنیاد پر اعتراض کئے ہیں[1] حالانکہ یہ علوم ان کے نزدیک جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔ یقینی ہیں۔

[1] بعینہ اسی طرح اس زمانہ کے اکثر انگریزی خواں نوجوانوں کا حال ہے وہ اپنے مذہب سے محض کورے ہیں اور کسی قسم کی تعلیم مذہبی ان کو نہیں دی گئی۔ اس حالت کا مقتضاء یہ تھا کہ وہ معاملہ مذہب کے باب میں جس میں ان کو درک حاصل نہیں تھا سکوت اختیار کرتے لیکن ہمارے علماء کے بے ڈھنگے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

امام صاحب خلوت ترک کرنے اور لوگوں کے ملحدانہ خیالات کی اصلاح کا ارادہ کرتے ہیں

جب میں نے مختلف خیالات کے لوگ دیکھے ہیں کہ ان کا ایمان ان اسباب سے اس حد تک ضعیف ہو گیا اور میں نے اپنے تئیں اس شبہ کے ظاہر کرنے پر تیار پایا۔ کیونکہ ان لوگوں کو نصیحت کرنا میرے لئے پانی پینے سے بھی زیادہ آسان تھا کیا وجہ کہ میں نے ان کے علوم یعنی صوفیہ فلاسفہ و اہل تعلیم و علماء خطاب یافتہ سب کے علوم کو نہایت غور سے دیکھا تھا پس میرے دل

(بقیہ حاشیہ) اعتراضوں نے ان کو اسلام کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا اور وہ مذہب کے ساتھ گستاخی اور زباں درازی سے پیش آنے لگے۔ ہمارے علماء نے ان امور محققہ سے جو دلائل ہندسی اور مشاہدہ عینی سے ثابت ہو چکے ہیں انکار کیا اور اسی انکار کی بناء پر ان متشککین پر اعتراض کئے۔ ان اعتراض کی غلطیوں اور بیہودگیوں نے جو بالبداہت ظاہر تھیں علوم جدیدہ کے پڑھنے والوں کے دل میں عام طور پر یہ یقین پیدا کیا ہے کہ مذہب اسلام کی بنا ایسے ہی بودے دلائل اور جاہلانہ اقوال پر ہے۔ پس جملہ مسائل مذہب اسلام کی نسبت عام بدظنی پھیل گئی ہے اور اس کی ہر خفیف بات کو بھی جس میں ذرا سا امکان بھی بھدی صورت میں ظاہر کئے جانے کا ہوتا ہے نہایت کریہہ اور قابل نفرت صورت میں دنیا کے آگے پیش کیا جاتا ہے اور تمام دنیا میں اسلام پر مضحکہ ہوتا ہے۔ اس طرح پر اس زمانہ میں اسلام پر چھری پھر رہی ہے جس کا عذاب بے شک ہمارے علماء کی گردن پر ہو گا ورنہ کیا حقیقت ہے انگریزی خوانوں کی اور کیا حوصلہ ہے ان کی کلام الٰہی پر حرف گیری کرنے کا؟ ان کی مثال اس ڈورے کی ہے جو ہوا میں لٹکایا گیا ہو اور جدھر کی ہوا آئے وہ ادھر کو جھک جائے۔ صرف آدھا گھنٹہ کا لیکچر ان لوگوں کے خیالات اور عقائد اور اصول کے بدلنے کے لئے کافی ہے ذلک مبلغھم من العلم مگر ہمارے علماء نے خود اپنے ضعیف اعتراضوں کی وجہ سے ان کو قوت اور وقعت دیدی ہے۔

منش کردہ ام رستم داستاں
وگرنہ یلے بود در سیستاں

جب تک ہم میں ایسے علماء موجود نہ ہوں گے جو جامع ہوں علوم قدیم اور جدید کے۔ تب تک ان سے اسلام کی خدمت ہونی ناممکن ہے۔ اس زمانہ میں ہر قسم کی خدمت کے لئے سخت شرائط و قیود مقرر کی گئی ہیں اور ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت کے لئے اعلیٰ درجہ کا سلیقہ ضروری سمجھا گیا ہے کیا خدمت اسلام ہی ایسی خفیف اور نکمی شے ہے کہ ہر کس و ناکس اس کے خادم ہونے کا مدعی بن سکے اور ممبر پر چڑھ کر جیسا اس کی سمجھ میں ہو اسلام کی حقیقت بیان کر دیا کرے؟ خدمت اسلام بڑا مشکل اور سخت جوابدہی کا کام ہے اور جو شخص اس خدمت کا بیڑا اٹھائے ضرور ہے کہ وہ علوم حکمیہ جدیدہ میں معتدبہ قابلیت رکھتا ہو۔ (مترجم)

Marfat.com

میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ ایک کام اس وقت کے لئے معین اور مقرر ہے پس یہ خلوت اور عزلت اختیار کرنا تیرے کیا کام آئے گا مرض عام ہو گیا ہے اور طبیب بیمار ہو گئے ہیں اور خلقت ہلاکت کو پہنچ گئی ہے پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ تو اس تاریکی کے انکشاف اور اس ظلمت کے مقابلہ پر کس طرح قادر ہو گا کہ یہ زمانہ زمانہ جہالت ہے اور یہ دور دور باطل ہے اور اگر تو لوگوں کو ان کے طریقوں سے ہٹا کر جانب حق بلانے میں مشغول ہو گا تو سب اہل زمانہ مل کر تیرے دشمن ہو جائیں گے اور تو کس طرح ان سے عہدہ برا ہو گا اور ان کے ساتھ تیرا گذارہ کیسے ہو گا یہ امور زمانہ مساعد اور زبردست دیندار سلطان کے سوا اور کسی طرح پورے نہیں ہو سکتے۔ پس میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ اجازت طلب کی کہ عزلت پر میری مداومت رہے اور میں نے عذر کیا کہ میں بذریعہ دلیل اظہار حق سے عاجز ہوں۔

سلطان وقت کا حکم امام صاحب کے نام

پس تقدیر الٰہی یوں ہوئی کہ سلطان وقت کے دل میں خود ایک تحریک پیدا ہوئی جس کا باعث کوئی امر خارجی نہ تھا پس حکم سلطانی صادر ہوا کہ تم فوراً نیشاپور جاؤ اور اس بے اعتقادی کا علاج کرو۔ اس حکم میں اس قدر تاکید کی گئی کہ اگر میں اس کے برخلاف اصرار کرتا تو سخت گیری کی جاتی پس میرے دل میں خیال آیا کہ اب باعث رخصت عزلت ضعیف ہو گیا ہے پس تجھ کو یہ واجب نہیں کہ اب تو محض بوجہ کاہلی و آرام طلبی و طلب عزت ذاتی و بایں خیال کہ ایذاء خلقت سے نفس محفوظ رہے بدستور گوشہ نشین بنا رہے اور اپنے نفس کو خلقت کی ایذاء کی سختی برداشت کرنے کی اجازت نہ دے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ الآیہ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول خیر البشر کو فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ. پھر فرماتا ہے۔ يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۔ الیٰ قولہ۔ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ۔

اس باب میں میں نے بہت سے ارباب قلوب و مشاہدات سے مشورہ کیا ہے پس سب نے اس اشارہ پر اتفاق رائے ظاہر کیا کہ عزلت ترک کرنا اور گوشہ سے نکلنا مناسب ہے اس کی تائید بعض صالحین کے متواتر کثیر التعداد خوابوں سے بھی ہوئی جن سے اس بات کی شہادت ملی

Marfat.com

کہ اس حرکت کا مبدء خیر وہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو ہر ایک صدی کے اختتام پر مقرر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو ہر ایک صدی کے آخر میں زندہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

امام صاحب ذی القعد ۴۹۹ھ میں نیشاپور پہنچے

پس ان شہادات سے امید مستحکم ہوئی اور حسن ظن غالب ہوا اور ماہ ذی القعد ۴۹۹ھ ہجری میں اللہ تعالیٰ آسانی سے نیشاپور لے گیا کہ وہاں اس کام کے انجام دینے کے لئے قیام کیا جائے اور بغداد سے ۴۸۸ھ ہجری میں نکلنا ہوا تھا اور گوشہ نشینی قریب گیارہ سال کے رہی اور نیشاپور میں جانا اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھا تھا ورنہ جس طرح بغداد سے نکلنے اور وہاں کے حالات سے علیحدہ ہونے کا کبھی دل میں امکان بھی نہیں گذرا تھا اسی طرح نیشاپور کو جانا بھی منجانب عجائب تقدیرات الٰہی تھا جس کا کبھی وہم وخیال بھی دل میں نہیں آیا تھا اور اللہ تعالیٰ دلوں کو اور احوال کو بدلنے والا ہے مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں دو انگلیوں کے درمیان ہے اور میں جانتا ہوں کہ اگرچہ میں نے اشاعت تعلیم کی طرف رجوع کیا لیکن اصل میں یہ رجوع نہیں تھا کیونکہ رجوع کہتے ہیں حالت سابق کی طرف عود کرنے کو اور میں زمانہ سابق میں ایسے علم کی تعلیم دیتا تھا جس سے دنیاوی عزت وجاہ حاصل ہو اور خود اپنے قول طریق عمل سے لوگوں کو عزت دنیاوی کی طرف بلاتا تھا اور اس وقت میرا ارادہ اور نیت بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا لیکن اب میں اس علم کی طرف بلاتا ہوں جس کے لئے عزت وجاہ دنیاوی کو ترک کرنا پڑتا ہے اور کس کی وجہ سے رتبہ منزلت کا ساقط ہونا مشہور ہے۔ پس فی الحال میرا ارادہ اور نیت اور آرزو بجز اس کے اور کچھ نہیں اللہ تعالیٰ میری نیت سے آگاہ ہے میری یہ خواہش ہے کہ اپنی اور نیز اوروں کی اصلاح کروں معلوم نہیں کہ میں اپنی مراد کو پہنچوں یا اپنے مقصد میں ناکام رہوں۔

لیکن ایمان یقین اور مشاہدہ نے مجھ کو یہ یقین دلایا ہے کہ سوائے اللہ بزرگ کے رجوع اور قوت کسی کو حاصل نہیں۔ یہ حرکت میری جانب سے نہ تھی بلکہ اسی کی جانب سے تھی اور میں نے خود کچھ نہیں کیا بلکہ جو کچھ کیا اس نے ہی مجھ سے کرایا۔ پس اللہ سے یہ دعا ہے کہ وہ اول خود مجھ کو صالح بنائے پھر میرے سبب اوروں کو صالح بنائے اور مجھ کو ہدایت بخشے اور پھر میرے سبب اوروں کو ہدایت بخشے اور مجھ کو ایسی بصیرت دے کہ حق حق نظر آئے اور مجھ کو اس کی پیروی کی توفیق عطا کرے اور باطل باطل نظر آئے اور مجھ کو اس سے اجتناب کی توفیق عطا کرے۔

Marfat.com

تتمہ ذکر اسباب فتور اعتقاد اور اس کا علاج

اب ہم ان اسباب ضعیف ایمان کا جو قبل ازیں بیان ہوئے پھر ذکر کرتے ہیں اور ان لوگوں کی ہدایت اور ہلاکت سے نجات کا طریق بھی بتلاتے ہیں۔

جن لوگوں نے اہل تعلیم کی سنی سنائی باتوں کے سبب حیرت کا دعویٰ کیا ہے ان کا علاج تو وہی ہے جو ہم کتاب قسطاس مستقیم میں بیان کر چکے ہیں اس رسالہ میں اس کا ذکر کر کے طول نہیں دینا چاہتے۔

اور جو اہل اباحت[1] شبہ اور اوہام پیش کرتے ہیں ان کو ہم نے سات اقسام میں محصور کیا ہے

---

[1] جہل کسانیکہ از اہل اباحتند از ہفت وجہ بود۔ اول بخدائے تعالیٰ ایمان ندارند و حوالہ کار ہا طبیعت و نجوم کردند۔ پنداشتند کہ ایں عالم عجیب با آئمہ حکمت و ترتیب از خود پیدا آمدہ یا خود ہمیشہ بودہ یا فعل طبیعت است و مثل ایشاں چوں کسے است کہ خطے نیکو بیند و پندارد کہ از خود پدید آمدہ بے کاتبے قادر و عالم عمرید و کسیکہ نابینائی او بایں حد بود از راہ شقاوت نگردد۔

دوم (۲) با آخرت نگروید ندو پنداشتند کہ آدمی چوں نباتست کہ چوں میرد نیست شود و سبب ایں جہل است بنفس خود کہ ابدیست و ہرگز نمیرد۔

سوم (۳) بخدا تعالیٰ و آخرت ایمان دارند ایمانے ضعیف ولیکن گویند کہ خدائے عزوجل بعبادت ما چہ حاجت واز معصیت ما چہ رنج۔ ایں مدبر جاہل است بشریعت کہ مے پندارد کہ معنی شریعت آنست کہ کار برائے خدائے باید کرد نہ برائے خود۔ ایں ہم چنانست کہ بیمارے پرہیز نکند گوید کہ طبیب را از انچہ کہ من فرمان او برم یا نبرم۔ ایں سخن راست است ولیکن او ہلاک شود۔

چہارم (۴) گفتند کہ شرع میفرماید کہ دل از شہوت خشم دریا پاک کنید و ایں ممکن نیست کہ آدمی را ازیں آفریدہ اند۔ پس مشغول شدن بایں طلب محال بود۔ وایں احمقان ندانستند کہ شرع ایں نفرمودہ۔ بلکہ فرمودہ است کہ خشم و شہوت را ادب کنید کہ حدود عقل و شریعت را نگاہ دارد۔ حق تعالیٰ فرمودہ است والکاظمین الغیظ ثنا گفت بر کسیکہ خشم فروخوردو نہ بر کسیکہ اورا خشم نبود۔

پنجم (۵) گویند کہ خدا رحیم است بہر صفت کہ باشیم بر ما رحمت کند و ندانند کہ ہم شدید العقاب است۔

ششم (۶) بخود مغرور شوند و گویند کہ ما بجائے رسیدہ کہ معصیت ما را زیان ندارد۔ آخر درجہ ایں ابلہان فوق درجہ انبیا نیست و ایشاں بسبب خطا میگریستند۔

وجہ ہفتم (۷) از شہوت خیزد نہ از جہل وایں اباحتیاں گردہے باشند کہ شبہات گذشتہ ہیچ نشنید باشند۔ ولیکن گردہے رابینند کہ ایشاں براہ اباحت میروند۔ ایشاں را آں نیز خوش آید کہ در طبع بطالت و شہوت غالب بود معاملہ با ایشاں بشمشیر باشد نہ بحجت۔ (انتخاب از کیمیائے سعادت)

Marfat.com

اوران کی تفصیل کتاب کیمیائے سعادت میں بیان کی گئی ہے۔

جن لوگوں نے طریق فلسفہ سے اپنا ایمان بگاڑ لیا ہے حتیٰ کہ نبوت کے بھی منکر ہو بیٹھے ہیں ان کے لئے ہم حقیقت نبوت بیان کر چکے ہیں اور وجود نبوت یقینی طور پر بدلیل وجود خواص ادویہ ونجوم وغیرہ بتا چکے ہیں اور اسی واسطے ہم نے اس مقدمہ کو پہلے ذکر کر دیا ہے۔ ہم نے وجود نبوت کی دلیل خواص طب ونجوم سے اسی واسطے ذکر کی ہے۔ کہ یہ خود ان کے علوم ہیں اور ہم ہر فن کے عالم کے لئے نجوم کا ہو خواہ طب کا علم طبعی کا ہو یا سحر وطلسمات کا۔ اسی کے علم سے برہان نبوت لایا کرتے ہیں۔

اب رہے وہ لوگ جو زبان سے نبوت کے اقراری ہیں اور شریعت کو حکمت کے مطابق بنانا چاہتے ہیں سو وہ درحقیقت نبوت سے منکر ہیں اور وہ ایسے حکیم پر ایمان لائے ہیں جس کے لئے ایک طالع مخصوص ہیں اور جو اس بات کا مقتضی ہے کہ اس حکیم کی پیروی کی جائے اور نبوت کی نسبت ایسا ایمان رکھنا ہیچ ہے۔

ثبوت نبوت ایک مثال سے

بلکہ ایمان نبوت یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے کہ سوائے عقل کے ایک اور حالت بھی ثابت ہے۔ جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے جسے خاص باتوں کا ادراک ہوتا ہے اور عقل وہاں سے کنارہ رہتی ہے جیسے دریافت رنگ سے کان۔ اور آواز سننے سے آنکھ اور امور عقلی کے ادراک سے سب خواص معزول رہتے ہیں۔ اگر وہ لوگ اس کو جائز نہ سمجھیں تو ہم ان کے امکان بلکہ اس کے وجود پر دلیل قائم کر چکے ہیں اور اگر اس کو جائز سمجھیں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بہت ایسی اشیاء بھی ہیں جن کو خواص کہا جاتا ہے اور جن پر عقل کو اس قدر بھی تصرف حاصل نہیں کہ ان کے آس پاس ذرا بھی پھٹک سکے بلکہ عقل ان امور کو جھٹلانے لگتی ہے اور ان کے محال ہونے کا حکم دیتی ہے مثلاً ایک دانگ افیون زہر قاتل ہے کیونکہ وہ افراط برودت سے خون کو عروق میں منجمد کر دیتی ہے اور جو علم طبعی کا مدعی ہوگا وہ یہ سمجھے گا کہ مرکبات سے جو چیزیں تبرید پیدا کرتی ہیں وہ بے وجہ عنصر پانی اور مٹی کے تبرید پیدا کرتی ہیں کیونکہ یہی دو عنصر بارد ہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ سیروں پانی اور مٹی کی اس قدر تبرید نہیں ہو سکتی پس اگر کسی عالم طبعی کو افیون کا زہر قاتل ہونا بتایا جائے اور وہ اس کے تجربہ میں نہ آئی ہو تو وہ اس کو محال کہے گا اور اس کے محال

Marfat.com

ہونے پر یہ دلیل قائم کرے گا کہ افیون میں ناری اور ہوائی اجزاء ہوتے ہیں اور ہوائی اور ناری اجزاء افیون کی برودت زیادہ نہیں کرتے اور جس حالت میں بجمیع اجزاء پانی اور مٹی فرض کر لینے سے اس کی ایسی مفرط تبرید ثابت نہیں ہوتی تو اس کے ساتھ اجزاء حارہ وہوا و آگ مل جانے سے اس حد تک تبرید کیونکر ثابت ہو سکتی ہے اس کو وہ شخص یقینی دلیل سمجھے گا اور اکثر دلائل فلسفہ در باب طبعیات والحیات اسی قسم کے خیالات پر مبنی ہیں وہ اشیاء کی وہی حقیقت سمجھتے ہیں جو عقل یا وجود میں پاتے ہیں اور جن کو سمجھ نہیں سکتے یا جس کو موجود نہیں دیکھتے اس کو محال ٹھہرا لیتے ہیں اور اگر لوگوں میں سچی خوابیں معتاد اور مالوف نہ ہوتیں اور کوئی دعویٰ کرنے والا یہ کہتا کہ میں بوقت تعطل حواس امر غائب جان لیتا ہوں تو اس کی بات کو ایسے عقل برتنے والے ہرگز نہ مانتے۔

ایک اور مثال

اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ آیا دنیا میں کوئی ایسی شے ہو سکتی ہے کہ وہ خود تو ایک دانہ کے برابر ہو اور پھر اس کو ایک شہر پر رکھ دیں تو وہ اس تمام شہر کو کھا جائے اور پھر اپنے تئیں بھی کھا جائے اور نہ شہر باقی رہے نہ شہر کی کوئی چیز باقی رہے اور نہ وہ خود باقی رہے تو کہے گا کہ یہ امر محال اور منجملہ مزخرفات کے ہے حالانکہ یہ آگ کی حالت ہے جس نے آگ کو نہ دیکھا ہو گا وہ اس بات کو سن کر اس سے انکار کرے گا اور اکثر عجائبات اخروی کا انکار اسی قسم سے ہے پس ہم اس فلسفی کو اوضاع شرعیہ پر معترض ہے کہیں گے کہ جیسا تو لاچار ہو کر افیون میں برخلاف عقل وجود خاصیت تبرید کا قائل ہو گیا ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ اوضاع شرعیہ میں درباب معالجات وتصفیہ قلوب ایسے خواص ہوں جن کا حکمت عقلیہ سے ادراک نہ ہو سکے بلکہ ان کو بجز نور نبوت کے اور کوئی آنکھ نہ دیکھ سکے بلکہ لوگوں نے ایسے خواص کا اعتراف کیا ہے جو اس سے بھی عجیب تر ہیں چنانچہ انہوں نے اپنی کتابوں میں اس بات کا ذکر بھی کیا ہے میری مراد اس جگہ ان خواص عجیبہ سے ہے جو درباب معالجہ حاملہ بصورت عسر ولادت مجرب ہیں یعنی ایک تعویذ[1] دو پارچہ جات آب نارسیدہ پر لکھا جاتا ہے اور حاملہ اپنی آنکھ سے ان تعویزوں کو دیکھتی رہتی ہے اور ان کو اپنے قدموں کے نیچے رکھ لیتی ہے پس بچہ فوراً پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بات کے امکان کا ان لوگوں نے اقرار کیا ہے اور اس کا ذکر کتاب عجائب الخواص میں کیا ہے تعویز مذکورہ ایک شکل ہے جس میں نو خانہ ہوتے

---

[1] یہ تعویز خاتمہ کتاب پر مرقوم ہے۔

Marfat.com

ہیں اور ان میں کچھ ہندسہ ہائے خاص لکھے جاتے ہیں اس شکل کے ہر سطر کا مجموعہ پندرہ ہوتا ہے خواہ اس کو طول میں شمار کر دیا عرض میں یا ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک تعجب ہے اس شخص پر جو اس بات کو تو تصدیق کرے لیکن اس کی عقل میں اتنی بات نہ سما سکے کہ نماز دو رکعت اور ظہر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت مقرر ہونا بوجہ ایسے خواص کے ہے جو نظر حکمت سے نہیں سوجھ سکتے اور ان کا سبب اختلاف اوقات مذکور ہے۔

ارکان احکام شرعی کی توضیح بذریعہ ایک تمثیل کے

ان خواص کا ادراک اکثر نور نبوت سے ہوتا ہے تعجب کی بات یہ ہے کی اگر ہم اسی عبارت کو بدل کر عبارت منجمین میں بیان کریں تو یہ لوگ اس امر اختلافِ اوقات مذکورہ کو ضرور سمجھ لیں گے سو ہم کہتے ہیں کہ اگر شمس وسط سماء میں ہو یا طالع میں، یا غارب میں تو کیا ان اختلافات سے حکم طالع میں اختلاف نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ اسی اختلافات مسیر شمس پر زائچوں عمروں اور اوقات مقررہ کے اختلافات کی بناء رکھی گئی ہے لیکن زوال اور شمس کے فی وسط السماء ہونے میں یا مغرب اور شمس کے فی الغارب ہونے میں کچھ فرق نہیں ہے پس اس امر کی تصدیق کی بجز اس کے اور کیا سبیل ہے کہ اس کو بعبارت منجم سنا ہے جس کے کذب کا غالباً سو مرتبہ تجربہ ہوا ہوگا مگر باوجود اس کے تو اس کی تصدیق کئے جاتا ہے حتیٰ کہ اگر منجم کسی کو یہ کہے کہ اگرِ شمس وسط سماء میں ہو اور فلاں کوکب اس کی طرف ناظر ہو اور فلاں برج طالع ہو اور اس وقت میں تو کوئی لباس جدید پہنے تو تو ضرور اسی لباس میں قتل ہوگا تو وہ شخص ہرگز اس وقت میں وہ لباس نہیں پہنے گا اور اوقات شدت کی سردی برداشت کرے گا حالانکہ یہ بات اس نے ایسے منجم سے سنی ہوگی جس کا کذب بارہا معلوم ہو چکا ہے کاش مجھ کو یہ معلوم ہو کہ جس شخص کے عقل میں ان عجائبات کے قبول کرنے کی گنجائش ہو اور جو ناچار ہو کر اس امر کا اعتراف کرے کہ یہ ایسے خواص ہیں جن کی معرفت انبیاء کو بطور معجزہ حاصل ہوئی ہے وہ شخص اس قسم کے امور کا ایسی حالت میں کس طرح انکار کر سکتا ہے کہ اس نے یہ امور ایسے نبی سے سنے ہوں جو مخبر صادق ہو اور مؤید بالمعجزات ہو اور کبھی اس کا کذب نہ سنا گیا ہو اور جب تو اس بات میں غور کرے گا کہ اعداد رکعات اور رمی جمار و عدد ارکان حج و تمام دیگر عبادات شرعی میں ان خواص کا ہونا ممکن ہے تو تجھ کو ان خواص اور خواص ادویہ و نجوم میں ہرگز کوئی فرق معلوم نہ ہوگا لیکن اگر معترض یہ کہے کہ میں نے کسی قدر نجوم

Marfat.com

اور کسی قدر طب کا جو تجربہ کیا تو ان علوم کا اسی قدر حصہ صحیح پایا پس اسی طرح پر اس کی سچائی میرے دل میں بیٹھ گئی اور میرے دل سے اس کا استبعاد اور نفرت دور ہو گئی لیکن نسبت خواص نبوت میں نے کوئی تجربہ نہیں کیا پس اگرچہ میں اس کے امکان کا مقر ہوں مگر اس کے وجود و تحقیق کا علم کس ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

ہمارے کل معتقدات کی بناء تجربہ ذاتی پر نہیں ہے

تو اس کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تو ایسے تجربات ذاتی کی تصدیق پر ہی اقتصار نہیں کرتا بلکہ تو نے اہل تجربہ کے اقوال بھی سنے ہیں اور ان کی پیروی کی ہے پس تجھ کو چاہیے کہ اقوال اولیاء کو بھی سنے کہ انھوں نے تمام ماموراتِ شرعی میں بذریعہ تجربہ مشاہدہ حق کیا ہے پس اگر تو ان کے قریب پر چلے گا تو جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں سے بعض امور کا ادراک بذریعہ مشاہدہ تجھ کو بھی ہو جائے گا لیکن اگر تجھ کو تجربہ ذاتی نہ ہو تو بھی تیری عقل قطعاً یہ حکم دے گی کہ تصدیق و اتباع واجب ہے کیونکہ فرض کرو کہ ایک بالغ و عاقل شخص جس کو کبھی کوئی مرض لاحق نہیں ہوا اتفاقاً مریض ہو گیا اور اس کا والد مشفق طبیب حاذق ہے اور اس شخص نے جیسے ہوش سنبھالا تب سے وہ اپنے والد کے دعویٰ علم طب کی خبر سنتا رہا ہے پس اس کے والد نے اس کے لئے ایک دوائی معجون بنائی اور کہا کہ یہ دوا تیرے مرض کے لئے مفید ہو گی اور اس بیماری سے تجھ کو شفاء دے گی تو بتاؤ کہ ایسی حالت میں گو وہ دوا تلخ اور بدذائقہ ہو اس کی عقل کیا حکم دے گی کیا یہ حکم دے گی کہ وہ اس دوا کو کھا لے یا یہ کہ اس کی تکذیب کرے؟ اور یہ کہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس دوا اور حصول شفاء میں کیا مناسبت ہے اور مجھ کو اس کا تجربہ نہیں ہوا ہے کچھ شک نہیں کہ اگر وہ ایسا کرے تو تُو اس کو احمق سمجھے گا۔ علیٰ ہذالقیاس ارباب بصیرت تیرے توقف کی وجہ سے تجھ کو احمق سمجھتے ہیں۔

پس اگر تجھ کو یہ شک ہو کہ مجھ کو یہ کس طرح معلوم ہو کہ نبی ﷺ ہمارے حال پر شفقت فرماتے تھے اور اس علم طب سے واقف تھے تو اس کا ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ تجھ کو یہ کس طرح معلوم ہوا ہے کہ تیرا باپ تجھ پر شفقت رکھتا ہے یہ امر محسوس نہیں لیکن تجھ کو اپنے باپ کے قرائن احوال و شواہد اعمال سے جو وہ اپنے مختلف افعال و برتاؤ میں ظاہر کرتا ہے یہ امر ایسے یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ تجھ کو اس میں ذرا شک نہیں ہے اسی طرح پر جس شخص نے اقوال رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

پر اور ان احادیث پر نظر کی ہوگی جو اس باب میں وارد ہیں کہ آپ ہدایت حق میں کیسی تکلیف اٹھاتے تھے اور لوگوں کو درستی اخلاق و اصلاح و معاشرت اور ہر ایک ایسے امر کی طرف جس سے اصلاح دین و دنیا متصور ہو بلا کر ان کے حق میں کس کس قسم کی لطف و مہربانی فرماتے تھے تو اس کو اس بات کا علم یقینی حاصل ہو جائے گا کہ ان کی شفقت اپنی امت کے حال پر اس شفقت سے بدرجہا زیادہ تھی جو والد کو اپنے بچہ کے حال پر ہوتی ہے اور جب وہ ان عجائب افعال پر جو ان سے ظاہر ہوئے اور ان عجائبات غیبی پر جن کی خبر نبی ﷺ کی زبان سے قرآن مجید و احادیث میں دی گئی اور ان امور پر جو بطور آثار قرب قیامت بیان فرمائے گئے اور جن کا ظہور عین حسب فرمودہ جناب ہوتا ہے غور کرے گا تو اس کو یہ علم یقینی حاصل ہوگا کہ وہ ایک ایسی حالت پر پہنچے ہوئے تھے جو مافوق العقل تھی اور ان کو خدا نے وہ آنکھیں عطا فرمائی تھیں جن سے ان امور غیبی کا جس کو بجز خاصان بارگاہ الٰہی کے اور کوئی ادراک نہیں کر سکتا اور ایسے امور کا جن کا ادراک عقل سے نہیں ہو سکتا انکشاف ہوتا ہے پس یہ طریق ہے صداقت نبی علیہ السلام کے علم یقینی حاصل کرنے کا تجھ کو تجربہ کرنا اور قرآن مجید کو غور سے پڑھنا اور احادیث کا مطالعہ کرنا لازم ہے کہ اس طریقہ سے یہ امور تجھ پر عیاں ہو جائیں گے۔

اس قدر تنبیہ فلسفہ پسند اشخاص کے لئے کافی ہے اس کا ذکر ہم نے اس سبب سے کیا ہے کہ اس زمانہ میں اس کی سخت حاجت ہے۔

رہا سبب چہارم۔ یعنی ضعف ایمان بوجہ بداخلاقی سو اس مرض کا علاج تین طور سے ہو سکتا ہے۔

ضعف ایمان بوجہ بداخلاقی علماء اور اس کا علاج

اول یہ کہنا چاہئے کہ جس عالم کی نسبت تیرا یہ گمان ہے کہ وہ مال حرام کھاتا ہے اس عالم کا مال حرام کی حرمت سے واقف ہونا ایسا ہے جیسا تیرا حرمت شراب و سود بلکہ حرمت، غیبت وکذب و چغل خوری سے واقف ہونا کہ تو اس حرمت سے واقف ہے لیکن باوجود اس علم کے تو ان محرمات کا مرتکب ہوتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ تجھ کو ان امور کا داخل معاصی ہونے کا ایمان نہیں ہے بلکہ بوجہ شہوت کے جو تجھ پر غالب ہے پس اس کی شہوت کا حال بھی تیری شہوت کا سا حال ہے جس طرح شہوت کا تجھ پر غلبہ ہے اسی طرح اس پر ہے پس اس عالم کا ان مسائل سے

Marfat.com

زیادہ جاننا جس کی وجہ سے وہ تجھ سے متمیز ہے اس بات کا موجب نہیں ہوسکتا کہ ایک گناہ خاص سے وہ رکا رہے بہت سے اشخاص ایسے ہیں جو علم طب پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان سے بلا کھانے میوہ اور پینے سرد پانی کے صبر نہیں ہوسکتا۔ گو طبیب نے ان چیزوں کے استعمال کرنے سے منع کیا ہو لیکن اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس بد پرہیزی میں کوئی ضرر نہیں یا یقین نسبت طبیب صحیح نہیں ہے۔ پس لغزش علماء کو اس طرح پر سمجھنا چاہیے۔

دوئم: عام شخص کو یہ کہو کہ تجھ کو یہ سمجھنا واجب ہے کہ عالم نے اپنا علم یوم آخرت کے لئے بطور ذخیرہ جمع کیا ہوا ہے اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس علم سے میری نجات ہو جائے گی اور وہ علم میری شفاعت کرے گا۔ پس وہ بوجہ فضیلت علم خود اپنے اعمال میں تساہل کرتا ہے اگرچہ یہ ممکن ہے کہ علم اس عالم پر ذاتی حجت کا باعث ہو اور وہ یہ ممکن سمجھتا ہے کہ وہ علم اس کے لئے زیادتی درجہ کا باعث ہو اور وہ یہ ممکن سمجھتا ہے کہ وہ علم اس کے لئے زیادتی درجہ کا باعث ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ پس اگر عالم نے عمل ترک کیا ہے تو بوجہ علم کے کیا ہے۔ سن اے جاہل شخص! اگر تو نے اس کو دیکھ کر عمل ترک کیا ہے اور تو علم سے بے بہرہ ہے تو تو بہ سبب اپنی بداعمالیوں کے ہلاک ہو جائے گا اور کوئی تیری شفاعت کرنے والا نہ ہوگا۔

سوئم: علاج حقیقی عالم حقیقی سے کبھی کوئی معصیت بجز اس کے کہ بطریق لغزش ہو ظاہر نہیں ہوتی اور نہ وہ کبھی معاصی پر اصرار کرتا ہے کیونکہ علم حقیقی وہ شے ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معصیت زہر مہلک ہے اور آخرت دنیا سے بہتر ہے اور جس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے تو وہ اچھی شے کو ادنیٰ شے کے عوض نہیں بیچتا مگر یہ علم ان اقسام علوم سے حاصل نہیں ہوتا جس کی تحصیل میں اکثر لوگ مشغول رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس علم کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت پر زیادہ جرات ہو جاتی ہے لیکن علم حقیقی ایسا علم ہے کہ اس کے پڑھنے والے میں خشیۃ اللہ و خوف خدا زیادہ بڑھتا ہے اور یہ خوف خدا مابین اس عالم اور معاصی کے بطور پردہ حائل ہو جاتا ہے بجز اس صورت حال لغزش کے جس سے انسان بمقتضائے بشریت جدا نہیں ہوسکتا اور یہ امر ضعف ایمان پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ مومن وہی شخص ہے جس کی آزمائش ہوتی ہے اور جو توبہ کرنے والا ہے اور یہ بات گناہ پر اصرار کرنے اور ہمہ تن گناہ پر گر پڑنے سے بہت بعید ہے۔

Marfat.com

خاتمہ

پس یہ وہ امور ہیں جو ہم مذمت فتنہ و تعلیم اور ان کی آفات و نیز ان کے بے ڈھنگے انکار کرنے کی آفات کے باب میں بیان کرنا چاہتے تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو ان صالحین میں شامل کرے جن کو اس نے پسندیدہ اور برگزیدہ کیا اور جن کو راہ حق دکھایا اور ہدایت بخشی ہے اور جن کے دلوں میں ایسا ذکر ڈالا ہے کہ وہ اس کو کبھی نہیں بھولتے اور جن کو شرارت نفس سے ایسا محفوظ کیا ہے کہ ان کو اس کی ذات کے سوا کوئی شے نہیں بھاتی، اور انھوں نے اپنے نفس کے لئے اسی کی ذات کو خالصتاً پسند کیا ہے اور وہ بجز اس کے اور کسی کو اپنا معبود نہیں سمجھتے۔ فقط

تمت بالخیر

Marfat.com

مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

جلد سوم

حصہ سوم

تہافۃ الفلاسفہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پیش لفظ

از

(صدر، انڈو مڈل ایسٹ کلچرل اسٹڈیز حیدر آباد)

پیش نظر کتاب امام غزالیؒ کی شہرہ آفاق کتاب تھافۃ الفلاسفہ کا اردو زبان میں ایک دلکش اور متین اظہار ہے۔ مترجم سلمہ نہ صرف فلسفہ اسلام سے خاص شغف رکھتے ہیں بلکہ انھوں نے اس کتاب کا جامعہ عثمانیہ میں ایم اے کے طلباء کو سالہا سال درس بھی دیا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے امام غزالیؒ کے مفہوم کو سمجھ کر اردو زبان میں صحیح طریقہ سے ادا کر دیا ہے۔

غزالیؒ کی کتابوں کا زمانہ حال تقاضہ کر رہا ہے اور اسکی کئی وجوہ ہیں: غزالیؒ کا لفظ اس قدر اس قدر وسیع، کلی اور انسان دوستانہ ہے کہ ہر قوم اور ہر ملت و مذہب کے پیرو کو انسان اور انسانی معاملات پر ان کے خیالات سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ صرف اپنے زمانہ ہی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے تھے۔ ان کے خیالات اور تصورات ہر دم تازہ اور ہر دم توانا نظر آتے ہیں۔ اب بعد میں آنے والے مغربی فلاسفہ کے خیالات کی نہ صرف انھوں نے پیش بینی کی ہے بلکہ فلسفیانہ طریقہ سے ان کو ادا بھی کیا ہے فرانس کے شہیر عالم فلسفی ڈیکارٹ (DESCARTES) نے جسکو فلسفہ جدیدہ کا باوا آدم کہا جاتا ہے، طریقہ تشکیک سے اپنے نظام فلسفہ کا آغاز کیا، غزالیؒ میں یہ ہمیں ایک دلکش انداز میں ملتا ہے تشکیک و ارتیاب ہی نے انہیں حقائق عالم کے چہرہ سے نقاب کشائی پر آمادہ کیا اور انھوں نے شک بھی اتنا کیا کہ شک نے انہیں یقین کی راہ پر لے آیا اسکاٹ لینڈ کا ذہین اور طباع فلسفی ہیوم (HUME) تجربی علوم (سائنس) کی اساس پر موت کی ضرب لگاتا ہے اور مسلمہ قانون علیت کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیتا ہے، پھر کوئی اس قانون کی صحت پر ایمان سے دست بردار ہو کر اندھا اعتماد نہیں کر سکتا اور اسکی کلیت و ضرورت کا قائل نہیں ہو سکتا۔ ہیوم سے

Marfat.com

صدیوں پہلے امام غزالی نے اسکام کو بڑی حسن وخوبی سے انجام دیا ہے: علت ومعلول میں نہ ربط ضروری ہے نہ کلی ہے، محض عادی ہے۔ جرمنی کے عظیم المرتبت فلسفی کانٹ (KANT) نے فکر کے تضادات کو واضح کیا اور بتلایا کہ عقل نظری ان تضادات میں مبتلا ہے، وہ کائنات کے متعلق متضاد نتائج کو اتنے ہی مضبوط اور قوی مقدمات سے اخذ کر سکتی ہے اور اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ کائنات کا تصور دوسرے مابعد الطبیعاتی ماورائی تصورات کی طرح محض ایک نظری غیر متعین تصور ہے۔ یہی چیز غزالیؒ پر کشفاً واضح ہو چکی تھی اور قدماء کے فلسفہ کی بنیادوں کو منہدم کرنے میں اس کا استعمال انھوں نے بڑی قاہرانہ قوت سے کیا جسکا مظاہرہ پیش نظر کتاب میں بڑی خوبی سے ہوتا ہے۔ اسی کتاب میں انہوں نے زندگی، دین و مذہب اور عقل صحیح کے حقیقی وازلی وابدی اقدار کو مستحکم کرنے کی جو فوق البشر کوشش کی ہے وہ ہر ذی فکر مخلص فرد سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے کہ ع
ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند! اسی کتاب سے ان افراد کے قلوب میں جو روحانی ہدایت ورہنمائی کے مشتاق ہیں اور جو عقل کی گتھیوں سے اکتا چکے ہیں، کائنات کی روحانی تعبیر اور ذہن وقلب وروح کے اسرار وغموض کو جاننے کا شعلہ تیز بھڑک اٹھتا ہے۔ کتاب تہافہ مرکب شوق کے لئے مہمیز کا کام کرتی ہے اور غزالی اپنی دوسری مخلد الذکر تصانیف سے طالب مشتاق کو صراط مستقیم اور دین قیم پر لے چلتے ہیں۔

گو غزالیؒ کی اکثر کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے لیکن تہافہ اب تک بھی اُردو زبان میں پیش نہ ہو سکی تھی۔ ڈاکٹر میر ولی الدین میدان فکر میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ جوانی ہی سے میں نے دیکھا ہے کہ انکو غزالیؒ سے ایک فطری لگاؤ رہا ہے۔ اُنکی یہ سعی خدا کرے کہ سعی مشکور ثابت ہو اور پیش نظر کتاب ذی فکر افراد کو جو عربی زبان سے واقف نہیں ہیں فکر ونظر کا مواد مہیا کر سکے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مشہور عالم مستشرق ڈنکن بی میا کڈونالڈ کی نظر میں۔ امام غزالی تاریخ اسلام میں نہایت عظیم المرتبت اور یقیناً سب سے زیادہ دردمند فرد تھے۔ وہ بعد میں آنے والی نسلوں کے ایسے معلم ہیں جن کو چار عظیم الشان ائمہ کا ہم مرتبہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کے مشائی، فیلسوف، ابن رشد اور باقی سب محض حقیر شارح اور حاشیہ نویس نظر آتے ہیں۔

امام غزالی کی مرتبت و مقام کے متعلق اکثر محققینِ اسلام کی جو رائے ہے اس کا نچوڑ میا کڈونالڈ نے اپنے الفاظ میں ادا کر دیا ہے۔

نظامِ قاعدۂ مکرمت، امامِ ہمام
نصیرِ ملت، صدرالوریٰ، علیہ سلام
شہنشہ علمائے زماں کہ پیوستہ
مُہندست بجاہش قواعدِ اسلام

امام کی ذات و شخصیت میں ان کے اپنے زمانہ کے تمام فکری پہلو اور سارے ہی مسائل مرکوز نظر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان تمام سے ہو گزرے تھے، اِن کا دین و مذہب محض تقلیدی نہ تھا، حقائق کا کشف تھا، اجمال کی تفصیل تھی، فلسفیانہ نظامات الفاظ اور الفاظ ہی پر مرکوز سارے تنازعات و اختلافات کو چھوڑ کر انھوں نے اتباع رسول عربی صلوٰۃ اللہ علیہ میں جن حقائق کا اپنے نورِ مکاشفہ سے مشاہدہ کیا تھا، ان کو انھوں نے مضبوط تھامہ بفحوائے قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید، اور جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوئے تو تصوف دین اسلام کی عمارت کی بنیاد اور علوم دین کا خلاصہ قرار پا چکا تھا۔ لیکن امامِ عالی مقام نے نہ صرف احکامِ شریعت اور قانونِ خداوندی پر عمل کر کے اپنے ظاہر کو آراستہ و پیراستہ کیا تھا اور اپنے باطن کو اخلاقِ ذمیمہ اور صفاتِ رذیلہ سے پاک کیا تھا اور اپنے نفس کے مرقع کو ان پاک

Marfat.com

صورتوں سے جو شکوک واوہام سے منزہ ہیں مزین کیا تھا اور حق تعالیٰ کے جمال وجلال کا مشاہدہ کیا تھا اور دوامِ حضورِ حق انھیں حاصل تھا، بلکہ "فلسفہ کے مسائل اور مواد پر ان کی گرفت ان تمام فلاسفہ سے زیادہ تھی جو ان کے زمانہ تک گزر چکے تھے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بعد میں آنے والے فلسفیوں سے بھی زیادہ مضبوط تھی" (میاکڈونالڈ)

گاملے کز اثرِ دانش او روشن شد
انچہ بر خلقِ جہاں بد زحقائق مستور
فکرِ بکرش تقِ سرِ قضا رامحرم
دل پاکش نظرِ لطفِ خدارا منظور

ہمارا مطلب یہ ہے کہ امام کو تالہیہ یعنی حکمت ذوقیہ اور بحث ونظر یعنی حکمت بحثیہ دونوں سے کامل حصہ ملا تھا اور ان ہی کی ذاتِ کامل کے فیض سے علم مجمل مفصل ہوگیا:

هُوَ الْيَوم اَوْفَى الْعالِمين ترفعاً وَاَوفَرُهُم فَضلاً وَارفَعهُم قَدراً

پیشِ نظر کتاب تھافتہ الفلاسفہ انہی امام ہمام کی ایک بیش قیمت تصنیف ہے جس میں فلسفیوں کی خوب خبر لی گئی ہے، ان کی بے مائیگی، تضادِ فکر اور انتشارِ خیال کو اچھی طرح ظاہر کیا گیا ہے۔ ان ہی کے ہتھیار کو ان کے خلاف استعمال کیا گیا ہے اور اس حقیقت کو بخوبی واضح کر دیا گیا ہے کہ فلسفیوں کے مقدمات اور طُرُق سے، ان کی "چناں وچنیں" سے یقین کا حصول کسی طرح ممکن نہیں۔!

جاں ہمہ دم زیں دلکد کوبِ خیال می شود مجروح وختہ وپائمال
نے صفائے ماندش نے لطف وفر نے سوئے آسمان راہِ سفر (رومیؒ)

اس کتاب میں غزالی کی قوتِ بحثیہ کا اچھا مظاہرہ ہوتا ہے۔ بحث کے میدان میں اتر کر وہ فلسفہ کو تشکیک وارتیاب کی آخری حدود تک پہنچا دیتے ہیں اور آئر لینڈ کے مشہور ومعروف مشکک ڈیوڈ ہیوم (سنہ تا سنہ) سے سات سو سال قبل اپنی جدلیات کی شمشیر بے نیام سے علّیت کے ربط کو کاٹ کر رکھ دیتے ہیں جس پر آج بھی علوم جدیدہ کی بنیاد قائم ہے۔ جو محض ظنی ہے، یقینی نہیں۔ غزالی کے بتلانے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں علت ومعلول کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بعد ظہور پذیر ہوتا ہے، یعنی جیسا کہ سمجھا جاتا رہا کہ علت ومعلول میں ایک ضروری ربط

Marfat.com

پایا جاتا ہے اور علت معلول کو پیدا کرتی ہے، یہ محض ایک بے بنیاد ظن ہے۔ علت میں نہ کوئی قوت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ معلول کو پیدا کر سکے اور نہ ہی ان دونوں میں کوئی ضروری وقطعی ربط پایا جاتا ہے جس کی ضد کا تصور نہ کیا جا سکے۔

وہ حکماء وفلاسفہ کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہیں کہ عالم قدیم ہے، ازلی وابدی ہے۔ دلائل قاطعہ سے وہ ان کے کلام کا فساد ظاہر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارا مقصد فلاسفہ کے مذہب کی تنقیص کے سوا کسی اور چیز کا اہتمام نہیں، ان کی دلائل کا بطلان ہے، کسی خاص مذہب کے ایجابی طور پر اثبات کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مذہب حق کا اثبات ایک دوسری کتاب میں ہوگا جس کا نام قواعد العقائد ہوگا۔

غزالی دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حکماء صانع وخالق عالم کے ثبوت سے قاصر ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اس کی وحدانیت کے ثبوت سے بھی عاجز ہیں اور نہ ہی وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ خدا غیر جسمانی ہے یا یہ کہ عالم کا کوئی خالق یا اس کی کوئی علت بھی ہو سکتی ہے اور نہ وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ روح انسانی ایک جوہر قائم بالذات ہے۔

غزالی دلائل وبراہین قاطعہ سے یہ واضح طور پر ظاہر کر دیتے ہیں کہ فلاسفہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا اپنے غیر کو اور انواع واجناس کو کلی طور پر جانتا ہے، نہ وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ خدا خود اپنی ذات کو جانتا ہے۔ ان کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ خدا جزئیات کو نہیں جانتا۔ ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ آسمان حیوان متحرک بالارادہ ہے اور انھوں نے آسمان کی حرکت کی جو غرض بیان کی وہ قطعاً باطل ہے۔ فلاسفہ کا یہ خیال غلط ہے کہ آسمان تمام جزئیات کے عالم ہیں۔ فلاسفہ نے جو قیامت اور حشر اجساد کا انکار کیا ہے یہ ان کی فاش غلطی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ فلسفی یہ ثابت ہی نہیں کر سکتے کہ دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا بھی ہے ان کا دہریا ہونا لازم ہے۔

اس طرح امام ہمام نے تھافہ میں فلاسفہ کی تردید کے لئے بیس مسائل انتخاب کئے ہیں جن میں ۱۷ سترہ مسئلے الٰہیات کے اور تین مسئلے طبعیات کے ہیں جن کی تفصیل اوپر پیش کی گئی۔

جب امام غزالی اپنے کام سے فارغ ہوتے ہیں، فلاسفہ کی سفاہت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور تہافہ کا قاری امام کے ہم آواز ہو کر کہتا ہے کہ:

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ ہم کل آں

Marfat.com

ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکمِ اکثر است

یعنی فلسفہ کے لفظ کا بڑا حصہ سفہ ہے جس کے معنی بیوقوفی یا نادانی کے ہیں، چونکہ یہ مسلّم ہے کہ حکم الاکثر حکم الکل لہٰذا سارا فلسفہ ہی سفہ یا بے عقلی و نادانی قرار پاتا ہے۔! اب حدید البصر طالب کو زندگی کی کوئی عقلی اساس نظر نہیں آتی، غزالی فلسفیوں کو یونانی مشککین اور ہیوم کے بازو بازو لاکر کھڑا کر دیتے ہیں، ہر شئے قابل شبہ یا مشکوک ہو جاتی ہے اور فلسفہ وسفہ، کا مرادف قرار پاتا ہے۔ حقائق اشیا سے جاہل و بے خبر! بحث ونظر کے پرستار سے غزالی یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔!

اے خوردہ شرابِ غفلت ازجامِ ہوس
مشغول شو بخویش چوں خر بجرس !
ترسم کہ ازیں خواب چو بیدار شوی
مستی بروو، ودردِ سر ماند وبس!

جب فلسفہ ہمیں زندگی کی کوئی عقلی اساس فراہم نہیں کرسکتا تو انسان کے لئے صرف وحی الٰہی کا آسرا باقی رہ جاتا ہے اور غزالی زندگی کی اساس اسی وحی کو قرار دیتے ہیں جو انبیاء کے قلوب پر نازل کی جاتی ہے اس میں شک وریب کی گنجائش نہیں، اس میں حق صریح ہوتا ہے، یقین واذعان پیدا کرنے کی پوری قوت ہوتی ہے۔ نبی اور فلسفی میں یہی فرق ہوتا ہے کہ نبی جو کچھ کہتا ہے وہ یقین واذعان کی پوری قوت سے کہتا ہے، اس میں کوئی تردد، کوئی شک وشبہ، کوئی ظن وقیاس، کوئی وہم واحتمال نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اس یقین کی بنیاد پر کہتا ہے جو حق تعالیٰ اُس کے قلب میں کسی ایسے ذریعہ سے پیدا کر دیتا ہے۔ جو مشاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور وہ اس کو اور صرف اسی کو ''حق'' سمجھتا ہے۔ بھلا وہ شخص جو پہاڑی کی بلندی سے آفتاب کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہو، وہ دنیا بھر کے اندھے، بہرے یا ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اس بلندی سے نیچے آفتاب کو نہ دیکھ رہے ہوں، اس بات میں شک کرسکتا ہے کہ آفتاب طلوع نہیں ہوا۔؟

فلسفی یا محقق کے پاس مشاہدہ نہیں ہوتا، نہ مشاہدہ جیسی کوئی چیز ہوتی ہے، اس کے پاس ''ظنون'' (قیاسات) وتعقلات ضرور ہوتے ہیں مگر مخالف احتمالات کی پرچھائیاں ان کو اس طرح دھندلا بنائے رکھتی ہیں کہ وہ نورِ یقین سے محروم رہتا ہے، اطمینان قلب و سکینت خاطر کی دولت خود اس کے پاس نہیں ہوتی، وہ دوسروں کو یہ دولت کہاں سے لاکر

Marfat.com

دے سکتا ہے۔؟!

موجودہ سائنس کے جدید انکشافات نے بہت سے فکری نظریات کو مشاہدہ کی حیثیت دیدی ہے لیکن علمائے سائنس کو اعتراف ہے کہ انتہائی حقیقت ان کی گرفت سے باہر ہے، وہ یہ تک نہیں جان سکے کہ ''انرجی'' یا قوت کی حقیقت کیا ہے، وہ صرف یہ جان سکے ہیں کہ انرجی کیا کرتی ہے لیکن انرجی کیا ہے، اس کا علم انہیں نہیں۔ اس طرح انھیں اعتراف ہے کہ کائنات کے رازہائے سربستہ سے وہ اب تک پوری طرح واقف نہیں ہوسکے اور ہر راز کے تحت ایسے بے شمار راز سربستہ ہیں۔ جن کے صحیح انکشاف کے لئے نسل انسانی کو ابھی صدیاں درکار ہیں لہٰذا جو کچھ آج کہا جارہا ہے وہ حرف آخر ہرگز نہیں! اسی لئے انبیاء کی پکار شروع سے یہ رہی ہے کہ۔

اذالم ترى الهلال فسلم لاناس راوه بالابصار

یعنی جب تو خود ہلال کو نہیں دیکھ سکا، (حقیقت کا مشاہدہ نہ کرسکا) تو ان لوگوں کی بات کو مان لے، جنھوں نے اپنی آنکھوں سے ہلال کو دیکھا ہے!

تھافہ سے غزالی بس یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب زندگی کے لئے کوئی عقلی اساس فراہم نہیں کی جاسکتی تو ہمیں انبیاء ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے نبی کی بہت بڑی خدمت اور نبی کے ذریعہ حق تعالیٰ کا ایک عظیم ترین احسان یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو یقین واذغان کی ایک ایسی بیش بہا دولت عطا کرتا ہے کہ دنیا کی کوئی دولت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی!

سرگشتہ چہ می روی تو، چوں آب بجوی!
کیں بحر پراز آب حیات است بجوی!

پھر یہ یقین ان بنیادی باتوں کے متعلق ہوتا ہے جو انسان کی ابدی فلاح کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس کی شخصیت کی ایسی تعمیر کرتی ہیں جو ہمیشہ کے لئے خلل سے خالی ہوتا ہے۔ اور ان کے متعلق صحیح علم حاصل کرنے کا کوئی مادّی ذریعہ آج تک بھی ایجاد نہیں ہوا۔ مثلاً نظام عالم میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ قطعاً آوارہ و آزاد ہے یا اس کو اپنے اعمال و افعال کی جواب دہی کرنی ہوگی، کیا وہ محض بخت و اتفاق ہی سے عبث پیدا ہوگیا اور اس کو کسی حقیقۃ الحقائق کی طرف رجوع ہونا نہیں؟ حیات موجودہ کا تعلق حیات آئندہ سے کیا ہے؟ کیا موت فنائے محض کا نام ہے یا اس کی حقیقت محض انتقال ہے،

Marfat.com

یعنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا؟ اگر انسان ایک ابدی حقیقت ہے اور موت سے وہ فنا نہیں ہوتا تو بعد الموت اس کو کن احوال سے گزرنا ہوگا؟ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ جب تک ان جیسی بنیادی باتوں کے بارے میں یقین واذعان پیدا نہ ہو نہ جدوجہدِ زندگی اور حرکتِ عملی کی کوئی سمت قائم ہوسکتی ہے اور نہ اس جدوکدا ور عمل میں یکسانیت واستقامت پیدا ہوسکتی ہے، یعنی روحانی لحاظ سے اس کی شخصیت کی تعمیر ہرگز نہیں ہوسکتی۔

نمی دانی تو جاہلی گومیت فاش!
نظر بہ نقش اولیٰ یا بہ نقاش؟

تھوڑی دیر کے لئے تصور کیجئے کہ کسی نبی کی تعلیم موجود نہیں، صرف فلسفیوں کی تخلیقات اور انکی موشگافیاں موجود ہیں جولم ولا نسلّم سے معمور ہیں، عقل کو تنقید سے فرصت نہیں' بعد میں آنیوالا ہر فلسفی اپنے پیشرو کے خیالات کے تاروپود کو بکھیر رہا ہے، فلسفے کے نظامات پیدا ہورہے ہیں اور فنا ہورہے ہیں، اس شغل کا حاصل محض 'ابیقوری' لذتیت ہے' ایسی حالت میں کیا کسی حق کے متلاشی کو ان چند سوالات کے متعلق جو مثال کے طور پر اوپر پیش کیے گئے۔ نورِ اطمینان کی مسرت اور دلجمعی وسکینت حاصل ہوسکتی ہے؟ ہاں، ایسی مثالیں ضرور ملتی ہیں (اور خود غزالی کے ساتھ یہی معاملہ رہا) جو انھیں سوالات میں غلطاں وپیچاں تھے اور تلاش وجستجو کی وادیوں میں بھٹک رہے تھے، ان کی روشنی نظر آئی اور پھر وہ اسی روشنی کے ہی ہو گئے، لیکن یہ روشنی فلسفہ یا سائنس کی نہیں تھی بلکہ وہ روشنی وہی تھی جس کی کرنیں شمع نبوت علیہ ﷺ کی لو سے پھوٹتی ہیں۔

عاقلاں از بے مرادی ہاوے خویش
باخبر گشتند از مولائے خویش!

جیسا کہ ہم نے اوپر بتلا دیا ہے کہ کتاب تہافہ میں امام غزالیؒ نے متعدد موقعوں پر تصریح کردی ہے کہ اس کا مقصد فلاسفہ کی صرف تردید ہے، تحقیق نہیں، ان کے مذہب کی تکذیب اور ان کے دلائل کا بطلان ہے، کسی خاص مذہب کی جانب سے مدافعت نہیں، فلسفہ کے عجز ونارسائی کو واضح کرنا ہے اور فلسفیوں کی سفاہت اور بے خبری کا ظاہر کرنا ہے، لیکن اگر طالب ''نسیم معرفت کے کچھ جھونکوں کے لئے اپنے سینے کے دریچوں کو کھولنا چاہتا ہے'' تو غزالی ہدایت کرتے ہیں کہ تمہیں'' کتاب الصبر والشکر'' سے اس کی کچھ لہریں مل سکتی ہیں یا ''کتاب المحبت'' یا ''کتاب التوکل'' کی ابتدا میں ''باب التوحید'' سے اور یہ

Marfat.com

سب کتابیں ''احیاء'' میں ہیں، اور ایک بڑی مقدار ان معلومات کی جن سے تمہارے ذوقِ معرفت کی کچھ زیادہ تسکین ہوگی ''کتاب المقصد الاقصیٰ فی اسماء اللہ الحسنٰی۔ میں ملے گی خصوصاً اسمائے مشتقہ من الافعال کی بحث میں، اگر تم اس عقیدہ کے ہمراہ سچی طلب کے ساتھ صریح معرفت کے خواہش مند ہو تو یہ بحث صرف ہماری ان کتابوں میں ملے گی جنھیں ہم نااہلوں کی آنکھ سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔'' (الاربعین فی اصول الدین ۲۴ المطبعۃ العربیہ)۔

طالب صادق کے لئے امام کی نشان دادہ کتابوں کی طرف مراجعت ضروری ہے، ان کے مطالعہ کے بعد اس کو معلوم ہوگا کہ امام کی نصیحت و وصیت یہ تھی کہ:

از کنز وقدوری نتواں یافت خدارا
در مصحفِ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست
سیاحیٔ دل کن کہ دیارے بہ ازیں نیست
در یادِ خدا باش کہ کارے بہ ازیں نیست

پیش نظر کتاب تہافہ کے اس ایڈیشن کا ترجمہ ہے جس کو مصر کے عالم سلیمان دنیا نے کچھ عرصہ قبل اپنے مقدمے اور حواشی کے ساتھ شائع کیا تھا۔ جب میں محمد لطفی جمعہ کی کتاب ''تاریخ فلاسفۃ الاسلام'' کے ترجمے سے فارغ ہوا جس کی اشاعت دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے ۱۹۴۱ء میں ہو چکی تو میرا خیال ہوا کہ جامعہ عثمانیہ کے ایم اے کے طلباء کے لئے جنھوں نے اپنا اختیاری مضمون فلسفہ اسلام لیا ہے۔ تہافہ کے ترجمہ کی بھی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک عزیز عالم دوست مولوی سید احمد نقوی صاحب کی اعانت سے اس کام کی طرف توجہ کی اور کتاب کے ایک بڑے حصے کے ترجمے سے فراغت حاصل کی لیکن بعض موانعات کی وجہ سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ چند ماہ قبل ان ہی عزیز کی عنایت و اعانت سے بحمد اللہ یہ ترجمہ تکمیل پا سکا۔ میرا یہ خوشگوار فریضہ ہے کہ مولوی صاحب کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کروں جن کی حسن امداد کے بغیر ترجمہ کا یہ مشکل کام مجھ سے ممکن نہ تھا۔ مولوی صاحب اس کام میں میرے برابر کے شریک رہے ہیں۔ اور اپنا بہت سارا وقتِ عزیز اس میں صرف کیا ہے۔ میں مولوی صاحب کا تہ دل سے شکرگزار ہوں میں اپنے فاضل دوست ڈاکٹر ابونصر خالدی، ریڈر شعبہ تاریخ، جامعہ عثمانیہ کا رہینِ منت ہوں کہ انھوں نے اس مسودے کو شروع سے آخر تک بامعان نظر دیکھا اور اپنے مفید

Marfat.com

مشوروں سے میری اعانت کی۔

سخن مگوز بیگانگی کہ دردہ صدق میانِ اہلِ وفا آشنائی ازلیست

میں اپنے استاد محترم ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کا بھی اعماقِ قلب سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس ترجمہ کو اپنے ادارہ۔ انڈو مڈل ایسٹ کلچرل انسٹی ٹیوٹ'' سے اشاعت کا انتظام فرمایا ہے۔

قومے ہمہ حسن لطف راپیرایہ
سودائے وفاوصدق راسرمایہ
اہل الوفا ارباب الصفلہم
صدق بلاخلل وِدٌ دبلاز لل

میر ولی الدین
حیدرآباد دکن
۲۰۔اگست ۱۹۶۲ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

مقدمۂ مصحح وحاشیہ نگار

میں نے حضرت امام غزالیؒ کی بہت سی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے۔ جن سے ان کی بلند پایہ شخصیت کا عام طور پر اعتراف کیا جاتا ہے، مگر مجھے ''کتاب تہافۃ الفلاسفہ'' میں ان کی ایک خاص حیثیت نظر آئی، اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو اس کتاب کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کرے، خود اس کو محسوس کئے بغیر نہ رہے گا۔

مشیت الٰہی کو اس کتاب کی جب دوبارہ طباعت منظور ہوئی تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ اس ایڈیشن میں تہافتہ کی اس خاص حیثیت کو واضح کرنے کے لئے بعض حقائق کا ذکر کردوں۔

میں یہ امر واضح کردینا چاہتا ہوں کہ غزالی اور ان کی تصنیف ''تہافہ'' دونو جس صورت میں کہ یہاں ظاہر ہوں گے وہ بالکل نئے ہوں گے، اس سے پہلے وہ اس صورت میں متعارف نہیں ہوسکے ہیں۔

گو یہ بات بعض لوگوں کے نزدیک حیرت انگیز ہو۔ لیکن وہ شخص جس کا مطمح نظر یافت حق ہوتا ہے۔ وہ محض عوام الناس کی دہشت زدگی اور ان کے تعجب کے خیال سے اپنی اس رائے سے نہیں پلٹ سکتا۔ جس کی دلیل سے تائید ہوتی ہے اور اس پر حجت قائم ہو چکی ہوتی ہے۔

میں نے اس کتاب کے حواشی میں بعض بعض جگہ امام سے اختلاف بھی کیا ہے۔ مگر اس اختلاف کا مقصد بغض و بدگمانی نہیں، اور کہیں انکی حمایت بھی کی ہے مگر اس حمایت کا مطلب محض جوش اعتقاد نہیں اور نہ عصبیت ہے مقصود صرف واقعات اور حقائق کی تلاش ہے اور انکی یافت کا ارادہ، اور وہی مراد ہیں۔ ہر شخص کے عمل کی تعمیر نیت کی بنیاد پر ہوتی ہے اور طالب نیکی کا مددگار خدا ہوتا ہے۔ فقط

سلیمان دنیا

مورخہ ۱۷۔ صفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۹۔ جنوری ۱۹۴۷ء

Marfat.com

حیات غزالیؒ

ابو حامد غزالی ۴۵۰ھ میں خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ان کا دور یتیمی غریبی اور فلاکت میں گزرا۔ ایک صوفی منش بزرگ نے ان کی سرپرستی کی اور ان کو اپنے گھر کے قریب ایک مدرسہ میں داخل کیا، جہاں اکثر طالب علموں کی گذر بسر کا خود مدرسہ کفیل ہوتا تھا۔

غزالی کچھ دنوں یہیں تحصیل علم میں مصروف رہے، پھر جرجان روانہ ہوئے، وہاں سے نیشاپور گئے جہاں امام الحرمین (ضیاء الدین الجوینی) مدرسۂ نظامیہ کے پرنسپل تھے۔ ان ہی کی سرپرستی میں امام غزالیؒ فقہ، اصول فقہ، منطق وکلام کی تحصیل کرتے رہے، مگر موصوف کی وفات کے بعد (یعنی ۴۷۸ھ میں) امام نیشاپور سے معسکر کو چلے گئے، کچھ دنوں وہاں قیام کرنے کے بعد بغداد کے مدرسۂ نظامیہ میں (۴۸۴ھ) ان کو تدریس کی خدمت مل گئی اس زمانہ میں امام کی علمی شہرت بہت پھیل گئی تھی، اور ان کے حلقۂ درس میں تین سو سے زیادہ اکابر علماء شریک رہا کرتے تھے، پھر کسی وجہ سے وہ وہاں سے بھی نکل پڑے اور تقریباً (۹) سال تک شام وحجاز ومصر کے بیابانوں میں دشت نوردی کرتے ہوئے پھر نیشاپور اور وہاں سے طوس چلے آئے اور وہیں ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

میں ان کی عالم فانی سے رحلت کے بارے میں وہی کہوں گا جو فرانسس بیکن (مشہور انگریز فلسفی المتوفی ۱۶۲۶ء) نے کہا تھا: ''میری روح تو خدا کے پاس پہنچ جائے گی اور میرا جسم منوں مٹی کے نیچے دب جائے گا۔ لیکن میرا نام بہت سی قوموں اور آئندہ نسلوں میں محفوظ رہے گا۔''

غزالی کا نشو ونما ایسے دور میں ہوا جبکہ دنیائے اسلام اختلافات مذہب کے طوفانوں میں گھری ہوئی تھی، اور ہر جماعت یہ عقیدہ رکھتی تھی کہ صرف وہی ناجی ہے، جیسا

Marfat.com

کہ خدائے تعالیٰ کا قول ہے۔ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ جب آراء اس قدر متقابل ومتباین ہوں تو یہ ناممکن تھا کہ سب رائیں صحیح ہوں۔ خود رسول علیہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ "میری امت ۷۳، فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا"

غزالی اپنی آخرت کو سنوارنے پر حریص تھے، بُرے حشر اور ناموافق روحانی انقلاب سے ڈرتے تھے، آخروہ کیا کرتے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ تقلید تو کسی ایک فریق کی جانب مائل ہونے کا نام ہے، مگر حزم واحتیاط کا تقاضہ ہے کہ بحث وتفتیش کی جائے، نقد جید کا استعمال کیا جائے کیونکہ جو معاملہ درپیش ہے یا تو سعادت ابدی ہے یا شقاوت ابدی۔ غزالی نے آخر یہی کیا' چنانچہ وہ کہتے ہیں: "ادیان وملل میں عوام کا اختلاف' پھر مذاہب میں ائمہ کا اختلاف ایک ایسا بحر عمیق ہے جس میں اکثر غرق ہو کر رہ گئے، اور بہت کم ہیں جو بچے ہیں۔ عنفوانِ شباب سے تو کیا بلکہ ابتداء شعور واحساس سے اس بحر عمیق کی شناوری وغوطہ زنی کرتا رہا، خائف یا بزدل کی طرح نہیں، بلکہ اندرونی گہرائیوں کا کھوج کرنے والے غوطہ زن کی طرح، ہر اندھیرے میں جوہر حقیقت کا جویا رہا، ہر مشکل کا مقابلہ کیا، ہر گرداب میں اپنے (سفینۂ عقل) کو پھنسایا، ہر فرقہ کے عقیدہ کی میں نے چھان بین کی، ہر جماعت کے مذہبی اسرار کو کھولنے کی کوشش کی تاکہ اہل بدعت واہل سنت اور حق پرست وباطل پرست میں تمیز کر سکوں۔ میں نے کسی باطنی کو نہیں چھوڑا جب تک یہ نہ معلوم کر لیا کہ اس کے باطن کا راز کیا ہے۔ کسی ظاہری کو نہیں چھوڑا جب تک اس کا پتہ نہ لگایا کہ اس کی ظاہریت کا ماحصل کیا ہے۔ حقیقت فلسفہ سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا، اس لئے فلسفی بھی مجھ سے چھوٹ نہ سکا۔ متکلمین وصوفیہ بھی نہ بچ سکے، میں نے کوشش کی کہ متکلمین کے کلام کی غایت معلوم کروں' اور صوفیہ کی صفوت کا بھید' اس پر مطلع ہونے کے لئے میں زیادہ حریص رہا، عبادت گزار تو میں نے اُن پر نگاہیں لگا دیں کہ دیکھوں کہ انھیں حاصل عبادت کیا ملتا ہے۔ زندیق جو حالت تعطل میں رہتا ہے اس کی بھی تجسس میں رہا تاکہ معلوم کروں کہ اس کی جرادت کے کیا اسباب ہیں؟ حقائق کی دریافت کا سودا میرے سر کے لئے نئی چیز نہ تھا، یہ میری باہوش زندگی کی ابتدائی زندگی سے وابستہ ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ میری فطرت میں خدا کی طرف سے ودیعت ہے، محض میرے اختیار وخواہش سے نہیں اور اسی ذوق نے میرے لئے دورِ شباب کے آغاز ہی میں میری تقلید کی زنجیروں کو توڑا اور مجھے موروثی عقائد کے تاریک قید خانہ سے آزاد کر دیا"

Marfat.com

تقلید کی گراں باری اور موروثی عقائد کی چاردیواری سے رہائی' ساتھ ہی مختلف وگوناگوں آراء وعقائد پر عالمانہ وتنقیدی نظر کی بے باکانہ جراءت کی ذمہ داری جس چیز پر ڈالی جاتی ہے یقیناً وہ تشکیک ہے۔ دوسرے اہم واقعات کی طرح تشکیک کی ابتدا بھی انسانی ذہن میں اچانک نہیں ہوتی، یہ انسان کے تحت الشعور میں ابتداً دبے پاؤں قدم رکھتی ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے اقتدار کے لئے راہ نکالتی جاتی ہے۔ آخر کار روح انسانی پر اس کا کامل تسلّط ہو جاتا ہے۔ کبھی اس کے اسباب وعوامل بھی مختلف ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، بعض وقت اس کے اسباب اتنے خفی ہوتے ہیں کہ مُتفَحّص کی نظر سے بھی اوجھل رہتے ہیں، رہا یہ سوال کہ وہ اسباب کیا ہیں اور کب پیدا ہوتے ہیں ایسا سوال ہے کہ اس میں بحث کرنے والے مختلف نظریات کے حامل ہوتے ہیں' اسی طرح غزالی کے بارے میں بھی جن لوگوں نے بحثیں کی ہیں وہ ان کے اس دورِ زندگی کے بارے میں مختلف خیالات رکھتے ہیں۔

پروفیسر کامل ضیاد اور جمیل صلیبا کی ایک رائے ہے تو پروفیسر دیبور کی دوسری 'ڈاکٹر زویمر کی تیسری' پروفیسر میکڈانلڈ کی چوتھی' مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ تمام رائیں رجماً بالغیب ہیں' اور غلطی سے مبّرا نہیں' میرے نزدیک غزالی کی زندگی میں تشکیک کے دو اہم دور ہوتے ہیں۔

۱۔ پہلا دور جس میں شک خفیف طور پر نمودار ہوا' جیسا کہ اکثر اہل نظر افراد میں ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا دور جب کہ شک سخت اور تیز تر ہوتا جا رہا تھا' اور عقائدِ باطلہ کے خس وخاشاک کے لئے برق بنتا جا رہا تھا اسی طرح جیسا کہ اونچے درجہ کے فلاسفہ واہل فکر میں ہوتا ہے۔

غزالی نے اس پہلے دور میں اپنی نظر کے آگے متعدد فرقوں کو رکھا' اور ان کے ذہن کے سامنے مختلف ومتضاد عقائد وآراء پیش ہونے لگے' اپنے عقائد کو دوسرے فرقوں کے مقابل ایک فریق کی طرح رکھ کر بہ حیثیت ایک منصف کے انھوں نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ اپنے موروثی عقائد کی بوسیدہ دیوار ڈھا دی اور تمام فرقوں میں سچائی کے موتی کی تلاش کرنے لگے' ان کا شک اس مرحلہ میں (اگر ہمارا خیال صحیح ہے تو) اس بات پر آ ٹکتا ہے کہ حق کس فریق کیجانب ہے؟

Marfat.com

غزالیؒ نے اس سچائی کی تلاش کے لئے جن چیزوں کو معیار بنایا وہ دو تھیں ۱عقل و حواس ۲ظواہر کتاب وسنت۔ اس کے علاوہ ان دلائل وفروع سے بھی انھوں نے مدد لی جو اس زمانہ میں متعارف تھے۔ ان دلائل میں انھوں نے بلا کا اختلاف پایا' جیسا کہ وہ جواہر القرآن میں ایک جماعت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''ان کے پاس دلائل بہت متناقض ہیں' جس کی وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا'' اور اپنا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس بارے میں ہم کو کوئی تعجب نہیں ہے' واقعہ یہ ہے کہ اس میدان میں ہمارے اسپ خرد نے بارہا لغزشیں کھائی ہیں۔'' ان دلائل کا باہمی تناقض وتضاد اور اتنا زبردست اختلاف قدرتی چیز ہے' کیونکہ ان کی قوت وضعف اور حق وباطل کے مدارج ایک سے نہیں ہیں۔

ضروری تھا کہ غزالی کی توجہ ابتداً ان کی دلائل کی طرف ہوتی۔ پہلے تو وہ ان کو تنقیدی نظر سے پرکھ لیتے' پھر ان کے مدلولات کو جانچتے' کبھی وہ ان دلائل پر اس علم کی روشنی میں تبصرہ کرتے جس کو وہ ''یقینی'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں: اور جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: ''کسی معلوم کا انکشاف اس علم کے ذریعہ درجہ یقین تک پہنچ جاتا ہے، اور اس منزل میں شک کافور ہو جاتا ہے، کیونکہ اس علم کے ساتھ غلطی کا امکان نہیں غلطی سے امان اُسی وقت ملتی ہے جب ان درجہ کا یقین حاصل ہو جائے کہ اس یقین کو اس شخص کی کوشش بھی متزلزل نہ کر سکے جو پتھر کو سونا بنا سکتا ہو، یا لاٹھی کو سانپ، کیونکہ یہ یقین ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ حساب کے اس عام اصول کا علم کہ دس تین سے بڑھ کر ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ میں لاٹھی کو سانپ بنا سکتا ہوں تو یہ تماشہ دیکھنے کے بعد بھی حساب کے اس اصول سے میرا ایقان نہیں ہٹ سکتا، باوجودیکہ اس کی قوت اعجاز پر میرے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔''

جب علم حق غزالی کی نظر میں یہی ہوا تو اب حق کی میزان بھی وہی ہوگی جو اس کی طرف رسائی کراتی ہو، اور ظاہر ہے کہ جب وہ اپنے مطلوب کے تعین کے بارے میں اتنے سخت ہوں اور اعتبار وقوت کے اونچے درجہ کے طالب ہوں تو ضروری ہوگا کہ صرف عقل وحواس ہی منظور بارگاہ رہیں، باقی چیزیں رد کر دی جائیں، کیونکہ ان دونوں کے سوائے ان کے نزدیک کوئی چیز مطلوب کو ثابت نہیں کر سکتی تھی، اور یہی چیز اس وقت ان کے لئے نصب العین تھی۔

Marfat.com

تاہم غزالی عقل وحواس سے بھی کسی باقاعدہ امتحان سے گذرے بغیر مطمئین نہیں تھے، تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ منزل مقصود تک وہ حقیقتاً راہبر بھی ہوسکتے ہیں یا نہیں، کیونکہ اب وہ ان کی قوت میں بھی کمزوریاں محسوس کرنے لگے تھے۔ فرماتے ہیں "شک کرتے کرتے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ محسوسات بھی کسی پُرامن علم کی طرف رہنمائی نہیں کرسکتے، کیونکہ ان کی قوت کا بھی یہی حال ہے ان کے بھروسہ پر ہم کسی نتیجہ کی طرف نکل کر بعض وقت راستہ ہی سے لوٹ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر حسِ بصارت کو لیجئے جو سب سے زیادہ قوی اور قابل اعتبار حس سمجھی جاتی ہے، وہ سایہ کو محسوس کرتی ہے تو ساکن، اس کی حرکت کا اس کو احساس نہیں ہوسکتا، صرف تجربہ ومشاہدہ وعقل ایک گھڑی بعد اس کی تردید کردیتے ہیں، اب کہیں معلوم ہوتا ہے کہ سایہ متحرک ہے گو اس کی حرکت دفعتہً نہیں ہوتی، تدریجی ہوتی ہے، اس لئے سایہ کو ساکن تو نہیں کہہ سکتے، جیسا کہ یہ حسِ باور کراتی ہے۔ آنکھ تارے کو دیکھتی ہے تو اس کا جرم اس کو ایک دینار کے برابر محسوس ہوتا ہے، حالانکہ ہندسی دلائل بتلاتے ہیں کہ تارہ زمین سے بھی جسامت میں بڑا ہے۔ یہ ہے محسوسات کی حکومت کا حال، حاکم حِس ایک فیصلہ کرتا ہے، پھر حاکم عقل آکر اس فیصلہ کو قلمزد کردیتا ہے، پھر اختلاف بھی ایسا کہ سرتسلیم خم کئے بغیر چارہ نہیں۔"

اسی طرح حواس کی قوت پر سے غزالی کا بھروسہ اُٹھ گیا، اب امتحان کے لئے عقل کی باری آئی، لکھتے ہیں: "محسوسات مجھ سے کہتے ہیں کہ تم کس چیز پر اعتبار کرتے ہو؟ عقل پر؟ تم کو کیا اطمینان ہوسکتا ہے کہ اس کا بھی ہماری ہی طرح حشر نہ ہو، تم تو ہم پر بھی اسی طرح اعتبار کرتے تھے، مگر حاکم عقل آیا اور اس نے ہمارے فیصلوں کے ورق چاک کردیئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو تم ضرور ہمارے فیصلوں پر مہر تصدیق لگادیتے، لیکن ذرا سوچو تو کیا اس حاکم کا بھی کوئی بالاتر حاکم نہیں ہوسکتا، جس طرح کہ اس کو ہم پر بالادستی حاصل ہے، تو کیا وہ بھی اس کے فیصلوں کی بھی ویسی ہی تکذیب نہ کرے گا جیسا کہ وہ ہمارے فیصلوں کی کرتا ہے، اور اس کی قوت محسوس نہ ہونے کے باوجود اس کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا۔"

آگے غزالی لکھتے ہیں: "شعور نے ان کے جواب میں تھوڑا سا توقف کیا نیند میں یا حالت سکون ہی میں دل ان کے دلائل کی تائید کی طرف مائل ہوگیا، پھر وہی غیبی آواز میرے کانوں میں آنے لگی گویا وہی محسوسات مجھ سے کہہ رہے ہیں، !" کیا تم سوتے

Marfat.com

میں خواب نہیں دیکھتے، کیا مختلف واقعات ومرئیات کا وہاں نظارہ نہیں ہوتا، اور ان کے اثبات واستقلال کی تم کو ایک عارضی اور موہوم سی توقع نہیں ہو جاتی؟ تم سمجھتے ہو کہ تمھاری یہ لذتیں، یا تمھارے یہ آلام مستقل ہیں؟ مگر جب آنکھ کھل جاتی ہے تو یہ تمام عیش ومسرت یا ساری تکلیف ورنج سب پادر ہو جاتے ہیں، گویا ریت پر بنے ہوئے قلعے تھے جو زمین پر آرہے، پھر تم جس چیز کو بیداری کہتے ہو اور جس پر بھروسہ کرتے ہو کیا وہ خواب کے مقابلے میں بہت زیادہ پائیدار چیز ہے؟ کیا اس کے عیش ونعم، اس کے رنج وعذاب کو بھی کچھ ثبات ودوام حاصل ہے؟ کون ضمانت دے سکتا ہے کہ وہ بھی خواب ہی کی طرح نہیں؟ کیا ممکن نہیں کہ تم پر کوئی اور ایسی حالت طاری ہو جائے جو تمھاری اس نام نہاد بیداری کو بھی خواب ہی کی ایک قسم ثابت کر دے، اور جب یہ حالت تم پر طاری ہو تو یہ عیش وخورسندی جس کے مزے تمھارے دلوں کو موہ لیتے ہیں، داستانِ پارینہ کے خیالی مزے معلوم ہونے لگیں، اور اس کے خوف ورنج کا تمھیں ویسے ہی احساس ہونے لگے جیسے کسی افسانہ کے ہیبت ناک واقعات سُن کر تم پر لرزہ طاری ہو سکتا ہے۔ شاید ممکن ہے کہ یہ حالت وہی ہو جس کو صوفیہ ''احوال'' سے تعبیر کرتے ہیں اور ممکن ہے یہ حالتِ موت ہو، جیسا کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے: ''الناس نیام اذا ماتو افا نتبھوا'' (لوگ سو رہے ہیں جب مرتے ہیں تب جاگ اٹھیں گے) جب یہ خیالات میرے دل میں گزرنے لگے اور شعور میں جاگزیں ہونے لگے تب میں اپنا علاج سوچنے لگا، مگر کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا، سوائے اس کے کہ پھر اسی دلیل وبرہان کے سلسلہ کی آزمائش کروں، اس دلیل وحجت کی تشکیل علوم اولیہ کے اصول ہی سے ممکن تھی، مگر جس کا دل ان اصول ہی سے اُٹھ رہا تھا تو ان دلائل سے کیا تشفی حاصل کر سکتا تھا؟ پس مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، کے مصدق اس سوچ نے میری پریشانی میں اضافہ کر دیا، اس قسم کی حالت پریشانی جس کو ''سفسطہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے مجھ پر تقریباً دو مہینے طاری رہی۔''

یہ غزالی کے ایام تذبذب کا دوسرا دور ہے جس میں شک نے شدت کی کیفیت پیدا کر لی تھی۔ اس دور میں غزالی کسی چیز سے مطمئن نہیں تھے، کسی عقیدہ کی پابندی ان کے لئے گوارا نہ تھی، نہ کوئی دلیل ان کے دل میں تشفی کی پُر سکون لہر پیدا کر سکتی تھی، اور نہ کوئی حجت اس شک کی تیزی کے آگے تاب مقاومت رکھتی تھی، لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ خدا کی رحمت جنبش میں آئی اور اُس نے ان کی دستگیری کے لئے اپنا دستِ شفقت آگے بڑھایا

Marfat.com

اور انھیں اپنے سایۂ عطوفت میں لینے کے لئے آمادہ ہو گئے، مگر تائیدِ غیبی (جیسا کہ اس کی ہمیشہ عادت ہے) کبھی اچانک نہیں ہوتی، رحمت الٰہی پہلے تو اپنی چمک دکھلا دیتی ہے، گویا ایک تبسم دلنواز سے وہ پہلے تو نظر کر رہی ہے، مگر پھر انجان، (یہاں تک کہ بولنا پڑتا ہے

بجلی اک کوندگئی آنکھ کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لبِ تشنۂ تقریر بھی تھا)

آخر کار غزالی کو اس رحمتِ الٰہیہ نے، جس کے لئے وہ بہت بیتاب تھا، اپنے آغوشِ محبت میں لے لیا اور ان کو اس تسکین کا سامان عطا کیا جس کا حصول کسی اور ذریعہ سے ممکن ہی نہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اب میرا شعور صحت واعتدال کی پُر شباب سطح پر آ گیا ہے..................دو مہینہ کی مدت..........یہ ناقابل بیان ابتلا کا دور تھا، یہ اس شدتِ تشنگی کا دور تھا جس نے میری طلب میں حقیقت کی روح پیدا کر دی، اور حقیقی مسرت کے جام کو میرے ہونٹوں سے لگا دیا، اس کامیابی وفائز المرامی کے پیدا کرنے میں کسی دلیل وبرہان نے حصہ نہیں لیا، نہ کسی سجع وقافیہ بند کلام کی سحر آگیں قوت نے، اس تسکینِ لازوال کے پیدا کرنے میں جس کا حصہ رہا وہ نورِ الٰہی تھا وہ........... نورِ الٰہی ....جو علوم ومعارف کے گنجینوں پر ہم کو دسترس دلاتا ہے اور جو انسانی سینہ میں وہ وسعت وفراخی پیدا کر سکتا ہے جو کسی دلیل وحجت سے ممکن نہیں۔"

تاہم غزالی اس کو بھی عقل ہی کی کامیابی کی ایک قسم سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ عقلی ضرورت ایسی چیز نہیں جو باوجود اپنی شکست کے پرہٹا دیئے جانے کے قابل ہو، ایک درجہ میں وہ تحت الشعور کی اس کامیابی کو عقلی ضرورت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ علم یقینی کی طرف پہنچانے کا ایک وسیلہ ہے۔ بشرطیکہ اس کے استعمال کا طریقہ درست ہو،

اس طرح غزالی شک وتردد کے چکر کو جو حقیقت کی میزان کے گرد تھا، توڑ چکے تھے اور ضرورت عقلی کی میزان ان کے ہاتھ آ گئی تھی، اب فرقوں کے بارے میں شک رہ گیا تھا کہ کونسا فرقہ حق پر ہے، ابھی وہ اس مہم کو طے نہ کر سکے تھے، مگر جو میزان کہ ہاتھ آ گئی تھی اس کے ذریعہ ان مشکلات کے نبٹنے میں کوئی دشواری نہ تھی، اس لئے وہ آگے بڑھتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

Marfat.com

''جب خدا نے مجھے اس مرض سے شفا دی تو میں یہ اندازہ کرنے کے قابل ہوا کہ حقیقت کے متلاشی چار ہی گروہ کو قرار دیا جا سکتا ہے: ا۔ متکلمین جو اپنے آپ کو اہل نظر وفکر بھی کہتے ہیں، ۲۔ باطنیہ جو اپنے آپ کو ''فرقۂ تعلیمیہ'' کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں، جن کا خیال ہے کہ امام معصوم ہی انوارِ حقیقت کے سرچشمہ سے ابتدائی فیضان حاصل کر سکتا ہے۔ ۳۔ فلاسفہ، جو اپنے آپ کو اہلِ منطق وحجت بھی کہتے ہیں، ۴۔ صوفیا جو اپنے آپ کو اربابِ کشف ومشاہدہ ومقربین بارگاہ سعادت سمجھتے ہیں۔ میں پہلے فرقہ کے علم کلام کی جانچ اور دوبارہ نظر پر آمادہ ہوا، اور اس کے محققین کی کتابیں دیکھیں، یہ میدان میری دلچسپی کے لئے اُس وقت موزوں ثابت ہوا، یہاں میرے اشہبِ قلم نے بھی جولانیاں دکھائیں، کچھ مقالے اور کتابیں میں نے بھی اس علم میں تصنیف کیں، گو اس بارہ میں مجھے اطمینان نہ تھا کہ یہ علم حقیقت کی طرف پوری رہنمائی کر سکتا ہے، اور میرے مقصود کو بھی اس سے تشفی ہو سکتی ہے۔''

علم کلام کا مقصد کیا ہے؟ غزالی اس کی کسی قدر تشریح اس طرح کرتے ہیں:

''ایک مسلمان شخص کے عقیدہ کی حفاظت اس علم کا مقصد ہے۔ وہ جو اپنے عقائد کی بنیاد کتاب وسنت قرار دیتا ہو، اور یہ چاہتا ہو کہ ان شکوک وشبہات کے تیروں سے اس کا عقیدہ چھلنی ہونے سے محفوظ رہے جو چاروں طرف سے اس کی طرف یورش کر رہے ہیں، یا یہ مقصد ہے کہ جس شخص کا سینہ عقیدۂ اسلام کے نور سے خالی ہے اس میں یہ ابدی نورنیت پیدا کرے مگر نہ تو علم کلام کا یہ منصب ہے اور نہ اس سے یہ ممکن ہے، کیونکہ اس کے پاس جتنے بھی ہتھیار ہیں وہ سارے کے سارے بیرونی ساخت ہیں۔ اور اس کے حامل انہی دلائل ومسلمات کے ہتھیار لیکر آگے بڑھتے ہیں، جو بسا اوقات دھوکا دے دیتے ہیں، اور تارِ عنکبوت کی طرح کمزور اور بھدے ثابت ہوتے ہیں۔ متکلمین کی زیادہ تر توجہ مخالفین کے تناقضات واختلافات یعنی ان کی کمزوریوں کی تلاش میں ہی صرف ہوتی رہتی ہے اور انہیں کے مسلمات ومفروضات کی مدد سے وہ حجت وبرہان کا سامان حاصل کرتے ہیں۔''

یہ ہے علم کلام کا منشاء وفائدہ جو غزالی نے بتلا دیا، لیکن خود غزالی کا مقصد کیا ہے؟ مذہبی حقیقت کا ایسا ادراک جس کی عقل سے بھی تائید ہوتی ہو، یہاں تک کہ وہ ریاضی کے مسلمہ اصولوں کی طرح مضبوط ہو جائے۔ ان دونوں مقصدوں میں بڑا فرق ہے۔ اسی لئے

Marfat.com

غزالی علم کلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''جو شخص کہ سوائے ضرورت عقلی کے کسی چیز کو قطعاً تسلیم نہیں کرتا اس کے حق میں اس کا نفع تھوڑا ہے، میرے لئے بھی یہ ناکافی ثابت ہوا، اس سے میری کوئی شکایت رفع نہ ہوسکی ......۔اختلافات مذاہب میں حیرت کے تاثر کو رفع کرنے میں بھی وہ نام کا ثابت ہوا، کوئی تعجب نہیں کہ میرے سوا اور بھی لوگ اس سے اسی قسم کا گمان رکھتے ہوں، ہاں بعض لوگوں کے لئے اس کی افادیت ممکن ہے مگر یہ فائدہ زیادہ تر تقلیدی قسم کا ہے، اسے اوّلیات میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔اس سے صرف واقعہ کا اظہار مطلوب ہے، اس علم کی تنقیص وابطال قطعاً مقصود نہیں۔استفادہ کرنے والوں کے ظرف مختلف ہوتے ہیں، بہت سی دوائیں ہوتی ہیں جو ایک کو نفع دیتی ہیں تو دوسرے کو ضرر۔''

جیسا کہ ظاہر ہوا غزالی علم کلام میں تصنیف وتالیف کے بھی مالک ہیں، مگر ساتھ ہی ان کا اعتراف ہے کہ یہ ان کے مقصد کے لئے ناکافی سامان مہیا کرتا ہے۔اس سے ان کی تسکین نہیں ہوسکتی۔

ان لوگوں کو جو علماء سلف کے احوال سے بحث کرنے کی کوشش کرتے ہیں میرا یہ بے لوث مشورہ ہے کہ انھیں کسی شخص کی طرف کسی رائے یا عقیدہ کو منسوب کرنے میں جلدی نہ کرنی چاہئے محض اس بنیاد پر کہ اس نے اپنی کسی تصنیف میں اس کا اظہار کردیا ہے، اور یہی اس کا آخری اور پختہ خیال ہے۔انہیں چاہئے کہ مصنف کے ماحول کا بھی مطالعہ کریں جس میں وہ بوقت تصنیف گھرا ہوا تھا اور غور کرنا چاہئے کہ کیا وہ اس کتاب کو اپنی ذاتی اور آخری رائے قرار دیتا ہے یا اس کی تحریر میں کوئی اور محرک بھی کام کررہا تھا۔

متکلمین کے بعد غزالی نے اپنی توجہ فلسفیوں کی طرف پھیری تا کہ ان کی جانچ کرے خیال رہے کہ فلسفی وہ لوگ ہیں جو اپنے علمی مسلک کی بنیاد عقل پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔غزالی نے صرف اُن بحثوں کو ہاتھ لگایا ہے جن کا تعلق مذہب سے ہے، یہاں عقلی مسائل کے ان شعبوں کا ان کو علم ہوا جو مذہب کے مسلمہ اصول کی بیخ کنی کرتے ہیں مگر بنظر تعمق دیکھنے سے معلوم ہوا کہ فلاسفہ کی آراء میں کثیر اختلافات موجود ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ارسطو نے اپنے ہر ایک پیش رو کا رد لکھا ہے، حتیٰ کہ اپنے اُستاد کا بھی جو افلاطون الٰہی کے نام مشہور ہے۔ پھر وہ اپنے استاد کی مخالفت کا عذر اس طرح پیش کرتا ہے:-

Marfat.com

"افلاطون میرا دوست ہے اور سچائی بھی میری دوست ہے، مگر میں سچائی کو زیادہ دوست رکھتا ہوں۔" اس نقل سے ہمارا منشاء فلسفیوں کے مسائل و آراء میں علم استقلال ثابت کرنا ہے، جن کی بنیاد زیادہ تر ظنیات پر ہوتی ہے۔"

مگر بہت جلد غزالی نے اس بات کو پالیا کہ اسپ خرد کو اس راہ میں بے شمار ٹھوکریں لگتی ہیں۔

الٰہیاتی مسائل کا حل کر لینا اسالیب[1] عقلیہ کے لئے آسان بات نہیں ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

ہم واضح کرتے ہیں کہ فلسفیوں نے ان عقائد کی صحت کے لئے برہان منطقی سے مادہ قیاس کی جو شرط قائم کی ہے، اور کتاب قیاس میں اس کی صورت کے بارے میں جو شرطیں پیش کی ہیں اور جو طریقے کہ منطقی جزئیات اور ان کے مقدمات میں انھوں نے ایساغوجی وقاطیغوریا اس میں قائم کیے ہیں ان میں سے ایک کو بھی وہ علوم مابعد الطبیعیات میں استعمال نہ کر سکے۔"

اسی طرح غزالی للکارتے ہیں: "کہاں ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ مابعد الطبیعیات کے دلائل ہندسی دلائل کی طرح ناقابل تعارض ہیں؟" اور جب تک کہ مابعد الطبیعیات کے دلائل کی توضیح ریاضی کے ان حدود تک نہ پہنچ جائے جن کو غزالی مشروط سمجھتے ہیں وہ قابل قبول نہیں ہو سکتیں، اسی بنیاد پر غزالی نے فلسفیوں کا پیچھا کیا ہے اور اسی دور میں کتاب تہافتہ بھی حوالۂ قلم کی ہے۔

اس کے بعد غزالی کی توجہ فرقہ تعلیمیہ کی طرف ہوئی جو کہتے ہیں کہ "محض عقلی بنیادوں پر غلط باتوں پر ایمان نہیں لایا جا سکتا نہ عقل سے دینی حقائق کا اکتساب ہو سکتا ہے" اور اسی فیصلہ کی بناء پر غزالی بھی عقل کے امتحان کی خواہش کرتے ہیں، اور اس حد تک تو گویا یہ فرقہ غزالی سے متفق الرائے ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دینی قضایا کو یقینیات کے لباس میں ظاہر کرنے کا آخر وسیلہ کونسا ہے؟ کیا امام معصوم سے جو حقیقت کے سرچشمہ سے راست تعلق رکھتا ہے، ہماری نقل و روایت عمومی حیثیت سے بھی تشفی بخش ہو سکتی ہے؟ اس نقطہ نظر پر غزالی کافی بحث کے بعد بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ بھی حقیقت میں دھوکے ہی میں مبتلا ہیں، امام معصوم جس کو وہ فرض کرتے ہیں ایک شخص ایک خیالی تصویر ہے۔ جس کا واقعات سے کوئی تعلق نہیں، ان کے خلاف بھی غزالی نے متعدد کتابیں

Marfat.com

لکھی ہیں۔

اب چوتھا فرقہ رہ گیا یعنی صوفیہ جو کشف و معائنہ پر اعتبار رکھتے ہیں، اور علم ملکوت کے ساتھ اتصال اور اس کے ذریعہ لوح محفوظ کے اسرار غیبی پر اطلاع و دسترس کے مدعی ہیں، لیکن اس کشف و معائنہ کے حصول کا طریقہ کیا ہے؟ اس کا جواب وہ دیتے ہیں کہ یہ علم و عمل ہے پھر غزالی اس کی توضیح کرتے ہیں اور اپنی ذات سے اس کی تطبیق کرتے ہیں، جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں "میں نے بہت بڑے جاہ و مرتبہ کو خیر باد کہا اور زندگی فانی کی عارضی مسرتوں کو جو اس وقت مجھے بلا تکلیف حاصل تھیں، کسی اہم مقصد کی تلاش میں جواب دے دیا، اجتماعی لذتوں سے اس وقت کنارہ کش ہوا جبکہ ان کے حصول میں میرے لئے کوئی مزاحمت نہ تھی۔

اسی لئے غزالی دشت و بیاباں میں نکل پڑے، کبھی شام کی طرف گئے کبھی حجاز کی طرف، تیسری مرتبہ وہ مصر گئے، کیونکہ اسوقت انھوں نے خلوت گزینی و عزلت نشینی کو نصب العین بنالیا تھا، تاکہ اس صوفیانہ طریقہ کو آزمایا جائے جس کی بنیاد یہ تھی کہ "اس دار غرور کی لذات سے کنارہ کش ہو کر قلب کو دار خلود کی طرف مائل کیا جائے، اور اپنی پوری توجہ کو اللہ کی طرف پھیر دیا جائے اور یہ منشا اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ جاہ و مال سے منہ نہ پھیر لیا جائے اور عوام کی صحبتوں سے گریز کیا جائے۔ اور اپنے دل کو ایسی حالت کی طرف لایا جائے جس میں کسی چیز کا عدم اور وجود دونوں برابر معلوم ہوں۔"

ان کے طریقوں کی انتہا یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی تنہائی میں عزلت نشین کرلیا جائے، جہاں عبادتِ الٰہی فرائض و نوافل کی قسم سے انجام پائی جائے، اور قلب کو ہر بات سے خالی و فارغ کر کے توجہ میں یکسانیت پیدا کی جائے، پھر ذکر خدا کی طرف متوجہ ہو جائے، اس طرح کہ شروع میں زبان پر اللہ اللہ کا ورد برابر جاری رہے، حضور قلب و ذہن کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی مشق برابر بڑھتی جائے، یہاں تک کہ حالت یہ ہو جائے کہ زبان سے ذکر ختم کرنے پر بھی دل اس کو ختم نہ کرے، یہاں تک کہ لفظ بے ہوتے ہوئے دل میں صرف معنی کا تصور جمنے لگے، آخر کار لفظ و کلمہ کا تصور اپنے مفہوم کے تصور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا جانشین بنا کر رخصت ہو جائے۔ اس حد تک تو تم کو اپنے اختیارات محسوس ہوں گے، اس کے بعد معلوم ہوگا کہ اب تمھارے کوئی اختیارات نہیں رہے سوائے اس کے کہ تم دفع شبہات اور ازالہ وساوس پر قادر ہوتے جا رہے ہو، جب اس سے بھی

Marfat.com

آگے تمہارے اختیارات ختم ہوتے معلوم ہوں گے، تو اس وقت کا تمھیں انتظار کرنا چاہیے جبکہ تم پر غیبی فتوح ظاہر ہونے لگیں، جس طرح کہ اولیاء اللہ پر ظاہر ہوتی ہیں یا ان فتوح کا ایک جزء جو انبیاء پر ظاہر ہوا............ اس منزل میں تو اولیاء اللہ کے بے شمار مواقف ہیں یہ ہے صوفیانہ مسلک جس کے مدارج بالترتیب تطہیر، تصفیہ، وتجلیہ، پھر استعداد وانتظار میں توضیح اس کی اس طرح ہے کہ جب دل گناہوں کے میل کچیل سے پاک کیا جاتا ہے، پھر اطاعت وعبادت سے صیقل کیا جاتا ہے تو اس کی لوح جلا پاجاتی ہے، لوح محفوظ سے اس پر انعکاس نور ہونے لگتا ہے۔ یہی وہ علم ہے جس کو "علم لدنی" کہا جاتا ہے۔ جس کا اس آیت قرآنی میں ذکر ہے کہ "وَاٰتَیْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْماً (اس کو ہم نے اپنے پاس سے علم عطا کیا) خدا کے اس کلام میں کہ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لایحتسب" (جو خدا سے ڈرتا ہے اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنایا جاتا ہے، اور اس کو اس طرح روزی دی جاتی ہے کہ وہ خود بھی اندازہ نہیں کرسکتا) لفظ رزق کی صوفیہ علم بغیر تعلم ہی تفسیر کرتے ہیں۔

غزالی نے اسی طریقہ سے اپنے آپ کو آزمایا اور اسی سے ان کے دل کو صفائی وتنویر حاصل ہوئی، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں: "ان خلوتوں کے اثنا میں مجھ پر بہت سے امور کا انکشاف ہوا، جن کا شمار نہیں ہوسکتا، میں اس کی قدر محسوس کرتے ہوئے لکھتا ہوں تاکہ ہر طالب کو نفع پہنچے اسی سے مجھے معلوم ہوا کہ حقیقی راستہ پر چلنے والے اصل میں صوفیہ ہی ہیں، اور ان ہی کی سیرت قابل تقلید ہے، ان ہی کا مسلک منزلِ مقصود تک راہبر ہوسکتا ہے۔ ان ہی کے پاکیزہ اخلاق قابلِ پیروی ہیں، اگر تمام دنیا کے عقلاء وحکماء کی حکمت واسرار شریعت کے جاننے والوں کا علم بھی جمع کیا جائے تاکہ ان کی سیرت واخلاق سے بہتر کوئی نمونہ پیش کیا جاسکے، تو یقیناً یہ ناممکن ہے، ان کی تمام حرکت وسکنات، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی چراغ نبوت سے کسب ضیاء کی ہوئی ہیں، اور اس نور کے ماوراء اس علم میں کوئی ایسا نور نہیں جس سے فیضان حاصل کیا جاسکے۔ وہ اپنی بیداری میں بھی ملائکہ وارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کی آوازیں سنتے ہیں، اور ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

اب غزالی کو اس علم کا پتہ چلا جس کے وہ متمنی تھے، ان کی روح نے وہ ادراک حاصل کیا، جس کے بعد لغزش کی گنجائش کم ہے۔

اور اس طرح غزالی نے اس شک سے چھٹکارا حاصل کیا جو فرقہ ناجیہ کی معرفت

Marfat.com

کے گرد گھوم رہا تھا، اور اس شک سے رہائی حاصل کی جو میزانِ حقیقت کی پہچان میں حائل تھا اور اسی دور اور اس کے بعد کی تصنیفات کے اندر غزالی اپنی اصلی شکل میں نظر آسکتے ہیں اور ان کی مستقل اور آخری آراء و افکار کا کھوج اسی میں لگایا جاسکتا ہے۔ اس سے پہلے کی تصانیف ان کی اصلی تصویر نہیں پیش کر سکتیں۔ ان کے اس زمانے کی تحریروں کی صحت پر کامل بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ خود روح حقیقت سے آشنائی اور اس کی تلاش کے فرق کو واضح کرتے ہیں اور غور و تامل پر آمادہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک لوگ اپنی ذہنی استعداد کے لحاظ سے مختلف مدارج رکھتے ہیں۔ اور مذہب ایسا وسیع میدان ہے جس کے اندر بکثرت انسانی جماعتوں کا ورود ہوتا ہے، اس لئے ممکن نہیں کہ سب بلحاظ فکر و بصیرت ایک سے ہوں، ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے ذہنی قویٰ کو زیادہ استعمال کرتی ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو حقائق کی تصویروں پر سے گزر جاتی ہیں اس طرح ان کے نزدیک لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ عوام، جن کی ذہنی استعداد بہت پست ہے، وہ زیادہ تر سکون پسند ہیں۔

۲۔ خواص، جو لوگ بصیرت و ذکاوت کی روشنی سے بہرہ مند ہیں۔

۳۔ ان دونوں کے درمیان ایک اور جماعت ہے جن کو اہل جدال کہنا چاہیے کیونکہ یہ مجادلہ پسند ہوتے ہیں۔ ان میں سے خواص کا ذکر سنئے۔ میرا اسلوک ان سے اس طرح ہوتا ہے کہ انہیں مقادیرِ صحت کا علم پیش کرتا ہوں۔ اور معیارِ حسن و قبح کو ان کے آگے رکھ دیتا ہوں۔ تو ان کا تذبذب رفع ہو جاتا ہے، اور وہ صواب و خطا میں تمیز کر کے تسلی پالیتے ہیں ان لوگوں میں تین خصلتیں ہوتی ہیں۔

تیز ذہن ۱ قوی ادراک ہوتے ہیں، اور یہ فطری عطیہ اور جبلی ملکہ ہے، اس کا اکتساب ناممکن ہے ۲۔ ان کا باطن تقلید یا تعصب مذہبی سے (جو موروثی و سماعی مسائل پر ذہن کو مرکوز کر دیتا ہے) خالی ہوتا ہے۔ کیونکہ مقلد کسی بات پر کان نہیں دھرتا، اور کند ذہن اگر ایسی باتیں سنتا بھی ہے تو سمجھ نہیں سکتا۔

۳۔ وہ مجھ پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ میں میزانِ حقیقت کا آشنا ہوں، اگر کوئی شخص تم کو حساب داں نہ سمجھے تو تم وہ علم حساب حاصل بھی نہیں کر سکتے۔

رہ گئے سادہ ذہن یعنی عوام تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے دماغ میں ادراکِ حقائق کی صلاحیت نہیں ہوتی البتہ یہ راہِ ہدایت کی طرف موعظت کے اصول کے ذریعہ بلائے

Marfat.com

جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ اہل بصیرت حکمت کے اصول کے ذریعہ بلائے جاتے ہیں، اور مجادلہ پسند لوگوں سے تو مجادلہ ہی بہتر ہوتا ہے، مگر اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ احسن طریقہ سے ہو، انہی تینوں اصول کو قرآنِ حکیم میں اس طرح پیش کیا گیا ہے "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔" اس آیت میں گویا کہ یہ بتلایا گیا ہے کہ حکمت کے اصول سے بلائے جانے کے قابل ایک گروہ ہوتا ہے، موعظت سے ایک گروہ کو بلایا جاتا ہے، اور مجادلہ سے ایک گروہ کو، حکمت کی غذا سے اہل موعظت کی پرورش کی جائے تو انھیں ثقیل ہوگی جیسا کہ پرندے کا گوشت شیر خوار کے لئے مضر ہوتا ہے۔ اگر اہل مجادلہ کے ساتھ اہلِ حکمت کا سا معاملہ کیا جائے تو انھیں اس سے بیزارگی پیدا ہوگی، جیسا کہ مُتجاوزِ سن بچہ کو ماں کا دودھ بھی موافق نہیں آسکتا، اگر اہل مجادلہ کے ساتھ مجادلہ تو کیا جائے مگر غیر احسن طریقہ پر ہو تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کسی بدوی عرب کو روٹی کھلائی جائے جو صرف کھجور کی غذا کا عادی ہے، یا کسی شہری کو محض کھجور کی غذا پر رکھا جائے، حالانکہ وہ روٹی کا بھی عادی ہے۔

اہل مجادلہ ذہنی اعتبار سے تو عوام سے کسی قدر اونچی سطح پر ضرور ہوتے ہیں، لیکن ان کی ذہنیت میں کافی نقص ہوتا ہے، ان کی فطرت کمال کی طرف مائل ضرور ہے، مگر ان کے باطن میں خبث و عناد اور تقلید و تعصب ہوتا ہے، اور یہی چیز ان کے لئے ادراکِ حقیقت سے مانع ہے، کیونکہ یہ صفات ان کے دل پر ٹھپہ بن کر بیٹھتی ہے، جس کی وجہ سچائی سے ان کا دل گریز کرتا ہے، ان کے کان اس سے نفور کرتے ہیں، مگر آپ انہیں تلطف و مدارات سے حق کی دعوت دیجئے، تعصب و عناد سے ہٹ کر انہیں نرمی سے سچائی کی طرف بلایئے تو وہ آجائیں گے، یہی مجادلہ احسن ہے، جس کی قرآن شریف میں ہدایت کی گئی ہے۔"

اس اقتباس میں غزالی یہ بتلاتے ہیں کہ ذہنی اعتبار سے لوگوں کے درجات متفاوت ہوتے ہیں، اور اسی جماعتِ انسانی میں ایک گروہ ایسا بھی ہوتا ہے جس پر حقیقت کے رموز مخفی رہتے ہیں، کیونکہ ان کی قوت مدرکہ اس کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتی، اسی لئے شریعت نے حکم دیا ہے کہ لوگوں سے گفتگو کرو تو ان کی عقلوں کے لحاظ سے کرو، حدیث شریف بھی ہے کہ "خاطبوا الناس علیٰ قدر عقولهم اتریدون ان یکذب اللّٰہ و رسولہ" (یعنی لوگوں سے ان کی عقل کے اندازہ سے گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ خدا اور رسول جھٹلائے جائیں) اس حدیث کو غزالی نے اپنی کتابوں میں اکثر پیش کیا ہے۔

Marfat.com

اپنی اس صراحت پر مزید استدلال کرتے ہوئے غزالی فرماتے ہیں "مذہب ، جو ایک مشترک نام ہے، تین درجوں میں تقسیم ہے:

ا۔ ایک تو وہ جس کے ساتھ مناظروں اور مجادلوں میں تعصب سے کام لیا جاتا ہے۔

۲۔ وہ جو عملی تعلیم وارشاد کے ساتھ چلتا ہے۔

۳۔ وہ جس پر اسی وقت تک اعتبار کیا جاتا ہے، جب تک کہ نظریات بھی اس کا ساتھ دیں اور ہر کامل کے لئے اس اعتبار سے تین مذاہب ہیں:

معنیٰ اول کے لحاظ سے جو مذہب ہوتا ہے وہ آباؤ اجداد کے تخیلات کا آئینہ دار ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ استاد یا اہلِ وطن کے معتقدات ذہنی کا علمبردار، جغرافی یا تعلیمی اختلافات کے ساتھ اس میں بھی رنگارنگی کا پیدا ہو جانا ظاہر ہے۔ مثلاً کوئی شخص معتزلہ کے شہر میں پیدا ہوتا ہے، یا کوئی اشعری، یا شافعی، یا حنفی کے وطن میں تو اپنے سنِ شعور ہی سے وہ خود کو اپنی جماعت کے ساتھ نسبت دینے پر مجبور پاتا ہے، پھر ساتھ ہی تعصب بھی اس کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ اپنی ہی بات کو صحیح سمجھے اور دوسرے کی غلط، اس طرح کہا جائے گا کہ فلاں اشعری یا معتزلی، یا شافعی، یا حنفی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ان کے عقائد میں پوری طرح جکڑا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ معاملاتِ ظاہری میں بھی وہ اپنے ہی ہمنام فرقہ کے ساتھ تعاونی جذبات رکھے گا، جیسا کہ بادیہ نشین عرب قبائل میں ایک ایک قبیلہ کا فرد اپنے ہی قبیلہ کے افراد کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے۔

دوسرا مذہب: یہاں یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اس مذہب سے فائدے وہدایت کا طالب ہوتا ہے تو اس کو اس کی تلقین کی جاتی ہے، پھر ایک ہی اصول پر بس نہیں کیا جاتا، بلکہ طالب ہدایت کے ظرف کے اعتبار سے اصول مختلف ہوتے ہیں، کیونکہ طالب کے درجہ فہم وذکا کا خیال رکھا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی ترکی یا ہندی کا طالب مل جائے ، یا کوئی کند ذہن اور درشت فطرت طالب آجائے اور اس سے کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو کسی مکان میں محدود نہیں ہے نہ وہ داخل عالم ہے نہ خارج عالم ہے، نہ اس سے متصل ہے نہ اس سے منفصل، تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کے وجود ہی سے انکار کر بیٹھے، ہاں البتہ اگر اس سے کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ وہ ہے جو عرش پر متمکن ہے، وہ اپنے بندوں کی پیدائش سے راضی رہتا ہے، ان سے خوش ہو سکتا ہے، ان کے اچھے

Marfat.com

عملوں کا اچھا بدلہ اور اچھی جزاء دیتا ہے تو اس پر اس کا کیسا اچھا اثر ہوگا۔

ہاں کبھی یہ بھی ممکن ہے کہ طالب کی تعلیمی حیثیت کے لحاظ سے بعض اونچے درجہ کی باتیں جن میں سچائی کی روح ہوتی ہے اس کے فہم وذکا کے لئے زیادہ نامانوس ثابت نہ ہوں، ایسے وقت تعلیم وہدایت کا دوسرا رنگ بھی ہوسکتا ہے۔

تیسرا مذہب: جس کا حامل اپنے عقیدہ کو خدا اور اپنے درمیان ایک راز سمجھتا ہے۔ جس پر سوائے خدا کے کوئی واقفیت نہیں رکھتا، اپنے کسی خاص محرم راز کے سوائے اپنا مافی الضمیر وہ کسی کو نہیں بتلاتا یا کسی ایسی ہی ہستی کو وہ راز دار بنا سکتا ہے۔ جس کو وہ اس درجہ کے قریب سمجھتا ہے، اور اس راز کا دانا ہونے کی اہلیت اس میں پاتا ہے، اس کی ذکاوت اور رشد طلبی کی قابلیت پر اس کو بھروسہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد غزالی نے اس حامل راز کی صلاحیت کی شرائط بتائی ہیں جن کا پہلے بھی ذکر ہوا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزالی سادہ ذہن والوں سے خدا کے بارے میں وہ کلام کرنا چاہتے ہیں جو ایک ذی فہم وبصیرت افراد کے ساتھ گفتگو سے الگ ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حقیقت کی تصویر مختلف پیرایوں میں کھینچتے ہیں، جس کو وہ صلاحیتوں اور استعدادوں کے فرق مراتب کی بناء پر ضروری سمجھتے ہیں۔

اس طرح ان کے اس دور میں بھی (جسے دور اطمینان وکشف کہنا چاہیئے) لکھی ہوئی کتابوں اور مقالوں سے ان کی آراء کی عکس کشی نہیں ہوسکتی، تا کہ ان کے حقیقی خیالات کی تحدید کی جا سکے۔

اس کے بعد ہمارے لئے ممکن ہو جاتا ہے کہ غزالی کے عرصۂ زندگی کو تین دوروں میں تقسیم کریں

پہلا دور ۱۔ جو شک کی ابتداء سے پیشتر کا دور ہے۔

دوسرا ۲۔ جو شک یا کشمکش ذہنی کا دور ہے۔

تیسرا ۳۔ طمانیت وسکون کا دور۔

پہلا دور جو شک سے پہلے تھا وہ ناقابل تفحص ہے، اس دور میں وہ طالب علم تھے، پختگی فکر کے اس درجہ پر جو انہیں کسی مستقل رائے کے قائم کرنے کے قابل بناتا وہ پہنچ نہ سکے تھے۔ ہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ شک نے انہیں عنفوان شباب کے دور ہی میں آ ملایا تھا۔

Marfat.com

رہ گیا دوسرا دور تو اس میں سے بھی شک کے شدید دور کو الگ کر دینا ہوگا، کیونکہ اس میں وہ کسی نقطہ پر نہیں پہنچ سکے، البتہ شک خفیف کا دور ہمارے لئے قابل بحث ہے، اس کا عرصہ بھی طویل ہے، کیونکہ سن رشد کے آغاز سے تصوف واہتداء کی روشنی حاصل کرنے تک اس کا تسلسل باقی رہا ہے، ہم نے جیسا کہ بتلایا ہے کہ اس دور میں علم کلام پر غزالی نے کتابیں لکھی ہیں، اور فلسفے نیز مذہب باطنی پر تنقید کی ہے، اور نیشاپور و بغداد کے مدرسوں میں معلمی کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ حیرت انگیز چیز یہ ہے کہ حقیقت کی تلاش میں سرگرداں دماغ نے اس زمانے میں ایسی تصنیفات پیش کی ہیں جو حقیقت کے مدعا پر ایجابی نقطہ نظر سے بحث کرتی ہیں، اور آداب تدریس میں بھی اس سنجیدگی سے سر مومنحرف نہیں، ایجابی تصنیف وتدریس سے مراد یہ ہے کہ وہ جو تقریر وتشریح اس بارے میں کرتے ہیں شک وتنقید سے ماوراء ہوتی ہے۔

تعجب نہیں کہ ایک متشکی دماغ سے سلبی تالیف وتدریس بھی ظہور میں آئے، یعنی تنقید وتبصرہ بھی اپنی عبارتوں میں وہ کرتا جائے، کیونکہ جب کوئی سنجیدہ متشکی دماغ کسی حقیقت کے تسلیم کرنے سے پس وپیش کرتا ہے اور حقیقت مطلوبہ کو تاریکی میں سمجھتا ہے تو ایسے موقع پر کبھی وہ اپنے رشحات قلم میں یا کسی درسی تقریر میں اگر اپنے ان شبہات کی جھلک پیش کر دے اور پھر سنجیدگی کے ساتھ ان پر تنقیدی نظر ڈالے تو کوئی تعجب نہ ہوگا فلسفہ اور مذہب تعلیمیہ کے مباحث پر تنقید وتجسس میں غزالی کا تقریباً یہی رنگ ہے۔

البتہ زیر نظر کتاب ''تہافہ'' (جس میں فلسفہ پر تنقید کی گئی ہے) کا ناظر محسوس کریگا کہ اس کا لکھنے والا اپنے ذہن میں ایجابی نکات کا حامل ہے، وہ اپنے راستہ کی توسیع وترمیم کی طرف اس لئے متوجہ ہے کہ مخالف کا راستہ بند ہو جائے۔ اس میں ان کو وہ یہ لکھتے ہوئے پاتا ہے کہ ''ہم نے اس کتاب میں جس چیز کو پیش نظر رکھا ہے وہ مخالف کی تکذیب ہے، رہا مذہب حق کا ثبوت تو اس کے لئے کسی دوسری فرصت کا انتظار ہے، ممکن ہے کہ اس کے بعد ہم اس مبارک مہم کی انجام دہی کی طرف متوجہ ہوں، ہمارے پیش نظر اس موضوع پر ایک کتاب کی تالیف ہے جس کا نام ہم قواعد العقائد رکھنا چاہتے ہیں، اس کام کی انجام دہی کے لئے ہم خدا کی مدد کے طالب ہیں، اس میں ہم اس طرح حقیقت کے ثبوت کی طرف توجہ کریں گے، جس طرح کہ ہم اس کتاب میں مخالف کے نظریات کے انہدام کی طرف متوجہ تھے''

Marfat.com

بعد میں غزالی نے اپنا وعدہ پورا کیا اور انھوں نے ''قواعد العقائد'' کے نام سے ایک کتاب علم کلام میں تصنیف کی اس سے ظاہر ہے کہ غزالی فلسفہ کی عمارت کو اس لئے ڈھا رہے ہیں کہ جدید علم کلام کی حسین عمارت چنیں، وہ علم کلام جس کے عقائد ان کے نزدیک مسلّم تھے۔

پس ان ایجابی معتقدات کی اقدار کو جو اس کتاب ''تہافہ'' کی روح ہیں آئندہ علم کلام اور ان کے تدریسی تقاریر کی بنیاد سمجھنا چاہیے، یہی اقدار مجموعی طور پر یہ سوال پیدا کرتی ہیں کہ ایک متشکی دماغ کو جو حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہو، حقیقت کی ایسی ایجابی تصویر کھینچنے میں، چاہے تحریر میں ہو یا تقریر میں کس طرح کامیابی حاصل ہوئی۔؟

مگر نہیں، غزالی خود اس مشکل سوال کو حل کیے دیتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے گذشتہ بیانات میں توضیح کر دی تھی کہ مذہب کے تین معانی ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ مذہب جو محض بربناء عصبیت گلے لگا لیا جاتا ہے، کیونکہ وہ اہل وطن کا مذہب ہے یا اہلِ خاندان یا اُستاد کا۔

۲۔ ہدایت کے سچے متلاشیوں کا مذہب جو ان کے ذہنی مدرکات کے تفاوت کے ساتھ متفاوت ہوتا ہے۔

۳۔ وہ مذہب جس کو کوئی شخص اپنی ذات کے لئے مختص کر دے، دوسرے پر اس کے اسرار کھولنا مناسب نہ سمجھے۔ سوائے اس کے کہ جس کو اس کا اہل یا محرم راز سمجھتا ہو، جیسا کہ پہلے بتلایا گیا۔

پس غزالی کی حالت شک تیسرے معنی کے لحاظ سے ہے یعنی وہ اس حقیقت کا کھوج لگانا چاہتے تھے، جس کو وہ اپنا دین بنا رہے تھے اور اسی کی بناء پر وہ روح حقیقت سے اتصال کے آرزومند تھے، اس شک سے یہ مراد نہیں وہ اس مذہب کا پیچھا اٹھائے ہوئے ہیں جس کو عوام اپنے معتقدات کے تاج کا ہیرا سمجھتے ہیں، اس کو توڑنا چاہتے ہیں یا جس ہار کو وہ پرو رہے ہیں اس کو دھکا دے کر بکھیرنا چاہتے ہیں، بے شک مذہب اہل سنت اس وقت حکومت کا مذہب تھا جس کے سایہ میں ان کی نشوونما ہوئی تھی، اور ان مدارس کا مذہب تھا جن کے ہاں ان کے لکچروں کے لئے کھلے ہوئے تھے، ان استادوں کا مذہب تھا جنھوں نے ان کی تعلیم و تربیت کا بیڑہ اٹھایا تھا، اس لئے ان کی کتب کلامیہ تمام تر اسی دیباچہ کی نمائندہ ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں ''تمام تعریف اس خدا کے لئے ہے جس نے اپنے

Marfat.com

برگزیدہ بندوں میں سے حق کی جماعت چنی اور اہل سنت کا انتخاب کیا۔"

پس یہ واضح ہے کہ جس دور میں وہ حقیقت کے متلاشی رہے ہیں اس دور کی تصنیفات و تحریرات سے ان کے افکار و آراء پر کوئی مستقل حکم لگانا صحیح نہیں ہو سکتا۔

رہ گیا تیسرا دور جس میں وہ صوفیانہ کشف کے نظریہ کی طرف راہ پاتے ہیں، یہ وہ دور ہے جس میں ان کے رشحات قلم پر کچھ صحیح رائے زنی کی جا سکتی ہے۔ اور ان کا عندیہ معلوم کیا جا سکتا ہے، تاہم اس دور کی ساری تصنیفات سے نہیں، کیونکہ غزالی آخری دونوں معنی کے اعتبار سے اس دور میں بھی پوری طرح آزاد نہ تھے، بلکہ وہ اس موقع پر بھی بعض جگہ ناقابل پیمائش گہرائی میں غوطہ زنی کرتے ہیں، جیسا کہ وہ آخر میں آگاہ کرتے ہیں کہ "میری خاص خاص کتابیں بھی ہیں جن کو جمہور کی نظر سے بچانا چاہتا ہوں، ان میں میں نے خالص حقیقت اور صریح معرفت کے موتی بکھیرے ہیں۔ کسی غواص حقیقت یا حقائق کے رمز آشنا ہی کے لئے سزاوار ہے کہ ان موتیوں کو چننے کی فکر کرے، اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ ایسے افراد بہت کم نکلیں گے جو ان موتیوں کے ساتھ بھی سنگریزوں کا سلوک نہ کریں۔"

اس کے بعد میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ تاریخ حکمت و دانائی کا یہ ایک چمکتا ہوا ورق ہے جو متجسس نگاہوں کو سبق دیتا ہے کہ اپنی لوح بصیرت و فکر کو تقلید و رجعت کے بدنما دھبوں سے محفوظ رکھیں۔

کتاب تہافہ کی اہمیت

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے غزالی نے کتاب "تہافہ" کو اس وقت تالیف کیا ہے جبکہ وہ شک خفیف کے دور سے گذر رہے تھے، یعنی ابھی حقیقت کی اس روشنی کی طرف ہدایت یاب نہیں ہوئے تھے، جس سے وہ بعد میں آشنا ہوئے۔ اس اعتبار سے کتاب تہافہ کو ان ماخذوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ جن سے غزالی کے خیالات کا عکس لیا جا سکتا یا ان کے علمی میلانات کا پتہ لگایا جا سکتا ہو، نیز غزالی نے اپنی تحریرات کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

Marfat.com

ایک قسم تو وہ ہے جس کو وہ "نااہلوں سے چھپے رہنے کے قابل تحریرات" کہتے ہیں ،اس قسم کی تصانیف کا ایک حصہ تو وہ اپنے ہی لئے مخصوص کرتے ہیں، دوسرے حصوں سے ایسے اشخاص کو استفادہ کی اجازت دیتے ہیں جو خاص شرائط کے حامل ہیں، (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) مگر یہ شرائط کسی شخص میں مشکل ہی سے پائی جاسکتی ہیں۔

دوسری قسم ان کی تصانیف کی وہ ہے جو جمہور عوام کے لئے اور انہی کے لئے مخصوص ہے۔ ان کے عقلی استعداد کے لحاظ سے کتاب تہافہ کو وہ دوسری قسم میں شمار کرتے ہیں، اس لئے بھی اس سے غزالی کی حقیقی آراء کی تصویر کشی نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں "ہمارے رسالۂ قدسیہ میں عقیدہ کے متعلق جو دلائل پیش کی گئی ہیں وہ بیس ورق میں پھیلی ہوئی ہیں، وہ ایک فصل ہے کتاب قواعد العقائد کی (اور کتاب "احیاء،) کا ایک جزو ہے، لیکن عقیدہ کی بیشتر دلائل زیادہ تحقیق اور زیادہ دلچسپ مسائل واشکال کی توضیح کے ساتھ ہم نے کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں پیش کی ہیں، جو تقریباً ایک سو ورق میں پھیلی ہوئی ہیں، یہ ایک یکتا کتاب ہے جو اپنی خصوصیات کے اعتبار سے گویا علم کلام کا نچوڑ ہے، ہم نے اس کو نہایت تحقیق سے لکھنے کی کوشش کی ہے، اور موجودہ علم کلام کے سرچشموں سے اس کے ذریعہ خوب آگاہی ہوسکتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب عقیدہ کی تو تشکیل کرسکتی ہے لیکن معرفت کی تنویر نہیں کرسکتی، کیونکہ متکلم (ماہر علم کلام) بھی عامی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، بلا اس کے کہ اس کا دماغ ایک عامی کی بہ نسبت زیادہ معلومات سے روشن ہوتا ہے، اور عامی محض عقیدہ کا متلاشی ہوتا ہے، اور متکلم اپنے عقائد جامدہ کے لئے کچھ دلائل کی بھی سند رکھتا ہے، جس کو وہ اپنے اعتقادات کی سپر جانتا ہے، اور ان کو اہل بدعت کی یورشوں سے بچاتا ہوا پھرتا ہے، اس کے عقائد کی گرہ کشائی سے معرفت کے حسین چہرہ کی نقاب کشائی نہیں ہوسکتی۔ اگر تم نسیم معرفت کے جھونکوں کے لئے اپنے سینہ کے دریچوں کو کھولنا چاہتے ہو تو تمہیں کتاب الصبر والشکر میں سے اس کی کچھ لہریں مل سکتی ہیں "یا کتاب التوکل،" کی ابتداءُ میں باب التوحید ہے، اور یہ سب کتابیں احیاء میں ہیں، اور ایک بڑی مقدار ان معلومات کی جن سے تمہارے ذوق معرفت کی کچھ زیادہ تسکین ہوگی "کتاب "المقصد الاسنیٰ فی اسماء اللہ تعالیٰ"، خصوصاً اسماء مشتقہ من الافعال کی بحث میں اگر تم ابن عقیدہ کے حقائق کے ہمراہ سچی طلب کے ساتھ صریح معرفت کے خواہش مند ہو تو یہ بحث تمہیں صرف ہماری ان کتابوں میں ملے گی جنہیں ہم نااہلوں کی آنکھوں سے

Marfat.com

پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں، خبردار جب تک کہ تم واقعی اس کے اہل نہ بنو، انہیں ہرگز ہاتھ نہ لگانا ہاں تمہیں اس کا اہل بننے کے لئے اپنے اندر تین خصلتیں پیدا کرنی چاہئیں۔

۱-علوم ظاہری کی تحصیل میں استقلال اور اس میں کامل بننے کی کوشش۔

۲-اخلاق ذمیمہ کے میل کچیل سے اپنی روح کو بالکل پاک کر لینے کے بعد دنیا کی ہوا و ہوس سے اپنے قلب کا تخلیہ' یہاں تک کہ تمہارے قلب میں سوائے سچائی کی طرف میلان کے اور کوئی جستجو باقی نہ رہے، اور تمہیں کوئی کام نہ ہو سوائے اس کے، اور کوئی مشغلہ نہ ہو سوائے حق پرستی کے اور نہ تمہاری زندگی کا اس کے سوائے کوئی اور نصب العین ہو۔

تمہیں اپنی فطرت کا جائزہ لینا چاہئے کہ آیا سعادت کے خمیر کی اس میں گنجائش ہے، اس کی دریافت کے لئے تمہیں علوم کی گہرائیوں کا ادراک بھی کرنا پڑے گا اور تمہارے ذہن کو اچھی طرح روشن ہونا پڑے گا۔ الخ''

غزالی کی مذکورہ عبارت سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ انھوں نے عام کتابوں کو ایک طرف کر دیا ہے، اور نا اہلوں سے پوشیدہ رکھنے کے قابل کتابوں کو بھی ایک طرف' آخری صف کی کتابیں ہی مصنف کے دلی خیالات کی آئینہ دار ہیں' رہی کتاب تہافتہ تو وہ علم کلام کی کتابوں میں سے ایک ہے، اور یہ وہ نہیں ہے جنھیں وہ نا اہلوں سے چھپانا چاہتے ہیں۔ آخری صف کی کتابوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ غزالی اس کے ناظر سے یہ عہد لے لیتے ہیں کہ ان کے اسرار کو بھی وہ پھیلنے نہ دے گا، اور اپنے سوا یا اس شخص کے سوا جس کے اندر شرائط مقررہ جمع ہوں کسی نا اہل کے دماغ تک جانے نہ دے گا، اور تہافتہ کے لئے مصنف نے کوئی عہد نہیں لیا، کیونکہ وہ علم کلام کی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے، چنانچہ جواہر القرآن میں لکھتے ہیں: ''اور انہیں علوم میں سے جو کفار سے حجت آفرینی اور مجادلہ کے لئے وضع کیے گئے ہیں۔ اور جن سے علم کلام کی شاخ پھوٹتی ہے، جس کا مقصود بدعت و ضلالت کی تردید ہے اور جس سے ماہرین علم استناد کیا کرتے ہیں، اور ہم اس کی تشریح دو طریقوں سے کرتے ہیں، ان میں ایک قریبی طریقہ ''رسالہ قدسیہ'' میں اختیار کیا گیا ہے، دوسرا اس سے بالاتر طریقہ ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' میں اور اس علم کا مقصود عوام کے عقائد کی اہل بدعت کے حملوں سے حفاظت کرنا ہے اور اس علم نے عوام کے ذہن کی تفریح بھی ہوتی ہے۔ بعض دلچسپ حقیقتوں کا انکشاف بھی ہو جاتا ہے، اسی علم سے متعلق ہم نے کتاب تہافتہ الفلاسفہ لکھی ہے۔''

Marfat.com

اور اسی طرح غزالی' کتاب جواہر القرآن میں لکھتے ہیں: ''اور یہی وہ علوم ہیں جن سے میری مراد علم ذات وصفات وافعال الٰہی اور علم آخرت ہے، اس کی کچھ مبادیات وتشریحات ہم نے اپنی بعض تصانیف میں درج کئے ہیں۔ ایک ایسے شخص کے لئے جس کے پاس وقت کی کوتاہی' مشاغل کی کثرت' آفتوں کا ہجوم' مددگاروں اور رفیقوں کی کمی کی ہمیشہ سے شکایت رہی ہو' اتنے بڑے کاموں کا انجام دینا مشکل تھا، تاہم ہم نے اپنی مقدور بھر کوشش اور خدمت کی ہے، اور ہمیں گمان ہے کہ ہماری قلمی کاوشیں اکثر ذہنوں پر بارگزریں گی اور ممکن ہے کہ بعض غیر سنجیدہ مذاق والوں کے لئے ضرر بخش بھی ہوں خصوصاً ظاہر پرستوں کے لئے' اس لئے میرا مشورہ ہے کہ وہ لوگ اس سے ذرا دور دور ہی رہیں، اور جن لوگوں نے کہ اس سے فائدہ حاصل کیا، وہ ان معلومات کو نا اہلوں کے ہاتھوں پہنچنے سے بچائیں۔ سوائے ان لوگوں کے کہ جن کے اندر صفات متذکرہ جمع ہوں۔''

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ غزالی کے افکار وخیالات کی ترجمانی صرف دوسری صف کی کتابیں کر سکتی ہیں اور کتاب تہافہ کا تعلق پہلی صف سے ہے، لہذا اس سے غزالی کے حقیقی خیالات کا استنباط نہیں ہو سکتا۔

آخر میں ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ غزالی نے اس کتاب کی تصنیف اس وقت کی ہے جبکہ وہ شہرت وجاہ کے طالب تھے، اور اس مذہب کی تائید کرنا چاہتے تھے جو مقبول عوام تھا نہ کہ مذہب حق کی فی نفسہٖ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اہل سنت کا فرقہ اس زمانہ میں معتزلہ وفلاسفہ کی عقلی کارگزاریوں کے مقابلے میں مرعوب اور اپنی پستی محسوس کر رہا تھا، اور ایسے وکلاء وحامیوں کا طالب تھا جو اس کے مذہب کی اس طرح حمایت کریں کہ ان جاذب نظر علوم کے اصول ومعطیات ہی سے ان کے مخالفوں کا رد ہو سکے تاکہ مذہب اہل سنت امن واطمینان کی زندگی بسر کر سکے۔ پس ان لوگوں کے قلمی کارگزاریوں کے لئے جو فخر ونمود کے طالب تھے میدان وسیع تھا۔ ابو حامد الغزالی کے لئے بھی، جو ان علوم کے ہتھیاروں سے پوری طرح مسلح تھے' اور اس روشنی نے اپنا دماغ منور رکھتے تھے، کام کرنے کا نہایت اچھا موقع تھا۔ لہذا انھوں نے فلسفیوں کے جواب میں یہ کتاب لکھی جس کی وجہ سے ان کا نام بہت چمکا اور پوری دنیا سے انھوں نے خراج تحسین حاصل کیا، چنانچہ غزالی لکھتے ہیں: ''اب تک علم کلام کی کتابوں میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں خود فلسفہ کے مسائل سے مدد لیکر

Marfat.com

فلسفہ کا رد کیا گیا ہو، ہاں بعض بعض کتابوں میں ان کی مصطلحات کو کچھ ایسے پیچیدہ طور پر استعمال کیا گیا، اوران کی ایسی نامکمل تشریح کی گئی ہے کہ عوام تو کیا اچھے اچھے عالم بھی ان کو نہ سمجھ سکیں، اسی بناء پر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان کے علم سے کماحقہٗ آگاہی حاصل کئے بغیر ان کا رد لکھنا ایسا ہے گویا اندھیرے میں تیر چلانا۔ اس لئے ان علوم کے حتی الامکان کامل طریقہ پر سیکھنے پر متوجہ ہوا''۔

یہاں پر میں یہ معذرت کرنا چاہتا ہوں کہ طلب جاہ وشہرت کے جس وصف کی نسبت میں نے غزالی کی طرف کی ہے، وہ ان کے حق میں کوئی زیادتی نہیں، یہ ایک بشری لغزش ہے جس میں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے ہیں اور پھر سنبھل گئے۔ چنانچہ جب غزالی صوفیانہ سلوک کی تمنا میں بغداد سے باہر نکلتے ہیں تو کہتے ہیں: ''میرا ارادہ ہوا کہ تدریس کی خدمت پر عود کروں.......... مگر میرے ضمیر نے آواز دی کہ اس میں خلوص وللٰہیت کی روح نہیں ہے۔ اس کا اصلی محرک طلب جاہ وشہرت ہے پس میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ اے نفس اگر تو اپنا حال درست نہ کرلے تو تو پھر دوزخ کی کھائی کے کنارے آتا جارہا ہے۔''

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں (اس وقت جبکہ وہ نیشاپور میں تدریس کے منصب پر عود کر چکے تھے): ''میں سمجھ رہا ہوں کہ میں پھر علم وفن کی اشاعت میں حصہ دار بننے کی کوشش کر رہا ہوں، حالانکہ یہ واقعہ نہیں ہے، میرا قدم اسی پچھلے زمانے کی طرف پڑ رہا ہے جہاں سے مجھے آگے نکل جانا چاہئے۔ (اس زمانہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جبکہ وہ بغداد میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے تھے، اور اسی زمانہ میں کتاب تہافہ لکھی تھی) میں اسی علم کی توسیع واشاعت کی ذمہ داری لے رہا ہوں جو جاہ وغرور کے اکتساب کے لئے زمین تیار کرتا ہے، میں سمجھ رہا ہوں میرے قول وعمل پھر مجھے ماضی کی طرف لوٹا رہے ہیں۔''

اس ساری تشریح کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ کتاب ''تہافہ'' غزالی کے اصلی خیالات کی عکاسی نہیں کرتی۔ اور نہ ان کے حقیقی مسائل کی نشان بردار ہے۔ اس نظریہ سے تشفی پانے کے بعد بھی ہم توقع کرتے ہیں کہ ناظر اس کے مطالعہ سے ایک عمومی دلچسپی محسوس کرسکتا ہے۔

Marfat.com

تہافتہ الفلاسفہ

دیباچہ

خداوندِ کریم سے اس مناجات کے بعد کہ وہ اپنی مقدس ہدایت کی روشنی سے ہمارے سینوں کو جگمگا دے، اور ہمیں گمراہی کی تاریک خندق میں گرنے سے بچائے، اور ہمیں حق کے پرستاروں کی صف میں کھڑا کر دے، اور باطل کی آستان کیشی سے ہماری پیشانیوں کو محفوظ رکھے، اور اس سعادتِ ابدی سے ہمیں بہرہ اندوز کرے جس کا کہ اس نے انبیاء واولیا سے وعدہ کیا ہے، اور اس دارِ فانی سے گزرنے کے بعد اُس دارِ باقی کی جنّت سے متمتع ہونے کا موقع دے جو سرورِ ابدی کی لافانی نعمتوں سے مالا مال ہے، اور ان عالیشان لذتوں تک ہماری رسائی کرے جہاں تک پہنچنے سے عقلوں کی بلند پروازیاں اور خیالات کی برق رفتاریاں بھی عاجز رہتی ہیں، اور اس فردوسِ ابدی سے فیض پہنچائے جس کی نعمتوں کو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سُنا، نہ کسی قلبِ بشر پر اس کا تصور گزرا۔ اور نیز اس دعا کے بعد کہ وہ ہمارے نبی اکرم محمد مصطفےٰ ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر لامتناہی درود ورحمت بھیجے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ موجودہ زمانے میں ایک ایسی جماعت کو دیکھ رہا ہوں جو اپنے آپ کو عقل وذکاوت میں اپنے ہمعصروں سے بدرجہا ممتاز سمجھتی ہے، اور اسی لیئے اس کے افراد نے فرائضِ اسلامی سے بے نیاز وکنارہ کش رہنا اپنا شعار بنالیا ہے، اور شعائرِ دینی کی توقیر وعظمت کی ہنسی اُڑاتے ہیں، اور اپنے وہم وگمان میں اس کو اپنا اعلیٰ ترین وصف سمجھتے ہیں، اور اپنے عمل سے ایک دنیا کی گمراہی کا سبب بن رہے ہیں، حالانکہ ان کی ضلالتوں کے لیئے کوئی سند نہیں ہے سوائے ایک قسم کی تقلید اور ایک قسم کی جمود پرستی کے جس کو وہ حرکت سمجھتے ہیں، ان کی مثال یہود ونصاریٰ کے ان افراد کی سی ہے جو اپنے مسلک پر اس لیئے فخر کرتے ہیں کہ آباؤ اجداد نے ان کے لیئے یہ راستہ بنا دیا ہے چاہے عقل وضمیر کی رائے اس سے کتنی ہی غیر متفق ہو، اپنی حجت کو وہ فکر ونظر سے منسوب کرتے ہیں، حالانکہ فکر ونظر کی کسوٹی پر وہ کھوٹی اُترتی ہے، وہ اپنی بحث کی بنیاد عقل وحکمت بتاتے ہیں حالانکہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد وسوسہ وتوہم ہے، وہ حکمت وفلسفہ کے چشمے سے اپنی پیاس

Marfat.com

بجھانا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ آخر کار سراب ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح کہ اہل بدعت وضلالت کے لیئے ان کی نقل و روایت کا باغ حقیقت میں ایک صحرائے بے برگ و گیاہ ہے ، اپنے کفریات کی ترجمانی میں جن مہیب ناموں سے وہ مرغوت کرتے ہیں وہ ہیں سقراط ، بقراط ، افلاطون ، ارسطا طالیس ، وغیرہ جن کی عقلوں کی تعریف میں وہ زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اوران کی ذہنی واختراعی قوتوں کی تعریف کے پل باندھتے ہیں ، کہ اس طرح وہ موشگافی کر سکتے ہیں اور اس طرح باریک نکات پیدا کر سکتے ہیں ، حالانکہ ان کی عظمتِ رفتہ کے سوائے ان کے مزخرفات پر کوئی سند نہیں ، جن غلط معتقدات کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح ایک قسم کی ذہنی پستی ہے جس طرح کہ اہل بدعت کی شدید قسم کی روایت پرستی .... میں تو سمجھتا ہوں کہ ان سے تو وہ عوام اچھے جو اس قسم کی ذہنی کشاکش سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں ، اور دانش و علم کی جھوٹی طمع کاری سے دُنیا کو دھوکا نہیں دیتے یہ ذہنی کشاکش ایک عالمگیر صورت اختیار کرتی جارہی ہے۔ جس کی طرف توجہ کرنا ان افراد کا کام ہے جو اس قسم کے سیلاب سے قوم کی ذہنیت کو بچا سکتے ہیں۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ ایک ایسی کتاب لکھوں جس میں ان کے خیالات کا رد کیا جائے ، اور ان کے کلام و استدلال کے متناقض و بے ربطی کو واضح کیا جائے اس طرح ان کی معقولیت کے رعب داب کو قوم کے دماغوں سے اُٹھایا جائے تاکہ سادہ ذہن عوام اس فتنہ سے محفوظ رہ سکیں جس کا نتیجہ انکارِ خدا اور انکار یوم آخرت ہو رہا ہے۔ اس لیئے میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی ، میں اپنی اس مہم کی کامیابی کے لیئے خدا کی توفیق و نصرت کا طالب ہوں۔

کتاب کے اصل مطالب شروع کرنے سے پہلے بعض مقدمات کا پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلا مقدّمہ

فلسفیوں کے اختلافات کی کہانی طویل ہے ، یہاں ایک کی رائے دوسرے سے نہیں ملتی ، بیسیوں قسم کے مسلک ، اور متعدد قسم کے مذہب ہیں ، ان کے اس تناقص رائے کے ثبوت میں ہم ان کے پیشوائے اوّل فیلسوف مطلق (جس نے کہ ان کے علوم کو مرتب کیا اور ان کی تنقیح و تہذیب کی ، اور ان کے خیالات سے حشو و زوائد کو چھانٹا ، اور ان کی خواہش کے موافق تلخیص کی ہے) یعنی ارسطو کو پیش کرتے ہیں جس نے تقریباً اپنے ہر ایک پیش

Marfat.com

رد کی تردید کی ہے یہاں تک کہ اپنے استاد افلاطون الٰہی کی بھی، وہ اپنے اُستاد کی مخالفت کا عذر اس طرح پیش کرتا ہے کہ "افلاطون بے شک میرا دوست ہے، اور سچائی بھی میری دوست ہے، مگر سچائی میرے نزدیک زیادہ دوست ہے" اس روایت کے نقل کرنے سے ہمارا منشاء یہ ہے کہ ان کے اختلافات اور ان کی رائے کے عدم استقلال کو واضح کیا جائے اور یہ بتلایا جائے کہ ان کے فیصلے زیادہ تر ظنی و تخمینی ہوتے ہیں نہ کہ تحقیق و یقین کی بنیاد پر قائم، اور وہ اپنے علوم الٰہیہ کی تصدیق کے سلسلے میں علوم حساب و منطق کے مسلمات کی بنا پر استدلال کرتے ہیں اور اسی لیے سادہ دماغوں کو انہی علوم کے ذریعے[۳] تربیت دے کر علوم الٰہیہ کے لئے تیار کرتے ہیں جس کو وہ طریقۂ استدراج، کہتے ہیں۔ اگر ان کے علوم الٰہیہ ایسے ہی پختہ اور یقینی دلائل کے حامل ہوتے جیسے کہ ریاضی کے اصول ہوتے ہیں تو وہ بھی اختلافات سے اسی طرح پاک و صاف ہوتے جس طرح کہ ریاضی کے علوم ہوتے ہیں۔

پھر ارسطو کی کتابوں کا جہاں ترجمہ ہوا ہے وہ بھی بہت کچھ تحریف و تبدیل سے خالی نہیں، اسمیں تفسیر و تاویل کی بڑی گنجائش ہے، اسی لیے اس کے مفسرین کے درمیان بہت زبردست اختلاف پایا جاتا ہے، اس کے نقل و تحقیق میں زیادہ مضبوط، اسلامی فلاسفہ ابو نصر[۴]۔ فارابی، اور ابن سینا[۵] ہیں، لہٰذا ان (فلسفیوں) کے مسائل کی تردید میں ہم جن آراء و مسلمات سے مدد لیں گے وہ وہی ہوں گے جو ان مذکورہ دونوں فلسفیوں کے نزدیک صحیح اور مسلم سمجھے گئے ہیں۔ اور جن کو انھوں نے ترک کیا ہے ہم بھی ان کو ترک کریں گے، کیونکہ انتشار کلام سے بچاؤ اسی طرح سے ہو سکے گا۔ اسی لیے ہم ان دونوں کے نقل کردہ مسلمات پر اکتفا کریں گے۔

دُوسرا مقدّمہ

جاننا چاہئے کہ فلاسفہ اور دوسرے فرقوں کے مابین تین قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے ایک ہے لفظی اختلاف، جیسے صانع عالم کے لئے وہ جوہر کا لفظ استعمال کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک جوہر ایک وجودی شے ہے۔ موضوع نہیں، یعنی قائم بذاتہ ہے، قائم بالغیر نہیں، ان کے مخالفین کے نزدیک وہ متغیر (یعنی قائم بالغیر) ہوتا ہے۔

Marfat.com

لیکن ہم یہاں کسی اصطلاح کی تردید کرنا نہیں چاہتے کیونکہ اگر قائم بالذات کے معنی پر اتفاق ہو جائے تو اس معنی میں لفظ جوہر کے اطلاق پر لغوی نقطۂ نظر سے غور کرنا ہوگا اگر اس نقطۂ نظر سے لفظ کا اطلاق جائز قرار دیا جائے تب یہ امر بحث طلب رہ جاتا ہے کہ کیا شریعت اس کے استعمال کو جائز سمجھتی ہے؟ کیونکہ اطلاق اسماء کی تحریم واباحت کو ظواہر شریعت کی سند پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس لفظ کا استعمال متکلمین نے صفاتِ الٰہیہ کے بارے میں کیا ہے اور فقہا نے اس کو فن فقہ میں استعمال کیا ہے، اس لیئے رفع التباس کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ جواز تلفظ کی بحث اس کے معنی مسمی بہ پر کسی فعل کے جواز پر بحث کے مانند ہوگی۔

دوسری قسم اختلاف کی وہ ہے جس میں مذہبی اصولوں میں سے کسی اصول سے بھی نزاع واقع نہیں ہوتی، نہ انبیا علیہم السّلام کی تصدیق کا منشاء یہ ہے کہ فلسفیوں سے اس بارے میں منازعہ کیا جائے، مثلاً ان کا قول ہے کہ چاند گرہن کی وجہ یہ ہے کہ سورج اور چاند کی روشنی کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے، کیونکہ چاند سورج ہی سے روشنی مستعار لیتا ہے، اور زمین ایک کرہ ہے اور آسمان اس کے اطراف گھرا ہوا ہے، اگر چاند پر زمین کا سایہ پڑ جائے تو اس سے سورج کا نور چھپ جائے گا۔ یا مثلاً سورج گرہن کی تعلیل کے بارے میں ان کا قول ہے کہ ناظر اور سورج کے درمیان چاند کا جرم حائل ہوتا ہے، کیونکہ اس وقت دونوں ایک ہی لمحہ میں دو متقابل نقاط پر ہوتے ہیں۔

اس قسم کی باتوں میں بھی ہمیں ابطال کی فکر نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ یہ چیزیں کسی مذہبی اُصول سے متصادم نہیں ہوتیں۔ بعض لوگ خواہ مخواہ ان باتوں کو بھی مذہب سے مناقشہ پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کا تعلق علمِ ہندسہ اور ہیئت کی مکمل تحقیقات سے ہوتا ہے، یہاں تک کہ کسوف (سورج گرہن) کے وقت کے تعین اور اس کے زمانہء امتداد کی پیش قیاسی تک ان علوم سے کی جاتی ہے، ایسے باضابطہ اور مسلّم اُصولوں کے ماننے کو بلاوجہ شریعت سے جنگ کے مترادف سمجھ لینا خود شریعت کی بے وقعتی کرنا ہے، اور ایک قسم کی نادان دوستی ہے۔

بعض لوگ اس حدیث کو اس کے تعارض کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ "چاند اور سورج خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں، کسی کی

Marfat.com

موت یا زندگی کے وجہ سے گرہن نہیں لگتا، جب تم ان کو گہن لگتے دیکھو تو خدا کے ذکر و تسبیح اور نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ'' لیکن اس سے اس حدیث کو کیا تعلق؟ اس میں صرف کسی کی موت یا حیات سے گرہن کو نسبت دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور اس وقت نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ جو شریعت کہ غروب و طلوع آفتاب کے وقت نماز کا حکم دیتی ہے وہ اگر کسوف کے وقت کسی مستحب نماز کا حکم دے تو کونسی تعجب کی بات ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث کا آخری جزو یہ ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تجلی کرتا ہے تو وہ اس کے آگے سربسجود ہو جاتی ہے'' تو گویا کہ یہ کسوف و خسوف بھی ایک قسم کا سجدہ ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو یہ آخری جزو بڑھایا ہوا ہے، حدیث نہیں ہے، حدیث اتنی ہی ہے جتنی کہ اوپر بیان کی گئی اور اگر صحیح بھی ہو تو اس کی تاویل ممکن ہے، علمی حیثیت سے قطعی طور پر مسلمہ اصول کے رد کے مقابل یہ تاویل آسان ہے۔ البتہ بہت سے علمی اصول جو اتنی قطعی حیثیت نہیں رکھتے شریعت کے مقابل ان کی تاویل کر لی گئی ہے، اگر مسلمہ اصول کو بھی رد کر دیا جائے گا تو ملاحدہ کو ضرور اعتراض کا موقع ملے گا۔ اور عام عقلی اصول کے مقابل شرعی اصول کو وہ سنجیدہ حلقوں میں بے اعتبار کرنے میں کامیابی حاصل کر لیں گے۔ اسی طرح عالم کے حدوث و قدم کے متعلق ان کی بحث ہے، اگر فلسفیانہ اصول سے حدوث ثابت ہو جائے تو مذہب کی تقویت کے لیے یہی کافی ہے، چاہے، عالم کرہ ہو یا فرش کی طرح بسیط ہو، چاہے مسدس ہو یا مثمن شکل والا ہو، چاہے آسمان کی تعداد بارہ ہو یا تیرہ ہو یا ان سے کم ہو، ان واقعات کی تحقیق کا الہیاتی مباحث سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ پیاز کے چھلکوں یا انار کے دانوں کی تعداد کی تحقیق کا ہو سکتا ہے۔ ہمیں دلچسپی صرف اس امر سے ہے کہ ان کا تعلق خدا کے فعلِ تخلیقی سے ہے، خواہ یہ فعل کسی نوعیت کا ہو۔

تیسری قسم وہ ہے کہ کسی مذہبی اصول سے ان کی نزاع واقع ہوئی ہے۔ جیسے کہ حدوث عالم، یا صفات باری تعالیٰ، یا حشر بالا جساد وغیرہ۔ فلسفیوں نے ان سب کا انکار کیا ہے، فلسفیانہ نظریات پر ہماری تنقید ان ہی مسائل پر مرکوز ہوگی اور انہی مباحث میں ان کی دلائل کا بطلان ہمارا مقصود ہے۔

Marfat.com

تیسرا مقدّمہ

جاننا چاہئے کہ ہمارا یہ بھی مقصود ہے کہ فلاسفہ کے بارے میں عام طور پر یہ جو حسن ظن پایا جاتا ہے کہ ان میں باہمی اختلافات نہیں، اس کو لوگوں کے ذہنوں سے زائل کیا جائے۔ اس لیے میں ان کے مباحث میں صرف ایک طالبِ حقیقت ہی کی کھوج نہیں کروں گا، بلکہ ایک مدعی یا ایک وکیلِ مذہب کی حیثیت سے بھی۔

ہوسکتا ہے کہ اس تردید وابطال کی سعی میں مجھے ان کے تناقض واختلافات کے پیشِ نظر ان کی نسبت مختلف فرقوں سے کرنی پڑے، جیسے معتزلہ[1] یا کرامیہ[2] یا واقفیہ[3] کیونکہ اس قسم کے تمام فرقوں کے فلسفیانہ خیالات کا میلان ان ہی کی طرف ہے، اور ان کے اصول اور اسلام کے حقیقی اصول میں ایک طرح کا تضاد۔

[1] معتزلہ ایک فرقہ تھا مسلمانوں کا جو اپنے آپ کو 'اصحاب عدل وتوحید' بھی کہتا تھا، اس کی کئی شاخیں تھیں لیکن سب کے سب بعض امور پر متفق تھے مثلاً خدا کی ذات پر زیادتی صفات کی نفی، کیونکہ ان کے پاس خدا عالم بالذات قادر بالذات وغیرہ ہے نہ کہ بالصفات، اور مثلاً کلام الٰہی حادث ہے، مخلوق ہے، ایک حیثیت سے۔ یعنی حرف وصوت کی حیثیت سے، وہ ظاہری آنکھ سے قیامت میں بھی نظر نہیں آسکتا، وہ مخلوق سے کسی حیثیت سے بھی مشابہ نہیں ہے، اور بندہ ہی خالق خیر وشر ہے، خدائے تعالیٰ کی طرف خیر کی نسبت تو کی جاسکتی ہے، مگر شر کی نہیں، خداوندِ حکیم بندہ کے لیئے سوائے خیر اور مصلحت کے کچھ نہیں کرتا، بندہ ہی خالق و ذمہ دار شر ہے وغیرہ وغیرہ۔

[2] فرقہ کرامیہ، یہ ابو عبداللہ محمد بن کرام کے پیرؤوں کا نام ہے، یہ لوگ خدا کے جسم وحیز کے قائل تھے کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور اس سے جہت علیا کی طرف سے مماس ہے، اور اسی قسم کے اور ہذیانات، صاحب مقالات الاسلامیین لکھتے ہیں ''یہ مرجیہ کے تیرھویں فرقہ کا نام ہے جو کہتے ہیں کہ کفر نام ہے زبانی انکار خدا کا، نہ کہ قلبی انکار کا، وغیرہ وغیرہ۔

[3] فرقہ واقفیہ، صاحب مقالات الاسلامیین کے بیان کے موافق یہ روافض کا بائیسواں فرقہ جو موسیٰ بن جعفری امام کو قیامت تک زندہ اور کہیں پوشیدہ بتلاتا ہے، اور مانتا ہے کہ ایک روز ان کا ظہور ہوگا اور وہ مشرق سے مغرب تک ساری روئے زمین کے حاکم ہوں گے، موسیٰ بن عبدالرحمان جب ان سے مناظرہ کرتے تھے تو کہتے تھے یہ لوگ میرے نزدیک بارش سے بھیگے گندے کتوں کی طرح ہیں۔

Marfat.com

چوتھا مقدّمہ

فلاسفہ عظیم اختراعات میں سے ایک چیز ''اصول استدراج'' ہے، جس میں وہ ریاضی کی شکلوں کو مقدمات دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ علوم الٰہیات بہت ہی غامض اور دقیق ہیں۔ ان کے مسائل روشن ترین دماغوں کے لیے بھی دقیق ثابت ہوتے ہیں، ان کے حل کے لیے ریاضیات و منطق کے اصول سے مانوس ہونا ضروری ہے۔ جو شخص ان کے کفر کی تقلید کرتا ہے، اگر ان کے مذہب میں اِن اشکال کو پاتا ہے تو ان سے حُسن ظن رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بے شک یہی علوم ان مسائل کے حل کے لیے ضروری ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ ریاضی اشیاء کی کمیّت منفصلہ پر غور و فکر کا نام ہے اور وہی حساب بھی ہے، اور اس سے الٰہیات کا کوئی تعلق نہیں، اگر کوئی کہتا ہے کہ الٰہیات کا سمجھنا اسی پر موقوف ہے، تو یہ ایسی حجت ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ علمِ طب یا نجوم، بغیر حساب کے نہیں آسکتا یا حساب بغیر طب کے نہیں آسکتا، رہ گیا علم ہندسیات جو اشیاء کے کمِ متصل سے بحث کرتا ہے، وہ البتہ علم ہیئت کے اہم معلومات کے حصول میں مدد کرتا ہے، مثلاً آسمان اجرام سماوی کی کرویت و کیفیت وغیرہ کا بیان، طبقات سماوی کی تعداد، کرات متحرکہ فلکیہ کی تعداد یا ان کے حرکات کی تفصیل وغیرہ تو ہم ان سب چیزوں کو جدلی حیثیت سے یا اعتقادی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں، ان پر فلسفیانہ دلائل قائم نہیں کیے جاتے، یہ صورت مسائل الٰہیات میں نہیں پیش آسکتی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ اس گھر کا بنانے والا، کوئی ذی خبر، یا ذی ارادہ، یا مقتدر اور قائم بالذات وجود ہے تو یہ سمجھنے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ پہلے ہم یہ سمجھ لیں کہ یہ گھر مسدّس شکل کا ہے یا مثمن شکل کا یا اس کے مسالا اور اینٹوں کی گنتی معلوم کرلیں، یہ تو ہذیان ہوگا، جس کا فاسد ہونا ظاہر ہے، یا جیسا کہ کوئی کہے کہ اس پیاز کے حادث ہونے کا علم اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے چھلکوں کی گنتی سے واقفیت نہ ہو، یا اس انار کے نو پیدا ہونے کی دلیل سمجھنے کے لیے پہلے اس کے دانوں کی تعداد کا معلوم کرلینا ضروری ہے، وغیرہ، تو یہ ساری باتیں عقلی حیثیت سے محض فضول ہیں۔

Marfat.com

ہاں فلسفیوں کا یہ قول کہ منطقیات کے احکام کا صحیح ہونا ضروری ہے بجا ہے مگر منطق کو کچھ ان ہی سے خصوصیت نہیں ہے، وہ تو ایک بنیاد ہے جیسے فن کلام میں "کتاب النظر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، بعض وقت اس کو "کتاب الجدل" کہتے ہیں، اور کبھی ہم اس کو "مدارک العقول" کہتے ہیں، اگر کوئی سادہ لوح، ضعیف الاعتقاد شخص، منطق کا نام سُنتا ہے تو وہ اس کو ایک عجیب سی چیز سمجھتا ہے جس کو متکلمین تو جانتے ہی نہیں، اور فلسفیوں کے سوائے اس پر کسی کو دسترس نہیں۔ ہم اس غلط فہمی کے دفع کرنے کے لیے مدارک العقول پر ایک علیحدہ کتاب میں بحث کریں گے جہاں ہم متکلمین اور اصولیوں کے الفاظ کو ترک کردیں گے، اور اس کو منطقیوں ہی کی عبادت میں پیش کریں گے اور انھیں کے آثار کی لفظ بہ لفظ پیروی کریں گے۔ اس کتاب میں ہم انہی کی زبان میں مناظرہ کریں گے یعنی انہی کی منطقی عبارات میں، اور ہم یہ بھی واضح کردینا چاہتے ہیں کہ فلاسفہ نے منطق برہان کی قسم میں مادۂ قیاس کی صحت یا اس کی صوری صحت کے متعلق کتاب قیاس میں جو شرائط پیش کیے ہیں، اور جو اصول ایساغوجی اور قاطیفوریاس میں قائم کیے گئے ہیں، اور جو اجزاء منطق اور اس کے مقدمات کے ہیں ان میں سے کسی چیز کو بھی وہ علوم الٰہیات میں ثابت نہیں کرسکے۔

لیکن ہم چاہتے ہیں کہ مدارک العقول کو آخر کتاب میں پیش کریں کیونکہ وہ مقصود کتاب کے ادراک کے لیے ایک وسیلے کی طرح ہے، لیکن بہت سے ناظرین دلائل کے سمجھنے میں اس سے مستغنی ہیں، اس لیے ہم اس کو آخر میں رکھیں گے۔ جو شخص اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا وہ اس سے اعتراض کرسکتا ہے، ہاں جو آحاد مسائل میں تردیدی مباحث کو نہ سمجھ سکے تو اسے پہلے کتاب معیار العلم کو (جو منطق میں اس نام سے ملقب ہے) حفظ کرلینا چاہیے۔ مقدمات کے اندراج کے بعد ہم فہرست مسائل لکھیں گے۔

(فہرست کتاب چونکہ شروع میں آچکی ہے اس لیے یہاں درج نہیں کی گئی)

Marfat.com

مسئلہ (۱)

قدم عالم کے بارے میں فلاسفہ کے قول کا ابطال

تفصیلِ مذہب قدم عالم کے بارے میں فلاسفہ کی آراء میں اختلاف ہے، البتہ جمہور متقدمین و متاخرین کے نزدیک جو رائے مسلّم ہے وہ عالم کے قدیم ہونے کے متعلق ہے، یعنی عالم خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ موجود ہے اور اس کا معلول ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ بلا تاخیر زمانی چل رہا ہے، جیسا کہ معلول علت کے ساتھ ہوتا ہے، یا جیسے سورج کے ساتھ نور کا پایا جانا ضروری ہے، اور یہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ تقدیم عالم پر ایسی ہی ہے، جیسی کہ علت کی تقدیم معلول پر اور یہ تقدیم محض بالذات اور بالرتبہ ہے نہ کہ بالزمان۔

افلاطون کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس کی رائے عالم کے بارے میں یہ ہے کہ وہ حادث و مکوّن ہے، مگر بعد میں لوگوں نے اس کے کلام کی تاویل کرلی، اور اس کے حدوث عالم کے معتقد ہونے سے انکار کردیا۔[9]

جالینوس نے آخر عمر میں کتاب (''جالینوس کے کیا اعتقادات ہیں؟'') میں نے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کیا ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ عالم حادث ہے یا قدیم، اور بیشتر اس بات پر دلیل لاتا ہے کہ اس بارے میں علم ہی نہیں ہوسکتا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ خود اس کو سمجھ نہیں سکتا، بلکہ مسئلہ فی نفسہ عقلوں کے لیے نہایت دشوار ہے۔ مگر ایسا خیال شاذ ہے۔ زیادہ تر جو خیال پایا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ عالم قدیم ہے اور یہ کہ بالجملہ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ حادث قدیم سے بغیر واسطہ اصلاً صادر ہو۔

فلاسفہ کے دلائل اگر میں ان کی پوری دلائل یہاں نقل کردوں، اور پھر ان اعتراضات کو بھی جو ان دلائل کو توڑنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں، تو کئی اوراق سیاہ ہو جائیں گے، لیکن طوالت سے کوئی فائدہ نہیں، اس لیے ہم ان دلائل کو چھوڑے دیتے ہیں جو تحکمانہ اصول پر قائم ہیں، یا جن کی بنیاد میں ضعیف تخیلات پائے جاتے ہیں، جو ادنیٰ فکر و نظر سے رد کردیے جاسکتے ہیں، ہم صرف ان دلائل کو لیں گے جن کی ذہن میں وقعت ہوسکتی ہے۔ ضعیف خیال والوں کو شک میں ڈالنا تو معمولی طریقے سے بھی ممکن ہے۔

Marfat.com

دلیل اوّل: فلسفیوں کا قول ہے کہ قدیم سے حادث کا مطلقاً صادر ہونا محال ہے، کیونکہ اگر ہم کسی وجود کو قدیم فرض کر لیں جس سے (مثلاً عالم صادر نہیں ہوا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ اس لیے صادر نہیں ہوا کہ اس کا وجود مرجّح نہیں ہے بلکہ وجودِ عالم ممکن بہ امکان محض تھا، پھر جب اس کے بعد حادث ہوا تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو مرجّح میں تجدّد پیدا ہوا یا نہیں، اگر مرجّح میں تجدّد پیدا نہیں ہوا تو عالم امکان محض پر باقی رہے گا، جیسا کہ پہلے تھا، اور اگر مرجّح میں تجدّد پیدا ہوا تو اس مرجّح کو حادث کرنے والا کون؟ اور اس کو اس نے اب کیوں حادث کیا؟ پہلے کیوں نہیں کیا؟ پس مرجّح کے حدوث کے بارے میں سوال اپنی جگہ قائم رہا۔

غرض یہ کہ چونکہ قدیم کے سارے احوال مشابہ ہیں، یا تو اس سے کوئی چیز حادث نہ ہوگی یا جو شئے حادث ہوگی وہ علی الدّوام ہوگی۔ کیونکہ حالت ترک کا حالت شروع سے مختلف ہونا محال ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالم اپنے حدوث سے پہلے حادث کیوں نہیں ہوا؟ یہ تو ممکن نہیں کہ اس کے حادث کرنے سے قدیم کو عاجز سمجھا جائے، اور نہ ہی واقعہ حدوث محال ہو سکتا ہے۔

پس یہ بات اس چیز کی طرف ذہن کو منتقل کرتی ہے کہ قدیم عجز سے قدرت کی طرف منتقل ہوا ہے اور عالم محالیت سے امکانیت کی طرف آیا ہے، اور یہ دونوں باتیں محال ہیں، نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ واقعہ حدوث سے پہلے اس کو (یعنی پیدا کرنے والے کو) کوئی غرض نہ تھی اور اب پیدا ہوئی ہے، اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امر حدوث کا اس کے پاس کوئی وسیلہ نہ تھا اور اب پیدا ہوا ہے۔ البتہ اس بارے میں قریبی تخیل جو قائم کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے پہلے قدیم نے اس کے وجود کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ پس یہ کہنا لازمی ہوگا کہ عالم نتیجہ ہے اس امر کا کہ قدیم نے اس کے وجود کا ارادہ کیا، اس کے پہلے اس نے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا، تو اب ارادے کا حدوث ثابت ہوا، اور قدیم کی ذات میں ارادے کا حدوث محال ہے، کیونکہ وہ محلِ حوادث نہیں ہے، جب اس کی ذات میں ان کا حدوث نہ ہو تو ارادے کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جا سکتی۔

پھر اگر ہم اس کے محلِ حوادث ہونے یا نہ ہونے سے قطع نظر بھی کر لیں، تو کیا اس ارادے کے اصل حدوث میں اشکال قائم نہیں رہتا؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ ارادہ آیا

Marfat.com

کہاں سے؟ اور اب کیوں پیدا ہوا، پہلے کیوں نہیں پیدا ہوا؟ اب پیدا ہوا ہے تو کیا کسی غیر خدا کی طرف سے آیا ہے؟ اگر حادث کا وجود بغیر محدث کے وجود کے تسلیم کیا جائے تو سمجھنا چاہیے کہ عالم تو حادث ہے، مگر کوئی اس کا بنانے والا نہیں، ورنہ پھر کون سا فرق ہے ایک حادث اور دوسرے حادث کے درمیان؟ اگر خدا کے حدوث میں لانے کی وجہ سے یہ حادث ہوا ہے۔ تو اب کیوں حادث ہوا، پہلے کیوں نہیں ہوا؟ کیا قدرت یا غرض یا طبیعت کے عدم یا نہ ہونے کے باعث یہ حادث نہ ہوا؟ اشکال بعینہٖ پلٹ گیا ہے۔ اگر عدم ارادہ کی وجہ سے ہوا ہے تو پھر ارادے کا ایک فعل خود ارادے کے کسی دوسرے فعل کا محتاج ہوا، اور یہ ارادہ کسی مقدم ارادے کا، اسی طرح سلسلہ نامتناہی چلنے لگتا ہے۔

اس لیے یہ رائے قطعی طور پر قائم کی جا سکتی ہے کہ حادث کا صدور قدیم سے (وجود قدیم کی حالتوں میں سے کسی حالت میں مثلاً قدرت میں یا آلہ میں یا وقت میں یا غرض میں یا طبیعت میں تغیر کے بغیر) محال ہے اور قدیم میں تغیر حال کا اندازہ قائم کرنا بھی محال ہے کیونکہ اس تغیر حادث کا اندازہ کرنا اس کے سوا دوسرے امور میں اندزہ کرنے کے مساوی ہے، اور یہ سب محال ہے، اور جب عالم موجود سمجھا جائے اور اس کا حدوث محال سمجھا جائے تو قدیم لامحالہ ثابت ہو جاتا ہے۔

یہ ان کی سرخیل دلائل ہیں، اور سارے مسائل الہیات میں اس موضوع پر ان کی بحث کا نازک ترین حصہ، اس لیے ہم نے اس مسئلے کو پیش کیا ہے اور ان کی قوی دلائل بتلا دی ہیں ان پر ہمارا۔

اعتراض دو طریقے سے ہوتا ہے،

پہلا یہ کہ اس بات کے تسلیم کرنے میں کیا امر مانع ہے کہ عالم بذریعہ ارادۂ قدیم حادث ہوا ہے جس کا وجود ایسے وقت میں متقضی ہوا جس میں کہ وہ پایا گیا، اور عدم اس وقت تک رہا جب تک کہ وہ پایا نہ گیا۔ اور وجود کی ابتدا بحیثیت ابتداع ہو سکتی ہے، اس طرح کہ اس سے پہلے یہ وجود ارادہ شدہ امر نہ تھا اس لیے وہ حادث بھی نہیں ہوا، اور اس وقت جب وہ حادث ہوا ارادۂ قدیم ہی سے حادث ہوا، اور اسی لیے حادث ہوا، پس اس اعتقاد میں کونسی بات محال ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ اس کا محال ہونا بالکل کھلا ہوا ہے کیونکہ حادث کے لیے کوئی موجب و مسبب ہوتا ہے اور بغیر موجب و مسبب کے حادث کا وجود میں آنا محال ہے،

Marfat.com

اور جس طرح حادث کا بغیر موجب یا سبب کے پیدا ہونا محال ہے اسی طرح موجب کا حادث کو جب اس کے تمام ارکان واسباب وشرائط ایسے مکمل ہو جائیں کہ کوئی شئے قابلِ انتظار باقی نہ رہے پیدا نہ کرنا محال ہے، جب موجب پوری شرائط کے ساتھ موجود ہو تو قابلِ ایجاب شے کا تاخر محال ہے جیسا کہ حادث اور قابل ایجاب شے کا وجود بلا موجب کے محال ہوتا ہے۔

پس جب وجود عالم سے پہلے صاحبِ ارادہ موجود تھا، اور ارادہ بھی موجود تھا، اور شے قابل ایجاب کی طرف نسبت بھی موجود تھی مگر صاحب ارادہ میں کوئی تجدّد نہیں ہوا اور نہ ارادے میں بھی کوئی تجدّد ہوا، اور نہ ارادے میں کوئی نئی نسبت پائی گئی، جو پہلے نہ تھی (کیونکہ یہ سب کچھ تغیر ہوگا) تو پھر قابل ارادہ شئے نے کیسے تجدّد حاصل کیا، اور اس سے پہلے تجدّد سے کون سا امر مانع تھا؟۔

پھر حالت تجدد شدہ حالت سابقہ سے کسی امر میں بھی متمایز نہیں، کسی حالت میں بھی نہیں، کسی نسبت میں بھی نہیں بلکہ تمام امور بعینہٖ جیسے کے ویسے، پھر قابل ایجاب یا قابل ارادہ شے موجود نہیں، اور اس کے احوال وشرائط مکمل حالت میں موجود ہیں تو یہ محال ہونے کی انتہائی صورت ہے اور اس قسم کا تضاد نفس موجب یا شے قابل ایجاب کے ضروری وذاتی وجود کے بارے میں نہیں ہے بلکہ ان کے بارے میں بھی ہے جو صرف عرفی ووضعی وجود رکھتے ہیں، مثلاً کوئی شخص اپنی عورت پر طلاق کے الفاظ استعمال کرے، اور جدائی اسی وقت نہ ہو تو یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ بعد میں ہوگی، کیونکہ لفظ کا زبان پر جاری کرنا وضعاً وعرفاً جدائی کے حکم کے لیے بطور علت ہے، اس لیے معلول متاخر نہیں کیا جا سکتا سوائے اس کے کہ طلاق دینے والے کا ارادہ ہو کہ طلاق کسی خاص وقت ومقام سے متعلق رہے۔

پس جب وقت ومقام میسر نہ ہو تو شئے معلول کا حصول قابلِ انتظار ہی رہے گا اور ظرف مقصود یعنی وقت ومقام کے حصول کے بعد اس کا بھی حصول ہوگا، اگر وہ اس لفظ سے شئے معلول کی تاخیر کا اس طرح ارادہ کرے کہ وہ کسی نا قابل حصول زمان ومکان کے تابع رہے تو معاملہ نا قابل فہم ہوگا، باوجود اس امر کے کہ وہ طلاق دینے کا حق رکھتا ہے اور اپنی خواہش کے مطابق تفصیلات کے تعین کی آزادی بھی رکھتا ہے۔ جب ہمارے لیے ان رسمی چیزوں کو اپنی مرضی کے مطابق متعین کرنا ممکن نہیں، جب ہمارے من موجیا فیصلے

Marfat.com

ناقابلِ فہم ہوتے ہیں تو اس سے صاف طور پر لازم آتا ہے کہ ایجابات ذاتیہ عقلیہ ضروریہ کے دائرے میں بے اصول و بے قاعدہ ترتیب بھی اور زیادہ ناقابلِ فہم ہوگی۔

مثلاً ہماری عادات کا مشاہدہ کیجئے، جو چیز ہمارے ارادے سے حاصل ہوسکتی ہے وہ ارادے کے وجود کی صورت میں ارادے سے متاخر نہیں ہوسکتی، سوائے اس کے کہ کوئی امر مانع پیدا ہوجائے، پس اگر ارادہ وقدرت ثابت ہوجائے اور موانع مرتفع ہوجائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ شے مراد متاخر ہو، البتہ اس تاخر کا تصور عزم کی صورت میں ہوسکتا ہے کیوں کہ محض عزم ایجاد فعل کے لیے کافی نہیں۔ جیسے لکھنے کا عزم ضروری نہیں کہ لکھنا ثابت ہی کردے، جب تک کہ عزم کی تجدد نہ ہو، اور وہ قوت مشتعلہ (برانگیختہ کرنے والی قوت) سے ہوتی ہے جو حالت فاعلی کی تجدید کرتی ہے۔

پس اگر ارادۂ قدیم کی صورت بھی ہمارے ارادے کی طرح ہو تو تاخر مقصود کا تصور نہیں ہوسکتا، سوائے کسی امر مانع کے ارادہ اور شے مراد میں کوئی فصل نہیں ہوسکتا۔ اس کے تو کوئی معنی نہیں کہ ہم آج ارادہ کریں کہ کل کھڑے ہوں گے اور اگر ارادۂ قدیم ہمارے عزم کی طرح ہے تو یہ معزوم علیہ (ایجاد کائنات) کے وقوع کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ قوت ارادہ کی تجدد ایجاد شے کے لیے ضروری ہوگی، اور اسی سے تغیر قدیم کی سند نکلتی ہے۔ پھر حقیقی اشکال باقی رہتا ہے کہ اشتعال یا ارادے کی تجدد (اس کا جو چاہے نام رکھ لو) اب کیوں حادث ہوئی پہلے کیوں نہیں ہوئی؟ پس اس صورت میں حادث بلا سبب باقی رہے گا یا لامتناہی تسلسل لازم آئے گا۔

حاصل کلام یہ کہ موجب (فاعل ایجاب، مکوّن) اپنی تمام شرائط کے ساتھ موجود ہے اور کوئی شے قابل انتظار بھی نہیں، اس کے باوجود قابل ایجاب شے کی تکوین میں تاخیر ہورہی ہے، اور اتنی مدت گزر رہی ہے کہ اس کے ابتدائی سر رشتہ کی گرفت قوت واہمہ کے لیے ممکن نہیں، اسی طرح مدت ہائے دراز گزرنے کے بعد بغیر کسی باعث تجدد کے قابل ایجاب شے کا ظہور ہوتا ہے اور شرط اول باقی کی باقی ہے تو یہ فی نفسہ محال ہے۔

جواب اشکال کا یہ ہے کہ کسی چیز کے، چاہے وہ کوئی چیز ہو، حادث کرنے سے ارادۂ قدیم کے تعلق کو تم محال سمجھتے ہو تو کیا اس بات کو تم بہ ضرورت جانتے ہو یا بہ نظر؟ یا ان الفاظ میں جو تم منطق میں استعمال کرتے ہو، کیا ان دونوں حدوں کے مابین التقاء کو حد اوسط سمجھتے ہو یا اس کے سوائے؟ اگر تم حد اوسط کا ادعا کرتے ہو تو وہ طریقۂ نظری ہے

Marfat.com

جس کا اظہار ضروری ہے اور اگر تم ادّعا کرتے ہو کہ اس کی پہچان بہ ضرورت ہے تو پھر تمھارے مخالف بھی تمھارے اس علم میں شریک کیوں نہیں ہیں؟ ارادۂ قدیم سے حدوث عالم کے اعتقاد رکھنے والے تو بیشتر افراد عالم ہیں، ان کی تعداد ہر ملک و ہر قوم میں پھیلی ہوئی ہے اور کوئی شخص اسے گمان نہیں کرسکتا کہ وہ کسی ایسی شے پر تعین ہیں جس کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ وہ صحیح نہیں۔ شرط منطق پر اس بات کے محال ہونے کی دلیل قائم کرنی ضروری ہے کہ حدوثِ عالم کی علت ارادۂ قدیم نہیں، کیونکہ تمھارے سارے مذکورہ بیانات میں ہمارے عزم وارادہ کے ساتھ ایک تمثیل کے استبعاد کے سوائے کچھ نہیں ہے اور وہ غلط ہے، ارادۂ قدیم حادث ارادوں سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا، رہ گیا خالص استبعاد تو بغیر دلیل کے یہ کافی نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم بہ ضرورت عقلی جانتے ہیں کہ موجب کا تصور مع اس کی تمام شرائط کے بغیر شے قابل ایجاب کے نہیں ہوسکتا، اور اس کو جائز رکھنا ضرورت عقلی کے مغائر ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ پھر تمھارے اور تمھارے اس مخالف کے درمیان کیا فرق ہے، جو کہتا ہے کہ ہم اس قول کا محال ہونا بہ ضرورت جانتے ہیں کہ ذات واحد کلیات کو ایجابی حالت میں لانے سے پہلے اس کی عالم ہوتی ہے، اور صفت علم ذات پر زائد ہوتی ہے، اور علم تعدد معلوم کے ساتھ خود بھی متعدد ہو جاتا ہے؟ اور یہ ہے علم الہیہ کے متعلق تمھارا مذہب، اور یہ ہمارے اصول کے لحاظ سے محال ہے۔ لیکن تم کہتے ہو کہ علم قدیم کا حادث کے ساتھ قیاس نہیں کیا جاسکتا، اور تم میں سے ایک جماعت بھی اس بات کو محال خیال کرتی ہے، اس لیے وہ کہتی ہے کہ خدا اپنی ذات کے سوائے کچھ نہیں جانتا، لہٰذا وہی عاقل ہے وہی عقل ہے وہی معقول ہے، اور سب ایک ہے، اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ عاقل، عقل اور معقول کا اتحاد بہ ضرورت محال ہے، کیونکہ ایسے صانع عالم کا وجود جو اپنی صنعت کو نہیں جانتا عقلاً محال ہے، اور اگر وجود قدیم اپنی ذات کے سوائے کچھ نہیں جانتا تو اپنی صنعت کو بھی یقیناً نہیں جانتا، اور حق یہ ہی ہے اللہ تعالیٰ ان سارے خرافات سے بالاتر ہے، لیکن ہم اس مسئلہ کے متلازم حدود سے آگے نہیں بڑھتے۔ ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ تم اپنے اس مخالف کا کیوں انکار کرتے ہو جو کہتا ہے کہ قدم عالم محال ہے، کیونکہ وہ ایسے دورات فلکیہ کو متلزم ہوتا ہے جن کی کوئی انتہا نہیں، جو بے شمار اکائیوں پر مشتمل ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دورات کو ان کے حذس، ربع، اور نصف میں تقسیم کیا جاسکتا ہے مثلاً فلک شمس سال میں ایک مرتبہ

Marfat.com

دورہ کرتا ہے، اور فلک زحل تیس سال میں ایک بار تو ادوار زحل ادوار شمس کے ۱/۳۰ * ۱/۱۰ = ۱/۳۰۰ ہوں گے، اور مشتری، اور شمس کے ۱/۳ * ۱/۶ = ۱/۲ ہوں گے کیونکہ وہ ۱۲ سال میں ایک مرتبہ دورہ کرتا ہے پھر جب دورات زحل کے شمار کی کوئی انتہا نہ ہوگی تو ادوار شمس کے شمار کی بھی کوئی انتہا نہ ہوگی، باوجودیکہ وہ اس کا ہمیشہ ۱/۳۰ ہوتا ہے بلکہ اس فلکِ کواکب کے ادوار کی بھی کوئی انتہا نہ ہوگی جو چھتیس ہزار سال میں ایک بار دورہ کرتا ہے جیسا کہ دن رات میں ایک مرتبہ سورج کے حرکت مشرقیہ کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

اگر کوئی کہے کہ اس چیز کا محال ہونا بہ ضرورت عقلی معلوم ہے تو تم اس کی تنقید کا کیا مسکت جواب دے سکتے ہو کہ یہ پوچھا جا سکتا ہے کی اِن دورات کے اعداد جفت ہیں یا طاق؟ یا جفت و طاق دونوں؟ یا نہ جفت ہیں نہ طاق؟ اگر تم جواب دو کہ جفت و طاق دونوں ہیں یا یہ کہ نہ جفت ہیں نہ طاق تو یہ دونوں باتیں بہ ضرورت غلط ہیں، اور اگر یہ کہو کہ جفت ہیں تو جفت ایک عدد کے جوڑنے سے طاق ہو جاتا ہے تو جو لامحدود ہے اس کے ہاں ایک عدد کا نقصان کیسے ہوا اگر تم کہو کہ یہ طاق ہے تو اس صورت میں ایک عدد کے جوڑنے سے یہ جفت ہو جائے گا۔ اب تمھیں کہنا پڑے گا کہ نہ جفت ہیں نہ طاق۔

اگر یہ کہا جائے کہ جفت و طاق کی توصیف عدد متناہی کے لیے ہوتی ہے غیر متناہی کے لیے نہیں ہوتی تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ا ایک مجموعہ جو چند اکائیوں سے مرکب ہو تو اس کا ۱/۶ و ۱/۱۰ وغیرہ حاصل ہوگا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، پھر یہ کہنا کہ جفت و طاق کی توصیف نہیں ہو سکتی، تو یہ ایک ظاہر البطلان بات ہوگی فکر و نظر کے اصول سے خارج پھر تم اس اعتراض سے کیسے چھٹکارا پا سکتے ہو؟

اگر یہ کہا جائے کہ غلطی تمھارے الفاظ میں ہے کیونکہ مجموعہ چند اکائیوں سے مرکب ہوتا ہے اور یہ دورات تو معدوم ہیں کیونکہ ماضی تو گزر چکا، مستقبل بطن عدم میں ہے اور مجموعہ اعداد کا لفظ موجودات حاضر کی طرف اشارہ کرتا ہے نہ کہ غیر حاضر کی طرف۔

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ عدد کی تقسیم دو ہی قسموں میں ہوتی ہے، طاق یا جفت، اس کے سوائے محال ہے، چاہے عدد موجود باقی ہو یا فنا ہو چکا ہو، مثلاً ہم کچھ گھوڑوں کی تعداد فرض کرتے ہیں، تو ہمارا تصور ضرور اس کے جفت و طاق ہونے کی طرف جائے گا چاہے یہ گھوڑے اب موجود ہوں یا نہ ہوں یا یہ کہ وجود کے بعد معدوم ہو گئے ہوں، بہر حال قضیہ میں کوئی فرق نہیں آ سکتا، ہم یہ اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ تمھارے ہی اُصول کی بُنیاد پر

Marfat.com

موجودات حاضرہ محال نہیں ہوسکتے ،یہ اکائیاں متغائر بالوصف ہوتی ہیں،ان کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ ارواحِ انسانی جو موت کے بعد اجسام سے مفارقت حاصل کر چکی ہیں ایسی ہستیاں ہیں جن کی تعداد کی جفت وطاق میں تعیین نہیں ہوسکتی،تو پھر تم اس قول کا کیوں انکار کرتے ہو کہ اس کا بطلان بہ ضرورت معلوم ہوتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم حدوثِ عالم کے ساتھ تعلق ارادۂ قدیم کے بطلان کا دعویٰ کرتے ہو،ارواح کے بارے میں یہ رائے وہی ہے جس کو ابن سینا نے اختیار کیا ہے اور شاید یہ مذہب ارسطو کا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس بارے میں افلاطون کی رائے صحیح ہے جو کہتا ہے کہ نفس قدیم ایک ہی ہے جو اجسام میں تقسیم ہو جاتا ہے،اور جب ان کو چھوڑتا ہے تو اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتا اور متحد ہو جاتا ہے۔

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ اعتقاد کی نہایت ہی کمزور صورت ہے اور ضرورت عقلی کی بنا پر اس کو رد کر دیا جانا چاہیے۔ہم تو کہتے ہیں کہ یہ نفس زید کا ہے،یہ نفس عمر کا ہے وغیرہ ،اس کے برعکس اگر یہ کہا جائے کہ نفس زید ہی نفس عمرو ہے تو یہ بات ضرورتِ عقلی کی بنا پر باطل ہوگی۔ہم میں سے ہر ذی شعور اپنی ذات کا ادراک کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ خود ہی ہے ،دوسرا نہیں ہے،اگر اس میں دوسرے کا نفس ہوتا تو ان دونوں کے شعور ان ادراکات میں بھی باہم مشترک ہوتے جو نفوسِ مدرکہ کی صفات ذاتیہ میں داخل ہیں ،اور ہر اضافی حالت میں ارواح کے ساتھ نفوذ کرتے ہیں،اگر تم کہو کہ نہیں،اس کے سوائے ہیں،اور تعلق ابدان کی صورت میں نفوس منقسم ہو جاتے ہیں،تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ایک ایسی اکائی کا انقسام ،جس کے حجم میں کمیتِ مقداری کے مطابق کوئی گھٹاؤ بڑھاؤ نہیں ہوسکتا ،یہ ضرورتاً باطل ہے، ناممکن ہے کہ ایک اکائی تجزیہ پا کر دو ہو جائے یا ہزار ہو جائے پھر اپنی اصلیت کی طرف لوٹ کر اکائی بن جائے۔البتہ یہ اس چیز میں ہوسکتا ہے جس میں حجم وکمیت ہو،جیسے سمندر کا پانی کہ نہروں اور نالیوں میں منقسم ہو کر سمندر میں جا ملتا ہے۔لیکن جس اکائی میں کمیت نہ ہو وہ کیسے منقسم ہوسکتی ہے؟

ہمارا مقصود اس تمام بحث سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس بارے میں فلسفی مخالف کو نیچا نہیں دکھا سکے یعنی اس اعتقاد کے ثبوت میں کہ ارادۂ قدیم کا تعلق کسی شئے کے حدوث سے بہ ضرورت باطل ہے وہ کوئی قوی دلیل نہیں رکھتے،اور اس مدعی کے اعتراض سے بھی ان کا بچنا ناممکن ہے،جو کہتا ہے کہ ان کے اعتقادات عقلی بنیادوں پر قائم نہیں۔

Marfat.com

پھر اگر کہا جائے کہ یہ بات تمھارے خلاف جاتی ہے، کیونکہ خدائے تعالیٰ پیدائش عالم سے ایک سال یا کئی سال پہلے ایجاد کائنات پر قادر تھا، اور اس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں تھی، تو کہنا پڑے گا وہ صبر کرتا رہا اور عالم کو پیدا نہیں کیا، بعد ازاں پیدا کیا، تو معلوم ہونا چاہیے کہ مدتِ ترک متناہی ہے یا غیر متناہی؟ اگر تم کہو کہ متناہی ہے، تو وجود باری تعالیٰ متناہی اوّل ہوا، اور اگر کہو کہ غیر متناہی، تو اس میں ایسی مدت گزری جس کے لمحات کی اکائیوں کی کوئی انتہا نہیں۔ تو ہمارا جواب یہ ہے کی مدت وزمان ہمارے پاس مخلوق ہیں، اور ہم آئندہ صفحات میں اس حقیقت پر روشنی ڈالیں گے۔

پھر اگر کہا جائے کہ تم اس شخص کے قول کا کیوں انکار کرتے ہو جو ضرورت عقل کی بنا کی بجائے کسی دوسری بنا پر استدلال کرتا ہے اور قدم عالم کو اس طرح ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اوقات، تعلق ارادۂ قدیم کے ساتھ جواز کی صورت میں، ہر حال میں مساوی رہیں گے اور حدوث عالم کے پہلے اور بعد وقتِ معینہ کے امتیازات کو قائم نہیں کیا جا سکے گا، اور یہ بھی محال نہیں ہے کہ تقدم وتاخر ہی کا قصد کیا گیا ہو۔ لیکن سفیدی وسیاہی کی جگہ سفیدی سے کیوں متعلق ہوا؟ یا یہ کہ ایک ممکن کی بجائے دوسرے ممکن کو کیوں امتیاز بخشا؟ ہم پر بنائے ضرورت عقلی جانتے ہیں کہ شے اپنے مثل سے متخصص نہیں ہو سکتی الّا بصورت مخصص کے، اگر یہ جائز رکھا جائے کہ دو مماثل چیزوں میں امتیاز بغیر مخصص کے ممکن ہے، تو حدوثِ عالم کا فعل بھی جائز ہوگا، کیونکہ عالم ممکن الوجود ہے، جیسا کہ وہ ممکن العدم بھی ہے، اور وجودی پہلو نے عدمی پہلو کے مقابل، بغیر مخصص کے امکان کے تخصیص حاصل کر لی ہے۔ اگر تم کہو کہ ارادے نے خصوصیت بخشی تو سوال اختصاص ارادہ اور درجہ اختصاص کی نسبت پیدا ہوتا ہے، پھر اگر تم کہو، کہ وجودِ قدیم کے کاروبار میں کیوں کا سوال نہیں ہو سکتا، تو پھر لازم ہے کہ عالم بھی قدیم ہو، اور اس کے لیے صانع وسبب کی دریافت بھی نہ ہونی چاہیے۔ اسی طرح جس طرح کہ وجہ ناقابل دریافت ہے، اور اگر تخصیصِ قدیم کو دونوں ممکنات میں سے کسی ایک کے ساتھ جائز رکھا جائے تو یہ بات خلاف قیاس ہوگی کہ عالم خاص خاص ہیئتوں کے ساتھ متشکل ہو، اس کی ایک ہیئت کی جگہ دوسری ہیئت ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ اتفاق سے ایسا ہو گیا، جیسا کہ تم کہتے ہو کہ ارادہ ایک وقت کی بجائے دوسرے وقت کے ساتھ مختص ہو گیا، اور ایک ہیئت کے بجائے دوسری ہیئت کے ساتھ اور یہ اتفاقاً ہو گیا، اور اگر تم کہو کہ یہ سوال غیر متعلق ہے، کیونکہ یہ ہر اس چیز

Marfat.com

پر وادر ہوسکتا ہے، جس کا خدا نے ارادہ کیا ہے اور ہر اس چیز پر جس کا وہ اندازہ کرتا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ نہیں اس کا جواب لازمی ہے کیونکہ یہ ہر واقعہ کے متعلق کیا جاسکتا ہے، اور ہمارے مخالفین کے لیے بھی پیدا ہوتا ہے خواہ ان کے مفروضات کچھ ہوں۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ عالم موجود ہوا، جس کیفیت میں بھی کہ وہ ہوا، جس نہج پر بھی ہوا، اور جس مکان میں بھی ہوا، بہر حال کسی کے ارادے سے ہوا، اور وہ ایک ایسی صفت ہے کہ اس کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ کسی شئے کو اس کے مثل کے مقابل تخصیص دینا ہے، معترض کا یہ کہنا کہ ارادہ بمقابلہ امثال کسی خاص شئے کے ساتھ کیوں مخصوص ہوا اس قول کی طرح ناکارہ ہوگا کہ علم نے اس معلوم کا احاطہ کیوں کیا جس پر وہ محیط ہے؟ حالانکہ اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ علم ایک ایسی صفت ہے جو تخصیص کی توجیہ سے بالاتر ہے ، ایسا ہی ارادہ بھی ایک ایسی صفت ہے کہ اس کا فعل تخصیص و امتیاز کی توجیہ سے بالاتر ہے۔

اگر کہا جائے کہ: کسی ایسی صفت کا اثبات کہ اس کی خصوصیت شئے کو اپنے مثل سے ممتاز کرتی ہو، غیر معقول ہے، کیونکہ اس میں ایک قسم کا تناقض پایا جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ شے کے مثل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے لیے کوئی امتیاز نہیں، اور ممتاز ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا کوئی مثل نہیں۔ اور نہ یہ گمان کرنا چاہیے کہ دو سیاہیاں دو محل میں ہر حیثیت سے متماثل ہوتی ہیں، کیونکہ ایک صورت ایک محل میں ہوتی ہے تو دوسری صورت دوسرے محل میں اور یہی امتیاز کا موجب ہے اور نہ سیاہیاں دو وقتوں میں اور ایک محل میں متماثل مطلق ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ یہ فی الوقت ایک دوسرے سے فرق رکھیں گی، تو ہر لحاظ سے ہم ان کو مساوی نہیں کہہ سکتے، اس لیے اگر ہم یہ کہیں کہ دو سیاہیاں باہم متماثل ہیں تو اپنے مثل کے ساتھ سیاہی کی اضافت اختصاصی ہوگی نہ کہ اطلاقی، اگر وہ مکانی و زمانی طور پر متحد ہو جائیں تو دو سیاہیاں سمجھ میں نہیں آئیں گی اور نہ دوئی سمجھ میں آسکتی ہے۔

یہ سوال اس وقت حل ہوسکتا ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ ارادے کا تصور ہمارے ارادے سے مستعار لیا گیا ہے اور ہمارے ارادے کے متعلق تصور نہیں کیا جاسکتا کہ کسی شئے کو اس کے مثل سے ممیز کرسکتا ہے، مثلاً میرے سامنے پانی کے دو پیالے ہیں اور دونوں میں مساوی پانی ہے۔ اور مجھے کسی ایک سے غرض نہیں ہے بلکہ دونوں سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں کسی ایک ہی کو امتیاز دوں تو یا تو پیالے میں کسی امتیاز کی علت کی بنا پر ایسا ہوگا یا خود میری ذاتی خصوصی تحریک کی بنا پر، اگر یہ دونوں نہ ہوں تو پھر ارادے

Marfat.com

کی تخصیص الشئے عن مثلہ کا تصور محال ہوگا۔

اس پر اعتراض دو طریقوں سے ہوتا ہے۔

(۱) تمھارا یہ قول کہ ارادے کی امتیازی خصوصیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا یا بربنائے ضرورتِ عقلی ہے یا بربنائے نظر نہ دونوں میں سے ایک کا دعویٰ بھی ممکن نہیں ، کیونکہ ہمارے ارادے کے ساتھ ارادۂ الٰہی کی مماثلت فاسد قسم کی ہے۔ ویسی ہی فاسد جیسے ہمارے علم میں اور علمِ الٰہی میں مماثلت۔ اللہ کا علم بہت سے امور میں ہمارے علم سے علیحدہ وجدا ہے، یہی حال ارادے کا بھی ہونا چاہئے ، تمھارا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ ایک وجود ایسا ہی پایا جاتا ہے کہ جو نہ خارج عالم ہے نہ داخل عالم، نہ اس سے متصل ہے نہ اس سے منفصل، کیونکہ وجود کی ایسی تعریف سمجھ میں نہیں آسکتی جس طرح کہ ہم اپنے وجود کے بارے میں ایسی تعریف نہیں سمجھ سکتے ، تو اس شخص سے کہا جائے گا یہ تو ہمات ہیں، اس چیز کی تو عقلا بھی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ پھر اس قول کے انکار کی کیا وجہ ہے کی ارادۂ خداوندی کی صفت تخصیص عن الشئے مثلہ ہوتی ہے، اس کو بھی ضرورتِ عقلی کی بنا پر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اگر ارادے کے لفظ سے اس کا مفہوم معین نہیں ہوسکتا ، تو دوسرا نام رکھا جاسکتا ہے، الفاظ کے رد وبدل میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ہم اس کے اطلاق کی تجدید اذنِ شرعی کی بنا پر کرتے ہیں کیونکہ صفت ارادہ موضوع ہے (عرفاً) اس چیز کے لیے جس سے کوئی غرض صاحب ارادہ کی وابستہ ہو، اور ظاہر ہے کہ خدا کو کسی چیز سے کوئی غرض نہیں ، صرف یہاں معنی اصلی مقصود ہیں، لفظ کی پیروی مقصود نہیں۔ ہم اپنے لیے ارادے کو غیر متصور نہیں کہہ سکتے ، مثلاً ہم کھجور کے دو مساوی مقدار کے ڈھیر فرض کرتے ہیں جو کسی شخص کے آگے رکھے ہوئے ہوں جو ان دونوں کو بیک وقت نہیں لے سکتا ، البتہ اپنے ارادے سے کوئی ایک لے سکتا ہے، فرض کرو ان میں سے کوئی وجہ تحریک جو کسی ایک کو امتیاز یا اختصاص دے (جس کا تم نے پہلے ذکر کیا) یہاں موجود نہیں ہے۔ ایسے وقت دو ہی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ شخص مذکور کی اغراض کی مناسبت سے دونوں ڈھیروں میں مساوات نہیں ہے، یہ کہنا تو غلط ہوگا اور اگر مساوات کا تعین کیا جائے تو شخص مذکور حیرت سے دونوں ڈھیروں کو تکتے ہی رہے گا اور اپنے ارادے میں تخصیص الشئے عن مثلہ کی صفت نہ ہونے کی وجہ کسی کے لینے پر بھی آمادہ نہ ہوگا اور یہ بات بھی صریح البطلان ہے۔

اعتراض کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ تمھارے مذہب کے اُصول سے بھی تو تم تخصیص الشئے عن مثلہ کی صفت کے اقرار پر مجبور ہو، کیونکہ تم کہتے ہو کہ عالم کسی سبب موجب لہٗ کی بنا پر ایسی مخصوص ہیئتوں کے ساتھ موجود ہوا ہے جس کے مختلف اجزاء ایک دوسرے کے مماثل ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان بعض اجزاء کے ساتھ اختصاص کیوں برتا گیا؟ کیونکہ تخصیص الشئے عن مثلہ کا محال ہونا فعل میں طبعًا یا ضرورتًا مساوی ہے۔

اگر تم کہو کہ عالم کا نظام کُلّی سوائے اس نہج کے جو پایا گیا ہے اور کسی نہج پر ممکن نہ تھا ،اور اگر عالم موجودہ عالم سے چھوٹا یا بڑا ہوتا تو یہ نظام ناقص ہوتا،اور ایسا ہی تمھارا قول افلاک اور ستاروں کی گنتی کے بارے میں ہے کہ کبیر مخالف صغیر ہوتا ہے،اور کثیر قلیل سے بوقت ضرورت افتراق پالیتا ہے،تو یہ بھی گویا متماثل نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف ہیں مگر یہ کہ بشری طاقت استدراک ان کی مقادیر وتفصیلات کی حکمت ومصلحت کا ادراک کرنے سے عاجز ہے، البتہ وہ بعض باتوں میں حکمت کا ادراک کرسکتی ہے جیسا کہ معدل النہار سے فلک بروج کے میلِ دفاعی کی حکمت وعلت ،یا اوج فلک اور فلک خارج المرکز کی حکمت ،اور بیشتر تو اس کے اسرار نامعلوم ہی رہتے ہیں،لیکن ان کا اختلاف معلوم ہوسکتا ہے اور اس بات میں تعجب نہ ہوگا کہ شئے کے ساتھ نظام امر کا تعلق ہونے کی وجہ سے شے اپنے مخالف سے متمیز ہوسکتی ہے،رہے اجزائے وقت (زمانہ) تو وہ امکان اور نظام کی طرف نسبت کے لحاظ سے قطعی طور پر متشابہ ہیں،اور اس دعوے کا امکان نہیں ہے کی اگر ان کے تخلیق عالم سے لحظہ بھر پہلے یا لحظہ بھر بعد بھی پیدا ہونے کا خیال کیا جائے تو نظام کا تصوّر نہیں ہوسکتا۔اس لیے ثابت ہوا کہ احوال کی متماثلت کا علم بہ ضرورت عقلی ہوتا ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ خود فلسفیوں نے اقرار کیا ہے کہ عالم کو خدا نے ایسے وقت پیدا کیا جو اس کے لیے درست سمجھا گیا،اس قول کے علاوہ ان کے اور بھی ایسے اصول ہیں جن کو مان کر اس بحث کا معارضہ کیا جاسکتا ہے،مثلاً فلکیات میں ان کا ایک اُصول ہے جہت حرکت، منطقہ پر حرکت میں مقامِ قطب کا تعیّن۔

فلسفیوں نے اس کی تفصیل یوں کی ہے کہ آسمان ایک کرہ ہے جو دو قطبوں کے مدار پر (دونوں بھی گویا دو ثابت ستارے ہیں) حرکت کر رہا ہے اور اس کرہ کے اجزاء باہم متماثل ہیں کیونکہ وہ بسیط ہیں،فلکِ اعلیٰ جو فلکِ نہم ہے اصلاً غیر مرکب ہے اور شمالی وجنوبی قطبین پر حرکت کررہا ہے،ہم پوچھتے ہیں کہ ان نقطوں میں سے جو فلسفیوں کے

Marfat.com

نزدیک غیر متناہی متقابل نقاط کہے جاتے ہیں کوئی دو قطبین تصور کیے جا سکتے ہیں، تو یہی دونوں نقطے قطبیت وثبات کے شمالی وجنوبی سرے پر کیوں متعین کیے گئے اور منطقہ کا خط ان دونوں نقطوں پر سے اس طرح کیوں نہیں گزر گیا کہ قطب، منطقہ کے دونوں متقابل نقطوں کی جانب عود کر جاتا؟ اور اگر آسمان کی مقدارِ کبر اور شکل میں کوئی حکمت تھی تو کس نے قطب کو اس کے مثل سے امتیاز بخشا، جس کی بنا پر دوسرے اجزا و نقاط چھوڑ کر اس نقطہ کا قطب ہونا متعین ہوا، حالانکہ تمام نقاط اور دیگر کروی اجزا مساوی صفات رکھتے ہیں؟ مسئلہ زیرِ بحث کے طوفان میں فلسفہ کی ناؤ بُری طرح پھنس جاتی ہے!

اور اگر کہا جائے کہ شاید وہ مقام جہاں نقطۂ قطب واقع ہوا ہے، اپنے غیر یا مثل کی نسبت بہ لحاظ خاصیتِ تناسب تکوینی محل قطب ہونے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے اس لیے وہ وہاں استقرار پکڑتا ہے، اس طرح کہ وہ اپنے مکان وحیز ووضع اور اس چیز سے جس پر بعض اور ناموں کا اطلاق کیا جاتا ہے الگ نہیں ہوتا، اور تمام مقامات فلکیہ کی وضع زمین وافلاک کے دَور کی وجہ متبدل ہو جاتی ہے مگر قطب کی وضع قائم رہتی ہے، تو شاید یہ مقام اپنے غیر کی نسبت ثابت الوضع ہونے کے لیے انسب ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ فلسفیوں کے اس بیان سے کرۂ اوّل کے اجزائے طبعی میں تفاوت کی صراحت ملتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجزا باہم متشابہ نہیں ہیں، اور یہ ان کے اصول کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے استدلال کی ایک بنیاد یہ ہے کہ آسمان کی شکل کا کروی ہونا لازم ہے۔ اور اس کے اجزا طبعی طور پر بسیط اور متشابہ ہیں ان میں تفاوت نہیں ہے اور زیادہ بسیط شکل کرہ کی ہے مگر جب حسابی اصول سے ان کے ربع (۱/۴) اور سدس (۱/۶) وغیرہ ہو سکتے ہیں تو ضرور ہے کہ ان میں زاویے بھی پیدا ہوں، اور یہ چیز بھی موجب تفاوت ہے اور یہ بات طبع بسیط پر امرِ زائد کے بغیر ممکن نہیں، باوجود ان کے مذہب میں مختلف آراء ہونے کے اس کا جواب مشکل ہے۔ پھر خاصیت کے بارے میں بھی سوال قائم رہتا ہے کہ تمام اجزا اس خاصیت کو قبول کریں گے یا نہیں؟ اگر کہو کہ ہاں تو سوال پیدا ہوگا کہ متشابہ خواص میں کسی خاصیت کے لئے وجہ اختصاص کیا ہوگی؟ اسلیے ہم کہتے ہیں کہ تمام اجزا اس حیثیت سے کہ وہ جسم صورت پذیر ہیں ضرورتاً متشابہ ہیں، اور اس خاصیت کا اس مقام کو محض اس کے جسم یا محض اس کے آسمان ہونے کی بنا پر مستحق قرار نہیں دیا جاتا: اس معنی میں تو آسمان کے تمام اجزا کی اس کے ساتھ مشارکت سے تخصیص کی

Marfat.com

کوئی وجہ ضروری ہے، جو یا تو صرف تحکمانہ شان ہے۔ یا تخصیص ایسے عن مثلہ کی صفت ہے، ورنہ جیسے کہ وہ اپنے اس قول پر قائم ہیں کہ احوال کائنات، واقعات عالم کے جذب وقبول میں مساوی الخاصیت ہیں، اس کے مقابل ان کا مخالف بھی اپنے اس قول کو حجت سمجھتا ہے کہ اجزائے آسمان اس مقصد کے قبول میں جس کے لیے استقرار وضع تبدل وضع سے اولیٰ ہوتی ہے، مساوی ہوتے ہیں، اس مسئلے کے حل کی کوئی صورت فلاسفہ کے ہاں نہیں۔

دوسرا الزام حرکت افلاک کی جہت کے تعین کے اصول کی بنا پر پیدا ہوتا ہے یعنی بعض تو مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہیں اور بعض اس کے برعکس، مگر جہات سب کے مساوی ہوتے ہیں اسکا کیا سبب ہے؟ اور جہات کی مساوات بلاتفریق اوقات کی مساوات کی طرح ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ سب کے سب اگر ایک ہی جہت سے دورہ کریں تو اضلاع بھی متبائن نہیں ہوگے، اور تمام ایک ہی وضع میں ہوں گے جو بھی مختلف نہ ہوگی حالانکہ یہ مناسبات عالم میں مبدا حوادث ہیں۔

تو ہم کہتے ہیں کہ جہت وحرکت میں عدم اختلاف کو ہم لازم نہیں سمجھتے، بلکہ کہتے ہیں کہ فلک اعلیٰ مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتا ہے۔ اور نیچے کے افلاک اس کے بالعکس، اور جو چیزیں کہ ان حرکات کے نتیجے کے طور پر حاصل ہوتی ہیں یا ان کا حاصل ہونا ممکن ہے وہ بالعکس صورت میں بھی ممکن ہیں، وہ اس طرح کہ فلکِ اعلیٰ مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرے اور جو اس کے نیچے ہیں اس کے بالعکس: تو حاصل فرق معلوم ہو جائے گا، اور حرکت کی جہت، دوری اور متقابل ہونے کے باوجود مساوی ہوں گی، تو پھر کیوں ایک جہت اپنے متماثل جہت سے متمیز کی گئی؟

اگر کہو کہ دونوں جہت باہم متقابل ومتضاد ہیں تو پھر یہ مساوی کیسے ہوسکتی ہیں؟

تو ہم کہیں گے کہ آپ ہی کا تو قول ہے کہ تقدم وتاخر وجودِ عالم میں متضاد چیزیں ہیں، پھر اُن کی مساوات کا دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے؟

یا جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ اوقات مختلفہ کی مساوات امکان وجود کی طرف نسبت دینے سے معلوم ہوسکتی ہے، اور ہر مصلحت کی بنیاد پر اس کا فرض کرنا وجود میں ممکن ہے، ایسا ہی مقامات واوضاع اور اماکن وجہات قبول حرکت کی طرف نسبت میں مساوی

Marfat.com

ہیں اور تمام مصلحتیں ان سے متعلق رہتی ہیں، اس مساوات کے باوجود اگر آپ کے اختلاف کا دعویٰ چل سکتا ہے تو آپ کے مخالف کا دعویٰ بھی احوال اور ہیئتوں کے اختلاف کے بارے میں چل سکتا ہے۔

(ب) دوسرا اعتراض: ۔ان کی اصل دلیل پر ہے کہ تم قدیم سے حادث کا صدور تو بعید از قیاس سمجھتے ہو لیکن اس امر کا تم کو اعتراف ہے کہ عالم میں حوادث واسباب پھیلے ہوئے ہیں، اگر حوادث کی نسبت حوادث ہی کی طرف کی جائے تو ایک غیر متناہی سلسلہ پیدا ہوگا، جو محال ہے، یہ کسی عقلمند کا اعتقاد نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ ممکن ہو تو تم اعترافِ صانع اور اثبات واجب الوجود سے (جو مستندِ کائنات ہے) مستغنی ہو سکتے ہو، اور اگر یہ حوادث کا سلسلہ کسی انتہا پر رُک سکتا ہے تو اسی انتہا پر قدم ہے، لہٰذا تمھارے ہی اصول کی بنا پر قدیم سے حادث کا صدور جائز رکھنا ضروری ہُوا۔

اور اگر کہا جاوے کہ ہم قدیم سے حادث کا (چاہے کوئی حادث ہو) صدور بعید از قیاس ۳) نہیں سمجھتے، البتہ ہم اس حادث کا صدور بعید سمجھتے ہیں جو اوّلِ حوادث ہے، کیونکہ اس کے بیشتر حدوث جہت وجود کی ترجیح کا کوئی امتیاز نہیں رکھتی، نہ تو حضور وقت کے اعتبار سے، اور نہ آلہ یا شرط یا طبیعت یا غرض یا کسی سبب کے اعتبار سے، البتہ اگر وہ اوّل حوادث نہ ہو تو محلِ قابل کے استعداد یا وقت موافق کی موجودگی یا کسی اور توافقی امکان کی بنا پر کسی دوسری شئے کے حدوث کے وقت اس کا قدیم سے صادر ہونا جائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ حصول استعدادِ مکانی یا زمانی یا کسی شرط تجدّد کے بارے میں سوال بدستور قائم ہے بہر حال یا تو سلسلہ غیر متناہی ہوگا یا وجود قدیم سے منسلک ہوگا جس سے حادثِ اوّل کا ظہور ہوا۔

اگر کہا جائے کہ صور واعراض وکیفیات پذیر مادّہ میں سے کوئی چیز حادث نہیں، البتہ کیفیات حادثہ افلاک کی حرکت، یعنی حرکت دوریہ اور اوصاف اضافیہ جو اس میں متجدد ہوتے ہیں، جیسے تثلیث، تربیع، تسدیس وغیرہ (جو کرہ یا کواکب کے بعض حصوں کی باہمی نسبتیں ہیں یا زمین سے ان کی نسبت ہے جیسے طلوع وشرق وزوال آفتاب سے حاصل ہوتی ہیں) اور زمین سے بعد (یہ کوکب کے اوج بلندی پر ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے) اور زمین سے قرب (یہ کوکب کے اسفل ترین درجے میں ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے) اور دفع تمایلِ بعض اقطار کا (جو کوکب کے شمال وجنوب میں ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے

Marfat.com

) تو یہ اضافتیں حرکت دوریہ کے لیے لازم ہیں، ان کی موجب حرکتِ دوریہ ہے، رہ گئے وہ حوادث جو مقعر فلک قمر کے مشتملات میں سمجھے جاتے ہیں جو عناصرِ اربعہ ہیں، اور جو حوادث کہ عرضی طور پر ان پر پیش آتے ہیں، جیسے کون وفساد وامتزاج وافتراق ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف استحالہ تو یہ ایک دوسرے کی طرف منسوب تو رہتے ہیں: مگر ان کے اسباب کا انتہائی سلسلہ حرکت سماوی دوری کے مبادیٔ تسلسل سے منسلک رہتا ہے۔ اور کواکب میں سے ایک کی دوسرے کی طرف یا کسی کی زمین کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ یہ اجزائے فلکیہ اور کوکبیہ کی ایک دوسرے کے ساتھ یا زمین کے ساتھ نسبتیں ہیں۔

اس تمام بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حرکت دوریہ جو دائمی اور ابدی ہے تمام حوادث کا مبدا ہے، اور حرکتِ دوریہ آسمانی کے متحرک نفوسِ آسمانی ہیں، وہ نفوس جس کی نسبت حرکت دوریہ کے ساتھ ایسی ہی ہے جیسی ہماری ارواح کی ہمارے ابدان کے ساتھ، اور جب یہ نفوس قدیم ہیں تو ضروری ہوا کہ حرکت دوریہ جو ان کی تابع مستلزم ہے وہ بھی قدیم ہو، اور جب احوال نفس قدیم ہونے کی وجہ سے باہم مشابہ ہوں گے تو احوال حرکت بھی باہم مشابہ ہوں گے یعنی ہمیشہ حالت دور میں رہیں گے۔

لہذا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ حادث قدیم سے بغیر واسطہ حرکت دوریہ ابدیہ کے صادر ہوا ہو، اور پھر یہ حرکت دوریہ دائمی اور ابدی ہونے کے لحاظ سے تو قدیم سے مشابہت رکھتی ہے اور باقی صورتوں میں حادث سے، یعنی اس کا ہر قابل تصور جزو حادث ہوتا ہے جو پہلے حادث نہ تھا۔ پس وہ (حرکت دوریہ) اس حیثیت سے کہ حادث ہے، اپنے اجزا اور نسبتوں کے ساتھ مبدا حوادث بھی ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ ابدی متشابہ احوال ہے نفس ازلی سے صادر بھی ہوئی ہے پس اگر عالم میں حوادث ہیں تو وہ ضروری طور پر حرکت دوریہ سے متعلق ہیں، اور عالم میں تو حوادث موجود ہیں اسلیے حرکت دوریہ ابدی ثابت ہے۔

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ حرکت دوریہ جو ثابت کی جاتی ہے حادث ہوگی، یا قدیم اگر قدیم ہے تو یہ حوادث کا مبدا اول کیسے ہوئی؟ اور اگر حادث ہے تو کسی دوسرے حادث کی محتاج ہوگی اور یہی سلسلہ چلتا رہے گا، اور تمہارا یہ قول کہ وہ ایک صورت سے قدیم سے مشابہ ہے اور ایک صورت سے حادث ہے تو گویا وہ ثابت مجدد ہے، یا یہ کہ اس کا

Marfat.com

تجدّد ثابت ہے اور وہ متجدّد الثبوت ہے، اس لیے ہم پوچھیں گے کہ اس حیثیت سے کہ وہ ثابت ہے مبدأ حوادث ہے یا اس حیثیت سے کہ وہ متجدّد ہے؟ اگر ثابت ہونے کی حیثیت سے ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ثابت متشابہ الاحوال سے ایک چیز کسی خاص وقت میں دوسرے اوقات سے متمیز ہو کر کس طرح صادر ہوئی؟ اگر متجدّد ہونے کی حیثیت سے ہے تو اس کی ذات میں تجدّد کا باعث کیا ہے؟ پھر وہ بھی دوسرے سبب کی محتاج ہوگی، اور یہی سلسلہ چلتا رہے گا، اور یہ جواب الزامی ہے۔

فلسفی بعض حیلے اس الزام سے نکلنے کے لیے تراشتے ہیں جن کا ہم آئندہ مسائل میں ذکر کریں گے اور یہاں ان کو طوالت کلام سے بچنے کے لیے چھوڑتے ہیں، البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ حرکت دوریہ مبدأ حوادث ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ یہ تمام حوادث ابتدأ اللہ تعالیٰ کے ایجاد و خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور اس بات کا بھی ہم ابطال کریں گے کہ آسمان ایک حیوان متحرک ہے اور اس کی حرکت، اختیاری اور ہماری طرح شعوری ہے۔

دلیل دوم: فلاسفہ کہتے ہیں کہ جو شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ عالم اللہ تعالیٰ سے متاخر ہے، اور اللہ متقدم، تو اس کا قول دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس کی اس سے تقدّم۔ بالذات مُراد ہے، بالزمان نہیں، جیسا کہ عدد ایک کا تقدّم دو پر، اب یہ قدرتی طور پر (باوجود یہ جائز رکھنے کے کہ عالم وجود زمانی میں ذات الوہیت کے ساتھ ہے، یا ذات الوہیت کا تقدّم معلول پر علت کے تقدّم کی طرح ہے) ایسا ہی تصور ہے جیسا کہ زید کا تقدّم اس کے سایہ پر یا ہاتھ کی حرکت کا تقدم انگشتری کی حرکت پر، یا جیسے پانی میں ہاتھ کی حرکت کے ساتھ ہی پانی کی حرکت، دونوں باتیں زمانی حیثیت سے قریب قریب مساویانہ طور پر ہوتی ہیں، ان میں سے ایک علت ہے، دوسرا معلول، مثلاً یہ کہا جائے گا کہ زید کی حرکت کی وجہ سے اس کے سایہ نے بھی حرکت کی، اور پانی میں ہاتھ کی حرکت کی وجہ سے پانی حرکت میں آیا، اس کے برعکس یہ نہیں کہا جائے گا کہ زید نے سایہ کو حرکت دینے کے لیے حرکت کی، یا ہاتھ پانی کی حرکت کے لیے متحرک ہوا۔

اگر عالم پر تقدّم باری کی یہی نوعیت مان لی جائے تو لازم آئے گا کہ دونوں (عالم اور خدا) حادث ہیں یا دونوں بھی قدیم ہیں، یہ تو محال ہوگا کہ ایک قدیم رہے دوسرا حادث، یا اگر یہ منشا ہو کہ خدا کا تقدّم عالم اور زمانے پر بالذات نہیں ہے، بلکہ بالزمان ہے۔ تو اس وقت وجود عالم و زمانے سے پہلے ایسا وقت بھی ہوگا جس میں عالم معدوم ہوگا، جب عدم

Marfat.com

وجود پر سابق ہو تو اللہ اس مدتِ مدید میں سابق ہوگا جس (مدت) کی جہتِ آخر کا تو کنارہ ہوگا مگر جہتِ اوّل کا کوئی کنارہ نہ ہوگا تو گویا زمانے سے پہلے زمانہ غیر متناہی ہوا، اور یہ قضیہ متناقض ہے اور اس لیے حدوث زمانی کا تصوّر ایک تصوّر محال ہوگا، اور جب قِدمِ زمانی واجب ہو جائے جو عبادت ہے قدر حرکت سے تو قدم حرکت بھی واجب ہوگا، نیز قِدمِ متحرک بھی جو زمانے کو اپنی حرکت دوامی سے مداومت بخشتا ہے واجب ہوگا۔

اعتراض

اس پر ہمارا یہ ہے کہ زمانہ حادث اور مخلوق ہے اور اس کے پہلے مطلقاً کوئی زمانہ تھا ہی نہیں اور ہمارے اس قول کا مطلب کہ اللہ تعالیٰ عالم اور زمانہ پر متقدم ہے یہ ہے کہ اللہ تھا اور عالم نہ تھا، پھر وہ تھا اور اس کے ساتھ عالم کا وجود ہوا اور ہمارے اس قول کا مطلب کہ وہ تھا اور عالم نہ تھا یہ ہے کہ ذاتِ باری کا تو وجود تھا مگر ذات عالم کا عدم نہ تھا اور ہمارے اس قول کا مطلب کہ وہ تھا اور اس کے ساتھ عالم بھی تھا یہ ہوگا کہ ان دو ذاتوں کا وجود ہے۔ تقدم سے مُراد اس کے وجود کا منفرد ہونا ہے، اور عالم شخص واحد کی طرح ہے، اگر ہم کہیں کہ (مثلاً) اللہ تھا اور عیسیٰ نہ تھا پھر اللہ تھا اور عیسیٰ ہُوا تو لفظ (اللہ یا عیسیٰ) سوائے وجودِ ذات اور عدم ذات کے کسی بات کا متضمن نہ ہوگا، دوسرے فقرے میں لفظ دو ذاتوں کے وجود کا متضمن ہوگا اور اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ کسی تیسری چیز کو مقدر فرض کیا جائے، اگر قوت واہمہ تیسری شئے کو خواہ مخواہ مقدر کرنے کے لیے دراندازہو رہی ہے تو وہی وقت یا زمانہ ہے۔ قوت واہمہ کے مقاومت کی ہم یہاں ضرورت سمجھتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ ہمارے اس قول کا کہ خدا تھا اور عالم نہ تھا ایک تیسرا مفہوم بھی ہوسکتا ہے جو وجودِ ذات اور عدم عالم کے سواء ہے، اور وہ اس دلیل سے کہ اگر ہم مستقبل میں عدم عالم کو فرض کرلیں تو وجودِ ذات اور عدم ذات حاصل ہوگی، ہمارا یہ قول صحیح نہ ہوگا کہ خدا تھا اور عالم نہیں تھا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اللہ تو ہے مگر عالم نہیں، اور ماضی کے لیے یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تو تھا عالم نہ تھا، تو ہمارے قول ''تھا'' اور ''ہے'' میں فرق ہوگا، اور وہ ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، اب ہم اسی فرق پر بحث کریں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں، وجودِ ذات اور عدمِ عالم میں کوئی فرق حاصل نہیں ہوتا بلکہ تیسرے معنی میں ہوتا ہے مثلاً ہم مستقبل میں عدمِ عالم کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ تھا اور عالم نہ تھا تو کہا جائے گا یہ غلطی ہے، کیونکہ ''تھا'' کا لفظ صرف ماضی کی طرف اشارہ کرتا ہے تو یہ دلیل

Marfat.com

ملی کہ لفظ "تھا" کے تحت ایک تیسرا مفہوم پوشیدہ ہے اور وہ ماضی ہے، اور ماضی بذاتہ "زمانہ" ہے، اور بغیر اس کے ماضی ایک حرکت ہے جو صرف زمانے کے ساتھ ساتھ ہی گزر سکتی ہے، پس ضرورت عقلی کی بنا پر لازم آتا ہے کہ عالم سے پہلے زمانہ ہوگا، جو منقضی ہوتا گیا، یہاں تک کہ وہ وجودِ عالم پر منتہی ہوگیا۔

تو ہم کہتے ہیں کہ مفہومِ اصلی دونوں لفظوں سے وجودِ ذات اور عدمِ ذات ہے اور تیسرا امر جس سے دونوں لفظوں میں امتیاز پیدا ہوتا ہے وہ ہماری نسبت لازمہ قیاسی ہے، اس دلیل سے کہ اگر ہم مستقبل میں عدم عالم کو فرض کر لیں پھر اس کے بعد دوسرا وجود فرض کر لیں تو ہم اس وقت کہیں گے کہ اللہ تھا اور عالم نہ تھا اور ہمارا قول صحیح ہوگا چاہے ہم اس سے عدمِ اول مُراد لیں یا عدمِ ثانی جو بعد وجود کے ہوتا ہے، اور اس بات کی مکمل دلیل کہ یہ نسبت قیاسی ہے یہ ہے کہ مستقبل کے لیے جائز رکھا جاتا ہے کہ بعینہ وہ ماضی ہو جائے پھر اس کو ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ساری گڑبڑ ہماری قوت واہمہ کی کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ وہ کسی چیز کے وجود کے ابتدا کے تصور سے اس وقت تک قاصر ہے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کے "ماقبل" کا سوال نہ پیش کرے اور یہ "ماقبل" کا تصور ہی وہ شے ہے جس سے ہماری قوتِ واہمہ پیچھا نہیں چھڑا سکتی، ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شے محقق موجود جو ہے وہ زمانہ ہے، اور یہ واہمہ کی اسی کمزوری کی طرح ہے کہ جس کی بنا پر (مثلاً) وہ اجسام کی متناہیت کو وہاں تصور کرنے سے عاجز ہے جہاں راسِ فلک ملتا ہے، سوائے اس سطح کے جس کے فوق کچھ ہو، اس لیے وہ تصور کرتا ہے، کہ ماورائے عالم بھی کچھ ہونا چاہیے، چاہے خلا ہی کیوں نہ ہو، اور اگر کہا جائے کہ سطح عالم کے فوق کوئی فوق نہیں اور اس سے بعید کوئی بُعد نہیں، تو قوت واہمہ اس کے تسلیم کرنے سے مرعوب ہوتی ہے، جیسے اگر کہا جائے کی وجودِ عالم کے ماقبل کوئی قبل نہیں ہے جو وجود ثابت شدہ کی طرح ہو تو قوتِ واہمہ اس کے قبول کرنے سے گریز کرنے لگتی ہے، پس جس طرح جائز سمجھا جا سکتا ہے کہ فوق العالم کسی خلاء یا ملاء کے فرض کرنے سے واہمہ کی تکذیب کی جائے، بایں دلیل کہ یہ تو بُعد لامتناہی ہوگا جس کو خلاء کہا جائے گا، جس کا فی نفسہ کوئی مفہوم نہیں اور بُعد اس جسم کا تابع ہوتا ہے جس کے اقطار میں تباعد مکانی پائی جائے، کیونکہ جسم متناہی ہوگا تو اس کا تابع بُعد بھی متناہی ہوگا تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ خلاء وملاء کا کوئی مفہوم ماوراء عالم نہیں، اور یہ بات باوجود قوت واہمہ کی اس کے اذعان پر آمادگی کے مسلّم ہوگی، اسی طرح یہ

Marfat.com

بھی کہنا چاہیے کہ جس طرح بُعد مکانی تابع جسم ہوتا ہے بُعد زمانی بھی تابع حرکت ہوتا ہے، جو امتدادِ حرکت کا نام ہے۔ جیسا کہ بُعدِ مکانی میں اقطار جسمی کا امتداد ہے، اور جب اقطار جسم کی متناعیت پر قائم کردہ دلیل سے اس کے ماوراء بُعد مکانی کا اثبات ممنوع ہوتا ہے، اسی طرح حرکت کے دونوں کناروں کی متناہیت پر کوئی دلیل قائم کی جائے تو وہ اس کے ماورا البعد زمانی کے فرض کرنے سے مانع ہوگی، چاہے قوتِ واہمہ کتنی ہی اس کے وجود کے تصور سے لپٹی رہے۔ کیونکہ بُعد زمانی (جس کی نسبت دے کر، قبل و مابعد کے الفاظ کی تعیین کی جاتی ہے) اور بُعد مکانی (جس کے ساتھ نسبت دے کر مافوق وماتحت کے الفاظ کی تقسیم کی جاتی ہے) کے درمیان کوئی فرق نہیں، اگر مافوق کے اوپر کسی مافوق کا ہونا جائز رکھا جائے تو ماقبل سے پیشتر کسی ماقبل کے بارے میں تحقیق کی جانی صرف خیالی اور واہمی چیز ہوگی، اور یہ مسئلہ زیرِ بحث کی لازمی صورت ہے، قابلِ غور وتامل ! اور فلسفی باتفاق آراء ماورائے عالم کسی خلاء یا ملاء کے وجود کے قائل نہیں۔

اگر کہا جائے کہ یہ موازنہ ٹیڑھا ہے، کیونکہ عالم کو نہ فوق ہے نہ تحت اس لیے کہ وہ کُروی ہے، اور کرہ کو فوق وتحت نہیں، بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ جس جہت کو تم فوق کا نام دیتے ہو، بدیں وجہ کہ وہ تمھارے سر پر ہے اس کے مقابل یعنی تمھارے پَیر کے نیچے کی جہت تحت ہوگی، تو یہ نام تمھاری طرف نسبت دینے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر جو جہت کہ تمھاری طرف نسبت کرتے ہوئے تحت ہے وہی تمھارے غیر کی طرف نسبت دیتے ہوئے فوق ہے، تم اس کو کرۂ ارض کی جانب آخر میں فرض کرو گے، اور وہ تمھارے محاذی اس طرح کھڑا ہوگا کہ تمھارے قدم کے تلووں سے اس کے قدم کے تلوے مقابل ہوں گے...... بلکہ وہ اجزائے آسمانی جس کو تم دن میں اپنا فوق خیال کرتے ہو، وہ بعینہ رات کے وقت تحت الارض ہیں، اور جو چیز کہ تحت الارض ہے دُور کے ساتھ فوق الارض کی طرف عود کرتی ہے، لیکن زمانے کے لحاظ سے جو سرا کہ وجود عالم سے اوّل سمجھا جاتا ہے، تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ انقلابی نتیجے کے طور پر آخر ہو جائے، جیسا کہ ہم ایک لکڑی فرض کریں، جس کا ایک سرا موٹا اور دوسرا سرا باریک ہو تو ہم اس جہت کو جو باریک کی جانب ہے اس کی انتہا تک اصطلاحاً فوق کہیں گے، اور جو مقابل کی جانب ہے اس کو تحت کہیں گے، اس سے اجزائے عالم میں اختلاف ذاتی ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو مختلف نام ہیں جن کے قیام کی مثال مذکورہ لکڑی کی ہیئت سے کہ اگر وضع ہیئت کو عکس کیا جائے تو نام بھی عکس ہو جائے گا۔ اور عالم

Marfat.com

تو اس طرح متبدل نہیں ہوتا، فوق وتحت تو ایک نسبت ہے تمھاری طرف جس میں اجزائے عالم اور اس کی سطوح مختلف نہیں ہوتیں، لیکن عدم جو وجودِ عالم پر متقدم ہوتا ہے، یا اس کی انتہائے اوّلین جو اس کے لیے ذاتی ہے۔ یہ تصور نہیں ہوسکتا کہ وہ بھی متبدّل ہو کر انتہائے آخرین کے سرے پر مل جائے، اور نہ وہ عدم جو فنائے عالم کے بعد واقع ہوسکتا ہے، یہ تصور ہوسکتا ہے کہ پھر لاحق سے سابق ہو جائے، پس انتہائے عالم کے وہ دونوں کنارے جن کا ایک اوّل اور دوسرا آخر ہے ذاتی اور ثابت کنارے ہیں، ان کی اضافتوں کی تبدیلی سے ان کی تبدیلی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، بخلاف فوق وتحت کے کہ ان میں ابتدا کا تصور ہوسکتا ہے، پس اس وقت تم کو یہ کہنا جائز ہے کہ عالم کے لیے فوق وتحت نہیں ہے مگر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وجودِ عالم کے واقعہ کے لیے قبل و بعد نہیں ہے، پس جب قبل و بعد ثابت ہو جائے تو زمانے کے لیے سوائے اس معنی کے جس سے قبل و بعد کی تعبیر کی جاتی ہے اور کوئی معنی نہیں ہوسکتے۔

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم لفظ فوق وتحت ہی کو معین کرنا کوئی ضروری نہیں سمجھتے بلکہ ہم لفظ داخل وخارج استعمال کریں گے، اس طرح ہم کہیں گے کہ عالم کے لیے داخل وخارج ہے، پھر ہم پوچھیں گے کہ کیا خارج عالم خلاء یا ملاء کی قسم سے کچھ ہے تو اس کا جواب ملے گا کہ ماوراء عالم نہ خلاء ہے نہ ملاء۔ اگر تم خارج عالم سے عالم کی سطحِ اعلیٰ مُراد لیتے ہو تو اس کا خارج ہے، اس کے سوا کچھ اور مُراد لیتے ہو تو خارج کچھ نہیں ہے اسی طرح جب ہم سے پوچھا جائے گا کہ کیا وجودِ عالم کے لیے قبل ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اس سے وجودِ عالم کی بدایت یعنی اس کا ابتدائی سرا مراد لیا جارہا ہے تو اس کی بنیاد پر اس کے لیے قبل ہے، جیسا کہ عالم کے لیے خارج ہے، اس تاویل پر کہ وہ طرف مکشوف اور منقطع سطحی ہے، اور اگر تم قبل سے کوئی دوسری چیز مُراد لیتے ہو، تو عالم کے لیے قبل نہیں ہے، جیسا کہ خارج عالم سے سطح کے سوائے اور کوئی چیز مُراد لی جائے تو کہا جائے گا کہ عالم کا کوئی خارج نہیں ہے، اگر تم کہو کہ ایسا مبدأ وجود جس کا کوئی قبل نہ ہو سمجھ میں نہیں آتا تو کہا جائے گا کہ جسم کے وجود کی ایسی متناہیت جس کا کوئی خارج نہ ہو سمجھ میں نہیں آتی، پھر اگر تم کہو کہ اس کا خارج اس کی وہ سطح ہے جو اس کی منقطع ہے نہ کہ کوئی دوسرا تو ہم کہیں گے کہ اس کا قبل، اس کے وجود کی وہ ابتدا ہے جو اس کا کنارہ ہے نہ کوئی دوسرا۔

اب رہا یہ قول کہ خدائے تعالیٰ کا وجود تھا اور عالم اس کے ساتھ نہ تھا' تو صرف

Marfat.com

ہمارا یہ کہنا کسی دوسری شے کے اثبات کا موجب نہیں، البتہ وہ قول جس کو وہم کا عمل ثابت کرتا ہے یہ ہے کہ وہ مخصوص بہ زمان و مکان ہے۔ مخالف جو قدمِ جسم کا معتقد ہے، اس کے حدوث کی فرضیت کے لیے اپنے وہم کی اطاعت کرتا ہے، اسی طرح ہم جو حدوث جسم کے قائل ہیں، بسا اوقات اس کے قدم کی فرضیت کے لیے اپنے وہم کی بات مانتے ہیں۔ یہ تو جسم کے بارے میں ہوا، جب ہم زمان (وقت) کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو مخالف ایسے زمان کے حدوث کے اندازے پر جس کا کوئی قبل نہ ہو قادر نہیں ہوسکتا، حالانکہ اعتقاد کی یہی کیفیت ہے کہ اس کے مخالف تصور کا وہم میں جگہ پالینا بالکل ممکن ہے، لیکن فلسفی کے اس عقیدے کے مخالف تصور کی وہم میں بھی گنجایش نہیں جس طرح کہ مکان کے بارے میں گنجایش نہیں، تو گویا جو شخص کہ جسم کی متناہیت کا اعتقاد کرتا ہے اور جو نہیں کرتا، دونوں بھی ایسے جسم کا تصور کرنے سے عاجز ہیں جس کے ماوراء نہ خلاء ہو نہ ملاء، وہم اس کے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا، اگر کہا جائے کہ عقل صریح بربنائے دلیل جسم کی متناہیت کے وجود سے مانع نہ ہو تو وہم کی جانب التفات نہیں کیا جاسکتا۔ تو اسی طرح عقل صریح کسی ایسے آزاد وجود سے مانع نہیں ہوسکتی، گو کہ واہمہ اس کے تصور سے عاجز کیوں (نہ ہو) کیونکہ وہم کسی ایسے جسم متناہی کے تصور سے مانوس نہیں ہوسکتا جس کے بعد ہی دوسرا جسم نہ ہو، چاہے وہ فضائے متخلخل ہو بہ حیثیت خلاء ایسے ہی وہم کسی ایسے حادث واقعہ سے بھی مانوس نہیں ہوسکتا جس کے ماقبل کوئی نہ کوئی حالت نہ ہو، قبل حادث کی عدیم الوقتی کے تصور سے اسے خواہ مخواہ رعب سا طاری ہو جاتا ہے، اور یہی اصل باعث غلطی کا ہے اور اس کی مقاومت اسی قسم کے معارضہ سے ہوسکتی ہے۔

قدم زمان کے لزوم کے متعلق فلسفیوں کی دوسری وجہ

فلسفی کہتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ تمھارے نزدیک خدا پیدایش عالم سے پیشتر، چاہے ایک سال پہلے ہو یا سو سال یا ہزار سال یا غیر متناہی مدت" (یہ اندازے مقدار و کمیت کے اعتبار سے متفادت ہوتے ہیں) تخلیق عالم پر قادر تھا، تو قبل وجود عالم کسی شئے ممتد و مقدر کا (جس کا ایک حصہ دوسرے سے امدو اطول ہو) اثبات ضروری ہے، لیکن اگر تم کہتے ہو کہ لفظ سالہا سال کا اطلاق ممکن نہیں سوائے حدوث فلک کے واقعہ اور اس کے دور کے، اس لیے ہم "سال" کا لفظ چھوڑ دیتے ہیں، اور دوسرا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ عالم کے ابتدائے وجود سے آسمان نے

Marfat.com

(مثلاً) ایک ہزار دورے کیے ہیں تو کیا حق سبحانہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ اس سے پہلے اسی کی طرح ایک دوسرا عالم پیدا کرے جو ہمارے زمانے تک ایک ہزار ایک سو دوروں کے بعد پہنچ جائے؟ اگر اس کا جواب یہ ہو کہ نہیں تو گویا قدیم عجز سے قدرت کی طرف منقلب ہوا ہے، یا عالم عدم امکان سے امکان کی طرف آیا ہے، اگر کہو کہ ہاں اور یہی جواب ضروری بھی ہے تو کیا فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ تیسرا عالم بھی ایسا پیدا کرے جو ہمارے زمانے تک ایک ہزار دو سو دوروں کے بعد پہنچ جائے؟ اس کا جواب ضرور اثبات میں دیا جائے گا تو ہم کہیں گے کہ یہ عالم جس کو ہماری مفروضہ ترتیب کے اعتبار سے ہم تیسرا عالم کہتے ہیں، اگر وہی سب سے پہلے ہو تو کیا وہ اس کو دوسرے عالم کے ساتھ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم تک دو ہزار دو سو دوروں کے بعد پہنچ جائے، اور دوسرا ایک ہزار ایک سو دوروں کے بعد اور دونوں سرعت اور حرکت کی مسافت کے اعتبار سے مساوی رہیں؟ اگر تم کہو ہاں، تو یہ محال ہے کیونکہ دو حرکتوں کا جن میں سے ایک سریع ہو اور ایک بطی مساوی نتیجے پر پہنچنا محال ہے، پھر اگر تم کہو کہ تیسرا عالم جو ہم تک ایک ہزار دو سو دوروں کے بعد پہنچتا ہے تو نا ممکن ہے کہ اس دوسرے عالم کے ساتھ پیدا کیا جائے جو ہم تک ایک ہزار ایک سو دوروں کے بعد پہنچتا ہے۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس عالم کو اس عالم سے اس مقدار زمانہ سے پہلے پیدا کیا جائے جس مقدار سے کہ عالم ثانی عالم اوّل پر مقدم ہے اور اس کا نام ہم اوّل اس لیے فرض کرتے ہیں کہ وہ ہمارے وہم سے زیادہ قریب ہے، جب ہم اس موجودہ وقت سے اس کی جانب صعود کرتے ہیں تو مقدار امکان اول مقدار امکان آخر سے دو چند حاصل ہوگی، اور ایک امکان آخر بھی ضروری ہے جو ان دونوں کے مقابل دو چند ہو۔

پس یہ امکان مقدار کمیت کے ساتھ جس کا ایک حصہ دوسرے سے بہ مقدار معلومہ اطول ہو، اس کی حقیقت کچھ نہیں ہو سکتی سوائے "وقت" یا "زمان" کے اور یہ کمیات مقدرہ ذاتِ باری تعالیٰ کی صفت نہیں ہیں، اور نہ عدم عالم کی صفت ہیں، کیونکہ عدم کوئی چیز نہیں جس میں مقادیر مختلفہ کے وجود کا تصور رہ سکے اور کمیت صفت ہے جو ذات کمیت کی طالب ہے تو یہ صفت حرکت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی، اور کمیت وقت یا زمانے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی اور یہی قدر حرکت ہے، تو جب تمہارے پاس وجودِ عالم سے پہلے کوئی شے ذو کمیت متفاد کا ہونا ضروری ہے تو ہمارے نزدیک وہی وقت یا زمانہ ہے پس عالم کے

Marfat.com

پہلے تمھارے نزدیک زمانہ ثابت ہے۔

اس پر ہمارا اعتراض یہ ہے کہ یہ تمام وہم کی کارگزاری ہے، اور سہل طریقہ اس کے دفعیہ کا یہ ہے کہ زمان ومکان کا تقابل کیا جائے، پس ہم کہتے ہیں کہ کیا خدا کی قدرت میں یہ نہ تھا کہ فلکِ اعلیٰ کو اس کے سمک میں بقدر ایک گز کے بڑا پیدا کرتا؟ اگر تم کہو کہ نہیں تھا تو یہ خدا کا عجز ہوا، اور اگر کہو کہ ہاں تھا تو ۲ دو گز، ۳ گز اسی طرح غیر منتہی اعداد تک ہم یہ سوال کرتے جائیں گے، پھر ہم کہیں گے کہ اس میں ماورائے عالم ایسے بُعد کا اثبات ہوتا ہے جس کے لیے مقدار وکمیت حاصل ہو، کیونکہ ۲ گز یا ۳ گز کی بڑائی ایسی وسعتِ مکانیت کی مقتضی ہے جو وسعتِ اولیٰ سے بقدر کمیت مفروضہ بڑی ہو تو اس لحاظ سے ماورائے عالم خلاء یا ملاء موجود ہے۔ کوئی بتائے کہ اس کا کیا جواب ہے؟ ایسا ہی یہ سوال بھی ہے کہ کیا خدائے تعالیٰ ایسے کرۂ عالم کے پیدا کرنے پر قادر نہ تھا جو موجودہ کرہ سے بقدر ایک گز یا دو گز کے چھوٹا ہو؟ دونوں مفروضات واحتمالات میں فرق نہیں ہے، دونوں سے خلاء یا وسعتِ مکانیت کے لزوم کا پہلو نکلتا ہے۔ کیونکہ ملاء میں اگر دو گز کی نفی کی جائے تو یہ ایک گز نفی سے زیادہ ہوگا، اس طرح ملاء کا منفی رُخ خلا کا ایجابی رُخ ہوگا اور خلا تو کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر یہ سلبی مقدار کیسے پیدا ہوئی؟ ہمارا یہ جواب بھی محض وجود عالم سے قبل امکانات ذاتی کے احتمالات وہمی کی بنا پر ہے، جیسا کہ تمہارا جواب بھی وجود عالم کے پرے امکانات مکانی کے احتمالات وہمی کی بناء پر ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پھر اگر کہا جائے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ جو چیز ممکن نہیں ہے وہ فرض کی جاسکتی ہے عالم کا موجودہ جسامت سے بڑا یا چھوٹا ہونا جب ممکن ہی نہیں تو مفروض بھی نہیں ہوسکتا۔

مگر یہ عذر باطل ہے تین وجہ سے۔

(۱) یہ عقل کی محض ڈینگ ہے، کیونکہ عالم موجودہ وسعت سے بقدر ایک گز بڑا یا چھوٹا ہونا ایسی تو بات نہیں ہے جیسے کہ سیاہی وسفیدی کا ایک جگہ جمع ہو جانا یا وجود وعدم کو، ایک جگہ جمع کرنا، ناممکن البتہ یہ ہے کہ نفی واثبات کو ملایا جائے، اور اسی طرف سارے محالات کا مرجع ہے، باقی تو ایک قسم کا تحکم فاسد ہے۔

(۲) اگر عالم کا موجودہ وسعت سے بڑا یا چھوٹا ہونا ممکن نہیں تو گویا اس کا وجود موجودہ وسعت کے ساتھ واجب ہوا، ممکن نہ ہوا، اور مسلّم ہے کہ واجب علت سے مستغنی ہوتا ہے پھر تو یہ دہریوں کا مذہب ہوا جو کہتے ہیں کہ صانع عالم کوئی نہیں، اور کوئی سبب جو

Marfat.com

مسبب اسباب ہو پایا نہیں جاتا، مگر یہ فلسفیوں کا تو مذہب نہیں۔

(۳) اس دعویٰ کے فاسد ہونے کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ مخالف اس دعویٰ کے مستعارض ومتقابل دعویٰ کو بہ سہولت پیش کر سکتا ہے، مثلاً ہم کہیں گے کہ وجودِ عالم اپنے وجود سے پہلے ممکن نہ تھا، بلکہ وجود امکان کے ہم آہنگ وہم وسعت ہے نہ کم ہے نہ زیادہ، اگر تم کہو کہ اس دعویٰ سے بھی قدیم کا عجز سے قدرت کی طرف انتقال ثابت ہوتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ نہیں، کیونکہ وجود ممکن نہ تھا اس لیے مفروض بھی نہیں ہے اور غیر ممکن کے حصول کا امتناع عجز پر دلالت نہیں کرتا، اگر تم کہو، کہ جب وہ ممتنع الحصول تھا تو پھر ممکن کیسے ہوسکتا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ ایک حال میں جو ممتنع ہو اس کا دوسرے حال میں ممکن ہونا محال نہیں ہوسکتا، جیسا کہ کوئی چیز دو متضاد چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جمع کی جائے تو دوسرے کے ساتھ اس کا اتصاف ممتنع نہ ہوگا، اگر دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی جمع نہ کی جائے تو ممکن ہوگا۔ اگر تم کہو کہ: حالات مساوی ہیں، تو ہم کہیں گے کہ اقدار بھی مساوی ہیں، تو پھر کیوں ایک مقدار تو ممکن ہو، اور دوسری مقدار اس سے ناخن برابر کم یا زیادہ ممتنع ہو اجب یہ ممکن ہے تو وہ بھی ممکن ہے۔

پس یہی طریقۂ مقاومت ہے۔

البتہ تحقیقی جواب یہ ہے کہ جن جن امکانات کے احتمالات بعضوں نے ذکر کیے وہ سب بے معنی ہیں، صرف قابلِ تسلیم امر یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ قدیم ہے اور قادر ہے اس کے لیے کوئی فعل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محال نہیں، وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ اس اذعان میں زمانے کے امتداد کے ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں ورنہ وہم کو وسوسہ کی ناقابلِ اختتام پیچیدگیاں پیدا کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اسم اعظیم بکند کار خود اے دل خوش باش
کہ بہ تلبیس وحیل دیو مسلمان نشود

قدمِ عالم پر فلاسفہ کی تیسری دلیل

فلسفی کہتے ہیں: وجود عالم کو اس کے 'موجود' ہونے کے پہلے 'ممکن' ہونا چاہئے' کیونکہ ممتنع ہونے کے بعد پھر اس کا ممکن ہونا محال ہے۔ اور یہ امکان وہ ہے جس کا اوّل کچھ نہیں، یعنی وہ ہمیشہ سے ثابت و برقرار ہے، اور عالم کا وجود ہمیشہ ممکن رہا ہے' کیونکہ ان احوال میں سے کوئی حال ایسا نہ تھا کہ کہا جائے کہ عالم اس میں ممتنع الوجود ہو، پس جب

Marfat.com

امکان ہمیشہ رہ سکتا ہے تو ممکن بر بنائے توفیقِ امکان ہمیشہ رہ سکتا ہے، پس ہمارے قول کے (کہ اس کا وجود ممکن ہے) یہ معنی ہیں کہ اس کا وجود محال نہیں ہے، پس اگر اس کا وجود ہمیشہ ہمیشہ ممکن ہے تو گویا اس کا وجود ہمیشہ ہمیشہ محال نہیں ہے، کیوں کہ اگر اس کا وجود ہمیشہ ہمیشہ محال سمجھا جائے تو ہمارا یہ قول کہ اس کا وجود ہمیشہ ہمیشہ ممکن ہے باطل ہو جائے گا' اور اگر ہمارا یہ قول کہ امکان ہمیشہ رہتا ہے باطل ہو جائے، تو ہمارا قول کہ امکان کے لیے اوّل ہوتا ہے صحیح ہو جائے کہ اس کے لیے اوّل ہوتا ہے، تو وہ اس سے پہلے غیر ممکن ہوگا، اور اس حال کے اثبات کی طرف مؤدی ہوگا جب کہ عالم ممکن نہ تھا اور نہ اللہ اس پر قادر تھا۔

ہمارا اعتراض اس دلیل پر یہ ہوگا کہ عالم ہمیشہ ممکن الحدوث ہے، تو ضرور ایسا کوئی وقت ہونا چاہئے کہ اس کے حادث ہونے کا تصور ہو سکے، اور اگر اس کو ہمیشہ موجود فرض کیا جائے گا، تو پھر حادث نہیں ہوگا، اور موافقتِ امکان پر واقع نہ ہوگا، بلکہ اس کے خلاف پڑ' اور یہ اس قول کی طرح ہے کہ مکان کے بارے میں عالم کا موجودہ حجم سے بڑا ہونا، یا فوق العالم کسی جسم کا پیدا ہونا ممکن ہے، اور اسی طرح اس فوق پر دوسرا فوق ہوگا، ہلم جرا' الیٰ لانہایۃ' کیونکہ زیادتی کے امکان کے لیے انتہا نہیں' اور اس کے ساتھ ملاء مطلق کا وجود بھی ہوگا جس کی غیر متناہیت ناممکن ہے، اور اسی طرح ایسا وجود جس کے کنارے کی انتہا نا ممکن ہے، بلکہ جیسا کہ کہا جاتا ہے، ممکن جسم متناہی السطح ہوتا ہے، لیکن اس کی مقادیر کے کبر و صغر کو متعین نہیں کیا جا سکتا، اور اسی طرح ممکن الحدوث بھی ہوتا ہے اور مبادیٔ وجود تقدّم و تاخر میں متعین نہیں کیے جا سکتے، حالانکہ اس کا اصل میں حادث ہونا متعین ہے کیونکہ وہ ممکن ہے نہ کہ غیر ممکن۔

چوتھی دلیل:

فلسفی کہتے ہیں کہ ہر حادث شے سے پہلے مادّہ ہوتا ہے جس میں حادث شے پائی جاتی ہے اور چونکہ حادث مادّہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا اس لیے مادہ حادث نہیں ہوتا البتہ حادث جو ہیں وہ صُوَر و اعراض اور وہ کیفیات ہیں جو مادّہ پر طاری ہوتی ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر حادث واقعۂ حدوث سے قبل تین حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا: وہ ممکن الوجود ہوگا، یا ممتنع الوجود یا واجب الوجود، ممتنع ہونا تو محال ہے کیونکہ ممتنع بذاتہ کبھی موجود نہیں ہو سکتا، اور بذاتہ واجب الوجود ہونا بھی محال ہے، کیونکہ بذاتہ

Marfat.com

واجب کبھی معدوم نہیں ہو سکتا، پس لازم ہوا کہ بذاتہ ممکن الوجود ہو، لہٰذا اس کے وجود سے قبل اس کے لیے امکانِ وجود حاصل ہوگا، اور امکانِ وجود ایک وصفِ اضافی ہے جس کا اپنی ذات سے اپنے لیے قوام نہیں ہو سکتا، تو لامحالہ اس کے لیے ایسا محل قرار دینا ہوگا جس کی طرف وہ مضاف ہو، اور یہ سوائے مادّے کے کوئی اور محل نہیں ہو سکتا، اس لیے وہ اسی طرف مضاف ہوگا، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: یہ مادّہ حرارت و برودت یا سیاہی و سفیدی یا حرکت وسکون کو قبول کر سکتا ہے، یعنی اس میں ان کیفیتوں کا حدوث یا ان تغیرات کا طاری ہونا ممکن ہے، پس امکان مادّہ کے لیے ایک وصف ہوگا، اور مادّہ کے لیے مادہ تو نہیں ہو سکتا، اس لیے اس کا حادث ہونا بھی ناممکن ہوگا، اگر حادث ہوگا تو پھر اس کا امکان وجود اس کے وجود پر سابق ہوگا، اور امکان قائم بنفسہ ہوگا، اور کسی طرف مضاف نہ ہوگا، باوجودیکہ وہ وصفِ اضافی ہے، اور اس کا قائم بنفسہ ہونا سمجھ میں نہیں آ سکتا، اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امکان کے معنی اس کے مقدر ہونے اور قدیم کے اس پر قادر ہونے کے ہیں، کیونکہ ہم کسی چیز کا مقدر ہونا جانتے ہی نہیں، بجز اس کے ممکن ہونے کے پس ہم اُس کو مقدر کہیں گے کیونکہ وہ ممکن ہے، اور جو ممکن نہیں اس کو مقدر بھی نہیں کہیں گے، پس ہمارے قول مقدر کے معنی ممکن ہی کے ہوں گے، یہ ہمارا کہنا ایسا ہی ہے جیسے کہ ہم کہیں کہ وہ چیز مقدر ہے کیونکہ وہ مقدر ہے۔ اور مقدر نہیں ہے کیونکہ وہ مقدر نہیں ہے، اس کو تعریف الشئے بنفسہ کہا جائے گا (یعنی کسی چیز کی تعریف اسی چیز کے نام سے) اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس کا ممکن ہونا ایک دوسرا قضیہ ہے جو ظاہری طور پر سمجھ میں آ رہا ہے، اور اس سے ایک اور قضیہ کی تعریف کی جاتی ہے، وہ یہ کہ اس کا ہونا مقدر ہے، یہ تو محال ہے کہ اس کو ممکن قرار دے کر علمِ قدیم کی طرف منسوب کیا جائے۔ کیونکہ علم کسی معلوم کا متقضی ہوتا ہے لہٰذا امکانِ معلوم علم کے سوائے کچھ اور چیز ہوگی، پھر وہ وصف اضافی بھی ہے اس لیے کوئی ایسی ذات ضروری ہے جس کی طرف اس کو مضاف کیا جائے اور وہ مادّے کے سوائے کچھ نہیں، اور ہر حادث کے پہلے تو مادہ سابق ہوتا ہی ہے، لہٰذا مادّۂ اولیہ حادث قرار نہیں پائے گا۔

اعتراض اس پر اس طرح ہوتا ہے کہ جس امکان کا کہ تم نے ذکر کیا ہے وہ محض ایک عقلی فیصلے سے ماخوذ ہے۔ جن جن چیزوں کا وجود عقل نے فرض کیا ہے، اور ان کے مقدر ہونے کو ممتنع قرار نہیں دیا اس کو ہم "ممکن" کا نام دیں گے، اور اگر عقل نے کسی چیز کو

Marfat.com

ممتنع قرار دیا ہو تو ہم اس کو ''محال'' کہیں گے، اور اگر اس کے عدم کا مقدر رہونا فرض نہیں کیا ہے تو ہم اس کو ''واجب'' کہیں گے، پس یہی وہ عقلی فیصلے (یا عقلی قضایا) ہیں جو کسی ایسے موجود کے محتاج نہیں جن کی صفات کی حیثیت سے وہ پائے جائیں، اس دعویٰ کے اثبات میں تین دلائل پیش کی جاسکتی ہیں:

(۱) اگر امکان کسی ایسی شے موجود کا مقتضی ہے جس کی طرف اس کو مضاف کیا جائے اور کہا جائے کہ وہ اس کا امکان ہے تو یہ کسی شے موجود کے امتناع کا بھی مقتضی ہوگا، اور کہا جائے گا کہ وہ اس کا امتناع ہے، لیکن ممتنع کے لیے بذاتہ کوئی وجود نہیں ہوسکتا اور نہ مادہ پر کوئی محال طاری ہوسکتا ہے کہ امتناع کو مادہ کی طرف مضاف کیا جائے۔

(۲) کسی سیاہی وسفیدی کے بارے میں عقل ان کے وجود سے پہلے ان کے ممکن ہونے کا فیصلہ کرتی ہے، اگر یہ امکان کسی ایسے جسم کی طرف منسوب کیا جائے جس پر یہ (سیاہی وسفیدی) طاری ہوتی ہیں (اس طرح کہ کہا جاسکے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جسم کے لیے سیاہی سفیدی ممکن ہے) تو اس وقت سفیدی فی نفسہٖ ممکن نہ ہوگی اور نہ اس کے لیے امکان کی کوئی تعریف ہوگی، البتہ ممکن جو ہوگا وہ جسم ہوگا اور امکان اس کی طرف منسوب ہوگا، پس ہم کہیں گے کہ نفسِ سیاہی کا فی ذاتہٖ کوئی حکم نہیں ہے۔ کہ وہ ممکن ہے یا واجب ہے یا ممتنع ہے، البتہ صرف یہی کہا جائے گا کہ وہ ممکن ہے، پس عقلی فیصلے کی بنا پر امکان ثابت ہوگیا، جو کسی ذات موجود کے قرار دینے کا محتاج نہیں جس کی طرف اس کو منسوب کیا جاسکے۔

(۳) ارواحِ انسانی فلاسفہ کے نزدیک جواہر قائم بنفسہٖ ہیں جو نہ جسم ہیں اور نہ مادہ اور نہ مادے میں منطبع ہوسکتی ہیں۔ وہ حادث ہیں (جیسا کہ ابن سینا اور دوسرے محققین کا مذہب ہے) اور قبل حدوث ممکن الوجود ہوتی ہیں، ان کے لیے ذات ہوتی ہے نہ مادہ، امکان ان کا وصفِ اضافی ہے مگر اس کو قدرت قادر یا فاعل کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، پھر کس طرف منسوب کیا جائے گا؟ اس مشکل کا حل انھیں کے ذمہ ٹھہرتا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ عقلی فیصلے کی طرف امکان کو منسوب کرنا محال ہے، کیونکہ اس بارے میں عقلی فیصلے کے معنی سوائے علم امکان کے کچھ نہیں ہیں تو امکان 'معلوم' قرار پائے گا، اور علم کے سوائے کچھ اور ہے (یعنی اس کا غیر ہے) اور علم اس کا احاطہ کرتا ہے، اور اس کی پیروی کرتا اور اس سے متعلق ہوتا ہے، اور اگر علم کا عدم فرض کیا جائے تو معلوم

Marfat.com

معدوم نہیں ہوگا، اور جب معلوم کی نفی فرض کی جائے تو علم کی نفی لازم ہوگی، پس علم اور معلوم دو چیزیں ٹھہریں، ایک کو تابع سمجھا جائے گا اور دوسرے کو متبوع، اور اگر ہم فرض کر لیں کہ امکان کے اندازے سے عقلا چشم پوشی کر جاتے ہیں تو بھی ہم کہیں گے کہ امکان کی نفی نہیں کی جاسکتی بلکہ ممکنات فی نفسہ ممکنات ہیں، چاہے عقل اس کے اندازے سے تعرض کر جائے۔ اگر عقول اور عقلا سب کے سب معدوم بھی ہو جائیں تو بھی امکان بہر حال باقی رہے گا۔

لیکن تین امور میں کوئی حجت نہیں ہوسکتی: (۱) امتناع بھی ایک وصف اضافی ہے جو موجود مضاف الیہ کا مقتضی ہے، اور ممتنع کے معنی اجتماع ضدین کے ہیں، جیسے کوئی سفیدی کا محل ہو تو وہاں سیاہی کا اجتماع ممتنع ہوگا، لہٰذا کوئی موضوع ضروری ہے جس کی طرف اشارہ کیا جائے اور اس کو صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے، لہٰذا ایسے وقت کہا جائے گا کہ اس کا ضد اس سے ممتنع ہے، لہٰذا امتناع ایک وصفِ اضافی ہوا جس کا قوام کسی موضوع کے ساتھ ہوگا جس کی طرف وہ مضاف ہو رہا ہے، رہ گیا وجوب تو وہ پوشیدہ نہیں، وہ موجود واجب کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

(۲) فی نفسہ سیاہی کا ممکن ہونا بھی غلط ہے، کیونکہ اگر اس سے مجرد سیاہی مطلب لیا جائے بغیر محل قابل حلول کے تو وہ ممتنع ہوگی نہ کہ ممکن، اور اس وقت ممکن ہوگی جبکہ جسم میں ہیئت مقدر سمجھی جائے، پس جسم ہی تبدیلِ ہیئت کیلئے تیار ہوتا ہے، اور تبدیلی جسم ہی میں ممکن ہے، ورنہ سیاہی کی تو کوئی مجرد ذات نہیں ہوسکتی، جس کے لیے امکان کی توصیف کی جائے۔

(۳) بعض لوگوں کے نزدیک رُوح قدیم ہے، لیکن اس کا ابدان سے تعلق ممکن ہوتا ہے، لیکن تمہارے قول کی بنا پر یہ تعلق لازم نہیں، اور جو لوگ اس کے حدوث کے قائل ہیں، تو ان میں سے بعض فریق تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مادہ میں منطبع ہوتی ہے اور مزاج کے تابع ہوتی ہے (جیسا کہ جالینوس نے بعض مقامات میں اس کی توجیہات پیش کی ہیں) لہٰذا رُوح مادے میں ہوگی، اور اس کا امکان مادے کی جانب مضاف ہوگا، اور بعض لوگ اس کو حادث تو سمجھتے ہیں لیکن اس کو منطبع نہیں سمجھتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس ناطقہ کا مدبرۂ مادہ ہونا ممکن ہے تو اس صورت میں حدوث پر سابق امکان مادہ کی طرف مضاف ہوگا، لہٰذا جسم میں غیر منطبع ہونے کے باوجود رُوح کا اس سے تعلق ہوگا، کیونکہ وہی اس کی مدبرۂ عاملہ ہے

Marfat.com

پس اس طریقے سے امکان اس کی طرف منسوب ہوگا۔

اس کے متعلق ہمارا جواب یہ ہے کہ امکان، وجوب، اور امتناع کو قضایائے عقلیہ کی طرف منسوب کرنا تو صحیح ہے، البتہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ قضایائے عقل (عقلی فیصلے) سے مُراد ہے ان کا علم، اور علم، شے معلوم کا مقتضی ہوتا ہے، اس لیے کہا جائے گا کہ کوئی شے معلوم، جیسے کسی چیز کا رنگ یا کسی چیز جاندار ہونا اور ایسے ہی دوسرے قضایائے کلیہ جو ان کے نزدیک عقلاً ثابت ہیں، وہ علوم ہیں جنھیں نا معلوم نہیں کہا جائے گا، لیکن ان معلومات کا اعیان (یعنی جواہر) میں وجود نہیں ہے، حتیٰ کہ فلاسفہ نے صراحت کی ہے کہ کلیات کا ذہنی وجود ہوتا ہے، اعیانی وجود نہیں ہوتا، البتہ جو چیزیں کہ اعیان میں موجود ہیں وہ جزئیات شخصیہ ہیں جو غیر معقول طور پر محسوس ہوتی ہیں، ان ہی کلیات کے سبب سے عقل مادۂ عقلیہ سے قضیہ مجردہ حاصل کرتی ہے، اس صورت میں ''رنگ'' کا تصور عقل میں سیاہی وسپیدی سے ہٹ کر ایک قضیہ مجردہ ہوگا، (حالانکہ وجودی طور پر رنگ کا تصور سوائے سیاہی وسفیدی یا کسی اور رنگ کے تصور نہیں ہوسکتا) پس بغیر تفصیل وتخصیص کے رنگ کا تصور ذہن میں قائم ہوتا ہے، اور جس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس کا وجود ذہنی ہے نہ کہ اعیانی، یہ اگر ممتنع نہیں ہے تو ہم نے جس چیز کا ذکر کیا ہے وہ بھی ممتنع نہیں ہونی چاہیئے۔

رہا ان کا یہ قول کہ اگر عقلا معدوم ہوجائیں یا وہ چشم پوشی کرلیں تو بھی امکان معدوم نہیں ہوتا تو ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ان کا عدم فرض کیا جائے تو کیا قضایاء کا یہ بھی، جو کہ اجناس وانواع ہیں، معدوم ہوسکتے ہیں؟ اگر وہ کہیں کہ ہاں (اور جواب یہی ہوسکتا ہے کیونکہ انواع واجناس قضایائے عقلی ہیں) تو امکان کے بارے میں بھی ہمارا یہی جواب ہوگا، دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر دعویٰ کریں کہ وہ علم خداوندی میں باقی رہتے ہیں تو امکان کے بارے میں بھی ہماری رائے یہی ہے، لہٰذا الزام ان پر وارد ہے اور ہمارا مقصود ان کے تناقض کلام کا محض اظہار ہے۔ رہا امتناع کے متعلق ان کا عذر کہ وہ ایسے مادے کی طرف مضاف ہے جو کسی شے کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور اس شے کی ضد ممتنع ہے، تو یہ بتلادیا جانا ضروری ہے کہ تمام محال اشیاء اس قسم کی نہیں ہوتیں۔ بے شک شریک باری کا وجود محال ہے اور وہاں کوئی ایسا مادّہ تو نہیں جس کے طرف امتناع کو مضاف کیا جائے۔ اگر یہ خیال کریں کہ شریک کے محال ہونے کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی انفرادیت بذاتہ اور اس کے وجود کا واجب ہونا، اور انفرادیت مضاف الیہ ہے، تو ہم کہیں گے کہ ان

Marfat.com

کے اصول کی بنا پر وہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ عالم اس کے ساتھ موجود ہے، تو وہ منفرد نہیں ہوسکتا، اگر وہ دعویٰ کریں کہ نظیر سے اس کی انفرادیت بذاتہ اور اس کے وجود کا واجب ہونا، اور انفرادیت مضاف الیہ ہے، تو ہم کہیں گے کہ ان کے اُصول کی بنا پر وہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ عالم اس کے ساتھ موجود ہے، تو وہ منفرد نہیں ہوسکتا، اگر وہ دعویٰ کریں کہ نظیر سے اس کی انفرادیت واجب ہے اور نقیض واجب ممتنع ہے، اور وہ اضافت ہے خدا تعالیٰ کی طرف، تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی اس سے انفرادیت، نظیر سے انفرادیت کی طرح نہیں ہے، نظیر سے اس کی انفرادیت تو واجب ہے، مخلوقات ممکنہ سے اس کی انفرادیت واجب نہیں ہے، اس حیلے سے ہم اس کی طرف امکان کی اضافت کو یہ تکلف لاتے ہیں، جیسا کہ تم امتناع کو اس کی ذات کی طرف منسوب کرنے میں امتناع الی الوجوب کی عبارت میں یہ تکلف اُلٹ پلٹ کرتے ہو، اور وجوب کی تعریف سے اس کی طرف انفرادیت کی اضافت کرتے ہو۔

سیاہی وسفیدی کے بارے میں عذر کیا جاتا ہے کہ یہ نہ روح رکھتی ہیں نہ ذات منفرد، اگر اس کے یہ معنی لیئے جائیں کہ وجود کے لحاظ سے ایسا ہے تو یہ صحیح ہے، اور اگر اس کے معنی یہ لیے جائیں کہ ذہن کے لحاظ سے بھی ایسا ہی ہے تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ ذہن سیاہی اور سفیدی دونوں کا ادراک کرتا ہے، اور دونوں کی ذات میں امکان کا حکم لگاتا ہے۔

ارواح حادثہ کے بارے میں جو عذر کیا جاتا ہے وہ تو بالکل باطل ہے، کیوں کہ ان کے لیئے ذات منفرد، اور امکان سابق علی الحدوث ثابت ہے، اور کوئی چیز ان میں ایسی نہیں جس کی طرف اس امکان کو مضاف کیا جائے، اور فلسفیوں کا یہ قول کہ مادے کے لیے ارواح کا مدبر ہونا ممکن ہے تو یہ مضافات بعیدہ ہیں، اگر تم اس پر اکتفا کرو تو یہ کہنا بعید نہ ہوگا کہ "امکان حدوث کے معنی یہ ہیں کہ اس پر قادر کے لیے ان کو حدوث میں لانا ممکن ہے" اس میں کسی فاعل کی طرف اضافت ہوگی باوجودیکہ وہ اس میں منطبع نہیں ہے، جیسا کہ تمہارے نزدیک اس کی اضافت انفعال پذیر جسم کی طرف ہوتی ہے۔ باوجودیکہ وہ اس میں منطبع نہیں ہے، پس اس صورت میں جبکہ دو مقاموں پر انطباع مسلم نہیں ہے، تو فاعل کی طرف نسبت اور منفعل کی طرف نسبت میں کوئی فرق نہیں کیونکہ دونوں صورتوں میں انطباع تو ہوتا ہی ہے۔ اگر کہا جائے کہ تم نے اپنے اعتراضات میں اشکالات کا مقابلہ محض اشکالات ہی سے کیا ہے اور ان اشکالات کا کوئی حل پیدا نہیں کیا۔

Marfat.com

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ اس معارضہ سے صرف آپ کے کلام کا فاسد ہونا ظاہر ہوتا ہے، اور معارضہ اور مطالبہ ہی کی صورت میں ان اشکالات کی گرہیں کھل جاتی ہیں۔ اور ہم نے اس کتاب میں فلاسفہ کے مذہب کی تفتیش کے سوا اور کسی چیز کا اہتمام نہیں کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ ان دلائل کا بطلان وتغیر ثابت ہو جائے، کسی خاص مذہب کے ایجابی طور پر اثبات کی ہم نے یہاں کوشش نہیں کی ہے، چونکہ ہم کتاب کے مقصد سے ہٹنا نہیں چاہتے، اس لیے حدوث کو ثابت کرنے والی دلیلیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے ہماری غرض فلاسفہ کے دعوی معرفت قدم کو باطل کر دینا ہے، رہ گیا مذہبِ حق کا اثبات، تو اس موضوع پر اس کتاب سے فارغ ہونے کے بعد ہم قلم اٹھائیں گے، بشرطیکہ توفیق ایزدی مددگار رہو، انشاء اللہ تعالیٰ، اور اس کتاب کا نام ہم قواعد العقائد رکھیں گے، جس میں ہم اثباتی دلائل کا ویسے ہی اہتمام کریں گے، جیسا کہ ہم نے اس کتاب میں انہدامی دلائل کا اہتمام کیا ہے۔

مسئلہ (۲)

اَبدِیتِ عالَم، اور زمان وحرکت کے بارے میں فلاسفہ کے قول کا ابطال

جاننا چاہیے کہ یہ مسئلہ، مسئلہ اوّل کی فرع ہے، کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک عالم جیسا کہ ازلی ہے اور اس کے وجود کی ابتدا نہیں ہے، اسی طرح وہ ابدی بھی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، اسکا فساد و فنا متصور نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

ان کی دو چار دلائل جن کا ہم نے ازلیت کے بارے میں ذکر کیا ہے، ابدیت کے بارے میں بھی صادق آتی ہیں اور اعتراضات بھی اُن پر اُسی قسم کے وارد ہوتے ہیں، اِن میں کوئی فرق نہیں۔

فلسفی کہتے ہیں کہ عالم معلول ہے، اور اس کی علت ازلیت ابدیت ہے، اور معلول تو علت کے ساتھ ساتھ ہی رہتا ہے، جب علت متغیر نہ ہوگی تو معلول بھی متغیر نہ ہوگا، اور اسی پر امتناعِ حدوث کی دلیل قائم کرتے ہیں اور یہی دلیل انقطاع میں بھی بعینہٖ صادق آتی ہے، اور یہ ان کا پہلا مسلک ہے۔

ان کا دوسرا مسلک یہ ہے کہ عالم جب معدوم ہو جائے تو اس کا عدم وجود کے بعد

Marfat.com

ہوگا تو اس کے لیے "بعد" ہوگا جس میں زمانہ ثابت ہوتا ہے۔

ان کا تیسرا مسلک یہ ہے کہ وجودِ امکان منقطع نہیں ہوتا، ایسا ہی وجود ممکن کے لیے روا ہے کہ وہ توفیقِ امکان پر باقی رہے، مگر یہ دلیل مضبوط نہیں، کیونکہ ہم اس کا ازلی ہونا تو محال سمجھتے ہیں مگر ابدی ہونا محال نہیں سمجھتے (اگر خدائے تعالیٰ اس کو ابد تک باقی رکھنا چاہے) کیونکہ حادث کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اس کا طرفِ آخر ہو، ضرورتِ فعل تو یہ ہے کہ وہ حادث ہو، اور اس کے لیے طرفِ اوّل ہو، یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے لیے آخر بھی ہو، البتہ ابوالہذیل العلّاف کا یہ قول ہے کہ جیسا کہ عالم کے لیے ماضی میں دوراتِ نامتناہی کا ہونا محال ہے، اسی طرح یہ مستقبل میں بھی محال ہے، مگر یہ قول فاسد ہے، اس وجہ سے کہ ہر مستقبل وجود میں کبھی داخل نہیں ہوتا نہ بحیثیت متلاحق (یعنی بعد میں آکر ملنے والا) نہ بحیثیت متساوق (یعنی مسلسل چلنے والا) اور ماضی تو وجود میں تمام تر بطور متلاحق ہی داخل ہوتا ہے، اگرچہ متساوق نہیں ہوتا اور جیسا کہ ظاہر کیا جاچکا ہے کہ ہم بقائے عالم کو ابدی طور پر عقلاً محال نہیں سمجھتے البتہ ہم اس کے بقاو فنا کو کسی کے عمل کی طرف منسوب سمجھتے ہیں، اور یہ دونوں قسم اپنے وقوع میں شرعی حیثیت سے بھی ممکن سمجھی جاتی ہیں تو اس میں عقلی طور پر مزید بحث و تفتیش کی ضرورت نہیں ہے۔

رہ گیا ان کا چوتھا مسلک تو وہ محال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب عالم معدوم ہو جائے تو اس کے وجود کا امکان تو باقی رہے گا، کیونکہ امکان محالیت میں منقلب نہیں ہوتا، اور وہ وصف اضافی ہے، پس ہر حادث ان کے خیال میں مادۂ سابقہ کا محتاج ہے۔ اور ہر معدوم ہونے والا کسی ایسے مادہ کا محتاج ہے جس سے وہ معدوم ہو سکے، اس لیے مواد اور اُصول معدوم نہیں ہو سکتے، صرف اس کی صور و اعراض معدوم ہوتے ہیں۔ جواب اس کا وہی ہے جو پہلے گزرا، ہم نے اس مسئلے کو اس لیے الگ پیش کیا ہے کہ اس میں ان کی دو دلیلیں اور ہیں۔

دلیل اوّل

اس دلیل کو جالینوس نے اختیار کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ (مثلاً) اگر سورج عدم کو قبول کرے تو اس کا خاتمہ مدتِ مدید میں ہوگا، رصدی دلائل تو یہ ہیں کہ اس کے لیے ہزاروں سال درکار ہوں گے اور اس سے کم کسی طرح نہیں ہوں گے۔ جب اتنی مدتِ دراز کے بغیر اس کا خاتمہ نہیں ہو سکتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فاسد بھی نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

اعتراض۔ اس پر بعض وجوہ سے ہوتا ہے (ا) اس دلیل کی شکل اس طرح قائم کی جاتی ہے کہ اگر سورج فاسد ہو جائے تو ضروری ہے کہ اس سے ذبول (Decay) لاحق ہو، لیکن تالی محال ہے، اس لیے مقدم بھی محال ہے اور اس قیاس کا نام ان کے پاس "شرطی متصل" ہے اور یہ غیر لازم نتیجہ ہے کیونکہ مقدم غیر صحیح ہے جس کی طرف شرطِ آخر مضاف نہیں ہو سکتی جیسا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر اس کا فساد، ذبولی ہے تو ذبول لازم ہے، تو یہ تالی اس مقدم کے لیے (کہ اگر سورج کا فساد ہو تو اس کا ذبول لازم ہے) لازم نہیں ہے، بجز اس کے کہ اس پر شرط کا اضافہ کیا جائے اور کہا جائے کہ "اگر وہ ذبولی طور پر فاسد ہو تو اتنی طویل مدت میں اس کے لیے ذبول لازم ہے۔" یا یہ بیان کیا جائے کہ فساد کی کوئی صورت ہی نہیں ہے سوائے ذبول کے تاکہ مقدم کے ساتھ تالی کا لزوم ہو جائے اور ہم یہ تو تسلیم نہیں کرتے کہ کوئی شے بغیر ذبول کے فاسد نہیں ہوتی، ہاں ذبول بھی فساد کے اسباب میں سے ایک سبب ضرور ہے۔ اگر کوئی چیز حالت کمال پر ہونے کے باوصف یکایک فاسد ہو جائے تو تعجب نہیں ہوگا۔

(ب) اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ فساد بغیر ذبول کے نہیں ہو سکتا، تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ اس کو ذبول نہیں ہو سکتا، رصدگاہوں کی اطلاعوں پر توجہ کرنا تو ایک قسم کی محال پسندی ہے، کیونکہ اس ذریعے سے صرف اس کی مقادیر تقریبی کا علم ہو سکتا ہے، اور سورج تو وہ ہے جس کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ وہ زمین کی جسامت سے ایک سو ستر گنا زیادہ ہے، یا اس کے قریب قریب، اگر اس میں سے پہاڑوں کی کچھ مقدار کا نقصان فرض کیا جائے تو ہمارے حس کو اس کا ادراک نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ وہ اس وقت حالت ذبول میں ہو، اور اس وقت تک بہت کچھ پہاڑ وغیرہ اس میں سے برباد ہو چکے ہوں اور حس کو اس کا ادراک نہیں ہو رہا ہو، کیونکہ علم "مناظر" کی اطلاعات محض تقریبی ہوتی ہیں اور یہ بات ایسی ہے جیسی کہ کہی جاتی ہے کہ یاقوت و طلاء دو مرکب عنصر ہیں جو قابلِ فساد ہیں، مگر یاقوت کو سو سال بھی اگر کہیں رکھ دیا جائے تو اس میں نقصان ظاہر نہیں ہوگا، تو شاید اجزائے شمسی کے نقصان کی بھی رصدی تاریخ کی مدت میں وہی نسبت ہے جو اجزائے یاقوت کے ۱۰۰ سو سال میں نقصان کی ہے، اور یہ چیز حس پر ظاہر نہیں ہوتی تو ثابت ہوا کہ یہ دلیل نہایت درجہ فاسد ہے۔

اس قسم کی اور کثیر دلائل ہم یہاں درج کر سکتے ہیں جن کو عقلا نے مسترد کر دیا ہے

Marfat.com

مگر ہم نے مثال کے طور پر ایک دلیل یہاں نقل کی ہے تاکہ ان دلائل کی وقعت کا اندازہ ہو کہ ان کا تعلق کس قسم کی خرافات سے ہے، اور ہم نے کیوں انھیں ترک کیا ہے یہاں ہم نے صرف ان چار دلیلوں پر اکتفا کیا ہے۔ جن کے شبہات کے حل میں غور ونظر کی احتیاج ہوتی ہے۔

دوسری دلیل:

عدم عالم کے محال ہونے کے متعلق انکی دلیل یہ ہے کہ عالم کے جوہر معدوم نہیں ہوسکتے، کیونکہ معدوم کرنے والا سبب کوئی سمجھ میں نہیں آسکتا، اور جو چیز کہ معدوم نہیں ہوسکتی، اگر معدوم ہوجائے تو ضروری ہے کہ اس کے لیے کوئی سبب ہو، اور یہ سبب یا تو ارادۂ قدیم سے متعلق ہوگا، جو محال ہے، کیونکہ جب اولاً اس نے اس کے عدم کا ارادہ نہیں کیا مگر بعد میں کیا تو گویا یہ تغیر ہوا، یا اس حالت کی طرف مودی ہوگا کہ قدیم اور اس ارادہ تمام احوال میں ایک ہی صفت پر قائم ہے اور شئے مقصود (یعنی عالم) عدم سے وجود کی طرف متغیر ہو، پھر وجود سے عدم کی طرف، اور جو کچھ ہم نے ارادۂ قدیم سے حادث کے وجود میں آنے کی محالیت کے بارے میں ذکر کیا ہے وہی عالم کے معدوم ہونے کے محال ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہاں ایک دوسری شکل کا اضافہ ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شئے مقصود لامحالہ مرید (ارادہ کرنے والے) کا فعل ہوگی، اور جو پہلے فاعل نہ تھا پھر فاعل ہوجائے گا، تو اس صورت میں اگر وہ فی نفسہ متغیر نہیں ہوا تو ضروری ہوگا کہ اس کا فعل موجود ہو بعد اس کے کہ موجود نہ تھا، کیونکہ اگر وہ جیسا کہ تھا ویسا باقی رہے تو اس کے لئے کوئی فعل بھی ثابت نہیں ہوتا، اور اب جب کہ اسے کوئی فعل نہیں تو کوئی فعل اس سے صادر بھی نہیں ہوگا اور عدم تو کوئی چیز نہیں ہے وہ فعل کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر جب اس نے عالم کو معدوم کردیا، اور اس کے لیے کسی فعل کی تجدید کی جو پہلے نہ تھا تو یہ فعل کیا ہے؟ کیا وہ وجود عالم ہی کا فعل ہے؟ یہ تو محال ہے، کیونکہ جب وجود کا سلسلہ منقطع ہوگیا، تو یہ وجود عالم کا فعل نہیں ہوسکتا؟ اگر یہ عدم کا فعل ہے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ عدم تو کوئی چیز نہیں کہ اس کے لیے فعل ہو، کیونکہ کمترین درجہ فعل کا یہ ہے کہ وہ موجود ہو، اور عدم عالم تو کوئی وجودی شئے نہیں کہ کہا جائے کہ وہ فاعل کے فعل سے ہوا ہے، اور اس کو موجد نے وجود بخشا ہے۔ اس شکل کے حل کے بارے میں متکلمین میں بھی چار فریق ہوگئے ہیں، اور ہر فرقہ خاص خاص طریقے پر مشکل پسند واقع ہوا ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

معتزلہ کہتے ہیں کہ جو فعل اس .... سے صادر ہوا ہے وہ وجود رکھتا ہے اور یہ فنا کا فعل ہے، اس کو وہ پیدا کرتا ہے (مگر کسی محل میں نہیں) پس عالم اس سے دفعتہً معدوم ہو سکتا ہے۔ اور یہ فنائے مخلوق خود بھی فنا ہو سکتی ہے اس طرح کہ اس کے لیے کسی دوسرے فنا کی ضرورت نہیں، ورنہ سلسلہ غیر متناہی چلے گا لیکن یہ حُجت کئی وجود سے فاسد ہے مثلاً (۱) فنا کوئی شے معقول و موجود نہیں کہ اس کے لیے عمل خلق فرض کیا جائے۔ پھر اگر شے موجود ہو تو اپنی ذات کو بغیر کسی معدوم کرنے والے کے کیسے فنا کر سکتی ہے؟ پھر کس چیز سے عالم معدوم ہوگا؟ اگر اس نے فنا کو ذات عالم ہی میں پیدا کیا ہے۔ اور اس میں حل کر دیا ہے تو یہ محال ہے، کیونکہ حل ہونے والا المحلول فیہ سے مُلاقی ہوتا ہے، تو پھر دو چیزیں جمع ہو جاتی ہیں، گو لحظۂ واحد ہی کے لیے کیوں نہ ہو، اگر دونوں کا اجتماع جائز رکھا جائے تو وہ دونوں ضد نہیں سمجھی جائیں گی اور عالم فنا نہ ہوگا، اور اگر فنا نہ عالم میں پیدا کیا گیا ہے۔ اور نہ کسی دوسرے محل میں تو پھر اس کا وجود، وجود عالم کا ضد کیوں ہوگا؟ پھر اس مذہب میں دوسری خرابی یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جواہر عالم میں سے بعض کو چھوڑ کر بعض کو معدوم کرنے پر قادر نہیں، بلکہ سوائے فنا کو حادث کر دینے کے کسی بات پر وہ قادر نہیں، لہذا تمام جواہر عالم فنا ہو جائیں گے، کیونکہ جب وہ کسی خاص محل میں نہ ہوگا تو اس کی نسبت سب کی جانب ایک ہی نہج پر ہوگی۔

دوسرا فرقہ کرامیہ کا ہے، جو کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا فعل بس معدوم کرنا ہے، اور ''معدوم کرنا'' ایک شے وجودی ہے۔ جس کو خدائے تعالیٰ اپنی ذات میں پیدا کرتا ہے، تو عالم اُس سے معدوم ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی ایک شے وجودی ان کے پاس ''ایجاد'' ہے جس کو خدائے تعالیٰ اپنی ذات میں پیدا کرتا ہے، اور اس سے موجوداتِ عالم ظہور میں آتے ہیں، لیکن یہ اعتقاد ''فاسد'' ہے کیونکہ اس سے قدیم کا محل حوادث ہونا لازم آتا ہے، پھر یہ عقلی اصول سے بھی خارج ہے۔ کیونکہ ایجاد سے تو صرف وجود ہی سمجھ میں آتا ہے جو ارادہ اور قدرتِ قادر کی طرف منسوب ہوتا ہے، پس سوائے ارادہ و قدرت کے کسی دوسری چیز کا ثابت کرنا اور وجود مقدار کو عالم بتانا سمجھ میں آ سکتا ہے نہ معدوم کرنے کا طریقہ ہی قابل فہم ہے۔

تیسرا فرقہ اشعریہ کا ہے۔ اشعریہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اعراض بذاتہ فنا ہو جاتے ہیں، ان کے بقا کا تو تصور بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس معنی کے لحاظ سے ان کے

Marfat.com

بقا کا تصور کیا جائے تو ان کے فنا کا تصور نہیں ہوسکتا۔ رہ گئے جواہر تو وہ بذاتہ باقی نہیں رہ سکتے، البتہ اپنے وجود پر بقائے زائد کے اصول سے باقی رہ سکتے ہیں، پس جب خدائے تعالیٰ نے ان کے لیے بقا کو پیدا نہیں کیا تو جواہر عدم بقا کی وجہ سے معدوم ہو سکتے ہیں، یہ عقیدہ بھی فاسد ہے، کیونکہ یہ محسوس واقعات کے خلاف ہے، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سیاہی یا سفیدی باقی رہ سکتی بلکہ ہر حالت میں متجدّ دالوجود ہے، اور عقل اس بات سے ایسا ہی انکار کرتی ہے جیسا کہ اس بات سے کہ "جسم ہر حالت میں متجدّ دالوجود ہوتا ہے" حالانکہ عقل (بربنائے مشاہدہ) تو یہی فیصلہ کر رہی ہے کہ انسان کے سر کے بال جو آج ہوتے ہیں وہی کل بھی ہوتے ہیں محض اس کے مثل نہیں ہوتے، اور یہی مشاہدہ بالوں کی سیاہی میں بھی کرتی ہے۔ پھر اس عقیدے میں ایک دوسری مشکل بھی ہے کہ باقی رہنے والا بقا سے باقی رہتا ہے تو پھر لازم ہے کہ صفاتِ خداوندی بھی بقا کی وجہ سے باقی رہیں، اور یہ بقا، گویا باقی رکھنے والی چیز ہے، جو پھر کسی دوسری بقا کی محتاج ہوگی اور یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔

چوتھا فرقہ۔ اشعریوں ہی کا دوسرا گروہ ہے، جو کہتا ہے کہ اعراض تو بذاتہ فنا ہو جاتے ہیں، رہے جواہر تو وہ اس طرح فنا ہوتے ہیں کہ اس میں خدائے تعالیٰ نہ حرکت پیدا کرتا ہے نہ سکون، نہ خاصیتِ جمع نہ تفریق، اس لیے جسم کو باقی رہنا محال ہو جاتا ہے، لہذا وہ معدوم ہو جاتا ہے۔

گویا اشعریہ کے یہ دونوں فرقے اس پر مائل ہیں کہ معدوم کرنا خود کوئی فعل نہیں ہے بلکہ فعل سے رُک جانا ہے، عدم کا فعل ہونا اُن کے قیاس سے باہر ہے۔

فلاسفہ کہتے ہیں کہ مذکورہ اصول جب باطل قرار پائیں گے تو فنائے عالم کو جائز نہ رکھنے کے سوا اور کوئی صورت باقی نہ رہے گی، فلاسفہ کا یہ اصول، کہ "عدمِ فنائے عالم ثابت ہے" باوجود ان کے عالم کو حادث سمجھنے کے جیسا کہ وہ ارواح کو بھی حادث ہونے کے باوجود ناممکن العدم سمجھتے ہیں، ان کے متذکرہ بالا اصول کے قریب قریب ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ ان کے پاس ہر قائم بالذات چیز جو کسی محل میں نہیں ہوتی، اس کا وجود کے بعد عدم متصور نہیں ہوسکتا، چاہے وہ قدیم ہو یا حادث، اگر ان سے کہا جائے کہ جب آگ پانی کے نیچے سلگائی جائے تو پانی کیسے معدوم ہو جاتا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ نہیں، وہ بھاپ بن جاتا ہے، پھر پانی ہو جاتا ہے، پس جو مادّہ کہ ہوا میں ہیولیٰ باقیہ ہے وہ مادّہ ہے جو پانی کی صورت کا محل ہے، یہ ہیولیٰ ہی صورتِ مائیہ کو اپنے سے الگ کر دیتا ہے

Marfat.com

اور صورتِ ہوائیہ کو اختیار کر لیتا ہے، اور جب بھی ہوا کو سردی لگتی ہے تو وہ کثیف ہو کر پانی میں مبدّل ہو جاتی ہے، یہ نہیں کہ مادّے نے تجدّد حاصل کیا، بلکہ مادّہ سب عناصر میں مشترک ہوتا ہے، اس میں اس کی یہ صورتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

ہمارا جواب:۔ یہ ہے کہ متکلمین کے جن فرقوں کا تم نے ذکر کیا ہے، ممکن تھا کہ ہم ان کا تفصیلاً ذکر کر کے بتلاتے کہ ان کا ابطال تمھارے اصول کی بنا پر قائم نہیں رہتا، کیونکہ تمھارے بنیادی اصول میں بہت سی چیزیں وہی ہیں جو ان کے ہاں ملتی ہیں، مگر ہم بحث کو طول دینا نہیں چاہتے، اس لیے ان میں سے صرف ایک کا ذکر کریں گے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے قول کا کیوں انکار کرتے ہو جو کہتا ہے کہ "موجود کرنا" اور "معدوم کرنا" ارادۂ قادر سے ہوتا ہے، جب حق سبحانہ تعالیٰ نے چاہا کوئی چیز وجود میں آ گئی اور جب وہ چاہا معدوم ہو گئی، اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدائے تعالیٰ بدرجہ اکمل قادر ہے، اور ان سب افعال میں وہ خود متغیر نہیں ہوتا بلکہ فعل کو متغیر کرتا ہے۔ رہا تمھارا قول کہ فاعل کے لیے ضروری ہے کہ اس سے کوئی فعل صادر ہو تو کونسی چیز اس سے صادر ہوتی ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ اس سے صادر ہونے والی چیز وہ ہے جو متجدّد ہوتی ہے، اور وہ عدم ہے کیونکہ فعل سے قبل عدم نہ تھا، پھر عدم نے تجدّد حاصل کیا، پھر وہی اس سے صادر ہوتا ہے۔ اگر تم کہو کہ عدم تو کوئی چیز نہیں پھر وہ صادر کیسے ہوا؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ تو بتلائے کہ کوئی چیز نہ ہونے کے باوجود واقع کیسے ہوتی ہے؟ سمجھ لو کہ ہمارے نزدیک صدور کے معنی وقوع ہی کے ہیں، صرف یہ کہ اس کی نسبت قدرت کی طرف کی جاتی ہے، جب اُس کا وقوع سمجھ میں آ سکتا ہے تو اس کی نسبت قدرت کی طرف کیوں سمجھ میں نہیں آتی؟ اور تمھارے اور اس شخص کے درمیان کیا فرق ہے جو اعراض و صور پر عدم کے اصلاً طاری ہونے کا انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ تو کوئی چیز نہیں ہے پھر کیسے طاری ہو سکتا ہے! اور اس کو طریان و تجدّد کا وصف کیسے دیا جا سکتا ہے؟ ہمارے نزدیک تو بیشک اعراض وصور پر عدم کا طریان ہو سکتا ہے، اور اس کا طریان کی صفت کے ساتھ موصوف ہونا غیر معقول نہیں ہے، طاری ہونا گویا واقع ہونا ہے، الفاظ کے ردّ و بدل سے معنی میں کوئی فرق نہیں آتا، رہی نسبت اس واقع معقول کی قدرتِ قادر کی طرف تو وہ بھی اسی طرح معقول ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس بات کا الزام اس مذہب کو دیا جا سکتا ہے جو کسی شے کے وجود

Marfat.com

کے بعد اس کے عدم کو جائز رکھتا ہے، اس لیے اس سے پوچھا جاسکتا ہے کہ اس پر کونسی چیز طاری ہوئی؟ ہمارے پاس تو کوئی شے موجود ہو کر پھر معدوم نہیں ہوسکتی، اعراض کے معدوم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اُن پر اُن کا ضد طاری ہوتا ہے جو خود بھی موجود ہے، عدم خالص کا طاری ہونا نہیں جو کوئی چیز نہیں، پس جو چیز کہ چیز ہی نہ ہو اس کا وصف طریان کے ساتھ کیسے ہوسکتا ہے! جیسے ہم کہیں کہ باتوں پر سفیدی طاری ہوئی ہے تو یہاں طاری ہونے والی چیز سفیدی ہے جو موجود ہے ہم یہ تو نہیں کہتے کہ عدمِ سیاہی طاری ہوا ہے۔

یہ قول فاسد ہے دو وجہ سے

(۱) سوال ہوتا ہے کہ سفیدی کا طاری ہونا آیا عدمِ سیاہی پر متضمن ہے یا نہیں؟ اگر کہو کہ نہیں، تو گویا عقل کا بطلان کر رہے ہو، اگر کہو کہ ہاں، تو ہم پوچھتے ہیں کہ متضمن غیر متضمن ہے یا وہی ہے؟ اگر کہو کہ وہی ہے تو یہ متناقض بات ہوگی کیونکہ کوئی شے اپنے آپ کی متضمن نہیں ہوتی، اور اگر کہو کہ اس کے سوائے ہے تو یہ غیر معقول ہے یا نہیں! اگر کہو کہ نہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ تم نے یہ کیسے جانا کہ وہی متضمن ہے؟ اور اس پر اس کے متضمن ہونے کا حکم لگانا ہی گویا اس کے معقول ہونے کا اعتراف ہے، اور اگر کہو کہ ہاں، تو یہ متضمنِ معقول جو کہ عدمِ سیاہی ہے قدیم ہے یا حادث؟ اگر قدیم ہے، تو وہ محال ہے، اور اگر کہو کہ حادث ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدوث کے ساتھ موصوف، معقول کیسے نہیں ہوتا؟ اور اگر کہو کہ نہ قدیم ہے نہ حادثہ ہے، تو وہ محال ہے، کیونکہ طریان سفیدی سے پہلے کہا جائے کہ سیاہی معدوم ہے تو یہ غلط ہوگا اور اس کے بعد یہ کہا جائے کہ وہ معدوم ہے تو یہ درست ہوگا، کیونکہ وہ لامحالہ طاری ہے، اور یہی طاری، معقول ہے تو جائز ہوگا کہ اسے قدرتِ قادر کی طرف منسوب کیا جائے۔

(۲) فلاسفہ کے نزدیک بعض اعراض ایسے ہیں جو بغیر کسی ضد کے معدوم ہو جاتے ہیں، کیونکہ جو حرکت ان کے عدم کے لیے ہوتی ہے ان کی ضد کی حرکت نہیں، اور اس کے اور سکون کے مابین جو تقابل ہے وہ گویا کہ ملکہ اور عدم کا مقابلہ ہے، یعنی وجود و عدم کا مقابلہ، اور سکون کے معنی عدم حرکت کے ہیں، پس جب حرکت معدوم ہو جائے گی، تو سکون تو طاری نہیں ہوگا، جو اس کا ضد ہے اور وہ عدمِ محض ہے، ایسی ہی وہ صفات جو از قبیل استکمال ہیں جیسے کہ آنکھ کی رطوبتِ جلیدیہ میں محسوسات کہ تصویروں کا چھپنا، بلکہ معقولات کی تصویروں کا ذہنِ مدرکہ میں چھپنا، کیوں کہ اس عمل کا مطلب یہ ہے کہ کسی

Marfat.com

وجود کا افتتاح کیا جا رہا ہے، بغیر اس کی ضد کے زوال کے، اور وہ (یعنی تصویریں) جب معدوم ہو جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا وجود زائل ہو گیا بغیر کسی ضد کے تعاقب کے، گویا ان کا زوال عبارت ہے عدم محض سے جو طاری ہوا ہے۔ لہٰذا عدمِ طاری کا وقوع سمجھ میں آ گیا یعنی معقول ہو گیا، اور جس چیز کا بذاتہٖ واقع ہونا سمجھ میں آ سکتا ہے (چاہے وہ کوئی چیز ہو) اس کا قدرتِ قادر کی طرف منسوب ہونا بھی سمجھ میں آ سکتا ہے۔

پس یہ ظاہر ہو گیا کہ جب کبھی کسی حادث کا واقع ہونا ارادۂ قدیم سے تصور کیا جا سکتا ہے تو کسی واقع کے عدم یا وجود ہونے کی حالتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ (۳)

فلاسفہ کے اس قول کی تلبیس کے بیان میں کہ خدائے تعالیٰ فاعل و صانعِ عالم ہے، اور عالم اسی کے فعل اور صنعت سے ظہور میں آیا ہے

ان کا یہ بیان محض ظاہری قیمت رکھتا ہے حقیقی نہیں۔

دہریوں کو چھوڑ کر تمام فلاسفہ اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کے لیے صانع کا وجود ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی صانع عالم ہے اور اس کا فاعل بھی ہے، اور کائنات اسی کی صنعت و فعل سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ مگر ان کے اُصول کی بنا پر یہ بیان ایک قسم کی تلبیس ہے کیونکہ ان کے اصول کے لحاظ سے تو عالم کا صانع ہونا ہی نہیں چاہیے، اور اس کی تین وجوہ ہیں:

ا۔ ایک وجہ کا تعلق تو خود فاعل کی ماہیت سے ہے۔

ب۔ دوسری کا تعلق خود فعل کی ماہیت سے ہے۔

ج۔ ایک وجہ وہ ہے جو فعل و فاعل کی درمیانی نسبت سے تعلق رکھتی ہے۔

(ا) جس وجہ کا تعلق فاعل کی ماہیت سے ہے وہ یہ ہے کہ صانعِ عالم کا صاحبِ

Marfat.com

ارادہ وصاحبِ اختیارِ کُل ہونا ضروری ہے، جو اپنی مشیت میں آزاد ہو، مگر ان کے پاس اس کی ہستی ایسی نہیں ہے، اس کا کوئی ارادہ ہی نہیں، بلکہ ارادہ اس کی کوئی صفت ہی نہیں ہے، جو کچھ بھی اس سے صادر ہوتا ہے، وہ لزومی اور اضطراری طور پر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ عالم قدیم ہے، حادث جو ہے وہ محض فعل ہے۔

تیسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ ان کے نزدیک ہر اعتبار سے ایک ہے اور ایسے ایک سے صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے، اور عالم تو مختلف چیزوں سے مرکب ہے، وہ اس سے کیسے صادر ہو سکتا ہے؟ اب ہم آگے ان کی ان تینوں وجوہ پر روشنی ڈالیں گے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتلائیں گے کہ ان کے دلائل کس قدر مغالطہ آمیز ہیں۔

تردید وجہ اوّل:

ہم کہتے ہیں کہ فاعل عبارت اس ہستی سے ہے۔ جس سے فعل، ارادہ فعل کے ساتھ صادر ہوتا ہے، علی السبیل الاختیار، اور شے مقصود کے علم کے ساتھ صادر ہوتا ہے، اور تمہارے پاس تو عالم خدائے تعالیٰ سے ایسے صادر ہوتا ہے جیسا کہ معلول علت سے، گویا صادر ہونا لازم وضروری ہی اور اس کا دفع ہونا خدائے تعالیٰ سے متصور نہیں ہو سکتا۔ عالم کا لزوم اس کی ذات سے ایسا ہی ہے، جیسا کہ کسی شخص کے سایہ کا لزوم اس کی ذات سے، یا نور کا لزوم سورج سے، اور ظاہر ہے کہ اس کو کسی چیز کا فعل قرار نہیں دیا جا سکتا اسکی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ روشنی، چراغ کا فعل ہے اور سایہ شخص کا فعل ہے، تو اس میں جواز کا تکلف پایا جائے گا، اور یہ جواز حدود سے خارج سمجھا جائے گا، یا یہ کہا جائے۔ گا کہ اس نے ان الفاظ کو بطریق استعارہ استعمال کیا ہے، جو مستعار لہ، اور مستعار منہ کے درمیان وصف واحد کی شارکت کے وقوع پر ملتفی ہو رہا ہے اور وہ یہ کہ فاعل سبب ہے علی الجملہ، جیسے چراغ روشنی کا سبب ہے اور سورج نور کا، لیکن فاعل کو فاعل صانع محض سبب کی بنا پر نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ علی وجہ مخصوص سبب ہے، یعنی ارادہ واختیار کی وجہ سے سبب ہے، جیسے کوئی کہے کہ دیوار فاعل نہیں ہے، اور پتھر فاعل نہیں ہے اور جماد (جسم غیر نامی) فاعل نہیں ہے، فعل تو جاندار کا کام ہے، کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا، اور کوئی اس کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا، لیکن فلاسفہ کی رائے میں پتھر کا بھی ایک فعل ہے، اور وہ ثقل وگرانی یا میل جانب مرکز ہے۔ اسی طرح آگ کا بھی فعل ہے، اور وہ حرارت کا پیدا کرنا ہے۔ ان کا یہ یقین ہے کہ جو چیز خدا سے صادر

Marfat.com

ہوتی ہے وہ ان تمام اشیاء کے مشابہ ہے۔ لیکن یہ ایک فضول سی بات ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہر موجود بذاتہ واجب الوجود نہیں ہوتا، بلکہ وہ موجود بغیرہ ہوتا ہے تو ہم اس چیز کا نام ''مفعول'' رکھتے ہیں اور اس کے سبب کو''فاعل'' کہتے ہیں۔ ہمیں اس کی فکر نہیں کہ سبب فاعل بالطبع ہے یا بالارادہ ہے، جیسا کہ تم اس کی فکر نہیں کرتے کہ فاعل بالوسیلہ ہے یا بغیر وسیلہ، بلکہ فعل ایک جنس ہے اور اس کی تقسیم دو نوع میں کی جاتی ہے۔ ایک وہ جو بوسیلہ واقع ہوتا ہے، دوسرا وہ جو بغیر وسیلہ واقع ہوتا ہے، نیز جنس ہونے ہی کے اعتبار سے اس کی تقسیم اور دو طرح ہوسکتی ہے، ایک وہ جو بالطبع واقع ہوتا ہے، دوسری وہ جو بالاختیار واقع ہوتا ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ جب ہم ''کیا'' کہتے ہیں اور اس سے فعل بالطبع مُراد لیتے ہیں تو یہ لفظ ہمارے عام لفظ ''کیا'' کا متناقض نہیں ہوتا، بلکہ نوع فعلیت ہی کا ایک بیان ہوتا ہے جیسا کہ ہم کہیں ''کیا'' اور اس سے بلا وسیلہ کرنے کا ارادہ کریں، تو یہ بوسیلہ کرنے کا متناقض نہیں ہوگا، بلکہ عام لفظ ''کیا'' کی ایک نوع اور ایک بیان ہوگا، اور جب ہم کہتے ہیں ''کیا'' اور اس سے بالاختیار کرنا مُراد لیتے ہیں تو یہ تکرار نہیں ہوگی، جیسے ہم کہیں ''حیوان انسان'' (تو اس میں عام اور خاص مفہوم کی شرکت ہے متناقض نہیں ہے اس طرح) لفظ مذکور نوع فعلیت کا ایک بیان ہوگا، جیسے ہم کہیں کہ بوسیلہ ''کیا''۔ اگر ہمارا قول ''کیا'' ارادہ کا متضمن ہے اور ارادہ فعل کی ذاتیت سے تعلق رکھتا ہے، اس حیثیت سے کہ وہ فعل ہے، تو ہمارا قول ''کیا'' بالطبع متناقض ہوگا جیسا کہ ''کیا'' اور ''نہیں کیا'' تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ تسمیہ فاسد ہے، کیونکہ ہر مُسبّب کو ہر لحاظ سے فاعل کہنا جائز ہوسکتا ہے نہ ہر مسبب مفعول ہوسکتا ہے، اگر ایسا ہو تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ جماد کے لیے فعل نہیں ہے اور فعل صرف حیوان کے لیے ہے، اور یہ بات تو مسلّم ہے کہ جماد کا بھی فعل ہوتا ہے، مگر صرف بطور استعارہ اس کو فاعل کہا جاتا ہے، جیسا کہ ''طالب'' کو علیٰ سبیل المجاز ''مرید'' کہا جاتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں پتھر لڑھکتا ہے، کیونکہ وہ مرکز کا ارادہ کرتا ہے، اور اس کا طالب ہوتا ہے، اور طلب وارادہ حقیقت میں تصور نہیں کیے جاسکتے جب تک کہ شے مقصود مطلوب کے علم کے ساتھ اس کا تصور نہ ہو، اور سوائے جاندار کے اور کسی کے ساتھ ارادے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ رہا تمہارا قول کہ لفظ ''کیا'' عام ہے اور وہ بالطبع اور بالارادہ دونوں حالتوں میں تقسیم ہوتا ہے تو یہ غیر مسلّم ہے۔ جیسے کوئی کہے ''ارادہ کیا'' لفظ عام ہے اور دو حالتوں میں تقسیم ہوتا ہے ایک وہ ہے جس میں کوئی شخص ارادہ

Marfat.com

کرتا ہے، شے مقصود کے علم کے ساتھ دوسری میں ارادہ تو کرتا ہے مگر شے مقصود کا علم نہیں، تو ایسا کہنا فاسد ہوگا، کیونکہ ارادہ ضرورتاً علم ہی کو متضمن ہوتا ہے، ایسا ہی فعل ضرورتاً ارادے ہی کو متضمن ہوتا ہے۔

رہا تمھارا قول کہ لفظ ''کیا'' بالطبع، پہلی حالت کا نقیض نہیں ہے تو عرض ہے کہ ایسا نہیں، حقیقت میں وہ اس کا نقیض ہی ہے مگر اس کا نقیض ہونا سطحی نظر میں پایا نہیں جاتا اور طبع اس سے شدت کے ساتھ نفور نہیں کرتی، کیونکہ وہ مجازاً باقی رہتا ہے، اور جبکہ وہ ہر اعتبار سے مُسبّب ہوتا ہے اور فاعل بھی مُسبّب ہے تو مجازاً اس کا نام فعل رکھا گیا ہے۔

اور جب یہ کہا جائے کہ ''بالاختیار کیا'' تو وہ تحقیقی تکرار کہلائے گی، جیسا کہ کہیں ''ارادہ کیا'' اور وہ اپنی شے مقصود سے واقف ہے، البتہ اس کا تصور تب نہ ہوگا جبکہ کہا جائے صرف ''کیا'' مجازی طور سے، اور جب حقیقی طور پر ''کیا'' کہا جائے تو نفس کو اس قول سے کہ ''بالاختیار کیا'' سے نفور نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے معنی حقیقی طور پر کرنے ہوں گے، نہ کہ مجازی طور پر جیسا کہ کوئی کہے ''زبان سے بات کی'' یا ''آنکھ سے دیکھا'' تو جائز نہ ہوگا کہ اس کے معنی میں دل کی نظر (یعنی شعوری نظر) کو مجازی طور پر سمجھا جائے، ایسا ہی ہاتھ اور سر کی حرکت کے بارے میں گفتگو ہو، مثلاً کوئی کہے کہ ''اس نے اپنے سر سے کہا'' یعنی اشارہ کیا، تو یہی وجہ ہے کہ اگر کہا جائے کہ زبان سے کہا اور آنکھ سے دیکھا تو یہ بُرا نہ ہوگا۔ اس کے معنی نفیِ احتمالِ مجاز کے ہوں گے، اور یہ قدیم کی لغزش کا مقام ہے یہاں اِن اغبیاء کی دھوکا دہی سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فاعل کو فاعل کا نام رکھنا لغوی اعتبار سے ہے، ورنہ عقلی طور پر تو ظاہر ہوتا ہے کی جو چیز کسی چیز کا سبب ہوتی وہ دو طرف منقسم ہوتی ہے، یا تو وہ ارادی طور پر سبب ہوتی ہے یا غیر ارادی طور پر، البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ فاعل کو فاعل کہنا دونوں قسموں میں حقیقی طور پر ہے یا نہیں؟ اس کے انکار کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ عرب کہتے ہیں اَلنَّارُ تُحْرِقُ آگ جلاتی ہے وَالسَّیْفُ یَقْطَعُ تلوار کاٹتی ہے۔ وَالثَّلْجُ یُبَرِّدُ برف ٹھنڈا کرتی ہے وَالسقمونیا یسھل سقمونیا اسہال لاتی ہے والخبز یشبع روٹی سیر کرتی ہے والماء یروی پانی پیاس بجھاتا ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں ''مارتا ہے'' اس کے معنی یہ ہیں کہ مارنے کا فعل اس سے سرزد ہوتا ہے۔ ہمارا کہنا کہ جلاتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ جلانے کا کام کرتا ہے، ایسا ہی کہنا کاٹتا ہے یعنی کاٹنے کا کام کرتا ہے، اگر تم کہو کہ یہ سب مجازی ہے تو یہ ایک قسم کی بے سند بات ہوگی۔

Marfat.com

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ سب بطریق مجاز ہے اور فعل حقیقی تو وہی ہوتا ہے جو بالارادہ ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ مثلاً ہم کوئی حادث فرض کریں جس کا حصول دو امر پر موقوف ہو، ایک ارادی دوسرا غیر ارادی، تو عقل فعل کو ارادے ہی کی طرف نسبت دے گی، اور لغوی طور پر بھی ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسے کہا جائے کہ ایک انسان آگ میں ڈالا گیا اور وہ مر گیا تو ڈالنے والا قاتل ہوگا نہ کہ آگ، اور یہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے اس کو قتل کیا تو یہی بات صحیح ہوگی، اگر اسم فاعل کا اطلاق صاحبِ ارادہ اور بے ارادہ دونوں پر برابر سمجھا جائے اور ایک کو حقیقی طور پر، اور دوسرے کو بطور استعارہ (یعنی مجازی طور پر) نہ سمجھا جائے، تو کیوں لغوی اور عرفی وعقلی اعتبار سے قتل کو صرف صاحبِ ارادہ سے منسوب کیا جاتا ہے؟ حالانکہ آگ ہی عمل قتل کی علتِ قریبی ہے، اور آگ میں گرنے والے شخص کا فعل کچھ نہیں سوائے اس کے کہ مقتول اور آگ کو ایک جگہ جمع کر دے، مگر ایسا نہیں، بلکہ اس کو اور آگ کو ایک جگہ جمع کرنے کا فعل بالارادہ ہوتا ہے اور آگ کی تاثیر بلا ارادہ ہوگی، گو وہ بھی قاتل کہلائے، البتہ اس کا یہ قاتل کہلانا استعارہ کے طور پر ہوگا، لہذا اس سے ثابت ہوا کہ فاعل وہی ہوگا جس سے فعل ارادہ کے ساتھ صادر ہو، اسی طرح اگر کائنات کے فعل میں اللہ تعالیٰ صاحبِ ارادہ اور صاحبِ اختیار نہ سمجھا جائے تو وہ صرف مجازی طور پر صانع اور فاعل سمجھا جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ ہم خدائے تعالیٰ کے فاعل ہونے سے یہ مُراد لیتے ہیں کہ وہ اپنے سوائے ہر موجود کے وجود کا سبب ہے، اور عالم کا قوام اسی سے ہے، اور وجودِ باری تعالیٰ نہ ہو تو وجود عالم کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، اگر باری تعالیٰ کا عدم فرض کیا جائے تو عالم کا عدم ثابت ہوگا، جیسا کہ اگر سورج کا عدم فرض کیا جائے تو نور کا عدم بھی ماننا ہوگا، اسی طرح ہم خدا کو فاعل سمجھتے ہیں، اگر مخالف انکار کرتا ہے کہ اس معنی میں فعل ثابت نہیں ہوتا تو اس کو دوسرا لفظ اختیار کرنا چاہیے۔

ہمارا جواب یہ ہوگا کہ ہماری غرض یہ بتلانا ہے کہ اس معنی پر ہم فعل وصنعت کے لفظوں کا اطلاق نہیں کر سکتے، فعل وصنعت کے معنی وہی ہیں جو حقیقی طور پر ارادے سے صادر ہونے کے ہوتے ہیں، اور تم حقیقت میں فعل کے معنی کی نفی کر چکے ہو، اور تحمل اسلامی کے مظاہرے میں محض لفظ کا اظہار کر رہے ہو، کسی مذہب کو بے معنی الفاظ کے استعمال پر سراہا نہیں جاسکتا، اس کی صراحت کر دو کہ خدائے تعالیٰ کا کوئی فعل نہیں ہوتا، تاکہ دین

Marfat.com

اسلام سے تمھارے معتقدات کا پردہ چاک ہو جائے۔ تلبیس سے کام نہ لو یہ کہتے ہوئے کہ خدائے تعالیٰ صانع عالم ہے اور عالم اس کی صنعت ہے، تمھارے پاس تو صرف الفاظ کا ذخیرہ ہے، حقیقت کی نفی ہے، اور اس مسئلہ (یعنی اس فعل) سے مقصود تمھاری اس تلبیس کی پردہ دری ہے۔

دوسری وجہ

فلاسفہ کے اصول کی بنیاد پر "عالم" اللہ تعالیٰ کا فعل ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ فعل کی شرط ان کے ہاں معدوم ہے، فعل عبارت ہے "احداث کائنات" سے اور کائنات تو ان کے پاس قدیم ہے، حادث نہیں، اور فعل کے معنی ہیں بذریعہ احداث شئے کو عدم سے وجود میں لے آنا، اور اس کا قدیم میں تصور نہیں ہو سکتا، کیونکہ موجود کی ایجاد ممکن نہیں، اس وقت شرط فعل یہ ہو گی کہ عالم حادث ہو، مگر عالم تو ان کے پاس قدیم ہے۔ پھر یہ کیسے خدا کا فعل ہو گا؟

اگر کہا جائے کہ حادث کے معنی ہیں "موجود بعد عدم" تو ہم یہ بحث کرتے ہیں کہ فاعل نے جب حادث کیا تو صدور میں آنے والا (یعنی عالم) اس سے ضرور متعلق تھا، اگر متعلق تھا تو وجودِ مجرد کی حیثیت سے تھا یا عدمِ مجرد کی حیثیت سے؟ یا دونوں حیثیتوں سے؟ اور یہ کہنا تو باطل ہے کہ اس سے متعلق چیز عدمِ سابق ہے، کیونکہ فاعل کا اثر عدم پر نہیں ہو سکتا، اور عدم اس حیثیت سے کہ وہ عدم ہے کسی فاعل کا محتاج بھی نہیں ہو سکتا تو اب یہی کہا جائے گا کہ وہ بحیثیتِ موجود اس سے متعلق ہوتا ہے۔ اور اس سے صادر ہونے والی چیز وجودِ مجرد ہے، اور اس کی ذات وہ ہے جس کی طرف سوائے وجود کے کسی چیز کی نسبت نہیں دی جا سکتی، اگر وجود کو دائمی فرض کیا جائے تو نسبت کو بھی دائمی فرض کرنا ہو گا، اور اگر یہ نسبت دائمی سمجھی جائے تو منسوب الیہ تو زیادہ فاعل اور زیادہ دوام کی تاثیر رکھنے والا ہو گا، کیونکہ وہ فی الحال فاعل کے ذریعے عدم سے متعلق نہیں ہوتا ہے، باقی رہا یہ کہنا کہ اس حیثیت سے کہ وہ حادث ہے اس سے متعلق ہے، اور حادث ہونے کے معنی تو یہی ہیں کہ وہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہے، حالانکہ عدم اس سے متعلق نہیں ہوا، اگر عدم کی سبقت وجود پر وصف لائی جائے، اور یہ کہا جائے کہ اس سے متعلق مخصوص وجود ہے نہ کہ ہر وجود، اور وہ

Marfat.com

وجود مسبوق بالعدم ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اس کا مسبوق بالعدم ہونا فاعل کے فعل کی وجہ سے نہیں ہے، یہ وجود تو وہ ہوگا جس کا صدور فاعل سے اسی وقت متصور ہوگا جبکہ عدم کو اس پر سابق مانا جائے اور عدم کی سبقت فاعل کے فعل کی چیز نہیں ہے، لہٰذا اس کا مسبوق بالعدم ہونا، فاعل کا فعل ہو سکتا ہے نہ اس سے تعلق رکھتا ہے، پس اس کی شرط اس کے فعل ہونے پر ایسی شرط ہے جو فاعل کو اس میں غیر موثر بنا دیتی ہے۔

رہا تمھارا یہ قول کہ موجود کی ایجاد ممکن نہیں، تو اگر اس سے تمھاری مُراد یہ ہے کہ عدم کے بعد وجود از سر نو، دوبارہ نہیں ہو سکتا تو صحیح ہے، اور اگر یہ مُراد ہے کہ وہ اپنے موجود ہونے کی حالت میں موجد کی وجہ سے موجود نہیں ہوتا تو یہ ہم یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ وہ اپنے موجود ہونے کی حالت میں موجود ہو سکتا ہے نہ کہ معدوم ہونے کی حالت میں، تو شے بھی اسی وقت موجود ہوگی جب کہ فاعل اس کا موجد ہو، اور بحالتِ عدم، فاعل اس کا موجود تو نہیں ہو سکتا، اس کے وجود کی صورت ہی میں ہو سکتا ہے، اور ایجاد کا قریب قریب مطلب ہی یہ ہے کہ فاعل اس کو موجود کر رہا ہے اور مفعول موجود ہو رہا ہے کیونکہ وہ عبارت ہے نسبتِ موجد کی موجد کی طرف، اور یہ سب چیزیں وجود کے ساتھ ہی ہوں گی نہ کہ اس سے پہلے، لہٰذا ایجاد موجود ہی کے ساتھ ہوگی، اگر ایجاد سے مُراد وہ نسبت ہے جس سے فاعل موجد ٹھہرتا ہے اور مفعول موجود۔ اس لیے ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ عالم خدائے تعالیٰ کا ازلی اور ابدی فعل ہے، اور کوئی حالت ایسی نہیں جس کا خدائے تعالیٰ فاعل نہ ہو، کیونکہ وجود فاعل سے ربط رکھتا ہے، اگر یہ ربط ہمیشہ رہتا ہے تو وجود بھی ہمیشہ رہے گا، اگر منقطع ہو جاتا ہے تو وجود بھی منقطع ہو جائے گا، ایسا نہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو کہ اگر باری تعالیٰ کا عدم فرض کیا جائے تو عالم باقی رہتا ہے، کیونکہ تم گمان کرتے ہو کہ وہ ایک بانی کی طرح ہے، بنائے عمارت کے ساتھ، اور وہ بانی کو معدوم سمجھنا اور بنا کو باقی سمجھنا ہے، بنا کی بقا بانی کی وجہ ہی سے نہیں ہے بلکہ اس کی ترکیب میں یبوستِ مسکہ (روک رکھنے والی خشکی) کی وجہ سے ہے اور اگر اس میں قوت ممکہ، جیسے پانی، نہ ہو تو شکل حادث کی بقا کا تصور باوجود اس کے لیے فعل فاعل کے نہیں ہو سکتا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ فعل جو فاعل سے متعلق ہوتا ہے وہ بحیثیت اس کے حدوث کے ہوتا ہے نہ کہ بحیثیت اس کے عدم سابق کے، اور نہ صرف موجود ہونے کی حیثیت کے، وہ فاعل سے اس کی اپنی دوسری حالت وجود میں متعلق نہیں ہوتا، یعنی جب کہ وہ ایک موجود

Marfat.com

تھا، بلکہ اس کی اپنی حالت حدوث میں اس سے متعلق ہوتا ہے، اس حیثیت سے کہ وہ نام ہے حدوث وخروج کا عدم سے وجود کی طرف، اگر اس سے معنیٰ حدوث کی نفی کردی جائے تو اس کا فعل ہونا امرِ معقول نہیں ہوسکتا.................اور نہ فاعل کے ساتھ اس کا تعلق معقول ہوسکتا ہے، تمھارے قول کی بنا پر اس کا حادث ہونا تو اس کے مسبوق بالعدم ہونے کے معنیٰ پر محمول کیا جائے گا، اور اس کا مسبوق بالعدم ہونا فاعل کا فعل یا صانع کی صفت نہیں ہوسکتا، لیکن وہ اپنے وجود کی تکوین کے لیے فعلِ فاعل ہی کی شرط کا تابع ہے، یعنی اس کا مسبوق بالعدم ہونا، اور جو وجود کہ مسبوق بالعدم نہ ہو بلکہ دائمی ہو تو وہ فاعل کے فعل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور ہر وہ چیز جو اپنے فعل ہونے پر بحیثیت فعل مشروط نہیں ضروری ہے کہ فاعل ہی کا فعل ہو، اور فاعل کی ذات، اس کا علم اور اس کا ارادہ اور اس کی قدرت اس کے فاعل ہونے کے لیے شرط نہیں، اور یہ فاعل کے اثر سے نہیں ہے، اور نہ فعل بغیر موجود کے سمجھ میں آسکتا ہے، لہٰذا فاعل کا وجود اس کے علم، اس کے ارادے اور اس کی قدرت کی طرح فاعل ہونے کے لیے بطور شرط ہوگا، خواہ یہ فاعل کی نسبت کا نتیجہ ہو یا نہ ہو۔

اگر کہا جائے کہ تم نے فعل کے فاعل کے ساتھ ہونے اور اس سے غیر متاثر ہونے کے جواز کا اعتراف تو کرلیا، اب یہ لازم آتا ہے کہ اگر فعل حادث ہوگا تو فاعل بھی حادث ہوگا، اور اگر وہ قدیم ہوگا تو فاعل بھی قدیم ہوگا، اگر تم نے فاعل کے فعل کو تاخر زمانہ کے ساتھ مشروط کیا ہے تو یہ محال ہے، کیونکہ مثلاً کوئی پانی میں ہاتھ ہلاتا ہے تو ساتھ ہی پانی کا ہلنا بھی ضروری ہے، پانی تو پہلے ہلے گا نہ بہت بعد، کیونکہ اگر اس کے بہت دیر بعد ہلے تو ہاتھ کا کسی مقام پر ہونا سمجھ میں نہ آئے گا، اور اگر پہلے ہلے تو گویا اس ہلنے کا تعلق ہاتھ سے نہیں ہے، اس کا اس کے ساتھ ہی ہونا اس کا معلول ہے، اور فعل اسی کی وجہ سے ہے، اگر ہم فرض کریں کہ ہاتھ قدیم سے پانی میں ہل رہا ہے تو گویا پانی کا ہلنا بھی اس کے ساتھ ساتھ ہمیشہ سے ہے، باوجود اپنی ہمیشگی کے وہ اس کا معلول ومعقول ہے، اس کی دوامیت کا مفروضہ محال نہیں ہوسکتا، عالم کی ایسی ہی نسبت خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم فعل کا فاعل کے ساتھ ہونا محال نہیں سمجھتے، ہم فعل کو حادث سمجھتے ہیں جیسا کہ پانی کا ہلنا، یہ عدم سے حادث ہوا ہے تو جائز ہوگا کہ فعل ہو، چاہے

Marfat.com

ذات فاعل سے متاخر بعید ہو یا قریب ہو، البتہ ہم محال جس بات کو سمجھتے ہیں وہ فعل کا قدیم ہونا ہے، کیونکہ جو چیز عدم سے حادث نہ ہوگی تو اس کا نام فعل رکھنا ایک مجازی بات ہوگی نہ کہ حقیقی، رہ گئی معلول اور علت کی ساتھ داری، تو دونوں کا حادث ہونا بھی جائز ہوسکتا ہے اور دونوں کا قدیم ہونا بھی، مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ علم قدیم ذات قدیم سبحانہ تعالیٰ کی بحیثیت اس کے عالم ہونے کے علت ہے، اس میں کوئی موقع اعتراض کا نہیں ہے، اعتراض اس چیز پر ہے جو فعل کہلایا جاتا ہے، کیونکہ معلول علت کو فعلِ علت نہیں کہا جاسکتا مگر مجازاً، ہاں جو چیز فعل کہلاتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ عدم سے حادث ہو، اگر کوئی جائز رکھنے والا قدیم دائم الوجود کو اس کے غیر کا فعل بتلانا جائز رکھے تو یہ جواز ایک قسم کا استعارہ ہوگا، اور تمہارا یہ قول کہ اگر ہم پانی کی حرکت کو انگلیوں کے ساتھ قدیم دائم فرض کریں تو ''پانی کی حرکت ....فعل کی تعریف سے خارج نہیں ہوسکتی'' ایک قسم کا دھوکا ہے، کیونکہ انگلیوں کا تو کوئی ذاتی فعل نہیں ہے، البتہ فاعل جو ہے وہ انگلیوں والا ہے، جو صاحب ارادہ ہے اگر ہم اس کو قدیم فرض کریں تو انگلیوں کی حرکت تو اس کا فعل ہوگی، اس حیثیت سے کہ ہر جزءِ حرکت جو عدم سے حادث ہو اس اعتبار سے فعل ہوگا، رہی پانی کی حرکت، تو ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اسی شخص کا فعل ہے جس نے اپنا ہاتھ پانی میں ہلایا، بلکہ وہ اللہ سبحانہ کا فعل ہے، اور کسی صورت پر بھی ہو فعل ہے، اس حیثیت سے کہ وہ حادث ہے، الا اس کے کہ وہ دائم الحدوث ہے، وہ بھی فعل ہے، اس حیثیت سے کہ وہ حادث ہے۔

اگر کہا جائے کہ: جب تم نے فاعل کی طرف فعل کے نسبت کا اس حیثیت سے کہ وہ اس کے ساتھ موجود رہتا ہے اعتراف کرلیا، اور مان لیا کہ یہ ویسی ہی نسبت ہے جیسی کہ معلول کی علت کے ساتھ ہوتی ہے، اور تم علت کی نسبت میں تصورِ دوام کو بھی تسلیم کرچکے ہو، تو ہم کہتے ہیں کہ ہماری مراد عالم کے فعل ہونے سے ہے، اس کا معلول دائم النسبۃ ہونا خدائے تعالیٰ کا، اگر تم اس کا فعل نام نہیں رکھتے ہو تو پھر کوئی دوسرا نام رکھ لو۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اس فصل سے ہمارا مدعا یہی ثابت کرنا ہے کہ تم لوگ اسماء کے تجمل سے بے تحقیق کام چلاتے ہو، اور حقیقت میں تمہارے پاس خدائے تعالیٰ فاعلِ حقیقی نہیں ہے، اور نہ عالم اس کا فعل حقیقی ہے، اور اس اسم کا اطلاق مجازی طور پر کرتے ہو نہ کہ حقیقی طور پر، اور یہ صاف ظاہر ہوچکا ہے۔

Marfat.com

تیسری وجہ

اس بارے میں یہ ہے کہ فلاسفہ کے اصول کی بنا پر عالم خدائے تعالیٰ کا فعل نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ فعل و فاعل کے درمیان ایک شرطِ مشترک بتلاتے ہیں وہ یہ ہے کہ ''ایک سے ایک ہی چیز صادر ہوسکتی ہے'' اور مبدأ اوّل تو ہر صورت سے ایک ہے، اور کائنات مختلف چیزوں سے مرکب ہے، تو اس اصول کے اعتبار سے تصور نہیں کیا جاسکتا کہ عالم ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔

اگر کہا جائے کہ: عالم سارے کا سارا خدا تعالیٰ سے بغیر واسطہ صدور نہیں پایا ہے، بلکہ اس سے جو صادر ہوا ہے وہ وجودِ واحد ہی ہے جو اوّل مخلوقات بھی ہے اور جسے ''عقلِ مجرد'' بھی کہا جاتا ہے، اور جو جوہر مجرد ہے اور قائم بالذات ہے، غیر متحیز ہے، اپنی ذات کا علم رکھتا ہے اور اپنے مبداء کو پہچانتا ہے، شریعت کی زبان میں اسے فرشتہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، پھر اس سے تیسری چیز صادر ہوتی ہے، تیسری سے چوتھی، اس طرح توسط موجودات پیدا ہو جاتی ہے۔

فعل کے اس اختلاف و کثرت کی چند صورتیں ہوں گی:

(۱) یا تو یہ قوائے فاعلہ کے اختلاف کی وجہ سے ہوگا جیسے کہ ہمارے افعال جو قوت شہوانی کے تابع ہوتے ہیں قوتِ غضبی سے مختلف ہوتے ہیں۔

(۲) یا یہ اختلاف مواد کی وجہ سے ہوگا، جیسا کہ دھوپ، دُھلے ہوئے کپڑے کو سفید کر دیتی ہے، مگر انسان کے چہرے کو سیاہ کر دیتی ہے، اور بعض جواہر کو گلا دیتی ہے اور بعض کو جما کر سخت کر دیتی ہے۔

(۳) یا یہ اختلاف آلات کی وجہ سے ہوگا، جیسا کہ کوئی بڑھئی لکڑی کو آرے سے چیرتا ہے، بسولے سے چھیلتا ہے، اور برما سے سوراخ بناتا ہے۔

(۴) یا یہ اختلاف کثرت وسائط کی وجہ سے ہوگا، اس طرح کہ وہ تو کام ایک ہی کرے مگر اس فعل سے دوسرا فعل ظہور میں آئے، اس طرح افعال کی کثرت ہوتی جائے۔

اور ان تمام اقسام کا صرف مبدأ اوّل میں ہونا محال ہے کیونکہ اس کی ذات میں اختلاف نہیں ہے۔ نہ دوئی ہے، نہ کثرت ہے، جیسا کہ توحید کے دلائل میں آگے بیان ہوگا، اور نہ وہاں مواد کا اختلاف ہے (اور یہ کلام مبدأ اوّل میں ہے جس کو مثلاً مادۂ اولی

Marfat.com

فرض کیا جائے) اور نہ وہاں اختلاف آلات ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ اس کا ہم رتبہ کوئی وجود نہیں ہے (اور یہ کلام حدوثِ آلۂ اولیٰ میں ہے) نہ کہ اس کے سوائے جو کچھ عالم میں اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتا ہے بطریقِ توسط ہی صادر ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے۔

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ: اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عالم میں ایک چیز کئی مفردات سے مرکب نہیں ہو سکتی، بلکہ تمام موجودات اکائیاں یا مفردات ہی ہوتے ہیں، اور ہر اکائی دوسری اپنی مافوق اکائی کے لیے معلول ہے اور اس کے ماتحت اکائی کی علت ہے، یہاں تک کہ سلسلہ اس معلول تک آ ٹھہرتا ہے جس کا پھر کوئی معلول نہیں، جیسا کہ اس کے برعکس صورت میں سلسلۂ علت چلے گا، اور آخری علت بے علت ہوگی، حالانکہ ایسا نہیں ہے، جسم ان کے پاس مرکب ہوتا ہے دو چیزوں سے صورت[1] اور ہیولے[2]، ان دونوں کے اجتماع سے ایک چیز بنتی ہے، اور انسان مرکب ہے جسم اور روح سے، مگر ایک وجود دوسرے سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کا وجود ایک دوسری ہی علت سے وابستہ ہوتا ہے، اور آسمان بھی ان کے نزدیک ایسا ہی ہے، وہ ایک ذی روح جرم (جسم) ہے جس کی رُوح نہ تو جسم سے حادث ہوئی ہے اور نہ جسم رُوح سے، بلکہ دونوں بھی ایک دوسری ہی علت سے صادر ہوتے ہیں، پھر یہ مرکبات کیسے وجود میں آئے؟ آیا ایک ہی علت سے؟ پھر سوال ترکیبِ علت کی طرف پلٹتا ہے، یہاں تک کہ (بربنائے ضرورت عقلی) مرکب اور بسیط تک جا پہنچتا ہے۔ کیونکہ مبدأ اوّل تو بسیط ہے، اور مبدأ آخر میں ترکیب ہے، اس سے تو یہ تصوّر ہوتا ہے کہ مرکّب اور بسیط کا لتقا ہوا ہے جب یہ ثابت ہوتا ہے تو پھر ان کا یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ ''ایک سے صرف ایک ہی صادر ہو سکتا ہے''

اگر کہا جائے کہ: جب ہمارا مذہب سمجھ لیا جائے تو بہت سے اشکال رفع ہو جاتے ہیں، کیونکہ موجودات کی تقسیم دو قسموں میں ہوتی ہے۔ وہ[1] جو کسی محل میں استقرار پاتے ہیں، جیسے اعراض وصُور[2] اور وہ جن کے لیے محل ضروری نہیں۔ آخر الذکر کی پھر دو قسمیں ہیں۔[1] وہ جو اپنے غیر کے لیے محل ہوتے ہیں جیسے اجسام وہ[2] جن کے لیے کوئی محل نہیں، وہ موجودات جو جواہر قائمہ بالذات کہلاتے ہیں، ان کی تقسیم بھی دو میں ہوتی ہے۔ وہ[1] جو اجسام پر اثر کرتے ہیں، ان کو ہم ارواح کہتے ہیں۔ وہ[2] جو اجسام پر اثر نہیں کر سکتے بلکہ ارواح پر کرتے ہیں، انھیں ہم عقول مجرّدہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

وہ موجودات جو کسی محل ہی میں استقرار پا سکتے ہیں، جیسے اعراض، تو وہ حادث ہیں، ان کے لیے حادث علتیں بھی ہیں جو ایک مبدأ کی طرف منتہی ہوتی ہیں، جو ایک صورت سے حادث ہے، اور ایک صورت سے دائم، وہ ہے "حرکت دوریہ" اور اس میں کوئی بحث نہیں ہے، البتہ بحث جس چیز میں ہے وہ ہیں اصول قائمہ بالذات جن کے لیے کوئی محل نہیں۔ اور وہ تین ہیں [1] اجسام، یہ سب میں ادنیٰ ہیں۔ عقول [2] مجردہ، یہ وہ ہیں جن سے اجسام کا تعلق نہیں ہوتا نہ بحیثیت فعل نہ بحیثیت انطباع، یہ سب میں اعلیٰ ہیں [3] ارواح، ان کا درمیانی مرتبہ ہے، انہی سے اجسام کو ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے۔ وہ ہے تاثیر اور فعل کا تعلق، شرف کے لحاظ سے یہ قسم متوسط ہے۔ کیونکہ یہ عقول سے متاثر ہوتی ہیں اور اجسام پر اثر کرتی ہیں۔

اجسام کی تعداد دس [1] ہے: نو آسمان [1]، دسواں آسمان وہ مادّہ کہلاتا ہے جو مقعر فلک قمر کا حاشیہ ہوتا ہے۔ اور یہ نو آسمان جاندار ہوتے ہیں ان کو جسم اور رُوح ہوتی ہے، وجودی حیثیت سے ان کی حسب ذیل ترتیب ہے:۔

مبدأ اوّل سے اپنے وجود میں عقل اوّل نے فیضان پایا، اور وہ موجود قائم بالذات ہے، نہ تو جسم ہے اور نہ جسم میں منطبع ہوئی ہے، اپنی ذات کو جانتی ہے، اپنے مبدأ کو بھی جانتی ہے، اس کا نام ہم عقل اوّل رکھتے ہیں، (اور نام رکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) چاہو تو اسے فرشتہ کہہ لو یا عقل کہہ لو یا جو چاہو کہو، اس کے وجود سے پھر تین چیزیں لازمی طور پر پھوٹتی ہیں [1] عقل [2] روحِ فلکِ اقصیٰ، (یعنی نواں آسمان) اور جرم [3] فلک اقصیٰ۔ پھر عقل ثانی سے عقل ثالث، اور روحِ فلکِ کواکب اور جرمِ فلکِ کواکب پھوٹتے ہیں، پھر عقلِ ثالث سے عقل رابع اور روحِ فلکِ زحل، اور جرمِ فلکِ زحل، پھر عقلِ رابع سے عقلِ خامس، اور روحِ فلکِ مشتری اور جرم فلکِ مشتری، اسی طرح چلتے چلتے آخری عقل سے، معمولی عقل، اور روح فلک قمر اور جرمِ فلکِ قمر پھوٹتے ہیں۔ آخری عقل کا نام ہے "عقل فعال" اس سے فلک قمر کا حاشیہ پھوٹتا ہے، یہ حاشیہ ایک مادّہ ہوتا ہے، جو عقل فعال اور طبائع فلک سے کون وفساد قبول کر سکتا ہے۔

اور مادّے، حرکات کواکب کی سبب مختلف قسم کے امتزاج حاصل کرتے رہتے ہیں اسی سے معدنیات ونباتات وحیوانات کا ظہور ہوتا ہے۔

یہ کوئی ضروری نہیں کہ عقل سے عقل لامتناہی طور پر پھوٹتی چلی جائے، کیونکہ یہ

Marfat.com

عقول مختلف الانواع ہیں، جو چیز کہ ایک کے لیے ثابت ہو دوسرے کے لیے لازمی نہیں۔

اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مبدأ اوّل کے بعد عقول دس ۱۰ ہیں، اور افلاک نو ۹ اور ان مبادی شریفہ کا مجموعہ (مبدأ اوّل کے بعد) انیس ۱۹ ہوتا ہے۔ اور اس سے جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ عقول اوّل میں سے ہر عقل کے تحت تین چیزیں ہوتی ہیں عقل، روحِ فلک، جرامِ فلک، تو ضروری ہے کہ اس کے مبدأ میں لامحالہ تثلیث ہو، اور معلول اوّل میں تو کثرت کا تصور نہیں ہو سکتا، سوائے ایک صورت کے، وہ یہ کہ وہ اپنے مبدأ کو جانتا ہے، اور اپنی ذات کو بھی جانتا ہے، اور وہ باعتبار اپنی ذات کے ممکن الوجود ہے، کیونکہ اس کے وجود کا وجوب اس کے غیر کے ساتھ ہے نہ کہ اس کی اپنی ذات کے ساتھ، اور یہ تین مختلف معانی ہوئے، اور معلولات ثلاثہ میں سے اشرف جو ہیں ان کو ان معانی میں سے اشرف ہی کی جانب منسوب ہونا چاہیے، اس لیے اس سے عقل کا صدور ہوتا ہے، اس حیثیت سے کہ وہ اپنے مبدأ کو پہچانتی ہے، اور اسی سے روح فلک صادر ہوتی ہے، اس حیثیت سے کہ وہ اپنی ذات کو پہچانتی ہے اور اسی سے جرم فلک صادر ہوتا ہے، اس حیثیت سے کہ وہ اپنی ذات میں ممکن الوجود ہے۔

یہاں لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معلول اوّل میں پھر یہ تثلیث کیسے پیدا ہوئی حالانکہ اس کا مبدا تو ایک ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ مبدا اوّل سے ایک کے سوا کچھ صادر نہیں ہوا، یعنی وہ ذات عقل جو اپنے آپ کو پہچانتی ہے، اور مبدأ اوّل کے لیے .... یہ ضرورت لازم ہے۔ من جہتِ مبدا نہیں، کیونکہ عقل مبدا تو اپنی ذات میں ممکن الوجود ہے، اور اس کے لیے مبدا اوّل سے امکان نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو اپنی ذات کے لیے ہے، اور ہم ایک سے ایک ہی کا صدور بعید از قیاس نہیں سمجھتے، اور ذات معلول کے لیے (من جہت مبدا نہیں بلکہ خود اسی کی جہت سے) امور ضروریہ لازم ہوتے ہیں۔ چاہے اضافی ہوں یا غیر اضافی، اور اسی کے سبب سے کثرت پیدا ہوتی ہے، اور اسی سے کثرت کے وجود میں آنے کے لیے مبدا بنتا ہے، اور یہ اسی صورت پر ممکن ہے کہ مرکب کا بسیط کے ساتھ التقاء ہو جائے۔ کیونکہ التقاء ضروری بھی ہے، اور اس کے بغیر گریز نہیں۔ اور وہی ہے جس پر حکم لگایا جاتا ہے، یہ ہے فلسفیوں کے مذہب کا خلاصہ۔

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ: یہ جو کچھ بھی تم نے ذکر کیا ہے محض تحکمات یا ظلیات ہیں، سچ تو یہ ہے کہ یہ ظلمات فوق ظلمات ہیں۔ اگر کوئی اس قسم کا خواب بیان کرے تو ایسے خواب

Marfat.com

کو اس کے سوء مزاج سے منسوب کیا جائے گا۔ اس قسم کے ظنون فاسدہ کو سائنس کا درجہ دیا جانا تعجب انگیز ہے۔

ان پر اعتراض تو بے شمار طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ مگر ہم چند ہی وجوہ ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ: تم جو دعویٰ کرتے ہو کہ معانی کثرت میں سے کوئی ایک معلول اول میں ممکن الوجود ہے، تو سوال ہوتا ہے کہ اس کا ممکن الوجود ہونا، عین وجود ہے یا غیر وجود؟ اگر کہو کہ عین وجود ہے تو اس سے کثرت نہیں پیدا ہو سکتی، اگر کہو غیر وجود تو تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ مبدا اول میں کثرت ہے، کیونکہ وہ موجود ہے، اور اسکے باوجود واجب الوجود بھی ہے، لہٰذا وجوب وجود غیر نفس وجود ہے، اور اسی لئے اس کثرت کی وجہ سے مختلفات کا صدور اس سے جائز ہے، اگر کہو کہ وجوب وجود کے معنی سوائے موجود کے کچھ نہیں ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ امکانِ وجود کے معنی سوائے وجود کے کچھ نہیں ہیں، پھر اگر تم کہو کہ، اس کا موجود ہونا جانا جا سکتا ہے، البتہ اس کا ممکن ہونا جو اس کا غیر ہے جانا نہیں جا سکتا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ایسا ہی واجب الوجود کا حال ہے کہ اس کے وجود کا جانا جانا ممکن ہے، البتہ اس کے وجوب کا پہچانا جانا ممکن نہیں، (الا اس کے کہ دوسری دلیل قائم کی جائے) اس وقت وہ اس کا غیر ہوگا، اور بالجملہ وجود امرِ عام ہے، جو واجب اور ممکن میں منقسم ہوتا ہے، اگر کسی ایک قسم کا فصل زائد علی العام ہوگا تو دوسری قسم کا فصل بھی ایسا ہی ہوگا کوئی فرق نہیں۔

اگر کہا جائے کہ امکانِ وجود تو اس کے لیے اس کی ذات سے ہوتا ہے، البتہ اس کا وجود اس کے غیر سے ہوتا ہے، تو جو چیز کہ اس کے لیے اس کی ذات سے ہو، اور جو اس کے غیر سے ہو، دونوں ایک کیسے ہوں گے؟

تو ہم پوچھتے ہیں کہ: پھر وجوب وجود عین وجود کیسے ہوتا ہے؟ ممکن ہے کہ وجوب وجود کی نفی سے عین وجود کو ثابت کیا جائے، مطلقاً حقیقی وجود کے لیے وقتِ واحد میں کسی شے کی نفی اور اس کا اثبات دونوں ممکن نہیں، کیونکہ یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ وہ موجود ہے بھی اور نہیں بھی ہے، یا واجب الوجود ہے بھی اور نہیں بھی ہے، البتہ یہ کہنا ممکن ہے کہ وہ موجود ہے مگر واجب الوجود نہیں ہے، جیسا کہ یہ کہنا بھی ممکن ہے، کہ وہ موجود ہے مگر ممکن الوجود نہیں ہے، اس طریقے سے البتہ وحدت پہچانی جا سکتی ہے، پہلے طریقے سے نہیں

Marfat.com

پہچانی جاسکتی، اگر جیسا کہ فلاسفہ کا دعویٰ ہے یہ صحیح ہے کہ امکانِ وجود، وجود ممکن کے سوا کوئی شے ہے۔ معلول اول کو جو اپنے مبدا کا علم ہوتا ہے کیا وہ اس کے اپنے وجود کا عین ہے اور اس کے اپنے علم کا عین ہے یا ان دونوں کا غیر؟ اگر کہو کہ عین ہے تو اس کی ذات میں کثرت نہیں ہوسکتی، سوائے اس کے کہ اس کی ذات ہی کی تعبیر کثرت سے کی جائے، اگر اس کا غیر کہو، تو یہ کثرت مبدا اوّل میں موجود ہوگی کیونکہ وہ اپنی ذات کو جانتا ہے، اور اپنے غیر کو بھی، اگر دعویٰ کرتے ہو کہ اس کا اپنی ذات کو پہچاننا ہی اس کی عین ذات ہے، اور جو چیز کہ یہ نہیں جانتی کہ وہ اپنے غیر کے لیے مبدا ہے تو وہ اپنی ذات کو بھی نہیں جان سکتی، کیونکہ عقل معقول کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے، لہٰذا وہ اپنی ذات ہی کی طرف منسوب ہوگی، تو ہم کہتے ہیں کہ معلول کا اپنی ذات کو جاننا ہی اس کی عین ذات ہے، کیونکہ وہ اپنے جوہر میں عقل ہے، اس لیے اپنی ذات کو جانتی ہے، اور عقل، عاقل اور معقول، یہاں سب ایک ہیں، تو جب اس کا اپنی ذات کو جاننا ہی عینِ ذات ہے تو اپنی ذات کو بحیثیت معقولِ علت کے جاننا چاہیے، چونکہ عقل و معقول دونوں ایک ہیں، لہٰذا ان کی تحلیل ذات میں ہوسکتی ہے، اس سے یہ لازم آئے گا کہ یا تو کثرت کا وجود نہ ہو، اور اگر ہو تو یہ مبداء اول میں ہی پائی جائے گی، اور اسی سے مختلفات صادر ہوں گے، اگر وحدانیت کے دعویٰ کو ترک کرنا چاہیے۔ اگر کہا جائے کہ مبدا اول اپنی ذات کے سوائے کچھ نہیں جانتا، اور اس کا اپنی ذات کو جاننا ہی عینِ ذات ہے تو عقل، عاقل، اور معقول، ایک ہو گئے اور مبدا اپنی ذات کے سوا کچھ نہیں جانتا۔

تو اس کا جواب دو طریقوں سے دیا جائے گا:۔

ایک یہ کہ یہ وہ مذہب ہے جس کے مبنی بر فساد ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ ابن سینا جیسا حکیم اور دوسرے محققین نے اس کو بالکل ترک کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مبداء اول اپنی ذات کو جانتا ہے، اور اُس فیضان کا مبداء ہے جس کا افاضہ دوسروں پر ہوتا ہے تو تمام موجودات کو بھی بشمول اس کی پوری انواع کے، عقل کلی کے ساتھ، نہ کہ جزئی کے ساتھ، جانتا ہے، ابن سینا وغیرہ اس دعویٰ کو بھی لغو سمجھتے ہیں کہ مبدا اوّل سے ایک ہی عقل کے سوا کچھ صادر نہیں ہوتا، پھر جو چیز کہ اس سے صادر ہوتی ہے اس کا بھی اس کو علم نہیں ہوتا، پھر اس کا معلول عقل ہے جس سے عقل، نفسِ فلک اور جرمِ فلک کا فیضان ہوتا ہے، اور وہ اپنی ذات اور تینوں معلولوں کو جانتی ہے، اور اپنی علت و مبدا کو بھی جانتی

Marfat.com

ہے، اب معلول، علت سے اشرف ہو جاتا ہے، کیونکہ علت سے تو سوائے ایک کے کچھ فیضان نہیں ہوتا، اور اس سے تین چیزوں کا فیضان ہوتا ہے، اور اول، تو اپنی ذات کے سوائے کچھ نہیں جانتا اور یہ اپنی ذات کو جانتی ہے، اور نفس مبدأ اوّل کو جانتی ہے، اور نفسِ معلولات کو جانتی ہے۔ بھلا کون اللہ تعالیٰ کے لیے اس رُتبے کو پسند کرے گا، جو اس کو تمام موجودات سے بھی حقیر کر دیتا ہے؟ اُن موجودات سے جو اپنے آپ کو بھی جانتے ہیں اور دوسرے کو بھی جانتے ہیں؟ کیونکہ جو چیز کہ اپنے آپ کو بھی جانتی ہو اور دوسرے کو بھی، اس سے بلند رُتبہ ہو گی جو صرف اپنے آپ کو جان سکتی ہے دوسرے کو نہیں۔ عقل کہ اس گہرائی میں غوطہ زنی کی وجہ سے انھیں خبر بھی نہیں ہو رہی ہے کہ وہ کس کی شان میں عظمت و مہابت کی کمی کو گوارا کر رہے ہیں، یہ کج فہم اللہ تعالیٰ کو بھی ایک جسد بے رُوح کی طرح بے شعور سمجھ رہے ہیں، جیسے یہ تک معلوم نہیں کہ دُنیا میں کیا ہو رہا ہے، ہاں اپنی مہربانی سے اتنا فرق ضرور کرتے ہیں کہ بے جان لاش کو تو کچھ بھی نہیں معلوم مگر اللہ تعالیٰ کو صرف اپنی ذات کا تو علم ہوتا ہے (مگر واقعہ کیا ہے بقول اکبر الہ آبادی

دلیل خود بیں سے کہہ رہی ہے کہ تم مسلّم مگر خدا کیا؟

دل ان کے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اس کے ہوتے یہ ماسوا کیا؟

ایسے ہی گم کردہ راہوں کی شان میں خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں طنزاً فرماتا ہے: "مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ" یہ خدائے تعالیٰ کے بارے میں الکل پچو باتیں کرتے ہیں، اور قیاسات کے بے لگام گھوڑے دوڑاتے ہیں محض اس احمقانہ تخیل کی بنا پر کہ اس کے امور ربوبیت کی کنہ پر یہ کمزور عقل انسانی فتح پا سکتی ہے، انھیں اپنی عقلوں پر غرور ہے محض اس خوش فہمی کی بنا پر کہ اس غلط طریقے سے انبیا علیہم السّلام کی اطاعت کے فرض سے (جو قانونِ قدرت ہی کی اطاعت کا نام ہے اور جو سعادتِ انسانی کی ذمّہ دار ہے) انسان کو چھٹی مل سکتی ہے، اور اسی لیے وہ ایسی باتیں کر رہے ہیں جن کو اگر خواب کی باتیں بھی کہا جائے تو سُن کر ہنسی آ جائے۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اوّل (یعنی مبدأ اوّل) اپنی ذات کے سوائے کچھ نہیں جانتا تو وہ لزوم کثرت سے تو پرہیز کرتا ہے (کیونکہ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ وہ دوسرے کو بھی جانتا ہے تو یہ لازم آئے گا کہ اس کی عقل اس کی غیر ہے، جو اس کی اپنی عقل کے سوائے ہے، اور یہ بات معلول اول کے لیے لازمی ہے) پھر تو معلول

اوّل کو بھی چاہئے کہ اپنی ذات کے سوا کچھ نہ جانے، کیونکہ اگر اس نے مبداُ اول کو جان لیا یا اس کے سوا کچھ اور بھی، تو یہ تعقل اس کی ذات کے علاوہ ہو جائے گا، اور یہ تعقل ایک علت کا محتاج ہوگا جو اس کی ذات کی علت کے علاوہ ہوگی، حالانکہ اس کی ذات کی علت کے سوا کوئی اور علت نہیں جو مبداُ اوّل ہے، لہذا چاہئے کہ معلولِ اول سوائے اپنی ذات کے کچھ نہ جانے، اس طرح وہ کثرت جو اس صورت سے پیدا ہو سکتی ہے باطل ہو جاتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ جب معلول اوّل موجود ہو گیا اور اس نے اپنی ذات کو پہچان لیا تو لازم ہوا کہ وہ اپنے مبداء اوّل کو بھی پہچان لے، تو ہم جواباً دریافت کریں گے کہ یہ واقعہ کسی علت کی وجہ سے لازم ہوا یا بغیر کسی علت کے ہو گیا؟ اگر کہو کہ بوجہ علت، تو مبداُ اول کے سوائے تو کوئی علت نہیں، اور وہ ایک ہے، یہ تو تصور نہیں ہو سکتا کہ اس سے ایک سے زیادہ صادر ہو، اور جو کچھ صادر ہو چکا ہے وہ ذات معلول ہی ہے، پھر یہ دوسری عقل اس سے کیسے صادر ہوئی؟ اور اگر بغیر علت کے لازم ہوا ہے تو وجود اوّل کے لیے بھی موجوداتِ کثیرہ بلا علت لازم ہونا چاہئے۔ کثرت تو اس سے لازم نہیں ہو سکتی اگر کثرت کی یہ توجیہ رد کر دی جائے، اس وجہ سے کہ واجب الوجود تو ایک کے سوائے ہو نہیں سکتا، اور ایک پر جو زائد ہے وہ ممکن ہے، اور ممکن محتاج علت ہے، یہی بات معلول اوّل کے متعلق بھی کہی جائے گی۔ اگر معلول اوّل کا علم بذاتہ واجب الوجود ہے تو اس سے ان کے قول کا بطلان لازم آئے گا کہ واجب الوجود تو صرف ایک ہی ہوتا ہے، اور اگر یہ ممکن ہے تو اس کے لیے علت کا ہونا ضروری ہوا، اور جس کی علت نہ ہو اس کا وجود سمجھ میں نہیں آ سکتا، اور ظاہر ہے کہ ایسا علم معلولِ اوّل کے لیے لازم نہیں ہو سکتا، لہذا امکان وجود ہر معلول کے لیے ضروری ہوا، رہا معلول کا عالم بعلت ہونا تو یہ اس کے وجود ذات میں ضروری نہیں، جیسا کہ علت کا عالم بہ معلول ہونا اس کے وجودِ ذات میں ضروری نہیں، بلکہ معلول کے ساتھ علم کا لازم ہونا علت کے ساتھ علم کے لازم ہونے سے زیادہ ظاہر ہے۔

تو ظاہر ہوا کہ مبداُ اوّل کے ساتھ معلول اوّل کے علم سے کثرت کا حاصل ہونا محال ہے، کیونکہ اس کی توجیہ کے لیے کوئی مبدا نہیں ہے، اور وہ ذات معلول کے وجود کے لیے لازم نہیں ہے، یہ ایسی پیچیدگی ہے جس کو فلسفی سلجھا نہیں سکتا۔

تیسرا اعتراض...... معلول اوّل کا اپنی ذات کو جاننا خود اس کی عین ذات ہے یا

Marfat.com

غیر ذات؟ اگر کہو کہ عین ذات ہے تو وہ محال ہے، کیونکہ علم اور معلوم ایک نہیں ہوسکتے، اگر کہو کہ غیر ذات، تو ایسا ہی مبدأ اوّل میں بھی ہونا چاہئے اور اس سے جو کثرت [۱۲] پیدا ہوگی وہ تربیع ہوگی نہ کہ تثلیث، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ (۱) اس کی ذات ہے (۲) وہ اپنی ذات کو جانتا ہے (۳) اپنے مبدأ کو جانتا ہے (۴) اور بذاتہ ممکن الوجود ہے بلکہ اور یہ زیادہ کہا جانا ممکن ہے کہ وہ واجب الوجود بغیرہٖ ہے۔ لہٰذا تخمیں ظاہر ہوگئی جو کثرت کی توجیہ کے لیے ضروری ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان فلسفیوں کی فکر کس قدر باطل ہے۔

چوتھا اعتراض...... کثرت کی توجیہ کے لیے معلول اوّل میں تثلیث کافی نہیں ہوسکتی، کیونکہ ان کے نزدیک آسمانِ اوّل کا جرم مبدأ اوّل کی ذات سے لازم ہوا ہے۔ لیکن اس میں تین صورتوں سے ترکیب واقع ہوئی ہے: اوّل یہ کہ وہ صورت و ہیولیٰ سے مرکب ہے۔ جیسا کہ ان کے پاس ہر جسم اسی طرح مرکب ہوتا ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک کے لیے جدا مبدأ کا ہونا ضروری ہوا، کیونکہ صورت ہیولیٰ کی مخالف ہوتی ہے، اور ان کے مذہب کے لحاظ سے ان میں سے ایک دوسرے کی اس طرح مستقل علت نہیں ہوسکتی کہ کسی اور زائد علت کی ضرورت نہ ہو،

دوسرے یہ کہ جرم اقصیٰ، کبر کی مخصوص حد اور تمام مقادیر میں سے اسی مقدار کے ساتھ خصوصیت کے اعتبار سے اپنے وجودِ ذات پر زائد ہے، اگر اس کی ذات کا موجودہ مقدار سے چھوٹا یا بڑا ہونا ممکن ہے تو اس مقدار کے تخصص کا ہونا ضروری ہے، جو معنی بسیط پر زائد ہو، جو اس کے وجود کو ایجاب کرنے والا ہو، مگر فلک اوّل کے جسم کا وجودِ عقل کی طرح نہیں کیونکہ عقل تو وجودِ محض ہے کہ بمقابل دوسرے مقادیر کے کسی مقدار سے خصوصیت نہیں رکھتی، لہٰذا یہ کہا جائز ہے کہ "عقل سوائے علت بسیط کے کسی چیز کی محتاج نہیں ہے"۔

اگر کہا جائے کہ اس مخصوص مقدار کا سبب یہ ہے کہ اگر وہ موجودہ مقدار سے بڑا ہوتا تو نظام کُلی کی ضروریات سے زیادہ ہوتا، اگر چھوٹا ہوتا تو نظامِ مقصود کے لیے صلاحیت نہیں رکھتا۔

تو ہم کہتے ہیں کہ کیا جہت نظام کا تعین وجودِ نظام کے لیے کافی ہے؟ یا کسی علت کا محتاج ہے؟ اگر کافی ہے تو تم علتوں کے وضع کرنے سے مستغنی ہو، لہٰذا یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ

Marfat.com

انہی موجودات کے اندر نظام کا وجود ہے اور بلا علت زائدہ کے ان موجودات کا مقتضی ہے، اور اگر یہ کافی نہیں ہے بلکہ علت کا محتاج ہے تو یہ بھی مقادیر کے اختصاص کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ علتِ ترکیب کا بھی محتاج ہے۔

تیسرے یہ کہ فلکِ اقصیٰ دو نقطوں میں منقسم ہوتا ہے، جو دونوں قطبین ہیں، اور وہ دونوں ثابت الوضع ہیں، اپنی وضع سے ہٹ نہیں سکتے، حالانکہ منطقہ کے دوسرے اجزاء ہوتے ہیں تو یہ بات دو حال سے خالی نہیں۔

یا تو فلک اقصیٰ کے سارے اجزا متماثل ہیں، تو اس صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام نقاط میں سے دو نقطوں کا تعین قطب ہونے کے لیے کیوں لازم ہوا؟ یا اُن کے اجزا مختلف ہیں، ان میں سے بعض میں ایسے خواص پائے جاتے ہیں جو بعض میں نہیں، تو ان اختلافات کا مبدا کیا ہے؟ حالانکہ جرمِ اقصیٰ سوائے معنیٰ واحد بسیط کے اور کسی طرف سے صادر نہیں ہوا، اور بسیط کا موجب، بسیط کے سوائے کچھ نہیں ہوسکتا، شکل میں لیا جائے تو معلول کُرَی ہے، معنیٰ میں لیا جائے تو وہ خواص ممیزہ سے خالی ہے، یہ پیچ بھی ایسا ہے جس سے فلسفی نکل نہیں سکتا۔

اگر کہا جائے کہ شاید معلول اوّل میں کثرت کی کچھ انواع ضروری ہیں، گو جہت مبدأ اوّل سے نہ ہوں، ان میں سے ہم پر تین یا چار تو ظاہر ہوئی ہیں۔ باقی پر ہم مطلع نہیں ہوے، ان کے وجود سے ہماری عدمِ اطلاع ہمیں شک میں نہ ڈالے کہ مبدأ کثرت ۔کثرت ہوتا ہے اور واحد سے کثیر کا صدور نہیں ہوسکتا۔

تو ہم کہتے ہیں کہ جب تم اس بات کو جائز رکھتے ہو تو پھر کہو کہ ''تمام موجودات اپنی کثرت کے ساتھ (جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے) معلولِ اوّل ہی سے صادر ہوئے ہیں'' تو اس کی کیا ضرورت ہے کہ نفسِ فلک یا جرم فلکِ اقصیٰ ہی پر اکتفا کیا جائے ؟ بلکہ یہ بھی جائز قرار دیا جاسکتا ہے کہ جمیع نفوسِ انسانیہ وفلکیہ اور جمیع اجسام ارضیہ وسماویہ مع اپنی انواع کثیرہ لازمہ کے (جن پر تم اطلاع بھی نہ پائے ہو) اسی سے صادر ہوئے ہیں، لہذا اس صورت میں معلولِ اول سے استغنا ہو جاتا ہے۔

پھر اسی اعتبار سے علتِ اولیٰ سے بھی استغنا ہو جاتا ہے جب اس سے تولد کثرت کو جائز رکھا جائے تو کہا جائے گا کہ کثرت بغیر علت کے لازم آتی ہے، باوجودیکہ وہ معلولِ اوّل کے وجود میں ضروری نہیں، جائز ہوگا اس کو علت اولیٰ کے

Marfat.com

ساتھ مقدر کیا جائے ،اور اس کا وجود تو بغیر علت کے ہوگا ،اور کہا جائے گا کہ کثرت لازم ہے، گو اس کے اعداد کا علم نہ ہو،اور جب بھی اس کے وجود کا تصور معلولِ اوّل کے ساتھ بلا علت کے ہوگا تو معلولِ ثانی کے ساتھ بھی بلا علت ہی ہوگا ، بلکہ ہمارے لفظ ''ساتھ'' ہی کے کوئی معنی نہ ہوں گے ، کیونکہ دونوں میں زمانی و مکانی اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے ،وہ دونوں مکانی وزمانی اعتبار سے متحد ہیں ،لہذا موجود کا بلا علت ہونا جائز ہوگا ،ان میں سے کسی ایک کو بھی اسکی طرف مضاف کرنیکی کوئی خاص وجہ نہیں۔

اگر کہا جائے کہ اشیاء کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ وہ ہزاروں سے بھی متجاوز ہوگئیں، اور یہ بعید از قیاس ہوگا کہ معلولِ اوّل میں اس حدتک کثرت پہنچ جائے ،لہذا وسائط کا ماننا ضروری ہوا۔

تو ہم کہتے ہیں کہ بعید از قیاس کہنا تو ایک قسم کی اٹکل پچو کی سی بات ہے، معقولات میں اس پر کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا جاسکتا ،الّا اس کے کہ قطعی طور پر محال کہا جاوے ،تو ہم کہیں گے کہ محال ہونے کی وجہ کیا ہے؟ کون امر اس کے لیے مانع ہے؟ ایک سے زیادہ کے صدور میں کون سی حد فاصل ہے اس لیے ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ معلولِ اوّل ہی سے (جہت علت سے نہیں) ایک ہو یا دو ہو یا تین ہو انواع کا صدور جائز ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ چار اور پانچ کے لیے کون سا امر مانع ہے، اسی طرح ہزاروں تک بھی چلے جائے بلکہ کسی خاص مقدار کے تعین کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بس ایک کے تعین کا عدمِ لزوم کافی ہے، یہ بھی ایک دلیلِ قاطع ہے۔

نیز ہم کہتے ہیں کہ معلولِ ثانی کے بارے میں توضیحات کے لحاظ سے بھی آپ کا دعویٰ باطل ہے، کیونکہ (یہ بتایا جاتا ہے کہ) اس سے فلک کواکب کا صدور ہوا ہے، اور اس میں وہ کواکب (تارے) ہیں جو شمار میں بارہ سو سے زیادہ مشہور ہیں، وہ حجم، شکل، وضع، رنگ، تاثیر سعادت و نحوست کے لحاظ سے آپس میں مختلف ہیں ،بعض دُنبہ کی صورت کے ہیں ،بعض بیل کی ،اور بعض شیر کی ،اور بعض انسان کی شکل کے۔ ان کی تاثیرات عالم سفلی کے ایک ہی محل میں مختلف ہوتی ہیں ، چاہے تبرید و تسخین کی قسم سے ہوں یا سعادت و نحوست کی قسم سے ،اور ان کی ذاتی مقداریں بھی مختلف ہیں ۔لہذا یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ باوجود اس اختلاف کے سب ایک ہی نوع کی ہیں ، کیونکہ اگر یہ جائز رکھا جائے تو یہ کہنا بھی جائز ہوگا کہ تمام اجسامِ عالم بلحاظ جسمیت ایک ہی نوع کے ہیں ،اس

Marfat.com

لیے ان کے لیے ایک ہی علت کافی ہے، اگر ان کی صفات و جواہر اور طبائع کا اختلاف ان کے اختلاف کی دلیل ہے تو اسی طرح کواکب بھی لامحالہ مختلف ہیں اور ہر ایک اپنی صورت کے لیے ایک علت کا محتاج ہے اور ہیولیٰ کے لیے ایک اور علت کا، اور اپنی خاصیت تبرید و تسخین یا سعد و نحس کے لیے ایک اور علت کا اور اپنے موضع کی تخصیص کے لیے ایک اور علت کا، نیز ان کو مختلف چارپایوں اور جانوروں کی شکل میں ڈھالنے کے لیے وہ ایک اور علت کا محتاج ہے۔ پھر جب یہ کثرت اگر معلول ثانی میں معقول سمجھی جا سکتی ہے تو معلولِ اوّل میں بھی سمجھی جائے گی، اسی طرح علتِ اولیٰ سے استغنا واقع ہو جائے گا۔

پانچواں اعتراض: ہم کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ کے ان تحکما... اصول و مفروضات کو ہم تسلیم کیے لیتے ہیں، تو بھی آپ کو اپنے اس قول سے شرمندہ ہونا چاہئے کہ معلولِ اوّل کا ممکن الوجود ہونا، اس سے فلک اقصیٰ کے جرم و عقل و نفس کے وجود کا مقتضی ہے، پھر اس سے نفس فلک کا وجود مقتضی ہے، اور اس کی عقل اوّل سے عقل فلک کا وجود مقتضی ہے، تو بتائیے ایسا کہنے والے کے قول میں کیا فرق ہے جو کہتا ہے کہ اس میں انسان کے وجود ہی کا پتہ نہیں ہے۔ حالانکہ وہ تو ایسا ممکن الوجود ہے جو اپنے آپ کو جانتا ہے، اور اپنے بنانے والے کو بھی جانتا ہے، اور ممکن الوجود سے صرف وجودِ فلک کا معنی لیا جا رہا ہے۔ اس لیے پوچھا جا سکتا ہے کہ اس کے ممکن الوجود ہونے اور فلک کے وجود کے درمیان بتائے کیا فرق ہے؟ اور یہ وہ حضرت انسان ہیں جن کے وجود کے سا... یہ دو چیزیں بھی لگی ہوئی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو جانتے ہیں اور اپنے صانع کو بھی جا... ہیں، حالانکہ یہ حقیقت آپ کے پاس آسمان کے لیے تو ثابت ہے مگر حضرتِ انسان کے ... مضحکہ چیز ہے۔ پس جبکہ امکان وجود ایک ایسا قضیہ ہے جو ذات ممکن کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے (وہ ذات ممکن چاہے انسان ہو یا فرشتہ ہو یا آسمان ہو) تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کوئی سادہ لوح کیسے ان عقلی تجزیوں سے شعور حاصل کر سکتا ہے چہ جا... ایک مفکر جو اپنے زعم میں بال کی کھال نکالنے کے لیے آمادہ ہو (مطلب یہ کہ کس طرح ا... دنیا میں انھیں اعتبار کی سند مل سکتی ہے)۔ اگر کوئی کہے کہ جب تم نے فلسفیوں کا مذہب باطل کر دیا تو پھر تم خود کیا کہتے ہو؟ کیا تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ایک چیز سے ہر حالت... دو چیزیں پیدا ہو سکتی ہیں، تو یہ ایک قسم کا عقلی مکابرہ ہوگا، یا اگر کہتے ہو کہ مبدأ... میں کثرت ہے تو پھر تم توحید کو چھوڑ رہے ہو، یا اگر کہتے ہو کہ عالم میں کثرت نہیں ... تو

Marfat.com

مشاہدات کا انکار کر رہے ہو، یا اگر کہتے ہو کہ یہ کثرت وسائط سے حاصل ہوئی ہے تو پھر تم فلسفہ کے مسلمات کے اعتراف پر مجبور ہو رہے ہو۔

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ اس کتاب میں ہم کسی قسم کی ایجابی یا تعمیری بحث درج نہیں کر رہے ہیں، صرف ہم فلسفہ کے دعووں کو منہدم کر رہے ہیں، اور اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، تاہم ہم اتنا کہتے ہیں کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایک سے دوئی کا صدور عقلی مکابرہ ہے یا یہ کہ صفات قدیمہ ازلیہ کے ساتھ مبدأ کا اتصاف مناقض توحید ہے تو اس کے یہ دونوں دعوے باطل ہیں اور ان پر کوئی عقلی دلیل نہیں ملتی، کیونکہ ایک سے دوئی کے صدور پر محال ہونے کی کوئی عقلی توجیہ نہیں کی جا سکتی، جیسا کہ ایک شخص کے دو محل میں ہونے کے محال ہونے کی توجیہ کی جا سکتی ہے۔ بہر حال بہ ضرورت یا بالنظر اس کا اعتراف نہیں کیا جا سکتا، اور اس اقرار میں کون امر مانع ہے کہ مبدا اول صاحب علم، صاحب ارادہ اور صاحبِ قدرت ہے، جو چاہے کر سکتا ہے، جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہے، مختلف یا ہم جنس چیزیں پیدا کر سکتا ہے، جیسا وہ چاہے اور جس بنیاد پر وہ چاہے اس کا محال ہونا بہ ضرورت ہو سکتا ہے نہ بالنظر اور جب ان کے متعلق انبیا نے بھی شہادت دی ہے (جن کی تائید معجزات سے ہوئی ہے) تو اس کا قبول کرنا ضروری ہے۔

رہی یہ بحث کہ افعال، اللہ تعالیٰ کے ارادے سے کیسے صادر ہوتے ہیں تو یہ فضول سی باتیں ہیں جن کا کوئی عملی نتیجہ نہیں نکل سکتا (بقول علامہ اقبالؒ

خرد والوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے

جو لوگ ایسی باتوں کی خواہ مخواہ کھوج میں لگ کر انھیں علمی اصول سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں پھر انھیں ہیر پھیر کر کے معلولِ اوّل ہاتھ آتا ہے، پھر یہ کہ وہ ممکن الوجود ہے، اس سے آسمان پیدا ہوا وہ یہ جانتا ہے۔ پھر اس سے وہ پیدا ہوا۔ یہ تمام ایک قسم کی عقلی تعیشات ہیں (اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں ☆ ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

ہاں اس قسم کی مبادیات کو ہمیں انبیا علیہم السّلام سے حاصل کرنا چاہئے۔ اور ان ہی کی تصدیق سکون بخش ہوتی ہے، عقل ان کو حاصل کرنے سے قاصر ہے۔ ہمیں کیفیت وکمیّت وماہیت کے بحثوں میں نہیں پڑنا چاہئے۔ یہ وہ فضا نہیں ہے جہاں طائر خرد بے تکان

Marfat.com

پرواز کرتا پھرے، اسی لئے صاحبِ شریعت بیضاء (صلوات اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا ہے۔ تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ یعنی اللہ کی مخلوق کے بارے میں غور کرو اللہ کی ذات کے بارے میں غور مت کرو۔

مسئلہ (۴)

وجود صانع پر استدلال سے فلاسفہ کے عجز کے بیان میں

ہم کہتے ہیں کہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں☆

ایک فرقہ اہلِ حق کا ہے جو سمجھتا ہے کہ عالم حادث ہے، اور بضرورت ہمیں اس کا علم ہے کہ حادث اپنے آپ سے وجود میں نہیں آتا، اس لئے کسی صانع کا ہونا ضروری ہے اس بنا پر صانع عالم کے بارے میں ان کا عقیدہ معقول سمجھا جاتا ہے۔

دوسرا فرقہ دہریوں کا ہے جو سمجھتا ہے کہ عالم قدیم ہے، اسی حالت پر رہا ہے جیسا کہ وہ اب ہے وہ اس کے لئے کوئی صانع ضروری نہیں سمجھتے ان کا اعتقاد بھی سمجھ میں آسکتا ہے گو دلیل سے وہ باطل کیا جاسکتا ہے۔

البتہ فلاسفہ وہ لوگ ہیں جو عالم کو قدیم بھی سمجھتے ہیں پھر اس کے لئے صانع کا وجود بھی ثابت کرتے ہیں، تخیل کے ان متناقض بنیادوں پر اس کی تردید ضروری نہیں۔

اگر کہا جائے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ عالم کا ایک صانع ہے تو ہم اس سے کوئی فاعل مختار مراد نہیں لیتے، جو اپنے ارادے سے عمل کرتا ہے (نہ کرنے کے بعد) جیسا کہ ہم مختلف کام کرنے والوں میں (مثل درزی، پارچہ باف یا معمار) اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، بلکہ ہم اس سے تو علتِ عالم مُراد لیتے ہیں، اور اس کا نام ''مبدأ اوّل'' رکھتے ہیں۔ اس معنے کے لحاظ سے کہ اس کے وجود کی کوئی علت نہیں، اور وہ اپنے غیر کے وجود کی علت ہے، اس تاویل کی بنا پر ہم اگر اس کو صانع کا نام دیں تو ایسے موجود (جس کے وجود کی علت نہ ہو) کے ثبوت پر برہان قطعی قریب میں قائم کی جائے گی۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ''موجوداتِ عالم کی یا تو کوئی علت ہوگی،

Marfat.com

یا کوئی علت نہ ہوگی، اگر علت ہوگی تو اس علت کی بھی پھر علت ہوگی یا کوئی علت نہ ہوگی، اور ایسا ہی سوال علت کی علت کے بارے میں ہوگا، تو پھر یہ یا تو لامتناہی سلسلہ ہوگا جو محال ہے، یا کسی نقطہ پر آ کر ختم ہوگا، تو آخری علت اول کے لئے علت ہوگی جس کے وجود کی پھر کوئی علت نہ ہوگی، اسی کو ہم ''مبدا اول'' کہیں گے، اگر عالم بنفسہ موجود ہے جس کی کوئی علت نہیں تو مبدا اول کا پتہ لگ چکا کیونکہ ایسے مبدا سے ہماری مراد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ ایسا وجود ہے جس کی کوئی علت نہیں، لہٰذا اس کا وجود بضرورت عقلی ثابت ہو گیا۔

ہاں یہ روا نہ ہوگا کہ مبدا اول افلاک کو قرار دیا جائے کیونکہ وہ متعدد ہیں، اور دلیل توحید اس بات سے مانع ہے صفت مبدا میں نظر کی بنا پر اس کا بطلان معلوم ہو سکتا ہے اور یہ کہنا بھی جائز نہ ہوگا کہ مبدا اول کوئی جسم ہے یا سورج ہے یا اس کے سوا دوسرے اجرام فلکی کیونکہ وہ تو جسم ہیں اور جسم مرکب ہے صورت اور ہیولی سے، اور مبدا کا مرکب ہونا تو جائز نہیں ہو سکتا اور یہ نظر ثانی معلوم ہو سکتا ہے۔

لہٰذا مقصود یہ ہے کہ ایسا موجود جس کے وجود کی کوئی علت نہ ہو بضرورت واتفاق ثابت ہے البتہ اختلاف صفات کے بارے میں ہے اور اسی موجود سے ہم ''مبدا اول'' مراد لیتے ہیں۔

اس کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے:۔

اول یہ کہ تمہارے مذہب کے اصول سے تو اجسام عالم کا قدیم ہونا لازم ہے اس طرح کہ ان کی کوئی علت نہیں اور تمہارا قول کہ نظر ثانی سے اس کا بطلان معلوم ہو سکتا ہے، تو مسئلہ توحید اور صفات الٰہیہ کے بیان میں قریب میں یہ بھی باطل کر دیا جا سکے گا۔

دوسرا جواب اس مسئلہ سے مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ زیر بحث مفروضہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان موجودات کی علت ہے، اسی طرح علت کی علت کی بھی علت ہے، اور اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ہوتا ہے اور تمہارا یہ قول کہ علتوں کا غیر متناہی سلسلہ محال ہے تمہارے ہی اصول سے مدلل نہیں ہم پوچھتے ہیں کہ کیا تم نے اس کو بضرورت عقلی بلا واسطہ معلوم کیا ہے یا بالواسطہ؟ ضرورت عقلی کا دعوی یہاں ممکن نہیں، اور وہ تمام مسلک جن کا تم نے ''نظر'' کے اعتبار سے ذکر کیا ہے تمہارے ایسے حوادث کے جائز رکھنے کی بنا پر جن کا کوئی اول نہیں باطل ہو جاتے ہیں اور جب یہ جائز رکھا جا سکتا ہے کہ وجود میں ایسی چیز داخل کی جا سکتی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں تو ان علتوں کو کیوں بعید از قیاس سمجھا جاتا ہے جو ایک

Marfat.com

دوسرے سے وابستہ ہیں اور طرف آخر میں ایسے معلول پر منتہی ہوتے ہیں جس کا کوئی معلول نہیں اور جانب آخر میں ایسی علت پر ہوتے ہیں جس کا کوئی معلول نہیں؟ جیسا کہ زبان سابق کے لیے آخر ہوتا ہے اور وہ اب چل رہا ہے حالانکہ اس کا کوئی اول نہیں ہوتا۔

اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ حوادث ماضیہ فی الحال معاموجود نہیں اور نہ بعض احوال میں ہوسکتے ہیں، اور معدوم کی متناہی یا غیر متناہی کے ساتھ توصیف نہیں کی جاسکتی تو یہ بات ان ارواح انسانی کے متعلق بھی لازم ہوگی جو جسم سے آزاد ہوچکی ہیں اور تمہارے اصول کے لحاظ سے فنا بھی نہیں ہوسکتیں اور ان آزاد شدہ موجودات کی کوئی انتہا بھی نہیں بتائی جاسکتی کیونکہ انسانی جسم سے نطفہ کا سیلان برابر جاری ہے اور اسی نطفہ سے انسان ظہور میں آیا ہے لاالیٰ نہایت پھر انسان مرجاتا ہے اور اس کی روح باقی رہتی ہے جو عدد کے اعتبار سے اس روح کے علاوہ ہے جو پہلے ہی آزادی حاصل کرچکی ہے نیز اپنے ساتھی یا ہم سفر بعد آنے والی روحوں کے بھی علاوہ ہے اور اگر یہ سب ایک ہی نوع کی ہوں تو بھی تمہارے پاس بہرحال وجود کے اعتبار سے ارواح غیر متنی تعداد میں ہیں اگر کہا جائے کہ ارواح میں ایک دوسرے سے کوئی باہمی ربط یا ترتیب نہیں پائی جاتی نا طبعی طور پر نا وضعی طور پر اور ہم تو موجودات غیر متناہی کو محال سمجھتے ہیں اگر ان کے لئے وضعی ترتیب ہوسکتی ہے جیسا کہ اجسام میں ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ مرتب رہتے ہیں یا ان کے لئے طبعی ترتیب ہوسکتی ہے جیسا کہ اِلل معلومات میں ہے لیکن ارواح کا تو یہ حال نہیں ہے۔

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ وضعی ترتیب کے بارے میں تمہارے اس تحکم کا عکس ہے اس کی بہتر تردید ہے تم نے دونوں قسموں میں سے ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو کیوں جارکھا ہے دونوں میں فرق کرنے والی دلیل کونسی ہے اور تم اس شخص کا کیسے انکار کرسکتے ہو جو کہتا ہے کہ یہ ارواح جن کے تمہارے پاس کوئی عددی انتہا نہیں ترتیب سے عاری نہیں کیونکہ ان کا وجود ایک دوسرے سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ گزرے ہوئے شب و روز کی کوئی انتہا نہیں اگر ہم ایک دن اور رات میں ایک ایک روح کا وجود بھی فرض کریں تو اس وقت تک ترتیب وجود کے اعتبار سے ان موجودات کے اعداد و شمار انتہا سے متجاوز ہونگے اور علت کے متعلق جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ بالطبع معلول سے پہلے ہوتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ یعنی علت بالذات معلول سے اوپر ہوتی ہے مکان میں نہیں پس پیشتر کے بارے میں حقیقی زمانی طور پر یہ محال نہیں سمجھا جاتا تو چاہیے کہ وہ پس پیشتر کے بارے میں ذاتی طبعی طور پر

Marfat.com

بھی محال نا سمجھا جائے اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ اجسام کو مکانی حیثیت سے ایک دوسرے پر لامتناہی طور پر مرتب ہونا تو محال سمجھتے ہیں اور موجودات کو زمانی حیثیت سے جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں جائز سمجھتے ہیں کیا یہ صرف تحکم نہیں ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

اگر کہا جائے علل غیر متناہیہ کے محال ہونے پر برہان قاطع یہ ہے کہ ہر اکائی علتوں کی اکائی ہی کی فرد یا جز ہوتی ہے جو اپنی ذات میں یا تو ممکن ہے یا واجب اگر واجب ہو تو علت کی وہ محتاج کیوں ہوگی اگر ممکن ہو تو سب کے سب امکان ہی کی صفت سے موصوف ہونگی اور ہر ممکن علت کا محتاج ہوتا ہے جو اس کی ذات سے زائد ہوتی ہے اس لئے کل ایک خارجی علت کا محتاج ہوا اور یہ ناممکن ہے تو ہم کہیں گے کہ ممکن واجب کے لفظ مبہم ہیں الا اس کے کہ واجب سے وہ وجود مراد ہو جس کی کوئی علت نہیں اور ممکن سے وہ وجود جس کے لئے اس کی ذات پر زائد علت ہوتی ہے اگر یہی مراد ہے تو ہم کو اس کے مفہوم پر اس طرح غور کرنا چاہیے کہ ہر چیز ممکن ہے اس معنی کے لحاظ سے کہ اس کی ایک علت ہوتی ہے جو اس کے لئے زائد بر ذات ہے اور کل ممکن نہیں مانا جاسکتا اس معنی کے لحاظ سے کہ اس کے لئے زائد بر ذات اور خارجی کوئی علت نہیں ہوتی اور اگر لفظ ممکن سے اس کے سوائے کچھ اور مراد ہو تو وہ غیر مفہوم ہے۔

اگر کہا جائے کہ یہ تو اس بات کی طرف مودی ہوتا ہے کہ واجب الوجود کا قوام ممکنات الوجود سے ہوتا ہے اور یہ محال ہے تو ہم کہیں گے کے اگر تم واجب اور ممکن سے وہی مراد لیتے ہو جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے تو وہی نفسہ مطلوب ہے، اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ محال ہے وہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ قدیم کا قوام حوادث سے ہونا محال ہے حالانکہ زمانہ فلاسفہ کے ہاں قدیم ہے اور دوروں کی اکائیاں حادث ہیں جو کہ ذوات اوائل ہیں مجموعے کے لئے کوئی اول نہیں ہے تو وہ چیز جس کا کوئی اول نہیں ذوات اوائل سے قوام پائی ہے اور ذوات اوائل کی اکائیوں کے متعلق تو تصدیق کی جاتی ہے اور مجموعے کے لئے نہیں کی جاتی تو اسی طرح ہر ایک کے متعلق کہا جائے گا کہ اس کی ایک علت ہے اور مجموعہ کی کوئی علت نہیں کیونکہ جن امور کی اکائیوں کے متعلق تصدیق کی جاتی ہے وہ ایک ہے بعض ہے یا وہ جزو ہے اور اس کے مجموعے کے متعلق تصدیق نہیں کی جاسکتی جیسے کوئی حصہ زمین کا ہم لیں کہ وہ دن کے وقت تو سورج سے روشن ہوتا ہے اور رات کو تاریک ہو جاتا

Marfat.com

ہے اسی طرح ہر ایک زمانہ واقع حادث ہے بعد اس کے وہ حادث نا تھا یعنی اس کے لئے اول ہے مگر مجموعے کے لئے ان کے پاس اول نہیں لہذا اس سے ظاہر ہوا کہ جو شخص حوادث کے لئے یعنی عناصر اربعہ کے صور متغیرہ کے لئے اول کا نا ہونا جائز رکھتا ہے اس کے پاس علل لامتناہی سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فلاسفہ کے لئے مبدا اول کے اثبات کی کوئی نہیں ان ہی مشکلات کی وجہ سے ان کا بیان کردہ فرق محض تحکم کی بنیاد پر قائم نظر آتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ دورات فی الحال موجود نہیں اور نا صور عناصر موجود ہیں اور موجود بالفعل صورت واحد ہے اور معدوم کی متناہی یا غیر متناہی کے وصف سے توصیف نہیں کی جا سکتی سوائے اس کے کہ وہم میں اس کا وجود فرض کیا جائے اور وہم میں اس کے فرض کی گنجائش نہیں ہو سکتی جو تعجب خیز نہیں ہے اگرچہ مفروضات بھی ایک دوسرے کی علتیں ہوتی ہیں اور انسان ان کو بعض وقت اپنے وہم میں فرض کرتا ہے مگر یہاں بحث موجودات عینی سے ہے نا کہ ذہنی سے رہا ارواح مردگان کا مسئلہ تو بعض فلسفی اس خیال کے بھی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک روح تعلق حسب سے پہلے ہی ایک ازلی اکائی تھی جسم سے آزاد ہو کر وہ متحد ہو جاتی ہیں اس لئے اب ان کا کوئی عدد ہی باقی نہیں رہتا جس کی غیر متناہی کے ساتھ توصیف کی جا سکے بعض فلسفی یہ کہتے ہیں کہ روح مزاج بدن کی تابع ہوتی ہے اور موت کے معنی اس کے عدم کے ہیں اس کے جوہر کو جسم کے بغیر قوام نہیں اس لئے روحوں کا کوئی وجود نہیں سوائے زندوں کی ارواح کے اور زندے تو موجود محصور ہیں انتہائیت کی نفی ان سے نہیں کی جا سکتی اور معدوموں کی تو قطعاً کوئی توصیف نہیں کی جا سکتی نا انتہائیت کے وجود سے نا عدم سے سوائے وہم کے اگر فرض کیا جائے کہ وہ موجود ہیں۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ روح کے بارے میں جو اشکال ہم نے پیش کیا ہے وہ ابن سینا اور فارابی اور دوسرے محققین کے مذہب کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ روح ایک جوہر قائم بنفسہ ہے اور یہ مسلک ارسطو اور دوسرے قدیم مفسرین کا (کلام ارسطو) کا ہے جس کو اس مسلک سے اختلاف ہے اس سے ہم پوچھتے ہیں کہ آیا کوئی شے جو غیر فانی ہے وجود میں آ سکتی ہے اگر کہو کہ نہیں تو یہ محال ہے اور اگر کہو ہاں تو ہم کہیں گے کہ جب ہر روز ایسی غیر فانی شے وجود میں آتی ہے تا کہ ہمیشہ باقی رہے تو لامحالہ اب تک ایسے لامتناہی موجودات جمع ہو گئے ہونگے اسی طرح وقت کا دور اگر منقضی ہوتا رہتا ہے تو اس کے زمانوں میں

Marfat.com

موجود کا حصول باقی رہتا اور مقتضی نہ ہونا محال نہیں اور اسی اندازے پر اشکال کا تعین ہوتا ہے اس سے کوئی غرض نہیں کہ یہ باقی یا غیر فانی شے آدمی کی روح ہو کیونکہ تم ان کے لئے ذات لا متناہی ثابت کرتے ہو۔

مسئلہ (۵)

اس بات پر دلیل قائم کرنے سے فلاسفہ کے عجز کے بیان میں کہ خدا ایک ہے اور یہ کہ دو واجب الوجود کو فرض نہیں کیا جا سکتا جو ایک دوسرے کی علت نہ ہوں

اس بارے میں فلسفیوں کے استدلال کے دو مسلک ہیں۔

مسلک اول

ان کا قول ہے کہ اگر دو خدا ہوں تو دونوں واجب الوجود ہونگے اب کسی ہستی کو ہم دو معنی میں واجب الوجود کہہ سکتے ہیں۔

یا تو وہ اپنی ذات سے واجب الوجود ہوگی تو اس صورت میں یہ تصور نہیں کیا جا سکے گا کہ وہ اپنے غیر سے واجب الوجود ہے یا اس کے وجوب وجود کے لئے علت ہوگی تو ایسی صورت میں ذات واجب الوجود معلول ہوگی، اور اس کے وجوب وجود کے لئے علت مقتضی ہوگی اور ہم واجب الوجود اسی کو سمجھیں گے جو کسی جہت سے بھی علت کا محتاج نہ ہو فلسفی یہ بھی کہتے ہیں کہ (مثلاً) نوع انسان زید و عمر کو کہا جاتا ہے حالانکہ زید اپنی ذات سے انسان نہیں ہے اگر وہ اپنی ذات سے انسان ہو تو عمر انسان نا ہوگا اس کے برخلاف زید کسی علت کی وجہ سے انسان ہے جس نے اس کو انسان بنایا ہے اسی وجہ سے عمر بھی انسان ہے لہذا اپنے مادہ حاملہ کی کثرت کے ساتھ انسانیت میں بھی کثرت ہوگی اور مادہ سے اس کا تعلق

Marfat.com

معلول کا تعلق ہو گا کیونکہ یہ تعلق صرف ذات انسانیت کے لیے ضروری نہیں اسی طرح واجب الوجود کا ثبوت واجب الوجود کے لئے اگر اس کی ذات سے ہے تو سوائے اس کے کسی کے لئے نا ہو گا اور اگر علت کی وجہ سے ہے تو اس وقت وہ معلول ہو گا واجب الوجود نہ ہو گا اس سے ظاہر ہوا کہ واجب الوجود کا ایک ہونا ضروری ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ تمہارا یہ قول کہ واجب الوجود کے لئے وجوب وجود کی نوعیت اس کی ذات سے ہے یا علت سے ہے فی وضعہ غلط تقسیم ہے ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ لفظ وجوب وجود میں ابہام ہے صرف اس صورت میں ابہام نہ ہو گا جب اس سے نفی علت مراد لی جائے اس معنی میں وجوب وجود کو استعمال کر کے ہم کہیں گے کہ ایسے دو موجودوں کا ثبوت کہ دونوں کے لیے علت نہ ہو اور وہ ایک دوسرے کی بھی علت ہوں کیوں محال ہوا؟ تمہارا یہ کہنا کہ ایک تو وہ ہوتا ہے کہ جس کے لئے کوئی علت نہیں ہوتی اور ایک وہ ہوتا ہے جس کے لئے اس کی ذات سے یا سبب سے علت نہیں ہوتی ایک غلط تقسیم ہے کیونکہ نفی علت اور استغنائے وجود عن العلت کے لیے علت چاہی نہیں جاتی تو اس قول کے کیا معنی ہیں کہ ایک تو وہ ہوتا ہے جس کی علت نہیں اور ایک وہ ہوتا ہے جس کو ذات سے یا سبب سے علت نہیں کیونکہ ہمارا قول کہ اس کی علت نہیں خود ایک سلب محض ہے اور سلب محض کو نہ علت ہوتی ہے نہ سبب ہوتا ہے اور نا اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے ہے یا ذات سے نہیں ہے۔

اور اگر تم وجوب وجود سے واجب الوجود کا ایک وصف ثابت مراد لیتے ہو علاوہ اس کے کہ وہ موجود ہے اور اس کے وجود کے لئے علت نہیں تو یہ فی نفسہ غیر مفہوم ہے البتہ اس لفظ سے بطور ایک صیغہ کے جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ اس کے وجود کے لئے نفی علت ہے تو یہ سلب محض ہے۔

اب یہ نہیں کہا جاتا کہ اپنی ذات سے ہیں یا علت سے ہے لہٰذا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلے ایک عرض وضع کر لی گئی اور اس کی بنا پر یہ تقسیم گھڑی گئی ہے جو ایک فاسد عمل ہے اور بے اصل۔

بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہارے قول کے معنی کہ وہ واجب الوجود ہے یہ ہیں کہ اس کے وجود کی کوئی علت نہیں اور نہ اس کے بلا علت ہونے کے لئے کوئی علت ہے اور اس کا بلا علت ہونا بذاتہ معلل بھی نہیں ہے بلکہ اس کے وجود کے لئے علت ہی نہیں ہے اور نہ اس

Marfat.com

کے بلا علت ہونے کے لئے قطعاً کوئی علت ہے۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ تقسیم ایجابی صفات کے ایک جز کی طرف بھی ذہن کو نہیں لے جاتی بلکہ اس کے برعکس سلب کی طرف لے جاتی ہے جیسے کوئی کہے کہ سیاہی اپنی ذات سے رنگ ہے یا علت ہے اگر وہ اپنی ذات سے رنگ ہے تو لازم آتا ہے کہ سرخی رنگ نہ ہو لہٰذا رنگ کی نوعیت ذات سیاہی کے سوا کسی کے لئے ثابت نہیں اور اگر سیاہی علت کے سبب رنگ ہے جس نے کہ اسے رنگ دار بنایا ہے تو لازم آئے گا کہ ایسی سیاہی کا وجود مانا جائے جو رنگ نہیں یعنی اس کو علت نے رنگ نہیں بنایا کیونکہ جو چیز بے باعث علت ذات سے زائد بر ذات ثابت کی جاسکتی ہے تو اس کا عدم وہمی طور پر فرض کیا جاسکتا ہے گو اپنے وجود میں متحقق نہ ہو لیکن کہا جائے گا کہ یہ تقسیم وضعی اعتبار سے غلط ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سیاہی اپنی ذات سے رنگ ہے ورنہ اس کے مقابل یہ قول ہوگا کہ وہ غیر ذات سے رنگ ہے اسی طرح یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ موجود اپنی ذات سے واجب ہے یعنی اس ذات کے لئے علت نہیں ہے کیونکہ یہ قول اس کے بے مقابل معنی ہوگا کہ وہ اپنی غیر ذات سے محال ہے۔

مسلک دوم:

فلسفی کہتے ہیں کہ اگر ہم دو واجب الوجود فرض کریں تو دونوں ہر اعتبار سے یا تو متماثل ہونگے یا مختلف اگر ہر اعتبار سے متماثل ہوں تو تعدد یا اثنینیت سمجھ میں نہیں آئے گی کیونکہ دو سیاہ اشیاء اسی وقت دو سمجھی جائیں گی جب کہ وہ دو مختلف محل میں ہوں یا اسی محل میں ہوں مگر مختلف اوقات میں ہوں یا سیاہی اور حرکت محل واحد میں اور وقت واحد میں اپنے اختلاف ذاتی کی وجہ سے دو چیزیں ہیں لیکن جب وہ ذاتی طور پر مختلف بھی نہ ہوں اور زمان و مکان بھی ان کے ایک ہی ہوں تو ان کا تعدد سمجھ میں نہیں آئے گا اگر یہ کہنا جائز رکھا جائے کہ محل واحد میں اور وقت واحد میں دو سیاہیاں ہیں تو کسی شخص کے بارے میں یہ کہنا بھی جائز ہوگا کہ وہ دو شخص ہیں، لیکن ان دونوں کے درمیان مغائرت ظاہر نہیں کی جاسکتی۔

پس جب دو واجب الوجود میں ہر جہتی مماثلت محال ہوئی اور اختلاف لازم ہوا اور زمان و مکان کا بھی اختلاف نہیں ہوسکتا تو سوائے ان کے اختلاف ذات کے کچھ بھی نہ رہا۔

Marfat.com

اور جب دو واجب الوجود ہستیاں مختلف ہوتی ہیں تو دو حال سے خالی نہیں سمجھی جاسکتیں یا تو وہ کسی امر میں مشترک ہوتی ہیں یا کسی امر میں بھی مشترک نہیں ہوتیں یہ محال ہے کہ وہ کسی امر میں بھی مشترک نہ ہوں کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ نہ وہ وجود میں مشترک ہیں نہ وجوب وجود میں اور نہ ہر ایک کے قائم بنفسہ ہونے میں نہ موضوع میں۔

یا اگر وہ دونوں کسی امر میں مشترک ہیں اور کسی امر میں مختلف ہیں تو مافی الا شتراک مافی الاختلاف کا مغایر ہوگا اس سے ترکیب یا انقسام ثابت ہوگا اور واجب الوجود میں تشریح کے لحاظ سے بھی منقسم نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی ذات ان امور سے بھی مرکب نہیں ہوسکتی جو بے اصول تشریح اس قول کے تعدد پر دلالت کریں، مثلاً ماہیت انسانی کے مابہ القوام پر حیوان و ناطق کے الفاظ دلالت کرتے ہیں بیشک انسان حیوان بھی ہے اور ناطق بھی مگر لفظ حیوان کا مدلول انسان کے بارے میں لفظ ناطق سے الگ ہے کیونکہ انسان کئی اجزاء سے مرکب ہے الفاظ جن کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے اور یہ الفاظ ان اجزاء پر دلالت کرتے ہیں اور انسان اس کے مجموعے کا نام ہے یہ بات واجب الوجود کے بارے میں مقصود نہیں ہوسکتی اور یہ نہ ہو تو وہاں اثنینیت کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ تو مسلم ہے کہ کسی چیز میں اثنینیت کا تصور نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں مغائرت کو تسلیم نا کیا جائے، اور ہر لحاظ سے متماثل چیزوں کا تغایر تو متصور ہی نہیں ہوسکتا لیکن تمہارا یہ قول کہ "مبدا اول میں اس نوع کی ترکیب محال ہے" تحکم محض ہے کونسی دلیل ہے اس پر؟

ہم اس مسئلے کو اس کے مقابل تحریر کرتے ہیں کہ ان کا مشہور مقولہ ہے کہ مبدا اول قول شارح سے تقسیم نہیں ہوتا جیسا کہ کمیت سے تقسیم نہیں ہوتا اور ان کے پاس خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات اسی دلیل پر مبنی ہے۔

فلاسفہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ توحید سوائے اثبات وحدت ذات باری سبحانہ کے مکمل نہیں ہوتی اور اور اثبات توحید ہر لحاظ سے نفی کثرت ہی سے ہوتا ہے اور کثرت پانچ وجوہ سے ذوات کی طرف مودی ہوتی ہے۔

پہلی وجہ

انقسام قبول کرنا کسی ذات کا فعلاً یا وہماً، اسی وجہ سے جسم واحد واحد مطلق نہیں ہوتا

، کیونکہ وہ واحد ہے اتصال قائم قابل زوال کی وجہ سے اور وہم میں بلحاظ کیت منقسم ہوسکتا ہے مبدا اول میں یہ بات محال ہے۔

دوسری وجہ

کثرت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ شے عقل میں دو مختلف معنوں میں منقسم ہوتی ہے (طریقہ کمیت سے نہیں) جیسے جسم کا منقسم ہونا ہیولی اور صورت میں کیونکہ ہیولی اور صورت میں سے ہر ایک گویا تصور نہیں ہوسکتا کہ ایک دوسرے کے بغیر بنفسہ قائم ہوسکے حد وحقیقت کے اعتبار سے دو مختلف شے ہے انکے مجموعے سے شے واحد حاصل ہوتی ہے جو جسم ہے اور یہ بھی اللہ تعالی سے منفی ہے کیونکہ یہ جائز نہیں رکھا جاتا کہ باری تعالی اپنے جسم میں صورت ہو اور نہ اس کے جسم کے لئے مادہ وہیولی ہوسکتا ہے، اور نہ یہ جسم ان کا مجموعہ ہوسکتا ہے اور پھر مجموعہ ہوگا تو وہ علتوں کی وجہ سے نہ ہوگا، (۱) یہ کہ مجموعہ بوقت تجزیہ بالکمیت منقسم ہوتا ہے فعلاً بھی اور وہما بھی (۲) یہ کہ وہ بالمعنی صورت وہیولی میں منقسم ہوتا ہے حالانکہ خدا مادہ نہیں ہوسکتا کیونکہ مادہ صورت کا محتاج ہوتا ہے اور واجب الوجود ان باتوں سے مستغنی ہیں لہذا جائز نہ ہوگا کہ اس کے وجود کے ساتھ دوسری شے کو مربوط کیا جائے سوائے اس کی ذات کے اور نہ وہ صورت ہوسکتا ہے کیونکہ صورت معدہ کی محتاج ہوتی ہے۔

تیسری وجہ

تیسری وجہ ہے کثرت بالصفات اور صفات علم وارادہ وقدرت ہیں اگر یہ مقدر سمجھی جائیں اور اگر یہ صفات واجب الوجود ہوں تو وجوب وجود ذات اور ان صفات کے مابین مشترک ہوگا لہذا واجب الوجود میں کثرت کا لزوم اور وحدت کی نفی ہوگی۔

چوتھی وجہ

چوتھی وجہ وہ کثرت ہے جو جنس وفصل کی ترکیب سے حاصل ہوتی ہے مثلاً ایک سیاہ شے سیاہ ہے اور رنگ ہے اور سیاہی عقلی طور پر غیر لونیت ہے، بلکہ لونیت تو جنس ہے اور سیاہی فصل ہے اور وہ مرکب ہے جنس وفصل سے جیسے حیوانیت عقلی طور پر غیر انسانیت ہے کیونکہ انسان حیوان ہے اور ناطق ہے اور حیوان جنس ہے اور ناطق فصل ہے اور وہ مرکب

Marfat.com

ہے جنس وفصل سے اور یہ نوع کثرت ہے لہذا یہ بھی مبداء اول سے منفی ہے۔

پانچویں وجہ

وہ کثرت ہے جو تقدیر ماہیت کی جہت سے لازم ہوتی ہے اور تقدیر وجود سے اس ماہیت کیلئے کیونکہ انسان قبل وجود ایک ماہیت ہے اور وجود اس پر وارد ہوتا ہے اور اس کی طرف مضاف ہوتا ہے مثلاً مثلث کی شکل اس کی ایک ماہیت ہے کہ وہ ایک شکل ہے جس کو تین اضلاع محیط ہیں اور وجود اس کی ذات ماہیت کا جز نہیں جس پر اس کا قوام ہو اس لئے یہ جائز ہوگا کہ سمجھنے والا ماہیت انسان کا بھی ادراک کر سکے اور ماہیت مثلث کا بھی حالانکہ یہ نا سمجھتا ہو کہ ان کا عینی (یعنی خارجی) وجود بھی ہے یا نہیں اگر وجود اس کی ماہیت کو قائم کر نے والا ہوتا تو اس کی ماہیت کا ثبوت اس کے وجود سے پہلے ہرگز متصور نہ ہوتا لہذا وجود مضاف الی الماہیت ہے چاہے وہ لازم ہو اس حیثیت سے کہ یہ ماہیت سوائے اس کے موجود کے کچھ نہیں ہوتی جیسے آسمان یا چاہے وہ عارضی ہو بعد اس کے وہ کچھ نہ تھا جس ماہیت انسان زید و عمر میں اور ماہیت اعراض وصور حادثہ (ان کا دعوی ہے کہ) یہ کثرت بھی لازم ہے کہ مبداء اول سے منفی ہو اس لئے کہا جائے گا کہ اس کے لئے کوئی ماہیت نہیں کہ وجود اس کی طرف مضاف ہو بلکہ وجود اس کے لئے ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ ماہیت اس کے غیر کے لئے لہذا وجود واجب ماہیت ہے اور حقیقت کلیہ اور طبیعت حقیقیہ ہے جیسا کہ انسان اور درخت اور آسمان ماہیت ہیں اگر اس کے لئے ماہیت ثابت ہو تو وجود واجب اس ماہیت کیلئے لازم ہوگا مگر اس کو قائم کرنے والا نہ ہوگا اور لازم تابع و معلول ہوتا ہے لہذا وجود واجب معلول ہوگا جو اس کے واجب ہونے کے منافی ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی فلاسفہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ مبداء اول ہے موجود جو ہر واحد قدیم باقی عالم عاقل معقول فعل خالق صاحب ارادہ قادر زندہ رہنے والا عاشق معشوق لذیذ لذت اٹھانے والا سخی اور خیر محض ہے اور دعوی کرتے ہیں کہ یہ سب عبارت ہے معنی واحد سے اس میں کثرت نہیں ہے اور یہ ایک عجیب سی بات ہے۔

ہمیں چاہیے کہ پہلے تحقیق کے ساتھ ان کے مذہب کو سمجھ لیں پھر اعتراض کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ کسی مذہب پر سمجھنے سے پہلے اعتراض کرنا اندھیرے میں نشانہ لگانا ہے۔

ان کے مذہب کی تفہیم کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ذات مبداء اول ایک ہے

Marfat.com

البتہ اسماء اس کی طرف کسی چیز کے اضافت کی وجہ سے کثیر ہوتے ہیں یا یہ کہ کسی چیز کو اس کی طرف مضاف کیا جاتا ہے یا کسی چیز کو اس سے سلب کیا جاتا ہے اور سلب ذات مسلوب عنہ میں کثرت کو واجب نہیں کرتا اور نہ اضافت کثرت کو واجب کرتی ہے اس لئے وہ لوگ کثرت سلوب اور کثرت اضافات کا انکار نہیں کرتے لیکن ان کے امور میں پوری توجہ سلب واضافت ہی کی طرف کی جاتی ہے فلاسفہ کہتے ہیں کہ جب اسے اول کہا جائے گا تو وہ اضافت ہوگی ان موجودات کی طرف جو اس کے بعد ہیں اور جب اسے مبدا کہا جاتا ہے تو وہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس کے غیر کا وجود اس سے ماخوذ ہے، اور وہ اس کا سبب ہے لہذا یہ اضافت ہوگی اس کے معلومات کی طرف، اور جب اس کے موجود کہا جاتا ہے تو اس کے معنی تو معلوم ہی ہیں اور جب اسے جوہر کہا جاتا ہے تو اس کے معنی ایسے وجود کے ہیں جس سے موضوع میں حلول کو سلب کیا گیا ہے، اور اس سلب کو اگر قدیم کہا جائے تو اس کے معنی اولاً اس سے عدم کو سلب کرنے کے ہیں لہذا قدیم وباقی کا حاصل اس بات کی طرف رجوع کرے گا کہ وجود مسبوق بالعدم ہے نہ ملحوق بالعدم اور جب کہا جائے کہ واجب الوجود کے معنی ہیں ایسا موجود جس کے لئے علت نہ ہو اور وہ اپنے غیر کے لئے علت ہو تو یہ سلب واضافت کو جمع کرنا ہوگا جب اس سے علت کی نفی کی جائے تو یہ سلب ہوگا جب اسے اس کے غیر کی علت مانا جائے تو یہ اضافت ہوگی اگر اسے عقل کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ موجود مادے سے بری ہے اور ہر موجود جو اس صفت کا ہو عقل ہے یعنی اپنی ذات کو پہچانتا ہے اور اس کا شعور رکھتا ہے اور اپنے غیر کو بھی پہچانتا ہے اور ذات سبحانہ تعالیٰ کی تو یہ صفت ہے یعنی وہ مادہ سے بری ہے اس وقت وہ عقل ہے اور یہ دونوں باتیں علت ہیں معنی واحد سے (یعنی وہ اپنی ذات کو بھی جانتا ہے اور غیر کو بھی دونوں کا مرجع عقل ہے) اور جب اسے کہا جاتا ہے عاقل تو اس کے معنی ہیں کہ اس کی ذات جو عقل ہے اس کے لئے معقول ہوتی ہے لہذا وہ اپنی ذات ہی کو جانتا ہے اور اپنی ذات ہی کو پہچانتا ہے، پس اسی کی ذات معقول ہے اور اسی کی ذات عاقل ہے اور اسی کی ذات عقل ہے اور سب کے سب ایک ہیں کیونکہ وہی معقول ہے اس حیثیت سے کہ وہ ماہیت مجرد ہے مادہ سے اور اپنی ذات سے آپ غیر مستور ہے اور جب وہ اپنی ہی ذات کو جانتا ہے تو عاقل ہے اور جب اس کی ذات کے لئے معقول ہے تو وہ معقول بھی ہے اور جب کہ وہ اپنی ذات ہی سے عقل ہے زائد بر ذات ہو کر نہیں بلکہ عقل ہونے کے اعتبار سے تو بعید نہیں کہ عاقل ومعقول متحد ہو جائیں

Marfat.com

کیونکہ عاقل جب اپنے وجود کو عاقل کی حیثیت سے جانتا ہے تو اس کو معقول کی حیثیت سے بھی جانتا ہے لہذا عاقل و معقول ہر حیثیت سے ایک ہو جائیں گے اور اگر ہماری عقل عقل اول سے مفارقت کرتی ہے تو جو چیز کے اول کے لیے بالفعل ابدی ہو گی وہ ہمارے لیے بالقوہ بھی ہنگامی ہو گی اور بالفعل بھی ہنگامی۔ اور جب اس کی طرف خالق باری فاعل وغیرہ جیسی صفات فعلیہ منسوب کی جاتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کا وجود شریف ہے اس سے وجود کل لازماً فیضان پاتا ہے اور اس کے غیر کا وجود اس کے وجود کا تابع و حاصل ہے جیسا کہ نور سورج کا تابع ہوتا ہے۔ اور گرمی آگ کی حالانکہ اس کی طرف نسبت عالم کی ایسی تشبیہ نہیں دی جاسکتی جیسی کہ نور کی نسبت سورج کی طرف دی جاسکتی ہے الا اس کے کہ اسے معلول سمجھا جائے ورنہ کوئی نسبت نہ ہو گی کیونکہ سورج کو اپنی ذات سے فیضان نور کا کوئی شعور نہیں ہے اور نہ آپ کو اپنے سے گرمی کے فیضان کا شعور ہوتا ہے یہ فیضان تو محض طبیعت کا تقاضا ہے، مگر اول تو عالم بذاتہ ہے اور اس کی ذات وجود غیر کے لیے مبدا ہے لہذا جو کچھ اس سے فیضان پا رہا ہے وہ اس کو معلوم ہے اور نہ جو کچھ اس سے صادر ہوا اس سے وہ غافل ہے نیز یہ کہ وہ ہم میں سے کسی کے مانند نہیں ہے، جو (مثلاً) اگر کسی مریض اور سورج کے درمیان کھڑا ہو جائے تو مریض سے سورج کی حرارت اس کی وجہ سے اضطراری طور پر دور ہو جائے گی نہ کہ اختیاری طور پر اس کے برخلاف مبتلا اول جانتا ہے کہ اس کے کمال سے جو فیضان پا رہا ہے اس کا غیر ہے اور اگر دوسرا شخص جو مریض پر سایہ ڈال رہا ہے اسی طرح سایہ ڈالنے پر قادر نہ ہو تو اسکے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی کیونکہ سایہ ڈالنے والا اپنے سائے کا شخصی و جسمی حیثیت سے فاعل ہے اور واقعہ سایہ اندازی کو وہ بخوشی شعوری حیثیت سے جانتا ہے نہ کہ جسمی حالانکہ اول کے بارے میں ایسا نہیں کہا جاسکتا یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ فاعل اس کا عالم بھی ہے اور اس سے راضی بھی ہے اور وہ اس کا عالم بھی ہے کہ اس کا کمال اس میں ہے کہ غیر اس سے فیضان پا رہا ہے بلکہ یہ بھی فرض کیا جائے کہ جسم جو اپنے آپ کے لیے سایہ انداز ہے اور وہ اپنے واقعہ سایہ اندازی کا عالم ہے اور وہ اس سے راضی بھی ہے تو بھی اول کے مساوی نہ ہو گا، کیونکہ اول عالم بھی ہے اور فاعل بھی اور اس کا علم اس کے فعل کا مبدا ہے، کیونکہ اس کا علم اپنی ذات پر کل ہونے کی حیثیت سے فیضان کل کی علت ہے اور نظام موجود نظام معقول کا تابع ہے اس معنی میں کہ وہ اس سے واقع ہوتا ہے لہذا اس کا فاعل ہونا اس کے عالم بلکل ہونے پر زائد نہیں کیونکہ اس کا علم

Marfat.com

بلکل اس لئے فیضان کل کی علت ہے اور اس کا عالم بلکل ہونا اس کی ذات کے علم پر زائد نہیں کیونکہ جو اپنا مبدا کل ہونا نہ جانے تو اپنی ذات کو بھی نہ جانے گا اس طرح قصد اول سے تو معلوم اس کی ذات ہوگی اور قصد ثانی سے معلوم کل (کائنات) ہوگی پس یہی معنی ہیں اس کے فاعل ہونے کے اور جب اس سے قادر کہا جائے گا تو اس سے اس کا ایسا فاعل ہونا مراد لیا جائے گا جیسا کہ ہم نے مطمئن کیا ہے وہ یہ کہ اس کا وجود ایسا وجود ہے جس سے مقدورات کا فیضان ہوتا ہے اور اس فیضان سے کل (کائنات) کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے کہ حسن کمال کے تمام ممکنات کا غایت درجہ ظہور ہوتا ہے۔

اور جب اسے مرید (صاحب ارادہ) کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بھی اس سے فیضان پاتا ہے اسے وہ غافل نہیں ہے اور نہ اس سے ناراض بلکہ وہ جانتا ہے کہ فیضان کل میں کمال اسی سے ہے اس معنی میں یہ کہنا ٹھیک ہوگا کہ وہ اس سے راضی ہے اور جائز ہوگا کہ راضی کو مرید بھی کہا جائے لہذا ارادہ عین قدرت کے سوا کچھ بھی نہیں اور قدرت عین علم کے سوا کچھ نہیں اور علم عین ذات کے سوا کچھ نہ ہوگا لہذا ان سب کا مرجع عین ذات ہوگا اور یہ اس لئے کہ اس کا علم بالاشیاء، سے ماخوذ نہیں ہے اور نہ وصفاً یا کمالاً اپنے غیر سے مستفید ثابت ہوگا اور یہ واجب الوجود میں محال ہے ہمارا علم بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ علم جو کسی شے کی صورت سے حاصل ہوا ہے جیسے آسمان و زمین کی صورت کے متعلق ہمارا علم دوسرا وہ علم جس کو ہم نے اختراع کیا ہے مثلاً اس شے کا علم جس کی صورت کا تو ہم نے مشاہدہ نہیں کیا لیکن اپنے ذہن میں اس کا تصور قائم کیا پھر اس کو خارج میں ظاہر کیا ہے لہذا اس صورت کا وجود مستفاد عن العلم ہوگا نہ کہ علم مستفاد عن الصورت اور مبدا اول کا علم قسم ثانی کے علم کی طرح ہے کیونکہ اس کی ذات میں میزان کا تمثل اس کی ذات سے نظام کے فیضان کا سبب ہے۔

ہاں اگر نفس شے کا مجرد استحضار یا کتابت خط کا محض تصور ہمارے ذہن میں اس صورت کے احداث کے لیے کافی ہو جائے تو ہمارا علم بعینہ قدرت اور بعینہ ارادہ ہوگا لیکن ہماری کمزوری کی وجہ سے ہمارا تصور ایجاد صورت کے لئے کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ہم ایک ارادہ متجددہ کے بھی محتاج ہوتے ہیں جو قوت شوقیہ سے پیدا ہوتی ہے تاکہ ان دونوں سے اعضائے آلیہ کے عضلات و اعصاب میں قوت محرکہ کو متحرک کرے پس حرکت عضلات و اعصاب سے ہاتھ وغیرہ متحد متحرک ہوتے ہیں اور اپنی حرکت سے وہ قلم یا

Marfat.com

دوسرے آلات خارجی کو متحرک کرتے ہیں اور حرکت قلم سے مادہ جیسے روشنائی وغیرہ متحرک ہوتی ہے پھر ہمارے ذہنوں میں صورت متصورہ حاصل ہوتی ہے اور اسی لئے کہا جائے گا کہ ہمارے ذہنوں میں اس صورت کا نفس وجود نہ تو قدرت ہی ہے اور نہ ارادہ بلکہ ہم میں جو قدرت تھی وہ عضلات کے مبدا محرک سے تھی اور یہی صورت عضلات کے اس محرک کو تحریک دیتی تھی، وہی محرک مبدا قدرت ہے مگر واجب الوجود میں تو ایسا نہیں ہے وہ ایسے اجسام سے تو مرکب نہیں جو اپنے اطراف سے قوی کو متحرک کرتے ہوں لہذا اس کی قدرت ارادہ علم اور ذات سب ایک ہیں۔

اور جب اسے زندہ کہا جائے گا تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ وہ از روئے علم عالم ہے، جس سے ایسا وجود فیض پاتا ہے جس کو اس فعل کہا جائے گا لہذا وہ زندہ ہے یعنی وہ بہت کام کرنے والا اور بہت جاننے والا ہے اس سے مراد اس کی ذات ہوگی افعال کی طرف اضافت کے ساتھ (اسی طریقہ پر جس کا کہ ہم نے ذکر کیا) ہماری زندگی کی طرح نہیں کیونکہ وہ دو ایسی مختلف قوتوں کے بغیر تکمیل نہیں پاتی جن سے ادراک و فعل کا ظہور ہوتا ہے لہذا اس کی حیات بھی عین ذات ہی ہے۔

اور جب اسے کہا جائے گا جواد یعنی بہت بخشش کرنے والا تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ اس سے کل کا فیضان ہوتا ہے جس سے اس کی کوئی غرض وابستہ نہیں، اور وجود یعنی بخشش دو چیزوں سے تکمیل پاتی ہے ایک (۱) ایک یہ کہ جس پر بخشش کی جاتی ہے اس سے اس کو فائدہ پہنچے کیونکہ جو شخص ایسی چیز کی بخشش کرتا ہے جس سے طرف ثانی مستغنی ہے تو اس کو صفت بخشش سے منسوب نہیں کیا جا سکتا (۲) دوسرے یہ کہ جواد کو اپنے وجود میں اپنی کسی ذاتی غرض کی تکمیل کا محتاج نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کا بخشش پر اقدام اس کی ذات کی ضرورت کی تحت ہوتا ہے اور جو شخص بخشش اسلئے کرتا ہے کہ اس کی تعریف و ثناء کی جائے یا کسی مذمت سے اسے چھٹکارا ملے تو وہ معاوضہ طلب کہلائے گا، اس لئے اس کو جواد نہیں کہا جا سکتا جو جود حقیقی تو صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہے کیونکہ وہ اس کے ذریعہ نہ تو کسی مذمت سے نجات کا خواہش مند ہے نہ کسی کی تعریف سے استفادہ کا لہذا اسم جواد مع اضافت فعل کے اس کے وجود ہی کی خبر دے رہا ہے مع سلب غرض کہ اس لئے وہ اس کی ذات میں کثرت کی طرف مودی نہ ہوگا۔

اور جب سے خیر محض کہا جائے گا تو اس سے مراد یا تو اس کا ایسا وجود ہوگا جو نقص

Marfat.com

اور امکان عدم سے بری ہو کیونکہ شر کو وجود نہیں ہوتا بلکہ وہ عدم جو ہر کی طرف منسوب ہوتا ہے یا عدم صلاح حال جو ہر کی طرف ورنہ وجود (اس حیثیت سے کہ وہ وجود ہے) خیر ہی ہو گا اور جب لفظ خیر کا استعمال کیا جائے گا تو اس سے مراد نقص وشر کے امکان کے سلب سے لی جائے گی یا یہ کہا جائے گا کہ خیر بے سبب اس کے وہ نظام اشیاء کے لئے سبب ہے اور چونکہ اول ہی مبدا ہے ہر شے کے نظام کا اس لئے وہ خیر ہے اس لئے یہ اسم اس کے وجود ہی پر دال ہو گا مع نوع اضافت کے۔

اور جب اسے کہا جائے گا واجب الوجود تو اس کے معنی ہیں یہی وجود مع سلب علت کے (اس کے وجود کی) مع حالت عدم اولاً وآخراً۔

اور جب اسے کہا جائے گا عاشق ومعشوق اور لذیذ ومتلذ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر حسن وجمال اور ہر رونق وبہا کا وہی مبدا ہے، اور ہر ذی کمال کے لئے وہی محبوب معشوق ہے لذت کے معنی ہیں کمال مناسب کا ادراک اور اگر کوئی شخص اپنے معلومات کے احاطہ سے یا اس پر محیط ہو کر اپنی ذات کے کمال کا ادراک کرتا ہے اور اپنے ہی جمال صورت کا اور اپنے ہی کمال قدرت کا اور اپنے ہی قوت اعضاء کا بالجملہ ہر کمال کا استحصاری ادراک اس کے لئے ممکن ہو تو کہا جائے گا کہ وہ اپنے ہی کمال کا دوست ہے اور اس سے لذت اٹھاتا ہے مگر عدم ونقصان کے مقدر ہونے کی وجہ سے اس کی یہ لذت ناقص ہو گی کیونکہ زوال پذیر عوامل یا خوف زوال کی وجہ سے سرور پورا نہیں ہو سکتا لیکن اول کے لئے بہا اکمل اور جمال اتم حاصل ہے کیونکہ ہر کمال اس کے لئے ممکن ہے اور وہ اسے حاصل ہے اور وہ اس کمال کا مدرک ہے امکان نقصان وزوال سے امن کے ساتھ مدرک ہے، اور اس کا کمال حاصل ہر کمال سے بالا ہے، لہذا اس کمال کی محبت اور اس کا عشق ہر عشق محبت سے بالا وبرتر ہے اور اس سے التذاذ ہر قسم کے التذاذ سے اعلیٰ ہے، بلکہ ہماری ناپائیدار لذتوں کے ساتھ اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں اور یہ کہنا بجا ہے کہ اس کی حقیقت معنی کو الفاظ میں ظاہر کرنا مشکل ہے البتہ صرف اشارہ یا استعارہ کیا جا سکتا ہے جیسے ہم لفظ مرید (صاحب ارادہ) کے لفظ کا استعارہ کرتے ہیں اور ہمارے ارادے سے اس کو تشبیہ دیتے ہیں حالانکہ اس کے ارادے سے ہمارے ارادے کو کوئی مناسبت ہی نہیں اسی طرح نہ اس کے علم کو ہمارے علم سے نہ اس کی قدرت کو ہماری قدرت سے کوئی مناسبت ہے ممکن ہے کہ تمہیں اس کے بارے میں لفظ لذت اچھا نا معلوم ہو اس کے لئے بہتر سمجھو تو دوسرا لفظ استعمال کرو۔

Marfat.com

مقصود یہ ہے کہ اس کا حال ملائکہ کے احوال سے بھی اشرف ہے اور اس لائق ہے کہ اس پر رشک کیا جائے اور ملائکہ کی حالت تو ہماری حالتوں سے بھی اشرف ہے اگر لذت صرف پیٹ اور عضو تناسل ہی کی لذت کا نام ہوتا تو گدھے اور سور کا مرتبہ بھی ملائکہ سے اشرف ہوتا مگر یہ لذتیں حقیقی لذت نہیں اس لئے وہ فرشتوں کو جو مجرد عن المیادہ ہیں حاصل نہیں انھیں جو لذت حاصل ہے وہ سرور شعور کی لذت ہے کسی چیز کا شعور اس جمال و کمال کا جو کبھی زوال پذیر نہیں لیکن جو احوال ان فرشتوں کے ہیں اس سے بالاتر احوال اس وجود اول کے ہونے چاہیں کیونکہ وجود ملائکہ جو کے عقول مجرد ہیں) اپنی ذات سے تو وجود ممکن ہیں اور اپنے غیر سے واجب الوجود ہیں اور امکان عدم شر و نفس کی ایک نوع ہے لہذا کوئی چیز متعلقین شر سے بری نہیں ہو سکتی سوائے وجود اول کے لہذا وہ غیر خیر محض ہے اس کے لئے بہا و جمال اکمل ہے پھر وہی معشوق بھی ہے چاہے غیر اس سے عشق کرے یا نہ کرے جیسا کہ وہ عاقل بھی ہے اور معقول بھی چاہے غیر اسے سمجھے یا نہ سمجھے اور ان سب معانی کا مرجع اسی کی ایک ذات ہے اس کا ادراک لذت ہے اس کی عقل اس کی عین ذات ہے اور وہی عقل مجرد ہے پس سب کا مرجع ایک ہی معنی کی طرف ہے۔

یہ ہے طریقہ تفہیم فلاسفہ کے مذہب[۱] کا۔

اب یہ امور دو قسموں میں منقسم ہو سکتے ہیں۔

(ا) وہ جن پر اعتقاد جائز ہے ان کے متعلق ہم یہ بتلائیں گے کہ یہ فلاسفہ کے بنیادی اصول کے مطابق نہیں۔

(ب) وہ جن پر اعتقاد جائز نہیں یہاں ہم فلسفیوں پر تنقید کریں گے۔

اور ہم کثرت کے مراتب خمسہ کی طرف پھر توجہ کریں گے ان کی فلسفیوں نے جو تردید کی ہے ان پر تنقید کرتے ہوئے یہ ظاہر کریں گے کہ وہ اپنے دعوے کی تائید میں عقلی دلائل پیش کرنے سے قاصر ہیں اب ہم ہر مسئلے پر تفصیل سے بحث کریں گے۔

Marfat.com

مسئلہ (٦)

فلاسفہ کے صفات الٰہیہ کا انکار اور اس کا ابطال

فلاسفہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مبداء اول کے لئے علم وقدرت وارادہ کا اثبات محال ہے جیسا کہ اس امر میں معتزلہ بھی متفق ہیں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اسماء شرعی طور پر وارد ہوتے ہیں اور ان کا اطلاق لغۃً جائز رکھا جاتا ہے لیکن مرجع ان کا ذات واحد ہے (جیسا کہ گزرا) اور اس کی ذات پر صفات زائدہ کا اثبات جائز نہیں جیسا کہ خود ہمارے بارے میں تو یہ جائز ہے کہ ہمارا علم اور ہماری قدرت ہماری ذات پر اوصاف زائدہ ہوں کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ موجب کثرت ہے اگر یہ صفات ہم پر طاری ہوتی ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ وہ زائد بر ذات ہیں کیونکہ وہ متجدد طاری ہوتی ہیں اور اگر ان کا ہمارے وجود سے اس طرح موازنہ کیا جائے کہ وہ ہمارے وجود سے غیر متاخر ہوں تو وہ بھی زائد علی الذات نہیں سمجھی جائیں گی ایسا ہی دو چیزوں میں سے جب ایک دوسری پر طاری ہو اور معلوم ہو جائے کہ یہ وہ نہیں ہو سکتی اور وہ یہ نہیں اگر اس طرح ان کا موازنہ کریں تو ان دونوں کا علیحدہ علیحدہ ہونا سمجھ میں آئے گا یہ صفات نواتِ اول کی صفات مقارنہ ہونے کی حیثیت سے بھی اشیاء سوائے ذات ہی ہونگی اب یہ بات واجب الوجود میں کثرت کا سبب ہوگی جو محال ہے اسی لئے ان کا نفی صفات پر اجماع ہوا ہے ان سے پوچھا جائے گا کہ اس قسم کی کثرت کے محال ہونے کو تم نے کیسے جانا اس بارے میں تم سوائے معتزلہ کے کافہ متکلمین کے خلاف جا رہے ہو اب اس پر تم کون سی دلیل پیش کرتے ہو اگر کہا جائے کہ ذات جو صفات کی حامل ہوتی ہے واحد ہے لہذا واجب الوجود میں کثرت صفات محال ہے اب یہی مسئلہ مابہ النزاع ہے اس کا محال ہونا بضرورت تو معلوم نہیں اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے تمہاری دلیل کیا ہے۔

اس بارے میں ان کے دو مسلک ہیں۔

اولاً تو وہ یہ کہتے ہیں کہ اس پر دلیل یہ ہے کہ دو چیزوں میں یعنی صفت و موصوف میں سے جب یہ وہ نہ ہو اور وہ یہ نہ ہو

(۱)........ یا تو ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اپنے وجود میں مستغنی ہوگی (۲)........ یا ہر ایک دوسرے کی محتاج ہوگی (۳)........ یا یہ کہ ایک ان میں سے دوسرے سے مستغنی ہوگی اور

Marfat.com

دوسری محتاج ہوگی اور اگر ہر ایک کو مستغنی قرار دیا جائے تو دونوں واجب الوجود ہو جاتے ہیں اور یہ تشبیہ متعلقہ ہے جو محال ہے۔

یا ہر ایک ان دونوں میں سے ایک دوسرے کی محتاج ہونگی تو ان میں سے ایک واجب الوجود نہ ہوگی کیونکہ واجب الوجود کے معنی یہ ہیں کہ جسم کا جس کا قوام خود اسی کی ذات سے ہو اور وہ اپنے غیر سے من کل وجہ مستغنی ہو مگر جب یہ غیر کی محتاج ہو تو یہ غیر اس کی علت ہوا اگر اس غیر کو ہٹا دیا جائے تو اس کا وجود ممتنع ہوگا اپنی ذات سے اس کا وجود نہ ہوگا بلکہ اپنے غیر سے ہوگا۔

اعتراض اس پر اس طرح ہوگا کہ ان اقسام میں سے اختیار کردہ قسم اخیر ہے لیکن پہلی قسم تشبیہ متعلقہ کے متعلق بھی ہم نے گزشتہ مسئلہ میں ظاہر کر دیا ہے کہ تمہاری تردید کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے کیونکہ تشبیہ مطلقہ ابطال کثرت کے ابطار ہی پر مبنی ہوگا اس لئے جو چیز کسی مسئلہ کی فرع ہوں اس کی اصل نہیں قرار دی جا سکتی لیکن مناسب طریقہ ہے کہ کہا جائے کے ذات اپنے قوام میں صفات کی محتاج نہیں ہوتی البتہ صفات محتاج ہوتی ہے موصوف کی جیسا کہ خود ہم میں ہوتا ہے۔

رہا ان کا یہ قول کہ اپنے غیر کا محتاج واجب الوجود نہیں ہوتا تو ان سے پوچھا جائے گا کہ اگر تم واجب الوجود سے یہ مراد لیتے ہو کہ اس کی کوئی علت فاعلی نہیں ہے تو پھر تم یہ کیوں کہتے ہو اور یہ کہنا کیوں محال ہوا کہ جیسے ذات واجب الوجود کی قدیم ہے اور اس کا کوئی فاعل نہیں ہے ایسے ہی اس کی صفت بھی اس کے ساتھ قدیم ہے اور اس کا کوئی فاعل نہیں ہے اور اگر تم واجب الوجود سے یہ مراد لیتے ہو کہ اس کی کوئی علت قابلہ نہیں ہوتی تو اس معنی میں صفات کو ضروری یا واجب نہیں کہا جا سکتا مگر اس کے باوجود وہ قدیم ہوتی ہے اور ان کا کوئی فاعل نہیں ہوتا تو اس رائے میں کونسا تضاد ہے۔

اگر کہا جائے کہ واجب الوجود مطلق وہ ہوتا ہے جس کی نہ علت فاعلہ ہو نہ قابلہ مگر جب یہ تسلیم کیا جائے کہ صفات کی علت قابلہ ہوتی ہے تو انکا معلول ہونا بھی تسلیم کیا جائے گا۔

ہم کہیں گے کہ ذات قابلہ کا نام علت قابلہ رکھنا آپ کی اصطلاح ہے اور اس اصطلاح کے مطابق دلیل تو ثبوت واجب الوجود کی طرف رہبری نہیں کرتی البتہ ایسے کنارے کے اثبات کی طرف رہبری کرتی ہے جہاں علل و معلولات کا تسلسل منقطع ہو جاتا ہے اس کے علاوہ کسی انداز سے کی رہبری نہیں کرتی اگر واحد کے لئے ایسی صفات قدیمہ کو مانا جائے

Marfat.com

جن کا کوئی فاعل نہیں جیسا کہ اس کی ذات کا کوئی فاعل نہیں تو قطع تسلسل جب بھی ممکن ہے لیکن ان صفات کا استقرار اس کی ذات ہی میں ہوگا لہذا لفظ واجب الوجود کو نظر انداز کر دینا چاہیے کیونکہ اس سے التباس کا امکان ہے اس وقت دلیل قطع تسلسل ہی کی طرف رہبری کرے گی اور کسی چیز کی طرف نہیں اس کے سوا کسی اور چیز کا دعویٰ محض تحکم ہوگا۔

اگر کہا جائے کہ جس طرح کہ علت فاعلی میں قطع تسلسل واجب ہوتا ہے علت قابلہ میں بھی واجب ہوگا کیونکہ اگر ہر موجود کسی محل کا محتاج ہو جس میں وہ استقرار پاتا ہے تو محل بھی اسی طرح کسی محل کا محتاج ہوگا جس سے تسلسل لازم آئے گا۔

تو ہم کہیں گے کہ تم بجا کہتے ہو اسی لئے ہمیں اس تسلسل کا قطع کر دینا ضروری ہے اور ہم کہ چکے ہیں کہ صفت اس کی ذات قائم بغیرہ نہیں ہوتی جیسا کہ ہماری ذات کی مثال سے ہم سمجھ چکے ہیں اور ہماری ذات اس کا محل ہے اور ہماری ذات کسی محل میں نہیں ہے لہذا صفت وذات کے علت فاعلی کا تسلسل منقطع ہوگیا کیونکہ صفت کا بھی کوئی فاعل نہیں جیسا کہ ذات کا کوئی فاعل نہیں بلکہ ذات صفت کے ساتھ ہمیشہ ہی سے متصف ہے جو بلاعلت (ذات ہی کی طرح موجود ہے رہی علت قابلہ تو اس کا تسلسل ذات ہی پر منقطع ہوتا ہے مگر اس سے کیوں لازم آتا کہ جب علت کا انتفاد کیا جائے تو محل کا بھی انتفاذ ہوگا اور دلیل تو قطع تسلسل ہی پر مجبور کرتی ہے اور ہر طریقے جس سے قطع تسلسل ممکن ہو وہ واجب الوجود کی اثباتی برہان کے قضیہ کا تمتہ ہے۔

اور اگر واجب الوجود سے ایسے وجود کے سوائے جس کے کوئی علت فاعلی نہ ہو اور جس کی وجہ سے قطعاً تسلسل ہوتا ہو اور کوئی چیز مراد لی جائے تو ہم اس کو واجب الوجود قطعاً تسلیم نہیں کرتے اور جب بھی عقل ایسے موجود قدیم کی قبول کرنے کے لئے جس کے وجود کی کوئی علت نہیں اپنے اندر گنجائش پاتی ہے تو وہ کبھی صفت سے موصوف قدیم کے قبول کرنے کے لئے بھی جس کی ذات وصفات کی بھی کوئی علت نہیں اپنے اندر گنجائش پاتی ہے۔

مسلک دوم

فلسفیوں کا قول ہے کہ علم وقدرت دونوں بھی ہماری ماہیت ذات میں داخل نہیں بلکہ دونوں عرضی ہیں اور جب یہی صفات اول کیلئے بھی ثابت کی جائیں تو وہ بھی اس کے ماہیت ذات میں داخل نہیں ہونگی بلکہ اس کی طرح بالاضافت عرض ہونگی گویا اس کے لئے

Marfat.com

دائم ہوں اور بہت سے عرضی وجود ہمیشہ غیر مفارق ہو سکتے ہیں اور ماہیت کے لئے لازم ہوتے ہیں اس کے باوجود وہ اس کی ذات کے مقوم نہیں ہوتے مگر جب عرضی ہونگے تو تابع ذات ہونگے اور ذات ان کا سبب ہوگی لہذا معلول ہونگے پھر کس طرح وہ واجب الوجود قرار دیے جا سکتے ہیں یہی وہ پہلی دلیل ہے جو کسی عبارت کے ادل بدل کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر تم ان صفات کو تابع ذات اور اور ذات کو ان کا سبب گردانے سے یہ مراد لیتے ہو کہ ذات ان کی علت فاعلی ہے اور وہ ذات کے مفعول ہیں تو ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ہمارے علم کو ہماری ذات کی طرف مضاف کرنے کا مستلزم نہ ہوگا جبکہ ہماری ذات بھی ہمارے علم کی علت فاعلی نہیں ہے اگر تم ذات سے محل مراد لیتے ہو اور کہتے ہو کہ صفت کا قوام بنفسہ غیر محل میں نہیں ہو سکتا تو یہ مسلم ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کو محال قرار دیا جائے یا اگر صفت سے تبعی وجود یا عرضی وجود یا معلول مراد لی جائے یا جو بھی مراد لی جائے تب بھی ہر حال معنی میں کوئی تغیر نہ ہوگا کیونکہ اس کے معنی اس کے سوائے کچھ نہیں ہونگے کہ صفات الٰہیہ ذات الٰہی سے قائم ہیں جیسا کہ تمام صفات ذات سے قائم ہوتی ہیں پھر ان کا قائم بالذات ہونا کیوں محال سمجھا گیا باوجودیکہ وہ بھی قدیم ہیں اور ان کا کوئی فاعل بھی نہیں۔

بہرحال فلسفیوں کی ساری دلیل تمام تر مرعوب کن الفاظ کا گورکھ دھندا ہیں وہ کبھی صفات الٰہیہ کو ممکن کہتے ہیں کبھی جائز کبھی تابع کبھی لازم کبھی معلول اور ان تمام الفاظ کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ اگر اس کے معنی یہ ہیں کہ صفات کی کوئی علت فاعلی ہے تو یہ معنی نہیں جا سکتا اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ان کی کوئی علت فاعلی نہیں بلکہ انکے صرف قیام کے لئے محل کی ضرورت ہے تو اس معنی کیلئے جو عبارت چاہو گھڑ لو اس میں کوئی مزائقہ نہیں ہے۔

عبارتی رعب داب قائم کرنے کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی طرف مودی ہوتا ہے کہ اول ان صفات کا محتاج ہے حالانکہ غنی مطلق محتاج نہیں ہو سکتا غنی تو اس کو کہیں گے جو اپنے غیر کا محتاج نہ ہو۔

یہ الفاظ کا انتہائی رکیک استعمال ہے سمجھنا چاہیے کہ صفات کمال ذات کامل سے کوئی الگ چیز نہیں ہے کہ کہا جائے کہ وہ محتاج غیر ہوگی اگر وہ ہمیشہ سے ہے تو علم وقدرت

Marfat.com

وحیات کی صفات کاملہ کے ساتھ بھی ہمیشہ سے ہے پس محتاج کیسے ہوئی یا یہ کہ کیسے جائز رکھا جاسکتا ہے کہ لزوم کمال کو احتیاج سے تعبیر کیا جائے وہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ کامل وہ ہے جو کمال کا محتاج نہ ہو لہٰذا جو اپنی ذات کے لئے صفات کمال کے وجود کا محتاج ہو وہ ناقص ہے تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس کے کامل ہونے کے معنی ہی اس کی ذات کے لئے وجود کا پالی کے ہیں پس تم محض لفظی تخیلات کی بناء پر ان صفات کمال کا کیسے انکار کرسکتے ہو جو تمہ الہیت ہیں۔

اگر کہا جائے کہ جب تم نے ذات وصفت کو ثابت کر دیا اور ذات میں صفت کے حلول کو بھی ثابت کر دیا تو یہ ترکیب ہوئی اور ہر ترکیب مرکب کی محتاج ہے اور اسی لئے اول کا جسم ہونا جائز نہیں رکھا جاتا کیونکہ جسم میں مرکب ہوتا ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ یہ کہنا کہ ہر ترکیب محتاج مرکب ہوتی ہے ایسی ہی بات ہے جیسے کہیں کہ ہر موجود محتاج موجود ہوتا ہے اس لئے جب یہ کہا جائے گا کہ اول موجود قدیم ہے جس کی کوئی علت ہے نہ کوئی موجود تو اسی طرح یہ بھی کہا جائے گا کہ وہ موصوف قدیم ہیں اس کی ذات کوئی علت ہے نہ اس کی صفات کی نہ اس کی ذات کے ساتھ قیام صفات کی بلکہ وہ کلی حیثیت سے بلا علت قدیم ہے رہا جسم تو اس کو اول قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ وہ حادث ہوتا ہے اور حادث اس لئے ہوتا ہے کہ وہ کبھی تغیرات سے خالی نہیں ہوتا اور جو شخص کہ حدوث جسم کا قائل نہیں اس کو علت اولی کو لازماً جسم ماننا پڑے گا جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں ثابت کریں گے۔

لہٰذا اس مسئلہ میں تمہارے سارے مسالک ایک قسم کے تخیلات ثابت ہوتے ہیں علاوہ ازیں فلسفی جو بھی ثابت کرتے ہیں اس کو نفس ذات کی طرف راجع کرنے کی قدرت بھی نہیں رکھتے مثلاً اس کو وہ عالم تو ثابت کرتے ہیں مگر ان کا قول سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ صفت مجرد وجود پر زائد ہو اس لئے ان سے پوچھا جاسکتا ہے کہ آیا تم تسلیم کرتے ہو کہ اول اپنی ذات کے سوا بھی جانتا ہے بعض تو اس کو تسلیم کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ نہیں وہ اپنی ذات کے سوا کچھ نہیں جانتا مسلک اول وہ ہے جس کو ابن سینا نے اختیار کیا ہے جو دعوی کرتا ہے کہ اول تمام اشیاء کو بنوع کلی جانتا ہے جو زمانہ کے تحت داخل نہیں البتہ ان جزئیات کو نہیں جانتا جو ان میں تجددات علم کا موجب ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ذات عالم میں تغیر ہوتا ہے۔

Marfat.com

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اول کا علم کل انواع واجناس کے وجود کے ساتھ جن کی انتہا نہیں عین اس کا علم بذاتہٖ ہے یا علم بغیرہ اگر کہو کہ بغیرہ تو تم کثرت کو ثابت کرر ہے ہو اور قائدہ کا نقص کرر ہے ہو اگر کہو کہ وہ بعینہ ہے تو اس شخص میں اور تم میں کیا فرق ہے جو کہتا ہے کہ انسان کا علم وغیرہ عین اس کا علم بنفسہ وعلم بذاتہٖ حالانکہ ایسا کہنے والے تو یقیناً بے وقوف ہیں ان سے کہا جائے گا کہ شے واحد کی تعریف یہ ہے کہ اس کے اندر نفی واثبات کا جمع ہونا وہماً بھی محال سمجھا جائے چونکہ شے واحد کا علم واحد ہوتا ہے اس لئے آن واحد میں اس کو موجود و معدوم تصور کرنا محال ہوگا کیونکہ انسان کے لئے علم بنفسہ علاوہ علم وغیرہ کے وہمی پر طور پر ممکن سمجھا جاسکتا ہے تو کہا جائے گا کہ اس کا علم بغیرہ اس کے علم بنفسہ کے سوا ہے اگر دونوں علم ایک ہوں تو ایک کی نفی دوسرے کی نفی اور ایک کا اثبات دوسرے کا اثبات ہوگا یہ محال ہے کہ زید موجود بھی ہو اور زید معدوم بھی ہو یعنی آن واحد میں دونوں صورتیں ہوں تو ایسی محالیت علم وغیرہ کی علم بنفسہ کے ساتھ تو نہیں ہے لہذا اسی قیاس پر اول کے علم بذاتہٖ کو علم وغیرہ کے ساتھ ایک نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر وہماً ممکن سمجھا جاسکتا ہے پس وہ دو جدا چیزیں ہیں اور یہ تو ممکن نہیں ہے کہ اس کے وجود ذات کے بغیر اس کے وجود ذات کا وہمی تصور کیا جائے اگر کل ایسا ہی ہو یہ تو ہم محال ہوگا لہذا جو فلسفی بھی یہ اعتراف کرتا ہے کہ اول اپنی ذات کے سوا جانتا ہے تو وہ لامحالہ کثرت کو ثابت کرتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ وہ اپنی ذات کے غیر کو قصد اول کی بناء پر نہیں جانتا بلکہ اپنی ذات کو مبدا کل کی حیثیت سے جانتا ہے پس کل کے ساتھ اس کا علم قصد ثانی کو لازم کرتا ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی ذات کو جانے بغیر یہ جانے کے وہ مبدا کائنات ہے کیونکہ مبدا کائنات ہونا اس کی ذات کی حقیقت ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کو اپنے غیر کا مبدا سمجھے ورنہ غیر بھی بطریق تضمن، ولزوم اس کے علم میں شامل ہو جائے گا اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کی ذات کے لئے لوازم نہ ہوں اور یہ بات ماہیت ذات میں کثرت کی موجب نہیں ہوتی البتہ نفس ذات میں کثرت کا ہونا ممتنع ہے۔

اس کا جواب دو طریقے سے دیا جاسکتا ہے۔

اول یہ کہ تمہارا قول کہ وہ اپنی ذات کو بحیثیت مبدا جانتا ہے محض تحکم ہے بلکہ چاہیے تو یہ کہ وہ صرف اپنی ذات کو جانے کیونکہ اپنے مبدا ہونے کا علم تو علم بالوجود پر زائد ہوگا اس لئے کہ مبدائیت ذات کی طرف اضافت ہے اور یہ جائز ہے کہ وہ وفات کو تو جانے

Marfat.com

اور اضافت بے سوئے ذات کو نہ جانے، اگر مبدایت کو اضافت نہ مانا جائے تو ذات میں کثرت پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں وجود کے علاوہ ایک چیز مبدایت بھی آ جاتی ہے اور یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں جیسا یہ جائز ہے کہ ایک انسان اپنی ذات کو تو جانے مگر اپنا معلول ہونا نہ جانے کیونکہ اس کا معلول ہونا اس کی علت کی طرف اضافت ہے غیر ذات اور علم بلااضافت غیر علم بالذات ہے اس پر ہماری دلیل بتائی جا چکی ہے اور وہ یہ کہ ممکن ہے کہ علم بالذات متوہم ہو بغیر علم بالمبدائیت کے تو ہم کہیں کہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ علم بالذات بغیر علم بالذات کے متوہم ہو کیونکہ ذات تو واحد ہے۔

جواب کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمہارا قول کہ کل کا علم عدل کو قصد ثانی سے ہوتا ہے ایک غیر معقول بات ہے کیونکہ جب بھی اس کا علم اپنے غیر پر محیط ہوتا ہے جیسا کہ وہ اپنی ذات پر محیط ہے تو اس طرح اس کو دو متغائر معلومات حاصل ہوتے ہیں اور معلومات اور معلوم کا تعدد و تغایر تعدد علم کا موجب ہوتا ہے کیونکہ دو معلوموں سے ایک معلوم دوسرے سے وہم میں جدا کیا جا سکتا ہے لہذا ایک کا علم بعینہ دوسرے کا علم کبھی نہ ہوگا اگر ایک کا علم بعینہ دوسرے کا علم ہو تو ان میں سے ایک کے وجود کا اندازہ کرنا بغیر دوسرے کے وجود کے اندازے کے محال ہوگا حالانکہ وہاں کوئی دوسرا تو نہیں ہے لہذا جب کل واحد ٹھہرا تو اس میں اختلاف نہ ہوگا اس کو قصد ثانی سے تعبیر کیا جائے۔

کاش مجھے کوئی سمجھائے کہ نفی کثرت پر وہ شخص کیسے اقدام کرتا ہے جو کہتا ہے کہ خدا کے علم سے ایک ذرہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں باہر ہو سکتا ہے لیکن وہ ان تمام چیزوں سے بنوع کلی واقف ہے اور کلیات معلومہ کی تو کوئی انتہا نہیں پس ان کا کلیات کے متعلق باوجود اپنی کثرت و تغائیر کے ہر لحاظ سے ایک ہے۔

ابن سینا نے اس بارے میں دوسرے فلسفیوں سے اختلاف کیا ہے جن کا خیال یہ ہے کہ خدا اپنی ذات کے سوا کچھ نہیں جانتا (اس کو وہ نفی کثرت سے اعتراض سمجھتے ہیں) یہ کیسے ممکن ہے کہ ابن سینا ان فلسفیوں کے ساتھ مل کر تو کثرت کی نفی کرے اور اثبات علم بالغیر میں ان سے اختلاف کرے اس کو یہ کہتے ہوئے شرم کرنی چاہیے کہ اللہ تعالی قطعا کوئی چیز نہیں جانتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں البتہ صرف اپنی ذات کو جانتا ہے ہاں اس کا غیر اپنی ذات کو بھی جانتا ہے اور غیر کو بھی علم کی حیثیت سے تو غیر ہی اس سے اشرف ٹھہرا۔

اس بے حیائی سے اجتناب کرتے ہوئے ابن سینا نے اس مذہب کو ترک کر دیا

Marfat.com

اور اس کے باوجود وہ نفی کثرت میں کل وجہ پر برابر اصرار کرتا ہے اور دعوی کرتا ہے کہ خدا کا علم بنفسہ وبغیرہ بلکہ تمام اشیاء کا علم اس کی ذات کا عین ہے بغیر کسی زیادتی کے لیکن یہ تو عین تناقص ہے، جس کے قائل ہونے سے دوسرے فلسفیوں کو شرم آتی ہے اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ابن سینا اور وہ جن سے یہ اختلاف کرتا ہے دونوں رسوائی وملامت کا ہدف بنتے ہیں۔

گمراہی چاہنے والے کو خدائے تعالی برابر گمراہی میں ڈالتا ہے جو سمجھتا ہے کہ الہی امور کی کنہ نظر وتخیل سے ہاتھ آ جاسکتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ جب یہ ثابت ہو جائے کہ خدا اپنی ذات کو بے حیثیت مبدا بر سبیل اضافت جانتا ہے کیونکہ علم دو مضاف کے ساتھ بھی ایک ہوسکتا ہے جیسے کوئی اپنے بیٹے کو پہچانے تو اس پہچاننے یا جاننے میں اس کے باپ ہونے کا علم بھی داخل ہے جو ضمنی علم ہے اس سے معلوم کی تو کثرت ہو گی مگر علم متحد ہوگا اسی طرح جب خدا اپنی ذات کو مبدا وغیرہ کی حیثیت سے جانتا ہے تو علم تو متحد ہوگا گو معلوم میں تعدد ہو پھر جب یہ چیز معلوم واحد اور اس کی اضافت میں تو سمجھ میں آتی ہے اور کثرت کا موجب نہیں ہوتی تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس چیز کی تعداد میں اضافہ یا زیادتی جو بہ حیثیت جنس کثرت کی علت نہیں کثرت کی موجب نا ہو گی۔

اسی طرح جو ایک چیز کو جانتا ہے پھر اس چیز کے علم کو بھی جانتا ہے تو وہ اس علم کو جانتا ہے اور ہر اس علم کو جانتا ہے جس کو بنفسہ اور بے علومہ جانے لہذا معلوم متعدد ہونے کے باوجود علم متحد ہو گا ہمارے دعوے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ تم تو معلومات خداوندی کو غیر متناہی اور اس کے علم کو واحد سمجھتے ہو تم یہ نہیں کہتے کہ اس کے علوم کی تعداد لامتناہی ہے پس اگر تعدد معلوم تعدد ذات علم کا موجب ہوتا تو ذات باری میں ایسے علوم ہونا چاہیے تھا جن کے اعداد کی کوئی انتہا نہ ہو۔ اور یہ محال ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ جب کبھی علم ہر لحاظ سے واحد ہو تو اس کا تعلق دو معلوم سے متصور نہ ہو گا جب علم کا ایک سے زیادہ علوم سے تعلق ہو گا تو وہ کثرت کا مقتضی ہو گا اگر فلسفیوں کے ان اصول موضوعہ کا اعتبار کیا جائے جو انہوں نے اپنے نظریہ کثرت کے سلسلہ میں وضع کیے ہیں کیونکہ فلسفیوں نے کثرت کے معنی کے بیان میں مبالغہ سے کام لیا ہے جب وہ کہتے ہیں اگر اول کی ایسی ماہیت جو موصوف بالوجود کہلائی جاسکتی ہو تو یہ بھی ایک قسم کی کثرت ہو گی وہ کوئی ایسی چیز کا تصور کر ہی نہیں سکتی جس کی

Marfat.com

حقیقت واحد ہو اور پھر وہ موصوف بالوجود ہو بلکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر حد حقیقت وجود کی طرف مضاف ہو تو یہ دو مختلف چیزیں ہو گئیں اور یہیں سے کثرت پیدا ہو گی پس اس بنیاد پر ایسے علم کا فرض کرنا جو معلومات کثیر سے متعلق ہو ممکن نہیں سوائے اسکے کہ اس میں ایسی نوع کثرت کو لازم سمجھا جائے جو وجود مضاف الی الماہیت کے فرض کرنے سے بھی زیادہ واضح اور صاف ہو۔

رہا بیٹے کے بارے میں علم یا ایسے ہی دوسرے اضافی حدود کا علم تو اس میں کثرت ہوتی ہے کیونکہ اس میں دو چیزوں کا علم لازمی ہے ذات ابن کا ذات اب کا اور یہ دو علم ہوئے اور تیسرا علم جو ان دونوں کے درمیان اضافت ہے یہ تیسرا علم دونوں سابق علموں سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ وہ دونوں اس کی شرط ہیں اور اس کی ضرورت کا تعین کرتے ہیں جب تک کہ اولاً مضاف کا علم نہ ہو گا اضافت کا بھی نہ ہو گا اس لئے یہ علوم متعددہ ہوئے جو ایک دوسرے کے ساتھ مشروط میں ایسا ہی جب اول اپنی ذات کو سائر انواع واجناس کی طرف بحیثیت مبدمضات جانے تو اس امر کا محتاج ہو گا کہ وہ اپنی ذات کو جانے اور اجناس کی اکائیوں کو جانے اور انکی طرف من حیث المبدا اپنی ذات کی اضافت کو بھی جانے اور اضافت کا اس کو معلوم ہونا قابل فہم نہ ہو گا۔

رہا ان کا یہ قول کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو جانے تو اس کا عالم ہونا اسی علم سے بنفسہ جانا جائے گا لہٰذا معلوم تو متعدد ہو گا مگر علم واحد ہو گا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا عالم ہونا ایک دوسرے علم سے جانا جائے گا (اور یہ دوسرا علم تیسرے علم سے) وہلم جراً اور بالآخر ایک ایسے علم کی طرف منتہی ہو گا جس سے وہ غافل ہے اور اس کو نہیں جانتا اس کے باوجود ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کا سلسلہ غیر متناہی چلنے لگتا ہے وہ ایسے علم پر منقطع ہو جاتا ہے جو اس کے معلول سے متعلق ہے وہ وجود علم سے غافل ہے نہ کہ وجود معلوم ہے جیسے کوئی شخص سیاہی کو جانے اور علم کی اس حالت میں اس کا ذہن شے معلوم ہے مستغرق رہے وہ معلوم ہے اور سیاہی اور وہ اس کے سیاہی پن کے علم سے غافل ہے اور اس کی طرف متوجہ نہیں ہے اگر توجہ کرے تو پھر دوسرے علم کا محتاج ہو گا اور اس سے اس کی توجہ منقطع ہو جائے گی۔

رہا ان کا قول کہ یہی الزام تمہارے اصول سے معلومات باری پر بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر متناہی ہیں اور علم تمہارے پاس واحد ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب میں کسی قسم کی تعمیری یا اثباتی بحث تو نہیں کر رہے ہیں جو اس کا جواب دیتے بیٹھے ہم یہاں تو

Marfat.com

محض سلبی اور انہدامی قسم کی بحث میں مصروف ہیں۔

اور اگر کہا جائے کہ ہم تمہارے کسی خاص فرقہ پر الزام نہیں لگا رہے ہیں اور جو الزام کے ہم عمومی طور پر لگاتے ہیں تو تم کو اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں مگر جب روئے سخن خاص تمہارے ہی طرف ہو تو تمہیں جواب دینا چاہیے۔

ہم کہتے ہیں کہ نہیں ہمیں تو صرف تمہیں اس بات سے عاجز ثابت کر دکھانا ہے کہ تم براہین قطعیہ سے حقائق امور کو جان سکتے ہو اور جب تمہارا عجز ظاہر ہو جائے تو یہ جاننا چاہیے کہ بعض لوگ ایسے ہی ہیں جن کا یہ یقین ہے کہ امور الہیہ کے حقائق کا عقلی کدو کاوش سے علم نہیں ہو سکتا بلکہ عقل بشری ان کی دریافت سے قاصر ہے اس لئے صاحب شریعت صلوات اللہ علیہ والتسلیم نے فرمایا ہے "تفکرو فی خلق اللہ ولا تفکرو فی ذاتِ اللہ" مخلوق خدا کی ماہیت میں غور کرو خدا کی ماہیت میں غور نہ کرو تم ان لوگوں کی کس طرح تردید کر سکتے ہو جو رسول اللہ (علیہ الصلوۃ والسلام) کی سچائی کے بے دلیل معجزہ معتقد ہیں اور جس نے رسول بھیجا ہے اس پر کسی عقلی حکم کے لگانے سے احتراز کرتے ہیں جو صفات باری میں عقلی نظر سے غور و فکر سے اجتناب کرتے ہیں جو صفات الہیہ کے بارے میں صاحب شریعت کے بیانات کی تصدیق کرتے ہیں انکے فرمودہ نکات کو تسلیم کرتے ہیں جو اس ذات واجب کے عالم مرید قادر حی وغیرہ ہونے کا برابر اعتراف کرتے ہیں بغیر اس کج بحثی کے کہ ان صفات کا عامل وہ کیسے ہے اور کیا ہے کیونکہ وہ خوف سمجھتے ہیں کہ وہ ذات برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم ہے اور یہاں آ کر عقل کے پر جلنے لگتے ہیں۔

ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیونکر ہوا۔
جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا۔

(اکبر الہ آبادی)

ہمارا اعتراض یہی ہے کہ تم جو دعوی کرتے ہو کہ ہم حقائق کو دلیل سے سمجھتے ہیں اور عقل سے ثابت کرتے ہیں بتاؤ تو وہ کون سی حجت ہے جو ٹوٹ نہیں جاتی اور کونسی دلیل ہے جو حقیقت کا ادراک کر لیتی ہے اور ریاضی کے ضابطوں کی طرح ناقابل شکست ہوتی ہے اگر کہا جائے کہ یہ اشکال ابن سینا پر وارد ہوتا ہے جو دعوی کرتا ہے کہ خدا اپنے غیر کو بھی جانتا ہے حالانکہ دوسرے محققین فلاسفہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ اپنی ذات کے سوا کچھ نہیں جانتا تو ہم کہتے ہیں کہ فلسفہ کے اس مذہب کی رسوائی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ

Marfat.com

بہت سے نامور متاخرین اس کی ہر جہتی تائید سے انکار کر گئے کیونکہ اس قسم کے مسائل کی رفاقت کو کوئی سنجیدہ فہم برداشت نہیں کر سکتا مثلاً مذکورہ بالا دعوے ہی کو دیکھو جو معلومات کو علت پر افضلیت دیتا ہے کیونکہ فرشتے ہوں یا انسان بہر حال ہر ذی شعور اپنے کو بھی جانتا ہے اور غیر کو بھی مگر خدا ہے کہ سوائے اپنے ذات کے کسی کو بھی نہیں جانتا فرشتے تو فرشتہ ہیں وہ تو معمولی آدمیوں سے بلکہ جانوروں سے بھی گیا گزرا ہو گیا علم تو ایک شریف ترین چیز ہے اس کا نقصان تو بہت بڑا نقصان ہے۔ (پھر خدا میں یہ نقصان کیسے؟) پھر تم تو یہ بھی کہتے ہو کہ وہ عاشق بھی ہیں اور معشوق بھی ہے کیونکہ اس کے لئے بہاء الجمل ہے اور جمال اتم تو بھلا بتاؤ کہ وجود بحیثیت کا کونسا جمال ہے جس کی تماہیت ہے نہ حقیقت اسے تو یہ بھی خبر نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور کس پر کیا گزر رہی ہے اور اس سے کیا لازم آ رہا ہے اور اس سے کیا الا بلا صادر ہو رہا ہے اور کب ہو رہا ہے؟ اس سے بڑھ کر ذات باری تعالیٰ میں کونسا نقصان تصور کیا جا سکتا ہے تمام عقلا کو اس جماعت پر تعجب ہوتا ہے جس کو معقولات میں غور فکر کرنے کا دعویٰ ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ رب الارباب مسبب الاسباب کو قطعاً علم نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے تو اب اس میں اور ایک بے جان لاش میں کیا فرق ہو گا تعالی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا" (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ظالموں یعنی حد سے تجاوز کرنے والوں کے اقوال سے بالاتر ہے ہاں یہ کہ وہ اپنے آپ کو جانتا ہے مگر لاش کچھ بھی نہیں جانتی کونسا کمال ہے اپنے آپ کو جاننے میں جب دوسرے کے احوال کا علم نہ ہو یہ وہ مذہب ہے جس کی کمزوری توضیح سے مستغنی ہے پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ باوجود اس رسوائی کے کثرت کے الزام سے بھی تم بری نہیں ہو سکتے وہ اس طرح کہ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اس کا علم ذات اس کا عین ذات ہے یا غیر ذات؟ اگر کہو کہ غیر ذات ہے تو کثرت پیدا ہو گئی اگر کہو کہ عین ذات ہے تو پھر تمہارے اور اس شخص کے درمیان کیا فرق ہے جو کہتا ہے کہ انسان کا اپنی ذات کا علم اس کی عین ذات ہے اور حماقت ہے کیونکہ انسان کی ذات کا وجود اس حالت میں سمجھ میں آتا ہے جب کہ وہ اپنی ذات سے غافل ہو پھر جب اسی غفلت رائے ہو جاتی ہے تو وہ اپنی ذات کی طرف توجہ کرتا ہے تو اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شعور ذات اس کی ذات کا غیر ہے۔

پھر اگر تم کہو کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات کے علم سے خالی ہوتا ہے پھر وہ علم اس پر طاری ہوتا ہے تو لا محالہ اس کا غیر ہی ہوا۔

Marfat.com

تو ہم کہتے ہیں کہ غیرت طریان اور مقارنت سے نہیں پہچانی جاتی کیونکہ یہ جائز نہیں ہوسکتا کہ عین شے ہی شے پر طاری ہو جائے اور غیر شے جب کسی شے سے تھا ان ہو تو وہ وہی نہیں ہوسکتی اور اس کے غیر ہونے تعریف سے خارج نہیں ہوسکتی اس سے یہ ثابت ہوا کہ اول ہمیشہ اپنی ذات ہی کو جانتا ہے یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کا اپنی ذات کا علم اس کی عین ذات ہے حالانکہ وہم میں وہ چیزوں کے تخیل کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے ایک تو ذات دوسرے طریان شعور طریان کا ایک ذات ہونا وہم میں مقصود نہیں ہوسکتا۔

اگر کہا جائے کہ اس کی ذات ہی عقل وعلم ہے اس لئے ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ذات پھر علم ذات تو ہم کہتے ہیں کہ اس بیان میں بھی حماقت عیاں ہے کیونکہ علم ایسی صفت یا ایسا عرض ہے جو موصوف کو چاہتا ہے پھر یہ کہنا کہ اس کی ذات ہی عقل وعلم ہے یہ کہنے کہ مترادف ہے کہ وہی قدرت وارادہ ہے اور وہی قائم بنفسہ ہے نیز ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی سیاہی یا سفیدی کے بارے میں کہے کہ وہ قائم بنفسہ ہے یا کمیت وتربیع تثلیث کے بارے میں کہا جائے کہ وہ قائم بنفسہ ہیں یا یہ کہ اعراض قائم بنفسہ ہیں پس جس اصول پر یہ محال سمجھا جاتا ہے کہ صفات اجسام بغیر جسم کے جو غیر صفات ہے بنفسہ قائم ہو جائیں اسی طرح یہ بھی محال سمجھا جائے گا کہ صفت علم وحیت وقدرت وارادہ بھی بنفسہ قائم ہو جائیں البتہ وہ ذات کے ساتھ قائم ہوسکتے ہیں لہذا حیات ذات کے ساتھ قائم ہوگی اور اس کی حیات کہلائے گی ایسا ہی دوسری صفات پس اس طرح وہ اول سے نہ صرف تمام صفات کو اور حقیقت وماہیت کو سلب کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرسکتے جب تک کہ اس سے قیام بنفسہ کو بھی سلب نہ کرلیں اور اس کو محض اعراض وصفات ہی میں نہ تحویل کردیں جن کا قیام بنفسہ ممکن نہیں۔

آئندہ ایک الگ مسئلہ کے سلسلہ میں ہم یہ بھی بتلائیں گے کہ فلسفی اللہ تعالیٰ کے عالم بنفسہ اور عالم بغیرہ ہونے پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں کرسکتے انشاء اللہ تعالیٰ۔

Marfat.com

مسئلہ (۷)

فلسفیوں کے اس قول کے ابطال میں کہ اول کیلئے یہ جائز نہیں کہ اس کا غیر اس کے ساتھ جنس میں مشارکت کرے اور عقلی طور پر جنس و فصل کا اول پر اطلاق نہیں ہوسکتا

فلسفی اس امر پر متفق ہیں اور اسی پر اپنا یہ دعویٰ قائم کرتے ہیں کہ جب اول کسی شے سے جنسی مشارکت نہیں رکھتا تو پھر کوئی شے فصل کی حیثیت سے بھی اس سے متصل نہیں ہوسکتی لہذا اس کی کوئی حد (تعریف) نہیں ہوسکتی کیونکہ حد جنس و فصل سے مرکب ہوتی ہے اور جو ان سے مرکب نہ ہو تو اس کی کوئی حد بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ ترکیب کی ایک نوع ہے اور وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ کسی کا یہ کہنا کہ وہ موجود ہونے جوہر ہونے اور غیر کے لیے علت ہونے میں معلول اول کا مساوی ہوتا ہے مگر صاف طور پر کسی دوسری حیثیت سے وہ معلول اول سے متمائز ہوتا ہے تو یہ مشارکت فی الجنس نہیں کہلائی جاسکتی بلکہ وہ لازم عام میں مشارکت ہوگی اور جیسا کہ منطق سے معلوم ہوتا ہے کہ جنس اور لازم میں فی الحقیقت فرق ہے گو وہ دونوں عموم میں متفرق نہ ہوں۔ کیونکہ جنس ذاتی وہ صفت عام ہے جو ماہو (وہ کیا ہے) کہ جواب میں عام طور پر بتلائی جاتی ہے اور شے محدود کی ماہیت میں داخل ہوتی ہے اور اسکی ذات کی مقوم (یعنی قائم کرنے والی) ہوتی ہے جیسے انسان کا ایک زندہ ہستی ہونا ماہیت انسان میں داخل ہے (یعنی زندہ رہنا) لہذا وہ جنس ہوگا اور اس کا مولود ہوا مخلوق ہونا اس کے لئے لازم ہے جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوسکتا لیکن ماہیت میں داخل نہیں ہے اگرچہ کہ لازم عام ہے یہ بات منطق کے ان معلومات میں سے ہے جن میں شک نہیں کیا جاتا نیز یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے۔

کہ وجود اشیاء کی ماہیتوں میں کبھی داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ ماہیت کی طرف دو طرح سے مضاف ہوتا ہے یا تو لازم غیر مفارق کی حیثیت سے جیسے آسمان یا وارد کی حیثیت سے جیسے کہ ان اشیاء کا وجود جن کی زمانے میں ابتداء ہوتی ہے لہذا وجود میں مشارکت جنس میں

Marfat.com

مشارکت نہ ہوگی۔

رہی دوسری تمام علتوں کی طرح اس کی مشارکت اپنے غیر کی علت ہونے میں تو وہ اضافت لازم میں مشارکت ہوگی اور ماہیت میں داخل نہ ہوگی کیونکہ مبدا ہیت اور وجود میں سے ایک بھی ذات کا مقول نہیں بلکہ وہ دونوں ذات کے لازم ہیں بعد اس کے وہ کہ وہ ذات کو اس کے اجزائے ماہیت سے قوام دیں اس میں مشارکت محض لازم عام میں مشارکت ہوگی جس کا لزوم ذات کا تابع ہوتا ہے وہ جنس میں مشارکت نہیں اس لئے اشیاء کی تعریف صرف مقومات ہی سے کی جاتی ہے اگر لوازم کے ساتھ انکی تعریف کی جائے تو یہ رسما ہوگا تمیز کے لئے نہ کے حقیقت شے کی تصویر کے لئے لہذا مثلث کی یہ تعریف نہیں کی جائے گی کہ وہ ایسی شکل ہے جس کے دو زاویہ قائم مساوی ہوتے ہیں اگر چہ یہ ہر مثلث کے لئے لازم عام ہیں بلکہ کہا جائے گا کہ وہ ایسی شکل ہوتی ہے جو تین اضلاع سے محیط ہوتی ہے یہی حال اس کے جوہر ہونے میں مشارکت کا ہے کیونکہ اسکے جوہر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ موجود ہے موضوع میں نہیں ہے اور موجود جنس نہیں ہوتا کیونکہ اسکی طرف امر سلبی کو مضاف کیا جاتا ہے اور وہ امر سلبی یہ ہے کہ وہ موضوع میں نہیں ہے لہذا جنس مقوم نہ ہوگی بلکہ اگر اس کی طرف اس کے اجاب کو مضاف کیا جائے اور کہا جاوے کہ موضوع میں موجود ہے تو عرض میں جنس نہ ہوگی اور یہ بات اس لئے کہ جو جوہر کو اس تعریف سے معرف کرتا ہے جو اس کے لئے اسم کی طرح ہے یعنی یہ کہ وہ موجود ہے موضوع میں نہیں ہے تو اس کا وجود ہو نہ ہی معرف نہ ہوگا بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوگا کہ وہ موضوع میں ہوسکتا ہے یا موضوع میں نہیں ہوسکتا بلکہ ہمارے قول کے معنی اسم جوہر میں یہ ہیں کہ موجود موضوع میں نہیں ہے یعنی وہ کون سی حقیقت ہے جب موجود ہو تو موضوع میں تو موجود نہ ہوگا اور ہم اس سے یہ مراد تو نہیں لیتے کے تعریف کے وقت وہ موجود بالفعل ہے تو اس میں مشارکت جنس میں مشارکت نہ ہوگی بلکہ مقوام مقومات ماہیت میں مشارکت ہی مشارکت فی الجنس کہلاتی ہے جو اس کے بعد فصل سے مباینت کی محتاج ہوتی ہے اور اول کے لیے تو کوئی ماہیت نہیں ہے سوائے وجود واجد کے پس وجود واجب ہی طبیعت حقیقیہ ہے اور فی نفسہ ماہیت ہے جو اسی کیلئے ہوتی ہے اس کے غیر کے لیے نہیں ہوتی اور جب کہ وجوب وجود اس کے سوا کسی کے لئے نہ ہوگا تو اس کے غیر کی اس کے ساتھ مشارکت نہ ہوگی لہذا چونکہ وہ اس سے بفصل نوعی منفصل نہیں ہوسکتا اس لئے اس کے لئے تو کوئی حد نہیں ہوتی۔

Marfat.com

یہ ہے ان کے مذہب کی تفہیم۔

اور اس پر دو صورتوں سے جرح کی جاتی ہے ایک ہے مطالبہ دوسرا ابطال:۔

مطالبہ یہ ہے کہ کہا جائے گا کہ یہ آپ کے مذہب کا خلاصہ ہے سوال ہوتا ہے کہ اول کے بارے میں اس کے محال ہونے کو آپ نے کس طرح جانا حتی کہ آپ نے اس پر اثنینیت کی نفی کی بنیاد رکھی ہے آپ کا تو یہ کہنا ہے کہ دوسرے کے لیے چاہیے کہ ایک شے میں اول سے مشارکت کرے اور ایک شے میں مبائن ہو اور جو چیز کہ اس میں اس سے مشارکت کرتی ہے اور جو چیز کہ اس میں مبائن ہوتی ہے وہ مرکب ہوگی اور مرکب محال ہے۔

لہذا ہم کہتے ہیں کہ ترکیب کی اس نوع کا محال ہونا تم نے کیسے جانا اس پر تو کوئی دلیل نہیں ہے سوائے تمہارے اس قول کے جو نفی صفات کے استدلال میں تم نے پیش کیا ہے کہ جو جنس وفصل سے مرکب ہوتا ہے وہ اجزا سے مجتمع ہوتا ہے اگر کسی چیز یا کل کا وجود دوسرے سے مستقیم ہو کر صحیح ہو سکتا ہے تو وہ دوسرے کے برخلاف واجب الوجود ہوگا اور اگر اجزاء کا وجود کل سے مستقل ہو کر صحیح نہیں ہو سکتا اور نہ کل کا وجود اجزاء کے بغیر صحیح ہو سکتا ہے تو ان میں سے ہر ایک معلول کا محتاج ہوگا اور اس دلیل پر ہم نے صفات کی بحث میں غور کیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ قطع تسلسل علل میں محال نہیں ہے اور دلیل سوائے قطع تسلسل کے کسی طرف رہنمائی نہیں کر سکتی۔

رہی وہ عظیم الشان چیزیں جن کے ساتھ واجب الوجود کے متصف ہونے کے لزوم کو تم نے اختراع کیا ہے تو اس پر کسی دلیل سے رہنمائی ہو سکتی اگر واجب الوجود کا وصف وہی ہے جو تم بتلاتے ہو کہ اس میں کثرت نہیں ہو سکتی لہذا وہ اپنے قوام میں اپنے غیر کا محتاج نہیں ہوتا تو اس وقت اثبات واجب الوجود پر تو کوئی دلیل نہیں البتہ صرف قطع تسلسل پر دلیل ہے اس پر ہم نے صفات کے بحث میں جرح کر دی ہے پس شے کی تقسیم جنس وفصل میں موصوف کی تقسیم کی طرح نہیں جو ذات وصفت میں کی جاتی ہے کیونکہ صفت غیر ذات ہے اور ذات غیر صفت ہے عموماً کل وجہ غیر جنس نہیں ہوتی جب بھی ہم نوع کا ذکر کرتے ہیں جو گویا جنس اور زائد از جنس کا ذکر کرتے ہیں مثلاً ہم کہیں انسان تو گویا ہم ایک حیوان کا ذکر کر رہے ہیں جس پر نطق کا اضافہ کیا گیا ہے لہذا یہ کہنا کہ کیا انسانیت حیوانیت سے مستغنی ہو سکتی ہے ایسی ہی بات ہے جیسا کہ یہ کہنا کہ کیا انسانیت خود انسانیت سے مستغنی ہو سکتی ہے جبکہ

Marfat.com

اس کی طرف کسی دوسری چیز کو ضم کیا جائے تو یہ نسبت صفت و موصوف کی کثرت سے اور زیادہ بعید ہے۔

سوال یہ ہے کہ کس بنیاد پر سلسلہ معلولات کو دو ہی علتوں پر ختم کر دینا محال سمجھا جاتا ہے ان میں سے ایک تو علت افلاک ہے دوسری علت عناصر یا یہ کہ ایک علت عقول ہے دوسری علت اجسام حالانکہ دونوں کے مابین مباینت و مفارقت فی المعنی وجود ہے جیسا کہ سرخی اور گرمی کے مابین محل واحد میں بھی موجود ہے کیونکہ دونوں متباین فی المعنی ہیں بغیر اس کے کہ ہم سرخی ہیں ترکیب جنسی اور فصلی فرض کریں اور اس کو قابل انفصال قرار دے اگر اس میں کثرت ہوتی ہے تو یہ نوع کثرت وحدت ذات ہے معنی نہیں ہوتی پس کس بناء پر تم اس کو علل میں محال سمجھتے ہو اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح وہ دو صانع عالم کے امکان کی نفی پر دلیل قائم کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

اور اگر کہا جائے کہ وہ اس طرح محال سمجھا جاتا ہے کہ اگر دونوں ذاتوں کے مابہ المبانیت کو وجوب وجود میں مشروط کر دیا جائے تو لازم ہوگا کہ دو ہر واجب الوجود کے لئے پائی جائے اس طرح دونوں متباین نہیں ہوں گے اگر اسے مشروط نہ کیا جائے اور نہ کوئی دوسری چیز مشروط کی جائے تو جو بھی وجوب وجود غیر مشروط ہو اس کا وجود اس سے مستغنی ہو گا اور وجوب وجود بغیر اس کے پورا نہ ہوگا۔

تو ہم کہیں گے کہ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جس کا تم نے صفات میں ذکر کر دیا ہے اور ہم سے اس پر گفتگو کر چکے ہیں اس ساری بحث نے تلبیس کا مبدا لفظ واجب الوجود ہے اس لئے اس کو نظر انداز کر دینا چاہیے ہم تسلیم نہیں کرتے کہ دلیل واجب الوجود پر دلالت کرتی ہے اگر اس سے مراد ایسا موجود نہ لیا جائے جس کیلئے فاعل قدیم نہیں ہے اگر اس سے مراد یہی ہے تو لفظ واجب الوجود کو ترک کر دینا چاہیے اور تمہیں ثابت کر دینا چاہیے کہ وہ موجود جس کی علت بھی نہ ہو اور فاعل بھی نہ ہو اس میں تعدد و تباین محال سمجھا جائے گا اور اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی۔

باقی رہا ان کا یہ سوال کہ آیا واجب الوجود کا بغیر کسی علت کے ہونا مشروط ہے اس چیز سے خود واجب الوجود ہستیوں میں مشترک سمجھی جاتی ہے یہ ایک احمقانہ بات ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے واضح کیا ہے جس چیز کی کوئی علت نہ ہو اس کا ایسا ہونا کسی علت کا محتاج نہیں جس کی تلاش کی جائے یہ تو ایسی ہی بات ہوگی جیسے کوئی کہے کہ سیاہی ہونا کیا کسی رنگ کے

Marfat.com

رنگ ہونے کی شرط ہے اگر وہ شرط ہوتی ہے تو سرخی کیسے رنگ ہوسکتی تو یہ اس کا جواب نہ ہوگا کہ اس کی (یعنی رنگ کی حقیقت میں تو دونوں میں سے ایک بھی مشروط نہیں ہے یعنی عقلی طور پر رنگ ہونے کی حقیقت کے ثبوت میں) اور جہاں تک اس کے وجود کا تعلق ہے تو ان میں سے ہر ایک شرط ہوسکتی ہے گو شرط واحد نہ سہی یعنی فصل کے بغیر جنس کا وجود ممکن نہیں اسی طرح جو دو علتیں ثابت کرتا ہے اور ان دونوں سے تسلسل کو منقطع کرتا ہے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ دونوں فصول کی وجہ متبائن ہیں اور کوئی ایک فصل لامحالہ شرط وجود ہوتی ہے لیکن بر سبیل تعین نہیں۔

اگر کہا جائے کہ یہ رنگ میں تو جائز ہے کیونکہ اس کے لئے وجود مضاف الی الماہیت ہوتا ہے، جو زائد علی الماہیت ہے لیکن یہ واجب الوجود میں جائز نہیں کیونکہ اس کے لیے سوائے وجوب وجود کے کچھ نہیں وہاں ماہیت ہی نہیں جس کی طرف وجود کو مضاف کیا جائے جیسا کہ سیاہی کا فصل یا سرخی کا فصل من حیث لون رنگ ہونے کے لئے مشترط نہیں البتہ وہ اپنے اس وجود میں جو علت سے حاصل ہوتا ہے مشرط ہوتے ہیں اسی طرح وجود واجب میں کسی چیز کو مشترط نہ ہونا چاہیے کیونکہ وجود واجب اول کیلئے ایسا ہی ہے جیسے رنگ کے لئے رنگ ہونا رنگ کی طرف وجود مضاف کی طرح نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ واجب الوجود ایسی حقیقت ہے جو وجود کے ساتھ موصوف ہوتی ہے اس کی توضیح ہم آئندہ مسئلہ میں کریں گے، کہ یہ دعوے کے واجب الوجود وجود بلا ماہیت خارج عن المعقول ہے حاصل کلام یہ ہے کہ یہ لوگ نفی تثنیہ کی بنیاد ترکیب جنسی وفصلی پر رکھتے ہیں پھر اس کی بنیاد نفی ماہیت اور ماوراء وجود پر قائم کرتے ہیں پس جب ہم آخر الذکر کو جو کہ اساس الاساس ہے باطل کر دیتے ہیں تو ان کے دعوں کی پوری عبارت منہدم ہو جاتی ہے تب معلوم ہوتا ہے کہ اسکی قوت محض نمائشی ہے۔

الزام کا مسلک دوم

ہم کہتے ہیں کہ اگر وجود جوہریت ومبدئیت جنس نہیں کیونکہ وہ جواب ماہو (وہ کیا ہے) میں پیش نہیں کیے جاتے تو تمہارے پاس اول (خدا) عقل مجرد ہے دوسری تمام عقول کی طرح (جو وجود کے ثانوی مبادی ہیں جن کو وہ ملائکہ بھی کہتے ہیں یعنی علت اول کے معلولات)، اور عقول مجردہ عن المادہ ہیں پس اسی حقیقت میں خدا اور اس کا معلول اول شامل ہوگا کیونکہ معلول اول بھی بسیط ہوتا ہے جس کی ذات میں ترکیب نہیں ہوتی

Marfat.com

سوائے بحیثیت لازم کے لہذا دونوں اس بات میں مساوی ہیں اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک عقل مجرد عن المادہ ہے اور یہ ایک حقیقت جنسیہ ہے کیونکہ ذات کیلئے عقلیت مجردہ لوازم میں سے نہیں بلکہ وہ ماہیت ہی ہے اور رہی ماہیت اول اور تمام عقول کے درمیان مشترک ہے اب اگر اول دوسری عقول سے کسی دوسری شے کی وجہ سے مباین نہ ہو تو تم اثنینیت کو بغیر باہمی مباہنیت کے تصور کرتے ہو اور اگر وہ مباین ہو تو جو مابہ المبانیت ہوگا، وہ عقل کے مابہ المشارکت سے سوا ہوگا، اور اس میں مشارکت حقیقت میں مشارکت ہوگی کیونکہ اول اپنے نفس کو بھی جانتا ہے اور اپنے غیر کو بھی (اس کے نزدیک جو ایسا سمجھتا ہے) اس حیثیت سے کہ وہ اپنی ذات میں عقل مجرد عن المادہ ہے اور معلول اول یعنی عقل اول جس کو کہ خدا نے بغیر واسطہ ایجاد کیا ہے اس صفت میں اول کے ساتھ شریک ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ عقول جو معلولات میں مختلف انواع کی ہوتی ہے اور ان کا اشتراک عقلیت میں ہے اور افتراق فصول کی وجہ سے ہے، اس طرح اول عقلیت میں ان سب سے مشارکت رکھتا ہے۔

اب فلسفیوں کے سامنے دو متبادل پہلو ہیں، یا تو وہ قاعدہ ۱۶ جو انھوں نے مقرر کیا ہے ٹوٹ جائے گا یا پھر انھیں ماننا پڑے گا کہ عقلیت مقوم ذات اول نہیں۔ ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی کا بھی اختیار کرنا انکے لیے محال ہے۔

Marfat.com

مسئلہ (۸)

فلسفیوں کے اس قول کے ابطال میں کہ وجود اول (خدا) بسیط ہے، یعنی وہ وجود محض ہے نہ ماہیت ہے نہ حقیقت جس کی طرف وجود کی اضافت کی جا سکے، اس کے لئے وجود ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ اس کے غیر کے لئے ماہیت واجب ہے۔

اس پر دو طرح سے جرح کی جائے گی

اول:۔

مطالبہ دلیل کا: ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کیسے جانا ضرورت عقل کی بناء پر یا طریق نظری سے؟ ضرورت عقل کی بناء پر تو نہیں ہو سکتا لہذا تمہیں اس کے ثبوت میں نظری دلائل پیش کرنی چاہئیں۔

اگر کہا جائے کہ اگر اول کے لئے ماہیت قرار دی جائے تو وجود اس کی طرف مضاف ہوگا اور اس کا تابع و لازم ہوگا اور تابع معلول ہوتا ہے لہذا وجود واجب معلول ہوگا اور یہ بات متناقض ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ لفظ وجود واجب کے اطلاق میں تلبیس پائی جاتی ہے ہم کہتے ہیں کہ اس کے لیے حقیقت یا ماہیت ہے اور یہی حقیقت موجود ہے یعنی معدوم یا منفی نہیں ہے اور وجود اسکی طرف مضاف ہے اگر اس کا تابع و لازم نام رکھ سکتے ہو تو الفاظ کے ردو بدل میں کوئی حرج نہیں یہ جان لینے کے بعد کے وجود کے لئے کوئی فاعل نہیں ہے بلکہ یہ وجود قدیم ہے بغیر علت فاعلی کے اگر تابع و معلول سے یہ مراد لیتے ہو کہ اس کے لئے علت فاعلی ہے تو ایسا تو نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے سوائے کوئی اور چیز مراد لی جائے

Marfat.com

تو وہ مسلم ہے اور اس میں کوئی تضاد بھی نہیں کیونکہ دلیل قطع تسلسل علل ہی پر دلالت کرتی ہے اور اس کا قطع حقیقت موجودہ اور ماہیت ثابتہ کے ذریعہ ممکن ہے سلب ماہیت کا محتاج نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ماہیت وجود کا سبب ہو جو ماہیت کے تابع ہونے کی وجہ سے اس کا معلول یا مفعول ہوگا۔

تو ہم کہیں گے کہ ماہیت اشیائے حادثہ میں وجود کا سبب نہیں ہوتی تو قدیم میں کیسے ہوگی؟ اگر وہ سبب سے اس کا فاعل مراد لیتے ہیں اور اگر اس سے کوئی دوسری چیز مراد لی جائے (یعنی ایسی چیز جو ناگزیر ہے) تو ماہیت وجود کا سبب ہو سکتی ہے اور وہ محال بھی نہیں ہے البتہ جو چیز اصل میں محال ہے وہ تسلسل علل ہے مگر جب وہ منقطع ہو جائے تو محالیت دفع ہو گئی باقی تو اس کے محال ہونے کی کوئی وجہ نہیں ورنہ اس کے محال ہونے پر دلیل قائم ہونی چاہیے مگر براہین جو فلاسفہ نے پیش کی ہیں وہ ساری تحکمات کی قسم ہی کے ہیں جن کی بنیاد زیادہ تر (۱) لفظ واجب الوجود پر ہے جس سے وہ بعض نتائج اخذ کرتے ہیں (۲) اور یہ تسلیم کر لیا گیا کہ دلیل واجب وجود پر انہی اوصاف کے ساتھ دلالت کرتی ہے لیکن جیسا کہ بتلایا گیا واقعہ یہ نہیں ہے۔

غرضیکہ فلسفیوں کی دلیل اس بارے میں نفی صفات اور نفی انقسام جنسی و فصلی کی دلیل ہی کی طرف رجوع ہوتی ہے بلکہ یہ اور زیادہ کمزور اور مبہم ہے کیونکہ اس کثرت کا مرجع سوائے مجرد لفظ کے اور کچھ نہیں ہے ورنہ عقلاً ماہیت واحدہ موجودہ کے فرض کیلئے گنجائش باقی ہے اگر وہ کہتے ہیں کہ ہر ماہیت موجودہ متکثرہ ہوگی کیونکہ عقل میں ماہیت کا تصور بھی ہے اور وجود کا بھی تو یہ انتہائی گمراہی ہے کیونکہ موجود واحد ہر حال میں سمجھ میں آ سکتا ہے اور ہر موجود کے لئے حقیقت بھی ضروری ہے وجود حقیقت وحدت کی نفی نہیں کرتا۔

دوسرا مسلک

ہم کہتے ہیں کہ وجود بلا ماہیت و حقیقت غیر معقول ہے جیسا کہ ہم عدم مرسل کو نہیں سمجھ سکتے سوائے اس کے ایسے موجود کی طرف اس مضاف کیا جائے جس کا کہ وہ عدم ہو پس ہم وجود مرسل کو بغیر حقیقت معینہ کی طرف اضافت کے نہیں سمجھ سکتے خصوصاً جب ہم ذات واحد کا تعین کریں کیونکہ واحد کیسے متعین کیا جائے گا جو اپنے غیر سے بالمعنی متمیز ہو، اور اسکے

Marfat.com

کیلئے حقیقت بھی نہ ہو؟ اسی لئے کہ نفی ماہیت ہی نفی حقیقت ہے اور جب حقیقت موجود کی نفی کی جائے تو وجود بھی سمجھ میں نہیں آئے گا گویا یہ ایسی بات ہوگی جیسے کہ کوئی کہے کہ وجود ہے اور موجود نہیں اور یہ متناقض ہوگا۔

اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر اس کو معقول سمجھا جائے تو معلولات میں ایسا وجود جائز رکھنا پڑے گا جس کی حقیقت نہ ہو اور وہ اول کے ساتھ ایسے وجود میں مشارکت رکھتا ہو جس کو نہ حقیقت ہونا ماہیت اور اس بات میں اس سے متبائن ہوتا ہے کہ اس کے لئے علت ہوتی ہے اور اول کی کوئی علت نہیں ہوتی اب معلولات میں ایسی شے کا تصور کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ اس کے لئے سوائے اس کے کہ وہ فی نفسہ غیر معقول ہے اور کونسا سبب ہوگا؟ اور جو فی نفسہ غیر معقول ہو تو چونکہ اس کے علت کی نفی کی جاتی ہے اس لئے وہ معقول نہیں ہو جاتا اور جو معقول ہوتا ہے چونکہ اس کے لئے علت کو مقدر کیا جاتا ہے اس لئے وہ غیر معقول نہیں ہو جاتا۔

معقولات میں فلسفیوں کی یہ انتہا پسندی ظلمات کی عمیق وادیوں میں سرگردانی ثابت ہوتی ہے انھوں نے یہ خیال کیا کہ خدا کے خالص تصور تک انکی پہنچ ہوگئی ہے لیکن دراصل ان کی تحقیقات کی انتہا نفی مجرد پر ہوتی ہے کیونکہ نفی ماہیت نفی حقیقت ہے نفی حقیقت کے بعد صرف لفظ وجود باقی رہ جاتا ہے خالی از معنی جو ماہیت کی طرف مضاف نہیں کیا جا سکتا۔

اگر کہا جائے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے اور وہ ماہیت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ واجب کے معنی سوائے نفی علت کے کچھ نہیں اور وہ تو سلب محض ہے جس سے حقیقت ذات کا قوام نہیں ہو سکتا اور نفی علت عن الحقیقت حقیقت کے لئے لازم ہے لہذا حقیقت اپنی اس توصیف میں قابل فہم ہونی چاہیے کہ اسکے لئے علت نہیں اور نہ اس کے عدم کا تصور ہو سکتا ہے کیونکہ وجوب کے لئے اس کے سوائے کوئی معنی نہیں۔

علاوہ ازیں اگر وجوب کو وجود پر زیادہ کیا جائے تو کثرت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر زیادہ نہ کیا جائے تو وہی ماہیت کیسے ہو سکتا ہے وجود تو ماہیت نہیں لہذا جو وجود کا عین نہیں وہ عین بھی نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

مسئلہ (۹)

اس بیان میں کہ فلاسفہ عقلی دلائل سے یہ ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ اول (خدا) کے لئے جسم نہیں

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات اسی وقت ٹھیک ہو سکتی ہے جب یہ سمجھا جائے کہ جسم حادث ہے اس حیثیت سے وہ حوادث سے خالی نہیں ہوتا اور ہر حادث محدث کا محتاج ہوتا ہے۔

مگر جب تم جس کو قدیم سمجھتے ہو کہ اس کے وجود کے لئے اول نہیں یا وجود یکہ وہ خالی از حوادث نہیں تو سوال ہو سکتا ہے کہ اول جسم کیوں نہیں ہو سکتا؟ چاہے وہ سورج ہو یا فلک اقصیٰ ہو یا اس کے سوائے کچھ اور ہو۔

اگر کہا جائے کہ چونکہ جسم ایسا مرکب ہوتا ہے جس کو کمّاً دو جز میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور قسمت معلومہ کے لحاظ سے بھی وہ صورت وحیلہ میں منقسم ہو سکتا ہے اور ان اوصاف ہی میں منقسم ہو سکتا ہے جن سے وہ لامحالہ مختص ہوتا ہے تا کہ وہ دوسرے اجسام سے متمیز ہو سکے ورنہ اجسام اس حیثیت سے کہ وہ اجسام ہیں مساوی ہونگے اور واجب الوجود تو ایک ہے ان تمام وجود کی بناء پر وہ قابل تقسیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہماری روح خود ہمارے جسم کی علت نہیں ہے اور مجرد نفس فلک اس کے وجود جسم کی تمہارے نزدیک علت ہے بلکہ دونوں ان کے سوا کسی علت کی وجہ سے موجود ہیں اگر ان دونوں کے وجود کو قدیم تسلیم کیا جائے تو جائز ہوگا کہ ان کے لئے علت نہ ہو۔

اگر کہا جائے کہ روح وجسم کا اکتفا کس طرح وقوع پذیر ہوا؟

تو ہم کہیں گے کہ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ وجود اول کا وقوع کیسے ہوا یا کہا جائے گا کہ یہ سوال حادث کے بارے میں کیا جا سکتا ہے اور جو ازل سے موجود ہے اس کے متعلق ہو سکتا ہے جب وہ سب کے سب ہمیشہ سے موجود ہیں تو عجب نہیں کہ ثانیہ بھی وہی ہوں اگر کہا جائے کہ جسم بے حیثیت جسم اپنے غیر کا خالق نہیں ہو سکتا اور روح متعلقہ جسم وساطت جسم کے بغیر کام نہیں کر سکتی اور جسم (ا) اجسام کی تخلیق کے لئے روح کا واسطہ نہیں

Marfat.com

بن سکتا (۲) اور نہ روح کی تخلیق ہی کے لئے (۳) اور نہ ایسی چیزوں کی تخلیق کے لئے جو اجسام سے موافقت نہیں کر سکتی۔

تو ہم کہیں گے کہ یہ کیوں جائز نہیں رکھا جاتا کہ ارواح ہی میں کوئی ایسی روح بھی ہو جو ایک ایسی خاصیت سے مختص ہو جو ان کاموں کے لئے تیار ہو کہ اجسام وغیرا جسام اس سے وجود پائیں اس کا محال ہونا تو بضرورت معلوم نہیں ہو سکتا اور نظری طور پر کوئی دلیل بھی اس پر نہیں قائم کی جا سکتی اس میں شک نہیں کہ ہم اجسام مرئیہ میں ایسے حالات کا مشاہدہ نہیں کرتے لیکن عدم مشاہدہ تو کسی چیز کے محال ہونے پر دلیل نہیں چنانچہ فلسفی موجود اول کی طرف ایسی ایسی چیزوں کی نسبت کرتے ہیں جو کسی موجود کی طرف قطعاً منسوب نہیں کی جا سکتیں لیکن جو چیزیں کہ اس کے غیر میں مشاہدہ نہیں کی گئیں اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ وجود اول میں بھی محال ہیں یہی چیز روح اور اجسام کے متعلق بھی صحیح ہو سکتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ فلک اقصی یا سورج یا کوئی اور جسم فرض کرو جس کی کوئی مقدار ہو سکتی ہے اور اس میں زیادتی و کمی جائز رکھی جا سکتی ہے اب اس مقدار جائز سے اختصاص کسی مخصص کا محتاج ہوگا جو اس کی تخصیص کرے لہذا جسم علت اولی نہیں ہوگا۔

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ پھر تم اس شخص کے قول کی کس طرح تردید کرو گے جو کہتا ہے کہ یہ جسم ایسی مقدار ہوتا ہے جس پر نظام کل کے اعتبار سے اس کو رہنا لازم ہے اس سے چھوٹا یا بڑا ہونا کبھی جائز نہ ہوگا جیسا کہ تم کہتے ہو کہ معلول اول سے فلک اقصی کا بے مقدار مقررہ فیضان ہوتا ہے اور تمام مقادر معلول اول کی ذات کی نسبت کے لحاظ سے مساوی ہوتی ہیں لیکن ان میں سے ایک کا تعین نظام کلی سے تعلق کی وجہ سے فلک اقصی کے جسم کے طور پر ہوتا ہے اس لئے جو مقدار کے واقع ہو گئی وہی واجب ہے اس کے برخلاف جائز نہیں یہی توجیہ اس کے متعلق بھی کی جا سکے گی جو غیر معلول ہے بلکہ اگر وہ معلول اول میں (جو ان کے نزدیک جرم فلک اقصی کی علت ہے) تخصیص کے لئے ایک مبدا ثابت کریں مثلاً ارادہ ایجاب کریں تو بھی سوال منقطع نہ ہوگا کیونکہ پوچھا جائے گا اس مقدار کے بجائے یہ مقدار کیوں مقرر کی گئی؟ جیسا کہ وہ مسلمانوں سے ارادہ قدیم کی طرف اشیاء کی اضافت کے بارے میں سوال کرتے ہیں اس طرح ہم ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ معلول اول نے اسی مقدار کے تعین کا کیوں ارادہ کیا؟ (ہم ان پر اسی قسم کا الزامی اعتراض عائد کر چکے ہیں جب ہم نے جہت حرکت فلکیہ اور نقطہ قطب کے سلسلہ میں بحث کی تھی)۔

Marfat.com

جب یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ لوگ وقوع علت میں تمیز الشیٔ عن مثلہٖ کو جائز رکھنے پر مجبور ہیں لہذا بغیر علت کے اس کو جائز رکھنا بھی علت کے ساتھ جائز رکھنے ہی کی طرح سمجھا جائے گا کیونکہ جیسے نفس شئے کے بارے میں یہ سوال برابر ہوتا رہے گا کہ اتنی مقدار کیوں مقرر کی گئی؟ تو علت کی صورت میں بھی ایسا ہی سوال ہو گا کہ اپنے مثل سے اس مقدار کو خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ علت کی صورت میں اگر اس سوال کا اس طرح جواب دیا جا سکتا ہو کہ یہ مقدار اپنے غیر کی مقدار کی طرح نہیں ہے کیونکہ نظام برخلاف دوسرے کے اسی سے متعلق ہے تو نفس شے کے بارے میں بھی جو علت کی محتاج نہ ہو ایسا ہی جواب دیا جا سکتا ہے اور اس سے مفر نہیں ہے۔

اور اگر یہ مقدار متعین جو وقوع میں آ چکی ہے اس مقدار کے مساوی ہو جو وقوع میں نہیں آئی تو اب یہ سوال پیدا ہو گا کہ اپنے مثل سے اس کو کیسے امتیاز دیا گیا؟ (خصوصاً فلاسفہ کے اصول پر کیونکہ وہ ارادہ ممیزہ کا انکار کرتے ہیں) اور اگر اس کے لئے مثل نہ ہو تو جواز ثابت نہ ہو گا بلکہ کہا جائے گا کہ جس طرح ان کے خیال میں علت قدیمہ واقع ہو گئی اس طرح جس کو ہم نے ان کی تردید کی خاطر علت اولیٰ فرض کیا ہے۔ (قدیم سے واقع ہو گیا)

اس بحث میں جو شخص فلسفیوں سے مناظرہ کرتا ہے ان اعتراضات سے مدد لے سکتا ہے جو فلسفیوں نے ارادۂ قدیمہ کے خلاف قائم کیے ہیں اور ان الزامی اعتراضات سے جو نقطہ قطب اور جہت حرکت فلکیہ کے خلاف ہم نے قائم کیے ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ جو شخص حدوث اجسام کا قائل نہ ہو وہ اس بات پر دلیل قائم نہیں کر سکتا کہ اول کے لئے جسم نہیں ہے۔

Marfat.com

مسئلہ (۱۰)

اس بات پر قیام دلیل سے فلاسفہ کے عجز کے بیان میں کہ عالم کے لئے صانع وعلت نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہر جسم حادث ہے، کیونکہ وہ حوادث سے خالی نہیں ہوتا تو اس کا یہ قول کہ جسم صانع وعلت کا محتاج ہے سمجھ میں آتا ہے۔

مگر آپ کے مذہب میں دہریوں کے اس عقیدے کی کیوں گنجائش نہیں کہ عالم قدیم ہے اس کی نہ کوئی علت ہے نہ صانع علت تو حوادث کے لئے ہوتی ہے اور جسم تو عالم میں نہ کبھی حادث ہوا ہے اور نہ کبھی معدوم حادث تو صور واعراض ہوتے ہیں۔

اجسام یعنی آسمان قدیم ہے عناصر اربعہ جو فلک قمر کا حاشیہ ہیں اور ان کے اجسام ومواد قدیم ہیں البتہ امتزاجات واستحالات کی وجہ سے ان پر صورتوں کا تبدل ہوتا رہتا ہے ہاں ارواح انسانیہ وحیوانیہ ونباتیہ حادث ہوتی ہیں اور ان حوادث کی علل حرکت دوریہ پر منتہی ہوتی ہیں اور حرکت دوریہ قدیم ہے اور اس کا مصدر نفس قدیمہ فلک ہے اس طرح نہ عالم کی علت کی ضرورت رہتی ہے اور نہ اس کے اجسام کے لئے صانع کی، بلکہ وہ اسی حالت میں ہمیشہ سے ہے بلا علت تو اب فلسفیوں کے اس قول کے کیا معنی رہ جاتے ہیں کہ اجسام کا وجود علت کی وجہ سے ہے اور وہ قدیم ہیں اگر کہا جائے کہ جس چیز کی علت نہ ہو وہ واجب الوجود ہے اور ہم واجب الوجود کی صفات کا تو ذکر کر چکے ہیں جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ جسم واجب الوجود نہیں تو ہم کہیں گے کہ اس دعوے کا فساد تو ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ اس کی دلیل تو سوائے قطع تسلسل کے کسی چیز کی طرف رہنمائی نہیں کرتی اور دہریہ نے تو ابتداء ہی میں یہ کہ کر قطع تسلسل کر دیا ہے کہ اجسام کی کوئی علت نہیں رہ گئے صور واعراض تو بعض کی علت بعض ہیں یہاں تک کہ وہ حرکت دوریہ پر منتہی ہوتے ہیں اور جیسا کہ فلاسفہ کا مذہب ہے کہ بعض حرکات دوریہ بعض کی علت ہیں اور اسی پر ان کا قطع تسلسل ہو جاتا ہے جو شخص ہمارے اس مذکورہ بیان کو غور سے پڑھے گا اور قدم اجسام کے معتقدین کے بارے میں یہ مان لے گا کہ وہ ان کی علت کے ثابت کرنے سے عاجز ہیں یہ لوگ اصولاً دہریت کے قبول

Marfat.com

کرنے پر مجبور ہیں اگر کہا جائے کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ اجسام یا تو واجب الوجود ہونگے جو محال ہے یا ممکن الوجود ہونگے تو ہر ممکن علت کا محتاج ہوتا ہے۔

اور ہمارا جواب یہ ہے کہ واجب الوجود اور ممکن الوجود کے الفاظ بے معنی ہیں اور فلسفیوں نے جو التباس پیدا کر رکھا ہے اس کی اصل ان ہی دو لفظوں میں پائی جاتی ہے اس لیئے ہمیں مفہوم کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے اور وہ ہے نفی علت یا اثبات علت تو گویا وہ کہتے ہیں کہ ان اجسام کی علت ہوگی یا نہ ہوگی دہری تو کہتا ہے کہ ان کی کوئی علت نہیں تو فلسفیوں کو اس سے انکار کی وجہ کیا ہے؟ اور اگر امکان سے یہی مراد لی جائے (یعنی جس کی علت نہیں) تو ہم اسی کو واجب الوجود کہتے ہیں اور وہ ممکن نہیں ہے اور ان کا قول کہ جسم کا واجب ہونا ممکن نہیں محض تحکم ہے بلا دلیل۔

اور کہا جائے کہ جسم کے لئے اجزاء کے ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور کل مجموعہ تو اجزاء ہی سے قوام پاتا ہے اور اجزاء کی تو علت نہیں نہ ان کے اجتماع کی بلکل وہ تو ایسے ہی بلا علت فاعلی قدیم سے چلے آرہے ہیں۔

اس کا رد فلسفیوں سے ممکن نہیں سوائے اس کے کہ وہی دلیل دہرائی جاتی ہے جو موجود اول سے نفی کثرت کا لزوم ثابت کرتی ہے ہم نے اس کا ابطال کر دیا ہے اور فلسفیوں کے ہاں کوئی دوسری دلیل ان کی اپنی حمایت میں موجود نہیں ہے اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ جو حدوث عالم کا معتقد نہیں ہوتا اس کو صانع عالم کیلئے کوئی اصلی دلیل نہیں مل سکتی۔

Marfat.com

مسئلہ (۱۱)

ان فلسفیوں کے قصور استدلال کے بیان میں جو سمجھتے ہیں کہ اول اپنے غیر کو جانتا ہے اور انواع واجناس کو بنوع کلی جانتا ہے۔

مسلمانوں کے پاس وجود منحصر ہے حادث اور قدیم پر اور قدیم تو ان کے پاس سوائے ذات وصفات سبحانہ تعالیٰ کے کچھ اور نہیں اس کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کے ارادے ہی کی جہت سے حادث ہوا ہے ان مقدمات سے خدا کے علم پر یقین ایک ضروری نتیجے کے طور پر لازم آتا ہے کیونکہ مراد (یعنی جس شے کا کہ ارادہ کیا گیا ہو) بالضرورت مرید (یعنی ارادہ کرنے والے) کو معلوم ہی ہونا چاہیے اسی بناء پر کہتے ہیں کہ اس کو کل کا علم ہے کیونکہ کل اس کی مراد ہے اور اسی کے ارادے سے حادث ہوا ہے یعنی کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے ارادے سے حادث نہ ہوئی ہو جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ جس چیز کا ارادہ کرے اس کا مرید اور عالم ہے تو بالضرورت اس کو حی یعنی ذی حیات بھی ہونا چاہیے اور ہر حی جو اپنے غیر کو جانتا ہے وہ اپنی ذات کو بھی جانتا ہے اس طرح کائنات مسلمانوں کے نزدیک خدا کے علم کا معروض قرار پاتی ہے اس مسئلہ کو مسلمانوں نے اسی طریق سے سمجھا ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ احداث عالم کا خدا ہی مرید ہے۔

البتہ تم چونکہ دعویٰ کرتے ہو کہ عالم قدیم ہے خدا کے ارادے سے حادث نہیں ہوا تو تم کیسے جان سکتے ہو کہ وہ غیر ذات کو بھی جانتا ہے اس پر کوئی دلیل ہونی چاہیے۔

ابن سینا نے اس کی تحقیق میں اپنے فلسفیانہ مباحث کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ دو بیانات میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

پہلا بیان :۔

اول موجود ہے مگر مادے میں نہیں اور ہر موجود جو مادے میں نہ ہو وہ عقل محض ہو گا اور جو بھی عقل محض ہو گا اس پر تمام معقولات کھلے ہوئے ہونگے کیونکہ تمام اشیاء کے ادراک سے جو شے مانع ہوتی ہے وہ ہے مادے کے ساتھ تعلق اور مشغولیت آدمی کی روح تو تدبیر مادہ (یعنی بدن) میں مشغول ہے جب اسکی مشغولیت موت کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور وہ شہوات جسمانیہ اور صفات ردیہ جو امور طبیعیہ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں سے پاک وصاف ہو جاتی ہے تو اس پر سارے حقائق معقولات کا انکشاف ہو جاتا ہے اور اسی لئے یہ بھی فیصلہ کیا جاتا ہے کہ ملائکہ سارے معقولات کے شناسا ہوتے ہیں ان سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہوتی کیونکہ وہ بھی عقول مجردہ ہیں جو کسی مادے میں نہیں۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ تمہارے اس قول کے کہ اول موجود ہے مگر مادے میں نہیں ہے، معنی اگر یہ ہیں کہ وہ نہ جسم ہے اور نہ جسم میں منطبع ہے بلکہ وہ قائم بنفسہ ہے بغیر کسی تحیز اور اختصاص جہت کے تو وہ مسلم ہیں۔

رہ گیا تمہارا یہ قول کہ وہ عقل مجرد ہے تو عقل سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد وہ ہستی ہے جو تمام اشیاء کو جانتی ہے تو وہی مطلوب ہے ہمارا بھی اور یہی موضوع نزاع بھی مگر تم نے اس کو قیاس مطلوب کے مقدمات میں کیسے داخل کر لیا؟ اگر تم اس کے سوائے کسی اور چیز سے مراد لیتے ہو (یعنی وہ جو اپنے آپ کو جانتی ہے) اس بیان سے تمہارے فلسفی بھائیوں کو تو اتفاق ہو گا لیکن جس نتیجہ تک تم پہنچنا چاہتے ہو وہ یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو جانتا ہے وہ اپنے غیر کو بھی جانتا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ تم نے اس کا ادعا کیوں کیا؟ یہ کوئی ضروری صداقت بھی نہیں ہے غرضیکہ ابن سینا اس بارے میں تمام فلاسفہ سے الگ ہو گیا ہے اس لئے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اس کو تم ضرورتا کیسے تسلیم کرتے ہو؟ اور اگر یہ نظری دلیل کا محتاج ہے تو پھر وہ دلیل کیا ہے؟۔

اگر کہا جائے کہ عقل مجرد اشیاء کا علم رکھتی ہے کیونکہ ادراک اشیاء سے مانع تو مادہ ہی ہوتا ہے اور وہاں مادہ نہیں ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مادہ مانع ضرور ہے مگر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ صرف یہی مانع ہے اور ان کے قیاس کو قیاس شرطی کی شکل میں اس طرح پیش کیا جا سکتا

Marfat.com

ہے کہ اگر عقل مادہ میں ہوگی تو اشیاء کا ادراک نہ کرے گی لیکن مادہ میں تو نہیں ہے اس لئے اشیاء کا ادراک کرے گی اور یہ استثناء نقیض مقدم ہے اور استثناء نقیض مقدم کا بلا اتفاق کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا وہ ایسی بات ہے جیسے یہ کہا جائے کہ اگر وہ انسان ہے تو حیوان ہوگا مگر چونکہ انسان نہیں ہے تو حیوان بھی نہ ہوگا اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کیونکہ بہت سی چیزیں انسان نہیں ہوسکتیں مگر حیوان ہوسکتی ہیں جیسے گھوڑا ہوسکتی ہے اور گھوڑے حیوان ہیں ہاں استثناء نقیض مقدم نقیض تالی کا نتیجہ دیتا ہے جیسا کہ منطق میں وہ شرط کے نام سے مذکور ہے کہ وہ مقدم پر تالی کے انعکاس کا ثبوت ہے اور یہ حصر کے ساتھ ہوتا ہے کہ جیسے کہیں کہ اگر سورج نکلا ہے تو دن موجود ہے لیکن سورج نکلا نہیں ہے اس لئے دن موجود نہیں کیونکہ دن کے وجود کے لئے سورج نکلنے کے سوا کوئی سبب نہیں ہے اس طرح ایک دوسرے پر منعکس ہوگا (اس قسم کی بحثیں ہم نے کتاب معیار العلم میں کی ہیں جو اس کتاب کے ضمیمے کے طور پر لکھی گئی ہے)۔

اگر کہا جائے کہ ہم تعاکس کا دعویٰ کرتے ہیں وہ یہ کہ معنی مادے میں محصور ہے لہذا اس کے سوائے جو ہوگا وہ معنی نہ ہوگا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ محض تحکم ہے اس پر دلیل کیا ہے

دوسرا بیان

ابن سینا کا قول ہے کہ اگرچہ کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اول احداث عالم کا ارادہ کرنے والا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ کل کا حدوث زمانی ہے البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ عالم اس کا فعل ہے اور اسی سے موجود ہوا ہے اور یہ ضرور کہتے ہیں کہ وہ صفت فاعلی سے کبھی محروم نہ رہا ہمیشہ فاعل رہا اس کے سوا دوسروں سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں اور جہاں تک کہ بنیادی سوال کا تعلق ہے۔ (آیا عالم خدا کا فعل ہے) اس میں مطلقاً کہیں اختلاف نہیں چونکہ فاعل کو اپنے فعل کا عالم ہونا بالاتفاق واجب ہے ہم یقین رکھتے ہیں کہ خدا کو کائنات کا علم ہے اور ہم کائنات کو خدا کا فعل سمجھتے ہیں۔

جواب: اس کا دو طریقوں سے دیا جاسکتا ہے۔

ایک یہ کہ فعل کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) ارادی، جیسے انسان و حیوان کا فعل۔

(۲) اور طبعی جیسے سورج کا فعل روشنی دینا آگ کا فعل گرم کرنا پانی کا فعل ٹھنڈا کرنا

Marfat.com

وغیرہ فعل کی حیثیت سے علم کو ارادی افعال ہی میں شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ انسان میں اس کا قیاس کیا جاتا ہے اس کو فعل طبعی تو نہیں کہا جاتا۔

اور تمہارے نزدیک پیدائش عالم کا فعل اللہ تعالی کا ایک طبعی واضطراری فعل ہے جو لازماً عن الذات ہے وہ ارادی واختیاری فعل تو نہیں بلکہ کل اس کی ذات کے لئے ایسا ہی لازم ہے جیسا کہ صورت کے لئے نور اور جس طرح کے سورج کو اپنے آپ سے نور کو الگ کرنے کی قدرت نہیں اور نہ آگ کو اپنے سے خاصیت حرارت دور کرنے کی قدرت ہے اسی طرح اول کا اپنے افعال سے الگ ہونا بھی ممکن نہیں تعالی عن قولھم علواً کبیراً (خدائے تعالی ان کے خرافات سے بلند تر ہے) تو اس طریقہ پر اگر تخلیق کائنات خدا کا فعل ہے تو پھر فاعل کو اس فعل کا علم ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اگر کہا جائے کہ دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے؟ کل کا اس کی ذات سے صادر ہونا کل کے ساتھ اس کے علم کی وجہ سے ہے پس نظام کلی کا تمثل ہی فیضان کل کا سبب ہے اگر اس کو کل کا علم نہ ہوتا تو اس سے کل کا وجود بھی نہ ہوتا اور یہ بات سورج نور کے اشعاع کے متعلق صحیح نہیں۔

تو ہم کہتے ہیں کہ کل کا وجود خدا کی ذات سے ایسی ترتیب سے لازم آتا ہے جو طبعی اور اضطراری ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ اس کا عالم ہو بتلایئے کہ اس مذہب میں کونسی محال بات ہے جب تم بھی نفی ارادے میں انکے ساتھ موافقت کرتے ہو؟ اور جیسا کہ سورج علم نور کے ساتھ لزوم نور کے لئے مشروط نہیں ہو سکتا بلکہ نور تو ضرور تا اس کا تابع ہوتا ہے تو ایسی ہی بات اول میں فرض کرنی چاہیے اور اس سے کوئی امر مانع نہیں۔

دوسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر فلسفیوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ فاعل سے شے کا صدور صادر کے ساتھ علم کا مقتضی ہوتا ہے تو ان کے پاس تو اللہ تعالی کا فعل واحد ہے اور وہ ہے معلول اول جو ایک عقل بسیط ہے تو چاہیے کہ خدا سوائے اس کے اور کسی چیز کا عالم نہ ہو اور معلول اول بھی صرف اسی چیز کا عالم ہوگا جو اس سے صادر ہوئی اور کل تو اللہ تعالی سے ایک ہی دفع موجود نہیں ہوا جبکہ یہ وساطت وتولا ولزوم صادر ہوا ہے اور جو چیز کے اس کے صادر سے صدور پذیر ہوتی ہے کیا ضروری ہے کہ اس کا بھی اس کو علم ہو؟ اس سے تو صرف ایک ہی چیز صادر ہوئی۔ بلکہ یہ بات تو فعل ارادی میں بھی لازم نہیں تو طبعی میں کیسے ہوگی؟ جیسے پتھر کی حرکت ایک پہاڑ پر سے بعض وقت ارادی تحریک سے بھی ہو سکتی ہے جو حرکت کے ساتھ علم کو لازم گردانتی ہے حالانکہ اس کی اس حرکت سے بالواسطہ جو کچھ وقوع

Marfat.com

میں آتا ہے اس کے علم کو لازم نہیں گردانتی جیسے کچھ ٹوٹ گیا یا پھوٹ گیا یا کسی کے سر پر گر گیا ان سب کا معلوم کرنا پتھر لڑھکانے والے کے لئے ضروری نہیں بہرحال یہ بھی ایسی بات ہے جس کا جواب فلسفیوں کے ہاں کچھ نہیں۔

اگر کہا جائے کہ اگر ہم یہ فیصلہ کر لیں کہ اول اپنی ذات کے سوائے کچھ نہیں جانتا تو یہ بہت بری بات ہو گی اس کا غیر اپنی ذات کو بھی جانتا ہے اول کو بھی جانتا ہے اور غیر کو بھی جانتا ہے تو شرف علم میں یہ اول سے بڑھ جائے گا حالانکہ معلول علت سے اشرف نہیں ہو سکتا۔

تو ہم کہیں گے کہ یہ قباحت نفی ارادہ اور نفی حدوث عالم کی فلسفیانہ تجویز کا لازمی نتیجہ ہے تو دوسرے فلسفیوں کی طرح آپ بھی اس کا ارتکاب کریں یا اس عقیدے سے دست بردار ہوں اور اعتراف کریں کہ عالم حادث بالارادہ ہوتا ہے نیز ابن سینا سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ فلسفیوں کے اس خیال کا کیوں انکار فرماتے ہیں علم زیادتی شرف کا سبب نہیں کیونکہ علم کی طرف اس کا غیر اس لئے محتاج ہوتا ہے اس سے کمال کا استفادہ کرے اور انسان کو معقولات کے علم میں شرف ملا ہے تاکہ دنیا و آخرت میں نتائج وعواقب کے مصلحتوں پر وقوف پا سکے تو یہ بات اسکی ذات علم مظلمہ ناقصہ کی تلافی کے لئے ہے دوسری مخلوقات کا بھی یہی حال ہے۔

رہی ذات سبحانہ تعالی تو تکمیلی و تلافی کی ضرورت سے مستغنی ہے بلکہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ کسی علم کی وجہ سے اس کی ذات کامل ہو سکتی ہے تو گویا یہ اس کی ذات میں نقص کو تسلیم کرنا ہے۔

اور یہ بات ایسی ہی ہے جیسی کہ آپ نے اس کی صفت سمع و بصر کے بارے میں بھی کہی ہے اور جزئیات داخلہ تحت زمانہ کے علم کے بارے میں بھی آپ نے تمام فلسفیوں سے اتفاق کیا ہے کہ خدائے تعالی ان سے منزہ ہے کیونکہ متغیرات جو تحت زمانہ داخل ہیں دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو ہو چکے دوسرے وہ جو ہونے والے ہیں ان کا علم اول کو نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے اس کی ذات میں تغیر پیدا ہوتا ہے اور ان جزئیات کی اس میں تاثیر ہوتی ہے اول سے اس چیز کو سلب کر لینے میں کوئی نقصان نہیں بلکہ کمال ہے نقصان تو حواس اور اس کی طرف احتیاج کی وجہ سے ہوتا ہے اگر آدمی میں نقصان نہ ہوتا تو وہ حواس کا محتاج نہ ہوتا کہ ان سے دفاع ضرور کر سکے۔

Marfat.com

اور اسی طرح حوادث جزئیہ کے علم کو بھی تم نقصان سمجھتے ہو ہم تمام حوادث کے عالم ہیں ساری محسوسات کا ادراک کر سکتے ہیں اور اول جزئیات میں سے کچھ نہیں جانتا نہ محسوسات میں سے کچھ جانتا اور یہ کوئی نقصان نہیں لہذا کلیات عقلیہ کا علم بھی جائز ہو سکتا ہے کہ اس کے غیر کو ہو اس کو نہ ہو اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں اس مشکل سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔

Marfat.com

مسئلہ (۱۲)

فلسفی اس پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتے

کہ اول اپنی ذات کو جانتا ہے

مسلمان چونکہ حدوث عالم یا ارادہ الٰہی کے قائل ہیں اس لئے وہ ارادے سے اس کے علم پر استدلال کرتے ہیں پھر ارادہ وہ علم سے حیات پر پھر حیات سے اس بات پر کہ ہر ذی حیات اپنی ذات کو جانتا ہے اور وہ توضیح حیات ہی ہے لہذا اپنی ذات کو بھی جانتا ہے یہی طریقہ استدلال معقول اور مضبوط ہے۔

مگر تم ارادہ اور فعل احداث کی نفی کر چکے ہو اور سمجھتے ہو کہ جو کچھ اس سے صادر ہوتا ہے وہ بر سبیل ضرورت وطبع لازمی طور پر صادر ہوتا ہے تو یہ بات کیوں بعید از قیاس سمجھی جائے کہ اس کی ذات ایسی ذات ہے جس سے صرف معلول اول کا وجود ہوتا ہے پھر معلول اول سے معلول ثانی لازم آتا ہے اور اسی طرح ترتیب موجودات کی آخری حد تک لیکن اس کے باوجود وہ اپنی ذات کو بھی نہیں جانتا جیسے آگ سے گرمی تو نکلتی ہے سورج سے روشنی تو پھیلتی ہے مگر نہ آگ کو اپنے آپ کا علم ہے اور نہ سورج کو جیسا کہ ان کو غیر کا بھی علم نہیں ہے بلکہ جو اپنی ذات کو جانے گا تو اپنے سے صادر ہونے والے کو بھی جانے گا اور غیر کو بھی جانے گا حالانکہ ضرورت تو اس کی ہے کہ وہ غیر کو نہ جانے پھر جب وہ غیر کو نہ جانے گا تو ہم کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو بھی نہ جانے گا۔

اگر کہا جائے کہ جو اپنے آپ کو بھی نہ جانے تو وہ مردہ ہے تو اول مردے کے مانند کیسے ہوگا؟ تو ہم کہتے ہیں کہ تمہارے مذہب کے اصول کی بناء پر تو ایسا سمجھنا ضروری ہے بھلا کیا فرق ہے آپ میں اور اس کہنے والے میں جو کہہ سکتا ہے کہ جو اپنے ارادے وقدرت واختیار سے کام نہیں کر سکتا نہ سن سکتا نہ دیکھ سکتا۔

تو وہ مردہ ہی ہے اور جو غیر کو نہیں جانتا تو وہ بھی مردہ ہے اگر یہ جائز رکھا جائے کہ اول ان تمام صفات سے خالی ہے تو اس کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اپنی ذات کو جانے

Marfat.com

پھر اگر وہ اپنے اس قول کی طرف لوٹ آئیں کہ جو مادے سے بری ہوتا ہے تو بذاتہ عقل ہوتا ہے لہٰذا اپنے آپ کو جانتا ہے تو ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ یہ تحکم محض ہے اس پر کوئی دلیل نہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس پر دلیل یہ ہے کہ موجود دو قسم کا ہوتا ہے زندہ اور مردہ اور زندہ مردے سے زیادہ اولیٰ واشرف ہوگا لہٰذا اول کو بھی زندہ ہونا چاہیے کیونکہ وہی اولیٰ واشرف ہے اور ہر زندہ اپنی ذات کو جانتا ہے کیونکہ یہ محال ہوگا کہ اس کے معلولات تو ذی حیات ہوں اور وہ ذی حیات نہ ہو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی تحکمات ہیں یہ کیوں محال سمجھا گیا کہ جو اپنے آپ کو نہیں جانتا اس سے وہ وجود صادر ہوگا جو بے وسائل کثیرہ یا بغیر وسیلہ اپنے آپ کو جان سکتا ہو؟ اگر اس کے محال ہونے کی وجہ یہی ہے کہ معلول علت سے اشرف ہو جائے گا تو معلول کا علت سے اشرف ہونا محال کیوں ہوا؟ پھر تم اس شخص کے قول کا کیسے انکار کر سکتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ اول کا شرف اس میں ہے کہ وجود کل اس کی ذات کے طابع ہے ان کے اس کے علم میں اور دلیل اس پر یہ ہے کہ بسا اوقات اس کا غیر اپنی ذات کے سوا اشیاء کو بھی جانتا ہے اور دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی اور وہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے اگر اس کا یہ جواب دو کہ موجود دو قسم کا ہوتا ہے ایک بعینہ دوسرا اندھا ایک عالم دوسرا جاہل تو بعینہ اشرف ہوگا لہٰذا اول کو بعینہ اور اشیاء کا عالم ہی ہونا چاہیے لیکن تم تو اس چیز کا انکار کرو گے کہ بینائی اور علم بالاشیاء میں تو کوئی خاص شرف نہیں ہے بلکہ شرف تو علم و بینائی سے استغناء میں ہے اور ایسی صفت کے جاہل ہونے میں ہے جس سے ایسے کل کا وجود صادر ہوتا ہو جس میں علماء بھی ہوں صاحب بصارت بھی اس طرح معرفت ذات میں تو کوئی شرف نہیں بلکہ ذوات معرفت کے مبدا ہونے میں شرف ہے اور یہ شرف خاص اول ہی کو سزاوار ہے اس طرح فلسفی ضرورت ذات اول سے علم کی نفی کرنے پر بھی مجبور ہیں کیونکہ علم ذات پر صرف ارادہ ہی سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور ارادے کی دلیل سوائے حدوث عالم کے کچھ نہیں ہو سکتی اگر حدوث عالم کی بحث میں کوئی فساد ہو تو باقی ساری بحث میں بھی فساد ہوگا یہ ہے ان لوگوں کا حال جو عقل نظری کی مدد سے چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں صفات الٰہیہ کے ثبوت یا عدم ثبوت کے سلسلے میں فلسفی جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کے لئے ان کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں ہے سوائے تخمینات وظنون کے اور ظنیات پر تو ارباب بصیرت زیادہ توجہ نہیں کیا کرتے۔

Marfat.com

مسئلہ (۱۳)

فلسفیوں کے اس قول کے ابطال میں

کہ اللہ تعالی جزئیات منقسمہ کا علم نہیں رکھتا۔

مذکورہ بالا بیان پر سب ہی فلسفی متفق ہیں ان میں سے بعض جو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنی ذات کے سوا کچھ نہیں جانتا وہ تو ظاہر ہے کہ اس کے قائل ہی ہونگے اور بعض جو کہتے ہیں کہ وہ غیر کو بھی جانتا ہے اور یہ ابن سینا کا مذہب ہے ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اشیاء کا علم بنوع کلی رکھتا ہے جو تحت زمانہ داخل نہیں یعنی ماضی و مستقبل وحال کے تعلق سے وہ متغیر نہیں ہوتا اس کے باوجود ابن سینا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا کے علم سے آسمان وزمین کا ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے بات صرف اتنی ہے کہ وہ جزئیات کا بنوع کلی علم رکھتا ہے۔

پہلے ان کے مذہب کا سمجھ لیا جانا ضروری ہے پھر اس پر تنقید کی جا سکتی ہے اس کی توجیہ ایک مثال سے کی جا سکتی ہے مثلاً سورج ہے اس کو گہن لگتا ہے (بعد اس کے کہ اس کو گہن نہ تھا) پھر گہن چھوٹ جاتا ہے اس طرح یہ تین حالتوں سے گزرتا ہے۔

(ا) ایک وہ حالت ہے جب گہن نہ تھا لیکن اس کے ہونے کی توقع تھی، یعنی کہا جا سکتا تھا کہ گہن ہوگا۔

(ب) دوسری حالت میں گہن لگا یعنی کہا جا سکتا ہے کہ گہن ہے۔

(ج) تیسری حالت میں وہ پھر معدوم ہو گیا لیکن کچھ عرصہ پہلے تھا یعنی یہ کہ وہ تھا۔

ہم کو ان تین حالتوں کے مقابل تین معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

(ا) ہم جانتے ہیں کہ گہن معدوم ہے مگر کچھ دیر بعد اس کے ہونے کی توقع ہے۔

(ب) ہم جانتے ہیں کہ وہ اب ہو رہا ہے۔

(ج) ہم جانتے ہیں کہ گہن چھوٹ گیا، اور اب نہیں ہے یعنی معدوم ہے اور ہمارے یہ تین معلومات متعدد اور مختلف ہیں اپنی اپنی جگہ پر ان کا تعاقب ذہن مدرکہ میں تغیر کا

Marfat.com

موجب ہوتا ہے گہن چھوٹ جانے کے بعد اگر یہ معلوم ہو کہ وہ اب موجود ہے جیسا کہ پہلے تھا تو یہ جہل ہوگا علم نہ ہوگا اگر اسکے وجود کے وقت یہ معلوم ہو کہ وہ معدوم ہے تو یہ بھی جہل ہوگا ایک کو دوسرے کا قائم مقام نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اس لئے فلسفی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حالت تو مختلف نہیں ہوسکتی یعنی وہ ان تین حالتوں سے پے درپے متاثر نہیں ہوسکتا اور نہ یہ اس کے تغیر کا موجب ہونگی پس جب وہ ناقابل تغیر ہو تو ان جزئیات کا عالم بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ علم معلوم کی اتباع کرتا ہے جب معلوم متغیر ہوگا تو علم میں بھی تغیر ہوگا اور جب علم میں تغیر ہوا تو عالم بھی لامحالہ متغیر ہوا اور یہ بات اللہ تعالیٰ میں تو محال ہے اس کے باوجود وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ گہن کو اس کی تمام صفات و عوارض کے ساتھ جانتا ہے مگر ایسے علم کے ساتھ جس سے وہ ازل و ابد میں متصف ہے اور جو مختلف نہیں ہوتا مثلاً وہ جانتا ہے کہ سورج موجود ہے چاند موجود ہے اور وہ دونوں اس سے بوساطت ملائکہ جن کو ان کی اصطلاح میں عقول مجردہ کہتے ہیں ظہور میں آئے ہیں اور یہ بھی جانتا ہے کہ وہ دونوں حرکات دوریہ کے ساتھ متحرک ہیں اور دونوں کے افلاک کے درمیان ہر دو نقطوں پر جو کے راس وذنب ہیں تقاطع ہوتا ہے اور دونوں بعض حالتوں میں عقدوں میں مجتمع ہوتے ہیں پس سورج کو گہن لگتا ہے یعنی جرم قمر اس کے اور ناظر کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اس لئے سورج دیکھنے والوں کی آنکھ سے چھپ جاتا ہے اور جب بہ مقدار مقررۃ (جو ایک سال کا ہوتا ہے) ایک عقدہ کا فاصلہ طے کر لیتا ہے تو پھر اسے گہن لگتا ہے اور یہ گہن اس کے اکثر حصوں میں یا اس کے تیسرے حصے میں یا چوتھے حصے میں ہوتا ہے اور وہ ایک گھڑی یا دو گھڑی رہتا ہے اسی طرح گہن کے پورے احوال کو سمجھ لیجئے بہرحال اس کے علم سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی لیکن اس کا علم ان باتوں کا گہن کے پہلے گہن کے اثناء میں اس کے چھوٹ جانے کے بعد ہر حال میں ایک ہی ہوتا ہے نہ وہ مختلف ہوتا ہے نہ اس کی ذات میں تغیر کا موجب ہوتا ہے۔

ایسے ہی تمام حوادث کا علم ہوتا ہے کیونکہ وہ اسباب ہی سے حادث ہوتے ہیں پھر اثبات کے بھی دوسرے اسباب ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ حرکت دوریہ آسمانی پر منتہی ہوتے ہیں۔

اور حرکت دوریہ کا سبب تو نفس افلاک ہے اور تحریک نفوس کا سبب شوق و محبت ہے اللہ تعالیٰ اور ملائکہ مقربین کے ساتھ تشبیہ کا۔

Marfat.com

پس کل کا اس کو علم ہے یعنی وہ اس پر متناسب اور مساوی انکشاف کے ساتھ منکشف ہے اس میں زمانے کا اثر نہیں ہوتا اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حالت گہن میں یہ معلوم کرتا ہے کہ اب گہن لگا ہے اور نہ اس کے بعد یہ معلوم کرتا ہے کہ اب وہ چھوٹا ہے اور جس چیز کے علم کے لیے وقت کی طرف اضافت لازم ہوتی ہو تو یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس کا علم رکھتا ہے کیونکہ یہ موجب تغیر ہے۔

یہ ہے ان کا مذہب ان جزئیات کے متعلق جو زمانہ پر منقسم ہوتی ہے اور اسی طرح ان کا مذہب ان اشیاء کے بارے میں بھی ہے جو مادہ و مکان پر منقسم ہوتی ہے جیسے آدمی جانور وغیرہ لہذا وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زید و بقر کے عوارض کو نہیں جانتا وہ صرف انسان کو مطلقاً اور بے علم کلی جانتا ہے اس کے عوارض و خواص کے ساتھ وہ یہ کہ اس کا بدن :۔ ان اعضاء سے مرکب ہونا چاہیے جن میں سے بعض پکڑنے کے لئے ہوتے ہیں بعض چلنے پھرنے کے لئے بعض سوچنے اور غور کرنے کے لئے ہوتے ہیں بعض جو جوڑ والے ہوتے ہیں بعض اکیلے اور یہ کہ اس کے قوا کو اجزاء پر پھیلے ہوئے رہنا چاہیے اسی طرح تمام باتیں جو آدمی کی صفات خارجی سے تعلق رکھتی ہوں یا داخلی سے مع اس کے لوازم ولواحق کے۔ بہرحال اس کے علم سے کوئی چیز اجتماعی حیثیت سے باہر نہیں ہوتی۔

رہے شخصی و جزئی معلومات تو واقع یہ ہے کہ ان جزئی معلومات کا ادراک حسی قوت سے ہے ذہنی یا عقلی قوت سے نہیں ہوتا یہ حسی تمیز و فرق کے معیار کی حیثیت سے ایک جہت معینہ کی طرف مشیر ہوتی ہے اور عقل البتہ جہت متعلقہ کا کلی طور پر ادراک کرتی ہے ہمارا قول کہ فلاں چیز یہ ہے فلاں وہ ہے تو وہ اصل میں محسوس کرنے والے کے لئے محسوس کی نسبت حاصلہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہی اس قرب یا بعد یا جہت معینہ پر موجود ہے اور یہ بات اول کے حق میں محال ہے۔

یہی ان کا وہ بنیادی اصول ہے جس پر ان کا اعتقاد ہے اور اس سے اصول شریعت کا بالکلیہ استیصال ہو جاتا ہے کیونکہ مثلاً زید ہے اگر خدا کی اطاعت کرے یا اس کا گناہ کرے تو خدا کو اس کے تجدید شدہ احوال کی اطلاع نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو زید کو بہ حیثیت عمومی جانتا ہے اس طرح کے زید ایک شخص ہے اس کے افعال حادث ہیں جو عدم سے وجود میں آئے ہیں جب تک کہ وہ کسی سے شخصی طور پر واقف نہ ہو اس کے احوال و افعال سے کیونکر واقف ہوگا بلکہ اس کو زید کے کفر و اسلام سے بھی تعلق نہیں ہاں وہ کفر

Marfat.com

جزئی حالات مذہبی واسلام کو عام مذاہب کی حیثیت سے جانتا ہے نہ کہ افراد کے.......... کی حیثیت سے بلکہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت کو اس حالت میں کہ انھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا نہیں جانتا اور یہ بات ہر نبی کے متعلق صحیح ہے صرف وہ اتنا جانتا ہے کہ بعض لوگ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی یہ صفات ہوتی ہیں رہے کوئی نبی معین اپنی شخصیت کے ساتھ تو وہ ان کو نہیں جانتا کیونکہ اس کا علم تو حواس ہی سے ہوسکتا ہے اور ان سے جو احوال صادر ہوتے ہیں اس کا علم بھی اس کو نہیں کیونکہ یہ عام احوال کسی شخص معین میں زمانہ پر منقسم ہوسکتے ہیں اور ان کا ادراک ذات مدرک میں تغیر کا موجب ہوتا ہے۔

یہ ان کے مذہب کا خلاصہ جس کو ہم نے کسی قدر کھول کر سمجھا دیا ہے اب ہم ان قباحتوں پر روشنی ڈالتے ہیں جن کا ان عقاید کی وجہ سے پیدا ہونا لازمی ہے۔

پہلے ہم ان کا مغالطہ درج کرتے ہیں پھر اس کا ابطال کرتے ہیں۔

ان کا مغالطہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تین مختلف حالتیں ہیں اور جب مختلف حالتیں ایک ہی محل میں پے درپے واقع ہوتی ہیں تو ان میں لامحالہ تغیر پیدا ہوتا ہے اگر حالت گہن میں کوئی یہ سمجھ لے کہ اب تھوڑی دیر سے گہن لگنے والا ہے جیسا کہ پہلے سمجھا تھا تو وہ جاہل ہوگا عالم نہ ہوگا لیکن اگر اسے یہ علم ہو رہا ہے کہ گہن لگ رہا ہے حالانکہ پہلے یہ علم تھا کہ لگا نہیں ہے اب لگے گا تو اس کا علم پہلی حالت سے مختلف ہوگا لہذا تغیر لازم ہوا علم میں تغیر کے معنی عالم کے تغیر کے ہیں کیونکہ کوئی شخص جب کسی بات کو جانتا نہیں پھر جان گیا تو گویا متغیر ہوا ایسا ہی کسی بات کی توقع یا پیش بینی بھی تغیر کا سبب ہوتی ہے۔

وہ اپنے دعوے کی یہ کہہ کر تائید کرتے ہیں کہ حالات تین قسم کے ہوتے ہیں:۔

(ا) ایک حالت اضافت محض کی حالت ہے جیسے تمہارا کسی چیز کی سیدھے یا بائیں جانب ہونا یہ وصف ذاتی کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ وہ اضافت محض ہے جیسے کوئی چیز تمہارے سیدھے جانب سے بائیں جانب آ گئی تو اس سے تمہاری ذات کی حالت میں تغیر نہ ہوگا بلکہ تمہاری طرف اضافت میں تغیر ہوگا لہذا یہ ذات پر اضافت کا تبدل ہے ذات کا تبدل نہیں۔

(ب) اور اسی قبیل سے یہ بھی بات ہے کہ مثلاً تم کچھ اجسام (یعنی مادی چیزوں) کو جو تمہارے سامنے دھری ہوئی ہے حرکت دینے پر قادر تھے مگر وہ اجسام معدوم ہوگئے یا ان کا کچھ حصہ معدوم ہوگیا تو تمہارے قوائے طبیعیہ ہے یا تمہاری قدرت تحریک میں تو کوئی فرق

Marfat.com

نہیں آیا کیونکہ جسم متعلق کی تحریک پر تمہاری قدرت پہلی ہے پھر جسم معین اس حیثیت سے کہ وہ جسم ہے پر دوسری ہے پس جسم معین کی طرف قدرت کی اضافت وصف ذاتی نہ ہو گی بلکہ اضافت محض ہو گی لہذا اس کا تغیر زوال اضافت کا موجب ہو گا نہ کہ حال قادر میں تغیر کا۔

(ج) اور تیسری حالت خود ذات میں تغیر کی ہے یہ اس وقت ہوتی ہے جب (مثلاً) کوئی شخص جو عالم نہ تھا عالم ہو جاتا ہے یا جو پہلے قدرت نہ رکھتا تھا قدرت حاصل کر لیتا ہے اس سے ذات متغیر ہوتا ہے اور معلوم کا تغیر علم کے تغیر کا موجب ہوتا ہے کیونکہ ذات علم کی حقیقت میں معلوم خاص کی طرف اضافت داخل ہوتی ہے کیونکہ علم معین کی حقیقت اس معلوم معین سے ایک طریقے سے یعنی سادہ اور عام طریقے سے بھی متعلق ہوتی ہے اور ایک دوسرے طریقے سے بھی ہوتی ہے وہ ہے علم بالضرورت یہ دونوں علم پے در پے حاصل ہوتے ہیں جو حال عالم میں تغیر کا سبب بنتے ہیں۔

یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ ذات کے لئے ایک ہی علم ہوتا ہے لہذا وہی علم مستقبل وماضی سے متعلق ہونے کے بعد حال سے متعلق ہو جاتا ہے لہذا علم واحد متشابہ الاحوال ہے اور صرف اس میں اضافت کی وجہ تبدیلی ہوئی ہے کیونکہ علم کی اضافت ذات علم کی حقیقت ہے اس کا تبدل ذات علم کے تبدل کا موجب ہوتا ہے لہذا اس میں تغیر لازم ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے۔

اس پر اعتراض دو طریقہ سے وارد ہوتا ہے۔

اول یہ کہ تم اس شخص کے قول کا کیوں انکار کرتے ہو جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم واحد ہے مثلاً گہن کے بارے میں اس کا علم کسی وقت معین پر یہ علم وجود گہن سے پہلے بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ گہن کے وقت اور گہن کے چھٹنے کے بعد یہ سب علم بعینہ ایک ہی قسم کے ہیں یہ اختلافات تو صرف اضافتوں کی بناء پر ہوتے ہیں جو ذاتی علم میں تبدل کا موجب نہیں ہوتے لہذا ذات عالم میں بھی تغیر کا موجب نہیں ہوتے یہ (محض) اضافت کے قائم مقام ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص تمہارے دائیں جانب ہے پھر وہ سامنے ہو جاتا ہے پھر وہ بائیں طرف چلے جاتا ہے تو یہ اضافتیں پے در پے تمہاری طرف ہوتی ہیں منتقل ہونے والا تو وہی شخص ہے تم نہیں ہو یہی بات علم الٰہی کے بارے میں سمجھنا چاہیے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اشیاء کو بہ علم واحد جانتا ہے (ازلاً) وابداً اور اس کی حالت عدیم تغیر ہے فلاسفہ کی خواہش نفی تغیر ہے اور اس میں سب ہی متفق ہیں فلاسفہ کا قول کہ کسی

Marfat.com

واقعہ کے اثبات علم کی ضرورت واقعہ کے پہلے یا بعد تغیر ہے نا قابل تسلیم ہے جس کی کوئی دلیل نہیں اگر خدائے تعالی ہمارے لئے علم پیدا کرے جس سے ہم یہ معلوم کریں کہ زید کل طلوع آفتاب کے وقت آئے گا اور یہ علم ہمیشہ رہے۔ (اور وہ ہمارے لئے دوسرا علم پیدا نہ کرے اور نہ اس علم سے غفلت پیدا کرے) تو ہم سورج نکلتے وقت بہ مجرد علم سابق دو باتوں کے عالم ہوں گے اس کے اس وقت آمد سے اور اس کے بعد اس طرح کہ وہ کبھی آیا تھا اور یہ علم واحد باقی ہوگا جو ان تینوں احوال کے احاطہ کے لئے کافی ہوگا۔

باقی رہا ان کا یہ قول کہ معلوم معین کی طرف اضافت اس کی حقیقت میں داخل ہوتی ہے اور جب کبھی اضافت کا اختلاف ہو تو اس شے میں بھی اختلاف ہوگا۔ جس کے لئے اضافت ذاتی ہے اور جب بھی اختلاف و تعاقب ہوگا تغیر بھی ہوگا۔

تو ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ہو تو تمہیں اپنے ان برادران فلسفلہ کے مسلک کو اختیار کرنا چاہیے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنی ذات کے سوا کچھ نہیں جانتا اس کا علم ذات اس کی ذات کا عین ہے کیونکہ اگر وہ انسان متعلق یا حیوان متعلق یا جماد متعلق کو جانے جو مختلف چیزیں ہیں تو ان کی طرف اضافات بھی لامحالہ مختلف ہونگی لہذا علم واحد اس کی صلاحیت نہ رکھے گا کہ علم بالمختلفات بنے کیونکہ جب مضاف مختلف ہے تو اضافت بھی مختلف ہونی چاہیے حالانکہ علوم کی اضافتیں علم کے لئے ذاتی چیز ہیں تو یہ تعدد اختلاف کا موجب ہوگا نا کہ محض تعدد کیفی کا تماثل کے ساتھ تماثلات میں ایک چیز کو دوسری چیز کی جگہ رکھا جا سکتا ہے۔

پھر ان انواع واجناس اور عوارض کلیہ کی انتہا نہیں ہے اور وہ بھی مختلف ہوتے ہیں اور علوم بھی مختلف ہوتے ہیں علم واحد کے تحت یہ کس طرح آئیں گے۔

پھر یہ علم واحد کیسے ذات عالم کا عین ہوگا بغیر اس پر زیاتی کے؟

ہمارے لئے یہ ایک معمہ ہے کہ کس طرح یہ مدعیان علم و عقل جائز رکھتے ہیں کہ شے واحد کے بارے میں جس کے احوال ماضی و مستقبل و حال میں منقسم ہوتے ہیں علم میں اتحاد کو محال ٹھہرا دیں اور تمام اجناس و انواع مختلفہ سے متعلق علم میں اتحاد کو محال نہ سمجھیں حالانکہ اجناس وانواع متباینہ میں اختلاف و تباعد شے واحد منقسم بلحاظ انقسام زمانے کے اختلاف سے شدید تر ہے جب یہ چیز تعدد و اختلاف کی موجب نہیں ہوتی تو وہ کیسے ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

اور اگر دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ اختلاف زمان اختلاف اجناس وانواع سے مختلف چیز ہے اور یہ تعدد واختلاف کا موجب نہیں ہوتا تو پھر وہ بھی اختلاف کا موجب نہیں ہوتا اور جب اختلاف کا موجب نہ ہوگا تو علم واحد ہے (جو ازل وابد میں دائم ہے) کل کا احاطہ جائز ہوگا اور یہ ذات عالم تغیر کا موجب نہ ہوگا۔

دوسرا اعتراض

دوسرا اعتراض اس طرح ہوگا کہ تمہارے اصول کے لحاظ سے کونسا امر مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ امور جزئیہ کا علم حاصل کرے گو اس سے وہ متغیر ہو؟ کیا تمہارا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ اس نوع کا تغیر اس میں محال نہیں ہے جیسا کہ جہم معتزلی اس طرف گیا ہے کہ حوادث کے متعلق اس کا علم حادث ہوتا ہے اور جیسا کہ کرامیہ کے ایک طبقے کا بھی اعتقاد ہے کہ وہ محل حوادث ہے اور اہل حق کی جماعتوں نے جو اس خیال کی تردید کی ہے اس کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ متغیر تغیر سے کبھی خالی نہیں ہوتا اور جو تغیر حوادث سے خالی نہیں ہوتا وہ حادث ہوتا ہے اور قدیم نہیں ہوتا لیکن تمہارا مذہب یہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور ساتھ ہی وہ تغیر سے خالی نہیں جب تم یہ سمجھ سکتے ہو کہ قدیم متغیر ہو سکتا ہے تو اس اعتقاد سے کون سا امر مانع ہو سکتا ہے کہ علم الٰہی ذات الٰہی میں تغیر پیدا کر سکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم نے یہ اس لئے مانا ہے کہ علم حادث میں اس کی ذات میں دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو اس کی جہت سے حادث ہو یا اس کے غیر کی جہت سے یہ تو باطل ہے کہ اس کی جہت سے حادث ہو ہم نے بیان کر دیا ہے کہ قدیم سے حادث صادر نہیں ہوتا اور جب وہ فاعل نہ تھا تو پھر فاعل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تغیر کا موجب ہوگا اور ہم نے اس کو مسئلہ حدوث عالم میں بیان کر دیا ہے اور اگر یہ چیز اس کی ذات میں جہت غیر سے حاصل ہوئی ہے تو سوال ہوتا ہے کہ اس کے غیر نے اس میں کیسے اثر کیا حتی کہ اس میں تغیر تک پیدا کر دیا اور یہ ایک قسم کی تسخیر اور اضطراری اثر اندازی ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ دونوں قسم بھی تمہارے اصول کے لحاظ سے محال نہیں رہا تمہارا قول کہ قدیم سے حادث کا صادر ہونا محال ہے تو ہم نے تخلیق عالم کے مسئلہ میں اس کا ابطال کر دیا ہے اور محال کیسے نہ ہوگا کیونکہ تمہارے نزدیک قدیم سے حادث کا صادر ہونا اس حیثیت سے محال ہے کہ وہ اول الحوادث ہے تو گویا اس محال ہونے کی شرط اس کا اول ہونا ہے ورنہ ان حوادث کے لئے غیر متناہی اسباب حادثہ نہیں ہوتے بلکہ وہ حرکت دوریہ کے

Marfat.com

واسطہ سے شے قدیم پر جو نفس فلک اور حیات فلک ہے منتہی ہوتے ہیں پس نفس فلک قدیم ہے اور حرکت دوریہ اس سے حادث ہوتی ہے اور اجزائے حرکت کا ہر جز حادث و منقضی ہوتا ہے اور اس کا مابعد لامحالہ متجدد ہوتا ہے پس اس وقت تمہارے نزدیک گویا حوادث قدیم سے صادر ہوتے ہیں لیکن اگر یہ فرض کیا جائے کہ احوال قدیمہ چونکہ تماثل ہوتے ہیں لہذا حوادث کا علی الدوام فیضان بھی مماثل احوال کا حامل ہوگا اس لئے احوال حرکت بھی مماثل ہونگے کیونکہ ان کا صدور قدیم ہی سے ہوتا ہے پس ظاہر ہوا کہ ہر فریق ان میں سے معترف ہے کہ حادث کا صدور قدیم سے جائز ہے جبکہ وہ علی التناسب وعلی الدوام صادر ہوتا رہے لہذا خدا کے علوم حادثہ کو بھی اسی قبیل سے ہونا چاہیے رہی دوسری قسم وہ ہے خدا کے علم کا صدور اس کے غیر کی طرف سے اس کی ذات میں تو ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے پاس یہ محال کیوں ہے کیونکہ اس میں سوائے تین چیزوں کے اور کچھ نہیں ہے۔

پہلا ہے تغیر اور ہم نے تمہارے اصول سے اس کا لزوم بیان کر دیا ہے۔

دوسرا ہے تغیر کا تغیر متغیر کا سبب ہونا اور وہ بھی تمہارے نزدیک محال نہیں لہذا حدوث شے کا خدا کے علم کے حدوث کا سبب ہونا چاہیے جیسا کہ تم کہتے ہو کہ کسی رنگین شکل کا تمثل حدقہ باصرہ کے مقابل حدقہ اور دیکھنے والے کے درمیان چھننے والی ہوا کے توسط سے حدقہ کے طبقہ جلیدیہ میں اس شکل کی تصویر کے انطباع کا سبب ہوتا ہے لہذا جب یہ جائز رکھا جاتا ہے کہ حوادث کا حدوث صدقہ میں انطباع تصویر کا سبب ہوتا ہے تو اسی کے معنی ہیں دیکھنا تو حدوث حوادث خدا کے اس علم کے اصول کا سبب ہونا کیوں محال ہوا جیسا کہ قوت باصرہ مستعد ادراک ہوتی ہے اور رنگین شکل کا حصول (ارتفاع موانع کے ساتھ ہی) حصول ادراک کا سبب ہوتا ہے تو اسی طرح مبدا اول کی ذات کو تمہارے نزدیک قبول علم کے لئے مستعد ہونا چاہیے اور اس حادث کے وجود کے ساتھ ہی علم کو قوت سے فعل کی طرف آنا چاہیے اگر اس میں تغیر قدیم ہوتا ہے تو قدیم متغیر تو تمہارے نزدیک محال ہے اگر یہ دعویٰ کرتے ہو کہ واجب الوجود میں یہ محال ہے تو تمہارے پاس سوائے قطع سلسلہ علل و معلولات کے اثبات واجب الوجود پر کوئی دلیل تو نہیں ہے جیسا کہ گزرا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ قطع تسلسل قدیم متغیر کی وجہ سے بھی ممکن ہے۔

تیسری بات جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قدیم اپنے غیر کے اثر سے متغیر ہوتا ہے اور یہ بات اس پر غیر کے استیلا و تسخیر کو واجب گردانتی ہے تو کہا جائے گا کہ

Marfat.com

یہ تمہارے پاس یہ محال ہی کیوں ہے کیونکہ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ خدا حوادث کا بہ وسائط سبب ہوتا ہے پھر حدوث حوادث اس کے لئے حصول علم کا سبب ہوتا ہے گویا اپنی ذات کے لئے تحصیل علم کا وسائط کے ساتھ وہ خود سبب ہے۔

اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ مشابہ تسخیر ہے تو تمہارے اصول کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ جو بھی خدائے تعالیٰ سے صادر ہوتا ہے بر سبیل لزوم و تبع صادر ہوتا ہے اس لئے کہ بے قدرت و اختیار تو یہ ایک قسم کی تسخیر ہی ہے جو وسائط کے ساتھ اس کے اضطرار کو ظاہر کرتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ یہ اضطرار نہیں ہو سکتا یا کیونکہ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ جمیع اشیاء کا مصدر ہو۔

تو ہم کہتے ہیں کہ تو یہ بھی تسخیر نہیں کیونکہ اس کا کمال یہ ہے کہ جمیع اشیاء کو جانے جیسے اگر حادث کے وجود کا ہم کو علم ہونے لگے تو یہ ہمارا بڑا ہی کمال ہوگا نہ کہ نقصان و تسخیر۔ تو ایسا ہی خدا کے بارے میں بھی سمجھ لیجیے۔

Marfat.com

مسئلہ (۱۴)

اس بیان میں کہ فلسفی یہ ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ آسمان ذی حیات ہے اور وہ اپنے حرکت دوریہ میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے

فلسفی کہتے ہیں کہ آسمان ذی حیات ہے اس کو روح ہوتی ہے جس کی نسبت اس کے جسم سے ایسی ہی جیسی ہماری روح کی نسبت ہمارے جسم سے اور جیسا کہ ہمارے اجسام روح کی وجہ سے اپنے اغراض کے لئے بالا ارادہ حرکت کرتے ہیں اسی طرح آسمانوں کا بھی حال ہے اور حرکت دوریہ سے ان کی غایت عبادت رب العالمین ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔

اس بارے میں ان کا مذہب ایسا ہے جس کے امکان کا نہ تو ہم انکار کر سکتے ہیں نہ اس کے محال ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ ہر جسم میں حیات پیدا کرنے پر قادر ہے کسی جسم کا کبر یا اس کا مستدیر ہونا قابلیت حیات سے معنی نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی مخصوص شکل کائنات میں شرط حیات نہیں ہے حیوانات کو دیکھئے باوجود اپنے اختلاف اشکال کے قبولیت حیات میں مشترک ہیں البتہ ہم اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ فلسفی اس کی معرفت پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں کر سکتے اگر یہ صحیح ہو بھی تو اس پر سوائے انبیاء علیہ السلام کے اور کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی اور یہ اطلاع الہام کے ذریعہ سے ہوگی خدائے تعالیٰ کی طرف سے یا وحی کے ذریعہ سے عقلی قیاسات سے اس پر کوئی دلیل نہیں مل سکتی ہاں یہ بھی بعید نہیں کہ اگر حالات مساعد ہوں تو اس قسم کی معرفت پر کوئی دلیل مل بھی جائے مگر جس قسم کی دلیل فلسفی پیش کرتے ہیں وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس پر اعتبار کیا جائے شاید ظنی استفادہ حاصل ہو سکے۔

غرضیکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ آسمان متحرک ہے (اور یہ مقدمہ حسیہ ہے) اور ہر جسم متحرک کے لئے ایک متحرک ہوتا ہے (اور یہ مقدمہ عقلیہ ہے) اگر صرف جسم ہونے کی حیثیت سے وہ حرکت کرے تو پھر جسم متحرک ہوگا اور ہر محرک ذات متحرک کو انبعاث کے ذریعہ حرکت دیتا

Marfat.com

ہے جیسا کہ طبیعت کی تحریک کسی پتھر کے لئے جو اس کو نیچے کی طرف ڈھکیلتی ہے اور ارادہ حرکت حیوان میں مع قدرت ہوتا ہے یا تو محرک کوئی خارجی ہوگا لیکن قسری طریقہ پر حرکت دے گا جیسے پتھر کو اوپر کی طرف اچھالنا۔

اگر کوئی جسم اپنی ذات سے بے معنی متحرک ہو تو یا تو (۱) اس کو حرکت کا شعور نہ ہوگا اس کو ہم طبیعی حرکت کہیں گے جیسے پتھر کی حرکت نیچے کی جانب (۲) یا اس کو اس کا شعور ہوگا جس کو ارادی ونفسانی حرکت کہیں گے۔

پس حرکت ان تقسیمات کے لحاظ سے (جو منحصر ودائر ہیں نفی واثبات میں) یا قصری ہوگی یا طبیعی یا ارادی اور جب دونوں قسم باطل ہو جائیں تو تیسری لازم ہو جائیگی یہ تو ممکن نہیں ہے کہ آسمان کی حرکت کسری ہو کیونکہ متحرک قاسر یا تو دوسرا جسم ہوگا جو خود بھی ارادہ یا بالقسر متحرک ہوگا اور لامحالہ ارادہ پر منتہی ہوگا اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ اجسام آسمانی متحرک بلا ارادہ ہیں تو مقصود حاصل ہو گیا پھر حرکات قصریہ کے وضع کرنے میں کیا فائدہ ہے کیونکہ آخر میں لازمی طور پر ارادہ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

یا تو یہ کہا جائے گا کہ آسمان بالقسر حرکت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بغیر واسطہ اس کا محرک ہے اور یہ محال ہے کیونکہ اگر وہ اس کو اس حیثیت سے حرکت دیتا ہے کہ وہ جسم ہے اور وہ اس کا خالق ہے تو اس کا ہر جسم کو حرکت دینا لازم ہوگا اب لازمی طور پر حرکت ایسی صفت کے ساتھ مختص ہوگی جس کی وجہ سے اجسام غیر اجسام سے متمیز ہونگے اور یہ صفت یا تو ارادہ ہوگی یا طبیعت جو اس کی قریبی محرک ہوگی اور یہ سمجھنا تو ممکن نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کو اپنے ارادے سے حرکت دیتا ہے کیونکہ اس کا ارادہ تمام اجسام سے ایک ہی نسبت رکھتا ہے ورنہ سوال پیدا ہوگا کہ یہی جسم کیوں اس تخصیص کے لئے آمادہ ہوا کہ برخلاف دوسروں کے اسی کی تحریک کا ارادہ کیا گیا نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بلا وجہ ہے کیونکہ یہ محال ہے جیسا کہ مسئلہ حدوث عالم میں بیان ہوا۔

اور جب یہ ثابت ہوا کہ اس جسم میں ایسی صفت ہونی چاہیے جو مبدا حرکت ہو تو پہلی قسم یعنی حرکت قسری کا مفروضہ باطل ہو جاتا ہے اب یہ کہنا باقی رہا ہے کہ وہ طبیعی ہے تو یہ غیر ممکن ہے خالص طبیعت ہرگز کا سبب نہیں ہو سکتی کیونکہ حرکت کے معنی ہیں ایک مکان سے گریز اور دوسرے مکان کی طلب وہ مکان جس میں کہ جسم ہے اگر وہ اس کے موافق ہو تو وہ حرکت نہ کرے گا اسی لئے ہوا سے بھری ہوئی مشک سطح آب سے تہ آب کی طرف حرکت

Marfat.com

نہیں کرتی اگر وہ پانی میں ڈبا بھی دی جائے تو پھر وہ سطح آب کی طرح متحرک ہو جاتی ہے کیونکہ وہ وہاں اپنے لئے مناسب مکان پاتی ہے اس لئے سکون پاتی ہے اور طبیعت اس کے ساتھ قائم رہتی ہے لیکن اگر وہ ایسے مکان کی طرف منتقل کی جائے جو اس کے لئے مناسب نہیں تو پھر مناسب مکان کی طرف گریز کر جاتی ہے جیسا کہ ہوا سے بھری ہوئی مشک اندرون آب سے مکان ہوا کی طرف آ جاتی ہے۔

حرکت دوریہ کے متعلق تو یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ طبیعی ہے کیونکہ ہر وضع و مقام جس سے گریز فرض کیا جائے وہ اس کی طرف عود کر دی جاتی ہے اور اس سے گریز کردہ بالطبع مطلوب بالطبع نہیں ہوتا اسی لئے ہوا سے بھری ہوئی مشک پھر پانی میں لوٹ نہیں جاتی اور نہ کوئی پتھر جبکہ وہ زمین پر قرار پکڑ لے ہوا کی طرف عود کر سکتا ہے۔

لہٰذا اب تیسری قسم باقی رہی اور وہ ہے حرکت ارادیہ۔

اعتراض

اعتراض یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم مزید تین احتمالات ایسے فرض کر سکتے ہیں جو تمہارے مذہب کے سوا ہیں اول یہ کہ حرکت سے سماوی کا کسی ایسے جسم کے ذریعہ جبراً متحرک ہونا فرض کیا جائے جو اس کی حرکت کا ارادہ کرتا ہو اور اس کو علی الدوام چلاتا رہتا ہو یہ جسم نا کرہ ہو سکتا ہے نا محیط اس لئے یہ آسمان نہ ہوگا اس سے فلسفیوں کا قول باطل ہو جائے گا کہ حرکت سماوی ارادی ہے اور آسمان ذی حیات ہے ہمارا یہ مفروضہ ممکن ہے اور اس کے خلاف مجرد استبعاد ہی پیش کیا جا سکتا ہے۔

دوم یہ کہا جا سکتا ہے کہ آسمانی حرکت قسری ہے اور اس کا مبدا ارادہ خداوندی ہے ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ پتھر کی حرکت بھی نیچے کی طرف قسری ہے اور حرکت کی خاصیت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا کی ہے حادث ہوتی ہے۔

اسی طرح دوسری تمام حرکات اجسام کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے جو حیوانی نہیں ہیں۔

رہا ان کا یہ استبعاد کے ارادے کا جسم آسمانی سے اختصاص کیوں ہوا حالانکہ تمام اجسام اس سے جسمیت میں مشارکت رکھتے ہیں۔

تو ہم نے ظاہر کر دیا کہ ارادہ قدیم کی شان ہی تخصیص الشئے عن مثلہ ہے اور خود

Marfat.com

فلسفی اس کے لئے جہت حرکت دوریہ اور موضع قطب و نقطہ کے تعین کے بارے میں اس قسم کی صفت کے ثابت کرنے کے لیے مجبور ہیں مختصر یہ ہے کہ تمہارا یہ استبعاد کہ کسی جسم کے ساتھ ارادہ کا تعلق کیوں مخصوص ہوا خود تم پر منقلب ہو رہا ہے اس لئے ہم صاف طور پر کہتے ہیں کہ جسم آسمان اس صفت کے ساتھ کیوں متمیز ہوا جس کی وجہ سے اس کے سوا سارے اجسام الگ ہو جاتے ہیں حالانکہ دوسرے اجسام بھی تو اجسام ہی ہیں تو جسم آسمان ہی کی کیا خصوصیت تھی؟ اگر اس کی تعلیل کسی اور صفت سے کی جائے تو سوال کا رخ اس دوسری صفت کی طرف ہو جاتا ہے اسی طرح سلسلہ غیر متناہی ہو جاتا ہے اسی طرح فلسفی آخر کار ارادے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور انھیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ مبادی میں کوئی ایسی چیز ہے جو کسی شے کو اپنے مثل سے متمیز کرتی ہے اور دوسری مثال میں سے صرف اس کو کسی صفت سے مخصوص کرتی ہے۔

سوم یہ کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آسمان کسی صفت سے مخصوص کیا گیا ہے جو اس کی حرکت کا مبدا ہے جیسا کہ تم پتھر کے نیچے گرنے کی مثال میں بتلاتے ہو مگر ممکن ہے کہ یہ صفت اس کے لئے اسی طرح غیر شعوری ہو جس طرح کہ پتھر کے لئے۔

اور فلسفیوں کا یہ قول کہ مطلوب بالطبع اس سے بالطبع گریزاں نہیں ہوتا تو یہ دھوکہ ہے کیونکہ خود ان کے خیال میں تو وہاں عددی حیثیت سے کوئی فاضل مکان نہیں ہیں بلکہ جسم ایک ہی ہے اور حرکت دوریہ ایک ہے پس جسم کے لئے بالفعل کوئی جز ہے نہ حرکت کے لئے وہ صرف وہم سے تجزیہ پاتے ہیں لہذا یہ حرکت نہ تو مکان کے طلب کے لئے ہے نہ مکان سے گریز کے لئے پس ممکن ہے کہ ایک جسم ایسا پیدا کیا جائے جس کی ذات میں معنی ہو جو حرکت دوریہ کا مقتضی ہو اور حرکت خود اس معنی کی مقتضی ہو اس لئے نہیں کہ معنی کا اقتضا طلب مکان ہو اور حرکت اس کی طرف پہنچنے کے لئے ہو اور تمہارا قول کہ ہر حرکت یا تو طلب مکان کے لئے ہوتی ہے یا اس سے گریز کے لئے اگر یہ ضرور ہتا ہے تو گویا تم طلب مکان کو مقتضی الطبع سمجھتے ہو اور حرکت کو بنفسہ غیر مقصود بلکہ اسے مکان کی طرف وسیلہ خیال کرتے ہو اور ہم کہتے ہیں کہ عجب نہیں کہ حرکت ہی نفس مقتضی ہو نہ کہ طلب مکان اس کے محال ہونے کی آخر کیا وجہ بتلائی جا سکتی ہے؟ لہذا یہ واضح ہو گیا کہ فلسفیوں کا یہ مفروضہ گو وہ کسی اور مفروضے سے زیادہ احتمال رکھتا ہو دوسرے متبادل مفروضات کی قطعی نفی نہیں کرتا اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ آسمان ایک حیوان ہے تحکم محض ہے اس کے لیے کوئی

Marfat.com

دلیل نہیں پائی جاتی۔

مسئلہ (۱۵)

غرض حرکت آسمانی کے ابطال میں

فلسفی یہ بھی کہتے ہیں آسمان اپنی حرکت میں اللہ تعالی کا مطیع ہے اور اس کے قرب کا جویا ہے کیونکہ ہر ارادی حرکت کسی غرض یا مقصد کی طرح ہوتی ہے کسی حیوان کے متعلق نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا کوئی فعل یا اس کی کوئی حرکت بلاوجہ ہے اور ان کا صدور اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ فعل ترک سے اولی نہ سمجھا جائے ورنہ اگر فعل و ترک دونوں برابر ہوں تو کسی فعل کے وقوع کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اللہ تعالی کے تقرب کے معنی اس کی رضا کی طلب اور اس کے قہر سے پرہیز ہی کے نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالی قہر و رضا سے پاک ہے اور اگر ان الفاظ کا اطلاق اس پر کیا بھی جائے تو بر سبیل مجاز اس میں ارادہ عقاب و ثواب پوشیدہ ہوگا۔

اور یہ تو جائز نہ ہوگا کہ اس تقرب سے تقرب فی المکان مطلب لیا جائے کیونکہ یہ تو محال ہے پس صفات ہی میں اس سے طلب قرب ہو سکتا ہے کیونکہ وجود اکمل اسی کا وجود ہے اور ہر وجود اس کے وجود کی نسبت ناقص ہے اور نقصان کے مختلف درجات ہوتے ہیں فرشتے اس سے صفات کی حیثیت سے قریب ہیں نہ کہ مکانی حیثیت سے ملائکہ مقربین سے مراد وہ جواہر عقلیہ ہیں جو متغیر ہوتے ہیں نہ فنا ہوتے ہیں اور اشیاء کو ان کی ماہیت کے مطابق جانتے ہیں اور انسان صفات میں فرشتوں سے جتنا زیادہ قریب ہوگا اتنا ہی اللہ تعالی سے بھی قریب ہوگا اور منتہا طبقہ انسانی کا تشبہ بالملائکہ ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہی معنی ہیں تقرب الی اللہ کے اور اس سے قرب الصفات ہی مراد لی جاتی ہے تو یہ قرب انسان ہی کے لئے ممکن ہو سکتا ہے اگر وہ حقائق اشیاء کو جانتا ہے اور اس کا ملِ حالتیں باقی رہ سکتا ہے جو اس کے لئے ممکن ہے کمال اقصیٰ کی حالت تو صرف خدا ہی کے لئے ممکن ہے ملائکہ مقربین کے لئے تو جو کمال ممکن ہے وہ بالفعل موجود ہی ہے، کیونکہ ان میں کوئی شے ایسی بالقوہ نہیں جو آئندہ بالفعل ہو سکے، خدا کے سوا جو دوسری ہستیاں پائی جاتی ہیں ان میں فرشتوں کو کمال اقصیٰ حاصل ہے۔

Marfat.com

اور ملائکہ آسمانی عبارت ہے نفوس محرکہ آسمانی سے جو آسمانوں میں ہیں محض بالقوہ نہیں نفوس آسمانی کے کمالات منقسم ہیں ان میں جو بالفعل ہیں مثلاً شکل کروی وہیئت اور یہ موجود ہے اور ان میں جو بالقوہ ہیں مثلاً ہیئت وضعی ومکانی کوئی وضع معین ایسی نہیں جس کا احاطہ آسمان نہ کرسکتا ہو لیکن تمام اوضاع کا احاطہ وقت واحد میں ممکن نہیں اور چونکہ اوضاع کی کائیوں کا استیفا علی الدوام ممکن نہیں ہوتا اس لئے اس کے استیفاء بالنوع کا قصد کیا گیا ہے اس طرح وہ ایک وضع کے بعد دوسری وضع اور ایک مکان کے بعد دوسرا مکان طلب کرتا رہتا ہے اور نہ یہ امکان کبھی منقطع ہوتا ہے اور نہ حرکات آسمانی کا مقصد مبدا اول کے ساتھ تشبہ پیدا کرنا ہے اور یہ اس کمال اقصیٰ کے حصول ہی سے ہوسکتا ہے اس کیلئے ممکن ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت جو ملائکہ سماوی کرتے ہیں اس کا یہی مطلب ہے اور یہ تشبہ دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ ہر وضع ممکن کی نوعی تکمیل ہوجائے اور قصد اول سے یہی مقصود ہے۔

دوسرا ہے اس کے حرکات کی بناء پر ترتیبات جو نسبتوں کے اختلاف کی قسم سے ہوتی ہیں جیسے تثلیث تربیع ومکارنت اور مقابلہ اور جوز مین کی طرف نسبت کرتے ہوئے اختلاف طوالع کی قسم سے ہوتی ہیں اور اسی سے فلک قمر کے ماتحت خیر کا فیضان ہوتا ہے اور تمام حوادث اسی سے پیدا ہوتے ہیں پس یہی نفس سماوی کے کامل ہونے کی وجہ ہے اور ہر ذی شعور نفس اپنی ذات کے کمال کا خواہش مند ہوتا ہے۔

اعتراض اس پر یہ ہے کہ اس بحث کے مقدمات میں ایسی چیزیں موجود ہیں جن میں نزاع کا امکان ہے لیکن ہم اس کو طول نہیں دیں گے البتہ ہم آپ کے آخری متعین کردہ مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دو صورتوں سے اس کا ابطال کرتے ہیں۔

اول یہ ہے کہ تکوینی حیثیت سے تمام امکنہ میں موجود ہو کہ حصول کمال کی خواہش کرنا یہ حماقت ہے نہ کہ اطاعت اس کی مثال ایک ایسے بیکار انسان سے دی جاسکتی ہے جس کی خواہشات وضروریات تو نہایت محدود ہیں مگر وہ کسی ملک یا کسی مکان میں گردش کرتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی وجہ سے قرب الٰہی اس کو حاصل ہوجائے گا چونکہ وہ ان تمام مقامات میں موجود ہونے کی کوشش کررہا ہے جہاں وہ پہنچ سکتا ہے تو کیا وہ کمال کی راہ کی طرف بڑھ رہا ہے؟ اگر وہ کہے کہ ہر مکان میں میرے لئے تکوینی حیثیت ممکن ہے مگر میں

Marfat.com

عددی حیثیت سے ان کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہوں البتہ نوعی حیثیت سے ان کی تکمیل کر سکتا ہوں بہر حال کمال وتقرب الٰہی کی یہی راہ ہے تو اس دعوے کو حماقت پر محمول کیا جائے گا بلکہ اس کی کمزوری عقل افسوس ناک سمجھی جائے گی کیونکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا کوئی خاص کمال نہیں ہے جس کی طرف رشک بھری نظریں اٹھ جائیں آپ کے دوسرے بیانات بھی اسی قسم کے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ جس غرض کا تم نے ذکر کیا ہے وہ حرکت مغربیہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے تو پھر پہلی حرکت کیوں جانب مشرق ہوئی؟ اور کیا تمام کائنات کی حرکات ایک ہی جہت میں نہیں؟ اگر ان کے اختلاف میں کوئی غرض تھی تو کیا یہ غرض بالعکس حرکت سے حاصل نہیں ہو سکتی؟ یہاں تک کہ جو حرکت کہ مشرقی تھی مغربی ہو جاتی اور مغربی مشرقی ہو جاتی، حوادث کے ماحصل کا جو آپ نے ذکر کیا ہے یعنی جو اختلاف حرکات کی وجہ سے تثلیث وتسدیس وغیرہ پیدا ہوتی ہے تو یہ بالعکس حرکت سے بھی ہو سکتی تھی یہی بات اوضاع وامکنہ کی تکمیل کے سلسلہ میں کہی جا سکتی ہے کیونکہ آسمان کے لئے جو چیز ممکن ہے وہ یہ ہے کہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف حرکت کرے۔ (تاکہ وہ ہر مکان حاصلہ سے کمال حاصل کرے اگر ہر اس قسم کی جدوجہد سے حصول کمال ممکن ہو) پھر کیا بات ہے کہ وہ بھی ایک جانب سے حرکت کرتا تو کبھی دوسری جانب سے، لہذا یہ ثابت ہوا کہ یہ خیالات لاحاصل ہے آسمانوں کے اسرار ملکوتی پر اس قسم کی تخیلات کے ذریعہ اطلاع یابی نہیں ہو سکتی ہاں اللہ تعالیٰ ہی اپنے انبیاء واولیاء کو بسبیل الہام ان پر اطلاع دے سکتا ہے استدلالی طریقے سے یہ ممکن نہیں یہی سبب ہے کہ بعض فلاسفہ نے بھی جہت حرکت کا سبب بیان کرنے اور اسکے اختیار پر بحث کرنے سے عجز کا اعتراف کیا ہے۔

اور ان میں سے بعض کا قول ہے کہ آسمان کو حصول کمال کسی بھی جہت میں حرکت کرنے سے نہیں ہوتا حوادث ارضیہ کا منتظم ہونا اختلاف حرکات اور تعین جہالت کا مقتضی ہے جو چیز کے آسمان کو محض حرکت پر اکساتی ہے وہ تقرب الی اللہ کی خواہش ہے لیکن جو چیز کے اس کو ایک خاص جہت میں حرکت کرنے پر اکساتی ہے وہ اس کی یہ خواہش ہے کہ عالم سفلی پر خیر کی بخشش ہو لیکن یہ دو وجہ سے باطل ہے۔

ایک یہ کہ اگر یہ تصور کیا جانا ممکن ہو تو ماننا پڑے گا کہ اس کا مقتضائے طبع سکون ہے اور حرکت وتغیر سے احتراز کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تحقیقی طور پر تشبہ ہے کیونکہ وہ تغیر

Marfat.com

سے پاک ہے اور حرکت ایک قسم کا تغیر ہے لیکن اس نے حرکت کو خیر کے فیضان کے لئے اختیار کیا ہے تا کہ اس سے غیر کو نفع پہنچائے گو حرکت اس کی فطرت کے خلاف ہے تاہم اس پر یہ کوئی بوجھ ہے اس کے تکان کا سبب اس خیال کے اختیار کرنے سے کون سا امر مانع ہے

دوسری یہ کہ حوادث مبنی ہوتی ہیں نسبتوں کے اختلاف پر جو جہات حرکات کے اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں لہذا حرکت اولی مغربی ہونی چاہیے باقی حرکات مشرقی اس سے اختلاف پیدا ہوتا ہے اور اسی سے نسبتوں کا تفاوت بھی پیدا ہوتا ہے پھر ایک ہی جہت کیوں متعین کی گئی؟ اور یہ اختلافات سوائے اصل اختلاف کے اور کسی بات کے مقتضی نہیں ہوتے لیکن جہاں تک اس مقصد کا تعلق ہے کسی جہت کو دوسری جہت پر ترجیح نہیں دی جاسکتی

Marfat.com

مسئلہ (۱۶)

فلسفیوں کے اس قول کے ابطال میں کہ نفوس سماویہ اس عالم کی تمام جزئیات حادثہ سے واقف ہیں

فلسفی کہتے ہیں کہ لوحِ محفوظ سے مراد نفوس سماویہ ہیں، جزئیات عالم کا ان میں منقوش ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ قوت حافظہ میں محفوظات کا منقوش ہونا (جو دماغ انسانی میں ودیعت ہوتے ہیں) ایسا نہیں کہ وہ ایک جسم سخت اور عریض ہے جس پر اشیاء مکتوب ہوتی ہیں جیسا کہ بچے تختی پر خطوط کھینچتے ہیں کیونکہ اس کتابت کی کثرت اتساع مکتوب علیہ کی مقتضی ہوگی اور جب کہ مکتوب کے لئے انتہا نہ ہو تو مکتوب علیہ کے لئے بھی انتہا نہ ہوگی اور ایسا جسم جس کی انتہا نہ ہو متصور نہیں ہو سکتا اور نہ ایسے خطوط ممکن ہیں جن کی انتہا کسی جسم پر ہو اور نہ ایسی اشیاء کی جن کی انتہاء نہ ہو کسی جسم پر خطوط معدودہ سے شناخت ممکن ہے۔

فلسفی یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ملائکہ آسمانی ہی نفوس آسمانی ہیں اور ملائکہ کروبین جو مقربین ہیں وہ عقل مجردہ میں ہیں جو بذاتہا جواہر قائمہ ہیں جو کسی حیز میں نہیں اور نہ اجسام میں متصرف ہیں اور ان عقول مجردہ سے صور جزئیہ نفوس آسمانی پر نازل ہوتی ہے عقول مجردہ ملائکہ آسمانی سے مشرف ہیں کیونکہ وہ فیض دینے والے ہیں اور یہ فیض لینے والے اور فیض دینے والا فیض لینے والے سے اشرف ہوتا ہے اور اسی لئے قلم کو اشرف کہا جاتا ہے خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "علم بالقلم" اس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی گویا کہ قلم فیض دینے والا نقاش ہے استاد کو قلم سے تشبیہ دی جاتی ہے اور شاگرد کو لوح سے یہ ہے ان کا مذہب اس مسئلہ میں نزاع گزشتہ مسئلہ کی نزاع سے مختلف ہے کیونکہ اس مسئلہ میں جو کچھ انھوں نے کہا تھا وہ محال نہیں تھا مقصد صرف یہ تھا کہ آسمان ایک حیوان ہے جو کسی غایت کے لئے متحرک ہے اور یہ ممکن ہے لیکن یہاں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک مخلوق کو لامتناہی جزئیات کا علم ہو سکتا ہے یہ چیز محال تصور کی گئی ہے اس لئے ان پر ہم دلیل طلب کرتے ہیں ورنہ اس کو ایک قسم کا تحکم یا ظن وگمان سمجھنے پر مجبور ہیں۔

Marfat.com

فلاسفہ کی دلیل اس بارے میں یہ ہے کہ حرکت دوریہ کا ارادی ہونا تو ثابت ہے اور ارادہ مراد یعنی جس چیز کا ارادہ کیا جاتا ہے) کا تابع ہوتا ہے اور مراد کلی کی طرف صرف ارادہ کلیہ ہی سے توجہ کی جا سکتی ہے اور ارادہ کلیہ سے کوئی شے صادر نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر موجود بالفعل معین جزئی ہوتا ہے اور ارادہ کلیہ کی نسبت جزئیات کی اکائیوں کی طرف ایک ہی وطیرہ پر ہوتی ہے اس سے کوئی شے جزئی صادر نہیں ہو سکتی بلکہ حرکت معینہ کے لئے ارادہ جزئیہ کا ہونا ضروری ہے لہذا آسمان کے لئے اسکی حرکت جزئیہ معینہ میں (جو کسی نقطے سے نقطہ معینہ تک ہوتی ہے) ارادہ جزئیہ کا ہونا ضروری ہے پس اس کے متعلق قوت جسمانی کے ذریعہ ان حرکات جزئیہ کا لامحالہ تصور ہوگا کیونکہ سوائے قوائے جسمانی کے جزئیات کا احساس نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ خالی ارادے کے لئے اپنے مراد کا تصور ضروری ہے یعنی اس کے علم کا چاہے جزئی طور پر ہو یا کلی طور پر۔

اور جب آسمان ان حرکات جزئیہ کا تصور اور ان کا احاطہ کر سکتا ہے تو لامحالہ ان کے لوازم کا بھی احاطہ کر سکے گا یعنی ان مختلف نسبتوں کا جو زمین کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں کیونکہ اس کے بعض اجزاء طلوع ہونے والے اور بعض اجزاء غروب ہونے والے ہوتے ہیں بعض وسط میں کسی قوم کے سر پر اور بعض کسی قوم کے پیر تلے ہوتے ہیں، اسی طرح آسمان ان مختلف نسبتوں کے لوازم کو بھی معلوم کرے گا جو بصورت تثلیث اور تسدیس و مقابلہ و مقارنت پیدا ہوتے ہیں اور تمام حوادث ارضیہ، حوادث آسمانی ہی کی طرف نسبتی ارادے ہیں جو ان سے بغیر واسطہ ایک ہی واسطہ سے یا کئی واسطوں سے پیدا ہوتے ہیں مختصر یہ کہ ہر حادث کے لئے ایک سبب حادث ہوتا ہے یہاں تک کہ تسلسل آسمان کی حرکت ابدی (جن میں بعض بعض کا سبب ہوتی ہیں) ارتقاء پر پہنچ کر منقطع ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اسباب و مسببات کا سلسلہ حرکات جزئیہ دوریہ آسمانی میں جا کر منتہی ہوتا ہے اور جو حرکات کا تصور کر سکتا ہے وہ اس کے لوازم اور لوازم لوازم کا بھی تصور کر سکتا ہے آخر سلسلے تک۔

لہذا آسمان کو ہونے والے ہر حادث پر اطلاع ہوتی ہے کیونکہ جو بھی حادث ہوتا ہے، اس کا حدوث اس کی علت سے (جبکہ علت ثابت ہو) لازم ہوگا۔

ہم مستقبل کے کسی واقع کو نہیں جانتے اس لئے کہ ہم ان کے تمام اسباب سے ناواقف ہیں، اگر ہم تمام اسباب کو جانتے ہوتے تو تمام مسببات کو بھی جان لیتے مثلاً جب

Marfat.com

بھی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آگ روئی سے کسی وقت بھی مل جائے تو وہ جل اٹھے گی یا اگر کوئی شخص کھانا کھائے گا تو اس کا پیٹ بھر جائے گا یا جب ہم جانتے ہیں کہ ایک شخص اگر ایسی جگہ چلے گا جہاں ایک خزانہ پوشیدہ ہے۔

ایسی نازک شے نیچے کہ جس پر چلنے سے خزانے پر اس کا پیر ضرور پڑے گا تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ خزانہ ضرور اس کو مل جائے گا اور اس کی وجہ سے وہ غنی ہو جائے گا لیکن ان اسباب کو ہم نہیں جانتے البتہ ان میں سے بعض کو ضرور جانتے ہیں ان سے ہم کو مسبب کے واقعہ ہونے کا گمان ہوتا ہے اگر ہم ان میں سے اکثر اسباب کو جان لیں تو ہمیں واقعہ کا صرف ظن ظاہری حاصل ہوگا اور اگر ہم کو تمام اسباب کا علم حاصل ہو جائے تو تمام مسببات کا بھی علم حاصل ہو جائے گا مگر آسمانی امور کثیر ہیں پھر ان کا حوادث عرضیہ کے ساتھ اختلاط بھی ہوتا ہے قوت بشری کو ان پر اطلاع کی سکت نہیں البتہ نفوس آسمانی ان پر اطلاع یاب ہوتے ہیں کیونکہ ان کو سبب اول پر اور اس کے لوازم اور لوازم کے لوازم پر (آخر سلسلہ تک اطلاع) ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فلسفی دعویٰ کرتے ہیں کہ سونے والا شخص خواب میں مستقبل کے واقعات کو دیکھتا ہے کیونکہ لوح محفوظ کے ساتھ اس کا اتصال ہوتا ہے اور وہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے اور جب کسی شئ پر اطلاع پاتا ہے تو یہ شے بعینہ اس کے حافظہ میں باقی رہتی ہے ،اور بسا اوقات قوت متخیلہ سرعت کے ساتھ اس کی نقل کر لیتی ہے کیونکہ اشیاء کو نقل کر لینا اس کی فطرت ہے یہ نقل مناسب تمثیلوں کے ساتھ ہوتی ہے یا ان کے اضداد میں بدل جاتی ہے پس حقیقی مدرک حافظہ سے محو ہو جاتا ہے صرف خیال کی تمثیل حافظہ میں باقی رہ جاتا ہے لہذا خیال کی اس تمثیل کی کی تعبیر کی ضرورت پیش آتی ہے، جیسے مرد کی درخت سے تشبیہ دی جاتی ہے یا بیوی کی موزہ سے اور خادم کی بعض ظروف خانہ سے ،اور خیرات ومبرات کے اموال کے محافظ کی تیل سے کیونکہ تیل چراغ کے روشن ہونے کا سبب ہوتا ہے اس طرح بالواسطہ روشنی کا سبب ہوتا ہے اسی اصول پر علم تعبیر کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔

اور فلسفی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں ان نفوس سماویہ کے ساتھ اتصال حاصل ہوتا ہے جب درمیان میں کوئی معنی نہیں ہوتا ہم اپنی بیداری میں ان چیزوں کے ساتھ مشغول رہتے ہیں جو حواس وخواہشات کی پیداوار ہیں پس ان امور حسیہ کے ساتھ ہماری مصروفیت اس اتصال سے ہمیں محروم کر دیتی ہے اور جب نیند میں بے حواس کی کچھ مصروفیت ساقط

Marfat.com

ہو جاتی ہے تو اتصال کی استعداد ظاہر ہو جاتی ہے۔

نیز وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ غیبی امور پر اسی طریقہ سے مطلع ہوتے تھے مگر قوت نفسیہ نبویہ ایسی قوت سے تقویت حاصل کرتی ہے جس کو حواس ظاہری متفرق نہیں کر سکتے اس لئے لازمی طور پر وہ بیداری میں بھی وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو دوسرے خواب ہی میں دیکھ سکتے ہیں انبیاء کی قوت خیالیہ بھی اس چیز کی تمثیل کرتی ہے جس کو وہ دیکھتی ہے اور بسا اوقات شے بعینہ یاد میں باقی رہ جاتی ہے اور اکثر اوقات صرف تشبیہ رہ جاتی ہے لہٰذا اس قسم کی وحی بھی تاویل کی محتاج ہوتی ہے جیسا کہ اس قسم کا خواب تعبیر کا محتاج ہوتا ہے۔

اگر ساری کائنات کا نقش لوح محفوظ میں نہ ہوتا تو انبیاء امور غیبیہ سے نہ خواب میں مطلع ہو سکتے نہ بیداری میں لیکن "جف القلم بما ھو کائن" اس کے مفہوم و معنی کو ہم نے بیان کر دیا ہے (پس فلاسفہ کے مذہب کی تفہیم کے لیے ہم نے ان کے بیان کا ملخص یہاں پیش کر دیا ہے)۔

جواب

ہم کہتے ہیں کہ تم اس شخص کے قول کی کس طرح تردید کرو گے جو کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ امور غیبیہ کے جاننے کے قابل بناتا ہے اور وہ بغیر کسی تیاری کے جانتے ہیں یہی حال اس شخص کا ہے جو خواب میں واقعات کو دیکھتا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ اس کو یہ واقعات بتلاتا ہے یا کوئی فرشتہ خبر دیتا ہے پس تمہاری ذکر کردہ چیزوں میں سے وہ کسی کا بھی محتاج نہیں ہوتا ان کے ثبوت میں تمہارے ہاں کوئی دلیل نہیں اور نہ شرع میں لوح محفوظ و قلم کے متعلق کچھ تفصیلات ملتی ہیں اہل شرع خود ان چیزوں کے معنی پوری طور پر بتلانے سے قاصر ہیں لہٰذا کسی نقلی دلیل سے تم کو استمساک نہیں ہو سکتا رہ گیا عقلی مسالک کہ ذریعے استنباط اور ان امور سے جن کا تم نے ذکر کیا ہے تو اگر ان کے امکان کا اعتراف بھی کیا جائے تو یہ اسی وقت ہوگا جبکہ ان معلومات سے نفی نہایت کو مشروط نہ کیا جائے تو نہ ان کے وجود کا اعتراف ہو سکے گا نہ ان کا انکار متحقق ہوگا پس اس کی سبیل یہی رہ جاتی ہے کہ ان کو شریعت ہی کے ذریعہ دریافت کیا جائے نہ کہ عقل کے ذریعہ جس عقلی دلیل کو تم نے پیش کیا ہے وہ مقدمات کثیرہ پر مبنی ہے ہم اس کے ابطال کی تطویل میں نہیں جانا چاہتے لیکن ان میں

Marfat.com

سے تین مقدمات پر تنقید کریں گے۔

پہلا مقدمہ

تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ حرکت آسمانی ارادی ہوتی ہے تو ہم اس مسئلہ سے فارغ ہو چکے ہیں اور تمہارے دعوے کو باطل کر چکے ہیں۔

دوسرا مقدمہ

اگر تمہارے اس دعویٰ کو تسلیم بھی کیا جائے تاکہ تمہیں ایک موقع دیا جائے (تو تمہارا یہ قول کہ آسمان حرکات جزئیہ کے لئے تصور جزئی کا محتاج ہوتا ہے غیر مسلم ہے کیونکہ تمہارے نزدیک آسمان جسم قابل تجزیہ نہیں وہ شے واحد ہے البتہ وہمی طور پر تجزیہ پا سکتا ہے حرکت بھی قابل تقسیم نہیں کیونکہ وہ اتصال کے لحاظ سے واحد ہے البتہ آسمان کے لئے مکنۂ ممکنہ کی تکمیل کا شوق ہی کافی ہے جیسا کہ تمہارا بھی خیال ہے اور اس غرض کے لئے ارادہ کلیہ اور تصور کلی کافی ہیں یہاں ہم ارادہ کلیہ اور جزئیہ کی ایک مثال پیش کرتے ہیں تاکہ فلسفیوں کے معنی کی وضاحت ہو سکے۔

فرض کرو کہ کسی انسان کا مقصد کلی یہ ہے کہ وہ حج بیت اللہ ادا کرے یہ ارادہ کلیہ ہے اب اس سے حرکت صادر نہیں ہو سکتی کیونکہ حرکت جزئی طور پر جہت مخصوصہ میں بہ مقدار مخصوص صادر ہوتی ہے حرکت ارادیہ میں ارادۂ جزئیہ کا ہونا ضروری ہے اور وہ انسان کے لئے ہمیشہ متجدد ہوتی رہتی ہے اور اسے بیت اللہ کی طرف توجہ دلاتی رہتی ہے اور ایک تصور کے بعد دوسرا تصور پیش کرتی رہتی ہے ان مقامات کا تصور جہاں وہ جانا چاہتا ہے ان مقامات کا تصور جہاں وہ ٹھہرنا چاہتا ہے اور ہر تصور جزئی کا ایک ارادہ جزئیہ پیروی کرتا رہتا ہے ارادہ جزئیہ سے فلسفیوں کی یہی مراد ہے اور یہ ارادہ جزئی تصور کا تابع ہوتا ہے یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کیونکہ (مثلاً حج) میں جہات متعدد ہوتے ہیں توجہ شہر مکہ کی طرف ہوتی ہے مسافر کا کوئی تعین نہیں ہوتا پس ارادہ کے دوسرے جز میں ایک مکان سے دوسرے مکان اور ایک جہت سے دوسری جہت کی تعین کی احتیاج ہوتی ہے۔

رہی حرکت سماویہ تو اس کے لئے ایک ہی جہت ہے کیونکہ کرہ اپنی ذات پر اور اپنے حیز ہی میں حرکت کرتا ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا یہاں صرف حرکت ہی کا ارادہ

Marfat.com

کیا جاتا ہے اور یہاں سوائے جہت واحد اور سمت واحد کے کچھ نہیں گویا کہ ایک پتھر ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف گر رہا ہے اور نزدیک ترین راستے سے وہ زمین کا طالب ہوتا ہے اور نزدیک ترین راستہ خط مستقیم ہے جو زمین پر عمود رہتا ہے خط مستقیم متعین ہوتا ہے اس کے تعین میں پتھر کسی سبب حادث کے تجدد کا (سوائے طبیعت کلیہ کے جو مرکز کی طالب ہوتی ہے) محتاج نہیں ہوتا اسی طرح حرکت سماوی میں حرکت کا ارادہ کلیہ ہی کافی ہو جاتا ہے اور کسی چیز کی احتیاج نہیں ہوتی اگر فلسفی یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نئے جز کی ضرورت ہے تو وہ محض تحکم سے کام لیتے ہیں۔

تیسرا مقدمہ

جو محض تحکم بعید ہے ان کا یہ قول ہے کہ جب آسمان کو حرکت جزئیہ کا تصور ہو سکتا ہے تو اس کے توابع و لوازم کا بھی تصور ہو سکتا ہے یہ ہوس محض ہے اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ جب انسان حرکت کرتا ہے اور اس کو جانتا بھی ہے تو اس پر لازم آتا ہے کہ اس کی حرکت کے لوازم بھی از قسم تقابل و تجاوز (یعنی اس کی ان اجسام سے نسبت جو اس کے اوپر نیچے اور بازو ہوتے ہیں) پہچانے جائیں یا اگر وہ دھوپ میں چلے تو لازم ہے کہ وہ مقامات بھی پہچانے جائیں جن پر اس کا سایہ پڑتا ہے اور وہ مقامات بھی جن پر اس کا سایہ نہیں پڑتا اور اس کے سائے کے اثرات بھی جو از قسم برودت (جو اس جگہ کے شعاع کے انقطاع کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یا از قسم ضغط (یعنی وہ دباؤ جو اس شخص کے قدم تلے مٹی پر ہوتا ہے) یا از قسم تفریق (جو اس کے اعضاء کے اندر اخلاط میں ہوتی ہے کیونکہ حرکت کی وجہ سے ان کا حرارت میں استحالہ ہوتا ہے اور اسی سے پسینہ نکلتا ہے وغیرہ بھی پہچانے جائیں کیونکہ اس کی حرکت ان تمام باتوں کے لئے علت ہے یا شرط ہے یا اسباب معدہ یا محرکہ میں سے ہے تو یہ ایک خیال خام ہے جس کو کوئی عقلمند تسلیم نہیں کر سکتا اور کوئی جاہل ہی اس قسم کی باتوں سے مرعوب ہوگا اسی لئے ہم اس کو تحکم کہتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہم یہ پوچھتے ہیں وہ جزئیات مفصلہ جو نفس فلک کو معلوم ہوتے ہیں کیا فی الحال موجود ہیں کیا تم ان میں مستقبل میں ہونے والے واقعات کو بھی شامل کرو گے؟ اگر تم موجود فی الحال پر ان کو منحصر کرتے ہو تو غیب پر اس کی اطلاع کا وصول باطل ہو جائے گا نیز وہ خیالات بھی باطل ثابت ہوں گے کہ اس کے واسطہ سے انبیاء علیہ السلام کو بیداری میں

Marfat.com

اطلاعات ملتی ہے اور انسانوں کو خواب مستقبل کے واقعات بتلائے جاتے ہیں پھر اس دلیل کا مقتضا خود بھی باطل ہو جائے گا کیونکہ یہ تحکم ہے کہ کوئی شخص جب کسی چیز کو جانتا ہے تو اس کے لوازم و توابع کو بھی جانتا ہے یہاں تک اگر اشیاء کے تمام اسباب کو ملالیں تو وہ مستقبل کے تمام حوادث کے اسباب تو فی الحال موجود ہو سکتے ہیں یعنی حرکت سماویہ میں شامل ہو سکتے ہیں لیکن یا تو ایک ہی واسطہ سے یا کثیر واسطہ سے یہ مسبب کو مقتضی ہیں اگر نفس فلک کے معلومات میں مستقبل کو بھی شامل کیا جائے جس کی انتہا نہیں تو بتایئے مستقبل نا متناہی میں تمام جزئیات کی تفصیل کیسے کی جائے گی اور ایک مخلوق کے نفس مدرکہ میں ایک ہی آن کے اندر بغیر کسی تعاقب کے علوم جزئیہ مفصلہ کا (جس کے اوراد اور جس کی اکائیوں کی انتہا نہیں ہے) کیسے اجتماع ہوگا؟ جس کو عقلی طور پر اس کے محال ہونے کی شہادت نہیں مل سکتی تو اس کی عقل سے مایوس ہو جانا چاہیئے۔

اگر وہ اس دعوے کو ہم پر پلٹ دیں کہ علم الٰہی کے بارے میں ہم بھی تو اس کو محال نہیں سمجھتے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے معلومات کی مثال مخلوق کی معلومات سے بالا تفاق نہیں دی جا سکتی بلکہ کہا جائے کہ جب نفس فلک نفس انسانی ہی کی طرح عمل کرتا ہے تو وہ بھی از قبیل نفس انسانی ہوگا، اور وہ بھی اس کے ساتھ بالواسطہ مدرک جزئیات ہونے میں شریک ہوگا گو اس سے قطعی طور پر متصل نہ ہوگا، گمان غالب یہی ہوگا کہ وہ اس کے قبیل ہی سے ہے اگر گمان غالب نہ بھی ہو تو اس کا امکان تو ہو سکتا ہے اور امکان کے تسلیم کرنے کی بناء پر ان کا یہ دعویٰ کہ نفس انسانی نفس فلک ہی سے منقطع ہوا ہے باطل ہو جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ نفس انسانی کا بھی اپنے جوہر کے اعتبار سے یہ حق ہے کہ وہ تمام اشیاء کا ادراک کرے لیکن وہ نتائج شہوت و غضب حرص و حقد و حسد و گرنگی و الم میں منہمک رہتا ہے اور اس طرح عوارض بدنی اور اس پر وارد ہونے والے حواس کسی ایک چیز پر نفس انسانی کی توجہ کے باعث دوسری شے کی طرف اس کو متوجہ ہونے نہیں دیتے۔

رہے نفوس فلکیہ تو وہ ان صفات سے بری ہیں ان کو کوئی مصروفیت نہیں کوئی رنج والم میں ان کو استغراق ہے اسلیئے وہ جمیع اشیاء کا ادراک کرتے ہیں!۔

تو ہم کہتے ہیں کہ تم نے یہ کس طرح جانا کہ انھیں کوئی مصروفیت نہیں، کیا مبدا اول کی عبادت اور اسکی طرف انکا اشتیاق انہیں مصروف و مستغرق رکھنے کے لئے اور جزئیات مفصلہ کے تصور سے بے پروا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے غضب و شہوت اور ان موانع

Marfat.com

مخصوصہ کے علاوہ کسی اور معنی کے فرض کرنے سے کون سی چیز عامل ہے، اور تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا کہ موانعات صرف وہی ہیں جن کا اپنے نفوس میں مشاہدہ ہوتا ہے؟ حالانکہ عقلاء کے لئے اور بھی اہم مشاغل ہو سکتے ہیں جیسے علوِ ہمت طلب ریاست جس کی اہمیت کا تصور بچوں کے لئے محال ہے پھر نفوس فلکیہ میں ان کے قائم مقام کا محال ہونا کیسے جانا جا سکتا ہے؟ بہرحال ہم ان کے علوم الٰہیہ کے متعلق مباحث یہاں ختم کرتے ہیں الحمد اللہ وعدہ وصلی اللہ علی نبیہ محمد وسلم۔

Marfat.com

علوم ملقبہ طبیعیات

اور وہ کثیر ہیں ان کی بعض اقسام کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ شریعت کا ان سے کوئی منازعہ نہیں، اور نہ وہ ان کا انکار کرتی ہے سوائے ان چند چیزوں کے جن کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

یہ علوم منقسم ہیں اصول وفروع میں اور ان کے اصول آٹھ قسم کے ہیں۔

(۱)

پہلے اصول میں اس چیز کا ذکر کیا جاتا ہے جو جسم سے بحیثیت جسم لاحق ہوتی ہے یعنی انقسام وحرکت وتغیر اور جو حرکت سے لاحق یا اس کی تابع ہوتی ہے جیسے زمان ومکان وخلا اس پر کتاب ''سمع الکیان'' مشتمل ہوتی ہے۔

(۲)

اس میں ارکان عالم (جو افلاک ہیں) کی اقسام کے احوال معلوم ہوتے ہیں نیز مقعر فلک قمر کے تا سر اربعہ اور ان کی طبائع اور ان میں سے ہر ایک کے استحقاق کی علت کا علم ہوتا ہے ایک معین موضوع ہے اس پر کتاب آسمان اور عالم سفلی'' مشتمل ہے۔

(۳)

اس میں احوال کون وفساد، تولد وتوالد اور نشو ونما بتلااوا استحالات اور کیفیت بقا انواع بر فساد اشخاص بذریعہ حرکات سماویہ شرقیہ وغربیہ، اور اس پر کتاب ''کون وفساد'' مشتمل ہے۔

(۴)

ان احوال کے بیان میں جو عناصر اربعہ پر پیش آتے ہیں از قسم امتزاجات جن سے آثار علویہ از قسم ابر وبارش اور کڑک اور بجلی و ہالہ وقوس وقزح ہوا اور زلزلے حادث ہوتے ہیں۔

(۵)

جواہر معدنیہ کے بیان میں۔

(۶)

احکام نباتات کے بیان میں۔

Marfat.com

(۷)

حیوانات کے بیان میں اور کتاب طبائع حیوان اس موضوع پر ہے۔

(۸)

نفس حیوانی اور قوائے مدرکہ کے بیان میں جو یہ بتلاتا ہے کہ نفس انسانی جسم کی موت سے مر نہیں سکتا اور وہ ایک جوہر روحانی ہے جس کی فنا محال ہے۔

اور ان کے فروع سات ہیں۔

(۱)

پہلی فرع ہے طب اور مقصود اس کا ہے بدن انسان کے مبادی واحوال کا جاننا جیسے صحت و مرض اور ان کے اسباب

واعلامات تاکہ مرض کو دفع کیا جائے اور صحت کی حفاظت کی جائے۔

(۲)

دوسری فرع ہے علم نجوم وہ ہے ایک قسم کی تخمین استدلال کواکب کے اشکال وامتزاجات کی بناء پر جو احوال عالم و ملل اور احوال موالید و سنین پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

(۳)

تیسری فرع ہے علم فراست وہ ایک قسم کا استدلال اخلاق وسیرت پر ظاہری فطرت سے۔

(۴)

چوتھی فرع ہے علم تعبیر وہ ہے ایک قسم کا استدلال خواب کے تخیلات سے وہ تخیلات جن کو نفس (روح) عالم غیب سے مشاہدہ کرتی ہے اور قوت متخیلہ اس کے غیر کی مثال سے تشبیہ دے کر پیش کرتی ہے۔

(۵)

پانچویں فرع ہے علم طلسمات وہ ہے قوائے آسمانی کا جمع کرنا بعض اجزائے زمینی کے ساتھ تاکہ اس سے ایک تیسری قوت پیدا ہو جو عالم عرضی میں افعال غریبہ انجام دے۔

(۶)

چھٹی فرع ہے علم نیرنجات وہ قوائے جواہر ارضیہ کے امتزاج کا نام ہے تاکہ اس

Marfat.com

سے امور غریبہ حادث ہوں۔

(۷)

ساتویں فرع ہے، علم کیمیا جس کا مقصود ہے تبدیلی خواص جواہر معدنیہ تاکہ انواع حیل سے تحصیل زروسیم کی جائے۔

شرعی حیثیت سے ان علوم سے کسی چیز میں بھی مخالفت ضروری نہیں ہے البتہ ہم ان سارے علوم میں سے صرف چار مسائل میں فلاسفہ کی مخالفت کرتے ہیں۔

پہلا ہے ان کا یہ فیصلہ کہ اسباب ومسببات کے درمیان مقارنت جو وجودی حیثیت سے مشاہدے میں آتی ہے وہ لازمی طور پر متلازم مقارنت ہے نہ تو مقدور میں اور نہ مکان میں سبب کی ایجاد بغیر مسبب کے ہوسکتی ہے اور نہ مسبب کا وجود بغیر سبب کے ہو سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ان کا قول کہ ارواح انسانی بذاتہا جواہر قائمہ ہیں جو جسم میں منطبع نہیں اور موت کے معنی ہیں ان کے تعلق کا جسم سے ختم ہو جانا یعنی وہ تعلق جو تدبیر کی حیثیت سے قائم تھا باقی نہیں رہتا روح بہرحال باقی رہتی ہے اور وہ مدعی ہیں کہ یہ بات انھیں عقلی دلیل سے معلوم ہوسکتی ہے۔

تیسرا مسئلہ ہے ان کا قول کہ ان ارواح پر عدم کا طاری ہونا محال ہے اور جب ایک دفعہ وہ وجود پذیر ہو جاتی ہے تو وہ ابدی وسرمدی ہیں ان کی فنا کا تصور نہیں ہوسکتا۔

چوتھا مسئلہ ہے ان کا قول کے ان ارواح کا جسم کی طرف عود کرنا محال ہے پہلے مسئلہ میں نزاع اس لئے ضروری ہے کہ معجزات کا اثبات جو امور خارق عادت ہوتے ہیں جیسے لاٹھی کا سانپ بنادیا جانا یا مردے کو زندہ کیا جانا یا چاند کو دو ٹکڑے کردینا وغیرہ اس کے ابطال پر مبنی ہے جو شخص کہ مجاری عادات کو لازمۂ ضروری کی قسم سے سمجھتا ہے تو وہ ان چیزوں کو محال تصور کرتا ہے اور قرآنی آیات میں تاویل کرنے لگتا ہے مثلاً مردے کو زندہ کرنے سے مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ جہل کی موت سے علم کی زندگی میں لے آنا اور جادوگروں کے چھوٹے سانپوں کو بڑے سانپ کا جو لاٹھی سے سانپ بن گیا تھا نگل جانے کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ حجت الٰہی نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کافروں کی کمزور حجتوں کو باطل کر دیا رہا چاند کا آنحضرت ﷺ کے اشارے سے دو ٹکڑے ہونا تو وہ اکثر اس کا انکار کردیتے ہیں کہ اس کی خبر متواتر نہیں ہے۔

Marfat.com

فلاسفہ نے معجزات خارقہ عادت کو صرف تین امور میں ثابت کیا ہے اول یہ کہ قوت متخیلہ کے متعلق وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جب وہ قوی اور غالب ہو جاتی ہے اور حواس اس کو کسی شغل میں مستغرق نہیں کر دیتے تو وہ لوح محفوظ پر اطلاع پانے لگتی ہے پس اس میں ان جزئیات کی تصویریں جن کی مستقبل میں تکوین ہو سکتی ہے منطبع ہونے لگتی ہے یہ بات انبیاء علیہ السلام کو بیداری ہی میں نصیب ہوتی ہے مگر عوام کو خواب میں۔

یہ نبوت کی وہ خاصیت ہے جس کا تعلق قوت متخیلہ سے ہے۔

دسرا یہ کہ وہ قوت نظریہ عقلیہ کو قوت حدس (تیز فہمی کی طرف منسوب کرتے ہیں) یعنی ادراک کا سرعت انتقال ایک معلوم سے دوسرے معلوم کی طرف (بہت سے تیز نظر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے اگر مدلول کا ذکر کیا جائے تو وہ دلیل سے آگاہ ہو جاتے ہیں یا دلیل کا ذکر کیا جائے تو مدلول سے واقف ہو جاتے ہیں بہر حال جب انھیں حدا وسط کا تصور دلا دیا جائے تو ان کا ذہن نتیجہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے یا جب صرف دو حدیں جو نتیجہ میں موجود ہوتی ہیں ان کے ذہن میں آتی ہیں تو حد اوسط جو نتیجہ کے دونوں کناروں کی جامع ہوتی ہیں ان کے ذہن میں پیدا ہو جاتی ہے اس وصف میں بھی لوگوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں بعض وہ ہیں جو بذاتہ آگاہ ہو جاتے ہیں بعض وہ ہیں جو ادنیٰ سی تنبیہ سے آگاہ ہو جائیں اور بعض ہیں جو باوجود تنبیہ کے بھی آگاہ نہیں ہو سکتے (بغیر زیادہ محنت اٹھائے) اگر یہ جائز رکھا جائے کہ نقصان کی حد اس شخص میں ختم ہو جس کو متعلق تیز نظری حاصل نہیں حتی کے وہ فہم معقولات کے لئے باوجود تنبیہ کے تیار ہی نہیں ہوتا تو یہ بھی جائز ہو گا کہ قوت ذزیادت کی حد اس شخص میں ختم ہو جو تمام معقولات پر یا اکثر معقولات پر کم سے کم مدت میں آگاہ ہو جاتا ہے

اور یہ چیز کمیت و کیفیت کے لحاظ سے تمام مقاصد میں یا بعض میں مختلف ہوتی ہے حتی کے قرب و بعد کا تفاوت ہو جاتا ہے، بہت سے نفوس مقدس اور صافی ہوتے ہیں جن کی تیز نظری تمام معقولات پر حاوی ہوتی ہے اور اس کام کے لئے بہت تھوڑا سا وقت چاہتی ہے وہ ہیں ان انبیاء علیہ السلام کے نفوس جن کو قوت نظری کا معجزہ حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ معقولات کے تحصیل کے لئے کسی معلم کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ بذاتہ تعلیم پاتے ہیں اور یہ وہی ہیں جن کی شان میں کہا گیا ہے "یکاد زیتھا یضئی، ولولم تمسسہ نار نور علی نور"

Marfat.com

تیسرا یہ کہ قوت نفسیہ عملیہ اس حد تک ترقی کر جاتی ہے کہ اس سے طبعی اشیاء متاثر ہوتی ہیں اور اس کی مسخر ہو جاتی ہیں مثلاً جب ہمارا نفس کسی چیز کا توہم کرتا ہے تو اعضا اس کی خدمت کرنے لگتے ہیں اور قوائے جسمانی پر اس کا حکم چلتا ہے اس لئے وہ جہت متخیلہ مطلوبہ کی طرف حرکت کرنے لگتا ہے مثلاً جب وہ کسی پر لطف چیز کا (جس سے اس کا مذاق وابستہ ہے) تصور کرتا ہے تو اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور وہ اس کے ساتھ کھیلنے یا اور کسی طریقہ سے اس سے لطف اٹھانے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے یا مثلاً جب وہ کسی ایسے تختے پر جو صرف ایک گز یا اس سے کم چوڑا ہو اور کسی اونچی جگہ اپنے دونوں کناروں کی فضا میں ٹکا دیا گیا ہو چلنے لگے اور اس کے نفس کو گرنے کا توہم ہو تو جسم بھی اس وہم سے متاثر ہو گا اور وہ گر جائے گا لیکن اگر یہی تختہ زمین پر ہوتا تو ایسا نہ ہوتا اور وہ اس پر برابر چلتا اور نہ گرتا۔

یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اجسام اور قوائے آسمانی نفوس کے لئے خادم و مسخر پیدا کی گئی ہیں مگر نفوس اپنی صفائی اور قوت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں عجب نہیں کہ نفسی قوت اس حد تک ترقی کر جائے کہ قوت طبعیہ خارج جسم میں بھی اس کی خدمت کرنے لگے کیونکہ نفس بدن میں منطبع نہیں ہوتا وہ صرف اس کی طرف مائل ہوتا ہے یا تدبیر جسم میں دلچسپی رکھتا ہے اور یہ میلان یا دلچسپی اسکی فطرت کا حصہ ہوتی ہے تو اگر یہ روا ہے وہ اپنے ہی جسم کے مادی اعضا کو مطیع کرے تو یہ بھی روا ہو گا کہ (اسی جسم کے مصالح کی خاطر) وہ دوسرے اجسام کو بھی مطیع کر لے۔

یہی وجہ ہے کہ جب نفس ہواؤں کے چلنے یا بارش کے نازل ہونے بجلی و کڑک کے پیدا کرنے یا زمین میں بھونچال آنے (تا کہ کسی سرکش قوم کو نگل لے) پر اپنی ہمت مرکوز کرتا ہے۔ (اور یہ چیزیں موقوف ہیں برودت یا حرارت یا ہوا میں حرکت کے پیدا ہو جانے پر) تو اس نفس سے یہ حرارت و برودت پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے ان امور کی تولید ہونے لگتی ہے جن کا کوئی ظاہری طبعی سبب موجود نہیں ہوتا اور یہ معجزہ ہوتا ہے کسی نبی علیہ السلام کا البتہ یہ امور ہوا وغیرہ مستعد قبول چیزوں ہی میں ہو سکتی ہیں یہ ممکن نہیں کہ معجزہ اس حد تک امر کرے کہ لکڑی سانپ بن کر حرکت کرنے لگے یا چاند دو ٹکڑے ہو جائے چاند کا جسم ٹکڑے ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔

یہ ہے مذہب فلاسفہ کا معجزات کے بارے میں اور ہم ان کی ان باتوں میں سے

Marfat.com

کسی چیز کا انکار نہیں کرتے کیونکہ یہ چیزیں انبیاء علیہ السلام میں ہوتی ہیں البتہ ان کی اس بارے میں تحدید و اقتصار کا انکار کرتے ہیں جس کی بناء پر وہ قلب عصاء (یعنی لاٹھی کا سانپ بن جانا اور احیائے موتیٰ) (مردہ زندہ کر دیا جانا) کا انکار کرتے ہیں اثبات معجزات اور دیگر امور کے لئے ہمیں اس مسئلہ پر غور و خوض ضروری ہے کیونکہ یہ خیالات مسلمہ اسلامی عقائد کے مخالف ہیں لہٰذا ہمیں اس پر بحث کرنی چاہیے۔

Marfat.com

مسئلہ (۱۷)

فلسفیوں کے اس خیال کی تردید میں

کہ واقعات کی فطری راہ میں تبدل محال ہے

عادت کے لحاظ سے جو چیز سبب اور جو چیز مسبب خیال کی جاتی ہے، دونوں اقتران (یکجائی) ہمارے نزدیک ضروری نہیں ہے کوئی دو چیزوں کو لو یہ وہ نہیں نہ وہ یہ ہو سکتی ہے نہ ایک کا اثبات دوسرے کا اثبات اور نہ ایک کی نفی دوسرے کی نفی کی متضمن ہے ایک کے وجود سے دوسرے کا وجود کوئی ضروری نہیں اور نہ ایک کے عدم سے دوسرے کا عدم ضروری ہے جیسے پیاس کا بجھنا اور پانی کا پینا پیٹ کا بھرنا اور کھانا جلنا اور آگ سے مس ہونا یا روشنی کا پھیلنا اور سورج کا نکلنا یا مرنا اور سر کا جسم سے جدا ہونا یا صحت یاب ہونا اور دوا پینا، یا اسہال کا ہونا اور مسہل کا استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے بیسیوں مشاہدات ہیں جو طب یا نجوم یا دوسرے فنون میں دیکھے جاتے ہیں۔

پس ان افعال کا اقتران تقدیر الٰہی کی وجہ سے ہوتا ہے جو ان کے وجود سے پہلے جاری ہو چکی ہے اگر ایک کا صدور دوسرے کے بعد ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انھیں اس طرح پیدا کیا ہے نہ اس وجہ سے کہ یہ ربط خود ضروری ہے اور نا قابل شکست بلکہ تقدیر یوں بھی ہو سکتی تھی کہ بغیر کھانا کھائے پیٹ بھر جائے بغیر گردن کٹے موت آ جائے باوجود گردن کے کٹ جانے کے زندگی باقی رہے اسی طرح اس سے تمام مقترنات کا معاملہ ہے۔

مگر فلاسفہ نے اس کے امکان کا انکار اور اس کے محال ہونے کا دعویٰ کیا ہے ان امور میں جو لاتعداد ہیں غور فکر خارج از شمار ہے اور بہت طویل اسلئے ہم ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں اور وہ ہے روئی کا جلنا جب اسے آگ چھوئے ہم یہ بھی جائز رکھتے ہیں کہ دونوں یکجا بھی ہوں اور روئی جلے بھی نہ اور یہ بھی جائز رکھتے ہیں کہ روئی کو آگ چھوئے بھی نہیں مگر وہ جل کر خاکستر ہو جائے مگر فلسفی اس کا انکار کرتے ہیں۔

اس مسئلہ پر بحث کے تین مقام ہیں:-

Marfat.com

مقام اول

مخالف دعویٰ کرتا ہے کہ جلانے کا فعل انجام دینے والی چیز صرف آگ ہے اور وہ بالطبع فاعل ہے نہ کہ بالا اختیار اپنی طبیعت سے اس کا الگ ہونا ممکن نہیں اگر وہ کسی چیز سے متصل ہوگی تو جلائے یا گرم کئیے بغیر نہ رہے گی۔

اور ہم اس چیز کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احتراق کا فاعل درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے اس نے روئی میں تفرق اجزاء سے اور احتراق سے اثر پذیری کی خاصیت رکھدی ہے چاہے یہ خاصیت ملائکہ کے وسیلہ سے رکھی ہو یا بغیر وسیلہ رہی آگ تو وہ بھی جمادات میں سے ایک بے جان مخلوق ہے جس کے لیے فعل و اثر اختیاری شئے نہیں۔

آگ کے فاعل ہونے پر آخر کون سی دلیل ہے فلسفیوں کے پاس؟ ان کے پاس سوائے اس کے کوئی دلیل نہیں کہ روئی جب آگ سے یکجا ہوتی ہے تو جل اٹھتی ہے یعنی مشاہدہ ہی ایک دلیل ہے مگر اس پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ فاعل آگ ہی کا ہے اور یہ کہ اس کے سوا اس فعل کی کوئی علت نہیں ایک اور مثال پر غور کرو اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ روح اور قوائے مدرکہ اور محرکہ کا انسلاک نطفہ حیوانی میں حرارت و برودت اور رطوبت و یبوست میں محصور طبائع سے متولد نہیں ہوتا بات یہ نہیں کہ باپ بیٹے کا فاعل ہے وہ تو نطفہ کو صرف رحم کے سپرد کر دیتا ہے نہ تو وہ اس کی حیات کا فاعل ہے اس کی بینائی کا نہ شنوائی کا اور نہ ان تمام معانی کا جو اس میں پائے جاتے۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہ سب چیزیں اس کے پاس بعض اور شرائط کے ساتھ موجود ہیں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اسی کی وجہ سے موجود ہوئی ہے بلکہ ان کا وجود تو بتلایا جاتا ہے کہ یہ جہت اول خدا سے ہے چاہے بغیر واسطہ کے ہو چاہے ملائکہ کے واسطہ سے جو ان امور حادثہ کیلئے موکل ہوتے ہیں (یہ دلیل ان فلسفیوں کے خلاف صحیح ہے جو صانع عالم کے قائل ہے اور ہمارا روئے خطاب ان ہی سے ہے)۔

یہ ظاہر ہے کہ کسی امر کے وجود کے وقت کسی چیز کا موجود ہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ اسی کی وجہ سے موجود ہوئی ہے اس کو ہم ایک مثال سے ظاہر کرتے ہیں کہ فرض کیجیے کہ ایک مادر زاد اندھا ہے جس کی دونوں آنکھوں میں پردہ ہے اور اس نے دن اور رات کا فرق کبھی سے سن کر بھی معلوم نہیں کیا اب اگر دن کے وقت اس کی آنکھوں کا پردہ ہٹا نا ممکن ہو جائے اور اس کی پلکیں کھل جائیں اور وہ مختلف رنگوں کا مشاہدہ کر سکے تو وہ یہی گمان کرے گا کہ رنگوں کی

Marfat.com

صورتوں کا یہ ادراک جو اس کی آنکھوں کو حاصل ہوا ہے اس کی آنکھوں کے کھل جانے کی وجہ سے ہے یا یہ کہ آنکھوں کا کھل جانا اس کا فاعل ہے اور جب تک کہ اس کی بصارت صحیح وسالم رہے گی اور پردہ نہ رہے گا اور رنگ اسکے مقابل ہونگے تو لازمی طور پر وہ انکو دیکھ سکے گا اور کسی کے بھی سمجھ میں نہ آئے گا کہ وہ ان کو دیکھ نہ سکے گا مگر جب آفتاب غروب ہو جائے اور فضا پر تاریکی مسلط ہو جائے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ سورج کی روشنی اس کا سبب تھی جو ان رنگوں کو اس کی بشارت میں منطبع کر رہی تھی پس ہم پوچھتے ہیں کہ مخالف اس امکان کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے (۱) کہ مبادی وجود میں وہ علل واسباب موجود ہیں جن سے ان حوادث کا فیضان ہوتا ہے اور جو آپس میں مربوط نظر آتے ہیں (۲) اجسام متحرک کے خلاف یہ حوادث زمانی ثابت ہیں اور معدوم نہیں ہوتے اگر وہ معدوم ہو جائیں یا غائب ہو جائیں تو ایسی صورت میں ہم ان کی ایک دوسرے سے علیحدگی کو سمجھ سکیں گے اور اس کے نتیجے کے طور پر جان لیں گے کہ ان کی علت ہمارے مشاہدہ سے ماوراء پائی جاتی ہے خود فلسفیوں کے اصول کے قیاس کی بناء پر یہ خیال ناگزیر ہے۔

اور اسی لئے ان کے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ اعراض وحوادث جو اجسام کے باہم ملنے سے پیدا ہوتے ہیں یا ان کے اختلاف نسبت سے ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کا فیضان کسی واہب صور کے ہاں سے ہوتا ہے اور وہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آنکھ میں مختلف رنگوں کی تصویروں کا انطباع واہب صور کی جہت سے ہوتا ہے پس سورج کی روشنی یا صحیح وسالم آنکھ کی..... پتلی اور رنگین اجسام یہ محض مقداز ومہیات ہیں اس صور کی قبولیت کے لئے اور وہ اس توجیہ کا فرق ہر حادث واقعہ پر بھی کرتے ہیں اور اسی لئے اس شخص کا دعویٰ جو یہ سمجھتا ہے کہ آگ ہی اصل میں فاعل احتراق ہے باطل ہو جاتا ہے نیز یہ قول بھی کہ روٹی ہی سیری کی علت ہے یا دواہی فاعل صحت ہے وغیرہ۔

مقام دوم:۔

یہ اس شخص کے ساتھ بحث ہے جو تسلیم کرتا ہے کہ یہ حوادث مبادی حوادث ہی سے فیضان پاتے ہیں لیکن قبولیت صور کی استعداد ان ہی اسباب سے حاصل ہوتی ہے جو موجود ہیں اور مشاہدہ میں آتے ہیں مبادی سے بھی اشیاء کا صدور باللزوم وبالطبع ہوتا ہے نہ کہ علی سبیل الاختیار جیسا کہ سورج سے نور کا فیضان بالطبع ہوتا ہے، البتہ قبولیت کے محل یہ لحاظ اختلاف

Marfat.com

استعداد جدا جدا ہوتے ہیں جیسے چمک دار جسم سورج کی شعاعوں کو قبول کرتا اور منعکس بھی کرتا ہے، یہاں تک کہ دوسری جگہ اس سے روشن ہو سکتی ہے ہر چمک دار ان کو قبول نہیں کرتا، ہوا اس کے نور کے نفاذ سے مانع نہیں ہوتی مگر پتھر مانع ہوتا ہے اور بعض اشیاء آفتاب کی روشنی کے اثر سے نرم ہو جاتی ہیں، اور بعض سخت، اور بعض سفید ہو جاتی ہیں (جیسے دھوبی کے کپڑے دھلنے کے بعد) اور بعض سیاہ ہو جاتی ہیں (جیسے دھوبی کا چہرہ) حالانکہ مبدا ایک ہی ہے مگر آثار مختلف ہیں، کیونکہ استعدادات مکانی میں اختلاف ہے، اس طرح مبادی وجود سے جو بھی صادر ہوتا ہے اس میں وہ فیاض ہیں، ان کے لئے نہ امتناع ہے نہ بخل ہاں محل قابل کا قصور اور بات ہے۔

لہذا جب بھی ہم آگ کو اس کے جملہ صفات کے ساتھ فرض کر لیتے ہیں اور روئی کے دو ٹکڑے ایک ہی قسم کے لیتے ہیں اور ایک ہی طریقے پر ان کو آگ کے آگے پیش کرتے ہیں تو ہماری سمجھ سے باہر ہوگا اگر کہا جائے ایک تو جل سکتا ہے، اور دوسرا نہیں حالانکہ وہاں کوئی اختیار نہیں ہے۔

اسی بنا پر فلسفی اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور نہیں جلے، وہ کہتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں ہے جب تک کہ آگ سے حرارت کی خاصیت کو سلب نہ کر لیا جائے، اگر ایسا ہوا تو گویا آگ آگ نہ رہی یا ابراہیم علیہ السلام کی ذات میں کوئی تبدیلی ہونی چاہیے انھیں پتھر سمجھنا پڑے گا جس پر آگ اثر نہیں کرتی، یا کوئی اور اسی قسم کی چیز، اور جب یہ ممکن نہیں تو وہ بھی ممکن نہیں۔

اس کے جواب کے لئے ہمارے دو مسلک ہیں:۔

مسلک اول کے سلسلے میں ہم کہتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مبادئ وجود اپنے اختیار سے کوئی عمل نہیں کرتے اور یہ کہ خدائے تعالیٰ ارادے سے کوئی کام نہیں کرتا، ہم مسئلہ حدوث عالم سے بحث کرتے وقت اس بارے میں فلسفیوں کے دعوے کو باطل ثابت کر چکے ہیں اور جب ثابت ہو گیا کہ فاعل احتراق کو اپنے ارادے سے پیدا کرتا ہے تو جب روئی آگ میں ڈالی جاتی ہے اس وقت عقلاً یہ بھی ممکن ہے کہ آگ روئی کو نہ جلائے یا جلنے نہ دے۔

اگر کہا جائے کہ عقیدہ تو خیال کو محالات شنیعہ ارتکاب کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ جب اسباب سے مسببات کے لزوم کا انکار کر دیا جائے اور انھیں مخترع کے ارادے کی طرف منسوب کر دیا جائے تو ظاہر ہے کہ ارادے کے لیے تو کوئی خاص مقرر راہ نہیں ہے بلکہ اس کا

Marfat.com

تنوع واختلاف ممکن ہے اب ہر شخص یہ جائز رکھ سکتا ہے کہ مثلاً اس کے سامنے ایک خوفناک درندہ ہے یا تیز اور مشتعل آگ ہے یا گھاٹی دار پہاڑ ہیں یا زبردست ہتھیار بند دشمن ہیں اور وہ انہیں دیکھتا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صفت بینائی اس میں پیدا نہیں کی ہے یا کوئی شخص ایک کتاب لکھ کر گھر میں رکھے اور باہر جائے واپس آ کر دیکھے کہ یہ کتاب ایک حسین امرد جوان بن کر کھڑی ہے یا اور کوئی جانور بن گئی ہے یا کوئی شخص ایک غلام کو اپنے گھر چھوڑ نکلے اور وہ واپس آنے پر اس کو کتا پائے یا راکھ چھوڑے اور وہ مشک بن گئی ہو یا پتھر سونا بن گیا ہو اگر کوئی دوسرا شخص اس سے سوال کرے کہ تو نے گھر میں کیا رکھ چھوڑا تھا تو لازمی طور پر وہ شخص یہی جواب دے گا کہ میں نہیں جانتا کہ اب گھر میں کیا ہے میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ گھر میں میں نے ایک کتاب چھوڑی تھی شاید وہ گھوڑا بن گئی ہو اور کتب خانہ اس کی لید اور پیشاب سے غلیظ ہو چکا ہو یا وہ یہ کہے گا کہ میں نے گھر میں ایک پانی کا گھڑا رکھا تھا شاید اب تک وہ سیب کا درخت بن چکا ہو اگر خدائے تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ گھوڑا نطفہ ہی سے پیدا ہو یا درخت بیج ہی سے اگے بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ دونوں کسی چیز سے بھی پیدا ہوں شاید اس نے ان اشیاء کو پیدا کیا ہو جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا بلکہ ایسے انسان بھی نظر آ جائیں گے جو اس سے پہلے معدوم تھے اور جب ان کے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ یہ وہ پیدا ہوئے ہیں تو سوچنا پڑے گا کہ ایسا تو نہ کہنا چاہیے کہ بازار میں کچھ پھل تھے جو انسان بن گئے اور یہ وہی انسان ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ تمام تحولات ممکن ہیں یہ تخیل کی وہ شاخ ہے جس میں مفروضات کی بڑی وسیع گنجائش ہے یہاں بس اتنا کافی ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اگر تم یہ ثابت کر سکو کہ ممکن کی تکوین اس صورت میں جائز ہے جبکہ انسان کو اس کے عدم تکوین کا علم ہو تو یہ محالات لازم ہوں گے اور ہم ان صورتوں کے متعلق جن کا کہ تم نے ذکر کیا ہے کوئی شک نہیں کرتے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے ہمیں یہ علم دیا ہے کہ وہ ان ممکنات کو فعل میں نہیں لاتا اور ہم نے یہ بھی نہیں کہا کہ یہ امور واجب ہے یہ محض ممکن ہیں ان کا واقع ہونا بھی جائز ہے واقع نہ ہونا بھی جائز ہے البتہ ان کا ایک نہج پر عادتی استمرار ہمارے ذہن میں اس چیز کو راسخ کر دیتا ہے کہ یہ امور عادت ماضیہ ہی پر جاری رہیں گے اور یہ مکمل اور مضبوط علم ہو گیا ہے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ انبیاء علیہ السلام میں سے کوئی نبی تمہارے مذکورہ طریقوں کی بناء پر یہ معلوم کر لے کہ فلاں شخص اپنے سفر سے کل واپس نہ ہو گا حالانکہ اس کی واپسی بظاہر ممکن ہے تاہم یہ ممکن ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ یہ واقعہ وقوع پذیر نہ

Marfat.com

ہوگا بلکہ جیسا کہ ایک عامی کی نسبت بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ کسی قسم کا علم غیب نہیں رکھتا۔ بغیر تعلیم کے معقولات کا علم حاصل کرسکتا ہے اس کے باوجود یہ انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر وہ اپنے نفس اور اپنے قوائے مدرکہ کو ترقی دیتا جائے تو آخر کار ان امور پر آگاہی پا جائے جن پر انبیاء علیہ السلام کو آگاہی ہوتی ہے اور جس کے امکان کا فلسفی اعتراف کرتے ہیں لیکن جانتے ہیں کہ یہ ممکن واقع نہیں ہوگا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی عادت کو اس طرح توڑتا رہے کہ زمان ومکان کی پابندی برخاست ہو جائے تو ان علوم کی وقعت زائل ہو جائے گی اور یہ علوم نا قابل تخلیق ثابت ہونگے لہذا ہمیں اس چیز پر یقین کرنے کیلئے کوئی امر مانع نہیں کہ۔

(۱)

کوئی شے مقدورات الٰہی میں بہ حیثیت ممکن پائی جائے۔

(۲)

اور اس کے سابق علم میں اس کا ماجرہ یہ ہو کہ وہ باوجود اپنی امکانی حیثیت کے فعل میں نہ آئے گی۔

(۳)

خدائے تعالیٰ ہم میں یہ علم دیدے کہ وہ اس کو فعل میں نہ لائے گا اس سلسلے میں فلاسفہ کی تنقید تشنیع محض کے سوا کچھ نہیں۔

دوسرا مسلک

اس میں فلسفیوں کی ان تشنیعات بے جا سے بھی نجات مل جاتی ہے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آگ میں فطرت ہی یہ ودیعت کی گئی ہے کہ اس سے روئی کے دو ٹکڑے چاہے وہ دونوں باہم کتنے ہی مشابہ ہوں جب متصل ہوں گے تو آگ انھیں جلا ڈالے گی لیکن اس کے باوجود ہم یہ بھی جائز رکھتے ہیں کہ کوئی نبی آگ میں ڈالا جائے اور نہ جلے یہ یا تو خود صفت آتش میں کسی تبدیلی کے پیدا ہونے کی وجہ سے ہو یا صفت نبی میں کسی تغیر کی وجہ سے بہر حال خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ بات ہوگی یا کسی فرشتے کی طرف سے (بحکم خدا) کہ آگ میں ایک ایسی صفت پیدا کی جائے اس کی گرمی نبی کے جسم پر اثر کرنے سے قاصر ہو یعنی اس کی گرمی متعدی نہ ہو بلکہ اسکے اندر ہی سمٹ کر رہ جائے یعنی آگ کے باطن ہی میں رہے یا یہ کہ جسم نبی میں کوئی صفت پیدا کر دی جائے کہ باوجود اپنے گوشت خون اور ہڈی پر رہنے کے بھی ان پر آگ کوئی

Marfat.com

اثر نہ کرے۔

چنانچہ یہ بات ہمارے مشاہدہ میں آئی ہے کہ بعض لوگ ابرک یا اور کوئی دو جسم پر مل کر دہکتے تنور میں بیٹھ جاتے ہیں اور آگ ان پر اثر نہیں کرتی اگر کسی نے اس کا مشاہدہ نہ کیا ہوتو ممکن ہے کہ اس کا انکار کر دے۔

پس کسی کا اس امر سے انکار کے قدرت خدا کی وجہ سے آگ میں یا جسم نبی میں ایسی صفت پیدا ہو سکتی ہے جو مانع احتراق ہو ایسا ہی انکار ہوگا جیسے ابرک مالیدہ جسم پر آگ کے بے اثر ہونے کا انکار الہی میں ایسے بے شمار عجائب وغرائب موجود ہیں جن کا ہم نے مشاہدہ بھی نہیں کیا مگر ہمیں ان کے امکان کے انکار کا کیا حق حاصل ہے یا ان کے محال ہونے کا ہم کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں؟

مردے کو زندہ کرنا یا لاٹھی کو سانپ بنا دینا بھی اسی طریقہ سے ممکن ہے ان کو سمجھنے کے لئے (مثلاً) کسی ایسے مادے کو لیجیے جو ہر چیز کی صورت کو قبول کرتا ہے۔ جیسے مٹی یا دوسرے عناصر جو نباتات کی شکل میں تبدیل ہیئت کر لیتے ہیں پھر جب انھیں حیوان کھالیتا ہے تو وہ اس کے خون کی صورت اختیار کر لیتے ہیں پھر جوان سے منی بنتی ہے پھر منی رحم میں داخل ہوتی ہے اور اس سے ایک حیوان کی تشکیل ہوتی ہے بے حکم عادت اس کے لئے ایک مدت مقررہ درکار ہوتی ہے اگر اس سے کم وقت میں کوئی ایسی صورت ظہور پذیر ہو جائے تو مقدورات الہی میں وہ محال کیوں ٹھہرے فعل کی مدد کا تعین جس کی قدرت میں وہ ہو اس مدت کا گھٹاؤ بڑھاؤ بھی اس ہی کی قدرت میں ہو سکتا ہے، اور مابہ البحث یہی گھٹاؤ بڑھاؤ ہے نہ کہ نفس فعل اور یہی معجزے کی تشکیل کرتا ہے۔

اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا یہ نفس نبی سے صادر ہوتا ہے یا کسی دوسرے مبداء سے جس کا تعین نبی کرتا ہے؟

تو ہم کہتے ہیں کہ آپ بھی اس چیز کو تسلیم کرتے ہیں کہ نفس نبی یا کسی مبداء کی قوت سے برسات ہونے لگتی ہے کڑک ہوتی ہے بجلی چمکتی ہے زمین میں زلزلہ پیدا ہو سکتا ہے وغیرہ تو ہمارا بھی یہی خیال ہے البتہ ہمارے اور تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ ان کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کی جائے چاہے یہ بغیر کسی واسطہ کے ہو یا کسی فرشتے کی وساطت سے ہو لیکن ان کے حصول کا وقت اور نبی کی توجہ کا ان کی جانب منعطف ہونا اور ان کے ظہور سے نظام خیر کی وابستگی یہ امور نظام شرعی کی تعین کی لئے ہوتے ہیں پس یہ چیزیں وجود کی جانب مرجع ہوں گی

Marfat.com

اور فی نفسہ ممکن ثابت ہو گئی اور مبدا بھی ان کے حق میں فیاض ثابت ہو گا مگر ان کا فیضان اسی وقت ہو گا جبکہ ان کی ضرورت شدید ہو اور اس وقت ان کا وجود مرجع ہو اور خیر اس میں متعین ہو اور خیر اس وقت تک متعین نہیں ہوتا جب تک کہ نبی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے افاضہ خیر کے لئے اس کا ضرور متعین نہ ہو۔

پس تمہارے اسی اصول استدلال کے مطابق کہ تم نبی کے لئے خلاف عادت ایک خاصیت کو جائز رکھتے ہو اور اس کو نبی ہی کے لئے مختص سمجھتے ہو تمہیں دوسری خاصیتوں کو بھی تسلیم کرنا چاہیے جو تمہارے اصول استدلال سے متصادم نہیں البتہ ان خاصیتوں کی مقادیر کا انضباط اور ان کے امکان کا تعین عقلی حیثیت سے نہیں ہو سکتا جب شریعت میں ان کی نقلی اور روایتی حیثیت کی تصدیق کر دی گئی ہے اور ان کا تواتر اخبار مسلمہ ہے تو ان کی تصدیق برملا واجب ہے

بہر حال جب صورت حیوانی کو سوائے نطفہ کے کوئی چیز قبول نہیں کرتی جس پر قوائے حیوانیہ کا فیضان ان ملائکہ کی طرف سے ہوتا ہے جو فلاسفہ کے خیال میں مبادی موجودات ہیں اور نطفہ انسانی سے سوائے انسان کے اور گھوڑے کے نطفے سے سوائے گھوڑے کے کچھ اور پیدا نہیں ہوتا تو اس وجہ سے کہ گھوڑے سے گھوڑے کے بچے کا پیدا ہونا زیادہ مرجع ہے بہ نسبت کسی دوسری جنس سے پیدا ہونے کے اسی لئے جو بونے سے جو ہی پیدا ہو گا گیہوں بوگے تو گیہوں ہی حاصل ہو گا سیب کے بیج سے سیب اور بہی سے بہی ہی کی تولید ہو گی لیکن اس نظام عام کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانات کی بعض جنسیں عجیب وغریب طور سے پیدا ہوتی ہے مثلاً بعض کیڑے مٹی سے راست پیدا ہوتے ہیں اور عام کیڑوں کی طرح ان میں توالد اور تناسل نہیں ہوتا اور بعض وہ ہیں جو اس طریقہ سے پیدا ہونے کے باوجود ان میں توالد وتناسل ہوتا ہے جیسے چوہے بچھو سانپ جن کی پیدائش مٹی سے بھی ہوتی ہے قبول صور میں ان کی استعداد (ان امور کی وجہ سے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں) مختلف ہوتی ہیں قوت بشری نے ابھی تک ان پر کوئی اطلاع حاصل نہیں کی اور فرشتوں کی طرف سے ان صور کا فیضان محض ان کی اپنی خواہش کی بناء پر بے قاعدہ طور نہیں ہوتا بلکہ ہر محل پر اسی صورت کا فیضان ہوتا ہے جو اپنی استعداد کے لحاظ سے خاص طور پر اس کے قابل ہوتا ہے اور استعدادوں میں تو اختلاف وتعدد ہوتا ہی ہے اور فلسفیوں کے نزدیک ان کے مبادی کو عقب کے باہمی امتزاجات اور اجرام علویہ کی حرکات سے پیدا ہونے والی نسبتوں کا اختلاف ہے اس سے ظاہر ہے کہ استعدادوں کے مبادی میں عجائب وغرائب پوشیدہ ہوتے ہیں۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ ارباب طلسمات علم خواص جواہر معدنیہ اور علم نجوم کے ذریعے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قوائے آسمانی کے امتزاجات خواص معدنی پیدا ہوتے ہیں اسکا زمینی اثر پذیری سے معدنیات کی مختلف شکلیں پیدا ہوتی ہیں وہ ہر ایک کے لئے ایک مخصوص طالع مقرر کرتے ہیں اور اسی کے استعمال سے وہ دنیا میں امور غریبہ انجام دیتے ہیں مثلاً کسی مقام سے وہ سانپ بچھو کو بھگا دیتے ہیں تو ہم کہیں سے مچھر یا پسو کو دفع کر دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور بہت سی عجیب وغریب چیزیں علم طلسمات کے زور سے پیدا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

پس جب مبادی استعداد انضباط وحصر سے خارج ہیں اور ہم ان کی کنہ سے واقف نہیں ان کے حصر کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ ہے تو ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ بعض اجسام کے لئے یہ محال ہے کہ ادوار تکوینی کو کم سے کم زمانے میں طے کر کے اس صورت کو حاصل کر لیں جس کے وہ قابل ہیں اور یہ معجزہ کے ظہور کا سبب ہوتا ہے اور اسی سے لاٹھی سانپ ہو سکتی ہے ان چیزوں سے انکار کا باعث درحقیقت موجودات عالیہ سے ہماری کم مانوسی اور ان اصرار الٰہی سے غفلت وبے علمی ہے جو عالم مخلوقات میں اور فطرت میں پوشیدہ ہیں جو شخص ان علوم کے عجائبات کا استقراء کر سکتا ہے وہ ان امور کو قدرت خداوندی سے بعید نہیں سمجھتا جو انبیاءؑ علیہ السلام کے معجزات کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ ہم تمہارے اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ ہر ممکن اللہ تعالیٰ کے مقدورات سے ہوتا ہے تو تمہیں ہمارے اس خیال کی تائید کرنی چاہیے کہ ہر محال مقدورات سے نہیں حالانکہ بعض اشیاء کا محال ہونا ہمیں معلوم ہے اور بعض کا ممکن ہونا بھی معلوم ہے اور بعض وہ ہیں جن کے محال یا ممکن ہونے کے بارے میں ابھی تک عقل نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔

تو بتلائیے کہ محال کی آپ کے پاس تعریف کیا ہے؟ اگر یہ ایک ہی چیز میں نفی واثبات کے جمع ہونے کا نام ہے تو کہیے کہ دو چیزوں میں سے وہ یہ نہیں ہوتی اور یہ وہ نہیں ہوتی لہذا ایک کا وجود دوسرے کے وجود کا مقتضی نہیں نیز کہیے کہ اللہ تعالیٰ ارادے کو پیدا کرنے پر بغیر مراد کے علم کے قادر ہوتا ہے اور علم بغیر حیات سے پیدا کیا گیا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ مردے کے ہاتھ کو حرکت دے اسے بٹھائے اس کے ہاتھ سے کتابیں لکھوائے اس سے مختلف صنعتی کام انجام دلائے اس کی آنکھ کھلی رکھے کہ وہ اپنے سامنے کی چیز کی طرف برابر دیکھے باوجودیکہ اس میں ہوش ہے نا زندگی ہے اور نا اختیار اور یہ باقاعدہ منظم افعال محض خدا کے اس کے ہاتھ کو حرکت دینے کی وجہ سے یا اس حرکت کے پیدا کر دینے کی وجہ سے انجام پار

Marfat.com

ہوں اور حرکت خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہو اس چیز کو جائز رکھتے ہوئے حرکت اختیاری اور رعشہ میں فرق باطل ہو جاتا ہے اسی طرح تو کوئی فعل محکم علم پر اور نہ قدرت فاعل پر دلالت کر سکتا ہے اور چاہیے کہ وہ قلب اجناس پر بھی قادر ہو چاہے تو جوہر کو عرض کر دے علم کو قدرت کر دے سیاہی کو سفیدی کر دے آواز کو بو بنا دے، جیسا کہ وہ جماد حیوان اور پتھر کو سونا بنا دینے پر قادر ہے اسی طرح اس سے بہت سے محالات لازم آ جاتے ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا ہمارا جواب یہ ہے کہ محال پر کسی کو قدرت نہیں ہوتی اور محال یہ ہے کہ کسی شے کا اثبات اس کی نفی کے ساتھ جمع ہو یا اثبات اخص نفی عم کے ساتھ یا دو کا اثبات ایک کی نفی کے ساتھ اور جو اس قسم سے نہیں محال بھی نہیں اور جو محال نہیں وہ مقدور ہے۔

رہا سفیدی و سیاہی کا جمع ہونا تو یہ محال ہے کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ کسی محل میں صورت سیاہی کا اثبات ماہیت سفیدی کی نفی اور سیاہی کا وجود ہے پس جب اثبات سیاہی سے نفی سفیدی سمجھ میں آ جائے تو پھر اس کے اثبات سفیدی مع اس کی نفی کے محال ہوگی۔

نیز ایک شخص کا دو مکانوں میں ہونا بھی غیر جائز ہوگا کیونکہ ہم اس کے مکان میں ہونے کا یہ مطلب لیں گے کہ وہ غیر مکان میں نہیں ہے پس باوجود اس کے مکان میں ہونے کے اس کا غیر مکان میں ہونا فرض کیا جانا ممکن نہ ہوگا کیونکہ اس کا مکان میں ہونا غیر مکان میں ہونے کی نفی ہے۔

ایسا ہی ہم جانتے ہیں کہ ارادے سے مراد طلب معلوم ہے اب اگر طلب فرض کی جائے اور علم فرض نہ کیا جائے تو ارادہ بھی نہ ہوگا کیونکہ اس چیز کی نفی اس میں ہوگی جس کو ہم ارادہ سمجھتے ہیں۔

جماد میں تو علم کا پیدا ہونا محال ہے کیونکہ جماد کا مفہوم ہی ہم یہ لیتے ہیں کہ وہ کچھ نہ جانے اگر وہ کچھ جاننے لگے تو جن معنی میں کہ ہم جماد کے لفظ کو سمجھتے ہیں جماد اسکا نام رکھنا محال ہوگا۔ اگر وہ نہ جانے تو اس نو پیدا علم کا نام علم رکھنا باوجودیکہ وہ اپنے محل میں کوئی علم پیدا نہیں کرتا محال ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ جماد میں علم کا پیدا ہونا محال ہے۔

رہا اجناس کا منقلب ہو جانا تو بعض متکلمین نے کہا ہے کہ وہ اللہ کے مقدورات میں سے ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ کسی چیز کا کوئی دوسری چیز بن جانا غیر معقول ہے کیونکہ (مثلاً) سیاہی جب خاکی رنگ بن جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیاہی باقی رہے گی یا نہیں؟ اگر وہ معدوم ہو گی تو سمجھے کہ منقلب نہیں ہوئی بلکہ یہ معدوم کی گئی اور دوسری اس کے سوا موجود ہوئی اگر

Marfat.com

خاکی رنگ کے ساتھ وہ موجود ہے تو بھی منقلب نہیں ہوئی مگر اسکے ساتھ اس کے غیر کا اضافہ ہو گیا اور اگر سیاہی باقی رہے اور خاکی رنگ معدوم ہو جائے تو پھر بھی یہ منقلب نہیں ہوئی بلکہ اس حالت پر جس پر کہ وہ باقی ہے۔

اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ پانی گرمی کے باعث ہوا میں منقلب ہو گیا تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ صورت مائیہ کو قبول کرنے والے مادے نے اس صورت سے الگ ہو کر دوسری صورت اختیار کر لی ہے پس مادہ تو مشترک ہے مگر چونکہ متغیر ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ لاٹھی سانپ بن گئی یا مٹی حیوان بن گئی اور عرض و جوہر کے درمیان نہ کوئی مادہ مشترک ہے نہ سیاہی نہ خاکی رنگ کے درمیان اور نہ تمام اجناس کے درمیان ہی کوئی مادہ مشترک ہے پس اس بناء پر ان میں انقلاب محال ہوگا۔

رہا اللہ تعالیٰ کا مردے کے ہاتھ کو تحریک دینا اور زندہ شخص کی صورت میں اسے بٹھانا اور اس کے ہاتھ تحریر لکھوانی حتیٰ کہ اس ذریعے سے ایک باقاعدہ تحریر نکل آئے یہ فی نفسہ محال نہیں ہے، جبکہ ہم حوادث کو ارادہ مختارہ کے سپرد کرتے ہیں البتہ ہم ان کو خلاف عدد ایک چیز ہونے کی بناء پر عجیب سمجھتے ہیں اور تمہارا یہ کہنا کہ اس سے علم فاعل کی بناء پر احکام فعل کی دلالت باطل ہو جاتی ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ فاعل تو اس وقت وہی اللہ تعالیٰ وہی حکم دینے والا ہے اور وہی اس کا عالم بھی ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ رعشہ اور حرکت اختیاری کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہے گا تو ہم کہتے ہیں کہ اس کا ادراک ہم اپنے نفس میں کرتے ہیں کیونکہ ہم دو حالتوں کے درمیان اپنے نفوس میں ضروری فرق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسی فرق کو ہم قدرت کے نام سے موسوم کرتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ان دونوں ممکن قسموں میں سے جو بھی واقع ہوتا ہے ان میں ایک ایک حال میں ہوتا ہے دوسرا دوسرے حال میں وہ ہے ایجاد حرکت قدرت کے ساتھ اس ایک حال میں اور ایجاد حرکت بغیر قدرت کے دوسرے حال میں لیکن جب ہم اپنے غیر کی طرف نظر کرتے ہیں اور اس سے سرزد ہونے والی قصیر اور منظم حرکات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کی قدرت کا علم حاصل ہوتا ہے پس یہی علوم ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ مجاری عادات پر پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے ہم امکان کی دونوں قسموں میں سے ایک کو جان لیتے ہیں مگر جیسا کہ اوپر بتلایا گیا دوسری قسم کے محال ہونے کو معلوم نہیں کر سکتے۔

Marfat.com

مسئلہ (۱۸)

اس بیان میں کہ فلاسفہ اس امر پر برہان عقلی قائم کرنے سے عاجز ہیں کہ روح انسانی جوہر روحانی قائم بنفسہ ہے جو کسی چیز مکان میں نہیں وہ نہ تو جسم ہے نہ کسی جسم میں منطبع، نہ وہ بدن سے متصل ہے نہ منفصل جیسے کے اللہ تعالیٰ جو نہ کہ خارج عالم ہے نہ داخل عالم اور یہی حال فرشتوں کا ہے

اس بارے میں فلاسفہ کے مذہب کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے کہ قویٰ دو قسم کے ہوتے ہیں قوائے حیوانی قوائے انسانی۔

قوائے حیوانی:۔

قوائے حیوانی ان کے نزدیک دو قسم میں منقسم ہیں محرکہ اور مدرکہ کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی۔

قوائے ظاہری مشتمل ہیں پانچ حواس پر یہ اجسام پر منطبع ہوتے ہیں اور قوائے باطنی تین ہیں۔

(۱) قوت خیالیہ:۔

قوت خیالیہ مقدم دماغ میں قوت مبصرہ (دکھلانے والی قوت کے ماوراء اسی میں اشیاء مرئیہ کی صورتیں آنکھ بند ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں بلکہ اس میں وہ محسوسات بھی منطبع ہوتے ہیں جن کا حواس خمسہ ادراک کرتے ہیں اسی لئے اس کا نام ہوتا ہے حس مشترک اگر ایسا نہ ہو تو جب کوئی شخص سفید شہد کو دیکھتا ہے تو اس کا مزا چکھے بغیر معلوم نہیں کر سکتا مگر جب یہی شخص

Marfat.com

دوسری بار سفید شہد کو دیکھے گا تو بھی پہلے کی طرح چکھے بغیر اس کے مزے کا ادراک نہ کر سکے گا لیکن اس کے اندر کوئی چیز ہوتی ہے جو فیصلہ کرتی ہے کہ یہ سفید شے میٹھی بھی ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ کوئی چیز وہ فیصلہ کرنے والی قوت ہے جو دو اشیاء رنگ اور حلاوت کے جمع ہونے پر فیصلہ کرتی ہے کیونکہ اس طرح وہ ایک شے کے وجود کا دوسری شے کے وجود کی بناء پر فیصلہ کرتی ہے۔

(۲) قوت وہمیہ

قوت وہمیہ جو معانی کا ادراک کرتی ہے جبکہ پہلی قوت صور کا ادراک کرتی ہے اور صور سے مراد ہے وہ صورتیں جن کا وجود مادی قسم سے ہو یعنی جسمانی اور معانی سے مراد ہے وہ ذہنی کیفیتیں جو جسم یا مادہ کے مقتضی نہیں ہوتی لیکن کسی جسم سے عارضی طور پر متعلق رہ سکتی ہیں جیسے جذبات دعوت یا محبت مثلاً ایک بکری جب بھیڑیے کو دیکھتی ہے تو اس کے رنگ شکل وہیئت کا ادراک کرتی ہے جو جسمانی چیزیں ہیں اور بغیر جسم کے پائی نہیں جاتی نیز اس کی عداوت کا بھی ادراک کرتی ہے ایک بکری کا بچہ اپنی ماں کے رنگ اور شکل کا ادراک کرتا ہے نیز اس کی موافقت ومحبت کا بھی علم رکھتا ہے اسی لیے وہ بھیڑے سے بھاگ کر ماں کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہے بہر حال مخالفت وموافقت کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اجسام ہی میں موجود ہوں جیسا کہ رنگ اور شکل کے لئے ضروری ہے ہاں وہ اجسام سے عارضی طور پر متعلق ہو کر رہ سکتی ہیں پس یہ قوت دوسری قوت (یعنی متخیلہ) سے جدا ہے اور اس کا محال دماغ کا جوف آخر ہے۔

(۳) رہی تیسری قوت یہ وہ ہے جو حیوانات میں ''متخیلہ'' اور انسان میں ''مفکرۃ'' کہلاتی ہے اسکی خصوصیت یہ ہے کہ وہ صورہ محسوسہ کو ایک دوسرے سے ترکیب دیتی ہے اور معانی کو صور کے ساتھ جوڑتی ہے اور جوف اوسط میں رہتی ہے جو حافظ صور اور حافظ معانی خانوں کے درمیان ہوتا ہے اس کی وجہ سے انسان اجزائے تخیل کی من مانی بندش پر قادر ہو سکتا ہے جیسے وہ گھوڑے کو اڑتا ہوا خیال کر سکتا ہے ایک شخص کا تصور کر سکتا ہے جس کا سر انسان کا ہو اور جسم گھوڑے کا بہر حال اسی قسم کی باتیں جو کبھی مشاہدہ میں آئی ہوں یا نہ آئی ہوں اور بہتر یہ ہے کہ اس قوت کو قوت محرکہ کے ساتھ ملحق سمجھا جائے نہ کہ قوت مدرکہ کے ساتھ۔

ان قویٰ کے مستقر طبی تحقیقات کی بناء پر معلوم کیئے گئے ہیں جب ان کے مراکز (تجویفات) میں کوئی آفت نازل ہوتی ہے تو ان چیزوں میں بھی یعنی ادراک وغیرہ میں

Marfat.com

اختلال پیدا ہوتا ہے نیز (فلاسفہ کا دعویٰ ہے) وہ قوت جس میں حواس خمسہ کے ذریعہ صور محسوسہ کا انتباہ ہوتا ہے ان صورتوں کو محفوظ رکھتی ہے اس طرح وہ حاصل ہونے کے بعد باقی رہتی ہیں اور کوئی چیز کسی چیز کی حفاظت اس قوت سے نہیں کر سکتی جس سے کہ وہ اس کو قبول کرتی ہے جیسے پانی شکل کو قبول کرتا ہے مگر اس کو محفوظ نہیں رکھ سکتا اور موم بتی کسی شکل کو اپنی رطوبت کی وجہ سے قبول کرتی ہے لیکن برخلاف پانی کے یبوست کی وجہ سے محفوظ کر سکتی ہے لہذا محفوظ کرنے والی قوت قبول کرنے والی قوت نہیں اس لئے اسکو قوت حافظ کہا جاتا ہے اسی طرح معانی کا انتباہ قوت وہمیہ میں ہوتا ہے اور اس کی ایک قوت حفاظت کرتی ہے جس کو ''ذاکرہ'' کہتے ہیں پس باطنی ادراکات جب ان میں قوت متخیلہ کو شامل کیا جائے پانچ ہوتے ہیں جیسا کہ ظاہری ادراکات بھی پانچ ہیں۔

قویٰ محرکہ کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) محرک اس معنی میں کہ وہ حرکت کی باعث (یعنی بھڑ کانے والی) قوت ہے۔

(ب) محرک اس معنی میں کہ حرکت اس کی قوت فاعلیہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔

محرک جو باعث حرکت ہے وہ قوت نزوعیہ شوقیہ ہے یہ قوت جب اس قوت خیالیہ میں (جس کا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں) صورت مطلوب یا صورت نفور کا ارتسام کرتی ہے تو قوت محرکہ فاعلہ کو تحریک ہوتی ہے اور اس کے دو شعبے ہیں شعبہ اول ہے ''قوت شہوانیہ'' یہ وہ قوت ہے جو حرکت پر اکساتی ہے جس سے کوئی متخیلہ شے جو ضروری یا نافع ہو نزدیک کی جاتی ہے اس کا مقصد طلب لذت ہے۔

شعبہ دوم ہے ''قوت غضبیہ'' یہ وہ قوت ہے جو حرکت پر اکساتی ہے جس سے کوئی متخیلہ شے دفع کی جاتی ہے جو ضرور رسائی یا موجب فساد سمجھی جاتی ہو اس کا مقصد طلب تفوق و برتری ہے اور اسی قوت سے تمام قویٰ میں اجماع کامل حاصل ہوتا ہے جس کا نتیجہ فعل ارادی ہے۔

رہی قوت محرکہ جو فاعلہ ہیں تو یہ وہ قوت ہے جو اعصاب و عضلات میں پھیل جاتی ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عضلات میں تشنج پیدا کرتی ہے اوتاد و رباطات کو جو اعضائ سے متصل ہوتے ہیں اس سمت پر کھینچتی ہے جس میں قوت ممکن ہوتی ہے یا ان کو تول میں ڈھیل دے کہ کھینچتی ہے جس سے یہ اوتاد و رباطات خلاف سمت کھینچنے لگتے ہیں۔

یہ ہیں نفس حیوانیہ کے قویٰ، تفصیل کو نظر انداز کر کے ان کا مجملاً ذکر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

نفس عاقلہ انسانی، اس کو "ناطقہ" بھی کہتے ہیں ناطقہ سے مراد ہے عاقلہ ، کیونکہ نطق (گفتگو) ظاہری اعتبار سے عقل کا مخصوص ترین ثمرہ ہے، اس لیے اس کی نسبت عقل کی طرف کی جاتی ہے۔

اس کی دو قوتیں ہیں :۔ ایک قوت عالمہ دوسری قوت عاملہ دونوں کو عقلی کہا جاتا ہے لیکن یہ صرف نام ہی میں مشترک ہوتے ہیں۔

قوت عاملہ یہ بدن انسانی کی قوت محرکہ کا نام ہے جو انسان کے بدن کو ان افعال پر اکساتی ہے جن میں ترتیب پائی جاتی ہے اور جن کی ترتیب اس رویت خاص کا نتیجہ ہے جو انسان کی خصوصیت خاصہ ہے۔

قوت عاملہ، قوت نظری کہلاتی ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حقائق معقولات کا ادراک کرتی ہے جو مادہ مکان اور جہت سے مجرد ہوتی ہے اور جنھیں قضایائے کلیہ کہتے ہیں اور علم کلام کی اصطلاح میں انھیں "احوال و وجوہ" اور فلسفی انھیں "کلیات مجردہ کہتے ہیں"۔

پس یہ دو قوتیں دو نسبتوں کا لحاظ کرتے ہوئے روح میں پائی جاتی ہیں قوت نظری کی نسبت ملائکہ کی طرف ہے جہاں سے روح تکمیل انسانیت کے لئے علوم حقیقیہ حاصل کرتی رہتی ہے ضروری ہے کہ یہ قوت جہت فوق سے دائمی طور پر انفعال پذیر ہوتی ہے۔

قوت عملی کی نسبت :۔

قوت عملی کی نسبت، اسفل کی طرف ہے، وہ ہے جہت بدن اور اس کا انتظام اور اصلاح اخلاق تکمیل انسانیت کے لئے چاہئے کہ یہ قوت تمام قوائے بدنی پر غالب رہے اور تمام قویٰ اس کی تادیب سے اثر پذیر رہیں اور مقہور رہیں قوائے بدنیہ نہ کہ قوت عملی کو اثرات کے قبول کرنے کے لئے منفعل رہنا چاہیے ورنہ صفات بدنیہ روح میں ایسی انقیادی صورتیں پیدا کردی گئیں جو رذائل کہلاتی ہیں قوت عملی ہی کو غالب رہنا چاہیے تاکہ نفس میں وہ صورتیں پیدا ہوں جو فضائل کہلاتی ہیں۔

یہ ہے اس تفصیل کا اختصار جو فلاسفہ قوائے حیوانی اور انسان کے بارے میں پیش کرتے ہیں البتہ ہم یہاں قوائے نباتی کا ذکر چھوڑے دیتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے مقصد کے لئے کار آمد نہیں ہے۔

فلسفیوں کے ان تمام ذکر کردہ امور کا انکار شریعت میں ضروری نہیں ہے یہ تو مسلمہ

Marfat.com

امور ہیں جو مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں قدرت کے انتظامات میں ان کی حیثیت عادت جاریہ کی سی ہے۔

البتہ ہم یہاں ان کے اس دعوے پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں کہ نفس (روح) کا جوہر قائم ہونا عقلی دلائل سے معلوم کیا جاسکتا ہے ہمارے اعتراض کی حیثیت یہ نہیں ہے کہ یہ بات خدائے تعالیٰ کی قدرت سے بعید ہے یا شریعت میں اس کے خلاف رائے ہے بلکہ حشر ونشر کی تفصیل میں ہم بتلائیں گے کہ شریعت ان کی تصدیق کرتی ہے البتہ ہم انکے اس دعوے پر معترض ہیں کہ وہ عقلی حیثیت سے قابل ثبوت ہے اور اس کی معرفت میں شرعی تعلیم سے استغنی ہوسکتا ہے۔

اب ہم یہاں فلاسفہ کے دلائل پیش کرتے ہیں جو ان کے خیال میں کثیر ہیں۔

دلیل اول

فلسفی کہتے ہیں کہ علوم عقلی نفوس انسانی میں حلول کرتے ہیں یہ لامتناہی نہیں ہوتے اور ان کی اکائیاں ہوتی ہیں جو منقسم نہیں ہوسکتیں اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان کا محل بھی منقسم نہ ہو لیکن تمام اجسام منقسم ہوتے ہیں لہذا ان عقلی علوم کا محل جسم نہیں ہوسکتا۔

شرط منطق کے اشکال سے اس دعویٰ کو ثابت کیا جاسکتا ہے جن میں سے قریب ترین طریقہ یہ ہے کہ:

(۱) اگر محل علم جسم منقسم ہو تو حلول کرنے والا علم بھی اس میں منقسم ہوا۔

(۲) لیکن حلول کرنے والا علم غیر منقسم ہے لہذا محل جسم نہیں، یہ ہے ''قیاس شرطی''، جس میں ''نقیض تالی'' کا استثنیٰ ہوتا ہے لہذا بالاتفاق نقیض مقدم کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے پس شکل قیاس کی صحت میں کوئی شک ہوسکتا ہے نہ مقدمات میں پہلے قضیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ ہر منقسم یا قابل انقسام شے میں حلول ہونے والی چیز بھی لامحالہ قابل انقسام ہوتی ہے اور اگر محل علم کی قسمت پذیری کو فرض کرلیا جائے تو پھر علم کی قسمت پذیری بھی بدیہی اور نا قابل شک ہوگی دوسرے قضیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ علم واحد جو آدمی میں حلول کرتا ہے منقسم نہیں ہوتا کیونکہ اس کو لاالی نہایہ قابل تفہیم سمجھنا محال ہے اگر اس کو کسی خاص حد تک قابل انقسام سمجھا جائے تو وہ ایسی اکائیوں پر مشتمل ہوگا جو مزید منقسم ہوسکتیں بہرحال ہم اشیاء کو اس طرح جانتے ہیں کہ یہ فرض نہیں کرسکتے کہ اس کے بعض اجزاء زائل ہوتے ہیں اور بعض اجزاء باقی رہتے ہیں کیونکہ اس

Marfat.com

کے کوئی اجزاء نہیں ہوتے۔

اعتراض اس کے دو مقاموں پر ہے۔

پہلا مقام

پہلا مقام یہ ہے کہ کہا جا سکتا ہے کہ تم اس شخص کے قول کا کیوں انکار کرتے ہو جو کہتا ہے کہ محل علم جوہر فرد متحیز ہوتا ہے جو منقسم ہوتا ہے یہ بات مذہب متکلمین کے موافق ہے اس کے بعد صرف ایک استبعاد باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ تمام علوم جوہر فرد میں کیسے حلول کرتے ہیں اور تمام جواہر جو اسکے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں معطل رہ جاتے ہیں حالانکہ وہ قریب ہی ہوتے ہیں۔

محض استبعاد سے تو فلسفیوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ یہ خود ان کے نظریہ کے خلاف پیش کیا جا سکتا ہے کہ نفس (روح) شے واحد کیسے ہو سکتی ہے جو نا کسی جگہ میں آ سکتی ہے نہ اس کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ نہ وہ داخل بدن ہوتی ہے۔ نہ خارج بدن اور نہ اس سے متصل ہوتی ہے نہ منفصل؟

مگر ہمارا اعتراض اس مقام پر زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکتا کیونکہ جز لایتجزی کے بارے میں فلسفیوں کی بحث بڑی طویل ہے اور اس بارے میں بہت سے ہندسی دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں منجملہ ان کے ایک دلیل یہ ہے کہ جو فرد جب دو جوہروں کے درمیان ہوتا ہے تو کیا اس کے دونوں کناروں میں سے ایک کنارہ دوسرے عین کنارے سے ملاقی ہوتا ہے؟ دوسرا عین کنارہ وہ ہے جو کہ دوسرے سے ملاقی ہوتا ہے یا اس کے غیر سے ملاقی ہوتا ہے؟ اگر اس کے عین سے ملاقی ہوتا ہے تو وہ محال ہے، کیونکہ اس سے دونوں کناروں کا انتفاء لازم ہوتا ہے کیونکہ ملاقی کا ملاقی بھی ملاقی ہوتا ہے جو اس سے ملاقی ہوتا ہے اگر وہ اس کا غیر ہے تو اس میں تعدد وانقسام ثابت ہوتا ہے اور یہ شبہ وہ ہے جس کا حل بہت طویل ہے ہم اس پر غور کرنے پر مجبور نہیں، اس لئے ہم دوسرے مقام کی طرف آتے ہیں۔

دوسرا مقام

ہم کہتے ہیں کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ جسم میں ہر حلول ہونے والی شے کا قابل انقسام ہونا لازم ہے خود تمہارے اس نظریے کی بناء پر باطل ہے تم کہتے ہو کہ (مثلاً) بکری کے دماغ میں

Marfat.com

بھیڑیئے کی عداوت کے متعلق جو قوت وہمیہ ہوتی ہے شئے واحد کے حکم میں ہے اس کی تقسیم کا تصور نہیں ہوسکتا کیونکہ عداوت کے اجزاء نہیں ہوتے کہ بعض اجزاء کے ادراک اور بعض اجزاء کے زوال کو فرض کیا جاسکے حالانکہ تمہارے نزدیک قوت جسمانی میں اس کا ادراک ثابت ہے کیونکہ نفس بہائم اجسام میں منطبع ہے جو موت کے بعد باقی نہیں رہتا اس پر سب کا اتفاق ہے اگر فلاسفہ کے لئے یہ ممکن ہے کہ حواس خمسہ حس مشترک اور قوت حافظ صور کے مدرکات میں انقسام کے فرض کو مجبوراً مان لیں تو ان کے لئے ان معانی کے انقسام کا فرض کرنا جن کا مادے میں ہونا شرط نہیں ہے ممکن نہ ہوگا۔

اگر کہا جائے کہ بکری مطلق عداوت کا جو مجرد عن المادہ ہو ادراک نہیں کرتی بلکہ معین شخص بھیڑیئے کی عداوت کا ادراک کرتی ہے اور قوت عاقلہ حقائق مجرد عن المادہ عن الاشخاص کا ادراک کرتی ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ بکری بھیڑیئے کے رنگ اور شکل کا پھر عداوت کا ادراک کرتی ہے اگر رنگ قوت باصرہ میں منطبع ہونے والی شے ہے تو ایسی ہی شکل بھی ہے اگر یہ دونوں محل بصارت کے انقسام کے ساتھ منقسم ہو جاتے ہیں تو سوال ہوتا ہے کہ عداوت کا وہ کس چیز کے ذریعے ادراک کرتی ہے؟ اگر کہو کہ جسم کے ذریعے تو ادراک بھی منقسم ہوگا تو یہ منقسم ادراک کس چیز کا ادراک ہوگا؟ کیا وہ ایک جز عداوت کا ادراک ہوگا؟ تو عداوت کا جز کیسے پیدا ہوا؟ یا پھر ہر جز نے عداوت کے کل کا ادراک کیا تو پھر عداوت کئی بار معلوم ہونے والی شے ثابت ہوگی کیونکہ اقسام محل کے ہر جز میں اس کے ادراک کا ثبوت ملتا ہے؟

یہ ہے ان کی دلیل میں شک پیدا کرنے والا شبہ جس کا حل ضروری ہے۔

اگر کہا جائے کہ یہ مناقضہ معقولات میں ہے اور معقولات کا مناقضہ نہیں ہوسکتا۔ (یعنی وہ ٹوٹتے نہیں) جب تم دونوں مقدموں میں شک نہ کرسکے کہ علم واحد منقسم نہیں ہوتا اور جو منقسم نہیں ہوسکتا وہ جسم منقسم میں اقامت نہیں کرسکتا تو تم کو نتیجے میں بھی شک نہیں کرنا چاہیے۔

جواب یہ ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے تصنیف کی ہے وہ محض تمہارے بیانات میں تناقض و فساد ظاہر کرنے کے لئے کی ہے اور یہ بات تمہاری بحث کے کسی ایک شق کے فساد میں بھی حاصل ہو جاتی ہے خواہ وہ نفس ناطقہ کے متعلق تمہارا نظریہ ہو یا قوت وہمیہ کے مطلق۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ مناقضہ ظاہر کرتا ہے کہ فلاسفہ قیاس میں مقام تلبیس سے غافل رہے ہیں اور شاعر مقام التباس میں ان کا یہ قول ہے کہ علم جسم میں اسی طرح منطبع ہوتا ہے جس

Marfat.com

طرح رنگین چیز میں رنگ اور رنگ کی حالت یہ ہے کہ رنگین شے کے تجزیہ وانقسام سے اس کا بھی تجزیہ ہوسکتا ہے لہذا علم کا بھی تجزیہ ہوسکتا ہے جب اس کے محل کا تجزیہ ہو بہر حال خلل لفظ انطباع سے پڑ رہا ہے، ممکن ہے کہ علم کی نسبت اس کے محل کی طرف ایسی نہ ہو جیسے کہ رنگ کی نسبت رنگین چیز کی طرف کہ وہ اس پر پھیل جاوے یا اس میں منطبع ہو جاے اور اس کے اعتراف وجوانب میں منتشر ہو جائے اور اس کے منقسم ہونے سے وہ بھی منقسم ہو جائے بلکہ غالبًا علم کی نسبت اس کے محل کے ساتھ دوسری طرح کی ہے جس میں انقسام ممکن نہیں محل علم کا تجزیہ ہو بھی تو اسکا تجزیہ نہیں ہوسکتا اس کی نسبت اس کے محال کی طرف ایسی ہی سمجھنی چاہیے جیسے ادراک عداوت کی نسبت جسم کی طرف اوصاف کی نسبت جو ان کے محل کی طرف ہوتی ہے ان کا بیان کرنا ایک فن میں محصور نہیں ہوسکتا اور نا ان کے متعلق ہماری تفصیلی معلومات مطلقاً کابل بھروسہ ہوتے ہیں لہذا ان کے متعلق ہمارے احکام اس وقت تک نا قابل بھروسہ ہونگے جب تک کہ ہمیں ان کی نسبت کی تفصیلات کا کامل علم حاصل نہ ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ اس امر سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فلسفیوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ظنیات کی تقویت کے لیے فائدہ مند ہوسکتا ہے مگر ان کا یقینی بنیادوں پر علم ہونا صحیح نہیں مانا جاسکتا کہ اس میں غلطی کا یا لغزش کا امکان نہ ہو۔

دوسری دلیل:

دوسری دلیل فلاسفہ کہتے ہیں کہ اگر معلوم واحد عقلی (یعنی مجرد عن المواد) کے متعلق علم مادے میں اس طرح منطبع ہوسکتا ہے جیسے اعراض کا انطباع جو جواہر جسمانیہ میں تو اس کا انقسام بھی انقسام جسم کی وجہ سے بالضرورت لازم ہوگا گو اس میں منطبع نہ ہو اور نہ اس پر پھیلا ہوا ہو اگر لفظ انطبع خراب لگے تو دوسرا لفظ اختیار کیا جاسکتا ہے تو ہم دریافت کریں گے کہ کیا علم کی اپنے عالم کی طرف نسبت ہوتی ہے یا نہیں؟ نسبت کا مقرر نہ کرنا تو محال ہے کیونکہ اگر اس کے ساتھ نسبت قرار نہ دی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس کا اس کے متعلق عالم ہونا اس کے متعلق غیر عالم ہونے سے بہتر کیوں ہوا؟ اگر اس کے ساتھ نسبت ہو تو یہ تین اقسام سے خالی نہیں (۱) یا تو نسبت اجزاء محل مین ہر جز کے ساتھ ہوگی (۲) یا بعض اجزاء کے ساتھ بعض اجزا کو چھوڑ کر ہوگی۔

(۳) یا کسی بھی جز کے ساتھ نسبت نہ ہوگی۔

Marfat.com

یہ کہنا تو باطل ہوگا کہ کسی بھی جز کے ساتھ نسبت نہیں کیونکہ جب اکائیوں کے ساتھ نسبت نہ ہوگی تو مجموعے کے ساتھ بھی نہ ہوگی کیونکہ برعکس اجزاء کا مجموعہ بھی برعکس ہوگا اور یہ کہنا بھی باطل ہے کہ محل کے بعض اجزاء کے ساتھ نسبت ہے۔ کیونکہ جس جز کے ساتھ علم کی نسبت نہیں اس کا علم سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور اس کی طرف ہمارا روئے سخن بھی نہیں اور یہ کہنا بھی باطل ہے کہ ہر جز مفروض کی ذات علم کی طرف نسبت ہے کیونکہ اگر نسبت ذات علم کی طرف کاملاً ہوگی تو اجزاء میں سے ہر ایک کا معلوم، معلوم کا جز نہیں ہوگا بلکہ کل معلوم ہوگا، لہٰذا امر مفہوم، بار بار مانا جائے گا اور اس کی غیر متناہی مقدار لازم آئے گی اور اگر ہر جز کے لئے دوسری نسبت ہوگی جو اس نسبت کے سوا ہوگی جو ذات علم کی طرف دوسرے جز کو ہے تو اس وقت ذات علم معنی میں منقسم ہوگا، اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ معلوم واحد کا علم ہر اعتبار سے معنی میں منقسم نہیں ہوتا اور اگر ہر ایک جز کی نسبت ذات علم کے کسی شے کی طرف ہوگی جو اس کی طرف نسبت آخر کے سوا ہوگی تو ذات علم کا انقسام اس طریقے سے ظاہر ہے اور وہ محال ہے۔

اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حواس خمسہ کے محسوسات منطبعہ صور جزئیہ منقسمہ کی صرف مثالیں ہوتی ہیں، کیونکہ ادراک کے معنی ہیں نفس مدرک میں مثال مدرک (یعنی جس چیز کا ادراک کیا جاتا ہے) کا حصول اور مثال محسوس کے ہر جز کے لئے آلہ جسمانیہ کے جز کی طرف نسبت ہوگی۔

اس پر ہمارا اعتراض وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا صرف لفظ انطباع کو لفظ نسبت سے تبدیل کر دینا شبہ کو ساقط نہیں کرتا بکری کی قوت وہمیہ میں بھیڑیئے کی عداوت کے متعلق جو کچھ بھی منطبع ہوتا ہے (جس کا کہ انھوں نے ذکر کیا ہے) وہ لامحالہ ادراک ہی ہے اور اس ادراک کو بکری کی طرف نسبت ہے اور اس نسبت کا اسی طرح تعین ہوتا ہے جس طرح کہ تم نے ذکر کیا ہے پس عداوت کوئی امر مقدر یا مقداری کمیت رکھنے والا جسم نہیں کہ اس کی مثال جسم مقدر میں منطبع اور اس عداوت کے اجزاء اس مثال کے اجزاء کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور بھیڑیئے کی شکل کا مقدر ہونا کافی نہیں ہوتا کیونکہ بکری اس کی شکل کے سوا کسی اور چیز کا ادراک کرتی ہے اور وہ ہے مخالفت و عداوت اور یہ عداوت جو شکل کے علاوہ ہے کوئی مقدار یا کمیت نہیں رکھتی تاہم بکری نے اس کا جسم مقدر ہی کے ذریعہ ادراک کیا ہے لہٰذا یہ دلیل بھی گزشتہ دلیل کی طرح مشکوک ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ تم ان دلائل کی تردید اس طرح کیوں نہیں کرتے کہ علم ایک ناقابل

Marfat.com

تجزیہ جو ہر متحیز یعنی جو ہر فرد میں پایا جاتا ہے؟

تو ہم کہتے ہیں کہ جو ہر فرد کے بارے میں بحث امور ہندسیہ سے متعلق ہوتی ہے اور جو ہر فرد کی توجیہ کے لئے طویل بحث درکار ہے پھر اس سے بھی اشکال کا دفعیہ نہیں ہوتا اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ جو ہر فرد میں قدرت اور ارادہ دونوں اور انسان کو تو فعل میسر ہے اور یہ بغیر قدرت اور ارادے کے متصور نہیں ہوتا اور نہ ارادہ کا تصور بغیر علم کے ہو سکتا ہے اور لکھنے کی قدرت ہاتھ میں اور انگلیوں میں ہوتی ہے مگر اس کا علم تو ہاتھ میں نہیں ہوتا کیونکہ ہاتھ کاٹ ڈالنے سے علم زائل نہیں ہوتا اور نہ ارادہ ہاتھ میں ہوتا ہے کیونکہ لکھنے والا ممکن ہے کہ ہاتھ کے مفلوج ہونے پر لکھنے کا ارادہ کرے گو لکھنا اس کے لئے دشوار ہو تو یہ عدم ارادے کی وجہ سے تو نہیں بلکہ عدم قدرت کی وجہ سے ہے۔

تیسری دلیل:

فلسفی کہتے ہیں کہ اگر علم جسم کے کسی جز میں ہو تو اس کا عالم یہی جز ہو گا دوسرے تمام اجزائے انسانی کے برخلاف حالانکہ عالم تو انسان کو کہا جاتا ہے اور عالمیت مجموعی طور پر اس کی صفت ہوتی ہے نہ کہ اس کے اندر کسی محل مخصوص کی۔

یہ ایک احمقانہ بات ہے کیونکہ انسان دیکھنے والا سننے والا اور چکھنے والا بھی کہلایا جاتا ہے ایسا ہی ایک چارپائے میں بھی یہ صفات ہوتی ہیں تو یہ اس بات پر دلیل نہیں ہے کہ محسوسات جسم میں نہیں ہوتے بلکہ یہ تو ایک قسم کا محاورہ ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص بغداد میں ہے حالانکہ وہ شخص شہر بغداد کے ایک جزء ہی میں ہو گا نا کہ پورے شہر میں لیکن پورے شہر کی طرف اس کو نسبت دی جاتی ہے۔

چوتھی دلیل

اگر علم قلب اور دماغ کے کسی جزو میں حلول کرتا ہے تو جہل کا جو اس کی ضد ہے قلب و دماغ کے کسی دوسرے جز میں قیام ہونا چاہیے اس سے انسان ایک وقت میں ایک ہی چیز کا عالم بھی ہو گا اور جاہل بھی جب یہ محال ہے تو ظاہر ہوا کہ محل جہل ہی محل علم ہے اور یہ محل واحد ہے جس میں اجتماع ضدین محال ہو گا اگر علم منقسم ہوتا تو جہل کا قیام ایک حصے میں اور علم کا قیام ایک دوسرے حصے میں محال نہ ہوتا کیونکہ کوئی شے جب ایک محل میں ہو تو دوسرے محل میں اس کی

Marfat.com

ضد اس کی مخالفت نہیں کر سکتی جیسا کہ گھوڑے میں ابلق پن کا اجتماع ہو سکتا ہے یا آنکھ میں سیاہی اور سفیدی کا اجتماع ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اپنی اپنی جگہ پر ہوتی ہے اور یہ بات حواس میں لازم نہیں ہے کیونکہ ان کے ادراکات کی کوئی ضد نہیں ہوتی ہم کبھی ادراک کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے اور ان دونوں حالتوں کے درمیان سوائے تقابل وجود عدم کے اور کچھ نہیں ہے اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ وہی شخص اپنے بعض اجزاء سے مثلاً آنکھ اور کان سے تو ادراک کر رہا ہے اور تمام جسم سے ادراک نہیں کر رہا تو اس بیان سے کوئی تناقض نہیں ہوتا اور تمہارا یہ قول کافی نہیں ہو سکتا کہ عالمیت جاہلیت کی ضد ہے اور حکم عام تمام بدن کے لئے ہے کیونکہ یہ محال ہوگا کہ حکم کا اطلاق غیر محل علت پر ہو پس عالم وہی محل ہے جس میں علم کا قیام ہوا ہے اگر اسم کا اطلاق مجموعے پر ہوا ہے تو وہ مجازی طور پر ہے جیسا کہ کہا جائے کہ وہ شخص بغداد میں ہے حالانکہ وہ بغداد کے ایک حصے میں ہے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ بینا ہے اگرچہ کہ ہم بالضرورت جانتے ہیں کہ دیکھنے کا حکم پاؤں یا ہاتھ کے لیے ثابت نہیں کیا جاتا بلکہ صرف آنکھ کے لئے مختص ہے اور احکام کا اتضاد علتوں کے تضاد کی طرح ہے احکام تو محل علل ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

یہ کہنے سے بھی اس دعوے کی تردید نہیں ہوتی کہ قبول علم وجہل کے لئے انسان میں محل ایک ہی ہے اور علم وجہل اسی میں متضاد طور پر پیدا ہوتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک ہر وہ جسم جسمیں حیات ہو قابل علم وجہل ہے اور حیات کے سوا اس کے لئے کوئی دوسری شرط نہیں بتلائی گئی ہے اور تمام اجزاء آپ کے نزدیک قبول علم میں ایک ہی نہج پر ہیں۔

اعتراض آپ کا یہی دعویٰ شہوت وشوق وارادے کے بارنے میں آپ کے نظریئے پر منقلب ہو سکتا ہے کیونکہ یہ چیزیں بہائم اور انسان دونوں میں موجود ہیں اور وہ ایسی معانی ہیں جو جسم میں منطبع ہوتی ہیں پھر یہ تو محال ہے کہ جس چیز سے رغبت کی جاتی ہے اسی سے نفرت بھی کی جاتی ہے اس سے نفرت رغبت ایک ہی چیز میں اس طرح جمع ہو جائے گی کہ رغبت کا محل ایک ہو اور نفرت کا محل دوسرا لیکن یہ بات اس چیز پر دلیل نہیں کہ نفرت وشوق اجسام میں حلول نہیں کرتے ان کا اجتماع اسلیے محال ہے کہ یہ قوتیں گو کثیر التعداد ہیں اور مختلف عضوی آلات پر منقسم مگر ان کے لئے ایک ہی مرکز رابطہ کا کام دیتا ہے اور وہ ہے نفس جو بہائم اور انسان دونوں میں پایا جاتا ہے جب وہ اپنے مرکز سے متحد ہو جاتے ہیں تو نفس کی طرف نسبت کرتے ہوئے اضافات متناقضہ کا پایا جانا محال ہوتا ہے لیکن یہ اس امر پر دلیل نہیں کہ نفس جسم میں منطبع نہیں ہوتا جیسا کہ بہائم میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

پانچویں دلیل

فلاسفہ کہتے ہیں اگر عقل معقول کا آلہ جسمانی کے ذریعہ ادراک کرتی تو وہ اپنے آپ کو نہیں جانتی لیکن تالی محال ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو جانتی ہے اس لئے مقدم بھی محال ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ مسلم ہے کہ "استثناء نقیض تالی" کا نتیجہ نقیض مقدم ہوتا ہے مگر اس وقت جبکہ تالی و مقدم کا لزوم ثابت ہو لیکن تمہاری دلیل میں یہ واضح نہیں کہ ان دو میں کوئی لزوم ہے تو اس کو کس طرح ثابت کرو گے۔

اگر کہا جائے کہ اس پر دلیل یہ ہے کہ فعل بصارت اگر جسم میں نہ ہوتا تو اس کا تعلق باصرہ سے نہ ہوتا یعنی بینائی نظر نہیں آتی جیسے شنوائی سنی نہیں جاتی ایسا ہی دوسرے حواس کے متعلق کہا جا سکتا ہے اس طرح اگر عقل بھی جسمانی آلہ مدد سے ادراک کرتی تو اپنے آپ کا ادراک نہیں کر سکتی حالانکہ عقل جیسا کہ دوسرے کا ادراک کرتی ہے اپنے آپ کا بھی کرتی ہے ہم میں سے ہر شخص جس طرح اپنے آپ کو جان سکتا ہے دوسرے کو بھی جان سکتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو جانتے ہیں اور دوسروں کو بھی جانتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ دعویٰ دو وجوہ کی بناء پر باطل ہے۔

(ا) ہمارے نزدیک جائز ہے کہ فعل بصارت اپنے آپ سے بھی متعلق ہو اس طرح کہ وہ دوسرے کو بھی دکھلائے اپنے آپ کو دکھلائے جیسا کہ ایک شخص کا علم علم بغیرہ بھی ہو سکتا ہے اور علم نفسہ بھی ہو سکتا ہے وہ عادت جاریہ اس کے خلاف ہے لیکن خرق عادت ہمارے نزدیک جائز ہے۔

(ب) ہماری دوسری دلیل اور زیادہ قوی ہے۔ اس چیز کو ہم حواس میں تسلیم کرتے ہیں، لیکن آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ یہ کیوں جائز رکھتے ہیں کہ یہ بات جب بعض حواس میں ناممکن خیال کی جاتی ہے تو سب کے لئے ناممکن خیال کی جائے ذہنی ادراک کی صورت کو حواس کے حکم سے الگ کرنا بعید از قیاس کیوں ہے گو جسمانی حیثیت سے وہ دیگر حواس کے ساتھ مشترک ماہیت رکھتی ہے واقعتاً بصر و لمس بعض باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں، حس لمس کو ادراک کا فائدہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ملموس کا آلہ لامسہ سے اتصال نہ ہو ایسا ہی حال حس ذوق کا ہے، اور حس بصر کا حال اس سے مختلف ہے اس میں انفصال شرط ہے چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی پلکیں بند کر لے تو وہ پلکوں کا رنگ دیکھ نہ سکے گا کیونکہ وہ اس سے دور نہیں

Marfat.com

ہیں بصیر ولس میں یہ اختلاف جسم کی طرف ان حواس کے احتیاج میں اختلاف کا موجب نہیں ہو سکتا لہذا کوئی بعید نہیں کہ حواس جسمانی کے اندر کوئی چیز ایسی بھی ہو جسے عقل کہا جا سکتا ہے اور وہ سب حواس سے اس بارے میں مختلف ہو اور وہ اپنے آپ کو جان سکتی ہو۔

چھٹی دلیل

فلسفی کہتے ہیں کہ اگر عقل آلہ جسمانی کے ذریعہ ادراک کرتی جیسا کہ حاسہ بصر کرتا ہے تو وہ کسی دوسرے حاسہ کی طرح اپنے آلہ کا ادراک نہیں کر سکتی لیکن وہ دماغ اور قلب یا کسی بھی شے کا جو اس کا آلہ سمجھی جا سکتی ہے۔ ادراک کر لیتی ہے تو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا نہ کوئی آلہ ہے اور نہ محل ورنہ وہ اس کا ادراک نہ کر سکتی۔

اعتراض اس پر اسی طریقہ سے اعتراض کیا جا سکتا ہے جس طرح کے سابقہ دلیل پر کیا گیا ہم کہتے ہیں کہ عجب نہیں حس بصارت بھی اپنے محل کا ادراک کرتی ہے گو یہاں عادت جاریہ کا سوال پیدا ہوتا ہے یا پھر ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ جیسا کہ سابقہ دلیل میں پوچھا گیا تھا۔

کہ اس خاصیت میں حواس کا مختلف ہونا محال کیوں ہے گو وہ جسم میں منطبع ہونے کی حیثیت سے باہم مشترک ہیں؟ اور پھر آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ جو چیز جسم میں قائم ہوتی ہے وہ اس جسم کا ادراک نہیں کر سکتی؟ جزئی معین سے کلی مرسل پر آپ کیوں حکم لگاتے ہیں؟ اس طریقہ عمل کا اطلاق تو بالاتفاق معلوم ہو چکا ہے منطق کہتی ہے کہ سبب جزئی یا جزئیات کثیرہ کے سبب کی بناء پر کلی پر حکم لگایا جانا باطل ہے مثلاً سمجھا جاتا ہے کہ ہر حیوان چباتے وقت نیچے کے جڑوں کو حرکت دیتا ہے کیونکہ اکثر جانوروں کے مشاہدہ سے ایسا ہی پایا گیا لہذا یہ نتیجہ اخذ کیا گیا مگر یہ نتیجہ ہمارے اس لاعلمی کی وجہ سے ہے کہ بعض جانور ایسے بھی ہیں جن کی یہ خصوصیت نہیں ہے مثلاً مگر مچھ چباتے وقت صرف اوپر کے جبڑے کو ہلاتا ہے اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ فلاسفہ نے استقرا کے ذریعے صرف حواس خمسہ ہی کی تحقیق کی ہے اور ان حواس کو ایک خاص صورت پر پا کر انھوں نے کل حواس پر حکم لگایا ہے ممکن ہے کہ عقل ایک الگ حس ہو اور اس کا تعلق دوسرے حواس سے اسی قسم کا ہے جو مگر مچھ کا دوسرے جانوروں سے ہے اس نقطہ نظر سے حواس کو باوجود انکے جسمانی ہونے کے دو قسم میں تقسیم کرنا پڑے گا۔

ایک وہ جو اپنے محل کا ادراک کرتے ہیں جیسے حس باصرہ دوسرے وہ جو شے مدرکہ کا بغیر اتصال کے ادراک نہیں کر سکتے جیسے حس ذائقہ لامسہ بہر حال فلسفی جس چیز کا ذکر کرتے ہیں

Marfat.com

وہ مفید ظن تو ہو سکتا ہے مفید یقین نہیں ہو سکتا اس کا اعتبار کیا کیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ ہمارے دعوے کی بنیاد حواس کا مجرد استقرا نہیں بلکہ برہان ہے اور وہ یہ کہ اگر قلب ودماغ ہی نفس انسان ہوں تو اس سے ان کا ادراک علیحدہ نہ ہوگا بلکہ یہ ادراک ہر وقت حاضر وموجود ہوگا کیونکہ انسان کبھی اپنی ذات کے ادراک سے غافل نہیں ہوتا کوئی شخص اپنی ذات کو اپنی ذات سے باہر نہیں خیال کرتا بلکہ اپنی ذات کو اپنے نفس میں ہمیشہ ثابت کرتا ہے مگر انسان جب تک قلب ودماغ کے واقعات کو سن نہ لے یا علم تشریح کے ذریعے دوسرے انسان میں انکا مشاہدہ نہ کر لے انکا ادراک کر سکتا ہے نہ انکے وجود کا عتقاد کر سکتا ہے پس اسی طرح اگر عقل کسی جسم میں حلول کرنے والی ہو تو چاہیے یہ تھا کہ جسم کو ہمیشہ پہچانتی ہوتی یا دوسرے حواس کی طرح نہ جانتی ہوتی مگر اس کے حق میں دونوں باتیں بھی صحیح نہیں کیونکہ بعض وقت جسمانی آلہ کا علم ہوتا ہے اور بعض دفعہ نہیں ہوتا۔

اس نقطہ کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ کسی محل میں حلول کرنے والا ادراک اپنے محل کا بھی ادراک کرتا ہے کیونکہ ان دونوں میں ایک نسبت ہوتی ہے اور یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ حلول کے سوا اس کی طرف اس کی کوئی نسبت ہوتی ہو اس لئے محل کا ہمیشہ ادراک ہوگا اگر یہ نسبت کافی نہیں تو چاہیے کہ ہمیشہ ادراک نہ کرے کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ اسکے سوا اس کی طرف کوئی اور نسبت ہو جیسا کہ وہ اگر اپنے آپ کو جانتی ہوتی تو بہر حال ہمیشہ جانتی ہوتی اور کبھی اس سے غافل نہ ہوتی۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ انسان جب تک کہ اپنے آپ کو جانتا ہے اور اس سے غافل نہیں ہوتا وہ فقط اپنے جسم وقالب یعنی ڈھانچہ ہی کو جانتا ہے دل کا نام اور اس کی صورت وشکل اس کے لئے متعین نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے نفس کو جسمانی حیثیت سے ثابت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کو اپنے کپڑوں یا اپنے گھر کی نسبت سے ثابت کرتا ہے۔

مگر جس نفس کا کہ تم ذکر کر رہے ہو وہ نہ تو گھر کے لئے موزوں ہیں نہ کپڑوں کے لئے اس کا اثبات اصل جسم کے لئے لازم ہے اور اسکی غفلت اپنی شکل یا اپنے نام سے ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ اس کی غفلت قوت شامہ کے محل سے کہ وہ دو زائد لوتھڑے ہیں مقدم دماغ میں ان کی شکل سر پستان کی سی ہے، اور ہر انسان یہ تو جانتا ہے کہ وہ اپنے کسی حصے جسم ہی کے ذریعہ وہ بو کا احساس کرتا ہے لیکن محل ادراک اس کی نظروں میں مشکل یا متعین نہیں ہوتا اگرچہ کہ وہ اتنا جانتا ہے کہ یہ محل سر کی جانب عقبی حصوں سے زیادہ قریب ہے اور سر کے مجموعہ اعضاء میں سے

Marfat.com

ناک کے داخلی حصے کی جانب کان کے داخلی حصے کی نسبت زیادہ تردید ہے ایسے ہی انسان اپنے نفس کے بارے میں بھی جانتا ہے کہ یہ نفس جس کی وجہ سے اس کا قوام ہے اس کا مستقر اس کے قلب و سینے کی جانب ہے اور وہ اس کے پیر کی نسبت زیادہ قریب ہے وہ اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کا پیر کٹ بھی جائے تو اس کا نفس باقی رہ سکتا ہے مگر اس کے قلب کے عدم کی صورت میں باقی نہیں رہ سکتا لہٰذا فلسفیوں کا یہ بیان کہ انسان کبھی جسم سے غافل رہتا ہے اور کبھی نہیں رہتا صحیح نہیں۔

ساتویں دلیل

فلسفی کہتے ہیں کہ آلات جسمانی کے ذریعہ ادراک کرنے والے قویٰ پر جب کام کا بوجھ ڈالا جاتا ہے تو لگاتار کام کی وجہ سے وہ تھک جاتے ہیں کیونکہ تکان موجب فساد مزاج ہوتی ہے اسی طرح ادراک سے تعلق رکھنے والے قویٰ اور جلی امور ان قویٰ میں کمزوری اور خرابی پیدا کر دیتے ہیں حتی کہ ان کاموں کے بعد وہ کمزور و ضعیف محسوسات کا ادراک بھی نہیں کر سکتے ،جیسے بھاری آوازیں کان کے لئے یا تیز روشنی آنکھ کے لئے کہ یہ دونوں ان اعضاء میں کمزوری پیدا کر دیتے ہیں ان کے بعد آدمی مدھم آواز کو بھی مشکل سے سنتا ہے اور دھیمی روشنی بھی بمشکل برداشت کر سکتا ہے بلکہ حس ذائقہ میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ تیز مزہ چیز کے چکھنے کے بعد ہلکے مزے کی چیزوں کا احساس کم ہوتا ہے۔

مگر قوت عقلیہ کی حد تک معاملہ برعکس ہے کیونکہ معقولات میں غور و فکر کی مداومت اس میں تکان نہیں پیدا کرتی بلکہ جلی ضروریات کا درک خفی نظریات کے درک پر اس کو قوی بنا دیتا ہے کمزور نہیں کرتا گو بعض وقت اس میں تکان سی پیدا کر دیتا ہے مگر یہ اس کی قوت خیالیہ کے استعمال کی وجہ سے ہوتا ہے پس در حقیقت ضعیف آلہ قوت خیالیہ میں پیدا ہوتا ہے جس کے بعد عقل اس سے کام نہیں لیتی۔

یہ بیان بھی گزشتہ براہین کی طرح ہے ہم کہتے ہیں کہ عجب نہیں ان امور میں حواس جسمانی مختلف ہوتے ہوں بعض کے لئے جو چیز ثابت کی جاتی ہے ضروری نہیں کہ دوسروں کے لئے بھی ثابت کی جا سکے بلکہ بعید نہیں کہ اجسام میں تفاوت عظیم ہوتا ہو مثلاً ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو کسی قسم کی حرکت سے کمزور پڑ جاتے ہیں بعض کسی قسم کی حرکت سے قوی ہو جاتے ہیں اور کوئی خرابی ان میں پیدا نہیں ہوتی اگر خرابی کا کوئی اثر ان میں پیدا ہو بھی تو کوئی سبب

Marfat.com

ایسا پیدا ہوتا ہے جو قوت کی تجدید کر دیتا ہے اس طرح کے پھر اس میں کمزوری کا احساس بھی باقی نہیں رہتا۔

یہ سارے مفروضات قطعاً ممکن ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ جو حکم چند پر لگایا جا سکتا ہے اس کو ساروں کے لئے صحیح سمجھا جائے۔

آٹھویں دلیل:

فلسفی کہتے ہیں کہ وہ سارے قوی جو اجزائے جسم میں پائے جاتے ہیں چالیس برس کی عمر میں جب نشوونما موقوف ہو جاتا ہے ضعیف ہونے لگتے ہیں اس زمانے میں بصارت وسماعت اور دوسرے قویٰ میں بتدریج ضعف پیدا ہونے لگتا ہے مگر قوت عقلیہ اکثر اعتبار سے اسی زمانے میں قوی ہوتی جاتی ہے اس قاعدے کی اس واقعہ سے تردید نہیں ہوتی کہ جسم میں حلول امراض کی وجہ سے اور بڑھاپے میں عقل کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے معقولات کا ادراک ممکن نہیں ہوتا ایک دفعہ جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بعض وقت ضعیف بدن کے باوجود عقلی قویٰ تیز ہو جاتے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ عقل قائم بنفسہ ہے اور اگر کسی وقت جسم کے اختلال سے عقلی قوت میں خلل پیدا ہو جائے تو یہ لازم نہیں آئے گا کہ عقل جسم کی محتاج ہے پس عین تالی کے استثنا کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا اس لئے ہم کہتے ہیں کہ۔

اگر قوت عقلیہ بدن کے ساتھ ہی قائم ہوتی تو ضعیف بدن اسے ہر وقت ضعیف کر سکتا مگر چونکہ تالی محال ہے اس لئے مقدم بھی محال ہے اور جب ہم کہتے ہیں کہ بعض حالات میں تالی موجود ہے تو ضروری نہیں کہ مقدم بھی موجود ہے۔

اس کی قوت (عقلیہ کے استقلال کی) وجہ یہ ہے کہ نفس کا بذاتہ ایک فعل ہوتا ہے جب وہ کسی اور طرف مصروف نہیں ہوتا اور نہ کسی جانب اس کو مشغولیت ہوتی ہے عام طور پر اس کے دو مختلف افعال ہوتے ہیں۔

(۱) فعل بدن کی نسبت سے اس کی سیاست وتدبیر۔

(۲) فعل اس کے مبادی وذات کی نسبت سے یعنی ادراک معقولات۔

یہ دونوں افعال باہم مخالف اور ایک دوسرے کے مزاحم ہوتے ہیں لہذا نفس جب ایک طرف متوجہ رہتا ہے تو دوسری جانب اس کی مصروفیت کم ہو جاتی ہے دونوں کا جمع کرنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے بدنی مصروفیات عقل کی توجہ میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہیں وہ یعنی

Marfat.com

احساس تخیل شہوت، غضب، خوف، غم والم، اور جب تم معقولات میں غور کرنے لگتے ہو تو اس قسم کی چیزوں کا تعطل ہونے لگتا ہے بلکہ بعض وقت مجرد حس بھی آلہ عقل کو کسی قسم کا دھکا پہنچائے یا کسی قسم کی تکلیف دئے بغیر ادراک معقولات سے مانع ہوتی ہے ہر صورت میں ادراک معقولات میں ناکامی کا سبب نفس کا ایک کام سے دوسرے کام کی طرف متوجہ ہے اور اسی لئے عقلی نظر اور تبصرے کا کام احساس درد یا بیماری یا خوف (کے وہ بھی ایک قسم کی دماغی بیماری ہے۔) کے وقت معطل ہونے لگتا ہے۔

افعال نفسی کے ان دونوں جہتوں کی باہمی مزاحمت بعید از قیاس نہیں، کیونکہ جہت واحد کا تعدد مزاحمت کا موجب ہوا ہی کرتا ہے، چنانچہ خوف درد کو بھلا دیتا ہے، غصے کی وجہ شہوت کم ہو جاتی ہے ایک نظری معاملہ کی طرف توجہ کرنے سے دوسرے نظری معاملے کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے۔

اور اس بات کی دلیل کے جسم میں پیدا ہونے والا مرض محل علوم سے متعرض نہیں ہوتا یہ ہے کہ جب آدمی بیماری سے شفایاب ہوتا ہے تو از سر نو تحصیل علوم کا حاجتمند نہیں ہوتا، اس کی ہیئت نفسی حالت اولیٰ کی طرف عود کر جاتی ہے علوم بھی بعینہٖ عود کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں از سر نو تعلیم کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اعتراض:۔

اعتراض اس پر یہ ہے کہ قویٰ کی کمی و زیادتی کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا بعض قویٰ تو ابتدائے عمر میں قوی ہو جاتے ہیں بعض وسط عمر میں، بعض آخر عمر میں، عقل کا حال بھی ایسا ہی ہے، صرف غالب احوال پر فیصلہ کیا جاتا ہے اور عجب نہیں کہ قوت شامہ اور قوت باصرہ میں بھی باہمی اختلاف ہو جیسے قوت شامہ چالیس سال کے بعد قوی ہو جاتی ہے اور بینائی کمزور گو کہ جسم میں اپنے محل کے اعتبار سے دونوں مساوی ہیں یہی قویٰ حیوانات میں بھی متفاوت ہوتے ہیں چنانچہ سونگھنے کی قوت بعض میں تیز ہوتی ہے تو بعض میں سننے کی قوت اور بعض میں دیکھنے کی قوت یہ عموماً مزاجوں کے اختلاف کی بنیاد پر ہے جن کا حصر وضبط ممکن نہیں۔

اور عجب نہیں کہ اشخاص واحوال کے اختلاف کی بناء پر اعضاء کے مزاجوں میں اختلاف ہوتا ہو جس کی بناء پر بعض اسباب عقل سے پہلے بصارت کو ضعیف کر دیتے ہیں کیونکہ

Marfat.com

بصارت بلحاظ زمانہ عقل سے مقدم ہوتی ہے انسان ابتدائے زندگی ہی سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے مگر سوچنے کی قوت اس میں پندرہ سال سے پہلے پیدا نہیں ہوتی بلکہ بعض وقت اس کے لئے اور زیادہ عمر درکار ہوتی ہے جیسا کہ مختلف اشخاص میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح کہا جاتا ہے کہ شیب (بالوں کا سفید ہونا) سر کے بالوں پر داڑھی کے بالوں کی نسبت جلد تاری ہو جاتا ہے کیونکہ سر کے بال اس سے بہت پہلے نمودار ہوتے ہیں۔

ان تمام واقعات پر احتیاط سے غور کرنا چاہیے لیکن اگر محقق انکا نشان مجاری عادات میں لگانے پر آمادہ نہیں ہوتا تو اس کے لئے ممکن نہیں کہ محض ان ہی کی بنیاد پر قابل وثوق علم حاصل کر سکے کیونکہ جہات احتمال جن کی بناء پر قویٰ میں زیادتی یا کمی ہوتی ہے بیشمار ہوتی ہیں ان میں سے کسی ایک پر بھروسہ کرنا جیسا کہ فلاسفہ نے کیا ہے یقین کے حصول کا باعث نہیں ہو سکتا۔

نویں دلیل:۔

جسم اور اس کے عوارض انسان کی تشکیل کیسے کر سکتے ہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ اجسام ہمیشہ تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور غذا کے ذریعہ بدل یا تحلل ہوتا رہتا ہے مثال کے طور پر ایک نومولود بچے کو لو جو اپنی ماں سے الگ ہو گیا ہے یہ کچھ زمانہ علیل ہو جاتا ہے اور لاغر ہونے لگتا ہے پھر تندرست ہو کر موٹا ہو جاتا ہے اور نشوونما پانے لگتا ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چالیس سال کے بعد اس میں وہ اجزائے جسم باقی نہیں رہے ہیں جو ماں کا دودھ چھوڑتے وقت تھے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا ابتدائے وجود صرف اجزاء منی سے تھا اور اب اس میں اجزائے منی میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا یہ سب تحلیل اور دوسرے اجزاء سے تبدیل ہو چکے ہیں پس یہ جسم پہلے جسم کا غیر ہے حالانکہ ہم کہتے ہیں کہ انسان تو وہی انسان ہے اس کے معلومات بھی جو اس کے ابتدائے عمر میں تھے باقی رہ سکتے ہیں حالانکہ اس کے تمام اجزاء تبدیل ہو چکے ہیں تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ نفس کا وجود جسم سے الگ اور مستقل پایا جاتا ہے اور جسم اس کا محض آلہ ہے۔

اعتراض:

اس پر یہ ہے کہ آپ کا یہ نظریہ چوپایہ جانور اور درخت کے تعلق سے باطل ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے کبرسنی کی حالت صغیر سنی کے مقابلہ میں ویسی ہی ہوتی ہے جو انسان کی ہوتی ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جانور یا درخت کی مادی ہستی کے سوا کوئی اور ہستی بھی ہوتی

Marfat.com

ہے اور فلسفیوں نے علم کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ قوت متخیلہ کے حفظ صور کے نظریے کی بناء پر باطل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ صورتیں بچوں میں بڑھاپے تک باقی رہتی ہیں حالانکہ اس مدت میں دماغ کے سارے اجزاء بدل جاتے ہیں اگر یہاں پر فلسفی یہ کہیں کہ دماغ کے تمام اجزاء نہیں بدل جاتے تو یہی استثنائی حالت قلب کی بھی ماننی پڑے گی کیونکہ دماغ اور قلب دونوں جسم ہی کے حصے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں سارے اجزائے بدن کا بدل جانا کیسے ممکن ہوگا؟ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ اگر انسان سو برس بھی زندہ رہے تو ضروری ہے کہ نطفے کے اجزاء میں سے کچھ نہ کچھ اس میں باقی رہے سارے اجزاء محو نہیں ہو سکتے تو اس مابقی جزء کے اعتبار ہی سے اس کے انسان کا حکم ہے اس کی حالت کسی درخت یا گھوڑے کی حالت سے مختلف نہیں جو اس زمانے میں بھی وہی ہوتا ہے جو اس زمانے میں تھا تو کثرت تحلیل وتبدیل کے باوجود منی کے اجزاء اس میں باقی رہ جاتے ہیں۔

اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی برتن میں ایک رطل پانی ڈالا جائے پھر اس پر ایک اور رطل ڈال دیا جائے یہاں تک کہ دونوں مل جائیں پھر اس میں سے ایک رطل پانی نکال لیا جائے پھر ایک رطل ڈالدیا جائے پھر اس میں سے ایک رطل نکال لیا جائے اسی طرح ہزار مرتبہ کیا جائے تو آخر مرتبہ بھی ہم یہی حکم لگا سکیں گے کہ پہلے رطل کے پانی میں سے کچھ نہ کچھ باقی ہے اور جو بھی اس سے لیا گیا ہے اس میں اس میں پہلے پانی کا کچھ حصہ موجود ہے کیونکہ وہ دوسرے مرتبہ کے پانی میں موجود تھا اور تیسری مرتبہ دوسرے سے قریب ہے اور چوتھا تیسرے سے قریب ہے ایسا ہی آخر تک چلے جائیے اور یہ فلاسفہ کے اصول کا ایک جائز نتیجہ ہے کیونکہ وہ اجسام غیر متناہی انقسام کے قائل ہیں پس غذا کا بدن میں داخل ہونا اور پہلے اجزائے بدن کا تحلیل ہونا برتن میں پانی کے گرنے اور نکلنے کے مشابہ ہے۔

دسویں دلیل:

فلسفی کہتے ہیں کہ قوت عقلیہ ان کلیات عامہ عقلیہ کا ادراک کرتی ہے جنھیں متکلمین کی اصطلاح میں احوال کہتے ہیں وہ انسان مطلق کا ادراک کرتی ہے اور حواس ایک معین انسان کا ادراک کرتے ہیں انسان مطلق وہ معین انسان نہیں جس کا ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں شخصیت کا تو مکان مخصوص ہے اس کا رنگ مخصوص ہے اس کی مقدار مخصوص ہے اس کی وضع مخصوص ہے مگر انسان معقول مطلق ان ساری باتوں سے مجرد ہے اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جس پر اسم انسان کا انطباق ہوتا ہے گو وہ قابل مشاہدہ رنگ یا مقدار یا وضع، یا مکان نہیں رکھتا بلکہ

Marfat.com

وہ چیز بھی اس کی تشخیص میں داخل ہوسکتی ہے جس کے وجود کا مستقبل میں امکان ہوتا ہے بلکہ اگر انسان معدوم بھی ہو جائے تو انسان کی حقیقت ان خواص سے مجرد ہو کر عقل میں باقی رہ سکتی ہے یہی بات ان جزئی اشیاء کے متعلق صحیح ہے جن کا حواس مشاہدہ کرتے ہیں کیونکہ عقل ان سے اس کی حقیقت کا انتزاع کرتی ہے جو مواد اور اوضاع سے مجرد ہوتی ہے اس کلی حقیقت کے اوصاف کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔(۱) اوصاف ذاتی جیسے درخت اور جانور کے لئے جسمانیت اور انسان کے لئے حیوانیت (۲) اوصاف عرضی جیسے رنگ کی سفیدی یا جسم کا طول وعرض انسان و درخت وغیرہ کے لئے اس طرح انسان و درخت اور ہر ادراک کردہ شے کی جنسیت پر ذاتی و عرضی ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے نہ کہ اس جزئی شے پر جس کا حواس مشاہدہ کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلی جو تمام کرائن محسوسہ سے مجرد ہوتی ہے عقل کا معرض ہے اور عقل میں ثابت ہے اور یہ کلی معقول وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے نہ اس کی وضع ہوتی ہے مقدار۔

اس کلی معقول کا وضع و مادے سے مجرد ہونا (۱) یا تو اس سے ماخوذ کی نسبت سے ہو گا جو محال ہے کیونکہ جو اس سے ماخوذ ہے وضع و مکان و مقدار رکھتا ہے (۲) یا پھر آخذ کی نسبت سے نفس عاقلہ سے اگر ایسا ہو تو لازم آتا ہے کہ نفس کے لئے نہ تو وضع ہو نہ مقدار ہو نہ اسکی طرف اشارہ ہو سکے ورنہ اگر اس کے لئے یہ سب چیزیں ثابت ہوں تو جو چیز کے اس کے اندر حلول کرتی ہے اس کے لئے بھی ثابت ہونگے۔

اعتراض:۔

وہ معنی کلی ہی قابل تسلیم نہیں جس کو تم عقل کے اندر حلول کردہ سمجھتے ہو بلکہ ہم کہتے ہیں کہ عقل کے اندر بھی وہی چیز حلول کر سکتی ہے جو حواس میں کرتی ہے البتہ فرق یہ ہے کہ حواس میں کوئی شے مجموع حلول کرتی ہے تو حس اس کی تفریق یا تفصیل پر قادر نہیں ہو سکتی مگر عقل تفصیل پر قادر ہو سکتی ہے۔

مگر جب اسکی تفصیل کی جاتی ہے تو تفصیل شدہ شے جس کی عقل قرائن سے تجرید کرتی ہے جزئی ہونے کے اعتبار سے اسی مقرون شے کی طرح ہوتی ہے جس کی قرائن سے تجرید نہیں کی گئی فرق یہ ہے کہ عقل میں جو چیز ثابت ہے وہ معقول اور اس کی امثال کے ساتھ ایک ہی طرح مناسبت رکھتی ہے اس طرح کہا جائے گا کہ وہ اس معنی میں کلی ہے کہ وہ عقل میں

لہ یعنی شے خارجی جس کا عقل نے ادراک کیا اور اس کی تفصیل کی۔ مصحح

Marfat.com

ایک صورت معقول مفرد ہے جس کا حس نے اولاً ادراک کیا ہے اور اس صورت کی نسبت اس جنس کی تمام اکائیوں کی طرف ایک سی ہے جیسے اگر کوئی انسان دوسرے انسان کو دیکھے تو اس کے ذہن میں دوسری ہیئت تو پیدا نہ ہوگی (سوائے انسان کے) پھر جب وہ ایک گھوڑے کو انسان کے بعد دیکھے تو اس میں دو مختلف صورتیں پیدا ہونگی۔

یہی واقعہ کبھی مجرد حس میں بھی واقع ہوتا ہے جب آدمی پانی دیکھتا ہے تو اسکے خیال میں پانی کی صورت آتی ہے پھر اس کے بعد خون کو دیکھتا ہے تو اب دوسری صورت آتی ہے مگر جب وہ دوسرا پانی دیکھتا ہے تو کوئی نئی صورت نہیں آتی اس کے برخلاف پانی کی وہی صورت جو اس کے خیال میں منطبع ہوئی ہے پانی کی ہر ایک اکائی کے لیے مثال کا کام دیتی ہے اس لحاظ سے اس پر کلی کا گمان کیا جاسکتا ہے اسی طرح جب وہ ایک ہاتھ کو دیکھتا ہے تو اس کے خیال میں اور عقل میں ہاتھ کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ مرتب ہوتے ہیں جیسے ہتھیلی کا پھیلاؤ اس پر انگلیوں کا ڈالیوں کی طرح جماؤ ناخنوں سے انگلیوں پر حد بندی ایسا ہی ہاتھ کا چھوٹا یا بڑا ہونا اس کا رنگ وغیرہ پھر جب وہ ایک دوسرا ہاتھ دیکھتا ہے جو ہر بات میں پہلے ہاتھ سے مماثلت رکھتا ہے تو کسی دوسری صورت کی تجدید (خیال میں) نہیں ہوتی بلکہ یہ دوسرا مشاہدہ خیال کے اندر کسی شے جدید کے پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا جیسے کوئی شخص ایک ہی برتن میں دوسرے پانی کو اسی مقدار میں دیکھے تو کوئی نئی صورت پیدا نہ ہوگی لیکن جب وہ دوسرا پانی یا دوسرا ہاتھ دیکھتا ہے جو رنگ یا مقدار میں پہلے سے مختلف ہوتا ہے تو دوسرے رنگ اور دوسرے مقدار کی صورت تو پیدا ہوگی مگر کلی حیثیت سے ہاتھ کی دوسری صورت پیدا نہ ہوگی کیونکہ چھوٹا اور سیاہ فام ہاتھ بڑے اور سفید فام ہاتھ سے وضع اجزاء میں مشارکت رکھتا ہے البتہ رنگ اور مقدار میں اس سے مختلف ہوتا ہے پس چونکہ اصول اولیہ میں اس سے مساوات رکھتا ہے اس لئے اسکی صورت کی تجدید کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ یہ صورت بعینہٖ وہی صورت ہے البتہ جن باتوں میں اختلاف[1] ہوتا ہے ان میں صورت کی تجدید ہوتی ہے۔

پس یہ ہیں معنی کلی کے عقل میں اور حس میں جب عقل کسی حیوان کے جسم کی صورت کا ادراک کرتی ہے تو وہ جسمیت کے اعتبار سے درخت کے مشاہدہ سے کسی نئی صورت کا استفادہ نہیں کرتی جس طرح دو پانیوں کی صورت کے ادراک کی مثال سے واضح کیا گیا جو ایک ہی وقت میں مدرک ہوتی ہیں اسی طرح ہر ایک متشابہ امر میں یہ حکم لگایا جاتا ہے اس سے ایسے کلی کا ثبوت نہیں مل سکتا جس کے لئے اصلاً کوئی وضع نہ ہو۔

[1] یعنی رنگ اور مقدار۔ مترجم

Marfat.com

رہی یہ بات کہ عقل کبھی ایسی چیز کے ثبوت کا بھی فیصلہ کر سکتی ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے نہ اس کی کوئی وضع ہو سکتی ہے جیسے وجوہ ثانیہ عالم کے بارے میں اس کا فیصلہ لیکن یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ عقل کا جسم میں موجود ہونا قابل تصور ہے؟ پھر اس میں تو یہ جھگڑا الگ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو بھی مادے سے الگ ہو وہ معقول ہو گا فی نفسہ نہ کے عقل اور عاقل کا محتاج رہا ماخوذ عن المواد تو اس کے بارے میں وجہ بیان کر دی گئی ہے۔

Marfat.com

مسئلہ (۱۹)

فلاسفہ کے اس قول کا ابطال کہ ارواح انسانی پر وجود کے بعد عدم کا طاری ہونا محال ہے وہ ابدی و سرمدی ہیں جن کی فنا کا تصور نہیں ہو سکتا

اس بارے میں فلاسفہ کی دو دلیلیں ہیں۔

پہلی دلیل:۔ یہ ہے کہ روح کا عدم تین حالتوں سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) یہ یا تو جسم کی موت کی وجہ سے ہوگا۔

(۲) اس کے ضد کی وجہ سے ہوگا جو اس پر طاری ہوا ہو۔

(۳) یا قدرت قادر کی وجہ سے۔

یہ تو باطل ہے کہ روح کا عدم جس کے جسم کے موت کی وجہ سے ہو کیونکہ روح کا کوئی محل تو نہیں بلکہ جسم اس کا محض ایک آلہ ہے جس کو وہ بواسطہ قوائے جسمانی استعمال کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ آلہ کی خرابی اس کے استعمال کرنے والے کی خرابی یا فساد کا سبب نہیں ہو سکتی الا یہ کہ وہ روح اس میں حلول کی ہو یا منطبع ہو گئی ہو جیسا کہ جانوروں اور قوائے جسمانی کی روحوں کا حال ہے۔

چونکہ روح کے دو فعل حاصل ہیں ایک بغیر مشارکت جسم کے دوسرا مشارکت جسم کے ساتھ لہذا جو فعل کے مشارکت جسم کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی تخیل احساس شہوت وغضب) وہ لازمی طور پر بدن کے فاسد ہونے کے ساتھ ہی فاسد ہو جاتا ہے اور اس کی قوت سے یہ بھی قوی ہوتا ہے لیکن جو فعل کے بغیر مشارکت جسم کے ہے (یعنی ادراک ان معقولات کا جو مجرد عن المادہ ہیں) اس کو جسم کی احتیاج نہیں وہ معقولات کا ادراک بغیر جسم کی مدد کے کرتی ہے بلکہ بدنی امور میں مشغولیت اس کو معقولات کی طرف توجہ کرنے سے مانع ہوتی ہے اور چونکہ یہ بات واضح ہے کہ روح کا وجود اور اس کے دو افعال میں سے ایک فعل جسم کا محتاج نہیں لہذا روح اپنے قوام میں

Marfat.com

جسم کی محتاج نہ ہوگی۔

اور یہ کہنا بھی باطل ہے کہ روح اپنے ضد کے طاری ہونے کی وجہ سے معدوم ہو جاتی ہے کیونکہ جواہر کا کوئی ضد نہیں ہوتا اسی لئے ہم کائنات میں دیکھتے ہیں کہ اعراض وصور کے سوائے جو اشیاء پے درپے طاری ہوتے ہیں کچھ معدوم نہیں ہوتا جیسے صورت ماہیہ اپنے ضد صورت ہوائیہ کی وجہ سے معدوم ہو جاتی ہے اور مادہ جو ان اعراض وصور کا محل ہے معدوم نہیں ہوتا اور ہر جوہر جو کسی محل میں نہ ہو ضد کی وجہ سے اسکے عدم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جو چیز محل میں نہ ہو اس کا ضد نہیں ہوسکتا اضداد وہی ہیں جو پے درپے ایک ہی محل پر طاری ہوتے ہیں۔

اور یہ کہنا بھی باطل ہے کہ قدرت کی وجہ سے روح فنا ہو جاتی ہے کیونکہ عدم کوئی اثباتی چیز نہیں جس کے وقوع کا تصور قدرت سے ہو سکے یہ وہی دلائل ہیں جن کا ذکر مسئلہ ابدیت[1] عالم میں ہو چکا ہے اور اس پر تفصیل سے بحث کر کے ہم نے اس مسئلہ کا فیصلہ کر دیا ہے۔

اس دلیل پر اعتراض دو طریقہ سے ہوتا ہے اولاً اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ جسم کی موت روح کی موت کا باعث نہیں ہو سکتی کیونکہ روح بدن میں حلول نہیں کرتی اور یہ فلاسفہ کے ہاں مسئلہ اولیٰ کی بنیاد ہے اور یہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا ثانیاً گو وہ نہیں مانتے کہ روح کا جسم میں حلول ہوتا ہے تاہم یہ بدیہی ہے کہ جسم اور روح میں ایک تعلق ضرور ہوتا ہے جس کی وجہ سے روح کا وجود بغیر جسم کے وجود کے نہیں ہوسکتا اور یہ وہی مسلک ہے جس کو ابن سینا اور اس کے ہم خیال محققین نے اختیار کیا ہے اور افلاطون کے اس قول کا انکار کرتے ہیں کہ روح قدیم ہے اور جسم کے ساتھ اس کو عارضی طور پر مشغولیت ہوتی ہے ان محققین کے مسلک کو اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔

اجسام کی پیدائش سے پہلے اگر مجموعہ ارواح ایک ہی روح تھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس کی تقسیم کیسے ہوئی۔ کیونکہ نا روح کا کوئی حجم ہوتا ہے نا کوئی مقدار کے تقسیم کو معقول قرار دیا جائے اگر کہا جائے کہ تقسیم نہیں ہوئی تو یہ محال کیوں بالضرورت ہم جانتے ہیں کہ زید کی روح عمر کی روح سے الگ اور مستقل روح ہے اگر دونوں ایک ہوتے تو زید وعمر کے معلومات بھی ایک ہوتے کیونکہ علم ذات روح کی صفات میں داخل ہیں اور صفات ذاتیہ ذات کے ساتھ ہر نسبت میں موجود ہوتی ہیں اور اگر کہا جائے کہ ارواح میں کثرت پیدا ہوئی تو سوال ہوتا ہے کہ کس طرح کس بناء پر کثرت پیدا ہوئی؟ کیونکہ نا مواد کی وجہ سے کثرت ہوسکتی ہے نا امکنہ کی وجہ

[1] یعنی اٹھارہویں مسئلہ ہیں جو اس سے ایک نمبر پہلے گزر چکا ہے۔ مترجم

Marfat.com

سے نہ ازمنہ کی وجہ سے نہ صفات کی وجہ سے لیکن یہ حالت روح کی جسم کی موت کے بعد نہیں ہو سکتی کیونکہ خلودِ روح کے عقیدے کے قائلین کے نزدیک اس وقت ارواح اختلاف صفات کی وجہ سے متکثر ہو جاتی ہیں کیونکہ اجسام کے ساتھ رہ کر وہ مختلف صفات کی اختیار کر لیتی ہیں ان میں سے کوئی دو روحیں متماثل نہیں ہو سکتیں اخلاق و سیرت کا تفاوت ان میں مختلف ہیئتیں پیدا کر دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ سب کے اخلاق ایک جیسے نہیں ہوتے جیسا کہ ظاہری فطرت ایک جیسی نہیں ہوتی اگر ایک جیسے ہوں تو پھر زید کے اخلاق عمرو کے اخلاق میں ہو جائے گا۔

اس برہان سے روح کا حدوث کیا جاتا ہے روح اس وقت پیدا ہوتی ہے جب نطفہ داخل ہوتا ہے اور جب نطفہ کے مزاج میں روح مدبرہ کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو نطفہ اس کو قبول کر لیتا ہے بعض وقت وہ ایک ہی روح میں نہیں ہوتی کیونکہ بعض دفعہ رحم میں نطفہ سے دو توام کا حدوث ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان سے ایک نہیں بلکہ دو روحیں متعلق ہوتی ہیں اور یہ روحیں مبدا اول سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ظہور میں آتی ہیں اور جسم کی روح اس جسم کی مدبر نہیں ہوتی نہ اس جسم کی روح اس جسم کی اور یا خاص تعلق اس خاص مماثلت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو ایک مخصوص روح کو ایک مخصوص جسم سے ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو توام بچوں میں سے ایک کا جسم دوسرے کے جسم کی بہ نسبت اس مخصوص روح کو قبول کرنے کے لیے زیادہ مستعد نہ ہوتا کیونکہ دو روحیں معاً پیدا ہوئی ہیں اور دو نطفے قبول کرنے کے معاً مستعد ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مخصوص روح اور مخصوص جسم میں خاص مماثلت کی مخصص کون سی چیز ہے؟ اگر یہ مخصوص جسم میں روح کا ہے تو بدن کے باطل ہونے کے ساتھ ہی روح بھی باطل ہو جائے گی اگر اس کے لئے کوئی دوسری وجہ ہے جس کی بناء پر اس روح کا اس جسم کے ساتھ خصوصی تعلق ہے (حتیٰ کہ یہ تعلق روح کے حدوث کے لئے شرط بھی ہے) تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس چیز کی روح کے بقا کے لئے شرط ہونے میں کونسا تعجب ہے؟ لہٰذا جب یہ تعلق منقطع ہو جائے تو نفس بھی معدوم ہو جائے گا پھر اس کے وجود کا اعادہ اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ خدائے تعالیٰ بر سبیل بعث و نشو اس کا اعادہ نہ کرے جیسا کہ میں معاد کے سلسلے میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

اگر کہا جائے کہ روح و جسم کے درمیان جو علاقہ ہے وہ بطریق نزوع طبیعی اور کشش فطری ہے جو اس روح میں خاص جسم کے ساتھ ودیعت کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں

Marfat.com

کے بدن کو چھوکر اسی بدن کے ساتھ کشش والفت رکھتی ہے اور اس کو ایک لحظہ کیلئے بھی چھوڑنا نہیں چاہتی، اور اس کشش فطری کی وجہ سے اس معین ومخصوص بدن میں مقید رہتی ہے اور دوسری طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح میں بھی فسادے بدن کی وجہ سے فساد پیدا ہو جائے جس کے تدبیر وانتظام میں اس کو ایک فطری دلچسپی ہوتی ہے ہاں کبھی یہ دلچسپی جسم سے الگ ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اگر زندگی میں بدن کے ساتھ روح کی مشغولیت مستحکم ہو جائے اور یہ استحکام کسر شہوات اور طلب معقولات کی طرف سے اس کی توجہ کو پھیر دے اب یہ دلچسپی روح کی اذیت کا باعث ہوتی ہے کیونکہ روح ان آلات سے محروم ہو جاتی ہے جن کے ذریعے وہ اپنی دلچسپی کو باقی رکھتے ہوئے اپنی مراد کو حاصل کرنا چاہتی تھی۔

رہا زید کی شخصیت کے لئے اس کے اول حدوث ہی میں روح زید کا تعین تو یہ لامحالہ جسم وروح کے درمیان سبب ومناسبت کی وجہ سے ہوگا مثلاً یہ جسم روح کے لئے بنسبت دوسرے جسم سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہوگا کیونکہ دونوں میں زیادہ مناسبت ہوگی اس لئے اس کے اختصاص میں زیادہ ترجیح ہوگی البتہ عقل بشری میں ان مناسبتوں کی خصوصیات دریافت کرنے کی طاقت نہیں ہے مگر ان تفصیلات سے ہماری لاعلمی کی وجہ سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ مخصص کی احتیاج میں شک کیا جائے لہٰذا اس کی وجہ سے جسم کے فنا ہونے پر روح کی بقا کا مسئلہ مشتبہ ہوسکتا ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ چونکہ جسم وروح کی باہمی مناسبت ہماری نظر سے غائب ہوتی ہے اور چونکہ یہی مناسبت انکے درمیان خاص تعلق کی مقتضی ہے لہذا بعید نہیں کہ یہ نسبت مجہولہ اس قسم کی ہو کہ روح کی بقا کو جسم کی بقا کا محتاج کر دے جس کی وجہ سے جسم کا فساد روح کے فساد کا باعث ہو مجہول کی بناء پر تو حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ جسم اور روح کے درمیان نسبت کا ہونا ضروری ہے شاید یہ نسبت وجود روح کے لئے ضروری ہو اور اس نسبت کے معدوم ہو جانے پر روح بھی معدوم ہو جائے بہر حال فلاسفہ کی وہ دلیل قابل اعتنا نہیں نظر آتی۔

تیسرا اعتراض:۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عجب نہیں یہ کہا جائے کہ قدرت خداوندی کی وجہ سے ارواح معدوم ہو جاتی ہے تو ہم اس پر مسئلہ سرمدیت عالم میں بحث کر چکے ہیں۔

Marfat.com

چوتھا اعتراض:۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ عدم کے ان طریقوں کے سوا کسی اور طریقے کا امکان نہیں ہم پوچھتے ہیں کہ اس پر تمہاری کیا دلیل ہے کہ کسی شے کا عدم ان تینوں طریقوں کے سوا متصور نہیں ہو سکتا جب تمہاری تقسیم نفی واثبات کے درمیان دائر نہیں تو ممکن ہے کہ ایک چوتھے امکان کا بھی اضافہ کیا جا سکے ممکن ہے کہ عدم کے لئے چوتھا اور پانچواں طریقہ بھی ہو تمہارے ذکر کردہ تین طریقوں کے علاوہ ان طریقوں کو صرف تین ہی پر منحصر کر دینے کی تو کوئی دلیل نہیں ہے۔

دوسری دلیل:۔

جو بہت زیادہ قوی نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جوہر پر جو کسی محل میں نہیں ہوتا عدم کا طاری ہونا محال ہے بالفاظ دیگر بسائط کبھی معدوم نہیں ہو سکتے اس دلیل سے پہلے تو یہ ثابت کرنا ہے کہ جسم کا معدوم ہونا روح کے عدم کا سبب نہیں ہو سکتا اور اس پر بحث ہو چکی ہے اس کے بعد یہ بتلانا ہے کہ کسی دوسرے سبب سے بھی روح کا معدوم ہونا محال ہے کیونکہ جب کوئی شے کسی سبب سے بھی معدوم ہو تو گویا اس میں قوت فساد قبل فساد موجود ہے یعنی امکان عدم سابق علی العدم ہے جس طرح کے کسی حادث پر جب وجود طاری ہوتا ہے تو گویا اس میں امکان وجود ہی کو قوت وجود کا نام دیا جاتا ہے اور امکان عدم کو قوت فساد کا نام اور جس طرح کہ امکان وجود ایک وصف اضافی ہے جو کسی شے کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا اس کی اضافت ہی سے یہ امکان ہوتا ہے اسی طرح امکان عدم بھی ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ ہر حادث کسی سابق مادے کا محتاج ہوتا ہے پس وہ مادہ جس میں قوت وجود ہو طاری ہونے والے وجود کو قبول کرتا ہے تو قابل غیر مقبول ہوگا لہذا قابل مقبول کے ساتھ جب وہ اس پر طاری ہوتا ہے ضرور موجود رہے گا اور وہ اس کا غیر ہوگا یعنی اس کا وجود اس کے علاوہ ہوگا پس یہی حال قابل عدم کا بھی ہے ضروری ہے کہ وہ بھی عدم کے طاری ہونے کے وقت موجود رہے اور اسی کی وجہ سے کوئی چیز معدوم ہو جائے جیسا کہ وجود کے وقت کوئی چیز موجود ہو گئی تھی اب جو چیز کے معدوم ہو گئی ہے وہ باقی رہنے والی چیز کے علاوہ ہو گی اور جو چیز کے باقی ہے وہ وہی ہے جس میں قوت عدم اور اس کا قبول وامکان ہے جیسا کہ طریان وجود کے وقت جو باقی رہتا ہے طاری ہونے والے کے علاوہ

Marfat.com

ہوتا ہے اور وہ وہی ہوتا ہے جس میں طاری ہونے والے کی قبولیت کی قوت ہوتی ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ شے جس پر عدم طاری ہوا ہے مرکب ہوا اس شے سے جو معدوم ہوگئی ہے اور اس شے سے جو معدوم کو قبول کرنے والی ہے اور جو طریان عدم کے ساتھ باقی رہتی ہے کیونکہ وہی طریان عدم کے پہلے قوت عدم کی حامل رہی ہے یہ حامل قوت عدم مادہ ہے، اور جو معدوم ہوتا ہے وہ صورت ہے لیکن نفس تو ایک بسیط شے ہے وہ صورت مجردہ عن المادہ ہے جس میں کوئی ترکیب نہ ہو اگر اس میں صورت و مادہ کی ترکیب فرض کی جائے تو ہمیں بحث میں مادے کو داخل کرنا ہوگا جو اصل اول ہے کیونکہ جو سلسلہ اس طرح شروع ہوتا ہے لازمی طور پر کسی اصل اولین کی طرف منتہی ہوگا۔ اس طرح ہم اس اصل اول کے عدم کو محال سمجھتے ہیں اور اسی کا نام روح رکھتے ہیں جس طرح کے ہم عدم کو مادۂ اجسام کے لئے بھی محال سمجھتے ہیں کیونکہ وہ ازلی وابدی ہے البتہ اس پر صورتیں طاری ہوتی ہیں اور معدوم ہو جاتی ہیں اور اس میں طریان صور کی قوت اور طریان انعدام صور کی قوت موجود ہے کیونکہ وہ ان دونوں متضاد چیزوں کو علی التسویہ قبول کرتا ہے اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ ہر موجودات منفرد پر عدم کا طاری ہونا محال ہے۔

اس بیان کی تفہیم ایک دوسرے طریقے سے بھی ہو سکتی ہے کسی شے کی قوت وجود وجود شے سے پہلے ہوتی ہے لہذا وہ اس شے کی غیر ہوتی ہے یہ شے نفس قوت وجود نہیں ہو سکتی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی تندرست نظر والے شخص کے متعلق کہا جائے کہ وہ ناظر بالقوہ ہے یعنی اس میں قوت نظر ہے اس کے معنی یہ ہیں دیکھنے کے لیے آنکھ میں جس صفت کا ہونا ضروری ہے وہ موجود ہے اگر دیکھنے میں تاخیر ہو تو تاخیر کی وجہ کسی اور شرط کا فقدان ہوگا اس طرح سیاہی دکھلانے والی قوت سیاہی کو بلفعل دکھلانے سے پہلے آنکھ میں موجود ہوگی جب سیاہی بالفعل نظر آ گئی تو اس نظر کے وجود کے وقت سیاہی دکھلانے والی یہ قوت موجود نہ ہوگی کیونکہ یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ جب بھی نظر ظہور میں آ جائے تو وہ باوجود موجود بالفعل ہونے کے موجود بالقوہ بھی ہے کیونکہ قوت وجود حاصل بالفعل حقیقت موجود کے ساتھ کبھی ضم نہیں ہو سکتی۔

اور جب یہ مقدمہ ثابت ہو چکا تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر شے بسیط معدوم ہو جائے تو وہ امکان عدم قبل عدم رکھتی ہوگی کیونکہ بالقوہ سے تو یہی مراد ہے علاوہ ازیں وہ امکان وجود بھی رکھتی ہوگی کیونکہ جس چیز کے عدم کا امکان ہو تو وہ واجب الوجود نہیں ہو سکتی بلکہ ممکن الوجود ہوگی اور قوت وجود کے معنے ہم امکان وجود ہی کے لیتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ کسی شے کے

Marfat.com

اندر اس کی قوت وجود بالفعل کے اصول کے ساتھ جمع ہو سکتیں ہیں گویا اس کا وجود بالفعل عین قوت وجود ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ قوت نظر جو آنکھ میں ہوتی ہے غیر نظر ہے عین نظر نہیں کیونکہ اس سے یہ لازم آتا کہ وہی شے بالفعل بھی ہو اور بالقوی بھی ہو یہ دونوں متناقض چیزیں ہیں بلکہ جب کبھی کوئی شے بالقوی ہوگی تو بالفعل نہ ہوگی اور جب کبھی بالفعل ہوگی تو بالقوی ہو گی اسی طرح بسیط کے لئے قبل عدم قوت عدم کا اثبات بحالت قوت وجود کا اثبات ہوگا جو محال ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ ساری بحث وہی ہے جس پر ہم تبصرہ کر چکے ہیں اور جو مادہ وعناصر کے حدوث وعدم کے محال ہونے پر کی گئی تھی مسئلہ ازلیت[۱] وابدیت[۲] عالم میں ہم اس کو توڑ چکے ہیں اور اس تلبیس کا منشا فلاسفہ کا یہ مفروضہ ہے کہ امکان ایسی صفت ہے جو اپنے وجود کے لئے اسی محل کی مقتضی ہوتی ہے اور ہم اس پر کافی اور سیر حاصل بحث[۳] کر چکے ہیں جس کی ہم یہاں تکرار نہیں کر سکتے مادی جوہر کا دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

---

۱ ؎ ص ۴۹، ۲ ؎ ص ۸۹، ۳ ؎ ص ۸۳

Marfat.com

مسئلہ (۲۰)

حشر بالاجساد، اوراجسام کی طرف ارواح کے عود کرنے، دوزخ وجنت، حور وقصور وغیرہ کے جسمانی ہونے کے انکار کے ابطال میں، اوراس قول کے ابطال میں کہ یہ تمام باتیں عوام کی تسلی کے لئے ہیں ورنہ یہ چیزیں روحانی ہیں، جو جسمانی عذاب وثواب سے اعلیٰ وارفع ہیں۔

یہ سب تمام مسلمانوں کے اعتقاد کے خلاف ہے ہم ذیل میں پہلے دو فلسفیوں کے اس قسم کے معتقدات کی تفہیم کر دیتے ہیں اور پھر ان ساری چیزوں کے خلاف جو اسلام کے مغائر ہیں اپنے اعتراضات پیش کرتے ہیں فلاسفہ کہتے ہیں روح موت کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے باقی رہتی ہے یا تو لذت وسرور کی اس حالت میں رہے گی جس کی بے پناہ شدت کے تصور سے انسانی ادراک عاجز ہے یہ الم وتکلیف یا تو دائمی ہوگی یا طول زمانہ کے بعد تسکین پذیر ہو جائے گی۔

ان الآم ولذائد سے تاثیر کے مدارج میں انسانی طبقات مختلف ہوتے ہیں اختلاف بھی ایسا جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ دنیوی لذائذ وآلام میں بھی یہ اختلاف پایا جاتا ہے لذتِ سرمدی صرف نفوس کاملہ زکیہ کے لئے ہے اور الم ابدی نفوس ناقصہ کثیفہ کے لئے الم جو ایک دور کے بعد منقضی ہوتا ہے نفوس کاملہ کثیفہ کے لئے ہے روح سعادت مطلقہ کو صرف کمال وتزکیہ وطہارت نفس ہی کے ذریعہ حاصل کرسکتی ہے کمال علم سے اور طہارت نیک عمل سے حاصل ہوتی ہے۔

علم کی احتیاج اس وجہ سے ہے کہ قوت عقلیہ کی غذا اور اس کی لذت معقولات کے درک ہی میں ہے جس طرح کہ قوت شہوانیہ کی لذت جنس محبوب سے ملاقات میں ہے یا قوت

Marfat.com

باصرہ کی لذت صور جمیلہ کے ادراک میں ہے اور یہی حال دوسرے تمام قویٰ کا ہے رواح کے لئے درک معقولات سے جو چیز مانع ہوتی ہے وہ جسم اور مقتضیات جسمانی کے مشاغل ومصروفیات ہیں جو اس کی حسیات وخواہشات کے محور پر گھومتے ہیں معقولات سے عاری روح کے لئے ضروری ہے کہ اس لذت عظیم کے فوت ہونے پر رنج والم کا احساس کرے لیکن لذات جسمانی کی ظاہری چمک دمک سے اپنی طرف مصروف رکھتی ہے اور اس کا دل بہلاتی رہتی ہے جس طرح کے خوف کی حالت میں کسی جسمانی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا یا دوا مخدر کے کے مل لینے سے جسم پر آگ کا اثر نہیں ہوتا مگر یہ دوا مخدر جو جسم پر لگی ہوتی ہے ہے روح سے جسم کے جدا ہوتے ہی آتش روحانی اسے جھلسنے لگتی ہے اور جلانا شروع کر دیتی ہے۔

معقولات کا ادراک کرنے والے نفوس ایک قسم کی لذت خفی سے مستفید ہوتے رہتے ہیں لیکن جسمانی مصروفیات کا ہزوم اور شہوات نفسانی کا لاینفک پہلو اس لذت خفی کو عظمت کی سطح پر آنے سے مانع رہتا ہے، ان کی مثال ایک ایسے مریض کی سی ہوتی ہے جس کی زبان کا ذائقہ تلخ ہو گیا ہو وہ میٹھی چیز کو بھی پھیکی محسوس کرتا ہو اور نہایت لذیز غذا میں بھی بہت کم لذت پا تا ہو کیونکہ بیماری لذت یابی سے مانع ہوتی ہے دوسری طرف کمال علوم سے روشنی حاصل کی ہوئی روحیں ہیں جو جب کبھی جسم کا لبادہ اتار پھینکیں گی اپنی محبوب غذا کے لذیز اور پائیدار احساس سے فرحاں وشاداں رہیں گیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی زبردست بیماری سے شفایاب ہو گیا ہو جس نے اسکو محسوسات ظاہری کی لذتوں سے روک رکھا تھا بس اب بیماری دفع ہو گئی اور اسے ہر چیز کا لطف آنے لگا یا اس کی مثال اس عاشق کی سی ہے جو اپنے معشوق کی محبت میں بے چین تھا مگر کسی بے ہوشی یا خمار نے اسے معشوق سے جدا کر رکھا تھا اب اسے ہوش آ گیا یا نشہ اتر گیا اب وہ بارگاہ محبوب میں لذت ووصال کا جویا بن کر حاضر ہو جاتا ہے اور اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی یہ مثال تو حسی لذتوں کی ہے جو نہایت حقیر ہوتی ہیں انھیں روحانی وعقلی لذتوں کے ساتھ کیا نسبت ہاں تفہیم کے لئے اس قسم کی مثالیں دی جا سکتی ہیں تا کہ تمثیل پسند فہم انسانی ان کی مدد سے عقلی لذات کی پرچھائیں ہی سے مانوس ہو سکے (بقول غالب مرحوم)

مقصد ہے ناز وغمزہ دے گفتگو میں کام چلتا نہیں ہے دشنہ وخنجر کہے بغیر) اگر ہم کسی بچے کو یا کسی عنین کو یہ سمجھانا چاہیں کہ لذت جمع کیسی ہوتی ہے تو ہمیں بچے کو کسی تحلیل کی جو اس کے نزدیک نہایت مرغوب ہو اور عنین کو کسی کھانے کی جس کو وہ شدت گرسنگی کے بعد نہایت لذیز پاتا ہو مثال دے کر سمجھانا ہو گا تا کہ وہ مثل بہ کی حقیقی لذت کی اہمیت کا معمولی سا اندازہ کر

Marfat.com

سکیں تاہم انھیں یہ سمجھا دینا ہوگا کہ یہ مثال جو دی جارہی ہے ممتثل بہ کی لذت کے ساتھ ایک ادنی سی مناسبت بھی نہیں رکھتی اور اس وقت تک حیطۂ ادراک میں نہیں آسکتی جب تک کہ عملی طور پر اس کا احساس نہ کیا جائے یہ کیفیت ہے لذاتِ عقلیہ کی لذات جسمانی کے مقابلہ میں۔

لذات عقلیہ کے لذات جسمانی سے اشرف ہونے پر دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی تو یہ کہ فرشتوں کے احوال جانوروں یعنی درندوں چارپایوں سوروں) سے اشرف ہیں حالانکہ انھیں جسمانی لذتیں جیسے (عقل اور مجامعت کی لذتیں) حاصل نہیں ہے انھیں صرف لذت شعور حاصل ہے جس کے حسن و جمال سے وہ مستفید ہوتے رہتے ہیں اور جس کی خصوصیت یہ ہے کہ حقائق اشیاء پر انھیں اطلاع ملتی رہتی ہے اور صفات میں قرب رب العالمین حاصل ہوتا رہتا ہے مگر خیال رہے کہ یہ قرب قرب مکانی نہیں نہ مرتبہ وجود کا قرب ہے کیونکہ موجودات جو بارگاہ رب الارباب سے اپنے وجود کی سند لے کر آئے ہیں ان کے لئے ترتیب ہے وسائط ہیں یعنی وہ درجہ علیا سے بالواسطہ ظہور پذیر ہوتے ہیں نہ کہ براہ راست ظاہر ہے کہ جو وسائط اس بارگاہ سے قریب ہوں ان کا مرتبہ بلند ہوگا۔

دوسری دلیل یہ کہ بسا اوقات انسان خود بھی عقلی لذتوں کو جسمانی لذتوں پر ترجیح دینے پر مجبور ہوتا ہے مثلاً جب کوئی بادشاہ یا سپہ سالار اپنے دشمن پر فتح حاصل کرنا اور بہر صورت اپنے ملک کو بچانا چاہتا ہے تو وہ لذت نکاح اور لذت طعام پر اپنے فرائض حقیقی کو مقدم رکھتا ہے حتی کہ ایک شطرنج یا چوسر کھیلنے والے کو اپنی کامیابی کی دھن میں سارا سارا دن کھانا کھانے کی بھی فکر نہیں رہتی حالانکہ اس کی عقلی لذت دوسری عقلی لذتوں کے مقابلہ میں نہایت ادنی ہوتی ہے حشمت و ریاست کے جویا کو بعض وقت عورت کی محبت بھی اپنے مقصد میں سعی و جستجو سے باز نہیں رکھتی کیونکہ وہ حشمت و ریاست کی لذت کو عقلی و دماغی حیثیت سے جنس مقابل کے ساتھ یکساں خواہش کی بہ نسبت بہت ارفع پاتا ہے اس نے بھی عجیب تر چیز زندگی کی محبت کو خیرآباد کہہ دینا ہے ایک بہادر سپاہی میدان جنگ میں کسی مقصد کے پیش نظر سر تن کی بازی لگاتا ہے اور مجموعی طور پر زندگی کی تمام مادی لذتوں کو اپنے مقصود کی لذت کے مقابلے میں ٹھکرا دیتا ہے چاہے وہ قوم کی محبت ہو یا حکومت کی خواہش یا مذہب کی الفت ہو یا تحسین و مرحبا کی تمنا۔

اس طرح لذت عقلیہ اخرویہ لذات جسمانیہ دنیویہ سے افضل ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نہ فرماتے کہ خدائے تعالی کہتا ہے کہ میں اپنے نیک بندوں کے واسطے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ ہی قلب بشر پر ان کا خیال گزرا

Marfat.com

اور خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلا تعلم نفس ما اخفي لهم من قرة اعين" کسی کا دل نہیں جانتا کہ ان (نیک بندوں) کے لئے کیا آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے یہ ہے وجہ علم کی احتیاج کی۔

اور تمام خالص علوم عقلیہ نافع ترین علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس طریقہ کے متعلق ہو جس سے اشیاء کے وجود کا فیضان ہوتا ہے اور جو بھی ان کے اصول کا ذریعہ ہو اسی وجہ سے وہ بھی نافع ہے اور جو ان کا وسیلہ نہ ہوں جیسے علم نحو لغت شعر اور دوسرے علوم متفرقہ تو وہ فنون اور صنائع ہیں کسی دوسرے فن یا صنعت کی طرح رہی عمل و عبادت کی احتیاج تو یہ تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہے کیونکہ جسم سے تعلق کے دوران نفس حقائق اشیاء کے ادراک سے روکا گیا ہے اس وجہ سے نہیں کہ وہ جسم میں منطبع ہے بلکہ یہ اس وجہ سے کہ وہ جسم کی خواہشات کی تکمیل اور اسکی جبلتوں کی مصروفیتوں میں لگا ہوا ہے اور یہ خواہش اور جبلتیں نفس کی ہیئت راسخہ بن گئی ہیں اور کثرت عمل کی وجہ سے اس میں متمکن ہو گئی ہیں جسم کی خواہشات کی لگاتار پیروی لذات حسی کی بے پناہ الفت نے نفس میں جو گندگی کے مہلک اثرات پیدا کر دیے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جسم کی اس عارضی رفاقت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی مصائب و آلام کا ہجوم نفس پر ہلہ بول دیتا ہے ان مصائب کے دو وجوہ ہیں۔

ایک یہ کہ مادہ جسم کی یہ محبت اس کو اپنی خاص لذتوں کے حصول سے مانع ہو جاتی ہے یہ لذتیں کیا ہیں؟ عالم ملکوت کے ساتھ اتصال اور عالم لاہوت کے اسرار و رموز کی آگاہی جن میں سرتاپا حسن و جمال ہوتا ہے اس محرومیت کی وجہ سے اس کو جو بے چینی اور تکلیف ہوتی ہے ان کو کم کرنے کے لئے جسم کی لذتیں تو نہیں ہوتیں جن میں اس کا دل بہل جاتا۔

دوسری وجہ یہ کہ نفس میں دنیا اور اس کے اسباب و لذات کی طرف حرص و میل باقی رہ جاتا ہے کیونکہ اس آلہ (یعنی بدن) نے اپنی دل فریبیوں میں اس کو محو کر رکھا تھا اور ان لذات کے حصول سے مانع تھا مگر موت کے بعد تو وہ موجود نہیں اس لئے اب نفس کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جس کو حسین و جمیل بیوی حاصل تھی حکومت و ریاست میسر تھی فرمانبردار اولاد تھی مگر اس کی حکومت چھین لی گئی اس کی معشوقہ قتل کر دی گئی اس کی اولاد گرفتار کر لی گئی اس کی دولت لوٹ لی گئی اس کا گھر برباد کر دیا گیا اور جلا دیا گیا اب اس کے دل کو جو تکلیف ہو گی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے اس طرح اس زندگی میں اس کی امیدیں غیر منقطع تھیں تعیشات دنیوی اس کو مسلسل حاصل تھے مگر موت کے آہنی ہاتھ نے قفس عنصری کے پرزے اڑا دیے طائر روح بیک

Marfat.com

جست آزاد ہو گیا اور اپنے زمانہ قید کی دلچسپیوں کو جس سے وہ مانوس تھا یاد کرنے لگا انسان کو دنیا کی ان آلودگیوں سے اسی وقت نجات مل سکتی ہے جب نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھنے کی قدرت پیدا ہو جائے اور رذیل میلانات سے دست کش ہونے کی ہمت پیدا کی جائے اور علم وتقویٰ کی جانب توجہ کی جائے یہاں تک کہ امور دنیوی سے تعلقات منقطع ہو جائیں اور امور اخرویہ سے ضبط قوی ہو جائے اب اگر اس حالت میں اس کو موت آئے تو اس کی روح کو وہی راحت نصیب ہوگی جو ایک قیدی کو ہوتی ہے جب وہ قید خانہ سے رہائی پاتا ہے اب وہ اپنی مراد کو پالیتا ہے اور یہی اس کی جنت ہے۔

مگر نفس سے ان تمام صفات رذیہ کا ازالہ بالکلیہ تو ممکن نہیں کیونکہ ضروریات جسمانی میں اسے ایک گونا دلچسپی بھی ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ ان ضروریات میں کمی کی جائے اسی لئے خداوند کریم کا ارشاد ہے "وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتماً مقضیا" (مریم)

جب جسم سے اس کا تعلق کمزور ہو جاتا ہے تو نفس سے جسم کے فراق کا صدمہ زیادہ نہیں ہوتا اس کے برخلاف عالم لاہوت کے اسرار کا محرم ہونے کے قابل ہو جاتا ہے اور ان سے لذت حاصل کرتا ہے اور اس سے مفارقت دنیا کا اثر دور ہو جاتا ہے اور اسکی حالت اس شخص کی سی ہوتی ہے جس کو اپنے وطن اور اہل وطن اور گھر بار سے بہت دور پردیس میں نکل جانے پر ایک مرتبہ عظیم حاصل ہو جائے اور وہ کسی منصب کبریٰ پر فائز ہو جائے اب اہل وطن کی جدائی کا صدمہ اس کے دل پر زیادہ نہ ہوگا۔

چونکہ ان صفات کا کامل ازالہ ممکن نہیں اس لئے شریعت نے اخلاق میں ایک متوسط راہ دکھلائی ہے جو افراط وتفریط کی درمیانی راہ ہے جیسے نیم گرم پانی جو نہ گرم ہوتا ہے نہ سرد دونوں متضاد صفات سے عاری اسی طرح مختلف خصلتوں کے مابین ایک درمیانی راہ رکھی گئی ہے مثلاً روپے کا بخل وانصاف دولت کی حرص وطمع کا موجب ہوتا ہے اور اسراف موجب فقر واحتیاج اسی طرح بزدلی بہت سے مہمات کے سر کرنے سے مانع ہوتی ہے اور اس کے مقابل تہور (یعنی غیر ضروری دلیری) موجب خطرہ ہلاکت اس لئے بخل واسراف کی درمیانی راہ جود وکرم رکھی گئی ہے اور بزدلی یا جبن اور تہور کی درمیانی خصلت شجاعت پسندیدہ سمجھی گئی ہے اسی طرح اخلاق کے دوسرے تمام شعبوں کا حال ہے۔

علم اخلاق طویل الذیل ہے اور شریعت نے اس کی کافی تفصیل پیش کر دی ہے اور تہذیب اخلاق کے لئے عملی طور پر قانون شریعت کی مرعات کے بغیر چارہ نہیں جس کا خلاصہ یہ

Marfat.com

ہے کہ انسان اپنے خواہشات نفسانی کی اندھی متابعت نہ کریں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان خواہشات سے اتنا مغلوب ہو جاتا ہے کہ اس کی ہویٰ و ہوس اس کی معبود بن کر رہ جاتی ہے جس کی پرستش میں مصروف ہو کر وہ اپنی ہلاکت و بربادی کا سامان کر لیتا ہے اس لئے شریعت کی تعلیم اس کو لغزش و گمراہی سے بچاتی ہے نشیب و فراز سے واقف کرتی ہے جس کی تقلید کی وجہ سے وہ اخلاق فاضلہ کا تاج پہن کر فلاح دارین کی نعمت سے سرفراز ہوتا ہے اسی لئے قرآن حکیم کا ارشاد ہے "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا" تحقیق وہ مراد کو پہنچا جس نے اپنے نفس کو سنوارا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا اور جس نے ان دونوں صفتوں علم و عمل کو جمع کیا وہی عارف و عابد ہے اور وہی سعید مطلق ہے اور جس کو صرف علم کی فضیلت حاصل ہو بغیر عمل کے تو وہ عالم فاسق ہے وہ ایک زمانہ تک عذاب میں رہے گا لیکن دواماً نہیں کیونکہ اس کا نفس علم کے کمال سے تو بہرہ ور ہے گو عوارض جسمانی سے وہ ملوث ضرور ہے مگر یہ عارضی نقص ہے توقع کی جا سکتی ہے کہ تکالیف بھی ایک طویل زمانہ کے بعد رفع ہو جائیں اور جس کو بغیر علم عمل کی فضیلت حاصل ہو گئی ہو تو وہ نجات تو پا جائے مگر اس کو سعادت کاملہ نصیب نہیں ہو سکتی۔

فلاسفہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ جو شخص مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔ (من مات فقد قامت قیامتہ) شریعت میں عذاب و ثواب کی حسی مثالیں جو دی گئی ہیں تو ان سے مراد محض تمثیلات ہیں کیونکہ عوام کی کمزور سمجھ ان مثالوں کے بغیر حقائق کا ادراک نہیں کر سکتی اور اسی لئے یہ مثالیں دی گئی ہیں ورنہ روحانی لذات ان حقیر جسمانی لذات سے بدرجہا رفیع و بلند ہیں پس یہ ہے فلاسفہ کا مذہب۔

ہم کہتے ہیں کہ بے شک ان میں سے اکثر باتیں وہ ہیں جو شریعت اسلامیہ سے متصادم نہیں کیونکہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے کہ آخرت میں انواع و اقسام کی لذتیں ہیں جو محسوسات کی لذتوں سے بہت ارفع و اعلیٰ ہیں، اور نہ ہم جسم سے مفارقت کے بعد روح کی بقا کے منکر ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان تمام باتوں کو ہم صرف شریعت کے توسط ہی سے جان سکتے ہیں اس میں معاد کا ذکر آ چکا ہے اور معاد بغیر بقا روح کے ممکن نہیں ہم فلسفیوں کے صرف اس دعویٰ کے مخالف ہیں کہ اس کی معرفت عقلی قیاس آرائیوں سے ہو سکتی ہے۔

فلاسفہ کی جو باتیں مخالف شرع ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

حشر بالا جساد کا انکار۔

جہنم میں آلام جسمانیہ کا انکار۔

Marfat.com

جنت میں لذات جسمانیہ کا انکار۔

اس جنت ودوزخ کا انکار جس کی توصیف قرآن مجید میں کی گئی ہے ۱۸۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ آخرت میں دونوں قسم کی سعادت یا شقاوت یعنی روحانی وجسمانی کے اجتماع سے بھلا کون سا امر مانع ہے؟ خدائے تعالیٰ کا یہ قول کہ "فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین" (یعنی کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان نیک بندوں کے لئے آخرت میں کیا آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے) سے مطلب یہ ہے کہ ان تمام نعمتوں سے مجموعی طور پر کوئی بھی واقف نہیں ہے۔ ایسا ہی دوسرا قول بھی ہے (جو ایک حدیث قدسی سے ماخوذ ہے) کہ میرے نیک بندوں کے لئے میں نے ایسی ایسی چیزیں مہیا کر رکھی ہیں جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی قلب بشر پر ان کا تصور گزرا تو یہ امور شریفہ ان چیزوں کی نفی پر دلالت نہیں کرتے بلکہ دونوں قسم کے چیزوں کا جمع ہونا ہی کامل ترین سعادت ہے اور نہ ہونا شقاوت اور وہ ممکن بھی ہے اور ان کا وعدہ بھی بطریقۂ اتم کیا گیا ہے، لہٰذا بموجب بیان شریعت ان کی تصدیق واجب ہے۔

اگر کہا جائے کہ شریعت میں جو نصوص وارد ہوئے ہیں وہ ایک قسم کی امثال ہیں جو مخلوق کی تفہیم کے لئے پیش کی گئی ہیں کیونکہ عوام اس قسم کے روحانی امور کو تشبیہ وتمثیل ہی کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں چنانچہ صفات الٰہیہ کو بھی اس قسم کی تشبیہات سے جس کے تصور کے لوگ عادی ہیں بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے انھیں آیات تشبیہ واخبار سمجھنا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیات تشبیہ جو الفاظ لائے گئے ہیں عرب کے محاورے کے لحاظ سے ان کے استعارے میں تاویل کی گنجائش ہے لیکن جنت ودوزخ کی توصیف میں جو تفصیل پیش کی گئی ہے، اور جو بلیغ ترین اصول کی بنا پر ترغیب وترتیب کی گئی ہے، اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے اگر ایسا سمجھا جائے تو معاذ اللہ کلام الٰہی کو تلبیس پر محمول کرنا پڑے گا گویا وحی کے ذریعے عوام کی مصلحت کے لئے واقعات کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے یہ بات ایسی ہے جس سے منصب نبوت کو پاک رہنا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ عقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کے لئے مکان وجہت صورت ہاتھ آنکھ امکان انتقال اور استقراء عرش وغیرہ کو محال قرار دیا جاتا ہے، اس لئے ان آیات میں تاویل کو واجب خیال کیا گیا ہے مگر آخرت میں جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ قدرت خداوندی سے محال نہیں ہیں اس لئے ان آیتوں کے ظاہری کلام ہی کے مطابق معنیٰ لینا لازم ہے بلکہ اسی منشاء

Marfat.com

کے مطابق بھی جس کی ان میں صراحت موجود ہے۔
اگر کہا جائے کہ دلیل عقلی بعثِ جسمانی کے محال ہونے پر اسی طرح بھی قائم کی گئی ہے اس طرح کہ خدائے تعالیٰ کے لئے ان صفات کے محال ہونے پر دلیل قائم ہے تو ہم فلاسفہ سے اس بارے میں دلیل مانگتے ہیں اور اس بارے میں ان کے دو مسلک بتائے جاتے ہیں۔

پہلا مسلک

پہلا مسلک: یہ ہے کہ جسم کی طرف روح عود کرنے کے تین صورتیں ہیں، (۱) انسان جسم اور حیات سے عبارت ہے، حیات جسم کے لئے ایک عرض کی طرح ہے اور اسی سے قائم ہے جیسا کہ بعض متکلمین کا خیال ہے نفس یا روح کا جسے قائم بنفسہ یا مدبر جسم کہا جاتا ہے کوئی علیحدہ وجود نہیں اور موت کے معنی ہیں حیات کا انقطاع یعنی خالق کا تخلیق حیات سے امتناع، جب یہ معدوم ہو جاتی ہے تو جسم بھی معدوم ہو جاتا ہے اور معاد کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا اس جسم کو اعادہ کرنا جو معدوم ہو گیا ہے، اور اس کو وجود کی طرف پلٹانا، اور حیات کا بھی جو معدوم ہو گئی ہے اعادہ کرنا۔

یا یہ کہ مادہ جسم مٹی ہو کر رہ جاتا ہے اور معاد کے معنی یہی ہیں کہ وہ جمع کیا جائے اور آدمی کی شکل پر مرکب کر لیا جائے اور اس میں از سر نو حیات کی تخلیق کی جائے۔ ۲ روح موجود ہے جو بعد موت بھی باقی رہتی ہے لیکن پہلے ہی جسم کی طرف جب اس کے اجزاء جمع کر لئے جاتے ہیں تو اس کا اعادہ کیا جاتا ہے۔
روح کا جسم کی طرف اعادہ ہوتا ہے چاہے بعینہ اجزائے سابق کے ساتھ ہو یا کسی دوسرے جسم کے دوسرے اجزاء کے ساتھ ہو اور اعادہ پانے والا وہی انسان ہے اس حیثیت سے کہ روح وہی روح ہے، رہا مادہ تو وہ قابل التفات چیز ہے کیونکہ انسان عبارت ہی روح سے ہے۔

جواب یہ تینوں اقسام باطل ہیں۔
پہلے کا باطل ہونا تو سراسر ظاہر ہے کیونکہ جب حیات اور بدن دونوں، معاً معدوم ہو گئے تو از سر نو ان کا پیدا کیا جانا ان کے مثل کی ایجاد ہو گی جو پہلے تھا نہ ان کے عین کی ایجاد لیکن عود سے مطلب جیسا ہم سمجھتے ہیں یہ ہے کہ اس میں بقائے شے فرض کی جا رہی ہے اور دوسری شے کا تجدد بھی ہے جیسے ہم کہیں کہ فلاں شخص نے انعام دینا پھر شروع کیا یعنی انعام

Marfat.com

دینے والا باقی تھا صرف اپنا عمل یعنی انعام دینا ترک کر دیا تھا پھر وہ اس کام کا اعادہ کر رہا ہے یعنی اس نے اول کی طرف بالجنس عود کیا ہے مگر وہ بالعدد اس سے غیر ہے تو حقیقت میں عود مثل کی طرف ہے نہ کہ خود اس کی طرف نیز ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص وطن واپس ہوا یعنی وہ کسی اور جگہ موجود رہا، وہ اس سے پہلے وطن میں تھا، اب وہ اپنی ہستی کو وطن پہنچا رہا ہے جو اس کی سابقہ حالت مماثل ہے اگر کوئی چیز باقی نہ رہے اور اس کے برخلاف چیزیں متعدد و مماثل ہوں اور زمانی طور میں ان میں فصل ہوں تو عود کے لفظ کا اس پر اطلاق نہ ہوگا مگر یہ کہ معتزلہ کا مسلک اختیار کیا جائے جو کہتے ہیں کہ معدوم شے ثابت ہے اور وجود ایک ایسی حالت ہے جو کسی عدم پر عارض ہوتی ہے، منقطع ہو جاتی ہے اور وہ دوبارہ اس کی طرف عود کرتی ہے تو اب عود کے معنی درست طور پر سمجھے جاسکتے ہیں کیونکہ یہاں بقائے ذات تسلیم کی گئی ہے لیکن یہ تو عدم مطلق کا رفع کرنا ہے جو نفی محض ہے ایسی ذات کے اثبات سے جو مستمرۃ الثبات ہے تا کہ وجود اس کی طرف عود کرے لہذا یہ محال ہے۔

اگر اس صورت کی حمایت میں یہ حیلہ تراشا جائے کہ جسم کی مٹی تو فنا نہیں ہوتی وہ باقی رہتی ہے یہ حیات اس کی طرف عود کرتی ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ پھر یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ مٹی دوبارہ زندہ ہوگئی یعنی انقطاع حیات کی ایک میعاد گزرنے کے بعد وہ پھر جی اٹھی لیکن یہ اعادہ انسان کا نہیں ہوا، نہ اس کی روح کا کیونکہ انسان خود مستقل ایک چیز ہے دوسرا مادہ ہی نہیں مٹی جو اس میں ہے اس کے تمام اجزاء بدلتے رہتے ہیں یا اکثر اجزاء تو بدل ہی جاتے ہیں جو غذا کی وجہ سے بنتے رہتے ہیں اور انسان اپنی روح و نفس کے اعتبار سے وہی ہوتا ہے جو پہلے تھا جب حیات یا روح اس سے معدوم ہوگئی تو اب عدم کا عود کرنا تو سمجھ میں نہیں آسکتا البتہ اس کے از سر نو قائم ہونا سمجھ میں آسکتا ہے اور جب اللہ تعالی نے انسان کی حیات مٹی ہی سے پیدا کی ہے جس سے درخت یا گھوڑے یا پودے کا جسم بھی تشکیل پاتا ہے تو یہ انسان کی پہلی تخلیق ہوگی غرضکہ معدوم کا عود کرنا تو کبھی معقول نہیں ہو سکتا عود کرنے والا تو وہی ہوگا جو موجود ہو یعنی وہ اپنی اس حالت کی طرف عود کیا ہے جو اس سے پہلے حاصل تھی یعنی اس حالت کے مثل کی طرف لہذا عود کرنے والی ہستی مٹی ہوگی جو صفت حیات کی طرف عود کر رہی ہے مگر صرف جسم تو انسان نہیں ہو سکتا کیونکہ غور کیجئے ایک انسان نے گھوڑے کا گوشت کھالیا اس سے اس کا نطفہ بنا جس سے ایک اور انسان ظہور میں آیا تو کیا یہ گھوڑا ہے؟ یا گھوڑا انسان کی شکل میں تبدیل ہوگیا؟ گھوڑا تو صورت کی وجہ سے گھوڑا ہوتا ہے نہ

Marfat.com

کہ مادے کی وجہ سے اس مثال میں صورت تو معدوم ہو گئی باقی رہا سو مادہ!

رہی دوسری صورت یعنی روح باقی ہے اور بعینہ اس جسم کی طرف عود کرتی ہے اور یہی معاد ہے مگر یہ بھی محال ہے کیونکہ جسم میت تو لازماً مٹی ہو جاتا ہے یا اسے کیڑے یا پرندے کھا جاتے ہیں وہ ہوا میں اڑ جاتا ہے اس کے اجزاء ہوا میں مل جاتے ہیں وہ بھاپ یا پانی میں بدل جاتا ہے پھر ان کا انتزاع واستخلاص بعید از قیاس ہے۔

لیکن فرض کرو کہ قدرت خداوندی سے یہ بھی ممکن ہے تو اب یہ دو حال سے خالی نہیں؟ وہ اجزائے جسم جمع کیے جائیں گے جو اس کی موت کے وقت موجود تھے تو یہ لازم ہوگا کہ لنگڑے ناک کٹے ہوئے یا کان کٹے ہوئے اور دوسرے ناقص الاعضاء انسان بھی اسی عیب کی حالت میں حشر کیے جائیں اور یہ بہت بری بات ہوگی خاص کر اہل جنت کے حق میں گو وہ اپنی پہلی زندگی میں ناقص ہی پیدا کیے گئے ہوں اب ان کا اس حالت میں اعادہ تباہی کی انتہائی شکل ہوگی یہ وہ شکل ہے جو اس مفروضے کی صورت میں پیش آتی ہے کہ موت کے وقت ہی جسمانی حالت میں انسان کو زندہ کیا جائے اور اگر اس کے وہ تمام اجزاء جمع کیے جائیں جو اس کو وقتاً فوقتاً تمام عمر حاصل ہوتے رہے ہیں تو یہ محال ہے دو وجوہ کی بناء پر۔

(۱) فرض کرو ایک انسان دوسرے انسان کا گوشت کھا لیتا ہے بعض ممالک میں ایسا ہوتا ہے خصوصاً ایام قحط میں ایسے بہت سے واقعات پیش آتے ہیں ان دونوں انسانوں کا حشر بہت مشکل ہوگا کیونکہ مادہ تو دونوں کا ایک ہی ہے ماکول کا بدن آکل کا بدن بن جاتا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایک ہی بدن کی طرف دو روحوں کا استرداد ہو۔

(۲) طبی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ اعضائے جسم ایک دوسرے کو غذا بناتے رہتے ہیں یعنی ایک دوسرے کی فضلہ غذا پر زندہ رہتا ہے جیسے جگر اجزائے قلب سے غذا حاصل کرتا ہے یہی حال دوسرے اعضاء کا ہے ایسی صورت میں اگر ہم بعض اجزائے معینہ کو فرض کریں جو جملہ اعضاء کے لئے مادہ ہیں تو کن اعضاء کی طرف روح کا استراد ہوگا اور ان اعضاء کی ترتیب کس طرح ہوگی؟

بلکہ اس کی بھی ضرورت نہیں کہ ہم آدمی کے آدمی کو کھانے کی صورت پر غور کرنے بیٹھیں اگر ہم قابل تولید مٹی پر غور کریں جس میں کوئی مردہ گڑھا ہوا ہے تو معلوم ہوگا کہ ایک زمانہ تک کھیتی باڑی کی وجہ سے اس جسم نے نباتات کی شکل اختیار کر لی اور وہ اناج پھل ترکاری یا گھاس پھونس بن گیا اب ان کو آدمی کھا جاتا ہے یا کوئی جانور کھا لیتا ہے پھر اس جانور کا

Marfat.com

گوشت آدمی کھاتا ہے تو اب ہمارا بدن بن جاتا ہے اب وہ مادہ کہاں رہا جس کی تخصیص کی جائے؟ ایک آدمی کا جسم بہت سے آدمیوں کے جسم میں تقسیم ہو جاتا ہے پھر یہ جسم بھی تحلیل ہو کر مٹی بن جاتا ہے پھر اس سے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں وہ بھی گوشت پوست بن کر ذی حیات اجسام بن جاتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک تیسرا محال بھی لازم آتا ہے وہ یہ کہ ابدان سے مفارقت کرنے والی روحیں تعداد میں غیر محدود ہیں اور ابدان کی تعداد محدود ہے تو یہ مواد پوری انسانی روحوں کے لئے کافی نہ ہوگا اور معاملہ کچھ بے تکا سا ہو جائے گا۔

رہی تیسری صورت کہ روح بدن انسانی کی طرف عود کرے چاہے یہ بدن کسی مادے سے ہو کسی مٹی سے بنا ہو تو یہ بھی دو وجہ سے محال ہے۔

(۱) اول یہ کہ وہ مواد جو کون وفساد کو قبول کرتا ہے مقعر فلک قمر ہی میں منحصر ہے اس کے سوا وہ کہیں نہیں پایا جاتا نہ اس پر زیادتی ممکن ہے اس طرح وہ محدود ہے اور ابدان سے مفارقت کی ہوئی روحیں تعداد میں لا محدود تو ان کے لیے یہ مواد نا کافی ہوگا

(۲) دوسرے یہ کہ مٹی جب تک کہ وہ مٹی ہے تدبیر نفس کو قبول نہیں کر سکتی پہلے تو ضروری ہے کہ عناصر میں امتزاج پیدا ہو جو نطفے کے امتزاج کے مشابہ ہوتا ہے محض لکڑی یا لوہا اس تدبیر کو قبول نہیں کرتے اور انسان کا اعادہ لکڑی اور لوہے کے جسم کی طرف ممکن نہیں کیونکہ انسان کا جسم جب تک گوشت پوست ہڈی اور اخلاط سے کب نہ ہو وہ انسان ہی کیسے ہوا؟ اور جب بھی بدن اور مزاج قبول نفس کے لیے تیار ہو جاتے ہیں تو مبادی واہبہ نفس کی جانب سے حدوث نفس کے مستحق ہو جاتے ہیں اسی طرح ایک بدن کے لیے دو روحیں بھی آ جائیں گی؟

اور یہ محال ہے اور اسی اصول سے مذہب تناسخ بھی باطل ٹھہرتا ہے اور یہ مذہب دراصل تناسخی ہی ہے کیونکہ یہ اس مفروضے پر مبنی ہے کہ روح جو ایک جسم کے ساتھ مصروف اور اس کی تدبیر میں منہمک تھی اور موت کے بعد ایک دوسرے جسم کی تدبیر میں جو جسم سابق کا بالکل غیر غیر ہے مصروف ہو جاتی ہے تو جس مسلک سے تناسخ کا ابطال کیا جاتا ہے وہی اس مذہب کے ابطال پر بھی حاوی ہے۔

اعتراض: تم اس شخص کے قول کو کس طرح باطل ثابت کرو گے جو آخری صورت اختیار کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ روح موت کے بعد باقی رہتی ہے اور وہ جوہر قائم بنفسہ ہے اور یہ بات شرع کے خلاف بھی نہیں بلکہ شرع میں اس کی طرف اشارۃ النص ملتا ہے چنانچہ باری

Marfat.com

تعالیٰ کا قول ہے ”ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا، بل احیاء عند ربھم یرزقون ،فرحین ...... الآیہ“ (ان لوگوں کو مردہ مت خیال کرو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے وہ رزق دیے جاتے ہیں وہ خوش ہیں............)

اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ارواح صالحین سبز پرندوں کے جسم میں عرش کے نیچے ایک قندیل رہیں گی نیز حدیث میں جو کچھ ارواح کے خیرات وصدقات کا شعور رکھنے کے متعلق وارد ہوا ہے منکر ونکیر کے سوال اور عذاب قبر وغیرہ کے بارے میں جو بھی مروی ہے وہ سب بقائے روح پر دلالت کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی مذہب ہمیں یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ ہم بعث ونشور پر بھی ایمان لائیں اور بعث سے مراد اجسام کا پھر سے نشر ہے اور بعث کی طرح سے ممکن ہے ایک یہ روح کا عود بہر حال کسی بھی جسم کی طرف ہو چاہے وہ جسم اول کے مادے سے بنا ہو یا اس کے غیر سے یا اس مادے سے جس کی پہلی دفعہ تخلیق ہوئی ہے کیونکہ انسان اپنی روح سے عبارت ہے نہ کہ جسم کے اجزاء تو لگاتار بدلتے رہتے ہیں بچپن سے لے کر بڑھاپے تک دبلے پن سے بھی موٹے پن سے بھی غزا کی تبدیلی سے بھی اور اس کے ساتھ مزاج بھی بدلتا ہے اس کے باوجود انسان وہی رہتا ہے اور یہ مقدور خداوندی ہے تعالیٰ شانہ اور اسی روح کو عود کرنا ہوگا کیونکہ روح اپنے آلہ سے محروم ہو کر آلام ولذات سے استفادہ نہیں کر سکتی تھی اب اس کو ایک مماثل آلہ دیدیا جاتا ہے اور یہی صحیح ترین معنی میں روح کا عود کرنا ہے۔

اور یہ جو آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ نفوس غیر متناہیہ ہیں اور معاد متناہی تو غیر متناہی کا متناہی کی طرف عود محال ہے تو یہ بے اصل ہے کیونکہ اس کی بنیاد قدم عالم اور تعاقب ادوار علی الدوام پر ہے لیکن جو قدم عالم کا اعتقاد نہیں رکھتا تو اس کے نزدیک نفوس مفارقہ ابدان متناہی ہیں اور معاد موجودہ ان کے تناسب کے موافق ہے اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ ارواح کی تعداد زیادہ ہے تو خدائے تعالیٰ ایجاد واختراع کی تدبیروں پر قادر ہے اس بات سے انکار اللہ تعالیٰ کی قدرت تخلیق کائنات سے انکار کے مترادف ہے اور اس کا ابطال مسئلہ حدوث عالم میں گزر چکا ہے۔

اب رہی محال ہونے کی دوسری وجہ یعنی مذہب تناسخ سے مماثلت تو ہمیں الفاظ پر جھگڑا نہیں کرنا چاہیے شرع میں جو کچھ بھی وارد ہے اس کی تصدیق ہم پر واجب ہے خواہ وہ تناسخ ہی کیوں نہ ہو البتہ ہم اس عالم میں تناسخ کا انکار کرتے ہیں رہا بعث ونشر کا معاملہ تو ہم اس سے

Marfat.com

انکار نہیں کر سکتے چاہے کوئی اسے تناسخ کہہ لے یا کچھ اور۔

رہا تمہارا قول کے ہر مزاج جو قبول نفس کے لئے مستعد ہو مبادی وجود کی طرف سے نفس کے فیضان کا مستحق ہوگا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ فیضان نفس بالطبع ہوتا ہے نہ کہ بلاارادہ اور ہم اس خیال کا ابطال حدوث عالم میں کر چکے ہیں کیونکہ آپ کے پاس مذہب سے تو یہ بھی عجب نہیں کہ اگر وہاں نفس موجود نہ ہو تو بھی جسم حدوث نفس کا مستحق قرار پا جائے گا اور ازسرنو ایک نفس کی ضرورت ہوگی۔

اب آپ کے لئے یہ کہنا باقی رہ گیا کہ روحیں ارحام ہی میں مستعد مزاجوں کے ساتھ بعث ونشور کے پہلے ہی کیوں متعلق ہو گئیں بلکہ انھیں ہمارے اسی عالم میں متعلق ہونا چاہیے تھا۔

تو کہا جائے گا کہ شاید یہ جدا ہونے والی روحیں ایک دوسرے ہی قسم کا استعداد چاہتی ہیں جن کے اسباب کی تکمیل ایک خاص وقت ہی میں ہے اور عجب نہیں کہ جو استعداد نفس کاملہ مفارقہ کے لئے مشروط ہے نفس حادثہ کی استعداد مشروط سے مختلف ہو کیونکہ حادثہ نے تدبیر بدن سے اپنے لئے اب تک کوئی کمال حاصل نہیں کیا ہے جو نفس کاملہ نے کیا ہے پھر بھی صحیح علم خدا ہی کو ہے جو ان کے اسباب وشرائط اور اوقات حاضری کو بہتر جانتا ہے ہم صرف یہی جانتے ہیں کہ قدرت باری سے یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور شریعت اسلامیہ ان کا اثبات کر رہی ہے تو ہم پر اس کی تصدیق واجب ہے۔

دوسرا مسلک، فلاسفہ کا یہ ہے کہ کسی کی قدرت میں یہ نہیں کہ فولاد اچانک روئی کا کپڑا بنا دیا جائے جو لباس کے طور پر استعمال ہو سکے ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ان خاص اثبات کی وجہ سے جن سے ایسا ہوا کرتا ہے فولاد بسیط عناصر میں تحلیل ہو جائے پھر یہ عناصر جمع ہو جائیں اور مختلف ادوار ومراحل طے کرتے ہوئے روئی کی صورت اختیار کرلیں پھر روئی سے سوت بنا لیا جائے سوت سے کپڑے تیار کر لیے جائیں جیسا کہ ہوا بھی کرتا ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ مرحلے طے کیے بغیر لوہے کا ایک خود ایک یا چند لحظوں کے اندر سوتی کپڑے کا ایک عمامہ ہو جائے تو یہ محال ہوگا۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ اس انسان کے دل میں یہ خیال گزرے کے یہ استحالات تھوڑی سی مدت میں طے ہو جائیں کہ انسان اس کی درازی کا احساس بھی نہ کر سکے تو خیال ہوگا کہ یہ سب دفعتاً واقع ہو گیا اور جب یہ سمجھ میں آ گیا تو کہنا ہوگا کہ وہ انسان جس کا بعث وحشر ہوا ہے اگر

Marfat.com

اس کا جسم پتھر یا قوت وغیرہ کا ہو یا خالص مٹی کا ہو تو وہ انسان نہیں ہوگا انسان تو وہی مانا جاتا ہے جس کی شکل خاص پر تشکیل ہوئی ہو (یعنی وہ ہڈی رگوں گوشت غضاریف واخلاط وغیرہ سے مرکب ہو اور یہ اجزائے مفردہ اجزائے مرکبہ پر تقدیم رکھیں لہذا اس کا بدن اس وقت تک تیار نہ ہوگا جب تک کہ اعضاء نہ ہوں اور اعضائے مرکبہ بغیر گوشت ہڈی اور رگوں وغیرہ کے ہو نہیں سکتے اور ان مفردات کا وجود بغیر اخلاط کے ہو نہیں سکتا اور چاروں اخلاط کا وجود جب تک کہ مواد غذائی نہ ہو نہیں ہو سکتا اور غذا کی تکمیل بغیر حیوانات کے گوشت یا نباتات جیسے غلہ پھل وغیرہ کے نہیں ہو سکتی اور حیوان ونبات کی پیدائش بغیر عناصر اربعہ کے نہیں ہو سکتی، پھر عناصر اربعہ کے لئے تحلیل وتجزیہ کے کئی منازل طے کرنے پڑتے ہیں جن کی تفصیلات مشہور ومعلوم ہیں۔

پس بتلایئے کہ بدن انسانی کی ایسی تجدید کہ روح اس کی طرف پھر سے عود کر سکے بغیر ان ادوار ومراحل کے طے کیسے ہوگی؟ یہاں تو اسباب کثیر کی احتیاج ہے۔

کیا ہر پھر لفظ ''کن'' کے ساتھ مٹی کا پتلا انسان بن کر چلتا پھرتا نظر آئے گا یا ان اسباب ہی میں ایسا انقلاب آ جائے گا کہ یہ ساری منزلیں طے کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی؟ یعنی وہ اسباب جو مرد کے جسم سے غذا کے لطیف اجزاء کو منی کر اس کو عورت کے رحم میں پہنچاتے تھے پھر یہ منی خون حیض سے تعاون کر کے اور اس سے ایک طویل عرصہ تک اجزاء حاصل کر کے مضغہ کی شکل بنا دیتی تھی پھر لوتھڑا۔ یہ سے جنین بنتا تھا پھر ہم جنین سے بچہ بچہ سے جوان جوان سے ادھیڑ ادھیڑ سے بوڑھا غرضکہ اسباب کے یہ سارے مرحلے بغیر طے ہوئے رہ جاتے ہیں۔

جب یہ سمجھ میں نہیں آتا تو ''کن'' سے ایک عجیب وغریب پتلے کا کھڑا ہو جانا بھی سمجھ میں نہیں آ سکتا کیونکہ مٹی سے کوئی خطاب نہیں ہو سکتا ''کن'' کا لفظ سننے کی اس میں طاقت کہاں غرضکہ بغیر ان سارے مراحل کے طے ہوئے مٹی یا کسی چیز کا انسان بن جانا بھی محال ہے لہذا بعث ونشر بھی محال ہے۔

اعتراض انسان پیدائش اور نشو ونما کی تدریجی ترقی کی ضرورت کے ہم بھی قائل ہیں جیسا کہ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ لوہے کے ایک خود کو سوت کا عمامہ بننے کے لئے کافی مرحلے طے کرنے ہوں گے جب تک کہ وہ لوہا ہے عمامہ نہیں ہو سکتا اس کو ایک طویل مدت کے گزرنے کے پہلے تو روئی بننا چاہیے پھر سوت پھر سوت سے کپڑا بننا چاہیے جب کہیں اس کی قسمت میں عمامہ بننا لکھا ہوگا۔

مگر ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر کوئی چاہے تو یہ کام ایک لحظہ بھر میں بھی ہو سکتا ہو

Marfat.com

اس کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ ممکن ہے خیر یہ بھی جانے دیجیے یہ کون کہتا ہے کہ جسم کا بعث و نشر لحظہ بھر یا گھڑی بھر ہی میں ہو جائے گا ممکن ہے کہ ہڈیوں کے جمع ہونے اس پر گوشت کا غلاف منڈھے جانے اور اس میں ایسا اعصاب اور رگوں کا جال پھیلایا جانے کے لیے کچھ عرصہ درکار ہو گا جس پر کوئی تعجب نہیں البتہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ ادوار روح مراحل طے ہونگے بھی تو قدرت قادر ہی سے طے ہونگے چاہے اس کے لئے کوئی واسطہ ہونا یا نہ ہونا دونوں ہمارے نزدیک ممکن ہیں جیسا کہ ہم مسئلہ اول میں اس کا ذکر کر چکے ہیں جہاں یہ بحث بھی ہو چکی ہے کہ اجراء عادات یا مقترنات وجود کا اقتران بطریق تلازم نہیں ہے، بلکہ عادات کا خرق ممکن ہے اس لئے ان امور کا ظہور میں آنا قدرت باری تعالی سے بغیر اسباب کے وجود کے بھی ممکن ہے

دوسری بات یہ ہے کہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ان ادوار کا طے ہونا اسباب سے بھی ہو سکتا ہے لیکن ان کے لئے یہ شرط کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسباب وہی ہوں جن سے آپ مانوس ہو چکے ہوں بلکہ قدرت کے خزانے میں بے شمار عجائب و غرائب ہیں جن پر عقل انسانی کو بھی تک اطلاع نہیں ہوئی ان کا انکار وہی کر سکتا ہے جو سمجھتا ہے کہ مشاہدہ کردہ چیزوں کے سوا دنیا میں کسی چیز کا وجود نہیں جیسا کہ بعض لوگ سحر کے وجود کا انکار کرتے ہیں نیز نیرنجات طلسمات معجزات اور کرامات کے وجود کے بھی قائل نہیں حالانکہ یہ سب بلا تفاق ثابت ہیں ان کے اسباب عجیب و غریب بھی ہیں اور نا معلوم بھی۔

اگر کوئی شخص مقناطیس کو کبھی نہ دیکھا ہو تو اسے یہ سن کر بڑا تعجب ہو گا کہ وہ فولاد کو جذب کرتا ہے ممکن ہے کہ وہ اس کا انکار کر دے اور کہے کہ فولاد کا کھینچا جانا بغیر اس کے کہ کسی رشتے سے باندھ کر اس کو کھینچا جائے ممکن ہی نہیں مگر جب وہ جذب مقناطیسی کا مشاہدہ کرے گا تو اس کو نہایت تعجب ہو گا اور اپنے قصور علم کا اعتراف کرے گا کہ عجائبات قدرت کا احاطہ ممکن نہیں اسی طرح ملاحدہ جو بعث و نشور کے منکر ہیں جب اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو وہ صنعت خداوندی کا مشاہدہ کر کے حیران ہو جائیں گے اور اپنے کیے پر نادم ہونگے حالانکہ اس وقت ندامت سے انھیں کوئی فائدہ نہ ہو گا وہ اپنے انکار پر افسوس کریں گے مگر افسوس انھیں بچا نہ سکے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ "ھذا الذی کنتم بہ تکذبون" (یہ وہی ہے جس کا تم انکار کرتے تھے) یہ انکار ویسا ہی تھا جیسا اشیاء کی عجیب و غریب خاصیتوں اور عجیب و غریب چیزوں کے وجود سے کیا جاتا فرض کرو کہ ایک انسان پیدائش سے ذی ہوش و تمیز پیدا ہوا ہے اگر تم اس سے کہو کہ وہ ایک ناپاک نطفہ ہے اس کے اجزاء متماثل ہیں عورت کے رحم میں جا کر یہ منقسم ہو جاتے

Marfat.com

ہیں کوئی گوشت بنتا ہے کوئی پٹھا کوئی ہڈی کوئی غضروف کوئی رنگین کوئی چربی پھر اس سے آنکھ بنتی ہے جس کے مزاج کے لحاظ سے سات مختلف طبقات ہوتے ہیں زبان بنتی ہے دانت بنتے ہیں سختی ونرمی کے لحاظ سے باوجود ان کے قریب قریب رہنے کے ان میں تفاوت عظیم ہوتا ہے اور اسی طرح جو عجیب عجیب چیزیں فطرت کے تماشہ گاہ میں پھیلی ہوئی ہیں ان سب کا وہ انکار اس سے زیادہ شدت کے ساتھ کرتا جتنا کے ملاحدہ عالم آخرت کا کرتے ہیں اور کہتے ہیں "ائذا کنا عظاماً نخرة...... الآیة" کیا ہمیں زندہ کیا جائے گا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجائیں گے"۔

منکر بعث اس بات پر غور نہیں کرتا کہ آخر اس کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اسباب وجود اس کے مشاہدہ ہی کے حد تک محدود ہیں کیا تعجب ہے کہ اجسام دوبارہ زندہ کیے جانے کا کوئی ایسا اسلوب ہو جس کا اس نے کبھی مشاہدہ نہ کیا ہو چنانچہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب زمین پر زبردست بارش ہوگی جس کے قطرے نطفوں کے قطروں کے مشابہ ہونگے اور مٹی میں گھل مل جائیں گے اور ان سے اجسام انسانیہ پیدا ہونگے تو کوئی تعجب نہیں کہ اسباب الٰہیہ میں کوئی بات اسی کے مشابہ ہو اور ہم کو اس کی اطلاع نہ ہو اور اس سے اجسام کا بعث ہو اور ان میں استعداد پیدا ہو جائے کہ پھیلی ہوئی ارواح کو پیدا کرلیں کیا اس امکان کے انکار کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے؟ سوائے خالص تعجب وحیرت کے کچھ ہاتھ آتا بھی ہے؟

اگر کہا جائے کہ فعل الٰہی کا ایک غیر متغیر ہو مقرر طریقہ ہوتا ہے اسی لئے خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے "وما امرنا الا واحد کلمح البصر" (ہمارا کام تو بس ایک دم کی بات ہے) جیسے ایک نگاہ کی نیز فرمایا گیا ہے "ولن تجد لسنة الله تبدیلا" یعنی تم اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اگر یہ اسباب جن کے امکان کا تم توہم کر رہے ہو واقعۃً موجود ہوں تو چاہیے کہ یہ عمل میں آئیں اور بار بار ان کی تکرار لامتناہی طور پر ہوگی اور کائنات میں ظہور وترقی کا موجود نظام بھی لامتناہی ہوگا۔

تکرار ودور کے اس اعتراف کے بعد اس بات پر بھی کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ طویل مدت کے بعد کاروبار کے نہج ہی بدل جائیں مثلاً ہزار سال بعد قانون قدرت اپنی روش ہی بدلدے لیکن یہ تبدیلی بھی دائمی اور ابدی ہوگی قانون قدرت کی اس صنعت کی بناء پر کہ وہاں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور یہ بات اس وجہ سے ہوگی کہ فعل الٰہی مشیت الٰہی سے صادر ہوتا ہے اور مشیت

Marfat.com

الٰہی جہتی حیثیت سے متعدد نہیں ہے کہ جہات کے اختلاف کے ساتھ اس کے نظام میں بھی اختلاف پیدا ہو جائے جو اس سے صادر ہو گا خواہ وہ کسی شکل میں ہو انتظامی طور پر مکمل ہو گا یعنی اس کی ابتداء وانتہاء ایک ہی نظم پر ہو گی جیسا کہ سارے اسباب و مسببات میں ہمارا مشاہدہ ہو گا

اگر تم توالد وتناسل کی موجودہ زیر مشاہدہ جاریہ عادت ہی کو جائز قرار دیتے ہو یا اس نہج کے اعادہ کو چاہے کچھ زمانہ طویل کے بعد ہو بر سبیل تکرار ودوام جائز مانتے ہو تو پھر تمہیں قیامت وآخرت کے عقیدہ سے دست بردار ہونا چاہیے اور ان چیزوں سے بھی جن پر کہ ظاہر شرع دلالت کرتا ہے کیونکہ ان سے یہ لازم آتا ہے کہ ہمارے اس وجود سے پہلے بارہا قیامت آ چکی ہے بارہا حشر ونشر کا معاملہ ہو چکا ہے اور پھر بارہا ہو گا۔ وهلم جراً الى لا نهاية.

لیکن اگر تم کہتے ہو کہ سنت الٰہیہ کسی مختلف چیز میں جنساً بدل سکتی ہے اور یہ متبدلہ سنت عود نہیں کرتی اور امکان کی مدت تین ادوار میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

(۱) پیدائش عالم سے پہلے جبکہ اللہ تعالیٰ موجود تھا مگر عالم نہ تھا۔

(۲) عالم کی پیدائش کے بعد

(۳) اختتام یعنی منہاج بعثی

اب یہ نقطۂ نظر تمام نظم و یکسانیت کو باطل قرار دے گا، کیونکہ یہ سنت الٰہیہ کو قابل تغیر سمجھتا ہے، لیکن یہ تو محال ہے اگر اس کا امکان ہو تو ایسی مشیت بالارادہ کے متعلق ہو گا جو اختلاف احوال سے ہو گزرتا ہے لیکن مشیت ازلیہ کا تو ایک مقرر طریقہ ہوتا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی فعل الٰہی مشیت الٰہیہ کے متوازی ہوتا ہے، اور مشیت ایک ہی سنت پر جاری ہوتی ہے وہ مختلف زمانوں کی نسبت سے مختلف نہیں ہو سکتی۔

فلسفی یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا یہ قول خدائے تعالیٰ کے ہر چیز پر قادر ہونے کے عقیدہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ بعث ونشور اور جمیع امور ممکنہ پر قادر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ چاہے تو کر سکتا ہے ہمارے قول کے صدق کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ کر ہی رہا ہو یا ان کا ارادہ کر رہا ہو یہ بات ایسی ہے جیسی کہ مثلاً کہیں کہ کوئی شخص اپنا گلا کاٹ لینے یا اپنا پیٹ چیر لینے پر قادر ہے اس معنی میں اس کی تصدیق ہو گی کہ اگر وہ چاہے تو ایسا کر سکتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ ایسا نہ چاہے گا اور نہ کرے گا ہمارا قول کہ وہ نہ چاہے اور نہ کرے گا ہمارے اس قول کا مناقض نہیں ہے کہ وہ قادر ہے اس معنی میں کہ اگر وہ چاہے تو کر سکے گا کیونکہ حملیات شرطیات کے مناقض نہیں ہوتیں جیسا کہ منطق میں مذکور ہے کیونکہ ہمارا

Marfat.com

قول کہ اگر وہ چاہے تو کرے گا شرطی موجب ہے اور ہمارا قول کے نہیں چاہا اور نہیں کیا دونوں حملیہ سالبہ ہیں، اور سالبہ حملیہ موجبہ شرطیہ کا مناقض نہیں ہوتا۔

لہٰذا جو دلیل یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کی مشیت ازلی ہے اور متغیر نہیں ہوتی وہ یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ امر الٰہی کی اجزائی انتظام وانضباط کے ساتھ تکرار وعود ہی ہوا کرتی ہے اگر وقت کی اکائیاں مختلف بھی ہوں تو اس کا اختلاف بھی نظم وضبط کے تحت ہی ہوگا اور اسی میں تکرار وعود اور اس کے سوا ناممکن ہے۔

جواب ہمارا یہ ہے کہ یہ مسئلہ قدم عالم ہی کے مسئلہ سے متعلق ہے کہ مشیت قدیم ہے لہٰذا عالم کو بھی قدیم ہونا چاہیے اور ہم اس چیز کو باطل ثابت کر چکے ہیں اور بتلا چکے ہیں کہ مراتب کا فرض کرنا بعید از قیاس نہیں ہو سکتا جو یہ ہیں۔

(۱) خدائے تعالیٰ کا وجود تھا اور عالم نہ تھا۔ (۲) پھر اس نے عالم کو زیر مشاہدہ نظام کے مطابق پیدا کیا پھر از سر نو دوسرا انظام شروع کرے گا جس میں جنت و دوزخ کا وعدہ کیا گیا ہے (۳) جب تمام چیزیں معدوم ہو جائیں گی اور صرف اللہ تعالیٰ باقی رہے گا مفروضہ بالکل ممکن ہے گو شریعت یہ بتلاتی ہے کہ جنت دوزخ کا ثواب وعقاب دائمی ہوتا ہے یہ مسئلہ خواہ وہ کسی طرح سے مشکل کیا جائے دو مسئلوں پر مبنی نظر آتا ہے (ا) حدوث عالم اور حصول حادث کا جواز قدیم سے۔

(ب) خرقِ عادات مسببات کے خلق کی وجہ سے جو اسباب کے بغیر خلق کیے گئے ہوں یا اسباب کی وجہ سے مگر دوسرے غیر معتاد نہج پر ہم ان دونوں مسئلوں کا فیصلہ کر چکے ہیں،

واللہ اعلم بالصواب :۔

Marfat.com

خاتمہ

اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ تم ان فلسفیوں کے مذاہب کی تفصیل تو کر چکے اب ان کے کفر و اسلام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم ان کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے ہو؟۔

تو ہم کہتے ہیں کہ صرف تین مسئلوں میں ہم ان کو کافر سمجھتے ہیں۔

(ا) مسئلہ قدم عالم اور ان کا یہ قول کہ جواہر تمام قدیم ہیں!

(ب) ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ جزئی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

(ج) ان کا انکار حشر اجساد و بعث و نشر۔

یہ تین مسائل ہیں جو اسلام کے حصولی عقائد سے متصادم ہیں ان کا معتقد گویا کذب انبیاء کا معتقد ہے اور ان کا یہ کہنا کہ جنت و دوزخ کی تشبیہات صوری جمہور عوام کی محض تفہیم و ترغیب کے لئے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں تو یہ صریح کفر ہے جس کا مسلمانوں کے فرقوں میں سے کوئی بھی اعتقاد نہیں رکھتا۔

رہے ان تین مسئلوں کے سوا باقی امور جیسے صفات الٰہیہ میں تصرف اعتقاد توحید کو متزلزل یعنی قابل تشکیک بنیادوں پر قائم کر دینا تو یہ قریب قریب معتزلہ کے مذہب کے مماثل ہیں تلازم اسباب طبعیہ کے بارے میں ان کا مذہب وہی ہے جس کی معتزلہ نے مسئلہ تولد میں تصریح کی ہے اور دوسری باتیں جو فلسفیوں سے نقل کی جاتی ہیں انکا بھی یہی حال ہے کوئی نہ کوئی اسلامی فرقہ ان کی تکرار کرتا نظر آتا ہے جو شخص اہل بدعت قسم کے اسلامی فرقوں کی تکفیر کرتا ہے تو ان کی بھی کر سکتا ہے اور جو تکفیر سے توقف کرتا ہے وہ صرف انہیں تین مسئلوں میں ان کی تکفیر کرتا ہے ہمارا یہ مقصود نہیں کہ اہل بدعت دعویٰ کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے پر غور کریں اور نہ ہی ہم یہ تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی کن بدعات کو حسنہ یا سیئہ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس مسئلہ پر گفتگو اس کتاب کے مقصود سے خارج ہے خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سیدھے راستے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تمت

Marfat.com

تعلیقات

۲۴۴ سطر ۶ : اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غزالی نے عقلی تگ ودو کو بالکل غیر ضروری قرار دیا ہے اور اس سے قطعی دست برداری کو وہ راہِ صواب سمجھتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو حقیقت کی طرف پہنچانے والا ایک وسیلہ تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ عقلی مدرکات اور صوفیانہ مسلک کے ساتھ مقصود کی طرف بڑھنے کا واقعہ خود ان پر گزرا۔

مصحح

۲۶۰ سطر ۱ : ۲ ''الٰہی'' کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اسی نے الٰہیات کو نظری فلسفہ کے طور پر پیش کیا بعض کہتے ہیں کہ آلہہ یعنے دیوتاؤں کے خاندان سے اس کا تعلق ہے۔

۲۶۰ سطر ۷ : ۳ میں فلسفیوں کے اس اصول سے واقف نہیں ہوں جس کا غزالی دعویٰ کرتے ہیں اور اس کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں ہاں میں یہ جانتا ہوں کہ فلسفیوں کا ایک طریقہ ترتیب ہوتا ہے: جس پر وہ اپنے تلامذہ کو چلاتے ہیں وہ یہ کہ علوم نظریہ ان کے پاس اسی طرح ہیں جس طرح کہ غزالی نے بھی مقاصد الفلاسفہ میں ان کی تقسیم کی ہے یعنی وہ تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) امور معقولہ جو مادہ اور مادہ کے قابل تغیر و حرکت اقسام سے علیحدہ ہے ہیں جیسا کہ ذات باری تعالیٰ .... الخ، اور ۲ جو مادہ سے متعلق ہیں اس صورت میں (الف) یا تو وہ کسی معین مادہ کے محتاج ہیں حتی کے اس سے بے تعلق ہونا قوت واہمہ کیلئے ممکن نہیں جیسے انسان...... الخ (ب) یا یہ کہ انھیں معین مادہ سے بے تعلق سمجھنا ممکن ہے ایسے مثلث و مربع کی شکل...... الخ .... پس یہ امور یعنے مثلث و دیگر اشکال ایسے ہیں کہ ان کے وجود کا قوام بغیر معین مادہ کے نہ ہوگا لیکن وجود میں ان کیلئے کسی خاص مادہ .... کو متعین نہیں کیا جاتا انسان کی طرح نہیں کہ اس کا مفہوم معین مادہ کے بغیر ذہن میں قرار نہیں پاتا............ اور اس چیز کا علم جس میں اس حیثیت سے بحث کی جاتی ہے کہ وہ مادہ سے بالکلیہ غیر متعلق ہے وہ علم الٰہیات ہے اور اس چیز کا علم جس کے بارے میں اس حیثیت سے بحث کی جاتی ہے کہ وہ مادہ سے بے تعلق ہے وہم میں نہ کہ خارج میں تو وہ علم ریاضی ہے اور اس چیز کا علم جس کے بارے میں اس حیثیت سے بحث کی جاتی ہے کہ وہ معین مادہ سے بے تعلق نہیں ہو سکتا وہ علم طبیعات ہے۔ پس یہ علوم جیسا کہ آپ

Marfat.com

دیکھتے ہیں اور جیسا کہ غزالی نے خود مقاصد الفلاسفہ میں ذکر کیا ہے اپنے موضوع کے اعتبار سے ترتیب دیے گئے ہیں علم الٰہیات اعلیٰ علم کہلاتا ہے کیونکہ فلسفی اس سے ابتداء نہیں کرتا بلکہ آخر میں اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور علم ریاضی اوسط علم کہلاتا ہے یعنی اس کی طرف پہلے اور بعد بھی توجہ کی جاتی ہے اور علم طبیعی اول علم کہلاتا ہے کیونکہ اس کی طرف ابتداء ہی سے توجہ کی جاتی ہے علم الٰہیہ کی طرف جو خالص مجردات کے بارے میں بحث کرتے ہیں ذہن کا مائل ہونا ضروری ہے مگر درمیانی منزل (ریاضی) سے گزرے بغیر ایسا نہیں ہوتا کیونکہ ریاضی ان امور سے بحث کرتی ہے جو اگر مادہ سے خارجی طور پر مجرد نہ ہوں تو وہمی طور پر ان کو الگ کیا جاتا ہے اس طرح وہ ایک پل کی طرح ہوتی ہے جس کے ذریعہ علم آلہ کی طرف رسائی ہوتی ہے یہی فلسفیوں کا مقصد ہے اس کی افلاطون کے اصول جمہوریت بھی تائید کرتے ہیں یعنی ایک علم سے دوسرے علم کی طرف اور ایک فن سے دوسرے فن کی طرف تدریجی ترقی کرنا، نیز وہ عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے جو یہ فلسفی اپنے مدارس کے دروازوں پر لکھا کرتے تھے یہاں وہ شخص داخل نہیں ہوسکتا جو علم ریاضی سے آشنا نہ ہو پس اس روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلسفیوں نے جو یہ طریقہ ایجاد کیا تھا کہ الٰہیات میں غور وفکر کرنے والے کے لئے منطق و ریاضی کی تحصیل اچھی طرح کر لینی چاہیے تو اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ طالبعلم کا ذہن علم صحیح کے لئے آمادہ ہو جائے ایسا نہیں جیسا کہ غزالی نے خیال کیا کہ وہ ریاضی کے ذریعہ ایک قسم کا چکر دیکر طلبہ کو اپنے دام میں لے آتے ہیں میری نظر میں تو معاملہ صاف ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ فلسفیانہ مشکلات کی گرہ کشائی کے لئے تیار ہو تو فلسفی اس کے لئے علوم ریاضی کی شرط لگاتے ہیں اور یہ معقولات شرط ہے ہاں اگر عقائد کو فلسفہ کے غیر پیچیدہ طریقہ پر منوانا ہوتا تو اس کے لئے ریاضی کی ضرورت نہیں بلکہ صرف کتاب و سنت کی طرف توجہ کرنا کافی ہے۔

صفحہ ۲۶ سطر ۱۵: (۴) ابوالنصر فارابی (۲۶۰ھ تا ۳۳۹ھ) فارسی الاصل ہے ذیسج فاریاب ضلع خراسان میں پیدا ہوا بعض لوگ اس کا مقام ولادت شہر اطرار (ضلع ماوراء النہر) بتلاتے ہیں۔

مصحح

صفحہ ۲۶ سطر ۱۵: (۵) ابوعلی ابن سینا الملقب بہ شیخ الرئیس (۳۷۰ھ تا ۴۲۸ھ) مشہور طبیب و فلسفی تھا، صوبہ ماوراء النہر میں پیدا ہوا۔

مصحح

Marfat.com

۲۶۳ سطر ۷: (۶) معتزلہ مسلمانوں کا ایک فرقہ تھا جو اپنے آپ کو اصحاب عدل و توحید، بھی کہتا تھا پھر اس کی کئی شاخیں ہوگئیں لیکن سب کے سب بعض امور پر متفق تھے مثلاً خدا کی ذات پر زیادتی صفات کی نفی کیونکہ ان کے پاس خدا عالم بالذات قادر بالذات ہے نہ کہ بالصفات اور مثلاً کلام الٰہی حادث ہے مخلوق ہے ایک حیثیت سے یعنی حرف ''وصوت'' کی حیثیت سے وہ ظاہری آنکھ سے قیامت میں بھی نظر نہیں آسکتا وہ مخلوق سے کسی حیثیت سے بھی مشابہ نہیں ہے بندہ خالق خیر و شر ہے خدائے تعالیٰ کی طرف خیر کی نسبت تو کی جاسکتی ہے مگر شر کی نہیں خداوند حکیم بندہ کے لئے سوائے خیر اور مصلحت کے کچھ نہیں کرتا بندہ ہی شر کا خالق اور اس کا ذمہ دار ہے وغیرہ وغیرہ۔۔۔ مصحح

۲۶۴ سطر ۷: (۷) فرقہ کرامیہ ابو عبداللہ محمد بن کرام کے پیروں کا نام ہے یہ لوگ خدا کے جسم و حیز کے قائل تھے کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور اس سے جہت علیا کی طرف سے مماس ہے اور اسی قسم کے اور ہذیانات صاحب مقالات الاسلامین لکھتے ہیں یہ مرجیہ کے تیرہویں فرقے کا نام ہے جو کہتے ہیں کہ کفر نام ہے زبانی انکار خدا کا نہ کہ قلبی انکار کا وغیرہ وغیرہ

۲۶۴ سطر ۷ (۸) فرقہ واقفیہ: صاحب مقالات الاسلامین کے بیان کے موافق یہ روافض کا بائیسواں فرقہ تھا جو موسیٰ بن جعفر نامی امام کو قیامت تک زندہ اور کہیں پوشیدہ مانتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ ایک روز انکا ظہور ہوگا اور مشرق سے مغرب تک ساری روئے زمین کے وہ حاکم ہونگے موسیٰ بن عبدالرحمٰن جب ان سے مناظرہ کرتے تھے تو کہتے کہ یہ لوگ میرے نزدیک بارش سے بھیگے ہوئے کتوں کی طرح ہیں۔

مصحح

۲۶۶ سطر ۱۱: (۹) ملا جلال الدین دوانی نے افلاطون کی اس اختلافی رائے پر روشنی ڈالی ہے اور کہا ہے کہ حدوث عالم کے بارے میں جو قول نقل کیا جاتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ اس سے مراد حدوث ذاتی ہے اور میں نے فلاسفہ اسلام سے کسی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب دیکھی ہے جو اس تاریخ سے پہلے لکھی گئی ہے (یعنی تاریخ کتابت سے چار سو برس پہلے تصنیف کی گئی ہے) اور اس میں یہ مصنف افلاطون سے نقل کر کے لکھتا ہے کہ تمام فلسفی قدم عالم پر متفق ہیں سوائے ایک شخص کے اور اس کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ ارسطو کی مراد اس شخص سے افلاطون ہے پھر تو حدوث ذاتی پر اس کی رائے کو محمول کرنا ممکن نہیں۔

عبارت مذکورہ کے معنی یہ ہونگے کہ افلاطون کے سوائے تمام فلسفی قدم عالم کی رائے

Marfat.com

پر متفق ہیں صرف افلاطون ہی عالم کے حدوث ذاتی کا قائل ہے قاعدہ استثناء کے مقتضائے سے فلسفیوں کی رائے قدم ذاتی پر محمول ہوگی مگر یہ اس کے خلاف ہے پھر اس حدوث کی روایت افلاطون کی ارواح انسانی کے قدم اور بعد مجرد کے قدم کے بارے میں بھی اس کی شہرت کے خلاف ہے۔

مصحح

۲۶۹ سطر ۱۳: (۱۰) فلسفیوں کے دلائل اور ان کے ساتھ غزالی کے مناقشہ کو معلوم کرنے سے پیش تر بہتر ہے کہ اس دعوے سے واقفیت حاصل کی جائے جس کو یہ دلیل پیدا کرتی ہے متکلمین کا یہ قول مشہور ہے کہ عالم (یعنی موجودات کا وہ حصہ جو ذات وصفات خداوندی کے سوا ہو) حادث ہے'' اور فلاسفہ کے اس دعوے کی مخالفت کرتے ہیں اس حیثیت سے نہیں کہ عالم ان کے پاس قدیم ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ اس کے ایک حصہ کو وہ قدیم سمجھتے ہیں اور یہاں انکے دو مسلک ہو جاتے ہیں۔

مسلک (ا) جو اشیاء کا شمار اور ان کا حساب کرتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک خالص دلیل لاتا ہے جو اس کے قدم کو واضح کرتی ہے۔

مسلک (ب) متکلمین کے دعوے کے بطلان کے لئے یہ کافی سمجھا جاتا ہے کہ اس کی تصویر سالبیہ کلیہ کے لباس میں اسی طرح کھینچی جائے کہ کوئی چیز عالم میں سے قدیم نہیں ہے ،اور جب سلب کلی باطل ہو جائے تو اس کا نقیض ثابت ہو جائے گا جو ایجاب جزئی ہے یعنی بعض عالم قدیم ہے اور یہی مطلوب ہے۔

اور غزالی نے مذہب فلاسفہ کی تصویر کھینچنے میں مسلک ثانی ہی کو سہولت کی خاطر اختیار کیا ہے، اور اس بیان کے لئے کہ فلاسفہ کے نزدیک عالم میں کیا چیز حادث ہے اور کیا چیز قدیم ہے (اور ان کے نزدیک کیفیت نشوء وارتقائے عالم کیا ہے؟) یہ تلخیص پیش کی ہے مبدا اول کے وجود سے عقل اول نے فیضان پایا ہے اور عقل موجود قائم بالذات ہے کوئی جسم نہیں نہ کسی جسم میں منعکس ہے اپنی ذات کا علم رکھتی ہے اپنے مبدا کا علم رکھتی ہے اور اس کے وجود کے ساتھ ہی تین چیزیں لازم آتی ہیں عقل ثانی اور نفس فلک اقصیٰ اور جرم فلک اقصیٰ اور یہ اسلئے کہ وہ عقل اول ہے اپنی ذات اور مبدا کو جانتی ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن الوجود ہے اور یہ تینوں جہات مختلف ہیں اور ہر جہت سے ایک شے صادر ہوتی ہے اعلیٰ سے اعلیٰ ادنیٰ سے ادنیٰ اور عقل ثانی سے بھی تین امور اسی قسم کے لازم آتے ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا ہے اور

Marfat.com

بالآخر عقل عاشر پر منتہی ہوتا ہے جس کا نام عقل فعل بھی ہے اسی سے مادہ قابل کون وفساد فلک قمر کے مقعر میں صادر ہوتا ہے پھر یہ مادہ حرکات کو عقب کے وسیلہ مختلف قسم کے امتزاجات حاصل کرتا ہے جس سے معدنیات نباتات وحیوانات ظہور میں آتے ہیں اور اصل ان موالید ثلاثہ کی عناصر اربعہ یعنی مٹی پانی ہوا اور آگ ہیں اور عالم علوی کے مشتملات یہ ہوتے ہیں عقول عشرہ ۱۰ نفوس تسعہ ۹ افلاک تسعہ ۹ اور عالم سفلی کے مشتملات سے تو یہی مادہ ہے جو عناصر اربعہ پر منقسم ہوتا ہے پس عقول اور نفوس فلکیہ اور اجسام فلکیہ اپنے معاد اور صور جسمیہ ونوعیہ اور اشکال واضوار کے ساتھ اور عناصر اپنے مادہ کے ساتھ اور اس کی صور جسمیہ یہ سب ان کے نزدیک قدیم ہیں رہ گئیں عناصر کی صور شخصیہ اور اعراض تو یہ حادث ہیں اور عناصر کی صور نوعیہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ ان سے مادہ میں منقل ہوتی ہیں

مصحح

ص۳۲۰ سطر ۱۰ (۱۱) ارادۂ قدیم کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہ وہ جب عدم ہے دو احتمالوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(ا) ارادہ قدیم عالم کے عدم سے متعلق ہوا، بعد اسکے کہ نہیں ہوا تھا تو یہ بات حالت قدیم میں تغیر کی طرف مودی ہوتی ہے۔

(ب) ارادہ قدیم ازل ہی سے ایسے وقت سے متعلق تھا جبکہ وہ معدوم تھا اور تغیر حالت قدیم میں لازم نہیں ہورہا تھا اوریہی وہی احتمال ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے (کہ وہ اس حالت کی طرف مودی ہوگا) پھر اس حالت میں انقلاب ہوا تو فلاسفہ نے مسئلہ اولیٰ میں جو استدلال کیا ہے کہ وجود حادث کا صدور قدیم سے محال ہے وہی استدلال عدم حادث کا صدور قدیم سے محال ہونے پر بھی ہوتا ہے اس عبادت میں ایک قسم کی کمزوری ہے جو ظاہر ہے۔

مصحح

۳۲۲ سطر ۳ (۱۲) یعنی جب معلول اول کی عقل اس کے نفس کی ذات کے سوا.........

ہوتو دو محال لازم ہونگے ایک محال اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ ہے کثرت کا اس کی ذات میں پایا جانا دوسرا محال معلول کے بارے میں اور وہ ترجیح وتخمین ہوگی باوجودیکہ فلاسفہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

مصحح

۳۲۳ سطر ۱۶ (۱۳) ابتداء مسئلہ سے یہاں تک مذہب فلسفیوں کا بتلایا گیا ہے تو پھر امام

Marfat.com

صاحب کی کتاب مقاصد الفلاسفہ کی بھلا کیا قیمت رہ جاتی ہے جس کے مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں بعد حمد وصلوۃ کے واضح ہو کہ میں یہاں فلسفیوں کے لغو باتوں کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہوں اور ان کے آراء کا تناقض اور ان کے مکر و حیل کی حقیقت کو واضح کرنا چاہتا ہوں مگر یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ ناظر کو اس کے خیالات و معتقدات پر پہلے آگاہی ہو جائے کیونکہ فساد مذہب کی اطلاع بغیر اس کے اصولوں پر وقوف کے محال ہے بلکہ وہ اندھیرے میں نشانہ اندازی کے برابر ہے، اس لئے میں انکی لغویات کی پردہ دری کرنے سے پہلے تھوڑا سا بیان ان کے مقاصد نظری کے متعلق (جو مقتبس ہوگا ان کے علوم منطقی و طبیعی والٰہی سے) پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ناظرین خود حق و باطل کا تصفیہ کر لیں یہاں صرف ان کی غایت کلام کی ایک مختصر سی تفہیم کر دیتا ہوں ان ان حشو و زوائد کو ترک کر کے جو خارج عن المقصد ہیں میں بر سبیل نقل و روایت کا کلام مع دلائل پیش کر دینا چاہتا ہوں............الخ)۔

میں کہتا ہوں کہ جب غزالی رحمہ اللہ نے ایک کتاب ہی خاص مذہب فلسفہ کے بیان میں اس کے شافی رد کے ساتھ لکھدی تھی تو یہاں ان کے مذہب کی ترجمانی اس طویل سے ان کا کیا منشاء تھا؟ ہمارے خیال میں جو چیز کے غزالی کو کتاب مقاصد الفلاسفہ لکھنے پر داعی ہوئی وہ صرف وہی نہیں ہے جس کا انھوں نے اس کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے بلکہ اس کے علاوہ ایک دوسری ہی شے ہے، ان کا وہ بیان غور طلب ہے جو انھوں نے ایک کتاب کا (جو مذہب باطنیہ کے رد میں لکھی گئی ہے) سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے، میں نے ان کی کتابیں حاصل کرنا شروع کیں ان کے مقالے جمع کرنا شروع کیے مجھے بعض ان کے نئے خیالات بھی ملے جو ہمارے ہمعصر لوگوں کی ذہنی کاوش کا نتیجہ تھے اور جو ان کے سلف کے طریق و اصول پر مبنی تھے پس میں نے ان خیالات کو جمع کرنا شروع کیا اور انھیں ایک باقاعدہ ترتیب کے ساتھ لکھتا گیا، ان کے بالمقابل تحقیق و تسلیم شدہ خیالات بھی درج کرتا گیا اس کے ساتھ ساتھ ان کا جواب بھی لکھتا گیا اس پر اہل حق بگڑ بیٹھے کہ میں نے ان کے دلائل و بیانات کو واضح کر کے بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ اس سے تو اس کے مذہب کی تائید ہونے لگتی ہے اور جن دواؤں پیچ سے مخالف پہلوان ناواقف تھا اسے گویا اس کو واقف کرایا گیا ہے کہا گیا کہ تمہاری اتنی تحقیق اور ان کی طرف سے اتنی صاف صاف ترجمانی خود ان کے حق میں تائید کا پہلو بن رہی ہے ایک اعتبار سے میں ان کے بگڑنے کو درست سمجھتا ہوں، جیسا کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی حارث المحاسبی رحمہ اللہ پر خفا ہوئے تھے جبکہ آخر الذکر کی کتاب (رد معتزلہ) میں ان کے آگے پیش کی

Marfat.com

گئی اور واضح کیا گیا کہ بدعتیوں کا رد تو فرض ہے احمد نے جواب دیا کہ تم نے پہلے تو ان کے شبہ کو نقل کیا پھر اس کا جواب دیا کیا تمہیں اس امر پر اطمینان حاصل ہو چکا ہے کہ ناظر کا دماغ پہلے شبہ ہی کے دام میں گرفتار نہیں ہو جائے گا اور آپ کے جواب کی طرف التفات بھی نہ کرے گا اور اس کی پیچیدگی اس پر واضح نہ ہو سکے گی۔

پھر غزالی لکھتے ہیں جو بھی احمد نے جواب دیا وہ ٹھیک ہے مگر اسی وقت تک جب کہ شبہ منتشر نہ ہوا ہو مگر جب شبہ منتشر و مشہور ہو چکا ہو تو اس کا جواب دینا بھی واجب ہو گیا اور جواب اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خود مخالف کے مذہب کو صاف طور پر نہ بتلایا جائے ہاں البتہ شبہ کے بتلانے میں تکلف نہ کرنا چاہیے اور میں بھی یہاں تکلف نہ کروں گا ان شبہات کو میرے ایک ملاقاتی نے بیان کیا تھا جو انہی مخالف عقیدہ لوگوں کی جماعت سے اپنا تعلق پیدا کر لیا تھا اس نے مجھ سے بیان کیا کہ ہمارے لوگ آپ حضرات کی ان تصانیف پر جو ہماری رد میں لکھی جاتی ہیں ہنستے ہیں کہ خود تو ہمارے خیالات کو سمجھ نہ سکے اور گئے تردید کرنے اس لئے میں نے پسند نہیں کیا کہ ان کی اصل حجت سے غافل رہ کر جواب دوں اسلئے میں نے ان کو یہاں کامل طور پر نقل کر دیا ہے تا کہ میرے متعلق یہ گمان نہ ہو کہ میں نے ان خیالات کو سنا تو ہے مگر سمجھا نہیں اس لئے بھی میں نے انھیں صاف طور پر لکھ دیا اور تا بحد امکان ان کے خیالات کی غایت معلوم کر لی پھر دلائل قاطعہ سے ان کے فساد کو واضح کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔

پس جس اصول پر کہ غزالی مذہب باطنیہ کے خیالات کو تردید سے پہلے درج کرتے رہے ہے اسی اصول پر فلسفیوں کے خیالات کی بھی انھوں نے ترجمانی کی اس طریقہ سے نہیں جیسا کہ انھوں نے مقاصد الفلاسفہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کیونکہ غزالی اچھی طرح جانتے تھے کہ ان سے پہلے متکلمین فلسفیوں کی رد میں کامیاب نہیں ہوئے تھے کیونکہ وہ ان کے مذہب ہی کو پوری طرح پر سمجھے نہ تھے سنیے جو غزالی کہتے ہیں؟ متکلمین کی کتابوں میں ان کے (یعنی فلسفیوں) کے بیانات میں سے کچھ بھی نہ تھا باوجودیکہ وہ ان کی تردید برابر کیے جا رہے تھے ہاں یہاں کچھ مبہم اور مسخ شدہ بیانات ضرور تھے جن کا تناقض و فساد بالکل ظاہر تھا جن کو ایک جاہل عامی بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ فلسفیوں کی طرح ذقیقہ رس افراد اس لئے میں نے مناسب سمجھا کے ان کے بیان میں رد سے پہلے ان کے خیالات کی کنہ تک پہنچ جاؤں اور ان کی ناظر کو بھی اطلاع کر دوں ورنہ بلا سمجھے بوجھے لڑنا اندھوں کی طرح لاٹھی چلانا ہے اور عجیب بات ہے کہ غزالی اس کتاب میں بہت سے چیزیں بلا جواب تشنہ چھوڑ دیتے ہیں اور بعض وقت تو ان

Marfat.com

چیزوں کو پیش کرتے ہیں جو انکے اور فلسفیوں کے مابین مختلف فیہ نہیں ہیں ان کے مسائل منطق تو پیش کرتے ہیں مگر ان میں سے کسی کی شافی تردید نہیں کرتے مسائل طبیعیہ تو ہیں مگر ان میں سے صرف چند کی تردید کرتے ہیں پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ کسی دوسری چیز کا محتاج ہے لہذا اس کتاب کی تصنیف سے ان کی دوسری ہی غرض تھی جو انھوں نے اس کتاب کی تمہید میں لکھی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے واضح کر دیا ہے۔

صفحہ ۲۵۴ سطر ۱۰ (۱۴) یہ جو اعتراض امام غزالیؒ نے قدیم فلسفیوں پر کیا ہے اسی قسم کا اعتراض موجودہ زمانہ کے فلسفیوں پر بھی کیا جا سکتا ہے جو اپنی عقل سے ماوراء طبیعی حقائق کو سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عجیب وغریب قسم کے دعوے کرنے لگتے ہیں۔ شوپنہور کا قول ہے کہ مشیت ایزدی اندھی ہے جو کچھ اس سے صادر ہو رہا ہے وہ عقل وتمیز سے نہیں ہو رہا ہے۔ ہکسلے مدعی ہے کہ کائنات کی موجودہ تشکیل مادہ کی اضطراری حرکت سے آغاز ہوئی ہے ایک اور فلسفی کہتا ہے کہ کائنات کی یہ تنظیم کروڑوں سال مادہ کی غیر معقول حرکات کا نتیجہ ہے۔ جیسے کوئی بندر کروڑوں سال ٹائپ کی مشین پر انگلیاں مارتے رہے تو ممکن ہے کہ ایک شکسپیر کا ڈرامہ مرتب ہو جائے۔ (مترجم)

صفحہ ۲۵۹ سطر ۸ (۱۵) یعنی جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ جب واجب اپنے غیر سے اپنے وجود و جوہر اور اپنے غیر کے لئے علت ہونے میں مشارکت کرے گا تو جب یہ مشارکت مقومات ماہیئت میں نہ ہو تو واجب کو وحدت سے خارج بھی نہ کرے گی۔

مصحح

صہ ۳۶۱ سطر ۱۳ (۱۶) شاید مصنف کا اشارہ انکے اس قول کی طرف ہے کہ جو جنس میں اپنے غیر سے مشارکت رکھتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس سے فصل میں مباینت رکھے۔

صہ ۴۱۳ سطر ۱۹ (۱۷) یعنی اگر کوئی شے ممکن الوجود ہو جیسے کتاب کا گھوڑا بن جانا اور ہم سے غائب بھی ہو تو اس سے حیرت زدہ ہو جائیں گے اور سمجھ بھی نہ سکیں گے کہ یہ واقعہ ہوا بھی یا نہیں اسی صورت میں یہ محالات لازم ہونگے لیکن اگر امکان میں ہو کہ ہم کو اس بات کا علم ہو جائے کہ یہ انقلاب (باوجود اس کے امکان کے) غیر واقع ہے تو یہ محالات لازم نہیں ہونگے اور امکان ہے کہ یہ علم ہم کو ان دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے حاصل ہو۔

(۱) خدائے تعالیٰ ابتدا اس میں اس انقلاب کی عدم حصول کا علم پیدا کرے تو ہم فیصلہ کریں گے کہ وہ باوجود اپنے امکان کے غیر واقع ہے اس علم کے مقتضا پر جو خدائے تعالیٰ

Marfat.com

نے ہمارے اندر پیدا کیا ہے (ب) اس انقلاب کے عدم حصول پر عادت کا جاری رہنا ہمارے ذہنوں میں (باوجود اس کے امکان کے) اس کے عدم وقوع کے علم کو راسخ کر دیتا ہے...... یہ حل غزالی کی نظر میں کافی ہے کہ ہم اسی طریقہ پر عالم طبیعی کے متعلق علم حاصل ہوتا ہے باوجود ان مفروضات کے عقلی طور پر امکان کے بعد کے متکلمین نے بھی غزالی ہی کے اصول کی پیروی کی ہے عضد الدین ایجی اور سید شریف جرجانی اپنے کتابوں مواقف اور شرح مواقف میں لکھتے ہیں علم ایک ایسی صفت ہے جو اپنے محل کے لئے موافق کے درمیان اس تمیز کو واجب کرتی ہے جو نقیض کلی کی متحمل نہیں ہوتی اور علوم عادیہ کو انھوں نے محتمل نقیض بتلایا ہے جواب یہ ہے کہ احتمال نقیض دو قسم کا ہوتا ہے!

(ا) وہ نوع جو امکان ذاتی کی طرف ممکنات کے لئے ثابت شدہ امور کو راجع کرتی ہے ان کی علوم سے کوئی نزاع نہیں ہوتی۔

(ب) وہ نوع جو اس طرف رجوع ہوتی ہے کہ اس کے متعلق تمیز محتمل ہوتا ہے کیونکہ اس میں ممیز کا یا نقیض فی الحال کے تعلق سے فیصلہ کرتے ہیں جیسا کہ ظن میں یا نقیض فی المآل کے تعلق سے جیسا کہ جہل مرکب اور تقلید میں اور منشا اس کا ہے ضعف اس تمیز کا یا عدم جزم کی وجہ سے یا عدم مطابقت کی وجہ سے یا موجب کی طرف عدم استناد کی وجہ سے اور علم کی تعریف میں یہ چیز منفی ہے سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ زمانے کے فلاسفہ جو نظریہ سببیت کے الغاء میں متکلمین کے ساتھ موافق ہیں اس حل سے مطمئن ہیں جس سے کہ متکلمین مطمئن ہیں جواب یہ ہے کہ نہیں۔

صحیح

صفحہ ۴۵۵ سطر ۲ (۱۸) غزالی نے فلاسفہ کے لیے جو عقائد ذکر کیے ہیں وہ تمام فلاسفہ کے نہیں ظاہر ہے کہ یہ فلاسفہ اسلام ہی کے عقائد ہونگے کیونکہ قرآن حکیم اور حدیث شریف سے استناد واضح کرتا ہے کہ وہ فلاسفہ اسلام ہی کے عقائد ہیں لیکن مشہور اور اہم ترین فلاسفہ اسلام جن کے متبعین کثرت سے ملتے ہیں وہ اس قسم کے عقائد نہیں رکھتے تھے جیسے بوعلی ابن سینا اور فارابی اول الذکر کی رائے ان کی کتاب نجات کے ایک اقتباس سے معلوم کی جاسکتی ہے جو درج ذیل ہے معاد کے بارے میں تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی لذائذ اور اس کے آلام دو قسم کے ہیں ایک وہ ہے جو بعث ونشر کے بعد جسم پر ہونگے جن کی تصدیق ہماری شریعت حقہ نے وحی کے ذریعہ کی ہے جو ہمارے نبی ﷺ پر اتری ہے ان کی دوسری قسم وہ ہے جو عقل وقیاس سے استدلالی طور پر معلوم کی جاتی ہے اور نبوت نے اس کی بھی تصدیق کی ہے حکماء الٰہیین کا میلان

آخری قسم کے معاد ہی پر ہے یعنی وہ صرف روحانی لذات و آلام ہی کو کافی سمجھتے ہیں اسی سے ان کے نزدیک انسانی سعادت وشقاوت کا نتیجہ حاصل ہو جاتا ہے......... غرضکہ ابن سینا نے تفصیلی طور پر حکماء کی رائے پیش کر دی ہے اور شریعت اور حکماء کی رائے پر کوئی محاکمہ نہیں کیا ہے لیکن اسکے اس قول سے کہ شریعت کے بتلائے ہوئے امور وحی کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں اسکو معاد جسمانی کا منکر نہیں کہا جا سکتا گو اس معاملہ میں اس کی رائے مضطرب ہے رہا فارابی تو اسکے متعلق بعض متکلمین نے خود اقرار کیا ہے کہ وہ بعث ونشر جسمانی کا قائل تھے جیسے کہ مواقف جلد (۸ صفحہ ۲۹۷) کے حاشیہ پر فناوی سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معاد کے قائل تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو صرف روح کے بقاء کے قائل ہیں دوسرے وہ جو اس جسم کے ساتھ روح کے اعادہ کے قائل ہیں تیسرے وہ جو کسی دوسرے جسم کے ساتھ بغیر اعادہ جسم اول آخری طبقہ میں قابل ذکر غزالی وفارابی ہیں:۔۔۔

فقط : مصحح

Marfat.com

خواتین کے لئے دلچسپ معلوماتی اور مستند اسلامی کتب

تحفہ زوجین			حضرت تھانویؒ
بہشتی زیور	اردو	انگریزی	〃
اصلاح خواتین			〃
اسلامی شادی			〃
پردہ اور حقوق زوجین			〃
اسلام کا نظام عفت و عصمت	〃	〃	مفتی ظفیر الدین
حیلۂ ناجزہ یعنی عورتوں کا حق تنسیخ نکاح			حضرت تھانویؒ
خواتین کے لئے شرعی احکام	〃	〃	اہلیہ ظریف تھانوی
سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات	〃	〃	سید سلیمان ندوی
چھ گناہ گار عورتیں	〃	〃	مفتی عبد الرؤف صاحب
خواتین کا حج	〃	〃	〃
خواتین کا طریقہ نماز	〃	〃	〃
ازواج مطہرات			ڈاکٹر حقانی میاں
ازواج الانبیاء			احمد خلیل جمعہ
ازواج صحابہ کرام			عبد العزیز شناوی
پیارے نبی کی پیاری صاحبزادیاں			ڈاکٹر حقانی میاں
نیک بیبیاں			حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین			احمد خلیل جمعہ
دور نبوت کی برگزیدہ خواتین			〃
دور تابعین کی نامور خواتین			〃
تحفہ خواتین	〃	〃	مولانا عاشق الٰہی بلند شہری
مسلم خواتین کے لئے بیس سبق	〃	〃	〃
زبان کی حفاظت			〃
شرعی پردہ			〃
میاں بیوی کے حقوق	〃	〃	مفتی عبد الغنی صاحب
مسلمان بیوی			مولانا ادریس صاحب
خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق			حکیم طارق محمود
خواتین اسلام کا مثالی کردار			نذیر محمد مکتبی
خواتین کی دلچسپ معلومات و نصائح			قاسم عاشور
امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں خواتین کی ذمہ داریاں			نذیر محمد مکتبی
قصص الانبیاء	مستند ترین	〃	امام ابن کثیرؒ
اعمال قرآنی	عملیات و وظائف	〃	مولانا اشرف علی تھانویؒ
آئینہ عملیات	〃	〃	صوفی عزیز الرحمٰن
اسلامی وظائف	قرآن و حدیث سے ماخوذ وظائف کا مجموعہ		

ملنے کا پتہ: دار الاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی فون: ۲۶۳۱۸۶۱ - ۲۲۱۳۷۶۸

Marfat.com

معیاری اور ارزاں

مکتبہ دار الاشاعت کراچی کی مطبوعہ چند درسی کتب و شروحات

تسہیل الضروری مسائل القدوری عربی مجلد یکجا		حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی البرنیؒ
تعلیم الاسلام مع اضافہ جوامع الکلم کامل مجلد		حضرت مفتی کفایت اللہؒ
تاریخ اسلام مع جوامع الکلم		مولانا محمد میاں صاحبؒ
آسان نماز مع چالیس مسنون دعائیں		مولانا مفتی محمد عاشق الٰہیؒ
سیرت خاتم الانبیاء		حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ
سیرت الرسول		حضرت شاہ ولی اللہؒ
رحمت عالم		مولانا سید سلیمان ندویؒ
سیرت خلفائے راشدین		مولانا عبدالشکور فاروقیؒ
مدلل بہشتی زیور مجلد اوّل، دوم، سوم	(کمپیوٹر کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
بہشتی گوہر	(کمپیوٹر کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
تعلیم الدین	(کمپیوٹر کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
مسائل بہشتی زیور	(کمپیوٹر کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
احسن القواعد		
ریاض الصالحین عربی مجلد مکمل		امام نوویؒ
اسوۂ صحابیات مع سیر الصحابیات		مولانا عبدالسلام انصاری
قصص النبیین اردو مکمل مجلد		حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
شرح اربعین نوویؒ اردو		ترجمہ و شرح مولانا مفتی عاشق الٰہیؒ
تفہیم المنطق		ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ
مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف ۵ جلد اعلیٰ	(کمپیوٹر کتابت)	مولانا عبداللہ جاوید غازی پوریؒ
تنظیم الاشتات شرح مشکوٰۃ اوّل، دوم، سوم یکجا		
الصبح النوری شرح قدوری	(کمپیوٹر کتابت)	مولانا محمد حنیف گنگوہی
معدن الحقائق شرح کنز الدقائق		مولانا محمد حنیف گنگوہی
ظفر المحصلین مع قرۃ العیون (حالات مصنفین درس نظامی)		مولانا محمد حنیف گنگوہی
تحفۃ الادب شرح نفحۃ العرب		مولانا محمد حنیف گنگوہی
نیل الامانی شرح مختصر المعانی		مولانا محمد حنیف گنگوہی
تسہیل جدید عین الہدایہ مع عنوانات پیراگرافنگ	(کمپیوٹر کتابت)	مولانا انوار الحق قاسمی مدظلہ

ناشر:- دار الاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۱۸۶۱-۲۲۱۳۷۶۸-(۰۲۱)

Marfat.com

دعوت و تبلیغ اور مطالعہ کے لیے مستند کتب

حیاۃ الصحابہ	۳ جلد اردو ترجمہ	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مولانا محمد احسان صاحب
حیاۃ الصحابہ	۳ جلد انگریزی	
فضائل اعمال	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل اعمال	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل صدقات مع فضائل حج	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل صدقات	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل نماز		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل قرآن		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل رمضان		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل حج		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل تبلیغ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل ذکر		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
حکایات صحابہ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
شمائل ترمذی		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
منتخب احادیث	اردو	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مترجم مولانا محمد سعد مدظلہ
منتخب احادیث	انگریزی	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مترجم مولانا محمد سعد مدظلہ

ناشر: دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ [illegible]

Marfat.com

حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، آپ وقت کے امام و پیشوا تھے، لوگ آپ کی اتباع اور آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ علامہ اسماعیل حضرمی یمنی نے امام غزالیؒ کو سید المصنّفین قرار دیا ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی عمر تصنیف، تالیف، درس و تدریس اور طالبانِ حق و سالکان طریقت کی تربیت میں گزاری، تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سی یادگار تصانیف چھوڑی ہیں ان میں کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جن کا اردو مین ترجمہ ہوا۔ جن میں بالخصوص احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کا ترجمہ (اکسیر ہدایت) ہے۔

لیکن کچھ تراجم حالات کی وجہ سے ناپید ہوتے جا رہے تھے، ضرورت تھی کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو محفوظ کر کے یکجا جمع کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء اور سالکین پھرتے ہیں۔

زیرِ نظر ۶۱ رسائل بنام ''مجموعہ رسائل امام غزالیؒ'' سے اس کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

www.darulishaat.com.pk

E-mail : sales@darulishaat.com.pk
ishaat@cyber.net.pk
ishaat@pk.netsolir.com

DIU-04207